مفکرِ اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی
کے فکر انگیز خطبات کا مجموعہ

خطباتِ علی میاں رحمۃ اللہ علیہ

جمع و ترتیب

مولوی محمد رمضان میاں صاحب

جامعہ علوم اسلامیہ بنوری ٹاؤن۔ کراچی

دار الاشاعت
اردو بازار ○ ایم۔اے جناح روڈ ○ کراچی ۱

مفکرِ اسلام حضرت مولانا سید ابو الحسن علی ندوی
کے فکر انگیز خطبات کا مجموعہ

خطباتِ علی میاں رحمۃ اللہ علیہ

جلد اوّل

تعلیم و تعلّم

جمع و ترتیب :
مولوی محمد رمضان میاں صاحب
جامعہ علوم اسلامیہ بنوری ٹاؤن ۔ کراچی

دار الاشاعت
اردو بازار ایم اے جناح روڈ
کراچی پاکستان 2213768

عرض ناشر

بحمداللہ دارالاشاعت کراچی کو اسلامی موضوعات میں مستند ترین علماء کی کتب شائع کرنے کا اعزاز حاصل ہے اللہ تعالیٰ محض اپنے فضل سے شرف قبول سے نوازیں آمین۔

مفکرِ اسلام مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ کے بازے میں اپنے بزرگوں کی زبانی کان میں انکے علمی، تحقیقی، تصنیفی کارنامے سن سن کر جو نقشہ دل و دماغ میں بنا جیسا ایک محسن و مربی کا ہوتا ہے۔ افسوس کہ کبھی زیارت کا شرف حاصل نہ ہو سکا۔ جامعہ بنوریہ کے ایک فاضل نے حضرت مدظلہم کے خطبات جمع کر کے انہیں کتابی شکل دی اور احقر سے برائے اشاعت رابطہ کیا تو فوری طور پر امت کے اس محسن کے خطبات شائع کرنے کا ارادہ کر لیا۔

ان صاحب سے بحمداللہ تحریری طور پر اجازت حاصل کر کے اسے شائع کیا جارہا ہے۔ امید ہے علماء، اساتذہ، طلباء اور عام مسلمانوں کے لئے یہ خطبات راہنما ثابت ہونگے۔

تمام قارئین سے درخواست ہے کہ ناشر مع اہل خانہ اور کارکنان دارالاشاعت کو اپنی دعاؤں میں یاد رکھیں۔

والسلام

ناشر

نطق کو سو ناز ہے تیرے لب اعجاز پر
محو حیرت ہے ثریا رفعت پرواز پر

فہرست مضامین

عنوان	صفحہ
انتساب	۱۷
تعلیم وتعلم	۱۸
ابتدائیہ	۱۹
عرضِ مرتب	۲۱
صاحبِ خطبات کی مختصر سوانحِ حیات	۲۹
(۱) **طالبانِ علومِ نبوت کا مقام اور ان کی ذمہ داریاں**	۴۳
مدرسہ کیا ہے. مدرسہ کی ذمہ داری اور گراں باری	۴۴
طلبہ اور فضلائے مدارس کی ذمہ داریاں	۴۶
طلباء وفضلاء کا امتیاز	۴۷
کیفیاتِ باطنی	۴۸
مدارس کا باطنی انحطاط	۴۹
انقلاب انگیز شخصیتیں	۴۹
مدارس کی افسردہ فضا	۵۰
دنیا کا امام تقلید وپیروی کے مقام پر	۵۱
طلبہ علوم دینیہ میں احساس کمتری کیوں؟	۵۲
خودشناسی وخودداری	۵۲
زندگی کی آبرو خودداروں کے دم سے قائم ہے	۵۴

عنوان	صفحہ
یہ راستہ معاشی حوصلہ مندیوں کا نہیں	۵۶
زمانہ کی بے بضاعتی وتشنہ لبی	۵۷
اصل متاع علوم انبیاء	۵۸
علوم اسلامیہ کا زندگی سے ربط وتعلق اور اس کے لئے ہمارے اسلاف کی کوششیں	۵۹
زندگی کی رفاقت اور زمانہ کے تقاضوں کی تکمیل	۶۴
نصاب تعلیم کے تغیرات	۶۵
دین کی نمائندگی کے لئے متنوع صلاحیتوں کی ضرورت	۶۵
نئی تحریکوں سے گہری اور ناقدانہ واقفیت کی ضرورت	۶۶
نئے مطالعہ کی مشکلات وذمہ داریاں	۶۶
ملک کی زبان وادب سے ربط وتعلق	۶۷
عربی زبان پر قدرت	۷۰
عقائد صحیحہ کی حفاظت	۷۱
نئے دور کے فتنے	۷۳
دور جدید کی ذمہ داریاں	۷۴
(۲) ایک آزاد ملک میں علماء کی ذمہ داری اور ان کی مطلوبہ صفات	۷۵
علماء اپنا احتساب کریں	۷۸
چند خطروں کی نشاندہی	۷۹

عنوان	صفحہ
عوام الناس کے ساتھ علماء کا ربط	۸۲
علماء کی زندگی ممتاز ہو	۸۳
ایک واقعہ	۸۳
تعصبات سے گریز کریں	۸۶
(۳) یہ دین زندہ ہے اور زندوں سے قائم ہے	۸۸
دین کو زندہ اشخاص کی ضرورت ہے	۸۸
فیض مردوں سے بھی حاصل ہو سکتا ہے مگر رہنمائی زندوں ہی سے حاصل ہوتی ہے	۸۹
دین تازہ ہوتا رہے گا	۹۰
پاکستان کی سب سے بڑی ضرورت	۹۲
ہر شہر میں متبحر آدمی ہونے چاہئیں	۹۴
خلا پر کرنے کیلئے جانفشانیوں کی ضرورت	۹۵
(۴) دین وعلم کا دائمی رشتہ	۹۹
اسلام اور علم کا رابطہ	۹۹
پہلی وحی میں علم وقلم کا تذکرہ	۱۰۰
تعلیم وتعلم کی ضرورت اور اس کا مقام	۱۰۱
حفاظت قرآن کا مفہوم	۱۰۲
فضلائے مدارس کا فرض	۱۰۳

عنوان	صفحہ
عوام کی ذمہ داری	۱۰۴
سرکاری اسکولوں میں پڑھنے والے بچوں کیلئے دینی تعلیم کا انتظام	۱۰۵
(۵) دعوتِ ایمان اور پیام انسانیت	۱۰۸
دعوت کی خاصیت	۱۰۸
صفات میں تغیر پیدا کیجئے	۱۰۹
داعی کے سامنے کوئی رکاوٹ باقی نہیں رہتی	۱۱۱
ہندوستان میں ہمیں کس طرح رہنا چاہئے	۱۱۴
طفلانہ ذہنیت	۱۱۶
(۶) دعوت کا کام ہی امت مسلمہ کی اصل قدر و قیمت ہے	۱۱۸
(۷) مدارس و مکاتب سانس کا حکم رکھتے ہیں	۱۲۶
شاہ ولی اللہ کا مسلک و مزاج	۱۲۶
ان بزرگان دین نے ملت کو کیا دیا	۱۳۰
معاملہ جہنم سے بچانے کا ہے	۱۳۱
(۸) مدارس دینیہ کی ضرورت اور علوم دینیہ میں اخلاص و اختصاص کی اہمیت	۱۳۴
کسی فن میں امتیاز پیدا کریں	۱۳۶
اخلاص و اختصاص کی ضرورت	۱۳۷
اپنی شناخت کروائیں	۱۳۸

عنوان	صفحہ
جگہ جگہ مدارس ومکاتب قائم کرنے کی ضرورت	۱۴۳
دین کی قدر کریں	۱۴۴
مدارس دینیہ کے وجود کو غنیمت جانیں	۱۴۵
(۹) علماء ربانی ان کا منصب اور ان کے کام کی نوعیت	۱۴۷
علماء انبیاء کے جانشین ہیں	۱۴۷
شرک کیا ہے؟	۱۴۸
جاہلیت کی علامت	۱۴۹
بدعت کیا ہے؟	۱۵۹
(۱۰) علماء کا مقام اور اہل علم کی ذمہ داریاں	۱۶۹
علم کا مقام اور اہل علم کی ذمہ داریاں	۱۶۹
علم کی قسمت قلم سے وابستہ ہے	۱۷۰
اللہ کی طرف سے پہلی وحی	۱۷۱
علم کی ابتداء اسم رب سے ہونا چاہئے	۱۷۲
(۱۱) علومِ دینیہ کے طلبہ وفضلاء کی کامیابی کی تین لازوال شرطیں	۱۸۰
مفتی محمد شفیعؒ صاحبؒ اور پاکستان کے علماء کبار کی یاد	۱۸۰
انقلاب زمانہ کا شکوہ	۱۸۱
سننِ الٰہیہ ناقابل تبدیل ہیں	۱۸۳

عنوان	صفحہ
نافعیت کا احترام واعتراف	۱۸۴
نافع کی تلاش وطلب	۱۸۵
نافعیت کی قوت تسخیر	۱۸۶
استغناء وبے غرضی کی طاقت وتاثیر	۱۸۸
کسب کمال کن کہ عزیز جہاں شوی	۱۸۹
(۱۲) جو علم خدا کے نام کے بغیر ہو وہ انسانیت کی تباہی کا سبب بنے گا	۱۹۱
آپ ﷺ کو پہلا پیغام الٰہی	۱۹۱
ہمارا خالق ہم سے کیا چاہتا ہے؟	۱۹۳
ہمارا اور آپ کا بنیادی کام	۱۹۶
(۱۳) انسانیت کے زوال کا سبب علم سے اللہ کے نام کا جدا ہونا	۱۹۷
(۱۴) موجودہ دور کے بے چین ذہنوں کو مطمئن کرنا علماء کی سب سے بڑی ذمہ داری	۲۰۴
تاریخ کی حیثیت	۲۰۴
(۱۵) دل بدل جائیں گے تعلیم بدل جانے سے	۲۱۴
(۱۶) صنعتی وسائنسی علوم کی تعلیم، افادیت واہمیت	۲۲۴

عنوان	صفحہ
قرآن مجید میں صنعت کا ذکر	۲۲۴
(۱۷) اکوڑہ خٹک میں حضرت سید احمد شہیدؒ کے جہاد اور شہداء کا خون دار العلوم حقانیہ کی شکل میں رنگ لایا	۲۳۲
عبادت کی مشقت	۲۳۲
اسلام ہند میں	۲۳۳
جہاد کی تین شرطیں	۲۳۵
خونِ شہیداں ضائع نہیں ہوتا	۲۳۷
دار العلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک کی ضرورت	۲۳۸
(۱۸) عہدِ حاضر کا چیلنج اور امتِ محمدیہ کے فرائض	۲۴۲
عصر جدید کا چیلنج	۲۴۳
مشرقی اور مغربی کیمپ کا واحد نقطۂ نظر	۲۴۴
سب سے بڑا چیلنج مادیت	۲۴۵
وہ حقائق جو مادیت پر ضرب کاری لگاتے ہیں	۲۴۶
بازیچۂ اطفال ہے دنیا مرے آگے	۲۴۷
خواب تھا جو کچھ دیکھا	۲۴۷
جگہ دل لگانے کی دنیا نہیں ہے	۲۴۸
مادیت کے راکب یا مرکب	۲۴۹
قناعت کا جوہر	۲۵۱
حکمت سے مراد اخلاق	۲۵۳

عنوان	صفحہ
تزکیہ کے بغیر تعلیم کتاب وحکمت ناقص	۲۵۴
چند بوریہ نشینوں کی ضرورت	۲۵۵
اس خلا کو کوئی چیز پر نہیں کرسکتی	۲۵۶
(۱۹) زبردست چیلنج اور دوررس نتائج کے حامل	۲۵۸
تاریخ کے خطرات	۲۵۹
(۲۰) عصر حاضر کا جدید چیلنج اور اہل مدارس کی ذمہ داریاں	۲۶۳
ملت اسلامیہ کے علماء حق کا کارنامہ	۲۶۴
مولانا رحمت اللہ کیرانوی کا کارنامہ	۲۶۶
یہودی پلاننگ	۲۶۸
عربی زبان پر عبور حاصل کرنے کی اشد ضرورت	۲۷۰
دوسرا کارنامہ	۲۷۱
(۲۱) عالم اسلام کا سب سے اہم مسئلہ	۲۷۳
پشت پناہ طاقت	۲۷۸
(۲۲) ملت کا تحفظ تحریک نفاذ شریعت اور غلبۂ اسلام	۲۸۲
(۲۳) زمانہ جس زبان کو سمجھتا ہے وہ نفع اور زندگی کے استحقاق کی زبان ہے	۲۹۸
میرا قدیم اور عمیق تعلق	۲۹۹
کہنے کی باتیں	۳۰۰
دو فریق	۳۰۰

عنوان	صفحہ
زمانہ تیزی کے ساتھ بدل رہا ہے	۳۰۱
مذہب کوئی عجائب خانہ اور میوزیم نہیں ہے	۳۰۱
یہ پوزیشن کوئی زندہ اور صاحب دعوت قوم قبول نہیں کر سکتی	۳۰۲
عربی مدارس آثار قدیمہ کے طور پر	۳۰۳
محض قدامت اور تاریخ کے سہارا پر کوئی ادارہ زندہ نہیں رہ سکتا	۳۰۵
بقاء انفع کا بے لاگ قانون	۳۰۵
زمانہ جس زبان کو سمجھتا ہے وہ نفع اور زندگی کے استحقاق کی زبان ہے	۳۰۶
آپ ایک اہم محاذ پر تعینات ہیں	۳۰۸
حضرت مولانا محمد علی مونگیریؒ کی فراست وبصیرت	۳۰۹
ندوۃ العلماء کی تحریک دینی بصیرت کا نقطۂ عروج ہے	۳۰۹
کرنے کے دو کام	۳۱۰
طب یونانی کو اس لئے زوال ہوا کہ باکمال لوگ ختم ہو گئے	۳۱۱
مدارس کا بھی یہی حال ہے	۳۱۳
اصل مسئلہ محنت کا ہے	۳۱۴
اصل بات	۳۱۵
دینی صلاحیت پیدا کیجئے	۳۱۶
خارج کے دو کام	۳۱۷
میری درخواست	۳۲۰
رحم کی اپیل پر کوئی قوم زندہ نہیں رہ سکتی	۳۲۰
(۲۴) زبان ادب کی اہمیت اور اس کی ضرورت	۳۲۲
(۲۵) اپنے کو نیلام کی منڈی میں نہ پیش کیجئے	۳۳۶
(۲۶) نشان منزل	۳۵۰

عنوان	صفحہ
مخلوق کے ساتھ انبیاء کی غیر معمولی شفقت	۳۵۱
دنیا و آخرت میں کامیابی کی ضمانت	۳۵۹
پیغمبروں کی میراث	۳۶۳
نفسی نفسی کا کاروبار چھوڑیئے	۳۶۶
ہلاکت کا سامان	۳۶۷
فسادات کا اصل علاج	۳۶۹
شانِ رنگ و بو کو توڑ کر ملت میں گم ہو جا	۳۷۱
خدا کی نصرت کا استحقاق پیدا کریں	۳۷۲
زخمی دلوں پر مرہم رکھیے	۳۷۳
حکمراں ہے اک وہی باقی بتان آذری	۳۷۴
جان و مال کی قربانی سے ملت کی حفاظت	۳۷۵
زمانہ کی نبض کو پہچانئے	۳۷۶
عزت کے ساتھ جینے کا راستہ کیا ہے؟	۳۷۷
(۲۷) پیام راہ	۳۸۰
علم کا بھی ایک قانون ہے	۳۸۰
صحیح راہ کی ضرورت	۲۸۰
یورپ میں استاذ و شاگرد	۳۸۲
علم دین کا امتیاز	۲۸۳
علم کے آداب	۲۸۴
قحط الرجال کا دور	۳۸۶
(۲۸) نعمت اسلام کی قدر اور اس پر شکر	۳۸۷
(۲۹) محبت اور سچی روحانیت کی فتح	۳۹۴

فہرست عنوانات

تمہیدی کلمات ۱۹
دعوت تبلیغ ۲۱

(۱) ہدایت و تبلیغ کی اہمیت ۲۲
عیش و عشرت کا وبال ۲۳
دور رسول کا ابتدائی منظر ۲۶
اولیاء اللہ کی محنت سے نتائج ۳۸
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]

(۲) [illegible] اور جزیرۃ العرب میں مقیم [illegible]
مسلمانوں کی ذمہ داریاں اور اس [illegible]
[illegible] ۵۱
اپنے [illegible]
مسلم پرسنل لا ۶۱
خطرناک پہلو ۶۲

(۳) خواتین اسلام کی خدمت میں ۶۶
اسلامی معاشرت ۶۸
سائل بھی اور مسئول بھی ۷۰

عنوان	صفحہ
خدا کا نام بیگانوں کو یگانہ بناتا ہے	۷۰
ازدواجی زندگی ایک عبادت	۷۱
مغربی تہذیب کا زوال شروع ہوگیا	۷۲
سکون کی تلاش	۷۳
احتیاط اور احترام	۷۴
(۴) انسان خود پرست بھی ہے خود فراموش بھی	۷۵
انسان کیلئے سب سے محبوب اپنی ذات ہے	۷٦
ایک ذہنی طاعون	۷٦
اس زمانہ کی خود فراموشی	۷۷
لاحاصل کوشش	۷۸
سکہ کی انسان پر حکومت	۷۹
ذرائع مقاصد بن گئے	۷۹
دولت مند بننے کی ریس	۸۰
سکہ کے اخلاق	۸۱
تاجر اور خریدار	۸۱
دولت کا ضرورت سے زائد احترام	۸۲
مقام انسانیت	۸۳
انسان کا اصل دشمن	۸۳
آنکھوں کی ہوس	۸۴
مذہب کو کسی سفارش کی ضرورت نہیں	۸۴
آزادی کی حفاظت	۸۵

عنوان	صفحہ
یورپ زندگی سے مایوس ہے	۸۵
مسلمانوں کا فرض منصبی	۸۵
ہر چیز اپنے مقام سے قیمتی ہوتی ہے	۸۶
(۵) جرمن قوم کے نام	۸۷
عظیم جرمن قوم	۸۷
جرمنوں کی خصوصیات اور حوصلہ مندی	۸۸
جرمنوں کی بدقسمتی وناکامی	۸۹
گذشتہ عالمی جنگیں کس لئے لڑی گئیں	۸۹
اس عظیم قوم کی ذمہ داری کیا تھی	۹۰
جرمنی نے کیا غلطی کی؟	۹۱
ایک عجیب تضاد	۹۲
کلیسا سے بغاوت	۹۳
اسلام سے یورپ کی محرومی	۹۳
اسلام کی غلط تصویر کے بعض اسباب	۹۴
اسلام سے دوری اور زندگی پر اس کے نتائج واثرات	۹۵
دنیا کا عظیم خلاء	۹۵
نئے انقلاب کی ضرورت	۹۶
(۶) آزاد اسلامی ملک میں اہل بصیرت اور اصحاب غیر کی ذمہ داری	۹۸
ایک تاریخی حقیقت	۹۸

عنوان	صفحہ
بصارت وبصیرت	۹۹
رباط کا مفہوم	۱۰۰
(۷) لسانی، نسلی وعلاقائی جاہلیت کا المیہ اور اس سے سبق	۱۰۶
انسان تجربات سے فائدہ اٹھاتا ہے	۱۰۶
بہت سی انسانی کامیابیوں کا سہرا غلطیوں کے سر ہے	۱۰۸
غلطیوں کا احساس نہ کرنا صحیح الفطرت انسان کا شیوہ نہیں	۱۰۹
انسانی تہذیبی جاہلیت	۱۰۹
تہذیب سے آزادانہ تراشے صنم	۱۱۰
اسلام کا ساختہ و پرداختہ انسان	۱۱۲
یورپ سے درآمد	۱۱۳
تہذیبی شعور کی	۱۱۴
جاہلیت [illegible] رفتہ ختم ہوتی ہے	۱۱۵
تیمور کی حمیت قبلی	۱۱۵
عرب قبائل کی خوردلی اور اس کی سزا	۱۱۶
قرآن اور حدیث میں عصبیت جاہلہ کی مذمت	۱۱۷
زبانیں باعث رحمت یا باعث زحمت	۱۱۸
انسان زبان سے زیادہ قیمتی ہے	۱۱۹
مسلمانوں کے دینی عمل اور شعور میں تناسب نہیں	۱۱۹
صحابہ کی جامع تربیت	۱۲۰
کسی مخلوق کی ایسی اطاعت جائز نہیں جس میں خالق کی نافرمانی ہوتی ہو	۱۲۲

عنوان	صفحہ
زخم کا مرہم	۱۲۳
کسی زبان کا اسلامی روح سے محروم رہنا اور جاہلی تصورات اور عقائد کا غلام ہونا بہت بڑا خطرہ ہے	۱۲۳
ایک نئے دور کا آغاز ہوگا	۱۲۴
(۸) امریکہ میں مجھے کیا ملا کیا نہیں ملا؟	**۱۲۶**
مشینوں کی بہار	۱۲۸
قفس زریں کے اسیر	۱۳۰
نور ایک ہے اور ظلمت بے شمار	۱۳۲
عیسائیت یورپ کیلئے ناموزوں	۱۳۳
مشینوں کا غلام	۱۳۵
اپنی شخصیت تحلیل نہ ہونے دیں	۱۳۶
اپنے تراشے ہوئے بتوں کے غلام	۱۳۷
آذر کدہ میں براہیمؑ کی نیابت	۱۳۷
یہاں ہیں مسلمان؟	۱۳۹
صرف اسلام ہی دین فطرت ہے	۱۴۰
انسان کی دریافت کیجئے	۱۴۱
آپ یہاں مسلمان کی حیثیت سے رہ سکتے ہیں	۱۴۲
(۹) امریکہ بیک وقت خوش قسمت، بدقسمت ملک	**۱۴۴**
بڑا خوش قسمت اور بڑا بدقسمت	۱۴۴
جس نے سورج کی شعاؤں کو گرفتار کیا	۱۴۷

عنوان	صفحہ
مناسب ترین مذہب	۱۴۹
کلیسا نے علم وعقل کی راہ روکی	۱۵۳
مغربی تہذیب نے اپنا عمل پورا کردیا	۱۵۴
امید کی ایک کرن	۱۵۵
آپ داعی کا مقام رکھتے ہیں	۱۵۸
(۱۰) توحید کی حقیقت اوراس کے تقاضے	۱۶۲
جامعیت وہمہ گیری اور طاقت سے انکار	۱۶۲
شرک	۱۶۳
احتیاج	۱۶۳
کفر	۱۶۵
کفر کیا ہے؟	۱۷۰
(۱۱) شیخ الاسلام حضرت مولانا حسین احمد مدنیؒ چودھویں صدی ہجری میں ''حمیت عزیمت'' کا پیکر مثالی	۱۷۲
حمیت وعزیمت	۱۷۳
دشمن کی حقیقت	۱۸۴
حضرت مدنیؒ کا اصول زندگی	۱۸۷
(۱۲) سیرت کا پیغام موجودہ دور کے مسلمانوں کے نام	۱۸۸
بعثت رسول ﷺ کا منظر	۱۸۸
انسان ایک نئے کام کیلئے پیدا کیے گئے	۱۸۹

عنوان	صفحہ
(۱۳) مسلمان کا مقام اور پیغام	۱۹۴
عربوں کا حال	۱۹۵
ہمارا منصب	۲۰۲
(۱۴) عصری تعلیم حاصل کرنے والے مسلم نوجوانوں سے مستقبل کی پیشین گوئی	۲۰۴
دنیائے اسلام کا مسئلہ	۲۰۵
ایک عظیم المیہ	۲۰۷
نئی نہر سویز کی ضرورت	۲۰۷
یورپ میں تعلیم پانے والے نوجوانوں کی ذمہ داری	۲۰۸
آپ کو اقبال سے بلند ہونا چاہئے	۲۰۸
صرف سائنس داں اور انجینئر ہونا کافی نہیں	۲۰۹
ابھی آپ بہت کچھ کر سکتے ہیں	۲۱۰
دعوت عمل	۲۱۰
اپنے کو پائیے	۲۱۱
(۱۵) تعمیر انسانیت	۲۱۲
جب تک سوسائٹی میں برائی کا رجحان اور بگاڑ کی صلاحیت نہ ہو کوئی اسکول بگاڑ نہیں سکتا	۲۱۲
خود غرض انسان	۲۱۳
اصلاح اور سدھار کی مختلف تجاویز اور تجربے	۲۱۴

صفحہ	عنوان
۲۱۶	دل کی تبدیلی کے بغیر زندگی تبدیل نہیں ہوسکتی
۲۱۶	پیغمبر انسانیت کا مزاج بدلتے ہیں
۲۱۸	ایثار کے دو واقعے
۲۱۹	انسانیت کا درخت اندر سے سرسبز ہوگا
۲۲۰	انسانیت کے صحیح نمائندے
۲۲۱	پیغمبروں کی زندگی
۲۲۲	خواہشات کی تسکین سکون کا راستہ نہیں
	اللہ کے پیغمبر خواہشات میں اعتدال پیدا کرتے ہیں اور صحیح
۲۲۴	ذہنیت اور صلاحیت عطا کرتے ہیں
۲۲۵	ہمارا پیغام اور ہماری صدا
	(۱۶) اقوام عالم کے درمیان امت اسلامیہ کا حقیقی وزن
۲۲۶	یہ دنیا ہی انسان کی جدوجہد کا اصل میدان
۲۲۷	[illegible] مسلمان قوموں کا انکار حقیقت
۲۳۰	غیرت و حمیت پیدا کیجئے
۲۳۲	غیرت کا مقام
۲۴۱	آخری بات
۲۴۳	(۱۷) خاتم الانبیاء کی تشریف آوری دنیا کیلئے رحمت
۲۴۹	(۱۸) جاہلیت کسی خاص عہد کا نام نہیں

عنوان	صفحہ
(۱۹) انسانیت کا پیغام مشرق و مغرب کے نام	۲۵۸
مشرق و مغرب کے درمیان خلیج	۲۵۸
اس خلیج کا سبب	۲۵۹
اس خلیج کے چند مضر نتائج	۲۶۱
قومی عصبیت	۲۶۱
مستشرقین کی تحریک	۲۶۲
مشرق کا امتیاز	۲۶۳
بعثت کی چارہ سازی	۲۶۳
انسانیت کا نیا تصور	۲۶۴
انبیاء کی دعوت اور طریقہ کار	۲۶۶
محض وسائل کافی نہیں	۲۶۷
یورپ کی نشأة ثانیہ	۲۶۹
یورپ کی مادی فتوحات	۲۷۰
وسائل کی ناکامی	۲۷۱
غلطی کہاں ہو رہی ہے؟	۲۷۲
انسانیت کا قفل صرف ایمان کی کنجی سے کھلتا ہے	۲۷۲
بنیادی خرابی کیا ہے؟	۲۷۳
مشرق کی سوغات	۲۷۳
(۲۰) اصل مقصد زندگی اللہ کی بندگی	۲۷۵
ذرائع اور مقاصد	۲۷۵

عنوان	صفحہ
اصل مقصد اللہ کی بندگی	۲۷۶
حضور ﷺ کی ہجرت	۲۷۷
چند عبرت انگیز واقعات	۲۸۱
دوہرا خطرہ	۲۸۲
(۲۱) موجودہ دور میں ہندوستانی مسلمانوں کے لئے راہ عمل	**۲۸۳**
مسلمانوں کے فرائض	۲۹۰
(۲۲) ملک وملت دونوں خطرہ میں	**۲۹۳**
پولیس والوں کی تربیت	۲۹۵
معاشرہ کی مثال	۲۹۷
رسم الخط کی اہمیت	۳۰۰
(۲۳) موت کے بعد زندگی	**۳۰۶**
ایمان بالآخرت کے خواص	۳۱۴
(۲۴) آج دنیا پر خودغرضی اور بداخلاقی کا مانسون چھایا ہوا ہے اسے چادروں سے روکا نہیں جا سکتا	**۳۱۹**
آوے کا آوا بگڑا ہوا ہے	۳۲۰
اصل مجرم کون؟	۳۲۱
پیغمبروں کے سوچنے کا طریقہ	۳۲۱
خودغرضی اور بداخلاقی کا مانسون	۳۲۲

عنوان	صفحہ
اس کا علاج	۳۲۲
موجودہ حالات قدرتی اور ہماری ذہنیت و تربیت کے نتیجہ میں	۳۲۳
جنگوں کا ذمہ دار کون	۳۲۵
اندر کا لاوا باہر کو پھونک رہا ہے	۳۲۶
نشہ بندی کی کوشش میں امریکہ کی ناکامی	۳۲۷
ملک کے لئے سب سے بڑا خطرہ	۳۲۷
یورپ اور ہندوستان کا فرق	۳۲۸
اخلاق کی قسمیں	۳۲۸
پیغمبروں کے پیدا کئے ہوئے اخلاق	۳۲۹
سب سے بڑی دوستی اور ملک کی وفاداری	۳۳۰
مسلمانوں کی غلطی۔	۳۳۱
ایک کشتی کے سوار	۳۳۲
(۲۵) ایک مقدس وقف اور اس کا متولی	۳۳۴
جلسوں کی بے اثری	۳۳۵
مذہب غلط زندگی کا حریف ہے	۳۳۵
سب سے مقدم سوال	۳۳۶
انسان خدا کا نائب اور خلیفہ ہے	۳۳۶
دنیا کے انتظام کے لئے انسان ہی موزوں ہے	۳۳۷
کامیاب قائم مقام	۳۳۸
اخلاق خداوندی کا مظاہرہ	۳۳۸
دو متضاد تصور	۳۳۹

عنوان	صفحہ
انسان کا جماداتی تصور	۳۳۹
معاشی مسئلہ یا لطف وتفریح	۳۴۰
دل کی سچی پیاس	۳۴۰
کسی کو انسانیت کا درد نہیں	۳۴۱
خود کرنے کے کام	۳۴۲
(۲۶) اس سے خبردار رہئے کہ کوئی امریکی یا یورپی اسلام پیدا ہو جائے	۳۴۳
اسلام کیلئے ایک فال نیک	۳۴۴
کلمہ کا خلاصہ	۳۴۸
(۲۷) انسان کی صحیح گرہ کشائی	۳۵۵
جاہلیت اسلام کے مقابلہ پر	۳۵۵
اولین مسلمان	۳۵۷
صحابہ کرامؓ کی ایمانی تربیت	۳۵۹
مدینۃ الرسولؐ میں	۳۵۹
صحابہ کرامؓ کی ایمانی تکمیل	۳۶۰
(۲۸) غیر اسلامی شعائر ورسوم کی نقل وتقلید سے احتراز کی ضرورت	۳۶۳
راعنا کا مطلب	۳۶۳
ایسی چیزوں سے احتراز ضروری ہے جو ایمان کو ڈگمگا دیں	۳۶۵

عنوان	صفحہ
آپ اور دوسروں میں فرق	۳۶۹
(۲۹) انسانیت کی راہنمائی میں اسلام کا تاریخی کردار	۳۷۱
نبوت محمد ﷺ کا اعجاز اور انقلابی کارنامہ	۳۷۳
ایک غیر متوقع آغاز	۳۷۴
انفس وآفاق اور اقوام وملل کے ماضی پر غور وفکر کی دعوت اور اسکے فائدے	۳۷۵
علمی منتشر اکائیوں میں وحدت وربط	۳۷۸
مغرب کی بیداری اور علم وتہذیب کے نئے دور کے آغاز میں اسلام کا حصہ	۳۷۹
قدیم دنیا میں مسلمانوں کا علمی تفوق، مفید اور تجربی علوم میں ان کی قیادت	۳۸۰
مسلمان موجدین فن اور ماہرین علوم	۳۸۱
علم کی تاریخ کا سب سے بڑا مغالطہ اور تاریخ انسانیت کا سب سے بڑا المیہ	۳۸۳
(۳۰) دین اسلام کا مزاج اور اس کی نمایاں خصوصیات	۳۸۴

◆ ◆ ◆ ◆

فہرست عنوانات

انتساب ۲۱
عرض مرتب ۲۳
(۱) موجودہ عالمِ اسلام کیلئے فیصلہ کن محاذ اور مرکزی میدانِ عمل ۲۷
(۲) اجتماعی ذہن اور قربانی وایثار کا جذبہ ۳۸
(۳) اسلامی بیداری کی لہر پر ایک نظر، بے لاگ جائزہ اور مخلصانہ مشورے ۴۲
نازک امانت ۴۲
بیداری اسلام کی فطرت ہے ۴۳
اسلامی عقائد کے ساتھ کامل ہم آہنگی ۴۶
دینیات کے وسیع مطالعہ کی ضرورت ۴۷
زمانہ اور مشکلات ومسائل زمانہ کا فہم وادراک ۴۸
زندگی کے حقائق سے چشم پوشی کے نتائج ۴۹
اولین اسلامی معاشرہ کا امتیاز ۵۰
جہاد فی سبیل اللہ کی اہمیت ۵۲
جمود کو توڑنے والی تحریکیں خود جمود کا شکار ۵۳
غیر ضروری مسائل ومشکلات سے اجتناب کی ضرورت ۵۵
تجدید واصلاح کی بہترین مثال ۵۶

عنوان	صفحہ
جاہ ومنصب سے بے نیازی	۵۸
جرأت وشجاعت اور قربانی کا جذبہ وشوق	۶۰
غیر مسلم اقلیت کے ملکوں میں اسلامی بیداری اور اس کا لائحہ عمل	۶۱
اسلام کی مثالی سیرت وکردار کی نمائندگی	۶۱
پرامن اور بقائے باہم فضا بنانے کی کوشش	۶۲
سماجی بگاڑ کی اصلاحی اور اخلاقی قیادت	۶۳
جمہوری حقوق کا صحیح استعمال اور قانون سازی کے رخ ورفتار پر گہری نظر	۶۴
نئی نسل کی تعلیم وتربیت اور ان کے ایمان کی حفاظت	۶۴
(۴) امریکہ کو درپیش خطرات اور اس کو تعلیمات نبوی کی ضرورت	**۶۶**
عالم مغرب کی محرومی	۶۹
امریکہ کا کوئی مخلص دوست نہیں	۶۹
پیغمبروں اور ان کے پیروؤں نے خلوص کے ساتھ انسانیت کی خدمت کی اور وہ محبوب بن گئے	۷۱
امریکہ صحیح آسمانی مذہب سے محروم ہے	۷۱
اگر امریکہ ایمانی ذہن رکھتا	۷۲
مسیحیت کی ناکامی	۷۳
اسلام ہی متوازن وجامع تعلیمات کا حامل ہے	۷۳
محرف عیسائیت	۷۴
اہل امریکہ کے نام پیغام	۷۴
اسلام کا پیغام پہنچایئے	۷۵

عنوان	صفحہ
(۵) اس دنیا کی فلاح وسعادت اور تباہی وہلاکت انسان کے ساتھ وابستہ ہے	۷۶
عالمگیر فساد	۷۶
دنیا کی فلاح وسعادت اور تباہی وہلاکت انسان کے ساتھ وابستہ ہے	۷۷
انبیاء علیہم السلام نے اپنی ساری طاقت انسان کو سدھارنے پر صرف کی	۷۸
یہ انسان خود ایک عالم ہے	۷۸
انسان کی اصلاح وتبدیلی کا مرکز	۸۰
انسان کے اندر بے شمار درندے چھپے ہوئے ہیں جب وہ باہر آجاتے ہیں تو دنیا تباہ ہوجاتی ہے	۸۱
باہر کے درندوں نے کبھی دنیا پر حملہ نہیں کیا	۸۱
ایک ملک کے بھیڑیئے کبھی دوسرے ملک پر حملہ آور نہیں ہوتے	۸۲
ساری خرابیوں کا انحصار اس پر ہے کہ انسان کے دل میں کیا ہے	۸۳
اگر یہ دنیا جنت کا نمونہ بنادی جائے لیکن دل خراب ہے تو پھر جہنم کدہ بن جائے گی	۸۴
دل کی کھیتی کی طرف توجہ کیجئے	۸۵
جب دل کی دنیا بدلتی ہے تو کیا ہوتا ہے	۸۵
ارادہ نیک ہو تو راہ کی صعوبتیں اور دشواریاں حائل نہیں ہوتیں	۸۶
آج ہر چیز موجود ہے لیکن انسانیت کا سچا درد مفقود ہے	۸۷
آج انسان سب کچھ کرسکتا ہے لیکن کرنا نہیں چاہتا	۸۸
خرابی صرف یہ ہے کہ دنیا کا رخ غلط ہے	۸۰
انسانیت کی ساری متاع آج داؤ پر لگی ہے	۹۰
آج انسان نیلام پر چڑھ چکے ہیں	۹۱

عنوان	صفحہ
دنیا کے فساد کا ذمہ دار مذہب نہیں	۹۱
ساری لڑائی اغراض کی ہے	۹۲
ایک شاہراہ کے سوا آج سارے راستے بند ہیں	۹۲
ہمارا علاج ہمارے اندر ہے	۹۳
دنیا کے دکھوں کا علاج صرف یہ ہے کہ دل میں ایمان کا چراغ روشن کیا جائے	۹۴
دماغ ہفت زبان ہے دل صرف ایک زبان جانتا ہے	۹۵
(۶) **ملک و معاشرہ کا سب سے خطرناک مرض ظلم و سفاکی**	۹۷
(۷) **ملک کے موجودہ حالات اور ہماری ذمہ داریاں**	۱۱۴
ہمارے ملک کیلئے پہلا خطرہ	۱۱۴
برادر کشی زوال کی علامت ہے	۱۱۵
ہر چیز انسان ہی کے تعلق سے بامعنی اور قیمتی ہوتی ہے	۱۱۵
معمولی واقعات پر قتل و غارت گری کا طوفان	۱۱۵
ایک فلسفی کا قول	۱۱۶
انسانی دستور کی پہلی اور اہم دفعہ	۱۱۶
اسلام میں انسان کا مقام	۱۱۷
ملک کیلئے دوسرا خطرہ	۱۱۸
اسلام ہی رہنمائی کر سکتا ہے	۱۱۹
ملک کیلئے تیسرا اہم خطرہ	۱۲۰
اس خطرے کا علاج	۱۲۱
(۸) **یقین مرد مسلمان کا**	۱۲۲
مجاہد کے قدم کی فضیلت	۱۲۷

عنوان	صفحہ
دین کی قدر	۱۲۸
(۹) ترقی پر ایمان کی سلامتی کو ترجیح دیجئے	۱۳۷
سب سے بڑا خسارہ	۱۳۸
امریکہ میں ولایت کا درجہ	۱۴۰
رضائے الٰہی	۱۴۰
دعا کا وزن	۱۴۱
اپنے دل کی بیٹری چارج کرتے رہیں	۱۴۲
سلف سے حسن ظن رکھیے	۱۴۳
اسلام کے دنیا میں اس وقت باقی اور محفوظ رہنے میں ان سب لوگوں کا حصہ ہے جنہوں نے اس کی خدمت میں حصہ لیا	۱۴۴
صوفیاء کا کارنامہ	۱۴۵
اسلام اور قرآن صدیوں تک معمہ نہیں بنے رہے	۱۴۶
نمازوں کا اہتمام	۱۴۷
(۱۰) موجودہ تہذیب کی ناکامی ذرائع و مقاصد کا عدم توازن	۱۴۹
ذرائع کی آسانی اور فراوانی	۱۴۹
مقاصد اور نیک خواہشات کا فقدان	۱۵۱
ذرائع اور آسانیاں نیک خواہشات کی خانہ پری نہیں کر سکتیں	۱۵۱
ذرائع سے پہلے ان سے کام لینے والے چاہئیں	۱۵۲
پیغمبروں نے انسان تیار کئے	۱۵۳
یورپ کی بے بسی مقاصد سے محرومی	۱۵۴
وسائل باعث ہلاکت کیوں؟	۱۵۵
تہذیب جدید کی ناکامی	۱۵۶

عنوان	صفحہ
مذہب کے کرنے کا کام	۱۵۶
ذرائع کی کثرت نے ملکوں کو غلام بنایا	۱۵۶
ایشیا کا فرض	۱۵۶
وقت کا سب سے اہم کام	۱۵۷
(۱۱) غلطی کو غلطی نہ تسلیم کرنا خطرناک ہے	۱۵۸
(۱۲) کسی ملک و معاشرہ کیلئے سب سے خطرناک بات	۱۶۴
(۱۳) اسلام ہر دور میں قیادت ورہنمائی کی صلاحیت رکھتا ہے	۱۷۱
(۱۴) خواص امت	۱۸۱
(۱۵) سیاسی آزادی لیکن تہذیبی غلامی	۱۸۵
مشرق سے مغرب کا تعارف	۱۸۵
ہندوستان	۱۸۶
مصر	۱۸۶
ترکی	۱۸۶
سیاسی آزادی لیکن تہذیبی غلامی	۱۸۷
ہم تحقیقات میں بھی مغرب کے دست نگر ہیں	۱۸۸
فاسد قیادت	۱۸۹
ایمان کی طاقت	۱۹۰
عالم اسلام کے قائدین	۱۹۱
دل کی زبان	۱۹۱
مقصد اور وسائل کا فرق	۱۹۲
قدیم وجدید کا فلسفہ	۱۹۳

عنوان	صفحہ
جسم مشرق میں لیکن دل و دماغ مغرب میں	۱۹۳
آپ اس امت کے فرد ہیں جس نے انسانیت کو نجات دی	۱۹۴
بنیادی حقیقت	۱۹۵
اگر ہم یورپ سے کچھ لے سکتے ہیں تو اس سے بہتر دے بھی سکتے ہیں	۱۹۶
(۱۶) زندگی گزارنے کا بہترین دستور عمل	۱۹۸
(۱۷) ملک کی حقیقی آزادی	۲۰۳
آزادی کے آگے	۲۰۴
قلب کی روشنی	۲۰۵
شاہ کلید	۲۰۶
سیرت سازی اور اخلاق کی اصلاح کے بغیر کوئی منصوبہ کامیاب نہیں	۲۰۶
کردار کی ضرورت	۲۰۷
اخلاقی زوال	۲۰۸
انسانیت	۲۰۹
(۱۸) صورت اور حقیقت	۲۱۰
صورت اور حقیقت میں بڑا فرق ہے	۲۱۰
حقیقت کے مقابلہ میں صورت کی شکست	۲۱۰
نفس کا دھوکا	۲۱۱
حقیقت اسلام	۲۱۲
صورت اسلام حفاظت کرنے کیلئے کافی نہیں	۲۱۵
ہماری خطا	۲۱۶
حقیقت اسلام مدتوں سے میدان میں آئی ہی نہیں	۲۱۶

عنوان	صفحہ
رحمت ونصرت تائید واعانت کے وعدے حقیقت سے متعلق ہیں	۲۱۶
دین کے اقتدار اور امن واطمینان کا وعدہ	۲۱۷
امت کی سب سے بڑی خدمت	۲۱۸
اقوام عالم کی جڑیں خشک ہو چکی ہیں	۲۱۹
مسلمان کے لئے حقیقت کی طرف ترقی کرنے کی ضرورت	۲۱۹
حقیقت اسلام دوبارہ پیدا ہو سکتی ہے	۱۲۱
حقیقت اسلام میں آج بھی طاقت ہے	۱۲۱
(۱۹) اعلیٰ اخلاقی قدریں دل کے اندر کھوئی ہیں ان کی باہر تلاش	**۲۲۲**
ایک کہانی	۲۲۳
انسان کو سہولت پسندی	۲۲۲
حقیقتوں سے کشتی نہیں لڑی جا سکتی	۲۲۳
انسان دنیا کا ٹرسٹی ہے	۲۲۴
انسانیت کا مسئلہ پرانی تہذیبوں سے حل نہیں ہو سکتا	۲۲۵
تہذیبیں انسانیت کا لباس ہیں انسانیت لباس تبدیل کرتی رہتی ہے	۲۲۵
مذہب روح دیتا ہے کلچر ایک ڈھانچہ ہے	۲۲۵
رسم الخط یا ضمیر واخلاق	۲۲۶
پیغمبر وسائل نہیں پیدا کرتے مقاصد عطا کر دیتے ہیں	۲۲۶
انسانیت کو غمخوار انسانوں کی ضرورت ہے	۲۲۷
ہم نے دل کا راستہ کھو دیا	۲۲۷
نظام تعلیم کا نقص	۲۲۸
ذہنیت کی تبدیلی کی ضرورت	۲۲۸
کوئی زبان غیر نہیں	۲۳۰

عنوان	صفحہ
خدا پرستی کی تحریک کی ضرورت	۲۳۰
علم واخلاق کے تعاون کی ضرورت	۲۳۰
مادہ پرستی اور روحانیت	۲۳۱
(۲۰) دنیا کی موجودہ کشمکش یہ نہیں کہ برائی دور ہو بلکہ یہ کہ برائی ہماری نگرانی اور انتظام میں ہو	۲۳۲
سب ٹھیک ہو رہا ہے لیکن میرے اہتمام سے ہونا چاہئے	۲۳۳
یورپ اور ایشیا میں آج یہی جذبہ کام کر رہا ہے	۲۳۳
پیغمبروں کا مطالبہ زندگی کا نقشہ غلط ہے	۲۳۴
قوموں کو رشورت دی جا رہی ہے	۲۳۴
منہ زور اور بے لگام گھوڑوں کی ریس	۲۳۵
حکومت اور عہدہ کا کون اہل ہے	۲۳۶
جاہ طلب سیاسی	۲۳۶
انسانی ضروریات کی فہرست بہت طویل نہیں	۲۳۷
خراب اجزا اور اکائیوں سے اچھا مجموعہ تیار نہیں ہو سکتا	۲۳۷
حقیقت ظاہر ہو کر رہتی ہے	۲۳۸
خدا کی بستی دکان نہیں ہے	۲۳۸
ہمارا پیغام	۲۳۹
(۲۱) اللہ کی سب سے بڑی نعمت ایمان ہے	۲۴۰
(۲۲) نفس پرستی یا خدا پرستی	۲۴۶
صاف اور سچی باتیں	۲۴۶
نفس پرستی یا خدا پرستی؟	۲۴۷

عنوان	صفحہ
نفس پرستی خدا پرستی سے ہمیشہ برسر پیکار رہی ہے	۲۴۷
نفس پرستی مستقل ایک مذہب ہے	۲۴۸
نفس پرستی من کا راجہ ہوتا ہے	۲۴۹
نفس پرستی کی زندگی مصیبتوں کی جڑ ہے	۲۴۹
رسول اللہ ﷺ نے ہی نفس پرستی کے دھارے کو موڑا	۲۵۱
خدا پرستی پیدا کرنے کی تین بنیادی چیزیں	۲۵۲
بے نفس اور خدا پرستی کی عجیب مثال	۲۵۳
حیرت انگیز انقلاب	۲۵۶
خدا پرست سوسائٹی	۲۵۷
خدا پرستی کے علمبردار نفس پرستی کے شکار	۲۵۸
دنیا کی سب سے بڑی مصیبت نفس پرستی ہے	۲۵۸
ہماری دعوت	۲۵۹
(۲۳) امریکہ اور کینیڈا میں مقیم مسلمانوں کی ذمہ داریاں اور فرائض	**۲۶۰**
ذرائع اور مقاصد	۲۶۰
اصل مقصد اللہ کی بندگی	۲۶۱
حضور ﷺ کی ہجرت	۲۶۲
مسرت اور تشویش	۲۶۳
چند عبرت انگیز واقعات	۲۶۶
دوہرا خطرہ	۲۶۷
(۲۴) دعوت کا کام کرنے والوں کے درمیان خوشگوار تعلق اور باہمی محبت کسی خارجی ذرائع سے نہیں پیدا کی جاسکتی	**۲۶۸**
مصنوعی کوشش کارگر نہیں ہوتی	۲۶۸

عنوان	صفحہ
اخوت کا کرشمہ	۲۶۹
چند مثالیں	۲۷۰
عقیدے کی وحدت اور مقصد کا عشق	۲۷۱
مقصد کا عشق	۲۷۳
تیرہویں صدی ہجری کی تاریخ دعوت وعزیمت سے خلوص وایثار کی دو مثالیں	۲۷۳
قرآن وسنت کی حیات آفرینی	۲۷۷
نفسانیت سب سے بڑا المیہ	۲۷۸
اسلام کے فروغ کو مقصد بنایئے	۲۷۹
رسول اللہ ﷺ دامن گیر ہوں گے	۲۷۹
اہل اللہ کا عمل	۲۸۰
اصل سرچشمہ	۲۸۰
(۲۵) دنیا کی موجودہ کشمکش اور اس کا علاج	**۲۸۲**
ہمت شکن تجربے	۲۸۲
اقتدار کی ہوس	۲۸۳
عالمی جنگوں کی حقیقت	۲۸۳
انسانیت کے مجرم	۲۸۴
زندگی کا نقشہ سرے سے غلط ہے	۲۸۴
سیاسی رشوت	۲۸۵
پیغمبروں کا طریقہ	۲۸۵
بے لگام بازی	۲۸۶
عہدہ کا اہل کون؟	۲۸۶

عنوان	صفحہ
صحابہ کرام کا کردار	۲۸۶
عزت کی ہوس اور دولت کا بھوت	۲۸۷
ضرورت اور خواہش	۲۸۷
غلط اجزاء سے صحیح مجموعہ کیسے بن سکتا ہے	۲۸۷
خوف خدا کی اہمیت	۲۸۸
خدا کی بستی دکان نہیں ہے	۲۸۹
ہمارا وجود ہر پارٹی سے زیادہ ضروری ہے	۲۸۹
تمہاری حیثیت ایجنٹ یا ملازم کی نہیں داعی اور رہبر کی ہے	۲۹۰
(۲۶) زندگی میں فرد کی اہمیت ہمارے اصلاحی کاموں کا ایک بڑا خلاء	۲۹۱
اجتماعیت کا رجحان	۲۹۲
مجرمانہ غفلت	۲۹۲
ہماری غفلت کا خمیازہ	۲۹۳
ہر اصلاحی کام کی بنیاد	۲۹۴
اصل خطرہ	۲۹۵
پیغمبروں کا کارنامہ	۲۹۵
پیغمبروں کا طریقہ کار	۲۹۵
تاریخ کا تجربہ	۲۹۶
ہماری جدوجہد کا محرک	۲۹۶
(۲۷) دین پر عمل کرنے کی برکتوں کو دیکھنے کے لئے دنیا سفر کر کے آئے گی!	۲۹۸

عنوان	صفحہ
دین کا اصل موضوع اور رضائے الٰہی کی قیمت	۲۹۸
آخرت کی عظمت و وسعت	۳۰۰
دین پر عمل کرنے سے دنیا میں بہشت کا مزہ:	۳۰۱
دین پر عمل کرنے کی برکتوں کو دیکھنے کے لئے دنیا سفر کر کے آئے گی!	۳۰۲
دین پر ناقص عمل اور شریعت کے حصے بخرے:	۳۰۳
امت محمدیہ کے ساتھ اللہ تعالیٰ کا معاملہ:	۳۰۴
عقائد و عبادات میں مسلمانوں کا طرز عمل:	۳۰۵
ہم نے اپنی زندگی سے لوگوں کو اسلام سے روکا:	۳۰۶
احکام شریعت پر عمل نہ کرنے کی نحوست:	۲۰۶
عقائد اور اعمال کی تاثیر اور معاصی کے نتائج و اثرات:	۳۰۷
(۲۸) ایک چونکا دینے والی آیت	۳۰۹
احکام اسلام پر ہی چلنا چاہئے	۳۱۷
آئندہ نسلوں کی فکر کریں	۳۱۸
لہو الحدیث کا مطلب	۳۲۰
(۲۹) سیرت و کردار کی تبدیلی کی ضرورت	۳۲۴
(۳۰) ذہنی اور اعتقادی ارتداد ایک اہم مسئلہ فوری توجہ کا حامل	۳۳۴
نیا ارتداد:	۳۳۴
یورپ کا لایا ہوا فلسفہ	۳۳۶
دین یا لا دینیت:	۳۳۷
ایک لاوارث مسئلہ:	۳۳۸
لا دینیت کی عالمگیر اشاعت کا راز:	۳۳۹

عنوان	صفحہ
نفاق والحاد:	۳۴۱
جاہلی عصبیت اور ''مذہب قوم پرستی'':	۳۴۱
اسلام اس عصبیت سے کیوں برسر جنگ ہے؟:	۳۴۲
ممالک اسلامیہ میں ''قوم پرستی'' کی مقبولیت:	۳۴۳
ممالک اسلامیہ میں دور ''جاہلیت'' کا اعزاز:	۳۴۴
دینی واخلاقی انتشار	۳۴۵
عالم اسلام کے لئے سب سے بڑا خطرہ:	۳۴۵
اولین مسئلہ	۳۴۶
مقدس ترین جہاد:	۳۴۶
دعوت ایمان:	۳۴۷
بے غرض داعیوں کی ضرورت:	۳۴۸
دعوت کے لئے نئے علمی اداروں کی ضرورت:	۳۴۸
ماضی کے تجربے:	۳۴۹
دینی طبقے کے دو متضاد گروہ:	۳۵۰
اصلاح اور دینی انقلاب کے لئے جس گروہ کی ضرورت ہے	۳۵۰
اس طرز پر کام کرنے والوں کی کامیابی:	۳۵۱
سنگین صورت حال:	۳۵۲
کام کی فوری ضرورت:	۳۵۳
(۳۱) مسلمان غیر اسلامی ماحول میں	۳۵۴
(۳۲) پاسبان مل گئے کعبہ کو صنم خانے سے	۳۶۰
(۳۳) شریعت اسلامی مسلمان کے لئے دستور حیات ہے	۳۶۵
اسلام اور دیگر مذاہب میں نظامہائے زندگی کا فرق	۳۶۷

عنوان	صفحہ
عورت شادی کے بعد اسلام اور دیگر مذاہب کی نظر میں	۳۷۲
(۳۴) حقیقت اسلام اور صورت اسلام	۳۷۸
صورت اسلام حفاظت کرنے کے لئے کافی نہیں:	۳۸۱
حقیقت اسلام مدتوں سے میدان میں آئی ہی نہیں:	۳۸۲
رحمت، نصرت، تائید و امانت کے وعدے حقیقت سے متعلق ہیں	۳۸۲
(۳۵) آدمیت سے بغاوت	۳۸۴
انسان کی تلاش:	۳۸۴
انسانیت کی ترقی:	۳۸۵
انسان اور انسانیت:	۳۸۵
انسان اور فطرت:	۳۸۶
انسان اور ہوس:	۳۸۸
مقصود زندگی:	۳۸۹
پیغمبروں کا کردار:	۳۸۹
انسانیت کا سرمایہ:	۳۹۱
روح انسانیت:	۳۹۲
(۳۶) غار حرا سے طلوع ہونے والا آفتاب	۳۹۷
(۳۷) انسانی شرافت وعظمت	۴۰۷
سکندر اعظم: ALEXANDERTHEGREAT	۴۱۰
جولیس سیزر: JULIUSCAESAR	۴۱۰
(۳۸) خواتین کی ذمہ داریاں	۴۱۳
(۳۹) مسلمان کی شان امتیازی	۴۲۲

فہرست عنوانات

انتساب ۱۷
خطبات کی اہمیت ۱۸
نامہ فرسائی ۱۹
اصلاح معاشرہ کی اہمیت ۲۱
اسلامی ممالک میں ذہنی کشمکش اور اس کے اسباب ۲۳
مسلم پرسنل لا کی صحیح نوعیت اور اہمیت ۳۳
اسلام میں اجتماعی اور ذاتی زندگی کا تصور ۴۵
ایک المناک حقیقت اور اس کے ازالہ کے لئے امکانی جدوجہد ۵۵
ملی عزیمت اور اجتماعی فیصلہ ۶۳
آئندہ نسل کی فکر کیجئے ۷۷
قابل توجہ بات ۷۸
اسلامی قوانین کی ضرورت واہمیت ۸۳
اندھیرے میں امید کی روشنی ۹۷
انسانیت کی بقاء وتحفظ کی فکر ۱۰۱
خودکشی مت کرو! ۱۰۵
ایک جلیل القدر صحابی سیدنا حضرت ابوایوب انصاریؓ ۱۰۵
دوران جہاد، ایک آدمی کا غلط تفسیر بیان کرنا ۱۰۶
سیدنا ابوایوب انصاریؓ کا صحیح تفسیر کی طرف متوجہ کرنا ۱۰۶

عنوان	صفحہ
صحابہ کرامؓ کی دینی جدوجہد اور اس کے نتائج	۱۰۷
دینی جدوجہد کے دوران صرف چھٹی کا تصور	۱۰۷
بدرجہ ضرورت اور عارضی چھٹی کا خیال	۱۰۸
چھٹی لینے کا انجام یعنی دو زبردست نقصان	۱۰۸
بلندی ہمت اور نگاہ یہ سب کچھ دینی جدوجہد کا ثمرہ ہے	۱۱۰
شان نزول کی مختصر تفصیل	۱۱۰
خودکشی	۱۱۳
حکمت روحی	۱۱۴
قیامت تک کی ضمانت	۱۱۹
ہدایت و نور نبوت سے محروم سرزمین	۱۲۰
فرصت کو غنیمت جانیے	۱۲۰
آخرت کے مآل کا اندازہ کیجئے	۱۲۰
بار نہیں ابر باراں ہو	۱۲۱
پیام انسانیت	۱۲۳
ملک کے موجودہ حالات اور ہماری ذمہ داریاں	۱۳۱
ہمارے ملک کے لئے پہلا خطرہ	۱۳۱
برادرکشی زوال کی علامت ہے	۱۳۱
ہر چیز انسان ہی کے تعلق سے بامعنی اور قیمتی ہوتی ہے	۱۳۲
معمولی واقعات پر قتل و غارت گری کا طوفان	۱۳۲
ایک فلسفی کا قول	۱۳۳
انسانی دستور کی پہلی اور اہم دفعہ	۱۳۳
اسلام میں انسان کا مقام	۱۳۳

عنوان	صفحہ
ملک کے لئے دوسرا خطرہ	۱۳۵
اسلام ہی رہنمائی کرسکتا ہے	۱۳۶
ملک کے لئے تیسرا اہم خطرہ	۱۳۶
اس خطرے کا علاج	۱۳۷
شروع اللہ کے نام سے	۱۳۹
رشتوں کے توڑنے سے زندگی پر برے اثرات	۱۴۹
واقعات سے سبق لینے کی ضرورت	۱۵۳
طبقۂ اشرافیہ کے خاص امراض اوران کی شفا	۱۶۳
خواص کے ساتھ خصوصی معاملہ	۱۶۳
نزدیکاں رابیش بود حیرانی	۱۶۴
شرفاء کی بستیوں میں فلاکت کیوں؟	۱۶۵
تاریخی بستیوں اوراونچے خاندانوں کی خاص بیماریاں اورکمزوریاں	۱۶۶
اتحادواتفاق کے لئے ایثاروقربانی	۱۶۶
حضرت ابوبکرؓ کا کارنامہ	۱۶۷
شریعت پرعمل نہ کرنے کی بے برکتی	۱۶۸
عربوں سے عبرت لیجئے!	۱۶۹
ما تعبدون من بعدی	۱۷۱
عالم عربی کا اصل خطرہ اسرائیل یامردہ ضمیر؟	۱۸۱
ایک تاریخ سازاورعہدآفریں واقعہ	۱۸۱
عربوں کاذوق سلیم	۱۸۲
سب سے بڑاخطرہ قلب وضمیر سے غفلت	۱۸۳
خارجی دشمن، خیالی خطرات	۱۸۴

عنوان	صفحہ
ہمارا موجودہ معاشرہ	۱۸۵
ثابت شدہ حقائق سے چشم پوشی	۱۸۶
قرآن کا اعجاز	۱۸۶
5 جون کا المناک حادثہ	۱۸۶
انسانی تجربات قیمتی اثاثہ	۱۸۷
نازک اور اہم مرحلہ	۱۸۷
قومی ضمیر پر موت طاری	۱۸۸
فتح اور شکست معیار نہیں	۱۸۸
اصل معیار	۱۸۹
استعمار سے نفرت	۱۸۹
عجیب منطق	۱۹۰
بے حسی اور مردہ ضمیری	۱۹۰
حادثات سے سبق	۱۹۱
قیادت سے محاسبہ کیجئے	۱۹۱
اللہ کا مطالبہ	۱۹۲
آنحضرت کی ہدایت	۱۹۳
غفلت، حماقت اور لہو ولعب کا انجام	۱۹۳
اسلامی عقیدے کا اشتراک	۱۹۴
ایک مسلمان قائد کا احتساب	۱۹۴
احتساب اور محاسبہ ہمارا امتیاز	۱۹۵
امت کی زندگی	۱۹۶
ناشاد شادی آباد سے عبرت وموعظت	۱۹۷
زوال پذیر ملکوں اور سلطنتوں سے سبق	۱۹۸

عنوان	صفحہ
فاتحین اور حکمرانوں کی ایک غلطی	۱۹۹
عرب فاتحین اولین کا امتیاز	۱۹۹
اصل آبادی کو نظر انداز کرنے کی غلطی	۲۰۰
بربری مثال	۲۰۱
اسپین کی عرب حکومت کی غلطی	۲۰۱
غلطی کا اعادہ نہ ہو	۲۰۲
صوفیائے کرام کا کارنامہ	۲۰۴
نکاح، ایک عظیم، وسیع، ومسلسل عبادت	۲۰۷
دو عبادتیں جن سے غفلت عام ہے	۲۰۷
بڑی بڑی عبادتیں اور فرائض اس وقت تک عبادت رہتے ہیں جب تک آدمی ان میں مشغول ہے	۲۰۸
جمالی وجلالی عبادت	۲۰۹
عجیب وغریب عبادت	۲۱۰
شریعت کا اعجاز	۲۱۰
شریعت محمدی اب بھی جوان ہے اور اس کی حکومت قائم	۲۱۱
محبوب سنت	۲۱۳
وسیع ومتعدی ثواب	۲۱۳
حیات ملی میں خواص امت کا مقام اور ان کی ذمہ داریاں	۲۱۵
صالح دل کے لئے ضروری چیزیں	۲۱۶
تبلیغی جماعت کا کارنامہ	۲۲۴
ازدواجی زندگی کے رہنما خطوط	۲۲۷
تیرا خرابہ فرشتے نہ کر سکے آباد	۲۲۷

عنوان	صفحہ
وقت کا تقاضا کیا ہے۔۔۔ ؟	۲۳۱
ایک بے موقع اور ناوقت مہم	۲۳۱
خرابی کی جڑ ''برائی اور پاپ کی خواہش''	۲۳۷
تاریخ کا مطالعہ	۲۳۷
جب تک سوسائٹی میں برائی کا رجحان اور بگاڑ کی صلاحیت نہ ہو کوئی اس کو بگاڑ نہیں سکتا:	۲۳۷
خود غرض انسان:	۲۳۸
اصلاح اور سدھار کی مختلف تجاویز اور تجربے:	۲۳۹
دل کی تبدیلی کے بغیر زندگی تبدیل نہیں ہو سکتی:	۲۴۰
پیغمبر انسانیت کا مزاج بدلتے ہیں:	۲۴۱
ایثار کے دو واقعے:	۲۴۲
انسانیت کا درخت اندر سے سرسبز ہو	۲۴۳
انسانیت کے سچے نمائندے:	۲۴۴
پیغمبروں کی زندگی:	۲۴۵
خواہشات کی تسلیں سکون کا راستہ نہیں:	۲۴۶
اللہ کے پیغمبر خواہشات مین اعتدال پیدا کرتے ہیں اور صحیح ذہنیت اور صلاحیت عطا کرتے ہیں	۲۴۷
ہمارا پیغام اور ہماری صدا	۲۴۸
قرآن کا مطالبہ مکمل اطاعت وسپردگی	۲۵۸
کل مسلمان اور مکمل اسلام	۲۶۵
عالم اسلام کا عبوری دور	۲۷۹
یک لحظہ غافل گشتم وصد سالہ راہم دور شد	۲۷۹

عنوان	صفحہ
سرزمین اندلس کا ایک عزیز پیام	۲۸۰
عالم اسلام ایک عبوری دور سے گزر رہا ہے	۲۸۰
اسلام کو اقتدار کی ضرورت ہے	۲۸۲
سارا انحصار شاخ پر ہے	۲۸۳
معاشرہ زمین ہے	۲۸۵
اسلامی شریعت کے نفاذ میں ایک لمحہ کی بھی تاخیر نہ ہو	۲۸۶
کچھوا سست رفتاری کے باوجود سو رہا ہے اور خرگوش تیزی کے ساتھ مصروف عمل ہے	۲۸۷
اسلام کے ترکش کا قیمتی تیر	۲۸۹
اسپین سے مسلمانوں کے اخراج کے اسباب	۲۹۱
ملت کے تشخص کو بچایئے	۲۹۵
ملی تشخص کی حفاظت آئینی طریقہ پر کریں	۲۹۵
تشدد سے اجتناب	۲۹۶
اعتقادی ارتداد کا خطرہ	۲۹۷
وسیع پیمانے پر مکاتب قائم کریں	۲۹۸
ملت کا فرض اور اسلامی نظام حیات	۲۹۹
اسلام مکمل دین اور مستقل تہذیب ہے	۳۰۰
انسانیت کی تقدیر میں تغیر وتبدل	۳۰۱
وہ شاہ کلید جس سے ہر قفل کھل سکتا ہے	۳۰۲
صحیح اسلامی اقتدار کی ذمہ داری اور اس کے برکات	۳۰۵
ملک وقوم کی سطح پر اسلامی معاشرہ کی ضرورت	۳۱۳
ملی وحدت اور اس کے تقاضے	۳۲۳

عنوان	صفحہ
لفظ وحدت میں ایک قسم کی مقناطیسیت ہے	۳۲۳
وحدتیں وحدتوں سے ٹکراتی ہیں	۳۲۴
محض وحدت کوئی معنویت نہیں رکھتی	۳۲۵
وحدت کا اسلامی تصور	۳۲۶
ایک نئی وحدت	۳۲۷
عقیدہ اور مقصد کا اشتراک	۳۲۹
عددی لحاظ سے قلیل و حقیر، مقاصد کے لحاظ سے عظیم و جلیل	۳۲۹
چھوٹی سی برادری پر سارے عالم کا بوجھ	۳۳۱
زبان کی وحدت کے تباہ کن نتائج	۳۳۲
تہذیب کی وحدت کا انجام	۳۳۳
دو عظیم جنگوں کے اسباب	۳۳۳
پاکستانی مسئلہ	۳۳۴
آپ کو وحدت اسلامی کا منصب حاصل ہے	۳۳۷
خدا کی بستی دوکان نہیں	۳۳۹
یہ دنیا ایک مقدس وقف ہے	۳۳۹
امت خودرو کھیتی اور جنگلی گھاس نہیں	۳۴۰
خدا کی بستی دکان نہیں ہے	۳۴۱
اسلام کی عدالت قائم کیجئے	۳۴۲
مسیحیت اور یہودیت رہنمائی سے قاصر ہیں	۳۴۴
یہ دنیا شکارگاہ بنی ہوئی ہے	۳۴۵
سارا انحصار اسلام اور مسلمانوں پر	۳۴۵
سائنس اور طاقتور معاشرہ، اقتدار و تہذیب کی بنیاد اور اس کا سرچشمہ ہے	۳۴۹

عنوان	صفحہ
انسانی معاشرہ میں عدل، احسان (انصاف اور نیکی) کی اہمیت	۳۵۹
بھرے بازار اور شاہراہ عام پر کی جانے والی بات کی اہمیت وتاثیر	۲۵۹
معتدل و پرسکون (NIORMAL) حالات وفضا کی ضرورت	۱۶۱
اس عہد اور معاشرہ کی سب سے بڑی کمی	۱۶۲
خودغرضوں اور دولت پرستوں کی سنگدلی اور انسانیت کی پامالی	۳۶۳
عدل واحسان کی برکت	۳۶۴
خودغرضی ساری خرابیوں کی جڑ ہے	۳۶۵
کیا انسان ہی مارنے کے لئے رہ گیا ہے؟	۳۶۵
راجہ بکر ماجیت کا نام کیوں زندہ ہے؟	۳۶۶
شرفا اور اونچے گھرانوں کی خاص بیماریاں اور ان کے لئے ترقی کا واحد راستہ	۳۶۷
خواص کے ساتھ خصوصی معاملہ	۳۶۷
نزدیکاں رابیش بود حیرانی	۳۶۸
شرفا کی بستیوں میں فلاکت کیوں؟	۳۶۹
تاریخی بستیوں اور اونچے خاندانوں کی خاص بیماریاں اور کمزوریاں	۳۷۰
اتحاد واتفاق کے لئے ایثار وقربانی	۳۷۱
سیدنا حضرت ابوبکرؓ کا کارنامہ	۳۷۱
شریعت پرعمل نہ کرنے کی بے برکتی	۳۷۲
عربوں سے عبرت لیجئے	۳۷۳
صحت مند معاشرہ کی زندگی کے تین ستون مکاتب کا نظام	۳۷۵
اسلام کے حلقہ بگوش عربوں کو قرآن کی نوید فتح	۳۷۹
ناقابل تصور کامیابی	۳۷۹

عنوان	صفحہ
اسرائیل کا قیام	۳۷۹
اسرائیل کے ناپاک عزائم	۳۸۰
ایک بنیادی سوال	۳۸۰
خالق کائنات کا نظام	۳۸۱
فرض کیجئے	۳۸۲
رفاہی خدمات عبادت ہے	۳۸۵
دین اسلام فطرت مکین	۳۸۵
صالح معاشرتی انقلاب کی ضرورت	۳۸۷
احتساب کائنات	۳۸۹
امت کی مسلسل ذمہ داری ونگرانی	۳۹۱
زمانہ کا حقیقی خلا	۳۹۳
زمانہ کا فیشن	۳۹۳
انسانی دنیا کی تاریک ترین صدی	۳۹۴
ہم اللہ ہی کے قاصد ہیں	۳۹۵
آج زمانہ لہولعب اور ذلت ورسوائی سے عبارت ہے!	۴۰۱
پورا یورپ اس کتے کی طرح ہو چکا ہے	۴۰۱
اسلام اور خدمت خلق	۴۰۵
انسان کی فطرت میں عشق ومحبت کا عنصر	۴۰۹
اسلام توحید کا دین ہے اس میں وساطت ووکالت کی ضرورت نہیں	۴۰۹
ایک مشہود کی ضرورت جو شوق وتعظیم کا مرکز بن سکے	۴۱۰
شعائر اللہ اوران کی حکمت	۴۱۰
انسان کی فطرت میں عشق ومحبت کا عنصر	۴۱۱

عنوان	صفحہ
''صفات'' ہی کے علم سے محبت ہوتی ہے اور اسی لئے قرآن مجید اس پر بہت زور دیتا ہے	۴۱۳
اس ساغر کی کیا قیمت جو کبھی چھلک نہ پائے	۴۱۴
حج بیت اللہ جذبۂ عشق کی تسکین کے لئے ہے	۴۱۴
مادیت کے قفس زریں سے کائنات کی بیکران وسعتوں میں	۴۱۶
عقل و مادیت کے پرستاروں کے خلاف نعرۂ بغاوت	۴۱۷
حاجی حکم کا بندہ ہے اور اشاروں کا غلام ہے	۴۲۱
رحمت خداوندی کو متوجہ کرنے میں زمان و مکان کا حصہ	۴۲۱
معاشرہ انسانی کا باہمی ارتباط	۴۲۳
سائل بھی اور مسئول بھی	۴۲۴
خدا کا نام بیگانوں کو یگانہ بناتا ہے	۴۲۴
رشتوں کے توڑنے سے زندگی پر برے اثرات	۴۲۷
ہماری موجودہ حالت	۴۲۷
قوت، مرأۃ اور فکر و دل سوزی کی ضرورت	۴۲۸
سود و زیاں کی میزان	۴۳۰
واقعیت پسندی، حقائق دوستی	۴۳۰
قرآن کا مطالعہ	۴۳۱
صورت اور حقیقت	۴۳۲
حقیقت کی دائمی تاثیر	۴۳۳
زندگی کی تعمیر نو اور ایمان	۴۳۳
کامیابی اور ناکامی کی میزان	۴۳۴
شہادت ہے مطلوب و مقصود مومن	۴۳۵

عنوان	صفحہ
اسلام کی جہانگیری	۴۳۵
قوم پرستوں سے	۴۳۶
بلند و بانگ دعوے	۴۳۷
کیا پایا	۴۳۷
وسائل کی کمی نہیں	۴۳۸
اسلامیت سے بیزاری	۴۳۸
تاریخی حقیقت	۴۳۹
شکست کا ذمہ دار	۴۳۹
اسلامی تاریخ کا سب سے بڑا مجرم	۴۳۹
عزمت رفتہ کی پامالی	۴۴۰
خوددار قوموں کا شعار	۴۴۱
اسلام کی طرف بازگشت	۴۴۱
شکست کے بعد	۴۴۲
صاف گوئی اور تلخ نوائی	۴۴۳
روشنی کی کرن	۴۴۳
جاہلیت کا رجحان	۴۴۴
ہمیں رسوا نہ کیجئے	۴۴۴
عرب زعماء سے عجمی مسلمانوں کی اپیل	۴۴۴

فہرست عنوانات

انتساب ۱۹
خطبات کی اہمیت ۲۰
حرفِ گفتنی ۲۱
دعوت واصلاح کا کام ۲۳
زندہ رہنا ہے تو...... میرِ کارواں بن کر رہو ۲۵
  تیسری سپہ انس وجن تو ہے امیر جنود ۲۷
  توحید کی امانت سینوں میں ہے ہمارے ۳۰
  منصب قیادت حفاظت ملک وملت کا فریضہ ۳۲
امت مسلمہ کا فرض منصبی ۳۵
کاروانِ ملت کا جلیل القدر مسافر ۴۱
  دل کہے اور دل سنے: ۴۱
  یک لحظہ غافل گشتم وصد سالہ راہم دور شد: ۴۳
  کاروانِ ملت کا جلیل القدر مسافر: ۴۴
  تین قسم کی قربانیاں: ۴۵
  ملت کا مفاد مقدم رکھیں: ۴۶
  معاملہ ملت اسلامیہ کی تقدیر کا: ۴۸
  موجودہ صدی کو کسی معتصم کی تلاش: ۵۰
اسلام ایک تغیر پذیر دنیا میں ۵۱
  بڑی ذمہ داری: ۵۱

عنوان	صفحہ
زمانہ ثبات وتغیر کا نام ہے:	۵۲
مذہب زندگی کا نگراں ہے:	۵۳
مذہب کی تاریخ کی بعض آزمائشیں:	۵۴
ان غلاموں کا یہ مسلک ہے کہ ناقص ہے کتاب:	۵۵
باصلاحیت افراد کی کمی:	۵۶
آسان اور پر پیچ	۵۶
عہد جدید خودکشی پر آمادہ:	۵۸
غلط تشریح سے غلط فہمیاں:	۵۸
مذہب اور تہذیب:	۵۸
ضرورت تبلیغ	۶۱
ایک جلیل القدر صحابی سیدنا ابوایوب انصاریؓ:	۶۱
دوران جہاد ایک آدمی کا غلط تفسیر بیان کرنا:	۶۲
سیدنا ابوایوب انصاریؓ کا صحیح تفسیر کی طرف متوجہ کرنا:	۶۳
صحابہ کرامؓ کی دینی جدوجہد اور اس کے نتائج:	۶۳
دینی جدوجہد کے دوران صرف چھٹی کا تصور:	۶۴
بدرجہ ضرورت عارضی چھٹی کا خیال:	۶۴
چھٹی لینے کا انجام یعنی دو زبردست نقصان:	۶۴
بلندیٔ ہمت ونظریہ سب کچھ دینی جدوجہد کا ثمرہ ہے	۶۶
شان نزول کی مختصر تفصیل:	۶۶
خودکشی کیا ہے:	۷۰
حکمت روح:	۷۰
قیامت تک کی ضمانت:	۷۱

عنوان	صفحہ
ہدایت ونور نبوت سے محروم سرزمین:	۷۶
فرصت کو غنیمت جانئے:	۷۶
آثار سے مآل کا اندازہ کیجئے:	۷۷
بار نہیں ابر باراں بنو:	۷۷
نیا ایمان	۷۹
دین اور ایمان میں فرق:	۷۹
مشاہدے اور تجربے سے زیادہ نبی کی خبر پر یقین:	۸۰
کوہ صفا پر آغاز دعوت:	۸۱
حقیقی ایمان کیا ہے؟	۸۳
ایک صحابی کا واقعہ:	۸۳
حضرت ابو ہریرہؓ کا واقعہ:	۸۳
حضرت ابوذر غفاریؓ کا واقعہ:	۸۴
حضرت عبداللہ ذوالبجادین کا واقعہ:	۸۴
تازہ ایمان کی کشش:	۸۴
ہماری دعوت:	۸۵
آج تر وتازہ ایمان کی شدید ضرورت	۸۶
مسلم خواتین کی علمی ودینی خدمات	۸۹
علم مرد وعورت دونوں کے لئے	۸۹
عورت کی تعلیم کے بغیر نظام حیات کا حال	۹۰
تاریخ اسلام میں طبقہ نسواں کے کارنامے	۹۰
خواتین اسلام کی ذمہ داریاں	۹۲
ایک اعلان وشہادت بالحق	۹۳

عنوان	صفحہ
دنیا بعثت سے پہلے اور بعثت کے بعد	۹۷
آگ سے خوف...... اسباب آگ سے بے خوف	۱۰۳
سو فیصدی اسلام مطلوب ہے	۱۰۹
وادی کشمیر میں توحید خالص کا پہلا پیغام اور اس کے علمبردار	۱۱۷
حضرت میر سید علی ہمدانی کی تڑپ	۱۱۹
محبت وغیرت لازم وملزوم	۱۲۰
ایک تاریخی حقیقت	۱۲۳
تبلیغی جماعت	۱۲۷
مولانا الیاس صاحب کی دینی فکر	۱۲۷
تحریک کا آغاز وعروج	۱۲۷
مخالفین کے خلاف جماعت کا استحکام	۱۲۸
فردی کوتاہی وتقصیر کا الزام جماعت پر عائد نہ کیجئے	۱۲۹
تبلیغی جماعت کے بارے میں علامہ سید سلیمان ندویؒ کی رائے	۱۳۰
خدارا ذرا سوچئے	۱۳۰
عزم مصمم اور قوت فیصلہ ملت اسلامیہ کی ایک اہم ضرورت	۱۳۳
دنیا میں رہنا ہے تو صرف مسلمان بن کر	۱۳۴
اسلام چند رسومات وتقریبات کا نام نہیں	۱۳۵
دل بدل جائیں گے تعلیم بدل جانے سے	۱۳۶
نشان یہی ہے زندہ قوم کا	۱۴۰
اصلاح واستفادہ سے کوئی مستغنی نہیں	۱۴۳
اصلاح واستفادہ سے کوئی مستغنی نہیں ہوتا!	۱۴۳

عنوان	صفحہ
ایمان کو تازہ کرنے کی ضرورت ہے:	۱۴۴
حضرت سیّد صاحب کا واقعہ	۱۴۶
اللہ والوں کے یہاں کی باتیں ذہانت کا نتیجہ ہیں	۱۴۶
ہمارے اکابرین کا رتبہ	۱۴۸
منتخب و مامور امت	۱۵۳
ایک مثالی رہنما امت کی ضرورت	۱۵۳
عشق کے دردمند کا طرز کلام اور ہے	۱۵۷
امت مسلمہ کا وجود غزوۂ بدر کا صدقہ ہے	۱۶۵
غزوۂ بدر بقائے دین کا ضامن ہے	۱۶۵
قرآن کریم میں عورتوں کا مقام	۱۷۸
صحیح معاشرہ کی تشکیل میں عورتیں کیا اہم رول ادا کرسکتی ہیں...!	۱۷۸
اچھی زندگی کی ضمانت	۱۷۹
علمی دنیا میں عورتوں کی خدمات	۱۸۲
قرآن کریم میں مردوں کے ساتھ عورتوں کے ذکر کا اہتمام	۱۸۳
قرآن مجید میں عورتیں کے نام سے مستقل ایک سورۃ	۱۸۳
ہندو مذہب میں عورتوں کی دینی خدمات	۱۸۴
ہماری پڑھی لکھی بہنوں کی ذمہ داری	۱۸۶
ہماری مستورات نے توجہ نہ کی تو ملک خطرہ میں ہے	۱۸۷
بہنوں سن لو!	۱۸۸
ترے ضمیر پر جب تک نہ ہو نزول کتاب	۱۸۹
نصرت الٰہی کی شرائط	۱۹۹
تاریخی مطالعہ	۱۹۹

عنوان	صفحہ
حقیقت قرآن	۲۰۰
خدائی قانون بے لاگ ہے	۲۰۰
قرآن دستور حیات ہے	۲۰۱
ہمارے اکابرین کی خدمات	۲۰۲
تم ہر وقت ایک اہم ناکے پر کھڑے ہو!	۲۰۲
حضرت صدیق اکبر کا تاریخی جملہ	۲۰۲
کل قیامت کے دن تم سے باز پرس ہوگی	۲۰۴
لمحوں نے خطا کی، صدیوں نے سزا پائی	۲۰۵
اسلام ہر قیمت پر باقی رہے	۲۰۶
عقیدہ کی صحت	۲۰۶
شرک ضعف کا سبب ہے	۲۰۷
آپس کی چپقلش سے اجتناب کریں	۲۰۸
دنیا کی محبت تمام برائیوں کی جڑ ہے	۲۰۸
اسراف سے اجتناب	۲۰۸
مسلمانوں کی سب سے بڑی کمزوری	۲۱۰
آپ سے دردمندانہ گزارش	۲۱۱
غیر اسلامی تہذیب واقتدار کے مراکز میں مقیم مسلمانوں کی ذمہ داریاں	۲۱۵
خواص، ملت میں ان کا مقام اور ذمہ داریاں	۲۱۹
خواص کی اصطلاح:	۲۱۹
''خواص'' کا جاہلی مفہوم:	۲۱۹
قرآن مجید میں ''مترفین'' کی اصلاح اور ان کا کردار:	۲۲۰

عنوان	صفحہ
''خواص'' کا اسلامی مفہوم اور ان کی سیرت واخلاق:	۲۲۲
اپنے ''خواص'' اور ''عزیزوں'' کے بارے میں رسول اللہ کا طرز عمل	۲۲۳
خواص امت کا طرز عمل:	۲۲۵
اہل فکر وقائدین کا مقام اور ذمہ داری:	۲۲۶
حفاظت دین وملت کا مورچہ:	۲۲۸
ملت کے نمائندوں کی کمزوری کا خمیازہ:	۲۲۹
ملت کے نمائندوں اور منتخب افراد کی ذمہ داری:	۲۳۰
دین کی نبوی مزاج، اور اس کی حفاظت کی ضرورت	۲۳۳
سیدنا حضرت حسینؓ کا کارنامہ	۲۳۸
قابل غور مقام	۲۴۰
دعوت اور حکمتِ دعوت	۲۴۷
واقعات سے مربوط رہئے	۲۵۰
چند واقعات	۲۵۰
مولانا جعفر تھانسری کی للّٰہیت	۲۵۲
توحید کی دعوت میں انس پیدا کیا جائے	۲۵۴
مناور کو کس طرح منارۂ نور بنایا جا سکتا ہے؟	۲۵۷
دین کا اصل موضوع اور رضائے الٰہی کی قیمت	۲۵۷
آخرت کی عظمت ووسعت	۲۵۸
دین پر عمل کرنے سے دنیا میں بہشت کا مزہ	۲۵۹
دین پر عمل کرنے کی برکتوں کو دیکھنے کے لئے دنیا سفر کر کے آئے گی	۲۶۱
دین پر ناقص عمل اور شریعت کے حصے بخرے	۲۶۱
امت محمدیہ کے ساتھ اللہ تعالےٰ کا معاملہ	۲۶۳

عنوان	صفحہ
عقائد وعبادات میں مسلمانوں کا طرز عمل	۲۶۳
ہم نے اپنی زندگی سے لوگوں کو اسلام سے روکا	۲۶۴
احکام شریعت پر عمل نہ کرنے کی نحوست	۲۶۵
عقائد واعمال کی تاثیر اور معاصی کے نتائج واثرات	۲۶۵
دین حق اور دعوت اسلام ایک فلک بوس اور سدا بہار درخت	۲۶۹
قرآن کریم کا اعجاز	۲۶۹
داعیان اسلام کی حکمت وبصیرت	۲۸۱
وہ نازک اور خوف وہراس کا عالم جس نے اس گفتگو کی تقریب پیدا کی	۲۸۲
مسلمان پناہ گزینوں کا پرفریب اور نفرت انگیز تعارف:	۲۸۳
نازک اور کشمکش میں ڈالنے والی پوزیشن:	۲۸۴
حضرت جعفر بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کا حکیمانہ طرز:	۲۸۵
نجاشی کے دربار میں:	۲۸۶
ایوان شاہی میں حضرت جعفرؓ کی تقریر کا اثر:	۲۸۷
عقیدہ کی آزمائش اور حاضر جوابی:	۲۸۸
ایک ذہنی ودعوتی معرکہ میں فتح ونصرت:	۲۸۹
اس ملک کی قسمت اسلام سے وابستہ ہے!	۲۹۱
ترتیب خلافت میں حضرت حسنینؓ کے مثالی اقدام	۲۹۹
ایمان کی قدر:	۳۰۱
نیابت رسول اللہ ﷺ !	۳۰۲
وفات نبوی کے بعد!	۳۰۴
عیسائیت کی اصلیت وحقیقت:	۳۰۵
دین ایمان کو جسم وجان پر ترجیح دینا ایمانی تقاضا ہے	۳۲۱

عنوان	صفحہ
ہندوستانی مسلمانوں کی غیرت کا امتحان	۳۲۳
ذاتی مفاد کی ترجیح کا رجحان خطرناک ہے	۳۲۴
غیرت ایمانی کا تقاضا	۳۲۴
اسلام کے لئے کسی موہوم خطرے کو بھی گوارا نہیں کرنا چاہیے	۳۲۵
جسمانی موت کے بجائے روحانی موت خطرناک ہے	۳۲۶
ہماری ایمانی حالت قابل تشویش ہے	۳۲۶
صحابہ کرامؓ کے ایمان و عمل کے اعلیٰ معیار کی ایک مثال	۳۲۸
کم از کم ایمان کا ادنیٰ تقاضا پورا کریں	۳۲۹
سنت یعقوبی کو زندہ کرنے کی ضرورت ہے	۳۲۹
ایمان اور اس کی قیمت	**۳۳۲**
وطن مانوس چیزوں کا مجموعہ ہے	۳۳۲
ایمان کی حفاظت کیلئے ہر چیز کو قربان کرنے کی ضرورت	۳۳۳
راہ خدا میں سردھڑ کی بازی لگانے کی ضرورت	۳۳۵
آئندہ نسل کی سلامتی کے لئے لائحہ عمل	۳۳۶
تیتی مسلمانوں کیلئے ایک لمحہ فکریہ	۳۳۷
انسانیت کی سب سے بڑی ضرورت عقیدہ، عمل اور دعوت	**۳۳۹**
زندگی کو خالق کے منشا کے مطابق گزارے!	۳۴۰
اگر ضرورت تھی تو.........!	۳۴۱
مسلمانوں سے اپیل:	۳۴۳
مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندوی رحمہ اللہ علیہ. کا پیغام خواتین اسلام کے نام	**۳۴۵**
قرآنی قصوں کی اہمیت وافادیت	۳۵۱

عنوان	صفحہ
دعوت دین میں حکمت ووسعت اور ہر زمان ومکان کے لئے اس کی ہم آہنگی	۳۵۹
ایک دیرینہ آرزو کی تکمیل:	۳۵۹
قرآن کریم کا موضوع دعوت وہدایت ہے:	۳۶۰
دعوت وتبلیغ کا کام قوانین وضوابط کا پابند نہیں ہے:	۳۶۰
دعوت کے زمانی اور مکانی حدود:	۳۶۱
آیت دعوت کا اختصار واعجاز اس کی وسعت اور گیرائی:	۳۶۲
دعوت کا ایک اہم عنصر، واقعات اور مثالیں:	۳۶۴
ایک مومن کی دعوت کا نمونہ جو اپنا ایمان مخفی رکھے ہوئے تھا:	۳۶۵
حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دعوت کے دو نمونے	۳۶۷
ایک فرزند اپنے باپ کو دین کی دعوت دیتا ہے:	۳۶۷
حضرت ابراہیم علیہ السلام اور دلائل کا حسن انتخاب:	۳۶۸
حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اپنی قوم کو دعوت فطرت انسانی اور حقائق کی بنیاد پر گفتگو:	۳۶۹
ذہانت، قوت گفتار اور مخاطب کی مدافعانہ صلاحیت سے فائدہ اٹھانا:	۳۷۱
قرآن کریم کا طرز۔ اثبات مفصل اور نفی مجمل:	۳۷۲
دلی جوش اور امنگ کے ساتھ اللہ کا تذکرہ:	۳۷۳
دل کی آواز موقع ومناسبت کی جستجو نہیں کرتی	۳۷۴
حضرت یوسف علیہ السلام کے طرز تبلیغ کا ایک نمونہ	۳۷۶
ایک انوکھا ماحول جس میں حضرت یوسفؑ نے دعوت دی:	۳۷۷
احترام واعتماد کا مرکز:	۳۷۹
احسان کا مفہوم:	۳۸۰

عنوان	صفحہ
بھیانک خوابوں سے زیادہ قابل فکر بات:	۳۸۱
آغاز گفتگو کا حسین پیرایہ:	۳۸۲
پہلی تفسیر:	۳۸۳
دوسری تفسیر:	۳۸۳
مرغوب اور پسندیدہ چیز کے ذکر سے طبیعت میں نشاط پیدا ہوتا ہے۔	۳۸۴
ایک دلنشیں اور سبک پیرائے میں دعوت کی طرف روئے سخن کا پھیر دینا	۳۸۵
جادۂ صد سالہ کو حضرت یوسفؑ ایک لمحہ میں طے فرماتے ہیں:	۳۸۶
ایک قرآنی معجزہ:	۳۸۷
ایک ایسے داعی کا طریقہ کار جو اللہ کی طرف سے الہام کی نعمت سے سرفراز ہے:	۳۸۸
حضرت موسیٰؑ کی دعوت اور پیغمبرانہ حکمت کے چند نمونے	۳۸۹
پیغمبرانہ دعوت کا ایک اور نقش جمیل:	۳۸۹
حضرت موسیٰ علیہ السلام کی مہم دوسرے انبیاء کرام کی مہم سے قدرے مختلف ہے:	۳۸۹
بنی اسرائیل کی ان کے معاصرین کے مقابلہ میں جداگانہ نوعیت وخصوصیت:	۳۹۰
حضرت موسیٰ علیہ السلام پر دوہری ذمہ داریاں:	۳۹۱
فرعون کا منصوبہ اور انتظامات کی ناکامی:	۳۹۱
خرق عادت کا پورا ماحول:	۳۹۲
ایمان اور قلبی قوتوں کی کاوشیں:	۳۹۴
اللہ کا محبوب ترین بندہ... ایک مبغوض ترین بندہ کے پاس جاتا ہے:	۳۹۵

عنوان	صفحہ
فرعون کی ترکش کا ایک زہریلا تیر:	۳۹۷
حکمت پیغمبرانہ اور مکمل معجزہ:	۳۹۸
دعوت میں پختگی کے ساتھ جما رہنا اور کسی حال میں اس مقصد کو فراموش نہ کرنا:	۳۹۹
فرعون کی فکری پینترا بازی اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کی استقامت اور کامیابی:	۴۰۰
فرعون کے ترکش میں ایک ہی تیر تھا جس کو اس نے آزمالیا:	۴۰۱
فرعون کی ترکش کا آخری تیر:	۴۰۲
حضرت موسیٰ علیہ السلام اور ان کی قوم بنی اسرائیل	۴۰۵
حضرت موسیٰ علیہ السلام کے چار واضح اور فیصلہ کن مواقف:	۴۰۵
منصب نبوت اور سیاسی قیادت کا فرق:	۴۰۶
فرعون کے وزراء ایک تیر سے دو شکار کرنا چاہتے تھے:	۴۰۷
پیغمبرانہ روح کا تابناک نمونہ:	۴۰۸
ایک راہ شناس مبلغ جس کو اللہ تعالیٰ نے ایک بڑی مہم سر کرنے کے لئے تیار کیا تھا:	۴۰۸
ہمت شکن اور دل توڑنے والی بات:	۴۱۰
داعی ہر حال میں داعی ہی رہتا ہے:	۴۱۲
حضرت موسیٰ علیہ السلام نے کچھ اور چاہا اور اللہ تعالیٰ نے کچھ اور کر دیا:	۴۱۳
ہرگز نہیں، میرا رب میرے ساتھ ہے، وہ مجھے راستہ بتائے گا:	۴۱۴
پھر کیا ہوا!!	۴۱۶
ارادۂ الٰہی اور اسباب مادی	۴۱۷
مادی اسباب کے سلسلے میں انبیاء اور ان کے مخالفین کا فرق	۴۱۷

عنوان	صفحہ
متعین ومقصود موضوع:	۴۱۸
تجربہ اور اللہ کی رحمت کی ترغیب:	۴۱۹
تمام انبیاءؑ کے ساتھ اللہ کا طریقہ:	۴۲۰
مادیت کے لئے سب سے بڑا چیلنج اور اسباب کی خدائی کے خلاف سب سے بڑی بغاوت:	۴۲۲
حضرت موسیٰ کا واقعہ تنگ اور محدود مادی ذہنیت کے لئے چیلنج:	۴۲۵
قصہ حضرت یوسفؑ اور معروف طریقوں سے اس کی دوری:	۴۲۷
قصہ یوسفؑ اور سیرت نبوی میں مماثلت:	۴۲۸
رسول اللہ ﷺ کو مدد غیبی اور عظیم مستقبل کی بشارت:	۴۲۹
انبیاء کی کامیابی امت کی کامیابی:	۴۳۰
داعیوں اور مومن وصالح کام کرنے والوں کے لئے قوت واعتماد کا سرچشمہ:	۴۳۱
انبیاء کی دعوت پر ایمان یا پھر ہلاکت وتباہی:	۴۳۳
انفرادی اور قومی مصالح کی کوئی قیمت نہیں:	۴۳۳
ایک پھیلا ہوا غلط خیال:	۴۳۴
ایمان واطاعت مومن کا ہتھیار اور کامیابی کی کنجی:	۴۳۵
امت مسلمہ کا مستقبل انبیاءؑ کی سیرت سے وابستہ:	۴۳۵
اجتماعی ذہن اور قربانی وایثار کا جذبہ	۴۳۷
تبلیغ دین کے لئے ایک اصول	۴۴۱

فہرست عنوانات

انتساب	۱۹
خطبات کی اہمیت	۲۰
خامہ فرسائی	۲۱
میری علمی اور مطالعاتی زندگی	۲۳
سوالنامہ	۵۷
علوم اسلامیہ کے سوتے ایمانیات سے ملتے ہیں	۷۳
مہارت اور اختصاص ضروری ہے:	۷۳
معیار کی طرف توجہ کی ضرورت ہے	۷۴
استشراق کی ترقی کا راز	۷۵
علم کا عشق	۷۵
ماضی قریب کی علمی شخصیتیں	۷۷
علم محنت بھی ہے اور انعام بھی	۷۸
دلچسپی اور شغف عارضی نہ ہو	۷۹
علوم اسلامیہ کے سوتے ایمانیات سے ملتے ہیں	۷۹
عربی زبان کی اہمیت	۸۰
انتشار انگیزی سے احتراز کیجئے	۸۱
ملک وملت کی نوجوانوں سے توقعات	۸۳
اٹھو! کہ اب گردش جہاں کا انداز اور ہے	۹۵
''الاصلاح'' کا قیام ایک جرأت مندانہ اقدام تھا:	۹۵

عنوان	صفحہ
آج زمانہ بہت بدل چکا ہے:	۹۶
متوسط درجہ کی لیاقت کافی نہیں:	۹۷
زمانہ کا دامن سمٹتا اور پھیلتا رہتا ہے:	۹۸
آج پہلے سے کہیں زیادہ تیاری کی ضرورت ہے:	۹۸
تحقیق ومطالعہ کا میدان بہت وسیع ہے:	۹۸
بہت سے قدیم مباحث آج اپنی اہمیت کھو چکے ہیں:	۹۹
زمانہ آسانی کے ساتھ کسی کو تسلیم نہیں کرتا:	۹۹
یقین کی طاقت:	۱۰۰
سب سے بڑا معرکہ افکار.	۱۰۱
آج کا تجدیدی کام:	۱۰۲
یہ چیلنج قبول کیجئے:	۱۰۲
آج زمانہ زیادہ اہم چیزوں کا طالب ہے:	۱۰۲
یہ علم کا، تہذیب کا، خیالات کا اور مقاصد کا حرم ہے:	۱۰۳
بنگلہ زبان میں فاضلانہ مہارت پیدا کیجئے	۱۰۵
ملک کا رشتہ اسلام سے کمزور نہ ہونے پائے!	۱۰۵
مادری زبان میں مہارت حاصل کرنے کی ضرورت	۱۰۶
اس ملک کی حفاظت کی ذمہ داری آپ پر ہے	۱۰۸
علی گڑھ مسلم یونیورسٹی کا کام اور پیغام	۱۱۱
مسلم یونیورسٹی کی حیثیت	۱۱۳
ذاتی تعلق، ذاتی محنت اور جذبہ خدا طلبی	۱۲۱
قدیم رسم:	۱۲۱

عنوان	صفحہ
ذاتی تعلق:	۱۲۲
ذاتی محنت:	۱۲۳
جذبہ خدا طلبی:	۱۲۳
آج نبوت محمدی پر الحاد و دہریت کا حملہ ہے	۱۲۷
کوئی شاہین ہے جو اس کے مقابلہ کی سعادت حاصل کرے؟	۱۲۷
طلبہ کی دو قسمیں:	۱۲۷
دوسری قسم:	۱۲۹
عصر حاضر کے فتنے:	۱۳۱
تمہارا میدان:	۱۳۲
نبوت محمدی ﷺ پر الحاد و دہریت کا حملہ:	۱۳۲
یکسوئی کی ضرورت:	۱۳۴
ایک فیصلہ:	۱۳۵
پاکیزہ ذوق، علم و مطالعہ کی کنجی ہے	۱۳۷
نصاب تعلیم کا دائرۂ عمل:	۱۳۷
ذوق کیسے پیدا کیا جائے؟	۱۳۷
ایک مثال:	۱۳۸
اعتماد، اعتقاد اور اتحاد:	۱۴۰
مدرسہ کیا ہے؟	۱۴۱
راجستھان کا ایک یادگار دن:	۱۴۱
خزاں رسیدہ انسانیت کے ساتھ اللہ تعالیٰ کا فیصلہ:	۱۴۲
مرض اور مسیحائی کے درمیان اٹوٹ رشتہ:	۱۴۳

عنوان	صفحہ
صحرا بہار کا پیغام دیتا ہے:	۱۴۴
ہری ہوئی ساری کھیتی خدا کی:	۱۴۵
علماء ہند کی علمی خدمات:	۱۴۷
مدرسہ کس درد کی دوا ہے؟	۱۴۹
مدرسہ کا شجرۂ نسب:	۱۵۰
یہ ہے مدرسہ کی شان:	۱۵۳
دوسرا نمونہ دیکھئے:	۱۵۳
جامعہ ہدایت کے طلبہ اور فضلاء کو ہدایت:	۱۵۵
عالم ہر زمانہ میں قبلہ نما رہے:	۱۵۷
مدرسوں نے ہوا کے رخ پر چلنا قبول نہیں کیا:	۱۵۸
دارارقم جو مسلمانوں کی پناہ گاہ تھا	۱۵۹
وقت کا سب سے بڑا اجہاد	۱۶۹
چراغ زندگی اور دستور العمل	۱۷۷
کوشش کا نتیجہ ضرور نکلے گا	۱۷۸
درس نظامی اور ملا نظام الدین سہالوی	۱۷۹
علم اور کمال	۱۸۰
زبان کی حسیت اور خاصہ لسانی سے واقف ہونا ضروری ہے	۱۸۲
مسائل کا استحضار	۱۸۳
مادر علمی سے محبت	۱۸۵
عقیدۂ توحید اور اتباع سنت	۱۸۶
بیعت کر لیجئے	۱۸۷

عنوان	صفحہ
ہدایت اور انقلاب	۱۸۷
دعوت اور پیغام	۱۸۹
نزول قرآن کا مقصد اور حاملین قرآن کی ذمہ داریاں	**۱۹۱**
منصب نبوت اور اس کا کام:	۱۹۱
تلاوت آیت.	۱۹۲
تزکیہ نفس.	۱۹۲
نزول قرآن کا اہم ترین مقصد.	۱۹۲
تعلیم کتاب:	۱۹۴
تربیت وتزکیہ:	۱۹۶
تجدید سلوک:	۱۹۶
حامل قرآن کی ذمہ داریاں:	۱۹۶
عبرت آموز واقعہ:	۱۹۸
قرآن کی دولت سب سے بڑی دولت ہے:	۱۹۹
روحانیت پیدا کرنے کے لئے عظمت اور اکتساب ضروری ہے	۲۰۱
قرب الٰہی کا سب سے بڑا ذریعہ قرآن کریم ہے:	۲۰۲
قرآن کو بطور پیشہ پڑھنا گناہ ہے:	۲۰۳
قرآن سے فائدہ حاصل کرنے کے لئے صحبت اور محنت ضروری ہے:	۲۰۳
متنوع اور گہرے مطالعہ کی ضرورت	**۲۰۵**
عالم اسلام کی موجودہ صورتحال کا تقاضا	۲۰۵
کورس کی کتابوں اور مطالعہ کی کتابوں میں فرق	۲۰۵
اسلام کے بارے میں موجودہ دانشور طبقے کے خیالات	۲۰۶

عنوان	صفحہ
کتاب کے اندر علمی وزن، طرز نگارش اور	۲۰۷
نفسیات شناسی بھی ضروری ہے	۲۰۹
مغربی تہذیب کا سو فیصدی انکار صحیح نہیں ہے	۲۰۹
چند بنیادی کتب جن کا مطالعہ ضروری ہے	۲۱۱
کلیات اقبال ضرور پڑھئے	۲۱۳
حیاۃ الصحابہ کی افادیت	۲۱۳
مدرسہ دینیہ سے فارغ ہونے والے طلبا کے نام	**۲۱۵**
اپنا وقار بلند کریں	۲۱۶
زہد و استغنا کی ایسی مثال قائم کریں کہ...... !!	۲۱۷
اپنے ضمیر کو آزاد رکھیں	۲۱۸
اسی مادر علمی سے رشتہ نہ ٹوٹے۔	۲۱۹
علمائے حق نے وراثت نبوت کا حق کس طرح ادا کیا؟؟	**۲۲۱**
دین خالص	۲۲۱
دین خالص سے نفرت	۲۲۱
علما کی اصل ذمہ داریاں	۲۲۳
ایک لمحۂ فکریہ	۲۲۴
جانشین انبیا کی خصوصیات	۲۲۸
علمائے دین کا منصب	**۲۲۹**
استقامت اور حقیقت پسندی کا جامع	**۲۲۹**
علما امت کی شان	۲۳۰
امت مسلمہ کا فرض	۲۳۲

عنوان	صفحہ
ملک کو تباہی سے بچانا ہماری ذمہ داری ہے!	۲۳۴
بے مثال استاد...... بے مثال شاگرد	**۲۳۷**
استاد اور شاگرد کا تعلق	۲۳۷
خوش نصیب طالب علم	۲۳۸
ہر چیز تقدیر الٰہی کے مطابق ہوتی ہے	۲۴۰
شیخ خلیل عرب سے ہمارا تعلق	۲۴۰
حضرات! جامعات و کالج کی سب سے بڑی کوتاہی	۲۴۲
دنیا کی تین بڑی جامعات	۲۴۲
استاد اور طالب علم کے درمیان ربط	۲۴۴
استاد ایسا ہو جو اپنا ذوق طالب علم میں منتقل کرنے کی صلاحیت رکھتا ہو	۲۴۷
قرآنی مطالعہ اور اس کے آداب	**۲۴۹**
قرآن مجید ہر موقع پر مشکل کشائی اور دست گیری کرتا ہے:	۲۴۹
قرآن مجید کی حکمت دعوت:	۲۵۰
دل کا دروازہ کبھی کبھی کھلتا ہے:	۲۵۱
مطالعہ قرآن مجید سے علمی زندگی کا آغاز:	۲۵۱
قرآن مجید کا مزاج صدیقی ہے:	۲۵۲
مولانا سید سلیمان ندوی اور علوم قرآن:	۲۵۳
اجتباء خاص، ہدایت عام:	۲۵۴
قرآن مجید پڑھ کر انسان مشرک نہیں ہوسکتا:	۲۵۵
عقل جج نہیں بلکہ وکیل ہے:	۲۵۵

عنوان	صفحہ
ہدایت کے لئے قرآن آسان ہے	۲۵۶
افادہ اللہ کی طرف سے:	۲۵۷
میری ذاتی کتاب،	۲۵۸
عالم اسلام میں اعلیٰ تعلیم کا مقصد ومنہج	۲۶۱
علم ایک صداقت ہے۔	۲۶۱
تعلیم کا اصل مقصد	۲۶۲
خاص ہے ترکیب میں قوم رسول ہاشمی:	۲۶۴
اسلامی ملک کا معاملہ زیادہ اہم ہے:	۲۶۵
کسی اسلامی ملک کی جامعہ کا اولین فریضہ:	۲۶۶
قلب اور دماغ دونوں کا اطمینان ضروری ہے:	۲۶۶
علم کی قسمت قلم سے وابستہ۔	۲۶۷
یہ دین علم سے الگ نہیں ہوسکتا:	۲۶۹
سب کا خلاصہ، علم الانسان مالم یعلم:	۲۷۰
سیرت سازی:	۲۷۲
مقصود ہنر سوز حیات ابدی ہے:	۲۷۳
زرخیز زمین مردم خیز خطہ	۲۷۷
ملک کی عظمت کا حقیقی معیار:	۲۷۷
یہاں آکر خوشی حاصل ہوئی:	۲۷۸
اپنی بہترین صلاحیت اس ملک پر صرف کریں:	۲۷۸
نظریات، فلسفوں اور علمی تحقیقات ومسلمات کا غلبہ جاری ہے:	۲۷۹
علم کسی منزل پر رکتا نہیں:	۲۸۰

عنوان	صفحہ
کاش یہ کام اسلامی ملکوں میں ہوتا:	۲۸۱
آپ نوبل پرائز حاصل کریں:	۲۸۱
مسلم اقوام کے دل کی زرخیز زمین:	۲۸۲
زرخیز زمین میں مردم خیز خطہ:	۲۸۳
محبت مجھے ان جوانوں سے ہے ستاروں پہ جو ڈالتے ہیں کمند	۲۸۵
محبت مجھے ان جوانوں سے ہے:	۲۸۵
صراط مستقیم پل صراط ہے:	۲۸۵
اگر آسانیاں ہوں زندگی دشوار ہو جائے:	۲۸۶
آپ کا رب آپ سے مخاطب ہے:	۲۸۶
مسئلہ ربوبیت کا تھا:	۲۸۷
نوجوانوں کا جذبۂ عمل:	۲۸۸
ہم نے ان کے دلوں کو تھام لیا:	۲۸۹
وادیٔ گلزار، وادیٔ پرخار:	۲۸۹
تین باتیں:	۲۹۱
مسلح مادیت کا مقابلہ:	۲۹۲
اسلام کے ہاتھ میں رہنمائی:	۲۹۳
اپنی فکر کیجئے:	۲۹۳
منفی حصہ مثبت حصہ سے بڑھنے نہ پائے:	۲۹۴
اپنا مطالعہ وسیع کیجئے:	۲۹۴
میرے دل میں آپ کے لئے جگہ ہے:	۲۹۵

عنوان	صفحہ
اخلاص، جذبۂ قربانی اور جوہر ذاتی	۲۹۷
فراغت کا غلط تخیل:	۲۹۸
اخلاص:	۲۹۸
جذبۂ قربانی:	۲۹۹
جوہر ذاتی:	۲۹۹
آخری بات:	۳۰۰
علماء اور تعلیم یافتہ طبقہ کی ذمہ داریاں	۳۰۱
علماء اور تعلیم یافتہ طبقہ کی ذمہ داریاں:	۳۰۱
مسلم حکومتوں میں علماء کا کارنامہ:	۳۰۲
مسلمانوں کے فاتح اسلام کے مفتوح:	۳۰۲
یہ دین جہالت سے نہیں بلکہ علم سے پیدا ہوا ہے:	۳۰۳
عیسائیت مستقل شریعت نہیں رکھتی تھی:	۳۰۴
اسلام اور علم کا چولی دامن کا ساتھ ہے:	۳۰۵
اسلام زمانہ کا رفیق ہی نہیں بلکہ راہنما ہے:	۳۰۵
اسلام کو ہر مفاد پر ترجیح دیجئے:	۳۰۶
ایثار و قربانی:	۳۰۸
اسلام اور علم کا دائمی رشتہ	۳۱۱
اسلام اور علم کا رابطہ	۳۱۱
پہلی وحی میں علم و قلم کا تذکرہ	۳۱۲
تعلیم و تعلم کی ضرورت اور اس کا انتظام	۳۱۳
حفاظت قرآن کا مفہوم	۳۱۳

عنوان	صفحہ
فضلائے مدارس کا فرض	۳۱۴
عوام کی ذمہ داری	۴۱۵
مدارس دینیہ کے قیام وبقاء کے شرائط	۳۱۷
انسانی سعی وکوشش کے آثار ومظاہر	۳۱۷
مردم خیز شہر اور قصبے	۳۱۸
مالوہ کی قدیم تاریخ	۳۱۸
رضا کار وایثار پیشہ خادم دین، علماء اور نگران حکومت ومعاشرہ صوفی	۳۱۹
اجتماعی کام کی شرطیں	۳۲۱
عمارت کے تین پتھر	۳۲۱
مسلمانوں میں تعاون کی کمی	۳۲۲
پہلے دل جوڑنا پھر اینٹیں	۳۲۲
فتح وغلبہ کے دو الٰہی نظام	**۳۲۵**
دو الٰہی نظام	۳۲۵
منصفانہ قانون، میزان عدل	۳۲۵
دلائل سے بے نیاز	۳۲۶
دوسرا نظام	۳۲۶
طبعی نظام کی شکست	۳۲۷
انبیاء کی بے سروسامانی اور بے اسبابی	۳۲۸
غیبی تائید اور اسباب	۲۳۰
کامیابی کا رمز	۳۳۰
انبیاء کرام عقل سلیم کا اعلیٰ نمونہ	۳۳۱
فرعون اور حضرت موسیٰ کی کشمکش	۳۳۱

عنوان	صفحہ
مشعل راہ	۳۳۳
تاریخ ساز واقعہ	۳۳۳
دعاء کا پاسنگ	۳۳۴
''فیصلہ تیرا تیرے ہاتھوں میں ہے، دل یا شکم''؟	۳۳۵
بحر و بر پر حکمرانی	۳۳۵
مومنانہ فراست	۳۳۶
ایمان وعقیدہ کا نظام	۳۳۷
موجودہ عربوں کی دونوں نظاموں سے بغاوت	۳۳۷
نسل ونسب	۳۳۸
۵/جون کی جنگ	۳۳۸
جنگ کے زمانہ میں مصر کی اخلاقی و دینی حالت	۳۳۹
ایک غیر عرب بادشاہ کا عمل	۳۴۰
شکست تعجب خیز نہیں	۳۴۰
یمن کی داستان غم	۳۴۱
''نغمہ ہندی ہے تو کیا، لے تو حجازی ہے مری''	۳۴۲
عرب قومیت کے علم برداروں نے کیا دیا؟	۳۴۳
عرب قومیت میں غیر عربوں کے لئے کوئی کشش نہیں	۳۴۴
قومیت عربیہ اور عالم انسانیت	۳۴۴
دنیا تمہاری منتظر ہے	۳۴۵
اجتہاد اور فقہی مذاہب کا ارتقاء	۳۴۶
(۱) اسلام کی دائمی حیثیت:	۳۴۶
(۲) امت مسلمہ، شریعت اسلامیہ، اور انسانی زندگی:	۳۴۷

عنوان	صفحہ
دوسری اور تیسری صدی ہجری میں اجہاد اور مجتہدین:	۳۴۷
امت اسلامیہ کی زندگی میں اجتہاد کی فضیلت:	۳۴۹
چوتھی صدی ہجری سے پہلے لوگوں کی حالت:	۳۵۲
تبع رسول ﷺ کی اجتہادی فکر:	۳۵۴
مذاہب اربعہ کی خصوصیات:	۳۵۵
اجتہاد کی ضرورت، جدید نسل کی کوتاہی:	۳۵۶
بعض علاقوں اور ادوار میں اجتہاد کے معطل ہونے کے اسباب:	۳۵۷
اجتہاد کی حدود:	۳۵۸
دین ہی زندگی کا محافظ ہے:	۳۵۹
مغربی تعلیم اور اس کے تباہ کن اثرات	۳۶۱
ایک اہم مسئلہ:	۳۶۱
انسانی معاشرے کا مزاج:	۳۶۱
معاشرہ میں کمزوری:	۳۶۳
مولانا سید ابوالحسن علی ندوی کا پیغام فیصل ایوارڈ کمیٹی کے نام	۳۷۳
مرد وہ ہیں جو زمانہ کو بدل دیتے ہیں	۳۷۶
فقہ وقضا کی صلاحیت میں علماء گجرات کا امتیاز واختصاص	۳۸۴
عالم اسلام میں احساس کہتری کا مرض اور اس کے اثرات ونتائج	۳۹۸
علم کا بھی ایک قانون ہے	۴۰۸
صحیح راہ کی ضرورت:	۴۰۸
حروف تہجی کی اہمیت	۴۰۹

عنوان	صفحہ
یورپ میں استاد وشاگرد:	۴۱۰
علم دین کا امتیاز:	۴۱۱
علم کے آداب:	۴۱۲
قحط الرجال کا دور:	۴۱۳
اصل مسئلہ ترجیح کا ہے	۴۱۵
اول سلام:	۴۱۵
موقعہ سے فائدہ اٹھایئے:	۴۱۵
ہاتھی یا علم حدیث:	۴۱۷
ترجیح کی بات:	۴۱۸
شعائر اللہ کا احترام:	۴۱۹
بے حرمتی کا انجام:	۴۲۰

فہرست عنوانات

ختم نبوت (۱) ۱۹
دین کی تکمیل اور امت کی نیابتِ انبیاء ۱۹
محمد ﷺ پر سلسلہ نبوت کے خاتمہ اور ان کے بعد
ان کے منقطع ہو جانے کا اعلان ۲۰
وہ صفات جو دائمی نبی اور آخری رسول ہی کے ہو سکتے ہیں ۲۳
محمد رسول ﷺ اللہ کی سیرت وحیات قیامت تک کے انسانوں کیلئے
قابل تقلید نمونہ واسوہ اور اس کے لئے غیبی انتظامات ۲۵
محمد ﷺ سے امت کا مضبوط دائمی رشتہ ۲۸
بعثت محمدی کے وہ خصائص جو نئی نبوت کے متحمل نہیں ۲۹
تمام اقوام وامم کے لئے رسالت محمدی کی عمومیت
اور اصلاح وتبدیلی سے بے نیازی ۳۱
گزشتہ آسمانی صحیفے اور قرآن علم وتاریخ کی میزان میں ۳۷
کسی نئے نبی کی آمد سے متعلق قرآن خاموش ہے ۴۶
ختم نبوت کے بارے میں صریح وصحیح اور متواتر احادیث ۴۷
صحابہ کرام اور ملت اسلامیہ کا محمد ﷺ کے بعد ختم نبوت پر
اجماع اور دعوی نبوت سے ان کی نفرت ۴۹

ختم نبوت (۲) ۵۱
ختم نبوت انسانیت کے لئے عزت ورحمت ہے ۵۱
اگلے مذاہب مین مدعیان نبوت کی کثرت، عقیدہ کی سلامتی
اور دین کی وحدت کے لئے خطرہ شدید ۵۴

عنوان	صفحہ
ختم نبوت دین کامل کا لازمی نتیجہ ہے	۵۹
دین اسلام کی زندگی، تازگی اور اس کی مردم خیزی کی صلاحیت	۵۹
تاریخ اسلام میں اصلاحی وتجدیدی تحریکوں کا تسلسل اور اس کا راز	۶۲
احساس ذمہ داری اور باطل کا مقابلہ کرنے کے عزم وقوت پر عقیدہ بقائے نبوت کا اثر	۶۳
''ختم نبوت'' ملت اسلامیہ کے لئے اللہ کی رحمت اور احسان وعنایت ہے	۶۴
ختم نبوت' فکری انار سے نجات	۶۵
عقیدہ ختم نبوت کا تمدن پر احسان	۶۵
مدعیان نبوت کا فتنہ عظیم	۶۶
دنیا میں مکالمت ومخاطبت الٰہی اور رویت باری کا فتنہ	۶۶
اسلام اور مسلمانوں کے مفاد میں اجتماعی الہام اور جماعتی ہدایت	۶۹
مسلمانوں کے درمیان تفرقہ اندازی	۷۱
اسلام کے بدترین دشمن	۷۲
امت کی بقاء اور عقیدہ ختم نبوت	۷۵
امت محمدیہ کی بقا ختم نبوت پر ہے	۸۷
ختم نبوت انعام خداوندی اور امت اسلامیہ کا امتیاز ہے	۹۱
ختم نبوت انعام خداوندی اور امت اسلامیہ کا امتیاز ہے	۹۱
ذہنی انتشار سے حفاظت:	۹۳
ختم نبوت کا زندگی اور تمدن پر احسان:	۹۳
قادیانیت کی جسارت اور جدت:	۹۴

عنوان	صفحہ
اسلام کی بقاء اور تسلسل کے لئے غیبی انتظامات:	۹۵
ادیان سابقہ میں دعویداران نبوت کی کثرت:	۹۶
''قادیانیت'' کا وجود اور اس کا اصل محرک و سرپرست	۱۰۱
وفات:	۱۰۷
آنحضرت ﷺ کی نبوت ایک نئے دور کا آغاز تھی جس نے خفتہ ایران کو بیدار کردیا	۱۰۹
نبوت، انسانیت کو اس کی ضرورت اور تمدن پر اس کا احسان	۱۱۵
مقام کی موزونیت:	۱۱۵
جامعہ کی پہلی ذمہ داری:	۱۱۶
زمانہ کو اس موضوع کی ضرورت:	۱۱۷
نبوت اور انبیاء قرآن کی روشنی میں:	۱۱۸
شوق انگیز اور محبوب موضوع:	۱۱۸
برگزیدہ مخلوق اور انسانیت کے کامل نمونے:	۱۲۰
قدرتی سوال:	۱۲۲
کوہ صفا پر:	۱۲۵
نبوت کی حکیمانہ تمثیل:	۱۲۶
ہدایت کا واحد ذریعہ:	۱۲۹
فلسفۂ یونان کی ناکامی کا راز:	۱۳۳
عہد اسلامی کے فلسفہ کی لغزش:	۱۳۵
انبیائے کرام کا امتیاز:	۱۳۶
انبیاء کی تعلیمات سے بے نیازی کا انجام:	۱۳۶

عنوان	صفحہ
انبیاء کے علم اور دوسرے علوم اور صنعتوں کا تقابل:	۱۳۷
رسول کی بعثت کے بعد انکار کی گنجائش نہیں.	۱۴۰
اسلامی ممالک کے لئے خطرۂ عظیم	۱۴۰
علماء و محققین اور انبیاء کرام کا فرق ایک تمثیل میں.	۱۴۰
مثالی شہر میں انبیاء کا خاص فریضہ:	۱۴۲
مقدس ترین فریضہ:	۱۴۳
انسانیت کی خیر و برکت اور تمدن کے ارتقاء کا بنیادی سبب:	۱۴۴
انبیائے کرام کی امتیازی خصوصیات، مزاج ومنہاج	۱۴۷
مقام نبوت کو سمجھنے پر خود ساختہ اصطلاحات کا ظلم:	۱۴۷
قرآن کے مخلصانہ و عمیق مطالعہ کی ضرورت:	۱۴۹
انبیاء اور دوسرے رہنماؤں کا بنیادی فرق:	۱۴۹
انبیاء کی دعوت میں حکمت و تیسیر:	۱۵۳
دعوت انبیاء کا سب سے اہم رکن:	۱۵۶
ازل سے تا امروز:	۱۶۱
قرآنی اصطلاحات صحابہ کی نظر میں:	۱۶۲
دینی دعوت و تحریک کا بنیادی رکن کیا ہونا چاہئے:	۱۶۳
نوجوان داعیوں اور انشاپردازوں سے:	۱۶۴
دعوت انبیاء میں عقیدۂ آخرت کا اہتمام:	۱۶۸
نصیحت اور موعظت کا اصل محرک:	۱۷۰
عقیدۂ آخرت کا اثر انبیاء کے متبعین پر:	۱۷۱
اعمال کی غایت، آخرت میں سزا یا جزا	۱۷۲
انبیاء اور ان کی متبعین کی سیرتوں میں آخرت کا مقام:	۱۷۴

عنوان	صفحہ
نبوی اور اصلاحی دعوتوں کا فرق:	۱۷۵
ایمان بالغیب کا مطالبہ:	۱۷۶
ایمان بالغیب اور ایمان بالظاہر:	۱۷۹
تکلفات سے پرہیز اور فطرت سلیمہ پر اعتماد	۱۸۳
مدح صحابہؓ کے جلسے اور کرنے کے کام	۱۸۹
نسل نو کے ایمان وعقیدہ کی فکر کیجئے!	۲۰۳
تسلسل ایک قانون قدرت ہے:	۲۰۳
اعتقادی تسلسل کے لئے حضرت ابراہیمؑ کی دعا:	۲۰۴
ایمانی تسلسل کی خاطر یعقوبؑ کی فکر:	۲۰۵
نئی نسل کے ایمان وعقیدے کی فکر کیجئے:	۲۰۹
اس فکر کو عام کیجئے:	۲۱۱
دین وایمان کو بچانے کے لئے جان تک قربان کردی جائے	۲۱۳
معاشرہ کی تعمیر کے عناصر	۲۱۵
عید رمضان کا انعام اور ثمرہ ہے	۲۲۵
جسے عید کہتے ہیں	۲۲۵
عید تو رمضان المبارک کا صلہ ہے	۲۲۶
عید مختلف ادوار سے گذری	۲۲۷
زندگی تبدیلیوں کا نام ہے	۲۲۸
باغی اور سرکش نہیں بلکہ گنہگار اور قصوروار	۲۲۹
کریم کا احسان	۲۳۱

عنوان	صفحہ
دوروزے	۲۳۳
روزہ معمولی نعمت نہیں	۲۳۳
اسلام خود ایک روزہ ہے	۲۳۴
یہ دنیا تاج محل نہیں	۲۳۷
اپنی زندگی پر شریعت نافذ کیجئے	۲۳۹
معاشرہ پر روزہ کے اثرات	۲۴۳
روزہ کی خصوصیات اور اس کے فضائل واحکام	۲۴۳
رمضان کو روزہ کے ساتھ کیوں مخصوص کیا گیا؟	۲۴۴
عبادات کا عالمی موسم اور اعمال صالحہ کا جشن عام	۲۴۵
عالمی فضا اور سوسائٹی پر اس کے اثرات	۲۴۶
فضائل اور اس کی قوت وتاثیر	۲۴۶
روزہ کی روح اور حقیقت کی حفاظت اور ایجابیت وسلبیت کا امتزاج	۲۴۸
پوری زندگی عبادت ہے	۲۵۳
عبادت کا مفہوم:	۲۵۳
رمضان المبارک کا مبارک تحفہ	۲۵۷
رمضان المبارک کا تقاضا	۲۵۸
دینی سرحدوں کی حفاظت	۲۶۳
ان باتوں کا خیال رکھیں تو پوری زندگی عبادت میں ڈھل جائے گی	۲۶۹
مسلمانوں پر ایک نظر قلب پر تین اثر	۲۷۵

عنوان	صفحہ
مسرت:	۲۷۵
حیرت:	۲۷۶
حسرت:	۲۷۹
عبرت:	۲۸۱
علم اسلام سے اور جہالت جاہلیت سے جڑی ہے	۲۸۳
اللہ اکبر	۲۸۹
تکبیر اور اس کے آفاق:	۲۸۹
اس شہادت کی اہمیت اور تاریخ میں اس کے کارنامے:	۲۹۰
قصہ دو باغ والے کا	۲۹۳
زندگی کے کرشمے	۳۰۱
حیات طیبہ کیا ہے؟	۳۰۱
زندگی کی بے ثباتی!	۳۰۱
عمر اور عقل کا فرق:	۳۰۲
دل کو ہلا دینے والا اعلان:	۳۰۲
ماں کیا ہے اور کیا ہوگئی:	۳۰۳
ماں اور بیوی کا فرق:	۳۰۳
مال ایک عذاب:	۳۰۴
فیشن ایبل بیوی:	۳۰۴
قرآن مجید میں آپ کا تذکرہ	۳۰۵
علم حدیث ایک بیش بہا خزانہ	۳۱۱

عنوان	صفحہ
ابدی کتاب	۳۲۳
ایک سبق	۳۳۳
زکوٰۃ کا صحیح مصرف	۳۳۵
زکوٰۃ کے مصارف اور اس سے اجتماعی نظام کا قیام	۳۳۶
زکوٰۃ کی نمایاں خصوصیات	۳۳۸
تبشیر وانداز	۳۳۹
مالداروں سے لیا جائے اور غرباء میں تقسیم کیا جائے	۳۴۰
تقویٰ، تواضع اور اخلاص کی اسپرٹ	۳۴۱
رمضان المبارک مومن صادق کی حیات نو	۳۴۳
رمضان کا کوئی بدل نہیں:	۳۴۳
رمضان کی فضیلت وعظمت:	۳۴۳
نادر موقع:	۳۴۴
اللہ پر یقین اور ثواب کی لالچ:	۳۴۴
روزہ برائے افطار:	۳۴۵
روزہ عادت یا عبادت	۳۴۵
روزہ رضائے الٰہی کا ذریعہ:	۳۴۶
رحمت باری کا مظہر:	۳۴۶
تلاوت کا موسم:	۳۴۷
عبادت وطاعت کا مہینہ:	۳۴۷
حقوق العباد کی فکر:	۳۴۸
رمضان حیات نو کا آغاز:	۳۴۸

عنوان	صفحہ
حقوق کی رعایت وادائیگی	۳۴۸
طلب علم اور علماء وصالحین کی ہم نشینی	۳۴۸
رمضان انقلاب انگیز مہینہ:	۳۴۹
تصحیح نیت اور اخلاص عمل:	۳۴۹
آٹومیٹک وضو اور خود کار نمازیں:	۳۴۹
دائرہ شاہ علم اللہ کا پیغام:	۳۵۰
شہر خموشاں کا حق:	۳۵۰
ایصال ثواب کی برکت:	۳۵۰
کیا خبر یہ آخری رمضان ہو:	۳۵۱
درود پاک کی کثرت:	۳۵۱
دو انسانی چہرے قرآنی مرقع میں ثبات واستقامت تردد وتذبذب	۳۵۳
عالم نو	۳۶۹
دنیا کی عمر:	۳۶۹
بعثت نبوی اسے پہلے دنیا کے حالات:	۳۶۹
امت کے لئے حضور ﷺ کی قربانیاں:	۳۷۱
حضور ﷺ کی محنت سے زمانہ میں ایک انقلاب برپا ہوا:	۳۷۱
عید الفطر کا پیغام	۳۷۳
عید کا ذکر:	۳۷۴
توفیق کا مطلب:	۳۷۵
اس کو چھٹی نہ ملی جس کو سبق یاد ہوا:	۳۷۵
دنیا حقیقی عید سے محروم ہے:	۳۷۷

عنوان	صفحہ
اللہ کی سب سے بڑی نعمت ایمان ہے	۳۸۱
افغانی قوم کے انقلاب اور ان کی قوت کا سرچشمہ	۳۸۷
قوموں کی زندگی شخصیت اور پیغام کی رہین منت ہے	۳۹۷

فہرست عنوانات

انتساب ۱۵

خطبات کی اہمیت ۱۶

عرض مرتب ۱۷

خلیج کی جنگ کیا کھویا کیا پایا ۱۹
- اسلام سب سے عظیم نمایاں دین ۲۰
- ایک تاریخی المیہ ۲۳
- امت اسلامیہ کو صحیح قیادت کی ضرورت ۲۸

یورپ امریکہ اور اسرائیل ایک اظہار حقیقت' انکشاف اور تنبیہ ۳۵

صدر ناصر کی مخالفت کیوں؟ ۴۹
- مجھے اس کا اقرار ہے ۴۹
- نہ غلط فہمی نہ خام خیالی ۴۹
- چو کفر از کعبہ برخیزد ۵۰
- اخوت اسلامی کی حریف نبوت محمدی کی رقیب ۵۱
- ایک بڑی دینی سعادت ۵۱
- نامذہبیت، مادیت اور کمیونزم کا نقیب اور داعی ۵۲
- ہندوستان کے طبقۂ علماء سے گلہ ۵۲
- مصر کی اشتراکیت کو روس کی سند قبولیت ۵۳
- مساجد اور مدارس دینیہ اشتراکی سماج کی معمار ۵۴

عنوان	صفحہ
وہ آگے کہتے ہیں:	۵۴
ڈاکٹر احمد کمال، مصر کے سرکاری مذہبی رسالہ ''منبر الاسلام'' میں لکھتے ہیں	۵۴
کمیونزم کا عربی ایڈیشن	۵۵
اشتراکیت اور نامذہبیت کی ہمہ گیر کوشش کا نتیجہ	۵۵
اولادِ ابراہیمؑ کی آذری و بت تراشی	۵۵
عالم عربی سے میرے گہرے روابط	۵۶
عربوں کی کمزوریوں، خامیوں اور کوتاہیوں پر آزادانہ تنقید	۵۷
''نوا مری عربی رہی''	۵۷
عرب دنیا ایک فیصلہ کن دوراہے پر	۵۸
علماء کی اکثریت سطحیت کی شکار	۵۹
اس طبقہ کی دوسری کمزوری	۵۹
اصل معیار اسلام سے وابستگی اور ناوابستگی	۶۰
''یہ تو آباء تھے تمہارے''	۶۰
صدر ناصر ناکام ترین لیڈر	۶۱
امید کی ایک کرن تھی مگر.........	۶۱
شرمناک ہزیمت	۶۲
اندوہناک بات	۶۳
بدترین خود پرستی اور بے دانشی	۶۳
احتساب قوم کی زندگی کی علامت	۶۴
ترکی کی مجاہد ملت اسلامی	۶۷
ترکی کی تاریخی حیثیت	۶۷

عنوان	صفحہ
کامل ایمان مطلوب ہے	۷۵
آئندہ نسل کی فکر کیجئے	۷۶
مسلمانانِ ترکی کی اہم ذمہ داری	۷۸
المیۂ فلسطین سے تین سبق	۸۱
حقیقی خیر خواہی	۸۱
حادثات سے عبرت پذیری	۸۱
مومن، انسانیت کا اعلیٰ معیار	۸۲
منافق کی نفسیات	۸۳
فطرتِ سلیم کی خلاف ورزی	۸۳
حالیہ واقعات کا روشن پہلو	۸۴
لادینی اور ملحدانہ قیادتیں ناکام	۸۴
عرب قوم اور مسلمانوں کے دامن پر بدنما داغ	۸۵
عربوں کی فطرت کے خلاف بغاوت	۸۶
رسول اللہؐ کے حریفوں کا عبرت ناک انجام	۸۶
دوسرا سبق، خود غرض اور مفاد پرست رہنما	۸۷
ناقابلِ تلافی نقصان	۸۹
تیسرا سبق	۹۱
''شمشیر وسناں اول طاؤس ورباب آخر''	۹۱
تاریخ کا ایک ورق	۹۲
مغلوں کا زوال	۹۲
اپنی غلطی تلاش کیجئے	۹۳

عنوان	صفحہ
عرب نوجوان کا ماضی اور حال	۹۳
تفریحات اور لہو ولعب کی طبعی خصوصیات	۹۴
عالم عربی، اہل مغرب کی آماجگاہ کیوں؟	۹۵
عالم عربی کی اہمیت:	۹۵
محمد رسول اللہ عالم عربی کی روح ہیں:	۹۶
ایمان، عالم عربی کی طاقت ہے:	۹۸
شہسواری اور فوجی زندگی کی اہمیت	۹۹
طبقاتی تفاوت اور اسراف کا مقابلہ:	۱۰۰
تجارت اور مالی نظام میں خودمختاری:	۱۰۱
انسانیت کی سعادت کے لئے عربوں کی ذاتی قربانی:	۱۰۲
عالم اسلامی کی توقع عالم عربی سے:	۱۰۹
جہاد افغانستان کا تاریخی پس منظر فتح وشکست کے اسباب اور قوت کا سرچشمہ	۱۱۱
مسلمان کی اصل طاقت وقیمت، ایمان وسیرت ہے	۱۲۱
مسلمان کے دو وجود	۱۲۱
ٹارچ کی قیمت اس کے سیلز سے ہے	۱۲۳
مسلمان پر بھی فطری واخلاقی قانون نافذ ہے	۱۲۴
پاور ہاؤس سے کنکشن ضروری ہے	۱۲۵
مابہ الامتیاز صفت	۱۲۵
مسلمانوں کی اصل طاقت	۱۲۶

عنوان	صفحہ
معنوی خودکشی	۱۲۷
ایمان وسیرت کی کرامت	۱۲۸
ہندوستان پر ہمارا حق اور اس کی ذمہ داری	۱۲۸
مسلمان کے امتیازات	۲۹
ملک کے حالات میں تبدیلی	۱۳۰
ملک تباہی کے کنارے کھڑا ہے اور مسلمان اس کو بچا سکتے ہیں	۱۳۰
محسن عالم رحمۃ للعالمین ﷺ	۱۳۳
سیرت نبوی ﷺ اور عصر حاضر میں اس کی معنویت وافادیت	۱۶۱
خلفائے راشدین رضوان اللہ علیہم	۱۷۵
سیدنا علی مرتضیٰؓ اور صحابہ کرامؓ	۱۷۵
صحابہ کرامؓ و شیخینؓ کے بارے میں غیر مسلم فضلاء اور مستند مغربی مورخین کی شہادتیں:	۱۷۸
جسٹس سید امیر علی کے بیانات:	۱۸۰
حضرت عثمان غنیؓ:	۱۸۳
حضرت علی مرتضیٰ:	۱۸۵
خلفاء کی زاہدانہ زندگی اور خاندان میں سے کسی کو جانشین نہ بنانا:	۱۸۶
حضرت ابوبکرؓ کا زہد وایثار اور احتیاط:	۱۸۷
حضرت عمرؓ کا سرکاری دودھ اور سفر شام:	۱۸۸
دوسرے سفر شام ۱۸ھ کا حال بھی سن لیجیے:	۱۸۹
خلفائے ثلاثہؓ کے ساتھ سیدنا علی مرتضیٰؓ کا تعاون:	۱۹۰
سید حسین نصر ایرانی کی شہادت:	۱۹۱

عنوان	صفحہ
انسانیت کے محسن اعظم اور شریف و متمدن دنیا کا اخلاقی فرض	۱۹۳
حضرت محمد ﷺ کی کامل پیروی طبیعت پر شریعت، رسم و رواج اور خواہشات پر اسوہ نبوی اور تعلیمات نبوی ﷺ کی ترجیح	۲۱۱
اس دنیا کی فلاح، سعادت اور تباہی و ہلاکت انسانیت کے ساتھ وابستہ ہے	۲۱۹
ایک بستی کو الٹنے کا حکم:	۲۲۹
اس دنیا کی فلاح، سعادت اور تباہی و ہلاکت	۲۳۰
صور زندگی	۲۳۳
بعثت سے پہلے دنیا کے حالات	۲۳۳
حضور ﷺ کی بعثت:	۲۳۴
حضور ﷺ کا امت کو پیغام:	۲۳۵
لا الہ الا اللہ کے پیغام کا مطلب:	۲۳۵
کفار مکہ کی حضور ﷺ کو پیشکش:	۲۳۶
دنیا میں مادی ضرورتوں کے علاوہ ایک دوسری روشن حقیقت بھی ہے	۲۳۷
توحید خالص اور اتباع سنت کی دعوت	۲۳۹
مسئلہ صرف دین و لادینیت کا ہے	۲۴۷
ایمان کی سلامتی	۲۵۱
رسالت محمدی کی عظمت	۲۵۷

عنوان	صفحہ
عصر جاہلی کا المیہ:	۲۵۷
علم صحیح کا فقدان:	۲۵۷
قوی ارادہ خیر کی کمی:	۲۵۸
حق کی حامی وناصر جماعت کا فقدان:	۲۵۸
ایک آفتاب تازہ کی ضرورت:	۲۵۸
فلسفہ اور شرک کی، ایمان کو کمزور اور انسان کو گمراہ کرنے کے لئے سازش	۲۵۹
جاہلی ماحول میں تبدیلی نبی کی لائی ہوئی عالمگیر دعوت ایمانی ہی سے ممکن ہے	۲۶۰
دائمی اصلاح وجد وجہد والی قوم کی ضرورت:	۲۶۲
بعثت محمدی کی انقلابی تاثیر:	۲۶۳
ایک نئی دنیا کا ظہور:	۲۶۴
عصر جاہلی کی تصویر:	۲۶۵
نیا عالمی رجحان:	۲۶۶
امت محمدی محمد رسول اللہ ﷺ کا معجزہ عظیم ہے:	۲۶۷
نبوت محمدی کا کارنامہ	۲۶۹
انسان کی اہمیت:	۲۶۹
انسان فطرت کے اسرار وعجائبات:	۲۷۰
انسان ہر پیمانے سے بلند ہے:	۲۷۱
نبوت محمدیہ کا کارنامہ:	۲۷۱
واقعہ جو خیال وتصور سے زیادہ دلکش ہے:	۲۷۲
فرد صالح مختلف پہلوؤں اور زندگی کے میدانوں میں:	۲۷۳
بنیادیں، جن پر اسلامی معاشرہ قائم ہوا:	۲۷۳

عنوان	صفحہ
آزمائشوں اور تجربہ کے وقت فرد صحابیؓ کی کامیابی.	۲۷۴
حکمرانوں کا زہد اوران کی سادگی:	۲۷۵
انسانیت کا مثالی نمونہ:	۲۷۶
پہلا اسلامی معاشرہ:	۲۷۸
رسالت محمدیہ کا اثر بعد کی نسلوں پر:	۲۷۹
عالمگیر اور ابدی درسگاہ محمدی کے بعض تلامذہ اوران کے اخلاق و زندگی کے چند نمونے:	۲۸۰
اس دائمی ومبارک مدرسہ کی ہر زمانے اور ہر قوم میں کارگزاری:	۲۸۵
ہدایت کے امام اور انسانیت کے قائد خود ساختہ رہنماؤں کا انسانیت کے ساتھ مذاق	۲۸۷
غلطیوں سے پاک انبیاء علیہ السلام کی ضرورت:	۲۸۸
امانت داری اور اخلاص.	۲۸۸
امت کے لئے تحفظ اور ضمانت:	۲۹۱
عصمت انبیاءؑ کی حقیقت:	۲۹۱
انبیاء اطاعت کے حقدار ہوتے ہیں:	۲۹۳
لطف وعنایت کے سزاوار:	۲۹۴
بعض عادات واطوار کی فضیلت کا راز اور شعائر اللہ کی حقیقت:	۲۹۵
انبیاءؑ ایک خاص تہذیب وطرز حیات کے بانی:	۲۹۶
ابراہیمی محمدی تہذیب:	۲۹۷
اس تہذیب کی خصوصیات وامتیازات:	۲۹۷
انبیاءؑ کی اطاعت وتقلید پر قرآن کا زور:	۲۹۹

عنوان	صفحہ
انبیاء کا احترام اور ان سے محبت:	۳۰۰
جذبہ محبت کی تاثیر اور طاعت رسول امیں صحابہؓ کی فنائیت کا راز:	۳۰۲
عالم اسلامی میں محبت کے فقدان کا نتیجہ اور زندگی پر اس کا اثر:	۳۰۳
نبی ﷺ کی اطاعت ومحبت ہی میں قوم کی فلاح ہے:	۳۰۴
عالم اسلام اور ممالک عربیہ کے حوادث اور اسباب:	۳۰۵
مثالی رہنما امت کی ضرورت	**۳۰۷**
منتخب و مامور امت:	۳۰۷
تمدن ومعاشرہ کی سطح پر صالح انقلاب کی ضرورت!	۳۰۹
احتساب کائنات!	۳۱۰
امت کی مسلسل ذمہ داری ونگرانی!	۳۱۲
ایک بامقصد اجتماع	**۳۱۵**
سرزمین ہند کے دو عظیم کردار	**۳۱۹**
دارالعلوم کی بنیاد اور اس کی علمی وفکری ترقی کا معیار کیا ہے:	۳۲۰
وہ ہند میں سرمایہ ملت کا نگہبان:	۳۲۰
یہ سب مجدد صاحبؒ کا فیض ہے:	۳۲۲
امتیازی خصوصیات:	۳۲۳
(۱) عقیدہ اسلام:	۳۲۴
شاہ ولی اللہؒ کی خصوصیات اور ان کے کارنامے:	۳۲۴
نئے دور کے فتنوں کے مقابلہ میں ندوۃ العلماء کا کارنامہ:	۳۲۷
عربی زبان کی تدریس ایک زندہ زبان کی حیثیت سے:	۳۲۸
اپنی استعداد کیسے مضبوط بنائیں:	۳۲۹

عنوان	صفحہ
آخری بات:	۳۳۰
اسلام کے مردان باوفا	۳۳۱
عورت اقبال کے کلام میں	۳۴۳
ایک مثالی شخصیت شیخ حسن البناء شہیدؒ	۳۵۵
وقت کی سب سے نایاب جنس مردان کار اور مخلص عالمین	۳۶۴

انتساب

ناچیز اپنی حقیرسی کاوش اور ادنیٰ سی محنت کو عالم اسلام کے عظیم داعی، مفکر اسلام، علامۃ الہند حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندوی نور اللہ مرقدہ کے فرزند روحانی اور عالم اسلام کی عظیم دینی درسگاہ دار العلوم ندوۃ العلماء کے سپوت اور میرے استاذ محترم حضرت مولانا حافظ محمد حسین خان (۱) مدظلہ کے نام نامی منسوب کرتے ہوئے اپنے کو بڑا سعید اور خوش قسمت سمجھتا ہے جنہوں نے بندہ کی تعلیم و تربیت میں شب و روز محنت فرمائی ہے۔

اللہ تعالیٰ کے حضور دعا گو ہوں کہ اللہ تعالیٰ میرے استاذ محترم کو دین کی محنت کیلئے تا دیر ترو تازہ رکھے خصوصا نیپال جیسے بتکدے میں ہدایت کی شمع روشن کرنے کی سعی کو شرف قبولیت بخشے۔ اللھم آمین۔

کتبہ

محمد رمضان میاں

جامعۃ العلوم الاسلامیۃ علامہ

بنوری ٹاؤن کراچی پاکستان

---

(۱) حال مہتمم مدرسۃ الحرمین للتپور (کاٹھمنڈو) نیپال

انتساب

متمدن دنیا میں مغربی یورپ سے لیکر برصغیر ہند کے آخری مشرقی کنارہ تک کے دماغوں پر فرماں روائی کرنے والی عظیم دینی درسگاہ میری مادر علمی جامعۃ العلوم الاسلامیہ علامہ بنوری ٹاؤن کے نام، جس نے ہر دور میں ایسے نابغہ روزگار رجال پیدا کئے، جنہوں نے گردش دوراں کے مصائب سے ٹکرا کر وہ فقید المثال کارنامے سرانجام دئے جس پر تاریخ اسلام رشک کرتی ہے اور تا قیامت کرتی رہے گی!

انتساب

مجدد التبلیغ حضرت مولانا الیاس دہلویؒ کے نام
جنہوں نے ظلمت وجہالت کے گھٹاٹوپ اندھیرے میں
دعوت وتبلیغ اور اصلاح وارشاد کی وہ شمع روشن فرمائی جس کی
ضیاء پاشیوں سے دنیائے انسانیت روشن اور منور ہے، آج
اس مبارک محنت کے ذریعے ہزاروں بھٹکے ہوئے لوگوں
کو اس پرآشوب دور میں صلاح وفلاح کی راہ ملی، اللہ تعالیٰ
اس محنت کو تاقیامت جاری وساری رکھے۔ آمین۔

انتساب

خطبات علی میاںؒ جلد چہارم کا انتساب میں اپنی مادر علمی جامعۃ العلوم الاسلامیہ علامہ بنوری ٹاؤن کے بانی، قائد تحریک ختم نبوت محدث العصر حضرت العلامہ مولانا سید محمد یوسف بنوری نور اللہ مرقدہ کے نام نامی منسوب کرنے کی سعادت حاصل کرتا ہوں جن کی بے لوث اور انتھک خدمات کے ثمرہ میں آج چار دانگ عالم میں فرزندانِ گلشن بنوریؒ دین اسلام کے ہر محاذ و میدان میں اپنی خدمات کا علمی و عملی نمونہ پیش کررہے ہیں!

محمد رمضان میاں نیپالی عفا اللہ عنہ

انتساب

بندہ اپنی اس حقیری کوشش وکاوش کا انتساب…… مادرِ علمی جامعہ علوم اسلامیہ علامہ بنوری ٹاؤن کے رئیس اعلیٰ اور حضرت بنوریؒ کے مایۂ ناز تلمیذ رشید، سفر وحضر کے رفیق، ہزارہ کی وادیوں سے اٹھ کر علم کی دنیا پر چھا جانے والی ہستی کی جانب کرنے کو سعادت دارین کا موجب سمجھتا ہوں، جو اپنے کردار وگفتار میں سلف صالحین کا پرتو نظر آتے ہیں، میری مراد حضرت الاستاذ مولانا ڈاکٹر عبدالرزاق سکندر دامت برکاتھم العالیہ کی ذات بابرکات ہیں، جن کی دلنواز ہستی میں مجھے بیک وقت ایک مربی، استاذ اور مشفق باپ کا عکس نظر آتا ہے۔

محمد رمضان میاں نیپالی عفا اللہ عنہ

انتساب

خطبات علی میاں جلد ششم کو اپنے ان تمام مہربان اساتذہ کے نذر کرتا ہوں جن کی شفقت اور خصوصی توجہ کے سایۂ عاطفت تلے بندہ علوم نبوت کی پیاس بجھاتا رہا، میں تو بادِ سموم کا شکار تھا انہی قابل احترام شخصیات نے مجھے انتہائی محنت کے نسیم جانفزا کے جھونکوں سے ہمکنار کیا!

؎ اک توشۂ امید کرم لے کے چلا ہوں
کچھ اس کے سوا پاس نہیں زاد سفر اور

محمد رمضان میاں نیپالی عفا اللہ عنہ

انتساب

میں اپنی اس کاوش کا انتساب اپنے والدین دامت برکاتھما کی جانب کرتاہوں ۔ یقیناً یہ میرے لئے انتہائی سعادت مندی کا باعث ہے۔

جی ہاں! والدین کا وجود باسعود ہر اولاد کی ہر خوشی منتہائے مقصود ہے!

محمد رمضان نیپالی

انتساب

میں اپنی اس کاوش کا انتساب اپنے والدین دامت برکاتہما کی جانب کرتاہوں ۔ یقیناً یہ میرے لئے انتہائی سعادت مندی کاباعث ہے۔

جی ہاں! والدین کا وجود باسعود ہراولاد کی ہرخوشی منتہائے مقصود ہے!

محمد رمضان نیپالی

تعلیم و تعلّم

میرا عقیدہ ہے کہ علم ایک اکائی ہے، جو بٹ نہیں سکتی، اس کو قدیم وجدید، مشرق ومغربی، نظری وعملی میں تقسیم کرنا صحیح نہیں، اور جیسا کہ علامہ اقبال نے کہا ہے۔

ع دلیل کم نظری قصۂ جدید و قدیم

میں علم کو ایک صداقت مانتا ہوں، جو خدا کی وہ دَین ہے جو کسی ملک وقوم کی ملک نہیں، اور نہ ہونی چاہئے، مجھے علم کی کثرت میں بھی وحدت نظر آتی ہے وہ وحدت سچائی ہے، سچ کی تلاش ہے، علمی ذوق ہے، اور اس کو پانے کی خوشی ہے . . میں علم، ادب، شاعری، فلسفہ، حکمت کسی میں اس اصول کا قائل نہیں ہوں کہ جو اس کی وردی پہن کر آئے، وہی ”عالم“ اور دانشور ہے، اور یہ مان لیا گیا ہے کہ جس کے جسم پر ”وردی“ نہ ہو وہ مستحق خطاب ہے نہ لائق سماعت، میں علم کی آفاقیت اور علم کی تازگی کا قائل ہوں جس میں خدا کی رہنمائی ہر دور میں شامل رہی ہے، اگر خلوص ہے اور سچی طلب ہے تو خدا کی طرف سے کسی وقت فیضان میں کمی نہیں۔“

مفکر اسلام علامۃ الہند حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندویؒ

طاب اللہ ثراہ وجعل الجنۃ مثواہ

ابتدائیہ

إنـي رأيت انه لايكتب انسان كتابا في يومه الا قال في غده " لوغير هذا لكان احسن، ولوزيد كذا لكان يستحسن ولو قدم هذا لكان افضل، ولوترك هذا لكان اجمل" وهذا من اعظم العبرة وهو دليل على استيلاء النقص على سائر البشر.

(قاله العماد الاصفهانی في مقدمة معجم الادباء)

میں نے یہ دیکھا کہ آج جس انسان نے بھی فن تصنیف میں قدم رکھتے ہوئے خوب اہتمام سے کتاب لکھی ہے تو کل زیور طبع سے آراستہ ہونے کے بعد اسے خود اعتراف کرتے ہوئے کہنا پڑا ہے کہ اگر اس مقام پر کوئی تبدیلی کی جاتی تو بہت اچھا ہوتا، اگر کچھ اضافہ کیا جاتا تو اور اچھا سمجھا جاتا، اگر اس عنوان یا عبارت میں تقدیم وتاخیر کی جاتی تو کس قدر بہتر ہوتا، اگر یہ عبارت نہ ہی ذکر کی جاتی تو کیا ہی خوبصورتی پیدا ہو جاتی۔

یہ بڑی عبرت کی بات ہے اور اس بات کی دلیل ہے کہ نقص، کمی اور کمزوری جنس بشر پر مکمل طور پر حاوی ہے۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

عرض مرتب

اللہ تعالیٰ کا اس امت پر فضل وکرم کا معاملہ بڑا عجیب ہے، اس نے ہر دور، ہر زمانے میں اس کی ضرورت کو پورا کیا ہے اور اس کی رہنمائی کے اسباب بھی مہیا کئے ہیں، انسانی ضرورت میں جہاں، جسمانی نشو نما کے لئے غذا و طعام درکار ہے وہیں روحانی ضرورت کے لئے تعلق مع اللہ، اخلاص فی الدین کے جذبہ کی بھی ضرورت ہے، اللہ تعالیٰ نے جسمانی نشو نما کے لئے مختلف انواع، مختلف اقسام اور اشیاء کو پیدا فرمایا ہے اور روحانی ترقی کے لئے اپنی کتاب اور اپنے مقرب و برگزیدہ نبی حضرت محمد ﷺ کی لائی ہوئی پاکیزہ تعلیمات رکھی ہیں، اسی روحانی ترقی کے لئے ایسے رجال پیدا فرمائے ہیں جنہوں نے اپنے اپنے زمانے میں وقت کے تقاضوں کے مطابق انہی بحرین (کتاب وسنت) سے امت مسلمہ میں دین اسلام کی سیرابی کی ہے اور انسانیت کی تشنگی دور کی ہے، ہر صدی، ہر دور کے علماء کرام اور ائمہ عظام نے تحریر و تقریر، درس و تدریس، دعوت و تبلیغ، وعظ و ارشاد کے ذریعے دین اسلام کے چراغ کو روشن رکھا ہے، موجودہ دور میں جہاں ہر طرف سے فتنوں کی یورش ہے، آزمائشوں اور امتحانوں کا سامنا ہوتا ہے، علماء کرام اپنی خدمات کی بجا آوری میں مصروف ہیں، ہر فتنے کے خلاف تحریر و تقریر کے ذریعے، اس کے سد باب کی کوشش میں مصروف کار ہیں، ہمارے دور کی عظیم علمی و روحانی شخصیت مفکر اسلام حضرت العلامہ مولانا سید ابوالحسن علی میاں ندوی نور اللہ مرقدہ کو اللہ تعالیٰ نے تحریر و تقریر کا ایک خاص ذوق اور ملکہ عطا فرمایا تھا، حضرت مولانا ندوی قدس سرہ نے جس موضوع پر قلم اٹھایا

یا جس موضوع پر کلام فرمایا، اس کا حق ادا کر دیا، جی ہاں! آپ حضرت مولانا قدس سرہ کی کتابیں مطالعہ کریں تو آپ کو معلوم ہوگا کہ حقیقت یہی ہے۔ آپ نے امت مسلمہ میں دینی دعوت اور اسلامی بیداری کا جو لائق تقلید کارنامہ انجام دیا ہے، وہ صرف آپ ہی کا خاصہ تھا گویا قدرت نے اس کو آپ میں ودیعت کے طور پر رکھا تھا، پاکستان کے عظیم مفکر حکیم العصر حضرت مولانا محمد یوسف لدھیانوی شہید نور اللہ مرقدہ لکھتے ہیں:

> ''حضرت مولانا نے مشرق و مغرب اور عرب و عجم میں مسلسل اسلام کی دعوت کا صور پھونکا ہے اور وہ پوری انسانیت کو اسلام کے 'خوانِ یغما' پر جمع ہونے کی دعوت دے رہے ہیں، وہ ہمیں کبھی امریکہ و لندن پہنچ کر ''مغرب سے صاف صاف باتیں'' کرتے نظر آتے ہیں، کبھی قاہرہ میں ''**اسمعی یا مصر**'' کی اذان دیتے ہیں اور کبھی ''**اسمعوها منی صريحة ايها العرب**'' کے ذریعے معدن اسلام (عرب) کے نمائندوں کو جھنجھوڑتے ہیں، کبھی دریائے کابل سے دریائے یرموک تک پہنچ کر عالم اسلام کے مقتداؤں کو بیدار کرتے ہیں، کبھی انہیں ''انسانی دنیا پر مسلمانوں کے عروج و زوال کا اثر'' کی کہانی سناتے ہیں (جس کا ایک رخ وجد آفرین ہے تو دوسرا خون افشاں) کبھی ان کے سامنے ''تاریخ دعوت و عزیمت'' کھول کر رکھتے ہیں کبھی انہیں ''اسلامیت و مغربیت کی کشمکش'' کے ہولناک پہلوؤں سے آگاہ کرتے ہیں، کبھی انہیں آج کے نظریاتی قافلوں سے ہٹ کر ''کاروانِ مدینہ'' میں شامل ہونے کی دعوت دیتے ہیں، الغرض مولانا کی دعوت شرق و غرب، عرب و عجم اور افریقہ و ایشیاء کی حد بندیوں سے بالاتر ہے، وہ پوری انسانیت کو سسکتی بلکتی

> انسانیت کو، مادی زخموں سے چور چور انسانیت کو محمد رسول اللہ ﷺ کے دامن سے وابستگی کی دعوت دیتے ہیں۔"

(شخصیات وتاثرات ج ۱ ص ۴۱۱، ۴۱۲)

یہی حقیقت ہے، کبھی تو حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ کے دم قدم سے عرب وعجم میں دینی دعوت کا ایک نغمہ گونج رہا تھا، آپ نے جہاں عربی ادب کو اپنی تحریر سے بام عروج پر پہنچایا وہیں اردو زبان کی اہمیت کو بھی اوجِ ثریا تک رسائی کروائی ہے، دنیا آپ کی تحریر و تقریر کی عاشق اور آپ کی دعوت کی مُحب ہے بقول شخصے کہ "اردو زبان میں جان ڈالنے والی شخصیت حضرت مولانا سید ابوالحسن علی میاں ندوی قدس سرہ کی ہے اور ہندوستان میں جہاں اردو زبان کو حضرت مولانا ندویؒ نے بلند مقام تک پہنچایا ہے وہیں پاکستان میں حکیم العصر حضرت مولانا محمد یوسف لدھیانوی شہید قدس سرہ اور شیخ الاسلام حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی زید مجدہ نے بام عروج پر پہنچایا ہے۔"

آیئے! پاکستان کے ان دو ادیب اور انشاء پرداز حضرات کی سنیئے، وہ حضرت مولانا ندوی قدس سرہ کے بارے میں کیا فرماتے ہیں، حکم العصر حضرت مولانا محمد یوسف لدھیانوی شہید نور اللہ مرقدہ رقمطراز ہیں:

> "پانچویں بزرگ جن کے کمالات، علوم و معارف، فضل و احسان، ورع و تقویٰ، دعوت وعزیمت، حق گوئی و بے باکی، ملت اسلامیہ کی سربلندی کے لئے گھلنے پگھلنے سے میں زیادہ متاثر ہوا جن کی خدمات پر بے حد رشک آیا اور جن سے غائبانہ عقیدت، محبت میں بدل گئی وہ حضرت اقدس مولانا سید ابوالحسن علی ندوی قدس سرہ کی جامع صفات اور ہمہ گیر شخصیت تھی"۔

(تعمیر حیات مفکر اسلام نمبر ص ۱۳۴)

شیخ الاسلام حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی زید مجدہ تحریر فرماتے ہیں کہ:

> ''ان کی تحریروں میں علم وفکر کی فراوانی کے ساتھ بلا کا سوز وگداز ہے جو انسان کو متاثر کیئے بغیر نہیں رہتا، خاص طور پر مغربی افکار کی یورش نے ہمارے دور میں جو فکری گمراہیاں پیدا کی ہیں اور عالم اسلام کے مختلف حصوں میں جو فتنے جگائے ہیں ان پر حضرت مولانا کی بڑی وسیع وعمیق نظر تھی اور انہوں نے اپنی تقریر وتحریر کے ذریعہ ان فتنوں کی تشخیص اور ان کے علاج کی نشاندھی اتنی سلامت فکر کے ساتھ اتنے دلنشین انداز میں فرمائی ہے کہ عہد حاضر کے مؤلفین میں شاید ہی کوئی دوسرا ان کا ہمسری کر سکے۔
>
> (تعمیر حیات، مفکر اسلام نمبر ص ۱۴۶)

زیر نظر کتاب ''خطبات علی میاں'' کے مطالعہ سے ان حضرات کے ارشاد کی تصدیق ہوتی نظر آنے لگی، کیونکہ مذکورہ خطبات میں حضرت مولانا ندوی قدس سرہ نے علم وفضل، ورع وتقویٰ، دعوت وعزیمت، تاریخ وادب اور دیگر فنون جن کے گوشوں پر روشنی ڈالی ہے وہ بڑی اہمیت کے حامل ہونے کے ساتھ بڑی عبرت کا سامان اپنے اندر رکھتے ہیں، علماء کرام وطلبہ علوم دینیہ کو ان کے مقاصد سے آگاہی، جدید چیلنجوں کے مقابل ان کی ذمہ داریوں کو واضح کیا ہے، اس سے عوام کو فقہ وحدیث، ادب ودانش، اور دعوت وعزیمت کو سمجھنے کا ایک بہترین موقع فراہم ہوگا اور یقیناً کسی خطیب کے خطبات کو کتابی شکل مل جانا اس کے تجربات، مشاہدات، حالات وواقعات اور اس کی علمی وفکری خدمات کا کتب بین حضرات کے لئے ایک تحفہ کی حیثیت رکھتا ہے، پھر جبکہ وہ خطیب مفسر ومفکر، مورخ ومحدث، فقیہ وادیب، دینی فکر کا حامل، اکابر امت کی شفقتوں کا مرکز، امت مسلمہ کا مرجع ہو اور اپنے سینے میں سسکتی بلکتی، زخم خوردہ، پریشانیوں وآزمائشوں سے چور چور انسانیت

کے لئے کھلنے پگھلنے والا دل رکھتا ہو، جس کی تقریر میں جوش کے عنصر کے بجائے فکری و ذہن سازی کا عنصر غالب ہو تو یہ سونے پر سہاگہ ہے۔ درحقیقت حضرت مولانا ندویؒ کے یہ خطبات اسی کے حامل ہیں، قارئین جب اس کا مطالعہ کریں گے تو ان کے سامنے ایک نئی دنیا کے گوشے واضح ہوتے جائیں گے اور ماضی کے بند دریچے کھلتے جائیں گے۔

راقم الحروف کو حضرت مولانا ندویؒ کی پہلی زیارت نیپال کی عظیم دینی درسگاہ دارالعلوم نورالاسلام جلپاپور سنسری میں ۳/ ذیقعدہ ۱۴۱۲ھ مطابق ۵/ مئی ۱۹۹۲ء کو ہوئی، راقم الحروف ان دنوں ابتدائی درجات میں زیر تعلیم تھا، دارالعلوم کے طلبہ میں حضرت مولاناؒ کے نام کا کافی چرچا تھا طلبہ حضرت مولانا کا تذکرہ کیا کرتے تھے، اساتذہ بھی ان کے کافی مداح تھے، راقم رشک کرتا تھا کہ یہ شخصیت کیسی ہوگی اور ان کو اللہ تعالیٰ نے کتنا نوازا ہوگا۔ وہاں واقعی حضرت مولاناؒ ثم یوضع له القبول فی الارض کے مصداق نظر آتے تھے۔ ان باتوں کے پیش نظر جب مذکورہ تاریخ کو حضرت مولاناؒ کی تشریف آوری ہوئی تو آپ سے ملاقات کے لئے حاضر ہوا، یہ میری ان سے پہلی ملاقات تھی، پہلی ملاقات! جس میں ان کی نظر شفقت نے مجھ کو اپنا گرویدہ بنالیا، گویا وہ میری زندگی میں ایک آئیڈیل اور ایک رہبر و رہنما کی ہستی تھی، میں جس کی تلاش میں تھا اس کو میں نے پالیا تھا (وہاں دارالعلوم میں حضرت مولاناؒ کا جو خطاب ہوا وہ خطبات مذکورہ ”مدارس دینیہ کی ضرورت اور علوم دینیہ میں اخلاص و اختصاص کی اہمیت“ کے عنوان سے موجود ہے) پاکستان میں جب جامعۃ العلوم الاسلامیہ علامہ بنوری ٹاؤن کراچی میں داخل ہوا تو حضرت مولاناؒ کی کتابیں پڑھنا شروع کیں۔ خاص طور سے ”ماذا خسر العالم بانحطاط المسلمین“ اور تاریخ دعوت و عزیمت پڑھنے کے بعد آپ سے عقیدت محبت میں بدل گئی۔ ایک عرصہ سے میری تمنا تھی کہ عالم اسلام کی اس عظیم دینی درسگاہ دارالعلوم ندوۃ العلماء کو دیکھوں وہاں حضرت مولاناؒ کی زیارت سے اپنی روح کو سرشار کروں، چنانچہ بندہ اپنے وطن واپسی کے موقع پر بائی روڈ ہندوستان روانہ ہوا جہاں دارالعلوم ندوۃ العلماء حاضر ہونے کا شرف حاصل ہوا، مذکورہ تاریخ یعنی ۲۲ شعبان ۱۴۲۰ھ میں دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنو کے مہمان خانے میں آپ سے زیارت کا شرف حاصل ہوا،

مغرب کے بعد کا وقت تھا، آپ کی طبیعت ناساز تھی، ملاقات بھی کم فرماتے تھے۔ راقم الحروف جب پہنچا اور آپ کو بتایا گیا کہ بنوری ٹاؤن سے طالب علم آیا ہے تو شرف زیارت بخشا، حال احوال کے بعد جب ہمارے محسن جامعہ کے بانی محدث حضرت العلامہ سید محمد یوسف بنوری نور اللہ مرقدہ کا ذکر خیر آیا تو فرمانے لگے "حضرت بنوری بہت بڑے عالم اور میرے اچھے دوست تھے۔" راقم سیاہ کار آپ کی دعاؤں کے ساتھ رخصت ہوا چونکہ دوسرے دن صبح کی گاڑی سے بندہ کو اپنے وطن جانا تھا سچی بات تو یہ ہے کہ کتابوں میں ہم نے جو کچھ اپنے اکابرین کے متعلق پڑھا تھا حضرت مولانا کی زیارت کے بعد مجھے اپنے تمام اکابرین کی جھلک ان میں نظر آئی، پھر جب آپ کے حفید سعید حضرت مولانا عبداللہ الحسنی الندوی زید مجدہ جو ۲۵ شعبان ۱۴۲۰ھ کو مدرسۃ الحرمین کاٹھمنڈو کے پہلے سالانہ اجلاس میں تشریف لائے، آپ نے راقم عاجز سے فرمایا "رمضان میاں! رمضان رائے بریلی میں گذارو" (حضرت مولانا مرحوم کی خدمت میں حاضر ہو کر خوب استفادہ کرو) لیکن اپنے ساتھ تو ایسے اعذار لگ گئے تھے کہ راقم حاضر نہ ہو سکا اور حضرت سے ملاقات کے ایک ماہ بعد ۲۲ رمضان المبارک ۱۴۲۰ھ مطابق ۳۱ دسمبر ۱۹۹۹ء کو عازم آخرت ہوئے انا للہ وانا الیہ راجعون، صدی کیا ختم ہوئی، صدی کے سارے احوال و واقعات اور تاریخ دعوت وعزیمت کو لئے وہ رخصت ہو گئے، بس ایک داعیہ تھا کہ حضرت مولانا ندویؒ کے پیام کو عام کیا جائے اور اس کے لئے کوشش کی جائے اسی بات کے پیش نظر ان خطبات کی ترتیب کی گئی ہے تا کہ حضرت مولاناؒ کے بیانات وخطبات سے استفادہ کیا جائے، اس پہلی جلد کا تعلق علمائے دین اور طالبان علوم نبوت سے ہے جس میں حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ نے علمائے دین کو ان کی مسئولیات اور ذمہ داریوں سے خوب خوب آگاہ کیا ہے، علم اسلام کے زوال وانتشار کے موقع پر علمائے اسلام کی ذمہ داری کے احساس، ان کی کوتاہی اور تقصیر پر قلبی اذیت اور مدارس دینیہ وسیع وجامع ترتخیل کی نزاکت واہمیت نے شاید ان کو اس پر آمادہ کیا کہ وہ اپنا سارا علمی اثاثہ اور اندوختہ بے تکلف ومخلصانہ طور پر اپنے عزیزوں کے سامنے رکھ دیں، جن نتائج تک وہ طویل علمی راہ نوردی اور تحقیق وجستجو کے بعد پہنچتے تھے اس کا لب لباب ان کے سامنے پیش کر دیا، موجودہ دور میں ان کے وجود کی قدردانی سمجھائی اور ملت اسلامیہ نے ان سے

کیا کیا توقعات قائم کر رکھی ہیں اسے واضح طور پر سمجھایا ہے، ساتھ ہی علماء کو جدید چیلنجوں سے آگاہ کرتے ہوئے ان کا حل بھی تجویز فرمادیا ہے جو ان علماء کرام کو ذہنی پریشانیوں سے، احساس کمتری سے نکالنے میں معاون ہونگی، اسی طرح طالبانِ علوم نبوت کے حاملین کو موجودہ حالت میں صحیح معنوں میں تعلیم حاصل کرنے اور ان پر عمل پیرا ہونے کی ترغیب دی اور وہ صفات اور شرائط بیان کئے جن کے بغیر ان کے مقاصد اعلیٰ کی تکمیل ناممکن ہے اور جو ان کی زندگی کیلئے مشعل راہ اور زادِ سفر بن سکتے ہیں۔ ان خطبات کا مرکزی خیال اور بنیادی موضوع ایک ہی تھا کہ ایک طالب علم کی نگاہ کن بلند مقاصد پر رہنی چاہئے اور محدود و مخصوص ماحول میں رہ کر بھی وہ کیا کچھ بن سکتے ہیں اور دنیا کو کیا کچھ دے سکتے ہیں؟ سب سے بڑی بات تو یہ ہے کہ اللہ رب العزت نے جو جوہر کمال اس کے اندر ودیعت فرمائی ہے اس کو ترقی دے کر اور چمکا کر وہ کن علمی و روحانی بلندیوں پر اپنا نشیمن بنا سکتے ہیں، آج کے اس مغربیت و لادینیت کے عالم گیر سیلاب میں عربی مدارس کی طلبہ کی ذمہ داریاں پہلے سے بہت زیادہ ہے، اس پر آشوب زمانہ میں ملت اسلامیہ کو ایسے افراد مطلوب ہیں جو ان کی صحیح رہنمائی کر سکیں، یہ کام وہی طلبہ کرام کر سکتے ہیں جو زندہ دل ہوں، چونکہ یہ دین زندہ ہے اور زندوں سے ہی قائم رہ سکتا ہے، وہ افراد بڑے ایمان و یقین بڑے اخلاق و کردار، بڑے علمی رسوخ اور امتیاز، اور بڑی کاوش اور ریاضت والے ہوں، چنانچہ طلبہ علوم دینیہ و اسلامیہ کی سب سے بڑی ضرورت یہ ہے کہ وہ ان صفات جمیلہ اور اوصاف حمیدہ کو اپنے اندر پیدا کریں تاکہ وہ ان مدارس سے فارغ ہو کر نکلنے کے بعد ملت اسلامیہ کی احسن طریقہ پر رہنمائی کر سکیں، اسلاف امت کی سب سے بڑی خصوصیت یہی تھی کہ وہ ان صفات کے حامل تھے، ان کے اندر ٹھوس علمی صلاحیت موجود تھی جس کے نتیجے میں انہوں نے امت اسلامیہ کی صحیح رہنمائی کی اور یہ دین محفوظ شکل میں آج ہم تک پہنچا ہے، حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ نے بالتفصیل ان موضوعات پر روشنی ڈالی ہے جسے پڑھ کر طلبہ یقینا اپنی منزلت کو پہنچانینگے اور اپنے اندر ایک نئی قوت محسوس کرینگے اور اپنی ذہنی پریشانیوں کو رفع کرینگے، مجھے یقین ہے کہ یہ خطبات قارئین کرام کے حق میں بھی مشعلِ راہ اور سراغ زندگی ثابت ہونگے، حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے خطبات میں سے دوسری اور تیسری جلد انشاء اللہ دعوتی

ضامین سے متعلق ہونگی، اللہ تعالیٰ بندے کو ہمت وحوصلہ اور توفیق عنایت فرمائے کہ بندہ اس سعادتمندی کو احسن طریق پر انجام دے سکے، اخلاقی فرض کو مدنظر رکھتے ہوئے میں ان تمام ہی حضرات کا بے حد مشکور وممنون ہوں جنہوں نے اس کام میں میری ہر طرح سے مدد ں خصوصا میرے معاون عزیزان برادران رفیق محترم مولوی محمد رشید سلمہ اللہ اور محمد ہارون عاویہ، رفیق محترم مولوی محمد سفیان بلندشہری سلمہ اللہ (مرتبہ تذکرہ حضرت لدھیانوی شہیدؒ) ہے، میں ان کا مشکور وممنون ہوں کہ انہوں نے کتاب کی کمپوزنگ کے مرحلہ سے لے کر تصحیح تیب تک معاونت کی، اللہ تعالیٰ ان کو جزائے خیر عطا فرمائے اور دین متین کی خدمت کے لئے قبول فرمائے۔ قارئین کرام سے التماس کروں گا کہ جہاں ان خطبات میں کوئی غلطی یا ں کو پائیں اس کو مرتب کی ہی سمجھیں نہ کہ حضرت مولاناؒ کی کیونکہ خطبات میں غلطی کا رہ جانا خطیب کی غلطی نہیں بلکہ مرتب کی غلطی ہوتی ہے اور راقم کو مطلع فرماویں تا کہ آئندہ یڈیشن میں اس کی تصحیح کی جاسکے اور اپنی دعاؤں میں حضرت مولاناؒ کے ساتھ ساتھ میرے الدین، میرے اساتذہ اور ساتھیوں کو بھی یاد کریں۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو اخلاص کے ساتھ ین اسلام کی خدمت ودعوت کے لئے قبول فرمائے آمین۔

کتبہ

راقم عاجز محمد رمضان میاں (نیپالی) عفا اللہ عنہ

۲۱/ جمادی الاول ۱۴۲۲ھ

۱۲/ اگست ۲۰۰۱ء

یوم الاحد

مقیم حال جامعۃ العلوم الاسلامیہ علامہ بنوری ٹاؤن کراچی پاکستان

عرض مرتب

حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندوی بلاشبہ ایک عظیم المرتبت، فکرمند داعی تھے، آپ کی جدوجہد کا مرکز دعوت دین تھا، آپ فرماتے تھے داعی کیلئے دعوت وتبلیغ کے دو طریقے ہیں ایک یہ کہ ایمان کرسی تک پہنچ جائے یعنی ایمان والے برسراقتدار آجائیں، دوسرے یہ کہ کرسی ایمان تک پہنچ جائے، شیخ جمال الدین ایرانی نے دوسرا طریقہ اپنایا تھا (اس کے بعد حضرت مولاناؒ نے تغلق تیمور لنگ کی تخت نشینی کا واقعہ سنایا، اور یہ کہ کس طرح پوری تاتاری قوم مشرف بہ اسلام ہوئی) آج کے دور کیلئے بھی یہی طریقہ کارمناسب ہے(۱) ایک موقع پر حضرت مولاناؒ نے فرمایا حضرت مولانا محمد الیاس صاحبؒ کی سب سے نمایاں خصوصیت ان کا اپنا جذبہ اور اخلاص تھا، بزرگان دین کے یہاں تواضع واحسان مندی، تشکر اور اعتراف کی کثرت ہوتی ہے، احسان مندی بڑی اہم بات ہے، انسان کو اس کا اعتراف کرنا چاہئے، بھلے ہی احسان تھوڑا ہی کیوں نہ ہو، انسانی اخلاق بنانے میں یہ بات بڑی اہم ہے، بزرگوں کا احسان، مشائخ کا احسان، استاذ کا احسان والدین کا احسان، تعلق والوں کا احسان، دوست احباب، رشتے داروں کا احسان۔

اشاعت دین اور اس کی اہمیت بتلاتے ہوئے حضرتؒ نے ایک موقع پر فرمایا ''اس تحتی براعظم میں اسلام کی اشاعت کیلئے یہ بہت ضروری ہے کہ اسلامی لیٹریچر کے تراجم علاقائی زبانوں میں کئے جائیں، یہ ہماری ایک اہم ذمہ داری ہے، اور اس کے لئے ہندوپاک کا دانشور طبقہ جواب دہ ہوگا، ضرورت اس بات کی ہے کہ مراٹھی، ٹمل، تیلگو، بنگالی وغیرہ علاقائی زبانوں میں اسلامی لیٹریچر کے ترجمہ کا ایک باقاعدہ پروگرام مرتب کرکے اس کے تحت یہ جلد سے جلد شروع کیا جائے، شمالی ہند میں سب سے زیادہ ضرورت ہندی ترجموں کی ہے، مگر زبان ایسی ہو جس میں رس ہو وہ رس جو (Prem Chand) پریم چند کی ہندوستانی زبان میں

---

(۱) تعمیر حیات مفکر اسلام نمبر صفحہ ۳۱۳

ملتا ہے" غور کرنے کا مقام ہے کہ حضرت اسلام کی اشاعت وترویج کیلئے کس قدر کوشاں تھے وہ چاہتے تھے ہر طرف سے اسلام ہی اسلام کی صدا بلند ہو، آج ضرورت ہے اس بات کی کہ اللہ تعالی کا دیا ہوا یہ دین جس کا نام "الاسلام" ہے اس کی تعلیمات کو عام کیا جائے، مگر حکمت ودانائی کے ساتھ کیا جائے، بانی تبلیغ حضرت مولانا محمد الیاس صاحب اس پر بہت زور دیتے تھے کہ تبلیغ کے معنی ہیں دوسروں کو بات پہنچانا اسی لئے آپ کے بات کرنے کا اسلوب ایسا ہونا چاہئے کہ مخاطب کو احساس نہ ہو کہ اسے نومسلم یا جاہل ان پڑھ سمجھ رہے ہیں، اس کے لئے سلیقہ چاہئے، جس کو قرآنی الفاظ میں یوں بیان کیا گیا" أُدْعُ اِلٰی سَبِیْلِ رَبِّکَ بِالْحِکْمَةِ وَالْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ".

حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے سارے مسلمانوں کا گھروں سے نکل جانا اور دورہ اختیار کرنا نہ ممکن ہے اور نہ ضروری، لیکن اس کی ترغیب اور دعوت دی گئی ہے کہ ہر وہ اسلامی مجموعہ ہی سے کسی تعداد کا نکلنا ممکن اور مطلوب ہے اور اس کے دو مقصد ہونے چاہئے، خود دین کی سمجھ حاصل کرنا اس کے احکامات اور تعلیمات سے واقف ہونا اور واپسی پر اپنی جماعت کو اور تعلق والوں کو متنبہ اور بیدار کرنا اور غلط عقیدہ اور بے علمی کے وبال کے نقصانات سے آگاہ کرنا اور ڈرانا ہے، اللہ تعالی نے قرآن مجید میں ارشاد فرمایا:

"وَمَا كَانَ الْمُؤْمِنُوْنَ لِيَنْفِرُوْا كَافَّةً فَلَوْلَا نَفَرَ مِنْ كُلِّ فِرْقَةٍ مِّنْهُمْ طَائِفَةٌ
لِّيَتَفَقَّهُوْا فِي الدِّيْنِ وَلِيُنْذِرُوْا قَوْمَهُمْ اِذَا رَجَعُوْا اِلَيْهِمْ لَعَلَّهُمْ يَحْذَرُوْنَ"

اس آیت میں اللہ تعالی کے راستے میں باہر نکلنے والوں کیلئے (خواہ ان کا نکلنا دعوت کے کام سے ہو یا تعلیم کے مقصد سے)، دو بنیادی مقاصد وفوائد بیان کر دیئے گئے ہیں باہر نکلنے والوں کو اور دین کے خاطر اپنا وقت نکالنے والوں کو اپنا محاسبہ کرنا چاہئے کہ وہ ان دونوں مقاصد اور مطالبات پر کتنا عمل کر رہے ہیں اور ان کے دینی علم اور فرائض اور ذمہ داریوں کی معلومات میں کتنا اضافہ ہو رہا ہے اور دوسروں میں دین پہنچانے اور اشاعت کی کتنی کوشش ہو رہی ہے، پھر اس کے بعد جو دعوت وتبلیغ کا عمل ہو وہ صرف رضائے الٰہی کیلئے ہو اس میں دنیاوی مفاد کی آمیزش تک شامل نہ ہو، تب جا کر دعوت مؤثر ثابت ہوگی۔

اسی طرح دعوت وتبلیغ کے اندر پیغمبرانہ خصوصیت کو اپنانا چاہئے اور درحقیقت انبیاء

علیہم السلام کی سب سے پہلی خصوصیت یہ تھی کہ ان کو اپنی امت کی اصلاح کی فکر اس قدر شدت کے ساتھ لگ جاتی تھی کہ وہ طبعی تقاضوں سے بھی آگے بڑھ جاتی تھی یہاں تک کہ جب پیغمبر اس فکر میں گھلنے لگے تھے تو اللہ تعالی کی طرف سے تسلی کا سامان کیا جاتا ہے اور ارشاد ہوتا ہے" لَعَلَّکَ بَاخِعٌ نَّفْسَکَ اَ لَّا یَکُوْنُوْا مُؤْمِنِیْنَ "شاید آپ اس غم میں اپنی جان کو ہلاک کرنے والے ہیں کہ یہ لوگ ایمان کیوں نہیں لاتے۔

لہذا داعی اسلام کی سب سے پہلی خصوصیت یہ ہونی چاہئے کہ اس کو اس پیغمبرانہ فکر کا حصہ نصیب ہو، چنانچہ اسلاف امت میں سے جن جن حضرات کو اس فکر کا جتنا حصہ ملا اللہ تعالی نے ان کی دعوت میں اتنی ہی برکت وتاثیر عطا فرمائی اور اتنے ہی بہتر ثمرات پیدا فرمائے، حکیم الامت مجدد ملت حضرت مولانا شاہ اشرف علی تھانوی قدس سرہ فرمایا کرتے تھے کہ حضرت مولانا شاہ محمد اسمٰعیل شہید رحمۃ اللہ علیہ کو دعوت وتبلیغ کا ایسا تقاضا ہوتا تھا جیسا بھوک کے وقت کھانے اور پیاس کے وقت پینے کا تقاضا ہوتا ہے، جس طرح انسان ان طبعی تقاضوں سے صبر نہیں کرسکتا اسی طرح وہ دعوت کے مواقع پر دعوت سے صبر نہیں کرسکتے تھے، چنانچہ اللہ تعالی نے ان کی دعوت میں تاثیر بھی ایسی عطا فرمائی کہ ان کے ایک ایک وعظ سے سینکڑوں انسان بیک وقت تائب ہوتے تھے۔

اسی طرح داعی اسلام کی دعوت کا امتیاز یہ ہونا چاہئے کہ وہ نتائج سے بے پرواہ ہو کر دعوت میں مشغول رہے اور حوصلہ شکن حالات میں بھی اپنی بات کو متواتر کہتا چلا جائے، دعوت کے کام میں سستی اور کاہلی قطعاً نہ برتے، دعوت وتبلیغ کے کام کا اہم اصول یہ بھی ہے کہ وہ دعوت کیلئے انداز بیان اور اسلوب ایسا اختیار کرے جو نرمی، ہمدردی اور دلسوزی کا آئینہ دار ہو جس اسلوب کی اللہ تعالی نے حضرت موسیٰ اور حضرت ہارون علیہما السلام کو فرعون کے پاس بھیجتے ہوئے ہدایت فرمائی " قولا له قولا لينا " تم دونوں اس سے نرمی سے بات کرنا، اب کوئی شخص فرعون سے بڑا گمراہ نہیں ہوسکتا، اور حضرت موسیٰ علیہ السلام سے بڑا مصلح اور داعی نہیں ہوسکتا، جب حضرت موسیٰ علیہ السلام جیسے داعی کو فرعون جیسے گمراہ سے بھی نرم بات کہنے کا حکم دیا جارہا ہے تو ہما شما کی کیا حقیقت ہے؟ آج اگر بالفرض ہمیں اپنی دعوت وتبلیغ کا کوئی کام بے اثر اور غیر مفید معلوم ہوتا ہے تو اس کی واحد وجہ یہ ہے کہ ہم نے دعوت کے پیغمبرانہ اسلوب کو چھوڑ

دیا ہے، دعوت درحقیقت انبیاء علیہم السلام کا کام ہے اور جب تک اسے انہی طریقوں کے مطابق انجام نہیں دیا جائے گا جس طرح انبیاء علیہم السلام نے انجام دیا، اس وقت تک مؤثر نہیں ہو سکتا، چنانچہ حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ رحمۃ واسعۃ نے بھی ان خطبات کے اندر دعوت وتبلیغ کے پیغمبرانہ اسلوب اور طریقوں کو کما حقہ بیان فرمایا ہے اور ان کی صحیح صحیح نشاندہی کردی ہے، اہل علم جانتے ہیں کہ آپ کی جدوجہد کا مرکز دعوت دین تھا، دین کی دعوت، حکمت وموعظت کی طالب ہے جو ہر زمانے میں مخاطب کے لحاظ سے بدلتی رہتی ہے، مخاطب کے علم وعقائد کا لحاظ رکھتے ہوئے ایسی بات کرنا جو اس کی عقل میں اتر جائے اور اس کو تسلیم کرے، یہی تمام انبیاء کا دستور رہا ہے، انبیاء کرام نے اپنی دعوت وتبلیغ میں اسی اصول کو ملحوظ رکھا ہے۔

ضرورت اس بات کی ہے کہ حضرتؒ کے خطبات کی ایک ایک سطر کو بغور پڑھا جائے اور اسی کے مطابق انداز دعوت اور اسلوب تبلیغ اپنایا جائے تب جاکے دعوت وتبلیغ کے نتائج ہم دیکھ سکیں گے ورنہ سوائے وقت کے ضیاع کے کچھ حاصل نہ ہوگا۔

دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کی روح کو ہمیشہ شادمان رکھے، اعلیٰ علیین میں جگہ مرحمت فرمائے اور ہمیں ان کے ارشادات وہدایت پر عمل پیرا ہونے کی توفیق بخشے، حضرت کے خطبات کو ہمارے لئے اور ملت اسلامیہ کے لئے نافع ثابت فرمائے اور آپ کے لئے رفع درجات کا سبب بنائے۔ آمین۔

اس پر تیسری جلد کا اختتام ہوتا ہے، چوتھی جلد انشاء اللہ عباداتی مضامین سے آراستہ ہوگی، قارئین سے گزارش کرتا ہوں کہ ان خطبات میں کہیں علمی اور پیچیدہ غلطی نظر آئے تو غلطی کی نشاندہی فرمائیں بندہ ممنون ہوگا! اللہ تعالیٰ اس مختصر سی محنت کو قبول فرمائے اور مزید ہمت عطا فرمائے۔ آمین۔

والسلام
کتبہ
محمد رمضان عفا اللہ عنہ
بنوری ٹاؤن کراچی پاکستان
۱۴/۵/۱۴۲۳ھ مطابق ۲۵/۷/۲۰۰۲ء

عرض مرتب

اللہ رب العالمین کا صد شکر ہے کہ بندہ خطبات علی میاںؒ کی آٹھویں جلد بھی آپ کی خدمت میں پیش کرنے کی سعادت حاصل کر رہا ہے، یہ جلد انشاء اللہ تاریخ، سیرت وسنت اور یادرفتگان سے متعلق تقاریر پر مشتمل ہوگی۔

اس سے پہلے کی تمام جلدوں میں آپ نے حضرت علی میاںؒ کی تقاریر کو پڑھا ہوگا، یقینا آپ اندازہ لگا چکے ہونگے کہ حضرت کس پایہ کے عالم دین تھے اور ان کی تقاریر میں ملت کا کتنا درد چھپا ہوا تھا، اسی درد کو لے کر آپؒ دنیا کے گوشے گوشے میں گئے اور انسانیت کو صراطِ مستقیم کا راستہ دکھایا، آج حضرت علی میاں رحمہ اللہ اپنی قوم وملت، اپنے چاہنے والوں اور اپنے قدردانوں سے جدا ہو گئے ہیں لیکن اپنے پیچھے آنے والی نسلوں کے لئے اپنی خصوصیات صفات کے روشن نقوش چھوڑ گئے ہیں، جن کو قائم رکھنا اور آگے بڑھانا ان کے قدردانوں کی ذمہ داری ہے اور اس ذمہ داری کو پورا کرنے میں ہماری اجتماعی وانفرادی بھلائی مضمر ہے۔

آخر میں اپنے ان تمام احباب کا تہہ دل سے شکریہ ادا کرنا چاہوں گا جنھوں نے ابتدا سے لیکر آخر تک میری بھرپور معاونت کی، اللہ تعالیٰ ان تمام دوست واحباب کو جزائے خیر عطا فرمائے اور ان کے علم وعمل میں برکت عطا فرمائے۔

علاوہ ازیں جملہ قارئین سے التماس ہے کہ اپنی دعاؤں میں اس ناکارہ اور اس کے والدین اساتذہ اور تمام معاونین کو یاد رکھیں۔

اور آپ کی نظروں سے کوئی غلطی گزرے تو برائے شفقت اس ناکارہ کو مطلع کر دیں تاکہ آئندہ ایڈیشن میں اس کی تصحیح کی جاسکے۔

اللہ تعالیٰ ہم سب کو حضرت علی میاں رحمہ اللہ کے نقش قدم پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین یارب العالمین۔

والسلام

محمد رمضان میاں نیپالی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

تمہید

آج سے تقریباً ایک ڈیڑھ سال قبل بندہ نے عالم اسلام کے عظیم مفکر، داعی کبیر حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ کے ان خطبات کو جمع و ترتیب دیا تھا جو انہوں نے ملت اسلامیہ کے علماء اور طلبۂ علوم دینیہ سے مخاطب ہو کر فرمائی تھیں، اس کو اکثر اہل علم نے پسند فرمایا اور انہوں نے اس کی طباعت کا انتظام بھی فرمایا، ساتھ ہی بندہ پر یہ ذمہ داری بھی عائد کر دی کہ میں حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ کے دیگر خطبات کو بھی ترتیب دوں، اس وقت جب میرے سامنے حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے خطبات کا وہ مجموعہ جو میں نے ترتیب دیا تھا وہ انتیس مضامین پر مشتمل تھا اس مجموعہ کا نام خطبات ندوی تجویز کیا گیا تھا، مگر جب دوسرا مجموعہ تیار ہوا تو میرے بعض محسنین (جن کا تعلق دار العلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ سے تھا) نے یہ مشورہ دیا کہ اس مجموعہ کا نام بجائے خطبات ندویؒ کے خطبات علی میاںؒ رکھا جائے تو یہ حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ کے نام سے زیادہ میل کھاتا ہے اور یہ بات درست بھی تھی چنانچہ اس مجموعہ کو خطبات علی میاںؒ سے موسوم کیا گیا، اس وقت مجھے بالکل اندازہ نہیں تھا کہ میں ان خطبات کے جمع و ترتیب کے سلسلہ کو [illegible] آگے [illegible] سکوں گا [illegible] تو میرے پاس [illegible] اور نہ ہی [illegible] خداوند کریم [illegible] اپنے بندوں پر [illegible] احسانات سے نوازتے ہیں ان کا شکر کرنا [illegible] ممکن ہے، لیکن [illegible] صد آفریں [illegible] ہے، درحقیقت [illegible] نعمتوں کا مستحق قرار دیتی ہے۔

بالآخر میرے اساتذہ اور میرے رفقاء مجھے وقتاً فوقتاً حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے

[illegible] انجام دیتے رہے اور رہنمائی بھی کرتے رہے، سب سے بڑھ کر تبلیغی ان حضرات نے اس کام پر بڑی ہی حوصلہ افزائی فرمائی، جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ آج آپ کی خدمت میں بجائے ایک جلد کے تین جلد حاضر ہیں۔

ذلک فضل اللہ یؤتیه من یشاء، واللہ ذو الفضل العظیم۔

اس مجموعہ میں حضرت مولانا نور اللہ مرقدہ کے وہ خطبات ہیں جو دعوت وتبلیغ سے متعلق ہیں، حضرت رحمۃ اللہ کے اسلوب تبلیغ، انداز دعوت اور اس کے طریقہ کار کو کماحقہ سمجھایا ہے، جو ہر عام مسلمان کے لئے بھی رہنما ثابت ہو سکتا ہے، دراصل امر بالمعروف ونہی عن المنکر ایسا کام ہے جس سے دین کی تمام چیزیں وابستہ ہیں، امت محمدیہ جب تک اس کام کو انجام دیتی رہی کامیابی وکامرانی اس کے قدم چومتی رہی اور عزت وشان وشوکت ملتی رہی مگر جب اس کام کو چھوڑ دیگی تو سخت مصائب وآلام اور ذلت وخواری میں مبتلا ہو جائے گی اور ہر قسم کی غیبی نصرت ومدد سے محروم ہو جائے گی، گمراہی وضلالت کی شاہراہیں کھل جائیں گی، آپس میں پھوٹ اور عداوت پیدا ہو جائے گی، آبادیاں ویران ہو جائیں گی، مخلوق خدا تباہ وبرباد ہو جائے گی اور یہ سب ہو رہا ہے (لیکن) اس تباہی وبربادی کی خبر اس وقت ہوگی جب میدان حشر میں خدا کے سامنے باز پرس کیلئے بلایا جائے گا۔ بہر حال یہ محنت اور جد وجہد خدا کی ایک اہم عبادت اور سعادت عظمیٰ ہے اور انبیاء علیہم السلام کی امانت ووراثت ہے اس کا مقصد دوسروں کی ہدایت ہی نہیں بلکہ اس سے خود اپنی اصلاح اور عبدیت کا اظہار مقصود ہے، اگر ہم اس کو صحیح طور پر انجام دیں گے تو عزت وآبرو اور اطمینان وسکون کی زندگی پالیں گے۔

دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہمیں اپنے دین کی خدمت کرنے کے لئے قبول فرمائیں اور دین ودنیا کی تمام بھلائیوں سے نوازیں۔

والسلام

محمد رمضان علی میاں نیپالی

۲۰۰۲/۳/۲۸

خطبات کی اہمیت

قال رسول الله ﷺ :

عليكم بمجالسة العلماء واستماع كلام الحكماء ، فان الله تعالى يحى القلب الميت بنور الحكمة كما يحى الارض الميتة بماء المطر۔ (الحديث)

رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا!

اہل علم کی ہم نشینی اور اہل حکمت کا کلام سننے کو خود پر لازم کرلو، اس لئے کہ حق تعالی جل شانہ قلب مردہ کو نور حکمت سے ایسے زندہ فرماتے ہیں جیسے مردہ زمین کو بارش کے پانی سے۔

بحوالہ منبہات ابن حجر عسقلانیؒ

خطبات کی اہمیت

قال رسول الله ﷺ :

عليكم بمجالسة العلماء واستماع كلام الحكماء ، فان الله تعالىٰ يحى القلب الميت بنور الحكمة كما يحى الارض الميتة بماء المطر۔ (الحديث)

رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا!

اہل علم کی ہم نشینی اور اہل حکمت کا کلام سننے کو خود پر لازم کرلو، اس لئے کہ حق تعالیٰ جل شانہ قلبِ مردہ کو نورِ حکمت سے ایسے زندہ فرماتے ہیں جیسے مردہ زمین کو بارش کے پانی سے۔

بحوالہ منبہات ابن حجر عسقلانیؒ

خطبات کی اہمیت

قال رسول اللہ ﷺ :

علیکم بمجالسة العلماء واستماع کلام الحکماء ، فان اللہ
تعالیٰ یحی القلب المیت بنور الحکمة کما یحی الارض المیتة
بماء المطر۔ (الحدیث)

رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا!

اہل علم کی ہم نشینی اور اہل حکمت کا کلام سننے کو خود پر لازم کرلو، اس لئے کہ
حق تعالیٰ جل شانہ قلم مردہ کو نورِ حکمت سے ایسے زندہ فرماتے ہیں جیسے مردہ
زمین کو بارش کے پانی سے۔

بحوالہ منبہات ابن حجر عسقلانی

خطبات کی اہمیت

قال رسول الله ﷺ:

عليكم بمجالسة العلماء واستماع كلام الحكماء، فان الله تعالى يحى القلب الميت بنور الحكمة كما يحى الارض الميتة بماء المطر۔ (الحديث)

رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا!

اہل علم کی ہم نشینی اور اہل حکمت کا کلام سننے کو خود پر لازم کر لو، اس لئے کہ حق تعالیٰ جل شانہ قلم مردہ کو نور حکمت سے ایسے زندہ فرماتے ہیں جیسے مردہ زمین کو بارش کے پانی سے۔

بحوالہ منبہات ابن حجر عسقلانی

خطبات کی اہمیت

قال رسول الله ﷺ :

عليكم بمجالسة العلماء واستماع كلام الحكماء ، فان الله تعالىٰ يحى القلب الميت بنور الحكمة كما يحى الارض الميتة بماء المطر ۔ (الحديث)

رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا!

اہل علم کی ہم نشینی اور اہل حکمت کا کلام سننے کو خود پر لازم کرلو، اس لئے کہ حق تعالیٰ جل شانہ قلبِ مردہ کو نورِ حکمت سے ایسے زندہ فرماتے ہیں جیسے مردہ زمین کو بارش کے پانی سے۔

بحوالہ منبہات ابن حجر عسقلانیؒ

خامہ فرسائی

الحمد للہ خطبات علی میاں کی چوتھی جلد آپ کے ہاتھوں میں ہے، پہلی دوسری اور تیسری جلد (بالترتیب تعلیم و تعلم، دعوت و عزیمت، ہدایت و تبلیغ کے موضوع پر) کی ترتیب اور اس کی اشاعت پر میں اپنے رحیم و کریم مولیٰ کا شکر ادا کرتا ہوں کہ اس ذات عالی نے محض اپنی صفت بندہ پروری سے مجھے نوازتے ہوئے یہ احسان فرمایا کہ مجھ جیسے ناکارہ اور نامۂ سیاہ کے نوک قلم سے عالم اسلام کی عظیم دینی و روحانی شخصیت، اکیسویں صدی کے مجدد مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی قدس سرہ کے خطبات کا ایک حسین و جمیل دلکش و دلنشیں مجموعہ مرتب پایا، ان خطبات، تقاریر و بیانات کو آپ کے سامنے پیش کرتے ہوئے مجھے اپنی کم علمی، کم مائیگی اور بے بضاعتی کا شدت سے احساس ہے، مگر حسب روایت سعدیؒ ''لوگوں نے لقمان حکیم سے پوچھا کہ یہ تمیز و دانش کس سے سیکھی؟ تو لقمان حکیم نے جواب میں کہا کہ بدتمیزوں اور بے ہنروں سے کیا بعید ہے کہ اللہ تعالیٰ ان خطبات کے ذریعے کسی کی رہبری و رہنمائی فرمائے اور وہ ان نقوش کو اپنے نفوس میں لے کر سارے عالم میں دین اسلام کی دعوت و اشاعت کا ذریعہ بنے۔

ع این سعادت بزور بازو نیست
تا نہ بخشند خدائے بخشندہ

موجودہ دور کے بے دینی کے اس سیلاب میں بھٹکی انسانیت کو فلاح و بہبودی کی راہ پر گامزن کرنا اور حبل اللہ (اللہ کی رسی) کو مضبوطی سے تھامتے ہوئے، تمام خواہشات نفسانی کو بالائے طاق رکھتے ہوئے پیغمبر اسلام ﷺ کی اتباع میں لگے رہنا، بہت بڑی کامیابی ہے اور اخروی سرخروی کا سبب ہے، اسی کے پیش نظر یہ چوتھی جلد تہذیب و معاشرت کے موضوع پر قارئین کرام کی خدمت میں حاضر ہے، مجھے امید ہے کہ اپنی دعاؤں میں خاص کر دعائے

سحر گاہی میں اس سیاہ کار اور میرے جملہ معاونین اور حضرت مفکر اسلامؒ کو بھی یاد رکھیں گے۔

قارئین! یہاں اس بات کی وضاحت بھی مناسب معلوم ہوتی ہے کہ میں معذرت چاہوں گا ان حضرات سے جنہوں نے تین جلدوں کے مطالعہ کے فوراً بعد مجھے چوتھی جلد کیلئے مسلسل خطوط ارسال کئے اور چوتھی جلد جلد از جلد ترتیب دینے اور شائع کرنے کے شدید تقاضے فرمائے، میری کوشش تو یہی تھی کہ رمضان المبارک کے فوراً بعد ہی چوتھی جلد آپ کی خدمت میں پیش کروں، مگر بعض وجوہات کی بنا پر تاخیر ہوگئی!

ہوئی تاخیر تو کچھ باعث تاخیر بھی تھا

اس کی وجہ یہ ہوئی کہ تعلیم الاسلام کا نیپالی ترجمہ کا کام میرے سپرد کردیا گیا جس کی وجہ سے خطبات علی میاںؒ جلد چہارم وقت پر منظر عام نہ آسکی، اپنی اس مصروفیت پر ناشر سے بھی معذرت کرنی پڑی، پھر نیپالی ترجمہ کے کام سے پہلی دفعہ مجھے واسطہ پڑا تھا جس کی وجہ سے بہت الجھا رہا۔

بتوفیق اللہ اللہ کرکے اس کے دو حصوں کا ترجمہ مکمل ہو گیا-الحمد للہ علی ذلک۔

یہ چوتھی جلد میں ان موضوعات کی تقاریر کو شامل کیا گیا ہے جو اصلاح معاشرہ، تہذیب وتمدن وغیرہ سے متعلق ہیں۔

اخیر میں بندہ چوتھی جلد کی تکمیل پر گذشتہ جلدوں کی طرح اپنے معاونین رفیق محترم جناب مولوی سفیان بلند و مولوی محمد ہارون معاویہ حفظہم اللہ کا ممنون ومشکور ہے، جنہوں نے اس جلد کی ترتیب وپیشکش کیلئے اپنی تمام تر صلاحیتیں وقف کردیں اور بھرپور معاونت فرمائی، اللہ تعالیٰ ان حضرات کو دنیا وآخرت میں بہترین جزا عطا کرے۔

اسی طرح میرے استاذ محترم حافظ محمد حسین خان مدظلہ العالی کا دل کی اتھاہ گہرائیوں سے شکریہ ادا کرتا ہوں جنہوں نے اس حقیر کوشش بضاعۃ مزجاۃ کو سراہ کر مزید جلدوں کی تالیف پر حوصلہ افزائی فرمائی، اللہ تعالیٰ مجھ پر حضرت موصوف کا سایۂ عاطفت تادیر سلامت رکھے!

آمین یارب العالمین۔

اصلاح معاشرہ کی اہمیت

قوموں کی زندگی کے اتار چڑھاؤ اور دنیا کی تاریخ پر جن لوگوں کی نظر ہے وہ جانتے ہیں کہ قومی اور سیاسی زندگی میں سوسائٹی ریڑھ کی حیثیت رکھتی ہے، صحیح اخلاقی اور پختہ سیاسی سمجھ اور ایک اچھی سوسائٹی حکومت کو پیدا کرتی ہے، اس کی تنظیم کرتی ہے، اس کو ترقی دیتی ہے، نزاع سے اس کی حفاظت کرتی ہے، جب اس کی رگیں خشک ہونے لگتی ہیں اور اس میں بڑھاپے کی علامتیں ظاہر ہونے لگتی ہیں تو اس کی رگوں میں تازہ اور گرم خون پہنچاتی ہے، اس کو وقت پر ذمہ دار، پرجوش اور کام کے آدمی دیتی ہے، حقیقت میں مہذب و منظم سوسائٹی جو یقین کی دولت، اصول و اخلاق کا سرمایہ، فرض کا احساس اور ایثار و قربانی کا جذبہ رکھتی ہے، وہ سرجیون ہے جس سے خوشحالی، آزادی اور ترقی کی نہریں نکلتی ہیں، اور پورے ملک کو ہرا بھرا رکھتی ہیں، اگر سوسائٹی میں اخلاق کی گراوٹ و بے اصولی اور خودغرضی، خوشامد، طاقت و دولت سے مرعوبیت، بزدلی اور ظلم کا چلن عام ہو جائے تو یوں سمجھئے کہ زندگی کا سوتا خشک ہو گیا، اور قومی زندگی کے درخت کو گھن لگ گیا، حکومتوں کا الٹ پھیر طاقت کی بہتات، ملک کی پیداوار تعلیم کی ترقی اور ظاہری دھوم دھام کوئی چیز اس قوم کو تباہی سے نہیں بچا سکتی، جب کسی درخت کی رگیں اور جڑیں سوکھ جائیں اور وہ اندر سے کھوکھلا ہو جائے تو اوپر سے پانی ڈالنے سے کام نہیں چلتا۔

ملک کا سب سے بڑا مسئلہ جس پر عام سیاسی رہنماؤں اور ملک کے سچے خیر خواہوں کو پوری توجہ کرنی چاہئے وہ ہے ملک کی اخلاقی اصلاح، سماجی سدھار، اور ذمہ داری کا احساس، یاد رہے جب سوسائٹی اخلاقی طور پر دیوالیہ اور معنوی حیثیت سے کھوکھلی ہو جائے تو اس کو نہ حکومت بچا سکتی ہے نہ جمہوری نظام نہ ایک زبان اور ایک کلچر۔

حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندوی رحمۃ اللہ علیہ

دعوت واصلاح کا کام

شریعت اسلامی نے اجتماعی زندگی اور اجتماعی اصلاح اور اجتماعی ترقی کو اصل بتایا ہے، اور امت مسلمہ کو ایک جسم قرار دیا ہے کہ اگر ایک عضو میں درد ہو جائے تو تمام جسم بے چین ہو جاتا ہے، اس وجہ سے امر بالمعروف ونہی عن المنکر کو ایمان کا خاصہ اور لازمی جز قرار دیا ہے تاکہ اس کی انجام دہی کے لئے اپنے اندر خوبی وکمال پیدا کریں، ظاہر ہے کہ کوئی قوم اس وقت تک ترقی نہیں کر سکتی جب تک افراد خوبیوں اور کمالات کے زیور سے آراستہ نہ ہوں، اب ہمارے اوپر یہ فرض عائد ہوتا ہے کہ فریضۂ تبلیغ کو اس طرح لے کر کھڑے ہوں جس سے ہم میں قوت بڑھے اور اسلامی فتوحال ابھریں، ہم خدا اور رسول کو پہچانیں اور احکام خداوندی کے سامنے سرنگوں ہو جائیں، کیونکہ یہ کام خدا کی ایک اہم عبادت اور سعادت عظمیٰ ہے اور انبیاء علیہم السلام کی امانت ہے اس کام کا مقصد دوسروں کی ہدایت نہیں بلکہ اس سے خود اپنی اصلاح اور عبدیت کا اظہار مقصود ہے، اگر ہم اس کو صحیح طور پر انجام دیں گے تو عزت وآبر اور اطمینان وسکون کی زندگی پالیں گے۔

(حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندوی رحمۃ اللہ علیہ)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

حرف گفتنی

خطبات علی میاںؒ کی پانچویں جلد بعنوان ''احکام ومطالبات'' آپ کی خدمت میں پیش کرنے کی سعادت حاصل کررہا ہوں، اللہ جل شانہ کا بے انتہا فضل واحسان میرے ساتھ رہا اور اس ذات عالی نے ان منتشر خطبات کی ترتیب کے سلسلے میں ہرمرحلہ پر غیبی مدد ونصرت فرمائی جس کا نتیجہ یہ ہے کہ مولانا علی میاںؒ کا درد بھرا، بصیرت افروز پیغام بطور دستاویز آپ کے ہاتھوں میں ہے۔

خطبات علی میاں نہ صرف خطبات وتقاریر ہیں بلکہ ایک تاریخی دستاویز اور روحانی مجالس ہیں، جہاں ہرقسم کے رنگ وبو اور اشخاص واماکن سے قاری لطف اندوز ہوتا ہے، اور ہرخاص وعام اپنے دل میں ایک روحانیت محسوس کرتا ہے، کیونکہ آپؒ کے خطبات میں للّٰہیت کے ساتھ صداقت وحقیقت، فضیلت وحکمت، فصاحت وبلاغت بدرجۂ اتم کارفرما نظر آتی ہیں، آپ کی تقاریر وخطبات نے دور حاضر کی فکری ونظریاتی گتھیاں سلجھانے میں ایک اہم کردار ادا کیا ہے، آپ نے اپنی تقاریر کے ذریعے صرف برصغیر ہی نہیں بلکہ تمام دنیائے انسانیت کو اپنی طرف متوجہ کیا اور اپنی ایمانی قوت سے عرب وعجم کو یکساں جھنجھوڑا، اسی کو کسی نے یوں بھی کہا............ ؂

اس کے لہجے میں قیامت کی فسوں کاری تھی
لوگ آواز کی لذت میں گرفتار ملے

آپ حضرت مولانا علی میاں قدس سرہ کے ان فکر انگیز خطبات کو پڑھیں گے تو محسوس ہوگا کہ حضرتؒ کے اپنی تقاریر سے سوئے ہوئے دلوں کا جگایا ہے، پھول کی پتی سے ہیرے کے جگر کو کیا خوب کاٹا ہے اور سوئے ہوئے جذبات کو اپنے مسحورکن انداز میں بیدار کیا ہے اور پھر ایسا بھی نہیں کہ سوکہ اٹھنے والوں کو جذبات کے رد میں بہہ جانے کیلئے چھوڑ دیا ہو

بلکہ ان کی باگ کو شریعت محمدیہ ﷺ کے ہاتھ میں تھما دیا تاکہ اب وہ اپنے جذبات کو شریعت سے ضوء پہنچاتے رہیں، وہ جذبات جو ان خطبات کے مطالعے سے جنم لیتے ہیں دل کو ایسی نرمی اور دماغ کو ایسی بالیدگی بخشتے ہیں جو انسان کو پہلے سے زیادہ دین دار اور دانا بنا دیتے ہیں، جس کے ثمرہ میں وہ اپنے اوپر ایک مسؤلیت محسوس کرتا ہے کہ میں بھی مسئول ہوں مجھے بھی نیابت رسول کے صدقے بحیثیت آخری امت ذمہ داری سونپی گئی ہے اور یہ عزم کرنے پر مجبور ہو جاتا ہے کہ میں بھی اس ذمہ داری کو ضرور بالضرور پورا کروں گا۔

یہ خود غرضی، نفس پرستی، خودسری، بے حسی، مفاد پرستی میں ڈوبی ہوئی انسانیت کو اطاعت وفرمابرداری، آداب واخلاق، دیانت داری وامانت داری، بیداری واحساس ذمہ داری کا حضرت مولاناؒ نے درس دیا، اپنے اکابرین واولیاء اور اتقیاء کے نقش قدم سے بھٹکی ہوئی معصوم انسانیت کیلئے پرانے چراغ کی صورت میں میدان عمل واضح کیا، اتنا ہی نہیں آج کے اس پُرفتن اور پُرآشوب دور میں جبکہ دنیائے انسانیت ایمانی دولت سے محروم ہوتی چلی جارہی ہے، ایسے نازک مرحلہ پر حضرتؒ نے جذبۂ ایمانی، قربانی اور دینی جد وجہد کا سبق دیا، دنیا کے عالم گیر سیلاب میں بہہ جانے والوں کو راہِ ہدایت کا علمبردار بنا کر شاہراہِ دعوت وعزیمت پر کامزن ہونے کا راستہ بتلایا ہے۔

اخیر میں بندہ ان تمام حضرات کا صمیم قلب سے شکریہ ادا کرتا ہے جنہوں نے خطبات کی ترتیب میں دامے درمے، قلمے سخنے، معاونت فرمائی، خصوصاً برادر محترم مولوی سید عدنان کاکاخیل سلمہ اللہ نبیرہ حضرت مولانا عبدالحق نافع گل نور اللہ مرقدہ نے جو معاونت فرمائی وہ قابل ستائش ہے، اللہ ان کو بہترین جزا عطا فرمائے، اسی طرح حسب سابق رفیق محترم محمد رشید سلمہ اللہ نے بھی پروف ریڈنگ کے مرحلہ سے لے کر کتاب کی طباعت تک ہر مرحلہ میں میری معاونت فرمائی، اللہ تعالیٰ ان تمام حضرات کو اپنے دین کی خدمت کیلئے قبول کرے۔ آمین۔ یارب العالمین۔

والسلام

کتبہ محمد رمضان میاں نیپالی عفا اللہ عنہ
۲۵/شوال ۱۴۲۳ھ/۳۰/دسمبر ۲۰۰۲ء یوم الاثنین

خامہ فرسائی

سراپا شکر و امتنان ہوں اس ذات بابرکت کا جس نے اس ناچیز کو اپنے ایک محبوب بندے کے ارشادات و خطبات کو جمع کرنے کی توفیق بخشی۔ **وماتوفیقی الاباللہ العلی العظیم۔**

خطبات علی میاںؒ کی چھٹی جلد (علم و دانش) آپ کی خدمت میں پیش کرتے ہوئے جس قدر روحانی اور قلبی اطمینان ہو رہا ہے وہ محض اللہ تعالیٰ کا فضل و کرم ہے۔

مولانا علی میاںؒ کی ہشت پہلو شخصیت میں سے سب سے نمایاں اور واضح پہلو ان کا ایک داعی و مربی ہونا ہے، حضرت مولانا کی ساری زندگی اسی دشت کی سیاحی میں گزری ہے، بیس برس کی عمر سے شروع ہونے والا سفر حیات عارضی کے آخری لمحے تک جاری رہا، انہوں نے جس بے تکلفی، سادگی اور برجستگی کے ساتھ علماء و طلبہ کے مجمع میں تقریریں فرمائی ہیں شاید ہی کوئی دوسرا طبقہ اس وصف میں ان کا ہمسر ہو، خود مولانا علی میاںؒ کے ان الفاظ میں جو وہ اکثر طلبہ کے سامنے خطاب کرتے ہوئے فرمایا کرتے تھے کہ ”آپ سے مجھے کسی قسم کا تکلف نہیں اس لئے کسی بناوٹی یا تصنع آمیز بات کرنے کی بھی ضرورت نہیں“

اس چھٹی جلد کی اکثر و بیشتر تقریریں عصری درسگاہوں میں کی گئی ہیں اور مذہبی جامعات و دارالعلوم میں بھی، ان کے مخاطب جہاں مذہبی و دینی جامعات کے اہل فضل علماء کرام اور طالبان علوم نبوت ہیں وہیں عصری علوم و فنی درسگاہوں کے طلبہ اور ماہر اساتذہ بھی شامل ہیں اور کسی درجہ میں ان جامعات کے خیرخواہ مخلص اور معاونین بھی حضرت مولانا نوراللہ مرقدہ کے مخاطب ہیں، اس جلد میں طلبہ و علماء کی علمی افادیت کو مدنظر رکھتے ہوئے مولانا کی علمی و مطالعاتی زندگی سے متعلق ایک چھوٹا سا مضمون بھی شامل کیا گیا ہے، نصاب تعلیم سے متعلق چند مفید و دقیق سوالوں کے جوابات کو بھی شامل کیا گیا، انشاءاللہ یہ مضامین کافی مفید ثابت ہوں گے۔

الحمد للہ مجھے پچھلی جلدوں کی طرح اس جلد میں بھی اپنے سابقہ معاونین کا ہر قسم کا تعاون حاصل رہا، ان منتشر خطبات کو ترتیب کی لڑی میں پرو کر منصۂ شہود پر لانے کی تمام عرق ریزیوں اور دلسوزیوں میں میرے رفقاء برابر کے شریک رہے ہیں۔

خصوصا مولوی سید عدنان کاکاخیل (۱) سلمہ اللہ کہ موصوف نے کتاب کی ترتیب میں وہ قابل قدر معاونت فرمائی جس کا بندہ صمیم قلب سے شکریہ ادا کرتا ہے۔ زادہ اللہ علما و شرفا۔ اسی طرح ادارہ تحقیقات اسلامی (بین الاقوامی اسلامی یونیورسٹی) اسلام آباد کے کتب خانہ (۲) کے ناظم اور ان کا تمام عملہ جو تلاش بسیار کے دشوار کام میں مخلصانہ معاونت کرتے رہے اور سب سے اخیر میں سب سے زیادہ سپاس گزار ہوں اپنے محترم استاذ جناب علاء الدین فلاحی حفظہ اللہ کا جنکی رہنمائی و اصابت رائے ہر قدم پر دستگیر رہی۔ اللہ تعالی ان تمام مخلصین کو جزائے خیر عطا فرمائے۔

والسلام

راقم عاجز محمد رمضان میاں (نیپالی) عفا اللہ عنہ
یکے از کفش بردار مولانا علی میاں رحمہ اللہ
۱۵/ شوال المکرم ۱۴۲۳ھ
۱۰/ دسمبر ۲۰۰۲ء بروز منگل

---

(۱) نبیرہ حضرت مولانا عبد الحق نافع گل رحمہ اللہ رحمۃ واسعۃ، سابق شیخ الحدیث جامعہ علوم اسلامیہ علامہ بنوری ٹاؤن کراچی۔

(۲) ڈاکٹر حمید اللہ لائبریری شعبہ مجلات

دردِ دل

مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندوی قدس سرہ کو ہم سے جدا ہوئے آج ٹھیک تین سال کا عرصہ گزر گیا، ماہ رمضان المبارک کی اکیسویں تاریخ ہمیں حضرت کی رحلت کی یاد دلاتی ہے، اور چشم کو رلاتی ہے۔ آج آپ اس دنیا فانی میں نہیں ہیں لیکن آپ کے علمی نقوش (خطبات علی میاں) کی ترتیب واشاعت کے موقع پر آپ کی یاد اور آپ کے فقید المثال کارنامے غمگین دل کو یاد آرہے ہیں اور آپ کے چلے جانے کے بعد پیدا ہونے والا خلاء آنکھوں کے ساتھ ساتھ دلوں کو بھی رلا رہا ہے۔

لیکن ان کی تعلیمات اور افکار زندہ ہیں جن میں ملت اسلامیہ کیلئے زندگی کا پیغام ہے خصوصاً حضرت قدس سرہ کی تقاریر ان کے خطبات و بیانات کو پڑھتے ہوئے ایسا محسوس ہوتا ہے گویا حضرت رحمہ اللہ ہمارے درمیان موجود ہیں اور ہمیں کامیاب زندگی کی طرف رہنمائی فرما رہے ہیں، ان ارشادات، خطبات کی بدولت دل کو سہارا دیکر غم کو ہلکا کیا جاسکتا ہے۔ خطبات علی میاں کی سابقہ جلد جو کہ علم و دانش کے موضوعات پر مشتمل تھی جس میں ان تقاریر، خطبات کو جمع کیا گیا تھا جو عصری درسگاہوں اور مذہبی جامعات میں کئے گئے تھے، اب آپ کی خدمت میں جلد ہشتم پیش کی جارہی ہے اس جلد میں حضرت مولانا رحمہ اللہ کے ان خطبات وتقاریر کو جمع کیا گیا ہے جو ختم نبوت اور عقائد و عبادات سے متعلق ہیں۔

آپ کی دینی و ملی خدمات کا دائرہ صرف ہندوستان اور برصغیر تک ہی محدود نہ تھا بلکہ پورے عالم تک پھیلا ہوا تھا، مشرق سے مغرب تک، ہندو پاک، ترکی، ایران، مصر اور مراکش تک بلکہ یورپ و امریکہ میں مقیم مسلمانوں کی سوسائٹیاں تک حضرت رحمہ اللہ کے فکر و عمل کے دائرے میں تھیں۔ آپ کی تمام تر سعی اور جہد مسلسل کا مرکز دعوت دین، اشاعت اسلام اور دینی محنت تھا، آپ کے سینکڑوں خطبات چھپ کر جو [illegible] سامنے آتے ہیں اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ آپ نے دینی و ملی خدمت سے اپنا جو مزاج بنایا تھا اور جوہر خطابت اختیار کیا تھا اس میں مخاطبین کے لئے ان کے مقام و حیثیت کے لحاظ سے جو اسلوب کلام مناسب ہوتا اسی کے

مطابق بات فرماتے۔ کیونکہ دین کی دعوت تو عظیم ترین دعوت ہے جو کہ حکمت وموعظت کی طالب ہے اور جو ہر زمانہ میں مخاطب کے لحاظ سے بدلتی رہتی ہے، مخاطب کے علم وعقائد کا لحاظ رکھتے ہوئے ایسی بات کرنا جو اس کی عقل میں اتر جائے، جس سے اس کا دل ودماغ روشن ہو جائے، جو تنگ نظری اور پست فکر وخیال کے احاطہ سے سامع کو نکال لائے اور سامع کو عظیم جذبوں کی نئی جولان گاہیں بخشے، دینی ولولوں کو مہمیز لگائے، بربط دل کو چھیڑے بلکہ اس سے بھی آگے فطری جرأت واستقامت، ایمان ویقین سے لبریز خود اعتمادی اور گرمی گفتار سے سامع کے لہو کو جیسے تیسے گرمادے اور زور استدلال، پر اثر مواد سے اعتدال وتوازن برقرار رکھ کر بھرپور انداز میں رہنمائی کرے۔

جی ہاں! یہ تمام خصوصیات حضرت مولانا علی میاں قدس سرہ میں بدرجہ اتم موجود ہیں، یہی وجہ ہے کہ ان کی قلبی صدا آج بھی فضا میں گونج رہی ہے

بہرکیف خطبات علی میاں کی جلد ہشتم آپ کے ہاتھوں میں ہے، اللہ تعالی سے دعا ہے کہ اس کی برکت سے حضرت کے پیغام کو مسلم امت کے دل میں اتارے اور جذبہ دعوت، جذبہ عمل اور جہد مسلسل پر ہمیں کھڑا کردے۔

ان ربی لسمیع الدعاء

راقم عاجز محمد رمضان میاں نیپالی

سوانح حیات مفکر اسلام حضرت العلامہ مولانا سید ابوالحسن علی میاں حسنی ندوی نور اللہ مرقدہ

حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ کی اساسی فکر، حضرت سید احمد شہیدؒ کی دینی تحریک، حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ کی حکمت دین، حضرت مولانا محمود الحسن دیوبندیؒ کی تبحر علمی، حضرت مولانا سید محمد انور شاہ کشمیریؒ کی وسعت علمی، حضرت مولانا محمد اشرف علی تھانویؒ کے تجدید دین، حضرت مولانا محمد الیاس دہلویؒ کی عالمی دعوت و فکر، حضرت مولانا سید حسین احمد مدنیؒ کی حمیت وغیرت دینی، حضرت مولانا شاہ عبدالقادر رائے پوریؒ کی بیعت وارشاد، حضرت مولانا عطاء اللہ شاہ بخاریؒ کے پیام درس عقائد کا مجموعہ جو شخصیت بنتی ہے وہ مفکر اسلام، حضرت العلامہ مولانا سید ابوالحسن علی میاں الحسنی الندویؒ کی ذات بابرکت ہے جن کے دم قدم سے برصغیر پاک وہند بلکہ پورے عالم اسلام میں دعوت الی اللہ کی فکر بیدار ہوئی اور خوابیدہ انسانیت کے سامنے دین اسلام کی روشنی پیدا ہوئی، انہی کی ذات باسعادت کے متعلق یہ چند سطور آپ کے حالات وخدمات کے حوالے سے قارئین کے سامنے پیش کی جاتی ہیں۔

ولادت:

- آپ کی ولادت ۶ محرم ۱۳۳۲ھ مطابق ۵ دسمبر ۱۹۱۳ء بروز جمعہ بمقام تکیہ کلاں، رائے بریلی (یوپی) ہندوستان میں ہوئی۔

والدین:

- آپ کے والد کا نام حکیم سید عبدالحی، اور والدہ کا نام خیر النساء تھا اور بہتر تخلص لکھتی

تھیں، ڈاکٹر سید عبد العلی م ۱۳۸۱ھ آپ کے بڑے بھائی اور امۃ اللہ تسنیم صاحبہ م ۱۳۹۵ھ اور امۃ العزیز آپ کی بڑی بہن تھیں، مولانا مرحوم کی والدہ محترمہ حافظ قرآن تھیں اور آپ کی خالہ، اور خالہ زاد بہن، ممانی اور پھوپھی سب کی سب قرآن مجید حفظ کئے ہوئے تھیں۔ نو سال کی عمر میں آپ کے والد ۱۳۴۱ھ اور ۵۶ سال کی عمر میں آپ کی والدہ کا ۱۳۸۸ھ میں انتقال ہوا۔

ابتدائی تعلیم:

- آپ نے ابتدائی تعلیم والدہ محترمہ سے حاصل کی۔ اس کے بعد مولانا سید عزیز الرحمن حسنی اور مولانا محمود علی سے قرآن مجید، اردو اور فارسی پڑھی۔

عربی تعلیم:

- آپ نے باقاعدہ عربی تعلیم کا آغاز شیخ خلیل عرب محمد انصاری یمانی سے اور ڈاکٹر تقی الدین ہلالی مراکشی سے حاصل کی اور ان ہی کی تربیت میں عربی زبان و ادب کی تکمیل بھی کی۔

علم تفسیر:

- آپ نے شیخ خلیل عرب انصاری سے منتخب سورتوں کی تفسیر کا درس لیا، اور مفسر قرآن حضرت مولانا احمد علی لاہوریؒ (وفات ۲۳ فروری ۱۱۶۲ھ) سے ان کے ترتیب دیئے نظام کے مطابق ۱۳۵۱ھ میں لاہور میں قیام کر کے پورے قرآن کریم کی تفسیر پڑھی۔

علوم شرقیہ:

- آپ نے ۱۹۲۷ء میں لکھنؤ یونیورسٹی کے علوم شرقیہ کے شعبہ میں داخلہ لیا۔ اس وقت حضرت مولانا لکھنؤ یونیورسٹی کے سب سے کم سن طالب علم تھے، اور یونیورسٹی سے فاضل ادب کی امتیازی سند حاصل کی۔

علم حدیث:

- آپ نے ۱۹۲۹ء میں دار العلوم ندوۃ العلماء کے شیخ الحدیث حضرت مولانا حیدر حسن خاں کے درس حدیث میں خاص طور سے شرکت کی اور ان سے صحیحین اور سنن ابی داؤد، اور سنن ترمذی حرفاً حرفاً پڑھی۔
- ۱۹۳۲ء میں دار العلوم دیوبند جا کر شیخ الاسلام مولانا حسین احمد مدنیؒ سے علم حدیث کے اسباق سے استفادہ کیا، اور آپ کے تفسیر و علوم قرآن کے اسباق میں بھی شرکت کی۔

علم فقہ:

- آپ نے دار العلوم دیوبند میں حضرت مولانا اعزاز علی امروہی صاحب سے علم فقہ کا درس لیا۔

علم تجوید:

- آپ نے قاری اصغر علی صاحب سے روایت حفص کے مطابق تجوید پڑھی۔

نکاح:

- آپ کی شادی نومبر ۱۹۳۴ء میں حقیقی ماموں زاد بہن سید احمد سعید صاحب کی صاحبزادی حضرت شاہ ضیاء النبی کی پوتی اور مفتی عبدالرزاق صاحب (صاحب صمصام الاسلام منظوم ترجمہ فتوح الشام) کی نواسی سے ہوئی اور مہتمم و شیخ الحدیث دار العلوم ندوۃ العلماء مولانا حیدر حسن خاں نے خطبہ نکاح پڑھا۔ آپ کی کوئی صلبی اولاد نہیں ہے، مگر روحانی اعتبار سے دنیا میں آپ کے عقیدت مندوں کی تعداد لاکھوں ہی میں نہیں کروڑوں ہے۔

فلسفہ:

- آپ نے سید الملت حضرت مولانا سید سلیمان ندوی سے فلسفہ پڑھا، اور سید صاحب کے عزیز شاگرد رہے اور ان کے علم و طرز کار سے فیض حاصل کیا اور علامہ شبلیؒ کے اسلوب و طرز بیان کے نہ صرف قدرداں رہے بلکہ خوشہ چیں بھی تھے۔

سلوک و طریقت:

- آپ نے ۱۹۳۱ء میں مولانا احمد علی لاہوریؒ کے شیخ مولانا غلام محمد بھاولپوریؒ سے بیعت کا شرف حاصل کیا۔ ۱۹۴۲ء میں اپنے شیخ کے اشارے پر مولانا عبدالرحیم رائے پوری کے خلیفہ مولانا شاہ عبدالقادر رائے پوریؒ سے بیعت ہوئے۔

انگریزی تعلیم:

- آپ نے ۱۹۲۷ء سے ۱۹۳۰ء کے درمیان انگریزی زبان سیکھنے پر توجہ دی جس

سے اسلامی موضوعات اور عربی تہذیب و تاریخ وغیرہ پر انگریزی کی کتابوں سے براہ راست استفادہ کرنے کے لائق ہوئے۔

حلیہ ولباس:

● درمیانہ قد، بلندی تقریباً ساڑھے پانچ فٹ، گول چہرہ، صبیح رنگ، ہاتھ مخمل جیسے نرم و ملائم، حساس طبیعت، ہمیشہ سفید کپڑے زیب تن فرماتے، کرتہ اور چوڑی مہری کا پانجامہ جو ٹخنوں سے اوپر رہتا، ٹوپی کبھی کھڑی دیوار، کبھی پلے دار، عیدین وتقریبات وسفر میں شیروانی پہنتے تھے اور عیدین کے موقع پر سر پر رومال اور جبہ، چھتری، تسبیح اور جیب گھڑی ساتھ رہتی۔

رنج اور خوشی:

● حضرت مولانا کے خادم خاص حاجی عبدالرزاق صاحب بتاتے ہیں کہ میں ۱۹۶۰ء سے مستقل حضرت کے ساتھ سفر و حضر میں رہا، حضرت کا سب سے ممتاز خاصہ تواضع و انکساری ہے۔

● اس چالیس سال کی طویل مدت میں ایک بار کسی بات پر حد درجہ ناراضگی بتاتے ہوئے صرف اتنا فرمایا، ''تکلیف ہوئی'' اور اس مدت میں خوشی کا لمحہ وہ تھا جب ۱۹۹۸ء میں حرم شریف حاضری کے وقت کلید بردار نے کلید کعبہ شریف کے چوکھٹ پر رکھتے ہوئے تالہ کھولنے کا اشارہ کیا۔ اور دخول کعبہ کا شرف حاصل ہوا۔

غم کا لمحہ:

● سب سے زیادہ غم ۱۹۶۱ء میں اپنے بڑے بھائی ڈاکٹر عبدالعلی صاحب کی وفات

کے وقت حاضر نہ رہنے کا ہوا، اس وقت حضرت مولانا برما کے سفر پر تھے۔

پسندیدگی:

- سال کے دس مہینے (علاوہ دسمبر و جنوری) برف کا ٹھنڈا پانی پیتے، چائے صبح ناشتہ کے بعد اور بعد عصر ایک وقت میں دو تین پیالی پینے کا معمول تھا، چائے کی پیالی لبریز اور گرم اتنی کہ لب سوز اور میٹھی اتنی کہ لب باز ہو۔

معمولات:

- رات کے آخری حصہ میں فجر کی نماز سے پہلے یادالٰہی میں مشغول رہتے، بعد فجر ٹہلنے کا معمول تھا، آخری دنوں میں بیماری، کمزوری اور بے خوابی کی وجہ سے آرام فرماتے تھے، سات سے ساڑھے سات بجے تک ناشتہ اور لوگوں سے ملنے کا معمول تھا۔ اس کے بعد نماز چاشت تلاوت قرآن مجید اور پھر دو تین معاونین کے ساتھ لکھنے پڑھنے میں بیٹھ جاتے اور ساڑھے بارہ بجے تک تصنیف و تالیف اور خطوط کے جوابات دیتے، بعد نماز ظہر کھانا کھاتے اور اس کے فوراً بعد آرام فرماتے اور عصر کی نماز سے پہلے کبھی ڈاک، کبھی ملاقات اور کبھی قرآن مجید پڑھنے کا معمول تھا۔

- عصر کے بعد مہمانوں سے ملاقات فرماتے اور مغرب کی نماز سے بیس منٹ پہلے نماز کی تیاری، بعد نماز مغرب، اندرون خانہ جاتے، اگر رائے بریلی میں رہتے اور سفر کی روانگی سے قبل قبرستان جا کر فاتحہ پڑھتے۔ عشاء کی نماز کے بعد کھانا کھاتے اور کھانے کے بعد تھوڑی دیر لوگوں کے ساتھ بیٹھتے اس کے بعد تھوڑی دیر طلبہ و اساتذہ سے گفتگو فرماتے اور دس بجے تک سو جانے کا معمول تھا۔

ظرافت:

● حضرت مولاناؒ کی طبیعت میں خشکی نہیں تھی، بلکہ طبعاً بہت ظریف تھے، ایک مرتبہ انجنیئر امتیاز صاحب جوندوہ تکیہ ضیاء العلوم اور تیندوا کی عمارتوں کی نگرانی کرتے ہیں حضرت کا پیر دبانے لگے، حضرت نے فرمایا آپ چھوڑ دیں، جہاں آپ کا ہاتھ لگتا ہے وہاں عمارت کھڑی ہوجاتی ہے، ایک مرتبہ حافظ عتیق الرحمٰن صاحب (ناظر مطبخ دار العلوم ندوۃ العلماء) کا جب مطبع ندویہ سے مطبخ قدیم تبادلہ ہوا تو انہوں نے حضرت کو اس کی اطلاع دی آپ نے فرمایا کہ صرف ع۔خ کا فرق ہے یعنی مطبع سے مطبخ آئے ہیں۔

● حاجی عبدالرزاق صاحب (حضرت کے خادم خاص) کے بارے میں ایک خط میں لکھا کہ یہ ہمارے زندگی کے ساتھی اور بُڑھاپے کی لاٹھی ہیں۔ ایک مرتبہ آپ بیٹھے ہوئے تھے کہ نیند آگئی کسی نے آپ کے کندھوں کے پاس سے کھٹمل پکڑا اور کہا حضرت کھٹمل تھا، آپ نے برجستہ کہا کہ میرا نام بھی تو علی ہے۔

علمی ودعوتی زندگی:

● عربی میں سب سے پہلا مقالہ سید رشید رضا مصری کے مجلّہ المنار میں ۱۹۳۸ء میں شائع ہوا جو سید احمد شہید کی تحریک کے موضوع پر تھا۔ ۱۹۳۴ء میں دار العلوم ندوۃ العلماء میں مدرس بنائے گئے اور تفسیر وحدیث اور ادب عربی تاریخ ومنطق کا درس دیا۔

● ۱۹۳۹ء میں دینی مراکز سے واقفیت کے لئے ایک سفر کیا جس میں حضرت شاہ عبدالقادر رائے پوریؒ اور مصلح کبیر حضرت مولانا محمد الیاسؒ دہلوی سے تعارف حاصل ہوا، اور اسی وقت سے ان سے مستقل ربط وتعلق ہوگیا چنانچہ اول الذکر سے روحانی تربیت حاصل کی اور ثانی الذکر کی رہنمائی وسرپرستی میں تبلیغ ودعوت کا فریضہ انجام دیا، اور یہ تعلق

تاحیات قائم رہا۔

- ۱۹۴۳ء میں انجمن تعلیمات اسلام کے نام سے ایک انجمن قائم کی جس میں قرآن کریم اور سنت نبویہ کے درس کا سلسلہ جاری کیا جو بے حد مقبول ہوا۔
- ۱۹۴۵ء میں ندوۃ العلماء کی مجلس انتظامی کے رکن کی حیثیت سے منتخب کئے گئے۔
- ۱۹۵۱ء میں علامہ سید سلیمان ندویؒ کی تجویز پر نائب معتمد تعلیم متعین کئے گئے۔
- ۱۹۵۱ء میں تحریک پیام انسانیت کی بنیاد ڈالی، چونکہ اخلاقی قدریں بے دردی کے ساتھ پامال کی جارہی ہیں۔ خودغرضی بلکہ خود پرستی کا جنون سب پر سوار ہے۔ انسان کی جان ومال عزت وآبرو کا احترام تیزی کے ساتھ رخصت ہورہا ہے اسی فقدان کو دور کرنے کے لئے تحریک پیام انسانیت کی بنیاد ڈالی گئی۔
- ۱۹۵۴ء میں علامہ سید سلمان ندویؒ کی وفات کے بعد بالا تفاق معتمد تعلیم قرار پائے۔
- ۱۹۵۹ء میں مجلس تحقیقات ونشریات اسلام قائم کی۔
- ۱۹۶۱ء میں برادر اکبر ڈاکٹر عبد العلی حسنی صاحب کی وفات کے بعد ناظم ندوۃ العلماء منتخب ہوئے۔
- ۱۹۶۳ء میں جامعہ اسلامیہ مدینہ منورہ میں کئی لیکچرس دیئے جو النبوۃ والانبیاء فی ضوء القرآن کے نام سے شائع ہوئے جس کی نظیر نہیں ملتی۔

اعزازات، مناصب، تعلیمی اداروں اور تعلیمی مراکز کی رکنیت:

- ۱۹۵۷ء میں دمشق کے مجمع اللغۃ العربیۃ کے مراسلاتی ممبر منتخب ہوئے۔
- ۱۹۶۲ء میں رابطہ عالم اسلامی کی تاسیس وقیام کے لئے پہلا جلسہ مکہ مکرمہ میں ہوا، جس میں جلالۃ الملک سعود بن عبد العزیز اور لیبیا کے حاکم ادریس سنوسی بھی شریک

تھے، اس جلسہ میں نظامت کے فرائض مولانا نے انجام دیئے۔

- ۱۹۶۲ء میں ہی جامعہ اسلامیہ مدینہ منورہ کی تأسیس وقیام کے وقت اس کی مجلس شوریٰ کے ممبر بنائے گئے، اور مجلس شوریٰ کے خاتمہ تک اس منصب پر فائز رہے۔
- رابطہ الجامعات الاسلامیہ (رباط مراکش) کی کانفرنس میں رابطہ عالم اسلامی کے سکریٹری جنرل کی قیادت میں شریک ہوئے، پھر ندوۃ العلماء کے نمائندہ کے طور پر مستقل ممبر رہے۔
- ۱۹۸۰ء میں اردن کے مجمع اللغۃ العربیۃ کے رکن بنائے گئے۔
- ۱۹۸۱ء میں کشمیر یونیورسٹی کی طرف سے ادب میں پی، ایچ، ڈی کی اعزازی ڈگری عطاء کی گئی۔
- ۱۹۸۳ء میں آکسفورڈ کے اسلامک سینٹر کے قیام کے وقت تاحیات صدر بنائے گئے۔
- ۱۹۸۴ء میں رابطہ الادب الاسلامی العالیۃ کے قیام کے وقت تاحیات صدر بنائے گئے۔
- ۱۹۶۸ء میں سعودی وزیر تعلیم کی دعوت پر کلیۃ الشریعہ کے نصاب ونظام کی تیاری کے لئے ریاض تشریف لے گئے اور اس موقع پر وہاں جامعۃ الریاض اور کلیۃ المعلمین (ٹیچرس ٹریننگ کالج) میں کئی لیکچر دیئے۔
- ۱۹۳۲ء میں ندوۃ العلماء سے عربی نکلنے والے پرچے ''الضیاء'' کی ادارت میں اور ۱۹۴۰ء میں اردو پرچے الندوۃ کی ادارت میں شریک رہے اور ۱۹۴۸ء میں انجمن تعلیمات اسلام کی طرف سے ''تعمیر'' کے نام سے اردو میں ایک پرچہ نکالنا شروع کیا۔
- ۱۹۵۸۔۵۹ء میں دمشق سے نکلنے والے پرچے ''المسلمون'' میں اداریئے تحریر فرمائے۔ پہلا اداریہ "ردة ولا ابابکر لھا" لکھا جس کا اردو ترجمہ نیا طوفان اور اس کا

مقابلہ کے نام سے شائع ہوا۔ اس کے علاوہ استاذ محب الدین خطیب کے پرچہ ''الفتح'' میں بھی بعض مقالات شائع ہوئے۔

● ۱۹۶۳ء میں لکھنو سے ندائے ملت نکلنا شروع ہوا، تو اس کی سرپرستی فرمائی اور ۱۹۵۵ء میں ندوہ سے عربی رسالہ ''البعث الاسلامی'' اور ۱۹۵۹ء میں نکلنے والا عربی رسالہ ''الرائد'' نیز ۱۹۶۳ء سے نکلنے والا اردو رسالہ پندرہ روزہ ''تعمیر حیات'' ان تینوں رسالوں کے سرپرست اعلی رہے۔

● ۱۹۸۰ء میں اسلامی دنیا میں نمایاں علمی وعملی خدمات کے اعتراف میں ۱۴۰۰ھ کا شاہ فیصل ایوارڈ آپ کو ۱۲ فروری ۱۹۸۰ء کو ریاض میں منعقدہ ایک پروقار تقریب میں دیا گیا۔ حکومت سعودی عرب کا یہ اعزاز دو لاکھ چالیس ہزار ریال نقد (ہندوستانی رقم چوبیس لاکھ روپے) اور ایک سند پر مشتمل تھا۔ حضرت مولانا مرحوم نے شاہ فیصل ایوارڈ کی نصف رقم افغان پناہ گزینوں اور بقیہ نصف رقم مکہ مکرمہ کے دو دینی اداروں (ادارہ حفظ القرآن اور مدرسہ صولتیہ) کو برابر تقسیم کر دیا۔

● علامہ سید سلیمان ندویؒ کی سیرت النبی جلد ۸ پر مقدمہ حضرت مولانا نے لکھا تھا۔ کتاب جب پاکستان سے شائع ہوئی تو صدر ضیاء الحق مرحوم نے حضرت مولانا مرحوم کو ایک لاکھ روپے کا ایوارڈ دیا، حضرت مولانا مرحوم نے نصف رقم دار المصنفین اعظم گڑھ اور نصف رقم علامہ سید سلیمان ندویؒ کی اہلیہ کو عنایت کر دی۔

● ۱۹۹۹ء میں دبئی کے بین الاقوامی حسن قرأت کے عالمی مقابلہ کے موقع پر عالم اسلامی کی عظیم اسلامی شخصیت کا ایوارڈ ایک شاندار تقریب میں پیش کیا گیا۔ یہ رقم بھی حضرت مولانا نے ہندوستان کے تمام دینی اداروں میں تقسیم کر دی جو تقریباً ایک کروڑ بیس لاکھ تھی۔

● ۱۹۹۹ء میں آکسفورڈ اسلامی سینٹر کی طرف سے تاریخ دعوت وعزیمت کے

سلسلہ میں سلطان حسن بلقیہ (برونائی انٹرنیشنل ایوارڈ سے نوازے گئے، یہ رقم بھی احباب اور ضرورت مندوں کو تقسیم کردی)۔

تعلیمی اداروں اور تعلیمی مراکز کی رکنیت:

- ۸ جون ۱۹۶۱ء کو ناظم دار العلوم ندوۃ العلماء منتخب ہوئے۔
- صدر دینی تعلیمی کونسل اتر پردیش، ہندوستان۔
- صدر آل انڈیا مسلم پرسنل لاء بورڈ، ہندوستان۔
- صدر مجلس انتظامی و مجلس عاملہ دار المصنفین اعظم گڑھ، ہندوستان۔
- صدر اسلامک سینٹر آکسفورڈ یونیورسٹی لندن، برطانیہ۔
- صدر فاؤنڈیشن فار اسٹڈیز اینڈ ریسرچ لکزمبرگ۔
- صدر مجلس تحقیقات و نشریات اسلام لکھنؤ، ہندوستان۔
- صدر عالمی رابطہ ادب اسلامی۔
- رکن موسسۃ آل البیت، عمان، اردن۔
- بانی و صدر تحریک پیام انسانیت، ہندوستان۔
- رکن مجلس تاسیسی رابطہ عالم اسلامی مکہ مکرمہ، سعودی عرب۔
- رکن مجلس شوریٰ اسلامیہ مدینہ منورہ، سعودی عرب۔
- رکن عربی اکیڈمی دمشق و قاہرہ و اردن۔
- رکن اکیڈمی آف لیبررس دمشق یونیورسٹی دمشق، سوریا۔
- رکن مجلس عاملہ موتمر عالم اسلامی بیروت، لبنان۔
- رکن مجلس انتظامی اسلامک سنٹر جنیوا۔
- رکن مجلس برائے فقہ اسلامی رابطہ عالم اسلامی مکہ مکرمہ، سعودی عرب۔

- رکن مجلس شوریٰ دار العلوم دیوبند، ہندوستان۔
- رکن مجلس عاملہ اسلامک یونیورسٹیز فیڈریشن رباط مراکش۔
- رکن اکیڈمی آف عربی لینگویجز عمان۔
- رکن نیشنل فاؤنڈیشن فار ٹرانسلیشن ریسرچ اینڈ اسٹڈیز تیونیس۔
- وزیٹنگ پروفیسر دمشق مدینہ یونیورسٹی، سعودی عرب۔

اسفار:

- ۱۹۲۹ء میں لاہور کا سفر کیا جو دور دراز کا سب سے پہلا سفر تھا۔ جہاں لاہور کے علمی و دینی بزرگوں سے ملاقاتیں کیں اور شاعر مشرق ڈاکٹر محمد اقبال مرحوم سے بھی ملے، جن کی نظم ”چاند“ کا عربی میں ترجمہ کیا تھا، اسے پیش کیا۔
- ۱۹۳۵ء میں دلتوں کے لیڈر ڈاکٹر امبیڈکر کو اسلام کی دعوت دینے کے لئے بمبئی کا سفر کیا۔
- ۱۹۴۷ء میں حج کا پہلا سفر کیا، اور چند ماہ حجاز میں قیام رہا، یہ بیرون ملک کا سب سے پہلا سفر تھا، اور حج کا دوسرا سفر ۱۹۵۰ء میں ہوا، اور وہیں سے مصر، سوڈان و شام و اردن کا سفر کیا۔
- ۱۹۵۱ء میں مصر کا پہلا سفر تھا جبکہ مولانا کی کتاب ”**ماذاخسر العالم بانحطاط المسلمین**“ (انسانی دنیا پر مسلمانوں کے عروج و زوال کا اثر) مولانا سے پہلے وہاں کے تمام علمی حلقوں میں پہنچ کر متعارف ہو چکی تھی، یہ کتاب خود مولانا کے لئے تعارف کا بہترین ذریعہ ثابت ہوئی۔ اسی سفر میں فلسطین بھی گئے اور بیت المقدس اور مسجد اقصیٰ کی زیارت کی، واپسی میں اردن کے حکمران شاہ عبد اللہ سے ملاقات ہوئی۔
- ۱۹۵۶ء میں ترکی کا پہلا سفر کیا (جس کی روداد دو ہفتے ترکی میں کے عنوان سے

شائع ہوئی) اسی سال لبنان کا سفر بھی کیا۔

- ۱۹۶۰ء میں برما کا سفر کیا۔
- ۱۹۶۲ء میں کویت کا پہلا سفر کیا بعد میں کویت اور خلیجی ممالک کے متعدد اسفار ہوئے۔ اردن اور یمن کا سفر بھی ہوا، اور جگہ جگہ دعوتی خطاب ہوئے۔
- ۱۹۶۳ء میں یورپ کا پہلا سفر ہوا جس میں لندن، پیرس کیمبرج اور آکسفورڈ وغیرہ جانا ہوا اور اسپین کے اہم شہر بھی گئے۔
- ۱۹۷۶ء میں مسجد اقصیٰ کا سفر ہوا۔
- ۱۹۷۷ء میں امریکہ کا پہلا سفر ہوا، یہ دو ماہ دس دن کا سفر تھا، اس سفر میں امریکہ کے مختلف شہروں میں جانا ہوا اور دعوتی و دینی خطاب ہوئے اور آنکھ کا آپریشن بھی کرایا۔
- ۱۹۷۷ء میں افغانستان ، ایران، عراق اور لبنان (مراکش) کے لئے رابطہ عالم اسلامی کے وفد کی قیادت کی۔
- ۱۹۸۵ء میں بلجیم کا سفر ہوا۔
- ۱۹۸۷ء میں تاشقند و سمرقند وغیرہ کا سفر ہوا۔ اردن کا سفر ۱۹۷۳ء اور ۱۹۸۴ء میں ہوا۔
- اسپین ۱۹۶۳ء، افغانستان ۱۹۷۳ء، متحدہ عرب امارات ۱۹۷۴ء، ۱۹۷۶ء، ۱۹۸۳ء، ۱۹۸۸ء، ۱۹۹۳ء اور آخر میں ۱۹۹۹ء، شمالی امریکہ ۱۹۷۷ء ۱۹۹۳ء، یورپ ۱۹۶۳ء، ۱۹۶۴ء، ۱۹۶۹ء، ۱۹۸۳ء، ۱۹۸۶ء، ۱۹۸۷ء، ۱۹۸۹ء، ۱۹۹۲ء، ۱۹۹۳ء ایران ۱۹۷۳ء میں سفر کئے۔

پاکستان کا ۱۹۵۹ء ، ۱۹۶۴ء ، ۱۹۷۸ء ، ۱۹۸۴ء ، ۱۹۸۶ء میں سفر کیا

بخارا کا ۱۹۸۶ء میں سفر کیا۔

برطانیہ کا ۱۹۶۳ء اور ۱۹۸۵ء میں سفر کیا۔

برما کا ۱۹۶۰ء میں سفر کیا

ترکی کا ۱۹۵۶، ۱۹۶۴ء، ۱۹۸۶ء ، ۱۹۸۹ء ، ۱۹۹۳ء ، ۱۹۹۶ء میں سفر کئے۔

الجزائر کا ۱۹۸۲ء اور ۱۹۸۶ء میں سفر کیا۔

حجاز کا ۱۹۴۷ء ، ۱۹۵۱ء ۱۹۶۲ء ، ۱۹۶۷ء ، ۱۹۶۹ء میں سفر کیا۔ اس کے علاوہ بھی کئی اسفار ہوئے۔

قطر، ۱۹۷۹ء ، ۱۹۹۵ء میں سفر کیا۔

الرباط، ۱۹۷۶ء میں سفر کیا۔

سری لنکا، ۱۹۸۲ء میں سفر کیا۔

سمرقند، ۱۹۹۳ء میں سفر کیا۔

سوڈان، ۱۹۵۱ء میں سفر کیا۔

شام، ۱۹۵۱ء ، ۵۲ء ، ۶۴ء ، ۷۳ء میں سفر کئے۔

عراق، ۱۹۵۶ء ، ۱۹۷۳ء میں سفر کیا۔

عمان، ۱۹۵۱ء ، ۱۹۷۳ء ، ۱۹۸۴ء ، ۱۹۹۸ء میں سفر کیا۔

فلسطین، ۱۹۵۱ء میں سفر کیا۔

کویت، ۱۹۶۲ء ، ۶۸ء ، ۸۳ء ، ۸۷ء میں سفر کئے۔

لبنان، ۱۹۵۶ء ، ۱۹۷۳ء میں سفر کئے۔

لاہور، ۱۹۲۹ء میں سفر کیا۔

ملیشیا، ۱۹۸۲ء ، ۱۹۸۷ء میں سفر کیا۔

مراکش، ۱۹۸۶ء میں سفر کیا۔

مصر، ۱۹۵۱ء میں سفر کیا۔

نیپال، ۱۹۹۲ء میں سفر کیا۔

یمن ۱۹۸۴ء میں سفر کیا۔

طالبانِ علومِ نبوت کا مقام اور ان کی ذمہ داریاں

یہ تقریر مارچ ۱۹۵۴ء میں دار العلوم دیوبند میں طلبہ کے ایک جلسہ میں کی گئی تھی۔ اس تقریر میں دینی مدرسہ کا حقیقی منصب و مقام اور اس کے طلبہ و فضلاء کی ذمہ داریاں بتلائی گئی ہیں اور ان کو آگاہ کیا گیا ہے کہ عصر جدید ان سے کس قسم کی توقعات رکھتا ہے، اور اس دور میں دین کی دعوت اور خدمت کے لئے ان کو کس قسم کے تیاریوں کی ضرورت ہے اور طالبان علوم نبوت کو خدمت دین کیلئے خوب خوب ترغیب دی گئی ہیں جو ان کے حق میں مفید ثابت ہوگا، انشاء اللہ۔

الحمد لله رب العالمين والصلوٰة والسلام على سيد الانبياء والمرسلين، وعلى آله واصحابه اجمعين، ومن تبعهم باحسان ودعى بدعوتهم الى يوم الدين. اما بعد! فاعوذ بالله من الشيطان الرجيم. بسم الله الرحمٰن الرحيم. رب اشرح لى صدرى ويسرلى امرى واحلل عقدة من لسانى يفقهوا قولى.

عزیزانِ گرامی!

مجھے اس وقت آپ سے اس حیثیت سے گفتگو کرنی ہے کہ آپ دینی مدارس کے طالب علم ہیں اور میں ان کا دیرینہ خادم اور آپ کا رفیق سفر، موضوع کی اہمیت اور وقت کی نزاکت کا تقاضا ہے کہ میں آپ کے سامنے اپنی زندگی کے تجربات اور اپنے محدود مطالعہ کے نتائج بے تکلف رکھ دوں، اور زندگی کے سفر کی سب سے قیمتی اور عزیز سوغات آپ

کے سامنے پیش کردوں، آپ نے مجھے گفتگو کا موقع دے کر عزت بخشی ہے، آپ نے مجھ پر اعتماد کا اظہار کیا ہے، میری خواہش اور کوشش ہونی چاہئے کہ میں اس اعتماد کا اہل ثابت ہوں، اور اس تھوڑے سے وقت سے پورا پورا فائدہ اٹھاؤں، اس لئے کہ یہ وقت آپ نے بڑے قیمتی مشاغل سے نکالا ہے، اور یہ ان لوگوں کا وقت ہے جن کی ساعتیں اور لمحات مہینوں اور برسوں کے حساب سے تلنے چاہئیں۔

مدرسہ کیا ہے؟

دوستو! ہم کو سب سے پہلے معلوم ہونا چاہئے کہ ایک دینی مدرسہ کا مقام اور منصب کیا ہے؟ مدرسہ سب سے بڑی کارگاہ ہے، جہاں آدم گری اور مردم سازی کا کام ہوتا ہے، جہاں دین کے داعی اور اسلام کے سپاہی تیار ہوتے ہیں، مدرسہ عالم اسلام کا بجلی گھر (پاور ہاؤس) ہے جہاں سے اسلامی آبادی بلکہ انسانی آبادی میں بجلی تقسیم ہوتی ہے، مدرسہ وہ کارخانہ ہے جہاں قلب و نگاہ اور ذہن و دماغ ڈھلتے ہیں، مدرسہ وہ مقام ہے جہاں سے پوری کائنات کا احتساب ہوتا ہے، اور پوری انسانی زندگی کی نگرانی کی جاتی ہے، جہاں کا فرمان پورے عالم پر نافذ ہے، عالم کا فرمان اس پر نافذ نہیں، مدرسہ کا تعلق کسی تقویم، کسی تمدن، کسی عہد، کسی کلچر، زبان وادب سے نہیں کہ اس کی قدامت کا شبہ اور اس کے زوال کا خطرہ ہو، اس کا تعلق براہ راست نبوت محمدی سے ہے جو عالمگیر بھی ہے اور زندۂ جاوید بھی، اس کا تعلق اس انسانیت سے ہے جو ہر دم جواں ہے، اس زندگی سے ہے جو ہمہ وقت رواں اور دواں ہے، مدرسہ درحقیقت قدیم وجدید کی بحثوں سے بالاتر ہے، وہ تو ایسی جگہ ہے جہاں نبوت محمدیؐ کی ابدیت اور زندگی کا نمو اور حرکت پائے جاتے ہیں۔

مدرسہ کی ذمہ داری اور گراں باری

حضرات! کسی مدرسہ کے لئے اس سے بڑھ کر قابل احتجاج اور قابل اعتراض لفظ

نہیں ہوسکتے کہ وہ محض ایک دارالآثار یا کسی قدیم عہد کی یادگار ہے، میں اس کو مدرسہ کے حق میں ازالۂ حیثیت عرفی کے مترادف سمجھتا ہوں، میں مدرسہ کو ہر مرکز سے بڑھ کر مستحکم، طاقت ور، زندگی کی صلاحیت رکھنے والا اور حرکت و نمو سے لبریز سمجھتا ہوں، اس کا ایک سرا نبوت محمدیؐ سے ملا ہوا ہے، دوسرا سرا اس زندگی سے، وہ نبوت محمدیؐ کے چشمۂ حیات سے پانی لیتا ہے اور زندگی کے ان کشت زاروں میں ڈالتا ہے، وہ اپنا کام چھوڑ دے تو زندگی کے کھیت سوکھ جائیں اور انسانیت مرجھانے لگے، نہ نبوت محمدیؐ کا دریا پایاب ہونے والا ہے، نہ انسانیت کی پیاس بجھنے والی ہے، نہ نبوت محمدیؐ کے چشمۂ فیض سے بخل اور انکار ہے، نہ انسانیت کے کاسۂ گدائی کی طرف سے استغناء کا اظہار، ادھر سے **انما انا قاسم والله يعطى** کی صدائے مکرر ہے، تو ادھر سے **هل من مزيد ، هل من مزيد** کی فغانِ مسلسل، مدرسہ سے بڑھ کر دنیا میں کون سا زندہ متحرک اور مصروف ادارہ ہوسکتا ہے، زندگی کے مسائل بے شمار، زندگی کے تغیرات بیشمار، زندگی کی ضرورتیں بیشمار، زندگی کی غلطیاں بیشمار، زندگی کی لغزشیں بیشمار، زندگی کے فریب بیشمار، زندگی کے رہزن بے شمار، زندگی کی تمنائیں بیشمار، زندگی کے حوصلے بیشمار، مدرسہ نے جب زندگی کی رہنمائی اور دستگیری کا ذمہ لیا تو اسے اب فرصت کہاں؟ دنیا میں ہر ادارہ ہر مرکز اور ہر فرد کو راحت اور فراغت کا حق ہے، اس کو اپنے کام سے چھٹی مل سکتی ہے، مگر مدرسہ کو چھٹی نہیں، دنیا میں ہر مسافر کے لئے آرام ہے، لیکن اس مسافر کے لئے راحت حرام ہے! اگر زندگی میں ٹھہراو ہو، سکون اور وقوف ہو، تو حرج نہیں کہ مدرسہ بھی چلتے چلتے دم لے لے، لیکن جب زندگی رواں اور دواں ہے تو مدرسہ میں جمود اور تعطل کی گنجائش کہاں ہے، اس کو قدم قدم پر زندگی کا جائزہ لینا ہے، بدلتے ہوئے حالات میں احکام دینے میں، ڈگمگاتے ہوئے پیروں کو جماتا ہے، وہ زندگی سے پیچھے رہ جائے یا تھک جائے، یا کسی منزل پر قیام کرلے، یا اس کو کوئی مقام خوش آجائے، تو زندگی کی رفاقت اور قیادت کون کرے، سرود ازلی اور پیغام

محمدیؐ اسے کون سنائے، مدرسہ کا تعطل، قیادت سے کنارہ کشی، کسی منزل پر قیام، خودکشی کا مترادف اور انسانیت کے ساتھ بیوفائی کا ہم معنی ہے، اور کوئی خود شناس اور فرض آشنا مدرسہ اس کا تصور نہیں کرسکتا۔

طلبہ وفضلائے مدارس کی ذمہ داریاں

دوستو! مدرسہ کے طالب علم کی حیثیت سے آپ کا کام سب سے زیادہ نازک اور سب سے زیادہ عظیم ہے، میں نہیں جانتا کہ اس وقت دنیا کی کسی جماعت یا کسی گروہ کا کام اتنا نازک، وسیع اور اہم ہو، ان الفاظ پر دوبارہ غور کیجئے کہ آپ کا ایک سرا نبوت محمدی ﷺ سے ملا ہوا ہے، دوسرا سرا زندگی سے، یہی آپ کے کام کی نزاکت کی وجہ سے آپ کی عظمت کی دلیل ہے۔ نبوت محمدیؐ سے وابستگی اور اتصال جہاں ایک بہت بڑی خوش نصیبی اور سرفرازی ہے وہاں ایک عظیم ذمہ داری بھی ہے، آپ کے پاس حقائق اور عقائد کی سب سے بڑی دولت اور سب سے عظیم سرمایہ ہے، اس وابستگی سے آپ پر چند ذمہ داریاں عائد ہوتی ہیں، آپ میں غیر متزلزل یقین اور راسخ ایمان ہونا چاہئے، آپ میں یہ حوصلہ اور ہمت ہونی چاہئے کہ ساری دنیا ملتی ہو، تو اس کے ایک نقطہ سے بھی دستبردار ہونے کے سوال پر غور نہ کرسکیں، آپ کے دلوں میں اس کی حمایت ونصرت کا جذبہ موجزن ہونا چاہئے، آپ کا دل اس بے بدل دولت پر فخر اور شکر سے لبریز ہو، آپ کو اس کی صداقت، اس کی معقولیت، اس کی ابدیت، اس کی ہر زمانہ میں صلاحیت اس کی بلندی وبرتری اور اس کی معصومیت پر غیر متبدل یقین ہو، آپ اس کے مقابل ہر چیز کو پورے اطمینان کے ساتھ جاہلیت کی میراث سمجھتے ہوں۔ آپ جہاں احکامِ خداوندی اور تعلیمات اسلامی کو سن کر سَمِعْنَا وَاَطَعْنَا کہیں، وہاں جاہلیت کے نظام اور جاہلیت کے علمبرداروں کو مخاطب کر کے کہیں، کہ کَفَرْنَا بِکُمْ وَبَدَأ بَیْنَنَا وَبَیْنَکُمُ الْعَدَاوَۃُ وَالْبُغْضَاءُ اَبَدًا حَتّٰی تُؤْمِنُوْا بِاللّٰہِ وَحْدَہٗ. آپ اسلام ہی کی رہنمائی اور اسوۂ محمدیؐ ہی

کی روشنی میں دنیا کی نجات کا یقین رکھتے ہوں، اور آپ کا اس پر عقیدہ ہو کہ اس طوفان نوح میں سفینۂ نوح صرف محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت اور امامت ہے، آپ یقین کرتے ہوں کہ افراد اور قوم کی سرفرازی اور سربلندی کی شرط صرف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا اتباع ہے، اور یہ بالکل حقیقت ہے کہ:

محمد عربیؐ کہ آبروئے ہر دو سراست   کسیکہ خاک درش نیست خاک بر سر او

آپ تعلیمات نبوت کے علم کا لب لباب اور حقیقۃ الحقائق سمجھتے ہوں، آپ اس کے مقابلے میں تمام دنیا کی الٰہیات اور فلسفہ مابعد الطبعیات اور قیاسات و روایات کو افسانہ و خرافات سے زیادہ وقعت دینے کے لئے تیار نہ ہوں، آپ توحید کی حقیقت سے واقف اور اس پر مصر ہوں، اور شرک اور تمام دنیا کے علم الاصنام کو خواہ وہ کیسے ہی پر جلال علمی اصطلاحات اور فلسفہ کی زبان میں بیان کیا گیا ہو حقارت کی نظر سے دیکھتے ہوں، اور زُخرفَ القَوْلِ غروراً سے زیادہ مرتبہ دینے کے لئے آمادہ نہ ہوں آپ سنت کے اتباع کے حریص، اور خیر الھدی ھدی محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر یقین رکھتے ہوں، اور بدعات کے مضر اور نامقبول ہونے پر آپ کو شرح صدر ہو، غرض آپ اعتقادی، ذہنی، فکری، قلبی، ذوقی اور عملی حیثیت سے نبوتِ محمدیؐ کی جامعیت اور عملیت کے قائل اور اس کی عملی تفسیر ہوں۔

طلباء وفضلاء کا امتیاز

دوستو! دنیا کے دوسرے لوگوں کے مقابلہ میں آپ کا امتیاز یہ ہے کہ ان حقائق پر دوسروں کا اجمالی ایمان کافی ہے مگر آپ کو اس پر پورا ذہنی اطمینان اور شرح صدر ہونا چاہئے، آپ کا صرف قائل ہونا کافی نہیں، اس کا داعی ہونا ضروری ہے، دوسروں کا یقین لازمی ہو تو کافی ہے، آپ کا یقین متعدی ہونا چاہئے، جو سینکڑوں ہزاروں انسانوں کو یقین سے لبریز کر دے، اور یہ اس وقت تک ممکن نہیں جب تک کہ آپ کا یہ سرور سرخوشی و

سرمستی بے خودی کی حد تک نہ پہنچا ہو، اور آپ میں **یکرہ ان یعود الی الکفر کما یکرہ ان یقذف فی النار** کی حقیقت نہ پائی جاتی ہو، تعلیمات نبوت سے دوسروں کی سرسری واقفیت کافی ہے، مگر آپ کے لئے علوم نبوت میں رسوخ، علوم نبوت سے عشق، علوم نبوت میں مقام فنائیت، علوم نبوت پر اصرار ضروری ہے، اس کے بغیر دعوت کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا، بلکہ دعوتوں اور تحریکوں کے اس طوفانی دور میں اس کے بغیر اپنی خصوصیات اور سرمایہ کی حفاظت بھی مشکل ہے۔

کیفیات باطنی

یہ بھی یاد رکھئے کہ نبوت محمدیؐ نے جس طرح علوم واحکام کا ایک بے پایاں دفتر اور وسیع ترین ذخیرہ چھوڑا۔ **فان الانبیاء لم یورثوا دینارا ولا درھما ولکن ورثوا ھذا العلم۔** یہ ذخیرہ قرآن وحدیث فقہ واحکام کی صورت میں محفوظ ہے، اور آپ کا مدرسہ بحمد اللہ اس کی خدمت واشاعت کا بہت بڑا مرکز ہے، اسی طرح نبوت محمدیؐ نے کچھ اوصاف، خصوصیات، اور کیفیات بھی چھوڑے، جس طرح پہلا سرمایہ نسل درنسل منتقل ہوتا رہا، اور اللہ تعالیٰ نے اس کی حفاظت واشاعت کا انتظام کیا، اسی طرح دوسرا سرمایہ بھی برابر منتقل ہوتا رہا ہے، اور اللہ تعالیٰ نے اس کی حفاظت کا بھی انتظام فرمایا ہے، یہ اوصاف و خصوصیات کیا ہیں، یقین واخلاص، ایمان واحتساب، تعلق مع اللہ، انابت اخبات، خشوع خضوع، دعا وابتہال، استغنا، وتوکل، اعتماد علی اللہ، درد ومحبت خود شکنی وخودداری، نبوت علوم واحکام اور اوصاف وکیفیات دونوں کی جامع تھی، **ھو الذی بعث فی الامیین رسولا منھم یتلوا علیھم آیاتہ ویزکیھم ویعلمھم الکتاب والحکمة**، نبوت محمدیؐ سے صرف علوم واحکام لینا اور کیفیات واوصاف کو ترک کردینا ناقص وراثت ہے اور نامکمل نیابت، دنیا میں جن لوگوں نے نبوت کی نیابت کی اور اسلام کی امانت ہم تک پہنچائی، وہ صرف ایک حصہ کے امین نہ تھے وہ دونوں دولتوں سے مالا مال تھے، اب بھی اسلام کی

دعوت اور اسلامی انقلاب صرف پہلے حصہ سے برپا نہیں کیا جا سکتا، آپ کو جن اسلاف کی طرف نسبت کا شرف حاصل ہے، وہ بھی ان دونوں خصوصیتوں کے جامع تھے، آپ اگر حقیقی نیابت کے منصب بلند پر سرفراز ہونا چاہتے ہیں، تو آپ کو اس جامعیت کی کوشش کرنی پڑے گی اس کے بغیر علم وفن کی صناعی کاغذی پھول ہیں، جن میں نہ خوشبو نہ تازگی، آج دنیا کے بازار میں کاغذی اور ولایتی پھولوں کی کمی نہیں، ہم اور آپ اس میں کوئی قابلِ ذکر اضافہ نہیں کر سکتے، یہاں تو نبوت کے باغ کے شاداب پھول چاہئیں، جو مشامِ جاں کو معطر کر دیں، اور جن کے سامنے دنیا کے پھول شرما جائیں۔ **فوقع الحق وبطل ما كانو يعملون.**

مدارس کا باطنی انحطاط

آپ برا نہ مانیں، کہنے والا بھی آپ ہی میں سے ہے۔ عرصہ سے ہمارے مدارس ان شاداب پھولوں سے خالی ہوتے جا رہے ہیں، ان اوصاف میں روز افزوں انحطاط ہے، ہم کو دل پر پتھر رکھ کر سننا چاہئے اور دیکھنا چاہئے کہ کہنے والے نے کہاں تک صحیح کہا ہے کہ:

اٹھا میں مدرسہ و خانقاہ سے نمناک
نہ زندگی نہ محبت نہ معرفت نہ نگاہ

اس کا نتیجہ یہ ہے کہ ہمارے مدارس سے جس تعداد میں لوگ فارغ ہو کر نکلتے ہیں، کبھی اس تعداد میں نہیں نکلتے تھے، لیکن زندگی پر کوئی اثر نہیں ڈال رہے ہیں۔

انقلاب انگیز شخصیتیں

پہلے اسی ملک میں خواجہ معین الدین اجمیریؒ یا سید علی ہمدانی کشمیری جیسا ایک فقیرِ بے نوا آتا اور پورے کے پورے ملک کو اپنے قلب کی حرارت اور اپنے ایمان کے نور سے

بھر دیتا، حضرت مجدد الف ثانی نے حکومتِ مغلیہ میں انقلاب برپا کر دیا، انہیں کی خاموش مساعی کا نتیجہ تھا کہ ہم اکبر کے تخت پر اورنگ زیب جیسے فقیہ ومتشرع بادشاہ کو دیکھتے ہیں، شاہ ولی اللہ صاحبؒ نے اس طویل وعریض ملک کا رجحان بدل دیا، اور پورے نظام فکر اور نظام تعلیم پر گہرا اثر ڈالا، مولانا محمد قاسم صاحبؒ نے ایک عام مایوسی اور پسپائی کے دور میں اتنا بڑا اسلامی قلعہ تعمیر کر دیا، اور علوم شریعت کو ایک نئی زندگی بخش دی، ابھی پچھلے عرصہ میں مولانا محمد الیاسؒ نے ایمان اور دینی جدوجہد کی ایک نئی روح پھونک دی، غرض

ع جہانے را دگرگوں کرد یک مرد خود آگاہے

آج ہمارے فضلاء اس روح سے خالی، ان کیفیات سے عاری، اور اس قوت سے محروم ہیں، جو لوگوں کو نئے سرے سے سوچنے اور بدل جانے پر مجبور کر دیتی تھی، زمانہ بڑا حقیقت شناس ہے، وہ صرف بلندی کے سامنے جھکتا ہے، دماغ بلند دماغ کے سامنے جھکتے ہیں، اور خالی اور سرد دل معمور اور گرم دلوں کا لوہا مانتے ہیں، ہمارے مدارس میں دماغی انحطاط بھی روز افزوں ہے اور قلبی افسردگی بھی روبہ ترقی، مقررین اور واعظین کی اب بھی کمی نہیں، مگر بقول حضرت جگرؔ ؎

آنکھوں میں سرورِ عشق نہیں، چہرہ پہ یقیں کا نور نہیں

مدارس کی افسردہ فضا

مدارس جو کبھی طاقت اور زندگی کا مرکز تھے، اور جہاں انقلاب آفریں شخصیتیں پیدا ہوتی تھیں، وہ مایوسی، افسردگی اور احساس کمتری کا شکار ہیں، آج مدارس کی تعداد میں، ان کے طلبہ کی تعداد میں، درس کی کتابوں کی تعداد میں، کتب کے مندرجات کی تعداد میں وظائف کی تعداد میں بہت بڑا اضافہ ہے، مگر زندگی کی نبض سست اور قلب کی دھڑکن کمزور ہے، کوئی حساس دردمند کبھی بھی اس طرف نکل جاتا ہے تو اس کا دم گھٹنے لگتا ہے، اور وہ اس بحر کاہل کو دیکھ کر کہنے لگتا ہے۔ ؎

خدا تجھے کسی طوفاں سے آشنا کر دے
کہ تیرے بحر کی موجوں میں اضطراب نہیں
تجھے کتاب سے ممکن نہیں فراغ، کہ تو
کتاب خواں ہے مگر صاحبِ کتاب نہیں

لیکن اب تو مدارس کے حق میں کسی طوفان سے آشنا ہونے کی دعا کرتے ہوئے بھی دل ڈرتا ہے، آج مدارس میں طوفان کے آثار نظر آتے ہیں، لیکن یہ باہر کے طوفان کے تھپیڑے اور موجیں ہیں جو مدارس کے در و دیوار سے ٹکرا رہی ہیں، یہ باہر کے ہنگاموں اور سطحی اور عوامی تحریکات کی صدائے بازگشت ہے، جس میں ہمارے مدارس کے طلبہ کا مقام محض نقال یا آلۂ صوت کا ہے۔

دنیا کا امام تقلید و پیروی کے مقام پر

یہ بڑا افسوس ناک منظر، اور بڑی دلخراش حقیقت ہے کہ جو تحریکیں اور دعوتیں، جو ہنگامے اور شور، جو انتشار و اضطراب، جو تنظیمیں اور طریقۂ احتجاج آج عصری درسگاہوں اور دنیاوی تعلیم گاہوں میں نامقبول ہو رہے ہیں، اور پیش پا افتادہ اور کہنہ فرسودہ سمجھے جانے لگے ہیں، وہ ہمارے مدارس میں اب باریاب ہو رہے ہیں اور جن کو زمانہ کا محتسب، اپنے عصر کا امام اور خود صاحبِ دعوت اور صاحبِ مقام ہونا چاہئے تھا، وہ لادینی درسگاہوں کے تبع اور مقلد ہونے پر فخر کر رہے ہیں۔

کر سکتے تھے جو اپنے زمانہ کی امامت
وہ کہنہ دماغ اپنے زمانے کے ہیں پیرو

آج مدارس کا سب سے بڑا فتنہ اور سب سے بڑا ذہنی طاعون بڑھتا ہوا احساس کمتری ہے، جو گھن کی طرح اس درخت کو کھاتا چلا جا رہا ہے، کسی ادارہ کو اگر یہ گھن لگ جائے تو پھر اس کی زندگی محال ہے۔

احساس کمتری کیوں؟

عزیزو! آپ احساس کمتری کا کیوں شکار ہوں؟ دوسروں کا احساسِ کمتری دینی کمزوری، ضعف عقیدہ، اور ضعف ایمان کی دلیل ہے، جس کے نتائج بہت سنجیدہ اور دور رس ہیں، انبیاء کے نائبین اور علوم نبوت کے حاملین کو اپنی کمتری اور حقارت کا احساس ہو تو اس کے معنی یہ ہیں کہ وہ نبوت کے مقام سے ناآشنا اور یقین سے خالی ہیں، آپ تو ان ہستیوں کے جانشین ہیں جن کے متعلق عارف رومی نے بجا طور پر کہا تھا ؂

نخوتے دارند و کبرے چوشہاں
چاکری خواہند از اہل جہاں

اور جن کے متعلق سعدیؒ کے الفاظ میں یہ کہنا بالکل صحیح ہوگا، کہ ع

شہان بےکلہ وخسروانِ بےکمر اند

خودشناسی وخودداری

میرے عزیز طلبہ! آپ کے پاس جو دولت ہے اس سے دنیا کا دامن خالی ہے، آپ کے سینہ میں علوم نبوت ہیں، اور وہ حقائق ہیں جو دنیا سے گم ہو چکے ہیں، اور جن کے گم ہونے سے آج عالم میں اندھیرا ہے، اضطراب وانتشار ہے، شر وفساد ہے، آپ اپنے ان سادہ کپڑوں، ان حقیر جسموں اور اس خالی جیب ودامن پر نظر نہ کریں، آپ دیکھیں کہ آپ کا سینہ کن دولتوں سے معمور، اور آپ کے اندر کیسا بدرِ کامل مستور ہے۔ ؂

بر خود نظر کشاز تہی دامنی مرنج
در سینۂ تو ماہ تمامے نہادہ اند

آپ یاد رکھیں حقارت، ذات کا تعلق انسان کے اندرون سے ہے، عالم خارجی اور بیرونی دنیا سے بہت کم ہے، حقارت ایک نفسیاتی کیفیت کا نام ہے، احساسِ حقارت کا

نتیجہ ہے انسان کے شک وشبہ، ضعف وتذبذب، اور خود شناسی کے فقدان کا انسان خود اپنے کو حقیر وبے مایہ سمجھتا ہے، اور اس کو دھوکہ ہوتا ہے کہ لوگ اس کو حقیر سمجھتے ہیں اور دنیا میں وہ بے قیمت اور ذلیل ہے، حالانکہ یہ جفاوہ خود اپنے اوپر کرتا ہے، یاد رکھئے جو خود اپنی نگاہ میں ذلیل ہو جائے اس کو کوئی باعزت نہیں بنا سکتا، اور جو خود اپنے کو اپنی نظر سے گرا دے، کسی کو اس کی بالکل ضرورت نہیں کہ اس کو اپنے دل یا آنکھوں میں جگہ دے، جس کی گنجائش خود اپنے یہاں نہیں ہے، اس کی گنجائش کون ومکان میں نہیں ہے، یہ زمین بقدر دل سمٹتی اور پھیلتی ہے، اور اس کی وسعت گھٹتی اور بڑھتی ہے، آدمی کو یہ دیکھنا چاہیئے کہ اس نے اپنے کو اپنے دل میں کیا مقام دیا ہے اور اس کا معاملہ خود اپنی ذات کے ساتھ کیا ہے، اگر کسی نے اپنے کو ذلیل وحقیر، مجبور بے بس، تہی دست وبے بضاعت اور دنیا کے بازار میں بے قیمت وبے ضرورت سمجھ لیا ہے، تو اس کو دنیا سے کسی انصاف اور کسی اعزاز کی توقع نہیں کرنی چاہئے، حاتم طائی نے اسی حقیقت کو اپنے اس شعر میں بیان کیا ہے ؎

ونفسک اکرمها فانک ان تهن
علیک فلن تلقى من الناس مکرما

اپنی ذات کی خود عزت کرو، اس لئے کہ اگر تم اپنی نگاہ میں ذلیل اور بے وزن ہو جاؤ گے تو پھر دنیا میں تمہیں کوئی بھی عزت کرنے والا نہیں ملے گا۔

دوستو! مجھے یقین ہے کہ ہم حقیر نہیں، صرف احساسِ حقارت کے مریض ہیں، اور یہ احساسِ حقارت ہماری خود ناشناسی اور خود فراموشی پر مبنی ہے، اس کا علاج صرف یہ ہے کہ ہم اپنے مقام سے باخبر ہو جائیں اور اپنی دولت اور سرمایہ کا صحیح جائزہ لیں، دنیا کی تبدیلی، نگاہوں کی تبدیلی، سب ہماری نگاہ کی تبدیلی کے تابع ہے، جس دن ہماری یہ نگاہ بدلی، دنیا بدل جائے گی، اور حقارت کا یہ مہیب سایہ جو ہمارے دل ودماغ پر مسلط ہے اور ہم کو ڈرا رہا ہے کافور ہو جائے گا، کہنے والے نے کچھ غلط نہیں کہا ؎

اور اگر با خبر اپنی شرافت سے ہو
تیری سپہ انس و جن، تو ہے امیر جنود

ہماری قدیم اور معاصر تاریخ میں جن اشخاص نے اپنے مقام کو پہچان لیا، اور جن کو اس کا احساس ہوگیا کہ اللہ نے ان کو کون سی دولت دی ہے اور کس منصب پر سرفراز کیا ہے ، ان کو یہ سارا عالم پست نظر آنے لگا، ان کو سلطنتیں نہیں خرید سکیں، انہوں نے دنیا کی بڑی سے بڑی پیش کش سن کر ہمیشہ زیرلب مسکرا کر کہا ؎

بردایں دام برمرغِ دگرنہ
کہ عنقارا بلند است آشیانہ

انسانی تاریخ کی آبرو جوارزاں فروشیوں اور خودفراموشیوں کی داستانوں سے داغدار ہے، انہیں خود آشنا و خدا شناس انسانوں کے دم سے ہے، انسانیت کا سرانھیں کی بدولت اونچا ہے، جنہوں نے اپنا سر ہمیشہ اونچا رکھا۔

زندگی کی آبرو خودداروں کے دم سے قائم ہے

عزیزانِ گرامی! اس زندگی کے بقاء وتسلسل کے لئے جس طرح غذا اور لباس کی ضرورت، مادی ساز وسامان کی ضرورت ہے، اور لوگوں نے اس کا ذمہ لیا ہے، اسی طرح زندگی کے فروغ اور وقار اور انسانیت کے شرف اور اعتبار کے لئے بھی ضروری ہے کہ اس مادہ پرست کوتاہ بین دنیا میں وقتاً فوقتاً پیغمبرانہ خودداری اور دنیا کے انکار اور حقارت کا بھی اظہار ہوتا رہے، اور کسی کسی گوشہ سے یہ صدا بھی آتی رہے، کہ اَتُمِدُّوْنَنِ بِمَالٍ فَمَا اٰتٰنِیَ اللّٰہُ خَیْرٌ مِّمَّا اٰتٰکُمْ بَلْ اَنْتُمْ بِھَدِیَّتِکُمْ تَفْرَحُوْنَ ۔ جس روز یہ صدا بالکل بند ہو جائے گی، اور ساری دنیا نیلام کی منڈی بن جائے گی، جہاں جوہر ادراک شعلۂ ایمان اور متاعِ علم سب کسی نہ کسی دام پر ملنے لگیں گے، اور انسان جمادات اور حیوانات کی طرح ارزاں اور گراں بکنے لگیں گے، اس دن یہ دنیا رہنے کے قابل نہ رہے گی، اور انسانیت اپنی

آب وتاب کھودے گی، اب اس کی ذمہ داری کہ انسانیت کی خودداری اور پیغمبروں کی سرداری کی شان قائم رہے، تنہا آپ کے سر ہے، اس کی توقع ان درسگاہوں سے نہیں کی جاسکتی، جنہوں نے معدہ اور پیٹ کے نصب العین سے بلند ہونے کا دعویٰ خود بھی نہیں کیا، اس کی توقع تو آپ ہی سے ہوسکتی ہے، جن کے اسلاف میں امام ابوحنیفہؒ اور امام احمدؒ جیسے غیور اور خودشناس امام گزرے ہیں جن کو حکومتِ عباسیہ کسی قیمت پر خرید نہ سکی، امام غزالی جیسے عالی ہمت جنہوں نے حریم خلافت کے اشارہ کے باوجود نظامیہ بغداد کی صدر مدرسی جو خلافت کے بعد سب سے بڑا دینی اعزاز تھا قبول نہیں کی، حضرت مجدد الف ثانیؒ جیسے صاحبِ عزیمت جنہوں نے جہانگیر کے سامنے جھکنے پر گوالیار کی اسیری کو ترجیح دی، آپ کے اسلاف میں حضرت مرزا مظہر جان جاناں بھی ہیں، جن کو بادشاہ دہلی نے پیغام بھیجا کہ اللہ نے اتنی بڑی سلطنت مجھے عطا کی ہے، آپ اس میں سے کچھ قبول فرمالیں، فرمایا اللہ تعالیٰ تو ہفت اقلیم کو متاع الدنیا قلیل، فرماتا ہے پھر ایک اقلیم میں سے ایک ولایت آپ کے حصے میں آئی ہے، وہ کتنی ہے کہ فقیر اس کی طرف طمع کا ہاتھ بڑھائے، نواب آصف جاہ نے ایک بار بیس ہزار روپیہ نذر کیا، آپ نے قبول نہیں فرمایا، نواب نے کہا لے کر محتاجوں کو بانٹ دیجئے، فرمایا کہ مجھ کو اس کا سلیقہ نہیں، یہاں سے نکل کر بانٹتے چلے جایئے، گھر تک پہنچتے پہنچتے تقسیم ہوجائیگا، نہ ہو تو وہاں ہوجائے گا، آپ کے اسلاف میں سے حضرت شاہ غلام علی صاحب دہلوی بھی تھے، نواب میر خاں والی ریاست ٹونک نے ان کی خانقاہ کے سالانہ مصارف کے لئے کچھ مقرر کرنا چاہا تو ان کو لکھ دیا گیا کہ ؎

ما آبروئے فقر و قناعت نمی بریم
با میرخاں بگوئے کہ روزی مقدر است

آپ کے اسلاف میں مولانا عبدالرحیم رامپوری جیسے مدرس گذرے ہیں، جنہوں

نے ریاست کے دس روپیہ ماہوار کو بریلی کالج کے ڈھائی سو روپیہ کی اسامی پر اور لوجہ اللہ پڑھانے کو ایک معزز پروفیسری پر یہ کہہ کر ترجیح دی کہ اگر خدا نے قیامت کے دن پوچھا تو میں کیا جواب دوں گا، آپ کے اسلاف کرام میں دار العلوم دیوبند کے بانی مولانا محمد قاسم صاحب نانوتویؒ کی ذات گرامی ہے، جنہوں نے علی گڑھ کے ایک دیندار رئیس کی تنخواہ میں جو غالباً دس روپیہ ماہوار سے زیادہ نہ تھی، دو روپیہ ماہوار یہ کہہ کر کمی کرا دی کہ میں دو روپیہ اپنی والدہ صاحبہ کو دیا کرتا تھا ان کے انتقال کے بعد یہ روپیہ فاضل ہے اور میں قیامت کے دن اس کے حساب سے بچنا چاہتا ہوں، آپ کے اسلاف قریب میں وہ ایثار پیشہ مدرسین ہیں جنہوں نے اپنے مدارس کی چھوٹی چھوٹی تنخواہوں اور اپنے اساتذہ اور شیوخ کے قرب پر بڑی بڑی درسگاہوں کی بڑی بڑی پیشکشوں کو قربان کر دیا اور عسرت اور تنگی میں اپنی عمر بسر کر دی، آپ کو یقیناً یہ شعر پڑھنے کا حق ہے کہ ؂

اولئک آبائی فجئنی بمثلهم ؎
اذا جمعتنا یا جریر المجامعُ

یہ راستہ معاشی حوصلہ مندیوں کا نہیں

دوستو! آپ اس سے یہ خیال نہ فرمائیں کہ مجھے زمانہ کی تبدیلی، ضروریات کی زیادتی ہمتوں اور قویٰ کی کمزوری، حالات کے اختلاف کا کوئی احساس نہیں، اور میں آپ سے اس زمانہ میں مولانا عبد الرحیم اور مولانا محمد قاسم صاحب کے ایثار و زہد کا پورا مطالبہ کر رہا ہوں لیکن میں یہ ضرور کہوں گا کہ آپ کا راستہ بلاشبہ ایثار و قناعت، یا مرضی الٰہی نے آپ کے لئے پسند کیا ہے، وہ معاشی حوصلہ مندیوں اور دنیاوی سربلندیوں کا راستہ نہیں، اس راستے پر تو قد کنت فینا مرجوًّا قبل هٰذا کا طعنہ سننا ہی پڑے گا، اس راستے پر تو لا تمدَّنَّ عینیک الیٰ ما متعنا به ازواجا منهم زهرة الحیاة الدنیا لنفتنهم فیه و

رزق ربک خیر وابقیٰ کا سبق پڑھنا ہی پڑے گا، لیکن اس کا انعام کیا ہے وہ بھی سن لیجئے وجعلنا هم ائمة يهدون بامرنا لما صبروا وكانوا باياتنا يوقنون. مولانا روم نے اسی مقام کی خبر دی ہے، کہ

معدہ را بگزار سوئے دل خرام
تا کہ بے پردہ زحق آید سلام

زمانہ کی بے بضاعتی وتشنہ لبی

آپ کو جو احساس کمتری تکلیف دے رہا ہے، اس کی کچھ تو وجہ یہ ہے کہ آپ اپنے مقام سے واقف نہیں، میں نے اس کو تفصیل سے عرض کر دیا ہے، دوسری وجہ یہ ہے کہ آپ اس دنیا سے واقف نہیں، آپ کو معلوم نہیں کہ زمانہ کس قدر بے بضاعت وتہی دامن، اور کس قدر تشنہ لب ہے، آپ اس زمانہ کو مرعوب اور للچائی ہوئی نظر سے دیکھتے ہیں، اس لئے کہ آپ اس سے ناآشنا ہیں، آپ اس کو قریب سے دیکھیں گے تو معلوم ہوگا کہ یہ کس درجہ دیوالیہ ہے اور اس کو اپنے دیوالیہ پن کا شدت سے احساس ہو رہا ہے، اس کے سب سکے کھوٹے نکلے، اس کے سب تیر دغا دے گئے، اس کے سب چشمے سراب ثابت ہوئے، اس کے سب فلسفے اور نظام اس کے سب ازم ناکام رہے، اس کے سب خواب بے تعبیر رہے، آپ کے پاس نبوت محمدیؐ کے عطا کئے ہوئے جو حقائق ہیں، ان کو اپنی کم نظری سے پیش کرتے ہوئے آپ شرماتے ہیں کہ زمانہ سائنس اور سیاسیات اور اقتصادیات کی ترقی کا ہے، لیکن دنیا کا حال یہ ہے کہ آج وہ انہیں کے لئے بیتاب اور چشم براہ ہے، آج قومیں ان لوگوں کے انتظار میں ہیں جو ان کو زندگی کا نیا راستہ بتلائیں، اور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا پیغام حیات سنائیں ـــ

ہمہ آہوان صحرا سر خود نہادہ برکف
بامید آں کہ روزے بشکار خواہی آمد

اصل متاع علوم انبیاء

آپ جن باتوں کو معمولی سمجھتے ہیں اور جن کو آپ نے کوئی وقعت نہیں دی، میں نے بڑے بڑے فاضلوں کو ان پر سر دھنتے دیکھا ہے، جب ان کے سامنے پیغمبروں کو بتلائی ہوئی باتیں کی گئیں تو ایسا معلوم ہوا کہ جیسے کسی بلندی سے خطاب کیا جا رہا ہے اور ان کے کان اس سے نا آشنا تھے، آپ دنیا کے بازار میں اسی کا مال اور اسی کی مصنوعات لے جانا چاہتے ہیں، پھر اس کا کیا شکوہ کہ وہ بضاعتنا ردت الینا کہہ کر آپ کے سامنے ڈال دیتی ہے، دنیا آپ سے امیدوار ہے کہ آپ انبیاء علیہم السلام کی لائی ہوئی اطلاعات اور بتلائے ہوئے راستہ کو پیش کریں، دنیا آج بھی ان کے سامنے سر جھکانے کے لئے تیار ہے، اس کے دماغ اب بھی اس کے سامنے سرنگوں ہیں، جیسے چھٹی صدی مسیحی کے محدود ماحول میں سرنگوں تھے، یقیناً آپ کے پاس یونانیوں کے طبعیات وعنصریات وفلکیات پر جو چند اوراق ہیں، اس کے مقابلے میں یورپ کے پاس سائنس اور تجربات ومشاہدات کی ایک دنیا ہے، یہ بھی واقعہ ہے کہ آپ آج یورپ کو یونان کی فلسفیانہ موشگافیوں اور عقلیات کی دقیقہ سنجیوں سے مرعوب نہیں کر سکتے، ان کی زندگی ختم ہو گئی ہے، اور وہ اپنی طاقت کھو چکے ہیں لیکن آپ کے پاس انبیاء علیہم السلام کے لائے ہوئے جو علوم اور حقائق ہیں، یورپ والیشیا ان سے اب بھی محروم ہے، اس کے پاس آپ کے عقلی وفکری نتائج اور آپ کے علمی ذخیرے کا کچھ نہ کچھ جواب ہے، لیکن انبیاء علیہم السلام کے معجزات کا جواب نہیں، آپ اپنی اصل قوت اور حقیقی دولت لے جائیں اور پورے اعتماد ویقین کے ساتھ زندگی کے میدان میں آئیں، اس میدان میں آپ کا کوئی حریف نہیں، آپ کے پاس انسانیت کے لئے جو دعوت اور پیغام ہے، آپ کے پاس علم وحقیقت کا جو سرچشمہ ہے، آپ کو جس ذات گرامی سے نسبت غلامی حاصل ہے اس کے بعد آپ میں سے ہر شخص کو یہ کہنے کا حق حاصل ہے کہ

عجب کیا گر مہ و پرویں مرے نخچیر ہو جائیں
کہ برفتراکِ صاحب دولتے بستم سرخودرا
وہ دانائے سُبل ختم الرُسل مولائے کل جس نے
غبارِ راہ کو بخشا فروغِ وادی سینا

علوم اسلامیہ کا زندگی سے ربط و تعلق اور اس کے لئے ہمارے اسلاف کی کوششیں

عزیزانِ گرامی! میں نے عرض کیا تھا کہ آپ کے تعلق کا ایک سرا نبوت محمدیؐ سے ملتا ہے، اس سے آپ پر کیا ذمہ داریاں عائد ہوتی ہیں، میں نے ابھی تک اسی کی تفصیل بیان کی ہے، اسی کے ساتھ یہ عرض کیا گیا تھا کہ آپ کا دوسرا سرا زندگی سے ملتا ہے، اب میں عرض کروں گا کہ اس کی کیا ذمہ داریاں اور تیاریاں ہیں، اور آپ اس کے حقوق و فرائض سے کس طرح عہدہ برآ ہو سکتے ہیں:

عزیزو اور دوستو! نبوت نے جو علوم و حقائق اور جو اصول و ضوابط عطا کئے ہیں، ان میں ایک شوشہ اور ایک نقطہ کی ترمیم ممکن نہیں، آپ کے اسلاف کا یہ تجدیدی کارنامہ ہے کہ انہوں نے ان میں کوئی تحریف اور کوئی تبدیلی نہیں ہونے دی اور اس ذخیرے کو ہمارے ہاتھوں تک بے کم و کاست پہنچا دیا، لیکن اسی کے ساتھ اس حقیقت کو یاد رکھیئے کہ ہمارے انھیں اسلاف نے ہر دور اور ہر عصر میں اس ذخیرے کو زندگی میں منتقل کرنے کی کوشش بھی جاری رکھی، انہوں نے اپنی ذہانت اور محنت سے اس ذخیرے کو ایک زندہ قابل عمل اور نمو پذیر ذخیرہ ثابت کیا، انہوں نے اس کی ایسی ترجمانی اور تشریح کی کہ ان کی معاصر نسلوں کے دماغوں نے اس کو بآسانی قبول اور ہضم کر لیا، اور ان کو اپنے زمانہ اپنی عقلی سطح اور اس ذخیرے کے درمیان کوئی تفاوت اور فاصلہ محسوس نہیں ہوا، ان میں اصل

شریعت، مقاصدِ دین، اور منصوبات کے بارے میں پہاڑوں کی سی استقامت، اور فولاد کی سی صلابت تھی، لیکن اس کی تعبیر وتشریح میں، اس کی توضیح وتفہیم میں شاخِ گُل کی سی لچک اور ریشم کی سی نرمی تھی، ان کا عمل دراصل سیدنا علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ کی اس حکیمانہ ہدایت پر تھا، کہ **کلموا الناس علیٰ قدر عقولهم اتریدون ان یکذب اللہ ورسوله**۔ اس لئے انہوں نے ہر زمانہ کی عقلی سطح کے مطابق دین کی تشریح وترجمانی کا فرض انجام دیا، اور اس زمانہ کی نفسیات وضروریات کا لحاظ کیا، تیسری صدی میں مامون و معتصم کی سرپرستی اور یونانی علوم کے اثرات سے معتزلہ دماغوں پر چھا گئے تھے، اور عقلیت کے واحد نمائندہ تصور کئے جانے لگے تھے، اعتزال زمانہ کا فیشن اور روشن خیالی کی علامت بنتا جا رہا تھا، اس وقت امام ابوالحسن اشعری نے معتزلہ کی اس عقلی اجارہ داری کے خلاف علمِ بغاوت بلند کیا، اور شریعت وسنت کی حمایت ونصرت اور عقائد اہل سنت کا اثبات اسی زبان، انھیں اصطلاحات اور اسی اسلوب میں کرنا شروع کیا، جس کے سہارے معتزلہ نے اپنا علمی تفوق اور ذہنی سیادت قائم کی تھی، اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ تھوڑی مدت میں معتزلہ کا یہ عقلی طلسم ٹوٹ گیا، اور سنت وشریعت کے حلقوں میں جو احساس کمتری تیزی سے پھیلتا جا رہا تھا وہ دفعۃً رک گیا، ابوبکر بن الصیرفی کا مقولہ ہے کہ ”معتزلہ نے بہت سر اٹھایا تھا، اللہ تعالیٰ نے ان کے مقابلہ کے لئے شیخ ابوالحسن اشعری کو پیدا کیا، انہوں نے اپنی ذہانت واستدلال سے ان کو بند کر دیا“ اس کارنامہ کی بناء پر ابوبکر اسمٰعیلی جیسے مبصرین نے ان کو مجددین امت میں شمار کیا ہے۔

امام ابوالحسن اشعری کے بعد ان کے مکتبِ خیال کے علماء نے ان کے کام کو جاری رکھا، اور قاضی ابوبکر باقلانی، شیخ ابواسحٰق اسفرائینی جیسے متکلم، اور علامہ ابواسحٰق شیرازی اور امام الحرمین جیسے مدرس واستاد پیدا ہوئے جنہوں نے اہل سنت کا علمی تفوق قائم رکھا لیکن اس عرصہ میں یونان کا علمی ذخیرہ عربی میں منتقل ہو چکا تھا اور باطنیوں اور فلاسفہ نے مل کر

فلسفہ کو تقدیس و عصمت کا جامہ پہنا دیا تھا اور وہ عقلیت و حق کا معیار بن گیا تھا، ادھر علم کلام کے حق میں جس کو سب سے زیادہ زمانہ شناس اور بیدار مغز ہونا چاہئے تھا جمود و تقلید سرایت کر گئی تھی، علماء کلام کو نہ صرف اس پر اصرار تھا کہ اشعری و ماتریدی عقائد کو تسلیم کیا جائے بلکہ اس پر بھی اصرار تھا کہ عقائد کو ثابت کرنے کے لئے بھی وہی مقدمات و دلائل اور وہی الفاظ و اصطلاحات استعمال کئے جائیں جو اشاعرہ و ماتریدیہ نے استعمال کئے ہیں۔ حالانکہ زمانہ نئے دلائل اور نئے طرز استدلال اور نئے اجتہاد کا طالب تھا۔ امام ابو الحسن اشعری کا دور فلسفہ کا دورِ طفولیت تھا اور عالم اسلام میں اس کا نیا نیا تعارف ہوا تھا، پانچویں صدی میں وہ اپنے شباب کو پہنچ چکا تھا اور زندگی میں اپنے پنجے گڑوا چکا تھا، اس وقت ایک نئی شخصیت، نئے اجتہاد، تازہ دماغ اور نئے علمِ کلام کی ضرورت تھی، اس کے لئے انتظام خداوندی نے امام غزالی کو تیار کیا، امام غزالیؒ نے اپنی تصنیفات میں اصول و عقائد اسلامیہ پر نئے انداز سے گفتگو کی اور ان کے ثبوت کے لئے ایسے مقدمات و دلائل قائم کئے جو اس زمانہ کے لحاظ سے زیادہ موثر اور اپنے اثر کے لحاظ سے زیادہ دلنشیں و دل پذیر تھے، ان کے استدلال اور طریق بحث نے دین کا نیا وقار اور اہل سنت کا نیا اعتبار قائم کر دیا، اور ہزاروں بے چین اور مضطرب دماغوں کے لئے وہ سکون و ایمان کا باعث ہوئے اگرچہ علمِ کلام کے حلقہ نے اس وقت ان کی اس اہم دینی خدمت کی داد نہیں دی بلکہ علمِ کلام کی پرانی لکیر سے ہٹنے کی بنا پر ان پر اعتراضات کئے جن کا جواب امام صاحب نے **فیصل التفرقة بین الاسلام و الذندقة** میں دیا ہے، لیکن بالآخر عالم اسلام نے ان کے اس مجددانہ کارنامہ کا اعتراف کیا، امام صاحب نے فلسفہ کا جواب دینے کے لئے اس کی ضرورت سمجھی کہ وہ فلسفہ کے اصل ماخذوں کا براہ راست مطالعہ کریں اور اس پر علمی تنقید کرنے کا استحقاق پیدا کر سکیں، چنانچہ انہوں نے دو سال لگ کر (جیسا کہ **المنقذ من الضلال** میں وہ لکھتے ہیں) فلاسفہ کے علوم کا گہرا مطالعہ کیا، اور باطنیہ کے عقائد و

خیالات سے واقفیت پیدا کی، پھر انہوں نے اول **مقاصد الفلاسفہ**۔ پھر **تہافۃ الفلاسفۃ** لکھی، تہافۃ الفلاسفۃ میں انہوں نے نیا کام یہ کیا کہ ابھی تک متکلمین اسلام کی طرف سے مدافعت و جوابدہی کیا کرتے تھے جو ہمیشہ سے ایک کمزور طریقہ ہے۔ امام غزالی نے پہلی بار فلسفہ کے شیش محل پر سنگ باری کی، ان کے اس حملہ کا اثر یہ تھا کہ بقول مغربی مؤرخین فلسفہ سو برس تک فلسفہ کی عمارت ان کے حملہ سے متزلزل رہی اور تقریباً نوے سال کے بعد فلسفہ کے حلقہ نے ابن رشد کی کتاب **تہافت التہافت** کی صورت میں امام غزالی کی کتاب کا جواب پیش کیا۔

امام غزالی کے بعد اس کی ضرورت تھی کہ فلسفہ کی بنیادوں پر منظم حملہ ہو اور نفسِ فلسفہ کو اعتراضات کے تیروں سے چھلنی کر دیا جائے اور ثابت کیا جائے کہ فلسفہ کا سارا نظام قیاس آرائی اور باد پیمائی سے زیادہ نہیں، اس کے لئے فلسفہ سے بڑی گہری اور وسیع واقفیت، ایک بڑے نقاد دماغ اور ایک بڑے جری اور طاقتور قلم کی ضرورت تھی، اس کام کے لئے شیخ الاسلام حافظ ابن تیمیہؒ بڑھے، جو ہر طرح اس کے لئے موزوں تھے، انہوں نے اپنے مختلف رسائل بالخصوص اپنی تصنیف **الرد علی المنطقیین** میں فلسفہ اور اس کے پورے نظام فکر کو بے اعتبار ثابت کر دیا۔ ان کی مجتہدانہ کتابیں اب بھی ذہن کو نئی غذا، قلوب کو نیا اعتماد اور فکر کو تازگی اور نشاط بخشتی ہیں۔

ادھر فلسفہ اور علم کلام دونوں نے مل کر جو ایک عقلی ظاہریت اور سطحی تفلسف پیدا کر دیا تھا اور عالمِ اسلام میں اس کے اثر سے یہ غلط خیال پیدا ہو گیا تھا کہ صداقت و یقین حاصل کرنے کا راستہ صرف استدلال و فکر ہے، اس کے خلاف مولانا جلال الدین رومیؒ نے قلمی جہاد کیا، ان کی زندہ جاوید مثنوی در حقیقت ساتویں صدی کے عقلی بحران کے خلاف قلب و روح کی ایک دلکش صدائے احتجاج ہے، اور نہ صرف علمِ کلام کی ایک مجتہدانہ تصنیف ہے بلکہ نئے علمِ کلام اور نئے استدلال کی بنیاد ہے۔ انہوں نے عقائد و حقائقِ اسلامیہ کے

ثبوت کے لئے نئے نئے دلائل اور نئی نئی مثالیں دی ہیں۔ جو بیک وقت قلب و دماغ دونوں کو متاثر کرتی ہیں اور دونوں کی سلوٹوں کو دور کرتی ہوئی دلنشیں و جاگزیں ہوتی چلی جاتی ہیں، اس کتاب کی تاثیر ابھی تک باقی ہے اور فلسفہ زدہ حلقوں میں اب بھی اس کے تیر بے خطا ہیں۔

مولانا رومؒ اور حافظ ابن تیمیہؒ کے بعد فلسفہ نے نئی کروٹ لی، اب وہ تصوف و اخلاق کی سرحدوں میں بھی گھس آیا اور سیاست اور انتظام میں بھی دخل دینے لگا، اب اس کی تردید کے لئے تنہا الٰہیات کے مباحث اور علمِ کلام کی کاوش کافی نہ تھی، اب فلسفہ کے ہمہ گیر اثرات کا مقابلہ وہ کر سکتا تھا جو یونانی الٰہیات کے ساتھ یونانیوں کے علم الاخلاق، مصر کی افلاطونیت جدیدہ اور اشراق، ہندوستان کے جوگ اور قرونِ وسطیٰ کے سیاسی تخیلات پر بھی ناقدانہ نظر رکھتا ہو ، اور فلسفہ و تصوف، علم الاخلاق اور علم السیاست اور اسلام کے معاشی اصول اور نظامِ مالیات پر بھی اس کا مطالعہ وسیع اور نظر عمیق ہو، اس موقع پر شاہ ولی اللہ کی شخصیت نمودار ہوتی ہے، جنہوں نے حجۃ اللہ البالغہ اور ازالۃ الخفاء لکھ کر اسلام کی عظمت اور صداقت کا نقش قائم کر دیا، اور علمی حلقوں میں اسلام کی نئی علمی ساکھ، علوم اسلامیہ کی زندگی کا ثبوت اور طبقہ علماء کا وقار قائم کر دیا۔

۱۸۵۷ء میں انگریزی حکومت کے تسلط سے نئے نئے فتنوں نے سر اٹھایا، عیسائی مبلغین نے اسلام پر علانیہ حملے شروع کر دیئے اور علماء اسلام کو دعوتِ مقابلہ دی، پادریوں کا جواب دینے کے لئے اناجیل ان کی تفاسیر اور ان کی تاریخ تدوین اور مسیحیت و اسلام کے مابہ النزاع مسائل و مباحث کی براہ راست مطالعہ کی ضرورت تھی، اس موقع پر طبقہ علماء ہی کے ایک فرد مولانا رحمت اللہ صاحب کیرانوی میدان میں آئے اور انہوں نے اظہار الحق اور ازالۃ الاوہام جیسی کتابیں لکھ کر مسیحیت کی اشاعت میں ایک سنگ گراں رکھ دیا، یہ کتابیں ہندوستان سے لے کر مصر و ترکی تک اپنے موضوع پر بے نظیر سمجھی جاتی

ہیں، اور ابھی تک لاجواب ہیں۔

دوسری طرف آریوں نے جن کو حکومت وقت کی شہہ مل گئی تھی اسلامی عقائد و الٰہیات پر نیا حملہ شروع کر دیا اور حدوثِ عالم و قدم ذات وصفات، کلام الٰہی، حیات بعد الموت اور تناسخ، قبلہ اور حیات نبویؐ پر عقلی اعتراضات کرنے شروع کئے۔ ان کے جواب میں نہ تو قدیم کلامی دلائل پورے طور پر کارگر تھے، نہ قدیم مقدمات اور قدیم اسلوب موثر تھا، حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ نے ان کے جواب کے لئے ایک نیا علم کلام تیار کر دیا، انہوں نے روزمرہ کی ہلکی پھلکی زبان میں چھوٹی چھوٹی مثالوں اور عام فہم دلیلوں میں بڑے بڑے علمی مسائل سمجھائے اور بڑے بڑے مباحث کا فیصلہ کیا۔ تقریر دلپذیر حجۃ الاسلام، آب حیات اور قبلہ نما ان کی ذہانت وسلامتِ فہم اور دقیقہ شناسی کا بہترین نمونہ ہیں، دوسری طرف انیسویں صدی کے آخر اور بیسویں صدی کے شروع میں پنجاب میں ایک فتنہ کھڑا ہوا۔ یہ نبوت محمدیؐ کے خلاف ایک سوچی سمجھی بغاوت تھی اور اسلام کے پورے اعتقادی اور علمی وفکری نظام کو ڈائنامیٹ کرنے اور خدانخواستہ اس کے ملبہ پر ایک نئی نبوت اور امامت کے قصر کی تعمیر کی کوشش تھی، اس کے مقابلہ میں چند مخلص اور بالغ النظر علماء میدان میں آئے، جن میں مولانا سید محمد علی مونگیریؒ ندوۃ العلماء اور مولانا سید انور شاہؒ کا نام اور کام سب سے زیادہ روشن ہے۔

زندگی کی رفاقت اور زمانہ کے تقاضوں کی تکمیل

یہ ساری تفصیل اس لئے سنائی گئی کہ آپ اندازہ کر سکیں کہ علماء اسلام کی ذہانت اور جذبہ خدمت نے کسی منزل پر قیام اور لکیر کا فقیر بننا گوارا نہیں کیا، انہوں نے علم کے چلتے پھرتے قافلہ کا ساتھ دیا۔ ان کا ہاتھ زمانہ کی نبض سے کبھی جدا نہیں ہوا، ان کی نگاہ زندگی کے بدلتے ہوئے تیوروں سے کبھی ہٹی نہیں، انہوں نے اسلام کی خدمت کے لئے جس زمانہ میں جس چیز، جس طرز اور جس اسلوب کی ضرورت سمجھی، بلا تکلف اختیار کر لیا،

انہوں نے اسلام سے وفاداری اور دین کی خدمت گزاری کا عہد کیا تھا انہوں نے کسی مدرسۂ فکر کسی مکتب خیال اور کسی انداز فکر سے وابستگی کی قسم نہیں کھائی تھی، ہندوستان ومصر میں جب اسلام پر تمدن وتہذیب اور تاریخ وادب کی راہ سے حملے شروع ہوئے اور مغربی مصنفین اور مستشرقین نے اسلام کی مستند شخصیتوں اور اس کے معیاری عہد پر اعتراضات کئے، اور اسلام کے خدوخال کو بگاڑ کر بدنما شکل میں پیش کیا، تو طبقۂ علماء ہی میں سے ایسے اہل قلم اور ادیب ومصنف آگے بڑھے جنہوں نے ان مضامین پر ایسی کتابیں لکھیں جو نہ صرف اسلامیات بلکہ اردو ادب میں بھی یادگار ہیں اور جنہوں نے جدید تعلیم یافتہ اصحاب میں سے ہزاروں کو نیا اطمینان اور دماغی سکون عطا کیا، اور نہ صرف ان کا تذبذب دور ہوا بلکہ اسلام سے شیفتگی پیدا ہوگئی۔ مولانا شبلی کی الفاروق، الجزیہ فی الاسلام کتب خانۂ اسکندریہ اس سلسلہ کی کامیاب تصنیفات ہیں۔

نصاب تعلیم کے تغیرات

خود آپ کا نصاب تعلیم اس حقیقت کا گواہ ہے کہ علماء اسلام نے کسی ضرورت کے تسلیم کرنے اور کسی مفید وناگزیر چیز کو قبول کرنے میں کبھی پس وپیش نہیں کیا، یہ نصاب عہد بہ عہد تبدیلیوں اور مختلف علمی وعقلی رجحانات کا نمائندہ ہے، اس میں ہر دور میں اضافہ و ترمیم ہوتی رہی ہے، صرف یہ سو برس کا زمانہ ایسا ہے جس میں اس نصاب میں کم سے کم تبدیلی ہوئی ہے حالانکہ یہی زمانہ اپنی سیاسی وذہنی تبدیلیوں کی بناء پر جائز اور ضروری تبدیلیوں کا سب سے زیادہ مستحق ومتقاضی تھا۔

دین کی نمائندگی کے لئے متنوع صلاحیتوں کی ضرورت

عزیزو! اس عہد انقلاب میں دین کی نمائندگی، تعلیمات اسلام کی ترجمانی اور نہ صرف ان کی تشریح وتفہیم بلکہ ان کی بلندی وبرتری کا نقش قائم کرنے کے لئے بڑی وسیع

تیاریوں اور بڑی متنوع صلاحیتوں کی ضرورت ہے۔ آپ اسلام کے سپاہی ہیں اور زندگی کے معرکے کے لئے تیار ہو رہے ہیں، کسی فوجی تربیت گاہ اور وہاں کی تیار ہونے والی فوج کے لئے سب سے زیادہ ناموزوں، سب سے زیادہ خطرناک بحث، قدیم وجدید اسلحہ اور طریق جنگ کی بحث ہے، سپاہی کے لئے نہ کوئی ہتھیار قدیم ہے، نہ جدید، اس کو تو یہ دیکھنا ہے کہ میدان جنگ کے لئے کون سا ہتھیار کارگر ہے اور کون سا طریق جنگ موزوں، تیار ہونے والے سپاہ کے لئے تعصب کی کوئی گنجائش نہیں، اس کا نہ کسی خاص اسلحہ سے رشتہ ہے نہ کسی خاص فن جنگ سے، اس کو تو تمام ضروری اسلحہ سے مسلح ہونا چاہئے۔ عرب شاعر نے بہت پہلے کہا تھا

کل امرئٍ یسعی الیٰ یوم الهیاج بما استعدا

نئی تحریکوں سے گہری اور ناقدانہ واقفیت کی ضرورت

عزیزان گرامی! آپ کو نئے فتنوں سے واقف ہونا چاہئے، مگر سطحی واقفیت عدم واقفیت سے زیادہ مضر ہے، آج ہمارے مدارس میں فیشن کے طور پر بعض تحریکوں اور نظاموں کے نام لئے جاتے ہیں، لیکن ان کے متعلق بہت کم معلومات ہیں، ناقدانہ نظر اور محققانہ مطالعہ تو بڑی چیز ہے، ان کی اجمالی حقیقت سے بھی واقفیت نہیں، ضرورت ہے کہ ماہرینِ فن اور اہل نقد ونظر کی نگرانی اور رہنمائی میں ان کا مطالعہ کیا جائے اور اسلام کے نظام کی برتری ثابت کی جائے، یہ کام مشکل ہے لیکن ضروری ہے، اگر یہ مدارس کے اہتمام میں منظّم طریقہ پر نہ ہوا تو وہ غیر منظّم طریقہ پر ہوگا۔

نئے مطالعہ کی مشکلات وذمہ داریاں

ہمارے مدارس میں نئے مطالعہ کا رجحان بھی بڑھ رہا ہے، مگر مجھے اس کا اظہار کرتے ہوئے افسوس ہوتا ہے کہ اس میں کوئی سنجیدگی اور گہرائی نہیں، یہ عصری مطالعہ کا اداعی

ہوں مگر بے تکلف کہتا ہوں کہ وہ اس قدر آسان اور سرسری کام نہیں، جتنا سمجھ لیا گیا ہے، اس کے لئے کتابوں کے صحیح انتخاب وترتیب پر پوری رہنمائی اور کسی اچھے مشیر کی رفاقت کی ضرورت ہے، پھر اس سے پہلے اس کی ضرورت ہے کہ وہ ذہن تیار ہو جائے جو اس مطالعہ سے فائدہ اٹھا سکے۔ معلومات میں صحیح ترتیب ونظام قائم کر سکے اور ان کو صحیح طور پر استعمال کر سکے، اگر یہ ذہن صحیح تعلیم وتربیت اور اساتذہ کی صحبت سے تیار ہو گیا تو وہ ہر طرح کی پڑھی چیزوں سے کام لے گا اور معلومات کے موادِ خام سے کار آمد مصنوعات اور عظیم نتائج پیدا کرے گا، اور ادب، تاریخ، معلومات عامہ، یہاں تک کہ بہت سی غیر متعلق چیزوں سے دین کی نصرت اور خدمت کا ایسا موثر اور حیرت انگیز کام لے گا جو بعض اوقات خالص دینی چیزوں سے نہیں لیا جا سکتا، اس وقت من بین فرث ودم لبناً خالصاً سائغاً للشاربین کی حقیقت کا ظہور ہوگا، اگر ایسا نہیں ہے، دین کی بنیاد میں قلب ودماغ میں مستحکم نہیں ہوئی ہیں، ذہن کج اور ذوق فاسد ہے تو۔ ع

هر چہ گیرد علتی علت شود

کا مصداق ہوگا۔

ملک کی زبان وادب سے ربط وتعلق

اس موقع پر میں دو اور حقیقتوں کی طرف آپ کو متوجہ کرنا چاہتا ہوں۔

ایک حقیقت تو یہ ہے کہ کسی ملک میں دین کی خدمت واشاعت اور وہاں کی زندگی پر اثر انداز ہونے کے لئے ضروری ہے کہ دین کی خدمت کرنے والوں کو اس ملک کی زبان وادب کا صاف ستھرا ذوق ہو، اور وہ مذاقِ سلیم اور معیار صحیح کے مطابق اس میں اظہار خیال کرنے کی قدرت، جیتی جاگتی زبان اور شگفتہ اندازِ بیان میں تصنیف وتقریر کی قابلیت رکھتے ہوں۔ دین کی دعوت اس وقت بہت موثر ہو جاتی ہے جب اس میں دل آویزی اور دلپذیری بھی ہو، اور یہ ایک ایسی نفسیاتی حقیقت اور امر واقعہ ہے کہ انبیاء علیہم السلام حتیٰ کہ

اپنی قوم کو خطاب کرنے اور ان کے دل و دماغ میں نفوذ کرنے کے لئے بہترین زبان دی گئی، قرآن مجید میں کہا گیا، **انا انزلناہ قرانا عربیاً لعلکم تعقلون** کہیں فرمایا گیا **بلسان عربی مبین** کہیں ارشاد ہوا، **وما ارسلنا من رسول الا بلسان قومہ** اہل فکر سمجھتے ہیں کہ لسان القوم سے مراد صرف اتنا ہی نہیں کہ وہ ان کو سمجھ سکتا اور ان کو سمجھ سکتا ہو، بلکہ اپنے زمانہ کے اعلیٰ سے اعلیٰ لسانی اور ادبی معیار پر پورا اترتا، بلکہ سب سے فائق ہو، اس کی تصدیق اس سے ہوتی ہے کہ اس کے بعد بھی فرمایا **لِتُبَيِّنَ لَهُمْ** رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا **انا افصح العرب.**

آپ جانتے ہیں کہ جن لوگوں نے اسلام کی تاریخِ اصلاح و تجدید میں کوئی بڑا کارنامہ انجام دیا اور مسلمانوں کے خیالات و رجحانات پر گہرا اثر ڈالا، وہ عموماً زبان و قلم کی طاقت رکھتے تھے اور ان کی تصنیفات یا تقریروں میں صحیح ادبیت اور بلاغت ہے، حضرت شیخ جیلانیؒ کے مواعظ آج بھی زور بیان اور خطابت کا نمونہ ہیں، امام ربانی کے مکتوبات اپنی ادبیت، زور اور طلاقت، سلاست اور بے تکلفی میں ابوالفضل اور فیضی کے انشاء پردازی سے کہیں بڑھے ہوئے ہیں، شاہ ولی اللہ صاحبؒ کی حجۃ اللہ البالغہ عربی انشاء اور علمی زبان کا ایسا نمونہ ہے کہ مقدمۂ ابن خلدون کے بعد سے ان صدیوں میں اس سے بہتر نمونہ نظر نہیں آتا۔ شاہ صاحب کی فارسی میں بھی خاص حلاوت اور سلاست ہے، ازالۃ الخفاء کے بعض ٹکڑے ادبی شہ پارے ہیں، یہ اس وقت کی باتیں ہیں جب عربی اور فارسی اس ملک میں مسلمانوں کی تصنیفی اور علمی زبان تھی اردو کے رواج کے بعد خود شاہ صاحب کے فرزندوں نے اردو میں تصنیف و تالیف کا کام شروع کیا، شاہ عبدالقادر صاحبؒ کا ترجمہ دہلی کی ٹکسالی زبان کا بہترین نمونہ ہے اور اپنی ادبی خوبیوں اور استناء کی بناء پر اردو کے کلاسیکل ادب میں خاص درجہ رکھتا ہے، مولانا محمد قاسم نانوتوی صاحبؒ کی اردو تصنیفات میں ایسی سلاست، سادگی اور برجستگی پائی جاتی ہے کہ دقیق علمی مضامین اردو

ذوق پر بار نہیں ہونے پاتے، اس ملک میں عرصۂ دراز تک زبان وادب کی قیادت طبقۂ علماء کے ہاتھ میں رہی اور وہی اس ملک کی ادبی رہنمائی کرتے رہے، خواجہ الطاف حسین حالی، مولوی نذیر احمد دہلوی اور مولانا شبلی نعمانی اردو ادب کے معماروں میں شمار کئے جانے چاہئیں، علماء نے اپنی لطافتِ ذوق، سلامت طبع سخن فہمی اور انشاء پردازی کے ایسے نمونے چھوڑے ہیں جو اردو کا قیمتی سرمایہ ہیں، مولانا حبیب الرحمان خاں شروانی رحمۃ اللہ علیہ کے مضامین اور مولانا سید عبدالحیٔ ناظم ندوۃ العلماء کا تذکرہ گل رعنا اور تاریخ یاد ایام اردو نثر کا ایسا نمونہ ہے جس میں تاریخی ثقاہت ومتانت اور ادبی بانکپن اور رنگینی پہلو بہ پہلو ہیں، اور یادشِ بخیر مولانا سید سلیمان ندوی رحمۃ اللہ علیہ نے تو اردو کو اپنی علمی تحقیقات اور ادبی مضامین سے گرانبار کر دیا۔ ان کی کتابیں اب بھی اور بہت دنوں تک نقد کامل عیار اور ادب وانشاء کا معیار سمجھی جائیں گی۔ اسی طرح مولانا ابوالکلام آزاد کی تحریروں نے اردو کو ایک نئی طاقت اور نیا اسلوب بخشا، الہلال کے سحرِ حلال نے ایک مدت میں سارے ہندوستان کو مسحور کر لیا تھا۔ اب بھی ان کا ایک ایسا ادبی مقام ہے جو انھیں کے ساتھ مخصوص ہے، علماء کی اس بیدار مغزی اور زمانہ شناسی کا نتیجہ یہ ہوا کہ علماء پر اس ملک کی تعمیر وترقی سے علیحدگی اور اس کے رجحانات وجذبات سے بے خبری کا الزام نہیں لگایا جا سکا۔ انہوں نے اس ملک میں کبھی جزیرہ بننے کی کوشش نہیں کی، بعض دوسرے اسلامی ملکوں کی طرح وہ زمانے کے کارواں سے بچھڑے نہیں، انہوں نے اپنی دعوت اور دینی مقاصد کے لئے وہی زبان استعمال کی جو اس ملک میں رائج تھی اور جو ادبی حلقوں میں اثر رکھتی تھی، ہمیں ان روایات کو قائم رکھنا چاہئے، اور اس مقدس ترکہ کی حفاظت کرنی چاہئے، ہم اگر اب بھی دین کی مؤثر خدمت انجام دینا چاہتے ہیں اور اپنے عقائد وخیالات کو عوام وخواص تک پہنچانا چاہتے ہیں تو ہمیں اپنی تصنیف وتقریر کے لئے شگفتہ وسلیس زبان اور نیا اسلوب اختیار کرنا پڑے گا، اور اپنی تصنیفات ومضامین اور

تقریروں کو اس ادبی معیار پر لانا ہوگا جو اس زمانہ میں قائم ہوگیا ہے۔ یہ نہ ثقاہت کے خلاف ہے نہ اسلاف کی روایات کے بلکہ حکمت دین کے عین مطابق ہے۔

عربی زبان پر قدرت

دوسری چیز یہ ہے کہ عربی زبان اس وقت ایک زندہ اور طاقتور زبان ہے، عرب ملکوں میں وہ اپنے پورے عروج اور شباب پر ہے، وہ تصنیف وتالیف، خطابت وتقریر، سیاست و صحافت، علم وفلسفہ اور دستور وقانون کی زبان ہے، وہ پورے طور پر نکھر گئی ہے، ہمارے عربی مدارس میں ایک غلط فہمی یہ پھیلی ہوئی ہے کہ قدیم عربی زبان تفسیر وحدیث وفقہ میں محدود ہے اور وہ کہیں پائی نہیں جاتی، عربی کے نام سے بالکل ایک جدید زبان ایجاد ہوگئی ہے، جس میں زیادہ تر انگریزی وفرانسیسی کے معرب یا دخیل الفاظ ہیں، اس غلط فہمی نے ہمارے بہت سے علماء اور نوجوانوں کو عربی سے متوحش اور مایوس بنادیا ہے، آپ اگر مجھ پر اعتماد کرسکیں تو میں پورے وثوق کے ساتھ عرض کروں گا کہ جدید عربی کا کہیں وجود نہیں، اس وقت جو زبان اہل علم اور اہلِ قلم شرق اوسط میں استعمال کرتے ہیں، وہ قرآن و حدیث اور جاہلیت واسلام کی زبان سے زیادہ سے زیادہ قریب ہے، نئی ضرورتوں کے لئے بھی انہوں نے عربی کے قدیم ذخیرہ اور قرآن وحدیث سے الفاظ نکال لئے ہیں۔ اس سلسلے میں انہوں نے جو کام انجام دیا ہے، وہ حیرت انگیز بھی ہے، اور قابل داد بھی، مصر پر نپولین کے حملہ کے بعد سے جو مغربی الفاظ عربی زبان میں داخل ہوگئے تھے وہ ایک ایک کرکے بے دخل کئے گئے اور ان کی جگہ پر خالص عربی الفاظ رکھے گئے اس وقت ان ملکوں کا لسانی اور ادبی معیار اتنا بلند ہوگیا ہے، اور صحافت واشاعت نے عربی کے خزانۂ عامرہ کے نوادر کو ایسا وقفِ عام کردیا ہے کہ اب عربی میں کام کرنے کے لئے بڑی تیاری اور جدوجہد کی ضرورت ہے، ہمارے مدارس میں جس انداز پر عربی زبان وادب کی تعلیم ہورہی ہے، اس کے ساتھ ان ملکوں میں کوئی علمی خدمت یا دعوتی کام ناممکن ہے، اگر آپ

کو عربی دنیا میں دین کی دعوت و تبلیغ کا کام انجام دینا ہے یا ہندوستان کی دینی و علمی تحریکات کا تعارف کرانا ہے تو اس کے لئے بڑے پیمانے پر تیاری کی ضرورت ہوگی۔ اب ہندوستان ان ملکوں سے الگ نہیں رہ سکتا، دنیا کی سیاست میں شرق اوسط کو خاص اہمیت حاصل ہے اور یہ اہمیت بڑھتی جائے گی۔ ہر ایک مسلمان کے نقطۂ نظر سے وہ اب بھی عالم کا قلب اور مرکز اعصاب ہے۔ اگر شرق اوسط سے ربط قائم کرنے اور دین اور مسلمانوں کی صحیح نمائندگی کرنے کے کام سے علماء نے گریز کیا تو یہ نہ ان کے حق میں اچھا ہوگا نہ اس ملک کے حق میں اس لئے اس پہلو کی طرف بھی ہمارے مدارس میں خصوصی توجہ کی ضرورت ہے، زبان و ادب زندہ اور متحرک چیزیں ہیں، کچھ مدت کے لئے بھی اگر کوئی ادارہ یا فرد ان سے پچھڑ جائے تو اس کو اس کا نقصان مدتوں برداشت کرنا پڑے گا۔

عقائد صحیحہ کی حفاظت

دوستو اور بھائیو! میں نے آپ کا بہت وقت لیا لیکن

ع "لذیذ بود حکایت دراز تر گفتم۔"

اب آپ سے رخصت ہونے سے پہلے میں ایک آخری چیز کہنا چاہتا ہوں جو اگرچہ آخر میں کہی جارہی ہے، مگر وہ اہمیت میں کسی سے کم نہیں۔ آپ کے ہمارے اسلاف کا سب سے بڑا کارنامہ یہ ہے کہ انہوں نے مسلمانوں کی دینی حس اور مذہبی غیرت کی حفاظت کی اور وقت کے کسی فتنہ کے سامنے سپر نہیں ڈالی۔ انہوں نے بدعات و رسوم اور شعائر جاہلیت کے معاملہ میں بھی مداہنت و تساہل سے کام نہیں لیا۔ آپ کے اسلاف میں حضرت مولانا شاہ محمد اسمٰعیل شہید اور مولانا رشید احمد صاحب گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ جیسے جبل استقامت اور نقیب شریعت گزرے ہیں، جنہوں نے سب کچھ گوارا کیا، مگر کسی خلاف شریعت فعل اور کسی بدعت کے ساتھ رعایت نہیں برتی، انگریزی حکومت کے تسلط کے بعد جب اس ملک پر مغربی تہذیب و عادات اور ملحدانہ عقائد و خیالات کا سیلاب آیا تو

آپ چٹان کی طرح اپنی جگہ قائم رہے، آپ کے اسلاف شریعت کے بارہ میں اتنے ذکی الحس، اتنے دور بین اور اتنے غیور واقع ہوئے تھے کہ انہوں نے آخر وقت تک بدعات کو سند جواز نہیں دی، جو مسلمانوں کی زندگی کا جزو بنتی جاتی تھیں، انہوں نے محتسب اور شریعت کے بے لاگ منتظم کے فرائض انجام دیئے اور ان کی نگاہ احتساب سے کوئی انحراف اور کوئی بدعت بچ کر نکل نہیں سکی، انہوں نے عوام کا عتاب، لوگوں کی ملامت، تکفیر کے فتوے، مقاطعہ اور ایذا رسانی سب کچھ گوارا کیا، مگر اپنے مسلک کو نہیں چھوڑا، اس کا نتیجہ یہ ہے کہ آج لاکھوں کی تعداد میں ایک طبقہ جو زیادہ سنجیدہ، باوقار اور صاحبِ فکر ہے ان بدعات سے محفوظ ہے، اور یہ بدعات ابھی تک مسلمانوں کی زندگی میں مستند اور مسلّم نہیں ہو سکیں اللہ تعالی ان خادمینِ شریعت اور ان محافظین دین کی تربتیں ٹھنڈی رکھے اور ان کو امت کی طرف سے جزائے خیر عطا فرمائے ؎

آسماں ان کی لحد پر شبنم افشانی کرے
سبزۂ نورستہ اس گھر کی نگہبانی کرے

آج ہمیں ان کی بصیرت، ان کی فراست، ان کے دینی تفقہ اور ان کے رسوخ فی العلم کی قدر آتی ہے کہ انہوں نے اپنا فرض کس خوبی سے انجام دیا من المؤمنین رجال صدقوا ما عاھدوا اللہ علیہ فمنھم من قضی نحبہ ومنھم من ینتظر وما بدلوا تبدیلا۔

مجھے پہلے تو آپ سے یہ کہنا ہے کہ یہ آپ کا بڑا عزیز اور محبوب سرمایہ ہے۔ انہوں نے اپنی جانوں کو حصار بنا کر اس باغ کی حفاظت کی ہے۔ انہوں نے اپنے خون سے اس کے درختوں کو سینچا ہے اور ہمیں بتادیا کہ شریعت کے باغ کی رکھوالی اس طرح کی جاتی ہے ؎

آغشتہ ایم ہر سرِ خارے بخونِ دل
قانونِ باغبانیٔ صحرا نوشتہ ایم

عزیزو! ہمیں اس سرمایہ کو سینہ سے لگا کر رکھنا چاہئے اور اپنے ہر سرمایہ سے زیادہ اس

سرمایہ کو عزیز رکھنا چاہئے، مجھے آپ سے دوستانہ شکایت ہے، میرے دردمند دل کو آپ سے گلہ ہے کہ آپ اس سرمایہ سے بیگانہ ہوتے جارہے ہیں، آپ کے بزرگوں کی بہترین صلاحیتیں، اور مبارک ترین اوقات ان نفوس قدسیہ کی طرف سے حمایت و مدافعت میں گزرے، آپ انہیں کی بدولت ایک بڑے گروہ میں معتوب ومغضوب ہوئے اور آپ کے ساتھ اب بھی یہ نسبت لگی ہوئی ہے، مگر اب آپ میں بہت سے ان کے نام اور کام سے بھی واقف نہیں، آپ میں سے کتنے مولانا اسمٰعیل شہیدؒ کے حالات اور کارناموں سے واقف ہیں؟ آپ میں سے کتنے بھائیوں نے صراط مستقیم اور تقویۃ الایمان پڑھی ہے؟ آپ میں سے کتنے بھائی توحید وسنت کی صحیح حقیقت سے واقف ہیں، وہ بتلا سکتے ہیں کہ اہل جاہلیت کے ایمان باللہ کی حقیقت کیا تھی، اور قرآن نے کیوں ان کو مشرک کہا، توحید کے کیا مراتب ہیں، اور شرک کے کیا مظاہر ہیں، بدعت کی جامع ومانع تعریف کیا ہے، اور اس کے کیا نقصانات ہیں، آپ کو ان سب مسائل پر تیار ہونا چاہیئے تھا، اور آپ کا مطالعہ اور آپ کی بصیرت عوام سے اس بارہ میں بہت ممتاز ہونی چاہیئے تھی، مگر مجھے خطرہ ہے کہ آپ میں سے بہت سے بھائی ان چیزوں سے بالکل خالی الذہن ہوں گے۔

نئے دور کے فتنے

اسی کے ساتھ ایک دوسری حقیقت یہ ہے کہ اب نیا دور نئے فتنے لا رہا ہے، جاہلیت نئے روپ میں ظاہر ہو رہی ہے، پہلے اگر بدعات کا معاملہ تھا تو اب کھلی کھلی وثنیت اور اصنام قدیمہ کا دور دورہ ہے، یہ حالات ہمارے احساسِ مذہبی، ہماری حمیت دینی اور ہمارے عقیدہ توحید کو چیلنج کرتے ہیں۔ اب دیکھنا یہ ہے کہ جنہوں نے بدعات و رسوم کو بھی گوارا نہیں کیا وہ ان مشرکانہ رسوم ومظاہر کو کس طرح گوارا کرتے ہیں، اور ان کا رویہ اس بارہ میں کیا ہوتا ہے، ہم اپنے اسلاف کے دینی تصلب اور دینی شجاعت کے معترف ہیں، اور خدا اور خلق کے سامنے اس کی گواہی دینے کے لئے تیار ہیں کہ انہوں نے باطل

کے سامنے گردن نہیں جھکائی، اور ہتھیار نہیں ڈالے، دیکھنے کی بات ہے کہ ہمارے بعد کی نسلیں ہمارے متعلق کیا رائے قائم کرتی ہیں، اور ہم تاریخ میں کیسے نقوش چھوڑ کر جاتے ہیں۔

دور جدید کی ذمہ داریاں

عزیزو اور رفیقو! تقدیر الٰہی نے ہمارے لئے جس دور کا انتخاب کیا ہے اس کی ذمہ داریاں بہت بڑھی ہوئی ہیں، لیکن اس کا انعام اور اس کی سرفرازیاں بھی بہت بڑھ چڑھ کر ہیں۔ ذمہ داریوں سے گریز اور زمانہ سے شکست مردوں کا کام نہیں، جو وقت باقی رہ گیا ہے اس کو تیاری میں صرف کیجئے، خدا نے آپ کو بہترین مربی اور شفیق استاد دیئے ہیں، ایک دینی ماحول اور ایک بہت بڑا ادارہ بخشا ہے، زمانہ کی نزاکت، اور اپنے کام کی عظمت سمجھئے، اور اپنے کو قیمتی اور کارآمد بنائیے، تا کہ امت کے لئے قیمتی اور کارآمد ثابت ہوں۔

غافل منشیں ، نہ وقت بازیست
وقت ہنر است و کارسازیست

و آخر دعوانا ان الحمدللہ رب العالمین
والسلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

ایک آزاد ملک میں علماء کی ذمہ داری اور ان کی مطلوبہ صفات

وہ تقریر جو جامعۃ العلوم الاسلامیہ علامہ بنوری ٹاؤن کے اساتذہ وفضلائے شہر اور طلبائے عزیز کے سامنے جامع مسجد بنوری ٹاؤن کراچی میں کی گئی۔ جس میں مولانا مرحوم نے علماء کو ان کی مسئولیات سے خوب آگاہ فرمایا ہے اور ان کی مطلوبہ صفات کی نشاندہی بھی فرمائی ہے

الحمد للہ رب العالمین والصلوٰۃ والسلام علی سید الانبیاء والمرسلین وعلی آلہ وصحبہ اجمعین ومن تبعھم باحسان ودعی بدعوتھم الی یوم الدین ۔

امابعد! میرے قابل احترام بزرگو اور قابل محبت بھائیو، اور عزیزو!

میں اس وقت ایسا محسوس کر رہا ہوں کہ میں اپنے گھر میں ہوں اور اس تعارف کے بعد جو مولانا مفتی ولی حسن صاحب ٹونکی زیدت فیوضہ[1] نے میرے خاندان کا کرایا اس کے بعد مجھے اور بھی قرب اور موانست محسوس ہوتی ہے، کم از کم درجہ یہ ہے کہ میں ایسا محسوس کر رہا ہوں کہ دار العلوم ندوۃ العلماء کے عزیز طلباء اور رفقاء کار اساتذہ کے سامنے بیٹھا ہوں اور ان سے باتیں کر رہا ہوں۔ میں بہت شکر گذار ہوں کہ آپ نے مجھے ان عزیزوں اور بھائیوں سے باتیں کرنے کا موقع دیا۔ اس کا امکان تھا کہ آپ میری صحت کی

---

[1] مفتی محمد شفیع صاحب مرحوم کے بعد "مفتی اعظم پاکستان" کہے جاتے ہیں۔ دار العلوم ندوۃ العلماء کے باعث صد افتخار استاد مولانا حیدر حسن خان ٹونکی کے پوتے۔

رعایت یا میری مشغولیت کے خیال سے مجھے دعوت دینا مناسب نہ سمجھتے، لیکن بہت اچھا ہوا کہ آپ نے یہ زریں موقع مہیا کیا۔

اب میں بغیر کسی معذرت اور تواضع کے کچھ حقیقتیں اور کچھ تقاضے آپ کے سامنے رکھوں گا، جو میں نے اپنے کراچی کے قیام کے چار دن کے مطالعہ اور مشاہدہ سے اخذ کئے ہیں۔

سیاسی اصطلاحات اور سیاسی تصورات اپنی جگہ پر ہیں، لیکن واقعہ یہ ہے کہ ملت ہندیہ اسلامیہ کے علماء کی دو شاخیں ہیں۔ ایک شاخ کے لئے تقدیر الٰہی نے فیصلہ کیا کہ وہ ہندوستان میں رہے، تاکہ وہاں دعوت اسلامی کا فرض انجام دے، اور مسلمانوں کے ملی تشخص کو برقرار رکھنے کی جدوجہد میں مشغول رہے، دوسرے حصہ کے لئے قدرت الٰہی کا فیصلہ ہوا کہ وہ اس ملک میں جہاں پہلے بھی مسلمان (اکثریت میں) تھے (یا کہ اسی راستہ سے برصغیر میں آئے تھے) ملت کی تعلیم وتربیت کا فرض انجام دے اور عالم اسلام کے لئے ایک آزاد اور مثالی اسلامی ملک کا نمونہ پیش کرنے میں مدد اور رہنمائی کرے۔

عزیزان گرامی! دنیا کے صالح وصحتمند تغیرات وانقلابات اور انسانی عزیمت کی فتوحات کی تاریخ پر اگر کوئی کتاب مستقل طور سے لکھی جائے تو نائبین انبیاء اور افراد امت کی زبان سے جو جملے نکلے ہیں ان میں ایک جملہ کو سب سے نمایاں اور ممتاز مقام دیا جائے گا اور اس کو آب زر سے لکھا جائے گا۔ یہ جملہ ایسا ہے جس نے حالات کی رفتار کو ایسا بدلا ہے جس کی مثال ملل وادیان کی تاریخ میں ملنی مشکل ہے۔ جزیرۃ العرب کے ایک حصہ میں اور بعض قبائل میں ارتداد نے سر اٹھایا۔ یہ نازک ترین مرحلہ تھا، کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دنیا سے تشریف لے جانے کے قریب ہی زمانہ میں اسلام کے قلب وجگر میں ایک شگاف پیدا ہو رہا تھا۔ یہ بڑی نازک صورتحال تھی۔ ابھی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے دنیا سے پردہ فرمایا ہے اور اس کو کچھ ہی مہینے گزرے ہیں کہ عرب جن کو ساری دنیا

میں اسلام پھیلانا تھا اور جن کو ایک امت مبعوثہ کی طرح اسلام کی دعوت دینی تھی، وہ خو ارتداد کے خطرے سے دوچار ہو رہے ہیں۔ ایسا نازک وقت پوری تاریخ اسلام میں (وفات نبوی کے بعد سے اس وقت تک) نہیں آیا۔ اس وقت حضرت ابوبکر صدیق ؓ کی زبان سے ایک فقرہ نکلا جس نے تاریخ کا رخ اور واقعات کا دھارا بدل دیا اور خطرہ کا کہر اس طرح چھٹ گیا جس طرح آفتاب کے نکلنے سے چھٹ جاتا ہے۔ آپ نے فرمایا (اور تاریخ نے اسی طرح ان الفاظ کو تبرک اور امانت سمجھ کر محفوظ کر لیا ہے) **"أینقص الدین وانا حی"** کیا دین میں کوئی قطع و برید ہو سکتی ہے اور میں زندہ ہوں) ابوبکر زندہ ہو اور پھر اللہ اور رسول اللہ کے دین میں کوئی قطع و برید ہو کوئی کتر بیونت ہو، کوئی انتخاب ہ مسئلہ ہو کہ اس رکن کو لیں گے اور اس رکن کو چھوڑیں گے۔ آپ کو معلوم ہے کہ اسی وقت منع زکوٰۃ کا فتنہ نمودار ہوا تھا، مسیلمہ کذاب نے نبوت کا دعویٰ بھی کیا تھا اور ساتھ ساتھ ارتداد پھیلنا شروع ہو گیا تھا، چند مقامات کا نام آتا ہے، مثلاً مدینہ طیبہ، جواثی اور بعض مقامات کا کہ وہاں ارتداد کے اثرات نہیں پھیلے تھے، ورنہ گویا پورا جزیرۃ العرب ارتداد کی لپیٹ میں آ رہا تھا، اس وقت اللہ کے ایک بندے نے اپنی زبان سے یہ کہا۔ یہ تو الفاظ ہیں، لیکن الفاظ کے ساتھ جو دلی درد اور جوش تھا، اس کو تو تحریر میں نہیں ادا کیا جا سکتا۔ یہ ان کے دل کی آواز تھی اور ان کے جذبات کا نقطۂ عروج تھا۔ جس طرح سے کوئی جام لبریز ہو جاتا ہے تو چھلک جاتا ہے، زمین پر قطرے گرتے ہیں وہ ان الفاظ کی شکل میں ہیں۔

عزیز طلبہ! یہ وراثت ہے جو امت کی طرف عمومیت سے اور نائبین رسول اور علماء حقانین کی طرف خصوصیت سے منتقل ہوئی، یعنی ان کو سمجھنا چاہئے کہ ہمارے ہوتے ہوئے کسی ملک میں اسلام کا زوال کسی طرح سے قابل برداشت کیا، قابل تصور بھی نہیں۔ ہم کسی ملک میں موجود ہوں اور وہاں اسلام کا زوال ہو جائے۔ یہ بات ممکن نہیں۔ یہ احساس بنیاد ہے سارے انقلابات اور دینی جد و جہد کی تاریخ کی۔ آپ دعوت و عزیمت

کی تاریخ پڑھتے ہیں، امام احمد بن حنبلؒ کے خلق قرآن کے عقیدہ کے خلاف سر بکف ہو جانے میں، امام ابوالحسن اشعری کے اعتزال کے مقابلہ میں صف آراء ہو جانے میں۔ امام غزالی کے باطنیت اور مادیت کے مقابلہ اور اسلامی معاشرہ کے مختلف طبقات وعناصر کے دینی احتساب کے کارنامہ میں، شیخ الاسلام ابن تیمیہ کے رد روافض میں، بعض کلامی مسائل کی تنقیح کی شکل میں، ہندوستان کے اس ایک تجدیدی کارنامہ میں جو تقریباً چار سو سال کی مدت پر پھیلا ہوا ہے اور جس کے اثرات ابھی تک زندہ ہیں شاہ ولی اللہ کی مصلحانہ اور مجددانہ دعوت میں، حضرت سید احمد شہیدؒ اور اکابر دیوبند کے اپنے اپنے وقت میں اور رنگ میں اصلاحی وتربیتی جدوجہد اور اشاعت کتاب وسنت اور عقائد صحیحہ کی سرگرمی میں یہی احساس کام کر رہا تھا، جس کی ترجمانی صدیق رضی اللہ عنہ نے کی تھی اور ہر دور کے نائبین رسول کو یہ روشنی دکھائی تھی۔ ’’**وجعلها كلمة باقية في عقبه لعلهم يرجعون**۔‘‘

علماء اپنا احتساب کریں

اس روشنی میں علماء اپنا احتساب کریں، کہ انہوں نے اس جملہ کو کہاں تک اپنا اصول اور دستور العمل بنایا؟ وہ یہ دیکھیں کہ ان کے ہوتے ہوئے ان کے ملک میں اسلام یا اسلامی معاشرہ کے زوال کا کوئی جواز ہے؟ مسلمانوں کی پچھلی تاریخ میں ہمارے سامنے بڑی عبرتناک مثالیں ہیں، جن ملکوں میں اسلام کا زوال ہوا، یا وہاں دشمنِ اسلام طاقتیں غالب آئیں آپ اگر تحقیق کریں گے تو ان میں کچھ ایسی چیزیں پائیں گے جن سے اس دور میں سبق لیا جا سکتا ہے۔ ان میں ایک چیز تھی علماء کا شدید اختلاف اور دوسری چیز یہ تھی کہ علماء کا عوام سے رابطہ نہیں تھا، ان کی شخصیتیں اتنی موثر نہیں رہ گئی تھیں کہ عوام کے قلوب میں دین کا احترام اور علماء کا وقار قائم رکھتیں۔ وہ ملک جس نے خواجہ بہاء الدین نقشبندی کو پیدا کیا، جس نے خواجہ عبید اللہ احرار کو پیدا کیا، وہ ملک طاقتور روحانی شخصیتوں

سے خالی ہو گیا تھا، معیار زندگی بہت بلند ہو گیا تھا، مادیت اپنے عروج پر تھی۔ ابھی تک امیر بخارا کا محل باقی ہے اور کمیونسٹ حکومت اسے دکھاتی ہے کہ دیکھئے کس طرح دولت جمع کی گئی تھی، کس طرح سونے چاندی کے ظروف تھے، بقول ان کے عوام بھوکے مر رہے تھے، اور امیر بخارا کے محل میں یہ چیزیں تھیں۔ اسی طریقہ سے آپ اندلس کی تاریخ میں مدینۃ الزہراء اور قلعۃ الحمراء کی تفصیلات پڑھیں، خواب وخیال اور جن وپری کی باتیں معلوم ہوتی ہیں۔ وہاں دو بڑے عنصر اسلام کے زوال کا باعث ہوئے ہیں۔ ایک معیار زندگی کی بلندی اور اللہ کی دی ہوئی دولت کا غلط استعمال اور دوسرے یہ کہ اشاعت اسلام اور معاشرے کو اسلامی بنانے کے بجائے انہوں نے فنون لطیفہ، شعر وشاعری اور ادبیات وغیرہ پر ساری توجہ مرکوز کر دی تھی۔ تیسری بات یہ ہے کہ حاکم خاندان میں حکومت کے لئے رسہ کشی شروع ہو گئی، سیاسی پارٹیوں کا وہ عہد نہیں ہے، اب اس کی جگہ سیاسی پارٹیوں نے لے لی ہے، یہ تین عنصر تھے، اندلس کے زوال کے۔ (اس پر اضافہ کیجئے اخلاقی زوال کا) آپ اگر ''صبح سمرقند'' کتاب پڑھیں تو آپ کو معلوم ہوگا کہ وہاں کیا اخلاقی زوال اور انحطاط پیدا ہو گیا تھا۔

چند خطروں کی نشاندہی

میں چند خطروں کی طرف نشاندہی کرتا ہوں۔ بعض مرتبہ باہر سے آنے والا اس چیز کو دیکھتا اور محسوس کرتا ہے، جو گھر میں رہنے والا محسوس نہیں کرتا ہے۔ آپ روشنی میں ہیں، اگر کوئی شخص باہر اندھیرے سے آئے گا تو اس کی کیفیت دوسری ہوگی اور بعض مرتبہ ایسا ہوتا ہے کہ کوئی چیز ہر وقت دیکھتے رہنے اور سنتے رہنے سے ایسی مانوس ہو جاتی ہے کہ اس میں کوئی جدت نہیں معلوم ہوتی، اس میں کوئی کشش نہیں ہوتی۔ لیکن باہر سے آنے والا اس کو فوراً محسوس کر لے گا۔ مثلاً یہاں اردو کے سائن بورڈ عام طور پر لگے ہوئے ہیں، آپ کو تو بالکل نہیں محسوس ہوں گے، لیکن ہم ہندوستانی جب یہاں آئیں گے جو انگریزی

یا ہندی کے سائن بورڈ دیکھنے کے عادی ہیں تو وہ ایک خوشی محسوس کریں گے اور کہیں گے کہ ماشاء اللہ یہاں تو ہر طرف اردو ہی اردو نظر آتی ہے، ایسے ہی بعض لوگ تختیاں لکھ کر دیواروں پر آویزاں کرتے ہیں، تو ان میں جو چیزیں لکھی ہوتی ہیں آدمی غور سے پڑھتا ہے پھر پڑھنا چھوڑ دیتا ہے۔ مجھے نہ کسی دور بینی کا دعویٰ ہے اور نہ دروں بینی کا، نہ بصیرت و فراست کا، بقول اقبال ؂

میں نہ عارف نہ مجدد، نہ محدث نہ فقیہ
مجھ کو معلوم نہیں کیا ہے نبوت کا مقام
ہاں مگر عالمِ اسلام پر رکھتا ہوں نظر
فاش ہے مجھ پہ ضمیر فلک نیلی فام

ہاں میں اتنا کہہ سکتا ہوں کہ میں باہر سے آرہا ہوں، اس لئے میری بات توجہ کے قابل ہے۔

اپنے اس تاریخی مطالعہ اور عالم اسلام سے قریبی واقفیت کی بناء پر کہتا ہوں کہ اعتقادی اور سیاسی انتشار اس ملک کے لئے سخت خطرناک ہے۔ یہاں مذہبی گروہ ایک دوسرے سے دست و گریباں ہیں، بعض بحثیں .... جو علمی انداز میں ہو سکتی تھیں، ان کو عوام میں لے آیا گیا ہے اور ان کی بنیاد پر متحارب کیمپ اور متوازی محاذ بن گئے ہیں۔ یہ سخت خطرناک بات ہے۔ میں بھی اسی گروہ سے تعلق رکھتا ہوں جس سے آپ کا تعلق ہے۔ میرے احساسات بالکل وہی ہیں جو آپ کے ہیں اور صرف احساسات نہیں بلکہ ہمارے بزرگوں نے تو وہ جھنڈا بلند کیا جس کی وجہ سے ہم کو نئے نئے لقب ملے اور سخت مشکلات اور مخالفتوں کا سامنا کرنا پڑا، لیکن اگر زمین ہی پاؤں کے نیچے سے نکل گئی تو پھر یہ عمارتیں کس پر قائم ہوں گی؟ ایک گروہ یہ ثابت کرنے کی فکر میں ہے کہ پاکستان ہم نے بنایا ہے، دوسرا گروہ ثابت کرتا ہے کہ ہمیں حق پر ہیں اور ہمارا ہی اس ملک پر اقتدار اعلیٰ

ہونا چاہئے، اگر ٹٹولا جائے (معاف کیجئے گا میں کسی پر حکم نہیں لگاتا) تو اس کے پیچھے حب جاہ کا جذبہ نکلے گا۔ ہمارے بزرگوں نے ملک میں دین کو بچانے کے لئے بڑی قربانیاں دی ہیں اور ضرورت پڑی ہے تو اپنی غلطی تسلیم کر لی ہے اور دب گئے ہیں، جھک گئے ہیں اور نیچے اتر آئے ہیں، انہوں نے صاف کہہ دیا ہے کہ بھائی آپ ہی اوپر بیٹھئے، مگر دین باقی رہ جائے۔ ہمارے بزرگوں حضرت شاہ ولی اللہ صاحبؒ کے مسلک اور ان کے مکتب فکر کے لوگوں کی ہندوستان میں یہی روایت رہی ہے۔ آپ درس کے حلقوں اور علمی مجلسوں میں اختلافی مسائل پر آزادی کے ساتھ گفتگو کیجئے، ان مسائل پر کتابیں لکھئے، مگر ملک کو داؤ پر نہ لگایئے۔ جب کوئی ایسا محاذ قائم کیا جاتا ہے اور اس طرح کی دعوت دی جاتی ہے جس میں احساس برتری یا اظہار برتری ہوتا ہے، تو اس کے مقابل دوسرا محاذ بن جاتا ہے اور وہاں سے صدائے ''ہم چوں من دیگرے نیست'' بلند ہونے لگتی ہے۔ ہمارے بزرگوں کا سارا کام تواضع کے ساتھ تھا، اتہام نفس کے ساتھ تھا ''ایمان واحتساب'' کے ساتھ تھا، نہ ان کو سیادت وقیادت کا دعویٰ تھا اور نہ یہ کہ ہماری جماعت ہی نے سب کچھ کیا ہے اور ہمیں سب کچھ ہیں۔ حضرت مجدد الف ثانی کے مکاتیب پڑھئے۔ حضرت شاہ ولی اللہ کے مکاتیب پڑھئے، ہندوستان کے اس دور میں جب مسلمانوں کے اقتدار کا چراغ ٹمٹما رہا تھا اور سلطنت مغلیہ دم توڑ رہی تھی، اس وقت انہوں نے احمد شاہ ابدالی، نجیب الدولہ وغیرہ کو جو خطوط لکھے ہیں، ان کو آپ پڑھئے، ان میں کیا درد ہے، احمد شاہ ابدالی کو، شاہ ولی اللہ صاحبؒ نے ایک مفصل خط لکھا ہے، اس میں بتایا ہے کہ مسلمان اس وقت کس بے بسی کی حالت میں ہیں، اس میں انہوں نے کیا مؤثر جملہ لکھا ہے، جس سے ان کی دردمندی اور اخلاص ٹپکتا ہے۔

(میں رسول اللہ کو شفیع بناتا ہوں کہ اللہ کے لئے ہندوستان کے مسلمانوں پر رحم کیجئے اور ایک مرتبہ آجایئے) چنانچہ احمد شاہ ابدالی انہیں کی دعوت پر آئے اور انہوں نے مرہٹہ

طاقت کی ایسی کمر توڑی کہ آج تک وہ پورے طور پر سر نہیں اٹھا سکی۔ یہ شاہ ولی اللہ دہلوی ہی تھے اور ان کا درد تھا، اور ان کی بصیرت تھی جس نے ہندوستان کا نقشہ بدل دیا۔ آپ انہیں کی طرف اپنی نسبت کرتے ہیں۔ اس نسبت کا تقاضا ہے کہ ملت اور دین کے لئے جس ایثار و قربانی کی ضرورت ہے، وہ پیش کیجئے اور صاف کہئے کہ اچھا بھائی تم ہی صحیح، تمہارا ہی کارنامہ سب سے بڑا ہے، ہم سب مل کر اس ملک کو بچائیں۔ موجودہ خطروں اور اندیشوں میں اس کی کیا گنجائش ہے کہ علماء اس طرح دست و گریباں ہوں، یہ بات میں اپنے عقائد کے پورے تحفظ کے ساتھ کہتا ہوں الحمدللہ ایک شوشہ سے دست بردار ہونے کے لئے تیار نہیں، نہ عبادت کے مسائل میں، نہ اپنے عقائد کے اصول میں، کسی چیز میں کسی مفاہمت کے لئے میں تیار نہیں۔ ایک تو اپنا عمل ہے اور ایک یہ کہ اکھاڑا بنا دیا جائے، عوام کو آلۂ کار بنایا جائے اور سارے ملک کو میدان جنگ میں بدل دیا جائے۔ ایک کانفرنس ہو رہی ہے یا رسول اللہ کی اور ایک کانفرنس ہو رہی ہے محمد رسول اللہ کی یہ جینے کی باتیں نہیں، اس موقع پر اقبال کا شعر مجھے یاد آ رہا ہے ؎

کسے خبر کہ سفینے ڈبو چکی کتنے
فقیہ و صوفی و شاعر کی ناخوش اندیشی

عوام الناس کے ساتھ علماء کا ربط

دوسری بات یہ ہے کہ عوام کے ساتھ آپ کا رابطہ ہونا چاہئے۔ میں نے محسوس کیا کہ علماء کا عوام سے جو ربط ہونا چاہئے اس میں کمی ہے، بلکہ میں کہہ سکتا ہوں کہ ہندوستان میں علماء کا عوام سے ربط یہاں سے زیادہ ہے۔ وہاں سیاسی میدان میں بھی، علمی ادبی اور تحقیقی میدان میں بھی علماء پیش پیش ہیں اور ان کا مقام تسلیم کیا جاتا ہے۔ وہاں کا اعلیٰ تعلیم یافتہ علماء سے متوحش نہیں ہے۔ ہم ادبی اور علمی مجلسوں میں جاتے ہیں اور الحمدللہ وہاں ہم کو عزت کے ساتھ لیا جاتا ہے، عوام سے آپ کا ربط بڑھنا چاہیئے۔ ایسا نہ ہو کہ عوام آپ

کے ہاتھ سے نکل جائیں۔

علماء کی زندگی ممتاز ہو

تیسری بات جو عرض کرنا چاہتا ہوں وہ یہ کہ ہماری زندگی عوام کی زندگی سے ممتاز ہو، دیکھنے والا کھلی آنکھوں دیکھے کہ یہ دنیا کے طالب نہیں ہیں، ان کے یہاں مال و دولت معیار نہیں ہے۔ ہمارے کام زیادہ تر حسبۃ للہ ہوں، جیسا کہ ہمارے اسلاف کا طریقہ رہا ہے جب تک ہمارے طبقہ علماء میں یہ اخلاقی امتیاز نہ ہوگا، ایثار کا مادہ نہ ہوگا، ان کی شخصیت مؤثر اور قابل احترام نہیں ہوگی، دل و دماغ میں دین کا گہرا اثر و وقار نہیں ہوگا۔ علماء کا وقار اس سے نہیں بڑھے گا کہ یہ مدرسہ اتنا بڑا ہے، وہ مدرسہ اتنا بڑا ہے، وہاں اتنے طالبعلم پڑھتے ہیں اور وہاں کے جلسے اتنے کامیاب ہوتے ہیں۔ اس سے علماء کا وقار نہیں قائم ہوگا۔ علماء کا وقار قائم ہوتا ہے ذاتی نمونے سے، عوام جب دیکھتے ہیں کہ یہ چیز ایسی ہے کہ اس پر جان دے دی جائے لیکن علماء اس کو ہاتھ لگانا بھی گناہ سمجھتے ہیں، وہ اس کو خاطر میں نہیں لاتے، ہم نے سمجھا ہے کہ دولت سب سے بڑی چیز ہے، ان کے یہاں دولت کی کوئی حقیقت نہیں ہے۔ جیسا کہ حکیم الامت حضرت تھانویؒ نے نواب صاحب ڈھاکہ کو جواب دیا تھا۔ نواب صاحب نے کہلوایا کہ آپ مجھ سے مل لیں۔ حضرت نے کہلوایا کہ نواب صاحب سے کہنا کہ آپ کے پاس جو چیز ''دولت'' ہے وہ میرے پاس بقدر ضرورت موجود ہے، لیکن میرے پاس جو چیز ہے وہ آپ کے پاس بقدر ضرورت بھی نہیں ہے۔ اس لئے آپ کو آنا چاہئے۔ مجھے آنے کی ضرورت نہیں۔

ایک واقعہ

ایک واقعہ آپ کو اور سنادوں، بڑا مؤثر ہے۔ شیخ سعید حلبیؒ ایک بزرگ عالم تھے، ایک دن دمشق کی ایک مسجد میں سبق پڑھا رہے تھے، اس دن ان کے پاؤں میں کچھ تکلیف

تھی (یہ واقعہ اگرچہ میرا منہ اس قابل نہیں کہ سنائے لیکن واقعات کے بغیر کام نہیں چلتا چھوٹا آدمی بھی اگر یہ واقعہ سنائے تو اس کا کچھ نہ کچھ اثر ہوتا ہے) ہاں تو شیخ سعید درس دے رہے تھے۔ آپ جانتے ہیں کہ مسجد میں جب درس دیا جاتا ہے تو پشت قبلہ کی طرف ہوتی ہے اور سامنے طالبعلم ہوتے ہیں، تو سامنے سے جو آتا ہے، استاد تو دیکھتا ہے طالب علم نہیں دیکھتے، ابراہیم باشا جو محمد علی خدیو، بانی سلطنت خدیویہ کا فرزند تھا اور بڑا باجبروت حاکم وسپہ سالار تھا، جس کی دھاک بیٹھی ہوئی تھی اور جس سے لوگ کانپتے تھے۔ وہ دروازہ کی طرف سے مسجد میں داخل ہوا۔ حضرت کے پاؤں میں تکلیف تھی اس لئے دروازہ کی طرف پاؤں پھیلائے ہوئے تھے۔ جب وہ قریب آیا تو طالب علموں نے دیکھا کہ وہ ہے اور اس کے ساتھ حفاظتی دستہ بھی ہے، جلاد اور پہرہ دار بھی ہیں۔ طالبعلم سمجھے کہ حضرت کو ہزار تکلیف ہو، پاؤں سمیٹ لیں گے، حاکم کا بھی ادب ہوتا ہے، شیخ نے بالکل جنبش نہیں کی، پاؤں پھیلائے رہے۔ وہ سامنے آیا اور کھڑا ہوگیا۔ مؤرخ نے لکھا ہے کہ طالب علموں نے اپنے کپڑے سمیٹ لئے کہ اب جلاد کو حکم ہوگا استاد کا قابل احترام خون ہمارے کپڑوں پر نہ پڑے، وہ دیر تک کھڑا رہا۔ اس پر ایسا جلال طاری ہوا کہ کچھ بولا نہیں، سبق سنتا رہا اور پھر چلا گیا، بعد میں شیخ سعید حلبی کے لئے اشرفیوں کا ایک توڑا بھیجا۔ اہل اللہ کا اثر ایسا ہی ہوتا ہے۔ سلام کہلوایا اور کہا یہ قبول فرمائیے، جو جملہ انہوں نے جواب میں کہا وہ جملہ سننے کے قابل ہے، میں تو کہتا ہوں کہ ایسے ایک جملہ پر خزانوں کے دن دیوان قربان کئے جاسکتے ہیں۔ انہوں نے کہا ''اپنے ولی نعمت سے میرا سلام کہنا اور کہنا کہ جو پاؤں پھیلاتا ہے وہ ہاتھ نہیں پھیلاتا'' **الذی یمدُّ رجلہ لا یمدُّ یدہ**'' یہ جملہ اسی طرح نقل ہوا ہے اگر مجھے ہاتھ پھیلانے ہوتے تو میں اس وقت پاؤں نہ پھیلاتا پاؤں سمیٹ لیتا، لیکن یہ علامت ہے کہ میں ہاتھ پھیلانے والا نہیں تھا، جو پاؤں پھیلاتا ہے ہاتھ نہیں پھیلاتا ہے، یہ جوہر علماء میں، دین کے خادموں میں دسویں درجہ میں.

پچاسویں درجہ میں سہی، ہونا چاہئے۔ اگر یہ جوہر نہیں ہے تو میں صاف کہتا ہوں کہ آپ کی ساری علمی قابلیت اور آپ کی ساری خطابت جس میں آپ ممتاز ہیں (سیاسی جماعتوں میں بھی ایسے خطیب ہوں گے) سب بے اثر ہے۔ جب تک کہ آپ کا عملی نمونہ نہ ہو، اہل اقتدار یہ نہ سمجھیں کہ علماء خریدے جا سکتے ہیں، علماء پیسے کے غلام اور دولت کے بندے نہیں ہیں، علماء ضمیر کے خلاف کوئی کام نہیں کر سکتے، علماء کی زندگی ہم سے زیادہ سادہ ہے، علماء ہم سے کم درجہ کے مکانوں میں رہتے، کم درجہ کا کھانا کھاتے ہیں، اس کا اظہار ہونا چاہئے۔ ہمارے اسلاف نے اس کا اظہار کیا ہے، میں اپنے اساتذہ ہی کے واقعات سناتا ہوں کہ میں مدرسہ قاسم العلوم لاہور میں پڑھتا تھا اور وہاں ہم لوگوں کے لئے کبھی کبھی پر تکلف کھانے پکتے تھے اور چونکہ میرا قریبی تعلق تھا، مدرسہ کے پیچھے حضرت مولانا احمد علی صاحبؒ کا قیام تھا ان کے صاحبزادے مولانا حبیب اللہ صاحب مرحوم سے میرا قریبی تعلق تھا، وہ ہمارے دوست تھے، مجھے معلوم ہوتا رہتا تھا کہ آج وہاں فاقہ ہے اور یہاں پلاؤ پکا ہے، کیا مجال کہ چاول کی ایک کھیل وہاں پہنچ جائے۔

اس وقت اللہ تعالیٰ نے ہماری جماعت سے دین کی خدمت کا جو کام لیا ہے، وہ انہیں صفات کا نتیجہ ہے، زہد، ایثار، قربانی کا جذبہ، تواضع اور اپنے خلاف بات سن کر ضبط کر لینا، دوسرے کو اپنے سے بہتر اور فاضل سمجھنا۔ ہماری جماعت کا یہ شعار کبھی نہیں رہا ہے کہ "ہم چوں من دیگر نیست" بلکہ ہم نے بڑے سے بڑوں کو دیکھا ہے کہ وہ اپنے آپ کو ہیچ سمجھتے تھے۔ مولانا مدنی سے جب کوئی بیعت کے لئے کہتا تو میں نے حضرت کو بعض اوقات یہ شعر پڑھتے سنا ہے

نہ گُلم نہ برگ سبزم نہ درخت سایہ دارم
در حیر تم کہ دھقاں بچہ کارکشت مارا

نہ پھول ہوں، نہ گھاس نہ میں سبزہ ہوں، مجھے حیرت ہے کہ دہقان نے مجھے کس کام

کیلئے پیدا کیا، ہمیں ایسا معلوم ہوتا ہے کہ حضرت اپنے سے شرمندہ ہیں، یہی بڑے سے بڑے اولیاء اللہ کا شعار رہا ہے۔

تعصّبات سے گریز کریں

تہذیبی ولسانی تعصب، صوبائی تعصب بھی اس ملک کے لئے سخت خطرناک ہے۔ اسی تعصب نے بنگلہ دیش کو پاکستان سے کاٹ دیا۔ اس لسانی تعصب، صوبائی تعصب کے خلاف علماء کو دورے کرنے چاہئیں اور اس کے خلاف اسلام کے احکام بیان کرنے چاہئیں، حدیث میں آتا ہے:

’’من تعذی علیکم بعذاء الجاهلیة فاعضوه بهن ابیه و لا تکنوا.‘‘

زبان نبوت جس پر وحی جاری ہوتی تھی، جس سے قرآن مجید دنیا نے سنا، جس کے متعلق آتا ہے کہ آپ کی زبان سے کوئی نامناسب لفظ نہیں نکلتا تھا، پہلی مرتبہ اور آخری مرتبہ سخت ترین لفظ جو زبان نبوتؐ سے نکلے ہیں وہ ہیں، کوئی شخص تمہارے لئے جاہلیت کا نعرہ لگائے اور خاندان، برادری، قوم کی دہائی دے اور اس کام پر ابھارے تو اس کو اس کے باپ کی گالی دو، خالی کنایہ سے بھی کام نہ لو، اللہ اکبر! اللہ کے رسول جن کی زبان سے پھول جھڑتے تھے اور شہد ٹپکتا تھا اور قرآن مجید جن کی زبان سے جاری ہوتا تھا ’’**ما ینطق عن الهوی ان هو الا وحی یوحی**‘‘ اتنے سخت لفظ بولیں، مجھے یاد نہیں آپؐ نے کسی مسئلہ میں اتنے سخت لفظ استعمال کئے ہوں۔ آپ کا فرض ہے کہ آپ پاکستان کے صوبوں میں جائیں اور خاص طور پر تمام صوبوں کے بچوں کو یہاں بلائیں اور ان کو پڑھائیں اور ان کو ایسا عالم بنائیں کہ خود بخود ان کو اس عصبیت جاہلیہ سے نفرت پیدا ہو جائے، پھر ان کو اس صوبہ میں بھیجیں جس میں یہ لسانی، جغرافیائی تعصب پایا جاتا ہے۔

اس حمیت جاہلیہ نے ملکوں کو ٹکڑے ٹکڑے کر دیا اور کئی اسلامی سلطنتوں کا چراغ گل ہو گیا۔

یہ ممکن ہے کہ آپ اپنی زبان کا جادو لوگوں کے دل و دماغ پر بٹھا دیں اور اپنی علمی قابلیت کا سکہ جما دیں، لیکن حقیقی احترام عملی نمونہ، سیرت کی بلندی، زہد و استغناء، روحانیت اور اخلاق عالیہ سے پیدا ہوتا ہے علمی و فکری حیثیت سے بھی اخلاقی اور روحانی حیثیت سے بھی مؤثر شخصیتیں پیدا ہونی چاہئیں۔ ہمارے اکابر ایسے تھے، ہمارے اکابر ایسے تھے، ہر وقت اس کی رٹ لگانا اور اس کا وظیفہ پڑھنا کچھ کام نہیں دیتا، میں نے پچھلی مرتبہ یہیں جو تقریر کی تھی اس میں کہا تھا کہ کوئی ملت اور کوئی دعوت تاریخ سے نہیں چلتی، تحریک سے چلتی ہے۔ ہم پاکستان میں دعوت و مسلک، تاریخ سے چلانا چاہتے ہیں۔ لوگ کہہ دیں گے کہ صاحب سن چکے، بہت سن چکے، سنتے سنتے طبیعت بھر گئی، آپ کے اکابر ایسے ایسے تھے ''پدرم سلطان بود، پدرم سلطان بود'' بتائیے آپ کون ہیں؟ کام شروع کیجئے، تاریخ بہت سنائی جا چکی، کتابیں بہت لکھی گئیں، پورا کتب خانہ تیار ہے، اب حرکت اور عمل، جدوجہد و قربانی اور پر کشش و سحر انگیز زندگی کی ضرورت ہے۔

وہی دیرینہ بیماری وہی نامحکمی دل کی
علاج اس کا وہی آب نشاط انگیز ہے ساقی

واخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین.

یہ دین زندہ ہے اور زندوں سے قائم ہے

''یہ تقریر پاکستان کی عظیم دینی درس گاہ جامعۃ العلوم الاسلامیہ علامہ بنوری ٹاؤن (نیوٹاؤن) کراچی میں ۱۳؍جولائی ۱۹۷۸ء کو طلبہ کے سامنے کی گئی جس میں جامعہ کے اساتذہ، طلبہ، اراکینِ انتظامیہ کے علاوہ ملک کے مختلف علاقوں کے علماء اور تعلیم یافتہ حضرات نیز بیرونِ ملک کے ان مندوبین کی بھی معتدبہ تعداد شریک تھی جو اسلامی ایشیائی کانفرنس میں شرکت کے لئے تشریف لائے ہوئے تھے۔''

عزیز طلبہ اور حاضرینِ مجلس:

دین کو زندہ اشخاص کی ضرورت ہے

اس دین کے لئے اللہ تعالیٰ نے یہ اصول مقرر اور مقدر کر دیا ہے کہ اس کے لئے زندہ اشخاص برابر پیدا ہوتے رہیں گے۔ کوئی درخت اس وقت تک سرسبز و شاداب اور زندہ درخت نہیں سمجھا جاتا جب تک کہ وہ باثمر نہ ہو۔ اس میں نئی نئی پتیاں اور نئے نئے شگوفے نہ کھلتے رہتے ہوں۔ یہ دین زندہ ہے اور زندہ انسانوں کے لئے ہے اور اس کو زندہ اشخاص کی ضرورت ہے، وہ دین مٹ گئے، ختم ہو گئے جنہوں نے روحانیت کے میدان میں، علم کے میدان میں، فکر کے میدان میں، قیادت کے میدان میں زندہ اشخاص پیدا کرنے بند کر دیئے، انسان زندہ اشخاص سے متاثر ہوتا ہے، چراغ سے چراغ جلتا رہا ہے اور چراغ سے چراغ جلنا چاہئے اور جلتے رہنا چاہئے، اور اگر اس امت کو باقی رہنا ہے تو اس امت

کے لئے ضروری ہے کہ وہ زندہ اشخاص پیدا کرے۔ اس کا درخت علم، اس کا درخت فکر اس کا درخت اصلاح اور اس کا درخت روحانیت نئے نئے برگ و بار لاتا رہے، نئے نئے شگوفے کھلاتا رہے، حدیث شریف میں آتا ہے کہ میری امت باران رحمت کی طرح ہے، کوئی نہیں کہہ سکتا ہے کہ اس کے ابتدائی قطرے مردہ زمین کے لئے زیادہ حیات بخش ہیں یا بعد کے۔

میں تاریخ لکھتا رہا ہوں، میرے شعور اور تصنیف و تالیف کی عمر زیادہ تر اسی کوچہ میں گزری اور میں کہہ سکتا ہوں

ع عمر گزری ہے اسی دشت کی سیاحی میں

میں اب بھی اس پر عقیدہ رکھتا ہوں کہ اسلاف کے کارنامے، اسلاف کا خلوص و صداقت، اسلاف کا تعلق مع اللہ اسلاف کی استقامت اور اسلاف کی قربانیاں بعد کی نسلوں کے لئے بہترین سرمایہ ہیں اور وہ حیات زندگی کا پیغام دینے والی ہیں، ہم نے ہمیشہ کہا اور مانا کہ ہمارے بزرگ ایسے تھے، ان کا حافظہ اتنا قوی تھا، ان کا علم اتنا وسیع تھا، وہ ایسے متبحر عالم تھے، یہ سب سر آنکھوں پر لیکن اتنا کافی نہیں۔

فیض مردوں سے بھی حاصل ہوسکتا ہے مگر رہنمائی زندوں ہی سے حاصل ہوتی ہے

جس ادارہ اور مکتب خیال سے میرا تعلق ہے اس نے تاریخ اسلام کو مرتب کیا، اس تختی برِاعظم (ہند) میں جس ادارہ نے اردو میں تاریخِ اسلام مرتب کرنے کی سب سے پہلے سعادت حاصل کی ہے اس سے میرا تعلق ہے، یعنی ''دارالعلوم ندوۃ العلماء'' اور ''دار المصنفین''، کسی اور کی زبان سے تو شاید آپ سوچیں کہ یہ تاریخ سے ناواقف ہے اور تاریخ سے انصاف نہیں کرتا، میری زبان سے سنیئے کہ اسلاف نے جو کچھ کیا اس کو محفوظ رہنا

چاہئے اور اسی آب و تاب کے ساتھ رہنا چاہئے اور نئی نسلوں کو اس سے روشناس کرانا چاہئے اور ڈھونڈ ڈھونڈ کر اسلاف کے کارنامے جمع کرنے چاہئیں۔ لیکن اس دین کے لئے خدا فیصلہ کر چکا ہے کہ یہ دین قیامت تک کے لئے ہے لہٰذا اس کو زندہ اشخاص کی ضرورت ہے، روحانیت بھی زندہ انسانوں ہی سے قائم ہے، محققین صوفیاء کی اور مشائخ کی تحقیق بھی یہی ہے کہ تزکیہ و علم باطن بھی زندہ انسانوں ہی سے حاصل کیا جاتا ہے اور زندہ انسانوں ہی سے اس کی تکمیل ہوتی ہے، ورنہ ایسے ایسے بلند مرتبہ لوگ گزرے ہیں کہ ان میں سے ایک کافی تھا، لیکن وہ کہتے ہیں کہ زندگی میں حرکت و نمو ہے، زندگی میں تنوع ہے، ابھی ایک رنگ آیا ایک رنگ گیا، ابھی ایک مرض پیدا ہوا اور ایک مرض گیا، اس لئے جن کا تعلق اس زندہ کائنات اور عالم طبیعی سے ٹوٹ چکا ہے وہ ان متحرک اور زندہ انسانوں کی رہنمائی نہیں کر سکتے، فیض ان سے حاصل ہو سکتا ہے (فیض کے جو طریقے ہیں ان کے ذریعہ) اس میں غلط فہمی نہ ہو لیکن رہنمائی زندہ انسانوں ہی سے حاصل ہوتی ہے، کسی نسل میں سب کچھ ہے، بڑے کتب خانے ہیں، تاریخ کے بڑے بڑے ذخیرے ہیں لیکن زندہ ہستیاں نہیں ہیں جن کے قلوب سے اور جن کے اجتہاد فکر سے، جن کے تفقہ سے، جن کی بصیرت سے ہم روشنی حاصل کریں، اس نسل کے ضائع ہونے کا اندیشہ ہے۔

دین تازہ ہوتا رہے گا

حدیث صحیح میں ہے کہ:

"ان الله يبعث على رأس كل مائة سنة من يجدد لهذه الامة أمر دينها"

سنن کی حدیث ہے کہ اللہ تعالیٰ ہر سو برس میں ایک مجدد بھیجتا رہے گا جو اس دین کو

تازہ کرے گا اور تجدید کا فرض انجام دے گا۔ اس کا یہ مطلب نہیں کہ اس وقت تو وہ دین کو تازہ کر دے گا، پھر وہ سلسلہ ختم ہو جائے گا، بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ عرصہ تک اس کا وجود رہے گا، من يجدد لهذه الامة أمر دينها” کا یہ مطلب نہیں کہ وہ آئے اور ہفتہ دو ہفتہ کے لئے دین کا چرچا ہو گیا، اور چلے گئے۔ ان میں سے کسی بھی بزرگ کا حال پڑھیں، کسی کا اثر سو برس تک رہا اور بعض ایسے لوگ پیدا ہوئے جن کا اثر صدیوں تک رہا۔

ریلوے لائن پر ایک چھوٹی گاڑی چلا کرتی تھی۔ (اور غالباً اب بھی چلتی ہے) جس کو ٹرالی کہتے تھے، لوگ اس کو ٹھیلتے تھے اور پھر اس پر بیٹھ جاتے تھے اور وہ چلتی اور پھسلتی رہتی تھی، جب وہ رکنے لگتی تھی تو پھر اتر کر دھکا دیتے تھے اور بیٹھ جاتے تھے، اس سے لائن کا معائنہ ہوتا تھا، اس امت کی گاڑی کو بھی اسی طرح سمجھئے اور اس کو ٹھیلنے والے اس امت کے علماء اور مشائخ اور مجدد ہیں، یہ اس کو ٹھیل دیتے ہیں اور وہ خود اپنے پہیوں پر چلتی ہے، یہ نہیں کہ اس کو چلاتے ہی رہتے ہیں، گاڑی خود چلے گی اپنے پہیوں پر، لیکن اس کو ٹھیلنے اور چلانے کے لئے زندہ انسانوں کی ضرورت ہے۔ وہ کوئی ٹیکنیکل چیز نہیں، زندہ انسان اس کو بڑھاتے ہیں اور ٹھیلتے ہیں اور وہ اپنے پہیوں پر چلتی ہے کیونکہ ٹرالی کے لئے دو چیزوں کی ضرورت ہے، پٹریوں میں اتنی چکناہٹ اور پہیوں میں اتنی حرکت وسرعت اور چلنے کی اتنی صلاحیت ہو کہ وہ چل سکے اور آدمیوں کے ہاتھوں میں اتنی طاقت ہو کہ وہ اس کو ٹھیل سکیں، اور مسافر جو بیٹھے ہوں وہ ایسے ہوں کہ بیٹھے رہیں اور جم جائیں، اس امت کی روایت یہ ہے کہ جب اس پر تعطل اور بے عملی طاری ہونے لگتی ہے تو کوئی اللہ کا بندہ آتا ہے اور اس کو دھکا لگاتا ہے اور پھر وہ خود چلتی ہے اور کچھ دور تک چلی جاتی ہے۔

میں مجدد الف ثانی اور شاہ ولی اللہ صاحب دونوں کو اس دور کا مجدد سمجھتا ہوں، میں

سمجھتا ہوں کہ جہاں کہیں بھی علم دین ہے، جہاں کہیں بھی سنت کی دعوت ہے، جہاں کہیں بھی شرک و بدعت سے اجتناب کا جذبہ اور اس سے تنفر ہے، یہ ان دونوں کی کوششوں کا نتیجہ ہے، دیکھئے ایک ایسا بھی انسان تھا جس نے اس زور سے دھکا دیا کہ امت کی گاڑی ساڑھے تین سو سال سے برابر چل رہی ہے اور اللہ ہی خوب جانتا ہے کہ کتنا چلے پھر کوئی اور اللہ کا بندہ پیدا ہو اور اس کے دھکے سے اور کتنا چلے، حضرت شاہ ولی اللہ صاحبؒ کا پورا خاندان، حضرت مجدد الف ثانیؒ کے سو ڈیڑھ سو برس بعد پیدا ہوا اور ان کے کام کے اثرات تیرھویں صدی کے ابتداء میں ظاہر ہوئے، میرے کہنے کا مطلب یہ ہے کہ یہ فریضہ ہے تمام مدارس کا اور تمام علماء کا کہ زندہ اشخاص پیدا کرتے رہیں۔

پاکستان کی سب سے بڑی ضرورت

میرے عزیزو! کل میں نے دار العلوم کورنگی میں ایک بات کہی تھی کہ پاکستان کی سب سے بڑی ضرورت یہ ہے کہ ایسے علماء ملک میں رہیں کہ وہ نئے مسائل سمجھ سکیں اور نئے مسائل کے حل پیش کرسکیں اور اس میں وہ شریعت کی مدد سے کتاب و سنت کی مدد سے، اصول فقہ اور فقہ کی مدد سے رہنمائی کرسکیں، اس لئے جہاں اور چیزوں کی ضرورت ہے وہاں ایک بڑی ضرورت یہ ہے کہ ایسے متبحر علماء پیدا ہوں جیسے مفتی محمد شفیع صاحب، مولانا ظفر احمد صاحب عثمانیؒ، مولانا محمد یوسف صاحب بنوریؒ

، اور دوسرے علماء جن کے نام اس وقت مجھے یاد نہیں آئے، پھر اس کے بعد میں نے کہا کہ زمانہ اتنا ترقی کرگیا ہے اور اب زمانہ کے فتنے اتنے سنگین اور زمانے کے چیلنج اتنے شدید ہیں کہ حقیقۃ ضرورت تھی امام غزالیؒ، شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ، اور حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی کی، لیکن اگر حجۃ الاسلام غزالی، شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ اور حکیم الاسلام شاہ ولی اللہؒ

اس وقت نہ پیدا ہوں تو کم از کم اس درجہ کے لوگ پیدا ہوں جن کے نام میں نے لئے۔

لہذا مدارس کا یہ فرض ہے کہ وہ ایڑی چوٹی کا زور لگا دیں کہ وہ تبحر پیدا ہو، وہ وسعت نظر اور عمق اور نظر کی گہرائی اور گیرائی پیدا ہو اور وہ کتاب و سنت کی روح سے واقفیت پیدا ہو، مقاصد شریعت سے آگاہی پیدا ہو، بدلے ہوئے زمانہ میں امت کی رہنمائی کر سکیں، محض یہ کہ کتاب میں دیکھ لو، یہ کافی نہیں: اس لئے کہ کتابیں تو اپنے اپنے عہد میں لکھی گئی ہیں، اللہ نے صرف کتاب اللہ کی یہ خصوصیت قرار دی ہے کہ **لا تبلی جدته ولا تنتهي عجائبه** کہ وہ کبھی پرانی نہیں ہوگی، باقی ہر انسانی کتاب میں اس عہد کی چھاپ ہوتی ہے اس عہد کے گھنے سائے ہوتے ہیں، آپ کسی عالم کی کتاب اٹھا کر دیکھ لیجئے، اگر اللہ نے آپ کو ذوق اور علمی بصیرت دی ہے تو آپ اسے دیکھ کر زمانہ کا تعین کر سکتے ہیں کہ یہ کتاب فتنۂ تاتار کے بعد لکھی گئی ہوگی، یہ آٹھویں صدی کی تصنیف معلوم ہوتی ہے، ہر صدی کا اسلوب الگ ہوتا ہے، فکر اور علم کا طرز الگ ہوتا ہے، ان کے درجات الگ ہوتے ہیں، یہ مدارس بہت مبارک اور نہایت ضروری ہیں، ہم سب مدارس ہی کے خوانِ نعمت کے ریزہ چیں ہیں اور میں جو آپ کے سامنے بیٹھا ہوا بات کہہ رہا ہوں، یہ مدارس ہی کا فیض ہے، اول سے آخر تک میری تعلیم اسی نہج پر ہوئی، لیکن میں یہ کہنا چاہتا ہوں (اور خدا کرے کہ میری بات جتنی ہے اور جس درجہ کی ہے اسی کے مطابق سمجھا جائے) کہ یہ دین زندہ ہے اور زندہ انسانوں کی اس کو ضرورت ہے، اور زندہ انسانوں ہی کے دم سے یہ چلے گا، اسلاف کی عظمت میں رتی برابر کمی کرنا مقصود نہیں ہے، مقصود یہ ہے کہ اس پر قناعت نہیں کرنی ہے کہ اسلاف نے یہ کیا، کوئی مسئلہ پوچھنے آئے تو کہے کہ ہمارے یہاں ایک سے ایک بڑا عالم پیدا ہوا، آسمانِ علم، جبلِ علم، سائل کہتا ہے کہ کنویں میں فلاں جانور گر گیا ہے، تمام محلہ والے پریشان ہیں کتنے ڈول پانی نکالا جائے، آپ کہیں کہ ہمارے

یہاں امام ابوحنیفہ پیدا ہوئے، امام زفرؒ پیدا ہوئے اور آخر میں بدائع الصنائع کے مصنف، البحر الرائق کے مصنف اور فتاویٰ عالمگیری کے مصنف پیدا ہوئے، وہ کہے گا حضرت یہ سب صحیح ہے، لیکن جلدی بتائیے نماز کا وقت بالکل قریب ہے کہ اس کو کس طرح پاک کیا جائے؟ کوئی آپ سے یہ پوچھنے آئے کہ ذرا سی یہ عبارت سمجھ میں نہیں آئی، یہ شعر سمجھ میں نہیں آیا، اس کے معنی بتائیے، آپ کہیں کہ ہمارے یہاں ایسے ایسے ادیب پیدا ہوئے جن کا جواب نہیں، عبدالقاہر جرجانی پیدا ہوئے، ابوعلی فارسی پیدا ہوئے، امام زمخشری پیدا ہوئے، حریری پیدا ہوئے اور قاضی فاضل پیدا ہوئے، اور ہندوستان میں بھی ایک سے ایک بڑھ کر ہوئے ہیں، وہ کہے گا یہ سب ٹھیک ہے لیکن میں کتاب پڑھانے جا رہا ہوں، طالب علم منتظر ہیں جلدی سے شعر کا مطلب بتائیے، اسی طرح ہر فن کا حال ہے، جس فن کا آدمی آیا تو کہہ دیا کہ ہمارے یہاں ایسے ایسے لوگ پیدا ہوئے ہیں، اس سے کام نہیں چلے گا۔

ہر شہر میں متبحر آدمی ہونے چاہئیں

ہر ملک میں بلکہ ہر شہر میں ایسے متبحر آدمی ہونے چاہئیں جو وقت پر مدد کر سکیں، رہنمائی کر سکیں، یہ نہ کر سکیں تو کم از کم کسی عالم کا حوالہ دے سکیں، میں خود یہ کرتا رہتا ہوں، کوئی اہم مسئلہ پوچھنے آتا ہے تو میں کہہ دیتا ہوں کہ ہمارے مدرسہ میں مفتی موجود ہیں ان سے پوچھو "لکل فن رجال" ہر فن کا شخص الگ الگ ہے، وہ فقہ پڑھاتے ہیں، علامہ ابن حزم کے متعلق امام ابن تیمیہ نے ایک جگہ لکھا ہے کہ انھوں نے سعی میں رمل و اصطباع کو لکھ دیا ہے، وہ بہت ادب کے ساتھ کہتے ہیں کہ ان کو حج کرنے کا موقع نہیں ملا تو ان کو طواف اور سعی میں التباس ہو گیا۔ یہ بات الگ ہے، لیکن ہر چیز میں آپ اسلاف کے کارناموں کی فہرست گنانے لگیں کہ کیسے کیسے آدمی پیدا ہوئے تو اس کی مثال ایسی ہے

کہ کوئی شخص پیاسا ہو اور پانی پینے آئے اور کہے کہ پانی پلا دیجئے تو آپ اس سے کہیں کہ دنیا میں ایسی ایسی سبیلیں لگی ہیں اور ایسی ایسی آئس کریمیں ایجاد ہوئی ہیں، ایسے ایسے مشروبات ایجاد ہوئے ہیں، تو بھائی مشروبات کے نام لینے سے اور اس میں جو ترقیاں آپ کے اسلاف نے کیں اس سے کیا ہوتا ہے، اس کو تو پانی چاہئے، آپ کٹورہ میں دیں یا مٹی کے کوزہ میں دیں، جب جا کر اس کی پیاس بجھے گی۔

خلا پُر کرنے کے لئے جانفشانیوں کی ضرورت ہے

علوم کا زوال بلکہ امتوں کا زوال اسی طرح ہوا کہ جب کوئی گیا تو کوئی دوسرا اس کی جگہ لینے والا نہیں آج خطرہ اسی بات کا ہے جو اٹھتا ہے جگہ خالی کر کے چلا جاتا ہے۔ آپ سے کیا کہوں، یہ کہنے کی بات نہیں، ہندوستان میں ہم کیا خلا محسوس کر رہے ہیں، کسی مدرسہ میں شیخ الحدیث کی ضرورت ہے، شیخ الحدیث نہیں مل رہا ہے، کہیں اصول فقہ پڑھانے والا نہیں مل رہا ہے، کچھ اللہ کے بندے یہاں آ گئے اور کچھ اللہ میاں کے یہاں چلے گئے، ایک نے انتقال کیا تو دوسرا منتقل ہو گیا، ہمارے حق میں نتیجہ ایک ہوا، مطلب یہ ہے کہ خلا پُر ہونا چاہئے اور اس کے لئے جانفشانیوں کی ضرورت ہے، یہ کام بغیر جانفشانیوں کے نہیں ہو سکتا، اگر آپ چاہتے ہیں کہ حدیث کا جید عالم پیدا ہو، فقہ کا کوئی جید عالم پیدا ہو، تو اس کے لئے پتا پانی کرنے کی ضرورت ہے، اور افسوس ہے کہ اب ہمارے مدارس میں اس کا رواج نہیں رہا، سب کچھ ہے لیکن وہ محنت نہیں ہے، میں کہتا ہوں کہ مبالغہ سہی مگر کسی درجہ میں انہماک ہونا چاہئے، یورپ میں جو ترقیاں ہوئی ہیں اسی لائن سے ان میں بھی استغراق ہے، میں نے واقعات سنے ہیں کہ بعض تحقیقی کام کرنے والوں کو اس کی خبر نہیں ہوئی کہ کب صبح ہوئی اور کب شام ہوئی، میرے جاننے والے ایک دوست جرمنی گئے تھے

انہوں نے کہا ایک صاحب سے پوچھا کہ آپ کب کام شروع کرتے ہیں، آپ کا یہ ادارہ کب سے کھلتا ہے، تو اس نے کہا ابھی بتاتا ہوں، وہ اندر گیا اور ایک آدمی سے پوچھا کہ میرا شعبہ کب سے کھلتا ہے، اس نے بتایا، اتنے بجے تو آ کر کہہ دیا کہ اتنے بجے سے، میں نے کہا کیوں آپ نے خود کیوں نہیں بتلایا تو اس نے کہا کہ مجھے معلوم نہیں میں اتنی صبح آجاتا ہوں کہ مجھے ہوش نہیں رہتا اور میں گھڑی بھی نہیں دیکھتا، کام کا جوش اتنا غالب ہوتا ہے۔

میرے عزیز طلبہ! یہ انتشار کا دور ہے، آج کل تو بڑی مصیبت یہ ہے کہ آپ یہاں سے جائیے، پچاس چیزیں آپ کو ایسی نظر آئیں گی جو انتشار پیدا کرنے والی ہوں گی۔ آپ ایسے حالات دیکھیں گے جو انتشار پیدا کرنے والے ہوں گے آپ ایسی تصویریں دیکھیں گے جو ساری ذہنی یکسوئی ختم کر دیں گی، اور اگر ٹیلی ویژن ہو رہا ہے تو سبحان اللہ یا انا للہ کہہ دیجئے، اس زمانہ کی خوبی یہ تھی کہ انتشار پیدا کرنے والی چیزیں کم تھیں اور لوگوں میں علمی استغراق تھا، میرے ایک مغربی استاد نے بتایا کہ ایک صاحب مغرب (مراکش) میں فقہ مالکی پر کتاب لکھ رہے تھے، ان کا روزانہ کا یہ معمول تھا کہ دوپہر کو وہ گھر جاتے تھے اور کھانا کھاتے تھے اور آجاتے تھے، ایک دن وہ گھر نہیں گئے تو لوگوں نے کہا کہ آج آپ کھانے پر تشریف نہیں لائے؟ انھوں نے کہا کہ نہیں میں تو آیا تھا! میں نے کھانا بھی کھایا، اب ان کو فکر ہوئی کہ کیا بات ہوئی، معلوم ہوا کہ مسئلہ سوچتے ہوئے نکلے اور ایک گھر کا دروازہ کھلا تھا اس میں چلے گئے اور وہ لوگ اتنے مشفق اور مہذب تھے کہ انھوں نے کھانا کھلایا اور ان کو بالکل محسوس نہیں ہونے دیا کہ ان کا گھر نہیں ہے، اس زمانہ میں علماء کی قدر تھی، ان کو شاید یہ معلوم تھا کہ وہ اس وقت نکلتے ہیں اور کھانا کھاتے ہیں، گھر والوں نے دسترخوان بچھایا، ہاتھ دھلائے، انھوں نے کھانا کھایا، ہاتھ پونچھے اور اپنی جگہ آ گئے اور یہ

سمجھتے رہے کہ وہ اپنے گھر گئے تھے اور کھانا کھایا تھا۔

ایک واقعہ امام غزالیؒ نے غالباً احیاء العلوم میں لکھا ہے کہ امام شافعی ایک مرتبہ امام احمد بن حنبلؒ کے گھر آئے۔ امام صاحب کے بچے کہتے ہیں کہ ہم دیکھتے تھے کہ ہمارے والد ہر نماز کے بعد امام شافعی کے لئے دعا کرتے تھے اور کہتے تھے کہ:

> ''اے اللہ! محمد بن ادریس کو زندہ رکھ، قائم رکھ، ان کی عمر میں برکت دے۔''

وہ بچے سوچتے تھے کہ ہمارے باپ امام وقت ہیں ان کے استاد کیسے ہوں گے جن کے لئے یہ دعا کرتے ہیں؟ تو ایک مرتبہ پوچھا کہ ابا جان! آپ کس کے لئے دعا کرتے ہیں اور کیوں؟ انھوں نے کہا:

"یا بنی انه کالشمس الدینا و العافیة للبدن."

ایک مرتبہ لطیفہ پیش آیا کہ امام شافعی تشریف لے آئے تو گھر والوں نے سمجھا کہ گھر بیٹھے دولت ملی، بڑی خاطر مدارت کی اور رات کو جب وہ کھانا کھا کے اور باتیں کر کے بستر پر لیٹے تو بچوں نے سوچا کہ والد صاحب بڑا وقت عبادت میں گزارتے ہیں، یہ تو ہمارے والد کے بھی استاد ہیں، ان کی تو پلک بھی نہیں لگے گی، رات بھر عبادت کریں گے، چنانچہ انھوں نے لوٹا بھر کر رکھ دیا کہ رات کو اٹھیں گے، وضو کریں گے، عبادت میں مشغول ہو جائیں گے لیکن وہ صبح تک سوتے رہے، یہاں تک کہ امام احمد بن حنبلؒ آئے اور انھوں نے اٹھایا، وہ اٹھے اور بے وضو کئے ہی نماز پڑھنے چلے گئے، اب تو ان کے پاؤں تلے کی زمین نکل گئی کہ یا اللہ قصہ کیا ہے؟ لوٹا دیکھا تو ویسا کا ویسا بھرا رکھا ہے، بڑی حیرت کہ انھوں نے بے وضو نماز پڑھی، اس زمانہ میں اعتراض کرنے کا رواج نہیں تھا، جب وہ مجلس میں آ کر بیٹھے تو امام احمد بن حنبل سے امام شافعی نے کہا کہ ابو عبد اللہ رات کو عجیب واقعہ پیش آیا جب تم مجھے لٹا کر گئے تو فلاں حدیث کی طرف میرا ذہن چلا گیا، میں نے

اس سے مسائل استنباط کرنے شروع کئے، رات بھر مسائل استنباط کرتا رہا، مسائل کی ایک بڑی تعداد بیان کر کے فرمایا کہ اتنے مسائل استنباط کر چکا تھا کہ صبح ہوگئی، اسی لئے شاعر نے کہا ہے ؎

کارِ پاکاں را قیاس از خود مگیر
گرچہ باشد درنو شتن شیر، شیر

اگر بدگمانی کا دور ہوتا تو اخبار میں چھاپ دیا جاتا کہ ایسے ایسے علماء ہیں جو بے وضو نماز پڑھ لیتے ہیں، بلکہ پڑھا بھی دیتے ہیں تعجب نہیں کہ انھوں نے نماز پڑھائی بھی ہو، بھلا ان کی موجودگی میں کون نماز پڑھاتا۔

اللہ تعالیٰ ہمارے اس خلا کو پُر فرمائے

و آخر دعوانا ان الحمدللہ رب العالمین

دین وعلم کا دائمی رشتہ

الحمد لله رب العالمین والصلوٰة والسلام علی سید
الانبیاء والمرسلین، وعلی آله واصحابه اجمعین،
ومن تبعهم باحسان الی یوم الدین۔ امابعد
وَمَا كَانَ الْمُؤْمِنُوْن لِيَنفِرُوْا كَآفَّةً فَلَوْلَا نفر مِنْ كُلِّ
فِرْقَةٍ مِّنْهُمْ لِيَتَفَقَّهُوْا فِى الدِّيْنِ وَلِيُنْذِرُوْا قَوْمَهُمْ اِذَا
رَجَعُوْآ اِلَيْهِمْ لَعَلَّهُمْ يَحْذَرُوْنَo

''اور یہ تو نہیں ہوسکتا کہ مومن سب کے سب نکل آئیں تو یوں
کیوں نہ کیا کہ ہر ایک جماعت میں چند اشخاص نکل جاتے تاکہ
دین کا علم سیکھتے اور اس میں سمجھ پیدا کرتے اور جب اپنی قوم کی
طرف واپس ہوتے تو ان کو ڈر سناتے تاکہ وہ حذر کرتے۔''

(توبہ آیت ۱۲۲)

اسلام اور علم کا رابطہ

میرے عزیز بھائیو، اور دوستو!

حقیقت یہ ہے کہ اسلام کا اور علم کا چولی دامن کا ساتھ ہے، اسلام علم کے بغیر نہیں رہ سکتا۔ واقعہ یہ ہے کہ علم بھی اسلام کے بغیر نہیں رہ سکتا ہے لیکن کسی اور مجلس میں شرح و

بسط کے ساتھ کہنے کی بات ہے، وہ علم علم ہی نہیں جو وحی کی سرپرستی اور وحی کی رہنمائی بلکہ وحی اور علوم نبوت کی انگلی پکڑ کر نہ چلے اور جس پر وحی کی مہر تصدیق ثبت نہ ہو۔ اور جو وحی اللہ تبارک وتعالیٰ کے بھیجے ہوئے اور اس کی نازل کی ہوئی کتابوں کی سرپرستی میں، اتالیقی میں، نگرانی میں، رہنمائی میں نہ ہو وہ علم علم نہیں۔

ع علمے کہ رہ بحق نہ نماید جہالت است

اس وقت ہمارا آپ کا موضوع ہے کہ اسلام بغیر علم کے نہیں رہ سکتا اس کی مثال بالکل ایسی ہے کہ جیسے آپ مچھلی کو پانی سے نکال دیجئے تو اس کا دم گھٹنے لگتا ہے اور وہ مر جاتی ہے، تو اسی طریقہ سے اسلام کے لئے علم ضروری ہے خدا کی صحیح معرفت ہو، اس کی ذات وصفات کی صحیح معرفت ہو۔ اس کا بندوں کے ساتھ کیا تعلق ہے؟ بندوں کا اس کے ساتھ کیا تعلق ہونا چاہئے؟ زندگی کا مقصد کیا ہے؟ آغاز کیا ہے؟ انجام کیا ہے؟ ابتداء کیا ہے؟ انتہاء کیا ہے؟ انسان کہاں سے آیا اور اس کو کہاں جانا ہے، اور پھر کیا ہونا ہے اس سب کا علم ہونا ضروری ہے اسی لئے اسلام علم کو چاہتا ہے اور وہ علم کو ضروری قرار دیتا ہے۔

پہلی وحی میں علم وقلم کا تذکرہ

پہلی وحی جو جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر غار حرا میں نازل ہوئی اور سینکڑوں برس کے بعد آسمان وزمین کا پہلی مرتبہ جو رشتہ قائم ہوتا ہے زمین کے لئے جو ہمیشہ سے لینے اور آسمان کے لئے کچھ دینے کے لئے، برسوں کے بعد دو بچھڑے ہوئے ملتے ہیں وہ ایک دوسرے کو کیا کیا فغاں وفریاد، شکایتیں اور حکایتیں سناتے ہیں، لیکن اس وقت جو یہ دو بچھڑے ہوئے ملے تو آسمان سے اس نبی کو جس کو زمین والوں کا رشتہ اللہ سے جوڑنا تھا سب سے پہلا پیغام مطالعہ کی شکل میں ملا۔ اس سے آپ علم وقلم کی اہمیت وعظمت سمجھئے جن کو اس پہلی وحی اور پیغام آسمانی میں عزت کا مقام دیا گیا۔

شیخ سعدی علیہ الرحمۃ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں کہا تھا

ع   کتب خانۂ چند ملت بشست

لیکن آپ نے کتب خانے اتنے دھوئے نہیں جتنے کتب خانے بنا دیئے، وہی کتب خانے دھوئے جن کو دھونا چاہئے تھا، لیکن دھو کر کے پھر کیا دیا؟ نور دیا، یقین دیا، اللہ کی صحیح معرفت عطا فرمائی، انسان کو انسان بنا دیا اور جاہل انسان بلکہ حیوان صفت انسان کو دنیا کا معلم بنا دیا۔ بقول اکبر

جو نہ تھے خود راہ پر غیروں کے ہادی بن گئے
کیا نظر تھی جس نے مردوں کو مسیحا کر دیا

تعلیم و تعلم کی ضرورت اور اس کا مقام

دنیا کی کوئی قوم علم سے مستغنی ہوسکتی ہے کہہ سکتی ہے کہ ہمارا کوئی نقصان نہیں، ہم پر کوئی فرض واجب نہیں، ضروری نہیں ہے کہ ہم پڑھیں اور پڑھائیں۔ بچوں کی تعلیم کا انتظام کریں لیکن روئے زمین پر قیامت تک مسلمان کہیں بھی آباد ہوں وہ چاہے مقامات مقدسہ ہوں، چاہے جزیرۃ العرب ہو، چاہے یورپ و امریکہ ہو، چاہے ہندوستان کی سر زمین ہو، شہر ہو قصبہ ہو، دیہات ہو جہاں مسلمانوں کے چار گھر بھی آباد ہوں، بلکہ جہاں چار مسلمان بھی پائے جاتے ہیں وہاں ان کے لئے ضروری ہے کہ وہ ''اِقْرَأْ'' کا سامان کریں۔ وہ اس کی تعمیل کریں کہ پڑھو، یہ کام شفاخانوں کے قیام سے زیادہ ضروری ہے اور آپ کی دکانوں سے زیادہ ضروری ہے، یہ کارخانوں سے زیادہ ضروری ہے، اس میں سے کسی چیز کے لئے اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کو مامور نہیں فرمایا، یہ نہیں فرمایا کہ تجارت کرو، کماؤ کہ یہ بہت بڑی طاقت ہے، دینِ حق کو غالب کرنے کے لئے خوب پیسہ پیدا کرو، خوب دولت جمع کرو، اپنی امت کو سبق سکھاؤ، یہ کہیں نہیں فرمایا۔ فرمایا تو یہ فرمایا ''اِقْرَأْ'' (پڑھو) اب بتائیے کہ علم کا کیا مقام ہوا؟

اچھا پھر وہ علم جو منجانب اللہ حاصل ہوتا ہے، ایک علم لدنی ہوتا ہے، اللہ تعالیٰ کسی کسی

کا سینہ کھول دیتا ہے اور اسے علوم کا گنجینہ بنا دیتا ہے ان کی زبان سے حکمت ابلتی ہے، یہ سر آنکھوں پر، ہم ان کو اپنے سے ہزار درجہ افضل مانتے ہیں۔ ان کا سایہ پڑ جائے تو ہم سمجھیں کہ ہم آدمی بن جائیں گے لیکن "اِقْـرَأ" اپنی جگہ پر رہے گا۔ ان حضرات کو بھی ضرورت ہے کہ وہ مسئلہ پوچھیں عالموں سے بڑے بڑے صاحب ادراک، صاحب کشف بھی نماز کا مسئلہ پوچھتے ہیں۔

یہ "اقْرأ" کا سلسلہ ایسا ہے کہ نبی اُمّی سے شروع ہو کر آخری اُمّی تک (یعنی جو لفظا بے پڑھا ہے) جاری رہے گا۔ کتنے ہی دنیا میں انقلابات آئیں سلطنتیں بدلیں، تہذیبیں بدل جائیں۔ اور انقلاب عظیم برپا ہو جائے۔ زبان بدل جائے، تعلیم و تعلم کا سلسلہ جاری رہے گا!

حفاظت قرآن کا مفہوم

اللہ تعالیٰ نے کسی کتاب اور کسی زبان کی حفاظت کی گارنٹی نہیں لی۔ قرآن کی حفاظت کا اللہ تعالیٰ نے ذمہ لیا ہے تو حفاظت کا مطلب یہ تو نہیں ہوتا کہ بس کتاب رہے نہ کوئی اس کو سمجھے نہ سمجھائے۔ اس کے لئے سمجھنے سمجھانے والے بھی ہونے چاہئیں، اور وہ کتاب الفاظ میں ہے تو زبان بھی ہونی چاہیے۔ الفاظ بغیر زبان کے نہیں رہتے۔ اس لئے عربی زبان بھی رہے گی کتنی زبانیں مٹ گئیں، لیکن شریعتِ الٰہی کی زبانِ عربی اپنی جگہ پر ہے اور اس کا علم اپنی جگہ پر ہے، تو ہر جگہ کے مسلمانوں کا فرض ہے کہ وہ اپنے یہاں مقدور بھر دینی تعلیم کا انتظام کریں، ہر جگہ مسائل بتانے والے نہ صرف یہ کہ موجود ہوں بلکہ ان کا سلسلہ جاری رہے یہ بھی مسلمانوں کے ذمہ فرض ہے۔ مدارس کا سلسلہ ضروری ہے یہ کوئی شوقیہ تفریحی کام نہیں ہے یہ خالص دینی ضرورت ہے، میں پوری ذمہ داری سے کہتا ہوں کہ مساجد کے بعد نمبر دو چیز یہی ہے اور سچ پوچھئے تو مساجد کی پشت پناہ بھی یہی مدارس ہیں اگر مدارس نہ ہوئے تو آپ کو امام کہاں سے ملیں گے؟ اور اگر ایسے امام مل گئے جو بس

نماز پڑھا دیں تو جمعہ پڑھانے کے لئے اس سے زیادہ کچھ شرائط ہیں اس کے کچھ اور احکام ہیں پھر اس کے بعد مسائل کے لئے آپ کہاں جائیں گے، مسجدوں ہی میں تو جائیں گے امام صاحب سے پوچھنے امام صاحب کو کوئی علم نہیں ہے بس تھوڑی سی سورتیں یاد کرلیں اور نماز پڑھانا آ گیا تو یہ مدارس درحقیقت مساجد کے بھی محافظ ہیں اور مساجد کو بھی غذا پہنچاتے ہیں۔

فضلائے مدارس کا فرض

میں نے آپ کے سامنے شروع میں آیت پڑھی تھی وَمَا کانَ الْمُؤْمِنُوْنَ لِیَنفِرُوْا کَآفَّةً ؕ یہ تو نہیں ہوسکتا، یعنی ایک غیر ممکن سی چیز ہے غیر طبعی چیز ہے کہ سب مسلمان سب کام چھوڑ چھاڑ کر دین سیکھنے نکل جائیں، نہ دکان پر کوئی بیٹھنے والا ہو، نہ کوئی خرید و فروخت کرنے والا، نہ کوئی ضرورت پوری کرنے والا، معلوم ہوا سارا شہر چلا گیا مدرسہ کا طالب علم بن کر، یہ ہونے والی بات نہیں ہے، اللہ تعالیٰ ایسی بات نہیں کہتا نہ اس کا مکلّف قرار دیتا ہے نہ اس کا مطالبہ کرتا ہے، فرماتا ہے کہ یہ تو ہو نہیں سکتا کہ تمام مومنین سب کے سب گھر چھوڑ کر باہر چلے جائیں۔ "فلوْ لا نفرَ منْ کُلِّ فِرْقَةٍ مِّنْهُمْ طَائفةٌ" پھر ایسا کیوں نہیں ہوتا کہ ہر جماعت میں سے کچھ لوگ اس کے لئے تیار ہو جائیں کہ وہ دین سیکھیں ، لِیَتفقَّهُوْا فی الدِّیْن دین کی سمجھ حاصل کریں یعنی وہ دین کے احکام و مسائل کا علم حاصل کریں۔ "ولِیُنْذِرُوْا قوْمَهُمْ اِذَا رَجَعُوْٓا اِلَیْهِمْ" جا کر اپنی اپنی بستیوں میں ہدایت کا کام کریں ، وعظ و ارشاد کا کام کریں۔ اور ان کو خطرات سے مہلکات سے بچائیں شرک کے مہلکات سے کفر کے مہلکات سے، ان عقائد سے ان رسوم سے ان اعمال سے کہ جن سے آدمی بالکل اسلام سے خارج ہو جاتا ہے اور بعض اوقات وہ اسلام کی سرحد پار کر جاتا ہے اور مسلمانوں میں اس کا شمار نہیں رہتا، بعض چیزوں سے ایمان چلا جاتا ہے بالکل آدمی نے گویا ارتداد اختیار کرلیا "لِیُنْذِرُوْا قَوْمَهُمْ اذا رَجَعُوْٓا اِلَیْهِمْ"

عالم ہی بتا سکتا ہے مسلمانوں کا کوئی بہت بڑا شہر ہو، تجارتی مرکز بھی ہو کھاتے پیتے مسلمان رہتے ہوں لیکن ایک مدرسہ بھی وہاں نہ ہو دین کے موٹے موٹے احکام سکھانے کے لئے اور قرآن مجید پڑھانے کے لئے تو پورا شہر گنہگار ہوگا، بس یہی فرض کفایہ کے معنی ہوتے ہیں، پورا شہر خطرہ میں ہے اور خدا کے یہاں سوال ہوسکتا ہے کہ تمہیں توفیق نہیں ہوئی کہ اتنے بڑے شہر میں مدرسہ قائم کرو۔ یہ بات ایسی نہیں جیسے تہجد پڑھنا بہت سے لوگ سمجھتے ہیں کہ تہجد تو فرض نہیں ہے اللہ توفیق دے کوئی پڑھے تو اچھی بات ہے ایسے ہی ان لوگوں نے مدرسہ قائم کردیا ہے گویا تہجد پڑھا یا کوئی خیرات کردی، یہ بنیادی کام ہے یہ آپ کے لئے شہہ رگ کی حیثیت رکھتا ہے کہ آپ اپنے یہاں بقدرِ ضرورت کم سے کم دینی تعلیم کا انتظام کریں آپ کے شہر میں ایسے لوگ ہوں جو وقت پر مسئلہ بتا سکیں اور مسلمانوں کو کوئی خطرہ پیش آجائے، حلال وحرام، کفر و ایمان کا کوئی مسئلہ آجائے تو اس میں وہ رہنمائی کرسکیں، بتاسکیں کہ یہاں سے یہاں تک تو اسلام ہے اس کے بعد کفر ہے اور اگر تم سمجھنا چاہتے ہو تو ہم تمہیں بتاتے ہیں۔

”قَدْ تَبَیَّنَ الرُّشْدُ مِنَ الْغَیِّ ج فَمَنْ یَّکْفُرْ بِالطَّاغُوْتِ
وَیُؤْمِنْ ؕ بِاللّٰہِ فَقَدِ اسْتَمْسَکَ بِالْعُرْوَۃِ الْوُثْقٰی“

(البقرہ۔ ۲۵۶)

یہ رشد ہے اور یہ غی ہے، یہ اسلام ہے اور یہ جاہلیت ہے، یہ بتاسکیں، اس کے بعد کرنا نہ کرنا آپ کا کام ہے۔

عوام کی ذمہ داری

بنیاد رکھنے کا مطلب یہ نہیں کہ ہم نے بنیاد رکھ دی ہماری ایک ذمہ داری ہوگئی آپ کی کوئی ذمہ داری نہیں یہ بنیاد تو ہم آپ کی طرف سے رکھیں گے گویا آپ کے ہاتھوں سے آپ سب تو ہاتھ نہیں لگا سکتے تو ہم آپ کی طرف سے آپ کی نیابت کریں گے خدمت

ہم کریں کہ وہ پتھر رکھ دیں۔ لیکن آپ کا کام ختم نہیں ہوتا، بلکہ سچ پوچھئے تو اس سے شروع ہوتا ہے اب آپ کی ذمہ داری ہے کہ اس مدرسہ کو ترقی دیں، باقی مشورہ کا معاملہ ہے استادوں کا مسئلہ ہے کتابوں کا مسئلہ ہے، نصاب کا مسئلہ ہے کبھی جلسوں میں آنے جانے کا مسئلہ ہے اس کے لئے ہم حاضر ہیں۔ آپ کو شکر گذار ہونا چاہئے کہ ایک بہت بڑی مصیبت سے ایک قومی و ملی کوتاہی سے اللہ تعالیٰ نے آپ کو بال بال بچالیا اگر یہ مدرسہ نہ ہوتا تو خدا کے یہاں پرسش ہوتی۔

سرکاری اسکولوں میں پڑھنے والے بچوں کے لئے دینی تعلیم کا انتظام

اسی طریقہ سے آپ یہ بھی یاد رکھیں کہ بچوں کو خواہ اس مدرسہ میں نہ پڑھتے ہوں اسکولوں میں پڑھتے ہوں، ان کی بقدر ضرورت دینی تعلیم کا انتظام آپ کے ذمہ فرض ہے:

يَا اَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا قُوْٓا اَنْفُسَكُمْ وَاَهْلِيْكُمْ نَارًا

(التحریم. ٦)

''اے ایمان والو! اپنی جانوں کو اور اپنے گھر والوں کو جو تمہارے
ذمہ ہیں ان سب کو آگ سے بچاؤ''

یہ آپ کا فرض ہے آپ ان کے لئے صبح و شام کوئی انتظام کریں۔ کوئی ٹیوٹر رکھیں، کسی مولوی صاحب کی خدمات حاصل کریں، بہرحال ان کے دین و ایمان کی حفاظت کے لئے آپ کو کچھ سامان کرنا چاہئے۔ ایسی ہی کچھ چیزیں اور ہیں، مثلاً اس ملک میں موجودہ دور میں اور اس جمہوری ملک میں اور ایک ایسے ملک میں جہاں ہم اکثریت میں نہیں ہیں بہت سی تحریکیں ہیں، جہاں تبدیلیاں جلدی جلدی ہوتی ہیں، بہت سے چیلنج سامنے آتے ہیں اس ملک میں اس طرح ہم اپنے دین کو بھی بچا سکتے ہیں اور اپنی عزت کو بھی بچا

سکتے ہیں اور اپنی جانوں کو بھی بچا سکتے ہیں اس کے لئے کئی چیزیں ایسی ہیں جن کو آپ کو اختیار کرنا ہوگا اور ان پر عمل کرنا ہوگا لیکن اس وقت خالص دینی تعلیم کے تعلق سے کہتا ہوں کہ اس مدرسہ کو ترقی دینا اس کو تکمیل کی منزل تک پہنچانا اس کے منصوبہ کو پورا کرنا اور اس کو اس قابل بنانا کہ یہ آپ کے پورے جوار کا اس پورے نواح کا ایک مرکزی مدرسہ بن جائے یہ آپ کی ذمہ داری ہے۔

اسی طریقہ سے اپنے بچوں کو اردو سکھانا اور دینیات کی تعلیم دینا اور سیرت اور صحابہ کرامؓ اور دینی شخصیتوں سے واقف کرانا اور کفر و ایمان کا فرق اور توحید و شرک کا فرق بتانا ضروری ہے۔

اسی طریقہ سے جو بالغ حضرات ہیں ان کو اپنے دین کے لئے بھی اور دینی جذبات کو ترقی دینے کے لئے بھی اور دینی عزم پیدا کرنے کے لئے بھی تبلیغی جماعت سے تعلق رکھنا اور ان کے اجتماعات میں شریک ہونا اور اس کو وقت دینا اور دینی کتابیں پڑھنا یہ سب بہت ضروری ہے ورنہ ایسے ملک میں جیسا کہ ہندوستان ہے بلکہ ایسے دور میں جس میں ہمیں خدا نے پیدا کیا ہے نظر چوکی، آنکھ جھپکی اور آدمی مارا گیا، ہر وقت چوکنا رہنے کی ضرورت ہے اور اس میں بہت وسیع نظر رکھنے کی ضرورت ہے اور گرد و پیش کے حالات کا پورا جائزہ لینے کی ضرورت ہے زندگی کے دھارے سے الگ ہونا خطرناک ہے اگر مسلمان ماحول سے کٹ گئے اور اپنے خول میں رہنے اور اپنی خیالی دنیا میں بسنے لگے کہ جو کچھ ہوتا ہے ہونے دیجئے ہم تو نماز روزہ کرتے ہیں اس طرح آپ ملک میں نہیں رہ سکتے اس ملک میں ہر وقت حالات کو دیکھتے رہیں اور اپنے مخلص رہنماؤں کی باتوں پر دھیان دینا ہے جن کو صرف اس سے دلچسپی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں جس انعام سے سرفراز فرمایا اور جو امانت ہمارے سپرد کی وہ ہم محفوظ رکھیں اور اس کو لے کر ہم دنیا سے جائیں اور سرخرو ہوں اور جن کو صرف اس بات سے دلچسپی ہے ان کے مشوروں کو آپ

مانیں اور غور سے سنیں۔ اس ملک میں ہمیشہ اپنی آنکھیں کھلی رکھیں اور دیکھتے رہیں کہ کیا ہو رہا ہے، کیا چیز ایسی پیدا ہو رہی ہے کہ جس سے ہم کو بھی اور اگر ہم بھی رہ گئے تو ہماری آئندہ نسلوں کو مسلمان رہنا مشکل ہو جائے۔ اس کا برابر جائزہ لیتے رہنا چاہئے۔

ان الفاظ پر ختم کرتا ہوں اللہ تعالیٰ ہم سبھوں کو دین کی قدر دانی نصیب فرمائے۔

و آخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین

دعوتِ ایمان اور پیامِ انسانیت

الحمد لله رب العالمين والصلوٰة والسلام على سيد الانبياء والمرسلين وعلى آله واصحابه اجمعين ومن تبعهم باحسان ودعىٰ بدعوتهم الى يوم الدين . امابعد

دعوت کی خاصیت

دوستو اور بھائیو! آج میں آپ کی خدمت میں دو باتیں عرض کروں گا۔ ایک بات تو یہ ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے جس طرح اشیاء میں خاصیتیں پیدا کی ہیں اور وہ ہزاروں بلکہ شاید لاکھوں برسوں سے چلی آرہی ہیں، زمانہ میں کتنے انقلابات آئے، سلطنتوں کے چراغ گل ہو گئے، کہتے ہیں کہ ایک زمانہ میں خلیج عربی کا کوئی وجود نہ تھا یہ بھی کہا جاتا ہے کہ کبھی شام اور ہندوستان کی سرحد ایک تھی، مصر اور ہندوستان کی تہذیب میں جو مماثلت پائی جاتی ہے ان کے عقائد میں بلکہ مزاج تک میں جو اشتراک ہے اس سے لوگوں نے اندازہ کیا ہے کہ کسی زمانہ میں مصر و ہندوستان قریب تھے اور یہ ایک تختہ تھا جو یہاں سے وہاں تک چلا گیا تھا۔ یہ سب انقلابات ہوئے لیکن اللہ تبارک وتعالیٰ نے اشیاء میں جو خصوصیات رکھی تھیں وہ آج تک چلی آرہی ہیں، پانی آگ بجھاتا ہے، آگ جلاتی ہے، سنکھیا اور زہر کی جتنی قسمیں ہیں وہ کام تمام کردیتی ہیں، سردی گرمی کے وہی اوصاف ہیں اور انسانوں کو کھانے کی ضرورت ہزاروں لاکھوں برس سے ہے، غلہ ہمیشہ سے پایا جاتا ہے، انسان کے لئے اس کے ماحول میں جو چیزیں رکھ دی گئی ہیں ان سے اس کا تعلق

بہت قدیم ہے، اسی طرح سے اللہ تعالیٰ نے اخلاق میں، اعمال میں اور معنویات میں تاثیر رکھی ہے، ایمان میں اس نے جو اپنے تعلق کی صفت رکھی ہے اپنی یاد میں، اپنے ذکر اور اپنی عبادت میں، توجہ میں جو خصوصیت رکھی ہے وہ لاکھوں برس سے ہے اور اگر ابھی دنیا کے مقدر میں ہزاروں برس باقی رہنا ہے تو یہ خاصیت رہے گی۔

تاریخ کی کسی ایک شہادت سے نہیں معلوم ہوتا کہ ان اخلاق، اعمال اور عقائد کی خاصیت کسی زمانہ میں کچھ اور تھی، تاریخ تو کیا بتاتی کوئی صحیفہ آسمانی بتاتا کہ توحید میں جو خاصیت ہے وہ کبھی شرک میں تھی جو نیک اعمال میں خاصیت ہے کبھی بداعمالی میں تھی. جو ہمدردی میں خاصیت ہے وہ کبھی بے دردی میں تھی، جو عدل میں خاصیت ہے وہ کبھی ظلم میں تھی کوئی آسمانی صحیفہ یہ نہیں بتاتا، توریت ہو، انجیل ہو، صحف ابراہیم ہوں، زبور ہو اور پھر آخری صحیفہ قرآن مجید ہو، سب یہ بتاتے ہیں کہ ایمان میں توحید میں، نیک اعمال میں، عبادات میں، عدل میں، انصاف میں، ہمدردی میں، محبت میں یہ ہے، جب یہ حقیر اشیاء جو انگلیوں سے مسلی جا سکتی ہیں، پیروں سے روندی جا سکتی ہیں جنہیں استعمال کر کے انسان نہایت خراب حالت میں پہونچ سکتا ہے جن کو جانور چر جاتے ہیں، کھا جاتے ہیں، جن کو پانی بہالے جاتا ہے ان میں یہ خاصیت ہے تو وہ چیزیں جو خدا سے اور اس کی ذات عالی سے تعلق رکھتی ہیں ان میں یہ خاصیت کیوں نہ ہوگی۔

صفات میں تغیر پیدا کیجئے

میرے دوستو اور بزرگو! اس بات کو اچھی طرح سمجھ لینا چاہئے کہ ہمارے اور آپ کے لئے دنیا میں نجات کا، عزت کا اور حفاظت کا راستہ اس کے سوا نہیں ہے کہ ہم خدا کے پیغمبروں کی تعلیمات پر چلیں اور اپنے اندر وہ صفات پیدا کریں جن کے متعلق خدا تعالیٰ فرماتا ہے:

"وانّ جندنا لهم الغالبون. وان جندنا لهم المنصورون."

"بے شک ہمارا ہی لشکر غالب آنے والا ہے بے شک ہمارے
ہی لشکر کی مدد کی جائے گی۔"

وہ اخلاق پیدا کریں جو دلوں کو کھینچتے ہیں، جو دشمنوں کو دوست بناتے ہیں، ہمارے اندر سچی ہمدردی پیدا ہو، بے لوث خدمت کا جذبہ پیدا ہو، ہمارے اندر درد پیدا ہو کہ یہ کیا ہو رہا ہے ہم اپنے اندر سے حسد نکال دیں، کینہ کو نکال دیں، خودغرضی کو نکال دیں، ہماری سطح بلند ہو جائے، ہم مال و دولت کے پرستار نہ ہوں، ہم نوکریوں اور آسامیوں کے عبادت گزار نہ ہوں، ہم عروف و اقبال، طاقت و دبدبہ اور اقتدار کے پجاری اور غلام نہ ہوں، ہم ابن الوقت اور موقع پرست نہ ہوں، ہم پیسہ پر جان دینے لینے والے نہ ہوں، یہ اخلاق اگر ہم اپنے اندر پیدا کرلیں گے تو سارے عالم کی کیفیت بدل جائے گی اور ہم خدا کے محبوب بن جائیں گے اور پھر آسمان سے صدا آئے گی کہ مجھے اپنے فلاں بندہ سے محبت ہے تم بھی اس سے محبت کرو، اس سے بڑھ کر کوئی شمشیر، اس سے بڑھ کر کوئی تدبیر پیغمبر سے لے کر اولیاء اللہ تک اور اولیاء اللہ سے لے کر عام مسلمانوں تک نہ کبھی تھی اور نہ کبھی ہوگی، کوئی سیاسی رہنما کوئی دنیا کا فلسفی و دانشور آپ کو اس سے بہتر مشورہ نہیں دے سکتا اور کسی کے مشورہ سے آپ کو فائدہ نہیں ہو سکتا جو آپ کو خدا کے پیغمبروں کے بتائے ہوئے راستہ پر چلنے سے ہے، یہ عالم بہت وسیع ہے اور اس کثرت میں اتنا انتشار ہے اور اس میں اتنی چیزیں اتنی اکائیاں پھیلی ہیں کہ آپ ان کو سمیٹ بھی نہیں سکتے، آپ ایک شہر کی ایک محلّہ کی بھی اکائیوں کو نہیں سمیٹ سکتے، اس کثرت میں اگر آپ وحدت پیدا کریں، اس کثرت میں اگر اس ذات واحد سے آپ کا تعلق پیدا ہو جائے اور اس کو آپ اپنا بنالیں تو پھر سارا عالم آپ کا بن جائے گا۔ صفات میں جب تک تغیر نہ ہوگا حالات میں تغیر نہ آئے

گا۔ آپ اپنی صفات میں تغیر پیدا کیجئے، اپنی افادیت ثابت کیجئے اور اس لئے ثابت نہ کیجئے کہ آپ کو فائدہ ہو بلکہ آپ مجسم افادیت بن جایئے، ثابت کرنے کی بھی ضرورت نہیں ہے، ثابت کرنا بھی ایک طرح کا تصنع ہے، نہیں آپ مفید بن جایئے یہ نہ دیکھئے کہ دوسروں نے آپ کو مفید مانا یا نہیں، پانی کب کہتا ہے کہ میں پیاس بجھاتا ہوں، کیا آپ نے کبھی سنا ہے پانی کے وکیل آئے ہوں، پانی کے مبلغ آئے ہوں، پانی کے سفیر آئے ہوں کہ پانی یہ کہتا ہے کہ میں بہت کام کی چیز ہوں مجھے پینا چاہئے، مجھ سے پیاس بجھتی ہے؟ آگ نے کبھی کہا تھا یا اپنا سفیر بھیجا تھا کہ میں کھانا پکاتی ہوں، میں بہت کام نکالتی ہوں، یہ سب بے زبان چیزیں ہیں یہ نہ کبھی بولی ہیں اور نہ بولیں گی مگر ان کی افادیت مسلم ہے، ساری دنیا ان کی پابند اور محتاج ہے، ایسے ہی مسلمان کسی ملک میں بھی محبوب بن کر رہنا چاہتے ہیں تو اپنی صفات میں تغیر پیدا کریں۔ تمام سیرت کی کتابیں اور تاریخ کی کتابیں اس کے دلائل سے بھری ہوئی ہیں، آپ نے بارہا یہ ایمان افروز واقعات سنے ہیں میں صرف دو واقعات سناتا ہوں۔

داعی کے سامنے کوئی رکاوٹ باقی نہیں رہتی

حضرات گرامی! ایک واقعہ تو وہی دجلہ والا ہے جب مسلمان مدائن فتح کرنے کے لئے دجلہ کے قریب پہنچے تو مدائن کا شہر سامنے تھا لیکن پل توڑ دیئے گئے تھے، کشتیاں وہاں سے ہٹا دی گئیں تھیں، مسلمانوں کے لئے اس کے پار کرنے کی کوئی صورت نہ تھی، آپ کو معلوم ہے کہ جزیرۃ العرب کے رہنے والے عرب دنیا میں گھوڑے کے سب سے بڑے شہہ سوار تھے لیکن پانی سے ان کا واسطہ کبھی نہیں پڑا تھا یہ پیرنا کیا جانیں، اور سمندر بھی ہر جگہ نہیں ہے، صرف ساحل عرب پر ہے، جو اس کے قریب رہتے ہیں اور وہ بھی اکثر کشتیوں پر بیٹھنے کے عادی ہوا کرتے ہیں، عام طور پر تو عرب کچھ بھی جانتے ہوں لیکن پیراکی سے ناواقف تھے، اب سوال یہ ہے کہ مدائن اپنی تمام دلفریبیوں کے ساتھ سامنے

ہے مگر اس میں جایا کیسے جائے، حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ نے وہاں لشکر چند منٹ کے لئے روکا اور سلمان فارسی رضی اللہ عنہ سے پوچھا، میں یہ واقعہ کئی بار ذکر کر چکا ہوں، لکھ چکا ہوں مگر اس سے بہتر واقعہ تاریخ عالم میں نہیں مل سکتا اور یہ ایسی بولتی ہوئی کہانی ہے، سچا واقعہ ہے کہ اس کے بعد کسی دلیل کی ضرورت نہیں رہتی تو انہوں نے حضرت سلمان کی طرف دیکھا کہ کیا کرنا چاہئے؟ انہوں نے کہا "ان ھذا الدین لجدید" اللہ کا یہ دین اس کو ابھی بہت کچھ کرنا ہے یہ ابھی ابھی آیا ہے دنیا کو نجات دینے کے لئے میری عقل یہ تسلیم نہیں کرتی کہ اس کا بیڑا یہیں غرق ہو جائے جس کام کے لئے بھیجا جائے وہ کام پورا نہ ہو بشرطیکہ بھیجنے والا قادر ہو، آپ نے اپنے نوکر کو بھیجا اور آپ کی حکمرانی ہے، آپ کا سکہ چل رہا ہے تو کیا مجال ہے کہ کوئی آپ کے نوکر کو روکے یا راستہ ہی میں اس کا کام تمام کر دے، تو انہوں نے کہا یہ دین ابھی تازہ ہے، اسے ابھی دنیا میں آئے کتنے دن ہوئے ہیں اور اس کے نمائندے ڈوب جائیں؟ مگر اتنی بات ضرور ہے کہ کہیں لشکر میں تو معصیتیں نہیں ہو گئی ہیں۔ لشکر میں گناہ کا رواج تو نہیں ہو گیا ہے؟ بس انہوں نے یہ کہا اور حضرت سعد بن ابی وقاص نے لشکر پر ایک نگاہ ڈالی، وہ نگاہ بھی کیا نگاہ تھی، اور وہ لشکر بھی کیا لشکر تھا کہ اس کی صورت سے معصومیت ٹپکتی تھی، اور وہ نگاہ بھی تیز نگاہ تھی جو ایک نظر میں سب کا جائزہ لے لے، آج جائزے کے لئے کیسے کیسے محکمے قائم ہیں پھر بھی اس کا پتہ نہیں چلتا ہے اور انہوں نے ایک مرتبہ دیکھا اور کہا بسم اللہ چلو، سب نے دریا میں گھوڑے ڈال دیئے اور نہایت اطمینان سے باتیں کرتے ہوئے چلنے لگے، کسی صحابی کا ایک برتن گر گیا تو لوگوں نے انہیں طعنے دیئے کہ آپ کا برتن گر گیا؟ انہوں نے جواب دیا کہ نہیں اس کو نکال دیا ہے، ایک لہر آئی اور برتن بہتا ہوا ان کے پاس آ گیا، انہوں نے اسے اٹھا لیا، ان کے اطمینان کی اس وقت پر یہ حالت تھی لکھا ہے کہ کہ اس طرح باتیں کر رہے تھے کانہم یمشون فی البر ایسا پتہ چل رہا تھا جیسے خشکی پر چل رہے

ہوں، جب ایرانیوں نے یہ منظر دیکھا تو کہا دیواں آمدند، دیواں آمدند یہ تو دیو آرہے ہیں دیو آرہے ہیں۔

دوسرا واقعہ حضرت عقبہ بن نافع کا ہے جب وہ قیروان گئے اور وہاں چھاؤنی ڈالنے کا ارادہ کیا کہ وہاں سے بیٹھ کر سارے شمالی و مغربی افریقہ کو فتح کریں اور جگہ ان کو پسند آئی تو لوگوں نے کہا یہ جگہ مناسب نہیں ہے، شیر چیتے، بھیڑیئے بہت ہیں جو بھی جانور رہے ہوں، شیر کا نام تو خاص طور پر لیا اور بھی جانور رہے ہوں گے، تو کہا آپ یہاں چھاؤنی نہ بنائیں آگے بنائیں۔ معقول بات تھی اور معمولی بات تھی، اللہ کی بڑی زمین پڑی ہوئی تھی لیکن صحابہ کرامؓ کا ذہن ہی اور تھا وہ حالات کے سامنے سپر انداز نہیں ہوتے تھے، حالات کو اپنے موافق بناتے تھے، انہوں نے کہا ہم تو جو اللہ کا پیغام لے کر آئے ہیں چلے جائیں اور یہ شیر اور چیتے رہیں؟ رہنا تو اسے چاہئے جس کی ضرورت ہو، اس لئے یہ تو الٹی بات ہوئی کہ ہم کہیں یہ جگہ مناسب نہیں ہے آگے چلو، اور شیر کون سا مفید کام کر رہے ہیں، یہ کون سا اللہ کا پیغام پہنچا رہے ہیں، یہ بھیڑیئے کون سے مفید ہیں اس لئے ہم نہیں جائیں گے، ان کو جانا چاہئے مگر یہ کہہ کر انہوں نے ایک آدمی کو بلایا، یہ ایک تاریخی واقعہ ہے، افسانہ نہیں ہے اور عرب ایرانیوں اور ہندوستانیوں کی طرح تاریخ میں افسانہ لکھنے کے بالکل عادی نہیں ہیں، تاریخ بالکل سچی لکھتے ہیں جبھی تو حدیث محفوظ رہی، تو انہوں نے ایک آدمی کو بلایا اور کہا دیکھو اعلان کردو کہ شیرو! اور چیتو! اے بھیڑیو! اے تیندووو! ہم رسول اللہ ﷺ کے صحابی ہیں، ہم یہاں چھاؤنی بنانا چاہتے ہیں، ہم یہاں بیٹھ کر اللہ کا پیغام پہنچانا چاہتے ہیں، اور اللہ کی حکومت قائم کرنا چاہتے ہیں جن کو اپنی جان پیاری ہے فلاں وقت تک مہلت ہے چلا جائے اور اگر وہ رہے گا تو ان کی جان کی خیر نہیں، لوگوں نے کہا واللہ العظیم ہم نے اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے کہ چیتا بھاگا چلا جارہا ہے، اور اس کی مادہ اپنے بچے کو گود میں لئے ہوئے ہے، بغل میں دبائے ہوئی ہے اور بھاگی چلی جارہی

سے تھوڑی دیر میں میدان صاف ہو گیا۔

یہ تھا ان کا طریقہ، انہوں نے ایک بار خدا کے حکم سے تغیر پیدا کیا اور اس کے بعد اس [illegible] تبدیلیاں [illegible] تقاضا یوں ہوتا ہے کہ یوں ہو جاؤ، فلاں پارٹی جوائن کر لو، وہ دل بدلی نہیں کرتے تھے اور دل بدلی بھی نہیں کرتے تھے، نہ وہ دل بدلتے تھے اور نہ دل بدلتے تھے، ایک دل اور ایک دل [illegible] صفات میں تغیر تھا۔

[illegible]

مجھے آپ سے یہ کہنا ہے کہ اگر ہندوستان میں رہنا ہے عزت کے ساتھ رہنا ہے، محبت کے ساتھ رہنا ہے تو [illegible] رہیں گے، یہ حالت جب [illegible] تک قائم [illegible] یہ شکایت کرتے نہیں تھکتے ہیں جیسے [illegible] بچے [illegible] سے چڑتے ہیں، یہ ایک [illegible] میں خبط سا ہو جاتا تھا [illegible] بچے چھیڑ رہے ہیں، کوئی [illegible] سے چڑتا [illegible] جلیبی سے چڑتا ہے، کوئی کسی نام سے چڑتا ہے اور بچے اسے چھیڑتے [illegible] تک ہندوستان میں نعرے لگاتے رہیں گے کہ بچے ہمیں پریشان کرتے ہیں [illegible]

صورت یہ ہے کہ ایک تو اپنے اندر صفات میں تغیر پیدا کریں آپ اپنے اندر [illegible] عمل صالح پیدا کریں، اخلاق حسنہ پیدا کریں [illegible] نے بڑی اچھی بات کہی کہ اگر آپ نے اخلاق درست [illegible] ہیں تو لوگ [illegible] کہ ان کا دین [illegible] اچھا ہے [illegible] خوب [illegible] زیادہ [illegible] جاتے ہو [illegible] دیکھتے ہیں [illegible] مسلمان ہو [illegible]

مسلمانوں کو دیکھ کر مسلمان ہوئے تھے، انہوں نے خواجہ معین الدین چشتی کو دیکھا تھا۔ خواجہ معین الدین چشتی قطعاً مصنف نہ تھے، چشتی حضرات یہ کہتے ہیں کہ خواجہ محبوب الٰہی حضرت نظام الدین اولیاء نے فرمایا [illegible] کتاب [illegible] کی نسبت خواجہ معین الدین [illegible] کتاب کی نسبت خواجہ قطب الدین کعکی کی طرف ہے وہ بھی [illegible] کی نسبت خواجہ فرید الدین گنج شکر کی طرف ہے وہ بھی، تو خواجہ نظام الدین اولیاء نے بھی کتاب نہیں لکھی [illegible] تصنیف وتالیف کے ذریعہ اور تقریر وخطابت کے ذریعہ دلوں کو نہیں جیتا، انہوں نے اپنے اخلاق سے [illegible] معاف کر دیا، غریب کو دیکھا اور رونے لگے، اس کو سینہ سے لگا لیا، دوسروں کو کھلا کر خود کھایا، یا [illegible] اخلاق تھے جنہوں نے دلوں کو کھینچا ہے اور انہیں اخلاق نے انہیں [illegible] سے اندر [illegible] صوفیہ [illegible] مسلمان ہوا [illegible] یا چین میں [illegible] اسلام [illegible] مقامات [illegible] ہندوستان [illegible] حکومت قائم [illegible] تک مسلمان اقلیت میں [illegible] اسلام [illegible] مسلمان [illegible] اقلیت [illegible] مسلمان [illegible] نیہ ان کے ہاتھوں مسلمان ہو گیا، اسی طرح بنگال ہے خاص طور پر شرقی بنگال سارا کا

تو اخلاق بدلنے کی ضرورت ہے یعنی یہ کہ آپ دعوت لے کر کھڑے ہوں اور اپنے درمیان بھی داعی بنیں، مسلمانوں کو آپ تبلیغ کریں تا کہ آپ کی بات کا مسلمانوں میں وزن ہو اور آپ مسلمانوں پر اثر انداز ہو سکیں اور مسلمانوں میں اصلاح کی رو چلے، تعلق باللہ کی رو چلے، ان کے اخلاق درست ہوں وہ نمونہ بنیں، تو پہلے تو مسلمانوں میں ضرورت ہے پھر مسلمانوں کو ضرورت ہے کہ بجائے علمی انداز میں تبلیغ کرنے اور اس طرح دعوت دینے کے کہ آؤ مسلمان ہو جاؤ، اپنے اخلاق سے ان کے قلب میں، ان کے دل میں جگہ پیدا کرنی چاہئے اور ہمدردی کا جذبہ کہ ہم جس ملک میں رہتے ہیں وہ ملک ڈوب نہ جائے۔

طفلانہ ذہنیت

اب مسلمانوں کی ذہنیت ایسی ہو گئی ہے کہ کوئی سیلاب بھی آ جاتا ہے تو خوش ہو جاتے ہیں چلو اچھا ہوا جتنی ہی پریشانی ہو ٹھیک ہے، کہیں آگ لگ جاتی ہے تو خوش ہو جاتے ہیں اور اب ایسی ذہنیت پست ہو گئی کہ اگر کرکٹ میں، ہاکی میں ملک کی ٹیم ہار جائے تو خوش ہوتے ہیں اور کسی اسلامی ملک کی ٹیم جیت جائے تو خوش ہوتے ہیں، یہ بالکل طفلانہ ذہنیت ہے، اس سے کام نہیں چلے گا، سچی ہمدردی آپ کے اندر پیدا ہونی چاہئے کہ ہم جس ملک میں رہتے ہیں اس سے ہمیں ہمدردی ہو، دیکھئے اگر آج ہمارے اسلاف کرام نے اس ملک کو نہ بنایا ہوتا، نہ سنوارا ہوتا تو آج ہم اس ملک کو دکھانے کے قابل نہ ہوتے اتنے آدمیوں کو ہم نے دکھایا آپ ہماری نمائش گاہ جائیے دار العلوم میں جہاں نمائش ہال ہے وہاں دیکھئے کہ اس ملک کو ہمارے بزرگوں نے کیا دیا ہے اور اس ملک کو کیسا مالا مال کر دیا، اگر ان کے اندر یہ جذبہ نہ ہوتا اور ہمیشہ ان کا ذہن مصائب سے خوش ہونے کا ہوتا، کہتے لعنت ہو اس سر زمین پر، ڈوب جائے یہ ملک، ہمارے ساتھ یہ ناانصافی ہوئی ہے، وہ ناانصافی ہوئی ہے، تو کچھ بھی نہ ہوتا، لیکن انہوں نے اس ملک کو اپنا

ملک سمجھا، اور اس ملک کی مخلوق کو اللہ کی مخلوق سمجھا **الخلق عیال اللہ**، مخلوق اللہ کا کنبہ ہے، اس کو ڈوبنے سے بچانے کی کوشش کی، اللہ کا پیغام پہنچایا اس کو انسان بنانے کی کوشش کی اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ وہ محبوب بن گئے، ہر دلعزیز بن گئے آنکھوں کا تارا بن گئے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں بھی اپنا محبوب بنائے۔ اسی پر اکتفا کرتا ہوں۔

و آخر دعوانا ان الحمدللہ رب العالمین.

دعوت کا کام ہی امت مسلمہ کی اصل قدر و قیمت ہے

۱۳،۱،۱۴۱۶ھ مطابق ۱۳ جون ۱۹۹۵ء معہد الدعوۃ کے طلبہ واساتذہ کے سامنے حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی رحمہ اللہ نے درج ذیل فکر انگیز تقریر فرمائی جو مدارس عربیہ کے منتہی درجات کے طلبہ اور اساتذہ کرام کے لئے اپنے اندر بڑے رہنما اصول کی حامل ہے۔ افادہ عام کی غرض سے یہ تقریر ہدیہ ناظرین ہے۔

الحمد لله رب العالمين والصلوٰة والسلام على سيد الانبياء والمرسلين، وعلى آله واصحابه اجمعين ومن تبعهم باحسان ودعىٰ بدعوتهم الى يوم الدين.

اما بعد اعوذ بالله من الشيطان الرجيم بسم الله الرحمٰن الرحيم. ولتكن منكم امة يدعون الى الخير ويامرون بالمعروف وينهون عن المنكر.

عزیز طلبہ! یہ بات معلوم کر کے بڑی مسرت ہوئی کہ اس سال خطبات، مطالعہ اور پڑھنے کے سلسلہ میں مشوروں کا سلسلہ شروع ہوگا۔ اللہ تعالیٰ اس میں برکت عطا فرمائے۔ یہ ایک بدیہی حقیقت اور ایک تاریخی واقعہ ہے کہ انبیاء علیہم السلام کی تمام مساعی اور ان کی برکات۔ ان کے فیوض واصلاحات اور ان کے ذریعہ سے عالم انسانیت کے اندر جو تعلق

تھے اور جس زمانہ میں پیدا ہوا اس وقت کی تعلیم [illegible] جس خلق کا امکان ہو [illegible] وہ اس زمانہ کے خلاف کوئی دعوت پیدا کرنے [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] اللہ تعالیٰ نے انبیاء علیہم السلام [illegible] کی حقیقت اور امتیاز [illegible] ہے اور جس نبی [illegible] معلوم ہوگا کہ ان [illegible] اور انتہا تک ان کی دعوت [illegible] انبیاء [illegible] [illegible] الی [illegible] [illegible] مثال مقتدر اور مقبول [illegible] انبیاء علیہم السلام [illegible] آپ ان کو دیکھیں [illegible] دعوت کا مزاج تھا، ایک ہوتا ہے کام، ایک ہوتی ہے صورت کی تشکیل اور ایک ہوتا ہے وقت کا تقاضا، اور ایک ہوتا ہے مزاج، تو انبیاء کرام کا مزاج بلکہ ادیان کا مزاج دعوت ہے۔

اللہ تعالیٰ نے جو جو آیتیں بیان کی ہیں، انبیاء کے مکالمات اور ان کی دعوت کے طریقے نقل کیے ہیں معلوم ہوتا ہے کہ اولاً واصلاً وہ داعی تھے۔ چنانچہ حضرت ابراہیم علیہ السلام اس میں خاص امتیاز رکھنے والے دنیا میں قیامت تک ان سے نسبی و اعتقادی، اور دعوتی انتساب رکھنے والے دنیا میں قیامت تک دعوت الی اللہ دعوت الی الآخرۃ، دعوت

الی الدین، دعوت الی الفضائل، دعوت الی الانسانیۃ! ان سب کے ذمہ دار وہ ہوں گے جو حقیقت میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پیرو ہیں۔ اس لئے فرمایا **ملۃ ابیکم ابراھیم ھو سماکم المسلمین۔**

مہر لگادی کہ مسلمان جو آخری امت ہیں اور جن کے متعلق کہا گیا ہے **کنتم خیر امۃ**، خیر امت کے اصل مورث اعلیٰ اور اس کے بانی اور مربی، سرپرست حضرت ابراہیم علیہ السلام ہیں، قرآن مجید میں جہاں بھی حضرت ابراہیم علیہ السلام کا تذکرہ آیا ہے اس میں صاف داعیانہ روح جھلکتی ہے اور ان کو سب سے زیادہ داعی کی حیثیت سے پیش کیا گیا ہے اور کسی داعی کو جو سب سے بڑا خطرہ پیش آسکتا ہے اور بڑی سے بڑی قربانی اس کو دینی پڑتی ہے اس کا نمونہ حضرت ابراہیم علیہ السلام ہیں۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام ہی کے تذکرہ میں دو عظیم الشان قربانیاں بیان کی گئی ہیں آپ نے جب عقیدہ توحید کا اعلان کیا اور بادشاہ وقت کی پرستش سے انکار کیا تو آگ جلائی گئی اور کہا گیا کہ اس کو اس آگ میں ڈال دو۔

دیگر انبیاء کرام کے تذکروں میں ایسی کھلی آزمائش کے واقعات تاریخ میں نظر نہیں آتے پھر دوسری آزمائش جس وقت انہوں نے کہا:

> **یا بنی انی اری فی المنام انی اذبحک فانظر ما ذاتریٰ؟**
>
> (سورۃ الصافات پ۲۳)
>
> ''ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا کہ برخوردار میں خواب میں دیکھتا ہوں کہ میں تم کو (بامر الٰہی) ذبح کرتا ہوں سو تم بھی سوچ لو کہ تمہاری کیا رائے ہے؟

یہ دونوں قربانیاں ایسی ہیں جن کی داعیوں کی زندگی اور تاریخ میں کیا؟ انبیاء کرام کی

تاریخوں میں اس کی مثال ملنی مشکل ہے اور ان دونوں کا تذکرہ کر کے گویا اللہ تعالیٰ نے اشارہ کر دیا ہے کہ داعی کو یہ مرحلے پیش آ سکتے ہیں تو اسلام کی تاریخ کا، اسلام کی کامیابیوں کا، اور جو انقلاب اسلام لایا ہے اور جو کردار اس کے سپرد کیا گیا ہے اور جو خلاء امت مسلمہ پر کرتی ہے ان سب کا انحصار دعوت پر ہے امت جب تک دعوت سے منسلک رہے گی دنیا میں خیر کی امید ہے اور دنیا میں خیر پھیلے گی، اور خدانخواستہ یہ امت اگر دعوت سے مستغنی اور کنارہ کش اور بے تعلق ہوگئی تو دنیا خطرہ میں پڑ جائے گی اس لئے ضرورت ہے کہ دعوت کے پیغام کو زندہ کیا جائے اور جیسا کہ ربیع بن عامرؓ نے رستم سے کہا تھا جب رستم نے پوچھا تھا ماالذی جاء بکم (تم کس غرض سے آئے ہو) رستم کے اس سوال کے دس جواب ہو سکتے تھے، اور رستم توقع کرتا تھا کہ اس کو یہ جواب دیا جائے کہ آپ لوگ سینکڑوں برس سے عیش کر رہے تھے اور ہم وہاں فاقے کر رہے تھے اور خیموں میں رہتے تھے اونٹ کا گوشت کھاتے تھے اور اس کا دودھ پیتے تھے اور کھجوروں پر ہماری گذر اوقات تھی ہم اپنا حق لینے کے لئے آئے ہیں کیا یہ سب آپ ہی کے لئے ہے؟ ہمیں بھی حصہ رسدی ملنا چاہئے بالکل رستم اس کے لئے تیار تھا کہ اگر وہ کہیں تو ان کا جو پیدائشی اور فطری حصہ اور حق ہے ان کو دے دیا جائے اور ان سے چھٹی ملے، جہاد کا بھی خطرہ نہیں رہے گا، سب لوگ واپس چلے جائیں گے، اچھا ہم تمہارا وظیفہ مقرر کرتے ہیں، ہر عرب کو اتنا ملے گا، اور تمہارے تمدن کو بھی داخل کرنے کی کوشش کی جائے گی۔ رستم نے سوال اسی بنا پر کیا تھا اور ہم سمجھتے ہیں وہ ۹۵/۹۰ فیصد اسی امید میں رہا ہوگا کہ جواب میں اس سے کہا جائے گا کہ ہم کو فقر و فاقے نے یہاں پہنچایا ہے۔ کیا ظلم ہے کہ آپ لوگ ایک ایک لاکھ کی ٹوپی پہنیں اور ہم بھوکے رہیں یہ تاریخی واقعہ ہے کہ جب رستم شکست کھا کر بھاگا ہے تو اپنے ساتھ ایک ہزار باورچی ایک ہزار گویئے، ایک ہزار باز کے پالنے والے لے کر بھاگا تھا اور اس پر کہا تھا کہ کیسے چلے گا؟ ساسانی حکومت پر بہت مستند اور پراز

معلومات کتاب جس کا پروفیسر اقبال نے ترجمہ کیا ہے اس کا مٹن نے اپنی کتاب میں والتی دیا ہے۔ ہم تاریخی چیزیں سرسری طور پر پڑھتے چلے جاتے ہیں۔ غور نہیں کرتے [illegible] ان ماہرین کا جواب بہترین نمائندہ [illegible] ہے۔ ایک واقعی کے جواب کی اور وہ ان کے مسلمہ تمدن [illegible] کا مقام بتلاتا ہے۔ انہوں نے کہا

ما الذی جاء بکم قالوا ما جاء بنا شیء الله بعثنا.

(ہم کسی لالچ میں نہیں آئے ہیں ہم کو تو اللہ تعالیٰ نے اس مقصد کے لئے اٹھایا ہے)۔

ایسا معلوم ہوتا ہے کہ وہ پہلے سے سوچ کر آئے تھے۔ "الله بعثنا" نہیں کہا تاریخ سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ ایک عسکری تھے۔ سعد بن ابی وقاص نے اس کے لئے وقت نہیں لیا تھا اور نہ ہی کسی سے پوچھا تھا۔

الله ابتعثنا لنخرج من شاء من عبادة العباد الى عبادة الله.

[illegible]

[illegible] بندوں کی عبادت سے نکال کر خدا تعالیٰ کی عبادت میں داخل [illegible]

[illegible]

فرمایا کہ [illegible] ہم کیا نکال سکتے ہم کب اپنے ارادہ سے نکلے تھے [illegible] جس [illegible] میں عبادة العباد یہاں عبادت اصنام (بت) نہ [illegible] تنخواہوں کی [illegible] بادشاہ معبود بنا بیٹھا تھا [illegible] اس طرح نہیں جا سکتے۔ تھوڑا [illegible] انہوں نے کہا نہیں، میں بلایا گیا ہوں خود نہیں آیا [illegible] اگر تمہیں منظور نہیں ہے تو میں واپس جاتا ہوں۔ رستم نے کہا کہ آپ نے وہ [illegible] الله

ابتعثنا لنخرج من شاء من عبادة العباد الى عبادة الله وحده، ومن ضيق الدنيا الى سعتها [illegible] ہم کو اللہ تعالیٰ نے نکالا اور اٹھایا ہے کہ جسے اللہ منظور ہو کہ ہم [illegible] عبادت سے نکال کر اللہ تعالیٰ کی عبادت میں داخل کریں اور دنیا کی تنگی سے اس کی وسعت کی طرف نکالیں۔

یہ [illegible] آپ [illegible] میں [illegible] [illegible] کی [illegible] ایک لفظ ایسا ہے جس کو کلام نبوت اور الہام خداوندی کہنا چاہیے۔

وہ اگر کہتے کہ "من ضيق الدنيا الى سعة الاخرة" تو ذرا بھی تعجب نہ ہوتا۔ یہ مسلمانوں کا [illegible] ہے کہ آخرت زیادہ وسیع ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ ہم تم پر رحم کھا کر آئے ہیں کہ تم [illegible] ایک پنجرے میں گرفتار ہو، تم ایک بلبل کی طرح ہو کہ جس کو پانی اور دانہ ڈال دیا جاتا ہے اور اس کو وہ کھا لیتا ہے، اس سے آگے وہ کچھ نہیں کر سکتا، ایسا ہی آپ کا حال ہے کہ اگر کھانا آپ کے سامنے نہ ہو تو آپ بھوکے رہ جاتے ہیں، وہی کھلاتے ہیں، وہی آپ کو پانی پلاتے ہیں۔ اور آپ جنبش نہیں کر سکتے۔ ہم آپ کو اس تنگنائے [illegible] اس پنجرے سے نکال کر دنیا کی ہوا کھلانا چاہتے ہیں اور آزاد بنانا چاہتے ہیں۔ [illegible] جیسے [illegible] کھا لیا، لیکن آپ اپنے غلاموں کے غلام ہیں۔ اپنے باورچیوں کے غلام ہیں، اپنے محافظوں اور دستے کے غلام ہیں اور ان برتنوں اور ظروف کے غلام ہیں۔ تاریخ کا یہ واقعہ ہے کہ جب کسریٰ نکلا، راستے میں اس کو پیاس لگی، [illegible] پانی [illegible] جب وہ وہاں گیا تو جس برتن میں پانی لایا گیا اس کو دیکھ کر اس نے کہا کہ میں مر جاؤں گا تب بھی اس برتن میں پانی نہیں پی سکتا۔

"من عبادة العباد الى عبادة الله وحده، ومن ضيق الدنيا الى سعتها، ومن جور الاديان الى عدل الاسلام."

ہم مذہب کے ظلم و جور سے آپ کو نکال کر اسلام کے عدل کے
سائے میں لانا چاہتے ہیں۔"

بہر حال یہ دعوت ہی اس امت کی قدر و قیمت ہے اس کے وجود کی اصل علت ہے۔ اللہ پاک نے اس کو باقی رکھا ہے اور اس کے سرچشمے قرآن کو بھی باقی رکھا ہے۔ سیرت نبوی اور داعی، عربوں اور داعیان اولین کی تاریخ، بلکہ پوری تاریخ داعیوں سے بھری ہوئی ہے، تاریخ دعوت وعزیمت میں کہا گیا ہے کہ کوئی دور خالی نہیں رہا کہ وقت اور تقاضے کے مطابق داعی نہ پیدا ہوا ہو، اس کی مثال کسی غیر مذہب میں نہیں ملتی ہے۔ ہم نے دعوت وعزیمت میں غیروں کے بعض اعتراضات کو نقل کیا ہے۔ شنکر آچاریہ سے پہلے صدیاں گذر گئیں۔ شنکر آچاریہ نے کیا اصلاح کا کام کیا۔ انہوں نے تو بت پرستی کی حمایت کی، اور عیسائیت کا حال تو یہ ہے کہ سینٹ پال جو ستر برس کے بعد پیدا ہوا۔ اس نے تو عیسائیت کو دوسری پٹری پر ڈال دیا۔ بالکل ضلال پر، جس کے معنی ہم اردو میں سمجھ نہیں پاتے ہیں۔ گمراہی یہ ہے کہ مثلاً مشرق کی طرف جاتا ہو اور مغرب کی طرف پلٹ جائے۔ یہ معنی ولا الضآلین میں بھی سمجھنا چاہئے۔ اصل ضلال یہ ہے کہ راستہ اور رخ بدل جائے۔ مشرق کے بجائے مغرب کی طرف چلے۔ اس کے لئے اس سنت کو باقی رکھا گیا ہے، اور قرآن مجید اس کے ہاتھ میں دیا گیا ہے سیرت نبوی موجود ہے داعیوں کے واقعات و حالات موجود ہیں کوئی بھی دور وقت کے مخلص داعی سے خالی نہیں رہا۔ اگر کوئی دعوی کے ساتھ کہے کہ اس امت میں دس سال تک کوئی داعی نہیں پیدا ہوا تو سراسر غلط ہے۔

اللہ تعالیٰ ہر زمانہ اور ہر دور میں داعی پیدا کرتا رہا ہے ہم بہت خوش ہیں اور اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرتے ہیں اور در حقیقت ندوۃ العلماء کی بنیاد دعوت ہی پر پڑی ہے۔ مدارس بہت تھے لیکن اس عہد کے تعلیم یافتہ لوگوں کو اس دین کی اہمیت اور ضرورت سمجھانے اور وقت

کے فتنوں کے مقابلہ کی صلاحیت پیدا کرنے والی چیز تقریباً مفقود اور ثانوی درجہ میں تھی، ندوۃ العلماء کی تحریک کی بنیاد ہی اس پر ہے کہ عہد کے مطابق اور چیلنجوں کے مطابق لوگ تیار کئے جائیں اللہ تعالیٰ قبول فرمائے اور یہاں ایسے داعی پیدا ہوں، ہم علامہ شبلیؒ اور مولانا سید سلیمان ندویؒ کی سیرت النبی ﷺ کو اور سید صاحب کے ''خطبات مدراس'' کو، مولانا شبلی کی کتاب ''الفاروق'' کو اور دار المصنفین کے کام کو یہاں تک کہ ندوۃ العلماء کے نصاب کو بھی دعوت کا جزو سمجھتے ہیں جب ان کتابوں کا ذکر آ گیا تو ہم عرض کرتے ہیں کہ جب ہم نے یہ سوال اعلیٰ تعلیم یافتہ لوگوں کے پاس بھیجا کہ آپ کی محسن کتابیں کیا ہیں؟ ان کو لکھیئے تو میاں بشیر احمد نے لکھا کہ جب میں آکسفورڈ میں پڑھتا تھا تو کئی بار مجھ پر الحاد کے حملے ہوئے۔ جب کبھی حملہ ہوتا تو ''الفاروق'' میرے سامنے آ کر کھڑی ہو جاتی تھی کہ جس کی یہ سیرت ہے وہ گمراہی پر نہیں ہو سکتا یہ سارا علمی کام جو کچھ ہوا ہے دار المصنفین، ندوۃ العلماء یا اس سے استفادہ کرنے والوں کے ذریعہ یا شعبہ کے ذریعہ ہوا، اور ان سب کی قدر مشترک دعوت ہے۔

وآخر دعوانا ان الحمد لله رب العالمين.

[illegible]

یہ فکر انگیز تقریر حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی رحمۃ اللہ علیہ نے مدرسہ [illegible] پھلت ضلع "مظفر نگر" کے ایک افتتاحی جلسے کے موقع پر فرمائی۔

پھلت حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کی جائے پیدائش ہے اس علاقے کی ایک بڑی تعداد حضرت سید احمد شہید رحمۃ اللہ علیہ کے جہاد میں شریک رہی اور [illegible] شہادت [illegible]

[illegible] رب العالمین [illegible] الصلوۃ [illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible] تاریخ کا طالب علم رہا ہوں خصوصاً ہندوستان کی تاریخ کا طالب علم ہوں اس کے لئے یہ اللہ کی قدرت [illegible] نام آتے ہی پھلت کے وہ نامور (افراد) یاد آجاتے ہیں جو صرف پھلت ہی کے لئے [illegible] فخر نہیں بلکہ تمام عالم اسلام کے لئے باعث فخر [illegible]

[illegible]

شریعت سے ... پہنچ ... [illegible] حضرت شاہ ولی اللہ ... [illegible] میں خصوصی ... [illegible] شخصیتوں ... [illegible] علامہ اقبال نے ... [illegible]

وہ ہند میں سرمایۂ ملت کا نگہبان
اللہ نے بروقت کیا جس کو خبردار

میں اسی مطالعہ اور فکر کی بنا پر کہہ سکتا ہوں کہ اس پورے برصغیر میں اب تک حضرت شاہ ولی اللہؒ کا شروع کیا ہوا دور چل رہا ہے، عربی مدارس، دارالعلوم دیوبند، مظاہر العلوم سہارنپور، ندوۃ العلماء لکھنؤ اور جتنے بھی مدارس اسلامیہ ہیں، یہ سب امتداد اور تسلسل ہے حضرت شاہ ولی اللہ کے مسلک و مزاج کا، ان کا مزاج ولی اللہی ہے اور اس وقت تک ان میں خیر و برکت اور افادیت ہے جب تک ان میں ولی اللہی مزاج قائم ہے، اس لحاظ [illegible]

حضرت شاہ ولی اللہ کی خصوصیت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو اخلاف اور خلفاء دونوں عطا کئے ہیں۔ اخلاف میں امام الہند شاہ عبدالعزیز علوم عقلیہ کے امام، شاہ رفیع [illegible]

[illegible]

الذکیاء [illegible]

شہیدؒ، خلیفہ شاہ عبدالعزیز، مولانا عبدالحئی، شاہ محمد اسحاق جو درس و تدریس کے بھی امام ہیں اور سلسلۂ تصوف و شریعت کے بھی ہیں، [illegible]

[illegible]

ہونے لگے، رگوں میں خون منجمد ہونے لگا، تو قصبات نے نیا خون عطا کیا۔ آپ نے نہ صرف سلطنت مغلیہ کے دار الخلافہ بلکہ مرکز علم وسلوک وجذبۂ جہاد دہلی کو پھلت نے اتنا بڑا تحفہ عطا کیا، خانوادۂ ولی اللہی، اس سے بڑھ کر تحفہ اور کیا ہوسکتا ہے۔ جس طرح لکھنؤ کو سہالی کے ایک قصبہ نے خانوادۂ علماء فرنگی محل عطا کیا ایسے ہی جب بغداد میں اضمحلال پیدا ہوا، حکومت کے نشہ نے قویٰ کو مضمحل کر دیا، اور سوائے حصول منصب کے کوئی مقصد لوگوں کے سامنے نہیں رہا، تو ایران کے ایک قصبہ جیلان نے سیدنا عبد القادر جیلانی کا تحفہ دیا جس نے پورے عالم اسلام کو عشق الٰہی کے سوز سے بھر دیا، جس کی لہریں افریقہ تک پہنچیں، ایسے ہی ایران کے ایک معمولی قصبہ نے امام غزالی جیسا مفکر عطا کیا، الغرض قصبات نے ہر دور میں دار الحکومت کو ایسا چمکتا ہوا دھکتا ہوا، نیا خون عطا کیا جس نے پورے پورے ملکوں کو گرما دیا، بہت سے لوگ اس کو بھول جاتے ہیں کہ یہ نیا خون کس نے عطا کیا، بڑے بڑے شہروں کی تاریخ سامنے آ جاتی ہے اور وہ آڑ بن جاتی ہے، جہاں ایسے مردم خیز قصبوں میں جا کر یہ احساس ہوتا ہے کہ یہاں کیسے کیسے باکمال پیدا ہوئے، خدا کی دین (عطاء) کی بھی کوئی حد نہیں اس کی قدرت کی وسعت معلوم ہوتی ہے وہاں یہ ذہن بھی جاتا ہے جو نفسیاتی ردعمل بھی ہے کہ اب ایسے لوگ پیدا نہیں ہو سکتے اور خدا مردے سے زندہ کو پیدا کرنے کی جو خدا کی قوت ہے (**یخرج الحی من المیت**) اس کو بھول کر ذہن کے کسی گوشہ میں یہ بات ضرور آتی ہے کہ اب تو بس تاریخ اور ان کے کارناموں کو پڑھنا چاہئے، اور اپنے معاش میں لگنا چاہئے تو آپ کے سامنے پھلت کا جو تاریخی تعارف کرایا گیا ہے اس نے مجھے آمادہ کیا کہ میں یہ آیت پڑھ کر سناؤں۔ **كُلًّا نُمِدُّ هٰؤُلَاۤءِ وَهٰؤُلَاۤءِ مِنْ عَطَاۤءِ رَبِّكَ وَمَا كَانَ عَطَاۤءُ رَبِّكَ مَحْظُوْرًا.** ہم ان کو بھی بھر بھر کر دیتے ہیں، اور ان کو بھی ھـؤلاء وھـؤلاء اور دیتے رہیں گے۔ آپ جانتے ہیں کہ مضارع کا صیغہ حال اور مستقبل دونوں کے معنی دیتا ہے یعنی یوں کہنا کہ ''ہم

دیتے ہیں" صحیح نہیں۔ اور "دیں گے" یہ بھی صحیح نہیں، صحیح ترجمہ یہ ہے کہ "دیتے رہیں گے" تمہارے رب کی دین میں کوئی راشنگ ہی نہیں ہے کہ اب اگر دے دیا تو انتظار کروائے گا برس کا ہمارے رب کی عطاء میں کوئی راشن نہیں ہے، کیونکہ اس کی بخشش لامحدود ہے

وما كان عطاء ربك محظورا.

اکبرالہٰ آبادی مرحوم نے کہا تھا

اللہ کی راہ اب تک ہے کھلی، آثار ونشان بھی قائم ہیں
اللہ کے بندوں نے لیکن اس راہ پر چلنا چھوڑ دیا

لیکن اس کی کچھ شرائط ہیں، ہمت بلند ہو، اخلاص وسعی ہو، اللہ تعالیٰ نے کوشش کی بھی جا بجا تاکید کی ہے، اللہ تعالیٰ کسی کوشش کرنے والے کی کوشش کو بھی ضائع نہیں کرتا، تو یہ ملت تو محبوب ہے،

رحمت للعالمین ﷺ کی ملت ہے، کیونکہ یہ تو اشرف الامم ہے لیکن اس کے ساتھ ساتھ اس کو انسانیت بھی عزیز ہے۔ اپنی پیدا کی ہوئی دنیا بھی عزیز ہے، جس ماحول کا ہمارے لئے انتخاب کیا گیا ہے یا ہمارا جس ماحول کے لئے انتخاب کیا گیا ہے اس کے ساتھ ہمارا جوڑ ہو، اور ہم اس فضا میں اپنی افادیت ثابت کریں۔ ہمارے اکابر مجدد الف ثانی ہوں یا شاہ ولی اللہ ہوں، یا شاہ عبدالقادر ہوں، انہوں نے زمانے کی نبض پہچانی، انہوں نے دیکھا کہ زمانے کو روحانیت کی ضرورت ہے۔ علمِ صحیح کی ضرورت ہے، توحید خالص کی، عہدوں اور انانیت سے بلند ہو کر اعمال میں روح پیدا کرنے کی ضرورت ہے طلبِ رضاءِ الٰہی کی ضرورت ہے ایسے ہی انہوں نے دیکھا کہ اس وقت انسانیت کس چیز کی پیاسی ہے؟ وہ زندہ رہنے کا استحقاق کھوئی چلی جا رہی ہے۔ اس سے جو مظالم سرزد ہو رہے ہیں، اس سے جو حق تلفیاں ہو رہی ہیں، اس سے جو خونِ انساں ارزاں سستا اور ضائع ہو رہا ہے اور پانی کی طرح بہہ رہا ہے، کہیں اللہ تعالیٰ نسل انسانی

کے خاتمہ کا فیصلہ نہ کرنے ہوتا۔ وامّا الزَّبدُ فیذهبُ جُفاءً و امّا ما ینفعُ النّاس فیَمکُثُ فِی الْاَرْضِ.

جو جھاگ ہے وہ چلا جاتا ہے، اور جو چیز نافع ہے وہ زمین میں باقی رہتی ہے، معلوم ہوا کہ بقا مربوط ہے نافعیت کے ساتھ جو چیز اپنی افادیت کھو بیٹھتی ہے جو گروہ، کوئی مرکز، دعوت، یا تحریک اپنی نافعیت کھو بیٹھتی ہے وہ اس کی مستحق نہیں رہتی کہ قائم رہے، یہی سنت اللہ ہے۔

ان بزرگان دین نے ملت کو کیا دیا

ان بزرگانِ دین نے دونوں کام کیے ہماری نظر اس پر تو جاتی ہے کہ انہوں نے ملت کو کیا دیا۔ حدیث وتفسیر میں کیا نئی راہیں نکالیں علومِ اسلامیہ میں کتنا عمق پیدا کیا ماحول میں کیا روحانیت پیدا کی لیکن ہماری نظر اس پر نہیں جاتی کہ انہوں نے غیر مسلموں کی نظر میں اسلام کا کس درجہ احترام پیدا کیا، سیرت نبوی ﷺ کو غور سے دیکھنے، پڑھنے، مطالعہ کرنے پر کس طرح آمادہ کیا؟ مؤرخین نے بھی اس پر پردہ ڈالا جہاں انہوں نے علم کے دریا بہائے، سندِ درس بچھائی، وہیں اپنے غیر مسلم پڑوسیوں کے دل میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے رحمۃ للعالمین ہونے کا، اسلام کے حقانی ومطابقِ عقل ہونے کا اور اسلام کے اس دنیا کی پیاس بجھانے کا ثبوت دیا، یقین دلایا، ہمارے سوانحی لٹریچر میں یہ پہلو بہت مغلوب رہ گیا ہے، آج میں کہتا ہوں کہ ملت اسلامیہ کو یہ دونوں کام کرنے ہیں، عقائد صحیحہ، عباداتِ مقبولہ، طلب خداوندی کے ذریعے ملت کا رشتہ اللہ تعالیٰ سے صحیح بھی ہو، قوی بھی ہو، دونوں چیزیں ضروری ہیں، صرف صحیح ہونا کافی نہیں، قوی بھی ہو اور صرف قوی ہونا کافی نہیں، صحیح بھی ہو، عبادت تو مشرکین بھی کرتے تھے، مگر اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ وَمَا کَانَ صَلَاتُھُمْ عِنْدَ الْبَیْتِ اِلَّا مُکَآءً وَّ تَصْدِیَۃً لیکن اس کے ساتھ ساتھ خصوصاً اس زمانے میں ملت کا یہ فریضہ بھی ہو گیا ہے کہ اپنی نافعیت ثابت کرے، ہماری وجہ سے کتنی بلائیں ہیں جو ٹل رہی ہیں، ہم اس ملک کے لئے باعثِ رحمت و برکت ہیں، یہ جب ہی

ہوگا، جب آپ صحیح انسان بن کر بازاروں اور دفتروں میں جائیں، جو انہیں سوچنے پر مجبور کرے کہ وہ کون سا مذہب ہے جس نے ہمیں ایسا انسان بنا دیا، ہم بتائیں کہ اس ملک کے لئے پہاڑ، دریا، سمندر اتنے ضروری نہیں جتنے کہ ہم، ہمارا پیام انسانیت، ہماری خدا ترسی ضروری ہے، ہم ایسے دوراہے پہ آگئے ہیں کہ ایک راستہ ارتداد کی طرف جا رہا ہے، میں اس سے کم درجہ کا لفظ استعمال کرنے پر تیار نہیں اگر کوئی آسمان سے ویسا اشارہ نہ ہوا، قدرتِ خداوندی کی کوئی مداخلت نہ ہوئی تو اس کے صاف آثار ہیں، آثار ہی نہیں بلکہ آنکھ سے دیکھا جا سکتا ہے تصور کی آنکھ سے جس میں صرف تصور نہیں، بلکہ تصویر بھی شامل ہے کہ آئندہ نسل شاید اسلام کے بنیادی عقائد سے بالکل نا آشنا ہو صرف آشنا منفی طور پر ہی نہیں بلکہ اس کے بالمقابل اسلام کے برخلاف عقائد وتصورات کی حامل ہو، مشرکانہ عقائد کی قائل ہو، ایسے خطرناک دوراہے پر آگئے ہیں کہ اگر مسلمانوں کو اس کی توفیق نہ ہوئی کہ اس کے لئے اپنی ساری توانائی صرف کر ڈالیں تو شاید آنے والی نسل ۲۵ برس بعد یہ تو زیادہ کہہ دیا بلکہ ۱۵ برس کے بعد خطرہ ہے کہ وہ اللہ اور رسولؐ کے نام سے بالکل نا آشنا ہو، اس کی مثالیں سامنے آنے لگی ہیں کہ اسکولوں کے بچے بہت سے اللہ کا لفظ صحیح نہیں لکھ سکتے پوچھتے ہیں کہ ہم ’’اللہ‘‘ کس طرح لکھیں اور آج نوجوانوں کی ایک تعداد یہ سمجھتی ہے کہ اس دھرتی کو کرشن یا رام چلاتے ہیں۔ ہندو علم الاصنام، ہندو دیو مالا، بچوں کے ذہنوں پر اثر کر رہی ہے، ابھی ٹی وی پر ’’رامائن‘‘ جو سیریل چل رہی ہے۔ کالج کی جو کتابیں پڑھائی جا رہی ہیں اس سے جوانوں کے ذہن ودماغ متاثر ہو رہے ہیں۔

یَآ اَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا قُوْآ اَنْفُسَكُمْ وَاَهْلِیْكُمْ نَارًا.

معاملہ جہنم سے بچانے کا ہے

معاملہ عالم وفاضل، یا مفسر ومحدث بنانے کا نہیں، بلکہ معاملہ ہے جہنم سے بچانے کا. دوزخ کی آگ سے بچانے کا، ایک جلسہ میں ایک بہن ایسی تھیں کہ جن کے چہرے پر

ہوائیاں اڑ رہی تھیں۔ عورتوں نے پوچھا کہ بہن! سر میں درد ہے؟ کچھ پیٹ میں تکلیف ہے؟ بولیں کہ کچھ نہیں پھر مزید اصرار پر بتایا کہ میں بچہ سوتا ہوا چھوڑ آئی تھی اس سے کچھ فاصلہ پر دیا سلائی رکھی ہوئی ہے، اگر وہ بچہ جاگ گیا اور چل کر وہاں تک گیا اور دیا سلائی سے تیل نکال لی، پھر اپنے کپڑوں میں آگ لگالی تو کیا ہوگا؟ عورتوں نے پوچھا کہ بچے کی عمر کیا ہے؟ بولی ''ڈھائی سال کا ہے'' سب نے کہا کہ ہوش کی باتیں کرو، وہ اتنا چھوٹا بچہ چارپائی سے کیسے اترے گا؟ اور پھر چل کر وہاں تک جائے گا؟ اور جا کر وہ یہی ایک کام کرے گا؟ جواب دیا کہ تمہارا بچہ ہوتا تو جانتیں؟ میرا بچہ ہے اس لئے مجھے ڈر ہے۔

حضرات میں آپ سے پوچھتا ہوں کہ آج ہمارے ماں باپ کے دل میں یہ خیال پیدا کیوں نہیں ہوتا کہ اگر ہم نے بچہ کو کلمہ، نماز نہ سکھائی، توحید کا سبق یاد نہ کرایا، ابراہیم علیہ السلام کی بت شکنی نہ سمجھائی تو کل وہ مشرک اٹھے گا یہاں تو بالکل خطرات نہیں، بلکہ مشاہدات ہیں وہاں تو ایسا دور دراز کا اندیشہ تھا، میں ایک مثال دیا کرتا ہوں کہ ایک لڑکا ڈھال کی سڑک پر سائیکل پر جا رہا ہے اور آگے گہری کھائی ہے۔ وہ کھائی ہندو دیومالا کی ہے، بت پرستی ہے، مسلمانوں کے دلوں سے شرک و بت پرستی کی طرف سے ایسے گھن آنا ضروری ہے جیسے پاخانہ پیشاب سے بلکہ اس سے زیادہ گھن آنا ضروری ہے۔ یہ تکدر، یہ تنفر، یہ وحشت دور ہوتی جا رہی ہے، حالانکہ ایک مسلمان کو سب سے زیادہ خطرہ اس بات کا ہونا تھا کہ کل وہ مشرکانہ عقائد لے کر نہ اٹھے۔ حضرت خضر علیہ السلام کا ایک بچہ کو قتل کر دینے کا واقعہ تشریعی نہیں ہے اس پر عمل آج نہیں ہو سکتا، مگر یہ قصہ قرآن میں قیامت تک پڑھا جانے کا۔ اس کا مقصد و افادیت یہ ہے کہ مسلمان سمجھے کہ خاندان کے لئے فتنہ بننے والا بچہ کتنا منحوس ہوتا ہے، اس قصہ کو قرآن نے جگہ دی تاکہ معلوم ہو کہ یہ خطرہ کتنا بڑا تھا؟ پہلی بات تو یہ ہے کہ آئندہ نسلوں کو کھلی ہوئی بت پرستی سے، مشرکانہ عقائد سے بچانے کے لئے اپنے گھٹنے ٹیک دیجئے، ہر ممکن کوشش کر ڈالیے، اسکولوں میں پڑھنے والے بچوں کے لئے خالی وقتوں میں پرائیوٹ کلاسز کا انتظام کرائیے، یا ان کو

مدارس و مکاتب میں داخل کرائیے، یہ مدارس و مکاتب آج ہماری ریڑھ کی ہڈی ہیں، سانس کا حکم رکھتے ہیں۔ اگر سانس چل رہی ہے تو ہم زندہ ہیں ورنہ ختم اور اپنے ماحول کو مانوس کریں فضا اگر یونہی اشتعال انگیز رہی تو کسی وقت چنگاری سے آگ لگ سکتی ہے۔ اگر ہمیں دیکھ کر ان کے چہروں پر ناگواری کے آثار نمودار ہوتے رہے، وہ دیکھتے رہے کہ نہ ہم میں اخلاق کردار، نہ افادیت ہم بھی وعدہ خلاف اسی طرح یہ بھی جس طرح ہم جھوٹ بولتے ہیں اسی طرح یہ بھی، تو ہم صرف اپنے لئے ہی نہیں، بلکہ اسلام کے باقی رکھنے کے لئے بھی اس ملک میں خطرہ پیدا کر رہے ہیں۔ ہمارے اکابر جو افریقہ، مراکش، اسپین تک اسلام کو پھیلاتے چلے گئے، یہ صرف زبانی کام نہیں، بلکہ اس میں کردار بھی شامل تھا، جنہیں دیکھ کر خود بخود غیر مسلموں میں جذبہ پیدا ہوتا تھا کہ اسلام کو قبول کریں، مسلم پرسنل لاء کی لڑائی اسی لئے لڑی گئی تھی کہ عائلی تعلقات میراث، طلاق، نکاح، سب اسلامی طریقہ پر ہوں جس کے لئے سب مطالعہ کرنے والے علماء اپنے کمروں سے نکل کر میدان میں آئیں اپنے عائلی قانون کی بھی حفاظت کرنی ہے، اپنے ملی تشخص کی بھی حفاظت کرنی ہے۔ اس کا قریب ترین ذریعہ یہ دینی مدارس ومکاتب ہیں، دوسرا کام یہ کرنا ہے کہ یہ تلخی جو پانی، ہوا، سانسوں اور ماحول اور فضا میں آگئی ہے اسے دور کریں، اسلام کا تعارف کرائیں، ورنہ کسی چیز کا موقع باقی نہ رہے گا۔

حضرات ''پیام انسانیت کی تحریک'' یہ ایک چہار دیواری ہے، یہ ایک حصار ہے اس میں بیٹھ کر آپ قرآن شریف پڑھیئے، مسجد بنائیے، نماز پڑھیئے۔ خدانخواستہ یہ ٹوٹ گئی تو؟ خدا ہمیں اس دن کے لئے زندہ نہ رکھے۔ جب یہ مسئلہ چہار دیواری کے اندر آجائے اور مدارس ومساجد سب خطرے میں پڑ جائیں۔

میں جسمانی طور سے اس حالت میں نہیں تھا کہ اتنا بھی کہہ سکوں آپ حضرات کے خلوص اور تعاون اور سکون نے اتنا کہلوا دیا۔ اللہ عمل کی توفیق بخشے!

وَآخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ.

مدارس دینیہ کی ضرورت اور علومِ دینیہ میں اخلاص واختصاص کی اہمیت!

۳؍ ذیقعدہ ۱۴۱۲ھ مطابق ۵؍ مئی ۱۹۹۲ء کو مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی نور اللہ مرقدہ نے ملک نیپال (جو دنیا کا واحد ہندو اسٹیٹ ہے) کا پہلا اور آخری دورہ کیا اس موقع پر مولانا موصوف دارالعلوم نورالاسلام جھاپا [illegible] کے ناظم حضرت مولانا محمد ایوب ندوی صاحب دامت برکاتہم العالیہ کی دعوت پر دارالعلوم تشریف لائے اور دارالعلوم کے پروگرام ہال میں طلبۂ دارالعلوم نورالاسلام میں اخلاص وعلمی اختصاص پیدا کرنے والا بصیرت افروز بیان فرمایا، اس جلسہ میں چونکہ عوام الناس کی کثیر تعداد بھی موجود تھی ان کو اور خصوصاً مسلمانانِ نیپال کو باوجود غیر مسلم ملک میں رہنے کے اسلامی زندگی کا صحیح نمونہ پیش کرنے، اسلامی طرز اختیار کرنے اور نئی نسل کی دینی تعلیم کا انتظام واہتمام کرنے کی دعوت دی۔ اس موقع پر دارالعلوم کے اساتذہ کے علاوہ ملک بھر کے اکثر علماء کرام کی بڑی تعداد جلسہ گاہ میں موجود تھی۔ اسی موقع پر جامع الاعظم (دارالعلوم کی جامع مسجد) کا سنگ بنیاد بھی حضرت مولانا قدس سرہ کے بدست مبارک رکھا گیا جامع الاعظم کا شمار نیپال کی بڑی مساجد میں ہوتا ہے۔ اس بابرکت جلسہ میں پاکستان سے گئے ہوئے جامع مسجد علامہ بنوری ٹاؤن کراچی کے امام وخطیب حضرت مولانا قاری رشید الحسن ندوی مہمان خصوصی تھے۔

الحمد للہ رب العالمین والصلاۃ والسلام علی سید المرسلین وخاتم النبیین محمد وآلہ وصحبہ اجمعین ومن تبعھم باحسانٍ ودعا بدعوتھم الیٰ یوم الدین، اما بعد!

میرے عزیزو! ایک ہی علمی ودینی وفکری خاندان کے فرزندو اور ذمہ دارو! اس

موقع پر مجھے بے اختیار عربی کا ایک شعر یاد آرہا ہے جو حسب حال ہے، شاعر کہتا ہے.....

قالوا اخر اسان اقصیٰ ما یرادبنا
ثم القفول فقد جئنا خراسانا

شاعر کہتا ہے کہ ہمیں جن سے تعلق تھا انہوں نے کہا تم ہمارے یہاں کہاں اور کب آسکو گے؟ ہم خراسان میں رہتے ہیں تم کہاں رہتے ہو..... خراسان بہت دور ہے، دنیا کے آخری سرے پر واقع ہے، پھر واپس جانے کا بھی مسئلہ ہے تو میں نے کہا لیجئے ہم خراسان آگئے.....

نیپال کی سرزمین یوں تو اپنی جغرافیائی حیثیت سے اور وسائل کے لحاظ سے کوئی ایسے کوہ قاف پر نہیں واقع ہے لیکن اپنی کمزوری اور بیماری کی وجہ سے میرے لئے اس وقت یہاں کا سفر کرنا بہت مشکل تھا، لیکن اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ بات مقدر تھی اور اس کا وقت مقرر تھا کہ میں آؤں۔

حضرات گرامی! مجھے بہت خوشی ہے، میں آپ سے بلا تکلف کہتا ہوں کہ مجھے محسوس ہوتا ہے کہ میں دارالعلوم ندوۃ العلماء کے طلبہ واساتذہ سے خطاب کر رہا ہوں۔ ایک ہی خاندان ہے اور جہاں تک آپ کا اور ہمارے یہاں کے رہنے والے مسلمان بھائیوں کا تعلق ہے۔ مجھے محسوس ہو رہا ہے کہ میں لکھنؤ میں کھڑا ہوں، یا رائے بریلی اپنے وطن میں ہوں اور ان سے خطاب کر رہا ہوں، مجھے کوئی اجنبیت محسوس نہیں ہوتی ہے۔

تفصیل کے ساتھ سپاسنامہ میں یہاں کے حالات پیش کئے گئے ہیں، وہ تفصیل بہت دل کشا ہے اس کا تقاضا تھا اور ہے کہ میں بھی تفصیل کے ساتھ جواب دوں، لیکن میں اس وقت اس حال میں نہیں ہوں۔ میں آپ کے سامنے چند ضروری باتیں رکھتا ہوں۔

پہلی بات تو مجھے اپنے طلبہ سے کہنی ہے، دیکھئے دنیا میں ہمیشہ سے، جب سے کہ دنیا

قائم ہے اور دنیا کی جتنی تاریخ ہمارے سامنے محفوظ ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ہر زمانہ میں آدمی کی محنت اپنا رنگ دکھاتی ہے اور کمال نے اپنی قیمت وصول کر لی ہے اس میں نہ کسی زمانہ کی خصوصیت ہے نہ کسی ملک کی خصوصیت ہے نہ کسی نسل ونسب کی خصوصیت ہے نہ خاندان و برادری کی، نہ کسی جغرافیائی اختلاف کی...... جس طریقہ سے خوشبو پھیلتی ہے تو وہ اپنا وجود منوا لیتی ہے، پھولوں کا حسن ہے، باغ کی رعنائی اور اس کی دلکشی ہے، ستاروں کی چمک ہے، سورج کی روشنی ہے چاند کا حسن و جمال ہے، یہ سب چیزیں خود اپنی قیمت وصول کر لیتی ہیں اور اپنے وجود کو منوا لیتی ہیں...... اس کے لئے کسی سند کی بھی حقیقت میں ضرورت نہیں، میں اپنے طالب علموں سے کہوں گا کہ آپ محنت کریں، یوں تو سب میں آپ کو درک ہونا چاہئے اور استعداد ہونی چاہئے، لیکن کسی ایک فن کو آپ اپنا موضوع بنالیں اس میں امتیاز پیدا کریں...... اگر آپ نے یہاں امتیاز پیدا کیا تو آپ یقین جانئے کہ اس کی رسید کی آواز بلاد عربیہ سے آئے گی۔ آپ کے سامنے اس کی مثالیں ہیں، میں نام نہیں لوں گا اور اگر اس میں اپنی خودستائی نہیں تو اپنے خانوادہ کی یا اپنے علمی مرکز دار العلوم ندوۃ العلماء کی تعریف نکلے گی جو اپنی ہی تعریف ہوتی ہے۔ یہ سنت الٰہی ہے ولَنْ تجِدَ لِسُنَّةِ اللّٰهِ تَبْدِيْلاً ٥ وَلَنْ تَجِدَ لِسُنَّةِ اللّٰهِ تَحْوِيْلاً ٥ اتنی تاکید کے ساتھ بیان کیا ہے جو اللہ تعالیٰ کی سنت ہے اس میں کوئی تبدیلی نہیں پاؤ گے۔ کسی قسم کا تغیر نہیں پاؤ گے... پہلے کہا ''تبدیلاً'' پھر کہا ''تحویلاً'' کوئی اس میں تبدیلی کچھ الٹ پھیر نہیں پاؤ گے۔

آپ کسی ایک فن میں امتیاز پیدا کریں

ایک بات تو آپ سے کہتا ہوں جو میں بڑے بڑے چوٹی کے مدرسوں میں کہتا رہا ہوں کہ آپ کسی فن میں امتیاز پیدا کریں اور اس میں ایک جملہ جو میری زبان سے اکثر نکلا ہے اور اس کو میں نے وظیفہ کے طور پر یاد رکھا ہے، وہ یہ کہ آپ اخلاص و اختصاص پیدا

کریں، جہاں تک اللہ کا معاملہ ہے اس میں خلوص ہو، اس میں اللہ کی رضا کی نیت ہو، اللہ کی رضا کی طلب ہو کہ اللہ ہم سے راضی ہو، ہم قرآن وحدیث پڑھ رہے ہیں ہم فقہ کی تعلیم حاصل کررہے ہیں تاکہ ہم اللہ کو پہچانیں اور اس کے رسول کو جانیں اور اس کے کلام کو سمجھیں اور دوسروں کو سمجھائیں اور اس کے مطابق عمل کریں۔

اخلاص واختصاص کی اہمیت

پہلی بات تو یہ ہے کہ اخلاص ہو، دوسری بات یہ کہ اختصاص ہو، یعنی کسی ایک فن میں دوسروں کے مقابلے میں امتیاز حاصل ہو اس کی طرف انگلیاں اٹھیں جو اہل کمال ہیں، پہچاننے والے ہیں وہ کہیں کہ یہ اس فن میں بہت بڑھا ہوا ہے، سینکڑوں سے بڑھا ہوا ہے ایک طرف تو طالب علموں سے یہ کہوں گا کہ اخلاص واختصاص پیدا کریں اور اپنی نیت صحیح کریں، صرف اللہ کی رضا کی نیت ہو، باقی چیزیں خود بخود پیدا ہوں گی، یہ اللہ تبارک تعالیٰ کا قانون ہے وہ خود بخود حاصل ہوں گی اور دوسرے یہ کہ کسی خاص فن میں کسی ایک چیز میں کم سے کم ایک چیز میں (اور اللہ توفیق اور ہمت دے تو اس سے زیادہ میں) اختصاص یعنی امتیاز ہو، یقیناً زمانہ بہت بدل گیا ہے لیکن اس بارے میں کچھ نہیں بدلا، آج بھی جن لوگوں نے کوئی امتیاز پیدا کرلیا ہے، انہوں نے اپنا امتیاز منوالیا ہے، دشمنوں تک سے منوالیا ہے، تسلیم کروالیا ہے، گردنیں جھک گئی ہیں اور لوگ ان کے قدموں پر پڑتے ہیں ان کی خوشامدیں کرتے ہیں، ان کو سر پر بٹھا کر آنکھوں میں جگہ دے کر لے جانا چاہتے ہیں، ایک بات تو یہ ہے اس میں نہ تو نیپال کی خصوصیت ہے، نہ برما کی کوئی خصوصیت ہے آج ہم ان لوگوں کے نام پڑھتے ہیں ان کے نام کے ساتھ نسبتیں دیکھتے ہیں آج اچھے اچھے پڑھے لکھوں کو نہیں معلوم کہ...... صاحب ہدایہ مرغینانی کہاں کے رہنے والے ہیں کوئی تبریزی ہیں اور کوئی زمخشری ہیں کوئی سکاکی ہیں اب جغرافیہ میں بڑی بڑی کتابیں تصنیف ہوگئی ہیں، اس سے پتہ چلتا ہے تو یہ نیپال کی، یا ہندوستان کی یا

کسی صوبہ کی کوئی خصوصیت نہیں آپ کمال پیدا کریں گے تو ساری دنیا کم سے کم عالم اسلام آپ کے کمال کو مان لے گا اور اگر آپ کہیں چھپ کر رہنا چاہیں گے تو آپ کو کوئی چھپنے دے گا نہیں آپ ہزار پردے میں بیٹھیں، لوگ آئیں گے اور پردے اٹھا لیں گے اور آپ کو سر پر بٹھا کر لے کر جائیں گے وہ خوشامدیں کریں گے، آپ کے پاؤں پر ٹوپی ڈال دیں گے آپ ہمارے مدرسہ چلئے! آپ ہمارے کالج چلئے ! ہماری یونیورسٹی چلئے...... یہ فن پڑھائیے!۔

اپنے طالب علموں سے تو یہ کہتا ہوں کہ اخلاص و اختصاص پیدا کریں، اللہ کے معاملہ میں اخلاص، کوئی نیت نہیں نہ کمانے کی نہ کھانے کی، نہ اتنی بڑی تنخواہ اور فن کے لحاظ سے (علم کا جہاں تک معاملہ ہے) اختصاص ہو اس لئے کہ بغیر اختصاص اور بغیر امتیاز کے کوئی چیز نمایاں نہیں ہوتی حضرت علی کرم اللہ وجہہ کا قول ہے قیمة کل امری ما یحسنه (ہر شخص کی قیمت وہ ہے جس کام کو وہ دوسروں کے مقابلہ میں زیادہ بہتر انجام دے سکتا ہے) میں طالب علموں سے یہ کہوں گا کہ تم محنت کرو، تمہاری یہ محنت تمہیں چمکائے گی اور دور تک لے جائے گی کہاں کا ندوہ؟ کہاں کا دارالعلوم دیوبند ؟اور کہاں کا جامعہ ازہر ؟تم چمکو گے اور اس میں نیپال کا ہونا اتنی دور ہونا اتنا مشکل اتنا لمبا راستہ ہونا کوئی چیز حائل نہیں ہوگی جو لوگ صاحب کمال تھے ان کو لوگ کہاں کہاں سے لائے اور اس کو کیسی جگہ دی؟ طالب علموں سے کہتا ہوں کہ شکر کریں اللہ کا، اللہ تعالیٰ نے ایسی دور افتادہ جگہ میں دینی تعلیم و تربیت کا انتظام کیا میں آپ سے صاف کہتا ہوں، نیپال کا تعارف صرف فوجی سپاہیوں، پہرے داروں کی وجہ سے تھا، میں آپ سے صفائی کے ساتھ کہتا ہوں بہت پڑھتا لکھتا ہوں دنیا میں پھرا ہوں کہ میں نیپال کو گورکھوں کی وجہ سے جانتا ہوں، نیپال وہ جگہ ہے جو بڑے مضبوط فوجی دیتا ہے بہت امانت دار، بڑے جفاکش پہرے دار دیتا ہے جس کو بڑے بڑے رئیس اور نواب لوگ اپنے دروازے پر

بھاتے تھے لیکن ابھی تک عالموں کی حیثیت سے نیپال کا تعارف نہیں ہوا تھا لیکن اللہ جزائے خیر دے اللہ قبول فرمائے کہ یہ دار العلوم یہاں قائم ہوا اور ندوی فضلا اس کو چلا رہے ہیں جن لوگوں کے نام لئے گئے اللہ ان کے درجے بلند فرمائے۔ اس کی وجہ سے اب انشاء اللہ نیپال کا نام صرف گورکھوں کی وجہ سے اور پہرے داروں کی وجہ سے نہیں ہوگا، عالموں کی وجہ سے بھی ہوگا ... اس معاملہ میں شہروں اور ملکوں کا فرق نہیں ہوتا، لکھنؤ، دلی، جونپور (جو شیراز ہند کہلاتا تھا) بھوپال، ٹونک جو کبھی بڑے بڑے اہل کمال کا مرکز بن چکے ہیں، رام پور میں بڑے بڑے منطقی اور فلسفی تھے اور سنسری کا یہ علاقہ اور آپ کا یہ جلپاپور (نیپال) میں کوئی فرق نہیں ہوگا، یہ اللہ تبارک وتعالیٰ کے یہاں سنت الٰہی ہے کہ اعتراف کمال میں ناموں کا، فاصلوں کا اور ان کی سابقہ روایات کا کوئی اثر نہیں پڑتا۔

یہ تو طالب علموں سے کہتا ہوں ..... آپ اپنے درجہ میں بھی ممتاز ہوں گے اور نگاہیں اٹھیں گی، انگلیاں اٹھیں گی، دیکھو یہ نیپال کے طالب علم ہیں، یہ صرف ونحو میں ہمارے طالب علموں سے اچھے ہیں، یہ مطالعہ دیکھ کر آتے ہیں اور بعد میں بھی پڑھتے ہیں ان کی استعداد بھی بڑی اچھی ہے اور یہ انشاء اللہ بڑی ترقی کریں گے، اس میں کسی قسم کا امتیاز نہیں برتا جاتا ہے، کوئی نہیں جانتا کہ وہ ایران کے تھے ان کے بزرگوں میں کوئی بڑے عالم بھی ہوئے ہیں ان کے والد تک عالم نہیں تھے، اور غزالی کا لفظ ہی بتاتا ہے کہ ان کا خاندان اون کا کام کرنے والا تھا، ایک جلیل القدر بزرگ خواجہ نقشبند کہلاتے ہیں ان کے یہاں نقاشی کا کام ہوتا تھا کوئی بزرگ کچھ کہلاتے ہیں... تو اس سے آپ سمجھ لیجئے اس کے علاوہ خصاف یعنی جوتا گانٹھنے والے، زیات یعنی تیل بیچنے والے، خیاط کپڑا سینے والے جن کے پیچھے ہم نے بیسیوں نمازیں پڑھی ہوں گی، حرم شریف جو دنیا میں سب سے بڑھ کر عزت واحترام کی جگہ اور عبادت گاہ ہے جہاں کی امامت سب سے فخر اور شرف کی بات سمجھی جاتی ہے اور وہ بیت اللہ کہلاتا ہے اس کے امام خیاط تھے، غالباً بھوپال

کی طرف کے تھے یا کہاں کے تھے؟ وہ **شیخ عبد اللہ الخیاط** ہندوستانی تھے لیکن اپنے علم کی وجہ سے ان کو حرم کا امام بنایا گیا، اور ایسی کتنی مثالیں دے سکتا ہوں، بڑے بڑے مصنفین کے ساتھ کیا کیا لگا ہوا ہے بعض تو حجار ہیں یعنی پتھر توڑنے والے، ہم نے بھی ان کی زیارت کی ہے، قدوری ایک بہت بڑے فقیہ ہیں جن کی کتاب فقہ کے ضروری نصاب میں داخل ہے، شروع میں وہ قدوری تھے یعنی ہانڈیاں بناتے تھے مٹی کی، اور قدوری کہلاتے تھے انہوں نے کتاب لکھی اور وہ کتاب مقبول ہوئی اس کتاب نے منوالیا اپنے کو، اور مصنف کو بھی، طالب علموں سے یہ بات مختصر کہتا ہوں کہ آپ محنت کیجئے اور اخلاص و اختصاص پیدا کیجئے، آپ بھی چمکیں گے اور اپنے ملک کو بھی چمکائیں گے اور آپ کی روشنی دور تک پھیلے گی۔

اب ہم اپنے ان بھائیوں سے جو مدرسہ سے طالب علمی کا تعلق نہیں رکھتے ہیں اپنے دینی جذبہ اور دین کے شوق میں آئے ہیں کہتا ہوں کہ آپ ایسے ملک میں ہیں کہ اگر آپ اس ملک کے رہنے والوں کے دل جیت لیں اور ان کو اسلام کی طرف مائل کر لیں اور ان کے دلوں میں ایمان کا بیج ڈال دیں تو آپ نہ صرف اسلام کی بلکہ انسانیت کی خدمت کریں گے کیونکہ یہ ملک اسلام سے نا آشنا رہا ہے، ابھی ہمارے عزیز بھائی نے جو اس ملک پر ایک تاریخی روشنی ڈالی ہے یہاں کیسے کیسے لوگ ہوئے ہیں، ان میں رام جی کا نام آیا ہے اور بودھ جی کا نام آیا ..... اور لچھمن جی کا نام آیا ہے لیکن یہاں کسی سیدنا جیلانی کا نام نہیں آیا، خیر ان کا ہونا آسان کام نہیں، کسی بزرگ کا کسی مرشد کا، کسی فقیہ کا اور کسی مفسر کا نام نہیں آیا تو آپ یہ کوشش کریں کہ آپ اپنے اخلاق اور اپنے کیرکٹر سے زندگی کا ایسا نمونہ پیش کریں کہ یہ لوگ اسلام کی طرف مائل ہوں اور وہ اسلام کا مطالعہ کریں اور آئیں مدرسوں میں کہ ہمیں آپ بتائیں کہ اسلام کی کیا خصوصیات اور کیا تعلیمات ہیں؟ نیپالی زبان میں ہو، انگریزی زبان ہو یا ہندی میں، ہم سمجھیں کہ کیا بات ہے کہ لوگ اتنے

مختلف ہیں میں نے آکسفورڈ میں (جو انگلستان کا بہت بڑا علمی و تعلیمی مرکز ہے) تقریر کی، وہاں کے لوگوں کے سامنے ہندوستان کا ایک واقعہ بیان کیا کہ جب ہندوستان کے مجاہدین نے پشاور فتح کیا اور اس میں کئی ہفتے ممکن ہے کئی مہینے گذر گئے وہاں ایک دن ایک پٹھان نے ایک ہندوستانی کا ہاتھ پکڑا (اودھ کا یا کہیں کا رہنے والا ہوگا) اور کہنے لگا میاں ایک بات پوچھتا ہوں صحیح صحیح جواب دینا، کیا تم ہندوستانیوں کی دور کی نظر کچھ خراب ہوتی ہے، کمزور ہوتی ہے، دور کی چیز تم دیکھ نہیں سکتے......؟ اس نے کہا نہیں، ہم خوب دیکھتے ہیں ... کہا نہیں! کوئی بات ہے ضرور، ہندوستانیوں کی دور کی نظر کمزور ہے، اس ہندوستانی نے کہا یہ تو آپ بتلایئے کہ یہ پوچھنے کی ضرورت کیوں پیش آئی، یہ بات تو ہر ایک پوچھتا نہیں یہ کوئی ایسی پوچھنے والی بات بھی نہیں ہے، آپ پوچھ کیوں رہے ہیں..... ہم بھی اتنا ہی دیکھتے ہیں جتنا آپ دیکھتے ہیں، مگر آپ پوچھ کیوں رہے ہیں؟

پٹھان نے کہا پوچھنے کی وجہ یہ ہے کہ ہم جانتے ہیں کہ تم لوگ مہینوں سے گھر سے نکلے ہوئے ہو اپنے گھر بار کو، بیوی بچوں کو چھوڑے ہوئے ہو، اور تندرست ہو ... ماشاء اللہ شکیل ہو، ہم نے تم میں سے کسی کو کسی نامحرم عورت کو دور سے دیکھتے ہوئے نہیں دیکھا، تمہاری نگاہیں ہمیشہ نیچی رہتی ہیں ایک آدمی کا معاملہ ہو تو آسان ہے سارے کے سارے کیوں نظر اٹھا کر نہیں دیکھتے، عورتوں کو اور لڑکیوں کو، لوگ جانتے ہیں کہ پشاور میں صوبہ سرحد میں خوبصورتی زیادہ ہے یعنی وہاں کچھ ایسی کشش بھی ہے کہ آدمی دیکھے اور اس کے اندر اس کا خیال پیدا ہو، شوق پیدا ہو تو ہم نے سوچا کہ دو چار زاہد ہو سکتے ہیں عابد ہو سکتے ہیں بڑے محتاط متقی ہو سکتے ہیں لیکن فوج میں تو لوگ عام طور پر زاہد نہیں ہوتے جوان ہوتے ہیں، ہٹے کٹے ہوتے ہیں، ہٹے کٹے لوگ پھر اپنے گھر سے دور، کوئی اپنی بیوی سے دو دو برس سے ملا نہیں کوئی چار برس سے ملا نہیں کوئی چھ مہینے سے نہیں ملا اور جوان بھی ہیں کبھی تو یہ نظر اٹھا کر دیکھتے کہ یہاں کی عورتیں کیسی ہوتی ہیں، دیکھنے ہی سے

پچھ اپنی تسکین کر لیتے ،لطف لیتے تو ہم سمجھے کہ یہ کوئی تقوی اور زہد کی بات نہیں بلکہ ان کی دور کی نظر ہی نہیں۔

ہندوستانی نے جواب دیا کہ نہیں! الحمد للہ ہماری دور کی نظر خوب کام کرتی ہے ہم دور کی چیز صاف دیکھتے ہیں لیکن یہ ہمارے امام کی تربیت کا نتیجہ ہے، قرآن مجید کی آیت پر عمل ہے، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

اعُوْذُ بـاللہ من الشَّیْطان الرَّجِیْم قُلْ لِّلْمُؤْمِنِیْن یغُضُّوْا
من ابْصارهِمْ ویحْفظُوْا فُرُوْجهُمْ.

'' (اہل ایمان سے کہہ دو کہ اپنی نگاہوں کو نیچا رکھیں اور اپنی شرم
گاہوں کی حفاظت کریں، عفت وطہارت کے ساتھ رہیں)۔ ''

سننے والوں کو بڑا تعجب ہوا! ہم نے وہاں ہندوستان کے لوگوں سے کہا کہ آپ یہ نمونہ دکھائیں، لوگوں کو یہ شوق پیدا ہو کہ یہ چیز کہاں سے آئی، یہ لوگ گھر چھوڑے ہوئے اتنے دنوں سے یہاں تعلیم حاصل کررہے ہیں، کوئی بی اے میں پڑھ رہا ہے کوئی بی ایس سی میں پڑھ رہا ہے کوئی ایم ایس سی میں پڑھ رہا ہے کسی کو چار برس ہوئے کسی کو چھ برس ہوئے اور یہاں بہت خرچ ہوتا ہے ہندوستان جانے میں اور ان میں سے اکثر کی شادی نہیں ہوئی اور یہاں کی لیڈیز اپنی خوبصورتی میں مشہور ہیں، ساری دنیا میں اور خود ہندوستان میں لوگ بڑی للچائی ہوئی بڑے شوق کی نگاہوں سے ان کو دیکھتے تھے یہاں کیوں نہیں دیکھتے ان کے اندر یہ سوال پیدا ہو اور پھر وہ سمجھیں کہ یہ اسلام کا فیض ہے یہ اسلام کی تربیت کا فیض ہے۔

میں آپ سے کہتا ہوں کہ ایک بات تو یہ ہے کہ آپ اس شہر میں چلیں، پھریں، دوکانیں کھولیں، ملازمت کریں، ملیں جلیں اور دور رہنے کی ضرورت نہیں لیکن آپ اپنا امتیاز ثابت کریں، نیپال کی اس سرزمین پر سوال پیدا ہو کہ یہ کون سے لوگ ہیں، یہ کوئی

بے احتیاطی نہیں کرتے یہ کسی نامحرم کو نہیں دیکھتے یہ وہ ہیں کہ اگر ملازمت کرتے ہیں تو بڑی دیانتداری اور وفاداری کے ساتھ کرتے ہیں پھر یہ گرے پڑے لوگوں کو سہارا دیتے ہیں، یہ غریبوں اور کمزوروں پر زیادتی نہیں کرتے، یہ کیرکٹر آپ کو دکھانا چاہئے۔

مجھے امید نہیں کہ اس کے بعد آپ سے ملنے اور کہنے سننے کا موقع ملے گا اور ملے گا تو کب ملے گا؟ ہم آپ پھر جمع ہوں گے یا نہیں ہوں گے اس لئے میں یہ دو تین باتیں آپ سے کہنا چاہتا ہوں ایک بات تو یہ کہ آپ اپنی زندگی کا نقشہ، اپنی زندگی کا طرز ایسا بنائیں کہ لوگوں کے اندر سوال پیدا ہو، تجسس پیدا ہو کہ بھئی پوچھنا چاہئے کہ یہ بات ان میں کہاں سے آئی؟ یہی بات تھی جس کی وجہ سے انڈونیشیا مسلمان ہوگیا...... پورا کا پورا ملک مسلمان ہوگیا، مؤرخین کہتے ہیں کہ وہاں کوئی اسلامی فوج نہیں پہنچی، یہ بات مانی ہوئی ہے تاریخی طور پر لیکن پورا کا پورا ملک پہلے سو فیصد ہی مسلمان تھا اب وہاں کچھ شامت اعمال سے، کچھ حکومتوں کی خرابی سے، کچھ امریکہ اور برطانیہ کی سازش سے کہیں کہیں عیسائیت پھیل رہی ہے، ایک بات تو یہ کہ آپ اپنے اخلاق سے، اپنی ایمانداری سے، اپنی سچائی سے، اپنی شرافت سے ثابت کریں کہ..... آپ کوئی اور نمونہ، کوئی اور ماڈل اور کوئی اور چیز ہیں۔

مکاتب ومدارس کی ضرورت

دوسری بات یہ کہ مکاتب اور مدارس قائم کیجئے کوئی بستی کوئی گاؤں ایسا نہ ہو جہاں کوئی مکتب اور مدرسہ نہ ہو، جہاں دینی تعلیم نہ دی جائے اور عورتوں تک کو گھر میں خواتین کو مستورات کو اپنے گھر میں بیٹیوں اور بچیوں کو دین کی تعلیم دیجئے اور ان کو تاکید کیجئے کہ اپنے بچوں کو بھی تعلیم دیں، پیغمبروں کے قصے سنائیں توحید کی محبت پیدا کریں شرک سے نفرت دلائیں، بداخلاقیوں سے نفرت پیدا کریں، دلوں میں حضور سے عشق اور جاں نثاری کا جذبہ پیدا کریں جب جا کر یہاں ایمان محفوظ رہے گا نئی نسل کا، ورنہ کوئی ٹھکانہ

نہیں، کوئی بھروسہ نہیں اس کا

تیسری بات آپ سے کہنا چاہتا ہوں کہ ہمارے یہاں ہندوستان میں یہ آفت آئی ہوئی ہے کل ہی بھاگل پور میں بڑا جلسہ ہوا، ہزاروں آدمی تھے، وہاں میری تقریر ہوئی اور بڑے بڑے علماء کی تقریریں ہوئیں، اس سے پہلے مونگیر میں بڑا جلسہ ہوا ہزاروں ہزار آدمی تھے، کرناٹک سے اور آندھرا پردیس سے اور کہاں کہاں سے علماء آئے، وہاں ایک مصیبت ہے شادیوں میں فضول خرچی اور دھوم دھام اور نمائش کی اور سخت درجہ کے اسراف، فضول خرچی کی، بڑی بڑی باراتیں لے جانا، اور بڑے کھانوں کا اہتمام۔

اور پھر وہاں ایک اور مصیبت آئی ہوئی ہے، بلکہ خدا کا ایک عذاب آیا ہوا ہے کہ لڑکی والوں سے فرمائش کی جاتی ہے کہ لڑکی کو اتنا جہیز دیا جائے موٹر دی جائے اور وہ موٹر لے کر آئے اور اتنی رقم لے کر آئے جب ہم اپنے لڑکے سے شادی کریں گے نہیں تو نہیں کریں گے...... خدا کرے آپ کے یہاں یہ نہ ہو۔

دین کی قدر کریں

آخر میں یہ کہ آپ اپنے دین کی قدر کریں اس کو سب سے بڑی نعمت سمجھیں، نمازوں کی پابندی کریں اور کلمہ کے معنی سمجھیں، قرآن مجید کی کچھ سورتیں آپ کو یاد ہونی چاہئیں ان کے معنی مطلب بھی اگر آپ سمجھ سکیں یاد کر سکیں تو یاد کریں اور دین کی ضروری معلومات حاصل کرنے کا آپ کو شوق ہو، آپ مدرسوں میں جائیں اور پھر آپ گاؤں گاؤں میں مکتب مدرسہ قائم کریں، خلاصہ یہ کہ اپنے دین وایمان کی سب سے زیادہ فکر کریں اور اللہ سے دعا کریں اور کوشش کریں کہ اسلام پر قائم رہیں، ایمان پر خاتمہ ہو قرآن شریف میں آتا ہے "وَلَا تَمُوْتُنَّ اِلَّا وَاَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ" (دیکھو نہ مرنا مگر اس حالت میں کہ تم مسلمان ہو) اس کی کوشش کریں سب سے بڑی نعمت، سب سے بڑی دولت، سب سے بڑی خوش قسمتی، سب سے بڑی اقبال مندی، اسلام کی دولت کا مل جانا

اور ایمان پر خاتمہ ہونا، اللہ کے رسول کی شفاعت نصیب ہونا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دست مبارک سے جام کوثر پینا اور جنت کا مستحق قرار پانا ہے۔ اس کو سب سے بڑی دولت سمجھیں اور اس کی پوری حفاظت کریں۔

مدارس دینیہ کے وجود کو غنیمت جانیں

میں ان الفاظ کے ساتھ اپنی تقریر ختم کرتا ہوں اور آپ کو مبارک باد دیتا ہوں اور آپ سے کہتا ہوں کہ آپ مدرسوں کی قدر کریں کہ یہاں سے پڑھ کر یہ دوسرے ملکوں میں جاتے ہیں، اور قدر کی نگاہوں سے دیکھے جاتے ہیں...... اور ماشاء اللہ یہ آپ کے ملک کا نام روشن کرتے ہیں اور آپ کے ملک کی عزت بڑھاتے ہیں۔ آپ اس کی قدر کریں اور ان مدرسوں کی ضروریات کی تکمیل کریں...... یہاں تعمیرات کی ضرورت ہے، ابھی تعمیرات پوری نہیں ہوئیں، وہاں اس کی کوشش کریں جہاں ضرورت ہے خرچ کر کے لڑکوں کو طالب علموں کو وظیفہ دیا جائے ان کے کھانے پینے کا انتظام کیا جائے اس میں بھی آپ مدد کریں، یہ اللہ تعالیٰ کے یہاں بہت بڑے ثواب کا کام ہے، اس کی قدر آپ کو قیامت میں معلوم ہوگی آپ کی وجہ سے کوئی طالب علم دین حاصل کرے اللہ و رسول کا نام ہی نہ سیکھے بلکہ اللہ و رسول کا نام سکھانے کی اس میں قابلیت پیدا ہو جائے اس سے بڑا صدقہ جاریہ کیا ہے......؟

انہیں چند باتوں پر میں ختم کرتا ہوں، ان کو گرہ میں باندھ لیں اور ان پر عمل کرنے کی کوشش کریں...

آخر میں ہم خدا کا شکر ادا کرتے ہیں اور اپنی اس مسرت کا اظہار کرتے ہیں کہ ہم نے اس مرکز کو اپنی امید اور اپنے تصور سے زیادہ پایا، ہمیں بڑی خوشی ہوتی اگر ہمیں یہاں زیادہ وقت صرف کرنے کا موقع ملتا لیکن کچھ ایسی مجبوریاں ہیں کہ ہم زیادہ وقت نہیں دے سکتے مگر خدا کا شکر ہے کہ ہم نے آکر خود ہی کہا کہ ہم خطاب کرنا چاہتے ہیں حالانکہ

ہماری حالت کا تقاضہ یہ تھا کہ ہم کہتے بھئی کچھ بات نہیں کرسکیں گے ہمیں تو سلا دینا، لٹا دینا، ہم آرام کرلیں اور کل صبح ہی ہمیں جانا ہے ..... لیکن آپ کی محبت کا، آپ کے خلوص کا اور ان بلانے والے بھائیوں کے خلوص کا اثر تھا کہ ہم نے خود ہی اپنی طرف سے کہا کہ اگر کوئی پروگرام ہو یا آپ کرسکیں تو کیجئے، اپنے بھائیوں کو دیکھ لیں کہاں پھر ہم دیکھنے کے لئے آئیں گے یہ بھی اللہ کی بڑی نعمت ہے کہ اپنے کلمہ گو بھائیوں کو اپنے دینی بھائیوں کو اپنی آنکھ سے دیکھیں، خوش ہوں اور اللہ کا شکر ادا کریں کچھ اللہ و رسولؐ کے دین کی باتیں ہم ان سے کرلیں، سن بھی لیں اللہ کا شکر ہے کہ یہ کام ہوگیا ..... بس اس سے زیادہ اور کسی چیز کی ضرورت نہیں۔ اللہ تبارک وتعالیٰ قبول فرمائیں۔

وما التوفيق الا من عند الله.

وآخر دعوانا ان الحمد لله رب العالمين

عُلماءِ ربانی
ان کا منصب اوران کے کام کی نوعیت

الحمد لله رب العالمین والصلوٰة والسلام علی رسوله الکریم اما بعد اعوذ بالله من الشیطان الرجیم بسم الله الرحمن الرحیم انما یخشی الله من عباده العلماء.(۱)
وقال رسول الله صلی الله علیه وسلم العلماء ورثة الانبیآءِ.(۲)

علماءانبیاء کے جانشیں ہیں

علماءِ حق حضراتِ انبیاء علیہم الصلوۃ والسلام کے وارث اور جانشین ہیں۔ ان کی وراثت اور نیابت اسی وقت صحیح اور مکمل ہوگی جب ان کی زندگی کا مقصداوران کی کوششوں کا مرکز وہی ہوگا جوانبیاءِ کرام علیہم السلام کا تھا۔ وہ مقصدِ زندگی اوروہ مرکزِ سعی وعمل کیا ہے؟

دولفظوں میں ''اقامت دین'' یاایک لفظ میں ''توحید'' یعنی انسانوں کواختیاراً وعملاً اسی طرح سے اللہ تعالیٰ کا ''عبد'' بنانا جیسا کہ وہ فطرتاً اوراضطراراً اس کے عبد ہیں۔ اللہ جل شانہ کی حکومت اور قانون کوانسانوں کے جسموں اوران کی متعلقہ زمین پرقائم کرنے کی کوشش کرنا۔ جیسا کہ وہ زمین وآسمان پرقائم ہیں۔

هُوَ الَّذِیٓ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰی وَدِیْنِ الْحَقِّ لِیُظْهِرَهٗ
عَلَی الدِّیْنِ کُلِّهٖ وَلَوْ کَرِهَ الْمُشْرِکُوْنَ۝ (صف۶۱: ۹)

---

(۱) سورہ فاطر پارہ ۲۲
(۲) صحیح بخاری کتاب العلم

''وہ ہے جس نے اپنا رسول رہنمائی اور سچے دین کے ساتھ بھیجا
تاکہ اس کو سب دینوں (تمام قسم کے نظامِ اطاعت) پر غالب کر
دے اگرچہ شرک کرنے والوں کو یہ ناگوار ہو۔''

اس دینِ حق کے لئے ہر زمانہ میں چند موانع اور مزاحم ہوتے ہیں جن میں سے اکثر ان چار اقسام میں داخل ہیں:

شرک کیا ہے

یعنی غیر اللہ کو الٰہ بنانا، اللہ کے سوا کسی ہستی کو مافوق الطبعی طور پر نافع مان لینا اس کو کائنات میں متصرف اور موثر تسلیم کر لینا۔

احتیاج والتجاء (پناہ جوئی) اور خوف ورجاء اس عقیدہ کے بالکل قدرتی اور طبعی نتائج ولوازم ہیں اور دعا واستعانت اور خضوع (جو عبادت کی حقیقت ہے) اس کے لازمی مظاہر ہیں۔

شرک ایک مستقل دین اور ایک مکمل حکومت ہے اس کا اور دین کا کسی ایک جسم یا دل ودماغ یا خطۂ زمین پر ایک ساتھ قائم ہونا ناممکن ہے۔ یہ غیر الٰہی دین جسم ونفس اور جسم و نفس سے خارج اتنی ہی جگہ گھیرتا ہے جتنی دین اللہ کو ان سے درکار ہے۔

وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّتَّخِذُ مِنْ دُوْنِ اللهِ اَنْدَادًا يُّحِبُّوْنَهُمْ
كَحُبِّ اللهِ. (البقرہ ۱۶۵:۲)

''بعض لوگ وہ ہیں جو اللہ کے برابر اوروں کو بناتے ہیں ان کی
محبت ایسی رکھتے ہیں جیسی محبت اللہ کی۔''

قَالُوْا تَاللهِ اِنْ كُنَّا لَفِیْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ○ اِذْ نُسَوِّيْكُمْ بِرَبِّ
الْعٰلَمِيْنَ. (شعراء ۹۶:۲۶-۹۸)

''مشرکین نے کہا خدا کی قسم ہم کھلی ہوئی گمراہی میں تھے جو تم کو

> (معبودوں کو) سارے جہان کے پروردگار کے برابر کرتے تھے۔"

اس لئے جب تک زمین سے شرک کی تمام جڑیں اور اس کی باریک سے باریک رگیں بھی اکھاڑ نہ دی جائیں اس وقت تک دین اللہ کا پودا لگ نہیں سکتا۔ اس لئے کہ یہ پودا کسی ایسی زمین میں جڑ نہیں پکڑتا جس کی مٹی میں کسی اور درخت کی کوئی جڑ ہو یا کوئی اور تخم ہو۔ اس کی شاخیں اسی وقت آسمان سے باتیں کرتی ہیں اور یہ درخت اسی وقت پھلتا پھولتا ہے جب اس کی جڑ گہری اور مضبوط ہو۔

> اَلَمْ تَرَ كَيْفَ ضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا كَلِمَةً طَيِّبَةً كَشَجَرَةٍ طَيِّبَةٍ اَصْلُهَا ثَابِتٌ وَّفَرْعُهَا فِي السَّمَآءِ ٥ تُؤْتِيْۤ اُكُلَهَا كُلَّ حِيْنٍۭ بِاِذْنِ رَبِّهَا ط (ابراهیم ۱۴: ۲۴، ۲۵)
>
> "تم نے نہ دیکھا اللہ نے کیسی ایک مثال بیان کی، پاکیزہ بات (کلمۂ طیبہ وغیرہ) ایک پاکیزہ درخت کی طرح ہے اس کی جڑ مضبوط ہے اور اس کی شاخیں آسمان میں ہیں اپنا پھل لاتا ہے ہر وقت اپنے رب کے حکم سے۔"

یہ درخت کسی دوسرے درخت کے سایۂ میں بڑھ نہیں سکتا۔ یہ جہاں رہے گا تنہا رہے گا۔ اس کی طبعی نشو ونما کے لئے لامتناہی فضا چاہئے۔

> اَلَا لِلّٰهِ الدِّيْنُ الْخَالِصُ . (زمر ۳۹: ۳)
>
> "یاد رکھو اللہ ہی کی تنہا تابعداری ہے۔"

جاہلیت کی علامت

پس جو لوگ دین اللہ کی فطرت اور اس کے مزاج سے واقف ہوتے ہیں وہ اس کو کسی

جگہ قائم کرنے کے لئے زمین کو پورے طور پر صاف اور ہموار کرتے ہیں۔ وہ شرک اور جاہلیت کی جڑیں اور رگیں چن چن کر نکال لیتے ہیں اور ان کا ایک بیج بنا بنا کر پھینکتے ہیں اور مٹی کو بالکل الٹ پلٹ دیتے ہیں چاہے ان کو اس کام میں کتنی ہی دیر لگے اور کتنی ہی زحمت اٹھانی پڑے اور چاہے ان کی دن رات کی اس کوشش اور عمر بھر کی اس جدوجہد کا حاصل حضرت نوحؑ کی طرح چند نفوس سے زیادہ نہ ہو۔ اور چاہے بعض پیغمبروں کی طرح ان کی ساری زندگی کا سرمایہ صرف ایک شخص ہو۔ لیکن وہ اس نتیجہ پر قانع اور اس کامیابی پر مسرور ہوتے ہیں اور نتیجہ کے حصول میں کبھی عجلت اور بے صبری سے کام نہیں لیتے۔

کُفر یعنی اللہ کے دین اور اس کی شریعت کا انکار، اس کی حکومت سے بغاوت اور اس کے احکام سے سرتابی ہے خواہ کسی طریقہ اور علامت سے ظاہر ہو۔

اس میں وہ لوگ بھی شامل ہیں جو اللہ اور رسول کے احکام میں سے کسی حکم کو بھی یہ جان لینے کے بعد کہ یہ اللہ اور اس کے رسول کا حکم ہے، نہیں مانتے یا زبان سے تو انکار نہیں کرتے مگر جان بوجھ کر اس کی خلاف ورزی کرتے ہیں۔ ایسے لوگ خواہ دوسرے احکام کے پابند ہوں اس دائرے سے خارج نہیں۔

اللہ تعالیٰ یہودیوں کو مخاطب کر کے فرماتے ہیں:

> اَفَتُؤْمِنُوْنَ بِبَعْضِ الْکِتٰبِ وَتَکْفُرُوْنَ بِبَعْضٍ ۚ فَمَا جَزَآءُ مَنْ یَّفْعَلُ ذٰلِکَ مِنْکُمْ اِلَّا خِزْیٌ فِی الْحَیٰوۃِ الدُّنْیَا ۚ وَیَوْمَ الْقِیٰمَۃِ یُرَدُّوْنَ اِلٰٓی اَشَدِّ الْعَذَابِ ؕ وَمَا اللّٰہُ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ ۝ (البقرہ ۲: ۸۵)

> ’’کیا کتاب الٰہی کے ایک حصہ کو مانتے ہو دوسرے حصے کو نہیں مانتے تو اس کی کیا سزا ہے جو تم میں سے یہ کام کرتا ہے سوائے دنیا کی زندگی میں رسوائی کے اور قیامت کے دن وہ پہنچائے جائیں گے سخت سے سخت

عذاب میں اور اللہ تمہارے کاموں سے بے خبر نہیں۔‘‘

صرف اللہ تعالیٰ کی خداوندی اور حاکمیت کے اقرار سے طبعی طور پر خداوندی اور حاکمیت کے تمام دعویداروں کی خداوندی اور حاکمیت کا انکار ہو جاتا ہے۔ لیکن جو اشخاص خداوندانِ باطل کی خداوندی اور حاکمیت کا صاف صاف انکار کرنے کے لئے تیار نہیں ہوتے یا دوسرے الفاظ میں انھوں نے اس قبلہ کی طرف منہ تو کر لیا ہے لیکن دوسرے قبلوں کی طرف ان سے پیٹھ بھی نہیں کی جاتی۔ دینِ الٰہی کے مقابلے میں دنیا میں جو نظامِ حاکمیت قائم، اور شریعتِ الٰہی کے مقابلے میں جو قوانین نافذ ہیں ان سے منحرف نہیں ہوا جاتا، وہ کبھی کبھی ان پر بھی عمل کر لیتے ہیں اور بوقتِ ضرورت ان کی طرف رجوع کر لیتے ہیں، وہ درحقیقت اسلام میں داخل نہیں ہوئے۔

ایمان باللہ کے لئے کفر بالطاغوت[1] ضروری ہے اور اللہ نے اس کو ایمان پر مقدم کیا ہے:

فَمَنْ یَّکْفُرْ بِالطَّاغُوْتِ وَیُؤْمِنْۢ بِاللّٰہِ فَقَدِ اسْتَمْسَکَ
بِالْعُرْوَۃِ الْوُثْقٰی۔ (البقرہ ۲:۲۵۶)

’’جو سرکشی کا انکار کرے اور اللہ پر ایمان لائے اس نے مضبوط
حلقہ پکڑ لیا۔‘‘

اس لئے قرآن نے ایسے اشخاص کا دعویٰ ایمان قبول نہیں کیا۔ جو غیر الٰہی قوانین اور ان کے مرکزوں کی طرف رجوع کرتے ہیں اور ان کو اپنا حاکم اور ثالث بناتے ہیں۔

اَلَمْ تَرَ اِلَی الَّذِیْنَ یَزْعُمُوْنَ اَنَّھُمْ اٰمَنُوْا بِمَآ اُنْزِلَ اِلَیْکَ

---

[1] طاغوت ہر وہ ہستی ہے جس کی خدا کے مقابلہ میں اطاعت مطلق کی جائے۔ ’’الطَّاغُوْتُ عبارۃٌ عنْ کُلِّ مُتعَبِّدٍ کُلِّ معْبُوْدٍ مِنْ دُوْنِ اللہِ۔‘‘ (امام راغب اصفہانی) خواہ وہ شیطان ہو، انسان ہو یا سلطان ہو ان سب پر طاغوت کا اطلاق ہوگا۔۱۲

> وَمَآ اُنْزِلَ مِنْ قَبْلِكَ يُرِيْدُوْنَ اَنْ يَّتَحَاكَمُوْٓا اِلَى الطَّاغُوْتِ وَقَدْ اُمِرُوْٓا اَنْ يَّكْفُرُوْا بِهٖ وَيُرِيْدُ الشَّيْطٰنُ اَنْ يُّضِلَّهُمْ ضَلٰلًاۢ بَعِيْدًا○ (النساء۴ : ۶۰)
>
> ''تم نے ان لوگوں کو نہ دیکھا جو دعویٰ کرتے ہیں کہ وہ اس پر ایمان لائے جو حق آپ سے پہلے اتارا گیا چاہتے ہیں کہ قضیہ لے جائیں سرکش کی طرف، حالانکہ ان کو حکم ہو چکا ہے کہ اس کا انکار کریں[1] اور شیطان چاہتا ہے کہ ان کو بہکا کر دور لے جا ڈالے۔''

اس کفر کی بو ان اشخاص سے بھی نہیں نکلتی جو مسلمانوں کے دائرے میں آ جانے کے بعد بھی ''جاہلیت'' سے منحرف اور عقائد و رسوماتِ جاہلیت سے بے تعلق نہ ہو سکے۔ ان کے دلوں سے ابھی تک ان چیزوں کی نفرت اور کراہت نہیں گئی۔ اور ان کاموں کی تحقیر نہیں نکلی۔ جن کو جاہلیت بُرا سمجھتی ہے ان سے نفرت اور ان کی تحقیر کرتی ہے خواہ وہ اللہ کے دین میں پسندیدہ اور مستحب ہوں اور اللہ کے رسول کی محبوب سنت ہوں۔

اسی طرح ان کے دلوں سے ابھی تک اعمال و اخلاق اور رسوم و عادات کی محبت اور عزت دور نہیں ہوئی جو اہلِ جاہلیت کے نزدیک محبوب و معزز ہیں خواہ وہ اللہ کی شریعت میں مکروہ اور حقیر ہوں۔

اسی طرح جن لوگوں کے دلوں سے ابھی تک جاہلی حمیت اور عصبیت دور نہیں ہوئی اور ان کا عمل جاہلیتِ عرب اور درحقیقت ہر جاہلیت کے اس مقبول و مسلم اصول پر

---

[1] یہ آیت ترمذی کی روایت کے مطابق اس منافق کے بارے میں نازل ہوئی جس نے اپنے ایک مقدمہ میں (جس کا دوسرا فریق ایک یہودی تھا) مشہور یہودی عالم کعب بن الاشرف کو قاضی اور حکم بنایا تھا۔
(ترمذی کتاب التفسیر)

ہے کہ "اُنْصُرْ اَخَاکَ ظَالِمًا اَوْ مَظْلُوْمًا" "اپنے بھائی کی ہر حال میں مدد کرو خواہ وہ ظالم ہو خواہ مظلوم"۔

اس سے زیادہ نازک بات یہ ہے کہ اسلام کو اختیار کر لینے کے بعد بھی یا مسلمان کہلانے کے باوجود بھی حُسن و قُبح کا معیار وہی ہو جو جاہلیت میں ہوتا ہے۔ اشیاء کی قیمت وہی ہو جو جاہلیت نے قائم کر دی ہے۔ زندگی کی انہیں قدروں اور انہیں معیاروں کی وقعت ہو جو جاہلیت تسلیم کرتی ہے۔

اسلام کی صحت کی دلیل یہ ہے کہ کفر اور اس کے پورے ماحول، اس کے تمام متعلقات، اس کی تمام خصوصیات اور شعائر سے نفرت پیدا ہو جائے اور اس کی طرف واپسی اور اس میں مبتلا ہو جانے کے تصور سے آدمی کو تکلیف ہو، اور ایمان کی پختگی یہ ہے کہ وہ کفر کے کسی ادنی سے ادنی کام کے مقابلے میں موت کو زیادہ پسند کرتا ہو۔

بخاری کی روایت ہے:

> ثَلٰثٌ مَنْ كُنَّ فِيْهِ وَجَدَ حَلَاوَةَ الْاِيْمَانِ اَنْ يَّكُوْنَ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ اَحَبَّ اِلَيْهِ مِمَّا سِوَاهُمَا وَاَنْ يُّحِبَّ الْمَرْءَ لَا يُحِبُّهٗ اِلَّا لِلّٰهِ وَاَنْ يَّكْرَهَ اَنْ يَّعُوْدَ فِي الْكُفْرِ كَمَا يَكْرَهُ اَنْ يُّقْذَفَ فِي النَّارِ.
>
> "تین باتیں جس شخص میں ہوں گی اس کو ایمان کی حلاوت نصیب ہوگی ایک یہ کہ اللہ اور اس کا رسول ان کے ماسوا سے زیادہ محبوب ہوں۔ دوسرے یہ کہ کسی دوسرے انسان سے صرف اللہ ہی کے لئے محبت ہو۔ تیسرے یہ کہ کفر میں جانا اس کے لئے اتنا ہی ناگوار ہو جتنا آگ میں ڈالا جانا۔"

صحابہ کرام کی کیفیت یہی تھی۔ ان کو اپنے زمانۂ سابق (جاہلیت) سے بڑھ کر کوئی

توہین نہ تھی۔ وہ جب اپنے اسلام لانے سے پہلے کے زمانہ کا تذکرہ کرتے تو نہایت شرمندگی اور نفرت کے ساتھ اس زمانے کی تمام باتوں اعمال واخلاق اور کفر وفسق اور اللہ کی نافرمانی سے ان کو نہ صرف شرعی اور عقلی بلکہ طبعی کراہت تھی۔ اللہ تعالیٰ ان کی یہ صفت اس طرح بیان کرتا ہے:

وَلٰكِنَّ اللّٰهَ حَبَّبَ اِلَيْكُمُ الْاِيْمَانَ وَزَيَّنَهٗ فِىْ قُلُوْبِكُمْ
وَكَرَّهَ اِلَيْكُمُ الْكُفْرَ وَالْفُسُوْقَ وَالْعِصْيَانَ ؕ

(حجرات ۴۹:۷)

’’لیکن اللہ نے تمہارے دل میں ایمان کے محبت ڈال دی، اور اس کو کُھبا دیا تمہارے دلوں میں اور نفرت ڈال دی تمہارے دل میں کفر اور گناہ و نافرمانی کی۔‘‘

جاہلیت کی ایک علامت یہ ہے کہ جب اللہ ورسول کا حکم سنایا جائے تو قدیم رسم و رواج اور باپ دادا کے طور طریق کا نام لیا جائے اور اللہ ورسول کے مقابلے میں گذشتہ زمانہ اور پرانے دستور کی سند پیش کی جائے۔

وَاِذَا قِيْلَ لَهُمُ اتَّبِعُوْا مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ قَالُوْا بَلْ نَتَّبِعُ مَآ اَلْفَيْنَا
عَلَيْهِ اٰبَآءَنَا ؕ اَوَلَوْ كَانَ اٰبَآؤُهُمْ لَا يَعْقِلُوْنَ شَيْـًٔا وَّلَا
يَهْتَدُوْنَ ○ (البقرہ ۲: ۱۷۰)

’’جب ان سے کہا جاتا ہے کہ اس حکم کی پیروی کرو جو اللہ نے نازل کیا ہے تو کہتے ہیں کہ ہم تو اسی راستہ کی پیروی کریں گے جس پر ہم نے اپنے دادوں کو پایا ہے۔ اگر چہ ان کے باپ دادا نہ سمجھتے ہوں کچھ بھی اور نہ جانتے ہوں سیدھی راہ۔‘‘

بَلْ قَالُوْٓا اِنَّا وَجَدْنَآ اٰبَآءَنَا عَلٰٓى اُمَّةٍ وَّاِنَّا عَلٰٓى اٰثٰرِهِمْ

مُّهْتَدُوْنَo (زخرف ۲۲:۴۳)

''بلکہ کہتے ہیں ہم نے پایا اپنے باپ دادوں کو ایک راہ پر اور ہم انھیں کے نقشِ قدم پر ٹھیک چل رہے ہیں۔''

اللہ کے حکم اور وحی کے مقابلے میں اپنے باپ دادا کے عمل اور اپنی خواہش اور مرضی کی پیروی کرنا خاص جاہلی دین ہے۔

قَالُوْا يٰشُعَيْبُ اَصَلٰوتُكَ تَاْمُرُكَ اَنْ نَّتْرُكَ مَا يَعْبُدُ اٰبَآؤُنَا اَوْ اَنْ نَّفْعَلَ فِيْٓ اَمْوَالِنَا مَا نَشٰٓؤُا (ھود ۸۷:۱۱)

''انہوں نے کہا اے شعیب! کیا تمہاری نماز نے تم کو یہ سکھایا ہے کہ ہم چھوڑ دیں جن کو ہمارے باپ دادا پوجتے رہے یا ہم چھوڑ دیں جو ہم اپنے مالوں میں اپنی من مانی باتیں کرتے ہیں۔''

پس ایسے تمام لوگ جاہلیت سے نکل کر اسلام میں پورے طور پر داخل نہیں ہوتے۔ جو اللہ کے مقابلے میں ہر چیز سے دستبردار نہیں ہوئے، اور جنہوں نے اپنے تئیں مکمل طور پر اللہ کے حوالے نہیں کیا۔ یہ مکمل دستبرداری اور تسلیمِ کامل وہ اسلام ہے، جس کا حضرت ابراہیم علیہ السلام کو حکم ہوا اور انہوں نے اس کو قبول کیا:

اِذْ قَالَ لَهٗ رَبُّهٗٓ اَسْلِمْ قَالَ اَسْلَمْتُ لِرَبِّ الْعٰلَمِيْنَo

(بقرہ ۱۳۱:۲)

''جب (ابراہیمؑ سے) ان کے رب نے کہا کہ اپنے رب کے حوالے ہو جاؤ، اور اس کی مکمل تابعداری کرو انہوں نے کہا میں نے اپنے تئیں سارے جہان کے پروردگار کے حوالے کر دیا۔''

اور جس کا تمام مسلمانوں کو حکم ہے:

فَاِلٰهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ فَلَهٗٓ اَسْلِمُوْا۔

''تمہارا معبود و حاکم ایک ہی معبود و حاکم ہے پس اسی کے حوالے ہو جاؤ اور مکمل تابعدار بن جاؤ۔

(حج ۲۲: ۳۴)

اگر یہ نہیں ہے تو گویا اللہ سے جنگ ہے اس لئے اس مکمل اسلام کو ایک جگہ اللہ تعالیٰ نے سلم کہا ہے یعنی یہ اللہ سے صلح ہے:

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا ادْخُلُوْا فِى السِّلْمِ كَآفَّةً ۔ وَلَا تَتَّبِعُوْا خُطُوٰتِ الشَّيْطٰنِ اِنَّهٗ لَكُمْ عَدُوٌّ مُّبِيْنٌ۔[1]

(بقرہ ۲: ۲۰۸)

''اے ایمان والو! داخل ہو جاؤ صلح و اسلام میں پورے، اور شیطان کے قدموں پر مت چلو، بیشک وہ تمہارا کھلا دشمن ہے۔''

یہ بات یاد رہے کہ جاہلیت سے مراد صرف بعثتِ نبوی کے قبل کی عرب کی زندگی ہی نہیں ہے بلکہ ہر وہ غیر اسلامی زندگی اور نظام ہے جس کا ماخذ وحی و نبوت اور کتاب الٰہی و سنت انبیاء نہ ہو اور جو اسلام کے مسائل و احکام زندگی سے مطابقت نہ رکھتا ہو خواہ وہ عرب کی جاہلیت ہو یا ایران کی مزدکیت یا ہندوستان کی برہمنیت یا مصر کی فرعونیت، یا ترکوں کی طورانیت، یا موجودہ مغربی تمدن یا مسلمان قوم کی غیر شرعی زندگی اور ان کے

---

[1] مفسرین نے اس آیت کا شان نزول یہ بیان کیا ہے کہ بعض مسلمانوں کو ایسی چیزوں کے کھانے پینے میں تامل ہوا جو ان کے قدیم مذہب میں ان کے لئے جائز نہیں تھیں، اور جن کے استعمال کے وہ عادی نہ تھے، یہ آیت اگرچہ عام اصول تفسیر کے مطابق کہ اس واقعہ سے مخصوص نہیں اور نہایت پُر معانی اور جامع آیت ہے جو تمام احکام اسلام پر مشتمل ہے لیکن اس سے اس پہلو کی بھی وضاحت ہوتی ہے جس کو ہم نے اوپر بیان کیا۔

مخالف شریعت رسوم و عادات، اخلاق و آداب اور میلانات و جذبات خواہ وہ قدیم ہوں یا جدید، ماضی ہوں یا حال۔

کفر ایک سلبی (منفی) چیز نہیں ہے بلکہ ایک ایجابی اور مثبت چیز بھی ہے۔ وہ صرف دین اللہ کے انکار کا نام نہیں ہے بلکہ وہ ایک مذہبی و اخلاقی نظام اور مستقل دین ہے جس میں اپنے فرائض و واجبات بھی ہیں اور مکروہات و محرمات بھی، اس لئے یہ دونوں دین ایک جگہ جمع نہیں ہو سکتے اور ایک انسان ایک وقت میں ان دونوں مذاہب کا وفادار اور ماننے والا نہیں ہو سکتا۔

انبیاء کرام علیہم السلام کفر کی پوری بیخ کنی کرتے ہیں اور کفر کے ساتھ کسی برادری اور مصالحت کے روادار نہیں ہوتے۔ کفر کے پہچان لینے کا بھی ان کو بڑا ملکہ ہوتا ہے اور اس بارے میں ان کی نگاہ بڑی دوررس اور باریک بین ہوتی ہے اللہ تعالیٰ ان کو اس بارے میں پوری حکمت اور عزیمت عطا فرماتا ہے۔ ان کی خداداد فراست اور بصیرت پر اعتماد کیے بغیر چارہ نہیں۔

دین کی حفاظت اس کے بغیر ممکن نہیں کہ کفر و اسلام کی جو سرحدیں انھوں نے قائم کر دی ہیں اور ان کے جو نشانات مقرر کر دیئے ہیں ان کی حفاظت کی جائے۔ اس میں ادنیٰ تساہلی اور رواداری دین کو اتنا مسخ کر کے رکھ دیتی ہے کہ جتنا یہودی، عیسائی اور ہندوستان کے مذہب مسخ ہو گئے۔

انبیاء علیہم السلام کے صحیح جانشین بھی اس بارے میں انہی کی فراست اور عزیمت رکھتے ہیں۔ وہ کفر کا ایک ایک نشان مٹاتے ہیں اور جاہلیت کا ایک ایک داغ دھوتے ہیں۔ کفر کا ادراک کرنے میں ان کی حس عوام سے بہت بڑھی ہوئی ہوتی ہے۔ کفر جس لباس اور جس صورت میں ظاہر ہو وہ اس کو پہچان لیتے ہیں اور اس کی مخالفت پر کمربستہ ہو جاتے ہیں۔

کہیں ہندوستان جیسے ملک میں بیواؤں کے نکاح ثانی کو حرام سمجھنے اور اس سے شدید نفرت رکھنے میں ان کو کفر کی بو محسوس ہوتی ہے اور وہ اس کو رواج دینے اور اس سنت کو زندہ کرنے پر آمادہ ہو جاتے ہیں اور بعض اوقات اس پر اپنی جان کی بازی لگا دیتے ہیں۔

کہیں قانونِ شریعت پر رواج کو ترجیح دینا اور بہنوں کو میراث نہ دینے پر اصرار کرنا ان کو کفر معلوم ہوتا ہے اور وہ ایسے لوگوں کی مخالفت اور ان کا مقاطعہ فرض سمجھتے ہیں۔ کبھی اللہ و رسول کا صاف صاف وصریح حکم سن لینے کے بعد اس کو نہ ماننا اور غیر الٰہی عدالت اور غیر الٰہی قانون کے دامن میں پناہ لینا اور غیر اسلامی احکام وقوانین نافذ کرنا ان کو اسلام سے خروج کے مترادف معلوم ہوتا ہے اور وہ مجبوری کی حالت میں وہاں سے ہجرت کر جاتے ہیں۔

کبھی کسی نو مسلم یا ایسے مسلمانوں کے جو ہندوؤں کی صحبت میں رہتے ہوں اور ان سے متاثر ہوں، گائے کا گوشت کھانے سے احتراز کرنے میں اور اس سے نفرت کرنے میں ان کو ایمان کی کمزوری اور ان کے قدیم مذہب یا غیر مسلموں کی صحبت کا اثر نظر آتا ہے

کبھی بعض حالات میں ایک سنت یا فعل جائز و مستحب کو وہ واجب اور شعائرِ اسلامی سمجھنے لگتے ہیں اور ان کی زبان سے بے اختیار نکل جاتا ہے کہ:

''ذبح بقر در ہندوستان از اعظم شعائر اسلام است''

کبھی وہ غیر مسلموں کے رسوم و عادات اور ان کی تہذیب اور وضع ولباس اختیار کرنے اور ان سے تشبہ پیدا کرنے کی شد و مد سے مخالفت کرتے ہیں اور کبھی ان کی مذہبی تقریبات اور تہواروں میں شرکت کی ممانعت کرتے ہیں۔

غرض کفر یا کفر کی محبت یا اس کی اعانت جس لباس اور جس صورت میں جلوہ گر ہو اور اس کی روح جس قالب میں بھی ظاہر ہو وہ اس کو فوراً بھانپ لیتے ہیں ان کو اس میں کوئی اشتباہ نہیں ہوتا اور اس کی مخالفت کرنے میں کوئی مصلحت ان کے لئے رکاوٹ نہیں بنتی وہ

کفر کو مخاطب کر کے کہتے ہیں

بہر رنگے خواہی کہ جامہ می پوش
من اندازِ قدت رامی شناسم

ان کے زمانے کے کوتاہ نظر یا رند مشرب و مصلح کل جو دیر و حرم کعبہ و بت خانہ میں فرق کرنا ہی کفر سمجھتے ہیں۔ ان کی تضحیک کرتے ہیں اور تحقیر کے ساتھ ان کو فقیہ شہر، محتسب، واعظ، اور خدائی فوجدار کا لقب دیتے ہیں۔

لیکن وہ اپنا کام پورے اطمینان و استقلال کے ساتھ کرتے رہتے ہیں، اور کوئی شبہ نہیں کہ پیغمبروں کے دین کی حفاظت ہر زمانے میں انھیں لوگوں نے کی ہے اور آج اسلام یہودیت و عیسائیت و ہندویت سے ممتاز شکل میں جو نظر آتا ہے وہ انھیں کی ہمت و استقامت اور تفقہ کا نتیجہ ہے۔

جَزَاهُمُ اللّٰهُ عَنِ الْاِسْلَامِ وَوَلِیِّهٖ وَ نَبِیِّهٖ خَیْرُ الْجَزَآءِ

بدعت کیا ہے

کسی ایسی چیز کو جس کو اللہ و رسول نے دین میں شامل نہیں کیا ہے اور اس کا حکم نہیں دیا، دین میں شامل کر لینا اور اس کا ایک جز و بنا لینا، اس کو ثواب اور تقرب الی اللہ کے لئے کرنا، اور اس کی کسی خود ساختہ یا اصطلاحی شکل اور وضع کئے ہوئے شرائط و آداب کی اسی طرح پابندی کرنا جس طرح ایک شرعی حکم کی پابندی کی جاتی ہے بدعت ہے۔

شرک اور کفر (جیسا کہ عرض کیا جا چکا ہے) اگر مستقل دین ہیں تو بدعت مستقل شریعت ہے، اور شرک و کفر اگر اسلام کے مقابلے میں خارج کی چیزیں ہیں تو بدعت دینِ الٰہی کے اندر شریعتِ انسانی کی تشکیل ہے جو اندر اندر نشو و نما پاتی رہتی ہے یہاں تک کہ بعض اوقات (اگر اس کو آزادی کے ساتھ نشو و نما پانے کا موقع دیا جائے) اصل

شریعت سے دو چند وسہ چند ہو جاتی ہے اور رفتہ رفتہ شریعتِ الٰہی کی ساری جگہ اور انسان کے سارے وقت کو گھیر لیتی ہے۔

اس شریعت کی فقہ الگ ہے، اس کے فرائض و واجبات اور سنن و مستحبات مستقل ہیں۔ اور بعض اوقات تعداد میں شریعتِ الٰہی کے احکام سے کہیں زیادہ۔

بدعت سب سے پہلے اس حقیقت کو نظر انداز کرتی ہے کہ تشریع (قانون سازی) اللہ کا حق ہے۔ کسی چیز کو قانونی حیثیت دینا، اس کی پابندی ضروری قرار دینا، یہ منصب صرف شارع (اللہ) کا ہے انسانی قانون سازی اسی منصبِ الٰہی کے خلاف بغاوت ہے اس لئے قانون ساز انسان کو قرآن ''طاغوت'' کہتا ہے۔

يُرِيْدُوْنَ اَنْ يَّتَحَاكَمُوْٓا اِلَى الطَّاغُوْتِ وَقَدْ اُمِرُوْٓا اَنْ يَّكْفُرُوْا بِهٖ.

(النساء۴: ۶۰)

لیکن کسی چیز کو دین و شرع قرار دینا، اور اس کو کسی خاص شکل اور شرائط کے ساتھ قربت خداوندی اور اجر و ثواب کا ذریعہ قرار دینا تو اس سے بھی بڑھ کر بات ہے۔

یہ تو شریعت سازی ہوئی اور قرآن کہتا ہے کہ دین و شرع قرار دینا اللہ ہی کا کام ہے۔

شَرَعَ لَكُمْ مِّنَ الدِّيْنِ مَا وَصّٰى بِهٖ نُوْحًا وَّالَّذِيْٓ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ.

(شوری۴۲، ۱۳)

''تمہارے لئے دین کی وہی راہ مقرر کی جس کا حضرت نوح کو حکم دیا تھا اور ہم نے آپ کی طرف حکم بھیجا۔''

اہل عرب نے جب اپنی طرف سے تحلیل و تحریم کا کام شروع کیا اور مستقل احکام جاری کئے تو قرآن نے یہی جرح کی:

اَمْ لَهُمْ شُرَكٰٓؤُا شَرَعُوْا لَهُمْ مِّنَ الدِّيْنِ مَا لَمْ يَاْذَنْ بِهِ اللّٰهُ.

(شوری ۴۲: ۲۱)

''کیا ان کے کچھ شریک ہیں جنہوں نے ان کے لئے ایسا دین بنایا جس کا اللہ نے حکم نہیں دیا تھا۔''

یہ اللہ کی اجازت کے بغیر قانون سازی کیا تھی؟ اس کی تفصیل ملاحظہ ہو:

وَقَالُوْا هٰذِهٖٓ اَنْعَامٌ وَّحَرْثٌ حِجْرٌ لَّا يَطْعَمُهَآ اِلَّا مَنْ نَّشَآءُ بِزَعْمِهِمْ وَاَنْعَامٌ حُرِّمَتْ ظُهُوْرُهَا وَاَنْعَامٌ لَّا يَذْكُرُوْنَ اسْمَ اللّٰهِ عَلَيْهَا افْتِرَآءً عَلَيْهِ ۭ سَيَجْزِيْهِمْ بِمَا كَانُوْا يَفْتَرُوْنَ ○

(انعام ۶: ۱۳۸)

''اور انھوں نے کہا کہ یہ مویشی اور کھیتی ممنوع ہے اس کو صرف وہی کھا سکیں گے جن کو ہم چاہیں اپنے خیال کے مطابق اور یہ مویشی ہیں جن کی پیٹھ پر چڑھنا منع ہے، اور کچھ مویشی جن کے ذبح پر اللہ کا نام نہیں لیتے اللہ پر جھوٹ باندھتے ہوئے، اللہ ان کے جھوٹ کی ان کو سزا دے گا۔''

وَقَالُوْا مَا فِيْ بُطُوْنِ هٰذِهِ الْاَنْعَامِ خَالِصَةٌ لِّذُكُوْرِنَا وَمُحَرَّمٌ عَلٰٓي اَزْوَاجِنَا ۚ وَاِنْ يَّكُنْ مَّيْتَةً فَهُمْ فِيْهِ شُرَكَآءُ ۭ سَيَجْزِيْهِمْ وَصْفَهُمْ ۭ اِنَّهٗ حَكِيْمٌ عَلِيْمٌ.

(انعام. ۶: ۱۳۹)

''اور انہوں نے کہا ان مویشیوں کے جو کچھ پیٹ میں ہے وہ ہمارے مردوں ہی کے کھانے کے لئے مخصوص ہے اور ہماری

> عورتوں کے لئے حرام ہے اور اگر مردہ ہو تو اس میں سب شریک ہیں۔ اللہ ان کو ایسی باتیں بتانے کی سزا دے گا وہ حکمت والا اور خبردار ہے۔"

عرب کے ان شریعت سازوں کا یہ جرم جس کو قرآن "افترا" کہتا ہے کیا تھا؟ یہی کہ انھوں نے بلا کسی آسمانی کتاب اور سند کے محض اپنے اتفاق رائے اور اصطلاح سے ایک چیز کو ایک کے لئے حلال اور دوسرے کیلئے حرام کر دیا، اور اس کے لئے ایسے قواعد و احکام اور اصول و ضوابط مقرر کئے جن کا کوئی آسمانی مآخذ نہ تھا اور پھر ان کی ایسی پابندی کی اور دوسروں سے کرائی جیسی پیغمبروں کی شریعتوں اور احکام الٰہی کی ہوتی ہے کہ اگر کوئی اس کے خلاف کرے تو سخت گنہگار سمجھا جائے اور ملزم وملعون ہو۔

یہودیوں اور عیسائیوں کا یہی جرم قرآن نے بیان کیا ہے:

اتَّخَذُوٓا اَحْبارَهُمْ وَرُهْبانَهُمْ اَرْبابًا مِّنْ دُوْنِ اللهِ.

(توبہ ۹، ۳۱)

> "انھوں نے اپنے عالموں اور درویشوں کو، اللہ کو چھوڑ کر الٰہ ٹھہرالیا۔"

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے عدی بن حاتمؓ کے سامنے اس آیت کی یہی تفسیر کی عیسائی علماء ومشائخ نے جس چیز کو ان کے لئے حلال یا حرام قرار دے دیا انھوں نے بے چوں وچرا اس کو مان لیا اور ان کو مستقل شارع قرار دے دیا۔

درحقیقت تحلیل وتحریم میں اور کسی چیز کو بلا دلیل شرعی فرض وواجب قرار دے دینے اور کسی خاص شکل اور آداب وشرائط کے ساتھ کار ثواب وذریعہ تقرب الی اللہ قرار دینے میں کوئی اصولی فرق نہیں دونوں شرع "ما لم یأذن بہ اللہ" کے حکم میں آتے ہیں۔

بدعت جس دوسری حقیقت کو نظر انداز کرتی ہے وہ یہ ہے کہ شریعت مکمل ہو چکی

ہے جس کا تعین ہونا تھا اس کا تعین ہو گیا۔ ایک انسان کی نجات کے لئے جتنے اعمال ضروری ہیں اور تقرب الی اللہ کے لئے جتنے وسائل تھے ان سب کی وضاحت کر دی گئی اور دین کی ٹکسال بند کر دی گئی۔ اب جو نیا سکہ اس کی طرف منسوب کیا جائے گا وہ جعلی ہوگا۔

> اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَیْکُمْ نِعْمَتِیْ
> وَرَضِیْتُ لَکُمُ الْاِسْلَامَ دِیْنًا ۝
>
> (مائدہ ۳:۵)
>
> ”آج کے دن میں نے تمہارے لئے دین کو کامل کر دیا اور میں نے تم پر اپنا انعام تمام کر دیا اور میں نے اسلام کو تمہارا دین بننے کے لئے پسند کر لیا۔“ (بیان القرآن)

امام مالکؒ نے کیا خوب فرمایا:

> من ابتدع فی الاسلام بدعةً یراھا حسنةً فقد زعم ان محمدا صلی اللہ علیہ وسلم خان الرسالة فان اللہ سبحانہ یقول.
> ”اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ“ فما لم یکن یومئذٍ دیناً فلا یکون الیوم دیناً.“
>
> ”جس نے اسلام میں کوئی بدعت پیدا کی اور اس کو اچھا سمجھتا ہے وہ اس بات کا اعلان کرتا ہے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے (نعوذ باللہ) پیغام پہنچانے میں خیانت کی۔ اس لئے کہ اللہ فرماتا ہے کہ میں نے تمہارے لئے تمہارا دین مکمل کر دیا۔ پس جو بات عہد رسالت میں دین نہیں تھی وہ آج بھی دین نہیں ہوسکتی۔“

شریعت منزل من اللہ کی ایک خصوصیت اس کی سہولت اور اس کا ہر ایک زمانے میں قابل عمل ہونا ہے۔ اللہ تعالیٰ حکیم وخبیر ہے اس کو انسانوں کی فطری کمزوری، ان کے مصالح اور ان کے مختلف ومتفاوت حالات کا پورا علم ہے۔ اسی کے ساتھ وہ رؤف ورحیم (بیحد مہربان) اور شفیق بھی ہے۔ اس علم محیط اور شفقت بے پایاں کی بنیاد پر اس نے انسانوں کے لئے اپنے پیغمبروں کے ذریعہ نہایت آسان شریعت نازل کی، احکام شریعت میں ان کی کمزوریوں، مشکلات اور کوتاہیوں کا پورا لحاظ رکھا اور ان کی قوت و وسعت اور زمان ومکان کا پورا لحاظ فرماتے ہوئے ان کے لئے ایک عالمگیر اور ابدی قانون مقرر فرمایا۔ اس کا ارشاد ہے:

لا يُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا. (بقره ۲:۲۸۶)

''اللہ کسی کو اس کی گنجائش سے بڑھ کر مجبور نہیں کرتا۔''

يُرِيْدُ اللّٰهُ اَنْ يُّخَفِّفَ عَنْكُمْ وَخُلِقَ الْاِنْسَانُ ضَعِيْفًا۝

(نساء۴:۲۸)

''اللہ چاہتا ہے کہ تمہارے بار کو ہلکا کرے اور انسان کمزور پیدا کیا گیا ہے۔''

وَمَا جَعَلَ عَلَيْكُمْ فِي الدِّيْنِ مِنْ حَرَجٍ ؕ

(الحج ۲۲:۷۸)

''تم پر اللہ نے دین میں کوئی تنگی نہیں رکھی۔''

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق فرمایا:

لَقَدْ جَآءَكُمْ رَسُوْلٌ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ عَزِيْزٌ عَلَيْهِ مَا عَنِتُّمْ حَرِيْصٌ عَلَيْكُمْ بِالْمُؤْمِنِيْنَ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ.

(توبہ ۹:۱۲۸)

''تمہارے پاس تمہیں میں سے ایک رسول آیا جس پر تمہاری

تکلیف شاق ہے۔ تمہاری اس کو بڑی فکر ہے، ایمان والوں پر
نہایت شفیق و مہربان ہے۔''

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی شریعت کے متعلق فرمایا:

بعثت بالحنيفة السمحة انّ هٰذا الدين يُسْرٌ○

''مجھے نہایت سیدھے سادے آسان دین کے ساتھ بھیجا گیا۔
بے شک یہ دین آسان ہے۔''

امت کی مشقت کا آپ کو اتنا خیال تھا کہ فرمایا: ''لو لا ان اشقّ علی امتی لا مرتھم بالسّواکِ عند کلّ صلوٰۃ.'' اگر مجھے اپنی امت کی تکلیف کا خیال نہ ہوتا تو میں ہر نماز کے وقت مسواک کرنا فرض قرار دے دیتا۔

لیکن دین کی یہ سہولت اور خدا تعالیٰ کی طرف سے اس بات کی ضمانت اسی وقت تک ہے جب تک کہ اللہ شارع ہے اور شریعت اسی کی ہے لیکن جب انسان شارع بن جائے اور وہ شریعتِ الٰہی میں مداخلت اور اضافہ شروع کر دے تو پھر دین کی یہ سہولت باقی نہیں رہ سکتی، نہ انسان کا علم محیط ہے، نہ وہ مختلف انسانوں کی ضروریات، مصالح اور زبان و مکان کے اختلاف کا لحاظ رکھ سکتا ہے۔ نہ اس کو اپنے بنی نوع پر وہ شفقت ہو سکتی ہے، جو اللہ اور اس کے رسول کو ہے۔ نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ جو دین خالص ہونے کی صورت میں ہر ایک کے لئے قابلِ عمل اور بالکل سہل ہوتا ہے وہ ان بدعات کی آمیزشوں اور وقتاً فوقتاً اضافہ کے بعد اس قدر دشوار، پیچیدہ اور طویل ہو جاتا ہے کہ اس پر پورے طور پر عمل کرنا رفتہ رفتہ ناممکن ہوتا چلا جاتا ہے۔

لوگوں کو گریز اور حیلہ جوئیوں کی عادت پڑ جاتی ہے اور بہت سے لوگ ایسے مذہب کا قلادہ اپنی گردن سے اتار دیتے ہیں۔ مذاہب کی تاریخ کا گہرا مطالعہ کیا جائے تو معلوم ہوگا کہ ترکِ مذہب کی بکثرت نوبت اور الحاد و لامذہبیت کا آغاز عموماً ان لامتناہی بدعات

کے بعد ہوا۔ جن کی پابندی ایک متوسط درجے کے انسان کے لئے تقریباً ناممکن ہوگئی تھی اور آدمی ان کا پابند رہ کر کسی اور کام کا نہیں رہ سکتا تھا۔ قرونِ وسطیٰ میں بھی علم و عقل کی بغاوت کلیسا کے اسی مذہبی نظام کے خلاف تھی جس سے اصل مسیحیت کو ذرا نسبت بھی نہ تھی۔

یہ نکتہ بھی قابل لحاظ ہے کہ الٰہی دین و شریعت کی ایک خصوصیت ان کی عالمگیر یکسانیت ہے۔ یہ یکسانیت زمانوں کے لحاظ سے بھی ہے اور مکانوں کے لحاظ سے بھی۔ اللہ کی ذات حق سبحانہ وتعالیٰ چونکہ "رب المشرقین والمغربین" ہے وہ زمان ومکان کی حدود وقیود سے بالاتر ہے اس لئے اس کی شریعت میں کامل یکسانی پائی جاتی ہے اس کی آخری شریعت جس کی تکمیل آخری پیغمبر محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر ہو چکی ہے۔ آفتاب کی طرح سب کے لئے ایک اور زمین وآسمان کی طرح سب کے لئے یکساں ہے۔

اس کی شکل جو قرن اول میں تھی وہی شکل چودھویں صدی ہجری میں بھی ہے وہ جیسی اور جتنی مشرق والوں کے لئے ہے ویسی ہی اور اتنی ہی مغرب والوں کے لئے بھی۔ جو قواعد واحکام، عبادت کے جو اشکال، تقرب الی اللہ کی جو متعین شکلیں اہل عرب کے لئے تھیں وہی اہل ہندوستان کے لئے بھی۔

اسی لئے اگر دنیا کے کسی حصہ کا کوئی مسلمان باشندہ کسی دوسرے حصہ میں چلا جائے تو اس کو فرائض اسلام کے ادا کرنے میں اور مسجد میں عبادت کرنے میں کوئی دقت پیش نہیں آئے گی نہ اس کے لئے کسی مقامی ہدایت نامہ اور رہبر کی ضرورت ہوگی۔ اس کو دینی حیثیت سے کوئی اجنبیت اور مسافرت محسوس نہیں ہوگی علاوہ مقتدی ہونے کے کہ وہ اگر صاحب علم ہے تو ہر جگہ امام بن سکتا ہے اور ہر جگہ فتویٰ دے سکتا ہے۔

لیکن بدعات کا یہ خاصہ نہیں۔ ان میں یکسانی اور وحدت نہیں ہوتی ان میں زمان

و مکان کا پرتو ہوتا ہے وہ ہر جگہ کے مقامی سانچہ اور ملکی وہ شہری ٹکسال سے ڈھل کر نکلتی ہیں اور خاص تاریخی و مقامی اسباب اور ماحول میں بنتی ہیں۔ ان کو تمام عالم اسلام میں رواج نہیں دیا جا سکتا، نہ دنیا کے تمام مسلمانوں کو ان کا علم ہونا ضروری ہے۔ علم ہونے کے بعد ضروری نہیں کہ وہ سب ان کو قبول کر لیں۔

اس لئے ہندوستان کی بدعات مصر کی بدعات سے مختلف ہیں اور ایران و شام کی بدعات میں کوئی اشتراک نہیں۔ ملکوں سے گذر کر بعض اوقات شہر شہر کی بدعات مختلف ہوتی ہیں۔ ایک شہر کے مسلمانوں کو دوسرے شہر کی مخصوص بدعات کا علم نہیں ہوتا یہ بات بڑھتے بڑھتے محلوں اور گھروں تک پہنچ سکتی ہے اور گھر گھر کا دین مختلف ہو سکتا ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے تمام دوسری شریعتوں اور مذاہب کا عبرتناک انجام تھا۔ یہودیت اور عیسائیت کی مسخ شدہ اور محرف شکل موجود تھی۔ اس لئے آپ نے شریعت اسلامی کو اپنی حقیقی شکل اور اصلی مقدار میں رکھنے کی پوری کوشش فرمائی اور اس کے لئے تمام احتیاطی تدابیر اختیار کیں۔

آپ نے اپنے جانشین صحابہ کرام کو بدعات سے بچنے اور سنت کی حفاظت کی بڑی تاکید و تلقین فرمائی۔ آپ کے براہ راست جانشین صحابہ کرامؓ نے اس وصیت کی پوری تعمیل کی اور بدعات کے بارے میں کسی قسم کی رواداری اور کمزوری روا نہیں رکھی۔

صحابۂ کرام کے بعد ائمہ وفقہاء اسلام نے اعلیٰ درجہ کے فہم دین اور ایسی عزیمت و استقامت کا ثبوت دیا جو انبیاء کرام کے جانشینوں کے شایانِ شان ہے۔ انہوں نے ہمیشہ اپنے زمانے کی بدعات کی سختی سے مخالفت کی۔ مبتدعین کا علمی و عملی مقاطعہ کیا۔ اسلام کے معاشرہ اور دینی حلقوں میں ان بدعات کو مقبول اور ان کے علمبرداروں کو وقیع اور باوقار بننے سے روکنے کی کوشش کی اور ان کو اہل علم کی نگاہوں سے ہمیشہ کے لئے گرا دیا۔

بالخصوص فقہاء حنفیہ نے جو شدید احتساب کیا اور جس باریک بینی اور نکتہ فہمی کے ساتھ اپنے زمانہ کے بعض بظاہر معمولی مبتدعانہ اعمال و رسوم کی مخالفت کی اور شریعت کی حفاظت اور سنت و بدعت کے امتیاز کے لئے جو حکیمانہ انتظامات اور فقہی احتیاطیں کیں وہ ان کی اصول دین سے گہری واقفیت اور ان کے تفقہ کی بہترین مثالیں ہیں۔

جو لوگ یہ جانتے ہیں کہ بدعات خوش عقیدہ و شائقین دین کے لئے کیسی مقناطیسی کشش رکھتی ہیں اور کس سرعت کے ساتھ رواج و مقبولیت حاصل کر لیتی ہیں۔ وہ ان علماء اسلام کی ہمت دلیری و کامیابی کی داد دیں۔ جن کی کوششوں اور اظہار حق سے بعض بدعات کا بالکل سد باب ہو گیا اور اب ان کا فقہ کی بعض کتابوں یا تمدن کی بعض تاریخوں میں ذکر آتا ہے۔ بعض بدعات جو باقی رہ گئیں ان کا بدعت ہونا بھی مشتبہ نہیں رہا اور ایک جماعت ہمیشہ ان کی مخالفت کرتی رہی ہے اور اب بھی کرتی ہے۔

ان مخالفین بدعت اور حاملینِ لواء سنت کو اپنے زمانے کے عوام یا خواص کالعوام سے اس طرح جامد اور روایت پرست وغیرہ کے خطابات ملے جس طرح ہر زمانہ کے مذاق عام اور رواج عام کے خلاف کہنے والوں اور کرنے والوں کو ملا کرتے ہیں۔

ما یُقالُ لکَ الّا ما قدْ قیْل لِلرُّسُل مِنْ قبْلکَ.

اسی پر اکتفا کرتا ہوں۔ اللہ تعالیٰ علماء ربانی کو دینی تقاضے پورے کرنے کی اور اپنے منصب کو پہچاننے کی توفیق بخشے۔ آمین۔

وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین

علم کا مقام اور اہلِ علم کی ذمہ داریاں

یہ تقریر حضرت مولانا رحمت اللہ **کو** کشمیر یونیورسٹی کے ساتویں کونیشن منعقدہ ۲۹/ اکتوبر میں ڈاکٹر آف لٹریچر کی ڈگری پیش کیے جانے کے موقع پر کی گئی!

الحمدللہ رب العالمین والصلوٰۃ والسلام علی سید الانبیاء والمرسلین وعلی آلہ واصحابہ اجمعین. امابعد! فاعوذ باللہ من الشیطان الرجیم، اقرأ باسم ربک الذی خلق، خلق الانسان من علق، اقرأ وربک الاکرم، الذی علم بالقلم، علم الانسان مالم یعلم.

جناب چانسلر صاحب (بی۔ کے نہرو۔ گورنر کشمیر) پرو چانسلر صاحب (شیخ محمد عبد اللہ چیف منسٹر کشمیر) وائس چانسلر صاحب (ڈاکٹر وحید الدین ملک) اساتذۂ جامعہ فضلائے کرام اور معزز حاضرین!

میرا عقیدہ ہے کہ علم ایک اکائی ہے، جو بٹ نہیں سکتی، اس کو قدیم و جدید مشرقی و مغربی، نظری و عملی میں تقسیم کرنا صحیح نہیں اور جیسا کہ علامہ اقبال نے کہا ہے ؎

دلیل کم نظری قصۂ جدید و قدیم

میں علم کو ایک صداقت مانتا ہوں جو خدا کی وہ دین ہے، جو کسی ملک و قوم کی ملک نہیں اور نہ ہونی چاہئے، مجھے علم کی کثرت میں بھی وحدت نظر آتی ہے، وہ ''وحدت'' سچائی ہے

سچ کی تلاش ہے، علمی ذوق ہے، اور اس کو پانے کی خوشی ہے، اس کے باوجود میں جناب چانسلر صاحب، وائس چانسلر صاحب، اور اس جامعہ کے ذمہ داروں کا شکر گزار ہوں کہ انھوں نے اپنے ایک علمی اعزاز کے لئے ایک شخص کا انتخاب کیا جس کا انتساب اور تعلق قدیم طرز تعلم سے ہے۔

میں علم، ادب، شاعری، فلسفہ، حکمت کسی میں اس اصول کا قائل نہیں ہوں کہ جو اس کی "وردی" پہن کر آئے وہی "عالم" اور "دانشور" ہے، اور یہ مان لیا گیا ہے کہ جس کے جسم پر وردی نہ ہو وہ نہ مستحق خطاب ہے نہ لائق سماعت، بدقسمتی سے ادب وشاعری میں بھی یہی حال ہے، جو ادب کی دکان نہ لگائے اور اس پر ادب کا سائن بورڈ آویزاں نہ کرے، اور ادب کی وردی پہن کر ادبی محفل میں نہ آئے وہ "بے ادب" ہے، لوگوں نے ان پیدائشی ادیبوں اور شاعروں کا قصور کبھی معاف نہیں کیا، جن کے جسم پر وہ وردی دکھائی نہ دیتی ہو، یا جن کو بدقسمتی سے ان وردیوں میں سے کوئی وردی نہ مل سکی ہو، میں علم کی آفاقیت اور علم کی تازگی کا قائل ہوں، جس میں خدا کی رہنمائی ہر دور میں شامل رہی ہے، اگر خلوص ہے، اور سچی طلب ہے تو خدا کی طرف سے کسی وقت فیضان میں کمی نہیں۔

علم کی قسمت قلم سے وابستہ ہے

حضرات! اس موقر دانش گاہ کے جلسہ تقسیم اسناد میں جو فلک بوس ہمالیہ کی ایک سرسبز وحسین وادی میں منعقد ہو رہا ہے، مجھے بے اختیار وہ واقعہ یاد آتا ہے، جب عرب کے ایک خشک علاقہ میں ایک پہاڑ پر جو نہ بلند تھا اور نہ سرسبز، (۱) تقریباً چودہ سو سال پہلے پیش آیا تھا

۱۔ اس موقع پر مقرر نے کہا کہ وہ سرزمین خشک اور وہ پہاڑ غیر سرسبز تھا، لیکن حفیظ جالندھری نے خوب کہا ہے

نہ یاں پر گھاس اگتی ہے نہ یاں پر پھول کھلتے ہیں
مگر اس سرزمین سے آسماں بھی جھک کر ملتے ہیں

اور جس نے تاریخ انسانی ہی نہیں بلکہ تقدیر انسانی پر ایسا گہرا اور لازوال اثر ڈالا ہے، جس کی نظیر تاریخ میں نہیں ملتی، اور جس کا اس ”لوح و قلم“ سے خاص تعلق ہے، جس پر علم و تہذیب، اور تحقیق و تصنیف کی اساس ہے، اور جس کے بغیر نہ یہ عظیم دانش گاہیں وجود میں آتیں اور نہ یہ وسیع کتب خانے جس سے دنیا کی زینت اور زندگی کی قدر و قیمت ہے، میری مراد پہلی وحی کے واقعہ سے ہے جو ۱۲ فروری ۶۱۱ء کے لگ بھگ نبی عربی محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر مکہ کے قریب غار حرا میں نازل ہوئی، اس کے الفاظ یہ تھے

> اِقْـرَاْ بِاسْمِ رَبِّکَ الَّـذِیْ خَلَقَ ○ خَـلَـقَ الْاِنْسَـانَ مِنْ
> عَلَقٍ ○ اِقْرَاْ وَرَبُّکَ الْاَکْرَمُ ○ اَلَّـذِیْ عَلَّمَ بِالْقَلَمِ ○ عَلَّمَ
> الْاِنْسَانَ مَا لَمْ یَعْلَمْ ○
>
> (سورہ علق آیت ۱ تا ۵)
>
> ”(اے محمد) اپنے پروردگار کا نام لے کر پڑھو جس نے پیدا کیا،
> جس نے انسان کو خون کی پھٹکی سے بنایا پڑھو اور تمہارا پروردگار
> بڑا کریم ہے، جس نے قلم کے ذریعہ علم سکھایا، اور انسان کو وہ
> باتیں سکھائیں جن کا اس کو علم نہ تھا۔“

خالق کائنات نے اپنی وحی کی اس پہلی قسط اور باران رحمت کے اس پہلے چھینٹے میں بھی اس حقیقت کے اعلان کو مؤخر و ملتوی نہیں فرمایا کہ علم کی قسمت سے وابستہ ہے غار حرا کی اس تنہائی میں جہاں ایک نبی امی اللہ کی طرف سے دنیا کی ہدایت کے لئے پیغام لینے گیا تھا، اور جس کا یہ حال تھا کہ اس نے قلم کو حرکت دینا خود بھی نہیں سیکھا تھا جو قلم کے فن سے یکسر واقف نہ تھا، کیا دنیا کی تاریخ میں اس کی نظیر کہیں مل سکتی ہے؟ اور اس بلندی کا تصور بھی ہو سکتا ہے کہ اس نبی امی پر ایک امت امی اور ایک ناخواندہ ملک کے درمیان (جہاں جامعات اور دانش گاہیں تو بڑی چیزیں ہیں حرف شناسی بھی عام نہیں تھی) پہلی بار

وحی نازل ہوتی ہے، اور آسمان وزمین کا رابطہ صدیوں کے بعد قائم ہوتا ہے تو اس کی ابتدا ہوتی ہے ''اقرا'' سے جو خود پڑھا ہوا نہیں تھا، اس پر جو وحی نازل ہوتی ہے، اس میں اس کو خطاب کیا جاتا ہے کہ ''پڑھو'' یہ اشارہ تھا اس طرف کہ آپ کو جو امت دی جانے والی ہے وہ امت صرف طالب علم ہی نہ ہوگی بلکہ معلم عالم اور علم آموز ہوگی، وہ علم کی اس دنیا میں اشاعت کرنے والی ہوگی، جو دور آپ کے حصہ میں آیا ہے، وہ دور ''اُمیّت'' کا دور نہیں ہوگا، وہ دور وحشت کا دور نہیں ہوگا، وہ دور جہالت کا دور نہیں ہوگا، وہ دور علم دشمنی کا دور نہیں ہوگا، وہ دور علم کا دور ہوگا، عقل کا دور ہوگا، حکمت کا دور ہوگا، تعمیر کا دور ہوگا، انسان دوستی کا دور ہوگا، وہ دور ترقی کا دور ہوگا۔

علم کی ابتداء اسم رب سے ہونی چاہئے

بسم ربک الذی خلق (اس پروردگار کے نام سے پڑھو جس نے پیدا کیا) بڑی غلطی یہ تھی کہ علم کا رشتہ رب سے ٹوٹ گیا تھا، اس لئے علم سیدھے راستے سے ہٹ گیا تھا، اس ٹوٹے ہوئے رشتہ کو یہاں جوڑا گیا، جب علم کو یاد کیا گیا اس کو یہ عزت بخشی گئی تو اس کے ساتھ ساتھ اس کی بھی آگاہی دی گئی کہ اس علم کی ابتداء اسم رب سے ہونی چاہئے، اس لئے کہ علم اسی کا دیا ہوا ہے، اسی کا پیدا کیا ہوا ہے، اور اسی کی رہنمائی میں یہ متوازن ترقی کر سکتا ہے، یہ دنیا کی سب سے بڑی انقلاب آفریں، انقلاب انگیز اور صاعقہ آسا آواز تھی جو ہماری دنیا کے کانوں نے سنی تھی، جس کا کوئی تصور نہیں کر سکتا تھا، اگر دنیا کے ادیبوں اور دانشوروں کو دعوت دی جاتی کہ آپ لوگ قیاس کیجئے کہ جو وحی نازل ہونے والی ہے، اس کی ابتدا کس چیز سے ہوگی؟ اس میں کس چیز کو اولیت دی جائے گی؟ تو میں سمجھتا ہوں کہ ان میں سے ایک آدمی بھی جو اس امی قوم اور اس کے مزاج اور دماغ سے واقف تھا، یہ نہیں کہہ سکتا تھا کہ وہ ''اقرا'' کے لفظ سے شروع ہوگی۔

یہ ایک انقلاب انگیز دعوت تھی کہ علم کا سفر خدائے حکیم وعلیم کی رہنمائی میں شروع کیا جانا چاہئے اس لئے کہ یہ سفر بہت طویل پر پیچ اور بہت پر خطر ہے، یہاں دن دہاڑے قافلے لٹتے ہیں قدم قدم پر مہیب وعمیق گھاٹیاں ہیں، گہرے دریا ہیں، قدم قدم پر سانپ اور بچھو ہیں، اس لئے اس میں ایک رہبر کامل کی رفاقت ہونی چاہئے اور وہ رہبر کامل حقیقتا خدا کی ذات ہے، مجرد علم وادب نہیں، وہ علم مقصود نہیں جو بیل بوٹے بنانے کا نام ہے، جو محض کھلونوں سے کھیلنے کا نام ہے وہ علم نہیں جو محض دل بہلانے کا نام ہے، وہ علم نہیں جو ایک کو دوسرے سے لڑانے کا نام ہے وہ علم نہیں جو قوموں کو قوموں سے ٹکرانے کا نام ہے، وہ علم نہیں جو اپنے معدہ کی خندق کو بھرنے کا ذریعہ سکھانے کا نام ہے، وہ علم نہیں جو زبان کو صرف استعمال کرنا سکھاتا ہے، بلکہ "اقْرَاْ بِاسْمِ رَبِّکَ الَّذِیْ خَلَقَ خَلَقَ الْاِنْسَانَ مِنْ عَلَقٍ. اقْرَأْ وَرَبُّکَ الْاَکْرَمُ. الَّذِیْ عَلَّمَ بِالْقَلَمِ. عَلَّمَ الْاِنْسَانَ مَالَمْ یَعْلَمْ.

پڑھو تمہارا رب بڑا کریم ہے، وہ تمہاری ضرورتوں سے تمہاری کمزوریوں سے کیسے ناآشنا ہوسکتا ہے "اقْرَاْ وَرَبُّکَ الْاَکْرَمُ الَّذِی عَلَّمَ بِالْقَلَمِ " آپ خیال کیجئے کہ قلم کا رتبہ اس سے زیادہ کس نے بڑھایا ہوگا کہ اس غار حرا کی پہلی وحی نے بھی قلم کو فراموش نہیں کیا وہ قلم جو شاید ڈھونڈنے سے بھی مکہ میں کسی گھر میں نہ ملتا اگر آپ اسے تلاش کرنے کے لئے نکلتے تو شاید معلوم نہیں کسی ورقہ بن نوفل[1] کے یا کسی "کاتب[2]" کے جو دیار عجم سے کچھ لکھنا پڑھنا سیکھ کر آیا ہو گھر میں ملتا۔

---

[1] عہد بعثت کے ایک عرب فاضل جو توراۃ انجیل کے بڑے عالم تھے، اور عبرانی زبان سے خوب واقف تھے۔

[2] عرب میں پڑھے لکھے آدمی کو "کاتب" کہتے تھے۔

اور پھر ایک بہت بڑی انقلاب انگیز اور آفاقی حقیقت بیان کی کہ علم کی کوئی انتہا نہیں ’’عَلَّمَ الْاِنْسَانَ مَا لَمْ یَعْلَمْ‘‘ انسان کو سکھایا جس کا اس کو پہلے سے علم نہ تھا، نفس کیا ہے؟ ٹیکنالوجی کیا ہے؟ انسان چاند پر جا رہا ہے، خلا کو ہم نے طے کر لیا ہے، دنیا کی طنابیں کھینچ لی ہیں، یہ سب ’’عَلَّمَ الْاِنْسَانَ مَا لَمْ یَعْلَمْ‘‘ کا کرشمہ نہیں تو کیا ہے؟

حضرات! اجازت دیجئے کہ اس موقع سے فائدہ اٹھا کر وادیٔ علم کے ایک مسافر کی حیثیت سے کچھ مشورے کچھ تجربے پیش کروں۔

جامعات کا پہلا کام سیرت سازی ہے، یونیورسٹی ایسا کیرکٹر بنائے جو اپنے ضمیر کو بقول اقبال ایک کف جو کے بدلے میں بیچنے کیلئے تیار نہ ہو، آج کل فلسفے اور نظام یہ سمجھتے ہیں کہ اس بازار میں سب کی قیمت مقرر ہے، کوئی اگر کم قیمت پر نہیں خریدا جا سکتا تو زیادہ قیمت پر خرید لیا جائے گا؟ ایک جامعہ کی حقیقی کامیابی یہ ہے کہ وہ سیرت سازی کا کام کرے، وہ ایسے صاحب علم افراد پیدا کرے جو اپنے ضمیر کا سودا نہ کر سکیں، جن کو دنیا کی کوئی طاقت، کوئی تخریبی فلسفہ کوئی غلط دعوت و تحریک کسی دام خرید نہ سکے، جو اقبال کے الفاظ میں پورے اعتماد و افتخار کے ساتھ کہہ سکیں ؎

کرم تیرا کہ بے جوہر نہیں میں
غلام طغرل و سنجر نہیں میں
جہاں بینی مری فطرت ہے لیکن
کسی جمشید کا ساغر نہیں میں

دوسرا فرض یہ ہے کہ ہماری جامعات سے ایسے نوجوان نکلیں جو اپنی زندگیاں حق و صداقت اور علم و ہدایت کیلئے قربان کرنے کے لئے تیار ہوں جن کو کسی کے لئے بھوکا رہنے میں وہ لذت آئے جو کسی کو پیٹ بھر کر کھانے اور ’’نائے و نوش‘‘ میں آتی ہے، جن کو کھونے میں وہ مسرت حاصل ہو جو بعض اوقات کسی کو پانے میں نہیں ہوتی، جو اپنی جوانی

کی بہترین توانائیاں، ذہن کی بہترین صلاحیتیں اور اپنے جامعہ کا بہترین عطیہ جس سے ان کی جھولی بھر دی گئی ہے، انسانیت کو تباہی سے بچانے کے لئے صرف کریں۔

دانش گاہوں کو دیکھنا چاہئے کہ وہ اعلیٰ صلاحیت کے لوگ کتنی تعداد میں پیدا کررہے ہیں؟ میں صفائی سے کہتا ہوں کہ اب کسی ملک کی یہ تعریف نہیں کہ وہاں بڑی تعداد میں یونیورسٹیاں ہیں، یہ کوتاہ نظری اب بہت پرانی ہوگئی ہے، سوال یہ ہے کہ علم کے شوق میں جستجو کی راہ میں علم واخلاق کے پھیلانے، اور برائیوں، بداخلاقیوں، سفاکی و درندگی، دولت وقوت کی پرستش کو روکنے کے لئے کتنے آدمی اپنی زندگیاں وقف کرتے ہیں، اپنی قوم کو صاحبِ شعور، مہذب اور باضمیر قوم بنانے کے لئے کتنی تعداد میں نوجوان موجود ہیں، جو اپنی ذاتی سربلندی اور ترقی سے آنکھیں بند کرکے اس مقصد کے لئے اپنے کو وقف کرتے ہیں، اصل معیار یہ ہے کہ کتنے نوجوان ایسے ہیں جو دنیا کی تمام آسائشوں اور ترقیوں سے آنکھیں بند کرکے کسی گوشے میں ٹھوس علمی وتعمیری کام کررہے ہیں۔

حقیقت یہ ہے کہ ادب شاعری، فنونِ لطیفہ، حکمت وفلسفہ، تصنیف وتالیف سب کا مقصد یہ ہے کہ ملک وملت میں ایک نئی زندگی اور روح پیدا ہو اور وہ سراب کی نمود اور شعلہ کی بھڑک نہ ہو، میں اس وقت ترجمانِ حقیقت ڈاکٹر محمد اقبال کے یہ شعر پڑھوں گا، جو انھوں نے اگرچہ کسی ادیب یا شاعر سے مخاطب ہوکر کہے تھے، لیکن یہ علم وادب، فلسفہ وحکمت سب پر صادق آتے ہیں۔

اے اہلِ نظر ذوقِ نظر خوب ہے لیکن
جو شے کی حقیقت کو نہ دیکھے وہ نظر کیا
مقصودِ ہنر سوزِ حیاتِ ابدی ہے
یہ ایک نفس یا دو نفس مثلِ شرر کیا

شاعر کی نوا ہو کہ مغنی کا نفس ہو
جس سے چمن افسردہ ہو وہ بادِ سحر کیا

حضرات! اب آخر میں مجھے اپنے ان قابل مبارکباد بھائیوں سے جو یہاں سے سند لے کے جارہے ہیں، یا ان خوش نصیب عزیزوں سے جو ابھی اس چمن علم کی خوشہ چینی میں مصروف ہیں، کچھ کہنے کی اجازت دیجئے۔ میں اپنی بات کہنے میں (جو شاید کسی قدر خشک اور سنجیدہ ہو) ایک دلچسپ کہانی کا سہارا لوں گا، جو شاید آپ کے کانوں کا ذائقہ تبدیل کرنے میں مدد کرے۔

”راوی صادق البیان کہتا ہے کہ ایک بار چند طلبا تفریح کے لئے ایک کشتی پر سوار ہوئے طبیعت موج پر تھی، وقت سہانا تھا، ہوا نشاط انگیز اور کیف آور تھی، اور کام کچھ نہ تھا، یہ نوعمر طلبا خاموش کیسے بیٹھ سکتے تھے، جاہل ملاح دلچسپی کا اچھا ذریعہ، اور فقرہ بازی مذاق تفریح طبع کے لئے بے حد موزوں تھا، چنانچہ ایک تیز وطرار صاحبزادے نے اس سے مخاطب ہوکر کہا ”چچا میاں آپ نے کون سے علوم پڑھے ہیں؟“

ملاح نے جواب دیا ”میاں میں نے کچھ پڑھا لکھا نہیں“

صاحبزادہ نے ٹھنڈی سانس بھر کر کہا ”ارے آپ نے سائنس نہیں پڑھی“ ملاح نے کہا ”میں نے تو اس کا نام بھی نہیں سنا۔“

دوسرے صاحبزادے بولے ”جامیٹری اور الجبرا تو آپ ضرور جانتے ہوں گے۔“؟

ملاح نے کہا ”حضور یہ نام میرے لئے بالکل نئے ہیں۔“

اب تیسرے صاحبزادہ نے شوشہ چھوڑا ”مگر آپ نے جوگرفی اور ہسٹری تو پڑھی ہی ہوگی“؟

ملاح نے جواب دیا ”سرکار یہ شہر کے نام ہیں یا آدمی کے“؟ ملاح کے اس جواب پر لڑکے اپنی ہنسی نہ ضبط کر سکے اور انھوں نے قہقہہ لگایا، پھر انہوں نے پوچھا ”چچا میاں

تمہاری عمر کیا ہوگی''؟ ملاح نے بتایا ''یہی کوئی چالیس سال'' لڑکوں نے کہا ''آپ نے اپنی آدھی عمر برباد کی اور کچھ پڑھا لکھا نہیں۔''

ملاح بیچارہ خفیف ہوکر رہ گیا، اور چپ سادھ لی، قدرت کا تماشہ دیکھئے کہ کشتی کچھ ہی دور گئی تھی کہ دریا میں طوفان آ گیا، موجیں منہ پھیلائے ہوئے بڑھ رہی تھیں اور کشتی ہچکولے لے رہی تھی، معلوم ہوتا تھا کہ اب ڈوبی تب ڈوبی دریا کے سفر کا لڑکوں کا پہلا تجربہ تھا، ان کے اوسان خطا ہو گئے، چہرے پر ہوائیاں اڑنے لگیں، اب جاہل ملاح کی باری آئی اس نے بڑی سنجیدگی سے منہ بنا کر پوچھا ''بھیا تم نے کون کون سے علم پڑھے ہیں''؟

لڑکے اس بھولے بھالے جاہل ملاح کا مقصد نہیں سمجھ سکے اور کالج یا مدرسہ میں پڑھے ہوئے علوم کی لمبی فہرست گنانی شروع کر دی، اور جب وہ یہ بھاری بھرکم اور مرغوب کن نام گنا چکے تو اس نے مسکراتے ہوئے پوچھا ''ٹھیک ہے، یہ سب تو پڑھا لیکن کیا پیراکی بھی سیکھی ہے؟ اگر خدانخواستہ کشتی الٹ جائے تو کنارے کیسے پہنچ سکو گے لڑکوں میں کوئی بھی پیرنا نہیں جانتا تھا، انھوں نے بہت افسوس کے ساتھ جواب دیا۔ ''چچا جان! یہی ایک علم ہم سے رہ گیا ہے، ہم اسے نہیں سیکھ سکے۔''

لڑکوں کا جواب سن کر ملاح زور سے ہنسا اور کہا ''میاں میں نے تو آدھی عمر کھوئی مگر تم نے پوری عمر ڈبوئی، اس لئے کہ اس طوفان میں تمہارا پڑھا لکھا کام نہ آئے گا، آج پیراکی ہی تمہاری جان بچا سکتی ہے، اور وہ تم جانتے ہی نہیں[1]

آج بھی دنیا کے بڑے بڑے ترقی یافتہ ملکوں میں جو بظاہر دنیا کی قسمت کے مالک بنے ہوئے ہیں، صورت حال یہی ہے کہ زندگی کا سفینہ گرداب میں ہے، دریا کی موجیں خونخوار نہنگوں کی طرح منہ پھیلائے ہوئے بڑھ رہی ہیں، ساحل دور ہے اور خطرہ قریب،

---

[1] ماخوذ از ''منصب نبوت اور اس کے عالی مقام حاملین'' از مصنف

لیکن کشتی کے معزز و لائق سواریوں کو سب کچھ آتا ہے، مگر ملاحی کا فن اور پیراکی کا علم نہیں آتا، دوسرے الفاظ میں انھوں نے سب کچھ سیکھا ہے، لیکن بھلے مانسوں، شریف، خداشناس اور انسانیت دوست انسانوں کی طرح زندگی گذارنے کا فن نہیں سیکھا اقبال نے اپنے ان اشعار میں اسی نازک صورتِ حال اور اس عجیب وغریب ''تضاد'' کی تصویر کھینچی ہے، جس میں اس بیسویں صدی کا مہذب اور تعلیم یافتہ فرد بلکہ معاشرہ کا معاشرہ شکار ہے۔

ڈھونڈنے والا ستاروں کی گذر گاہوں کا
اپنے افکار کی دنیا میں سفر کر نہ سکا
اپنی حکمت کے خم و پیچ میں الجھا ایسا
آج تک فیصلۂ نفع و ضرر کر نہ سکا
جس نے سورج کی شعاعوں کو گرفتار کیا
زندگی کی شب تاریک سحر کر نہ سکا

شریفانہ انسانی زندگی گذارنے کا بنیادی فن خداترسی، انسان دوستی، ضبطِ نفس کی ہمت وصلاحیت، ذاتی مفاد پر اجتماعی مفاد کو ترجیح دینے کی عادت، انسانیت کا احترام انسانی جان ومال، عزت وآبرو کے تحفظ کا جذبہ، حقوق کے مطالبہ پر ادائے فرض کو ترجیح مظلوموں اور کمزوروں کی حمایت وحفاظت اور ظالموں وطاقتوروں سے پنجہ آزمائی کا حوصلہ، ان انسانوں سے جو دولت وجاہت کے سوا کوئی جوہر نہیں رکھتے، عدمِ مرعوبیت و بےخوفی، ہر موقع پر اور خود اپنی قوم اپنی جماعت کے مقابلے میں کلمۂ حق کہنے کی جرأت، اپنے اور پرائے کے معاملہ میں انصاف اور ترازو کی تول، کسی دانا وبینا، طاقت کی نگرانی کا یقین اور اس کے سامنے جوابدہی اور حساب کا کھٹکا، یہی صحیح خوشگوار و بےخطر اور کامیاب زندگی گذارنے کی بنیادی شرطیں، اور ایک اچھے وخوش اسلوب معاشرہ، اور ایک طاقتور و

محفوظ و باعزت ملک کی حقیقی ضرورتیں اور اس کے تحفظ کی ضمانتیں ہیں، اس کی تعلیم اور اس کے لئے مناسب ماحول مہیا کرنا دانشگاہوں کا اولین فرض، اور اس کا حصول تعلیم یافتہ نسل اور ملک کے دانشوروں کی پہلی ذمہ داری ہے، اور ہم کو اس جیسے تمام مواقع پر دیکھنا چاہئے کہ اس کام کی تکمیل میں ہماری دانش گاہیں کتنی کامیاب اور ان کے سند یافتہ افراد و فضلاء کتنے قابلِ مبارکباد ہیں، اور آئندہ ان مقاصد کے حصول اور تکمیل کے لئے ہم کیا عزائم رکھتے ہیں اور ہم نے کیا انتظامات سوچے ہیں۔

آخر میں پھر آپ کی عزت افزائی، اعتماد اور جذبۂ محبت و احترام کا شکریہ ادا کرتا ہوں، جس کا آپ نے اپنے اس اقدام کی شکل میں اظہار فرمایا ہے۔

وماعلینا الاالبلاغ المبین

علومِ دینیہ کے طلبہ وفضلاء کی کامیابی کی تین لازوال شرطیں

یہ تقریر ۱۲ر جولائی ۱۹۷۸ء کو جامعہ دارالعلوم کراچی میں علماء، اساتذۂ دارالعلوم اور طلبہ کے سامنے کی گئی، حضرت مولانا موصوف کا تعارف حضرت مولانا مفتی محمد شفیع (۱) صاحبؒ (بانی دارالعلوم کراچی) کے فرزند گرامی مولانا مفتی محمد تقی عثانی (۲) زید مجدہ رکن اسلامی نظریاتی کونسل نے کرایا۔

حضرت مفتی محمد شفیع صاحبؒ اور پاکستان کے علمائے کبار کی یاد

حضرات اساتذہ دارالعلوم اور عزیز طلبہ!

میں اس دور کے جن علماء کے رسوخ فی العلم اور تبحر کا معتقد و قائل ہوں ان میں اس دارالعلوم کے بانی حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحبؒ کا خاص مقام ہے۔ علمی تبحر فقہ و فتاوی پر وسیع اور گہری نظر، قوت تدریس یہ سب چیزیں بھی قابل قدر اور قابل احترام اوصاف و کمالات ہیں، لیکن ایک دوسری چیز ہے جس کی بنا پر کسی فقیہ و مفتی کو "فقیہ النفس" کہتے ہیں، یہ امتیاز علمائے زمانہ میں حضرت مفتی صاحب کو حاصل تھا، اور میرے اساتذہ کی عمر اور صف کے بزرگ تھے، یہ میری بدقسمتی ہے کہ مجھے براہ راست ان سے درسی طور پر استفادہ کا موقع نہیں ملا۔ جب میں دیوبند پہنچا تو حضرت مفتی صاحب وہاں درس دیتے تھے، لیکن میں چونکہ صرف دورہ کے اسباق میں شریک ہوتا تھا اس لئے مجھے

---

(۱) سابق مفتی اعظم پاکستان

(۲) حال نائب صدر و شیخ الحدیث دارالعلوم کراچی پاکستان

ان سے تلمذ کا شرف حاصل ہوا۔ میں نے بائیس برس کے بعد اس سرزمین پر قدم رکھا ہے ۱۹۵۶ء میں ایک بیرونی سفر سے آتے ہوئے دو تین دن کے لئے کراچی ٹھہرا تھا۔ اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرتا ہوں کہ آج اس نے ان کی اس بہترین یادگار دار العلوم میں پہنچایا۔

اس وقت پاکستان کو حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحبؒ، مولانا ظفر احمد عثمانیؒ صاحب، مولانا محمد یوسف بنوری صاحبؒ جیسے **راسخ فی العلم والدین** علماء کی ضرورت تھی۔ واقعہ تو یہ ہے کہ حالات و مسائل ایسے ہیں کہ اس وقت اس ملک اور اس عہد کو حجۃ الاسلام غزالیؒ، شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ اور حکیم الاسلام شاہ ولی اللہؒ کی ضرورت تھی، لیکن اگر اس پایہ کے علماء اور دینی رہنما نہ ہوتے تو کم سے کم ان حضرات کے پایہ کے علماء تو ہوتے جن کا میں نے ذکر کیا، مگر افسوس کہ اس وقت وہ بھی ہم میں موجود نہیں ہیں۔

انقلابِ زمانہ کا شکوہ

عزیز طلبہ! چونکہ میں اس وقت دار العلوم میں خطاب کر رہا ہوں اس لئے جو کچھ کہوں گا وہ علم کے متعلق کہوں گا اور طلبہ و اساتذہ کے مستقبل، ان کے فرائض، ذمہ داریوں، وقت کی نزاکت اور زمانہ کے فتنوں کے متعلق عرض کروں گا۔

آپ کے کان میں بار بار یہ بات پڑی ہوگی کہ زمانہ بدل گیا ہے، دنیا بدل گئی ہے، زمین آسمان بدل گئے ہیں، سوچنے کے طور طریقے بدل گئے ہیں، اس زمانہ میں علوم دینیہ کی تحصیل میں عمر صرف کرنا، ان میں کمال پیدا کرنا، ان کے دقائق اور جزئیات میں جانا، ایک بے وقت کی شہنائی اور ''کوہ کندن وکاہ برآوردن'' نہیں تو کیا ہے؟

صرف یہی زمانہ نہیں بلکہ ہر زمانہ میں زمانہ کی تبدیلی کا شکوہ کیا گیا ہے۔ آپ کسی زمانہ کے ادب و شاعری یا تاریخ کا مطالعہ کریں، آپ کو ہر جگہ نظر آئے گا کہ یہی رونا رویا گیا ہے کہ زمانہ بڑا خراب ہے، علم کی قدر نہیں، اہل کمال کی قدر نہیں، بے کمالی اور بے کمالوں کا دور دورہ ہے۔ عربی شاعری اور ادب کو دیکھیں تو ابو العلاء معری کو کہتے ہوئے

سنیں گے۔

تطاولت الارضُ السمآء مفاهة
وفاخرت الشهب الحصاو الجنادل
وقال السُّها للشمس انتِ ضئيلةٌ
وقال الدُّجى للصبم لونک حائل
اذا نسب الطّائتی بالبخل مادرٌ
وحَيَّرَ قُسًّا بالفهامة باقل

آخر میں کہتا ہے:

فيا موتُ زُرْ اِنَّ الحيا ةَ ذميمةٌ
ويا نفس جدی ان دهرک هازل

یعنی اے موت تیرا آجانا ہی اچھا ہے، اس لئے کہ زندگی کا کوئی مزا نہیں رہا اور اے نفس تو ہی سنجیدگی اور وقار کے راستہ پر چل، تیرا زمانہ تو دل لگی اور مذاق کر رہا ہے۔

دوسری طرف حافظ شیرازی اس طرح شکوہ سنج ہیں ؎

ایں چہ شورمیت کہ درد ورِ قمری بینم
ہمہ آفاق پُر از فتنہ و شری بنیم

آگے زمانہ اور اہل زمانہ کی سفلہ پروری و ناقدری کی تصویر اس طرح کھینچتے ہیں ؎

اسپ تازی شدہ مجروح بزیرِ پالاں
طوق زریں ہمہ درگردنِ خوی بنیم

اردو کی طرف آیئے گا تو آپ کو آب حیات اور دوسرے تذکروں میں شہر آشوب ملیں گے، جن میں شعراء نے اپنے زمانہ اور اپنے ملک کی خستہ حالت اور انقلاب روزگار پر آنسو بہائے ہیں۔ اس سلسلہ میں استاد ذوق کا ایک ہی شعر کافی ہے ؎

پھرتے ہیں اہلِ کمال آشفتہ حال افسوس ہے
اے کمال افسوس ہے تجھ پر کمال افسوس ہے

یہ چند اشعار ہیں جو مجھے اس وقت برجستہ یاد آئے ورنہ ایسے اشعار اور زمانہ کے شکوہ شکایت سے دیوان کے دیوان بھرے ہوئے نظر آئیں گے۔ جو کتاب دیکھئے گا زمانہ کا ماتم ہوگا اور شکوہ کا دفتر، اپنی جنس کمال کس کے سامنے پیش کی جائے جوہری کہاں ہیں، اہل نظر کہاں ہیں؟ یہ بے کمالی اور بے ہنری کا دور ہے، کس کے لئے انسان محنت کرے، کس کے لئے اپنا پتا پانی کرے، کس کے لئے اپنا خونِ جگر بہائے؟ اگر آپ ان باتوں پر اعتبار کرلیں گے تو آپ کا نہ مدرسہ میں جی لگے گا نہ پڑھنے میں، نہ محنت کرنے میں۔

سننِ الٰہیہ ناقابل تبدیل ہیں

میں آپ سے یہ عرض کرنا چاہتا ہوں کہ زمانہ کا انقلاب ایک حقیقت ہے، اس سے کوئی انکار نہیں کرسکتا، سو برس پہلے کا زمانہ دیکھئے کیا خیر و برکت کا زمانہ تھا، خواص تو خواص اس وقت کے عوام بھی اس زمانہ کے خواص سے بہتر تھے، کیا قوت ایمانی تھی، کیا دینی حمیت و غیرت تھی، دین کا علم، قرآن کا حفظ، مرد تو مرد عورتوں میں کتنا عام تھا۔ اس وقت غفلت و مادیت کا دور دورہ ہے، دین و علم دین کے محرکات و دواعی بہت کمزور پڑ گئے ہیں لیکن میں آپ کو بتانا چاہتا ہوں کہ ان تمام انقلابات کے باوجود جو پہلے ہو چکے اور ان تمام انقلابات کے باوجود جو اب ہورہے ہیں اور ہوں گے، اور جن کو اللہ کے سوا کوئی نہیں جانتا، اللہ تعالیٰ کی سنن ناقابل تبدیل ہیں، اور ان پر ان انقلابات کا کوئی اثر نہیں، جہاں اس حقیقت کا قرآن مجید میں اعلان فرمایا گیا ہے، وہاں اس قرآن مجید کے عام اسلوب کے خلاف زور دینے کے لئے دوہرایا گیا ہے اور مکرر فرمایا گیا ہے "ولن تجد لسنة الله تبديلا، ولن تجد لسنة الله تحويلا" اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرت کاملہ اور علم کامل کی بنا پر اس کائنات اور فطرت انسانی کے متعلق جو آئین و قوانین بنادیئے ہیں اور جو اصول طے

کر دیئے ہیں ان میں قیامت تک کوئی تبدیلی نہیں ہوگی، اب یہ قرآن مجید کے استقراء اور حدیث وسنت کے مطالعہ سے معلوم ہوسکتا ہے کہ وہ قوانین کیا ہیں؟ ان قوانین کی فہرست بہت طویل ہے اور مجھ جیسے طالب علم کے بس میں نہیں ہے کہ وہ پوری فہرست مرتب کر سکے، نہ وقت میں اس کی گنجائش ہے، لیکن میں اپنے علمِ ناقص کی بنا پر ان سنن کونیہ میں سے تین سنتوں کا ذکر کروں گا جن کا ہماری زندگی اور ہمارے مدارس ومقاصد سے خاص تعلق ہے۔

نافعیت کا احترام واعتراف

ان میں سے ایک سنت اللہ لوگوں کا نافعیت وافادیت کے سامنے جھکنا، اس کی قدر کرنا اور اس کو تسلیم کرنا ہے، نافعیت اور اس کے محل ومرکز کے ساتھ محبت کا ہونا، نافع کو تلاش کرنا، اس کی طرف رجوع کرنا اور وہ مل جائے تو اس کی قدر کرنا انسانی فطرت میں داخل ہے، نافعیت کی بقا اور اس کی زندگی اور سرسبزی کی اللہ تعالیٰ نے ضمانت لی ہے، اور جو اس سے خالی ہے اس کے لئے یہ ضمانت نہیں، سورۂ رعد میں صاف فرمایا گیا:

> **فاما الزبد فیذهب جفآء و اما ما ینفع الناس فیمکث فی الارض کذالک یضرب الله الامثال.**
>
> ''سو جھاگ تو سوکھ کر زائل ہو جاتا ہے اور (پانی) جو لوگوں کو فائدہ پہنچاتا ہے وہ زمین میں ٹھہرا رہتا ہے اسی طرح خدا (صحیح اور غلط کی) مثالیں بیان فرماتا ہے۔ (تا کہ تم سمجھو)''

''بقائے اصلح'' نہیں بلکہ قرآنی زبان واصلاح میں ''بقائے نفع'' کا یہ قانون ہزاروں لاکھوں برس سے چل رہا ہے اور ہزار تبدیلیوں کے باوجود چلتا رہے گا، نافعیت کے لئے پنپنا، پھلنا پھولنا اور اپنی قیمت اور اہمیت تسلیم کرا لینا مقدر ہو چکا ہے، نافع بن جانا ہزار

مخالفتوں سے حفاظت کا ذریعہ ہے، اس کے لئے پروپگینڈہ اور پبلسٹی کی ضرورت نہیں، نافع کے اندر محبوبیت کی صفت ہے اس میں رنگ و مذہب اور قوم و وطن کی بھی تفریق نہیں ''نافع'' اگر پہاڑ کی چوٹی پر بھی جا کر بیٹھ جائے گا تو دنیا اس کو تلاش کرنے کے لئے وہاں پہنچے گی، اور اس کو ہاتھوں ہاتھ سر پر بٹھا کر بلکہ آنکھوں میں جگہ دے کر لائے گی، یہ اللہ کی سنت ہے جو ہزاروں لاکھوں برس سے چلی آ رہی ہے۔

نافع کی تلاش وطلب

میرے عزیز طلبہ! آپ اپنے اندر نافعیت پیدا کرنے کی کوشش کیجئے، آپ سے زندگی کی شب تاریک میں راہ رَوں کو روشنی ملتی ہو، آپ کی مدد سے علمی عقدے حل ہوتے ہوں، آپ کی صحبت میں بیٹھ کر ایمان میں طاقت پیدا ہوتی ہو، آپ کے پاس جا کر آدمی کچھ لے آتا ہو، اس کے بعد اگر آپ اپنے اور لوگوں کے درمیان دیواریں کھڑی کر دیجئے، اپنے مکان کا دروازہ بند کر کے بیٹھ جائیے، لوگوں کو اگر یہ معلوم ہوگا کہ یہاں ایک ''نافع'' رہتا ہے، اس سے فلاں قسم کا فائدہ اٹھایا جا سکتا ہے (روح کا فائدہ اور ایمان کا فائدہ تو بہت بڑی چیز ہے) تو لوگ دیواریں پھاند کر اور دروازہ توڑ کر آپ کے پاس پہنچ جائیں گے۔

اس موقع پر مجھے حضرت محمد یعقوب صاحب مجددی بھوپالیؒ کی ایک حکایت یاد آئی، اللہ تعالیٰ نے ان کو بڑے بڑے حقائق کو آسان و عام فہم تمثیلوں میں بیان کرنے کی بڑی حکمت عطا فرمائی تھی۔ ان سے ایک مرتبہ نواب صاحب کوروائی نے شکایت کی کہ حضرت میں نے بڑے شوق سے ایک مسجد بنوائی، اس پر ہزار روپیہ خرچ کیا، لیکن وہاں کوئی نماز پڑھنے نہیں آتا، حضرت کے سمجھانے کا عجیب طریقہ تھا، بعض مرتبہ وہ امتحان بن جاتا، فرمانے لگے کہ نواب صاحب! اس کا دروازہ چن دیجئے اور بالکل تیغہ کر دیجئے۔ نواب صاحب کو بڑی حیرت ہوئی کہ حضرت الٹا علاج بتا رہے ہیں، کہنے لگے کہ حضرت

میں نے تو مسجد اس لئے بنوائی ہے کہ لوگ آئیں اور نماز پڑھیں اور وہ آباد ہو، آپ فرماتے ہیں کہ اس کا دروازہ چن دیا جائے، حضرت نے فرمایا کہ ابھی میری بات تو پوری نہیں ہوئی، دروازہ چن دیجئے اور اندر ایک آدمی کو بٹھا دیجئے جس کے ہاتھ میں پچاس پچاس کے نوٹ ہوں یا دس دس پانچ پانچ ہی کے نوٹ ہوں اور باہر اعلان کرا دیجئے کہ اس مسجد میں نوٹ تقسیم ہو رہے ہیں، آپ نے مسجد تو بنا ڈالی لیکن نماز کا جو ثواب اور فائدہ ہے وہ لوگوں کو معلوم نہیں، اب مسجد میں کیسے آئیں؟ ان کو نوٹ کا فائدہ معلوم ہے، ان کو معلوم ہے کہ پانچ روپیہ کے نوٹ سے کیا کیا چیزیں خریدی جا سکتی ہیں، اور اس سے کیا فائدے اٹھائے جا سکتے ہیں، ان کو یہ معلوم نہیں کہ نماز سے کیا کیا چیزیں خریدی جا سکتی ہیں، اور اس سے کیا کیا فوائد حاصل کئے جا سکتے ہیں، اب آپ ان سے توقع کرتے ہیں کہ وہ ذرا بھی دوری میں تکلیف اٹھا کر اپنا حرج کر کے اور دور سے چل کر کے آئیں گے، آدمی بس سننے کے بعد پھر دروازہ چنوانے کی بھی ضرورت نہیں، فوراً ہی دیکھئے یہ بات پھیل جائے گی کہ نواب صاحب نے خدا جانے کس بنا پر یہ کام کیا ہے کہ مسجد کے دروازے تو چن دیئے ہیں اور اندر ایک آدمی ہزار روپے کے نوٹ لئے بیٹھا ہے اور تقسیم کر رہا ہے، نتیجہ یہ ہوگا کہ لوگ دروازہ توڑ کر مسجد میں داخل ہو جائیں گے اور کوئی ہزار کہے گا تب بھی وہ رکیں گے نہیں، تو نافعیت ہی اصل چیز ہے، جس پر لوگ پروانہ وار ہجوم کرتے ہیں، پروانوں کو بتانے کی ضرورت نہیں کہ شمع جل رہی ہے، کون یہ اعلان کرتا ہے کہ پروانو شمع پر ہجوم کرو، ان پروانوں اور شمع کے درمیان کیا رابطہ ہے؟ جہاں پانی کا چشمہ ہوتا ہے وہاں مور و ملخ، انسان و چوپائے جمع ہو جاتے ہیں، انقلاب کا شکوہ بے خبری، بے بصری اور کم ہمتی کی دلیل ہے۔

نافعیت کی قوتِ تسخیر

آپ کو ایک لطیفہ سناتا ہوں، ہمارے شہر لکھنؤ میں ایک چوٹی کے مسلمان ڈاکٹر عبد

الحمید صاحب مرحوم جن کی حذاقت، وسیع تجربہ اور استادی کا ہندو مسلمان سبھی ڈاکٹر لوہا مانتے تھے، انھوں نے مجھے لطیفہ سنایا کہ بارہ بنکی کے ایک غیر مسلم سرمایہ دار اور کاروباری شخص نے تقسیم کے بعد ایک دن ان سے طنزاً کہا کہ ڈاکٹر صاحب آپ پاکستان نہیں گئے؟ انھوں نے کہا کہ ہاں میں نے ہندوستان ہی میں رہنے کا فیصلہ کیا ہے، خدا کا کرنا ایسا ہوا کہ وہ تاجر کسی سخت مرض میں مبتلا ہوا۔ ہر طرح کے علاج اس نے کئے، بڑے بڑے ڈاکٹروں کو بلایا مگر کچھ فائدہ نہ ہوا۔ ہار کر اس نے ڈاکٹر صاحب کو تکلیف دی۔ ڈاکٹر صاحب جب اس کو دیکھنے گئے اور علاج شروع کیا تو کہا کہ دیکھئے۔ اگر میں پاکستان چلا جاتا تو آپ مجھے کہاں بلاتے اور میں آپ کی خدمت کیسے کرسکتا۔ اللہ کا کرنا کہ انھیں کے علاج سے اس کو فائدہ ہوا اور اس کو شرمندہ ہونا پڑا۔

میرے عزیزو! میں آپ کی ہزار مشکلات کا حل یہ سمجھتا ہوں کہ آپ اپنے زمانہ سے اپنا نافع اور مفید ہونا تسلیم کرا لیجئے آپ اس سے یہ اقرار کرا لیجئے کہ آپ کے پاس جو علم ہے وہ دنیا کے پاس نہیں ہے، دنیا کا قاعدہ یہی ہے کہ جو سودا جس دوکان پر ملتا ہے آدمی اس کی خریداری کے لئے وہیں جاتا ہے، ایک صاحب کمال بھی اس دوسرے صاحب کمال کی طرف رجوع کرتا ہے جس کے پاس اپنے دل کا مدعا اور اپنے مرض کی دوا پاتا ہے، امام احمد بن حنبلؒ حدیث وفقہ میں اپنے زمانہ کے امام اور بغداد میں مرجع خلائق تھے لیکن اپنے قلب کو غذا اور روح کو تقویت پہنچانے کے لئے اپنے شہر کے ایک ایسے صاحب دل بزرگ کے حلقۂ صحبت میں تشریف لے جاتے تھے جن کو علم میں ان سے کوئی نسبت نہ تھی۔ ایک مرتبہ ان کے ایک صاحبزادے نے ان سے کہا، ابا جان! آپ کے وہاں جانے سے ہم لوگوں کا سر نیچا ہو جاتا ہے کہ لوگ کیا کہیں گے، فرمایا کہ بیٹے! انسان جہاں اپنا فائدہ دیکھتا ہے وہاں جاتا ہے، مجھے وہاں اپنے دل کا فائدہ نظر آتا ہے۔

یہ درسِ نظامی جو آج ساری دنیا میں سکہ کی طرح چل رہا ہے، ملا نظام الدینؒ فرنگی محلی

کا مرتب کیا ہوا ہے جو استاذ الہند اور استاذ العلماء تھے۔ وہ باایں علم وفضل اودھ کے ایک قصبہ بانسہ کے ایک بزرگ حضرت سید عبدالرزاق بانسوی قادریؒ کے مرید تھے جو اودھ کی پوربی زبان بولتے تھے اور انھوں نے کچھ ابتدائی کتابیں پڑھی تھیں۔ ملا صاحب نے حضرت کے ملفوظات بھی لکھے ہیں اور بڑی محبت وعقیدت سے ان کا نام لیتے ہیں، اس لئے کہ ان کو اپنے سارے علم وفضل کے باوجود اپنے اندر ایک خلا سا محسوس ہوتا تھا جو وہاں جا کر پر ہوتا تھا، وہ سب کے استاد تھے لیکن ان کو ایسے آدمی کی تلاش تھی جہاں جا کر یہ معلوم ہو کہ میں کچھ نہیں ہوں اور ابھی سیکھنے اور پڑھنے کی ضرورت ہے حضرت مولانا عبدالحی بڑھانویؒ اور حضرت مولانا شاہ اسماعیل شہیدؒ جن میں سے اول الذکر کو شاہ عبدالعزیز صاحبؒ شیخ الاسلام اور ثانی الذکر کو حجۃ الاسلام کے لقب سے یاد کرتے ہیں، حضرت سید احمد شہیدؒ کے دست گرفتہ اور ان کے دامن سے وابستہ تھے، جن کی تعلیم کی تکمیل بھی نہیں ہوئی تھی۔ دیوبند کے بزرگوں نے بیان کیا ہے کہ جب سید صاحب یہاں تشریف لائے تو دونوں بزرگوں کا حال یہ تھا کہ سید صاحب آرام فرماتے ہوتے تھے اور دونوں حضرات چارپائی کے دائیں بائیں بیٹھے ہوتے، سید صاحب بیدار ہوتے اور کچھ فرماتے تو یہ حضرات دیر تک اس کا مذاکرہ کرتے اور لطف لیتے۔

استغناء وبے غرضی کی طاقت وتاثیر

دوسری صفت استغناء اور بے غرضی ہے، اللہ تعالیٰ کی یہ بھی سنت ہے کہ جو مانگے لوگ اس سے گھبرائیں اور جو دامن پھیلائے اس سے بھاگیں اور جو اپنی مٹھی بند کر لے اور دامن سمیٹ لے اس کے قدموں میں پڑیں اور خوشامد کریں کہ وہ کچھ قبول کر لے، استغناء میں ازل سے محبوبیت ومقبولیت ہے اور طلب میں ذلت، گویا مستغنی سے احتیاج کا معاملہ ہے، اور طالب سے استغناء کا یہ بھی ایک ایسی سنتِ خداوندی ہے جس میں زمانہ کی تبدیلی کے باوجود کوئی تبدیلی نہیں، چوتھی صدی کے حالات آپ پڑھیں تو یہی نظر

آئے گا، آٹھویں صدی کے پڑھیں گے تو اسی طرح کے واقعات ملیں گے اور چودھویں صدی میں بھی یہی ہو رہا ہے۔ میں اس کے زیادہ واقعات نہیں بیان کرتا اور تفصیلات میں جانا نہیں چاہتا کہ بزرگانِ دین کے تذکرے اور تصوف کی تاریخ اس سے بھری پڑی ہے اور آپ کو خود بھی اس کے تجربے ہوئے ہوں گے، نہیں تو اپنے اساتذہ اور بزرگوں سے ان کے اساتذہ و بزرگوں کے واقعات سنے ہوں گے۔

کسبِ کمال کن کہ عزیزِ جہاں شوی

تیسری اور آخری خصوصیت کمال، امتیاز اور کسی چیز میں مہارت تامہ ہے، علوم عالیہ تو بڑی چیز ہیں، علوم آلیہ میں بھی اگر کسی فن میں کمال پیدا ہو جائے اور اس سے بھی نیچے اتر کر اگر کسی کو خطاطی، دراتی میں کمال حاصل ہو تو اچھے اچھے اہلِ علم پیچھے پیچھے پھرتے ہیں، بڑے بڑے مصنفین بڑے بڑے ناشر کاتبوں کی ناز برداری کرتے ہیں، ان کے نخرے سہتے ہیں، ان کی خوشامد کرتے ہیں کہ وہ وقت پر لکھ دیں کم سے کم کتاب کا نام ہی لکھ دیں جس کا بلاک بنایا جا سکے۔

آپ اگر کسی صاحبِ کمال کو یا علم کے کسی ماہر خصوصی کو دیکھتے ہیں یا اس کے متعلق سنتے ہیں کہ وہ عسرت و بیکاری کی زندگی گزار رہے ہیں تو آپ یہ سمجھ لیجئے کہ اس صاحب کمال کے ساتھ کوئی ایسی کمزوری یا مزاجی خرابی لگی ہوئی ہے جس نے اس کے سارے کمالات پر پردہ ڈال دیا ہے، مثلاً غصہ بہت ہے، مزاج میں تلون ہے، کاہلی ہے، محنت نہیں ہوتی، پڑھانے میں جی نہیں لگتا، بے ضابطگی کی عادت پڑ گئی ہے، کسی کی کوئی بات برداشت نہیں ہوتی، اس سے آگے بڑھ کر کچھ مراق ہے، سنک ہے، کسی جگہ ٹھہر نہیں پاتے، فوراً ان بن ہو جاتی ہے، ایسی کوئی نہ کوئی بات آپ ضرور پائیں گے جس کی وجہ سے ان کے کمال اور علم سے فائدہ نہیں اٹھایا جا سکا اور گوشۂ گمنامی یا کسمپرسی میں دن گزار رہے ہیں۔

یہ وہ تین لازوال شرطیں اور صفتیں ہیں جن کے ساتھ سنت اللہ یہ ہے کہ زمانہ کتنا ہی بدل جائے اور اہل زمانہ کتنے ہی بگڑ جائیں ان کے اندر تسخیر کا مادہ اور محبوبیت کی صفت ہے اور آج دور کے فضلاء مدارس اور طلبہ علوم دینیہ کو انہیں شرطوں کو پورا کرنے اور انہیں صفات سے متصف ہونے کی ضرورت ہے۔ اللہ تعالیٰ آپ کا حامی و مددگار رہے۔ اجازت چاہتا ہوں۔

وما علینا الا البلاغ المبین

والسلام علیکم ورحمة الله وبرکاته

جو علم خدا کے نام کے بغیر ہو وہ انسانیت کی تباہی کا سبب بنے گا

حضرت مولانا رحمہ اللہ نے مدرسہ ہدایت العلوم صحبتیا باغ کی نئی عمارت کے افتتاح کے موقع پر یہ تقریر فرمائی۔

الحمد لله رب العالمين والصلاة والسلام على سيد المرسلين و خاتم النبين محمد وآله وصحبه اجمعين . اعوذ بالله من الشيطن الرجيم . اقراء باسم ربک الذی خلق ○ خلق الانسان من علق ○ اقرأ وربک الاكرم ○ الذی علم بالقلم ○ علم الانسان مالم یعلم ○

آپ ﷺ کو پہلا پیغام الٰہی

بزرگو! دوستو اور بھائیو۔ ابھی ہم نے آپ کے سامنے جو آیتیں پڑھی ہیں وہ سورۂ اقراء کی آیتیں ہیں۔ عرصہ سے دستور چلا آرہا ہے کہ جب تسمیہ خوانی بچے کی ہوتی ہے تو اسی آیت کو پڑھایا جاتا ہے، ابھی تھوڑی دیر پہلے اس مدرسہ کی عمارت کے افتتاح میں ایک بچی کو مندرجہ بالا آیت پڑھا کر آرہا ہوں۔ میں آپ کے سامنے اس سلسلہ میں کچھ حقیقتوں کی طرف متوجہ کرنا چاہتا ہوں۔

حضرات! یہ بات بڑے سوچنے اور غور کرنے کی ہے کہ رسول اکرم ﷺ کو اللہ

تبارک وتعالیٰ کے اشارے اور الہام سے نبوت کا منصب جب ملنے والا تھا، اس وقت حالات کے تقاضے، مکہ مکرمہ، جزیرۃ العرب اور ساری دنیا کے حالات کو دیکھ کر جو تڑپ آپ کے اندر پیدا ہوئی اور پھر اس سوچ بے چینی اور فکر نے آپ کو غار حراء میں کئی کئی دن عبادت کرنے پر مجبور کردیا اور جب اللہ تعالیٰ کے فیصلہ اور حکم سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے پانچ سو سال **بعد** پہلی مرتبہ آسمان کا زمین سے وحی کے ذریعہ پہلا تعلق قائم ہورہا ہے اس وقت اگر تمام دنیا کے ذہین ترین دانش وروں مفکروں، معلموں، فلسفیوں اور جینیس ترین انسانوں سے کہا جاتا ہے کہ آپ غور وفکر کرکے بتایئے کہ پانچ سو سال بعد پہلی مرتبہ وحی آنے والی ہے ایسے موقع پر اس دنیا کو کیا پیغام ملنے والا ہے، اس کو کس بات کی تعلیم دی جانے والی ہے، آپ کے سامنے ساری دنیا کے حالات ہیں، پوری نوع انسانی کی بیماری، اس کی جہالت، ناسمجھی، خالق کائنات سے ناواقفیت کروڑوں معبودوں کی پرستش ہورہی ہے، تمام لوگوں پر گویا شرک کا شامیانہ سا تنا ہوا ہے، یہ وحی ایسے ملک میں نازل ہورہی ہے جو ناخواندہ ہے جس پر یہ وحی نازل ہورہی ہے وہ خود بھی ناخواندہ امی ہے، اس کی پوری قوم ان پڑھ ہے یہودیوں نے بھی ان کو امیین کے لقب سے پکارا ہے اور کہا ہے "لیس علینا فی الامیین سبیل" اللہ تعالیٰ نے حضور اکرم ﷺ کو امی کے لقب سے نوازا ہے جو آپ کے لئے بہت بڑا اعزاز ہے۔ ایسے موقع پر ذہین ترین انسان بھی یہ پیشن گوئی نہیں کرسکتے تھے کہ پہلی وحی میں اقراء، علم اور قلم کا تذکرہ ہوگا، اس لئے کہ پورے مکہ مکرمہ میں بڑی مشکل سے تلاش بسیار کے بعد بھی شاید دو چار قلم مل سکتے تھے۔ حضور اکرم ﷺ پر جب پہلی وحی نازل ہوئی اور آپ گھبراہٹ اور پریشانی کے عالم میں حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے پاس تشریف لائے تو وہ آپ کو اپنے عزیز ورقہ بن نوفل کے پاس لے گئیں۔ جن کے متعلق اس وقت کہا جاتا تھا کہ وہ لکھتے پڑھتے تھے گویا یہ بڑا کارنامہ تھا کہ وہ پڑھتے لکھتے تھے۔ ایسے ناخواندہ ماحول میں ایک امی پر وحی کا جو پہلا لفظ

نازل ہوتا ہے وہ اقرأ کا لفظ ہے، جس کا مطلب یہ ہے کہ اب جو دور آنے والا ہے وہ پڑھنے لکھنے کا دور آنے والا ہے۔ علم اور قلم کا عہد شروع ہونے والا ہے لیکن صرف پڑھنا کافی نہیں کہ بعض اوقات صرف پڑھنے نے زہر کا کام کیا ہے، اس پڑھنے نے فکری غارت گری اور وحشت و بربریت سکھائی ہے، جنگوں کا طریقہ سکھایا ہے، ہزاروں، لاکھوں انسانوں کو ایٹم بم اور زہریلی گیس کے ذریعہ مارنے اور انسانی آبادی کو تہس نہس کرنے کا طریقہ سکھلایا ہے۔ علم کی تباہی و بربادی کے بہت سے کام لئے گئے، اب بھی سائنس اور ٹیکنالوجی سے انسانوں کو تباہ و برباد کرنے کا کام لیا جا رہا ہے۔ اس لئے خالی علم معتبر نہیں۔ یہ قرآن مجید کا اعجاز ہے۔ اس نے پہلا لفظ اقراء کہا، آپ پڑھیئے۔ اب پڑھنے کی ضرورت ہے، علم کو دنیا میں پھیلنا چاہئے، علم صحیح علم توحید، علم ربانی، علم اخلاق، علم خودشناسی و خداترسی جس علم میں یہ نہ ہوں وہ علم معتبر نہیں۔ آج دنیا میں جو تباہی و بربادی آ رہی ہے، یہ انسان کشی ہی نہیں قوموں کی قومیں اور ملکوں کو تباہ و برباد کرنے کے لئے جو ایٹم بم ایجاد ہوئے ہیں جرائم کے لئے جو ایجادات ہو رہی ہیں وہ سب اس علم کا کارنامہ ہے جو خدا کے نام کے بغیر ہے۔ اس لئے اللہ تعالیٰ اقراء کے ساتھ یہ شرط لگاتا ہے کہ اپنے رب کے نام کے ساتھ پڑھیے گا جب اس علم کا فائدہ ہوگا۔

ہمارا خالق ہم سے کیا چاہتا ہے

میں تاریخ کے ایک طالب علم کی حیثیت سے آپ سے کہتا ہوں کہ اگر دنیا میں انصاف کے ساتھ تاریخ لکھی جائے اور یہ تحقیق کی جائے کہ علم نے کب اپنا راستہ بدلا، وہ کب تعمیر کے بجائے تخریب کا ذریعہ بنا تو ایک منصف آدمی یہ بتائے گا کہ جب سے علم کا رشتہ خالق اور مالک اور رب کائنات سے ختم ہو گیا جب ہی سے یہ تباہی و بربادی آئی جو علم اللہ تعالیٰ کے نام سے الگ ہو کر چلا وہ قابل اعتبار نہیں رہا، اس علم سے خدا کی پناہ مانگنی چاہئے تو پہلی بات تو یہ معلوم ہوئی کہ ہمارا خالق کون ہے، ہمارا مالک اور پالنہار کون

ہے۔ بڑے بڑے دانشوروں، معلموں اور فلسفیوں کو جب یہ نہیں معلوم کہ ان کا پیدا کرنے والا کون ہے، نیکی اور بدی میں کیا فرق ہے، ہمارا خالق ہم سے کیا چاہتا ہے، وہ ہمیں کون سا عقیدہ دیتا ہے، وہ ہمیں کس راستہ پر لگانا چاہتا ہے، وہ ہمیں اس کائنات، عام انسانوں اور اس دنیا اور اس کے انجام کے متعلق اور اپنی ذات کے متعلق ہمارا کیا طرز عمل ہونا چاہئے، جب ان بنیادی سوالات کا صحیح علم نہ ہو تو پھر اس زہر میں یہ خاصیت ہے کہ وہ ایک منٹ میں سیکڑوں انسانوں کو تباہ و برباد کر سکتا ہے لیکن یہ نہ معلوم ہو کہ ہمارا پیدا کرنے والا کون ہے ہماری صلاحیتیں اور ارادے سب اس کے قبضے میں ہیں، وہ عالم الغیب ہے تو اس علم کا کوئی فائدہ نہیں۔

قرآن مجید کہتا ہے پڑھیئے اپنے اس رب کے نام سے جس نے انسان کو پیدا کیا خون کے ایک لوتھڑے سے جس انسان کو اللہ تعالیٰ نے خون کے ایک لوتھڑے سے پیدا کیا وہ انسان کس طرح اپنی حقیقت کو فراموش کر کے غرور و تکبر میں مبتلا ہو جاتا ہے اور پھر خون ریزی اور جبر و تشدد کا بازار گرم کر دیتا ہے آج انسان اپنی حقیقت بھولتا جا رہا ہے۔ آج یورپ و امریکہ اس حقیقت کو بھولتا جا رہا ہے، ہمارا ہندوستان بھی اب اس حقیقت کو بھولتا جا رہا ہے حالانکہ یہاں اس کے جاننے کے ذرائع جتنے پہلے تھے اتنے اب بھی ہیں۔ پھر جب اسلام آیا تو گھر گھر یہ بات پھیل گئی۔

''اقْرَاْ وَرَبُّكَ الْاَكْرَمُ الَّذِىْ عَلَّمَ بِالْقَلَمِ.''

حضرات! آپ دیکھئے کہ اس امت نے تھوڑی سی مدت میں کتنے بڑے بڑے کتب خانے قائم کر دیئے۔ یورپ کے بڑے بڑے بادشاہوں کے پاس درجنوں کی تعداد میں بھی کتابیں نہیں تھیں، لیکن جب سے مسلمانوں میں کتب خانوں کا رواج ہوا تو ہر فن میں انھوں نے ہزاروں اور لاکھوں کتابیں تیار کر کے پوری دنیا میں پھیلا دیں۔ یہ سب قلم اور علم کی بدولت ہوا، پہلی وحی نے یہ بتا دیا کہ اب علم اور قلم کا دور شروع ہونے والا

ہے اور اس امت کا رشتہ قلم کے ساتھ قائم رہے گا، ہزاروں انقلابات آئیں گے لیکن مسلمانوں کا رشتہ قلم سے کبھی نہیں ٹوٹ سکتا۔

ہندوستان ہی کو دیکھ لیجئے، مسلمانوں میں کتنے بڑے بڑے مصنفین اور مفکرین پیدا ہوئے، حضرت مجدد الف ثانی، شیخ شرف الدین یحیی منیری، حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی، پھر اردو ادب و شاعری کی تاریخ میں علامہ اقبالؒ جیسے شاعر و فلسفی و مبصر و مفکر کو دیکھ لیجئے کہ دنیا ان کے کلام پر سر دھن رہی ہے۔

حضرات! آج پوری کوشش کی جا رہی ہے کہ مسلمانوں کا مخصوص کلچر ختم ہو جائے، علم سے ان کا رشتہ ٹوٹ جائے، اردو سے ناواقف رہیں، اپنے مخصوص عقیدے اور اسلامی تہذیب سے ان کا واسطہ ختم ہو جائے اس کی پوری تیاری کر لی گئی ہے کہ مسلمان فکری و اعتقادی اور تہذیبی ارتداد میں مبتلا ہو جائیں۔ اس کا پورا منصوبہ تیار ہے، ایسے سنگین حالات میں اس بات کی شدید ضرورت ہے کہ مسلمان جگہ جگہ مکاتب و مدارس قائم کریں، محلوں اور مساجد میں صباحی و شبینہ مکاتب قائم کیے جائیں۔ یہ امت محمدی ہے، علم اور قلم سے اس کا رشتہ جوڑ دیا گیا ہے، بغیر علم کے مسلمان مسلمان نہیں رہ سکتا، قرآن و حدیث علم کے ذریعہ ہمیں جو حقائق بتائے گئے ہیں۔ ان کے جانے بغیر یہ دین نہیں رہ سکتا، بعض مذاہب اور ان کے پیشوا چاہتے ہیں کہ علم پھیلنے نہ پائے کہ علم میں ان کو اپنی موت نظر آتی ہے اس کی مثال میں حضرت سلیمان علیہ السلام کے دربار میں اس واقعہ سے دیا کرتا ہوں جس میں کہا گیا ہے کہ ایک بار مچھروں نے حضرت سلیمان علیہ السلام کے دربار میں مقدمہ دائر کیا کہ ہوا کی وجہ سے ہم کو پریشانی ہوتی ہے اور ہم کہیں ٹھہر نہیں پاتے، حضرت سلیمان علیہ السلام نے حکم دیا کہ ہوا کو حاضر کیا جائے۔ جب ہوا دربار میں حاضر کی گئی تو مچھر اڑ گئے۔ حضرت سلیمان علیہ السلام نے کہا کہ جب تک مدعی نہ ہو اس وقت تک فیصلہ نہیں ہو سکتا۔ یہی حال علم کا ہے کہ جب تک علم صحیح نہ ہو گا اس وقت تک، یہ

دین باقی نہیں رہے گا۔

ہمارا اور آپ کا بنیادی کام

حضرات! اب ہمارا اور آپ کا بنیادی کام یہ ہے کہ علم دین کو پھیلانے کے لئے یا مسلمانوں کو مسلمان باقی رکھنے کے لئے آئندہ نسلوں کے دین اور عقیدے اور تہذیب اور اسلامی تشخص کی حفاظت اور بقاء کیلئے بڑے پیمانے پر دینی مکاتب اور مدارس قائم کریں اپنے بچوں کو کفر وایمان کا فرق بتائیں شرک و بت پرستی کی شناعت ان کے دل و دماغ میں بٹھادیں اور اس بات کی ضمانت حاصل کریں کہ ہمارے بچے آئندہ اسلام پر قائم رہیں گے۔ اللہ تعالیٰ ہم سبھوں کو اپنے دین پر قائم و دائم رکھے۔ صلی اللہ تعالی علی خیر خلقه محمد وعلى آله واصحابه اجمعين.

انسانیت کے زوال کا سبب علم سے اللہ کے نام کا جدا ہونا

حضرت مولانا رحمہ اللہ نے "انسٹیٹوٹ آف انگر نکنالوجی جس کی بنیاد حضرت مولانا رحمہ اللہ ہی کے ہاتھوں ۱۹۹۳ء میں رکھی گئی تھی اس کی نئی بلڈنگ میں کمپیوٹر کا افتتاح کرتے ہوئے یہ تقریر فرمائی اس تقریب افتتاح کے موقع پر مہتمم صاحب دار العلوم ندوۃ العلماء مولانا سید محمد رابع الحسنی صاحب ندوی مولانا سعید الرحمٰن الاعظمی صاحب صدر شعبہ عربی، کرنل محسن شمسی، ڈاکٹر مسعود صاحب عثمانی، ڈاکٹر نعیم انصاری کے علاوہ دیگر معززین شہر موجود تھے موضوع کی مناسبت سے تقریر بڑی اہمیت کی حامل ہے۔

الحمدللہ رب العالمین والصلوٰۃ والسلام علی سید الانبیاء والمرسلین، وعلیٰ آلہ واصحابہ اجمعین، ومن تبعھم باحسان ودعیٰ بدعوتھم الی یوم الدین۔

حضرات! میرے لئے یہ خوشگوار اور مسرت بخش انکشاف ہوا کہ میں اس موقع پر آج یہاں حاضر ہوا۔ مجھے بتایا گیا کہ اس گنہگار کے ہاتھوں سے جس عمارت کی بنیاد رکھی گئی تھی مجھے اندازہ نہیں تھا کہ اس کے بعد یہ بنیاد اتنی بلند ہوگی اور ایسی وسیع ہوگی جو اس وقت ہمارے اور آپ کے سامنے ہے، اس وقت میں اپنے عزیز رفقاء اور ساتھیوں کو مبارکباد دیتا ہوں۔

بڑی خوشی کی بات یہ ہے کہ اس میں جو روح کام کر رہی ہے وہ حقیقت پسندی، تعمیری

ذہن اور ملّی تقاضوں کو پورا کرنے کا جذبہ ہے، علوم کے پیدا ہونے اور پھیلنے اور ترقی اور
پھلنے پھولنے کے باوجود اس وقت ساری دنیا خطرہ سے دوچار ہے اور وہ خطرہ ایسا ہے کہ
جس طرح سے تلوار لٹک رہی ہو کسی کے سر پر عالم انسانی پر آج ساری مالی ترقیات اور
جدید ترین انکشافات کے باوجود پوری انسانیت جو خطرہ میں ہے اس کا راز یہ ہے کہ خدا
نے علم کو اسم کے ساتھ جوڑا تھا، خدا کے آخری نبی خاتم النبیین سید المرسلین حضرت محمد
مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم پر پہلی آیت جو نازل ہوئی وہ اپنے اندر تفکر، تدبر، بصیرت دانش
ذہانت اور عظیم ترین صلاحیت رکھتی ہے دنیا کے اخلاقی احساس کا، خدا نے علم کو اسم کے
ساتھ جوڑا تھا، اور خدا نے جو پہلی آیت نازل کی تھی وہ یہ ہے **اقرا بسم ربک الذی**
خلق اس میں سمجھنے، سوچنے اور بصیرت کا بہت بڑا سامنا ہے، خدا نے انسانوں کو یہ سہولت
عطا کی اور یہ طریقہ عطا کیا کہ وہ اپنی زندگی کی فکر کریں اپنے اہل وعیال کی فکر کریں اپنے
ماحول کی فکر کریں اور یہ سب اس کی مربوبیت کے سایہ میں ہو وہ رب العالمین ہے اس پر
یقین کرنا چاہئے، اور اس کا اثر ہم پر ہونا چاہئے، لوگوں کی آسائش کا لوگوں کے امن وامان
کے ساتھ رہنے کا زندگی سے لطف اٹھانے کا ان کو موقع دینا چاہئے۔ پہلی جو آیت نازل
ہوئی نبی امی بلاد امی اور عالم امی میں وہ حکام کے یہاں ڈھونڈھنے سے نہ ملے گی۔
اور نبی سے صاف صاف کہا گیا کہ کبھی آپ نے نہ پڑھا اور کبھی آپ نے نہ لکھا، اور
کہا گیا کہ پڑھو، اقرا اب جو امت پیدا ہوگی وہ قرات والی امت ہوگی اور اس کا رشتہ علم
کے دامن سے باندھ دیا جائے گا لیکن اس کے ساتھ ساتھ اس کی رہنمائی بھی کی جا رہی
ہے جس کو اکثر قوموں نے نظر انداز کیا اور ترقی یافتہ مغرب میں جب سے وہاں بیداری
شروع ہوئی، اقرا پڑھو لیکن صرف پڑھنا کام نہیں آئے گا، بلکہ وہ علم بہت تخریبی بن جائے
گا وہ تخریبی ذہن پیدا کرے گا، اور انسانوں میں خود پرستی پیدا کرے گا، دوست پرستی پیدا
کرے گا، اور شہوانیت کی طرف لے جائے گا۔ اقرا پڑھو لیکن خالی اقرا، پڑھنا کام نہیں

آئے گا، **اقرا بسم ربک الذی خلق** اپنے پروردگار کے نام کے ساتھ پڑھو دنیا میں اب اگر تاریخ منصفانہ طریقہ پر حقیقت پسندانہ طریقہ پر لکھی جائے اور دیکھا جائے کہ دنیا میں انسانیت کا زوال کب سے شروع ہوا تو یہ عنوان قرار دینا ہوگا جب سے علم اور اسم کا رشتہ ٹوٹا جب علم اسم سے آزاد ہوا، اور انسان نے اسم کو بھلاتے ہوئے فراموش کرتے ہوئے انکار کرتے ہوئے بلکہ بغاوت کرتے ہوئے کہ اس کائنات کا کوئی خالق نہیں ہے اگر اس کائنات کا کوئی خالق ہے بھی تو اس کا مالک نہیں اور وہ اس کا منتظم نہیں ہے وہ کریٹر ہے ایڈمنسٹریٹر نہیں ہے کہ یہ تاج محل ہے، دنیا کا شاہجہاں بنا کر رخصت ہوا اور جو انتظامی ڈھانچہ ہے اس کے رحم وکرم پر ہے وہ جو چاہے سلوک کرے وہ کچھ نہیں کہہ سکتا یہ دنیا تاج محل نہیں ہے قطب مینار نہیں ہے بلکہ یہ خدا کا بنایا ہوا کارخانہ ہے وہ تنہا چلا رہا ہے اسی کا کام ہے **الا لہ الخلق والامر** حکم دینا اور چلانا اس وقت ضرورت تھی کہ ہمارے اس طرح کے ادارے سائنٹیفک ادارے ٹکنالوجی کے ادارے، ایجوکیشن کے ادارے، انجنیرنگ کے ادارے اسی اسم کے ساتھ وابستہ ہوں اور یہ کام وہی جماعت کرسکتی ہے جس کی بنیاد ہی اس صفت پر پڑی اس کی زندگی اس کی تاریخ ہی سے شروع ہوئی اور امت مسلمہ پیدا ہوئی۔ وحی آسمانی سے اور نبی امی کی رہبری سے اور اس کے پیغام سے اور اسی سے امت کی تاریخ شروع ہوئی ہے اور اس کے مذہب کی بنیاد اس پر رکھی گئی ہے کہ علم کو اسم سے برابر جوڑے رہیں، آج یورپ وامریکہ میں جو سانحہ اور المیہ پیش آیا وہ انسانی المیہ ہے کہ اس وقت ان کے ہاتھ میں باگ ڈور ہے دنیا کی، وہ اس کی قیادت کررہے ہیں فکری قیادت کررہے ہیں۔ انھوں نے علم کا رشتہ اسم سے توڑ دیا ہے، یہ وہ حقیقت ہے جس سے کوئی انکار نہیں کرسکتا ہے، ضرورت اس کی تھی کہ علم کو اسم کے ساتھ لے کر چلا جائے علم اسم کی رہنمائی میں اسم کے سایہ میں اس کی سرپرستی میں آگے بڑھے اور اسم کی برکت بھی اس کے ساتھ ہو، تب جاکر ہماری ٹکنالوجی اور سائنس کی جتنی شاخیں ہیں اور

جتنے تعمیری کام ہیں اور تعمیری ادارے ہیں اور ہماری دانش گاہیں ہیں ہمارے تحقیق کے مراکز ہیں وہ سب اسی وقت مفید ہو سکتے ہیں کہ جب اسم کے سایہ میں ہوں اور وہ اسم کو نہ بھولیں، اور نہ بھولنے دیں، خدا کا شکر ہے کہ اس راستے میں مقامی طور پر یہ ایک قدم اٹھایا گیا ہے لیکن یہ بہت مبارک قدم ہے، میں اپنے عزیزوں و رفیقوں کو مبارکباد دیتا ہوں کہ انہوں نے یہ قدم اٹھایا اور الحمد للہ ترقی کے آثار ہمارے سامنے ہیں میں آپ کے سامنے موقع سے فائدہ اٹھا کر اتنا عرض کروں گا، کہ میں علامہ اقبال کے شعر کا پہلا مصرعہ نہیں بلکہ دوسرا مصرعہ پڑھوں۔

مجھے ہے حکم اذاں لا الہ الا اللہ

حضرات! مجھے عزت بخشی گئی کہ میں کمپیوٹر سیکشن کا افتتاح کروں۔ میں آپ کے سامنے اس بات کا اعتراف کرتا ہوں کہ مجھے اس سے پہلے کمپیوٹر کا کوئی تجربہ نہیں تھا میں لکھنے پڑھنے والا آدمی ہوں کتابوں اور قلم سے تعلق ہے میں نے جب انگلی رکھی تو فوراً کچھ نقوش سامنے آ گئے اس وقت میرے ذہن میں یہ بات آئی کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کو درحقیقت اور خاص طور سے مسلمانوں کو کمپیوٹر ہی بنایا تھا اس میں وہ سب چیزیں موجود تھیں لیکن اس کی ضرورت تھی کہ انگلی رکھی جائے اور وہ چیزیں ابھر آئیں اور وہ سامنے آ جائیں۔ وہ انگلی پیغمبر کو پہچاننے والوں کی انگلی اپنے اپنے زمانے میں اور زمانے کے تقاضے کی انگلی جو قوم و ملت کی ضرورت کی انگلی ہے وہ بھی انگلی ہے اور وہ ایسی انگلی ہے جس نے قوم کو رخ دیا ہے اور قوموں کو منزل تک پہنچایا ہے وہ انگلی رکھی جائے اور نقوش ابھر کر سامنے آ جائیں۔ افسوس ہے کہ آج انسان تو انسان خود مسلمان کمپیوٹر نہیں رہا، اس مسلمان میں اس کی صلاحیت باقی نہیں رہی اور اس کے اندر اس کا شعور بھی باقی نہ رہا کہ ہم کس چیز پر مامور ہیں، ہمیں کیا چیز پلا دی گئی ہے ہمارے اندر کیا چیز سرایت کر گئی ہے، ہمارے اندر وہ اتار دی گئی ہے۔ جو ہمارے دماغ اور ہمارے ذہن کا ایک جز بن گئی ہے، عقیدہ تو

عقیدہ ہمارے فہم کا ایک جز بن گئی ہے، جب اس پر اشارہ کیا جائے، جب اس کی تحریک پیدا ہو ہمیں اپنے اندر کے خزانے کو فوراً باہر لانا چاہئے۔ آج جو کام کمپیوٹر کر رہا ہے یہ کام مسلمانوں کو کرنا چاہئے تھا، کہ جس وقت امر الٰہی ہو اور جس وقت شرعی حکم سنایا جائے اور جس وقت ملت کی ضرورت کا اظہار کیا جائے اور جس کو ملت خود پکارے اور ہمیں جیسا کہ بعض عزیزوں ورفیقوں نے اس کا اظہار کیا اپنی تقریروں میں یا جس کی ملت خود ضرورت پیش کر رہی ہے اور فریاد کر رہی ہے لیکن افسوس ہے کہ وہ انگلی نہیں اٹھتی جو کمپیوٹر پر لگے، اور اگر وہ انگلی نہیں اٹھتی تو وہ کمپیوٹر کام نہیں کر رہا ہے اور وہ چیز وہاں نہیں نکلتی ہے جس کی آج ضرورت ہے اور اس طرح کے ادارے جیسے کہ یہ ادارہ ہے اور یہ ادارہ جس شعور کے ساتھ اور اس عہد معاندہ کے ساتھ اور عزم وارادے کے ساتھ اور اس فیصلہ واعلان کے ساتھ یہ ادارے قائم ہوں کہ ہم صرف فن نہیں سکھائیں گے۔ خداشناسی بھی سکھائیں گے اور جو ہم علم دیں گے خدا کی معرفت اور اس کے وجود کے اقرار کے ساتھ اس کے خالق کائنات اور قادر مطلق ہونے اور اسی کو راضی کرنے کا سب سے ضروری کام سمجھنا اور اس کے پیغمبروں کے پیغام کے احترام نہیں بلکہ اس پر عمل کرنے کی روشنی میں اس کو جوڑ کر وہ علم دیں گے، آج دنیا میں اسی چیز کی کمی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ آج امریکہ میں اور یورپ کے بعض دیگر ملکوں میں سارے وسائل ہونے کے باوجود مقصد حاصل نہیں ہو رہا ہے، انسانوں کی خدمت نہیں ہو رہی ہے اور وہ حفاظت کا سامان نہیں ہے بلکہ خطرہ پیدا ہو رہا ہے۔

میں نے واشنگٹن میں ایک تقریر میں کہا تھا، میں پہلے سے تیار نہ تھا اور وہاں برابر دورے ہو رہے تھے۔ یونیورسٹیوں میں تو میں نے سوچا کہ قاری صاحب جب آیتیں پڑھیں گے اس دن اسلامی سینٹر میں میری تقریر تھی، واشنگٹن ڈی سی میں تو میں نے کہا کہ قاری صاحب کی تلاوت سے مضمون حاصل کروں گا اور پیش کروں گا قاری صاحب

نے سورہ کہف کی آیت پڑھی جس میں ایک باغ والے سے ایک ساتھی نے کہا:

ولو لا اذ دخلت جنتک قلت ماشاء اللہ لا قوۃ الا باللہ۔

اس نے کہا تھا یہ میرا باغ ہے اور ہمیشہ رہے گا، اور بڑے فخر سے کہا تھا اور بڑا غرور کیا تھا تو اس کے مومن صاحب ایمان دوست نے کہا کہ میرے بھائی بہتر تو یہ ہوتا کہ جب تم اپنے باغ میں داخل ہوتے تو یہ کہتے۔ ماشاء اللہ لا قوۃ الا باللہ ۔ جو خدا چاہتا ہے وہی ہوتا ہے سب اللہ کا دیا ہوا ہے، میں نے کہا امریکہ میں سب کچھ ہے لیکن ماشاء اللہ یاد دلانے والا نہیں ہے، اس کا نتیجہ یہ ہے آج امریکہ سب کچھ کرتا ہے، احسان بھی کرتا ہے لیکن اس کا شکرانہ نہیں ادا ہوتا اور اس کا جواب نہیں ملتا۔ اور پھر وہ نتائج نہیں ظاہر ہور ہے ہیں جو دنیا کے امن وامان کی شکل میں رفاہ عام کی شکل میں اور ایک دوسرے پر اعتماد اور عزت کرنے کی شکل میں ہونا چاہئے اس لئے کہ اس کے ساتھ خلوص نہیں ہے اس میں ایمان کی وہ چنگاری نہیں ہے وہ ایمان کا محرک نہیں ہے۔

ہم نے کہا آج امریکہ میں سب نعمتیں موجود ہیں اور ہر طرح کی راحت کے سامان موجود ہیں، لیکن حقیقت میں وہ راحت حاصل نہیں جو ہونی چاہئے۔ اس لئے کہ ماشاء اللہ نہیں ہے ہم یہ چاہتے ہیں کہ یہ ادارے قائم ہوں لیکن ماشاء اللہ کے سائے میں، اسم الٰہی کے سایہ میں قائم ہوں۔ علم واسم کی چلیں، میں آج صاف کہتا ہوں اگر چہ یہ محدود مجلس ہے اپنے دوستوں اور رفقاء کی یہ بات دنیا کے بہت بڑے وسیع ترین اور بلند ترین پلیٹ فارم پر کہنے کی ہے کہ جب تک علم واسم ساتھ نہیں ہوں گے اس کا پھر جوڑ نہیں ہوگا اس کا رشتہ علم واسم کے سایہ میں نہیں ہوگا اس وقت دنیا تخریب کی طرف جائے گی، اور ہلاکت کی طرف جائے گی، اور خودکشی کرے گی، اور وہ امن وامان رفاہ عام اور وہ باہمی اعتماد وتعاون نیک کاموں میں دوسرے کا ساتھ دینا، یہ بات حاصل نہیں ہوگی، خدا کا شکر ادا کرتا ہوں اور آپ کے سامنے اس بات کا اظہار کرتا ہوں کہ الحمدللہ یہ ادارہ اسی بنیاد پر قائم ہے، مجھے امید ہے کہ اسی بنیاد پر قائم رہے گا۔ یہ دین کے سائے میں دینی مقاصد

کے سائے میں اور انسانی ہمدردی کے سائے میں اور اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں پر جو ذمہ داری ڈالی ہے جس منصب سے انہیں سرفراز کیا ہے اس کے شعور واحساس کے ساتھ یہ ادارہ چلے گا اور ایسے اداروں کی آج ضرورت ہے میں اللہ سے دعا کرتا ہوں کہ ایسے اداروں کا قیام جا بجا ہو اور وہ ترقی کریں اور مسلمان صرف صنعتی ادارے ہی نہیں بلکہ جیسے کہ ہمارے فاضل دوستوں نے کہا کہ یہ دانش گاہوں اور یونیورسٹیوں سے لے کر پرائمری اسکولوں تک بلکہ ابتدائی مکاتب تک اسم الٰہی ضرور موجود ہو، اور اسم الٰہی کی روشنی اور اسم الٰہی کی رہنمائی ہو، اسم الٰہی کا ادب ہو، اسم الٰہی کا احترام ہی نہیں بلکہ اس کے سایے میں اس کی رہنمائی حاصل کر کے کام ہو، اس کے نہ ہونے ہی سے تمام علوم کے ترقی کرنے اور پھیلنے کے باوجود دنیا کو وہ امن وسکون نہیں حاصل ہو رہا ہے اور ان علوم سے وہ منافع نہیں حاصل ہو رہے ہیں جو ہونے چاہئے تھے۔ اس لئے کہ ان کا رشتہ مذہب سے ٹوٹا ہوا ہے، بس میں اس پر ختم کرتا ہوں اور جو آپ نے اعزاز بخشا اس کا شکریہ ادا کرتا ہوں۔ اور اللہ سے دعا کرتا ہوں کہ اللہ اس ادارہ کو قائم ودائم رکھے اور ترقی عطا فرمائے۔

وماعلینا الا البلاغ المبین

موجودہ دور کے بے چین ذہنوں کو مطمئن کرنا علماء کی سب سے بڑی ذمہ داری

حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی رحمہ اللہ کی یہ فکر انگیز، چشم کشا اور رہنما تقریر معمول کے مطابق دارالعلوم کے تعلیمی سال کے آغاز میں ہونا چاہیے تھی، لیکن رمضان المبارک کے بعد ہی پاکستان، ترکی، لندن، الجزائر اور حجاز مقدس کے سفر پیش آ گئے، پھر اندرون ملک مسلم پرسنل لا بورڈ کے جلسوں میں شرکت کی مصروفیت نے اس کا موقع نہ دیا کہ اپنے فرزندان عزیز سے خطاب کر سکیں۔ لیکن اس عرصہ میں مولانا رحمہ اللہ دارالعلوم سے غیر حاضر نہیں رہے، بلکہ اسی کے اعلیٰ اور وسیع مقاصد کے لئے سرگرم عمل رہے۔ اس تقریر کی حیثیت اپنے گھر کے جائزے اور محاسبہ ہی کی نہیں، بلکہ یہ ایک تاریخی اور ابدی حقیقت ہے۔

الحمدللہ رب العالمین، والصلوۃ والسلام علی سیدالانبیاء والمرسلین، وعلیٰ آلہ واصحابہ اجمعین، ومن تبعھم باحسان ودعی بدعوتھم الی یوم الدین. امابعد!

میرے عزیزو! دنیا کی تاریخ کا بہت بڑا حصہ محفوظ ہے، اور قابل اعتبار ہے۔ لیکن اس محفوظ تاریخ سے بھی بہت پہلے کی جو تاریخ محفوظ نہیں ہے اور قابل اعتبار بھی نہیں۔ اگر وہ تاریخ محفوظ ہوتی اور اس میں نبوتوں کی تاریخ کو محفوظ رکھنے کا اہتمام کیا جاتا یا سب آسمانی صحیفے جو اپنے وقت پر نازل ہوئے وہ سب بے کم و کاست محفوظ ہوتے۔ ان صحیفوں کے نزول کا پس منظر اور ان کے حاملین نے صحیفوں کی روشنی اور ان کی مدد سے

اپنے زمانہ کی انسانی نسلوں کو خدا سے جس طرح مربوط کیا انہیں دین سے آشنا کر کے صحیح زندگی پر لگایا، اگر یہ محفوظ ہوتا۔ تو یہ ثابت کیا جا سکتا تھا کہ ہر زمانہ میں مبعوث ہونے والے نبی، اس کی نبوت، اس کے پیغام، دائرہ کار، اس کی ذمہ داریوں اور اس زمانہ کی ضرورتوں اور نسل انسانی کی کمزوریوں، طرز فکر اور ان کی زندگی کے ان مراتب میں جس کے ذریعہ سے علمی، عملی، اعتقادی و اخلاقی بے راہ روی اور ضلالت میں داخل ہوتی تھی، خاص ربط و مناسبت تھی۔

ہمارے پاس اس وقت جو محفوظ اور قابل اعتماد تاریخی ذخیرہ اور ریکارڈ ہے اور قرآن مجید سے ہمیں جو رہنمائی اور اشارے ملتے ہیں۔ اس سے ہمارے اس دعوے کی تائید و تصدیق ہوتی ہے اور اس کے چند نمونے ہمارے سامنے آتے ہیں۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام جس زمانے میں مبعوث ہوئے۔ اس زمانہ کی سب سے بڑی خصوصیت یہ تھی کہ اس وقت کی پوری انسانیت توحید کے مفہوم سے نا آشنا ہو گئی تھی اور پست ترین بت پرستی میں مبتلا تھی۔ شرف انسانی اور مساوات انسانی کا تخیل لوگوں کے ذہن سے بالکل فراموش ہو گیا تھا۔ اللہ تعالیٰ کے ساتھ محبت، عشق کا عملی تعلق ختم ہو گیا تھا، اور فنائیت و وارفتگی اور اس کو ہر چیز پر ترجیح دینے کا تعلق بھی باقی نہیں رہا تھا۔

عزیزو! حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دعوت سے جو دور شروع ہوا۔ وہ تقریباً اس وقت تک ہے اور حقیقت یہ ہے کہ وہ ایک حد فاصل ہے پچھلے اور بعد کے دور میں، اور جیسا کہ میں نے اپنی ایک تقریر میں کہا تھا کہ دنیا میں دو جو متواتر سلسلے ہیں اگر اس کے لئے عنوان تلاش کریں تو دو عنوان ملتے ہیں۔ ایک ابراہیمیت کا دوسرے برہمیت، میں نے برہمیت میں ''نون'' کو قصداً شامل نہیں کیا، کہ لوگوں کو غلط فہمی ہوگی، اور میرا مفہوم ادا ہو جائے گا، اور اس کا تعلق کسی خاص ملک، نسل اور خاص طبقہ سے سمجھا جائے گا اور دو متواتر سلسلے (ابراہیمیت اور برہمیت) ہزاروں برس سے چل رہے ہیں، ایک میں خالص توحید

ہے۔ جس میں انسانی شرف کا اعادہ اور تجدید ہے۔ اللہ تعالیٰ کے ساتھ محبت اور فنائیت کا تعلق ہے۔ اسی بنا پر حضرت ابراہیم علیہ السلام کے ذکر میں توحید کا بار بار تذکرہ ہے۔ پورے پورے رکوع خاص طور پر سورہ ابراہیم کے آخری رکوع کی آیت میں، توحید خالص اور اللہ تعالیٰ کے ساتھ غیر معمولی تعلق محبت، عشق، فنائیت، فریفتگی اور جاں سپاری کا ذکر ہے جس کا ایک ثبوت حضرت ابراہیم کے عزیز فرزند حضرت اسمعیل علیہ السلام کے گلے پر چھری پھیرنے سے ملتا ہے۔ اس کی تصدیق اللہ تعالیٰ نے بھی فرمائی:

یآ ابراھیمُ قد صدّقت الرُّؤیا انّا کذلک نجزی
المُحسنینo

یہ خصوصیات دین ابراہیمی کی ہیں، یہ مزاج ابراہیمی اور دعوت ابراہیمی کی خصوصیات ہیں۔

اس کے بعد حضرت سلیمان اور حضرت داؤد علیہما السلام کا زمانہ آتا ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ زمانہ سلطنتوں اور صنعت انسانی کی ترقی کا ہے۔ اس لئے اللہ تعالیٰ نے ان کے اوصاف میں خاص طور سے ملک سلیمان کا ذکر کیا ہے۔

ربّ ھب لی مُلکاً لا ینبغی لاحدٍ مِنْ بعدی اور
سخّرنا لہُ الرّیح تجری بامرہٖ رُخآء حیثُ اصاب.

اس کے بعد جنوں کا تذکرہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے کس طرح ان کو حضرت سلیمان علیہ السلام کے لئے مسخر کر دیا تھا۔ حضرت داؤد علیہ السلام کے ذکر میں ان کے لئے لوہے کو نرم کرنے کے سلسلے میں والنّا لہُ الحدید کا تذکرہ ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ دور صنعتوں کی وسعت و پھیلاؤ اور ترقی کا دور ہے اس کی تنظیم کا دور ہے۔ اس کے بعد ہمارے سامنے یونان کا دور آتا ہے۔ جو فلسفہ مابعد الطبعیات، ریاضیات اور طب کی ترقی کا دور کہلاتا ہے۔ حضرت مسیح علیہ السلام کا ظہور اور ان کی پیدائش عین یونانی علوم کے

ارتقاء کے دور میں ہوئی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے تذکرہ میں ہم خاص طور سے دیکھتے ہیں کہ وہ اللہ کے حکم سے مردوں کو زندہ کرتے ہیں، مریضوں کو شفاء دیتے ہیں، حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی مسیحائی اور ان کے لئے مائدے کے نزول کا ذکر قرآن مجید میں ملتا ہے معجزات کا کثرت سے ظہور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے ہاتھوں ہوتا ہے، غرض کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے زمانہ میں جو ماحول تھا۔ ان میں اور حضرت عیسیٰ کے معجزات میں بڑی مناسبت پائی جاتی تھی۔ لیکن حکمت الٰہی نے خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے جس دور کا انتخاب کیا ہے۔ وہ دور ہے انسانی ترقی کی وسعت تنوع کا۔ زندگی کی وسعت لطافت، تنوع، پیچیدگی، انسانی ضروریات کا اور علوم وفنون سے انسانوں کے خاص شغف کا دور ہے۔ چونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم خاتم الانبیاء ہیں اور قیامت تک آپ کی تعلیمات کو باقی رہنا تھا۔ اس لئے انسانی زندگی اور انسانی نسل کو اپنے اندر تمام ودیعت شدہ صلاحیتوں، توانائیوں اور کامیابیوں کا گویا ترکش خالی کر دینا تھا اور اس کے لئے اپنے پورے جوہر دکھانے تھے۔ اب اس کے بعد سوائے قیامت کے کوئی دور آنے والا نہیں تھا۔ اس لئے انسان کو اپنی ذہانت، اپنے امکانات، اپنے یافت ودریافت کے امکانات اور وسعتوں کا پورا اظہار کرا دینا تھا۔ اس لئے کہ اس کے بعد نہ کوئی نبی آنے والا تھا، اور نہ کوئی امت پیدا ہونے والی تھی۔ اس لئے اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید جیسی کتاب آپ کو عطا فرمائی، جو ایک طرف تو ادب وبیان کا اعلیٰ ترین نمونہ ہے۔ جس کا جواب کوئی انسان نہیں لا سکتا، حالانکہ عرب ادب وشاعری کے اعلیٰ مقام پر فائز تھے۔ دوسری طرف قرآن مجید کے اندر علم کی وسعت کے لئے ایسے امکانات رکھے گئے ہیں اور ایسے اشارے کئے گئے ہیں کہ جب کبھی بھی علم انسانی کی تحقیقات، خواہ کسی میدان کے ہوں، اپنی انتہاء کو پہنچیں تو قرآن مجید نہ صرف اس کے امکانات کو ثابت کرتا ہے بلکہ گویا وہ ان کے حقوق کو بتاتا ہے۔ چنانچہ:

عَلَّمَ الْاِنْسَانَ مَالَمْ یَعْلَمْ اور رَبِّ زِدْنِیْ عِلْمًا.

کے ذریعہ علم کی جو عظمت و وسعت اور اس کے لامحدود ہونے کو بیان کیا گیا ہے، وہ صرف قرآن مجید ہی میں ملتا ہے اس کا قدرتی نتیجہ یہ نکلا کہ اس امت کا دامن علم سے باندھ دیا گیا ہے، یعنی یہ امت علم اور عقل انسانی کے قافلے سے تفکر و تدبر کے کام اور تصنیف و تالیف کے کام سے کبھی بے تعلق نہیں ہو سکتی۔ یہ تقدیر الٰہی کا فیصلہ تھا کہ اس امت کا سفر، اس کی سرگرمیاں اور اس کا ذوق و رجحان اور اس کی کامیابیاں علم کے دامن سے وابستہ رہیں گی۔

حضرات! اس کا سب سے بڑا ثبوت یہ ہے کہ سب سے پہلی وحی جو آپؐ پر نازل ہوئی۔ اس کی ابتدا اقراء کے لفظ سے ہوتی ہے۔ اگر دنیا کے بڑے عقلاء کو بٹھا کر یہ سوال کیا جاتا کہ آسمان کا رشتہ زمین سے پانچ سو برس کے بعد قائم ہونے والا ہے اور انسانوں کو ایک پیغام دیا جانے والا ہے، یہ بتایئے کہ وہ پیغام کس لفظ سے شروع ہو سکتا ہے۔ میں سمجھتا ہوں کہ سب کے ذہن میں مختلف الفاظ آ سکتے تھے۔ کوئی کہتا کہ "اپنے آپ کو پہچانو" اس لئے کہ اس وقت الٰہی معرفت ناپید ہو چکی تھی۔ کوئی کہتا "اعبد ربک" "اپنے رب کی عبادت کرو" کیونکہ صحیح عبادت نہیں ہو رہی تھی۔ کوئی کچھ اور کہتا، شاید کوئی بھی یہ نہ کہتا کہ اقراء کے لفظ سے وحی شروع ہوگی۔ اس لئے کہ جس پر وحی نازل ہو رہی تھی۔ وہ امی تھا، جس امت میں وہ مبعوث ہونے تھے وہ امی تھی۔

هُوَ الَّذِیْ بَعَثَ فِی الْاُمِّیّٖنَ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ،

جس کو یہودی امی کہتے تھے، اور جس ملک میں اس کو مبعوث ہونا تھا، وہ امی تھا۔ جس شہر میں وحی نازل ہو رہی تھی۔ ڈھونڈنے سے شاید سارے مکہ میں دو چار اہل قلم مل سکتے ہوں، پڑھے لکھے انسانوں کے لئے دنیا میں بہت سے لفظ ہیں۔ عرب کاتب کا لفظ بولا کرتے تھے۔ گویا سب سے بڑا امتیاز جو اس ملک کا سمجھا جاتا تھا وہ قلم سے کام لینا تھا۔

وہاں تحریر سب سے زیادہ مشکل چیز سمجھی جاتی تھی۔ اللہ تعالیٰ نے اس امت کے اندر علم کو قبول کرنے اور اس کے تقاضوں کے پورا کرنے کی جو غیر معمولی صلاحیت رکھی ہے اور اس امت اور علم کے درمیان جو رشتہ اس نے رکھا ہے اسے ہم مقناطیس سے تعبیر کر سکتے ہیں۔ اسی لئے ہر دور میں اس امت کا علم سے رشتہ باقی رہا ہے اور اسی لئے ہر دور میں نئے نئے شہسواروں، نئے نئے ماہرفن اور جینیس انسانوں کو یہ امت پیدا کرتی رہی ہے اور اس میدان میں کامیابی حاصل کرنے کا موقع دیتی رہی ہے۔ اگر کوئی ایسا انقلاب نہیں آتا۔ جس میں صلاحیتیں بالکل مسخ ہو جائیں اور انسانی ذہن معطل ہو کر رہ جائے اور کام چھوڑ دے۔

جب تک علم کا سفر جاری رہے گا مسائل پیدا ہوتے رہیں گے، خواہ ان کا تعلق تمدنی، علمی، معاشرتی اور سائنسی اور اقتصادی امور سے ہی ہو۔ مذہب کی روشنی میں ان مسائل کو برابر حل کیا جاتا رہے گا۔ مثال میں ہم صحابہ کرام، ائمہ اربع اور امت کے دیگر مجتہدین کو پیش کر سکتے ہیں اور یہ محض اتفاقی بات نہیں کہی جا سکتی، صحابہ کرام میں ایسے ذہین اور جینیس انسان تھے کہ انہوں نے روم و ایران جیسی ترقی یافتہ تہذیب و تمدن کا مقابلہ کرنے میں ایسی صلاحیت کا ثبوت دیا جس کی نظیر کوئی دوسرا مذہب پیش نہیں کر سکتا۔ اس طرح ائمہ اربعہ امام ابوحنیفہؒ، امام شافعیؒ، امام مالکؒ، اور امام احمد بن حنبلؒ جیسے جینیس قانون ساز تھے کہ انھوں نے زندگی اور دین کے رہنما اصولوں کے درمیان مطابقت پیدا کرنے میں ایسی غیر معمولی صلاحیت کا ثبوت دیا کہ اس پورے عہد میں یہ صلاحیت نہ رومیوں میں تھی نہ ایرانیوں میں اور نہ یونانیوں میں تھی نہ کسی اور قوم میں۔ یہ لوگ اپنے زمانے کے جینیس ترین انسان تھے اور ان کے کارنامے صدیوں پر محیط ہیں۔ ان کے کارنامے کی صحیح عظمت واہمیت اور قدر و قیمت کا اندازہ آج آسانی سے نہیں لگایا جا سکتا ہے، کوئی شخص یہ اندازہ نہیں کر سکتا کہ جب یونانی علوم عربی میں منتقل ہوئے تو علمی حلقوں پر کتنا غیر معمولی سحر تھا

اور کس طرح لوگ ان کے سامنے مبہوت اور ششدر تھے اور کس طرح فیشن کے طور پر لوگ باتیں کرنا اور ان کی نقل کرنا فخر و اعزاز سمجھتے تھے۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے امام ابوالحسن اشعریؒ، سید عبد القادر جیلانی، امام غزالی، مولانا جلال الدین رومی، شیخ معین الدین چشتی، حضرت شاہ ولی اللہ اور دیگر جینس شخصیتوں کو اپنے اپنے وقت پر پیدا کیا، جنہوں نے زمانہ کا رخ پھیر دیا۔ خطرات کا انہوں نے پوری جرأت سے مقابلہ کیا، نوجوان نسلوں کے دل و دماغ کو شکوک وشبہات سے پاک کر کے ایمان ویقین کی بنیادیں از سرنو فراہم کیں۔ بالکل یہی مرعوبیت ۱۸۵۷ء کے بعد انگریزی تہذیب اور جدید سائنس کے بارے میں تھی اور کس طرح لوگ یورپ کی سائنس اور ٹیکنالوجی پر ایمان لاتے تھے اور اس سے ایسے مبہوت ہوتے تھے کہ اگرچہ دین کا صاف انکار نہیں کرتے تھے لیکن کشمکش میں ضرور مبتلا ہو گئے تھے۔ اس زمانہ کے راسخ العقیدہ خاندانوں کے مشائخ اور صالحین کا حال یہ تھا کہ اگر ان کے والدین کی سرپرستی اور بزرگوں کی صحبت ان کو نہ ملی ہوتی، اور ان کے آغوش میں انہوں نے تربیت نہ حاصل کی ہوتی تو ذہنی واعتقادی ارتداد عام ہوتا اور پورا ہندوستان اس کا شکار ہو جاتا۔

اور اگر اللہ تبارک وتعالیٰ عین وقت پر دستگیری نہ فرماتا تو نہ معلوم اس ملک کے مسلمانوں کا کیا حال ہوتا اور یہ صرف ہندوستان کے ساتھ مخصوص نہیں بلکہ جب بھی اسلامی تاریخ کے طویل دور میں اس طرح کے حالات پیش آئے تو اللہ تعالیٰ نے ہر وقت ایسے افراد پیدا کئے، جنہوں نے اس امت کا رشتہ دین سے باقی رکھا، اور یہ سلسلہ قیامت تک جاری رہنا چاہئے۔

ہمارا یہ فرض ہے کہ اس مہم کو جاری رکھیں، ہم یہ بات اپنے عزیز طلباء سے کہنا چاہتے ہیں۔ کسی جماعت میں کسی بڑے عالم ومصنف کا اور مفکر کا پیدا ہو جانا کافی نہیں ہوتا، ادارے یہاں تک کہ ادیان و مذاہب بھی تاریخ سے نہیں چلتے، بلکہ وہ تحریک اور تسلسل

سے چلتے ہیں، کوئی دینی تحریک کوئی بڑا مفکر پیدا کر دے، بلند قامت اور دیو پیکر مصنف پیدا کر دے۔ تنہا یہ کافی نہیں ہے۔

یہ بات یاد رکھنے کی ہے کہ جب کبھی اپنی جماعت کے کارناموں پر فخر کرنے کی کمزوری پیدا ہو جائے تو پھر قوائے فکر یہ میں تعطل ہو جاتا ہے اور اضمحلال پیدا ہونے لگتا ہے۔ ایک عرب شاعر نے بڑے لطیف انداز میں اس حقیقت کا اظہار کیا ہے کہ:

الھی بنی تغلب عن کل مکرمۃ

قصیدۃ قالھا عمرو بن کلثوم

بنو تغلب کو ہر قسم کے مردانہ کارناموں اور کسی بڑی فتح کے حاصل کرنے اور کسی بڑے اقدام سے صرف ایک بات نے روک رکھا ہے وہ یہ کہ یہ لوگ صرف عمرو بن کلثوم کا قصیدہ پڑھتے اور سر دھنتے رہتے ہیں، یہ مرض جماعتوں میں بھی پیدا ہوتا ہے اور اداروں میں بھی کہ وہ جماعتیں ان کے لئے سرمایہ فخر، بانی جماعت یا اس جماعت کے کسی نامور فرد کی تصنیفات، تحقیقات اور اس کی ذہنی بلندی ان کے لئے سرمایۂ فخر بن جاتی ہے، لیکن اس سے کام نہیں چلتا۔ جماعت ہو، کوئی ادارہ ہو یا مدرسہ، بلکہ اس سے باہر نکل کر کہتا ہوں کہ امت اسلامیہ کے لئے یہ کافی نہیں ہے کہ ہم نے اپنے دور میں غزالی، ابن تیمیہ اور شاہ ولی اللہ کو پیدا کیا، اور ہم نے فلاں فلاں، شہر بسائے، سمرقند و بخارا اور غرناطہ اشبیلیہ اور دہلی ہم نے بسائے۔ بلکہ اس کے لئے یہ ضروری ہے کہ ہر دور میں ایسے افراد پیدا ہوتے رہیں، اور اپنے اپنے دور کی ذہنی و اعتقادی بے چینیوں کا جائزہ لیتے رہیں۔ ان کے اسباب و محرکات تلاش کریں، دینی حقائق اور اصول و تعلیمات اور زندگی کے واقعات اور زندگی کے عملی مسائل کے درمیان مطابقت پیدا کرنے کی کوشش کریں، ہر دور میں اسلامی قانون کی برتری کو ثابت کریں۔

علامہ اقبال نے ایک خط میں لکھا ہے کہ اس دور کا سب سے بڑا مجدد وہ ہے کہ:

اسلامی قوانین کی برتری دوسرے قوانین کے مقابلہ میں ثابت کرے، علامہ اقبال نے جو بات آج سے ساٹھ برس پہلے کہی تھی۔ وہ آج کے زمانہ میں ایک عملی حقیقت بن گئی ہے۔ آج ہمارے سامنے جو سب سے بڑا چیلنج ہے اور ہم لوگ اس کے لئے جدوجہد کر رہے ہیں وہ یہ ہے کہ اسلامی شریعت خصوصاً عائلی قوانین کی معقولیت، افراد اور خاندانوں کے حقوق کی ضمانت کیلئے اس کا سب سے بہتر ہونا ثابت کریں۔

ہم اپنے عزیز طلباء سے یہ کہیں گے کہ وہ مطالعہ ومحنت سے علوم پر ماہرانہ دسترس حاصل کریں پھر جدید مسائل سے واقف ہوں۔ اور ان کا دین کی روشنی میں حل پیش کریں۔ دینی علوم میں اتفاق و گہرائی اور جدید علوم سے واقفیت اور اس کے بارے میں لچک اور نرمی کا موقف ان دونوں کو جمع کرنا ضروری ہے۔

دار العلوم ندوۃ العلماء کو فخر ہے کہ اس کا انتساب مولانا سید محمد علی مونگیری جیسے، بالغ النظر اور روشن ضمیر اور سیرۃ النبی کے مصنف علامہ شبلی جیسے متکلم وقت، مؤرخ زمانہ اور سیرت نگار یگانہ اور ادیب سے ہے۔

واقعہ یہ ہے کہ آج تک علمی و دینی مسائل پر قلم اٹھانے اور ان کو سنجیدہ ومؤثر طریقہ سے پیش کرنے کے لئے کم سے کم میرے علم میں علامہ شبلی کے اسلوب سے بہتر کوئی اور اسلوب نہیں۔ ان ہی کے نقش قدم پر سید سلیمان ندوی، عبد السلام ندوی اور دوسرے تربیت یافتہ حضرات ہوئے۔ جنہوں نے اپنے اپنے وقت پر اس سلسلہ کو جاری رکھا، لیکن یہ تنہا کافی نہیں اور آپ جب الاصلاح کا جلسہ کریں تو مجبور ہوں کہ ان ہی حضرات کا نام لیں اور اس فہرست میں اضافہ نہ ہو۔ یہ اس ادارے کے زوال اور اضمحلال کی دلیل ہے اور یہ پوری امت کے لئے خطرہ ہے یہ کتنے افسوس کی بات ہے کہ کسی دائرے میں اس معیار کے لوگ پیدا نہیں ہو رہے ہیں جو مطلوب ہیں، بعض پڑوسی اسلامی ملکوں میں جانے کا اتفاق ہوا۔ وہاں بھی یہ دیکھ کر صدمہ ہوا کہ وہاں بھی اب ایسی علمی وفکری قیادت

موجود نہیں جو اس نوجوان نسل کی تشفی کا سامان فراہم کر سکے جو براہ راست یورپ سے پڑھ کر آ رہی ہے کوئی ایسا رسالہ نہیں جس میں جدید تمدنی مسائل کا دین کی روشنی میں حل پیش کیا جاتا ہو۔ زبان وعلم اور تحقیق کا معیار گر گیا ہے۔ ہر رسالہ اپنی جماعت اور اپنے مسلک اور مخصوص سلسلہ کے بارے میں مضامین شائع کرتا ہے۔ اگر کوئی تنظیم یا جماعت ہے تو وہ موجودہ حکومت سے بے اطمینانی ظاہر کرنے اور محدود جماعتی وگروہی اور سیاسی مفاد حل کرنے کے لئے تگ ودو کر رہی ہے۔ یہ صورتحال بڑی خطرناک ہے کہ علماء جن کا کام ہی یہ تھا کہ نوجوان نسلوں کا اعتماد اسلام پر بحال کریں۔

اسلام کی حقانیت اور اس کی ابدیت وصلاحیت کو ثابت کریں اور زندگی کے تمام مسائل میں اس کی افادیت کو ثابت کریں۔ وہ ذاتی وسیاسی مفاد میں الجھ جائیں۔ اگر اس امت میں بڑے بڑے صالحین اور اتقیاء اور دین پر جان دینے والے موجود ہوں۔ جب بھی یہ ضرورت باقی رہے گی۔

وماعلینا الا البلاغ المبین

دل بدل جائیں گے تعلیم بدل جانے سے

یہ تقریر انجمن تعلیمات دین ضلع گورکھپور کے زیر اہتمام مورخہ ۳۰ اکتوبر ۱۹۸۳ء کو بمقام اسلامیہ کالج گورکھپور ایک بڑے جلسہ میں کی گئی۔ اس موقعہ پر دینی تعلیمی کونسل کے سکریٹری جناب ڈاکٹر اشتیاق حسین قریشی ناظم مولانا محمود الحسن صاحب کے علاوہ دین دار طبقہ کی ایک کثیر تعداد شریک تھی۔ حضرت مولاناؒ نے قرآن پاک کے حوالے سے مسلمانوں کو بتایا کہ ایک مسلمان کے ایمان کا تقاضا یہ ہے کہ وہ اپنے بچے کے جسم سے زیادہ اس کے ایمان کے لئے فکر مند ہو چنانچہ مسلمانوں نے اسلام کو اپنی آئندہ نسلوں تک پہنچانے اور اسکے تسلسل کو قائم رکھنے کے لئے ہمیشہ بڑی سے بڑی قربانیاں دی ہیں۔

الحمدلله رب العالمين والصلوٰة والسلام على سيد الانبياء والمرسلين وعلى آله واصحابه اجمعين، ومن تبعهم باحسان ودعىٰ بدعوتهم الى يوم الدين. امابعد فاعوذ بالله من الشيطان الرجيم . بِسْمِ اللهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ o يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا قُوْٓا اَنْفُسَكُمْ وَاَهْلِيْكُمْ نَارًا وَّقُوْدُهَا النَّاسُ وَالْحِجَارَةُ عَلَيْهَا مَلٰٓئِكَةٌ غِلَاظٌ شِدَادٌ لَّا يَعْصُوْنَ اللهَ مَآ اَمَرَهُمْ وَيَفْعَلُوْنَ مَا يُؤْمَرُوْنَ o

”اے وہ لوگو جو ایمان لائے ہو، اپنے آپ کو اور اپنے اہل و عیال کو ایسی آگ سے بچاؤ جس کا ایندھن انسان اور پتھر ہیں

> اور جس پر تند خو اور سخت مزاج فرشتے مقرر ہیں، جو اللہ کے حکم کی نافرمانی نہیں کرتے اور جس کا ان کو حکم دیا جاتا ہے وہ بجا لاتے ہیں۔"

حضرات! میں نے آپ کے سامنے قرآن شریف کی ایک آیت پڑھی ہے جو اس سے پہلے بارہا آپ کے سامنے پڑھی گئی ہوگی، اور قرآن شریف کی تلاوت میں آپ کی نظر سے گزری ہوگی لیکن ضروری نہیں ہے کہ جو چیز بار بار نظر کے سامنے آئے اس پر آدمی غور بھی کرے، آپ سڑکوں پر سے گزرتے ہیں، سائن بورڈ برسوں سے لگے ہوئے ہیں، آپ کی نظر بھی پڑتی ہے، لیکن آپ خود سوچئے کہ آپ نے کتنی بار غور سے پڑھا اور آپ کو یاد رہا، اگر آپ سے پوچھا جائے کہ آپ جس سڑک سے گزر کر آتے ہیں، اس میں اہم اہم سائن بورڈ کس چیز کے ہیں تو کم لوگ بتا سکیں گے۔

آیت بڑی چونکا دینے والی ہے اور ایسی ہے کہ اگر اس کا خطرہ نہ ہو کہ بار بار جو چیز سامنے ہوتی ہے اس پر توجہ ہٹ جاتی ہے، وہ روزمرہ کی چیزوں سے سمجھی جانے لگتی ہے تو میں عرض کرتا اور اصرار کرتا کہ یہ آیت جلی حروف سے لکھوا کر دیواروں پر لگوا دی جائے۔ مسجدوں میں بھی آویزاں کر دی جائے۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ اے وہ لوگو جو خود ایمان لا چکے ہو، یَـآ اَيُّهَـا الَّـذِيْنَ اٰمَنُوْا یہ "اٰمَـنُوْا" ماضی کا صیغہ ہے۔ ہر لفظ پر غور کیجئے، قرآن مجید کا کوئی لفظ اتفاقی یا بھرتی کا نہیں ہوتا، یہ کوئی شاعری نہیں "اَيُّهَـا الْـمُـؤْمِنُوْنَ" کہا جا سکتا تھا۔ "اَيُّهَـا الْـمُـسْـلِمُوْن" کہا جا سکتا تھا۔ اے مسلمانو! اے جماعت مومنین! لیکن فرمایا: "يَـآ اَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا " اے وہ لوگو جو خود ایمان لا چکے ہو "قُوْٓا اَنْفُسَكُمْ وَاَهْلِيْكُمْ نَارًا وَّقُوْدُ النَّاسُ وَالْحِجَارَةُ" بچاؤ اپنی جانوں کو، اپنے گھر والوں کو، اپنے متعلقین کو، اپنے ماتحتوں کو آگ سے جس کا ایندھن ہے انسان اور پتھر۔" اس آیت کے مخاطب مسلمان تھے، وہ صحابہؓ تھے، جو قرآن

مجید کے نزول کے وقت موجود تھے، وہ اولین مخاطب تھے، یوں قیامت تک کی تمام نسلیں اور جو بھی پیدا ہوا اور اپنے کو مسلمان کہے وہ سب مخاطب ہیں، لیکن پہلے مخاطب اس کے وہ لوگ تھے جو رسول اللہ ﷺ کے ہاتھ پر ایمان لا چکے تھے۔ آپ ﷺ کے ہاتھ میں اپنا ہاتھ دیا تھا، جن کو شرف صحابیت حاصل تھا اور اس میں یقیناً وہ لوگ بھی تھے جو بیعت رضوان میں شریک رہے ہوں گے۔ جنہوں نے حدیبیہ میں درخت کے نیچے جان دینے پر بیعت کی تھی اور جن کے متعلق ارشاد ہے:

لَقَدْ رَضِیَ اللّٰہُ عَنِ الْمُؤْمِنِیْنَ اِذْ یُبَایِعُوْنَکَ تَحْتَ
الشَّجَرَۃِ فَعَلِمَ مَا فِیْ قُلُوْبِھِمْ فَاَنْزَلَ السَّکِیْنَۃَ عَلَیْھِمْ
وَاَثَابَھُمْ فَتْحًا قَرِیْبًاo

(سوره الفتح .١٨)

ترجمہ: ''اے (پیغمبر) جب مؤمن تم سے درخت کے نیچے بیعت کر رہے تھے تو خدا ان سے خوش ہوا اور جو (صدق و خلوص) ان کے دلوں میں تھا وہ اس نے معلوم کر لیا تو ان پر تسلی نازل فرمائی اور انھیں جلد فتح عنایت کی)''

جن کو یہ انعام ملا تھا اور جن کو قیامت تک کے لئے سند دی گئی ہے کہ اللہ ان سے راضی ہوا، ایسے سند یافتہ اور بلند مرتبہ لوگ بھی اس آیت کے مخاطب ہیں جو بیعتِ رضوان میں شریک ہوئے تھے اور عشرہ مبشرہ بھی اس میں یقیناً شامل ہیں اور کبارِ صحابہ بھی اس میں شامل ہیں، اور بدر اور احد کے ''زندہ شہید'' بھی مخاطب ہیں۔

اب میں آپ سے پوچھتا ہوں کہ کیا کوئی آدمی جان بوجھ کر اپنے لڑکوں کو اپنے گھر والوں کو آگ میں جھونکتا ہے، آگ میں گھسنے دیتا ہے؟ اس کا کیا مطلب کہ اللہ کہتا ہے کہ اے وہ لوگو جو خود ایمان لا چکے ہو، اب تمہارا کام یہ ہے کہ اپنی جانوں کو بچاؤ۔ اپنے

گھر والوں کو بچاؤ۔ دوزخ کی آگ سے، کیا کوئی واقعہ آپ نے سیرت میں ایسا پڑھا ہے کہ صحابہ کرام نے (معاذ اللہ) ارادہ کیا تھا کہ اپنے بچوں کو آگ کے حوالہ کر دیں۔ یا بچے آگ میں کودنا چاہتے تھے اور صحابہ کرام اور اس وقت کے مسلمان خاموش بیٹھے ہوئے تماشا دیکھ رہے تھے، اور اس صورت حال پر راضی تھے، کیا ایسا کوئی واقعہ آپ کی نظر سے گزرا ہے؟ تو کیا بے ضرورت یہ بات کہی گئی ہے کہ اے وہ لوگو جو خود ایمان لا چکے ہو تمہارا کام یہ ہے کہ اپنی جانوں کو اپنے گھر والوں کو آگ سے بچاؤ، یہ کون سی آگ تھی، اور کب یہ واقعہ پیش آیا تھا، یا پیش آنے والا تھا کہ مسلمانوں کے گھروں کے بچے آگ میں کودنا چاہتے تھے، اور ماں باپ سو رہے تھے، فکر نہیں کر رہے تھے، اللہ تعالیٰ نے اس وقت وحی نازل کی، سب چونک گئے اور سب اپنے بچوں کی فکر میں لگ گئے کہ آگ میں چھلانگ نہ لگائیں، پھر اس آیت کا مطلب کیا ہے؟

کیا اس آیت کا مطلب اس کے سوا کچھ ہو سکتا ہے کہ اپنے بچوں کو اپنے گھر والوں کو ایسی چیزوں سے بچاؤ جو آگ تک لے جانے والی ہیں جن کا انجام یہ ہونے والا ہے کہ دوزخ میں جائیں، ورنہ وہ کون سے انسان ہیں جو اپنے بچوں کو آگ کی طرف جاتے ہوئے دیکھیں اور ان کو روک نہ لیں؟ خطرہ صرف اس بات کا ہے کہ آدمی یہ نہ جانتا ہو کہ اس کے نتیجہ میں جلنا ہوتا ہے، تو مطلب یہ ہوا کہ ایسے اسباب سے بچاؤ جو دوزخ کی آگ تک پہنچانے والے ہیں۔ اس کو فقہ کی زبان میں ''اسباب مؤدیہ'' کہتے ہیں، یعنی وہ اسباب جو کسی نتیجہ تک پہنچانے والے ہوں، فقہاء کے نزدیک وہ بھی نتائج کے حکم میں داخل ہیں، مثلاً اگر کوئی شخص کسی کو ایسی دوا دے رہا ہے جس کے نتیجہ میں موت ہوتی ہے چاہے وہ دیر سے ہو، یہ عمل قتل ہی کے مترادف ہے، اس لئے کہ اس نے وہ سبب اختیار کیا جس کے نتیجہ میں موت کا آنا یقینی ہے تو قانون بھی اس کو قاتل کہے گا، حکیم صاحبان بھی اس کو قاتل ہی سمجھیں گے، یہ بات تو سمجھ میں آتی ہے کہ ایسی چیزوں سے بچاؤ جو آگ

تک پہنچا دینے والی ہیں۔

اب میں آپ سے عرض کرتا ہوں کہ صورت حال اس وقت یہی ہے، بچوں کی دینی تعلیم کا انتظام نہ کرنا، بچوں کو اس ماحول کے بالکل حوالہ کر دینا اور ان کو اس کے رحم و کرم پر چھوڑ دینا جو اس بات کا نہ مکلف ہے نہ اس بات کا مدعی، نہ اس بات کا اہل کہ وہ بچوں کو وہ تعلیم دے گا جس پر نجات موقوف ہے۔ پیغمبروں کی لائی ہوئی وہ تعلیم جس سے ناواقفیت کے نتیجہ میں ایمان کا خطرہ ہے۔ آخرت کی ہلاکت ہے، تو اب یہ دیکھنا چاہئے کہ اس بات کو بچے کے لئے کیسے گوارا کیا جا رہا ہے؟ موجودہ تعلیمی نظام صرف لا دینی (SECULAR) ہی نہیں وہ ایک مثبت و معین نظام تعلیم (SYSTEM OF EDUCATION HINDU MYTHOPOSITIVE LOGY) ہے۔ ہندو دیو مالا اس میں شامل ہے، انگریزوں کے زمانہ میں تعلیم سیکولر تھی، بلی، کتے کے قصے ہوتے تھے اور ہم میں سے بہت سے لوگوں نے انگریزوں کے عہد حکومت میں انگریزی پڑھی ہے، اس وقت زبان سکھانے والی ابتدائی کتابوں سے نہ کسی کے عقیدہ پر اثر پڑتا تھا، نہ کسی مخلوق کا تقدس پیدا ہوتا تھا اور نہ اس کائنات میں کسی مخلوق کا تصرف و اختیار معلوم ہوتا تھا، اس وقت بھیڑیئے، چیتے، بندر اور لومڑی اور بلی کتے کے قصے بچے پڑھتے تھے، ویسے کے ویسے ہی گھر آتے تھے جیسے جاتے تھے لیکن اب صورت حال یہ نہیں ہے، سرکاری نصابی کتابوں میں عقیدہ پر اثر ڈالنے والے اسباب، قصے کہانیاں اور مضامین ہوتے ہیں اور جو کسر کتابوں میں رہ جاتی ہے وہ ماسٹر صاحبان پوری کرتے ہیں، بچوں کو کچھ اجتماعی کام ایسے کرنے پڑتے ہیں جو اسلام کے عقیدۂ توحید کے منافی ہیں۔

میں آپ سے پوچھتا ہوں کہ ڈھلوان راستہ ہو جس پر پاؤں بھی نہ جمتے ہوں اس پر کوئی بچہ سائیکل پر بیٹھا ہوا جا رہا ہو آگے کھائی ہو، سائیکل کا بریک بھی ٹھیک کام نہ کرتا ہو، باپ دیکھ رہا ہے کہ بچہ سائیکل پر بیٹھا ہے اور اس سے بھی واقف ہے کہ بریک نہیں ہے،

اس سے بھی واقف ہے کہ کوئی اور ترکیب نہیں کہ وہ سائیکل پر جاتے ہوئے کھائی سے بچ سکے گا تو کیا یہ نہیں کہا جائے گا کہ اس باپ نے جانتے بوجھتے اپنے بچے کو کھائی میں گرنے دیا، کیا کوئی صاحب اس سے انکار کر سکتے ہیں؟

اگر اس سے انکار نہیں کر سکتے تو اب میں آپ سے کہتا ہوں کہ موجودہ نظام تعلیم سے بچے کا ایمان کیسے سلامت رہے گا اگر خارجی واضافی دینی تعلیم کا انتظام نہیں ہے۔ (جس کو سائیکل میں بریک کا قائم مقام کہا جا سکتا ہے) جس میں تحفظ کا انتظام ہے، کہ اسکول میں بچہ جو کچھ پڑھ کر آتا ہے، اس کی اصلاح کی جاتی رہے اور اگر اس کو کوئی ایمانی توحیدی (DOSE) دیا جاتا ہے۔ صباحی یا شبینہ مکتب ہیں، تعلیمی حلقے ہیں، کوئی دینی کتاب سنائی جاتی ہے۔ ماں باپ دین کی تلقین کرتے ہیں، اچھے اچھے شوق انگیز اور دین آموز قصے سناتے ہیں۔ گھر کا ماحول دینی ہے، تب تو یہ کسی درجہ میں بریک کے قائم مقام ہیں اور اگر ایسا نہیں تو آپ نے گویا اپنے بچوں کے کان میں کہہ دیا ہے کہ ''اسکول کی ہر بات مان لینا'' یہ کان میں کہنے ہی کے مترادف ہے کہ آپ نے بچہ کا نام کسی اسکول میں لکھایا اور باہر سے کوئی انتظام نہیں کیا، گویا آپ نے اپنے بچہ کو ایک طرح کی ترغیب دی ہے کہ وہ ہر غیر اسلامی بات مانتا چلا جائے۔ اب اگر وہ مانتا چلا گیا اور باہر سے کوئی انتظام نہیں ہے نہ اردو جانتا ہے کہ دینی کتابیں پڑھ سکے، نہ محلے میں کسی مکتب کا انتظام ہے، تو آپ بتائیے کیا آپ ''قُوْ اَنْفُسَکُمْ وَاَھْلِیْکُمْ نَارًا'' کے مخاطب نہیں ہیں؟

لکھنؤ کے ایک زنانہ جلسہ میں خواتین کی بڑی تعداد تھی، میں نے کہا ایک ماں کا قصہ آپ کو سناتا ہوں، ایک تعلیم یافتہ خاتون ایک دعوت میں شریک تھیں، بیبیوں نے دیکھا کہ وہ بے چین اور متفکر سی ہیں، باتوں میں ان کا دل نہیں لگ رہا ہے، ان کی عزیز بیبیاں اور سہیلیاں سب بیٹھی دلچسپی کی باتیں کر رہی ہیں، بہت دنوں کے بعد وہ اکٹھا ہوئی تھیں، لیکن معلوم ہوتا ہے کہ ان خاتون کا دل و دماغ کہیں اور ہے؟ طبیعت کچھ خراب ہے؟

کوئی اندرونی تکلیف ہے؟ بہت پوچھنے پر انھوں نے کہا کہ کچھ نہیں میں گھر میں ماچس کی ڈبیا چھپانا بھول گئی، بچہ وہاں ہے، مجھے کھٹکا لگا ہوا ہے کہ کہیں وہ اس میں سے تیلی نکال لے اور مسالہ سے رگڑ کر اپنے کپڑوں میں آگ لگا لے۔ بیبیوں نے پوچھا اللہ رکھے بچہ کی کیا عمر ہے؟ خاتون نے جواب دیا یہی دو سال کی! خیال کیجئے بچہ ماچس کے بکس کو کھولنا جانتا ہے یا نہیں؟ اگر جانتا ہے اور کھولے گا تو الٹی تیلی رگڑے گا یا سیدھی رگڑے گا جدھر مسالہ ہے مگر

ع عشق است و ہزار بدگمانی

محبت یہ سب چیزیں پیدا کر دیتی ہے۔ وہ چونکہ ماں ہے۔ اللہ نے مامتا دی ہے، محبت دی ہے، بچہ کی، اس لئے وہ باتیں جو بہت بعید از قیاس ہیں اور کہیں برسوں میں ہوتی ہیں، سب ان کے سامنے نقشہ کی طرح ہیں۔ بچہ کھیلتے کھیلتے وہاں پہنچا، ماچس کی ڈبیا اٹھائی اس کو کھولا اس نے کبھی دیکھا تھا اپنی بڑی بہن کو یا بھائی کو کس طرح اس سے کام لیا جاتا ہے، اس نے اس کی نقل کی اور اپنے کپڑوں میں آگ لگالی، جب گھر گئے تو معلوم ہوا کہ (خدانخواستہ) یہ واقعہ پیش آیا، اتنے دور کے احتمالات کی وجہ سے وہ بی بی وہاں اس طرح بے چین نظر آتی تھیں کہ جیسے کوئی آدمی دہکتے ہوئے گرم پتھر پر کھڑا ہو، یا کوئی کانٹوں پر بیٹھا ہوا ہو۔

کیا دین کے منافی ماحول میں دین و ایمان سے محروم ہو جانے کے احتمالات جانی خطرات کے احتمالات سے زیادہ قوی نہیں ہیں۔ جو اس چاہنے والی ماں کے دل میں پیدا ہوئے؟ ہمارے بچے جو پڑھ رہے ہیں جن کو آپ نے ایک دن نہیں بتایا کہ توحید کیا ہے؟ آپ نے کوئی انتظام اپنے شہر میں دینی مکاتب کا نہیں کیا، جہاں بچے پڑھ کر پھر اسکولوں میں جاتے اور اپنا ایمان بچانے کے قابل ہو جاتے، نہ گھروں میں وہ ماحول نہ محلہ اور بستی میں یہ فضا، اسکولوں کو میں کیا کہوں، میں عربی مدرسوں کا آدمی ہوں۔ وہاں یہ حالت ہے

کہ اب جو بچے آرہے ہیں وہ بھی ایسی بنیادی باتوں سے ناواقف ہیں جن کا ہمارے بچپن میں خیال بھی نہ ہوسکتا تھا کہ کوئی مسلمان بچہ ان سے ناواقف ہوگا۔

اس صورتِ حال کا نتیجہ کیا ہوگا؟ نسل کی نسل دین سے بالکل ناآشنا ہوگی، اردو پڑھ نہیں سکے گی، آج یہ حالت ہورہی ہے کہ ایک بڑے طبیہ کالج کے جس کی ایک تاریخ ہے ایک طالب علم سے کوئی مضمون لکھوانا تھا یا خط لکھوانا تھا، تو سوچا کہ یہ صاحب تو طب کی کتابیں پڑھتے ہیں جو عام طور پر عربی فارسی میں ہیں، بہت نیچے اتر یئے تو اردو میں ہیں ان سے کہا آپ لکھئے، وہ لکھتے رہے لوگ سمجھتے رہے کہ لکھ لیا، دیکھا تو وہ ہندی میں تھا، ان سے کہا گیا کہ آپ یونانی طب پڑھتے ہیں اور اردو نہیں لکھ سکتے؟ انھوں نے کہا کہ ہمیں تو یہی پڑھایا گیا ہے۔ تو ایک ایسی نسل کے تیار ہونے کا محض اندیشہ نہیں، مشاہدہ میں آرہا ہے، دین کی بنیادی چیزوں سے ناواقف، بنیادی عقائد سے ناواقف، اللہ و رسول کا ہمارے دل و دماغ میں جو عقیدہ بسا ہوا ہے اس سے ناواقف، یہ نسل پیدا ہوگئی ہے اور جوانی کے قریب اب پہنچ رہی ہے۔ شروع ہونے کا زمانہ تو گیا، آنکھوں سے دیکھا گیا ہے کہ سیرت پر تقریر کرنی ہے...... اسلامیہ اسکول ہے، کالج ہے، جامعہ ہے، اور ایک مسلمان نوجوان طالب علم کو کسی نے سیرت کا مضمون دیا، وہ ہندی میں لکھ کر لایا، اور اردو میں پڑھا، الفاظ تو اردو اور رسم الخط ہندی، اور یہ رسم الخط تو وہ چیز ہے کہ آرنلڈ ٹوائن بی TOYNBEEARNOLD جو اس زمانہ کا بڑا فلسفی، مؤرخ (PHILOSOPHERHISTORAIAN) ہے۔ اس نے لکھا ہے کہ اب کسی کتب خانہ کو آگ لگانے کی ضرورت نہیں، رسم الخط (SCRIPT) بدل دینا کافی ہے۔ اس سے اس قوم کا رشتہ اپنے ماضی سے بالکل ٹوٹ جائے گا اور اس کی پوری تہذیب اس کے لئے بے معنی ہوکر رہ جائے گی اور پھر جس طرف چاہے لے جاؤ۔ جو چیز کسی ملت کو اس کے ماضی سے اس کے مذہب سے، اس کی تہذیب سے، اس کے کلچر سے ملاتی ہے۔ وہ رسم الخط ہے، رسم الخط بدلا نسل بدل گئی۔ آ ز

ہندوستان میں یہی ہو رہا ہے۔ فرقہ وارانہ فسادات محض ملک کو بدنام کرتے ہیں۔ فائدہ ان کا کچھ نہیں ہے، تعلیم کا نظام بدلنا کافی ہے۔ آج سے ساٹھ برس پہلے اکبر مرحوم نے کہا تھا ؎

شیخ مرحوم کا قول اب مجھے یاد آتا ہے
دل بدل جائیں گے تعلیم بدل جانے سے

ایک طویل المیعاد منصوبہ بندی ہے، ذرا دیر لگے گی، تیس چالیس برس میں خود ایک ایسی نسل تیار ہو جائے گی جس کے نزدیک کفر و ایمان کا فرق، توحید و شرک کا فرق، عقائد و مذہب کا فرق سب بے معنی باتیں ہو جائیں گی۔ کچھ کرنا نہیں پڑے گا۔

مسلمان ماں باپ اس ڈر سے کہ ہمارے بچے کا کیریر خراب ہو جائے گا۔ اس کی مادری زبان اردو نہیں لکھاتے۔ اس کی دینیات کی تعلیم کا انتظام نہیں کرتے بھلا ایمان کے ساتھ یہ بات جمع ہو سکتی ہے؟ مسلمان کی شان تو یہ ہے کہ اگر کسی طریقہ سے یہ معلوم ہو جائے کہ اس کے بچے کی تقدیر میں اسلام نہیں ہے یا یہ خدانخواستہ مسلمان نہیں رہے گا تو دعا کرے کہ اللہ اس کو خیر و عافیت سے اٹھا لے، یہ مسلمان کی شان ہے۔

حضرت خنساء رضی اللہ عنہا ایک صحابیہ اور اپنے زمانہ کی ایک بڑی شاعرہ خاتون ہیں، وہ بڑا دردمند دل رکھتی ہیں، انھوں نے ساری عمر اپنے دو بھائیوں کے مرثیے کہے جو ان کو داغ مفارقت دے گئے تھے۔ کہا جا سکتا ہے کہ کسی زبان میں عورت کے کہے ہوئے مرثیوں کا اتنا بڑا ذخیرہ نہیں جو انہوں نے اپنے بھائیوں کی یاد میں یادگار چھوڑا ہے، ان کا پورا دیوان صرف بھائیوں کے مرثیے سے بھرا ہوا ہے۔ ایسا دردمند دل رکھنے والی خاتون ایک معرکۂ جہاد میں اپنے ایک بیٹے کو بلاتی ہیں اور کہتی ہیں کہ بیٹا جاؤ تم کو میں نے اسی دن کے لئے پالا تھا، جاؤ اللہ کے راستے میں جان دے دو، پھر دوسرے بیٹے کو بلاتی ہیں، تیسرے بیٹے کو بلاتی ہیں اور جب سب کی شہادت کی خبر آتی ہے تو کہتی ہیں "**الحمد لله**

الذی اکرمنی بشھادتھم ''اس خدا کا شکر ہے جس نے ان کی شہادت کے ذریعہ میری عزت بڑھائی، یہ ایمان کی شان ہے کہ اسلام پر سب کچھ قربان۔

آج مسئلہ یہ ہے کہ اس نسل کو کیسے بچایا جائے کیسے مسلمان رکھا جائے۔ سرکاری تعلیم کی اصلاح کی کوشش کے ساتھ دینی تعلیم کا کوئی متوازی نظام بھی ہونا چاہیئے۔ آج اتنے ہی پر اکتفا کرتا ہوں۔ اللہ ہم کو عمل کی توفیق بخشے۔ آمین۔

وماعلیناالاالبلاغ المبین

صنعتی اور سائنسی علوم کی تعلیمی افادیت و اہمیت اسلامی تعلیمات اور دور ماضی سے اس کا ثبوت

الحمد لله رب العالمين والصلوٰة والسلام على سيد الانبياء والمرسلين وعلى آله واصحابه اجمعين ومن تبعهم باحسان ودعى بدعوتهم الى يوم الدين. اما بعد! فاعوذ بالله من الشيطان الرجيم. وانزلنا الحديد فيه بأس شديد ومنافع للناس وليعلم الله من ينصره ورسله بالغيب ان الله قوى عزيز۔

قرآن مجید میں صنعت کا ذکر

حضرات! حاضرین کے اس مجمع کو جس میں اعلیٰ تعلیم یافتہ حضرات اور ان کے ساتھ علمائے کرام بھی تشریف رکھتے ہیں یہ وسوسہ میرے دل میں گزرتا ہے۔ (خدا مجھے معاف کرے) کہ ہمارے معزز سامعین حضرات (خاص طور پر جن کی تعلیم علوم کے اندر محدود رہی ہے) کا ذہن کبھی اس طرف منتقل نہ ہوا ہوگا کہ قرآن مجید میں صنعت کا بھی ذکر ہے، اور ان ماہرین کا بھی ذکر ہے جنھوں نے اپنے وقت میں صنعت سے تعمیری کام لیا اور خدمت خلق انجام دی اور انسانیت کی اور اپنے ہم اعتقاد اور زیر اثر حلقہ کی حفاظت کی، یہ کم لوگوں کے ذہن میں آیا ہے، میں نے ابھی آپ کے سامنے قرآن مجید کی یہ آیت:

وانزلنا الحديد فيه بأسٌ شديدٌ ومنافعُ للنّاس وليعلم

اللّٰهُ مَنْ يَّنْصُرُهٗ وَرُسُلَهٗ بِالْغَيْبِ اِنَّ اللّٰهَ قَوِيٌّ عَزِيْزٌ.

''اور لوہا پیدا کیا اس میں (اسلحہ جنگ کے لحاظ سے) خطر بھی
شدید ہے، اور لوگوں کے لئے فائدے بھی ہیں، اور اس لئے کہ
جو لوگ بن دیکھے خدا اور اس کے پیغمبروں کی مدد کرتے ہیں، خدا
ان کو معلوم کرے، بے شک خدا قوی (اور) غالب ہے۔''

اللہ تعالیٰ احسان رکھتے ہوئے اہمیت کے ساتھ ذکر فرماتا ہے کہ ہم نے لوہے کو نازل کیا، پہلے خیال کیجئے کہ اس کے لئے عربی میں کئی لفظ ہو سکتے تھے۔ ''خلقنا'' کہا جا سکتا تھا یعنی ''ہم نے پیدا کیا'' لیکن نازل کرنے میں خصوصیت اور اہتمام ہے اور اس کے ساتھ قدرت اور رحمتِ خداوندی کا جو عنصر شامل ہے وہ کسی اور لفظ سے ادا نہیں ہو سکتا، آپ جانتے ہیں کہ ٹیکنالوجی (TECHNOLOGY) اور تکنولوجی ہی نہیں بلکہ فن تعمیر (آرکی ٹیکچر) بھی ہے اور دوسری چیزیں فن حرب وغیرہ ہیں، جنگی مشقیں ہیں اور جنگی کارروائیاں ہیں اور کتنے تعمیری اور دفاعی وحفاظتی کام ہیں، ان سب میں لوہا ایک مرکزی کردار ادا کرتا ہے، اور کوئی نظام صنعت وحرفت اس سے مستغنی نہیں ہو سکتا۔ یہ قرآن مجید کا اعجاز ہے کہ بیسیوں معدنی دھاتوں کو چھوڑ کر حدید (لوہے) کا انتخاب فرمایا، اور وَاَنْزَلْنَا الْحَدِيْدَ ہم نے لوہے کو نازل کیا اس میں بڑی طاقت ہے، وہ اللہ تعالیٰ کی صفت ربوبیت کا مظہر ہے اور اس سے رفعت کا بھی ظہور ہوتا ہے، وہ صرف تلوار بنانے کے لئے نہیں ہے، وہ صرف بندوق ڈھالنے کے لئے نہیں ہے، وہ صرف گولی کو وجود میں لانے کے لئے نہیں ہے، اور اس کو شکل دینے کے لئے نہیں ''فِيْهِ بَأْسٌ شَدِيْدٌ وَّمَنَافِعُ لِلنَّاسِ'' جو عربی دان حضرات یہاں بیٹھے ہیں وہ جانتے ہیں کہ نکرہ کا صیغہ جو ہوتا ہے اس میں بڑی عمومیت وکثرت ہوتی ہے تو اس وقت'' وَمَنَافِعُ لِلنَّاسِ ''لوگوں کے لئے بہت سے منافع ہیں۔

پھر اس کے بعد اتنا ہی نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ اپنے ایک پیغمبر حضرت داؤد علیہ السلام کا ذکر کر رہا ہے کہ:

وَعَلَّمْنَاهُ صَنْعَةَ لَبُوسٍ لَّكُمْ

''اور ہم نے ان کو زرہ بنانے کا علم دیا۔''

ہم نے ان کو وہ علم دیا کہ جس سے وہ اجسام انسانی کی حفاظت کا کام لے سکیں۔ ہم نے ان کے لئے لوہے کو نرم کر دیا، ان کو وہ حکمت عطا فرمائی جس سے کہ وہ لوہے سے شیشہ کا کام لے سکیں، لوہے سے کسی بہت کمزور سے کمزور دھات کا کام لے سکیں، اور تخریب ہی نہیں بلکہ تعمیر کا کام لے سکیں، یہ ایک ایک لفظ معجزہ کی حقیقت رکھتا ہے۔

پھر ایک فرد کا معاملہ نہیں بلکہ قرآن مجید آگے بڑھتا ہے اور حضرت سلیمان بن داؤد علیہما السلام کے خدام (جن میں جن و انس ہیں) ان کے احکام منشاء کی تعمیل کرتے ہیں اور صنعتی و تعمیری کارنامہ انجام دیتے ہیں اور جو وہ چاہتے ہیں بناتے ہیں، اس میں اس کی بھی تصریح کر دی کہ وہ تخریبی مقاصد کے لئے نہیں کرتے جب اس میں سلیمان علیہ السلام کی رہبری شامل ہے، اس میں ان کا حکم چلتا ہے اور ان کے اشارہ سے کام ہوتا ہے تو وہ تعمیری ہوگا اور نافع الخلائق ہوگا۔ "يَعْمَلُوْنَ لَهٗ مَا يَشَآءُ" یہ نہیں کہ جو چاہیں وہ بنا لیں، جو وہ چاہتے ہیں بناتے ہیں، اس کا مطلب یہ ہے کہ ان چیزوں کی اللہ تعالیٰ کی پیدا کی ہوئی طاقتوں کو اللہ کے منشاء کے مطابق اور نبی کو جو پیغام دیا جاتا ہے اور جو مقام عطا ہوتا ہے اس کے تقاضوں اور اس کی خصوصیات کے مطابق اس کو استعمال ہونا چاہئے، ساری دنیا کی خرابی یہ ہے کہ وہ چیزیں تخریبی اور سلبی (DESTRUCTIVE & PASSIVE) مقاصد کے لئے استعمال کی گئیں، لیکن اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں فرمادیا کہ يَعْمَلُوْنَ لَهٗ مَا يَشَآءُ وہ آزاد نہیں تھے جو چاہتے بناتے، لوگوں پر حملہ کرتے اور قوتوں کو تباہ کرتے اور ملکوں کو پامال کرتے۔

میرا اندازہ ہی نہیں تجربہ ہے کہ اسلامی تاریخ کا اس نقطۂ نظر سے اس عنوان کے تحت بہت کم مطالعہ کیا گیا کہ مسلمانوں نے کیا صنعتی ترقی کی اور اس وقت کی موجودہ دنیا جسے ترقی یافتہ دنیا کہتے ہیں۔ سائنسی دنیا (PROGRESSIVE) دنیا ہے وہ علم سے مسلح دنیا ہے، اس میں کتنا حصہ (CONTRIBUTION) مسلمانوں کا ہے۔

مثال کے طور پر ایک بات کہتا ہوں، فلسفہ میں دو چیزیں ہیں، ایک قیاس جس کو (DEDUCTIVE LOGIC) کہتے ہیں، دوسرا استقراء جس کو (INDUCTIVE LOGIC) کہتے ہیں

یہ ایک تاریخی حقیقت اور مسلمہ واقعہ ہے کہ سائنس ٹیکنالوجی اور علوم عمرانیہ کا وجود میں آنا اور ترقی کرنا منطق استقرائی کا رہین منت ہے اور یورپ میں سائنس اور اس کی شاخوں کا ظہور اور تجربہ اور ایجاد کا عہد اس وقت سے شروع ہوا جب سے کہ اس نے قیاس کے بجائے استقراء سے کام لینا شروع کیا اور یہ استقراء کا اصول اور منطق استقرائی عربوں کا عطیہ ہے جو اندلس (اسپین) کے راستے سے یورپ میں آیا، موسولی بان (GUSTAVE LEBON) جو مشہور و مسلم مورخ و مصنف ہے لکھتا ہے:

> ’’لوگ تجربہ اور مطالعہ و استقرائی منطق (INDUCTIVE LOGIC) کو
> جو علم جدید کی اصل حقیقت رکھتے ہیں بیکن (FRANCISBACON)
> کی طرف منسوب کرتے ہیں، مگر اب یہ اعتراف کیا جانا ضروری
> ہے کہ یہ طریقہ مکمل طور پر عربوں کی ایجاد ہے۔‘‘

قیاس یہ ہے کہ آپ پہلے سے ایک نظریہ قائم کرلیں اور کہیں کہ ایسا ہوتا ہے، اس کے بعد جو چیز آئے اس کے ماتحت کردیں، اس پر APPLY کریں اور کہیں کہ یہ ایسا ہی ہوتا ہے، محض اپنی ذہانت سے یا اپنے محدود تجربہ سے، کیوں کہ یہ غیر محدود نہیں ہوتا آپ نے ایک کلیہ قائم کیا کہ فلاں چیز میں یہ اثر ہے اولاس کے بعد آپ نے جو دوسری چیزیں دیکھیں ان کو اس ہی کے ماتحت اس کی لائن میں جو سمت ہے آپ نے اس کو ڈال دیا، یہ قیاس

دنیا کے تمام فلسفہ پر پوری دنیا پر یہاں تک کہ یونانی فلسفہ پر بھی چھایا ہوا تھا، یونان کے تذکرہ کے ساتھ ذہن خود بخود جاتا ہے کہ یونان نے قیاس میں اس قدر ترقی کی، اور ہمارے یہاں بھی جو منطق اور فلسفہ کی کتابیں پڑھائی جاتی ہیں، وہ زیادہ یونانی فلسفہ پر مبنی ہیں۔

استقراء یہ ہے کہ مختلف جزئیات کا تجربہ کر کے اور ان سب کو برت کر اور ان میں جو چیز قدرِ مشترک COMMON FACTORS ہے اس کو اصول بنائے اس کا نام ہے استقراء اور یورپ کے سائنس کے مؤرخوں نے جنھوں نے سائنس کی تاریخ پر کتابیں لکھی ہیں یا یورپ کی ترقی پر کتابیں لکھی ہیں، ان کا اس پر اتفاق ہے کہ یورپ کی ترقی اور اس کی عالمگیر صنعتی فتوحات وایجادات وترقیات کی بنیاد ''استقراء'' پر ہے اور اس کو سب جانتے ہیں کہ استقراء کا اصول اسپین سے آیا ہے، اسپین سے استقراء کا اصول نہ آیا ہوتا تو یورپ ترقی نہ کر پاتا، اس لئے کہ آپ دیکھیئے کہ پانی میں یہ خاصیت ہے، فلاں نے فلاں چیز کو دیکھا اس میں یہ خاصیت اپنی طرف سے ایک اصول آپ نے جلدی میں بنا لیا، قیاس کر لیا، بلکہ اتنا بھی نہیں، اس کو دیکھنے کی بھی ضرورت نہیں، اپنی ذہانت سے آپ نے کہا کہ ایسا ہوا کرتا ہے اور اس کے بعد ساری چیزوں کو اس کے ماتحت لے آئے اور ان سب پر آپ نے اپلائی کیا لیکن یہ صحیح نہیں ہے، اصل جو چیز ہے وہ استقراء ہے کہ آپ جلدی نہ کریں، چیزوں کو دیکھیں، ان کی خاصیتوں کو دیکھیں، ان کے عمل کو دیکھیں، درخت کو بھی دیکھیں، پتے کو بھی دیکھیں، پھول کو دیکھیں، زمین کو بھی دیکھیں، مختلف اشیاء کو بھی دیکھیں۔

اور پھر اس کے بعد دیکھیں کہ ان میں مشترک چیز کیا ہے اس کے بعد کلیہ اپنائیں کہ جب یہ چیز ہوتی ہے تو نتیجہ یہ نکلتا ہے، یہ استقراء جو ہے اس نے یورپ کے دماغ کو ایک نئی روشنی عطا کی اور ایک نیا میدان عطا کیا اور سائنس کی ترقی، اسی دن سے شروع ہوئی،

اگر آپ مجھ سے پوچھیں کہ اس کا یوم پیدائش کیا تھا، جیسے انسانوں کا ہوتا ہے تو میں کہوں گا کہ اس کا یوم پیدائش وہ دن ہے جس دن استقراء کو یورپ نے مانا اور استقراء کو اسپین سے حاصل کیا۔

اسی طرح اس علاقہ میں جس کو ماوراء النہر کہتے ہیں، جس میں بخارا اور سمرقند وغیرہ شامل ہیں، (اور اتفاق سے میں چند دن پہلے وہیں سے ہو کر آیا ہوں) وہاں بڑے بڑے حکماء فلسفی اور موجد و محقق پیدا ہوئے، شیخ الرئیس ابن سینا کی کتاب "القانون" ہے، آج بھی اس سے استفادہ کیا جاتا ہے، اور حیرت ہوتی ہے اس کی حکمت پر اور اس کے وسیع تجربہ پر اور ذہانت پر کہ کس طرح اس نے اعضائے انسانی اور خلقتِ انسانی کے خواص سمجھے ہیں، اور بتائے ہیں، اور امراض کی تشخیص کی اور ان کا علاج بتایا، اس طرح مختلف میدانوں میں عالم اسلام نے وہ ترقی کی جو یورپ کے لئے ایک بنیاد بن گئی اور یہ بات بڑی غلط فہمی اور کم علمی پر مبنی ہے کہ انسانی ترقی سائنس کی ترقی اور جو سائنٹفک علوم ہیں، ان سب کی ترقی یورپ سے شروع ہوئی ہے اور یورپ اس کا گویا معلم اول ہے، یہ بات مطالعہ کی کمی، نظر کی کوتاہی اور عصبیت پر مبنی ہے، مجھے خدا نے موقعہ دیا کہ میں اسپین گیا اور میں نے اسپین کو خوب دیکھا اور میں اس کے ایک کونہ طلیطلہ (TOLETOLA) سے لے کر غرناطہ (GRANATA) تک گیا، میں نے الحمراء کا قصر دیکھا، شہر دیکھا قرطبہ کی مسجد دیکھی اور وہاں کی عمارتیں اور آثارِ قدیمہ دیکھے، اسی طریقہ سے بغداد میں اور جہاں مسلمانوں کے دار السلطنت ہیں وہاں آپ کو مسجدیں ملیں گی جس پر حیرت ہوگی کہ اس زمانہ میں یہاں تک لوگ کیسے پہنچ گئے تھے، یقین نہیں ہوتا ہے کہ ان کو اس طرح بنایا جا سکتا ہے اور یہاں البیرونی جیسے لوگ پیدا ہو گئے جو ہندوستان آئے اور ان کا تاریخ میں اعتراف کیا گیا ہے کہ بہت سے ایسے نظریات ہیں جو سب سے پہلے ان ہی لوگوں نے پیش کیے ہیں۔

یہ نہ سمجھا جائے کہ یہ ایک بدعت کی جا رہی ہے میں اپنی دینی اصطلاح میں بول رہا ہوں کہ بہت سے لوگوں کو اس بدعت سے روکا جائے، یہ بدعت نہیں ہے بلکہ میں سمجھتا ہوں کہ یہ مسلمانوں کی ایک قدیم سنت کا احیاء ہے اور اس کو زندہ کیا جا رہا ہے، اور مسلمانوں کو اس کی بڑی ضرورت ہے، اور مسلمان ان میدانوں میں بھی بہت سی قوموں سے آگے رہے ہیں، میرا مطالعہ یہ ہے کہ سفر کرتا رہتا ہوں اور مختلف تعلیمی حلقوں اور اداروں میں جاتا ہوں اور ہندوستان میں نہیں ہندوستان سے ملحق خطوں میں بار ہا گیا ہوں کہ مسلمان اسی زمانہ میں ٹکنالوجی اور سائنس کے میدانوں میں پیچھے ہیں، اور ایسا معلوم ہوتا ہے کہ مسلمانوں کا ذہن ادب اور شاعری میں زیادہ چلتا ہے، فنونِ لطیفہ کی طرف زیادہ چلتا ہے، اور بعض لوگوں نے یہ کلمہ بنالیا کہ مسلمان تو بس جس میں لطف آئے اور جس میں حسن ہو، ذائقہ بھی ہو، اس میں مسلمان کا ذہن زیادہ چلتا ہے، باقی وہ چیزیں جو ذرا جفاکشی چاہتی ہیں، صبر چاہتی ہیں، یا جس میں دیر لگتی ہے اور جو بے مزہ معلوم ہوتی ہیں، اس میں کم چلتا ہے، حالاں کہ یہ صحیح نہیں ہے، جہاں تک مسلمانوں کا تعلق ہے یہ بہت ہی مستعجلانہ فیصلہ ہے۔

مجھے بڑی خوشی ہے، مبارک باد دیتا ہوں کہ ہمارے شہر میں یہ ایک مرکز قائم ہو رہا ہے، اور ایسے مرکز کی ہر شہر میں ضرورت ہے اور مسلمانوں کو ایسے ادارے چلانے کی ضرورت ہے، اس لئے کہ اب بھی سیاست یا جمہوریت اور علم وفن کے دور میں اب بھی ٹیکنالوجی کی صنعت کی، اور تحقیقات کی اور سائنس کی مختلف شاخوں کی اہمیت ہے، اور افادیت ہے اور خیال ہوتا ہے کہ یہ اہمیت اور بڑھے گی، اور ہم ہندوستان میں عزت کی زندگی اپنی صلاحیت سے گزارنے پر قادر اور خود کفیل بننے کے قابل اس وقت تک نہیں ہو سکتے جب تک ہم ان میدانوں میں بھی مہارت حاصل نہ کرلیں اور کم سے کم اس سے ہم کام نہ لے سکیں۔

حضرات! میں اس ادارہ کے قیام پر آپ کو مبارک باد دیتا ہوں اور دعا کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ اس کو ترقی دے، اور اس کی شاخیں قائم ہوں، مختلف اضلاع میں اور مسلمانوں کو ان علوم سے جو بے گانگی اور جو بعد پیدا ہو گیا ہے وہ دور ہو اور وہ ان اداروں سے ایسے ماہرین کو نکالیں کہ وہ پھر ملکوں کو، وہاں کی طاقتوں کو اور ان سب کے راز کو سمجھنے بلکہ ان کو بنانے تک کی صلاحیت پیدا کر لیں تا کہ مسلم ممالک اور مسلم معاشرہ کی جو اقدار (VALUES) اور معیار (IDIOL) اور مقاصد ہیں ان کی حفاظت کر سکیں، یہ بہت بڑی خدمت ہوگی اور اسلام کو طاقت پہنچانے کا بڑا ذریعہ ہوگا، اور یہ اپنے کسب معاش کے ساتھ ساتھ ایک کثیر الفوائد کام ہوگا۔

وما علینا الا البلاغ المبین.

اکوڑہ خٹک میں حضرت سیّد احمد شہیدؒ کے جہاد اور شہداء کا خون دارالعلوم حقانیہ کی شکل میں رنگ لایا

یہ تقریر ۱۹؍جولائی ۱۹۷۸ء کو صوبہ سرحد کی عظیم قدیمی و مثالی دینی درسگاہ دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک میں علماء، اساتذہ، طلبہ اور معززین کے سامنے کی گئی حضرت مولانا رحمہ اللہ کا تعارف مولانا سمیع الحق صاحب مدظلہ مہتمم دارالعلوم حقانیہ نے کرایا۔

الحمد للہ رب العالمین ، والصلوٰۃ والسلام علی رسولہ محمد و آلہ واصحابہ اجمعین، ومن تبعھم باحسان ودعیٰ بدعوتھم الی یوم الدین. امابعد!

عبادت کی مشقت

میرے بزرگو، دوستو اور عزیزو! ایک حدیث میں آتا ہے کہ ایک عشاء کی نماز کے وقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم حجرۂ مبارک سے باہر تشریف نہیں لائے، بہت دیر ہوگئی، جو معمول تھا معمول کے مطابق آپ وارد نہیں ہوئے۔ مسلمان اس اشتیاق میں بیٹھے ہوئے تھے کہ جن کی تعلیم سے اور جن کی برکت سے نماز سیکھی ہے ان کے پیچھے اس مسجد میں جو اسس علی التقوی کا مصداق ہے عشاء کی نماز پڑھ کر اپنے گھر جائیں اور آرام کریں، یہ لوگ وہ تھے جو دن بھر ہاتھ پر ہاتھ دھرے بیٹھے نہیں رہے تھے، بلکہ کھیتوں میں، باغوں میں، دوکانوں پر سارا دن محنت کرتے رہے تھے، وہ گرمیوں کا زمانہ تھا یا جاڑوں کی رات تھی، اگر گرمیوں کا زمانہ تھا تو مدینہ کی گرمی سب کو معلوم ہے، بہت سخت،

ایسی جھلسا دینے والی، جلا دینے والی گرمی، اس میں سارا دن کام کرتے رہے اور اب آئے تھے کہ نماز پڑھ کر جا کر سور ہیں گے لیکن اللہ کا رسول حجرے سے باہر نہیں آیا تھا، لوگ کچھ اونگھنے لگے تھے، کچھ سونے لگے تھے، سب پر نیند کا اور تھکن کا غلبہ تھا، حضرت عمرؓ نے جو امت کے اتالیق تھے اور بڑے شفیق تھے، انھوں نے محسوس کیا اور آواز دی کہ یا رسول اللہ بچے اور عورتیں سونے لگے ہیں، آپ باہر تشریف لائیے، لوگوں پر ایک نگاہ ڈالی اور فرمایا کہ اس وقت روئے زمین پر نماز کے انتظار میں جاگنے والے تمہارے سوا اور کوئی نہیں، یعنی جاگنے والے تو بہت ہیں اور جمع ہونے والے بھی بہت ہیں تقریر کے لئے، ملنے جلنے کے لئے وقت کاٹنے کے لئے، لیکن تمہارے سوا اور کوئی نہیں ہے۔

اسلام ہند میں

ہجرت کے شروع کا یہ قصہ ہے یادرمیان کا تو اصل میں قیمت اور قدر کی نوعیت ہوتی ہے، قیمت مقصد اور نوعیت کی ہے، تعداد اور اژدحام کی نہیں، اسی طریقے سے ہندوستان میں جب سے اسلام آیا ہے، لڑائیوں کا سلسلہ برابر جاری رہا، فتوحات پر فتوحات ہوتی رہیں، اور اتفاق سے فاتح آپ کے اس علاقے سے داخل ہوتے رہے، درۂ خیبر سے یا بولان سے یہاں سے اسلامی فوجیں گزرتی رہیں اللہ ان کو جزائے خیر دے ہم ان کے حق میں دعائے خیر کرتے ہیں کہ ان کی برکت سے ہندوستان میں اسلام کا جھنڈا بلند ہوا، اسلام چاہے سندھ میں ملتان تک عربوں کے ذریعہ زیادہ پھیلا ہو لیکن بہرحال اسلام کی عظمت یہاں قائم ہوئی اور بہت سے ایسے لوگ جو تعبیر کی افادیت اور مادی فائدہ دیکھے بغیر کوئی قدم نہیں اٹھاتے، انہوں نے اسلام قبول کیا اور اس کے بعد ان کی اولاد میں ہزاروں لاکھوں اولیاء اللہ اور علماء ربانی پیدا ہوئے ہم ان بادشاہوں کا اور فاتحین کا بھی احسان نہیں بھول سکتے اور ہم ان لوگوں میں سے ہونا چاہتے ہیں جن کے متعلق قرآن مجید

میں آیا ہے کہ:

والذین جاء وا من بعدھم یقولون ربنا اغفرلنا
ولاخواننا الذین سبقونا بالایمان ولا تجعل فی قلوبنا
غلا للذین امنوا ربنا انک روف رحیمo

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ ان مہاجر وانصار کے بعد جو لوگ آئیں گے وہ کہیں گے کہ یا اللہ ہماری مغفرت فرما اور ہمارے ان بھائیوں کی بھی الذین سبقون بالایمان ۔ جو ایمان میں سبقت لے گئے، دنیا سے ایمان کے ساتھ پہلے چلے گئے تو ہم محمود غزنوی اور ان سے پہلے اگر کوئی آیا تو اس وقت سے لے کر احمد شاہ درّانی تک جو اس راستہ سے آنے والوں میں سب سے آخر میں آنے والا تھا اور جس نے مسلمانوں کے خلاف جو طاقتیں جمع ہو رہی تھیں ہندوستان میں اور جن کی قیادت مرہٹے کر رہے تھے ان طاقتوں کی کمر توڑ دی، اور مغلیہ سلطنت ہی نہیں بلکہ مسلمانوں کی عظمت وتہذیب کے گل ہوتے چراغ کو پھر تھوڑا سا تیل اور بتی مہیا کر دی اور ہندوستان کے مسلمان پھر پچاس ساٹھ برس کے لئے یہاں اپنے آپ کو محفوظ سمجھنے لگے اور اسلام کی شوکت کا نقش قائم ہو گیا، ہم ان سب کے لئے دعائے خیر کرتے ہیں اور انشاء اللہ کرتے رہیں گے اور ہم کو یہ راستہ بھی عزیز ہے جس راستے سے یہ فاتح اور کشور کشا آئے لیکن جیسا کہ ابھی مولانا سمیع الحق صاحب نے فرمایا اور بجا فرمایا کہ اعلاء کلمۃ اللہ کے لئے خالص اللہ کی رضا کے لئے، سنتوں کو زندہ کرنے کے لئے، مسلمانوں کی زندگی کو شریعت کے سانچے میں ڈھالنے کے لئے اور اُدْخُلُوْا فِی السِّلْمِ کَآفَّۃ کا پیغام پہنچانے اور عمل کرانے کے لئے، حدود شرعیہ کو نافذ کرنے کے لئے، قوانین شریعت کو رائج کرنے کے لئے جو پہلا خون ہندوستان میں صدیوں کے بعد ہی نہیں بلکہ عالم اسلام میں تھوڑے بہت مطالعہ کی بنا پر جس کا موقع

مجھے مل سکا ہے یہ کہہ سکتا ہوں کہ عالمِ اسلام میں صدیوں بعد جو پہلا پاک خون، دم ذکی، جس میں کوئی ملاوٹ نہیں تھی، وہ خون جس سرزمین میں پہلی بار بہا ہے وہ آپ کی سرزمین ہے، یہ اکوڑہ خٹک کی زمین ہے، جس کے متعلق مرزا مظہر جان جاناں کا شعر صحیح ہوگا ؎

بنا کردند خوش رکے بخاک وخون غلطیدن
خدا رحمت کنند ایں عاشقانِ پاک طینت را

جہاد کی تین شرطیں

یہاں بناء رکھی گئی اس جہادِ خالصۃً لوجہ اللہ کی کہ جس کا رواج دنیا میں قریب قریب ختم ہو چکا تھا۔ کسی بادشاہ کے متعلق، کسی غازی کے متعلق، کسی فاتح کے متعلق تاریخ نہیں لکھتی کہ جہاد شروع کرنے سے پہلے اس نے اعلان نامہ بھیجا ہو کسی حریف کو جس کے خلاف اسے جہاد کرنا تھا کہ تین چیزیں ہیں، پہلی دعوت ہماری یہ ہے کہ تم اسلام قبول کرلو، اگر تم اسلام قبول کرلو گے تو ہم یہ زمین تمہارے حوالے کر جائیں گے، تم ہمارے بھائی ہو گے پھر ہمیں کوئی حق نہیں ہوگا کہ بستی مٹا کر تمہاری جگہ بیٹھیں، اس لئے کہ یہ آقاؤں کا تبادلہ نہیں، یہ دین کا اور مسلک کا تبادلہ ہے، یہ اللہ کے ساتھ عہد و پیمان کرتے ہو تو تم زیادہ حقدار ہو، اگر تمہیں یہ منظور نہیں تو تم جزیہ دینا منظور کرو یا جاگذار ہمارے بن جاؤ۔ ہم تمہاری حفاظت بھی کریں گے اور تمہیں اپنے حال پر باقی رکھیں گے، اگر یہ بھی منظور نہیں تو پھر لڑنے کیلئے تیار ہو جاؤ، جہاد کی یہ تین شرطیں تھیں اور یہ بات اتنی مشہور ہوگئی تھی کہ فتوح البلدان بلاذری میں آتا ہے کہ جب سمرقند فتح ہوا تو وہاں کے لوگوں کو کسی طرح پتہ چل گیا کہ اصل ترتیب اسلام میں یہ ہے کہ سب سے پہلے اسلام کی دعوت دی جائے پھر اس کے بعد جزیہ کی پیشکش کی جائے، اگر وہ بھی منظور نہ ہو تو پھر قتال ہے۔ تو انھوں نے دیکھا کہ سمرقند میں فوجیں داخل ہوگئیں بغیر دعوت اسلام دیئے اور بغیر جزیہ کا مطالبہ کئے تو

ان کو ایک عرصہ کے بعد ہوش آیا جب کہ مسلمان وہاں بس گئے تھے، وہاں گھر بنالئے تھے، تو انھوں نے ایک وفد روانہ کیا، حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کی خدمت میں جنھیں خلفاء راشدین میں شامل کیا جائے، وہ جنھیں خلیفۂ خامس کہتے ہیں ان کو معلوم ہوا کہ وہ خلیفۂ عادل ہیں اور شریعت پر پورا عمل کرتے ہیں تو ایک وفد ان کے پاس حاضر ہوا اور ان سے شکایت کی کہ سمرقند بغیر اس سنت کے اور بغیر ایک حکم شرعی پر عمل کئے فتح ہو گیا ہے۔ انھوں نے وہیں بیٹھے بیٹھے ایک پرچہ لکھا وہاں قاضی کے نام کہ جس وقت تمہیں یہ پرچہ ملے تو اسی وقت عدالت کرواور وہاں اس بات پر شہادت لو کہ جس وقت مسلمانوں کے قائد، فوج کے قائد نے سمرقند فتح کیا، کیا اس وقت اس سنت پر عمل کیا گیا تھا یا نہیں۔ اگر ثابت ہو جائے اور کوئی شہادت اس امر پر نہ ہو کہ پہلے اسلام اور پھر جزیہ کی دعوت دی گئی تھی تو تمام مسلمان فوجیں اسی وقت سمرقند چھوڑ کر اس کی حدود سے باہر جا کر کھڑی ہو جائیں، اس کے بعد اس سنت پر عمل کریں، پہلے اہل سمرقند کو اسلام کی دعوت دیں، اگر منظور ہو تو فبہا، نہ ہو تو پھر جزیہ کا کہیں، اسے بھی نہ مانیں تب جہاد کریں۔ قاضی صاحب کو پرچہ ملا، انھوں نے عدالت طلب کی، مدعا علیہ مسلمانوں کی فوج کے قائد ہیں، اور دنیا کی تاریخ میں شاید اس واقعہ کی نظیر نہ ملے کہ ایک کمانڈر جس نے اپنی نوک شمشیر سے اتنا اہم علاقۂ ترکستان کا دارالخلافہ فتح کیا تھا وہ مدعیٰ علیہ اور ایک معمولی مسلمان کی حیثیت سے حاضر تھا اس مسجد میں، اس سے پوچھا گیا، اس نے اعتراف کیا کہ ہاں مجھ سے یہ غلطی ہوئی کہ میں یلغار میں اور اسلامی فتوحات کے تسلسل میں اس اہم شرعی حکم پر عمل نہیں کر سکا، اور جب یہ معاملہ ثابت ہو گیا تو قاضی صاحب نے حکم دیا کہ مسلمان اس شہر سے تخلیہ کریں، اسے خالی کریں، مسلمانوں نے گھر بنالئے تھے، کھیتیاں جوت لی تھیں، بہت سے لوگوں نے اسے اپنا شہر بنالیا تھا تو سب کچھ چھوڑ کر دامن جھاڑ کر چلے گئے، باہر جا کر کھڑے ہو گئے، جب وہاں کے بت پرستوں نے یا بدھ مذہب کے ماننے والوں نے مشرکوں نے

یہ معاملہ دیکھا کہ شریعت کا اتنا احترام ہے کہ ان کے دلوں میں اور عدل وانصاف کا اتنا لحاظ ہے کہ وہ اپنے قائد اور کمانڈر انچیف پر بھی اسے نافذ کرتے ہیں تو انہوں نے کہا کہ اب لڑائی کی ضرورت نہیں، ہم خود مسلمان ہوتے ہیں، چنانچہ سمرقند سارے کا سارا مسلمان ہو گیا اس واقعہ کے ذریعہ میں یہ عرض کرنا چاہتا تھا کہ اس وقت بھی جہاد کی اس سنت پر عمل کسی وقت چھوٹ جاتا تھا اور اس کے بعد تو معلوم نہیں تاریخ کا تعین تو مشکل ہے مگر اس کے بعد مسلمانوں کی فتوحات کی تاریخ میں ہم یہ نہیں دیکھ سکتے کہ اس سنت پر عمل کیا گیا ہو۔ ہوا یہ کہ فوجیں بڑھتی چلی جاتی تھیں اور جو علاقے اور جو شہر ان کے راستے میں آتے انہیں فتح کر کے آگے بڑھتے جاتے، مگر اس اللہ کے بندے نے اس مردِ مجاہد نے جس کا نام حضرت سید احمد شہیدؒ ہے اور ان کے ساتھی مولانا شاہ اسمٰعیل شہیدؒ جنہیں ان کا وزیر اعظم کہیئے، یا دست وبازو کہیئے یا لشکر کے قاضی مفتی اور شیخ الاسلام کہیئے، ان دونوں نے پہلی مرتبہ اس سنت پر عمل کیا اور یہیں سے وہ اعلان نامہ لاہور روانہ کیا گیا" جو لفظ بلفظ کتابوں میں منقول ہے، تو یہی وہ سرزمین ہے جو ان مجاہدوں کے خون سے لالہ زار بنی۔

خونِ شہیداں ضائع نہیں ہوتا

میرے عزیزو! یاد رکھو، خونِ شہیداں ضائع نہیں ہوتا، وہ ہزاروں باغ کھلاتا ہے اور اس کے نتیجے میں جیسے باغ پیدا ہوتے ہیں، اسی طرح مدرسے بھی پیدا ہوتے ہیں، خانقاہیں بھی پیدا ہوتی ہیں، مسجدیں بھی صفحہ وجود میں آتی ہیں اور وہ زمین اللہ کی راہ میں وقیع ہو جاتی ہے، اس لئے کہ اس پر شہیدوں کا اور مجاہدوں کا خون بہا ہے۔ تو آپ کی اس سرزمین کو یہ فخر حاصل ہے کہ یہاں نز اللہ کی راہ میں اس جہاد کا آغاز ہوا اور ابھی میں راستے میں سنا رہا تھا کہ ہمارے رائے بریلی کے ایک خان صاحب تھے عبد المجید

خانصاحب ان کا نام بھی اس فہرست میں شامل تھا جنہیں رات کو بھیجا جانا تھا۔ اکوڑہ کے چھاپہ کے لئے رات کو چھاپہ ڈالنا تھا اور یہاں سے مجاہدین کی جو فرودگاہ تھی چھ کوس یا دس کوس کے فاصلے پر اور پھر رات ہی کو شبخون مار کر واپس ہونا تھا تو حضرت سید احمد شہیدؒ کے سامنے جب فہرست آئی تو ان کو معلوم تھا کہ عبدالمجید خان صاحب بیمار ہیں اور کمزور ہیں تو ان کے نام کے سامنے نشان لگادیا کہ ان کا نام نکال دیا جائے کہ یہ کوئی جہاد کا اختتام نہیں آغاز ہے، پھر بہت سے مواقع آئیں گے ان کے جہاد کے، توان کو جب معلوم ہوا کہ میرا نام فہرست سے نکال دیا گیا ہے تو کوئی اور ہوتا تو اس موقع کو غنیمت سمجھ لیتا کہ چلئے سر پر آیا ایک خطرہ تو ٹل گیا کہ چند آدمی دس ہزار کی فوج پر چھاپہ ڈالنے جارہے ہیں، راستہ کے نشیب وفراز سے ناواقف ہیں، تو پہلا تجربہ تھا۔ سوچتے کہ معلوم نہیں کیا صورت پیش آئے تو وہ ایسے موقع کو غنیمت سمجھ لیتے کہ مجھے بھی کچھ کہنے کی ضرورت پیش نہیں آئی میرا نام امیر المومنین نے خود ہی کاٹ دیا۔ اس سے زیادہ بہتر کیا بات ہوگی۔ لیکن ایسا نہیں بلکہ وہ خود دوڑتے ہوئے آئے اور شکایت کی میرا نام فہرست سے کیوں کاٹ دیا ہے؟ فرمایا بھئی تمہیں بخار آرہا ہے، میں سنتا ہوں کہ تم بیمار اور کمزور ہو اور یہ بڑا سخت چھاپہ ہے، اس کے لئے جفاکش اور تنومند لوگوں کی ضرورت ہے، تو انہوں نے کہا کہ حضرت آج جہاد فی سبیل اللہ کی بنیاد قائم ہورہی ہے اور یہ پہلا موقع ہے، تو کیا میں اس بنیاد کے موقع سے محروم رہ جاؤں؟ میرا نام اللہ اس فہرست میں شامل کر دیجئے۔ تو ان کا نام اس فہرست میں شامل کرلیا گیا۔ اللہ نے ان کو قبول فرمایا اور وہ اس چھاپہ میں شہید ہوئے۔

دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک کی ضرورت

تو یہ سارے واقعات اس سرزمین کے ہیں پھر یہاں سے دوسرا مقام سید وہیں ہوا جو آپ کے قریب ہے، اس کے بعد پھر ہوتے ہوتے ہنڈ وغیرہ کے معرکے ہوئے،

جہانگیرہ وغیرہ میں۔ میں ان سب ناموں سے مانوس ہوں، اس راستہ پر آج میں پہلی مرتبہ آیا ہوں اور اس سے قبل پشاور اور مردان کے راستہ آنا ہوا تھا جو آج سے چونتیس پینتیس برس پہلے کا واقعہ ہے، جب دار العلوم حقانیہ نہیں تھا اور میں آیا اور گھوم پھر کر چلا گیا کیا معلوم تھا کہ ایک دن ایسا بھی آئے گا اور میری عمر وفا کرے گی اور اللہ مجھے اس وقت تک زندہ رکھے گا کہ میں پھر دوبارہ یہاں آؤں گا اور اپنی آنکھوں سے اس دار العلوم کو دیکھوں گا جہاں ان شہدینؒ کی نہ صرف یاد تازہ ہے بلکہ اپنا انتساب بھی ان کی طرف کیا جاتا ہے، یہ نسبت، یہ نسبت گرامی ایسی ہے کہ انشاء اللہ رنگ لائے گی، خون شہیداں رنگ لایا، یہ نسبت انشاء اللہ رنگ لائے گی۔ اس کا نام حقانیہ ہے اس میں حقانیت انشاء اللہ قائم رہے گی اور یہاں سے جو لوگ نکلیں گے وہ حقانیت کے علمبردار ہوں گے، اللہ تعالیٰ حضرت شیخ الحدیث اور شیخ العلماء حضرت مولانا عبدالحق صاحب مدظلہٗ کی زندگی میں برکت عطا فرمائے اور اس مدرسہ کی کامیابیوں کو دیکھ کر ان کی آنکھیں ٹھنڈی ہوں اور وہ خوش ہوں۔ اللہ تعالیٰ ان کے لگائے ہوئے اس باغ کو سرسبز و شاداب رکھے اور پھلتا پھولتا رکھے۔ یہاں اس سرزمین میں ایک ایسا مدرسہ ضرور ہونا چاہئے تھا جہاں قال اللہ اور قال الرسول کی آوازیں بلند ہوں، اس لئے کہ یہ اسی قال اللہ اور قال الرسول ہی کا نتیجہ تھا کہ کتنے اللہ کے بندے ہتھیلیوں پر سر رکھے ہزاروں میل سے ہندوستان سے کہاں کہاں سے یہاں پر آئے اور کہاں یہ میدان، یہ قال اللہ اور قال الرسول ہی تھا جو ان کو اتنی دور کھینچ لایا اور یہاں جب تک قال اللہ اور قال الرسول کی صدائیں بلند ہوتی رہیں گی۔ انشاء اللہ تعالیٰ اللہ کی رحمت برستی رہے گی

ہنوز آں ابر رحمت درفشاں ست
خم و خمخانہ با مہر و نشان است

ابھی یہ خمخانہ خالی نہیں ہوا، جاری ہے اور حافظ کے اس شعر پر میں ختم کرتا ہوں۔

از صد سخن پیرم یک نکتہ مرا یاد ست
عالم نہ شود ویراں تا میکدہ آباد ست

کہ اپنے مرشد کی سو باتوں میں سے ایک بات مجھے یاد رہ گئی ہے کہ عالم اس وقت تک ویران نہیں ہوگا جب تک کہ میکدۂ معرفت قائم ہے۔ قال اللہ اور قال الرسول کا مرکز قائم ہے، اس وقت تک عالم ویران نہیں ہوگا اور یہ حدیث میں آتا ہے کہ جب تک ایک بھی اللہ اللہ کرنے والا باقی ہوگا اس وقت تک قیامت نہیں آئے گی۔ آپ کو مبارک ہو، یہ سرزمین بھی مبارک ہو، کبھی کبھی ؎

تازہ خواہی داشتن گرد اغبائے سینہ را
گاہے گاہے باز خواں ایں قصہ پارینہ را

اور اس دار العلوم کی آپ قدر کریں، اس کے اساتذہ اور اس کے علماء کی قدر کریں، یہاں ذہین طالب علموں کو بھیجیں، اس لئے کہ اب ضرورت ہے جیسا کہ مولانا سمیع الحق صاحب نے اشارہ کیا کہ مغربیت کے فتنے میں ذہین لوگ سامنے آئیں کہ جن کے اندر حوصلہ ہو، ولولہ ہو، اچھے خاندانوں کے ہوں، ان میں مجاہدوں کا خون ہو، شہیدوں کا خون ہو، امینوں کا خون ہو، وفاداروں کا خون ہو، وہ آئیں اور وہ لوگ علوم کتاب و سنت پڑھیں اور اس کے بعد اس سرزمین میں جو اس وقت ایک دور سے گزر رہی ہے اور یہاں اسلامی قانون کے نفاذ کے ارادے کئے جا رہے ہیں اور مطالبے کئے جا رہے ہیں، وہ رہنمائی کریں۔

بس ان الفاظ کے ساتھ میں ختم کرتا ہوں۔ میں نے یہاں آ کر کسی پر احسان نہیں کیا۔ میرا کسی کے اوپر کوئی احسان نہیں بلکہ میں نے اپنے اوپر احسان کیا ہے اور بلانے والوں نے مجھ پر اور میرے ساتھیوں پر احسان کیا کہ یہ عزیز سرزمین ہم کو دوبارہ دکھادی جس مقصد کے لئے یہ زمین رنگین ہوئی تھی اللہ تعالیٰ اس مقصد کو دنیا میں عام کرے اور

اسلام کا کلمہ بلند ہو، اسلام کو غلبہ حاصل ہو اور ہمارے گھروں میں، ہمارے دفتروں میں، ہمارے اداروں میں سب جگہ اسلام نافذ ہو۔

دعا کیجئے کہ اللہ تعالیٰ فضل فرمائے:

اللهم انصر من نصر دين محمد صلى الله عليه وسلم واجعلنا منهم واخذل من خذل دين محمد صلى الله عليه وسلم ولا تجعلنا منهم.

اللہ تعالیٰ ہم کو اور ہمارے سب دوستوں عزیزوں کو تمام روحانی وجسمانی بیماریوں سے شفائے کلی عطا فرمائے، صحت عطا فرمائے، اللہ تعالیٰ ہمیں اخلاص وللّٰہیت عطا فرمائے، ہمارے قلوب کو منور فرمائے، ہمارے دماغوں کو روشن کر دے، ہمارے اعضاء و جوارح کو قوت عطا فرمائے، ہماری آئندہ نسلوں میں اسلام کو قائم رکھے۔ آمین۔

و آخر دعوانا ان الحمدلله رب العالمين

عہد حاضر کا چیلنج اور امتِ محمدیہ کے فرائض

جامعہ تعلیمات اسلامیہ فیصل آباد کے اساتذہ طلبہ اور معززین شہر سے خطاب، یہ جلسہ ۲۳؍ جولائی ۱۹۷۸ء کو جامعہ کے وسیع ہال میں منعقد ہوا۔ خیر مقدمی کلمات اور تعارفی تقریر مولانا حکیم عبد الرحیم صاحب اشرف (ناظم و بانی جامعہ) کی ہوئی۔ اختتامی خطاب اور کلمات تشکر مولانا عبد الغفار حسن صاحب (استاد جامعہ اسلامیہ مدینہ منورہ) نے ادا فرمائے۔

الحمدلله رب العالمين والصلوة والسلام على سيد الانبياء والمرسلين وعلىٰ آله وصحبه اجمعين و من تبعهم باحسان ودعى بدعوتهم الى يوم الدين.

هو الذى بعث فى الاميين رسولاً منهم يتلوا عليهم اياته ويزكيهم ويعلمهم الكتب والحكمة.

عہدِ حاضر کا چیلنج اور امتِ محمدیہ کے فرائض

حضرات ذمہ داران جامعہ، اساتذہ جامعہ اور عزیز طلبہ!

مجھے آپ کی اس مجلس میں شرکت سے مسرت ہے اور یہاں میں کوئی اجنبیت محسوس نہیں کرتا اور مجھے محسوس بھی نہیں کرنا چاہیئے، اس لئے کہ یہ سب حاضرین ہم زبان اور ہم خیال ہیں، اور ایک ہی کشتی کے سوار اور ایک ہی قافلہ کے مسافر ہیں، علم دین کا قافلہ اور اسلام کی دعوت اور ترجمانی کا قافلہ ہے۔

عصرِ جدید کا چیلنج

میں سمجھتا ہوں کہ عصرِ جدید کا سب سے بڑا فتنہ اور جدید اصطلاح میں چیلنج، مادیت نفس پرستی اور دولت ہے۔ یہ فتنہ ہر زمانہ میں رہا ہے، لیکن یہ فتنہ اس زمانہ میں جس طرح منظم، طاقتور دلائل اور فلسفوں سے مسلح سامنے آیا ہے، اس طریقہ سے کبھی نہیں آیا تھا، واقعہ یہ ہے کہ گزشتہ دور میں مادیت کے عروج کے زمانے میں بھی جو لوگ مادیت کے نقطۂ عروج پر تھے وہ بھی احساسِ کمتری کا شکار تھے، وہ اپنی عادتوں کے غلام اور دولت و اقتدار کے پرستار تھے، لیکن ان کو اس پر فخر نہیں تھا، بلکہ وہ کچھ شرمندہ، شرمندہ نظر آتے تھے، ان کو یہ محسوس ہوتا تھا کہ ہم کوئی غلطی کر رہے ہیں، ہم اپنے نفس کی تسکین تو کر رہے ہیں لیکن دماغوں کی تسکین سے عاجز ہیں، آپ اس زمانہ کی تاریخ پڑھئے اور مادیت کے علمبرداروں کی نفسیات کا مطالعہ کیجئے، آپ کو معلوم ہوگا کہ اس زمانہ کی جو روحانی ہستیاں تھیں، بلکہ جو لوگ پستیوں سے بلند تھے، یہ دنیا داران کے سامنے جھک جاتے، ان کا ادب کرتے تھے، ان کے سامنے آنے سے کتراتے تھے، شرماتے تھے، ان سے آنکھیں ملانے کی تاب نہیں رکھتے تھے، ان کے پہلو میں نفس ''لوامہ'' تھا، یعنی وہ ضمیر جس کو اپنے جرم کا احساس ہو، ان کا ضمیر بھی اس قسم کا تھا، سارے مظالم کے باوجود وہ یہ محسوس کرتے تھے کہ وہ ٹھیک راستہ سے ہٹ گئے ہیں، ان میں سے بہت سے لوگ جو مادیت کے بام عروج پر تھے وہ بھی مرتبہ خلوتوں میں روتے تھے، اور بعض مرتبہ جب ان کا ضمیر بیدار ہوتا تھا اپنی زبان سے اقرار بھی کر لیتے تھے کہ ہمارا راستہ غلط ہے اور ہم نفس پرستی کے دلدل میں پھنسے ہوئے ہیں۔

مشرقی اور مغربی کیمپ کا واحد نقطۂ نظر

لیکن اس زمانہ کی خصوصیت یہ ہے کہ مادیت کو ترقی و شائستگی کا منتہی سمجھا جاتا ہے، مادیت کے بارے میں مغربی اور مشرقی کیمپ میں کوئی اختلاف نہیں ہے، اختلاف صرف یہ ہے کہ مادیت کی تنظیم کس طرح کی جائے اور یہ کس فلسفہ اور کس مکتب فکر کے ہاتھ میں رہے؟ امریکہ کا اصرار ہے کہ اپنی ملکیت میں آزادانہ تصرف اور اس کے استعمال کی آزادی رکھنے کا اصول صحیح ہے، اور مشرقی کیمپ روسی کمیونسٹ بلاک اس پر یقین رکھتا ہے اور اس کی دعوت دیتا ہے کہ کسی فرد یا گروہ یا خاندان کی اجارہ داری غلط ہے، وسائل زندگی کو عام کرنا چاہئے اور اس میں پوری مساوات ہونی چاہئے اور اس کا اختیار حکومت کے ہاتھ میں ہونا چاہئے، لیکن زندگی کس طرح گزارنی چاہئے؟ زندگی کی طاقتوں کو کس طرح استعمال کیا جائے؟ زندگی کی تنظیم کس طرح کی جائے اور وسائل و مقاصد میں کس طرح ہم آہنگی اور تعاون بنانا چاہئے؟ پھر اس کے نتائج سے کس طرح متمتع ہوا جائے اور اپنی زندگی کا منتہی، منزل مقصود کس کو بنانا چاہئے؟ انسان کی ترقی کا مدار کس میں پنہاں ہے؟ اس بارے میں ان دونوں فلسفوں میں کوئی اختلاف نہیں وہ دونوں اس چیز کے قائل ہیں کہ اصل چیز لذت، عزت اور ارادہ کی آزادی ہے جو جی میں آئے کرنا اور اپنے نفس کو تمتع کا پورا موقع دینا، اپنی مادی ضرورتوں کو پورا کرنا اور نفس کے جو حقوق ہیں ان کو پورا کرنا، اس مادی جسم کو گوشت پوست کے جسم کو آرام پہنچانا یہی اصل مقصود ہے، نہ کہیں سے آئے تھے، نہ کہیں جانا ہے، نہ کسی کے سامنے حساب کتاب پیش کرنا ہے اور نہ اس سے بلند و بالا کوئی فلسفۂ اخلاق ہے، نہ فلسفۂ روحانیت ہے، نہ کوئی فلسفۂ عقائد ہے اور نہ اس کے علاوہ کوئی حقائق ہی ہیں، حقیقت مطلق، حقیقت کلی یہ ہے کہ ہم اس دنیا میں اس لئے آئے ہیں کہ ہم اس کے ذخائر اور مواقع سے فائدہ اٹھائیں، ان کو آپس میں بانٹ کر

کھائیں اور زندگی کا لطف اٹھائیں۔ اس میں جو چیز بھی حائل ہو اس کو دور کر دینا چاہئے، یعنی مقصد ہے تو نفع اٹھانا، لیکن جو چیزیں حائل ہیں ان کی تعیین میں ان میں اختلاف ہے، کوئی کہتا ہے اس میں شاہی حائل ہے، ایک خاندان کی مطلق العنانی حائل ہے، کوئی کہتا ہے اس میں ذاتی ملکیت حائل ہے، کوئی کہتا ہے اس میں سرمایہ حائل ہے اور سرمایہ داری کا استحصال حائل ہے، کوئی کہتا ہے کہ غلط تقسیم اس میں حائل ہے۔ کوئی کہتا ہے کہ اس میں جہل حائل ہے، کوئی کہتا ہے کہ اسمیں اچھے ادارہ اور طاقت کا فقدان، جو ان سب وسائل کو سب پر تقسیم کرے، حائل ہے، غرض یہ کہ جو اجزاء اور عوائق ہیں ان کے درمیان اختلاف ہے، لیکن مقصود میں کوئی اختلاف نہیں، اس زمانہ میں مادیت کی جو تنظیم ہوگئی ہے، جس طرح اس کو ریفائن (REFINE) کیا گیا ہے، جیسے شاندار نام دیئے گئے ہیں، جس طرح اس پر خوبصورت لیبل لگائے گئے ہیں، جس طرح کی توانائیاں اور صلاحیتیں کام کر رہی ہیں، جس طرح مادیت کو عام کرنے اور اس کو زیادہ سے زیادہ قابلِ قبول بنانے کے لئے کوششیں کی گئی ہیں، ہمارے علم میں انسانی تاریخ کے کسی دور میں اس کا کوئی ریکارڈ نہیں ملتا۔

سب سے بڑا چیلنج مادّیت

اس طرح اس دور کا سب سے بڑا چیلنج مادیت کا چیلنج ہے، یہ ایک ایسی کھلی حقیقت ہے جس کے اصول و انواع تو سیکڑوں ہو سکتے ہیں، لیکن جنس ایک ہے، اور وہ جنس مادیت ہے، اب اس کے انواع میں سرمایہ داری ہے، اشتراکیت بھی ہے، اشتمالیت (کمیونزم) بھی ہے اور دوسرے اقتصادی فلسفے بھی ہیں، لیکن سب کا منتہیٰ اور ''نقطۂ جامعہ قدرِ مشترک (COMMONFACTOR) مادیت ہے، نفس پرستی ہے۔

وہ حقائق جو مادیت پر ضرب کاری لگاتے ہیں

جب انسان اپنے پیٹ کا، اپنے معدے کا غلام تھا، اپنی اندرونی سفلی خواہشات کا غلام تھا، جب انسان دولت، عورت، زمین کے سوا کسی کو حقیقی نہیں مانتا تھا، جب دنیا کی کثیر آبادی مخلوق کے سامنے جھکتی تھی اور اس کے سامنے دبتی تھی، انبیاء علیہم السلام اپنے اپنے دور میں تشریف لائے اور انھوں نے بتایا کہ اس عالم سے ماوراء ایک عالم ہے، وہ عالم اس عالم سے کہیں زیادہ وسیع، کہیں زیادہ رقیق، کہیں زیادہ حسین و جمیل ہے، اس عالم کو اگر تم دیکھ لو تو اس عالم کا گوارا کرنا مشکل ہوگا۔ اس عالم میں زندگی گزارنا ایسا ہوگا جیسے مچھلی کو پانی سے نکال کر خشکی پر ڈال دیا جائے تو اس کا دم گھٹنے لگتا ہے، جیسے کسی آزاد پرندے کو کسی پنجرے میں بند کر دیا جائے اور وہ پنجرہ بھی بہت تنگ ہو، وہ پھڑ پھڑانے لگتا ہے، اسی طریقہ سے اگر تم اس عالم کو دیکھ لو تو تمہاری آنکھیں کھل جائیں اور تم کو اس دنیا سے گھن آنے لگے جس دنیا کو تم سب کچھ سمجھ رہے ہو جس دنیا پر تم اپنی عزیز متاع، روحانیت کی، علم کی، اخلاق کی قربان کر رہے ہو، اس عالم سے تمہیں گھن آنے لگے، جس طرح کسی کو ایک منٹ کے لئے گندگی کے کسی بہت بڑے ذخیرے پر کھڑا کر دیا جائے تو اس کا دم گھٹنے لگتا ہے اور اس کو متلی آنے لگتی ہے، یہ وہ چیز ہے جو قرآن نے صحف سماوی نے اپنے اپنے طور پر بیان کی ہے ”**قل متاع الدنیا قلیل**“ کہیں **حطام** کے لفظ سے اس کی تعبیر کی، کہیں زرع کے لفظ سے ادا کیا، یہ حطام ہے یعنی چورا ہے، جیسے کھیتی کا چورا ہوتا ہے، ویسے ہی یہ بھوسا ہے، کہیں اس کو ”**کزرع اعجب الکفار نباته**“ کہ کسان کی کھیتی لہلہائی تو اس کو بڑی بھلی لگی اور اس کے رال ٹپکنے لگی، اور اس نے کہا کہ کیسا اچھا یہ چمن ہے جو کھلا ہے، کیسی یہ کھیتی ہے، پھر تھوڑی دیر کے بعد خزاں کا ایک جھونکا چلا آیا کسان کی درانتی اس پر چلی تو معلوم ہوا کہ کچھ بھی نہیں ہے۔

بازیچۂ اطفال ہے دنیا مرے آگے

سب سے پہلے اللہ کے پیغمبروں نے دنیا کی یہ حقیقت منکشف کی کہ دنیا بچوں کا کھیل ہے، جیسے ریت پر بیٹھے وہ گھر بناتے ہیں، محل بناتے ہیں، گھروندے بناتے ہیں، پھر اپنے ہاتھ سے توڑ دیتے ہیں پھر بناتے ہیں تو خوش ہوتے ہیں اور پھر خود ہی توڑ دیتے ہیں، یہ دنیا بازیچۂ اطفال ہے یہ دنیا ان عقلاء کے سامنے، عارفین کے سامنے جن پر اللہ نے یہ حقیقت منکشف کی، اگر آپ تاریخ پڑھیں تو آپ کو یہ سب کچھ نظر آئے گا۔

خواب تھا جو کچھ کہ دیکھا

بغداد میں ایک مرتبہ ہم نے وہ میوزیم دیکھا جو ماقبل تاریخ کے مختلف تمدنوں، تہذیبوں، وادئ فرات کی تہذیبیں، نمرود وغیرہ کا زمانہ اور نہ معلوم کون کون سی سلطنتوں کے آثار تاریخی یادگار کے طور پر سجائے رکھے ہیں، پھر اس کے بعد تاریخ کا سفر کرتے کرتے عہد عباسی اس کے بعد سلجوقیوں کا زمانہ، تاتاریوں اور مغلوں کا زمانہ، ترکوں کا زمانہ، انگریزوں کا زمانہ، فیصل بن حسین کا زمانہ سامنے آیا، آپ یقین مانیئے اتنی دیر میں مجھے دنیا کے تغیر و تبدل سے متلی آنے لگی جیسے کوئی کڑوی چیز کھالے یا کوئی اوورڈوز (OVER DOSE) ہو جائے۔ میں تھک گیا اور مجھے معلوم ہوا کہ یہ سب تماشا ہی تماشا ہے، یہ وہ سلطنتیں ہیں جن کو زوال کی منزل طے کرنے اور ختم کرنے میں ہزار سال لگے، کسی کو پانچ سو برس لگے ہیں مگر ہم کو یہ معلوم ہونے لگا کہ گھنٹوں کا معاملہ ہے جو محض دھوکا تھا۔ یا خواب تھا، جن کو لوگ سمجھے ایک ہزار برس تھا ہم نے ان کا انجام دیکھ لیا، ہم ایسی جگہ کھڑے ہیں جہاں انسانیت کا ملبہ ہے اور ملبے پر کھڑے ہیں، ایسے ہی ہمارے بعد جو لوگ آئیں گے اور وہ بھی دیکھیں گے۔ "قل متاع الدنیا قلیل" ہم جس کو طویل سمجھ

رہے ہیں وہ کتنا قلیل ہے۔

جگہ دِل لگانے کی دنیا نہیں ہے

خدا کو اس دنیا کو آباد رکھنا ہے، اس لئے خدا نے یہ دنیا عام انسانوں پر ایسی منکشف نہیں کی ہے، جیسے عارفین پر منکشف کی تھی، ورنہ یہ دنیا ویران ہو جاتی، اس دنیا میں مکان بنانے میں کسی کا دل لگتا اور نہ کارخانہ اور فیکٹری قائم کرنے میں کسی کا دل لگتا۔ یہ حکمت الٰہی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس حقیقت کو آنکھوں سے روپوش کر رکھا ہے، ورنہ اگر یہ حقیقت منکشف ہو جائے اور آخر میں جو کچھ ہونے والا ہے پہلے اگر دکھا دیا جائے تو انسان سے کچھ بھی نہ ہو سکے گا، یا تو اس کا دم نکل جائے گا یا ہاتھ پر ہاتھ رکھ کر بیٹھ جائے گا اور انگلی ہلانا اس کا مشکل ہو جائے گا۔ یہ تو انبیاء علیہم السلام کا جگر اور ان کے نائبین کا جگر تھا کہ سب جانتے ہوئے انھوں نے دنیا کے حقوق ادا کئے، اپنے عزیزوں کے حقوق ادا کئے، ہمسایوں کے حقوق ادا کئے اور انسانوں کے حقوق ادا کئے، رہے تو سلیقہ کے ساتھ رہے، ذوق کے ساتھ رہے، اطمینان کے ساتھ رہے، عزم کے ساتھ رہے، اپنی صلاحیت کو انھوں نے استعمال کیا، جس شہر میں رہے، جس محلہ میں رہے، اس کو صاف کیا، لیکن دل انھوں نے ایک منٹ کے لئے بھی اس میں نہیں لگایا اور برابر کہتے رہے "اللھم لا عیش الا عیش الاٰخرۃ" کیونکہ اس کا انجام جانتے تھے، اور پھر اس کے بعد انھوں نے تعمیر بھی کی مسجدیں بھی بنائیں، اسلام بھی پھیلایا، فتوحات بھی کیں، ملکوں کو اللہ کی قلمرو میں شامل بھی کیا، نئے نئے علوم وفنون وجود میں لائے، تاریخ کی انھوں نے ایسی بنیاد رکھی جو آج تک مستحکم ہے، یہ سب کچھ کیا، لیکن فرق یہ ہے کہ وہ اس دنیا کو آخری منزل نہیں سمجھتے تھے، وہ اس دنیا کو ابتدائی منزل سمجھتے تھے، اور یہ ہم میں اور ان میں فرق ہے۔

مادیت کے راکب یا مُرکب

اس وقت مادیت کا جو جادو تھا وہ جادو لوگ توڑ تے تھے جو اس مادیت سے اپنے آپ کو آزاد کر چکے تھے، جو مادیت کے غلام نہیں تھے، جن کا یہ حال تھا کہ مادیت کو انھوں نے تابع کر رکھا تھا، وہ مادیت کے تابع نہیں تھے، مادیت کے راکب (سوار) تھے، مادیت کے مرکَب (سواری) نہیں تھے۔ آج اصل فرق یہ ہے کہ مادیت کے ہم مرکب ہیں یا ایسے بے اختیار راکب کہ

''نے ہاتھ باگ پر ہے نہ پا ہے رکاب میں''

اور یہ ہماری حالت ہے کہ جیسے کوئی گھوڑا چھوٹ جائے اور اس کا راکب بے اختیار ہو جائے، مادیت ہمیں سرپٹ دوڑائے لئے پھر رہی ہے، ہماری سمجھ میں نہیں آتا کہ ہم اس گھوڑے کو کس طرف موڑیں گے اور اس کو کس طرح چھوڑیں گے، دونوں باتیں ہمارے اختیار میں نہیں، خندق میں لے کر کود جائے گا، کسی کھائی میں چھلانگ لگائے گا، سمندر میں کود جائے گا، ہمیں پتہ نہیں، تو اس وقت ہمارے پورے تمدن کا یہ حال ہے کہ تمدن ہمارے اختیار میں نہیں رہا، تمدن کی باگ ہاتھ سے چھوٹ گئی ہے، مادیت کو ہمیشہ ان لوگوں نے چیلنج کیا اور ان لوگوں کے چیلنج کو اس نے قبول کیا جو اس سطح سے بلند تھے، جن کو اللہ تعالیٰ نے قناعت کی دولت عطا فرمائی تھی، جو بادشاہوں کو خاطر میں نہیں لاتے تھے، وہ بادشاہوں سے اس طرح باتیں کرتے تھے جس طرح مریضوں سے باتیں کرتے ہیں، وہ ان کو مریض سمجھتے تھے، ان پر رحم کھاتے تھے، اپنے حال پر خوش تھے، ان کو ان بادشاہوں پر ترس آتا تھا کہ غریب کس مصیبت میں گرفتار ہیں، اور اس میں تصنع نام کو نہ تھا، واقعی ان کے دل میں درد ہوتا تھا، دیکھئے ربعی بن عامر سے رستم نے جب پوچھا کہ تم کیسے آئے ہو؟ تو کہا کہ تم کو دنیا کی کال کوٹھری سے نکال کر دنیا کی وسیع فضا میں داخل

کرنے آئے ہیں، میں نے ابوظبی کی ایک تقریر میں کہا کہ اگر وہ اللہ کا بندہ کہتا کہ ہم تم کو دنیا کی تنگی سے نکال کر آخرت کی وسعت میں داخل کرنے آئے ہیں تو مجھے ذرا تعجب نہ ہوتا، یہ تو ہر مسلمان کا عقیدہ ہے کہ "**الدنیا سجن المومن وجنة الکافر**" دنیا تو ایک قفس اور پنجرا ہے، لیکن مجھے تعجب ہوتا ہے کہ اللہ کے اس بندے نے جو پیٹ پر پتھر باندھتا ہوگا، جس کے پاس ضرورت کا راشن نہیں ہوگا اور جسم پر چیتھڑے لپیٹے ہوگا، کیا دیکھ کر اس نے کہا کہ ہم تم کو دنیا کی کال کوٹھری سے نکال کر، جس میں تم بند ہو، وسیع فضا میں منتقل کرنے کے لئے آئے ہیں، کیا عرب کی فضا وسیع تھی؟ کیا عرب میں وسائلِ معیشت محدود ہی نہیں بلکہ تقریباً معدوم نہیں تھے؟ پیٹ بھر کھانا بھی لوگوں کو نہیں ملتا تھا، جہاں وہ اونٹوں کی کھال کے بنے ہوئے خیموں کے اندر اور مٹی کے بنے ہوئے جھونپڑوں کے اندر رہتے تھے، جہاں ان کو نیا شکار مل گیا یا اپنے ہی اونٹوں کو ذبح کر لیا تو گویا ان کی عید ہوگئی، اس دن معلوم ہوتا تھا کہ رزق کے دروازے کھل گئے، کیا دیکھ کر اللہ کے اس بندے نے کہا کہ تم اپنی خبر لو، تم تو پنجرے میں گرفتار ہو، تھوڑے سے دانے ڈال دیئے گئے ہیں اور تم اس کو کھا کر خوش ہو رہے ہو، ہم آئے ہیں تاکہ تم کو آزادی دلائیں، یہ مسلمان کی اس وقت کی نظر تھی، اور یہ اس وقت کے علمائے ربانی تھے، لوگ ان کے پاس جا کر مادیت کا علاج کراتے تھے۔ معلوم ہوتا تھا کہ ہم کسی بلا میں مبتلا ہیں اور یہ لوگ کیسا عیش کر رہے ہیں اور گویا جنت میں رہ رہے ہیں، چنانچہ شیخ الاسلام ابن تیمیہ کا مقولہ ہے "الجنة فی صدری" میری جنت میرے سینے کے اندر ہے، اس لئے کہ ان کو اللہ پر بھروسا تھا، وہ کسی چیز سے ڈرتے نہیں تھے، ہر وقت سُکر کا غلبہ تھا، نماز میں ان کو لذت اور دعا میں ان کو حلاوت محسوس ہوتی تھی اور ہر وقت جنت ہی جنت میں لوٹتے پوٹتے رہتے تھے، دیکھنے والے دیکھتے تھے وہ دنیا میں ہیں لیکن حقیقت میں وہ جنت الفردوس میں تھے، اور ایک مرتبہ جوش میں آکر کہا کہ لوگ میرا کیا لے لیں گے مجھ سے کیا چھین لے جائیں

گے، میرے عیش کا سامان تو میرے دل کے اندر ہے، اس کو کون نکال سکتا ہے، بعض عارفوں کا قول سنا ہے کہ "خدا کی قسم اگر دنیا والوں کو معلوم ہو جائے کہ ہم کس عیش میں، کس مزے میں ہیں تو ہم کو بیٹھنے نہ دیں، تلواریں لے کر جس طرح ملکوں پر حملہ کرتے ہیں اسی طرح ہم پر حملہ کریں اور تھوڑی سی جگہ جو ہم نے بنائی ہے، ایک گوشہ میں یا مسجد کے کونے میں، ہمیں یہاں بھی بیٹھنے نہ دیں، سمجھیں کہ یہاں کوئی خزانہ گڑا ہوا ہے یہ جو فرش پر بچھا کر بیٹھا ہے، اتنا مگن ہے کہ اس کو نہ بھوک معلوم ہوتی ہے اور نہ پیاس معلوم ہوتی ہے اس کی جائے نماز کے نیچے ایک سوتا ہے، کنکشن ہے، جہاں سے رزق ملتا ہے، جہاں سے فرحت اُبلتی ہے، تو وہ ہمیں اٹھا دیں اس مصلے سے اور ہم سے کہیں کہ جنگل کی راہ لو، اور بیٹھ کر وہاں کھدائی کریں جیسے پٹرول کی کھدائی ہوتی ہے۔

قناعت کا جوہر

حضرات! اصل چیز کا مقابلہ وہ علماء کر سکتے ہیں، جن کے اندر قناعت کا جوہر ہو، جو کسی دام میں نہ تو آسکیں اور کہیں ؎

بردایں دام برمرغِ دگرنہ
کہ عنقارا بلند است آشیانہ

جاؤ کسی اور کو آزماؤ ہم بکنے والے نہیں ہیں، ہم سکوں کے عوض یا تمہارے عہدوں کے عوض، کرسی کے عوض، یا عزت کے عوض ہم اپنا ضمیر بیچ ڈالیں، اپنا سکونِ قلب بیچ ڈالیں، یہ نہیں ہوگا، اس کی امید نہ کرو چنانچہ آپ عارفین کو دیکھیں، حضرت مرزا مظہر جاناں شہیدؒ کو بادشاہ دہلی نے پیغام دیا کہ حضرت مجھے کبھی خدمت کا موقع نہیں دیتے کبھی تو خدمت کا موقع دیں، کبھی تو فرمائش کریں، اور ہزار روپے کی رقم پیش کرنی چاہی تو فرمایا کہ دیکھئے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے "**قل متاع الدنیا قلیل**" اس دنیا میں سے ایک بر اعظم

ایشیا ہے اور اس میں سے ایک ملک ہندوستان ہے، ہندوستان میں سے تھوڑا سا بچا کھچا آپ کے پاس ہے، اب اگر اس میں بھی کمی کر دوں جو تھوڑا سا رہ گیا ہے اس میں بھی حصہ بناؤں، یہ میں نہیں کر سکتا، تو انھوں نے بالکل دل سے یہ بات کہی تھی۔ واقعات تو بہت ہیں۔

برہان پور میں ایک بزرگ تھے، ان کے پاس عالمگیر نے جانا شروع کیا وہ فرمانے لگے کہ ایک جگہ میں نے اپنے لئے انتخاب کی تھی، اگر بادشاہ کو وہ بھی پسند آ گئی ہے تو میں کہیں اور چلا جاؤں، افسوس ہے کہ بزرگانِ دین کے حالات اس طرح لکھے گئے ہیں کہ ان کے اتباعِ شریعت کا جذبہ، اتباعِ سنت کا جذبہ، ان کی شب بیداری، ان کا قرآن و حدیث سے شغف یہ سب چیزیں تو بالکل منفی ہو گئیں، ان کا ذکر نہیں آتا بقول مصنف تاریخ گجرات (مولانا حکیم سید عبدالحیؒ) جس بزرگ کی سوانح پڑھو تو معلوم ہوتا ہے کہ قانون قدرت توڑنے کے سوا ان کا کوئی محبوب مشغلہ نہیں تھا، اور وہ عناصر اربعہ اور موالید ثلاثہ پر ہر وقت اپنی حکومت ثابت کرنے کی کوشش کرتے تھے، اس کو مارا، اس کو گرایا، اگر مرا ہوا ہے تو زندہ کر دیا، اگر زندہ ہے تو مار دیا، کشتی ڈوب گئی تو اس کو انگلیوں کے اشارے سے نکال دیا۔ ان بزرگوں کی تاریخیں بڑے غلط طریقہ سے لکھی گئی ہیں، یہ حضرات در حقیقت بڑے اہل علم تھے ہو سکتا ہے بعض حضرات سے حدیث کے صحیح نہ پہنچنے یا حدیث کے علم کی کمی کی وجہ سے بعض ایسی باتیں سرزد ہو گئی ہوں جن کی حدیث سے تائید نہیں ہوتی، لیکن عام طور سے یہ حضرات بڑے اہل علم تھے اور علم کے بغیر کسی کو مسند ارشاد پر بٹھا نہیں سکتے تھے۔

میں نے آپ کے سامنے آیت پڑھی:

هو الذى بعث فى الاميين رسولا منهم يتلوا عليهم
اٰياته ويزكيهم ويعلمهم الكتٰب والحكمة"

یہ ہیں نبوت کے چار شعبے جو اللہ تعالیٰ ان کے نائبین کو بطریق نیابت، بطریقِ خلافت عطا فرماتا ہے، ایک تو یہ تلاوت القرآن جس کا آپ نے نمونہ دیکھا کئی قاریوں نے پڑھ کر سنایا اور ہر جلسہ میں سنانے کا رواج ہے اور ہر مدرسہ میں حفظ و تجوید کا انتظام ہے، اور یہ سلسلہ انشاء اللہ تا قیامت رہے گا۔ "انا نحن نزلنا الذکر وانا لہ لحٰفظون۔" اس کے بعد بعض آیتوں میں آتا ہے "یتلوا علیھم اٰیاتہ ویعلمھم الکتٰب" تعلیم کتاب و حکمت کو مقدم کیا ہے اور یہ سیاق و سباق کے مطابق ہے، یہ بڑے اہل نظر کا کام ہے، وہ بتائے گا کہ یہاں کیوں مقدم کیا ہے اور یہاں کیوں موخر کیا ہے، کیا ماحول ہے، سورۃ کا مرکزی نکتہ کیا ہے، یہ تو کام کرنے کا ہے، کتاب کی تعلیم یہ علوم دینیہ ہیں قرآن و حدیث میں، تفسیر ہے۔

حکمت سے مراد اخلاق

حکمت سے مراد اخلاقِ فاضلہ ہیں جیسا کہ ہمارے استاذ اور اپنے زمانہ کے محقق مولانا سید سلیمان ندویؒ کی تحقیق ہے کہ حکمت کا لفظ جہاں جہاں قرآن میں آیا ہے اس سے مراد اخلاق ہے۔ "ولقد اتینا لقمان الحکمۃ" اس کے بعد جو کچھ بیان کیا گیا ہے وہ اخلاق ہی اخلاق ہے۔ پہلے حکمت کا لفظ استعمال کیا ہے، پھر اس کی جو انواع بیان کی ہیں، وہ سب اخلاق سے تعلق رکھتی ہیں، سورۂ اسریٰ میں سارے اخلاق بیان کرنے کے بعد فرمایا، ذٰلک مما اوحیٰ الیک ربک من الحکمۃ (اے پیغمبر یہ ان ہدایتوں میں سے ہیں جو خدا نے دانائی کی باتیں تمہاری طرف وحی کی ہیں۔ یہاں اخلاق فاضلہ بیان کرنے کے بعد حکمت کا لفظ استعمال ہوا، معلوم ہوا کہ حکمت سے مراد اخلاق ہے، اخلاقِ فاضلہ۔

تزکیہ کے بغیر تعلیم کتاب وحکمت ناقص

اس کے بعد نفس کا تزکیہ آتا ہے، اخلاق رذیلہ کو نکال دیتا ہے، حسد کو، قہر کو دور کرتا ہے، حب دنیا اور حب جاہ کو نکالتا ہے، اس کے بجائے اللہ کی محبت، آخرت کا، جنت کا شوق دل میں بٹھاتا ہے کوئی بھی جامعہ یا دار العلوم ہو، اس کا مقصد ان فضلاء کو تیار کرنا ہے جو تلاوت، تعلیم کتاب، تعلیم حکمت اور تزکیہ چاروں شعبوں میں انبیاء کرامؑ کی نیابت کا حق ادا کرسکیں تلاوت وحکمت ناقص رہے گی جب تک کہ تزکیہ اس کے ساتھ نہ ہو، یعنی ہمارے علماء نفس کی غلامی کے پھندے سے نکل چکے ہوں، ان کو دولت اور عزت کی بڑی سے بڑی مقدار، اپنے اصولوں سے اپنی دعوت سے اپنے معیار سے، اپنی تعلیم سے، اپنی زندگی کے نہج سے نہ ہٹا سکے۔

آج عرب وعجم میں کسی چیز کی کمی نہیں لیکن اگر کمی ہے......تو زاہدانہ زندگی اور قناعت کی، آدمی وہاں جھکتا ہے جہاں وہ چیز اس کو ملے جو اس کے پاس نہ ہو، یہ قاعدہ ہے میرے پاس اگر کوئی چیز نہیں ہے تو میں مرعوب ہوں گا، لیکن میرے پاس اگر انیس بیس کے فرق کے ساتھ وہ چیز موجود ہے تو میں مار نہیں کھاؤں گا، میں سر نہیں جھکاؤں گا تو اب جو لوگ مادیت پرست ہیں، مادیت کے زخم خوردہ ہیں، یہ جب علماء کے پاس جاتے ہیں اور دیکھتے ہیں کہ کسی چیز میں بھی یہ ہم سے کم نہیں ہیں اور پھر ان کے گھروں کا نقشہ دیکھتے ہیں، اور ان کے گھروں کی زندگی اور معاشرت دیکھتے ہیں، معیار زندگی دیکھتے ہیں تو متاثر ہونے کے بجائے ان کی بد اعتقادی بڑھ جاتی ہے، آج پاکستان میں وہ علماء تیار ہوں جو "یتلو علیہم اٰیاتہ ویعلمھم الکتب والحکمۃ ویزکیھم" پر عامل ہوں، جو نبوی وراثت کے حامل ہوں۔ "ان الانبیاء لم یورثوا دیناراً ولا درھما ولکن ورثوا ھذا العلم" عصر حاضر کا چیلنج ہے مادیت اور اس کا جواب ہے۔ مادیت سے بالاتری،

مادیت کی سطح سے بلند ہونا اور یہ ثابت کرنا کہ مادیت ہم کو متاثر نہیں کر سکتی، اور ہم مادیت کے غلام نہیں، میرا مطلب یہ نہیں ہے کہ ہم طیبات کو اپنے اوپر حرام کر لیں "**قل من حرم زینة الله التی اخرج لعباده والطیبت من الرزق. یاایھاالنبی لم تحرم ما احل الله لک.**" جب حضورؐ سے کہہ دیا گیا تو ہم کس شمار میں ہیں ہم مباحات سے پورا فائدہ اٹھائیں، ہم اللہ کی نعمتوں سے پورا پورا فائدہ اٹھائیں، ہم اگر لذیذ کھانا کھا سکتے ہیں تو خواہ مخواہ اس کو بے لذت نہ بنائیں، جیسے بعض بعض غالی صوفیوں کے متعلق سنا کہ سالن میں پانی اوپر سے ڈال دیا تاکہ بے مزہ ہو جائے، پڑوسیوں میں تقسیم کرنے کے لئے نہیں بلکہ بے لذت بنانے کے لئے، یا بہت سا نمک ڈال دیا یا بے نمک کھا رہے ہیں تاکہ کوئی لذت حاصل نہ ہو، یہ تزکیہ اسلام کا تزکیہ نہیں، شریعت اس کی ہمت افزائی نہیں کرتی، آپ کو اگر متوسط درجہ کا خوش ذائقہ کھانا میسر ہے تو ضرور اللہ کا شکر ادا کریں اور ہر لقمہ پر شکر کریں، لیکن ہوس "**ھل من مزید**" جو آج ہر طبقہ میں آ گئی ہے، سرمایہ کی کوئی مقدار، عزت کی کوئی مقدار اس کو مطمئن کرنے کے لئے کافی نہیں ہے اور "**ھل من مزید**" کا نعرہ بلند ہوتا ہے علماء اس سے بالکل ممتاز متمیز اور نمایاں ہوں۔

چند بوریہ نشینوں کی ضرورت

آج پاکستان کو بچانے کے لئے جہاں اور بہت سی چیزوں کی ضرورت ہے جن کو کراچی سے اسلام آباد تک اور اسلام آباد سے اس فیصل آباد تک کہتا چلا آ رہا ہوں، ان میں سے ایک بڑا عنصر اور ایک بہت بڑی طاقت علماء کی زاہدانہ قناعت والی اور خودداری والی زندگی ہے، علماء ایسی زندگی کا نمونہ پیش کریں کہ یہ معلوم ہو کہ یہ کسی اور ہی طبقہ کے لوگ ہیں، یہ وراثت انبیاء کے وارث ہیں، یہ نائبین انبیاء ہیں، یہ مادیت کے زخم خوردہ اور اس کے قتیل اور شہید نہیں، جن کے پاس جا کر دنیا کی بے حقیقتی ظاہر ہو اور کم سے کم یہ

معلوم ہو کہ دولت ہی سب کچھ نہیں ہے، جس کو سو بار غرض ہو وہ یہاں آئے، ہم کسی کے دروازے پر نہیں جاتے، اگر جاتے ہیں تو دین کی دعوت لے کر جائیں گے، امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے لئے جائیں گے، کسی فریضہ، کسی سنت کے احیاء کے لئے جائیں گے اپنی غرض کے لئے کسی کی سفارش کے لئے نہیں جائیں گے۔

اس خلا کو کوئی چیز پُر نہیں کر سکتی

یہ پاکستان کی شدید ترین ضرورت ہے، اس خلاء کو کوئی اور چیز پُر نہیں کر سکتی، تصنیف وتالیف، خطابت، تحقیق، سیاست، سحر بیانی، کوئی چیز اس کمی کو پُر نہیں کر سکتی، یہاں کچھ آدمی ایسے چاہئیں جن کے پاس طاقت والے، سیاست والے آنے پر مجبور ہوں اور اپنے دردِ دل کی دوا پائیں اور ان کو محسوس ہو کہ خاصانِ خدا کیسے ہوتے ہیں، ہم بالکل بے حقیقت انسان معلوم ہوتے ہیں۔

میں نے ایک مرتبہ کہا تھا کہ تزکیہ واحسان کی اگر آپ کے نزدیک ضرورت نہیں تو اس کی جگہ پر کوئی چیز ایسی ہو جو وہ کام کرے جو وہ کرتی رہی ہے، یعنی جہاں آکر لوگوں کو اپنے اخلاق کی خرابی کا احساس ہو۔ اپنی انسانی پستی، اندرونی بیماری کا کچھ احساس ہو جہاں آکر ایک نئی طاقت، ایک نئی روح آدمی کو حاصل ہو، میں نے عربی شاعر حطیئہ کے اس شعر پر اس مضمون کو ختم کیا تھا ؎

اقلوا علیهم لا ابا لا بیکم
من اللوم أوسُدّ والمکان الذی مقدوا

''بس بہت ملامت ہو چکی، ان کو تم نے بہت مٹی میں ملایا اور
بہت ذلیل کیا، اب ملامت کو کم کرو، اس جگہ کو بھرو جس جگہ کو
انھوں نے بھر رکھا تھا۔''

آپ ایک ڈاکٹر کا شفاخانہ بند کرتے ہیں تو خدا کے لئے کوئی دوسرا شفاخانہ اس سے بہتر تو قائم کیجئے۔ شفاخانہ تو آپ نے بند کر دیا اور کوئی دوسرا شفاخانہ قائم نہیں کیا اور اس کے بجائے آپ نے سبیل لگا دی، اس کے بجائے آپ نے کتب خانہ کھول دیا، کتب خانہ بہت مبارک، لیکن وہ شفاخانہ کی جگہ نہیں لے سکتا، شفاخانہ کی جگہ شفاخانہ ہی لے سکتا ہے، طبیب کی جگہ طبیب ہی لے سکتا ہے، اس زمانہ کا چیلنج ہے مادیت اور اس کا جواب حقیقی، صحیح شرعی، مسنون روحانیت، تزکیہ نفس، جس میں کوئی چیز خلاف شریعت نہ ہو کوئی ایسی چیز نہ ہو جس کی نظیر کتاب وسنت میں اور عہد نبوی اور عہد صحابہ میں نہ مل سکے۔ ایک طرف تو وہ راسخ فی العلم ہوں اور ایک طرف راسخ فی الدین ہوں، بس میں اس پر ختم کرتا ہوں اللہ تعالیٰ ہم کو اور آپ کو اس راستہ پر چلنے کی توفیق نصیب فرمائے۔ وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین.

زبردست چیلنج اور دور رس نتائج کے حامل خطرات

زیر نظر تقریر میں مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی رحمۃ اللہ علیہ واسعۃ نے طلبۂ علوم دینیہ اور علماء کرام سے خطاب کرتے ہوئے انہیں مدارس کے مقاصد بڑے اچھے انداز میں سمجھائے ہیں ساتھ ہی موجودہ فتنوں سے مقابلہ کرنے کے لئے ان کے سمجھنے کی طرف رہنمائی کی ہے، ان فتنوں سے باخبر ہونا اور ان کا موثر و طاقتور زبان اور دلکش اسلوب میں مقابلہ کرنا وقت کا بنیادی تقاضا فرمایا ہے اور ہمارے طلبہ واساتذہ کرام کو عربی زبان پر مہارت حاصل کرنے کی تاکید فرمائی ہے اور انگریزی زبان میں کمال پیدا کرنے کی ضرورت کو اجاگر کیا ہے!

الحمد لله رب العالمين والصلوٰة والسلام على رسول الله صلى الله عليه وسلم اما بعد!

فاعوذ بالله من الشيطان الرجيم بسم الله الرحمٰن الرحيم. "وما كان المومنون لينفروا كافة، فلو لا نفر من كل فرقةمنهم طائفة ليتفقهوا في الدين ولينذروا قومهم اذا رجعوا اليهم لعلهم يحذرون.

حضرات! اگر یہ سوال کیا جائے کہ کیا قرآن مجید میں مدارس دینیہ کا تذکرہ ہے، کیا ان کے فرائض اور واجبات کا ذکر ہے؟ تو میں کہوں گا کہ قیامت تک کے لئے اس آیت میں مدارس کے فرائض اور ذمہ داریوں کی پوری تصویر کھینچ کر رکھ دی گئی ہے۔ اس آیت

میں مدارس کی ذمہ داری کا تذکرہ کرتے ہوئے کہا گیا ہے۔ ''ایسا کیوں نہیں ہوا کہ مومنوں کی ہر جماعت میں سے ایک جماعت دین میں سمجھ پیدا کرنے کیلئے گھروں سے نکل کھڑی ہوتی، تاکہ جب یہ لوگ دین سیکھ کر اور اس میں سمجھ پیدا کر کے اپنے ملک وقوم میں واپس جائیں تو انہیں عصر حاضر کے فتنوں سے ڈرائیں اور باخبر کریں، تاکہ ان کی قوم ان فتنوں سے چوکنا ہو جائے اور ان سے بچنے کی کوشش کرے۔'' حقیقت میں مدارس کا کام یہی ہے کہ وہ ایسے افراد تیار کریں جو اپنے زمانے کے نئے نئے فتنوں اور سازشوں سے واقف ہوں اور ان کے مقابلہ کے لئے پوری طرح تیار ہوں۔

تاریخی خطرات

حضرات! تاریخ کے ایک طالب اور مشرق ومغرب کو قریب سے دیکھنے اور ایک تجربہ کار واقف کار کی حیثیت سے میں عرض کرتا ہوں کہ مسلمانوں کی تاریخ میں دو بڑے عالمگیر خطرات پیدا ہوئے، ایک تو صلیبی حملہ تھا، جس کا مقصد صرف بیت المقدس پر قبضہ کرنا نہ تھا، بلکہ ان کے پیش نظر حرمین شریفین پر قبضہ کرنا بھی تھا، اگر سلطان صلاح الدین ایوبیؒ کی صورت میں اللہ تعالیٰ نے ان کو نہ کھڑا کیا ہوتا تو خدانخواستہ آج عالم اسلام کا وجود ختم ہو گیا ہوتا۔ ایک مرد غیب پیدا ہوا، اس نے مسلمانوں کی منتشر طاقتوں کو یکجا کیا اور پوری قوت سے صلیبیوں پر ضرب لگائی اور ان کو ایسی شکست دی کہ پھر دوبارہ عالم اسلام پر یورش کی جرات انہیں نہ ہو سکی، اس یورش کے پیچھے کوئی دعوت وتحریک اور فلسفہ نہیں تھا،

دوسرا خطرہ تاتاری یورش کی صورت میں سامنے آیا۔ تاتاری جیسی وحشی قوم نے عالم اسلام پر زبردست حملہ کیا اور ان کی اینٹ سے اینٹ بجا دی ان کا نشانہ اگرچہ عراق، ایران اور ترکستان تھے، اور انھوں نے انہیں پوری طرح تاراج کر کے رکھ دیا تھا، لیکن ان تاتاریوں کی ہیبت اور غیر معمولی دھاک دلوں پر ایسی بیٹھی ہوئی تھی کہ اس زمانہ میں یہ

بات ضرب المثل بن گئی تھی۔ "اذا قیل لک ان التتر قد انهزموا، فلا تصدق." (اگر تم سے یہ کہا جائے کہ تاتاریوں کو شکست ہوئی تو اس بات پر یقین نہ کرنا) اس طرح کہاں عراق وایران اور کہاں انگلستان کا ساحل مورخین نے لکھا ہے کہ تاتاریوں کی ہیبت سے انگلستان کے ساحل پر مچھیرے عرصہ تک شکار کھیلنے نہیں نکلے۔ اس زمانہ میں یہ اندیشہ پیدا ہو گیا تھا کہ عالم اسلام سیاسی ومادی لحاظ سے ختم ہو جائے گا۔ ان کے حملہ کی نوعیت فوجی تھی، جسمانی اعتبار سے مسلمانوں کو قتل کرنا تھا، ان کی اس یورش کے ساتھ کوئی دعوت نہیں تھی اور نہ کوئی فلسفہ اور تحریک اس کے پس پردہ کام کر رہی تھی اور نہ ہی کوئی کلچر اور تہذیب اور ثقافت کو غالب کرنے کا جذبہ ان تاتاریوں کے اندر کارفرما تھا، اللہ تعالیٰ نے اس فتنہ کو بھی ختم کرنے کے لئے مصری جنرل الظاہر بیبرس کو کھڑا کیا جس نے تاتاریوں کو شکست فاش دی، اور وہ بے اثر ہو کر رہ گئے، روحانی اعتبار سے بھی اسلام کی دعوت نے اس پوری قوم کو مسخر کر لیا۔

حضرات! لیکن آج کے دور میں جو زبردست چیلنج اور غیر معمولی دور رس اثرات و نتائج کے حامل خطرات ہیں وہ پہلے دو خطرات اور چیلنجوں سے کہیں زیادہ سنگین حد تک مضر اور نقصان دہ ہیں۔ آج جدید تعلیم یافتہ اور حکمراں طبقہ کے دل ودماغ میں یہ بات پوری طرح راسخ کرنے کی کوشش سیاست واقتدار اور صحافت کے ذریعہ کی جارہی ہے کہ آج کے دور میں اسلام کا کوئی کردار نہیں، اس ترقی یافتہ سائنسی دور میں اسلام کا کوئی پیغام نہیں، وہ ایک پرانی یادگار ہے، وہ جدید دور کا ساتھ دینے کی صلاحیت نہیں رکھتا، اس کی آج کوئی ضرورت نہیں۔ اس نے ایک زمانہ میں اچھا کردار ادا کیا تھا، اس نے دختر کشی ختم کر دی تھی، علم کو اس نے فروغ دینے میں بڑا رول ادا کیا تھا، قدیم یہودی اور عیسائی مذاہب کی طرح اسلام بھی ایک بے جان مذہب ہے، اس وقت یورپ وامریکہ کی پوری طاقت اسی پر صرف ہو رہی ہے، آج اسرائیل کی موروثی ونسلی ذہانیت وشطارت (چالاکی،

اس میں تخریبی ذہانت بھی شامل ہے) اور امریکی وسائل وذرائع، اس کی اعانت اور اثر و نفوذ سب اس بات پر صرف ہو رہے ہیں کہ عالم اسلام کے تمام ممالک حتی کہ حرمین شریفین بھی اس سازش کا شکار ہو جائیں۔ ان مغربی طاقتوں نے عالم اسلام کے حکمرانوں اور وہاں جدید تعلیم یافتہ طبقہ کو یہ پوری طرح باور کرا دیا ہے کہ اس وقت سیکولرازم اور قوم پرستی کے سوا کوئی راستہ نہیں ہے۔ مغرب کی مکمل تقلید ہی میں ان کی ترقی اور کامیابی مضمر ہے۔ یہ اتنا خطرناک اور عالم اسلام کے خلاف اتنی گہری سازش ہے کہ اس کی سنگینی کا اندازہ نہیں کیا جا سکتا، اس کے دوررس اثرات ونتائج کا اندازہ کرنے سے راتوں کی نیند اڑ جاتی ہے۔ نشر واشاعت کے تمام ذرائع کے ساتھ ساتھ سیاسی اور مادی اثر ونفوذ کو بھی استعمال کیا جا رہا ہے۔ ہمارے پاس اس کے دلائل وشواہد ہیں کہ ان تمام سازشوں کا مرکز اسرائیل ہے اور وہی اس کی قیادت کر رہا ہے۔ اس زبردست فتنہ کا مقابلہ مدارس دینیہ ہی کر سکتے ہیں۔

حضرات! مدارس دینیہ کا کام اتنا ہی نہیں کہ نصابی کتابیں پڑھا دی جائیں، اور مسئلے مسائل بتا دیئے جائیں۔ ہم ان کی ناقدری نہیں کرتے، اس نظام تعلیم کا ہم احترام کرتے ہیں لیکن صرف اتنا کافی نہیں، موجودہ فتنوں کو سمجھنا، ان سے اچھی طرح باخبر ہونا اور ان کا موثر وطاقتور زبان اور دلکش اسلوب میں مقابلہ کرنا وقت کا بنیادی تقاضا ہے۔ ہمارے طلباء اس قدر عربی زبان میں مہارت پیدا کریں جو جدید تعلیم یافتہ طبقہ کو متاثر کر سکے۔ ہمارے اس ندوہ کے فضلاء کا مطالعہ وسیع، متنوع اور ایجابی تھا، ندوۃ العلماء نے عرب قوم پرستی کے خلاف جو زبردست محاذ قائم کیا تھا اور اس کے فرزندوں نے جس طرح پوری تیاری اور قوت کے ساتھ طاقتور اور موثر اسلوب میں اس فتنہ پر ضرب کاری لگائی تھی اس کا عام طور پر عالم عربی میں اعتراف کیا گیا۔

حضرات! آپ نے طویل سفر کر کے یہاں آنے کی زحمت کی ہے، آپ نے اتنا

طویل سفر کر کے یہاں آ کر غلطی نہیں کی۔ آپ ایسے مرکز میں آئے ہیں جس نے دین کی خدمت کا ایک گوشہ سنبھال رکھا ہے، اللہ کا شکر ہے کہ ندوی فرزند عرب ممالک کو اپنی طاقتور تحریروں سے متاثر کر سکتے ہیں انہوں نے عرب قومیت کے فتنہ کے خلاف جو آواز اٹھائی تھی وہ رائیگاں نہیں گئی۔ اس وقت بھی ندوۃ العلماء ایسے محاذ پر کھڑا ہے جو اسلام اور مسلمانوں کے لئے موت و زندگی کا محاذ ہے، اس وقت تمام مغربی طاقتوں کی یہ زبردست کوشش اور سازش ہے کہ اسلام کسی طرح گوشہ نشین ہو کر رہ جائے، وہ قصہ ماضی کی طرح بن جائے۔ زندگی سے سارے رشتے اس کے ختم ہو جائیں۔ اس وقت اس فتنے کے خلاف صف آرا ہونے کی ضرورت ہے، یہ اہم ترین اور مفید ترین محاذ ہے، یہ اسلام کی زندگی اور موت کا محاذ ہے اسی محاذ پر ندوۃ العلماء کھڑا ہے۔

اسی کے لئے ہم سب کو کوشش کرنا چاہئے یہ ہی اس تعلیم کی غرض وغایت ہے۔

وصلی اللہ تعالیٰ علی خیر خلقه محمد وعلی آله وصحبه اجمعین

والسلام علیکم

عصر حاضر کا جدید چیلنج اور اہل مدارس کی ذمہ داریاں

زیر نظر تقریر مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی رحمۃ اللہ علیہ نے دار العلوم ندوۃ العلماء میں تشریف لائے ہوئے مدارس اسلامیہ کے ذمہ دار حضرات سے خطاب کرتے ہوئے فرمائی تھی۔ جس میں حضرت موصوف نے عصر حاضر کے جدید چیلنجوں کے سامنے اہل مدارس وارباب مدارس کی کیا ذمہ داری ہونی چاہئے اس پہلو کو خوب اجاگر کیا ہے!

الحمد لله ربّ العالمين والصلاة والسلام على سيد الانبياء والمرسلين و خاتم النبين محمد و علىٰ اله وصحبه اجمعين ومن تبعهم باحسانٍ ودعا بدعوتهم الىٰ يوم الدين ، اما بعد!

حضرات گرامی! یہ ناچیز اپنے اور اپنے رفقائے کار کی طرف سے حضرات ارکانِ انتظامی کا جو اپنا قیمتی وقت نکال کر اور سفر کی زحمت برداشت کر کے اس مجلس انتظامی میں شرکت کے لئے تشریف لائے ہیں خیر مقدم کرتا ہے، اس چیدہ اور ممتاز و منتخب مجمع کو دیکھ کر آپ سے اجازت چاہوں گا کہ ادارہ کے انتظامی امور اور مشورہ اور فیصلہ طلب انتظامی و تعلیمی معاملات کے محدود دائرہ سے ذرا ہٹ کر ان حقائق اور حالات کی طرف بھی اشارہ کروں اور آپ کی توجہ منعطف کراؤں جو اس ادارہ کے گرد و پیش اور محل و مقام ہی نہیں ملک وملت کو بھی درپیش ہیں، اور ان سب پر اثر انداز ہیں، اور کوئی ادارہ، تحریک، تنظیم اور

کوئی اکائی (UNIT) یا معاشرہ (SOCIETY) حتی کہ دین وملت بھی ان خارجی اثرات، عوامل و طاقات، خطرات وتحدیات (CHALENGES) سے آنکھیں نہیں بند کر سکتے۔

ملت اسلامیہ کے علماء حق کا کارنامہ

حضرات! ہمارے اسلاف کرام اور اپنے وقت کے علمائے عظام نے دین کی تعلیم کے جو ادارے (مدارس دینیہ عربیہ) قائم کئے تھے وہ دراصل اپنے اپنے وقت پر اور اپنی اپنی جگہ پر اسلام کے قلعے تھے اور ان کو انہیں لفظوں اور اسی تعبیر سے یاد کرنا چاہئے۔

ان بالغ نظر اور موفق من اللہ بانیان و مؤسسین مدارس نے (جن میں سرفہرست اور نمایاں تر حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی اور حضرت مولانا سید محمد علی مونگیری ہیں) اپنی پیش بینی بلکہ فراست ایمانی، اپنے راسخ علم اور گہرے مطالعہ، قوت مشاہدہ، قیاس و استنباط کی ذہنی صلاحیت سے اپنے ملک و معاشرہ بلکہ روئے زمین کی دنیا اور اس دور، زمانے اور تاریخ کا حقیقت پسندانہ جائزہ لیا اور وہ اس نتیجہ پر پہنچے کہ اس دور کے انقلاب سلطنت بلکہ تمدن و تہذیب، تعلیم و ثقافت کی تبدیلی اور سیاسی و اقتصادی عوامل کے اثر سے ملت کی نئی نسل کو ذہنی و فکری ارتداد بلکہ (خاکم بدہن) دینی و ایمانی ارتداد، انحراف ہی نہیں بلکہ تحریف اور دینی حمیت ہی نہیں دین و ملت سے انتساب تک سے شرم اور شرمندگی، جھجک و احساس سے بچانے کے لئے ایسے مراکز کی ضرورت ہے جہاں علم راسخ اور ایمان راسخ، ان پر فخر و شکر اور دین پر ثبات و استقامت ہی نہیں بلکہ ان کی اشاعت، دعوت و تبلیغ کا مزاج پیدا ہو اور جہاں نئی نسل کی اسلام اور شریعت پر (عقائد و اعمال سے لے کر تہذیب و معاشرت اور عائلی زندگی و قانون تک) ان میں استقامت ہی نہیں بلکہ غیرت و حمیت اور فخر و شکر ہو اور وہ دین کے ایک نقطہ سے بھی دست بردار ہونے کے لئے تیار نہ ہوں۔

یہ ایک تاریخی حقیقت ہے جس کا تعلق کسی جماعتی عصبیت اور تعلی سے نہیں کہ ان فضلائے مدارس نے یہ فرض (ملی حسن مراتب وتوفیق) کامیابی سے انجام دیا، اور ان کی وجہ سے ابھی تک اس برصغیر ہند میں بڑی حد تک ملی تشخص اور اعتقادی، فکری، تہذیبی اور اخلاقی امتیاز پایا جاتا ہے اور بڑی بات یہ ہے کہ ایک بڑے دائرہ میں اس کے عقائد محفوظ ہیں، دین کے فرائض وارکان زندہ ہیں، مسجدیں آباد ہیں اور مرکز اسلام جزیرۃ العرب اور حجاز مقدس سے [illegible] ایک محبت وعقیدت کے ذریعہ (اور ایک خاص دائرہ میں) عربی زبان اور علوم دینیہ کے ذریعہ رابطہ قائم ہے۔

ان دینی قائدین، اہل غیرت وحمیت مسلمانوں اور علماء دینی رہنماؤں نے اپنے اس دینی جذبہ، دینی غیرت اور دینی فراست اور پیش بینی کو ہندوستان ہی تک محدود نہیں رکھا، بلکہ اس سے عالم اسلام کے وسیع دائرہ میں بھی کام لیا، اس سلسلہ میں تحریک خلافت، ترکوں کی حمایت اور جزیرۃ العرب کے مقدسات کی حفاظت تک ان کی دلچسپی اور سرگرمی محدود نہیں تھی، اس کو تفصیل سے ذکر کرنے کی ضرورت نہیں کہ اس کی تاریخ بہت کچھ محفوظ ہے اور جو حضرات یہاں تشریف رکھتے ہیں ان میں سے بہت سے اس کے شاہد عینی اور معاصر رہ چکے ہیں، اور بہت سے حضرات نے اس کو [illegible] سنا ہے اور وہ اس کی طاقت اور ہمہ گیری سے واقف ہیں۔

علماء حق کے کارنامے

لیکن یہ بات بہت سے لوگوں کے ذہنوں میں محفوظ نہیں ہوگی کہ ہندوستان کے علماء اور مدارس کے فضلاء نے علمی، فکری اور تصنیفی طور پر بھی ہندوستان اور بیرون ہند میں اٹھنے والے [illegible] تحریکوں اور تشکیک وانتشار انگیز [illegible] کا ایسا مقابلہ کیا جس کی نظیر خاص مسلمان اکثریت کے ملکوں اور علمی ودینی مرکزوں میں بھی جہاں صدیوں کی پرانی اور عالمی شہرت

رکھنے والی جامعات اور تصنیفی مراکز قائم ہیں اعتراف کیا، اس سلسلہ میں ہم ان نادرہ روزگار تصنیفات کا تذکرہ نہیں کریں گے جو ہندوستان کے اسلامی عہد میں وجود میں آئیں اور فضلائے عرب بلکہ ائمہ فن نے بھی ان کی انفرادیت اور بے نظیری کا اعتراف کیا۔

مولانا رحمت اللہ کیرانویؒ کا کارنامہ

ان میں ایک حضرت مولانا رحمت اللہ صاحب کیرانوی (م ۱۳۰۸ھ ۱۸۹۱ء) کی بے نظیر کتاب "اظہار حق" ہے جس میں اناجیل اور مذہب عیسوی پر ایسی ناقدانہ نظر ڈالی گئی ہے جو ریاضی کے نتائج کی طرح (کہ دو دو چار ہی ہوتے ہیں اور چار چار آٹھ ہی ہوتے ہیں) اناجیل کے بیانات میں تضاد و تناقص ثابت کیا ہے جن کا جواب اب تک مسیحی دنیا اور کلیسا کے فضلا نہیں دے سکے، راقم نے خود انگلستان سے نکلنے والے ایک انگریزی اخبار میں پڑھا کہ "جب تک اس کتاب کی طبع و اشاعت کا کام جاری رہے گا عیسائیت کی تبلیغ نہیں ہو سکے گی۔"

دوسرا کارنامہ مولانا شبلی نعمانی کا ہے کہ جب مشہور مصری مسیحی فاضل مورخ و ادیب جرجی زیدان کی کتاب تاریخ التمدن الاسلامی نکلی جس میں اسلامی تمدن پر ایسے محتاط اور سلیقہ مندانہ طریقہ پر حملے کئے گئے تھے جن سے پڑھنے والوں کا ذہن اسلام کے دین حق ہونے اور زندگی کا بہترین ڈھانچہ دینے کی صلاحیت سے محروم نظر آنے لگتا ہے، مولانا شبلی علیہ الرحمہ نے اس کا بڑی قابلیت اور سلیقہ مندی سے جواب دیا اور کتاب "الانتقاد علی تاریخ التمدن الاسلامی" کے نام سے شائع ہوئی جس کی داد فضلائے عرب حتی کہ علامہ سید رشید رضا مرحوم نے بھی دی۔

ان مدافعانہ اور جوابی علمی کوششوں کے علاوہ ہندوستان کے فضلاء اور محققین کے اور

متعدد علمی کارنامے اور تحقیقی و تقابلی مطالعہ کے نمونے ہیں جن کی مثال عالم عربی میں بھی ملنی مشکل ہے، ہم یہاں پر چند کتابوں کے نام پیش کرتے ہیں:

مولانا شبلی کی ''**الجزية فی الاسلام**'' مولانا سید سلیمان ندوی کی ''خطبات مدراس'' اور ''ارض القرآن'' مولانا عبد الماجد دریا آبادی کی انگریزی اردو ترجمہ اور تفسیر جن میں جدید ترین معلومات وتحقیقات کی روشنی میں قرآن کا اعجاز اور صحف سماویہ پر تفوق ثابت کیا گیا ہے، ایسے ہی ان کی کتاب مشکلات القرآن، مولانا عبد الباری ندوی کی کتاب ''مذہب وعقیدت'' وغیرہ۔

اب اس حقیقت کو پیش نظر رکھتے ہوئے کہ علمائے ہند وفضلائے مدارس نے کبھی بیرونی اسلامی ممالک سے آنکھیں بند نہیں کیں، وہاں اٹھنے والے فتنوں، تشکیکی حملوں اور الحاد و لادینیت اور ''قومیت عربیہ'' کی خطرناک اور بعید نتائج رکھنے والی مخالف اسلام دعوت کو نظر انداز نہیں کیا، اس سلسلہ میں (معذرت کے ساتھ) لیکن اضطرارا اور ضرورتاً یہ عرض کیا جاتا ہے دار العلوم ندوۃ العلماء کے فرزندوں اور فضلاء نے ہمیشہ ان بیرونی فتنوں کا نوٹس لیا، جو مرکز اسلام میں ارتیاب اور تزلزل پیدا کرنے والے بلکہ نصرانیت، یہودیت اور لادینیت کے لئے راستہ کھولنے والے تھے، اس سلسلہ میں ندوہ سے نکلنے والے رسالے ''البعث الاسلامی'' اور ''الرائد'' کو فراموش اور نظر انداز نہیں کیا جاسکتا، جن سے سلیم الطبع، اسلام پسند عرب بڑے متاثر ہوئے ہیں، پھر مرحوم عزیز القدر محمد الحسنی کے رسائل اور کتابیں جن میں ''اسلام الممتحن'' اور ''الاسلام بین الامم'' خاص طور پر قابل ذکر ہیں، جن میں سے بعض کتابوں کو پڑھتے ہوئے راقم نے بعض عرب فضلا اور قائدین کو اشکبار اور تردیدہ دیکھا ہے، اسی مقصد کے لئے مئی ۱۹۹۵ء میں مجلس تحقیقات و نشریات اسلام دار العلوم ندوۃ العلماء کے احاطہ میں قائم ہوئی اور اس نے عربی، انگریزی، ہندی اور اردو میں وہ لٹریچر شائع کیا جو بہت موثر اور اسلام کے بارہ میں غیر مسـ [illegible]

ے دل میں وقعت واحترام پیدا کرنے والا ثابت ہوا، ابھی حال میں خاکسار نے ان دعوتی رسائل وخطبات کا جائزہ لیا جو عربی میں لکھے گئے تھے تو ان کی تعداد بہتر نکلی، جن میں بہت سے ممالک عربیہ میں بھی شائع ہوئے ہیں، اور شوق سے پڑھے گئے ہیں۔

اب اس تاریخی جائزہ اور علمائے اور فضلائے مدارس کی وسیع ذمہ داریوں اور کوششوں کے پس منظر اور روشنی میں مقتدر اراکین کی خدمت میں ان چند الحادی و ارتدادی کوششوں کا ذکر کیا جاتا ہے جو مغرب میں اسلامی ممالک کو عمومیت کے ساتھ اور ممالک عربیہ کو (جن کو قیامت تک کے لئے دین کا مخزن اور مرکز بنایا گیا ہے) نہ صرف اسلامی و دینی حمیت و غیرت سے محروم کرنے بلکہ اسلام سے انتساب تک کے منکر ہونے اور اس کی تحقیر و تذلیل کرنے پر آمادہ کرنے کے لئے شروع کی گئی ہیں۔

اس سلسلہ میں پہلی حقیقت جو انکشاف کا درجہ نہیں رکھتی بلکہ اب مشاہدہ کی حد تواتر تک پہنچ گئی ہے اظہار کیا جاتا ہے، وفی ذلک عبرة لاولی الابصار۔

وہ یہ ہے کہ یہودی اور مسیحی طاقت (جس کو عیسائی مشنریوں کے الفاظ سے تعبیر کیا جاتا ہے) اور مغربی طاقت، مقتدر ادارے اور مالی وسائل، دونوں اس وقت اسلام دشمنی میں اور اس سے ہمیشہ کے لئے چھٹی پانے کی کوشش میں ہمنوا و ہمساز بن گئے ہیں۔

یہودی پلاننگ

یہودی صدیوں پہلے سے دنیا کو شطرنج کی ایک ایسی بساط بنانا چاہتے ہیں جو بالکل ان کے قابو میں ہو، جس مہرہ کو چاہیں وہ کہیں سے اٹھا کر کہیں رکھ دیں، اس کا ان کی آئینی صحف تلمود اور "پروٹوکولات حکماء صہیون" میں ان کی تصریحات موجود ہیں، وہ ان مقاصد کو اخلاقی پستی، مذہب بیزاری اور نسل پرستی پیدا کر کے ہی حاصل کرنا چاہتے ہیں۔

جہاں تک عربوں کا تعلق ہے وہ فلسطین میں اسرائیل کی حکومت قائم کر کے اب

مشترک و متحد طریقہ پر اس مقصد کے حصول میں شریک ہیں یہاں پر صرف ایک امریکی فاضل ہمویل زویمر ZWEMER (۱۹۵۲ء) کا ایک اقتباس پیش کیا جاتا ہے جو ان کی اس تقریر سے ماخوذ ہے جو مسیحی مبلغین کی کانفرنس میں انھوں نے کی تھی۔

> "ہر میدان عمل میں ہماری سرگرمیاں ایسی ہونی چاہئیں کہ جن کا اصل نشانہ نوخیز مسلم نسل ہو اور جو مسلمانوں کے باہمی روابط میں انتشار پیدا کردے تاکہ ان کارروائیوں کے شکنجہ میں مسلمان جکڑ کر رہ جائیں اور ہماری یہ کوششیں انھیں لخت لخت اور پارہ پارہ کردیں، نیز یہ بھی ضروری ہے کہ اسلامی ممالک میں اس عمل کو دیگر امور پر مقدم رکھا جائے، کیونکہ اس نسل جدید کے سینوں میں اسلام کی روح پیدا ہوگئی تو اسلام ایک بار پھر اپنے عنفوان شباب کے ساتھ منصۂ شہود پر جلوہ آرا ہوگا، لہذا اس نازک صورت حال میں ضروری ہے کہ نوخیز مسلم نسل کو اس کے نقط اعتقاد وارتکاز سے بعید و بیگانہ بنادیا جائے قبل اس کے کہ اس کی عقلی وفکری بالیدگی تکمیل کے مرحلہ میں داخل ہو۔"

حضرات! ان کوششوں کے نتائج ترقی یافتہ ممالک عربیہ میں ظاہر ہوگئے ہیں اور آنکھوں سے دیکھے جاسکتے ہیں، ان کا اولین اثر یہ ہے کہ دین کی حمیت اور اسلام پر افتخار جدید تعلیم یافتہ طبقہ میں کمزور و نادر اور صاحب اقتدار طبقہ میں معدوم و مفقود ہے، لادینیت، تشکک وارتیاب، مغربی تہذیب واقتدار سے تنفر اور جذبہ جہاد اور شوق شہادت تو بڑی چیزیں ہیں ان عربی ملکوں میں تو اب ان چیزوں سے استنکاف اور مغربی تہذیب و اقتدار سے بیزاری اور ان سے آزاد ہونے کی سعی و جہد بھی ختم ہوتی جارہی ہے حکومت کا رخ آزادی ولادینیت (SECULARISM) کی طرف ہوتا جارہا ہے، قرآن مجید کا اعجاز تھا

کہ اس نے سورہ فاتحہ ہی میں جو ہر نماز میں پڑھی جاتی ہے شدید اعتقادی تناقض و تضاد کے باوجود (جو یہودیوں اور عیسائیوں میں پایا جاتا ہے) دونوں کا نام ساتھ لیا ہے اور دونوں کے اثر سے بچنے کی طرف اشارہ کیا ہے، **صراط الذین انعمت علیھم غیر المغضوب علیھم ولا الضالین.**

بعض عرب ملکوں میں جن میں (تونس والجزائر پیش پیش ہیں) دین اور اہل دین سے کھلی محاذ آرائی اور دوسرے ترقی یافتہ عرب ملکوں میں صاحب اقتدار طبقے اور جدید تعلیم یافتہ نوجوانوں میں ایسے حالات دیکھنے میں اور ایسے اقوال سننے میں آنے لگے ہیں جن سے پیشانی پر پسینہ ہی نہیں آنکھوں میں آنسو آجاتے ہیں ابھی حال میں دار العلوم کے ایک استاد ایک تعلیمی اجلاس **رابطہ الجامعات الاسلامیۃ** کے اجلاس میں شرکت کے لئے راقم کے نمائندہ بن کر گئے تھے انھوں نے اپنے سفر کی جو روداد پیش کی ہے اس کو پڑھ کر خاص طور پر جو مصر کی تاریخ سے واقف ہے یا وہاں جا چکا ہے اور کچھ عرصہ رہ چکا ہے اندوہگین اور لرزہ براندام ہو جاتا ہے لیکن اس کے ساتھ یہ بھی واقعہ ہے کہ وہاں اور دوسرے عرب ملکوں میں بھی اس کا ردعمل پایا جاتا ہے۔ اسلامی اور دعوتی کتابیں کثرت سے مقبول ہو رہی ہیں، انبیاء کے قصص کی کتاب گھروں میں کثرت سے پڑھائی جاتی ہے ان سب کے پیش نظر مایوسی کی کوئی وجہ نہیں ہے البتہ دعوتی جد و جہد، فکری انقلاب کی کوشش اور اسلام کی ابدیت اور ہر زمانہ میں اس کی ضرورت پر اعتماد پیدا کرنے کے لئے علمی و دعوتی لٹریچر پیدا کرنے اور پھیلانے کی ضرورت ہے۔

عربی زبان پر عبور حاصل کرنے کی اشد ضرورت

اس صورت حال کو جو سخت دل خراش اور باعث شرم ہے اتنی تفصیل سے بیان کرنے کی ضرورت اس لئے محسوس کی گئی کہ ہمارے مدارس عربیہ میں جس کے متعدد ذمہ دار اور

سر پرست یہاں موجود ہیں عربی زبان کی تعلیم کو اس معیار پر پہنچانے کی ضرورت ہے کہ ممالک عربیہ اور ترقی یافتہ اسلامی ممالک میں خطابۃ اور کتابۃ دعوت کا کام کر سکیں اور وہ عرب نوجوانوں اور فضلائے اہل وفکر و اہل قلم کو بلکہ صاحب اختیار طبقہ کو بھی متاثر کر سکیں، ہمارے عربی مدارس کے ذمہ داروں کو اس مسئلہ پر سنجیدگی پر غور کرنے اور عمل کرنے کی ضرورت ہے کہ اب یہ ناپسندیدہ اثرات خلیج کی ریاستوں، کویت، بحرین وغیرہ اور کسی حد تک (خاکم بدہن) سعودی عرب میں بھی پہنچ رہے ہیں۔

دوسرا محاذ جس کا مقابلہ کرنے کے لئے ہمارے فضلاء کو تیار ہونا اور رہنا چاہئے وہ ہندو احیائیت (HINDUREVIUALISM) کی زبردست تحریک ہے جس کا مقصد یہ ہے کہ مختصر لفظوں میں اس ملک کو اسپین بنا دیا جائے جہاں صرف نسلی حیثیت سے مسلمان رہیں باقی ان کی تہذیب و معاشرت اور عائلی قانون، اور ہو سکے تو اعتقادی سانچہ بھی بدل دیا جائے اور وہ کسی مرحلے پر پہنچ کر ہندو دیو مالا (HINDUMITHALOGY) کو قبول کر لیں اس کے لئے نصاب تعلیم ذرائع ابلاغ اور سیاسی اثرات سے بھی کام لیا جا رہا ہے اور اس کے اثرات بھی نظر آنے لگے ہیں۔

دوسرا کارنامہ

پہلے پرسنل لا میں مداخلت کے لئے اقدام کیا گیا تھا اور بعض خلاف شرع اور منافی شرع عدالتی فیصلے کئے گئے تھے، لیکن اللہ تعالیٰ نے مولانا سید منت اللہ رحمانی رحمۃ اللہ علیہ امیر شریعت بہار و فرزند مولانا سید محمد علی مونگیریؒ کے درجے بلند فرمائے کہ انھوں نے مسلم پرسنل لا بورڈ قائم کر کے اور ایک ہند گیر مہم چلا کر اس خطرہ کا فی الحال سد باب کر دیا، لیکن ابھی حال میں یونیفارم سول کوڈ کا شگوفہ چھوڑا گیا خدا کا شکر ہے کہ اس کی بھی ملت اسلامیہ ہندیہ نے بالعموم اجتماعی طور پر مخالفت کی اور امید ہے کہ انشاء اللہ وہ عمل میں نہ آ

سکے گا۔

ان سب حقائق، واقعات، خطرات اور انذارات کو سامنے رکھ کر آخر میں یہ عرض کرنا ہے کہ ہمارے مدارس عربیہ ودینیہ میں ان حقائق وخطرات کو سامنے لانے اور مدارس کے فضلاء کو ان کا مقابلہ کرنے کے لئے تیار اور سرگرم بنانے کی ضرورت ہے، ندوۃ العلماء (جو انھیں حقائق وخطرات کے شعور وعلم اور ان کا مقابلہ کرنے کے عزم کے نتیجہ میں وجود میں آیا) مجلس انتظامی میں جس میں منتخب وممتاز علماء ودانشور شریک ہیں پیش کرنے کی جرات کی گئی جس کے لئے معافی بھی چاہی جاتی ہے اور توجہ وحسن استماع کا شکریہ بھی ادا کیا جاتا ہے۔

وما النصر الا من عند الله.

وما علینا الا البلاغ المبین

عالم اسلام کا سب سے اہم مسئلہ

ذیل میں ہم حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی رحمہ اللہ کی وہ فکر انگیز، بصیرت افروز، چشم کشا تقریر پیش کرنے کی سعادت حاصل کر رہے ہیں۔ جو مولانا رحمہ اللہ نے ۱۶ جولائی ۱۹۹۵ء کو دارالعلوم میں مجلس شوریٰ کے موقع پر علماء، مفکرین اور دیگر بہت سے جدید تعلیم یافتہ حضرات کی موجودگی میں طلباء دارالعلوم کی انجمن میں طلبہ کی دعوت پر جمالیہ ہال میں فرمائی تھی اس تقریر میں ایک اہم خطرہ کی طرف نشاندہی کی گئی ہے علماء، مفکرین نیز جدید تعلیم یافتہ حضرات کو غور و فکر کے ساتھ پڑھنے کے بارے میں ہم مولانا سید سلیمان ندویؒ کی زبان میں بس اتنا ہی کہنے کی جرأت کر سکتے ہیں کہ رب کریم پڑھنے والوں کو

؎ دل انادل بینادلِ شنوادیدے

الحمد للہ رب العالمین و الصلوٰۃ و السلام علیٰ سید
المرسلین و خاتم النبین محمد و آلہ و صحبہ
اجمعین و من تبعھم باحسان و دعا بدعوتھم الیٰ یوم
الدین . اما بعد . فاعوذ باللہ من الشیطان الرجیم.
بسم اللہ الرحمن الرحیم. ووصی بھا ابراھیم بنیہ
ویعقوب یبنی ان اللہ اصطفی لکم الدین فلا تموتن
الا و انتم مسلمون.

میرے مکرم احباب، مہمانان کرام اور طلباء عزیز! میں اس وقت ایسے جسمانی عوارض اور ذہنی مشغولیتوں اور تفکرات اور بعض ایسی کشمکش کی چیزوں میں مبتلاء تھا کہ میرے لئے

مناسب تھا کہ میں معذرت کر دیتا کہ یہ اپنا گھر ہے کسی وقت بھی خطاب ہو سکتا ہے طلبہ بھی یہیں ہیں لیکن میں نے اس وقت وعدہ کر لیا تھا اور موضوع کی اہمیت بھی ایسی تھی کہ اس بارے میں کچھ کہوں، میں آپ سے بے تکلف اس وقت بات کرنا چاہتا ہوں۔ میرے سامنے عزیز نوجوان طلبہ ہیں۔ آپ کو معلوم ہے کہ میرے حلقے اور میرے ماحول اور گرد و پیش کے لوگوں میں بہت کم لوگوں کو ایسا موقع ملا ہوگا، دنیا کی سیاحت خاص طور پر عالم اسلام کی سیاحت کا جو اس ناچیز کو ملا، یہ فخر کی بات نہیں ایک آزمائش کی بات تھی اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک غیبی اور تقدیری سامان تھا کہ جہاں تک عالم اسلام کا تعلق ہے مراکش سے لے کر اور اسپین کو اگر شامل کیا جائے تو وہ بھی بہت بڑا اسلامی تہذیب کا مرکز رہا ہے وہاں بھی جانا ہوا اور اسپین سے لے کر یہاں جنوبی ایشیا کے مسلم ممالک تک مجھے جانا ہوا۔ عرب ممالک میں سے کوئی اہم ملک چھوٹا نہیں، پھر اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے ایسے اسباب فراہم کئے کہ مجھے یورپ کے سفروں کا اور یورپ کو بہت قریب سے دیکھنے کا اور وہاں بار بار جانے کا موقع ملا۔ اس کے علاوہ، فرانس، جرمنی اور ترکی، سوئزرلینڈ بھی گیا، آخر میں روس جانا ہوا اس کے علاوہ جہاں تک عربی اور اسلامی ممالک کا تعلق ہے وہاں صرف جانا ہی نہیں بلکہ رہنا بھی ہوا، بعض جگہ کئی کئی مہینے رہنا ہوا اور وہاں کی زندگی کے ہر شعبے میں اور ہر صنف اور ہر ذوق اور ہر فن کے لوگوں سے ملنا ہوا، ان میں بڑے بڑے دانشور بھی تھے، ادیب تھے، مصنف بھی تھے اور مفکر بھی تھے، قائد بھی تھے، انشاء پرداز بھی تھے، صحافی بھی تھے، سب سے ملنا ہوا۔

خاص طور پر مصر میں جو کہ عالم عربی کے لئے وہ درجہ رکھتا ہے جو کبھی ولایت کا درجہ تھا ہندوستان میں جب اسلامی حکومت تھی تو ولایت، افغانستان اور ایران وغیرہ کو کہتے تھے اور شمالی ہندوستان اور اس کے بعد انگریز ہندوستان میں آ گئے تو ولایت انگلستان کو کہتے تھے تو وہ (مصر) بھی صرف عالم عربی کے لئے ایک رہنما اور ایک معلم، مربی مفکر اور ایک

نمونہ کی حیثیت رکھتا ہے وہاں ہفتوں نہیں مہینوں رہنا ہوا۔ میں آپ کو بتاتا ہوں کہ اس وقت عالم اسلام کا سب سے اہم مسئلہ، سب سے نازک مسئلہ، سب سے فکر اور آزمائش کا، کفر وتردد کا مسئلہ، اور سب سے زیادہ قابل توجہ مسئلہ یہ ہے کہ عالم اسلام کی فکری، علمی، تصنیفی، اخلاقی اور اخیر میں سیاسی قیادت اس طبقے کے ہاتھ میں آ گئی ہے کہ جو اسلام کی ابدیت کا تقریباً منکر ہے، اور اسلام کے بارے میں وہ صرف احساس کمتری ہی میں مبتلا نہیں بلکہ مایوس ہے اور اس کے دل میں یہ احساس بیٹھ گیا ہے، اور اس نے ایک فکر اور ایک فلسفہ اور دعوت کی حیثیت اختیار کر لی ہے اسلام اس زمانے میں، اس جدید دور میں، اس ترقی یافتہ دور میں قیادت کی صلاحیت نہیں رکھتا، یہ ایک تعصب کی بات ہے اور ایک قدامت پرستی کی بات ہے کہ دیندار طبقہ بار بار مطالبہ کرتا ہے، احکام شرعی کے نفاذ کا اور تنقید کرتا ہے جدید تعلیم یافتہ طبقے پر، اور وہ مطمئن نہیں ہے زندگی سے، ورنہ اصل یہ ہے کہ اسلام اپنا کام ختم کر چکا ہے، اس کی تاریخ جنہوں نے پڑھی ہے اس کا انکار نہیں کر سکتے کہ یہ بدیہی حقیقت ہے کہ جس وقت اسلام کا ظہور ہوا، دنیا اس وقت بہت ہی پسماندہ تھی اور بر سر انحطاط نہیں بلکہ بر سر تنزل بھی نہیں بلکہ وہ بالکل ایک رکاکت ذہنی و عقلی اور تسفل کی حالت میں تھی۔ جس کو اسلام نے اور قرآن مجید کے اعجاز نے قرآن مجید کی بلیغ زبان نے جس سے زیادہ بلیغ زبان ہو نہیں سکتی، جاہلیت کا نام دیا ہے، اور عربی زبان ہی نہیں کسی زبان کو کھنگالیے، میں ایک عربی زبان کے طالب علم کی حیثیت سے کہتا ہوں، مختلف زبانوں سے جو آشنائی رکھتا ہے ان سے کچھ اس کا اشتغال رہا ہے کہ بڑے بڑے ادباء بھی دنیا کے جمع ہو جائیں تو اس کے لئے جاہلیت سے زیادہ بلیغ، وسیع، عمیق، کثیر المعانی اور اس سے زیادہ صحیح تعبیر کرنے والا لفظ ملے گا نہیں۔

یہ قرآن مجید کا اعجاز ہے کہ اس نے اس کو عہد جاہلیت سے تعبیر کیا ہے تو جب جاہلیت کا دور تھا، دنیا میں اس وقت اسلام آیا، اور اس نے مفید کام کیا، اس نے کچھ انسانیت کی

خدمت کی، کچھ ایسے غلط کام ہو رہے تھے، انسانیت خودکشی پر آمادہ تھی اس نے اس کو خودکشی سے بچایا، لڑکیوں کو دفن کرنے والی عادت سے، جاہلیت کی رسم سے بچایا، عورتوں کو کچھ حقوق دلائے، کچھ مساوات کا سبق پڑھایا اور کچھ اخلاق کی تعلیم دی اور توحید کا بھی پیغام دیا اور توحید کا قائل بنایا، اسلام نے اپنا کام ختم کرلیا وہ تاریخ کی نظر میں اور حقیقت پسندوں کی نظر میں قابلِ تعریف بلکہ مستحقِ شکر ہے یہاں تک تو وہ طبقہ مانتا ہے۔ لیکن اب اس ترقی یافتہ دور میں جب سائنس ٹیکنالوجی اور پولیٹکس اور ممالک کے باہمی تعلقات اور پھر اس کے ساتھ ساتھ انسانی دماغ اور پھر آلات ان انسانوں کو نئے عقائد تک پہنچانے میں معاون ہیں، خواہ سائنس کی کتنی شاخیں ہوں سب اس میں شامل ہیں، کیمسٹری تک شامل ہے، ٹیکنالوجی کی کتنی شاخیں ہوں سب کچھ شامل ہے، ان کی ترقی کے بعد اب اسلام کے لئے منصبِ قیادت پر فائز ہونے اور اس ترقی یافتہ زمانے کی رہنمائی کرنے کا کوئی حق نہیں ہے اور یہ بہت ہی افسردہ اور ایک تعجب کی بات ہے جو کہی جا رہی ہے یہ میں آپ کو بتاتا ہوں کوئی راز نہیں ہے یہ عالم آشکار حقیقت ہے کہ اس وقت سب سے بڑا مسئلہ یہ ہے کہ پورے عالم اسلام کی فکری، اخلاقی اور آخری درجے میں سیاسی اور انتظامی قیادت بھی خود مسلمانوں کے اس طبقے کے ہاتھ میں آگئی ہے جو اسلام کے مستقبل سے مایوس ہے اور اسلام کو اس زمانے میں رہنمائی کے قابل نہیں سمجھتا اور وہ یورپ کی ترقیات اور یورپ کے علوم وفنون اور یورپین مصنفین کی کتابوں سے اور ان کی تصنیفات اور تحقیقات سے اور ان کے ذرائع ابلاغ سے جن چیزوں کو نشر کرتے رہتے ہیں ان سے اتنا متاثر ہے کہ جیسے کوئی کسی چیز پر ایمان لاتا ہے وہ اس پر ایمان لے آیا ہے اور وہ ایمان کچھ متزلزل نہیں ہوتا ہے۔ میں آپ کو بتاتا ہوں اور یہ اس وقت بہت بڑی چال (حکمت) تھی، بہت کم لوگوں کو معلوم ہے جب یورپ نے مشرق میں اپنا اقتدار قائم کرنے کا سلسلہ شروع کیا اور ممالک فتح کرنا شروع کئے، تو ان کے دانشوروں نے یہ

ضروری سمجھا کہ ایک طبقہ ایسا ہونا چاہئے جو ہراول دستے کا کام دے اور وہ جن ملکوں پر اپنا سیاسی اقتدار قائم کرنا چاہتے ہیں اس ملک کے ذہین Intellectual Class جو اثر انداز ہوتا ہے اور زندگی کو ڈھالتا ہے معاشرہ کی تشکیل کرتا ہے اور دماغوں کو ڈھالتا ہے وہ اس میں اپنے دین کے بارے میں، اپنے دین کے مآخذ کے بارے میں شک کا شکار ہو جائے اور وہ ان کے بارے میں احساسِ کمتری کا شکار ہو کہ ان لوگوں نے بہت ہی پسماندہ دور میں بہت کام کیا تھا، کوشش کی تھی اور کوشش جاری ہے، اب ان کتابوں کی تصنیفات کی شکل میں۔

لیکن وہ اس وقت دنیا کی رہبری نہیں کر سکتے اس لئے انہوں نے مستشرقین کا ایک طبقہ پیدا کیا، بہت کم لوگوں کو اس کا علم ہے۔ یہ محض اتفاقی واقعہ نہیں تھا بلکہ ایک اسکیم کے ماتحت ہوا، یہ ایک پلاننگ تھی نہایت حکیمانہ اور دانشورانہ پلاننگ تھی ایک طرف تو ان کی فوجیں مشرقی ملکوں کی طرف بڑھ رہی تھیں اور ملک فتح کر رہی تھیں لیکن وہ جانتے تھے کہ ملک فتح ہونے کے ساتھ اگر دماغ فتح نہ ہو، اور اگر وہ انسان کے پیمانوں کو تعین کرنے کی جو صلاحیت ہے کہ یہ اچھا ہے یہ برا ہے، یہ بلند ہے یہ پست ہے، اور یہ قدیم ہے یہ جدید ہے، اور یہ قابل عمل ہے اور یہ نا قابلِ عمل ہے، جب تک اس میں اس کے بارے میں وہ ہمنوا نہ ہو جائے اس وقت تک کسی سیاسی فتح پر اعتماد نہیں کیا جا سکتا ہے اور یہ ان کی ذہانت کی بات تھی کہ ساتھ ساتھ مستشرقین کے ذریعے اور اپنے ہاتھوں کے مصنفین کے ذریعہ وہ لٹریچر پیدا کیا جس کے پڑھنے سے اسلام کے بارے میں، اسلامی تعلیمات کے بارے میں، اسلامی ثقافت کے بارے میں، قرآن مجید کے اعجاز اور قرآن کے کلام اللہ اور وحی الٰہی ہونے کے بارے میں شکوک پیدا کر دے، اضطراب پیدا کر دے اور کم از کم ایک ندامت کا جذبہ اور خجالت کا احساس پیدا کر دے، وہ فتح نا قابلِ اعتبار ہے جس کے ساتھ دماغی فتح نہ ہو اور جس کے ساتھ ذہنی تسخیر نہ ہو، میں تسخیر کا لفظ خاص طور پر بولتا ہوں، تو

آج سارے عالم کا جو اصل مسئلہ ہے اور اس کی طرف بہت کم لوگوں کو توجہ ہے، میں بہت معذرت کے ساتھ کہتا ہوں، ہمارے بڑے بڑے دعوتی اداروں کو تنظیموں اور تحریکوں کو بھی پورے طور پر اس مسئلہ کی سنگینی کا احساس نہیں کہ اس وقت سب سے بڑا جوار تداد کا سامان ہے وہ یہ کہ عالم اسلام کے ترقی یافتہ ممالک کی قیادت اس طبقے کے ہاتھ میں ہے جو اسلام کی قیادت کی صلاحیت سے مایوس ہے، اور اس کو اس زمانے کے مسائل کا حل نہیں سمجھتا، اس زمانے کے تقاضوں اور ضروریات کا حل نہیں سمجھتا اور وہ اس پر یقین رکھتا ہے کہ جو قیادت اسلام کی تعلیمات پر مبنی ہوگی اور جو فرائض پر پابندی کرائے گی اور ایمانیات پر اصرار کرے گی، اس پر ایمان لانا ضروری ہے، وہ قیادت چل نہیں سکتی۔

پشت پناہ طاقت

اور اب آگے اضافہ یہ ہوا ہے کہ اس کو امریکہ اور اسرائیل چلنے بھی نہیں دیں گے، پہلے صرف اتنا تھا کہ ان کے اندر احساس کمتری خود موجود تھا، اپنے اپنے ملکوں میں اور تعلیم یافتہ طبقوں میں، لیکن اب اسے بہت بڑی پشت پناہ طاقت مل گئی ہے بلکہ سرپرست طاقت مل گئی ہے وہ ہے اسرائیل اور امریکہ، یہ بات بالکل کھل کر سامنے آگئی ہے اور ہم نے یہ بات عربوں کے اجتماع میں اور رابطہ عالم اسلامی کے مؤقر ترین جلسے میں جس میں ممتاز ترین فضلاء موجود تھے، یہ بات کھل کر کہی کہ اس وقت کا سب سے بڑا مسئلہ یہ ہے کہ اسرائیل اور امریکہ دونوں متحد ہو گئے ہیں جن کے اندر مذہبی طور پر سب سے بڑا تضاد ہے کہ ایک حضرت عیسیٰ کو ابن اللہ مانتا ہے اور ایک ان کے نسب اور ان کی شرافت پر الزام لگاتا ہے تہمتیں لگاتا ہے، یہ دونوں اس نقطے پر متحد ہو گئے ہیں کہ دنیا سے اسلام جو نئی نسل کو کھینچ لیتا ہے اور جس اسلام کو امریکہ اور یورپ میں بھی لوگ قبول کرتے ہیں اور قبول کر رہے ہیں ان کی تعداد بڑھ رہی ہے اس کو کسی طریقہ سے ختم کیا جائے، جہاں تک

یہود کا تعلق ہے انہوں نے یہ سمجھا ہے کہ اس وقت اگر مغربی اقتدار کو خطرہ ہے تو صرف مسلمانوں کی نشاۃ ثانیہ سے ہے اور اسلام کے عروج اور نئی بیداری سے ہے اور کسی سے نہیں۔ ان کے صحیفوں کا ہمارا براہ راست مطالعہ ہے اس میں صاف صاف یہ تصریحات دیکھی جاسکتی ہیں کہ دنیا کو اخلاقی طور پر اتنا پست بنادیا جائے اور دیوالیہ بنادیا جائے یہاں تک (Eunifourd) کی کتاب جو انگریزی میں نکلی تھی۔ یہودیوں نے اس کو چلنے نہیں دیا، اس میں صاف صاف تھا کہ ناولوں کے ذریعہ، سینما کے ذریعہ، ٹی وی کے ذریعہ، نغموں کے ذریعہ، ہر ذریعے سے انسانی اخلاق کو یعنی انسانی (Character) کو یعنی ایک انسان کو جو ایک کردار عطا ہوا ہے فطرت کی طرف سے بہر حال اس میں خیر و شر کی جو تمیز اللہ تعالیٰ نے فطرتاً رکھی ہے اس کو ختم کردیا جائے اور پوری دنیا کو ایسا بنادیا جائے کہ جیسے شطرنج کی ایک بساط ہوتی ہے جو اس میں ہے ہمارے قبضے میں ہو، ہم جس مہرہ کو جہاں چاہیں اٹھائیں اور جہاں چاہیں بٹھائیں، اس پر اس وقت اسرائیل اور امریکہ کا ایسا اتحاد ہوا ہے جو اب راز کی بات نہیں رہی اور یہ حقیقت بالکل عیاں ہوگئی ہے۔

تو اس وقت کا سب سے بڑا مسئلہ یہ ہے کہ وہ طبقہ جس کے ہاتھ میں نہ صرف سیاسی قیادت ہے، سیاسی قیادت اپنے اندر وہ نتائج اور مضمرات رکھتی ہے، وہ اثرات رکھتی ہے جو کسی چیز میں نہیں ہے۔ اس لئے اس کو مذاہب تک نے اہمیت دی ہے اور اس کے لئے خلافت اسلامی کا نظام بتایا گیا ہے اور اس کے لئے مسلمانوں کو دعوت دی گئی ہے وہ نسل انسانی کی رہبری قبول کرے، اور وہ قانون بنائے اور اس کو خدا کے بتائے ہوئے اور رسول ﷺ کے سکھائے ہوئے راستے پر چلائے، تو بہر حال سیاسی اقتدار محض دو لفظ نہیں کہ جو چیز بار بار کہی جاتی ہے اس کا وزن کم ہو جاتا ہے، جن لوگوں کے ہاتھ میں سیاسی اقتدار ہے پھر اس کے بعد وہ جن کے ہاتھ میں فکری اقتدار ہے اور ذہنی اقتدار ہے، ذہن کی تشکیل کا سامان ہے اور جہاں تک مسلمانوں کا تعلق ہے وہ طبقہ تقریباً کہا جاسکتا ہے

کہ نوے فیصد نہیں شاید ۹۵ فیصد وہ اسلام کی افضلیت سے اسلام کا واحد اور صحیح اور صادق مذہب ہونے سے اور اسلام ہی کے ذریعہ نجات اور دنیا کی زندگی میں سلامتی کا ذریعہ، اعتدال کا ذریعہ اور امن وامان کا ذریعہ اور اتفاق کا ذریعہ ہونے کا منکر ہے، ہوسکتا ہے بہت سے لوگوں کے لئے ایک انکشاف ہو لیکن یہ بات علی وجہ البصیرۃ کہہ رہا ہوں اس کی تہہ میں اگر آپ جائیں گے تو آپ کو معلوم ہوگا کہ ان کی یونیورسٹیوں اور ان کے کورس کو یہاں تک گھر کے ماحول کو بھی اتنا دخل نہیں جتنا ان کو تاریخ میں دخل ہے کہ انہوں نے وہ کتابیں پڑھیں اور ان کو وہ کتابیں مہیا کی گئی ہیں اور اس کے لئے حکومتوں میں امریکہ اور یورپ کے تربیتی اداروں میں، جن کو سرکاری سرپرستی حاصل ہے جن کی منظم کوشش ہے کہ ایسا لٹریچر اس کے ہاتھ تک پہنچے جس سے کہ وہ مذاہب کے اثر سے مایوس ہوجائے بالعموم اور خاص طور پر اسلام کی صلاحیت بقا سے مایوس ہوجائے اور یہ اس کے دل میں بیٹھ جائے کہ اب اسلام اس وقت دنیا کی رہنمائی نہیں کرسکتا، کوئی حکومت اور کوئی سوسائٹی کوئی معاشرہ بھی محض اسلام کی تعلیمات پر قائم نہیں رہ سکتا۔

یہ اس وقت کا سب سے بڑا (Problem) ہے، بہت کم لوگوں نے اس کی اہمیت سمجھی ہے کہ آج ساری کوششیں جو کی جارہی ہیں وہ، نتائج پیدا کررہی ہیں، مجھے معاف کیا جائے میں ناقدری نہیں کرتا، میرا ایسی تحریکوں سے الحمدللہ فکری تعلق بھی ہے اور جسمانی تعلق بھی لیکن میں یہ بتاتا ہوں کہ بہت سے لوگ ہیں کہ ابھی تک یہ نکتہ ان کے ذہن میں پورے طور پر نہیں آیا ہے، ذہن نے گرفت نہیں کی ہے کہ وہ ساری تبلیغی اور دعوتی کوششیں وہ اثرات اور وہ نتائج پیدا نہیں کررہی ہیں۔ جو قرون اولی میں دعوتوں نے پیدا کیا، اس لئے ان دعوتوں کے ساتھ کوئی ایسی تضاد کی چیز نہ تھی اور ان کا مقابلہ کسی ایسے لٹریچر سے نہیں
ابلہ ان فکری تعبیرات فکری تعینات، اور فکری دلائل سے بھی نہیں تھا، اس لئے
صاف تھا اور وہ دعوت صرف دماغوں ہی تک نہیں پہنچی بلکہ دل کی گہرائی

میں پہنچ گئی اور ان کے پورے قویٰ پر حاوی ہو گئی آج یہ نہیں ہو رہا ہے، اس کی بڑی وجہ یہی طبقہ ہے جو نہ صرف سیاسی قیادت کر رہا ہے بلکہ وہ اسلام کی فکری قیادت بھی کر رہا ہے اور احساس فکر کا وہ محافظ اور مدافع بھی ہے اور اس میں بہت دخل ان کے مطالعے کو ہے۔ وہ مطالعہ جس کے بارے میں آپ سے کہہ دیتا ہوں ایک تعلیم کا کام کرنے والے ایک مدرس کی حیثیت سے بھی کہتا ہوں، تجربہ کار آدمی کی حیثیت سے بھی، کہ کورس جو پڑھا جاتا ہے اور جن چیزوں کا مطالعہ کیا جاتا ہے ان میں ایک فرق ہے یہ فرق بتانا اگرچہ نازک کام ہے اور ایک ذمہ داری کی بات ہے اس سے غلط نتیجہ نہ نکالا جائے مگر ایک نفسیاتی نکتہ ہے کہ کورس پر ایک طرح جیسے کوئی سرکاری مہر ہوتی ہے، کورس پر اس ادارے کی اور اس نصاب تعلیم کی اور اس نگراں جماعت کی، ایک خاص انتساب کی مہر لگی ہوتی ہے اس لئے وہ ایک طرح سے حجاب بن جاتا ہے لیکن مطالعے کی کتابوں پر یہ نہیں ہوتا۔ اللہ تعالیٰ ہم سبھوں کو دین اسلام کی قدردانی نصیب کرے۔

و آخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین.

ملت کا تحفظ، تحریکِ نفاذِ شریعت
اور غلبۂ اسلام

لائحۂ عمل، اور قومی و ملّی منشور

> درج ذیل تحریر دراصل یہ مولانا سید ابوالحسن علی ندوی کا حیدرآباد دینی تعلیمی اور ملی کانفرنس منعقدہ ۵-۷ مارچ ۱۹۹۱ء کا افتتاحی خطبہ ہے جس سے اہل ہند کی طرح مسلمانانِ عالم کے لئے بھی غور و فکر کی منزل اور سمت سفر متعین کرنے میں فکر و عمل کے نشان راہ واضح ہو جاتے ہیں۔ یہ تحریر مفکرین و قائدین ملت قومی کارکنوں اور عام مسلمانوں کے لئے غور و فکر کے لئے ایک ملی منشور اور میثاق کی حیثیت رکھتی ہے خدا کرے کہ یہاں کے ارباب حل و عقد بھی اس سے پوری طرح مستفید ہوں۔

الحمد لله رب العالمين، والصلوة والسلام على سيد الانبياء والمرسلين، وعلىٰ آله واصحابه اجمعين، ومن تبعهم باحسان ودعىٰ بدعوتهم الى يوم الدين. امابعد!

حضرات! میں آپ کی عزت افزائی کا شکر گزار ہوں کہ آپ نے اس اہم اجلاس کے افتتاح کے لئے میرا انتخاب فرمایا۔ ایک حقیقت پسند انسان کے لئے جو اپنی حقیقت سے ناآشنا اور کسی فریب نفس میں مبتلا نہیں ہے، ان مواقع کی قدر و قیمت صرف اتنی ہوتی ہے

کہ ان کے ذریعہ اس کو اپنے دل کی بات کہنے اور اپنے مطالعہ و تجربات کے نتائج کے اظہار کا ایک ایسی فضا میں موقعہ ملتا ہے جس میں اس کی بات صبر و سکون اور اکثر اوقات ذوق و اشتیاق کے ساتھ سنی جاتی ہے۔ مجھے امید کرنی چاہئے کہ یہ پیشکش آپ کی طرف سے کوئی رسمی اعزاز نہیں ہے بلکہ ایک اعتماد کا اظہار ہے۔ ہر چیز کی ابتداء بڑی نازک اور اہم ہوتی ہے اور اس کا اثر اس کے پورے سلسلہ پر پڑتا ہے خدا مجھے اس اعتماد و ذمہ داری کا اہل ثابت فرمائے۔

بزرگو اور عزیزو! اللہ تعالیٰ نے ہمارے اور آپ کے لئے جس ماحول اور جن حالات کا انتخاب فرمایا ہے اور اپنے علم و حکمت اور اپنے ارادہ و اختیار کی بنیاد پر انتخاب فرمایا ہے وہ بہت اہم اور بہت نازک ہے۔ واقعہ تو یہ ہے کہ یہ ماحول، یہ حالات، یہ سرزمین اور یہ عہد تو کسی بڑے مجدد کا طالب تھا، میں تاریخ اصلاح و تجدید کے نہ صرف طالب علم بلکہ ایک حقیر مصنف کی حیثیت سے آپ سے کہتا ہوں کہ جو عہد اور جو ماحول ہم آپ کو ملا ہے جن مسائل سے ہمارا آپ کا واسطہ ہے جن خطرات، جن اندیشوں اور جن چیلنجوں کا ہمیں سامنا کرنا ہے اور اس زمانہ کے جن خفی لیکن بے رحم اشاروں کو سمجھنا ہے وہ کسی بڑے مجدد کے کسی صاحب عزیمت، صاحب حکمت اور موید من اللہ کے طالب ہیں اس میں ذرا مبالغہ نہیں کہ یہ دور حضرت مجدد الف ثانی کے شایانِ شان تھا۔ حکیم الاسلام حضرت شاہ ولی اللہ کی مجتہدانہ قابلیت اور مجددانہ عزیمت کے شایانِ شان تھا، یا شہیدین جلیلین، حضرت سید احمد شہید اور شاہ اسمٰعیل شہیدؒ کی حمیت و عزیمت اور بلند نظری و بلند حوصلگی کے شایانِ شان تھا۔ لیکن یہ دور، یہ مسائل اور یہ مشکلات ہمارے لئے منتخب کیے گئے۔

ذٰلک تقدیرُ الْعزیزِ الْعلیم

لیکن ایک اچھے محنتی طالب علم کو اگر امتحان میں کوئی مشکل پرچہ ملے تو اگر اس نے محنت کی ہے اس میں صلاحیت ہے اور اس نے اپنی حیثیت اور صلاحیت کے سابق

تیاری کی ہے تو اس کی شان یہ ہے کہ اس پر شکوہ نہ کرے بلکہ شکر ادا کرے کہ وہ اس پرچہ کے قابل سمجھا گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ کو کوئی مشورہ نہیں دے سکتا۔

وَاللّٰہُ غَالِبٌ عَلٰی اَمْرِہٖ

وہ جو کچھ فیصلہ کرتا ہے وہ اس کی قدرت کا بھی مظہر ہوتا ہے۔ اس کی حکمت کا بھی اور اگر میں یہ کہوں کہ اس کی رحمت کا بھی مظہر ہوتا ہے تو بعید نہیں۔ اس کے اس فیصلہ میں (کہ اس نے ہم ناتوانوں کو ایسے عہد اور ایسی سرزمین کے لئے انتخاب کیا) اس کی قدرت کا ظہور بھی ہے اس کی حکمت کا بھی ہے اور میں یہ یقین رکھتا ہوں کہ اس کی رحمت کا بھی ظہور ہے۔ حدیث میں بھی آتا ہے کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہؓ کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا کہ آخر زمانہ ایسا ہوگا کہ تم جو کر رہے ہو اس کا عشر عشیر بھی اگر کوئی انجام دے گا تو اس کی نجات ہو جائے گی۔

واقعہ یہ ہے کہ اگر ہم اس عہد سعادت میں ہوتے اور اس زمانہ میں کوئی عمل کرتے تو اس عمل کی اس زمانہ میں کوئی بڑی اہمیت اور نمایاں حیثیت نہ ہوتی۔ قیمتیں اپنے حالات اور اپنے ماحول کے لحاظ سے گھٹتی بڑھتی ہیں۔ بے موسم کا پھل بڑی قیمت میں بکتا ہے۔ لیکن موسم کا پھل کوڑیوں کے مول بکتا ہے۔ آپ کو معلوم ہے کہ جب کسی بڑے حملے کے موقعہ پر دفاع کرنے والوں کے قدم اکھڑ رہے ہوں اور جب سارے شکست کے آثار ہوں اس وقت کوئی کمزور سپاہی، کوئی سن رسیدہ، کوئی بیمار مسلمان قدم جمائے کھڑا رہے تو اس کو جو اجر ملے کا غنیمہ فتح کے وقت بڑے شہسوار اور شہ زور کو نہیں ملے گا۔ تو کیا عجب کہ اللہ تعالیٰ نے ہماری کمزوری، ہماری بے بضاعتی کے باوجود ہم کو جو ایسے پرآشوب دور کے لئے منتخب فرمایا یہ اس کی رحمت کا کرشمہ ہو اس نے ہمیں ایک ایسا زمانہ دیا کہ اس کے اندر تھوڑا کرنا اللہ تعالیٰ کے یہاں بہت شمار ہوگا۔

حضرات! جہاں تک کسی ملک میں مسلمانوں کے رہنے، وہاں ان کی حیثیت اور ان

کے فرائض منصبی کا سوال ہے۔ تو تاریخ اسلام کے طویل سلسلہ اور فقہ اسلامی کے وسیع ذخیرہ میں اس کے دو نمونے ملتے ہیں۔ پہلا نمونہ یہ ہے کہ مسلمان حاکمانہ حیثیت میں ہوں اور ملک اسلامی حکومت کے زیر اقتدار ہو جیسا کہ خلافت راشدہ کے بعد رومی وایرانی شہنشاہیاں اوران کے ممالک مسلمانوں کے زیر نگیں آئے اور مسلمان جزیرۃ العرب سے لے کر مراکش تک پھیل گئے۔ انہوں نے افریقہ کی پوری شمال مغربی پٹی فتح کر لی اور اس سے آگے سمندر کو عبور کر کے یورپ کے اسپین پر قابض ہو گئے۔ اس حیثیت کے متعلق صریح احکام ہیں۔ قرآن مجید کے اشارات ہیں۔ ہدایات ہیں۔ صحابہ کرام کا طرز عمل ہے یہ عقل سلیم کا فیصلہ ہے کہ ایسے موقعہ پر مسلمانوں کا منصب کیا ہے۔ مسلمانوں کو کیا کرنا چاہئے۔ ان کے داعیوں و مصلحین کی کیا ذمہ داریاں ہیں، ان کے علماء فقہا اور مفتیین کو مسائل کس ڈھنگ سے سلجھانے چاہئے؟ اوران کے مصنفین ومؤلفین ومفکرین کا طرز عمل ان کا طرزِ فکر اور اسلوب کیا ہونا چاہئے۔ یہ بات واضح ہے اور اس کے لئے پورا تاریخی ریکارڈ موجود ہے۔

دوسری شکل یہ ہے کہ مسلمان کسی جگہ مختصر ومحدود اقلیت میں ہوں وہ اس ملک کے حالات پر مطلقاً اثر انداز نہ ہو سکتے ہوں۔ ان کا ملک کے نظم ونسق میں کوئی حصہ نہ ہو وہ خالص محکومانہ زندگی گزار رہے ہوں اس کے لئے بھی کتابوں میں فقہ وشریعت کے احکام موجود ہیں۔ لیکن ہندوستان میں ہماری نوعیت اس وقت دونوں سے مختلف ہے اور وہ بڑی فکر انگیز، اجتہاد طلب، اعلیٰ ذہانت، حقیقت پسندی اور سخت جدوجہد کی طالب ہے اور اس سے بڑی ذمہ داریاں عائد ہوتی ہیں۔ یہاں ہم اقلیت میں تو ضرور ہیں لیکن وہ اتنی بڑی اقلیت ہے کہ اکثریت کے بعد اس کا دوسرا نمبر ہے اور اس کو اقلیت کہنا بھی صحیح نہیں۔ بلکہ اس کو ''ملت'' کہنا چاہئے ہم یہاں کم سے کم پندرہ کروڑ کی تعداد میں ہیں۔ بہت سی خالص اسلامی سلطنتوں میں مسلمان اتنی بڑی تعداد میں نہیں ہیں۔ کوئی اسلامی ملک تیس

لاکھ کا ہے کوئی چالیس پچاس لاکھ کا ہے، کوئی دو کروڑ ہے۔ کوئی چار پانچ کروڑ تک کا ہے۔ انڈونیشیا میں مسلمانوں کی سب سے بڑی تعداد ہے وہ بھی تیرہ ساڑھے تیرہ کروڑ سے زیادہ نہیں ہے لیکن ہم یہاں پندرہ کروڑ یا اس سے بھی زائد ہیں۔

دوسری بات یہ ہے کہ یہ ملک جمہوری ہے اس ملک کی سیاست میں ہمارا حصہ ہے اس ملک کی قانون سازی میں ہمارا حصہ ہے۔ ہمارے لئے یہاں پورا موقع ہے کہ ہم ملک کی انتظامیہ کو نہ صرف یہ کہ متاثر کریں بلکہ اس کو نئی شکل دینے اور ملک کو بہتر سے بہتر انتظامیہ مہیا کرنے میں مدد و معاون بلکہ بعض اوقات فیصلہ کن ثابت ہوں۔ ہم پاسنگ کا بھی کام کر سکتے ہیں اور اس ملک میں قانون سازی ہم کو نظر انداز کر کے نہیں کی جا سکتی۔ اگر مسلمان اپنے شہری حقوق کا صحیح جرأت مندانہ و آزادانہ استعمال کریں تو ایوان قانون ساز (پارلیمنٹ) اور حکومت کرنے والی پارٹی کسی طرح مسلمانوں کو نظر انداز نہیں کر سکتی۔ وہ مسلمانوں سے مستغنی نہیں رہ سکتی اور مسلمان چاہیں تو اس پر انقلاب انگیز اثر ڈال سکتے ہیں اور اس کی ہیئت کذائی بدل سکتے ہیں۔

اس کے ساتھ یہ بات بھی ہے کہ اس ملک میں ہم تنہا وہ ''ملت'' ہیں جو خدا کا واضح پیغام رکھتی ہے جو آخری آسمانی محفوظ کتاب کی حامل ہے۔ سیرت نبوی کی دولت اس کے پاس ہے، نوع انسانی کے لئے رحمت و ہدایت کا عظیم سرمایہ، اسوۂ نبوی، حیات صحابہ اور مثالی و معیاری انسانوں کے کردار و عمل کا عظیم ذخیرہ (Record) موجود و محفوظ ہے۔ وہ اس سیرت و طرز زندگی کا عملی مظاہرہ کر سکتے ہیں۔ یہ وہ ملت ہے جس کے پاس ہر عہد میں کسی ڈوبتے ہوئے معاشرہ، کسی بجھتے ہوئے چراغ کو کسی برباد ہوتے ہوئے ملک کو، کسی رو بہ زوال نہیں بلکہ جاں بلب ملک یا معاشرہ کو بچا لینے والا پیغام رہا ہے اس نے پہلی صدی ہجری (ساتویں اور آٹھویں صدی عیسوی) میں رومی، ایرانی اور وسط ایشیا کے برسر اقتدار ترکستانی معاشرہ کو (جو زیادہ دنوں تک باقی رہنے اور قیادت کرنے کی صلاحیت

ہو چکا تھا۔ اور جس کی ظاہری چمک دمک اور فربہی صحت و توانائی کا نتیجہ نہ تھی بلکہ وہ ایک غیر طبعی فربہی متورم جسم کی علامت تھی) اور ساتویں آٹھویں صدی ہجری میں نیم وحشی اور خون آشام چینی و ترکی نسل کی تاتاری قوم کو ایک نیا دین و عقیدہ، مقصد زندگی، روحانیت، ترقی یافتہ، تہذیب و ثقافت، جامع و مکمل، معاشرتی، تمدنی اور انتظامی قانون اور نو بہ نو علم و آداب دے کر ایک نئی زندگی کی نئی قسط عطا کر دی اور انہی کی ایک شاخ عثمانی ترکوں کو جنہوں نے ساتویں صدی ہجری میں اسلام قبول کیا اور اسلام لاتے ہی ان میں بیداری، نئی زندگی اور حوصلہ مندی پیدا ہوئی ایشائے کوچک اور یورپ میں ایک بڑی سلطنت (سلطنت عثمانیہ) کا بانی بنا دیا۔ جس نے کچھ عرصہ کے بعد خلافت اسلامی کی ذمہ داری بھی سنبھال لی اور حرمین شریفین و مقامات مقدسہ کی محافظ و پاسبان اور شوکت و عظمت اسلامی کا نشان بن گئی۔

یہ وہ ملت ہے جو ڈوبتے ہوئے سفینہ کو ساحل تک پہنچا سکتی ہے اور کسی گرتے ہوئے معاشرہ کو جو زمین میں بالکل دھنس رہا اور دلدل میں پھنس رہا ہے اور جو خودکشی و خودسوزی پر آمادہ ہے بچا سکتی ہے۔ اس لئے کہ اس کے پاس وہ کتاب الٰہی ہے اس کے پاس وہ اسوہ نبویؐ ہے۔ اس کے پاس وہ ایمان موجود ہے جو اس کو خالص دولت پرست، طاقت پرست، اقتدار پرست اور مادہ پرست بننے سے روکتا ہے یہ تنہا وہ ملت ہے جس کو اس زندگی کے بعد دوسری زندگی کا یقین ہے اس پر غفلت کے چاہے کیسے اور کتنے ہی دبیز پردے پڑیں۔ اس پر خود فراموشی کے کتنے شدید دورے پڑیں اس کے دلوں کے اندر اس کے اندر اس بات کا شعور باقی ہے کہ اس کو خدا کے سامنے جانا ہے اللہ کے رسولؐ کو منہ دکھانا ہے اور اپنی زندگی کا حساب پیش کرنا ہے، وہاں نہ عزت کام آئے گی نہ دولت، نہ طاقت کام آئے گی۔ احساس فرض سچی عبودیت، اور بے لوث خدمتِ خلق کام آئے گی اور ایمان اور عمل صالح کام آئے گا۔

عزیز طلبہ میرے محدود مطالعہ میں اس ملت کی حیات اور اس کے طویل سفر اور تجربوں میں یہ بالکل انوکھی مثال ہے کہ ہم ایک ایسے ملک میں رہتے ہیں۔ ہم عظیم ترین اقلیت میں ہیں۔ یہ اتنی بڑی اقلیت ہے کہ اگر وہ اپنی امتیازی صلاحیت کا ثبوت دے۔ اکثریت سے زیادہ محنت سے کام کرلے اور اپنی اہلیت وافادیت اپنے خلوص وصداقت کا مظاہرہ کرلے تو وہ قیادت کا مقام بھی حاصل کرسکتی ہے اور اگر یہ نہیں تو کم از کم ملک کا رخ تبدیل کرسکتی ہے اور صاحب اقتدار جماعت کو اپنی ضرورت وافادیت تسلیم کرنے پر مجبور کرسکتی ہے۔ پھر اس کے ساتھ اس میں حقیقی زندگی کی وہ رمق باقی ہے۔ (میں اس کو زندگی کی رمق ہی کہوں گا) جو دنیا کی اکثر ملتیں کھو چکی ہیں روحانی حیثیت سے، ایمانی حیثیت سے، اور احتساب نفس کے لحاظ سے وہ ملتیں، اس آخری اخلاقی شعور اور ضمیر کی زندگی و بیداری سے محروم ہو چکی ہیں جس کو زندگی کی رمق کہا جانا چاہئے۔ یہ ملت اپنی ساری کمزوریوں کے ساتھ اس رمق کی محافظ ہے۔

ایسی حالت میں اس ملت کے علماء کی علوم دینیہ کے اہل نظر و اہل فکر ماہرین کی ملت کے بے لوث و بالغ نظر قائدین کی، اس ملک اس عہد اور اس ماحول میں ذمہ داری اتنی عظیم ہونے کے ساتھ اتنی نازک اور اتنی پیچیدہ ہے کہ اس کا تصور اس سے پہلے کسی ملک میں کرنا مشکل تھا۔ پندرہ کروڑ کی تعداد میں مسلمان ایک ایسے ملک میں موجود ہیں جو لرزہ خیز مصائب اور ہوشربا مسائل سے دوچار ہے۔ جہاں عرصہ سے انسان سازی کا، اخلاق و کردار بنانے اور ان کو توانائی بخشنے کا، دولت کی کشش اور مادیت کے سحر کا مقابلہ کرنے والی اخلاقی وروحانی طاقت پیدا کرنے کا کارخانہ بند ہو چکا ہے۔ اس کے جو بھی اسباب ہوں (ان اسباب کی اس مختصر تقریر میں تشریح نہیں ہوسکتی) یہ واقعہ ہے کہ ہندوستان کا معاشرہ ایک اخلاقی بحران میں مبتلا ہے جس کے آثار ونشانات قومی زندگی کے ہر شعبہ میں نمایاں ہیں۔

ایسی حالت میں ایک ملت یہاں رہتی ہے جو پندرہ کروڑ کی تعداد میں بتائی جاتی ہے وہ اپنے پاس اللہ کی کتاب صحیفہ آسمانی رکھتی ہے۔ سنّت نبوی مدون اور محفوظ طریقہ پر اس کے پاس ہے۔ فقہ اسلامی کا اتنا بڑا ذخیرہ ہے جو زندگی کے تمام احکام (عبادات سے لے کر معاملات وسیاست، تمدن واخلاق واجتماع کے آداب تک) پر مشتمل ہے جس کی مثال دنیا کی کسی قوم میں نہیں پائی جاتی۔ فقہ کا جتنا بڑا کام اعمال اور انسانی حرکات واعمال کا، حلال وحرام، جائز وناجائز کے تصور سے جو ربط ہے اس ربط کی تفسیر وتشریح کرنے کے سلسلہ میں جو محنت اسلام کی تاریخ میں ہوئی ہے اس کی کوئی مثال مجھے معلوم نہیں اور اس کی کوئی نظیر گزشتہ تاریخ میں نہیں ملتی۔

حضرات! ہم ایک ایسے ملک میں جہاں اگرچہ ہم اصطلاحی طور پر اقلیت میں ہیں۔ لیکن حقیقت میں پوری قوم ہیں پوری ملت ہیں۔ اس کے ساتھ ایک تاریخ ہے۔ ہندوستان میں آٹھ سو برس تک اس نے حکومت کی ہے۔ اس ملک کو بنایا ہے سنوارا ہے۔ ملک کا نام دنیا میں روشن کیا ہے۔ اس نے ملک کو وہ چیز دی جس سے وہ عرصہ سے محروم ہو چکا تھا۔ اس میں پہلی مرتبہ سیاسی وانتظامی وحدت پیدا کی۔ اس کو مساوات واخوتِ انسانی کا پیغام دیا اور ہندوستان کو جو ٹکڑوں میں بٹا ہوا تھا۔ ایک طویل ووسیع، مضبوط ومستحکم توانا و صحت مند انتظامیہ اور وسیع مرکزی حکومت عطا کی۔

اس کے بعد سب سے بڑی بات یہ ہے کہ ہم آخری امت ہیں۔ ہم حاملِ قرآن ہیں ہم داعی الی اللہ ہیں۔ ہم محتسب کائنات ہیں، اقبال نے ابلیس کی زبان سے یہ حقیقت ادا کرائی ہے۔ اس کے سامنے اس کی مجلس شوریٰ میں مختلف قوموں کے بارے میں کہا گیا اور مختلف خطروں کی نشاندہی کی گئی۔ اس کی مجلس کے ارکان نے کہا ہمارے نظام اور کام کو اشتراکیت سے خطرہ ہے، جمہوریت سے خطرہ ہے، ملوکیت سے خطرہ ہے، جمہوریت سے خطرہ ہے کسی نے کہا کہ

فتنۂ فردا کی ہیبت کا یہ عالم ہے کہ آج
کانپتے ہیں کوہسار و مرغزار و جوئے بار
میرے آقا! وہ جہاں زیر و زبر ہونے کو ہے
جس جہاں کا ہے فقط تیری سیاست پر مدار

ابلیس نے ان تمام خطروں کو کوئی اہمیت نہیں دی اس کے برخلاف اس نے کہا۔

ہر نفس ڈرتا ہوں اس امت کی بیداری سے میں
ہے حقیقت جس کے دین کی احتسابِ کائنات

اس نے کہا۔

ہے اگر مجھ کو خطر کوئی تو اس امت سے ہے
جس کے خاکستر میں ہے اب تک شرارِ آرزو
خال خال اس قوم میں اب تک نظر آتے ہیں وہ
کرتے ہیں اشکِ سحر گاہی سے جو ظالم وضو

حضرات گرامی! مسلمان قوم کا یہ امتیاز اور اس ملک کا جمہوری نظام، پھر مسلمانوں کی اتنی بڑی آبادی، یہ ساری باتیں مواقع فراہم کرتی ہیں کہ ہم یہاں کے نظم و نسق پر اثر انداز ہوں۔ یہاں قانون بنانے میں ہمارا حصہ ہو سکتا ہے پھر اس ملک کے جمہوری ہونے کی وجہ سے اس ملک کی قیادت کا منصب بھی حاصل کر سکتے ہیں۔ اگر ہم اپنے کو اخلاقی طور پر، باطنی طور پر، ذہنی طور پر اور عملی طور پر بھی ممتاز فائق ثابت کر دیں تو اس ملک کی قیادت کے ہم طالب نہیں ہوں گے، ملک کی قیادت خود ہماری طالب ہوگی، ہمیں سورج کا چراغ لے کر ڈھونڈے گی۔ یہاں کی خاک کے ذرّہ ذرّہ، درخت کے پتہ پتہ سے آواز آئے گی اس ملک کو بچانے والے کہاں ہیں۔ آئیں اور اس ملک کو بچائیں۔ آپ کی یہ حیثیت نہیں ہے کہ آپ کو بڑی آسانیاں چاہئیں۔ آپ ملک کے نجات دہندہ ہیں۔ آپ اس

ملک کی آخری امید ہیں۔ اس ملک کے باشندوں کو باہم عدل کا پیغام دیں۔ عقلِ سلیم کا پیغام دیں۔ خداترسی اور انسان دوستی کا پیغام دیں اور اس میں اس کا لحاظ رکھیں کہ ہمارا وہ پیغام اسلامی عقیدہ اور ایمانی جذبہ کے ساتھ مربوط اور جڑا ہوا ہو۔ یہاں تک کہ ذہین لوگ جن کو اللہ تعالیٰ نے خاص طرح کی قوت شامہ عطا فرمائی ہے (جو معنویات میں بھی اسی طرح کام کرتی ہے جیسے مادیت و جسمانیت میں) اس عمومی انسانی دعوت میں ہمارے ایمان کی خوشبو اور مہک پائیں۔ وہ یہ محسوس کریں کہ یہ خود غرضی کا پیغام نہیں۔ نفسیات کا پیغام نہیں۔ اس کے پیچھے سیاسی یا اقتصادی مقاصد نہیں۔ یہ وہ پیغام ہے جس کو ان لوگوں کے ایمان باللہ و تعلیمات اسلامی نے پیدا کیا۔ اور جلا اور طاقت دی ہے اور اس مقام کا سرچشمہ اور اس کا محرک و داعی ان کا خدا ہے (جو رب العالمین ہے) اور خدا کے اس آخری رسول ﷺ سے جو رحمۃ للعالمین بنا کر بھیجے گئے تھے رابطہ ہے۔

اگر ہم کام کریں گے تو صرف یہی نہیں کہ ہم اس ملک میں عزت سے رہ سکیں گے بلکہ اس ملک کی قیادت ہم کو تلاش کرے گی۔ حضرت یوسف علیہ السلام جیل گئے اور ایک ایسے الزام میں گئے جس کے بعد ایسے ''اسیر زندان'' کا کوئی مستقبل نہیں ہوتا اور وہ آدمی منہ دکھانے کے قابل نہیں رہتا۔ لیکن انہوں نے اپنے کردار سے، اپنی عملی صلاحیت سے، اپنی معجزانہ ایمانی طاقت سے۔ اپنی انسان دوستی سے جیل کے اندر رہ کر بھی یہ ثابت کر دیا کہ وہ مصر میں تنہا آدمی ہیں جن کے پاس ایمان ہے جن کے پاس کردار کا جوہر ہے جن کے پاس عملی صلاحیت ہے۔ ان کے پاس دوستی کا جذبہ اور امانت و دیانت ہے۔

بالآخر بادشاہِ مصر ان کو جیل سے بلواتا ہے لیکن وہ خودداری کے ساتھ کہتے ہیں:

اِرْجِعْ اِلٰی رَبِّکَ فَسْـَٔلْهُ مَابَالُ النِّسْوَةِ الّٰتِیْ قَطَّعْنَ
اَیْدِیَهُنَّ ط اِنَّ رَبِّیْ بِکَیْدِهِنَّ عَلِیْمٌ ٥

''اپنے آقا کے پاس جاؤ اور ان سے پوچھو کہ ان عورتوں کا کیا

معاملہ ہے جنہوں نے اپنے ہاتھ کاٹ لئے تھے۔ بے شک میرا
پروردگار ان کے مکر سے خوب واقف ہے۔''

بادشاہ نے پھر تحقیق کی اور مدعیہ نے کہہ دیا:

مَا عَلِمْنَا عَلَيْهِ مِنْ سُوْٓءٍ

حاشاللہ۔ ہمیں اس میں کوئی برائی معلوم نہیں ہوئی۔

اس کی کوئی خطا نہ تھی۔ یہ سب میرا پھیلایا ہوا جال اور میری بنائی ہوئی سازش تھی۔

جب وہ جیل سے نکلے تو بادشاہ نے پیش کش کی آپ کوئی عہدہ قبول کیجئے۔

انہوں نے کہا:

اِجْعَلْنِیْ عَلٰی خَزَآئِنِ الْاَرْضِ ج اِنِّیْ حَفِیْظٌ عَلِیْمٌO

مجھے اس ملک کے خزانوں پر مقرر کر دیجئے کیونکہ میں حفاظت بھی
کر سکتا ہوں اور اس کام سے واقف ہوں۔

قرآن کوئی تاریخ کی کتاب نہیں جو حالات کی تفصیل بیان کرے۔ لیکن اس قصہ کے سیاق میں ہمیں یہ بات مضمر معلوم ہوتی ہے کہ حضرت یوسف علیہ السلام جنہوں نے سات سال مصر میں گذارے تھے، سمجھ گئے کہ اس ملک اور انتظامیہ کا سب سے زیادہ کمزور شعبہ مالیات اور غذا کا شعبہ ہے اور یہ وہ شعبہ ہے جو عوام سے زیادہ سے زیادہ ربط رکھتا ہے جس کے ذریعہ ہر جگہ عوام تک پہنچا جا سکتا ہے اور ان کی بے لوث خدمت کر کے ان کو ممنون و متاثر اور ان کو صحیح عقائد اور واضح حقائق پر غور کرنے پر آمادہ کیا جا سکتا ہے، چنانچہ انہوں نے کہا۔

اِجْعَلْنِیْ عَلٰی خَزَآئِنِ الْاَرْضِ ج اِنِّیْ حَفِیْظٌ عَلِیْمٌO

حضرات! ساری سیاسی پارٹیوں کی موجودگی میں، کالجوں اور یونیورسٹیوں کی موجودگی میں اور تعلیم کا معیار جو اس وقت ہے اور اس کے جو وسائل اس ملک کو مہیا ہیں۔

ان سب کے باوجود صالح قیادت، عادل قیادت، خداترس قیادت اور انسان دوست قیادت کا منصب خالی ہے آپ اپنی حیثیت پہچانیں، اپنا منصب جانیں اور ملک میں خدمت، ملک میں صالح انقلاب لانے اور ملک کو صحیح رخ پر لگانے اور چلانے کی اپنی صلاحیت کو پہچانیں اور اس سے کام لیں۔

ہمیں ملک وملت دونوں زندہ حقیقتوں میں سے کسی حقیقت سے آنکھیں نہیں بند کرنی چاہیں۔ البتہ ہماری داعیانہ حیثیت، ہماری بے لوث اور خدااندیش فطرت اور ہمارا وہ فرض منصبی جس کی بناء پر ہم کو ''خیر امت'' کا لقب ملا۔ اس پر غالب رہنا چاہئے۔ اس سود وزیاں کی دنیا میں اس قمار خانۂ سیاست میں ہماری اصول پسندی ہمارا اخلاقی کردار اور ہمارا ایمانی شعار سب پر غالب رہنا چاہئے۔ ہمیں ان سیاسی پارٹیوں کی پست سطح پر کبھی نہیں آنا چاہئے۔ جو دوسروں کی تخریب میں اپنی تعمیر اور دوسروں کی بربادی میں اپنی ترقی کا خواب دیکھتی ہیں اور جن کا منتہائے نظر حکومت کی کرسی کے سوا کچھ نہیں۔ ہمیں اس ملک کے بارہ میں بھی اور اس ملت کے بارہ میں بھی اپنا ذہن نبوی و آسمانی تعلیمات کی اساس پر تعمیر کرنا چاہئے۔

حضرات! اس کے ساتھ ساتھ ہمارا فرض ہے کہ مسلمانوں میں دینی شعور پیدا کریں۔ آپ کی ذمہ داری ہے کہ مسلمانوں میں دینی شعور پیدا کریں۔ ہماری آئندہ نسلیں ارتداد کے خطرہ میں مبتلا ہیں۔ تہذیبی اور ذہنی ارتداد تو بالکل کھلی سی بات ہے لیکن اعتقادی ارتداد کا خطرہ بھی سر پر آ گیا ہے۔ آپ کی ذمہ داری ہے کہ آپ قصبات میں، گاؤں میں، شہروں میں محلوں میں، گھروں میں اور برادریوں میں بچوں کو دینی تعلیم دینے کا احساس پیدا کریں۔ مدارس اور مساجد قائم کریں اور ان کا جال بچھا دیں۔ میں اس موقعہ پر اپنی ایک گذشتہ تقریر کا اقتباس پیش کروں گا جو میں نے کچھ عرصہ پہلے دینی کونسل کے پلیٹ فارم پر کی تھی:

> ''اگر مجھ سے کوئی پوچھے کہ ملت کے لئے صرف ایک پوسٹر بنانا ہے اور صرف ایک جملہ کی گنجائش ہے اور اس کے علاوہ کچھ نہیں تو میں کہوں گا۔
>
> ''مَا تَعْبُدُوْنَ مِنْ بَعْدِیْ''
>
> لکھ دو۔ پوسٹر کے نیچے لکھو کہ ہر مسلمان اپنی اولاد سے دنیا سے جانے سے پہلے سوال کرے اور جب تک دنیا میں ہے اپنا جائزہ لے، محاسبہ کرے کہ اس کے نزدیک اس کی اہمیت ہے یا نہیں؟ وہ اپنے بچوں کی اپنی آئندہ نسل کے لئے اطمینان کرنا ضروری سمجھتا ہے یا نہیں کہ ''مَا تَعْبُدُوْنَ مِنْ بَعْدِیْ'' (میرے بعد تم کس کی عبادت کرو گے) میں آپ سے کہتا ہوں کہ ہم اور آپ سب اپنے اپنے دلوں کو ٹٹولیں اور یہ دیکھیں کہ واقعی اس سوال کی ہمارے یہاں اہمیت ہے یا نہیں؟ اور یہ سوال افراد کے پیمانہ پر، خاندان کے پیمانہ پر، برادری کے پیمانہ پر، اور آخر میں کہتا ہوں کہ ملت کے پیمانہ پر اور ملتِ ہندیہ اسلامیہ کے پیمانہ پر، ہمارے دلوں میں نقش ہے یا نہیں؟ ہماری آئندہ نسل ہمارے بعد کس راستہ پر چلے گی۔ وہ کس گروہ ملت کی پیرو ہوگی۔ کس کی پرستش کرے گی۔ کن عقائد کو مانے گی۔ یہ خدائے واحد کی پرستار ہوگی یا سینکڑوں، ہزاروں، لاکھوں، کروڑوں خداؤں اور دیوتاؤں کی، یہ اس وسیع کائنات میں اپنی محدود زندگی میں کس کے دستِ قدرت کا کام کرتا ہوا دیکھے گی اور مانے گی۔''

اسی کے ساتھ ساتھ مسلمانوں میں اپنے ملی تشخص کو برقرار رکھنے کی جدوجہد شروع

ہوگئی ہے اس کو جاری رکھیں ہم کو کسی ملک میں دریا کی مچھلیوں کی طرح (جن کی کوئی شناخت نہیں ہوتی) زندگی گذارنے کی اجازت نہیں۔ شاہ بانو کیس میں سپریم کورٹ کے فیصلہ نے پوری ملت کو جھنجھوڑ کر رکھ دیا اور اس کے نتیجہ میں آل انڈیا مسلم پرسنل لاء بورڈ نے جو پہلے سے قائم تھا۔ اس کو اپنا موضوع بنایا۔ پھر یکساں سوال کوڈ کا مسئلہ ہے۔ ان سب مسئلوں کو سمجھنے کی کوشش کریں۔ یہاں بھی میں اپنی گذشتہ تقریر کا کچھ حصہ پیش کروں گا، جو آل انڈیا مسلم پرسنل لاء بورڈ کے اجلاس بمبئی منعقدہ ۱۶/۱۵ دسمبر ۱۹۸۶ء میں کی گئی، میں نے کہا تھا:

> ''مسلمان اگر مسلم پرسنل لاء (شرعی عائلی قوانین میں تبدیلی قبول کرلیں گے تو آدھے مسلمان رہ جائیں گے۔ اس کے بعد خطرہ ہے کہ آدھے مسلمان بھی نہ رہیں۔ فلسفۂ اخلاق، فلسفۂ نفسیات اور فلسفۂ مذاہب کا مطالعہ کرنے والے جانتے ہیں کہ مذہب کو اپنے مخصوص نظامِ معاشرت وتہذیب سے الگ نہیں کیا جاسکتا۔ دونوں کا فطری تعلق اور رابطہ ہے کہ معاشرت مذہب کے بغیر صحیح نہیں رہ سکتی اور مذہب معاشرت کے بغیر مؤثر ومحفوظ نہیں رہ سکتا۔ اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ آپ مسجد میں مسلمان ہیں (اور مسجد میں کتنی دیر مسلمان رہتا ہے اپنے سارے شوقِ عبادت کے باوجود اور گھر میں مسلمان نہیں۔ اپنے معاملات میں مسلمان نہیں۔ اپنے عائلی و خاندانی روابط تعلقات میں مسلمان نہیں۔ اس لئے ہم اس کی بالکل اجازت نہیں دے سکتے کہ ہمارے اوپر کوئی دوسرا نظامِ معاشرت تمدن اور عائلی قانون مسلط کیا جائے۔ ہم اس کو دعوت ارتداد سمجھتے ہیں اور ہم اس کا

> اس طرح مقابلہ کریں گے، جیسے دعوت ارتداد کا مقابلہ کیا جانا چاہئے اور یہ ہمارا شہری، جمہوری اور دینی حق ہے اور ہندوستان کا دستور اور جمہوری ملک کا آئین اور مفاد نہ صرف اس کی اجازت دیتا ہے بلکہ اس کی ہمت افزائی کرتا ہے کہ جمہوریت کی بقاء اپنے حقوق کے تحفظ اور اظہار خیال کی آزادی اور ہر فرقہ اور اقلیت کے سکون واطمینان میں مضمر ہے۔"

حضرات! میں نے چند سال ہوئے اندور میں ٹیگور ہال میں پیام انسانیت پر تقریر کی اس موقعہ پر R.S.S کے لوگ موجود تھے۔ اگلے دن ایک وفد میری قیام گاہ پر آیا۔ مجھے معلوم ہوا کہ اس میں R.S.S کے لیڈر اور اس کے ذمہ دار ہیں اور مجھ سے باتیں کرنا چاہتے ہیں۔ انہوں نے مجھ سے کہا کہ "کل آپ کی تقریر سن کر ہم اس نتیجہ پر پہنچے کہ آپ کو اس ملک کی ہم سے زیادہ فکر ہے۔" میں اپنے تاثر اور شہادت کو اپنے اور پوری ملت کے لئے قابل شکر سند سمجھتا ہوں۔ ضرورت ہے کہ آپ کی ہر بات سے اس کا اظہار ہو اور یہاں کے شہری یہ سمجھیں کہ آپ کو اس ملک کی ان سے زیادہ فکر ہے۔ آپ کو دولت سے زیادہ ملک عزیز ہے۔ آپ کو یہ معاشرہ عزیز ہے، یہ وہ جوہر ہے جو مفقود ہوتا جا رہا ہے۔ اب یہ محسوس کیا جا رہا ہے کہ اعلیٰ سے اعلیٰ لوگوں میں بھی یہ بات نہیں رہی وہ بے تکلف اپنی دولت میں اضافہ کرنے کے لئے اس سطح پر آجاتے ہیں اور وہ کام کر لیتے ہیں جس سے ملک خطرہ میں پڑ جاتا ہے۔ معاشرہ بری طرح زوال کا شکار ہوتا جا رہا ہے اور پوری پوری کمیونٹی بلکہ ملک کی اس عظیم آبادی میں اس صورتحال سے حقیقی طور پر مضطرب و بے چین ہونے والا اور اپنی کمیونٹی، پارٹی، فرقہ اور جماعت کی ملامت وتنقید یا مدح وتعریف سے بے پرواہ بے نیاز ہو کر تنقید واحتساب کا فرض ادا کرنے والا اور خطرہ کا بگل بجانے والا دور دور نظر نہیں آتا۔

حضرات! آپ کے اس اجلاس میں بڑے بڑے علماء فضلائے علوم دینیہ، زعماء و قائدین، اہل قلم ومفکرین موجود ہیں۔ میں اپنی اس گذارش کو اسلام کے عہد اول کے ایک عبرت انگیز اور سبق آموز واقعہ کو یاددلانے پر ختم کرتا ہوں جو ہمارے لئے پورا پیام رکھتا ہے۔

جس وقت جزیرۃ العرب میں ارتداد کی آگ پھیل گئی تو یہ سب کی ذمہ داری تھی۔ لیکن ذمہ داری کے احساس میں فرق ہوتا ہے۔ یہی فرق آدمی کو بڑا اور زندہ جاوید بناتا ہے۔ ابوبکر رضی اللہ عنہ اس وقت خلیفہ وقت تھے۔ انہوں نے کہا۔

اینقُصُ الدِّین وَاَنَا حَیٌّ

کیا میرے جیتے جی دین میں کوئی کتر بیونت ہوسکتی ہے؟ کوئی قطع برید ہوسکتی ہے؟ حیف ہے میری زندگی پر اگر میرے سامنے شریعتِ اسلامی میں ترمیم ہونے لگے اور اس کے فرائض واحکام میں انتخاب کیا جانے لگے نماز تو ٹھیک، روزہ بھی ٹھیک، لیکن زکوٰۃ نہیں، یا زکوۃ بھی ٹھیک، روزہ نہیں، میں زندہ ہوں اور میرے سامنے یہ تحریف ہو؟ ہو ہی نہیں سکتا۔

بس یہ حمیت تھی جو اہل کران کی زبان پر آئی اور یہ لفظ ان کی زبان سے نکلے اور اس نے زمانہ کی کلائی موڑ دی اور تاریخ کا دھارا بدل دیا۔

اللہ جل جلالہ ہم سب کو اپنی ذمہ داریاں احسن طریقہ سے انجام دینے کی توفیق بخشے۔

وصلی اللہ تعالیٰ علی خیر خلقه محمد وعلی آله وصحبه اجمعین. وآخر دعوانا ان الحمد لله رب العالمين

زمانہ جس زبان کو سمجھتا ہے وہ نفع اور زندگی کے استحقاق کی زبان ہے

یہ ایمان افروز خطاب حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی رحمۃ اللہ علیہ نے ۲۷ محرم الحرام ۱۳۹۳ھ بمطابق ۲ مارچ ۱۹۷۳ء دارالحدیث جامعہ رحمانیہ خانقاہ مونگیر میں کیا۔ جامعہ رحمانیہ امیر شریعت حضرت مولانا محمد علی مونگیریؒ کا وہ قدیم ادارہ ہے جسے صوبہ بہار ہندوستان میں ایک مرکز کی حیثیت حاصل ہے، جسے ازہر بہار بھی کہا جاتا ہے

حضرات امیر شریعت اساتذۂ کرام طلبائے عزیز! آج میری ایک دیرینہ آرزو پوری ہوئی، کہ میں یہاں اس عزیز و محبوب سرزمین پر حاضر ہوا۔ میری یہ حاضری آپ کے لئے کسی نفع یا کسی خدمت کا ذریعہ ہے یا نہیں اس میں بہت شبہ کی گنجائش ہے، اور یقین کے ساتھ نہیں کہا جا سکتا کہ میں آپ کی کوئی خدمت انجام دے سکوں گا، اور ان توقعات کو پورا کر سکوں گا جن کا آپ نے اپنے اس مخلصانہ سپاس نامہ میں اظہار کیا ہے، لیکن اس میں کوئی شک نہیں کہ یہ حاضری میرے لئے موجب سعادت اور باعث سرفرازی ہے۔ میں یہاں خادمانہ حاضر ہوا ہوں، عزیزانہ بھی، برادرانہ بھی لیکن اس سے زیادہ خادمانہ۔ میں یہ سمجھتا ہوں کہ اگر میرے والد ماجد رحمۃ اللہ علیہ بھی یہاں تشریف لاتے تو وہ بھی اس حاضری پر خوش ہوتے، اور جن کی خدمت میں وہ آتے ان کو بھی اس سے بڑی مسرت ہوتی۔

میرا قدیم اور عمیق تعلق

عزیز طلبہ! جیسا کہ سپاسنامے میں کہا گیا ہے، میرا اس سلسلہ سے اور اس ذات گرامی سے جس سے اس جگہ کا انتساب ہے، بہت قدیم اور عمیق تعلق ہے اور میں اس تعلق پر نازاں بھی ہوں، شکر گذار بھی اور اللہ تعالیٰ سے دعا گو بھی کہ اس کو باقی رکھے۔ میں یہاں بالکل محسوس نہیں کرتا کہ میں کسی نئی جگہ پر ہوں اور کچھ اجنبی طلبہ کو کسی مدرسے کے طالب علموں کو خطاب کر رہا ہوں۔ میں بالکل یہ محسوس کرتا ہوں کہ اپنے خاندان کے افراد کو اپنے ہی خاندان کے نونہالوں اور عزیزوں کو خطاب کر رہا ہوں، اور غالباً حضرت مولانا منت اللہ صاحب امیر شریعت بھی یہی سمجھتے ہوں گے، اور یہی محسوس کرتے ہوں گے، اور انہوں نے مجھے بلا کر یہ تصور نہ کیا ہوگا کہ وہ کسی اجنبی کو دعوت دے رہے ہیں، بلکہ اپنے ہی ایک عزیز اور فرد خاندان کو اپنے بچوں سے اور اس چمن کے نونہالوں سے ملا رہے ہیں، اس لئے آپ سے مجھے نہ کسی قسم کی کوئی معذرت کرنی ہے نہ کوئی رسمی شکریہ ادا کرنا ہے، البتہ سپاسنامہ پر اتنا ضرور عرض کروں گا کہ یہ سپاسنامہ تو اس کو پیش کیا جاتا ہے جس سے کسی قسم کی بیگانگی ہو، یا وہ مہمان کی حیثیت رکھتا ہو، یہ تو میرا گھر ہے میں یہاں گھر کے ایک فرد کی حیثیت سے حاضر تھا، اور یہ آپ نے تکلف برتا۔ لیکن چونکہ یہ تکلف محبت پر مبنی ہے اور اس کا محرک بہت قابل قدر ہے، آپ حضرات نے اپنے تعلق کے اظہار کا یہی طریقہ سمجھا جو آج کل رائج ہے اس لئے میں اس کی زیادہ شکایت نہیں کروں گا، البتہ یہ ضرور کہوں گا کہ اس کی ضرورت نہ تھی، اگر آپ نے خلوص کے ساتھ اس کو پیش کیا تو اس کو سر آنکھوں پہ رکھتا ہوں اور آپ کا شکریہ ادا کرتا ہوں۔

کہنے کی باتیں تو بہت ہیں

میرے عزیزو! اس وقت آپ سے کہنے کی باتیں تو بہت ہیں۔ ہم آپ سب ایک ہی کشتی کے سوار ہیں۔ بلکہ میں سمجھتا ہوں کہ دنیا کی جتنی دینی درسگاہیں ہیں خواہ وہ ہندوستان میں ہوں، خواہ وہ مصر و شام میں ہوں، خواہ وہ مراکش، الجزائر اور تیونس میں ہوں، سب کے طلبہ ایک ہی کشتی کے سوار ہیں۔ یہ کشتی اس وقت ایک متلاطم سمندر میں ہے، اس کے گرداب بلا اور اس کے بھنور بہت سخت ہیں۔ اس میں اس وقت طوفان آیا ہوا ہے اور بڑے بڑے جہاز جو بڑے بڑے انتظامات سے مسلح ہیں اور جن کے تحفظ کا پورا سامان کیا گیا ہے اور جو سمندر کے رخ پر بہہ رہے ہیں وہ بھی اس وقت تلاطم میں ہیں وہ بھی اس وقت ایک خطرہ محسوس کرتے ہیں چہ جائیکہ ہم اور آپ جو دریا کے رخ کے بالکل خلاف اپنی کشتی کو لے جا رہے ہیں اس لئے ہم آپ کو بہت سنجیدگی کے ساتھ اپنے مسئلہ پر غور کرنا چاہئے۔

دو فریق

اس میں ایک تو وہ ہے جو دینی مدارس کے مستقبل سے بالکل مایوس ہے، ان کی افادیت کا منکر ہے اور اس کی سمجھ میں نہیں آتا کہ یہ کس غرض کے لئے ہیں اور یہ کیا خدمت انجام دیں گے اور ان کا کوئی فائدہ بھی ہے یا نہیں، ان کے پاس بدلے ہوئے زمانہ کے لئے کوئی پیام ہے، یہ اپنے اندر کوئی افادیت رکھتے ہیں، ان کے اندر باقی رہنے کی بھی صلاحیت ہے؟

ایک فریق وہ ہے کہ جو بالکل خواب غفلت میں مدہوش ہے۔ وہ حقائق کو بالکل نہیں سوچتا۔ وہ یہ سمجھتا ہے کہ جیسے آج سے چار سو برس اور چھ سو برس پہلے کا زمانہ ہے، جامعہ

نظامیہ بغداد کا زمانہ ہے۔ اس کو کسی تغیر وانقلاب کی خبر نہیں، یا اگر خبر ہے تو اس نے اپنے کو اس سے بالکل بے تعلق بنا رکھا ہے، جیسا کہ آپ نے سنا ہوگا کہ شتر مرغ ریت میں اپنا سر دھنسا دیتا ہے اور خارجی دنیا سے آنکھیں بند کر لیتا ہے اور پھر اس کو خبر نہیں ہوتی کہ کیا ہوتا ہے، جب وہ نہیں دیکھتا تو سمجھتا ہے کہ کچھ ہو ہی نہیں رہا ہے، یہ دونوں فریق دو سروں پر ہیں۔ دونوں، دو مختلف انتہاؤں پر ہیں جسے ہماری درسی زبان میں علیٰ طرفی الاخیر کہتے ہیں، ان میں کوئی بھی حقیقت پسندی سے کام نہیں لے رہا ہے، اور کسی کی بھی راہ، اعتدال کی راہ نہیں ہے۔

زمانہ تیزی کے ساتھ بدل رہا ہے

آپ سے کوئی چھپی ڈھکی بات نہیں ہے، اور اس کے لئے کسی بڑے انکشاف اور کسی بڑی تحقیق کی ضرورت نہیں ہے کہ زمانہ بہت نازک ہے اور زمانہ بہت تیزی کے ساتھ بدل رہا ہے بلکہ بدل چکا ہے اور اس کے بعد بھی وہ ایک جگہ پر رکا ہوا نہیں ہے، بلکہ بدلتا چلا جا رہا ہے اس لئے ہمارے مدارس کے طلبہ کو ان دونوں فریقوں سے بالکل ہٹ کر ٹھنڈے دماغ سے اور بہت صبر وسکون اور بڑی سنجیدگی کے ساتھ غور کرنا چاہئے، کہ ان کا مستقبل کیا ہے، اور وہ کیا خدمت انجام دے سکتے ہیں۔

مذہب کوئی عجائب خانہ اور میوزیم نہیں

عزیز طلبہ! یہ میں آپ سے کہہ دوں کہ بڑی بڑی کتابیں آپ پڑھ سکتے اور آپ نے پڑھی ہوں گی، اور اگر پڑھنے کا بھی موقع نہیں ملا تو آپ آئندہ پڑھ سکتے ہیں۔ اس موضوع پر بڑی اچھی اچھی کتابیں ہیں، لوگوں نے علمی حیثیت سے تحقیقی طریقے پر اس پر بحث کی ہے کہ کسی نظام کو محض روایات پرستی، محض قوت مقابلہ اور محض اصرار وانکار کے

ساتھ باقی نہیں رکھا جا سکتا، کوئی صالح سے صالح نظام ہو، اس کو محض روایت پرستی پر اور ایک مقدس ورثہ کے طور پر یا آثار قدیمہ کے طور پر باقی نہیں رکھا جا سکتا، دنیا میں آثار قدیمہ کی گنجائش تو ضرور ہے، اور آپ نے بڑے بڑے شہروں میں آثار قدیمہ کے مراکز دیکھے ہوں گے، وہاں زندہ عجائب خانے بھی ہیں اور مردہ عجائب گھر بھی ہیں، شاید آپ کے صوبہ کے دارالحکومت پٹنہ میں بھی کوئی ایسی جگہ ہو۔

ایسے آثار قدیمہ دنیا میں نہ صرف یہ کہ باقی رکھے جاتے ہیں بلکہ ان کو سینے سے بھی لگایا جاتا ہے اور ان کے لئے بہت بڑا قطعۂ زمین مخصوص کر دیا جاتا ہے، اور ان کے لئے حکومت کے بجٹ کا ایک بہت بڑا حصہ بھی مخصوص کر دیا جاتا ہے۔ یہ صحیح ہے لیکن اس کی حیثیت کیا ہے، اس کی حیثیت ایک بے ضرر، ایک غیر متعلق، ایک قابل زیارت، قابل دید، اور تفریح کے ایک سامان کے طور پر قدیم یادگاروں کے ایک مجموعہ کی ہے۔ اس سے زائد کچھ نہیں۔ ان کو اس لئے نہیں رکھا جاتا کہ زندگی میں ان کی ضرورت ہے۔ ان کے بغیر کام نہیں چلتا، وہ ایک بہت اہم خدمت انجام دے رہے ہیں۔ بالکل نہیں، بلکہ صرف اس لئے کہ اس مشغول زندگی میں کبھی کبھی تفریح کی ضرورت ہوتی ہے، تو ان سے تفریح حاصل ہوتی ہے، یا پھر قدیم تاریخ پر فخر کرنے کا ایک موقع ملتا ہے کہ قدیم عظمت کا وہ نشان ہے کسی قوم، کسی ملک کے ایک دور کی تہذیب کا مرقع ہے، اگر آثار قدیمہ کے اندر احساس ہوتا یا جن کی طرف ان آثار قدیمہ کی نسبت ہے وہ اگر زندہ ہوتے تو ہرگز اس صورت حال پر خوش نہ ہوتے۔

یہ پوزیشن کوئی زندہ اور صاحبِ دعوت قوم قبول نہیں کر سکتی

کوئی زندہ جماعت جو پیام رکھتی ہے جس کا ایک مقام ہے جس کو بعض حقیقتوں پر اصرار ہے، جس کو بعض چیزوں سے انکار ہے، جس کا اپنا ایک راستہ ہے، جس کو خدا نے

روشنی عطا کی ہے، جو کچھ چیزوں کو غلط سمجھتی ہے، کچھ چیزوں کو صحیح سمجھتی ہے، وہ ہرگز اس پوزیشن کو قبول کرنے کے لئے تیار نہیں کہ اس کے لئے کوئی جگہ مخصوص کر دی جائے اور اس کو بے ضرر سمجھ کر وہاں رہنے کا موقع دیا جائے جیسا کہ فراعنہ قدیم کی لاشیں ممی کی ہوئی مصر میں رکھی ہوئی ہیں۔

عربی مدارس آثارِ قدیمہ کے طور پر

جو لوگ عربی مدارس کی وکالت اور ان کی سفارش اس انداز سے کرتے ہیں کہ بھئی آپ کے یہاں بڑے بڑے میوزیم ہیں آپ کے یہاں بڑے بڑے دار الآثار ہیں۔ برطانوی قوم کا حال یہ ہے کہ اس کو سب سے زیادہ شغف ہے میوزیم سے۔ شاید جتنے بڑے بڑے میوزیم لندن میں ہوں دنیا کے کسی شہر میں ہوں۔ اس لحاظ سے یہ عربی مدرسے آثارِ قدیمہ کی حیثیت سے باقی رکھے جائیں تو میں کم از کم ایسی پوزیشن کو ہرگز قبول کرنے پر تیار نہیں، میں سمجھتا ہوں کہ جس نظام کی وکالت حضرت مولانا محمد قاسم صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے کی اور حضرت مولانا محمد علی صاحب مونگیریؒ نے کی جس کے لئے ندوۃ العلماء کی درسگاہ قائم ہوئی اور جس کے لئے دار العلوم دیوبند قائم ہوا، جس سے ہم سب لوگوں کو تعلق ہے، اس کی بنیاد ہرگز اس پر نہیں تھی۔ یہ رحم کی کوئی درخواست نہیں تھی، یہ رحم کے لئے کوئی استغاثہ نہیں تھا، کہ صاحبو! بہت سی چیزیں آپ نے چھوڑ دی ہیں قبرستان بھی باقی ہیں بڑے بڑے آباد اور ایسے شہر کہ جہاں پر ایک گز زمین کا ملنا بھی مشکل ہے، وہاں پر بہت بڑے رقبہ میں قبرستان پڑے ہوئے ہیں۔ ان کا کوئی مصرف نہیں ہے اور وہ ایک بہت بڑی جگہ گھیرے ہوئے ہیں۔ بہت سے لوگوں کے مکانات بھی بن سکتے ہیں مکانات کے لئے لوگوں کے پاس جگہ نہیں ہے، شہر تنگ ہو رہا ہے، پھیلتا چلا جا رہا ہے اور یہ قبرستان ہیں، آپ نے قبرستان چھوڑ رکھے ہیں، آپ کا کیا حرج ہے

اگر آپ ان مدرسوں کو بھی اسی طرح چھوڑ دیں، کم سے کم میں اس پوزیشن کو قبول کرنے کے لئے بالکل تیار نہیں ہوں۔

بہر حال ایک تو فریق یہ سمجھتا ہے کہ یہ مدرسے اپنی افادیت، اپنی زندگی کی صلاحیت ختم کر چکے ہیں اور اب ان کو آثار قدیمہ کے طور پر باقی رکھنا چاہئے۔ تو میں آپ سے یہ کہہ رہا تھا کہ اول تو میں اس پوزیشن کو قبول نہیں کرتا، دوسرے یہ کہ دنیا میں جو اس مقام پر آ جائے، جو اپنے لئے یہ مقام پسند کر لے اس کے لئے پھر زندگی کی زیادہ گنجائش نہیں ہوتی۔ آج اگر قبرستانوں کو لوگوں نے کسی وجہ سے چھوڑ رکھا تو کل ان کو نہیں چھوڑیں گے۔ چنانچہ آپ دیکھ لیجئے کہ دہلی میں حضرت خواجہ باقیؒ باللہ کا قبرستان کتنا بڑا تھا۔ اس کے دیکھنے والے یہاں بھی موجود ہوں گے۔ میں بھی جب شروع میں دہلی جایا کرتا تھا، دہلی کی سیر کرتا تھا تو ایک لق و دق میدان تھا۔ ہزاروں ہزار قبریں تھیں۔ اب ان کو تلاش کرتے رہئے۔ اب جہاں حضرت خواجہ کا مزار ہے اس کے آس پاس کا تھوڑا سا حصہ باقی رہ گیا ہے، اس لئے کہ شہر کی ضروریات بڑھتی جاتی ہیں اور شہر کی ضرورت کو ایک حقیقت سمجھا جاتا ہے اور یہ چیزیں محض ایک رعایت اور مجبوری کے دائرہ میں آتی ہیں اور رعایت و مجبوری حقیقت کا مقابلہ نہیں کر سکتی، اس لئے اول تو ان مدارس کی پوزیشن صحیح نہیں، دوسری بات یہ کہ تاریخ یہ ثابت کرتی ہے کہ ان چیزوں کو رواں دواں اور حقیقت پسند زندگی، وہ زندگی جو زندگی کی صلاحیتوں سے نہ صرف معمور بلکہ مخمور اور مدہوش ہے، اور جو کسی کو قبول کرنے کے لئے کسی کو اپنے حصہ میں سے حصہ دینے کے لئے تیار نہیں ہے، زیادہ دیر تک برداشت نہیں کر سکتی۔

محض قدامت اور تاریخ کے سہارہ پر کوئی ادارہ زندہ نہیں رہ سکتا

دنیا میں کوئی ادارہ محض اس وجہ سے نہیں چل سکتا کہ یہ ادارہ آج سے سو برس دو سو برس پہلے قائم ہوا اور اس نے کچھ مفید خدمت انجام دی تھی۔ محض تاریخ کے بل پر، محض تاریخ کے سہارے کوئی ادارہ، کوئی تحریک، کوئی فلسفہ، کوئی نظام نہ چلا ہے نہ چلے گا۔ اگر آپ کسی ادارے کو قائم رکھنے کے لئے اور اس کے لئے کچھ مراعات حاصل کرنے کے لئے اس کی تاریخ پیش کرتے ہیں کہ اس نے دور ماضی میں یہ خدمات انجام دیں۔ تو لوگ اس کو بالکل نہیں سنیں گے، اور اگر کوئی آج خاموش ہو جائے گا تو کل اس کے اندر سے نہایت پر زور اور پر جوش تقاضہ پیدا ہوگا کہ اس کو ختم کر دینا چاہئے۔

بقاء انفع کا بے لاگ قانون

اللہ تعالیٰ کا جو نظام اس کائنات میں جاری و ساری ہے جو ہمیں قرآن مجید اور تاریخ کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے، وہ بقائے انفع کا قانون ہے۔ یوں تو اس وقت دنیا نے جس قانون کو تسلیم کیا، وہ بقائے اصلح کا قانون ہے (SURVIVAL OF THE FITTEST) لیکن حقیقت میں قرآن مجید سے جو سمجھ میں آتا ہے، وہ ہے بقائے انفع کا قانون، صاف صاف قرآن مجید میں ہے، سورۂ رعد کی آیت ہے۔ آپ نے بہت پڑھی ہوگی، اور اس کی تفسیر بھی دیکھی ہوگی۔

"فَأَمَّا الزَّبَدُ فَيَذْهَبُ جُفَاءً وَأَمَّا مَا يَنفَعُ النَّاسَ فَيَمْكُثُ
فِي الْأَرْضِ كَذَٰلِكَ يَضْرِبُ اللَّهُ الْأَمْثَالَ."

جس چیز میں کوئی نافعیت نہیں، جس چیز میں کوئی پیام نہیں ہے، جو چیز کوئی اہم

خدمت انجام نہیں دے رہی ہے، جس پر انسان کی بقاء اور نشو ونما اور انسان کی راحت اور ترقی کا کوئی انحصار نہیں ہے اس کو قرآن مجید نے زبد کے لفظ سے ادا کیا ہے۔ جو بہت ہی جامع اور نہایت وسیع اور عمیق لفظ ہے، اور معانی سے لبریز ہے۔ زبد پھین کو کہتے ہیں یعنی دریا کا وہ جھاگ جو اپنے اندر کوئی ہستی نہیں رکھتا۔ جس کے اندر ثبات واستقامت کی کوئی صلاحیت نہیں، وہ دریا کے جوش کی ایک نمود ہے، دریا کے جوش کا ایک خارجی ظہور ہے، اور اس کے اندر کوئی استقرار نہیں کوئی صلابت نہیں، بس ایک پھولی ہوئی سی چیز ہے جس کے اندر ہوا بھر گئی ہے، یا یہ کہیئے کہ نیچے کا جو میل کچیل تھا وہ اوپر آ گیا ہے۔ اس کے اندر انسانوں کو فائدہ پہنچانے کی کوئی صلاحیت نہیں ہے، وہ اوپر اوپر بہہ جائے گا یا کنارہ پر جا کر کہیں کسی چیز سے اٹک جائے گا اور باقی نہیں رہے گا، اس لئے کہ اس میں باقی رہنے کی صلاحیت نہیں ہے۔ اللہ تبارک وتعالیٰ کا جو قانون تربیت ہے، وہ قانون تربیت اس کی اجازت نہیں دیتا کہ زبد زیادہ دنوں تک باقی رہے، اس لئے کہ یہ عالم اتنی وسعت نہیں رکھتا کہ اس میں زبد کی سمائی ہو۔ اگر دریاؤں کا جھاگ اور پانی کا پین اس طرح باقی رہنے لگے تو جن کو باقی رہنا چاہئے ان کے لئے مشکل ہو جائے **واما ما ینفع الناس** لیکن جو چیز لوگوں کو نفع پہنچانے والی ہے **فیمکث فی الارض** وہ ٹھہر جاتی ہے۔

زمانہ جس زبان کو سمجھتا ہے وہ نفع اور زندگی کے استحقاق کی زبان ہے

تو اگر ہمارے مدارس یہ چاہتے ہیں کہ وہ باقی رہیں، اور وہ اس زندگی میں اپنی جگہ بنانا چاہتے ہیں، زندگی کا استحقاق ثابت کرنا چاہتے ہیں تو ان کو اپنے اندر نافعیت پیدا کرنی چاہئے کہ زندگی کی کوئی ضرورت ہے، جو ان کے بغیر پوری نہیں ہوتی۔ اس لئے کہ زمانہ

جس زبان کو سمجھتا ہے، اور ہر زمانہ میں سمجھتا رہا ہے، اس کے لئے ترجمہ کی ضرورت نہیں، وہ آپ عربی میں کہئے تو زمانہ سمجھے گا، انگریزی میں کہئے تو سمجھے گا، اور زبان بے زبانی میں کہئے تو سمجھے گا۔ گونگا اس کو کہے گا، اس کا اظہار کرے گا تو زمانہ سمجھے گا، اور اگر اپنے زمانہ کا کوئی سحبان اور اپنے زمانہ کا کوئی لسان اس کا اظہار کرے گا تو زمانہ سمجھے گا۔ زمانہ جس زبان کو سمجھتا ہے وہ نفع کی زبان ہے، وہ زندگی کے استحقاق کی زبان ہے، زندگی جیسا کہ اقبال نے کہا ہے، ایک استحقاق ہے، زندگی کوئی خیرات نہیں، زندگی تو خود حاصل کی جاتی ہے۔ آپ اس کا استحقاق پیدا کر لیجئے تو دنیا آپ کو تسلیم کرنے پر مجبور ہوگی، جرمنی کو دو ہولناک جنگوں کے بعد بھی اس لئے باقی رکھا گیا ہے کہ اس نے اپنی صلاحیت کا ثبوت دیا۔ اس کو ہمیشہ کے لئے کوئی ختم نہیں کر سکا۔ بہت سی قومیں دنیا میں ہیں جو بالکل ختم ہو گئیں، لیکن بہت سی قومیں ایسی ہیں جو بار بار شکست کھانے کے بعد بھی باقی ہیں۔ مسلمانوں نے تاتاریوں سے شکست کھائی اور ایسی کھائی کہ شاید دنیا کی کسی قوم نے ایسی شکست نہیں کھائی تھی لیکن چونکہ ان کے اندر ما ینفع الناس کا مادہ تھا۔ وہ ایک پیام رکھتے تھے، وہ ایک زندہ دعوت رکھتے تھے، اس لئے تاتاریوں کو ان کے سامنے جھکنا پڑا، وہ تاتاریوں کے سامنے جھکے ان کی تلوار کے سامنے جھکے لیکن تاتاریوں کی تلواروں کو، دلوں کو اور دماغوں کو ان کی نافعیت کے سامنے، اور ان کے پیام کے سامنے جھکنا پڑا۔

میرے عزیزو! آج ہمارے دینی مدارس کے لئے ایک ہی راستہ ہے اور وہ یہ کہ وہ زندگی کا استحقاق ثابت کریں، اپنا امتیاز ثابت کریں کہ اگر وہ نہ رہے تو زندگی بے معنی ہو جائے گی، یا زندگی ناقص ہو جائے گی اور کم سے کم ایک بہت بڑا خلا پیدا ہوگا، ایک بڑا شگاف اس زندگی کے اندر پیدا ہو جائے گا جس کو اور کوئی پُر نہیں کر سکتا۔ باقی رحم کی درخواست نہ کبھی دنیا میں سنی گئی ہے نہ کبھی سنی جا سکتی ہے، اور زمانہ تو جمہوریت کا ہے، جمہوریت بھی ایسی کہ اس نے اب کلّیت پسندی کو اور کمیونزم کو قبول کر لیا ہے، بالکل سو

سمجھ کر ایک منزل کے طور پر، منزل ہی نہیں بلکہ ایک فیصلہ کے طور پر اس نے کمیونزم کو قبول کرلیا ہے تو اس میں تو اب بالکل اس کی گنجائش نہیں رہی کہ ہم یہ کہیں کہ بھائی ہمیں فلاں حکومت نے باقی رکھا، ہم فلاں دور میں باقی رہے، آپ بھی ہمیں باقی رکھئے یا آپ یہ نہیں کہ ہم نے جنگ آزادی میں اتنا حصہ لیا تھا۔ ہمارا استحقاق ہے۔ اس کو اب دنیا ماننے کے لئے تیار نہیں ہے۔

آپ ایک اہم محاذ پر تعینات ہیں

آپ یہ ثابت کیجئے کہ آپ ایک ایسے مورچے پر کھڑے ہوئے ہیں، زندگی کے ایک ایسے محاذ پر کھڑے ہوئے ہیں کہ اگر آپ نے وہ محاذ چھوڑ دیا تو اس کو سنبھالنے والا کوئی نہیں۔ آپ ثابت کریں کہ آپ اخلاق کے محاذ پر کھڑے ہیں۔ خدمت خلق کے محاذ پر کھڑے ہیں، آپ علمی بلندی کے محاذ پر کھڑے ہیں، آپ علمی تحقیق کے محاذ پر کھڑے ہیں۔ آپ نے اگر اپنی جگہ چھوڑ دی یا آپ کو اپنے محاذ سے ہٹا دیا گیا تو زندگی میں ایسا خلا پیدا ہوگا جس کو نہ یونیورسٹیاں پر کرسکیں گی، نہ علمی مجلسیں پر کرسکیں گی، نہ کوئی [illegible] پر کرسکے گی، اور نہ کوئی اور کوشش پر کرسکتی ہے۔ یہ ہے خدا کا بنایا ہوا وہ ابدی قانون جو قرآن مجید کی اس آیت میں بیان کیا گیا ہے کہ

"فَاَمَّا الزَّبَدُ فَیَذْھَبُ جُفَاءً وَاَمَّا مَا یَنْفَعُ النَّاسَ فَیَمْکُثُ
فِی الْاَرْضِ کَذٰلِکَ یَضْرِبُ اللّٰہُ الْاَمْثَالَ۔"

پہلی بات تو یہ ہے کہ اب اس وقت ہمارے مدارس کہ محض مسلمانوں کے جذبۂ خیر، مسلمانوں کی دین پسندی، اسلام پسندی، محض مسلمانوں کے دین و شریعت کے احترام یا محض بعض علماء کی قربانی یا بعض علماء کی بزرگی کے بل پر قائم نہیں رہ سکتے، میں دل پر پتھر رکھ کر یہ الفاظ کہہ رہا ہوں اور خود مجھے اس سے تکلیف ہے، لیکن یہ حقیقت ہے جس کا

بہرحال کم سے کم اس درسگاہ کے عزیز طلبہ کے سامنے ہوجانا چاہئے، جس کے بانی نے زمانہ کی نبض کو پہچانا، جس کے بانی نے سب سے پہلے اپنے دور میں یہ اعلان کیا کہ زمانہ بدل رہا ہے۔ زمانے کے جائز تغیرات کو واقعی تغیرات تسلیم کرنا چاہئے، اور اپنی افادیت ثابت کرنی چاہئے۔

حضرت مولانا محمد علی مونگیریؒ کی فراست وبصیرت

حضرت مولانا محمد علی صاحب مونگیری رحمۃ اللہ علیہ جن کو آپ حضرات ایک شیخ طریقت کی حیثیت سے جانتے ہیں۔ بیشک وہ ایک بلند پایہ شیخ طریقت تھے، بہت عالی صاحب نسبت بزرگوں میں تھے اور اس کی شہادت ان کے تمام معاصرین نے دی ہے۔ حضرت مولانا فضل الرحمٰن صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے الفاظ ان کے متعلق بہت بلند ہیں کہ اس کی بلندی تک ہماری رسائی ممکن نہیں لیکن اس میں اضافہ کرتے ہوئے میں عرض کروں گا کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو وہ بصیرت عطا فرمائی تھی، وہ ادراکِ صحیح اور نور باطن عطا فرمایا تھا جو بہت کم لوگوں کو ملا کرتا ہے، انہیں لوگوں کو ملتا ہے جن سے اللہ تعالیٰ کوئی بڑا کام لیتا ہے۔ اقبال نے جو کہا ہے ان کو بالکل اس کا مصداق سمجھتا ہوں: ؎

دو صدانا دریں محفل سخن گفت
سخن نازک تر از برگ سمن گفت
ولے بامن بگو آن دیدہ و رکیست
کہ خارے دید وا حوالے چمن گفت

ندوۃ العلماء کی تحریک دینی بصیرت کا نقطۂ عروج ہے

یہ ندوۃ العلماء کی تحریک معمولی تحریک نہیں ہے۔ یہ اس زمانہ کی دینی بصیرت کا نقطہ

عروج ہے۔ میں آپ کو حضرت مولانا محمد علی کی درسگاہ کا طالب علم سمجھ کر خطاب کر رہا ہوں۔ میں جامعہ رحمانیہ اور ندوۃ العلماء کو کم جانتا ہوں۔ میں تو حضرت مولانا محمد علی کی درسگاہ کی حیثیت سے آپ کو بھی اور ندوۃ کے طلبہ کو بھی خطاب کرتا ہوں۔ دو تین دن پہلے ہی میں نے وہاں کے طلبہ کو خطاب کیا، یہ ایک حسنِ اتفاق ہے کہ آج میں آپ کو خطاب کرنے کی عزت حاصل کر رہا ہوں۔

کرنے کے دو کام

میرے عزیزو! اب میں تم سے یہ عرض کروں گا اور میں نے اس میں حضرت امیر شریعت کے مشوروں سے بھی فائدہ اٹھایا ہے، اور انھوں نے مجھے توجہ دلائی ورنہ ممکن ہے کہ میری اس گزارش کا رخ کچھ اور ہوتا۔ اب میں آپ سے آپ کی زبان اور آپ کے مطلب کی بات کہنا چاہتا ہوں۔ آپ دو طرح سے اپنی افادیت ثابت کر سکتے ہیں، اور اپنے وجود کو تسلیم کرا سکتے ہیں، اور زندگی کا استحقاق پیدا کر سکتے ہیں، ایک داخلی محاذ سے ایک خارجی محاذ سے، داخلی محاذ تو یہ ہے کہ آپ علم میں کمال پیدا کریں یہ بات میں آپ کو ایک ایسے جہاں گرد آدمی کی حیثیت سے بتاتا ہوں جس کے متعلق سپاسنامے میں بھی اشارے ہیں اور حضرت امیر شریعت نے بھی فرمایا، اس میں کوئی تعریف کی بات نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ کی حکمت تھی کہ مجھے باہر جانے کا اتفاق بار بار ہوا اور صرف باہر جانے کا اتفاق نہیں ہوا بلکہ مجھے وہاں کی ان مجلسوں میں شرکت کا اتفاق ہوا جو تعلیمی مسائل پر غور کرنے کے لئے منعقد ہوا کرتی ہیں، اور بعض اداروں سے میرا مستقل تعلق ہے۔ یہ میں نے اس لئے کہا کہ آپ اس گزارش کی قدر و قیمت سمجھیں۔ یہ کوئی عابر سبیل رستہ گزرنے والے آدمی کی بات نہیں، یہ اس شخص کی بات ہے جو ان مجلسوں میں بیٹھا ہے، اور ؎

''مرے دیکھے ہوئے ہیں مشرق و مغرب کے میخانے''

میں نے مشرق ومغرب کے میخانے دیکھے ہیں، اس لئے آپ سے یہ عرض کرتا ہوں کہ علم میں کمال پیدا کرنا خواہ وہ کوئی علم ہو آپ کے لئے مفید ہے۔ اگر آپ یہ سمجھتے ہیں کہ ہم عربی میں اور علوم دینیہ میں کمال پیدا کریں گے تو جنگل میں مورنا چا کس نے دیکھا؟ بھلا اس کمال کا قدر دان کون ہے یہ آپ کی بے خبری کی بات ہے، میں آپ کو بتاتا ہوں کہ یہاں سے لے کر امریکہ تک، یورپ تک میک گل تک، اور آکسفورڈ اور کیمبرج تک ہر جگہ اس علم کی قدر ہے بشرطیکہ آپ نے اس میں کوئی کمال حاصل کیا ہو۔ لیکن کمال کس کو کہتے ہیں، کمال شُد بُد کو نہیں کہتے، کمال کان یکون کو نہیں کہتے۔ کمال اس کو نہیں کہتے کہ آپ عربی کی عبارت پڑھ لیں اور سمجھ لیں، اس کا نام کسی نے بھی کمال نہیں رکھا۔ کمال وہ ہے جسے کہتے ہیں کہ'' جادو وہ جو سر چڑھ کر بولے۔'' کمال وہ ہے جو اپنا اعتراف کرالے، میں آپ کو یقین دلاتا ہوں زمانے کے انقلابات وتغیرات کی یہ سب داستانیں بالکل بے بنیاد ہیں، یہ لوگ آپ کو بالکل دھوکہ دیتے ہیں جو یہ کہتے ہیں کہ زمانہ بدل گیا ہے۔ آپ کہاں ہیں، کس چکر میں ہیں، آپ کہاں اپنا وقت کھو رہے ہیں۔ ارے بھائی کالج، یونیورسٹی میں پڑھا ہوتا، سائنس پڑھی ہوتی، انگریزی لٹریچر پڑھا ہوتا، آپ نے (ECONIMICES) اکنامکس کا مطالعہ کیا ہوتا، آپ نے فزکس کا مطالعہ کیا ہوتا، آپ نے (TECNOLOGY) ٹیکنالوجی کی تعلیم حاصل کی ہوتی، یہ سب ابلہ فریبی اور خیام خیالی ہے اس کے سوا کچھ نہیں۔ کمال آپ کسی چیز میں پیدا کریں اور امتیاز حاصل کر لیں، پھر آپ کو کبھی یہ شکایت نہیں ہوگی کہ زمانہ ہم کو نہیں پوچھتا، ہماری کوئی جگہ نہیں ہے۔ آج جو کچھ بھی آپ ہماری دینی تعلیم کا انحطاط دیکھ رہے ہیں وہ بے کمالی کی وجہ سے ہے۔

طِب یونانی کو اس لئے زوال ہوا کہ باکمال لوگ ختم ہو گئے

میں آپ سے ایک بات پوچھتا ہوں، شاید میں اور کوئی مثال دیتا تو اس کے سمجھنے

ٹن دقت ہوتی، یہ دیکھئے کہ ایک زمانہ میں سارے ہندوستان میں طب یونانی کا زور تھا۔ ہر ہر جگہ مطب کھلے ہوئے تھے اور ہندو اور مسلمان، اور نیک و بد اور جاہل و عالم سب حکماء کے پاس جاتے تھے اور ان کے مطب کا یہ حال تھا کہ بس ایک بھیڑ لگی رہتی تھی، اور معلوم ہوتا تھا کہ ایک تیر ان کے ہاتھ میں ہے۔ کیا آپ کہتے ہیں کہ طب یونانی کو زوال اس لئے ہے کہ ڈاکٹری آگئی ہے، ہومیو پیتھک آگئی ہے اور جدید میڈیسن آگئی ہے اس لئے طب یونانی کو زوال ہوا۔ میں بالکل نہیں مانتا، طب یونانی کو اس لئے زوال ہوا کہ اب اس طرح کے طبیب نہیں پیدا ہوتے، اب اس طرح کے ذہین طباع، ذی استعداد اور مجتہدانہ ذہن کے طبیب نہیں ہیں۔ اگر آج وہ پیدا ہوجائیں تو میں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ ان کے پاس ڈاکٹر جائیں۔ اس میں ذرا مبالغہ نہیں، آپ کے شہر کا سول سرجن جھک مار کر کے ان کے پاس جائے۔ جب اس کی تکلیف رفع نہیں ہوگی تو کیا کرے گا۔ آپ ایک ایسا طبیب پیدا کردیجئے میں جالینوس اور بقراط کا نام نہیں لیتا۔ میں افسر الاطباء حکیم عبد العلی جھوائی ٹولہ اور مسیح الملک حکیم اجمل خان کا ذکر کرتا ہوں، حکیم محمود خان کا ذکر کرتا ہوں، اگر ان کے پائے کا نہیں ان کے آدھے کمال کا بھی کوئی پیدا ہوجائے تو طب یونانی کے زوال وغیرہ کی ساری داستان ختم ہوجائے اور معلوم ہوجائے کہ طب یونانی زندہ ہے، بات یہ ہے کہ پہلے درس نظامی پڑھ کر لوگ طب کی طرف متوجہ ہوتے تھے۔ جتنے بڑے بڑے علماء ہیں تقریباً طب پڑھتے تھے۔ حضرت مولانا رشید احمد صاحب گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کے متعلق مجھے معلوم نہیں، لیکن اکثر علماء اس زمانہ میں طب پڑھتے تھے، ان میں سے بعض پیشہ کے طور پر اس کو اختیار کرلیتے تھے اور بعض اس سے اشتغال نہیں رکھتے تھے، وہ منطق و فلسفہ پڑھتے ہوئے اور اشارات طوسی وغیرہ پڑھے ہوئے۔ حل کئے ہوئے جب طب کی طرف جاتے تھے، ذہین خاندانوں کے افراد ہوتے تھے، محنت کرتے تھے تو ان کو ایک ایسا ملکہ حاصل ہوجاتا تھا کہ نبض پر ہاتھ رکھا اور اندر تک پہنچ گئے۔ ایک ایک رگ،

ریشہ کو پہچان لیا۔

مدارس کا بھی یہی حال ہے

یہی ہمارے آپ کے درس کا حال ہے، آپ کسی علم میں کسی فن میں اختصاص پیدا کر لیں، امتیاز پیدا کر لیں، دنیا آپ کا لوہا مانے گی، اور معاشی مسئلہ بھی حل ہو جائے گا اور مدارس کا جو مسئلہ اس وقت ہمارے یہاں درپیش ہے یہ سب ختم ہو جائے گا۔ یہ سب دراصل ہماری پست ہمتی، سست کوشی اور ہماری کام چوری کی عادت کا نتیجہ ہے کہ آج کوئی استعداد پیدا نہیں ہو رہی ہے۔ اس کا سب سے زیادہ تجربہ تو ہمارے مولانا منت اللہ صاحب کو ہوگا کہ وہ دیوبند دیکھتے رہتے ہیں، ندوۃ میں دیکھتے رہتے ہیں، دونوں جگہ کے وہ اہم بنیادی رکن ہیں، کہ کس طرح کے فضلاء نکل رہے ہیں۔ دورہ کا امتحان لینے کے لئے لوگ گئے اور معلوم ہوا کہ عبارت صحیح نہیں پڑھ سکتے۔ پہلی حدیث اِنّما الاَعمالُ بالنِّیّاتِ، واِنّما لکُلِّ امرِیٍٔ ما نوی ہی کو غلط پڑھا اور ترجمہ بھی غلط کیا۔ اسی طرح کے فضلاء مسلسل ادھر کئی سال سے نکل رہے ہیں، میرے خیال میں کوئی بیس سال سے یہ انحطاط نمایاں طریقے پر شروع ہو گیا ہے، اور پھر یہ شکایت کرتے ہیں کہ ہمارا زمانہ نہیں رہا۔ ہمارے والدین نے ہماری عمر برباد کی۔ آج بھی ایسے لوگ ہیں کہ جنہوں نے کسی فن میں امتیاز پیدا کر لیا، اور جہاں ہیں وہاں مرجع خلائق ہیں، اور ان کا اٹھنا بیٹھنا مشکل ہے۔ اگر کسی نے کسی ایک صنف میں بھی کوئی امتیاز پیدا کر لیا تو بس پھر اس کے لئے فقر و فاقہ اور پریشانی بھی ختم اور اگر ہوگی بھی تو وہ کسی اپنی کمزوری کی وجہ سے ہو تو ہو۔ میں ابھی مولانا کی مجلس میں کہہ رہا تھا کہ میں نے دارالعلوم مظاہر العلوم میں اس مہینہ کے شروع میں غالباً وسط فروری میں تقریر کی تھی اس میں میں نے کہا تھا کہ اگر تم کسی صاحب کمال کے بارے میں سنو یا تاریخ میں پڑھو کہ وہ ضائع ہوا یا اس کی قدر نہیں ہوئی تو یقین مانو کہ

اس کے اندر کوئی کمزوری ہے، کوئی سنک تھی، مراق تھا، سخت غرور تھا، گالیاں دیتا تھا، مارنے کے لئے دوڑتا تھا، اور سونے پر آیا تو سوتا چلا جارہا ہے۔ جاگنے پر آیا تو جاگتا چلا جا رہا ہے، ایسی کوئی اس کے اندر مراق کی بات تھی اس وجہ سے لوگ اس سے فائدہ نہیں اٹھا سکے۔ ورنہ میں نہیں مانتا کہ کوئی صاحب کمال جس کے اندر توازن اور اعتدال ہو وہ ضائع ہوا ہو۔

اصل مسئلہ محنت کا ہے

میں آپ سے ایک بات اور بھی کہہ دوں حالانکہ وہ میری زبان سے آپ اس کو سننے کے بالکل متوقع نہیں ہوں گے، اور وہ یہ کہ آپ کو معلوم ہے کہ ہماری درسگاہ ندوۃ العلماء کی بنیاد ہی اصلاح نصاب پر ہے، حضرت مولانا محمد علی صاحب مونگیری رحمۃ اللہ علیہ جیسا کہ قدیم نظام تعلیم کا ساختہ و پرداختہ اور اس کا بہترین نمونہ، وہ اس کا داعی، اور ہم بھی اس کے داعی، اور مولانا منت اللہ صاحب بھی اس کے موید۔ لیکن میں آپ سے کہتا ہوں کہ زیادہ مسئلہ نصاب کا بھی نہیں زیادہ مسئلہ محنت کا ہے اور اساتذہ کے پڑھانے کا ہے۔ قدیم نصاب سے وہ لوگ تیار ہوئے جو آج جدید نصاب سے تیار نہیں ہوتے ہیں۔ کیا بات ہے، حالانکہ یقینی بات ہے کہ قدیم نصاب سے جدید نصاب کی بعض چیزیں یقیناً بہتر ہیں مثال کے طور پر جس زمانہ میں نفحۃ الیمن اور مقامات حریری پڑھائی جاتی تھی اور نثر کی کوئی ڈھنگ کی کتاب نہ تھی جس سے زبان و ادب کا صحیح ذوق اور اظہار خیال کی صلاحیت پیدا ہو، اس وقت تو ایسے لوگ پیدا ہو گئے جنھوں نے بڑے بڑے کارنامے انجام دیئے۔ علامہ زبیدی پیدا ہوئے، مولانا غلام علی بلگرامی پیدا ہوئے، شیخ محسن بن یحییٰ ترہتی پیدا ہوئے اور نواب صدیق حسن خان پیدا ہوئے، اور مولانا صدرالدین آزردہ پیدا ہوئے اور اب جب کہ نثر کی اچھی اچھی کتابیں پڑھائی جارہی ہیں اور اس میں عربی زبان

کے بہترین نمونے جمع کر دیئے گئے ہیں، آج ایسے لوگ نہیں پیدا ہو رہے۔ اگر نصاب اس کا ضامن ہوتا تو اب پیدا ہونا چاہئے اور ہم ہی لوگوں کو دیکھ لیجئے مولانا مسعود عالم صاحب ندوی ہمارے رفیق تھے اور ہمارے بڑے دوستوں میں تھے انہوں نے عربی لکھنے میں بڑا کمال پیدا کیا اور انھوں نے پڑھا کیا تھا، یہی حریری وغیرہ پڑھی تھی۔ میرے زمانہ میں بھی مختارات وغیرہ لکھی گئی تھی۔ اپنی طالب علمی کے زمانے میں میں نے بھی حریری پڑھی اور دوسری کتابیں پڑھیں تو اس میں بہت کچھ انحصار اساتذہ کی محنت اور ذوق آفرینی اور طلبہ کی محنت اور جدوجہد پر ہے۔ نصاب معاون ہے، میں اب بھی نصاب کے تغیر کا داعی ہوں، لیکن تنہا اس پر انحصار نہیں۔

اصل بات

حضرات گرامی! اصل میں شکایت تو یہ ہے کہ آپ حضرات نے محنت کرنی چھوڑ دی ہے۔ آپ حضرات کے اندر ولولہ نہیں، مسابقت کا جذبہ نہیں، آپ حضرات کسی میں کامل ہونے اور درس کی قوت پیدا کرنے کو فخر کی چیز ہی نہیں سمجھتے، اور ہمارے اسلاف ایسے تھے کہ ان کو بادشاہی ملتی ہو تو مدرسی کی خاطر اس کو وہ قبول کرنے کو تیار نہ تھے۔ مدرس بننے میں وہ اتنا بڑا اعزاز سمجھتے تھے کہ وزارت کو ٹھکرا دیں، اور بعض بعض ایسے حضرات تھے کہ ہیں وزیر درس دے رہے ہیں، لکھنؤ میں وزیر آصف الدولہ کے زمانہ میں سعادت علی خان کے زمانہ میں ہر روز ان کے یہاں رات کو درس ہوا کرتا تھا اور دن کو وزارت کا کام ہوا کرتا تھا۔ ایسی بہت سی آپ کو مثالیں ملیں گی۔ تفضل حسین علاّمہ ریاضی کے بہت بڑے عالم گزرے ہیں، یہ وزیر اودھ تھے۔ لیکن درس اس طرح دیتے تھے کہ گویا صرف مدرس ہیں۔ ایسی بہت سی مثالیں ہیں لیکن اب ہمارے آپ کے اندر مدرس بننا وجہ افتخار نہیں رہا بلکہ ہم اس سے شرماتے ہیں کہ ہم مدرس بن جائیں، تو ایک بات آپ سے یہ کہنا ہے کہ

داخلی طور پر آپ استعداد درست کیجئے محنت کیجئے اور پتہ پانی کیجئے اور دل ماریئے اور کسی فن میں کمال پیدا کیجئے۔

میرے عزیزو! آج ہمارے مدارس میں اس وقت جو بہت بڑا مسئلہ ہے جس کو میرا آپ سے کہنا چاہئے وہ ہے مدرس کا مسئلہ۔ آج مدرس نہیں مل رہے ہیں، ہماری حالت یہ ہے کہ ہم اتنی بڑی درسگاہ لئے بیٹھے ہیں لیکن ہم چاہتے ہیں کہ ہمیں دو تین مدرس بعض فنون کے مل جائیں وہ نہیں مل رہے ہیں اور دیوبند کو اس وقت شیخ الحدیث نہیں مل رہا ہے اب یہ بات آپ کے لئے راز نہیں رہی کہ دیوبند میں شیخ الحدیث کا مسئلہ مناسب طریقہ پر حل نہیں ہو سکا۔ آج مولانا منت اللہ صاحب اس کے رکن رکین ہیں، اور وہ خاص کمیٹی جس نے یہ فیصلہ کیا اس میں وہ شریک ہیں، لیکن وہ بھی مطمئن نہیں ہیں، میں بھی مطمئن نہیں ہوں، کوئی مطمئن نہیں، یعنی جو دار العلوم کی روایت تھی، جو دار العلوم کا معیار تھا اس کے مطابق ابھی مسئلہ حل طلب ہے۔ کوئی مدرس نہیں مل رہے ہیں، اس لئے میں کہتا ہوں، یہ کام آپ کریں، آپ بالکل نہ دیکھیں کہ آپ گوشے میں پڑے ہوئے ہیں، آپ دیوبند میں نہیں پڑھ رہے ہیں، آپ ندوۃ میں نہیں پڑھ رہے ہیں۔ ان باتوں میں کچھ نہیں رکھا ہے، آپ یہاں کمال پیدا کیجئے، دیوبند آپ کا محتاج ہوگا، ندوۃ آپ کا طالب ہوگا، میں آپ کو لکھے دیتا ہوں کہ آپ جس وقت کسی فن میں کمال پیدا کر لیں، دیوبند میں آپ کی جگہ محفوظ، ندوہ میں آپ کی جگہ محفوظ۔

دینی صلاحیت پیدا کیجئے

ایک بات تو آپ سے یہ کہنا ہے، اور دوسری بات یہ، اور اس کے ساتھ ساتھ اپنے اندر دینی صلاحیت پیدا کیجئے۔ آپ کے اندر علمائے ربانی کے کچھ اوصاف ہوں، آپ کے اندر اس کی [illegible] جھلک ہو جو ان بزرگوں میں تھی۔ حضرت مولانا محمد علی صاحب، ان

کے معاصرین اور ان کے ساتھیوں میں تھی، کچھ استغناء ہو، کچھ اللہ تبارک وتعالیٰ سے تعلق ہو کچھ آپ کو عبادت میں ذوق آئے، عوام کی سطح سے آپ کی سطح بلند ہو، اب یہ دو چیزیں ہوئیں، فن میں کمال اور تعلق مع اللہ، یہی جو علمائے ربانی کا شعار تھا کہ ان کے دیکھنے سے خدا یاد آتا تھا، ان کے پاس بیٹھنے سے آخرت کی یاد تازہ ہوتی تھی اور دل میں گداز اور ایک قسم کی حرارت پیدا ہوتی تھی۔ خدا کی محبت جوش مارتی تھی، کسی درجہ میں وہ بات پیدا ہو، یہ تو آپ کو داخلی طور پر کرنا ہے۔

خارج کے دو کام

خارجی طور پر میں دو باتیں آپ سے کہوں گا کہ یہ آپ کے کرنے کے کام ہیں۔ میں اس لئے نہیں کہہ رہا ہوں کہ میں اس وقت ایک ایسی مجلس میں گفتگو کر رہا ہوں جس میں امیر شریعت تشریف رکھتے ہیں، اور جہاں اس نظام سے وابستہ بہت سے لوگ ہیں۔ میں بالکل دیانتداری سے عرض کر رہا ہوں، کہ منتظمین اور خدام نے جیسے سب نے استقبال کیا ہے، مجھ پر اعتماد کیا ہے تو مجھے کہنا چاہئے کہ ایک [illegible] کہ آپ سے صوبہ بہار و اڑیسہ میں امارت کے نظام کو پھیلانے اور پورے صوبہ میں اس کا جال پھیلا دیجئے۔ کوئی گاؤں اور کوئی قصبہ اس سے خالی نہ ہو۔ یہ آپ کے اس صوبہ کے لئے اتنی بڑی نعمت ہے کہ مجھے اگر رشک آتا ہے اہل بہار پر تو اسی پر آتا ہے۔ یہاں اور بہت سی رشک کے قابل چیزیں ہوں گی۔ میں ان کا انکار نہیں کرتا لیکن مجھے سب سے زیادہ یہ رشک آتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو اس نعمت سے نوازا ہے کہ یہاں ایک نظام شرعی قائم ہے اور لوگ اس کی قدر نہیں سمجھ رہے ہیں، اور بہت سے لوگ اس نظام کو کمزور کرنے کی کوشش کرتے رہتے ہیں۔ میں آج ریل پر کہہ رہا تھا کہ میری سمجھ میں نہیں آتا کہ ہمارے بڑے سے بڑے آدمی سے قیامت میں سوال ہوگا کہ تم نے بغیر شرعی نظام کے زندگی

گزاری، تمہارا کوئی نظام نہیں تھا، کتنی سخت حدیثیں آئی ہیں کہ بعض مرتبہ آدمی کانپ جاتا ہے، تو میں آپ سے صفائی کے ساتھ یہ کہتا ہوں، مولانا ہوتے یا نہ ہوتے میں یہی کہتا کہ آپ کا پہلا فرض یہ ہے یہاں سے نکلنے کے بعد آپ اس امارت شرعیہ کے کام کو وسیع اور مستحکم کریں اور سارے صوبے میں اس کی شاخیں بنائیں۔ اڑیسہ کے حالات سے میں زیادہ واقف نہیں ہوں، لیکن کم سے کم بہار اور اڑیسہ کے بھی اگر طلبہ یہاں ہوں تو میں ان سے بھی کہتا ہوں کہ دونوں صوبوں کو اس نظام کے دامن میں لانے کی کوشش کریں اور اس نظام سے ایسا مربوط کردیں کہ پورے صوبہ میں زندگی بالکل شرعی طریقے پر گزرنے لگے اور بلکہ بہت اچھا ہوتا کہ جو صدقات اور زکوٰۃ وغیرہ کا نظام ہے، شریعت کی تفصیلات وغیرہ کے ساتھ کہ مثلاً اموال ظاہرہ کی زکوۃ جمع کی جائے۔ اموال باطنہ کے متعلق نہیں کہتا اور اگر اس کا موقع ہو تو آخر حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے پہلے وہ نظام بھی نافذ تھا۔ بہر حال یہ آپ کا پہلا کام ہے، میں اس کام پر کسی کام کو ترجیح نہیں دیتا، آپ نے اگر یہ کام کر لیا تو آپ نے نہ صرف اس مدرسہ اور جامعہ رحمانیہ کا حق نمک ادا کیا اور اس کے ساتھ آپ نے وفاداری کی اور اس کے سپوت ثابت ہوئے بلکہ آپ نے اس وقت دینی مدارس کے فرزندوں میں ایک امتیازی مقام پیدا کیا۔

دوسری چیز دینی مکاتب کا قیام ہے، معاف کیجئے گا میں اس وقت عربی مدارس کی افادیت کا اتنا قائل نہیں ہوں کہ قصبے قصبے میں ہوں، اور ہر جگہ دورہ ہو، اور ہر جگہ بخاری شریف ضرور ختم ہو، لیکن ان مکاتب کی ضرورت زیادہ ہے، یعنی مسلمانوں کو دین کے مبادیات سے واقف کرانا، اردو کا تحفظ اور دینیات سے واقفیت اور حلال وحرام اور اس سے بڑھ کر کفر و ایمان اور توحید و شرک، ان کا امتیاز ان کو ہو جائے۔ ہمارے ملک میں آج تیزی کے ساتھ کمیونزم لایا جا رہا ہے اور کوئی موقع کوئی فرصت کوئی لمحہ اس کے لئے ضائع نہیں کیا جا رہا ہے، ہم آپ یہاں بیٹھے ہوئے ہیں اور تیزی کے ساتھ ہندوستان بدل ر

ہے۔ ہر چیز کو نیشنلائز کیا جا رہا ہے۔ یونیورسٹیوں کی باری آ گئی مسلم یونیورسٹی کی باری آ گئی، کل مدارس کی باری آ سکتی ہے، تو اس کے لئے مکاتب کا جال بچھا دیجئے، اور مساجد کو مسلمانوں کی زندگی کا مرکز بنائیے۔ سب سے آخر میں انقلاب کے قدم جہاں پر پہنچیں گے وہ مسجدیں ہیں، اس لئے آپ ایسی جگہ اپنے مرکز بنائیے، جہاں دیر میں انقلاب پہنچے یا وہاں تک انقلاب پہنچتے پہنچتے قیامت آ جائے ممکن ہے موقع ہی نہ ملے تو آپ مساجد کو مرکز بنائیے اور کثرت سے مکاتب قائم کیجئے اور بالکل اس کی پرواہ نہ کیجئے کہ آپ نے مدرسہ میں یہ پڑھا تھا، اور وہ علوم عالیہ اور معارف اور حقائق پڑھے تھے اور اب یہاں بچوں کو پڑھا رہے ہیں، دیہاتیوں سے باتیں کر رہے ہیں۔ آپ نے علم ضائع کیا کبھی اس کا خیال نہ کیجئے۔ مقصود اللہ تعالیٰ کی رضا ہے اور اسلام کا تحفظ، یہ دو محاذ ہیں، یہاں رہتے ہوئے استعداد پیدا کرنا اپنے علم میں کمال پیدا کرنا، اچھے مدرس بنانا اور باہر امارت شرعیہ کا نظام اور مکاتب کا قیام۔ اگر آپ نے یہ دو چیزیں کر لیں تو آپ **واما ما ینفع الناس فیمکث فی الارض** کے مصداق ہوں گے اور کوئی بے رحم بے درد ہاتھ کوئی ظالم ہاتھ اور کوئی انقلاب و تغیر آپ کے نقش کو نہیں مٹا سکتا اور آپ کو اپنی جگہ سے نہیں ہٹا سکتا اور سچی بات ہے کہ آپ کے لئے انقلاب نہیں ہے۔ آپ کے لئے کوئی تغیر نہیں ہے اس لئے کہ آپ نے اپنی نافعیت ثابت کر دی اور اللہ تبارک وتعالیٰ کے یہاں اس کے لئے خاص طور پر ضمانت ہے جو دین کے ذریعہ دین کے راستہ میں اپنی نافعیت ثابت کر دے، جب ہی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ فرمایا تھا۔ **ان تھلک ھذہ العصابة لن تعبد**، اے اللہ تیری عبادت کا انحصار ان پر ہے۔ تیری توحید کی منادی کا انحصار ان پر ہے۔ آپ بھی ثابت کر دیجئے کہ **اللھم ان تھلک ھذہ العصابة لن تعبد فی ھذہ الارض** کم سے کم یہیں ہندوستان کے متعلق کہہ دیجئے پھر کوئی آپ کا بال بیکا نہیں کر سکتا۔

میری درخواست

بس بھائیو! اگر آپ نے میری یہ باتیں یاد رکھیں، ہوسکتا ہے اس میں آپ کوئی جوش خروش نہ پائیں کوئی خطابت نہ پائیں، کوئی علمی تحقیق نہ پائیں لیکن یہ آپ کے کام کی باتیں ہیں، تو انشاء اللہ آج سے دس برس کے بعد معلوم ہوگا کہ آپ نے ایک بہت بڑا حصار قائم کرلیا، نہ صرف اپنے لئے بلکہ تمام مدارس کے لئے اور دینی دعوت اور اس کے کام کے لئے، اگر یہ نہیں ہے تو مجھے ان دینی مدارس کے بند ہونے کا بہت خطرہ ہے، اس کا اندیشہ ہے کہ ان کی جاندادوں کو اور ان کے وسائل کو اپنے انتظام میں لینے کا بہت جلدی مطالبہ شروع ہوجائے اور ہم اس کا مقابلہ نہ کرسکیں، لیکن اگر آپ نے اللہ تعالیٰ کے یہاں مدد کا استحقاق پیدا کرلیا اور یہاں آپ نے زندہ رہنے کا استحقاق ثابت کردیا تو انشاء اللہ پھر انقلاب کی کوئی دست برد آپ کو مٹانے میں کامیاب نہیں ہوسکتی۔

رحم کی اپیل پر کوئی قوم زندہ نہیں رہ سکتی

اور اگر یہ نہیں تو محض تاریخ کے سہارے محض روایات کے سہارے اور محض رحم کے استغاثے کے بل پر اس کی بنیاد پر نہ کوئی جماعت رہ سکتی ہے نہ کوئی ادارہ رہ سکتا ہے نہ کوئی تنظیم رہ سکتی ہے۔ اگر آپ کسی پیام کے منتظر ہوں تو میرا پیام آپ کے سامنے یہی ہے۔ اگر آپ کسی درخواست کو سن سکیں تو میری یہ آپ سے درخواست ہے۔ اگر آپ کسی مشورے کے طالب ہوں تو میرا آپ کو یہی مشورہ ہے، اس کے علاوہ کچھ کہنے کی ضرورت نہیں۔

میں دعا کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ آپ کی صلاحیتوں کو پروان چڑھائے۔ آپ بڑے خوش قسمت ہیں کہ ایک بڑی شخصیت کے ساتھ وابستہ ہیں، ایک مرکز کے ساتھ وابستہ

ہیں، اور وہ مرکز ایسا ہے کہ علم سے بھی اس کا تعلق ہے اور امارت سے بھی اس کا تعلق ہے، مدارس سے بھی اس کا تعلق ہے میں دعا کرتا ہوں کہ آپ ان کے دامن تربیت میں پورے طور پر پرورش پائیں، ترقی کریں، اپنی صلاحیتوں کو پروان چڑھائیں، اور اپنے علم سے ملت کو ملک کو اور مسلمانوں کو فائدہ پہنچائیں۔

وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العلمین۔

زبان وادب کی اہمیت اور اس کی ضرورت

انجمن الاصلاح خورد، رواق سلیمانی کا افتتاحی جلسہ حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی رحمہ اللہ کی صدارت میں ۲۱ر ذیقعدہ ۱۴۱۳ھ کو بعد نماز مغرب سلیمانیہ ہال میں منعقد ہوا مولانا رحمہ اللہ نے طلباء سے یہ خطاب فرمایا جس میں طلبۂ مدارس کو اپنے اندر قوت بیانیہ پیدا کرنے پر ابھارا گیا ہے۔

الحمد لله رب العالمين والصلاة والسلام على سيد المرسلين وخاتم النبيين محمد واله وصحبه اجمعين ومن تبعهم باحسانٍ ودعا بدعوتهم الىٰ يوم الدين، اما بعد!

عزیز بھائیو اور فرزندان دار العلوم!

مجھے بہت خوشی ہے کہ الاصلاح کی اس دوسرے بازو اور اس دوسرے خاندان میں آنے اور اپنے عزیزوں کو دیکھنے اور ملنے کا موقع ملا ہے، الاصلاح درحقیقت اس قوت بیانیہ کو پیدا کرنے کی جگہ ہے جو زبان وقلم کے ذریعہ سے وقت اور دین کے تقاضوں کو پورا کر سکے اور دین پر جو حملے ہو رہے ہیں ان کا جواب دے سکے اور پڑھے لکھے لوگوں کے ذہنوں میں اسلام پر وہ اعتماد بحال کر سکے، جو متزلزل ہوتا جا رہا ہے، اور جس کے بہت سے اسباب ہیں اور ان اسباب پر کتابوں میں اپنے اپنے رتبہ اور اپنی اپنی وسعت کے مطابق بحث کی جا چکی ہے، کل النادی العربی کے جلسے میں میں نے کہا تھا کہ اللہ کی ذات بے نیاز ہے، غنی ہے، اس کو نہ وسائل کی ضرورت ہے نہ طاقتوں کی، خواہ جسمانی

ہوں، نیبی ہوں، یا مصنوعی ہوں، کسی چیز کی ضرورت نہیں، اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں کئی جگہ قوت بیانیہ کا ایک نعمت کے طور پر تذکرہ کیا ہے اور اس کی تاثیر بیان کی ہے مثلاً اس نے کہا کہ

”نَزَلَ بِهِ الرُّوْحُ الْاَمِيْنُ عَلٰى قَلْبِكَ لِتَكُوْنَ مِنَ الْمُنْذَرِيْنَ.“

یہاں تک ہی کافی تھا، اللہ تبارک وتعالیٰ کی ذات اور اس کی صفات کے لحاظ سے کہ لتکون من المنذرین ”تا کہ آپ ڈرانے والے بنیں“ لیکن اس کے بعد فرماتا ہے بلسان عربی مبین۔ آپ ڈرانے والے بنیں ایسی عربی زبان میں جو واضح کرنے والی ہو دل نشین ہو اور جو دل ودماغ کو متاثر کرے اور جو یقین پیدا کرے اور پھر فرمایا

”اِنَّا اَنْزَلْنَاهُ قُرْاٰنًا عَرَبِيًّا لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْن.“

(سورۃ یوسف)

یہاں عربی کہنے کی ضرورت کیا تھی اِنَّا اَنْزَلْنَاهُ قُرْاٰنًا کافی تھا لیکن چونکہ اہل عرب مخاطب ہو رہے ہیں اور عرب ہی داعی اول ہیں دین کے۔ اس لئے اللہ تبارک وتعالیٰ نے اس کے لئے نہ صرف عربی زبان کا انتخاب کیا بلکہ عربی مبین کہا اور پھر اللہ تعالیٰ نے اپنی نعمت کا جہاں ذکر کیا ہے خلقت انسانی کے موقع پر تو وہاں پر بھی اس کو فراموش نہیں کیا یہ تو کہنا بے ادبی ہے۔ بلکہ اس کو ترک نہیں فرمایا۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے :

”اَلرَّحْمٰنُ عَلَّمَ الْقُرْاٰنَ خَلَقَ الْاِنْسَانَ عَلَّمَهُ الْبَيَانَ“

(سورۃ الرحمن)

اور انسان کو پیدا کیا اور آگے فرماتا ہے کہ عَلَّمَهُ الْبَيَانَ اس کو قوت بیانیہ عطا کی، اس کو سلیقہ دیا، اس بات کا کہ وہ اپنی بات کو واضح کر سکے دل نشین کر سکے تو یہ ایک طاقت ہے۔

اس لئے اس طاقت کا استعمال جن لوگوں یا جس گروہ اور جس ذہنیت اور مقاصد کے حامل لوگوں کے ہاتھ میں جاتا ہے، اس سے لوگ ویسا ہی فائدہ اٹھاتے ہیں اگر وہ ضالّین ومضلّین کے ہاتھوں میں چلا جائے قوت بیانیہ ان کو ملے اور وہ اس سے فائدہ اٹھائیں تو وہ جاہلیت کی دعوت کا کام کرتے ہیں اور عقائد سے لے کر اخلاق وسلوک اور پورے انسانی تعلقات سب کو متاثر کرتے ہیں اور دنیا کی بین الاقوامی تاریخ میں ایسا واقعہ اور ایسا دور بار بار آیا ہے کہ ان لوگوں کے ہاتھوں میں قلم پہنچ گیا اور قلم تو خیر ہر ایک لے سکتا ہے لیکن وہ چلنے والا اور متاثر کرنے والا قلم پہنچ گیا، اور ان کو وہ زبان ساحر اور بیان ساحر مل گیا، جس سے وہ بگاڑ پیدا کرسکیں اور ایک ایسا ادب وجود میں آیا جس نے پورے معاشرہ کو متاثر کیا، آپ یونان کی تاریخ پڑھیں تو آپ کو معلوم ہوگا کہ اس میں بہت بڑا حصہ اس ادب کا تھا جو یونان سے پیدا ہوا، لادینیت کا ادب، تشکیک کا ادب، نفس پرستی کا ادب ان کو ملاحم یا رزم نامہ اور شاہ نامہ کہتے ہیں۔ اگر یونانی شاہ نامے پڑھیں گے جن کا عربی میں بھی ترجمہ ہو چکا ہے خود عیسائیوں نے کیا ہے اور کچھ تاریخ میں محفوظ بھی ہے، پھر اگر آپ کو معلوم ہوگا کہ اس کے فساد کی بہت بڑی علت یہ تھی کہ قلم وزبان ان لوگوں کے قبضہ میں آگئے جن کو نہ خدا کا خوف تھا نہ انسانیت سے محبت ہی تھی اور نہ محاسبہ کا کوئی ڈر تھا، اور وہ نفس پرست تھے اور وہ فساد کے داعی تھے، ان کا ایسا اثر ہوا آپ کو معلوم ہے کہ یورپ بالکل ان کے پھندے میں پھنس گیا، گبن کی مشہور اور شہرہ آفاق کتاب FOROPEAN EMPIRE پڑھیں یا ڈریپر کی CONFLINT BETWEEN RELIGIONAND SCIENCE پڑھیں، معرکہ، مذہب وسائنس، یہ میں آپ کو بتادوں کہ میں الاصلاح کا ممنون ہوں کہ میں جب یہاں پڑھتا تھا تو تعلیم کے آخری دور میں حسب استطاعت جب یہاں تدریسی کام میرے سپرد ہوا تو مجھے اس کتاب کی ضرورت تھی، میں انگریزی جانتا تھا، انگریزی پڑھی تھی اور محنت سے میں اصل انگریزی میں کتاب پڑھ سکتا تھا۔

CONFLINT BETWEENRELIGIONANDSCINECE۔ لیکن مجھے یہاں اس کا ترجمہ مل گیا، مولانا ظفر علی خان کا شاہکار ترجمہ ہے۔ معرکۂ مذہب وسائنس، یہ مجھے الاصلاح سے ملا اور ایسے ہی HISTORYOFEORAPEANMORALS تاریخ اخلاق یورپ تھی یہ بھی میرے لئے کام کی چیز تھی اور ان دونوں کتابوں سے میں نے اپنی کتاب ماذا خسر العالم میں فائدہ اٹھایا، اس لئے کہ ان دونوں کتابوں کے ترجمے ہو گئے تھے، اور بڑے لائق مترجمین کے قلم سے جو سند کا درجہ رکھتے تھے، ایک مولانا ظفر علی خان صاحب کے قلم سے ہوا تھا، ایک مولانا عبد الماجد دریا آبادی کے قلم سے، میں الاصلاح کا ممنون ہوں، احسان مند ہوں اور میں چاہتا ہوں کہ الاصلاح میں یہ صلاحیت باقی رہے کہ اس سے لوگ اپنی تصنیف وتالیف میں اور تحقیقات میں کام لے سکیں، میں اس موقع سے فائدہ اٹھاتے ہوئے یہ بھی کہہ رہا ہوں کہ آپ کو اپنے ذخیرۂ کتب پر ہمیشہ نظر رکھنی چاہئے کہ کون سی کتابیں ابھی حال میں شائع ہوئی ہیں جو ہمارے طلبہ ہی نہیں بلکہ اساتذہ کی نظر سے نہیں گزری ہیں، میں اس کا اعتراف کرتا ہوں اور میں نے خود اپنے متعلق شہادت دی ہے کہ اساتذہ بھی اس سے فائدہ اٹھاتے تھے، الاصلاح کوئی تفریح کی چیز نہیں ہے، اس لئے نہیں ہے کہ وہاں جاکر اخبارات پڑھے جائیں، اخبارات تو آپ ہر جگہ پڑھ سکتے ہیں، کون سی جگہ ہے جہاں اخبار نہیں آتے، یا آپ رسائل پڑھنے آئیں، مختلف قسم کے رسائل پڑھیں، جو ہندوستان کے مختلف صوبوں سے نکلتے ہیں، آج کل تو ہر مدرسہ سے، ہر ادارہ سے، انجمن سے بڑی شہرت کے رسالے نکلتے ہیں، ایسی چیزیں ہونی چاہئیں الاصلاح کے دار انتخاب میں جن سے ذہن بنے اور ذہن سے با مقصد مصنفین اور داعیوں کی اصلاح سے جن سے وہ جدید تعلیم یافتہ طبقہ کو مطمئن کر سکیں، یہ الاصلاح کی بہت بڑی افادیت اور بہت بڑی خدمت ہوگی۔ اور اس وقت یہ میں کہہ رہا ہوں کہ اس کے لئے میں ایک ذمہ دار اور ناظم ندوۃ العلماء کی حیثیت سے یہ صفائی سے کہتا ہوں کہ اس میں اہتمام وانتظامات

دونوں آپ کی مدد کرنے اور آپ کے ساتھ تعاون کرنے کے لئے تیار ہیں۔ آپ نئی کتابوں کی فہرست تیار کریں، اچھے اہل نظر کے مشورہ سے اور سنجیدہ اور فکر انگیز اور مواد فراہم کرنے اور رہنمائی کرنے والی کتابوں کی، اور اس کے بعد آپ کا بجٹ اس کے لئے کافی نہ ہو تو میں اعلان کرتا ہوں کہ دار العلوم اس میں مدد کرے گا، تو اس وقت یہ قوت بیانیہ خواہ وہ تحریری ہو یا تقریری ہو اس وقت اور زیادہ مسلح ہوگئی ہے اور مسلح ہی نہیں بلکہ جیسا کہ ہمارے عزیز الاصلاح کے غالباً ناظم ہیں انھوں نے جو مضمون پڑھا اس میں انھوں نے کہا کہ یہ بات میں نے بہت دن پہلے کہی تھی کہ صدیوں کے بعد یہ بات پیش آئی ہے کہ یہودی دماغ اور عیسائی وسائل و طاقت دونوں متحد ہو گئے ہیں حالانکہ دنیا کے جن دو مذہبوں میں زیادہ سے زیادہ تضاد ہو سکتا ہے وہ یہودیت اور عیسائیت ہیں، عیسائیت کی بنیاد اس پر ہے کہ مسیح ابن اللہ ہیں اور یہودیت کی بنیاد اس پر ہے کہ وہ حضرت مسیح پر تہمت لگاتے ہیں، نسبی تہمت لگاتے ہیں، جو کوئی عیسائی برداشت نہیں کر سکتا، لیکن اس کو عیسائیوں نے فراموش کر دیا یہاں تک کہ پاپائے اعظم نے یہ قصور معاف کر دیا یہودیوں کا جو عیسیٰ پر اعتراض کرتے تھے تہمت لگاتے تھے، تو اس وقت ایک بڑی گہری سازش ہے دنیا میں اور یورپ نے اس وقت عنوان اختیار کیا ہے FUNDAMENTALISM کا یعنی روس کے زوال کے بعد امریکہ نے یہ سمجھ لیا اور برطانیہ اور عیسائی و یہودی بڑی طاقتوں نے کہ اگر اب خطرہ ہو سکتا ہے اور کوئی حریف میدان میں آسکتا ہے تو وہ صرف اسلام ہے اس لئے بڑی ہوشیاری سے اور اس میں یقیناً یہودی دماغ کام کر رہا ہے، انھوں نے اس کو عنوان دیا ہے FUNDAMENTALISM کا اصول پرست، گویا قدامت پرست، اور حق پرست یا یوں کہئے کہ جو قدیم ذخیرہ ہے اس کے پرستار، اس کی اصطلاح کی جگہ پر FUNDAMENTALIST کی اصطلاح استعمال کی جا رہی ہے اور اس قدر پروپیگنڈہ ہے اور اس زور و شور سے اور بلند آہنگی کے ساتھ اور ایسے مدلل بلکہ منظم طریقہ پر یہ بات کہی جا

رہی ہے کہ کسی آدمی کے لئے مشکل ہو گیا ہے کہ وہ اقرار کرے کہ میں FUNDAMENTALIST ہوں حالانکہ ایک مذہبی کے لئے FUNDAMENTALIST ہونا ضروری ہے، مذہبی کے معنی ہی یہ ہیں کہ وہ منصوصات قطعی، پر نصوص دین پر، آسمانی صحیفوں پر اور کتاب اللہ پر … عیسائی اگر ہو تو انجیل اور اگر مسلمان ہے تو اللہ کے آخری کلام قرآن مجید کے بیانات پر اس کے احکام پر اس کی تعلیمات پر یقین رکھتے ہیں اور اس وقت یہ FUNDAMENTALIST کی اصطلاح اتنی عام ہوگئی ہے کہ بہت ہی تأسف اور ندامت کے ساتھ یہ کہنا پڑ رہا ہے کہ ممالک عربیہ میں بھی یہ اصطلاح پہنچادی گئی ہے، ابھی ہمارے پاس ایک خط آیا شاید ایک ہفتہ یا دو ہفتہ ہوا میں نام نہیں لوں گا اور ایک ایسی جگہ سے آیا کہ جہاں کے حاکم و سلطان ہم سے ذاتی طور پر واقف ہیں احترام کرتے ہیں ہمارا ان کا لندن میں ساتھ رہا ہے اور انھوں نے اپنی ایک تقریر میں کہا کہ اپنے منطقہ میں جس جگہ کے وہ امیر ہیں ایک سڑک کا نام ہمارے نام پر رکھا تھا "شارع ابی الحسن ندوی" اتنا وہ خیال کرتے ہیں اور ایک بڑے بین الاقوامی ادارے میں وہ ہمارے ساتھ رہے ہیں ان کے عزیز قریب کیا بلکہ ان کے ترجمان کا خط آیا ہمارے نام کہ متشددین کے بارے میں آپ کا کیا خیال ہے، ہم چند مفکروں اور چند علماء کے نام یہ سوال نامہ بھیج رہے ہیں کہ متشددین کے بارے میں اپنی رائے کا اظہار کریں جس کو عربی اصطلاح میں متطرفین کہتے ہیں، انتہا پسند FUNDAMENTALIST کا ترجمہ اصلاً مبدئین ہے، جو مبادی پر یقین رکھتے ہیں۔

حالانکہ واقعہ یہ ہے کہ اس وقت دنیا کا سارا فساد اس لئے ہے کہ کسی اصول پر یا کسی بنیاد پر یقین نہیں ہے خالص نفس پرستی ہے، اور خالص فائدہ اندوزی اور اپنے نفس کی تسکین کا سامان فراہم کرنا ہے، خواہ تمام دنیا کے مسلمہ اخلاقی اصول کے خلاف ہو، چاہے اس کا پوری انسانیت، پورے معاشرے انسانی اور پورے عہد پر کچھ اثر پڑے لیکن

اپنا کام نکالنا ہے۔ یہ معنی تھے بے اصولی کے اور اس بے اصولی نے آج دنیا کو اس جگہ پہنچا دیا ہے کہ کسی وقت قیامت آسکتی ہے، وہ قیامت تو اللہ تعالیٰ لاسکتا ہے، اس قیامت کا ذکر نہیں، ایک ویسی قیامت یعنی قیامت صغریٰ ہر وقت ہوسکتی ہے، پہلی جنگ عظیم بھی ایک طرح کی قیامت صغریٰ تھی، دوسری جنگ عظیم بھی، ایسی جنگیں ہوسکتی ہیں اور اس سے بڑے پیمانے پر ہوسکتی ہیں وہ صرف برطانیہ اور جرمنی کی جنگ تھی اور اس میں چھوٹی طاقتیں شامل ہوگئی تھیں اور دوسری جنگ بھی ایسی ہی تھی لیکن اب جو جنگ ہوگی وہ بہت خطرناک ہوگی، اس وقت ایٹمی ہتھیار بھی نہیں تھے اور اب ایٹمی ہتھیار بھی ہیں اور دوسرے یہ کہ اس جنگ کا رقبہ اس جنگ سے کہیں زیادہ وسیع ہوگا اور یہ سب نتیجہ ہوگا بے اصولی اور نفس پرستی کا اور مطلق آزادی کا اور مذہب بیزاری کا لیکن ان کو شرم نہیں آتی انہوں نے یہ اصطلاح ایجاد کی حالاں کہ سارا فساد یہی ہے۔

ظَہَرَ الْفَسَادُ فِی الْبَرِّ وَالْبَحْرِ بِمَا کَسَبَتْ اَیْدِی النَّاسِ
لِیُذِیْقَہُمْ بَعْضَ الَّذِیْ عَمِلُوْا لَعَلَّہُمْ یَرْجِعُوْنَ ۔

[illegible] دنیا آپ بغیر قرآن مجید کے پورے سیاق و سباق پر غور کریں تو معلوم ہوگا کہ بما کسبت ایدی الناس میں یہی بے اصولی اور نفس پرستی مطلق آزادی اور یہ خدا کی [illegible] اور نفس کی تسکین کا ہر قیمت پر سامان کرنا [illegible] طرح معیشتہا [illegible] اللہ تعالیٰ جس کو فرماتا ہے یہ سب FUNDAMENTALIST سے [illegible] [illegible] ہیں اور ان کے مقصد ان کا وقت میں یہ [illegible] ہیں جس کو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے بما کسبت ایدی الناس۔ خیال کیجیے قرآن مجید نے [illegible] کہ ایدی الناس پر ان کی نسبت کی ہے [illegible] نسبت کی ہے چیز یعنی بما کسبت ایدی الناس ان لوگوں کے ہاتھوں نے اپنا جو اصول بنایا ان کا [illegible] تھے کہ دنیا پر ان کا اتفاق نہیں تھا کوئی حد ان کے لئے مقرر نہیں تھی یہاں سے

یہاں تک جائیں گے، اور اس کے بعد آگے نہیں جائیں گے۔

تو کہنے کا مطلب یہ ہے کہ یہ وقت بڑا نازک اور خطرناک ہے، اس میں تبادلۂ خیال کی صلاحیت، تحریری صلاحیت اور لسانی وبیانی صلاحیت، خطابت کی صلاحیت اور تقریری صلاحیت ان سب چیزوں کی ضرورت ہے اور اب وہ صرف اس لئے نہیں ہے کہ جیسے کہ آج سے پچاس برس پہلے تھا کہ آپ کسی میلاد اور کسی سیرت کے جلسے میں تقریر کردیں یا کسی انجمن کے پلیٹ فارم سے کوئی تقریر کردیں، یا اپنے مدرسہ کا تعارف کرادیں، یا کوئی نیک مقصد کے لئے جلسہ ہو، اس میں آپ تقریر کردیں، اب تو ایک عالمی سازش ہے، بڑے وسیع اور نہایت گہرے پیمانے پر اور اس کے مضمرات بہت دوررس اور بہت دقیق اور بہت عمیق ہیں، یہ اتنی بڑی سازش ہے کہ میرے محدود مطالعہ میں جس کے پیچھے اتنا پروپیگنڈا اور اتنے ذرائع ابلاغ ہوں جسے آج میڈیا کہتے ہیں۔ ذرائع ابلاغ سب کے سب، ریڈیو، ٹی وی، ٹیلی ویژن، پریس اور تمام اخبارات جو دنیا کے دور دراز گوشوں تک لے جانے والے، وہ یہ سب کے سب اس نکتہ پر آکر متفق ہو گئے ہیں کہ دنیا میں FUNDAMENTALISM کا مقابلہ کیا جائے یعنی دینی اصول ہی باقی نہ رہے۔ حدود بھی باقی نہ رہیں وہ سب کر سکتے ہوں جس سے دل خوش ہو جائے۔

ایران کا ایک فرقہ لذتیت کے نام سے تھا، لذتیت کے معنی یہ تھے کہ جس چیز میں مزہ آئے وہ کرنا چاہئے۔ آج کا یورپ اسی انداز سے سوچ رہا ہے، پورے یورپ کا نعرہ گویا لذتیت ہے جس میں مزہ آئے جس میں فائدہ ہو، اس لذت کو رواج دے دیا ہے۔ انھوں نے کہا کہ وہ لذت جسمانی یا لذت لسانی نہ ہو بلکہ وہ لذت ذہنی ہو، اس میں لذت سیاسی بھی شامل ہو اور لذت نفسی بھی شامل ہو اور وہ جو ایک فاتحانہ خوشی ہوتی ہے اور فاتحانہ مسرت ہوتی ہے وہ بھی اس میں شامل ہو، تو لذت کا انھوں نے دائرہ اور وسیع کردیا ہے، اس سے وہ اور خطرناک ہو گئی ہے، یونان کا جو لذتی اسکول تھا وہ وہاں تک جاتی

نہیں سکا تھا، اس کی نوبت ہی نہیں آئی تھی۔ لیکن یورپ کا لذتی اسکول آگے پہنچ گیا ہے، یہ اس وقت گہری سازش ہے، اس سے بڑھ کر کوئی سازش نہیں، چونکہ ہمارا آنا جانا ہوتا ہے اور ہمارے روابط ہیں ثقافتی اور صحافی اور تحریری چنانچہ عرب ممالک میں بعض خلیج میں بھی یہ بات داخل ہوگئی ہے کہ متشددین کا مقابلہ کرنا چاہئے۔ متشددین کے معنی وہ لوگ ہیں جو کہتے ہیں کہ معاشرہ اسلام کے احکام کے مطابق ہونا چاہئے اس میں خوف خدا، خوف آخرت ہو اور اسے محاسبہ ہونے کا خیال ہو اور اس میں دوسروں کے اخلاق اور حقوق کا لحاظ ہو اور جو لوگ احکام شریعت کو جاری کرنا چاہتے ہیں، حدود شرعیہ تو خیر بڑی چیز ہے، تعزیرات بڑی چیز ہیں۔ مثلاً رجم ہے یا جلد ہے یہ چیزیں تو بڑی ہیں اور ان کی نوبت نہیں آتی۔ لیکن جو روزمرہ کے حالات ہیں اور بہت قابل عمل حدود کے اندر جو احکام شرعیہ کا اجراء چاہتے ہیں ان سے بھی حکومتیں ڈر رہی ہیں اور وہاں سے نکلنے والے اخبارات میں اور خطوط میں یہ بات نظر آتی ہے جیسا کہ ہمیں اس کا جواب دینا ہے، کہ آپ متشددین کے بارے میں کیا کہتے ہیں اور خط کا انداز بتا رہا ہے کہ وہ متشددین کے خلاف لکھوانا چاہ رہے ہیں، وہ ایک فتوی چاہتے ہیں جس کی وہ اشاعت کریں کہ شیخ ابی الحسن علی الندوی جو معروف ہیں، مصنف ہیں، ایسے ہیں، ویسے ہیں اور انھوں نے نام لکھے ہیں بہت ممتاز مفکرین اور عرب فضلاء کے کہ ان کے پاس بھی بھیجا گیا اور آپ کو بھی بھیجا جا رہا ہے کہ آپ متشددین کے بارے میں اپنا خیال ظاہر فرمائیں۔

اب بالکل FUNDAMENTALIST کے بارے میں امریکہ اور برطانیہ اس طرح سوچ رہا ہے اور پروپیگنڈا کر رہا ہے۔ ایک صدائے بازگشت آرہی ہے ان ملکوں سے، آپ کو ان سب خطرات کو سامنے رکھنا چاہئے۔ اب معاملہ صرف اتنا نہیں ہے کہ سینما مت جاؤ بہت بری بات ہے، اس کی برائی اپنی جگہ مسلم ہے جو شناعت ہے وہ شناعت ہے اس کا انکار نہیں کیا جا سکتا ہے۔ اب صرف یہ نہیں کہ کھیل کود میں زیادہ مت پڑو، فضول خرچی

مت کرو، اب یہ اصلاح معاشرہ کا کام بہت اہم ہے، میں آل انڈیا مسلم پرسنل لاء بورڈ کے ایک رکن کے حیثیت سے اس کی پوری وکالت کرتا ہوں، یہ کام آپ کو کرنا ہے اپنی اپنی جگہوں پر، اصلاح معاشرہ کی دعوت دینی ہے، مکاتب ومدارس کو جاری کرنے کی آپ کو دعوت دینا ہے، مسجد مسجد مکتب قائم ہو اور کچھ گھروں پر بھی اس کا انتظام ہو جیسے پہلے ہوا کرتا تھا، کئی پڑھے لکھے آدمی بیٹھیں اور وہاں کے بچے آئیں اور اردو لکھنا پڑھنا سیکھیں، قرآن مجید پڑھ سکیں، اور جو دین کی بنیادی باتیں ہیں مثلاً کلمہ اس کو صحیح یاد ہو اور وہ شرک و توحید کا فرق سمجھتے ہوں اور سیرت نبوی ﷺ سے ضروری حد تک واقف ہوں، یہ سب کام آپ کو کرنا ہے۔ لیکن اس سے بڑی ایک گہری سازش اس وقت ہے جس کے لئے بڑے پیمانے پر آپ کو عملی تیاری کرنی ہے وہ ہے عدم اصول پرستی کے خلاف جہاد، اس وقت امریکہ نے خاص طور پر جو مہم چلائی ہے اور ایک بہت بڑی سازش اور ایک بہت بڑا منصوبہ ہے اس میں یہودی دماغ کام کر رہا ہے اور عیسائی وسائل اور عیسائی طاقتیں اس کے پیچھے ہیں وہ یہ ہے کہ اس وقت سارے عالم میں عقیدہ کو، ایمان کو، تعلق باللہ کو، ایک دین کی پابندی کو اور آخرت کے خیال کو متزلزل کریں اور یہ کہہ کہہ کر یہ سب بنیادی باتیں ہیں، پرانی باتیں ہیں، فرسودہ باتیں کہتے ہیں تو اس کے لئے FUNDAMENTALISM وغیرہ کے نام رکھتے ہیں، اس کے لئے آپ کو تیاری کرنا ہے، میں الاصلاح کو محض تقریر و تحریر کا ایک شعبہ نہیں سمجھتا ہوں کہ ندوۃ العلماء کے ایک مقصد کے پورا کرنے کا یہ ایک ذریعہ ہے اور وہ ہے ذہین اور تعلیم یافتہ طبقہ کو مطمئن کرنا، اسلام پر اعتماد دوبارہ واپس لانا اور خاص طور پر ترقی یافتہ جو اسلامی ممالک ہیں ان میں اسلام پر اعتماد متزلزل ہو چکا ہے، الجزائر میں کیا ہو رہا ہے؟ الجزائر میں خالص دین داروں اور حکومت کے نمائندوں کے درمیان جنگ ہے، نہ اسرائیل کی ان کے خلاف ہے، نہ اسرائیل کا ان کے خلاف معرکہ ہے اور نہ کسی یورپین طاقت کی ان کے خلاف جنگ ہے اور نہ ملک میں بگاڑ وفساد پیدا

کرنے والوں کے درمیان، خالص دین دار، دین پسند، میں دین پرست نہیں کہتا، دین پسند طبقہ اور جو چاہتے ہیں کہ کلمة الله هي العليا اس پر عمل ہو، یہاں اللہ کا نام بلند ہو، یہاں اللہ کا نام سب سے اونچا ہو، اللہ کا حکم سب سے زیادہ قابل اطاعت سمجھا جاتا ہو، یہاں فرائض کی پابندی ہو اور محارم سے حرمات سے اجتناب ہو، یہاں مسجدیں آباد ہوں؟ [illegible] الجزائر میں ایک بڑا جرم ہے، [illegible] آکر رہتی ہیں [illegible] اتنے آدمی شہید ہوئے، لیبیا میں بھی [illegible] سب کی [illegible] ہے، اور شام تو بالکل غیر مسلم عنصر کے قبضہ میں ہے جو وہاں کے [illegible] مسلمان نہیں ہیں [illegible] ان پر مسلمانوں کی تعریف [illegible] مشرق کی طرف [illegible] [illegible] [illegible] [illegible] مستقبل کی [illegible] حقانیت پر پورا یقین [illegible] تعلیم یافتہ طبقہ [illegible] پر پورا یقین [illegible] پیدا کرتا ہے، اسلام ہر زمانے کا ساتھ دے سکتا ہے، قیادت کر سکتا ہے۔

جدید نصاب تعلیم اور یورپ سے جو طریقۂ تعلیم آیا ہے، وہاں سے امپورٹ کیا گیا ہے، اس میں یہ [illegible] ہے کہ [illegible] اسلام پر اعتماد کو متزلزل کر دے کہ اسلام نے سب [illegible] زمانہ میں اچھا کام کیا تھا، جو پارٹ ادا کیا تھا لیکن اب زمانہ بدل گیا ہے، اس وقت [illegible] غیر ترقی یافتہ زمانہ تھا، خدا بھلا کرے ان لوگوں کا [illegible] مثلاً عورت کے [illegible] حقوق کی

گئے، دختر کشی بند ہوئی، اور شراب اتنی نہیں پی جانے لگی، لیکن اب اس زمانہ کا ساتھ نہیں دے سکتا۔ . . . . . اصل میں فتنہ کہ اسلام اس زمانہ کا ساتھ نہیں دے سکتا، آپ کو یہ ثابت کرنا ہوگا کہ اسلام اس زمانہ کا ساتھ دینا تو الگ رہا یہ تو اس تنزل کے بعد اس زمانہ کو ہلاکت سے بچا سکتا ہے، اسلام اس زمانہ کو راہ پر لگا سکتا ہے اور اسلام اس زمانہ کو مبارک بنا سکتا ہے اور اسلام اس زمانہ کو رہنے کا سلیقہ سکھا سکتا ہے اس کے لئے آپ کو تیاری کرنی ہے، بہتر ہوگا کہ ہمارے بعض اساتذہ اس میں کتابوں کا انتخاب کریں ایک زمانہ میں ہم نے مولانا مسعود عالم صاحب ندوی سے مشورہ کر کے ایک فہرست بنائی تھی کہ فلاں درجے سے لے کر فلاں درجہ کے طلباء یہ کتابیں پڑھیں اور فلاں درجے سے فلاں درجہ تک کے طلباء یہ کتابیں پڑھیں اور ہم نے یہ بھی انتظام کیا تھا کہ الاصلاح میں ایک رکن کی ڈیوٹی مقرر کی تھی کہ آپ یہاں بیٹھا کریں، الاصلاح کے کھلنے کا جو وقت ہے اس میں ایک گھنٹہ آپ وقت دیں کہ طلباء کو معلوم ہو کہ ان سے پوچھا جا سکتا ہے کہ کون سی کتابیں پڑھنی ہیں، طلباء ان کے پاس جائیں اور کہیں کہ ہم اس درجہ کے طالب علم ہیں بتائیے ہم پہلے کیا پڑھیں، بتایئے کہ ہم تاریخ کا مطالعہ کہاں سے شروع کریں، بتائیے ہم سیرت میں اس وقت کون سی کتابیں پڑھیں، اس منزل پر کون سی کتاب مناسب ہوگی۔ یہ دو انتظامات ہم لوگوں نے کیے تھے، ہم سمجھتے ہیں کہ اس کی طرف بھی توجہ کرنی چاہئے۔

عزیز طلبہ! میں نے اتنی طوالت اور اتنی تفصیل کے ساتھ بات کر دی، حالانکہ میں اس حال میں نہیں تھا، اور میں آپ سے معذرت کرنے والا تھا کہ مجھے بعض ضرورتیں ہیں ہمارے معزز مہمان بھی آئے ہوئے ہیں، ذہن دوسری لائن پر کام کر رہا ہے، لیکن یہ آپ کی محبت ہے آپ کا خلوص ہے، یا اللہ تعالیٰ جو آپ سے کام لینا چاہتا ہے، اس کی اہمیت اور قدر و قیمت ہے کہ میں نے اتنی تفصیل کے ساتھ اظہار خیال کیا۔ بس آخر میں یہ کہنا ہے کہ انجمن الاصلاح کو محض آپ تحریر و تقریر کی مشق، مضمون نگاری سیکھنے کی جگہ نہ سمجھیں

بلکہ یہاں سے آپ کو وہ ذخیرہ لینا ہے، وہ مواد لینا ہے کہ جس سے آپ یہاں سے نکلنے کے بعد جدید تعلیم یافتہ طبقہ جو انٹیلیکچول کلاس کہلاتا ہے، ذہین طبقہ جو ہے آپ اس کو مطمئن کر سکیں اس میں اسلام کی ضرورت کا احساس پیدا کر سکیں اور اسلام کے بارے میں اعتماد واپس لا سکیں، یہاں سے لے کر انڈونیشیا اور مغرب اقصیٰ اور مراکش تک ان سب جگہوں پر اس وقت جو ڈر ہے وہ یہ کہ امریکہ اور یہودیوں اور عیسائیوں کی سازش سے ان سب جگہوں تک جراثیم پہنچ گئے ہیں کہ اسلام پر اعتماد متزلزل ہو جائے اور اسلام پر عمل کرنے کو وہ فرسودگی اور رجعت پسندی اور FUNDAMENTALISM سے تعبیر کرنے لگیں اور ایک پڑھے لکھے آدمی کو شرم آنے لگے کہ ہم حاشا وکلا FUNDAMENTALIST ہیں، آپ کو وہ کام کرنا ہے کہ لوگوں سے سینہ تان کر اور آنکھیں ملا کر یہ کہیں کہ ہاں ہم FUNDAMENTALIST ہیں اور ہمارے نزدیک FUNDAMENTALIST ہی دنیا کو بچا سکتا ہے اور ساری خرابی اور سارا فساد FUNDAMENTALISM نہ ہونے کی وجہ سے ہے، کوئی اصول نہیں، کوئی معیار نہیں، کوئی حدود نہیں صرف نفس پرستی ہے، صرف خواہش پرستی ہے، صرف اقتدار پرستی ہے، صرف سیاست پرستی ہے، اس لئے آپ کو بھی تیاری کرنی ہے اور دوسروں کو بھی تیار کرنا ہے، بس میں انھیں الفاظ پر ختم کرتا ہوں اور آپ کو داد دیتا ہوں اور آپ کو اس بات پر مبارک باد دیتا ہوں کہ آپ کی اس محفل میں چند مبارک و محترم ہستیاں موجود ہیں۔

ہمارے عزیز مولانا عبدالکریم پاریکھ صاحب تشریف رکھتے ہیں جو ہندوستان کے ایک بڑے ترجمان قرآن ہیں، اور مولانا مجیب اللہ صاحب ندوی بھی موجود ہیں، یہ آپ ہی کی درس گاہ کے فاضل ہیں اور اس وقت ایک بڑے ادارے کو چلا رہے ہیں، ایک رسالہ بھی ہے اور ادارہ بھی ہے اور دوسرے تحقیقی مضامین بھی لکھتے ہیں اور آپ کے دوسرے اساتذہ بھی موجود ہیں اور امید ہے کہ ان لوگوں کی موجودگی باعث برکت ہوگی،

اور آپ کے لئے ذریعۂ استفادہ بھی ہوگی۔ اللہ تعالیٰ آپ کو اپنے دین حق کی خدمت کیلئے قبول کرے۔ آمین یارب العالمین۔

وما علینا الا البلاغ المبین

اپنے کو نیلام کی منڈی میں نہ پیش کیجئے

بتاریخ ۲۴ر فروری ۱۹۸۸ء بروز چہار شنبہ بعد نماز مغرب بمقام جمالیہ ھال دار العلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ سے فارغ ہونے والے طلبہ کے لئے الوداعیہ کے موقع پر مولانا سید ابوالحسن علی ندوی رحمہ اللہ نے یہ فکر انگیز تقریر فرمائی، جو کسی بھی دار العلوم میں پڑھنے والے اور وہاں سے فارغ ہونے والے طلبہ کے لئے نشان راہ ہے۔

الحمد للہ رب العالمین و الصلاۃ و السلام علی سید الانبیاء و المرسلین و خاتم النبین محمد و علی آلہ وصحبہ اجمعین و من تبعھم باحسانٍ و دعا بدعوتھم الیٰ یوم الدین ، اما بعد!

میرے رفقاء کار اساتذہ دار العلوم، برادرانِ عزیز اور فرزندانِ عزیز! مجھے سب سے پہلے اپنے اس تاثر کا اظہار کرنا ہے کہ میں نے رخصت ہونے والے بھائیوں کے اردو اور عربی مضامین سن کر خدا کا شکر ادا کیا اور میں برملا اعلان کرتا ہوں کہ الحمد للہ جو کوششیں ہو رہی ہیں وہ ضائع نہیں ہو رہی ہیں، جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: **وان لیس للانسان الا ما سعی وان سعیہ سوف یری۔**

میں اپنے عزیز رفقاء اور اساتذۂ دار العلوم کو مبارکباد دیتا ہوں کہ ان کی کوششوں اور دار العلوم کے فضلاء کی تصنیفات کا اثر ان مضامین میں ہے۔ میں سالہا سال سے الوداعی جلسوں میں شریک رہا ہوں اور کبھی کبھی الاصلاح کی مجلسوں میں بھی شرکت کا اتفاق ہوا ہے، فکری و علمی لحاظ سے بھی، قوت تعبیر اور قوت بیان کے لحاظ سے بھی اور قدرت تحریر اور

اسلوب کے لحاظ سے بھی اور زبان وادب کے لحاظ سے بھی نمایاں ترقی نظر آتی ہے یہ بات بڑی موجب شکر ہے اور میں اپنے عزیز طلبہ کو ان کی ترقی اور ان کی سعادت مندی پر، ان کے تعلق واحترام پر اور ان کے خلوص ومحبت پر مبارک باد دیتا ہوں اور اپنے ان عزیز طلبہ سے معذرت کرتا ہوں جو اپنے مضامین نہیں سنا سکے، اور ان کی حوصلہ افزائی کرتا ہوں اور ان کو یہ یقین رکھنا چاہئے کہ ان کی یہ محنت ضائع نہیں ہوئی اس لئے کہ انہوں نے مضامین تیار کرنے میں جو وقت صرف کیا ہے وہ ان کے لئے ہر حال میں مفید ہے۔ اس پر زیادہ قلق نہ کریں ان کی یہ چیز زیور طباعت سے آراستہ بھی ہو سکتی ہے جو ان کے لئے بطور یادگار رہو گی۔

اب میں مختصر وقت میں چند ضروری اور وداعی باتیں کرنا چاہتا ہوں، یوں تو وقت کا کوئی اعتبار نہیں لیکن چونکہ یہ الوداعی جلسہ ہے، اس لئے آپ سے میں وہی باتیں کروں گا جو میرے اپنے عقیدے اور اپنے تجربے اور مطالعے کے لحاظ سے ہیں اور میں جن کو آپ کے لئے مفید سمجھتا ہوں آپ کی محبت آپ کا میرے اوپر حق ہے اس کے سوا کوئی دوسرا محرک نہیں ہے۔

اب میں آپ سے چار باتیں عرض کروں گا جو حالات حاضرہ سے متعلق ہوں گی اور چار باتیں آپ کی ذات سے متعلق عرض کروں گا۔

حالاتِ حاضرہ سے متعلق چار باتوں میں سے پہلی بات جو اگرچہ بہت بڑی ہے اور میری حقیقت وحیثیت سے بلند ہے مگر اس کے ذکر میں برکت اور حلاوت ہے۔ ایک مرتبہ حضرت عمر فاروقؓ چند چیدہ اور برگزیدہ صحابہ کرام کی مخصوص جماعت میں تشریف فرما تھے حضرت عمرؓ کو ایسا محسوس ہوا کہ یہ میرے لئے دعا کا وقت ہے اور ان کی طبیعت میں بھی تقاضا پیدا ہوا جو عارفین میں پیدا ہوا کرتا ہے اور وہ تو سب عارفین سے بڑھ کر عارف تھے انہوں نے صحابہ کرام سے فرمایا کہ آپ سب آزاد ہیں اپنے لئے دعا کریں اور منہ

مانگی مراد مانگیں تو کسی نے کہا کہ:

اے اللہ اپنے راستہ میں نکلنے کی توفیق دے کہ یہ دولت تیرے راستہ میں لوٹا دوں اور تیرے بندے کی خدمت کروں، کسی نے کہا کہ اے اللہ اپنے راستہ میں نکلنے کی توفیق دے کہ میں جہاد کر کے اپنا سر کٹاؤں اور تیرے راستہ میں اپنا خون بہاؤں اسی طرح تمام صحابہ کرام کی دعائیں منقول ہیں۔ جب حضرت عمرؓ کی باری آئی تو انہوں نے فرمایا کہ میری دعا ہے کہ میرے پاس ابوعبیدہ، سعد بن ابی وقاص، طلحہ، خالد رضی اللہ عنہم اجمعین ہوں اس کے علاوہ اور کئی نام لئے، بہر حال یہ سب وہ لوگ تھے جن کے لئے اللہ تعالیٰ نے بڑی بڑی فتوحات مقدر کی تھیں اور بڑے بڑے کارنامے تقدیر میں لکھے تھے اور کہا ان میں سے کسی کو کسی محاذ پر اور کسی کو کسی محاذ پر بھیجوں اور ساری دنیا میں ان کے ذریعہ اسلام کا پرچم لہرا دوں اور پوری دنیا اسلام کے زیرنگیں ہو۔

آج سے پہلے اسلام کے مستقبل کے فیصلہ کن محاذ اتنے متعین اور واضح نہیں تھے ان پر کہر تھا کچھ ایسی تاریکیاں تھیں کہ اس وقت متعین کر کے یہ کہنا مشکل تھا کہ یہ چار محاذ ہیں جن کے ذریعہ اسلام اور ملت اسلامیہ ہندیہ کے مستقبل کا فیصلہ ہوتا ہے اور اپنے عقیدہ، اپنے پیغام اور اپنے تشخص کے ساتھ باقی رہ سکتی ہے یا نہیں؟ تو میرا مطالعہ ہے کہ آج سے چند سال پہلے اور خاص طور پر ۱۹۴۷ء سے پہلے یہ محاذ متعین اور واضح نہیں تھے لیکن اس میں سیاسی تبدیلیوں، انقلاب سلطنت اور اسلام کے خلاف موجود مہم اور علمی تجربوں نے اس کو بالکل ایک حقیقت بنا دیا ہے انہیں چار محاذ کا ذکر آپ سے کروں گا جن کیلئے بلند عزائم سپاہیوں اور دینی درسگاہ کے فضلاء اور دینی تعلیم کے تربیت یافتہ علماء اور مخلصین کی ضرورت ہے اور ان کے لئے اس سے بڑی سعادت نہیں ہو سکتی کہ وہ ان محاذ جنگ میں اپنی صلاحیتوں اپنی توانائیوں اور سرگرمیوں کا اظہار کریں۔

۱۔ ان میں سب سے بڑا محاذ یہ ہے کہ ہماری ملت اسلامیہ کی آئندہ نسل مسلمان رہ

جائے، اور وہ صرف ذہنی فکری، تہذیبی اور ثقافتی اعتبار سے نہیں بلکہ اعتقادی ارتداد سے بچ سکے۔ اس وقت سب سے بڑا فرض یہ ہے کہ جو لوگ ہمارے مدارس سے فارغ ہوں وہ اس محاذ کو سنبھالیں، اس محاذ کا چارج لیں، اور اپنے کو اس محاذ کے لئے وقف کردیں اور یہ کوشش کریں کہ مسلمانوں کی آئندہ نسل جو ابھی آٹھ دس برس کے بچے یا بارہ پندرہ برس کے نوجوان کی شکل میں ہے اسلام کی اصولی فقہی اور کلامی تعریف پر صادق ہوں اس کے لئے ضرورت ہے اس بات کی کہ قصبے قصبے، شہر شہر اور گاؤں گاؤں مدارس مکاتب اور مساجد کی بنیاد ڈالی جائے، اور جہاں ایسا ممکن ہو وہاں صباحی و مسائی درجات ہوں اور جو لوگ جدید تعلیم یافتہ ہیں اور اپنے بچوں کو سرکاری اسکولوں میں بھیجنے کے لئے مجبور ہیں ان کو غذا پہنچائیں۔ اگر ان کو ابھی سے بچانے کی کوشش نہیں کی گئی تو ڈر ہے کہ اس میں نوخیز نسل کو آگے چل کر کلامی اور فقہی اعتبار سے مسلمان کہنا صحیح ہوگا یا نہیں، وہ توحید و شرک اور کفر و ایمان کا فرق کر سکے گی یا نہیں، رسالت، منصبِ رسالت اور رسول اللہ ﷺ کو نبی آخر الزماں اور آپ کی شفاعت کو مانے گی یا نہیں:

اِنَّ الدِّيْنَ عِنْدَ اللّٰهِ الْاِسْلَامُ ؕ اور وَمَنْ يَّبْتَغِ غَيْرَ الْاِسْلَامِ دِيْنًا فَلَنْ يُّقْبَلَ مِنْهُ، پر اس کا ایمان ہوگا یا نہیں۔

عزیز طلبہ! آپ کے بلند عزائم اور بلند خیالات، آپ کے مطالعے اور پختہ صلاحیتوں پر خدا کا شکر ادا کرتے ہیں اور اس پر آپ کو مبارک باد دیتے ہیں، لیکن اس وقت مسئلہ یہ ہے کہ کون کس محاذ کو سنبھالتا ہے، آپ ابھی سے نیت کیجئے کہ ہم اس خطرناک اور نازک محاذ کے لئے سینہ سپر رہیں گے پھر اللہ تعالیٰ آپ کی مدد فرمائے گا اور اسباب مہیا کرے گا اور آئندہ نسل جو ہماری اور آپ کی اولاد ہوگی اس کو مسلمان رکھنے کے لئے جو بھی کوشش کی جا سکے کی جائے، جو ہاتھ پیر مارے جا سکیں مارے جائیں اور جو آب دیدہ خون جگر بہایا جائے، یہ سب سے بڑا محاذ ہے۔

۲۔ دوسرا محاذ یہ ہے کہ ملت اسلامیہ اپنے ملی تشخص کے ساتھ باقی رہے، یعنی اپنے عائلی قانون، قرآن مجید کے نصوص قطعیہ اور احکام قطعیہ، نکاح و طلاق کے احکام، ترکہ و تعلقات کے احکام پر عمل کر سکے اگر وہ اس پر عمل نہ کر سکے تو بعض وقت وہ ناجائز اور حرام ہو جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

اِنَّ الَّذِیْنَ تَوَفّٰھُمُ الْمَلٰٓئِکَۃُ ظَالِمِیْٓ اَنْفُسِھِمْ قَالُوْا فِیْمَ
کُنْتُمْ قَالُوْا کُنَّا مُسْتَضْعَفِیْنَ فِی الْاَرْضِ قَالُوْٓا اَلَمْ
تَکُنْ اَرْضُ اللّٰہِ وَاسِعَۃً فَتُھَاجِرُوْا فِیْھَا فَاُولٰٓئِکَ
مَاْوٰھُمْ جَھَنَّمُ ط

بہت سخت الفاظ ہیں اگر خدانخواستہ یہ وقت آ گیا کہ مسلمان یہاں نماز تو پڑھ سکے، کلمہ پڑھ سکے، قرآن شریف کی تلاوت کر سکے لیکن وہ قرآن مجید کے عائلی احکام پر عمل نہ کر سکے۔ پھر اس وقت علماء کو یہ سوچنا پڑے گا کہ وہ ہجرت کا فتویٰ دیں، خدا نہ کرے وہ وقت نہ آئے ہم اس زمین پر اپنا حق سمجھتے ہیں۔ یہاں کے اہل بصیرت عارفین مومنین اللہ اور اپنے عہد کے مخلص ترین بندوں نے اس بات کا اظہار کیا ہے کہ اس ملک سے اسلام نکلنے والا نہیں ہے اور اس ملک کی قسمت میں اسلام لکھ دیا گیا ہے اور اس ملک کے لئے اسلام الاٹ ہو گیا ہے اور تقدیر الٰہی کا فیصلہ ہے کہ اسلام اس ملک میں رہے [illegible] اس کی قیادت بھی کر سکتا ہے اور بچا بھی سکتا ہے اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ پھر دوبارہ اس کی قیادت مسلمانوں کے ہاتھ آ جائے اس لئے ہم اللہ تعالیٰ کی رحمت سے مایوس نہیں ہیں لیکن واقعات و حقائق [illegible] اپنی کوششوں [illegible] نہیں کرنا چاہتے، [illegible] ہم کو جس [illegible] خطرے [illegible] پر تب رہا ہے اس کی سب سے بڑی ضرورت ہے، [illegible] نے شاہ بانو [illegible] ایک غیبی مدد فرمائی ہے جس نے سارے مسلمانوں میں اس خطرہ کے احساس کو پیدا کر دیا تھا جس کے لئے ایک مہم چلائی گئی اور وہ ایک مرحلہ پر

کامیاب ہوئی۔ اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ جمہوری اور اجتماعی طریقہ پر اتحاد و اتفاق کے ساتھ اور خلوص کے ساتھ جو مہم چلائی جائے وہ ضرور کامیاب ہوگی۔ حالانکہ فیصلہ سے پہلے یہ پیشن گوئی کرنا بہت مشکل تھا کہ مسلمانوں کے حق میں فیصلہ ہوگا یا نہیں اور ان کا مطالبہ پورا ہوگا یا نہیں؟ لیکن اللہ کے چند مخلص بندوں نے اللہ تعالیٰ کی ہدایت و رہنمائی سے قرآن مجید کی روشنی اور تاریخ کے تجربہ میں صحیح طریقہ اختیار کیا تو انہیں کامیابی ہوئی۔

۳۔ تیسرا محاذ پیام انسانیت کا ہے، ہم اس ملک میں اس طرح رہیں کہ اپنے دین کو باقی رکھنے کیلئے بھی، اپنے دین پر عمل کرنے کے لئے اپنے اداروں اور مرکزوں کو محفوظ رکھنے کے لئے بھی، دعوت کا کام کرنے کے لئے بھی، تعلیم و تالیف کا کام انجام دینے کے لئے بھی، بامقصد اور باعزت زندگی گزارنے کے لئے اپنے مخصوص عقائد کے ساتھ اپنے پیغام و مقام کے ساتھ اس ملک میں زندگی گذار سکیں۔ اس کے لئے ضرورت ہے کہ فضاء معتدل ہو، مشتعل اور آتشگیر نہ ہو، ورنہ کسی وقت بھی ساری کوششوں پر پانی پھر سکتا ہے۔ بہت کم لوگ اس کی ضرورت و اہمیت کو محسوس کرتے ہیں وہ سمجھتے ہیں کہ یہ چند آدمی کے ذہن کی اپج ہے یا ان کا ذاتی رجحان ہے جو کسی وجہ سے پیدا ہو گیا ہے۔

آپ یقین مانئے کہ حالات کے حقیقت پسندانہ اور عملی مطالعہ نے میری رہنمائی کی ہے ہم جیسے اور رفقاء کو اسی مطالعہ نے مجبور کیا کہ وہ کوشش کریں حالانکہ اس کوشش کا تناسب واقعات کے لحاظ سے کچھ بھی نہیں۔ اگر چہ یہ وہ مجمع نہیں ہے جس کے سامنے کہنے سے یہ سمجھوں کہ بات تحریک کی شکل اختیار کرے گی۔ لیکن کیا تعجب ہے کہ اللہ تعالیٰ آپ سے وہ کام لے لے۔ لہذا آپ اس کو بھی یاد رکھئے اور باہمی اعتماد ایک دوسرے کا احترام ہمارے اندر پیدا ہونا چاہئے۔

اسپین کا المیہ جو پیش آیا اس پر بہت سی کتابیں لکھی گئی ہیں اس میں ایک بات بہت نازک یہ ہے کہ وہاں علوم دینیہ کی بھی خدمت کی گئی اور وہاں خدا تک پہنچنے کے لئے ایسے

ایسے مجاہدے ہوئے جن سے چوٹی کے اولیاء پیدا ہوئے۔ بعض لوگوں نے تو یہاں تک کہہ دیا ہے کہ مشرق اگر انبیاء کی سرزمین ہے تو مغرب اولیاء کی سرزمین ہے۔ شیخ اکبر محی الدین ابن عربی جیسے جلیل القدر مشائخ پیدا ہوئے، اسی طریقہ سے فنونِ لطیفہ کو بھی وہاں بہت ترقی ہوئی۔ اندلس کا ایک مستقل ادبی دبستان ہے اس کو المدرسة الاندلسية کہتے ہیں، اسی طرح چوٹی کے مصنفین پیدا ہوئے۔ موفقات کے مصنف علامہ شاطبیؒ پیدا ہوئے ابن عبدالبرؒ پیدا ہوئے، ایسے ہی بہت سی کتابوں کے مصنف پیدا ہوئے اور موطا کی ایسی شرحیں لکھی گئیں لیکن ایک چیز سے اغماض برتا گیا وہ یہ کہ وہاں کی اصل آبادی کو جو آٹے میں نمک کے برابر تھی اپنی پوری سلطنت و اقتدار کے باوجود سنجیدگی کے ساتھ اسلام سے مانوس کرنے اور اسلام کے دائرے میں داخل کرنے کی کوشش نہیں کی گئی اس لئے کہ اقتدار میں اکثر یہ خیال پیدا ہو جاتا ہے کہ ہمارے نام اس زمین کا پٹہ لکھ دیا گیا ہے، مغلیہ سلطنت کی فرامین میں یہ لفظ ملتا ہے کہ ''دولتِ ابد قرار'' یعنی ہم براہ راست حضرت اسرافیلؑ کو اس ملک کا چارج دیں گے اور اس وقت تک کوئی خطرہ نہیں ہے یہ اس کا غلط خیال تھا۔ اس پھیلی ہوئی آبادی کو اپنے حال پر چھوڑ دینا اور اس کے جذبات کو غلط تعلیم کے ذریعہ، غلط تاریخ کے ذریعہ، اپنی اخلاقی کمزوریوں کے ذریعہ اس سے بڑھ کر مقابل سیاسی تحریکوں کے ذریعہ نشوونما پانے کا موقعہ دینا بہت خطرناک ہے۔

ہندوستان میں تو یہ عنصر زیادہ واضح طور پر ہے، مسلمانوں نے ہندوستان پر آٹھ سو سال تک علی الرغم حکومت کی ہے اور جب اخیر میں تصادم اور متضاد سیاسی تحریکیں چلی ہیں اور انہوں نے غیر مسلموں کے دل میں بڑے بڑے ناسور پیدا کر دیئے ہیں اب اس کو پیام انسانیت کے ذریعہ ہی ختم کیا جا سکتا ہے۔ اس کو میں نے بہت اختصار سے بیان کیا ہے اس پر پورا لٹریچر تیار ہو گیا ہے آپ اس کا مطالعہ کریں۔

۴۔ چوتھا اور آخری محاذ علوم دینیہ کے بقاء کی کوشش کرنا اور زمانہ کے ساتھ ان کو تطبیق

دینا۔ اس طرح نہیں کہ تابع ہوں بلکہ زمانہ کے جائز اور واجب تقاضوں کو پورا کرتے ہوئے اور اس کی زبان و ادب کی رعایت کے ساتھ علوم دینیہ کو زندہ رہنے اور اپنا کام کرنے اور زمانہ کا نہ صرف ساتھ دینے بلکہ اس کی قیادت کرنے کے قابل بنائیں اس کے لئے عربی مدارس تو ریڑھ کی حیثیت رکھتے ہیں ان کو ترقی دیں اور ان کے لئے اساتذہ تیار ہوں۔ ندوۃ العلماء کے ملحق مدارس کو اپنی پچاس ساٹھ سے متجاوز تعداد ہونے کے باوجود اساتذہ نہیں ملتے آپ اس کے لئے بھی تیار ہوں، نئے مدارس قائم کریں۔ علوم دینیہ میں نئی زندگی اور تازگی پیدا کریں صرف یہ نہیں کہ آپ فرسودہ چیزوں کو فرسودہ اور بوسیدہ چیزیں سمجھ کر پڑھائیں بلکہ ان میں نئی روح و نئی توانائی پیدا کریں۔ تصنیفات نئی ہوں تشریحات نئی ہوں، نئی ترجمانی ہو، نئی قوت تدریس ہو، نیا ذوق تعلیم ہو اور نئی ذہنی صلاحیت اور اس کے ساتھ ذکاوت، حافظ اور مطالعہ کی وسعت ہو۔

یہ چار چیزیں جو میں نے اختصار کے ساتھ بیان کی ہیں ان کی طرف توجہ کرنا نہایت ضروری ہے۔

اور اب وہ چار چیزیں بیان کرتا ہوں جو آپ کی ذات سے متعلق ہیں انہیں آپ سرسری نہ سمجھئے گا یہ ہزاروں صفحات کے مطالعہ کا نچوڑ ہے اگرچہ خودستاء ہے اور اس میں کوئی فضیلت نہیں ہے محض اپنی بات میں اہمیت پیدا کرنے کے لئے کہتا ہوں کہ بہت کم لوگوں کو علمائے سلف اور علمائے معاصرین اور درمیانی دور کے علماء خاص طور پر ہندوستان کے علماء کے تراجم پڑھنے کا موقعہ ملا ہوگا جتنا مجھے ملا ہے۔ اس کے خاص اسباب تھے کیونکہ میں ایک تاریخی ماحول اور مؤرخین کے گھرانے میں پیدا ہوا اور گھر میں سارا خزانہ موجود تھا۔

''نزهة الخواطر'' جس میں ساڑھے چار ہزار سے زائد علمائے ہند کے تراجم ہیں اس کو میں نے کئی بار پڑھا۔ مسودہ کے مرحلہ سے لے کر طباعت کے بعد تک ہر مرحلہ میں

کئی بار پڑھتا رہا۔ اسی طرح وفیات الاعیان اور طبقات کی جو کتابیں ہیں پڑھیں۔ علاوہ ازیں اللہ تعالیٰ نے بزرگوں کی خدمت میں رہنے کا موقعہ بھی نصیب فرمایا۔

اس سب سے پہلی چیز یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ معاملہ درست ہو۔ کسی درجہ میں تقویٰ، دیانت داری اور تعلق مع اللہ ہو یا اس کی فکر ہو، یہ ایسی بنیادی بات ہے کہ جس کے بغیر نہ کسی کام میں برکت ہوتی ہے نہ حرکت اور ایسا حقیقی نفع اسی وقت ہوگا جب خدا اور رسول کے ساتھ معاملہ درست ہو۔

میں یہ نہیں کہتا کہ آپ سب کے سب شب بیدار بن جائیں صوفی اور عارف باللہ ہو جائیں یہ ہر شخص کے لئے ضروری نہیں۔ لیکن جو ضروری حصہ ہے وہ یہ ہے کہ ایک حد تک تقویٰ اور اللہ تعالیٰ سے ساتھ معاملہ صحیح ہو اور اس کی فکر ہو اور اپنی نمازوں کی فکر ہو دعا کا ذوق ہو اور انابت الی اللہ کسی نہ کسی درجہ میں ضرور ہو۔ یہ سب سے اہم اور بنیادی چیز ہے اسے کبھی بھولنا نہیں چاہئے، اور اس کے حصول کے بہت سے ذرائع ہیں ان میں سے ایک تو یہی ہے کہ کتاب و سنت اور فقہ کا مطالعہ کریں اور اس کے مطابق اپنی نمازوں کو بہتر بنانے کی کوشش کریں اس کے علاوہ سب سے مؤثر چیز یہ ہے کہ بزرگان دین کے حالات پڑھیں اور اگر اللہ تعالیٰ نصیب کرے تو کسی بزرگ کی صحبت اختیار کریں، میں بے تکلف کہتا ہوں کہ اس سلسلہ میں سب سے بہتر اور مفید حضرت حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کی کتابیں خاص طور سے ان کی ملفوظات و مواعظ ایک اچھا اثر رکھتے ہیں میں نے الحمد للہ ساری ندویت، اپنے تمام ادبی ذوق اور تاریخی بلکہ انتقادی ذوق کے ساتھ ان سے فائدہ اٹھایا ہے اور آپ کو بھی مشورہ دیتا ہوں اس سے آپ کو اپنی جاہ طلبی، حب مال اور معاملات میں کوتاہی کا علم ہوگا اور خاص طور پر اخلاق کی اصلاح اجتماعی کاموں کی اہمیت پر ان کے یہاں بڑا زور دیا جاتا ہے، اللہ تعالیٰ نے خاص طور پر ان سے یہ کام لیا ہے، آپ اس کی طرف ضرور توجہ دیں آپ کے اندر اس کی کوئی مقدار ضرور ہونی

چاہئے۔

۲۔ دوسری چیز یہ ہے کہ اسلام کی تاریخ میں خاص طور پر اس کی دعوت وعزیمت کی تاریخ اور اس کی اصلاحی تحریکوں کی تاریخ یہ بتاتی ہے کہ عہد نبوی ﷺ سے لے کر آج تک علم اور نفع خلائق کا، اصلاح وانقلاب حال کا اور زہد وایثار کا ساتھ رہا ہے یہ دونوں بالکل ہمسفر ہیں۔ آپ اسلام کی پوری تاریخ کا جائزہ لیں گے تو معلوم ہوگا کہ ان دونوں کا کہیں ساتھ نہیں چھوٹا ہے اللہ تعالیٰ نے جن لوگوں کے ذریعہ امت کو نفع پہنچایا اور کسی بڑے فتنے سے محفوظ فرمایا ان میں سب سے بڑا فتنہ ردت کا فتنہ تھا اور دوسرا فتنہ خلق قرآن کا تھا، جیسا کہ بعض لوگوں نے کہا ہے:

نصر اللہ ہذہ الامة. اعان اللہ ہذہ الامة بابی بکر الصدیق یوم الردة وبا حمد بن حنبل یوم الفتنة، اور اس کے بعد جو فلسفے کے تھے تھے جن کے مقابلہ کے لئے جو لوگ آئے، امام غزالی ہوں یا امام ابوالحسن اشعری ہوں پھر اس کے بعد جو فتنے تھے ان کے مقابلہ کے لئے امام ابن تیمیہ وغیرہ آئے پھر ہندوستان میں صوفیائے کرام جنہوں نے مادیت، غفلت اور سلطنت کے اثر سے جو جاہ پرستی، طاقت پرستی، دولت پرستی اور نفس پرستی پیدا ہو رہی تھی اس کو روکا۔ پھر اس کے بعد غیر مسلموں کے اثر سے اسلامی معاشرے میں جو بدعات، مشرکانہ عقائد داخل ہوگئے تھے اور وحدة الوجود کا جو اثر فلاسفہ اور صوفیوں سے لے کر ادباء اور شعراء تک کے دماغوں میں سرایت کر گیا تھا اس کے مقابلہ کے لئے حضرت مجدد الف ثانی آئے۔ پھر اس کے بعد قرآن مجید کے براہ راست مطالعہ اور حدیث سے اشتغال ہونے کی وجہ سے جو ایک جاہلیت ہندیہ اور مقامی اثرات تھے اور اتباع سنت کا جو ذوق کم ہو گیا تھا اور عقیدہ میں رخنہ پڑ گیا تھا اس کے سد باب کے لئے حضرت شاہ ولی اللہ اور ان کے اخلاف وخلفاء کو اللہ تعالیٰ نے تیار کیا۔

غرض کہ پوری تاریخ بتاتی ہے کہ اصلاح کا کام، عزیمت کا کام اور سطح سے بلند ہوکر

امت کے نفع کا کام اور زہد و ایثار دونوں میں اللہ تعالیٰ نے کوئی فطری اور طبعی رشتہ قائم کر دیا ہے جو اسلام کی پوری تاریخ میں ٹوٹے نہیں پایا۔ اس لئے میں آپ سے صاف کہتا ہوں کہ اس کے لئے بھی آپ اپنے کو تیار کریں، کیونکہ دوسری قوموں میں بھی کوئی کام زہد و ایثار کے بغیر نہیں ہوا ہے۔ اگرچہ ان کا مزاج الگ، ان کے نتائج مختلف اور ان کے احکام بھی دوسرے ہیں اس لئے اپنے آپ کو ارزاں فروشی سے بچائیں، صرف دولت دنیا کو اور عہدوں کو اپنا مطمح نظر نہ بنائیں جہاں سے کام آ جائے، مانگ آ جائے اور امید ہو جائے بس آپ آنکھ بند کر کے چلے نہ جائیں اور زہد و ایثار سے کام لیں۔ اسی زہد و ایثار کے معدے سے قرآن مجید بھرا ہوا ہے اس وقت نہ میں استیعاب کر سکتا ہوں اور نہ آپ کو ضرورت ہے۔

پوری تاریخ شاہد ہے کہ زہد و ایثار سے جو حقیقی آسودگی اور صحیح عزت حاصل ہوتی ہے وہ کہیں نہیں حاصل ہوتی ہے اور یہی اصل مقصد ہے جو لاکھوں کروڑوں روپے کے مالک کو بھی حاصل نہیں ہے۔ وہ ایک لقمہ کو حلق سے اتارنے کے لئے بعض اوقات ترستے ہیں ہنری فورٹ کہتا تھا کہ میری ساری دولت لے لو اور میرا ہاضمہ درست کر دو، اور اس قابل بنا دو کہ میں کچھ کھا پی سکوں، حقیقی ضرورت کا سہولتوں اور عزت کے ساتھ پیدا ہونا اللہ تعالیٰ کا ذمہ ہوتا ہے۔

اگر غیر مناسب بات نہ ہوتی تو میں بتاتا کہ میں اور میرے بعض رفقاء کو محض بزرگوں اور اپنے مربیوں کے فیض سے اور جو کتابوں میں پڑھا تھا اس کے اثر سے اللہ تعالیٰ نے بچا لیا تو آج ہم اس قابل ہیں، ورنہ معلوم نہیں کسی یونیورسٹی یا کسی کالج میں ریٹائر ہو چکے ہوتے اور تھوڑی بہت پنشن وغیرہ جو ملتی ہے ملتی ہوتی اور اپنے قصبہ میں بیٹھے زندگی کے دن گذار رہے ہوتے۔ لیکن ہمیشہ ایسے موقعوں پر بزرگوں کے واقعات سامنے ہوتے ہیں ان میں سے مولانا عبدالرحیم صاحب کی   ایک مثال پیش کرتا ہوں جس کی نظیر

شاید مشکل سے ملے گی۔

والد صاحب مرحوم نے نزہۃ الخواطر کی آخری جلد میں مولانا نجم الغنی صاحب رامپوری کے حوالہ سے لکھا ہے کہ مولانا عبدالرحیم صاحب معقولات کے اور ریاضیات کے بہت بڑے ماہر تھے وہ قدیم درس پڑھاتے تھے اور انہیں ریاست رامپور سے پندرہ یا بیس روپے ماہانہ ملتے تھے ان کی اپنے فن میں قابلیت کی شہرت دور دور تک پھیلی ہوئی تھی . جب بریلی میں پہلی مرتبہ کالج قائم ہوا ہے تو اس کے پرنسپل مسٹر ہاکنس نے ان کو آفر (پیش کش) کی کہ آپ بریلی کالج میں آئیے اور دو سو روپے آپ کی تنخواہ ہوگی تو انہوں نے بڑی سادگی سے جواب دیا کہ میرے پندرہ روپے بند ہو جائیں گے۔ مسٹر ہاکنس نے کہا کہ آپ ریاضیات کے اتنے بڑے ماہر ہیں لیکن پندرہ اور دو سو روپے میں فرق نہیں سمجھتے، پھر انہوں نے جواب دیا کہ جن لڑکوں کو میں پڑھاتا ہوں ان کی تعلیم ادھوری رہ جائے گی پھر اس نے کہا وہ سب لڑکے یہاں آجائیں گے اور سبھوں کا اسکالرشپ مقرر کر دیا جائے گا۔ انہوں نے جواب دیا کہ ایک بڑی دقت یہ ہے کہ میرے گھر کے سامنے بیری کا درخت ہے جس کے تازہ پھل سے صبح صبح ناشتہ کرتا ہوں وہاں جانے کے بعد اس کا پھل نہیں ملے گا جس کی وجہ سے صحت پر اثر پڑ سکتا ہے، پھر اس انگریز نے کہا کہ وہ پھل بھی صبح صبح ڈاک کی گاڑی سے آپ کو مل جائے گا تو پھر انہوں نے جواب دیا یہ سب ٹھیک ہے لیکن آپ یہ بتائیے کہ کل قیامت میں جب خدا یہ سوال کرے گا کہ تم رامپور چھوڑ کر بریلی اس لئے گئے تھے کہ یہاں پندرہ روپے ملتے تھے اور وہاں دو سو روپے ملیں گے تو میں اس کا کیا جواب دوں گا؟ انگریز بہرحال انگریز تھا اس نے کہا کہ میرے پاس اس کا کوئی جواب نہیں ہے۔

میرے عزیزو! میں تم سے صاف کہتا ہوں کہ ایسی مثالیں پھر زندہ ہونی چاہئیں، اللہ کا فیصلہ ہے اور اس کی سنت ہے، سارے آسمانی صحیفے بتاتے ہیں انبیاء علیہم السلام کی

سیرت سے معلوم ہوتا ہے اور مصلحین کی تاریخ بتاتی ہے کہ اللہ تعالیٰ جو عزت سکون قلب اور روحانی سرور عطا فرماتا ہے اور اس کے ساتھ جو برکت ہوتی ہے وہ سب زہد وایثار پر موقوف ہے اور اب پھر وہ دور آگیا ہے خاص طور سے ہندوستان کے حالات اس زہد و ایثار کے طالب ہیں۔ یہ بہت بری روایت شروع ہوگئی ہے کہ جہاں زیادہ پیسے ملیں جہاں زیادہ آسودگی حاصل ہو اور جہاں اپنے خاندان کی آسانی سے پرورش کرسکیں وہیں جانا چاہئے یہ بہت بڑی آزمائش ہے اس سے بچنے کی دعا مانگنی چاہئے۔

۳۔ تیسری بات جو بہت تجربہ کی ہے وہ یہ ہے کہ میں نے بھی کتابیں پڑھی ہیں اسلام کے مذاہب اربعہ اور ان سے باہر نکل کر تقابلی مطالعہ کیا ہے شاید کم ہی لوگوں نے اس طرح کا مطالعہ کیا ہو ان تمام کے مطالعے کے نچوڑ میں ایک گر کی بات بتاتا ہوں کہ جمہور اہل سنت کے مسلک سے کبھی نہ ہٹیے گا۔ اس کو لکھ لیجئے، چاہے آپ کا دماغ کچھ بھی بتائے، آپ کی ذہنیت آپ کو کہیں بھی لے جائے کیسی ہی قوی دلیل پائیں جمہور کے مسلک سے نہ ہٹیے۔ اللہ تعالیٰ کی جو تائید اس کے ساتھ رہی ہے جس کے شواہد وقرائن ساری تاریخ میں موجود ہیں۔ چونکہ اللہ تعالیٰ کو اس دین کو باقی رکھنا تھا اور باقی رہنے کا مطلب یہ ہے کہ وہ اپنی اصلی حالت پر قائم رہے ورنہ بدھ مذہب کیا باقی ہے عیسائیت کیا باقی ہے عیسائیت کے بارے میں قرآن کا ولا الضالین کہنا ایک معجزہ ہی ہے یعنی وہ چیز سے بالکل ہٹ چکی تھی اور اللہ تعالیٰ نے چونکہ اس دین اسلام کے بارہ میں فرمادیا ہے انا نحن نزلنا الذکر وانا له لحافظون، اور اس کے ساتھ جو تائید ہے جو قوی دلائل ہیں، جو سلامت فکر اور سلامت قلب ہے، اس کے ساتھ جو ذہین ترین انسانوں کی محنتیں اور غور وخوض کے نتائج ہیں اور ان کا جو اخلاص ہے اور ذہن سوزی ہے وہ کسی مذہب کو حاصل نہیں ہے یہ وہ بات ہے ہمارے اور آپ کے استاد مولانا سید سلیمان ندوی نے اپنے بعض شاگردوں سے کہا جیسا کہ مولانا اویس صاحبؒ نقل کرتے تھے اور سید

صاحبؒ سے ان کے استاذ مولانا شبلیؒ نے کہی تھی۔ بعض لوگ چمک دمک والی تحریر پڑھ کر دھوکا کھا جاتے ہیں ''**ومن الناس من یعجبک قوله فی الحیوة الدنیا ویشهد الله علی ما فی قلبه**'' اور شہیدوں کا مذاق اڑاتے ہیں، اور کہیں علمائے سلف کا مذاق اڑاتے ہیں۔ کہیں مفسرین ان کے تیر کا نشانہ بنتے ہیں، لهذا مسلک جمہور سے اپنے کو وابستہ رکھئے اس کا بڑا فائدہ ہوگا۔ اللہ کی خاص عنایت ہوگی اس کی نصرت و برکت ہوگی اور حسنِ خاتمہ بھی ہوگا۔

یہ باتیں ہیں جن کو میں شاید زیادہ مؤثر طریقہ سے نہ کہہ سکا لیکن آپ انہیں حقائق سمجھیں اور یہ مطالعہ اور تجربہ کا ماحصل ہے، اللہ تعالیٰ کے فضل سے میں ان باتوں تک پہنچا ہوں اور آپ تک بطور امانت اور وصیت منتقل کرتا ہوں۔

۴۔ اور آخری بات یہ ہے کہ علم سے اپنا اشتغال رکھئے، اپنے کو کبھی فارغ التحصیل نہ سمجھئے، ہمیشہ نئی اور پرانی کتابوں کا مطالعہ کرتے رہیئے خواہ آپ کہیں رہیں، قرآن مجید کی تفسیریں، حدیث شریف کی شرحیں، تاریخ کی کتابیں اور جو کتابیں علم الکلام پر اور حقائق کو پیش کرنے کے نئے نئے طریقہ پر لکھی گئی ہیں ان سب سے آپ کا ربط رہے اور ان کا ہمیشہ مطالعہ کرتے رہیں اور اپنے مرکز سے برابر تعلق قائم رکھئے۔

ع پیوستہ رہ شجر سے امید بہار رکھ

وماعلینا الاالبلاغ المبین

نشانِ منزل

اسلامی وعربی مدارس کے اساتذہ وطلبہ کیلئے پیغام عمل، یہ تقریر حضرت مولانا قدس سرہ نے وسط اپریل ۱۹۷۱ء میں ہمارے اکابرین، اولیاء اللہ اور بزرگان دین کا مولد و مسکن بھٹکل کا مشہور دینی ادارہ جامعہ اسلامیہ بھٹکل میں اساتذہ وطلبہ کے سامنے فرمائی تھی۔

الحمد لله نحمده ونستعينه ونستغفره ونؤمن به ونتوكل عليه ونعوذ بالله من شرور انفسنا ومن سيئات اعمالنا. من يهده الله فلا مضل له ومن يضلله فلاهادى له. ونشهد ان لا اله الا الله وحده لاشريک له ونشهد ان سيدنا ومولانا محمد ا عبده ورسوله صلى الله تعالىٰ عليه وعلى آله وصحبه وسلم تسليما كثيرا.

اما بعد! فاعوذ بالله من الشيطان الرَّجيم بسم الله الرّحمن الرحيم. لقد جآء كم رسول من انفسكم عزيز عليه ماعنتُّم حريص عليكم بالمؤمنين رؤف رحيم فان تولّوا فقل حسبى الله لا اله الا هو عليه توكّلت وهو رب العرش العظيم.

میرے دوستو، بھائیو، اور بزرگو! ہم کو اور آپ کو معلوم ہے کہ دنیا میں ماں باپ سے بڑھ کر کسی کی اور شفقت نہیں، ماں کی مامتا دنیا میں ضرب المثل ہے، اگر کوئی عورت،

اگر کوئی انسانی ہستی، اگر دنیا کی کوئی بھی مخلوق ماں کی محبت سے بڑھ کر دعویٰ کرے تو سب اس کو جھوٹا کہتے ہیں، جھوٹا سمجھتے ہیں، اور اس پر اعتماد نہیں کرتے، اور اسکو بناوٹ، نفاق اور جھوٹا دعویٰ سمجھتے ہیں اللہ تعالیٰ نے بچے کی محبت ماں کے دل میں ڈال دی ہے۔ جب سے یہ نظام عالم قائم ہے، یہ محبت رہی ہے۔ اس نظام عالم میں جسمانی پرورش کا نظام ایک خاص اسٹیج پر چل رہا ہے۔ اگر ماں کے دل میں بچے کی محبت نہ ہو تو بچے کی پرورش بہت مشکل ہے، چنانچہ جو بچے اپنی ماؤں سے محروم رہتے ہیں، کسی وجہ سے ان کی پرورش کے لئے بہتر سے بہتر سامان کیا جائے لیکن وہ قدرتی، وہ بے تکلف وہ خدائی محبت اور مامتا کا جوش اور فکر اور درد جو ماں کے دل میں ہوتا ہے وہ پیدا نہیں ہوتا، وہ بچے اس دولت سے محروم رہ جاتے ہیں، اس طرح سے باپ کی شفقت بھی، بالکل قدرتی بات ہے، اللہ تعالیٰ نے باپ کے دل میں بھی محبت و شفقت کا مادہ رکھا ہے، اور کیوں نہ ہو اولاد اس کے چشم کا ٹکڑا بلکہ اس کے دل ہی کا ٹکڑا ہے، اس لئے جسے اپنے آپ سے محبت ہوتی ہے اسے اپنی اولاد سے بھی محبت ہوتی ہے، سوائے اس کے کہ فطرت مسخ ہو جائے، انسان کی زندگی میں کوئی ایسی بات ہو جائے اور کوئی ایسا عنصر شامل ہو جائے جس سے فطرت متأثر ہو، لیکن ماں اور باپ اپنے علم کے مطابق، اپنے تجربے کے مطابق اپنی سمجھ کے مطابق، بچے کے لئے بھلائی چاہتے ہیں، اس کو تعلیم دینا چاہتے ہیں اس کی تربیت کرنا چاہتے ہیں۔ اس میں اچھے اخلاق پیدا کرنا چاہتے ہیں اور بری باتوں سے بری صحبتوں سے بچے کو بچانا چاہتے ہیں۔

مخلوق کے ساتھ انبیاء کی غیر معمولی شفقت

لیکن کبھی کبھی ماں کی محبت بھی اندھی ہوتی ہے، کہتے ہیں کہ محبت اندھی ہوتی ہے اور ماں کی محبت تو بہت اندھی ہوتی ہے، وہ اندھا دھند کام کرتی ہے۔ اس کو فکر نہیں ہوتی کہ

بچے کے حق میں یہ بات انجام کے لحاظ سے بہتر ہے، مفید ہے یا مضر، بس مامتا کا جوش ہوتا ہے اس میں اس کی آنکھیں بند ہوجاتی ہیں، وہ بالکل اندھی بن جاتی ہے، بعض اوقات بچے کو نقصان پہنچانے والی ضد پوری کرتی ہے، اس کی فرمائش پوری کرتی ہے۔ وہ مکتب میں جانا نہیں چاہتا تو اس کو روک لیتی ہے، سو بہانے کرتی ہے، بیمار بتلاتی ہے، اور اس طرح سے بچہ مکتب کی تعلیم سے محروم رہ جاتا ہے اس طرح کی ہزاروں نہیں لاکھوں مثالیں ہیں، جس طریقہ سے انسانی جسم کی پرورش کا نظام اور ترقی کا نظام ماں اور باپ کی محبت پر چل رہا ہے اسی طریقے سے روحانی اور اخلاقی پرورش کا نظام اور سچ پوچھئے تو یہ پورا نظام عالم پیغمبروں کی محبت اور شفقت پر چل رہا ہے، ماں باپ میں جو لوگ ذرا سمجھدار ہوتے ہیں، جن کی نظر ذرا دوررس ہوتی ہے، جن کی انجام پر نظر ہوتی ہے، وہ بچے کی چھوٹی چھوٹی ضدیں پوری نہیں کرتے، ان کے بے جا اصرار پورا نہیں کرتے، وہ بعض اوقات بچے کو رلاتے ہیں، بعض اوقات دکھ پہنچاتے ہیں مگر جو چیز انجام کے لحاظ سے اس کے لئے بہتر ہوتی ہے وہ اسی کا انتظام کرتے ہیں، بچہ مدرسہ نہیں جانا چاہتا وہ اسے بھیجتے ہیں، بچہ دوا نہیں پینا چاہتا پلاتے ہیں، بچہ آپریشن نہیں کرانا چاہتا کراتے ہیں، [illegible] نہیں دلانا چاہتا دلاتے ہیں ان سے بڑھ کر محبت کرنے والا بچے کے لئے کون ہوتا ہے لیکن وہی اس کو پکڑتے ہیں وہی آپریشن کرواتے ہیں، یہی سب [illegible] [illegible] یہ تعلق [illegible] انسانوں کی [illegible] تربیت ہے۔ [illegible] طریقے سے [illegible] چل [illegible] اسی طرح سے روحانی اور اخلاقی تربیت کا نظام پیغمبروں سے وابستہ ہے، اللہ تعالیٰ نے ان کو ایسی محبت اور شفقت عطا فرمائی ہے کہ اس محبت اور شفقت کے سامنے ماں باپ کی محبت سچ پوچھئے تو گرد ہے، ماند ہے، ہم اندازہ نہیں کر سکتے کہ پیغمبروں کے دل میں اپنی امت کی کس درجہ محبت اور شفقت ہوتی ہے، وہ کس طرح سے ان کے دل کی

تکلیف کو محسوس کرتے ہیں، ان کے پاؤں میں، ان کے تلوے میں کانٹا چبھتا ہے، انگلی میں ان کے جسم کے کسی حصہ میں پھانس لگتی ہے تو اس کی خلش وہ سارے جسم میں محسوس کرتے ہیں، اپنے امتی کے ساتھ ان کا کیسا تعلق ہوتا ہے اس کا اندازہ کرنا ہمارے لئے مشکل ہے، اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے، میں نے جو آپ کے سامنے آیت پڑھی آپ کو مسلمانوں کی حیثیت سے اور اگر اللہ تعالیٰ نے ہم کو علم دیا ہے، سیرت کا، آنحضرت ﷺ کے حالات سے ہم کو تھوڑی بہت واقفیت ہے تو ہم اس کی لفظ بہ لفظ نہیں، حرف بحرف نہیں بلکہ نقطہ بہ نقطہ تصدیق کرینگے۔

> ”لقد جآء کم رسول من انفسکم عزیز علیه ما
> عنتم حریص علیکم بالمؤمنین رؤف رحیم. فان
> تولوا فقل حسبی اللہ لا الٰه الا هو علیه توکلت
> وهورب العرش العظیم.“

ایسا پیغمبر آیا ہے جو تمہیں میں سے ہے اور اگر وہ ہم میں سے نہیں ہوتا تو اس کو ہمارے درد دکھ کا احساس نہ ہوتا ہماری مشکلات کو وہ نہ جانتا، اسے جانتا بھی تو اس مشکل میں شریک نہ ہوتا، انسان کا درد انسان محسوس کرتا ہے، بھائی کی تکلیف بھائی محسوس کرتا ہے، ایک گاؤں کے رہنے والے، ایک دوسرے کے دکھ درد کو جانتے ہیں، ایک گاؤں کے لوگ بعض اوقات ایک دوسرے کی مشکلات کو نہیں سمجھتے، ریاست صوبہ، ملک تو بڑی چیز ہیں اور دنیا تو بعد میں بنتی ہے، ایک چھوٹے سے گاؤں کے لوگ بھی بسا اوقات ایک دوسرے کی مشکلات کو نہیں سمجھتے، تمہارے پاس ایک پیغمبر آیا ہے جو تم میں سے ہے تمہاری جنس میں سے ہے۔ یعنی جس چیز سے تم کو ذرا بھی تکلیف ہو وہ اس کو شاق گزرتی ہے، وہ اس کو برداشت نہیں ہوتی، وہ اس کو کھل جاتی ہے، اس کی جان پر بن جاتی ہے، **عزیز علیه ماعنتم** جس سے تم کو ذرا بھی تکلیف ہو، تمہاری شفقت، تمہارے درد

سے تمہاری بے چینی سے وہ بے چین ہوتا ہے، **حریص علیکم** اس کو تمہاری بڑی فکر ہے، تمہاری دُھن اس کو لگی ہوئی ہے کہ تم اللہ کے مقبول بندے بن جاؤ، اللہ کی رحمت تم پر رہے، مغفرت رہے، اس کی تھوڑی سی غفلت سے تمہارا دامن کہیں خالی نہ ہو جائے، کفر کا کلمہ تمہارے حلق سے اترنے نہ پائے، انسان جہنم کے حلقے میں شامل نہ ہونے پائے، شیطان کے حلقے میں جانے نہ پائے، اور خدا کے دین کی خدمت چھوٹنے نہ پائے بس جو بھی انسان ہے وہ انہیں میں آ جائے، اللہ تعالیٰ کی رحمت کی جھولی میں آ جائے۔

ایمان والوں کے ساتھ نہایت شفقت کرنے والا اور بہت مہربان ہے، آنحضرت کی اپنی امت کے ساتھ جو تعلق تھا فکر تھی جو درد تھا، اس کا آپ اندازہ ہی نہیں کر سکتے کہ وہ کس درجے کی تھی، بس یوں سمجھئے کہ جیسے ایک ماں کی ایک ہی اولاد ہو، ماں کا ایک چھوٹا بچہ ہو اکلوتا اور ساری زندگی کا سہارا اور سارے گھر کا چراغ، اس ماں کو جیسے اپنے بچے کی فکر ہوتی ہے، اس کی ترقی سے خوشی ہوتی ہے، اس کی تکلیف سے تکلیف ہوتی ہے، تو سمجھیے ایسا ہی تعلق ایک پیغمبر کو اپنی امت کے ساتھ ہوتا ہے، صحابہ کرامؓ کے ساتھ آپ کا کیا تعلق تھا، یہاں تک کہ وہ لوگ جو مکہ کے رہنے والے تھے ان میں سے بعض آپ کے عزیز تھے، اور بعض ان میں سے اہل شہر تھے، ہم وطن تھے، مگر بدر میں قیدیوں کی حیثیت سے جب وہ پیش ہوئے تو نماز میں بھی آپ بے چین رہے، نماز سے آپ کو جو عشق تھا، نماز میں جو مزہ ملتا تھا اور جو طمانینت ہوتی تھی، خدا کی طرف توجہ ہوتی تھی، اس کا اندازہ ہم آپ کر ہی نہیں سکتے۔

آپ فرماتے ہیں "**قرة عینی فی الصلوٰة**" میری آنکھوں کی ٹھنڈک نماز میں ہے، آپ بلالؓ سے فرماتے ہیں کہ اے بلالؓ!

بلالؓ آپ کے مؤذن تھے، دنیا کی باتیں ہو رہی تھیں، وہاں کیسی باتیں ہوں گی،

اچھی باتوں کے سوا وہاں اور کیا ہوسکتا تھا، اسلام کی تبلیغ کی باتیں، اسلام کو پھیلانے کی تدبیریں، کوششیں، اور علم قرآن وحدیث، لیکن آپ کو حضور نماز کا جو مقام تھا، نماز سے جو تعلق تھا، آپ نماز کے لئے بے چین ہوکر بلالؓ سے کہتے اے بلالؓ! اذان کہہ کر ہم کو آرام دو، بہت انتظار کیا، اب انتظار نہیں ہوتا، بلالؓ خدا کے لئے اذان دو تا کہ ہم کو سکون حاصل ہو، تا کہ ہم کو آرام ملے، بس نماز سے آپ کا یہ تعلق تھا، اور امت کے ساتھ آپ ﷺ کا جو تعلق تھا، آپ ﷺ کہتے ہیں کہ میں کبھی کبھی نماز میں ہوتا اور پیچھے سے کسی بچے کے رونے کی آواز آتی دل تو چاہتا کہ نماز لمبی کروں، دل کھول کر قرآن شریف پڑھوں، اپنے خدا کے سامنے خشوع وخضوع کے ساتھ لمبے لمبے سجدے کروں، خوب اس سے باتیں کروں، خوب اس سے دعائیں کروں، اس کا نام لوں، اچھی طرح سے اس کو پکاروں، راضی کروں اور مناؤں، لیکن اس بچے کی آواز میرے کان میں آتی ہے اور میں سوچتا ہوں کہ اس کی ماں بھی نماز میں ہوگی۔ اس زمانے میں مسلمان عورتیں بھی نماز پڑھنے کے لئے مسجد میں آتی تھیں اور وہ زمانہ فتنہ وفساد کا زمانہ نہیں تھا، خیر القرون کا زمانہ تھا، اس لئے عورتوں کو اجازت تھی کہ اپنے بھائیوں کے ساتھ، اپنے باپ کے ساتھ اپنی اولاد کے ساتھ وہ بھی اللہ کے گھر آئیں اور نماز پڑھیں، آپ فرماتے ہیں کہ میں نماز میں ہوتا ہوں، اور میرا اس وقت ارادہ ہوتا ہے کہ اپنے خدا سے دل کھول کر مانگوں گا، دل کھول کر دعائیں مانگوں گا، دل کھول کر قرآن شریف پڑھوں گا، اتنے میں کان میں ایک بچے کی آواز آتی ہے میں سمجھتا ہوں کہ شاید اس کی ماں نماز میں ہو اور اس کا دل بے چین رہے گا اس کا دل نماز میں نہ لگے گا، وہ اپنے بچے کو جلد لینا چاہے گی، اس وقت میں نماز مختصر کردیتا ہوں، بھائیو اس سے بڑھ کر کیا تعلق ہوسکتا ہے، ہم کو نماز سے اس قسم کا تعلق کہاں ہے، جن لوگوں کو نماز سے تعلق ہے وہ سمجھ سکتے ہیں کہ یہ کتنی بڑی قربانی ہے، یہ ہمارے رسول ﷺ کی کتنی بڑی قربانی تھی، وہ نماز میں دنیا

وآخرت سے بے خبر ہو جاتے تھے، آپ کو نماز میں بالکل یہ معلوم نہیں ہوتا تھا کہ اس وقت دنیا میں کیا ہو رہا ہے، آپ اپنے خدا کے حضور میں کھڑے ہو کر رونے، مانگنے اور گڑگڑانے میں مصروف رہتے، اس میں آپ ایک بچے کی آواز سے نماز کو مختصر کر دیتے تھے کیوں؟ اس لئے کہ اس کی ماں کو تکلیف نہ ہو، آپ کا اپنی امت کے ساتھ یہ حال تھا، آپ نے فرمایا، اے مسلمانو! میری مثال اور تمہاری مثال ایسی ہے کہ جیسے ایک شخص نے الاؤ روشن کیا، بہت ہی تیز آگ جلائی، جیسے کہ جنگلوں میں آگ ہوتی ہے، لوگ اس کے چاروں طرف بیٹھ کر تاپتے ہیں، برسات کی راتوں میں آپ نے دیکھا ہوگا آگ کے پاس کیا ہوتا ہے، پروانے آ کر گرتے ہیں، ہزاروں کی تعداد میں آ کر جمع ہو جاتے ہیں، ایک بتی روشن کر دیجئے بس کافی ہے، روشنی پھیلتے ہی خدا جانے کون ان کو خبر کر دیتا ہے، وہ آتے ہیں، امنڈ آتے ہیں، بادلوں کی طرح امنڈ آتے ہیں، وہ سب کے سب آگ میں آ کر ٹوٹ پڑتے ہیں، تمہاری مثال ایسی ہی ہے جیسے کسی نے الاؤ روشن کیا اور پتنگے آ کر اس پر گرنے لگے، اسی طرح سے تم جہنم کی آگ میں گرنا چاہتے ہو، اے انسانو! تم جہنم کی آگ میں، دوزخ میں گرنا چاہتے ہو، اور میں تمہاری کمر پکڑ پکڑ کر تم کو آگ سے ہٹاتا ہوں، یہ آپ ﷺ کی اپنی امت کے ساتھ تعلق کا معاملہ ہے، امت کے ساتھ آپ ﷺ کو الفت تھی، ایسی الفت کہ اللہ تعالیٰ کو قرآن مجید میں کہنا پڑا، سورۂ کہف میں آیا ہے:

فلعلک باخع نفسک علی آثارھم ان لم یؤمنوا
بھذا الحدیث اسفاً ○

کیا تم جان دے دو گے ان انسانوں کے پیچھے، کیا تم اپنا گلا گھونٹ لو گے، ان کے اسلام نہ لانے پر، ایمان نہ لانے پر؟

آپ ﷺ کو یہ فکر تھی کہ امت میں سے کوئی بھی جہنم میں نہ جانے پائے، سب جنت

کے مستحق ہو جائیں، آپ کا مقام تو بہت اونچا ہے، آپ کے غلاموں کا یہ حال تھا، آپ اپنے مشائخ صوفیائے کرام، اور صحابہ کرامؓ کی سوانح عمریاں پڑھیں تو معلوم ہوگا کہ ان لوگوں نے نبوت کی وراثت میں، آپ کے صدقے میں وہ محبت اور شفقت انسانوں کے ساتھ جتائی، اپنے تعلق رکھنے والوں کے ساتھ، اپنے ساتھیوں کے ساتھ، ان لوگوں کا جو تعلق تھا، جو محبت وشفقت تھی، وہ گویا آنحضور ﷺ کا صدقہ تھا، حضرت نظام الدین اولیاء جو غلامانِ محمد میں سے تھے، ان کی سب سے بڑی معراج یہی ہے، ان کا یہ حال لکھا ہوا ہے کہ ان کی مجلس ہو رہی تھی، اللہ اور رسول کی باتیں ہو رہی تھیں، لوگ جمع ہونا شروع ہو گئے، آپ کے پاس جگہ ہی کہاں، وہ لوگ جمع ہونا شروع ہو گئے نتیجہ یہ ہوا کہ جو سایہ کی جگہ تھی وہ بھر گئی، جو لوگ بعد میں آئے وہ دھوپ میں کھڑے ہو گئے، آپ نے ایک مرتبہ تڑپ کر فرمایا کہ خدا کے لئے سایہ میں آجاؤ، دھوپ میں تم کھڑے ہو، اور میں جلا جا رہا ہوں، یہ حالت تھی حضور ﷺ کے غلاموں کی، یہ آپ ﷺ کے غلام تھے، آپ ﷺ کے نام لیوا تھے، دوسروں کی تکلیف کا ان کو اتنا احساس ہوتا تھا کہ دوسرے دھوپ کھائیں اور تکلیف ان کو خود محسوس ہوتی تھی، وہ سوزش محسوس کرتے تھے اور ایک مرتبہ حضرت نظام الدینؒ کا واقعہ ہے کہ حضرت سے کسی نے پوچھا کہ آپ کچھ کھاتے نہیں؟ وہ روزہ رکھتے تھے، انہوں نے عمر بھر روزہ رکھا سوائے بقر عید اور عید الفطر کے باقی ایام میں وہ روزہ سے رہتے تھے، اس لئے کہ ان دنوں میں روزہ رکھنا حرام ہے، سال بھر روزہ رکھا، لوگ حلوہ لاتے تھے، دستر خوان بچھا ہوا رہتا تھا، افطار میں وہ کھاتے تھے اپنی پسند کے مطابق، بعض مرتبہ دیکھا گیا کہ ہاتھ بڑھایا ہوا وہیں رہ گیا، اور دستر خوان اُٹھ گیا، برائے نام کچھ کھالیا تو کھالیا، ایک نے پوچھا کہ آپ کیوں تناول نہیں فرماتے، ہم دیکھتے ہیں کہ آپ برائے نام ہی کھاتے ہیں، آپ نے فرمایا کہ تم جو کچھ کھاتے ہو وہ میرے حلق میں جاتا ہے مجھے محسوس ہو رہا ہے کہ وہ میرے ہی حلق کے

اندر جا رہا ہے، اور ان کے ایک خادم تھے وہ بیان کرتے ہیں کہ وہ رات سحری لے کر آتے تھے، ان کی ڈیوٹی تھی کہ پانی وغیرہ وضو کے لئے رکھ آئیں، اور وہ خوان بھی لے آئیں جو کچھ بچا رہتا وہ کھاتے تھے، وہ کہتے ہیں کہ سب کھاتے تھے اور حضرت روزہ رکھتے تھے، یعنی یہ کہ میں نے کبھی نہیں دیکھا کہ آپ پیٹ بھر کر کھاتے ہوں، برائے نام کھاتے تھے، وہ کچھ بہانے سے کھاتے تھے یا جوں کا توں جیسا ہی خوان میں لے گیا ویسا ہی واپس لایا، ایک دن میں نے حضرت سے رو کر کہا کہ حضرت! آپ بھی کچھ کھائیے نا، آخر کس طرح سے کام ہوگا، عمر شریف اسی (۸۰) سے اوپر ہوتے آئی، کھائیے، بوڑھوں کی طاقت کھانے ہی سے ہوتی ہے، اب کھائے بغیر کام کیسے چلے گا، حضرت رو کر فرمانے لگے کہ میاں اقبال جو کچھ نام تھا کہ کیا تم کو معلوم نہیں کہ کتنے اللہ کے بندے مسجدوں کے صحن میں بھوکے پڑے ہیں، کیا تم کو معلوم ہے کہ دلی کے مسافر خانوں میں کتنے مسافر ایسے ہیں جو نانِ جویں کے محتاج ہیں، ان کو کھانے کو نہیں ملتا، پھر کیسے ہو سکتا ہے کہ میں سیر ہو کر کھاؤں، یہ غلامانِ محمد ﷺ کے چند واقعات ہیں جو میں نے سنائے، حضرت عبد القادر جیلانیؒ اور خواجہ معین الدین چشتیؒ، نظام الدین اولیاء اور بڑے بڑے اولیاء کرام کے واقعات میں نے عرض کیا، یہ سب ان کا عمل تھا، خادموں کے ساتھ یہ سب نمونہ تھا، یہ صدقہ تھا، نمونے کی ایک جھلک ہے، حضور کی شفقت کی جو آپ کو اپنی امت کے ساتھ تھی، میرے دوستو! اللہ کے سب پیغمبر اللہ کا سلام ہو ان پر، سب نے اپنی اپنی امتوں سے محبت وشفقت کا برتاؤ کیا، حضرت محمد ﷺ ماں باپ کی محبت سے بڑھ کر محبت ـــ کر آئے، آپ کو یہ فکر تھی، یہ حرص تھی، یہ دھن تھی کہ امت کا بیڑا پار ہو، اس کو نجات ہو، امتیوں میں سے کوئی بھی جہنم میں نہ جانے پائے، ایک امتی ہلاک نہ ہونے پائے، یہ نظامِ عمل تھا حضور ﷺ کا، آپ نے انسانیت کے سامنے جو تاریخ رکھی، جو ہدایت کا راستہ بتایا، اس پر چل کر مسلمان ہمیشہ کامیاب ہونگے، دنیا میں بھی آخرت میں بھی، دنیا میں

راحت ہوگی، آخرت میں جنت کے مزے لوٹینگے، دنیا میں جنت کے جھونکے آئیں گے اور جن کی ہوا چلے گی، اولیاء کرام کا مقولہ ہے کہ خدا کی قسم ہم کو جنت کا مزہ آرہا ہے، اور بہت سے عارفوں کا کہنا ہے کہ اگر لوگوں کو خبر ہو جائے دنیا والوں کو کہ ہم کس جنت میں رہتے ہیں، اسی زندگی میں ہم کو جو سکھ حاصل ہے...... تو خدا کی قسم وہ لوگ ہم کو یہاں بیٹھنے نہ دیں گے، ہم کو کام کرنے نہ دیں گے، وہ تلواروں کے ساتھ چل کر آئیں گے، اور ہم کو اٹھا کر کے یہاں ہماری جگہ پر خود بیٹھ جائیں گے، ہم کو دنیا فاقہ کرتا ہوا دیکھتی ہے یا پیٹ میں پتھر باندھے ہوئے دیکھتی ہے، چیتھڑے لگائے ہوئے، پیوند لگائے ہوئے دیکھتی ہے، ہم کو دنیا مال کے اعتبار سے کھانے کے اعتبار سے بہت بے مایہ اور بہت فقیر دیکھتی ہے لیکن ہم تو یہاں جنت کا مزہ لوٹ رہے ہیں، ہم کو جو یقین اللہ تعالیٰ نے عنایت فرمایا، جو راحت ہم کو بخشی، جو ہمارے دل میں استغنا رکھا، دل میں سے ہر خوف کو نکال دیا، امید ختم کردی، نہ کسی سے امید، نہ کسی سے خوف، **لاخوف علیھم ولاھم یحزنون**، کہ ہم کو جنت کا مزہ آرہا ہے، جنت کی تعریف کیا ہے، وہاں نہ خوف ہوگا، نہ مصیبت کی فکر ہوگی، نہ کیے ہوئے پر پچھتاوا نہ پشیمانی، نہ آئندہ کا غم ہوگا، یہ ان اولیاء کرام نے زندگی حاصل کی ہے۔

دنیا وآخرت میں کامیابی کی ضمانت

میرے دوستو! میں آپ سے یہ کہنا چاہتا ہوں کہ رسول اللہ ﷺ نے جو راستہ ہم کو بتایا ہے، جو تعلیم آپ ﷺ لے کر آئے اور جو کتاب آپ لے کر آئے، اس پر چل کر ہم دین ودنیا دونوں جگہ کامیابی حاصل کر سکتے ہیں، ہم اس کے بغیر کتنی بڑی عقلمندی سے کام لیں، کتنے فلسفی ہوں، کچھ بھی ہوں، نہ ہم اس دنیا میں کامیابی حاصل کر سکتے ہیں اور نہ اس دنیا میں ہم کو کامیابی حاصل ہو سکتی ہے، آپ کی اطاعت ہی میں کامیابی

ہے، آپ ہی کے راستے میں فوز وفلاح ہے، آپ ہی کے راستے میں سعادت ہے، آپ نے جو طریقہ بتایا ہے اسی طریقے میں ہمارے لئے کامیابی اور نجات ہے، ہماری عقل ہم کو کیا سمجھاتی ہے؟ ہماری عقل ہم کو یہ سمجھاتی ہے کہ آج کے فلسفہ اور آج کل کے نظام میں، آج کل کی تربیت میں ترقی ہے، ہمارا نفس ہم کو یہ طریقہ بتاتا ہے، یہ فلسفہ دیتا ہے علمی مسئلہ بتادیتا ہے کہ کیسی دنیا اور کہاں دنیا کی فکر، کیا ملت کا مفاد، کیا ملت، کیا ادارے، کہاں کا مسلمانوں کا مسئلہ، دنیا کے مسلمانوں کا مسئلہ کہاں، ہندوستان کے مسلمانوں کا مسئلہ کہاں، کھاؤ پیو مست رہو، کماؤ زیادہ سے زیادہ، کماؤ اور اولاد کے لئے زیادہ سے زیادہ چھوڑ کر جاؤ، عمدہ مکانات اور بنگلے بناؤ اور جائیدادیں خریدو، باہر ممالک چلے جاؤ، کس فکر میں جڑے ہو تم کہاں کا عقبیٰ، کہاں کی آخرت،؟ اور کہاں کے ملت کا مفاد، کہاں کے ملت کے مسائل کہاں کی مسلمانوں کی فکر، اس جھنجھٹ میں اگر ہم پڑیں گے تو ہم سے نہ کھایا جائے گا، نہ پیا جائے گا یہ تو تپ دق ہے، تپ دق کیوں مول لیتے ہو (EAT DRINK & BENEW) کھاؤ پیو اور مست رہو، یہ جو یورپ کا فلسفہ (BEMERRY) رہنے کا جو فلسفہ ہے ہمارا نفس ہم کو یہ بتاتا ہے کہ ہمارا بڑا مسئلہ ہماری ذات کا مسئلہ ہے، قوم کا مسئلہ نہیں ہے، اجتماعیت کا مسئلہ اور ملت کا مسئلہ نہیں ہے بلکہ مسئلہ زید کا، بکر کا اور عمر کا ہے، یہ جو اکائیاں ہیں، ملت کی ہر اکائی کا ہے، ہم کو تجربہ بتاتا ہے کہ اکائی دہائی کچھ نہیں، بس یہی دنیا ہے، یہی آخرت ہے، یہی اچھا ہے اور یہی برا ہے، اس کے نتیجہ میں کھانے کو جو کچھ بھی مل جائے اور کھانے کو تو بہت کچھ مل جاتا ہے، پہننے کو تو بہت کچھ مل جاتا ہے مگر یہ ہے جانور کی سی زندگی، بندر کی زندگی، بندر کی زندگی کیا ہے، گدھے کی زندگی کیا ہے، بھینس کی زندگی کیا ہے، کھالیا، پی لیا اور اپنے بچوں تک کی بعض جانوروں کو فکر نہیں ہوتی، ایسا دیکھا گیا ہے، کہ بچہ بھی اگر منھ مار رہا ہے تو ماں اس کے منہ سے لقمہ چھین رہی ہے، اسے کھانے نہیں دیتی، یہ ہے حیوانیت کا فلسفہ، یہ ہمارا

نفس ہم کو بتاتا ہے، **وزین لھم الشیطان ما کانوا یعملون** ۔ شیطان ان کے اعمال کو آراستہ کر کے دکھاتا ہے، وہ بتاتا ہے کہ دوسروں کی فکر میں تم کیوں گھلے جا رہے ہو، ہر وقت لوگوں کے غم میں مبتلا رہتے ہو، یہ درد یہ مرض اور یہ بیماری جس کو لگ گئی وہ گھلتا چلا جاتا ہے، اس کی ہڈی کو بھی گھلا دیتی ہے، یہ ہمارا نفس ہم کو بتاتا ہے اور ہمارا نفس سمجھاتا ہے کہ کہاں کا مرنا اور کہاں کا جینا، **ان ھی الا حیاتنا الدنیا نموت ونحیٰ** ۔ یہ سب کھیل ہے، یہی دنیا کی زندگی ہے، آج ہم زندہ ہیں کل مر جائیں گے کہاں کے ملت کے مسائل، کہاں کی اجتماعیت، کہاں کے ملی مفاد، کیسی تعلیم و تربیت، اس ملک میں کیا ہو رہا ہے، کیا ہونے والا ہے، آنے والی نسلوں کا حال کیا ہوگا، ہم پر کیا ذمہ داری ہے، ہم پر صرف اتنی سی ذمہ داری ہے کہ بس کھا لیں، پی لیں، بچوں کو پڑھائیں، ان کو آگے بڑھائیں، ان کو ایک کامیاب انسان بنائیں، ان کے مستقبل کا کیا ہوگا، اس ملک میں کیا ہونے والا ہے، مسلمانوں کا کیا ہونے والا ہے، اس فکر میں ہم کیوں پڑیں، یہ فلسفہ ہے نفس کا، نفسانیت کا اور حیوانیت کا، انفرادیت کا، جب کوئی قوم اس فلسفہ میں مبتلا ہو جاتی ہے، اور نفسی نفسی میں پڑ جاتی ہے، اس کا نتیجہ کیا ہوگا، ایک چھوٹا سا کنبہ آج وہ کنبہ بھی مختصر ہو رہا ہے، اپنی ہی زندگی میں ہم دیکھ رہے ہیں کہ کنبہ روز بروز مختصر ہو رہا ہے، پہلے چچازاد، تایازاد بھائی، ماموں زاد، پھوپھی زاد بھائیوں کا پورے کنبہ سے تعلق تھا، جب انسانیت کا تعلق تھا تو پوری برادری کے ساتھ تعلق تھا، گاؤں کا ہر بچہ اپنا بچہ معلوم ہوتا تھا اور ہر آدمی اپنا بھائی معلوم ہوتا تھا، جب اس کے بعد مادیت کارفرما ہو گئی تو یہ بات آئی کہ اگر ایک محلے کے کسی بچے کو دوسرے محلے کے بچے نے چھیڑ دیا یا مار دیا تو بس بپھر گئے کہ ہمارے محلے کے بچوں کو مارنے کی کیسے ہمت ہوئی، کیسے مجال ہوئی، ہمارے محلّہ کے بچہ کی طرف نظر اٹھا کر کیسے دیکھا، اب اس محلّہ کے لوگ   ، اس محلّہ کے لوگ ایک دوسرے سے جرمن اور انگریزوں کی لڑائی کی طرح دونوں آمنے سامنے

کھڑے ہوگئے، پھر محلہ میں لڑائی شروع ہوگئی، پہلے خاندان میں، سگے ماموں زاد بھائی، سگے خالہ زاد بھائی، سگے پھوپھی زاد بھائی جسے انگریزی میں (COUSINS) کہتے ہیں، کا معاملہ آیا، ان سے بھی لڑنے بھڑنے کے لئے تیار، اس طرح لڑائی ہوئی، چچازاد بھائی، اور تایازاد بھائی آپس میں لڑنے لگے، اس کے بعد پھر وہ زمانہ آیا کہ بھائی بھائی کے درمیان لڑائی ہوئی، اس کے بعد وہ زمانہ آیا کہ سگے بھائی کی جگہ اپنی اولاد سے لڑائی ہوئی ہم اور آپ جس زمانے سے گذر رہے ہیں، یہ زمانہ ہے اپنی اولاد کا، اگر ترقی کا حال یہی رہا، اگر یہ رفتار یونہی جاری رہی، زندگی کا سفر یوں ہی جاری رہا، تو آپ دیکھ لیجئے گا کہ باپ بیٹے کا بھی نہ ہوگا، باپ بیٹے سے چھین کر کھائے گا، ایسا دیکھنے میں بھی آیا ہے قحط سالی کے موقع پر ایسا ہوا کرتا ہے کہ اپنے بچے کو ماں باپ نے بھون کر کھالیا، بیچ کر کھالیا، یہ آخری حد ہے، جہالت کا اگر ایسا ہی غلبہ رہا تو وہ زمانہ آجائے گا کہ جب کہ لڑکے کے منہ سے نوالہ چھین کر آدمی کھائے گا، یہ حالت ہوتی ہے نفس پرستی کی، شکم پرستی کی سمٹتے سمٹتے تعلقات اپنی اولاد تک آگئے، اور یہ بھی ختم ہوجائے گی، اولاد بھی نہ رہے گی، پھر اپنا نفس اور اس میں ترقی جاری رہے گی، تو آپ دیکھیئے گا کہ ہاتھ ہاتھ کے ساتھ تعاون نہیں کرے گا، بلکہ یہ چاہے گا کہ کل جامعہ اسلامیہ کے بچوں نے تماشا دکھایا کہ منہ سے پیسہ کو اٹھایا، ہاتھ کہے گا کہ کھانا تو آپ کو ہے میں کیوں آپ کی مدد کروں، زمین پر لیٹ کر کے منہ کے ذریعہ کھایئے، جامعہ اسلامیہ کے بچے زمین پر لیٹ کر کے پیسہ کو اٹھا کر بھاگ گئے، ان بچوں نے جس طرح کرتب دکھایا تھا، یہ کرتب کھانے کا کل کو انسان، ہاتھ مدد کو نہیں آئے گا، پاؤں کہے گا کہ میں کیوں چل کر کے جاؤں کھانا تو آپ کو ہے، مزہ تو آپ کو آئے گا، اور زبان وہاں تک جانے کے لئے کہے گی کہ ہم کیوں تھکیں آپ پیٹ کے بل رینگ کر کے کھایئے گا، اسی پیٹ کو تکلیف دیجئے پاؤں کیوں آئے اس کی مدد کے لئے جیسے سانپ رینگتا ہے جیسا کہ اور بہت سے جانور زمین

پر رینگتے ہیں ویسے آپ جا کر کھا لیجئے، منہ کو مزہ آئے گا پیٹ میں جائے گا یہ فلسفہ یہ بتاتا ہے، دیکھو اس وقت دنیا کی حالت کیا ہوتی ہے، جہنم سے بدتر ہو جاتی ہے، کسی کو فکر نہیں ہوتی، یہ سمجھ لیجئے چوہے بندر اور بیل کی طرح منہ مارتے لگیں گے، کوئی کام نہیں ہوگا...... کوئی مسئلہ حل نہیں ہوگا، انصاف اور بے انصافی کے الفاظ بے معنی ہو جاتے ہیں کوئی کسی کا حق تسلیم نہیں کرتا، ایثار وقربانی دن بدن ایک قصہ پارینہ اور ایک داستان بن کر رہ جاتے ہیں، کہاں کا انصاف اور کہاں کی ناانصافی، کہاں کی قربانی، یہ باتیں پرانے زمانے کی کہاوتیں بن جاتی ہیں، اللہ کے پیغمبر ہم کو اس کے خلاف ایک نظام زندگی دیتے ہیں اور ہم کو زندگی گذارنے کا طریقہ بتاتے ہیں، یہ بھی کیا زندگی ہے، کھا لیا، پی لی، پیٹ بھر لیا، یہ بھی کوئی زندگی ہے، لعنت ہو ایسی زندگی پر، جانور کی زندگی پر، بکرے کی زندگی پر، لیکن انسان کی زندگی پر خدا کی رحمت ہو، وہ کیا آدمی ہے جس کے دل میں انسان کا درد نہ ہو اپنے اور اپنے بچوں کا پیٹ بھرنے کی فکر ہو، دنیا میں کیا ہو رہا ہے، کسی دوسرے کا پیٹ بھر رہا ہے کہ نہیں، وہ یہ نہیں دیکھتا۔

پیغمبروں کی میراث

پیغمبر جو زندگی بسر کرتے ہیں اس زندگی کے لئے شریعت آئی ہے اس زندگی کے لئے قرآن اترا ہے، خدا کے بندوں نے کوشش کی ہے کہ تعاون کی، ہمدردی کی، محبت کی، ایثار وقربانی کی زندگی عام ہو، انسان بندر نہ بنے، انسان گدھا نہ بنے، بس یہی فکر نہ کرے کہ اس کو جو کھانا مقرر ہے جتنا دودھ مقرر ہے، جتنا چارہ مقرر ہے، وہ اس کو ٹل جائے بلکہ اس کو یہ فکر ہو کہ میرے ہم جنس میرے جیسے انسان ہیں جن کو کھانے کو نہیں ملا ہے ان کو بھی کھلاؤں اور وہ اسی میں خوشی محسوس کرتے ہیں وہ دوسروں کو کھلا کر کھاتے ہیں، رکھ کر کے انہیں آرام نہیں ملتا، یہ ہے پیغمبروں کی میراث اس کے لئے پیغمبروں نے

کوشش کی ہے پھر اس کے لئے لڑے کہ انسانوں میں درد عام ہو، انسانوں میں یہ کیفیت عام ہو، صحابہؓ کے واقعات آپ نے سنے ہوں گے، ایک زخمی صحابیؓ کے پاس پانی کا پیالہ لے کر گئے تو انہوں نے کہا کہ ''میں نے ابھی کراہ سنی تھی دوسرے زخمی بھائی کی، ''آپ پہلے ان کو پانی پلا دیجئے'' دوسرے نے کہا ''تیسرے زخمی بھائی کی کراہ سنی تھی'' اس کے پاس پانی لے گئے تو اس نے کہا ''چوتھے بھائی کی کراہ سنی تھی'' آخر میں جب پانی لے جایا گیا تو سب کے سب انتقال فرما گئے تھے، یہ ہے انسانیت کی میراث، انسانیت کی عظمت کا راز، انسان کی اشرفیت کا راز، اس کے لئے انسان کو پیدا کیا گیا ہے اور اس کے لئے یہ امت کھڑی کی گئی ہے اگر یہ امتی بھی اس نفسی نفسی کے اصول پر چلا جائے، اگر نفس شیطان کی پیروی میں آگے بڑھ جائے، حقیقت کو حقیقت نہ سمجھے اس کا انکار کر دے اور یہ سمجھے کہ سوائے کھانے پینے کے اور کوئی کام نہیں ہے تو سمجھیئے کہ یہ امت مرگئی، کوئی خصوصیت اس کی باقی نہیں رہی، پیغمبروں نے فرمایا کہ اپنے میں مگن رہنا اور اپنے میں مست رہنا یہ ہلاکت ہے، جب صحابہ کرامؓ کے ذہن میں یہ خیال آیا کہ ہم نے اسلام کی بڑی خدمت کی ہے اپنے کاروبار کو تج دیا ہے، ہم سب کو بھول گئے، دنیا ومافیھا سے بے خبر ہوگئے ہم نے اسلام کی خدمت کی، ہماری کوٹھیاں اجڑ گئیں، ہمارے کھیت برباد ہوگئے، ہماری تجارتوں کا دیوالہ نکل گیا، اب کچھ دنوں کے لئے ہم اپنے ذاتی کاروبار کو دیکھ لیں اس کے بعد پھر اسلام کی خدمت میں لگ جائیں گے، وہ جب اس طرح سے سوچنے لگے تو اسی وقت خطرے کی گھنٹی بجی، یہی وجہ ہے کہ ان کو فوراً تنبیہ دی گئی کہ خبر دار یہ کیا خیال تمہارے دل میں آ گیا ہے یہ خیال پیدا کیسے ہوا، خبر دار ایسا خیال نہ کرنا، یہ زہر کا پیالہ اپنے ہاتھوں سے اٹھا کر اپنے منہ سے نہ لگا لینا، ان کو یاد دلایا گیا کہ جاؤ پھر اس خیالِ خام سے باز آ جاؤ ورنہ تمہارا کام تمام ہو جائے گا، **ولا تلقوا بایدیکم الی التھلکۃ** یہ تمہارے حق میں سم قاتل ہے یہ زہر اگر تم نے پی لیا، تم کو اگر یہ خیال آ جائے

کہ تم اپنے کاموں کو کرلو، تمہارے اندر یہ فکر رہے کہ تم امن سے رہو اور دین کے کام پس پشت ڈال دو تو یاد رکھو تم مرجاؤ گے، اس لئے کہ تھوڑی دیر کے لئے اگر تم اپنا کاروبار سنبھال بھی لے جاؤ گے تو کیا ہوگا، ملت نہیں بنے گی **وِالا تفعلوہ تکن فتنة فی الارض وفساد کبیر**، جہاں مسلمانوں کے درمیان ایک نیا رشتہ قائم کیا، ایک نئی برادری بنالی **الاتفعلوہ** اگر تم نے اپنی ملت کے کام سے کوتاہی کی، اگر غفلت سے کام لیا، اسلام کی برادری توڑ ڈالی **تکن فتنة فی الارض وفساد کبیر**، تو دنیا میں ایک عظیم انقلاب برپا ہوگا، یہ انسانیت تاراج ہوجائے گی، خاک کا ایک تودا بن جائے گا، دھول کا ایک ڈھیر ہوگا، ساری ملت کو ایک سمجھ، ساری ملت کے مفاد کے لئے ایثار و قربانی سے کام لو، اسلام کی بنیاد پر ایک عالمگیر برادری بنالو، ایک مسلمان دوسرے مسلمان کا حامی و مددگار بن جائے۔

صحابہ کرامؓ کے ذہن میں جب یہ بات آئی کہ ذرا اپنے دنیاوی کاروبار کو دیکھ لیں تو اللہ گواہ ہے کہ دین کا تقاضا فوراً ان کو سمجھایا گیا، بتایا گیا کہ خبردار! یہ بہت ہلاکت انگیز خیال ہے، یہ ذاتی مسائل کو سوچنا اور ملت کے مسائل کو بھول جانا تمہارے حق میں سم قاتل ہے اور صحابہ کرامؓ نے حضور ﷺ کی زندگی اور اس کے بعد خلفاء راشدین کے دور میں کیا کیا قربانیاں دیں کیا بتائیں، ان کو اپنا مال اپنی جان، اپنا وقت، اپنی اولاد، اپنا گھر بار کسی کی پرواہ نہیں تھی، سب چھوڑ دیا، سب خدا کے دین کو سونپ دیا، اولاد کی پرواہ نہیں تھی، تجارت کی پرواہ نہیں تھی، کسی چیز کی پرواہ نہیں تھی، عمر بھر کی کمائی کی پرواہ نہیں تھی، یہاں تک کہ بچوں اور ماں باپ کی پرواہ نہیں تھی، صحابہ کرامؓ نے اسلام کو جو طاقت بخشی وہ ہماری اتنی ناقدری، اتنا ظلم اور جینے کی لالچ کے بعد بھی قائم ہے انشاء اللہ تعالیٰ قیامت تک قائم رہے گا۔

نفسی نفسی کا کاروبار چھوڑیے

میرے دوستو! میں آپ سے یہ کہنا چاہتا ہوں کہ رسول اللہ ﷺ کے راستے سے بڑھ کر کوئی صحیح راستہ نہیں ہوسکتا، انہوں نے راستہ بتایا مسلمانوں کے پھلنے پھولنے کا، تجارتیں کرنے کا، اس راستے کو اختیار کیجئے، اور نفسی نفسی کے کاروبار کو چھوڑ دیجئے میری ذات، میرا کاروبار، میری اولاد، میرا مال، بس اسی کی فکر ہے یہ حال ہے اس امت کا بڑے سے بڑ مسئلہ پیش آتا ہے، تعلیم کا مسئلہ ہے جس کو ہم یوپی میں حل کر رہے ہیں، اس کے لئے میدان میں اتر آئے ہیں، لیکن مسلمان سرمایہ دار اپنا پیسہ دبائے ہوئے ہیں، اس نظام کو قائم کرنے کے لئے تھوڑے سے سرمایہ کی ضرورت ہے وہ بھی پورا نہیں ملتا اسی طرح سے علیگڑھ کا مسئلہ ہے تعلیمی اداروں کا مسئلہ ہے جن کو اللہ تعالیٰ نے پیسہ دیا ہے ایسے چار آدمی مل کر اس کو چلا سکتے ہیں، لیکن یہ پیسہ دبائے ہوئے ہیں اپنی کمر مضبوط کسے ہوئے ہیں چاہے چمڑی چلی جائے، دمڑی نہ جائے لیکن جب وقت آتا ہے تو چمڑی جاتی ہے اور دمڑی بھی جاتی ہے وہ وقت آئے گا جب سزا ملے گی جب امتوں کو سزا ملتی ہے، چمڑی تو کیا ہے دمڑی بھی چلی جاتی ہے، یہ دمڑی کس کے لئے جب دمڑی چلی جائے، یہ ایک عیب لگ گیا ہے، مسلمانوں کو یہ ایک گھن لگ گیا ہے مسلمانوں کے اندر سرمایہ کی کوئی کمی نہیں ہے، ایک ایک جگہ کے مسلمان پورے ہندوستان کے مسئلہ کو حل کر سکتے ہیں، آدھی نہیں تو چوتھائی ذمہ داری سنبھال سکتے ہیں، لیکن نہیں کرتے بس مست ہیں، مگن ہیں، آپ دیکھئے مسلمانوں کے کاروبار کی حیثیت کیسی ہے، بمبئی میں دیکھئے کالی کٹ میں دیکھئے مدراس میں دیکھئے، کلکتہ میں دیکھئے مسلمانوں کا کاروبار ملے گا بعض کاروبار تو ایسے ہیں جو خالص مسلمانوں کے ہاتھوں میں ہیں۔

میں نہیں جانتا یہاں کونسی کونسی تجارت مسلمانوں کے ہاتھ میں ہے لیکن جب کسی ملی

ادارے کے لئے کچھ مانگیے تو ایک جواب یہ ملتا ہے کہ "اپنا ہی پورا نہیں ہوتا" یہ جانتے ہیں کہ جب وقت آئے گا تو کوئی بہانہ نہیں چلے گا، وہ آخری بہانہ کردیتے ہیں اگر ہماری ٹولی ان کے پاس جاتی ہے تو پوچھتے ہیں "کیوں آئے ہو"۔

ہلاکت کا سامان

تم نے جب زکوٰۃ ادا نہیں کی تو خدا نے ہی تم پر یہ ٹیکس مسلط کیا، جو قوم زکوٰۃ کو یعنی خدا کی مقرر کی ہوئی رقم کو روکتی ہے تو اس پر نئے نئے ٹیکس مسلط ہوجاتے ہیں، جیسے کسی کو بیماری لگادی، گھر میں بیوی بیمار ہے، بعض لوگوں سے پوچھا کہ اتنی بڑی آپ کی تنخواہ ہے وہ کیا ہوتی ہے، وہ کہتے ہیں صاحب! دس برس سے جو بیماری آگئی ہے گھر میں وہ جانے کا نام نہیں لیتی، روزانہ ڈاکٹروں کو بلانا پڑتا ہے بڑے بڑے ڈاکٹروں کا بورڈ بٹھانا پڑتا ہے، اسکریننگ کرنا پڑتا ہے، ایکسرے کرانا پڑتا ہے، بعض دفعہ یورپ جاکر علاج کرنا پڑتا ہے، یہ مرض کھاتے پیتے لوگوں کو اللہ نے لگادیا ہے، کسی کو کوئی اور خبط ہوگیا ہے، جس کو (HOBBY) کہتے ہیں، غرض یہ کہ پہلے راستے پر خرچ کرنے سے اگر ہاتھ روکو گے تو دوسرے راستوں پر خرچ کرکے نہ تم کو فائدہ نہ ملت کو فائدہ نہ اسلام کو فائدہ نہ انسانیت کو فائدہ، ان راستوں میں تمہارا پیسہ نکلنا شروع ہوجائے گا، یہ ہے ہلاکت کا سامان، ایک بیماری یہ ہے کہ مسلمانوں کا سرمایہ ان کو عزیز ہوگیا ہے اور ملت کے مسائل کو انہوں نے پس پشت ڈال دیا ہے، صحابہ کرام کا معاملہ جدا تھا، ان کو پیسہ کی کوئی پرواہ نہ تھی، صحابہ کرام کو ملت کے مسائل کے سامنے پیسہ عزیز نہیں تھا، گھر میں جھاڑو دے کر آتے تھے وہ لوگ، صحابہؓ کے کئی ایک واقعات آپ لوگوں کو یاد ہوں گے پھر بھی ایک واقعہ تم کو بتاتا ہوں جو تم کو معلوم ہے پوچھا رسول اللہ ﷺ نے اے ابوبکرؓ تم نے گھر میں کیا چھوڑا، انہوں نے فرمایا "اللہ اور اس کے رسول کا نام چھوڑا" یہ حالت تھی صحابہ کرام کی

لیکن ہمارا نفس ہم کو یہ کہتا ہے کہ یہ ایثار کا راستہ زندگی کا راستہ نہیں ہے بلکہ ہلاکت کا راستہ ہے، ہمارا نفس کہتا ہے کہ پیسہ بچائے رکھنا، ترقی کرنے کا راستہ ہے لیکن پیغمبر کہتے ہیں کہ یہ ہلاکت کا راستہ ہے، ان کی بات سچی نکلتی ہے اور ہم دیکھتے ہیں کہ ہم تباہ ہوتے جا رہے ہیں، اتنے بہت سے قارون ہماری قوم میں ہیں اور ہر گاؤں میں چار پانچ قارون بنے ہوئے ہیں لیکن ہماری ملت کی کیا حالت، ہماری ملت کی عزت کیا رہ گئی ہے، ہماری ملت دو کوڑی کی ہو کر رہ گئی ہے، جہاں چاہو فساد کرا دو، مسلمانوں کی عزت ہوتی، رعب ہوتا، ہمارا کیرکٹر ہوتا، ہم کیریکٹر کے لوگ ہوتے، ایثار کرنے والے ہوتے، روپے پیسے جھونک دینے والے ہوتے تو کس کی مجال تھی کہ جہاں چاہے بس ایک جھنڈی لے کر چلا جائے یا دیا سلائی (ماچس) لے کر آگ لگاتا چلا جائے، ہمارے گھروں کو، کیا مجال تھی کسی کی کہ کوئی فساد کرا سکتا، ملت بے عزت ہو گئی ہے، بے آبرو ہو گئی ہے، بے وقعت ہو کر رہ گئی ہے، ملت کی جان جان نہیں رہی، ملت کی عزت عزت نہیں رہی، ملت کی زندگی زندگی نہیں رہی، ملت کی آبرو آبرو نہیں رہی، جو آبرو باختہ جوا ر باش ہو؟ بس جہاں چاہے فساد کرا دے، کیا مجال تھی، اگر آپ میں آبرو ہوتی آپ میں ایثار کا مادہ ہوتا، اگر آپ میں پیسہ خرچ کرنے کا مادہ ہوتا، اگر آپ سینہ سپر ہو جاتے ملت کے لئے، اگر آپ یہ ثابت کر دیتے کہ آپ ایک مستحکم ملت ہیں، اگر آپ کو پیسہ سے عشق نہ ہوتا اگر آپ کے اندر قارون نہیں ہوتے تو کیا ملت اتنی بے آبرو ہوتی؟ کیا کسی کو ہمت ہوتی کہ کہیں فساد کرانے کل کس کی ہمت ہوگی کہ فساد کرائے، یہ اقلیت کا مسئلہ کوئی مسئلہ نہیں ہے، باعزت ملتوں کے لئے، باعزت قوموں کے لئے، غیرت مند قوموں کے لئے اقلیت اور اکثریت کا سوال نہیں ہوتا، آج کسی پارسی کو مار کر دیکھئے آج کسی اینگلو انڈین کو مار کر دیکھئے، آج کسی سکھ کو پوچھ کر دیکھئے کہنے کو یہ اقلیت ہیں، پنجاب بنا لیا، انہوں نے اپنے ایثار کی بدولت ایک صوبہ بنا لیا، ایک لسانی صوبہ بنا لیا، اور آپ اپنی حفاظت بھی نہیں

کر سکتے، کس دن آپ کا یہ سرمایہ کام آئے گا، کیا آپ یہ دیکھ کر کہ اتنی بڑی فرم اتنی جگہ اور یہ آپ کی چار جگہ دکانیں ہیں، یہ دیکھ دیکھ کر آپ پھول رہے ہیں اگر ان چیزوں سے اسلام کا فائدہ ہوتا، ملت کا فائدہ ہوتا تو ہم سے زیادہ خوش ہونے والا کوئی نہیں تھا، اب کیا ہم پر رعب جماتے ہو کہ اتنے بڑے سرمایہ دار ہو، تجارت دور دور پھیلا رہے ہو، اگر ملت کے لئے یہ سرمایہ دار بے حس نہ ہوتے، بے غیرت نہ ہوتے، کم ہمت نہ ہوتے، پست ہمت نہ ہوتے تو آج یہ ملت اتنی ذلیل نہ ہوتی۔

فسادات کا اصل علاج

آپ فساد کا ہم سے علاج پوچھتے ہیں، فساد کا علاج یہ ہے کہ اپنے پیسہ کو اپنا پیسہ نہ سمجھئے فساد کا علاج فرقہ وارانہ فساد کا علاج یہ کہ جو زبان آپ کے خلاف چلے اس کو پکڑ لینے کی آپ میں طاقت ہو، فساد کا علاج یہ ہے کہ آپ کے خلاف جو ہاتھ بڑھے اس ہاتھ کو پکڑ لینے کی آپ میں طاقت ہو، فساد کا علاج یہ ہے کہ آپ کے خلاف جو ہاتھ بڑھے اس ہاتھ کو پکڑنے کی ہمت آپ کے اندر ہو، کیونکہ یہ ہاتھ مسلمانوں کے خلاف اٹھ رہا ہے! اگر آپ یہ نہیں کریں گے تو آپ نہیں بچ سکیں گے، یہ تعاون کا زمانہ ہے، ایثار کے ذریعہ پیسہ خرچ کر کے اپنی ملت کو مضبوط بنانے کا۔

بہت افسوس ہے اور بہت درد کے ساتھ مجھے یہ باتیں کہنی پڑ رہی ہیں، آپ سے میں نے یہ باتیں کانپور میں کہیں، یہ باتیں رنگون میں کہیں، میں رنگون ۱۹۶۰ء میں گیا تھا جب میں کالیکٹ آیا اور آپ بھائیوں سے ملا تو رنگون ہو کر آیا تھا، میں نے رنگون میں کہا کہ میں صاحب کشف نہیں، صاحب الہام نہیں ہوں، میں ایک بہت ہی گناہ گار انسان ہوں، خدا جس سے سچ بات کہلوائے، میں نے ان سے کہا وہ لکھ پتی لوگ تھے، دعوتیں کرتے تھے، استقبال کرتے تھے، ہم سے بڑی محبت کرتے تھے، میں نے

دیکھا کہ ان میں یہ روگ ہے میں نے کہا کہ اگر تم تبلیغ میں نہ نکلے راہ خدا میں نہ نکلے اگر تم نے اپنے مال میں سے خدا کا حصہ نہ دیا، ملت کے مسائل ملت کے مفاد کے لئے پیسہ نہ دیا تو یاد رکھو تمہاری دوکانوں پر سیل پڑے گی اور تمہارے مِل ضبط کر لئے جائیں گے اور تمہارا تھوڑا گذارہ لگا دیا جائے گا اگر دین کے تقاضے پورے نہیں کئے تو خدا تم پر عذاب مسلط کرے گا آپ یقین مانئے میں قسم کھا کر کہتا ہوں، میں بالکل بھول گیا جو کچھ وہاں کہہ کر آیا تھا، اب آیا وہ زمانہ کہ قومی حکومت قائم ہوئی، وہاں سے خط آتے تھے وہ خط کیا تھے، وہ خط آنسو ہوتے تھے ان خطوں میں لکھا ہوا تھا کہ مولانا آپ نے جو باتیں ارشاد فرمائی تھیں ان کو سن کر ان کو بار بار پڑھ کر برما کے مسلمان روتے ہیں جب میں وہاں جاتا تو جب اعلان ہوتا کہ مولانا ابوالحسن علی کی تقریر فلاں اسٹریٹ میں ہوگی تو مجمع جمع ہو جاتا، میری تقریریں چند احباب نے نقل کر کے بھیج دی ہیں اس کی چند سطریں پڑھ کر مجھے خود تعجب ہوا کہ میں نے کس حال میں یہ باتیں کہہ ڈالیں۔

میرے دوستو! میں آپ کی بدشگونی نہیں کرتا، آپ کو اللہ حفاظت میں رکھے آپ کے مال کی حفاظت فرمائے آپ کو امن وامان میں رکھے لیکن یہ طریقہ ٹھیک نہیں ہے یہ طریقہ بڑا خطرناک طریقہ ہے۔

یا ایها الذین آمنوا استجیبوا لله وللرسول اذا دعاکم
لمایحییکم واعلموا ان الله یحول بین المرء وقلبه
وانه الیه تحشرون O واتقوا فتنة لاتصیبن الذین
ظلموا منکم خاصة واعلموا ان الله شدیدالعقاب O

اے ایمان لانے والو! قبول کرو اللہ کی دعوت کو اور اس کی پکار کو جب وہ بلائے اس چیز کے لئے جو تم کو زندہ کر دے۔ یاد رکھو کہ اللہ تعالیٰ انسان اور اس کے دل کے درمیان حائل ہے لیکن ہماری حالت کیا ہے۔

جانتا ہوں ثواب طاعت وزہد پر طبیعت ادھر نہیں آتی اور کبھی آتی بھی ہے تو موقعہ نہیں، ذریعہ نہیں ہوتا۔

شانِ رنگ وبو کو توڑ کر ملت میں گم ہو جا

میں صاف کہتا ہوں، بھٹکل کے مسلمانوں کو اللہ نے بہت کچھ دیا ہے وہ ملت کی فکر کریں، ملت کی حفاظت کریں، یہ ٹکریاں یہ لبے یہ نوائط یہ ملت نہیں ہے، سارے مسلمان ہندوستان کی فکر کریں اور جو مسلمانوں کے مسائل ہیں ان کو حل کرنے کی کوشش کریں، اس میں حصہ لیں، اس کو مضبوط کریں، اس کو پھیلائیں اور اپنے غیر مسلم دوستوں کو تعارف کرائیں، اسلام کا پیغام پہنچائیں، اپنی زندگی سے ان کے دلوں کو جیتنے کی کوشش کریں اپنے اخلاق سے ان کے دل ودماغ پر اچھا اثر ڈالیں، ان کو اپنے سے مانوس کریں، نفرت اور عداوت ان کے دل سے دور کریں اگر یہ سب آپ لوگ کریں گے تو محفوظ رہیں گے ورنہ ایک بھٹکل کے مسلمان کیا ایک دکن کے مسلمان کیا، ریاست میسور کے مسلمان کیا، سارے ہندوستان کے مسلمانوں کا مسئلہ ہے ایشیا کے مسلمانوں کا مسئلہ ہے، مشرق وسطی میں جو اتنا بڑا زلزلہ آیا یہ کس بات کا نتیجہ تھا، سرمایہ دار اور سرمایہ پرست بادشاہ جن کو خدا نے سب کچھ دیا تھا وہ نفس پرست تھے، وہ ایثار نہیں جانتے تھے، جفاکشی بھول چکے تھے، سادہ زندگی کے خواب بھی نہیں دیکھ سکتے تھے (AIR CONDITION) ایرکنڈیشن میں رہنا (TELEVISION) ٹیلی ویژن سے ہروقت راز ونیاز یہ ان کی زندگی کا طور طریقہ، پچیس لاکھ یہودیوں نے جو مٹھی بھر تھے، سارے عربوں کو یعنی دس کروڑ عربوں کو ذلیل کر کے رکھ دیا اور ساری دنیا کے، مسلمانوں کو ذلیل کر دیا، یہ اسی امارت کی محبت کا نتیجہ ہے، حدیث شریف میں آتا ہے کہ ایک زمانہ آئے گا تم پر وہن مسلط کر دیا جائے گا، کمزوری مسلط کر دی جائے گی، صحابہ کرامؓ

نے پوچھا یا رسول اللہ وہن کس کو کہتے ہیں؟ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا زندگی سے محبت اور موت سے نفرت۔ دوستو! یہی تو اب ہو رہا ہے، یہی تو ہے آج کے مسلمانوں کا مرض یاد رکھئے کہ کسی قوم میں خالی بڑے بڑے تاجروں، لکھ پتیوں اور کروڑ پتیوں کا ہونا بالکل کافی نہیں ہوگا، اور تم جانتے ہو کہ جب اس قوم پر کوئی خطرہ کوئی مصیبت آتی ہے تو یہی طبقہ اس کا نشانہ بنتا ہے تاک تاک کر وہ نشانہ بنا دیا جاتا ہے۔

خدا کی نصرت کا استحقاق پیدا کریں

اللہ تعالیٰ آپ کو محفوظ رکھے، قیامت تک محفوظ رکھے، دل سے کہتا ہوں، خدانخواستہ کوئی برا وقت آیا تو آپ کا یہ سرمایہ دھن دولت کام نہ آئے گی۔ یہ پنجاب میں کام نہیں آیا، جبل پور اور جمشید پور میں کام نہیں آیا، رڑکیلا کے فساد کے کچھ دن بعد میں نے جا کر دیکھا وہاں مسلمانوں میں بڑے بڑے ٹھیکیدار تھے، جن کے لاکھوں روپے کے ٹھیکے تھے، معلوم ہوا کہ فسادیوں نے ان کے روپیوں پر ہاتھ صاف کیا، سب سے پہلے ان کی جلی ہوئی موٹریں میں نے دیکھیں، ان کے بنگلوں کے سامنے ان کی جلی ہوئی کوٹھیاں میں نے اپنی آنکھوں سے دیکھیں جھونپڑیوں میں رہنے والے یہ غریب تو بچ گئے، ان کو مار کر کوئی کیا لے گا، کسی کا کیا بگڑے گا، مجھے ڈر ہے آپ کو وہاں کی اکثریت مضبوط نہیں ہے، اکثریت سے مسائل حل نہیں ہوتے، ملت کے ادارے تحسین سے نہیں چلتے، آپ نے مسلمانوں کو اپنے سینے سے نہیں لگایا اگر آپ نے مسلمانوں کو ہمدرد نہیں بنایا تو وہ آپ کے کس طرح شریک ہو سکتے اور آپ کے ساتھ ہمدردی کیسے کر سکتے ہیں، آپ نے ان کے دلوں کو نہیں جیتا تو وہ آپ سے کیسے محبت کرتے دیکھیے آپ کی حفاظت کرنے والی پولیس نہیں ہے، آپ کی حفاظت کرنے والے ہوم گارڈ نہیں ہیں، آپ کی حفاظت کرنے والی فوج نہیں ہے، ان تینوں نے مل کر رانچی کے مسلمانوں کو قتل کیا، ا

انہوں نے ہی وہاں فساد کردایا، اور کیا آپ کی حفاظت کرنے والا آپ کا خدا ہے، آپ کی حفاظت کرنے والا آپ کے اعمال ہیں، آپ کی حفاظت کرنے والا آپ کا جذبہ ایثار ہے آپ کی حفاظت کرنے والی وہ دولت ہے حلال کمائی کی جو آپ پھیلا دیں اپنا فدائی بنالیں اپنے اندر خدا کی نصرت کا استحقاق پیدا کرلیں تو آپ کی حفاظت ہوگی۔

زخمی دلوں پر مرہم رکھیے!

میرے دوستو! میں آپ کا مہمان ہوں مجھے اتنی تیز تقریر نہیں کرنی چاہیے مگر میں کیا کروں، میں تو آپ کی ہمدردی اور محبت میں یہ باتیں کہہ رہا ہوں، اس بات کو میں آپ سے ہمدردی سمجھتا ہوں، آپ اپنی حفاظت کا سامان کیجئے، آپ کی دکانیں، فرمیں، یہ بینک کے حسابات یہ سب سے زیادہ کمزور چیزیں ہیں، دنیا پہلے تو انہیں چیزوں پر آنا چاہتی ہے، سب سے پہلے زکوٰۃ نکالئے، پھر سوچئے، خیرات کیجئے، لوگوں کے ساتھ ہمدردی کیجئے، لوگوں کے زخموں پر مرہم رکھیے تاکہ ان کی دعائیں آپ کے شریک حال رہیں، کسی نے سلطان نورالدین زنگی سے کہا آپ تو اپنی دولت اتنی زیادہ غریبوں پر خرچ کرتے ہیں، جب لڑائی ہوگی تو یہ چیز کس کام آئے گی؟ سلطان نے کہا” بھائی! کام تو انہیں لوگوں کی دعاؤں سے ہوگا اور مجھے تو انہیں کی دعاؤں کا آسرا ہے ان کی دعاؤں سے دشمنوں کے کلیجے چھلنی ہوجائیں گے“ چنانچہ ایسا ہی ہوا، ان لوگوں کی دعاؤں سے نورالدین کو فتح نصیب ہوئی، میں آپ سے سچ سچ کہتا ہوں میں چلا جاؤں گا یہاں سے اور خدا کے فضل سے کسی ادارے کے لئے چندہ لینے نہیں آیا ہوں اور یہ بھی کہہ رہا ہوں کہ انشاء اللہ آئندہ بھی اس کے لئے نہیں آؤں گا اس مسئلہ کے لئے مسلمانوں کے لئے اور اپنے لئے آپ کو مشورہ دیتا ہوں کہ خدارا اپنے آپ کو پہچانئے!

ع اپنے من میں ڈوب کر پا جا سراغ زندگی تو اگر میرا نہ بنتا نہ بن اپنا تو بن

حکمراں ہے اک وہی باقی بتانِ آذری

اپنے مسائل کو حل کرو، اپنے اداروں کو چلاؤ، اپنے اوقات کو اللہ کی راہ میں نکالو، اپنی جان کا اپنے کو مالک نہ سمجھو، خدا کو مالک سمجھو، خدا کے دین کا حصہ سب میں غالب رکھو، خدا کی راہ میں نکلو، خدا کی راہ میں خرچ کرو اور خدا کی راہ میں تکلیف اٹھاؤ، انشاء اللہ پھولو گے پھلو گے اور تمہارا علاقہ بھی انشاء اللہ محفوظ رہے گا۔ یہ میں اس لئے نہیں کہتا کہ مجھے کوئی کمیشن ملے گا، کوئی کمیشن میرے اور منیری صاحب کے درمیان یا جامعہ والوں کے درمیان طے نہیں ہوا میں اس لئے کہتا ہوں کہ میں نے تاریخ پڑھی ہے، میں نے قرآن شریف پڑھا ہے، سارا قرآن شریف اس سے بھرا ہوا ہے، حفاظت صرف خدا کی حفاظت ہے، اور اس سے بڑھ کر قرآن شریف کہتا ہے کہ اچھے اعمال سے حفاظت ہوتی ہے ''ان تنصروا اللہ ینصرکم ویثبت اقدامکم '' اگر تم خدا کی مدد کرتے ہو تو خدا تمہاری مدد کرے گا، خدا ہی تمہارا بہترین انشورنش ہے ان انشورنش کمپنیوں کی کیا حقیقت ہے کہ ان پر انشورنش کریں، خدا کے یہاں اپنی فرموں کا، اپنی جانوں کا، اپنی اولاد کا، اپنے مال کا، اپنی عزت کا انشورنش بنا دیجئے اور خدا کے یہاں مال کا انشورنش کیسے ہوتا ہے اپنے مال کو قیمتی بنا دیجئے تا کہ کوئی ہاتھ نہ ڈال سکتے، اپنی جان کو قیمتی بنا دیجئے اور قیمت کیسے پیدا ہوتی ہے، خدا کے دین کی نسبت سے پیدا ہوتی ہے، خدا سے تعلق پیدا کر لیجئے، جو ہاتھ بھی آپ کے خلاف بڑھے گا وہ کاٹ کر رکھ دیا جائے گا، آپ دیکھئے بادشاہ کی کسی چیز پر کوئی ہاتھ اٹھائے تو اس کا انجام کیا ہوتا ہے، یہ ساٹھ ستر روپے کا سپاہی وہ پولیس جو کھڑا ہے اس کو ذرا چھیڑ کر کے دیکھئے کیا ہوگا، سرکار مشتعل ہو جائے گی آپ کے لئے اس کا پیچھا چھڑانا مشکل ہو جائے گا، یہ ڈاکیہ یہ پوسٹ مین جو آتا ہے اس کی تنخواہ ہی کیا ہے، آپ میں سے ہر ایک ایسے دس پانچ ملازم رکھ سکتے ہیں اپنی دوکان میں، اس

کا کپڑا پھاڑ لیجئے، اس کی تھیلی چھین لیجئے پھر دیکھئے کیا ہوگا، یہ آن گونمنٹ ڈیوٹی ہے، آپ بھی آن گونمنٹ سروس مین بن جائیے، آپ بھی اللہ کے فرض میں لگ جائیے، اس کی خدمت میں لگ جائیے، اس کے دین کی خدمت میں لگ جائیے، ایک زمانہ تھا کہ کسی خط پر (آن ہز میجسٹی سروس) لکھا ہوتا تھا تو یہ خط بڑا معزز ہوتا تھا جس میں یہ جملہ (ON HIS MEJESTY'S SERVICE) لکھا ہوتا تھا تو یہ (HIS MEJESTYS) آپ کیلئے کیا ہے، خدا کے سوا کون اس کا مستحق ہے۔

سروری زیبا فقط اس ذات بے ہمتا کو ہے
حکمراں ہے اک وہی باقی بتانِ آذری

آپ شہنشاہِ مطلق اس مالک الملک کی خدمت میں لگ جائیں گے تو دیکھئے آپ کی جان و مال سب کا تحفظ ہو جائے گا اگر عزت چاہتے ہو اگر دولت چاہتے ہو تو اس کے سوا دوسرا کوئی راستہ نہیں، یہ راستہ مسلمانوں کو اس نے بتایا ہے جس کو مسلمانوں سے بے حد محبت تھی، ہر چیز سے زیادہ محبت تھی، یعنی رسول اللہ ﷺ کی محبت۔

جان و مال کی قربانی سے ملت کی حفاظت

بس راستہ دو چیزوں پر منحصر ہے، مال کا ایثار اور جان کا ایثار، جان دینے کی ضرورت نہیں، اپنے اوقات لگاؤ، تبلیغ کرو، خدا کے راستہ میں پھرو، اپنے اصول کی زندگی سے اترو، کچھ تکالیف اٹھاؤ، کچھ جفاکشی کا راستہ اختیار کرو اور ملت کے جو مسائل ہیں ان مسائل کو حل کرنے میں ہاتھ بٹاؤ، جامعہ اسلامیہ کا تنا بڑا منصوبہ ہے، دس ہزار فلاں نے دیا، پانچ ہزار فلاں خاتون نے دیا، یہ ہزار دس ہزار کا کیا اعلان، اس وقت تک ایک لاکھ کا اعلان ہونا چاہئے تھا، یہ جامعہ جب بن جائے گا آپ رہیں یا نہ رہیں جامعہ رہے گا آپ کے بچے وہاں پڑھیں گے وہاں اسلام کے لئے نظام بن رہا ہے، یہ قلعہ اسلام کا قلعہ بن

رہا ہے، وہ قلعہ آپ سب کی حفاظت کرے گا۔

زمانہ کی نبض کو پہچانیئے

میرے دوستو! اور بھائیو! اپنی زندگی میں تبدیلی پیدا کرو، خدا کے غصہ کو کھینچنے والی خواہ وہ حرام شئے ہو خواہ وہ حرام مشاغل ہوں ان سب کو چھوڑو، توبہ کرو، یہ بغاوت کی زندگی ختم کرو، وفاداری اور فرماں برداری کی زندگی شروع کرو، انصاف پسندی پر عمل کرو، پورے پورے اسلام میں داخل ہو جاؤ، یہ کشمکش کی زندگی چھوڑ دو اور ایک مسلمان کی زندگی اختیار کرلو، یہ دنیا فانی ہے، یہ دنیا محدود ہے، ہزاروں لوگ لگے ہوئے ہیں اس دنیا کو، آخرت کو یاد رکھو، موت کو یاد کرو، قبر کو ایک حقیقی منزل سمجھو، اپنے سفر کی پہلی منزل اور حقیقی منزل سمجھو اس کی تیاری کرو اور روزانہ استغفار کی کثرت کرو یہ جو عذاب آرہے ہیں، جو مصیبتیں مسلمانوں پر نازل ہو رہی ہیں، ان کا علاج یہ ہے کہ وہ استغفار کی کثرت کریں، ایثار سے کام لیں، اپنے پیسے کو اپنی خواہشات کے پیچھے صرف نہ کریں بلکہ خدا اور رسول ﷺ کے حکم کے مطابق مسلمانوں کے اور ملت کے کاموں میں صرف کریں، ان کے دل کی دعائیں حاصل کریں، نمازوں کی پابندی کریں، قرآن شریف کو دیکھیں کہ اس میں کیا لکھا ہے کیا حکم ہے، اس کو اختیار کریں، دین کا ضروری علم حاصل کریں اللہ سے لو لگائیں اور جہاں تک ہو سکے پاکبازی تقویٰ کی زندگی اور خدا ترسی اختیار کریں، اگر مسلمان تقویٰ کی زندگی اختیار کریں گے تو آسمان سے اللہ کی رحمتوں کی بارشیں ہوں گی، وہ بارشیں نہیں جو آپ کو پریشان کردیں، یہ وقت بے وقت کی بارشیں، یہ ہمارے اعمال کی سزائیں ہیں، اس کا ایک ایک قطرہ ہمارے اعمال کی سزا ہے، دوستو! میں یہی سچی بات آپ سے کہتا ہوں میں نے آپ کو قصے نہیں سنائے، قصے بہت کچھ سنا سکتا تھا، اشعار پڑھ سکتا تھا، آپ لوگوں کو خوش کرسکتا تھا لیکن میں نے قصداً ایسا نہیں

کیا، یاد رکھیے کہ اگر ہندوستان میں تم کو عزت کی زندگی گذارنا ہے ایمان کی زندگی گذارنا ہے اور اپنی نسلوں کو آئندہ ہندوستان میں مسلمان رکھنا ہے اور آزادی کے ساتھ خدا کا نام لینا ہے اور اسلام کا کام کرنا ہے تو ایثار کرنا پڑے گا، خلاف شرع کاروبار اور دین کے کام کے لئے چار پیسے!! جان لو اس طرح کسی کو عزت نہیں مل سکتی اس طرح خدا کی رحمت سے خدانخواستہ آپ محروم ہوں گے پارسیوں کو جو عزت حاصل ہے وہ ٹاٹا اور ڈالیا سے نہیں ملی، ان لوگوں کی ہمت اور ارادے کی بلندی اور مضبوطی سے ملی اور یہ روئی کی بنی ہوئی قوم جو کوئی صدمہ کوئی چوٹ برداشت نہ کر سکے، کوئی سخت سست بات سن نہ سکے، یہ قوم کیا اس ملک میں عزت پا سکتی ہے؟ بالکل نہیں پا سکتی، خالی نمائشی باتوں سے عزت نہیں ملا کرتی، ایسی دینی مجلسیں منعقد کر دینے سے اور کچھ یتیم خانے قائم کر دینے سے عزت نہیں ملتی، عزیزو! ملت کے تقاضوں کو سمجھو! زمانہ تم سے کس بات کو چاہتا ہے، ہندوستان کا رنگ کیا ہے اور کیا اشارہ کر رہا ہے، زمانہ کس طرف اشارہ کر رہا ہے، زمانہ کی نبض کو پہچانو، جہاں ایثار کی ضرورت ہو وہاں ایثار کرو، جہاں وقت کی ضرورت ہے وہاں وقت کی قربانی کرو، جہاں تم جانے کی ضرورت ہے وہاں جم جاؤ، جہاں جس طرح دینے کی ضرورت ہے وہاں اسی طرح دے جاؤ، یہ نہیں کہ جمنے کی جگہ پر نرم ہو گئے اور نرم ہونے کی جگہ پر جم گئے، لوہا بن گئے، ملت کی جو قیادت وجود میں آئے تم اس کی بات کو مانو، تم اس کے ساتھ تعاون کرو، پھر دیکھو تمہارا مقام ہندوستان میں محفوظ ہے۔

عزت کے ساتھ جینے کا راستہ کیا ہے

اے بھٹکل کے باشندو! اے نوائط قوم کے چشم و چراغ تمہارے بزرگ یہاں کے لوگوں کے پاس اسلام کا پیغام لے کر آئے وہ تو بتیس دانتوں میں ایک زبان کی حیثیت رکھتے تھے، کوئی ان کا ساز و سامان نہیں تھا، کوئی ان کا ساتھ دینے والا نہیں تھا اور ان کا کوئی

درست نہیں تھا لیکن ان کی باتوں کا وزن تھا، اور تم ہو اور اتنی بڑی تمہاری تعداد ہے لیکن تمہارا کوئی وزن نہیں ہے، تم یہاں قریب قریب پچاس فیصد ہو، یہاں تمہاری کتنی تعلیم گاہیں ہونی چاہئے تھیں، تمہارا یہاں تہذیب کا قلعہ ہونا چاہئے تھا، روشنی کا ایک مینار ہونا چاہئے تھا، وہ اس سے بھی بہت زیادہ دور سے نظر آتا جو کہا جاتا کہ یہاں روشنی کا مینارہ ہے۔ اللہ نے تم کو بہت کچھ دیا ہے، میں نے تم کو کالی کٹ میں دیکھا ہے، میں تم سے ناواقف نہیں ہوں، میں نے تم کو مدراس میں دیکھا ہے اور میں نے تمہارے متعلق کولمبو میں بھی سنا ہے اور ایسی ایک کاروباری قوم اور ملت کے مسائل کو حل کر کے نہ رکھ سکے، کوئی عقل اس بات کو مان نہیں سکتی جو اتنا بڑا اس کا کوئی ملی ادارہ اور ملی مسئلہ ادھورا پڑا ہوا ہے، کیا بات ہے، کیا راز ہے اس کا، ایک دن میں یہ مسئلہ حل ہو جانا چاہیے، تمہارا نام یہاں ایک ضرب المثل ہونا چاہئے تمہاری قومی زبان نوایطی زبان میں لٹریچر ہونا چاہیے، واقعی جامعہ اسلامیہ ایک ایسا مرکزی ادارہ ہوتا جو دکن میں ایک بڑا ادارہ مانا جاتا تمہارے یہاں سے تم سارے دکن کو برابر غذا پہنچاتے، مسلمانوں کے اداروں کو اور جگہ کے مسلمانوں کے اداروں کو تم سے غذا ملتی وہ تو میں کہتا نہیں، کم از کم اپنے ہی مقامی مسائل کو حل کرو اور مقامی ضروریات کو پورا کرو، یہاں ملت کا ایک مضبوط قلعہ تعمیر کرو، میں سمجھتا ہوں آپ میری بات کو سمجھ گئے ہوں گے، ہمارا دماغ، ہمارا علم ہم کو غلط رہنمائی دے سکتا ہے، ہم کو دھوکا دے سکتا ہے لیکن خدا کے پیغمبر ہم کو دھوکا نہیں دے سکتے، وہ تو ہم کو جینے اور عزت پانے کا راستہ بتاتے ہیں اگر اس راستہ میں چلو گے تو عزت پاؤ گے، پھلو گے، پھولو گے، تمہارا نام روشن رہے گا تمہارے خلاف آنکھ اٹھا کر بھی کوئی دیکھ نہ سکے گا جو آنکھ اٹھا کر دیکھے گا تو وہ آنکھ نکال دی جائے گی جو انگلی تمہاری طرف اٹھے گی وہ قلم کر دی جائے گی اور تم خدا کی مسلسل حفاظت میں رہو گے، ہاں اگر من مانی زندگی گذارو گے نفس کے غلام ہو گے، محض اپنی اولاد کو دیکھو گے اور کسی کو نہیں دیکھو گے، محض

اپنی دکانوں اور فرموں کو دیکھو گے، جب ایسی حالت ہوگی، یاد رکھو خدا کے یہاں تمہاری دو کوڑی کی بھی قیمت نہیں ہوگی، ایک لہر تمہاری چیزوں کو بہا کر لے جائے گی، پتہ نہیں چلے گا کہ وہ سب کہاں چلا گیا، پیسہ تم کو بچا نہیں سکتا، دولت تم کو بچا نہیں سکتی، تم کو اگر کوئی چیز بچا سکتی ہے تو اللہ سے وفاداری ہے اور ایثار و قربانی ہے، میں تو یہ کہہ کر چلا جاؤں گا مگر تم میں سے ہر شخص کے دل میں یہ بات امانت ہے وہ تمہارے دل کے اندر رہے گی، تمہارے حافظے کے اندر رہے گی، خدانخواستہ کوئی ایسا وقت آجائے گا جب کہ تمہارے دل و دماغ پکار کر کہیں گے کہ کہنے والے کسی نے کہا تھا کہ نہیں۔

میں صدق دل سے دعا کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ آپ کی حفاظت کرے، اللہ تعالیٰ آپ کی عزت رکھے، آپ کو ترقی دے، ہر خطرے سے ہر بری نظر سے محفوظ رکھے، میں صرف یہی کہوں گا کہ بچاؤ کا راستہ صرف پیغمبروں کا بتایا ہوا راستہ ہے ایثار کرو، مال خیرات کرو، ایثار کے ذریعہ اوقات کے ذریعہ اللہ کو خوش کرو، اللہ کے دین کی مدد کرو، اللہ تمہاری مدد کرے گا اور اللہ تمہاری حفاظت کرے گا۔

وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین

پیام راہ

دوسری دفعہ بھٹکل آمد کے موقع پر اساتذہ وطلباء اور منتظمین جامعہ اسلامیہ بھٹکل سے حضرت مولانا قدس سرہٗ کا خصوصی خطاب جو ہر مدرسے اور دینی ادارے سے تعلق رکھنے والے افراد کے لئے پیام راہ کی حیثیت رکھتا ہے

علم کا بھی ایک قانون ہے

نحمده ونصلی علی رسوله الکریم. اما بعد!

صحیح راہ کی ضرورت

میرے عزیزو اور بھائیو! آپ کو شاید معلوم ہو یا نہ معلوم ہو جو لوگ تفسیر پڑھتے ہیں اور ان کی تفسیر کی کتاب شروع ہو چکی ہے یا کم سے کم سورہ بقرہ اور اس کا ترجمہ وتفسیر انہوں نے پڑھی ہے وہ جانتے ہیں کہ جاہلیت میں جو لوگ حج کو نکلتے تھے ان کا ایک عرف اور ضابطہ یہ بن گیا تھا جو خود ساختہ تھا شریعت میں نہیں تھا لیکن انہوں نے اپنی طرف سے اپنے اوپر ایک پابندی عائد کر لی تھی کہ جب تک کہ حج سے فارغ نہ ہوں حج کے ارکان میں مشغول ہوں اور اس دوران اگر ضرورت ہو گھر آنے کی کوئی بات کہنے کی تو گھر کے دروازے سے نہ آئیں کہ ابھی تو اللہ کے گھر سے ہو کر نہیں آئے تو اپنے گھر میں قاعدے سے کیسے داخل ہوں تو چھتوں پر سے یا دیواروں کی طرف سے من ظهورها پشت سے وہ گھر میں آیا کرتے تھے اور اس کو وہ بڑی نیکی کا کام سمجھتے تھے کہ اس میں بیت اللہ کا ادب واحترام ہے، اللہ تعالی فرماتا ہے "لیس البر ان تاتوا البیوت من ظهورها" یہ کوئی نیکی کا کام نہیں ہے کہ تم گھروں میں پشت کی طرف سے آؤ، ولكن البر من التقى واتوا البيوت من ابوابها ، گھروں میں گھروں کے دروازوں سے آؤ، یہی قاعدہ ہے اور یہی عقل سلیم اور ذوق سلیم کی بات ہے اور قانون قدرت ہے کہ جس چیز

کا جو دخل ہے اس سے آدمی آئے۔ قرآن مجید تو پوری زندگی کی کتاب اور پوری زندگی کے لئے کتاب ہدایت ہے ہر طبقہ کے لئے ہر مشغلہ ہر میدان اور ہر مرحلہ کے لئے وہ ایک دستور العمل اور ایک ہدایت نامہ کا کام دیتا ہے قرآن کے یہ دو لفظ بڑے اہم ہیں " وأتوا البیوت من أبوابھا" یہ پوری زندگی پر حاوی ہے اس میں پوری زندگی کی حکمت بتادی گئی یہ صرف گھر کا معاملہ نہیں ہر چیز کا معاملہ یہی ہے کہ جو اس کا دروازہ ہے اس دروازہ سے آنا چاہئے اگر کوئی شخص پیشہ سیکھنا چاہے کوئی صنعت سیکھنا چاہے لیکن صنعت کے استاذوں سے نہ سیکھے اور صنعت کے آداب کا خیال نہ کرے اور صنعت کے اوزار مہیا نہ کرے اور تدریج کے ساتھ (STEP BY STEP) درجہ بدرجہ مرحلہ وار اس کو نہ سیکھے اور یہاں تک کہ ان کی وردی استعمال نہ کرے، لوہاروں کی ایک وردی ہے اور سقاؤوں کی ایک وردی ہے سپاہیوں کی ایک وردی ہے اور ڈاکٹروں کی ایک وردی ہے تو وہ وردی تک بعض اوقات ضروری ہوتی ہے ورنہ وہ اپنے پیشہ میں کامیاب نہیں ہوگا اس کو پیشہ نہیں آئے گا فن نہیں آئے گا تو جب یہ معمولی چیزوں کا حال ہے اگر کوئی کہتا ہے کہ فضول باتیں ہیں ہمیں لوہاری کا فن سیکھنا ہے یا ہمیں فوج میں بھرتی ہونا ہے لیکن وردی کا جھگڑا ہم مول نہیں لیتے یہ پہنو وہ نہ پہنو اور جب لیفٹ رائٹ LEFT.RIGHT فضول بات ہے ہم اپنی ذہانت سے کام لیں گے ہم دوسرا طرز ایجاد کریں گے وہ وہاں نہیں رہ جائے گا اچھا سپاہی بن نہیں سکتا ایسے ہی لوہار نہیں بن سکتا نجار (کارپینٹر) نہیں بن سکتا اس کے لئے بھی "وأتوا البیوت من أبوابھا" ضرورت ہے جو اس کا دروازہ ہے اسی سے آؤ۔

یہ وأتوا البیوت من أبوابھا ساری زندگی دین و دنیا سب پر حاوی ہے کہ اللہ نے اور فطرت انسانی نے فطرت سلیم نے سالوں سال کے تجربہ سے جو اصول مقرر کئے ہیں اور جو اس کے مداخل اور مخارج ہیں اگر کوئی شخص اس کا پابند نہ ہو ان کا کوئی احترام نہ کرے وہ کبھی کامیاب نہیں ہو سکتا اپنا مقصد حاصل نہیں کر سکتا۔ ایک شخص کہے کہ حروف تہجی کا جھگڑا عجیب ہے، ا ب ت، کا کون جھگڑا مول لے کہ پہلے الف ب ت پڑھے، ہم براہ راست پڑھنا شروع کردیتے ہیں تو وہ کتنا ہی ذہین ہو کبھی اس کو پڑھنا نہیں آئے گا جو ا ب ت نہیں پہچانتا یا (A B C.D) نہیں پہچانتا وہ کبھی ایک سیکنڈ نہیں بول سکتا

آپ کسی وقت بھی تجربہ کر کے دیکھئے کہ آپ کے زمانے کا کوئی بقراط سقراط ہو جو پڑھا ہوا نہ ہو خواندہ نہ ہو، آپ اس کو ایک کتاب دیجئے اردو کی دیجئے یا انگریزی کی دیجئے یا عربی کی دیجئے یا یہیں کی کسی زبان کی دے دیجئے اور کہئے کہ رات بھر نہیں آپ کو ایک مہینہ کی مہلت دی جاتی ہے آپ کے پاس کوئی دوسرا آدمی نہیں جائے گا، یہ کتاب ہے اور آپ ہیں، ہم آپ کو کمرے میں بند کر دیتے ہیں تالہ لگا دیتے ہیں کھانے پینے کا سب سامان کھڑکی سے ہم پہونچاتے ہیں اور وہاں پہلے سے موجود اور زندگی کی سب ضروریات ہیں ایک مہینہ نہیں چھ مہینے آپ اس میں رہئے اور یہ صفحہ حل کر دیجئے اس صفحہ کو آپ پڑھ دیجئے اور اس نے حروف تہجی نہیں پڑھے تو آپ یقین مانئے کہ جب وہ نکلے گا تو ویسے ہی جاہل ہوگا جیسے وہ داخل ہوا تھا اس لئے کہ وأتوا البيوت من ابوابها، پر اس نے عمل نہیں کیا، حروف تہجی بڑے حقیر ہیں کیا حقیقت ہے، ا، ب، ت، بچوں کو پڑھایا جاتا ہے لیکن بڑے بڑے علامہ امام غزالی، امام رازی بھی محتاج تھے کہ پہلے حروف تہجی پڑھیں پھر احیاء علوم الدین اور تفسیر رازی تک پہنچیں وہ احیاء علوم اور تفسیر رازی تک ہرگز نہیں پہنچ سکتے اگر انہوں نے حروف تہجی نہ پڑھے ہوتے، ایسے ہی ہر فن کا ہر علم کا ہر شعبہ کا ایک قانون ہے اس قانون پر چلنا ہوگا، یہ ہمارا علم اول تو مجرد علم ہے مجرد علم کا حال بھی یہی ہے کہ بہت سی چیزیں تو اس میں مشترک ہیں ہم سمجھتے ہیں کہ ہماری دنیا الگ ہے ان کی دنیا الگ لیکن آپ دیکھیں گے تو زیادہ حصہ دنیاوی اور دینی تعلیم میں مشترک ہے مثلاً درجہ بدرجہ پڑھنا استاد سے پڑھنا محنت کرنا استاد کا احترام کرنا۔

یورپ میں استاد و شاگرد

بہت سے لوگ سمجھتے ہیں کہ یورپ وغیرہ میں استادوں کا کوئی احترام کرنا نہیں جانتا یہ آپ یہاں کی یونیورسٹیوں اور کالجوں پر قیاس نہ کیجئے گا یہ نہ مشرق کے ہیں اور نہ مغرب کے اور نہ دنیا کے اور نہ دین کے یہ تو کچھ نہیں یہ تو خودرو ہیں جنگلی درخت ہیں میں یورپ گیا ہوں میں نے وہاں کی یونیورسٹیاں دیکھیں مجھے تو حیرت ہوگئی کہ میں کیمبرج آکسفورڈ گیا ضرورت کے لئے بتاتا ہوں آپ کو کہ وہاں معلوم ہوا کہ وہاں اب تک ٹیوٹوریل سسٹم ہے ایک استاد کو اتالیق بنالینا جب آپ کسی آفس میں چلے جائیں

اور آپ داخلہ کرائیں بی اے اور ایم اے میں تو آپ سے پوچھا جائے گا کہ آپ کس استاذ کا انتخاب کرتے ہیں آپ کا مشیر کون ہوگا تو بتانا پڑتا ہے کہ فلاں استاد فلاں پروفیسر کی نگرانی میں اور اس کے مشورہ سے علم حاصل کرنا ہے، پھر اس پروفیسر سے بالکل ایسا تعلق ہوجاتا ہے جیسے مرید و پیر کا تعلق ہے یعنی طالب علم اس کے مشورے سے کتابیں پڑھتا ہے کتابیں پڑھ کر نوٹس (NOTES) اس کو دکھاتا ہے تاکہ معلوم ہو کہ طالب علم کتاب کی صحیح اہمیت سمجھتا ہے اور اس کا جو اصل مغز لب لباب ہے اس کو لے رہا ہے پھر اس کے بعد مضمون اس کو تیار کرنا پڑتا ہے وہ بالکل اس سے ایسا وابستہ ہوجاتا ہے جیسے پہلے ہمارے مدارس میں تھا کہ ہر استاد کے ساتھ چند طلباء ہوتے تھے کہ جو بالکل مربوط ہوجاتے تھے اساتذہ سے۔

اور شعراء تک کا یہ حال تھا کہ ان کے راویہ ہوتے تھے چنانچہ تاریخ ادب میں آتا ہے کہ فلاں فلاں کا راویہ تھا یعنی اس کے اشعار کو اخذ کرنے والا یاد کر لینے والا سنانے والا اس کے ساتھ ساتھ شامل کر لیتے تھے کہ یہ میرا راویہ ہے، میں نہیں قصیدہ سناؤں گا اس سے سن لو، ویسے ہی ہمارے زمانہ تک طالب علم تقسیم ہوجاتے تھے استادوں میں۔ چار طالب علم ایک استاد کے ساتھ لگ گئے ہیں خادم بھی ہیں وہ اس کی خدمت بھی کر رہے ہیں چائے بنانی ہو تو چائے بنائیں گے اس کے آرام کا خیال کریں گے بازار سے اس کی چیزیں لائیں گے اور ہمارے یہاں تو یہ بھی تھا کہ اس کا حساب کتاب بھی دے دیں گے وہ جو اس کے بعد جو کچھ لکھوائے گا اس کو لکھیں گے وہ جو مواد نکلوائے گا اس کو نکالیں، ہم سب لوگوں نے ایسا ہی پڑھا تو معلوم ہوا کہ یہ سسٹم آج تک وہاں کی اعلیٰ درجہ کی یونیورسٹیوں میں رائج ہے اس کے بغیر وہ طالب علموں کو گویا قبول نہیں کرتے پہلے بتانا پڑتا ہے کہ تمہارا ٹیوٹر کون ہے یعنی تمہارا خاص استاد کون ہے جس کے ساتھ تم وابستہ ہوگے اور اس کے مشوروں پر چلو گے یہی ہمارے علم کا حال ہے۔

علم دین کا امتیاز

کچھ چیزیں تو مشترک ہیں لیکن پھر اس کے بعد ایک سرحد ایسی آتی ہے ایک ایسی

لکیر آتی ہے جہاں سے ہماری سرحد الگ ہو جاتی ہے وہ کیا مثلاً اللہ کی رضا کی طلب ہو اخلاص ہو دعا ہو خدا سے کہ اے اللہ ہم سے تو جو محنت ہو سکتی ہے ہم کریں گے اصل تو دینے والا ہے علم کا۔

حضرت امام شافعیؒ کا شعر یاد کیجئے:

شکوت الی وکیع سوء حفظی فاوصانی الی ترک المعاصی
فان العلم نور من الٰہی ونور اللہ لا یعطی لعاصی

میں نے اپنے استاد وکیع سے شکایت کی میرا حافظہ کمزور ہے انہوں نے کہا کہ گناہوں سے اجتناب کرو بہت زیادہ گناہوں سے دور رہو اس لئے کہ علم جو اللہ کا نور ہے، اللہ کا نور نافرمان کو نہیں دیا جاتا۔ یہاں سے ہماری سرحد الگ ہو جاتی ہے، وہ سینما جائیں اور کسی اخلاقی کمزوری یا کسی بے راہ روی کے شکار ہو جائیں تو بھی فرق نہیں پڑتا بلکہ میرا تو خیال ہے کہ فرق پڑتا ہے، لیکن خیر مان لیا نہیں فرق پڑتا ویسے ہی وہ فرسٹ ڈویژن سے پاس ہو جائیں گے فرسٹ آئیں گے نوکری مل جائے گی لیکن فرق اس میں بھی پڑتا ہے، گر مان لیجئے کہ نہیں فرق پڑتا لیکن ہمارے یہاں تو کھلا ہوا فرق ہے۔ وہ شخص جو استاد کا بے ادب ہوتا ہے اس کی دعا نہیں لیتا ہے اور اس کے ساتھ بالکل بے پرواہ ہو جاتا ہے اس کا کوئی فائدہ نہیں۔ آپ تاریخ میں پڑھیں گے تو معلوم ہوگا کہ بعض اوقات ایک ہی آدمی ایک استاد کے ساتھ مخصوص ہو گیا وہ بس بالکل اس کا شیخ بن گیا اور بالکل اس سے علم کو ایسا جذب کر لیا جیسے اسفنج ہوتا ہے وہ پی لیتا ہے اس طرح پی لیا اس سے علم کو پھر چھوڑا ہے اپنے شاگردوں میں۔

علم کے آداب

تو عزیزو! یہ ہمارا علم جو ہے جس علم کے طالب علم ہیں اس کے لئے یہ جامعہ قائم کیا گیا ہے یہ علم خاص آداب رکھتا ہے، یہ پہلوانی کا علم نہیں ہے کہ آدمی جب کہ کون ہوتا ہے استاد، کیا کتابوں کا ادب، کیا پرانی دقیانوسی باتیں کرتے ہو، اللہ نے ہمیں ذہن دیا ہے حافظہ دیا ہے، محنت صحت ہماری اچھی ہے، ہم سب کر کے دکھا دیں گے نہیں ایسا نہیں بعض لوگ کم صلاحیت کے ساتھ ایسے کامیاب ہو گئے ہیں کہ دنیا میں ان

کا ڈنکا بج گیا مجھے یاد ہے کہ لاہور میں ایک صاحب تھے انہوں نے غلط لائن اختیار کی تھی اور کالج میں پڑھاتے تھے ان کی ذہانت اور معقولات میں ان کی دسترس مسلم تھی یہاں تک کہ ڈاکٹر اقبال بھی ان کو مانتے تھے لیکن جو فیض ان سے پہنچنا چاہئے تھا جو علوم وسنت کا اجراء ان سے ہونا چاہئے تھا وہ لوگوں میں پیدا نہیں ہوئی کہنے لگے کہ مولوی حسین احمد مدنی تو ہمارے ساتھ تھے تو ان کا شمار غبی طالب علموں میں تھا وہ کچھ وہاں نمایاں نہ تھے یہ بڑے نمایاں تھے ان سے کیا فیض پہنچا ذہانت کے باوجود...... ایسے ہی ایک صاحب کہنے لگے ارے مولوی الیاس تو جب دیکھو نفلیں پڑھتے تھے، پڑھنے کے زمانے میں نفلیں پڑھتے تھے مولوی الیاس صاحب نے کیا کر دکھلایا، دنیا کو ہلا کر رکھ دیا، یہاں تک کہ امریکہ اور افریقہ میں بھی ان کی دعوت مقبول ہوئی تو بھائی بڑے تجربے کی بات بتاتا ہوں تھوڑی صلاحیت سے وہ طریقہ اختیار کر کے "وأتوا البيوت من ابوابها" پر عمل کر کے آدمی وہاں پہنچ سکتا ہے جہاں وہ لوگ جن کو اپنی ذہانت پر ناز ہے اور اپنے قوت مطالعہ پر اور محنت پر وہ نہیں پہنچ سکتے ان کے پڑھنے پڑھانے میں برکت نہیں ہوگی کہ لوگوں کو نفع پہنچے علم کے ساتھ سنتوں کا اجرا ہو، بدعات کا محو ہو، معصیتوں سے نفرت پیدا ہو، طاعت میں رغبت پیدا ہو، نور آئے، یہ بات پیدا نہیں ہوگی، یہ بات جب پیدا ہوگی کہ آدمی اس طریقہ پر عمل کرے جو استاد بتائے ایک صاحب تھے بہت بڑے علامہ، شام کے علامہ بیطار، کہنے لگے کہ ایک مرتبہ ایسا ہوا کہ ہم لوگ اپنے استاد کے پاس نہیں جا سکے بڑی سخت سردی تھی سردی شام میں ہوتی ہے برف پڑتی ہے کہنے لگے ہم مجبور ہو گئے، دوسرے وقت گئے تو کہنے لگے کیوں نہیں آئے، ہم نے کہا سردی بہت تھی اوپر سے ایک گھڑا پانی اور ڈال دیا، کہنے لگے کہ یہ سردی ہے کہنے لگے کہ ہم لوگوں نے برداشت کیا اور کوئی شکایت نہیں کی اور پھر جانے لگے اب وہ علامہ بیطار بن گئے، انہوں نے خود سنایا ایسے ہی ایک صاحب نے ان کے ہم عصروں میں سے سنایا، تو یہ اس زمانہ کا طریقہ تھا کہ استاد خدمت بھی لیتے تھے اور پڑھاتے بھی تھے اور پھر استاد استاد ہی نہیں ہوتا تھا ایک طرح کا پیر ہوتا تھا اس کے پاس رہتے کہ نماز کیسے پڑھتا ہے کیا خشوع وخضوع ہے سنتوں

کا کہاں تک اہتمام کرتا ہے، مسجد آتا ہے تو پہلا قدم کونسا رکھتا ہے، نکلتا ہے تو کون سا قدم نکالتا ہے یہ باتیں بھی سیکھتے تھے استادوں سے، اور اب یہ باتیں کم ہوگئیں۔

قحط الرجال کا دور

آج دیکھئے کوئی غیر معمولی شخص کوئی سطح سے بلند کوئی علامہ کوئی کوہ قامت کوہ پیکر ایسی کوئی ہستی نہیں پیدا ہورہی ہے، اس وقت کوئی امام مزنیؒ امام نوویؒ، شیخ الاسلام ابن عبدالسلامؒ، حافظ ابن حجر عسقلانیؒ نہیں بن سکتا، تو کوئی حافظ ابن حجر ھیثمیؒ بن جائے ان جیسا ان سے دوسرے تیسرے نمبر کا ادیب بنے لیکن نہیں بن رہے ہیں لوگ یہاں سے مصر تک اور اب تو مصر بھی خالی ہے، اس زمانہ میں از ہر بڑے لوگ پیدا کرتا تھا بڑے فاضل لوگ راسخ العلم لوگ پیدا کرتا تھا وہاں بھی خزاں کا دور آ گیا اور سیاسی اغراض اور سیاسی مقاصد نے اس کو بالکل بے اثر کر کے رکھ دیا ہے اور وہاں بھی لوگ پیدا نہیں ہو رہے ہیں اور ہر ملک میں یہ احساس کیا جارہا ہے کہ اب اس پایہ کے عالم پیدا نہیں ہورہے ہیں اور ہر ملک میں یہ احساس کیا جارہا ہے کہ اب اس پایہ کے عالم پیدا نہیں ہورہے ہیں تو اس کے لئے ضروری ہے درس کی پابندی، استاد کا احترام، مطالعہ کرنا، مطالعہ دیکھے بغیر نہ پڑھنا اور مولانا اشرف علی صاحب تھانویؒ فرماتے تھے کہ طالب علموں کا شعار یہ ہوگیا ہے نہ دیکھ کر پڑھنا نہ پڑھ کر دیکھنا، دیکھ کر پڑھنا یہ مطالعہ کر کے پڑھیں گے اور پڑھ کر کے اس کو رواں کریں دیکھیں بار بار پڑھیں بار بار پڑھیں دونوں چیزیں ختم ہوگئیں، بس چند باتیں ہیں لمبا قصہ نہیں ہے، اگر ان پر عمل کیا جائے تو آج بھی اللہ کا قانون یہی ہے جو سیکڑوں ہزاروں برس پہلے تھا، الحمد للہ اب بھی ذہین لوگ پیدا ہورہے ہیں، اللہ تعالیٰ کھانے کو تو دے رہا ہے پہلے لوگ کیا کھاتے اور اس سے کیا ذہانت ان کی ترقی کرتی تھی، بیچاروں کو ہفتوں مہینوں نہ گھی ملے نہ چکنائی ملے نہ فروٹ ملے نہ گوشت ملے، یہ سوکھی روٹی کھا کے انہوں نے اتنے بڑے کام کئے کہ عقل حیران رہ جاتی ہے، بعض بعض ایسے گذرے ہیں کہ کھڑے ہوگئے نان بائی کی دکان پر اور روٹی توے پر ڈالنے کی جو خوشبو ہوتی ہے اس سے طاقت حاصل کی اور آ کر پھر پڑھنے لگے، بس وہی بات ہے کہ ’’واتوا البیوت من ابوابھا‘‘ کہ بیت علم میں باب علم سے داخل ہو، باب علم کیا ہے

وہی قواعد ضوابط پر چلنا احترام کرنا نظام کے ساتھ رہنا مطالعہ دیکھنا محنت کرنا اور بھائی اگر تم نے یہ کرلیا تو چمکو گے انشاء اللہ نام روشن کرو گے اپنے ملک کا بھی اور اپنی ملت کا بھی اور نہیں تو بس شدید ہو جائے گی مشکل سے کوئی مسئلہ بتا سکو گے کوئی کتاب پڑھا سکو گے یا علمی کام کرسکو گے، میں سمجھتا ہوں کہ بس یہ کافی ہے، ہم اللہ سے دعا کرتے ہیں کہ اللہ شرور و آفات سے بچائے اخلاص عطا فرمائے، اپنے کلام کا، حاملین کلام کا، اپنے سب کا احترام و ادب نصیب فرمائے۔ (آمین)

و آخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین

نعمت اسلام کی قدر اور اس پر شکر

۱۰/مارچ ۱۹۸۴ء بعد عصر بنگلہ دیش کی عظیم دینی درسگاہ جامعہ اسلامیہ پٹیہ (چاٹگام) میں ایک عظیم الشان مجمع سے خطاب جو جامعہ کے سالانہ اجلاس کے موقع پر جمع ہوا تھا، اس خطاب سے سفر بنگلہ دیش کا آغاز ہوا۔

الحمد للہ وحدہ والصلوٰۃ والسلام علی من لانبی بعدہ. امابعد!

وَاِذْ تَـاَذَّنَ رَبُّـكُمْ لَئِنْ شَكَرْتُمْ لَاَزِيْدَنَّكُمْ وَلَئِنْ كَفَرْتُمْ اِنَّ عَذَابِىْ لَشَدِيْدٌ O (سورہ ابراھیم۔۷)

میرے بھائیو، اور بنگلہ دیش کے عزیزو اور دوستو! میں سب سے پہلے اللہ تعالیٰ سے اپنی اس کوتاہی اور اس تقصیر کی معافی چاہتا ہوں کہ ہمارے پورے برصغیر کے (جو تین حصوں پر منقسم ہو گیا ہے، ایک ہندوستان ایک پاکستان ایک بنگلہ دیش) مسلمانوں کا سب سے بڑا خاندان اس سرزمین پر آباد تھا، اور میں آپ کے پاس بہت تاخیر سے حاضر ہوا، اس کو میں اپنی ایک بڑی کوتاہی سمجھتا ہوں اور اللہ کے اس مبارک گھر اور اس علمی

مرکز کی مسجد میں بیٹھ کر اللہ سے استغفار کرتا ہوں، اللہ تعالیٰ میرے اس گناہ کو معاف فرمائے کہ محمد رسول اللہ ﷺ کی طرف اپنی نسبت کرنے والی امت کا اتنا بڑا خاندان جو دنیا میں دوسرے نمبر کی مسلمان آبادی سمجھی جاتی ہے (انڈونیشیا کا پہلا درجہ ہے اور دوسرا درجہ بنگلہ دیش کا ہے) رسول اللہ ﷺ کے اتنے نام لینے والے، اللہ اور رسول کے اتنے ماننے والے، اللہ کے سامنے سجدہ کرنے والے، اور اسلام کا کلمہ پڑھنے والے موجود ہوں، اور عرصہ سے موجود ہوں، وہاں میں اتنی تاخیر سے آؤں۔

حضرات! میں نے آپ کے سامنے ایک آیت پڑھی اللہ فرماتا ہے:

واذ تاذن ربکم لئن شکرتم لازیدنکم ولئن کفرتم ان عذابی لشدیدO

اور جب تمہارے رب نے تم کو آگاہ کیا کہ اگر تم شکر کرو گے تو میں تمہیں زیادہ دوں گا اور اگر ناشکری کرو گے تو یاد رکھو کہ میرا عذاب بھی سخت ہے۔

کبھی ایسا ہوتا ہے کہ آدمی جب دوسری قوموں کی کوئی بات دیکھتا ہے جس میں بڑی رونق ہوتی ہے، دھوم دھام ہوتی ہے، جی لگنے کا اور دلچسپی کا سامان ہوتا ہے، تو شیطان ایسے موقعہ پر حملہ کرتا ہے، اور مسلمانوں کے اندر لالچ پیدا کر دیتا ہے کہ ہمارے پاس بھی ایسی کوئی چیز ہوتی، دنیا کی کتنی قومیں ہیں جو عقیدۂ توحید اور اسلام کی نعمت سے محروم ہیں، وہ میلے ٹھیلے کرتی ہیں، کوئی درخت کو پوجتا ہے کوئی بتوں کے اور چڑھاوا چڑھاتا ہے، کھانے پکتے ہیں، جشن ہوتے ہیں، اور دلچسپی اور دل لگی کا سامان ہوتا ہے، بعض قومیں اس موقع پر پھسل گئیں اور شیطان کے حملہ کا شکار ہو گئیں، اور انہوں نے یہ کہنا شروع کیا (بعض نے اپنی زبانِ حال سے اور بعض نے اپنی زبان قال سے) کہ کاش ہمارے پاس بھی کوئی ایسی چیز ہوتی!

دنیا کی بیسیوں قوموں نے خدا کے سوا بت بنائے، کسی نے قومیت کو بت بنالیا، کسی نے ملک کو بت بنالیا ہے، کسی نے زبان کو بت بنالیا ہے، کسی نے اپنے آباواجداد کی کہانیوں کو اور تاریخ کو بت بنالیا ہے، اور کسی نے رنگ ونسل کو بت بنالیا ہے، لیکن اللہ نے مسلمانوں کو ان

تمام بتوں سے محفوظ رکھا، ہمیں یہ تعلیم دی گئی ہے کہ ہم ہمیشہ اسلام پر فخر کریں اور اسلام کے سوا کسی چیز کو لالچ اور رشک کی نظر سے نہ دیکھیں کہ کاش ہم کو بھی یہ چیز ملتی۔

یہ ایسی لغزش کی فضا ہے کہ بعض قوموں کے منہ میں پانی بھر آیا ہے، جیسے کسی کو اچھی لذیذ چیز کھاتے دیکھ کر کبھی منہ میں پانی بھر آتا ہے، اسی طرح بعض قوموں کی گمراہیوں کو دیکھ کر اچھے اچھوں کے قدم اکھڑ گئے ہیں، اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل کو ایک جلیل القدر پیغمبر (حضرت موسیٰ علیہ السلام) کی صحبت و تربیت نصیب فرمائی تھی، ان کے قدم بھی لڑکھڑا گئے اور بت پرستی کے مظاہر دیکھ کر وہ سنبھل نہیں سکے اور انہوں نے تمنا کی کہ ہمیں بھی یہ چیز ملتی، سورۂ اعراف میں بنی اسرائیل کا واقعہ بیان کیا گیا ہے، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

وجوزنا ببنی اسرائیل البحر فاتوا علی قوم یعکفون
علی اصنام لهم قالوا یموسی اجعل لنا الٰها کما لهم
الهة. قال انکم قوم تجهلون O ان هٰؤلاء متبّر ماهم
فیه وبٰطل ما کانوا یعملونO

(سورة الاعراف ۱۳۸۔۱۳۹)

اور ہم نے بنی اسرائیل کو دریا سے پار اتارا تو وہ ایسے لوگوں کے پاس جا پہنچے جو اپنے بتوں (کی عبادت) کے لئے بیٹھے رہتے تھے (بنی اسرائیل) کہنے لگے کہ موسیٰ علیہ السلام! جیسے ان لوگوں کے معبود ہیں ہمارے لئے بھی ایک معبود بنادو موسیٰ علیہ السلام نے کہا تم بڑے ہی جاہل لوگ ہو یہ لوگ جس (شغل) میں (پھنسے ہوئے) ہیں وہ برباد ہونے والا ہے اور جو کام یہ کرتے ہیں سب بیہودہ ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں اس قوم کی لغزش کا واقعہ بیان کیا ہے، جس کے متعلق خود فرماتا ہے:

یٰبنی اسرائیل اذکروا نعمتی التی انعمت علیکم
وانّی فضلتکم علی العٰلمینO (سورة البقرة۔۴۷)

اے یعقوب کی اولاد! میرے وہ احسان یاد کرو جو میں نے تم پر کئے تھے اور یہ کہ میں

نے تم کو جہاں کے لوگوں پر فضیلت بخشی تھی۔

مفسرین ومحققین کا کہنا ہے کہ بنی اسرائیل کو دنیا پر جو فضیلت حاصل تھی، وہ توحید کی بنا پر تھی، توحید ہمیشہ اسرائیل (یعقوبؑ) کی نسل میں رہی وہ اپنے زمانہ کی قوموں کے مقابلہ میں زیادہ خدا پرست اور موحّد تھے، اس قوم کا یہ حال ہوا جو مصر میں کئی برس تک موسیٰ علیہ السلام کی تربیت میں رہی تھی، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ’’ **وجوزنا ببنی اسرائیل البحر** ‘‘ہم نے بنی اسرائیل کو سمندر پار کرایا) ’’**فاتوا علی قوم یعکفون علی اصنام لھم** ‘‘(وہ ایسے لوگوں کے پاس سے ہوکر گذرے کہ جو اپنے بتوں کے سامنے جھکے ہوئے تھے) اور وہاں غالباً دکانیں لگی ہوں گی، کھانے پک رہے ہوں گے، گانے بجانے بھی ہو رہے ہوں گے، اور ایسے موقعوں پر یہ ہونا ضروری ہے، موسیٰ علیہ السلام نے اتنے دن تک جو سبق پڑھایا تھا وہ یکسر بھول گئے، وہ بولنے لگے ’’ **یٰموسیٰ اجعل لنا الھا کما لھم الھة** ‘‘ اے موسیٰ (یہ کتنی رونق کی چیز ہے) ہمارے لئے بھی کوئی ایسا خدا تجویز کر دیجئے جو آنکھوں سے نظر آتا ہو، ہم اسے چھو سکیں اور اس کے قسموں میں گر سکیں اور اپنے سامنے دیکھ سکیں ’’**الٰھا کما لھم الھة** ‘‘ہمارے لئے بھی کوئی ایسا معبود تجویز کیجئے جیسے مشرکین کے کئی معبود ہیں ’’**قال انکم قومٌ تجھلون** ‘‘موسیٰ علیہ السلام کو جلال آ گیا اور کہنے لگے کہ تم پرلے درجہ کے نالائق اور پرلے درجہ کے ناشکرے اور پرلے درجہ کے جاہل ہو، اتنے دنوں تک تم کو سکھایا پڑھایا اور تمہیں اس گندی زندگی سے نکالا تمہارے لئے اللہ کے یہاں سے منّ وسلویٰ اترا، اور تم کہتے ہو کہ ہمارے لئے ایسا جشن اور میلہ لائیے’’ **ان ھؤلاء متبّر ماھم فیه** ‘‘یہ سب برباد ہونے والے ہیں’’ **وبطل ماکانوا یعملون** ‘‘اور بت کچھ کام نہیں آئے گا سب ملیامیٹ ہوجائے گا یہ بڑی عبرت کی بات ہے، ہمارے اور آپ کے ڈرنے کی بات ہے، اللہ کے پیغمبر سیدنا موسیٰؑ کی تربیت میں جو قوم برسوں رہی وہ بھی پھسل گئی اور اس نے کہا کہ ہمارے لئے بھی آپ کوئی ایسا مجسم خدا کھڑا کیجئے جسے ہم دیکھ کر پرستش کریں۔

اس سے ملتا جلتا واقعہ (اتنا بڑا تو نہیں) خود مسلمانوں کو پیش آیا کہ ایک درخت ذات

انواط تھا اس درخت پر لوگ اپنے ہتھیار لٹکاتے تھے، قربانیاں کرتے تھے، اور ایک دن اس کے نیچے قیام کرتے تھے، صحاح کی روایت ہے کہ حضور ﷺ غزوۂ حنین پر جارہے تھے تو جو نئے مسلمان ہوئے تھے، انہوں نے کہا کہ ہمارے لئے بھی ایسا درخت تجویز کردیجئے جہاں ہم آئیں بیٹھیں، میلہ کریں، بازار لگائیں، کھائیں پئیں، جانور ذبح کریں، آپ نے فرمایا کہ جو بات بنی اسرائیل نے حضرت موسیٰ سے کہی تھی وہی تم مجھ سے کہہ رہے ہو؟ '' **اجعل لنا الٰها کما لهم الهة** '' اے مسلمانو! تم بھی اس قوم کے بالکل قدم بقدم چلو گے۔ (۱)

ایک مرتبہ ایسا ہوا کہ ایک لڑائی کے موقعہ پر ایک انصاری میں اور ایک مہاجر میں کچھ تکرار ہوگئی تو اس وقت انصاری نے چلا کر کہا '' **یا للأنصار** '' انصار کی دہائی ہے، اور مہاجر نے کہا '' **یا للمهاجرین** '' مہاجرین کی دہائی ہے، جب رسول اللہ ﷺ نے سنا تو فرمایا '' **دعوها فانها منتنة** '' چھوڑو اس کو یہ ناپاک چیز ہے۔

تو میرے بھائیو اور دوستو! شیطان ہماری تاک میں ہے، وہ اپنے کام سے کبھی غافل نہیں ہوتا، وہ نئے نئے طریقہ پر پھسلایا کرتا ہے، کبھی کسی رنگ سے، کبھی کسی رنگ سے، وہ یہ جانتا ہے کہ یہ آدمی کس بات سے متاثر ہوگا، اس کو اس کام سے ہٹانے کے لئے کون سی بات زیادہ موثر ہوگی، وہ عالموں کے خاندان میں جائے گا تو وہ چوری کے لئے نہیں کہے گا کہ وہ جانتا ہے کہ کہیں عالموں کی اولاد اور بزرگوں کی اولاد چوری کرتی ہے؟ ان کو تکبر سکھلائے گا، آبا، واجداد پر فخر کرنا بتائے گا، ایسے ہی اگر وہ تاجروں کے پاس جائے گا تو ان کو وہ ناپ تول میں کمی کرنے یا ناجائز طریقہ پر تجارت کرنے، نفع حاصل کرنے پر مائل کرے گا، ایسے ہی جن قوموں کو اللہ تعالیٰ نے دین کا بڑا ذخیرہ دیا ہے، علم کا، ذہانت کا، نسل کا، اسلامی اخوت کا، ان سے کہے گا کہ اسلام کی نسبت تو سب کو ملتی ہے، زبان کی نسبت، قومیت کی نسبت ہماری خصوصیت ہے، اس پر فخر کرنا چاہئے اور اس کو مضبوط بنانا چاہئے، یہی شیطان کا وہ حربہ ہے جو وہ ایسے موقع پر استعمال کرتا ہے، آپ اس توحید کی رسی کو مضبوط پکڑئیے '' **واعتصموا بحبل الله جميعا ولا تفرقوا** '' اللہ تعالیٰ

---

(۱) سیرت ابن ہشام ج ۲ ص ۴۴۲۔ اصل روایت صحاح میں بھی ہے۔

فرماتا ہے کہ رسی کو مضبوط پکڑو متفرق نہ ہو جاؤ۔

تفرق کی بات تو یہی ہے کہ شیطان کسی کے سامنے قومیت، کسی کے سامنے مادیت، کسی کے سامنے دولت، کسی کے لئے علم اور مختلف قسم کی چیزیں لالا کر کھڑا کر دیتا ہے، اور ان میں ایسی کشش پیدا کر دیتا ہے کہ بعض وقت آدمی اس کے لئے دوسروں کی جانیں لیتا ہے، لوگ ایک دوسرے کے سر کاٹنے لگتے ہیں، ایک دوسرے کے گھر اجاڑنے لگتے ہیں، کمزور کمزور بچوں پر ہاتھ اٹھاتے ہیں، شریف بیبیوں اور بیواؤں پر ہاتھ اٹھاتے ہیں، یہ سب شیطان کے چکر ہیں، ہمیں آپ کو اسلام پر فخر کرنا چاہئے اور اسلام کو سب سے بڑی دولت سمجھنا چاہئے، اسلام کی نسبت کو، اسلام کی چیزوں کو سب سے بڑھ کر سمجھنا چاہئے، حدیث میں آتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے یہاں ایک سیاہ فام آدمی کی جس میں کوئی وجاہت نہیں بڑے بڑے خاندانی لوگوں کے مقابلہ میں زیادہ عزت ہوتی ہے'' ان اکرمکم عنداللہ اتقاکم '' اللہ تعالیٰ نے فضیلت کی چیز تقویٰ بنایا ہے، فضیلت کی چیز عبادت بنائی ہے، فضیلت کی چیز علم بنایا ہے'' **لافضل لعربی علی عجمی ولا لعجمی علی عربی الا بالتقویٰ** '' عرب کو عجم پر، کسی عجمی کو عرب پر، گورے کو کالے پر، کالے کو گورے پر کوئی فضیلت نہیں دی گئی، اگر فضیلت دی تو تقویٰ کی بنیاد پر، کون اللہ کا علم زیادہ رکھتا ہے، دین کا علم زیادہ رکھتا ہے، کون زیادہ نماز پڑھنا جانتا ہے، کون اسلام پر زیادہ شکر و فخر کرتا ہے، اور جس کو اللہ و رسول سے زیادہ محبت ہے، اسی کو فضیلت ہے، ایمان کی نسبت سب سے بڑی نسبت ہے، اس لئے فرمایا'' **ان الشیطان لکم عدو فاتخذوہ عدوا** '' کہیں آتا ہے'' **انہ یرکم ھو وقبیلہ من حیث لاترونھم** '' شیطان اور اس کا لشکر تم کو دیکھتا ہے، اور تم اس کو نہیں دیکھتے۔

اور شیطان جن کے بھیس میں بھی ہے، اور انسان کے بھیس میں بھی آتا ہے، وہ دشمنوں کے بھیس میں بھی آتا ہے، اور دوستوں کے بھیس میں بھی آتا ہے، اس کو بہت سی زبانیں آتی ہیں، ہم سے آپ سے اچھی زبان بولتا ہے اور ہم سے اور آپ سے زیادہ اچھی زبان میں وہ سمجھاتا ہے، آپ ایسے سب دشمنوں سے ہوشیار رہئے، اسلام کی رسی

کو مضبوط پکڑیئے، اس اس پر فخر کیجئے اس سے زیادہ فخر کی کوئی بات نہیں ہے، اسلام پر زندہ رہئے، اسلام پر مرجایئے، اسلام سیکھئے، اس کے لئے سر کٹانا بھی درست ہے لیکن غیر اسلام کے لئے خون کا ایک قطرہ بہانا بھی ناجائز۔

عرب میں ٦٥-٦٦ء میں ایک بڑا طوفان اٹھا، بڑی آندھی اٹھی ایک ایسا آدمی پیدا ہوگیا[1] جس نے لاکھوں عربوں کو پاگل بنادیا، لیکن تھوڑے دن کے لئے اللہ رہ گیا، اس کا رسول رہ گیا، قبلہ رہ گیا، اور مسجد نبوی رہ گئی، اور قرآن شریف رہ گیا اور وہ جادو رخصت ہوا "ان الباطل کان زھوقاً" باطل کے پاؤں نہیں، صرف اللہ اور رسول قائم رہیں گے، آپ اسلام کے سوا کسی چیز پر فخر نہ کریں، اسلام کے نعرہ کے علاوہ کوئی چیز آپ کو اپنی طرف کھینچنے نہ پائے، اسلام کے رخ کے سوا کسی کی طرف آپ رخ نہ کریں بس یہی اسلام کا شکر ہے، یہی اسلام کا فخر ہے، میں دعا کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ آپ کے ایمانوں اور دلوں کی حفاظت فرمائیں، ہمارے ایمان، ہمارے ساتھیوں کے ایمان اور ہمارے دلوں کی بھی اللہ حفاظت فرمائیں۔ وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین۔

محبت اور سچی روحانیت کی فتح

حضرت مولانا قدس سرہ کی یہ تقریر جو اسلامک فاؤنڈیشن بنگلہ دیش کی طرف سے دیئے ہوئے استقبالیہ اور اس کے ڈائرکٹر جناب ابوالفاید محمد یحییٰ صاحب کی خیر مقدمی تقریر کے جواب میں ۱۳/ مارچ کو ہوٹل پوربانی میں مہمان کے اعزاز میں ڈنر کے موقع پر کی گئی۔

الحمد للہ رب العالمین والصلوٰۃ والسلام علی سید الانبیاء والمرسلین، وعلیٰ آلہ وصحبہ اجمعین، ومن تبعھم باحسان الی یوم الدین. امابعد!

ڈائرکٹر جنرل صاحب اسلامک فاؤنڈیشن اور معزز حاضرین!

میں اس وقت بڑا متاثر اور مسرور ہوں کہ اتنے چیدہ و برگزیدہ منتخب دوستوں اور

---

[1] جمال عبدالناصر صدر مصر مراد ہیں۔

دانشوروں سے ایک جگہ مل رہا ہوں، چاہئے تو یہ تھا کہ میں خود گھر گھر جاتا اور آپ سے ملتا لیکن ایک آدمی کے لئے جس کا قیام مختصر ہو اور شہر بہت بڑا ہو یہ ممکن نہیں ہوتا، میں جناب ابوالفاید محمد یحیٰ صاحب کا بہت شکر گزار ہوں کہ انہوں نے مجھے یہ موقعہ عطا کیا کہ میں ایک وقت میں اپنے اتنے عزیز ومعزز بھائیوں سے مل سکوں۔

میں بلا تکلف کہتا ہوں کہ اس وقت مجھے بنگلہ زبان نہ جاننے کا بہت افسوس ہو رہا ہے، زبانیں سب خدا کی پیدا کی ہوئی ہیں، اور خدا نے اپنا احسان رکھتے ہوئے کسی کمزوری (WEAKNESS) کسی عیب کے طور پر نہیں، بلکہ تعریف کے موقعہ پر اور اپنی نعمت کو یاد دلاتے ہوئے زبانوں کے تنوع (VARIETY) کا ذکر کیا ہے۔

ومن آیته خلق السمٰوٰت والارض واختلاف
السنتکم والوانکم ان فی ذلک لأیت للعلمین O

(سورۃ الروم، ۲۲)

اور اس کی نشانیوں میں سے آسمانوں اور زمین کا پیدا کرنا ہے، اور تمہاری بولیوں اور تمہارے رنگوں کا مختلف ہونا ہے، اور اس میں سمجھنے والوں کے لئے بہت سی نشانیاں ہیں۔

یہ کوئی عیب کی بات نہیں ہے اور بنگالی زبان تو مسلمانوں کی زبان ہے، اس میں علم وادب کا بڑا خزانہ ہے، یہ کوئی تعجب کی بات نہیں تھی کہ میں اس برصغیر کے ایک باشندہ ہونے کے ناطے بنگلہ زبان سے واقف ہوتا لیکن یہ میری کمزوری ہے کہ میں آپ سے آپ کی عزیز زبان میں اس وقت بات نہیں کر رہا ہوں، اگر اس کا کوئی متبادل طریقہ ہوسکتا تھا تو وہ یہ کہ میں عربی زبان میں بات کرتا اور آپ اس کو سمجھتے جو اسلام کی سرکاری زبان اور عالم اسلام کی سب سے محبوب اور سب سے وسیع زبان ہے۔

حضرات! جب سے میں نے ایمان کی، علمائے کبار اور اولیائے عظام کی اس سرزمین پر قدم رکھا ہے، اس وقت سے میرا دل مسرت سے معمور ہے، میں تاریخ کا ایک طالب علم ہوں، میں سمجھتا ہوں کہ اس سرزمین پر مسلمانوں کی اتنی کثیر آبادی کا وجود محض خلوص اور روحانیت کی فتح ہے، اگر سچی روحانیت اور سیاسی مفادات سے بالاتر خلوص نہ

ہوتا، سچی خدا پرستی اور انسانیت دوستی نہ ہوتی (جو ہمارے بزرگوں میں تھی) تو یہ سرزمین اسلام کی نعمت سے مالا مال اور اسلام سے عشق کرنے والی نہ ہوتی، آج ہمیں کسی ایک شخص کے دل کا جیتنا مشکل معلوم ہو رہا ہے، لیکن ہمارے بزرگوں نے کتنی آسانی کے ساتھ محض اپنے خلوص کی بدولت لاکھوں انسانوں کے دل میں گھر کر لیا اور ان کو اپنا عاشق وشیدائی بنالیا، یہاں مسلمانوں کی اکثریت کسی فوج کشی کا نتیجہ نہیں ہے، میں پوری ذمہ داری کے ساتھ آپ سے یہ عرض کرنا چاہتا ہوں کہ جہاں جہاں اسلامی فوجیں نہیں گئیں، وہاں مسلمانوں کی اکثریت ہے، اور جہاں صدیوں مسلمانوں کی حکومت رہی وہاں مسلمان اقلیت میں ہیں، کشمیر حضرت امیر کبیر سید علی ہمدانیؒ کی محبت کا اسیر و نخچیر ہے، خدا کا ایک بندہ ایران سے آتا ہے اور سارا کشمیر اسلام کا کلمہ پڑھ لیتا ہے، اور اسلام سے اس کو ایسا عشق ہو جاتا ہے کہ وہاں کے بڑے بڑے برہمن خاندانوں کے افراد اسلام کے حلقہ بگوش ہوئے، وہیں کے ایک برہمن زادہ (اقبالؔ) کو ایک سید زادہ خطاب کرتے ہوئے یہ کہنے کا موقعہ ملا کہ ؎

تو سید ہاشمی کی اولاد   میری کف خاک برہمن زاد
ہے فلسفہ میرے آب وگل میں   پیوستہ ہے ریشہائے دل میں
اقبالؔ اگرچہ بے ہنر ہے   اس کے رگ رگ سے باخبر ہے
عالم کی عشا ہو جس سے اشراق   مومن کی اذاں ندائے آفاق

اقبالؔ کے دل میں رسول اللہ ﷺ کی یہ محبت کس نے پیدا کی، جس نے ان کی زبان سے کہلوایا ؎

وہ دانائے سبل ختم الرسل مولائے کل جس نے   غبار راہ کو بخشا فروغ وادی سینا
حدیث عشق و مستی میں وہی اول وہی آخر   وہی قرآں وہی فرقاں وہی یٰسیں وہی طٰہٰ

یہ عشق رسول روحانیت نے پیدا کیا، خلوص نے پیدا کیا، سچی خدا پرستی اور سچی انسان

دوستی نے پیدا کیا، جب خداپرستی اور انسان دوستی کا سنگم ہو جاتا ہے، جب یہ دو دریا آ کر مل جاتے ہیں، ایک طرف انسان خداپرست ہوتا ہے، دوسری طرف انسان دوست ہوتا ہے، پھر اس کی فتوحات کو کوئی روک نہیں سکتا، پھر روشنی تاریکی کا سینہ چیرتی ہوئی چلی جاتی ہے، جب خداپرستی اور انسان دوستی دونوں اس طرح چلتے ہیں کہ ملک کے ملک ان کے قدموں پر گر جاتے ہیں، آج بھی دنیا کی مشکلات و مصائب کا علاج یہی خلوص ہے، سچی روحانیت اور مفادات اور سیاسی اغراض سے بالاتر ہو کر خدمت کرنا ہے۔

مشرقی بنگال میں بھی درویش آئے، خداپرست فقیر آئے، یہاں وہ آئے، جو انسان کو سینہ سے لگاتے تھے، اور انسانوں نے جو مصنوعی تقسیم کر رکھی تھی، آدمؑ کی اولاد کو انہوں نے دو حصوں میں بانٹ دیا تھا، ایک انسان تھے، دوسرے وہ بدقسمت تھے، جن سے جانوروں سے بدتر سلوک کیا جاتا تھا، وہ اسلام کا پیغام لے کر آئے، توحید ربانی اور وحدت انسانی کا پیغام لے کر آئے، رسول اللہ ﷺ نے عربوں کو مخاطب کر کے فرمایا، عرب اس زمانہ کے سب سے بڑے نسل پرست اور زبان پرست تھے، حتی کہ وہ ساری دنیا کو اپنے سامنے گونگا اور بے زبان سمجھتے تھے اور اپنی عربی زبان کے سامنے کسی زبان کو زبان نہیں سمجھتے تھے، اور اس کو منہ نہیں لگاتے تھے "ان ربکم واحد وان اباکم واحد، کلکم من آدم وآدم من تراب، لافضل لعربی علی عجمی، ولالعجمی علی عربیّ، لا لأبیض علی أسود، ولالأسود علی ابیض، الا بالتقویٰ۔"

یا ایھا الناس انا خلقنکم من ذکرٍ واُنثیٰ وجعلنکم
شعوبا وقبائل لتعارفوا۔ان اکرمکم عنداللہ اتقکم O
(سورۃ الحجرات۔۱۳)

لوگو! ہم نے تم کو ایک مرد اور ایک عورت سے پیدا کیا، اور تمہاری قوم اور قبیلے بنائے تاکہ ایک دوسرے کو شناخت کرو اور خدا کے نزدیک تم میں زیادہ عزت والا وہ ہے جو زیادہ پرہیزگار ہے۔

محمد عربی ہاشمی قریشی ﷺ نے فرمایا کہ انسانو! اے لوگو! اے عربو! تمہارا خدا

تمہارا پیدا کرنے والا بھی ایک ہے، تمہارا باپ بھی ایک تھا، دو دو رشتوں سے تم ایک دوسرے کے بھائی ہو، ایک خدا کے رشتہ سے، خدا کا بندہ ہونے کی حیثیت سے، دوسرے باپ کے رشتہ سے کہ تمہارے مورث اعلیٰ ایک تھے، توحید ربانی اور وحدت انسانی دو ستون ہیں جن پر انسانیت قائم ہے، اگر ان میں سے ایک ستون بھی گرا دیا جائے تو تہذیب وتمدن کا یہ سارا قصر زمین پر آ جائے گا۔

انہیں صوفیوں اور انہیں درویشوں کے ذریعہ یہاں اسلام آیا، جنہوں نے دماغ سے بات کرنے سے پہلے دل سے بات کی، انہوں نے منہ کی زبان سے بات نہیں کی دل کی زبان سے کی، منہ کی زبانیں پچاسوں ہوسکتی ہیں، لیکن دل کی زبان ایک ہے، روح کی زبان ایک ہے، سچائی کی زبان ایک ہے، محبت کی زبان ایک ہے، محبت کی زبان ہر جگہ سمجھی جاتی ہے، اور بعض مرتبہ ترجمان کی ضرورت بھی نہیں ہوتی، آنکھوں کی چمک، لبوں کی مسکراہٹ دل سے ابلتا ہوا محبت کا فوارہ بڑے بڑے دشمنوں کو اور جنگل کے شیروں اور چیتوں کو اپنا کلمہ پڑھنے والا بنالیتا ہے۔

میں بہت شکر گزار ہوں کہ آپ نے صرف ڈھاکہ کے نہیں بنگلہ دیش کے دل و دماغ یہاں پر اکٹھا کردیئے، کہ میرے دل میں یہ بات آتی ہے کہ جس ملک میں اتنے دانشور موجود ہوں، اسلام سے اتنی محبت کرنے والے موجود ہوں، جو اپنے ایک پردیسی بھائی کا نام سن کر اپنے تمام ضروری کام چھوڑ کر یہاں جمع ہوجائیں، اس ملک کا رشتہ اسلام سے کبھی ٹوٹ نہیں سکتا، کمیت (QUANTITY) اور کیفیت (QUALITY) دونوں حیثیتوں سے یہ مجمع بہت ممتاز ہے، یہ مجھے (خدا کی رحمت پر نظر کرتے ہوئے) یقین دلاتا ہے کہ جہاں اتنے مسلمان ہوں، جہاں اتنے دانشور (INTELLECTUALS) ہوں، جہاں اتنے پڑھے لکھے اسکالرس (SCHOLARS) ہوں، اس ملک کا اسلام سے علمی طور پر تہذیبی طور پر، کلچرل طریقہ پر رشتہ ٹوٹ نہیں سکتا، آپ نے مجھے بڑا تحفہ دیا ہے کہ ایک جگہ پر ایک وقت میں اتنے آدمیوں سے ملا دیا۔

حضرات! آپ مجھے معاف کریں اگر میری بات لمبی ہوجائے میں ''دخل

در ماکولات'' کر رہا ہوں ''دخل در معقولات'' بھی اچھی چیز نہیں ہے لیکن ''دخل در ماکولات'' اس سے بھی زیادہ سخت چیز ہے کہ یہ کھانے کا وقت تھا، میں آپ سے باتیں کر رہا ہوں، کھانا تو مجھے ہر جگہ مل جائے گا، لیکن میں آپ کو کہاں ڈھونڈھوں گا۔؟

میں آپ کو بتانا چاہتا ہوں، خوشامد میں نہیں کہتا کہ آپ کو اسلام سے محبت کرنے والی جیسی مخلص اور سادہ دل قوم ملی ہے، بہت سے ملکوں کو نصیب نہیں، آپ اس کی قدر کریں، آپ کو بڑے بڑے سیاسی POLITICIANS مل جائیں گے DIPLOMATES مل جائیں گے، بڑے ذہین اور GENIUS لوگ مل جائیں گے، لیکن سچائی اور محبت آپ کو ہر جگہ نہیں ملے گی، آپ کی قوم میں یہ سچائی اور محبت موجود ہے، اب آپ اس سے کام لیں، میں TORONTO گیا، وہاں لوگوں نے مجھے NIAGARA FALL دکھایا، وہ آبشار جو دنیا کے ساری عجائبات میں شمار ہوتی ہے کہ ہزاروں فٹ سے پانی گرتا ہے، دنیا بھر کے سیاح اس کو دیکھنے جاتے ہیں، میں بھی گیا، اس نیاگرہ آبشار سے بجلی نہ پیدا کی جائے، اس سے ELECTRICITY نہ لی جائے، اس سے وہ انرجی ENERGY نہ لی جائے، اور اس سے کھیتیاں نہ سینچی جائیں تو نیاگرہ فال ضائع ہوا کہ کام آیا؟ آپ کو خدا نے ایک آبشار دی ہے، یہ ایمان کی آبشار ہے جو آپ کو اس قوم کی شکل میں حاصل ہے، یہ سچائی کی، خلوص کی آبشار ہے، اس سے بجلی پیدا کریں، آپ جن مسائل کو سمجھ رہے ہیں کہ وہ ناقابلِ حل ہیں، وہ سب مسئلے چٹکیوں میں حل ہو سکتے ہیں، اگر سچائی اور خلوص ہو، آپ کی قوم میں وہ جوہر موجود ہے، اس سے آپ جو کام لینا چاہیں وہ کام لے سکتے ہیں۔

لیکن یہ سیاسی لیڈروں کا کام نہیں ہے، یہ سچے دل والوں کا، خلوص والوں کا کام ہے، جو اپنے دل میں محبت رکھتے ہوں، جو اس قوم کو دینا چاہتے ہوں، اس قوم سے لینا نہیں چاہتے ہوں جو اس قوم کی خدمت کرنا چاہتے ہوں، اور خدا سے اس کا ثواب چاہتے ہوں، وہ اس قوم سے اکسیر بنا سکتے ہیں، سونا بنا سکتے ہیں، یہ قوم تو سونا ہے، یہ قوم یہاں بنگلہ دیش ہی میں نہیں پورے عالم اسلام میں ایک نئی طاقت پیدا کر سکتی ہے، لیکن یہ

جب ہوگا جب ہم اس نعمت کی قدر کریں جو اللہ تعالیٰ نے ہم کو اس قوم کی شکل میں دی ہے، یہ "نیاگرہ فال" ہے، آپ اس سے بجلی پیدا کریں، یہ پانی ضائع ہو رہا ہے، کتنے دنوں سے ضائع ہو رہا ہے، اس سے آپ اگر بجلی پیدا کریں تو نہ بجلی سارے برصغیر SUB CONTINENT کو منور و روشن کر سکتی ہے، اور عالمِ عربی تک یہ روشنی جا سکتی ہے۔

آپ اپنی قوم کی قدر کریں اور جو خلیج GULF پرانے طبقہ کے درمیان اور نئی نسل YOUNG GENERATION کے درمیان، اور علماء اور یونیورسٹیوں کے گریجویٹس کے درمیان پڑ گئی ہے اور زیادہ سے زیادہ گہری اور وسیع ہوتی جا رہی ہے، آپ اس خلیج کو پر کریں، دونوں طبقے گلے ملیں، قدیم علماء دینی مسائل میں آپ کی مدد کر سکتے ہیں، آپ کی رہنمائی کر سکتے ہیں، آپ کو قرآن کی تعلیمات سے آشنا کر سکتے ہیں، اور جدید تعلیم یافتہ اس کو لے کر بنگلہ زبان میں پھیلا سکتے ہیں، دونوں مل کر اس ملک کو طاقتور اور اسلام کا علمبردار بنائیں، یہ عالم اسلام کا دوسرے نمبر کا بڑا خاندان ہے، اس کو اپنی ذمہ داری، اپنی طاقت اور اپنی قیمت محسوس کرنی چاہئے، اور بڑے بھائی کی طرح چھوٹے بھائیوں جو تعداد میں کم ہیں کی مدد کرنی چاہئے۔

میں پھر کہتا ہوں کہ میں بہت شکر گزار ہوں کہ آپ نے مجھے طاقت کے ایک نئے خزانہ سے واقف کرایا، آپ نے امید کی ایک دنیا آباد کر دی، میرے دل پر جس پر بار بار عالم اسلام کے واقعات کو دیکھ کر مایوسی کا حملہ ہوتا رہا ہے، لبنان کے واقعات کو دیکھ کر، عراق و ایران کی جنگ کو دیکھ کر اور عرب ملکوں کی دولت کا غلام بن جانے کی حالت کو دیکھ کر جو میرے دل پر چوٹ لگتی رہی ہے، آپ نے اس میں تھوڑی سی کمی پیدا کی، ابھی اسلام کا ستارہ بلند ہے، اور کیا تعجب ہے کہ اسلام کی نشأۃ ثانیہ MODERN RENAISSANCE یہاں سے پیدا ہو اور میں صاف کہتا ہوں ایک ہندوستانی مصنف کی حیثیت سے (جیسا کہ میرا تعارف کرایا گیا) کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو سب طرح کی صلاحیتیں دی ہیں، الحمد للہ آپ میں کسی بات کی کمی نہیں ہے، صرف اس کی ضرورت ہے کہ اسلام کے رشتہ کو اور نسبت کو آپ ہر چیز پر ترجیح دیں کوئی چیز اس کے راستہ میں

رکاوٹ نہ بنے، اصل تعلق خدا کا ہے، جہاں ہم سب کو جانا ہے، اور وہاں کوئی چیز کام نہیں آئے گی سوائے ایمان اور عقیدہ کے اور نیک عمل کے، ہم سب انسانوں سے محبت کریں، سب زبانوں کے ساتھ محبت رکھیں، اپنی زبان کو ترقی دیں، اس سے پیار کریں، مگر نفرت کسی زبان سے نہ کریں، میں تو یہ کہتا ہوں کہ آپ ایسے عالم و ادیب بھیجیں جو ہندوستان میں بنگلہ زبان کی تعلیم دیں، زبانوں کے تعصب سے اسلام کی تاریخ آشنا نہیں، مسلمانوں نے سب زبانوں کو سیکھا اور ان میں کمال پیدا کیا اور ان کو اسلامی لٹریچر سے مالا مال کر دیا، فارسی کیا تھی، آتش پرستوں کی زبان تھی، اس کی شاعری کی تاریخ پڑھئے، اس نے سعدیؒ کو پیدا کیا، حافظؒ کو پیدا کیا، جلال الدین رومیؒ کو پیدا کیا، عرفی اور نظیری کو پیدا کیا، مولانا جامیؒ اور قدسیؒ کو پیدا کیا اور کیسے کیسے عالم پیدا کئے مجھے یہاں آ کر جس سے سب سے بڑی امید پیدا ہوئی وہ اسلامک فاؤنڈیشن ہے، یہ ایک ایسا ادارہ ہے کہ جو ہمارے INTELLECTUALS کے لئے، یونیورسٹیوں سے نکلنے والے نوجوانوں کے لئے اسلامی کتابیں ان کی زبان میں پیش کرے گی، اور اس کی زبان، اس کا اسٹائل ہر چیز اس کی آئیڈیل IDEAL اور معیاری ہوگی، یہ امید کا ایک ستارہ ہے جس سے اس ملک میں روشنی پھیلنے کی امید ہوتی ہے اور اس سے بہت سی توقعات وابستہ ہیں۔

میں ان الفاظ پر اپنی بات ختم کرتا ہوں اور پھر اسلامک فاؤنڈیشن کا شکریہ ادا کرتا ہوں کہ اس نے یہ زریں اور تاریخی موقعہ فراہم کیا۔

و آخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین

دعوت و تبلیغ

"دعوت دین بہت نازک کام ہے، اور اس کی وسعت کا کوئی ٹھکانہ نہیں ہے، اس کے کچھ حدود مکانی ہیں اور کچھ زمانی۔ اور دونوں انتہائی وسیع اور پھیلے ہوئے ہیں، زمانے کے لحاظ سے دیکھئے تو اس کا زمانہ اس وقت سے شروع ہوتا ہے جب کہ کسی پیغمبر نے دعوت کا آغاز کیا یا غیر پیغمبر نے اس دعوت کی ابتداء کی اور اس کی انتہا کوئی بھی نہیں ہے اسی طرح اس کا مقام (مکانی حدود) بھی متعین نہیں کیا جا سکتا ہو سکتا ہے کہ داعی مشرق میں ہو اور یہ بھی ممکن ہے کہ وہ مغرب میں ہو یا مشرق سے مغرب یا مغرب سے مشرق منتقل ہو جائے لہذا اگر صرف اہل مشرق کو سمجھانے کا طریقہ اس کو معلوم ہے تو مغرب میں وہ افہام و تفہیم کا کام انجام نہیں دے سکتا، اور وہ صرف اہل مغرب کے طبائع اور نفسیات سے واقف ہے تو مشرق میں اس کی دعوت برمحل اور بار آور نہیں ہوگی!

مفکر اسلام، علامۃ الہند حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندوی رحمۃ اللہ علیہ۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

ہدایت و تبلیغ کی اہمیت

یہ تقریر آج سے تقریباً ۲۳ سال قبل [illegible] حضرت نے [illegible] [illegible]ت [illegible]ون میں وہاں کی سب سے مشہور سورتی مسجد میں فرمائی تھی، یہ وہ زمانہ تھا جب برما میں جمہوری حکومت قائم تھی، لوگوں کے پاس دولت کی ریل پیل تھی، لوگ آسودہ زندگی گزار رہے تھے، وہ بھول گئے تھے کہ یہاں بھی ایسا انقلاب برپا ہوسکتا ہے کہ ''صبح مالدار تھے اور دوپہر کو غریب'' چاہئے تو یہ تھا کہ جو مسلمان وہاں بستے تھے، وہ غیروں میں اسلام کی دعوت دیتے، دعوت تبلیغ میں مشغول رہتے، لیکن انہوں نے ایسا نہیں کیا، بالآخر وہاں فوجی انقلاب ۱۹۶۲ء میں برپا ہوا، اور یہ انقلاب مال و دولت سب کچھ بہا لے گیا اور پھر [illegible] کا یہ عالم [illegible] [illegible] محتاج ہو گئے۔ آج سے تیس ۳۰ سال قبل برما کے مسلمان [illegible] مشہور تھی، بھارت میں بڑے بڑے مدارس مثلاً دارالعلوم دیوبند اور پاکستان کے دینی اداروں میں برما کے مسلمانوں کا بڑا حصہ ہے۔ حضرت نے اپنی تقریر میں وہاں کے مسلمانوں کو [illegible] اور ان کی اصل ذمہ داری کی طرف متوجہ فرمایا، ان کی تقریر کے تھوڑے ہی دنوں بعد وہاں فوجی انقلاب آیا، جس سے وہاں کے مسلمان آج تک سنبھل نہیں سکے، تقریر کا ایک ایک لفظ پوری دنیا کے مسلمانوں کے لئے سبق آموز ہے۔

الحمد لله نحمده ونستعينه ونستغفره ونؤمن به ونتوكل عليه ونعوذ بالله من شرور انفسنا ومن سيئات اعمالنا من يهده الله فلا مضل له ومن يضلله فلا هادى له واشهد ان لا اله الا الله وحده لا شريک له واشهد ان سيدنا ومولانا محمدا عبده ورسوله صلى الله تعالىٰ عليه وعلى آله

واصحابه اجمعین ومن تبعهم باحسان ودعی بدعوتهم الی یوم الدین. اما بعد! فاعوذ بالله من الشیطن الرجیم. بسم الله الرحمٰن الرحیم. ثُمَّ جَعَلْنَاكُمْ خَلَائِفَ فِي الْأَرْضِ مِنْ بَعْدِهِمْ لِنَنْظُرَ كَيْفَ تَعْمَلُونَ O

میرے بزرگو بھائیو اور دوستو!

آپ کو معلوم ہے کہ جب آنحضرت ﷺ کی بعثت ہوئی تو سارے عالم میں اندھیرا چھایا ہوا تھا۔ ملک کے ملک، براعظم کے براعظم اللہ کی یاد سے، توحید کے نور سے، علم کی روشنی سے، اور اخلاقِ حسنہ کی برکتوں سے محروم تھے۔ اللہ تعالیٰ سے بہتر اس زمانے کی تصویر کون کھینچ سکتا ہے۔ وہ فرماتا ہے:۔

ظَهَرَ الْفَسَادُ فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ بِمَا كَسَبَتْ أَيْدِي النَّاسِ لِيُذِيقَهُمْ
بَعْضَ الَّذِي عَمِلُوا لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُونَ O

عیش و عشرت کا وبال

لوگوں کے برے اعمال کی وجہ سے خشکی اور تری میں، زمین پر، سمندر اور اس کے جزیروں میں، ایسا فساد جس سے دنیا کا کوئی گوشہ خالی نہ تھا، فساد زمین پر پھیلا ہوا اور چھایا ہوا تھا۔ اس وقت حالت یہ تھی جیسے اپنے زمانے کے ایک بہت بڑے مسلمان عالم نے لکھا ہے کہ اگر کوئی شخص چراغ لے کر نکلتا تو ملک کے ملک خدا کی یاد سے خالی تھے، اگر کوئی شخص کسی بہت بڑے ملک یا براعظم میں کسی ایسے آدمی کو تلاش کرتا جس کے دل میں خدا کی سچی معرفت اور محبت ہے اور خدا کو صحیح طور پر یاد کرتا ہے، اس کو موت کا خیال ہے اور دوسری زندگی کا کچھ دھیان ہے، تو پورے کے پورے براعظم میں ایک آدمی بھی بعض اوقات ایسا نہ ملتا، لوگوں کے دل تاریک ہو چکے تھے، خدا کی صحیح پہچان، خدا کا صحیح علم، دنیا سے تقریباً نایاب ہو گیا تھا، ہر جگہ گناہوں کی سرکشی کا، غفلت کا، عیش و عشرت کا دور دورہ تھا، ساری زمین پر بتوں کی پرستش ہو رہی تھی، آگ پج رہی تھی، بت پج رہے تھے، درخت پج رہے تھے، سورج اور چاند پج رہے تھے، اور اللہ تعالیٰ کی خاص عبادت

نے والے بالکل عنقا تھے۔ (عنقا ایک قسم کا پرندہ جس کی نسل دنیا سے منقطع ہو چکی ہے) ظلم کا عام دنیا میں دور دورہ تھا، کسی کو سوائے اپنا پیٹ بھر لینے کے اور اپنا مطلب نکال لینے سے اور اپنے نفس کی خواہش پوری کرنے کے کوئی فکر اور کوئی دھندا نہ تھا، انسانیت کا درخت جس کو بڑے انتظام کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے لگایا تھا اور اس کو پروان چڑھایا تھا، وہ پامال ہو رہا تھا گویا جانور اس کو چیر رہے تھے، ہر طرف سے اس پر حملہ تھا، انسانیت ذلیل کی جا رہی تھی، اور اتنی بھی چوڑی دنیا میں انسانیت کا درد رکھنے والے بالکل ناپید تھے، ایسا کوئی ایک اکیلا آدمی کہ جس کے دل میں کچھ انسانیت کا درد پیدا ہوتا، بے چینی پیدا ہوتی۔ اور اس کی راتوں کی نیند حرام ہو جاتی، اور اس کا کسی کام میں جی نہ لگتا، وہ موجود نہ تھا، سب اپنی اپنی پڑی تھی، نفسا نفسی کا عالم تھا، بادشاہ، وزیر، امیر، عالم، شاعر، ادیب، مصنف سوچنے والے اور یہاں تک کہ اللہ کو پہچاننے والے تھوڑا بہت اللہ کو یاد کرنے والے بلکہ بہت کچھ اللہ کو یاد کرنے والے وہ بھی انسانیت کی طرف سے بے فکر تھے، اگر کسی کا کوئی جھونپڑا بھی ٹوٹتا اور کسی کے ایک پیسے کا نقصان ہوتا تو آدمی اس کو برداشت نہیں کرتا تھا لیکن انسانیت کی تذلیل اور اس کی بربادی سب دیکھ رہے تھے اور یہاں تک کہ ایک آنے اور ایک روپے کی جتنی قدر ہوتی ہے اتنی بھی انسانیت کی قدر کسی کے دل میں نہیں تھی، کوئی شخص اس خطرناک زندگی سے پریشان نہیں تھا، سب اپنے اپنے عیش میں مست اور اپنے اپنے حال میں مگن تھے۔

اگر کوئی بہت ناراض ہوتا اور اس کو ایسی حالت بری معلوم ہوتی تو روٹھ کر خود ہی چلا جاتا، کہیں کسی غار میں کہیں کسی پہاڑ کی چوٹی پر جا کر اپنا ٹھکانہ بنا لیتا اور کہتا کہ ہم ایسی پاپی دنیا میں نہیں رہیں گے، دنیا بڑی پاپی، ملیچھ اور گندی ہو گئی ہے، یہ دنیا رہنے کے قابل نہیں ہے، ہم اس زندگی سے بھاگ جاتے ہیں، اور کہیں اور جگہ اپنا بسیرا کر لیتے ہیں ایسے گنہگار شہروں میں ایسے ایسے گناہوں میں آلودہ زندگیوں میں رہنا ہم برداشت نہیں کر سکتے لیکن اس کا بھی کیا نتیجہ تھا جو روٹھے گا خود روٹھے گا۔

اس کی مثال تو ایسی ہے کہ کوئی کشتی دریا میں چل رہی ہے اور غلط راستے پر چل رہی

ہو۔ آگے طوفان ہو اور صاف نظر آرہا ہو کہ اب کشتی طوفان کی نذر ہو جائے گی اور ڈوب جائے گی اور کشتی والے بالکل غافل ہوں، ایک دوسرے سے چھوٹی چھوٹی بات پر لڑ جھگڑ رہے ہوں، آستین چڑھاتے ہوئے ایک دوسرے کے گریبان پر ہاتھ ڈالے ہوئے کچھ مسافر حرمتی اور خوب دھینگا مشتی کر رہے ہوں، کچھ لوگ کشتی میں بیٹھے ہوئے تاش کھیل رہے ہوں اور کچھ لوگ کشتی پر بیٹھے گانا گا رہے ہوں، بجا رہے ہوں اور کشتی ہر منٹ پر خطرے کے قریب ہو رہی ہو اور جو منٹ بھی گزرتا ہو اور جو گھڑی بھی گزرتی ہو یہ صاف نظر آرہا ہو کہ اب یہ کشتی ڈوبے گی، بچتی نظر نہیں آتی تو کوئی خدا کا بندہ جو اس کشتی پر بیٹھا ہوا سب کچھ دیکھ رہا ہو اور خطرے کو محسوس کر رہا ہو تو کشتی جس رخ پر جا رہی ہو اس سے منہ موڑ کر، پیٹھ پھیر کر دوسری طرف منہ کر کے بیٹھ جائے، وہ آنکھوں پر پٹی باندھ لے اور کہے کہ میں نہیں دیکھتا اور مجھ سے کشتی کے مسافروں کی یہ بدتمیزی نہیں دیکھی جاتی اور مجھ سے کشتی کا یہ انجام نہیں دیکھا جاتا میں تو منہ ادھر کر لیتا ہوں کشتی مشرق کی طرف جا رہی ہو اور اسی طرف طوفان ہو اور وہ آدمی بجائے مشرق کے مغرب کی طرف منہ کر کے بیٹھ جائے اور آنکھ بھی بند کر لے اور سمجھے کہ میں نہیں ڈوبوں گا، اس سے کیا ہوتا ہے، کشتی جو ڈوبنے والی ہے وہ تو ڈوبے گی ساتھ یہ بھی ڈوبے گا، ایسے ہی رسول اللہ ﷺ نے مثال دی کہ اگر برائی سے نہ روکو گے اور نیکی کا حکم نہ دو گے، تو تمہاری مثال ایسی ہے کہ جیسے ایک کشتی کے درجے ہوں، نچلا، درمیانہ اور فرسٹ کلاس اس کشتی میں کتنی منزلیں ہوں اور سب مسافر ہوں اور اتفاق سے پانی کا انتظام اوپر کی منزل پر ہو، فرسٹ کلاس والوں کا یوں بھی زیادہ خیال کیا جاتا ہے۔ نیچے والے مسافر اوپر آتے ہیں وہاں سے پانی لاتے ہیں۔ جب پانی لاتے ہیں تو اس کا قاعدہ ہے کہ وہ کچھ ٹپکتا ہے۔ گرتا ہے۔ پانی ایسی قابو کی چیز نہیں ہے۔ کتنا ہی آپ احتیاط کیجئے پانی ٹپک پڑتا ہے، کسی کا کپڑا بھیگ گیا کوئی آدمی بھیگ گیا تو وہاں سے جب پانی بھرنے جاتے ہیں تو راستے میں پانی گرتا ہے اوپر والوں نے ایک آدھ مرتبہ برداشت کیا پھر نیچے والوں پر ناراض ہونے لگے اور کہنے لگے کہ یہ بڑی مصیبت ہے۔ روز روز کی مصیبت ہے کہ پانی لینے آجاتے ہیں ضرورت آپ

کو پانی کی ہے، پریشان ہم ہوتے ہیں، اب ہم برداشت نہیں کر سکتے خبردار اوپر پانی لینے کے لئے مت آنا، ہم پانی دینے کے روادار نہیں ہیں، ہم اب ایک قطرہ پانی کا نہیں دیں گے جب کہ پانی کے بغیر گزارہ نہیں ہوسکتا، پانی کے بغیر زندگی نہیں اور پانی یہ دیتے نہیں اور کہتے ہیں کہ اوپر تم چڑھو نہیں تو نچلی کلاس والوں نے سوچا نیچے پیندے میں ہم ایک سوراخ کر لیتے ہیں۔ اور وہاں سے ڈول ڈال کر اپنا پانی بھر لیا کریں گے، پانی کے بغیر ہم جی نہیں سکتے، اب ہم پانی کا یہیں انتظام کر لیں گے، رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں کہ اگر اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کو سمجھ دی اور ان کو ہوش آیا تو اوپر والے ان لوگوں کا ہاتھ پکڑ لیں گے ان کو سوراخ نہیں کرنے دیں گے بلکہ ان کی خوشامد کر لیں گے اور کہیں گے کہ بھائی تم شوق سے اوپر آؤ اور پانی لو، ہم تمہیں نہیں روکتے مگر خدا کے لئے تم نیچے سوراخ نہ کرو، اس لئے کہ اگر تم نے نیچے سوراخ کر لیا اور پانی کشتی میں بھرنے لگا تو ساری کشتی ڈوب جائے گی اور اوپر نیچے والے میں سے کوئی نہیں بچے گا، دریا کسی کی رعایت نہیں کرے گا، کشتی ڈوبے گی تو سب ڈوبیں گے اوپر کے بھی ڈوبیں گے اور نیچے کے بھی ڈوبیں گے۔

دورِ رسول کا ابتدائی منظر

تو حضور ﷺ کے زمانے میں تمام دنیا میں فساد پھیلا ہوا تھا اگر کوئی خدا کا نیک بندہ بہت زیادہ اس پر بے چین اور پریشان ہوتا تو وہ زیادہ سے زیادہ یہ کرتا تھا کہ روٹھ کر ناراض ہو کر وہاں سے چلا جاتا اس پاپی اور آلودہ زندگی سے نکل کر پہاڑ کی چوٹی پر کہیں کسی غار کے اندر اپنا ٹھکانا بناتا اور کہتا ہمیں ان سے کوئی واسطہ نہیں ہے یہ مریں یا تباہ ہوں ہم ان سے دور بھاگتے ہیں اتنی بڑی اللہ کی دنیا اتنی بڑی زمین اور وہاں جو یہ صورت تھی یہ فساد تھا اس سے لڑنے کے لئے اس کا مقابلہ کرنے کے لئے اس کا دھارا بدلنے کے لئے اس زندگی کا رخ صحیح کرنے کے لئے اور اپنی جان کی بازی لگانے کے لئے کوئی تیار نہ تھا۔ بڑے بڑے نامی گرامی ملک تھے۔ ایران ہندوستان کا ملک تھا اور ساری مہذب

دنیا پڑی ہوئی تھی۔ ان میں تعلیم یافتہ لوگ بھی تھے۔ ایران بڑا تعلیم یافتہ بڑا مہذب تھا یہاں کا طبقہ بہت اونچا تھا۔ روم بڑا مہذب تھا۔ ہندوستان بڑا تعلیم یافتہ مہذب تھا یہاں کا طبقہ بہت اونچا تھا۔ یہاں علم ریاضی نے بہت ترقی کر لیا تھا۔ یہاں عقل اور دانائی کے کام کی باتیں بہت تھیں۔ مگر زمانے کے بگاڑ کے خلاف لڑنے کے لئے، اس کی تلافی کرنے کے لئے اور اس کا رخ صحیح کرنے کے لئے کوئی میدان میں آنے کو تیار نہ تھا۔ بادشاہوں کو اپنے عیش سے فرصت نہ تھی، وزیروں کو ملک لوٹنے اور اپنے گھر بھرنے سے فرصت نہ تھی۔ لشکروں کو انسانوں کو قتل کرنے اور قوموں کو پاؤں کے نیچے روندنے، ملکوں کو اجاڑنے اور ویران کرنے سے فرصت نہیں تھی۔

عالموں، شاعروں کو بادشاہوں کو خوش کرنے سے اور ان کی خوشامد کرنے سے فرصت نہیں تھی۔ مصنفوں کو کتابیں لکھنے، اپنے نام زندہ رکھنے کی کوشش کرنے، اپنی علمی باتوں کا لطف لینے اور ان میں مست رہنے سے فرصت نہیں تھی۔ صوفیوں کو خدا کے نیک بندوں کو جو کہیں کہیں چار خال خال پائے جاتے تھے۔ ان کو اللہ کے نام میں جو مزہ آیا اور لذت آئی انہیں اس کے مزے اور لطف سے فرصت نہیں تھی۔ اب بتاؤ کہ دنیا میں اس بگاڑ کے خلاف کون لڑتا اور کون انسانیت کی خبر لیتا اور کون زندگی کے چول صحیح جگہ پر بٹھاتا۔ اس کے لئے کوئی نہیں تھا۔

رسول اللہ ﷺ ایک ایسے ملک میں تشریف لائے جو ملک علم اور تہذیب میں بہت پیچھے تھا۔ روم اور ایران سے تو لگا کھاتا ہی نہیں تھا ان سے سینکڑوں برس پیچھے تھا جہاں تک تعلیم اور پڑھنے لکھنے کا تعلق تھا تو اس میں پڑھے لکھے آدمی اتنے کم تھے کہ ساری قوم کو اللہ تعالیٰ نے خود عربی زبان میں یعنی اس ملک کی زبان میں کہا کہ یہ ان پڑھ ہیں هو الذی بعث فی الامیین رسولا جس نے کہ ان پڑھوں میں پیغمبر بھیجا تو "ان پڑھ" اور "ناخواندہ" یہاں کا قومی لقب تھا۔ مالی حیثیت سے فقیر اور مفلس تھے گو وہ کاشتکار کر کے کھاجایا کرتے تھے۔ کیڑے مکوڑے کہیں کہیں کھا جایا کرتے تھے اور اگر دوپہر کو کھانا مل گیا تو رات کی خبر نہیں اور رات کو مل گیا تو دوپہر کی خبر نہیں۔ جانوروں کو چراتے تھے اونٹ کے

وقت زیادہ تر اونٹ کے دودھ پر ان کا گزارہ ہوتا تھا اونٹ کے بالوں سے وہ اپنے کمبل اور خیمے بنا لیتے تھے اور ان میں رہتے تھے جہاں سبزہ گھاس ہوتا وہاں جا کر خیمے یا جھونپڑے ڈال دیتے تھے یا یوں ہی پڑ جاتے تھے جو مل جاتا تھا وہ کھا پی لیتے تھے اس کے بعد جب رات ختم ہوئی وہاں سے اٹھے اور خانہ بدوش قوموں کی طرح دوسری جگہ جا پڑے وہاں سے دانہ پانی ختم ہوا تو اور کوئی جگہ تلاش کر کے چلے گئے اور ان کی مفلسی اور غریبی کا یہ حال تھا کہ قافلوں کو لوٹنا ان کا ذریعہ معاش تھا اور اس ظلم کو دیکھئے کہ بے چارے قافلے جن میں عورتیں بچے اور ضعیف ہوتے تھے حج کرنے یا تجارت کرنے کے لئے شام یا یمن جا رہے ہوتے کسی قبیلے نے ان پر حملہ کیا اور سارا کچھ لوٹ لیا دو چار مہینے مزے اڑائے موجیں کیں اور اس کے بعد کسی اور قافلے کو تاکا اور لوٹا اس سے اپنا مطلب نکالا۔ یہ ان کی حالت تھی۔ اخلاق کا یہ حال تھا کہ ان کا کوئی اخلاق نہ تھا۔ لڑکیوں کو زندہ درگور (زمین میں دفن) کر دیا کرتے تھے۔ شراب کے ایسے رسیا تھے اور ان کو ایسی دھت تھی کہ ان کی زبان میں شراب کے لئے سینکڑوں نہیں ہزاروں نام تھے۔ اور شراب اتنی عام تھی کہ شراب بیچنے والوں کو تاجر کہا کرتے تھے۔ تاجر کے معنی قدیم عربی میں شراب بیچنے والے کے ہیں۔ شراب کی تجارت ہی اصل تجارت تھی۔ اگر کوئی چیز عام طور پر بکتی تھی تو وہ شراب تھی۔ زناکاری اور بدکاری کا ایسا رواج تھا کہ گھروں پر جھنڈے لگائے جاتے تھے کہ جگہ اڈا ہے۔ یہاں آدمی آئے اور منہ کالا کر کے ان کے اندر نکاح کے علاوہ بھی اولاد پیدا کرنے کے کئی طریقے رائج تھے کہ میں اس وقت خدا کے گھر میں ان کو بیان نہیں کر سکتا۔ قرآن مجید نے اس دور کی تصویر کھینچ دی ہے اور حضور ﷺ کی بعثت سے پہلے اس زمانے کا نام ہی جاہلیت رکھا گیا ہے، یعنی تاریک زمانہ، بے خبری وحشت و جہالت کا زمانہ اللہ تبارک وتعالیٰ اس دنیا کا پیدا کرنے والا ہے۔ اس نے دنیا تماشا دیکھنے کے لئے پیدا نہیں کی اس نے اپنی عبادت کے لئے اور منشاء کے مطابق چلنے کے لئے بنائی ہے وہ صاف صاف فرماتا ہے۔

خلق الموت والحیوٰۃ، یعنی جس نے موت اور زندگی پیدا کی تا کہ تم کو

آزمائے کہ تم میں سے اچھا عمل کرنے والا کون ہے وہ فرماتا ہے۔

وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْإِنْسَ إِلَّا لِيَعْبُدُوْنِ۔ میں نے جن اور انسان کو صرف اس لئے پیدا کیا ہے کہ وہ میری بندگی کریں اور میرے منشاء پر چلیں اور میرے حکم کے مطابق زندگی بسر کریں اور فرماتا ہے۔

أَفَحَسِبْتُمْ أَنَّمَا خَلَقْنٰكُمْ عَبَثًا وَّأَنَّكُمْ إِلَيْنَا لَا تُرْجَعُوْنَ۔ کیا تم نے سمجھا یہ ہے کہ ہم نے تم کو فضول پیدا کیا ہے۔

اللہ تعالیٰ جس کی نظر سے دنیا کبھی بھی اوجھل نہیں ہے نے زمین کے نقشے پر نظر ڈالی تو اس کو دنیا کا یہ نقشہ بہت ناپسند آیا۔ حضور ﷺ فرماتے ہیں کہ جب اللہ تعالیٰ نے دنیا پر نظر ڈالی تو کیا عربی اور کیا عجمی سب سے اس کو نفرت ہوئی اس نے کہا کہ یہ کیا دنیا ہے جو میں نے بنائی ہے۔ دنیا والوں کو بنایا کس کام کے لئے تھا لیکن یہ کچھ اور کام کرنے لگ گئے اب اس کی غیرت جوش میں آئی اس نے دنیا کی اصلاح اور ہدایت کا ارادہ فرمایا تو اس نے ملک عرب میں پیغمبر بھیجا، وہ پیغمبر ایسا تھا جس کے ساتھ روح القدس کی طاقت اور ربانی لشکر ہو۔ اللہ تعالیٰ لوگوں کو پیغمبر کے ذریعے ہدایت دیتا ہے مگر دنیا کی ہدایت کے لئے پیغمبر کے کام کو لے کر چلنے والے آدمی بھی چاہئیں۔

اب دنیا کی ہدایت کے لئے اس کی حالت بدلنے کے لئے دنیا میں انقلاب لانے کے لئے اس کا رخ شر سے خیر کی طرف لانے کے لئے کون اٹھتا ہے، یہ تھا سوال؟ اس کی ہلاکت و بربادی سے ترقی اور امن و سلامتی کی طرف رخ موڑنے کے لئے کون سی جماعت کون سی قوم اور کون سا ملک سامنے آتا ہے۔ حضور ﷺ تشریف لائے، ایرانی بھی تھے، ہندوستانی بھی تھے، یونانی بھی تھے رومی بھی تھے اور ساری دنیا پڑی ہوئی تھی، مگر اپنی جان جوکھے کے لئے اپنے مال اور اولاد کی بازی لگانے کے لئے دنیا کی کوئی قوم تیار نہ تھی کام بہت مشکل تھا۔

میرے دوستو اور بزرگو! اس زمانے میں دنیا کے نقشے پر نظر ڈالو اس وقت دنیا میں بگاڑ اس حد تک اتنا دور پہنچ گیا تھا۔ اس کی جڑیں اتنی گہری، انسانیت کے جسم، انسانیت

ہے دماغ اور اس سے اس کے اندر اس طرح پیوست ہو رہی تھیں کہ اس بیماری کو دور کرنے کے لئے معمولی کوششیں کافی نہ تھیں۔ آرام آرام سے چلنا، تھوڑا تھوڑا وقت لگانا، اپنی مصلحتوں اور فائدے کو بچا کر اپنی اولاد اپنے گھر بار کو دیکھنا اور دیکھ کر احتیاط سے کام لینا اس سے انسانیت کی یہ گاڑی دلدل میں پھنس گئی تھی، یہ نکلنے والی نہیں تھی۔ جب بگاڑ انتہا کو پہنچ جاتا ہے۔ جب بیماری انتہا کو پہنچ جاتی ہے تو معمولی کوشش اور معمولی دوا کام نہیں کرتی، اس وقت تو جان کی بازی لگا کر جان پر کھیل جانے کی ضرورت ہوتی ہے فرض کرو تمہارے شہر میں سیلاب آ گیا ہے (خدا تمہارے شہر کو محفوظ رکھے) یہ آپ کا رنگون دریا ہے یہ بڑھا اس کا پانی شہر رنگون اور اس کے محلوں میں پھیل گیا یہاں کی عمارتیں ڈوبنے لگیں آدمی ڈوبنے لگے تو اب اس سے کام نہیں چلے گا۔ کہ چھوٹی چھوٹی کشتیاں لاؤ اور اطمینان کے ساتھ لوگوں کو نکالو! لوگ اپنے سب کام کرتے رہیں کارخانے والے کارخانے میں جاتے رہیں، مدرسے والے مدرسے میں پڑھتے پڑھاتے رہیں، سینما کے تماشے بھی ہوتے رہیں، لوگ رات بھی میٹھی نیند سوتے رہیں، کھانے کے اوقات میں بھی کوئی فرق واقع نہ ہو، انسان کی زندگی کا جو ڈھانچہ ہے وہ بالکل اسی طرح سے برقرار رہے تو سیلاب کا مقابلہ اس طرح سے نہیں ہوسکتا، اگر مثلاً خدانخواستہ کسی گاؤں میں آگ لگ گئی ہو اور تیزی سے پھیل رہی ہو تو آرام آرام سے اس کو بجھانا، چھوٹی چھوٹی شیشیاں اور چھوٹے چھوٹے برتن لے کر ان میں پانی ڈالنے کے لئے [illegible] ڈالنا اور پھر آگ پر پانی [illegible] سے کام نہیں ہے۔ [illegible] نظر آرہی [illegible] اور بچاتی [illegible] کہ اس وقت کھانا کھانے والے کھانا چھوڑ دیں [illegible] کھیتی کرنے والے کھیت چھوڑ کر چلے آتے ہیں، اس وقت دکانوں پر بیٹھنے والے [illegible] کو کھلا چھوڑ کر آگ بجھانے کے لئے کود پڑتے ہیں، اس وقت جو ماں اپنے بچوں [illegible] پیار رہی ہوتی ہے وہ بچوں کو چھوڑ دیتی ہے اور دیوانوں کی طرح دوڑ پڑتی ہے، اس [illegible]

اپنی بیماری کو نہیں دیکھتا اپنے بستر سے کود کر کے دوڑ آتا ہے، وہ جانتا ہے کہ اگر یہ آگ ہمارے گھروں تک پہنچ گئی تو اس چارپائی پر پڑا پڑا جل کر خاک ہو جاؤں گا۔

اس وقت کا سب سے بڑا قانون، اس وقت کا سب سے بڑا اخلاق اور اس وقت کا سب سے بڑا فریضہ یہ ہوتا ہے کہ سارے کام بند کرو اور اس آگ کو بجھاؤ اگر یہ آگ تھوڑی دیر اور رہ گئی تو نہ کتب خانے باقی رہیں گے نہ مدرسے باقی رہیں گے نہ خانقاہیں باقی رہیں گی نہ ہی مسجدیں باقی رہیں گی۔

دوستو! اس وقت دنیا میں بڑے بڑے تاجر تھے۔ بڑے پڑھے لکھے تھے، بڑے مہذب تھے، بڑا علم ان کے پاس تھا، بڑی اونچی اونچی دکانیں تھیں، ان کے بڑے ترقی یافتہ کاروبار تھے، تمام دنیا میں ان کی تجارت پھیلی تھی، ان کو کام کرنے کا بڑا سلیقہ تھا، اللہ تعالیٰ نے ان کو ایسی قابلیت دی تھی کہ ہزاروں میل کے رقبے اور ہزاروں میل کی لمبی چوڑی سلطنتوں کا وہ انتظام کر رہے تھے وہ اگر اس حالت میں دنیا کی حالت بدلنے کے لئے کود پڑتے تو بہت کام کر سکتے تھے مگر وہ اس کے لئے تیار نہ تھے، ان کو ان کی طرز زندگی نے ایسا جکڑ رکھا تھا اور ایسا غلام بنا رکھا تھا کہ وہ گویا اپنے ہی پنجرے میں گرفتار تھے جیسے چڑیا اپنے پنجرے میں گرفتار ہوتی ہے اسی طرح وہ اپنے بنائے ہوئے پنجرے میں اپنے عیش اور تمدن کے پنجرے میں چڑیوں کی طرح بند تھے وہ اندر دبے ہوئے تھے مگر باہر نکلنے کے لئے کوئی تیار نہ تھا۔

اس وقت اللہ تبارک وتعالیٰ نے عرب کی اس نیم وحشی قوم [illegible] کے پاس اخلاق [illegible] تھی، جس کے پاس نہ تمدن [illegible] دولت کی کمی تھی [illegible] کے پاس تعلیم [illegible] اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول ﷺ کی برکت سے ان کے بہت سے آدمیوں کے [illegible] یہ وقت ہے نہ اولاد [illegible] نہ سرمایہ [illegible] کاروبار ہو، نہ اپنی ذاتی ترقی ہو نہ آرام ہو اس وقت انسانیت صدیوں سے پامال اور [illegible] رہی تھی، صدیوں سے اس کو لوٹا جا رہا تھا، اس پر ظلم کیا جاتا رہا اس وقت دنیا سے ہدایت بالکل ختم ہو چکی تھی، دلوں اور دماغ کی روشنی بالکل بجھ چکی تھی بہت بڑی بڑی شمعیں جلائی جاتی

تھیں، بڑی بڑی روشنی گھروں میں کی جاتی تھی، مگر دل بالکل تاریک تھا، انسان انسان کو کھائے چلا جا رہا تھا، جیسے بڑی مچھلی چھوٹی مچھلی کو کھا جاتی ہے اور طاقت ور کمزور کو ہضم کر لیتا ہے بادشاہ تمام دنیا کو لوٹ رہے تھے اور بے چارے غریب کسانوں اور کاشتکاروں کا طبقہ اپنی قسمت پر بیٹھا رو رہا تھا ان کو نان جویں بھی حاصل نہ تھی جب کہ بادشاہ اور ان کے گھوڑے دودھ میں گویا نہا بلکہ غوطے لگا رہے تھے، اور انسان جو اشرف المخلوقات ہے دانے دانے کو ترس رہا تھا اس کے علاوہ یہ پوری کی پوری نسل اللہ تعالیٰ کی ہدایت سے محروم دنیا سے چلی جا رہی تھی اور یہ عاقبت سے بالکل بے خبر تھی اور یہ کہ ان لوگوں کی مٹی بالکل خراب تھی، ان کو معلوم نہ تھا کہ مرنے کے بعد کیا حال ہوگا، انہوں نے مالک کو پہچانا نہ اس کا نام کبھی اپنی زبان سے لیا، اس حالت میں اللہ تعالیٰ نے صحابہ کرامؓ کو فکر دی اور انہوں نے رسول اللہ ﷺ کے ہاتھوں میں ہاتھ دے دیا اور کہا کہ ہم حاضر ہیں ہم سے کام لیجئے ہمیں بالکل عذر نہیں ہے اور ہم مڑ کر اپنے گھروں کو نہیں دیکھیں گے اپنی اولاد کو نہیں دیکھیں گے اپنے عیش و آرام کو نہیں دیکھیں گے۔ ان میں جو امیر تھے اپنی امارت چھوڑ کر اور جو غریب تھے اپنا جھونپڑا چھوڑ کر اور جو چھوٹے دکاندار تھے اپنی دکانیں چھوڑ کر جو بڑے کارخانہ دار تھے وہ اپنے کارخانے چھوڑ کر اور جو بڑے اعلیٰ درجے کے لباس پہنتے تھے اپنے لباس سے بے پرواہ ہو کر ہر طبقے کے لوگ نکل آئے رسول اللہ ﷺ نے ان کی ایک جماعت بنائی جس کا نام امت مسلمہ ہے۔ آپ ﷺ اپنے تمام فرمانبرداروں اور کام کرنے والوں کو لے کر دنیا میں نکلے اور آپ ﷺ نے دنیا کے اس بگاڑ کا مقابلہ کیا وہ آگ جو دنیا میں لگی ہوئی تھی، جو ساری انسانیت کو بھسم کرتی جا رہی تھی اس کو بجھانے کے لئے اپنی چھوٹی سی جماعت کو جھونک دیا، اور اللہ تعالیٰ کے وہ بندے بے سوچے سمجھے مخلصانہ انداز میں اس میں کود پڑے انہوں نے کہا کہ ہمیں کوئی پرواہ نہیں اگر ہماری زندگی ہے تو پھر کھا پی لیں گے اور اپنے اپنے کاروبار کو دیکھ لیں گے۔ اس وقت ہم اس کے سوا کچھ نہیں کریں گے اس وقت پوری کی پوری دنیا ہلاکت کے گڑھے کی طرف جا رہی تھی اور بالکل قریب پہنچ چکی تھی جس کو اللہ تعالیٰ نے فرمایا:۔

وَکُنْتُمْ عَلٰی شَفَا حُفْرَةٍ مِّنَ النَّارِ فَاَنْقَذَکُمْ مِّنْهَا .

تم جہنم کے گڑھے کے بالکل کنارے پر پہنچ گئے تھے اور بس گرا چاہتے تھے ایک قدم آگے بڑھاتے تو جہنم کی بالکل تہہ اور گہرائی میں پہنچ جاتے عین ایسی حالت میں یہ جماعت سامنے آگئی اور رسول اللہ ﷺ نے اس جماعت سے کام لینا شروع کیا، یہاں تک کہ یہ حضرات ہجرت کر کے مدینہ طیبہ پہنچے اور مدینہ طینہ میں انصار حضرات جو مسلمان ہو گئے تھے، ان کے ساتھ مل گئے اب ان دونوں حضرات، مہاجرین وانصار دونوں نے مل کر اللہ تعالیٰ کے دین کی خدمت کا بیڑہ اٹھایا اور کام کرنا شروع کیا اس وقت کچھ عرصہ کے بعد جب مسلمانوں کو سانس لینے کا موقع ملا اور اسلام کو ترقی ہونی شروع ہوگئی اور لوگ اسلام قبول کرنے لگے تو حضرات انصارؓ جو وہاں کے اصلی باشندے تھے وہ فرماتے ہیں کہ ہمارے دل میں یہ آیا کہ ہم بہت دن سے اسلام کی خدمت کر رہے ہیں، ہم نے اپنے آپ کو بالکل قربان کر دیا ہے، اپنے کاروبار وغیرہ سب کو مٹا دیا ہے تو ذرا حضور اکرم ﷺ سے جا کر چھٹی لیں اور اپنے کاروبار کو دیکھ لیں کچھ دن دکانیں وغیرہ کھولیں گے دکان جب چلنے لگے گی کاروبار جب سنبھل جائے گا تو اس کے بعد ہم پھر حاضر ہو جائیں گے۔ ہم مستقل چھٹی نہیں لیتے دین کی خدمت سے ہم ریٹائر نہیں ہوتے ہم صرف تھوڑے دنوں کی چھٹی لیتے ہیں اس کے بعد ہم حاضر ہیں ہمیں کوئی عذر نہیں ہے۔ قسطنطنیہ (استنبول کا دار الخلافہ) کا محاصرہ ہو رہا تھا، اسلامی فوج اس کے دروازے پر پڑی ہوئی تھی برابر جنگ جاری تھی فیصلہ نہیں ہوتا تھا کہ ایک مرتبہ عین لڑائی میں مسلمانوں کے لشکر میں سے ایک آدمی نکلا اس پر اس وقت ایسا شجاعت کا جذبہ غالب ہوا کہ وہ عیسائیوں کی فوج کی صفیں چیرتا پھاڑتا ایک سرے سے دوسرے سرے تک پہنچتا، جدھر اس کی تلوار چمکتی بادل کی طرح لوگ پھٹ جاتے کسی نے دیکھا داد دی کچھ صاحب کہنے لگے کہ دیکھو یہ اللہ کا بندہ خودکشی کر رہا ہے یہ بالکل خدا کے حکم کے خلاف کر رہا ہے یہ اپنے آپ کو موت کے منہ میں ڈال رہا ہے خواہ مخواہ کیا ضرورت ہے اس کو اس طرح جان دینے کی، یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے نہیں ہے کہ ایک آدمی ہزاروں کے مجمع میں گھس

جائے اور آدمیوں کے بیچ میں کود پڑے۔ یہ نہیں چاہئے پھر ان صاحب نے یہ آیت پڑھی:۔

وَلَا تُلْقُوْا بِاَيْدِيْكُمْ اِلَى التَّهْلُكَةِO

کہ اپنے ہاتھوں ہلاکت میں نہ پڑو۔

سیدنا حضرت ابو ایوب انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ جو حضور اکرم ﷺ کے مہمان رہ چکے تھے جو بڑے جلیل القدر صحابی اور عالم دین تھے، وہ بے چین ہو گئے کہنے لگے لوگو اس آیت کا مطلب ہم سے پوچھو یہ ہمارے بارے میں نازل ہوئی ہے میں تمہیں اس کی تفسیر بتاتا ہوں تم بالکل اس کے غلط معنی لے رہے ہو، یہ آیت اس وقت نازل ہوئی کہ ہم انصاری حضرات جو باغوں کے مالک تھے اور تجارت جن کا پیشہ تھا ہم لوگ جو مدینہ طیبہ میں رہتے تھے کچھ عرصہ گزر جانے کے بعد جب اسلام کی ترقی کا دور شروع ہو گیا تو ہم نے یہ خیال کیا اور ہمارے میں یہ بات آئی اور مشورہ کیا کہ اب اسلام کی خدمت کرنے والے بہت ہو گئے ہیں، اب ہم حضور ﷺ سے کچھ دن کی چھٹی لے لیں، آپ ﷺ بڑے شفیق ہیں آپ ﷺ ہمیں چھٹی دے دیں گے ہم عرض کریں گے کہ ہمیں ہوش نہیں تھا سوائے دین اسلام کے ہم اسی لئے جان ہتھیلی پر لئے پھرتے تھے اب اللہ کا شکر ہے کوئی قریبی خطرہ نہیں ہے اس لئے ہم حضور ﷺ سے کچھ دنوں کی چھٹی لے لیں اپنے ذاتی کاروبار سنبھالنے اور ایک حد تک پہنچانے کے بعد ہم پھر حاضر ہو جائیں گے اور خدمت کریں گے بس اس خیال کا ہمارے دل میں آنا تھا کہ اللہ تبارک و تعالیٰ نے آیت نازل کر دی:۔

"وَلَا تُلْقُوْا بِاَيْدِيْكُمْ اِلَى التَّهْلُكَةِ"

اے اللہ کے بندو! کیا سوچ رہے ہو کیا اپنے ہاتھوں ہلاکت میں پڑنا چاہتے ہو دیکھو اس وقت اپنی دکان کو نہ دیکھو ایمان کی دکان دیکھو، ایمان کے سودے کو دیکھو اس وقت اپنی جان کو نہ دیکھو اس وقت جو دنیا میں بستے ہیں سب کے سب خطرے میں ہیں اور سب خطرے میں ہیں اس بات کے کہ بغیر ایمان کے اٹھ جائیں اور قیامت میں جہنم کی آگ میں ہزاروں لاکھوں کروڑوں برس تک جلتے رہیں، ایسی حالت میں تم کو اپنی جان کو

دیکھنا اپنے مال کو دیکھنا اپنے کاروبار کو دیکھنا جائز نہیں تم اپنے ہاتھوں ہلاکت میں پڑنا چاہتے ہو ہلاکت کے غار میں کودنا چاہتے ہو تو تمہی نہیں کودو گے بلکہ ساری دنیا تمہارے ساتھ اس ہلاکت کے غار میں گر جائے گی اور پھر انسانیت کے لئے اور کوئی وقت نہیں آئے گا، تم انسانیت کا آخری سہارا ہو سینکڑوں برس سے تمہاری جماعت کا آسمان کو انتظار تھا، فرشتوں کو انتظار سارے انسانوں کو انتظار تھا ساری دنیا کو انتظار تھا کہ ایک جماعت ایسی آئے مخلصوں کی جان بازوں کی، دیوانوں کی، جو اپنے مال کی اپنے کاروبار کی دکان کی پرواہ نہ کرے اور انسانیت کو صحیح راستے پر لگانے کے لئے اپنی ہر چیز کو خطرے میں ڈال دے۔ اب تم باغوں کو دیکھتے ہو۔ دیکھو! اگر یہ باغ تمہارے اجڑ جائیں گے تو تمہارا کیا نقصان ہوگا چند درخت سوکھ جائیں گے اور چند سو روپے کا نقصان ہوگا ایک انسان کا باغ ہے یا ایک خاندان کا باغ ہے لیکن اگر تم نے اس وقت پہلو تہی کی اور تم انسانیت کے مسئلے کو بھول گئے اور اپنے مسئلے کو دیکھا تو نتیجہ یہ ہوگا کہ انسانوں کو ہدایت صدیوں کے لئے اور شاید ہزاروں برس کے لئے ملتوی ہو جائے یہ وقت روز روز نہیں آتا حضرت مسیح علیہ السلام کے بعد آج پانچ چھ سو برس کے بعد یہ وقت آیا ہے یہ وقت ہے اپنے مسئلے سے آنکھ بند کر لینے کا اور انسانیت کے مسئلے پر پہنچنے کا ہم اس خیال سے باز آئے ہم نے توبہ کی اور ہم نے کہا ہم نے کچھ نہیں کرنا ہے ہمیں حضور علیہ السلام جیسا حکم کریں گے ویسا ہی ہم کریں گے چنانچہ انہی مہاجرین وانصار نے عرض کیا یا رسول اللہ! اگر آپ ﷺ کہیں ہم سمندر میں گھوڑے ڈال دیں اگر آپ کہیں دنیا کے پرلے سرے تک ہم بھاگتے چلے جائیں، گھوڑے دوڑاتے چلے جائیں آپ ﷺ جو کہیں اسے ہم کرنے کو تیار ہیں، کیا نتیجہ ہوا اس کا دوستو! کہ دنیا میں ایمان وہدایت کی ہوا چلی، ایمان وہدایت کی ہوا نہیں آندھی چلی آندھی چلی اتنے زور سے آندھی چلی کہ دنیا میں کوئی درخت ایسا نہ تھا کہ جس کا پتہ ایک بار ہل نہ گیا ہو، اور اس سے مردہ زندہ ہو گئے ہوں وہ ایسی بار بہاری تھی ایسی زندگی بخشنے والی ہوا تھی ایسا ٹھنڈا جانفزا جھونکا تھا کہ اس سے دنیا میں جان پڑ گئی ساری دنیا میں اس مردہ انسانیت میں جان پڑ گئی وہ دنیا جو شر کی طرف بگٹٹ بھاگی جا رہی

تھی سرپٹ دوڑ رہی تھی اور کوئی گھڑی تھی کہ وہ اس میں جا پڑتی اس کا رخ شر سے خیر کی طرف، کفر سے ایمان کی طرف، مادیت سے اطاعت کی طرف اور اللہ تعالیٰ کے بغض سے اور اللہ تعالیٰ کے معتوب ہونے سے محبوبیت اور مقبولیت کی طرف ہوگیا ان کی ان کوششوں کا نتیجہ کیا ہوا کہ اللہ تعالیٰ کی نگاہ کرم انسانیت پر دوبارہ ہوگئی اور اللہ نے انسانوں کو دوبارہ ہدایت دینے کا اور ترقی دینے کا اور انسانوں کو روحانی کمالات سے مالا مال کرنے کا فیصلہ فرمایا وہ انسانی نسل جس میں سانپ بچھو پیدا ہو رہے تھے مائیں سانپ اور بچھو جنم دے رہی تھیں بھیڑیئے چیتے اور درندے وغیرہ جن رہی تھیں وہ مائیں جو بندر اور سور جن رہی تھیں وہ مائیں اولیاء اللہ جننے لگیں۔

یعنی اب بڑے بڑے عالم اور بڑے بڑے عارف اور بڑے بڑے ولی اللہ نکلے یہ ان لوگوں کی کوششوں کا نتیجہ ہوا کہ وہ انسانیت جو بالکل بانجھ ہوگئی تھی کہ اس سے ایک خدا کا ایک فرمانبردار بندہ، ایک اپنی ماں کا لال پیدا نہیں ہوتا تھا، جو پیدا ہوتے تھے وہ بھیڑیئے درندے، بدمست، خدا کو بھولنے والے، ظلم کرنے والے آج اسی انسانیت میں سینکڑوں نہیں ہزاروں کی تعداد میں اولیاء اللہ پیدا ہونے لگے۔

ان لوگوں میں سے ایک امام ابوحنیفہ کا نام سن لو، اولیاء اللہ میں سے ایک سید عبدالقادر جیلانی کا نام سن لو اور ایک سیدنا عبدالقادر جیلانی نہیں اپنے رتبے میں تو بے شک بہت بڑے تھے لیکن کون سا ملک ہے کون سا قصبہ ہے کون سا گاؤں ہے جہاں اللہ تعالیٰ کے مقبول بندے پیدا نہ ہوئے ہوں جہاں مردان خدا پیدا نہ ہوئے ہوں، جہاں بڑے بڑے دانشور درویش پیدا نہ ہوئے ہوں، یہ سب ان حضرات کی کوششوں کا نتیجہ تھا، اگر یہ حضرات اس وقت اپنا باغ دیکھتے اپنی دکان دیکھتے اپنے مسئلے دیکھتے اپنی حکومت دیکھتے اپنی عزت دیکھتے تو انسانیت میں یہ انقلاب دنیا میں انقلاب نہ آتا اور دنیا جہاں تھی وہیں کی وہیں رہتی بلکہ روز بروز تباہ ہوتی چلی جاتی اللہ تعالیٰ تمام انسانوں کی طرف سے ساری مخلوق کی طرف سے ان حضرات پر، ان بلند ہمتوں پر اپنی رحمتیں نازل فرمائے اور ان کی روحوں کو اعلیٰ علیین میں جگہ دے کہ انہوں نے ہماری اور آپ کی خاطر اپنی جان

کی بازی لگائی اور اپنی اولاد اور اپنے گھر بار کو اپنے دیس اپنے وطن کو اپنی خواہشات کو اپنے نفس کے تقاضوں کو سب کو انہوں نے بالکل نظر انداز کیا اور بالکل وہ بھول گئے اور چھ برس تک انہوں نے ایسی محنت کی، ایسی محنت کی کہ ساری یہ دنیا دوبارہ زندہ ہو گئی آج کسی بھی ملک میں چلے جاؤ خدا کے فضل و کرم سے بڑے بڑے عالم، بڑے بڑے زاہد، بڑے بڑے ولی اللہ، بڑے بڑے مدرسے، بڑی بڑی خانقاہیں، بڑے بڑے کتب خانے ملیں گے، ہر جگہ اللہ کے نام کا چرچا ہے، اللہ کے راستے کی طرف بلانے والے، مسجدیں آباد، کہاں یہ رنگون کہاں مکہ مکرمہ اور مدینہ طیبہ کا شہر، دیکھو کیسی کیسی خوبصورت مسجدیں، کیسی کیسی وسیع مسجدیں بنی ہوئی ہیں اور کتنے ہزاروں کی تعداد میں لوگ نماز پڑھتے ہیں، ابھی ہم نے عشاء کی نماز پڑھی اور اس سے پہلے مغرب کی نماز پڑھی دھوم دھام سے پڑھی تھی یہ سب نتیجہ ہے ان حضرات کی محنت کا۔ اب آیئے اس کے بعد پھر اسی طریقے سے ان کے جانشین پیدا ہوتے رہے کچھ لوگ اللہ کے بندے سینکڑوں ہزاروں کی تعداد میں ہر زمانے میں ایسے رہے ہیں کہ سب کچھ وہ لے سکتے تھے ان کو وزارت مل سکتی تھی، ان کو حکومت اور ان کو کرسیاں مل سکتی تھیں مگر انہوں نے کہا کہ ہم کو یہ نہیں لینا ہے ہم اپنے نامۂ اعمال میں اپنے لئے ہم صرف خدا کے نیک بندے کمانا چاہتے ہیں انسانیت کی کمائی چاہتے ہیں کہ صرف خدا کے نیک بندے ہمارے حصے میں آئیں۔ ہم ہدایت اور تبلیغ کا کام کریں گے اور ہمیں کسی سے کوئی سروکار نہیں وہ اللہ کے بندے گھربار چھوڑ کر، اپنی دکان، اپنے مکان اور کارخانے چھوڑکر اور تمام ترقیاں جو ان کو مل سکتی تھیں ان کو بھول کر اور وہ اس راستے پر دیوانہ وار چل پڑے اور کسی نے کسی ملک کا انتخاب کیا اور وہاں انہوں نے اللہ کا نور پھیلایا اور دین اسلام کی تبلیغ کی اس طریقے سے ہر نسل کے بعد ایک نسل، ہر نسل کے بعد ایک اور نسل آتی رہی چراغ سے چراغ جلتا رہا۔ ایک برس کا زمانہ ایک مہینے کا زمانہ ایک ہفتے کا زمانہ ایک دن کی مدت بھی ایسی نہیں گزری کہ اس امت میں ہدایت کا تبلیغ کا کام کرنے والے دنیا کے مختلف حصوں میں نہ رہے ہوں اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ کوئی ملک اللہ کی یاد سے اور اللہ تعالیٰ کے پہچاننے والوں سے خالی

نہیں اب اس کے بعد یہ سلسلہ چلتے چلتے ہم تک پہنچا۔

اولیاء اللہ کی محنت کے نتائج

دوستو! ایک ایک آدمی ایک ایک ملک میں چلا جاتا تھا وہ ملک کے ملک کو مسلمان کر لیا کرتا تھا۔ حضرت سید علی ہمدانی نے ملک کشمیر کے تین دورے کئے ہیں ایک مرتبہ آئے اور ایک جگہ اور ایک شہر میں ٹھہر کر چلے گئے دوسری مرتبہ آئے گاؤں، گاؤں شہر شہر کا دورہ کیا تیسری مرتبہ آئے اور گھر گھر کا دورہ کیا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ آج اس زمانے میں بھی کشمیر میں نوے فیصد مسلمانوں کی تعداد ہے یہ ایک شخص سید علی ہمدانیؒ کی کرامت ہے ان کی محنت ہے کہ سارا کا سارا ملک مسلمان ہوگیا۔ اور اب اتنے بہت سے علماء ہیں مدرسے ہیں، ایسے پڑھے لکھے لوگ ہیں اور اس میں دولت والے لوگ ہیں لیکن تعداد جو دس برس پہلے تھی وہی تعداد آج غیر مسلموں کی ہے اور بظاہر معلوم ہوتا ہے کہ شاید اس سے بڑھے اور مسلمانوں کی خدانخواستہ تعداد گھٹ جائے، میں نے جو آیت آپ کے سامنے پڑھی:

ثُمَّ جَعَلْنَاكُمْ خَلَائِفَ فِي الْأَرْضِ مِنْ بَعْدِهِمْ لِنَنْظُرَ كَيْفَ تَعْمَلُوْنَ.

یہ پوری تاریخ ہمارے اسلام کی کھلی ہوئی کتاب ہے، ہر وقت ہر دور میں اللہ کے بندے دنیا میں ایسے تھے انہوں نے تبلیغ اور ہدایت کا کام کیا۔ اب اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ ہم نے تم کو ان کا جانشین بنایا ہے اب ان کی جگہ پر تم ہو، ہم دیکھتے ہیں کہ تم کیا کر کے دکھاتے ہو تمہارے اسلاف نے تو یہ کر کے دکھایا کہ اٹھارہ آدمی شروع میں آئے ہوں گے ان کی محنت اور خلوص کا نتیجہ ہے کہ آج اٹھارہ لاکھ بیس لاکھ مسلمان ہیں۔ اب یہ بیس لاکھ مسلمان کیا کرتے ہیں کیا ان بیس لاکھ مسلمانوں میں سے چند سو بھی ایسے نہیں ہیں کہ جن کی محنت سے چند سو مسلمان ہو جائیں یا انہیں مسلمانوں کا ایمان محفوظ ہو جائے، دوستو! یہ رغبت اور آگے بڑھنے کا میدان ہے۔

فِيْ ذٰلِكَ فَلْيَتَنَافَسِ الْمُتَنَافِسُوْنَ O

اس میدان میں ایک دوسرے سے آگے بڑھنے کی کوشش کرنی چاہئے، تم تجارت

میں ایک دوسرے سے آگے بڑھ گئے، پیسوں میں آگے بڑھ گئے کیا تیر مارا تم نے وہ لاکھ پتی تھا تم کروڑوں پتی بن گئے نہ وہ اپنا سرمایہ قبر میں لے جائے گا نہ تم لے جاؤ گے وہ بھی خالی ہاتھ جائے گا تم بھی خالی جاؤ گے، لیکن کروڑ پتی کو زیادہ صدمہ ہوگا زیادہ حسرت ہوگی، لاکھ پتی کو کم ہوگا اور جو ہزاروں کا مالک ہوگا اس کو اس سے کم ہوگا اور سینکڑوں کا جو مالک ہوگا اس کو اس سے کم ہوگا اور بے چارہ خالی ہاتھ ہوگا اس کو تو کوئی افسوس نہ ہوگا، اس لئے میں کہتا ہوں کہ لاکھ سے جو کروڑ بنا رہے ہو وہ حسرت ہی تو بڑھا رہے ہو اور کیا کر رہے ہو، حسرت کا سامان کر رہے ہو لیکن اگر تم نے اپنے نامۂ اعمال میں اسلام کی ترقی لکھوالی اور تمہارے حصہ میں کچھ مسلمان آ گئے، اور اس ملک میں دین پھیلایا تو پھر انشاء اللہ تعالیٰ تمہارے لئے پھر ایسا انعام ہے کہ یہ دنیا تو اس کی گنجائش ہی نہیں رکھتی یہ تو اس عالم ہی میں دیا جا سکتا ہے، جس وقت خواجہ معین الدین اجمیریؒ کو خواجہ نظام الدین اولیاءؒ کو حضرت مولانا محمد الیاسؒ کو جب ان کی محنتوں کا کام اور ان کے ذریعے سے اللہ تعالیٰ نے جن لوگوں کو دین کی دولت عطا فرمائی جب ان کے اعمال کا ثواب ملے گا تو دوستو! وہ وقت تماشہ دیکھنے کا ہوگا، جب خواجہ اجمیریؒ کو ان کی نیکیوں کا ثواب ملنے لگے گا جو ان کی محنت اور دعوت کی وجہ سے لوگوں میں پھیلا یعنی جب لاکھوں آدمیوں کی نماز کا ثواب حضرت خواجہ معین الدینؒ کو دیا جائے گا تو سب حیرت زدہ رہ جائیں گے اسی طرح اوروں کا حال ہوگا، مگر ہمارا کیا ہوگا، جب پوچھا جائے گا کہ ہم نے ان کو دعوت و تبلیغ کا اتنا بڑا میدان دیا تھا اور ان اللہ کے بندوں نے کچھ نہیں کیا۔ میرے دوستو! یہ دنیا فانی ہے اس زندگی کی ہر چیز فانی ہے دولت فانی، عزت فانی، حکومت فانی اہل حکومت سن لیں یہ ان کی حکومتیں جانے والی ہیں، دولت والے سن لیں کہ دولت ان سے بے وفائی کرنے والی ہے، صحت والے سن لیں کہ یہ صحت ان سے منہ چرانے والی ہے، جو چیز باقی رہے گی، وہ صرف اللہ کا نام ہے اور اللہ کے راستے میں محنتیں ہیں اور اللہ تعالیٰ کے دین کے لئے جانفشانی کوشش اور جدوجہد ہے، بڑا غنیمت وقت ہے جو گزر رہا ہے اس میں اگر تم نے اپنے کاروبار سے وقت نکال کر کے ہدایت و تبلیغ کا اپنے اندر

طریقہ پیدا کیا اور پھر اس کے لئے کوشش کر لی تو اللہ تبارک وتعالیٰ تمہارے انعام میں دنیا میں تم کو بہت دے دے گا، اور آخرت میں تم کو جنت عطا فرمائے گا اور اگر تم نے ایسا نہ کیا تو یاد رکھو تم اس ملک میں رہ نہیں سکتے، یہ میں آج سیاسی آدمی کی حیثیت سے نہیں بلکہ اس روشنی میں جو اللہ تبارک وتعالیٰ نے ہر مسلمان کو عطا فرمائی ہے، اس روشنی میں یہ کہہ رہا ہوں کہ اس ملک میں تمہارا رہنا مشکل ہو جائے گا اگر تم نے دین کے لئے خلوص کے ساتھ کام نہ کیا اور جب وہ حالت پیدا ہوگی تو اس وقت نہ تمہاری دکانیں محفوظ رہیں گی، نہ تمہارے کارخانے محفوظ رہیں گے یاد رکھو حفاظت کا سامان اوپر سے ہوتا ہے کسی ملک میں مسلمان کی حفاظت کا سامان اوپر سے ہوتا ہے کسی ملک میں مسلمانوں کی حفاظت کا ذریعہ صرف یہ ہے کہ وہ دین کے لئے جدو جہد کرے اور دین کو اتنا طاقت ور بنائے کہ پھر اللہ تبارک وتعالیٰ اس قوم کی حفاظت اپنی طرف سے فرمائے ان کی نصرت خدا کی طرف سے ہوتی ہے۔ پھر ان کا کوئی کچھ نہیں بگاڑ سکتا تم اس ملک برما میں کس لئے آئے تم تو اسلئے آئے تھے کہ اس قوم میں تمہاری محنتوں اور کوششوں سے اولیاء اللہ پیدا ہوں بڑے بڑے عارف اور امام پیدا ہوں بڑے بڑے محدث اور مجتہد پیدا ہوں تم اس لئے آئے کہ جو خدا کا نام نہیں جانتے خدا کے آستانے پر ان کے سر جھکیں اور ان کے دل اللہ کی یاد سے اور اللہ کی معرفت سے روشن ہوں اور ان کے دماغ اللہ کے لائے ہوئے علوم سے منور ہوں تم اس لئے یہاں آئے تھے کہ ان غریبوں کو جہنم کی آگ سے بچا کر، جنت کی بہاروں، جنت کی رونقوں اور جنت کی نعمتوں کا مستحق بناؤ تم ان سے فائدہ اٹھانے لگے بجائے اس کے کہ ان کی جان کو بچاؤ اور ان کی جھولی بھرو تم ان کی جھولی سے اپنی جھولی بھرنے لگے تم نے ان کو گاہک بنا لیا حالانکہ تم ان کے مبلغ اور گاہک بنا کر بھیجے گئے تھے جو شخص استاد بنا کر بھیجا گیا مدرسے میں رکھا گیا کہ وہ پڑھائے مدرس ہے وہ اپنے طالب علموں کو گاہک سمجھے اور کہے کہ ہمارے لئے کیا لائے ہو، ہمیں کیا دیتے ہو ہمیشہ اس کی نظر ان کی جیبوں پر رہے کہ ان میں کیا ہے ان کے ماں باپ کی جیبوں میں کیا ہے کہ ہم نکال لیں کتنی پستی ہے انسانیت کی اور کتنی تذلیل ہے تم یہاں ان کو گاہک سمجھنے کے

لئے نہیں آئے تھے ان کو دینے کے لئے آئے تھے تم یہاں ان کو ہدایت کا تحفہ دیتے نبوت کے علوم عطا کرتے اللہ تعالیٰ کا راستہ بتاتے اور ان پر اللہ تعالیٰ کی رحمت کے دروازے کھلوانے کے لئے آئے تھے تم یہاں اپنے دھندوں میں پڑ گئے، تجارت میں پڑ گئے تمہیں تجارت سے فرصت نہیں اپنے مکانوں اور کوٹھیوں کے بنانے سے فرصت نہیں اپنے کاروبار کے بڑھانے سے فرصت نہیں اللہ تعالیٰ نے تم کو اس لئے تو نہیں بھیجا تھا اس سے کوئی بڑی کمائی ہو سکتی ہے۔ میرے دوستو! سچ بتاؤ، اگر ایک گھوڑا تم کو مل جائے تم کتنے خوش ہوتے ہو، ایک موٹر تم کو مل جائے کتنے خوش ہوتے ہو حالانکہ نوٹ پھوٹ جائے گی، پرانی ہو جائے گی بے کار ہو جائے گی انسان جس کو ملے اور ایک انسان نہیں ہزاروں آدمی جس کو ملیں اور اس کے نامہ اعمال میں لکھے جائیں، ان کی ساری نیکیاں عبادتیں لکھی جائیں ان سے بڑھ کر خوش نصیب کون ہو سکتا ہے؟ حضرت خواجہ معین الدین اجمیریؒ کی تجارت سامنے آ گئی کہ اس زمانے کا جو سب سے بڑا سا ہوکار تھا۔ چاہے مسلمان رہا ہو وہ اپنی تجارت میں زیادہ کامیاب رہا، سچ سچ بتاؤ انصاف سے بتاؤ اجمیر میں اس وقت کتنے مسلمان دکان دار ہوں گے؟ ہندو دکاندار ہوں گے؟ دہلی میں ہوں گے غزنی میں ہوں گے اور کابل میں ہوں گے بغداد اور قاہرہ میں ہوں وہ بڑے بڑے تاجر اپنی تجارت میں کامیاب رہے یا خواجہ معین الدین اجمیریؒ جن کے نامہ اعمال میں کروڑوں مسلمان لکھے ہوئے ہیں، ان کے نامۂ اعمال میں ان سب کی نمازیں لکھی ہوئی ہیں، سب تسبیحیں لکھی ہوئی ہیں اور اولیاء اللہ کی ولایت لکھی ہوئی ہے جو ان کے بعد ان کی محنتوں کے نتیجے میں پیدا ہوئے ان کی ساری ولایت ان کی ساری معرفت، ان کی ساری عبادت ان کا سارا ذکر ان کی تسبیح، ان کا راتوں کو اٹھنا ان کا دنوں کو روزہ رکھنا، ان کا قرآن شریف کا پڑھنا ان کا نوافل کا پڑھنا ان کا سحر کے وقت اٹھ کر کے اپنے منہ کو آنسوؤں سے دھونا اور آنسو بہانا یہ سب کچھ خواجہ معین الدین اجمیریؒ کے حصے میں ہے اور ان کے نامہ اعمال میں مسلسل لکھا جا رہا ہے۔ بتاؤ اس سے بڑھ کر کوئی نفع کی تجارت ہے، کوئی بتا سکتا ہے؟ اللہ کے بندو! مسلمانو! تم کو اس ملک میں رکھا گیا

پ تمہاری دوہری ذمہ داری ہے، جو بدقسمت خدانخواستہ مرتد ہوگا اس کا سوال پوری قوم پر ہے اور وہاں ہرگز یہ سوال نہیں آئے گا کہ تم نے مسجد بنائی تھی یا نہیں، یاد رکھنا مسجد بنانا بڑے ثواب کا کام ہے مگر ایک مسلمان بھی اس ملک میں مرتد ہوگیا ایک مسلمان کا بھی اگر عقیدہ خراب ہوگیا اور اس کا ایمان جاتا رہا اس کا سوال آپ سے ہوگا ہرگز یہ بات کام نہیں آئے گی کہ ہم اپنے دینی کاموں میں حصہ لیتے تھے اور ہم اتنی نمازیں پڑھتے تھے اور ہم فلاں فلاں محفلیں کرتے تھے اور فلاں فلاں جلسے کرتے تھے، اور اسلام کی فلاں فلاں رسمیں ادا کرتے تھے ہرگز یہ جواب نہیں سنا جائے گا، پوری قوم سے اس کا سوال ہوگا جو میں نے ابھی بتلایا تھا اور اسی طرح سے یہ جو غیر مسلموں کی اتنی بڑی قوم جو آپ کے چاروں طرف رہتی ہے اس کا سوال بھی اگر اللہ آپ سے کرے تو کچھ بعید نہیں وہ فرماسکتے ہیں کہ ہم نے تم کو موقع دیا تھا اور تم ان سب کو مسلمان کرسکتے تھے۔ تم نے کیا کیا؟

جو آیت میں نے آپ کے سامنے پڑھی ہے:۔

ثُمَّ جَعَلْنٰكُمْ خَلٰٓئِفَ فِی الْاَرْضِ مِنْۢ بَعْدِهِمْ لِنَنْظُرَ كَیْفَ تَعْمَلُوْنَ.

تخلیق انسانی کا مقصد

اور پھر ہم نے تم کو زمین پر جانشین بنایا تمہارے اگلوں کا تاکہ ہم دیکھیں تم کیا عمل کرتے ہو آج اللہ تبارک وتعالیٰ نے ہم کو اس زمانے میں پیدا کیا زمانہ بہت نازک بہت خراب لیکن کرنے والے ہر زمانے میں کرتے رہے ہیں، جب تلوار سر پر لٹک رہی تھی اور کسی کو اپنی جان کا اطمینان نہیں تھا، اور کوئی سانس نہیں لے سکتا تھا۔ پوری دنیائے اسلام میں بڑے بڑے بہادر دبکے پڑے تھے، اور بڑے بڑے بادشاہ کونوں میں پڑے ہوئے تھے اور کوئی میدان میں نہیں نکل سکتا تھا اس وقت بھی اللہ کے بندوں نے نہ صرف یہ کہ دونوں پر تبلیغ کی بلکہ تاتاریوں تک کو مسلمان کرلیا، اب میرے دوستو اور بزرگو! آج یہ برما کا ملک ہے ہمارے تمہارے لئے پڑا ہوا ہے، اللہ کی مخلوقات اور انسانوں کا ایک جنگل ہے جو تمہارے حوالے کیا گیا ہے، تم جو اس ملک میں لائے گئے ہو یقین کرو

کہ تم کھانے پینے کے لئے دکان کرنے کے لئے تجارتوں کو ترقی دینے کے لئے نہیں آئے۔ یاد رکھئے کہ ہمارے سورتی بھائی، ہمارے راندیر کے بھائی، گجرات کے بھائی، بمبئی کے بھائی، ہندوستان کے بھائی، یوپی کے بھائی، پنجاب کے بھائی جو یہاں آئے ہوئے ہیں ہرگز اللہ تعالیٰ نے ان کو اس لئے نہیں بھیجا کہ یہاں آکر صرف کام کریں صرف اپنا بیوپار کریں، اور روپیہ کما کر کے یہاں سے چلے جائیں یا یہیں رہیں اور کھاتے پیتے رہیں، ہرگز نہیں! اللہ تعالیٰ نے تم کو جانشین بنایا ہے ان نسلوں کا ان بندوں کا جنہوں نے دنیا میں ہدایت وتبلیغ کا کام کیا تھا، اور آج اللہ تعالیٰ نے تم کو اتنا بڑا انسانی کارخانہ عطا فرمایا ہے تم کو اس ملک کا مفتی بنایا ہے، تم کو اس ملک کی امامت وہدایت کا کام سونپا گیا ہے، اس میں کروڑوں انسان بستے ہیں یہ پونے دو کروڑ انسانوں کی بستی ہے جس کو برما کہتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے یہ تم کو دی ہے، اور کل آپ سے پوچھا جائے گا کہ:۔

لننظر کیف تعملون کہ تم نے یہاں کیا کیا؟ یہاں اپنی قوم میں اضافہ کرنے کے لئے بلکہ اللہ کے بندوں کو جہنم کے عذاب سے بچانے کے لئے اور اس جہالت اور اس حیوانیت کی زندگی سے نکالنے کے لئے اور اللہ کی روشنی اور ہدایت میں داخل کرنے کے لئے ان کو جنت کا مستحق بنانے کے لئے ان پر اللہ کی رحمت کے دروازے کھولنے کے لئے ان کو خدا کا بندہ مقبول بنانے کے لئے اور ان کو دنیا وآخرت کے خطرات سے بچانے کے لئے اللہ تعالیٰ نے تم کو اس ملک میں رکھا ہے اور دور دور سے تم کو یہاں بھیجا ہے اور تم تو سمجھتے تھے کہ ہم کمانے جا رہے ہیں لیکن اللہ تعالیٰ کا ارادہ اور ان کا منشا یہ تھا، تم یہاں آکر ہدایت وتبلیغ کا کام کرو، آج حالت برعکس ہو رہی ہے کہ اٹھارہ بیس لاکھ کی مسلمانوں کی جو قوم ہے اسی کے ایمان کے لالے پڑے ہوئے ہیں، اسی میں ارتداد پھیل رہا ہے، ہم نے سنا ہے لوگ دین سے ہٹتے جا رہے ہیں، لوگ بدھ مت اختیار کرتے جا رہے ہیں مسجدیں چھوڑ کر اور ان سے نکل کر پھیا پکوڈوں میں جا رہے ہیں، بدھ مذہب اور عیسائی مذہب اختیار کر رہے ہیں، اپنے دین کو بالکل بھولتے جا رہے ہیں، آپ پر دوہری ذمہ داری ہے، ایک ذمہ داری اپنے بھائیوں کی اس اٹھارہ بیس لاکھ قوم کی

اور ایک ذمہ داری اپنے ان برادران وطن کی جو وہ اور آپ ایک ہی پانی سے پیاس بجھاتے ہیں ایک ہوا میں سانس لیتے ہیں ایک زمین پر چلتے ہیں اللہ تبارک وتعالیٰ نے آپ کو اس ملک میں رکھا ہے ایک ایک بندے کے متعلق آپ سے سوال ہوگا ایک ایک مسلمان سے متعلق اللہ تعالیٰ آپ سے سوال کرے گا کہ ہم نے تمہیں وہاں پیدا کیا تھا، ہم نے تمہیں وہاں بھیجا تھا ایمان کی دولت نصیب کی تھی، کھانے پینے کے لئے پیٹ بھرنے تک کا سامان دیا تھا ہاتھ پاؤں دیئے تھے صحت دی تھی تندرستی دی تھی تم نے کیا حق ادا کیا؟ میرے دوستو! یہ تم ایک دارالامتحان میں ہو تم امتحان گاہ میں ہو، آج تم نہیں سمجھ رہے ہو لیکن کل روز قیامت حضور ﷺ کو کیا منہ دکھاؤ گے جب تم آپ ﷺ کے سامنے آؤ گے اور اللہ تعالیٰ کے ہاں تمہاری پیشی ہوگی اور اس وقت تمہیں معلوم ہوگا اور تم سے حساب ہوگا اس وقت کا اس جگہ کا اور یہاں کے انسانوں کا تم سے حساب طلب کیا جائے گا کہ صرف تم اس لئے تھے کہ کارخانے قائم کرو آمدنی میں اضافہ کرو اور تمہیں فرصت نہ ہو کسی وقت کمانے سے۔

دین کی فکر نہ کی تو......

یہاں جو سب سے بڑی عقلمندی سب سے زیادہ ضروری اور پہلا کام ہے اور اس وقت جو وقت کا فریضہ ہے، وہ یہ ہے کہ یہاں دین کے لئے محنت کرنا، سب سے بڑی یہاں کی سیاست یہی ہے سب سے بڑی یہاں کی معرفت یہی ہے، سب سے بڑی یہاں کی حکمت یہی ہے اس ملک میں ایک مرتبہ طے کرلو کہ دس بیس برس اسلام کو پھیلانا ہے اور یہاں مسلمانوں کے عقیدے اور اسلام کی حفاظت کرنی ہے اگر آپ کا یہ برما بدھسٹ اسٹیٹ بن گیا تو تمہاری ذمہ داریاں کتنی بڑھ جاتی ہیں، ابھی تک شکر ہے کہ بدھسٹ اسٹیٹ نہیں ہے، لیکن اگر خدا نخواستہ بدھسٹ اسٹیٹ ہوگیا۔ پھر اگر تم نے اپنے دین کی فکر خود نہ کی اور تم نے اپنے ایمان کو قائم رکھنے کا ارادہ اور فیصلہ نہ کیا اور یہ حالات آئے تو تمہاری کوئی مدد نہیں کرے گا اور تم کہیں کے نہ رہو گے ابھی تو خیر حکومت

غیر جانبدار ہے، غیر متعلق ہے وہ نہ تو حکومت کی طرف سے بڈھسٹ ہے نہ کرسچین نہ مسلمان دین کی حفاظت، اشاعت اور علم کی کوشش یہ سب تمہارے ذمہ ہے تمہارے اوپر فرض اس کا عائد ہوتا ہے تمہارے علاوہ کسی پر اس کا فرض عائد نہیں ہوتا، وقت کا فریضہ ہے کہ اگر اللہ نے تمہیں سمجھ دی ہے اور موٹی سمجھ بھی تم رکھتے ہو تو آنکھ کھول کر کے اور ذرا سا غور کر کے اس بات کو سمجھ لو کہ اس ملک میں تمہارا رہنما اسلام کے بغیر ممکن نہیں اس وقت سب سے بڑی عقلمندی اور سب سے بڑی اپنے ساتھ خیر خواہی یہ ہے، کہ اسلام کے لئے اسلام کو چمکانے کے لئے اسلام کو پھیلانے کے لئے مسلمانوں کو اپنے دین میں مضبوط کرنے کے لئے اور ان کو سچا اور پکا مسلمان بنانے کے لئے ایک مرتبہ اس کا بیڑہ اٹھاؤ اور ایک بار دیوانہ وار کام میں لگ جاؤ اور اپنے آپ کو جھونک دو کہ یہاں کا ہر کلمہ گو مسلمان پکا اور سچا مسلمان ہو جائے کہ بڑے سے بڑا زلزلہ اور بڑے سے بڑا طوفان اور بڑے سے بڑا بھونچال اس کو اپنی جگہ سے نہ ہلا سکے اس کے لئے کوشش اور سارے سب میں پھر جاؤ گاؤں گاؤں پھیل جاؤ اور اللہ کا پیغام پہنچاؤ خوب کلمے کا اعلان کرو خوب تعلیم کا اعلان کرو خوب اسلامی تہذیب کو کھل کر بیان کرو کہ اسلامی تہذیب اختیار کرنی چاہئے اسلامی نام رکھنے چاہئیں شرک اور مشرکانہ رسموں سے ان کو ڈراؤ اور ان سے بتاؤ کہ اس میں مسلمانوں کی موت ہے کہ وہ شرک اختیار کرے اور کسی مشرکانہ تقریب میں اور کسی مشرکانہ رسم کی کسی مشرکانہ عمل میں شرکت کرے یہ ہر مسلمان کی موت ہے یہ ایسا ہے جیسے کوئی زہر کا پیالہ پی لے بلکہ اس سے زیادہ خطرناک بات ہے، شرک کی نفرت ان کے دل میں بٹھادو بت پرستی کی نفرت ان کے دل میں بٹھادو، شرک سے وحشت، کفر سے وحشت ان کے دل میں بٹھادو اگر تم نے اس میں غفلت کی تو یاد رکھو میرے بھائیو! میں شاید اس وقت ہوں تمہیں یاد دلانے والا اور شاید ریکارڈ موجود ہو یا نہ ہو لیکن جو تم میں سے غور سے سنے گا وہ میری باتیں یاد کریں گے میں کوئی صاحب فراست آدم نہیں ہوں، میں کوئی روشن ضمیر آدمی نہیں ہوں جن کو مثلاً دس برس پہلے اللہ کی طرف سے کوئی بات کہی جاتی ہے، لیکن یہ بات اتنی موٹی ہے اتنی کھلی ہوئی ہے جیسے کوئی بارش دیکھ کر کہے

سنے ہوا ٹھنڈی چلے اور وہ کہے کہ بارش آنے والی ہے اور پانی برسنے والا ہے اور پانی برس جائے تو اس کو کوئی ولی نہیں مانتا یہ تو بچہ بھی سمجھ سکتا ہے کہ بارش آنے والی ہے، اس طریقے سے میں آپ کو کہہ سکتا ہوں کہ بہت سخت دن آنے والے ہیں خدا کے لئے اس وقت اپنے کاروبار کو اتنی اہمیت نہ دو جتنی اہمیت دیتے رہے ہو اس وقت دین کے لئے کچھ کرلو ایک مرتبہ برما کے ایک کنارے سے دوسرے کنارے تک اسلامی تہذیب دینداری اور توحید کا صور پھونک دو ایک ایک مسلمان کو اچھی طرح باخبر کردو کہ یہ دین اور یہ ایمان ہے یہ کفر ہے یہ شرک ہے، شرک کی نفرت مسلمانوں اور ان کے بچوں کے دل میں بٹھا دو، بچوں کی تعلیم کا انتظام کرو اور گاؤں میں ایسے گاؤں میں جس کا نام بھی کبھی نہ سنا ہو، اس کے ایک کنارے پر جو جھونپڑا ہے کسی برمی مسلمان کا جو اردو کا ایک لفظ بھی نہیں جانتا وہاں پر بھی پہنچو اس کے جھونپڑے میں جا کر اس کے قدم پکڑلو اور اس سے کہو کہ اللہ کے بندے تو مسلمان ہے مسلمان زندہ رہ اور مسلمان مر، اس کو ایسا کردو کہ ارتداد اس کی طرف رخ بھی نہ کر سکے جیسے کہ وہ کسی لوہے کے قلعے میں محفوظ ہو جائے اس طرح اسے محفوظ کردو اس کام کی فرصت ہے معلوم نہیں کب تک فرصت ہے لیکن ابھی کچھ فرصت ہے اب اگر تم نے اس سے فائدہ نہ اٹھایا اور کچھ کام کرلیا تو انشاء اللہ تعالیٰ، اللہ تبارک وتعالیٰ کی طرف سے اس دین کی بقا کی صورت یہاں باقی رہے بلکہ ترقی کرنے اور پھیلنے کا فیصلہ ہو جائے گا اور اس وجہ سے وہ تمہارے کاروبار تمہاری عورتوں تمہارے بچوں کو محفوظ کردے گا اور تمہیں سرفراز اور سربلند کرے گا اور تمہیں اس ملک میں عزت دے گا اور کچھ تعجب نہیں کہ تم کو اللہ اس ملک کے انتظام کی ذمہ داری تمہارے ہاتھوں میں دے دے اس لئے کہ یہ حکومتیں اور اقتدار اللہ کے دین کی محنت کے قدموں کی خاک ہے دیکھو اللہ کے بندوں نے کچھ دن محنت کی تھی بدر، احد اور تبلیغ کے میدانوں میں اس کا کیا نتیجہ ہوا؟

اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ان کے جانشینوں اور اولاد میں ایک شخص پیدا ہوتا ہے جس کا نام ہارون الرشید آپ نے اس کا نام سنا ہوگا بہت مشہور خلیفہ ہے اس کی سلطنت کا حال میں تمہیں بتلاتا ہوں، ایک مرتبہ وہ بغداد میں بیٹھا ہوا تھا بادل کا ایک ٹکڑا اس کے سر کے اوپر

سے گزر رہا تھا کسی طرف جا رہا تھا۔ اس نے سر اٹھا کر کہا اے بادل! چاہے تو مشرق میں جا، چاہے مغرب میں جا جہاں تیرا جی چاہے وہاں جا۔ جہاں تیرا جی چاہے برس لیکن تیرے برسنے کا جو نتیجہ ہے یعنی کھیتی اور دانہ وہ تو میرے قدموں ہی میں آئے گا جہاں تیرے جی میں آئے وہاں جا کر برس جا میں تجھ سے نہیں کہتا کہ تو بغداد ہی میں برس جہاں تیری پہنچ ہے تو وہاں چلا جا اور وہاں جا کر برس مگر تیرے برسنے سے جو کھیتی پیدا ہوگی وہ یہیں آئے گی یہ اللہ تعالیٰ کے دین کے لئے محنت کرنے کا ایک بہت ہی معمولی اور حقیر سا فائدہ اور اس کا پھل ہے۔ حقیقی فائدہ نہیں، حقیقی فائدہ تو وہی (آخرت میں) جا کر ملے گا۔

ایک اور بات مثال کے طور پر عرض کرتا ہوں یوں سمجھ لیجئے کہ جیسے زمین جوتی جاتی ہے، کھیتی کی جاتی ہے گیہوں کے لئے مگر گندم سے پہلے کچھ گھاس اگ آتی ہے وہ گھاس گھوڑے اور جانوروں کے کام آتی ہے ایسے ہی بنو عباس بنو امیہ کی حکومتیں ان کی فتوحات تھیں (میں خلافت راشدہ کو نہیں کہہ رہا) اور ساری دنیا میں اس مقصد کے لئے کام آتی ہے، اسی طریقے سے سمجھئے کہ ان حضرات نے ہدایت کے لئے محنت کی تھی، گھاس اور خس و خاشاک کے طور پر پیدا ہو گئیں تھیں حکومتیں۔ میرے دوستو! امت محمدیہ میں تم نے محنت کر لی کاش کہ امت کے ہر فرد میں یہ آواز پہنچے اور ہر آدمی کی زبان سے تم یہی پیغام سنتے اس وقت کرنے کا کام یہی ہے میں، تم سے سچ کہتا ہوں اگر میرے بس میں ہوتا میں کوئی بڑی بات نہیں کہہ رہا اگر میرے بس میں ہوتا تو میں چند مہینوں کے لئے نہیں دو چار سال کے لئے تمہاری ساری دکانوں کو تالا لگا دیتا، سیل کر دیتا اور سارے ملوں کارخانوں کو بند کر دیتا اور سارے آدمیوں کو مکانوں، دکانوں اور کارخانوں سے نکال کر کہتا اس وقت کام صرف یہ ہے کہ ہدایت اور تبلیغ کے لئے پھیل جاؤ گھر کی پرواہ نہ کرو، کھانے کو راشن ملے گا کھا لینا، پیٹ بھر لینا اور پہننے کے لئے اتنے جوڑے کپڑے ملیں گے پہن لینا اور اگر کپڑے پھٹ جائیں تو پیوند لگا لینا اور اگر کھانا پورا نہ ہو تو فاقے کر لینا مگر دس برس تک صرف تبلیغ کا کام کرنا پھر دیکھنا کہ کیسے کام ہوتا ہے تم نے دیکھا ہوگا ریل کی پٹری پر ایک ٹرالی چلتی ہے لائن کی جانچ لینے اور پٹری دیکھنے کے لئے کہ وہ ٹھیک ہے یا نہیں اب تو

خیر بجلی کی بھی چلنے لگی ہے اب بھی ہمارے ہاں انڈیا میں وہی پرانی چلتی ہے کہ اس میں کچھ دیکھ بھال کرنے والے آفیسر اور قلی بیٹھے ہوتے ہیں تو قلی اتر کر اس کو دھکا دیتے ہیں ، میں نے اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے دھکا دیتے ہیں ایک دو فرلانگ تک چلے جاتے ہیں پھر اس پر سوار ہو جاتے ہیں پھر وہ ٹرالی ان کو لے جاتی ہے، پہلے وہ ٹرالی کو لے جاتے ہیں اس سے دس گنا ٹرالی ان کو لے جاتی ہے ایسے ہی ایمان کی ٹرالی کو ایک مرتبہ دھکا دے دو پھر ایمان کی ٹرالی سو گنا تک خود لے جائے گی صحابہ کرامؓ نے ایسا دھکا دیا تھا کہ اب تک ٹرالی کے پہیوں میں جان ہے رکے اب بھی نہیں ہیں رفتار ذرا سست ہو گئی ہے اس لئے سست ہو گئی ہے کہ تم نے حکومتوں کا بوجھ ڈال دیا اپنے گناہوں کا بوجھ اس پر ڈال دیا گناہوں کا بوجھ اگر اس پر نہ پڑتا تو اس کی رفتار میں انشآء اللہ کمی نہ ہوتی ایسی ہی اسلام میں ترقی ہوتی چلی جاتی صحابہ کرامؓ کے ایسے بابرکت، ایسے طاقتور اور ایسے مخلص ہاتھ تھے اللہ تعالیٰ کی کروڑوں رحمتیں ان پر ہوں جنہوں نے نہ اپنی اولاد کی پرواہ کی نہ دکانوں کی پرواہ کی اور ایک مرتبہ مل کر اسلام کی ٹرالی کو ایسا دھکا دیا ہے کہ صرف ۲۳ برس تک دھکا دینا پڑا۔ تیس برس کے بدلے میں ۱۴۰۰ برس تو اس وقت ہو چکے ہیں اور جہاں جہاں ان کے قدم گئے آج تک اسلام وہاں غالب ہے جہاں صحابہ کرامؓ کے بابرکت قدم پہنچے وہاں کی تو فضا بدل گئی، ہوا بدل گئی، موسم بدل گیا، تہذیب بدل گئی سب زمین و آسمان بدل گئے۔ میرے دوستو! کیا یہ عقلمندی کی بات نہیں کہ ٹرالی کو مل کر دھکا دے دو۔ خدا کی راہ میں سب مل کر یہ کام کر گزرو، ذرا ہاتھ ہلا دو تھوڑا سا اتر کر دھکا دے دو۔ اگر ان کافروں پر محنت کرو تو یہ انگلی کے اشارے پر چلنے کے لئے تیار ہیں مگر تم تیار نہیں، یہ کتنے ظلم کی بات ہے کہ اس پر بھی تم بیٹھے رہو اور تم سے اتنا نہ ہو سکے کہ تھوڑا سا اتر کر اس کو دھکا دے کر اسے چلا دو بس تھوڑا سا دھکا دینے کی ضرورت ہے، پھر شوق سے اس پر بیٹھو تم کو خود ہی یہ لئے چلی جائے گی، ہوا کی طرح لے جائے گی، انشاء اللہ بس تم سے یہی کہنا ہے اور کچھ نہیں کہنا، تمہارے ملک کا بہت ہی نازک مسئلہ ہے، اس وقت اگر سمجھو تو کوئی مسئلہ نہیں سارے اختلافات ختم کر دو۔ جتنی جماعتیں ہیں ان سب کا اس وقت اختلاف

کرنا حرام ہے ذرا تجارت پر بریک لگاؤ اور اس پر کنٹرول قائم کرو اور وقت نکالو اور اپنے وقت کا نکالنا فرض سمجھو۔ اگر چلّے مانگے جائیں چلّے دو، ہفتے مانگے جائیں ہفتے دو اگر دن مانگے جائیں دن دو۔ اور ہر شخص یہ طے کرلے کہ میں اس ملک کا رہنے والا نہیں ہوں اور برما کونسا بڑا ملک ہے؟ میرے خیال میں یہ ہندوستان کا دسواں حصہ ہے۔ تم اگر چاہو تو اس طرح پھیل جاؤ کہ کوئی گاؤں، کوئی گھر تم سے نہ بچے، طے کرلو کہ دس برس کے اندر ایک گھر ایک جھونپڑا بھی چھوڑنا نہیں ہے، ہر جگہ تم پہنچ جاؤ کوئی جگہ باقی نہ بچے جگہ جگہ اسلام کی آواز اور پیغام پہنچاؤ۔ تمام مسلمانوں میں توحید اور اسلام کی تہذیب پھیلا دو، ہر جگہ جاکر مسلمان کو پختہ کرو اور غیر مسلم کو نرم کرو، مسلمان موم ہے اس کو تو پختہ کرو اور غیر مسلم لوہا ہے اس کو موم بناؤ، آج مسلمان موم ہو رہا ہے موم کی نرمی کی طرح ہر طرف مڑنے اور جھکنے کے لئے تیار ہے اس کو تو بنادو فولاد، اور غیر مسلم جس کا دل لوہے اور پتھر کی طرح ہو رہا ہے اس کو کردو نرم۔ بس اگر یہ دو کام کرلو کہ مسلمان ہو جائے فولاد اور غیر مسلم ہو جائے موم۔ اور جب وہ اسلام قبول کرے اس کو بھی فولاد بنادو، اب فولاد ہی فولاد ہو اور جہاں فولاد ہی فولاد ہو کسے مجال ہے کہ اس کی طرف نظر اٹھا کر دیکھ سکے فولاد ہی کی آج ساری دنیا میں حکومت ہے، یہ لوہے اور فولاد کا زمانہ کہلاتا ہے، تم مسلمانوں کو فولاد بنادو، فولاد بنانے کے لئے پہلے اس کو تپایا جاتا ہے، نرم کیا جاتا ہے۔ پہلے غیر مسلم کو اتنا تپاؤ ایمان کی حرارت میں اس کو اتنا پگھلاؤ کہ وہ نرم پڑ جائے اور اسلام قبول کرے کفر کو چھوڑ دے اور پھر اس کو اسلام میں مضبوط کرو کہ وہ فولاد بن جائے۔

برما کے مسلمانوں کی ذمہ داریاں

بس دوستو! کرنے کے یہ دو کام ہیں، تیسرا کام ہماری سمجھ میں اس ملک میں نہیں آیا اگر کوئی سمجھا دے تو ہم سمجھنے کے لئے تیار ہیں، مسلمانوں کو اسلام پر پختہ کرنا غیر مسلم کو اسلام کی طرف مائل دو ہی کام ہیں، تیسرا کام نہیں ہے یہ کام اگر تم نے کرلیا تو اپنے اوپر احسان کرو گے کسی دوسرے پر یا اسلام پر احسان نہیں۔ اسپین والوں نے یہ کام نہیں کیا تو

کان پکڑ کر نکال دیئے گئے، چچا بھتیجے میں لڑائی، ملک کے دونوں دعویدار عیش میں پڑ گئے، مکانات بنانے لگے، مسجد ایک سے ایک بہتر، الحمرا کا ایک قلعہ تعمیر کر دیا، مدینۃ الزہرا کے نام سے ایک پورا شہر تعمیر کر دیا جن کو دیکھ کر آج بھی دنیا میں سیاح دنگ رہ جاتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کے ہاں یہ چیزیں زندگی کی ضمانت نہیں۔ اسلام کی تبلیغ کی کوشش نہیں کی، مورخ لکھتا ہے کہ اندلس میں اسلام کے زوال کے اسباب میں سے ایک سبب یہ ہے کہ تبلیغ کی طرف سے بالکل غافل ہو گئے تھے وہ یہ بات بھول گئے تھے کہ غیر مسلموں کی اکثریت والے ملک میں رہتے ہیں جس میں چاروں طرف غیر مسلم عیسائی پھیلے ہوئے ہیں اوروہ بتیس ۳۲ دانتوں میں ایک زبان ہیں ان کا تو کام یہ تھا کہ وہ اسلام کو پھیلاتے اور ایسے حالات پیدا کر دیتے کہ کبھی وہاں سے اسلام کے نکلنے کا سوال ہی پیدا نہ ہوتا۔ کیسے مصر سے اسلام نکلنے کا یہ سوال پیدا ہوسکتا ہے وہاں مسلمانوں کی اکثریت ہے، سوڈان سے مسلمانوں کے نکلنے کا سوال پیدا ہوسکتا ہے؟ سوفیصدی اکثریت ہے لیکن اسپین سے نکلنا پڑا کہ چاروں طرف عیسائی دنیا تھی اور ان اللہ کے بندوں نے ان کو مسلمان بنانے کی کوئی فکر کی نہیں تھی اور اپنے ایمان میں کمزور ہوتے چلے گئے عیش نے ان کو روز بروز کمزور کر دیا خود کمزور ہو گئے اور چاروں طرف سے کوئی خبر نہیں لی، نتیجہ یہ ہوا کہ اللہ کا وعدہ پورا ہوا اور وہ وقت آیا۔ حکم ہوا کہ یہاں سے نکل جاؤ۔ ہمیں نہ تمہاری مسجدوں کی پرواہ ہے نہ تمہارے قصر حمراء کی پرواہ ہے نہ تمہارے مدینۃ الزہراء کی پرواہ ہے نہ قرطبہ کی پرواہ ہے۔ نہ غرناطہ کی پرواہ ہے نہ بلنسیا کی پرواہ ہے۔ یہاں کیسے کیسے قاری، کیسے کیسے عالم کیسے کیسے حافظ، کیسے کیسے ولی اللہ اور کیسے کیسے محاسب امام اور مجتہد پیدا ہوئے ہمیں کسی کی پرواہ نہیں جو زندگی کا قانون ہے تم نے وہ تو کیا ہی نہیں جب یہ نہیں کیا تو:۔

"اِنَّ اللّٰہَ لَا یُغَیِّرُ مَا بِقَوْمٍ حَتّٰی یُغَیِّرُوْا مَا بِاَنْفُسِہِمْ O

اللہ کسی کو نعمت دے کر چھینتے نہیں جب تک وہ اپنے کو خود ہی نعمت سے محروم نہ کرے بس میرے دوستو! اس کا مطالبہ ہے یہ کاروبار یہ سارے کام کاج رہیں گے دکانیں رہیں گی مکان رہیں گے کارخانے رہیں گے نوکریاں رہیں گی حکومت کی کرسیاں

رہیں گی سب پچھڑ رہے گا کوئی چیز جاتی نہیں ہے اطمینان رکھو بس تھوڑے دن محنت کرلو اور وقت نکالو اور یہاں اسلام کی جڑ مضبوط کرلو اور یہاں اسلام کا دائرہ وسیع کرلو پھر تو یہ ملک تمہارا ملک ہے انشاء اللہ کوئی ڈرنے کی بات نہیں میں صاف یہ تم سے کہتا ہوں یہ تمہارا ملک ہے اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں:۔

وَلَقَدْ کَتَبْنَا فِي الزَّبُوْرِ مِنْ بَعْدِ الذِّكْرِ اَنَّ الْاَرْضَ يَرِثُهَا
عِبَادِیَ الصَّالِحُوْنَ O اِنَّ فِیْ هٰذَا لَبَلَاغًا لِقَوْمٍ عَابِدِيْنَ O

ہم نے زبور کے آسمانی نوشتے میں لکھ دیا ہے اس کا وارث بنانا ہے اللہ تعالیٰ کے نیک بندوں کو اور جس میں اعلان ہے اور صلائے عام ہے پیام ہے عبادت کرنے والوں پرہیز گاروں کے لئے اللہ تعالیٰ کہتا ہے کہ ان کے لئے خوشخبری ہے وہ اس کے لئے کوشش کریں کوئی بڑی بات نہیں، لیکن راستہ اس کا یہ ہے کہ مقصد حکومت نہ ہو، ہدایت کے لئے کوشش کرو اس کھیت کے ساتھ گھاس بھی پیدا ہو جائے گی۔ بس میرے دوستو! میں اتنا ہی کہہ سکتا ہوں اور اللہ کو منظور ہوا تو اس کے بعد بھی موقع آئے گا۔ اللہ تعالیٰ تم کو صحیح سمجھ عطا فرمائے۔ بس بات یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ جس کسی قوم پر جب فضل فرمانا چاہتا ہے تو اسے صحیح سمجھ عطا کر دیتا ہے، وہ تمام اختلافات کو بھول کر اختلافات کو بالائے طاق رکھ کر کرنے والا کام کراتا ہے، اور جو برے کام کرتا ہے اس کی سمجھ ماری جاتی ہے، پہلی چیز سلب کی جاتی ہے وہی آخری ہوتی ہے عمر بے کار کاموں میں الجھ جاتی ہے کرنے والا کام کرتے نہیں پس اگر اللہ تعالیٰ کو بہتری منظور ہے اگر قسمت میں ہے تو انشاء اللہ تم اس میں اپنا وقت صرف کرلو گے، تھوڑی سی محنت کرلو گے اور یہ جو بات میں نے کہی۔ ٹرالی کو تھوڑا سا دھکا دے دو بس تم اور تمہاری نسلیں بھی آرام کریں گی اور تم کو یہ ٹرالی لئے لئے اڑتی پھرے گی۔

وصلی اللہ تبارک وتعالیٰ علیٰ خیر خلقہ محمد
وآلہ واصحابہ اجمعین

حرمین شریفین اور جزیرۃ العرب میں مقیم غیر ملکی مسلمانوں کی ذمہ داریاں اور اہل وطن کے حقوق

یہ حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ کی وہ تقریر ہے جو ۲۴ رجب المرجب ۱۴۰۶ھ بمطابق ۱۳/اپریل ۱۹۸۶ء جدہ میں ہندوستانی اور پاکستانی احباب کے ایک عظیم مجمع میں کی گئی تھی

الحمد لله رب العالمين والصلوٰة والسلام على سيد الانبياء والمرسلين، وعلى آله واصحابه اجمعين ومن تبعهم باحسان ودعىٰ بدعوتهم الى يوم الدين. امابعد. فاعوذ بالله من الشيطان الرجيم بسم الله الرحمٰن الرحيم انّ هٰذِهٖٓ اُمَّتُكُمْ اُمَّةً وَّاحِدَةً وانا رَبُّكُمْ فاعْبُدُوْنِ O (سورة الانبياء، ٩٢)

"یہ تمہاری جماعت ایک ہی جماعت ہے اور میں تمہارا پروردگار ہوں تو میری ہی بندگی کرو"

حضرات! میں اس کو بڑی صحت مندانہ علامت سمجھتا ہوں کہ بغیر کسی بڑے اعلان واہتمام کے آپ حضرات اپنی مصروفیات کے باوجود اتنی بڑی تعداد میں یہاں تشریف لائے، اور ذوق وشوق کے ساتھ تشریف رکھتے ہیں یہ زندگی اور زندہ دلی کی بھی علامت ہے، اور اس ایمانی رشتہ کی طاقت کی بھی دلیل ہے، جو اللہ تعالیٰ نے ہمارے آپ اور دنیا کے تمام مسلمانوں کے درمیان قائم کیا ہے۔ میں نے ابھی جو آیت پڑھی اس میں خود کہا گیا ہے کہ یہ تمہاری امت ایک ہی جماعت ہے، اور میں تمہارا رب ہوں تم میری ہی بندگی کرو۔ یہ مجمع اس بات کا ثبوت دیتا ہے کہ مختلف ملکوں کے مسلمان بھائی اپنے ایک دینی

بھائی کی بات سننے کے شوق میں دور دور سے تشریف لائے ہیں۔

حضرات! میں آپ کو مبارک باد دیتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کے معاش کے مسئلہ کو اس سرزمین سے مربوط فرمایا، لیکن آپ کو نہیں بھولنا چاہئے کہ اس سرزمین کا اصل پیغام، اس سرزمین کا اصل تحفہ اور اس سرزمین کی اصل نعمت وہ چیز ہے جو ان تمام چیزوں سے بالاتر ہے اور جس کے بغیر نہ معاش کا نظام درست ہو سکتا ہے، نہ معاد کا، یہ تو سب جانتے ہیں کہ معاد کا نظام تو درست ہی نہیں ہو سکتا، اور جو ملک محض معاشی مسئلہ پر قائم ہیں، اور ان کے افراد کا آپس کا تعلق محض معاشی ہے وہ ایک غیر فطری نظام کے ماتحت زندگی گزار رہے ہیں، جس کے ساتھ نہ اللہ کی مدد ہے نہ اللہ کی رحمت ہے، جتنے مسائل بھی اس وقت ان ملکوں میں اور ان ملکوں کے اثر سے دوسرے ملکوں میں پیدا ہو رہے ہیں، وہ سب اسی کا نتیجہ ہیں کہ وہاں معاش معاد کے ساتھ مربوط نہیں ہے اور زندگی کا وہ صحیح مقصد وہاں نہیں پایا جاتا جو خالق انسان نے انسان کے لئے متعین کیا ہے، وہ مقصد وہی ہے جس کا آیت ذیل میں تذکرہ ہے:

> وما خلقتُ الْجنَّ والْاِنس الَّا لیَعْبُدُوْنِ O مَآ اُرِیْدُ منْھُمْ مِّنْ
> رِّزْقٍ وَّمَآ اُرِیْدُ انْ یُّطْعِمُوْنِ O انَّ اللّٰہَ ھُوَ الرَّزَّاقُ ذُوا لْقُوَّۃِ
> الْمَتِیْنُ O (سورۃ الذاریات ۵۶.۵۸)

> ”اور میں نے جنوں اور انسانوں کو اس لئے پیدا کیا ہے کہ میری عبادت
> کریں، میں ان سے طالب رزق نہیں اور نہ یہ چاہتا ہوں کہ مجھے
> (کھانا) کھلائیں، خدا ہی تو رزق دینے والا ہے، زور آور اور مضبوط ہے۔“

یہ حقیقت ان کی نگاہوں سے اوجھل ہو گئی ہے اس لئے وہاں معاد کا معاملہ تو الگ رہا معاش بھی خطرہ میں ہے، وہاں وہ معاشی پیچیدگیاں پیدا ہو رہی ہیں جن کا کوئی حل نہیں ہے، وہاں ایک فرد کا مفاد دوسرے فرد کے مفاد سے، ایک جماعت کی ترقی دوسری جماعت کی ترقی سے، ایک حکومت کا نظام دوسری حکومت کے نظام سے ٹکرا رہا ہے، معاش معاش سے ٹکرا رہی ہے، بلکہ اس ملک کی معاش دوسرے ملکوں کی معاش کو خراب

کرنے یا استحصال پر آمادہ کرتی ہے، اس ملک کی معاشی ترقی کا انحصار بھی دوسرے ملکوں کی معاشی ابتری اور بدنظمی پر موقوف ہے، اس لئے نہ صرف اس ملک میں مسائل پیدا ہو رہے ہیں بلکہ اس ملک کی وجہ سے دوسرے ملکوں میں بھی نئے نئے مسائل پیدا ہو رہے ہیں، اور وہ معاش ان کے لئے وبال جان بن گئی ہے، یہ ایک مسئلہ لاینحل ہے، جس کا حل ان کی سمجھ میں نہیں آ رہا ہے، ان کے بڑے بڑے عقلاء و مفکرین سرگرداں و پریشاں ہیں، مگر راستہ نظر نہیں آتا۔

لیکن اس سرزمین پر اللہ تعالیٰ کا جو گھر (کعبۃ اللہ) ہے، اس کے بارے میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:۔

جعلَ اللّٰہُ الْکَعْبَۃَ الْبَیْتَ الْحَرامَ قِیٰمًا لِّلنَّاسِ.

(سورۃ المائدۃ ۹۷)

”اللہ نے کعبہ مکان محترم کو (اجتماعی زندگی کے) قیام کا ذریعہ، اور انسانوں کے باقی رہنے کا مدار ٹھہرایا ہے۔“

اس حقیقت پر ابھی تک کم لوگوں کی نگاہ گئی ہے کہ نظام عالم کعبۃ اللہ اور اس کی دعوت و مقام سے وابستہ ہے، اس کو ہماری ظاہری نگاہیں نہیں دیکھ رہی ہیں، لیکن اہل بصیرت سمجھتے ہیں کہ جس طرح پہاڑوں کا وجود ملک اور زمین ایک استقرار و توازن پیدا کرتا ہے، اسی طریقہ سے اس سے ایک بالاتر نظام ہے، اور وہ نظام وابستہ ہے بیت اللہ سے جب تک بیت اللہ قائم ہے اور اس کا وہ پیغام زندہ ہے، اس وقت تک گویا نظام عالم قائم ہے۔

کھانا پینا پیغام نہیں:

محترم حضرات! آپ اس کو نہ بھولیں کہ اس سرزمین مقدس کا پیغام یہ نہیں تھا کہ خوب کماؤ اور کھاؤ، پھلو پھولو، نسل انسانی میں اضافہ کرو، اور اپنی زندگی راحت کے ساتھ گزار کر چلے جاؤ، حضرت ابراہیم علیہ السلام نے جب یہ کہا کہ:

رَبَّنَآ اِنِّیْٓ اَسْکَنْتُ مِنْ ذُرِّیَّتِیْ بِوَادٍ غَیْرِ ذِیْ زَرْعٍ عِنْدَ بَیْتِکَ

الْمُحَرَّم رَبَّنَا لِيُقِيْمُوا الصَّلٰوة۔ (سورۃ ابراھیم۔ ۳۷)

(ترجمہ) ”اے پروردگار میں نے اپنی اولاد میدان (مکہ) میں زراعت کھیتی نہیں، تیرے غیرت (وادب) والے گھر کے پاس لا بسائی ہے، اے پروردگار تا کہ یہ نماز قائم کریں۔“

تو ابراہیم علیہ السلام نے اس وادی مکہ اور حجاز کے مقام کا قیامت تک کے لئے تعین کر دیا، اصلاً اس وادی کی فطرت ”وادی غیر ذی زرع“ ہونے کی ہے، اس لئے اگر اس میں کبھی سرسبزی وخوش حالی، باغات اور کھیتیاں، مرغزار، سبزہ زار، پانی کی بہتات، دولت کی فراوانی اور تجارت کی گرم بازاری دیکھنے میں آئے تو یہ اوپری چیز ہوگی، یہ اندر کی چیز نہیں ہوگی، یہ اس کے لئے ایک غیر فطری، مصنوعی اور عارضی عمل ہے اس وادی کے اصل مزاج کا پہچاننے والا حضرت ابراہیم علیہ السلام سے زیادہ کون ہو سکتا ہے؟ اور کون اس کا دعویٰ کر سکتا ہے؟ انہوں نے الہام ربانی اور ہدایت آسمانی سے اپنی اولاد کو یہاں لا کر چھوڑا تھا، اور کہہ دیا تھا کہ میں نے اپنی اولاد کو ”وادی غیر ذی زرع“ میں بسایا ہے، یہاں اپنا خاندان چھوڑ کر جا رہا ہوں، گویا قیامت تک کے لئے اس وادی کا مزاج اس وادی کا مقام اور اس وادی کی فطرت کو متعین کر دیا، اب یہاں اگر رزق اور معاش کی برکتیں زمین سے ابلیں اور آسمان سے برسیں، جب بھی اس وادی کا مزاج وہی رہے گا جو سیدنا ابراہیم علیہ السلام نے بیان کیا اور جس کے ساتھ انہوں نے اس کا رشتہ اور ربط قائم کیا۔

میرے بھائیو غور فرمائیے ”اِنِّیْٓ اَسْكَنْتُ مِنْ ذُرِّيَّتِيْ بِوَادٍ غَيْرِ ذِيْ زَرْعٍ“ سے ” رَبَّنَا لِيُقِيْمُوا الصَّلٰوة“ کا ربط کیا ہے؟ فرماتے تو یہ ہیں کہ میں نے اپنی اولاد کو اس وادی غیر ذی زرع میں آباد کیا ہے، اے ہمارے پروردگار تا کہ یہ نماز قائم کریں، نماز پڑھیں، آپ نے لیقیموا الصلوٰۃ کہا یہ نماز کے قائم کرنے والے ہوں، یہ نماز کے داعی بنیں، یہ نماز کے قیام کے روئے زمین پر ذمہ دار ہوں اگر وہ اپنی اولاد کو نینوا کی سرزمین یا دجلہ فرات کی وادی میں چھوڑتے (جہاں کے وہ رہنے والے تھے) یا مصر میں جس سے گزر کر آئے تھے، یا شام میں جہاں پھر مسجد اقصیٰ بنی اور آپ ہی کی اولاد نے بنائی، کیا وہاں لیقیموا الصلوٰۃ کا ظہور تحقق نہیں ہو سکتا تھا؟ آپ سب جانتے ہیں کہ وہاں

نمازیں پڑھی جارہی ہیں، خدا کے فضل و کرم سے مسلمان موجود ہیں، جگہ کے انتخاب اور اس کی تعریف اور نماز کے قیام و اہتمام کے درمیان جو ربط ہے وہ یہی ہے کہ یہ جب نظر اٹھا کر دیکھیں گے تو انہیں جلے ہوئے پہاڑ نظر آئیں گے، انہیں خشک زمین نظر آئے گی ان کو کہیں بہتا ہوا دریا، چلتی ہوئی نہر نظر نہ آئے گی، تو ان کی فطرت صحیحہ اور ان کا ذہن سلیم ان کی رہبری کرے گا کہ ہمارے جد امجد ہمارے مورث اعلیٰ کے اس سرزمین کا انتخاب کرنے کا راز کیا ہے؟ راز یہ ہے کہ اگر ان کو ہم سے معاشی مسئلہ حل کروانا ہوتا، ہم کو خوش حالی عطا کرنے اور آسودگی کی زندگی بسر کروانی ہوتی تو پھر کسی سرسبز و متمدن زمین کا انتخاب کیا ہوتا، یہاں ٹھہرانے کا مطلب یہی ہو سکتا ہے کہ ہم سے ان کو کوئی اور ہی کام لینا مقصود ہے اور اس کام کو اس سرزمین سے زیادہ مناسبت ہے۔

ان آیات قرآنی کی روشنی میں یہاں کے رہنے والوں کے ذہن میں (چاہے وہ باہر سے آئے ہوں یا یہیں کے رہنے والے ہوں) وادی غیر ذی زرع اور اقامت صلوٰۃ کے درمیان جو رشتہ و رابطہ ہے، ہمیشہ مستحضر اور تازہ رہنا چاہیے، اس سرزمین کا اصل پیغام ہے: دنیا میں خدا کی عبادت کی دعوت دینا، اس کے خدائے واحد ہونے کا اقرار کرنا، اور اسی کے سامنے سجدہ ریز ہونا، اور اسی کی عبادت کو زندگی کا مقصود سمجھنا، اور اسی کو راضی رکھنے کی کوشش کرنا، اور سارے معاشی اور دنیاوی نظام کو اسی کے احکام کا تابع بنانا، اور لوگوں کو بتانا کہ وہ اس نظام کے باغی نہ ہوں بلکہ اس نظام کے فرمانبردار ہوں۔ خلاصہ یہ ہے کہ یہ ضروری ہے کہ آپ سمجھیں کہ یہاں کا پیغام اور یہاں کی سوغات کچھ اور ہے، یہاں کے ذرہ ذرہ سے کوئی اور صدا آرہی ہے۔ یہاں کی ہوا کا ہر جھونکا ایک دوسری زندگی کا پیغام دیتا ہے، ایسی زندگی گزارنے کا پیغام دیا ہے جس میں مادیت روحانیت کے تابع ہو، معاش معاد کے تابع ہو، جہاں اعمال عقائد کے تابع ہوں، اقتصادیات اخلاق کے تابع ہوں، اور جہاں ہر محبت خدا کی محبت کے تابع ہو۔

اپنے بھائیوں کو نہ بھولیں

یہ بات تو میں نے یہاں اسی مناسبت سے عرض کی، اب یہ عرض کرنا چاہتا ہوں کہ آپ حضرات زیادہ تر ہندوستان و پاکستان سے تشریف لائے ہوئے ہیں، تو آپ

حضرات کو (یہاں تک کہ جن کو تابعیہ یا اقامہ مل گیا ہے) اپنے ان ملکوں کو نہیں بھولنا چاہئے، جہاں سے آئے تھے، اور وہاں اپنے بھائیوں کو فراموش نہیں کرنا چاہئے جن کے لئے اللہ تعالیٰ نے وہاں رہنا مقدر فرمایا ہے، اور جن کا رزق اللہ نے وہیں رکھا ہے، ان کی زندگی وہیں گزر رہی ہے، اور ان دونوں میں کوئی تضاد نہیں ہے، یہاں کی مشغولیت میں (خواہ وہ معاشی مشغولیت ہو یا عبادتی مشغولیت) یہاں کے احترام اور یہاں کی محبت میں اور اپنے ملک کے لوگوں کے حالات سے واقف ہونے میں، ان کا درد محسوس کرنے میں، اور ان کی طرف سے فکرمند رہنے میں قطعاً کوئی تضاد نہیں ہے، بلکہ جیسا کہ حدیث شریف میں آتا ہے کہ مسلمان ایک جسد واحد کی طرح ہیں، ایک جسم ہیں، "اذا اشتکی منه عضوٌ تداعی له سائر الجسد بالسّهر والحُمّٰی" کہ اگر کسی عضو میں تکلیف ہوتی ہے تو سارا جسم اسے محسوس کرتا ہے، بخار چڑھ آتا ہے درد ہو جاتا ہے، آپ کے برصغیر ہندو پاک نے (اب تو خیر وہ دو الگ الگ ملک ہیں لیکن پہلے تو وہ برصغیر ہی تھا) اسلامی تاریخ کی بعض صدیوں میں عالم اسلام کی قیادت و رہبری کی ہے، عالم اسلام کو ایک نئی ایمانی طاقت اور ایک نیا اعتماد عطا کیا ہے، تاریخ پر نظر رکھنے والے جانتے ہیں کہ بعض اوقات ایسا ہوا ہے کہ کئی صدیاں ایسی گزری ہیں کہ تمام عالم اسلام پر دینی انحطاط یا ذہنی و علمی انحطاط کا بادل سایہ فگن رہا ہے، تقریباً آٹھویں صدی کے بعد ہمیں واضح طور پر یہ نظر آتا ہے، کہ وہ عرب ممالک جو اسلامی ثقافت، اسلامی تہذیب اور اسلامی دعوت کے مراکز تھے، وہ تنزل و انحطاط کا شکار ہو گئے ہیں، اس وقت ہندوستان نے ایسی ہستیاں پیدا کی ہیں، جنہوں نے افغانستان، ترکستان، ایران ہی میں نہیں، بلکہ ممالک عربیہ میں پھر نئی زندگی کی ایک لہر دوڑا دی ہے، اور ان کا فیض ممالک عربیہ تک پہنچا ہے، خاص طور پر دسویں، گیارہویں، بارہویں، تیرہویں صدی، یہ چار صدیاں درحقیقت برصغیر کی روحانی، علمی اور دینی ترقی کی صدیاں ہیں، جب وہاں وہ شخصیتیں پیدا ہوئیں جن کی نظیر پورے عالم اسلام میں ملنی مشکل ہے۔

مثال کے طور پر اس وقت چند ہی نام لے سکتا ہوں، حضرت مجدد الف ثانی، شیخ احمد

سرہندی، پھر ان کی اولاد و احفاد کا پورا سلسلہ جو تقریبا سو ۱۰۰ برس تک چلتا رہا۔ حکیم الاسلام حضرت شاہ ولی اللہ دہلویؒ، حضرت شاہ عبدالعزیز صاحبؒ، ان کے بعد حضرت سید احمد شہیدؒ، حضرت شاہ اسماعیل شہیدؒ، تین صدیوں میں پورے عالم اسلام میں ان شخصیتوں کا جواب نہیں ملتا، انہوں نے اپنے ملک بلکہ اپنے عہد کے مسلمانوں کے دلوں اور سینوں کو ایک نئی ایمانی طاقت سے بھر دیا ہے، شام و ترکی کے علاقہ سے مولانا خالد رومیؒ دہلی آئے، اور واپس جا کر عراق، شام، ترکی کو ذکر الٰہی اور ایمانی طاقت سے بھر دیا، اسی طرح شاہ ولی اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ اور سید احمد شہید رحمۃ اللہ علیہ کا (جو انہیں کے خاندان کے تربیت یافتہ تھے) فیض دور دور تک پہنچا، اور ہندوستان کا تو پوچھنا ہی کیا ہے کہ لوگوں کا اندازہ ہے کہ کم سے کم تیس ۳۰ لاکھ آدمی حضرت سید احمد صاحب سے براہ راست فیض یاب ہوئے، اور چالیس ہزار سے زیادہ آدمی ان کے ہاتھ پر مسلمان ہوئے، رسوم کی جو اصلاح، بدعات کا جو رد، اتباع سنت کا جو ذوق اور اشاعت کتاب و سنت کا جو جذبہ پیدا ہوا، پھر قرآن مجید کے تراجم کے ذریعہ سے مسلمان خاندانوں کی جو اصلاح ہوئی، اور جاہلیت سے مسلمان نکل کر صحیح اسلام کے دائرہ میں آئے، اور ان کے اندر ذوق عبادت پیدا ہوا، خدا طلبی اور حمیت دینی کا جو شعلہ موجزن ہوا، اس کی مثال تو دور دور تک نہیں ملتی اپنے زمانہ کے بڑے مبصر و باخبر عالم نواب سید صدیق حسن خان مرحوم والیٔ بھوپال کے بقول (جو اپنے زمانہ کے عظیم ترین مصنف اور محدث تھے) دوسرے ملکوں ترکستان اور ممالک عربیہ تک میں بھی حضرت سید جیسا صاحب تاثیر آدمی سنا نہیں گیا۔

حضرات! اس کے بعد میں آپ سے عرض کرنا چاہوں گا کہ آج ہندوستان کی ملت اسلامیہ ہندیہ ایک نئے موڑ پر پہنچ گئی ہے، آپ حضرات کو اجمالی طور پر اس کا حال معلوم ہوگا کہ ہندوستان میں اس وقت مسلمانوں کے لئے ایک امتحانی گھڑی آ گئی ہے، آپ جانتے ہیں کہ ہم مسلمانوں کے لئے ضروری ہے کہ جہاں رہیں اپنے امتیازی عقائد، اپنی عبادات وفرائض، اسلامی شعائر اور اپنے ملی تشخص اپنے مخصوص تمدن و

معاشرت اور اللہ و رسول کے ساتھ مستحکم اور واضح تعلق کے ساتھ رہیں۔ یہی معتبر ہے، اور اسی کو اسلامی اور صحیح ایمانی زندگی کہتے ہیں، اگر یہ نہیں تو پھر وہ اسلامی زندگی کہلانے کی مستحق نہیں۔ یہ جاہلیت کی زندگی ہے، ہمارے اسلاف برابر اس کی کوشش کرتے رہے کہ مسلمان صرف جسمانی وجود اور نسل کے اعتبار سے ہندوستان میں نہ رہیں، بلکہ اپنی اسلامی شخصیت کے ساتھ رہیں، اپنی دعوت، اپنے پیغام اور اپنی خصوصیات کے ساتھ رہیں، یہ تسلسل خدا کے فضل سے ابھی تک قائم رہا ہے۔

اس وقت اچانک ایک موڑ آیا، جس کو میں آپ حضرات کے سامنے مجملاً بیان کرنا چاہونگا، آپ حضرات جانتے ہیں کہ جو قومیں اپنے مخصوص تمدن سے محروم کردی جاتی ہیں، ان کا دین ان کی عبادت گاہوں ان کی شب کی خلوتوں اور ان کی عبادت کے طریقوں کے اندر محدود ہوکر رہ جاتا ہے، پھر رفتہ رفتہ ان کا رشتہ زندگی سے کٹ جاتا ہے، اس لئے ایک صاحب شریعت ملت کے لئے جہاں یہ ضروری ہے کہ وہ اپنے امتیازی عقائد، اور اپنی عبادات کے ساتھ رہے، وہاں یہ بھی ضروری ہے کہ وہ اپنی مخصوص معاشرت وتمدن کے ساتھ رہے، اس لئے کہ ہمارے دین کا اصول یہ نہیں ہے کہ ''جو خدا کا ہے وہ خدا کو دے دو، اور جو قیصر کا ہے وہ قیصر کو دے دو'' اور ''مذہب ایک پرائیویٹ معاملہ ہے اس کا تعلق باہر کی زندگی سے نہیں ہے۔''

جو ملتیں اپنی مخصوص معاشرت اور تمدن کے سانچوں سے محروم رہ گئیں، ملل وادیان کی تاریخ بتاتی ہے، کہ وہ ملتیں برائے نام ان ادیان سے وابستہ رہیں، مذہب کی گرفت ان کے اوپر سے ڈھیلی ہوتے ہوتے بالکل چھوٹ گئی، اور وہ آزاد ہوگئیں، ان کے اندر اتحاد اور اپنے مذہب سے بغاوت پیدا ہوئی، اس لئے ہم مسلمانوں کے لئے یہ ضروری ہے کہ ہم جہاں رہیں عقیدۂ توحید کے ساتھ رہیں، ایمان بالمعاد، شریعت کے اتباع بلکہ سنت کے اتباع کے شوق اور جذبہ کے ساتھ رہیں۔ جاہلیت سے (خواہ وہ ہمارے اندرون ملک کی جاہلیت ہو، یا باہر کی جاہلیت ہو) جاہلیت قدیمہ ہو، جاہلیت مغربیہ ہو، جاہلیت علمیہ ہو، جاہلیت فکریہ ہو یا جاہلیت خلقیہ ہو، ہر قسم کی جاہلیت سے دور اور محفوظ

رہیں۔

ہندستان جیسے برصغیر کے لئے یہ بات یوں بھی ضروری ہے کہ وہ مختلف مذاہب اور اقوام کا گہوارہ ہے وہاں مسلمانوں کی ذمہ داری دوسرے ملکوں کے مقابلہ میں (جہاں مسلمان اکثریت میں ہیں) بہت بڑھ جاتی ہے، اس لئے کہ وہاں ہر وقت یہ خطرہ ہے کہ ان کی ہر دو پیش کی آبادی اور اکثریت جس کو جمہوری نظام اقتدار اعلیٰ کا درجہ دیتا ہے، اور اقتدار کی مرکزیت اس کے ہاتھ میں آجاتی ہے، جہاں سروں کا شمار ہوتا ہے، سینوں کا اور دلوں یا صلاحیتوں کا شمار نہیں ہوتا، وہاں ایسی ملت کے لئے بڑی پیچیدگی اور بڑی نزاکت ہے اگر اس نے اپنی بنیادی و ملی خصوصیات سے ذرا بھی دستبرداری اختیار کی، اور ذرا بھی تساہل برتا، اپنے کسی عقیدہ میں مفاہمت یا سودا کرنے کا طرز عمل اختیار کیا، یا وحدت ادیان اور ''ہمہ اوست'' کے چکر میں پڑ گئی، یا اس نے یہ منظور کر لیا کہ ہم نماز پڑھیں گے لیکن مسجدوں میں جماعت کے ساتھ نماز پڑھنے اور بلند آواز سے اذان دینے سے دستبردار ہوتے ہیں تو پھر وہ ملت رفتہ رفتہ اکثریت کے مذہب اور تہذیب میں تحلیل ہو کر رہ جائے گی حضرت مجدد الف ثانی نے جو شریعت کے پورے مزاج داں تھے، یہاں تک لکھ دیا ہے کہ ''ذبح بقرہ در ہندوستان از اعظم شعائر اسلام است'' یہ ان کی بصیرت تھی کہ انہوں نے کہا کہ گائے کی قربانی ہندوستان میں بہت بڑا اسلامی شعار ہے، کہیں اور ہو نہ ہو لیکن ہندوستان میں اسلامی شعار ہے، اس لئے کہ گائے وہاں کا معبود ہے، اس لئے مسلمانوں نے اگر اس سے دستبرداری اختیار کی تو اس کا خطرہ ہے کہ وہ کسی زمانہ میں اس کے تقدس کے قائل ہو جائیں گے، ایسے ملکوں میں مسلمان رہنماؤں علمائے دین، حامیان شریعت اور اسلام کے ترجمان کی ذمہ داری اضعافاً مضاعفة ہو جاتی ہے، جہاں ہر وقت خاکم بدہن ایک تہذیبی ارتداد، پھر معاشرتی و تمدنی ارتداد، پھر معاذ اللہ اعتقادی ارتداد کا خطرہ ہے۔ اللہ تعالیٰ درجے بلند فرمائے ہمارے ان بزرگوں، ہمارے ان دینی پیشواؤں حضرت مجدد الف ثانی، شاہ ولی اللہ دہلوی، حضرت سید احمد شہید، مولانا محمد اسماعیل شہید مدارس عربیہ اور دینی اداروں و تحریکوں کے مؤسسین

کے، کہ انہوں نے ہندوستان کی ملت اسلامیہ کو اس کے شعائر کے ساتھ قائم رکھنے کی پوری کوشش کی، الحمد للہ آج ہندوستان کا مسلمان اپنی ان تمام خصوصیات کے ساتھ باقی ہے، وہاں صرف یہی نہیں کہ اذانیں دی جارہی ہیں بلکہ اس کے ساتھ ساتھ مسلمان عیدالاضحیٰ کے موقعہ پر قربانی بھی کرتے ہیں، بڑے بڑے دینی اجتماعات کرتے ہیں، اور آپ کو معلوم ہے کہ اس وقت کی سب سے بڑی وسیع دعوت تبلیغ بھی وہیں سے نکلی ہے، اس کا مرکز بھی دہلی اور ہندوستان ہے۔

ان عجمی نژادوں کو یہ سعادت بھی نصیب ہوئی کہ وہ عربوں کو یاد دلائیں، کہ تم سے ہم کو اسلام ملا تھا، اس لئے تمہیں سب سے زیادہ اسلام کے معاملہ میں ذکی الحس اور غیور ہونا چاہئے، تمہیں اب بھی اس کا علمبردار ہونا چاہئے الحمد للہ ساری دشواریوں، بُعد مسافت اور عربی زبان کے وہاں رائج نہ ہونے کے باوجود (جو صرف مدرسوں میں پڑھائی جاتی ہے) اللہ نے ہندوستان کے فرزندوں کو توفیق دی کہ وہ عربوں کو خطاب کریں، قاہرہ میں خطاب کریں، دمشق میں خطاب کریں، حد یہ ہے کہ مکہ اور مدینہ میں خطاب کریں، اور عربوں سے کہیں کہ تم کو اسلام کا نمونہ بننا چاہئے، قومیت عربیہ کے خلاف سب سے زیادہ طاقتور آواز اٹھانے والے ہندوستان کے فرزند، اور عربی کے وہ نوجوان اہل قلم تھے، جنہوں نے اس زور سے اس کا صور پھونکا کہ اس کی آواز قاہرہ اور دمشق اور مکہ مدینہ (شرفہما اللہ) کی دیواروں سے گونجی، اور اس کا یہاں کے فضلاء و قائدین نے اعتراف کیا کہ جس جرأت و وضاحت کے ساتھ قومیت عربیہ اور ''تجدد'' و ''تقدمیت'' اور مغربیت کے خلاف ہندوستان کے عربی رسائل اور عربی کے اہل قلم نے مضامین لکھے ان کی نظیر خود عالم عربی میں بھی ملنی مشکل ہے۔

مسلم پرسنل لاء

میں یہ عرض کر رہا تھا کہ ہندوستان میں اچانک ایک موڑ آیا، اور وہ یہ کہ ہندوستان کی سب سے بڑی عدالت نے جسے سپریم کورٹ (SUPREME COURT) کہتے ہیں، ایک مسلمان مدعہ شاہ نور کے کیس میں یہ فیصلہ کیا کہ طلاق دینے والے کے ذمہ یہ ہے کہ مطلقہ کو جب تک وہ زندہ رہے نفقہ دے، اور اس کی مقدار مقرر کی

جو اس وقت پانچ سو ماہانہ ہے جب تک وہ شادی نہ کرلے یا زندہ رہے، اگر شادی نہ کرے تو عمر بھر دے یہ بظاہر تو ایک چھوٹی سی بات تھی، لیکن فیصلہ کا آغاز ان لفظوں سے ہوا ہے کہ ''اسلام کا ایک کمزور پہلو یہ ہے کہ اس نے عورت کو صحیح مقام نہیں بلکہ بہت ہی پست درجہ دیا ہے، اور اس کے بعد اس فیصلہ میں ''متاع'' کی تشریح کی گئی ہے انگریزی ترجموں کی بنیاد پر کہ ''متاع'' کا مطلب ہے کہ اس کو نفقہ برابر دیا جاتا رہے۔

خطرناک پہلو

اس میں خطرناک تین پہلو تھے۔

(۱) ایک یہ کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ عدالت کو یہ حق ہوگا کہ وہ ہمارے مذہب میں، ہمارے پرسنل (لاقانون احوال شخصیہ) میں مداخلت کرے، اور اب اس ملک میں شریعت کا حکم نہیں چلے گا، علماء کا فیصلہ اور مفتیان دین کا فتویٰ نہیں چلے گا، عدالت کا فیصلہ چلے گا۔

(۲) دوسری بات یہ کہ انگریزی ترجمہ کی مدد سے ایسے لوگوں نے جو ماہرین فن نہیں، عربی زبان سے واقف بھی نہیں، عالم دین بھی نہیں، قرآن کی آیات اور دینی اصطلاحات کی تشریح اپنے ذمہ لی، یہ بڑی خطرناک بات ہے کہ قرآن مجید کی تشریح جج صاحبان کرنے لگیں، اگر اس کا دروازہ کھلا رہا، اور اس کو اپنے وقت پر روک نہ دیا گیا تو پھر نماز کی تشریح بھی کردی جانے کی کہ دیکھئے قرآن مجید کی سورۂ توبہ میں آتا ہے:۔

خُذْ مِنْ اَمْوَالِهِمْ صَدَقَةً تُطَهِّرُهُمْ وَتُزَكِّيْهِمْ بِهَا وَصَلِّ
عَلَيْهِمْ اِنَّ صَلٰوتَكَ سَكَنٌ لَّهُمْ وَاللّٰهُ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ○

(سورة التوبه. ۱۰۳)

(ترجمہ) ''ان کے مال میں سے زکوٰۃ قبول کرلو کہ اس سے تم ان کو (ظاہر میں بھی) پاک اور (باطن میں بھی) پاکیزہ کرتے رہو، اور ان کے حق میں دعائے خیر کرو کہ تمہاری دعا ان کے لئے موجب تسکین ہے اور خدا سننے والا اور جاننے والا ہے۔''

آپ ان کے مال میں سے زکوٰۃ قبول کیجئے اور ان کے لئے دعائے خیر کیجئے، آپ کی دعائے خیر ان کے لئے باعث تسکین ہے، تو کہا جاسکتا ہے کہ یہ نماز کہاں سے آئی؟ اور اس کے لئے اتنی بلند آواز سے اذان دینے سے ہماری نیندیں خراب ہوتی ہے، اور صبح کی اذان

اور نیند خراب کرتی ہے، ہم نے مارماڈیوک پکتھال صاحب کا انگریزی ترجمہ دیکھا ہے، اس میں تو (صلوٰۃ) کا ترجمہ دعا سے کیا گیا ہے۔ (۱)، تو یہ نماز کہاں سے آئی؟ تو اگر اس کا وقت پر نوٹس نہیں لیا گیا، اور اس کو چیلنج نہیں کیا گیا، تو اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ آئندہ عدالتیں قرآن مجید کے لفظوں کا سہارا لے کر اور ترجموں کی مدد سے جو چاہیں گی تشریح کریں گی، اور جیسا کہ میں نے ہندوستان میں بعض جلسوں میں کہا کہ یہ بات صرف قانون تک محدود نہیں ہے، یہ دنیا کے اس مانے ہوئے نظام کو توڑنا ہے کہ جس کا جو فن نہیں ہے وہ اس میں دخل نہ دے، ریاضی والا فزکس میں نہ بولے، فزکس والا ریاضی میں نہ بولے، تو قرآن مجید اللہ کی کتاب ہے، اور وہ عربی زبان میں نازل ہوئی ہے، اور اس کی تفسیر ان مستند فضلاء نے کی ہے، جو علوم قرآن و سنت اور عربی زبان کے ماہر تھے، اس لئے یہ ایک بڑی خطرناک بات ہے۔

(۳) تیسری بات یہ ہے کہ میں نے کہا کہ لکھنے والے لکھ رکھیں کہ جس طرح آج مطلوب جہیز نہ لانے پر دلہنوں کو جلایا جارہا ہے، (اور نیشنل پریس کی رپورٹ یہ ہے کہ دارالسلطنت دہلی میں ہر بارہ گھنٹے پر ایک واقعہ پیش آتا ہے) طلاق دینے کے بجائے بیویوں کو جلایا جائے گا، یا زہر دے کر ماردیا جائے گا، یا رات کو انہیں کوئی ایسی دوا دے دی جائے گی کہ صبح لوگ اٹھیں تو معلوم ہو وہ مردہ ہیں، اس لئے کہ کون جھنجھٹ مول لے کر تیس برس تک چالیس برس تک، اور اس مدت تک جس کا ابھی کوئی اندازہ نہیں ہوسکتا، طلاق دینے والے شوہر پانچ سو روپیہ ماہوار دیتے رہے اس کے بعد خود عدالت فیصلہ کرے گی کہ معیار زندگی بڑھ گیا ہے، پانچ سو روپیہ کافی نہیں ہے، یا وہ خود درخواست دے کہ پانچ سو میں ہمارا گزارہ نہیں ہورہا ہے ہمیں ایک ہزار ملنا چاہئے، پھر اس کے بعد وہ اس شوہر کے پاس جائے گی، جس نے اسے گھر سے نکالا ہے، اور اس سے پیسے لے گی، اور اس طرح اس سے کوئی نہ کوئی رابطہ رہے گا۔

---

(۱) پکتھال صاحب کے ترجمہ میں ہے۔

AND PRAY FOR -THEM, PRAYER IS AN ARRANGEMENT FOR THEM ALL IS NEARER KNOWER (P-193-NO.103))

یہ چند چیزیں تھیں جو بہت خطرناک تھیں، اور مسئلہ صرف مطلقہ کا مسئلہ نہیں تھا، مسئلہ تھا شریعت میں مداخلت کا، مسئلہ تھا شریعت کے کسی حکم کی تشریح کرنے کا، اور اس کے مفہوم بتانے کا، مسئلہ تھا مسلمانوں پر ایک ایسی چیز عائد کرنے کا جو ان پر خدا اور رسول نے عائد نہیں کی، خدا کا شکر ہے اور میں آپ کو یہ خوش خبری سناتا ہوں کہ ہندوستان میں خلافت تحریک کے بعد ایسا عمومی احتجاج اور مظاہرہ ہندوستان کے اندر کبھی دیکھنے میں نہیں آیا، تمام مختلف الخیال طبقے، تمام مکاتب فکر اور مشہور فرقے اور جماعتیں سب کے سب سو فیصدی اس پر متفق ہو گئیں۔

حکومت نے یہ بات تسلیم کر لی کہ عوام اس مسئلہ میں علماء کے ساتھ ہیں، اور مسلمانوں کی اکثریت اس مسئلہ میں یہی رائے رکھتی ہے، اور یہی چاہتی ہے، وزیر اعظم کے مشورہ و اشارہ سے وزیر قانون نے نیا بل بنایا اور ان علماء کو بلا کر جو اس تحریک کے علمبردار ہیں، لفظ بہ لفظ سنوایا۔

وزیر اعظم نے اعلان کیا کہ ہم نے نامور علماء سے اس سلسلہ میں مشورہ کیا ہے، اور یہ بھی کہا کہ ہمیں یہ معلوم ہوا کہ اسلامی شریعت اور اسلامی قانون عورت کے حقوق کا جو تحفظ کرتا ہے، اور جو اس کو دیتا ہے، وہ ہمارا قانون بھی نہیں، اور دفعہ ۱۲۵ مسلمان عورت کے حقوق کا وہ تحفظ نہیں کرتی، اور اسے وہ فائدہ نہیں پہنچاتی جو یہ بل فراہم کرتا ہے، پھر ۲۱ فروری کو یہ بل پارلیمنٹ کے ارکان کے سامنے رکھ دیا گیا، اس حد تک الحمد للہ اللہ تعالیٰ نے کامیابی عطا فرمائی، لیکن ابھی جدوجہد جاری ہے، جب تک وہ بل پارلیمنٹ میں باقاعدہ پیش ہو کر پاس نہ ہو جائے اس وقت تک ہم کچھ نہیں کہہ سکتے، لیکن آپ حضرات کو حالات کا جائزہ لیتے رہنا چاہئے اور دعا کرتے رہنا چاہئے۔ (۱)

میں آگے بڑھ کر کہتا ہوں کہ خالص اکثریت کے ملک میں بھی مسلمانوں کو اپنے تمام ملی تشخصات اپنے پورے تمدن و معاشرت، اور اپنے پورے تمدن قانون کے ساتھ رہنا

---

(۱) خدا کا شکر ہے کہ ۵ مئی کو لوک سبھا میں یہ بل پیش ہوا اور ۱۳-۱۴ گھنٹے بحث و اظہار خیال کے بعد ۶ مئی کی صبح ہونے سے پہلے ۵۴ مخالف ووٹوں کے مقابلہ میں ۳۷۲ ووٹ کی اکثریت سے یہ بل پاس ہو گیا۔

چاہئے، میں نے ایک جلسہ میں (جس میں بڑی تعداد میں ہندو حضرات بھی شریک تھے) کہا کہ میں آپ سے صاف صاف کہتا ہوں کہ اگر مصر میں، شام میں یہاں تک کہ میں جرأت کر کے کہتا ہوں کہ خدانخواستہ حجاز مقدس اور سعودی عرب میں بھی شریعت کے خلاف کوئی قانون بنایا جائے گا تو وہاں کے مسلمانوں کا اور سب سے پہلے علماء کا فرض ہوگا کہ وہ اس کی مخالفت کریں، ہمارے اس اختلاف، اور ہماری اس جدوجہد کا محرک یہ نہیں ہے کہ یہ ایک ایسی عدالت نے فیصلہ دیا ہے جو غیر مسلم ہے، آپ سے صاف کہتا ہوں کہ اگر کسی خالص مسلم ملک میں بھی قانون شریعت کی مخالفت کی گئی تو ہم اور وہاں کے علماء اور غیور مسلمان اس طریقہ سے اس کے خلاف جدوجہد کریں گے اور سینہ سپر ہوں گے جس طرح ہندوستان میں ہو رہے ہیں، بہت سے ہندوؤں نے اس کا اعتراف کیا، اور کہا کہ مولانا نے یہ بات انصاف کی ہی ہے اگر معاملہ یہی ہے کہ اس کی مخالفت میں صرف یہ جذبہ کام کر رہا ہے کہ اس سے شریعت متاثر ہوتی ہے، اور مسلمان آزادی کے ساتھ اپنے مذہب پر عمل نہیں کر سکتے، اور ان کا یہی طرز عمل اور موقف مسلم اکثریت کے ملکوں میں بھی رہا تو پھر شکایت کی کوئی وجہ نہیں۔

محترم حضرات! میں نے مثال کے طور پر اس مسئلہ کو ذرا وضاحت اور تفصیل کے ساتھ بیان کیا ہے، لیکن میں آپ سے صاف کہتا ہوں کہ آپ کہیں بھی رہیں یہاں تک کہ آپ حرمین کی سرزمین میں رہیں، آپ کو خود اپنا جائزہ لیتے رہنا چاہئے کہ آپ اسلامی معاشرت واقدار کے مطابق زندگی گزار رہے ہیں یا نہیں؟ آپ خود اپنے نگران بنیے کہ آپ حرمین شریفین میں رہ کر بھی ''تہذیب حجازی'' اور معاشرت اسلامی کے ساتھ زندگی گزار رہے ہیں، یا مغربی تہذیب و معاشرت کے مقلد و نقال ہیں، اگر واقعہ یہ ہے کہ آپ رہتے اور کماتے تو ہیں، حجاز مقدس اور گہوارۂ اسلام (عرب) میں مگر آپ کا رہنا سہنا، سوچنا اور برتنا اہل مغرب اور مادہ پرستوں کا سا ہے تو آپ کا حرمین میں رہنا آپ کے اس قصور کو معاف نہیں کروائے گا، بلکہ اس وجہ سے آپ کا جرم بڑھ جائے گا، کیونکہ قرآن مجید میں آتا ہے:-

وَمَنْ يُرِدْ فِيهِ بِإِلْحَادٍ بِظُلْمٍ نُذِقْهُ مِنْ عَذَابٍ أَلِيمٍO
(سورة الحج ۔ ٢٥)

"اور جو اس میں (حرم میں) شرارت سے کج روی (وکفر) کرنا چاہے ہم اس کو درد دینے والے عذاب کا مزہ چکھائیں گے۔"

بعض علماء نے لکھا ہے کہ اور جگہ معصیت پر مواخذہ ہے، لیکن حرم مکی میں (پختہ) ارادہ معصیت پر بھی مواخذہ ہوگا، اور اسی بناء پر سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ، جو حبر امت ہیں، اور جن کو رسول اللہ ﷺ نے علم وحکمت کی دعا دی ہے، وہ مکہ مکرمہ کو چھوڑ کر طائف چلے گئے اور وہیں رہے، ان کی قبر مبارک وہیں ہے۔

بھائیو! مجھے یہ دیکھ کر رنج ہوا کہ یہاں شادی کے مراسم میں بہت سی وہ چیزیں داخل ہوگئی ہیں جو ہمارے یہاں بھی معیوب تھیں، لیکن یہاں آگئی ہیں، مجلس نکاح میں کئی وہ چیزیں آگئی ہیں جو خلاف سنت ہیں، ہم ہندوستانی، پاکستانی مسلمانوں نے جن سنتوں کو ہاتھوں سے نہیں دانتوں سے پکڑ رکھا ہے ان میں سے کتنی یہاں متروک نظر آئیں، ہم نے یہاں سے اور سنت وحدیث سے عقد کے موقعہ پر کھجور وچھوہارے تقسیم کرنا اور لٹانا سیکھا تھا، اور الحمدللہ یہ سنت ہمارے یہاں زندہ ہے، مگر یہاں اس کے بجائے ڈبوں میں مٹھائی یا کھلونے کی تقسیم دیکھی، حالانکہ ہم ان سنتوں کی پابندی پر اپنے غیر مسلم بھائیوں اور برادران وطن کے طعنے سنتے رہتے ہیں مگر ہم ان سے دستبردار نہیں ہوتے۔

اسی طرح یہاں شادی کو پر مصارف، بلند معیار اور مشکل کام بنا دیا گیا ہے، اور اس کے لئے (ہندوستان کے برخلاف) لڑکی والوں کی طرف سے ایسی شرطیں اور مطالبات رکھے جاتے ہیں کہ یہ سنت وعبادت، اور زندگی کی ناگزیر ضرورت، ایک دشوار کام اور آزمائش بن گئی ہے، میں نے یہاں کے اخبارات میں نوجوانوں کے مضامین دیکھے ہیں جن میں اس کی شکایت اور اس حقیقت کا برملا اظہار کیا گیا ہے، اسی طرح یہاں گھروں میں وہ خلاف شریعت وسنت چیزیں، اور مغربی تمدن کی لائی ہوئی وہ جدتیں داخل ہوگئی ہیں، اور زندگی کا جزء بن گئی ہیں، جنہوں نے توجہ الی اللہ، گھروں کی دینی فضاء اور بچوں کی

تعلیمی یکسوئی اور ذہنی ارتکاز پر اثر ڈالا ہے اور جن سے ہمارے ملکوں کے بہت سے خاندان اور معاشرے ابھی محفوظ ہیں...... ع

تو خود حدیث مفصل بخواں ازیں مجمل!

دعا کیجئے کہ اللہ تعالیٰ ہمیں جہاں بھی رکھے اپنے اور اپنے رسول ﷺ کے قانون اور شریعت کے مطابق زندگی گزارنے، اور شعائر اسلام کی حفاظت و پابندی، تعلق باللہ اور تعلق بالشریعت کے ساتھ رکھے۔ ہمیں دوسری جگہ اگر اتباع سنت کی ایک دفعہ توفیق دے تو یہاں چار مرتبہ توفیق دے، اگر ہم وہاں ان سنتوں کو ہاتھوں سے پکڑیں تو یہاں دانتوں سے پکڑیں، اس لئے کہ یہاں ہماری ذمہ داری بہت زیادہ ہے، ہم اس جگہ ہیں جہاں شریعت نازل ہوئی، اور جہاں سے شریعت تمام دنیا میں پھیلی، اور آج بھی اس کی نسبت اسی مقدس مقام، یہیں کی دعوت و پیغام، اور اسی ملک کے افق سے طلوع ہونے والے آفتاب اور صبح صادق سے ہے، جس نے تمام عالم کو منور کر دیا، اور کہنے والے نے بآواز بلند کہا۔ اسی پر اکتفا کرتا ہوں

وصلى الله علىٰ خير خلقه سيدنا ومولانا محمد وآله وصحبه اجمعين، ومن تبعهم باحسان ودعا بدعوتهم الىٰ يوم الدين.

خواتین اسلام کی خدمت میں

یہ فکر انگیز تقریر جو خواتین اسلام سے متعلق ہے حضرۃ مولانا سید ابوالحسن علی ندوی نور اللہ مرقدہ نے ۱۹ جون ۱۹۷۷ کو مسلم کمیونٹی سینٹر شکاگو امریکہ میں خواتین کے سیمنار میں کی تھی!

الحمد للہ رب العالمین والصلوٰۃ والسلام علی اشرف الانبیاء والمرسلین وعلی آلہ واصحابہ اجمعین. ومن تبعهم باحسان ودعی بدعوتهم الی یوم الدین

اما بعد فاعوذ باللہ من الشیطٰن الرجیم بسم اللہ الرحمٰن الرحیم. یٰۤاَیُّهَا النَّاسُ اتَّقُوْا رَبَّكُمُ الَّذِیْ خَلَقَكُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَةٍ وَّخَلَقَ مِنْهَا زَوْجَهَا وَبَثَّ مِنْهُمَا رِجَالًا كَثِیْرًا وَّنِسَآءً وَاتَّقُوا اللّٰهَ الَّذِیْ تَسَآءَلُوْنَ بِهٖ وَالْاَرْحَامَ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلَیْكُمْ رَقِیْبًا.

اسلامی معاشرت:

خواتین اور برادران! میں اس عزت افزائی کے لئے بہت شکر گزار ہوں کہ آپ نے مجھے اس مجلس میں یاد کیا اور ایک اہم اور نازک موضوع پر جو پوری زندگی سے تعلق رکھتا ہے اظہار خیال کا موقع دیا، میں اس کے لئے بھی شکر گزار ہوں کہ آپ نے میری خاطر [illegible] گوارا کی، یہ آپ کی شرافت اور خوش اخلاقی ہے، میں قرآن مجید کی اس آیت پر [illegible] اور بتاؤں گا کہ اسلام، معاشرت کو کس نگاہ سے دیکھتا ہے؟ اور اس کا تصور کیا ہے اور وہ اس بارے میں کتنا حقیقت پسند واقع ہوا ہے۔

یہ آیت سورۂ نساء کی ہے، سورۂ نساء کا نام ہی اس بات کی دلیل ہے کہ اسلام نے

طبقۂ اناث کو اور جنس لطیف کو کیا مقام دیا ہے، سورۂ نساء کی پہلی آیت ہے۔

يَآ اَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوْا رَبَّكُمُ الَّذِىْ خَلَقَكُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَةٍ وَّخَلَقَ مِنْهَا زَوْجَهَا وَبَثَّ مِنْهُمَا رِجَالاً كَثِيْراً وَّنِسَآءً وَاتَّقُوا اللّٰهَ الَّذِىْ تَسَآءَلُوْنَ بِهٖ وَالْاَرْحَامَ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلَيْكُمْ رَقِيْباًO (سورة النساء)

لوگو! اپنے پروردگار سے ڈرو جس نے تم کو ایک شخص سے پیدا کیا (یعنی آدم) اس سے اس کا جوڑا بنایا، پھر ان دونوں سے کثرت سے مرد وعورت (پیدا کر کے روئے زمین پر) پھیلا دیئے اور خدا سے جس کے نام کو تم اپنی حاجت براری کا ذریعہ بناتے ہو ڈرو اور (قطع مودت) ارحام سے (بچو) کچھ شک نہیں کہ خدا تمہیں دیکھ رہا ہے۔

میں سمجھتا ہوں کہ طبقۂ اناث کے متعلق اسلام کے تصور اور مرد وعورت کی باہمی ذمہ داری اور تعلقات کی نوعیت پر یہ آیت پوری روشنی ڈالتی ہے، پہلے تو اس میں اللہ تعالیٰ نے یہ اشارہ فرمایا ہے، کہ ان دو طبقوں کی خلقت ایک ہی طرح ہوئی ہے، اور ان دونوں کی قسمت ایک دوسرے سے ایسی وابستہ ہے گویا ایک جسم کے دو حصے ہوں، [illegible] عورت کی جسمانی ساخت میں معمولی تبدیلی اس وجہ سے ہے کہ دونوں زندگی [illegible] خوشگواری سے طے کر سکیں۔

پہلے تو ان دونوں طبقوں کا وجود نفس واحدہ سے ہے پھر اس نفس واحدہ کو دو حصوں میں تقسیم کر دیا گیا، اس تقسیم کے باوجود ان میں کوئی تضاد نہیں بلکہ وہ جا کر ایک نقطہ پر جمع ہو جاتے ہیں، اس دنیا میں سفر کرنے والے انسان کو ہمسفر اس کی [illegible] گیا ہے، اور وہ اسی کے جسم کا حصہ ہے، پھر اس کے بعد ان دونوں سے [illegible] آفرینش، اور افزائش، اللہ تعالیٰ نے دونوں کی رفاقت محبت اور ہمسفری [illegible] عطا فرمائی کہ جو دو تھے ان سے ہزاروں ہوئے اور ہزاروں سے لاکھوں، [illegible]، یہاں تک کہ صحیح تعداد کا شمار کمپیوٹر بھی نہیں لگا سکا کہ کتنے انسان [illegible] صرف خدا جانتا ہے، ''کثیراً'' کے لفظ سے خدا نے اس کی کثرت کی طرف [illegible] ہے۔

سائل بھی اور مسئول بھی:

میری بہنو! پھر اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ ”تم اس خدا سے ڈرو جس کے نام پر تم ایک دوسرے سے سوال کرتے ہو“ قرآن مجید میں انقلابی طو پر تصور پہلی مرتبہ پیش کیا گیا ہے کہ انسانی سوسائٹی کا ہر فرد ایک دوسرے کا محتاج ہے ہر ایک سائل ہے اور ہر ایک مسئول ہے، پھر تقسیم اس طرح نہیں کہ سائلین ایک طرف ہیں اور مسئولین دوسری طرف، بلکہ جو سائل ہے وہ مسئول بھی ہے، اور جو مسئول ہے وہ سائل بھی ہے، ”تساؤل“ (مشترک سوال وجواب) ایک ایسی زنجیر ہے، جس میں ہر ایک بندھا ہوا ہے، ہماری تمدنی زندگی ایک جال ہے، جس میں ہر ایک دوسرے کا ضرورت مند ہے۔

مرد عورت کے بغیر اپنا قدرتی اور فطری سفر خوشگوار طریقہ سے طے نہیں کر سکتا اور کوئی شریف خاتون رفیق حیات کے بغیر خوشگوار طریقہ سے زندگی نہیں گزار سکتی، اللہ تعالیٰ نے ہر ایک کو دوسرے کا ایسا سائل اور محتاج بنا دیا ہے کہ اس کے بغیر زندگی نہیں گذر سکتی۔

خدا کا نام بیگانوں کو یگانہ بناتا ہے:

پھر یہ بھی فرمایا گیا کہ سوال جس کے نام پر تم کرتے ہو وہ خدا ہے، اسلامی معاشرہ خدا کے عقیدے خدا کی عظمت، خدا کی قدرت اور خدا کی وحدت کے عقیدے پر وجود میں آتا ہے، ایک مسلمان مرد کی مسلمان خاتون سے ہم سفری اور رفاقت جب جائز ہوتی ہے. جب وہ خدا کا نام بیچ میں لائیں، خدا کا نام ہی بیگانوں کو یگانہ بناتا ہے، دور کو نزدیک کرتا ہے، غیروں کو اپنا بناتا ہے، جن کی پرچھائیں بھی پڑنا گوارا نہ تھی، ان کو ایسا قریب اور عزیز بنا دیا جاتا ہے کہ ان کے بغیر زندگی کا صحیح تصور بھی نہیں ہو سکتا، وہ ایک دوسرے کے رفیق حیات اور ذمہ دار بن جاتے ہیں، شوہر اور بیوی کا تعلق ایسی محبت واعتماد کا تعلق ہے کہ بعض اوقات وہ والدین کے تعلق سے بھی بڑھ جاتا ہے، جو بے تکلفی، جو اعتماد جو الفت، جو سادگی، جو فطریت ان کے درمیان ہوتی ہے، کسی اور رشتہ میں اس کا تصور نہیں کیا جا سکتا، یہ سب اللہ کے نام کا کرشمہ ہے، خدا کا نام بیچ میں آتا ہے تو ایک نئی دنیا وجود

میں آ جاتی ہے، کل تک جو غیر تھا، یا غیر تھی، وہ اپنوں سے بھی زیادہ بڑھ کر اپنا بن جاتی ہے، ایک مسلمان مرد، ایک مسلمان عورت، ایک دوسرے کے ساتھ بے تکلف نہیں ہو سکتے، ایک دوسرے کے ساتھ بعض اوقات سفر بھی نہیں کر سکتے، ایک دوسرے کے لئے نامحرم ہیں، لیکن جب خدا کا نام بیچ میں آ جاتا ہے، تو ایک مقدس رشتہ قائم ہو جاتا ہے۔

یہ قرآنی معجزہ ہے کہ " تساءلون بہ " کہہ کر معاشرہ انسانی کا باہمی ارتباط، پیوستگی، وابستگی اور ہر ایک کا ایک دوسرے کی ساتھ جڑا ہونا ایسا بیان کر دیا کہ کوئی بڑے سے بڑا منشور اور بڑے سے بڑا چارٹر بھی اس کو بیان نہیں کر سکتا، فلسفہ اجتماع و عمرانیات (سوشیالوجی) کی بڑی ضخیم کتاب بھی اس کو نہیں بیان کر سکتی۔

پھر یہ فرمایا کہ جس کا نام بیچ میں لا کر حرام کو حلال کرتے ہو، ناجائز کو جائز کرتے ہو اور اپنی زندگی میں انقلاب عظیم لاتے ہو، اس پاک اور بڑے نام کی لاج بھی رکھنی چاہئے، زوجین کے گہرے اور محکم تعلق کو قرآن مجید نے ایک دوسرے انداز میں بھی بیان کیا ہے، فرمایا " هُنَّ لِبَاسٌ لَّكُمْ وَاَنْتُمْ لِبَاسٌ لَّهُنَّ " تم ایک دوسرے کا لباس بن جاتے ہو یہ بھی قرآن مجید کا ایک معجزہ ہے، کہ اس کے لئے لباس کا لفظ استعمال کیا، جو ستر پوشی اور زینت زندگی کی اہم ضرورت ہے، لباس کے لفظ میں وہ سب کچھ آ گیا جو زوجین کے باہمی تعلق و اعتماد کے متعلق زیادہ سے زیادہ کہا جا سکتا ہے، تم ان کے لئے لباس ہو اور وہ تمہارے لئے لباس ہیں، لباس کے بغیر جس طرح انسان حیوانیت سے قریب تر نظر آتا ہے، ایک صحرائی مخلوق نظر آتا ہے، ویسے ہی ازدواجی زندگی کے بغیر انسان غیر متمدن نظر آتا ہے، اس کو غیر متمدن اور غیر مہذب سمجھنا چاہئے۔

ازدواجی زندگی ایک عبادت:

خواتین اسلام! ’’اسلام میں ازدواجی تعلق کو زندگی کی ایک ضرورت کی حیثیت سے نہیں دیکھا گیا، بلکہ اس کو ایک عبادت کا درجہ دیا گیا ہے، جس سے آدمی خدا کے قریب ہوتا ہے، یعنی ہمارے یہاں ازدواجی تعلق کا، عقد نکاح کا تصور یہ نہیں کہ زندگی کی

ضرورت کے تحت یہ کرنا ہی تھا، اور اس کے بغیر زندگی کا تلذذ حاصل نہیں ہوتا، بلکہ اس کو دینی رنگ دیا گیا، اس کو عبادت قرار دیا گیا، اور اسی لئے رسول اللہ ﷺ نے اپنی زندگی میں اس کا سب سے بڑا نمونہ پیش کیا، اور آپ ﷺ نے فرمایا کہ "تم میں سب سے زیادہ بہتر وہ ہے، جو اپنے گھر والوں کے لئے سب سے زیادہ بہتر ہو اور میں اپنے گھر والوں کے لئے تم سب سے بہتر ہوں۔" چنانچہ آپ اگر سیرت نبوی ﷺ کا مطالعہ کریں تو آپ کو یہ نظر آئے گا کہ آپ کے اندر صنف نازک کا جو احترام، اس کے جذبات اور لطیف احساسات کا شعور اور ان کا لحاظ تھا وہ طبقہ نسواں کے بڑے بڑے وکیل اور عورت کے احترام کے بڑے بڑے مدعی کے یہاں نہیں ملتا، اسی طرح سے وہ بڑے بڑے مقدس لوگوں، رشیوں، منیوں یہاں تک کہ دوسرے پیغمبروں کی زندگی میں ملنا مشکل ہے۔ ازواج مطہرات کی دلجوئی، ان کی جائز تفریحات میں شرکت ان کے جذبات کا خیال اور ان کے درمیان جو عدل فرماتے تھے، اس کی نظیر نہیں ملتی۔

انہیں کی ساتھ نہیں بلکہ بچوں کے ساتھ بھی آپ ﷺ اس طرح پیش آتے تھے کہ نماز جیسی محبوب ترین چیز میں بھی آپ ﷺ محض اس وجہ سے اختصار فرمادیتے تھے کہ کسی ماں کو تکلیف نہ ہو اگر کوئی بچہ روتا تھا تو آپ ﷺ نماز میں اختصار فرماتے تھے، یہ انتہائی قربانی ہے، رسول اللہ ﷺ کے لئے تو نماز سے بڑھ کر کوئی چیز تھی ہی نہیں، اس سے بڑھ کر کوئی قربانی نہیں ہوسکتی تھی، آپ ﷺ فرماتے تھے، بعض مرتبہ میں چاہتا ہوں کہ بڑی نماز پڑھوں لیکن کسی کے رونے کی آواز سنتا ہوں تو مجھے خیال ہوتا ہے کہ کہیں اس کی ماں کا دل نہ لگا ہو اس کی ماں کا دل نہ گھبرائے اس لئے نماز کو مختصر کر دیتا ہوں۔

مغربی تہذیب کا زوال شروع ہوگیا:

میری بہنو، ہمارے سامنے یہ نمونے ہیں، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ جس نام کو تم بیچ میں لائے اس کی شرم بھی رکھنا یہ نہیں کہ اس سے فائدہ ہی فائدہ اٹھاؤ یہ حکم عورتوں اور مردوں دونوں کے لئے ہے، آپ یہاں امریکن سوسائٹی میں ہیں، یہاں [illegible]

اسلام کے عقائد ہی پیش کرنا نہیں ہیں بلکہ اسلام کا خاندانی نظام معاشرت بھی پیش کرنا ہے مغربی تہذیب آج تیزی کے ساتھ زوال کی طرف جارہی ہے آپ کو بھی احساس ہوگا کہ مغربی تہذیب کا زوال شروع ہوگیا ہے، یہ کوئی ڈھکی چھپی حقیقت نہیں ہے، اس کا ایک بہت بڑا سبب یہ ہے کہ یہاں کے خاندانی نظام میں ایک ابتری پیدا ہوگئی، خاندانی نظام ٹوٹ رہا ہے، اس میں انتشار ہے، شوہر و بیوی میں جو اعتماد اور جو محبت ہونی چاہئے، روز بروز اس میں کمی آرہی ہے، اور اس وقت کے مفکر وفلاسفر پریشان ہیں اور کتابیں لکھی جارہی ہیں کہ مغرب کے معاشرتی نظام کو ٹوٹنے سے، بکھرنے سے کس طرح بچایا جائے، طرفین میں محبت والفت ہونی چاہئے جو زندگی کی حقیقی لذت ہے، اس میں فقر وفاقہ بھی ہوتا ہے، تو وہ خوش دلی کے ساتھ برداشت کرلیا جاتا ہے، ابھی ہمارے مشرقی ممالک میں بہت سے ایسے خاندان ہیں کہ وہاں کھانے کو مشکل سے ملتا ہے، لیکن ان کو جنت کا مزہ آتا ہے، کیونکہ آپس میں محبت ہے، وہ ایک دوسرے کا منہ دیکھ کر اپنا فقر وفاقہ اور اپنی تکلیف بھول جاتے ہیں، یہاں سب کچھ ہے، تمام وسائل کا قدموں پر ڈھیر لگ گیا ہے، اور کائنات کی بہت سی طاقتوں کو انہوں نے مسخر کرلیا ہے، لیکن وہ اپنے دل کی دنیا کو اور اپنے گھر کو جنت میں تبدیل نہیں کرسکتے جیسا کہ اقبال نے کہا ہے کہ ؎

ڈھونڈنے والا ستاروں کی گذرگاہوں کا
اپنے افکار کی دنیا میں سفر کر نہ سکا

سکون کی تلاش:

جس نے سورج کی شعاعوں کو اپنی مٹھی میں لے لیا ہے زندگی کی تاریک رات کو صبح میں تبدیل نہیں کرسکا، اور ستاروں کی گذرگاہوں کا تلاش کرنے والا، اگر اقبال ہوتے تو کہتے کہ چاند تک پہنچنے والا مغربی انسان اپنے افکار کی دنیا میں سفر کر نہ سکا، اپنے گھر کو گلدستہ اور جنت کا نمونہ بناسکا، جس نے دنیا کو جنت کا نمونہ بنانے کی کوشش کی اس کا گھر جہنم بنا ہوا ہے، بہت سے امریکی اور یوروپین خاندان ایسے ہیں کہ ان کے گھر میں سکون کا کوئی سامان نہیں، اسی لئے ہم آج دیکھ رہے ہیں کہ وہ باہر کی تفریحات اور کلب میں

سکون تلاش کرتے ہیں، کیونکہ سکون ان کے گھروں میں میسر نہیں ہے، گھر آ کر ان کو یہ محسوس نہیں ہوتا کہ وہ دنیاوی جنت میں پہنچ گئے، بلکہ وہ گھر کی زندگی سے بھاگتے ہیں۔

احتیاج اور احترام:

خواتین اسلام، میں سمجھتا ہوں، جو یہاں دس دس برس، بیس بیس برس سے زندگی گذار رہے ہیں، وہ مجھ سے زائد اس المیہ سے اور اس کمزور پہلو سے واقف ہیں، مجھے زیادہ کہنے کی ضرورت نہیں، بہر حال اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے اسلامی معاشرت کا ایک بنیادی تصور دیا ہے کہ معاشرہ ایک دوسرے کی احتیاج اور احترام پر قائم ہے ضرورت تو سب کو ہوتی ہے، لیکن ضرورت کا محسوس کرنا اور جس سے وہ ضرورت پوری ہو اس کا احسان ماننا، یہ الگ ذہنی کیفیت ہے، یہ ذہنی کیفیت اسلام پیدا کرنا چاہتا ہے کہ ہم میں ہر فرد اپنے کو دوسرے کا محتاج سمجھے اور اپنی اس احتیاج کو تسلیم کرے اور دوسرے کا احترام کرے، اگر یہ تصور پورے طور سے تسلیم کر لیا جائے اور ذہن میں اتر جائے تو اس کے بعد کوئی گرہ باقی نہیں رہتی۔

میں خدا سے دعا کرتا ہوں کہ خدا آپ کی صحیح رہنمائی فرمائے اور آپ اس ملک میں اسلامی زندگی اور اسلامی معاشرت کا ایسا نمونہ پیش کریں جو یہاں کی سوسائٹی کے لئے جو زندگی سے عاجز آ چکی ہے، دل کش ثابت ہو اور وہ اسلام کے معاشرتی احکام اور اس کے باہمی تعلقات کا بھی سنجیدگی سے مطالعہ کریں اور اپنے لئے اس کو ترجیح دیں اور ان میں اس کا جذبہ پیدا ہو کہ کاش ہم کو بھی یہ نعمت حاصل ہوتی۔

اگر آپ نے ایسا کیا تو آپ نہ صرف اس ملک کی بہت بڑی خدمت انجام دیں گی بلکہ اسلام کی بھی بہت بڑی خدمت انجام دیں گی، اور یہ اسلام کی ایک عظیم تبلیغ و دعوت ہوگی میں ان لفظوں کے ساتھ آپ سے رخصت ہوتا ہوں اور دعا کرتا ہوں کہ آپ کا یہ سیمنار اور مجلس مذاکرہ اچھے فیصلوں اور نتائج تک پہنچے۔

وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین!

انسان خود پرست بھی ہے خود فراموش بھی

یہ تقریر مفکر اسلام، داعی کبیر حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی نور اللہ مرقدہ نے ۲۲ جنوری ۱۹۵۴ء رات کو ساڑھے سات بجے ٹاؤن ہال غازی پور (ہندوستان) کے ایک جلسہ عام میں فرمائی تھی، جس میں ہندو مسلمان تعلیم یافتہ اصحاب کی کافی تعداد تھی۔

نحمده ونصلی علی رسوله الکریم اما بعد.

دوستو اور بھائیو! جانوروں اور انسانوں میں ایک بہت بڑا فرق ہے اور وہ یہ کہ جانوروں میں اپنی حالت سے بے اطمینانی اور اپنی زندگی کی ترقی کی کوئی صلاحیت نہیں ہوتی، لیکن انسان اس کا احساس رکھتا ہے، ہم اور آپ زندگی سے غیر مطمئن ہیں، اس بے اطمینانی کو عام طور سے برا سمجھا جاتا ہے، لیکن اگر بے اطمینانی جو انسان کا جوہر ہے ختم ہو جائے تو پھر زندگی کی خوبی اور دلچسپی ختم ہو جائے، ہر شخص زندگی کی شکایت کرتا ہے اور اکثر گفتگو اس بے اطمینانی پر ہوتی ہے، مگر اس کو دور کرنے کی فکر اور اس کے اسباب پر غور کرنے کی تکلیف بہت کم لوگ گوارا کرتے ہیں، کیونکہ یہ ایک ذمہ داری کی چیز ہے، اور انسان ذمہ داری سے گھبراتا ہے۔

اگر کسی مشین یا ایک گھڑی میں خرابی ہو جائے تو اس کو گرانے اور پٹخنے سے وہ درست نہیں ہوتی، بلکہ اس کو آسانی اور سہولت سے درست کرنے ہی سے کام چلتا ہے، اسی طرح غور کرنا ہے کہ اس وقت انسان کی چول تو اپنی جگہ سے ہٹی ہوئی نہیں ہے، اور یہ سارا بگاڑ اور بے اطمینانی انسانیت کی پستی ہی کا نتیجہ تو نہیں ہے، جس کے ذمہ دار ہم اور آپ ہیں۔

انسان کے لئے سب سے محبوب اپنی ذات ہے:

میرے بھائیو! انسان کو سب سے زیادہ اپنی ذات سے محبت ہے، اور جس سے جتنی دلچسپی ہے، وہ اپنی ذات کے تعلق کی بنا پر محبت میں انسان کی اپنی ذات چھپی ہوتی ہے اور اس کو دیکھنے کے لئے ایک خوردبین کی ضرورت ہے، محبت کے فلسفہ پر غور فرمائیے کہ کسی شخص کو آپ سے محبت ہے تو یقینا آپ کو بھی اس سے محبت ہوگی، اولاد، بھائیوں اور دوستوں کی محبت میں درحقیقت انسان کی اپنی محبت کام کرتی ہے، انسانی محبت کے لئے کالروجیکل خوردبین کی ضرورت ہے، اگر انسان کو اپنی ذات سے محبت نہ ہو تو یہ سارا نظام عالم درہم برہم ہو جائے، اب تو یہ تسلیم کیا جارہا ہے کہ قوت کشش کا فلسفہ بھی دراصل ایک تعلق اور محبت کا رشتہ ہے، جو نظام شمسی کو قائم رکھتا ہے، اس دنیا میں جو رونق و رنگینی اور چہل پہل معلوم ہوتی ہے، وہ سب انسان کی اپنی ذات سے دلچسپی رکھنے کا نتیجہ ہے، اگر انسان کو اپنی ذات سے دلچسپی نہ ہو تو بازار، کارخانے اور کاروباری سرگرمیاں سرد پڑ جائیں، کیونکہ ذاتی دلچسپی تو کسی چیز سے نہیں، بلکہ انسان کو اپنی ذات کا عشق دوسری چیزوں سے تعلق اور محبت پر مجبور کرتا ہے، یہ لاکھوں برس کی پرانی اور فطری حقیقت ہے اس دنیا میں جو کچھ طاقت، زینت اور نظام آپ دیکھتے ہیں، یہ اسی کا نتیجہ ہے کہ انسان اپنی ذات سے دلچسپی رکھتا ہے، انسان اس دنیا کا مرکز ہے اور ساری چیزیں اس کے گرد گھوم رہی ہیں، اگر انسان اپنی ذات سے دلچسپی نہ رکھے اور اس کو فراموش کردے، اپنی حقیقت سے ناواقف ہو اور اپنی ذات کو بھول جائے تو بڑی انارکی پھیل جائے [illegible] ابتری اور بدنظمی رونما ہو۔

ایک ذہنی طاعون:

انسان کے لئے سب سے ضروری چیز یہ ہے کہ وہ اپنی حقیقت کو سمجھے، اپنی حیثیت کو پہچانے اور یہ جانے کہ یہ ساری دنیا میرے لئے بنائی گئی ہے، اور انسان ہی اس دنیا کی پیدائش کا مقصد ہے۔

میرے بھائیو، دوستو، ذریعہ کو ذریعہ اور مقصد کو مقصد سمجھنا چاہئے، انسانی تاریخ کا یہ ایک بحرانی دور اور ذہنی پلیگ ہے کہ وہ اپنی ذات کو فراموش کردے اپنے مقصود اور وسائل و ذرائع کو الگ الگ نہ پہچانے اور ذرائع کو مقصود سمجھے، انسان پر خود فراموشی کا طاری ہونا ایک خطرناک بیماری ہے، جب کہ وہ یہ بھلا دے کہ وہ کس مقام پر رکھا گیا تھا اور اس کی کیا حیثیت اور ذمہ داری ہے، اسے کون سا پارٹ ادا کرنا ہے اور اس کا اس عالم سے کیا تعلق ہے۔

اس زمانہ میں ایک خاص قسم کا ذہنی پلیگ پھیلا ہوا ہے جو مشرق سے مغرب تک ہے وہ تو انسان اپنی ذات سے اس قدر دلچسپی اس زمانہ میں رکھتا ہے، اس کے لئے جو محنتیں اور کوششیں کر رہا ہے اور جو اختراعات، ایجادات، اور مصنوعات سامنے آ رہی ہیں، وہ بتا دیتی ہیں کہ انسان کو اپنی ذات سے جس قدر دلچسپی اس زمانہ میں ہے، ایسی دلچسپی کسی زمانے میں نہیں رہی، انسان پچھلے دور میں گویا سویا ہوا تھا، اب جاگا ہے، زندگی کو بہت پر تکلف اور راحت آشنا بنا دیا گیا ہے وہ یہ دعویٰ کرتی ہے کہ انسان کو اپنی ذات سے اس وقت ہمیشہ سے زیادہ دلچسپی ہے، انسان اپنی ذات کے لئے جو ذہانتیں دکھا رہا ہے اور جو قوتیں استعمال کر رہا ہے، ایسا تاریخ میں کبھی نہیں ہوا اور اب بظاہر انسان کو اپنی ذات سے بے انتہا شیفتگی ہے، لباس نئے نئے، کھانے عجیب و غریب اور راحت و سہولت کے کتنے ذرائع نکل آئے ہیں۔

اس زمانہ کی خود فراموشی:

حضرات! میں یہ عرض کر رہا ہوں کہ دراصل انسان نے اپنی ذات، اپنی آدمیت، اور اپنے جوہر، اپنے اصلی ذائقہ اور اپنی حقیقی لذت کو جس قدر اس زمانہ میں بھلایا ہے، ایسا کبھی نہیں بھلایا ہے، ایسا کبھی نہیں بھلایا تھا، انسان اس وقت سب سے کم اپنی ذات اور اپنے ذاتی مسائل پر غور کرتا ہے اور جو چیزیں اس کے لئے پیدا کی گئی تھیں ان پر اپنی زندگی کو قربان کر رہا ہے، ظاہری چیزیں، جھوٹے تقاضے اور بیرونی لذتیں اس پر ایسی

حاوی ہو چکی ہیں کہ وہ اپنے باطن اور اپنی حقیقت کو بالکل فراموش کر چکا ہے۔

یہ دور دراصل دو متضاد پہلو رکھتا ہے، ایک ظاہر اور دوسرا باطن، اگر پرکھ کر دیکھا جائے تو معلوم ہوگا کہ اس مادی ترقی کے دور میں انسان نے اپنی روحانی جوہر اور حقیقی مقصد اور زندگی کی اصل لذت کو بالکل بھلا دیا ہے، جس کی مثال تاریخ میں نہیں ملتی اور لطف یہ کہ اپنے فرض کو نہیں پہچانتا، اپنی بیماری کو سنجیدگی سے نہیں سوچتا، اس کے ذرائع مقاصد بن گئے ہیں، انسان ان چیزوں پر کیسے مر رہا ہے جو اسی کے لئے ہیں، ذرا غور کیجئے، کیا انسان اپنی ذات سے واقف ہے اپنی زندگی کا جائزہ لیجئے، کیا انسان اپنی حقیقی راحتوں کو یاد کرتا ہے؟ ہرگز نہیں، بلکہ انسان پر ایک جنون طاری ہے، اور وہ ایک عجیب کھیل کھیل رہا ہے، صبح سے شام تک ایک چکر میں رہتا ہے، جانوروں سے زیادہ محنت کرتا ہے، بہت سے انسان ایسے ہیں جنہوں نے اپنے آپ کو روپیہ ڈھلانے کی مشین سمجھ رکھا ہے۔

لاحاصل کوشش:

میرے بچپن میں بچے ایک کھیل کھیلا کرتے تھے کہ بڑھیا بڑھیا کیا ڈھونڈ رہی ہے، جواب ملتا تھا، سوئی، سوئی کا کیا کرے گی، جواب ملتا تھا تھیلی سیوں گی، تھیلی کا کیا کرے گی، جواب ملتا، روپیہ رکھوں گی، روپیہ کا کیا کرے گی، جواب ملتا گائے خریدوں گی، گائے کا کیا کرے گی؟ جواب ملتا دودھ پیوں گی، پھر سے جواب ملتا دودھ کے بدلے موت'' آج ساری دنیا یہی کھیل کھیل رہی ہے، ساری دنیا کو اپنی محنتوں کے صلہ میں جو حاصل کرنا چاہئے تھا اس کے بجائے بے مقصد اور غیر حقیقی چیزوں میں الجھ کر رہ گئی ہے، انسان تعلیم حاصل کرتا ہے اور تعلیم اس لئے کہ روپیہ کمائے اور روپیہ اس لئے کہ آرام پائے، یہ ایک مسلسل زنجیر ہے جس میں سارے انسان جکڑے ہوئے ہیں، انسان جس کے لئے سب کچھ کرتا ہے، اس کو بھول جاتا ہے، آج حقیقی مقاصد زندگی بالکل فراموش کئے جا چکے ہیں۔ زندگی کا سارا سفر اگر دیکھا جائے تو معلوم ہو کہ انسانیت جس کے لئے

چلی تھی، وہ اس کا راستہ نہیں۔

سکہ کی انسان پر حکومت:

حضرات آپ بتائیے کہ سکہ کس لئے ہے، اس کی قیمت یہی تو ہے کہ انسان اس سے کام لے، آپ نے بے جان سکہ میں جان ڈالی مگر سکہ کے یہ معنی تو نہیں کہ آپ اس سے عشق کریں، اس سے جو کام لینا چاہئے تھا وہ نہیں لیا جاتا بلکہ سکہ اس وقت انسان پر حکومت کرتا ہے، اس سکہ کے لئے دنیا میں دو بڑی لڑائیاں ہوئیں، آپ نے عہدوں، کوٹھیوں اور کرسیوں کو اپنے اوپر حکمران بنالیا انسان نے انسان کے خلاف خوفناک ہتھیار استعمال کئے، انسان نے انسانیت سے سرکشی کی بغاوت کی، جس کے نتیجہ میں انسان کو انسان سے ہزار گناہ ادنیٰ چیزوں کو اپنا حکمراں بنانا پڑا، وہ چیزیں جن میں زندگی نہیں، لوچ نہیں، کوئی برتری نہیں وہ انسان پر مسلط ہیں، یہ ایک عجیب اور عبرتناک حال ہے کہ اشرف المخلوقات پر اس کے بنائے ہوئے قانون اور بے جان اشیا حکومت کریں۔

ذرائع مقاصد بن گئے:

اس دنیا میں اکثر انسان ایسے ہیں جن کو یاد نہیں کہ ان کا مقام اور مقصد حیات کیا ہے؟ جو چیزیں انسان کے مقاصد کا صرف ذریعہ ہیں، ان پر ایسی محنتیں کی جارہی ہیں کہ گویا وہی اصلی مقاصد ہیں، اصل مقاصد کو بھلا کر انسان ہوس کے جال میں پھنسا ہوا ہے، انسان چاہتا ہے کہ دوسروں پر حکومت کرے، لیکن جب ایک کو دوسرے پر فتح ہوتی ہے تو کیا پھر دوسری چیز پر حکومت کرتی ہیں، ایک قوم کیا ایک فرد بھی گوارا نہیں کرتا کہ اس پر دوسرا حکومت کرے، مگر انسان سے ہزار درجہ پست چیزوں کو مثلاً کپڑوں کو، کوٹھیوں کو، روپیہ کو آج ہم نے اپنے اوپر حکمراں بنا رکھا ہے، انسان پر آج خواہشات کی، اپنے بنائے ہوئے قانون کی اور جمادات کی حکومت ہے، حالانکہ ان چیزوں میں ہرگز کوئی جاذبیت نہیں، اور وہ ہرگز ہمارا مقصود بننے کے قابل نہیں، مگر ہم نے جمادات کو ترجیح دی، انسانوں پر، ہم نے نباتات کو انسان سے افضل سمجھا، حالانکہ ہم میں آج لاکھوں انسان

حقیقی آرام سے محروم ہیں اور اس کی وجہ یہی ہے کہ انسان نے انسانیت کو فراموش کر دیا۔ اور اس پر ایک خود فراموشی طاری ہے۔

دوستو! یقیناً ہم لوگ بھول چکے ہیں کہ ہمارا اصل مقام کیا ہے، ہماری غلط روش ہی سے ساری دنیا میں آج انتشار ہے، آج ہم عہدوں کے لئے جان دیتے ہیں اور اپنی حقیقی عزت اور اصل راحت کو فراموش کر چکے ہیں، جغرافیہ کس لئے ہے، اگر اس دنیا میں انسان نہ پیدا ہوتا تو تاریخ و جغرافیہ کی کیا ضرورت تھی، سارے علوم و فنون انسان ہی کے لئے تو ہیں، پھر یہ کیا ہے کہ انسان اپنی پوزیشن (Position) نہیں سمجھتا اور اپنی حقیقت سے دور ہوتا چلا جا رہا ہے، آپ کا اس دنیا سے کیا علاقہ ہے ہم کس لئے آئے، کیا ہم اس دنیا میں اس لئے بھیجے گئے کہ دریاؤں پر دوڑیں، اور ہوا میں اڑیں اور مادی ترقیوں کو اپنا مقصد حیات بنالیں؟ ہماری زندگی کا جو لباس ہے، اس میں برابر جھول پڑتے جا رہے ہیں اور دامن انسانیت آج تار تار ہے۔

تن ہمہ داغ داغ شد پنبہ کجا کجا نہم

خدا کے برگزیدہ بندے جنہیں پیغمبر کہتے ہیں دنیا میں اسی لئے تو آئے کہ انسان کو اس کا مقام اور مقصد زندگی بتائیں اور انہوں نے ایک موٹا اصول بتلایا کہ انسان اللہ کے لئے بنایا گیا ہے اور یہ ساری مخلوق انسان کے لئے پیدا کی گئی ہے، اگر ہم اور آپ یہ سمجھ لیں کہ ہم اس دنیا کے امین (Trusti)، ٹرسٹی اور نگراں ہیں تو یقیناً ہمارا اور آپ کا رویہ اور طرز زندگی بدل جائے اور دنیا میں جو فساد اور تباہی برپا ہے، وہ یقیناً دور ہو سکتی ہے۔

دولت مند بننے کی ریس:

میرے بھائیو! لیکن اگر آپ یہ سمجھ بیٹھیں کہ آپ صرف روپیہ ڈھالنے کی مشین ہیں تو انسانیت کے لباس میں جھول پڑتے ہی جائیں گے، غیر محدود تعداد میں روپیہ پیدا کرنا جب آپ کا مقصد حیات ہوگا تو نہ آپ انسانی رشتوں کو ملحوظ رکھیں گے، نہ کسی کے دل کو ستانے میں عار ہوگا، نہ کسی پر ظلم کرنے میں ہچکچائیں گے، اگر آپ کا آئیڈیل یہ ہوگا

کہ زندگی صرف عیش و آرام اور دولت مند بننے اور تھوڑی مدت میں جلد از جلد روپیہ سمیٹنے کا نام ہے، پھر اس کا نتیجہ یہی ہوگا جو آج ہمارے سامنے ہے، خواہ انسانیت کا خون ہو، اور آدمیت برباد ہو، مگر ہر انسان دولت مند بننے کی اس ریس میں آگے نکلنے کی کوشش کر رہا ہے، ساری اخلاقی تعلیمات طاق پر رکھی ہوئی ہیں اور ہر ایک شہر میں ایک ریس کا میدان گرم ہے۔ دفتروں میں شام ہونے سے پہلے کلرک چاہتا ہے کہ جیب بھرے، اس وقت فلسفہ، شاعری اور فائن آرٹس کا مقصد بھی دولت کمانا اور شہرت حاصل کرنا ہے، اور تو اور ولایت میں تو روحانیت کا مقصد بھی دولت کمانا اور شہرت حاصل کرنا ہے اور ولایت میں تو روحانیت کا مقصد بھی یہی بن گیا ہے کہ دولت حاصل ہو۔

سکہ کے اخلاق:

حضرات! آپ جس چیز سے محبت کریں گے، اس کا عکس آپ پر ضرور پڑے گا، آج روپیہ کی محبت کا عکس بھی پوری انسانیت پر پڑ رہا ہے، روپیہ کی بے وفائی اور اس کا تلون آج ہمارے دماغوں اور دلوں میں گھس چکا ہے، سارا دھیان گیان آج اس سکہ کے دھیان میں مٹ چکا ہے، ہم میں سکہ کی خاصیت، یعنی سختی، تلون اور بے وفائی پائی جا رہی ہے، ساری عمر کی کوشش کے باوجود اور روپیہ زیادہ سے زیادہ کمانے پر بھی آج دنیا کو وہ فائدہ نصیب نہیں ہوتا جو سکہ کا مقصد تھا، کیونکہ انسانی ہمدردی اور جذبۂ خدمت کے بغیر سکوں کی دولت حاصل نہیں ہو سکتی، انسانوں کی حق تلفی انسانیت کا خون ہے، آئیڈیل کی حکومت ہر زمانہ میں رہی مگر کسی زمانہ میں بھی انسانی زندگی کا یہ آئیڈیل رہا ہے کہ دولت کے حصول کی خاطر انسان کا نازک دل بھی ملے تو اس کو روندتا چلا جائے، انسانی اخلاق آج ہم سے رخصت ہو گیا، سکہ کے نام پر آج انسان انسان کا دشمن بنا ہوا ہے۔ اناللہ وانا الیہ راجعون

تاجر اور خریدار:

میرے دوستو! آج بھائی بھائی کو گاہک یا خریدار کی نظر سے دیکھتا ہے اور ساری

دنیا دو گروہوں میں تقسیم ہو کر رہ گئی ہے، ایک تاجر اور دوسرا خریدار، آج دنیا کو [illegible] ساری زندگی اسی بازار میں گزار رہے۔ انسانوں نے انسانوں کے دلوں میں گھر کرنا، دلوں کو آباد کرنا، صورتوں پر نظر ڈالنا اور باہمی رشتوں کو قائم رکھنا اور ایک دوسرے کے حقوق کو پہچاننا بالکل ختم کر دیا، اس دنیا میں گویا سارے رشتے ختم ہو چکے، تمام جذبات سرد پڑ گئے اور ساری محبتیں اٹھ چکیں اور اب ایک تاجر دوسرا خریدار بن کر زندگی گزارنا چاہتا ہے، اور ایک دوسرے کی جیب پر نظر جمائے ہوئے ہے، اس دولت نے اولاد کے دلوں سے والدین کی محبت نکال دی، بیٹیوں کے دلوں سے گروؤں اور استادوں کی عظمت ختم کر دی، ماں باپ کے دلوں سے اولاد کی شفقت کھو دی اور ساری زندگی ایک دکان بن کر رہ گئی، بے لوث ہمدردی اور خدمت کا جذبہ نیست و نابود ہو چکا اور حقیقی لطف اب زندگی سے اٹھ چکا ہر شخص دوسرے کو گاہک کی نظر سے دیکھتا اور سوچتا ہے کہ کیا فائدہ اٹھایا جا سکتا ہے۔ اگر دنیا میں صرف دوکاندار اور گاہک ہی بستے ہوں تو کیا خاک لطف زندگی ہو۔

۱۹۴۷ء سے پہلے انگریزوں کے دور حکومت میں ایسے استاد دیکھنے میں آئے جو پڑھانے کا بل بنا کر دیتے تھے اور ایک کلکٹر صاحب نے جن کا لڑکا ان کے پاس آ کر ٹھہرا تھا، اس کے قیام کا بل بھی بنا کر دے دیا تھا، اب تو یہ خطرہ محسوس ہونے لگا ہے کہ بے جان اور بے زبان چیزیں بھی بل پیش کرنے لگیں، درخت اپنے سایہ میں کھڑے ہونے کا بل بنانے لگیں، زمین اپنے اوپر چلنے کا معاوضہ نہ طلب کرنے لگے، یہ زندگی کیا ہے، ایک منڈی بن گئی ہے، لیکن ساری زندگی منڈی میں کیونکر گذرے۔

دولت کا ضرورت سے زائد احترام:

سب سے پہلے ہماری نظر جب کسی پر پڑتی ہے تو اس کے لباس، معیار زندگی اور مالی حیثیت کو دیکھتے ہیں، اس کے اخلاق اور اس کی انسانیت کی ہمارے بازار میں کوئی قدر و قیمت نہیں، آج انسان بالشتیوں کی طرح ایک سونے کے پہاڑ کے گرد چکر لگا رہے ہیں، مگر میں پوچھتا ہوں کہ آج ہمیں کون سی چیز زندگی کی حقیقی خوشی اور لذت سے آشنا

کررہی ہے۔

پیغمبروں نے انسانوں کو بتلایا تھا کہ اگر تم نے اپنے کو دنیا کے تابع کرلیا اور اپنی خواہشات کو اپنے اوپر مسلط کرلیا تو یہ ساری زندگی غیر فطری اور بدنظم ہوجائے گی اور ایک ایسی انارکی پھیلے گی کہ یہ دنیا تمہارے لئے جہنم بن جائے گی۔ اگر انسان نے اپنے کو نہیں پہچانا تو وہ اپنے مقام سے گرتا چلا جائے گا اور انسانیت تباہ و برباد ہوگی۔

مقام انسانیت:

قرآن شریف میں بتلایا گیا ہے کہ انسان کو پیدا کر کے فرشتوں کو اس کے آگے جھکایا گیا، جس سے یہ سبق ملتا ہے کہ انسانیت کی یہ ایک تذلیل ہے کہ اپنے پیدا کرنے والے کے سوا کسی کے سامنے جھکے، جب کہ خدا کے بعد اس کے فرشتے ہی سب سے زیادہ جھکنے کے قابل تھے، کیونکہ وہ اس عالم کے کار پرداز ہیں، وہ اللہ کے حکم سے بارش لاتے ہیں، ہوائیں چلاتے ہیں، جس طرح ایک حاکم اپنے نائب کا، اپنے اہل کاروں سے تعارف کراتا ہے، اسی طرح خدا نے انسان کے آگے فرشتوں کو جھکا کر ایک تعارف یا انٹروڈکشن کرایا کہ انسان کی نسل کو قیامت تک کے لئے یہ سبق یاد رہے کہ وہ بجز خدا کے کسی کے آگے جھکنے کے قابل نہیں، مگر انسان اپنی ہستی اور ذات کو فراموش کر کے انسانیت کی تذلیل اور خون کررہے ہیں۔

انسان کا اصل دشمن:

دوستو اور بھائیو! جنگی تاریخیں صاف بتلاتی ہیں کہ بجز ہوس کی آگ، نفس کی آگ اور پیٹ کی آگ کو بجھانے کے اور کوئی اہم مقصد حکومتوں کے سامنے نہیں رہا، کسی سیارے اور کسی مریخ سے کوئی دشمن نہیں اترا، باہر سے کوئی ستانے کے لئے نہیں آیا، کسی دوسرے ملک سے بھی ہمیں تباہ کرنے کے لئے کوئی نہیں آیا، بلکہ جو کچھ ہماری مصیبتیں ہیں، وہ ہمارے ہی ہاتھوں کی لائی ہوئی اور ہماری اخلاقی پستی کا نتیجہ ہیں۔

آپ سے پہلے جو قومیں دنیا میں تباہ ہوئیں ان پر کسی مرض یا وبا سے تباہی نہیں آئی

بلکہ وہ اپنے اخلاق کی خرابی، دولت پرستی اور کیریکٹر کی گراوٹ سے تباہ ہو گئیں، سیاسی پارٹیاں چاہے جو مرض اور بیماری بتائیں مگر میں تو یہی کہتا ہوں کہ اصل بیماری انسانیت کی تباہی اور اخلاقی پستی ہے۔

آنکھوں کی ہوس:

میں چیلنج کرتا ہوں کہ کوئی ماہر اقتصادیات یہ ثابت کرے کہ جتنی پیداوار ہے اس سے زیادہ آبادی ہے، کیونکہ اللہ نے جس انسان کو پیدا کیا ہے، اس کا رزق بھی پیدا کیا ہے، مگر آج انسان کی ہوس اتنی بڑھ چکی ہے کہ وہ چاہے ایک سیر نہ کھا سکے، مگر اپنے پاس ایک من دیکھنا چاہتا ہے، یہ آنکھوں کی ہوس کبھی پوری نہیں ہو سکتی، آج فرضی ضرورتوں کی فہرست اتنی طویل ہو چکی ہے کہ جس کی تکمیل کبھی ہو ہی نہیں سکتی، ہماری ضرورتوں کا پورا کرنا اللہ نے اپنے ذمہ لیا ہے، مگر اللہ نے یہ ذمہ نہیں لیا۔ کہ آپ چار موٹروں کی ہوس کریں، آپ سینما کی ہوس کریں، آپ روپیہ جمع کرنے کی ضرورت سمجھیں۔ آج اگر انسانوں میں سکون پیدا ہو سکتا ہے، زندگی بہترین ہو سکتی ہے، تو اس کا راستہ صرف یہ ہے کہ ایک اچھا قانون تلاش کریں۔

مذہب کو کسی سفارش کی ضرورت نہیں:

یاد رکھیے مذہب کو کسی سفارش کی ضرورت نہیں، جو لوگ مذہب کو ایک مظلوم کی حیثیت سے پیش کرتے ہیں، میں ان لوگوں میں نہیں، ہماری مصیبتیں، ہماری پریشانیاں ہمیں اس بات پر خود مجبور کرتی ہیں کہ ہم مذہب کو اپنائیں۔ آپ کب تک ضد کریں گے اور کب تک اپنی آنکھوں میں خاک ڈالے رہیں گے آخر آپ کو اپنی اس بے لطف اور تلخ زندگی کا چسکا کب تک پڑا رہے گا، آج میں دعوے کے ساتھ کہتا ہوں کہ کوئی قانون اور کنٹرول انسان کو بداخلاقی اور جرائم سے نہیں روک سکتا، بلکہ خدا کا خوف، اس کا مذہب سے تعلق، انسان سے محبت ہی ہماری بیماریوں کا واحد علاج ہے۔ آج افسوس یہ ہے کہ اس

لمبے چوڑے ملک میں جس میں کروڑوں انسان بستے ہیں اور بڑے سے بڑے انسان ہیں جو ہمارے لئے قابل فخر ہیں مگر اخلاقی کمزوریوں کو دور کرنے اور روحانی اور انسانی زندگی کو رواج دینے کے لئے کوئی تحریک اور کوئی جماعت نظر نہیں آتی۔

ہم نے بہت انتظار کیا اور آخر یہ فیصلہ کیا کہ جو کچھ ہم سے بن پڑے اس کو شروع کر دیں۔

آزادی کی حفاظت:

میں آپ کو خبردار کرتا ہوں کہ آزادی حاصل کرنا تو بہت اچھا ہے، مگر اس کو برقرار رکھنا اس کے بغیر ناممکن ہے کہ ہماری اخلاقی حالت درست ہو اور ہماری زندگی میں انسانیت زندہ ہو۔ دنیا کی تاریخ بتاتی ہے کہ کوئی ملک اور کوئی حکومت بغیر اخلاقی ترقی اور انسانیت کی بقا کے قائم نہیں رہ سکتی۔

آج یہ کام ہر طبقہ اور ہر درجہ کے لئے ضروری ہے، آپ اس یقین کے ساتھ اس سے تعاون کریں کہ بغیر ایک بے لوث خدمت کے جذبہ اور اخلاقی بلندی اور انسانیت کی بیداری کے ہماری زندگی کی مصیبتیں دور نہیں ہو سکتیں۔

یورپ زندگی سے مایوس ہے:

یورپ جو آج دنیا کا امام بنا ہوا ہے، اپنی مادی ترقی کے ساتھ ساتھ زندگی سے مایوس ہو رہا ہے، اور زندگی کے حقیقی لطف اور اصل سکون سے محروم اور خالی ہاتھ ہے اور اپنی مادہ پرستی سے بددل ہو رہا ہے۔

مسلمانوں کا فرض منصبی:

مسلمانوں سے میں صاف کہتا ہوں کہ آپ کو جتنا اصرار خدا کی وحدانیت پر، خدا کی ذات پر اور خدا کے دین پر ہے اس کا تقاضا یہ تھا کہ آپ دنیا میں اس اعلان کو عام کرتے اور اس دبی ہوئی حقیقت کو ابھارتے، دوسرے بھائیوں کو یہ بھولا ہوا سبق یاد دلاتے،

مگر آپ نے تو اس کی فکر تک نہ کی، آپ دوسرے ملکوں پر نظریں لگانا چھوڑ دیں۔ اپنے اسلاف کی تاریخ پر نظر ڈالئے کہ (Spain) اسپین میں لنگر انداز ہونے پر جب طارق نے اپنے جہازوں کو آگ لگوادی۔ جب ان سے دریافت کیا گیا کہ ایسا کیوں کیا؟ تو تلوار پر ہاتھ ڈال کر جواب دیا کہ جو بزدل جہازوں کو اپنا معبود بنائے ہوئے ہو وہ نا امید ہو جائے لیکن ہمارا معبود تو صرف ایک اللہ ہے جو حیَّ و قیوم ہے۔ ہم اس کے پیغام لے کر آئے ہیں اور اب ہمیں اسی ملک میں جینا اور مرنا ہے۔ اب اس ملک میں توحید کا تحفہ دے سکتے ہیں اور یہ تحفہ قبول کرنے کے قابل ہے، میں مسلمانوں سے کہتا ہوں کہ تم اس ملک میں رہنے کا فیصلہ کرو۔ کوئی مانے یا نہ مانے مگر تم اس ضرورت کو محسوس کرو۔

ہر چیز اپنے مقام سے ہٹی ہوئی ہے:

میرے رفیقو! اس ملک کا سدھار اس وقت تک نہیں ہوسکتا جب تک بے لوث خدمت، سچی جذبہ، اخوت، مساوات اور انسانی ہمدردی کا جذبہ نہ پیدا ہو، انسان کی زندگی کا اصل مقام اور حقیقی مقصد خلیفۃ اللہ (خدا کا نائب) ہونا ہے، مگر تم ایک سکہ کے پاؤں تلے اپنا سر رکھنے لگے۔ تم نے سکہ کو جیب میں جگہ دینے کے بجائے اپنے دلوں میں اور دماغوں میں جگہ دی، گھر گھر جو شوالہ اور مسجد بنی ہوئی ہے، وہ روپے کا شوالہ اور مسجد ہے، جہاں روپے کی پرستش ہو رہی ہے، خدا کے نائب اور سچے پرستار بن جاؤ۔ اس زندگی کی چول بیٹھ جائے گی تم اپنے مقام پر آ جاؤ، ہر چیز اپنے مقام پر آ جائے گی۔ اللہ تعالیٰ ہم سبھوں کو دین سے لگائے رکھے، و آخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین

اسلام کا پیام جرمن قوم کے نام

یہ فکر انگیز تقریر ۱۲ اکتوبر ۱۹۶۴ء کو حضرت مولانا علی میاں ندوی رحمۃ اللہ علیہ نے برلن کی انجینئرنگ یونیورسٹی میں کی تھی، جس میں یونیورسٹی کے بڑے اساتذہ، طلبہ کے سوا مختلف حلقوں کے نمائندے اور محققین موجود تھے! اس تقریر میں حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ نے جرمن قوم کو اسلام کی دعوت دی ہے جو ان کی تعمیر و ترقی کا ضامن بن سکتا ہے

الحمد للہ رب العالمین والصلوۃ والسلام علی سید الانبیاء والمرسلین وعلی آلہ وصحبہ اجمعین اما بعد.

عظیم جرمن قوم:

مجھے اس عظیم شہر برلن میں پہلی بار عظیم جرمن قوم سے خطاب کرنے اور اسلام کا پیغام پہنچانے کا موقع مل رہا ہے یہ ایک خوشگوار اور قیمتی موقع ہے، اور مجھے اس کی اہمیت اور نزاکت کا پورا احساس ہے۔

جرمن قوم زمانہ قدیم سے شجاعت اور مہم جوئی، سنجیدگی اور قوت عمل اور انتھک جد و جہد میں ممتاز رہی ہے، اسی کا نتیجہ تھا کہ اس قوم میں ایسے صاحب عزم اور جوان مرد پیدا ہوئے، جنہوں نے مغربی معاشرہ اور مغربی افکار پر گہرا اثر ڈالا، اس موقع پر خصوصیت کے ساتھ میں تین اشخاص کا نام لوں گا، جن میں سے ہر ایک کا یورپ کے دل و دماغ پر زبردست اثر ہے، اور ان میں سے ہر ایک مستقل مدرسہ فکر کا بانی اور اپنے رنگ میں منفرد ہے، پہلا شخص مارٹن لوتھر (MARTIN LU THER) ہے، جس نے اصلاح کلیسا کتاب مقدس کی طرف رجوع اور پوپ اور پادریوں کے حد سے بڑھے ہوئے اقتدار کی حد بندی کی دعوت دی اس نے مسیحی یورپ پر گہرا اثر چھوڑا، اور ایک مذہب کا

بانی قرار پایا، اور دوسرا شخص گوئٹے (GOETTE) ہے، جس نے مشرق سے ہمیشہ محبت کی اور اس کے شعر و نغمہ و روحانیت سے پوری دلچسپی لی، اس نے اسلام کا بھی مطالعہ کیا اور اس مذہب اور اس مذہب کے پیغمبر سے اپنے تاثر کا اظہار کیا اور جرمن شعر و ادب پر اپنا لافانی نقش چھوڑا آخری زمانہ میں کانٹ (KANT) جیسا شخص پیدا ہوا، جس نے یورپ کی عقل پرستی کی تردید کی، اور اس کے حدود اور میدان متعین کئے، کانٹ عہد آخر میں جرمنی کا سب سے بالغ نظر مفکر سمجھا جاتا ہے اس کا اور اس کی دو کتابوں "تنقید عقل محض" اور "تنقید عقل عملی" کا مغربی فکر و فلسفہ پر گہرا اثر ہے، یہ تینوں تحریکیں یا مدارس فکر جرأت، انقلاب اور جدت میں ممتاز تھے، ان میں سے ہر ایک اپنی جگہ پر انقلابی نقطۂ نظر کا حامل تھا، جس کا اعتراف نہ صرف اس کے ملک جرمنی بلکہ پورے یورپ کو ہے۔

جرمنوں کی قومی خصوصیات اور حوصلہ مندی:

انقلاب بغاوت اور ذہنی بے چینی جرمن قوم کے خمیر میں ہے، انقلاب پسندی اور نفسانی خلش اور بے چینی تھی جو کارل مارکس کی شخصیت کے روپ میں اپنے پورے عروج کے ساتھ ظاہر ہوئی، اور جس نے آخر کار دنیا کے ایک بہت بڑے رقبہ میں بے چینی پیدا کر دی، اور موجودہ زمانہ کے قدیم اقتصادی نظاموں کے خلاف سب سے بڑی بغاوت کہلائی۔

یہ تحریکیں جن کا ابھی میں نے ذکر کیا در اصل انقلاب اور بغاوتیں ہی تھیں، کبھی ان کا دائرہ وسیع تھا، کبھی تنگ، کبھی ان کا اثر گہرا تھا، اور کبھی ہلکا جرمن قوم ہمت و جرأت پیش قدمی، دنیا میں بلند مرتبہ حاصل کرنے کا شوق اور خود اعتمادی میں بھی ممتاز ہے، پہلی اور دوسری عالمگیر جنگیں (۱۹۱۴۔۱۹۱۸ء)(۱۹۳۹۔۱۹۴۵ء) کبھی در حقیقت سیاست و حکومت کی دنیا میں دو بغاوتیں یا دو مہم جوئی کہی جا سکتی ہے، یہ صرف اس کا نتیجہ تھا کہ اس عظیم قوم میں ایک جوش اور ولولہ پیدا ہو گیا، اس کی صلاحیتیں، قوتیں یکا یک ابھر آئیں، اس میں حوصلہ مندی اور خود اعتمادی پیدا ہوئی، اب بھی شرار زندگی اس کی خاکستر میں

پوشیدہ ہے، اب بھی وہ زندگی اور نشاط تعمیر وترقی کی زبردست صلاحیت سے بھرپور ہے، اگر یہ بات نہ ہوتی تو جرمن قوم اس زبردست صدمہ کو برداشت نہ کرسکتی جس کی مثالیں تاریخ میں کم ملتی ہیں، وہ اس قیامت کو سہار نہ سکتی جو ایک پوری قوم کی صلاحیت کو مفلوج کردینے، اور اس کو زندگی سے مایوس کردینے کے لئے کافی تھی، اور دوسری جنگ عظیم میں اس کی تباہ شدہ عمارتوں اور کارخانوں کے ملبہ سے یہ تمدن یہ صنعت اور یہ نشاط اور قوت پیدا وار ظاہر نہ ہوتی، اور جرمن قوم تازہ دم ہوکر نئی قوت اور نئے ولولہ کے ساتھ اپنی زندگی کی دوڑ شروع کرنے کے قابل نہ ہوسکتی۔

جرمنوں کی بدقسمتی وناکامی:

لیکن اس عظیم قوم کے یہ تجربے اور مہم جوئیاں محدود بغاوتوں اور محدود قسم کے انقلاب سے آگے نہ بڑھ سکیں جس طرح کے انقلاب کا آغاز کلام میں میں نے اشارہ کیا ہے اور جس کی مغربی معاشرہ اور مغربی دائرہ فکر میں ایک خاص قیمت ہے، جس نے جرمن قوم کو عظمت ترقی اور شہرت دوام عطا کی ہے، لیکن وہ یورپ کے مذہبی اور فکری نظام کو یکسر تہ وبالا نہ کرسکا، وہ ایک نیا معاشرہ اور یک نئی دنیا پیدا کرنے میں کامیاب نہ ہوسکا جو قدیم دنیا سے ہر چیز میں مختلف ہوتا۔

گزشتہ عالمی جنگیں کس لئے لڑی گئیں؟:

گزشتہ دونوں جنگیں عظیم پاکیزہ مقاصد کے لئے نہ تھیں، اور مسیحیت یا بلند اخلاقی اقدار یا انسانیت کے لئے نہیں لڑی گئی تھیں، ان کا مقصد اور نشانہ یہ نہیں تھا کہ قیادت ظالم اور پاپی کے ہاتھ سے نکل کر رحم دل اور عدل نواز ہاتھ میں پہنچ جائے، وہ فسق وفجور بے حیائی اور حیوانیت کو ختم کرنے کے لئے نہیں چھیڑی گئی تھیں، آپ مجھے معاف کریں یہ درحقیقت حکومت واقتدار حاصل کرنے کے لئے تھیں، اور زیادہ صاف لفظوں میں یہ جنگیں اس لئے کی گئیں کہ دونوں فریقوں میں سے ہر فریق یہ چاہتا تھا کہ دنیا میں جو کچھ فساد، ظلم، زور دستی اور لوٹ کھسوٹ ہے وہ سب برقرار رہے، لیکن اس کی تولیت اور

ماتحتی میں ہو۔

اس عظیم قوم کی ذمہ داری کیا تھی:

حضرات! عظیم جرمن قوم کا مقام و مرتبہ تو یہ تھا کہ وہ ان تمام بغاوتوں اور جنگوں اور انقلابات سے زیادہ وسیع اور زیادہ دور رس انقلاب دنیا کے سامنے پیش کرتی، ایسا انقلاب جو نہ صرف جرمنی اور یورپ بلکہ پورے نوع انسانی کے لئے مفید ہوتا اور اس کو حقیقی سکون اور اطمینان سے ہم کنار کرتا۔ ایک ایسا انقلاب جو اپنی انفرادیت، انقلاب آفرینی جدت اور حوصلہ مندی اور اپنی تخلیقی صلاحیت میں ان تمام انقلابات سے کہیں بہتر ہوتا جو جرمنی کے اولوالعزم رہنماؤں نے ماضی قریب یا ماضی بعید میں برپا کئے ہیں۔

آج بھی جرمنی مغربی قافلہ کا پوری طرح ساتھ دے رہا ہے بلکہ صنعت، کاریگری اور کثرت پیداوار میں بعض اوقات اس سے آگے بڑھ جاتا ہے، وہ وسائل ایجادات مصنوعات اور زندگی کی سہولتوں میں برابر اضافہ کرتا رہا ہے، لیکن موجودہ تہذیب میں اس کا حصہ صرف صنعت، پیداوار، تجارت اور موقع شناسی کی حد تک ہے، اس معاملے میں اس قوم کی ذہانت اور عبقریت، اس کا کمال فن اور اس کا ضبط و تحمل اچھی طرح آشکارا ہولیا اور وہ اس میدان میں اپنی بہت سی پڑوسی قوموں اور ملکوں سے آگے نکل گئی ہے، اور دنیا کی قوموں میں اور تجارت کی منڈیوں اور بازاروں میں صف اول میں نظر آتی ہے۔

اس انقلاب پسند اور حوصلہ مند قوم سے اور اس ملک سے جو عرصہ سے انقلابوں کا مسکن اور انقلابات کی آماجگاہ رہ چکا ہے، اسکی توقع تھی کہ وہ اس تہذیب سے بغاوت کرتا جس نے انسان کو ایک گمراہ سرکش وجود اور ایک طاقتور تباہ کن ہستی بنا دیا ہے، جس نے اس کو ایک ایسی اندھی بہری مشین بنا دیا ہے، جو نہ روح رکھتی ہے نہ دل، نہ عقیدہ نہ ضمیر، اس نے پوری دنیا کو ایک قمار خانہ یا بوچڑ خانہ اور پوری زندگی کو خرید و فروخت اور لین دین کی ایک منڈی بنا دیا ہے، اس نے زندگی سے ندرت، جدت، تنوع، گہرائی اور حرارت سلب کر لی ہے، اس تہذیب کے خلاف علم بغاوت بلند کرتا جس نے زندگی کو ایک نہ ختم ہونے والا

سفر، نہ ختم ہونے والی مشکلات بنا دیا ہے، ایک ایسی ریس بنا دیا ہے، جس کی کوئی انتہا نہیں، ایک ایسی جد وجہد تگ ودو جس کا کوئی نتیجہ نہیں، اس نے عصر حاضر کے انسان کو کولہو کا بیل بنا دیا ہے، جو مسلسل ایک دائرہ میں چکر کاٹتا رہتا ہے، اس نے انسان سے اس کی سب سے بیش قیمت متاع چھین لی، اس کو سب سے بڑی شرافت سے محروم کر دیا، اور وہ ہے، ایمان اور یقین، بے لوث اخلاص، پاکیزہ محبت اور درد وسوز کی دولت۔

اس کی توقع تھی کہ یورپ کی قوموں میں سے کوئی ایک قوم جھوٹے نظریات اور ان مصنوعی اقدار اور معیاروں سے بغاوت کرتی، جس کو خود انسان تراشتا ہے، اور پھر ان کی پرستش کرتا ہے۔ یہ جھوٹی اقدار زندگی کی وہ مطالبات اور زندگی کا وہ معیار اور نئے فیشن ہیں، اور وہ ساری باتیں ہیں جن کو سوسائٹی بلا وجہ انسان پر عائد کرتی ہے، وہ ٹیکس ہیں جو انسان کی پرسکون زندگی کو مغلوب اور اس کی حقیقی آزادی کو سلب کر لیتے ہیں، خاص طور پر اس جرمن قوم سے جس کی یورپ نے کوئی قدر نہیں کی اس بات کی امید تھی کہ وہ اس مبارک اور حقیقی انقلاب کی علم بردار ہو کر نہ صرف اپنے ملک بلکہ پوری دنیا کے حالات کا رخ تبدیل کر دیتی، اور اس کے ایک نئے باب کا آغاز کرتی۔

جرمنی نے کیا غلطی کی:

اس کے برعکس جرمنی اس مغربی خاندان کا ایک وفادار ممبر بنا رہا جس نے اس کے ساتھ مساویانہ سلوک نہیں کیا اور ہمیشہ اس کو حسد کی نگاہ سے دیکھا اور اسی رخ پر چلتا رہا، اسی ذہن ودماغ سے سوچتا رہا، اور اپنی ذہانت اور مہارت وکمال سے اس کو مدد پہنچاتا رہا اس نے ان حدود سے آگے بڑھنے اور اس دائرے سے باہر قدم نکالنے کی کوئی کوشش نہیں کی جو اس نے متعین کر دی تھی، وہ عظیم جست نہیں لگائی جو اس کی تقدیر اور دنیا کی تقدیر تبدیل کر سکتی، اس کو دنیا کی قیادت بقاء دوام ملتی اور قوموں کی برادری میں اس کے مقام کو بلند اور اپنے پڑوسیوں کی نگاہ میں اس کی عزت دوچند کر سکتی ہے۔ یہ ایک ایسی جرأت مندانہ جست ہوتی جس کا مقابلہ یورپ کی کوئی اور قوم نہیں کر سکتی، یہ اس مصنوعی اور تنگ

دائرہ کو توڑ سکتی ہے، جس میں یورپ صدیوں سے زندگی گذار رہا ہے، یہ جست قدیم و جدید مشرق اور مغرب سب کو فراموش کر کے دنیا کو مادیت، حیوانیت، درندگی اور اس المناک انجام سے محفوظ کر سکتی تھی، جس کو سائنس نے بہت قریب کر دیا ہے، یورپ کے مختلف حصوں میں اقتصادیات، اجتماعیات اور سیاست کے میدانوں میں انقلابیوں نے جو چھلانگیں لگائی ہیں، وہ اس عظیم جست کے مقابلے میں بچوں کے اچھل کود سے زیادہ کوئی حقیقت نہ رکھتیں۔

ایک عجیب تضاد:

یہ ایک عجیب وغریب ناقابل فہم تضاد ہے کہ وہ یورپ جو زندگی اور نشاط سے بھرپور ہے، اور متمدن دنیا کے سب سے وسیع رقبہ کی قیادت کر رہا ہے، جس نے کائنات کے اسرار سے پردہ اٹھایا اور مادی طاقتوں کو اپنا غلام بنایا جو سستی، جمود تعطل اور بے عملی کے الفاظ سے ناواقف ہے، اس کی رہنمائی ایک ایسے مذہب کے ہاتھ میں ہے جو رہبانیت کا داعی اور انسان اور اس کے خالق کے درمیان واسطہ حاصل کرنے پر مجبور ہے، جو کفارہ پر بھی عقیدہ رکھتا ہے، وہ کفارہ جو انسان کو دوسروں پر بھروسہ کرنا سکھاتا ہے، اور اپنی صلاحیتوں اور اپنی ارادہ وعمل پر اس کے اعتماد کو ختم کر دیتا ہے اس کے عمل کی قیمت اور جدوجہد کی افادیت کو خود اس کی نگاہ سے گراتا ہے، پھر لطف کی بات یہ ہے کہ اس مذہب کے نمائندے یورپ کے متجسس، حوصلہ مند، انسان اور علم وعقل کے درمیان ایک طویل عرصے تک دیوار بن کر حائل بھی رہے انہوں نے کتاب مقدس کے مفسرین اور اہل کلیسا کے بتائے ہوئے معلومات ونظریات سے سرتابی ان کے لئے حرام کر رکھی تھی، چنانچہ جو شخص اپنے عقل اور تجربے پر بھروسہ کرتا تھا، وہ اپنے مشاہدہ اور نظریہ کا اعلان کرتا تھا، اس کو وہ سزائیں دی جاتی تھیں کہ مذاہب کی پوری تاریخ میں اس سے ہیبت ناک اور بے دردانہ سزاؤں کی مثال نہیں ملتی۔

کلیسا سے بغاوت:

پھر وہ وقت بھی آیا کہ یورپ نے کلیسا کے اس بے جا تشدد جبر و استبداد اور تنگ نظری و کم عقلی کے خلاف بغاوت کردی اور اس کی بیڑیاں اور زنجیریں توڑ ڈالیں اس نے وہ عظیم ترقی کی جس کی مثال جدید انسانی تاریخ پیش کرنے سے قاصر ہے، علم و تمدن اور طبیعاتی علوم میں بڑے بڑے مراحل طے کئے لیکن اس زبردست کش مکش نے جس نے اس کو باطل خستہ اور شکستہ کردیا، اور اس کی ساری طاقتوں اور صلاحیتوں کو نچوڑ لیا، (حالانکہ اس دردسری کی اس کو کوئی ضرورت نہ تھی) اس کو اس توازن اور اعتدال سے محروم کردیا، جو حقیقی سعادت کا سرچشمہ ہے اور اس پر وہ انتہا پسندی اور مادہ پرستی مسلط کردی جو مرور زمانہ کے ساتھ مغربی تہذیب کا مزاج اور اس کی طبیعت ثانیہ بن گئی ہے، آج بھی یہ کلیسا بہت سے مغربی ملکوں کی مغربی سوسائٹیوں پر حاوی ہے آج بھی ایک یورپین اپنے مذہب میں وہ رخ اختیار کرتا ہے، جس کا عقل و تدبیر سے کچھ تعلق نہیں ہوتا، اور اپنی تہذیب و معاشرت میں وہ طرز اختیار کرتا ہے، جس کا مذہب سے کوئی واسطہ نہیں ہوتا، یہ تضاد اس کی ہر ترقی، ہر پیش قدمی اور ہر طرز ادا کے ساتھ لازم و ملزوم ہے۔

اسلام سے یورپ کی محرومی:

میرے دوستو! اس سے بڑھ کر تضاد اور المیہ جس کو تاریخ بھول نہیں سکتی یہ ہے کہ اس کے برعکس یورپ اس توحید خالص اور واضح عقیدہ کے دین (اسلام) سے محروم رہا، جو اپنی وضاحت اور عملیت سعی و عمل اور خود اعتمادی میں ممتاز ہے، جس کے نزدیک ایک فرد کے عمل کی بڑی قیمت ہے، جو دنیا و آخرت دونوں جگہ اعمال کے نتائج و اثرات پر ایمان رکھتا ہے، اور اس دنیا کو آخرت تک پہنچنے کا ایک پل سمجھتا ہے، جو انسان میں مردانگی، اولوالعزمی، عالی ہمتی اور بلند نظری کے اوصاف پیدا کرنا چاہتا ہے، وہ اس پیغام کے داعی سے بالکل رہا جس کے متعلق قرآن کی معجزانہ اور بلیغ الفاظ یہ ہیں:۔

الرَّسُوْلَ النَّبِیَّ الْاُمِّیَّ الَّذِیْ یَجِدُوْنَهٗ مَکْتُوْبًا عِنْدَهُمْ فِی

التوْرات والْانجيل يأْمرهمْ بالْمعْرُوْف وينْهاهمْ عن الْمنْكر
ويُحلّ لهُمُ الطّيبات ويُحرّمُ عليْهمُ الْخبآئث ويضعُ عنْهمْ إصْرهُمْ
والْأغْلال الّتىْ كانتْ عليْهمْ. (الاعراف۔۱۵۷)

(ترجمہ) جو رسول کی پیروی کریں گے، جو نبی امی ہوگا اس کی ظہور کی خبر اپنے یہاں تورات اور انجیل میں لکھی پائیں گے وہ انہیں نیکی کا حکم دے گا برائی سے روکے گا پسندیدہ چیزیں حلال کرے گا گندی چیزیں حرام ٹھہرائے گا اُس بوجھ سے نجات دلائے گا جس کے تلے دبے ہوں گے، ان پھندوں سے نکالے گا جن میں گرفتار ہوں گے۔

اسلام کی غلط تصویر کے بعض اسباب:

اسلام اور پیغمبر اسلام ﷺ سے یورپ کو متوحش بدظن اور دور کرنے میں صلیبی جنگوں، اہل کلیسا مسیحیت کے مبلغین اور یورپ کے ان مصنفین کا بہت بڑا ہاتھ ہے، جو علمی رجحان اور عقلی رجحان کے حامی نہ تھے، انہوں نے اس دین اور اس کے عظیم پیغمبر کی بہت خوفناک اور کریہہ (ناپسندیدہ) تصویر پیش کی، اور یورپ میں پیغمبر اسلام کے متعلق طرح طرح کی من گھڑت کہانیاں اور بے سر وپا داستانیں مشہور ہوگئیں، ان کے گرد مختلف کہانیوں مثالوں اور کہاوتوں کا ایک سیاہ ہالہ قائم ہوگیا جس نے یورپ کو ان کی محبت اور ان کی عظمت کے اعتراف سے باز رکھا، آج بھی اس کے نمونے ان کتابوں میں دیکھے جاسکتے ہیں، جو قرون وسطی اور اس کے بہت بعد تک لکھی جاتی رہیں، اور آج بھی بہت سے پرجوش مغربی مصنفین اسی بات کو دہراتے اور نئے نئے زاویے سے پیش کرتے رہتے ہیں۔

اس کے علاوہ ان کا بہت بڑا سبب اور ہی تھا، اور وہ یہ کہ یورپ اس دین کو ترکوں کے واسطے سے دیکھنے کا عادی رہا، جب وہ اس پر غور کرتا، یا اس کا تصور کرتا، تو اس کے سامنے عثمانی ترک کھڑے ہوجاتے، جو یورپ کے براعظم میں اسلام کے تنہا، سرکاری نمائندہ سمجھے جاتے تھے، وہ آزادانہ نگاہ سے اسلام کو نہیں دیکھتا تھا، بلکہ عثمانیوں کے

مذہب کی حیثیت سے اس پر غور کرتا تھا، جو اس پر اکثر حملہ کرتے رہتے تھے، اور اس کے بہت سے حصوں پر قبضہ بھی کر لیتے تھے جو کبھی کبھی غلطیاں بھی کرتے تھے، اور کبھی ان سے تشدد اور سختی کا مظاہرہ بھی ہوتا تھا، یہ ساری باتیں اسلام کے صحیح اور پاکیزہ فہم سے مانع رہیں، جو آزاد غور و فکر اور براہ راست مطالعہ پر مبنی ہوتا۔

اسلام سے دوری اور زندگی پر اس کے نتائج و اثرات:

اسلام سے یورپ کے بعد کا انسانی سوسائٹی کی تاریخ اور تہذیب و ترقی کی رفتار پر بہت گہرا اور دور رس اثر پڑا، اگر یورپ یا اس کی کسی بڑی قوم نے اسلام کو اختیار کیا ہوتا اور اس دعوت کی علمبردار ہوتی تو نہ صرف یورپ بلکہ پوری دنیا کا نقشہ ہی دوسرا ہوتا، زندگی اس طرح بے معنی اور بے مقصد نہ ہوتی، دین و اخلاق اس طرح بے دست و پا اور بے اثر نہ ہوتے، انسانی تہذیب کا رخ تباہی و بربادی کی طرف نہ ہوتا، اور مشرق محض استحصال اور جبر و استعمال کی آماجگاہ نہ ہوتا جیسا آج ہے۔

دنیا کا عظیم خلاء:

دنیا میں ایک ایسا عظیم خلا ہے، جو صدیوں سے پر نہیں کیا جا سکا وہ ایک ایسی قوم کا فقدان ہے، جو اپنے ایمان و عقیدہ اور اپنے اخلاق و معاملات ہر چیز کے لحاظ سے طاقتور ہو، جو صحیح دینی دعوت اور اس آخری آسمانی پیغام کی حامل ہو جو زندگی کے مسائل کا سامنا کرتا ہے۔ اس سے گھبراتا نہیں، قافلہ انسانی کی رہنمائی کرتا ہے، اس سے بچھڑتا نہیں، ایسی قوم جو عصری ثقافت میں ممتاز، عبقریت اور تخلیقی صلاحیت کی حامل زندگی و نشاط سے لبریز اور مجسم جہد و عمل ہو، یہ وہ مطلوب قوم ہے، جو دنیا کو شر سے خیر کی طرف تخریب سے تعمیر کی طرف اور فساد سے اصلاح کی طرف پھیر سکتی ہے۔

ترکوں میں جن کی قیادت آل عثمان کر رہے تھے، (پندرھویں صدی عیسوی میں) اس کی صلاحیت تھی کہ عالمی قیادت کے اس خلا کو پر کر سکیں، جو طویل عرصے سے چلا آ رہا تھا، انہوں نے مشرق میں قیادت کے اس خلا کو ضرور پر کیا، عالم اسلام کی قیادت کی اور

اس کو ایک نئی زندگی اور نئی قوت عطا کی، لیکن بہت سے اسباب کی بنا پر مثلاً جدید علوم جدید تنظیم اور ترقیات و ایجادات کے شعبے میں ان کی پسماندگی، مغربی قوموں کی ان پر یورش اور جنگوں کے لامتناہی سلسلہ کی وجہ سے وہ مغرب کی قیادت نہ کر سکے اور اس نشاۃ ثانیہ کی سربراہی نہ کر سکے جو یورپ میں طوفان کی طرح بڑھ رہی تھی، اور ایک نیا عہد وجود میں آ رہا تھا، اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ وہ قافلہ سے بچھڑ گئے یہ خلا ان کے بعد آج بھی باقی ہے، اور دنیا کسی ایسی مغربی یا مشرقی قوم کا منتظر ہے، جو ایمان اور علم کی قوت، روح اور مادہ کی قوت، آسمانی پیغام کی ابدیت اور اس کی ازلی حقیقت، علم کی جدت اور عقل کی ترقی پذیری، جدید وسائل کے انبار اور صالح مقاصد کی دولت کو باہم جمع کر سکے، وہ مقاصد جو آسمانی مذاہب عطا کرتے ہیں، اور آخری آسمانی مذہب اسلام اس کا سب سے مکمل اور جامع نمائندہ ہے، وہی اس دنیا کی اصلی قائد اور رہنما ہے، جو اس خلا کو پر کر سکے، تاریخ کے دھارے کو موڑ سکے، اور زمانے کو ایک نیا راستہ اور نئی سمت اختیار کرنے پر مجبور کر سکے، اور اس تیز دوڑتی آمادہ خودکشی دنیا کو زندگی کی ایک نئی قسط عطا کر سکے، اور اس کو موت کے اس غار سے بچا سکے، جس کی طرف وہ ایسی سرعت اور راکٹ کی رفتار سے بڑھ رہی ہے۔

نئے انقلاب کی ضرورت:

میرے بھائیو! اس کے لئے ایک جرأت مندانہ بغاوت کی ضرورت ہے، ایک ایسے انقلاب کی ضرورت ہے، جو ان تمام انقلابات سے بڑھ جائے .... جو آزادی و ترقی کے علمبرداروں نے ماضی یا حال میں کئے تھے، اس کے لئے پوری قوم کے انقلاب اور تغیر حال کی ضرورت ہے، ایک ایسی جست یا چھلانگ کی ضرورت ہے جس میں خاصا خطرہ ہو قربانی ہو جست ایک زندگی سے دوسری زندگی کی طرف ایک نظام سے دوسرے نظام کی طرف، ایک مذہب سے دوسرے مذہب کی طرف یہ جست تجھ کو وہ قیادت و زعامت وہ عزت و احترام وہ اثر و رسوخ وہ ہیبت وہ رعب، اور وہ سکون و اطمینان اور روحانی آسودگی و خوش حالی عطا کر سکتی ہے جس کا خواب بھی تیرے ان خطر پسندوں،

جواں مردوں اور جنگجو رہنماؤں نے نہ دیکھا ہوگا، جنہوں نے تجھ کو دو ہولناک جنگوں کی آگ میں دھکیل دیا تھا۔

اس جست سے تو مادی قوت سیاسی اقتدار اور انسانیت کی صحیح رہنمائی اور صحیح نمونہ دونوں چیزوں کی جامع اور اللہ تعالیٰ کے ان ارشاد کی مصداق ہو سکتی ہے۔

وَنُرِيْدُ اَنْ نَّمُنَّ عَلَى الَّذِيْنَ اسْتُضْعِفُوْا فِى الْاَرْضِ وَنَجْعَلَهُمْ اَئِمَّةً وَّنَجْعَلَهُمُ الْوَارِثِيْنَ O (القصص. ۵)

(ترجمہ) اور ہم چاہتے ہیں کہ اپنا خاص فضل کریں ان بندوں پر جو ہماری زمین میں کمزور کر دیئے گئے ہیں، اور ہم ان کو سربراہ بنائیں اور انہی کو زمین کا وارث بنا دیں۔

وَجَعَلْنَا مِنْهُمْ اَئِمَّةً يَّهْدُوْنَ بِاَمْرِنَا لَمَّا صَبَرُوْا وَكَانُوْا بِاٰيَاتِنَا يُوْقِنُوْنَO (السجدہ. ۲۴)

(ترجمہ) اور ہم نے بنا دیا ان کو پیشرو کہ وہ رہنمائی کریں ہمارے حکم سے جب کہ انہوں نے صبر و ثبات کا ثبوت دیا، اور وہ ہماری آیات پر یقین رکھتے تھے۔

اللہ تعالیٰ آپکو مزید ترقی نصیب کرے اور صراطِ مستقیم پر چلنے کی توفیق بخشے

و آخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

آزاد اسلامی ملک میں اہل بصیرت اور اصحاب غیر کی ذمہ داری

الحمد للہ و کفیٰ و سلام علی عبادہ الذین اصطفیٰ اما بعد

ایک تاریخی حقیقت

حضرات! میں اپنی گفتگو کا آغاز مشہور صحابی فاتح مصر، حضرت سیدنا عمرو بن العاص کے ایک جملے سے کروں گا جو بڑا حکیمانہ اور سبق آموز ہے اس سے ہر مسلم معاشرہ اور خطہ کو فائدہ اٹھانا چاہئے۔ مصر جب فتح ہوا اور حضرت عمرو بن عاصؓ نے اس کو خلافت راشدہ کی قلمرو میں شامل کیا اس وقت اس بات کے سارے قرائن موجود تھے کہ مصر مسلمانوں کے قبضے میں رہے گا قبطی سلطنت دم توڑ چکی تھی اور ملک میں مقابلے کی کوئی طاقت باقی نہیں رہ گئی تھی خلافت راشدہ کے مرکز مدینہ طیبہ سے اور جزیرۃ العرب سے اس کا جو جغرافیائی قرب تھا وہ بھی اس بات کی ضمانت تھا کہ مصر کی پوری طور پر نگرانی کی جاسکے گی اور وہاں مسلمانوں اور اسلام کا مستقبل محفوظ رہے گا۔ تاریخ کی شہادت ہے کہ جن ممالک کو صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے فتح کیا وہ ممالک اب بھی کسی نہ کسی طرح اسلام کے زیر سایہ ہیں اس کے خلاف ایسی نظیریں ملتی ہیں کہ جن ممالک کو بعد کے فاتحین نے فتح کیا اور جن فاتح لشکروں میں صحابہ کرام شامل نہیں تھے وہ اسلام کے سایہ رحمت سے محروم ہو گئے ایسے کئی ممالک کی مثالیں دی جاسکتی ہیں جن میں بہت مستحکم مسلم سلطنتوں کی بنیاد رکھی گئی تھی لیکن چند صدیوں کے بعد وہ اسلامی قلمرو سے خارج ہو گئے لیکن جہاں تک میرا مطالعہ ہے ایسے ممالک جو براہ راست صحابہ کرام کے ذریعے سے فتح ہوئے تھے وہ کلی طور پر اسلام کی دولت سے محروم نہیں ہوئے حضرت عمرو بن عاصؓ کے

لئے اس بات کو باور کرنے اور اس بارے میں اطمینان حاصل کرنے کے سارے آثار وقرائن موجود تھے، کہ مصر میں کسی بڑے انقلاب کا اندیشہ نہیں ہے، مصر فتح ہو چکا تھا اور صحابہ کرام اور مسلمانوں کے قدم جم چکے تھے مساجد تعمیر ہو رہی تھیں اور مصر کی وہ بازنطینی سلطنت (BYZANTINE EMPIRE) جس کا آخری فرماں رواہ ہرقل تھا، دنیا سے رخصت ہو چکا تھا، اس لئے یہ واقعہ حضرت عمرؓ کے زمانہ کا ہے اور اس سلطنت بازنطیہ کے مقبوضات جن میں شام وفلسطین کا علاقہ بھی تھا اسلام کے زیر سایہ آ چلے تھے۔

بصارت وبصیرت

لیکن اللہ تعالی نے صحبت نبوی ﷺ کی برکت سے حضرت عمرو بن العاصؓ کو جو فراست ایمانی عطا کی تھی جس کا کچھ نہ کچھ حصہ مومن کو مل سکتا ہے اتقوا فراسة المؤمن فانّهٗ ینظرُ بنُور الله. حدیث میں آیا ہے کہ مومن کی فراست سے ہوشیار رہنا اس لئے کہ اس کو اللہ کے نور کی مدد حاصل ہے اس کی بصارت کے ساتھ ایک خداداد بصیرت بھی شامل ہوتی ہے حضرت عمرو بن عاصؓ نے فراست ایمان کی وجہ سے ایک جملہ کہا جس کو تاریخ نے انہی کے لفظوں میں محفوظ کر لیا ہے اور وہ جملہ ایسا ہے کہ اگر کوئی مجھ سے کہے کہ آیت الکرسی اور متبرک آیات قرآنی کے علاوہ کوئی ایسا رہنما جملہ یا عبارت بتائیے جو خوشخط لکھ کر ہر پڑھے لکھے مسلمان کے گھر میں آویزاں کیا جائے تو میں اسی جملے کا مشورہ دوں گا۔ حضرت عمرو بن عاصؓ نے مصر کی فتح مکمل ہو جانے کے بعد جب قدیم مصر میں سب سے بڑی مسجد (فسطاط کے نام) سے تعمیر ہو گئی تھی، اور پورا شہر اسی نام سے آباد ہو گیا تھا، صحابہ کرامؓ نے متعدد جلیل القدر صحابہؓ جن کا نام حدیث میں آتا ہے وہاں مقیم ہو گئے تو اس وقت انہوں نے ایک جملہ اسلامی لشکر کو اور وہاں بسنے والے مسلمانوں کو مخاطب ہو کر کہا تھا میں اس جملہ سے آغاز کرتا ہوں دیواروں پر تختی آویزاں کرنے کا تجربہ کچھ زیادہ ہمت افزا نہیں ہے اس لئے کہ بار بار دیکھنے سے اہمیت جاتی رہتی ہے اکثر اوقات نظر بھی نہیں اٹھتی اگر امکان ہوتا تو میں کہتا کہ لوح دل پر نقش کر لیں، انہوں نے فرمایا کہ اس بات کو کبھی نہ بھولنا کہ انتُمْ فِی رِباطٍ دائم لكثرة الا عداء حولكم ولتشوف القلوب اليكم. تم ہمیشہ اس بات کو یاد رکھنا کہ تم محاذ جنگ پر ہو

اور اسلامی سرحد کے محافظ ہواس لئے کہ دشمنوں کی نگاہیں تم پر لگی ہوئی ہیں اور ان کے دل تمہارے خیال سے خالی نہیں ہوئے خیال کیجئے کہ مصر فتح ہوگیا ہے فرعونی سلطنت اور مسیحی آثار مٹادیئے گئے ہیں ملک میں اسلامی قانون نافذ ہے تیزی سے مسجدیں بن رہی ہیں صحابہ کرامؓ آباد ہورہے ہیں اسلام میں داخل ہونے کا سلسلہ بھی جاری ہے اور جاری رہے گا سینکڑوں اور ہزاروں کی تعداد میں لوگ اسلام قبول کررہے تھے بڑی بات یہ کہ عربی زبان اختیار کررہے تھے ایسا کم ملکوں میں ہوا وہاں کے باشندوں نے اپنی ترقی یافتہ زبان چھوڑ کر عربی اختیار کرلی ہو اور پھر قدیم زبان بالکل مٹ گئی ہو یہ بھی صحابہ کرامؓ کی خصوصیت ہے کہ انہوں نے مصر کو فتح کیا اور اس کی زبان عربی ہوگئی رسم الخط عربی ہوگیا شام کا علاقہ فتح کیا تو اس کی زبان پہلے جو کچھ رہی ہو سریانی یا عبرانی سب ختم ہوگئی وہاں کے عیسائیوں نے بھی عربی زبان اختیار کرلی اور اس میں کمال پیدا کرنے لگے۔

رباط کا مفہوم

بہت سے قرآنی الفاظ ایسے ہیں کہ جن کا ترجمہ کرنا بہت مشکل ہے رباط کا ترجمہ بھی کسی مفرد لفظ سے کردینا بھی مشکل ہے ناکہ بندی سرحد کی حفاظت کسی کام میں مسلسل منہمک رہنا یہ سب رباط کے مفہوم میں آتا ہے، چنانچہ مسجد میں ایک نماز کے بعد جو دوسری نماز کا انتظار کرتا ہے اس کے لئے بھی **فذالکم الرباط فذلکم الرباط** کے الفاظ آئے ہیں رباط کے لفظ میں عسکری وجسمانی طور پر اور اس کے ساتھ معنوی، ذہنی اور فکری طور پر بھی ہمیشہ چوکنا رہنے کا مفہوم آجاتا ہے۔ آپ نے مسلمانوں کو احساس دلایا کہ قدیم آبادی کسی وقت بھی جب احرام مصر کو دیکھے گی جو فراعنہ نے بنائے تھے، جب وہ اس ملک کی سرسبزی وشادابی دیکھے گی تو اس کو یاد آئے گا کہ یہاں ہماری سلطنت تھی تو تم اس سے غافل نہ رہنا پھر تم بتیس دانتوں میں ایک زبان ہو سارا براعظم افریقہ (اس وقت شمالی پٹی فتح نہیں ہوئی تھی) پڑا ہوا ہے اس میں ایک مصر ہی ایسا ملک ہے جو اسلام کے قبضے میں آیا ہے گویا اس وسیع براعظم میں اسلام کو محفوظ رکھنا مشکوک ہے مسلمانوں کو آزاد مسلم ممالک میں بھی ہمیشہ اس وصیت پر عمل کرنا چاہئے اور اپنے اندر مرابطاہ کیفیت

پیدا کرنی چاہئے اور قائم رکھنی چاہئے کہ وہ ان سب چیزوں سے بچیں جو غفلت پیدا کرنے والی ہیں جو دشمن کو موقع دینے والی ہیں۔

یاد رکھئے! فتنے صرف خارجی نہیں ہوتے، داخلی بھی ہوتے ہیں اور داخلی فتنے بعض اوقات خارجی فتنوں سے زیادہ خطرناک اور دور رس نتائج رکھتے ہیں۔ مثلاً آپس کا اختلاف آپ سب کو معلوم ہے کہ اسپین کا ملک جو مسلمانوں کے ہاتھ سے نکلا وہ کسی خارجی حملہ سے نہیں نکلا اس لئے کہ تاریخ میں فرانس کا حملہ کرنا یا اس کے ہمسایہ ممالک جرمنی وغیرہ کے حملہ کا کہیں ذکر نہیں آتا مسلمان اندر سے خود سمٹنے اور بکھرنے لگے تھے لیکن حجازیوں، یمنیوں، عدنانیوں اور قحطانیوں کی آویزش چچا اور بھتیجے کے تخت وتاج کے لئے نبرد آزمائی اصل فتنہ تھا اس کے علاوہ ایک اور فتنہ جو اندلس کے زوال کا باعث ہوا وہ یہ کہ انہوں نے ساری توجہ تعمیرات اور فنون لطیفہ پر مرکوز کر دی، الزہراء اور قلعہ الحمرا کی زیب وزینت اور نفاست خواب وخیال کی باتیں معلوم ہوتی ہیں اس طرح شاعری پر اور ادبی موشگافیوں پر اپنی طاقت مرکوز کر دی۔ خود وہاں کی آبادی کو اسلام سے مانوس کرنے کا کام اور اس کو اسلام کے دائرہ میں لانے کا کام نہیں کیا۔ اس کی علاوہ ہمسایہ ممالک یعنی شمال کی طرف بڑھنے کی طرف ان کی توجہ نہیں ہوئی۔ وہ اپنی سلطنت کو مستحکم کرتے رہے اور اس حقیقت کو بھول گئے جو حضرت عمرو بن عاصؓ کے اس مختصر جملے میں نظر آتی ہے کہ تمہارے چاروں طرف غیر اسلام کا سمندر پھیلا ہوا ہے اس لئے تمہیں اطمینان نہیں کرنا چاہئے کہ یہ سمندر میں ایک چھوٹا سا جزیرہ محفوظ رہے گا اور یہاں اس کی موجیں نہیں پہنچیں گی انہوں نے شمال کی طرف بڑھنے کی کوشش نہیں کی جب ان پر دباؤ پڑا تو جنوب کی طرف ہٹتے چلے گئے یہاں تک کہ ابنائے جبل الطارق تک پہنچ گئے اور وہاں سے ایک جھٹکے میں وہ مغرب اقصیٰ (مراکش) پہنچ گئے۔

اندرونی کمزوریاں جب کسی ملک میں پیدا ہوجاتی ہیں تو اس کو گھن کی طرح کھاتی ہیں جیسے دیمک برگد یا رولی کے درخت کو چاٹ جاتی ہے، وہ کھڑے رہتے ہیں اور دور سے نظر آتے ہیں پوری پوری باراتیں ان کی نیچے ٹھہرتی ہیں لیکن دیمک ان کو اندر اند

سے چاٹ چکی ہوتی ہے اس کے نتیجے میں ہوا کے ایک جھونکے سے یہ کوہ پیکر درخت زمین پر آجاتے ہیں حضرت عمرو بن عاصؓ کی یہ وصیت سارے مسلم ممالک کو چھوٹے ملکوں کو بھی بڑے ملکوں کو بھی یہاں تک کہ بلادِ مقدسہ جزیرۃ العرب کو بھی حرزِ جان بنانی چاہئے کہ ”انتم فی رباط دائم تمہاری پہرہ داری اور تمہاری بیداری کی کوئی حد و نہایت نہیں، تم کبھی اس سے فارغ البال نہ ہونا، کہنے والے نے سچ کہا ہے کہ ع

مکتب عشق کا دیکھا یہ نرالا دستور
اس کو چھٹی نہ ملی جس کو سبق یاد ہوا

حقیقت میں امت اسلامیہ کے لئے چھٹی ہے ہی نہیں، امت اسلامیہ سے یہ جو کام لیا گیا اس کی جو مشکلات ہیں اس میں چھٹی کا کوئی جواز ہی نہیں کوئی یہ سمجھے کہ ہم چھٹی پر ہیں تو یہ سمجھنا صحیح ہی نہیں چھٹی کا ایک تو وقت ہوتا ہے اور ایک ذہن ہوتا ہے چھٹی والی ذہنیت فراغت سے زیادہ خطرناک ہے یعنی یہ تخیل کہ ہم پر اس وقت کوئی بڑی ذمہ داری نہیں ہے، ہم اس وقت کسی ایسے نازک مقام پر کھڑے ہوئے نہیں ہیں یہ چھٹی منانے، اپنے کو چھٹی پر سمجھنے کی ذہنیت زیادہ خطرناک ہے یہاں تک کہ اگر کوئی مہم میں مشغول ہے لیکن سمجھ رہا ہے کہ یہ محض خانہ پوری ہے، اس کام کی کوئی خاص اہمیت نہیں ہے تو یہ رویہ سخت مضر ہے تاریخ میں آپ دیکھیں گے کہ جہاں اسلام کا زوال ہوا ہے وہاں یہ ذہنیت پیدا ہوئی ہے یعنی راحت پسندی، آرام طلبی اور محنت سے فائدہ اٹھانے کا مزاج یعنی محنت ہو چکی اب محنت سے فائدہ اٹھانے کا وقت آیا ہے صحابہ کرامؓ میں آخر تک یہ بات پیدا نہیں ہوئی تھی ہر وقت وہ تیار رہتے تھے جب ان کو محاذ پر بلایا جائے گا چلے جائیں گے اور وہاں بھی رہ کر وہ محتاط اور بیدار زندگی گذارتے تھے یہ بعد کی چیز ہے کہ مسلمان قومیں کس طرح مطمئن ہو گئیں اس کو قرآن مجید اخلاد کے لفظ سے تعبیر کرتا ہے۔ ”اخلد الی الارض واتبع ھواہ“ کہ زمین سے لگ گیا، وہ اپنی خواہش کے پیچھے چل پڑے یہ ذہنیت مسلم اقوام کے لئے سخت خطرناک ہے ہم نے کام کر لیا بس آرام کرنے کی ضرورت ہے اپنی محنت سے فائدہ اٹھانے کا وقت ہے بچوں اور بچیوں کی شادیاں ایسے

طریقے سے کرو کہ لوگوں پر ثابت ہو کہ خدا نے ہم کو بہت کچھ دیا ہے، پوری عمر محنت کرنے کی نہیں ہوتی، اب آرام کا وقت آیا ہے یہ امت اسلامیہ اور کسی ایسے ملک کے حق میں جو بیرونی اور اندرونی خطرات سے بہ وقت دوچار ہو سم قاتل ہے، اس کے لئے خودکشی کے مترادف ہے۔

حضرات! میں دیکھ رہا ہوں کہ بے پردگی یہاں بہت عام ہے۔ ہندوستان کے مقابلہ میں پاکستان میں زیادہ بے پردگی ہے شادیوں میں اسراف بہت زیادہ ہے معیار اتنا بلند ہو گیا ہے اور شادی کے سلسلہ میں اتنی مشکلات پیدا کر دی گئی ہیں کہ اس سے بہت سی اخلاقی خرابیاں پیدا ہوگئی ہوں گی۔ دولت کا بے جا خرچ اپنی عظمت یا اہمیت کا اظہار، معیار زندگی کی روز افزوں ترقی ضروریات کی فہرست میں مسلسل اضافہ اور ان کو ضرورت و شرط زندگی سمجھ لینا یہی وہ خرابیاں ہیں جنہوں نے ایرانی و رومی تمدن کو عذاب جان بنا دیا تھا فرش بہار کی تفصیل مولانا شبلی نعمانی کی ''الفاروق'' یا مولانا عبدالحلیم شرر کی ''تاریخ اسلام'' پڑھیں تو معلوم ہوگا کہ ہم کوئی خواب دیکھ رہے ہیں الف لیلہ کی کہانی ہے یہ سب چیزیں تمدن کی غیر معتدل ترقی کا نتیجہ ہوتی ہے جو اسلامی اصولوں سے آزاد ہو جائے آپ دیکھیں گے کہ زیادہ تر قوموں کا زوال ان کی تمدن کی خرابی سے ہوا ہے آپ لیکی کی ''تاریخ اخلاق یورپ'' (History of Europeon Morals) کا مطالعہ کریں آپ دیکھیں گے کہ روم کا تمدن کتنا مسخ ہو گیا تھا، کتنا غیر فطری ہو گیا تھا اس سے نپٹنے کی بڑی کوشش کی ضرورت ہے۔

آپ حضرات اللہ کے فضل سے اپنا اپنا حلقہ رکھتے ہیں، اس سلسلہ میں عملی مثالوں کی سب سے پہلی ضرورت ہے اور ان عملی نمونوں کے اظہار کی ضرورت ہے۔

''اِنْ تُبْدو الصدقات فنعمّا هی وانْ تُخْفُوْها وتُؤْتُوْها
الْفُقَرَآءَ فَهُو خیْرٌ لَّکُمْ.''

(اگر تم خیرات علانیہ طریقہ پر دو تو وہ خوب ہی ہے اور اگر پوشیدہ اور اہل حاجت کو عطا کرو تو تمہارے حق میں بہتر ہے۔

لوگوں کے سامنے یہ مثالیں آنی چاہئیں، فلاں بڑے آدمی نے اپنے بیٹے کی شادی ایسی سادگی سے کی، ہمارے یہاں ہندوستان میں ایسی مثالیں ہیں، تقریبات میں طریقہ سنت اور اسوہ صحابہ کو زندہ کرنا چاہئے۔

حضرات! میں سمجھتا ہوں کہ رمضان المبارک کی پوری راتوں کا جاگنا آسان ہے، اور اس میں بڑی لذت ہے، لیکن ایسی کوئی مثال قائم کرنا اس سے کہیں زیادہ مشکل ہے۔ آپ روزے رکھوا لیجئے، آپ شب بیداری کروا لیجئے، آپ ہر سال حج کروا لیجئے، ایسے بہت سے بھائی ہیں جو ہر سال حج کو جاتے ہیں، لیکن اگر ان سے یہ کہا جائے کہ ایک لڑکے کی شادی آپ شریعت کے مطابق کر لیجئے، تو نہیں کریں گے۔ یہ کیا ہے؟ یہ نفس کی ایک لذت اور ذائقہ ہے۔ امام غزالی نے جو بڑے حکیم تھے لکھا ہے کہ ایک صاحب اپنے شیخ کے پاس گئے، جن کے وہ معتقد تھے، انہوں نے کہا کہ حضرت! میرا حج کا ارادہ ہے شیخ جانتے تھے کہ وہ حج کا فرض ادا کر چکے ہیں، انہوں نے کہا حج کو کیوں جا رہے ہو؟ کیا نیت ہے، کیا مقصد ہے؟ انہوں نے کہا ثواب کی نیت ہے۔ شیخ نے کہا کہ اگر ثواب کا دوسرا راستہ تمہیں بتاؤں تو قبول کرو گے؟ انہوں نے کہا کیوں نہیں؟ ثواب ہی مقصود ہے شیخ نے کہا دیکھو کئی لڑکیاں ایسی بیٹھی ہوئیں جن کی شادیاں اس لئے نہیں ہو رہی ہیں کہ ان کے ماں باپ کے پاس کچھ نہیں ہے تم نے حج کے لئے جو رقم معین کی ہے اس میں سے کچھ ان کو دے دو کئی آدمی ایسے ہیں جو اتنے مقروض ہیں کہ غیرت کے مارے گھر سے نہیں نکلتے تم ان کا قرض ادا کر دو کئی مریض ایسے ہیں جن کے پاس دوا علاج کے لئے پیسے نہیں ہیں تم ان کو کچھ رقم دے دو تھوڑی دیر وہ ٹھہرے کہنے لگے حضرت حج ہی کا بڑا شوق ہو رہا ہے حکیم اور ماہر نفسیات شیخ نے فرمایا کہ یہ کیوں نہیں کہتے کہ سیاحی کا شوق ہے ہوا خوری کو جی چاہ رہا ہے اس زمانے میں کئی ملکوں میں گذر کر جانا پڑتا ہے یہاں یہ چیز خریدی وہاں وہ چیز خریدی پورا قافلہ ہے اور بڑی دلچسپی سے وقت گذر رہا ہے یہ وقت آسان ہے آپ عبادت کروا لیجئے ذکر کروا لیجئے نفلی حج کروا لیجئے لیکن اگر یہ کہئے کہ سنت کے مطابق کوئی ایسا کام کیجئے کہ جس سے سب کی نگاہیں اٹھ جائیں اور وہ آپ کی تقلید

کریں تو گریز کیا جاتا ہے تو لوگ یہ نہ کہیں کہ شاید اس کے پاس پیسہ نہیں رہا کہ اس لئے یہ ایسا کر رہے ہیں معاشرے کو ان چیزوں کی ضرورت ہوتی ہے معاشرہ بڑی اہم چیز ہے حکومتیں بھی جس زمین پر قائم ہوتی ہیں وہ زمین معاشرہ کی زمین ہے اسلامی اخلاق اور اسلامی زندگی کی زمین ہے جب اسلامی معاشرہ نہیں تو پھر کسی چیز کا اعتبار نہیں۔

میرے بھائیو اور دوستو! آپ "انتم فی رباط دائم" کو دستور العمل بنالیں۔ آپ ایک اہم محاذ پر کھڑے ہوئے ہیں کہ آپ کو ہمیشہ چوکنا رہنا چاہئے پلک جھپکی اور میدان کا نقشہ بدل دیا اس لئے پلک جھپکنے اور سو جانے کی کوئی گنجائش نہیں یہاں متعدد شخصیتیں ایسی موجود ہیں جو اللہ کے فضل سے ملک کی ممتاز ترین شخصیتیں ہیں صف اول کے لوگ ہیں وہ بدعات جو عبادات میں شامل ہوگئیں ہیں۔ ان کے خلاف اللہ کے فضل سے بہت کام ہوا ہے ہو رہا ہے اور ہوتا رہے گا، میں اس کی ضرورت کا انکار اور اس کی اہمیت کی تحقیر نہیں کرتا بغیر اس کے کم کئے ہمارے معاشرے میں جو بدعات ہیں، جو مغربی بدعات یا ہندوانہ اثرات شامل ہو گئے ہیں ان کو ختم کرنے کی کوشش کریں اس کے لئے خطبات، تنظیمی دورے، صحافتی مہم، ریڈیو اور ابلاغ عامہ کے ذریعہ سب استعمال کئے جائیں اور امید ہے کہ اس میں ذمہ دار حلقے بھی آپ کی مدد کریں گے۔ پورے ملک میں معلوم ہوا کہ ایک عظیم تحریک چلی ہے ایک زبردست مہم جاری ہے یہ کام سال دو سال چار سال بلکہ اس سے بھی زیادہ مدت کے لئے جاری رہنا چاہئے۔

اللہ تعالیٰ ہمیں توفیق دے اور میں بھی کسی درجہ میں اس کے اجر میں شامل ہو جاؤں۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

لسانی، نسلی و علاقائی جاہلیت کا المیہ اور اس سے سبق

یہ تقریر ۲۳ مئی ۱۹۷۲ء کو مسلم اسٹوڈنٹس ایسوسی ایشن کلکتہ ہندوستان (M.S.A) کے ایک عظیم جلسہ میں اس موقع پر کی گئی جب ایک عظیم خطہ زمین، بلکہ ایک ایسا ملک جو اپنی دینداری، دین کے لئے سرفروشی اور رقت و گرم جوشی کے لئے مشہور تھا اور جہاں مسلمان کھلی اکثریت میں تھے لسانی، علاقائی، اور تہذیبی عصبیت کے فتنہ کا شکار ہوا۔ اور محض زبان تہذیب و معاشرت کے فرق اور علاقہ کے اختلاف کی بنیاد پر، مسلمانوں نے مسلمانوں کی جان لی۔ اور ایسا بہیمانہ و وحشیانہ سلوک کیا جس کے سننے سے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں اور مسلمان کی گردن شرم سے جھک جاتی ہے۔

جلسہ میں طلبہ کے علاوہ اساتذہ اور شہر کے تعلیم یافتہ مسلمان بڑی تعداد میں شریک تھے۔ جلسہ امجدیہ ہال زکریا اسٹریٹ کلکتہ ہندوستان میں ہوا تھا۔ تقریر ٹیپ کر لی گئی تھی۔ مقرر نے اس کو سامنے رکھ کر اور ان نکات کی مدد سے جو اس زبان اور برجستہ تقریر میں آ گئے۔ ذیل کا مضمون قریب کیا جس کا اصل ڈھانچہ مذکورہ بالا تقریر ہے۔ ایک تقریر میں جس میں مقرر کے سامنے نوٹس بھی نہیں تھے اور ایک تحریر میں جو فرق ہو سکتا ہے وہ اس مضمون میں موجود ہے اب اسی طرح کے مماثل واقعات پیش آنے کی موقع پر محض مسلم ممالک رونما ہوئے یہ تقریر شائع کی جا رہی ہے۔

ان فی ذٰلک لذکری لاولی الالباب

انسان تجربات سے فائدہ اٹھاتا ہے:

حضرات! اللہ تعالیٰ نے انسان کو جو بیش بہا نعمتیں دی ہیں ان میں سے ایک نعمت یہ ہے کہ وہ اپنے تجربوں سے فائدہ اٹھاتا ہے اگر اس کو راستہ چلتے ٹھوکر لگ جاتی ہے تو وہ

جھک کر دیکھتا ہے کہ اس کو کس چیز سے ٹھوکر لگی وہ راستے کے اس پتھر کو ہٹا دیتا ہے، یا اس سے بچ کر چلتا ہے، اور اگر کسی راستہ میں ایسے ہی پتھر پڑے ہوئے ہیں یا پیچ وخم ہیں تو وہ دوسرا صاف، سیدھا اور ہموار راستہ اختیار کرتا ہے۔ اس سے جب کوئی شدید غلطی ہوتی ہے یا کسی معاملہ میں اس کو ناکامی کا منہ دیکھنا پڑتا ہے تو وہ اس کے اسباب وعلل پر غور کرتا ہے اس ناکامی کا راز معلوم کرنے کی کوشش کرتا ہے اور آئندہ ایسی غلطیوں سے بچنے کی جدوجہد کرتا ہے جن کی وجہ سے اس کو ناکامی کا سامنا کرنا پڑا تھا۔

اسباب ونتائج کا یہ تجزیہ (ANALYSIS) انسان کی وہ فطری صلاحیت اور خداداد عطیہ ہے جس سے جانور عام طور سے محروم ہیں اور جس کی وجہ سے انسان اعلیٰ مراتب کمال تک پہنچا۔ اور انسانی تہذیب وتمدن اور علوم وفنون نے اتنی ترقی کی۔ انسان کی تعریف یہ نہیں کہ وہ غلطی نہیں کرتا، غلطی کرنا تو اس کی سرشت اور خمیر میں داخل ہے اور آدم کی میراث ہے تعریف یہ ہے کہ وہ غلطی کا اعتراف کرتا ہے اس پر نادم ہوتا ہے اس کی تلافی کرتا ہے اس سے فائدہ اٹھانے کی کوشش کرتا ہے اور بعض اوقات اپنی ایک لغزش اور غلطی پر اس کو ایسی ندامت ہوتی ہے کہ اس سے وہ میدان ترقی میں ہزاروں لاکھوں میل کی مسافت آن کی آن میں طے کر لیتا ہے اور اس مقام تک پہنچ جاتا ہے جہاں غلطی اور توبہ کے بغیر وہ برسوں میں بھی نہیں پہنچ سکتا تھا۔ اور اس کی اس ترقی اور پرواز پر معصوم فرشتوں کو بھی رشک آنے لگتا ہے۔ نسل انسانی کے مورث اعلیٰ حضرت آدمؑ سے بھی غلط ہوئی تھی۔ لیکن انہوں نے اس غلطی پر اصرار نہیں کیا بلکہ ان الفاظ میں اس پر ندامت کا اظہار کیا کہ رحمت الٰہی کے دریا میں ایک تلاطم برپا ہو گیا اور ان کو محبوبیت کا وہ مقام حاصل ہو گیا جو شاید اس لغزش سے پہلے حاصل نہ تھا۔ انہوں نے کہا:

رَبَّنَا ظَلَمْنَآ اَنْفُسَنَا وَاِنْ لَّمْ تَغْفِرْلَنَا وَتَرْحَمْنَا لَنَكُوْنَنَّ مِنَ
الْخَاسِرِيْنَO (سورۃ الاعراف : ۲۳)

(ترجمہ) ''اے ہمارے پروردگار ہم نے اپنی جانوں پر ظلم کیا اور اگر تو ہمیں نہیں بخشے گا، اور ہم پر رحم نہیں کرے گا تو ہم تباہ ہو جائیں گے۔''

ان کو اس توبہ اور ندامت سے جو ترقی ہوئی اس کا قرآن مجید نے خود اعلان فرمایا ہے:

وعصىٓ اٰدمُ ربَّهٗ فغوىO ثُمَّ اجْتَباهُ رَبُّهٗ فَتَابَ عَلَيْهِ وَهَدٰى O

(طٰہ ۱۲۱، ۱۲۲)

(ترجمہ) ''اور آدم نے اپنے پروردگار کے حکم کے خلاف کیا تو وہ بے راہ ہو گئے پھر ان کے پروردگار نے ان کو نوازا اور ان پر مہربانی سے توجہ فرمائی اور سیدھی راہ بتائی۔''

لیکن شیطان کا معاملہ اس کے برعکس تھا، اس نے اپنی غلطی اور نافرمانی پر اصرار کیا اور اپنے عمل کی صحت اور جواز کے لئے دلائل دیئے:۔

قالَ انا خيرٌ مِّنْهُO خلقتنيْ منْ نّارٍ وَّ خَلَقْتَهٗ مِنْ طِيْنٍ O

(سورۃ الاعراف: ۱۲)

(ترجمہ) اس نے کہا کہ میں اس سے افضل ہوں، مجھے تو نے آگ سے پیدا کیا ہے، اور اسے مٹی سے بنایا ہے۔

بہت سی انسانی کامیابیوں کا سہرا غلطیوں کے سر ہے

حضرات! انسانی ترقیات اور تہذیب وتمدن کی وسعت اور ارتقاء میں غلطیوں کا حصہ صحیح اقدامات اور راست روی سے شاید کم نہیں، بلکہ بعض انسانی فتوحات اور کامیابیوں کا سہرا انہیں غلطیوں کے سر ہے، اس طرح انسانی تاریخ جس طرح انسانوں کے صحیح فیصلوں، اور صحیح عمل کی مرہون منت ہے، اسی طرح غلطیوں، لغزشوں اور نادانیوں کی بھی، اور اس دعویٰ کے ثبوت کے لئے آپ کو تاریخ میں بہت سی مثالیں ملیں گی، حضرت موسیٰ علیہ السلام کا جزیرہ نمائے سینا میں صحیح سلامت پہنچنا، اور فرعون کے لشکر کا بحر احمر میں غرق ہونا، حضرت موسیٰؑ کے رات کے اندھیرے میں راستہ بھول جانے کا نتیجہ تھا، نئی دنیا (امریکہ) کی دریافت کولمبس کی غلطی، اور غلط فہمی کا نتیجہ تھا، جو ہندوستان کی تلاش میں نکلا تھا، وعلی هذا القياس۔

غلطیوں کا احساس نہ کرنا صحیح الفطرت انسان کا شیوہ نہیں

اپنی غلطیوں کا احساس نہ کرنا، اور اپنے تجربوں اور ناکامیوں سے فائدہ نہ اٹھانا، غلطیوں اور ناکامیوں کے اسباب وعلل کو تلاش نہ کرنا، ایک ہی غلطی بار بار کرنا، اور ایک ہی سوراخ سے بار بار ڈسا جانا ایک صحیح الفطرت اور صحیح الحواس انسان کا شیوہ نہیں ہے اور مومن کو تو یہ کسی طرح بھی زیب نہیں دیتا، جس کو اللہ تعالیٰ نے فراست ایمانی عطا فرمائی ہے، اور عقل وتجربے سے فائدہ اٹھانے کی سب سے زیادہ دعوت دی ہے، قرآن شریف نے گو وہ منافقین کی یہ کمزوری اور عیب بیان کیا ہے، کہ وہ واقعات اور تجربات سے بالکل فائدہ نہیں اٹھاتے، اور سال میں کئی کئی بار آزمائش میں مبتلا ہوتے ہیں:۔

اَوَلَا یـرَوْنَ اَنَّھُـمْ یُفْتَـنُـوْنَ فِیْ کُلِّ عَامٍ مَّرَّۃً اَوْ مَرَّتَیْنِ ثُمَّ لَا یَتُوْبُوْنَ وَلَا ھُمْ یَذَّکَّرُوْنَO (سورۃ التوبہ: ۱۲۶)

(ترجمہ) کیا یہ لوگ دیکھتے نہیں کہ ہر سال ایک دو مرتبہ آزمائش میں ڈالے جاتے ہیں، مگر اس پر بھی نہ توبہ کرتے ہیں، نہ کوئی سبق لیتے ہیں۔

مومن کی اسی صلاحیت پر اعتماد کرتے ہوئے ایک صحیح حدیث میں یہ مضمون آیا ہے۔ لایلدغ المؤمن من حجر مرتین، (مومن ایک ہی سوراخ سے دو بار ڈسا نہیں جاتا)

لسانی وتہذیبی جاہلیت:

میرے بھائیو! ابھی چند روز کا واقعہ ہے کہ ایک قدیم اسلامی ملک، اور مسلمانوں کے خالص اکثریت والے علاقے میں جو علماء اور مشائخ اور مدارس وخانقاہوں کی سرزمین تھی، جس کے چپہ چپہ پر مسجدیں اور خانۂ خدا تھی، جس کے لئے صدیوں اولیاء کرام نے آب دیدہ، اور خون جگر بہایا، اور جس کی زمین ان کے آنسوؤں سے نم، اور جس کی فضاء ان کے نالۂ ہائے نیم شبی سے گرم تھی، زبان وتہذیب کے جنون کی ایک تیز وتند لہر اٹھی، اور دیکھتے دیکھتے صدیوں کی محنتوں پر پانی پھر گیا، مسلمان نے بے تکلف مسلمان کا گلا

کاٹا، بے گناہ انسان اس طرح مارے گئے جیسے سانپ اور بچھو مارے جاتے ہیں، اور ان پر کوئی رحم نہیں کھایا جاتا، جن لوگوں نے اس ملک میں پناہ لی تھی، ان کے لئے اب اس ملک میں کہیں پناہ نہ تھی، نہ کسی دل میں ان کے لئے رحم کا جذبہ تھا، نہ کسی آنکھ میں ان کے لئے کوئی آنسو، انسانوں کا شکار اس طرح کھیلا جارہا تھا جیسے کسی جنگل میں درندوں، پرندوں کا، اور کسی تالاب و دریا میں مچھلیوں کا کھیلا جاتا ہے، نہ شریف عورتوں کی عصمت محفوظ رہی، نہ بوڑھوں کے بڑھاپے پر ترس کھایا گیا، نہ معصوم بچوں کی چیخ پکار پر کان دھرے گئے، بھوک پیاس کا عذاب، سنگ دلی اور شقاوت کی کوئی قسم ایسی نہ تھی، جو اپنے بھائیوں کے لئے روا نہ رکھی گئی ہو، زبان کی ”وثنیت“ (بت پرستی) عقیدۂ توحید پر، قوم پرستی، اور نسل پرستی اسلامی وحدت پر، اور حمیت جاہلیت اور عصبیت اخوت اسلامی پر، اس طرح غالب آ کر رہی کہ ابتدائے اسلام سے آج تک کسی خطہ زمین پر ابھی تک اس طرح غالب نہیں آئی تھی اور اسلام اور مسلمان ایک دوسرے کے ہاتھوں کبھی اس طرح ذلیل نہیں ہوئے۔ جس طرح اس زمانہ میں۔

تہذیب کے آواز نے ترشوائے صنم اور:

مختلف زبانیں، تہذیبیں، تمدن اور طرز معیشت دنیا میں اس وقت سے ہیں، جب سے انسان ہے، انسانیت نے ہمیشہ ان کے سایہ میں آرام اٹھایا، ان کی وجہ سے زندگی کا لطف بڑھا، اور اس کے اندوختہ، اور سرمایہ میں اضافہ ہوا، اللہ تعالیٰ نے انسانوں پر اپنا یہ احسان یاد دلاتے ہوئے، فرمایا ہے:۔

يَآاَيُّهَا النَّاسُ اِنَّا خَلَقْنٰكُمْ مِّنْ ذَكَرٍ وَّ اُنْثٰى وَجَعَلْنٰكُمْ شُعُوْبًا وَّقَبَآئِلَ لِتَعَارَفُوْٓا اِنَّ اَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ اَتْقٰكُمْ O اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌ خَبِيْرٌ O (سورہ حجرات:۱۳)

(ترجمہ) لوگو! ہم نے تم کو ایک مرد اور ایک عورت سے پیدا کیا، اور تمہاری قوم اور قبیلے بنائے تاکہ ایک دوسرے کو شناخت کرو، اور خدا کے نزدیک تم میں زیادہ عزت والا وہ ہے

، جو زیادہ پرہیزگار ہے، بے شک خدا سب کچھ جاننے والا اور سب سے خبردار ہے۔

دوسری جگہ ہے:۔

وَمِنْ اٰیَاتِہٖ خَلْقُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَاخْتِلَافُ اَلْسِنَتِکُمْ
وَاَلْوَانِکُمْ اِنَّ فِیْ ذٰلِکَ لَاٰیَاتٍ لِّلْعَالِمِیْنَ O (سورہ روم: ۱)

(ترجمہ) اور اسی کے نشانات میں سے ہے آسمانوں اور زمین کا پیدا کرنا، اور تمہاری زبانوں، اور رنگوں کا جدا جدا ہونا، اہل دانش کے لئے اس میں نشانیاں ہیں۔

لیکن بنی نوع انسان کی طویل تاریخ میں جو اس قسم کے سنگین واقعات، المیوں، اور مضحکہ خیز ڈراموں سے بھری ہوئی ہے، ہم کسی ایسی جنگ سے واقف نہیں، جو صرف زبان اور کلچر کے لئے لڑی گئی ہو، عربی اپنے قوت بیان، اور لسانی تعصب میں مشہور تھے، یہاں تک کہ وہ اپنے سوا تمام لوگوں کو ’’عجمی‘‘ (’’گونگا‘‘) کہتے تھے، لیکن تاریخ نے کوئی ایک واقعہ ایسا ریکارڈ نہیں کیا، جس میں عرب عجم کبھی اپنی زبان کی بنیاد پر لڑے ہوں، اسلام نے تو اس تعصب کو حرام و ناجائز کہا تھا، اس کا نام ’’حمیة جاهلية‘‘ رکھا تھا، اور اس پر سخت نکیر کی تھی، اس کی جاہلیت کی قابل نفرت یادگار، کفر و بت پرستی کا رمز، اور اللہ و رسول کے خلاف جنگ کے مرادف، اور اس کی جھنڈے کے نیچے مرنے کو حرام موت، یا جاہلی اگر غیر اسلامی موت قرار دیا تھا، لیکن جاہلیت کی تاریخ میں بھی زبان کے مسئلہ میں ہمیں کسی ایسے معرکہ کا ذکر نہیں ملتا۔

یہ درحقیقت یورپ، اور اس کی انتہا پسندانہ قوم پرستی کا فیض ہے، جس نے زبان اور کلچر کو یہ ’’مقدس‘‘ لباس عطا کیا ہے، اور اس کو ایک ایسا بت بنا دیا ہے جس کے لئے انسانوں کی بھینٹ چڑھائی جاتی ہے، اور خون بہایا جاتا ہے، اس کے نتیجہ میں اکثر ملکوں میں پرانی تہذیب کے احیا، کا شوق، زبان کا تعصب اور اس کے لئے مر مٹنے کا جذبہ پیدا ہوا، اور لوگوں کو زبان کی ایک نئی صلیبی جنگ (CRUSADES) یا ’’جاہلیت‘‘ (PAGANISM) کا سامنا کرنا پڑا، جس کا تجربہ اب تک نہ ہوا تھا، یورپ کا یہ پروپیگنڈہ جو بڑی گہرائی، اور دور بینی کے ساتھ تیار کیا گیا تھا، ان مسلم اقوام میں بھی پوری طرح پھیل گیا، جو بہت

صحیح العقیدہ ، سلیم الفطرت ، اور دینی وایمانی جذبات کی حامل تھیں، اور جن سے بجا طور پر توقع تھی ، بلکہ یقین تھا کہ وہ اپنے دین اسلام، اور سلامت فطرت کی وجہ سے کم از کم دنیا کی دوسری قوموں کے مقابلہ میں اس لسانی وثنیت سے بہت دور رہیں گی، جس کی اللہ تعالی کی طرف سے کوئی سند اور دلیل نہیں اور جس کی خدا کی میزان میں رائی کے دانہ کے برابر بھی قیمت نہیں۔

لیکن اچانک عالم اسلام، اور اسلام و وحدت اسلامی پر عقیدت رکھنے والوں کے سامنے ایک نئی صورت حال آئی، اور زبان کا یہ فتنہ ایک آتش فشاں کی طرح ایک اسلامی ملک کے قلب وجگر میں پھوٹ پڑا، یہ آفت یا قیامت جو سامنے آئی، وہ کچھ رضائے الہی کے لئے ، یا شیطان کی سرکوبی وتذلیل کے جذبہ سے نہیں تھی، اس کا مقصد یہ نہ تھا کہ اخوت اور امن واطمینان کا دور دورہ ہو، نیکیاں فروغ پائیں اور برائیاں ختم ہوں، یہ سب اس لئے ہوا کہ اس قوم کی بڑی جمعیت فرنگی شیشہ گروں، اور قومیت کے انتہا پسند پرستاروں کے ہاتھ میں کھیلنے لگی اور وہ ایک خطرناک سازش کا شکار ہوگئی۔

اسلام کی ساکھ کو زبردست نقصان:

حضرات! اس انسانی قتل عام، خون مسلم کی ارزانی، اور جانی ومالی نقصان پر بھی جتنے آنسو بہائے جائیں کم ہیں، لیکن ان واقعات کا سب سے زیادہ شرمناک پہلو یہ ہے کہ اس سے مخالفین کو اسلام کی ناکامی کے ثبوت کے لئے ایک دلیل ہاتھ آئی، اور انہوں نے اس سے یہ نتیجہ نکالا کہ اسلام میں رابطہ بننے، اور مختلف قوموں، اور نسلوں کو (جن کی زبانیں اور رنگ ونسل مختلف ہیں) متحد کرنے کی صلاحیت نہیں ہے، نیز یہ کہ اسلامی عقیدہ پر کسی معاشرے، اور کسی ریاست (STATE) کے قائم ہونے، اور اگر قائم ہو جائے تو باقی رہنے کا امکان نہیں، یہ وہ معنوی خسارہ ہے جس کا کوئی خسارہ مقابلہ نہیں کرسکتا آپ ہندوستان کے عظیم ترین تجارتی مرکز میں رہتے ہیں، جانتے ہیں کہ ایک تاجر کے یہاں نفع نقصان، بازار کے اتار چڑھاؤ، اور تجارتی مدوجزر کی کوئی اہمیت نہیں، اس کا اصل

سرمایہ اس کی ساکھ اور اس کا اعتبار ہے، اسی وجہ سے کسی فرم کا **(Trade mark)** بڑی اہمیت رکھتا ہے، اور وہ ہزاروں، لاکھوں روپوں میں خریدا جاتا ہے، حالیہ واقعات نے اسلام کی ساکھ کو بڑا نقصان پہنچایا اور اسلام کی تبلیغ کرنے والوں، اور اس کو دنیا کی سب سے بڑی قوت جامعہ (UNIATINGFORCE) کے طور پر پیش کرنے والوں کے لئے بڑی مشکلات پیدا کردیں، اور ایک طرح سے پچھلی تاریخ کو بھی جس پر ہر مسلمان کو فخر ہے، بہت سے لوگوں کی نگاہ میں مشکوک بنادیا، جس میں بتایا گیا ہے کہ اسلام نے عرب وعجم، گورے کالے، قرشی وحبشی، ایشیائی وافریقی، فقیر وغنی، اور محمود وایاز کو ایک صف میں کھڑا کردیا تھا، ہمارے نزدیک تو یہ تاریخ ہر شک وشبہ سے بالاتر ہے، اور ساری دنیا نے ہمیشہ اسلام کی اس کامیابی پر حیرت واستعجاب کا اظہار کیا ہے، لیکن اب ہم کس منہ سے کہیں کہ اسلام اپنے پیروؤں میں ایسی وحدت، اور الفت پیدا کرتا ہے کہ وہ زبان اور رنگ کے اختلاف کو بالکل بھول جاتے ہیں، اور جسم واحد اور ملت واحدہ بن جاتے ہیں، یہ وہ افسوسناک پہلو ہے جس پر افسوس کرنے کے لئے ہمارے پاس الفاظ نہیں، اور جس پر خون کے آنسو رونا بھی کافی نہیں۔

بیماری کے جراثیم:

میرے بھائیو! ہم نے مانا کہ جو کچھ ہوا وہ سیاسی شاطروں کا ایک کھیل تھا، اور چند فتنہ پرداز، اور ناخدا ترس جماعتوں کی بازی گری جس کا یہ سادہ لوح، اور سادہ دل قوم شکار ہوگئی لیکن ایک پوری کی پوری قوم اور ملک کا ان سیاسی بازی گروں کے مقاصد کا اس آسانی سے آلۂ کار بن جانا، اور اس سیلاب میں تنکے کی طرح بہہ جانا، اور توحید وشرک، اسلام وجاہلیت، تعمیر وتخریب، اور عقل وجذباتیت میں فرق نہ کرنا محض اتفاقی واقعہ، اور قائدین کی ذہانت وصلاحیت، اور عوام کی سادگی اور جہالت کا نتیجہ نہیں، کسی ملک اور کسی دور میں کوئی تحریک اس وقت تک کامیابی نہیں ہوتی، جب تک قوم میں اس کے قبول کرنے کی صلاحیت اور آمادگی نہ پائی جاتی ہو، اور اس کی بنیادیں اس کے قلب ودماغ

میں پہلے سے موجود نہ ہوں، اگر قوم اس تحریک کے لئے پہلے سے تیار نہیں ہوتی، تو یہ آندھی اٹھتی ہے اور نکل جاتی ہے، سیلاب آتا ہے اور گذر جاتا ہے، اعصابی دورہ (ہسٹیریا) جیسی ایک عارضی کیفیت ہوتی ہے وہ زیادہ دیر قائم نہیں رہتی، لیکن ان حالات و واقعات کا اتنے دن تک قائم رہنا، اور ان کی عمومیت و وسعت بتاتی ہے کہ ملک میں پہلے سے اس بیماری کے جراثیم موجود تھے، اور اس قوم کی اسلامی تعلیم و تربیت میں ضرور کچھ ایسی خامیاں رہ گئیں جن کی وجہ سے یہ روز بد دیکھنا پڑا۔

صحیح دینی شعور کی کمی:

دوستو! میرے نزدیک اس کی سب سے بڑی وجہ اس قوم میں صحیح دینی شعور کی کمی تھی، قلب کے ساتھ دماغ کا مومن ہونا بھی ضروری ہے، تنہا اسلام کی محبت کافی نہیں، اس کے ساتھ خلاف اسلام فلسفوں، اور دعوتوں کی نفرت بھی لازمی ہے بلکہ قرآن مجید میں متعدد مقامات پر طاغوت اور شیطان، اور جاہلیت کے داعیوں سے بغاوت اور بیزاری کا ایمان باللہ سے پہلے ذکر کیا گیا ہے۔

فَمَنْ یَّکْفُرْ بِالطَّاغُوْتِ وَیُؤْمِنْ بِاللّٰہِ فَقَدِ اسْتَمْسَکَ
بِالْعُرْوَةِ الْوُثْقٰی O (سورہ بقرہ: ۲۵۶)

(ترجمہ) پس جو کوئی سرکش کا انکار کر کے، اللہ پر ایمان لے آیا، اس نے ایک ایسا مضبوط سہارا تھام لیا جو کبھی ٹوٹنے والا نہیں۔

خود کلمہ میں نفی کو اثبات پر مقدم رکھا گیا ہے، اور ”اِلّا اللّٰہ“ سے پہلے ”لا الٰہ“ کہلوایا گیا ہے، احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ ایمان کی تکمیل اس وقت تک نہیں ہوتی، اور ایک مسلمان اس وقت تک حقیقی ایمان کا ذائقہ شناس نہیں ہو سکتا جب تک اس کو کفر اور مظاہر کفر سے وحشت اور دہشت نہ پیدا ہو، صحیح بخاری میں ہے۔

ثلاثٌ مَنْ کُنَّ فیہ وجد حلاوة الایمانِ اَن یکون اللّٰہ ورسولُہ احبَّ الیہ مِمّا سواھُما، وان یحبَّ المرأ لا یُحبہ اِلّا لِلّٰہ، واَنْ یکرہ أن یعود فی الکُفر بعد اِذْ اَنقذَہُ اللّٰہُ منہ، کما یکرہُ انْ یُلقیٰ

فی النّار . (صحیحین)

(ترجمہ) تین باتیں جس میں ہوں گی، وہ ایمان کی حلاوت محسوس کرے گا ایک یہ کہ اللہ اور رسول اس کو ماسوا سے زیادہ محبوب ہوں، دوسرے یہ کہ کسی انسان سے اس کو محض اللہ کے لئے محبت ہو، تیسرے یہ کہ اس کو کفر کی طرف واپس جانے کے تصور سے جب کہ اللہ نے اس کو اس سے نجات دے دی، ایسی وحشت اور نفرت ہو جیسے آگ میں ڈالے جانے کے خیال سے ہوتی ہے۔

جاہلیت کی صحیح معرفت ضروری ہے:

مسلمان کو اسلام کے خلاف کرنے اور دشمنوں کا آلۂ کار بننے سے ایسی وحشت ہونی چاہئے کہ اگر خواب میں بھی کوئی واقعہ ایسا دیکھے تو اس کے منہ سے چیخ نکل جائے اور وہ توبہ اور استغفار کرے جاہلیت سے صرف جذباتی نفرت ہی کافی نہیں، مسلمان کے لئے جاہلیت کی صحیح معرفت ضروری ہے، وہ کبھی اس کے بارے میں دھوکہ نہ کھائے اگر جاہلیت غلاف کعبہ اوڑھ کر، اور قرآن مجید ہاتھ میں لے کر آئے جب بھی وہ لاحول پڑھے، اور اس سے پناہ مانگے، وہ کسی بھیس میں اس کے سامنے آئے تو وہ اس کو پہچان جائے اور اس کو مخاطب کر کے کہے۔

بہ ہر رنگے کہ خواہی جامہ می پوش
من انداز قدرت رامی شناسم

شیطان کی حکمت عملی:

شیطان کی حکمت عملی، اور جنگی سیاست (STRATEGY) یہ ہے کہ وہ مسلمان میں جو کمزور پہلو دیکھتا ہے، وہ اسی طرف سے حملہ آور ہوتا ہے، وہ ہر طبقہ اور ہر فرد پر ایک ہی طریقہ، اور ایک ہی ہتھیار نہیں آزماتا، وہ دینداروں اور عابدوں کو عوام کے درجہ کے فسق و فجور کی ترغیب نہیں دیتا، کہ اس میں اس کو کامیابی کی امید نہیں، وہ ان کو ریا، تکبر، خود پسندی، حُبّ جاہ، اور حسد جیسے امراض میں مبتلا کرنے کی کوشش [illegible] می سر بلندی،

حکومت واقتدار کی ہوس، اور دوسروں کے بجائے اپنے ملک کے وسائل کا خود استعمال کرنا، اور اپنے اوپر خود حکومت کرنا، اور اپنی زبان اور کلچر کو فروغ دینا ہر قیمت پر اپنے ملک کا بول بالا کرنا، یہ وہ خوشنما اور دل فریب مقاصد، اور یہ وہ دلکش اور شیریں خواب ہیں جن کے بڑے بڑے اہل علم، اور بعض اوقات بڑے بڑے دیندار بھی فریفتہ ہو جاتے ہیں۔

عربوں کی فریب خوردگی، اور اس کی سزا:

شیطان نے عربوں کو یہی سبز باغ دکھایا، ان سے کہا کہ قرآن مجید تمہاری زبان میں نازل ہوا، اللہ کا رسول تم میں مبعوث ہوا، خانہ کعبہ اور تمام عالم کا قبلہ تمہاری سرزمین میں ہے، حرم، اور رسول کی آخری آرام گاہ تمہارے ملک میں ہے تم قرآن وحدیث اور اسلام کے اسرار وحقائق کو جیسا سمجھ سکتے ہو، دنیا میں کونسی قوم ایسا سمجھ سکتی ہے پھر اس سب کے باوجود خلافت کا مرکز تم سے ہزاروں میل دور، سمندر پر قسطنطنیہ میں ہو، اور ترک تم پر حکومت کریں جن کی نہ زبان عربی، اور نہ نسل عربی، یہ منطق ایسی تھی کہ بہت سے عربوں نے جن کو اقتدار کی تمنا تھی، اور وہ عرصہ سے ایک عرب ایمپائر کا خواب دیکھ رہے تھے، نیز ان کو ترکوں سے بہت سی شکایتیں تھیں، اور ان کے احساس برتری اور حاکمانہ رویے سے نالاں تھے، ترکوں کے خلاف علم بغاوت بلند کر دیا، اور وہ برطانوی شاطروں کے مقاصد کا آلۂ کار بن گئے، شریف مکہ نے مرکز اسلام میں بیٹھ کر اور شام وعراق کے عربوں نے اپنے اپنے ملکوں میں اتحادیوں کا ساتھ دیا اور ان کے منصوبہ کی تکمیل میں معاون بن گئے، ترکوں کو شکست ہوئی، خلافت عثمانیہ کا خاتمہ ہوا، ملت اسلامیہ کا شیرازہ منتشر ہو گیا، وہ حصار جس کے اندر مسلمان عزت کے ساتھ زندگی گذار رہے تھے، منہدم ہو گیا، مغربی طاقتوں کو اب کسی کا ڈر نہیں رہا، اور مسلمانوں کی طرف سے کوئی انگلی ہلانے والا بھی نہیں رہا، اس کے نتیجہ میں فلسطین یہودیوں کا قومی وطن (NATIONAL HOME) بنا، اسرائیل کی سلطنت قائم ہوئی جو عربوں کی چھاتی پر کھونٹے کی طرح قائم ہے بیت المقدس یہودیوں کے قبضہ میں چلا گیا، یہ سب اس عصبیت جاہلیہ کا کرشمہ ہے، جس کا عرب شکار ہوئے،

اور جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ

نہ خدا ہی ملا ، نہ وصال صنم
نہ ادھر کے رہے نہ ادھر کے رہے

قرآن اور حدیث میں عصبیت جاہلیہ کی مذمت:

قرآن و حدیث کا ایک ادنیٰ طالب علم جانتا ہے، کہ کسی نسل، خون، رنگ، زبان تہذیب کی بناء پر اندھادھند حمایت اور جتھابندی، اس کی بنیاد پر محبت ونفرت، تعلق اور قطع تعلق، صلح وجنگ، وہ جاہلی عصبیت ہے، جس کی مذمت سے قرآن وحدیث بھرے ہوئے ہیں، قرآن شریف میں ہے:۔

اذْ جعل الَّذِيْن كفرُوْا فِيْ قُلُوْبِهِمُ الْحَمِيَّةَ حَمِيَّةَ الْجَاهِلِيَّةِ (سورة الفتح: ۲۶)

(ترجمہ) جب کافروں نے اپنے دلوں میں ضد کی، اور ضد بھی جاہلیت کی۔

اور صحیح حدیث میں آیا ہے:۔

لَيسَ مِنَّا مَنْ دعا الى عَصَبِيَّةٍ وَلَيسَ مِنَّا مَنْ قَاتَلَ عَلَى عَصَبِيَّةٍ وليس منَّا مَنْ ماتَ علىٰ عَصَبِيَّةٍ، (ابوداؤد)

(ترجمہ) وہ شخص مسلمانوں کی جماعت میں سے نہیں جو کسی عصبیت کی دعوت دے، وہ شخص جماعت مسلمین میں سے نہیں ہے، جو کسی عصبیت کی بنیاد پر جنگ کرے، وہ شخص جماعت مسلمین میں سے نہیں ہے، جس کی موت عصبیت پر ہو۔

ایک مرتبہ ایک مہاجر اور ایک انصار نے اپنی اپنی قوم کی دہائی دی، اور مہاجر نے یا للمهاجرين! (اے مہاجرو) اور انصاری نے یا للانصار (اے انصاریو) کا نعرہ لگایا آپ ﷺ کو معلوم ہوا تو آپ نے فرمایا:۔ " دعوها انها منتنة " (۱) (ان جاہلی نعروں کو چھوڑو، یہ گندی اور بدبودار چیزیں ہیں) رسول اللہ ﷺ کو ان جاہلی نسبتوں، اور ان کے نام پر اپیل کرنے، اوران کی دہائی دینے سے ایسی نفرت تھی کہ آپ نے ان سے کام

---

(۱) بخاری۔

لینے والوں کی ہر طرح سے ہمت شکنی، اور توہین وتذلیل کی ہدایت فرمائی، اور باوجود اس کے کہ آپ کسی بڑے سے بڑے دشمن کے لئے بھی کوئی درشت، اور ناملائم لفظ استعمال کرنا پسند نہیں کرتے تھے، آپ نے سخت ترین الفاظ استعمال کرنے کی اجازت دی اور اس میں مطلق رورعایت کرنے، اور اشارہ، کنایہ سے کام لینے سے بھی منع فرمایا۔(۱)

زبانیں باعث رحمت، یا باعث زحمت؟:

درحقیقت زبانوں کا اختلاف بالکل قدرتی، اور فطری ہے، بلکہ اس کو قرآن مجید میں خدا کی ایک نعمت، اور قدرت کی ایک نشانی کے طور پر پیش کیا گیا ہے، اوپر یہ آیت گذر چکی ہے:۔

وَمِنْ ایاتہ خلقُ السَّموٰت والاَرض واختلافُ اَلسنتکُم
والوانکم اِنَّ فِیْ ذلک لاٰیاتٍ لِّلعالمیْنO (سورۃ الروم ۲۲)

(ترجمہ) اور اس کے نشانات میں سے ہے آسمانوں اور زمین کا پیدا کرنا، اور تمہاری زبانوں، اور رنگوں کا جدا جدا ہونا، اہل دانش کے لئے اس میں نشانیاں ہیں۔

لیکن جب اس زبان کے معاملہ میں غلو مبالغہ کیا جاتا ہے، اور اس کی تقدیس شروع ہوجاتی ہے، اس کو معبود مسجود بنالیا جاتا ہے، تو وہ رحمت کے بجائے عذاب، تعمیر کا ذریعہ بننے کے بجائے تخریب کا ذریعہ بن جاتی ہے، اور اس کے استھان پر انسان اس طرح بھینٹ چڑھائے جاتے ہیں جیسے پہلے کبھی دیویوں اور استھانوں پر انسانوں کی قربانی کی جاتی تھی، زبان اس لئے ہے کہ وہ ٹوٹے ہوئے دلوں کو جوڑے، اس سے نکلا ہوا ایک لفظ مردوں میں جان ڈال دے، اور محبت کے پھول برسائے، بیگانوں کو یگانہ، دور کو نزدیک اور دشمن کو دوست بنائے، اس کا کام نفرت پیدا کرنا، انگارے برسانا، بھائی کو بھائی سے جدا کرنا، نفرت کا زہر پھیلانا نہیں، اگر زبان سے یہی کام لیا جانے لگے تو اس سے گونگا اور بے زبان ہونا ہزار درجہ بہتر ہے، اور انسان اس نتیجہ پر پہنچے گا کہ اگر دنیا کی سب قومیں،

---

(۱) ملاحظہ ہو مشکوٰۃ ج ۲، الفصل الثانی، باب المفاخرۃ والعصبیۃ۔

اور قوموں کے تمام افراد گونگے پیدا ہوتے، اور اشاروں سے باتیں کرتے تو شاید انسانیت کے حق میں یہ اس سے بہتر ہوتا کہ اپنی اپنی زبان کے غرور اور عشق میں بے گناہ انسانوں کا خون بہایا جائے، بے زبان عورتوں اور معصوم بچوں کو خاک و خون میں لٹایا جائے اور ملک کو تباہی و بربادی کے عمیق غار میں دھکیل دیا جائے۔

انسان زبان سے زیادہ قیمتی ہے:

میرے بھائیو! زبانیں انسانوں کے لئے بنی ہیں، انسان زبانوں کے لئے نہیں بنے ہیں، ایک انسانی جان کی قیمت زبان و ادب کے پورے ذخیرے، ہزاروں ادبی شہکاروں، شعر و شاعری کے ہزاروں دفتروں، اور فصاحت و بلاغت کے دریاؤں اور سمندروں سے زیادہ ہے، زبانیں پیدا ہوئیں، اور مٹیں، سکڑیں اور پھیلیں، ان میں ہزاروں تبدیلیاں ہوئیں، لیکن انسان سدا سے انسان ہے، اور ہمیشہ انسان رہے گا۔

مسلمانوں کے دینی عمل اور شعور میں تناسب نہیں:

دوستو! ہمیں اس کا اعتراف کرنا چاہئے کہ ہم نے دینی جذبہ عبادت کا ذوق، اور دینی معلومات کی ترقی کی جتنی کوشش کی، اتنا شعور صحیح اور بیدار کرنے کی کوشش نہیں کی، اس کا نتیجہ یہ ہے کہ آج بہت سے اسلامی ملکوں میں عمل اور شعور میں وہ تناسب نہیں جو ہونا چاہئے، ایک آدمی آپ کو بڑا دیندار، عابد و تہجد گذار ملے گا، لیکن اس کا دینی شعور بالکل ناپختہ اور حسلانہ ہوگا، بعض مرتبہ وہ دین کے بنیادی تقاضوں سے ناواقف نظر آئے گا، اور وہ ایسی غلطی کر بیٹھے گا، جو کسی صاحب شعور مسلمان سے حد درجہ مستبعد ہے، یہ ممکن ہے کہ وہ جاہلیت اور اسلام کا بالکل فرق نہ سمجھتا ہو، اور وہ نہایت آسانی کے ساتھ کسی جاہلی دعوت اور کسی عیار و شاطر کا شکار ہو جائے اور وہ اس کو اپنے مذموم مقاصد، اور اسلام کی بیخ کنی کے لئے استعمال کرے، ہو سکتا ہے کہ وہ نیک نیتی اور سادگی کے ساتھ اس کام کو انجام دے، اور اس عمل میں اور دین کے تقاضوں میں اس کو کوئی تضاد محسوس نہ ہو، تاریخ اسلام میں اس کی بہت سی مثالیں ملیں گی، اور حالیہ واقعات اس کا بہترین نمونہ ہیں، جن میں

ان مسلمانوں نے جو اپنے دینی جذبہ میں ہندوستان کی دوسری آبادی کے مقابلہ میں زیادہ نیک نام تھے جن کو اللہ تعالیٰ نے اثر پذیری، اور رقت کا حصۂ وافر عطا فرمایا، جو دین اور شعائر دین سے والہانہ محبت رکھتے تھے، جو وعظ کے مجالس اور دینی اجتماعات میں لاکھوں کی تعداد میں جمع ہوتے تھے، اور پروانوں کی طرح ٹوٹ پڑتے تھے، بہت سے مقامات میں سیاسی شاطروں کی چالاکی کا شکار ہو گئے، اور اس خونی کھیل میں شریک ہوئے، یا کم سے کم اس فتنہ کا اس جرأت سے مقابلہ نہیں کر سکے جس جرأت سے ایک صاحب شعور قوم کو کرنا چاہئے تھا۔

صحابہ کرامؓ کی جامع تربیت:

میرے بھائیو! لیکن صحابہ کرامؓ کا معاملہ اس سے بالکل الگ تھا، رسول اللہ ﷺ نے ان کی مکمل اور جامع تربیت فرمائی تھی، جہاں ان کے اندر عمل کا وہ جذبہ پیدا کیا گیا تھا جس کی مثالیں دنیا کی تاریخ میں ناپید ہیں، وہاں ان کے اندر ایک ایسا شعور پیدا کر دیا گیا تھا، کہ وہ صحیح اور غلط، ظلم و عدل، اور جاہلیت اور اسلام میں ہر وقت امتیاز کر سکتے تھے، ان کا ذہن اتنا سلیم اور مستقیم بنا دیا گیا تھا، کہ کوئی ٹیڑھی چیز اس میں گھس نہیں سکتی تھی، جیسے کسی نلکی میں کوئی ٹیڑھی چیز ٹیڑھی ہو کر داخل نہیں ہو سکتی، اسی طرح ان کا ذہن سلیم کسی کج چیز کو قبول نہیں کرتا تھا۔

میں اس کی ایک بہت واضح اور طاقتور مثال پیش کرتا ہوں، آپ کو معلوم ہے کہ صحابہ کرام کا تعلق ذات نبوی سے کیا، اور کیسا تھا؟ مختصر یہ ہے کہ توحید کے دائرہ میں رہتے ہوئے کسی انسان کو کسی انسان سے جتنی عقیدت اور تعلق ہو سکتا ہے وہ صحابہ کرام کو آپ ﷺ کی ذات مبارک سے تھا، اور جس کو فارسی کے کسی شاعر نے اس الہامی مصرعہ میں بیان کیا ہے کہ:۔

بعد از خدا بزرگ توئی قصہ مختصر

وہ یہ بھی جانتے تھے کہ آپ کے مبارک لبوں، اور زبان سے جو چیز نکلتی ہے اس

کا منبع اور سر چشمہ وحی اور ہدایت الٰہی ہے، اور آپ کوئی بات اپنے نفس کے تقاضہ سے نہیں فرماتے تھے، ان کا ایمان تھا کہ:۔

وما ینطقُ عن الھوٰی ان ھُوَ الاَّ وَحْیٌ یُوْحٰی O

(سورۃ النجم ۳، ۴)

(ترجمہ) اور نہ خواہش نفس سے منہ سے بات نکالتے ہیں، یہ (قرآن) تو حکم خدا ہے جو (ان کی طرف) بھیجا جاتا ہے۔

ان خصوصیات کو سامنے رکھ کر اب یہ سنئے کہ آپ نے ایک مرتبہ صحابہ کرامؓ کی مجلس میں فرمایا۔ "اُنصُرْ اخاک ظالما اوْ مَظلُوماً" (اپنے بھائی کی مدد کرو ظالم ہونے کی حالت میں بھی اور مظلوم ہونے کی حالت میں بھی) اس عقیدت، اور عشق کا تقاضہ جس کا اوپر ذکر ہوا یہ تھا کہ وہ اس ارشاد کو بے چون وچرا مان لیتے، اور آنکھ بند کر کے اس پر عمل کرتے، ایسے واضح الفاظ میں فرما دینے اور اہل زبان ہونے کے بعد ان کے کچھ دریافت کرنے، اور وضاحت چاہنے کا کوئی موقعہ نہ تھا، لیکن جس انداز پر ان کی اس وقت تک تربیت ہوئی تھی، ظلم کی جو مذمت وہ اس زبان مبارک سے ابھی تک سنتے آئے تھے اور ظالم کا ساتھ نہ دینے کی ان کو جس طرح تلقین کی گئی تھی، ان کو اس میں اور آج کے ارشاد میں ایک کھلا ہوا تضاد محسوس ہوا، وہ خاموش نہ رہ سکے اور انہوں نے ادب سے عرض کیا۔ "یارسولَ اللہِ ھذا نصرتُه مظلوماً فکیف أنصرُہ ظالماً؟" (اے خدا کے پیغمبر مظلوم ہونے کی حالت میں تو مدد کی جائے ظالم ہونے کی حالت میں کیسے مدد کی جاسکتی ہے؟) آپ نے قطعاً اس پر اپنے کسی تکدر کا اظہار نہیں فرمایا، اور نہ ان پر سرزنش کی، بلکہ نہایت بشاشت کے ساتھ اپنے اس فرمان کی تفصیل، اور اپنے اس ارشاد کی تشریح فرمائی، فرمایا! ہاں ظالم کی بھی مدد کی جاسکتی ہے، اور کرنا چاہئے مگر اس کا طریقہ کیا ہے؟ ظالم کی مدد یہ ہے کہ اس کا ہاتھ پکڑ لو، اس کو ظلم نہ کرنے دو، (۱) اب آنکھوں پر سے پردہ اٹھ گیا تھا، اور جو گرہ پڑ گئی تھی، کھل گئی تھی۔

---

(۱) بخاری ومسلم۔

کسی مخلوق کی ایسی اطاعت جائز نہیں جس میں خالق کی نافرمانی ہوتی ہو:

اس شعور کی ایک دوسری مثال سنئے رسول اللہ نے ایک صحابی عبداللہ بن حذافہ کی سرکردگی میں مسلمانوں کا ایک دستہ بھیجا، جس کو سیرت وتاریخ کی اصطلاح میں (سریہ) کہتے ہیں، آپ نے ساتھ جانے والوں کو حکم دیا کہ اپنے امیر کی پوری اطاعت کرنا، ایک موقعہ پر امیر نے کسی بات کا حکم دیا، اس کی تعمیل میں ذرا تاخیر ہوئی، انہوں نے اس پر غضبناک ہو کر لکڑیوں کے جمع کرنے کا حکم دیا، جب لکڑیاں جمع ہو گئیں، تو انہوں نے اس کو آگ دکھائی، اور ایک آلاؤ روشن ہو گیا انہوں نے اپنے ساتھیوں کو حکم دیا کہ اس میں کود پڑو، انہوں نے انکار کر دیا، انہوں نے کہا کہ کیا تم کو رسول اللہ نے میری بات ماننے کا حکم نہیں دیا تھا؟ انہوں نے کہا کہ بے شک دیا تھا، لیکن اس کا یہ مطلب نہیں تھا ہم نے اسی آگ سے بچنے کے لئے اسلام کو قبول کیا، اور آپ کا دامن تھاما ہے، اب ہم اس میں کیسے پھاند پڑیں؟ بات ختم ہوئی، یہ فوج جب مدینہ پہنچی تو امیر لشکر نے آپ کی عدالت میں یہ مقدمہ پیش کیا، اور اپنے ساتھیوں کی شکایت کی، آپ نے ان کے عمل کی تصویب فرمائی اور فرمایا کہ اگر یہ اس آگ میں گھس جاتے تو پھر کبھی یہ نکل نہیں سکتے تھے آپ نے فرمایا کہ'' **انما الطاعة فی المعروف** ''(اطاعت نیک کام ہی جائز ہے)(۱) آپ نے امت کو یہ زریں اصول دیا، جو اس کی ہر دور میں رہنمائی کرتا رہا ہے، اور جس نے بڑے نازک موقعوں پر جابر اور مستبد بادشاہوں کی اندھا دھند اطاعت، اور گمراہ کن قائدوں اور رہنماؤں کی غیر مشروط پیروی، اور رفاقت سے روکا ہے، وہ اصول یہ تھا کہ '' **لا طاعة لمخلوق فی معصیة الخالق** ''(۲)(کسی مخلوق کی ایسی اطاعت جائز نہیں جس میں خالق (خدا) کی نافرمانی ہوتی ہو، اور اس کا کوئی حکم ٹوٹتا ہو) تاریخ اسلام میں

---

(۱) بخاری، مسلم۔

(۲) حدیث صحیح (مسند احمد، مستدرک حاکم)۔

مسلمانوں نے بڑے بڑے نازک موقعوں پر اپنے دماغی توازن، اور اپنی قوت تمیز کو برقرار رکھا، اور وہ ہر فتنہ کی آگ کا ایندھن نہیں بن سکے، ان میں ایسے ایسے جری اور ذہین مصلح، اور عالم پیدا ہوئے جنہوں نے وقت کے دھارے میں بہنے سے انکار کر دیا، اور اس اصول کے ماننے سے انکار کیا کہ:۔

چلو تم اُدھر کو ہوا ہو جدھر کی

وہ واقعات جن کی تاریخ کربلا کے میدان سے شروع ہوتی ہے، اور کسی نہ کسی شکل میں اسوقت بھی اس کی جھلک نظر آ سکتی ہے، یہ سب اسی زریں اصول کا نتیجہ تھا کہ "لا طاعة لمخلوق فی معصیة الخالق."

زخم کا مرہم:

عزیز نوجوانو! زخم بہت گہرا ہے، لیکن کوئی زخم نہیں جس کا مرہم نہ ہو، اور جو مندمل نہ ہو سکے، عقل اور عزم شرط ہے کھوئی ہوئی دولت کی بازیافت، اور بھٹکے ہوئے گلے، اور کھوئے ہوئے ریوڑ کو گھر لانے کی کوشش میں لگ جاؤ، زبانوں سے اگر زہر پھیلایا جا سکتا ہے، تو تریاق بھی مہیا کیا جا سکتا ہے بلکہ یہ کام پہلے کام سے زیادہ فطری اور آسان ہے کہ زبان کے لئے بھی فطرت کا منشاء اور خدا کا حکم یہی ہے کہ۔

تو برائے وصل کردن آمدی
نے برائے فصل کردن آمدی

کسی زبان کا اسلامی روح سے محروم رہنا، اور جاہلی تصورات اور عقائد کا غلام ہونا بہت بڑا خطرہ ہے

یاد رکھو کسی زبان اور لٹریچر کا اسلامی روح، اسلامی تخیلات اور تعبیرات، اسلامی حقائق، اور اصطلاحات سے ناآشنا ہونا اور دینی علوم کے خزانے سے محروم رہنا بہت بڑا خطرہ ہے، زبان کا دل و دماغ، اور روح و ضمیر سے قریبی تعلق ہے۔ جس زبان پر غیر اسلامی فکر، اور غیر اسلامی ادب کا تسلط ہو جس زبان پر غیر اسلامی چھاپ ہو، جس زبان کے

بولنے والوں کے سوچنے کا طریقہ، اور اپنے مطالب کے ادا کرنے کا انداز دوسرا ہو، جس زبان کے استعارات وتشبیہات، محاورات وتلمیحات کسی مشرکانہ تہذیب یا فلسفہ سے ماخوذ ہوں، اور وہی شخصیتیں، وہی کردار، وہی ادیب وشاعر، اسی کی مصلح اور داعی، اسی کے فلسفی اور مفکر اس کے لئے قابل تقلید اور آئیڈیل ہوں، اس کو اسلامی شخصیتوں سے اور جس فضا میں اسلام پھلا پھولا اس سے بیگانگی ہو، وہ قوم ہمیشہ ذہنی اور تہذیبی ارتداد کے خطرہ میں مبتلا رہے گی، اور اس کی جاہلی عصبیت کو ہر وقت بیدار کیا جا سکے گا نسل پرستی اور زبان پرستی کا ایک نعرہ اس کو مجنون اور از خود رفتہ بنا دینے کے لئے کافی ہے، حالیہ واقعات میں ہم نے اس کا نمونہ دیکھ لیا، اب آپ کا فرض ہے کہ آپ اس خطرہ کا سد باب کریں ان زبانوں میں مہارت پیدا کریں، ان کی زبان وادب کو نہ صرف اسلامیات سے مالا مال کر دیں، بلکہ ان کی روح اور ضمیر کو مسلمان بنائیں اور ان کا مزاج اسلامی بنانے کی کوشش کریں، ان شخصیتوں کا رب، اور ان کا ذہنی تفوق دور کرنے کی کوشش کریں جو ان کو اسلام سے دور اور مشرکانہ تخیلات سے قریب کرتی ہیں، ان میں اسلام اور جاہلیت کے درمیان امتیاز کرنے، اول الذکر سے محبت، اور آخر الذکر سے نفرت کرنے کی ایسی صلاحیت پیدا کر دیں کہ آئندہ کوئی جاہلی نعرہ، اور زبان ونسل، ملک ووطن کی دہائی ان کو اسلام اور مسلمانوں سے کاٹ نہ سکے۔

ایک نئے دور کا آغاز ہوگا:

میرے بھائیو اور عزیزو! اگر توفیق الٰہی سے آپ نے یہ فرض انجام دیا تو ہماری سابقہ غلطی جس کے نتیجہ میں یہ ناشدنی واقعات پیش آئے، وہ ایک بڑی کامیابی کا پیش خیمہ بن جائے گی اور ملت اسلامیہ کے اس قیمتی خاندان کو جس میں ہزاروں کی تعداد میں علماء اور سینکڑوں کی تعداد میں اولیاء پیدا ہوئے اور جن کے اندر اب بھی اسلام سے محبت اور دین کے لئے حمیت پائی جاتی ہے، اور جن کے اسلاف نے ماضی قریب میں تیرھویں صدی کے مجاہد اعظم حضرت سید احمد شہیدؒ کے ساتھ وہ جانبازیاں، اور

سرفروشیاں دکھائیں، جنہوں نے ڈاکٹر ہنٹر جیسے نقادوں کو بھی انگشت بدنداں بنادیا، ایک جدید استحکام حاصل ہوگا، اور ایک نئے دور کا آغاز ہوگا۔ اسی پر اکتفا کرتا ہوں اللہ تعالیٰ ہم سبھوں کو سیدھی راہ پر چلنے کی توفیق بخشے۔ آمین۔

و آخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین

امریکہ میں مجھے کیا ملا کیا نہیں ملا؟

[حسب ذیل تقریر مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی برد اللہ مضجعہ نے ۱۹ جون ۱۹۷۷ء کو مسلم کمیونٹی سینٹر شیکاگو (MUSLIM COMMUNITY CENTRE, CHICAGO) (امریکہ میں تعلیم یافتہ مسلمانوں کے ایک بڑے مجمع کے سامنے کی تھی۔]

الحمد للہ رب العالمین والصلوۃ والسلام علی سید الانبیاء والمرسلین وعلی آلہ وصحبہ اجمعین امابعد۔

میرے بھائیو، عزیزو! مولانا رومؒ کا ایک مشہور قطعہ ہے، علامہ اقبالؒ نے اپنے مشہور فارسی دیوان "اسرار خودی" کا اسے سرنامہ بنایا ہے، وہ کہتے ہیں ع

دی شیخ باچراغ ہمی گشت گردشہر
کزدام ودو ملولم وانسانم آرزوست
زیں ہمرہان ست عناصر دلم گرفت
شیر خدا و رستم دستانم آرزوست
گفتم کہ یافت می نسود جستہ ایم ما
گفت آنکہ یافت می نشود آنم آرزوست

مولانا رومؒ کہتے ہیں کہ میں نے ایک بزرگ کو دیکھا کہ وہ ہاتھ میں چراغ لئے کچھ تلاش کر رہے ہیں، میں نے کہا حضرت سلامت! آپ کو کس چیز کی تلاش ہے؟ انہوں نے کہا کہ "میں جانوروں اور چوپایوں سے اکتا گیا ہوں مجھے انسان کی تلاش ہے، میں انسان کی آرزو اور اس کی تلاش میں نکلا ہوں میرے گرد انسانوں کی جو بھیڑ ہے، اس سے میری طبیعت مکدر ہوگئی ہے، اور میرا پیمانہ صبر لبریز ہوگیا ہے، میں ایک شیر خدا ایک

رستم زماں کی تلاش میں ہوں، میں نے کہا حضرت! آپ عنقا کی تلاش میں نکلے ہیں، آپ اطمینان رکھیں یہ ہاتھ آنے والا نہیں، انہوں نے بڑی سنجیدگی سے جواب دیا کہ میاں! یہی تو میری بیماری ہے کہ جو چیز نایاب ہوتی ہے، میں اسی کی آرزو رکھتا ہوں۔

آپ حضرات کو معلوم ہے کہ میں M.S.A کی دعوت پر یہاں حاضر ہوا ہوں، اور میرے لئے کولمبس کے برابر تو نہیں، البتہ ایک طالب علم اور ایک ایسے شخص کی حیثیت سے جو مذہب پر تھوڑی بہت نظر رکھتا ہے، میرے لئے یہ ایک نئی دنیا ہے، میں M.S.A کا شکر گذار ہوں کہ اس نے مجھے امریکہ کی دعوت دی اور یہی نہیں بلکہ اس کا موقعہ عنایت کیا کہ امریکہ کو ایک سرے سے دوسرے سرے تک اپنی آنکھوں سے دیکھوں، لوگوں سے ملوں، اور ان سے خطاب کروں اور اسی تھوڑے وقفہ میں یہاں کے لوگوں سے جتنی واقفیت حاصل کی جا سکتی ہے حاصل کروں، میں شمالی امریکہ میں نیویارک سے کلیفورنیا تک گیا، کنیڈا کی بھی سیر کی کم از کم تین چار ہزار میل کا سفر میں نے اس عرصہ میں کیا، میں آپ کے سامنے اس دورے کے اختتام پر حاضر ہوا ہوں یہ میرے دورے کی آخری منزل ہے، آپ مجھ سے اس دورے کے تاثرات سننا چاہیں گے اور آپ کا یہ تقاضا بالکل فطری ہے، ہو سکتا تھا کہ میں ایک ایسے ملک سے تعلق رکھنے والے انسان کی حیثیت سے جو ابھی بہت پسماندہ اور منزلوں نہیں بلکہ صدیوں کے حساب سے مغرب سے پیچھے ہے، آپ کے سامنے مزے لے لے کر یہاں کی ترقیات کی داستان سناتا لیکن آپ مجھ سے زیادہ اس سے واقف ہیں یہ آپ کے گھر کی چیز ہے، اس لئے آپ کو اس کی ضرورت نہیں!

میرے بھائیو اور دوستو عزیزو! میں نے آپ کے سامنے مولانا رومؒ کا ایک قطعہ پڑھا ہے، جو آپ میں سے بہت سے بھائیوں اور بہنوں کے لئے خلاف توقع بات ہوگی مولانا رومؒ ایک ایسے خطہ زمین (اناطولیہ) میں رہتے تھے، جو انسانی ترقی سے بالکل نا آشنا نہیں تھا بلکہ وہ اس زمانے کی متمدن دنیا کا ایک متمدن خطہ تھا، وہ ایک ایسی جگہ کے شہری تھے، جہاں ایک عظیم سلطنت (سلجوقی) کی داغ بیل ڈالی جانے والی تھی، وہ

ایران کے شہر بلخ میں پیدا ہوئے تھے، جو اس زمانہ کا سب سے متمدن ملک تھا اور جس کو مشرق کا یونان کہنا صحیح ہوگا، جس نے شاعری، ادب، فلسفہ، میں بڑا نام پیدا کیا، اور جس نے تاریخ میں بڑے گہرے نقوش چھوڑے ہیں، لیکن انہوں نے اپنے دل کے داغ اور اپنے دل کی دھڑکن اس قطعہ میں پیش کی ہے، وہ ''حدیث دیگراں'' میں ''سر دلبراں'' کہنا چاہتے ہیں، وہ ''شیخ'' کی سرگزشت سناتے ہیں، لیکن درحقیقت یہ ان کی آپ بیتی ہے، وہ کہتے ہیں، کہ اس بھرے پردے گلزار شہر میں، اس متمدن خطہ زمین میں، میں ایسا بدقسمت انسان ہوں جو انسان کی صورت دیکھنے کو ترستا ہے، مجھے یہاں سب نظر آتا ہے، لیکن انسان نظر نہیں آتا، اونچے اونچے محل، گلزار شہر، لہلہاتے باغ، آباد محلے، کھانوں کی افراط لباس کی رنگارنگی، تہذیب وتمدن کی بوقلمونی، یہ ساری چیزیں اپنی جگہ پر ہیں، لیکن مجھے یہاں حقیقی انسان نظر نہیں آتا، یہ انسان نما انسان ہیں، لیکن حقیقی انسان نہیں ہیں۔

انہوں نے اپنے ایک دوسرے شعر میں اس کو اور کھول کر بیان کیا ہے۔

ایں نہ مردانند اینہا صورت اند
مردۂ نانند و کشتۂ شہوت اند

یعنی تم جن کو انسان سمجھ رہے ہو، وہ انسان نہیں ہے، یہ شکم سیری و پرخوری کے مارے، اور خواہشات کے تھکے ہارے ہیں۔

مشینوں کی بہار:

حضرات! میں اگر آپ سے یہ کہوں کہ میں نے امریکہ کو تھوڑے عرصہ میں جتنا دیکھا جاسکتا تھا دیکھا، میں مشرق سے مغرب اور شمال سے جنوب تک گیا مجھے یہاں صرف مشینوں کی ترقی ہی نظر آئی، آپ یہاں کی جو بہار دیکھ رہے ہیں، یہ سب علم طبیعیات کی صنعت وحرفت اور ٹیکنالوجی کی بہار ہے، یہ علوم اپنے نقطہ عروج پر پہنچ گئے ہیں، وہ انسان کو جو دے سکتے تھے، جو آسائش فراہم کر سکتے تھے، جو ترقی عطا کر سکتے تھے، انہوں نے عطا کردی، انہوں نے اپنا خزانہ اگل دیا ہے۔

لیکن جہاں اس ملک میں تل دھرنے کی جگہ نہیں ہے، جہاں کے شہر آدمیوں سے اس طرح بھرے ہوئے ہیں کہ راستہ چلنا مشکل ہے، اس انسانی جنگل میں اگر پوچھا جائے کہ حقیقی انسان کتنے ہیں، جن کے پہلو میں دھڑکنے والے دل، جن کے پاس انسانیت کے غم میں آنسو بہانے والی آنکھیں ہیں، جو انسانیت کے سوز میں جلنے والے ہیں، جو نفس پر پورا قابو رکھتے ہیں، جو اس تہذیب کے مرکب نہیں، بلکہ اس تہذیب کے راکب ہیں، جن کے دوش پر تہذیب سوار نہیں بلکہ وہ تہذیب کے دوش پر سوار ہیں، زندگی کی عنان (باگ) ان کے ہاتھ میں ہے، اور وہ عنان زندگی کے ہاتھ میں نہیں، جن کو زندگی بھگائے اور سرپٹ دوڑائے لئے نہیں جارہی ہے، بلکہ وہ زندگی پر گرفتہ دل رہتے تھے، جن کے دل اس کی محبت سے معمور، اور انسانیت کے احترام سے مخمور اور چور ہیں، جن کی زندگی سادہ اور فطرت کے بالکل قریب ہے، جو حقیقی لذتوں سے آشنا ہیں، جو انسانیت کے غم میں گھلتے رہتے ہیں، جن کو قوموں کا انتشار اور باہمی تصادم اور سیاسی رہنماؤں کی خودغرضی پسند نہیں، جو کہ کسی ملک کو مصیبت میں دیکھ نہیں سکتے، جو ہر ملک و ترقی دینا چاہتے ہیں، اور بے غرض ان کی خدمت کرنا چاہتے ہیں، جو دینے کے لئے بے چین، بے تاب، اور بے قرار ہیں، جن کا ہاتھ دینے کے لئے پھیلتا ہے نہ کہ لینے کے لئے، جن کی راتوں کی نیند بدقسمت اور بدحال قوموں اور ملکوں کی پریشانیوں کے تصور سے اڑ جاتی ہے، انہوں نے زندگی کا مقصد صرف اتنا ہی نہیں سمجھا ہے کہ کھاؤ، پیو، پہنو اور عیش کی زندگی بسر کرو اور جن کا اصول زندگی یہ نہیں ہے کہ ع

بابر بعیش کوش کہ عالم دوبارہ نیست!

جو سمجھتے ہیں کہ انسان کو کھلا کر فاقہ کرنے وہ لذت وہ لطف ہے، جس پر کھانوں کی ہزار لذتیں قربان، جن کا یہ یقین ہے کہ انسانیت سے بڑھ کر کوئی شرف اور عزت واحترام کی چیز نہیں، جو ہارنے میں اپنی جیت، کھونے میں یافت سمجھتے ہیں، جو اپنے ملک کی تعمیر میں منہمک نہیں، بلکہ انسانیت کی تعمیر کے خواب دیکھتے ہیں، جو ساری دنیا کو متحد دیکھنا چاہتے ہیں، اقوام متحدہ (United nation) کے وقتی اور نمائشی اسٹیج پر نہیں بلکہ انسانی

وحدت کے حقیقی اور لفظی اسٹیج پر ایسے انسان جو اپنی زندگی کے آغاز و انجام سے آشنا ہوتے ہیں، اور اس کی طرف متوجہ بھی ہیں، جو یہ سمجھتے ہیں کہ ہمارا کوئی پیدا کرنے والا ہے، اور ہم حشرات الارض کی طرح کھا کر زندگی گذار کر مٹی نہیں ہو جائیں گے بلکہ ہمیں کہیں جانا ہے اور خدا نے جو عظیم صلاحیتیں ہمیں عطا کی ہیں، ان کا حساب دینا ہے، وہ صلاحیتیں جنھوں نے جمادات میں جان ڈال دی ہے، جنھوں نے آسمانوں کی پہنائیاں مسخر کر لی ہیں، جنھوں نے زمین کی طنابیں کھینچ لی ہیں، جنھوں نے سورج کی شعاعوں کو گرفتار کر لیا ہے، جو اپنی کوششوں، ذہانتوں اور محنتوں کی بدولت چاند پر پہنچ گیا ہے۔ جو اس نکتہ سے واقف ہوں کہ انسان کا کمال اس میں نہیں کہ جمادات میں جان ڈال دے اور جمادات کے ذریعہ کائنات کو مسخر کرے بلکہ اس کا کمال یہ ہے کہ وہ اپنے میں جان ڈالے۔ خدا نے انسان کا پتلا پیدا کیا تھا، اور خلافت کا تاج اس کے سر پر رکھا تھا، اس لئے انسان کی ترقی یہ نہیں ہے کہ جمادات کا غلام بن جائے بلکہ انسان کی ترقی یہ ہے کہ وہ جمادات کو اپنا غلام بنا لے، نہیں نہیں! اپنا غلام نہ بنائے بلکہ خدا کا غلام بنائے، وہ خدا کا منشا پورا کرنے کے لئے ان سے کام لے اس کا نام خلافت الٰہی ہے۔

قفس زریں کے اسیر:

وہ انسان جو سبھوں پر حکومت قائم کرنا، اپنی بالادستی ثابت کرنا اور سب کو اپنے سامنے جھکا لینا اپنی معراج نہیں سمجھتے بلکہ وہ انسانیت کی بے لوث خدمت کرنا چاہتے ہیں، اور دنیا کے کسی ملک کی کسی انسانی جماعت کا کسی دوسرے ملک اور کسی انسانی جماعت کو غلام بنانا کسی وقت گوارا نہیں کر سکتے، وہ ان اقوام کی انسانیت کو نفس کی غلامی سے، خواہشات کی غلامی سے، طاقت کی غلامی سے، دولت کی غلامی سے، سرمایہ کی غلامی سے، و عقل کی بھی غلامی سے نکالنا چاہتے ہیں۔

عرب کے اس بدو نے جس کے دماغ کو اسلام نے آسمان پر پہنچا دیا تھا، ایرانی سپہ سالار اعظم رستم سے کہا تھا: "الله ابتعثنا لنخرج من شاء من عبادة العباد

الی عباد ۃ اللہ ومن ضیق الدنیا لی سعتھا" الخ (اللہ نے ہم کو اس کام پر مقرر کیا ہے کہ ہم ان لوگوں کو (جن کو اس نے چاہا) بندوں کی بندگی سے نکال کر خدائے واحد کی بندگی میں اور دنیا کی تنگی سے نجات دے کر دنیا کی وسعت میں داخل کریں) جس رستم کا نام سن کر دلوں پر ہیبت طاری ہو جاتی تھی، فوجیں پانی پانی ہو جاتی تھیں اس رستم کے دربار میں بدو یہ کہنے کے قابل ہوا کہ "خدا نے ہم کو اس لئے بھیجا ہے کہ انسانوں کو انسانوں کی عبادت سے نکال کر خدا کی بندگی میں داخل کریں، اور دنیا کی کالی کوٹھری اور اس پنجرہ سے جس کا تم نے "مملکت ایران" نام رکھا ہے، جس کو تم نے "ساسانی شہنشاہیت" کا نام دیا ہے، نکال کر ہم تم کو دنیا کی وسعت بے پایاں اور آزادی کی کھلی فضا سے آشنا کریں، ہمیں اپنے حال زار پر رحم نہیں آیا، بلکہ تمہارے حال زار پر رحم آیا ہے، ہمیں تمہاری زبوں حالی پر جذبہ ترحم صحرائے عرب سے نکال کر لایا ہے. اے بدقسمت ایرانیو! ہم تم کو اس قفس زریں سے جس میں تم بلبل کی طرح گرفتار ہو اور چہچہا رہے ہو، اور ہنس ہنس کر دل بہلا رہے ہو، خدا کی لامحدود فضا میں لانا چاہتے ہیں، تم اپنی عادتوں کے غلام ہو، تم تفریح کا سامان کرنے والوں کے غلام ہو، تم اپنے گویوں کے غلام ہو، تم اپنے باورچیوں کے غلام ہو، تم اپنے پانی پلانے والوں کے غلام ہو، ہم صرف خدا کے غلام ہیں، ہم اس لئے آئے ہیں کہ تم کو ان غلامیوں سے جن کی تعداد سینکڑوں تک پہنچتی ہے، اور کمپیوٹر بھی ان کی میزان جوڑ کر نہیں بتا سکتا کمپیوٹر اندر کی دنیا سے واقف نہیں وہ باہر کی چیزوں کو گن لے گا. لیکن جب ریشہ ریشہ غلام ہو، جب ذرہ ذرہ غلام ہو، جب غلامی اس کا مزاج بن گئی ہو جب غلامی اس کی رگ و پے میں سرایت کر گئی ہو، جب غلامی کے بغیر اس کا جینا مشکل ہو، جب غلامی سے اس کو عشق ہو گیا ہو، جب غلامی اس کو آزادی سے [illegible] اس غلامی کا حساب کون کمپیوٹر کر سکتا ہے! عرب کے اس بدو نے کہا [illegible] ہیں کہ تم کو ان غلامیوں سے جن کی تعداد خدا کے سوا کوئی نہیں جانتا ہے [illegible] سے نکال کر تم کو ایک حریت میں لائیں۔

نور ایک ہے اور ظلمتیں بے شمار:

محترم حضرات! حریت ایک ہے، اور غلامی بے شمار، نور ایک ہے، اور ظلمتیں بے شمار، اس لئے آپ دیکھتے ہیں کہ قرآن مجید میں جہاں بھی ذکر ہے، نور واحد آیا ہے " اللّٰہ ولیُّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْ یُخْرِجُہُمْ مِّنَ الظُّلُمات اِلَی النُّوْر " (اللہ ایمان والوں کا کارساز ہے، ان کو تاریکیوں سے نکال کر "نور" کی طرف کرتا ہے۔) کیا عربی زبان میں نور کی جمع نہیں آتی؟ کیا قرآن مجید کا دامن تنگ تھا، لیکن واقعہ یہ ہے کہ نور ایک ہے، اور ظلمتیں بے شمار، نور کا سرچشمہ ایک ہے، اور وہ خدا کی معرفت ہے، وہاں سے نور کا فیضان نہ ہو تو پھر ہدایت کا کوئی اور ذریعہ نہیں، آج ہم اس ملک کو دیکھ رہے ہیں، اور اقبال کا یہ شعر یاد کر رہے ہیں، اقبال یہاں نہیں آئے، لیکن ان کا مغربی تہذیب کا مطالعہ ہم سے اور آپ سے زیادہ گہرا تھا، انہوں نے کہا کہ

یورپ میں بہت روشنی علم و ہنر ہے
حق یہ ہے کہ بے چشمۂ حیواں ہے یہ ظلمات
جو قوم کہ فیضان سماوی سے ہے محروم
حد اس کے کمالات کی ہے برق و بخارات

یعنی "مغرب" ایسا بحر ظلمات ہے، جہاں آب حیات کا وجود نہیں، ایک پرانی کہاوت چلی آرہی ہے کہ بحر ظلمات میں آب حیات پایا جاتا ہے، مشہور ہے کہ سکندر نے خضر کو اپنا رہبر بنایا کہا کہ مجھے بحر ظلمات میں آب حیات کے کنارے کھڑا کردو، خضر نے بھی ہار مانی اور کہا کہ ہم نہیں پہنچا سکتے اسی کو اقبال مرحوم کہتے ہیں کہ یہ عالم ظلمات تو ہے، لیکن اس میں چشمہ حیواں نہیں، جو قوم فیضان سماوی سے محروم ہو جائے، نبوت کا دامن جس کے ہاتھ سے چھوٹ جائے، جو اپنے علم و عقل پر تکیہ کر لے، جس کی ساری ذہانتیں جمادات پر صرف ہوں، لوہے پر صرف ہوں، فولاد پر صرف ہوں، اور آلات پر صرف ہوں جو عالم انفس سے ہٹا کے عالم آفاق کو اپنی محنتوں، ذہانتوں اور کاوشوں کا میدان

بنانے اس کا انجام کیا ہے، جمادات مسخر ہوتے ہیں، لیکن خود اس کا نفس مسخر نہیں ہوتا، کائنات مسخر ہوتی ہے روح کائنات مسخر نہیں ہوتی، مغرب نے مادیات کو اپنی ترقی کا میدان بنایا اس نے مادی ترقی کو اپنی زندگی کا مقصد اعلیٰ قرار دیا۔ اس میں خدا نے جیسا کہ اس کی سنت جاریہ ہے کہ آدمی اپنے لئے عمل اور کوشش کا جو میدان انتخاب کرے گا وہ اس کی اس میں پوری پوری مدد کرے گا، انسان جس میدان میں بڑھنا چاہتا ہے اللہ تعالیٰ اس کو بڑھنے کا پورا موقعہ دیتا ہے، اب سارا مسئلہ میدان کے انتخاب کا ہے۔

عیسائیت یورپ کے لئے ناموزوں:

حضرات! آپ لوگوں میں سے جن کی مغرب کی تاریخ اور یہاں کے تمدن کے ارتقاء کی تاریخ پر نظر ہے اور جنہوں نے ڈریپر کی کتاب "معرکۂ مذہب و سائنس" (CONFLICT BETWEEN SCIENCE AND RELIGION) کا مطالعہ کیا ہے، جنہوں نے کلیسا اور ریاست کی آویزش اور مذہب و سائنس کی خونریز جنگ کی داستان پڑھی ہے، ان کو معلوم ہے کہ جب اس ملک نے مسیحیت کا انتخاب کیا اور مسیحی داعیوں اور مبلغوں کی قربانیوں اور کوشش سے مسیحیت اس خطہ زمین میں پہنچ گئی، اس کے بعد خود بخود ایسے حالات پیدا ہو گئے کہ مغرب نے اپنی کوششوں کا میدان مادیات کو بنا لیا، اس لئے کہ مذہب کو وہ اپنی کوششوں کا میدان نہیں بنا سکتا تھا، مذہب مسیحی علم و عقل سے فائدہ اٹھانے اور زندگی کی تنظیم و ترقی میں اس کی ہمت افزائی نہیں کرتا تھا، عیسائی مذہب اس کو پیچھے لے جانا چاہتا تھا، اور اس خطہ زمین کے اقوام کی فطرت بے چین و بے تاب تھی وہ ان کو آگے لے جانا چاہتی تھی، قدرت کے مضمرات اور ترقی کے امکانات ان کے سامنے آ رہے تھے، یورپ کی قوموں کے درمیان جو مسابقت اور ریس جاری تھی، وہ ان کو اس پر آمادہ کر رہی تھی کہ ایک ایک قطرہ اس رگ تاک (انگور کی شاخ) کا نچوڑ لیں، اور اس مٹی سے گل کھلائیں، جمادات کو بولتا ہوا بنا دیں، دنیا میں جو انقلاب آ رہا تھا اس کا نتیجہ یہ تھا کہ یہ اپنی کوششوں، اپنی ذہانتوں کا ایسا میدان منتخب کرے جس میں ان کا کوئی حریف

نہ ہو، وہ ایک وسیع میدان ہو جس میں قدم قدم پر اس کو بائبل کی پابندی اور ارباب کلیسا سے پوچھنے کی ضرورت پیش نہ آئے کہ یہ جائز ہے یا ناجائز، اس ملک کی یہ بدقسمتی تھی بلکہ ساری انسانیت کی بدقسمتی تھی کہ اس کے حصہ میں عیسائیت آئی۔

جو شخص مذاہب کی تاریخ سے واقف ہے، اگر اس سے پوچھا جائے کہ یورپ کے مزاج اور مغرب کی افتادِ طبع سے سب سے زیادہ بیر رکھنے والا مذہب کون ہو سکتا ہے؟ تو اس کا جواب ایک ہوگا کہ عیسائیت! اور اگر پوچھا جائے کہ اس کی بے چین طبیعت کو آسودہ کرنے والا، اس کو صحیح رخ پر لگانے والا، اس کے اندر اعتدال پیدا کرنے والا، وسائل و مقاصد کو ہم آہنگ بنانے والا اور ان کے رشتے سے انسانیت کا ایک نیا منصوبہ بنانے والا، انسانیت کو ایک نیا عنوان عطا کرنے والا اور پوری انسانیت کو صحیح راہ پر لگانے والا مذہب کون ہو سکتا ہے؟ تو انصاف پسند آدمی صرف ایک ہی جواب دے گا کہ وہ ہے ''اسلام''۔

عیسائیت کے نزدیک انسان پیدائشی گنہگار ہے، اس کے سر پر پیدائشی گناہ کا بھاری بوجھ ہے، اس کا سر دبا جا رہا ہے، گردن جھکی جا رہی ہے، پیدائشی گناہ کا اعتقاد رکھنا، بحیثیت ایک عیسائی کے اس کا فرض ہے، وہ اپنے اوپر کیسے اعتماد رکھ سکتا ہے؟ جو گناہ میں آلودہ ہے، جو اپنے پیدائشی گناہ گار ہونے کی وجہ سے شرم سار ہے، وہ کائنات سے کیسے آنکھیں ملا سکتا ہے، وہ فطرت کی طاقتوں کو زمین سے کیسے ابھار سکتا ہے، کیسے سمندروں کا سینہ چاک کر سکتا ہے، اور سیاروں پر پہنچنے کا خواب دیکھ سکتا ہے۔

جب ایک انسان یہ سمجھتا ہے کہ وہ جنم کا گنہگار ہے، گناہ اس کی قسمت میں لکھ دیا گیا ہے، وہ ایک خارجی کفارہ کا محتاج ہے، جو اس کی طرف سے ادا کیا جائے، تو وہ فطرت کے فتوحات انکشافات، تحقیقات کا سفر جرأت و فخر کے ساتھ کیسے کر سکتا ہے، یہ اتنا بڑا تناقض ہے جس کی مثال دنیا میں نہیں ملتی، جیسے ایک گاڑی میں دو گھوڑے جوت دیئے جائیں ایک پیچھے کی طرف اور ایک آگے کی طرف، یورپ کا یہی حال ہوا اس میں دو بیل یا دو گھوڑے جوتے گئے یہاں کی آب و ہوا اور فضا کا اثر ہے کہ طبیعت آگے بڑھنے اور کچھ کرنے کے لئے بے چین تھی، لیکن عیسائیت کا جو گھوڑا جتا ہوا تھا وہ پیچھے کی طرف لے جا رہا تھا، وہ رہبانیت

کی طرف لے جا رہا تھا، اہل کلیسا صاف صاف کہتے تھے کہ انسان کی روحانی ترقی زندگی سے فرار میں ہے، انسان اگر روحانی ترقی چاہتا ہے تو اس کو پہاڑوں میں رہنا چاہئے کلیسا کے لئے زندگی وقف کر دینا چاہئے، اس کو ازدواجی زندگی سے ناطہ بالکل توڑ دینا چاہئے اس کو عورت کا منہ نہیں دیکھنا چاہئے آپ لیکی کی تاریخ ''اخلاق یورپ'' پڑھیں گے تو آپ دیکھیں گے کہ اس وقت کا مغربی عورت کے سایہ حتی کہ ماں کے سایہ سے بھاگتا تھا، اس سے بڑھ کر شقاوت کی کوئی مثال ہو سکتی ہے کہ ماں ہزاروں میل کا سفر طے کر کے آتی ہے کہ اپنے لخت جگر کو ایک نظر دیکھے اور جس وقت اس لخت جگر کو یہ معلوم ہوتا ہے کہ میری ماں ایک ہزار میل سے سفر کر کے مجھے دیکھنے آئی ہے تو وہ اس طرح بھاگتا ہے جس طرح انسان بھوت پریت سے بھاگتا ہے، اور وہ ماں رو رو کر واپس چلی جاتی ہے، یہ وہ عیسائیت تھی جو یورپ اور امریکہ کے حصہ میں آئی نتیجہ یہ ہوا کہ یورپ اور امریکہ نے یہ فیصلہ کیا کہ اگر ہمیں ترقی کرنا ہے تو پہلے کلیسا کی غلامی سے آزادی حاصل کرنا چاہئے اور مذہب سے بھی چھٹی لینی چاہئے، غرض انہوں نے مذہب کو خیرباد کہا اور اس سے نجات حاصل کی، عالم اسلام کا زوال اس وقت سے شروع ہوا، جب اس نے مذہب کو چھوڑ دیا اور یورپ کی ترقی اس وقت سے شروع ہوئی، جب اس نے عیسائیت کو جواب دیا اور اس کو دور سے سلام کیا اس کے برعکس عالم اسلام میں زوال کی تاریخ اس وقت سے شروع ہوتی ہے، جب اس نے اسلامی تعلیمات کو بالائے طاق رکھ دیا۔

مشینوں کا غلام:

بھائیو اور عزیزو! اس صورت حال نے آج امریکہ کو مشینوں کا غلام بنا دیا، آج امریکہ کی حکومت ساری دنیا میں مانی جاتی ہے، امریکہ کا ہاتھ ساری دنیا کی سیاسیات میں کام کرتا ہوا نظر آتا ہے، اس بارے میں کسی ملک کو مستثنیٰ نہیں کر سکتے آج کوئی ملک خواہ اسلامی ہو یا غیر اسلامی امریکہ کی کسی نہ کسی طرح کی غلامی میں اسیر ہے، یہاں منصوبے بنتے ہیں، اور ہمارے ملک اور ہمارے وطن میں جاری کئے جاتے ہیں اور ہمارے ہی

لیڈر ہمارے ہی قائد و رہنما ان منصوبوں کو کامیاب بناتے ہیں، آج امریکہ نے ساری دنیا کو غلام بنا لیا ہے لیکن امریکہ خود مشینوں کا غلام ہے آج امریکہ خود اپنے اس نظام زندگی کا غلام ہے، اس فسانہ کا غلام ہے، (LIVING STANDARD) معیار زندگی کا غلام ہے، اپنی ان مشینوں اور آلات کا غلام ہے، جن کے بغیر وہ زندگی کا تصور ہی نہیں کر سکتا یہاں جو چیز ہمیں سب سے زیادہ مفقود نظر آتی ہے وہ ہے حقیقی انسان جس کے دل میں ایک زندہ اور بیدار دل ہو، کوئی مشین نہ ہو، انسان اس طرح مشینی زندگی میں ڈھل گیا ہے کہ اب اس کے تصورات بھی مشینی بن گئے ہیں، اس کے احساسات بھی مشینی بن گئے ہیں، اس میں جمادات کا اثر آ گیا ہے، لوہے کا اثر آ گیا، اس میں رقت نہیں، گداز نہیں اس میں لچک نہیں، آنکھوں میں نمی نہیں اور دل میں گداز و نرمی نہیں، یہ ہے وہ حقیقت جو میں نے امریکہ میں دیکھی۔

اپنی شخصیت تحلیل نہ ہونے دیں:

قبل اس کے کہ میں امریکہ کی سرزمین کو خیرباد کہوں میں آپ سے یہ بات کہتا ہوں کہ آپ اس تہذیب سے مرعوب نہ ہوں آپ جس درخت کے پھل ہیں، وہ نبوت کا درخت ہے، آپ یہاں رہیں لیکن آپ تہذیب کے غلام نہ بنیں، آپ شوق سے یہاں فائدہ اٹھائیں لیکن آپ اس مادیت سے مرعوب نہ ہوں، آپ اپنا پیغام یاد رکھیں آپ اپنی شخصیت کو تحلیل نہ ہونے دیں، آپ اس تہذیب کا کلمہ نہ پڑھنے لگیں آپ اپنے کو، اپنے دین کو، اپنے نظام زندگی کو، اپنی معاشرت کو حقارت کی نظر سے نہ دیکھیں آپ یہ نہ سمجھیں کہ ہم حیوان ہیں، اور یہ انسان ہیں نہیں آپ انسان ہیں، اور یہ حیوان یہ خطہ بجلی کی روشنی سے جگمگا رہا ہے، یہاں رات بھی دن ہے، لیکن حقیقی روشنی، اور رحمت و برکت اور ہدایت اس کی تجلی سے یکسر محروم ہے، اقبال نے سچ کہا ہے

تاریک ہے افرنگ مشینوں کے دھوئیں سے
یہ وادیٔ ایمن نہیں شایان تجلی

اپنے تراشے ہوئے بتوں کے غلام:

حضرات! یہ اپنی عادتوں کے غلام ہیں، یہ اپنے بنائے ہوئے اور ڈھالے ہوئے آلات کے غلام ہیں، حضرت ابراہیمؑ نے اپنے زمانہ کے بت پرستوں سے کہا تھا، "**أتعبدون ما تنحتون**" یہ کیا تماشہ ہے کہ آج جس چیز کو بناتے ہو کل اسی کے سامنے سجدہ ریز ہو جاتے ہو، یہی حال یہاں کا بھی ہے، آج ایک معیار بنتا ہے، ایک اصول بنتا ہے، ایک مشین بنتی ہے، اور کل سارا ملک اس کا غلام ہو جاتا ہے، اپنے ہی بنائے ہوئے، اپنے ہی ڈھالے ہوئے، اپنے ہی تراشے ہوئے بتوں کے غلام۔

آذر کدہ میں ابراہیمؑ کی نیابت:

یہ ملک ایک وسیع آذر کدہ ہے جس میں ابراہیمی اذان کی ضرورت ہے، اور ابراہیمی اذان سنانے والے آپ ہی ہو سکتے ہیں، آپ ہیں ابراہیم کے اصلی نام لیوا، یہود نہیں ہیں، اس راستہ سے وہ دور ہو چکے، عیسائی نہیں ہیں، وہ حضرت مسیح کے بجائے سینٹ پال کی عیسائیت کی راہ پر چل رہے ہیں، وہ اصلی عیسائیت سے بالکل تہی دست ہو چکے، یہ ایک بہت بڑی سازش تھی جو کامیاب ہوئی، شاید مذہبی سازشوں میں کوئی سازش اتنی کامیاب ہوئی ہو اس نے پوری مسیحیت کو مسیح کی لائی ہوئی مسیحیت سے ہٹا کر سینٹ پال کی مسیحیت پر ڈال دیا، آج مسیحیت خواہ کوئی کیتھولک ہو یا پروٹسٹنٹ وہ سینٹ پال کی مسیحیت ہے، سینٹ پال نے جس مسیحیت کی تشکیل کی تھی، آج یہ سب اس کے غلام ہیں، اس لئے عیسائی حضرت ابراہیمؑ کے جانشین نہیں، آپ ابراہیمؑ کے جانشین ہیں اور اقبال کے الفاظ میں کہوں گا ؎

معمار حرم باز بہ تعمیر جہاں خیز!
از خواب گراں! خواب گراں! خواب گراں خیز
از خواب گراں خیز!

آپ معمار حرم ہیں، آپ کو نئی دنیا کی تعمیر کرنی چاہئے اور صرف معمار حرم کو یہ حق

حاصل ہے کہ نئی دنیا کی تعمیر کرے، آج دنیا میں تخریب کارگر ہے، وہ دیکھنے میں تعمیر ہے حقیقت میں تخریب، آپ جس پیغام کے حامل ہیں، آپ جس کتاب آسمانی کے حامل ہیں، آپ جس نبی کے امتی ہیں، اس نبی کا تو یہ منصب تھا کہ دنیا کو تمام غلامیوں سے نجات دے کر خدائے واحد کی غلامی میں داخل کرے، اس لئے آپ امریکہ میں ایک کھانے پینے والے انسان، ہندوستانی، پاکستانی، مصری اور شامی کی حیثیت سے نہیں ہیں

؎ بتانِ رنگ وخوں کو توڑ کر ملت میں گم ہوجا
نہ تورانی رہے باقی نہ ایرانی نہ افغانی

آپ مصری اور شامی نہیں ہیں، آپ مسلمان ہیں، آپ امت مسلمہ ہیں، آپ ابراہیمی و محمدی ﷺ ہیں، اس لئے آپ اپنی حقیقت کو پہچانیں آپ اس لئے نہیں آئے ہیں کہ اس مشین میں ایک حقیر پرزے کی طرح فٹ ہوجائیں، اور اپنا وجود ختم کرلیں، آپ اپنا پیٹ بھرلیں، جس طرح جانور پیٹ بھرتے ہیں نہیں بلکہ آپ اس ملک کے باشندوں کو پیغام دیں، ان کو جگائیں، ان کو جھنجھوڑیں کہ تم زندگی کے غلط راستے پر پڑ گئے ہو، ...... زندگی کا کون سا لطف تم کو حاصل ہے؟

زندگی کے حقیقی رُخ سے تم روشناس ہوئے ہی نہیں، جب ان کے اندر یہ احساس بیدار ہوتا ہے، تو یہ دوسرے راستے پر چل پڑتے ہیں، یہ ہپی ازم کی طرف چلے جاتے ہیں، یہ خودکشی کی طرف چلے جاتے ہیں، یہ زندگی سے فرار کی طرف چلے جاتے ہیں، یہ ہندو جوگ کی طرف چلے جاتے ہیں، یہ سنیاس کی طرف چلے جاتے ہیں، آپ کبھی الہ آباد آئیں، وہاں کمبھ کا بڑا میلہ ہوتا ہے، آپ دیکھیں گے کہ بڑے بڑے پڑھے لکھے امریکی جانوروں، دیوانوں کی طرح پھر رہے ہیں، وہ وہاں قیام کرتے ہیں وہ وہاں جاکر سادھوؤں اور پروہتوں کے پاس بیٹھتے ہیں، جس طرح آدمی کو تخمہ ہوجاتا ہے، ان کو تمدن کا تخمہ ہوگیا ہے، تمدن کی شراب انہوں نے اتنی پی لی ہے کہ اب وہ قے کررہے ہیں، حیوانیت کی طرف رجوع اور خدا کی نعمتوں سے انکار اور کائنات سے رشتہ توڑ لینے اور زندگی سے فرار سے تسکین حاصل کررہے ہیں، کاش ہمارے اسلامی ملک اس قابل ہوتے کہ ان

امریکیوں کو وہ صحیح راستہ دکھا سکتے ہیں، ان امریکیوں سے بلندی سے بات کر سکتے تو آج اس کی نوبت نہ آتی، لیکن ہماری بدقسمتی ہے کہ ہمارا ایک ملک بھی اس قابل نہیں ہے کہ امریکیوں سے آنکھیں ملا کر بات کرے اور ان کو صحیح راستہ دکھا سکے، نتیجہ یہ ہے کہ وہ اپنے اس تمدن سے نفرت کرتے ہیں ان میں ردعمل پیدا ہوتا ہے تو وہ اس کی تسکین کے لئے ہندوستان کے ہمالیہ کی چوٹیوں پر جاتے ہیں، یہ نیپال جاتے ہیں، وہاں نشہ لانے والی چیزیں استعمال کرتے ہیں، وہ جنگل اور چرس کے لئے وہاں جاتے ہیں، اگر آج ہم مسلمان اس قابل ہوتے تو ہم ان کو صحیح راستہ دکھا سکتے۔

کہاں ہیں مسلمان؟:

میرے بھائیو اور بہنو! آپ یہاں صرف اس لئے نہیں ہیں کہ کمائیں اور کھائیں یہ کام تو دنیا کی ہر قوم کر سکتی ہے، اور ہمارے بہت سے ہم وطن یہ خدمت ہم سے بہتر انجام دے سکتے ہیں، آپ یہاں اس لئے ہیں کہ بقدر ضرورت کھائیں اور کمائیں اپنے منصب کو پہنچائیں اور ایک نئی زندگی کا نمونہ ان کو دکھائیں، اذانیں دیں تاکہ ان کے کانوں کو چوٹ لگے، نمازیں پڑھیں تاکہ وہ آنکھوں کے راستہ سے غور کرنے پر مجبور ہوں پاک و صاف رہیں تاکہ ان کو آلودہ زندگی سے نفرت پیدا ہو، اعتدال سے زندگی گذاریں تاکہ ان کو اپنی بے اعتدالی کا احساس ہو مشینوں کی غلامی سے آزاد ہو کر سکون کی زندگی بسر کریں تاکہ ان کو معلوم ہو کہ سکون کہاں ملتا ہے، اپنے دل کی دنیا آباد کیجئے آپ کے اندر وہ روحانیت ہو کہ وہ آپ کے پاس بیٹھیں تو ان کو یہ محسوس ہو کہ ان کے اندر ایک نئی طاقت آگئی آج وہ وقت تھا کہ اہل دل اس ملک کی طرف توجہ کرتے اور ان بھٹکتے انسانوں کو جو اپنی زندگی سے بیزار ہیں جو جامہ سے باہر نکلے آرہے ہیں، ان کا ہاتھ پکڑ کر کہتے کہ "الا بذکر اللہ تطمئنُّ القلوبُ" اللہ کے ذکر میں اطمینان حاصل ہوتا ہے۔

آج یہ پیغام دینے کے لئے صرف مسلمان تھے، لیکن کہاں ہیں مسلمان؟ کیا کی

اسلامی ملک میں کسی مسلمان قوم میں یہ ہمت ہے کہ ان امریکیوں سے کہے کہ " الا بذکر اللہ تطمئنُّ القلوب "؟ ان کو خود اس بات پر یقین نہیں رہا کہ ذکر الٰہی سے سکون حاصل ہوتا ہے، وہ دوسروں کو کیا پیغام دیں گے، جن کو نمازوں کی طاقت اور افادیت کا خود یقین نہیں رہا جن کو کلمہ کی حقیقت اور صداقت پر خود یقین نہیں رہا جن کو خدا کے خیر وشر اور نفع وضرر کے مالک ہونے پر خود یقین نہیں رہا، جن کو تقدیر کے ہونے پر خود یقین نہیں رہا، جنہوں نے امریکیوں کو اپنا رازق سمجھ لیا ہے، جنہوں نے کارخانوں کو رازق سمجھ لیا ہے، وہ کیسے ان کو توحید کا پیغام دے سکتے ہیں، کیسے ان سے کہہ سکتے ہیں " لا رازق الّا اللّٰہ " (اللہ کے سوا کوئی روزی رساں نہیں)

میرے بھائیو اور بہنو! پہلے اپنے میں ایمان پیدا کرنے کی کوشش کرو، نمازوں کی پابندی کرو، تھوڑی دیر تنہائی میں بیٹھ کر اپنے قلب کی دنیا آباد کرو، وہ حرارت پیدا کرو جس کو مشینوں کے دھوئیں نے سلب کر لیا ہے، پہلے روح کو جلا دو، اپنی زندگی کا مقصد صحیح کرو، قرآن کا مطالعہ کرو، سیرت نبوی ﷺ کو مطالعہ میں رکھو، اس سے روشنی حاصل کرو، اس کے بعد ان امریکیوں کو دین فطرت کا پیغام دو۔

صرف اسلام ہی دین فطرت ہے:

میرے بھائیو اور بہنو! صرف اسلام ہی دین فطرت ہے، جو فطرت کی ہمت شکنی نہیں کرتا جو فطرت کا گلا نہیں گھونٹتا، بلکہ کہتا ہے فطرت فطرتاً صالح ہے، " فطرۃ اللّٰہ التی فطرَ النّاس علیہا " (وہ انسان کی فطرت جس پر اللہ تعالیٰ نے انسان کو پیدا کیا ہے) اللہ تعالیٰ نے انسان کو سادہ تختی دی، معصوم فطرت دی تھی، خیر کا رجحان دیا تھا، ہم نے اس کو آلودہ کر دیا انسان فطرتاً صالح ہے، اور صلاحیت پسند ہے، وہ اگر اپنی فطرت پر چھوڑ دیا جائے تو وہ سیدھے راستے کی طرف چلے گا پہلے آپ ان حقائق کا شعور پیدا کریں، پہلے آپ ان حقائق کو پیدا کریں، دماغ سے بھی اور دل سے بھی اور اس کے بعد ان حقائق کو ان کے سامنے پیش کریں، آپ امت دعوت ہیں، آپ امت رسالت

ہیں، آپ بامقصد قوم ہیں، حامل پیغام قوم ہیں، آپ کھانے کمانے والا جانور نہیں ہیں کہ اپنا پیٹ بھر لے اور اپنی نسل کو آگے بڑھائے۔

انسان کی دریافت کیجئے:

میں نے آپ کے سامنے اپنے دل کا ایک تاثیر رکھ دیا، میں نے امریکہ میں سب کچھ دیکھا، لیکن انسان نہیں دیکھا، انسان ملے تو آپ ہی لوگوں میں ملے اس لئے نہیں کہ میں امریکہ اور امریکہ والوں سے ناواقف ہوں میں نے ان کو ان کے کالج میں دیکھا ہے، میں نے ان کو ان کے ٹی۔وی پر دیکھا ہے، میں نے ان کو ان کے ریڈیو میں سنا ہے، میں ان سے بیگانہ نہیں، لیکن وہ انسان جو خلیفة اللہ ہے، وہ انسان جس کے لئے ساری کائنات پیدا کی گئی ہے، وہ انسان جس کے سینہ میں وہ دل ہے جو ساری دنیا سے زیادہ قیمتی ہے، ساری دنیا کے خزانے ایک طرف سائنس کی ساری ترقیاں ایک طرف اور وہ دل جو ایک صاحب دل کا دل ہے، ایک طرف اس دل کے سامنے ساری کائنات ہیچ ہے۔

اس انسان کی دریافت کیجئے، اس انسانیت کو اپنے اندر بیدار کیجئے، تو آپ کا یہاں رہنا برحق ہے، آپ کا یہاں رہنا جائز ہی نہیں بلکہ عبادت ہے، اور ایک بڑی تبلیغ اور دعوت ہے، اور اگر یہ نہیں تو بھائیو! سن لیجئے مجھے کچھ بہت ڈر ہے، میں نے کئی جگہ کہا کہ اگر آپ نے اپنی دینی زندگی، اور اپنے بچوں اور بچیوں کے دینی تعلیم کا پورا انتظام نہیں کیا اور اپنے بچوں اور بچیوں کی جانب سے ایمان اور دین اسلام پر قائم رہنے کے سلسلہ میں اطمینان حاصل نہیں کیا تو آپ کا اس ملک میں رہنا معصیت ہے، اور آپ ایک بہت بڑے خطرے سے دوچار ہیں۔

اِنَّ الَّذِیْنَ تَوَفّٰھُمُ الْمَلٰٓئِکَةُ ظَالِمِیْٓ اَنْفُسِھِمْ قَالُوْا فِیْمَ کُنْتُمْ
قَالُوْا کُنَّا مُسْتَضْعَفِیْنَ فِی الْاَرْضِ قَالُوْٓا اَلَمْ تَکُنْ اَرْضُ اللّٰہِ
وَاسِعَةً فَتُھَاجِرُوْا فِیْھَا. (النساء ۹۷)

(ترجمہ) جن لوگوں کی روح قبض کرتے ہیں فرشتے اس حال میں کہ وہ اپنے نفس پر ظلم کررہے ہوتے ہیں ان سے کہتے ہیں کہ تم نے اپنا یہ کیا حال بنا رکھا ہے؟ وہ کہتے ہیں کہ ہم کیا کریں ہمارا اس ملک پر کچھ زور نہیں چلتا فرشتے ان سے کہتے ہیں کہ کیا خدا کی زمین وسیع نہیں تھی کہ تم کسی دوسرے ملک ہجرت کر جاتے۔

ہمیں ایسی ہی جگہ رہنا جائز ہے، جہاں آدمی پوری خصوصیات کے ساتھ رہ سکے، جہاں فرائض ادا کر سکے، اگر ماحول میں اس کی گنجائش نہیں، یا ہم یہ سمجھتے ہیں کہ ہم اس ماحول میں اپنے دینی فرائض ادا نہیں کرسکیں گے تو ہمارا یہاں رہنا جائز نہیں، اس لئے آپ کا فرض ہے کہ آپ اپنے مسلمان رہنے کا بھی انتظام کریں تا کہ پوری خصوصیات کے ساتھ یہاں رہیں، اپنا ماحول بنائیں، اپنا معاشرہ تیار کریں، اور اپنے بعد اپنے بچوں کے لئے بھی یہ اطمینان حاصل کرلیں کہ اپنے بعد یہ مسلمان رہیں گے، جیسے کہ حضرت یعقوبؑ نے اپنی اولاد کے متعلق اطمینان حاصل کرلیا تھا، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے، "اَمْ كُنْتُمْ شُهَدَآءَ اِذْ حَضَرَ يَعْقُوْبَ الْمَوْتُ اِذْ قَالَ لِبَنِيْهِ مَا تَعْبُدُوْنَ مِنْۢ بَعْدِىْ، قَالُوْا نَعْبُدُ اِلٰهَكَ وَاِلٰهَ اٰبَآئِكَ اِبْرٰهِيْمَ وَاِسْمٰعِيْلَ الخ" حضرت یعقوب نے دنیا سے جانے سے پہلے اپنے بچوں کو، اپنے پوتوں کو جمع کیا اور کہا میرے جگر کے ٹکڑو! میرے پیارو! میں مرنے سے پہلے اطمینان حاصل کرنا چاہتا ہوں کہ میرے بعد تم کس کی عبادت کروگے؟ تو انہوں نے کہا " نَعْبُدُ اِلٰهَكَ وَاِلٰهَ اٰبَآئِكَ." اس کے بعد انہیں اطمینان حاصل ہوا تو اس دنیا سے اطمینان کے ساتھ رخصت ہوئے، یہ ہم سب کا فرض ہے کہ اپنے بچوں اور بچیوں کے متعلق یہ اطمینان حاصل کریں کہ وہ اسلام پر زندہ رہیں گے یا نہیں اور اگر اس کا اطمینان نہیں ہے تو دوستو! یہاں رہنے پر نظر ثانی کی ضرورت ہے کہ آپ یہاں اس خطرہ کو مول لے کر رہیں یا نہ رہیں۔

آپ یہاں مسلمان کی حیثیت سے رہ سکتے ہیں:

حضرات! میں بہت شکر گذار و معترف ہوں M.S.A کی خدمت کا اور ان اداروں ز

خدمات کا جن کا مجھے ابھی پورے طور سے علم بھی نہیں ہوا اور ان افراد کی خدمات کا جو دین کے لئے کوشش کرتے ہیں، حلقے بناتے ہیں، لٹریچر پھیلاتے ہیں، لوگوں کو جمع کرتے ہیں، عرب ہوں یا غیر عرب وہ سب لوگ بڑے مبارک ہیں، اور اللہ تعالیٰ ان کے عمل کو قبول فرمائے گا اور ان کے درجات بلند فرمائے گا یہ سب سے ضروری بات ہے کہ آپ اس کی طرف سے پہلی ہی فرصت میں اطمینان حاصل کر لیں کہ آپ یہاں مسلمان کی حیثیت سے رہ سکتے ہیں، گھل تو نہیں جائیں گے جیسے موم پگھل جاتا ہے، شبنم گھل جاتی ہے، اس طرح آپ تہذیب کی تمازت کے سامنے تحلیل تو نہیں ہو جائیں گے؟ اگر ایسا ہے تو آپ جہاں سے آئے تھے وہاں جائیں، چاہے آپ کو یہاں کی آمدنی اور آسائش کا چوتھائی حصہ یا اس کا پچاسواں حصہ ہی کیوں نہ ملے اور اگر خطرہ یہ نہیں ہے تو مبارک ہے، آپ کا اس ملک میں رہنا ممکن ہے کہ آپ کے رہنے سے اس ملک میں ایک نئی روشنی آئے اور شاید آپ کے ذریعہ اسلام کا راستہ کھل جائے۔

و آخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین

امریکہ بیک وقت خوش قسمت بدقسمت ملک

[یہ تقریر ۶ جون ۱۹۷۷ء کو ہارورڈ یونیورسٹی (امریکہ) کے ڈیوینٹی کالج (DIVINITY COLLEGE) کے ہال میں کی گئی، اس کا انگریزی ترجمہ مزمل حسین صدیقی ندوی نے کیا، تعارفی تقریر اور اناؤنسر کے فرائض مدثر حسین صدیقی نے انجام دیئے، جلسے میں یونیورسٹی کے اساتذہ، اسکالرز اور طلبہ نیز مختلف علاقوں سے آئے ہوئے تعلیم یافتہ نوجوانوں کی بڑی تعداد شریک تھی، جلسہ کا آغاز قاری نے جو ایک امریکی نژاد بالغ مسلمان تھے، سورۂ والتین کی تلاوت سے کیا۔]

بڑا خوش قسمت اور بڑا بدقسمت:

الحمد لله نحمده ونستعينه ونستغفره ونؤمن به ونتوکل علیه ونعوذ بالله من شرور انفسنا ومن سيئات اعمالنا من يهده الله فلا مضل له ومن يضلل الله فلا هادی له ونشهد ان لا اله الا الله وحده لا شریک له ونشهد ان سیدنا ومولانا محمدا عبده ورسوله صلی الله تعالیٰ علیه وعلی آله وصحبه وسلم تسلیما کثیرا کثیرا اما بعد فاعوذ بالله من الشیطان الرجیم بسم الله الرحمٰن الرحیم

"لقد خلقنا الانسان فیٓ احسن تقویم O ثم رددناهُ اسفل سافلین" (سورۃ التین آیت ۵،۴)

(ترجمہ) دوستو اور بہنو! میں اپنی آج کی گفتگو کا آغاز ایک ایسے مضمون سے کرنا چاہتا ہوں، جس کی طرف رہنمائی ان ہی آیتوں سے ہوئی، جو ابھی پڑھی گئیں، اس کو ایک طرح کا اتفاق کہئے کہ مجھے اس سے آپ سے بات کرنے کا راستہ مل گیا، میں اپنی تقریر کا آغاز ایک ایسے جملہ سے کرتا ہوں جو شاید آپ کے لئے اور بہت سے پڑھے لکھے لوگوں

کے لئے خلاف توقع اور چونکا دینے والا ہو، مغرب کا یہ خطہ جو یورپ سے امریکہ تک پھیلا ہوا ہے، یہ بڑا خوش قسمت ہے اور بڑا بد قسمت، آپ ایک ہی جملے میں اتنے بڑے تضاد کو سن کر تعجب کریں گے لیکن ابھی آپ کے سامنے جو آیات پڑھی گئی ہیں وہ خود ایک بہت بڑی حقیقت کو بیان کرتی ہیں، اور وہی واقعہ اس خطۂ زمین کا ہے جس کو خدا نے دنیا کی قیادت عطا کی، بہت سے ایسے اسباب کی بنا پر جس کی تفصیل مشکل ہے، اور میں نے اپنی کتاب "ماذا خسر العالم بانحطاط المسلمین" انگریزی ترجمہ ISLAM AND THE WORLD میں تفصیل سے بیان کیا ہے کہ مغرب کو قیادت کیسے حاصل ہوئی، جو انسان کا معاملہ ہے وہی تقریباً اس خطۂ زمین کا معاملہ ہے، ایک ہی وقت میں یہ بڑا خوش قسمت بھی ہے، اور بڑا بد قسمت بھی، اگر واقعہ اتنا ہی ہوتا کہ یہ اپنی ذات سے خوش قسمت اور بد قسمت ہوتا تو کوئی بڑی ٹریجڈی اور کوئی بڑا سانحہ نہ ہوتا، تاریخ انسانی میں ہمیں ایسی بہت سی قوموں اور ملکوں کا سراغ ملتا ہے، جو اپنی ترقی کے نقطۂ عروج پر پہنچ گئے تھے، اس کے بعد ان کا زوال شروع ہوا اور وہ بام ثریا سے گر کر تحت الثریٰ میں پہنچ گئے، اگر یہ ایک تنہا ملک کا معاملہ ہوتا تو ہمیں اس سے دلچسپی کی کوئی وجہ نہ تھی، لیکن جب کسی ملک کو قیادت کا مقام حاصل ہوا اور وہ دنیا کے حالات پر اثر انداز ہوا اور اس کی خوش قسمتی اور بد قسمتی کسی خاص خطے تک محدود نہ ہو بلکہ اس کا اثر انسانیت اور انسانیت کی قسمت پر پڑے تو واقعہ کی سنگینی بہت بڑھ جاتی ہے۔

آپ غور کریں کہ میں ایک وقت ہی میں نہیں بلکہ ایک سانس میں امریکہ کو خوش قسمت بھی کہہ رہا ہوں اور بد قسمت بھی، آپ کو اس کی وجہ پوچھنے کا پورا حق حاصل ہے، خوش قسمت اس وجہ سے کہ خدا نے اس کو اپنی نعمتوں سے مالا مال کیا، یہاں کے رہنے والوں کو ایسی قوت ارادے، ایسا جوش عمل، ایسی ذہانت، ایسا کام کرنے کا جذبہ، ایسی توانائی عطا کی کہ اس نے اس زمین کو جنت کا نمونہ بنا دیا، خدا کی قدرت کے رازوں کا انکشاف کیا، کائنات کی قوتوں کو مسخر کیا، اقبال کے الفاظ میں سورج کی شعاعوں کو گرفتار کیا، ستاروں کی گذرگاہوں کو دریافت کیا، اس نے اس مٹی کو سونا بنا دیا، اب یہ

زمین سونا اگلتی ہے، یہاں کی فضا سے ہن برستا ہے، اور یہاں (بائبل کی زبان میں) دودھ اور شہد کے دریا بہتے ہیں، یہ نتیجہ ہے، ان قوموں کے جوش عمل کا، ان کے جذبۂ مسابقت کا، ان کی بے چین فطرت کا، اور ان کے نہ تھکنے والے نہ ہارنے والے عزم کا، پھر اللہ تعالیٰ نے اس خطۂ زمین کو جو یورپ سے یہاں تک پھیلا ہوا ہے، قدرتی دولتوں سے مالا مال کیا، خدا کی نعمتوں کے بہتیرے خزانے یہاں موجود ہیں، اور پھر موجود ہی نہیں بلکہ یہاں وہ ہاتھ بھی موجود ہیں، جو ان خزانوں کو برآمد کریں اور قدرت کی دولت سے پورا پورا فائدہ اٹھائیں، اس لحاظ سے یہ ملک بڑا خوش قسمت ہے، اور اس نے اپنی خوش قسمتی کا سکہ صرف اس ملک کے رہنے والوں پر نہیں بلکہ ساری دنیا پر بیٹھا دیا ہے، آج ساری دنیا ان کی دریوزہ گر ہے، دنیا کی ہر قوم ان کے سامنے جھولی پھیلائے بلکہ ہاتھ پھیلائے کھڑی ہے، اور بھیک مانگ رہی ہے۔ انہوں نے اپنی ذہانت سے، اپنے حسن تنظیم سے زندگی کو اس طرح منظم کر لیا ہے کہ ساری دنیا اس سے فیض پا رہی ہے، انہوں نے مادی اور اقتصادی طور پر اپنی افادیت اور ذہنی صلاحیت کا سکہ دنیا پر بیٹھا دیا ہے، اس لحاظ سے آپ ان کو خوش قسمت کہیں، اس میں ذرا مبالغہ نہیں، اگر ہم ہندوستان میں، مصر میں، اعراق میں، سعودی عرب میں، مشرق کے کسی ملک میں ہوتے تو اس کے لئے کسی ثبوت کی ضرورت تھی، مگر ہم اور آپ اس وقت جہاں بیٹھے ہیں اس کے لئے کسی ثبوت کی ضرورت نہیں۔

"عیاں راچہ بیاں"

آپ اس کی خوش قسمتی پر جتنا رشک کریں اور اس خوش قسمتی کی جتنی داد دیں اور اس کو جتنا سراہیں سب بجا ہے، اس بارے میں، میں کسی عصبیت کو جائز نہیں سمجھتا نہ مذہبی تعصب، نہ ایشیائی تعصب، نہ قومی تعصب، نہ نسلی، یہ ایک حقیقت ہے، جو روز روشن کی طرح ہمارے سامنے ہے۔

لیکن اس کے باوجود یہ ملک بدقسمت ہے، یہ الفاظ میں پوری جرأت اور صفائی کے ساتھ کہہ رہا ہوں، بہت سے بھائیوں کے لئے یہ اجنبی اور نامانوس ہوں گے، لیکن یہ ایک

تاریخی حقیقت ہے، یہ واقعہ ہے کہ یہ ملک بڑا بد قسمت ہے!

جس نے سورج کی شعاعوں کو گرفتار کیا:

اس ملک کی نہیں بلکہ انسانیت کی یہ بدقسمتی ہے کہ اس ملک نے تنہا مادی میدان میں فتوحات حاصل کیں اور اس میں ریکارڈ قائم کر دیا اس نے اس زمین کو گلزار لالہ زار بنا دیا بڑی خوش قسمتی کی بات ہوتی اور دنیا کی تاریخ کچھ اور ہوتی اگر اس خطہ زمین کو صحیح رہنمائی حاصل ہوتی اور اس کو دین صحیح کی نعمت ملی ہوتی، اور جس طرح اس نے مادیات کی طرف توجہ کی اخلاقیات کی طرف توجہ کرتا، اور جس طرح اس نے آفاق میں خدا کی نشانیاں دیکھی ہیں، اور " **سنریهم ایاتنا فی الا فاق** " پر عمل کیا ہے، ویسے ہی ''انفس'' خدا کے پیدا کئے ہوئے دل، عطا کی ہوئی روح، اور لطیف احساسات میں بھی خدا کی نشانیاں دیکھتا اور دنیا کو دکھاتا، اس کی ذہانت صرف اس پر مرکوز نہ رہتی کہ وہ قدرت کے راز ہائے سربستہ فاش کرے بلکہ وہ اپنے دل اور روح کے اسرار اور انسانی دل کی گہرائیوں سے بھی واقف ہوتا اور اس کو معلوم ہوتا کہ جتنی یہ کائنات وسیع نظر آتی ہے، اور سیاروں کا اس نے جو رقبہ عجم دریافت کیا، جن جن چیزوں کا اس نے انکشاف کیا اور اب آخر میں چاند پر پہنچ کر ایک اور نئی فتح حاصل کی ہے، اگر اسی تناسب سے یا اس سے بہت کم تناسب سے وہ انسانی روح کی حقیقت کی طرف توجہ کرتا اور اسے خدا کی صحیح معرفت حاصل ہوتی اور انسانی قلب کی وسعت، طاقت، حرارت، محبت اور اس کی لطافت اور معصومیت، بے لوثی اور بے غرضی کو بھی معلوم کرتا، وہ قلب کو بیدار کرنے کی کوشش کرتا اور اس کے اندر کی طاقتوں سے آشنا ہوتا اور ان سے کام لینے کی اس کو توفیق ہوتی، اس وقت اس کو معلوم ہوتا کہ یہ پوری کائنات اگر دل کے اندر ڈال دی جائے تو گم ہو جائے جس طرح ایک حقیر کنکری بحر اوقیانوس میں ڈال دی جائے اور پتہ بھی نہ چلے کہ وہ کہاں گئی، اس کو انسانیت کا مقام معلوم ہوتا کہ انسان کیا ہے، اس کو جمادات حیوانات، نباتات کا مقام معلوم ہے، کیمسٹری پر، بیالوجی پر، زیالوجی پر اس نے جو محنتیں کی ہیں، اور اپنی ذہانت صرف کی

ہے، اور جس کا نتیجہ ہمارے سامنے ہے، اس لئے کہ خدا تعالیٰ فرماتا ہے۔

لَیس لِلْاِنسان اِلاَّ ماسعیٰ O واَنَّ سعیهٗ سوف یُریٰ O ثُمَّ
یُجْزَاهُ الْجزآءَ الْاَوفیٰ. (النجم ۴۱،۴۰،۳۹)

(ترجمہ) انسان کو وہی ملتا ہے جس کی وہ کوشش کرتا ہے اور یہ کہ اس کی کوشش دیکھی جائے گی، پھر اس کو اس کا پورا پورا بدلہ دیا جائے گا۔

فرمایا۔

کُلاًّ نُّمِدُّ هٰؤُلآءِ وهٰؤُلآءِ من عطآءِ ربِّک وما کان عطآءُ
رَبِّکَ مَحْظُوْرًا. (الاسراء ۲۰)

(ترجمہ) ہم ان کو اور ان کو سب کو تمہارے پروردگار کی بخشش سے مالا مال کر دیتے ہیں اور تمہارے پروردگار کی بخشش کسی سے رکی ہوئی نہیں۔

انسان اپنی کوشش کے لئے جو میدان بھی انتخاب کرے گا خدا کامیابی دے گا یہاں کوئی "راشننگ" نہیں ہے کوئی بندش نہیں ہے کہ یہاں سے آگے تم ترقی نہیں کر سکتے، قوانین قدرت اور طبعیاتی کائنات پر مغرب نے جو محنت صرف کی ہے، اس کا نتیجہ ہمارے سامنے ہے کہ یہ کائنات سمٹ کر رہ گئی ہے، اور انسان نے اپنے مقاصد و مفادات کے لئے اس کو مسخر کر لیا ہے، اسی طریقے سے روح، قلب اور ایمان و یقین پر اگر یہ ملک محنت کرتا اور اپنی ذہانت صرف کرتا تو اس کو انسانیت کا صحیح مقام معلوم ہوتا ایک درخت پر جب اس نے محنت کی تو اس نے درخت سے وہ برآمد کیا جس کا کوئی تصور بھی نہیں کر سکتا تھا، اسی طریقے سے علم الکیمیا (CHEMISTRY) طبعیات (PHYSICS) نباتات (BOTANY) پر جب اس نے محنت کی تو نئے عالم دریافت کئے، پہلے تو اس عالم کے علاوہ دوسرے عالم ماننے میں بھی لوگوں کو بہت ہی اشکال تھا، اور جو لوگ یہ کہتے تھے کہ اس دنیا کے علاوہ اور بھی دنیا میں ہیں تو کلیسا نے انہیں بڑی سخت سزائیں دیں، لیکن اب ہر چیز میں نئی نئی دنیا دریافت ہو رہی ہے، اسی طرح اگر اس کو انسانیت کا مقام معلوم ہوتا، اگر شرف انسانی سے یہ واقف ہوتا کہ خدا نے انسان کو کیا درجہ دیا اور اس کا کیا مقام ہے، تو

آج دنیا کی قسمت کچھ اور ہوتی، دنیا کے حالات کچھ اور ہوتے۔

مناسب ترین مذہب:

دوستو عزیزو! اس دنیا کی تاریخ میں دو واقعات ایسے پیش آئے جنہوں نے اس ملک کو اس نعمت سے محروم کر دیا، اور یہ المیہ پیش آیا، نہ صرف مغرب کے لئے، بلکہ ساری دنیا کے لئے۔ ایک تو یہ کہ اس خطہ زمین کو عیسائیت ملی، اس میں ہم مسلمانوں کی کوتاہی کو بھی دخل ہے، ہم اس کا جتنا بھی ماتم کریں وہ بالکل حق بجانب ہے، واقعہ یہ ہے کہ اس ملک کے لئے اس خطہ زمین کے لئے مناسب ترین مذہب اسلام تھا، جو انسانی قوتوں کو بیدار کرتا ہے، جو عقل انسانی کی ہمت افزائی کرتا ہے، جو عقل سے کام لینا سکھاتا ہے، وہ انسان میں خود اعتمادی پیدا کرتا ہے، اپنی عزت کا احساس پیدا کرتا ہے، وہ کہتا ہے۔

"لقد خلقنا الِا نسان فیٓ احْسَنِ تقویْمٍ." (سورة التین)

(ترجمہ) ہم نے انسان کو بہتر اندازہ میں پیدا کیا۔

ولقَدْ کرّمْنا بَنیٓ ادم وحملْناهُمْ فِی الْبَرِّو الْبحْر ورزقْنا هُمْ
مّنَ الطّیّبات وفضّلْنٰهُمْ علیٰ کثیْرٍ مّمّنْ خلقْنا تفْضیْلاO

(الا سراء ۷۰)

(ترجمہ) ہم نے انسان کو بڑا اعزاز بخشا، ہم نے اس کا بڑا رتبہ بلند کیا، ہم نے اس کو زمین اور آسمانی طاقتوں کا راکب بنایا، شہسوار بنایا، اور ہم نے اس کو بڑی نعمتیں عطا کیں، اکثر مخلوقات پر فضیلت بخشی۔

وہ کہتا ہے۔

اِنّیْ جَاعِلٌ فِی الْاَرْضِ خَلِیْفَةً. (البقرة. ۳۰)

(ترجمہ) میں زمین میں انسان کو خلیفہ بنانے والا ہوں۔

وہ انسان کے سر پر خلافت کا تاج رکھتا ہے جو آخری چیز ہو سکتی ہے۔ اسلام کی بنیاد توحید پر ہے، وہ یہ کہتا ہے کہ انسان "خلیفة الله" ہے، اس دنیا میں خدا کا نائب ہے،

اور پھر انسان کا مرتبہ اتنا بڑھایا کہ میں سمجھتا ہوں کہ اس سے آگے انسانیت کی بلندی کا تصور نہیں ہوسکتا، چنانچہ ایک حدیث قدسی ہے کہ خدا تعالیٰ انسان سے کہے گا کہ اے انسان میں بیمار ہوا تھا تو مجھے دیکھنے نہیں آیا؟ تو وہ کہے گا کہ بارخدایا! آپ کو بیماری سے کیا مطلب؟ آپ ان سب چیزوں سے بالاتر ہیں! تو ارشاد ہوگا کہ میرا فلاں بندہ بیمار تھا اگر تو اس کی عیادت کے لئے جاتا تو مجھے وہیں پاتا، اے میرے بندے میں بھوکا تھا تو نے مجھے کھانا نہیں کھلایا وہ کہے گا کہ آپ کو بھوک سے کیا نسبت اور اس سے آپ کا کیا واسطہ؟ تو اللہ تعالیٰ فرمائے گا کہ میرا فلاں بندہ بھوکا تھا تو اگر اس کو کھلاتا تو مجھے پہنچتا۔

اے میرے بندے میں برہنہ تھا تو نے مجھے کپڑے نہیں پہنائے تو وہ کہے گا آپ کیا کہہ رہے ہیں، ارشاد ہوگا کہ میرا فلاں بندہ برہنہ تھا اگر تو اس کو کپڑے پہناتا تو مجھے پہنچتے۔

اس سے بڑھ کر انسانیت کو اعزاز نہیں بخشا جاسکتا اور اس سے بلند تصور نہیں کیا جاسکتا پھر اسلام یہ بتاتا ہے۔ انسان پیدائشی طور پر بے گناہ ہے، اس کی فطرت صالح ہے، اس کی تختی بالکل سادہ ہے، "کُلُّ مولُودٍ یُولَدُ علی الفطرۃِ فأبواہ یُھوِّدانہ ویُنصّرانہ ویُمجّسانہ." ہر بچہ ماں کے پیٹ سے بالکل معصوم بے گناہ پیدا ہوتا ہے، اس کے ماں باپ کا یہ کارنامہ ہے کہ کبھی اس کو یہودی بنادیتے ہیں، کبھی عیسائی بنادیتے ہیں، اور کبھی مجوسی، اس پر اپنا رنگ چڑھاتے ہیں، لیکن انسان جو پیدا ہوتا ہے، وہ "صبغۃ اللّٰہ" خدا کا رنگ لے کر آتا ہے، اور اسلام یہ بتاتا ہے کہ انسان کی اصل جو ہے وہ طاعت ہے، انسان کی فطرت میں سلامتی لکھی ہوئی ہے، اس کی فطرت میں کسی قسم کا ٹیڑھاپن یا کجی نہیں ہے، چنانچہ آپ دیکھتے ہیں کہ قرآن میں آتا ہے (اور بہت کم لوگوں کو غور کرنے کا اتفاق ہوا ہوگا) "لھا ما کسبتْ وَعلیھا مَا اکْتسبتْ" یعنی انسان کے لئے وہ چیز مفید ہے جو اس نے کمائی، اور انسان کے لئے وہ چیز مضر ہے، جو اس نے بتکلف کمائی، یعنی انسان کو نیک کام کرنے کے لئے کسی تکلف کی ضرورت نہیں اس کو اپنی فطرت سے لڑائی لڑنے کی ضرورت نہیں (لھا ما کسبت) میں 'کسبت' یہ مجرد کے

صیغے سے آیا ہے، اور " اکتسبت " مزید فیہ باب افتعال کے صیغے سے آیا ہے جس میں تکلف شامل ہے اس نے جو اچھا کام کیا اور جو خدا کی مرضی کے مطابق ہے، وہ عین فطرت کے موافق تھا، اور جو اس نے غلط راستہ اختیار کیا وہ فطرت کے خلاف تھا، اسے اپنی فطرت سے لڑائی لڑنی پڑی اپنی فطرت سے انحراف کرنا پڑا، اس کو ایک مجاہدے کا کام کرنا پڑا، اس سے بڑھ کر انسانی فطرت کے متعلق کیا سند ہوسکتی ہے کہ جو انسان کا صحیح کام ہو وہ اس کی فطرت کا تقاضا ہے، اور جو اس نے غلط کام کیا تو گویا اس نے اپنی طرف سے بغاوت کی۔

تو اس ملک کے لئے مناسب ترین مذہب اسلام تھا، اگر اس ملک کا اور اسلام کا سنجوگ ہو جاتا یعنی ایک جائز رشتہ قائم ہو جاتا تو دنیا کی تاریخ کچھ اور ہی ہوتی، ایک طرف اس خطہ زمین کے لوگوں کی توانائی، ابلتی ہوئی طاقتیں جو جوش مارتی ہیں، جس طرح فوارہ ابلتا ہے، ان کے اندر کام کرنے کی لامحدود طاقت ان کو کسی چیز پر چین نہیں ہے، یہ سیاروں تک پہنچنے کی کوشش کر رہے ہیں سمندر کھنگال کر اس سے موتی نکالنا چاہتے ہیں، سورج کی شعاعوں کو گرفتار کرنا چاہتے ہیں، مٹی سے سونا برآمد کرنا چاہتے ہیں، انہوں نے بے جان چیزوں میں جان ڈال دی ہے، ایک طرف ان کی توانائیاں، ان کی بے چین فطرت، ان کے ملک کی شادابی، اور قدرتی نعمتیں، دوسری طرف اسلام کی راہ اعتدال، اسلام کی حوصلہ افزائی اسلام کا دین فطرت ہونا، اسلام کا اپنے اوپر اعتماد پیدا کرنا کہ انسان اپنی ذات سے بے گناہ ہے وہ ماں کے پیٹ سے بالکل بے گناہ پیدا ہوتا ہے، اور اگر وہ گناہ کرتا ہے تو وہ ایک عارضی چیز ہوتی ہے جیسے ہی وہ توبہ کا ارادہ کرتا ہے تو وہ زنگ جو اس پر لگ گیا ہے وہ نکل جاتا ہے، توبہ کوئی مجبوری کی چیز نہیں بلکہ وہ عین اس کی فطرت کا تقاضا ہے، اور اندر سے وہ چیز ابھرتی ہے باہر سے نہیں آتی اس لئے توبہ کرنے والوں کا بڑا مقام بتایا گیا ہے، اسلام انسان کی ہمت افزائی کرتا ہے، وہ انسانی قوت کو ابھارتا ہے، وہ دین توحید ہے، اس میں کہیں تخیلات پروری نہیں ہے، وہ حقائق پر مبنی ہے، وہ ایسا عام فہم اور بدیہی مذہب ہے، جس کو ہر سلیم الفطرت آسانی سے سمجھ جاتا ہے، وہ

انسان زندگی کو بیڑیاں نہیں پہناتا کہ انسانی زندگی مقید ہوکر رہ جائے وہ علم کی راہ نہیں روکتا ، بلکہ علم کو ایک مقدس عبادت قرار دیتا ہے، وہ انسان کو دعوت فکر و مطالعہ دیتا ہے، وہ کہتا ہے۔

وَفِيْٓ اَنْفُسِكُمْ اَفَلَا تُبْصِرُوْنَ(۱)

(ترجمہ)اور خود تمہارے نفوس میں (بہت سی نشانیاں ہیں) تو کیا تم دیکھتے نہیں؟

وہ کہتا ہے۔

وَيَتَفَكَّرُوْنَ فِيْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ رَبَّنَا مَا خَلَقْتَ هٰذَا بَاطِلًا .(۲)

(ترجمہ)جو آسمان اور زمین کی پیدائش میں غور کرتے (اور کہتے) ہیں کہ اے پروردگار !تو نے اس (مخلوق) کو بے فائدہ نہیں پیدا کیا۔

اور۔

سَنُرِيْهِمْ اٰيٰتِنَا فِي الْاٰفَاقِ وَفِيْٓ اَنْفُسِهِمْ .(۳)

(ترجمہ)ہم عنقریب ان کو اطراف (عالم) میں بھی اور خود ان کی ذات میں بھی نشانیاں دکھائیں گے۔

وہ انسان کو عقل سے کام لینے کا کہتا ہے، اور قوائے فکریہ اور عقل و دماغ کو معطل و مفلوج کرنے کی مذمت کرتا ہے، وہ کہتا ہے۔

وَالَّذِيْنَ اِذَا ذُكِّرُوْا بِاٰيٰتِ رَبِّهِمْ لَمْ يَخِرُّوْا عَلَيْهَا صُمًّا وَّعُمْيَانًا .(۴)

(ترجمہ)اور وہ کہ جب ان کو پروردگار کی باتیں سمجھائی جاتی ہیں تو ان پر اندھے بہرے ہو کر نہیں گرتے (بلکہ غور سے سنتے ہیں)

لیکن صرف اس ملک کی ہی نہیں بلکہ ساری دنیا کی نوع انسانی کی اور خاص طور پر ہمارے اس دور کی بدقسمتی ہے، اس ملک نے جس مذہب کا انتخاب کیا وہ اس ملک کو بتاتا

---

(۱) الذاریات ۲۱ ـ (۲) آل عمران ۱۹۱ ـ (۳) فصلت ۵۳ ـ (۴) الفرقان ۷۳۔

ہے کہ انسان پیدائشی طور پر گنہگار ہے، وہ انسان کے اندر ایک قسم کی مایوسی پیدا کرتا ہے کہ گناہ، یہ اس کی قسمت ہے اور قسمت بدل نہیں سکتی، یعنی اس کا یہ جنم کا روگ ہے، وہ جنم کا گنہگار ہے، ایک تو یہ ہوتا ہے کہ اس سے غلطی ہو جائے اور وہ سمجھے غلطی ہوئی اور اس کی وہ تلافی کر دے، لیکن انسان کے اندر یہ عقیدہ بٹھایا جائے کہ انسان پیدائشی طور پر گنہگار ہے تو آپ سمجھ سکتے ہیں کہ کیسا احساس کمتری پیدا ہوگا۔

تو ایک تو اس ملک کی بدقسمتی یہ تھی کہ اس نے جس مذہب کا انتخاب کیا وہ مذہب اس کی انسانیت کا شرف نہیں بڑھاتا بلکہ اس کی انسانیت پر دھبا لگاتا ہے، اور اس کو داغدار بنا کر پیش کرتا ہے، اور اس کو باور کراتا ہے کہ اس کو ایک ایسی ہستی کی ضرورت ہے جو اس کا کفارہ بن کر اس کے گناہوں کو معاف کروائے، غضب یہ ہوا کہ پھر تھوڑے ہی عرصہ بعد اس میں رہبانیت اور ترک دنیا کا رجحان پیدا ہو گیا۔

کلیسا نے علم و عقل کی راہ روکی:

حضرات! دوسری بدقسمتی یہ تھی کہ جب کلیسا صاحب اقتدار تھا تو کلیسا نے علم و عمل کی راہ روکی، جب یورپ بیدار ہو رہا تھا اور وہ زنجیریں توڑ رہا تھا، جو اس کے پاؤں میں ڈال دی گئی تھیں تو کلیسا، ایک دیوار بن کر کھڑا ہو گیا، اس نے ہر چیز کو اپنے فیتے سے ناپنا شروع کیا اور ہر چیز کی سند بائبل سے تلاش کرنا شروع کی، اس نے زمین کی کرویت کا خیال پیش کیا تو کلیسا نے اس کی مخالفت کی، اس نے تعداد عوالم کا نظریہ پیش کیا کہ یہی دنیا نہیں بلکہ اور دنیائیں بھی ہیں تو کلیسا نے اس کو کفر قرار دیا ارتداد قرار دیا، اس نے بتایا کہ زمین سورج کے گرد گردش کرتی ہے تو کلیسا نے کفر کا فتویٰ لگایا پھر کلیسا نے احتساب کی عدالتیں (INQUISITIONS, قائم کیں جو لوگ اس کا نشانہ بنے ان کی تعداد گذشتہ جنگ عظیم کے مقتولین کی تعداد سے کسی طرح کم نہیں ہے، یہ دو چیزیں ایسی جمع ہو گئیں جن سے اس ملک کا رخ یکسر مادیات کی طرف ہو گیا، اس کے اندر ایک مذہب سے نہیں بلکہ مطلق مذہب کی طرف سے بے اعتمادی اور ایک طرح کا کینہ اور انتقامی جذبہ پیدا ہو گیا،

اس نے یہ سمجھا کہ علم میں اس وقت تک ترقی نہیں ہوسکتی، جب تک مذہب کی بیڑی کو کاٹ کر پھینکا نہ جائے اور کلیسا سے آزادی حاصل نہ کر لی جائے، چنانچہ اس نے کلیسا سے بغاوت کی اور اس کے بعد اس نے یہ مادی سفر شروع کیا جس کے نتائج آج آپ کے سامنے ہیں۔

حضرات! یہ داستان طویل بھی ہے، اور بڑی دردناک بھی، دل پر پتھر رکھے بغیر نہ سنائی جا سکتی ہے، اور نہ سنی جا سکتی ہے، تاریخ آپ کے سامنے ہے، آپ سب اہل علم ہیں، آپ کا وسیع مطالعہ ہے، آپ تاریخ کے طالب علم بھی ہوں گے اور تاریخ کے فاضل اور اسکالر بھی، میں اس وقت یہ گفتگو ایک یونیورسٹی کے دیوار کے سائے میں کر رہا ہوں جو دنیا میں بڑی شہرت رکھتی ہے، اور اس کا بہت بلند مقام ہے، اس لئے مجھے تفصیلات میں جانے کی ضرورت نہیں۔

مغربی تہذیب نے اپنا عمل پورا کر لیا ہے:

مغرب کی مادی تہذیب اپنے نقطۂ عروج (CLIMAX) پر پہنچ گئی ہے، کائنات کے مضمرات کو خدا کے سوا کوئی نہیں جانتا اس لئے ہم کوئی دعویٰ نہیں کر سکتے کہ اس کے بعد کوئی جہاں نہیں۔ ع

ستاروں سے آگے جہاں اور بھی ہیں

لیکن اس وقت یہ تہذیب اپنے جو بہترین پھل لا سکتی تھی اور جو بہترین نتائج دنیا کے سامنے پیش کر سکتی تھی، وہ اس نے دنیا کے سامنے پیش کر دیئے اس وقت ہم ایک ایسے موڑ پر آ کر کھڑے ہو گئے ہیں کہ تہذیب نے تقریباً اپنا عمل پورا کر لیا ہے، اور امریکہ جو اس تہذیب کا بڑا مرکز ہے، وہ اس وقت اپنی ان ترقیات کے جھولے میں جھولا جھول رہا ہے، وہ فخر سے یہ کہہ سکتا ہے (اور کہنے والے کہہ بھی رہے ہیں) کہ ہم نے قدرت کے چہرے کا ہر نقاب اٹھا دیا ہے، ہم نے کوئی راز راز نہیں رکھا ہر راز کو فاش کر دیا ہے، اور اس کے نتیجے میں جو ہونا چاہئے وہ اس وقت حاصل ہے، اس وقت فاصلے سمٹ کر رہ گئے

ہیں، اور انسان کو جو آسانیاں میسر آ سکتی تھیں، وہ حاصل ہو گئیں اب اس کو کوئی دشواری نہیں، اب کسی تکلیف کی ضرورت نہیں، اب وہ تکلیف کا مزا خود چکھنا چاہے تو چکھ سکتا ہے لیکن وہ تکلیف اٹھانے پر مجبور نہیں۔

لیکن اس کے باوجود انسان کو نہ سکون حاصل ہے، اور نہ دنیا میں امن وامان قائم ہے، انسان ایسے مقام پر پہنچ گیا ہے، جہاں وہ بالکل مبہوت ہو کر کھڑا ہو گیا ہے، زندگی اس کو بے مقصد معلوم ہوتی ہے، چیزیں موجود ہیں لیکن ان کا اصلی مزا اس کو حاصل نہیں ہو رہا ہے، اس وقت تو ضرورت اس کی تھی کہ خود اس ملک میں ایسے لوگ پیدا ہوں جو اس ملک کو اس دلدل سے نکالیں جس میں وہ پھنس گیا ہے، اور اس ملک کو ایک نیا پیغام دیں، اس ملک میں ایک نئی زندگی پیدا کر دیں لیکن افسوس ہے کہ اب زندگی اس رفتار سے جا رہی ہے کہ اس کی باگ اب انسان کی ہاتھ میں نہیں رہی، اب انسان زندگی پر سوار نہیں بلکہ زندگی اس پر سوار ہے، اب انسان راکب نہیں بلکہ مرکب بن کر رہ گیا ہے، اب اس کو یہ تہذیب سرپٹ لئے جا رہی ہے، منزل نامعلوم، باگ ڈور ہاتھ میں نہیں، پاؤں رکاب میں نہیں، انسان کی سمجھ میں نہیں آتا کہ کہاں جا کر یہ سفر ختم ہوگا اور اب وہ عامل نہیں معمول بنا ہوا ہے، اس موقع پر امید تو یہ تھی، اور ہم ایشیا کے لوگ (جن میں فلسفی بھی ہیں اور عوام بھی) آنکھیں لگائے ہوئے تھے کہ مغرب ہی میں کوئی پیدا ہوگا جو اس تہذیب کو نیا رخ دے گا اور زندگی کی اس ترقی کو بامعنی اور بامقصد بنائے گا لیکن ایسی شکل پیدا نہیں ہوئی۔

امید کی ایک کرن:

میرے بھائیو! میں اس کو محض اتفاق نہیں کہتا، میں اتفاقات کی منطق کا قائل نہیں میں سمجھتا ہوں کہ ہر کام اور واقعہ کے پیچھے تقدیر الٰہی کام کرتی ہے ’’ذلک تقدیر العزیز العلیم‘‘ خدا نے آپ کو اس ملک میں پہنچا دیا ہے بڑی تعداد میں مسلمان یہاں پہنچ گئے ہیں، ان میں صرف ہاتھ سے کام کرنے والے نہیں بلکہ دماغی صلاحیت رکھنے والے

مسلمان بھی ہیں جو یونیورسٹیوں میں تعلیم پارہے ہیں تحقیقات میں مصروف ہیں، بہت سے ایسے بھی ہیں جنہوں نے اپنے علم کا یہاں لوہا منوالیا ہے، وہ بہت سی کتابوں کے مصنف بھی ہیں، محقق بھی ہیں، خود یہاں کی آبادی میں اسلام پھیل رہا ہے، اور ایک بڑی تعداد ایسی موجود ہے جو یا تو اسلام قبول کر چکی ہے یا قبول کرنے کے لئے تیار ہے ہمارے بلادی مسلمان بھی اس وقت ہمارے لئے طاقت کا سرچشمہ اور ہماری امیدوں کا مرکز ہیں، اس طرح یہ ملک ایک نئی کروٹ لے رہا ہے اور امید کی ایک نئی کرن پیدا ہو رہی ہے، وہ موقع کہ ہم اس ملک کی دستگیری کرتے وہ ہمارے باہمی اختلافات کی وجہ سے ہماری کوتاہی سے نکل گیا، چاہئے تو یہ تھا کہ جس وقت ترکوں کو اقتدار حاصل ہوا تھا، اور مغرب میں ان کی مضبوط حکومت قائم ہوئی تھی یا اس سے بھی قبل جب اسپین میں مسلمانوں کی حکومت قائم تھی، اس وقت یورپ میں اسلام کی اشاعت ہوتی تو یورپ آج اس ورطہ میں نہ پڑتا، اس مادیت کے دلدل میں نہ پھنستا اور نہ اس کی وجہ سے وہ قومیں ان دلدلوں میں پھنستیں جو یورپ کی مقلد ہیں۔

لیکن افسوس کہ ہم نے اس وقت یہ کام نہ لیا اس سے کہیں پہلے، جب اسلام کے داعی دنیا میں نکلے تھے، کاش کہ اس وقت وہ داعی یہاں پہنچ جاتے، کہا جاتا ہے کہ امریکہ کا کولمبس سے پہلے مسلمانوں نے انکشاف کیا تھا، کاش وہ اس انکشاف سے فائدہ اٹھاتے اور اس ملک کو ایک پیغام دیتے اور وہ پیغام اسلام ہوتا لیکن افسوس ہے کہ ایسا نہ ہو سکا جس کا نتیجہ سزا کے طور پر آج اسلامی ممالک بھگت رہے ہیں، آج اسلامی ممالک یورپ کی جس غلامی میں مبتلا ہیں اور جس طرح وہ یورپ کے ریزہ خور بن گئے ہیں، اور مغرب کے ارادوں کے جس طرح وہ تابع ہو گئے ہیں، مغرب جو معاملہ کر رہا ہے، اور جو کھیل کھیل رہا ہے، میں سمجھتا ہوں یہ سب وہ سزا ہے مسلمانوں کی اس کوتاہی کی کہ مسلمانوں نے وقت پر اس کو خدا کا پیغام نہیں سنایا اور رسول اللہ ﷺ کے پیغام سے آشنا نہیں بنایا۔

لیکن اب خدا نے ایک موقع دیا ہے، آپ مختلف ملکوں سے، مختلف تقریبوں سے، مختلف اغراض سے تیزی کے ساتھ اس ملک میں آ رہے ہیں، کوئی اسلامی ملک نہیں جس

کے بہترین نوجوان یہاں نظر نہ آتے ہوں اور آخری بات یہ ہے کہ اس ملک سے جہاں حرم واقع ہے، اس سے بھی بڑی تعداد میں نوجوان یہاں آرہے ہیں، اس وقت آپ حضرات اپنی ذمہ داری کو سمجھیں، آپ کی ذمہ داری اتنی ہی نہیں کہ آپ مغرب کے علوم سے فائدہ اٹھائیں اور اپنے معاشی مسئلہ کو حل کریں یا آپ یہاں سے بڑی دولت کما کر لے جائیں اور اپنے کنبہ اور خاندان کو فائدہ پہنچائیں، آپ کو اپنی ذمہ داری یہ سمجھنی چاہئے کہ اس ملک میں جس چیز کی کمی ہے، اور یہ ملک اپنی تمام دولتوں کے باوجود دولت کے بارے میں محتاج ہے، اور خدا کے اس ارشاد کا صحیح مصداق ہے کہ **"ثُمَّ رَدَدْنَاهُ أَسْفَلَ سَافِلِينَ"** اگر آپ اس کی مادی فتوحات دیکھئے، اگر آپ اس کا اخلاقی افلاس دیکھئے، اگر آپ اس کی روحانی پیاس دیکھئے، اگر آپ اس کی روح کا کرب دیکھئے تو اس کو **"اسفل سافلین"** کے مقام پر پائیے گا، ایک طرف آپ اس کی عقلی پختگی کو دیکھئے اور ساتھ ساتھ اس کی عقلی بچپن اور طفولیت کو دیکھئے دو چیزیں اس میں جمع ہیں ایک طرف وہ چاند پر جا رہا ہے، دوسری طرف وہ اخلاقی پستی کے آخری گڑھے میں گر رہا ہے، وہی امریکہ کہ جس نے آج ہر مسئلے کو حل کر دیا ہے، وہی آج اپنے نوجوانوں کے اخلاقی مسئلے کو حل کرنے میں ناکام ہے، اقبال نے کہا تھا۔ ع

جس نے سورج کی شعاعوں کو گرفتار کیا
زندگی کی شب تاریک سحر کر نہ سکا

میں بالکل صفائی کے ساتھ کہتا ہوں کہ کاش ہمارا کوئی اسلامی ملک اس پوزیشن میں ہوتا کہ وہ مغرب کو پیغام دیتا اور مغرب سے آنکھیں ملا کر کہتا، اے مغرب! تو نے یہ ٹھوکر کھائی، اے مغرب! تیرے درد کی دوا ہمارے پاس ہے، تیرے درد کی دوا ہمارے قرآن میں ہے، رسول اللہ ﷺ کے پیغام میں ہے، لیکن میں آپ سے صاف کہتا ہوں کہ ہماری گردنیں ندامت اور شرم سے جھک جاتی ہیں کہ کوئی اسلامی ملک بھی اس پوزیشن میں نہیں کہ اس ملک سے آنکھیں ملا کر خود اعتمادی سے کچھ کہہ سکے، یہ واقعہ ہے کہ ہم نے اپنے کو اس پوزیشن میں رکھا ہی نہیں ہے کہ ہم مغرب سے مردوں کی طرح بات کر سکیں،

ہم جب مغرب سے بات کرتے ہیں تو سر سے لے کر پیر تک ہم اس کے احسانات میں ڈوبے ہوئے ہوتے ہیں ہماری جہالت ہمارے خلاف گواہی دیتی ہے، ہمارا افلاس ہمارے سر پر چڑھ کر بولتا ہے، بھیک کے لئے ہمارا ہاتھ پھیلا ہوتا ہے، ایسی حالت میں کوئی اسلامی ملک اس مغرب سے جو کہ اقتدار کا مالک ہے، جس کو ہر طرح کی سیادت، علمی سیادت، سیاسی سیادت، اقتصادی سیادت حاصل ہے کیا بات کر سکتا ہے؟ کون سا ایسا ملک ہے، جو اس مغرب پر ادنیٰ تنقید کر سکے، اس مغرب کو کوئی لقمہ دے سکے، کوئی مشورہ دے سکے؟

آپ داعی کا مقام رکھتے ہیں:

میرے بھائیو! آپ سے میں کہتا ہوں ممکن ہے، آپ اس کو میری بلند پروازی پر محمول کریں لیکن میں آپ سے ضرور کہوں گا کہ آپ اپنی زندگی، اپنے وجود، اپنے طرز زندگی سے یہ ثابت کریں کہ آپ کے پاس اس مغرب کو دینے کے لئے کچھ ہے، آپ یہاں صرف لینے کے لئے نہیں آئے ہیں، بلکہ دینے کے قابل بھی ہیں، آپ کا ہاتھ صرف لینے کے لئے نہیں پھیلا ہوا ہے بلکہ وہ کچھ دینے کے لئے بھی پھیل سکتا ہے، آپ اگر یونیورسٹی کے طالب علم، ٹیچر یا ریسرچ اسکالر ہیں، یہاں تک کہ آپ یہاں کی کسی فرم میں ہیں، آپ کا جن سے سابقہ پڑتا ہے، آپ کے ساتھ جو کام کرنے والے ہیں ان سب کے سامنے آپ اسلام کی صداقت کو پیش کر سکتے ہیں، ان میں یہ احساس پیدا کر سکتے ہیں، کہ اسلام آج بھی ان کی مدد کر سکتا ہے، کچھ دے سکتا ہے، ان کے پاس سب کچھ ہونے کے باوجود گویا کچھ نہیں اور ان سے جو حقیقی فائدہ پہنچنا چاہئے تھا، ان طبعی تحقیقات سے اور مادی فتوحات سے وہ ان کو نہیں پہنچ رہا ہے، آپ کے اندر یہ اعتماد بحال ہونا چاہئے کہ آپ داعی کا مقام رکھتے ہیں، آپ صرف خوشہ چین نہیں ہیں کہ یہاں آ کر ان کے باغ کی کلیاں توڑیں اور اپنا دامن بھریں بلکہ آپ اپنی کلیوں سے ان کا دامن بھر سکتے ہیں، یہ بات موجودہ حالات کے لحاظ سے قبل از وقت اور ناقابل

قیاس ہے اور شاید ہمارے بہت سے بھائی سوچیں اور پوچھیں کہ میں کس دنیا میں رہتا ہوں۔

لیکن قرآن اور اسوۂ نبوی ﷺ ہمارے اندر اعتماد پیدا کرتا ہے، جس وقت رسول اللہ ﷺ کے گھر میں کھانے کو نہیں تھا اور مدینہ میں کوئی اسٹیٹ قائم نہیں ہوتی تھی اور جب کہ کوئی معاشی مسئلہ بھی حل نہیں ہوا تھا، اور مسلمان خود اپنی حفاظت نہیں کر سکتے تھے، اس وقت خدا کے رسول ﷺ نے قیصر روم کو جو اس وقت سمبول تھا، دنیا کی سب سے بڑی طاقت کا اور جو دنیا کے آدھے حصے پر حکومت کرتا تھا، اپنے خط میں لکھا تھا۔

> ” بسم اللہ الرحمن الرحیم...... مِنْ محمد عبدِاللہِ وَرسولِہ الیٰ ہر قل عظیمِ الروم سلام علیٰ مَن اتّبع الھدیٰ أما بعد فانی أ دعُوک بدعایة الا سلام أسلِم، تسلم یُؤتک اللہُ اجرَک مرَّتینِ فاِنْ تولیتَ فانَّ عَلیکَ اثمٌ الیر یسین ویا ہٰلِ الکتاب تَعالَوا الیٰ کلمةٍ سوآءٍ بیننا وَبینکُم الَّاَ نعبدَ الَّا اللّٰہ ولانُشرک بہ شیئاً ولا یتخذبعضُنا بعضاً اربا باً من دونِ اللّٰہِ فانْ تَولَّوا فقُولُوا اشھدُ وابِانا مسلِمُون.“

(ترجمہ) بسم اللہ الرحمن الرحیم . محمد ﷺ کی طرف سے جو خدا کا بندہ اور رسول ہے، یہ خط ہرقل کے نام ہے جو روم کا رئیس اعظم ہے اس کو سلامتی ہو جو ہدایت کا پیرو ہے ..... میں تجھ کو اسلام کی دعوت کی طرف بلاتا ہوں، اسلام لا، تو سلامت رہے گا، خدا تجھ کو دگنا اجر دے گا اور اگر تو نے نہ مانا تو اہل ملک کا گناہ تیرے اوپر ہوگا، اے اہل کتاب !ایک ایسی بات کی طرف آج جو ہم میں اور تم میں یکساں ہے وہ یہ کہ خدا کے سوا کسی کو نہ پوجیں او ہم میں سے کوئی کسی کو (خدا کو چھوڑ کر) خدا نہ بنائے اور تم نہیں مانتے تو گواہ رہو کہ ہم مانتے ہیں۔

ہم اس پیغمبر کے امتی ہیں جس نے فقر و فاقے کی حالت میں، گمنامی کی حالت میں، اس وقت جب کہ دنیا میں مسلمانوں کی سیاسی، اقتصادی کوئی پوزیشن نہیں تھی، اس

حالت میں دنیا کے سب سے جبروت انسان کو اس خود اعتمادی و خدا اعتمادی کے ساتھ اسلام کی دعوت دی، یہ کیا ہمت تھی؟ یہ کیا مقام تھا یہ کیا بلندی تھی، اس وقت جب کہ اس کے گھر میں کھانے کو نہیں، اس کے خزانے میں پیسہ نہیں، چند لوگ اس کے ماننے والے ہیں، ایک شاہ وقت سے وہ اس طرح کہتا ہے کہ "اسلم تسلم" اسلام قبول کرو، بچ جاؤ گے تمہاری حفاظت ہوگی، تمہاری جان بچ جائے گی، ہم اس پیغمبر کے امتی ہیں، آج ہمارا مقام یہ ہونا چاہئے کہ ہم آج اس قوم کو دینے کا حوصلہ رکھیں اور ان کو یہ احساس دلائیں کہ ہمارے پاس وہ دولت ہے، جس سے وہ محروم ہیں اور بغیر اس دولت کے یہ تمدن بچنے والا نہیں، اس وقت یہ تمدن پوری طرح خودکشی کرنے کے لئے تیار ہے۔ اور اس گہری خندق میں چھلانگ لگانے کے لئے تیار ہے، جس میں گرنے کے بعد کبھی ابھر نہیں سکے گا اسے اگر کوئی چیز بچا سکتی ہے تو یہی خدا کی بھیجی ہوئی تعلیمات، قرآن کی رہنمائی اور یہ کہ مادیت اور اخلاقیات اور مسائل و مقاصد کے درمیان رابطہ قائم کیا جائے، اگر مادیات ہیں، اور اخلاقیات نہیں تو تباہی کے سوا کچھ نہیں، یہ وہ پیغام ہے جو ہمارے اسلامی ملکوں کو دینا چاہئے تھا اور صاف کہنا چاہئے تھا، کہ اے مغرب! تو ڈوب رہا ہے، ہم تجھے بچا سکتے ہیں، لیکن واقعہ یہ ہے کہ ان میں سے کوئی یہ پوزیشن نہیں رکھتا، انہوں نے اپنے کو اس قابل رکھا ہی نہیں ہے، یہ مغرب کی دریوزہ گر ہیں، ان میں سے کسی میں ہمت نہیں کہ کچھ کہہ سکیں کہ اے مغرب! تیرے تمدن میں یہ کمی ہے، یہ مغربی تہذیب کو مراج سمجھتے ہیں، کسی نے کہا ہے کہ ساری دنیا کا قبلہ حرم ہے، اور حرم کا قبلہ امریکہ بنا ہوا ہے، یہ میں کہہ رہا ہوں دین کا ادنیٰ طالب علم، اور اس طبقہ سے تعلق رکھنے والا جس کو ہر حال میں دفاع کرنا چاہئے تھا، میں آپ سے صاف کہتا ہوں کہ آج ہمارے اسلامی ملک، رؤسائے جمہوریات اس قابل نہیں ہیں کہ مغرب کو کچھ پیغام دے سکیں، مغرب کو کچھ مشورہ دے سکیں، لیکن آپ اگرچہ کسی ریاست کے مالک نہیں اگرچہ کسی خزانے کے مالک نہیں ہیں آپ اس فرض کو انجام دے سکتے ہیں؟ اس طرح کہ آپ ایک [illegible] مظاہرہ کریں، آپ خود اعتمادی کا مظاہرہ کریں، آپ اپنے دین [illegible] مذہب پر فخر کر سکیں، آپ خدا کی

اس نعمت پر شکر ادا کریں کہ قدرت نے آپ کو ان نعمتوں سے نوازا ہے، آپ نمازوں کے ذریعے، دعاؤں کے ذریعے اس مادیت کے جال سے آزاد ہونے کے ذریعے، آپ یہ ثابت کریں کہ مادیت آپ کو غلام نہیں بنا سکتی ہے، ابھی آپ کی روح زندہ ہے، ابھی آپ کا قلب زندہ ہے، ان کی طرح مردہ نہیں ہے، ابھی آپ کے اندر خیر و شر کے فرق کا احساس زندہ ہے، آپ کے نزدیک دنیا کی دولت ہی سب کچھ نہیں ہے، بلکہ آپ کے نزدیک یہ دنیا بھی کچھ نہیں ہے، اس زندگی کے بعد ایک دوسری زندگی آنے والی ہے، اور آپ خدا کو قادر مطلق سمجھتے ہیں اور اس کی رضا کو سب سے بڑی سعادت اور کمال سمجھتے ہیں، خدا نے آپ کو یہ موقع دیا ہے خدا نے آپ کو اسی لئے بھیجا ہے کہ آپ ان کے سامنے زندگی کا نیا تجربہ اور نئی حقیقتیں لائیں جو ان کی آنکھوں سے بالکل اوجھل ہو چکی ہیں، اور مسیحیت اپنے ان تمام کلیساؤں کے باوجود ڈیوینٹی ... کالجوں کے باوجود اور اس کو جو اقتدار حاصل ہے، اس کے باوجود مسیحیت اس حقیقت کو زندہ کرنے میں ناکام رہی ہے، اور آئندہ بھی اس سے کوئی امید نہیں ہے، آپ اپنی ہر طرح کی کمزوریوں کے باوجود یہ فرض انجام دے سکتے ہیں۔

حضرات! میں نے آپ کا بڑا وقت لیا لیکن میرے جلے ہوئے دل، میرے زخمی دل کی آہ اور کراہ سمجھئے جو میں نے آپ کے سامنے پیش کر دی، میں خدا کے سامنے یہ شہادت دے سکتا ہوں کہ میں نے سب سے بڑے صنم خانے میں اذان دی، میں نے تیرا نام لیا اور اس کے لئے موزوں سے موزوں تر جو مقام ہو سکتا تھا، وہاں میں نے یہ پیغام دیا، میں سمجھتا ہوں کہ اگر آپ میں سے ایک شخص نے بھی اس سے اثر لیا تو میں کامیاب ہوں، میری دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ آپ کے کام سے زیادہ اپنے دین کا کام لے اور آپ کو اپنے اور اپنے خاندان، کنبہ بستی اور اپنے ملک کے لئے مفید ہونے سے کہیں زیادہ دین اور اسلام کے لئے مفید اور خود اس ملک کے لئے مفید بنائے۔

وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

توحید کی حقیقت اور اس کے تقاضے

نحمده ونصلي على رسوله الكريم، امابعد.

جامعیت و ہمہ گیری اور طاقت سے انکار

حضرات علماء حق، حضرات انبیاء علیہم الصلاۃ والسلام کے وارث اور جانشین ہیں العلماءُ وَرثةُ الا نبياءِ (صحیح بخاری) ان کی وراثت اور نیابت اسی وقت صحیح اور مکمل ہوگی جب ان کی زندگی کا مقصد اور ان کی کوششوں کا مرکز وہی ہوگا جو انبیاء کرام علیہم الصلاۃ والسلام کا تھا۔ وہ مقصد زندگی اور وہ مرکز سعی و فکر کیا ہے؟ دو لفظوں میں اقامت دین یا ایک لفظ میں توحید۔

یعنی انسانوں کو اختیاراً عملاً اس طرح سے اللہ کا ''عبد'' بنانا جیسا کہ وہ فطرتاً اور طبعاً اس کے عبد ہیں۔ اللہ کی حکومت اور قانون کو انسانوں کے جسموں اور ان کی متعلقہ زمین پر قائم کرنے کی کوشش کرنا جیسا کہ وہ روحوں اور کائنات پر قائم ہے۔

وَمَا أَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ رَّسُولٍ إِلَّا نُوحِي إِلَيْهِ أَنَّهُ لَا إِلٰهَ إِلَّا أَنَا فَاعْبُدُونِ (انبیاء ۲۱:۲۵)

(ترجمہ) ''اور ہم نے آپ سے پہلے کوئی پیغمبر نہیں بھیجا مگر اس کو یہی حکم بھیجا کہ میرے سوا کسی کی بندگی نہیں، پس میری ہی بندگی کرو۔''

هُوَ الَّذِي أَرْسَلَ رَسُولَهُ بِالْهُدَىٰ وَدِينِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهُ عَلَى الدِّينِ كُلِّهِ وَلَوْ كَرِهَ الْمُشْرِكُونَ ۞ (صف ۹:۶۱)

[illegible] رسول کو ہدایت اور سچے دین کے ساتھ بھیجا تا کہ اس کو سب [illegible] کر دے اگرچہ شرک کرنے والوں کو یہ ناگوار

[illegible]

اس دین حق کے لئے ہر زمانہ میں چند موانع اور مزاحم ہوتے ہیں جس میں سے [illegible] چار [illegible] داخل ہیں۔

[illegible]

[illegible] غیر اللہ کو الٰہ بنانا۔ اللہ کی سوا کسی ہستی کو مافوق الطبعی [illegible] طور پر ضار اور نافع بنا لینا، اس کو کائنات میں متصرف اور موثر تسلیم کر لینا۔

احتیاج والتجا:

[illegible] مافوق الطبعی [illegible] تائج ولوازم [illegible] استعانات اور [illegible] کے لازمی مظاہر ہیں۔

[illegible] اور [illegible] کسی ایک [illegible] ہے [illegible] اور جسم و نفس سے [illegible] کی اور اللہ کو اس سے کم درکار ہے۔

وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَتَّخِذُ مِنْ دُونِ اللّٰهِ أَنْدَادًا يُحِبُّونَهُمْ كَحُبِّ [illegible]

[illegible]

(ترجمہ) [illegible] لوگ [illegible] جو اللہ کے برابر [illegible] ان [illegible] محبت [illegible] اللہ [illegible]

تَاللّٰهِ إِنْ كُنَّا لَفِي ضَلَالٍ مُبِينٍ إِذْ نُسَوِّيكُمْ بِرَبِّ

الْعَالَمِينَ [illegible]

(ترجمہ) [illegible] کو [illegible] ہم [illegible] تھے جو تم معبودوں کو [illegible] پروردگار کے برابر [illegible]

اس لئے [illegible] شرک [illegible] سے باریک

[illegible]

پودا کسی ایسی زمین میں جڑ نہیں پکڑتا جس کی مٹی میں کسی اور درخت کی جڑ ہو یا کوئی اور تخم ہو۔ اس کی شاخیں اسی وقت آسمان سے باتیں کرتی ہیں اور یہ درخت اسی وقت پھلتا پھولتا ہے جب اس کی جڑ گہری اور مضبوط ہو۔

اَلَمْ تَرَ كَيْفَ ضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلاً كَلِمَةً طَيِّبَةً كَشَجَرَةٍ طَيِّبَةٍ اَصْلُهَا ثَابِتٌ وَّفَرْعُهَا فِي السَّمَآءِ O تُؤْتِيْٓ اُكُلَهَا كُلَّ حِيْنٍ بِاِذْنِ رَبِّهَا O (ابراہیم ۱۴:۲۴، ۲۵)

(ترجمہ) [illegible] کیسی ایک مثال بیان کی پاکیزہ بات (کلمہ طیبہ وغیرہ) ایسی پاکیزہ درخت کی طرح ہے۔ اس کی جڑ مضبوط ہے اور اس کی شاخیں آسمان میں ہیں اپنا پھل لاتا ہے ہر وقت اپنے رب کے حکم سے۔“

یہ درخت [illegible] نہیں بڑھ سکتا۔ یہ جہاں رہے گا تنہا رہے گا اس کو [illegible] نشوونما کے لئے اتفاقی فضا چاہئے۔

اَلَا لِلّٰهِ الدِّيْنُ الْخَالِصُ (زمر ۳۹:۳)

(ترجمہ) [illegible] اللہ ہی کا [illegible]“

پس جو لوگ دین اللہ کی فطرت اور اس کے مزاج سے واقف ہوتے ہیں وہ اس کو کسی جگہ قائم کرنے کے لئے [illegible] پورے طور پر صاف اور ہموار کرتے ہیں، وہ شرک اور جاہلیت کی جڑیں اور رگیں [illegible] چن چن کر نکالتے ہیں اور ان کا ایک ایک تنکا چن چن کر پھینکتے ہیں اور مٹی کو بالکل الٹ پلٹ دیتے ہیں چاہے ان کو اس کام میں کتنی ہی دیر لگے اور کیسی ہی زحمت اٹھانی پڑے۔ اور چاہے ان کو اس کوشش اور عمر بھر کی [illegible] کا حاصل حضرت نوح علیہ السلام کی طرح چند نفوس سے زیادہ نہ ہو اور چاہے [illegible] کی طرح ان کی ساری زندگی کا سرمایہ صرف ایک شخص ہو لیکن [illegible] اور اس کامیابی پر مسرور ہوتے ہیں۔ اور نتیجہ کے حصول میں کبھی عجلت سے کام نہیں لیتے۔

کفر:

یعنی اللہ کے دین اور اس کی شریعت کا انکار یہ انکار اس کی حکومت سے بغاوت اور ر ۔اس کے احکام سے سرتابی ہے خواہ کسی طریقہ اور علامت سے ظاہر ہو۔

اس میں وہ لوگ بھی شامل ہیں جو اللہ و رسول کے احکام میں سے کسی حکم کو بھی یہ جان لینے کے بعد کہ یہ اللہ اور اس کے رسول کا حکم ہے نہیں مانتے یا زبان سے تو انکار نہیں کرتے مگر جان بوجھ کر اس کی خلاف ورزی کرتے ہیں ایسے لوگ خواہ دوسرے احکام کے پابند ہوں اس دائرہ سے (یعنی کفر کے دائرہ سے) خارج نہیں۔ میرے بھائیو اور دوستو! اللہ تعالیٰ یہودیوں کو مخاطب کر کے کہتا ہے:۔

اَفَتُؤْمِنُوْنَ بِبَعْضِ الْكِتٰبِ وَتَكْفُرُوْنَ بِبَعْضٍ فَمَا جَزَآءُ مَنْ
يَّفْعَلُ ذٰلِكَ مِنْكُمْ اِلَّا خِزْیٌ فِی الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَيَوْمَ الْقِيٰمَةِ
يُرَدُّوْنَ اِلٰٓى اَشَدِّ الْعَذَابِ وَمَا اللّٰهُ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ O

(البقرہ ۲: ۸۵)

(ترجمہ) ”کیا کتاب الٰہی کے ایک حصہ کو مانتے ہو دوسرے حصے کو نہیں مانتے تو اس کی کیا سزا ہے جو تم میں سے یہ کام کرتا ہے سوائے دنیا کی زندگی میں رسوائی کے اور قیامت کے دن وہ پہنچائے جائیں گے سخت سے سخت عذاب میں اور اللہ تمہارے کاموں سے بے خبر نہیں۔“

صرف اللہ کی خداوندی اور حاکمیت کے اقرار سے طبعی طور پر خداوندی اور حاکمیت کے تمام دعویداروں کی خداوندی اور حاکمیت کا انکار ہو جاتا ہے۔

لیکن جو اشخاص خداوندان باطل کی خداوندی اور حاکمیت کا صاف صاف انکار کرنے کے لئے تیار نہیں ہوتے یا دوسرے الفاظ میں انہوں نے اس قبلہ کی طرف منہ تو کر لیا ہے لیکن دوسرے قبلوں کی طرف ان سے پیٹھ بھی نہیں کی جاتی۔

دین الٰہی کے مقابلے میں دنیا میں جو نظام حاکمیت قائم اور شریعت الٰہی کے مقابلے میں جو قوانین نافذ ہیں ان سے منحرف نہیں ہوا جاتا، وہ کبھی کبھی ان پر عمل کر لیتے ہیں اور

بوقت ضرورت ان کی طرف رجوع کر لیتے ہیں وہ درحقیقت اسلام میں داخل نہیں ہوئے ایمان باللہ کے لئے کفر بالطاغوت(۱) ضروری ہے۔ اور اللہ تعالیٰ نے اس کو ایمان پر مقدم کیا ہے۔

فَمَنْ يَّكْفُرْ بِالطَّاغُوْتِ وَيُؤْمِنْ بِاللّٰهِ فَقَدِ اسْتَمْسَكَ بِالْعُرْوَةِ الْوُثْقٰى ۝ (بقرہ ۲: ۲۵۶)

(ترجمہ) ''جو سرکش کا انکار کرے اور اللہ پر ایمان لائے اس نے مضبوط حلقہ پکڑ لیا۔''

اس لئے قرآن نے ایسے اشخاص کا دعویٰ ایمان تسلیم نہیں کیا۔ جو غیر الٰہی قوانین ان کے نمائندوں اور ان کے مرکزوں کی طرف رجوع کرتے ہیں اور ان کو اپنا حکم اور ثالث بناتے ہیں۔

اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ يَزْعُمُوْنَ اَنَّهُمْ اٰمَنُوْا بِمَآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ وَمَآ اُنْزِلَ مِنْ قَبْلِكَ يُرِيْدُوْنَ اَنْ يَّتَحَاكَمُوْٓا اِلَى الطَّاغُوْتِ وَقَدْ اُمِرُوْٓا اَنْ يَّكْفُرُوْا بِهٖ وَيُرِيْدُ الشَّيْطٰنُ اَنْ يُّضِلَّهُمْ ضَلٰلًا بَعِيْدًا ۝

بہ

(النساء ۴: ۶۰)

(ترجمہ) تم نے ان لوگوں کو نہیں دیکھا جو دعویٰ کرتے ہیں کہ وہ اس پر ایمان لائے جو حق آپ سے پہلے اتارا گیا چاہتے ہیں کہ قضیہ لے جائیں سرکش کی طرف حالانکہ ان کو حکم ہو چکا ہے کہ اس کا انکار کریں اور شیطان چاہتا ہے کہ ان کو بہکا کر دور جا ڈالے۔

اس کفر کی بو ان اشخاص سے بھی نہیں نکلی جو مسلمانوں کے دائرے میں آ جانے کے بعد بھی ''جاہلیت'' سے منحرف اور عقائد و رسوم جاہلیت سے بے خبر نہ ہو سکے۔ ان کے دلوں سے ابھی تک ان چیزوں کی نفرت اور کراہت نہیں گئی اور ان کاموں کی تحقیر نہیں نکلی جن کو جاہلیت برا سمجھتی ہے ان سے نفرت اور تحقیر کرتی ہے خواہ وہ اللہ کے دین میں پسندیدہ اور مستحب ہوں اور اللہ کے رسول ﷺ کی محبوب سنت ہوں۔

---

(۱) ''طاغوت'' ہر وہ ہستی جس کی خدا تعالیٰ کے مقابلے میں اطاعت مطلق کی جائے (الطاغوت عبارة عن کل متعدٍ و کل معبود من دون اللہ) (امام راغب اصفہانی) خواہ وہ شیطان ہو یا انسان یا سلطان۔

اس طرح ان کے دلوں سے ابھی تک ان اعمال واخلاق اور رسوم وعادات کی محبت اور عزت دور نہیں ہوئی جو اہل جاہلیت کے نزدیک محبوب ومعزز ہیں خواہ وہ اللہ کی شریعت میں مکروہ حقیر ہوں۔

اس طرح جن کے دلوں میں ابھی تک جاہلی حمیت اور عصبیت دور نہیں ہوئی اور ان کا عملی جاہلیت عرب اور درحقیقت ہر جاہلیت کے اس مقبول و مسلم اصول پر ہے کہ:

انصر اخاک ظالماً او مظلوماً،

(ترجمہ) ''اپنے بھائی کی ہر حال میں مدد کرو خواہ ظالم ہو خواہ مظلوم''

میرے بھائیو! اس سے زیادہ نازک بات یہ ہے کہ اسلام کو اختیار کر لینے کے بعد بھی یا مسلمان کہلانے کے باوجود بھی حسن وقبح کا معیار وہی ہو جو جاہلیت میں ہوتا ہے، اشیاء کی قیمت وہی ہو جو جاہلیت نے قائم کر دی ہے، زندگی کی انہی قدروں اور انہی معیاروں کی وقعت ہو جو جاہلیت تسلیم کرتی ہے۔

اسلام کی صحت کی دلیل یہ ہے کہ:

کفر اور اس کے پورے ماحول، اس کے تمام متعلقات، اس کی تمام خصوصیات اور شعائر سے نفرت پیدا ہو جائے۔ اور اس کی طرف واپسی اور اس میں مبتلا ہو جانے کے تصور سے آدمی کو تکلیف ہو۔ اور ایمان کی پختگی یہ ہے کہ وہ کفر کے کسی ادنیٰ سے ادنیٰ کام کے مقابلہ میں موت کو زیادہ پسند کرتا ہو۔

بخاری کی حدیث ہے:

''ثلث من کن فیہ وجد حلاوۃ الایمان ان یکون اللہ ورسولہ احب الیہ مما سواھما وان یحب المرء لا یحبہ' الا للہ وان یکرہ ان یعود فی الکفر کما یکرہ ان یقذف فی النار۔''

(ترجمہ) تین باتیں جس شخص میں ہوں گی اس کو ایمان کی حلاوت محسوس ہوگی۔ ایک یہ کہ اللہ اور اس کا رسول ان کے ماسوا سے زیادہ محبوب ہوں، دوسرے یہ کہ کسی دوسرے انسان سے صرف اللہ ہی کے لئے محبت ہو تیسرے یہ کہ کفر میں جانا اس کے لئے اتنا ہی

ناگوار ہو جتنا آگ میں ڈالا جانا۔

صحابہ کرامؓ کی یہی کیفیت تھی۔ ان کو اپنے زمانہ سابق (جاہلیت سے شدید نفرت پیدا ہوگئی تھی۔ ان کے نزدیک جاہلیت سے بڑھ کر کوئی توہین نہ تھی۔ وہ جب اپنے اسلام لانے سے پہلے کے زمانہ کا تذکرہ کرتے تو نہایت شرمندگی اور نفرت کے ساتھ اس زمانہ کی تمام باتوں اعمال و اخلاق اور کفر و فسق اور اللہ کی نافرمانی سے ان کو نہ صرف شرعی اور عقلی بلکہ طبعی کراہت تھی اللہ تعالیٰ ان کی یہ صفت اس طرح بیان کرتا ہے:

وَلٰكِنَّ اللّٰهَ حَبَّبَ اِلَيْكُمُ الْاِيْمَانَ وَزَيَّنَهٗ فِيْ قُلُوْبِكُمْ وَكَرَّهَ اِلَيْكُمُ الْكُفْرَ وَالْفُسُوْقَ وَالْعِصْيَانَ O (حجرات ۴۹: ۷

(ترجمہ) ''لیکن اللہ نے تمہارے دل میں ایمان کی محبت ڈال دی اور اس کو کھبا دیا تمہارے دل میں اور نفرت ڈال دی تمہارے دل میں کفر اور گناہ اور نافرمانی کی۔''

جاہلیت کی ایک علامت یہ ہے کہ جب اللہ اور رسول کا حکم سنایا جائے تو قدیم رسم و رواج اور باپ دادا کے طور طریقے کا نام لیا جائے۔ اور اللہ و رسول کے مقابلے میں گذشتہ زمانہ اور پرانے دستور کی سند پیش کی جائے۔

وَاِذَا قِيْلَ لَهُمُ اتَّبِعُوْا مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ قَالُوْا بَلْ نَتَّبِعُ مَآ اَلْفَيْنَا عَلَيْهِ اٰبَآءَ نَا اَوَلَوْ كَانَ اٰبَآؤُهُمْ لَا يَعْقِلُوْنَ شَيْئًا وَّلَا يَهْتَدُوْنَ O

(البقرہ ۲: ۱۷۰)

(ترجمہ) ''جب ان سے کہا جاتا ہے کہ اس حکم کی پیروی کرو جو اللہ نے نازل کیا ہے تو کہتے ہیں ہم تو اس راستہ کی پیروی کریں گے جس پر ہم نے اپنے باپ دادوں کو پایا ہے اگرچہ ان کے باپ دادے نہ سمجھتے ہوں کچھ بھی اور نہ جانتے ہوں سیدھی راہ۔''

بَلْ قَالُوْٓا اِنَّا وَجَدْنَآ اٰبَآءَ نَا عَلٰٓى اُمَّةٍ وَّاِنَّا عَلٰٓى اٰثٰرِهِمْ مُّهْتَدُوْنَ O (زخرف ۴۳: ۲۲)

(ترجمہ) بلکہ کہتے ہیں کہ ہم نے اپنے باپ دادوں کو ایک طریقہ پر پایا اور ہم انہیں کے نقش قدم پر ٹھیک چل رہے ہیں۔

اللہ کے حکم اور وحی الٰہی کے مقابلے میں اپنے باپ دادا کے عمل اور اپنی خواہش و

مرضی کی پیروی کرنا خاص جاہلی دین ہے۔

قَالُوْا يٰشُعَيْبُ اَصَلٰوتُكَ تَاْمُرُكَ اَنْ نَّتْرُكَ مَا يَعْبُدُ اٰبَآؤُنَآ
اَوْ اَنْ نَّفْعَلَ فِيْٓ اَمْوَالِنَا مَا نَشٰٓؤُا. (ہود ۱۱: ۸۷)

(ترجمہ) انہوں نے کہا اے شعیب! کیا تمہاری نماز نے تم کو یہ سکھایا ہے کہ ہم چھوڑ دیں جن کو ہمارے باپ دادا پوجتے رہے یا ہم چھوڑ دیں جو ہم اپنے مالوں میں اپنی من مانی باتیں کرتے ہیں۔

پس ایسے تمام لوگ جاہلیت سے نکل کر اسلام میں پورے طور پر داخل نہیں ہوئے۔ جو اللہ کے مقابلے میں ہر چیز سے دستبردار نہیں ہوئے اور جنہوں نے اپنے تئیں مکمل طور پر اللہ کے حوالے نہیں کیا یہ مکمل دستبرداری اور تسلیم کامل وہ اسلام ہے جس کا حضرت ابراہیم علیہ السلام کو حکم ہوا اور انہوں نے اس کو قبول کیا۔

اِذْ قَالَ لَهٗ رَبُّهٗٓ اَسْلِمْ قَالَ اَسْلَمْتُ لِرَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ○

(بقرہ ۲: ۱۳۱)

(ترجمہ) ”جب (ابراہیم علیہ السلام سے) ان کے رب نے کہا کہ اپنے رب کے حوالے ہو جاؤ اور اس کی مکمل تابعداری کرو۔ انہوں نے کہا میں نے اپنے رب تئیں سارے جہان کے پروردگار کے حوالے کر دیا۔“

اور جس کا تمام مسلمانوں کو حکم ہے:۔

فَاِلٰهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ فَلَهٗٓ اَسْلِمُوْا. (حج ۲۲: ۳۴)

(ترجمہ) ”تمہارا معبود حاکم ایک ہی معبود حاکم ہے پس اسی کے حوالے ہو جاؤ اور مکمل تابعدار بن جاؤ۔“

اگر یہ نہیں ہے تو گویا اللہ سے جنگ ہے اس لئے اس مکمل اسلام کو ایک جگہ اللہ نے سلم کہا ہے یعنی یہ اللہ سے صلح ہے۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا ادْخُلُوْا فِي السِّلْمِ كَآفَّةً وَّلَا تَتَّبِعُوْا
خُطُوٰتِ الشَّيْطٰنِ اِنَّهٗ لَكُمْ عَدُوٌّ مُّبِيْنٌ ○ (بقرہ ۲: ۲۰۸)

(ترجمہ) ''اے ایمان والو! داخل ہو جاؤ اسلام میں پورے پورے اور شیطان کے قدموں پر مت چلو، بے شک وہ تمہارا کھلا دشمن ہے۔''

یاد رہے کہ جاہلیت سے مراد صرف بعثت نبوی کے قبل کی عرب کی زندگی ہی نہیں ہے بلکہ ہر وہ غیر اسلامی زندگی اور نظام ہے جس کا ماخذ وحی و نبوت اور کتاب الٰہی سنت انبیاء نہ ہو اور جو اسلام کے مسائل و احکام زندگی سے مطابقت نہ رکھتا ہو خواہ وہ عرب کی جاہلیت ہو یا ایران کی مزدکیت یا ہندوستان کی برہمنیت یا مصر کی فرعونیت یا ترکوں کی طورانیت یا موجودہ مغربی تمدن یا مسلمان قوم کی شرعی زندگی اور ان کے مختلف شریعت رسوم و عادات، اخلاق و آداب اور میلانات اور جذبات خواہ وہ قدیم ہوں یا جدید ماضی ہو یا حال۔

کفر کیا ہے؟

کفر ایک سلبی چیز نہیں ہے بلکہ ایک ایجابی و مثبت چیز بھی ہے وہ صرف دین اللہ کے انکار کا نام نہیں ہے بلکہ وہ ایک مذہبی اور اخلاقی نظام اور مستقل دین ہے جس میں اپنے فرائض و واجبات بھی ہیں اور مکروہات و محرمات بھی اس لئے یہ دونوں ایک جگہ جمع نہیں ہو سکتے اور ایک انسان ایک وقت میں ان دونوں کا وفادار نہیں ہو سکتا۔

میرے دوستو انبیاء کرام کفر کی پوری بیخ کنی کرتے ہیں وہ کفر کے ساتھ کسی رواداری اور مصالحت کے روادار نہیں ہوتے۔ کفر کے پہچان لینے کا بھی ان کو بڑا ملکہ ہوتا ہے اور اس بارے میں ان کی نگاہ بڑی دوررس اور باریک بین ہوتی ہے۔

اللہ تعالیٰ ان کو اس بارے میں پوری حکمت عطا فرماتا ہے۔ ان کی خداداد فراست اور بصیرت پر اعتماد کئے بغیر چارہ نہیں۔ دین کی حفاظت اس کے بغیر ممکن نہیں کہ کفر و اسلام کی جو سرحدیں انہوں نے قائم کیں ان کے جو نشانات مقرر کر دیئے ہیں ان کی حفاظت کی جائے اس میں ادنیٰ تساہل اور رواداری دین کو اتنا مسخ کر کے رکھ دیتی ہے کہ جتنا یہودی، عیسائی اور ہندوستان کے مذاہب مسخ ہو چکے ہیں۔

انبیاء کرام کے جانشین بھی اس بارے میں انہی کی فراست [illegible] وہ کفر یا کفر کی محبت یا اس کی اعانت جس لباس اور جس صورت میں بھی [illegible] ہو، جس قلب میں بھی ظاہر ہو وہ اس کو فوراً بھانپ لیتے ہیں [illegible] میں کوئی اشتباہ نہیں ہوتا اور اس کی مخالفت کرنے میں کوئی مصلحت ان کے [illegible] کفر کو مخاطب کر کے کہتے ہیں ۔

بہر رنگے کہ خواہی جامہ می پوش
من انداز قدت را می شناسم

ان کے زمانے کے کوتاہ نظر یا رند مشرب و صلح کل جو دین و کفر [illegible] فرق کرنا ہی کفر سمجھتے ہیں ان کی تضحیک کرتے ہیں اور [illegible] محتسب، واعظ اور خدائی فوجدار کا لقب دیتے ہیں لیکن وہ اپنا کام پورے اعتماد و استقلال کے ساتھ کرتے رہتے ہیں [illegible] زمانہ میں انہی لوگوں نے کی ہے۔

اور آج [illegible] سے محفوظ [illegible] انہی کی ہمت و استقامت اور تفقہ کا نتیجہ ہے۔ اللہ تعالیٰ [illegible] بچائے

جزاہم اللہ عن الاسلام و ولیہ ونبیہ خیر الجزاء .
وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین .

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد مدنیؒ چودھویں صدی ہجری میں ''حمیت وعزیمت'' کا پیکر مثالی

حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ کی وہ یادگار صدارتی تقریر جو ۱۸، ۱۹، مارچ ۱۹۸۸ء کو مدنی ہال دہلی میں منعقد سیمینار میں کی گئی تھی ہم یہ تقریر پڑھ کر اپنے کو ٹٹولیں کہ ان درخشاں وتابندہ نقوش کے آئینہ میں ہماری تصویر کیسی نظر آتی ہے اللہ تعالیٰ امت مسلمہ کے حق میں اسکو نافع بنائے!

الحمد للہ وکفیٰ وسلام علیٰ عبادہ الذین اصطفیٰ امابعد.

حضرات! میں نے رابطہ ادب اسلامی کے ایک جلسہ میں جو ابھی کچھ عرصہ قبل ہوا تھا، ''ادب التراجم'' (۱) کے عنوان سے شخصیتوں کے تعارف، سوانح نگاری کے آداب ونفسیات، اور تاریخ نویسی کی ذمہ داریوں کا ذکر کرتے ہوئے کہا تھا کہ جس طرح انسانی جسم، خارجی اشیاء، موسموں، مقامات، اور شہروں کا درجۂ حرارت و برودت (TEMPERATURE) ہوتا ہے اسی طرح الفاظ واوصاف کا بھی ایک درجۂ حرارت وبرودت ہوتا ہے اور ان کا استعمال اسی اعتبار کے ساتھ صحیح محل ومقام اور ممدوح وموضوع کے اعتبار سے ہونا چاہئے اگر اس میں تناسب ومطابقت اور احتیاط واحساس ذمہ داری اور ادائے شہادت کے فریضہ کا احساس نہیں کیا گیا تو وہ الفاظ اپنی قدر وقیمت کھو دیں گے،

---

(۱) یہ مضمون راقم سطور کے ادبی مضامین کے عربی مجموعہ ''نظرات فی الادب'' مطبوعہ بیروت شائع ہو گیا ہے۔

اور نہ صرف یہ کہ ان کی قدر و قیمت جاتی رہے گی، بلکہ جن کے لئے وہ الفاظ استعمال کئے گئے ہیں ان کی قدر و قیمت جہاں تک رہے گی بلکہ جن کے لئے وہ الفاظ استعمال کئے گئے ہیں ان کی قدر و قیمت اور ان کی عظمت و اہمیت کا احساس بھی نہیں ہو سکے گا، اور ایک واقف و باخبر انسان، نقاد معاصر، اور غائر نظر سے مطالعہ کرنے والے کو حسرت کے ساتھ کہنا پڑے گا۔

اب آبروئے شیوۂ اہل نظر گئی !

لیکن یہ ایک تلخ تاریخی حقیقت، اور ادبی و تصنیفی المیہ ہے کہ ان تعارفی و توصیفی الفاظ کا اکثر اور خاص طور پر پچھلے دور میں بڑی فیاضی اور بے احتیاطی کے ساتھ استعمال ہوا ہے۔ ''ایثار و قربانی'' ''جانبازی و سرفروشی'' ''مجاہدانہ کارنامے'' ''مجتہدانہ فکر و نظر'' حتی کہ نادر روزگار، نادرۂ عصر، اور عبقری شخصیت (GENIUS) جیسے الفاظ کا استعمال بھی اکثر مبالغہ آرائی کے ساتھ اور ضروری احساس ذمہ داری کے بغیر ہوا ہے۔

حمیت و عزیمت

انہیں تعارفی و توصیفی الفاظ میں ''حمیت'' و ''عزیمت'' کے لفظ ہیں، بلند پایہ اور امتیازی اوصاف بھی ہیں جن کی مصداق اسلامی تاریخ دعوت، وعزیمت، اصلاح و انقلاب اور جد و جہد میں ہر دور میں معدودے چند شخصیتیں ہوئی ہیں، جو کسی مخالف اسلام یا دشمن حق جبروتی طاقت سے مقابلہ پر آئیں۔ ''سلطان جائر'' ([illegible]) کے سامنے [illegible] اور عوامی جوش و خروش کی شکل میں بھی ظاہر ہوتا ہے) کے سامنے کلمۂ حق کہا گیا [illegible] صاحب [illegible] و سطوت سلطنت کے مقابلہ میں صف آرا [illegible] تھا، اور جس کے متعلق [illegible] کہا جاتا تھا کہ ''اس کی مملکت میں سورج غروب نہیں ہوتا'' [illegible] ''رخصت'' پر ''عزیمت'' کو اور [illegible] پر قید و بند اور طوق و سلاسل کو ترجیح دی [illegible] کہ اسلام کی [illegible]۔

[illegible] مشغول [illegible] کا سلطان

---

(۱) صحیح حدیث میں آتا ہے: ''الا ان افضل الجہاد کلمة حق عند سلطان جائر'' (مسند احمد بن حنبل ج ۳ صفحہ ۱۹) مسند ابی سعید الخدری۔

[illegible] اور ان کی زبان حال کہتی تھی

[illegible] ہے — [illegible] درد سا دل میں ہوتا ہے
[illegible] ہیں — [illegible] سارا عالم سوتا ہے

[illegible] ان الفاظ "حمیت" [illegible] کا استعمال بھی ہمارے پچھلے دور [illegible] جلسوں [illegible] والی تقریروں [illegible] ساتھ ہوا کہ ان الفاظ میں بھی کوئی جاذبیت اور وزن نہیں رہا۔

[illegible] شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی کا ذکر کرتے ہوئے [illegible] مکتوبات شیخ الاسلام [illegible] مولانا نجم الدین صاحب اصلاحی کے حصہ دوم (شائع شدہ ۱۹۵۲ء) کا مقدمہ لکھتے ہوئے پہلی بار لکھا تھا کہ:

[illegible] کے بارے میں [illegible]

ہے کہ [illegible] مرتوں وتمہاں صفت [illegible]

[illegible]

[illegible] عام [illegible] حیثیت سے [illegible]

[illegible] جاتے ہیں، اور [illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible] پڑا [illegible]

[illegible] وتاثرات کا ذکر [illegible]

مضمون کو مختصر [illegible] (۱) [illegible] ان اوصاف، حمیت، عزیمت، یا عزیمت [illegible] استعمال کیا گیا تھا [illegible]

---

(۱) مقدمہ [illegible]

ونظر ان کے صحیح وزن اور ان کے درجۂ حرارت اور ان کے سلسلہ میں اقبالؒ کے الفاظ میں '' دلوں کی تپش اور شبوں کے گداز'' پھر ان کے ہدف ونشانہ کی بلندی اور ان کے میدان کی وسعت اور اس میدان کی دشوار گزاری اور خار زاری سے اتنے نا آشنا تھے کہ لکھنے والے کا یہ احساس غالباً خلاف واقعہ نہ ہوگا کہ مولانا کے عقیدت مندوں کے وسیع حلقہ میں ان مضامین کے پڑھنے والوں میں سے ایک تعداد نے اس کو مولانا کی بلند پایہ ذات کے ساتھ ناانصافی شمار کیا اور اس کو مضمون نگار کی (جس کو خواہ نخواہ اس مجموعہ مکاتیب پر مقدمہ لکھنے کی زحمت دی گئی) بصیرت کی نارسائی اور قلم کی کوتاہ بیانی پر محمول کیا، لیکن مجھے اس کیفیت کے اظہار میں اب بھی کوئی تردد یا اس اظہار خیال پر ندامت وشرمساری کا کوئی احساس نہیں ہے، اور میں اب بھی ان دونوں امتیازی صفات کو مولانا کی کثیر الجہات اور عظیم الصفات والکمالات ذات میں مرکزی مقام، اور ان کو ان کی انفرادیت سمجھنے کے لئے ''شاہ کلید'' (MASTER KEY) کا درجہ دیتا ہوں، لیکن اس کے لئے ضروری ہے کہ جس جبروتی طاقت اور عظیم سلطنت کے مقابلہ میں وہ میدان میں آئے، اس کا (جہاں تک اسلام اور مسلمانوں، خلافت اسلامی اور آزاد ممالک اسلامیہ اور خود ہندوستان کا تعلق ہے) تاریخی کردار، اس کی اسلام دشمنی، اسلامی عظمت ووحدت کی بیخ کنی، اور خلافت اسلامیہ اور سلطنت عثمانیہ کے زوال واستیصال میں اس کا قائدانہ حصہ، جزیرۃ العرب، حجاز مقدس اور ان عرب ممالک پر اثر ونفوذ قائم کرنے کی کامیاب جدوجہد جو دعوت اسلامی کا منبع وسرچشمہ، مقامات مقدسہ پر مشتمل اور مسلمانوں کی عقیدت ومحبت کا مرکز ہیں، نیز اس عظیم مردم خیز تاریخ ساز تجدیدی واصلاحی تحریکوں اور علوم دینیہ واسلامیہ کے آخری مرکز ہندوستان پر غاصبانہ قبضہ اور وہاں کی اس مسلم آبادی پر جس نے اس ملک پر آٹھ سو ۸۰۰ برس تک بڑی شان وشوکت کے ساتھ حکومت کی تمدنی وتہذیبی، علمی و فکری، سیاسی وانتظامی طور پر اس کو چار چاند لگانے اور اس کو پہلی مرتبہ سیاسی وحدت و مرکزیت، انسانی وحدت ومساوات اور سماجی عدل وانصاف سے آشنا کیا، ان سفاکانہ مظالم کی داستان بھی سامنے ہو جن کا اعتراف انگریز مصنفین ومؤرخین اور عسکری وانتظامی

شعبے کے ذمہ داروں، نے بھی کیا ہے، اور جن کو پڑھ کر آج بھی رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں تاریخی عہد کے تقدم و تأخر کے لحاظ سے پہلے یہ داستان ہندوستان ہی کی کہانی سے شروع کرتے ہیں، جو انیسویں صدی کے وسط کا زمانہ ہے۔ اس کے بعد خلافت اسلامی سلطنت عثمانیہ اور بلاد عربیہ کے سلسلہ میں اس کے مجرمانہ سیاسی کردار کا ذکر کریں گے۔

۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی (جس کو انگریز مصنفین کی تقلید میں ۱۸۵۷ء کا غدر کہا جاتا رہا ہے) صحیح معنی میں عوامی اور قومی جدوجہد تھی اور ہندو مسلمان سب اس میں شریک تھے ہندوستان نے وطن دوستی، اتحاد و گرم جوشی اور جوش و ولولہ کا ایسا منظر کبھی نہ دیکھا تھا، جیسا کہ اس وقت دیکھنے میں آیا، پھر بھی یہ واقعہ ہے کہ قیادت اور رہنمائی کے میدان میں مسلمانوں کا پلڑا بھاری تھا، اس کے اکثر قائد مسلمان ہی تھے،(۱) اور جیسا کہ سر ولیم ہنٹر نے لکھا ہے:

''اس جنگ میں وہی چنگاریاں کام کر رہی تھیں جو حضرت سید احمد شہیدؒ کی تحریک اور مجاہدین نے فروزاں کی تھیں۔''

میرے بھائیو! جنگ آزادی کی یہ کوشش جب ناکام ہوئی تو انگریزوں نے ہندوستانیوں سے سخت انتقام لیا، جس کی داستان لرزہ خیز اور ہوش ربا ہے۔ یہ ایک قتل عام اور نسل کشی تھی، لیکن مسلمان خاص طور سے اس کا نشانہ تھے، اس لئے کہ انگریز یہ سمجھتے تھے کہ یہ اسلامی جہاد تھا اور مسلمان اس بغاوت کے بانی، قائد اور رہنما ہیں۔

ایک انگریز مصنف (HENRYMEAD) کہتا ہے:

''اس سرکشی کو موجودہ مرحلہ میں سپاہیوں کی بغاوت کا نام نہیں دیا جا سکتا، یقیناً اس کا آغاز سپاہیوں سے ہوا، لیکن بہت جلد اس کی حقیقت آشکار ہو گئی، یعنی یہ کہ یہ اسلامی

---

(۱) تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو راقم کی کتاب ''ہندوستانی مسلمان'' کا باب ''ہندوستان کی جنگ آزادی میں مسلمانوں کا حصہ'' صفحہ نمبر ۱۵۴-۱۸۰۔

بغاوت تھی۔ ''(۱)

ایک معاصر مؤرخ لکھتا ہے:

''ایک انگریز کا شیوہ یہ ہوگیا تھا کہ ہر مسلمان کو باغی سمجھتا تھا۔ ہر ایک سے پوچھتا ہندو ہے یا مسلمان؟ جواب میں مسلمان سنتے ہی گولی مار دیتا ہے۔ ''(۲)

پھر پھانسی کا سلسلہ شروع ہوا، عام شاہراہوں، سڑکوں پر پھانسی کے تختے لگا دیئے گئے اور یہ جگہیں انگریزوں کی تفریح اور دلچسپی کا مرکز بن گئیں، جہاں آ کر وہ پھانسی پانے والوں کے سسکنے اور دم توڑنے کے وقت کا لطف لیتے، سگریٹ کا کش لگاتے اور آپس میں باتیں کرتے رہتے، جب پھانسی کا کام پورا ہوجاتا اور وہ مظلوم شخص آخری سانس لیتا تو ہنسی اور مسکراہٹ کے ساتھ اس کا استقبال کرتے، ان بدنصیبوں میں بڑے بڑے ذی وجاہت اور اشراف تھے، بعض مسلم محلے اس طرح تہہ تیغ کر دیئے گئے کہ ایک فرد بھی باقی نہ بچا۔

ایک معاصر مؤرخ لکھتا ہے:

''ستائیس ہزار ۲۷۰۰۰ اہل اسلام نے پھانسی پائی، سات دن برابر قتل عام رہا، اس کا حساب نہیں، اپنے نزدیک گویا نسل تیموریہ کو نہ رکھا، مٹا دیا، بچوں تک کو مار ڈالا، عورتوں سے جو سلوک کیا بیان سے باہر ہے، جس کے تصور سے دل دہل جاتا ہے۔ ''(۳)

میل سن لکھتا ہے:

''ہمارے فوجی افسر ہر قسم کے مجرموں کو مارتے پھرتے تھے، اور کسی درد و تاسف کے بغیر انہیں پھانسیاں دے رہے تھے، گویا وہ کتے تھے یا گیدڑ، یا نہایت ادنی قسم کے کیڑے مکوڑے۔ ''(۴)

<LORD ROBERTS >,<FORTY ONE YEARDS IN INDIA>. P 152(1)

(۲) ۱۸۵۷ء، از غلام رسول مہر۔

(۳) قیصر التواریخ جلد دوم، از سید کمال الدین حیدر صفحہ نمبر ۴۵۴۔

(۴) میلی سن، جلد دوم صفحہ نمبر ۱۷۷۔

فیلڈ مارشل لارڈ رابرٹس نے ۲۱ جون ۱۸۵۷ء کو اپنی والدہ کو ایک خط میں لکھا:

''سزائے موت کی سب سے زیادہ موثر صورت یہ ہے کہ مجرم کو توپ سے اڑا دیا جائے۔ یہ بڑا ہی خوفناک نظارہ ہوتا ہے، لیکن موجودہ وقت ہم احتیاط پر کاربند نہیں ہو سکتے، ہمارا مقصد ان بدمعاش مسلمانوں پر یہ ظاہر کرنا ہے کہ خدا کی مدد سے انگریز اب بھی ہندوستان کے مالک رہیں گے۔''(۱)

ان سفاکانہ مظالم اور قتل عام کے بعد دوسرا قدم یہ تھا کہ مسلمانوں پر معاش کے دروازے بند کئے جائیں، ان کے اوقاف اور جائدادوں کو ضبط کیا جائے، جن سے ان کے مدارس اور ادارے چلتے ہیں، ایسے مدارس کھولے جائیں اور ایسا تعلیمی نظام قائم کیا جائے جس سے مسلمان فائدہ نہ اٹھا سکیں، اسی کے ساتھ ہندوستانی مسلمانوں کی متعدد جلیل القدر ہستیوں کو حبس دوام بہ عبور دریائے شور کی سزا دے کر انڈمان روانہ کر دیا گیا۔(۲) جن میں سے کئی حضرات نے وہیں وفات پائی۔

دوستو اور بزرگو! یہ حالات وحقائق تھے جنہوں نے اہل حمیت مسلمانوں اور خاص طور پر ان علمائے ربانی اور اساطین ایمانی کے (خالص دینی حمیت، انسانی غیرت اور حب الوطنی کے جذبہ سے) دلوں کو زخمی کر دیا، ان میں سرفہرست حضرت سید احمد شہیدؒ کی جماعت قدسیہ کے باقی ماندہ افراد، مسلک ولی اللہی کے حامل، اور وہ عالی نظر علماء تھے، جو انگریزی حکومت اور اقتدار کو اسلام اور مسلمانوں کا سب سے بڑا حریف، مادی ولادینی تحریک کا علم بردار، پورے مشرق وایشیا کی عزت کو خاک میں ملانے والا، اور دنیا کی تہذیب وسیاست کو ایسا رخ دینے والا سمجھتے تھے، جس میں روحانیات واخلاقیات بلکہ انسانی قدروں کے بھی پنپنے اور باقی رہنے کی کوئی گنجائش نہیں۔

دارالعلوم دیوبند کے صدر مدرس شیخ الہند حضرت مولانا محمود حسن رحمۃ اللہ علیہ اور ان

---

(۱) EDWARD THOMPSON , THE OTHER SIDE OF THE MEDAL -P.40 (1926)

(۲) مثلاً مولانا یحییٰ علی صاحب صادق پوری، مولانا محمد جعفر تھانیسری، مولانا فضل حق خیرآبادی، مولانا مفتی عنایت احمد کاکوروی وغیرہ۔

نے تلامذہ نے اس سلسلہ کو آگے بڑھایا اور اس کی قیادت کی۔

ہندوستان کے اس حصہ کو ہم اسی جگہ چھوڑتے ہوئے اب خلافت اسلامیہ، سلطنت عثمانیہ اور بلاد عربیہ کی طرف آتے ہیں۔

مغربی طاقتوں نے خلافت اسلامیہ اور سلطنت عثمانیہ کو ہمیشہ اس نظر سے دیکھا کہ وہ ایک طرف اسلام کی پاسبان، مسلمانوں کی عزت، عظمت کا نشان، حجاز مقدس، جزیرۃ العرب اور مقامات مقدسہ کی امین اور ان کی حفاظت کا حصار اور مسلمانوں کی سیاسی طاقت، وحدت، خود اعتمادی و خودشناسی کی ضامن و محافظ ہے، دوسری طرف وہ یورپ کے سینہ پر ایک کیل ہے جس نے اس کو صدیوں سے بے چین کر رکھا ہے، اس احساس میں برطانیہ جس نے چھٹی صدی ہجری اور بارہویں صدی عیسوی میں صلیبی جنگ میں بھی قائدانہ کردار ادا کیا تھا، اور ''شیر دل'' رچرڈ نے اس کی نمائندگی کی تھی، پیش پیش تھا، اسی کی تحریک اور اشارہ سے بلقان کی جنگ کا طویل سلسلہ شروع ہوا، جس کا مقصد یورپ میں ترقی کی مقبوضات اور مستعمرات کو آزاد کرانا اور ترکی سلطنت کو کمزور اور محدود سے محدود تر کر دینا تھا، اسی سلسلہ کا ایک اہم حصہ شریف مکہ (شریف حسین) کو ترکوں کے خلاف بغاوت پر آمادہ کرنا اور ان کو خلافت کے منصب پر فائز کرنے کا وعدہ تھا، ۱۹۱۴ء میں جب جنگ عظیم کا آغاز ہوا تو برطانیہ کے نمائندے اور مصر کے امور کے ذمہ دار لارڈ کچز نے شریف حسین کو ان کے صاحبزادہ شاہ عبداللہ اور دوسرے با اثر لوگوں کے ذریعہ اتحادیوں کا ساتھ دینے اور خلیفۂ عثمانی کے خلاف بغاوت کرنے پر آمادہ کر لیا، اور ان کو منصب خلافت پر فائز ہونے اور حجاز کا مطلق العنان حاکم بننے کے سبز باغ دکھا کر اور مؤکد وعدوں اور تحریری دستاویزوں کے ذریعہ اس اقدام پر آمادہ کر لیا، جو مسلمانوں کی پچھلی تاریخ میں عرصہ دراز تک ایک بدنما داغ اور ایک شرمناک واقعہ کے طور پر ذکر کیا جاتا رہے گا۔ ۳۰ اگست ۱۹۱۵ء سے ۱۸ فروری ۱۹۱۶ء تک حکومت برطانیہ کے مؤقر نمائندوں اور شریف مکہ کے درمیان خطوط اور رسائل کا تبادلہ ہوتا رہا، اور ان کو یقین دلایا جاتا رہا کہ ان کو اس اقدام کا پورا صلہ اور انعام ملے گا، لیکن جنگ عظیم کے خاتمہ پر ۱۹۱۸ء

میں جب روز روشن کی طرح یہ حقیقت سامنے آگئی کہ یہ سب وعدے سیاسی فریب اور نقش برآب تھے، ان کے بلند حوصلہ صاحبزادہ فیصل بن حسین کو شام سے جسے انہوں نے سابقہ وعدوں کی بنا پر اپنے قبضہ میں لے لیا تھا، بیک بني ودو گوش'' نکلنا پڑا، اور فرانس نے اس ملک کا چارج لیا، اسی طرح لبنان پر فرانس نے اور فلسطین و بیت المقدس پر برطانیہ نے اپنا انتداب قائم کیا تو ان سب معاہدات کی قلعی کھل گئی، جو برطانیہ اور شریف حسین کے درمیان ہوئے تھے ۔ اس زمانہ میں جب عرب پورے اخلاص کے ساتھ خلافت عثمانی کے بالمقابل اتحادیوں کے حلیف بن کر ترکوں سے لڑ رہے تھے، روس میں کمیونسٹ انقلاب آیا، اور ۱۹۱۷ء میں کمیونسٹ حکومت قائم ہوئی، اس وقت وہ تمام خفیہ معاہدے منظر عام پر آگئے جو قیصر کی حکومت کے زمانہ میں ہوئے تھے، یا جس میں وہ ایک فریق تھے، انہیں معاہدات اور دستاویزوں میں سائیکس بیکو کا وہ معاہدہ تھا جو برطانیہ اور فرانس کے درمیان ۱۹۱۶ء میں ہوا تھا، جس میں فریقین نے جنگ میں فتح حاصل کرنے کے بعد مشرق وسطی میں سلطنت عثمانیہ کو مردہ آدمی کے ترکہ کی طرح تقسیم کیا تھا، اور اس کے حصے بخرے کر دیئے تھے۔ شریف حسین کو ترکوں کے واسطے سے جب اس کا علم ہوا تو انہوں نے برطانیہ سے اس کی حقیقت معلوم کی، انگریزوں نے اس وقت بھی یہی کہا کہ وہ اپنے قدیم وعدوں پر قائم ہیں اور وہ عربوں کی آزادی اور عربی وحدت کے اعلان کا بھی عزم کر چکے ہیں لیکن جلد ہی اس فریب کا پردہ چاک ہو گیا، اور ۳۰ اکتوبر ۱۹۱۸ء کو برطانیہ اور فرانس نے سائیکس بیکو کے معاہدہ ہی کے مطابق شام و فلسطین و عراق کو تقسیم کر لیا، جس میں شام، صوبہ بیروت، جبل لبنان و کیلیکیا شام کے حصہ میں فلسطین و عراق انگریزوں کے حصہ میں آئے، اور شریف حسین کو حجاز چھوڑ کر پہلے اپنے صاحبزادہ شاہ عبداللہ کے پاس عمان پھر قبرص میں پناہ لینی پڑی، جہاں انہوں نے غریب الوطنی اور کسمپرسی کی حالت میں ۱۹۲۱ء میں جان دی۔

عرب فاضل محمد جمیل بیہم اپنے فاضلانہ مقالہ ''انتفاضات العرب القومية'' شائع شدہ ''مجلة اللغة العربية'' دمشق (ستمبر ۱۹۷۴ء) میں لکھتے ہیں کہ:

''میں شریف حسین سے قبرص میں جو ان کی جلاوطنی کی جگہ تھی، جب ۱۹۲۹ء میں ملا تو روئی کے ایک تھیلہ میں بندھے ہوئے ان معاہدات کو انہوں نے مجھے دکھایا۔ جب میں نے ان سے ان کی یادداشتوں کے ایک سلسلہ میں ترتیب دینے کی اجازت طلب کی تو انہوں نے کہا: اتر کھا علی بر کات اللہ'' (۱)

میرے دوستو! راقم سطور جب ۱۹۵۱ء میں بیت المقدس حاضر ہوا تو مسجد اقصیٰ کی ایک حاضری کے موقعہ پر ایک معمر بزرگ سے ملاقات ہوئی جو مفتی سید امین الحسینی صاحب مرحوم کے رفیق اور معتمد رہ چکے تھے، انہوں نے کہا کہ میں ایک مرتبہ مفتی صاحب کی ہمرکابی میں شریف حسین کی عیادت کے لئے عمان گیا، ہمیں دیکھ کر شریف مکہ نے کہا کہ مجھے بٹھا دو، ان کو بٹھا دیا گیا، انہوں نے شاہ عبداللہ کو خطاب کر کے کہا:

"یا عبداللہ! اعتبر، اذکر اتعظ"

(ترجمہ) (عبداللہ! عبرت حاصل کرو، ہوش کی آنکھیں کھولو، سبق لو، یہ انگریز کسی کے نہیں ہیں۔)

شاہ عبداللہ نے کہا کہ آرام فرمائیے، آرام فرمائیے! اور ان کو لٹا دیا۔

ترکی کے حصے بخرے کرنے اور بلاد عربیہ اور جزیرۃ العرب پر اپنا سیاسی اثر و نفوذ اور تسلط قائم کرنے سے زیادہ خطرناک وہ دوررس، انقلاب انگیز اور منحوس فیصلے اور تبدیلیاں تھیں جو برطانیہ نے ترکی کی نئی قائم ہونے والی سلطنت سے (جس کی قیادت مصطفےٰ کمال پاشا اتاترک کر رہے تھے) کرائیں، اور جنہوں نے ترکی کو خلافت اسلامی کا امین و محافظ، ایک پرجوش، جاں نثار، حامی اسلامی، سربکف مجاہد اور جزیرۃ العرب اور مقامات مقدسہ کا متولی بننے کے بجائے ایک لادینی، آزاد مغربی طرز کی سیکولر سلطنت بننے میں تبدیل کر دیا۔ مارچ ۱۹۲۴ء کی تاریخ تھی جب قسطنطنیہ کی مجلس وطنی نے الغاء خلافت کا فیصلہ کیا، یہ فیصلہ مغربی طاقتوں، بالخصوص برطانیہ کے اشارہ بلکہ اصرار سے عمل میں آیا۔ "تاریخ الدولة العثمانیه" کا فاضل مصنف ڈاکٹر علی حسون لکھتا ہے:

(۱) ایضاً ص ۲۶۔

"انگلستان نے اس اعلان کے فورا بعد ترکی کو بحیثیت ایک آزاد سلطنت کے تسلیم کیا اور اسکی فوجیں ترکی کے حدود سے باہر نکل آئیں، برطانوی پارلیمنٹ کے ایک ممبر نے مجلس عوام (HOUSE OF COMMONS) میں اس کارروائی پر احتجاج کیا، اس کا جواب کرزن نے ان الفاظ میں دیا کہ:

"مسئلہ یہ ہے کہ ترکی کا ایسا زوال عمل میں آگیا ہے کہ اس کے بعد پھر اس کا عروج نہیں ہوگا، اس لئے کہ ہم نے اس کی روحانی ومعنوی طاقت (خلافت اسلامی) کو ختم کردیا ہے۔"(۱)

اس کے ساتھ یہ بھی ایک تاریخی حقیقت ہے کہ لوزان کانفرنس میں برطانوی وفد کے صدر کرزن نے ترکی کو تسلیم کرنے کے لئے چار شرطیں رکھی تھیں، (۱) خلافت اسلامیہ کا مکمل خاتمہ، (۲) خلیفۃ المسلمین کی جلاوطنی، (۳) ان کے مال وجائداد کی ضبطی، (۴) حکومت کے لادینی (سیکولر) ہونے کا اعلان، جس کو اگرچہ ترکی وفد نے اس وقت منظور نہیں کیا لیکن کمال اتاترک کی کوششوں سے بالآخر پارلیمنٹ نے اس کو منظور کیا، اور مغربی طاقتوں کا جس میں برطانیہ پیش پیش تھا، وہ خواب پورا ہوا جو عرصہ سے دیکھ رہی تھی۔

یہ وہ تاریخی سانحہ اور المیہ تھا جس نے ہندوستان کے مسلمانوں کو اور ان میں سب سے زیادہ علماء کے طبقہ کو اور ان میں بھی اس جماعت کو جس کے دل میں حمیت اسلامی کا دریا جوش مار رہا تھا اور جس کو اپنے اسلاف سے عزیمت وجہاد، حب فی اللہ اور بغض فی اللہ کی دولت ورثہ میں ملی تھی، بے چین اور مضطرب بنادیا اور مغربی طاقتوں، بالخصوص برطانیہ کے خلاف ایک ایسی نفرت، بیزاری پیدا کردی جس کی نظیر برطانیہ کے دوسرے مقبوضہ ممالک میں دیکھنے میں نہیں آئی، ان کی اس حمیت اسلامی نے تحریک خلافت کی شکل میں وہ عظیم تحریک پیدا کی جس کی دوسرے اسلامی ملکوں میں نظیر نہیں ملتی۔

---

(۱) [illegible] ۳۰۲ [illegible] دمشق بیروت۔

طبقۂ علماء میں اس کے نمایاں ترین قائد حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسن دیو بندی، مولانا قیام الدین عبد الباری لکھنوی، مولانا معین الدین اجمیری، مولانا حسین احمد مدنی، مولانا مفتی کفایت اللہ دہلوی، مولانا ابوالمحاسن محمد سجاد بہاری، مولانا ابوالکلام آزاد، مولانا سید سلیمان ندوی، مولانا سید عطاء اللہ شاہ بخاری، مولانا حبیب الرحمن لدھیانوی، مولانا سید محمد داؤد غزنوی وغیرہ، اور طبقۂ علماء کے باہر رئیس الاحرار مولانا محمد علی، مولانا شوکت علی، مولانا حسرت موہانی، مولانا ظفر علی خاں، حاذق الملک حکیم اجمل خان اور ڈاکٹر انصاری وغیرہ تھے۔

دسمبر ۱۹۱۶ء میں حضرت شیخ الہند اور آپ کے رفقاء کو جن میں مولانا سید حسین احمد صاحب مدنی، مولوی عزیر گل صاحب، حکیم مولوی نصرت حسین صاحب تھے، حجازی حکام نے گرفتار کر کے انگریزی حکومت کے حوالہ کر دیا، جس نے انہیں پہلے مصر پھر مالٹا میں اسیر و نظر بند رکھا، یہ حضرات وہاں تین سال دو ماہ رہ کر فروری ۱۹۲۰ء میں رہا ہو کے جون ۱۹۲۰ء میں ہندوستان آئے، لیکن حکیم نصرت حسین صاحب کو وہیں کا وہیں انتقال ہوا۔(۱)

تحریک خلافت نے ہندوستان میں جو جوش ایمانی، غیرت اسلامی، حمیت دینی، بلند نگاہی اور مصائب و محن پر صبر و استقامت کی شان پیدا کر دی تھی، اس کو "حمیت" و "عزیمت" کے الفاظ سے بہتر الفاظ (بشرطیکہ ان کے صحیح وزن اور درجہ حرارت کو سمجھا جائے) نہیں مل سکتے، اور اس کا مظہر اتم اور نمونۂ کامل حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی تھے، جن کی انگریز دشمنی اور حمیت دینی فکری و اعتقادی حدود سے آگے بڑھ کر قلبی وجذباتی نفرت و عداوت اور قال سے آگے بڑھ کر حال میں تبدیل ہوگئی۔(۲) اس موقعہ پر مولانا کے ایک مکتوب کا اقتباس پیش کر رہا ہوں جس سے ان کی دینی حمیت،

---

(۱) اس وقت ان کی عمر ۲۹ سال تھی۔ (۲) اس کا کسی قدر اندازہ مولانا کی مجلس میں بیٹھنے والوں، اور فجر کی نماز میں قنوت نازلہ سننے والوں کو ہو سکتا تھا۔ جب مولانا دشمنان اسلام کے لئے اللھم دمر دیارھم ونکس اعلامھم وزلزل اقدامھم وفل حدھم اھزم جندھم، اللھم خذھم اخذ عزیز مقتدر کے الفاظ ادا کرتے تو معلوم ہوتا تھا کہ محراب میں اس کے اثر سے شگاف پڑ جائیں۔

انگریز دشمنی اور حب الوطنی کا کس قدر اندازہ ہوتا ہے اور اس کے اسباب پر روشنی پڑتی ہے، اس کی مزید تفصیل اور شرح وبسط "نقش حیات" میں ملے گا۔ (۱)

دشمن کی حقیقت

"میرے محترم دوست! آپ کو معلوم ہے کہ اگر چہ تمام غیر اسلامی مذاہب اور ان کے ماننے والے اسلام اور مسلمانوں کے دشمن ہیں، مگر سب دشمن ایک طرح کے نہیں ہوتے، کوئی بڑا ہے کوئی چھوٹا ہے، ہر دشمن سے اس کے درجہ کے موافق مقابلہ کرنا لازم ہوتا ہے، جب سے اسلام نے ظہور کیا ہے، انگریز کے برابر اسلام اور مسلمانوں کو کسی قوم نے نقصان نہیں پہنچایا، انگریز دو سو ۲۰۰ برس سے زیادہ عرصہ سے اسلام کو فنا کر رہا ہے۔ اس نے ہندوستان کی اسلامی طاقت کو فنا کیا، بادشاہوں اور نوابوں اور امراء کو قتل کیا، ان کی فوجوں کو برباد کیا، حکومت ہائے اسلامیہ کو تہہ و بالا کیا، خزانوں کو لوٹا، اپنے اقتدار کا خزانہ قائم کیا، اپنے قوانین کو جاری کیا، ہندوستان کی تجارت، صنعت وحرفت، علم، تہذیب وغیرہ کو برباد کیا، ٹیکسوں اور تاوانوں وغیرہ کے ذریعہ سے ہر قسم کی مالی لوٹ جاری کر کے اپنے ملک ومنی اور ہندوستان کو کنگال بنایا۔ ہندوستانیوں اور بالخصوص مسلمانوں کو انتہائی ذلیل نادار، بیکار، بے روزگار بنایا۔ مسلمانوں سے ہندوستان کے دوسرے مذہب والوں کو متنفر کر کے دشمنی کی آگ بھڑکائی اور ہر جگہ بے ہتھیار اور کمزور کیا، ہندوستان میں اسلامی قوانین کے خلاف شراب اور منشیات کی آزادی، زنا اور بدکاری کی آزادی، الحاد وزندقہ وارتداد کی آزادی، عدالتوں میں خلاف اسلام قانون کا اجراء اور وہاں کے موافق فیصلے جاری کئے، محکمہ قضا کے خلاف معاہدہ مٹا کر مسلمانوں کے اسپیشل قوانین کو ملیامیٹ کیا، وغیرہ وغیرہ۔ ہندوؤں کو قصداً بڑھا کر ہر محکمہ اور ہر شعبۂ زندگی میں قومی تر کیا، اور سود در سود کو جاری کیا۔ غرض کہ ہر طرح سے اسلام اور مسلمانوں کو ہندوستان میں برباد کیا، اور جب کہ مسلمانوں نے اپنے فطری اور شرعی حق آزادی کے لئے جدوجہد کی تو ان پر اس قدر مظالم کئے کہ ان کی یاد سے بھی دل تھراتا ہے۔ ۱۸۵۷ء کی تاریخ اور ان سے پہلے

---

(۱) [illegible] ص ۱۳۱ تا [illegible] ج ۱ ص ۳۳۲۔

کے واقعات دیکھئے، معاہدات اور وعدے جو ۵۷ء سے پہلے کئے تھے اور ۵۷ء میں ہوئے، ان کو بار بار توڑتے رہے، غرض کہ ہندوستانی مسلمانوں کے خصوصاً اور تمام ہندوستان کے باشندوں کے ساتھ عموماً وہ شرمناک معاملے کئے کہ وہ ہندوستان جو کبھی جنت نشان تھا جہنم نشاں بن گیا، وہ ہندوستان جو کہ دولت وثروت کا مرکز تھا وہ فقر و فاقہ، افلاس وتنگدستی کا اڈہ ہوگیا۔ وہ ہندوستان جو کہ علم وحکمت کا سمندر تھا، وہ جہالت اور بد دینی کا چٹیل میدان ہوگیا، وہ ہندوستان جو تمام دنیا کا محتاج الیہ تھا، وہ سب سے زیادہ مفلس، قلاش، مسکین، فاقہ مست، بے کمال، بے روزگار، گرانی اور پس ماندگی کا شکار ہوگیا، یہ مظالم تو تھے ہی جن میں مسلمان سب سے زیادہ تباہ ہوئے۔"(۱)

برطانیہ کی اسلام دشمنی کا دوسرا اور ممالک عربیہ اور مقامات مقدسہ کو (جن کی وحدت اور آزادی کے وعدہ پر شریف حسین کو خلیفۃ المسلمین اور سلطنت عثمانیہ کے خلاف آمادہ کیا تھا) ہمیشہ کے لئے داؤں پر لگا دینے کا منحوس اقدام، فسلطین میں اسرائیل کی آزاد حکومت کا قیام ہے جو ۱۹۴۸ء میں خالص برطانیہ کی سرپرستی میں عمل میں آیا، اور جو عالم عربی کے جسم میں ایک ناسور کی حیثیت رکھتا ہے اور جس نے پورے فلسطین صنفہ غربیہ اور سینا اور لبنان کو یہودیوں کے رحم وکرم پر چھوڑ دیا ہے۔ اس سے بڑھ کر اسلام دشمنی اور عربوں کے مفاد کے خلاف اس پچھلے عہد میں کسی مغربی طاقت کی طرف سے کوئی منصوبہ یا اقدام وجود میں نہیں آیا۔

حضرات یہاں اس تاریخی حقیقت کا اظہار ضروری معلوم ہوتا ہے کہ ہندوستان جیسے عظیم ملک پر سات سمندر پار کی ایک بدیشی قوم کا جس کی تہذیب، کلچر، زبان، مذہب اور سیاسی مقاصد اس ملک سے کوئی میل نہیں کھاتے تھے، حکومت کرنا ایک غیر فطری، غیر عقلی اور غیر اخلاقی صورت حال تھی، جس میں زیادہ دنوں تک باقی رہنے کی صلاحیت نہیں تھی، کسی نہ کسی دن ملک کی روح اور ضمیر کا اس کے خلاف بغاوت کرنا اور اس کی حکومت

---

(۱) مکتوبات شیخ الاسلام حصہ دوم صفحہ ۸۱، ۸۲، ۸۴ مرتبہ مولانا نجم الدین اصلاحی۔

کے جوئے کو اتار کر پھینک دینا اور ملک کا آزاد ہو جانا ایک فطری عمل تھا، اور زمانہ قریب و بعید میں اس ملک کا آزاد ہونا تقدیر الٰہی اور اقوام و ملل کی تاریخ کا پرانا تجربہ اور بار بار پیش آنے والا واقعہ تھا، اس لئے اس جنگ آزادی میں جو اس ملک کے محبان وطن اور باعزت او رباضمیر انسانوں نے انیسویں صدی کے آخر ہی میں شروع کر دی تھی، مسلمانوں کا قائدانہ حصہ لینا، اس میں بھی خصوصیت کے ساتھ طبقۂ علماء کا پیش پیش ہونا، نہ صرف حب الوطنی کا تقاضا اور اس ملک کا (جس میں انہوں نے صدیوں تک امن وامان اور سکون واطمینان کے ساتھ آزاد مذہبی زندگی گزاری تھی اور دین وعلوم دینیہ کی خدمت کی تھی) اخلاقی و دینی فرض تھا، بلکہ دینی بصیرت، بالغ نظری، حقیقت پسندی اور انجام بینی کا بھی تقاضا تھا، اس لئے کہ جس ملک کو اجنبی طاقت سے آزاد کرانے میں اہل دین کا قائدانہ حصہ نہیں ہوتا، اس ملک کے آزاد ہونے کے بعد ان کو اس ملک میں اپنے ملی تشخص کے بقا اور اس سرزمین پر عزت واعتماد کے ساتھ رہنے کا مطالبہ کرنے اور اس کے لئے جدو جہد کرنے کا موقع نہیں رہتا اور وہ اس ملک کی جدید تعمیر وتشکیل میں آزادانہ و مساویانہ حصہ لینے کے مدعی اور طلبگار نہیں بن سکتے کہ الغنم بالغرم (نقصان اٹھانے کے بقدر فائدہ حاصل کرنے کا استحقاق ہوتا ہے) کا اصول ہر زمانہ میں تسلیم کیا گیا ہے۔

شیخ الاسلام مولانا حسین احمد مدنی، ان کی جماعت (جمعیۃ العلماء) ان کے رفقائے کار، اور جنگ آزادی میں حصہ لینے والے اور اس کے سلسلہ میں قید و بند کی مصیبتیں اٹھانے والے مخالفین کی ناراضگی اور مقاطعہ کا نشانہ بننے والے علماء اور اہل دین کا (جن کا سرخیل اور پیشوا شیخ الاسلام مولانا مدنیؒ تھے) ملت اسلامیہ ہندیہ پر یہ بہت بڑا احسان ہے کہ انہوں نے اپنی قربانیوں، خلوص و بے غرضی، ہمت وعزیمت اور صبر و استقامت سے (جو اکثریت کے بڑے سے بڑے قائدین کی قربانیوں سے کم نہیں) ہندوستان کی ملت اسلامی کو اس قابل بنا دیا کہ وہ اس سرزمین پر اعزاز وافتخار کے ساتھ سر اونچا کر کے چلے، بڑی سے بڑی سیاسی اور مدعی ایثار وقربانی جماعت سے آنکھیں ملا کر بات کرے، اور اپنے دین وشریعت، اپنی زبان وتہذیب، اپنے عائلی قانون (PERSONAL LAW) اور ملک کی آئین سازی اور نظام تعلیم میں اپنے تشخص اور اپنی ملی ضروریات کے تحفظ کا

(احساس کمتری کے ادنیٰ شائبہ کے بغیر) مطالبہ کرے اور اس کے لئے جدوجہد کو جائز ہی نہیں ضروری سمجھے، یہ ملت پر اتنا بڑا احسان ہے جس سے وہ کبھی سبکدوش نہیں ہو سکتی اور تاریخ اسے کبھی فراموش نہیں کر سکتی، ان دینی قائدین اور مجاہدین آزادی کو بانگ دہل یہ اعلان کرنے کا حق ہے کہ

ـــہ آغشتہ ایم ہر سرِ خارے بخونِ دل
قانون باغبانی صحرا نوشتہ ایم

حضرات! ہندوستان کی ملت اسلامی ملک کے آزاد ہونے ۳۰/۴۰ سال بعد پھر ایک ایسے دوراہے پر پہنچ گئی ہے جہاں سے ایک راستہ ملت کے اپنے دینی، تہذیبی لسانی و ثقافتی تشخص کے ساتھ باقی رہنے کی طرف جاتا ہے، دوسرا راستہ اپنے ہر قسم کے ملی، دینی و تہذیبی تشخص (IDENTITY) سے محرومی اور تعلیمی پالیسی، لسانی فارمولے، ذرائع ابلاغ، یکساں سول کوڈ (UNIFORM CIVIL CODE) اور جارحانہ احیائیت (AGGRESSIVE REVIVALISM) معنوی نسل کشی (CULTURAL GENOCIDE) کی طرف لے جاتا ہے۔ اس موقعہ پر پھر ایسے رہنما یا رہنماؤں کی ضرورت ہے جو حضرت مدنی کی حمیت و عزیمت کے ساتھ میدان میں آئیں اور اس ملت کو عرصہ تک کے لئے ان خطرات سے محفوظ کریں۔

حضرت مدنیؒ کا اصول زندگی

آخر میں اپنی تقریر کو خود حضرت مدنیؒ کے ایک پسندیدہ شعر پر ختم کرتا ہوں، جس کو انہوں نے اپنا اصول زندگی بنا لیا تھا اور جس کا مفاد یہ ہے کہ وہ ''شاہ خوباں'' (خدائے بالا و برتر) اپنی رضا و مقبولیت اور خلق خدا میں اعتماد و قبولیت کا جام ''سرکشیدہ'' کے بجائے ''سر بریدہ'' کو اور ''خود بینی و خود رستی'' کے بجائے ایثار و قربانی کو اپنا شعار بنانے والے کو اور ان کو عطا فرماتا ہے جو ''فنا'' کے راستہ سے ''بقا'' تک پہنچتے ہیں۔

یہ شعر مولانا نے اپنے ایک مخلص خادم کو لکھا تھا اور وہ خط ہمارے خاندانی مرقعۂ خطوط میں محفوظ ہے

ـــہ نمی دانی کہ آں شاہ نکو نام
بدست سر بریدہ می دہد جام

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

سیرت کا پیغام
موجودہ دور کے مسلمانوں کے نام

الحمد للہ رب العالمین والصلوٰۃ والسلام علی سید الانبیاء والمرسلین وعلی آلہ وصحبہ اجمعین اما بعد! اعوذ باللہ من الشیطان الرجیم بسم اللہ الرحمٰن الرحیم. لقد کان لکم فی رسول اللہ اسوۃ حسنۃ.

بعثت رسول ﷺ کا منظر:

محترم حضرات! سب جانتے ہیں کہ جس وقت رسول اللہ ﷺ کی بعثت ہوئی دنیا کچھ ویران اور کوئی قبرستان نہ تھی، زندگی کا چکر جس طرح اس وقت چل رہا ہے بہت تھوڑے سے فرق کے ساتھ اس وقت بھی چل رہا تھا، سارے کاروبار آج کی طرح ہو رہے تھے، تجارت بھی تھی، زراعت بھی تھی، اور حکومتوں کا نظام چلانے والے اور ان کی مشنری میں فٹ ہونے والے بھی موجود تھے، اس وقت کی دنیا، لوگ اس زندگی پر بالکل قانع اور مطمئن تھے، اور ان کو اس میں کسی ترمیم یا اصلاح یا تبدیلی کی ضرورت محسوس نہیں ہوتی تھی۔

لیکن اللہ تعالیٰ کو اپنی زمین کا نقشہ اور دنیا کی یہ حالت بالکل پسند نہ تھی، حدیث میں اس زمانے کے متعلق ہے۔

ان اللہ نظر الی اهل الارض فمقتهم عربهم وعجمهم الا بقایا عن اهل الکتاب.

(ترجمہ) (اللہ تعالیٰ نے اہل زمین پر نظر ڈالی اس نے روئے زمین کے تمام باشندوں کیا

عرب کیا عجم سب کو بے حد ناپسند فرمایا اور وہ ان سے بے زار ہوا، سوائے چند اہل کتاب کے)

ایسی حالت میں اللہ تعالیٰ نے آقائے نامدار محمد ﷺ کو مبعوث فرمایا اور آپ ﷺ کے ساتھ ایک پوری قوم کے ظہور کا سامان کیا، ظاہر ہے کہ ان کو کسی ایسے مقصد کے لئے پیدا کیا تھا، جو دوسری قوموں سے پورا نہیں ہو رہا تھا، جو کام وہ پورے انہماک اور شوق کی ساتھ انجام دے رہے تھے، اس کے لئے ظاہر ہے کہ کسی نئی امت کو پیدا کرنے کی ضرورت نہ تھی، اور انسانی زندگی کے اس پرسکون سمندر میں اس نئے تلاطم کی حاجت نہ تھی، جو مسلمانوں کے وجود سے ظہور میں آیا اور جس نے زمین میں ایک زلزلہ ڈال دیا، اللہ تعالیٰ نے جب حضرت آدم علیہ السلام کو پیدا کیا تو فرشتوں نے عرض کیا کہ تسبیح و تقدیس کے لئے ہم نیاز مند بہت کافی تھے، ...... اس کے لئے اس خاکی پتلہ کو پیدا کرنے کی ضرورت سمجھ میں نہیں آتی، اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

"انی أعلم ما لا تعلمون"

(ترجمہ) گویا اشارہ فرمایا (اور آگے چل کر واضح کر دیا) کہ آدمؑ صرف اسی کام کے لئے پیدا نہیں ہوئے جو ملائکہ انجام دے رہے تھے، ان سے خدا کو کچھ اور کام لینا ہے۔

انسان ایک نئے کام کیلئے پیدا کئے گئے:

اگر مسلمان صرف تجارت کے لئے پیدا کئے جا رہے تھے تو مکہ کے ان تاجروں کو جو شام و یمن کا تجارتی سفر کیا کرتے تھے، اور مدینہ کے ان بڑے یہودی سوداگروں کو جن کے بڑے بڑے گڑھ بنے ہوئے تھے، یہ پوچھنے کا حق تھا کہ اس خدمت کے لئے ایک نئی امت پیدا کی جا رہی ہے، اگر زراعت مقصود تھی تو مدینہ اور خیبر کے، طائف اور نجد کے، شام اور یمن اور عراق کے کاشت کاروں اور زراعت پیشہ آبادی کو یہ پوچھنے کا حق تھا کہ کاشت کاری اور زراعت میں ہم محنت و کوشش کا کون سا دقیقہ اٹھا رکھتے ہیں کہ جس کے لئے ایک نئی امت کی بعثت ہو رہی ہے، اگر دنیا کی چلتی ہوئی مشنری میں صرف فٹ ہونا

تھا، اور حکومتوں کے نظم ونسق اور دفتری کاروبار کو معاوضہ لے کر چلانا تھا تو روم وایران کے کارپردازان سلطنت کو یہ کہنے کا حق تھا کہ اس فرض کی انجام دہی کے لئے ہم بہت ہیں، اور ہمارے بہت سے بھائی بے روزگار ہیں، اس کے لئے نئے امیدواروں کی کیا ضرورت ہے؟

لیکن درحقیقت مسلمان بالکل ہی ایک نئے اور ایسے کام کے لئے پیدا کئے جارہے تھے، جو دنیا میں کوئی نہ انجام دے رہا تھا، اور نہ دے سکتا تھا اور اس کے لئے ایک نئی امت ہی کی بعثت کی ضرورت تھی۔

چنانچہ فرمایا:

كُنْتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ أُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَأْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَتُؤْمِنُوْنَ بِاللهِ. (ال عمران ۳:۱۱۰)

(ترجمہ) تم بہترین امت ہو جو لوگوں کے لئے پیدا کی گئی، بھلائی کا حکم دیتے اور برائی سے روکتے ہو اور اللہ پر ایمان لاتے ہو۔

میرے بزرگو اور دوستو! اسی مقصد کی خاطر لوگ وطن سے بے وطن ہوئے اپنے کاروبار کو نقصان پہنچایا، اپنا عمر بھر کا اندوختہ لٹایا، اپنی جمی جمائی تجارتوں پر پانی پھیرا، اپنی کھیتی باڑی اور باغات کو ویران کیا، اپنے عیش وتنعم کو خیر باد کہا، دنیا کی تمام کامیابیوں اور خوش حالیوں سے آنکھیں بند کرلیں اور زریں موقعے کھودیئے، پانی کی طرح اپنا خون بہایا اور اپنے بچوں کو یتیم اور اپنی عورتوں کو بیوہ کیا، ان مقاصد ومشاغل کے لئے جن پر آج مسلمان قانع نظر آتے ہیں اس ہنگامہ آرائی اور اس محشر خیزی کی ضرورت نہ تھی، اس کے حصول کا راستہ تو بالکل بے خطر اور ہموار تھا اور اس راستہ پر معاصر دنیا سے کوئی بڑی کشمکش اور تصادم نہیں تھا، اور نہ یہ اہل عرب اور دنیا کی دوسری قوموں کے لئے وجہ شکایت تھی، انہوں نے تو بار بار انہیں چیزوں کی پیش کش کی (جو آج عام مسلمانوں کا منتہا ہے) اور ہر بار اسلام کے داعی نے ان کو ٹھکرایا، دولت وسرداری، عیش وعشرت اور راحت وتن آسانی کی بڑی پیش کش کو نامنظور کیا، پھر اگر مسلمان کو اسی سطح پر آجانا تھا جس

پرزمانۂ بعثت کی تمام کافر قومیں تھیں، اور اس وقت بھی دنیا کی تمام غیر مسلم آبادی ہے، اور زندگی کے انہیں مشاغل میں منہمک اور سرتاپا غرق ہوجاتا تھا، جن میں اہل عرب اور رومی و ایرانی ڈوبے ہوئے تھے، اور انہیں کامیابیوں کو اپنا منتہائے زندگی بنالینا تھا جن کو ان کے پیغمبر (ﷺ) اس کے بہترین موقع پر رد کر چکے تھے تو یہ اسلام کی ابتدائی تاریخ پر پانی پھیر دینے کے مترادف ہے۔ اور اس بات کا اعلان ہے کہ انسانوں کا وہ بیش قیمت خون جو بدر وحنین واحزاب اور قادسیہ ویرموک میں بہایا گیا، بے ضرورت بہایا گیا۔

حضرات

آج اگر سرداران قریش کو کچھ بولنے کی طاقت ہو تو مسلمانوں کو خطاب کر کے وہ یہ کہہ سکتے ہیں کہ تم جن چیزوں کے پیچھے سرگرداں ہو اور جن چیزوں کو تم نے اپنا حاصل زندگی سمجھ رکھا ہے انہیں چیزوں کو ہم گنہگاروں نے تمہارے پیغمبر (علیہ الصلوٰۃ والسلام) کے سامنے پیش کیا تھا، وہ تمام چیزیں اس وقت خون کا ایک قطرہ بہائے بغیر حاصل ہوسکتی تھیں تو کیا ساری جدوجہد کا حاصل اور ان تمام قربانیوں کی قیمت وہ طرز زندگی ہے جس کو تم نے اختیار کیا ہے اور زندگی واخلاق کی وہی سطح ہے جس پر تم نے قناعت کرلی ہے، اگر ان سرداران قریش میں سے جو اسلام کے حریف تھے، کسی کو یہ جرح کرنے کا موقع ملے تو آج ہمارا کوئی بڑے سے بڑا لائق وکیل بھی اس کا تشفی بخش اور مسکت جواب نہیں دے سکتا اور امت کے لئے اس پر شرمندہ ہونے کے سوا کوئی چارہ نہیں، رسول اللہ ﷺ کو مسلمانوں کے متعلق یہی خطرہ تھا کہ وہ دنیا میں پڑ کر اپنا مقصد نہ بھول جائیں، اور دنیا کی عام سطح پر نہ آجائیں، آپ نے وفات کے قریب جو تقریر فرمائی اس میں مسلمانوں کو خطاب کر کے ارشاد فرمایا:

> ”ما الفقر اخشیٰ علیکم ولکنی اخشی ان تبسط علیکم الدنیا کما بسطت علیٰ من کان قبلکم فتنافسو ھا کما تنا فسو ھا فتھلککم کما أھلکتھم.“ (بخاری و مسلم)

(ترجمہ) مجھے تمہارے بارے میں کچھ فقر وافلاس کا خطرہ نہیں ہے مجھے تو اس کا اندیشہ ہے کہ کہیں دنیا میں تم کو بھی وہی کشائش نہ حاصل ہو جائے جیسی تم سے پہلے لوگوں کو حاصل ہوئی تو تم بھی اسی طرح اس میں حرص ومقابلہ کرو جیسے انہوں نے کیا تو تم کو بھی اسی طرح ہلاک کر دے جیسے ان کو ہلاک کیا۔

میرے بھائیو! مدینہ کے انصاریوں نے جب اس بات کا ارادہ کیا کہ جہاد کی مشغولیت اور اسلام کی جدوجہد سے کچھ دنوں کی فرصت حاصل کر کے اپنے باغوں کھیتوں اور کاروبار کو درست کر لیں اور کچھ مدت کے لئے صرف اپنے کاروبار میں مشغول ہونے کی اجازت حاصل کر لیں، یہ خطرہ بھی ان کے دل میں نہیں گزر سکتا تھا کہ وہ ارکان دین نماز، روزہ، حج وزکوٰۃ سے بھی کچھ دنوں کے لئے اپنے کاروبار کی دیکھ بھال کے لئے اپنے آپ کو مستثنیٰ کرالیں لیکن اسلام کی عملی جدوجہد اور دین کے فروغ اور اس کے غلبہ کی کوشش سے ان کی اس عارضی یکسوئی کو بھی خودکشی کا مترادف قرار دیا گیا اور سورۂ بقرہ کی آیت نازل ہوئی جس کی تفسیر حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ نے اس طرح کی ہے:۔

وَاَنۡفِقُوۡا فِیۡ سَبِیۡلِ اللّٰہِ وَلَا تُلۡقُوۡا بِاَیۡدِیۡکُمۡ اِلَی التَّھۡلُکَۃِ وَاَحۡسِنُوۡا
اِنَّ اللّٰہَ یُحِبُّ الۡمُحۡسِنِیۡنَ. (بقرہ ۱۹۵)

(ترجمہ) اللہ کے راستہ پر خرچ کرو اور اپنے ہاتھوں ہلاکت میں نہ پڑو اور اچھی طرح کام کرو بے شک اللہ تعالیٰ اچھے کام کرنے والوں کو دوست رکھتا ہے۔

مسلمانوں کی اصلی شناخت یہی ہے کہ یا تو اسلام کی دعوت اور عمل جدوجہد میں مشغول ہو یا اس دعوت وعملی جدوجہد میں مشغول ہونے والوں کے لئے پشت پناہ و مددگار ہو، اس کے ساتھ بھی عملی جدوجہد میں حصہ لینے کا عزم اور شوق رکھتا ہو، مطمئن شہری اور محض کاروباری زندگی اسلامی زندگی نہیں، اور کسی طرح بھی یہ ایک مسلمان کا مقصود حیات نہیں ہو سکتا، جائز مشاغل زندگی، جائز وسائل معیشت ہرگز ممنوع نہیں، بلکہ نیت واجر طلبی کے ساتھ عبادت وقرب الٰہی کا ذریعہ ہیں، مگر یہ جب سب دین کے سایہ میں

ہوں اور صحیح مقاصد کا وسیلہ ہوں نہ کہ خود مقصود بالذات۔

سیرت محمد ﷺ کا یہ سب سے بڑا پیغام ہے، جو خالص مسلمانوں کے نام ہے، اس کی طرف توجہ نہ کرنا اس کے مقصد کو ضائع کرنا اور سب سے بڑی حقیقت کی طرف سے چشم پوشی ہے جو سیرت محمد ﷺ مسلمانوں کے سامنے پیش کرتی ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں بھی دنیا طلبی کی حرص و مقتضیات سے بچا کر اپنے دین کی خدمت کیلئے قبول کرے میں اپنے لئے بھی یہی دعا کرتا ہوں۔

وما علینا الا البلاغ المبین

مسلمان کا مقام اور پیغام

[یہ حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ کی وہ یادگار تاریخ ساز تقریر ہے جو ۳۰ جون ۱۹۷۷ء کو اقوام متحدہ (UNITED NATIONS) (نیویارک) کی عظیم عمارت کے ایک ہال میں کی گئی تھی جہاں مسلم و عرب ممالک کے دفاتر میں کام کرنے والے نماز جمعہ ادا کرتے ہیں۔ نماز میں شریک ہونے والوں میں عربوں کی تعداد غالب تھی جن میں رابطہ عالم اسلامی کے وفد کے اراکین اور اقوام متحدہ کے ذمہ دار حضرات نمایاں نظر آتے تھے]

الحمد لله رب العالمين والصلوٰة والسلام على اشرف الانبياء والمرسلين وعلى آله واصحابه اجمعين اما بعد.

ولا تهنوا ولا تحزنوا وانتم الأعلون ان كنتم مؤمنين.
آل عمران ۱۳۹

(ترجمہ) اور تم ہمت مت ہارو اور رنج مت کرو، غالب تمہیں رہو گے اگر تم پورے مومن رہے۔

میرے بھائیو، دوستو! یہ آیت اس وقت نازل ہوئی جب اسلام دورِ طفولیت میں تھا، اس وقت تک کوئی اسلامی حکومت قائم نہیں ہوئی تھی، اسلام جزیرۃ العرب اور عربوں ہی میں محدود و محصور تھا، عرب نہایت عسرت و تنگی اور فقر و فاقہ کی زندگی گذار رہے تھے، ان کا کھانا عام طور پر کھجور، اونٹ کا گوشت اور جو کی روٹی تھا، لباس موٹا جھوٹا اور کھردرا، مکانات خام اور مٹی کے تھے، یا اونی خیمہ کی شکل میں، ان کا حال زار موسم سرما کی شب باراں میں جیسی اور خندق سے گھری اور سمٹی ہوئی بکریوں کے گلہ کا سا تھا، جس کو جان کے لالے پڑے ہوتے ہیں، عربوں کی اس زبوں حالی کی سچی اور صحیح تصویر کشی قرآن کریم سے بڑھ کر کوئی اور نہیں کرسکتا، آپ قرآن کے یہ الفاظ پڑھئے اور عربوں کی بیچارگی

عرب کی کا عام دیتے قرآن کے الفاظ ہیں۔

وَاذْكُرُوٓا إِذْ أَنتُمْ قَلِيلٌ مُّسْتَضْعَفُونَ فِي الْأَرْضِ تَخَافُونَ أَن يَتَخَطَّفَكُمُ النَّاسُ (الانفال ۲۶)

(ترجمہ) اور تم اس حالت کو یاد کرو جب تم تھوڑے تھے، زمین میں کمزور شمار کئے جاتے تھے اس اندیشہ میں رہتے تھے کہ تم کو لوگ نوچ کھسوٹ لیں۔

عربوں کا تو یہ حال تھا، اور ان کے برعکس روم و فارس دنیا کے حاکم و فرمانروا تھے، وہ تہذیب و تمدن کے بام عروج پر تھے، پوری دنیائے انسانیت ان کے زیر اثر و تابع فرمان تھی، اور دو بڑی طاقتوں نے مشرق و مغرب کو باہم بانٹ رکھا تھا، مشرق اہل ایران کے زیر فرمان تھا، اور مغرب رومیوں کے، یہ زندگی کے مزے اڑا رہے تھے، دنیا کا دامن ان کے لئے وسیع و کشادہ تھا، ضروریات زندگی کی فراوانی تھی، رزق کے دہانے کھلے ہوئے تھے، کائنات ان کے لئے جود و سخا کا مینہ برسا رہی تھی، ممالک و اقوام ان کے زیر فرمان تھے، اور انہیں کے چشم و ابرو کے اشارے پر چل رہے تھے، ان کا ہاتھ مٹی کو لگ جاتا تھا تو سونا بن جاتی تھی، مشرق و مغرب پر انہیں کا پرچم لہرا رہا تھا۔

اس تیرہ و تاریک فضا میں، یاس و ناامیدی کے اس گھٹا ٹوپ اندھیرے میں جہاں ہاتھ کو ہاتھ نہ سجھائی دیتا تھا، آس اور امید کی کوئی ہلکی سی کرن بھی نظر نہیں آ رہی تھی، قرآن مجید طاقت کی متوالی ان دونوں حکومتوں کو چیلنج کرتا ہے، اور لٹے پٹے عرب مسلمانوں میں اعتماد و افتخار کی روح پھونکتا ہے اور کہتا ہے۔

وَلَا تَهِنُوا وَلَا تَحْزَنُوا وَأَنتُمُ الْأَعْلَوْنَ إِن كُنتُم مُّؤْمِنِينَ۔

(آل عمران ۱۳۹)

(ترجمہ) اور ہمت مت ہارو اور رنج مت کرو، غالب تم ہی رہو گے اگر تم پورے مومن رہے۔

قرآن نے قریش مکہ کو چیلنج کیا، روم و فارس کے امپائر کو چیلنج کیا، پھر اس مٹھی بھر جماعت مسلمہ کے قائد و رہبر نبی مرسل محمد ﷺ کی تسکین و تسلی کے لئے سورۂ یوسف نازل

ہوئی قرآن مجید نے اعلان کیا۔

لَقَدْ كَانَ فِي يُوسُفَ وَإِخْوَتِهِ آيَاتٌ لِّلسَّائِلِينَ ‎(یوسف ۷)

(ترجمہ) وہ جو پوچھتے ہیں ان کے لئے نشانیاں ہیں، یوسف اور ان کے بھائیوں (کے قصے) میں۔

اس سورہ کو ان الفاظ پر ختم فرمایا۔

حَتَّىٰ إِذَا اسْتَيْأَسَ الرُّسُلُ وَظَنُّوا أَنَّهُمْ قَدْ كُذِبُوا جَاءَهُمْ نَصْرُنَا
فَنُجِّيَ مَن نَّشَاءُ وَلَا يُرَدُّ بَأْسُنَا عَنِ الْقَوْمِ الْمُجْرِمِينَ ○ لَقَدْ كَانَ فِي
قَصَصِهِمْ عِبْرَةٌ لِّأُولِي الْأَلْبَابِ مَا كَانَ حَدِيثًا يُفْتَرَىٰ وَلَٰكِن تَصْدِيقَ
الَّذِي بَيْنَ يَدَيْهِ وَتَفْصِيلَ كُلِّ شَيْءٍ وَهُدًى وَرَحْمَةً لِّقَوْمٍ يُؤْمِنُونَ

(یوسف ۱۱۰، ۱۱۱)

(ترجمہ) یہاں تک کہ پیغمبر ناامید ہو گئے اور ان کو گمان غالب ہو گیا کہ ہماری فہم نے غلطی کی، ان کو ہماری مدد پہنچی پھر ہم نے جس کو چاہا بچالیا گا اور ہمارا عذاب مجرم لوگوں سے نہیں ٹلتا، ان کے قصوں میں سمجھدار لوگوں کے لئے عبرت ہے یہ قرآن کوئی تراشی ہوئی بات تو ہے نہیں بلکہ اس سے پہلے جو آسمانی کتابیں ہو چکی ہیں، یہ ان کی تصدیق کرنے والی ہے اور ہر ضروری بات کی تفصیل کرنے والا ہے اور ایمان والوں کے لئے ذریعہ ہدایت و رحمت ہے۔

اسی طرح سورۂ قصص کی یہ آواز دنیا کی فضاؤں میں گونجی، اللہ تعالیٰ نے اس سورہ کو ظلم و جور اور خوف و ہراس کی تاریک فضا میں نازل فرمایا۔

طٰسٓمٓ تِلْكَ آيَاتُ الْكِتَابِ الْمُبِينِ ○ نَتْلُوا عَلَيْكَ مِن نَّبَإِ
مُوسَىٰ وَفِرْعَوْنَ بِالْحَقِّ لِقَوْمٍ يُؤْمِنُونَ ○ إِنَّ فِرْعَوْنَ عَلَا فِي الْأَرْضِ
وَجَعَلَ أَهْلَهَا شِيَعًا يَسْتَضْعِفُ طَائِفَةً مِّنْهُمْ يُذَبِّحُ أَبْنَاءَهُمْ وَيَسْتَحْيِي
نِسَاءَهُمْ إِنَّهُ كَانَ مِنَ الْمُفْسِدِينَ ○ وَنُرِيدُ أَن نَّمُنَّ عَلَى الَّذِينَ
اسْتُضْعِفُوا فِي الْأَرْضِ وَنَجْعَلَهُمْ أَئِمَّةً وَنَجْعَلَهُمُ الْوَارِثِينَ ○ وَنُمَكِّنَ
لَهُمْ فِي الْأَرْضِ وَنُرِيَ فِرْعَوْنَ وَهَامَانَ وَجُنُودَهُمَا مِنْهُم مَّا كَانُوا

یَحْذَرُوْنَ O (قصص ۱ تا ۶)

(ترجمہ) طسم ۔ یہ کتاب واضح کی آیتیں ہیں، ہم آپ کو موسیٰ (علیہ السلام) اور فرعون کا کچھ قصہ ٹھیک ٹھیک سناتے ہیں ان لوگوں کے لئے جو ایمان رکھتے ہیں، فرعون سرزمین (مصر) میں بہت بڑھ چڑھ گیا تھا، اور اس نے وہاں کے باشندوں کو مختلف قسموں میں بانٹ رکھا تھا، ان میں سے ایک جماعت کا زور گھٹا رکھا تھا، اس طرح سے کہ ان کے بیٹوں کو ذبح کراتا تھا، اور ان کی عورتوں کو زندہ رہنے دیتا تھا، واقعی وہ بڑا مفسد تھا، اور ہم کو یہ منظور تھا کہ جن لوگوں کو زور گھٹایا جا رہا تھا ان پر احسان کریں اور ان کو پیشوا بنائیں اور ان کو مالک بنائیں اور ان کو زمین میں حکومت دیں، اور فرعون اور ہامان اور ان کے تابعین کو ان کی جانب سے وہ واقعات دکھلائیں جس سے وہ بچاؤ کر رہے تھے۔

ایسے پرخطر و نازک حالات میں کسے خیر کی امید ہو سکتی تھی، کس کا دل و جگر تھا، جو پیشین گوئی کرتا کہ مسلمانوں کی یہ کمزور بے حقیقت جماعت، ظلم و جور کی ماری ہوئی ہر قسم کے وسائل سے خالی اور تہی دست جماعت، افق تاریخ پر ابھرے گی، کیا دنیا کا بڑے سے بڑا شخص خواہ کتنی ہی دوربین نگاہ اور فراست رکھتا ہو، اور کتنا ہی جری اور عقابی صلاحیتوں سے مالا مال ہو، مسلمانوں کی اس مٹھی بھر کمزور و بے حیثیت جماعت کے بارے میں پیشین گوئی کر سکتا تھا اور یہ کہہ سکتا تھا کہ "وَلَا تَهِنُوْا وَلَا تَحْزَنُوْا، وَاَنْتُمُ الْاَعْلَوْنَ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ"

لیکن اس اعتماد و یقین نے عربوں کے سینے کو جرأت و حوصلہ اور جوش و ولولے سے بھر دیا تھا، اور انہیں ایسی عقابی روح عطا کی تھی کہ وہ ان بڑی بڑی طاقتوں کو سجی سجائی بے جان گڑیوں کی طرح دیکھ رہے تھے، یہ طاقتیں ان کو کرم خوردہ ستون اور بے جان ڈھانچے معلوم ہو رہی تھیں، قرآن کریم ان بے روح حکومتوں کی بالکل سچی تصویر کشی کرتا ہے، اور قرآن سے بڑھ کر سچی تصویر کشی کون کر سکتا ہے؟ ذرا قرآن مجید کے یہ الفاظ پڑھئے۔

وَاِذَا رَاَيْتَهُمْ تُعْجِبُكَ اَجْسَامُهُمْ وَاِنْ يَّقُوْلُوْا تَسْمَعْ لِقَوْلِهِمْ كَاَنَّهُمْ خُشُبٌ مُّسَنَّدَةٌ. (منافقون ۴)

(ترجمہ) اور جب آپ انہیں دیکھیں تو ان کے قد و قامت آپ کو خوشنما معلوم ہوں اور اگر یہ باتیں کریں تو آپ ان کی باتیں غور سے سننے لگیں (لیکن حقیقت یہ ہے کہ) وہ یہ لکڑیاں ہیں جو دیوار کے سہارے کھڑی ہیں۔

یہی معجزہ ہے کہ عرب جب دولت ایمان و یقین کو سینے سے لگا کر اس پر فخر و ناز کرتے ہوئے جزیرۃ العرب سے باہر نکلے تو یہ بڑی بڑی طاقتیں ان کو ہیچ نظر آئیں اور انہیں تہہ و بالا کر کے رکھ دیا، اقبال کے الفاظ ہیں۔

دو نیم ان کی ٹھوکر سے صحرا و دریا
سمٹ کر پہاڑ ان کی ہیبت سے رائی
دو عالم سے بیگانہ کرتی ہے دل کو
عجب چیز ہے لذت آشنائی

مختصر یہ کہ حضرات اگر اسباب عقل کے پیمانے سے ناپا جائے تو عرب اور پوری انسانی برادری شیر کے منہ میں تھی، بلکہ شیر کے دو جبڑوں کے درمیان تھی، یہ عرب نکلے تو ایک دوسری طاقت لے کر نکلے، مافوق مادی طاقت، آسمانی اور خدائی طاقت، وہ اب تمام قوموں سے نرالے اور تمام بنی آدم اور انسانوں سے جداگانہ جذبہ و حوصلہ کے مالک تھے، وہ مزدور تھے، دست نگر رہتے، کسی خطۂ زمین پر ان کی حکومت تھی، نہ اقتدار، لیکن جب وہ [illegible] مدت سے [illegible] ہو کر نکلے اور ان پر کبھی نہ مٹنے والی آسمانی حقیقتیں منکشف ہوئیں اور انسان اور انسان کا فرق واضح ہوا، کفر و ایمان کی حقیقت کھلی، صورت و حقیقت کا جدا، شک و یقین کا فرق معلوم ہوا، جب ان کو آب حیات اور سراب صحرا کی حقیقت کا علم ہوا، جب ان کی آنکھوں کے سامنے سے ظاہر و باطن کے فرق کا پردہ ہٹا، اوپری پالش اور ملمع آمیزی اور اندرونی حقیقت کا فرق معلوم ہوا، جب اللہ تعالیٰ نے انہیں ایمان کا نور اور بصیرت عطا کی تو وہ کائنات کی اشیاء کو ان کی حقیقت کے جامہ میں دیکھنے لگے، وہ انسانی حقیقت کو پا گئے، انسان کی حقیقت کیا ہے؟ انسان کی حقیقت یہ نہیں کہ وہ کھاتا پیتا اور عیش کرے، انسان کی حقیقت "لقد خلقنا الانسان فی احسن تقویم" ہے،

جب انہوں نے اس انسانی حقیقت کو پالیا، اور ان پر دنیا و ماوراء دنیا کی حقیقت آشکارا ہوئی تو دنیا کے جھوٹے مظاہر انہیں حقیر و لاشئ معلوم ہونے لگے، اور شیر کی کھال پہننے والا گدھا اپنے اصلی روپ میں نظر آنے لگا، قیصر و کسریٰ پنجرے کے اندر چہچہانے اور گانے والی پرند کی طرح دکھائی دینے لگے، پنجرہ بہت خوب، اس کی تیلیاں سونے کی، اس کا بالائی و زیریں حصہ بھی سونے کا، کھانے پینے کے برتن بھی سونے کے، مگر پنجرا تو بہرحال پنجرا ہے سونے ہی کا سہی، وسیع و فراخ ہی سہی، چاہے اس میں کتنے ہی باغات اور جھیل و تالاب ہی کیوں نہ ہوں، اس میں اونچی اونچی فلک بوس عمارتیں ہی کیوں نہ ہوں، مگر ہے تو وہ قید خانہ ہی، یہ عرب اب ان لوگوں کو جن کے سروں پر تاج زریں تھا، ان لوگوں کو جو وزیر و گورنر کہلاتے تھے، جنرل اور سپہ سالار کہلاتے تھے، فلسفی و ماہر معقولات کہلاتے تھے، شہزادے و ولی عہد کہلاتے تھے، اس نظر سے دیکھا، جس نظر سے ڈراموں کے ''جوکر'' دیکھے جاتے ہیں، وہ انہیں بالکل بچوں کی طرح نظر آ رہے تھے۔

محترم دوستو، بھائیو! انہوں نے محسوس کیا کہ ان کے دل بجھے ہوئے، روحیں پژمردہ اور عقل و خرد از کار رفتہ ہیں، وہ اپنی اس کمزوری کو جاہ و ثروت سے چھپاتے ہیں، لوگوں کی جی حضوری اور مصنوعی استقبال سے چھپاتے ہیں، انہوں نے محسوس کیا کہ یہ قوت و ارادہ سے محروم خالی انسانی صورتیں ہیں، جو نہ خود سے چلتی ہیں، نہ خود سے کھاتی ہیں، اور نہ ان کے سامنے کوئی اونچا مقصد ہے، ان کا چلنا پھرنا صرف کھانے، پینے، عیش، تنعم اور لذت و سرور کے لئے ہے، انسانیت پر رحم و شفقت اور محبت کے جذبے سے نہیں، انسانوں سے ان کا تعلق محض اپنی خواہشات کی تکمیل اور ہوا و ہوس کی پیاس بجھانے کے لئے ہے، سروں پر تاج ضرور ہیں مگر ذہن رسا نہیں، جسموں پر بہترین لباس ضرور ہیں مگر جسم لاغر و نڈھال ہیں، پالش کئے ہوئے برتن ہیں مگر اندر سے خالی ہیں۔

میرے بھائیو! یہ عرب جب دنیا کو فتح کرنے کے لئے نکلے ہیں، بلکہ انسانیت کا نجات دہندہ بن کر نکلے، اس مقصد سے نکلے کہ انسانیت کو وحشت و بربریت کے چنگل سے چھڑائیں اور انسانیت کو اس ظلم و جور سے نجات دلائیں جو صدیوں سے جاری تھا،

تب ان پر وہ حقیقت منکشف ہوئی جو اوپر بیان ہوئی، وہ جب لوگوں کو بندوں کی عبادت سے نکال کر خدائے واحد کی عبادت و اطاعت کی طرف بلانے کے لئے نکلے، دنیا کی تنگی سے نکال کر اس کی وسعت کی طرف لانے کی غرض سے نکلے، ادیان و مذاہب کے ظلم و جور سے نکال کر اسلام کے عدل و انصاف کی طرف بلانے کے مقصد سے نکلے، تو یہ سب رومی جاہ و جلال ان کو ہیچ نظر آئے، بڑی بڑی حکومتیں ان کو کٹھ پتلی کا کھیل معلوم ہوئیں، ان کے جھنڈوں کو سرنگوں کرنا بچوں کا کھیل معلوم ہوا، آسمان سے باتیں کرنے والی فلک بوس عمارتیں ان کو خس و خاشاک کا ایک تودہ معلوم ہوئیں، بڑے بڑے لشکر ان کو بھیڑ بکری کا گلہ معلوم ہوتے، انہوں نے ان کو غیر عاقل اور بے شعور جانور سمجھا جن میں نہ رحم و کرم کا مادہ ہے، نہ لطف و مہربانی کا جذبہ، وہ انہیں انسانوں کی شکل میں بھیڑیئے اور درندے نظر آئے۔

قرآن پاک نے ان ان پڑھ عربوں کو، قافلہ حیات سے بچھڑے ہوئے عربوں کو، تہذیب و تمدن سے ناآشنا عربوں کو قوت و طاقت اور حوصلے سے بھر دیا، انہوں نے ان کے سرد اور خالی دلوں کو اس نعمت عظمیٰ پر فخر و ناز، خود اعتمادی و خود شناسی اور رفعت و بلند پروازی کے نئے "سیل" اور نئے مسالہ سے بھر دیا، اس نے ان کو اشیاء کے خواص و اثرات کو جاننے کا ملکہ عطا کیا، اور ان ساری توانائیوں سے مالا مال ہو کر نکلے اور سارے عالم کو زیر کر لیا، اس لئے نہیں کہ وہ اس کی مالک بن جائیں، نہ اس لئے کہ اس پر حکومت و فرمانروائی کریں، جیسا کہ ان قوموں نے کیا تھا، بلکہ وہ اس لئے نکلے تھے کہ گم کردہ راہ اور دربدر ٹھوکر کھاتی ہوئی انسانیت کو خدائے واحد کے سامنے جھکائیں اور اسے اسلامی عدل و انصاف کے سائے میں لائیں۔

حضرات! اس وقت ہم اقوام متحدہ کے مرکز میں ہیں، آج جب کہ ہم متعدد حکومتوں کی نمائندگی کر رہے ہیں، اس فخر و اعتماد کے زیادہ مستحق ہیں، جو ان عربوں کو حاصل تھا، ہم اس کے زیادہ حق دار ہیں کہ ہم کو اس آسمانی آواز میں مخاطب کیا جائے، جس سے وہ مخاطب کئے گئے تھے، " ولا تهنوا ولا تحزنوا وأنتم الأعلون ان

کنتم مومنین“ جس وقت یہ آیت کریمہ نازل ہوئی، اس وقت عربوں کی کوئی حکومت نہیں تھی، خود جزیرۃ العرب میں ان کی کوئی حکومت نہیں تھی، اسلام کو وجود میں آئے ہوئے دس سال سے زائد ہو چکے تھے، اور وہ ابھی طفل شیر خوار کی طرح دھیرے دھیرے چل رہا تھا، اور ہاتھ پاؤں مار رہا تھا لیکن اللہ تعالیٰ نے عربوں کو اس کا اہل دیکھا کہ وہ ان الفاظ سے مخاطب کئے جائیں، تو کیا ہم اس خدائی فرمان کے مخاطب بننے کے اہل نہیں جب کہ ہم چالیس ملکوں کی نمائندگی کر رہے ہیں اور اس وقت ہمارے کثیر التعداد جھنڈے اقوام متحدہ کی عمارت پر یہاں لہرا رہے ہیں، اگر چہ ہم موجودہ عہد کی ایٹمی قوت وشوکت کے مالک نہیں، ہم جدید ترقیات اور علم وتمدن کے میدان میں کوتاہی کا شکار ہیں، اپنی سستی وکاہلی اور باہمی نا اتفاقی وانتشار، اور اسلامی تعلیمات کو حقیر سمجھنے اور نعمت اسلام کی ناقدری کے سبب ان حکومتوں کے معیار پر نہیں ہیں، تاہم دور اول کے عربوں سے زیادہ اچھی حالت میں ہیں، جن کی ایک حکومت بھی نہ تھی، تو کیا ہم اس آیت کا مخاطب بننے کے لائق نہیں کہ۔ ”وَلَا تَهِنُوا وَلَا تَحْزَنُوا وَأَنتُمُ الْأَعْلَوْنَ إِن كُنتُم مُّؤْمِنِينَ“ یہ ایمان ہی مومن کی قیمت ہے، ایمان ہی ٹارچ کی اصل قیمت ہے اگر سیلز نہ ہو تو ٹارچ کی کوئی قیمت نہیں، یہ ایمان ہی وہ پاسنگ ہے کہ اس کو ترازو کے جس پلڑے میں رکھ دیا جائے وہ جھک جاتا ہے، یہ وہی پاسنگ ہے، جس کو رسول اللہ ﷺ نے غزوۂ بدر کے موقع پر ان مبارک الفاظ میں رکھا تھا۔

اللهم ان تهلک هذه العصابة من اهل الا سلام لا تعبد.(۱)

اے اللہ! اگر تو اس مٹھی بھر جماعت کو مٹا دے گا تو قیامت تک روئے زمین پر تیری عبادت نہ ہوگی۔

حضور ﷺ سمجھ گئے کہ اس وقت رجوع وانابت کی ضرورت ہے، آپ کی ذات گرامی وہ ذات ہے، جس کو اللہ تعالیٰ نے عقل سلیم عطا فرمائی تھی، حقیقت حال کو ٹھیک ٹھیک پیش کرنے کی صلاحیت عطا فرمائی تھی، اگر فیصلہ قوت وطاقت یا کثرت تعداد پر ہوتا

---

(۱) مسلم شریف ج/۲ ص۹۳۔

تو اسلام و مسلمانوں کا کوئی مستقبل نہ ہوتا، اور روئے زمین پر اس کا وجود بھی نہ ہوتا، اہل بدر کل تین سو تیرہ ۳۱۳ تھے، ان کے مدمقابل ہتھیار سے لیس ایک ہزار کا جم غفیر تھا، مسلمانوں کی یہ مٹھی بھر جماعت کفار کے اس لشکر جرار پر کیسے فتح یاب ہوسکتی تھی، اس نازک گھڑی میں حضور ﷺ نے دعا و تضرع کے ساتھ اللہ کی طرف رجوع کیا، اور بارگاہ یزدی میں ان الفاظ کے ساتھ دعا و التجا کی " اللھم ان تھلک ھذہ العصابہ لن تعبد."

مسلمانو! ہمارا منصب اور ہماری قیمت یہ ہے، ان اسلامی ملکوں اور حکومتوں کی اہمیت و قیمت یہ ہے، یہ اسلامی ممالک اور مسلمان قومیں جو اس وقت دنیا بھر میں پھیلی ہوئی ہیں، اور اپنا ایک وزن رکھتی ہیں، اقوام متحدہ تک میں وزن و قیمت رکھتی ہیں، آج اگر یہ قومیں جن کی نمائندگی کا ہمیں اس وقت شرف حاصل ہے، اس عمیق، تابناک، اور طاقت ور ایمان کی حامل ہوتیں جو انسانی احساسات پر چھا جاتا، اور اس کے رگ و ریشہ میں سما جاتا ، تو آج بھی مسلمان معزز ہوتا، اس کا ایک مقام اور پوزیشن ہوتی۔

اگر ہم ایمان سے اس طرح خالی ہوگئے جس طرح وہ قومیں اور حکومتیں ایمان سے خالی ہوگئیں جو کبھی کسی زمانہ میں ان حقائق پر ایمان لائی تھیں، لیکن پھر مرور زمانہ سے اس سے اس طرح کھوکھلی ہوگئیں جیسے سڑی گلی ہڈیاں اور دیمک لگائی ہوئی لکڑیاں ہوتی ہیں۔

دوستو اور بھائیو! ہمیں اس سے ہوشیار محتاط رہنا چاہئے کہ ہم دوسروں کا سہارا لیں، مانگے کی قوت سے اپنے وجود کو باقی رکھیں، یا ہمارا نام تو جب روشن ہو، مردم شماری میں تو ہماری تعداد بہت ہو مگر خدا کی میزان میں ہمارا کوئی وزن نہ ہو، جو دنیا و آخرت دونوں جہان کی حقیقی ترازو ہے، بارگاہ خداوندی میں اور خدائی میزان میں ہمارا وزن اسی وقت ہوسکتا ہے، جب ہم صحیح معنی میں صاحب ایمان ہوں جب ہمارے سینوں میں ایمان و یقین کی چنگاری ہو، ہم اسلامی پیغام کے نہ صرف حامل ہوں بلکہ ہمیں اس پر فخر و ناز ہو، ہمیں یہاں امریکہ میں بھی، اس زبردست سلطنت میں بھی مغرب کے اس قلب میں بھی اپنے ایمان و اسلام پر فخر ناز ہو، ہم ڈنکے کی چوٹ پر کہیں کہ ہم مسلمان ہیں، ہمیں

اپنے اسلام پر فخر ہے، ہم مستقل بالذات اور صاحب پیغام قوم ہیں، طفیلی نہیں ہیں، ہماری مستقل تہذیب ہے ہماری مستقل ثقافت ہے، اس میں ہم پیوند نہیں لگاتے، ہمیں اللہ نے سب سے بڑی نعمت عطا فرمائی ہے، وہ ہے اسلام کی نعمت خود شناسی وخدا شناسی کی نعمت۔

بھائیو! جب ہمیں اسلام پر فخر وناز ہوگا، اسلام ہمارا اور ہم اسلام کے ہوں گے تو اللہ تعالیٰ ہمارا معین ومددگار ہوگا، اور ہمارا محافظ ونگہبان ہوگا، اللہ نے اس کا وعدہ فرمایا ہے، اور اس کا وعدہ جھوٹا نہیں ہوتا، اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔

اِنْ تَنْصُرُوا اللہَ یَنْصُرْکُمْ وَیُثَبِّتْ اَقْدَامَکُمْ.(محمد ۷)

(ترجمہ) اگر تم اللہ کی مدد کروگے تو اللہ تمہاری مدد کرے گا اور تمہارے قدم جمادے گا۔

لیکن اگر ہم صرف نام کے مسلمان رہے، اور حقیقت اسلام ہم میں نہ پائی گئی تو پھر ہم امیر شکیب ارسلان کے اس جملہ کا مصداق بنیں گے، جو انہوں نے پرانی لیگ آف نیشنز پر تبصرہ کرتے ہوئے اپنے کسی مضمون میں لکھا تھا کہ ”جمعیۃ اقوام (LEAGUE OF NATIONS) فن عروض کی بحر کی طرح محض نام کی بحر ہے جس میں پانی کا نام ونشان نہیں“ اگر ہم بے پانی کا سمندر بنے تو ہم پر ہزار حیف، اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہمیں کسی مدد کی امید نہیں رکھنی چاہئے، بارگاہ خداوندی میں تو ایمان ہی کا وزن ہوتا ہے، ایمان ہی کی قدر اور ایمان ہی کا اعتبار ہوتا ہے۔

اللہ تعالیٰ پھر سے اسلامی قدروں کو سینے سے لگانے کی توفیق عطا فرمائے، ہم اس کی طرف جھکیں اور اس کے ماسوا سے نہ ڈریں، ہم اس کے دین کے وفادار بنیں اس کے پیغام پر فخر وناز کریں، ہم اپنی زندگی کو اسلام سے جوڑ دیں، پیغام اسلام سے جوڑ دیں، ایمان سے جوڑ دیں، ہماری دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہم کو اس دولت سے سرفراز فرمائے، اور وہ ہر بات پر قادر ہے۔

وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین.

عصری تعلیم حاصل کرنے والے مسلم نوجوانوں سے مستقبل کی پیشن گوئی

یہ تقریر ۲۵ اکتوبر ۱۹۶۴ء میں لندن (برطانیہ) کے اسلامک سینٹر ISLAMIC CENTER کے زیر اہتمام منعقد کئے گئے ایک جلسہ میں کی گئی تھی جسمیں ھندوستان، پاکستان اور عرب ممالک کے نوجوان کی کثیر تعداد شریک تھی!

الحمد للہ رب العالمین والصلوٰۃ والسلام علی سیدالانبیاء والمرسلین وعلیٰ آلہ واصحابہ اجمعین، ومن تبعھم باحسان ودعیٰ بدعوتھم الی یوم الدین. امابعد!

میرے دوستو عزیزو! میں نہ کوئی ولی ہوں نہ پیمبر، نہ مجھے بزرگی کا دعویٰ ہے نہ پیشن گوئی کرنے کا شوق، لیکن میں اس وقت ضرور ایک پیشن گوئی کرنا چاہتا ہوں، اور وہ یہ کہ آپ کے اس مجمع میں بہت سے ایسے نوجوان ہیں، جو اپنے اپنے ملکوں کی زمام قیادت ہاتھ میں لیں گے، اور وہاں کی بڑی اہم ذمہ داریاں سنبھال لیں گے، آپ یہاں تعلیم حاصل کر رہے ہیں، لیکن آپ کے ملکوں میں قیادت کی مسندیں اور رہنمائی کی کرسیاں آپ کی منتظر ہیں، میں آپ کی روشن پیشانیوں کی لکیروں اور خطوط میں آپ کے درخشاں مستقبل کو دیکھ رہا ہوں کسی زمانہ میں کسی ملک کی قیادت حاصل کرنے کے لئے اور کسی ملک وقوم کو اپنے اقتدار و انتظام میں لینے کے لئے زور بازو اور تلوار کے جوہر کی ضرورت تھی، سکندر اور چنگیز خان وہلاکو خان نے نوک شمشیر سے دنیا فتح کی اور قوموں کو مسخر کیا، اب اس کے لئے جنگی قوت کافی نہیں، اس وقت قیادت اور اقتدار کے لئے علم

کی طاقت کی ضرورت ہے، اس وقت دنیا کے تمام ترقی یافتہ ممالک اور خود اسلامی ممالک جمہوریت کے جس راستہ پر چل رہے ہیں، اور جن حالات و مسائل کا ان کو سامنا ہے ان کو دیکھ کر یہی اندازہ ہوتا ہے کہ ان ملکوں کی سربراہی اور ان کی قیادت وہی لوگ کریں گے، جو جدید علوم سے واقف ہیں، مغربی زبانوں میں مہارت رکھتے ہیں، اور جن کو جدید جمہوری نظام میں اقتدار کے منصب تک پہنچنے کے لئے ضروری وسائل و مواقع حاصل ہیں اس کی بناء پر یہ امید کی جاسکتی ہے کہ آپ اپنی ان صلاحیتوں اور خصوصیتوں کی وجہ سے ذمہ داری کی ان جگہوں تک پہنچیں گے اور آپ کو اپنے ملک وقوم کی خدمت کرنے کا موقع ملے گا، یہ آپ کے لئے ایک بڑا نازک امتحان ہے، ان ملکوں کی قسمت بڑی حد تک آپ سے وابستہ ہے، اور ان کے مستقبل کا انحصار آپ پر ہے۔

دنیائے اسلام کا مسئلہ:

میرے دوستو اور عزیزو! آپ جن ملکوں سے آئے ہیں، اور جہاں آپ کو اپنی تعلیم کی تکمیل کرکے واپس جانا ہے، یہ ملک عرصہ سے مسلمان ملک ہیں، اور وہ اب بھی اپنے اسلام پر قائم ہیں، اور آئندہ بھی ان کا اسلام پر قائم رہنے کا ارادہ ہے، یہ اسلام ان کو بڑی قربانیوں سے حاصل ہوا ہے، اس لئے ان کو انتہائی عزیز ہے، اور ان کی نظر میں نہایت قیمتی ہے، ان ملکوں میں مسلمانوں کی بڑی عظیم تعداد ہے، ان میں سے بہت سے ممالک اپنی آبادی اور مردم شماری کے لحاظ سے یورپ کے بڑے بڑے ملکوں سے بھی بڑے ہیں، اس عددی قوت و کثرت کے ماسوا یہ ملک خدا کی پیدا کی ہوئی دولتوں، خیروں اور بیش باخزانوں سے مالا مال ہیں، یہ وہ قدرتی دولتیں اور خزانے ہیں جن کے بغیر مغرب کی گاڑی بھی نہیں چلتی، انہوں نے موجودہ سائنس اور ٹیکنالوجی کی نئی طاقت بخشی ہے، اس مواد خام کے لحاظ سے کوئی ملک اسلامی ممالک کا ہمسر نہیں۔

اسی طرح سے ان ملکوں کی مسلمان اقوام انسانی صلاحیتوں، زندگی کی توانائیوں اور اخلاقی طاقتوں سے بھرپور ہیں، ان میں اب بھی ایسی قوت عمل، جذبہ قربانی، ذوق ایثار،

وفاداری اور جاں نثاری کا جذبہ ہے، جو دنیا کی کسی قوم میں پایا نہیں جاتا۔

جن لوگوں نے دنیا کی سیاحت کی ہے، اور وہ دنیا کی مختلف قوموں اور عوام کا تجربہ رکھتے ہیں، ان کا کہنا ہے کہ ان اسلامی ممالک کے مسلمان عوام سے کہیں کے عوام بہتر نہیں، ان میں بھی زندگی کا شعلہ فروزاں ہے، وہ اب بھی کسی مقصد کے لئے جان دے سکتے ہیں، اگر ان کو صحیح قیادت مل جائے تو وہ اب بھی دنیا کی ایک عظیم طاقت بن سکتے ہیں، ان کا سا خلوص، ان کی سی سادہ دلی، ان کا اعتماد، ان کی گرم جوشی اور ان کا جذبہ اطاعت اب بھی کسی قوم میں پایا نہیں جاتا لیکن یہ انتہائی افسوس ناک حقیقت ہے کہ ان کی یہ صلاحیتیں عرصہ سے ضائع ہو رہی ہیں، ان ملکوں کی قیادتیں (LEADERSHIP) ان سے بالکل بے خبر ہیں، ان سے فائدہ اٹھانے اور ان کو راہ پر لگانے کی ان میں صلاحیت ہے نہ آمادگی۔

اگر مجھ سے پوچھا جائے کہ اس وقت دنیائے اسلام کا سب سے اہم اور عمومی مسئلہ کیا ہے تو میں ادنیٰ توقف کے بغیر کہوں گا کہ مسلمان عوام اور ان کے قائد ہیں، رہنماؤں کا فرق و تفاوت اور وہ ذہنی کشمکش جو عوام و خواص کے دو طبقوں میں اس وقت ہر اسلامی ملک میں برپا ہے، عوام مسلمان ہیں وہ اسلام پر ہی جینا اور مرنا چاہتے ہیں وہ مذہبی زبان و اصطلاحات کے سوا کچھ نہیں سمجھتے، خدا اور رسول، آخرت اور جنت، جہاد اور شہادت، رضائے الٰہی اور اجر و ثواب کے سواء ان کے لئے کوئی چیز کشش اور معنویت نہیں رکھتی، مذہبی دعوت اور نعرے کے سواء کوئی چیز ان کے خون میں گرمی، ان کے جسم میں حرارت اور ان کے اندر سرشاری اور بے خودی کی کیفیت نہیں پیدا کرسکتی اور نہ انہیں ایثار و قربانی پر آمادہ کر سکتی ہے، یہی وہ اپیل تھی، اور یہی وہ نعرہ تھا، جس نے الجزائر کے مسلمانوں کو بے خود بنا دیا، اور ان سے وہ قربانی کرائی جس کی نظیر ملنی مشکل ہے اسی کی سہارے ہر ملک کی جنگ آزادی لڑی گئی، یہ مسلمان شریعت اور اسلامی قانون سے محبت رکھتے ہیں، اور ان کے اعلیٰ اور افضل ہونے کے قائل ہیں، ان کو اسلامی معاشرت اور تہذیب سے محبت ہے، وہ اپنے ان ملکوں میں شریعت کے احکام کو نافذ، اسلامی زندگی کو رائج دیکھنا اور اللہ کے نام کا بول

بالا چاہتے ہیں، اور اس کے سوا ان کو کسی چیز سے دلچسپی نہیں۔

ایک عظیم المیہ:

میرے دوستو اور عزیزو! لیکن بدقسمتی سے جس طبقہ کے ہاتھ میں ان کی قیادت و رہنمائی ہے اور جو ان کے گلہ بان اور راعی بنے ہیں، ان کی تعلیم و تربیت ان ماحول، ان عقائد و جذباتی اور ان تمناؤں سے بالکل الگ ماحول میں ہوئی ہے، ان کے ذہن کا سانچہ بالکل الگ تیار ہوا ہے، ان کی تعلیم و تربیت انہیں شہروں میں ہوئی جہاں آپ اس وقت پڑھ رہے ہیں، ان کے اساتذہ مغرب نے ان کی ذہن پر یہ بات نقش کر دی ہے کہ اسلام کا دور ختم ہو گیا، اس نے اپنے اس محدود ماحول اور غیر ترقی یافتہ دنیا میں جس میں اس کا ظہور ہوا تھا، کسی قدر مفید خدمت انجام دی، لیکن اب اس ترقی یافتہ دنیا اور اس وسیع معاشرہ کے لئے اس کے پاس کوئی پیغام نہیں، اور اب وہ اس بدلی ہوئی دنیا میں کسی طرح فٹ نہیں ہو سکتا، کس قدر افسوس کی بات ہے کہ قومیں تو ایسی پُرجوش مسلمان ہوں کہ ان میں آج بھی محمد بن قاسم، طارق بن زیاد موسیٰ بن نصیر اور محمد فاتح پیدا ہو سکتے ہیں، لیکن جو لوگ قوموں کی باگ دوڑ سنبھالے ہوئے ہیں، ان کا اسلام پر سے اعتماد اٹھ چکا ہے، اور وہ اسلام کے مستقبل سے مایوس ہیں، اور ان کو ان باتوں سے کوئی دلچسپی نہیں، یہ لوگ یورپ کی تعلیم گاہوں میں اس لئے آئے تھے کہ یورپ سے ایسے وسائل و ذرائع حاصل کریں جن سے اسلام اور مسلمانوں کو فائدہ پہنچے، یہ یورپ اس لئے آئے تھے کہ یہاں سے سائنس، ٹیکنالوجی صنعت، اور اس طرح کے دوسرے فنون حاصل کریں جن میں یورپ کو مشرق پر پورا تفوق حاصل ہے، پھر وہ انہیں اسلام کے لئے مسخر کریں اور اسلامی مقاصد کا تابع اور خادم بنائیں۔

نئی نہر سوئز کی ضرورت:

میرے عزیزو! وہ یورپ اس لئے آئے تھے کہ یہاں سے علم حاصل کر کے مشرق و مغرب کے درمیان ایک نئی نہر سوئز بنائیں، ایسی نہر سوئز جو مشرق و مغرب کے

درمیان مساویانہ ومشترک تبادلہ کا ذریعہ بنے، ایسی نہر جو مشرق سے ایمان ویقین اور عمل صالح کی دولت مغرب کو پہنچائے اور مغرب سے اس کے بے ضرر اور صالح وسائل زندگی مشرق کو منتقل کرے، لیکن افسوس ہے کہ جن لوگوں سے اس کام کی توقع تھی، اور جن کو یہ فرض انجام دینا تھا وہ مغرب کے محض نقال بن کر رہ گئے تھے، ان کا کارنامہ ہر قسم کی ذہانت، جدت، جرأت اور مجتہدانہ قابلیت سے عاری ہے، وہ امام اور پیشوا بننے کے بجائے مغرب کے محض مقلد اور اس کے خیمہ وار ثابت ہوئے۔

بقول علامہ اقبال ؎

کر سکتے تھے جو اپنے زمانہ کی امامت
وہ کہنہ دماغ اپنے زمانے کے ہیں پیرو

یورپ میں تعلیم پانے والے نوجوانوں کی ذمہ داری:

عزیز نوجوانو! آپ مغرب اس لئے نہیں آئے کہ آپ موم کی طرح پگھل جائیں آپ اس لئے آئے ہیں کہ ایک نیا عالم تعمیر کریں، ابراہیم علیہ السلام کے فرزند اور ان کے پیرو ہی ایسا عالم تعمیر کر سکتے ہیں، جن پاک باز، امامت دار ہاتھوں نے حرم تعمیر کیا انہیں کے نام لیوا اور انہیں کے پیرو نئے عالم کی تعمیر کر سکتے ہیں، آج دنیا زبان سے یہ کہہ رہی ہے۔ ع

معمار حرم باز بتعمیر جہاں خیز

آپ کو نقالی سے بلند ہونا چاہئے:

آپ مغرب اس لئے ہرگز نہیں آئے ہیں کہ یہاں سے واپس جا کر اہل مشرق کو طوطوں کی طرح رٹا رٹایا سبق سنائیں، بندروں کی طرح نقلیں بنائیں، مشرق کو ایسی صاحب ہمت اور صاحب دانش انسانوں کی ضرورت ہے، جن میں ایسی جرأت ہو کہ وہ مغرب سے کہہ سکیں کہ تو نے یہاں یہاں غلطی کی جو اس کے پورے نظام زندگی سے اعلان بغاوت اور اعلان جنگ کر سکیں، اور حضرت ابراہیمؑ کے الفاظ میں کہہ سکیں۔

كَفَرْنَا بِكُمْ وَبَدَا بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمُ الْعَدَاوَةُ وَالْبَغْضَاءُ أَبَدًا حَتّٰى

تُؤْمِنُوا بِاللّٰهِ وَحْدَهُ (الممتحنہ ۴)

ہم تمہارے منکر ہیں اور ہم میں تم میں ہمیشہ کے لئے بغض وعداوت ظاہر ہو گیا، جب تک تم خدائے واحد پر ایمان نہ لاؤ۔

لیکن وہ لوگ جن کو ایک ہی بات کہنی آتی ہو کہ مغرب نے تو سب تسخیر کیا، یہ لوگ مشرق کے کام نہیں آ سکتے۔

اس وقت مشرق کو ان بلند حوصلہ، بیباک اور جری نوجوانوں کی ضرورت ہے جو مغرب کی آنکھوں سے آنکھیں ملا سکیں۔

مغرب کے ان حاشیہ برداروں کی کوئی قیمت نہیں، جنہوں نے مغرب کو اپنے سروں پر سوار کر لیا ہے، وہ مغرب کے سامنے سر جھکاتے ہیں، اور مشرق کو اپنے پیروں تلے روندتے ہیں، ترکی، انڈونیشیا اور مصر وغیرہ کے موجودہ قائد کسی مجتہدانہ کردار اور کسی تخلیقی قابلیت کا ثبوت نہیں دے سکے، آپ کی منزل ان سے بہت آگے ہونا چاہئے انہوں نے مغربی اقتدار وافکار کے قدموں پر سب کچھ قربان کر دیا، اور اس کے بدلہ میں مشرق کے لئے جو بھیک حاصل کی وہ قربان کی ہوئی دولت کے آگے کوئی قیمت نہیں رکھتی۔

صرف سائنس داں اور انجینئر ہونا کافی نہیں:

عزیزو! آپ کو یہ سمجھنا چاہئے کہ آپ کو جنہوں نے یہاں بھیجا ہے، ان کے لئے یہ کافی نہیں کہ آپ صرف اچھے سائنس دان، اچھے ٹیکنیشن، اچھے انجینئر، اچھی آرٹسٹ اور مغربی زبانوں اور ادبیات کے اچھے ماہر بن کر جائیں۔

اگر آپ صرف سائنس داں، صرف انجینئر اور صرف قانون داں بنے تو آپ نے ملک کو صحیح فائدہ نہیں پہنچایا، آپ کو ان علوم میں مجتہدانہ قابلیت پیدا کرنی چاہئے اگر آپ قانون کے طالب علم ہیں تو آپ کو اسلامی قانون پر عبور حاصل کرنا چاہئے اور دنیا کے اصول قانون کا گہرا مطالعہ کر کے اسلامی قانون کی برتری ثابت کرنی چاہئے آپ کو اپنے

ملکوں میں جا کر کہنا چاہئے کہ مغرب کا کس قدر برا حال ہے وہ اس وقت پکے ہوئے پھل کی مانند ہے، جو کسی وقت بھی گرنے والا ہے۔

اگر آپ نے مشرق میں جا کر کہا کہ مغرب سرتاپا خیر اور سراسر بے عیب ہے تو آپ نے اپنی قوم کو دھوکا دیا، اور ایک خلاف واقعہ بات بیان کی، آپ کو یہاں سے واپس جا کر اپنے بھائیوں کو بتانا ہے کہ مغرب کے پاس کیا خوبیاں ہیں؟ اس کی قوت کا کیا راز ہے، اور ان کی زندگی کے کون سے پہلو قابل تقلید ہیں؟ اس طرح مغرب کی کون سی بیماریاں ہیں، جو اس کے درخت کو گھن کی طرح کھاتی جا رہی ہیں، وہ آج کس اخلاقی جذام میں مبتلا ہے، ہمیں اس کی کن کن چیزوں سے پرہیز کرنا ہے، اور اس کی کون سی چیزیں ہیں جن میں مشرق کو اس کی تقلید کرنے کی ضرورت نہیں، اور جس کا مغرب سے طاقت اور اقتدار سے کوئی تعلق نہیں۔

ابھی آپ بہت کچھ کر سکتے ہیں:

میرے بھائیو! اگر میں یہ بات دہلی، کراچی یا قاہرہ میں جا کر کہتا یا کسی اور مشرقی شہر کے قائدین کے سامنے پیش کرتا جو اپنی فکر اور تربیت میں پختہ ہو چکے ہیں، تو یہ بعد از وقت بات ہوتی، وہاں یہ باتیں کہنے کا وقت نکل چکا ہے، ذہن و فکر اور قلب و دماغ کے سانچے یہاں ڈھلتے ہیں، اور وہاں جا کر اپنا عمل شروع کرتے ہیں، اس لئے کہنے کی جگہ وہی ہے، جہاں یہ سانچے بنتے ہیں، ابھی یہاں اس بات کا وقت نہیں نکلا یہ سبق دراصل یہیں سنانے کا ہے، آپ ہی کو اپنے ملکوں کا قائد و رہنما بننا ہے، آپ ہی کو اپنی قوم کی تعمیر کرنی ہے، اگر آپ کو اپنی قوم کی عظیم صلاحیت اور قیمت کا احساس یہیں پیدا ہو جائے، اور آپ کے دل میں اسلام کی زندگی کی صلاحیت اور اس کی اندرونی طاقت اور اس کی افادیت پر اعتماد پیدا ہو جائے، تو آپ نے سب کچھ پالیا۔

دعوت عمل:

آپ کو جو ملک سیر دکھائے جا رہے ہیں، وہ بہت بڑے بڑے اور اہم ملک ہیں اتنی

بڑی سوسائٹی اور قوت کسی کو نصیب نہیں، آپ ان ملکوں کی اقتصادیات ان کی دولتوں اور ذخائر اور ان کی انسانی صلاحیتوں کا جائزہ لیجئے، اور ان کا نیا نقشہ بنائیے، اپنے علم وفن سے پورا فائدہ اٹھائیے اور اسلامی مقاصد کے لئے ان کو زیادہ سے زیادہ کارآمد بنائیے، بے لوث اور بے غرض خدمت کی مثال قائم کیجئے اگر آپ نے ایسا کر لیا اور آپ نے اسلامی قیادت کا صحیح مقام حاصل کیا تو آپ کو دنیا اور تاریخ میں وہ مقام حاصل ہوگا، جو نہ کمال اتاترک کو حاصل ہوا نہ جمال عبدالناصر کو، نہ بن بلّہ اور احمد سوکارنو کو نہ دوسرے اسلامی ممالک کے قائدین کو۔

یہ محبوبیت واعتماد واحیائے ملت، اعلائے کلمۃ اللہ، اور بے لوث وبے غرض خدمت کا مقام ہے، جو تاریخ میں بڑے نصیب والوں کو حاصل ہوتا ہے، اس طرح یہ ملک اس ذہنی، اخلاقی اور طبقاتی کشمکش سے بھی نجات پائیں گے، جس میں ان قومی رہنماؤں نے ان کو بالکل غیر ضروری طریقوں پر مبتلا کر دیا ہے، جو ان قوموں کے مزاج معتقدات وروایات سے کوئی مناسبت نہیں رکھتے۔

اپنے کو پا لیجئے:

عزیزو! آپ اپنی اور اپنی قوموں کی صلاحیتوں سے آشنا بنئے، خود اپنی ہستی، اپنی ترقی اور فتوحات کے عظیم اور وسیع امکانات کا انکشاف کیجئے، اور اپنی نامعلوم نئی دنیا کو دریافت کرکے ایک انقلاب پیدا کیجئے۔

آپ مجھے یا میری باتیں سمجھیں یا نہ سمجھیں اپنے کو سمجھنے کی کوشش کیجئے اور اپنے کو پا لیجئے۔

اپنے من میں ڈوب کر پا جا سراغ زندگی
تو اگر بنتا نہیں میرا نہ بن اپنا تو بن

وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین

موضوع تعمیر انسانیت

الحمد للہ نحمدہ و نستعینہ و نستغفرہ و نومن بہ و نتوکل علیہ و نعوذ باللہ من شرور انفسنا و من سیئات اعمالنا من یھدہ اللہ فلا مضل لہ و من یضلل اللہ فلا ھادی لہ واشھد ان لا الہ الا اللہ وحدہ لا شریک لہ و اشھد ان سیدنا و سندنا و مولانا محمدا عبدہ و رسولہ صلی اللہ تعالی علیہ و علی آلہ و صحبہ و سلم تسلیما کثیرا کثیرا۔ اما بعد!

دوستو اور بھائیو! آپ میں اکثر لوگوں نے تاریخ کا مطالعہ کیا ہوگا، انسان آج نئے نہیں ہیں، وہ ہزاروں برس سے آباد ہیں، ان کی سینکڑوں برس کی تاریخ محفوظ ہے، اس تاریخ کی سطح پانی کی سطح کی طرح برابر نہیں، اس میں سخت نشیب و فراز ہے، اس میں آدمی کہیں اونچا نظر آتا ہے، کہیں نیچا، کبھی ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہ انسان کی تاریخ نہیں، خونخواروں اور درندوں کی تاریخ ہے، سب کی تاریخ ہے مگر انسان کی تاریخ نہیں، اس کے مطالعے سے انسانوں کا سر جھک جاتا ہے کہ ہم میں ایسے افراد بھی گزرے ہیں، یہ فیصلہ تو آنے والی نسلیں کریں گی کہ ہم اور آپ کیسے آدمی تھے لیکن یہ اندازہ ہم کر سکتے ہیں کہ انسانوں کا پچھلا ریکارڈ کیا ہے۔ اس میں بعض ایسے دور نظر آتے ہیں کہ اگر بس چلے تو تاریخ سے ہم ان اوراق کو نکال دیں، ایسا ریکارڈ ہے کہ ہم بچوں کے ہاتھوں میں دینے کو تیار نہیں، مجھے اس کی کہانی سنانی نہیں، لیکن مجھے ایک حقیقت کی طرف متوجہ کرنا ہے کہ تاریخ میں ایسے ناگوار دور گزرے ہیں اس میں خرابی کی جڑ کیا ہے۔

جب تک سوسائٹی میں برائی کا رجحان اور بگاڑ کی صلاحیت نہ ہو کوئی اس کو بگاڑ نہیں سکتا:

میرے دوستو بھائیو! حضرات! عام طور پر لوگ کسی خاص طبقہ یا چند افراد اور

بعض اوقات تنہا کسی فرد کو پوری سوسائٹی کی خرابی کا ذمہ دار قرار دیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ان خراب عناصر نے یا اس بگڑے ہوئے فرد نے پوری زندگی کو غلط رخ پر ڈال دیا تھا، لیکن مجھے اس سے اتفاق نہیں، میں تاریخ کے مطالعہ کی بنیاد پر کہتا ہوں کہ ایک مچھلی تالاب گندہ کر سکتی ہے، لیکن ایک فرد سماج کو بگاڑ نہیں سکتا، واقعہ یہ ہے کہ جب سماج میں برے آدمی کا گزر نہیں ہوتا، وہ خود ختم ہو جائے گا جس طرح مچھلی کو پانی سے نکال دیا جاتا ہے تو وہ خود ختم ہو جاتی ہے، اسی طرح جو سماج برائی کی ہمت افزائی نہیں کرتی، جو اسے خوش آمدید (WELCOME) کرنے کے لئے تیار نہیں، اس میں برائی تڑپنے لگے گی، اس کا دم گھٹنے لگے گا اور وہ دم توڑ دے گی۔

ہر زمانے میں اچھے برے انسان ہوتے ہیں لیکن سب برائیوں کا ان کو ذمہ دار ٹھہرانا اور تمام برائیوں کو ان کے سر تھوپ دینا ٹھیک نہیں، اگر چند برے لوگ حاوی ہوتے تھے تو اس کا یہ مطلب نہیں کہ پوری زندگی کا ہینڈل ان کے ہاتھ میں تھا، وہ جس طرف چاہتے تھے زندگی کو موڑ دیتے تھے بلکہ بات یہ ہے کہ اس زمانہ میں سماج میں خود خرابی آ گئی تھی، اس زمانہ کا ضمیر (CONSCIENCE) گندہ ہو گیا تھا، اس کے اندر اندھیر، ظلم اور خواہشات کو پورا کرنے کی زبردست خواہش پیدا ہو گئی تھی، وہ خود غرض اور نفس پرست بن گیا تھا، جس کا دل و ذہن بدل جائے، جو من پاپی ہو جائے آپ اسے جرائم سے کسی طرح روک نہیں سکتے، آپ اس کو بیڑیوں میں جکڑ کر بھی رکھیں گے تب بھی ان چیزوں سے محفوظ نہیں رکھ سکتے۔

خود غرض انسان:

حضرات! ہر زمانہ میں کچھ ایسے افراد رہے ہیں جن کا عقیدہ تھا کہ بس ہم اور ہمارے اہل و عیال انسان ہیں اور باقی سب ہمارے خادم ہیں، کچھ ایسے انسان بھی ہیں، جو دوسرے انسانوں کو تو دیکھتے ہیں لیکن وہ خود اپنے ہی محدود حلقہ کو انسان سمجھتے ہیں، یہ لوگ بس یہ سمجھتے ہیں کہ دنیا میں بس اتنے کنبے کے دس گیارہ یا بیس پچیس انسان ہیں

ہیں، ایسے انسان ہمیشہ رہے ہیں جو اپنے اپنے مسائل اور متعلقین کو دیکھنے کے لئے خوردبین رکھتے ہیں اور دوسروں کو دیکھنے کے لئے ان کی آنکھیں بھی بند ہوتی ہیں، بعض لوگ وہ عینکیں رکھتے ہیں ایک سے اپنے کو دیکھتے ہیں دوسری سے تمام دنیا کو دیکھتے ہیں، انہیں نظر بھی نہیں آتا کہ انسان کہاں ہیں، یہ اندازہ ہے کہ ان کے پاس وہ عینک ہے کہ اس کے ذریعہ کو اپنے بچے آسمان سے باتیں کرتے نظر آتے ہیں، ان کو اپنی رائی پربت اور دوسروں کا پہاڑ ذرہ نظر آتا ہے۔

اصلاح اور سدھار کی مختلف تجاویز اور تجربے:

دنیا کے مختلف انسانوں نے اپنی اپنی سمجھ کے مطابق زندگی کے سدھار کے طریقے سوچے اور ان پر عمل کرنا شروع کر دیا۔

کسی نے کہا کہ ساری خرابی کی جڑ یہ ہے کہ انسان کو پیٹ بھر کھانے کو نہیں ملتا، یہی زندگی کا سب سے بڑا روگ ہے، انہوں نے اسی مسئلہ کو اپنا مشن بنالیا، اس کے نتیجے میں پاپ اور بڑھا، پہلے لوگ کمزور تھے، پاپ بھی اسی لحاظ سے کمزور تھا، انہوں نے جب خون کے انجکشن دیئے اور قوت حیات(VITALITY) بڑھائی تو ان کے پاپ بھی طاقتور ہو گئے، دل بدلا نہیں، ضمیر بدلا نہیں، ذہن بدلا نہیں، طاقت بڑھ گئی، بے فکری پیدا ہوئی فرق اتنا ہوا کہ پہلے پھٹے کپڑوں میں پاپ ہوتے تھے، اب زرق برق لباسوں میں پاپ ہونے لگے، پہلے بے زور اور بے ہنر ہاتھوں سے گناہ ہوتے تھے، اب طاقتور اور ہنر مند ہاتھوں سے وہی سب گناہ ہونے لگے۔

کسی نے کہا تعلیم کا انتظام کیا جائے، ناخواندگی ہی فساد کی جڑ ہے اور تمام خرابیوں کی اصل وجہ ہے، علم بڑھا، لوگوں نے معلومات حاصل کئے اور نئی نئی زبانیں سیکھیں لیکن جن کا ضمیر فاسد اور ذہن بیمار تھا اور دل کے اندر پاپ بسا ہوا تھا، انہوں نے علم کو فساد اور تخریب کا ذریعہ بنا لیا، کھلی بات ہے کہ اگر چور کو لوہاری کا فن آجائے تو وہ تجوری توڑنا سیکھے گا، اب اگر اس میں خدا کا خوف اور انسانی ہمدردی کا رجحان نہیں ہے اور ظلم و ستم اس

کے ضمیر میں پڑا ہوا ہے، تو علم اس کے ہاتھ میں ظلم اور فتنہ وفساد کا آلہ دے دے گا اور اس کو ڈاکہ اور چوری کے نئے نئے ڈھنگ سکھائے گا۔

بعض لوگوں نے تنظیم کو اصلاح کا ذریعہ سمجھا اور اپنی ساری قوتیں لوگوں کی تنظیم پر صرف کیں، نتیجہ یہ ہوا کہ بکھرے ہوئے افراد کا ایک بگڑا ہوا مجموعہ تیار ہو گیا، جو کام اب تک غیر منظم طریقہ پر ہوتے تھے، اب منظم طریقہ پر ہونے لگے، اب سازش اور تنظیم کے ساتھ منظم چوریاں ہونے لگیں، لوگوں نے اخلاقی تربیت دل اور ضمیر کی اصلاح کی طرف تو توجہ کی نہیں، جیسے برے بھلے لوگ تھے، ان کو منظم کرنے ہی کو کام سمجھا، نتیجہ یہ ہوا کہ بد اخلاقی کو طاقت حاصل ہو گئی، میں تو کہوں گا کہ ڈاکوؤں اور چوروں اور بد اخلاقوں کی تنظیم نہ ہوتی تو اچھا تھا۔

کسی نے کہا کہ زبانوں کا اختلاف اور کثرت فتنہ وفساد کی جڑ ہے، زبان ایک اور مشترک ہونی چاہئے، اس ملک کی ترقی، قوم کی خوش حالی اور انسانیت کی خدمت ہے، لیکن اگر لوگ نہ بدلیں، خیالات نہ بدلیں، دلوں کی خواہشات اور اندر کے رجحانات نہ بدلیں تو زبان کے بدل جانے یا بولی کے ایک ہو جانے سے کیا خاص فائدہ ہوگا، فرض کیجئے کہ اگر ساری دنیا کے چور اور جرائم پیشہ ایک بولی بولنے لگیں اور ایک ہی زبان اختیار کر لیں تو اس سے دنیا کو کیا فائدہ ہوگا اور اس سے چوری اور جرائم کا کیا سد باب ہوگا، میں تو سمجھتا ہوں کہ اس سے بجائے اس کے کہ چوری اور جرائم کم ہوں، زیادہ ہوں گے اور مجرم کی شناخت میں اور دقت ہوگی۔

کسی نے کہا کہ وقت کا سب سے بڑا کام اور انسانیت کی سب سے بڑی خدمت یہ ہے کہ کلچر ایک ہو جائے، مگر کیا آپ کو معلوم نہیں کہ یہاں تہذیبیں نہیں ٹکراتیں، ہوس ٹکراتی ہے، "ہم چو ما دیگرے نیست" کا مہلک جذبہ ٹکراتا ہے، ہمارے بہت سے رہنما بے سوچے سمجھے کہنے لگے ہیں کہ اگر تمام دنیا کا کلچر ایک ہو جائے تو انسانیت کی ناؤ پار لگ جائے گی، اگر پورے ملک کا کلچر ایک ہو جائے تو اس ملک کے رہنے والے شیر وشکر ہو جائیں گے، لیکن دوستو! کلچر ایک ہونا مفید نہیں، دل کا ایک ہونا مفید ہے، رہنے والے

نے غلط نہیں کہا کہ۔

یک دلی از یک زبانی بہتر است

اگر لوگ ایک دل نہ ہوں تو ایک زبان یا ایک تہذیب ہونے سے کچھ فائدہ نہیں، جو لوگ پہلے سے ایک زبان ہیں اور جن کی تہذیب اور کلچر مشترک ہے، انہیں میں کون سی محبت اور اتحاد ہے، کیا وہ ایک دوسرے پر ظلم نہیں کرتے، کیا وہ ایک دوسرے کو دھوکا نہیں دیتے، کیا ان میں سے ایک دوسرے سے عاجز اور پریشان نہیں ہیں، کیا ایک کلچر، ایک زبان اور ایک تہذیب کے لوگ آپس میں نہیں لڑتے۔

بعضوں نے کہا کہ لباس ایک ہو، لیکن جب کسی زبردست کو گریبان پکڑنے کی عادت پڑ جائے اور جیب کترنے کی لت لگ جائے تو کیا وہ لباس کا احترام کرے گا؟ کیا وہ شخص اس وجہ سے اپنے ارادے سے باز رہے گا کہ اسی کا جیسا لباس دوسرے کے جسم پر ہے، انسانیت کا احترام دل میں نہ ہو تو لباس کا احترام کیسے پیدا ہوگا، لباس کی قدر و قیمت تو انسان کی وجہ سے ہے۔

دل کی تبدیلی کے بغیر زندگی تبدیل نہیں ہوسکتی:

دوستو! انسانیت کے مسائل اور مشکلات کا حل نہ لباس کی یکسانی ہے، نہ زبان اور تہذیب کا اشتراک، نہ ملک و وطن کی وحدت، نہ علم و دولت، نہ تہذیب و تنظیم، نہ وسائل و ذرائع کی کثرت، ان سب میں کوئی ایک بھی ایسی طاقت نہیں جو دنیا کو بدل دے، جب تک دل کی دنیا نہیں بدلتی، باہر کی دنیا نہیں بدل سکتی، پوری دنیا کی باگ دوڑ دل کے ہاتھ ہے، زندگی کا سارا بگاڑ دل کے بگاڑ سے شروع ہوا ہے، لوگ کہتے ہیں مچھلی سر کی طرف سے سڑنا شروع ہوتی ہے، میں کہتا ہوں انسان دل کی طرف سے سڑتا ہے، یہاں سے بگاڑ شروع ہوتا ہے اور ساری زندگی میں پھیل جاتا ہے۔

پیغمبر انسانیت کا مزاج بدلتے ہیں:

دوستو عزیزو! پیغمبر یہیں سے اپنا کام شروع کرتے ہیں، وہ خوب سمجھتے ہیں کہ

یہ سب دل کا قصور ہے، انسان کا دل بگڑ گیا ہے، اس کے اندر چوری، ظلم، دغابازی کا جذبہ اور ہوس پیدا ہوگئی ہے، اس کے اندر خواہش کا عفریت ہے جو ہر وقت اس کو نچا رہا ہے، اور وہ بچے کی طرح اس کے اشارے پر حرکت کر رہا ہے پیغمبر کہتے ہیں کہ ساری خرابیوں کی جڑ یہ ہے کہ انسان پاپی ہوگیا ہے، اس کے اندر برائی کا جذبہ اور اس کا زبردست میلان پیدا ہوگیا ہے، اس لئے سب سے ضروری اور مقدم کام یہ ہے کہ اس کے دل کی اصلاح کی جائے اور اس کے من کو مانجھا جائے۔

وہ لوگوں کو فاقہ کرتے دیکھتے ہیں، اس منظر سے ان کا دل جس قدر دکھتا ہے، دنیا میں کسی کا نہیں دکھتا، ان کو کھانا پینا دشوار ہوجاتا ہے، مگر وہ حقیقت پسند ہوتے ہیں، وہ یہ نہیں کرتے کہ اسی کو مسئلہ بنا کر اس کے پیچھے پڑ جائیں، اس لئے کہ وہ جانتے ہیں کہ یہ خرابی کا نتیجہ ہے، خرابی کی جڑ نہیں وہ جانتے ہیں کہ اگر لوگوں کے پیٹ بھرنے کا سامان کر دیا جائے اور زائد غلہ لے کر بھوکوں کو دے دیا جائے تو یہ ایک وقتی اور سطحی انتظام ہوگا۔ وہ ایسی فضا اور ایسے حالات پیدا کرتے ہیں کہ لوگوں سے دوسروں کی بھوک دیکھی نہ جاسکے اور خود اپنے گھر سے غلہ لا کر لوگوں کے پاس ڈال جائیں۔

اس کے برخلاف لوگ ایسے حالات پیدا کرتے جاتے ہیں کہ غلہ کھسکتا اور ایک جگہ جمع ہوتا چلا جائے، یاد رکھئے کہ اگر ذہنیت میں تبدیلی نہیں ہوئی اور غلہ کی تقسیم یا رسد کا انتظام کر دیا گیا تو اس کے بعد بھی لوگوں کو ایسا فن معلوم ہے کہ دوسروں کی جھولی کے دانے ان کی جھولی میں آجائیں، اور دولت ہر طرف سے سمٹ کر ان کے قدموں سے لگ جائے، آپ نے شاید الف لیلہ کا قصہ پڑھا ہو کہ سند باد جہازی اپنے ایک سفر میں ایک مقام پر پہنچا۔ اس نے دیکھا کہ جہاز کا کپتان بہت فکرمند اور غمگین ہے۔ سند باد نے سبب پوچھا تو جہاز کے ناخدا نے بتلایا کہ ہم غلطی سے ایک ایسے مقام پر آگئے ہیں، جہاں سے قریب مقناطیس کا ایک پہاڑ ہے، ابھی تھوڑی دیر میں ہمارا جہاز اس کی قریب پہنچ جائے گا، مقناطیس لوہے کو کھینچتا ہے، جب وہ پہاڑ کشش کرے گا تو جہاز کی سب کیلیں اور تختوں کے قبضے نکل کر پہاڑ سے جا ملیں گے اور جہاز کا بند بند جدا ہوجائے گا، اس وقت

ہمارا جہاز ڈوبنے سے نہ بچ سکے گا، چنانچہ ایسا ہی واقعہ پیش آیا، مقناطیس نے لوہے کو کھینچنا شروع کیا اور جہاز میں جتنا بھی لوہے کا سامان تھا سب کھینچ کھینچ کر پہاڑ پر پہنچ گیا اور دیکھتے دیکھتے جہاز غرق ہو گیا، خوش قسمت سندباد ایک بہتے ہوئے تختے کے سہارے کسی جزیرے میں پہنچ گیا اور اس کی جان بچی۔

یہ قصہ غلط ہو یا صحیح اس سے مجھے کچھ سروکار نہیں، مگر مجھے آپ کو یہ سنانا تھا کہ ہماری سوسائٹی میں بھی مقناطیس صفت سرمایہ دار اور تاجر موجود ہیں، انہیں آپ بھی میگنیٹ (MAGNATE) کہتے ہیں، وہ ایسی سازش کرتے ہیں کہ دولت سمٹ کر ان کے گھر میں آجاتی ہے، وہ ایسا معاشی جال پھیلاتے ہیں کہ لوگ چار ونا چار سب کچھ ان کی جھولی میں ڈال دیتے ہیں اور اپنے وسائل زندگی اور ضروریات ان کے سپرد کر کے پھر غربت اور فاقہ کشی کی زندگی گزارنے لگتے ہیں، پیغمبر قلب کی ماہیت بدل دیتے ہیں، وہ انسان کے اندر ایسی تبدیلی پیدا کرتے ہیں کہ وہ دوسرے انسان کی فاقہ کشی کو نہ دیکھ سکے، وہ اس کے اندر ایثار کی روح اور قربانی کا جذبہ اور سچی انسانی ہمدردی پیدا کرتے ہیں، اس کو دوسروں کی زندگی اپنی زندگی سے زیادہ عزیز ہو جاتی ہے، وہ اپنی جان کھو کر دوسروں کی زندگی بچانا چاہتا ہے، وہ اپنے بچوں کو بھوکا رکھ کر دوسروں کا پیٹ بھرنا چاہتا ہے، وہ خطروں میں اپنے کو ڈال کر دوسروں کو خطروں سے محفوظ کرنا چاہتا ہے۔

ایثار کے دو واقعے:

میرے عزیزو! آپ میرے ان لفظوں پر تعجب نہ کریں، یہ سب تاریخ کے واقعات ہیں، ہماری آپ کی اسی دنیا میں ایسا ہو چکا ہے، تاریخ میں ایسے واقعات گزرے ہیں، جو ان فرضی قصوں اور انسانوں سے کہیں زیادہ حیرت انگیز اور تعجب خیز ہیں، جو آج فلموں میں اور اسکرین پر دکھلائے جاتے ہیں۔

محمد رسول اللہ ﷺ کی دنیا میں آمد کے کچھ عرصہ بعد کا واقعہ ہے کہ ایک مسلمان اپنے ایک زخمی بھائی کی تلاش میں پانی لے کر نکلے کہ شاید پانی کی ضرورت ہو تو میں ان کی

خدمت کروں، زخمیوں میں ان کو اپنے بھائی نظر آ گئے جو زخموں سے نڈھال اور پیاس سے بے قرار تھے، انہوں نے پیالہ بھر کر پیش کیا تو زخمی بھائی نے ایک دوسرے زخمی کی طرف اشارہ کیا کہ پہلے ان کو پلاؤ اگر یہ واقعہ یہیں ختم ہو جاتا تب بھی انسانیت کی بلندی کے لئے کافی تھا اور تاریخ کا ایک یادگار واقعہ ہوتا لیکن یہ واقعہ یہیں ختم نہیں ہوتا، جب اس زخمی کے سامنے پیالہ پیش کیا گیا تو اس نے تیسرے زخمی کی طرف اشارہ کیا، اس طرح ہر زخمی اپنے پاس والے زخمی کی طرف اشارہ کرتا رہا، یہاں تک کہ پیالہ چکر کاٹ کر پہلے زخمی کی طرف پہنچا تو وہ دم توڑ چکا تھا، دوسرے کے پاس پہنچا تو وہ بھی رخصت ہو چکا تھا، اسی طرح سے یکے بعد دیگرے یہ سب زخمی دنیا سے چلے گئے لیکن تاریخ پر اپنا ایک نقش چھوڑ گئے، آج جب کہ بھائی بھائی کا پیٹ کاٹ رہا ہے، اور ایک انسان دوسرے انسان کے منہ سے روٹی کا ٹکڑا چھین رہا ہے، یہ واقعہ روشنی کا ایک مینار ہے۔

ایک دفعہ محمد رسول اللہ ﷺ کے پاس کچھ مہمان آئے، آپ کے یہاں کچھ کھانے کو نہیں تھا، آپ نے فرمایا ان کو کون اپنے گھر لے جائے گا، ایک صحابی حضرت ابوطلحہ انصاریؓ نے اپنے کو پیش کیا اور مہمانوں کو لے گئے، گھر میں کھانا کم تھا، گھر میں یہ مشورہ ہوا کہ بچوں کو سلا دیا جائے گا اور کھانا مہمانوں کے سامنے رکھ کر چراغ بجھا دیا جائے گا، چنانچہ ایسا ہی ہوا، مہمانوں نے شکم سیر ہو کر کھایا اور ابوطلحہ بھوکے اٹھ گئے، مہمانوں کو اندھیرے میں پتہ چلنے نہیں پایا کہ ان کا میزبان کھانے میں شریک نہیں ہے اور وہ خالی ہاتھ منہ تک لے جاتے رہے ہیں۔

انسانیت کا درخت اندر سے سرسبز ہوگا:

پس پیغمبر انسان کے اندر تبدیلی پیدا کرتے ہیں، وہ نظام بدلنے کی اتنی کوشش نہیں کرتے، جتنا مزاج بدلنے کی کوشش کرتے ہیں، نظام ہمیشہ مزاج کے تابع رہا ہے، اگر دل نہیں بدلتا، مزاج نہیں بدلتا تو کچھ نہیں بدلتا، لوگ کہتے ہیں کہ دنیا خراب ہے، زمانہ خراب ہے، میں کہتا ہوں یہ کچھ نہیں، بلکہ انسان خراب ہے، کیا زمین کی حالت میں فرق

پڑ گیا، کیا ہوا کا اثر بدل گیا، کیا سورج نے گرمی اور روشنی دینی چھوڑ دی، کیا آسمان کی حالت تبدیل ہوگئی، اس کی فطرت (NATURE) میں فرق پڑا، زمین اسی طرح سونا اگل رہی ہے، اسکے سینہ سے اسی طرح اناج کا ذخیرہ ابل رہا ہے، پھلوں کے ڈھیر نکل رہے ہیں، لیکن تقسیم کرنے والے پاپی ہوگئے ہیں، یہ ظالم جب اپنی ضروریات کی فہرست بناتے ہیں تو اخبارات کے صفحات اس کے لئے تنگ اور دفتر کے دفتر ان کے لئے کم اور جب دوسروں کی ضروریات پر سوچتے ہیں تو ساری علم معاشیات (ECONOMICS) کی قابلیت کا کمال اس کے مختصر کرنے میں صرف کردیتے ہیں، جب تک یہ رجحان نہیں بدلتا، انسانیت کراہتی رہے گی، پیغمبر اندر کے گھن کی فکر کرتے ہیں، آج ساری دنیا میں یہی ہو رہا ہے، انسانیت کا درخت اندر سے خشک ہوتا چلا جارہا ہے، کیڑا اس کے گودے کو کھائے چلا جارہا ہے، لیکن زمانہ کے بقراط اوپر سے پانی چھڑکوا رہے ہیں، درخت کے اندر کی سرسبزی اور اس کی نشوونما کی جو قوت تھی، وہ ختم ہوچکی ہے، لیکن پتیوں کو سرسبز کرنے کو ہوائیں (GASES) پہنچائی جارہی ہیں، پانی چھڑکا جارہا ہے کہ خشک پتے ہرے ہوں، پیغمبروں نے انسان کو انسان بنانے کی کوشش کی، انہوں نے اسے ایمانی انجکشن دیا اور کہا کہ اے بھولے ہوئے انسان اپنے پیدا کرنے والے کو پہچان اور سوتے جاگتے، چلتے پھرتے اسے نگراں مان 'لا تاخذہ سنۃ ولا نوم" نہ اس پر اونگھ کا غلبہ ہوتا ہے، نہ اسے نیند آتی ہے۔

انسانیت کے صحیح نمائندے:

بس جب تک انسان کے قلب وجگر سے محبت کا سرچشمہ نہ ابلے، جب تک دل کے اندر ایثار کا جذبہ نہ پیدا ہو، انسانیت کی اصلاح ناممکن ہے، بس وہ ایسی انسانی تربیت کرتے ہیں کہ اس میں بھائی کے لئے ایثار اور تکلیف اٹھانے کا جذبہ پیدا ہوتا ہے، وہ محض قانون سے انسان کا علاج نہیں کرتے بلکہ وہ انسان کے اندر حقیقی انسانیت، انسانیت کا جذبہ پیدا کرتے ہیں، وہ ایسی قوم پیدا کرتے ہیں جو صحیح انسانیت کا مظاہرہ (DEMONSTRATION)

کر کے یہ ثابت کر دیتی ہے کہ ہم معدہ، پیٹ اور سر کے غلام نہیں، وہ زبان حال سے اعلان کرتی ہے کہ وہ شکم پرست، شوق پرست، دولت پرست، بادشاہ پرست یا اہل وعیال پرست نہیں، جب تک ایسی قوم سامنے نہیں آتی۔ انسانیت کی اصلاح نہیں ہو سکتی۔

اگر کسی ملک میں ایسی قوم پیدا ہوتی ہے کہ سب کو نفع پہنچائے اور خود کو بھول جائے تو وہ انسانیت کو سدھار سکتی ہے، تاریخ شاہد ہے کہ بڑے بڑے انسانیت کے خیر خواہ گزرے ہیں، لیکن نہ کسی اسٹیج پر آپ یہ پائیں گے کہ انہوں نے بالآخر اپنا انتظام کر لیا، ایسے بے شمار قوم کے شیوخ گزرے ہیں جنہوں نے قومی سدھار کا کام بڑی مشکلات میں شروع کیا، جیلیں کاٹیں لیکن بالآخر جیل سے نکل کر حکومت کی کرسیوں پر جا بیٹھے، ان کا یہ حق تھا انہیں مبارک ہو۔

پیغمبروں کی زندگی:

دوستو! لیکن اللہ کے پیغمبر دنیا سے بے داغ چلے گئے، انہوں نے دنیا کے آرام کی خاطر اپنا عیش تج دیا، انہوں نے سو فی صدی دوسروں کے فائدے میں بے آرام زندگی گذاری اور ایک فی صدی بھی اپنا فائدہ نہیں اٹھایا، وہ اور ان کے صحابی اور ساتھی جہاں سے گزرے دنیا کو نہال کر دیا، دنیا آج تک ان کے لگائے ہوئے باغ کا پھل کھا رہی ہے، جسے انہوں نے اپنے خون سے سینچا تھا، جو دوسروں کے گھر میں چراغاں کر گئے، لیکن ان کے گھر میں دنیا سے جاتے وقت اندھیرا تھا، محمد رسول اللہ ﷺ کی عطا کی ہوئی روشنی جھونپڑوں اور شاہی محلوں میں یکساں جگمگائی، لیکن جاتے ہوئے ان کے گھر کا چراغ مانگے ہوئے تیل سے جل رہا تھا، حالانکہ مدینہ کے سینکڑوں گھروں میں انہیں کا جلایا ہوا چراغ جل رہا تھا، آپ فرماتے تھے **"نحن معشر الانبیاء لا نرث ولا نورث ما ترکنا صدقة"** (ہم پیغمبر نہ کسی کے وارث ہوتے ہیں، نہ ہمارا کوئی وارث ہوتا ہے، ہم جو کچھ چھوڑیں وہ سب غریبوں کا حق ہے) اس سے بڑھ کر آپ کا ارشاد تھا کہ جو کوئی مر گیا اور وہ کچھ ترکہ چھوڑ گیا، وہ اس کے ورثاء کو مبارک ہو، ہم اس سے ایک

پیسہ نہیں لیں گے، لیکن جو قرض چھوڑ کر گیا ہے تو وہ میرے ذمہ ہے، اسے میں ادا کروں گا کیا دنیا کے کسی بادشاہ یا قائد نے یہ نمونہ چھوڑا ہے؟ آپ کی زندگی انسانیت کا شاہکار ہے، آپ دنیا کے سامنے ایسا نمونہ پیش کر گئے جس میں سوائے ایثار و محبت اور دوسروں کے غم میں گھلنے کے کہیں اپنا رتی برابر فائدہ نظر نہیں آتا، آپ عرب کے واحد بادشاہ تھے، دلوں پر ان کی بادشاہی تھی، لیکن دنیا سے دامن بچائے ہوئے بے منت چلے گئے، آپ ہی نہیں بلکہ جو جتنا آپ سے قریب تھا، اتنا ہی وہ خطرے سے قریب اور فائدہ سے دور تھا، اپنی گھر والیوں سے علی الاعلان کہہ دیا کہ اگر دنیا کی بہار اور عیش چاہتی ہو تو ہم تم کو کچھ دے دلا کر اچھی طرح سے تمہارے گھروں کو رخصت کر دیں گے، تم وہاں واپس جاؤ اور راحت و آرام کی زندگی گزارو، اور ہم سے فارغ خطی لے لو، ہمارے ساتھ رہنا ہے تو درد دکھ، تنگی ترشی برداشت کرنا ہے۔ یہی اس گھر کا تحفہ ہے اور اسی پر اللہ کے ہاں سے انعام ملے گا۔

دوستو! ہم چاہتے ہیں کہ پھر یہی زندگی عام ہو، انسانیت کی بے لوث خدمت اور بے غرض محبت کا رواج ہو، پھر دوسروں کے نفع کے لئے اپنے نقصان کو ترجیح دی جائے، پھر ایسی قوم پیدا ہو جو خطرہ کے موقع پر پیش پیش اور نفع کے موقع پر دور دور نظر آئے۔

خواہشات کی تسکین سکون کا راستہ نہیں:

دوستو، بھائیو! آج دنیا کی ساری ریاستیں اور حکومتیں اس محور پر گھوم رہی ہیں کہ قوموں اور طبقوں کو ہر طرح سے مطمئن کیا جائے اور خواہشات کی تسکین کی جائے لیکن دانایان فرنگ، یہ اصلاح و تسکین کا راستہ نہیں، یہاں ایک فرد کی خواہشات بھی پوری ہونا مشکل ہے، خواہشات کا یہ حال ہے کہ وہ لامتناہی ہیں، اور دنیا کا یہ حال ہے کہ وہ محدود اور مختصر اور کروڑوں انسانوں مین مشترک ہے، واقعات کی دنیا میں آ کر دیکھئے تو اس دنیا میں درحقیقت ایک آدمی کی منہ مانگی خواہشات کو بھی پورا کرنے کی گنجائش نہیں، یہاں کسی ابوالہوس کی ہوس پوری نہیں ہوسکتی، یہاں نفس کی تسکین کا خواہش مند پکار پکار کر کہہ رہا ہے۔

دریائے معاصی تنک آبی سے ہوا خشک
میرا سر دامن بھی ابھی تر نہ ہوا تھا

آج دنیا کے بڑے رہنما یہ کہہ رہے ہیں کہ انسانی خواہشات سب جائز اور فطری ہیں سب کو پورا ہونا چاہئے اور اسی پر ساری دنیا میں عمل ہو رہا ہے۔

دوستو! یہی بنیادی غلطی ہے، خواہشات کی تسکین اور تکمیل سے انسانیت کی تشفی نہیں ہوسکتی، خواہشات کی تسکین سے خواہشات میں کمی، اور قلب میں سکون پیدا نہیں ہوگا، یہ تو سمندر کا پانی ہے، جس قدر اس سے پیاس بجھائیے گا، پیاس بھڑکے گی، آج ساری دنیا میں حکومتیں ادارے اور تہذیبیں اسی فلسفہ کے مطابق کام کررہی ہیں کہ انسانوں کی صحیح وغلط خواہشات کی تسکین کا سامان کیا جائے، قومیں، طبقے، جمہور اور افراد جو کچھ مانگیں ان کو دیا جائے، اس سے سکون پیدا ہوگا، امن قائم ہوگا لیکن نتیجہ بالکل الٹا ہے، آج ہر طرف آگ لگی ہوئی ہے، دل کی لگی کسی سے بجھتی نہیں، خواہشات کا ایک الاؤ جل رہا ہے، اور اس میں ہر قوم ایندھن ڈالتی چلی جارہی ہے اور اس کو ہوا دے رہی ہے، آج اس کے شعلے آسمان سے باتیں کرنے لگے ہیں اور قوموں اور ملکوں کی طرف لپک رہے ہیں، آج ''وقودها الناس والحجارة'' (اس کے ایندھن آدمی اور پتھر ہیں) کا منظر نظر آرہا ہے، لوگ اس آگ کی شکایت کرتے ہیں مگر سوچنے کی بات یہ ہے کہ یہ آگ کس نے جلائی، یہ الاؤ کس نے روشن کیا، اس پر تیل کس نے چھڑکا، اس میں ایندھن کون ڈال رہا ہے، خواہشات کی تکمیل اور تسکین کے راستہ کا یہی انجام اور منزل ہے۔

لطیفہ یہ ہے کہ یہی لوگ جو قوم کی ہر خواہش اور ہر فرمائش کو پورا کرنا ضروری سمجھتے ہیں اور اس کے لئے تفریح وتسکین کا سامان بہم پہنچانا ضروری جانتے ہیں، اپنی اولاد کے ساتھ یہ معاملہ نہیں کرتے اس کی بہت سی غلط اور مضر خواہشات کی روک تھام کرتے ہیں، بچہ اگر آگ سے کھیلنا چاہے تو نہیں کھیلنے دیتے، لیکن وہ ان قوموں کی ہر خواہش اور فرمائش کو پورا کرنے کے لئے تیار ہیں جو وہ کریں، اس کا مطلب یہ ہے کہ ان کو اپنی رعایا سے اپنی اولاد کی طرح ہمدردی نہیں، یہی لوگ جو قوموں پر حکومت کرتے ہیں، ان کو خوش

رکھنے کے لئے اور ان کے افراد سے رائے حاصل کرنے کے لئے ہر غلط اور صحیح خواہش کی تکمیل ضروری سمجھتے ہیں، آج کسی ملک میں کوئی ایسی جماعت نہیں اور کسی شخص میں یہ اخلاق جرأت نہیں کہ وہ تفریحات اور تعیّشات پر تنقید کرے، لہولعب کے بڑھتے ہوئے ذوق، تماش بینی، موسیقی، رقاصی اور مصوری کے حد سے بڑھے ہوئے شوق اور انہماک پر اعتراض کرے، آج کوئی ایسی حکومت نہیں جو ان چیزوں پر ضروری پابندیاں عائد کرے اور قوم اور اہل ملک کی ناراضگی مول لے۔

اللہ کے پیغمبر خواہشات میں اعتدال پیدا کرتے ہیں اور صحیح ذہنیت اور صلاحیت عطا کرتے ہیں:

میرے دوستو، بھائیو! اللہ کے پیغمبروں کا راستہ اس سے بالکل مختلف ہے، انہوں نے جائز اور ناجائز خواہشات کی تکمیل اور تسکین کے بجائے خوہشات کو لگام دی، انہوں نے خواہشات کی رخ کو موڑا اور صرف جائز خواہشات کو اس کا مستحق سمجھا کہ ان کی تکمیل کی جائے، انہوں نے زندہ اور بیدار ضمیر پیدا کیا، اس سے زندگی میں اعتدال اور دلوں میں سکون پیدا ہوا، تمہاری درس گاہوں، تمہاری تجربہ گاہوں (LABORATORIES) تمہاری سائنس نے دنیا کو بہت کچھ دیا، انہوں نے حیرت انگیز ایجادوں کو جنم دیا، لیکن انسانوں کو پاک ضمیر نہیں دیا، تمہارے ان اداروں نے انسان کے ہاتھ کھول دیئے، بچوں کو ہتھیار تو دیئے، لیکن ان کی تربیت نہیں کی، آج وہ نادان بچے شوخیاں کر رہے ہیں اور آزادانہ ان ہتھیاروں کا استعمال کر رہے ہیں، لیکن۔

اے باد صبا ہمہ آوردۂ تست

اللہ کے پیغمبروں نے خواہشات پر پہرے بٹھائے، خواہشات میں توازن اور اعتدال پیدا کیا نفسانی خواہشات کے بجائے اللہ کو راضی کرنے کی زبردست خواہش پیدا کی، انسانی ہمدردی اور غمگساری کا جذبہ پیدا کیا، انہوں نے چیزیں ایجاد کر کے نہیں دیں، مگر انہوں نے وہ ذہنیت پیدا کی جس سے خدا کی بنائی ہوئی اور انسان کی تیار کی ہوئی

چیزوں کے استعمال کرنے کی صلاحیت پیدا ہو، انہوں نے ضمیر بخشا، یقین بخشا، آج دنیا کے پاس سب کچھ ہے، یقین نہیں ہے، آج دنیا کے کارخانے سب کچھ پیدا کر سکتے ہیں، لیکن یقین پیغمبروں کے کارخانے سے ملتا ہے، آج دنیا خدا سے ڈرنے والوں سے خالی ہے، یقین سے خالی ہے، انسانیت کی بے لوث خدمت کون کرے، خدا کا خوف اور اس کی رضا کا یقین، اس کے کنبے کی بے لوث خدمت کا جذبہ دیتا ہے، انسانیت کے ایسے خادم ہر نعرہ سے دور حکومت کے لالچ سے الگ، سیاسی چالوں اور سیاسی جوڑ توڑ سے بیزار، بے لوث خدمت کرتے ہیں، آج ایسے ہی خدمت گاروں کی ضرورت ہے، جن کے پاس کچھ نہ ہو، پھر بھی کچھ لینا نہ چاہیں، بلکہ دینا ہی چاہیں۔

ہمارا پیغام اور ہماری صدا:

میرے دوستو! ہم لوگوں میں اس جذبہ کو پیدا کرنا چاہتے ہیں اور ان میں ان حقیقتوں کی پیاس پیدا کرنا چاہتے ہیں زندگی محض کھانے پینے کا نام نہیں، انسان کی زندگی محض مادی یا حیوانی زندگی کا نام نہیں، ہم ایک نیا ذوق لے کر آئے ہیں آج کی مادی دنیا میں یہ بات نئی ہے، دراصل یہ بات نئی نہیں، دنیا کے سب پیغمبر جو ہر قدم میں آئے، یہی پیغام لائے اور سب سے زیادہ طاقت اور وضاحت کے ساتھ محمد رسول اللہ ﷺ نے آخری طور پر یہ بات کہی، یہ حقیقت چوراہوں پر کہنے کے لائق ہے، لوگ پیٹ کے گرد چکر لگا رہے ہیں، اصل زندگی دم توڑ رہی ہے، انسانیت کی پونجی لٹ رہی ہے، ہم ایک صدا لگانے آئے ہیں، حق کی صدا، دنیا اس صدا سے نامانوس ہے، مگر ہم دنیا سے مایوس نہیں، انسان کے پاس اب بھی ضمیر ہے، یہ ضمیر مردہ نہیں ہوا، اس پر گرد و غبار آ گیا ہے، اگر وہ گرد و غبار جھاڑ دیا جائے اور اس کو آلودگی سے صاف کر دیا جائے تو اب بھی اس کی گنجائش ہے کہ وہ حق کو قبول کر لے اور اس میں ایمانی شعور پیدا ہو۔ اللہ تعالیٰ ہماری سعی کو شرفِ قبولیت بخشے! اللّٰھم آمین!

وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اقوام عالم کے درمیان اُمتِ اسلامیہ کا حقیقی وزن اور دنیا میں اس کی کارکردگی کا اصل میدان

ذیل کی تقریر حضرت مولانا کی اس عربی تقریر کا ترجمہ ہے جو خلیج عربی کی مشہور ریاست قطر کے مرکزی شہر اور دارالحکومت دوحہ میں ۱۳ ذی قعدہ ۱۴۱۵ھ کو ایک عظیم مجمع کے سامنے پیش کیا گیا اور اس کو سامنے رکھ کر زبانی خطاب کیا گیا، ریاست قطر کی طرف سے ہر سال وزارۃ الاوقاف والشئون الاسلامیہ کے ادارہ الشئون الاسلامیہ کی طرف سے الموسم الثقافی الاسلامی اور اجلاس عام ہوتے ہیں، جس میں عالم عربی و اسلامی کی معروف و ممتاز شخصیتوں کی تقریر یا مقالہ کے پڑھنے اور سننے کا انتظام کیا جاتا ہے

الحمد للہ نحمدہ ونستعینہ ونستغفرہ ونومن بہ ونتوکل علیہ ونعوذ باللہ من شرور انفسنا ومن سیئات اعمالنا من یھدی اللہ فلا مضل لہ ومن یضللہ فلا ھادی لہ واشھدان لا الہ الا اللہ وحدہ لا شریک لہ واشھد ان سیدنا وسندنا ومولانا محمد وآلہ وصحبہ وبارک وسلم تسلیما کثیرا. اما بعد!

اعوذ باللہ من الشیطان الرجیم. وَلَقَدْ نَصَرَكُمُ اللّٰهُ بِبَدْرٍ وَّاَنْتُمْ اَذِلَّةٌ فَاتَّقُوا اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ. (آل عمران ایت ۱۲۳)

(ترجمہ) اور یہ بات محقق ہے کہ حق تعالیٰ نے تم کو بدر میں منصور فرمایا، حالانکہ تم بے سروسامان تھے، سواللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہا کرو تاکہ تم شکرگزار رہو۔

میرے بھائیو! اس آیت کریمہ میں معرکہ بدر کا ذکر ہے، مختصر سی آیت ہے لیکن اس کے اندر ہمارے لئے بہت سامان عبرت ہے، یہ ایک ایسا سبق ہے جو ہمیشہ ہمیشہ کے

لئے ہماری فکر کو جلا بخشتا رہے گا اور عزائم و سینوں میں بیدار رکھے گا۔ یہی نہیں بلکہ اس آیت میں ہماری حیثیت کا تعین بھی ہے، اقوامِ عالم میں ہمارا کیا کردار ہونا چاہئے اور زندگی کے ہر موڑ پر اور بدلتے ہوئے حالات میں ہمارا کیا موقف ہونا چاہئے، اس کی طرف واضح رہنمائی ہے۔

تاریخ کی ٹھوس، ناقابلِ انکار حقیقت

آپ جانتے ہیں کہ دنیا کے وہ حصے جن کو ہم عالمِ اسلام کہتے ہیں، جن میں حکومتیں بھی ہیں اور ریاستیں بھی، دولت کی ریل پیل بھی ہے، زندگی کی آسائشیں بھی موجود ہیں، علم و فن کا بھی چرچا ہے، کتب خانے، مدرسے، جامعات اور یونیورسٹیاں بھی ہیں، زندگی کی سرگرمیوں کے تمام میدان موجود ہیں یہ سب کے سب بلا کسی استثناء کے معرکہ بدر میں فتح و نصرت کا صدقہ ہیں، اگر خدانخواستہ اس جنگ میں کفار کی سازش کامیاب ہوجاتی ہے ایسی سازش جس کا جال بڑی ذہانت اور فکری کاوش سے تیار کیا گیا تھا، اگر خدانخواستہ ان کی سازشیں کام کر جاتیں اور مسلمانوں کو شکست ہوجاتی تو آج عالمِ اسلامی کا وجود ہی نہ ہوتا، نہ علمی سرگرمیاں ہوتیں، نہ حکومت و جہاں بانی کا کوئی خواب دیکھ سکتا جب زندگی ہی سرے سے نہ ہوتی تو پھر زندگی کے مظاہر بھی نہ ہوتے، یہ تاریخ کی ٹھوس، ناقابلِ انکار اور پائیدار حقیقت ہے۔

حضرات! آپ مجھے کہنے دیجئے کہ آج زمین کا ہر وہ چپہ، ہر شہر اور علاقہ جو مسلمانوں سے آباد ہے جس کو عالمِ اسلام میں شمار کرتے ہیں، یہاں تک کہ برصغیر ہند، جہاں مسلمانوں کی بڑی بڑی وسیع آبادیاں ہیں اسی طرح مسلمانانِ مصر، مسلمانانِ شام مسلمانانِ عراق و ترکی اور وہ تمام مسلمان جن سے مشرقِ اقصیٰ، عالمِ عرب، مشرقی جنوبی ایشیا آباد ہے، اگرچہ ان کی ریاستیں جدا جدا ہیں اور ان کے مقامی مسائل و مشکلات متنوع ہیں، ان میں گروہ بندیاں بھی ہیں اور ان کے رنگ روپ بھی علیحدہ ہیں اور ان میں بے شمار تہذیبیں خاندان اور مقامی رنگ بھی داخل ہیں، یہ سب کے سب آج اس لئے مسلمان کہے جاتے ہیں کہ جنگِ بدر میں اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو فتح یاب کردیا تھا، آج جو کچھ ہے سب اسی جنگِ بدر میں فتح یابی کا صدقہ اور اس کا پرتو ہے۔

حضرات! اگر کہیں اس جنگ میں مسلمان ناکام ہوجاتے تو صاف سن لیجئے کہ عالم اسلامی نام کی کوئی چیز اس آسمان کے نیچے نہ دکھائی دیتی، اسلامی دعوت تبلیغ کو دنیا میں اپنی راہ نکالنے کا کوئی راستہ نہ ہوتا، دلوں کو موہ لینے کی صلاحیت، ملکوں کو فتح کرنے کی قوت، اس کے نام پر حکومتیں بنانے کا حوصلہ، اداروں مدرسوں اور کتب خانوں کی یہ چمک دمک، یہ سرگرمیاں انشاط وقوت کے مظاہر سب ناپید ہوتے، نہ اس قوم میں کوئی نادرہ روزگار عالم وصاحب فن ہوتا نہ اولیاء وصالحین کی کوئی جماعت ہوتی اور نہ آوازہ حق کہیں سنائی دیتا۔

لیکن آپ حضرات میں جن کا مطالعہ وسیع اور گہرا ہے، تاریخ وسیرت نبوی کا مطالعہ کر چکے ہیں، وہ اس معرکہ بدر میں پیش آنے والے ایک واقعہ سے جب گزرتے ہیں تو ایک ” اور صرف ایک جملہ ان کی توجہات کا مرکز بن جاتا ہے وہ حیرت وعظمت کے جذبات سے سرشار ہوجاتے ہیں، مگر کچھ لوگ ایسے بھی ہوں گے جو سرسری طور پر اس جملہ کو پڑھتے ہیں اور سرسری طور پر گذر جاتے ہیں، حالانکہ یہ بات ایسی نہیں ہے کہ اس کو سرسری اور سطحی طور پر کوئی پڑھ کر گذر جائے یہ جملہ حیران و ششدر کرنے والا جملہ ہے۔

واقعہ یوں ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ نے میدان جنگ کا معائنہ فرمایا اور صحیح صورت حال کا جائزہ لیا اور کفار کی قوت، ان کے ساز وسامان، جنگی ہتھیار، تعداد کی کثرت، اور جوش انتقام سے بھرے ہوئے کفار کے تیور دیکھے تو آپ ﷺ کو مسلمانوں کی تعداد اور سامان جنگ کی انتہائی قلت نظر آئی، جو لوگ مکہ سے اس عزم وجوش سے نکلے تھے کہ اسلام کو بیخ وبن سے اکھاڑ پھینکیں گے، ان میں سے ایک ایک کی آنکھ میں خون اترا ہوا تھا، دوسری طرف مٹھی بھر مسلمان تھے جو کفار کی مہم کو ناکام بنانے کے لئے آئے تھے، جہاد فی سبیل اللہ جن کا مقصد اور آخرت جن کا مقصود تھی، دونوں فوجوں کے درمیان فرق معمولی نہیں غیر معمولی تھا، سامان جنگ اور جنگی تجربات اور تعداد کوئی چیز بھی ایسی نہ تھی کہ مسلمان ان کفار کا مقابلہ کر سکتے، وہ ہزار کی تعداد میں تھے اور یہ صرف ۳۱۳ تیرہ صحابہ کرامؓ باوجود اس کے کہ اللہ تعالیٰ کی نصرت پر ہمیشہ بھروسہ رکھتے ہیں، اللہ تعالیٰ کی

قدرت کاملہ پر یقین ان کا اصلی اثاثہ ہوتا ہے پھر بھی ناموس فطرت اور دنیائے اسباب کی سنت سے بھی واقف ہوتے ہیں، اس لئے وہ کبھی حقائق کا جائزہ لینے سے غافل نہیں رہتے۔

چنانچہ جب رسول اللہ ﷺ نے دونوں فریقوں کے درمیان اس درجہ نمایاں اور بھیانک فرق کو دیکھا اور سامان وتعداد کی کثرت جو حملہ آور کفار کے قبضہ میں تھی اور اس کی قلت جو دفاعی مورچہ میں مسلمانوں کے پاس تھی دونوں کا موازنہ کیا تو ملاحظہ فرمایا کہ فرق کوئی معمولی نہیں ہے ایسے موقع پر نظام کائنات اور سنت تکوینی کا تقاضہ تھا کہ آپ ظاہری اسباب سے صرف نظر نہ فرماتے لہذا آپ کو صاف نظر آ گیا کہ مسلمانوں کی فتح صرف قوت کے بل بوتے پر نہیں ہو سکتی، جب تک اللہ تعالیٰ کی طرف سے فریادرسی نہ ہو، ان کمزور اور نہتے مسلمانوں کی دستگیری عالم غیب سے نہ ہوئی تو کامیابی مشکل ہی نہیں محال ہے، واضح طور پر بالکل کھلی مدد کی ضرورت تھی وہ تمام تصورات وتخمینات، اندازوں اور جائزوں سے ماوراء، خرق عادت اور معجزہ کی شکل میں سامنے آئے۔ کہاں ایک ہزار مسلح بکتر بند ماہرین جنگ اور کہاں ۳۱۳ مسلمان، جن میں بڑی عمر کے لوگوں کے ساتھ نوخیز و نوعمر صاحبزادگان بھی تھے، آپ نے اس منظر کو دیکھ کر حالات کا جائزہ لینے میں کوئی کمی نہیں کی کیونکہ یہ آپ کے فرائض نبوت وقیادت میں داخل تھا، اس حقیقت پسندانہ جائزہ کے بعد آپ نے اللہ تعالیٰ کے آگے سربسجود ہو کر عرض کیا۔

"اللھم ان تھلک ھذہ العصابة لا تعبد."

یعنی اے اللہ اگر تو نے اس مختصر جماعت (جو مسلمانوں کی یہاں جمع ہے) کو ہلاک کر دیا تو تیری عبادت نہ ہوگی۔

دوستو! یہ جملہ رسول اللہ ﷺ کے معجزات میں شمار کئے جانے کے لائق ہے، کسی کی مجال تھی کہ ایسی بات اللہ تعالیٰ کو مخاطب کر کے کہے؟ کہ اگر آپ نے ایسا کیا تو ایسا ہوگا، اور ایسا کیا تو یہ ہوگا، پر پیغمبر بھی وہ جو اللہ تعالیٰ کا خاص طور پر چنا ہوا محبوب باوقار، باوجاہت ہے، ایسا رسول ﷺ جس کو اللہ تعالیٰ نے منتخب ہی اس لئے کیا تھا کہ اس کی پیغام

اور لائے ہوئے دین کو قیامت تک باقی رکھے گا اور ہمیشہ اس کا ناصر ومددگار ہوگا وہ کہے ''اگر تو نے مٹھی بھر جماعت کو ہلاک کر دیا تو تیری عبادت نہ ہوگی'' یعنی اے اللہ اگر تو نے اس جماعت مختصر کی شکست کرادی تو دنیا کا کوئی نقصان نہ ہوگا۔ انسانیت کو کسی مصیبت کا سامنا نہیں کرنا پڑے گا۔ دنیا کی حکومتیں اور دنیا کی ملک اسی طرح رہیں گے جس طرح آج ہیں دنیا کے خزانوں میں کمی نہیں آئے گی، دنیا میں کمانے کھانے کے جو کام ہو رہے ہیں وہ اسی طرح ہوتے رہیں گے بڑے بڑے دانشور حکمت ودانائی میں ممتاز افراد جس طرح ہوتے آئے ہیں اسی طرح پیدا ہوتے اور مرتے رہیں گے لیکن صرف ایک بات جو نہیں ہوگی وہ ہے خالص تیری ذات پاک کی عبادت تیرے احکام کا دنیا میں نفاذ اور تیرے دین حنیف کی بقاء یہ کام نہیں ہوگا اور سب کچھ ہوگا کیوں کہ اتنی تعداد میں کمی اور دفاعی اسلحہ میں ناقص ہونے کے باوجود روئے زمین پر تنہا یہی جماعت ہے جو توحید کی داعی اور تیری عبادت گذار ہے اس کا بھروسہ صرف تجھ پر ہے اور جس کا اعتماد تیری ذات پاک پر ہے جس کی عبادت صرف تیری ذات پاک کے لئے ہے اور جس کو یقین ہے کہ کائنات پر صرف تیرا تصرف ہے تیرا کوئی شریک نہیں ہے، تو ہی قادر مطلق، حاکم مطلق اور مالک الملک ہے عبادت وطاعت کا تنہا سزاوار ہے صرف تیرے احکام اور صرف تیری شریعت کا یہ حق ہے کہ وہ دنیا پر نافذ ہو اور بے چوں وچرا اس کی فرمانبرداری کی جائے۔

محترم حضرات! سیرت نبوی میں ان سطور کو پڑھنے والا اگر ہوش مند ہے اللہ تعالیٰ کی عظمت وجلال سے واقف ہے اور اس کو معلوم ہے کہ اللہ تعالیٰ کی کبریائی وبے نیازی کیا معنی رکھتی ہے، اس کی قادر وقاہر ذات جو ساری مخلوقات سے بے نیاز ہے اور جس کے قبضہ قدرت میں سب کچھ ہے، جو غنی بھی ہے اور قوی بھی ہے اس حقیقت کا ادراک رکھنے والا شخص جب رسول اللہ ﷺ کی زبان سے نکلے ہوئے یہ الفاظ پڑھتا ہے اور وہ بھی ایسے نازک لمحات میں جو خوف وہراس سے پر ہیں اور جب کہ سوائے الحاح وزاری اور اس کے فیصلوں کے آگے سر تسلیم خم کرنے کے کوئی چارہ کار نہیں وہ حیران رہ جاتا ہے، ایک طرف اللہ تعالیٰ کی بے نیاز اور غنی ذات کو دیکھتا ہے دوسری طرف رسول برحق کی

زبان پاک سے ایسے الفاظ سنتا ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ اے اللہ اگر تو نے اس مختصر گروہ کو ختم کردیا تو تیری حکمرانی باقی نہیں رہے گی۔ ایسی پر ہول لمحات میں یہ دعا اللہ تعالیٰ نے قبول فرمائی، کیونکہ یہ بات جو رسول برحق ﷺ کی زبان مبارک سے نکلی تھی وحی خداوندی تھی، اللہ تعالیٰ کی طرف سے الہام تھا، اللہ حاضر و ناظر، غیب و موجود کو جاننے والا ہے وہ مسلمانوں کی بے بسی، کمزوری تعدادی کمی اور اسلحہ کی قلت کو دیکھ رہا تھا اور یہ بھی دیکھ رہا تھا کہ مقابلہ میں جو دشمن ہیں وہ کس درجہ اسلحہ سے لیس اور کتنی بڑی تعداد میں ہیں، اس عظیم تفاوت کے باوجود اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو فتح و نصرت سے ہم کنار کیا۔

لہذا یہ بات آئینہ کی طرح روشن ہوکر ثابت ہوگئی کہ مسلمانوں کو باقی صرف اس لئے رکھا گیا ہے کہ ان کے وجود سے دعوت الی اللہ کا سلسلہ قائم رہے گا اور ان کی بقا و سر بلندی کی صرف یہی شرط ہے کہ وہ اس دعوت پر قائم رہیں تا کہ خدائے عز وجل کی عبادت ہوتی رہے اور اس کی حاکمیت مطلقہ کو تسلیم کیا جانے اور اس کی شریعت کے احکام دنیا پر نافذ ہوں اور اگر مسلمانوں نے کہیں اپنی خصوصیت ضائع کردی تو مجھے صاف صاف کہنے دیجئے کہ خواہ جتنے مسلمان ہیں سب کے سب والیان ریاست اور ارباب حکومت بن جائیں (میں کسی ریاست یا صاحب ریاست کا حاسد یا بدخواہ نہیں ہوں بلکہ جتنی مسلم ریاستیں ہیں ان کے لئے دعا گو ہوں اور ان کی ترقی و خوشحالی کا متمنی ہوں) لیکن یہ کہتا ہوں کہ امت اسلامیہ نے اگر اپنا یہ امتیاز کھودیا، وہ واحد امتیاز جو ان کے بقاء کا ضامن ہے اور جس کے صدقہ میں ان کو بحیثیت مسلم زندگی عطاء کی گئی ہے یعنی اللہ کے دین کی دعوت اور صرف اس کی عبادت اور اس کے احکام کو بلا چوں و چرا تسلیم کرنے والا امتیاز، اس کی شریعت اور احکام شریعت کو فرد اور سوسائٹی پر پوری طرح نافذ کرنے والی امت ہونے کا امتیاز جو زندگی دینی تعلیمات و احکام کے مطابق ہو اس زندگی کو عام کرنے اور رائج کرنے کا عزم رکھنے کا امتیاز اگر یہ امتیاز خدانخواستہ مفقود ہوگیا تو خواہ دنیا کی دولت ان کو مل جائے پھر بھی ان کے وجود بقاء کی کوئی ضمانت نہیں لی جاسکتی کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تھا کہ ''اے اللہ اگر تو نے ان مٹھی بھر تعداد رکھنے والے مسلمانوں کی غیبی مدد نہیں کی تو

روئے زمین پر کوئی تیرا نام لینے والا نہیں رہے گا۔" یہ بات بلاشبہ صرف ایک پیغمبر برحق ہی کہہ سکتا ہے، جس پر وحی الٰہی کا نزول ہوتا ہو اور جس کی عنداللہ حیثیت ہو، لہٰذا میں پوری صراحت کے ساتھ عرض کرتا ہوں کہ اگر مسلمان دعوت حق سے کنارہ کش اور سبکدوش ہوگئے جو ان کے سپرد کی گئی ہے اور جس کی خاطر ان کو سرفراز کیا گیا ہے تو پھر دنیا میں ان کے حفظ و بقاء کی کوئی ضمانت نہیں لی جاسکتی، خواہ ان کے پاس فوجی طاقت ہو، عددی طاقت ہو، اقتصادی طاقت ہو، بہتر سے بہتر مواقع میسر ہوں اور جو بھی جاہ و حشمت ان کو ملی ہو سب بے کار اور سب بے سود و بے نفع ہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ان کی نصرت ان کی اسی صفت کی بنا پر کی تھی کہ "اگر یہ نہ رہے تو تیری عبادت نہ ہوگی" یوں سب کچھ ان کو مل سکتا ہے۔ یہ سب کچھ پاسکتے ہیں، حکومتیں ملتی رہیں گی، دولت پاسکتے ہیں، مگر امانت خداوندی یعنی دعوت الی اللہ جس سے صرف اللہ کی پرستش ہو اور اس کا پیغام سرمدی دنیا میں باقی رہے اور غلبہ و سطوت صرف اللہ کا رہے اس کے احکام زمین پر جاری ہوں، زندگی کے ہر موڑ پر اس کے احکام کی پیروی ہو اور دینی تعلیمات تمام بدلتے ہوئے حالات میں رہنما ہوں۔ یہ نہیں ہوگا اور جب یہ نہ ہوگا تو اللہ تعالیٰ کی خصوصی نعمت و نوازش بے پایاں سے امت محروم ہوجائے گی۔

لہٰذا وہ چیز جس کی حفاظت مسلمانوں پر فرض ہے اور جس کے لئے ان کے اندر غیرت و حمیت ہونا چاہئے اور جس کو وہ اپنی جان سے محبت سے اپنی دانائی و ہوشمندی سے زیادہ عزیز رکھیں اور جس کو دولت و حکومت پر ترجیح دیں اپنی شہرت و ناموری کے پروپیگنڈے اور اپنی سیاسی تگ و دو سے زیادہ اہمیت دیں اور جذبہ حکمرانی اور اپنے حدود سلطنت کو وسیع کرنے کی تمنائیں اس کے مقابلے میں ہیچ ہوں، وہ یہ ہے کہ اپنے آپ کو اللہ کے دین کا داعی و مبلغ سمجھیں، علم توحید کو سربلند اور اللہ کے دین کو سرسبز و شاداب رکھنے کی آرزوؤں اور تمناؤں پر غالب آجائے، آخرت کو دنیا پر ترجیح دیں، اللہ کی رضا اور اس کے احکام کے اجزاء کو ہر مقصد اور ہر نسبت پر قربان کرنے کا جذبہ ان کے اندر بیدار کریں، ان کے بقاء کی ضمانت اسی میں ہے کیوں کہ ان کا وجود ملی اسی دھاگے سے بندھا ہوا

ہے۔

میرے بھائیو! جب اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ ﷺ کی دعا قبول فرمائی تھی اور مسلمانوں کو فتح یاب کرنے اور ان کو باقی رکھنے کا فیصلہ فرمایا تھا تو گویا ان کی بقا کو عبادت سے مشروط فرما دیا تھا، عبادت کا مفہوم صرف فرائض مقررہ کی ادائیگی نہیں بلکہ اللہ کے احکام کے مطابق زندگی گزارنا اور اس کی رضا جوئی اور خوشنودی کو سب پر مقدم رکھنا اور دین کو وسیع تر آفاقی و عالمی پیمانہ پر پھیلانے کی سعی کرنا بھی اس میں داخل ہے۔ لہذا اگر مسلمانوں کا رشتہ عبودیت کی زندگی سے منقطع ہو جاتا ہے تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ ان کا رشتہ زندگی سے منقطع ہو گیا، جس امر کے باعث ان کو فتح سے سرفراز کیا گیا تھا اور جس کی وجہ سے وہ باقی رکھے گئے تھے وہ سلسلہ ہی ختم ہو گیا تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے عطا کردہ ضمانت حیات بھی ختم ہو گئی، اور ان کی حیثیت دنیا کی دوسری قوموں کی طرح رہ گئی کہ اگر وہ دنیا کے عام قانون حیات کے مطابق ترقی و خوشحالی کے کام کریں گے تو ترقی و خوش حالی ہو گی اور اگر ادبار و زوال کی راہ پر چلیں گے تو ان کے نصیب میں ذلت و زوال آنے کا بلکہ عام قانون کے مطابق جس قدر ذلت و ادبار ہونا چاہئے اس سے کئی گنا زیادہ ذلت و رسوائی کا ان کو سامنا کرنا پڑے گا کیونکہ دوسری قوموں کی بقاء و تحفظ کو کسی شرط سے مشروط نہیں کیا گیا تھا ان کے حق میں یہ آیت کریمہ صادق آئے گی۔

قل ما یعبا بکم ربی لولا دعاؤ کم فقد کذبتم فسوف یکون لزاما. (الفرقان آیت نمبر ۷۷ ترجمہ بیان القران)

آپ (عام طور پر لوگوں سے) کہہ دیجئے کہ میرا رب تمہاری ذرا بھی پروا نہ کرے گا اگر تم عبادت نہ کرو گے، سو تم (احکام الٰہیہ کو) جھوٹا سمجھتے ہو تو عنقریب (یہ جھوٹا سمجھنا تمہارے لئے وبال جان ہوگا۔

مسلمانوں نے اس شرط کو پورا کیا اور اللہ تعالیٰ سے کئے ہوئے عہد کی لاج رکھی اور یاد رکھا کہ ان کو دشمن پر غالب و فتح مند کیا گیا تھا اور عین اس وقت فتح و نصرت دے کر ان کی مدد کی گئی تھی جب سامنے یہ نظر آ رہا تھا کہ دشمن ان کو بدر کے میدان میں پیس کر

رکھ دیں گے، ان کا نام ونشان دنیا سے مٹا دیں گے مگر ان کو مدد دے کر غالب کیا گیا اور روئے زمین پر باقی رکھا گیا کیوں کہ اللہ تعالیٰ کی عبادت کا سلسلہ ان کے دم سے باقی رکھنا منظور تھا۔

میرے بھائیو! وہ اس پیغام عبادت کو لے کر دنیا میں پھیل گئے اس پیغام کو وہ بادشاہوں کے پاس بھی لے گئے اور عوام الناس کے پاس بھی اسی کی خاطر انہوں نے ہجرت بھی کی اور جہاد بھی، اسی کے لئے انہوں نے جنگیں بھی لڑیں اور معاہدے بھی کئے، ان کے سامنے یہ حقیقت ہمیشہ جلوہ گر رہی کہ وہ اللہ کے فرستادہ اور اس کے حکم کے بندے ہیں اسلام کا جھنڈا انہوں نے چار دانگ عالم میں لہرایا اور برملا طور پر یہ سمجھتے رہے کہ وہ خلق خدا کے مخلص خادم اور محسن ہیں، اللہ کے بندوں کو خواہشات کی غلامی سے نکالنے والے ہیں، جاہلیت کے رسم ورواج اور جاہلی سماج کے عائد کردہ ان بندھنوں سے ان کو آزاد کرانے والے ہیں جن بندھنوں کو وہ معیار ترقی سمجھ رہے تھے حالانکہ وہ خواہشات اور رواج کے قیدی تو تھے جس طرح کوئی بھی قیدی پابند سلاسل ہوتا ہے، وہ تھے تو غلام مگر اپنے کو آقا سمجھ رہے تھے، ان کی زندگی رسم ورواج کے پنجروں میں ایک پرندہ کی طرح بند تھی وہ دوسروں کے رحم وکرم پر زندگی کے دن پورے کر رہے تھے وہ کھانے پینے کے آداب بھی دوسروں سے مستعار کئے ہوئے تھے، اور اپنی اس پسماندگی، ذلت اور نامرادی کو عیش وکامرانی سمجھ رہے تھے ان کے سارے جاہ وحشم اور دولت وخوش حالی کے مظاہر کھوکھلے اور بے جان تھے، حقیقت یہ ہے کہ وہ پنجرہ میں بند تھے، قفس تو قفس ہی ہے خواہ لوہے کا ہو یا سونے کا۔

ان کی حق گوئی وبے باکی کی بے شمار مثالیں ہیں انہیں میں سے وہ مذاکرہ بھی ہے جو ایران کے فاتح مسلمان فوج کے ایک سپاہی اور فارس کے کمانڈر ان چیف ''رستم'' کے دربار میں پیش آیا۔

رستم نے حضرت سعد بن وقاصؓ سے درخواست کی کہ اپنا کوئی نمائندہ بھیج دیں جس سے یہ معلوم کیا جائے کہ آپ کے اس حملہ کا مقصد کیا ہے؟ یہ واقعہ قادسیہ سے پہلے کا ہے،

حضرت سعدؓ نے حضرت ربعی بن عامرؓ کو اپنا نمائندہ بنا کر فارس کی سپہ سالار اعلیٰ (کمانڈر ان چیف) رستم کے پاس بھیج دیا، حضرت ربعیؓ وہاں پہنچ گئے، رستم نے اپنا دربار بڑے شاہانہ کروفر سے سجا رکھا تھا، اعلیٰ درجہ کے نقشیں قالین بچھی ہوئی تھی جن پر سونے اور موتیوں کی مینا کاری تھی، ہر طرف ہیرے موتی اور لعل و یاقوت کی چمک دمک تھی، رستم کے سر پر جواہرات کا قیمتی تاج تھا، حضرت ربعیؓ وہاں پہنچتے ہیں جسم پر ایک بھدے قسم کا چغہ ہے، ہاتھ میں تلوار اور ڈھال، ایک معمولی سا چھوٹے قد کا گھوڑا جس پر سوار ہیں، اور اس پر سوار قصر شاہی میں داخل ہو گئے، نظریں نہ منقش در و دیوار پر ہیں اور نہ ہیرے جواہرات کی آرائش پر آگے بڑھ کر گھوڑے سے اترتے ہیں اور اس کو باندھنے کے لئے کوئی کھونا نہیں ملا تو قصر شاہی کے گاؤ تکیہ سے اس کو باندھ دیتے ہیں اور اس شان استغناء سے بڑھتے ہیں کہ زرہ جسم پر ہے خود سر پر، اور تلوار ہاتھ میں۔

دربار کے کسی چوبدار نے کہا آگے بڑھنے سے پہلے اپنا اسلحہ اتار کر یہاں رکھ دو۔

حضرت ربعیؓ نے کہا: میں (اپنے کسی کام سے) نہیں آیا ہوں، میں تم لوگوں کے بلانے پر آیا ہوں، تم چاہتے مجھے اس طرح جانے دو اگر یہ منظور نہیں ہے تو میں لوٹ جاتا ہوں۔

رستم نے کہا: اس کو آنے دو، آپ آگے بڑھے، ہاتھ میں تلوار تھی جو چھڑی کا کام دے رہی تھی، اس پر ٹیک لگاتے ہوئے چلے تو فرش قالین ایک دو جگہ سے ادھڑ گئی۔

رستم نے پوچھا: یہاں تم کس کام سے آئے ہو؟

جواب دیا:۔

ہم اٹھے ہیں کہ ہم بندوں کو بندوں کی بندگی سے نکال کر اللہ کی بندگی پر لگا دیں، دنیا کی تنگی سے ان کو نکال کر اس کی وسعت عطا کریں، مذاہب کے پیدا کردہ مظالم سے نکال کر اسلام کے عدل کا راستہ دکھائیں، اللہ نے ہم کو مامور کیا ہے کہ اس کی مخلوق کا رخ اللہ کے دین کی طرف پھیر دیں جس کو یہ راستہ پسند ہوا اور اس کو قبول کر لے تو اس سے ہمارا کوئی جھگڑا نہیں ہے، ہم لوٹ جائیں گے اور جو انکار کرے گا اس سے ہم اس وقت

تک برسرپیکار رہیں گے جب تک کہ اللہ کا وعدہ پورا نہ ہو جائے۔

پوچھا گیا کہ اللہ کا کیا وعدہ ہے؟

حضرت ربعیؓ نے فرمایا: انکار کرنے والوں سے جو جنگ میں مر جائے گا اس کے لئے جنت، اور جو زندہ رہ جائے اس کے لئے کامیابی و کامرانی۔

یہ تھی مختصر سی گفتگو (جس کو آج کل سیاسی اصطلاح میں مذاکرات کہا جاتا ہے) جس کا ذکر اسلامی غزوات اور دعوت اسلامی اور مسلمانوں کی تاریخ میں آتا ہے، لیکن عام طور پر لوگ اس سے سرسری طور پر گزر جاتے ہیں، تاریخ کے انبار میں یہ بات دب کر رہ گئی ہے، اس کی معنویت، گہرائی، قوت اور جرات مندانہ انداز میں دعوت پیش کرنے کی روح جو ان چند جملوں میں پوشیدہ ہے۔ اس کی طرف کم نگاہ جاتی ہے، عرب کے ایک بدوی علاقہ کا مسلمان سپاہی اپنے اندر کس قدر جوش و جسارت اور حمیت و غیرت رکھتا تھا اور کس طرح دعوت اسلام کی حقیقت سے اس کی روح سرشار تھی اس کی طرف عام طور پر لوگوں نے توجہ نہیں دی ہے۔

حضرات! موجودہ زمانہ کی نوعیت اور مغربی ممالک کی نوعیت (جو اس وقت فکری و سیاسی، تمدنی اور معاشی امور میں دنیا کی قیادت اپنے ہاتھوں میں لئے ہوئے ہیں) اس زمانے سے مختلف نہیں ہے جب کہ اسلام کی دعوت کا آغاز ہوا تھا اور جس وقت اسلام کے داعی پیغام حق لے کر دنیا میں پھیل گئے تھے اور اقوام عالم کو، ان کی سوسائٹیوں کو ان کی حکومتوں کو اسلام کی دعوت دے رہے تھے۔

ابھی میں نے جو حضرت ربعی بن عامرؓ کی مثال دی اور ان کے مذاکرات کو نقل کیا، جو ان کے اور رستم کے درمیان ہوئے تھے، وہ ایک ایمان افروز واقعہ ہے، غور کیجئے کہاں ایک عرب کا بدوی سپاہی اور کہاں ایران کا کمانڈر ان چیف، رستم جو شہنشاہ ایران کے بعد وہاں کی اس وقت کی بڑی شخصیت کا حامل تھا اس کا جاہ و جلال، خدم و حشم، آرائش و نمائش کے وہ ساز و سامان جو نگاہوں کو خیرہ کر دیں، دوسری طرف اس وقت کی دو عظیم طاقتیں، ساسانی اور رومانی، جس کے تحت بڑے بڑے شہر آباد تھے، لاتعداد سماجی و علمی معاشرے

تھے ان گنت معیار اور پیمانے تھے، رسوم رواج، نظریات وافکار تھے اور سب اپنے عروج پر تھے اور یہی پوری دنیا پر عقلی وذہنی حکمرانی کر رہے تھے تہذیب وتمدن کا رخ بنانے میں اقتصادی وسیاسی ڈھانچوں کی تشکیل میں، عقل وفکر پر اثر انداز ہونے میں انہیں دونوں طاقتوں کا براہ راست دخل تھا، اور ان دونوں کے درمیان بہت زیادہ فرق نہیں تھا۔

دوسری طرف وہ فرق جو چھٹی صدی عیسوی کی مشرقی دنیا اور بیسویں صدی کی مغربی دنیا کے درمیان دیکھا جاتا ہے وہ ان دونوں میں مشرق ومغرب کے زمینی وزمانی فرق سے کم سے زیادہ نہیں۔

میرے دوستو! آج آپ دیکھتے ہیں کہ جاہلیت (جاہلیت اس طرز زندگی یا اس معاشرہ کا نام ہے جو تعلیمات نبوت سے بے نیاز اور آسمانی ہدایات سے محروم ہو اس کا اطلاق طرز زندگی عقیدہ اور معاملات خیر وشر کے معیار سب پر ہوتا ہے) پورے مغرب کو اپنی گرفت میں لئے ہوئے ہے، وہ مغرب جو اعلیٰ ثقافت اور تمدنی عروج کے نقطۂ کمال تک پہنچا ہوا ہے، جاہلیت کے تمام خصائص (جن کا مورخ ذکر کرتے ہیں اور جو تاریخ کے اوراق میں محفوظ ہیں) سب کا محور مادی منافع کا زیادہ سے زیادہ حصول لذت اندوزی اور نفس پرستی بس طرح اور جس راستہ سے حاصل ہو۔ (جو ایک قدیم یونانی تھیوری کا خلاصہ ہے) اس کو حاصل کر لینا یا پھر سیاسی واقتصادی نفوذ واختیارات پر قبضہ کرنا۔ اس کے مقابلہ میں جہاں مذہب کا ذکر آئے اس کو ایک انفرادی معاملہ قرار دینا جو ایک خاص مقام (گرجوں) اور خاص اوقات (مذہبی تہواروں) میں منالیا جائے، اس نظام (جاہلیت) کا انسان سازی میں کوئی دخل نہیں ہے، فرد وجماعت کے کردار، سیاسی ہوں یا اقتصادی سے کوئی واسطہ نہیں ہے۔

اگر زمانہ ماضی کے شاہان تاجدار دنیا سے الگ تھلگ قید خانہ میں وقت گزارنے والے کی طرح زندگی گزار رہے تھے تو مغرب اس سے وسیع قید خانہ میں مقید ہے شہزادے اور والیان ریاست کے پنجروں سے زیادہ حسین اور خوشنما یہ پنجرے ہیں جن کے اندر اہل مغرب کی انسانیت زندگی بسر کر رہی ہے۔ وہ قید خانہ یا پنجرہ نمائشی آداب

(FASHIONS) اور مصنوعی وضع داریوں (ETIQETTES) کی پابندی ہے جس کو بہت باریک بینی اور نوک پلک کے ساتھ برتا جاتا ہے، لباس رہائش اور نمائش کے وہ فرسودہ اور ازکار رفتہ رسم ورواج جن کو معاشرتی زندگی کا اہم جز سمجھ لیا گیا ہے اور اپنے بڑے لوگوں میں اس کو تلاش کرتے ہیں اور مہذب ہونے پر انگلی اٹھاتے ہیں، اس لحاظ سے دیکھئے تو معلوم ہوگا کہ تمدن پرور اور تمدن کا پروردہ مغرب ان قوموں سے مختلف نہیں ہے جو ما قبل اسلام، بڑی شاہنشاہیوں میں پائی جاتی تھیں، زمانہ جاہلیت (قبل اسلام) میں انسان بت پوجتا تھا، اس کے روایتی و آبائی صنم بھی تھے اور نئے نئے بنائے ہوئے بت بھی تھے اور موجودہ مغرب میں بھی آپ کو نظر آئے گا۔ لذت اندوزی اور نفس پرستی کا وہ اسی طرح غلام ہے جس طرح وہ لوگ پتھر کے صنم کو اپنا معبود اور اپنے آپ کو اس کا غلام سمجھتے تھے لذت اندوزی کے وسائل پر ان کی ساری تگ ودو اسی محور پر گردش کرتی تھی خود ان کا وجود ان کی خود عائد کردہ پابندیوں کی وجہ سے ایسا تھا جیسے ایک شوخ ناز پروردہ پرند، یا کوئی معزز قیدی ہو، اور آج کا مرد فرنگ خواہ اس کی دولت کا کوئی ٹھکانہ ہو، حکومت وسیاست کی باگ دوڑ بھی اس کے ہاتھ میں ہو، وہ بھی سوسائٹیوں کی عائد کردہ پابندیوں میں جکڑا ہوا ہے، حیثیت معیار (STANDARDS & VALUES) کے گھروندوں سے باہر سر نہیں نکال سکتا، خواہ کتنی ہی بڑی شخصیت کا مالک ہے، حاصل یہ کہ دونوں قدیم جاہلی انسان اور جدید مغربی انسان دونوں کی ضرورت ایک ہی تھی اور اب بھی ہے کہ دنیا کی تنگنائیوں سے اس کو نکال کر اس کو آزادی کی نعمت دی جائے لیکن اب کون ہے جو حضرت ربعی بن عامرؓ کی سنت انفرادی یا اجتماعی شکل میں زندہ کرے اور مغرب یا اہل مغرب کی آنکھوں سے آنکھیں ڈال کر اس کو مخاطب کرے اور اہل مغرب جو آج مادی طاقتوں کے قارون بنے بیٹھے ہیں اور اپنی سیاسی واقتصادی حکمرانی سے دنیا کو اپنی انگلیوں پر نچا رہے ہیں آج کون ہے جو ربعی بن عامرؓ کی سی جرات ایمانی رکھتا ہو جس نے ساسانی سلطنت کے نائب اعظم، رستم کو مخاطب کیا تھا۔ آج ضرورت ہے کہ کوئی فرد یا جماعت اس درجہ کی بے باکی وصداقت شعاری کے ساتھ حمیت اسلامی اور غیرت ملی کے ساتھ یورپ کو حقانیت،

صداقت کی دعوت دے اور یہ کام (دعوت الی اللہ کا کام) جس میں داعی کی اپنی غرض شامل نہ ہو صرف انسانیت کی بھلائی اور بہبود اس کا مطمع نظر ہو۔

یہ ذمہ داری امت اسلامیہ کی وراثت ہے اس کا فریضہ ہے، ملت کے خاندان مفکرین اور اہل قلم کی یہ ذمہ داری ہے جہاں تک یورپ کا تعلق ہے وہ اندر سے کھوکھلا اور آسمانی ہدایات سے محروم اپنے ہاتھ سے بنائی ہوئی زنجیروں میں جکڑا ہوا ہے، اس کی صحیح تصویر شاعر اسلام علامہ ڈاکٹر محمد اقبالؒ کے ان اشعار میں نظر آتی ہے ۔

یورپ میں بہت روشنی علم و ہنر ہے
حق یہ ہے کہ بے چشمۂ حیواں ہے یہ ظلمات
ظاہر میں تجارت ہے حقیقت میں جوا ہے
سود ایک کا لاکھوں کے لئے مرگ مفاجات
یہ علم، یہ حکمت، یہ تدبر یہ حکومت
پیتے ہیں لہو دیتے ہیں، تعلیم مساوات
وہ قوم کہ فیضان سماوی سے ہو محروم
حد اس کے کمالات کی ہے برق و بخارات
ہے دل کے لئے موت مشینوں کی حکومت
احساس مروت کو کچل دیتے ہیں آلات

بھائیو! میں آپ سے کہتا ہوں، بلکہ ایک سوال کرتا ہوں کہ اگر قبیلہ قریش کے وہ افراد جو جنگ بدر اور جنگ احد میں مارے گئے تھے مسلمانوں کے خلاف استغاثہ پیش کریں اور کہیں ہم نے تو خود بڑھ کر ان کے پیغمبر کو پیش کش کی تھی کہ وہ اگر دنیاوی ثروت و دولت چاہتے ہیں تو ہم ان کو دولت سے مالا مال کرنے کو تیار ہیں، اگر عیش و عشرت کی زندگی کی طلب ہے اس طرح کہ اپنی پسند سے جس بڑے سے بڑے خاندان میں چاہیں ان کو رشتہ ازدواج میں منسلک کر دیں، اگر حکومت و سرداری کی تمنا ہے تو ہم سب مل کر ان کو اپنا سربراہ تسلیم کر لیتے ہیں مگر تمہارے پیغمبر نے کوئی بات قبول نہیں کی اور صاف انکار

کر دیا اور یہ کہا کہ ہم اس کے لئے مبعوث نہیں کئے گئے ہیں لہذا آج جس طرح تم انہیں چیزوں کے پیچھے مر رہے ہو، آج تمہیں سوائے عیش وعشرت اور لذت اندوزی کی زندگی کے کچھ نظر نہیں آتا نہ دعوت نہ جہاد۔

اللہ کی عبادت تو کی جاتی ہے مگر اس بات کی دعوت مفقود ہے کہ دین خالص سب کا سب اللہ کا ہو جائے اور اس کی شریعت واحکام کا نفاذ ہونے لگے ہم نے تمہارے سامنے یہ سب کچھ پیش کیا جس کو دنیا کی طلب ہو سکتی ہے مگر آسودہ حالی، فارغ البالی اور عیش کوشی کی زندگی کو تمہارے نبی نے قبول نہیں کیا، رد کر دیا اور کہا کہ ہم اس کام کے لئے مبعوث نہیں کئے گئے ہم اس لئے مبعوث کئے گئے ہیں کہ تمہارے سامنے دعوت توحید پیش کریں اللہ تعالیٰ کی عبادات کا راستہ بتائیں اسلام کو سر بلند کریں، کیونکہ اللہ کے نزدیک مقبول دین صرف اسلام ہے، ہم نے تم سے بے شک جنگ کی کیونکہ تم اسلام کی حکومت کرنا چاہتے تھے، تم اسلام کی دعوت لے کر اٹھے تھے تم ہی وہ تھے جو کہتے تھے کہ عبادت صرف اللہ کی ہوگی، اللہ تعالیٰ کائنات پر تصرف کرنے والا ہے وہی مدبر ہے، وہی خالق ہے، وہی رزاق ہے، اور ہم اس کا انکار کرتے تھے لہذا ہمارے تمہارے درمیان معرکے ہوئے اور ہمارے بہت سے لوگ اس راہ میں ہلاک ہوئے۔

لیکن تم لوگ دنیا پر ٹوٹ پڑے جیسے شمع پر پروانے گرتے ہیں اسی طرح تم دنیا پر فدا ہو رہے ہو تمہاری تمنا ہے کہ تم ناز ونعم میں زندگی گزارو، دولت کا مظاہرہ کرو اور عیش وعشرت کا سامان جہاں بھی ملتا ہو وہ سب تمہارے قبضہ قدرت میں آ جائے اب تم میں نہ تو اسلامی غیرت ہے نہ دینی حمیت اور نہ دین کی حفاظت اور اس کی وسعت کے لئے نہ کوئی جوش وولولہ ہے تمہارے پیغمبر کے ساتھیوں کی جو زندگی تھی اس سے تم کو ادنیٰ درجہ کی بھی مناسبت نہیں رہ گئی۔

میرے بھائیو، دوستو، عزیزو! میں آپ سے معذرت خواہ ہوں اور آپ سے پہلے میں اپنے ضمیر سے معذرت کرتا ہوں۔ اپنے اسلامی شعور اور احساس سے معذرت کرتا ہوں اور صاف کہتا ہوں کہ بہت سے ملک اور شہر اور خاص طور پر وہ ملک، شہر

جس میں کوئی غیر مسلم جاتا ہے یا تاریخ کا مطالعہ کرنے والا اور قوموں کے مزاج سے واقفیت رکھنے والا شخص جاتا ہے تو اس کو ماضی اور حال کے درمیان واضح فرق نظر آتا ہے، وہ دیکھتا ہے کہ زندگی کا دھارا ہر جگہ یکساں طور پر چل رہا ہے، سوائے کسب معاش کے اس قوم کا کوئی مقصد حیات نہیں ہے جس طرح دنیا کی دوسری اقوام ہیں اسی طرح قوم مسلم بھی ہے، خواہشات اور اغراض نفسانی کو پورا کرنے کی خاطر یہ لوگ بھی وہ سب کچھ کرتے ہیں جو دوسرے کرتے ہیں، ان کو اس کی بھی حس نہیں رہتی کہ اپنے اور غیر کے درمیان تمیز کریں، مسلمانوں پر غیر مسلموں کو ترجیح دیں گے تجارت و صنعت اور تجارتی مصالح اور نفع اندوزی کے سوا کوئی مطمع نظر نہیں ہے۔

میرے بھائیو! زندگی گزارنے کا جو طرز مسلمانوں میں رائج ہے وہ اسلام کے دعوتی پیغام سے کوئی میل نہیں کھاتا اور نہ رسول اکرم ﷺ کے ان مقاصد سے ان کا کوئی ربط ہے جس کے لئے آپ مبعوث کئے گئے تھے، اور نہ ان مقاصد سے ان کی زندگی کو کوئی مناسبت ہے جس کے لئے آپ ﷺ اور آپ ﷺ کے ساتھی مدینہ منورہ سے بدر گئے تھے، اور جس کی خاطر انہوں نے اپنی جانیں دی تھیں۔

ہمارا فرض ہے کہ ہم اس نکتہ کو ہمیشہ نظروں کے سامنے رکھیں۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول اکرم ﷺ کی دعا قبول فرمائی تھی اور مسلمانوں کو جنگ بدر میں فتح سے ہمکنار کیا تھا، اللہ نے اپنے رسول ﷺ کو سچا کر دکھایا کہ اگر یہ امت نہیں رہی تو روئے زمین پر اللہ کا عبادت گزار نہیں رہ جائے گا اور اس طرح مسلمانوں کو باقی رکھا اور مسلمانوں کو بے چارگی تعداد اور اسلحہ کی کمی کے باوجود ان کے دشمنوں (قریش) پر ان کو فتح و نصرت سے نواز دیا، اسی بنیاد پر اس وقت کے مسلمان زندگیاں گزار رہے تھے اور ایک مسلم معاشرہ صحیح معنوں میں وجود میں آیا اور ایک اسلامی زندگی عہد نبوی، عہد خلافت راشدہ اور متعدد اور طویل تاریخی زمانوں میں سایہ فگن رہی۔

لیکن افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ ہم نے ان مقاصد اور اس روح، جذبات اور ان دینی و ایمانی محرکات عمل کا حصہ کھو دیا، ہم چاہتے ہیں کہ یہاں اور ہر ایسے عرب و

اسلامی ملک وشہر میں اسلامی زندگی کو سایہ فگن دیکھیں جو نگاہوں سے بھی نظر آتی ہے، تجربہ وعمل میں بھی اس کا مشاہدہ ہوتا ہو اور ہر انسان اس زندگی کا لطف اور فائدہ اٹھا سکے اس کے بڑے اجزاء اور مظاہر کیا ہیں؟ توحید پر استقامت اللہ اور اس کے کلام پر کامل ایمان، دنیا پر آخرت کو ترجیح اور اس پر اللہ کے خوف وخشیت پر ثبات واستقامت اہل اسلام اور اہل ایمان کو ان عناصر اور جماعتوں پر ترجیح دینا جو اس دولت سے محروم ہیں (خواہ ان غیر مسلم معاونین اور ہنر مندوں کی اعانت سے کتنا ہی فائدہ پہنچتا ہو) شریعت اسلامی پر مکمل طریقہ پر عمل اور مرد ہوں یا خواتین ہر طبقہ کی اس پر استقامت، پھر دنیا کو، (جس میں مغرب بھی شامل ہے) خدائے واحد کی عبادت کی دعوت دینا اور اس کی کوشش کرنا کہ دنیا میں اللہ ہی کی حکومت اور فرمانبرداری کا رواج ہو اسی پر آپ سے اجازت چاہتا ہوں!

والحمد للہ رب العالمین وصلی اللہ وسلم وبارک علی
سیدنا محمد وعلی آلہ وصحبہ وتابعیہ باحسان الی یوم الدین

وما علینا الا البلاغ المبین

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

خاتم الانبیاء ﷺ کی تشریف آوری دنیا کے لئے رحمت

الحمد للہ نحمدہ ونستعینہ ونستغفرہ ونومن بہ ونتوکل علیہ ونعوذ باللہ من شرور انفسنا ومن سیئات اعمالنا من یھدی اللہ فلا مضل لہ ومن یضللہ فلا ھادی لہ واشھد ان لا الہ الا اللہ وحدہ لا شریک لہ واشھد ان سیدنا ومولانا محمدا عبدہ ورسولہ صل اللہ تعالیٰ علیہ وعلی آلہ وصحبہ اجمعین ومن تبعھم باحسان ودعی بدعوتھم الی یوم الدین اما بعد!

محترم بزرگو اور دوستو! غارِ حرا میں پہلی وحی کے نزول سے پہلے انسانی زندگی کا فطری بہاؤ رکا ہوا تھا اس کے ہر دروازے پر بھاری بھاری قفل چڑھے ہوئے تھے اور وہ گویا چند مقفل دروازوں اور کچھ تالوں کا مجموعہ بنی ہوئی تھی۔

چودہ سو برس پہلے متمدن دنیا سے الگ تھلگ ایک چھوٹے سے خشک پہاڑ کے اوپر گمنام اور ظاہری اعتبار سے بے حیثیت مقام (غارِ حرا) میں دنیا کو وہ عقدۂ لاینحل حل ہوا، جو نہ بڑی بڑی حکومتوں کی راج دھانی میں حل ہو سکا، نہ عظیم درس گاہوں میں حل ہو سکا اور نہ علم وادب کے پرشکوہ ایوانوں میں حل ہو سکا یہاں پروردگارِ عالم نے حضرت محمد ﷺ کی رسالت کی صورت میں عالم انسانیت پر ایک احسان عظیم کا دروازہ کھولا اور صدیوں کی گم شدہ کنجی پھر سے انسانیت کو مل گئی۔ یہ کنجی ہے اللہ پر ایمان، اس کے رسول ﷺ پر اور یوم آخرت پر۔ اس کنجی سے آپ ﷺ نے صدیوں کے ان بند قفلوں کو ایک ایک کر کے کھول ڈالا جس کے نتیجے میں حیات انسانی کے ہر ہر شعبہ کے دروازے چوپٹ کھل گئے آپ ﷺ نے جب نبوت کی اس کنجی کو عقل کے قفل پر رکھا، تو اس کی ساری گرہیں کھل

گئیں اس کی سلوٹیں اور اس کے پیچ وخم دور ہو گئے۔ اسے نشاط فکر حاصل ہو گیا اور وہ اس قابل ہو گئی کہ انفس و آفاق میں پھیلی ہوئی خدا کی نشانیوں سے نفع اندوز ہو سکے۔ اس کائنات میں غور کر کے اس کے خالق کو پا سکے، کثرت کے پردوں کو چیر کر وحدت کا جلوہ دیکھ سکے اور شرک و بت پرستی اوہام و خرافات کی لغویت کو سمجھ سکے۔

حضرات! اس کنجی سے آپ ﷺ نے انسان کے ضمیر کا قفل کھولا، سویا ہوا ضمیر جاگ اٹھا اور اس کے مردہ شعور و احساس میں حرکت اور زندگی پیدا ہوئی ضمیر کی روک تھام سے آزاد ہو کر نفس انسانی جو صدیوں سے نفس امارہ بنا ہوا تھا اب وہی نفس مطمئنہ بن گیا جس کے بعد اس میں کسی باطل کے گھسنے کی گنجائش نہ رہی اور گناہ اس کے لئے ناقابل برداشت ہو گیا۔ اس حد تک کہ گناہ گار آدمی رسول اللہ ﷺ کے سامنے جا کر از خود اپنے گناہ کا اظہار و اقرار کر کے اپنے لئے سخت ترین سزا کی درخواست کرتا ہے ایک گناہ گار عورت اپنے لئے سنگ ساری کی سزا کی درخواست کرتی ہے۔ حضور ﷺ عذر شرعی کی وجہ سے سزا کو کچھ دن کے لئے مؤخر فرماتے ہیں وہ اپنے دیہات کو واپس چلی جاتی ہے نہ اس کی نگرانی کے لئے پولیس، سی آئی، ڈی متعین ہے۔ نہ مجرم وقت پر حاضر کرنے کے لئے پولیس متعین ہے۔ لیکن بروقت پھر مدینہ پہنچتی ہے اور خود کو اس سزا کے لئے بخوشی اور باصرار پیش کرتی ہے۔ جو یقیناً قتل سے بھی زیادہ سخت ہے (یعنی سنگ ساری) فتح ایران کے وقت ایک غریب فوجی کے ہاتھ کسریٰ کا زرین تاج آتا ہے۔ وہ اس کو کپڑوں میں چھپا لیتا ہے اور خفیہ طور سے اپنے امیر کی خدمت میں لے جا کر پیش کر دیتا ہے تا کہ ادائے امانت تو ہو، لیکن امانت باری کی نمائش نہ ہو۔

انسانوں کے وہ دل جو اس طرح مقفل پڑے ہوئے تھے کہ ان میں عبرت پذیری تھی، نہ خوف خدا تھا اور نہ رقت اور نرمی تھی۔ یہ کنجی جب ان دلوں پر لگائی گئی تو یکسر کایا پلٹتی ہوئی نظر آئی۔ اب وہ خدا کے خوف سے ہر دم لرزاں و ترساں تھے۔ حوادث و واقعات سے عبرت حاصل کرتے تھے۔ انفس و آفاق میں پھیلی ہوئی نشانیوں کا وجود اب ان کے لئے نفع بخش تھا مظلوموں کا حال زار دیکھ کر تڑپ جاتے تھے اور

غریبوں اور بے کسوں کے ساتھ نفرت وحقارت کا برتاؤ کرنے کے بجائے۔ محبت و شفقت کا برتاؤ کرنے لگے۔ اسی طرح نبوت کی اس کنجی نے جب انسانوں کی ان فطرتی صلاحیتوں اور قوتوں کو چھوڑا جو عرصہ سے ٹھٹھری پڑی تھیں اور نفع بخش ہونے کے بجائے نقصان دہ ثابت ہو رہی تھیں، تو وہ شعلوں کی طرح بھڑک اٹھیں اور سیلاب کی طرح موجیں مارتی ہوئی ابل پڑھیں اور صحیح رخ پر لگ گئیں۔ جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ صلاحیتوں کے ابھرنے کا موقع نہ ملنے کی وجہ سے جو لوگ بکریوں کی گلہ بانی میں ضائع ہو رہے تھے، وہ اب بہترین طور پر قوموں کی نگہبانی اور عالم کی فرماں روائی کی نازک ذمہ داریوں سے عہدہ براء ہونے لگے اور جو شخص کل تک صرف کسی قبیلے کا ایک ایک شہر کا نامور شہسوار شمار کیا جاتا تھا، وہ اب بڑی بڑی سلطنتوں اور ایسے ایسے ملکوں کا فاتح ثابت ہوا جو قوت و شوکت میں یکتا تھا۔

اس کنجی سے آپ نے درس گاہوں کے قفل کھولے اور ان میں از سرِ نو چہل پہل اور رونق پیدا کی، حالانکہ علم کی کساد بازاری اور معلمین کی کسمپرسی اس حد تک پہنچ گئی تھی کہ نہ معلم کو دلچسپی رہی تھی اور نہ متعلمین کو۔ آپ ﷺ نے علم کی قدرت و قیمت یاد دلائی، اہل علم کا مرتبہ یاد دلایا اور علم و دین کا باہمی تعلق سمجھایا چنانچہ لوگ درس گاہوں کی ترقی کے لئے دامے درمے قدمے کوشاں ہو گئے مسلمان کا ہر گھر اور ہر مسجد بجائے خود ایک مدرسہ بن گئی، ہر مسلمان اپنے حق میں متعلم اور دوسرے کے حق میں معلم بن گیا، کیوں کہ ان کا دین ہی خود طلب علم کے لئے سب سے بڑا محرک تھا۔

آپ ﷺ نے اسی کنجی سے عدالت کا تعطل ختم کیا۔ اب ہر قانون دان اس قابل تھا کہ اس پر ایک منصف جج کی حیثیت سے اعتماد کیا جا سکے اور ہر مسلمان حاکم اعلیٰ درجہ کا منصف شعار حاکم تھا۔ اور یہ سچے مسلمان سب کے سب محض اللہ کے لئے سچی شہادتیں دینے والے تھے جب اللہ اور آخرت کے حساب و کتاب پر ایمان استوار ہوا، تو عدل و انصاف کی فراوانی ہوئی، بے انصافیاں اور بدمعاملگیاں کم سے کم تر ہو گئیں، اور جھوٹی شہادتیں اور ظالمانہ فیصلے ناپید ہو گئے خاندانی معاملات جو اس قدر ابتر ہو گئے تھے کہ باپ

بیٹے کے درمیان، بھائی بھائی کے درمیان، شوہر اور بیوی کے درمیان کشاکش اور چھین جھپٹ کا میدان گرم تھا۔ پھر یہ میسائی خاندانوں کے محدود میدان سے نکل کر معاشرے کے وسیع میدان میں بھی پہنچ گئی تھی یہی کشاکش نوکر اور مالک کے تعلقات میں بھی برپا تھی ہر ایک کا یہ حال تھا کہ اپنا حق کسی طرح بھی چھوڑنا نہ چاہتا تھا اور دوسرے کا حق کسی طرح دینا نہ چاہتا تھا۔ خود اگر کوئی چیز خریدتا، ناپ تول میں ذرا ذرا سی اونچ نیچ پر باریک بینی سے نظر رکھتا، لیکن اگر دوسرے کے ہاتھ بیچتا تو کم سے ناپنے اور تولنے میں پوری پوری مہارت بہم پہنچاتا ہے آپ ﷺ نے اس خاندانی اور معاشرتی نظام کے عقدوں کا حل بھی اسی کنجی سے کیا خاندان اور معاشرے میں ایمان کا بیج بویا۔

آپ ﷺ نے خاندان اور معاشرے کے افراد میں سے ہر ایک پر کچھ ذمہ داریاں ڈالیں۔ اسی طرح از سرنو خاندانی نظام کو بھی عدل، محبت اور راستی کی بنیادوں پر قائم فرمایا اور معاشرے کو بھی اعلیٰ درجے کا عدل شعار بنایا۔ معاشرے کے ہر ہر عضو میں امانت داری کا ایسا گہرا شعور اور خدا ترسی کا ایسا شدید احساس بیدار کر دیا کہ اس معاشرے کے امراء اور عہدیداران تک پرہیز گاری اور سادہ زندگی کے نمونے بن گئے۔ قوم کے سردار اپنے تئیں قوم کے خادم سمجھنے لگے، والیان سلطنت اپنی حیثیت یتیموں کے سرپرست سے زیادہ نہیں سمجھتے تھے کہ اگر اپنی ذاتی ملکیت کچھ ہے تو سلطنت کے مال و دولت سے کچھ مطلب نہیں، اگر نہیں ہے تو بقدر ضرورت لینے پر قناعت ہے، اسی ایمان کی بدولت آپ ﷺ نے دولت مندوں اور تاجروں میں دنیا سے بے رغبتی اور آخرت سے دلچسپی پیدا کی۔ انہیں بتلایا کہ مال اصل میں اللہ کا ہے تمہیں اس نے اس تصرف میں اپنا نائب بنایا ہے۔

’’اور خرچ کرو اس (مال و دولت) میں سے جس میں اللہ نے تمہیں اپنا نائب بنایا ہے اور دوان کو (ضرورت مندوں کو) اس مال میں سے جو اللہ نے تمہیں دے رکھا ہے۔‘‘

’’اور وہ لوگ جو سونا چاندی کے خزانے جمع کرتے ہیں اور اللہ کی راہ میں خرچ نہیں کرتے، آپ انہیں بشارت دے دیجئے دردناک عذاب کی اس دن جب کہ ان کے خزانوں کو دوزخ کی آگ میں تپایا جائے گا، پھر اس سے ان کی پیشانیاں کروٹیں اور

پشتیں داغی جائیں گی۔ لو! یہ ہے تمہارا جمع کیا ہوا اب چکھو اس کا مزہ۔“

رسول اللہ ﷺ نے اپنے پیغام اور اپنی دعوت کے ذریعہ سے جس فرد کو تیار کر کے کارگہ حیات میں اتارا تھا وہ اللہ پر سچا ایمان رکھنے والا، نیک خوئی کو پسند کرنے والا، اللہ کے خوف سے ڈرنے والا، امانت کا پاس کرنے والا، دنیا پر آخرت کو ترجیح دینے والا، مادہ کو حقیر سمجھنے والا اور اپنی روحانیت سے مادیت پر غالب آنے والا تھا۔ وہ اس بات پر دل سے یقین رکھتا تھا کہ دنیا تو میرے لئے بنائی گئی ہے، لیکن میں آخرت کے لئے پیدا کیا گیا ہوں، پس یہ فرد اگر تجارت کے میدان میں اترتا تو نہایت سچا اور ایماندار ثابت ہوتا۔ اگر مزدوری کا پیشہ اختیار کرتا تو نہایت محنتی اور ایماندار اور بہی خواہ مزدور ثابت ہوتا۔ اگر مالدار ہو جاتا، تو ایک رحم دل اور فیاض دولت ثابت ہوتا، اگر غریب ہوتا تو شرافت کو قائم رکھتے ہوئے مصیبتوں کو جھیلتا، اگر کرسی عدالت پر بٹھا دیا جاتا تو نہایت سمجھدار منصف جج ثابت ہوتا۔ اگر صاحب سلطنت ہوتا تو ایک مخلص اور بے غرض حکمران ثابت ہوتا اگر آقا ہوتا تو رحم دل اور منکسر المزاج آقا ہوتا، اگر نوکر ہوتا تو نہایت چست اور فرماں بردار اگر قوم کا مال و دولت اس کی تحویل میں آ جاتا، تو حیرت انگیز بیداری اور باخبری سے اس کی نگرانی کرتا۔

حضرات! یہ تھیں وہ اینٹیں جن سے اسلامی سوسائٹی کی تعمیر کی گئی اور جن پر اسلامی حکومت کی عمارت کھڑی کی گئی، اسی بناء یہ سوسائٹی اور حکومت بڑے پیمانے پر افراد کے اخلاق کی نفسیات اور ان کے طرز حیات کی مظہر تھی افراد میں جو چیزیں تھیں وہ سب کی سب معاشرت میں جمع ہو گئیں تھیں اس کے تاجر کی سچائی اور ایمانداری اس میں تھی۔

اس کے غریب کی خودداری اور مشقت کوشی اس میں تھی اس کے مزدور کی محنت کشی اور بہی خواہی اس میں تھی اس کے دولت مندی کی فیاضی اور غم خواری، اس میں تھی اس کے جج کی فراست اور عدالت، اس میں تھی، اس کے حکمرانوں کا خلوص اور دیانت داری، اس میں تھی اس کے آقا کا انکسار اور رحم دلی، اس میں تھی اس کے خادم کی جفاکشی اور چستی، اس میں تھی اور اس کے خزانچی کی نگرانی اور بیداری بھی، اس میں تھی اسلامی سوسائٹی جس

طرح اپنے افراد کی خوبیوں کی مظہر اتم تھی، اسی طرح اسلامی حکومت بھی تمام خوبیوں کی جامع بلکہ ان کا قومی محرک بن گئی تھی۔ یہ حکومت راست رو تھی۔ عقیدوں اور اصولوں کو منافع اور مصالح پر ترجیح دیتی تھی۔ عوام کو لوٹنے کے بجائے ان کے اخلاق و عقائد کو بنانے اور سنوارنے کی دل سوزی سے کوشش کرتی تھی سوسائٹی اور حکومت کے اثرات کا نتیجہ یہ تھا کہ انفرادی اور اجتماعی پرائیویٹ اور پبلک زندگی کا ہر گوشہ ایمان و عمل، صدق خلوص، محنت و کوشش اور عدل و انصاف سے سجا ہوا اور ان سدا بہار پھولوں کی خوشبو سے مہکا ہوا تھا۔ اللہ تعالیٰ دنیا میں دوبارہ وہ بہاریں لوٹا دے اسی دعا کے ساتھ آپ سے اجازت چاہتا ہوں! وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

جاہلیت کسی خاص عہد کا نام نہیں

الحمد للہ نحمدہ ونستعینہ ونستغفرہ ونومن بہ ونتوکل علیہ ونعوذ باللہ من شرور انفسنا ومن سیئات اعمالنا من یہدہ اللہ فلا مضل لہ ومن یضللہ فلا ھادی لہ واشہد ان لا الہ الا اللہ وحدہ لا شریک لہ واشہد ان سیدنا ومولا نا محمدا عبدہ ورسولہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلی آلہ وصحبہ اجمعین ومن تبعہم باحسان ودعی بدعوتہم الی یوم الدین اما بعد!

فاعوذ باللہ من الشیطٰن الرجیم افحکم الجاھلیۃ یبغون ومن احسن من اللہ حکما لقوم یوقنون.

میرے دوستو! بھائیو اور عزیزو! عام طور پر پڑھے لکھے اور اچھے خاصے فاضل حضرات بھی یہ سمجھتے ہیں کہ جاہلیت ایک عہد کا نام ہے اور خاص طور پر اس عہد کا نام ہے جو بعثت محمد ﷺ سے پہلے اور اشاعت اسلام سے پہلے دنیا میں عام طور پر اور جزیرۃ العرب میں خاص طور پر اور حجاز مقدس میں اور اس کے قرب جوار میں جو عہد تھا وہ جاہلی عہد ہے۔

عام طور پر جب جاہلیت کا لفظ بولا جاتا ہے تو ذہن اس کی طرف منتقل ہوتا ہے کہ پس ماندہ عہد تھا انحطاط پذیر اور بر سر تنزل اور ایک بالکل افراتفری کی زندگی تھی جس میں اللہ کا قانون اور اللہ کا فرمان اللہ تبارک وتعالیٰ کی طرف سے جو تعلیمات مختلف صحیفوں کی صورت میں آئیں یا انبیاء کے ذریعہ آئیں ان سے دنیا نا آشنا ہو چکی تھی یہ بھی بہت بعد میں کچھ لکھنے والوں نے لکھا اور جن کو اللہ نے توفیق دی اور جن کا زیادہ گہرا مطالعہ تھا

تاریخ کا جاہلیت کو ایک وسیع نظر سے دیکھنے لگے، صرف عرب میں نہیں بلکہ پوری دنیا میں جاہلیت کا ایک شامیانہ تنا ہوا تھا اور جاہلیت کا بادل چھایا ہوا تھا اور جاہلیت کا ایک اندھیرا تھا۔ اور عام طور پر سیرت نگاروں نے بھی جب جاہلیت سے بحث کی ہے تو صرف عرب کے ماقبل اسلام عہد کو سامنے رکھا ہے لیکن اب بھی جن لوگوں نے دنیا کی جاہلیت کا مطالعہ کیا اور اس کے حالات پیش کئے اور اب جو کتابیں لکھی جانے لگی ہیں جن میں بتایا گیا ہے کہ ایران میں بھی جاہلی عہد تھا جاہلی عادات تھے، جاہلی عقائد تھے اور جاہلی دور دورہ تھا، اور روم میں بھی ایسا ہی تھا بازنطینی سلطنت کے علاقوں میں بھی ایسے ہی تھا اور یہاں تک لوگوں نے جب مغربی زبانوں کا مطالعہ کیا، خاص طور پر انگریزی کا (ہندوستان میں انگریزی کا رواج ہے) تو انہوں نے یورپ میں بھی عہد جاہلیت کی تصویر کھینچی اور مصنفین اور مورخین کے حوالے سے اور ان کی کتابوں کے حوالے سے صفحات کے حوالے سے انہوں نے بتایا کہ انگلستان میں یہ حال تھا، جرمن میں یہ حال تھا اور یورپ کے مختلف ملکوں میں یہ حال تھا، لیکن ابھی تک جاہلیت کا جو وسیع مفہوم ہے اور جو یہ اصطلاح اللہ تبارک وتعالیٰ نے استعمال فرمائی ہے اللہ تعالیٰ نے اس کو کئی بار دہرایا ہے۔

"أَفَحُكْمَ الْجَاهِلِيَّةِ يَبْغُونَ وَمَنْ أَحْسَنُ مِنَ اللَّهِ حُكْمًا لِقَوْمٍ
يُوقِنُونَ" وَلَا تَبَرَّجْنَ تَبَرُّجَ الْجَاهِلِيَّةِ الْأُولَىٰ."

ایسے ہی قرآن مجید میں کئی جگہ ہے، جو اللہ تعالیٰ کو یہ کہنا ہوتا ہے اور انسان کو یہ سمجھانا ہوتا ہے کہ خود نفسانفسی کی زندگی اور نفس پرستی کی زندگی اور اپنی خواہش اور لذت یا اپنے منفعت، محدود شخصی منفعت کے لئے کوئی کام کیا جاتا ہے تو اس کو جاہلی فعل کہتے اور جاہلی عہد کہتے ہیں، لیکن ابھی تک اس پر زیادہ عمیق، عمیق تر اور وسیع تر مفہوم سوچا نہیں گیا کیونکہ یہ ہمارے طلبائے علوم دینیہ کا اور عربی زبان کے طلباء کا اور تفسیر وحدیث اور تاریخ اسلامی کے مطالعہ کرنے والوں کا کام تھا وہ اس کی حقیقت تک پہنچ سکتے تھے اس لئے میں یہ بتانا چاہتا ہوں کہ ہر وہ چیز جو نفس کے تقاضہ سے کی جائے یا رسم ورواج کی پابندی میں کی جائے یا اس میں محدود منافع سامنے ہوں اور اس کا کوئی ماخذ شریعت الٰہی نہ ہو اور جس

چیز کا ماخذ شریعت الٰہی نہ ہو اور جس چیز کی نص کتاب اللہ میں، حدیث نبویؐ میں، اور سنت رسولؐ میں، اسوہ رسولؐ میں، اور اس زمانہ میں اسلام کی تعلیمات سے جو تمدن رائج ہوا، جو طرز زندگی جاری ہوا، جو چیز اس میں نہیں پائی جاتی، قرن اول میں نہیں پائی جاتی، وہ جاہلیت ہے، اور جاہلیت کے معنی یہ ہے کہ کسی کام کو اللہ کے حکم اور رسول ﷺ کی فرمان ہدایت اور شریعت اسلامی کے سہارے کے بغیر، اس کے حوالہ کے بغیر، اس سے استفادہ کرتے ہوئے اس کی تعمیل میں کام نہ کیا جائے بلکہ محض اس کو رواج کی خاطر کیا جائے اس کو رواج کی پابندی میں کیا جائے، اپنی ذاتی منفعت حاصل کرنے کے لئے کوئی چیز اختیار کی جائے اور اس میں تمام حدود سے تجاوز کر دیا جائے، اس کو بھی ایک قانون سمجھا جائے، شریعت سمجھا جائے وہ سب جاہلیت ہیں۔ جی ہاں وہ سب جاہلیت ہی ہے! اب اس وقت ہمارے مشرقی ممالک میں بالخصوص ہندوستان اور خاص طور پر ان ملکوں میں جہاں اکثریت غیر مسلموں کی ہے وہاں پر زندگی میں جو چیزیں شامل ہوگئی ہیں، یہاں تک کہ بالکل شریعت کی طرح ان کی پابندی کی جاتی ہے بلکہ شریعت سے زیادہ پابندی کی جاتی ہے۔ وہ سب جاہلیت ہے، اور اس معنی میں جاہلیت کا استعمال آپ کو حدیث میں اور سیرت کی کتابوں میں ملے گا مثلاً ایک صحابی سے کوئی ایسا عمل ہوا جو اسلامی تعلیمات اور اسلام کی تربیت کے خلاف تھا۔ تو آپ نے فرمایا:

"انک امرأ فیک جاھلیة" تم ایک ایسے آدمی ہو جس کے اندر جاہلیت کی بو پائی جاتی ہے، تو جاہلیت محض ایک دور سے مخصوص اور اس کے ساتھ محدود نہیں تھی بلکہ قیامت تک جو کام بھی کتاب وسنت کی روشنی کے بغیر، کتاب وسنت کی اطاعت کے بغیر، بلکہ اس کے برخلاف کیا جائے گا وہ جاہلیت ہے اس لئے کہ اس میں یہ منافع ہیں، شخصی منافع ہیں، جماعتی منافع، خاندانی اور قومی منافع ہیں، سیاسی منافع ہیں، اور پھر اس کے ساتھ ساتھ یہ کہ ایسا ہوتا آیا ہے کہ ہم نے اپنے آباؤ اجداد کو ایسے ہی پایا ہے، یہ سب جاہلیت میں شمار ہوگا۔ ہر وہ چیز کہ جس میں کوئی قرآن کی حدیث کی اور شریعت کی دلیل نہ پائی جائے، اس کے بارے میں کوئی حکم الٰہی پایا نہ جائے اور تشریح نبوی نہ پائی جائے

محض نام و نمود کے لئے کیا جائے، محض لوگوں کو خوش کرنے کے لئے کیا جائے، عزت حاصل کرنے کے لئے کیا جائے اور شہرت حاصل کرنے کے لئے کیا جائے، نفس کی تسکین کے لئے کیا جائے، لوگوں کے مطالبات اور توقعات کو پورا کرنے کے لئے کیا جائے یہ سب امور جاہلی ہیں، اب اس وقت یہ ہمارے یہاں اللہ کے قانون، تشریعِ الٰہی اور قرآن مجید کی نصوص، اور احادیث کے صاف صاف اور واضح احکام سے قطع نظر کر کے آنکھیں بند کر کے بلکہ ان کی ایک طرح سے "استہانت" جس کو عربی میں کہتے ہیں اسے معمولی سمجھ کر، ناقابل توجہ سمجھ کر جو چیزیں ہماری اجتماعی زندگی میں داخل ہو گئی ہیں وہ سب جاہلیت میں شمار ہوں گی، مثلاً شادی ہے، میراث کی تقسیم ہے، بچوں کی ولادت ہے اور بہت سے خوشی کے کام ہیں ان سب میں یہ پوچھنے کی ضرورت ہی نہ سمجھی جائے اگر معلوم ہے تو اس کو نظر انداز کیا جائے کہ اس میں اللہ کا حکم کیا ہے، رسول ﷺ کی ہدایت کیا ہے، قرآن سے کیا ثابت ہے، حدیث سے کیا معلوم ہوتا ہے؟ بس یہ کہ ایسا ہوتا آیا ہے "وجدنا علیه آباء نا" ہم نے اسی پر اپنے آباؤ اجداد کو پایا، یا بس یہی معیار ہے، یا اس حیثیت کو جو ہمیں حاصل ہے اس کو برقرار رکھنے کے لئے، اس کو بلند کرنے کے لئے ہمیں ایسا کرنا ضروری ہے۔ ہمارے اس شہر میں جو ہماری عزت ہے ہمارے معاشرے میں جو ہمارا مقام اور مرتبہ ہے ہمیں جس نظر سے لوگ دیکھتے ہیں ہمیں جس معیار سے جانچتے ہیں اس کے لحاظ سے اگر شادی کے لفظ سے تینوں نقطے نکال کر اگر شادی کر دی گئی تو لوگ کہیں گے کہ بیچارہ معلوم ہوتا ہے کہ غریب ہو گیا ہے، پیسہ پاس نہیں رہا، یا بہت بخیل ہے یا ان کو معلوم نہیں کہ شرفاء میں کیا ہوتا ہے، خاندانوں میں کیا ہوتا ہے تو ہم اس بدنامی کو مول نہیں لے سکتے پھر سب کچھ کیا جائے جو ہوتا آیا ہے یا جو غیر مسلموں میں ہو رہا ہے، یا غیر مسلموں میں جو رواج ہے سب اختیار کیا جائے محض اس بناء پر کہ ایسا ہوتا آیا ہے، یہاں تک کہ ہماری برادری میں، ہمارے خاندان میں بھی اسی طرح کا رواج رہا ہے کہ بہت ہی دھوم دھام سے شادی کی جائے اور اس میں اس طرح کھانا کھلایا جائے اور اس طرح اس میں اپنی شان و شوکت دکھائی جائے، اگر ہم ایسا نہیں کریں گے تو ہم منہ

دکھانے کے قابل نہیں رہیں گے۔ اور اپنے خاندان میں بھی ذلیل ہوں گے، شہر میں بھی ذلیل ہوں گے، معاشرہ میں بھی ذلیل ہوں گے، یہ سب جاہلیت ہے۔

جاہلیت کا مفہوم! جاہلیت ایک ایسا بلیغ معجزانہ لفظ ہے کہ اس کے بدل کا کوئی لفظ نہیں ملتا، عربی کے ایک طالب علم ہونے کے باوجود اور زبان اور ادب اور پھر اس کے ساتھ ساتھ تفسیر و حدیث اور قدیم و جدید زبانیں اور اصطلاحات سے تھوڑے بہت واقف ہونے کے باوجود ہم صفائی کے ساتھ آپ سے کہہ رہے ہیں کہ جاہلیت کی سی طاقت رکھنے والا، وسعت اور گہرائی رکھنے والا کوئی لفظ ہمیں عربی میں نہیں ملتا اور دنیا کی زبان میں بھی اس کا صحیح ترجمہ جس کو انگریزی میں AGANIS کہتے ہیں سب جانتے ہیں۔

لیکن جو بات جاہلیت میں ہے وہ بات مشکل سے ادا ہو سکتی ہے، کسی دوسرے لفظ سے، یہ بہت بلیغ عمیق اور عملی لفظ ہے، تو اب کیا ہے یہ تحفظ شریعت کا جو ہفتہ منایا گیا اور یہ جو ہندوستان میں خدا کا شکر ہے، روز آپ اخبار میں دیکھتے ہوں گے کہ کوئی شمارہ خالی نہیں جاتا کہ ایک،دو، تین چار جلسے نہ ہوتے ہوں، ہمارے شہر میں بھی اور اطراف میں بھی جلسے ہوئے، ان سب کا مقصد اصل میں اس کی دعوت ہے، اس کی تحریک ہے اور اس کی جدوجہد ہے کہ جاہلیت سے نکل کر ہم خالص اسلام حاصل کر لیں اور جیسے ہم نام رکھنے میں مسلم ہیں اس کا لحاظ رکھتے ہیں اگرچہ جاہلوں میں ناواقفوں میں غیروں جیسا نام ہونے لگا ہے جس طرح نام رکھنے میں ہم اس کا خیال رکھتے ہیں کہ معلوم ہو کہ مسلمان کا نام ہے اور اسی طرح ہم نماز شریعت کے مطابق پڑھتے ہیں ابھی تک الحمد للہ اس میں کوئی تحریف نہیں ہوئی روزہ بھی ویسا ہی جب چاند نکلتا ہے جب ہی رمضان شروع ہوتا ہے اور روزہ رکھا جاتا ہے، زکوۃ بھی ادا کرتے ہیں اگر اللہ توفیق دیتا ہے، بہت بڑی تعداد زکوۃ نکالنا جانتی ہی نہیں اور وہ زکوۃ ادا ہی نہیں کرتی لیکن جو جانتے ہیں وہ ادا کرتے ہیں اور علماء سے پوچھ لیتے ہیں کہ کتنے نصاب میں کتنی مالیت میں زکوۃ فرض ہوتی ہے اور کتنے میں کتنا نکالنا چاہئے اور حج ہے کہ لمبا سفر کر کے جاتے ہیں، اگرچہ اس میں بہت سی

کمزوریاں پیدا ہو گئی ہیں کہ بہت سے اس نیت سے جاتے ہیں کہ وہاں سے کچھ وہاں کی چیزیں لائیں گے پھر یہاں بڑی قیمت میں بکتی ہیں اور یہ بات بھی بہت ہوئی ہے کہ یہاں تک کہ غیر مسلموں کو بھی معلوم ہو گیا ہے وہ بھی بعض مرتبہ طعنہ دیتے ہیں ہم نے خود سنا طعنہ دیتے ہوئے کہ پہلے تو حج سے لوگ چند کھجور لے کر آتے تھے زمزم کا پانی لے کر آتے تھے لیکن اب فلاں چیز لے کر آتے ہیں، فلاں چیز لے کر آتے ہیں، لوگوں نے بتایا کہ حجاج کرام جدہ میں اپنے پاسپورٹ دکھا رہے تھے اور ابھی ان کو داخلہ کی اجازت نہیں ملی تھی تو دیکھا کہ سامنے سے ایک ہندوستانی شیروانی وغیرہ پہن کر جا رہے تھے، انہوں نے کہا مولوی صاحب یہاں آنا یہاں آنا، بتائیے گھڑی کہاں سستی ملتی ہے کہا بھائی شرم کرو، ابھی تم اندر داخل بھی نہیں ہوئے ہو، ابھی اس کی کارروائی بھی نہیں ہوئی، ابھی سے تم کو فکر ہے کہ گھڑی کہاں سستی ملتی ہے تاکہ گھڑیاں خرید کر ہندوستان میں جا کر چوگنے دس گنے دام میں بیچو، اور ایسے ہی واقعات ہمیں چونکہ الحمد للہ حجاز مقدس جانے کی بار بار سعادت حاصل ہوئی ہے، دیکھتے رہتے ہیں لیکن پھر بھی حج میں جو اس کے مسائل ہیں معلم کی ہدایت کے مطابق یا کسی عالم کی صحبت میں اور اس کی رہنمائی سے حج کیا ہے، مگر اس کے بعد مسلمانوں نے اپنی زندگی میں اپنے کو بالکل آزاد سمجھ لیا ہے، اس کا دین سے کیا تعلق ہے، حج اس طرح ہو اس میں ان چیزوں سے بچا جائے۔

میرے بھائیو! بعض دوستوں نے بتایا کہ بمبئی میں شادی کے موقع پر بجائے کھجور اور چھوہارے تقسیم کرنے کے نوٹ تقسیم کئے گئے، پچاس پچاس کے نوٹ، سو سو روپیہ کے نوٹ تاکہ معلوم ہو کہ بہت بڑے دولت مند آدمی کے یہاں یہ رسم ہو رہی ہے، تھری اسٹار ہوٹل میں ٹھہرانا فائیو اسٹار ہوٹل میں ٹھہرانا، ہزاروں روپیہ اس میں صرف کرنا اور پھر اس کا ولیمہ بھی اس شان کا، اب بہت دن سے یہ رواج ہے کہ شادی کے دعوت نامہ انگریزی میں ہوتے ہیں، اتنا بھی احساس نہیں مسلمانوں کو کہ نکاح ایک شرعی عبادت ہے اس پر ثواب ہے اور اس کو زیادہ سے زیادہ عہد اول، قرن اول کے طریقہ کے مطابق ہونا چاہئے۔

دو عظیم محاذ! اس فضول خرچی سے بہتر یہ ہے کہ حضور ﷺ کی سنت کے مطابق ہو اور صحابہ کرامؓ کے عمل کے مطابق کرنا چاہئے تو اس میں پراوہ نہیں کرتے صرف شادی کارڈ پر لوگوں نے بتایا کہ کئی کئی ہزار روپیہ صرف ہو جاتے ہیں، پاکستان سے ہمارے پاس کارڈ یہاں آتے ہیں، یہاں سے وہاں جاتے ہیں، دوسرے ملکوں میں جاتے ہیں، اس کے علاوہ پھر اس میں اور جو رسمیں ہوتی ہیں کہ الاماں والحفیظ۔ اسی طرح میراث کی تقسیم کہ بالکل یعنی بہت ہی چند دیندار اور خوش قسمت خاندان ہیں کہ جن کے یہاں میراث کی تقسیم بالکل قرآنی تعلیمات کے مطابق ہوتی ہے اور اللہ نے جس کا جو حصہ مقرر کر دیا اس کو دیا جاتا ہے پھر اس کے بعد اسی طریقہ سے عقیقہ کی رسم، ختنہ کی رسم، اور شادی کی تو رسموں کو پوچھنا کیا ہے، ہر ایک کے یہاں ایک الگ شریعت سی بنی ہوئی ہے۔ ایک پورا قانون بنا ہوا ہے کہ اس علاقہ میں، اس میں ملکوں کا بھی فرق ہے، صوبوں کا بھی فرق ہے، اور بعض جگہ شہروں کا فرق ہے، اور سوسائٹیوں اور اس کی معیاروں کا بھی فرق ہے وہاں اس طرح شادی ہوگی، یہاں اس طرح شادی ہوگی، آپ کو انشاء اللہ واسطہ پڑے گا شریک ہونے اور کچھ کہنے سننے کا بھی تو ابھی اس کو سمجھ لیجئے کہ یہ عہد جاہلی کی رسمیں جو ہیں اس جاہلیت کا مقابلہ کرنا ہے ہم کو اور تحفظ شریعت اور پرسنل لاء بورڈ کا جو کام ہے دراصل جاہلیت کے خلاف ایک محاذ ہے لیکن وہ محاذ نیا نہیں ہے، وہ محاذ اسلامی محاذ ہے، وہ محاذ سنت کا ہے شریعت کا محاذ ہے اور قرآن کا اور حدیث کا محاذ ہے، جس کو اب اس کے بعد جب آپ سمجھ جائیں کہ دو چیزیں ہیں اور یہ رہیں گی، بظاہر قیامت تک یہ دو محاذ رہیں گے، یہ دو ماحول رہیں گے یہ دو قانون رہیں گے، اور یہ دو طرح کا طرز زندگی رہے گا، ایک طرز زندگی خالص اللہ اور اس کے رسول کے حکم کے مطابق، آیات قرآنی کے مطابق، احادیث نبوی کے مطابق اور عہد نبوی کے عمل کے مطابق۔

اب ہو کیا رہا ہے ایک دوسرے سے پوچھا جاتا ہے، آپ کے یہاں کیا معیار ہے اور جانتا ہے ہر ایک کہ یہاں یہ معیار ہے بتائیے فلاں جگہ شادی ہوئی تھی ایسی دھوم دھام سے کہ پورے شہر میں ایک زلزلہ سا آ گیا ہے اور ایک ہنگامہ ہے، اور پھر اسی طریقہ سے

دوسرے مواقع ہیں جن میں آدمی کو اپنے تمول کا اظہار یا اپنے خاندان کی حیثیت کی بلندی کا اظہار کرنے کا موقع ملتا ہے۔ اس کو مسلمانوں نے بالکل اپنا آلہ کار بنالیا ہے۔ ایک ذریعہ بنالیا ہے شہرت کا، عزت کا، اور اس کے سامنے بالکل وہ سرافگندہ ہوگئے ہیں، سربسجود ہوگئے ہیں اسی کا نام جاہلیت ہے اور اسی کا نام جاہلیت کی پیروی ہے اللہ تعالیٰ نے جو فرمایا ہے

"**افحکم الجاهلية يبغون**" اور یہ جو حکم کا لفظ ہے یہ عربی میں اور قرآن مجید کی اصطلاح میں بھی بہت وسیع ہے اس کے معنی صرف امر کے نہیں ہیں، اس کے معنی فیصلہ کے بھی ہیں اور اس کے معنی حکومت کے بھی ہیں اور آئین اور قانون جس پر چلا جائے سب حکم کے اندر آتا ہے، حکم کا لفظ بڑا بلیغ اور وسیع ہے ایسے ہی سمجھ لینا چاہئے کہ درحقیقت یہ جاہلیت عربیہ اور جاہلیت عالمیہ کی مرکز اسلام میں جیسا کہ اس وقت بعثت نبوی سے پہلے کا جو عہد تھا اس میں عمل کرنا ہے۔ بہت سے مسلمانوں میں بھی ہوتا ہے کہ جو نماز روزہ کے بھی پابند ہیں اور حج بھی کئی کئی کر چکے ہوں گے اور رمضان المبارک کے روزے بھی رکھتے ہیں، یہ سب کرتے ہیں لیکن یہ جب بھی کوئی ایسی خوشی کا موقع آتا ہے تو بالکل آزاد ہوجاتے ہیں اور پھر اس کے بعد شریعت کو بالائے طاق رکھ دیتے ہیں اور بعض اوقات اگر سنایا جائے کہ اللہ اور رسول کا حکم یہ ہے کہ تو ان کی زبان سے بعض مرتبہ ایسے الفاظ نکل جاتے ہیں کہ ڈر معلوم ہوتا ہے کہ کہیں اس سے کوئی حبط اعمال نہ ہو اور کہیں کفر کا ان پر فتویٰ نہ لگ جائے۔

بس عزیزو! اس کو تم لوگ یہاں اپنی تعلیم کا ثمرہ سمجھو اور اس کا ایک فرض سمجھو، اس کا ایک فریضہ سمجھو، اس کا ایک تقاضا سمجھو، اور اس کا ایک حق سمجھو کہ تم اس بارے میں امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا پیکر بن جاؤ اپنے خاندانوں میں اللہ تعالیٰ خیر و عافیت کے ساتھ خوشی کے ساتھ وہ مرحلہ گزارے، اپنے خاندان میں بھی، محلہ میں بھی، اور گاؤں، قصبات سے تعلق رکھتے ہو تو گاؤں قصبات میں، اگر شہر سے تعلق رکھتے ہو تو شہر میں اور انگریزی تعلیم یافتہ طبقہ سے اگر تمہارا تعلق ہے تو اس میں اور اگر دیندار طبقہ ہے تو اس میں

مطمئن نہ ہو کہ یہ دیندار طبقہ ہے اس کے یہاں تو ایسا نہیں ہوتا ہوگا، سب کچھ ہو رہا ہے اور آخری درجہ پر بات پہنچ گئی ہے ڈر معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے کوئی وبال کوئی بے برکتی نہ ہو اور بے برکتی ہو رہی ہے، تو یہ ایک بہت بڑا فریضہ ہے، تم لوگ ابھی سے اس کا عہد کرلو جہاں رہو گے کام کرو گے، انشاء اللہ مدارس کا قیام بھی تعلیم کی اشاعت اور امر بالمعروف اور نہی عن المنکر اور وعظ سب کچھ کرو گے لیکن یہ تحفظ شریعت کا بھی کام کرو گے اور رسوم جاہلیت کو مٹانے کی کوشش کرو گے اور یہ سب خوشی کے مواقع اور یہ تقریبات جو ہیں خاص سنت وشریعت کے مطابق ادا کرنے کی کوشش کرو گے۔ اللہ تعالیٰ تم کو ہم کو سب کو توفیق عطا فرمائے۔

انسانیت کا پیغام مشرق ومغرب کے نام

یہ علمی اور فکری، ولولہ انگیز تقریر حضرت مولانا علی میاں ندوی رحمۃ اللہ علیہ نے برطانیہ کی عظیم یونیورسٹی لندن یونیورسٹی میں ۱۱ اکتوبر ۱۹۶۳ء کو طلبہ واساتذہ، محققین مصنفین سے خطاب کرتے ہوئے فرمائی تھی، اس موقع پر سامعین کی بڑی تعداد یونیورسٹی کے یونین ہال میں موجود تھی!

الحمد للہ رب العالمین والصلوۃ والسلام علی اشرف الأنبیاء والمرسلین وعلی آلہ وصحبہ اجمعین ومن تبعھم باحسان ودعی بدعوتھم الی یوم الدین اما بعد فاعوذ باللہ من الشیطان الرجیم وَلَقَدْ كَرَّمْنَا بَنِيٓ اٰدَمَ وَحَمَلْنٰهُمْ فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ وَرَزَقْنٰهُمْ مِنَ الطَّيِّبٰتِ وَفَضَّلْنٰهُمْ عَلٰى كَثِيْرٍ مِّمَّنْ خَلَقْنَا تَفْضِيْلًا ۔

میرے عزیزو! انگریزی کے ایک بڑے شاعر کپلنگ (KIPLING) نے کہا تھا کہ ”مشرق مشرق رہے گا، اور مغرب مغرب، دونوں کبھی مل نہیں سکتے۔“

مشرق ومغرب کے درمیانی خلیج:

یہ بات اگرچہ ایک ادیب کی زبان سے نکلی تھی، جو اس صدی کی ابتدا میں فوت ہوا ہے، مگر دراصل یہ ایک تصور ہے، کبھی ایسا ہوتا ہے کہ کوئی خاص نظریہ یا تصور کسی سوسائٹی میں کبھی قبول ہو جاتا ہے، اور افراد کے عقائد و جذبات کے بنانے اور ان کی پرورش میں اس کا بڑا ہاتھ ہوتا ہے، پھر اسی نظریہ یا تصور کو کوئی شاعر جو اپنی سوسائٹی کا ترجمان ہوتا ہے، اپنے فصیح بلیغ انداز میں موزوں کر دیتا ہے، جو ایک ضرب المثل بن کر پھیل جاتا ہے، پھر

ہر دور میں اس کے بعد آنے والی نسلیں ہر جگہ اس کو دہراتی ہیں، اور ایک اصول وکلیہ کی طرح اس پر ایمان رکھنے لگتی ہیں۔

مگر اس تصور نے انسانی مفاد کو جتنا نقصان پہنچایا ہے، اور جس درجہ اس نے انسانی وحدت کے اصول کو پارہ پارہ کیا ہے، اور ان کے انداز فکر پر جو ستم ڈھایا ہے میں نہیں سمجھتا کہ اس کے علاوہ کسی دوسرے نظریہ نے اس قدر نقصان پہنچایا ہوگا کیونکہ یہ تصور بنی نوع انسان کے خاندان کو مشرق ومغرب کی دو ٹولیوں میں تقسیم کر دیتا ہے، کہنے کو تو یہ ایک سادہ سی بات یا تاریخی حقیقت ہے مگر لوگ اس کے بعد سے ہمیشہ مشرق ومغرب کو اس نظریہ سے دیکھنے لگے کہ یہ دو حریف کیمپ ہیں، یہ اولاً تو کبھی مل نہیں سکتے، اور اگر ملے تو میدان جنگ ہی میں مل سکتے ہیں، اور اگر کبھی اکٹھا ہوئے بھی تو ایک دوسرے کی ہجو کریں گے، اور ڈھونڈ ڈھونڈ کر، اس کی برائیاں نکال کر اپنے دل کی بھڑاس نکالنے کی کوشش کریں گے۔

صدیوں سے مشرق ومغرب کا یہی انداز ہے، دونوں میں سے کسی نے بھی ایک دوسرے کو سمجھنے کی کوشش نہیں کی اور اگر سمجھا بھی تو ان سطحی اور ناقص معلومات کی روشنی میں جو صرف ان کی کمزور پہلو ہی پر مبنی تھے، ان کے اندر جو خوبیاں ہیں، طاقت اور روشنی کے جو چشمے ہیں، ان سے اکثر غفلت برتی گئی، ایک نے دوسرے کو جب دیکھا تو شک، خوف اور بدگمانی کی نگاہ سے دیکھا یا پھر نفرت وناپسندیدگی کی نگاہ سے!

اس خلیج کا سبب

میرے دوستو عزیزو! سب سے پہلے مشرق ومغرب کا سامنا صلیبی جنگوں کے موقع پر ہوا تھا، ان جنگوں کے موقع پر جو عقیدہ مشرق پر حملہ آوروں کو ابھار رہا تھا، اور وہ روح جوان کے اندر کارفرما تھی، اور ان کے اندر جو جوش وولولہ پیدا کر رہی تھی، اس کی بنیاد ان قصوں پر تھی، جو انہوں نے مسلمانوں کے بارے میں سن رکھے تھے، اور جن کو وہ صحیح سمجھ رہے تھے اور اس بنیاد پر تھی کہ ان سے یہی کہا گیا تھا کہ "یہ جنگ اس لئے

ہے کہ مقدس سرزمین کو وحشی بت پرستوں کے جنگل سے نجات دلائی جائے‘‘ اس کے علاوہ جنگ کی سیاہ اور بھیانک فضا کبھی بھی کسی برسرپیکار لشکر کو اس کا موقع نہیں دے سکتی کہ وہ دوسرے فریق کی خوبیوں کو دیکھ کر اس کے جوہر کو پرکھ کر، اس کے عقائد کا مطالعہ کر کے اس کی قدر دانی کرے اور شریفانہ و مساویانہ اصول پر باہمی مفاد کے لئے کام کرنے کی راہ ہموار کرے، لیکن اس کے باوجود تاریخ تمدن کی مانی ہوئی حقیقت ہے کہ صلیبی جنگیں فائدے سے خالی نہ رہیں، اور مشرق ومغرب کے درمیان خلیج اگر پاٹی نہ جاسکی تو تنگ ضرور ہوگئی۔

مشرق ومغرب کا باہمی تعارف بہت قریب سے اس وقت ہوا جب کہ انیسویں صدی میں مغرب نے سیاسی یا اقتصادی مفاد کی خاطر اپنا آہنی اور مضبوط ہاتھ مشرق کی طرف بڑھایا، اپنا پنجہ یکے بعد دیگرے مشرق کے ممالک پر مسلط کیا اور اس کے ساتھ اپنی ترقی یافتہ صنعت، سائنس اور تہذیب کے ساتھ یلغار کی، اور اپنے طرز حکمرانی کے اچھے اور برے اثرات کے ذریعہ اس نے مشرق کو دبوچ لیا جو تمدن اور جنگی صنعت میں بہت پیچھے تھا، مشرق کو مغلوبیت و دہشت نے بہت دنوں تک تو اس کا موقع ہی نہ دیا کہ وہ مشرق کو ذرا انصاف کے ساتھ دیکھ سکتا اور اس کے اصول اور جوہر و کمالات سے فائدہ اٹھا سکتا، اور مجھے معاف فرمائیے اگر میں یہ بھی کہہ دوں کہ ایک اور بات جو مانع رہی وہ خود مغرب کا تمدن تھا جو اس وقت اپنے شباب و رعنائی کی آخری منزل پر تھا، اور اس کے اندر وہ تمام باتیں تھیں، جو کسی ایسے تمدن میں پائی جاتی ہیں جس کے اندر دینی عنصر کمزور ہو چکا ہو، اور ایک بار پھر معذرت کے ساتھ کہنا چاہتا ہوں کہ اس کے علاوہ ایک اور بات جو مشرق کے لئے مانع ثابت ہوئی وہ یورپین حکام کا طرز عمل تھا جس میں ان کے احساس برتری، غرور حکمرانی، اور اپنے آپ کو پیدائشی طور پر اس قوم کے مقابلہ میں برتر سمجھ کر سلوک کرنے کا دخل تھا، جس کے ہاتھوں سے انہوں نے زمام حکومت چھینی تھی، اور جو کل تک ملک کا حکمراں تھا، جس کا احساس زخمی اور جس کے جذبات نازک تھے، یہ سلوک احترام انسانیت کے اس نظریہ سے کسی طرح میل نہیں کھاتا تھا، جس کا مغرب داعی تھا اور نہ جمہوریت کے اصول

کے مطابق تھا، جس کی یہ فاتح قوم اپنے ملک میں مدافعت کیا کرتی تھی۔

اس خلیج کے چند مضر نتائج:

پھر اس کے نتیجہ میں کمزور مشرق کے اندر ہتھیار ڈال دینے SURRENDER اور فاتح وطاقتور مغرب کے سامنے جھک جانے اور اس کے معیار وافکار کو ضرورت سے کہیں زیادہ اہمیت دینے اور اس کے مظاہر تمدن اور طرز معاشرت کی تعظیم کرنے اور اسی کی تقلید کرنے کا جذبہ پیدا ہوگیا، جس نے اس مشرق کو مغرب کا دریوزہ گر بنادیا وہ زندگی کی ہر منزل میں اس کو قابل تقلید نمونہ سمجھنے لگا، اور زندگی میں پس خوردہ کھانے والی اور قافلہ کے پیچھے پیچھے چلنے والوں کی صف میں آ گیا، اس بات نے مغرب کو ایسا موقع نہیں دیا کہ وہ مشرق کو مساوات واحترام کی نگاہ سے دیکھتا، چہ جائیکہ اس کو عظمت وقدردانی کی نظر سے دیکھتا یا اس سے رہنمائی یا ہدایت کی توقع کرتا یا اس سے تخلیقی کارناموں کی امید رکھتا۔ جب کہ خود مشرق ہی قریب قریب اپنا وجود مغرب کے اندر فنا کرچکا تھا۔

قومی عصبیت:

اس کے بعد مشرقی قوموں پر قومیت کے نظریہ نے یلغار کی وہ نظریہ جس کو مغرب نے عارضی طور پر ایک آسان حل کے طور پر قبول کیا تھا، جو اس کی اندرونی جوش پیدا کرتا تھا، پھر خود ہی مغرب نے اس نظریہ کی خرابیوں کو سمجھا اور اس کو خیرباد کہا، بہرحال اس نظریہ قومیت نے ان مشرقی قوموں کو جو آسمانی پیغام اور عالمی دعوت رکھتی تھیں، اس کا موقع نہیں دیا کہ وہ مغرب کی طرف پھر ایک بار مدد اور دوستی کا ہاتھ بڑھاتیں، اور پوری انسانیت کی مدد کے لئے اس طرح بڑھتیں جس طرح ہر مصیبت کے وقت پہلے بڑھا کرتی تھیں، اور انسانیت کو ایک نئی زندگی نیا خیال اور پرمسرت زندگی کی نئی بنیادیں فراہم کرسکتیں بلکہ یہ قومیں خود ہی اپنی ذات، اپنے مسائل اور قومی مفاد کے معاملات میں الجھ کر رہ گئیں، اور اپنے آپ کو نسلی یا لسانی یا جغرافیہ کی تنگنائی میں محدود کرلیا اور اس طرح وہ قوت وزندگی سے بھرپور، صاف وشفاف، قدیم ورواں سرچشمہ ہاتھ سے نکل گیا [illegible]

بھر کے لئے روشنی کا منار تھا اور تاریخ کے ہر دور میں دینی ہدایت کا ذریعہ تھا۔

مستشرقین کی تحریک:

دوستو اس کے بعد مغرب میں مستشرقین اور تحریک استشراق کا دور آیا، اور امید ہو چلی تھی کہ یہ حضرات مشرق و مغرب کے درمیان منصفانہ نہج کے ایک پل ثابت ہوں گے اور اس وسیع و عریض خلیج کو پاٹ دیں گے، جو انسانیت کے دو خاندانوں کے درمیان قائم ہو گئی ہے اور اس بے رخی کو دور کر دیں گے جسے ناواقفیت اور دوری نے پیدا کر رکھا ہے، اور وہ مشرق کی بہترین ثروت یعنی تعلیمات رسالت، بنیادی اخلاق، انبیاء اور دینی شخصیات کی سیرتیں نیز مشرق کی شاندار میراث اور اس کے بہترین تخلیقی سرمائے اور حیرت ناک دستوری کارنامے منتقل کر سکیں گے اور بلاشبہ انہوں نے اس سلسلہ میں بہت کچھ کیا، صدیوں کی ذخیرہ شدہ قلمی کتابیں جن کو سورج کی روشنی نہیں لگی تھی، ان مستشرقین نے انہیں زندہ کیا، ان کی تصحیح پر محنت صرف کی ان کو اصل ماخذ سے ملایا اور پھر شائع کیا، اسی طرح ایسی کتابیں مرتب کیں جن کی قدر و اہمیت کا انکار ممکن نہیں اور کوئی شخص بھی جس میں ذرہ برابر انصاف کا مادہ اور علمی ذوق ہے، ان کی علمی روح کا انکار نہیں کر سکتا، انہوں نے اس راہ میں جو مشقتیں برداشت کیں اور اپنی کوشش میں وہ جس طرح سرگرداں رہے، پھر ان کا عالمانہ طرز باریک بینی اور گہرائی کوئی بات بھی ان میں سے قابل فراموش نہیں مگر اس کے ساتھ یہ بھی واقعہ ہے کہ بہت سے مسلمانوں کا احساس ہے کہ ان میں سے اکثر مستشرقین پر علمی جذبۂ خدمت سے زیادہ مذہبی رجحان غالب رہا، اس لئے علم دوست اور حقیقت پسند طبقہ اس بات کا منتظر تھا کہ یہ حضرات مذہبی جذبات اور گذشتہ صدیوں کے تلخ اثرات سے کچھ زیادہ محفوظ نظر آتے، ان میں حقیقت پسندی، سچائی کی جستجو اور اس کے اعتراف کا زیادہ حوصلہ ہوتا، بہر حال یہ استشراق بھی باوجود اپنی قابل قدر خوبیوں اور گوناگوں کارناموں کے اس خلاء کو پر نہ کر سکا اور اس مغرب کو جہاں محققین کی کمی نہیں وہ چیز نہ دے سکا جو مشرقی ممالک سے اٹھنے والے عموماً تمام مذاہب اور خصوصاً

اسلام کی سچی اور تابناک تصویر تھی، جس کے بارے میں مسلمانوں کا عقیدہ ہے کہ یہ ایک آخری، آسمانی اور ہمیشہ باقی رہنے والا دین ہے، جس کے اندر تمام نبوتوں کی تعلیمات اور آسمانی ہدایتیں اپنی آخری اور جدید شکل میں موجود ہیں، اور اس زمانے کے عین مطابق ہیں، جو تمدن کو پیچھے لے جانے کی دعوت نہیں دیتا جیسا کہ بعض دوسرے مذاہب میں معلوم ہوتا ہے بلکہ اس تمدن کو اسلام آگے بڑھانے کا داعی ہے، اور اس کا خواہش مند ہے کہ اس کی انتہا پسندی اور جمود یا مبالغہ آمیزی سے پاک کر کے نئے انداز میں ڈھال دیا جائے، جو اپنی قوت و زندگی میں نئی سوسائٹی کی ضروریات کا پورا پورا کفیل ہو۔

بہر حال جو بھی اسباب رہے ہوں، لیکن یہ واقعہ ہے کہ مغرب و مشرق اپنے پیغام اور اپنی ذات کی انفرادیت کے ساتھ الگ تھلگ رہے، ان دونوں کا سامنا اگر ہوا تو شکوک و شبہات اور بغض و کینہ کے طوفان کے اندر ہی ہوا، یہ دونوں انسانیت کے مفاد مشترک اور مثالی تمدن کی تعمیر کی خاطر کبھی یکجا نہیں ہو سکے، یہ دونوں انسانی علوم اور قدرت کی بخشی ہوئی اندرونی صلاحیتوں اور فطری جوہر اور علم و فلسفہ کے میدان میں پشتوں کی کاوش کے باہم تبادلہ پر شاذ و نادر کبھی راضی ہوئے بھی تو محدود دائرے میں راضی ہوئے۔

مشرق کا امتیاز:

مشرق اپنے قدرتی ، ماحول میں کام کرتا رہا اس کا خمیر مذہب کے ساتھ اٹھایا گیا اسے قابل عظمت نبوت یکے بعد دیگرے بیدار کرتی رہی ، دینی دعوتوں ، طاقتور روحانی شخصیتوں نے اس کو غذا دی اس کا موضوع اور میدان عمل انسان تھا، وہ انسان کے گرد و پیش ... ''انسان سازی'' میں لگا رہا، اس کے لئے اس نے اپنی فطری صلاحیتیں صرف کیں، اپنی ذہانتوں اور قوت ارادہ کو نذر کر دیا، اس نے کوشش کی کہ انسان ... اس گہرائی کا پتہ لگائے جس کی کوئی تہہ نہیں ہے، اس کے اسرار کا سراغ لگائے، جس کی کوئی آخری حد نہیں ، اس کی اندرونی صلاحیتوں کے سوتوں کو ابھارے اور اس کی اس قوت کو بیدار کرے جس کا مقابلہ کسی دوسری قوت سے نہیں کیا جا سکتا، اس کے جذبات و رجحانات کو

ایک رخ پر لگائے اور اس کے اخلاق و اطوار کو سنوارے جن کے بغیر وہ اپنے صحیح مرکز پر نہیں آ سکتا۔

نبوت کی چارہ سازی:

انبیاء کرام علیہم السلام اور ان سب کے بعد نبی امی محمد عربی ﷺ تشریف لائے جنھوں نے اس انسان کی تربیت کو اپنا اول و آخر موضوع بنایا۔

میرے بھائیو! انسان کے اندر کی پوشیدہ طاقت کے سرچشمہ کو ابھارا، اس کی چھپی اور پوشیدہ صلاحیت کو بیدار کیا، اور اس کے دل کی وہ آنکھ کھول دی جس کے ذریعہ وہ اپنے خالق اور اس عظیم کائنات کے مالک کو دیکھ سکے اور اس کے ذریعہ روشنی و حرارت، زندگی، محبت، اعتماد، عزم، قلبی سکون اور اطمینان حاصل کر سکے اور جس کے ذریعہ اس کائنات میں وہ زندگی، قوت اور تعظیم کے اصل سرچشمہ سے واقف ہو سکے اور وہ مرکز پا سکے، جس سے اس دنیا کی منتشر اکائیوں کو ایک وحدیت میں پرویا جا سکتا ہے، اس کے لئے کائنات ایک ایسی اکائی (UNIT) بن جائے جس میں نہ کوئی انتشار ہے نہ تضاد، نہ انارکی اور نہ یہ دنیا اس چھوٹی چھوٹی خودمختار اور بے لگام ٹکڑوں میں بٹی ہوئی ہے، جس کے آپس میں جنگ و جدال کا سلسلہ قائم رہتا ہے بلکہ یہ پوری کائنات ایک مملکت بن جاتی ہے، جس کو ایک طاقتور اور رحم دل ارادہ چلا رہا ہے، جس کے یہاں مشرق و مغرب کی کوئی تفریق نہیں۔

رَبُّ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ فَاتَّخِذْهُ وَكِيْلًا.

(المزمل. ۹)

وہ مشرق و مغرب کا مالک ہے کوئی معبود اس کے سوا نہیں ہے، اس کو کارساز ٹھہراؤ۔

انسانیت کا نیا تصور:

اس طرح انسان بت پرستی، دیو پرستی، اوہام و خرافات، من گھڑت کہانیوں، فرسودہ انسانوں اور رسم پرستی کے تمام بندھنوں سے آزاد ہو جاتا ہے اس طرح وہ خالق اور مدبر

کائنات کے علاوہ کسی کے آگے بھی سرنگوں ہونے کی ذلت سے نجات پا جاتا ہے، خواہ وہ پتھر ہو یا درخت، دریا ہو یا نہر، آفتاب ہو یا ماہتاب، فرشتہ ہو یا انسان مرد ہو یا عورت۔

دل کی آنکھ جس کو انبیاء علیہم السلام کھول دیتے ہیں، اس سے انسان جب اپنی طرف اور اپنی نوع کی طرف دیکھتا ہے تو وہ اپنے آپ کو اس عالم میں اللہ کا خلیفہ پاتا ہے، جس کے اندر خالق کائنات نے اپنی روح پھونکی ہے، اور اس کو اپنا امین اور راز داں بنایا ہے، اس کو بہترین تناسب اعضاء کے ساتھ پیدا کیا ہے، اور اس کی عزت افزائی کی، دنیا کی تولیت اور انتظام کا ذمہ دار ٹھہرایا، امامت و رہبری کا تاج پہنایا، دنیا کی ہر شے اس کی خاطر پیدا کی اور اس کو اپنے لئے پیدا کیا، اس کے آگے فرشتوں سے سجدہ کروایا، اور اس طرح اس کے لئے حرام کر دیا کہ وہ کسی مخلوق کے آگے سرنگوں ہو۔

لَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ فِیْٓ اَحْسَنِ تَقْوِیْمٍ. (التین۔ ۴)

(ترجمہ) ہم نے انسان کو بہترین متناسب اعضاء کے ساتھ پیدا کیا۔

وَلَقَدْ كَرَّمْنَا بَنِیْٓ اٰدَمَ وَحَمَلْنٰهُمْ فِی الْبَرِّ وَالْبَحْرِ وَرَزَقْنٰهُمْ مِّنَ الطَّیِّبٰتِ وَفَضَّلْنٰهُمْ عَلٰی كَثِیْرٍ مِّمَّنْ خَلَقْنَا تَفْضِیْلًا۝

(ترجمہ) ہم نے بنی آدم کو اعزاز بخشا اور ان کو بر و بحر میں سواری پر بٹھایا، ان کو پاکیزہ رزق دیا، اور اپنی بہت سی مخلوقات پر فضیلت بخشی۔

پھر اس انسان نے اس نبوت کی بخشی ہوئی چشم دل سے جب اپنے ہم جنس انسانوں اور اس انسانی خاندان کو جو روئے زمین پر مشرق و مغرب میں پھیلا ہوا ہے دیکھا تو اس کو ایک خاندان نظر آیا، جو ایک ہی سا وجود رکھتا ہے، ایک ماں اور ایک باپ کی سب اولاد ہیں، اس کو تعلیمات نبوی کی روشنی میں خدا کا کنبہ (عیال اللہ) باور کیا اور یقین کیا کہ اللہ کے نزدیک سب سے زیادہ پسندیدہ ہوگا، جو اس خدائی کنبہ کے لئے سب سے زیادہ مفید و کارآمد ثابت ہوگا اور محسوس کرے گا کہ جس طرح وہ جان اور احساس رکھتا ہے، اسی طرح خاندان بشریت کا ہر فرد زندگی اور حس رکھتا ہے، اور ہر فرد کو اسی طرح درد و الم محسوس ہوتا ہے، جس طرح وہ محسوس کرتا ہے، لہٰذا ایک خاندان کے افراد کے

درمیان، رنگ ونسل، قومیت، وطنیت، دولت وافلاس کی بنا پر تفریق وتمیز دور جاہلیت کی یادگار ہے، اس انسان نے نبی کریم کو ایک طرف رات کی تاریکی اور تنہائی میں خدا کے سامنے ان الفاظ میں گواہی دیتے ہوئے سنا۔

انا شهيد العباد كلهم اخوة.

(ترجمہ) میں گواہ ہوں تیرے سب بندے بھائی بھائی ہیں۔

دوسری طرف دن کی روشنی میں ایک بڑے مجمع کے سامنے یہ اعلان کرتے ہوئے سنا۔

> يا ايها الناس كلكم من ادم و ادم من تراب لا فضل لعربي على عجمي و لا لعجمي على عربي و لاابيض على اسود و لا اسود على ابيض الا بالتقوى.

(ترجمہ) اے لوگو! تم سب لوگ اولاد آدم ہو، اور آدم خاک سے پیدا کئے گئے تھے، نہ عرب کو غیر عرب پر، اور نہ غیر عربوں کو عرب پر کوئی فضیلت یا ترجیح حاصل ہے، نہ گورے کو کالے پر نہ کالے کو گورے پر، بڑائی صرف پرہیزگاری سے ملتی ہے۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

> يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِنَّا خَلَقْنَاكُمْ مِنْ ذَكَرٍ وَأُنْثَى وَجَعَلْنَاكُمْ شُعُوبًا وَقَبَائِلَ لِتَعَارَفُوا، إِنَّ أَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللَّهِ أَتْقَاكُمْ. (الحجرات ١٣)

(ترجمہ) اے لوگو! ہم نے تم سب کو ایک مرد اور ایک عورت سے پیدا کیا ہے، اور تم کو قبیلوں اور قوموں میں اس لئے بانٹ دیا ہے کہ آپس میں ایک دوسرے کو پہچانا جا سکے، تم میں سب سے زیادہ شریف وہ ہے جو تم میں سب سے زیادہ پرہیزگار ہے۔

انبیاء کی دعوت اور طریقۂ کار:

انبیاء کرام صلوٰۃ اللہ علیہم نے اپنے اپنے دور میں اور اپنے اپنے حلقۂ دعوت میں اور نبی عربی امی ﷺ نے ان سب کے بعد اس انسان کی تربیت پر ساری توجہ مرکوز فرمائی اور یہی کوشش کی کہ انسان کی فطری استعداد وقابلیت کو ابھارا دین جس کا کوئی فلسفہ یا علم

النفس (سائیکولوجی) ابھی تک سراغ نہیں لگا سکا، اور نہ اس کی تہہ تک پہنچ سکا ہے، پھر ان صلاحیتوں کو منظم کرکے اس کی ذاتی اور پوری انسانیت کی اصلاح و درستی کی طرف موڑ دے۔ انسان کے اندر خدا کو راضی کرنے کی عجیب وغریب محیر العقول تڑپ پیدا کر دی، اس کی طاعت میں مر مٹنے کا جذبہ پیدا کر دیا، اس کی مخلوق کی خدمت کو اس کا نصب العین بنا دیا، انسانوں کے قلوب کو خوش کرنا اور ان کو مصائب سے دور رکھنا اس کا مقصد زندگی بن گیا، اپنی ذات پر دوسرے کو ترجیح دینے اور اپنی ذات کا بڑی گہرائی اور باریک بینی سے ساتھ محاسبہ کرنے کا شوق پیدا کیا، اخلاص و اخلاق کی وہ باریکیاں اس کے اندر پیدا کر دیں، جہاں بڑے بڑے ذہین انسانوں کی ذہانتیں نہیں پہنچ سکتیں، اور جس کی تہہ کو اہل علم کا علم نہیں پا سکتا، جس کی باریکیاں ادبی مضامین اور شاعرانہ تخیلات سے زیادہ نازک ہیں جنہیں کسی چھوٹی سی چھوٹی خوردبین سے نہ دیکھا جا سکتا ہے اور نہ کسی کیمرے سے ان کی تصویر گرفت میں آ سکتی ہے، غرض پیغمبرانہ تعلیم نے انسان کے اندر احساس کی نزاکت، روح کی صفائی اخلاق کی بلندی، عزت نفس، خود پسندی سے نجات، قدرت رکھتے ہوئے دنیا کی لبھانے والی چیزوں سے بے رغبتی حوصلہ وفکر کی بلندی، خدا سے ملنے کی تڑپ پیدا کی ان کے یقین میں قوت عطا کی، ذات وصفات کا وہ گہرا علم بخشا جس کا تصور صرف وہی انسان کر سکتا ہے، جس نے ان افراد کی سیرتوں کا صحیح طور پر اور گہرائی کے ساتھ جائزہ لیا ہو، خلاصہ یہ کہ نبوت کا سب سے بڑا کارنامہ انسان ہے اور یہی انسان انبیاء کرام کا محور عمل ہے، ان کی کھیتی ہے، جس میں انہوں نے تخم ریزی کی جو ان کی کاوش جلد سے لہلہا اٹھی اور برگ و بار لائی۔

محض وسائل کافی نہیں:

حضرات! مشرق میں انبیاء نے اپنا میدان عمل یہ نہیں بنایا کہ وہ صرف اس کائنات کی پوشیدہ قوتوں کا انکشاف ہی کریں، اس کو قابو میں لائیں اس سے کام لیں، وہ آلات کے موجد تو نہ تھے، لیکن اچھے ارادہ، اچھی نیت اور اچھے مقاصد کے موجد ضرور تھے، جہاں

تک قدرتی دولت وصنعت کا تعلق ہے، آپ کو معلوم ہے کہ یہ چیزیں ہمیشہ سے ارادۂ انسانی کی تابع اور اس کی رہین منت رہی ہیں، لہذا جب بھی انسان کا ارادہ اچھا ارادہ اس کا مقصد پاکیزہ مقصد ہو تو وہ اپنی محدود طاقت و دولت، معمولی آلات اور کمزور محدود وسائل سے بڑے بڑے کارنامے انجام دے سکتا ہے جو اس دور کا ترقی یافتہ تمدن انجام نہیں دے سکتا ہے، اور اس کے ذریعہ وہ انسان اور بنی نوع انسان کی وہ خدمت کر سکتا ہے، جو وہ لوگ انجام نہیں دے سکتے جن کے پاس وسائل و آلات کا بڑا ذخیرہ ہے، کیونکہ جب بھی کسی چیز کے انجام دینے کا عزم راسخ پیدا ہوگا تو نظر سے اوجھل طاقت سامنے آجائے گی، وسائل بھی پیدا ہونے لگیں گے، مشکلات پر قابو بھی حاصل ہوگا، اور وہ عزم قوی اپنا راستہ پہاڑوں اور سمندروں کا جگر پار کر کے نکال لے گا، اور اگر حسن نیت اور عزم راسخ ہی حاصل نہیں ہے تو وسائل بیکار، آلات بے سود ہیں، اور موجدوں کی ایجادیں ضائع ہیں، بھوک اور پیاس کی شدت، ماں کی ممتا، محبت کی بے تابی اور شوق کی فراوانی کبھی اور کسی زمانہ میں بھی زیادہ علم یا آلات کی محتاج نہیں رہی ہے، ہر زمانہ اور ہر دور میں وہ اپنی ضرورت پوری کرتی رہی ہے، اس کو معلوم ہے کہ کس طرح اپنا مقصد حاصل کرے۔ انبیاء کرام نے اپنی اعلیٰ کردار اور حسن تربیت سے انسان کے اندر ایک ایسا ارادہ پیدا کر دیا جس کی وجہ سے وہ مکارم اخلاق کو اپنانے اور ان کو اپنی زندگی کا مقصد بنانے کی اسی طرح تڑپ محسوس کرنے لگا، جس طرح کوئی بھوک اور پیاس کا مارا محبت کرنے والی ماں، یا عاشق بے تاب محسوس کرتا ہے، نتیجہ یہ ہوا کہ اس کی راہ خود آسان ہوگئی، اور وسائل خود بخود حاصل ہونے لگے، جو اس زمانے کے اعتبار سے کافی تھے، اور اس طرح وہ تمدن وجود میں آیا جس میں انسان نے امن و راحت اور سربلندی و سرفرازی کا زیادہ سے زیادہ حصہ پایا، وہ تمدن بلاشبہ محدود اور سادہ تھا، اس میں کوئی پیچیدگی نہ تھی، نہ کوئی فلسفیت تھی، مگر اس کے اندر مستقبل میں ٹھوس اور صحیح بنیادوں پر ترقی پذیر ہونے اور وسعت پانے کی پوری گنجائش تھی۔

یورپ کی نشأۃ ثانیہ:

حضرات! اس کے بعد مغرب کی سرگرمی عمل ایجادات اور نشأۃ ثانیہ کا دور آیا مگر اس وقت مذہبی پیشواؤں کی بہت عرصے تک غلط نمائندگی اور ناجائز مذہبی اجارہ داری کے سبب اس کا رشتہ اخلاق و مذہب سے کمزور پڑ چکا تھا، اس گہرے تعلق کے کمزور پڑ جانے کی وجہ سے نیز اقتصادی دباؤ، سیاسی حالات اور یورپ کے محدود رقبے میں تنازع للبقاء، کی کشمکش کی شدت کی وجہ سے مغرب کی توجہ ''انسان'' کے بجائے انسانی ماحول اور انسان کی گرد و پیش کی دنیا پر مرکوز ہوگئی، اس نے ذات انسانی کو چھوڑ کر، عالم ''انفس'' کو چھوڑ کر آفاق اور قلب کو چھوڑ کر نظام قدرت کو اپنا محور عمل بنایا، اس نے معدنیات، علم الکیمیا، الیکٹرانکس، طبیعیات (فزکس) ٹیکنالوجی، ریاضی اور دیگر علوم و فنون کے میدان میں اپنی صلاحیتوں کو صرف کیا، اور ناقابل انکار کامیابیاں حاصل کیں، اور یہ بھی نظام الٰہی ہے کہ انسان جس شئے کی جستجو کرتا ہے، اور اس کے لئے سرگرداں ہوتا ہے، وہ اس کو مل جاتی ہے، اور اس پر قابو حاصل ہو جاتا ہے، قرآن کریم میں ارشاد ہے:۔

لَیْسَ لِلْاِنْسَانِ اِلَّا مَاسَعٰی، وَاَنَّ سَعْیَهٗ سَوْفَ یُرٰی، ثُمَّ یُجْزٰهُ
الْجَزَآءَ الْاَوْفٰی. (النجم ۳۹. ۴۱)

آدمی کو وہی ملتا ہے جو اس نے کمایا اور یہ کہ اس کی کمائی اس کو دکھانی ضرور ہے پھر ان کو بدلہ دینا ہے اس کا پورا بدلہ۔

اور ایک جگہ ارشاد فرمایا ہے:۔

كُلًّا نُّمِدُّ هٰٓؤُلَآءِ وَهٰٓؤُلَآءِ مِنْ عَطَآءِ رَبِّكَ وَمَا كَانَ عَطَآءُ
رَبِّكَ مَحْظُوْرًا (بنی اسرائیل ۲۰)

ہر ایک کو ہم پہنچائے جاتے ہیں، ان کو اور ان کو تیرے رب کی بخشش میں سے اور تیرے رب کی بخشش کسی نے نہیں روک لی۔

یورپ کی مادی فتوحات:

لہذا مغرب نے کائنات، صنعت وحرفت، ریاضی وانجینئرنگ کے علوم میں کامیابی کی اعلی منزلیں طے کیں، ایجادوں پر ایجادیں کرتا رہا فتوحات پر فتوحات اسے حاصل ہوتی رہیں، یہاں تک کہ آج اس منزل پر پہنچ چکا ہے، جس کا گذشتہ صدیوں میں تصور بھی نہیں کیا جاسکتا تھا، اور جس کی تفصیل کی یہاں حاجت نہیں اور نہ مثالوں کی ضرورت ہے، کیونکہ بلاشبہ یہ ملک علوم جدیدہ کا ایک ممتاز ترین علم بردار ہے، مغربی تمدن کا یہ ایک ممتاز مرکز ودارالحکومت ہے، خود یہ عظیم مرکز علمی (لندن یونیورسٹی) جس میں مجھے اس خطاب کا شرف حاصل ہو رہا ہے، اس تمدن کی ترقی وتعمیر میں اپنی دوسری ہم مشرب درس گاہوں کے ساتھ علوم وفنون کی سرپرستی کرنے میں نمایاں حصہ لیتا رہا ہے، اور ان اداروں نے وہ اسباب فراہم کیے ہیں، جن کے مظاہر سائنس اور صنعت کے میدان میں نظر آتے ہیں، لہذا اس موضوع پر زیادہ تفصیل بے سود اور اضاعت وقت کے مرادف ہوگی۔

بلاشبہ یہ اسباب ووسائل فراہم ہوگئے اور یہ اللہ کی نعمت ہے جس کی ناقدری نہیں کی جاسکتی، ان اسباب ووسائل کا ایک انبار آج نگاہوں کے سامنے ہے، ان کا مقصد وجود یہ ہے کہ کسی کام کا یہ وسیلہ اور آلہ ثابت ہوں بے پایاں قوت، حیرت ناک سرعت کے ساتھ مقصد براری کے وسائل جو آج حاصل ہیں، ان سے بہت کم درجہ کی چیزیں بھی پوری انسانیت کی خوشحالی کا باعث ہوسکتی تھیں، ان سے بہت کم اسباب ووسائل کے ذریعہ انسان کو پرمسرت زندگی بخشی جاسکتی تھی، عالمی امن اور سکون خاطر بھی حاصل ہوسکتا تھا، یہ ممکن تھا کہ ان کے ذریعہ محبت والفت کی فضا دنیا میں قائم ہوجاتی لوگ ایک دوسرے کو سمجھتے اور تعاون کرتے، انسانیت کے مشرق ومغرب میں پھیلے ہوئے خاندان کی شاخیں آپس میں مصنوعی دیواریں منہدم کرسکتیں، آج دنیا کے ایک کونے میں بیٹھا ہوا انسان دنیا کے دوسرے کنارے کے بسنے والے انسان کی مدد کرسکتا ہے، اس کے دل کی دھڑکنیں سن سکتا ہے اس کا چہرہ دیکھ سکتا ہے، ظالم کو ظلم سے روک سکتا اور مظلوم کی مدد کر

سکتا ہے، پریشان حال کی فریاد پر پہنچ سکتا اور ننگے بھوکے اور بیمار کی مدد کر سکتا ہے، کیونکہ جہالت اور انسانی کمزوری کی بنا پر جو معذوریاں تھیں، وہ ختم ہو گئیں، جس کا شکوہ گزشتہ نسلیں کر سکتی تھیں، اب وہ آلات ووسائل موجود ہیں جن سے انسان پلک جھپکتے اپنی ہر خواہش پوری کر لیتا ہے، اب تو بھلائی کا کام کرنے والے کے لئے کوئی عذر باقی نہیں رہا، انسانیت کے بہی خواہ، امن کے رہنما کس چیز کی کمی کا گلہ کر سکتے ہیں؟ کوئی فرد ہو یا حکومت یا سوسائٹی۔

وسائل کی ناکامی:

حضرات! یہ آلات ووسائل تو اس کام کے لئے بالکل کافی تھے کہ مصائب خطرات سے گھری اور زخموں سے چور انسانی دنیا کو "جنت ارضی" میں تبدیلی کر دیتے، جہاں نہ کوئی مصیبت ہو نہ مشقت، نہ مستقبل کا خوف نہ ماضی کا غم، نہ آپس کی جنگیں ہوں نہ دلوں کی کدورتیں، نہ افلاس ہو نہ مرض، لیکن میں پوچھتا ہوں کہ کیا ان میں سے کوئی انسانی غرض پوری ہوئی، کیا دنیا سے خوف واضطراب کا وجود مٹ گیا، کیا افلاس وپریشانی کے بادل چھٹ گئے؟ کیا اب انسانوں پر ظلم وزیادتی نہیں ہوتی، کیا امن وسلامتی دنیا کو حاصل ہو گئی، کیا لوگوں میں اعتماد پیدا ہو گیا؟ اور آخر میں کیا جنگ کا بھیانک اور خوفناک سایہ ہمیشہ کے لئے دور ہو گیا اور اس کا "دیو سرکش" آخری موت مر گیا، مجھے اس کی ضرورت نہیں کہ ان سوالات کے لئے آپ کے جواب کا انتظار کروں کیونکہ یہ عظیم الشان شہرت وتباہ کن وجہاں سوز جنگوں کا تماشہ اپنی آنکھوں سے دیکھ چکا اور اس کی بربادیاں اور تباہ کاریوں کا نشانہ بن چکا ہے اور آج ہم سب ایٹمی دور سے گزر رہے ہیں، اس ملک کے مفکروں اور مصنفوں نے خود ایسی کتابوں سے ایک عظیم الشان کتب خانہ تیار کر لیا ہے، جس میں اس تمدن کی لائی ہوئی مصیبتوں کی بڑی باریک بینی سے تصویر کشی کی گئی ہے، اس سوسائٹی کی مصیبت وبربادیوں کا رونا رویا ہے، اخلاقی انارکی خاندانوں کی پراگندگی، بے چینی واضطراب کا عام ہونا، خوف ودہشت کا چھا جانا ان لکھنے والوں کا موضوع بن گیا

ہے، یہ لوگ جو لکھ چکے ہیں اور لکھ رہے ہیں یہ اپنی جگہ بالکل کافی اور بہت مدلل ہے۔

غلطی کہاں ہو رہی ہے:

آخر یہ نتائج ان آلات ووسائل سے کیونکر برآمد ہو رہے ہیں؟ حالانکہ آلات و وسائل تو گونگے، بہرے ہیں، ان کے اندر کوئی ارادہ نہیں ہوتا، یہ تو خدمت خلق اور نفع رسانی میں استعمال کئے جانے کے لئے ہر وقت تیار ہیں، اس سوال کا جواب کسی راز کا انکشاف نہیں ہے، اور نہ کسی پہیلی کا سلجھانا ہے، نہ اس میں کسی غیر معمولی ذہانت اور قوت فکریہ کی ضرورت ہے، سادہ سی بات ہے کہ جس قدر انسانی علوم وفنون نے ترقی کی، اس قدر خود انسان نے ترقی نہیں کی، آلات اور ادارے تو بہت ترقی کر گئے، لیکن انسانی رجحانات اور انسانی ارادوں میں کوئی بہتری اور سدھار پیدا نہیں ہوا بلکہ یہ کہا جا سکتا ہے کہ علوم وفنون نے اخلاق وانسان کا حق مار کر ترقی کی منزلیں طے کر لیں، قلب وروح کا حق مار کر ترقی کی منزلیں طے کر لیں، قلب وروح کا حق مار کر کارخانوں اور فیکٹریوں نے بلندی حاصل کر لی۔

آج انسانیت کا دماغ زندہ ہے لیکن دل مردہ ہے:

اس کا سبب یہ ہے اور افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ مغرب نے اپنی سرگرمی، عمل، ذہانت، قوت ارادی کا دائرہ انسان کے باہر کی دنیا کو بنایا اور اس عالم خارجی پر اپنی ساری جد و جہد قربان کر دی، اور انسان کو نظر انداز کر ڈالا، وہ انسان جو اس دنیا کا گل سرسبد ہے مقصد وجود ہے۔ اور دست قدرت کا سب سے اعلی شاہکار ہے، وہی اس ترقی سے محروم رہا اور نفسیات وطبعیات وعلم الحیاۃ (بیالوجی) نے کبھی اس پر توجہ بھی کی تو انتہائی محدود اور مادی انداز میں، اس انسان کی تہہ تک پہنچنے کی کوشش نہیں کی گئی اور اس کی فطرت کو بے نقاب نہیں کیا جا سکا، اس کی خصوصیات ایمان وعقیدہ اور اخلاق کو سنوارنے کی کبھی فکر نہیں کی گئی۔

انسانیت کا قفل صرف ایمان کی کنجی سے کھلتا ہے:

ان ماہرین فن کے ہاتھ وہ سرا نہیں آیا، جہاں سے انسان کا رخ موڑا اور صحیح جگہ

سے جوڑا جا سکتا ہے، شر و فساد سے روکا اور بھلائیوں کی طرف مائل کیا جا سکتا ہے وہ سرا "قلب" ہے کہ جب وہ ٹھیک ہو تو انسان ٹھیک ہو جائے، اور اگر وہ بگڑا تو پورا انسان ہی بگڑ گیا، مگر افسوس کہ مغرب اگر چاہے بھی تو اس دل کی دنیا کا سراغ نہیں لگا سکتا، اس سے فائدہ اٹھانا اور انسانیت کو راہ راست پر لگانا تو اور بھی ناممکن ہے، کیونکہ ہر قفل اسی چابی سے کھلتا ہے جو اس کے لئے بنائی گئی ہے، اس دل کے خزانے کا بھی ایک قفل ہے جس کی چابی ان دیو پیکر کارخانوں اور محیر العقول دانش کدوں میں تیار نہیں ہو سکتی، اس کو دنیا کے بڑے سے بڑے جینیس سائنسداں نہیں ڈھال سکتے، نہ اس کا مثنی بنا سکتے ہیں، اور نہ اس قفل ہی کو توڑ سکتے ہیں، کیونکہ یہ انسان کا قفل ہے، بینکوں اور کارخانوں کا قفل نہیں ہے، یہ تو صرف ایمان ہی کی چابی سے کھل سکتا ہے، جو صرف نبوت کا تحفہ ہی تھا، مگر وہ آج کھویا ہوا ہے، نئے تمدن کی کہنہ دیواروں اور عبادت گاہوں کے ملبوں کے نیچے کہیں یہ چابی دبی پڑی ہے۔

بنیادی خرابی کیا ہے؟:

میرے بھائیو! انسانیت کی مصیبت مغرب کے مشرق سے جدا ہونے میں ہے، علم کو ایمان سے علیحدہ کر دینے میں ہے، کارخانوں کے صحیح مقاصد اور بہتر ارادوں سے تہی مایہ ہونے میں ہے، اس علیحدگی اور دوری نے ہمارے تمدن کو ہر طرح کے مصائب میں مبتلا کر دیا ہے، مشرق میں ایمان بڑھتا اور پروان چڑھتا رہا، مغرب میں سائنس بڑھتا اور پروان چڑھتا رہا، ایمان کو علم کی رفاقت کی ضرورت ہے، اور علم کو ایمان کی سرپرستی اور نگرانی کی حاجت، اور انسانیت ان دونوں کی رفاقت اور تعاون کی طالب اور منتظر ہے کہ ایک نئی سوسائٹی کی تعمیر ہو، نئی تخلیق پائے، امن عالم اور سلامتی کی توقع اس "قران السعدین" کے بعد ہی کی جا سکتی ہے۔

مشرق کی سوغات:

مشرق کی دولت وہ پیٹرول نہیں ہے، جیسے لوگ "زر سیاہ" کہنے لگے ہیں، اور جو

آپ اپنے بڑے بڑے شہروں میں منتقل کرتے ہیں اور جو ہوائی جہازوں کو اڑاتا ہے اور موٹروں کو چلاتا ہے، مشرق کا عطیہ اور ہدیہ اس کی سب سے بڑی دولت ایمان ہے جس کا ایک حصہ آپ نے عیسوی جنتری کی ابتدا میں حاصل کیا تھا، پھر آپ کے عیسوی کیلنڈر کے حساب سے چھٹی صدی میں اس کا چشمہ ایسے جوش و طاقت کے ساتھ ابلا جس کی تاریخ میں کوئی نظیر نہیں، یہ چشمہ جزیرۃ العرب کے ایک دور دراز گوشے سے ابلا تھا، لیکن پھر ساری دنیا میں اس طرح پھیل گیا، کہ بقول شاعر ع

رہے اس سے محروم آبی نہ خاکی
ہری ہوگئی ساری کھیتی خدا کی

جواب بھی آپ کے لئے سہل الحصول ہے، بشرطیکہ اخلاقی جرأت اور عزم صادق ہو، اور وہ اب بھی اس کی پوری صلاحیت رکھتا ہے کہ ان تمام مصائب کو دور کرے جس سے یہ تمدن دوچار ہے، اس سرچشمہ میں آج بھی یہ قدرت ہے کہ اپنی بے پایاں طاقت اور انتہائی نشاط زندگی سے زندگی کی ایک نئی اور شاندار قسط عطا کر سکے اور جس کے ذریعہ انسانی فلاح و ترقی کا ایک نیا دور شروع ہوسکتا ہے، اور ایک نئی سوسائٹی وجود میں آسکتی ہے، اس کار عظیم کی ذمہ داری آپ پر سب سے زیادہ عائد ہوتی ہے کہ آپ ہی اس تمدن کے سب سے بڑے علم بردار اور ایک عرصے تک مشرق میں بھی اس کے پیغام و روح کے حامل رہ چکے ہیں، آپ کے اندر اب بھی وہ بڑی طاقت اور زندگی پوشیدہ ہے، جس سے آپ ایک نیا دور شروع کر سکتے اور تاریخ کوئی راہ پر لگا سکتے ہیں قرآن مجید آج بھی آپ کو آواز دے رہا ہے۔

قَدْ جَآءَكُمْ مِّنَ اللّٰهِ نُوْرٌ وَّ كِتٰبٌ مُّبِيْنٌ الآية.

اللہ تعالیٰ ہم سبھوں کو دین الٰہی کی صحیح سمجھ بوجھ عطا فرمائے! و آخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین.

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اصل مقصد زندگی اللہ کی بندگی

الحمد للہ رب العالمین والصلوۃ والسلام علی سید الانبیاء والمرسلین وعلی آلہ واصحابہ اجمعین ومن تبعہم باحسان ودعی بدعوتہم الی یوم الدین اما بعد فاعوذباللہ الشیطان الرجیم بسم اللہ الرحمٰن الرحیم قال اللہ تعالی یٰعِبَادِیَ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اِنَّ اَرْضِیْ وَاسِعَةٌ فَاِیَّایَ فَاعْبُدُوْنِ O (سورۃ العنکبوت ۵۶)

اے میرے ایماندار بندو میری زمین فراخ ہے، سو خاص میری ہی عبادت کرو۔

ذرائع اور مقاصد:

میرے بھائیو اور بہنو! اللہ تعالیٰ کے یہاں انسان کی زندگی کا مقصد بندگی ہے یعنی اللہ تعالیٰ کی صحیح معرفت اور اس کے احکام کے مطابق زندگی گزارنا اور آخرت کے لئے کوشش اور اللہ تعالیٰ کو راضی کرنا اور اس کے رسول ﷺ کے طریقے پر چل کر اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل کرنا اصل مقصد ہے اس کے علاوہ جتنی چیزیں ہیں سب وسائل اور ذرائع ہیں۔ مقصد اور ذریعہ کا مطلب آپ سمجھتے ہیں، اللہ تعالیٰ کے قرب کے ذرائع کو تلاش کرنا، مناسب ماحول تیار کرنا، قوت نافذہ حاصل کرنا تاکہ اللہ تعالیٰ کے حکمتوں پر عمل آسان ہو جائے اور کوئی مجبوری کی شکایت نہ کر سکے اور کوئی دوسری طاقت اور دوسرا اقتدار اس میں خلل اندازی نہ کر سکے اور اس کے مقابل دوسری کوئی متوازی دعوت نہ دے سکے۔ اس کو قرآن مجید نے اپنے معجزانہ الفاظ میں بیان کیا ہے۔

حَتّٰی لَا تَکُوْنَ فِتْنَةٌ وَّیَکُوْنَ الدِّیْنُ کُلُّهٗ لِلّٰه (الانفال ۳۹)

(اور تم ان کفار عرب سے) اس حد تک لڑو کہ ان میں فساد عقیدہ (یعنی شرک) نہ رہے اور

دین (خالص) اللہ ہی کا ہو جائے۔

یہاں تک کہ کشمکش جاتی رہے یعنی دو طاقتوں کے درمیان جو تصادم ٹکراؤ (CLASH) ہوتا ہے وہ جاتا رہے جس کی وجہ سے لوگ خواہ مخواہ انتشار میں (CONFOSION) کا شکار ہوں کوئی ادھر کھینچے کوئی ادھر کھینچے۔

ویکون الدین کلہ للہ

اور دین (خالص) اللہ ہی کا ہو جائے۔

یعنی طاقت و فرمانبرداری صرف اللہ تعالیٰ کی ہو اسی کے لئے دعوت کا کام ہے اسی کے لئے امر بالمعروف اور نہی عن المنکر ہے۔ ضرورت ہو اور وقت آئے تو جہاد ہے اسی کے لئے اسلام کو ایسی طاقت مہیا کرنا اور اقتدار پر لانا ہے کہ کمزور لوگوں کو بھی خدا کے بتائے ہوئے راستے اور اللہ اور رسول اللہ ﷺ کے بتائے ہوئے راستے پر چلنا ایسا مشکل نہ ہو جائے کہ وہ کہیں کہ:

لا یُکلّفُ اللّٰہُ نفساً الاّ وُسْعَھا (البقرہ ۲۸۶)

(ترجمہ) اللہ تعالیٰ کسی شخص کو مکلف نہیں بناتا مگر اسی کا جو اس کی طاقت اور اختیار میں ہو۔

اصل مقصد اللہ کی بندگی

ان تمام ذرائع کا مقصد اللہ کی بندگی ہے۔

وما خلقتُ الْجنّ والْاِنس الاّ لِیَعْبُدُونِ○ (الذٰریٰت ۵۶)

اور میں نے جن اور انسان کو اسی واسطے پیدا کیا ہے کہ میری عبادت کیا کریں۔

اس کے بارے میں ذہن کو پورے طور پر صاف کر لینا چاہئے میں نے یہاں یورپ میں پڑھے لکھے لوگوں کے ذہن میں اچھا خاصا الجھاؤ پایا کہ وہ ذرائع اور مقاصد کے درمیان فرق نہیں کر پاتے، مقصد صرف یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کو راضی کیا جائے اور اللہ تعالیٰ نے جو زندگی دی ہے، صلاحیتیں دی ہیں انہیں ہم ایسے کاموں میں استعمال کریں

کہ اللہ تعالیٰ ہم سے راضی ہو اور زندگی کا مقصد پورا ہو آخرت میں اللہ تعالیٰ ہم سے خوش ہو اور ہمیں اپنا قرب عطا فرمائے اور ہم اس کے سامنے سرخرو اور جنت میں ہمیں اونچے سے اونچا مقام حاصل ہو یہ اصل مقصد ہے۔ یہ مقصد اگر کہیں پورا ہو رہا ہے تو بہت مبارک ہے اور اگر یہ مقصد خاص اپنے وطن میں پورا نہ ہو تو اسے خیر باد کہنا چاہئے وطن جہاں آدمی پیدا ہوا ہے اور اس کے ذرہ ذرہ سے اسے محبت ہے اور جہاں آدمی پیدا ہوا ہے

ع خار وطن از سنبل و ریحان خوشتر

وہ چیزیں جو فطری طور پر آدمی کو محبوب ہوتی ہیں وہ ساری وطن میں موجود ہوتی ہیں لیکن مجھے یہ کہنا ہے کہ اگر وطن میں خدا کی بندگی نہ ہو سکے اور خدا کے احکام پر نہ چل سکے تو وطن کو دور سے سلام کرنا چاہئے کہ خدا حافظ۔

حضورا کی ہجرت

میرے بھائیو! حتیٰ کہ مکہ مکرمہ کی سرزمین کہ جس کے اندر قدرتی طور پر ایسی محبوبیت اور دل آویزی ہے کہ اللہ تعالیٰ خود فرماتا ہے:

فَاجْعَلْ اَفْئِدَةً مِّنَ النَّاسِ تَهْوِیْٓ اِلَیْهِمْ (ابراهیم. ۳۷)

(ترجمہ) تو آپ کچھ لوگوں کے قلوب ان کی طرف مائل کر دیجئے۔

اے اللہ لوگوں کے دلوں کو ایسا کر دے کہ جیسے مقناطیس سے لوہا کھنچتا ہے ایسے یہ لوگ کھنچتے رہیں۔

محبوبیت حرم شریف اور اس میں بیت اللہ، آب زمزم، اس میں صفا اور مروہ پھر اس کے نزدیک منیٰ اور عرفات لیکن جب رسول اللہ ﷺ نے دیکھا کہ یہاں مسلمانوں کے لئے خدا کی بندگی مشکل ہو رہی ہے تو فرمایا حبشہ چلے جاؤ۔ یہ کیوں فرمایا؟ دین پر قائم رہنے کے لئے فرمایا کہ یہاں نماز نہیں پڑھ سکتے، خدا کی عبادت نہیں کر سکتے ان کا سر زبردستی بتوں کے سامنے جھکا دیا جاتا ہے، ان کے سامنے خدا کی توہین کی جاتی ہے، زبردستی ان سے کفر کرانے کی کوشش کی جاتی ہے تو فرمایا کہ حبشہ چلے جاؤ۔ دو مرتبہ حبشہ کو

ہجرت ہوئی۔ آخر میں خود آپ کو حکم ہوا کہ مکہ چھوڑ دو اور مدینے چلے جاؤ اللہ کے نام پر مکہ جیسا شہر چھوڑا جا سکتا ہے تاکہ خدا کی عبادت آزادی کے ساتھ ہو سکے تو دنیا کے اور شہر کس شمار قطار میں ہیں۔ نیویارک، لندن ہو یا ٹورنٹو اور شکاگو ہو، دہلی ہو، لکھنؤ ہو، کوفہ ہو، بصرہ ہو، اندلس، قرطبہ ہو یا قاہرہ و دمشق ہو۔ اصل یہ ہے کہ جہاں اللہ تعالیٰ کے احکامات پر عمل کیا جا سکتا ہو وہ جگہ محبوب ہے اور رہنے کے قابل ہے۔

میرے بھائیو! مجھے کہنا یہ ہے کہ میں یہاں آیا، میں نے یہاں بہت سے شہر دیکھے اور یونائیٹڈ اسٹیٹ امریکہ کے اپنے بھائیوں کا قریب سے جائزہ لیا ہے، اب آپ سے یہ کہنے آیا ہوں۔

ایک طرف تو مجھے مختلف ممالک کے مسلمانوں کو دیکھ کر خوشی ہوئی فطری بات ہے کہ آدمی کو اپنے ہم جنس اور ہم مذہب لوگ ملتے ہیں تو خوشی ہوتی ہے لیکن دوسری طرف میں اس بات سے ڈرتا ہوں کہ کیا آپ کو یہاں پورے طور پر اسلامی زندگی گذارنے کا موقع ہے اور کیا آپ کی آئندہ نسلیں اسلام پر قائم رہیں گی؟ آپ کی نظر میں جو اسلامی جذبہ تھا کیا وہ ویسا ہی روشن اور فروزاں رہے گا؟ یہ بات سوچنے کی ہے، آپ برا نہ مانیں یہاں ہمارے اکثر بھائی مادی اغراض سے آئے ہیں۔ ہمارے ایک بھائی نے کہہ بھی دیا تھا کہ ”صاحب ہم تو یہاں کمانے کھانے کے لئے آئے ہیں۔“

یہ کوئی حرام بات نہیں ہے، کوئی گناہ کی بات نہیں ہے، لیکن جہاں خالص مادیت کی زندگی اور تکلفات کا دور دورہ ہو وہاں جانے میں تو خیر حرج نہیں لیکن وہاں رہنے کا فیصلہ کرنا یہ بات سوچنے کی ہے۔ میں آپ سے صرف یہ کہنا چاہتا ہوں کہ اگر آپ کو یہ اطمینان ہے کہ آپ یہاں اپنی زندگی اللہ تعالیٰ کی منشا کے مطابق گذار سکتے ہیں اور دعوت کے کام میں مشغول ہیں اور یہاں آپ کے رہنے سے دین کو فائدہ پہنچ رہا ہے اور اس بات پر آپ کا دل گواہی دے کہ آپ اپنا ایمان بھی بچا رہے ہیں اور دوسروں کے ایمان کی فکر بھی کر رہے ہیں اور بقدر ضرورت معاشی جدوجہد میں مشغول ہیں تب تو ٹھیک ہے میں بھی کہوں گا کہ آپ کا یہاں رہنا مبارک ہے۔ شاید آپ کے ذریعہ سے اللہ یہاں ہدایت عام

کرے اور اسلام کی روشنی پھیلائے اور یہ خطہ بھی اسلام کی دولت وسعادت سے ہمکنار
ہوجائے یہ کوئی تعجب کی بات نہیں۔ ملک عرب کے سوا اگر جب مشرق بعید، انڈونیشیا،
ملیشیا اور بحر ہند کے جزیروں پر پہنچے تو جزیرے کے جزیرے مسلمان ہو گئے اور وہاں
آج مسلمانوں کی کھلی ہوئی اکثریت ہے۔ آپ تحقیق ومطالعہ کریں گے تو معلوم ہوگا کہ
اسلام زیادہ تر عرب تاجروں کے ذریعہ پھیلا، یا پھر صوفیاء کرام کی ذریعہ پھیلا۔
ہمارے برصغیر میں بھی سندھ وغیرہ کے علاقوں میں یا مسلم اکثریت کی علاقے مثلاً
کشمیر ومشرق بنگال صرف صوفیاء کرام کے شرمندہ احسان ہیں یہاں رہنے کے بعد اپنے
ایمان اور اپنی آئندہ نسلوں کے اسلام کی حفاظت کا انتظام اور اطمینان آپ نے کرلیا ہے
اور یہاں رہ کر آپ دعوت کا کام کرتے ہیں جو دوسروں کے لئے کشش کا باعث ہو تو آپ
کے یہاں رہنے کا جواز ہی نہیں بلکہ یہ بہت بڑا جہاد ہے اور بہت بڑی خدمت ہے۔
اگر ایسا نہیں ہے اور آپ کا مطمع نظر صرف کھانا کمانا ہے تو یہ مقصد مسلمانوں کے
مقام اور مقصد حیات سے میل نہیں کھاتا، صرف کھانے کمانے کے لئے اتنے دور دراز کی
مسافت طے کرنا کسی مسلمان کی شایان شان نہیں۔
اللہ تعالیٰ کی رزاقی جغرافیائی حد بندی کی پابند نہیں، میں یہ سراسر عملی باتیں کررہا
ہوں، علمی نکات اور موشگافیاں کسی اور موقع پر کوئی عالم بتائیں گے۔ میں نے جو کچھ
یہاں دیکھا اس کی روشنی میں یہ چند عملی باتیں بے تکلف عرض کررہا ہوں۔ اگر آپ کی
زندگی اور آپ کا یہاں قیام اسلام کے لئے مفید ہے اور اس کی راہ ہموار کرنا ہے تو میں یہ
فتویٰ دیتا ہوں کہ آپ کا یہاں رہنا نہ صرف جائز بلکہ ایک عبادت ہے، اگر اپنے ایمان
اور بچوں کی دینی زندگی کی طرف سے اطمینان نہیں تو مجھے اس سے بہت ڈر معلوم ہوتا ہے
کہ نہ جانے یہاں کس حالت میں موت آئے۔ ہم خدا کو کیا جواب دیں گے کہ صرف
کھانے کمانے کے لئے وہاں گئے تھے یہ نہ اسلامی کردار ہے، نہ مسلمان کی شان ہے۔
ں اگر آپ نے یہ انتظام کرلیا کہ آپ کے ایمان پر ذرہ برابر آنچ نہ آئے، آپ کسی دینی
ت اور اسلام کی تبلیغ کرنے والی تنظیم میں شریک ہیں، آپ نے ماحول بنایا ہے، کوئی

ایسا حلقہ بنایا جس میں دینی باتیں ہوتی ہیں اور تذکیر ہوتی ہے، آخرت کی فکر ہوتی ہے۔ آپ یہاں غیر مسلموں کے سامنے ایسی زندگی پیش کر رہے ہیں جس میں CHARM ہے، کشش ہے اور آپ نے اپنے بچوں کی دینی تعلیم کا انتظام کر لیا ہے یہ بہت اہم بات ہے قیامت کے دن بچوں سے جب پوچھا جائے گا کہ تم کیسے اس حالت میں آئے ہو کہ نہ ہمارا نام جانتے ہو نہ ہمارے رسول کا نام جانتے ہو، نہ نماز جانتے ہو تو وہ کہیں کہ ہمارے پروردگار ہم نے اپنے بڑوں کی بات مانی، انہوں نے جس راستے پر لگایا اس راستے پر ہم لگ گئے۔ انہوں نے ہمیں کہیں کا نہیں رکھا۔ قرآن مجید میں آتا ہے:

رَبَّنَآ اِنَّآ اَطَعْنَا سَادَتَنَا وَكُبَرَآءَنَا فَاَضَلُّوْنَا السَّبِيْلَا (الاحزاب ۶۷)

اے ہمارے رب ہم نے اپنے سرداروں اور اپنے بڑوں کا کہنا مانا تو انہوں نے ہم کو (سیدھے) راستے سے گمراہ کر دیا تھا۔

آپ کے بچے صبح شام اسکول جاتے ہوں گے لیکن کیا آپ نے ان کے لئے ایک وقت مقرر کیا ہے جس میں وہ سیرت اور دین کی تعلیم حاصل کریں؟ جس کے بغیر آدمی مسلمان نہیں رہتا اور آپ نہیں بتاتے ہیں۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا قُوْٓا اَنْفُسَكُمْ وَاَهْلِيْكُمْ نَارًا (التحريم ۶)

اے ایمان والو تم اپنے کو اور اپنے گھر والوں کو (دوزخ کی) اس آگ سے بچاؤ۔

خبردار اسلام کے علاوہ کسی اور راستے پر مرنا حرام ہے۔ کسی مسلمان بچے کی دینی تعلیم و تربیت کے بغیر زندگی سے اس کی موت بہتر ہے۔

وَلَا تَمُوْتُنَّ اِلَّا وَاَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ ۝ (آل عمران ۱۰۲)

اور بجز اسلام کے اور کسی حالت پر جان مت دینا۔

اس صاف گوئی پر مجھے معاف کریں لیکن یہ عملی چیزیں جنہیں یہاں رہ کر آپ کو برتنا ضروری ہے، بچوں کی تعلیم اور یہاں اسلامی ماحول بنانے میں اگر آپ تھوڑا سا وقت دیتے ہیں تو آپ یہاں رہئے، شاید اللہ تعالیٰ نے اسی کے لئے آپ کو یہاں بھیجا ہو۔

ہندوستان و پاکستان اور ایشیائی ممالک سے ذہین نوجوانوں کی جوار بھاٹا کی طرح،

کی جو لہریں چلی آرہی ہیں وہ یہاں کا رخ کر رہے ہیں تا کہ اپنا دامن اور جھولی بھر لیں تو ان ملکوں کا کیا ہوگا جہاں سے اچھے تعلیم یافتہ اور ذہین لوگ مادی منافع کے خاطر اپنے ملکوں کو چھوڑ دیں، میں ان لوگوں کا یہاں رہنا ضروری سمجھتا ہوں جنہوں نے اپنے ایمان کی حفاظت اور غیر مسلموں میں دینی دعوت کو اپنا مقصد بنایا ہے۔

چند عبرت انگریز واقعات

میرے عزیزو! ورنہ یہاں تو یہ حال ہے کہ یہاں بوسٹن میں مقیم ہمارے ایک عزیز مولوی مدثر ندوی نے کہا کہ یہاں ایک حاجی صاحب کا انتقال ہوگیا تو انہیں فون آیا کہ آخری رسوم میں شریک ہوں۔ وہاں پہنچ کر انہوں نے دیکھا کہ لاش کو تابوت میں رکھا ہے، سوٹ پہنایا ہوا ہے، ٹائی لگی ہے، سونے کی انگوٹھی پہنائی ہوئی ہے، عیسائی مرد عورتیں آرہے ہیں اور KISS کر رہے ہیں، تابوت پر پھول ہار وغیرہ ڈال رکھے ہیں اللہ تعالیٰ اس نوجوان کی عمر میں برکت دے، آخر عربی مدرسوں میں پڑھنے سے فائدہ ہی ہوتا ہے۔ اس نے ان مرحوم کے لڑکے کو بلایا اور کہا کہ میں جاتا ہوں، انہوں نے پوچھا کیوں؟ وجہ یہ ہے کہ میں جو کچھ کہوں گا آپ کریں گے نہیں۔

ان صاحب نے کہا کہ ہم نے آپ کو بلایا ہے، ہم آپ کی بات مانیں گے مولوی مدثر نے کہا کہ پہلے تو ان کا سوٹ اتار دیجئے، لوگوں کو یہاں سے علیحدہ کیجئے، ہم ان کو شرعی طریقہ سے غسل دیں گے، کفن پہنائیں گے یہ انگوٹھی بھی نکال دیجئے۔ ان صاحب نے کہا انگوٹھی نہ اتاریئے گا ورنہ ہماری والدہ کا ہارٹ فیل ہو جائے گا انہوں نے کہا کہ ہم انگوٹھی ضرور علیحدہ کریں گے۔ اگر آپ کی والدہ کے ہارٹ فیل کا خطرہ ہو تو انہیں نہ بتائیے۔ خیر وہ راضی ہوئے۔

وہ تو اتفاق تھا کہ ہمارے یہاں کا پڑھا ہوا بچہ وہاں پہنچ گیا ورنہ خدا جانے کتنے مسلمان اس ملک میں ایسے دفن ہو گئے ہوں گے۔ ایک اور واقعہ سنا جس سے بڑی حیرت ہوئی کہ ایک مصری عالم کا انتقال ہوا جن کی بیگم امریکن تھی، مسلمانوں کا قبرستان ذرا دور تھا،

تو عیسائیوں کے قبرستان میں انہیں دفن کر دیا گیا۔ یہ چیزیں وہ ہیں کہ جنہیں ایک مسلمان خواب میں دیکھ لے تو چیخ اٹھے کہ یا اللہ خیر فرما یا تو ہی حفاظت فرما چہ جائیکہ یہ واقعات عام ہو جائیں اور ہم سن کر اپنی کوئی فکر نہ کریں۔

دوہرا خطرہ

بھائیو! اپنی قدر کرو، اپنی اولاد کے اسلام پر قائم رہنے کا بندوبست کرو ورنہ آپ لوگوں کا یہاں رہنا ہماری سمجھ میں نہیں آتا۔ ایک تو تم خطرے میں ہو، دوسرے تمہارا ملک خطرے میں ہے۔ ہندوستان و پاکستان کے جو تعلیم یافتہ نوجوان یہاں آرہے ہیں، اگر وہاں رہتے تو جو دس بیس آدمی ان کے ماتحت کام کرتے ان کو تقویت ہوتی، ان کے والدین اور ہم قوم افراد کی تقویت ہوتی۔ عرب ممالک کے نوجوان کثرت سے یہاں ہیں، اگر یہ اپنے وطن میں ہوتے تو اسے منظم بناتے، طاقتور بناتے اور اپنی صلاحیتوں سے فائدہ پہنچاتے۔ محض تنخواہ کی زیادتی اچھے مکان اور بہتر خورد و نوش کے لئے یہاں آنا یہ بات بہت سوچنے کی ہے۔ آپ کو مجھ سے یہ توقع ہوگی کہ میں آپ کے لئے دل خوش کن باتیں کرتا، میں نے وہ باتیں کہیں جس سے آپ کے دل کو چوٹ لگے اور آپ اس مسئلہ پر سنجیدگی سے غور کریں۔ اسی پر اکتفا کرتے ہوئے آپ سے اجازت چاہوں گا۔ وما علینا الا البلاغ المبین۔ اللہ تعالی ہمارے ایمان کی حفاظت فرمائے۔

وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین

بسم اللہ الرحمن الرحیم

موجودہ حالات میں ہندوستانی مسلمانوں کے لئے راہ عمل

الحمدللہ وحدہٗ والصلوۃ والسلام علی من لا نبی بعدہ، امّا بعد

محترم حضرات! اس وقت پورا عالم اسلام خاص طور پر ہمارا ملک ہندوستان (جو صدیوں تک اسلامی اقتدار، عزت و شرف اور اسلامی علوم و فنون کا مرکز رہا ہے، اور جہاں ایک زبردست اصلاحی تحریکیں، مصلحین اور علمائے ربانیین پیدا ہوئے جن کی دعوت و اثرات عالم اسلام کے دور دراز ملکوں تک پہنچے) ایک ایسے آزمائشی دور سے گذر رہا ہے جس کی نظیر گذشتہ تاریخ میں صدیوں تک نہیں ملتی۔

اس دور آزمائش میں مسلمانوں کا صرف ملی تشخص، دین کی دعوت و تبلیغ کے مواقع، امکانات اور ملک و معاشرہ کو صحیح راستہ پر لگانے اور اس کائنات کے خالق اور مالک کی صحیح معرفت اور عبادت اور دین صحیح کی طرف رہنمائی کی صلاحیت اور استطاعت تو بڑی چیز ہے کم سے کم اس ملک ہندوستان میں ان کی زندگی کا تسلسل، جسمانی وجود، عزت و آبرو، مساجد و مدارس، اور صدیوں کا دینی و علمی اثاثہ اور قیمتی سرمایہ بھی خطرہ میں پڑ گیا ہے۔

وہ نہ صرف دور دراز قصبات اور دیہاتوں میں بلکہ بڑے بڑے مرکزی شہروں میں بھی جہاں وہ بڑی تعداد میں بستے ہیں۔ اور ممتاز صلاحیتوں، ذہنی امتیازات اور مہارتوں کے مالک ہیں۔ کچھ عرصہ سے خوف و ہراس کی زندگی گذار رہے ہیں اور کہیں کہیں اس کا نقشہ بعینہ وہ ہو گیا ہے جس کی تصویر قرآن مجید نے اپنے بلیغ و معجزانہ الفاظ میں اس س کھینچی ہے۔

وضاقت علیہم الارض بما رحبت وضاقت علیہم انفسہم

(سورہ توبہ ایت ۱۱۸)

''زمین اپنی ساری وسعتوں کے باوجود ان پر تنگ ہوگئی اور ان کی جانیں بھی ان پر دوبھر ہوگئیں۔''

اس صورت حال کی اگر کوئی مثال پچھلی تاریخ میں مل سکتی ہے تو وہ ساتویں صدی ہجری (تیرہویں صدی عیسوی) میں تاتاریوں کا ترکستان، ایران وعراق پر حملہ ہے جس نے شہر کے شہر بے چراغ اور تودۂ خاک بنا دیئے تھے اور عالم اسلام کی چولیں ہل کر رہ گئی تھیں لیکن وہ ایک نیم وحشی قوم کی فوجی یلغار تھی جس کے ساتھ کوئی دعوت، تہذیب، فلسفہ، مذہبی نفرت وتعصب اور جسمانی ومعنوی نسل کشی (CULTURAL GENDCIDE) کا منصوبہ یا ارادہ نہ تھا، اور نہ ہی وہ کسی متوازی تہذیب وفلسفہ کے حامی تھے، اس وقت خوش نصیبی سے وہ اہل دل، صاحب روحانیت، دین کے مخلص اور صاحب تاثیر مبلغ وداعی موجود تھے جن کے اثر وصحبت سے پوری تاتاری قوم (جو لاکھوں کی تعداد میں تھی) اسلام کے حلقہ بگوش ہی نہیں دین حق کی محافظ وعلمبردار بن گئی۔

اور اس نے متعدد وسیع وزبردست اسلامی سلطنتیں قائم کیں مشہور مورخ پروفیسر (T W ARNOLD) اپنی کتاب دعوت اسلام (PREACHING OF ISLAM) میں لکھتا ہے:

''لیکن اسلام اپنی گذشتہ شان وشوکت کے خاکستر سے پھر اٹھا اور واعظین اسلام نے انہیں وحشی مغلوں کو جنہوں نے مسلمانوں پر کوئی ظلم اٹھا نہ رکھا تھا، مسلمان کرلیا۔''(۱)

آج کی صورت حال خاص طور پر جن ملکوں میں مسلمان عددی اقلیت میں ہیں اور ماضی میں وہ حکومت واقتدار کے منصب پر فائز رہ چکے ہیں، دوسرے اسلامی ممالک سے مختلف اور زیادہ نازک ہے۔ یہاں ان کی تاریخ (ایک علمی اور سیاسی سازش کے تحت) اس طرح مرتب اور پیش کی گئی ہے کہ وہ اکثریت میں بغض ونفرت اور انتقامی جذبہ پیدا

---

(۱) T.W. ARNOLD . THE PREACHING OF ISLAM (LONDON. 1935, P.227)

کرنے کی بھرپور صلاحیت رکھتی ہے۔

پھر بعض اوقات ان ملکوں کی سیاسی قیادتوں یا وقتی پیش آمدہ مسائل میں مسلمانوں کی رہنمائی ونمائندگی کرنے والی تنظیموں اور جماعتوں نے غیر معتدل جذباتیت، ناعاقبت اندیشی اور نام ونمود حاصل کرنے کے شوق میں ہنگامہ خیزی سے کام لینے کی غلطی کی، وہاں مسلمان شدید مذہبی منافرت وتعصب، تہذیبی وثقافتی محاذ آرائی (CONFRONTATION) کا شکار ہوئے۔ پھر نصاب تعلیم، صحافت (PRESS) اور ابلاغ عامہ (PUBLIC MEDIA) کے ذریعہ مسلمانوں کی آئندہ نسل کو اولا تہذیبی وثقافتی ارتداد کا شکار بنانے کا منصوبہ بنایا گیا اور اس کا سلسلہ شروع ہوگیا ہے۔ یہ حالات یقیناً نہ صرف ایمانی ومذہبی غیرت اور پختہ دینی شعور رکھنے والوں کے لئے بلکہ حالات پر سطحی نظر رکھنے والے عام مسلمان کے لئے بھی جو گردوپیش کے حالات کو دیکھتا، اخبارات پڑھتا اور خبریں سنتا ہے سخت تشویش انگیز ہیں۔ وہ کبھی مایوسی اور بعض اوقات حالات کے سامنے سپر انداز ہو جانے پر بھی آمادہ رہتے ہیں۔

لیکن اس خدائے واحد پر ایمان رکھنے والے مسلمان کے لئے جس کے ہاتھ میں اس کارخانہ عالم کی ڈور ہے اپنے دین کا محافظ، حق کا حامی، مظلوم کی مدد کرنے والا، پامال اور خستہ حال کو اٹھانے والا، اور سرکش ومتکبر کو نیچا دکھانے والا اور جس کی شان ہے کہ الا لہ الخلق والامر (دیکھو سب مخلوق بھی اسی کی ہے اور حکم بھی اسی کا چلتا ہے) کوئی انقلاب اور تغیر حال ناممکن نہیں۔ اس خدائے واحد کے بارے میں مسلمان شہادت دیتا ہے کہ:

> قُلِ اللّٰھُمَّ مٰلِکَ الْمُلْکِ تُؤْتِی الْمُلْکَ مَنْ تَشَآءُ وَتَنْزِعُ الْمُلْکَ مِمَّنْ تَشَآءُ وَتُعِزُّ مَنْ تَشَآءُ وَتُذِلُّ مَنْ تَشَآءُ بِیَدِکَ الْخَیْرُ اِنَّکَ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ ○ تُوْلِجُ الَّیْلَ فِی النَّھَارِ وَتُوْلِجُ النَّھَارَ فِی الَّیْلِ وَتُخْرِجُ الْحَیَّ مِنَ الْمَیِّتِ وَتُخْرِجُ الْمَیِّتَ مِنَ الْحَیِّ وَتَرْزُقُ مَنْ تَشَآءُ بِغَیْرِ حِسَابٍ ○ (سورۃ آل عمران آیت نمبر ۲۶، ۲۷)

"کہو اے خدا (اے) بادشاہی کے مالک تو جس کو چاہے بادشاہی بخشے اور جس سے چاہے بادشاہی چھین لے اور جس کو چاہے عزت دے اور جسے چاہے ذلیل کرے ہر طرح کی بھلائی تیرے ہی ہاتھ ہے اور بے شک تو ہر چیز پر قادر ہے تو ہی رات کو دن میں داخل کرتا ہے اور تو ہی دن کو رات میں داخل کرتا ہے، تو ہی بے جان سے جاندار پیدا کرتا ہے اور تو ہی جاندار سے بے جان پیدا کرتا ہے اور تو ہی جسکو چاہتا ہے بے شمار رزق بخشتا ہے۔"

ایک ایسے موقع پر جب ایک مفتوح و مغلوب قوم کے غالب آنے اور ایک فاتح اور غالب ملک کے بارے میں مغلوب ہونے کی نہ کوئی امید تھی نہ کوئی پیشن گوئی کی جرأت کر سکتا تھا۔

قرآن مجید میں صاف فرمایا گیا!

لِلّٰهِ الْاَمْرُ مِنْ قَبْلُ وَمِنْ بَعْدُ وَيَوْمَئِذٍ يَّفْرَحُ الْمُؤْمِنُوْنَ. بِنَصْرِ اللّٰهِ يَنْصُرُ مَنْ يَّشَآءُ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الرَّحِيْمُ. (سورہ روم آیت نمبر۴،۵)

"پہلے بھی اور پیچھے بھی خدا ہی کا حکم ہے اور اس روز مومن خوش ہو جائیں گے خدا کی مدد سے وہ جسے چاہتا ہے مدد دیتا ہے اور وہ غالب اور مہربان ہے۔"

ساتویں صدی مسیحی کے آغاز میں ساسانی مملکت "ایران کے بازنطینی سلطنت روم، شام، مصر اور مشرقی یورپ پر مکمل غلبہ پانے کے بعد اس کی پسپائی اور شکست اور رومیوں کے غلبے کی طرف اشارہ ہے بعثت نبوی اور ۶۱۶ء میں رومۃ الکبریٰ کی عین اس حالت نزع میں قرآن نے پیش گوئی کی کہ رومی نو سال کے اندر غالب ہو جائیں گے اور ایسا ہی ہوا یورپین مورخ ایڈورڈ گبن (EDOWARD GIBBOIN) لکھتا ہے:

"محمد (ﷺ) نے ایرانی فتوحات کے عین شباب میں پیشن گوئی کی کہ چند سال کے اندر اندر رومی جھنڈے دوبارہ فتح کے ساتھ بلند ہوں گے۔ جب یہ پیشن گوئی کی گئی تھی اس سے زیادہ بعید از قیاس کوئی بات نہیں کہی جا سکتی تھی کیونکہ ہرقل کے ابتدائی بار سال سلطنت رومانی قریبی تباہی اور خاتمہ کا اعلان کر رہے تھے۔"

M;PIRE)(DECLINE AND FALL OF THEROMAN

تاریخ زوال عروج ۳ ص ۴۰۴، مطبوعہ ۱۸۹۰ء

حضرات! لیکن اس تبدیلی حال اور اس خطرہ سے بچنے کے لئے جواب مشاہدہ و تجربہ کی شکل میں آ گیا ہے یعنی خدائی قانون، اس کے بھیجے ہوئے آخری پیغمبر انسانیت کی تعلیمات اور خود اس کا اسوہ اور سنت اور اس کے تربیت یافتہ اصحاب کاملین کا نمونہ و عمل ہے۔

حضرات میں قرآن وحدیث، سیرۃ نبوی اور اسوۂ صحابہؓ کی روشنی میں چند شرائط وھدایات پیش کرتا ہوں

(۱)۔ اس وقت دنیا کے تمام مسلمانوں اور خصوصیت کے ساتھ ہندوستان کے مسلمانوں کا سب سے پہلا فرض اور ضروری کام رجوع الی اللہ انابت، توبہ و استغفار اور دعا وابتہال (گریہ وزاری) ہے۔ قرآن مجید کی صریح آیت ہے۔

یَآ اَیُّھَا الَّذِیْنَ آمَنُوا اسْتَعِیْنُوْا باالصَّبْرِ والصَّلٰوۃ انَّ اللہ مَعَ الصّٰبِرِیْنَ O

''اے ایمان والو! مدد حاصل کرو صبر اور نماز سے بے شک اللہ تعالیٰ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے''

ایک دوسری آیت میں فرمایا گیا:

اَمَّنْ یُّجِیْبُ الْمُضْطَرَّ اِذَا دَعَاہُ وَیَکْشِفُ السُّوْٓءَ وَیَجْعَلُکُمْ خُلَفَآءَ الْاَرْضِ O

''بھلا کون بیقرار کی التجا قبول کرتا ہے جب وہ اس سے دعا کرتا ہے اور (کون اس کی) تکلیف دور کرتا ہے اور (کون) تم کو زمین میں (اگلوں کا) جانشین بناتا ہے''

دوسری جگہ فرمایا گیا ہے:

یَآاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا تُوْبُوْٓا اِلَی اللہ تَوْبَۃً نَّصُوْحًا عَسٰی رَبُّکُمْ اَنْ یُّکَفِّرَ عَنْکُمْ سَیِّاٰتِکُمْ. (سورۂ تحریم : آیت ۸)

'اے ایمان والو! اللہ کے آگے سچی توبہ کرو عجب کیا کہ تمہارے پروردگار (اس سے)

تمہارے گناہ تم سے دور کردے"

خود رسول اللہ ﷺ کا معمول مبارک تھا کہ ذرا بھی کوئی پریشانی کی بات پیش آتی تو فوراً نماز کے لئے کھڑے ہوجاتے اور دعا میں مشغول ہوجاتے۔

حضرت حذیفہؓ روایت کرتے ہیں:

کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اذا حزبہ، امر صلی۔
(ابو دائود)

"رسول اللہ ﷺ کو جب پریشانی کی بات پیش آتی تو آپ نماز شروع کردیتے۔"

حضرت ابوالدرداءؓ کی روایت ہے:

کان النبی صلی اللہ علیہ وسلم اذا کان لیلۃ ریح شدیدۃ کان مفزعۃ الی المسجد حتی تسکن الریح واذا حدث فی السماء حدث من خسوف شمس او قمر کان مفزعۃ الی الصلاۃ حتی ینجلی۔ (الطبرانی فی الکبیر)

رسول اللہ ﷺ کی عادت مبارک تھی کہ جب تیز ہوا والی رات ہوتی تو آپ کی پناہ گاہ مسجد ہوتی۔ آپ وہاں اس وقت تک تشریف رکھتے کہ ہوا ٹھہر جاتی۔ اگر آسمان میں سورج یا چاند کو گہن پڑتا تو نماز ہی کی طرف آپ کا رجوع ہوتا اور آپ اس وقت تک اس میں مشغول رہتے کہ گہن ختم ہوجاتا۔"

اس بناپر اس وقت دعا ومناجات، تلاوت قرآن پاک، خاص طور پر ان آیات اور سورتوں کی تلاوت کا اہتمام کیا جانا چاہئے جن میں امن وامان اور فتح ونصرت کا مضمون آیا ہے مثلاً الم تر کیف لا یلف قریش اور آیت کریمہ لا الٰہ الا انت سبحانک انی کنت من الظّٰلمین O

(تیرے سوا کوئی معبود نہیں تو پاک ہے اور بے شک میں قصوروار ہوں)

(۲) دوسری شرط اور ضروری اور فوری قدم یہ ہے کہ معصیتوں سے توبہ کی جائے گناہوں سے اجتناب اور احتراز برتا جائے۔ حقوق کی ادائیگی ہو اس سلسلہ میں خلیفہ

راشد حضرت عمر بن عبدالعزیز (م ۱۰۱ھ) کے اس ایک فرمان کا حوالہ دینے پر اکتفا کیا جاتا ہے جو انہوں نے اپنی افواج کے ایک قائد کو بھیجا۔

وہ تحریر فرماتے ہیں:

"اللہ کے بندہ امیر المومنین عمر کا یہ ہدایت نامہ منصور ابن غالب کے نام جن کو امیر المومنین نے ان کو اہل حرب سے اور ان اہل صلح سے جو مقابلہ میں آئیں جنگ کرنے کے لئے بھیجا ہے امیر المومنین نے ان کو حکم دیا ہے کہ ہر حال میں تقویٰ اختیار کریں۔ کیونکہ اللہ کا تقویٰ بہترین سامان، موثر ترین تدبیر اور حقیقی طاقت ہے۔ امیر المومنین ان کو حکم دیتے ہیں کہ وہ اپنے اور اپنے ساتھیوں کے لئے دشمن سے زیادہ اللہ کی معصیت سے ڈریں۔ کیونکہ گناہ دشمن کی تدبیروں سے بھی زیادہ انسان کے لئے خطرناک ہے۔ ہم اپنے دشمن سے جنگ کرتے ہیں اور ان کے گناہوں کی وجہ سے ان پر غالب آجاتے ہیں۔ اگر ہم اور وہ دونوں معصیت میں برابر ہو جائیں تو وہ قوت اور تعداد میں ہم سے بڑھ کر ثابت ہوں گے۔ اپنے گناہوں سے زیادہ کسی کی دشمنی سے چوکنا نہ ہوں۔ جہاں تک ممکن ہو اپنے گناہوں سے زیادہ کسی چیز کی فکر نہ کریں۔" (۱)

(۳) غیر مسلموں کو اسلام سے متعارف کرانے کی کوشش کریں، اور ایسے کسی موقع کو بھی ہاتھ سے نہ جانے دیں، ہمارے پاس سب سے بڑی طاقت وہ فطری، معقول، پرکشش اور دل و دماغ کو تسخیر کرنے والا دین، قرآن مجید کا اعجازی صحیفہ اور نبی آخر الزمان کی دلکش اور دل آویز سیرت اور اسلام کی قابل فہم اور قابل عمل اور عقل سلیم کو متاثر کرنے والی تعلیمات ہیں جو اگر کھلے دماغ اور صاف ذہن سے پڑھی جائیں تو اپنا اثر کئے بغیر نہیں رہ سکتیں۔ اور ان ہی نے دنیا کے وسیع ترین رقبہ اور متمدن و ذہین قوموں کو اپنا عاشق اور اپنے اوپر کاربند بنالیا۔ اور ملک کے ملک (جو اپنی صدہا سال کی تہذیبیں، فلسفے اور حکومتیں رکھتے تھے ان کے حلقہ بگوش اور ان کے داعی و مبلغ بن گئے۔

---

(۱) (سیرت عمر بن عبدالعزیز ابن عبدالحکیم ترجمہ ماخوذ از دعوت و عزیمت حصہ اول ص ۴۵، ۴۶۔)

یہ ایک تلخ حقیقت ہے کہ مسلمانوں نے اس ملک میں اس فرض کی ادائیگی میں اور اپنی اس ذمہ داری کے احساس و شعور میں بڑی کوتاہی کی۔ اس کا نتیجہ یہ ہے کہ یہاں کی اکثریت اسلام کی ان روزمرہ کی خصوصیات، نشانیوں اور اذان و نماز (جو شہروں، دیہاتوں اور محلوں میں پنج وقتہ ہوتی ہے) کے بارے میں بعض اوقات ایسے سوالات کرتے ہیں کہ بجائے ان پر ہنسی آنے کے اپنی کوتاہی پر رونا آنا چاہئے۔

حضرات! وہ ان کے مفہوم و مطالب سے اتنے ناواقف ہیں جن کا قیاس میں آنا مشکل ہے۔ ان کے سلسلے میں ایسے تجربے کثرت سے سفر کرنے والوں اور غیر مسلموں سے میل جول رکھنے والوں کو دن رات پیش آتے ہیں۔(۱) اس مقصد کے لئے اردو انگریزی اور ہندی میں اسلام کے تعارف میں جو کتابیں لکھی گئی ہیں ان سے کام لیا جاسکتا ہے۔(۲)

اور انسانی جان اور عزت و آبرو کے تحفظ اور انسان کے احترام اور اس سے محبت کی تبلیغ اور تلقین ضروری ہے جو اس ملک کی فضا کو مستقل طور پر معتدل اور پرسکون بلکہ پر راحت رکھنے کی ضامن ہے اور جس کے بغیر اس ملک کی (جس کے لئے مختلف مذاہب اور تہذیبوں کا مرکز اور دیس ہونا مقدر ہو چکا ہے) ترقی اور نیک نامی الگ رہی امن و امان اور سکون و اطمینان کے ساتھ باقی رہنا بھی مشکل ہے۔

یہ تحریک ''پیام انسانیت'' کے نام سے کئی سال پہلے شروع کی گئی اور ہندوستان کے تقریباً تمام مرکزی شہروں میں اس کے بڑے بڑے جلسے ہوئے۔ جن میں خاصی تعداد میں غیر مسلم دانشور، فضلاء، سیاسی کارکن اور رہنما بھی شریک ہوئے۔

---

(۱) راقم نے اپنی کتاب ''ہندوستانی مسلمان ایک نظر میں'' اس کی طرف اشارہ کیا ہے اور اس پر اظہار تعجب و شکوہ۔

(۲) مثال کے طور پر ''اسلام کیا ہے'' (از مولانا منظور نعمانی) ''ہندوستانی مسلمان ایک نظر میں'' (از راقم) ''رحمت عالم'' (از [illegible]) ''رسول رحمت'' (از مولانا سید سلیمان ندوی) ''محسن عالم'' (از راقم) ان سب کے ہندی، انگریزی ترجمے ہو چکے ہیں۔ ''رحمۃ للعالمین'' (از قاضی محمد سلیمان منصور پوری) <INTRODUCTION TO ISLAM> (از ڈاکٹر محمد حمید اللہ صاحب حیدرآبادی مقیم پیرس) ان کے علاوہ دوسری مفید کتابیں اور رسائل۔

اس کے تعارف اور اس کی ضرورت کی تشریح اور اس کے پیام پر خاص لٹریچر اردو، ہندی اور انگریزی میں تیار ہو چکا ہے اور اہل شوق کو آسانی کے ساتھ دستیاب ہو سکتا ہے۔ (۱)

(۵) میرے بھائیو، دوستو! ایک اہم بات یہ ہے کہ مسلمانوں میں (خاص طور پر جہاں مسلمان اقلیت میں ہیں اور وہاں خطرات اور آزمائشوں کا امکان ہے۔) صلح پسندی، صبر و تحمل بلکہ ایثار و فیاضی کے ساتھ عزم و ہمت، صبر و ثبات شجاعت و دلیری کی صفت، راہ خدا میں مصائب برداشت کرنے اور اس پر اللہ کے اجر و ثواب کی طمع اور جنت اور لقائے رب کا شوق اور شہادت فی سبیل اللہ کے فضائل کا استحضار بھی موجود و زندہ رہنا چاہئے۔

اس کے لئے ان کو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کے حالات اور داعیان اسلام کے کارناموں کا مطالعہ اور ان کا سننا سنانا جاری رکھنا چاہئے۔ جنہوں نے راہ خدا میں بڑی بڑی تکلیفیں اٹھائیں اور قربانیاں دیں اور اس کو افضل اعمال اور قرب خداوندی اور حصول جنت کا سب سے بڑا ذریعہ سمجھا۔

کچھ عرصہ پہلے پڑھے لکھے اور دیندار گھرانوں میں واقدی کی "فتوح الشام" کا منظوم اردو ترجمہ "صمصام الاسلام" (۲) گھروں اور مجلسوں میں پڑھا جاتا تھا اور اس کا بڑا اثر پڑتا تھا۔ اب بھی "حکایات صحابہ" (از حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب سہارنپوری رحمۃ اللہ علیہ) "شاہنامہ اسلام" (از حفیظ جالندھری) اور راقم سطور کی کتاب "جب ایمان کی بہار آئی" سے یہ کام لیا جا سکتا ہے ان کے مسجدوں، گھروں اور مجلسوں میں پڑھنے کا رواج ڈالنا چاہئے۔

(۶) بڑی ضروری اور آخری بات یہ ہے کہ اس وقت ہر شہر کے ذمہ داروں، بچوں کے والدین اور موجودہ نسل کے لوگوں کو اپنے بچوں اور اپنی آئندہ نسل کو دین کی

---

(۱) دفتر "پیام انسانیت" پوسٹ بکس نمبر ۹۳ ندوۃ العلماء لکھنؤ سے یہ رسائل اور مضامین مل سکتے ہیں۔

(۲) یہ منشی سید عبد الرزاق صاحب کلامی کی تصنیف ہے۔ جو تیرہویں صدی ہجری کے عظیم مجاہد و مصلح حضرت سید احمد شہید کے خاندان سے تعلق رکھتے تھے۔ دو مرتبہ مطبع منشی نول کشور لکھنؤ سے چھپ کر شائع ہوئی۔ ضرورت ہے کہ پھر اس کی طباعت و اشاعت ہو اور وہ گھروں اور مجلسوں میں پڑھ کر سنائی جائے۔

ضروریات سے، اسلامی عقائد، دینی فرائض اور اسلامی اخلاق سے واقف کرانے اور بنیادی تعلیم دینے کی ذمہ داری خود قبول کرنا ہے اولاً ان پر لازم ہے کہ اس کو اپنا ایسا ہی انسانی و اسلامی فرض سمجھیں جیسا بچوں کی خوراک و غذا و لباس و پوشاک صحت اور بیماری سے علاج کی ذمہ داری کو سمجھتے ہیں اور اس کا انتظام کرتے ہیں بلکہ حقیقت میں دین کی ضرورت، عقائد کی تعلیم اور صحیح اسلامی عقیدہ کی حفاظت اور تقویت کا کام ان جسمانی و طبعی ضروریات کی تکمیل اور ان کے انتظام سے بھی زیادہ ضروری ہے اور اس سے غفلت انسانی و جسمانی ضروریات کی تکمیل سے غفلت برتنے اور اس کے بارے میں تساہل انکاری سے کام لینے سے زیادہ خطرناک اور برے دائمی نتائج کا سبب ہے۔

اس لئے کہ دینی تعلیم و تربیت اور صحیح اسلام عقائد کا معاملہ ایک لافانی و ابدی زندگی (حیات بعد الموت) کے انجام اور اچھے برے نتائج سے تعلق رکھتا ہے۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

یَآاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا قُوْٓا اَنْفُسَکُمْ وَاَھْلِیْکُمْ نَارًا.(۱)

”اے ایمان والو! بچاؤ اپنے آپ کو اور اپنے گھر والوں کو دوزخ کی آگ سے“

اور صحیح حدیث میں آتا ہے:

کلکم راع و کلکم مسئول عن رعیته

تم میں سے ہر ایک ایک حاکم اور زبردست اور زیر فرماں لوگوں کے ذمہ دار کی حیثیت رکھتا ہے اور ہر ایک سے اس کی اپنی اس رعیت (زیر اثر لوگوں) کے بارے میں سوال کیا جانے کا اس لئے گھر گھر محلہ محلہ، مسجد مسجد اور مکتب مکتب اور مدرسہ مدرسہ بچوں کی دینی تعلیم کا انتظام ہونا چاہئے اور ہر عاقل و بالغ مسلمان اور عیال دار آدمی کو یہ ذمہ داری قبول کرنی چاہئے۔ اللہ تعالیٰ ان باتوں پر عمل کی توفیق بخشے۔

و آخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین

---

(۱) [illegible]

بسم اللہ الرحمن الرحیم

ملک و ملت دونوں خطرہ میں

ذیل کی تقریر حضرت مولانا کا وہ فکر انگیز خطبہ افتتاحیہ ہے جو اتحاد ملت کانفرنس بمبئی ہندوستان منعقدہ ۲۳،۲۴ مئی کے موقع پر پڑھا گیا تھا!

الحمد للہ و الصلوٰۃ و السلام علی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم.

میرے دوستو، بھائیو اور عزیزو! اس وقت ہمارا ملک اور ہماری ملت دونوں ایسے خطرات و مصائب اور ایک ایسی صورت حال سے دوچار ہیں، جو ملکوں اور ملتوں کی زندگی اور تاریخ میں بعض اوقات صدہا برس کے بعد اور بعض اوقات اس سے بھی زائد عرصہ کے بعد پیش آتی ہے اگر اس کی جلد خبر نہ لی گئی، تو پہلے یہ ملت اپنے تشخص اپنی مذہبی آزادی، اپنی ثقافت و تہذیب اور اپنے عزیز سرمایہ (معابد و مدارس) علمی ذخیرہ اور زبان و ادب) سے محروم ہوگی، پھر یہ وسیع اور شاندار ملک مکمل طریقہ پر تباہ ہو کر رہ جائے گا، بغض و عناد، بدگمانی اور بے اعتمادی کی فضا، انسانی جان اور عزت و آبرو کی بے وقعتی مردم آزادی و آدم بیزاری، عقل پر جذبات کی حکمرانی دور اندیشی پر کوتاہ اندیشی کا غلبہ، ملکی مفاد پر ذاتی اغراض کی ترجیح، جذبات کے پیچھے بہہ جانے، اور کھوکھلے نعروں کے پیچھے دیوانہ بن جانے کی عادت، ایک ایسا زہر ہے جو بڑی سے بڑی قوم اور ملک کی ہستی کا خاتمہ کر دیتا ہے، اور اس کو موت کے گھاٹ اتار دیتا ہے، فرقہ وارانہ فسادات، تنگ نظری، مفاد پرستی، حد سے بڑھا ہوا احساس برتری، جذبات سے مغلوب ہو جانے، روئی کی طرح جلد آگ پکڑ لینے اور بارود کی طرح بھک سے اڑ جانے کی صلاحیت کسی ایک میدان میں محدود اور کسی ایک فرقہ کے ساتھ مخصوص نہیں رہ سکتی، نفرت و اقتدار کی بڑھی ہوئی ہوس کی آگ کو اگر

جانے کے لئے ایندھن نہ ملے تو وہ خود اپنے کو کھانے لگتی ہے، دور جاہلیت کے ایک حقیقت پسند عرب شاعر نے صحیح کہا تھا

والنار تاكل نفسه
ان لم تجد ما تاكله

(آگ اپنے کو کھانے لگتی ہے اگر اس کو کچھ اور کھانے کو نہ ملے)

ملک کی سیاسی جماعتیں ہر مسئلہ کو سیاسی نقطہ نظر سے دیکھنے، جماعتی نفع و نقصان اور انتخابات میں ہار جیت کے پہلو سے سوچنے کی عادی اور پابند ہو چکی ہیں، وہ تخریب میں اپنی تعمیر، تفریق میں اپنا اتحاد اور دوسروں کے نقصان و مصیبت میں اپنا فائدہ اور اپنی ترقی سمجھتی ہیں، جس ملک میں انسانی جان اتنی ارزاں ہو کہ موہوم سیاسی مقاصد، چند ذاتی اغراض، اور عارضی اور مشکوک اقتدار کی خاطر سینکڑوں ہزاروں ہم وطنوں کی جان لی جا سکتی ہو، جہاں ایک نعرہ، ایک تقریر اور ایک اشتہار پر دیکھتے دیکھتے بیسیوں گھر بے چراغ اور سینکڑوں بچے اور عورتیں لاوارث کی جا سکتی ہوں، تنگ نظر اور مفاد پرست فرقہ وارانہ قیادت، احیاء پرستی کے جذبہ، غلط تاریخ اور غلط تعلیم تربیت، غیر دیانت دار اور دشمن صحافت (پریس) روزانہ نفرت و عداوت کے زہر کی ایک بڑی مقدار اس ملک کے علاقوں، کروڑوں باشندوں کے دل و دماغ میں اتارتی رہتی ہے، اس نے تصویر کا صرف ایک ہی رخ پیش کرنے کی قسم کھائی ہے، اس نے ہماری نئی نسل کے دماغوں کو اتنا مسموم کر دیا ہے اور اس کو اتنا بے برداشت، غضبناک اور زود رنج بنا دیا ہے اور اس میں مشتعل ہو جانے کی ایسی صلاحیت پیدا کر دی ہے کہ سارا ملک بارود کی ایک سرنگ کی طرح ہو گیا ہے جس کو ایک ذرا سے اشارے سے ہر وقت اڑایا جا سکتا ہے۔

میرے دوستو! اسی سلسلہ کی چند ہندو احیائیت HINDU REIRIVALISAM کی تحریک ہے، سینکڑوں اور ہزاروں برس کی سوئی ہوئی بلکہ مری ہوئی تاریخ کو دوبارہ جگانا اور زندہ کرنا، جو تبدیلیاں صدیوں پہلے (اچھی یا بری) ہوئیں اور ان کو اس ملک کے حقیقت پسند، فراخ دل، اور غیرت مند شہریوں نے صدیوں گوارہ لیا، ان کے سفر کو پیچھے

قدم سے شروع کرنا اور ان کی تلافی کی کوشش اس ملک کو نئے مسائل و مشکلات سے دوچار کرے گی، جن کا مقابلہ کرنے کی اس ملک کو نہ فرصت ہے نہ ضرورت، اور اسی طرح حکومت انتظامیہ اور دانشور طبقہ کی توانائی بے محل صرف ہوگی۔ جس کی ملک کو اپنے تعمیری کاموں، سالمیت اور استحکام میں ضرورت ہے۔ تاریخ ایک سویا ہوا شیر ہے، اس کو جگانا نہیں چاہئے، اس کے پاس سے خاموشی سے نکل جانا چاہئے۔ تاریخ کو الٹا دہرانا اور ماضی کے گڑے ہوئے مردوں کو اکھاڑنے کی کوشش کرنا (عبادت گاہوں کی تبدیلی وغیرہ) کوئی عاقلانہ فعل نہیں ہے اور اس وقت ملک کو جن حقائق اور مسائل کا سامنا کرنا پڑا ہے، اس میں اس کی کوئی گنجائش بھی نہیں ہے، اس سے ملک نئی نئی مشکلات اور غیر ضروری نزاعات میں پڑ جائے گا اور وہ ترقی پذیر زمانے کا ساتھ نہیں دے سکے گا۔

انگریزوں نے (چونکہ وہ سات سمندر پار آکر اس ملک پر حکومت کر رہے تھے جس کا ان کو کوئی استحقاق نہ تھا، اور وہ اپنی حکومت کو صرف خوف و رعب کے ذریعے ہی قائم رکھ سکتے ہیں، پولیس کی شکل میں ایک ایجنسی قائم کی جو لوگوں پر حکومت کا خوف و رعب قائم کرے اور وہ ہمیشہ اس سے لرزہ براندام رہیں اور اپنی عزت و عافیت کے خیر منائیں، انہوں نے نہ صرف اس میں کام کرنے والوں کی اخلاقی تربیت سے احتراز کیا، بلکہ اس کو اس کے برعکس ایسی تعلیم دی۔ اور اس کو اس کی کامیابی کا معیار قرار دیا، جس سے ہر شریف آدمی اور، باعزت انسان ڈرتا ہے۔

پولیس والوں کی تربیت

حضرات! جب خود ہندوستانی اور اہل ملک، ملک کی حکومت اور انتظامیہ پر فائز ہیں تو ان کو پولیس کی انسانی و اخلاقی تربیت کرنی چاہئے۔ ان میں خدمت و امانت اور ہمدردی کا جذبہ پیدا کرنا چاہئے اور پولیس کو ایک ایسے شریفانہ ادارہ اور ہمدرد انسان اور اپنے ہم وطنوں کے خادم کی شکل میں تبدیل کر دینے کی کوشش کرنا چاہئے کہ لوگوں کا ان کے بارے میں تصور و تاثر بدلے اور وہ ان کے بارے میں محافظ و معاون سمجھیں، ان کے دائرۂ اثر میں کوئی فرقہ کسی فرقہ کے ساتھ کوئی فرد کسی فرد کے ساتھ زیادتی نہ کر سکے، اور وہ فرقہ وارانہ فسادات اور ظلم و تعدی کے راستے میں (خواہ وہ کسی فریق کی طرف سے ہو) سد

سکندری بن جائیں۔

آخر میں لیکن پوری وضاحت، صراحت اور اہمیت وتاکید کے ساتھ یہ حقیقت پسندانہ اور خیر خواہانہ مشورہ ہے کہ مسلمانوں کے پرسنل لا میں مداخلت اور کسی ایسے اقدام اور تعاون سازی سے مطلقاً پرہیز واحتیاط کی جائے۔ جس کو مسلمان اپنے دین میں مداخلت اور دستور ہند کی دی ہوئی آزادی کی تنسیخ کا مرادف سمجھیں دنیا کے بہت سے ان ملکوں سے جہاں مسلمانوں کی اکثریت پائی جاتی ہے، یہاں مختلف اسباب کی بناء پر (جن سے بحث کرنا بے سود اور واقعات کی منطق کے خلاف ہے) زیادہ مذہبیت اور دینی احساس واہمیت پائی جاتی ہے اس لئے یہاں بہت پھونک پھونک کر قدم رکھنے کی ضرورت ہے اور ملت کی اس عظیم ترین اقلیت کی (جس کو ملت کہنا زیادہ صحیح ہوگا) مذہبی آزادی میں (جو جارحانہ OF ENSIVE اور امن عامہ کے خلاف نہیں) اس کے پرسنل لا میں جو اس کے مذہب کا جزء ہے، اس کی مذہبی تعلیم اور اس کے مرکزوں اور اداروں میں جو ملک کے لئے مضر ہونے کے بجائے تعلیم وتہذیب پھیلانے اور دوسرے ملکوں میں اس ملک کا نام بلند کرنے کا ذریعہ ہیں۔ کسی نام یا کسی انتظامی قانون کی بناء پر مداخلت کرنا اس اقلیت کے دل ودماغ میں (جو بعض ملکوں کی پوری پوری آبادی سے زیادہ تعداد میں ہے) بے اطمینانی وبے چینی پیدا کرنے کا باعث ہوگا اور ملک کی تعمیر وترقی اور اس کے حصول کے لئے مخلصانہ جدوجہد اور تعاون پر اثر انداز ہوگا۔

اس ملک کا اخلاقی انحطاط اپنے آخری نقطہ کو پہنچ گیا ہے، دولت پیدا کرنے کے جذبے نے اور تھوڑے سے تھوڑے وقت میں زیادہ سے زیادہ کما لینے کے شوق نے جنون کی شکل اور سرسام HYSTERIA کی کیفیت اختیار کر لی ہے اور سب پر دولت کمانے اور زیادہ سے زیادہ منفعت حاصل کرنے کا بھوت سوار ہو گیا ہے، یہ جذبہ ملک کے ہر مفاد اور ہر ملکی وسیاسی مصلحت سے بے پرواہ اور بے نیاز ہے، وہ مذہب واخلاقیات، شرافت ومعقولیت، شہریت اور آئین سب کے حدود پھلانگ گیا ہے، ہر محکمہ میں سخت بدنظمی، ہر شعبہ میں سخت ابتری، ہر موڑ پر لاقانونیت کا دور دورہ اور رشوت ستانی کی گرم بازاری ہے،

انتہا یہ ہے کہ لوگ عاجز آکر انگریزوں کے دور کی باقاعدگی اور زندگی کی سہولتوں کو یاد کرنے لگے ہیں اور بعض اوقات اس دور غلامی کو اس دور آزادی پر ترجیح دینے لگتے ہیں یہ کسی ملک کے لئے ننگ و عار کا آخری درجہ اور صاحب اقتدار جماعت کی ناکامی اور نا اہلی کی آخری دلیل ہے، کہ لوگ بدیسی حکمرانوں اور ملک کی عزت کو خاک میں ملانے والوں کو یاد کرنے لگیں۔

ملک و معاشرہ کی موجودہ صورت حال کی (دل پر ہاتھ رکھ کر) یہ تاریک لیکن مطابق واقعہ تصویر سامنے لانے کے بعد (جو اس موقر مجلس کے لئے اگرچہ ضروری نہ تھی لیکن افادیت سے خالی بھی نہ تھی، تاکہ اس ملت کو جس کی اپنے پیغام کار منصبی اور اپنے تشخص وخصوصیات کے تحفظ کے سوا، اپنے معاشرہ اور ماحول اور اپنے مسکن ووطن کی خدمت وحفاظت کے نئے میدان ملیں جن میں صلاحیتوں کو صرف کرنے اور اپنی حب الوطنی انسان دوستی اور شرافت کا ثبوت دینے کا موقعہ ہو۔

پھر یہ امت ہے جس کے متعلق (قرآن وحدیث کی روشنی میں) کہنے والے نے سچ کہا ہے کہ ع

ہے حقیقت جس کے دین کی احتساب کائنات

اور اس احتساب کے ماسوا، دنیا کی تعمیر نو کی بھی ہر زمانہ میں اس پر ذمہ داری عائد ہوتی ہے، اس لئے اسی شاعر کا یہ کہنا بے جا نہیں کہ ع

معمار حرم باز بہ تعمیر جہاں خیز

آنحضرت ﷺ نے معاشرہ کے افراد کو ایک کشتی کے سواروں سے تشبیہ دی ہے، جس میں پست حال مکینوں اور مرفہ الحال بالا نشینوں کی کوئی تفریق نہیں، اگر اس کشتی میں کسی مسافر کی ناعاقبت اندیشی سوراخ کر دے اور پانی آنے لگے، تو پھر اس کشتی کا کوئی مسافر بچ نہیں سکتا، اور وہ کشتی ڈوبے گی تو سب ڈوبیں گے، ہم سب ایک کشتی کے سوار ہیں، لیکن اس سوراخ کا بند کرنا ہماری حب الوطنی اور حقیقت پسندی کا بھی تقاضہ ہے اور ہمارے اس منصب احتساب اور فلاح انسانیت کے فکر کا بھی جو ہمارے مذہب نے ہم پر

ماندی ہے۔

یٰاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا کُوْنُوْا قَوّٰمِیْنَ لِلّٰہِ، شُھَدَآءَ بِالْقِسْطِ

"اے ایمان والو! کھڑے ہو جایا کرو اللہ کے واسطے انصاف کی گواہی دینے کو انصاف کی۔"

اللہ تعالیٰ نے اس قلیل التعداد و مختصر جماعت مہاجرین کو جو مکہ مکرمہ سے ہجرت کر کے مدینہ طیبہ میں آئی تھی، اور چند سو سے زیادہ اس کی تعداد نہیں تھی، قعر ذلت وضلالت میں گرتی ہوئی دنیا اور جاں بلب انسانیت کی چارہ سازی اور مسیحائی پر مامور فرمایا اور دعوت وہدایت کا کام کرنے اور انصاف و استقامت کا نمونہ بننے اور اتحاد وتعاون کی تاکید فرمائی اور ان لفظوں سے اس کو خطاب کیا، جو تاریخ انسانی بالخصوص ساتویں صدی مسیحی کی تاریخ پڑھنے والے کو عالم حیرت میں پہنچا دیتے ہیں۔

اِلَّا تَفْعَلُوْہُ تَکُنْ فِتْنَۃٌ فِی الْاَرْضِ وَفَسَادٌ کَبِیْرٌ.

اگر تم اس پر عمل نہ کرو گے تو دنیا میں بڑا فتنہ برپا ہوگا اور بڑا فساد پھیلے گا۔

اس شاخ پر تبصرہ کرنے کے بعد جس پر تقدیر وحکمت الٰہی سے اس ملت کا نشیمن واقع ہے، اور ان خطرات کی نشاندہی کے بعد جو واقعہ اور حقائق کی شکل میں اس کو درپیش ہیں، ہم اس نشیمن کو درپیش خطرات کے بارے میں بھی کچھ عرض کریں گے جو قیاسات نہیں، مشاہدات وتجربات کی شکل میں دیکھنے والوں کے سامنے ہے۔

(۱) اس ملت کے لئے واسطے جس کے لئے خدائی تعلیم اور ایک مقبول و متعین دین پر صرف جینا اور مرنا ضروری بلکہ اپنی اولاد و نسل کے بارے میں بھی یہ انتظام اور اطمینان ضروری ہے کہ وہ بھی اسی خدائی تعلیم اور مقبول و متعین دین پر زندگی گذارے گی اور سفر آخرت اختیار کرے گی، اس لئے جہاں یہ کہا گیا ہے کہ۔

وَلَا تَمُوْتُنَّ اِلَّا وَاَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ.

اور نہ مرنا مگر اس حالت میں کہ تم مسلمان ہو۔ (آل عمران)

یَا اَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا قُوْا اَنْفُسَکُمْ وَاَھْلِیْکُمْ نَارًا. (التحریم)

اے ایمان والو! بچاؤ اپنی جان کو اور اپنے گھر والوں کو آگ سے۔

ایسی ملت کی ذمہ داری اس ملک میں بہت بڑھ جاتی ہے جہاں لازمی طور پر کوئی ایسا نظام اور نصاب تعلیم جاری ہو، جو اسلام کے بالمقابل عقائد کی تعلیم دیتا ہو، اور جس کے مضامین اور مندرجات توحید و رسالت کے بنیادی اسلامی عقائد کے منافی اور شرک و وثنیت کے اعلانیہ داعی اور مبلغ ہوں جہاں مسلمان بچے بھی کسی دوسری مذہبی قوم کی دیو مالا، MYTHOLOGY پڑھنے پر مجبور ہوں، جس کا یقین کرنے سے کوئی مسلمان (تاویل اور تکلیف کے ساتھ بھی) مسلمان نہیں رہ سکتا، جہاں نصاب تعلیم، طرز تعلیم، رسوم و مظاہرات، لٹریچر، پریس، ذرائع ابلاغ، (ریڈیو اور ٹی وی) کے ذریعے نہ صرف ذہنی اور ثقافتی نسل کشی کی کوشش کی جارہی ہے بلکہ مذہبی و اعتقادی نسل کشی کی بھی، اس لئے مسلمانوں کو اپنی آئندہ نسل اور اولاد کو اعتقادی، ایمانی اور ذہنی طور پر مسلمان رکھنے کا انتظام کرنا ہوگا، اور ان کی بنیادی دینی تعلیم کی ذمہ داری قبول کرنی ہوگی اور اس کے لئے ان کی صحت اور ضرورت کے وقت علاج، لباس اور عام تعلیم سے زیادہ اس کی فکر اور اہتمام کرنا ہوگا، اور خدا کے ایک برگزیدہ پیغمبر اور پیغمبر زادہ حضرت یعقوبؑ کی طرح ان کو اپنی اولاد کے بارے میں وہی اطمینان حاصل کرنا ہوگا جو خدا کے اس پیغمبر نے اپنے فرزندوں کے بارے میں (جو تین تین پیغمبروں کی اولاد تھی) یہ کہہ کر حاصل کیا تھا کہ

"مـا تعبـدون مـن بعدی" (تم میرے بعد کس کی عبادت کرو گے؟) اور انہوں نے جواب دیا تھا کہ "نعبُدُ الٰھک والٰہ آبائک ابرٰھیم واسمٰعیل واسحاق الٰھاً وّاحداً وّنحنُ لہٗ مُسلِمُوْن۔"

(ہم آپ کے معبود اور آپ کے باپ دادا ابراہیمؑ اور اسماعیل و اسحاق کے معبودوں کی عبادت کریں گے، جو معبود یکتا ہے اور ہم اسی کے حکم بردار ہیں۔) ([illegible])

اس کے لئے ہندوستان کی ملت اسلامی کو اپنی اولاد اور اپنی نئی نسل کی بنیادی دینی علیم کی ذمہ داری، غذا اور ضروریات زندگی کی فراہمی کے برابر بلکہ (نتائج کو پیش نظر ھتے ہوئے) ان سے زیادہ ہی قبول کرنی ہوگی، اس کے لئے آزاد مکاتب اور مدارس قیام، گھروں میں دینی ماحول پیدا کرنے، خواتین و مستورات (ماؤں اور بہنوں اور

بزرگ بیبیوں اور مربیات) کے ذریعہ بنیادی عقائد سے واقف اور پیغمبروں اور خصوصیت کے ساتھ خاتم الرسل اور سید المرسلین ﷺ کی شخصیت اور سیرت سے نہ صرف آشنا اور متعارف بلکہ گرویدہ اور معتقد بنانے کی کوشش کرنے اور ایمان وتوحید کی محبت اور کفر وشرک سے وحشت اور دہشت کو گھٹی میں اتار دینے کی بھی ضرورت ہوگی۔

میرے دوستو اور بھائیو! دوسری طرف ان کی اردو کی تعلیم کا بھی انتظام کرنا ہوگا اور اس میں لکھنے پڑھنے کی صلاحیت پیدا کرنی ہوگی جس میں وہ دینی، علمی وثقافتی سرمایہ اور ذخیرہ ہے جو عربی زبان کے بعد کسی مسلمان ملک کی زبان میں نہیں ہے (اور بعض حیثیتوں سے وہ بعض شعبوں میں اس سے بھی فائق ہے) اس زبان سے مسلمان نسل کا یکسر ناآشنا ہو جانا اور اس میں لکھنے پڑھنے ہی نہیں اس کے سمجھنے کی صلاحیت سے بھی محروم ہو جانا ایک ذہنی ولسانی نسل کشی کے مترادف ہے، جو اس کو اپنے ماضی سے، اپنے تمدن اور تہذیب سے یکسر ناآشنا بنادے گا، اسی سلسلہ میں رسم الخط کا مسئلہ بھی آتا ہے، اس کی تبدیلی بھی کسی قوم کے اپنے قدیمی علمی وتہذیبی سرمایہ اور اپنے اسلاف کی محنتوں اور اپنے ماضی سے رشتہ کاٹ لینے کی مرادف ہے، اور جیسا کہ فلسفی مورخ، OYANBEE نے لکھا ہے کہ:

> ”کتب خانۂ اسکندریہ کے مسلمان عرب فاتحین کے نذر آتش کردینے کی روایات صحیح ہو یا غلط، اب ایسے کسی ذخیرہ کو نذر آتش کرنے اور برباد کردینے کی قطعاً ضرورت نہیں رسم الخط SCRIPT بدل دینا کافی ہے۔“

اس لئے اردو رسم الخط کے قائم اور باقی رہنے پر اصرار اور استحکام، اس کے باقی رکھنے کی جدوجہد کی بھی ضرورت ہے، اور اس کی تعلیم کے بندوبست اور اس کے مراکز قائم کرنے کی بھی ضرورت ہے۔

مسلمانوں کے ایمان وعقیدہ کا جزو ہے کہ ان کا عائلی قانون FAMILY LAW اسی خدا کا بنا ہوا ہے جس نے قرآن اتارا اور عقائد وعبادات کا قانون عطا کیا، سارا قرآن مجید تصریحات سے بھرا ہوا ہے مسلمان اس عقیدہ پر ایمان لانے پر مجبور ہیں، اور اس کے بغیر

وہ مسلمان نہیں رہ سکتے اس کا مطلب یہ ہے کہ یہ قانون خدائے علیم خبیر کا بنایا ہوا ہے، جو انسان کا بھی خالق ہے اور اس کائنات کا بھی، اس کی فطری ضرورتوں اور کمزوریوں، دونوں سے واقف ہے، وہ فرماتا ہے۔

الا یَعْلَمُ مَنْ خلق O وَهُوَ اللَّطِيفُ الْخَبِيرُ.

کیا وہی آگاہ نہ ہوگا جس نے پیدا کیا ہے؟ وہ تو (بڑا ہی) باریک بیں اور (پورا) باخبر ہے۔

اسی طرح وہ زمانہ کا بھی خالق ہے ہمارے لحاظ سے ماضی، حال و مستقبل کی تقسیم تنقیح اور ضرورتی ہو، اس کے لحاظ سے سب ماضی ہی ماضی ہے، اس لئے ایک بار یہ مان لینے کے بعد کہ وہ خدا کا بنایا ہوا قانون ہے، جو ایک زندہ جاوید امت اور ایک عالمگیر اور دائمی شریعت کے لئے بنایا گیا ہے، تو ترمیم اور تبدیلی کی ضرورت کا مطالبہ ایک کھلے منطقی تضاد (اور جہاں تک مسلمان کہلانے والے اشخاص کا تعلق ہے) ایک اعتقادی و عملی نفاق کے سوا کچھ نہیں۔

پھر معاملہ صرف ایمان بالغیب اور مذہبی عقیدت اور عصبیت کا نہیں، اس قانون کے مکمل، متوازن، اور معادل ہونے اور زمان و مکان کی تبدیلی پر حاوی ہونے کی عقلی و علمی شواہد اور مسلم و غیر مسلم مشرقی و مغربی فضلاء، اور جری و انصاف پسند مقننین کے واضح اعترافات اور علمی تجربات اتنے ہیں کہ کوئی ''شپرہ چشم'' ہی ان سے انکار کر سکتا ہے، اس موضوع پر متعدد نامور فضلاء نے قلم اٹھایا ہے، اور بڑا قیمتی مواد جمع کر دیا ہے۔

ہندوستان میں جب یہ مسئلہ اٹھا اور دیکھنے والوں کو یہ نظر آیا کہ افق پر خطرہ کی لامتیں نمایاں ہوئی ہیں، اور یہ بادل جو ابھی کسی وقت گرجتا ہے کسی وقت ضرور برسے گا، وانہوں نے ''مسلم پرسنل لاء بورڈ'' کے نام سے، دسمبر ۱۹۷۲ء میں اسی بمبئی میں ایک متحدہ یٹ فارم بنایا، جس سے وقتاً فوقتاً قانون سازی کی نوعیت اور اس کے رخ کا جائزہ لیا تا رہا، تاکہ اچانک ان پر یہ یا کوئی دوسرا مسئلہ ''شبخون'' نہ مارنے پائے، یہ ایک ایسا ائندہ بورڈ تھا جس کی مثال اپنی وسعت اور جامعیت اور مختلف مکاتب خیال کی نمائندگی

کے لحاظ سے تحریک خلافت کی بعد نہیں ملتی، ۱۹۴۷ء کے بعد اتنے بڑے اجتماعات دیکھنے میں نہیں آئے، اس بورڈ کی تشکیل اور اس کے ان، شاندار اور بے نظیر جلسوں کا اتنا اثر ضرور ہوا کہ حکومت اور مسلم پرسنل لاء میں اصلاح و ترمیم کی آواز بلند کرنے والے حضرات کو ہوا کا رخ معلوم ہو گیا، اور اتنا ثابت ہو گیا کہ مسلمان اس مسئلہ پر صد فی صد متفق ہیں، اس لئے دانش مندی حقیقت پسندی، اور انتخابی سیاست کا بھی تقاضہ ہے کہ اس مسئلہ کو اٹھانے میں احتیاط کی جائے لیکن ذہنیتوں اور نیتوں کا مطالعہ فرقہ وارانہ اور سیاسی جماعتوں کا مشاہدہ اور مجالس آئین ساز کا تجربہ بتاتا ہے کہ اس کے بارے میں کلی اور دائمی طور پر مطمئن ہونے کا جواز نہیں، ایسے مسائل کے بارے میں ہمیشہ چوکنا رہنے کی ضرورت ہے ع

یک لحظہ غافل بودم و صد سالہ راہم دور شد

آخر میں اصلاح معاشرہ کا نمبر آتا ہے، ہندوستانی مسلمانوں نے اپنے گھر اور خاندانوں کے ماحول میں اللہ تعالیٰ کی بتائے ہوئے اور اللہ کے رسول کے برتے اور سکھائے ہوئے عائلی قانون (رشتہ داروں کے حقوق و فرائض، تقسیم میراث، نکاح وطلاق، اور شادی بیاہ کی طریقوں) کے بارے میں سخت خودرائی، انحراف، رسم و رواج کی پابندی اور ہمسایہ قوم کی پیروی ونقالی سے کام لیا ہے، شادی میں حد درجہ کا اسراف وفضول خرچی، نمود و نمائش، حدود شرعیہ سے تجاوز اور آخر میں لڑکی والوں سے بڑے چڑھے جہیز کا مطالبہ رواج پا چکا ہے (جس کو کہیں تک، اور کہیں "گھوڑا جوڑا" کے لفظ سے یاد کیا جاتا ہے) یہ رسم و رواج غیر اسلامی اور غیر شرعی ہی نہیں بلکہ "جاہلیت حاضرہ" کی پیروی، غیر مسلموں کی اندھی تقلید اور دولت پرستی اور پیسہ کی حد سے بڑھی، ہوئی لالچ کا وہ مظاہر ہے جو نہ صرف بے برکتی کا باعث بلکہ بہت جگہ قابل نکاح لڑکیوں کے بیٹھے رہنے اوان کے والدین اور سرپرستوں کی اس پریشانی کا سبب جو بعض اوقات اور بعض مقامات پر خو کشی کرلینے اور زہر کھا لینے تک پہنچا دیتا ہے۔

اس صورت حال کے خلاف ایک مؤثر ملک گیر اصلاح معاشرہ کی مہم چلانے ک

ضرورت ہے جو مساجد سے شروع ہو کر انجمنوں، شہروں، قصبات اور محلہ محلہ پھیلے، اور وہ مسلمانوں کی زندگی اور معاشرہ، اقدار و معیار، عزت و شرافت، اور احساس و شعور میں انقلاب برپا کردے، اور وہ ان رسوم جاہلیت، تقابل اور تفاخر کے غیر اسلامی طریقوں اور مظاہروں سے توبہ کرکے دین حنیف اور صحیح اسلامی و نبوی منہج حیات کو اختیار کریں۔

وما ذلک علی اللہ بعزیز

ملت کے بارہ میں ہم اس محدود اور قیمتی وقت میں انہیں چند نکات اور پہلوؤں پر اکتفا کرتے ہیں، اور حاضرین با تمکین سے جو نہ صرف صاحب فکر و مطالعہ ہیں۔ بلکہ اصلاحی و اجتماعی، دعوتی و فکری، میدانوں سے تعلق رکھتے ہیں، یہ کہہ کر اس بحث کو ختم کرتے ہیں کہ

تو خود حدیث مفصل بخواں ازیں مجمل

لیکن پھر ایک بار دل پر ہاتھ رکھ کر اور جگر تھام کر کہنا پڑتا ہے، کہ ملک کو تباہی سے بچانے اور اس کے معاصر دنیا اور تاریخ میں وہ مقام حاصل کرنے کے لئے جو اس کی وسعت، کثرت آبادی، وسائل و ذخائر، شاندار تاریخ اور ایک ایسی ملت اور دین کی موجودگی میں شایان شان ہے، جس کی بناء پر اس کو خیر امت اور جس کے دین کو نعمت خداوندی اور آخری پیغام آسمانی کہا گیا ہے کہ۔

اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَیْکُمْ نِعْمَتِیْ وَرَضِیْتُ لَکُمُ الْاِسْلَامَ دِیْنًا. (المائدة)

آج میں پورا کر چکا تمہارے لئے تمہارا دین، اور پورا کیا تم پر میں نے اپنا احسان اور پسند کیا میں نے تمہارے واسطے اسلام کو دین۔

اگر یہ ملت و ملک کو بچانے کی جدوجہد کرنا تو الگ رہا، اپنے مسائل کو بھی مؤثر طریقہ پر پیش کرنے ملک کی اکثریت اور صاحب اقتدار جماعت کو ان حقائق سے آشنا، اور ان ضروریات اور کاموں کی تکمیل کے لئے آمادہ کرنے سے بھی قاصر رہی، اور اس سے بھی بڑھ چڑھ کر وہ ابلاغ عامہ کے ذرائع اور پریس تک بھی اپنی ضروریات، احساسات، اور

جذبات کو نہیں پہنچا سکتی، جو ایک شہری، اور اس سے زیادہ اتنی بڑی اقلیت، کا حق ہے جو ملک کے پورے سیاسی، انتظامی، فکری و اخلاقی، ڈھانچہ کو (اگر اس میں اتحاد، عزم اور علم و سلیقہ ہو) متاثر کر سکتی، اور اس کو بنا اور بگاڑ سکتی ہے، تو اس کو کسی معنی و مفہوم میں آزاد اور ایک جمہوری و لا مذہبی (سیکولر) ملک کی باعزت اکائی نہیں کہا جا سکتا۔ اس کی بڑی وجہ ایک ایسے متحدہ پلیٹ فارم، وفاقی مجلس، اور پوری ملت کی نمائندہ قیادت کا فقدان ہے، جس کی آواز ملت کی آواز سمجھی جائے، اور جس کو پوری ملت کا اعتماد اور تعاون حاصل ہے اور جو گروہی عصبیتوں، فرقہ وارانہ اختلافات یا طرز فکر، کسی مکتب خیال، ادارہ، مدرسہ، فقہی مسلک، خاندان، سلسلہ یا شخصیت کی مقبولیت و نامقبولیت، نیک نامی و بدنامی، کامیابی و ناکامی، تعریف و تنقید سے، امکانات و مواقع سے بے نیاز و بالاتر ہو کر دھڑکتے ہوئے دل کی آواز، حقائق کی تصویر کشی، بیماری اور تکلیف کی اصل جگہ پر انگلی رکھ دینے اور ایسے اظہار حقیقت کا فرض انجام دے، جس میں نہ کسی گروہ و انجمن اور مکتب خیال کی رو رعایت ہو، نہ کسی تنظیم اور انجمن کی پاسداری، اور دور کا یہ خیال بھی کہ اس کا فائدہ فلاں قیادت یا فلاں مرکز کو پہنچے گا اور اس کو ملت میں دوسری قیادتوں اور مرکزوں پر تفوق اور بالاتری حاصل ہوگی، اس کے پیش نظر صرف یہ ہو کہ ملک و ملت کے یہ مسائل، ضروریات اور وقت کے حقائق اور صداقتیں ایک متحدہ پلیٹ فارم سے ایک متحدہ آواز میں صاحب اقتدار جماعت، حکومت اور محب وطن حقیقت پسند اور صاحب ضمیر تنظیموں اور افراد اور پریس و ذرائع ابلاغ تک پہنچ جائے اور اس سے تغافل برتنا ہی نہیں بلکہ صرف نظر انداز بھی صاحب اقتدار و اختیار جماعت کے لئے اگر ناممکن نہیں تو دشوار ہو جائے یقین مانئے کہ اگر ملت کا ایسا متحدہ پلیٹ فارم اور ایسی اجتماعی مواحد قیادت (جس کیلئے ضروری نہیں کہ وہ شخص واحد کی شکل میں ہو، وہ مختلف جماعتوں، گروہوں، تنظیموں، اور پلیٹ فارموں کے نمائندوں کا مجموعہ بھی ہو سکتی ہے) وجود میں آجائے اور یہ بات ہر حال میں ملک کی حقیقت پسند اور باخبر آبادی، صاحب اقتدار جماعت اور ذرائع ابلاغ پر اچھی طرح واضح ہو کہ یہ ہندوستان کی ملت اسلامیہ کے منتخب نمائندے، معتمد و محترم قائد ہیں اور یہ ایک ملی

موقع ہے کہ پوری امت کا [illegible] اس کی آواز امت کی مخلص ملت کی آواز بنے اور یہاں کا مخلص اور دانش ور طبقہ [illegible] آپ حضرات فرمائیں گے [illegible] سے بعد اس کی طرف سے ملت [illegible] کی جو تہذیبی اور [illegible] سے درپیش مسائل کی جو مشکلات اور اس کی نئی نسل اور تہذیبی ثقافتی جو ہوگی وہ ایک آزاد جمہوری ملک میں (جہاں کی قابل لحاظ تعداد اور موثر عنصر اور آبادی کے کسی معتد بہ حصہ کے مطالبے، شکایات اور حقیقی ضرورت کو نظر انداز نہیں کیا جاسکتا) وہ ضرور نتیجہ خیز ثابت ہوں گی اور [illegible] اور ملت کی تہذیبی اور روحانی [illegible] تہذیبی لسانی اور ثقافتی حل کی صورت پیدا ہوں گی۔

وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین

بسم اللہ الرحمن الرحیم

موت کے بعد زندگی

الحمد للہ و کفی و سلام علی عبادہ الذین اصطفی امابعد

قال اللہ تعالی منہا خلقنا کم و فیہا نعید کم و منہا نخر جکم تارۃ

اُخریٰ صدق اللہ العظیم .

محترم حضرات! اللہ تعالیٰ کی ذات وصفات کے علم کے بعد دوسرا بڑا علم جو انبیاء دنیا کو عطا کرتے ہیں اور جو ان کے بغیر کسی اور ماخذ سے قطعاً حاصل نہیں ہو سکتا، وہ یہ علم ہے کہ انسان مر کر دوبارہ زندہ ہوگا اور یہ عالم ٹوٹ پھوٹ کر دوبارہ بنے گا۔ اس دوسری زندگی میں انسان کو اپنی پہلی زندگی کا حساب و کتاب دینا ہوگا۔ اس دنیا کی زندگی میں جو کچھ کیا ہے وہ اس کے سامنے آئے گا،

انسان کے پاس اس علم کے حصول کے لئے انبیاء کے سوا کوئی ذریعہ نہیں، انسان کے پاس علم کے اخذ کرنے کی جو طاقتیں ہیں، ان سے نہ یہ علم ابتداءً حاصل کیا جا سکتا ہے اور نہ اس کی تردید کی جا سکتی ہے، حواس، عقل، تجربہ اور ان کے علاوہ انسان کی مخفی طاقتیں (حواس باطنی) اور اشراق و روحانیت میں سے کوئی قوت اور ماخذ ایسا نہیں ہے جس سے اس عالم کی زندگی کے علاوہ کسی اور زندگی کے وجود اور اس کی تفصیلات کو ثابت کیا جا سکے اور نہ کوئی ایسی صورت ممکن ہے کہ اس زندگی میں عالم آخرت کا مشاہدہ کیا جا سکے، یہ معلومات سب غیب سے تعلق رکھتی ہیں اور غیب کا ادراک انسان خود نہیں کر سکتا، اس کے علوم اور اس کی عقل اس کے حاصل کرنے میں انسان کی کوئی مدد نہیں کر سکتی، ان علوم اور عقل کے ذریعہ نہ اس کو ثابت کیا جا سکتا ہے اور نہ اس کی تردید کی جا سکتی ہے۔

انسان کے لئے دو ہی باتیں باقی رہ جاتی ہیں یا انبیاء پر اعتماد کر کے اور ان کے دعویٰ کی صداقت کے شواہد و قرائن دیکھ کر ان کے بیان کی تصدیق یا بغیر کسی علمی ثبوت اور دلیل کے اس کا انکار۔ اللہ تعالیٰ خود قرآن پاک میں ارشاد فرماتا ہے:

''آپ کہہ دیجئے کہ جو مخلوقات بھی آسمانوں اور زمین میں ہیں ان میں سے کسی کو بھی غیب کا علم نہیں سوا اللہ کے (اور اسی لئے) انہیں معلوم نہیں کہ وہ کب اٹھائے جائیں گے بلکہ آخرت کے بارے میں ان کی سمجھ بالکل عاجز ہوگئی ہے بلکہ وہ اس کے بارے میں دھوکے میں ہیں بلکہ وہ اس سے بالکل اندھے ہیں۔'' (نمل ۶۵)

لیکن جیسا کہ اوپر کہا گیا ہے اس پیش آنے والی حقیقت کے شواہد (آیات) اور اس کے وجود کے امکانات اس دنیا میں اور اس زندگی میں ملتے ہیں جن سے انسان یہ قیاس کر سکتا ہے کہ یہ واقعہ ہر طرح ممکن ہے اور اس میں کوئی عقلی اشکال نہیں ہے۔

اس کا ایک بڑا قرینہ اور اس کا ایک شاہد خود انسان کی پیدائش اور اس کی زندگی ہے۔ اس نے عدم سے وجود تک، پھر وجود کے بعد تکمیل وجود تک کتنے منازل طے کئے ہیں۔ اسنے مٹی سے نطفے، نطفے سے جمے ہوئے خون کی یا جونک کی شکل اختیار کی، پھر ایک مشکل یا غیر مشکل گوشت کا ٹکڑا بنا، پھر ہڈیوں کا ڈھانچہ بنا، پھر اس کو گوشت کا جامہ پہنایا گیا، پھر وہ ایک دوسری مخلوق بن کر نمودار ہوا پر اس پیٹ کی اندھیری کوٹھڑی سے نکلنے کے بعد وہ کچھ مدت تک طفولیت کے گہوارہ میں رہا، پھر جوانی کے سرسبز میدان میں قدم رکھا، پھر یا تو اس کا دوسرا قدم موت کی چوکھٹ پر پڑا، یا اس کو اتنی مہلت ملی کہ زندگی کی اس بہار کو دیکھ کر اس نے بڑھاپے کی فصل خزاں بھی دیکھی اور زندگی کا الٹا سفر شروع کیا، یعنی جوانی کے بعد بڑھاپے میں پھر اس پر بچپنے کی کیفیتیں طاری ہونے لگیں، اس کی قوتوں نے ایک ایک کر کے جواب دیا، ذہن اور حافظہ نے ساتھ چھوڑا، وہ بچے کی طرح بے بس، دوسروں کی دستگیری اور خبر گیری کا محتاج ہوا۔ اس پر خود فراموشی طاری رہنے لگی، اس کے لئے ہر جانی پہچانی چیز انجانی ہوگئی۔

اس منزل پر سفر کا ایک حصہ ختم ہو گیا لیکن اس کا سفر ختم نہیں ہوا، صرف سفر کی ایک

درمیانی منزل پیش آئی جس کا نام موت اور عالم برزخ ہے

موت اک ماندگی کا وقفہ ہے
یعنی آگے چلیں گے دم لے کر

پس جس کو انسان کی اصل وحقیقت (مٹی اور پانی) اور پھر اس کا آغاز اور اس کی خلقت معلوم ہے، اس کے نزدیک مر کر زندہ ہونے میں کون سا عقلی اشکال ہے اور جس نے انسان میں اتنے انقلابات کا مشاہدہ کیا اس کے لئے ایک آخری انقلاب کو ممکن ماننے میں کیا دشواری ہے۔

یہ ہے بتایئے ! زندگی بعد موت کا دوسرا کھلا ہوا نمونہ زمین کی دوبارہ زندگی کے مناظر ہیں جو بار بار آنکھوں کے سامنے آتے رہتے ہیں، یہ زمین جس کے سینہ میں ہزاروں پیدا ہونے والے انسان اور زندہ ہونے والے حیوانات کی زندگی کی امانتیں اور خزانے ہیں، وہ خشک و مردہ پڑی ہوتی ہے۔ اس کے ہونٹوں پر سوکھ کر پپڑیاں جم جاتی ہیں۔ وہ مٹی کا ایک بے حس و بے جان لاشہ ہوتا ہے جس میں نہ خود زندگی ہوتی ہے اور نہ کسی اور چیز کے لئے زندگی کا سامان، لیکن جب اس کے ہونٹوں پر آسمانی آب حیات کے قطرے گرتے ہیں اور اس کا حلق تر کرتے ہوئے سینہ تک پہنچ جاتے ہیں تو وہی زمین موت کی نیند سے فوراً بیدار ہو جاتی ہے۔ اس میں زندگی کی توانائی اور جوانی کی رعنائی دوڑ جاتی ہے۔ وہ گویا کہ جھومتی اور مست ہوتی ہے۔ اس کا دہانہ دولتوں، شادابیوں اور زندگی کا خزانہ اگل دیتا ہے، مہکتا ہوا سبزہ، لہلہاتی ہوئی کھیتی اور سطح زمین پر ابھرتے ہوئے اور پھیل جانے والے کیڑے اور حشرات زمین کی اندرونی زندگی اور حیات بخشی کا پتہ دیتے ہیں، برسات اور بہار کے موسم میں زمین کی اس زندگی کا منظر کس نے اپنی آنکھوں سے نہیں دیکھا؟

زندگی بعد موت کے شواہد و مناظر ہر جگہ دیکھے جاسکتے ہیں اور ہر ایک ان کو دیکھ سکتا ہے۔ البتہ جو شخص تشریح اجسام اور زمین کے احوال و تغیرات سے زیادہ واقف ہے اور جس نے نباتات وحیوانات کے ظہور و نشو ونما کا مطالعہ کیا ہے اس کے لئے اس کی تصدیق

اور بعثت بعد الموت سے قیاس کا زیادہ موقع ہے۔ اس لئے قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے جا بجا ان دونوں حقیقتوں کو حیات بعد الممات کے ثبوت کے لئے پیش کیا ہے اور ان کی طرف توجہ دلائی ہے۔ ایک جگہ فرماتا ہے۔

''اے لوگو اگر تم کو قیامت کے بارے میں شک ہے تو (غور کرو کہ) ہم نے تم کو بنایا ہے مٹی سے، پھر نطفہ سے، پھر بندھے ہوئے خون سے پھر گوشت کے مشکل یا غیر مشکل ٹکڑے سے تاکہ ہم اپنی قدرت تمہارے لئے ظاہر کریں اور ہم ٹھہرا دیتے ہیں جس نطفہ کو چاہیں رحم میں ایک مقررہ مدت تک پھر نکالتے ہیں تم کو بچہ بنا کر تاکہ پھر تم پہنچو پوری جوانی کو اور بعضے تم میں وہ ہوتے ہیں جو اٹھا لئے جاتے ہیں (جوانی ہی میں) اور بعضے وہ ہوتے ہیں جو پہنچائے جاتے ہیں (بڑھاپے والی) نکمی عمر تک (جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ) علم وفہم حاصل کرنے کے بعد وہ پھر (سٹھیا کر) بے علم ہو کر رہ جاتا ہے (اور دوسری دلیل یہ ہے کہ) تم دیکھتے ہو زمین کو خشک پھر جب ہم نازل کرتے ہیں اس پر بارش تو وہ تر وتازہ ہو جاتی ہے اور پھولتی ہے اور طرح طرح کے خوشنما سبزے اگاتی ہے۔ یہ سب اس لئے ہے کہ اللہ کی ہستی ہی حق ہے اور وہ جلائے گا مردوں کو اور وہ ہر چیز پر قادر ہے اور یقیناً قیامت آنے والی ہے۔ اس میں کوئی شخص نہیں اور یقیناً اللہ تعالیٰ اٹھائیں گے قبر والوں کو۔'' (حج ع ۱)

دوسری جگہ فرمایا گیا:

''اور ہم نے بنایا انسان کو مٹی کے خلاصے سے، پھر رکھا ہم نے نطفہ بنا کر ایک محفوظ مقام میں (یعنی رحم مادر میں) پھر بنا دیا ہم نے اس نطفہ کو منجمد خون پھر کر دیا ہم نے اس جمے ہوئے خون کو گوشت کا ٹکڑا، پھر بنائی ہم نے اس مضغہ گوشت میں ہڈیاں، پھر جامہ پہنایا ہم نے ہڈیوں کو گوشت کا پھر ہم نے (اس میں روح ڈال کر) ایک نئی مخلوق بنا دیا، پس بڑی شان ہے اللہ کی جو تمام صناعوں سے بڑھ کر ہے۔ پھر تم سب اس کے بعد یقیناً مرو گے اور پھر قیامت کے دن یقیناً زندہ کر کے اٹھائے جاؤ گے۔'' (مومنون ع ۱۰)

زمین کی زندگی اور پانی کی جاں نوازی کی کیفیت قرآن نے اپنے معجزانہ الفاظ میں

جا بجا بیان کی ہے۔

"اللہ ایسا قادر و حکیم ہے کہ وہ بھیجتا ہے ہوائیں، پھر وہ اٹھاتی ہیں بادل پھر وہ اس کو پھیلا دیتا ہے فضائے آسمانی میں جیسے چاہتا ہے اور کر دیتا ہے اس کو ٹکڑے ٹکڑے، پھر تم دیکھتے ہو مینہ کو نکلتا ہے اس کے درمیان سے پس جب پہنچا دیتا ہے وہ بارش اپنے بندوں میں جن کو چاہتا ہے تو وہ خوشی کرنے لگتے ہیں، حالانکہ اس بارش کے نزول سے پہلے وہ ناامید ہوتے ہیں، دیکھو اللہ کی رحمت کے آثار تو دیکھو وہ کیسے زندگی بخش دیتا ہے زمین کو اس کی مردنی کے بعد، بے شک یہی اللہ جلانے والا ہے مردوں کو اور وہ ہر چیز پر قادر ہے۔" (روم ع ۵)

اللہ تعالیٰ دوسری جگہ فرماتے ہیں

"اور اللہ ہی ہے جس نے بھیجی ہوائیں، پس وہ اٹھاتی ہیں بادل کو، پھر ہم ہانک دیتے ہیں اس کو کسی بے جان شہر کی طرف، پھر ہم اس کے ذریعہ زندہ کر دیتے ہیں زمین کو اس کی مردگی کے بعد، بس ایسے ہی ہوگا حشر نشر۔" (فاطر ع ۲)

"اور اس کی کھلی نشانیوں میں سے یہ ہے کہ تم دیکھتے ہو زمین کو بے جان خشک آثار حیات سے خالی، پھر جب ہم اس پر برسا دیتے ہیں پانی تو وہ تر و تازہ ہو جاتی ہے اور پھولتی ہے، یقیناً وہی اللہ جس نے زمین مردہ کو یہ زندگی بخشی وہی دوبارہ زندہ کرنے کا مردوں کو اور وہ ہر چیز پر قادر ہے۔" (فصلت ع ۵)

اللہ تعالیٰ نے مزید وضاحت کرتے ہوئے ارشاد فرمایا:

"اور وہ اللہ جس نے برسایا آسمان سے پانی ایک خاص مقدار میں پھر اس سے ذریعہ زندگی بخشی کسی مردہ علاقہ کو، بس ایسے ہی تم مرنے کے بعد اٹھائے جاؤ گے۔"

(زخرف ع ۱)

ان دو نشانیوں اور کھلے ہوئے دو نمونوں کے علاوہ بھی کائنات کی یہ عظیم و وسیع کارگاہ زندگی بعد الموت کے نمونے اور منظر دن رات پیش کرتی رہتی ہے۔ یہاں دمبدم بن کر چیزیں بگڑتی اور ٹوٹ پھوٹ کر بنتی رہتی ہیں، ایک بے جان و بے شعور چیز سے اچھی

خاصی جیتی جاگتی ذی حیات ہستی اور ایک اچھی خاصی جاندار ہستی سے بالکل بے جان اور مردہ چیز برآمد ہوتی ہے۔ بہت سی اشیاء سے ان کے متضاد آثار ونتائج کا ظہور ہوتا ہے۔ بہت سی مخلوقات میں طاقت کا اعادہ اور زندگی کی بازگشت ہوتی رہتی ہے جس نے خالق کائنات کی اس لا انتہا قدرت، مخلوقات کی ابتدائی خلقات اور تکوین وتخلیق کی وسعت کا پہلے بھی مطالعہ کیا ہے اس کو ایک لمحہ کے لئے بھی حیات بعد الموت میں شک نہیں ہو سکتا اور اس کے لئے اس میں قطعاً کوئی عقلی اشکال نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ کا صاف ارشاد ہے

’’کیا ان لوگوں نے نہیں دیکھا کہ اللہ تعالیٰ کس طرح اول بار پیدا کرتا ہے مخلوق کو، پھر وہ ان کو دوبارہ پیدا کرے گا۔ یہ چیز اللہ کے لئے بہت آسان ہے۔ آپ ان سے کہئے کہ ملک میں چلو پھرو دیکھو کہ اللہ نے خلقت کو کس طرح پہلی دفعہ پیدا کیا ہے، پھر وہی اللہ آخری بار بھی پیدا کرے گا۔ یقیناً اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے۔‘‘ (عنکبوت ع۱)

’’نکالتا ہے اللہ زندہ کو مردہ سے اور نکالتا ہے مردہ کو زندہ سے اور زندگی بخشتا ہے زمین کو مردگی کے بعد پس ایسے ہی قیامت میں تم اٹھائے جاؤ گے۔‘‘ (روم ع۲)

اللہ تعالیٰ کے لحاظ سے کسی چیز کو نیست سے ہست کرنا اور پھر اس کو دوبارہ زندگی بخشنا دونوں یکساں طور پر آسان ہیں لیکن انسان کے لحاظ سے کسی چیز کا دوبارہ بنانا اس کے پہلی دفعہ بنانے سے بہر حال زیادہ آسان ہے اس نے جس نے ایک بار خدا کی صفت خلق کا اعتراف کیا اس کے لئے اس صفت کے دوبارہ ظہور کا اعتراف کرنا بالخصوص جب کہ وہ مخلوق بالکل معدوم نہ بھی ہوئی ہو کچھ مشکل نہیں ہے۔

’’وہی ہے جو اول بار پیدا کرتا ہے پھر وہی دوبارہ پیدا کرے گا اور یہ دوبارہ پیدا کرنا اس کو زیادہ آسان ہے اور آسمان وزمین میں اس کی شان سب سے اعلیٰ ہے اور وہ زبردست (قادر مطلق) اور حکمت والا ہے۔‘‘ (روم ع۳)

’’کیا قیامت کا انکار کرنے والا انسان اس حقیقت کو نہیں جانتا کہ ہم نے اس کو ایک حقیر نطفہ سے بنایا ہے سو اب وہ کھل کر اعتراض کرنے لگا ہے۔ اس نے ہماری شان میں ایک

عجیب بات کہی اور اپنی پیدائش کو بھول گیا، اس نے کہا کہ کون زندہ کرے گا مردہ ہڈیوں کو جب کہ وہ بوسیدہ ہو جائیں گی۔ آپ کہئے کہ جس نے ان کو پہلی دفعہ بنایا تھا وہی ان کو دوبارہ زندہ کرے گا اور وہ ہر طرح کی تخلیق کو خوب جانتا ہے وہی ہے جو اپنی قدرت سے تمہارے لئے ہرے درختوں سے آگ نکالتا ہے۔ پھر تم اس سے آگ سلگاتے ہو۔ تو کیا جس نے زمین و آسمان پیدا کئے ہیں وہ اس پر قادر نہیں ہے کہ ان جیسے پھر پیدا کر دے؟ کیوں نہیں، وہ تو بہت پیدا کرنے والا خوب جاننے والا ہے، اس کی شان تو یہ ہے کہ جب وہ کسی چیز کو بنانا چاہتا ہے تو اس کو کہتا ہے کہ ہو جا، پس وہ ہو جاتی ہے۔ پس پاک ہے وہ ذات جس کے قبضہ قدرت میں ہر چیز کا اختیار ہے اور تم سب اسی کی طرف لوٹو گے۔'' (یس ع۵)

''اور اللہ نے ایک خاص طور پر تم کو زمین سے پیدا کیا ہے۔ پھر وہ تم کو بعد مرگ اسی زمین میں لے جاوے گا۔ پھر قیامت میں وہی تم کو اس سے باہر لے آوے گا۔'' (نوح ع۱)

قدرت اور حکمت کے عجائبات سے واقف ہے اس کے لئے یہ کیا عجیب چیز ہے۔ (ترجمہ) ''کیا ان لوگوں کو اس کا علم نہیں ہے کہ جس اللہ نے زمین و آسمان پیدا کئے ہیں اور ان کی تخلیق سے وہ تھکا نہیں، وہ ضرور اس کی قدرت رکھتا ہے کہ مردوں کو زندہ کرے بے شک وہ ہر چیز پر قادر ہے۔'' (احقاف ع۴)

قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد بھی ہے کہ:

''کیا ان لوگوں نے اپنے اوپر کی جانب آسمان کو نہیں دیکھا، ہم نے اس کو کیسا بنایا ہے اور (روشن ستاروں سے) اس کو رونق بخشی ہے اور اس میں کوئی رخنہ تک نہیں ہے۔ اور زمین کو ہم نے پھیلایا اور اس میں پہاڑ جمائے اور طرح طرح کے خوشنما سبزے اگائے۔ اس میں ہر رجوع ہونے والے بندے کے لئے بینائی اور دانائی کا سامان ہے اور ہم نے آسمان سے برکتوں والا پانی برسایا، پھر اس کے ذریعہ باغات اور کھیتی کا غلہ پیدا کیا، اور لمبی لمبی کھجوریں جن کے گچھے خوب گندھے ہوئے ہیں، یہ سب بندوں کی روزی

کے لئے اور ہم نے اس کے ذریعہ مردہ شہر کو زندگی بخشی، بس ایسے ہی ہوگا حشر نشر۔"

انسانی خلقت کے متعلق اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے

"ہم نے تم کو پہلی بار پیدا کیا، پھر تم (دوبارہ ہمارے پیدا کرنے کی) کیوں تصدیق نہیں کرتے اچھا تو یہ بتاؤ کہ تم جو عورتوں کے رحم میں مادۂ تولید پہنچاتے ہو تو تم اس کو آدمی بناتے ہو یا ہم بناتے ہیں۔ ہم نے تمہاری موت کے اوقات مقرر رکھے ہیں اور ہم اس سے عاجز نہیں ہیں کہ تم جیسے اور آدمی پیدا کردیں اور تم کو ایسی صورت میں بنا دیں جس کو تم جانتے بھی نہیں اور جب تم کو اول پیدائش کا علم ہے پھر تم (اسی سے دوبارہ پیدائش کو) کیوں نہیں سمجھ لیتے۔ اچھا پھر یہ تو بتاؤ کہ تم جو زمین میں تخم ڈالتے ہو تو تم اس کو اگاتے ہو یا ہم اگاتے ہیں، اگر ہم چاہیں تو اس کو چورا چورا کردیں جس سے تم متحیر ہو رہ جاؤ اور کہنے لگو کہ ہم پر تو تاوان پڑ گیا، ہم تو بالکل محروم رہ گئے، اچھا یہ تو بتاؤ کہ جو پانی تم پیتے ہو کیا تم نے اس کو بدلیوں سے اتارا ہے یا ہم اس کو برساتے ہیں، اگر ہم چاہیں تو اس کو کڑوا کر ڈالیں، تو تم شکر کیوں نہیں کرتے، اچھا یہ تو بتاؤ کہ جو آگ تم سلگاتے ہو کیا تم نے اس کے درخت کو پیدا کیا ہے یا ہم پیدا کرنے والے ہیں۔" (واقعہ ع۲)

"معاد پر یقین نہ رکھنے والا انسان کیا یہ گمان کرتا ہے کہ وہ یوں ہی مہمل چھوڑ دیا جائے گا (اور اس کا کوئی خاص مستقبل نہ ہوگا) کیا وہ پہلے ایک قطرۂ منی نہ تھا جو رحم مادر میں ٹپکایا گیا، پھر وہ منجمد خون ہوگیا، پھر اللہ نے اس پر صورت گری کی اور اس کے اعضاء درست کئے۔ پھر اس سے دو قسمیں بنائیں مرد اور عورت تو کیا۔ جس اللہ نے یہ سب کچھ اپنی قدرت سے کیا وہ اس پر قادر نہیں ہے کہ مردوں کو پھر زندہ کرے۔" (قیامہ ع۲)

میرے بھائیو اور دوستو! اس عالم پر تفکر کی نظر ڈالنے اور اس مجموعہ کائنات کو بحیثیت مجموعی اور اس کے اجزاء کو فرداً فرداً اور بامقصد پانے سے انسان کا اندرون اور اس کا وجدان سلیم خود شہادت دیتا ہے کہ اس عالم کے بعد ایک دوسرا عالم اور اس زندگی کے بعد ایک دوسری زندگی ہونی چاہئے جو اس عالم اور زندگی کا تتمہ ہو جس میں اس زندگی کے اعمال کے نتائج ظاہر ہوں، اگر یہ عالم اور زندگی نہیں تو انسان کی خلقت ایک فعل عبث

اور یہ سارا کارخانہ بے مقصد اور بے غایت ہے، اسی لئے اللہ تعالیٰ نے انسان کی فطرت سلیم کو مخاطب کیا ہے اور فرمایا ہے

(ترجمہ) ''کیا انسان خیال کرتا ہے کہ وہ یوں ہی بیکار چھوڑ دیا جائے گا۔'' (قیامہ ۳۶)

''کیا تمہارا گمان ہے کہ ہم نے تمہیں فضول و عبث پیدا کیا ہے اور تم ہماری طرف نہیں لوٹو گے۔'' (مؤمنون)

زمین و آسمان کے متعلق فرمایا

''اور ہم نے زمین و آسمان اور ان کے درمیان کی کائنات کو بیکار اور بے مقصد نہیں پیدا کیا ہے اور ہم نے زمین و آسمان اور ان کے درمیان کی کائنات کو کھیل تماشے کے طور پر نہیں بنایا ہے۔'' (الدخان)

زمین و آسمان اور ان کے عجائبات پر غور کرنے سے انسان کا ضمیر خود شہادت دیتا ہے اور اس کی زبان خود اس کا اعتراف کرتی ہے۔

''آسمان و زمین کی تخلیق میں اور یکے بعد دیگرے دن رات کی تبدیلی میں ان عقل و خرد والوں کے لئے بڑی نشانیاں ہیں جو کھڑے بیٹھے اور لیٹنے کی حالت میں اللہ کو یاد کرتے اور یاد رکھتے ہیں، اور زمین و آسمان کی تخلیق کے بارے میں غور و فکر کرتے رہتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اے ہمارے پروردگار تو نے اس کارخانہ عالم کو عبث اور بے مقصد پیدا نہیں کیا ہے۔ تیری ذات پاک ہے۔ پس تو ہم کو دوزخ کے عذاب سے بچا، تو نے جس کو دوزخ میں ڈالا اس کو رسوا کر دیا اور ظالموں کا کوئی مددگار نہیں۔'' (آل عمران)

ایمان بالآخرت کے خواص:

ایک مستحکم اور راسخ عقیدہ ایک تخم اور بے عیب تخم کی طرح ہے، جب دل کی زمین میں یہ تخم پڑ جائے اور زمین اس کو قبول کر لے اور پھر اس کی آبیاری اور خدمت بھی ہو تو اس سے ایک سرسبز پودا ظاہر ہوتا ہے، پھر وہ ایک درخت کی شکل اختیار کر لیتا ہے جو پوری زندگی کو اپنے سایہ میں لے لیتا ہے۔

ایمان بالآخرت بھی ایک تخم ہے جو اپنے ذاتی خواص رکھتا ہے۔ جب اس کا صحیح اور طبعی نشو و نما ہو جاتا ہے تو پھر اخلاق و اعمال، سیرت و کردار، رفتار و گفتار کوئی چیز اس کے اثر سے خارج نہیں ہوتی، ایک معتقد آخرت اور منکر آخرت کی زندگی اور سیرت میں وہی فرق ہوتا ہے جو مختلف بیجوں سے پیدا ہونے والے درختوں کی شاخوں، پتوں اور پھولوں میں ہوتا ہے۔ معتقد آخرت کی نفسیت و مزاج، اس کی عقلیت، اس کے اخلاق، سب منکر آخرت سے مختلف ہوتے ہیں۔ یہ دو بالکل مختلف سانچے ہیں جن سے دو بالکل مختلف قسم کی بستیاں ڈھل کر نکلتی ہیں۔

ان دونوں میں اصولی اور مرکزی فرق یہ ہوتا ہے کہ معتقد آخرت عاجل کے مقابلہ میں آجل، نقد کے مقابلہ میں قرض، مسرت فانی کے مقابلہ میں راحت جاودانی کا طلب گار ہوتا ہے۔ قرآن مجید نے اس اصولی فرق کو اپنی آیات میں بار بار واضح کیا ہے اور اہمیت کے ساتھ اس کو پیش کیا ہے، دنیا کو وہ عاجلہ کہتا ہے اور موت کے بعد کی زندگی کو وہ آخرت کہتا ہے اور دونوں میں وہ انتخاب کی اجازت دیتا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

''جو شخص دنیا ہی کی نعمت چاہے تو ہم جتنا چاہیں گے اور جس کے واسطے چاہیں گے اس کو دنیا ہی میں فی الحال دے دیں گے اور پھر ہم اس کے واسطے تجویز کریں گے جہنم جس میں وہ بدحال اور راندۂ درگاہ ہو کر داخل ہوگا اور جو کوئی آخرت کا ثواب اور اس جہان کی خوش عیشی چاہے گا اور اس کے واسطے اس کی والی کوشش کرے گا اور شرط یہ ہے کہ وہ مومن بھی ہو تو ان کی کوشش مقبول ہوگی۔'' (بنی اسرائیل ع ۲)

یہ دو مختلف قسم کی کھیتیاں ہیں، ایک کھیتی جو ابھی بوئی جائے اور آخرت میں کاٹی جائے، دوسری جو فوراً بوئی جائے اور فوراً کاٹ لی جائے۔ قرآن مجید نے جہاں دونوں کھیتیوں کا ذکر کیا ہے۔ ہاں ایک بڑا لطیف فرق رکھا ہے، فرمایا ہے کہ جو آخرت کی کھیتی چاہے گا ہم اس میں برکت عطا فرمائیں گے اور جو دنیا کی کھیتی چاہے گا ہم اس کو اس میں سے دے دیں گے، یعنی ایک کا نتیجہ فوراً ظاہر ہو جائے گا اور دوسرے کے نتیجہ کے لئے انتظار کرنا پڑے گا۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں

''جو کوئی آخرت کی کھیتی کا ارادہ کرے گا تو ہم اس کی کھیتی میں برکت دیں گے اور جو دنیا ہی کی کھیتی کو مقصد بنائے گا، ہم اس کو اس میں سے کچھ نہ کچھ دے دیں گے اور آخرت میں اس کا کوئی حصہ نہ ہوگا۔'' (شوریٰ ع ۳)

منکر آخرت کی اس عاجلانہ اور مستعجلانہ ذہنیت کو صاف صاف بیان کیا گیا ہے:

''ہرگز نہیں تم تو بس دنیا کو چاہتے ہو اور آخرت کو چھوڑے ہوئے ہو۔'' (قیامۃ ع ۱)

''یقیناً یہ لوگ دنیا کے متوالے ہیں اور اپنے آگے آنے والے بڑے بھاری دن کا خیال چھوڑے ہوئے ہیں۔'' (دہر ع ۳)

انہیں لوگوں کے متعلق فرمایا گیا ہے:

''پھر ان کے بعد ان کے وہ جانشین آئے جو کتاب (توراۃ) کے وارث ہوئے اور (اس کے ذریعہ) اس دنیائے فانی کی دولت حاصل کرنے لگے (یعنی کتاب اللہ کے علم کو انہوں نے دنیاوی کمائی کا ذریعہ بنایا) اور (اس کو معمولی گناہ سمجھتے ہوئے) انہوں نے کہا کہ ہماری بخشش ہو ہی جائے گی اور (درحقیقت ان کا حال یہ ہے کہ) اگر ان کو ایسی دولت (اللہ پر افترا پردازی کرکے بھی) حاصل ہو تو وہ اس کو لے لیں گے۔ کیا ان سے اس کتاب کا یہ عہد نہیں لیا گیا ہے کہ اللہ کے متعلق بجز حق کے کچھ نہ کہیں اور انہوں نے اس کتاب کے احکام کو پڑھا بھی ہے اور آخرت پرہیزگاروں کے لئے بہتر ہے۔ کیا تم اس کو سمجھتے نہیں۔'' (اعراف)

دونوں کے منتہائے نظر اور مطلوب میں بھی فرق ہوتا ہے۔ قرآن کریم میں ہے کہ

''اور بعضے آدمی ایسے ہی جو دعا کرتے ہیں کہ اے رب ہم کو دنیا ہی میں دے دے اور ان کے لئے آخرت میں کوئی حصہ نہیں، اور بعضے وہ ہیں جو یوں دعا کرتے ہیں کہ ہمارے رب ہم کو دنیا میں بھی اچھی زندگی دے اور آخرت میں بھی اچھی زندگی عطا فرما اور دوزخ کے عذاب سے ہم کو بچا۔'' (بقرہ ع ۲۵)

زندگی اور دنیا کے متعلق دونوں کا تخیل اور نقطہ نظر ایک دوسرے سے اصولی طور پر مختلف ہوتا ہے، ایک کہتا ہے:

''اے میری قوم! یہ دنیا تو بس ایک کھیل تماشا ہے اور آخرت ہی اصل ٹھکانے کا گھر ہے۔''

دوسرا کہتا ہے:

''یہاں میرے لئے بس یہ دنیوی زندگی ہی ہے اور ہمیں اسی دنیا میں مرنا اور جینا ہے اور ہم دوبارہ زندہ نہیں کئے جائیں گے۔'' (مومنون)

آخرت کے عقیدے کے ساتھ تکبر، ذاتی رفعت کا شوق اور زمین میں فتنہ وفساد اور تخریب کا جذبہ جمع نہیں ہوسکتا۔ ان مقاصد واخلاق کو اس عقیدے کے مزاج سے کوئی مناسبت نہیں، اللہ تعالی نے صاف کہہ دیا ہے:

''آخرت کا یہ گھر (جنت اور اس کی نعمتیں) ہم ان لوگوں کے لئے مخصوص کرتے ہیں جو زمین میں اپنی بڑائی اور فساد انگیزی نہیں چاہتے اور اچھا انجام صرف پرہیزگاروں کے لئے ہے۔'' (سورۂ قصص پ ۲۰)

اسی لئے ایک معتقد آخرت کی زندگی میں ذاتی سربلندی کا جذبہ پیدا نہیں ہوتا، اس سے حکومت واقتدار کی حالت میں بھی بندگی اور نیازمندی کی خو نہیں جاتی۔ بلکہ جس قدر اس کی گردن فراز ہوتی ہے اسی قدر اس کا سر نیاز جھکتا ہے اس کو جب طاقت اور دولت حاصل ہوتی ہے تو وہ ایک منکر آخرت (قارون) کی طرح نہیں پکار اٹھتا کہ:

''مجھے یہ اپنے ہنر اور اپنی دانش سے حاصل ہوئی ہے۔'' (زمر پ ۲۴)

بلکہ ایک خداشناس اور معتقد آخرت بندے (سلیمان) کی طرح کہتا ہے:

''یہ میرے پروردگار کی بخشش ہے تاکہ وہ مجھے آزمائے کہ میں شکر کرتا ہوں یا ناشکری۔'' (النمل پ ۱۹)

وہ جب اپنے ہاتھوں کو کھلا ہوا اور اپنی سلطنت کو پھیلی ہوئی دیکھتا ہے تو وہ اس پر ایک خدافراموش بادشاہ (فرعون) کی طرح یہ نہیں کہہ اٹھتا:

''کیا ملک مصر اور اس پر حکومت میری نہیں ہے اور یہ نہریں میرے نیچے بہہ رہی ہیں۔''

(زخرف پ ۲۵)

''کون مجھ سے زیادہ طاقتور ہے۔'' (مومن پ۲۴)

بلکہ ایک پیغمبر بادشاہ کی طرح اس کا دل حمد سے لبریز اور اس کی زبان شکر سے زمزمہ سنج ہو جاتی ہے اور بے اختیار ہو کر کہتا ہے:

''خداوند! مجھے توفیق دے اور میرے لئے مقدر کر دے کہ میں تیرے ان انعامات کا شکر کروں جو تو نے مجھ پر اور میرے والدین پر فرمائے اور یہ کہ میں ایسے نیک عمل کروں جو تجھے پسند ہوں اور اپنی رحمت سے مجھے (اپنے نیک بندوں میں شامل کر۔ (سورۂ نمل پ۱۹)

وہ دنیا کی اس حکومت پر مطمئن اور قانع نہیں ہوتا، وہ جانتا ہے کہ اصل عزت آخرت کی عزت ہے اور اصلی دولت خدا کی سچی غلامی کی دولت ہے۔ اس لئے وہ خدا کے انعامات کے شکر کے ساتھ جس آخری چیز کی خواہش کرتا ہے وہ یہ ہے کہ دنیا سے ایک سچے فرماں بردار کی طرح اٹھے اور خدا کے نیک بندوں میں شامل ہو۔ حضرت یوسف کہتے ہیں:

''اے پروردگار تو نے مجھے بادشاہت دی اور خوابوں کی تعبیر کا علم اور اس کے ذریعہ حقائق فہمی بھی عطا فرمائی، زمین و آسمان کے پیدا کرنے والے تو ہی دنیا اور آخرت میں میرا کارساز ہے۔ اب تو مجھے اسلام کی حالت میں دنیا سے اٹھا لے اور صالحین کے ساتھ شامل کر دے۔ (سورۂ یوسف پ۱۳)

معتقد آخرت دنیا کی رسوائی کے مقابلہ میں آخرت اور میدان حشر کی رسوائی سے زیادہ ڈرتا ہے، وہ اس کے تصور سے لرزاں رہتا ہے۔ حضرت ابراہیم کی دعا ہے:

''خداوند! مجھے اس دن رسوا نہ کرنا، جب کہ لوگ دوبارہ اٹھائے جائیں گے۔ جس دن کہ مال و اولاد کچھ کام نہ آویں گے اور بس وہی لوگ (اس دن کی رسوائی سے بچیں گے) جو قلب سلیم لے کر آئیں گے۔'' (پ۱۹ سورہ شعراء)

اللہ تعالیٰ ہماری آخرت سنوار دے آمین اسی دعا پر آپ سے اجازت چاہتا ہوں۔

و آخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین

آج دنیا پر خود غرضی اور بداخلاقی کا مانسون چھایا ہوا ہے اسے چادروں سے روکا نہیں جا سکتا

یہ تقریر ۱۵ جنوری ۱۹۵۴ء کو جون پور کے ٹاؤن ہال میں کی گئی، شہر کا تعلیم یافتہ اور چیدہ مجمع تھا، کثیر تعداد میں غیر مسلم اصحاب اور مختلف سیاسی جماعتوں اور انتظامی اداروں کے لوگ بھی موجود تھے۔

الحمد لله رب العالمين والصلوة والسلام على اشرف الانبياء والمرسلين وعلى آله واصحابه اجمعين ومن تبعهم باحسان ودعىٰ بدعوتهم الى يوم الدين اما بعد :

دوستو اور بھائیو! زمانہ کی ایک ریت ہے، وہ ایک لکیر سی بن گئی ہے، اس سے ہٹ کر کوئی کچھ کرے یا کہے تو تعجب ہوتا ہے، ہم اس زمانہ کے رواج کے خلاف آپ کے شہر میں آئے اور عام دستور کے خلاف یہ جلسہ کر رہے ہیں، اس کا نہ کوئی صدر ہے نہ کوئی تحریک، نہ کوئی تجویز، تعارفی تقریر بھی ہمارے دستور کے خلاف ہوئی، ہمارے عزیز دوست نے اپنی محبت سے ہمارے متعلق بہت کچھ کہا، ہمارے منہ پر ہماری تعریف کچھ کھلتی نہیں، یہ واقعہ ہے، ساتھ ہی ہمیں ان کی محبت کا اعتراف ہے، ہم آپ کے پاس حاضر ہوئے، ہمارے ساتھ ہمارے ۷۰ سے اسی ۸۰ ساتھی اور بھی، ہم نے کوئی کمال کی بات نہیں کی، خود ہمارے اس ملک میں اور اس کے باہر لوگوں نے تن من دھن سے انسانیت کی خدمت کی ہے، ہمیں انسانیت کے ان محسنوں کی خدمات کو دیکھ کر شرم آتی ہے، جنہوں نے بے نام ونشان رہ کر بغیر کسی انجمن اور کمیٹی کے انسانیت کی ٹھوس خدمت کی، خدا بھلا کرے یورپ کا کہ اب انجمن اور کمیٹی صدر اور تعارف کے بغیر سمجھ میں نہیں آتا کہ کوئی کام کیا

جا سکتا ہے، ہم نے کیا کیا؟ ہم یہاں محض مالک کی توفیق سے آئے اور مالک کی عطا کی ہوئی زبان سے ہم بول رہے ہیں۔

مجھے آپ سے بے تکلف بات کرنی ہے، مجھے یہ بھی اچھا نہیں لگتا کہ یہ مائیکروفون ہمارے آپ کے درمیان حائل ہو اور اس کا احسان لیا جائے، مگر مجبوری ہے، اور بیٹھ گیا ہوں، تاکہ اپنے بھائیوں کو اچھی طرح دیکھ سکوں، ورنہ میں اس وقت جو کہوں گا گھر کی سی بے تکلف بات ہوگی، آپ اس گھر کی بے تکلف مجلس ہی سمجھئے۔

آوے کا آوا بگڑا ہوا ہے

حضرات! مجھے آپ سے جس مسئلہ پر کچھ کہنا ہے، وہ ہمارا آپ کا مشترک مسئلہ ہے، مسائل بہت ہیں، ایک ایک مسئلہ کو الگ الگ پھٹکل سوچیں تو بہت دیر لگے گی اور بات بہت دور تک پہنچ جائے گی، یہ زندگی کا بڑا دردناک سانحہ ہے کہ یہاں آوے کا آوا ہی بگڑا ہوا ہے، اس خرابی کی جڑ کیا ہے، اس پر ہاتھ رکھنا ہے۔

آپ میونسپلٹی کے واٹر ورکس (WATER WORKS) کے نظام سے واقف ہیں، اگر یہاں نلوں سے خراب پانی آنے لگے جو معدہ کو خراب کرے اور اس میں بیماریوں کے جراثیم ہوں تو ایک طریقہ تو یہ ہے کہ ہر شخص اپنے اپنے گھر کے نل میں کپڑا باندھ لے، چھان کر پئے یا ابال کر پئے، لیکن ہوشیاری یہ ہے کہ واٹر ورکس کو صاف اور درست کرنے کی فکر کی جائے، شہر کے منتظم (ADMINISTRATOR) سے درخواست کی جائے کہ وہ اسے درست کرے، ہم اگر کپڑا باندھ کر یا چھان کر پی لیں گے تو بہت سے راستہ چلتے، ناواقف پیاسے ہوتے ہیں، منہ لگا دیتے ہیں، اُن کی حفاظت کا کیا طریقہ ہے؟ آپ ہی فیصلہ کیجئے کہ اس میں کون سا طریقہ درست ہے؟

آج انسانیت کا واٹر ورکس خراب ہوگیا ہے، جہاں سے زندگی ابلتی ہے وہ دہانہ خراب ہوگیا ہے، زندگی کے بجلی گھر (POWER HOUSE) میں خرابی آگئی، جہاں سے سارے شہر میں بجلی تقسیم ہوتی ہے، انسانیت گھلتی پگھلتی جارہی ہے، چور بازاری، رشوت

ستانی، دھوکہ بازی کا دور دورہ ہے، آج کا انسان ان سب گندگیوں میں مبتلا ہے، آج کے فکرمند انسان ان نتائج پر جھنجھلا رہے ہیں لیکن غصہ کس پر اتارا جائے، اور اس کا ذمہ دار کس کو سمجھا جائے؟

اصل مجرم کون ہے؟:

آپ تو انسان ہیں، جانور بھی اس حقیقت کو سمجھتے ہیں کہ ان کا دشمن کون ہے؟ کتا بھی مارنے والے ہاتھ پر دوڑتا ہے، ڈھیلے سے نہیں اُلجھتا، گدھے کی بے وقوفی ضرب المثل ہے، اسے ڈھیلا ماریئے تو وہ مارنے والے ہی کے پیچھے غصہ میں دوڑے گا، وہ سمجھتا ہے خرابی کی جڑ اور مصیبت کا سرچشمہ کہاں ہے، ہم آپ جانور سے بھی گئے گذرے، شیشے کے محل میں رہتے ہیں، چاروں طرف سے ڈھیلے برس رہے ہیں، ایک ہاتھ ہے جو برسا رہا ہے، ہمیں وہ ہاتھ نظر نہیں آتا، ڈھیلے پر غصہ اتار رہے ہیں، وہ ہاتھ مطمئن ہے کہ نظر سے اوجھل ہے اور دل کھول کر ڈھیلے برسا رہا ہے، بڑے بڑے لال بجھکڑ ڈھیلوں میں اُلجھے ہوئے ہیں، انسانیت کے سدھار کے غور و فکر میں عام مفکرین (THINKERS) کا یہی حال ہے، ہر ایک کے سوچنے کا طریقہ (WAYOFTHINKING) ہوتا ہے۔

پیغمبروں کے سوچنے کا طریقہ:

میرے دوستو! ہمارے سوچنے کا طریقہ پیغمبروں کا طریقہ ہے، ہم پورے غور و فکر اور کافی تجربے کے بعد بالکل مطمئن (COONVINCE) ہو گئے ہیں کہ پیغمبر سسکتی ہوئی انسانیت کے مسائل کو جس انداز سے حل کرتے ہیں وہی صحیح طریقہ ہے، جب اس طرز پر، اس بنیاد پر کام ہوا، انسانیت کے دل کی پھانسیں نکل گئیں، آنکھوں کی سوئیاں خود بخود باہر ہو گئیں، ایسی محبت کا زمانہ آیا کہ سب طرف آرام و اطمینان ہو گیا، قرآن کہتا ہے کہ ہر ملک اور ہر قوم میں خدا کا راستہ بتلانے والے آئے، ان کی تعلیمات پر زمانہ کے پردے پڑ گئے، کچھ ہمیں علمی غرور بھی ہو گیا، ہم پڑھ لکھ گئے، اس لئے ہمیں ہزار دو ہزار برس پہلے کے طریقہ کار فرسودہ (OUT OF DATE) معلوم ہوتے ہیں اور اس طریقہ پر سوچنا ہمارے

لئے ہمارے سامنے آیا ہے، لیکن یہ حقیقت ہے کہ سورج سب سے پرانا ہے، نئی روشنی والے پرانے سورج سے آنکھیں نہیں بند کر سکتے، ہم نے پیغمبروں کا طریقہ اپنایا ہم نے انسانیت کے سدھار کا مسئلہ ان سے سیکھا۔

خودغرضی اور بداخلاقی کا مانسون:

حضرات! وہ بتاتے ہیں کہ ہر چیز کا ایک مادہ ہوتا ہے، اگر کسی چیز کا سلسلہ کوئی بند کرنا چاہے اور اس کے نتائج سے بچنا چاہے تو اس کو کوشش کرنی چاہئے کہ اس کا مادہ ہی نہ پیدا ہونے پائے آپ کو ایک عام فہم مثال دوں، گرمیوں میں سمندر میں وہ ابخرات (VAPOURS) پیدا ہوتے ہیں، وہ ابخرات اٹھتے ہیں، گرمی سے وہ تحلیل ہوتے ہیں، پہاڑوں سے ٹکراتے ہیں، اور موسلا دھار بارش بن کر برستے ہیں، ہم مانسون (MONSOON) کو چادر یا شامیانے سے نہیں روک سکتے، آج دنیا پر بداخلاقی کا مانسون چھایا ہوا ہے، یہ زرگری کا مانسون ہے، یہ خودغرضی کا مانسون ہے، نفس پرستی ہوس اور عیش پرستی کا مانسون ہے، دل کے سمندر سے خودغرضی کے ابخرات (VAPOURS) نفس پرستی کا شوق جب حد سے بڑھ جائے گا، عیش پرستی کی گرمی اسے گھلائے گی تو خودغرضی کا مانسون برسے گا، جو چادروں سے روکا نہیں جا سکتا۔

اس کا علاج:

دل کے مانسون کو روکنے کے لئے اللہ کا یقین، مرنے کے بعد اعمال کی جوابدہی کا یقین اور جزا و سزا کا یقین ضروری ہے، ایک ایسا شخص جو ان بنیادوں کو نہیں مانتا، اپنے پیدا کرنے والے، روزی دینے والے، خالق و رازق کو نہیں پہچانتا، وہ دنیا پر اقتدار حاصل کر کے اس سے فائدہ کیوں نہ اٹھائے، وہ کمزوریوں کا کیوں لحاظ کرے، وہ جانتا ہے کہ کوششوں سے اسے ایک موقع (CHANCE) ملا ہے، وہ کہتا ہے زندگی کے پورے مزے لے لو، جو لوگ کسی نہ کسی طرح اپنی چالاکی اور ہوشیاری سے اوپر آ گئے، وہ کیوں کسی کی بالادستی مانیں، کیوں کسی کے قانون کا احترام کریں اور آج کا عیش کل پر کیوں چھوڑ دیں،

اگر مجھے بھی یہ معلوم ہو کہ مرنے کے بعد کوئی زندگی نہیں اور لے دے کر یہی زندگی ہے تو پھر اس دنیا کا عیش کس دن کے لئے اٹھا رکھوں، عرب کا ایک نوجوان شاعر بڑا حوصلہ مند (AMBITIOUS) اور صاف گو تھا، وہ کہتا ہے دو قبروں کے ڈھیر برابر ہیں، اچھا وہ رہا جو خوب عیش کے مزے اڑا کر گیا، اور بڑا نامراد وہ ہے جو تکلیفیں اٹھاتا رہا، جب مرنے کے بعد دونوں کو خاک ہونا ہے اور دونوں کا انجام ایک ہے تو میں کیوں اپنی حسرتوں کا خون کروں اور کس لئے ایثار کروں، جتنا زندگی کا لطف اٹھاؤں (ENJOY) کروں میرا حق ہے۔

دوستو! ایک پرانے شاعر کا جو خدا اور آخرت کا قائل نہ تھا، فلسفہ زندگی ہے، آج ہمارے اس ترقی یافتہ دور کا بھی یہی فلسفہ زندگی ہے، آج کا فلسفہ اور تعلیم بھی یہی ہے کہ کھاؤ پیو اور مست رہو (EAT DRINK AND BEMARRY) جب زندگی کا یہ نظریہ بن جائے تو اس سے یہی کردار (CHARACTER) تیار ہوگا جو ہم دیکھ رہے ہیں۔

موجودہ حالات قدرتی اور ہماری ذہنیت وتربیت کا نتیجہ ہیں:

انبیاء کہتے ہیں کہ جس میں یقین نہ ہو، اس میں خواہشات کا جو مانسون اٹھے گا، وہ ضرور برسے گا، آج ساری دنیا پر خواہشات کے مانسون منڈلا رہے ہیں، دنیا کے لوگ کیسے عجیب ہیں، سمندر سے بخارات اٹھے خاموش رہے، ہندوستان کی طرف بڑھے خاموش رہے، ہمالیہ سے ٹکرائے تو چپ نہ بولے اب جب برس پڑے تو کپڑے بھیگنے کا گلہ ہے، آج ساری دنیا کے لال بجھکڑ امریکہ، یورپ اور روس سب اسی طرح کی بولی بولتے ہیں، دل کے بخارات کو پرورش کرتے ہیں اور جب خواہشات کے مانسون برستے ہیں تو اس پر غصہ کرتے ہیں، ہوس کے تالابوں کو برابر گراتے رہے، ساری عمر تم خواہشات کی تربیت کرتے رہے، اسی کی تعلیم دیتے رہے، تم نے برابر اسی کا استقبال و احترام کیا، جو مال و دولت میں تم سے بڑھا ہوا تھا، تمہارا (IDEAL) یہ ہے کہ جو جتنا مال دار ہے اتنا ہی اقبال مند اور قابل تعظیم ہے، تم برابر دولت کی تعریفیں کرتے رہے، تمہارا معیار شرافت مال داری ہے۔ میں کچھ عرصہ ہوا ایک صاحب سے ملنے گیا، وہ بڑی بے اتفاقی

اور لاپرواہی سے باتیں کرتے رہے، اسی اثناء میں ایک صاحب آئے جن کو میں پہچانتا نہ تھا، وہ سروقد تعظیم کے لئے کھڑے ہو گئے، اور جب تک وہ رہے، ہاتھ جوڑ کر باتیں کرتے رہے، جب وہ چلے گئے تو کہنے لگے کہ یہ بتیس روپے فیس والے ڈاکٹر صاحب ہیں، شیخ سعدی نے اپنا واقعہ لکھا ہے کہ وہ ایک دعوت میں معمولی کپڑے پہنے ہوئے چلے گئے، کسی نے ان کی بات نہیں پوچھی دوسری دفعہ وہ اچھا لباس پہن کر گئے تو کھانے پر ان کو بڑے ادب اور تپاک سے بٹھایا گیا، وہ اپنے کپڑوں پر سالن ڈالتے رہے، جب پوچھا گیا کہ آپ یہ کیا کر رہے ہیں تو فرمایا کہ دعوت تو ان کپڑوں کی ہے، انہیں کے طفیل میں کھا رہا ہوں، اس لئے انہیں کی خاطر کر رہا ہوں، میری ہوتی تو میں پہلے بھی میلے کپڑوں میں آچکا ہوں۔

آج دنیا میں یہی ہو رہا ہے، آپ نے بچے کو کب بتلایا کہ اصل شرافت اخلاق اور مدار کیا ہے، اس نے جب سے ہوش سنبھالا، آپ کا یہی رویہ دیکھا کہ جو موٹر پر آیا اس کا پرتپاک خیر مقدم کیا گیا اور جو یکہ پر آیا (گھوڑا گاڑی) اس سے بے التفاتی برتی گئی، اس نے اگر معیار شرافت اخلاق اور انسانیت کے بجائے مالداری کو سمجھا تو کیا بے جا کیا۔

میرے بھائیو! اللہ کے پیغمبر اس کے برخلاف تقویٰ کو، اخلاق کو معیار شرافت بتلاتے ہیں، حضرت عمر سے عرب کے نامی سردار ملنے آئے، ان سے کہا گیا کہ انتظار کریں، اتنے میں غریب حبشی مؤذن حضرت بلال آئے، وہ فوراً اندر بلا لئے گئے، مدینہ کے ایک دو غریب آئے بلا لئے گئے اور یہ اپنا اپنا کام بارگاہ خلافت سے پورا کرا کے واپس چلے، جیسے کوئی ابدی بات تھی، عرب کے سردار بادشاہوں کا سا دماغ رکھتے تھے، انہوں نے اسے بہت محسوس کیا، انہوں نے کہا خدا کی شان! ہمارے سامنے یہ فقیر و حقیر بلا لئے جائیں، اور ہم بیٹھے رہیں، عجب معاملہ ہے! ان میں سے ایک سمجھدار آدمی بولے ہم ترازو میں تول تول کر معاملہ کرتے ہیں، اس میں نہ ان غریبوں کا قصور ہے، نہ عمر کا، سب کو اللہ کے نام پر پکارا گیا تھا، یہ بڑھ گئے، تم بیٹھے رہ گئے، تم نے اللہ کے نام کی قدر نہیں کی، وہ آج عمر کے دربار میں تم سے زیادہ قدر والے ہیں، کل خدا کے یہاں بھی تم

سے پہلے پوچھے جائیں گے۔

جنگوں کا ذمہ دار کون ہے؟:

میرے دوستو! موجودہ طرز زندگی میں انسانیت کی بڑائی مالداری اور مادی عروج ہے، ہمارا اسٹیج، ہمارا آرٹ اور ہمارا ادب سب یہی تعلیم دیتے ہیں کہ جس کے پاس مادی وسائل زیادہ ہوں اور جو جتنا زیادہ مالدار ہو، اتنا ہی وہ شریف ہے، دولت مند ہی آدمی ہے، غریب آدمی ہی نہیں، آج دنیا میں سارا فساد اسی طرز فکر اور اسی معیار زندگی کا ہے، اس کا نتیجہ یہ ہے کہ ہر شخص جلد سے جلد مالدار بننا چاہتا ہے اور اس کے لئے جائز ناجائز سب طریقے اختیار کرتا ہے، اس لئے کہ وہ جانتا ہے کہ عزت دولت ہی سے ہے۔

گزشتہ دونوں جنگیں مال و دولت اور عزت اور وجاہت کی ہوس کا نتیجہ تھیں، میرا ٹرین میں ایک ہندو دوست سے تعارف کرایا گیا، وہ چھوٹتے ہی کہنے لگے کہ دنیا میں سارا فساد مولویوں اور پنڈتوں کا برپا کیا ہوا ہے، ان کا پیشہ ہی یہ ہے، میں نے عرض کیا کہ جی ہاں، پہلی اور دوسری جنگ مولویوں اور پنڈتوں ہی کی برپا کی ہوئی تھی، اس پر وہ خاموش ہو گئے۔ میں آپ سے کہتا ہوں کہ دنیا بھر کا خون پینے والے اور خون کی ہولی کھیلنے والے یہودی صنعت کار کارخانہ دار تھے ۱۹۱۴ء کی لڑائی میں یہودی کارخانہ داروں کا ہاتھ تھا، ان کے اسلحہ (AMMUNITIONS) کے بڑے بڑے کارخانے تھے، ان کو کھپانے کے لئے ان کو بڑی بڑی منڈیوں کی ضرورت تھی، ایک سوچی سمجھی اسکیم کے ماتحت انہوں نے سازشیں کیں، وارداتیں کیں اور ملکوں اور قوموں کو لڑا دیا، ایک کارخانہ کو چلانے کے لئے انہوں نے اتنا بڑا فساد برپا کیا کہ جس میں لاکھوں جانیں ضائع ہوئیں اور ملک کے ملک تباہ ہو گئے، بس آج قوموں کو ٹکرانے والا جذبہ یہ ہے کہ بس ہماری تجوری بھرے اور ہمارا بول بالا ہو اور ہمارا سکہ چلے، ہماری قوم سرفراز ہو، یہ بڑے پیمانہ کی خود غرضیاں سارے فتنہ وفساد کی جڑ ہیں، تہذیب یا کلچر یا زبان کا اختلاف فساد کا باعث نہیں ہوا۔ میں پوچھتا ہوں کیا ایک کلچر، ایک تہذیب اور ایک قومیت کے لوگ نہیں لڑے ہمارے یہاں

کورو پانڈے لڑ رہے ہیں، جو ایک ہی خاندان کے لوگ تھے، عرب میں قبیلہ سے قبیلہ لڑا ہے، جس کی ایک ہی زبان اور ایک ہی کلچر تھا، افغانستان میں پٹھان پٹھان سے، پاکستان میں مسلمان مسلمان سے اور یہاں ہندوستان میں ہندو ہندو سے لڑتا ہے، اس ٹکراؤ میں نفسانی اغراض کام کر رہے ہیں، خود غرضیاں ٹکرا رہی ہیں، غرض کا مذہب ٹکرا رہا ہے۔

اندر کا لاوا باہر کو پھونک رہا ہے:

پیغمبروں کا طریقہ یہ ہے کہ دل کی خرابی دور ہو، باہر جو بگاڑ ہے وہ اندر سے پھوٹ رہا ہے، اندر کا لاوا باہر کو پھونک رہا ہے، ہم سمجھتے ہیں کہ باہر کی خرابی اندر گھس گئی ہے، اور باہر کی اصلاح میں لگ گئے جس طرح ہمارے جسم پر دل کی بیماری کا اثر پڑتا ہے، اسی طرح پورے نظام زندگی پر نیتوں کے فتور اور ذہنیت کی خرابی کا اثر پڑتا ہے، پرانے قصوں میں آتا ہے کہ ایک بادشاہ سیر و شکار میں اپنے ہمراہیوں سے جدا ہو گیا اور اس کو رات ایک بڑھیا کی جھونپڑی میں گزارنا پڑی، بڑھیا نے دودھ دوہا وہ سیروں اترا، بادشاہ نے یہ ماجرا دیکھا تو اس پر ٹیکس لگانے کا ارادہ کیا، دوسرے وقت بکری کا دودھ کم ہو گیا، بادشاہ وہیں بیٹھا تھا، بڑھیا اس کو پہچانتی نہیں تھی، بڑھیا نے بڑے افسوس سے کہا کہ آج بکری کا دودھ کم ہو گیا، شاید بادشاہ کی نیت میں فتور آ گیا۔

میرے دوستو! انسان اس دنیا کا بادشاہ ہے، اس کی نیت میں فتور آ گیا، اس کا دل بگڑ گیا، اس لئے یہ سب فساد اور خرابی نظر آ رہی ہے، پیغمبر کی نظر بہت گہری ہوتی ہے، وہ کہتے ہیں دل کا پاپ دھو، دلوں کو مانجھو، دل ٹھیک کرو، دل کا بگاڑ ہی تو ہے کہ OD CONTROL ہوا، چور بازاری شروع ہو گئی اور جب قیمتوں کا کنٹرول (PRICE CONTROL) تو سامان مفقود ہو گیا اور لوگ ضرورت کی چیزوں کو ترسنے لگے، جب تک انسان کا پاپی من درست نہیں ہوتا، کچھ نہیں ہوتا، کمیونزم (COMMUNISM) نے بھی اس حقیقت کو نظر انداز کیا کہ بگاڑ اندر سے شروع ہوتا ہے، وہاں بھی من کی کوئی فکر نہیں کی گئی۔ مزدور فاقہ مستی کر رہے ہیں، وہ ان کے خون اور پسینہ پر عیش پرستی کر رہے ہیں ان کی لاشوں پر شاندار

عمارتیں تیار کر رہے ہیں، انہوں نے ایسے حالات پیدا کر دیئے کہ ہر طرف من مانی ہو رہی ہے۔

نشہ بندی کی کوشش میں امریکہ کی ناکامی:

ہماری سوسائٹی پاپی ہو گئی ہے، اس میں ظلم کا رجحان پیدا ہو گیا ہے، صرف شکوہ گلہ سے دنیا کی اصلاح نہیں ہو سکتی، دل صرف خدا کے خوف سے سدھر سکتا ہے۔ وہ صرف پیغمبروں کے بتلائے ہوئے طریقہ سے درست ہو سکتا ہے، اگر محض علم و ادب یا آرٹ اور سائنس سے درست ہو سکتا تو یورپ کا من پاپ سے بالکل پاک ہوتا، امریکہ میں نشہ بندی کا منصوبہ بنایا گیا، اس کے خلاف محاذ جنگ قائم ہوا، امریکہ نے کروڑوں روپے پانی کی طرح بہائے، ایک زبردست مہم (COMPAIGN) چلائی گئی اور ایڑی چوٹی کا زور شراب بندی پر لگا دیا گیا، اس کے خلاف اتنا زبردست اور وسیع لٹریچر تیار کیا گیا کہ اگر سب اخبارات، اشتہارات اور میگزینوں کو پھیلایا جائے تو کئی میل تک پھیل جائے، لیکن جتنی کوشش کی گئی امریکہ کی مہذب اور تعلیم یافتہ قوم کو اس کی اور زیادہ ضد ہو گئی، شراب کا استعمال پہلے کے مقابلہ میں بہت زیادہ ہو گیا، آخر حکومت نے عاجز آ کر قوم کے ارادہ اور ضد کے مقابلہ میں ہار مان لی اور قانون واپس لے لیا، یہ اس بات کا ثبوت ہے کہ خارجی انتظامات اور دماغ کے راستہ سے جو کوششیں کی جاتی ہیں، وہ ناکام رہتی ہیں اور کوئی بڑا نتیجہ پیدا نہیں کرتیں، امریکہ کی پڑھی لکھی اور مہذب دنیا نے لٹریچر اور ادب کے معقول اور وزنی دلائل کی ذرا پرواہ نہیں کی اور اپنے نفس اور خواہش کا ساتھ دیا۔

ملک کے لئے سب سے بڑا خطرہ:

حضرات! اس ملک میں جو اخلاقی انارکی پھیلی ہوئی ہے، وہ یہاں کے لئے سب سے بڑا خطرہ ہے، افسانے اخلاق سوز باتیں پھیلا رہے ہیں۔ ہماری نئی نسلوں کو حیا سوز انجکشن دیئے جا رہے ہیں، سینما کے پردوں پر پاپ دکھایا جا رہا ہے، آنکھوں سے کانوں سے دل میں پاپ اتارا جا رہا ہے، اخبار اور رسالے پاپ کی کھلم کھلا تبلیغ کر رہے ہیں، اور

اس کا کوئی توڑ نہیں، ہم علی الاعلان کہتے ہیں، ہمیں آزادی ملی، اللہ کی بڑی نعمت ہے، لیکن اگر ہم اخلاق پر مستحکم نہیں رہ سکتے تو آزادی بھی قائم نہیں رہ سکتی۔

یورپ اور ہندوستان کا فرق:

یورپ میں ہزاروں خرابیاں ہیں، لیکن وہ تھما ہوا ہے، کچھ شک نہیں مغربی زندگی میں بہت سے اخلاقی جرائم اور بد اخلاقیاں پائی جاتی ہیں، لیکن وہ ذرا آراستہ (REFINED) قسم کی ہیں، وہ چھوٹی چھوٹی باتوں میں با اصول، پابند اور مہذب ہیں، ان میں گھٹیا قسم کی چھوٹی چھوٹی بے ایمانیاں نہیں پائی جاتیں، وہ ذمہ داری کا احساس رکھتے ہیں، اور ان کی شہری اور مجلسی زندگی زیادہ منظم اور باقاعدہ ہے، میرے ایک دوست نے بتلایا کہ وہ لندن میں برٹش میوزیم میں کچھ علمی کام کر رہے تھے، لائبریری کے ساتھ وہاں رستورنٹ بھی ہوتے ہیں اور ان میں عموماً (GIRLS) کام کرتی ہیں، وہ کہتے تھے کہ میرا روزانہ کا معمول تھا کہ جب تھک جاتا تو ہوٹل میں جا کر مچھلی کے کباب کھایا کرتا اور جتنے پیسے مجھے بتائے گئے تھے اتنے روز دے آیا کرتا تھا، ایک دن جب میں پیسے دینے لگا تو وہاں کی منتظمہ نے مجھ سے کہا اچھا آپ ہی ہیں روزانہ دو پیسے زیادہ دے جایا کرتے ہیں، ہمارا حساب بڑھتا تھا اور ہم کئی روز سے اس شخص کی تلاش میں تھے جو زیادہ (PAYMENT) کر جاتا ہے۔ آپ کو غلطی سے دام زیادہ بتلا دیئے گئے، یہ آپ کے پیسے ہیں جو الگ رکھ لئے گئے ہیں، یورپین لڑکی میں ایمانداری کا وصف خدا پرستی کے جذبہ سے نہیں پیدا ہوا، وہاں چرچ فیل ہو چکا ہے، ایمانی قدریں (VALUES) ضائع ہو گئیں تو انہوں نے خالص مادی نفع کے لئے تجارتی اخلاق وضع کر لئے اور ایسا فن بنا لیا جو کامیاب تاجر کے لئے ضروری ہے۔

اخلاق کی دو قسمیں:

یورپ کے اخلاق میں توازن نہیں، ان کی مثال وہی ہے کہ گڑ کھائیں، اور گلگلوں سے پرہیز، افراد کے چھوٹے چھوٹے معاملوں میں وہ بڑی ایمان داری سے کام لیتے ہیں لیکن جب اپنی قوم کی مصلحت کا تقاضا ہوتا ہے تو ایسے ایمان دار افراد قوموں کو نگل جاتے

ہیں۔ انفرادی زندگی میں ان کا یہ حال ہے کہ اگر ۹ بج کر ۱۵ منٹ پر آنے کا وعدہ کریں تو ٹھیک اسی وقت پہنچیں، لیکن قومی معاملات میں دوسری قوموں کو دھوکا دینے میں انہیں ذرا تامل نہیں، عربوں کے ساتھ ان کی عہد شکنی ضرب المثل ہے، ہم خود ان کا یہاں تجربہ کر چکے ہیں، ان میں اخلاق خدا پرستی، اور آخرت کی جواب دہی کی بنیاد پر نہیں آئے، بلکہ نفع اندوزی اور مصلحت کے لئے انہیں اخلاقی ذہن بنانا پڑا، جب مصلحت کا تقاضا ہو تو بڑے بااخلاق، وعدے کے پکے اور جہاں ان کی مصلحت کا تقاضا کچھ اور ہو تو بڑی سے بڑی بد اخلاقی میں ان کو باک نہیں۔

پیغمبروں کے پیدا کئے ہوئے اخلاق:

میرے عزیزو! پیغمبروں کی تعلیم سے جو اخلاق بنتے ہیں وہ مستقل اور مصلحت اندیشی سے پاک ہوتے ہیں۔ نفع ہو یا نقصان، جان جائے یا رہے، وہ اعلیٰ اخلاق کو نہیں چھوڑتے، آنحضرت ﷺ کی تعلیم سے ایسا ذہن بنا تھا کہ خلیفہ عمر بن عبدالعزیز جو اس وقت متمدن دنیا کے سب سے بڑے فرمانروا تھے، ایک رات حکومت کا کام کر رہے تھے، سرکاری چراغ جل رہا تھا، ایک ملنے والے آ گئے، وہ سلام کر کے مزاج پوچھنے لگے، انہوں نے جواب دینے سے پہلے چراغ بجھا دیا، پھر ٹمٹماتا ہوا دیا منگایا، آنے والے نے جب دریافت کیا تو کہا وہ بیت المال کا چراغ تھا، تم آپس کی باتیں کرنے لگے، اس لئے میں نے اس کو گل کر دیا، اگر اس کی روشنی میں گھریلو باتیں کروں گا تو اللہ کو کیا جواب دوں گا، ایسی احتیاط کے نمونے نہیں کریملن (KREMLIN) کی حدود میں نظر آ سکتے ہیں، یہ اخلاقی قدریں اور روحانی بلندیاں ان کے خیال میں نہیں آ سکتیں، وہ زیادہ سے زیادہ اتنا سوچ سکتے ہیں اور ان کے خیال کی پرواز یہیں تک محدود ہے کہ ہر انسان کو پیٹ بھر کھانا، دوا، اور رہنے کو مکان ہو، بیکار نہ ہو، خواہشات کا احترام کرو وغیرہ وغیرہ۔

خلیفہ دوم حضرت عمرؓ جو ایران اور رومن ایمپائر کے دو زبردست شہنشاہیوں کے زبردست فاتح تھے، ان کے زمانہ میں قحط پڑا تو اچھی غذا اپنے اوپر حرام کر لی، وہ سرخ و

سفید تھے، لیکن تیل ملتے ملتے ان کے چہرے کا رنگ سانولا ہو گیا۔

سب سے بڑی دوستی اور ملک کی وفاداری:

حضرات! ہم سیدھی سادی بات یہ کہتے ہیں کہ ہم خدا کے راستہ کی دعوت دینے آئے ہیں، ہم اس بنیاد پر انسانوں کو انسانیت کی دعوت دینے آئے ہیں، ہم اس کو سب سے بڑی وطن دوستی اور ملک کی وفاداری سمجھتے ہیں، ہم سے زیادہ کوئی اس کی خدمت نہیں کر سکتا، ہم مانتے ہیں کہ ملک کے لئے ایسے ادارے ضروری ہیں جن سے ملک ترقی کرے، ہم ان کی تحقیر نہیں کرتے، ملک کے لئے تعلیمی اداروں، شفاخانوں، صفائی کے محکموں کی ضرورت ہے، ملک کو رسل و رسائل (COMMUNICATION) دفاع (DEFENCE) اور دوسرے محکموں کی ضرورت ہے، ان سب کے باوجود ملک میں ظلم اندھیر اور دوسرے کے پیٹ کاٹنے کا جو طوفان پھیلتا جا رہا ہے، اسے نہ روکا گیا تو اس کی عزت، اس کا وقار اس کی آزادی خاک میں مل جائے گی ہم سب سے کہتے ہیں کہ یہ ملک کی سب سے پہلی ضرورت ہے۔ وہ تمام ادارے جنہیں میں پہلے ضروری اور مفید کہہ چکا ہوں سب اس کے بعد آتے ہیں ہم اس حقیقت کے پرچار کے لئے گھر سے نکلے ہیں، کوئی اور اس کام کو کرتا ہوتا تو اس کے ساتھ تعاون کرتے۔

ہماری دعوت:

ہم علی الاعلان ڈنکے کی چوٹ پر کہتے ہیں کہ ہم اس ملک میں حصہ رسد بنانے نہیں آئے تھے، ہم ان ملکوں کو چھوڑ کر جو خود دولت سے بھرے ہوئے تھے، یہاں کی دولت میں حصہ بٹانے نہیں آئے تھے، ہم ایک مشن، ایک خدمت پر آئے تھے، ہم یہاں خدا کے بندوں کو خدا کا بندہ بنانے آئے تھے، یہاں جو مسلمان آئے تھے، وہ اخلاق، محبت، خدا پرستی کا پیغام لے کر آئے تھے، انہوں نے اس ملک کو کچھ دیا، لیا نہیں، وہ یہاں سے کچھ لینے نہیں آئے تھے اس کو کچھ دینے آئے تھے، وہ رہنے آئے تھے، یہاں سے جانے کے لئے نہیں آئے تھے، اگر ایسا سوچتے تو اٹالہ کی ایسی شاندار و پائیدار مسجد نہ بناتے، وہ تو

خدا پرستی اور انسان دوستی کی دعوت دیتے تھے، کہاں کے عرب کہاں کے عجم، یہ سب ہماری بنائی ہوئی خود ساختہ حدیں ہیں، ساری دنیا کے پیدا کرنے والے خالق و مالک اور رازق اور ساری دنیا کو بغیر شرکت چلانے والے ایک اللہ کی طرف سے وہ یہ تعلیم لائے تھے انہوں نے دنیا سے لئے بغیر ساری دنیا کی خدمت کی، انہوں نے سچے موتیوں سے انسانیت کی جھولی بھر دی اور اپنے ہاتھ خالی رکھے، اپنے بچوں کی مطلق فکر نہ کی اور اپنے نفس کی طرف سے آنکھیں بند کر کے پیٹ پر پتھر باندھ باندھ کر لوگوں کی سیوا کی، ان کی تکلیفوں کو راحتوں سے بدلا، جو آیا غربا میں تقسیم کیا، ضرورت مندوں کی جھولیاں بھر دیں انہیں خادم اور ملازم دیئے اور اپنے بچوں کو بالکل محروم رکھا۔ ایک دفعہ جناب رسول اللہ ﷺ چٹائی پر لیٹے تھے، جسم پر نشانات پڑ گئے تھے، حضرت عمرؓ نے دیکھا تو کہا اللہ اکبر، آپ اللہ کے رسول ہو کر اس تکلیف میں رہیں اور دنیا کا خون چوسنے والے ظالم قالینوں اور مسہریوں پر آرام کریں، آنحضرت ﷺ نے فرمایا، عمر عیش تو آخرت کا عیش ہے۔

مسلمانوں کی غلطی:

میرے بھائیو! ہم مسلمانوں سے کڑوی بات کہتے ہیں، ہم ان سے کہتے ہیں کہ تم نے ان باتوں کو مانا ہے، تمہارا ان پر ایمان ہے، تم ان اخلاق و کردار کو چھوڑ کر جانوروں کی سطح پر آ گئے، تم اپنے کردار اور عمل سے اسلام کو بدنام کرتے ہو، اس کے روشن نام کو بٹہ لگاتے ہو، تو تم دنیا کو اسلامی زندگی کی جو چلتی پھرتی فلم دکھلا رہے ہو، وہ بڑی افسوس ناک ہے، تم نے جو زندگانی کا نمونہ پیش کیا ہے اس میں کون سی جاذبیت (ATTRACTION) ہے، پہلے تم جس راہ سے گزر جاتے تھے نقش چھوڑ جاتے تھے، دیر تک تمہاری خوشبو محسوس ہوتی رہتی تھی، جیسے نسیم کی خوشگواری محسوس ہوتی رہتی ہے، مسلمان جدھر سے گذرتے گلی کوچے معطر کر گئے اور جہاں سے چلے آئے وہاں سے سفارشیں بھیجی گئیں کہ ہمارے ملک میں سب کچھ ہے، مسلمان نہیں ہیں جنہیں دیکھ کر لوگ اپنی زندگی درست کریں اور جو ان کے مقدمات و معاملات میں بے لاگ فیصلہ کریں، ان کی خواہش پر مسلمان بھیجے گئے،

افسوس اب تم ایسے بن گئے کہ تمہارے نہ ہونے سے ملک میں کوئی کمی محسوس نہیں ہوتی، آج تک کسی نے اپنے ملک سے ماہرین فن، ڈاکٹروں اور دستکاروں کو نکالا ہے، مشرقی پنجاب میں لوہاروں کی ضرورت تھی تو ڈھونڈ ڈھونڈ کر وہ بسائے گئے، اگر تم میں اخلاقی برتری (MORAL SUPERIORITY) ہوتی تو اخلاقی ضرورت کا احساس مجبور کرتا کہ تمہیں ملک کی امانت سمجھ کر رکھا جائے، تمہارے دودھ والے پانی ملانے سے پرہیز کرتے، تمہارے درزی کپڑا چرانے کو عیب سمجھتے، تمہارے دستکار اور مزدور محنت سے پورا دن لگ کر کام کرتے، تمہارے حاکم رشوت کو حرام سمجھتے تو دنیا کا کوئی ملک تمہاری جدائی کو گوارا نہ کرتا۔

ایک کشتی کے سوار:

اپنے وطنی بھائیوں سے بھی مجھے دلی محبت ہے، ہمارا آپ کا مستقبل ایک دوسرے سے وابستہ ہے۔ آپ اچھے تو ہم بھی اچھے، آپ کی تکلیف ہماری تکلیف ہے، اللہ کے پیغمبر کسی خاص ملک کو نوازنے نہیں آئے، وہ سارے عالم کے لئے رحمت بن کر آئے۔ "وَمَآ اَرْسَلْنٰکَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِیْنَ" خدا کے آخری نبی حضرت محمد عربی ﷺ نے آ کر عربوں کے قومی غرور کو پاش پاش کر دیا، انہوں نے فرمایا کہ اللہ نے تمہارے نسلی غرور کو توڑ دیا ہے، میں انہیں اپنے قدموں سے روند رہا ہوں، عربی کو عجمی پر کوئی فضیلت نہیں، نہ عجمی کو عربی پر، تم سب آدم کی اولاد ہو اور آدم مٹی سے بنے تھے، ہم سب ایک کشتی کے سوار ہیں، کشتی میں ایک اوپر کا درجہ (STOREY) ہے اور ایک نیچے کا، نیچے والے اگر اس میں سوراخ کریں اور اوپر والے ان کا ہاتھ نہ پکڑیں تو کشتی غرق ہو جائے گی۔ اور نیچے اوپر والے سب ڈوب جائیں گے، آج ہمارے ملک کی زندگی کے نچلے حصہ میں شگاف کیا جا رہا ہے، اسے روکنے کی فکر کریں، اس میں پاجامے اور دھوتی کی کوئی تمیز نہیں، کسی کلچر اور تہذیب کی کوئی قید نہیں، سمندر کسی کی رعایت نہیں کرتا، اللہ ہمیں سمجھ دے، سینوں کو روشن کرے، ہم انسانیت کا درد محسوس کریں، اپنے اس پیارے ملک کو جس پر ہمارا حق ہے

،جس کو ہم نے خون پسینہ سے سینچا ہے، ہم پیغمبروں کے راستے سے سنواریں، ہم اس کو ایک نمونہ کا ملک بنادیں۔ ،جس میں ایمان، یقین، اخلاق، انسانیت اور ہمدردی وایثار کی فضا ہو، اس کے لئے ایک جری قدم (BOLD STEP) کی ضرورت ہے، قدم اٹھائیے.

میں نے کہہ کر اپنے دل کا بوجھ ہلکا کردیا، آپ اس کا وزن محسوس کریں، یہ بوجھ تنہا ہماری طاقت سے باہر ہے، اس کا پرچار کریں اور سنجیدگی سے اس کے لئے کچھ کرنے کا فیصلہ کریں۔ اسی اکتفا پر کرتے ہوئے آپ سے اجازت چاھتا ہوں

اللہ تعالیٰ ہم سبھوں کو دین پر عمل کرنے کی توفیق بخشے۔

و آخر دعونا ان الحمد للہ رب العالمین .

ایک مقدس وقف اور اس کا متولی

یہ مولانا مرحوم کا وہ یادگار تاریخی خطاب جو انہوں نے متھرا روڈ کے ایک مخلوط اجتماع میں پیش فرمایا تھا جس میں ہندو مسلم حضرات کی اچھی خاصی تعداد موجود تھی۔

الحمد لله رب العالمين والصلوة والسلام على اشرف الأنبياء والمرسلين وعلى آله وصحبه اجمعين ومن تبعهم باحسان ودعىٰ بدعوتهم الى يوم الدين اما بعد!

میرے دوستو! اور بھائیو! اس وقت ہمارے ملک میں جلسوں اور مجلسوں کا اچھا خاصا رواج ہے، لیکن یہ جلسے اور مجلسیں دو قسم کی ہوتی ہیں، ایک وہ جو بالکل ذاتی غرض اور مقصد کے لئے منعقد کی جاتی ہیں خواہ اس کے پیچھے کوئی جماعت اور سیاسی پارٹی کام کرتی ہو یا کسی جماعت یا پارٹی کا نام لیا جاتا ہو، اس کی روشن مثال الیکشن کے جلسے ہیں، الیکشن کی بدولت قصبے قصبے گاؤں گاؤں جلسے ہوتے ہیں اور اس کے لئے سخت جد و جہد کی جاتی ہے، وقت صرف کیا جاتا ہے اور روپیہ پانی کی طرح بہایا جاتا ہے جو لوگ کسی نشست کے لئے کھڑے ہوتے ہیں وہ ووٹ دینے والوں کو یقین دلاتے ہیں کہ وہ انتخاب کے لئے موزوں ترین اور لائق ترین آدمی ہیں۔ ان جلسوں میں زندگی کے اصول اور اخلاق اور اچھا شہری بننے کی تعلیم نہیں دی جاتی، ان کی خواہش ہوتی ہے کہ ان کو زیادہ سے زیادہ ووٹ دیئے جائیں، ان کے نزدیک وہی لوگ قابل تعریف ہیں اور انہیں کی زندگی کی قیمت ہے جو ان کی حمایت کریں اور ان کو ووٹ دیں، خواہ وہ اخلاقی حیثیت سے پست اور اصول وسیرت اور کردار کے لحاظ سے ادنیٰ درجہ کے انسان ہوں۔

دوسری قسم کے جلسے وہ ہوتے ہیں جو مذہبی رسوم یا معاشرتی (سوشل) تقریبات

کے سلسلے میں منعقد ہوتے ہیں، اس طرح کے جلسے مسلمانوں میں بھی ہوتے ہیں اور ہندوؤں میں بھی، لیکن افسوس کی بات ہے کہ مذہبی جلسے جو کبھی قوموں میں زندگی پیدا کرنے کا ذریعہ ثابت ہوتے تھے اور اصلاح و انقلاب کا پیغام دیتے تھے، اب کوئی پیغام اور پروگرام نہیں رکھتے، اسی طرح سے وہ معاشرتی تقریبات جن سے کبھی اصلاح اور اجتماعیت کا کام لیا جاتا تھا، ایک طرح سے بے روح اور بے جان ہوگئی ہیں اور بنے بندھے نظام کے ماتحت ہونے لگی ہیں۔

ان جلسوں کی بے اثری:

ان جلسوں میں لوگ جو ذہن لے کر آتے ہیں، وہی ذہن لے کر جاتے ہیں، اس میں کوئی تغیر اور کوئی تبدیلی نہیں ہوتی، بلکہ ان جلسوں کی شرکت سے ایک قسم کا اطمینان پیدا ہوتا ہے، ان میں شریک ہونے والا سمجھنے لگتا ہے کہ شرکت سے وہ ہلکا اور پاک ہوگیا اور اس نے جو پاپ کئے تھے وہ دھل گئے، آج مذہب سے انسانوں کے دل و دماغ پر چوٹ نہیں لگتی، مذہبی تقریبات کی شرکت سے اطمینان اور سکون بڑھ جاتا ہے۔

مذہب غلط زندگی کا حریف ہے:

حالانکہ مذہب غلط زندگی کا حریف ہے، اس کا سمجھوتہ خرابیوں، پاپ اور بد اخلاقیوں سے ناممکن ہے، پہلے قسم قسم کی زندگی گزارنے والے ان جلسوں سے کتراتے تھے کہ کہیں مذہب ان کی حرکتوں پر تنقید نہ کرے، قرآن مجید میں حضرت شعیبؑ اور ان کی قوم کا مکالمہ نقل کیا گیا ہے، حضرت شعیبؑ نے اپنی قوم سے کہا، اے قوم! ناپ تول میں کمی نہ کرو، تم ڈنڈی مارتے اور کم تولتے ہو، گاہک سے زیادہ زیادہ لینے کی فکر میں رہتے ہو اور اس کو کم سے کم دینے کی کوشش کرتے ہو، یہ مہاپاپ (بڑا گناہ) ہے! قوم نے جواب دیا کہ کیا تمہاری نماز تم کو اس کی تعلیم دیتی ہے کہ تم ہمارے اس طرز عمل پر اعتراض کرو اور ہم کو اپنے مال میں آزادانہ کارروائی کرنے سے روکو؟ قوم نے تشخیص ٹھیک کی۔ یہ سب رکاوٹیں نماز ڈالتی ہے اور زندگی میں غلط اور صحیح کی تمیز کراتی ہے۔ ایک صحیح اور زندہ

مذہب زندگی میں غلطیوں اور گناہوں پر خاموش نہیں رہ سکتا۔

بھائیو! ہمارا یہ جلسہ نئے طرز کا ہے، نہ الیکشن کے جلسوں میں کا کوئی جلسہ ہے نہ مذہبی تقریبات میں سے کوئی تقریب ہے، ہم اس جلسہ میں کوشش کریں گے کہ بتائیں کہ زندگی کا صحیح راستہ کیا ہے اور انسان پستی میں کیوں گر گیا ہے؟

سب سے مقدم سوال:

آپ جب کوئی کام کرتے ہیں تو سب سے پہلے یہ طے کرتے ہیں کہ کس نیت سے کیا جائے، اور اس معاملہ میں آپ کی صحیح پوزیشن کیا ہے؟ دنیا میں جو کچھ ہو رہا ہے اس کی تہہ میں یہ بنیادی حقیقت کام کر رہی ہے کہ انسان نے دنیا میں اپنے کو کیا سمجھا اور اس کو کیا مقام اور پوزیشن حاصل ہے؟ اگر یہی بات صحیح سمجھ لی گئی تو ہر کام ٹھیک ہوگا اور اگر اسی منزل پہ غلطی ہوگئی تو غلطی ہوتی ہی چلی جائے گی۔

انسان خدا کا نائب اور خلیفہ ہے:

دوستو! اسلام نے ہمیں یہ بتلایا ہے کہ انسان دنیا میں خدا کا نائب، خلیفۃ اللہ اور دنیا کا (Trusty) ٹرسٹی ہے، دنیا ایک وقف ہے اور انسان اس کا متولی، اس کے ذمہ یہاں کا انتظام اور ہدایت کا کام ہے، دنیا میں چھوٹے بڑے بہت سے وقف ہوتے ہیں، یہ سارا عالم، یہ ساری کائنات، ایک عظیم الشان وقف (ٹرسٹ) ہے، یہ کسی کی ذاتی ملکیت یا کسی کے باپ دادا کی جائیداد نہیں ہے کہ جس طرح چاہے کھائے اڑائے، اس وقف میں جانور، چرند، پرند، درخت، دریا، پہاڑ، سونا، چاندی، سامان خوراک اور دنیا کی تمام نعمتیں ہیں، یہ سب انسان کے حوالے کی گئی ہیں، کیونکہ وہ ان کے مزاج سے بھی واقف ہے اور ان کا ہمدرد بھی، انسان خود اسی ٹرسٹ کی مٹی سے بنا ہے اور اسی خاک کا ہے، اور منتظم کے لئے واقفیت وعلم اور ہمدردی وتعلق دونوں شرط ہیں، انسان دنیا کے نفع ونقصان سے بھی واقف ہے، اور اس کے اندر اس کی ضروریات بھی رکھی گئی ہیں، اس لئے وہ اچھا ٹرسٹی بن سکتا ہے۔

مثال کے طور پر لائبریری (کتب خانہ) کا انتظام وہی اچھا کر سکتا ہے جس کو علم کا شوق ہو اور کتابوں سے لگاؤ اور دلچسپی ہو، اگر کسی کتب خانہ کا انتظام کسی جاہل کے سپرد کر دیا گیا، چاہے وہ کتنا ہی شریف اور اچھا آدمی ہو، وہ بہترین لائبریرین نہیں بن سکتا۔ لیکن جس کو علم کا شوق ہوگا اور کتابوں سے مناسبت، وہ اس میں کافی وقت صرف کرے گا، اس کے ذخیرے میں معقول اضافہ کرے گا اور اس کو ترقی دے گا۔

اسی طرح انسان چونکہ اسی دنیا کا ہے، اس کو اس سے دلچسپی بھی ہے اور وہ اس کا ضرورت مند بھی ہے، اس سے واقف بھی ہے اور اس کا ہمدرد بھی، اس کو اسی میں رہنا بھی ہے اور اسی میں مرنا بھی، لہذا وہ اس کی پوری دیکھ بھال کرے گا اور خدا کی دی ہوئی نعمتوں کو ٹھکانے لگائے گا یہ کام اس کے علاوہ اور کوئی اس خوبی سے انجام نہیں دے سکتا۔

دنیا کے انتظام کے لئے انسان ہی موزوں ہے:

دوستو! جب حضرت آدمؑ کو اللہ تعالیٰ نے پیدا کیا اور زمین میں اپنا نائب بنایا، فرشتے جو پاک اور روحانی مخلوق ہیں، جو نہ گناہ کرتے ہیں نہ گناہ کی خواہش رکھتے ہیں بولے کہ اے مالک! آپ ایسے کو اپنا نائب بنا رہے ہیں جو دنیا میں خون خرابہ کرے گا، ہم تیری پاکی بیان کرتے ہیں، اور تیری عبادت میں مشغول رہتے ہیں، یہ منصب ہم کو عطا فرما، خدا نے جواب دیا تم اس بات کو نہیں جانتے ہو، خدا نے آدم اور فرشتوں کا امتحان لیا، چونکہ آدم اسی خاک کے تھے، ان کو دنیا استعمال کرنی تھی، ان کی فطرت کو اس سے مناسبت تھی، اس لئے وہ اس کی ایک ایک چیز سے واقف تھے، انہوں نے ٹھیک ٹھیک جواب دیا۔ فرشتوں کو ان چیزوں سے واسطہ نہ تھا، اس لئے جواب نہ دے سکے، اس طرح خدا نے دکھا دیا کہ دنیا کے انتظام اور اس وقف کی تولیت کے لئے اپنی ساری کمزوریوں کے باوجود انسان ہی موزوں ہے، بلکہ یہ کمزوریاں اور ضرورتیں ہی اس کو اس منصب کا اہل ثابت کرتی ہیں، اگر اس دنیا میں فرشتے ہوتے تو دنیا کی اکثر نعمتیں بیکار ہی ثابت ہوتیں اور ان کی وہ ترقی ہرگز نہ ہوتی جو انسان نے اپنی ضرورت اور خواہش کی بنا

دی۔

کامیاب قائم مقام:

لیکن یہ بھی آپ کو یاد رکھنا چاہئے کہ نائب اور قائم مقام کا فرض ہے کہ قائم مقام بنانے والے کی پوری پوری پیروی کرے، وہ اس کے اخلاق کا نمونہ اور پرتو ہو، اگر میں یہاں کسی کا قائم مقام ہوں تو کامیاب اور وفادار قائم مقام اسی وقت کہلاؤں گا جب اپنی بساط بھر اس کی نقل کروں اور اپنے اندر اس کے اخلاق پیدا کروں، خدا کی نیابت یہ ہے کہ اپنے اندر اس کے اخلاق پیدا کئے جائیں اور اس کی صفات سے مناسبت ہو، ہمیں بتلایا گیا ہے کہ اس کی حسنات واخلاق میں علم، رحمت، شکر، احسان، انتظام، پاکبازی، عفو ودر گذر، بخشش وعطا، عدل وانصاف، حفاظت ونگرانی، محبت، جلال وجمال، مجرمین سے گرفت وانتقام، جامعیت ووسعت ہے۔

اخلاق خداوندی کا مظاہرہ:

میرے دوستوں! خدا کے پیغمبر محمد ﷺ نے انسان کو تعلیم دی کہ خدا کے اخلاق اختیار کرو (تخلقوا باخلاق اللہ) انسان اپنے محدود انسانی دائرے میں اور اپنی تمام بشری کمزوریوں کے ساتھ ان اخلاق خداوندی اور ان صفات اللہ کا پرتو اپنے اندر پیدا کرسکتا ہے وہ کبھی خدا نہیں ہوسکتا لیکن دنیا میں خدا کے اخلاق کا مظاہرہ کرسکتا ہے، اور یہی ایک سچے نائب کا کام ہے، آپ اندازہ کرسکتے ہیں کہ اگر انسان حقیقی طور پر اپنے کو خدا کا نائب سمجھنے لگے اور اخلاق خداوندی کو اپنی زندگی کا معیار بنائے تو خود اس کی ترقی و بلندی اور اس کے دور خلافت ونیابت میں دنیا کی خوش حالی اور سرسبزی کا کیا حال ہوگا؟ مذہب انسان کا بلندترین اور معتدل ترین تصور بخشتا ہے، وہ انسان کو خدا کا نائب اور اس زمین کے انتظام میں اس کا قائم مقام اور اس عظیم الشان وقف کا اس کو متولی قرار دیتا ہے، اس سے بڑھ کر انسان کا اعزاز اور انسانیت کی معراج نہیں ہوسکتی۔

دو متضاد تصور:

مگر انسانوں نے خود متضاد تصور قائم کئے، کہیں تو انسان کو خدا بنایا گیا اور اس کی عبادت ہونے لگی اور کہیں جانور سے بدتر سمجھ لیا گیا، اور اس کو گائے بیل کی طرح ہنکایا جانے لگا، بعض انسان خود خدا بن بیٹھے اور بعض اپنے کو جانور سے بدتر سمجھنے لگے، وہ سمجھتے ہیں کہ ہم کو صرف پیٹ سے کام ہے، اور صرف نفس دیا گیا ہے، یہ دونوں تصور غلط ہیں، بلکہ صریح ظلم ہے، نہ انسان خدا ہے نہ جانور، انسان، انسان ہی ہے، لیکن نائب خدا، یہ دنیا اس کے لئے پیدا کی گئی ہے اور وہ خدا کے لئے، ساری دنیا اس کے سامنے جواب دہ ہے اور وہ خدا کے سامنے، یہ زمین، یہ دنیا، کسی کی ذاتی جائیداد نہیں، ایک وقف ہے، اور انسان اس کا متولی، اس تصور اور اس عقیدے کے بغیر دنیا کی چھول ٹھیک نہیں بیٹھ سکتی، تاریخ کی شہادت ہے کہ جب انسان اس راہ راست سے ہٹا اور اپنی حد سے بڑھا اور خدا بننے کی کوشش کی اور اپنے کو دنیا کا حقیقی مالک سمجھا یا اپنے مرتبے سے گرا اور اپنے کو جانور سمجھا یا دنیا کے انتظام اور تولیت سے دست بردار ہوا اور زندگی کی ذمہ داریوں اور فرائض سے اس نے گریز کیا تو خود بھی برباد ہوا اور یہ دنیا بھی تباہ ہوئی۔

انسان کا جماداتی تصور:

آج یورپ جس کے ہاتھ میں دنیا کی باگ ڈور ہے، اور وہ انسانیت کا لیڈر بنا ہوا ہے، اس نے حیوانیت کے درجہ سے بھی ایک قدم آگے بڑھایا، اس نے انسان کا جماداتی تصور پیش کیا، وہ کہتا ہے کہ انسان روپیہ ڈھالنے کی مشین اور ایک کامیاب ٹیکسٹائل ہے، البتہ اس کے اندر خواہشات ہیں، لیکن سراسر حیوانی، کاش کہ وہ انسان کو صرف ایک مشین ہی رہنے دیتا جس کے اندر اپنی کوئی خواہش اور ارادہ نہیں ہوتا ستم بالائے ستم یہ ہے کہ وہ مشین بھی ہے اور خود غرض بھی اور مردم آزار بھی، یورپ کے اس دور قیادت میں سارا عالم ایک بے جان فیکٹری بنتا جاتا ہے، جس میں کبھی کبھی بڑا خطرناک ٹکراؤ ہو جاتا ہے، اس مشینی دور میں لطیف انسانی جذبات واحساسات، انسان

سے ہمدردی، دل کا گداز ڈھونڈنے سے نہیں ملتا، اس ٹیکسٹائل میں کہیں خدا کا نام نہیں، اس میں کہیں جذب، دل سوزی نہیں، نہ آنکھوں میں نمی ہے، نہ دل میں گرمی، نہ انسانیت کی طاقت، نہ قلب و روح کی حرارت، حالانکہ جس دل میں محبت اور معرفت نہیں وہ انسان کا دل نہیں، پتھر کی سل ہے، جس آنکھ میں کبھی آنسو نہ آئے وہ انسان کی آنکھ نہیں، نرگس کی آنکھ ہے۔

معاشی مسئلہ یا لطف وتفریح:

اب سوائے روپیہ پیسہ اور اغراض کے کچھ نہیں۔ میں اپنے شہر میں صبح نکلتا ہوں تو مختلف پارٹیوں اور دوستوں کی ٹولیوں کے پاس سے گذرنا ہوتا ہے، ادھر سے دو آدمی گذرے، ادھر سے چار آدمی آئے لیکن سوائے اس کے اور کچھ سننے میں نہیں آتا کہ آپ کی تنخواہ کتنی ہے؟ آپ کی بالائی آمدنی کیا ہوجاتی ہے؟ آپ کا تبادلہ کہاں ہورہا ہے، فلاں افسر بدمزاج ہے، فلاں افسر بہت اچھا ہے، بیٹے کی شادی میں اتنا خرچ ہوا، بیٹی کا اتنا جہیز دیا، ہمارا فنڈ اتنا جمع ہے، فلاں کا بینک میں اتنا حساب ہے، اور اب تو کرکٹ کا دور دورہ ہے، ہر جگہ کرکٹ کا تذکرہ، ہر جگہ کھیلنے والوں پر تبصرہ! میں کھیل کا مخالف نہیں، نوجوانی میں کھیلا ہوں اور اس کا ذوق رکھتا ہوں، ورزشوں اور مردانہ کھیلوں کو مفید اور ضروری سمجھتا ہوں، مگر اس کا کیا علاج کہ یہی زندگی کا ایک موضوع بن کر رہ جائے اور صبح سے شام تک اسی کے تذکرے سے فرصت نہ ہو، آپ نے سنا ہوگا کہ پاکستان میں اس خبر سے ایک صاحب کا ہارٹ فیل ہوگیا کہ ایک کھلاڑی ۹۹ رنز بنا کر آؤٹ ہوگیا اور سنچری نہ بنا سکا، میں نے لکھنؤ میں ہی دیکھا ہے کہ وہ تین تین گھنٹے تک مسلسل کرکٹ کی ٹیم اور اس کے کھیل پر تبصرہ ہوتا رہا، ایک منٹ کے لئے بھی موضوع نہ بدلا، انسانو! تم نے دنیا کو کلب بنادیا، ہوٹل بنایا، کارخانہ بنادیا، جنگ کا میدان بنایا مگر آدمیوں کی بستی نہ بنائی!

دل کی سچی پیاس:

پہلے ہر گاؤں، ہر قصبے میں اللہ کے ایسے بندے ہوتے تھے جن سے دل کی پیاس

بجھتی تھی، جس طرح زبان کی ایک پیاس ہوتی ہے، اسی طرح دل کی بھی پیاس ہوتی ہے۔ زبان کی پیاس پانی، شربت، سوڈے، لیمن سے بجھتی ہے، دل کی پیاس سچی اور پاک محبت کی باتوں اور محبوبِ حقیقی کے تذکرے سے بجھتی ہے، وہ روپیہ دولت اور نفس کی خواہشات کے ذکر سے بھڑکتی ہے، آج ہر چیز کی دوکانیں ہیں، منڈیاں ہیں، بازار ہیں لیکن دل کی دوا اور روح کی غذا نایاب ہوتی جارہی ہے اور کہنے والے صحیح کہتے ہیں......ع

وہ جو بیچتے تھے دوائے دل وہ دکان اپنی بڑھا گئے

آج نہ گھروں میں خدا کا ذکر ہے، نہ ریلوں میں، حتیٰ کہ مسجدوں میں بھی اس کا ذکر و فکر کم ہوتا جارہا ہے، آج جگہ جگہ ہوا وہوس اور ناؤ نوش کا شور برپا ہے، رہی سہی کسر یہ سینما پوری کر دیتے ہیں جو حیوانی جذبات بھڑکانے کا خاص کام کرتے ہیں، روح بے قرار ہے، اللہ کا بندہ کہاں جائے؟ اگر صرف پیسہ ہی کمانا انسان کا کام ہے، اور پیٹ بھر لینا ہی اس کا فرض تھا تو یہ دل انسان کو کیوں دیا گیا، دماغ کیوں عطا کیا گیا، ایسی بے چین اور بلند پرواز روح کیوں بخشی گئی، ایسی گوناگوں اور عجیب وغریب صلاحیتیں کیوں ودیعت کی گئیں؟

کسی کو انسانیت کا درد نہیں:

یورپ نے انسان کو ایندھن سمجھ لیا، وہ اپنی عزت وخواہشات کے الاؤ میں انسان کو لکڑی، کوئلہ کی طرح ڈالتا جارہا ہے، امریکہ کی خواہش ہے کہ شمالی کوریا اور کمیونسٹ چین کو بھینٹ چڑھا دے، روس چاہتا ہے کہ قوم پرست چین کو تباہ کر کے رکھ دے، پورا یورپ چاہتا ہے کہ مشرق بعید یا مشرق وسطیٰ جنگ کا میدان بن جائے، کسی کو انسانیت کا درد نہیں، کسی کے دل میں انسان کا احترام نہیں، سب خدا کی مملکت کے غاصب بننا چاہتے ہیں، کوئی خدا کا نائب بننا نہیں چاہتا، کوئی اپنے کو اس مقدس وقف کا متولی نہیں سمجھتا۔

ایشیا اور افریقہ میں بھی حکومتوں کی بنیاد ہدایت ورہنمائی کے اصول، انسانوں کی

فلاح و بہبود، اخلاقی اصلاح اور انسانیت کی ترقی پر نہیں، سب کی بنیاد مادی وسائل اور آمدنی کے وسائل کی ترقی و اضافہ پر ہے، ان کے نزدیک قوم کی اخلاقی حالت اور انسانی مسئلہ کوئی اہمیت نہیں رکھتا۔ اس کے لئے کوئی مالی نقصان برداشت کرنے کے لئے تیار نہیں، اگر کسی غلط ادارہ یا کسی تفریحی صنعت سے اس کو بڑی آمدنی ہوتی ہے اور قوم کے کسی طبقہ یا نئی نسل کو اس سے نقصان پہنچتا ہے تو وہ کبھی اس آمدنی سے دست بردار ہونے کے لئے تیار نہیں، چاہے آئندہ نسلیں بالکل تباہ اور اخلاق بالکل برباد ہو جائیں۔

خود کرنے کا کام:

دوستو! اس وقت ایمان و اخلاق اور انسانیت کا مسئلہ نہ حکومتوں پر چھوڑا جا سکتا ہے نہ اداروں اور تعلیم گاہوں پر، یہ بڑا وسیع اور عالمگیر مسئلہ ہے، اس کے لئے ہم سب کو کوشش کرنے کی ضرورت ہے، یاد رکھئے جس کام کو افراد اور عوام کرنے کے لئے تیار نہ ہوں اور جس کی اہمیت کا احساس جمہور اور عوام کو نہ ہو وہ کام جتنا بھی آسان ہو عمل میں نہیں آ سکتا۔ اور بڑی سے بڑی حکومت بھی اس کو انجام نہیں دے سکتی، اس کے لئے عمومی اور عوامی کوشش کی ضرورت ہے۔

پیغمبروں نے اپنی ذات اور عام افراد کی کوشش سے دنیا میں انقلاب برپا کر دیا، ہم کو آپ کو ان کے نقش قدم پر چل کر اس کی کوشش کرنی چاہئے، خود اپنی اصلاح کرنی چاہئے اور عام اصلاح کی کوشش کرنی چاہئے، اس کی کوشش کی جائے کہ انسان اس دنیا کو مقدس وقف اور اپنے کو ایک ذمہ دار متولی سمجھنے لگے، وہ اپنے کو اس دنیا میں خدا کی نیابت و خلافت کا اہل ثابت کرے اور اخلاق خداوندی کے ساتھ خدا کی مخلوق کے ساتھ برتاؤ کرے، یہی اصلاح کا طریقہ ہے اور اسی میں انسانیت اور دنیا کی نجات ہے۔

وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین

اس سے خبردار رہئے کہ کوئی امریکی یا یورپی اسلام پیدا ہو جائے

یہ تقریر شمالی امریکہ کے شہر نیو جرسی (NEW JERGEY) کے اسلامک سینٹر میں ۴ جون ۱۹۷۷ء کو کی تھی، تقریر سے پہلے فاضل مصری عالم ڈاکٹر سلیمان دنیا نے مقرر کا تعارف کرایا اور عربی زبان و اسلامی علوم میں ہندوستانی علماء کی خدمات اور کارناموں کو سراہا اور کہا کہ اسلام جغرافیائی وملکی حدود سے آزاد ہے، اور اس میں عجمی مسلمانوں نے عرب علماء کے برابر یا ان سے بڑھ چڑھ کر حصہ لیا ہے، سامعین میں تعلیم یافتہ عربوں، ہندوستانیوں اور پاکستانیوں کی ایک بڑی تعداد شریک تھی، جو امریکہ میں مقیم ہیں، عربی تقریر ٹیپ سے نقل کی گئی، حضرت مولانا نے اپنی زندگی میں اس پر نظر ثانی اور قدرے ترمیم و اضافہ کیا جس کا ترجمہ پیش خدمت ہے۔

الحمد نحمده ونستعينه ونستغفره ونومن به ونتوكل عليه ونعوذ بالله من شرور انفسنا ومن سيئات اعمالنا من يهده الله فلا مضل له ومن يضلله فلا هادى له واشهد ان لا اله الا الله وحده لا شريك له واشهد ان سيدنا ومولانا محمدا عبده ورسوله صلى الله تعالىٰ عليه وعلى آله وصحبه اجمعين ومن تبعهم باحسان ودعىٰ بدعوتهم الى يوم الدين امابعد قال الله تعالىٰ و لا تبرجن تبرج الجاهلية الاولىٰ صدق الله العظيم

دوستو اور بھائیو! میری خوش قسمتی ہے کہ اس بڑے اسلامی مرکز میں اس مبارک موقع پر آپ سے ملاقات ہو رہی ہے، شمالی امریکہ اور کینیڈا کا یہ میرا پہلا دورہ ہے، اس سے پہلے میں اس ملک اور اس میں اسلام کی اشاعت اور یہاں بس جانے والے مسلمان

بھائیوں کے دینی شغف اور دین سے محبت اور دلچسپی کے بارے میں سنا کرتا تھا، لیکن آپ سے اپنا یہ احساس چھپانا نہیں چاہتا کہ مجھے اندازہ تھا کہ میں اللہ کے کرم سے اس دورافتادہ ملک میں اپنے دینی بھائیوں کی اتنی بڑی تعداد سے ملوں گا، اور دین کے لئے اتنا جوش وخروش اور ایسا مبارک اسلامی جذبہ دیکھنے میں آئے گا۔

مجھے یہاں آ کر معلوم ہوا کہ اسلام اس ملک میں قدم جمانے کی کوشش کر رہا ہے جو معاصر دنیا پر حکومت کر رہا ہے، اور اپنی ٹیکنالوجی جدید تجرباتی علوم اور ایجادات کی بدولت دنیا کی سیاسیات پر بھی چھایا ہوا ہے، خدا کا شکر ہے کہ اسلام اس منطقہ میں داخل ہو چکا ہے، اور برابر اپنا راستہ صاف کرتا جارہا ہے، اور انشاء اللہ وہ دن قریب ہے، جب اس دور دراز ملک میں اسلامی معاشرہ قائم ہو جائے گا۔

میں اسے اسلام کے لئے ایک فال نیک اور مسلمانوں کے لئے سعادت ومسرت کی بات سمجھتا ہوں، لیکن اس کے ساتھ میرا جو تھوڑا بہت تجربہ اور تاریخ کا مطالعہ ہے، اس کے پیش نظر مجھے ایک اندیشہ بھی لاحق ہو رہا ہے، وہ یہ ہے کہ اسلام اسلامی ثقافت اور اسلامی زندگی کے مراکز سے ہزاروں میل دور ملک میں اسلامی معاشرہ کا وجود بڑے خطرات اور نزاکتیں رکھتا ہے۔ فاضل محترم ڈاکٹر سیمان دنیا (جن کی علمی کاوشوں سے میں نے بھی استفادہ کیا ہے) نے صحیح فرمایا کہ ''اسلام کسی ملک کے ساتھ مخصوص نہیں''، میں بھی ان سے اس بات میں سو فیصد اتفاق کرتا ہوں کہ اسلام کوئی مخصوص ملکی اور علاقائی مذہب نہیں لیکن اس سب کے باوجود اس میں بھی کوئی شک نہیں کہ اسلام کو ایک مخصوص ماحول اور مناسب فضا کی بھی ضرورت ہے، وہ اس ذوق کا بھی طالب ہے، جو فکر، شعور اور قلب ونظر سے معین وہ پیدا ہوتی ہو اور وہ ہر سمت سے اسلام کی خوشبو آتی ہو، اسے ایک اسلامی وطن کی بھی ضرورت ہے، اور اگر میں مزید صراحت ووضاحت سے کام لوں تو یوں کہوں گا کہ اسے ایک خاص موسم، آب وہوا اور متعین درجہ حرارت (TEMPERATURE) کی بھی ضرورت ہے، کیوں کہ وہ ایک زندہ انسانی دین ہے، وہ کوئی ذہنی وفکری فلسفہ نہیں جو دماغوں اور فلسفیانہ کتابوں میں محدود رہتا یا لائبریریوں کی زینت ہوتا ہے۔

اسلام صرف عقیدہ نہیں، اور نہ وہ محض انسان کے مذہبی عقائد و اعمال کی (کوئی چھوٹی بڑی) خشک فہرست ہے۔

اسلام بیک وقت عقیدہ و عمل، معاملات و اخلاق، جذبہ و شعور کا حامل ہے، اسی طرح وہ ایک خاص طرح کا ذوق بھی رکھتا ہے، ایسا ذوق جو انسان کا احاطہ کر لیتا ہے، اور اسے ایک نئے طرز میں ڈھال دیتا ہے، اگر کسی کو اللہ تعالیٰ اسلام کے لئے شرح صدر نصیب کرے اور وہ اس پر خدا کے پسندیدہ دین اور آخری رسالت سمجھ کر ایمان لائے تو وہ اسلام کے سانچے میں ڈھل جائے گا اس پر ایک نیا رنگ چڑھ آئے گا، اور اس طرح اس کی کایا پلٹ جائے گی گویا وہ از سر نو پیدا ہوا ہے، کیوں کہ وہ ایک مستقل زندگی اور کامل و جامع زندگی ہے، اس میں انقلاب، تغیر اور کمال و جمال کا ہر پہلو موجود ہے، اسلام کوئی خشک و بے روح عقیدہ اور لفظی و کتابی مذہب نہیں، بلکہ وہ ایسا دین ہے، جو انسان کے باطن و اندرون میں جذب و پیوست ہو کر رگ و پے میں بجلی کی لہر بن کر دوڑنے لگتا ہے، جیسے کرنٹ ایک تار سے دوسرے تار میں جاری اور منتقل ہو جاتا ہے۔

حضرات! اگر اسلام کی یہ صحیح تصویر سامنے ہو تو وہ لفظ و حرف کے ذریعہ محض نقل و روایت ہونے والی چیز یا محض کتاب میں دیکھ لینے والی چیز نہیں، وہ سوچنے کا ایک خاص ڈھنگ اور مخصوص ذوق ہے، اس لئے اشیاء کے بارے میں وہ پسندیدہ و ناپسندیدہ اور خوب و ناخوب کا فیصلہ اور حکم کرتا ہے جیسا کہ نبی ﷺ کے بارے میں آتا ہے کہ وہ بہت سی چیزوں کو پسند اور بہتوں کو ناپسند فرماتے تھے، مثلاً آپ ہر اچھے کام کو دائیں سے شروع کرنا پسند فرماتے حتی کہ پاپوش پہننے اور کنگھی کرنے میں دائیں جانب سے آغاز فرماتے تھے اسی طرح بہت سی چیزوں سے آپ کو نشاط و انشراح اور بہت سی چیزوں سے تنغص اور انقباض ہوتا تھا، تو در اصل اسلام ایک نبوی و آسمانی ذوق سلیم ہے، جو سات آسمانوں کی بدلیوں سے اترا ہے، اور انبیاء علیہم السلام اس کے حامل و وارث بنے ہیں، اور اس کی وراثت چھوڑی ہے۔

اسی لئے ہم دیکھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اسلام کو صبغۃ اللہ (خدائی رنگ) فرمایا ہے،

اگر اسلام صرف عقیدہ یا صرف عمل ہوتا تو اسے رنگ اور طرز نہ کہا جاتا، کیونکہ "صبغۃ" چھاپ اور ٹھپے، ممتاز علامت اور فیصلہ کن شعار کے معنے میں ہے، اور یہ اسی وقت ہوگا، جب اسلام ایک انسان اور دوسرے انسان میں، ایک زندگی اور دوسری زندگی، ایک کردار اور دوسرے کردار، ایک ذوق اور دوسرے ذوق میں کھلا فرق وامتیاز پیدا کردے، اور اشیاء اور اقدار حیات کے معیاروں کا اختلاف نمایاں کردے کیونکہ اسلام کی میزان ومعیار اور جاہلیت کی میزان ومعیار سے بالکل الگ ہیں، اسی لئے آپ حدیث نبوی اور سنت کے ذخیرہ میں جاہلیت اور اس کے شعاروں کے بارے میں تنبیہ دیکھیں گے، مثلاً کبھی فرمایا جاتا ہے کہ یہ چیز جاہلی عادات میں سے ہے، یہ چیز حمیت جاہلی جیسی ہے، قرآن مجید میں فرمایا گیا ہے۔

وَلَا تَبَرَّجْنَ تَبَرُّجَ الْجَاهِلِيَّةِ الْأُوْلٰى. (الاحزاب ۳۳)
تم عورتیں اگلی جاہلیت جیسی آرائش ونمائش نہ کرو۔

ایسا کیوں کہا گیا؟ جاہلیت کا دور تو کب کا ختم ہو چکا تھا، پھر قرآن جاہلیت سے کیوں عار دلاتا ہے؟ ایسا اس لئے ہے کہ جاہلیت ایک مستقل زندگی تھی، جس میں حسن وقبح، حلال وحرام، فرض وواجب، مباح وممنوع کی تقسیم اور اشیاء کو تولنے کے پیمانے مقرر تھے، اور ایسی زندگی تھی، جسے اللہ تعالی نے ناپسند کیا اور مکروہ وملعون قرار دیا اس لئے حدیث شریف میں آتا ہے کہ۔

ان اللہ نظر الی اھل الارض فمقتھم عربھم وعجمھم الا بقایا من اھل الکتاب۔ (مشکوۃ المصابیح)

اللہ تعالی نے روئے زمین کی طرف دیکھا اور اس کے رہنے والے عرب وعجم سے ناخوش ہوا سوا تھوڑے اہل کتاب کے۔

چنانچہ اس جاہلیت سے اللہ تعالی ناراض ہوا، اس لعنت زدہ قرار دیا، اور اسے سبب مقت بنا کر اپنے بندوں کے لئے ناپسندیدہ ٹھہرایا، اس لئے فرمایا کہ "اگلی جاہلیت جیسی نمائش وآرائش نہ کرو، نیز فرمایا۔

اِذْ جَعَلَ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا فِیْ قُلُوْبِهِمُ الْحَمِیَّةَ حَمِیَّةَ الْجَاهِلِیَّةَ.

(الفتح ۲۶)

جب کافروں نے اپنے دلوں میں حمیت وغیرت کا جذبہ بیدار کیا یعنی جاہلی حمیت کا۔

نبی ﷺ جب کسی مسلمان میں جاہلیت کی کوئی بات دیکھتے تو فرماتے۔

انک امرؤ فیک جاهلیة (بخاری شریف ج/۱ ص ۹)

تم میں ابھی جاہلیت کا اثر باقی ہے۔

جیسا کہ آپ نے حضرت ابوذر جیسے جلیل القدر صحابی سے جب آپ نے ان کے اور ان کے غلام کے درمیان اونچ نیچ دیکھی اور انہیں اپنے غلام کو مارتے اور اس کے ساتھ توہین آمیز سلوک کرتے دیکھا تو فرمایا کہ ”تم سے ابھی جاہلیت کی بو نہیں گئی“ چنانچہ اس تنبیہ سے حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ اس قدر متاثر ہوئے کہ اپنے اور اپنے غلام کے درمیان تفریق کرنا چھوڑ دی، اپنے غلام کو وہی کپڑے پہناتے جو خود پہنتے، اور جو خود کھاتے وہی اس کو بھی کھلاتے تھے۔

اللہ سبحانہ تعالیٰ نے اسلام کو ”صبغۃ اللہ“ فرمایا ہے اگر اسلام زندگی کا ایک خاص رنگ و آہنگ اور طرز و اسلوب نہ ہوتا تو اسے ”رنگ“ سے تعبیر نہ کرتا چنانچہ فرمایا۔

صِبْغَةَ اللهِ وَمَنْ اَحْسَنُ مِنَ اللهِ صِبْغَة (البقرہ ۱۳۸)

یہ اللہ کا رنگ ہے اور اس سے بہتر کس کا رنگ ہے۔

پھر اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کو انبیاء علیہم السلام کی اتباع پر آمادہ کرتے ہوئے انبیاء کی ایک طویل اور زریں فہرست بیان کرتے ہوئے فرمایا۔

وَوَهَبْنَا لَهٗۤ اِسْحٰقَ وَيَعْقُوْبَ كُلًّا هَدَيْنَا وَنُوْحًا هَدَيْنَا مِنْ قَبْلُ وَمِنْ
ذُرِّيَّتِهٖ دَاوٗدَ وَسُلَيْمٰنَ وَاَيُّوْبَ وَيُوْسُفَ وَمُوْسٰى وَهٰرُوْنَ وَ
كَذٰلِكَ نَجْزِى الْمُحْسِنِيْنَ O وَزَكَرِيَّا وَيَحْيٰى وَعِيْسٰى وَاِلْيَاسَ
كُلٌّ مِّنَ الصّٰلِحِيْنَ O وَاِسْمٰعِيْلَ وَالْيَسَعَ وَيُوْنُسَ وَلُوْطًا وَكُلًّا

فَضَّلْنَا عَلَى الْعَالَمِيْنَ O وَمِنْ آبَائِهِمْ وَذُرِّيَّاتِهِمْ وَإِخْوَانِهِمْ وَاجْتَبَيْنَاهُمْ وَهَدَيْنَاهُمْ إِلَى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ O ذٰلِكَ هُدَى اللهِ يَهْدِيْ بِهٖ مَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ وَلَوْ أَشْرَكُوْا لَحَبِطَ عَنْهُمْ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ. (الانعام ۸۵.۸۹)

ہم نے اسے اسحٰق و یعقوب عطا کئے، اور سب کو ہدایت دی اور اس سے قبل نوح کو ہدایت دی، اور اس کی اولاد میں داؤد و سلیمان، ایوب و یوسف، موسیٰ و ہارون کو اور ہم اسی طرح نیکوکاروں کو بدلہ دیتے ہیں، اور زکریا و یحییٰ عیسیٰ اور الیاس، سب نیکوں میں سے تھے، اور اسماعیل، الیسع، یونس، اور لوط سب کو ہم نے دنیا جہاں پر فضیلت دی اور ان کے آباء و اولاد اور بھائیوں میں سے بھی بعض کو، اور ہم نے انہیں چنا اور انہیں سیدھے راستہ پر چلایا یہ اللہ کی رہنمائی ہے جس کے ذریعہ وہ اپنے بندوں میں سے جسے چاہتا ہے، ہدایت دیتا ہے اور اگر وہ شرک کریں تو ان کا کیا ہوا سارا ضائع ہو جاتا ہے

پھر فرمایا۔

أُولٰئِكَ الَّذِيْنَ هَدَى اللهُ فَبِهُدَاهُمُ اقْتَدِهْ. (الانعام ۹۰)

یہ وہ ہیں جنہیں اللہ نے ہدایت دی ہے تو ان کے طرز کو اپنائیے۔

پھر اللہ تعالیٰ نے اقتدا کا یہ حکم اپنے نبی کے لئے خاص کر دیا، جن کی سیرت اسوۂ حسنہ اور کامل نمونہ ہے، چنانچہ مؤمنین کو نبی ﷺ کی زبان سے مخاطب کیا گیا ہے کہ۔

قُلْ إِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللهَ فَاتَّبِعُوْنِيْ يُحْبِبْكُمُ اللهُ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوْبَكُمْ.

(آل عمران ۳۱)

آپ کہہ دیجئے کہ اگر اللہ سے محبت رکھتے ہو تو میری اتباع کرو، اللہ تم سے محبت کرے گا، اور تمہارے گناہ معاف کر دے گا۔

اسلام دوسرے مذاہب کے مقابل زیادہ ذکی الحس (SENSETIVE) واقع ہوا ہے، اگر کوئی مسیحی اپنے کو نصرانی کہتا ہے تو اس کا کہنا ہی کافی ہے، اس کے بعد وہ تمدن و تہذیب، فلسفہ و طرز حیات اور فکر و نظر کے جو پیمانے بھی چاہے اپنا سکتا ہے، میرے ایک

ہندوستانی دوست نے ایک بڑے پڑھے لکھے ہندو دوست سے پوچھا کہ "میرے بھائی! کسی مسلمان سے پوچھا جاتا ہے کہ مسلمان کسے کہتے ہیں تو وہ بے تکلف جواب دیتا ہے کہ جو کلمہ طیبہ " لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ " پڑھے اور اس پر عقیدہ رکھے، اس کلمہ میں اسلام کا خلاصہ آ گیا ہے۔ اسی طرح اگر آپ سے ایک ہندو ہونے کے ناطے سوال کیا جائے تو آپ کا کیا جواب ہوگا؟ میں کوئی تفصیلی جواب نہیں چاہتا کیونکہ تفصیل کے لئے اور برہمن فلاسفی یا ویدانت کے سمجھنے کے لئے میری لائبریری میں بہت سی کتابیں ہیں، لیکن میں کہتا ہوں کہ میرے پاس صرف ایک یا دو منٹ ہیں جس میں آپ مجھے ایک جملہ میں ہندوازم سمجھا دیں جس میں اس کی روح اور جوہر آ گیا ہو، میرے دوست کا کہنا ہے کہ ہندو دوست کچھ دیر رک کر بولے " دیکھئے جناب! ہندو ہر بات پر عقیدہ رکھ سکتا ہے، اور ہر بات کو رد کر سکتا ہے، اس لئے اگر کوئی آدمی اپنے کو ہندو کہتا ہے تو پھر اس کے بعد کسی اور بات کی ضرورت نہیں رہتی، پھر وہ جو کچھ مانے اور جو کچھ کرے ہندو ہی رہتا ہے۔"

مگر میرا کہنا یہ ہے کہ اسلام کا معاملہ ایسا نہیں، اسلام جیسا کہ میں نے ابھی کہا کہ بہت ہی ذکی الحس واقع ہوا ہے، اور کسی اور دین کے مقابلہ میں اپنے سے منافی باتوں سے جلد متاثر ہوتا ہے، اس کے حدود متعین و معروف ہیں کہ یہ اسلام ہے، اور یہ کفر ہے، یہ اسلام ہے اور یہ جاہلیت ہے، یہ حلال ہے اور یہ حرام ہے، یہ پاک ہے، اور یہ ناپاک اور یہاں تک اسلام کی سرحد ہے، اور اس کے بعد ارتداد و کفر کا علاقہ ہے، ردت کا یہ واضح مفہوم جیسا کہ ہم سمجھتے ہیں، غالباً کسی اور دین میں موجود نہیں، جب کہ ہمارے یہاں مرتد ہونا سب سے بڑا جرم اور گناہ ہے جس کے تصور ہی سے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں، جیسا کہ حدیث شریف میں آیا ہے کہ (کمال ایمان کی علامت یہ ہے کہ) "مسلمان کو اس تصور سے کہ وہ کفر کی طرف واپس جا سکتا ہے، ایسی وحشت ہو کہ جیسے وہ آگ میں ڈالا جا رہا ہے۔" یکرہ أن یعود الی الکفر کما یکرہ ان یقذف فی

النار "

تو جب اسلام کا یہ مزاج اور یہ صورت حال ہے تو ان مسلمانوں کی ذمہ داری (جو امریکا و یورپ میں مقیم ہیں) بہت زیادہ بڑھ جاتی ہے، اگر اسلام اور ادیان کی طرح صرف عقیدہ، یا صرف اعمال وعبادات کا نام ہوتا تو معاملہ بہت آسان تھا، لیکن اگر وہ ایک رنگ ہے، اگر وہ ایک طرز زندگی، جذبہ وشعور، ذوق ووجدان اور احساس بھی ہے، اور دوسرے مذاہب کی بہ نسبت زیادہ نازک اور لطیف طبع بھی ہے، اور اشیاء کے معیار، اقدار اور چیزوں کے حسن وقبح کے تصور میں بنیادی تبدیلی کا داعی بھی، تو اس کا معاملہ بہت نازک اور مشکل بن جاتا، اور اس کی ذمہ داری بہت زیادہ بڑھ جاتی ہے۔

اس لئے ہم صرف کتابوں کے مطالعہ اور مقالات کے سننے سنانے پر ہی اکتفا نہیں کر سکتے، خواہ وہ کیسے ہی بلند پایہ اور علمی کیوں نہ ہوں ہم اسلام کا ذوق واحساس صرف ان کتابوں اور مقالوں سے حاصل نہیں کر سکتے، اگر چہ یہ کتابیں اور مقالات بھی ضروری اور مفید ہیں، لیکن ان پر اکتفا وانحصار صحیح نہیں بلکہ ہماری اصل ضرورت ایک اسلامی خطہ اسلامی فضا، اسلامی رنگ کا وجود ہے، جہاں ہم اپنی آنکھوں سے اسلام کو دیکھ سکیں، اپنے کانوں سے اس کی آواز سن سکیں، اسے اپنے ہاتھوں سے چھو سکیں اور اپنے حواس سے اسے محسوس کر سکیں، اس کے لئے ملاقاتوں اور ملنے جلنے کی ضرورت ہے، اس کے لئے ہمیں اسلامی زندگی گزارنے کی حاجت ہے کہ ہم ان علاقوں میں جائیں جہاں اسلامی زندگی اور کسی بھی درجہ کا مثالی مسلم معاشرہ پایا جاتا ہے، جہاں ہم اسلام کو ایک زندہ وتوانا انسان کی طرح چلتے پھرتے اور متحرک ومتنفس دیکھ سکیں۔

اسی لئے مسلمانوں اور سچے ایمان والوں کی صحبت ومعیت ضروری ہے، ہم اللہ تعالیٰ کو اپنے نبی ﷺ سے فرماتے ہوئے دیکھتے ہیں (حالانکہ وہ معصوم ومحبوب اور تمام نسل انسانی کے لئے اسوۂ حسنہ ہیں) کہ وہ صالحین ہی کی صحبت میں رہیں۔

وَاصْبِرْ نَفْسَكَ مَعَ الَّذِينَ يَدْعُونَ رَبَّهُمْ بِالْغَدَاةِ وَالْعَشِيِّ يُرِيدُونَ وَجْهَهُ، وَلَا تَعْدُ عَيْنَاكَ عَنْهُمْ تُرِيدُ زِينَةَ الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَلَا تُطِعْ مَنْ أَغْفَلْنَا

قَلْبَهٗ عَنْ ذِكْرِنَا وَاتَّبَعَ هَوَاهُ وَكَانَ اَمْرُهٗ فُرُطًا ○ (الکہف ۲۸)

اور آپ خود کو ان لوگوں کے ساتھ رکھئے جو صبح وشام اپنے رب کو پکارتے اور اس کی رضا کے طالب رہتے ہیں، اور آپ ان سے صرف نظر کرکے دنیوی زندگی کی زینت کو نہ دیکھیں اور نہ اس کی اطاعت کریں جس کے دل کو ہم نے اپنی یاد سے غافل کر دیا ہے، اور وہ اپنی خواہش نفسانی کا پیرو ہے، اور اس کا طرز عمل ہمیشہ افراط وغلو کا حامل ہوتا ہے۔

جب نبی معصومؐ کو یہ تاکید ہے تو پھر عام مسلمانوں کا حال اسی سے قیاس کیا جا سکتا ہے، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

يَآ اَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَكُوْنُوْا مَعَ الصَّادِقِيْنَ (التوبہ ۱۱۹)

اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو اور سچوں کے ساتھ رہو۔

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ محض مطالعہ وکتب بینی سے یہ مقصد پورا نہیں ہو سکتا۔

یہاں اسلامی معاشرہ ابھی اپنے دور طفولیت اور نشو ونما کے ابتدائی مراحل میں ہے، اس لئے ہمیں اس نوخیز معاشرہ کے سلسلے میں باشعور اور اپنی ذمہ داری کا احساس ہونا چاہئے، ہمیں یقین ہے کہ اللہ کے فضل سے قائم ہونے والا یہ معاشرہ نہ صرف قائم رہے گا بلکہ اپنی پختگی اور سن شعور کو پہنچے گا اور اس کے پاس تربیت کے اسباب ووسائل ہوں گے، وہ اسباب تربیت کیا ہیں؟ وہ عقیدہ وایمان، تحقیق ومطالعہ، علم وثقافت، صحبت صالح اور مجاہدہ ہے، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

وَالَّذِيْنَ جَاهَدُوْا فِيْنَا لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا وَاِنَّ اللّٰهَ لَمَعَ الْمُحْسِنِيْنَ.

(العنکبوت ۶۹)

اور جو لوگ ہمارے لئے کوشش کریں گے تو ہم انہیں اپنے راستوں کی رہنمائی ضرور کریں گے اور اللہ نیکوکاروں کے ساتھ ہے۔

جو لوگ اللہ کے دین کی سربلندی کے لئے کوشاں رہتے ہیں، اللہ تعالیٰ ان پر حکمت وایمان اور فہم وبصیرت کے ایسے دروازے کھولتا ہے، جس کا انسان تصور بھی نہیں کر سکتا۔

یہ اس معاشرہ کی ذمہ داریاں ہیں، جس کے آپ بحمد اللہ بانی وارکان ہیں،

اور اس کو وجود میں لانے میں آپ کا بڑا حصہ ہے، اگر آپ وطن عزیز کو چھوڑ کر یہاں نہ آتے اور اسے دوسرے ملکوں پر ترجیح نہ دیتے تو یہ معاشرہ برپا نہ ہوتا، لیکن اس کے ساتھ یہ کوشش بھی کیجئے کہ یہ معاشرہ، مثالی اسلامی معاشرہ بنے اور صرف فلسفہ وعلمی نظریات تک محدود رہنے والا اسلامی معاشرہ نہ ثابت ہو، کیونکہ اسلام محض کوئی سیاسی فلسفہ، صرف اقتصادی ومعاشرتی تنظیم، اور خالی نظام حکومت نہیں، بلکہ ان سب چیزوں سے پہلے وہ انسان کے اندروں اور احساسات میں اتر جانے والا اور طبیعت انسانی کی گہرائیوں میں جگہ بنانے والا عقیدہ وایمان ہے، وہ ایک عملی زندگی اور مخصوص مذاق طبیعت ہے، صحابہ کرامؓ کا اسلام ان تمام پہلوؤں پر حاوی ومشتمل تھا، وہ عقیدہ واخلاق اور ذوق ووجدان اور ہر لحاظ سے مسلمان اور اقدار واشیاء کے لئے معیار ومیزان تھے، اسی لئے حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے فرمایا کہ " **مارآہ المسلمون حسنا فھو عند اللہ حسن** " (مسلمان جو اچھا سمجھیں وہ خدا کے نزدیک بھی اچھا ہے) محققین کے نزدیک ان مسلمانوں سے مراد صحابہ ہیں، یعنی صحابہ کرامؓ جسے اچھا سمجھیں وہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک بھی اچھا ہے، اور جسے وہ اجتماعی یا اکثری طور پر برا سمجھیں وہ برا ہے۔

اسی طرح اسلام اور قرآن، مسلمان سے مطالبہ کرتے ہیں کہ وہ معیار حق اور میزان عدل ہیں اور ان کا اسلام ان تمام پہلوؤں کو شامل ہو وہ اسلام کا حقیقی ذوق رکھتا ہو یہاں کے امریکی اپنے معاشرے کے درمیان (جس کو مادیت اس بے رحمی اور وحشیانہ انداز سے ہنکار رہی ہے، جس میں کوئی نرمی اور رحم وکرم نہیں) اور اس اسلامی معاشرہ کے درمیان واضح طور پر فرق محسوس کریں جو مطمئن، پرسکون، مؤدب، باوقار پاک وصالح معاشرہ ہے، جس کی راتیں عبادت وانابت میں گزرتی ہیں، اور جس کے دن دینی محنت، رزق حلال کی تلاش اور انسانیت کی خدمت میں بسر ہوتے ہیں۔

اور صرف ایسے اسلامی معاشرے کا وجود ہی بجائے خود اسلام کی فتح وکامرانی کا سبب ہوگا، جسے ایک امریکی دیکھ کر بول اٹھے گا کہ زندگی کا اصل لطف تو اس اسلامی معاشرے میں ہے نہ کہ ہمارے معاشرے میں، اور امریکن اس معاشرے کی طرف لپکیں گے،

جس میں اطمینان وسکینت، اور نورانیت ہوگی اور اپنے متعفن وفاسد ماحول پر (جس میں وہ پلے بڑھے ہیں) لعنت بھیجنے لگیں گے۔

اخیر میں مجھے یہاں امریکا اور ہر جگہ اس وقت کا خطرہ محسوس ہوتا ہے کہ جب ہم اپنی ذات تک محدود اور اپنے خول میں سمٹ جائیں جیسے سانپ اپنی کینچلی میں بند ہوجاتا ہے، اور صرف مطالعۂ کتب اور علمی تحقیقات میں الجھ کر رہ جائیں، اور اسلام کے حقیقی سرچشموں اور اسلام کے ان مرکزوں سے ہمارا رشتہ باقی نہ رہے، جن میں کمزوریوں کے باوجود اسلام زندہ ہے، اور جن کی فضاؤں پر اسلام چھایا ہوا ہے، اور ہمارے قلب وروح کے اندر موجزن اسلامی جذبات واحساسات کے سرچشمے خشک ہوجائیں تو پھر امریکی اسلام، یورپی اسلام، جاپانی، ایرانی، ہندوستانی اور پاکستانی اسلام ابھرنے لگے گا جن میں سے ایک دوسرے کو پہچان بھی نہ سکے گا، اور وہ آپس میں اس طرح مختلف ہوں گے جیسے امریکی ایشیائی سے، اور جاپانی انسان افغانی انسان سے مختلف ہوتا ہے، اور ایسے مسلم معاشرے وجود میں آجائیں گے جن کے ذوق وذہن، اور اقدار ومعیار بالکل الگ ہوں گے۔

یہ صورت حال اسلام کے لئے ایک خطرہ ہے، جس کا ابھی سے مقابلہ کرنا چاہئے، جب کہ ابھی معاملہ حد سے آگے نہیں بڑھا ہے، اور زمام کار اسلامی رہنماؤں کے ہاتھ سے نہیں نکلی ہے، حج کی مشروعیت، اور مسلمانوں کے ان کے ماحول، قومیت، اور زبان وثقافت کے اختلاف کے باوجود ایک سرزمین اور ایک وقت میں اجتماع میں یہی مصلحت کارفرما ہے کہ دین کی کوئی بات کسی کے لئے مشتبہ اور مبہم نہ رہ جائے، اور ساری دنیا کے مسلمانوں اور ان کے اسلامی خدوخال کا بیک وقت جائزہ لیا جاسکے، علاقائی بدعات اور اس سبزۂ خودرو کا علم ہوسکے جو علم کی کمی یا علماء کی غفلت یا دوسری قوموں کے اختلاط کی وجہ سے اسلام کے چمنستان اور اس کی زمین پر جابجا اگ آیا ہے، اس کی نشاندہی بھی ہوجائے اور اس کے استیصال کی طرف متوجہ بھی کیا جاسکے، بقول حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ (م ۱۱۷۶ھ) ''اگر حج نہ ہوتا تو یہ دین اور مشرق ومغرب کے

مسلمان، دوسرے مذاہب کی طرح تحریف وتبدیلی کا نشانہ بن سکتے تھے، اور اس کا برسوں پتہ بھی نہ چلتا۔"

اس لئے میرے بھائیو! علاقائی، ملکی وجغرافیائی، اور "خودرو" اسلام کے ظہور اور اپنے مسلم معاشروں کے وجود سے چوکنا اور ہوشیار رہئے جو جوہر اسلام اور روح اسلام سے عاری ہو، اور ان اصل بنیادوں پر قائم نہ ہو جن پر اسلام کو قائم ہونا چاہئے۔

یہ وہ مضمون ہے جو اس وقت اللہ نے میرے دل میں ڈالا اور میری زبان سے کہلوایا، اور میں اس کو امریکہ اور یورپ کے مسلمان بھائیوں کے لئے ایک نہایت ضروری اور اہم پیغام سمجھ رہا ہوں جب آپ تنہائی میں اور اپنے گھر جا کر اس پر غور کریں گے تو اس کی قدر و قیمت اور اہمیت وضرورت محسوس کریں گے، اور تجربہ اس کی تصدیق کرے گا، اللہ تعالیٰ ہم سب کی صحیح رہنمائی فرمائے اور صراط مستقیم پر قائم رکھے۔

وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

انسانیت کی صحیح گرہ کشائی

الحمد لله رب العالمين والصلوة والسلام على سيد الا نبياء والمرسلين وعلى آله وصحبه اجمعين اما بعد. فاعوذ بالله من الشيطان الرجيم يا ايها الناس قولوا لااله الا الله تفلحون.

محترم حضرات! حضور نبی کریم ﷺ نے اللہ تعالیٰ کی رہنمائی سے دعوت واصلاح کا کام اس کے صحیح راستہ سے شروع کیا، آپ ﷺ نے طبیعت انسانی کے قفل میں ٹھیک چابی لگائی، یہ وہ قفل تھا جس کے کھولنے میں اپنے وقت کے تمام مصلحین ناکام رہے تھے۔ آپ ﷺ نے لوگوں کو سب سے پہلے اللہ پر ایمان لانے کی دعوت دی اور معبودانِ باطل کے انکار کی تلقین فرمائی اور طاغوت (خدا کے سوا ہر ہستی جس کی عبادت و اطاعت مطلق کی جائے) کی نافرمانی کی ہدایت فرمائی، لوگوں میں کھڑے ہو کر آپ نے بآواز بلند فرمایا، يا ايها الناس قولو الااله الا الله تفلحوا لوگو کہو کہ اللہ کے سوا کوئی قابل عبادت نہیں کامیاب ہو گے۔

جاہلیت اسلام کے مقابلہ پر:

میرے عزیزو! جاہلی معاشرے نے اس دعوت اور اس کے مقاصد کے سمجھنے میں غلطی نہیں کی، اور اس میں اس کو کچھ پیچیدگی محسوس نہیں ہوئی جیسے ہی آپ کی آواز سے سننے والوں کے کان آشنا ہوئے وہ اچھی طرح سمجھ گئے کہ یہ دعوت ایسا تیر ہے جو جاہلیت

کے نشانہ پر بیٹھ جائے گا اور جگر کے پار ہو جائے گا جاہلیت کے سورما جاہلیت کے آخری معرکہ کے لئے میدان میں کیل کانٹے سے لیس ہو کر اتر آئے والنطلق الملاء منهم ان امشوا واصبروا علىٰ الٰهتكم ان هٰذا لشی یراد. (پ۲۳۔ آیت ۶۔ سورۃ ص)
اور ان کے ذمہ دار لوگ نکل پڑے کہ چلو اور اپنے معبودوں پر جمے رہو یہ تو یقیناً کوئی مطلب کی چیز معلوم ہوتی ہے۔

اس زندگی کے ہر رکن نے صاف محسوس کیا کہ جاہلی تہذیب کی عمارت متزلزل ہے اور پورا نظامِ زندگی خطرے میں ہے، اس موقع پر سختی دباؤ ظلم و زیادتی کے وہ لرزہ خیز واقعات پیش آئے جو تاریخ اسلام میں محفوظ ہیں۔ یہ اس بات کی علامت تھی کہ رسول اللہ ﷺ نے جاہلیت پر زد لگانے کے لئے بالکل صحیح جگہ کا انتخاب کیا اور آپ ﷺ کا تیر نشانہ پر صحیح بیٹھا۔ آپ نے جاہلیت کی شہ رگ پر وار کیا جس سے جاہلیت تلملا اٹھی اور سارا عرب جو جاہلیت کا شاہد سب سے بڑا قلعہ تھا لڑنے کے لئے آ گیا۔ رسول اللہ ﷺ اپنی دعوت پر پہاڑ کی طرح جمے رہے، مخالفت کے طوفان اٹھے، فتنہ کی آندھیاں آئیں اور نکل گئیں، مگر آپ ﷺ نے اپنی جگہ سے ذرا جنبش نہ کی، آپ ﷺ نے اپنے چچا سے صاف کہہ دیا (میرے چچا اگر میرے ایک ہاتھ میں سورج اور دوسرے ہاتھ پر چاند بھی رکھ دیا جائے تو بھی میں اس کام کو چھوڑ نہیں سکتا، یہاں تک کہ یا اللہ تعالیٰ اس کو کامیاب کرے یا میں کام آ جاؤں۔)

آپ ﷺ مکہ میں تیرہ سال تک مقیم رہے، مسلسل توحید، رسالت، آخرت پر یقین کی دعوت پوری صراحت کے ساتھ دیتے رہے۔ آپ ﷺ نے اس کے لئے ذرا بھی ہیر پھیر کا راستہ اختیار نہیں کیا نہ مخاطبوں کی ادنیٰ رعایت کی، نہ وقت کی مصلحت کے لئے اپنی دعوت میں لوچ اور لچک گوارا کی۔ اسی دعوت کو ہر مرض کی دوا، اور ہر بند قفل کی کنجی سمجھا، اور ایک لمحہ کے لئے بھی آپ ﷺ کو اس کے بارے میں ادنیٰ تذبذب بھی نہیں ہوا۔

اولین مسلمان:

میرے دوستو! قریش نے اس دعوت کے مقابلہ میں گھٹنے ٹیک دیئے اور جاہلیت کے جھنڈے کے نیچے آپ ﷺ کے مقابلہ پر آ گئے اور انہوں نے تمام ملک میں آپ ﷺ کے خلاف آگ لگا دی اور اسلام کا راستہ روک کر کھڑے ہو گئے۔ اب آپ ﷺ پر ایمان لانا اسی شیر دل مرد کا کام تھا جو موت سے نہ ڈرتا ہو، جو اپنے عقیدہ اور یقین کے لئے آگ میں کودنے اور انگاروں پر لوٹنے کے لئے تیار ہو جو دنیا کی تمام ترغیبات سے منہ موڑ چکا ہو اور ساری دنیا سے رشتہ توڑ چکا ہو، قریش کے چند جوان مرد آگے بڑھے، یہ عجلت کا فیصلہ اور نوجوانی کا اقدام نہ تھا، وہ سمجھتے تھے کہ وہ اپنی زندگی کو خطرے میں ڈال رہے ہیں اور زندگی کے دروازے اپنے لئے بند کر رہے ہیں، کوئی دنیاوی ترغیب یا لالچ اس کی محرک نہ تھی کہ اس فیصلہ سے صرف خطرات کا دروازہ کھلتا تھا اور ہر طرح کے دنیاوی فوائد اور راحت کے دروازے بند ہوتے تھے، یہاں صرف یقین کی ایک طاقت تھی اور آخرت کی لالچ تھی، انہوں نے ایمان کی طرف بلانے والوں کو پکارتے سن پایا تھا کہ اپنے پروردگار پر ایمان لے آؤ، یہ پکار سنتے ہی زمین ان پر تنگ ہو گئی۔ طبیعتیں بھنچنے لگیں، راتوں کی نیند اڑ گئی، نرم بستر کانٹوں کی طرح چبھنے لگے، انہوں نے دیکھا اللہ و رسول ﷺ پر ایمان لانا اور اپنے یقین کا ساتھ دینا ان کے لئے ضروری ہو گیا ہے وہ دل و دماغ کے فیصلہ اور اپنے یقین کی مخالفت کر کے خوش نہیں رہ سکتے تھے۔ حقیقت ان پر ظاہر ہو گئی تھی۔ وہ اس حقیقت کو ٹال نہیں سکتے تھے، حیوانی زندگی سے ان کا دل اچاٹ ہو گیا تھا، وہ اس کو اس میں دوبارہ پھنسا نہیں سکتے تھے، ایک کانٹا تھا جو ان کے دل میں چبھ رہا تھا، وہ اس کانٹے کو پال نہیں سکتے تھے۔ آخر انہوں نے رسول اللہ ﷺ تک پہنچنا اور اسلام لانے کا فیصلہ کر لیا۔ رسول اللہ ﷺ ان کے شہر کے محلہ میں تھے۔ چند گز کا فاصلہ! مگر قریش نے آپ ﷺ کو اتنا دور کر دیا تھا اور راستہ اتنا پر خطر بنا دیا تھا کہ آپ ﷺ تک پہنچنا ایک دور دراز اور نہایت خطرناک سفر تھا شام و یمن کو تجارتی قافلہ لے جانا اور عرب کے رہزنوں سے بچ

کر جانا اتنا مشکل نہ تھا جتنا مکہ کے اندر محمد رسول اللہ ﷺ تک پہنچنا اور آپ ﷺ سے ملنا مشکل تھا، لیکن وہ آپ تک پہنچے، آپ ﷺ کے ہاتھ میں ہاتھ دیا اور اپنی زندگی آپ ﷺ کے حوالے کر دی ان کو زندگی کا خطرہ تھا اور آزمائش و مشکلات کا یقین تھا مگر انہوں نے قرآن کی یہ آیات سنی تھیں،

> أَحَسِبَ النَّاسُ أَنْ يُّتْرَكُوْٓا أَنْ يَّقُوْلُوْٓا اٰمَنَّا وَهُمْ لَا يُفْتَنُوْنَ O وَلَقَدْ
> فَتَنَّا الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ فَلَيَعْلَمَنَّ اللّٰهُ الَّذِيْنَ صَدَقُوْا وَلَيَعْلَمَنَّ
> الْكَاذِبِيْنَ O (العنکبوت . ۲)

کیا لوگوں نے یہ سمجھ رکھا ہے کہ وہ یہ کہہ کر چھوٹ جائیں گے کہ ہم ایمان لائے اور ان کی آزمائش نہ ہوگی، ہم نے تو ان سے پہلے لوگوں کو خواب آزمایا ہے، اللہ تعالیٰ ان لوگوں کو ضرور جان لے گا جو سچے ہیں اور وہ جھوٹوں کو ضرور معلوم کر لے گا۔ اور انہوں نے اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان بھی سنا تھا کہ:

> أَمْ حَسِبْتُمْ أَنْ تَدْخُلُوا الْجَنَّةَ وَلَمَّا يَأْتِكُمْ مَّثَلُ الَّذِيْنَ خَلَوْا
> مِنْ قَبْلِكُمْ مَسَّتْهُمُ الْبَأْسَآءُ وَالضَّرَّآءُ وَزُلْزِلُوْا حَتّٰى يَقُوْلَ الرَّسُوْلُ
> وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ مَتٰى نَصْرُ اللّٰهِ اَلَا اِنَّ نَصْرَ اللّٰهِ قَرِيْبٌ O
>
> (البقرہ:۲:۲۱۴)

کیا تم نے سمجھ رکھا ہے کہ جنت میں یوں ہی داخل ہو جاؤ گے اور تم پر وہ حالات نہیں گزریں گے جو پہلوں پر گزر چکے ہیں۔ ان کو مصیبت اور نقصانات سے سابقہ پڑا اور وہ ہلا کر رکھ دیئے گئے حتی کہ رسول ﷺ اور ان کے ساتھی ایمان لانے والے کہنے لگے کب مدد آئے گی؟ معلوم ہوا کہ مدد بس قریب ہے۔

آخر وہی پیش آیا جس کی قریش سے توقع تھی، قریش نے اپنا ترکش ان بے بسوں پر خالی کر دیا اور سب تیر آزمائے مگر ان کی پختگی اور یقین بڑھتا ہی گیا (اور کہنے لگے اسی کا تو ہم سے اللہ اور اس کے رسول ﷺ نے وعدہ فرمایا تھا اور اللہ اور اس کے رسول ﷺ نے سچ فرمایا تھا اور اس نے ان کے ایمان اور سپردگی میں اضافہ ہی کیا) ان آزمائشوں

اور ابتلاؤں سے ان کے عقیدہ میں مزید پختگی، ان کے یقین میں استحکام، ان کے دینی احساس میں ترقی اور ان کے ایمان میں لذت وحلاوت پیدا ہوئی، ان کی طبیعتوں میں نکھار پیدا ہوا اور وہ اس بھٹی سے کھرا سونا بن کر نکلے۔

صحابہ کرامؓ کی ایمانی تربیت:

حضرات! اس کے ساتھ ساتھ رسول اللہ ﷺ ان کو قرآن کی روحانی غذا پہنچا رہے تھے، اور ایمان کے ذریعہ ان کی تربیت فرما رہے تھے اور آپ ﷺ ان کو طہارت بدنی وخشوع قلبی خضوع جسمانی اور حاضر دماغی کے ساتھ دن میں پانچ بار رب العالمین کے حضور میں جھکاتے۔ ان میں روز بروز روحانیت کی بلندی، قلب کی صفائی، اخلاق کا ستھرا پن، مادی رفت سے آزادی اور خواہشات سے چھٹکارا حاصل ہو رہا تھا اور مالک ارض وسما کا عشق اور شوق بڑھ رہا تھا، آپ ﷺ ان کو تکلیف میں صبر، درگزر اور ضبط نفس کی تلقین فرماتے تھے لڑائیاں ان کے خمیر میں داخل تھیں تلوار سے ان کا ازلی رشتہ تھا، وہ لوگ اس قوم سے تھے جس کی تاریخ بسوس، وداحس وغیرہ کی خونیں داستانوں سے پر ہے۔ یوم الفجار کو ابھی زیادہ دن نہیں گزرے تھے لیکن رسول اللہ ﷺ ان جنگلی سرشت انسانوں کو تھامے ہوئے تھے اور ان کی عربی نخوت کو ایمان کی طاقت سے دبائے ہوئے تھے، آپ ﷺ ان سے کہتے (اپنے ہاتھوں کو روکے رہو اور نماز قائم کرو) وہ آپ ﷺ کے حکم سے موم ہو گئے تھے، بغیر ادنی بزدلی کے انہوں نے اپنے ہاتھوں کو روک لیا۔ وہ سب برداشت کر رہے تھے جو دنیا کی کسی قوم نے برداشت کیا، تاریخ نے ایک واقعہ بھی ایسا پیش نہیں کیا جس میں کسی مسلمان نے اپنے نفس کی طرف سے مدافعت کی ہو اور جوابی یا انتقامی کارروائی کی ہو۔ ضبط وتحمل کی یہ انتہائی مثال ہے جو ہمیں کسی جماعت کی تاریخ میں نہیں ملتی ہے۔

مدینۃ الرسول ﷺ میں:

حضرات! قریش جب حد سے بڑھ گئے اور پانی سر سے اونچا ہو گیا تو اللہ نے اپنے

رسول کو اور آپ ﷺ کے اصحاب کو ہجرت کر جانے کی اجازت دے دی، یہ لوگ یثرب کو ہجرت کر گئے، اسلام ان سے پہلے یثرب پہنچ چکا تھا۔ اہل مکہ یثرب والوں میں خوب گھل مل گئے حالانکہ ان کے درمیان کی لڑی صرف یہ نیا مذہب تھا، تاریخ نے (دین کی طاقت واثر کا یہ انوکھا منظر پیش کیا، اوس و خزرج نے جنگ بعاث سے ابھی دامن بھی نہ جھاڑا تھا اور ان کی خون آشام تلواروں سے ابھی تک خون ٹپک رہا تھا۔ ایسے حالات میں اسلام نے دلوں میں الفت و محبت پیدا کی۔ اس مصالحت کے لئے اگر کوئی شخص پوری دنیا کا خزانہ خرچ کر دیتا تو بھی اس کی طاقت سے باہر تھی، نبی ﷺ نے انصار و مہاجرین کے درمیان بھائی چارہ کرایا، ایسا بھائی چارہ جس کے سامنے سگے بھائیوں کی محبت گرد، اور دنیا کی ساری دوستیاں بے حقیقت تھیں، تاریخ میں ایسی محبت و خلوص کی مثال نہیں ملتی۔

یہ نوزائیدہ جماعت جو مہاجرین مکہ اور انصار مدینہ پر مشتمل تھی، ایک عظیم الشان اسلامی امت کی اساس اور اسلام کا سرمایہ تھی۔ اس جماعت کا ظہور ایسی کٹھن گھڑی میں ہوا جب کہ دنیا موت و زندگی کی کشمکش میں مبتلا تھی۔ اس جماعت نے آ کر اس کی زندگی کا پلڑا جھکا دیا اور ان تمام خطرات کو دور کر دیا جو اس کو درپیش تھے، اس جماعت کا ظہور اس کا استحکام انسانیت کی بقا کے لئے ضروری تھا اسی لئے جب اللہ تعالیٰ نے انصار و مہاجرین کی اخوت و محبت پر زور دیا تو فرمایا (اگر ایسا نہ کرو گے تو زمین میں بڑا فتنہ و فساد برپا ہوگا۔)

صحابہ کرامؓ کی ایمانی تکمیل:

حضرات! ادھر رسول ﷺ کی رہنمائی میں صحابہ کرامؓ کی ایمانی تربیت و تکمیل کا سلسلہ جاری رہا، قرآن برابر ان کے قلوب کو طاقت اور گرمی بخشتا رہا، رسول اللہ ﷺ کی مجالس سے ان کو استحکام، خواہشات نفس پر قابو، رضائے الٰہی کی سچی طلب اور اس کی راہ میں اپنے آپ کو مٹانے کی عادت، جنت سے عشق، علم کی حرص، دین کی سمجھ اور احتساب نفس کی دولت حاصل ہوئی۔ وہ لوگ چستی و سستی میں رسول اللہ ﷺ کی اطاعت کرتے، جس

حال میں رسول اللہ ﷺ کی اطاعت کرتے جس حال میں ہوتے خدا کی راہ میں اٹھ کھڑے ہوتے۔ یہاں تک کہ رسول اللہ ﷺ کی معیت میں دس سال کے اندر انہیں ۲۷ بار جہاد کے لئے نکلنا پڑا اور آپ ﷺ کے حکم سے ۱۰۰ مرتبہ سے زائد وہ میدان جنگ کی طرف گئے۔ ان کے [illegible] سب [illegible] آسان [illegible] تھی۔ اہل و عیال سے [illegible] برداشت کرنے کے عادی بن گئے تھے۔ قرآن کی آیات [illegible] شراب [illegible] انہیں جوانی سے بچپن سے مانوس تھے۔ جس [illegible] ان کے بارے میں احکام نازل ہوئے جن کی تعمیل [illegible] نہ تھی لیکن خدا اور رسول کی ہر بات ماننے کی عادت پڑ گئی تھی۔ شراب [illegible] تھی جب [illegible] ساری [illegible] نہ تھیں۔ رسول اللہ ﷺ نے ایک بار ان سے ایمان سے [illegible] فرمائی، پھر ہر امر کی اور [illegible] حکم سے [illegible] ضرورت نہ رہی [illegible] جاہلیت سے پہلے عرب میں اسلام نے ہدایت [illegible] کی، پھر تو [illegible] کے لئے ہر مرتبہ نئے [illegible] کی ضرورت باقی نہ رہی، [illegible] اپنے محبوب سے [illegible] اپنے ہاتھ پاؤں سے منع اپنی [illegible] اور جب حق واضح ہو گیا تو رسول اللہ ﷺ نے [illegible] شراب باقی نہ رہی۔ آپ ﷺ کے فیصلہ پر ان [illegible] پیش خدا کی۔ جس بات کا آپ ﷺ فیصلہ فرما دیتے تو [illegible] کی [illegible] باقی نہ رہتی۔ یہ وہ لوگ تھے جنہوں نے رسول اللہ ﷺ سے [illegible] اپنے پیچھے عمروں کا اقرار کیا اور اللہ کی راہ میں [illegible] اپنے گھروں [illegible] سے [illegible] جب شراب کی حرمت کا حکم ہوا تو پیتے ہوئے [illegible] پر تھے اللہ کا حکم ان سے [illegible] کے بعد [illegible] اور شراب کے پیالوں کے درمیان حائل ہو گیا۔ [illegible] اور پرواہ [illegible] نشہ میں شراب کے برتن توڑ دیئے اور شراب مدینہ کی گلیوں اور نالیوں میں بہہ رہی تھی۔

میرے دوستو! جب شیطان کے اثرات ان کے نفوس سے [illegible] کئے [illegible] یوں رہنا چاہئے کہ جب ان کے نفوس کے اثرات ان کے خلوص سے زائل ہو گئے انسانیت

[illegible] اپنے [illegible] بیان [illegible] جیسے [illegible]
[illegible]
[illegible] سے [illegible] کی [illegible]
[illegible] رفتہ رفتہ [illegible] پیدا
[illegible] وقت سے [illegible] اللہ تعالیٰ [illegible] زمین پر [illegible] ڈال
[illegible] آتا [illegible] ان مثال تھے۔
انصاف [illegible] خواہ ان کا اپنا [illegible] کے خلاف [illegible]
[illegible] خواہ [illegible] اللہ تعالیٰ نے اپنی زمین [illegible]
[illegible] اس وقت [illegible]
[illegible] ان کو اپنا جانشین بنایا اور آپ [illegible]
[illegible] اطمینان [illegible] رفیق اعلیٰ کی
طرف [illegible] انہوں نے اسلام کی خاطر اپنا سب کچھ دے دیا [illegible]
پہنچایا۔ اللہ تعالیٰ [illegible] توفیق [illegible] محبت ہمارے دل [illegible]

اللھم صل علی سیدنا محمد وعلی آل سیدنا محمد وبارک وسلم
وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

غیر اسلامی شعائر و رسوم کی نقل و تقلید سے احتراز کی ضرورت

(مفکرِ اسلام نے یہ تقریر بارہ ربیع الاول کے موقع پر ایک جامع مسجد میں کی تھی جس میں غیر مسلموں کے شعائر و تقلید سے اجتناب کی تلقین کی تھی)

الحمد للہ وحدہ والصلوٰۃ والسلام علی سیدنا ومولانا محمد عبدہ ورسولہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہ وصحبہ اجمعین ومن تبعھم باحسان ودعیٰ بدعوتھم الی یوم الدین

اما بعد! فاعوذ باللہ من الشیطان الرجیم بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَقُوْلُوْا رَاعِنَا وَقُوْلُوا انْظُرْنَا وَاسْمَعُوْا وَلِلْکٰفِرِیْنَ عَذَابٌ اَلِیْمٌ ○

حضرات! یہ آیت جس کی ابھی میں نے تلاوت کی، جس کا سیدھا ترجمہ یہ ہے کہ ''اے ایمان والو! ''راعنا'' نہ کہو ''انظرنا'' کہو اور (دھیان کے ساتھ) سنو! اور کافروں کے لئے دکھ دینے والا عذاب ہے۔'' ہمیں معلوم ہونا چاہئے اور جس کو معلوم ہو اس کو حافظہ میں تازہ کر لینا چاہئے کہ یہ آیت کس موقع پر نازل ہوئی اور ہم سے کیا مطالبہ کرتی ہے، اس میں ہمارے لئے کیا پیغام ہے۔

راعنا کا مطلب

''راعنا'' عربی کا صحیح اور فصیح لفظ ہے، جس کے معنی ہیں ''ذرا ہمارا خیال کیجئے'' ذرا

ی (سننے والوں کی) رعایت کیجئے، اور "انظرنا" بھی عربی کا صحیح اور فصیح لفظ ہے، جس کا مفہوم ہے کہ ذرا سا ہمارا انتظار کیجئے، ذرا دیکھ لیجئے کہ ہم نے سنا، یا نہیں، دونوں عربی کے لفظ ہیں، دونوں فصیح ہیں، لیکن قصد کیا ہے کہ ایک سے اللہ تعالیٰ نے منع فرمایا ہے، اور اس کتاب میں جو قیامت تک پڑھی جانے والی ہے، اس ممانعت کو جگہ دی جاتی ہے، وہ دور بھی ختم ہوا، قرآن شریف بہت سے ایسے ملکوں میں پڑھا پڑھایا جاتا ہے، جہاں عربی زبان نہ بولی جاتی نہ سمجھی جاتی ہے، پھر اس کو اتنی اہمیت کیوں دی گئی، اور اس کو قیامت تک اور ہر ملک میں پڑھی جانے والی، ہر زبان میں ترجمہ کی جانے والی کتاب میں کیوں شامل کیا گیا، یہ سوچنے کی بات ہے، اس لفظ کا قصور کیا ہے کہ اس سے منع کیا جاتا ہے، اور اسی کے ہم معنی لفظ کی تعلیم دی جاتی ہے کہ بجائے اس لفظ کے یہ لفظ کہو۔

قصہ یہ ہے کہ جن جماعتوں کو یہ شکایت ہوتی ہے کہ ہمارے ساتھ ظلم اور ناانصافی کی جاتی رہی ہے، اور وہ احساس کمتری میں مبتلا ہوتی ہیں، وہ اپنے دل کا بخار باتوں باتوں میں چٹکی لینے میں، طعنہ دینے اور ذومعنی الفاظ بولنے میں نکال لیتی اور اپنا دل خوش کر لیتی ہیں، ہماری اردو میں بھی ایسے الفاظ ہیں جو معصوم اور دیکھنے میں باوقار ہیں، مگر مذموم معنی میں استعمال ہوتے ہیں، مثلاً آپ بڑے استاد ہیں "فلاں ذات شریف ہیں" میں چونکہ لکھنؤ میں رہتا ہوں، وہاں اس سے سابقہ پڑتا رہتا ہے، یہودیوں کا طریقہ تھا کہ جب دربار نبوی ﷺ میں آتے تھے، اور گفتگو کا سلسلہ جاری ہوتا تو کہتے تھے "راعینا" بن جاتا جس کے معنی ہوتے ہیں، ہمارا چرواہا، جو صاف ذہن و دل کے لوگ ہیں، ان کا ذہن بھی ادھر منتقل نہیں ہوتا کہ اس میں چٹکی لی گئی، یہودیوں کی نظر میں بنی اسرائیل (حضرت یعقوب علیہ السلام) کی اولاد کے علاوہ سب دوسرے درجہ کے انسان اور جمادات وحیوانات کی سطح کے لوگ ہیں، غیر یہودی کے لئے ان کے یہاں (GENTILE) کا لفظ ابھی تک موجود ہے، جس کے معنی ہیں، غیر یہود یا صابی" وہ سمجھتے تھے کہ امیین سے ساتھ جس طرح کا معاملہ کیا جانے جائز ہے، جھوٹ بولا جائے تو جھوٹ نہیں، ان کی کوئی چیز دبالی جائے تو چوری نہیں، ان کو دکھ دیا جائے تو گناہ نہیں، "لیس علینا فی

الا میں سبیل " (ہم پر امیین کے بارے میں کوئی مواخذہ نہیں ہوگا) صحابہ کرام کا ذہن تو اس طرف نہیں گیا مگر اللہ تبارک وتعالی علیم وخبیر ہے، وہ لحن القول کو بھی سمجھتا ہے، یعنی جو باتیں پیرایہ اور ذرا اخفاء واشباع کے ساتھ کہی جاتی ہیں، ان کو بھی جانتا ہے، اللہ تعالی نے صحابہ کرامؓ کو ہدایت کی کہ عربی زبان بہت وسیع ہے، بجائے "راعنا" کے "انظرنا" کہا کرو کہ اس میں کوئی اشتباہ نہیں۔

خیال فرمائیے کہ جب ایک لفظ کے بارے میں اللہ تعالی احتیاط کی تعلیم دیتا ہے، تاکہ یہودیوں سے مشابہت نہ ہو، اور ایسا لفظ نہ نکلے جو مقام نبوت کے شایان شان نہیں، تو غیر مسلموں کے رسوم وشعائر اختیار کرنے کا (جن میں ان کے عقائد، دیومالا، اور فلسفے کا عکس ہے) کیا جواز ہوسکتا ہے، یہی اس آیت کے مستقل طور پر جزء قرآن ہونے کی حکمت ہے، آپ نے اس رمضان میں جو تراویح پڑھی اس میں بھی یہ آیت پڑھی گئی ہوگی، اور اگر چھوٹ جاتی تو قرآن نامکمل رہ جاتا، اور اس کو آخر میں پڑھنے کی تاکید کی جاتی، سوال کیا جا سکتا ہے کہ اب نہ یہود رہے اور نہ وہ حضرات انصار ومہاجرین، جن کے سامنے کا یہ واقعہ ہے اور جو اس کے مخاطب تھے، تو اس آیت کے باقی رہنے کی کیا حکمت اور افادیت ہے۔

حضرات! میں اس کا جواب دوں گا کہ یہ اس لئے کیا گیا تاکہ ہمیشہ کے لئے یہ حقیقت ہمارے پیش نظر رہے کہ جب ایک لفظ کا استعمال (جو دوسری قوم کا حربہ تھا) درست نہیں تو دوسری قوموں کے مخصوص عادات، اور ان کے شعائر ورسوم کو اختیار کرنا کیسے درست ہوسکتا ہے، اب یہ منطق کیسے درست کہی جاسکتی ہے کہ بھائی بعض قوموں اور فرقوں کا جلوس نکلتا ہے، جس سے ان کے قومی شان وشوکت کا اظہار ہوتا ہے، ہم بھی جلوس نکالیں، ان کے یہاں جھنڈا اٹھتا ہے ہم بھی اس کے مقابلہ میں مزارات پر پہنچے لے جائیں، آنحضرت ﷺ نے حضرت عمرؓ کی تعریف فرمائی کہ عمر جس راستے سے چلتے ہیں، شیطان اس راستہ کو چھوڑ کر دوسرا راستہ اختیار کرتا ہے، ہمیں سبق لینا چاہئے کہ ایسی چیزوں سے ہم احتراز کریں جو ہمیں کسی گمراہی یا غلط فہمی میں مبتلا کردے، توحید اور اتباع

سنت کے راستہ سے ہمارے قدم ڈگمگا جائیں، اور ہم دوسری سرحد میں جا پڑیں، مذہب ایک لفظ کے بارے میں اللہ تعالیٰ کی غیرت کو حرکت ہوئی، اور اس نے یہ پسند نہیں کیا کہ مسلمان راعنا کا لفظ استعمال کریں جو ہزاروں برس سے بولا جا رہا تھا، اور آج تک عربی زبان و لغت میں موجود ہے تو غیر مسلموں اور جاہلی اقوام کے شعائر و رسوم کے اختیار کرنے، اور ان کی نقالی اور ریس کرنے میں اللہ تعالیٰ کی غیرت کیوں جوش میں نہ آئے گی، ہندوستان کے غیر مسلم باشندوں نے جب مذہب کی گرفت ڈھیلی ہوئی یا چھوٹ گئی اپنے معاشرہ (سماج) کا اپنے مذہب سے (جس کو وہ دھرم کہتے ہیں) رابطہ قائم رکھنے کے لئے اس طرح کے جشن، رونق کی چیزیں، اور اجتماع کے مواقع ایجاد کئے، اس لئے کہ اس کے بغیر ان کے دھرم سے ان کے سماج کا ربط قائم نہیں رہ سکتا تھا، وہاں واقعہ ہے کہ اسلام کے علاوہ کسی آسمانی دین میں یہ اعلان موجود نہیں کہ اب دین مکمل ہو گیا، اس خلا کو وہ مذاہب اور ملتیں خود محسوس کرتی تھیں، اس لئے کہ روز کوئی نہ کوئی نبوت کا دعویدار کھڑا ہو جاتا تھا، اور کہتا تھا کہ میں نبی ہوں، یہودی اور عیسائی مورخین وفضلاء اپنے مضامین میں سر پکڑ کر روتے اور فریاد کرتے نظر آتے ہیں کہ کیا مصیبت ہے کہ روز ایک مدعی نبوت کھڑا ہو جاتا ہے، اور یہودی اور عیسائی معاشرہ میں ایک انتشار اور افتراق پیدا ہو جاتا، اور ایک مسئلہ بن کر کھڑا ہو جاتا ہے، اس نے کہا کہ اتنی بڑی نعمت اللہ تعالیٰ نے آپ کو عطا کی ہے، جس سے انتشار اور روز روز کا جھگڑا ہمیشہ کے لئے ختم ہو گیا، لیکن تعجب ہے کہ جس آیت کے ذریعہ آپ کو یہ انعام ملا، اور اس کا اعلان ہوا، آپ اس کا جشن نہیں مناتے؟

میرے دوستو! حضرت عمرؓ نے اس کا سیدھا سا جواب دیا، جو دین کا رمز شناس، اور درس گاہ نبوت کا اعلیٰ تربیت یافتہ ہی دے سکتا ہے، فرمایا کہ ہمیں معلوم ہے کہ یہ آیت کب اور کہاں نازل ہوئی، یہ عرفات میں نویں ذی الحجہ کو نازل ہوئی، حضرت عمرؓ نے اپنا مسئلہ اللہ تعالیٰ کے سامنے اظہار عبودیت یا بندگی کا نہیں تھا، اب کیسے معلوم ہو کہ یہ ہندو ہیں، اور ان کا بھی ایک دھرم ہے، اس کے لئے انہوں نے تہوار، جلوس وغیرہ نکالے،

رام لیلا، دسہرا، ہولی، دیوالی، بنگال میں درگا پوجا کا تہوار، دکن میں گن پتی کا جلوس سب اسی قبیل کی چیزیں ہیں۔

اس سے متقابلہ میں اسلام کی روح، اس کا طریق فکر، اور اس کا شعار کیا ہے، اس کا اندازہ اس واقعہ سے کیجئے کہ ایک دن ایک یہودی عالم حضرت عمرؓ کے پاس آتا ہے، اور کہتا ہے "یا امیر المومنین آیة تقرؤنها فی کتابکم لو علینا معشر الیهود نزلت لا تخذنا ذلک الیوم عیدا" امیر المومنین ایک آیت ہے جو آپ اپنی کتاب میں (بے تکلف) پڑھتے ہیں کہیں اگر ہم یہودی جماعت کے بارے میں نازل ہوئی ہوتی تو ہم اس کا ایک جشن اور تہوار مناتے حضرت عمرؓ نے فرمایا: کون سی آیت؟ یہودی عالم نے کہا "الیوم اکملت لکم دینکم واتممت علیکم نعمتی" یہودی عالم کو معلوم تھا کہ یہودی شریعت اور مذہب کی تاریخ میں اس قسم کا کوئی اعلان نہیں کہ نبوت فلاں اسرائیلی نبی پر ختم ہوگئی، یہ ہی کہا، اس سے یہ بھی ظاہر ہوا کہ وہ پہلے سے ایک تاریخی اور یادگار دن ہے، جس میں مسلمان جمع ہوتے اور عبادت کرتے ہیں، دوسرے یہ بھی مفہوم نکلتا ہے کہ وہ اس دن نازل ہوئی، لیکن ہم اس دن کو اس کا تہوار نہیں بنائیں گے اس لئے کہ آنحضرت ﷺ نے دو عیدیں مانی ہیں، اور امت کو عطا کی ہیں، ایک عید الفطر ایک عید الاضحیٰ، آپ نے فرمایا کہ اللہ نے ہمیں غیر مسلموں کے تہواروں کے مقابلہ میں دو تہوار دئیے ہیں، ایک عید الفطرؔ کا، ایک عید الاضحیٰ کا، اس سے ثابت ہوتا ہے کہ اسلام میں ان دونوں کے علاوہ کوئی مستند تہوار کھل کھیلنے، دھوم مچانے اور رنگ رلیاں منانے کے لئے نہیں، جن میں آدمی خدا کو بھی بھول جاتا ہے اور اپنے کو بھی، اور بعض اوقات تہذیب واخلاق کو بھی، اس کے برخلاف اسلامی تہواروں (عیدین) کی شان یہ ہے کہ چاشت کی نماز فرض وواجب تو کیا، سنت مؤکدہ بھی نہیں تھی، لیکن ان دونوں دنوں میں اسی چاشت کے وقت میں ایک نئی نماز (دوگانہ عید) کا اضافہ کیا گیا، اور اس کو سنت مؤکدہ قرار دیا گیا، ہر نماز میں دو تکبیریں، ایک تکبیر تحریمہ اور ایک تکبیر رکوع ہوتی ہے، دوگانہ عید میں ان دو تکبیروں کے علاوہ تین تکبیریں اور بڑھا دی گئیں، یہ اچھا

[illegible] بھی بڑھادی، اور نماز میں تکبیروں کی تعداد بھی بڑھادی، اور ایک خطبہ کا اضافہ، یہ سب [illegible] کی حیثیت ہے۔

حضرات! آپ ایک دینی درسگاہ اور ایک جامعہ کے استاذ و طالب علم ہیں، آپ کا فرض ہے کہ اس بات کی پوری نگرانی اور بیداری رکھیں کہ مسلمان راستہ تو نہیں بدل رہے ہیں، راستہ بدلنے سے راستہ بدل اور منزل بدل جاتی ہے، مسلمانوں کی یہ ذہنیت تو نہیں ہوگئی کہ صاحب فلاں قوم فلاں فرقہ فلاں چیز کا جلوس نکالتا ہے، ہم اس کے مقابلہ میں فلاں چیز کا جلوس نکالیں، یہ محض نقل [illegible] ہے، اس لئے کہ راستہ تو ایک [illegible] اور سب سے بڑی بات تو یہ ہے کہ یہ چیز غیر مسلموں کی نقل میں کی جاتی ہے، یہ دو عملی راستہ ہے، اور اس کا اثر عقائد و اعمال، اور تمدن و معاشرت پر پڑے گا، علماء کا فرض ہے کہ جس وقت بھی کوئی ایسی بدعت، کوئی نئی بات اور غیر مسلموں کی تقلید کی دعوت سامنے آئے تو صاف کہہ دیں کہ اسلام کا اس سے کوئی واسطہ نہیں، یہ اسلام کی روح اور تعلیمات کے منافی ہے، آج رواجوں اور رسموں پر جو زور دیا جا رہا ہے، وہ زیادہ تر غیر مسلموں کی نقل ہے، ان اعمال و رسوم و بدعات کی تاریخ موجود ہے، جس سے پتہ چل سکتا ہے کہ وہ کب اور کہاں سے شروع ہوئیں، اور ان کے محرکات کیا تھے، دین کی روح عبادت ہے، دین کی روح انابت الی اللہ ہے، دین کی روح توحید ہے، دین کی روح سادگی ہے، دین کی روح وہ ہے، جس سے غریب گھرانے والے کو بھی فائدہ پہنچے، دوسروں کو بھی، عید الاضحیٰ میں نماز تو نماز قربانی بھی رکھی گئی کہ محلہ اور گاؤں میں بہت سے لوگ ایسے ہوں گے جو گوشت کو بھی ترستے ہیں، مہینوں گذر جاتے ہیں، ان کو گوشت کھانا نصیب نہیں ہوتا، آج پیٹ بھر کر گوشت کھالیں گے، اور حضرت ابراہیم و اسماعیل اور آنحضرت ﷺ کی سنت بھی ادا ہو جائے گی۔

خاص طور پر علماء کا فرض ہے کہ اس پر کڑی نظر رکھیں کہ اسلامی معاشرہ میں کوئی راستہ دبے پاؤں تو نہیں چلا آرہا ہے؟ جہاں آئے وہیں اس کو روک دیں، آپ ﷺ نے امت کو وصیت کرتے ہوئے صاف طور پر فرمایا "علیکم بسنتی وسنة الخلفاء الراشدین المهديين تمسكوا بها وعضوا عليها بالنواجذ."(۱) (میری سنت

اور خلفائے راشدین کی سنت کی پیروی کرو جو ہدایت یافتہ تھے، اس کو مضبوط ہاتھوں سے تھام لو اور داڑھوں سے دبالو) (روایت عرباض بن ساریہ، مشکوٰۃ شریف) ہمارے مدارس کا مقصد اور اصلی غرض و غایت یہی ہے کہ وہ دین کے چوکیدار، راتوں کو پہرہ دینے والے پیدا کریں، اگر وہ بھی "ہر کہ در کان نمک رفت نمک شد" کا مصداق بن جائیں اور بے شرعی اور غیر شرعی کام میں عوام کا ساتھ دینے لگیں، بلکہ قیادت کرنے لگیں تو پھر بقول شاعر ـ

چو کفر از کعبہ برخیزد کجا ماند مسلمانی

اگر عربی زبان پڑھی اور اس سے نوکری مل گئی تو پھر عربی انگریزی میں کیا فرق ہوا، علماء کو ورثۃ الانبیاء کہا گیا ہے اور انبیاء دین کے پاسبان، اور اس کے بارے میں سخت غیور اور ذکی الحس ہوتے ہیں، جب حضرت موسیٰ علیہ السلام سے یہودیوں نے فرمائش کی کہ "اجعل لنا الٰھا کما لھم اٰلھۃ" ہمارے لئے بھی کوئی ایسا (رونق اور جشن والا) (محسوس و مرئی) معبود تجویز کردیجئے جیسے ان قبطیوں اور مصریوں کا ہے، تو انہوں نے جلال میں آکر کہا کہ: "اِنَّكُمْ قَوْمٌ تَجْهَلُوْنَ، اِنَّ هٰٓؤُلَآءِ مُتَبَّرٌ مَّا هُمْ فِيْهِ وَبٰطِلٌ مَّا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ۝" (سورۃ الاعراف ۱۳۸، ۱۳۹)

(تم بڑے ہی جاہل لوگ ہو، یہ لوگ جس (شغل) میں (پھنسے) ہوئے ہیں وہ برباد ہونے والا ہے، اور جو کام یہ کررہے ہیں سب بے ہودہ ہیں) بعینہ اسی طرح کا واقعہ اور اسی جاہلی و تقلیدی ذہنیت کا ظہور ایک سفر میں عہد رسالت میں بھی ہوا، عرب کے بعض قبائل کو ایک بڑے اور سرسبز درخت سے جس کا نام ذات انواط تھا، خاص عقیدت تھی، وہ اس میں اپنے ہتھیار لٹکاتے تھے، اور اس کے نیچے قربانیاں کرتے تھے، ایک دن وہاں قیام بھی کرتے تھے، غزوہ حنین کے موقع پر بعض ایسے مسلمانوں کے (جن کو اسلام لائے ہوئے چند ہی دن ہوئے تھے) اس کو دیکھ کر منہ میں پانی بھر آیا، اور بے ساختہ ان کے منہ سے نکلا: "یا رسول اللہ (ﷺ) ہمارے لئے بھی ایک ایسا ہی مرکز عقیدت تجویز فرمادیجئے، جیسا ان قبائل کے پاس ہے، آنحضرت ﷺ کو یہ سن کر بڑا جلال آیا اور فرمایا کہ یہ تو حضرت موسیٰ کی قوم کا سا قصہ ہوا، بے شک تم اپنی پیش رو قوموں کی ایک ایک بات اور

[illegible] پر عمل ہونا چاہئے

([illegible] ص ۱۱۳۳۲ [illegible])

ہمارے ملک میں ایسے دینی جاہل اور تقلید و سنت کے بارے میں غیرت اور حمیت ہونی چاہئے اور [illegible] پیدا کرنے کے قائم ہونے تک اور ان والے [illegible] ہمیشہ [illegible] اللہ سب کو عمل کی توفیق بخشے

واخر دعوانا ان الحمد لله رب العالمين ۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

انسانیت کی راہنمائی میں اسلام کا تاریخی کردار

عالم اسلام کے لئے یہ بات قابل شکر و مسرت ہے کہ آکسفورڈ یونیورسٹی میں اسلامی تعلیمات کا ایک مرکز باقاعدہ قائم ہو گیا ہے۔ اس مرکز کے بورڈ آف ٹرسٹیز کے صدر مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی مدظلہ ہیں۔ اور ہندوستان ہی کے ایک نوجوان اسکالر فرحان نظامی نے اس کا نقشہ عمل تیار کیا اور اس کے قیام کے لئے جدوجہد کی اور بڑی کاوشوں اور دشوار گزار منزلوں کو طے کر کے کامیابی کی منزل میں داخل ہو گئے۔ اس بات کی اہمیت وہ حضرات جانتے ہیں جن کے علم میں یہ حقیقت ہے کہ یورپ اور امریکہ کی یونیورسٹیوں میں یہودیوں نے ہر جگہ اپنا مرکز کسی نہ کسی نام سے قائم کر رکھا ہے۔ کہیں اس کا نام ”سامی زبانوں کا مرکز“ ہے اور کہیں مڈل ایسٹ سینٹر ہے۔ اور انہی مراکز سے مشرقی اور عربی ممالک کے طلبہ اسلامیات اور عربی زبان و ادب میں ڈگریاں حاصل کرتے رہے۔ عرب ممالک کی یونیورسٹیوں کے بیشتر وائس چانسلر، ڈین آف فیکلٹی اور پروفیسر انہی مراکز کے فارغ التحصیل ہیں جو یورپ اور امریکہ میں یہودیوں نے قائم کئے ہیں۔ لندن یونیورسٹی کا اسکول آف اورینٹل اینڈ افریقن اسٹڈیز بہت مشہور ہے۔ اس میں ایک شعبہ عربی زبان کا بھی ہے۔ عربی زبان کے ضمن میں اسلامی تعلیمات کو بھی شمار کیا ہے۔ چنانچہ میرے علم میں متعدد اصحاب علم و دانش ایسے ہیں جنہوں نے اس شعبہ کے ماتحت امام غزالی، امام ابن تیمیہ پر ریسرچ کیا ہے۔ حضرت مجدد الف ثانی اور شاہ ولی اللہ دہلوی پر بھی ہمارے ملک کے بعض اصحاب علم نے ڈاکٹریٹ کی ڈگریاں حاصل کی ہیں۔ کیمبرج اور آکسفورڈ میں بھی مذہب کے تقابلی مطالعہ کے شعبہ اور عربی فارسی ڈیپارٹمنٹ سے حدیث و قرآن پر لوگ ریسرچ کر چکے ہیں۔

اڈنبرہ کے پروفیسر مانٹ گمری واٹ مشہور مصنف اور سیرت نبوی ﷺ کے ماہر سمجھے جاتے ہیں۔ انہوں نے ان طلبہ کے لئے جو قرآن کریم پر ریسرچ کرنا چاہیں ایک اسکالرشپ

بھی منظور کرلیا تھا۔ شاید ان کے ریسرچ کی اس مفروضہ پر ہو کہ قرآن رسول اللہ صلعم کی تصنیف ہے۔ لیکن کسی یونیورسٹی میں ایسا اصول یا کوئی ثبوت نہیں تھا جہاں مسلم اسکالرز کی زیر نگرانی اسلامی تعلیمات پر ریسرچ کرایا جائے۔ یہ خصوصیت آکسفورڈ یونیورسٹی سے اس کو منفرد حاصل ہوتی ہے۔ خوشی کی بات ہے کہ اس مرکز کی اہمیت کو عصر حاضر کے ممتاز علماء اور بین الاقوامی سطح کی مشہور شخصیات نے سمجھا اور ابھی اگست کے آخر میں اس کے بورڈ کا دوسرا جلسہ انتظامی ہوا جس میں یہ سب شریک تھے۔ رابطہ عالم اسلامی کے سیکریٹری جنرل ڈاکٹر عبداللہ عمر نصیف جو جدہ کی ملک عبدالعزیز یونیورسٹی کے وائس چانسلر بھی رہ چکے ہیں۔ جامعہ محمد بن سعود ریاض کے صدر ڈاکٹر عبداللہ عبدالمحسن الترکی، امام درماں یونیورسٹی کے سابق وائس چانسلر ڈاکٹر عادل ابوقہ، ہندوستان سے مشہور مورخ ڈاکٹر خلیق نظامی ندوۃ العلماء لکھنؤ کے کلیۃ الادب کے صدر مولانا سید محمد رابع حسنی (حال ناظم دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ ہندوستان، صدر مسلم پرسنل لا بورڈ ہندوستان) ان کے علاوہ اس کے جلسوں میں آکسفورڈ کے مختلف کالجوں کے مستشرقین نے بھی شرکت کی۔ اس لحاظ سے یہ مرکز عالم اسلام کا ایک مشترک سرمایہ ہے۔

اس بورڈ کے صدر مولانا سید ابوالحسن علی حسنی مدظلہ چونکہ عالم اسلام سے قریبی واقفیت رکھتے ہیں "رابطۃ الجامعات الاسلامیہ" (یونین آف اسلامک یونیورسٹیز) کے بھی رکن ہیں۔ اور ان کے علم میں یہ بات ہے کہ یورپ و امریکہ کی ڈگریاں حاصل کرنے والے آج بھی بیشتر عرب ممالک میں وزارت یا بڑے عہدوں پر فائز ہوتے ہیں۔ لہٰذا اگر ان کی ذہنی و علمی تربیت مسلمان اہل دانش کی سرپرستی میں ہوگی تو ان ممالک میں اسلامی اقدار کی حفاظت کا سامان ہوگا۔ یہی وجہ تھی کہ مولانا نے بستر علالت سے اٹھتے ہی اس طویل اکتا دینے والے سفر کی زحمت برداشت کی۔

اس سفر میں مولانا نے سینٹ کراس کالج میں اسی مرکز کے ماتحت ایک محاضرہ بھی دیا جو کویت کے ایک صاحب علم اور مخیّر تاجر جناب عبداللہ العلی المطوع سے منسوب لیکچروں کے سلسلہ کی پہلی کڑی اور افتتاحی محاضرہ تھا۔ یہ تفصیلی نوٹ اور اس کا اردو ترجمہ معاصر رسالہ "ذکر و فکر" میں شائع ہوا۔ اسی کو تقریری شکل دے کر یہاں پیش کی جاتی ہے۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نبوت محمدی ﷺ کا اعجاز اور انقلابی کارنامہ

الحمد لله رب العالمين والصلوة والسلام على سيد الانبياء والمرسلين وعلى اله وصحبه اجمعين ومن تبعهم باحسان ودعى بدعوتهم الى يوم الدين اما بعد فاعوذ بالله من الشيطان الرجيم هو الذي بعث في الاميين رسولا منهم يتلوا عليهم آياته ويزكيهم ويعلمهم الكتاب والحكمة وان كانوا من قبل لفي ضلال مبين صدق الله العظيم.

حضرات! اگر کوئی واحد ہستی ایسی ہے جس کے متعلق وثوق سے کہا جا سکے کہ اس نے حقیقتاً تاریخ کا رخ موڑ دیا ہے۔ جس نے انسان کو جہالت کے بجائے علم، فرسودہ روایات کے بجائے تعقل اور آباء و اجداد کے نقش قدم کورانہ پیروی کے بجائے، عقل و بصیرت اور تفکر و تدبر سے کام لینے کا عادی بنا دیا ہے تو وہ ذات گرامی حضور اکرم ﷺ کی ہے آپ ﷺ تاریخ کے اس موڑ پر کھڑے نظر آتے ہیں جہاں سے عقل و استدلال اور توہم پرستی کے راستے جدا ہوتے ہیں۔ آپ کی تعلیمات نے انسان کو عقل کی روشنی عطا کی اور اس کی مبصرانہ صلاحیتوں کو جلا بخشی۔

اس کی ایک بڑی دلیل یہ ہے کہ محمد ﷺ پر نازل ہونے والی پہلی وحی میں خالق کائنات نے نوع بشری کو علم عطا کرنے کے احسان کا ذکر کیا ہے۔ اور اس قلم کو اس کو وسیلہ قرار دیا جس سے علم کی تاریخ شروع ہوتی ہے اور جس سے تصنیف و تعلیم کی عالمگیر تحریک جاری ہوئی۔ اور علم ایک فرد سے دوسرے فرد، ایک قوم سے دوسری قوم، ایک زمانہ سے دوسرے زمانہ اور ایک نسل سے دوسری نسل تک پہنچتا رہا۔ دنیا میں علم کی اشاعت اور

انسانی ضرورت کے مطابق اس کی موزونیت کا فخر اسی کو حاصل ہے اور اس کی گردش وجنبش سے مدارس وجامعات اور علمی اداروں اور کتب خانوں کی دنیا آباد ہے۔

جہاں تک بشری قرائن وقیاسات کا تعلق ہے۔ اس بات کا کوئی تاریخی وعقلی قرینہ نہ تھا کہ پہلی وحی کے ذیل میں "قلم" کا بھی ذکر آ سکتا ہے۔ کیونکہ یہ وحی ایک امی انسان ایک ان پڑھ قوم کے درمیان اور ایک پسماندہ علاقہ میں نازل ہو رہی تھی۔ جہاں پارہ چوب جس کا نام "قلم" ہے۔ سب سے زیادہ نادر ونایاب شے کی حیثیت رکھتا تھا۔ اسی لئے عربوں کا لقب ہی "امیین" پڑ گیا تھا۔

هُوَ الَّذِي بَعَثَ فِي الْأُمِّيِّينَ رَسُولًا مِنْهُمْ يَتْلُوا عَلَيْهِمْ آيٰتِهٖ وَيُزَكِّيهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وَإِنْ كَانُوا مِنْ قَبْلُ لَفِي ضَلَالٍ مُبِينٍ (الجمعہ)

(ترجمہ) وہی تو ہے جس نے امی لوگوں میں انہی سے ایک پیغمبر بھیجا۔ جو ان کو اللہ کی آیتیں پڑھ کر سناتا ہے اور انہیں پاک کرتا ہے اور انہیں کتاب وحکمت کی باتیں سکھاتا ہے۔ درآں حالیکہ یہ لوگ پہلے سے کھلی ہوئی گمراہی میں تھے۔

ایک غیر متوقع آغاز:

غار حرا میں نبی ﷺ امی پر پہلی وحی اترتی ہے (جب کہ چھ سو سال کے طویل وقفہ کے بعد زمین کا آسمان سے بلکہ صحیح تر الفاظ میں آسمان کا زمین سے وحی ونبوت کے ذریعہ رابطہ قائم ہوا تھا تو اس میں عبادت کا حکم اور اللہ کی معرفت اور اطاعت وغیرہ کوئی ایجابی باتوں کے ترک کرنے یا جاہلیت اور اس کے عادات واطوار پر نکیر جیسی کوئی سلبی بات نہیں کہی گئی۔ اگرچہ یہ سب باتیں اپنی جگہ پر اہم تھیں۔ اور اپنے اپنے موقعہ پر ان کی وضاحت تبلیغ کی گئی۔ بلکہ کلمہ "اقراء" سے اس وحی کا آغاز ہوا۔

اقْرَأْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِي خَلَقَ O خَلَقَ الْإِنْسَانَ مِنْ عَلَقٍ O اقْرَأْ وَرَبُّكَ الْأَكْرَمُ O الَّذِي عَلَّمَ بِالْقَلَمِ O عَلَّمَ الْإِنْسَانَ مَا لَمْ يَعْلَمْ O (العلق)

آپ پڑھیے اپنے پروردگار کے نام کے ساتھ جس نے (سب کو) پیدا کیا ہے۔

جس نے انسان کو خون کے لوتھڑے سے پیدا کیا ہے۔ آپ قرآن پڑھتے جائیے اور آپ کا پروردگار بڑا کریم ہے جس نے قلم کے ذریعے تعلیم دی جس نے انسان کو ان چیزوں کی تعلیم دی جنہیں وہ نہیں جانتا تھا۔

اس طرح یہ تاریخی واقعہ ظہور پذیر ہوا۔ جس نے مورخین و مفکرین کے غور و فکر کے لئے نئے اور وسیع آفاق مہیا کئے۔ اور پہلا حقیقت کا بلیغ اور واضح اشارہ تھا کہ اسلامی عہد سے ذریعہ انسانیت اور مذاہب کی تاریخ میں ایک نیا دور شروع ہوگا، جو وسیع تحقیق و جستجو میں قراءت (خواندگی) اور پڑھنے لکھنے کا وسیع و ترقی یافتہ دور اور علم کی حکمرانی کا عہد زریں ہوگا اور علم و دین دونوں مل کر انسانیت کی تکمیل و تشکیل کریں گے۔

انفس و آفاق اور اقوام و ملل کے ماضی پر غور و فکر کی دعوت اور اس کے فائدے

حضرات! قرآن علم کے مختلف ذرائع کے تذکرہ کے ساتھ ان اشیاء کی جانب توجہ دلاتا ہے جن کا مطالعہ حصول علم کے لئے کیا جانا چاہئے اس سلسلہ میں اس نے انفس و آفاق اور گزشتہ اقوام کے احوال جنہیں قرآن نے "ایام اللہ" اور "سنۃ اللہ" کے الفاظ سے تعبیر کیا ہے۔ اور آج جسے تاریخ کہتے ہیں، کی جانب توجہ دلائی ہے۔ تاکہ انسان ان پر غور و خوض کر کے مفید نتائج برآمد کر سکے۔ اور بڑے قیمتی اور دوررس، پر از امکان اور انسانی مستقبل پر گہرائی سے اثر انداز ہونے والے نتائج تک پہنچ سکے۔

علامہ اقبال، عقل انسانی اور علم کے وسائل و مصادر کی اسلام کے ذریعہ وسعت و نتیجہ خیزی کا ذکر کرتے ہوئے اپنے مشہور خطبات (۱) میں فرماتے ہیں۔

"لیکن مشاہدات باطن صرف ایک ذریعہ ہیں علم انسانی کا قرآن پاک کے نزدیک اس کے دو سرچشمے اور ہیں۔ ایک عالم فطرت دوسرا عالم تاریخ۔ جن سے استفادہ کرنے میں عالم اسلام کی بہترین روح کا اظہار ہوا ہے۔ قرآن پاک کے نزدیک یہ شمس و قمر، یہ

Reconstruction of religious in Islam.(1)

سانوں کا اعتقاد، یہ اختلاف نسل و نژاد، یہ رنگ و زبان کا فرق اور یہ قوموں کی زندگی میں کامیابی اور ناکامی کے دنوں کی آمد و شد، حاصل کلام یہ کہ یہ سارا عالم فطرت جیسا کہ بذریعہ حواس ہمیں اس کا ادراک ہوتا ہے، حقیقت مطلقہ کی آیات ہیں اور اس لئے ہر مسلمان کا فرض ہے کہ ان میں غور و تفکر سے کام لے، یہ نہیں کہ بہروں اور اندھوں کی طرح ان سے اعراض کرے۔ جو شخص اس زندگی میں اندھوں کی طرح ان آیات سے اپنی آنکھیں بند رکھتا ہے وہ آگے چل کر بھی اندھا ہی رہے گا۔ یہی وجہ ہے کہ محسوس اور ٹھوس حقائق پر بار بار توجہ کی اس دعوت کے ساتھ ساتھ جس کی قرآن مجید نے تعلیم دی، جب مسلمان رفتہ رفتہ اس حقیقت کو پا گئے کہ کائنات میں روانی اور حرکت ہے وہ متناہی ہے اور اضافہ پذیر ہے تو ان کا یونانی فکر کی مخالفت پر [illegible] اپنی حیات ذہنی کی ابتداء میں انہوں نے بڑے ذوق و شوق سے [illegible] مطالعہ کیا تھا۔ [illegible] شروع شروع میں تو انہیں اس امر کا احساس نہیں ہوا کہ قرآن مجید کی روح فلسفہ یونانی سے منافی ہے۔ اور اس لئے حکمت یونان پر اعتماد کرتے ہوئے انہوں نے قرآن مجید کا مطالعہ بھی فکر یونانی ہی کی روشنی میں کیا، لیکن قرآن مجید کا زور چونکہ محسوس اور ٹھوس حقائق پر ہے اور حکمت یونان کا حقائق سے زیادہ نظریات پر، لہٰذا انجام یہ ہوا کہ یہ کوششیں ایک نہ ایک دن ضرور ناکام رہتیں۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا اور یہ ان کوششوں کی ناکامی تھی جس کے بعد اسلامی تہذیب و ثقافت کی حقیقی روح بروئے کار آئی تھی۔ تہذیب جدید کے بعض اہم پہلوؤں کو دیکھئے تو ان کا ظہور بھی اسی کا مرہون منت ہے۔(۱)

وہ آگے مزید فرماتے ہیں

"قرآن پاک نے تاریخ کو "ایام اللہ" سے تعبیر کیا اور اسے علم کا ایک سرچشمہ ٹھہرایا ہے۔ اس کی ایک اور بنیادی تعلیم یہ ہے کہ اقوام اور امم کا محاسبہ انفرادی و اجتماعی دونوں لحاظ سے کیا جاتا ہے۔ مزید یہ کہ انہیں اپنی بداعمالی کی سزا اس دنیا میں بھی ملتی ہے۔ اور

---

(۱) تشکیل جدید [illegible] ۱۹۵۸ء

یہ وہ بات ہے جس سے قوت میں اس نے بار بار تاریخ سے استفادہ کیا ہے" علاوہ ازیں قارئین کو توجہ دلائی گئی ہے کہ نوع انسانی کے گزشتہ اور موجودہ احوال و شئون کے مطالعہ میں غور فکر سے کام لیں۔

وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا مُوْسٰى بِاٰیٰتِنَآ اَنْ اَخْرِجْ قَوْمَکَ مِنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ وَذَکِّرْھُمْ بِاَیّٰمِ اللہِ اِنَّ فِیْ ذٰلِکَ لَاٰیٰتٍ لِّکُلِّ صَبَّارٍ شَکُوْرٍ ○ (ابراھیم)

اور ہم نے موسیٰ کو اپنی نشانیاں دے کر بھیجا کہ اپنی قوم کو تاریکی سے نکال کر روشنی میں لے جاؤ اور ان کو خدا کے دن یاد دلاؤ۔ اس میں ان لوگوں کے لئے جو صابر و شاکر ہیں (قدرت خدا کی) نشانیاں ہیں۔

وَمِمَّنْ خَلَقْنَآ اُمَّةٌ یَّھْدُوْنَ بِالْحَقِّ وَبِہٖ یَعْدِلُوْنَ ۔ وَالَّذِیْنَ کَذَّبُوْا بِاٰیٰتِنَا سَنَسْتَدْرِجُھُمْ مِّنْ حَیْثُ لَا یَعْلَمُوْنَ (الاعراف ۱۸۱، ۱۸۲)

اور ہماری مخلوق میں سے ایک وہ لوگ ہیں جو حق کا راستہ بتاتے ہیں اور اسی کے ساتھ انصاف کرتے ہیں اور جن لوگوں نے ہماری آیتوں کو جھٹلایا ہم ان کو بتدریج اس طریق سے پکڑیں گے کہ ان کو معلوم ہی نہ ہوگا۔"

قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِکُمْ سُنَنٌ فَسِیْرُوْا فِی الْاَرْضِ فَانْظُرُوْا کَیْفَ کَانَ عَاقِبَةُ الْمُکَذِّبِیْنَ ○ (ال عمران)

تم لوگوں سے پہلے بھی بہت سے واقعات گزر چکے ہیں۔ اور تم زمین میں سیر کر کے دیکھ لو کہ جھٹلانے والوں کا کیا انجام ہوا۔

فتِلْکَ الْاَیَّامُ نُدَاوِلُھَا بَیْنَ النَّاسِ (ال عمران)

اور یہ دن ہیں کہ ان کو لوگوں میں بدلتے رہتے ہیں۔

وَلِکُلِّ اُمَّةٍ اَجَلٌ فَاِذَا جَآءَ اَجَلُھُمْ لَا یَسْتَاْخِرُوْنَ سَاعَةً وَّلَا یَسْتَقْدِمُوْنَ ○

(الاعراف)

اور ہر فرقے کے لئے موت کا ایک وقت مقرر ہے جب وہ آ جاتا ہے تو نہ تو ایک گھڑی دیر کر سکتے ہیں اور نہ جلدی۔

علمی منتشر اکائیوں میں وحدت در یا

حضرات اہم سے حق متعدد طرف رہنمائی اور اسے مثبت تعمیری و مفید اور ذریعہ یقین بنانے کے سلسلہ میں بعثت محمدی ﷺ اور دعوت اسلامی کے رول کی اس سے زیادہ اہمیت اور قدر و قیمت ہے جو اس نے علمی تحریک کی فعالیت و وسعت کے سلسلہ میں ادا کیا ہے۔

علمی تحریکیں مختلف ہوتی ہیں۔ بسا اوقات متضاد تھیں۔ علم طبیعات علم دین سے برسر پیکار تھے۔ حتیٰ کہ ریاضی جیسے معصوم علم کے ماہرین بھی بعض اوقات طبعی والحادی نتیجے نکالتے تھے۔ چنانچہ یونان کے علماء جنہوں نے صدیوں تک فلسفہ و ریاضیات میں اپنا امتیاز قائم رکھا تھا۔ یا تو مشرک تھے یا ملحد تھے۔ اور یونان کے علوم اور مدارس فکر دین کے لئے خطرہ اور ملحدین کے لئے سند اور نمونہ بنے ہوئے تھے۔ اس صورت حال میں یہ اسلام کا بڑا احسان تھا کہ اس نے ایسی وحدت قائم کی جو تمام علمی اکائیوں کو مربوط کر دیتی تھی اور اس کے لئے ایسا کرنا اس لئے آسان ہوا کہ اس کا علمی سفر صحیح نقطۂ آغاز سے آغاز ہوا تھا۔ اس لئے اس نے اللہ پر ایمان، اس سے مدد طلبی اور اس پر اعتماد کے ذریعہ اور اقرأ باسم ربک الذی خلق کی تعمیل میں شروع کیا تھا۔ اور آغاز کی صحت اکثر اوقات انجام کی صحت و خیریت کی ضمانت ہوتی ہے۔ اسلام نے قرآن و ایمان کے فیض و فضل سے ایسی وحدت کا انکشاف کیا جو تمام وحدتوں کو مربوط کر دیتی ہے اور وہ وحدت اللہ تبارک و تعالیٰ کی معرفت ہے۔ جس کے بارے میں اللہ نے اپنے مومن بندوں کی تعریف کی ہے۔

وَيَتَفَكَّرُوْنَ فِيْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ رَبَّنَا مَا خَلَقْتَ هٰذَا بَاطِلًا سُبْحَانَكَ فَقِنَا عَذَابَ النَّارِ (آل عمران ۱۹۱)

اور آسمانوں اور زمین کی پیدائش میں غور کرتے رہتے ہیں۔ اے ہمارے پروردگار تو نے یہ (سب) لاحاصل نہیں پیدا کیا ہے۔ تو پاک ہے۔ سو تو ہم کو دوزخ کے

عذاب سے۔

زمانہ ماسبق میں کائناتی وحدتیں (یعنی اس کے مظاہر اور حوادث وتغیرات، انسان کو متنوع نظر آتے ہیں اور اسے حیرت و اضطراب میں ڈالتے تھے۔ اور کبھی کفر والحاد اور خالق عالم اور مدبر کائنات کے اوپر طعن و اعتراض تک پہنچا دیتے تھے۔ اسے دیکھ کر ایمان و قرآن پر مبنی "اسلامی علم" نے دنیا کو ایسی وحدت عطا کی جو کائناتی وحدتوں کو جمع کرتی ہے اور وہ اللہ کا غالب ارادہ اور اس کی حکمت کاملہ ہے۔

ایک بڑے جرمن عالم ہیرالڈ ہوفڈنگ اس وحدت کی دریافت اور انسانی علم و اخلاق کے تاریخی خدمت میں اس کے موثر کردار کا ذکر کرتے ہوئے لکھتا ہے۔

"ہر مذہب کا ایمان توحید پر ہے جس کا نظریہ یہ ہے کہ کائنات کی ہر شے کی علت وجود ایک ہی ہے (اس فکر سے لازمی طور پر پیش آنے والی مشکلات سے قطع نظر ایمان و اعتقاد فطرت انسانی پر بڑا مفید اور اہم اثر مرتب کرتا ہے۔ اور اس کے ماننے والوں کے لئے یہ عقیدہ رکھنا آسان ہو جاتا ہے کہ بعض اختلافات وتفصیلات سے صرف نظر کرتے ہوئے، عالم کی تمام چیزیں ایک وحدت میں منسلک ہیں۔ کیونکہ علت کی وحدت، قانون کی وحدت کا بھی تقاضا کرتی ہے۔"

"ازمنہ وسطی کے دینی فلسفہ نے کثرت میں وحدت کا تصور لوگوں کے ذہنوں میں بٹھا دیا۔ جس سے غیر مہذب انسان طبعی مظاہر کی کثرت کے سبب اس سے غافل تھا۔ اور اس کثرت کے مشاہدہ میں اس لئے غلطیاں و پیچاں رہتا تھا کہ اس کے ہاتھ میں ان میں رابطہ ذاتی پیدا کرنے کا کوئی سررشتہ نہ تھا۔"

مغرب کی بیداری اور علم وتہذیب کے نئے دور کے آغاز میں اسلام کا حصہ

رابرٹ بریفالٹ اپنی کتاب میں لکھتا ہے۔

یورپ کی ترقی کا کوئی ایسا پہلو نہیں جس پر اسلامی تمدن کا احسان اور اس کے نمایاں

آثار کی ابھری چھاپ نہ ہو۔

وہ آگے چل کر لکھتا ہے

"صرف طبعی علوم ہی (جن میں عربوں کا احسان مسلم ہے) یورپ میں زندگی پیدا کرنے کے ذمہ دار نہیں ہیں بلکہ اسلامی تمدن نے یورپ کی زندگی پر بہت عظیم الشان اور مختلف النوع اثرات ڈالے ہیں اور اس کی ابتداء اسی وقت سے ہوجاتی ہے جب اسلامی تہذیب وتمدن کی پہلی کرنیں یورپ پر پڑنی شروع ہوگئیں۔"

اکثر دعویٰ کیا جاتا ہے کہ یورپ کی نشاندہی فکر یونان کے احیاء کا نتیجہ تھی۔ مشہور مورخ ایچ جی ویلس نے اس خیال کی تردید کرتے ہوئے کہ موجودہ دنیا کو قوت اور علم کی روشنی یونان سے ہی ملی ہے۔ وہ لکھتا ہے۔

"جس علم کی ابتداء کرنے کے بعد اسے یونانیوں نے خیر باد کہہ دیا تھا اسے نئے زاویے اور نئے جوش وخروش کے ساتھ عربی ذہن نے نظم وترتیب کے ساتھ اپنا موضوع بنایا۔ اگر یونانی تحقیقات کے سائنسی طریقہ انکشاف کے باپ تھے تو عرب اس کے مربی تھے۔ جنہوں نے انتہائی صرف وقت، آسان اور سہل تشریحات باقاعدہ اور نپے تلے الفاظ اور جامع تنقیدات سے اسے سنوارا تھا۔ یہ صرف عرب تھے نہ کہ لاطینی جن سے جدید دنیا کو علم اور قوت کا تحفہ حاصل ہوا ہے۔"

قدیم دنیا میں مسلمانوں کا علمی تفوق، اور مفید اور تجربی علوم میں ان کی قیادت

حضرات! میں اپنے مطالعہ کی روشنی میں یہ دعویٰ کرسکتا ہوں کہ مسلمانوں نے صرف عظیم الشان اور وسیع سلطنتوں کی بنیاد نہیں ڈالی بلکہ ایک زمانہ میں وہ دنیا کی تمام اقوام پر علم وفضل میں بھی فائق تھے۔ مسلمانوں میں ہمیشہ ایسے لوگ پیدا ہوتے رہے ہیں جو حصول علم کے شوق، اس کی بے لوث خدمت اور مختلف علوم میں بیش بہا تصنیفات کے لئے ممتاز رہے ہیں۔ قرن اول کے ائمہ محدثین اور فقہاء ومجتہدین سے قطع نظر (جن کی

مثال دنیا کی کسی قوم میں نہیں ملتی) مسلمانوں نے دینی اور دنیاوی علوم میں ایسے مفکرین اور مصنفین پیدا کئے جس کا مقابلہ دوسری قوموں کے بڑے سے بڑے عالم سے کیا جا سکتا ہے۔

مسلمانوں نے اپنے تحصیل علم کا دائرہ صرف مذہبی علوم مثلاً تفسیر حدیث، فقہ، اصول فقہ اور مذاہب کے تقابلی مطالعہ تک محدود نہیں رکھا بلکہ انہوں نے جغرافیہ، طبیعت، نباتات، ہندسہ، طب، کیمیا، فلسفہ تاریخ و مذاہب و تمدن جیسی علوم کی خدمت بھی کی۔ ان کے اکثر علماء نے صدیوں تک علوم و فنون میں دنیا کی رہنمائی کی ہے اور کبھی نہ مٹنے والے نقوش چھوڑے ہیں۔

یہاں صرف چند علماء کا تذکرہ کر رہا ہوں کیونکہ کسی طویل تعارف کے لئے کئی جلدیں درکار ہوں گی۔

مسلمان موجدین فن اور ماہرین علوم

الخوارزمی (م ۸۵۰/۲۳۶) نے سب سے پہلے عالمی جغرافیہ پر کتاب لکھی اور پھر محمد بن محمد الادریسی (م ۱۱۵۳/۵۶۰) نے ''الممالک والمسالک'' میں عالم اسلام کے تجارتی راستوں و نقشہ جات کے ساتھ وضاحت سے بیان کیا۔ ابن الہیثم، م ۱۰۳۹/۴۳۱، نے تقریباً دو سو کتابیں تصنیف کیں۔ جن میں ۴۷ علم ہندسہ اور ۵۸ انجینئرنگ کے موضوع پر تھیں۔ وہ پہلا شخص تھا جس نے اسوان ڈیم کی تجویز پیش کی۔ اور علم بصارت میں مفید انکشافات کئے۔ اس نے اپنی کتاب المناظر میں بصری ادراک کی سلسلہ میں یہ نظریہ پیش کیا کہ کسی شے کی بصارت اس سے ٹکرا کر واپس آنے والی شعاعوں پر منحصر ہے۔

محمد بن موسیٰ خوارزمی (م ۸۵۰/۲۳۶) نے علم ہندسہ میں ایک سے نو تک اعداد کے بعد صفر کا اضافہ کیا۔ اور سب سے پہلے اعداد کی حیثیت کا تعین کیا، الخوارزمی نے ہی جبر (الجبرا) ایجاد کیا۔

البتانی (م۹۲۹/۳۱۷) جسے مغرب البٹینی اور الباطینوس کی نام سے یاد کرتا ہے۔ عظیم عرب ماہر فلکیات تھا جس نے زمین کی تپش کا بالکل صحیح اندازہ لگایا۔ شمسی سال کی مدت موسموں کی تبدیلی اور سورج کا اوسط مدار کا پتہ چلایا۔ اور بطلیموس سے اس نظریے کی تردید کی کہ سورج کا مدار غیر متحرک ہے۔

ابوبکر محمد الرازی (م۹۳۲/۳۱۱) جسے مغرب نے زیرز کا نام دے رکھا ہے۔ عہد وسطیٰ کا سب سے بڑا طبیب ہونے کے ساتھ عظیم فلسفی اور ماہر کیمیا بھی تھا۔ اس نے اپنی معرکۃ الارا تصنیف الحاوی میں یونانی، مصری، قدیم عرب اور ہندوستانی طب کا جائزہ پیش کیا۔

ابن لبیطار (م۱۲۴۸/۶۴۶) اپنے زمانہ میں عظیم ماہر ادویات تھا۔ اس نے اپنی دو مشہور تصانیف ''المغنیفی الادویہ'' اور ''الجامع لمفردات الادویہ والاغذیہ'' میں مختلف بیماریوں کے علامات بیان کئے ہیں۔ اور حروف تہجی کے اعتبار سے تقریباً چودہ سو حیوانات، نباتات اور معدنیات کا تفصیلی تذکرہ خود اپنے یا دوسرے ۱۵ ماہرین کے مشاہدات کی بناء پر پیش کیا ہے۔

بوعلی سینا (م۱۰۳۷/۴۲۸) جسے مغربی دنیا آوی سینا کے نام سے جانتی ہے نے فلسفہ کے موضوع پر القانون فی الطب اور نفسیات کے موضوع پر احوال النفس تصنیف کی۔ اب تک اس کی ۲۳۱ تصنیفات کا انکشاف ہو چکا ہے اور ۱۱۰ دوسری کتابوں سے متعلق یہ خیال کیا جاتا ہے کہ اس کی لکھی ہوئی ہیں۔ طب میں اس کی مہارت کا اندازہ اس بات سے لگایا جا سکتا ہے اس کی کتاب کے منظر عام پر آنے کے بعد تقریباً پانچ سو برس تک یعنی سترہویں صدی کے اختتام تک اپنے موضوع پر سب سے مستند کتاب سمجھی جاتی ہے۔

علم کے ان درخشندہ ستاروں میں ابن خلدون (م۱۴۰۶/۸۰۸) بھی شامل ہے۔ جو دنیا کا سب سے پہلا ماہر سماجیات ہے اور جس نے انسانی سماج کو رخ دینے والے قوانین تلاش کرنے کی توجہ دلائی اور مغرب کے

فلسفی کا مقام ہے ۵۰ سال پہلے سائنسی علوم کی جانب توجہ مبذول کرائی۔ دنیائے علم وفن ابوریحان البیرونی (م ۱۰۵۱ء ۴۴۳ھ) کی شخصیت بھی مشکور ہے۔ جسے طبیعات مابعد الطبیعات، علم الادویہ، کیمیا، جغرافیہ اور تاریخ پر یکساں مہارت حاصل تھی اس نے اور دوسرے مسلمان سائنس دان مثلا ابن الہیثم نے موجودہ سائنسی تحقیقات کی بنیاد ڈالی تھی۔

علم کی تاریخ کا سب سے بڑا مغالطہ اور
تاریخ انسانیت کا سب سے بڑا المیہ

حضرات! اس تقریر کے اختتام سے پہلے میں آپ کی توجہ اس بنیادی حقیقت کی جانب مبذول کرانا چاہتا ہوں کہ یہ کبھی فراموش نہیں کرنا چاہئے کہ انسان زمین پر اللہ کا خلیفہ ہے۔ انسان اپنی ذات سے علم کا نہ تو مرجع ہے اور نہ مصدر۔ وہ صرف اللہ کی مرضی کو پورا کرنے والا نائب یا نمائندہ ہے۔ قرآن مجید نے حضرت آدمؑ کو تعلیم اسماء (جو علم کی بنیاد ہے) کا ذکر ان کے زمین میں خلافت الٰہی کے منصب پر سرفراز ہونے کے تذکرہ کے بعد اور اسی سیاق وسباق میں کیا ہے جس کا صاف مطلب یہ ہے کہ وہ اپنے علم کا استعمال خلیفۃ اللہ کی حیثیت سے کرنے پر مامور تھے علم کی تاریخ بلکہ تاریخ عالم کا یہ بہت بڑا المیہ تھا۔ جو انسان نے فراموش کر دیا کہ وہ خالق کائنات کا نائب اور خلیفہ ہے۔ اسے اس دنیا کی امانت سپرد کی گئی تھی۔ مالک اور آقا بنا کر بھیجا گیا تھا۔ کہ وہ زمین کے اوپر اور اس کے اندر پائے جانے والے خزانوں کو اپنے ذاتی، قومی، نسلی اور طبقاتی مفاد کے لئے یا برتری سیاسی حاصل کرنے کے لئے استعمال کرے۔ انسانیت کی تاریخ اور علم کے لئے وہ منحوس ترین دن تھا۔ جب اس نے تباہی کے اس راستہ کا انتخاب کیا۔ صرف یہ احساس کہ انسان اس دنیا کا مالک ہونے کے بجائے خدا کا خلیفہ اور نائب ہے۔ اسے صراط مستقیم پر قائم رکھ سکتا ہے کیونکہ اس حقیقت کا عرفان ہی اس من مانی کارروائی کرنے میں مانع ہو سکتا ہے۔

وما علینا الا البلاغ المبین.

دین اسلام کا مزاج اور اس کی نمایاں خصوصیات

نحمده ونستعينه ونستغفره ونؤمن به ونتوكل عليه ونعوذ بالله من شرور انفسنا ومن سيئات اعمالنا من يهده الله فلا مضل له ومن يضلله فلا هادى له . واشهد أن لا اله الا الله وحده لاشريك له ، واشهد ان سيدنا ومولانا محمدا عبده ورسوله . صلى الله تعالى عليه وعلى اله وصحبه اجمعين ، ومن تبعهم باحسان ودعى بدعوتهم الى يوم الدين . اما بعد

میرے دوستو اور بھائیو! الحمد للہ اس کائنات میں ہر زندہ اور متحرک شے کا ایک خاص مزاج، کچھ نمایاں خصوصیات اور ابھرے ہوئے خط و خال ہوتے ہیں، جن سے اس کی شخصیت کی تشکیل اور اس کا تعین ہوتا ہے اور وہ اس کی صفات ممیزہ قرار پاتی ہیں۔ اس میں افراد، جماعتیں، ذاتیں اور قومیں، مذاہب اور فلسفے یکساں طور پر شریک ہیں۔ وہ سب اپنی کچھ امتیازی خصوصیات اور نمایاں علامات رکھتے ہیں۔ اس لئے یہ دریافت اور تحقیق حق بات ہے کہ اس دین (اسلام) کی صفات ممیزہ اور اس کی شخصیت کے صحیح خط و خال کیا ہیں؟ دین کی تفصیلات، تعلیمات، ہدایات اور معین قوانین و ضوابط کے مطالعہ اور تجزیہ سے پہلے ہمیں اس حقیقت سے باخبر ہو جانا چاہئے۔ کیونکہ دین سے مکمل طور پر فائدہ اٹھانے اور اس کے رنگ میں رنگ جانے کے لئے یہی فطری طریقہ اور اس کے قفل کی شاہ کلید ہے۔

سب سے پہلے ہمیں اس حقیقت کو ذہن نشین کر لینا چاہئے کہ یہ دین ہم تک حکیموں اور دانشوروں، ماہرین قانون، علمائے اخلاق و نفسیات، شعرا اور قانون ساز،

بانیان سلطنت، خیالی گھوڑے دوڑانے والے فلاسفہ اور طالع آزما سیاسی رہنماؤں اور طالع آزما اور قوموں کے قائدین کے ذریعہ نہیں پہنچا۔ یہ دین ہم تک ان انبیائے کرام کے ذریعہ پہنچا ہے جن کے پاس خدائے تعالیٰ کی وحی آتی تھی اور جن کا سلسلہ خاتم النبیین محمد رسول اللہ ﷺ پر ختم ہو چکا ہے۔ حجۃ الوداع کے موقعہ پر عرفات کے دن یہ آیت نازل ہوئی تھی۔

اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَیْکُمْ نِعْمَتِیْ وَرَضِیْتُ لَکُمُ الْاِسْلَامَ دِیْنًا (مائدہ ۳)

آج ہم نے تمہارے لئے دین کامل کر دیا، اور اپنی نعمت تم پر پوری کر دی، اور تمہارے لئے اسلام کو دین پسند کیا۔

اور جن کے بارے میں قرآن کا ارشاد ہے:

وَمَا یَنْطِقُ عَنِ الْھَوٰی ۝ اِنْ ھُوَ اِلَّا وَحْیٌ یُّوْحٰی ۝ (النجم ۳-۴)

اور نہ خواہش نفس سے منہ سے بات نکالتے ہیں یہ

تو حکم خدا ہے جو (ان کی طرف) بھیجا جاتا ہے۔

اس دین کا سب سے پہلا امتیاز اور نمایاں شعار، عقیدہ پر پُر زور اصرار، اور سب سے پہلے اس کا مسئلہ حل کر لینے کی تاکید ہے۔ حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر خاتم النبیین محمد ﷺ تک تمام انبیاء کرام ایک معین عقیدے کی (جو ان کو وحی کے ذریعہ ملا تھا) دعوت دیتے اور ان کا مطالبہ کرتے رہے اور ان کے مقابلہ میں کسی مفاہمت یا دست برداری پر تیاری نہ ہوئے۔ ان کے نزدیک بہتر سے بہتر اخلاقی زندگی اور اعلیٰ سے اعلیٰ انسانی کردار کا حامل نیکی و صلاح، سلامت روی اور معقولیت کا زندہ پیکر اور مثالی مجسمہ خواہ اس سے بہتر کسی حکومت کا قیام، کسی صالح معاشرہ کا وجود اور کسی مفید انقلاب کا قیام وظہور ہوا ہو اس وقت تک کوئی قدر و قیمت نہیں رکھتا، جب تک وہ اس عقیدہ کا ماننے والا نہ ہو، جس کو لے کر آئے، اور جس کی دعوت ان کی زندگی کا نصب العین ہے۔ اور جب تک اس کی یہ ساری کوششیں اور کاوشیں صرف اس عقیدہ کی بنیاد پر نہ ہوں۔ یہی وہ حد فاصل ور

[illegible] جو انبیائے کرام علیہم السلام کی دعوت [illegible]

[illegible] انقلابیوں [illegible] معیار تحقیق دیا ہے [illegible]

انبیائے کرام کی تعلیمات اور سیرتوں کے بجائے کوئی اور ہو۔ (۱)

قرآن مجید تحریف سے محفوظ اور قیامت تک باقی رہنے والی واحد آسمانی کتاب ہے اور سیرت [illegible] انبیائے کرام کی سیرتوں میں تنہا وہ سیرت ہے جس پر [illegible] عملی استفادہ ممکن ہے [illegible] ذیل میں صرف چند [illegible]

[illegible]

[illegible] قرآن [illegible] بطور تعریف [illegible]

اِنَّ اِبْرٰهِیْمَ لَحَلِیْمٌ اَوَّاهٌ مُّنِیْبٌ [illegible]

بے شک ابراہیم بڑے تحمل والے، نرم دل اور رجوع کرنے والے تھے۔

قَدْ كَانَتْ لَكُمْ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ فِیْۤ اِبْرٰهِیْمَ وَ الَّذِیْنَ مَعَهٗ ۚ اِذْ قَالُوْا لِقَوْمِهِمْ اِنَّا بُرَءٰٓؤُا مِنْكُمْ وَ مِمَّا تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ ۫ كَفَرْنَا بِكُمْ وَ بَدَا بَیْنَنَا وَ بَیْنَكُمُ الْعَدَاوَةُ وَ الْبَغْضَآءُ اَبَدًا حَتّٰى تُؤْمِنُوْا بِاللّٰهِ وَحْدَهٗۤ اِلَّا قَوْلَ اِبْرٰهِیْمَ لِاَبِیْهِ لَاَسْتَغْفِرَنَّ لَكَ وَ مَاۤ اَمْلِكُ لَكَ مِنَ اللّٰهِ مِنْ شَیْءٍ ؕ رَبَّنَا عَلَیْكَ تَوَكَّلْنَا وَ اِلَیْكَ اَنَبْنَا وَ اِلَیْكَ الْمَصِیْرُ ۝ (الممتحنہ [illegible])

تمہیں [illegible] ابراہیم [illegible] اچھی مثال [illegible] اپنی قوم کے لوگوں سے کہا کہ ہم تم سے اور ان بتوں سے جن کو تم اللہ کے سوا پوجتے ہو [illegible]

---

(۱) موجودہ دور کے بگڑے ہوئے حالات سے دل برداشتہ بہت سے لوگوں کے اندر یہ مزاج پیدا ہو گیا ہے کہ وہ ہر اس شخص سے جو انقلاب کا نعرہ لگائے یا کسی بڑی طاقت کو چیلنج کرے، عقیدہ کے ہر بگاڑ اور افکار و نظریات کی ہر غلطی [illegible] نظر انداز و معاف کر دیتے ہیں اور عقیدہ کے مسئلے سے بالکل صرف نظر کر دیتے ہیں، ملکہ ان لئے ایسا لگتا [illegible] اٹھاتے ہیں اور بھی باطل طاقتوں سے ساز باز کر لینے کا الزام بھی لگاتے ہیں [illegible] اٹھاتے ہیں۔ [illegible] عقائد کے بارے میں کوئی سوال کریں، یہ طرز فکر اور طرز عمل صحیح دینی مزاج اور نبوی طریق سے کوئی مناسبت نہیں رکھتا۔

تعلق نہیں (اور) ہم تمہارے معبودوں کے (کبھی) قائل نہیں ہو سکتے اور جب تک تم خدائے واحد پر ایمان نہ لاؤ ہم میں تم میں ہمیشہ کھلم کھلا عداوت اور دشمنی رہے گی۔ ہاں ابراہیم نے اپنے باپ سے یہ (ضرور) کہا کہ میں آپ کے لئے مغفرت مانگوں گا اور میں خدا کے سامنے آپ کے بارے میں کسی چیز کا کچھ اختیار نہیں رکھتا۔ اے ہمارے پروردگار تجھی پر ہمارا بھروسہ ہے اور تیری ہی طرف ہم رجوع کرتے ہیں اور تیرے ہی حضور میں ہمیں لوٹ جانا ہے۔

عقیدہ کی اہمیت و ترجیح اور فیصل کن معیار ہونے کا ثبوت اس سے زیادہ کیا ہو سکتا ہے کہ سورۃ الکافرون مکۂ معظمہ میں اس وقت نازل ہوئی جب حالات نرمی، تلطف اور مدارات [illegible] دشمنی نہ بڑھانے اور اس مسئلہ کو اس وقت تک کے لئے ملتوی رکھنے کے متقاضی تھے جب تک کہ وہ وقت حاصل نہ ہو جائے اور ماحول [illegible] ہو، لیکن قرآن صاف صاف کہتا ہے اور رسول اللہ ﷺ کھل کر اعلان کرتے ہیں:۔

قُلْ یٰۤاَیُّهَا الْكٰفِرُوْنَ ○ لَاۤ اَعْبُدُ مَا تَعْبُدُوْنَ ○ وَلَاۤ اَنْتُمْ عٰبِدُوْنَ مَاۤ اَعْبُدُ ○ وَلَاۤ اَنَا عَابِدٌ مَّا عَبَدْتُّمْ ○ وَلَاۤ اَنْتُمْ عٰبِدُوْنَ مَاۤ اَعْبُدُ ○ لَكُمْ دِیْنُكُمْ وَلِیَ دِیْنِ ○ (سورۃ الکافرون)

اے پیغمبر ﷺ ان منکرین اسلام سے کہہ دو کہ اے کافرو! جن (بتوں) کو تم پوجتے ہو، میں نہیں پوجتا، اور جس (خدا) کی میں عبادت کرتا ہوں، اس کی تم عبادت نہیں کرتے، اور میں پھر کہتا ہوں کہ جن کی تم پرستش کرتے ہو ان کی میں پرستش کرنے والا نہیں ہوں اور نہ تم اس کی بندگی کرنے والے (معلوم ہوتے) ہو جس کی میں بندگی کرتا ہوں، تم اپنے دین پر، میں اپنے دین پر۔

• واقعہ یہ ہے کہ اگر کوئی مسئلہ اس کا مستحق تھا کہ اس سے [illegible] صرف نظر کر لیا جائے

---

(۱) شاید کسی کے دل میں یہ خیال پیدا ہو کہ حضرت ابراہیمؑ نے اپنے بت پرست باپ سے دعاء استغفار کا وعدہ کیوں کیا [illegible] سورۂ توبہ کی آیت ۱۱۴ میں [illegible] لیکن جب ان کو معلوم ہو گیا [illegible] خدا کا دشمن ہے تو [illegible] کے لئے یہ اصول ہے۔

کیونکہ وہ زندگی بھر رسول اللہ ﷺ کے لئے سینہ سپر اور جان و مال سے قربان رہا تو وہ رسول اللہ ﷺ کے چچا ابوطالب تھے۔ سیرت نگار بالاتفاق ان کے بارے میں لکھتے ہیں کہ وہ رسول اللہ ﷺ کے لئے سپر اور حصار بنے ہوئے تھے اور اپنی پوری قوم کے خلاف آپ ﷺ کے مدد معاون اور ناصر و حامی تھے، لیکن صحیح روایتوں میں یہ ثابت ہے کہ جب آنحضرت ﷺ ابوطالب کی موت کے وقت جبکہ ابوجہل اور عبداللہ بن ابی امیہ بھی وہاں بیٹھے ہوئے تھے، ان کے پاس تشریف لے گئے اور فرمایا کہ ''اے چچا، آپ لآالہ الااللہ کہہ دیجئے، میں اس کلمہ کی خدا تعالیٰ کے یہاں گواہی دوں گا۔'' تو ابوجہل اور ابن ابی امیہ کہنے لگے، ابوطالب! کیا تم عبدالمطلب کے مذہب سے روگردانی کرو گے؟ تو ابوطالب نے یہ کہتے ہوئے جان دی کہ عبدالمطلب کے مذہب پر ہوں۔

صحیح روایات میں آتا ہے کہ حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ ﷺ سے عرض کیا کہ ابوطالب آپ ﷺ کی حفاظت اور مدد کرتے تھے اور آپ ﷺ کے بارے میں ان کے اندر بڑی حمیت تھی، جس کی بنا پر وہ لوگوں کی رضامندی اور ناراضگی کی مطلق پرواہ نہیں کرتے تھے، تو کیا اس کا فائدہ ان کو پہنچے گا؟ آپ ﷺ نے فرمایا کہ میں نے ان کو آگ کی لپیٹوں میں پایا، اور معمولی آگ تک نکال لایا۔ (مسلم، کتاب الایمان)

اسی طرح امام مسلم نے بروایت حضرت حفصہ وحضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نقل کیا ہے کہ وہ کہتی ہیں: میں نے کہا اے اللہ کے رسول ابن جدعان جاہلیت کے زمانہ میں بڑی صلہ رحمی کرتے تھے، مسکینوں اور غریبوں کو کھانا کھلاتے تھے، تو کیا ان کے لئے یہ سودمند ہوگا؟ آپ ﷺ نے فرمایا نہیں، ان کو اس سے کوئی فائدہ حاصل نہ ہوگا، کیونکہ انہوں نے کبھی نہیں کہا:

رب اغفرلی خطیئتی یوم الدین
(صحیح مسلم کتاب الجهاد والسیر)

اے میرے رب! روز جزا میرے گناہ بخش دیجئے گا۔

حضرات! اس سے بھی زیادہ صریح اور واضح حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی ایک

دوسری روایت ہے، جس میں وہ فرماتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ بدر کی طرف روانہ ہوئے اور جب مقام حرۃ الوبرہ پر پہنچے تو ایک شخص آیا جس کی جرأت و بہادری مشہور زمانہ تھی، اس کو دیکھ کر صحابہ کرامؓ کو بڑی مسرت ہوئی (کہ اس سے لشکر اسلام میں، جو صرف تین سو تیرہ پر مشتمل تھا ایک وقیع اضافہ ہوگا، اس وقت ایک آدمی کی بھی بڑی قیمت تھی چہ جائیکہ ایک آزمودہ کار سپاہی) جب وہ رسول اللہ ﷺ کے پاس آیا تو اس نے عرض کیا کہ میں اس لئے آیا ہوں کہ آپ ﷺ کے ساتھ چلوں اور مال غنیمت میں شریک ہوں، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ تم اللہ اور اس کے رسول ﷺ پر ایمان رکھتے ہو، اس نے کہا نہیں، آپ ﷺ نے فرمایا واپس جاؤ۔ اس لئے کہ میں کسی مشرک سے مدد نہیں لے سکتا۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں کہ وہ کچھ دور چلا یہاں تک کہ ہم لوگ جب مقام شجرہ پر تھے، وہ پھر آیا اور رسول اللہ ﷺ سے وہی پہلی بات عرض کی، آپ ﷺ نے وہی پہلا جواب دیا، فرمایا جاؤ میں مشرک سے مدد نہیں لیتا، وہ چلا گیا اور بیداء پہنچنے پر پھر آیا، آپ ﷺ نے پھر دریافت فرمایا کہ اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لاتے ہو؟ اس نے کہا ہاں! اس وقت رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، تو چلو۔" (صحیح مسلم کتاب الجہاد والسیر)

(۲) دوسری بات یہ کہ انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کی (جن میں سرفہرست آنحضرت ﷺ کی ذات گرامی ہے) دعوت و تبلیغ اور جدوجہد و جہاد کا حقیقی محرک اور سبب محض خدائے تعالیٰ کی رضا اور خوشنودی کی طلب ہوتی ہے۔ یہ ایک ایسی تیز تلوار ہے جو اس مقصد اعلیٰ کے علاوہ ہر مقصد کو کاٹتی اور نیست و نابود کر دیتی ہے، پھر نہ متاع دنیا کی طلب رہتی ہے اور نہ ملک و دولت اور سلطنت و ریاست کی چاہت، نہ سربلندی اور عزت کی خواہش، نہ غلبہ و اقتدار کی ہوس، نہ سربلندی مال و منال اور عیش و تنعم کی تمنا، نہ غضب و انتقام کا جذبہ، نہ جاہلی حمیت کا جوش۔ ان میں سے کوئی چیز بھی ان کو جدوجہد اور جہاد پر نہیں ابھارتی۔

یہ حقیقت سب سے روشن ہو کر رسول اللہ ﷺ کی اس دعا میں جھلکتی ہے، جو آپ ﷺ نے طائف میں اس وقت کی تھی جب اہل طائف نے آپ کے ساتھ ایسا جفا کارانہ اور

وحشیانہ برتاؤ کیا تھا، جس کی مثال دعوت و رسالت کی تاریخ میں ملنی مشکل ہے۔ آپ جس مقصد کے لیے وہاں تشریف لے گئے تھے، وہ بظاہر پورا نہیں ہوا، طائف کا ایک شخص بھی حلقہ بگوش اسلام نہ ہوا، اس نازک گھڑی اور سخت نفسیاتی حالت میں جو دعائیہ کلمات آپ ﷺ کے دہن مبارک سے نکلے تھے وہ یہ تھے:

اللهم اليك اشكو ضعف قوتي وقلة حيلتي. وهواني على الناس يا ارحم الراحمين، انت رب المستضعفين وانت ربي الى من تكلني، الى عدو يتجهمني ام الى قريب ملكته امري.

''الٰہی اپنی کمزوری، بے سروسامانی اور لوگوں میں تحقیر کی بابت تیرے سامنے فریاد کرتا ہوں، تو سب رحم کرنے والوں سے زیادہ رحم کرنے والا ہے، درماندہ اور عاجزوں کا مالک تو ہی ہے، اور میرا مالک بھی تو ہی ہے، مجھے کس کے سپرد کر رہے ہیں؟ کیا بیگانہ ترش رو کے، یا اس دشمن کے جو کام پر قابو رکھتا ہے۔''

اس نقطہ پر آ کر وہ نبوی مزاج جس کی پرورش و پرداخت دست قدرت نے کی تھی پوری طرح جھلک اٹھتا ہے، آپ ﷺ فرماتے ہیں:

ان لم يكن بك غضب علي فلا ابالي غير ان عافيتك هي اوسع لي (۱)

(ترجمہ) ''اگر مجھ پر تیرا غضب نہیں تو مجھے بھی اس کی پرواہ نہیں، لیکن تیری عافیت میرے لئے زیادہ وسیع ہے۔''

نوح علیہ السلام کو دیکھئے، جو اولوالعزم پیغمبروں میں سے ہیں، اور جن کے بارے میں قرآن کریم کی شہادت ہے:

فَلَبِثَ فِيهِمْ أَلْفَ سَنَةٍ إِلَّا خَمْسِينَ عَامًا (سورہ عنکبوت ۱۴)

''وہ اپنی قوم میں پچاس برس کم ہزار برس رہے۔''

جنہوں نے یہ طویل مدت دعوت تبلیغ کے کام میں ہمہ تن مصروف رہ کر اور لوگوں کو مطمئن کرنے کے تمام مناسب طریقے اختیار کر کے گذاری، قرآن خود ان کا قول نقل کرتا ہے:

---

(۱) [illegible]

قَالَ رَبِّ اِنِّیْ دَعَوْتُ قَوْمِیْ لَیْلًا وَّ نَهَارًا O

''(نوحؑ) نے خدا سے عرض کی کہ پروردگار! میں اپنی قوم کو رات دن بلاتا رہا۔''

(سورۂ نوح۔۵)

آگے فرماتے ہیں

ثُمَّ اِنِّیْ دَعَوْتُهُمْ جِهَارًا O ثُمَّ اِنِّیْ اَعْلَنْتُ لَهُمْ وَاَسْرَرْتُ لَهُمْ اِسْرَارًا O (سورۂ نوح ۸، ۹)

''پھر میں ان کو کھلے طور بھی بلاتا رہا اور ظاہر و پوشیدہ ہر طرح سمجھاتا رہا۔''

لیکن اس طویل اور زہرہ گداز محنت اور محبت کا نتیجہ کیا رہا؟

وَمَآ اٰمَنَ مَعَهٗٓ اِلَّا قَلِیْلٌ O (سورۂ ھود ۴۰)

''ان کے ساتھ ایمان بہت ہی کم لوگ لائے۔''

لیکن حضرت نوح علیہ السلام اس پریشانی یا افسردہ خاطر نظر نہیں آتے، اور اپنی محنت کو رائیگاں نہیں سمجھتے اور نہ اس سے خدا کے یہاں ان کے مقام درجہ قرب اور اولوالعزم پیغمبر ہونے میں کوئی فرق آتا ہے، خدا ان سے راضی تھا، اور وہ اپنے خدا سے راضی تھے، خدا کا پیغام انہوں نے خدا کے بندوں تک پہنچا دیا تھا، اور راہ خدا میں وہ کوشش کا حق ادا کر چکے تھے جس کے انعام میں یہ تمغہ قرآنی ان کو ملا۔

وَتَرَكْنَا عَلَیْهِ فِی الْاٰخِرِیْنَ O سَلٰمٌ عَلٰی نُوْحٍ فِی الْعٰلَمِیْنَ O اِنَّا كَذٰلِكَ نَجْزِی الْمُحْسِنِیْنَ O اِنَّهٗ مِنْ عِبَادِنَا الْمُؤْمِنِیْنَ O

''اور پیچھے آنے والوں میں ان کا ذکر (جمیل باقی) چھوڑ دیا۔ یعنی تمام جہان میں نوح علیہ السلام پر سلام ہو، نیکوکاروں کو ہم ایسے ہی بدلہ دیا کرتے ہیں۔ بے شک وہ ہمارے مومن بندوں میں سے تھے۔'' (سورۂ صافات: ۷۸۔۸۱)

قرآن کریم دعوت و تبلیغ اور جدوجہد و جہاد کے میدان میں تمام کام کرنے والوں کو یہ تعلیم دیتا، اور یہ آداب سکھاتا ہے۔

تِلْكَ الدَّارُ الْاٰخِرَةُ نَجْعَلُهَا لِلَّذِیْنَ لَا یُرِیْدُوْنَ عُلُوًّا فِی الْاَرْضِ وَلَا

فَسَادًا وَالْعَاقِبَةُ لِلْمُتَّقِيْنَ (سورہ قصص۔ ۸۳)

''وہ جو آخرت کا گھر ہے، ہم نے اسے ان لوگوں کے لئے تیار کر رکھا ہے جو ملک میں ظلم اور فساد کا ارادہ نہیں کرتے، اور انجام نیک پرہیز گاروں ہی کا ہے۔''

اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ وہ قوت و طاقت جس کے ذریعہ مسلمان احکام خداوندی کا نفاذ کر سکتا ہے، اور دعوت کی راہ میں پیش آنے والی رکاوٹوں کو ہٹا سکتا ہے، اور جس کے ذریعہ زمین میں فساد اور ظلم اور باطل کے غلبہ کی آگ بجھا سکتا ہے، مثالی اسلامی زندگی، اور شریف و متدین ایمانی معاشرہ کے لئے سازگار ماحول تیار ہو سکتا ہے، وہ قابل توجہ اور لائق فکر و اہتمام نہیں، ہرگز نہیں، یہ تصور غیر اسلامی ہے اور اس رہبانیت کا پرتو ہے جس کے لئے خدائے تعالیٰ نے کوئی دلیل اور سند نازل نہیں فرمائی، اللہ تعالیٰ اپنے احسان و انعام کا ذکر کرتے ہوئے فرماتا ہے:

وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِي الْاَرْضِ كَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ○ وَلَيُمَكِّنَنَّ لَهُمْ دِيْنَهُمُ الَّذِي ارْتَضٰى لَهُمْ وَلَيُبَدِّلَنَّهُمْ مِّنْ بَعْدِ خَوْفِهِمْ اَمْنًا يَعْبُدُوْنَنِيْ وَلَا يُشْرِكُوْنَ بِيْ شَيْئًا وَمَنْ كَفَرَ بَعْدَ ذٰلِكَ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ ○ (سورہ نور۔ ۵۵)

(ترجمہ) ''جو لوگ تم میں سے ایمان لائے اور نیک کام کرتے رہے، ان سے خدا کا وعدہ ہے کہ ان کو ملک کا حاکم بنا دے گا، جیسا کہ ان سے پہلے لوگوں کو بنایا تھا اور ان کے دین کو جسے اس نے ان کے لئے پسند کیا ہے، مستحکم اور پائیدار کرے گا اور خوف کے بعد امن کو بخشے گا، وہ میری عبادت کریں گے اور میرے ساتھ کسی کو شریک نہیں بنائیں گے، اور جو اس کے بعد کفر کرے گا تو ایسے لوگ بدکار ہیں۔''

یہ بھی ارشاد ہے

وَقَاتِلُوْهُمْ حَتّٰى لَا تَكُوْنَ فِتْنَةٌ وَّيَكُوْنَ الدِّيْنُ كُلُّهٗ لِلّٰهِ (الانفال۔ ۳۹)

''اور ان لوگوں سے لڑتے رہو یہاں تک کہ فتنہ (یعنی کفر کا فساد) باقی نہ رہے اور

ہیں سب خدا ہی کا ہے۔

اور یہ بھی فرمایا ہے:

اَلَّذِیْنَ اِنْ مَّکَّنّٰھُمْ فِی الْاَرْضِ اَقَامُوا الصَّلٰوۃَ وَاٰتَوُا الزَّکٰوۃَ وَاَمَرُوْا
بِالْمَعْرُوْفِ وَنَھَوْا عَنِ الْمُنْکَرِ وَلِلّٰہِ عَاقِبَۃُ الْاُمُوْرِ O

(سورہ الحج ۴۱)

"یہ وہ لوگ ہیں کہ اگر ہم ان کو ملک میں دسترس دیں تو نماز کو قائم کریں اور زکوٰۃ ادا کریں اور نیک کام کرنے کا حکم دیں اور برے کاموں سے منع کریں اور سب کاموں کا انجام خدا ہی کے اختیار میں ہے۔"

اللہ تعالیٰ نے مومنین سے ان کے لیے بلندی اور عزت وغلبہ کا وعدہ فرمایا ہے، لیکن اس شرط پر کہ وہ ایمانی صفات سے متصف ہوں اور ان کا مقصد عمل صرف رضائے خداوندی ہو، نہ کہ عزت واقتدار کا حصول اور اس کے لیے کوشش، کیونکہ عزت واقتدار نتیجہ ہے، نہ کہ مقصد، انعام ہے نہ کہ غرض وغایت۔ ارشاد ہے:

وَلَا تَھِنُوْا وَلَا تَحْزَنُوْا وَاَنْتُمُ الْاَعْلَوْنَ اِنْ کُنْتُمْ مُّؤْمِنِیْنَ O

(سورہ آل عمران ۱۳۹)

"اور (دیکھو) بے دل نہ ہونا، اور نہ کسی طرح کا غم کرنا، اگر تم مومن (صادق) ہو تو تم ہی غالب رہو گے۔"

قرآن کریم نے جا بجا اس کی صراحت فرمائی ہے کہ خدا کی طرف سے اپنے بندے سے کس چیز کا مطالبہ ہے، اور جو چیز اس کے یہاں کار آمد ہے وہ قلب سلیم ہے، اس کا ارشاد ہے۔

یَوْمَ لَا یَنْفَعُ مَالٌ وَّلَا بَنُوْنَ O اِلَّا مَنْ اَتَی اللّٰہَ بِقَلْبٍ سَلِیْمٍ O

(سورۃ الشعراء ۸۸ ۸۹)

"جس دن نہ مال ہی کچھ فائدہ دے سکے گا نہ اولاد، ہاں جو شخص خدا کے پاس پاک دل لے کر آیا (وہ بچ جائے گا۔)"

اللہ تعالیٰ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی تعریف کرتے ہوئے فرماتا ہے

اِذْ جَآءَ رَبَّهٗ بِقَلْبٍ سَلِيْمٍ (الصّٰفّٰت ۸۴)

جب وہ اپنے پروردگار کے پاس عیب سے پاک دل لے کر آئے۔

اس سے مراد ہر اس چیز سے پاک قلب ہے جو قلب سلیم کے منافی ہو، اور جس سے تعظیم و محبوبیت جاتی رہتی ہو اور جو خدا کے سوا کسی کی محبت میں شریک و تقسیم ہو، اس سے پاک دل رکھنا خدمت ہے اور اس سے حقیقت میں بنیادی لازمی ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے

اَرَءَيْتَ مَنِ اتَّخَذَ اِلٰهَهٗ هَوٰىهُ (الفرقان ۴۳)

کیا تم نے اس شخص کو دیکھا جس نے اپنی خواہش نفس کو معبود بنا رکھا ہے۔

اور رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں

ان الشیطن یجری من ابن ادم مجری الدم

شیطان ابن آدم کی رگوں میں خون کی طرح دوڑتا ہے۔

(۴) دین کی تبلیغ کی مصلحت یہ ہے کہ انبیاء کرام علیہم الصلوۃ والسلام ان عقائد، دعوت و پیغام اور شریعت کے بارے میں جس کو وہ لے کر آتے ہیں بڑے غیور اور ان کے عاشق ہوتے ہیں، وہ کسی حال میں بھی (خواہ دعوت کی مقبولیت اور کامیابی کی مصلحت ہی کا تقاضا کیوں نہ ہو) اس کے لئے تیار نہیں ہوتے کہ اپنی دعوت اور شریعت میں کوئی ترمیم یا تغیر و تبدل گوارا کریں، ان سے کبھی مداہنت اور تبدیلی موقف کی خواہش نہیں ہوتی، اللہ تعالیٰ اپنے آخری پیغمبر (ﷺ) کو خطاب کر کے فرماتا ہے

فَاصْدَعْ بِمَا تُؤْمَرُ وَاَعْرِضْ عَنِ الْمُشْرِكِيْنَ (الحجر ۹۴)

پس جو حکم تم کو خدا کی طرف سے ملا ہے، وہ سنا دو اور مشرکوں کا ذرا خیال نہ کرو۔

نیز ارشاد ہے

يٰٓاَيُّهَا الرَّسُوْلُ بَلِّغْ مَآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ وَاِنْ لَّمْ تَفْعَلْ فَمَا بَلَّغْتَ رِسَالَتَهٗ وَاللّٰهُ يَعْصِمُكَ مِنَ النَّاسِ (سورۃ المائدہ ۶۷)

(ترجمہ) ''اے پیغمبر! جو ارشادات تم پر خدا کی طرف سے نازل ہوئے ہیں، سب لوگوں کو پہنچا دو، اور اگر ایسا نہ کیا تو تم خدا کے پیغام پہنچانے میں قاصر رہے، اور خدا تم کو لوگوں سے بچائے رکھے گا۔''

نیز فرمایا

وَدُّوا لَوْ تُدْهِنُ فَيُدْهِنُونَ O (سورۃ القلم ۹)

''یہ لوگ چاہتے ہیں کہ تم نرمی اختیار کرو، تو یہ بھی نرم ہو جائیں۔''

رسول اللہ ﷺ کا موقف توحید بلکہ اسلام کے بنیادی عقائد، حتیٰ کہ دین کے ارکان و فرائض کے بارے میں بھی لچک دار اور مصالحانہ موقف نہ تھا جو سیاسی قائدین کا (جو بزعم خود اپنے کو حقیقت پسند اور عملی انسان سمجھتے ہیں) ہر زمانہ میں طرۂ امتیاز رہا ہے، شہر طائف کے فتح ہو جانے کے بعد عرب کے دوسرے سر برآوردہ قبیلہ ثقیف کا وفد اسلام قبول کرنے کے بعد رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوتا ہے۔ اور یہ درخواست کرتا ہے کہ لات نامی صنم کو، (جس کی وجہ سے طائف کو مکہ کے بعد مرکزیت اور تقدس حاصل تھی) تین سال تک اپنے حال پر رہنے دیا جائے اور دوسرے اصنام کی طرح اس کے ساتھ معاملہ نہ کیا جائے۔ رسول اللہ ﷺ صاف انکار فرما دیتے ہیں وفد کے لوگ دو سال، پھر ایک سال کی مہلت مانگتے ہیں، آپ ﷺ مسلسل انکار فرماتے ہیں، یہاں تک کہ وہ اس پر اتر آتے ہیں کہ ہمارے طائف واپس جانے کے بعد صرف ایک مہینہ کی مہلت دے دی جائے لیکن آپ ﷺ ان کی آخری درخواست قبول فرمانے کے بجائے ابوسفیان بن حرب (جن کی طائف میں رشتہ داری تھی) اور قبیلہ ثقیف ہی کے ایک فرد مغیرہ بن شعبہ کو مامور فرماتے ہیں کہ وہ جائیں اور لات اور اس کے معبد کو ڈھا دیں، پھر وفد ایک درخواست یہ بھی کرتا ہے کہ انہیں نماز سے معاف رکھا جائے آپ ﷺ فرماتے ہیں اس دین میں کوئی بھلائی نہیں جس میں نماز نہیں۔

اس گفتگو سے فارغ ہو کر وہ اپنے وطن واپس لوٹتے ہیں اور ان کے ساتھ ابوسفیان اور مغیرہ بھی جاتے ہیں اور لات کو ڈھا دیتے ہیں، اور پورے قبیلہ ثقیف میں اسلام پھیل

جاتا ہے یہاں تک کہ پورا طائف مسلمان ہو جاتا ہے۔(۱)

انبیائے کرام علیہم الصلوۃ والسلام کی یہ بھی خصوصیت ہے کہ وہ تبلیغ ودعوت اور اپنی تفہیم ومکالمہ میں وہی تعبیرات استعمال کرتے ہیں، جو ان کی دعوت کی روح اور نبوت کے مزاج سے ہم آہنگ ہوتی ہے، وہ کھل کر پوری وضاحت کے ساتھ آخرت کی دعوت دیتے ہیں، جنت اور اس کی نعمتوں اور لذتوں کا شوق دلاتے ہیں، دوزخ اور اس کے عذاب اور اس کی ہولناکیوں سے ڈراتے ہیں، اور جنت دوزخ دونوں کا تذکرہ اس طرح کرتے ہیں گویا وہ نگاہوں کے سامنے ہیں وہ عقلی دلائل وبراہین، اور حسی مشاہدات کے بجائے ایمان بالغیب کا مطالبہ کرتے ہیں۔

ان کا عہد بھی مادی فلسفوں اور نظریات سے (جو ان کے عہد کی تعبیر اور حالات سے مطابق ہوتے ہیں) یکسر خالی نہیں ہوتا اس عہد میں بھی کچھ طبقوں کی خاص اصطلاحات ہوتی ہیں، وہ ان سے ناواقف نہیں ہوتے، وہ یہ بھی خوب سمجھتے ہیں کہ یہ فلسفے اور اصطلاحات سکۂ رائج الوقت ہیں، اور انہیں کا اس دور میں چلن ہے، لیکن لوگوں کو قریب کرنے اور اپنی طرف آنے کی دعوت دینے کے لئے وہ ان سے کام نہیں لیتے، وہ اللہ تعالی پر اس کی صفات وافعال کے ساتھ ملائکہ پر، تقدیر پر (شر ہو یا خیر) موت کے بعد اٹھائے جانے پر ایمان کی دعوت دیتے ہیں وہ بغیر کسی تردد اور معذرت کے یہ اعلان کرتے ہیں، کہ ان کی دعوت قبول کرنے، اور ان پر ایمان لانے کا انعام جنت اور خدا تعالی کی رضا وخوشنودی ہے۔

دعوت کے سلسلہ میں نبوی ﷺ مزاج ومنہاج اور طریقہ کار کی بہترین مثال بیعت عقبہ ثانیہ کا واقعہ ہے، جب اہل یثرب کی ایک تعداد جن میں ۷۳ مرد اور دو عورتیں تھیں، حج کے لئے مکہ معظمہ آئے اور عقبہ کے پاس وادی میں اکٹھے ہوئے، رسول اللہ ﷺ اپنے عم محترم حضرت عباس بن عبدالمطلب کے ساتھ، جو اس وقت تک مسلمان نہیں ہوئے

---

(۱) زاد المعاد ج ۱ ص ۲۵۸-۲۵۹ [illegible]

تھے) تشریف لائے تھے، آپ ﷺ نے قرآن پاک کی آیات تلاوت فرمائیں، خدائے واحد کی طرف دعوت اور اسلام کی ترغیب دی، اور فرمایا کہ تم سے میں یہ عہد اور بیعت لیتا ہوں کہ میرے ساتھ حفاظت اور خیال کا وہی معاملہ کرو گے، جو اپنے اہل وعیال کے ساتھ کرتے ہو، انصار نے بیعت کی اور آپ ﷺ سے یہ وعدہ لیا کہ آپ ان کو چھوڑ کر پھر اپنی قوم میں واپس نہ جائیں گے۔ وہ زیرک و دانا تھے اور اس عہد و پیمان کے دوررس اور خطرناک نتائج سے بخوبی واقف تھے، وہ سمجھتے تھے کہ وہ تمام قریبی قبائل، بلکہ پورے عرب سے دشمنی مول لے رہے ہیں، ان کے ایک جہاندیدہ تجربہ کار رفیق (عباس بن عبادہ انصاری) نے بھی ان کو مزید نتائج سے آگاہ کیا، اور ہوشیار کیا، لیکن انہوں نے جواب میں بیک زبان ہو کر کہا کہ ہم مال ومنال کے نقصان اور اپنے سربرآوردہ خاندان کے قتل وہلاک ہو جانے کا خطرہ مول لیتے ہوئے آپ ﷺ کو لے جا رہے ہیں، پھر رسول اللہ ﷺ کی طرف مخاطب ہو کر انہوں نے عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول (ﷺ) اگر ہم نے عہد وفا کر دکھایا تو ہمیں کیا ملے گا؟

ایسے نازک موقع پر اور خدا کے پیغمبروں کی جگہ کوئی سیاسی لیڈر، کوئی قومی رہنما، یا محض سیاسی سوجھ بوجھ کا کوئی انسان ہوتا تو اس کا جواب یہ ہوتا کہ افتراق و انتشار کے بعد اب تمہاری شیرازہ بندی ہوگی ایک قبیلہ کی معمولی حیثیت کے بعد اب پورے عرب میں تمہارا وجود تسلیم کیا جانے لگا، اور تم ایک طاقت بن کر ابھرو گے، یہ کوئی خیال اور ناقابل قیاس بات نہ تھی، بلکہ تمام علامات و قرائن اس کے امکان اور امر واقعہ بننے پر دلالت کرتے تھے، خود ان اہل یثرب میں سے ایک کہنے والے نے اس سے پیشتر کہا تھا کہ:

''ہم اپنی قوم کو اس حالت میں چھوڑ کر آئے ہیں کہ شاید ہی کسی قوم میں ایسی دشمنی و انتشار ہو، جیسا ہماری قوم میں ہے ہمیں امید ہے کہ خدائے تعالیٰ آپ ﷺ کے ذریعہ ان کی شیرازہ بندی کرے اب ہم ان کے پاس جائیں گے، اور آپ ﷺ کی یہ دعوت ان کے سامنے پیش کریں گے، اور جس دین کو ہم نے قبول کیا ہے، ان کو بھی اس کی دعوت دیں گے، اگر خدائے تعالیٰ آپ کی ذات پر ان کو مجتمع فرمادے تو آپ ﷺ سے بڑھ کر کوئی

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

---

(۱) [illegible]

(۲) [illegible]

مدینہ میں داخل ہوئے تو کوئی دوشیزہ اور پردہ نشین عورت ایسی نہ تھی جو اس کے زرق برق لباس دیکھنے کے لئے نکل آئی ہو، اور جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ حج کے لئے تشریف لے گئے تو جبلہ بھی ساتھ گیا، وہ بیت اللہ کا طواف کر رہا تھا کہ بنی فزارہ کے ایک شخص کا پاؤں اس کے لٹکتے ہوئے تہبند کی کور پر پڑ گیا اور کھل گیا، جبلہ نے ہاتھ اٹھایا اور فزاری کی ناک پر زور کا تھپڑ مارا، فزاری نے حضرت عمرؓ کے یہاں نالش کی، امیر المومنین نے جبلہ کو بلا بھیجا، وہ جب آیا تو اس سے پوچھا کہ تم نے یہ کیا کیا؟ اس نے کہا، ہاں امیر المومنین، اس نے میرا تہبند کھولنا چاہا تھا، اگر کعبہ کا احترام مانع نہ ہوتا تو میں اس کی پیشانی پر تلوار کا وار کرتا، حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ تم نے اقرار کر لیا اب یا تو تم اس شخص کو راضی کرلو، ورنہ میں قصاص لوں گا، جبلہ نے کہا کہ آپ میرے ساتھ کیا کریں گے؟ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میں اس سے کہوں گا کہ تمہاری ناک پر ویسے ہی ضرب لگائے جیسی تم نے اس کی ناک پر لگائی۔ جبلہ نے حیرت و استعجاب سے کہا کہ امیر المومنین ایسے کیسے ہو سکتا ہے؟ وہ ایک عام آدمی ہے، اور میں اپنے علاقہ اور قوم کا تاجدار ہوں، حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ اسلام نے تم کو اور اس کو برابر کر دیا، اب سوائے تقویٰ اور عافیت کے کسی اور چیز کی بنیاد پر تم اس سے افضل نہیں ہو سکتے، جبلہ نے کہا کہ میرا خیال تھا کہ میں اسلام قبول کر کے جاہلیت سے زیادہ [illegible] ہو جاؤں گا، حضرت عمرؓ نے فرمایا یہ باتیں چھوڑو یا تو اس شخص کو راضی کرو، ورنہ قصاص کے لئے تیار ہو جاؤ۔

جبلہ نے جب حضرت عمرؓ کے یہ تیور دیکھے تو یہ عرض کیا کہ مجھے آج رات غور کرنے کا موقع دیا جائے۔ حضرت عمرؓ نے اس کی درخواست منظور کی، رات کے سناٹے اور لوگوں کی لاعلمی میں جبلہ اپنے گھوڑوں اور اونٹوں کو لے کر شام کی طرف روانہ ہو گیا۔ فتح شام میں اس کا نام و نشان نہ تھا، ایک زمانہ کے بعد جب ہشام بن مساحق کنانی سے جو اس کے دربار میں شریک ہوئے تھے، حضرت عمرؓ نے اس کے شاہانہ کروفر کے حالات سنے تو صرف یہ فرمایا کہ وہ محروم رہا، آخرت کے بدلے میں دنیا خرید لی، اس کی تجارت کھوٹی رہی۔(۱)

---

(۱) [illegible] ابن خلدون جلد نمبر ۲ صفحہ ۲۸۱۔

اس کا مطلب یہ نہیں کہ انبیائے کرام دعوت تبلیغ کے سلسلہ میں حکمت سے کام نہیں لیتے، اور لوگوں کے فہم و فراست اور ادراک کے مطابق بات نہیں کرتے، یہ بات کلیۃً قرآنی نصوص اور سیرت کے بیّن ثبوتوں، واقعات کے منافی ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے

وَمَا أَرْسَلْنَا مِن رَّسُولٍ إِلَّا بِلِسَانِ قَوْمِهِ لِيُبَيِّنَ لَهُمْ (سورہ ابراھیم ۴)

"اور ہم نے کوئی پیغمبر نہیں بھیجا مگر وہ اپنی قوم کی زبان بولتا تھا، تاکہ انہیں (احکام خدا) کھول کھول کر بتا دے۔"

زبان کا مفہوم یہاں چند جملوں اور الفاظ میں محفوظ و محدود نہیں، وہ اسلوب، طرز بیان، طرز کلام اور منطقی ترتیب سب پر حاوی ہے۔ اس کا دلکش نمونہ حضرت یوسف کی جیل میں اپنے دونوں ساتھیوں سے پند و موعظت، حضرت ابراہیم اور حضرت موسیٰ کے اپنی اپنی قوم اور اپنے اپنے دور کے بادشاہوں سے مکالمے میں نظر آتا ہے۔(۱) اللہ تعالیٰ نے اپنے آخری نبی اور آپ کے واسطے سے قرآن کے ہر قاری اور اسلام کے ہر داعی مبلغ کو یہ ہدایت فرمائی

ادْعُ إِلَىٰ سَبِيلِ رَبِّكَ بِالْحِكْمَةِ وَالْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ وَجَادِلْهُم بِالَّتِي هِيَ أَحْسَنُ (سورہ النحل ۱۲۵)

"اے پیغمبر! لوگوں کو دانش اور نیک نصیحت سے اپنے پروردگار کے رستے کی طرف بلاؤ، اور بہت اچھے طریق سے ان سے مناظرہ کرو۔"

نبی اکرم صحابہ کرام کو جب دعوت و تبلیغ کی مہم پر روانہ فرماتے تو نرمی، شفقت محبت و آسانی پیدا کرنے اور بشارت دینے کی وصیت فرماتے۔

آپ نے حضرت معاذ بن جبلؓ اور حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ کو یمن بھیجتے ہوئے وصیت فرمائی:

---

(۱) اس موعظت و مکالمے کے اخلاقی اور بیانی و فنی تجزیے کے لئے ملاحظہ ہو مصنف کی کتاب "دعوت و عزیمت کا معجزانہ اسلوب" [illegible]

یسرا و لا تعسرا، بشرا و ولا تنفرا۔

آسانی پیدا کرنا، سختی نہ کرنا، خوشخبری دینا متوحش نہ بنانا۔"

اور خود اللہ تعالیٰ نے نبی کریم ﷺ کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا:

فَبِمَا رَحْمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ لِنْتَ لَهُمْ وَلَوْ كُنْتَ فَظًّا غَلِيظَ الْقَلْبِ
لَانْفَضُّوا مِنْ حَوْلِكَ. (آل عمران ۱۵۹)

"اے محمد (ﷺ) خدا کی مہربانی سے تمہاری افتادِ مزاج ان لوگوں کے لئے نرم واقع ہوئی ہے، اور اگر تم بدخو اور سخت دل ہوتے تو یہ تمہارے پاس سے بھاگ کھڑے ہوتے۔"

رسول اللہ ﷺ نے صحابہؓ سے بالعموم فرمایا:

انما بعثتم میسرین ولم تبعثوا معسرین۔ (۱)

تمہیں آسانی پیدا کرنے کے لئے اٹھایا گیا ہے، دشواری پیدا کرنے کے لئے نہیں اٹھایا گیا ہے۔)

اس سلسلے کے نصوص و دلائل بے شمار ہیں جن کا احاطہ مشکل ہے۔ (۲)

انبیائے سابقین کی بھی یہی امتیازی شان رہی ہے۔ متعدد انبیاء کے ناموں کے ساتھ ذکر کرتے ہوئے آخر میں فرمایا گیا:

أُولٰئِكَ الَّذِينَ آتَيْنٰهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحُكْمَ وَالنُّبُوَّةَ. (الانعام ۸۹)

یہ وہ لوگ تھے جن کو ہم نے کتاب اور فیصلہ کن رائے قائم کرنے کی صلاحیت اور نبوت عطا فرمائی تھی۔

لیکن اس آسانی تدریج اور تیسیر کا تعلق تعلیم و تربیت اور جزوی مسائل سے تھا، جن کا عقائد اور دین کے بنیادی اصول سے کوئی تعلق نہیں تھا، جن کا عقائد اور دین کے بنیادی اصول سے کوئی تعلق نہیں تھا۔ جن باتوں کا تعلق عقائد اور حدود اللہ سے ہے ان میں ہر دور کے انبیائے کرام فولاد سے زیادہ اور پہاڑ سے زیادہ مضبوط ہوتے تھے۔

---

(۱) بخاری ا ص ۳۵ او ص ۱۳
(۲) اس موضوع پر حضرت شاہ ولی اللہ صاحبؒ کی کتاب حجۃ اللہ البالغہ" کے باب التیسیر کا مطالعہ کیا جائے۔

(۴) نبوت کی امتیازی خصوصیات اور انبیائے کرام کے دعوت کے خط و خال میں ایک نمایاں پہلو یہ بھی ہے کہ ان کا اصل زور آخرت کی زندگی اور اس کی کامیابی اور سعادتوں کے حصول پر ہوتا ہے، وہ اس کا اس کثرت سے تذکرہ کرتے ہیں اور اس کا اس درجہ اہتمام و فکر کہ وہ ان کی دعوت کا مرکزی نقطہ اور محور بن جاتا ہے، صاف ذہن کے ساتھ ان کے واقعات اور اقوال کا مطالعہ کرنے والا صاف محسوس کر سکتا ہے کہ آخرت ان کا نصب العین ہے، اور ان کے لئے ایک مرئی اور بدیہی حقیقت ہے، یہ بات ان کی فطرت ثانیہ بن جاتی ہے، اور اس کا یقین ان کے احساسات اور فکر و دماغ پر چھایا ہوا نظر آتا ہے اللہ تعالیٰ نے اپنے مومن و مطیع بندوں کے لئے آخرت میں جو نعمتیں مقدر کر رکھی ہیں اور کافروں اور نافرمانوں کے لئے وہاں جو عذاب مقرر فرمایا ہے، اس کا ہمہ وقت خیال ہی وہ حقیقی محرک ہے، جو ان کو عقیدہ کی تصحیح، زندگی کی اصلاح اور رشتۂ عبودیت کی استواری کی دعوت پر ابھارتا ہے، وہ ان کو بے چین رکھتا ہے اور ان کی راتوں کی نیند اور دن کا اطمینان اس طرح اڑا دیتا ہے کہ ان کو کسی پہلو قرار نہیں آتا۔

سیرت کا ہر ذہین مطالعہ کرنے والا یہ بھی محسوس کرتا ہے کہ انبیاء کی ایمان بالآخرت کی دعوت اور اس کی اہمیت کی تبلیغ و تشہیر صرف اخلاقی یا اصلاحی ضرورت کے تحت نہیں تھی، جس کے بغیر کوئی صالح معاشرہ وجود میں نہیں آ سکتا، نہ پاکیزہ تمدن کی بنیاد پڑ سکتی ہے یہ خیال اپنی جگہ پر صحیح ہے، اور ایک تاریخی واقعہ جس کی پوری انسانی تاریخ شہادت دیتی ہے، لیکن انبیاء کا طریق کار اور ان کی سیرت، اسی طرح ان کے نائبین کا طریق کار اس سے مختلف ہے، ان دونوں گروہوں کے درمیان ایک فرق یہ بھی ہے کہ انبیاء کے طریق دعوت و تبلیغ میں یہ ایمان، وجدانی کیفیت اور قلبی جذبہ اور دردمندی کے ساتھ اور دوسرے طریقہ میں وہ ضابطہ اور ضرورت کی حیثیت رکھتا ہے۔ اور اخلاقی و معاشرتی ضرورت کی حد تک ہی اس کی تلقین کی جاتی ہے اور دونوں میں جو فرق ہے وہ کسی دلیل کا محتاج نہیں۔

(۵) پانچواں امر یہ ہے کہ اس میں کوئی شک نہیں کہ خدائے تعالیٰ ہی حاکم حقیقی

اور فرمانروائے مطلق ہے اور شریعت سازی صرف اسی کا حق ہے، اس کا ارشاد ہے:

اِنِ الْحُكْمُ اِلَّا لِلّٰهِ ۔(سورہ یوسف ۔ ۴۰)

خدا کے سوا کسی کی حکومت نہیں ہے۔

اَمْ لَهُمْ شُرَكٰٓؤُا شَرَعُوْا لَهُمْ مِّنَ الدِّيْنِ مَالَمْ يَاْذَنْ بِهِ اللّٰهُ ۔

(سورہ شوریٰ ۔ ۲۱)

کیا ان کے وہ شریک ہیں جنہوں نے ان کے لئے ایسا دین مقرر کیا ہے جس کا خدا نے حکم نہیں دیا۔

لیکن درحقیقت خالق ومخلوق اور عبد ومعبود کا تعلق، حکام ومحکوم آمر ومامور، اور ایک بادشاہ اور رعیت کے تعلق سے کہیں زیادہ وسیع، کہیں زیادہ عمیق، کہیں زیادہ لطیف اور کہیں زیادہ نازک ہے قرآن مجید نے اللہ تعالیٰ کے اسماء وصفات کو جس تفصیل کے ساتھ اور جتنے دلآویز طریقہ پر بیان کیا ہے۔(۱) اس کا مقصد قطعاً یہ نہیں معلوم ہوتا ہے کہ بندہ سے صرف اتنا مطلوب ہے کہ وہ اس کو اپنا حاکم اعلیٰ اور آمر مطلق سمجھ لے، اور اس کے اقتدار اعلیٰ میں کسی کو شریک نہ کرے، بلکہ ان اسماء وصفات اور ان افعال الٰہی کے ذکر کا جس سے قرآن شریف بھرا ہوا ہے اور ان آیات کا جن میں خدائے تعالیٰ سے محبت(۲) وتعلق اور بکثرت، ہمیشہ اس کے ذکر کی ترغیب آئی ہے، صاف تقاضا یہ معلوم ہوتا ہے کہ اس سے دل وجان سے محبت کی جائے اور اس کی طلب ورضا میں جان کھپا دی جائے، اس کی حمد وثنا کے گیت گائے جائیں، اٹھتے بیٹھتے اس کے نام کا وظیفہ پڑھا جائے، اسی کی دھن ہر وقت دل دماغ میں سمائی رہے، اسی کے خوف سے انسان ہر وقت لرزاں اور ترساں رہے، اسی کے سامنے دست طلب ہر وقت پھیلا رہے، اسی کے جمال جہاں آرا پر ہر وقت نگاہیں جمی رہیں، اسی کی راہ میں سب کچھ لٹا دینے حتیٰ کہ سر کٹا دینے کا جذبہ بیدار رہے۔

---

(۱) بطور مثال سورہ حشر کی آخری آیات هو الله الذى لآ اله الا هو سے وهو العزيز الحكيم تک پڑھیے۔

(۲) مثلاً والذين امنوا اشد حبا لله، اور وہ آیات ملاحظہ ہوں جن میں ذکر اللہ کی ترغیب وتاکید ہے، اور انبیاء علیہم السلام کی محبت الٰہی، شوق اور تڑپ اور عزیز ترین چیزوں کی قربانی کا ذکر ہے۔

(٦) دین کے مزاج اور اس کی نمایاں خصوصیات کی اس بحث کے سلسلے میں اس بات کی وضاحت بھی ضروری ہے کہ انبیاء علیہم السلام جن کے سرگروہ خاتم النبیین محمد رسول اللہ ﷺ کی ذات گرامی ہے، ان کا مخلوق سے اور قوموں سے جن کی طرف وہ بھیجے جاتے ہیں، چٹھی رساں (پوسٹمین) اور ڈاکیہ جیسا تعلق نہیں ہوتا، جس کی ذمہ داری صرف یہ ہے کہ وہ خطوط اور ڈاک مرسل الیہم تک پہنچا دے پھر اسے ان لوگوں سے کوئی سروکار نہیں اور ان دونوں کو اس درمیانی واسطہ اور قاصد سے کوئی مطلب نہیں، وہ اپنے کاموں اور اختیارات میں بالکل آزاد ہیں اور ان کی انفرادی و عائلی زندگی سے کوئی دلچسپی نہیں یہ وہ غلط، بے بنیاد اور ادھورا تصور ہے، جو ان حلقوں میں رائج تھا جو نبوت اور انبیاء کے بلند مقام سے ناواقف تھے اور ہمارے اس دور میں ان حلقوں میں پھیلا ہوا ہے۔ جو مقام سنت سے ناواقف اور حدیث اور اس کی حجیت کے منکر ہیں۔ اور جن پر مذہب کے مسیحی تصورات کا اثر اور مغربی طرز فکر کا غلبہ ہے۔

اس کے برخلاف حقیقت یہ ہے کہ انبیاء کرام پوری انسانیت کے لئے اسوۂ کامل، عملی قابل تقلید نمونہ اور اخلاق، ذوق و رجحان، رد و قبول اور وصل و فصل کے بارے میں سب سے مکمل اور آخری معیار ہوتے ہیں۔ وہ مورد عنایات الٰہی اور مرکز الطاف و تجلیات ہوتے ہیں، ان کے اخلاق و عادات اور ان کی زندگی کا طور طریق سب خدا کی نظر میں محبوب ہیں زندگی کے طریقوں میں ان کا طریق حیات انسانوں اور جماعتوں کے اخلاق میں ان کے اخلاق اور لوگوں کی گوناگوں عادتوں میں ان کی عادتیں اللہ کے نزدیک پسندیدہ بن جاتی ہیں، انبیاء جس راستہ کو اختیار کرتے ہیں وہ راستہ خدا کے یہاں محبوب بن جاتا ہے اور اس کو دوسرے راستوں پر ترجیح حاصل ہوتی ہے، صرف اس وجہ سے کہ انبیاء کے قدم اس راستہ پر پڑے ہیں، ان کی تمام پسندیدہ چیزوں اور شعائر اور ان سے نسبت رکھنے والی اشیاء اور اعمال سے اللہ کی محبت اور پسندیدگی متعلق ہو جاتی ہے)، ان کا اختیار کرنا اور ان کے اخلاق کی جھلک پیدا کرنا، اللہ کی محبت اور رضا سے سرفراز ہونے کا قریب ترین اور سہل ترین راستہ ہو جاتا ہے، اس لئے کہ دوست کا دوست، دوست اور

دشمن کا دوست دشمن سمجھا جاتا ہے، خاتم النبین ﷺ کی زبان مبارک سے کہلایا گیا:

قُلْ اِنْ کُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰہَ فَاتَّبِعُوْنِیْ یُحْبِبْکُمُ اللّٰہُ وَیَغْفِرْ لَکُمْ ذُنُوْبَکُمْ وَاللّٰہُ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ O (آل عمران. ۳۱)

اے پیغمبر (لوگوں سے) کہہ دو کہ اگر تم خدا کو دوست رکھتے ہو تو میری پیروی کرو خدا بھی تمہیں دوست رکھے گا اور تمہارے گناہوں کو معاف کر دے گا اور خدا بخشنے والا مہربان ہے۔

اس کے برعکس جو ظلم پر کمر باندھے ہوئے اور کفر کی راہ اختیار کئے ہوئے ہیں ان کی طرف دل کا میلان، ان کے طریق حیات کی ترجیح اور ان سے صوری و معنوی مشابہت، اللہ کی غیرت کو حرکت میں لانے والی اور اللہ سے بندے کو دور کرنے والی بتائی گئی ہے، فرمایا گیا:

وَلَا تَرْکَنُوْٓا اِلَی الَّذِیْنَ ظَلَمُوْا فَتَمَسَّکُمُ النَّارُ وَمَا لَکُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰہِ مِنْ اَوْلِیَآءَ ثُمَّ لَا تُنْصَرُوْنَ O (سورۃ ہود ۱۱۳)

(ترجمہ) اور جو لوگ ظالم ہیں ان کی طرف مائل نہ ہونا، نہیں تو تمہیں دوزخ کی آگ آ لپٹے گی اور خدا کے سوا تمہارے اور دوست نہیں ہیں (اگر تم ظالموں کی طرف مائل ہو گئے) تو پھر تم کو (کہیں سے) مدد نہ مل سکے گی۔

ان پیغمبرانہ مخصوص عادات و اطوار کا نام شریعت کی زبان اور اصطلاح میں "خصائل فطرت" اور "سنن الہدیٰ" ہے جس کی شریعت تعلیم و ترغیب دیتی ہے، ان اخلاق و عادات کا اختیار کرنا لوگوں کو انبیاء کے رنگ میں رنگ دیتا ہے، اور یہ وہ رنگ ہے جس کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:-

صِبْغَۃَ اللّٰہِ وَمَنْ اَحْسَنُ مِنَ اللّٰہِ صِبْغَۃً وَّنَحْنُ لَہٗ عٰبِدُوْنَ O

(سورۃ البقرہ. ۱۳۸)

(کہہ دو کہ ہم نے) خدا کا رنگ (اختیار کر لیا) اور خدا کے رنگ سے بہتر رنگ کس کا ہو سکتا ہے، اور ہم اس کی عبادت کرنے والے ہیں۔

ایک عادت کی دوسری عادت، ایک اخلاق کے دوسرے اخلاق، ایک طور طریق کے دوسرے طور طریق پر دین و شریعت میں ترجیح کا یہی راز ہے۔ اسی وجہ سے اس کو شریعت اسلامی اہل ایمان کا شعار، فطرت کے تقاضے کی تکمیل اور اس کے خلاف طریقوں کو فطرت سلیم سے انحراف اور اہل جاہلیت کا شعار قرار دیتی ہے اور ان دونوں طریقوں اور راستوں میں (باوجود اس کے کہ اس طرف بھی عقل و خرد رکھنے والے متمدن انسان ہیں، اور اس طرف بھی) محض اس بات کا فرق ہے کہ ایک خدا کے پیغمبروں اور اس کے محبوب بندوں کا اختیار کیا ہوا ہے دوسرا ان لوگوں اور قوموں کا جن کے پاس ہدایت کی روشنی اور آسمانی تعلیمات نہیں ہیں، ان اصول کے تحت کھانے پینے، کاموں میں دائیں بائیں ہاتھ کا فرق، لباس و زینت، رہنے سہنے اور تمدن کے بہت سے اصول آجاتے ہیں، اور یہ سنت سنت نبوی ﷺ اور فقہ اسلامی کا ایک وسیع باب ہے۔(۱)

جہاں تک رسول اللہ ﷺ کی ذات گرامی کا تعلق ہے وہاں اس پہلو پر اور زیادہ زور دینے اور اس کا زیادہ اہتمام کرنے کی ضرورت ہے، آپ کی ذات گرامی کے ساتھ صرف ضابطہ اور قانون کا تعلق کافی نہیں، روحانی اور جذباتی تعلق اور ایسی گہری اور دائمی محبت مطلوب ہے جو جان و مال، اہل و عیال کی محبت پر فوقیت لے جائے صحیح حدیث میں آیا ہے۔

لا یؤمن احدکم حتی اکون احب الیہ من ولدہ ووالدہ والناس اجمعین.(۲)

اس وقت تک تم میں سے کوئی مومن نہیں ہوگا، جب تک میں اس کو اپنی اولاد، والدین اور تمام لوگوں سے محبوب نہ ہو جاؤں۔

دوسری حدیث ہے:۔

لا یؤمن احدکم حتی اکون احب الیہ من نفسہ.(۳)

---

(۱) تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو مصنف کی کتاب "منصب نبوت اور اس کے بلند مقام حاملین" ص ۱۸۔۲۰۔
(۲) بخاری مسلم۔ (۳) بخاری۔

تم میں سے کوئی اس وقت تک مؤمن نہ ہوگا جب تک میں اسے اپنی ذات سے زیادہ عزیز و محبوب نہ ہوں۔

اس سلسلہ میں ان تمام مخالف اسباب و محرکات سے محفوظ و محتاط رہنے کی ضرورت ہے جو اس محبت کے سوتوں کو خشک یا اس کو کمزور کرتے ہیں، جذبات و احساسات محبت میں افسردگی سنت پر عمل کرنے کے جذبہ میں کمزوری، اور آپ ﷺ کو دانائے سبل ختم الرسل، مولائے کل سمجھنے میں تردد اور سیرت و حدیث کے مطالعہ سے روگردانی اور بے توجہی کا سبب بنتے ہیں۔ سورۂ احزاب، سورۂ حجرات اور سورۂ فتح وغیرہ قرآنی سورتوں کے غائر مطالعہ اور تشہد و نماز جنازہ میں درود و صلوٰۃ کی شمولیت پر غور و فکر، قرآن میں درود کی ترغیب اور درود کی فضیلت میں بکثرت وارد ہونے والی احادیث کا راز سمجھنے کا یہ لازمی نتیجہ نکلتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے بارے میں ایک مسلمان سے اس سے کچھ زیادہ مطلوب ہے جس کو صرف قانونی وضابطہ کا تعلق کہا جاتا ہے اور جو محض ظاہری اطاعت سے پورا ہو جاتا ہے بلکہ وہ پاس و ادب، محبت اور تشکر و امتنان کا جذبہ بھی مطلوب ہے جس کے سرچشمے دل کی گہرائیوں سے پھوٹتے ہوں، اور جو رگ و ریشہ میں سرایت کر گیا ہو، اسی پُر محبت احترام اور احترام آمیز محبت کو قرآن نے تعزیر و توقیر کے لفظ سے ادا کیا ہے۔

تُعَزِّرُوْهُ وَتُوَقِّرُوْهُ. (سورۂ فتح ۹)

اس کی مدد کرو اور اس کو بزرگ سمجھو۔

اس کی تابندہ اور روشن مثالیں غزوۂ رجیع کے موقع پر حضرت خبیب بن عدیؓ اور زید ابن الدثنہؓ کے واقعہ غزوۂ احد کے موقع پر ابودجانہؓ اور حضرت ابوطلحہؓ کے طرزِ عمل، غزوہ احد میں بنی دینار کی مسلمان خاتون کے جواب، صلح حدیبیہ کے موقع پر رسول اللہ ﷺ کے ساتھ صحابہ کرامؓ کی والہانہ محبت اور ادب و احترام میں دیکھی جا سکتی ہے، جن کی بناء پر ابو سفیان (جو اس وقت تک مسلمان نہیں ہوئے تھے) کی زبان سے بے ساختہ نکلا کہ "میں نے کسی کو کسی سے اس طرح محبت کرتے ہوئے نہیں دیکھا، جس طرح محمد ﷺ کے ساتھی

محمد سے محبت کرتے ہیں۔" اور قریش کے قاصد عروہ بن مسعود ثقفی نے کہا کہ "قسم بخدا میں نے کسریٰ اور قیصر کے دربار بھی دیکھے ہیں، میں نے کسی بادشاہ کی ایسی عزت ہوتے ہوئے نہیں دیکھی جس طرح محمد کے ساتھی محمد ﷺ کی عزت کرتے ہیں۔"(۱)

اس عشق رسول سے ان علمائے راسخین، مصلحین و مجددین زعماء و قائدین نے بہرۂ وافر ملا، جنہوں نے دین کی حقیقی روح کو اپنے اندر جذب کر لیا تھا اور جن سے متعدد میں دین و ملت کے احیاء و تجدید کا اہم کارنامہ انجام دینا تھا۔ اس پاک محبت کے بغیر جو شرعی احکام و آداب کے تابع اور اسوۂ صحابہؓ کے اتباع و تقلید کے ساتھ ہو اسوۂ رسول کی کامل پیروی و اتباع، جادۂ شریعت پر استواری، نفس کی خواہشات کا دلیرانہ مقابلہ اور عسر و یسر اور طبیعت کی آمادگی و گرانی (منشط و مکرہ) میں خدا اور رسول کی فرمانبرداری ممکن نہیں ہی (کثیر النون)

نفسیاتی امراض کا علاج تزکیۂ نفس اور اصلاح اخلاق کا مؤثر ذریعہ ہے۔ محبت کی ایک ہی رو خس و خاشاک کو بہا لے جاتی ہے اور رگ و ریشہ اور جسم و جان میں اس طرح دوڑ جاتی ہے اور جذب ہو جاتی ہے ع

شاخِ گل میں جس طرح بادِ سحرگاہی کا نم

مسلمان جو کبھی خدا اور رسول کے عشق کی بدولت شعلہ جوالہ تھے، اس کے بغیر چوب خشک اور خاکستر ہو گئے ہیں۔

---

(۱) یہ واقعات سیرت کی کتابوں میں مذکور ہیں۔ جب زید بن الدثنہ کو جب قتل کرنے کے لیے لے جایا گیا تو ابو سفیان نے ان سے کہا کیا تم پسند کرو گے کہ محمد ﷺ تمہاری جگہ پر ہوں اور تم اپنے گھر میں اطمینان سے ہو؟ حضرت زید نے کہا خدا کی قسم مجھے تو یہ بھی منظور نہیں کہ محمد ﷺ جہاں ہیں وہیں ان کے کوئی کانٹا بھی چبھے اور میں اپنے گھر میں آرام سے بیٹھا رہوں۔" (سیرت ابن ہشام ج۲ ص۱۷۲) بنی دینار کی ایک مسلمان خاتون کے شوہر بھائی اور باپ غزوۂ احد میں کام آئے، جب ان کو اس حادثہ کی اطلاع دی گئی تو ان کی زبان سے بے اختیار نکلا "رسول اللہ ﷺ کیسے ہیں؟" لوگوں نے کہا کہ الحمد للہ آپ خیریت سے ہیں، انہوں نے کہا کہ مجھے دیدار کرا دو۔ ۔ ۔ جب ان کی نظر چہرۂ مبارک پر پڑی تو بول اٹھیں "آپ ﷺ کے ہوتے ہوئے ہر مصیبت ہیچ ہے۔" (ابن ہشام) ابو دجانہؓ نے اپنے کو رسول اللہ ﷺ کے لئے ڈھال بنا دیا۔ (بخاری) اور حضرت ابو طلحہؓ نے اپنے ہاتھ کو سپر بنایا یہاں تک کہ وہ ہاتھ استعمال کے قابل نہیں رہا۔ (الاصابہ)

کبھی عشق کی آگ اندھیر ہے
مسلمان نہیں خاک کا ڈھیر ہے

(۷) اس دین کی ایک خصوصیت اس کی کاملیت اور دوام ہے، کیونکہ یہ اعلان کر دیا گیا ہے کہ عقائد و شریعت اور دنیا میں جن چیزوں پر سعادت اور آخرت میں نجات کا دارو مدار ہے ان کی مکمل تعلیم دی جا چکی ہے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

مَا كَانَ مُحَمَّدٌ اَبَآ اَحَدٍ مِّنْ رِّجَالِكُمْ وَلٰكِنْ رَّسُوْلَ اللهِ وَخَاتَمَ النَّبِيّٖنَ وَكَانَ اللهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمًا O (سورۃ الاحزاب. ۴۰)

محمد تمہارے مردوں میں سے کسی کے والد نہیں ہیں، بلکہ خدا کے پیغمبر اور خاتم النبیین ہیں، خدا ہر چیز سے واقف ہے۔

اور قرآن نے عربی مبین میں صاف صاف کہہ دیا کہ یہ دین اپنے کمال، انسانی ضرورتوں اور تقاضوں کی ایک تکمیل اور بقائے دوام کی صلاحیت کی آخری منزل پر پہنچ چکا اور فرما دیا گیا۔

اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِيْ وَرَضِيْتُ لَكُمُ الْاِسْلَامَ دِيْنًا O (سورۃ المائدہ ۳)

آج ہم نے تمہارے لئے تمہارا دین کامل کر دیا اور اپنی نعمتیں تم پر پوری کر دیں اور تمہارے لئے اسلام کو دین پسند کیا۔

یہ آیت عرفات کے دن حجۃ الوداع کے موقع پر ۱۰ ھ میں نازل ہوئی۔ بعض ذہین یہودی علماء جو قدیم مذاہب کی تاریخ سے واقف تھے بھانپ گئے کہ یہ وہ اعزاز ہے جو تنہا مسلمانوں کو بخشا گیا ہے اور یہ اسلام کا طرۂ امتیاز ہے، جس میں کوئی مذہب و ملت شریک نہیں انہوں نے امیر المؤمنین حضرت عمر بن الخطابؓ سے کہا کہ اے امیر المؤمنین آپ اپنی کتاب میں ایک ایسی آیت کی تلاوت کرتے ہیں جو اگر ہم یہودیوں پر نازل ہوئی ہوتی تو ہم اس روز عید مناتے۔

رسول اللہ ﷺ کے بعد نبوت کا انقطاع و اختتام، انسانیت کا اعزاز اور اس کے

ساتھ رحمت وشفقت کا نتیجہ تھی، اور اس کا اعلان تھا کہ اب انسانیت سن بلوغ اور پختگی و کمال کے مرحلہ کو پہنچ گئی اور اپنے اس تنگ دائرہ سے نکل چکی ہے، جس میں وہ صدیوں تک رہی تھی۔ اب وہ علم وتمدن، باہمی تعارف عالمی وحدت اور تسخیر کائنات کے مرحلہ میں داخل ہورہی ہے اور اس کی امید پیدا ہوئی ہے کہ وہ طبقاتی رجحانوں، جغرافی تقسیم اور محدود پسندی کی رجحانات پر قابو حاصل کرلے گی۔ قوم ووطن کے بجائے اب وہ کائنات، وسیع انسانیت، عالمگیر ہدایت اور مشترک علم وفن کے مفہوم سے آشنا ہورہی تھی، اور زندگی کے میدان میں صحیح قوتوں، قدرتی وسائل، عقل مومن وقلب سلیم اور مشترک جدوجہد سے کام لینے کے لئے تیار ہورہی تھی۔

زمانہ قدیم میں اس حقیقت سے تعلق ہونے، حق وباطل کی آمیزش اور کثرت سے ایسی دعوتوں کے وقتاً فوقتاً ظہور کی وجہ سے جو آسمان کے ساتھ تعلق خاص اور آسمانی تعلیمات کے براہ راست حاصل کرنے کے غلط طریقہ پر مبنی تھیں لوگوں کو ایمان لانے کی دعوت دیتیں اور اسی بنیاد پر ان کو مومن وکافر کے طبقوں میں بانٹتی تھیں، سابقہ امتوں اور قوموں کو بڑے مصائب اور پریشانیوں کا سامنا کرنا پڑا، یہودی اور مسیحی دنیا میں ایسے مدعیان نبوت کا پیدا ہونا ایک فیشن بن گیا، اور وہ وقت کا ایک اہم مسئلہ بن گئے، جس نے ذہنی اور دینی توانائیوں کو بڑی اور مفید کام کرنے کے بجائے اس مسئلہ کے حل کرنے میں مشغول کرلیا۔ یہودی اور مسیحی معاشرے میں انتشار، افتراق اور نفسیاتی وعقلی کشمکش پیدا کردی۔

سلسلہ نبوت کے خاتمہ سے انسانی صلاحیتیں اور قوتیں اس خطرہ سے محفوظ ہوگئیں کہ تھوڑے تھوڑے وقفہ اور تھوڑی تھوڑی دور کے فاصلہ پر ایک نئے نبی یا دعوت کا ظہور ہو اور دینی معاشرہ سارے مسائل سے صرف نظر کرکے اس کی حقیقت معلوم کرنے اور اس کی تصدیق وتکذیب کا فیصلہ کرنے میں لگ جائے اس طرح محدود انسانی قوت کو اس زور زور کی مشغولیت اور آزمائش سے بچا لیا گیا اور بجائے اس کے کہ نسل انسانی (نئی نئی ہدایات کے لئے) بار بار آسمان کی طرف نگاہ اٹھائے اور نئی اور مستقل رہنمائی کی طالب

منتظر رہے اس کو اپنی خداداد صلاحیتوں اور طاقتوں کے استعمال کے لئے کائنات اور اس زمین پر توجہ کرنے کی دعوت دی گئی اور اس طرح فکری انتشار، ذہنی کشمکش اور وحدت اجتماعی کے پارہ پارہ ہونے سے وہ ہمیشہ کے لئے محفوظ ہوگئی۔

اس عقیدہ ہی کی بنیاد پر یہ امت خطرناک سازش کا مقابلہ کرسکی اور دین وعقائد کی وحدت ایک روحانی مرکز، ایک عالمی ثقافت اور علمی سرچشمہ اور ایک قطعی تشخص ہے۔ جس سے اس کا گہرا اور قوی رابطہ ہے۔ اس کی بنیاد پر ہر زمانہ میں مسلمانوں میں اجتماعیت اور اتحاد قائم ہوسکتا ہے۔ اس سے ذمہ داری کا قوی احساس ابھرتا ہے اور معاشرہ میں اس سے فساد کے ازالہ، حق وانصاف کے قیام، امر بالمعروف، نہی عن المنکر اور دین خالص کی دعوت کا کام لیا جا سکتا ہے۔ امت کو اب نہ کسی نئے نبی کی بعثت کی ضرورت ہے اور نہ کسی ایسے امام معصوم کے ظہور کی جو انبیائے کرام کے کام کو (جسے خاتم النبیین وہ مکمل نہ کرسکے) کی تکمیل کرے اور نہ اسلامی نشأۃ ثانیہ اور جدید دینی تحریک کے لئے کسی پراسرار دعوت یا شخصیت پر اعتماد کی ضرورت ہے جو عقل کے احاطہ میں نہ آنے اور حقائق ظاہری سے بالاتر ہو اور جس سے مفاد پرست طالع آزما اور سیاسی اغراض کی تکمیل کے خواہش مند فائدہ اٹھالیں۔ ذٰلِكَ مِنْ فَضْلِ اللّٰهِ عَلَيْنَا وَعَلَى النَّاسِ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَشْكُرُوْنَ

(۸) اس دین کی خصوصیت یہ بھی ہے کہ وہ اپنی اصل حقیقت، زندگی اور تروتازگی کے ساتھ باقی ہے، اس کی کتاب محفوظ اور ہر دور میں قابل فہم ہے اس کی حامل امت عام گمراہی اور جہالت اور اس اجتماعی انحراف، فریب خوردگی اور کسی سازش کا شکار ہوجانے سے محفوظ ہے جس میں بہت سے مذاہب اور ملتیں اپنے تاریخ کے کسی دور میں اور پیروان مسیحیت بالکل ابتداء ہی میں مبتلا ہوگئے تھے قرآن کا یہ اعجاز اور منجانب اللہ ہونے کی دلیل ہے کہ اس نے قرآن مجید کی سب سے زیادہ پڑھی جانے والی سورۂ (فاتحہ) میں عیسائیوں کو ولا الضالین کے لقب سے ممیز ومشخص کیا اس لفظ اور وصف کے (جو یہودیوں کے وصف المغضوب علیهم سے مختلف ہے) کی تخصیص کا راز

وہی سمجھ سکتا ہے جو مسیحیت کی تاریخ اور اس کے نشو و ارتقاء کے مراحل سے بخوبی واقف ہے۔ مسیحیت بالکل ابتدائی مرحلہ میں (جس کو طفولیت کہنا بجا ہوگا) اس جادۂ حق سے ہٹ گئی، جس پر حضرت مسیح علیہ السلام اس کو چھوڑ کر گئے تھے۔ اور بالکل ایک دوسری سمت کی طرف اس کا قافلہ رواں دواں ہو گیا۔ اس سلسلہ میں صرف ایک شہادت کافی ہے۔ ایک مسیحی فاضل ERNEST DE BUNSEN اپنی کتاب SLAM OR TRUE CHRISTANITY میں لکھتا ہے:

''جس عقیدہ اور نظام کا ذکر ہمیں انجیل میں ملتا ہے، اس کی دعوت حضرت مسیح نے اپنے قول و عمل سے کبھی نہیں دی تھی، اس وقت عیسائیوں اور یہودیوں و مسلمانوں کے درمیان جو نزاع قائم ہے، اس کی ذمہ داری حضرت مسیح کے سر نہیں۔ بلکہ یہ سب اس یہودی، عیسائی سینٹ پال کا کرشمہ ہے، نیز صحف مقدسہ کی تمثیل و تجسیم کے طریقہ پر تشریح اور ان صحیفوں کی پیشین گوئیوں اور مثالوں سے بھر دینے کا نتیجہ ہے۔ پال نے استفینس (STEPHEN) کی تقلید میں جو مذہب ایسانی (ESSENIO) کا داعی ہے، حضرت مسیح کے ساتھ بہت سی بودھ رسوم وابستہ کر دیں۔ آج انجیل میں جو متضاد کہانیاں اور واقعات ملتے ہیں اور جو حضرت مسیح کو ان کے مرتبہ سے فروتر شکل میں پیش کرتے ہیں وہ سب پال کے وضع کئے ہوئے ہیں۔ حضرت مسیح کو ان کے مرتبہ سے فروتر شکل میں پیش کرتے ہیں، وہ سب پامال نے وضع کئے ہوئے ہیں۔ حضرت مسیح نے نہیں، بلکہ پال اور ان سے بعد آنے والے پادریوں اور راہبوں نے اس سارے عقیدہ و نظام کو مرتب کیا ہے جس کو آرتھوڈکس مسیحی دنیا نے اٹھارہ صدیوں سے اپنے عقیدہ کی اساس قرار دے رکھا ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے

اِنَّا نَحۡنُ نَزَّلۡنَا الذِّکۡرَ وَاِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوۡنَ.

بیشک یہ (کتاب) نصیحت ہمیں نے اتاری ہے اور ہم ہی اس کی نگہبان ہیں۔ یہ فضل و احسان جتانے کے ایسے خصوصی موقع پر اور حفاظت کے وعدہ کے ایسے صریح اعلان میں اس کے مطالب کا فہم، ان کی تشریح، اس کی تعلیمات پر عمل اور زندگی میں ان کا

انطباق بھی قدرۃً شامل ہوجاتا ہے۔ اور ایسی کتاب کی کیا قدر و قیمت اور منزلت ہو سکتی ہے جو مدت تک فہم کے لحاظ سے چیستان اور عمل کے لحاظ سے معطل اور متروک رہے؟ عربی زبان کا بلیغ لفظ "حفظ" جس کا انا لہ لحفظون میں وعدہ کیا گیا ہے، بڑے وسیع آفاق اور عمیق معانی رکھتا ہے۔ پھر اسی پر اکتفا نہیں کیا گیا بلکہ فرمایا گیا ہے:

إِنَّ عَلَيْنَا جَمْعَهُ وَقُرْآنَهُ O فَإِذَا قَرَأْنَاهُ فَاتَّبِعْ قُرْآنَهُ O ثُمَّ إِنَّ عَلَيْنَا بَيَانَهُ O (سورۃ القیامۃ ۱۷، ۱۸، ۱۹)

اس (قرآن) کا جمع کرنا اور پڑھوانا ہمارے ذمہ ہے، جب ہم وحی پڑھا کریں تو تم (اس کو سنا کرو) پھر اسی طرح پڑھو پھر (اس کے معنی) کا بیان بھی ہمارے ذمہ ہے۔

پھر وہ دین یوں بھی قابل اعتنا نہیں جس پر صرف چند مختصر وقتوں میں (جن کے درمیان ایسے وسیع اور گہرے خلا رہے ہیں، جن میں تاریکی اور ظلمت چھائی رہی) عمل کیا گیا ہے۔ وہ درخت جو ایک طویل اور بہتر سے بہتر موسم پانے کے باوجود پھل نہ دے قابل اعتناء و اعتنا نہیں ہوسکتا اور اس پر تؤتي اكلها كل حين باذن ربها۔(۱) کی قرآنی مثال صادق نہیں آسکتی۔ پھر یہ امت، صرف امت دعوت اور اس کتاب آسمانی و پیغام الٰہی کے مخاطب ہی نہیں، وہ اس دین و پیغام کی حامل، اس کو دنیا میں پھیلانے اس کی تفہیم و تشریح کرنے، اس پر عمل کی دعوت دینے اور خود اس کا نمونہ بننے کی بھی ذمہ دار ہے۔ اس لئے اس کا فہم کتاب ایسی ایک قوم کی فہم سے زیادہ ہونا چاہئے جس کی صرف خصوصیت یہ ہے کہ اس کی زبان میں یہ کتاب اتری ہے۔

(۹) آخری بات یہ ہے کہ اسلام کو ایک معاون فضا بلکہ زیادہ واضح اور محتاط الفاظ میں ایک مناسب موسم اور متعین درجہ حرارت و برودت (TEMPERATUR) کی ضرورت ہے، کیونکہ وہ ایک زندہ انسانی دین ہے۔ وہ کوئی عقلی و نظریاتی فلسفہ نہیں جو صرف دماغ کے کسی خانہ یا کتب خانہ کے کسی گوشہ میں موجود و محفوظ ہے۔ وہ بیک وقت عقیدہ و عمل، سیرت و اخلاق، جذبات و احساسات اور ذوق کے مجموعہ کا نام ہے۔ وہ انسان کے

---

(۱) وہ درخت ہر زمانے میں اپنے رب کی اجازت سے پھل دیتا ہے۔ (سورہ ابراہیم ۲۵)

نئے سانچہ میں ڈھالتا اور زندگی کو نئے رنگ میں رنگتا ہے۔ اسی لئے ہم دیکھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ اسلام کو صبغۃ اللہ کی صفت سے یاد فرماتا ہے۔ صبغۃ ایک رنگ، امتیازی نشان اور چھاپ ہے۔ اسلام دوسرے مذاہب کے مقابلہ میں زیادہ حساس (SENSITIVE) واقع ہوا ہے، اس کے متعین، معروف حدود ہیں جن سے کوئی مسلمان تجاوز نہیں کر سکتا۔ کسی دوسرے مذہب میں ارتداد کا نہ وہ واضح مفہوم پایا جاتا ہے، نہ اس کی وہ شناعت وقباحت ہے جو اسلامی شریعت اور اسلامی تصور میں پائی جاتی ہے۔

رسول اللہ ﷺ کی حیات طیبہ اور ارشادات وہدایات، آپ کا اسوۂ مبارکہ، سنت (عقائد وعبادات سے لے کر اخلاق ومعاملات اور احساسات وجذبات تک) دین کے لئے وہ فضا اور ماحول مہیا کرتے ہیں، جس میں دین کا پودا سرسبز اور بارآور ہوتا ہے۔ کیونکہ دین زندگی کے تمام شرائط وصفات (نمو وحرکت، اہتزاز وفرحت، نفرت وکراہیت، احساس برتری وفخر) کا مجموعہ ہے، اس لئے وہ پیغمبر کے جذبات واحساسات اور اس کی زندگی کے واقعات اور عملی مثالوں کے بغیر زندہ نہیں رہ سکتا اور اس کا بہترین مجموعہ احادیث صحیحہ اور محفوظ ومدون سنت نبوی ہے۔ دین ایک مثالی اور معیاری ماحول کی نظیر کے بغیر زندہ وشاداب نہیں رہ سکتا، اور یہ ماحول حدیث نبوی کے ذریعہ محفوظ ہے، اس لئے اللہ تعالیٰ نے قرآن حکیم کی حفاظت کے ساتھ ساتھ حامل قرآن کے صحیفۂ حیات کی بھی حفاظت فرمائی۔ اسی کی بدولت حیات طیبہ کی فیض رسانی اور حیات بخشی کا امتداد وتسلسل اس وقت تک باقی ہے۔ اسی کے نتیجہ میں علمائے امت معروف ومنکر، سنت وبدعت اور اسلام وجاہلیت میں ہر دور میں فرق کرنے کے قابل ہوئے اور ان کی پاس یہ بیرومیٹر (BAROMETER) (ہوا کا دباؤ ناپنے کا آلہ) رہا، جس سے وہ اپنے دور کے مسلمان معاشرہ کے اصل اسلامی عقیدہ وعمل سے بعد وانحراف کی پیمائش کرتے رہے، وہ امت کے دینی محاسبہ کا عمل جاری اور اصل دین کی دعوت کے فریضہ کو ہر دور میں قائم اور باقی رکھ سکے، سنت وہدایت کے یہ مجموعے (جن میں صحاح ستہ(۱) ممتاز ومعروف ہیں) اور

---

(۱) یعنی صحیح بخاری، صحیح مسلم، سنن ابوداؤد، جامع ترمذی، ابن ماجہ، نسائی، امام مالک کی موطا بھی اسی درجہ کی کتابوں میں ہے۔

ان کے درس وتدریس نشر واشاعت کی مشغولیت اور مواقع ہمیشہ اصلاح وتجدید اور امت اسلامیہ میں صحیح اسلامی فکر کا سرچشمہ رہے ہیں انہیں کی مدد سے اصلاح کا بیڑہ اٹھانے والوں نے تاریخ کے مختلف دوروں میں شرک وبدعت اور رسوم جاہلیت کی تردید ومخالفت اور سنت کی اشاعت وترویج کا جھنڈا بلند کیا۔ اسی ذخیرہ نے علمائے دین اور اہل شعور کو شر وفساد اور بدعات وضلالات کی طاقتوں اور تحریکوں سے پنجہ آزمائی کرنے اور ان کے مقابلہ میں کفن بردوش ہو کر صف آرا ہو جانے پر آمادہ کیا۔ اور تاریخ کی شہادت ہے کہ اس میں اصلاح وتجدید کی تاریخ علم وحدیث سے واقفیت واشتغال اور سنت کی محبت وحمایت سے وابستہ ومربوط ہے۔ جب بھی حدیث وسنت کی کتابوں سے علمی حلقوں کے تعلق و واقفیت میں کمی آئی اور دوسرے علوم وفنون میں ان کا انہماک بڑھا، مسلم معاشرہ، اہل صلاح واہل کمال کی موجودگی میں نئی نئی بدعات، جاہلی وعجمی رسم ورواج، غیر مسلموں کے اختلاط اور مذاہب غیر کے اثرات کا شکار ہو گیا ہے اور کبھی کبھی یہ اندیشہ پیدا ہونے لگا کہ وہ جاہلی معاشرہ کا دوسرا ایڈیشن اور اس کا مکمل عکس نہ بن جائے۔(۱)

یہ ہے دین کا وہ مزاج اور اس کی امتیازی صفات اور نمایاں خط وخال جن سے دین کی اس شخصیت کی نمو اور بقاء ہے جو اس کو دوسرے مذاہب اور فلسفوں سے ممتاز کرتی ہے، ایک مسلمان کو اس سے واقف بھی ہونا چاہئے اور اس کے بارے میں اس کے اندر شدید غیرت وحمیت بھی پائی جانی چاہئے۔ اسی کے ذریعہ ہم ہر دور میں حق وباطل کی آویزش، نیز آمیزش میں (جو بعض اوقات آویزش سے بھی زیادہ خطرناک ہو جاتی ہے) دین صحیح کی صراط مستقیم پر قائم بھی رہ سکتے ہیں اور اس کی خدمت وحفاظت کی سعادت وتوفیق بھی حاصل کر سکتے ہیں۔

واللہ یھدی من یشآء الیٰ صراط مستقیم.

---

(۱) اس اجمال کی تفصیل اور اس دعویٰ کے تاریخی شواہد ودلائل کے لئے ملاحظہ ہو مصنف کا رسالہ "اسلامی مزاج وماحول کی تشکیل وحفاظت میں حدیث کا بنیادی کردار" شائع کردہ مجلس نشریات اسلام ندوۃ العلماء لکھنؤ۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

موجودہ عالم اسلام کے لئے فیصلہ کن محاذ اور مرکزی میدان عمل

مکہ مکرمہ میں ۱۸/۲۳ صفر ۱۴۰۸ھ مطابق ۱۱/۱۵ اکتوبر ۱۹۸۷ء رابطہ عالم اسلامی مکہ مکرمہ کا تیسرا اجتماع ہوا جس میں ۱۲۲ ملکوں سے اسلامی تنظیمات جامعات اور مسلم زعماء و مفکرین نے شرکت کی اس کانفرنس کے رہبر مقالہ ہندوستان کے عالم جلیل مفکر اسلام مولانا سید ابوالحسن علی ندوی رحمۃ اللہ علیہ رحمۃ واسعۃ کا تھا جسے سن کر حاضرین مؤتمر نے مطالبہ کیا کہ اس مؤتمر کی اولین تجویز قرار دی جائے۔ رابطہ عالم اسلامی کے نائب سیکرٹری جنرل علامہ محمد العبودی سعودعرب اس اجلاس کی صدارت کر رہے تھے۔

الحمدللہ نحمده ونستعينه ونستغفره، ونعوذ بالله من شرور انفسنا ومن سيئات اعمالنا، من يهده الله فلا مضل له، ومن يضلله فلاهادی له، واشهد ان لااله الاالله وحده لاشريک له، واشهد ان سيدنا ومولانا محمد عبده ورسوله، ارسله الی کافة الناس بالحق بشيرا ونذيرا، وداعيا الی الله باذنه وسراجا منيرا. اما بعد!

حضرات! ہم سب سے پہلے اللہ تعالیٰ کی حمد وثنا کرتے ہیں۔

میرے لئے یہ بات باعث مسرت ہے کہ میرے مخاطب وہ حضرات ہیں جوامت کی فکری رہنمائی کر رہے ہیں اور اسلامی جمعیتوں اور تنظیموں کے ذمہ دار ہیں اور سب ہی دین کی خدمت سے وابستہ ہیں اور سب سے زیادہ یہ بات میرے جذبات کے لئے مہمیز کا کام کر رہی ہے کہ یہ گفتگو وہاں ہو رہی ہے جو دعوت اسلام کا اولین مرکز رسول کریم ﷺ کے مبعوث ہونے

کی جگہ اور بدامنی ہے۔ میں آپ کو مخاطب کر کے ایک عرب شاعر کا یہ شعر پڑھوں تو بے جا نہ ہوگا کہ:-

(حوملۃ الجندل کی بلبل! مناسب وقت ہے کہ، تو نغمہ سرا ہو، سعاد نگاہوں کے سامنے گوش برآواز ہے)

حضرات! دعوت اسلامی کا موضوع کوئی نیا موضوع نہیں ہے اس پر بہت کچھ لکھا اور بہت کچھ کہا جا چکا ہے اور عصر حاضر میں اس پر کافی ریسرچ کی گئی ہے تحقیقی مقالات اور کتابیں لکھی گئی ہیں بلکہ یوں کہنا چاہئے کہ اس موضوع پر پوری لائبریری تیار ہو چکی ہے مجھے بھی اللہ تعالی نے توفیق دی ہے کہ اس موضوع پر علمی اور تحقیقی انداز میں کچھ لکھوں۔ چنانچہ میری کتاب رجال الفکر والدعوۃ فی الاسلام (تاریخ دعوت وعزیمت) چار جلدوں میں ۲۔ قرآن و سیرت نبوی میں دعوت دین کا اسلوب اور مبلغین کے اوصاف ۳۔ ہندوستان میں اسلامی دعوت اور اس کا ارتقاء ۴۔ دعوت کا حکیمانہ اسلوب اور مبلغین کی اوصاف ۵۔ دینی دعوت ہی کے ذریعہ سوسائٹی کو جاہلیت سے بچایا جا سکتا ہے اور دین کو تحریف سے محفوظ رکھا جا سکتا ہے ۶۔ علماء و مبلغین کے لئے اصلاح کا صحیح طریقہ ۷۔ علماء کی تربیت اور دین کا داعی تیار کرنے میں اسلامی یونیورسٹیوں کا کردار اسی موضوع پر ہیں۔ جو اپنی صوری اور معنوی ہر لحاظ سے ممتاز ہے لہذا میں چاہتا ہوں کہ اپنی گفتگو صرف ایک موضوع پر محدود رکھوں۔ اور وہ ہے دعوت دین کے فیصلہ کن محاذ اور اس کے مرکزی میدان عمل۔ جس سے نہ صرف دعوت کا رخ متعین کیا جا سکے گا بلکہ عالم اسلام کی منزل کا تعین ممکن ہوگا۔ میں اپنے محدود مطالعہ، ماضی کے تجربات اور حقائق کی روشنی میں صرف انہی عملی کوششوں کی نشان دہی کروں گا۔

وباللہ التوفیق.

۱۔ مسلم عوام اور ان کے تمام گروہوں میں ایمان کی قوت کو بیدار کرنا اور اس کو جلا دینا۔ کیونکہ ان گروہوں اور ان عوام کا اسلام سے وابستہ رہنا اور اس کے لئے ان کے دلوں میں جوش کا قائم رہنا ایک مستحکم اور بلند شہر پناہ کی حیثیت رکھتا ہے جس پر اس شہر اسلام کی بقاء کا مدار ہے یہی نہیں بلکہ بہتری اسلام کی حکومتوں اور سربراہوں کو یہی چیز اسلام پر وابستہ رہنے پر مجبور کر سکتی ہے۔ مسلمانوں کے دینی احساس کا ابھرنا اسلام کی قوت کا سرچشمہ اور اس کا راس المال ہے اور

یہی وہ خام مال ہے جو ہر پاک و مفید مقصد کے لئے استعمال ہوسکتا ہے اور ایسے افراد کا وجود جوشِ عمل اور وسعتِ قلب ونظر اور اخلاق کے لحاظ سے پوری انسانی آبادی کا جوہر اور اس کا سب سے مفید اور مضبوط ترین مجموعہ ہوگا۔

ایمان کی پختگی اور دین کے لئے سرگرمی اور جوشِ عمل اسی وقت کارآمد ہوگی جب اس کے شرائط بھی پورے ہوں اور ان افراد میں وہ اوصاف بھی پائے جائیں جن کی بناء پر وہ نصرت خداوندی کے مستحق ہوں اور مشکلات پر قابو پانے اور دشمنوں پر غالب آنے کے سزاوار ہوں وہ بنیادی شرائط یہ ہیں۔

عقیدہ کی تصحیح، صرف خدائے واحد کی عبادت اور ہر قسم کے شرک اور غلط عقائد سے مبرّا ہونا۔ جاہلیت کے رسوم اور غیر اسلامی شعائر، نفاق عمل اور عقیدہ میں دورخی۔ قول وعمل کے درمیان تضاد اور گزشتہ اقوام کی روش سے اجتناب، جو اپنی بداعمالیوں کی پاداش میں اللہ کے عذاب اور بے تعلقی کی مستحق قرار دی گئی۔ نیز موجودہ اقوام کی روش سے پرہیز۔ جو اللہ کو بھول گئیں تو اللہ نے خود ان کو فراموش کیا۔ اور جو دنیا کو تباہی اور ہلاکت کے راستہ پر چلا رہی ہیں۔

اسی کے ساتھ ساتھ دینی شعور کو صحیح راستے پر لگانا اور اس کے شعور کی پرورش کرنا بھی ضروری ہے جس سے وہ مسائل وحقائق کو اچھی طرح سمجھ سکیں۔ دوست ودشمن میں تمیز کرسکیں اور نت نئے انداز تحریکوں کے دھوکہ میں نہ آئیں۔ تاکہ ہماری اگلی زندگی میں وہ ایسے دوبارہ پیش نہ آئیں جو قومی نعرہ بازیوں اور جاہلیت کی تحریکوں کے دھوکہ میں شکار ہونے کے سبب پیش آئے یا جو انسانی تعصب اور رسم ورواج کی پابندی کی وجہ سے، نیز چالاک وناپاک قیادتوں اور بیرونی سازشوں کے سبب بنیں۔ اور دینی شعور اور فراست ایمان کی کمی کی وجہ سے مسلم عوام اپنی سادہ لوحی کا شکار ہوگئے۔

۲۔ مذہبی حقائق اور دینی تصورات کو تحریف اور عصر حاضر کے مغربی تصورات سے محفوظ رکھنا۔ سیاسیات واقتصادیات کی اصطلاحوں کو دینی مقاصد کے بیان کرنے کے لئے استعمال کرنے سے باز رکھنا چاہئے اور دین کو خالص سیاسی نظریہ کے طور پر پیش کرنے اور عصر حاضر کے فلسفیانہ اصول اسلامی اصول کے مطابق کرنے کی مبالغہ کوشش کے نقصانات سے باخبر رہنا بھی ضروری ہے کیونکہ دینی حقائق اسلام کے بنیادی اور ہمیشہ قائم رہنے والے اصول ہیں وہ

اپنی جگہ پر مستقل بالذات ہیں اور وہ خود اپنے معیار ہیں ان معیاروں کو کسی دوسری کسوٹی پر جانچنے کی ضرورت نہیں ہے اس کو ناپنے کے لئے خود اسی کا گز ہے۔ انبیاء کرام کی دعوت کا موضوع یہی اصول تھے اور اسی کے لئے انہوں نے سعی و جدو جہد کی اور انہی پیمانوں پر آسمانی کتابیں نازل ہوئیں۔

اسی طرح ان باتوں سے پرہیز بھی ضروری ہے جو اللہ اور اس کے بندوں کے درمیان کمزور کرنے۔ آخرت میں ایمان کی اہمیت کو گھٹانے اور مومن کے دل سے احکام خداوندی پر عمل کرنے کے شوق جذبہ و اس کی خوشنودی حاصل کرنے کے شوق کو، اللہ سے تقرب کی تمنا کو اور اس کی رضا کے لئے اور اس کے ثواب کی امیدیں کاوش کرنے کو بے اہمیت قرار دے کیونکہ یہ باتیں اگر پیدا ہو گئیں تو امت کا تشخص اور اس کی انفرادیت مجروح ہوگی اور عند اللہ ایسے لوگوں کا کوئی وزن نہیں رہے گا۔ اسی طرح بت پرستی کے عقیدوں، صریح شرک اور جاہلی عقیدہ درج کی برائیاں بھی ذہن نشین ہونا چاہئے اور صرف دستور و نظام پر تنقید اور غیر اسلامی حکومتوں کی زبانی مخالفت کو کافی سمجھنا دین کے قدیم سماوی اسلوب سے روگردانی اور جدید سیاسی اسلوب کی پیروی ہے۔

حضرات! نبی کریم ﷺ سے روحانی، جذباتی قلبی تعلق کی پختگی اور آپ کی ذات گرامی سے گہری محبت جو اپنی ذات اہل وعیال اور آل اولاد سے ہو جیسا کہ صحیح احادیث سے ثابت ہے۔

رسول اکرم ﷺ پر اس حیثیت سے ایمان کہ آپ خاتم رسل مولائے کل اور ہادی سبل ہیں اور آپ سے تعلق خاطر دین کی بنیاد ہے لہذا ان عوامل سے بچنا ضروری ہے جو اس محبت کے سرچشمہ کو خشک کرنے کا سبب بنیں یا کم از کم ان کو کمزور کریں۔ جذبات واحساسات میں سرد مہری پیدا کریں اور اس کے نتیجہ میں سنت پر عمل میں کوتاہی پیدا ہو، بے باکی اور دیدہ دہنی پیدا ہو مزاج وافتاد ایسے رُخ پر پڑ جائے کہ آنحضرت ﷺ کو سرمایہ فخر باور کرنے اور آپ کی سیرت پڑھنے اور سمجھنے کا شوق کم ہو اور آپ کی محبت کو ابھارنے اور اس کو غذا دینے کے ذریعے سے روگردانی مذاق عام بن جائے۔ ہمارے موضوع کے اس پہلو پر ہر ایک کو توجہ کرنے کی ضرورت ہے اور خاص طور پر عرب بھائیوں کو اس کی زیادہ فکر کرنی چاہئے کیونکہ عرب قومیت کی

تحریکوں اور ماضی قریب کے حوادث نے ان کو اس سرچشمہ سے دور کرنے کی کوشش کی ہے جو ان کا سرمایہ حیات ہے اور جس کے وہ زیادہ حق دار اور ضرورت مند ہیں کیونکہ بعثت محمدیہ سے یہی سرزمین مشرف ہوئی اور قرآن کریم ان کی زبان میں نازل ہوا رسول اللہ ﷺ نے انہی کی زبان میں گفتگو فرمائی۔

تعلیم یافتہ طبقہ میں اور اس طبقہ میں اسلام پر اعتماد کی بحالی جن کے ہاتھوں تعلیم و تربیت اور مسائل ابلاغ کی باگ ڈور ہے اسلام پر اعتماد کی بحالی کا مطلب یہ ہے کہ انہیں اس بات کا یقین ہو کہ اسلام کے اندر نہ صرف زمانہ کو ساتھ لے کر چلنے اور تعمیر و ترقی کے میدان میں ہر ایک سے بڑھنے کی صلاحیت ہے بلکہ وہ پوری انسانی آبادی کی قیادت بھی کر سکتا ہے اور وہی زندگی کی کوشش کشتی کو ماہرانہ صلاحیت سے کھہ کر سلامتی و خوشحالی کے کنارے تک پہنچا سکتا ہے۔ انسانی آبادی کو ہلاکت اور خودکشی کی راہ سے نکال سکتا ہے جس میں مغرب کی بوڑھی اور اندھی قیادت نے اس کو ڈال دیا ہے اور وہ سمجھ سکیں کہ وہ ایسی بیٹری نہیں جو ڈسچارج ہو چکی ہے یا وہ دیا نہیں جس کا تیل خشک ہو چکا ہو اور جس کی بتی جل چکی ہو بلکہ وہ ایک عالمی و سرمدی پیغام ہے اور سفینۂ نوح کی طرح تنہا سفینہ نجات پا سکتے ہیں۔

دین کی صلاحیت کے متعلق اعتماد کی کمی یا اس کا معدوم ہونا دراصل اس تعلیم یافتہ کا مرض ہے جس نے مغربی ثقافت کے آغوش تربیت میں شعور کی آنکھیں کھولیں یا جس کو مغرب کی بالادستی نے یہی باور کرایا ہے یہی طبقہ پوری ملت کی تباہی کا ذمہ دار اور ذہنی ارتداد کا سبب ہے۔ ساری دستوری یا تمدنی بدعنوانیاں جو پورے اسلام کو کھوکھلا کر رہی ہیں وہ اس طبقہ کی کم نگاہی یا بے راہ روی کا نتیجہ ہے مگر یہی لوگ مسلم اقوام پر مسلط ہیں۔ ان اقوام پر مسلط ہیں جو صرف ایمان و قرآن کی زبان سمجھتا تھا جس کے اندر جوش عمل تھا اور دین کے لئے قربانی کا جذبہ تھا غرض اسی نظام تعلیم نے حکمراں طبقہ اور جمہور کے درمیان گہری اور وسیع خلیج حائل کر دی ہے جس کی وجہ سے ہر جگہ ایک عمومی بے چینی اور اضطراب کا دور دورہ ہے اور اس بات نے افراد کی ذہنی و عقلی قوتوں کو ایسے کاموں میں لگا دیا ہے جس کا کوئی فائدہ ان اقوام کو حاصل نہیں ہوا۔

حضرات! ضرورت ہے کہ مغرب سے درآمد کیا ہوا نظام تعلیم جو پورے عالم اسلام میں رائج ہے ایک بار نئے سرے سے اس طرح جائزہ لیا جائے اور پورا کھنگالا جائے اور اسے ایسے

قالب میں ڈھالا جائے جو مسلم عوام کے قدروقامت پر راس آئے اس کے عقیدہ و پیغام سے ہم آہنگ ہو اور جس سے مسلم قوم کی معنوی خصوصیت نمایاں اور اس کی انفرادیت آشکارا ہو مادۂ الحاد سے پاک ہو تا کہ کائنات کا صرف مادی تصور اس کے سامنے نہ ہو کیونکہ جہاں تک علوم کا تعلق ہے وہ سب ایک دوسرے کا کاٹ کرنے والی اکائیاں ہیں جب کہ نظام فطرت ایک بے قید اور سب کو پامال کرنے کی صلاحیت رکھتا ہے تاریخ انسان کے اضطراب و بے چینی اور آپس کی جنگوں کے لامتناہی افسانوں کا پلندہ ہے ان کو بنیاد بنا کر جب بھی عقلِ انسانی کی پرورش اور اس کے نمود کی بالیدگی کی کوشش کی جائے گی تو کامیابی کا دائرہ محدود سے محدود تر ہوگا۔

نظام تعلیم میں جزوی اصلاحات اور معمولی کتر بیونت کارآمد نہیں ہو سکتی۔ اس لئے ضرورت ہے کہ خواہ جس قدر بھی مسائل اور غور و فکر کی ضرورت پڑے۔ اچھے سے اچھے ذہن و فکر سے مدد لی جائے۔ بہتر سے بہتر وسائل اختیار کئے جائیں تا کہ ایک پائیدار اور مفید نظام تعلیم و تربیت امت کو مل جائے کیونکہ اس کے بغیر عالم اسلام اپنے پیروں پر کھڑا نہیں ہو سکتا۔ اپنی عقل اور اپنے ارادے کے مطابق کام نہیں کر سکتا اس کے بغیر نہ تو حکومتوں کو مسلمان کارندے مل سکتے ہیں نہ ایسے مؤمن و مخلص منتظمین مل سکتے ہیں نہ ایسے مومن و مخلص افراد مل سکتے ہیں جو اسلامی تعلیمات کے مطابق سرکاری دفاتر، عوامی رفاہیت کے ادارے انتظامیہ اور عدلیہ دانش گاہوں اور وسائل کاموں امام کو پابند رکھیں تا کہ اسلام کا نظام معاشرت و حکومت جمال و کمال کے ساتھ سامنے آئے اور مسلم سوسائٹی اپنی خصوصیات اور انفرادی امتیازات کے ساتھ دنیا کے سامنے آئے۔

اس مقصد کے لئے ایک بین الاقوامی پیمانے پر مضبوط تحریک ہونی چاہئے کہ دنیا کے پڑھے لکھے سمجھدار طبقہ میں اسلام کے علمی خزانوں کا تعارف کرایا جائے اور مسلمانوں کے علمی دینی کارناموں سے انہیں آگاہ کیا جائے علوم اسلامیہ میں زندگی کی نئی روح پھونک کر متمدن دنیا پر یہ واضح کر دیا جائے کہ اسلام کے عائلی و اجتماعی قوانین دنیا کے بلند ترین اور وسیع ترین اصول پر مبنی ہیں وہ اصول جو نظام فطرت سے ہم آہنگ ہیں اور ان میں کبھی کسی تبدیلی کا امکان نہیں۔ اور اس کی نفع بخشی اور قوت کسی زمانہ میں کم نہ ہوئی اور نہ ہو سکتی ہے اور وہ انسانی

زندگی کی رہنمائی وقت کے ہر دھارے پر اور زندگی کے ہر موڑ پر پوری ذمہ داری کے ساتھ انجام دے سکتی ہے۔

اور لوگوں کے بنائے ہوئے قانون جن کو وضعی قوانین کہا جاتا ہے سے بدرجہا بہتر و مفید اور پائیدار ہے۔

حضرات! انسانی نفوس اور قومی وجدان میں تمدنی نظام کی جڑیں بہت گہری ہوتی ہیں خاص طور پر ایسا نظام معاشرت جو دینی بنیادوں اور اس کی تعلیمات کے سایہ میں پروان چڑھا ہو۔ اور جس کی تعمیر میں ایک خاص انداز کے مذہبی ذوق کو دخل ہو اور جس پر اس قوم کی چھاپ ہو ایسے نظام معاشرت (یا تمدن) سے کسی قوم کو الگ کرنا اس کو زندگی کے میدان سے خارج کر دینے اور عقیدہ و عبادات اور مذہبی مراسم کے تنگ جو کھٹے میں قید کر دینے اور اس کے حاضر کا رشتہ ماضی سے توڑ دینے کے مترادف ہے لہٰذا اسلامی اور مسلم سوسائٹی کا فرض ہے کہ وہ ایک مستقل بالذات تمدن کی باریک بینی کے ساتھ تشکیل کریں جو مغرب کی کورانہ تقلید بغیر پلاننگ کے سرسری اقدام اور احساس کمتری کے احساس سے پاک ہو اسلامی تمدن کی نمائندگی پورے طور پر اس کے مرکزی قیادت میں، اداروں میں، گھروں میں اجتماعی جگہوں میں، ہوٹلوں میں تفریح گاہوں میں اور کسی حد تک اس کے دفتروں اور ہوائی جہازں میں اور سفارت خانوں میں ہونی چاہئے اس سے صرف یہی نہیں ہوگا کہ اسلامی ممالک اسلامی زندگی کا ایک نمونہ پیش کریں گے بلکہ اسلام کی ایک خاموش تبلیغ بھی ہوگی۔

میرے دوستو! مغربی تمدن بشمول مغربی علوم و نظریات کی ایجادات و امکانات کے ایک خام مال کی حیثیت سے قبول کیا جائے جس سے عالم اسلام کے فکری رہنما اور سربراہ ایک ایسا پائیدار مناسب وقت تمدن تیار کریں جس کی بنیاد اخلاق پر ہیزگاری اور رحم و انصاف پر ہو۔ دوسری طرف اس میں نمو و افزائش کی گنجائش ہو اس میں قوت و اثر ہو جس کا اثر تمام شعبہ حیات پر پڑے۔ پیداوار بڑھے اور عوام میں خوشحالی آ سکے۔

خلاصہ یہ کہ مغربی علوم سے وہ چیزیں لی جائیں جس کی مسلم عوام یا مسلم ممالک اور حکومتوں کو ضرورت ہے۔ جس سے عملی فوائد میسر ہوں اور جس پر مشرق اور مغرب کی چھاپ نہ ہو اس کے علاوہ چیزیں جس کی انہیں ضرورت نہیں ہے ان سے استغنا برتا جائے مغرب سے معاملہ

ایک ہمراہی اور مد مقابل جیسا ہو کیونکہ اگر مشرق اس بات کا محتاج ہے کہ مغربی علوم سے بقدر ضرورت اخذ کرے تو مغرب بھی بہت سی چیزیں مسلم ممالک سے لے سکتا ہے ممکن ہے کہ مغرب کو ان ممالک سے سیکھنے اور حاصل کرنے کی زیادہ ضرورت ہو۔

مسلم ممالک میں چند ایسے ملک بھی ہیں جنہوں نے ماضی میں دعوت اسلامی اور اسلامی تمدن کی قابل ذکر اور شاندار خدمتیں انجام دیں ہیں اور عصر حاضر میں جو اس بات پر تلی ہوئی ہیں کہ جس طرح ممکن ہو اسلامی عنصر کو ناپید کر دیا جائے۔ جن کے یہاں ''پروگریسو اسلام'' کو مقبول بنانے کی کوشش ہو رہی ہے اور اسلام کی تفسیر سیاسی مصالح اور حکمرانوں کے شخصی ذوق و مزاج کے مطابق کی جا رہی ہے ان حکومتوں کو باور کرایا جائے کہ یہ سیاست ایک ناکارہ اور بانجھ سیاست ہے جو کسی اسلامی ملک میں بھی کامیاب نہیں ہوئی ان حکومتوں کو یہ باور کرانے کی ضرورت ہے کہ وہ بجائے ناممکن العمل اور غیر فطری کوششوں کے اپنی قوت اور اپنی امکانی صلاحیتوں کو ملک وملت کے مشترکہ دشمن کے خلاف صرف کریں جس سے ملک وملت کو تقویت حاصل ہو۔

جہاں تک ان ممالک کا تعلق ہے جن میں اکثریت مسلمانوں کی ہے اور حکمران اسلام سے ''صلح کن'' قسم کا معاملہ کرتے ہیں وہاں اسلامی قوانین کی نفاذ کی ضرورت ہے اور اس لئے فضا کو سازگار بنانے کی حاجت ہے جو اسلامی قوانین کو نافذ کرنے کے نتیجہ میں جو اللہ تعالیٰ کی مدد و نصرت اور برکت سعادت حاصل ہوگی اسے سمجھانے کی ضرورت ہے نیز ان ممالک میں کوشش ہونی چاہئے کہ یہ مرکزی قیادت ہو جس کی بنیاد اسلام کے نظام شوریٰ پر ہو اور خیر و نفع کے کاموں میں باہمی تعاون کی اساس ہو اور کم از کم اپنی کوتاہی کا احساس ضرور ہو کہ مسلمان امامت عامہ یا خلافت اسلامیہ جس کو قائم کرنا مسلمان کا فرض تھا اور جس کے نہ قائم کرنے سے ان سے پرسش ہوگی۔

وہ ممالک جو غیر اسلامی ہیں وہاں اسلام کی دعوت اور اس کا تعارف حکمت و بصیرت کے ساتھ جاری رکھنا چاہئے اور وہ نہج اختیار کرنا چاہئے جس میں اسلامی تعلیمات کی روح جلوہ گر ہو زمانہ کے انداز کو جلوہ گر نہ کیا گیا ہو۔

رہے وہ ممالک جہاں مسلمان اقلیت میں ہوں اس بات کی فکر رکھنی ہے کہ اسلام کی صحیح

نمائندگی ہو اسلامی زندگی ایسی ہو جو دوسروں کو متوجہ کرے اور جس کی طرف لوگوں کے دل مائل ہوں۔ اخلاقی اور روحانی قدروں کی قیادت مسلمانوں کو سنبھالنا چاہئے اور ملک کو گراوٹ اور تباہی سے بچانے کی ذمہ داری قبول کرنا چاہئے۔ اسلام صرف اس صورت میں اپنی ضرورت اور اہلیت ثابت اور مسلمان اپنی دعوتی مہم اور قائدانہ کردار ان ملکوں میں ادا کر سکتے ہیں۔

آخر میں یہ عرض کرنا ہے کہ اسلام کی فطرت اس کی تابناک تاریخ فطرت سلیم کا تقاضا اور بنی نوع انسان کو طبعی خصوصیت کا یہ مطالبہ ہے کہ ایک دعوتی ایمانی حرکت مسلمانوں میں ضرور قائم رہے جو ایجابی انداز کی ہو اور مضبوط بنیادوں پر قائم ہو۔ داعیوں میں مردانہ صفات ہوں۔ بلند حوصلگی ہو ان کی نگاہیں بلند اور حقیقت رس ہوں۔ اور وہ دنیا کی عظیم طاقتوں سے آنکھیں ملا سکیں۔ وہ طاقتیں جو بزعم خود مسلم قوموں اور ملکوں کی تقدیر بنانے والی اور ان کے مسائل کا فیصلہ کرنے والی بن گئی ہیں۔ لیکن یہ بات کہ داعی الی اللہ ان صفات کا حامل ہو یا ان کے اندر یہ صفتیں پیدا ہو جائیں اس وقت ممکن ہے جب کہ وہ پوری یقین اور اطمینان قلب کے ساتھ ایک طاقتور دعوتی تحریک میں شریک ہوں اور ان کے اندر اسلام کی برتری کا عقیدہ ہو۔ اور اس پر ان کو یقین ہو کہ انسانیت اس دین کی محتاج اور ضرورت مند ہے۔

دعوت اسلام کی سرگرمی میں قربانی کا جذبہ، سرفروشی کی دھن، کوہ کنی کی ہمت تکلفات سے بری زندگی گذارنے کی عادت اور اگر ضروری ہو تو خطرات میں کودنے کی جرأت بھی ہے کیونکہ فطرت انسانی یہ ہے کہ وہ ایسی ایمان کی عزت کرتی ہے جس میں قوت ہو۔ اسی فرد کے احترام پر مجبور ہوتی ہے جس کو اپنے اصول عقائد پر اعتماد ہو اور ان کو قابل فخر سمجھتا ہو جس کے یہاں لذت اندوزی اور مال وجاہ کی بے وقعتی ہو اور جس کے اندر اپنے آپ کو خطرات میں ڈالنے کی ہمت ہو انسانی فطرت ہمیشہ اس کے سامنے جھکتی ہے جو شئ نایاب اور اس کی دسترس میں نہ ہو۔ کمزور انسان قوی انسان کے احترام پر فطرۃً مجبور ہے غریب آدمی امیر کی عزت کرتا ہے ناخواندہ پڑھے لکھے آدمیوں پر رشک کرتا ہے یہاں تک کہ ایک فرد تر انسان کی عزت اپنے دل میں رکھتا ہے اسلامی تاریخ جانبازی کے کارناموں اور خطرات کا مقابلہ کرنے کے واقعات سے پر ہے۔ وہ اصحاب علم وبصیرت جو اقوام وملل کی تاریخ سے واقف ہیں اور وہ لوگ جن کے ضمیر زندہ ہیں وہ مشرقی ومغربی قیادتوں سے اکتا چکے ہیں اور ان کے اندر ان سے

نفرت کا جذبہ پایا جاتا ہے۔

ایک خلا کا پایا جانا، یعنی ایسی تحریک ایمانی اور دعوت دینی کا نہ پایا جانا جو اپنی جگہ پر قوی بھی ہو اور ایک ایسی سوسائٹی کا نہ پایا جانا جو مضبوط بنیادوں پر قائم ہوں اور مادی تمدن کی پیدا کردہ خرابیوں سے پاک ہو اور جو اسلام کی تعلیمات اور اس کی قدروں کی محافظ ہو ایسی سوسائٹی کا نہ پایا جانا اور دعوتی خلا اسلامی وجود کے لئے بڑا خطرہ ہے صحیح عقائد اور اسلامی زندگی کے لئے خطرہ ہے کیونکہ کسی ضروری چیز میں جو بشیرت کے لئے نفع بخش اور ضروری ہو خلا کا زیادہ مدت تک باقی رہنا غیر طبعی امر ہے ایسی خلا کا نتیجہ یہ ہوگا کہ کوئی دوسری تحریک سامنے آئے گی جو بے راہ روی کی دعوت دے گی وہ عقائد کے لحاظ سے فاسد و گمراہ، سلبی و تخریبی مقاصد کی حامل ہوگی۔ جن لوگوں نے مذاہب، تحریکات اور مختلف قسم کی دعوتوں کا مطالعہ کیا ہے وہ جانتے ہیں۔ کہ جب کوئی صحیح اور طاقت ور اسلامی تحریکات سامنے نہیں ہوتیں تو ایک غلط قسم کی تحریک نے کسی درجہ میں خطرات کا مقابلہ کیا اور کچھ قربانیاں دکھادیں اور مادی مظاہر سے اپنے آپ کو ذرا بلند دکھادیا اور مسلم ممالک میں اسلامی تعلیمات سے دوری کی وجہ سے جو فساد ہے اس کی نشاندہی کردی او بڑی طاقتوں کو ذرا للکار دیا۔ نعرہ بازیوں سے فضا کو اپنے حق میں استوار کرلیا اور پروپیگنڈوں سے اپنے تھوڑے کام کو پہاڑ بنا کر پیش کر دیا تو پھر کیا ہے لوگوں پر اس کا سحر چل جاتا ہے اور سب اندھا دھند اس کے پیچھے لگ جاتے ہیں خاص طور پر نوجوان تعلیم یافتہ یا نیم تعلیم یافتہ طبقہ میں اس کی دھوم مچ جاتی ہے اور وہ لوگ جو بعض ممالک کی بے راہ روی جمود و احیاء پسندی اور بے عملی سے نالاں ہیں ان پر اس طرح کی تحریکوں کا ایسا جادو چل جاتا ہے جس کو نہ کسی واعظ کا وعظ کر سکتا ہے اور نہ کسی ضمیر و قلم کا قلم۔ اور نہ کوئی منطقی استدلال کام دیتا ہے اور نہ کوئی علمی جائزہ اور تحقیق۔

پہلی صدی ہجری میں خوارج کی تاریخ۔ چھٹی اور ساتویں ہجری میں باطنیوں اور فدائیوں کی تحریک کی تاریخ حسن بن صباح کے افسانے اور جو اس کی مرکز عمل ''قلعہ الموت'' میں ہوا کرتا ہے اور بہتری فوج اور انقلابی تحریکوں کی تاریخ جو اسلام کے نام پر بگڑی ہوئی صورت حال کو از سر نو الٹ کر دعویٰ کرتی رہی ہے اور محض جھوٹ اور مکر و فریب کا لبادہ اوڑھ کر پبلک کے سامنے آئیں اسی طرح معاصر انقلابی و عسکری تحریکیں جنھوں نے اپنے ذاتی وسیاسی مقاصد کو

پورا کرنے کے لئے ہزاروں نوجوانوں کو اپنے گرد جمع کرلیا۔ جو ہر قربانی کے لئے تیار نظر آتے تھے یہاں تک کہ ہر امن پسند حلقے اور جماعتیں بھی اس زد میں خس وخاشاک کی طرح بہہ گئیں اور قرآنی نصوص اور اسلامی عقائد کی روشنی میں کسی کو جانچنے اور پرکھنے کی ضرورت نہیں محسوس ہوئی اور نہ انہوں نے اسلام کی طرف نسبت کرنے والے فرقوں کا علمی وتنقیدی مطالعہ اور قرآن وحدیث کی روشنی میں ان کا احتساب کرنے کی ضرورت سمجھی۔

میں اپنی یہ مختصری تقریر ایک قرآنی آیت پر ختم کرتا ہوں جس میں اللہ تعالیٰ نے انصار و مہاجرین کی مختصر جماعت کو مخاطب فرمایا ہے اور ان میں رشتہ مواخات کے قیام سے ساری دنیا اور انسانیت کے مقدر کو مربوط کیا ہے۔

''اگر یہ نہ کروگے تو زمین میں بڑا فتنہ اور بڑا فساد پھیل جائے گا۔''

اللہ تعالیٰ ہم سبھوں کو فتنوں سے امن ونجات نصیب فرمائے۔ اللھم آمین۔

وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اجتماعی ذہن اور قربانی وایثار کا جذبہ

الحمدللہ رب العالمین والصلوٰۃ والسلام علی سید الانبیاء والمرسلین وعلیٰ آلہ وصحبہ اجمعین ، ومن تبعهم باحسان ودعی بدعوتهم الی یوم الدین. اما بعد! فاعوذ باللہ من الشیطان الرجیم ، وَلَا تُلْقُوْا بِاَیْدِیْکُمْ اِلَی التَّهْلُکَةِ. صدق اللہ العظیم..

محترم حضرات!(کہنے کی باتیں بہت سی ہیں لیکن اس وقت ہم یہ اہم اور ضروری بات کہیں گے کہ آپ اپنے) ذہن کو اجتماعی بنائیے ،صرف اپنے مفاد کو سوچنا کہ ہمیں فائدہ ہوجائے دین پر کچھ گزر جائے ،ملت پر جو کچھ گزر جائے ہم سب کی فکر کیا کر سکتے ہیں، اس ذہن نے بڑا نقصان پہنچایا ہے، دیکھئے تو قرآن شریف میں آتا ہے" ولا تُلقُوا بِاَيدِيْكم الی التَّهلُكَة " اپنے ہاتھوں ہلاکت میں نہ پڑو۔اس کو بہت سے لوگ ایسے پڑھ لیتے ہیں جیسے " ولا تقربوا الصلوٰۃ ولا تقربوا الصلوٰۃ. "نماز کے قریب نہ جانا" بعض بے حیا نا خدا ترس لوگ اس طرح پڑھتے ہیں اور کہتے ہیں صاحب! قرآن شریف میں تو ہے نماز کے قریب نہ جاؤ۔ "لا تقربوا الصلوٰۃ" اس طرح بد نیتی کے ساتھ تو نہیں لیکن بعض ناواقفیت کی وجہ سے سمجھتے ہیں کہ ان کو ہر خطرہ کے کام سے بچایا گیا ہے۔ان کو جہاں کہئے ذرا تبلیغ میں چلئے کچھ خطرہ مول لیجئے اپنی تجارت کے لئے کہتے ہیں،ولا تلقو بایدیکم الی التهلكة قرآن شریف میں ہے اپنے ہاتھوں ہلاکت میں نہ پڑو،کوئی کام ایسا نہ کرو جان بوجھ کر جس میں تمہیں نقصان پہنچے، حالانکہ اس آیت سے اس کا کوئی تعلق ،ہی نہیں۔ بلکہ اس آیت کا تقاضا بالکل اس کے برخلاف ہے چنانچہ سیدنا ابوایوب انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے

ایک موقع پر ایسا ہی سنا تھا۔ فرمایا ٹھہرو ٹھہرو تم نہیں جانتے یہ آیت تو ہم انصاریوں کے بارے میں نازل ہوئی تھی اس کی تفسیر تو ہم سے پوچھو، تم کیا جانو، قصہ یہ ہے کہ جب اسلام مدینہ میں آیا کمزور تھا کوئی اس کا ساتھ دینے والا نہ تھا تو ہم انصاریوں نے اس کا ساتھ دیا اور اپنی جان و مال سے ساتھ دیا اور اپنے تقاضوں سے آنکھیں بند کر لیں، بس ہر وقت اسلام کے لئے جان ہتھیلی پر لئے پھرتے تھے میدان جنگ میں کہا جائے تو وہاں تبلیغ کے میدان میں کہا جائے تو وہاں اور مال خرچ کرنے کو کہا جائے تو ہم حاضر، غرض کہ ہم نے پھر مڑ کر نہ دیکھا کہ کیا ہو رہا ہے، ہمارے کھیتوں اور ہمارے باغوں کا کیا حال ہے، ہماری دوکانوں کا کیا حال ہے کچھ عرصہ گزرنے کے بعد جب ہم نے دیکھا کہ اب اللہ کے فضل سے مسلمانوں کی تعداد اچھی خاصی ہوگئی ہے اور اب اسلام ایسا گھرا ہوا اور میدان میں نہتا اور بے یار و مددگار نہیں ہے اور دوسری طرف ہم نے دیکھا کہ ہمارے مالوں پر، ہماری جائیدادوں پر بہت اثر پڑ گیا ہے اور تجارتیں ماند پڑ گئی ہیں، کساد بازاری میں ہم مبتلا ہو گئے ہیں، دوکانوں کے دیوالے نکلنے لگے ہیں، اور باغات خشک ہونے لگے ہیں، فرصت ہی نہیں ہم کو، تو ہم نے کہا اب ہم تھوڑے دن کی چھٹی لیں، مستقل آزادی یا مستقل چھٹی نہیں، بلکہ تھوڑے دن کی چھٹی لے لیں، سپاہی کو چھٹی ملتی ہے، طالب علم کو چھٹی ملتی ہے، استاد کو چھٹی ملتی ہے، ہم بھی چھٹی لے لیں۔ بس یہ خیال آنا تھا کہ یہ آیت نازل ہوئی ابھی شاید کہنے کی نوبت بھی نہ آئی تھی کہ آیت نازل ہوئی، ارے کیا کرتے ہو؟ اس وقت جب دین کو تمہاری مدد، تمہاری خدمت کی اور تمہاری جاں نثاریوں کی ضرورت ہے تم چھٹی کا نام لیتے ہو، یہ چھٹی سم قاتل ہے، یہ چھٹی خودکشی کے مترادف ہے فرمایا گیا۔ **وَاَنْفِقُوْا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ وَلَا تُلْقُوْا بِاَیْدِیْکُمْ اِلَی التَّھْلُکَۃِ وَاَحْسِنُوْا اِنَّ اللّٰہَ یُحِبُّ الْمُحْسِنِیْنَ** ۔ یہ پوری آیت ہے۔ اب لوگوں نے فتووں تک میں لکھنا شروع کر دیا۔

میرے بھائیو! حج ایک زمانہ میں ہندوستان میں مشکل ہو گیا تھا، دریائی سفر، بادبانی کشتیاں اور بدوؤں کی لوٹ مار دیکھ کر بعض علماء نے فتویٰ دے دیا کہ حج ہندوستانی مسلمانوں کے ذمہ سے ساقط ہے اور استدلال کیا اس آیت سے کہ **ولا تلقوا بایدیکم الی التھلکۃ** جان بوجھ کر ہلاکت میں نہیں پڑنا چاہئے۔ اللہ تعالیٰ جزائے خیر دے اور درجے بلند فرمائے۔ حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے اور ان کے شاگردوں اور ان کے خلفاء کے، کہ

انہوں نے اس کے خلاف مہم شروع کی اور فتویٰ لکھا اور پھر ان کے بعض خلفاء نے ان کے بھتیجے اور عزیزوں نے ایسی دھوم دھام سے حج کیا کہ پھر یہ خیال ہی لوگوں کے دلوں سے نکل گیا، ورنہ خدانخواستہ ہندوستان میں اس کی عادت پڑ جاتی کہ بھائی سمندر کا سفر خطرناک ہے اور حج ہمارے ذمہ سے ساقط ہے، تو آج حج اور کل زکوٰۃ اور پرسوں روزہ صحت پر برا اثر ڈالتا ہے ولا تلقوا بایدیکم الی التهلكة اور پھر اس کے بعد نماز کہ اس سردی میں ٹھٹھر جائیں اور ٹھنڈے پانی سے وضو کریں یا اس گرمی میں، چھوٹی سی رات میں ہم نکلیں اور رات خراب کریں ولا تلقوا بایدیکم الی التهلكة تو سارا دین ہی معطل ہو کے رہ جائے تو مسلمانوں کا ذہن انفرادی سے اجتماعی ہونا چاہئے یعنی ملت کے تقاضوں کو دیکھنا چاہئے اگر ہر شخص صرف اپنے اپنے تقاضوں کو دیکھنے لگے تو دین کی خدمت کہاں سے ہوگی۔ میں اس ادارہ کے متعلق نہیں کہتا، الحمد للہ ادارہ کے متعلق کہنے کے لئے یہ جلسہ ہوا ہی نہیں اور جو مدرسہ کا کام ہو رہا ہے۔ تعارف اور دینی خدمات وہ الگ ہے، لیکن یہاں یہ نہیں ہے کہ فلاں ادارہ اور فلاں چراغ بجھ رہا ہے، ہم یہ کہتے ہیں کہ دین کا تقاضا ہے، ہم یہ کہتے ہیں اپنے اپنے علاقہ کی خبر لیجئے، اپنی اپنی جگہ کی مسجدوں کی خبر لیجئے۔ مدرسوں کی خبر لیجئے اپنی اپنی جگہ کی دینی تعلیم کی خبر لیجئے، اپنی اپنی جگہ کے مسلمانوں کی عادتوں اور ان کے برے اخلاق کی خبر لیجئے، جن کی وجہ سے رحمت الٰہی رکی کھڑی ہے، گھنگھور گھٹا تلی کھڑی ہے لیکن برستی نہیں کہ مسلمانوں میں تو یہ یہ عیب ہیں، مسلمانوں میں تو یہ جرائم ہیں، ان ان چیزوں کے مرتکب ہو رہے ہیں ان چیزوں کی خبر لیجئے یہ دین کا اجتماعی تقاضا اگر آپ پر طاری نہ ہوا تو ہندوستان جیسے ملک میں دین کا باقی رہنا مشکل ہے اور ہندوستان کا کیا ذکر ہے، ہندوستان تو خدا کے فضل وکرم سے بہت بہتر ہے اور بھی ملکوں میں جہاں نام کی اسلامی حکومتیں ہیں مسلمان حکومتیں ہیں وہاں کی نہ حکومت کچھ کر سکتی ہے نہ جامع ازہر جیسا ادارہ کچھ کر سکتا ہے، جس کا اگر آپ کو بجٹ اور اس کی شان وشوکت معلوم ہو اور اس کے شیخ کے اختیارات اور ان کی تنخواہ آپ کو معلوم ہو تو آپ حیران رہ جائیں، کیا کسی ملک کے صدر جمہوریہ کی وہ شان ہوگی وہ تنخواہ ہوگی، لیکن وہ کچھ نہیں کر سکتے، اگر اجتماعی ذہن نہ ہو تو کوئی کچھ نہیں کر سکتا، کسی کو کوئی دلچسپی ہی نہیں ہے، سب اپنے اپنے پیچھے پڑے ہوئے ہیں کہ ہماری ادارہ بڑھ جائے، اور جلدی سے کام میں لگ جائے، اور جلدی سے بڑی آسامی اس کو مل جائے

اس کے علاوہ کسی چیز سے کوئی دلچسپی ہی نہیں ہے، یہ بہت خطرناک ذہنیت ہے، اس ذہنیت نے قوموں کے چراغ گل کر دیئے ہیں، جہاں یہ ذہنیت طاری ہوئی وہاں کوئی سر پٹک کر رہ جائے کوئی بڑے سے بڑا مصلح اپنی پوری زندگی صرف کر دے کوئی اثر نہیں ہوتا، یہ ذہنیت ہمارے ملک میں پیدا ہو رہی ہے اور موجود ہے کسی کو کسی سے کوئی مطلب ہی نہیں رہا، بس اپنا مفاد دیکھنا، اپنی خوشحالی کی، اپنے گھر کی، کاروبار کی، ترقی اور کامیابی کے سوا کسی چیز سے دلچسپی نہیں، ساری دقت اس وجہ سے پیش آ رہی ہے کہ ذہن اجتماعی اور ملی نہیں ہے بلکہ ذہن انفرادی ہے، ذہن بالکل شخصی ہے ایک تو اس کی اصلاح ہونی چاہئے کہ ملت کے مسائل اور دین کے تقاضوں کا درد آپ اپنے دل میں پیدا کریں۔ اگر یہ نہیں ہے تو پھر بہت بڑا خطرہ ہے، نہ کوئی انجمن کچھ کر سکتی ہے نہ کوئی ادارہ کچھ کر سکتا ہے اور نہ کوئی اعلیٰ سے اعلیٰ مصنف اور واعظ اور مقرر کچھ کر سکتا ہے۔ خدا کرے آپ اتنی بات سے آگے کی بات سمجھ گئے ہوں۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اپنے دین سے محبت کرنے والا بنائے اور امت کا درد نصیب کرے۔ **اللّٰھم امین۔**

و آخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین

والسلام علیکم!

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اسلامی بیداری کی لہر پر ایک نظر
بے لاگ جائزہ مخلصانہ مشورے

نحمدہ ونصلی علی رسولہ الکریم. امابعد!

دوستو اور بھائیو!

میرے لئے بڑی مسرت وعزت کی بات ہے کہ اس موقر اور محترم مجلس میں "اسلامی بیداری" کے موضوع پر گفتگو کا موقع مجھے عنایت کیا گیا۔ یہ موضوع بڑا اہم ہے۔ وہ ان دنوں علماء اور دانشوروں کی مجلسوں میں بحث ونظر اور لوگوں کی دلچسپیوں کا مرکز بنا ہوا ہے۔ اس وقت عالم اسلام کی اکثر محفلوں میں اس موضوع پر مثبت یا منفی انداز میں اظہار خیال کیا جارہا ہے ساتھ ہی یہ موضوع بڑا نازک حساس (SENSITIVE) بھی ہے۔

اس لئے کہ بعض حضرات کے دلوں میں اس اسلامی بیداری کی تائید وحمایت کا طاقتور رجحان تقدیس تک پہنچتا نظر آرہا ہے یہ لوگ کسی بھی ملک میں پھیلتی ہوئی اسلامی بیداری کی باتیں سنتے ہیں تو ان کے سامنے امیدوں کے چراغ روشن ہوجاتے ہیں اور اس بیداری سے بڑی بڑی توقعات وابستہ کرلیتے ہیں۔

لیکن میں آج کی مجلس میں کس قدر جرأت سے کام لیتے ہوئے صراحت کے ساتھ گفتگو کرنا، اور عالم اسلام میں موجودہ اسلامی بیداری کی لہر کا تعمیری نقطۂ نظر سے تنقیدی جائزہ لینا چاہتا ہوں۔ اور میرے خیال میں اس کی اس وقت ضرورت بھی ہے۔

نازک امانت:

اسلامی بیداری درحقیقت بڑی اہم ذمہ داری اور بڑی نازک امانت ہے، اس کی مثال

ایک تیر جیسی ہے کہ صحیح نشانہ پر نہ پہنچے اور غلط پڑ جائے تو اسے کمان کا قصور نہیں سمجھا جائے گا نہ سوئے اتفاق پر محمول کیا جائے گا۔ بلکہ اسے تیر انداز کا قصور قرار دیا جائے گا۔ کہ نشانہ کی غلطی دست و بازو کی کمزوری، اور تیر انداز کی ناکامی ہے۔

یہی حال اسلامی بیداری کا ہے۔ اس بیداری اور حرکت نے اگر بالکل صحیح اور اچھی طرح سوچا سمجھا راستہ اختیار نہ کیا اور ذرا بھی غلطی ہوگئی تو اس سے اسلام کی ابدی و جاودانی قوت وصلاحیت پر یقین واعتماد کو ٹھیس پہنچے گی اور یہ یقین مستحکم نہیں رہے گا کہ اسلام ہی صالح اور طاقتور بیداری کی صلاحیت رکھتا ہے فاسد ماحول کا مقابلہ کرسکتا ہے، صالح اور مثالی معاشرہ وجود میں لاسکتا ہے اور باخبر و باشعور قیادت فراہم کرسکتا ہے۔

بلکہ اس کا بھی خطرہ ہے کہ صحیح نظم وترتیب اور سوچے سمجھے منصوبے کے فقدان کی صورت میں یہ بیداری اسلام اور مسلمانوں پر منفی اثر ڈالے اور مستقبل میں اسلامی بیداری کی جدید کوشش اور اس کی کامیابی ونتیجہ خیزی کے بارے میں شکوک وشبہات پیدا ہو جائیں۔

بعض لوگ اس بیداری کا ایک خاص مفہوم اور اس کی ایک خاص تعبیر وتشریح اپنے ذہن میں رکھتے ہیں وہ اسے صحیح راہ سے ہٹے ہوئے فاسد ماحول کے خلاف ردعمل اور غیر اسلامی قیادت وحکومت کے خلاف جنگ کے مترادف سمجھتے ہیں۔ اور کسی بھی غیر اسلامی قیادت یا استعماری طاقت کے خلاف جدّ و جہد، یہاں تک کہ اس کے خلاف محض نعروں، دعووں، مظاہروں اور اعلانات تک کا بڑی گرم جوشی کے ساتھ استقبال کرتے ہیں۔ پھر مزید تحقیق و تجسس اور اس کے عملی نتائج کو جانچنے کی بھی ضرورت باقی نہیں رہتی۔

بیداری اسلام کی فطرت ہے:

میرے دوستو اور بھائیو! بیداری درحقیقت اسلام کی فطرت ہے، ضروری ہے کہ مسلمانوں میں اس کا سلسلہ قائم رہے، اس کی کڑیاں باہم مربوط و متصل رہیں یہ سلسلہ کہیں ٹوٹے پار کے نہیں۔ اس لئے کہ یہ امت اسلامیہ ایک منتخب اور چنیدہ امت ہے۔ یہ انسانوں کا کوئی ریوڑ یا عام جماعتوں کی طرح مجرد کوئی انسانی مجموعہ نہیں ہے بلکہ اللہ کے آخری پیغمبر کی پیرو یہ امت پوری انسانیت کی اصلاح کے لئے مبعوث کی گئی ہے اور نبی کریم ﷺ نے

اس امت کی یہی صفت بیان فرمائی ہے۔ آپ ﷺ سے روایت نقل کی گئی ہے کہ ایک بار کبار صحابہ سے فرمایا:۔

انما بعثتم میسرین ولم تبعثوا معسرین .(۱)

(ترجمہ)"تم لوگ آسانیاں فراہم کرنے والے بنا کر مبعوث کئے گئے ہو۔ دشواریاں پیدا کرنے والے بنا کر نہیں۔"

ایک صحابی حضرت ربعی بن عامر سے سپہ سالارِ افواجِ ایران نے پوچھا کہ تم لوگوں کو یہاں کون سی چیز کھینچ لائی۔ عرب کے صحراؤں سے نکل کر ایران کی سرزمین تک کس غرض سے آئے؟ انہوں نے جواب دیا:۔

الله ابتعثنا لنخرج من شآء من عبادة الناس الى عبادة الله وحده' ومن ضيق الدنيا الىٰ سعتها ومن جورالا ديان الىٰ عدل الا سلام .(۲)

(ترجمہ) ہم کو اللہ نے اس کام کے لئے مبعوث فرمایا کہ اللہ کی مشیت کے مطابق انسانوں کو انسانوں کی عبادت سے نکال کر اللہ وحدہٗ کی عبادت تک، دنیا کی تنگی سے نکال کر اس کی وسعتوں تک، اور مختلف مذاہب وادیان کے ظلم وجور سے نجات دلا کر اسلام کے عدل وانصاف تک پہنچا دیں۔"

اور اللہ تعالیٰ کے مبارک کلام سے زیادہ واضح اور بلیغ بات کس کی ہوسکتی ہے۔ وہ فرماتا ہے:۔

كُنْتُمْ خَيْرَ اُمَّةٍ اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَتُؤْمِنُوْنَ بِاللهِ .(۳)

(ترجمہ) تم لوگ بہترین جماعت ہو جو لوگوں کے لئے پیدا کی گئی ہے۔ تم بھلائی کا حکم دیتے ہو۔ برائی سے روکتے ہو۔ اور اللہ پر ایمان رکھتے ہو۔

---

(۱) ترمذی بروایت حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ۔

(۲) البدایہ والنہایہ، ابن کثیر۔

(۳) (سورۃ آل عمران ۱۱۰)

گویا نبی آخر الزمان ﷺ کی بعثت کے ساتھ ایک امت کی بعثت بھی شامل تھی انسانوں کی ایک ایسی جماعت کی بعثت جو باخبر اور باشعور ہو۔ صحیح راہ کی طرف دعوت دیتی رہے۔ ہر زمانہ اور ہر مقام پر انسانوں کی دیکھ بھال اس کے ذمہ لکھ دی گئی ہے۔ اور ہر دور میں نسل انسانی کے عقائد و اخلاق کا احتساب اس کا منصبی فریضہ قرار دیا گیا ہے ع

ہے حقیقت جس کے دین کی احتساب کائنات

یہ اسلامی بیداری نوع انسانی کی دائمی وابدی ضرورت ہے۔ انسان کی بنیادی ضرورتوں غذا، پانی، ہوا سے اس بیداری کی ضرورت معنوی اعتبار سے کس طرح کم نہیں یہ پوری انسانیت کے لئے مطلوب و مفید ہے۔ اور اس کا فقدان صرف اسلام اور مسلمانوں کے وجود کے لئے نہیں بلکہ انسانی معاشرہ کی سلامتی اور اس کی سلامت روی کے لئے خطرہ ہے اسلامی دعوت و بیداری کے بغیر قومیں اور ملتیں بغیر چرواہے کے جانوروں کا ریوڑ بن کر رہ جائیں گی۔ یا سواریوں سے بھرا جہاز جس کا ملاح غائب ہو۔

میرے دوستو! اور بھائیو! آج کے زمانہ کو اسلامی دعوت و بیداری کی حاجت دوسرے زمانوں کے مقابلے میں کہیں زیادہ ہے۔ کیونکہ آج کا دور شہواتِ نفسانی اور شکوک و شبہات ذہنی کا دور ہے۔ اسلام سے دور نامانوس فلسفوں اور افکار و نظریات کا زمانہ ہے۔

ہمارے آج کے زمانہ میں اسلامی بیداری کی ضرورت کئی گنا زیادہ بڑھ گئی ہے اور اس کی ذمہ داریوں میں بھی اضافہ ہو گیا ہے۔ دنیا کے کسی ملک میں بھی یہ بیداری پیدا ہو ہمیں اس سے ہمدردی ہے ہم اس کو خوش آمدید کہتے ہیں۔ اور اس کی کامیابی کے لئے دعا گو ہیں۔

لیکن یہ ہمدردی ہمیں اس بات سے نہیں روکتی کہ تعمیری نقطہ نظر سے اس کا تنقیدی جائزہ لیں۔ خیر و صلاح کے معیار پر پرکھیں۔ اور اسلامی عقائد کی کسوٹی پر کس کو دیکھیں پھر اس کے بارے میں رائے قائم کریں اور صحیح فیصلہ کریں۔

اس سلسلہ میں میرے بھائیو! میرے کچھ خیالات اور مشورے ہیں انہیں میں پیش کرنا چاہتا ہوں اس امید پر کہ شاید ان سے اسلامی بیداری میں حصہ لینے والوں، اس کی طرف دعوت دینے والوں اور اس سلسلہ میں جدوجہد کرنے والوں کو کچھ فائدہ پہنچ سکے۔ اور صحیح راہ کی تعیین اور خطوط عمل کی تصحیح میں کچھ مدد مل سکے۔

اسلامی عقائد کے ساتھ کامل ہم آہنگی

اسلامی بیداری اور اسلامی دعوت کی صحت وسلامتی کے لئے اور اسے قابل اعتماد و لائق احترام اور ہر طرح حفاظت و مدافعت کا مستحق بنانے کی پہلی شرط یہ ہے کہ یہ دعوت و بیداری قرآن وحدیث پر مبنی عقائد سے مکمل مطابقت رکھتی ہو۔ رسول کریم ﷺ کی سنت مطہرہ اور آپ ﷺ کے بعد خلفائے راشدین کے اسوہ وعمل، ماہرین دین وشریعت کے علم وفہم اور جمہور امت کے عقائد سے ہم آہنگ ہو۔

ایسا نہ ہو کہ سیاسی دھاروں اور وقتی رجحانات کے رخ پر بہنے لگے یا محدود مقامی حالات کا ردعمل، سیاسی غلبہ واستیلاء کی کوشش اور اسلامی حکومت کے قیام کے خالی دعووں تک محدود ہو۔ نوجوان آنکھ بند کر کے اس کا استقبال کرنے لگیں۔ اور اس کی حمایت ومدافعت کے جوش میں اس دعوت وتحریک کے سربراہوں کے عقائد کی تحقیق بھی ضروری نہ سمجھیں۔ متفق علیہ اسلامی عقائد سے ان کے انحراف اور بسا اوقات ان مسلمہ عقائد سے تضاد کو بھی نظر انداز کر جائیں۔

کیونکہ عقیدہ ہی درحقیقت وہ ہر دم رواں پیہم دواں دریا ہے جو ہمیشہ صحیح رخ پر بہتا رہتا ہے۔ جس کا دھارا نہ تو رکتا ہے نہ اپنا رخ بدلتا ہے۔

لیکن وہ موجیں جو بڑے زور وشور سے اٹھتی ہیں اور اسی تیزی سے غائب ہو جاتی ہیں، وہ نالیاں جو بہتی ہیں اور سوکھ جاتی ہیں، ان پر اعتبار نہیں کیا جاسکتا۔ ممکن ہے وہ صبح کو موجود ہوں اور شام کو غائب ہو جائیں۔

جن لوگوں کو تاریخ اسلامی کے گہرے اور غیر جانبدارانہ مطالعہ کا موقع ملا ہے وہ خوب جانتے ہیں کہ تاریخ اسلامی کے مختلف ادوار میں متعدد ایسی تحریکیں اٹھی ہیں اور ایسے دھارے آئے ہیں جن میں بڑی کشش تھی، سحر تھا۔ ایک زمانہ میں ان کو بڑا عروج حاصل ہوا۔ ان کا سکہ چلتا تھا وہ تحریکیں وافکار وخیالات، روشن خیالی، عقلیت آزادی رائے کا رمز بن گئے تھے وہ اپنے دور کا چلتا ہوا فیشن (FASHION) تھا اور اس دور کے نوجوان ان کو اپنانے اور ان کی حمایت ومدافعت میں فخر محسوس کرتے تھے لیکن کچھ ہی دنوں بعد وہ پر شور دھارے، ہواؤں کی نذر ہو گئے۔ تاریخ کے صفحات میں لپیٹ دیئے گئے۔ اور جن لوگوں کا عقیدہ وعلم کلام اور فکری تحریکوں کی

تاریخ کا مطالعہ وسیع نہیں ہے انہوں نے ان کا نام بھی نہیں سنا ہوگا۔

دینیات کے وسیع مطالعہ کی ضرورت:

اسلامی بیداری کی صحت وافادیت کے لئے دوسری لازمی شرط یہ ہے کہ یہ بیداری (امکانی حدتک) قرآن وحدیث کے فہم وادراک سے یکسر عاری اور اس کی ضرورت کی منکر نہ ہو۔ دینی مطالعہ میں کسی حدتک وسعت بھی ہو اور گہرائی بھی۔ یہ ضروری ہے کہ تعلیم یافتہ نوجوان جن کی تعداد بیداری کی ان تحریکوں میں بڑھتی جارہی ہے، کی ذہنی وفکری تربیت پر خصوصی توجہ دی جائے۔ ان کے لئے صالح اور طاقتور فکری غذا فراہم کی جائے جو ان کی عقل وفکر کے نہاں خانوں کو منور کردے اور اس پر ایمان ویقین کو دوبارہ مستحکم کردے کہ اسلام ہی قیادت کی اور زندگی کے مشکلات کو حل کرنے کی صلاحیت رکھتا ہے۔

ان تعلیم یافتہ نوجوانوں کو اس بات پر آمادہ کرنے کی ضرورت ہے کہ قرآن کریم کے ساتھ مضبوط ومستحکم ایمانی، جذباتی اور علمی ربط قائم رکھیں اور سیرت نبوی، ابتدائی اسلامی تاریخ، اصلاح وتجدید اور مصلحین ومجددین کے حالات وسوانح کے مطالعہ کو لازمی قرار دیں۔ یہ مطالعہ ان کی صلاحیتوں کو اجاگر کرے گا،، تاریک راہوں میں روشنی فراہم کرے گا جس سے وہ اپنی صلاحیتوں کا بہتر استعمال کرسکیں گے۔ اور ان کی جدوجہد کی نتیجہ خیزی اور کامیابی کے امکانات میں اضافہ ہوجائے گا۔ اگر یہ جدوجہد اخلاص اور رضائے الٰہی کے حصول کے جذبہ پر مبنی ہے۔

اسی طرح اس بات کی بھی ضرورت ہے کہ ان کی انفرادی، اجتماعی اور خاندانی زندگی اور ان کے انفرادی واجتماعی اخلاق وعادات کی اصلاح پر پوری توجہ دی جائے۔ اور اس انداز پر ان کی تربیت کی جائے کہ نہ صرف یہ کہ ان میں کوئی کمزوری اور جھول نہ ہو۔ بلکہ وہ دوسروں کے لئے حسن اخلاق کردار کی پختگی اور استقامت میں نمونہ اور مثال بن جائیں۔

اللہ کے دین کی دعوت دینے والوں اور تجدید وصلاح کی راہ میں جدوجہد کرنے والوں کا ہمیشہ یہی امتیاز رہا ہے۔ لیکن اس وقت اسلامی معاشرہ، اخلاقی انحطاط، معنوی زوال، باہمی انتشار، غیر مسلم ماحول کے اثرات اور غیر اسلامی رسم ورواج، نمود ونمائش اور تفاخر وظاہرداری کا

بری طرح شکار ہے۔ دعوت و اصلاح کے میدانوں میں کام کرنے والے بھی کم و بیش اس کمزوری کا شکار ہو چکے ہیں۔ دینی جدوجہد پر اس کے منفی اثرات بھی پڑنے لگے ہیں۔

اور بسا اوقات مخالفین کے لئے اس کمزوری نے اسلام پر تنقید و تشنیع کے مواقع فراہم کردیئے ہیں۔ جن سے اسلامی کردار کی پختگی و بلندی کی صورت میں آسانی کے ساتھ بچا جاسکتا ہے۔

زمانہ اور مشکلات و مسائل زمانہ کا فہم و ادراک

دینی مطالعہ کے ساتھ ہی اپنے زمانہ اور اس زمانہ کی مشکلات و مسائل سے گہری واقفیت کو بھی نظر انداز نہیں کیا جاسکتا۔ نظر اس پر بھی ہونی چاہئے کہ اس دور میں کون کون سی تحریکیں اور کیسے کیسے رجحانات پائے جاتے ہیں۔ عام زندگی میں ان کی کیا طاقت اور اہمیت ہے۔ اور اسلام کے بارے میں ان کا نقطہ نظر کیا ہے۔ وہ دین اسلام کے مستقبل اور آنے والی اسلامی نسل کے لئے کس حد تک خطرناک ثابت ہوسکتے ہیں ملک و وطن کے اقتدار پر تسلط کی جدوجہد میں مصروف قیادتیں کس انداز و قماش کی ہیں۔ جو قوم کی زمام اقتدار اپنے ہاتھ میں لینا چاہتی اور معاشرہ کو اپنے افکار و عقائد و خیالات کو اپنی مرضی کے مطابق موڑنا اور زندگی کو ایک نئے سانچہ میں ڈھالنا چاہتی ہیں۔

کیونکہ ان طاقتوں، تحریکوں اور قیادتوں سے آنکھیں بند کرلینا اسلامی جماعتوں کا اپنے خول میں بند ہوجانا اور اپنے تمام مشاغل کو دین کی دعوت، دین پر مضبوطی سے قائم رہنے، فرائض و واجبات کی ادائیگی اور ذاتی زندگی میں طہارت و عفت تک محدود کرلینا ایسا طرز عمل ہے جس کے نتیجہ میں کچھ مدت بعد شاید دین پر عمل اور احکام شریعت کے اتباع کی آزادی بھی چھن جائے۔ دین پر عمل کرنے والوں، دین کی دعوت دینے والوں کی زندگی تلخ ہوجائے۔ اور ان کے وہ حالات ہوجائیں جن کی تصویر قرآن نے ان الفاظ میں کھینچی ہے:۔

حَتّٰیٓ اِذَا ضَاقَتْ عَلَيْهِمُ الْاَرْضُ بِمَا رَحُبَتْ وَضَاقَتْ عَلَيْهِمْ اَنْفُسُهُمْ O (۱)

---

(۱) (سورۃ التوبہ ۱۱۸)

(ترجمہ) زمین اپنی کشادگی کے باوجود ان پر تنگ ہوگئی اور ان کا دم گھٹنے لگا۔

مسلمان دین کے باغیوں اور دشمنوں کے رحم و کرم پر غیر اسلامی قانون سازی، اسلامی قانون میں دخل اندازی اور ان کے خاص عائلی قانون کی مخالفت کی فضا میں اور مغربی مسیحی تصور کے زیر سایہ زندگی گذارنے پر مجبور ہیں کہ ''دین انسان کا ذاتی مسئلہ ہے اس کا تعلق بندہ اور خدا سے ہے'' زندگی، قانون سازی اور سیاست و نظام حکومت سے اس کا کوئی تعلق نہیں۔

زندگی کے حقائق سے چشم پوشی کے نتائج

یہاں میں اپنے دوستوں سے معذرت کروں گا جن کے خیال میں زمانہ اور مسائلِ زمانہ کے شعور و ادراک کی کوئی اہمیت نہیں، نہ اس کی کوئی ضرورت ہے کہ زندگی کے حقائق، معاصر ذہن و فکر کو مشغول کرنے والے مسائل، معاشرہ کو بنانے، بگاڑنے والے نظام تعلیم و تربیت، افکار و خیالات کے دھاروں اور اسلامی دعوت و تبلیغ کی کوششوں کے درمیان تطبیق و ہم آہنگی کے لئے ذہنی و علمی صلاحیتیں صرف کی جائیں اور وقت لگایا جائے۔

بعض اسلامی ممالک میں ایسے پرجوش اسلام کے داعی موجود ہیں جنہوں نے اس پہلو کو نظر انداز کر دیا ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ سماج میں موجود اور ذہن و فکر پر مسلط مسائل یا رجحانات میں الجھنے کی نہ ضرورت ہے نہ افادیت اور نہ ہم اس کے مکلّف ہیں کہ دیکھیں کہ معاشرہ فساد و انحراف، آزاد خیالی و بدعملی کی طرف جا رہا ہے یا خیر و صلاح کی طرف؟ ہمارے لئے اتنا کافی ہے کہ ہم نماز روزہ کے پابند ہیں۔ اللہ کا ہزار ہزار شکر ہے کہ اس نے ہمیں اسلام کی نعمت سے نوازا ہے اس کے احکام پر عمل کی توفیق بخشی ہے۔ ہمارے لئے اتنا ہی کافی ہے۔

ان حضرات کے اخلاص میں شبہ کرنے کی ضرورت نہیں ان کی جدوجہد مشقت اور قربانیاں بھی قابل قدر ہیں۔ لیکن اس کے باوجود میں یہ عرض کرنے کی اجازت چاہوں گا کہ گرد و پیش کے رجحانات سے اغماض زمانے کی ضرورتوں اور تقاضوں سے اعراض، اپنی ذات تک محدود ہو کر رہ جانا، اسلام کے صحیح فہم کا نتیجہ نہیں بلکہ اسلام کی دعوت و تبلیغ کے لئے، شعور کی

بیداری اس کی تربیت، حقائق و مسائل کی سمجھ، دوست دشمن کی تمیز اور خالی خولی نعروں (SLOGANS) کے فریب سے اجتناب بھی ضروری ہے۔

تاکہ مسلمان، قوم پرستی، نسلی، لسانی، یا علاقائی عصبیت، اور چالاک سیاستدانوں اور غیر ملکی سازشوں کا بار بار شکار ہونے سے بچے رہیں اور ایسا نہ ہو کہ ان کی اپنی سادگی، صحیح دینی شعور کی کمزوری اور فراست ایمانی کی کمی کی وجہ سے دینی فضا بنانے کی ساری کوششیں، شریعت اسلامی کے نفاذ اور اسلامی نظام کے قیام کی ساری جدوجہد مٹی میں مل جائے۔ اور مسلم معاشرہ اور مسلم ممالک، لادینی نظام حکومت آزاد خیالی اور مغربی ''ترقی پسندی'' کے خطرے سے دوچار ہو جائے جو آج کے دور میں مقبول بھی ہے۔ اور ایسے عوام کے نزدیک مطلوب بھی جو اسلامی تربیت سے محروم بھی رہے ہیں۔ اور جن کی نشوونما مغربی نظام تعلیم و تربیت اور اخلاق سوز وسائل ابلاغ کی زیر سایہ ہوئی ہے(۱)

اولین اسلامی معاشرہ کا امتیاز

صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین فراست ایمانی کی دولت سے مالا مال تھے۔ وہ نہ دھوکا دیتے تھے نہ دھوکا کھاتے تھے۔ وہ کسی کو فریب نہیں دیتے تھے یہ تو واضح بات ہے وہ اس سے بہت بلند تھے، لیکن ہم میں بہت سے لوگ ان کے اس وصف کی طرف توجہ نہیں دیتے کہ صحابہ کرامؓ کسی کے دجل و فریب کا شکار بھی نہیں ہوتے تھے۔

وہ بڑے ذہین و فطین اور ہمہ وقت بیدار عقل و شعور والے افراد تھے۔ ان کی عقل، ان کی طبیعتیں، دین کی روح اور دینی تعلیمات کے خلاف کسی چیز کو گوارہ نہیں کرتی تھیں۔ وہ دلکش

---

(۱) جس کی واضح مثال پاکستان کے حالیہ (نومبر ۱۹۸۸ء) کے انتخابات ہیں وہ ملک جو اسلام کے نام پر قائم ہوا تھا۔ اور اسلامی نظام و تعلیمات کے نفاذ کے لئے اور دنیا کے سامنے اسلامی نظام کی صلاحیت و اہلیت کو بطور مثال پیش کرنے کے لئے قربانیاں دی گئی تھیں۔ انتخابات کے نتائج اس کے بالکل برخلاف سامنے آئے۔ ترقی پسندوں اور اسلامی قوانین، اسلامی نظام کے مخالفین کو، نفاذ شریعت کا دعوی کرنے والوں کے مقابلہ میں فتح حاصل ہوئی۔ اور اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ تاریخ اسلام میں پہلی بار سب سے بڑی اسلامی مملکت کی سربراہی کا منصب ایک ''آزاد خیال'' خاتون کو منتقل ہوا۔ حالانکہ وہاں ہزاروں علماء موجود ہیں، سیکڑوں دینی مدارس قائم ہیں اور متعدد دینی، اصلاحی تحریکیں بھی سرگرم عمل ہیں۔

نعروں، پُر فریب مغالطوں اور نظر فریب مظاہر کا شکار نہیں ہوا کرتے تھے۔

اس کی سب سے واضح دلیل اور اعلیٰ ترین مثال یہ ہے کہ وہ نبی کریم ﷺ پر ایمان رکھتے تھے۔ آپ ﷺ کو معصوم سمجھتے تھے۔ جیسا کہ خود قرآن میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:۔

وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰى اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْيٌ يُّوْحٰى O (۱)

وہ اپنی خواہش نفسانی سے باتیں نہیں بناتے ہیں۔ ان کا کلام تو تمام تر وحی ہے جو ان پر بھیجی جاتی ہے۔

پھر ان صحابہ کرام کی نظروں میں آنحضرت کی ذات گرامی ان کی اپنی اولاد آباؤ اجداد اور خود اپنی جانوں سے زیادہ محبوب تھی۔ تاریخ میں کسی انسانی جماعت نے کسی نبی اور کسی داعی کا (حدود کی رعایت رکھتے ہوئے اور تقدیس و تعبد سے بچتے ہوئے جو صرف اللہ تعالیٰ کے لئے مخصوص ہے) ایسا احترام نہیں کیا ہے اس کے باوجود اللہ کے رسول ﷺ نے ایک بار فرمایا:۔

انصر أخاک ظالماً اومظلوماً.

فرمایا اپنے بھائی کی مدد کرو خواہ ظالم ہو خواہ مظلوم۔

تو صحابہ کرام اس فرمان نبوی پر خاموش نہیں رہ سکے اور انہوں نے اس کی تشریح ضروری سمجھی۔

حدیث کے شارحین نے اس کی تشریح کی ہے کہ یہ زمانۂ جاہلیت کی مشہور مثل تھی۔ زمانہ جاہلیت کی عادت بھی یہی تھی۔ چنانچہ دیوان حماسہ کا ایک شاعر عرب کے ایک قبیلہ بنی مازن کی تعریف میں کہتا ہے:۔

لا یسالون أخاهم حین یندبهم فی النائبات علی ماقال برهاناً.

"جب ان کے بھائیوں پر کوئی مصیبت آتی ہے اور وہ ان کو مدد کے لئے پکارتے ہیں تو یہ لوگ بات کی صحت پر دلیل اور حجت کا سوال نہیں کرتے مدد کے لئے دوڑ پڑتے ہیں۔"

اس کے باوجود صحابہ کرام نے رسول اللہ ﷺ کا یہ فرمان سنا تو خاموش نہیں رہ سکے۔ ایک صحابی نے کہہ دیا کہ اللہ کے رسول! ہم مظلوم کی مدد کریں یہ تو ٹھیک ہے لیکن ظالم کی مدد کیسے

(سورۃ النجم ۳۔۴)

کریں؟ صحابہ کی جرأت پر آنحضور ﷺ نہ تو خفا ہوئے۔ نہ چہرۂ مبارک پر کبیدگی یا ناگواری کے اثرات ظاہر ہوئے بلکہ بڑے سکون کے ساتھ فرمایا ''ظالم کو ظلم سے روک دو یہی اس کی مدد ہے''(۱)

رسول اللہ ﷺ نے مومن کی (اور اسلامی معاشرہ مومنین پر ہی مشتمل ہوتا ہے) صفت بیان فرمائی ہے جس سے اس کی ذہانت وفراست کا اندازہ ہوتا ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا ''مومن ایک سوراخ سے دو بار نہیں ڈسا جاتا۔''(۲) ایک اور موقع پر فرمایا۔ ''مومن کی فراست سے بچو وہ اللہ کی روشنی کی مدد سے دیکھتا ہے۔''(۳)

جہاد فی سبیل اللہ کی اہمیت

اس طرح اس طرف بھی توجہ دینا ضروری ہے کہ خالص قرآنی اور اسلامی مفہوم میں جہاد فی سبیل اللہ کی اہمیت اور اس کی قدر و قیمت دل و دماغ میں برقرار رہے اس کی عظمت وجلالت کا شعور کمزور نہ ہو جو برگزیدہ اشخاص مجاہد فی سبیل اللہ کی لقب سے سرفراز ہوئے اور جنہوں نے اس میدان میں نام پیدا کیا۔ ان پر رشک آئے ان کی نقش قدم پر چلنے کا شوق پیدا ہو اور شہادت کی تمنا دل میں کروٹیں لیتی رہے۔

یہ بہت بڑی ایمانی دولت ہے یہی جذبۂ جہاد اور شوق شہادت تمام قدیم وجدید قوموں اور ملتوں کے درمیان اس امت کا امتیاز اور اس کے عظیم الشان کارناموں بے مثال قربانیوں اور فداکاریوں کا منبع اور مصدر رہا ہے۔ تاریخ کے مختلف ادوار اور دنیا کے مختلف مقامات پر اللہ کی تائید ونصرت اسی مقدس جذبہ شوق کے ساتھ وابستہ رہی ہے۔ امت مسلمہ کی اس طاقت کے سرچشمہ اور اس دولت کے خزانہ سے محرومی ایسا خسارہ ہے جسے پورا نہیں کیا جاسکتا اور ایسا خلاء ہے جسے علم وعقل کی وسعت اور تہذیب وتمدن کی ترقی بھی پر نہیں کرسکتی۔

اس شوق اور جذبہ کو باقی رکھنے کے لئے ایسی کتابوں سے مدد لی جاسکتی ہے جو پڑھنے یا سننے والوں اور دین کے داعیوں میں دین کی غیرت اور حمیت کو بیدار کردیں ان کے سینوں میں

---

(۱) بخاری ومسلم۔ (۲) لایلدغ المومن من جحر واحد مرتین۔ مسند احمد۔ ۳۔ صحیح بخاری۔

عزم وعمل کی ایک دنیا آباد کردیں اور اللہ تعالیٰ کے کلمہ کی سربلندی کی راہ میں زندگی، زندگی کے عیش وعشرت اور جاہ وعظمت کو بے قیمت بنادیں۔ (۱)

جمود کو توڑنے والی تحریکیں خود جمود کا شکار

تاریخ کا ایک سبق جو بار بار دہرایا جاتا رہا اور جس سے عبرت حاصل کرنا ضروری ہے یہ ہے کہ بہت سی بنیادی اصلاحی تحریکیں جو درحقیقت اس مقصد سے اٹھیں کہ عقل وفکر اور زندگی پر طاری جمود کو توڑ دیں۔ اسلام کے بہتے ہوئے دریا کی سطح پر جم جانے والی کائی کو دور کریں۔ اور معاشرہ میں رائج ان رسموں عادتوں اور رواجوں کی زنجیروں کو توڑ دیں جن کی نہ کوئی دینی حقیقت ہے اور نہ معقولیت۔

جو تحریکیں اس لئے وجود میں آئی تھیں کہ اسلامی معاشرہ کی جامد عقلوں کو جھنجھوڑ دیں ان کی خفیہ صلاحیتوں کو بیدار کردیں تاکہ نئی نسل اپنے زمانہ کو زمانہ کی مشکلات کو سمجھ سکے۔ زمانہ کے صحیح اور معقول تقاضوں کی تکمیل کر سکے زمانے کا ساتھ دے سکے اور صرف ساتھ ہی نہ دے سکے۔ بلکہ اپنے زمانہ کی قیادت ورہنمائی کر سکے۔

اور اس بات کا ثبوت پیش کر سکے اسلام ہر زمانہ کے سوالات کا جواب فراہم کرسکتا ہے مشکلات کو حل کرسکتا ہے وہ ہر چیلنج کا مقابلہ کرنے کی اور ہر دو میں قیادت کی صلاحیت رکھتا ہے۔

تاریخ کا یہ بڑا عبرت ناک سبق ہے کہ ایسی اصلاحی تحریکیں (اگر ان کو انقلابی نہ کہا جائے) مرور زمانہ کے ساتھ خود اسی جمود کا شکار ہوگئیں جس سے نبرد آزمائی کے لئے وجود میں آئی تھیں اور اپنے ابتدائی طریق کار اور لائحہ عمل کی زنجیروں میں گرفتار نظر آنے لگیں۔ جو طریق کار ان تحریکات کی ابتداء میں اسوقت کے تقاضوں کے مطابق وضع کیا گیا تھا اور جو ایک محدود دائرہ کے اندر اصلاحی تحریک کے تقاضوں کو پورا کرتا تھا ان تحریکوں اور ان سے متعلق افراد نے

---

(۱) مثلاً نبی کریم ﷺ کے غزوات کی تاریخ، حدیث کی کتابوں میں جہاد کے ابواب، سلطان صلاح الدین ایوبی کے حالات یا ماضی قریب کی تحریکی جہادی تاریخ جیسے حضرت سید احمد شہید اور ان کے رفقاء کے سرفروشانہ کارناموں پر مشتمل مقرر کی کتاب "سیرت سید احمد شہید" (۱-۲) یا مختصر کتاب "جب ایمان کی بہار آئی"۔

ان کلیوں کو مضبوطی سے تھام رکھا ہے جو تحریکیں ان تحریکوں کے سربراہوں نے ماضی میں بڑے اخلاص اور بڑے فہم و تدبر کے ساتھ زمانے کے تقاضوں کو سامنے رکھ کر اور نبی کریم ﷺ کی اس حدیث پر عمل کرتے ہوئے بنائی تھیں:۔

یحمل هذا العلم من کل خلف عدوله ینفون عنه تحریف الغالین وانتحال المبطلین وتاویل الجاهلین.(۱)

اس علم کے ہر نسل میں ایسے عادل و متقی حامل و وارث ہوں گے جو اس دین سے غلو پسندوں کی تحریف اہل باطل کے غلط انتساب و دعوے اور جاہلوں کی دور از کار تاویلات کو دور کرتے رہیں گے۔”

لیکن ان جماعتوں اور تحریکوں نے ان کلیوں کو اس مضبوطی سے تھام رکھا ہے، جیسے کوئی کسی نص قطعی اور منصوص حکم پر جما رہے جس میں نہ کسی حذف و اضافہ کی گنجائش ہو نہ کسی طرح کی لچک یا توسع کا امکان جس کی وجہ سے ان دعوتوں اور تحریکات میں کام کرنے والوں کے ذہنوں میں جمود کا سایہ ہو گیا ہے۔ اور ان میں کبھی کبھی انتہا پسندی بھی آ جاتی ہے کہ وہ اپنے طریق کار سے سر مو تجاوز گوارہ نہیں کرتے۔ اور اس پر اس طرح اصرار کرتے نظر آتے ہیں جیسے وہ بھی کوئی شریعت کی نص قطعی ہو یا منزل من اللہ قرآن کی آیت۔

اس کا سبب اس کے علاوہ اور کیا ہو سکتا ہے کہ یہ تحریک قوت نمو کھو چکی ہے۔ اس میں اتنی قدرت و صلاحیت باقی نہیں کہ ماحول کا از سر نو جائزہ لے، روح عصر کو پہچانے، نئے تقاضوں کو سمجھے، زمانہ کی نبض پر انگلیاں رکھے۔ اس کے مرض کی صحیح تشخیص کرے۔ اور اصلاح و دعوت کا طریق کار اور زندگی کے حقائق اور تقاضوں کے درمیان ہم آہنگی پیدا کرے۔

حالانکہ حقیقت یہ ہے کہ اسلام کبھی بھی زمانہ سے پیچھے نہیں رہا اس نے ہمیشہ انسانی معاشرہ کی قیادت کی ہے اور اپنی تعلیمات اور زمانے کے تقاضوں کے درمیان ہم آہنگی پیدا کرنے کی صلاحیت کا ثبوت دیا ہے ایسے علماء اور قائدین ہر دور میں موجود رہے ہیں جن میں فکری بالیدگی تھی بے مثال ذہانت تھی۔ وہ دینی اصولوں اور شریعت کے اولین مصادر سے احکام

---

(۱) مشکوۃ۔ کتاب العلم الفصل الثانی رقم الحدیث ۲۳۶۔

کے استنباط اور اجتہادی قدرت وصلاحیت رکھتے تھے۔ انہوں نے حیرت انگیز صلاحیت اور بے مثال عبقریت (GENIUS) کا مظاہرہ کرتے ہوئے ہر زمانہ اور ہر مقام کے چیلنجوں کا مقابلہ کیا۔

زمانے کے مطالبات اور امت مسلمہ کی ضرورتوں کی تکمیل کی۔ انہوں نے زندگی کے حقائق سے کبھی آنکھیں بند نہیں کیں۔ وقت کی طلب اور زمانے کی آواز پر ہمیشہ کان لگائے رہے۔ یہی وجہ ہے کہ یہ دین ہمیشہ زندگی سے بھرپور اور مقبول ومحبوب رہا۔ انسانی معاشرہ کی قیادت کرتا رہا۔ اور اسلام کے دائرہ کے اندر صحیح راہ کی طرف رہنمائی کرتا رہا۔(۱)

غیر ضروری مسائل ومشکلات سے اجتناب کی ضرورت

اسلامی دعوت کی افادیت اور نتیجہ خیزی کو باقی رکھنے کی تیسری شرط یہ ہے کہ دعوت وتحریک ایجابی (مثبت) ہو، وہ خالص سلبی بن کر نہ رہ جائے کہ حکومت وقوت یا وسائل سے مسلح افراد وعناصر سے پہلے ہی مرحلہ میں ٹکرانے لگے۔ اپنے لئے مسائل ومشکلات پیدا کرنے لگے اپنی ساری قوت وصلاحیت اسی راہ میں ضائع کردے، اور اپنے بے شمار دشمن وحریف پیدا کر لے، بے محل جدوجہد کرے۔ اور بغیر دشمن کے جنگ کرتی رہے۔

اس مقابلہ میں چاہئے کہ یہ دعوت سلبی سے زیادہ ایجابی ہو۔ اس نقطہ نظر سے کام کرے کہ ایمان کو برسر اقتدار لوگوں تک پہنچانا ہے انہی کے ہاتھ میں اسلام کا جھنڈا دینا ہے اور انہی سے اسلامی نظام کو نافذ کرانا ہے۔ یہ مطمع نظر صحیح نہیں کہ اہل ایمان کو یا کسی خاص اسلامی اصلاحی تحریک کو اقتدار تک پہنچانے کی کوشش کی جائے۔ یا نظام اسلامی کی تنفیذ اور معاشرہ میں انقلاب کا حق کسی خاص جماعت کے افراد یا چند داعیوں کے لئے مخصوص کر دیا جائے۔

---

(۱) تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو حضرت مولانا ندوی کی کتاب "تاریخ دعوت وعزیمت" جلد اول۔ اور اس کا مقدمہ۔

تجدید واصلاح کی بہترین مثال

مجھے اسلام میں اصلاح وتجدید کی طویل تاریخ میں کوئی بھی مثال کوئی تحریک جس کو حیرت انگیز کامیابی ملی ہو۔ یا کوئی مصلح حالات میں انقلاب لانے کی تاریخ کا رخ موڑنے اور اسے نئی راہ اختیار کرنے پر مجبور کرنے میں کامیاب ہوا ہو۔

حضرت مجدد الف ثانی شیخ احمد سرہندی (م ۱۰۳۴ھ) جیسی کامیابی نہیں (۱) ملی۔ حضرت مجدد صاحب کی کامیاب جدوجہد کی تصویر پیش کرنے کے لئے مقرر کی کتاب ''ربانیہ لا رہبانیہ'' کا ایک اقتباس پیش کرنا مناسب معلوم ہوتا ہے۔

''ہندوستان میں شہنشاہ جلال الدین اکبر کی حکومت لادینیت اور کھلے الحاد کا راستہ اختیار کر چکی تھی۔ اکبر جیسے طاقتور اور عظیم شہنشاہ نے یہ طے کر لیا تھا کہ اپنے تمام وسائل وذرائع اور طاقت وقوت کو کام میں لا کر ملک سے اسلام کی تمام خصوصیات وامتیازات کو ختم کر دے اس کا نام ونشان مٹا دے۔ اس کے پاس غیر معمولی صلاحیتوں کے انتہائی ذہین لوگ اکٹھے ہو گئے تھے۔ جو اس کے غلط عزائم اور اعمال میں اس کے دست وبازو بنے ہوئے تھے۔ وہاں کسی کمزوری کا شائبہ بھی نہیں تھا۔ حکومت اپنے شباب پر تھی۔ پیروی یا کمزوری کے آثار کا دور دور تک پتہ نہیں تھا۔ کسی انقلاب، تبدیلی یا بغاوت کا امکان بھی نظر نہیں آ رہا تھا۔ علم منطق یا ظاہری قیاس یہ تسلیم کرنے کے لئے تیار نہیں تھا کہ حالات کا رخ بدل بھی سکتا ہے یا حکومت اور قوم میں کوئی واضح تبدیلی آ سکتی ہے۔

ایسے حالات میں اللہ تعالیٰ نے اپنے ایک بندے کو اصلاح وتجدید کے لئے تیار کیا۔ اس اللہ کے بندہ نے تن تنہا انقلاب کا جھنڈا اپنے ہاتھوں میں سنبھالا۔ اور اپنے ایمان ویقین، عزم وتوکل اور روحانیت واخلاص کی داخلی قوت کے سہارے حالات میں انقلاب کی جدوجہد میں لگ گیا۔ اور نتیجہ یہ نکلا کہ مغل سلطنت کا ہر وارث پہلے سے بہتر ہوا۔ اور آخر میں شہنشاہ محی الدین، اورنگزیب جیسا عالم فاضل، صالح، فقیہ، مجاہد اور غیور مسلمان سریر آرائے سلطنت

---

(۱) تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو ''تاریخ دعوت وعزیمت'' جلد چہارم تذکرہ مجدد الف ثانی۔

ہوا۔ اسلامی حکومتوں کی تاریخ میں جس کی مثالیں بہت کم نظر آتی ہیں اس مبارک انقلاب کے قائد مجددی سلسلہ کے امام شیخ احمد سرہندیؒ مجدد الف ثانی تھے۔ (۱)

احوال وظروف کی اس اصلاح وانقلاب میں حیرت انگیز کامیابی اس وجہ سے ممکن ہوئی کہ انہوں نے ایجابیت کو سلبیت پر ترجیح دی۔ زمام حکومت سنبھالنے والے شہنشاہ اور اس کے وزراء اور درباریوں کی اسلامی غیرت کو بیدار کیا۔ ان کے دلوں میں موجود ایمان کو جھنجھوڑا ان کو یہ یقین دلانے میں کامیاب ہو گئے کہ وہ حکومت وسلطنت نہیں چاہتے۔ بلکہ یہ تمنا اور خواہش نہ ان کے خواب وخیال میں آتی ہے نہ ان کے تلامذہ، مریدین کی آل واولاد کے خواب وخیال میں۔

بلکہ وہ تو صرف یہ چاہتے ہیں کہ برہمنیت ، ہندو فلسفہ اور جاہلی تہذیب وتمدن کی یلغار سے اس ملک میں جسے ان کے آباؤاجداد نے اسلام کو پھیلانے کے لئے فتح کیا تھا اور اپنا خون بہایا تھا، اسلام کی مدافعت اور اسلامی قوانین کے نفاذ کی سعادت شہنشاہ، اس کے وزراء اور فوجی سرداروں کو حاصل ہو۔

یہ بات ان درباریوں اور امراء کے دل میں بیٹھ گئی اور ان کا رخ بدل گیا۔ وہ اسلام کے خلاف جنگ اور اسلام کے آثار ونشانات کو مٹانے کے بجائے اسلام کی مدافعت کرنے لگے۔ اور برہمنیت اور وثنیت کے آثار کو ایک ایک کر کے مٹانا شروع کر دیا جو اکبر کے زمانے میں بہت زیادہ پھیل گئے تھے۔

اکبر نے گائے کے ذبیحہ پر پابندی لگا دی تھی کیونکہ ہندو اس کو مقدس سمجھتے ہیں اور اس کی پوجا کرتے ہیں۔ چنانچہ پورے قلمرو میں گائے ذبح کرنا جرم تھا۔ اور اس کا ارتکاب کرنے والے کو سزا دی جاتی تھی۔ دوسری طرف سور کے گوشت پر کوئی پابندی نہیں تھی اکبر کے مقابلہ میں اس کا بیٹا شہنشاہ نور الدین جہانگیر جو حضرت مجدد الف ثانی کے اخلاص اور تقویٰ سے متاثر تھا اور کچھ دنوں تک ان کی صحبت سے بھی فیضیاب ہو چکا تھا، اس نے جب کانگڑہ کا قلعہ فتح کیا جسے دوسرے مسلمان فاتحین فتح کرنے میں کامیاب نہیں ہو سکے تھے۔ اور یہ فتح بھی ایک ہندو سپہ سالار کے ہاتھوں ہوئی تھی۔

---

(۱) ربانیہ لا رہبانیہ ص ۱۳۷، ۱۳۸۔ نیز ملاحظہ ہو مقرر کا رسالہ ''الدعوۃ الاسلامیہ فی الہند وتطوراتہا'' ۱۲۔

جہانگیر جب اس قلعہ میں داخل ہوا تو پہلا حکم یہ صادر کیا کہ وہاں مسجد بنائی جائے۔ اور گائے ذبح کی جائے۔ اس ایک واقعہ سے اس کے والد اور خود اس کے طرزِ عمل، سیاست اور نفسیات میں واضح فرق کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔

جاہ ومنصب سے بے نیازی:

حضرات! اسلامی دعوت اور اسلامی بیداری کے لیے ایک ضروری عنصر یہ ہے کہ اس کے قائدین میں جاہ ومنصب اور عیش وعشرت کی زندگی اور جاہ ومنصب والوں کو اللہ نے جو نعمتیں دے رکھی ہیں ان میں ان کی ریس سے بڑی حد تک دور رہیں۔ اور شریعت کی حدود میں رہتے ہوئے (بغیر رہبانیت اور غلو کے) اپنی استطاعت بھر زہد وقناعت اور توکل کی صفات پیدا کریں۔ اور سلف صالحین اور اصحاب عزیمت کے نقش قدم پر زندگی گذارنے کی کوشش کریں۔ اس سلسلہ میں اپنی کتاب "رجال الفکر والدعوۃ" جلد اول سے حضرت امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ کی سیرت کا ایک حصہ نقل کرنا مناسب سمجھتا ہوں:۔

"تاریخ اسلام میں ہمیں زہد وقناعت اور تجدید واصلاح کی کوششیں ساتھ ساتھ نظر آتی ہیں۔ طویل اسلامی تاریخ میں جن شخصیتوں نے زمانہ کی رفتار بدل دی، تاریخ کے دھارے کو موڑ دیا، اسلامی معاشرہ میں نئی روح پھونک دی، اسلام کی تاریخ میں ایک نئے دور کا آغاز کیا، علم وفکر اور دین کے میدانوں میں ناقابل فراموش ورثہ چھوڑا، جو صدیوں تک ذہن وفکر کو متاثر کرتے رہے اور علم وادب کی دنیا میں جن کا سلسلہ چلتا رہا وہ ایسی ہی شخصیتیں نظر آتی ہیں جن میں زہد تھا، دنیا سے بے رغبتی تھی، قناعت تھی جنھوں نے نفس کی خواہشات پر قابو حاصل کر لیا تھا۔ مادی دولت اور ارباب دولت وثروت واصحاب جاہ وحشم کی کشش ان کی نگاہوں میں ختم ہو گئی تھی۔

غالباً اس کا راز یہ ہے کہ دنیا سے بے نیازی قناعت اور زہد انسان کی اندر باطنی قوت اور عقیدہ وکردار کی اہمیت پیدا کر دیتا ہے۔ مادی دولت میں ڈوبے ہوئے انسانوں، معدہ کے گرفتار اور شہوت کی شکار افراد کی قدر وقیمت ان کی نگاہوں میں گر جاتی ہے۔ اسی وجہ سے ہم دیکھتے ہیں کہ نابغہ روزگار اور عبقری اشخاص خواہ کسی قوم میں ہوں قناعت کی زندگی

گذارتے تھے۔ ہواو ہوس کو پامال کر رہا تھا اور اپنے زمانے کے بادشاہوں، امراء و اغنیاء سے بہت دور رہتے تھے۔ کیونکہ زہد انسان کی پوشیدہ طاقتوں کو ابھارتا ہے، صلاحیتوں کو جلا بخشتا ہے اور روح کو گرماتا ہے۔

اس کے مقابلہ میں عیش و آرام احساس کی شدت و نزاکت کو کند کر دیتا ہے۔ روح کو سلا دیتا ہے اور دل کو مردہ کر دیتا ہے۔ یہاں نفسیات اور علم اخلاق کے اعتبار سے اور توجیہات بھی ممکن ہیں لیکن طوالت کی وجہ سے ان کا ذکر نہیں کر رہا ہوں۔ صرف اسی تاریخی تذکرہ کی حقیقت پر اکتفا کر رہا ہوں اور اسی پر زور دینا چاہتا ہوں کہ نشاط ثانیہ اور تجدید کا منصب زہد اور معمولی خواہشات اور حقیر باتوں سے بلندی کا طالب ہے۔ ہواؤں کے رخ پر چلنے کو گوارہ نہیں کرتا۔ عیش و عشرت کی زندگی اور دولت و ثروت میں کھیلنے کے بالکل منافی ہے۔ یہ رسول اللہ ﷺ کی خلافت کا منصب ہے اور رسول اللہ سے کہا گیا تھا کہ:۔

وَلَا تَمُدَّنَّ عَيْنَيْکَ اِلٰى مَا مَتَّعْنَا بِهٖ اَزْوَاجًا مِّنْهُمْ زَهْرَةَ الْحَيٰوةِ
الدُّنْيَا لِنَفْتِنَهُمْ فِيْهِ وَرِزْقُ رَبِّکَ خَيْرٌ وَّاَبْقٰى O(طه۔ ۱۳۱)

اور ہرگز آنکھ اٹھا کر بھی نہ دیکھئے ان چیزوں کی طرف جن سے ہم نے ان گروہوں کو متمتع کر رکھا ہے، ان کی آزمائش کے لئے کہ وہ محض دنیوی زندگی کی رونق ہے اور آپ کے پروردگار کا عطیہ کہیں بہتر اور دیرپا ہے۔

اور آپ ﷺ کو حکم دیا گیا کہ اپنی ازواج مطہرات سے کہہ دیں:۔

يٰاَيُّهَا النَّبِيُّ قُلْ لِّاَزْوَاجِکَ اِنْ كُنْتُنَّ تُرِدْنَ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا
وَزِيْنَتَهَا فَتَعَالَيْنَ اُمَتِّعْكُنَّ وَاُسَرِّحْكُنَّ سَرَاحًا جَمِيْلًا O (۱)

حکم ہوا کہ ”اے نبی! آپ اپنی بیویوں سے فرما دیجئے کہ اگر تم دنیوی زندگی اور اس کی بہار کو مقصود رکھتی ہو تو آؤ میں تمہیں کچھ متاع دنیوی دے دلا کر خوبی کے ساتھ رخصت کر دوں۔“

جن اشخاص کو اللہ تعالیٰ اس عظیم کام کے لئے منتخب کرتا ہے یا جو لوگ اپنے آپ کو اس

---

(۱) (الاحزاب۔ ۲۸)

کے لئے پیش کرتے ہیں اور اس اہم منصب کی تمنا کرتے ہیں ان کے بارے میں اللہ کا دستور یہی ہے اور اللہ کا دستور بدلا نہیں کرتا۔ (۱)

جرأت وشجاعت اور قربانی کا جذبہ وشوق

اسلامی بیداری کے لئے پانچواں لازمی عنصر یہ ہے کہ دعوت کے ساتھ جرأت وشجاعت کی روح اور صبر و استقلال اور قربانی کا جذبہ وشوق بھی وابستہ ہو۔ اگر حالات کا تقاضا ہو تو خطرات میں کود پڑنے کی ہمت اور طاقت بھی رکھنی چاہئے کیونکہ انسانوں کی فطرت ہے کہ وہ قوی ایمان بے مثال جرأت وشجاعت اور خطرات میں کود پڑنے کے جذبہ کی قدر کرتے ہیں وہ ایسی چیزوں کو بڑی عزت وعظمت کی نگاہ سے دیکھتے ہیں جو خود ان کے اندر نہ ہوں اور اسلام کی تاریخ حیرت انگیز شجاعت اور خطرات کو گلے لگانے سے بھری پڑی ہے۔

اس جذبہ اور روح کے فقدان سے جو خلا پیدا ہوتا ہے وہ صحیح دعوتوں اور اسلامی تحریکوں کے لئے بڑا خطرناک ہے اسی وجہ سے بہت سی غلط اور فاسد تحریکیں پیدا ہوتی اور پروان چڑھتی ہیں جن کا عقیدہ بھی غلط ہوتا ہے اور طریق کار بھی۔ وہ سلبی، تباہ کن اور فساد پھیلانے والی ہوتی ہیں اس کے باوجود دل ودماغ پر ان کا جادو چل جاتا ہے۔ سے کسی واعظ کا وعظ یا کسی انشاء پرداز کی تحریر توڑ نہیں سکتی۔ منطقی دلائل اور علمی بحثیں ان کا مقابلہ نہیں کرسکتیں۔

عالم اسلام میں ظاہر ہونے والی فوجی انقلابی تحریکیں اس کی واضح مثال ہیں جو بگڑے ہوئے حالات کی اصلاح یا اسلام کے نام پر سامنے آتی رہیں اور اسلام پسندوں کی کمزوریوں کا فائدہ اٹھاتی رہیں۔

حقیقت یہ ہے کہ سیلاب ہی سیلاب کو تھام سکتا ہے تیز دھارے کو روکنے کے لئے اس سے زیادہ طاقتور دھارے کی ضرورت ہے مضبوط باطل کا مقابلہ طاقتور حق ہی کے ذریعہ کیا جا سکتا ہے۔ صحیح عقائد اور صالح مقاصد کے لئے قربانی کے شوق اور خدا کاری کے جذبہ کی کمی، غلط اور فاسد تحریکوں کے جال میں پھنسنے کے لئے راستہ ہموار کردیتی ہے بگڑے ہوئے

---

(۱) رجال الفکر والدعوۃ ص ۱۰۵۔

حالات اور ظالم و جابر انتظامیہ سے بیزاری اور نفرت انتہا کو پہنچ چکی ہے۔ اور جو صاف اور شیریں پانی نہیں پاتا وہ گندے اور خراب پانی سے اپنی پیاس بجھالیتا ہے اور سچ فرمایا ہے باری تعالیٰ نے:۔

اِلَّا تَفْعَلُوْهُ تَكُنْ فِتْنَةٌ فِي الْاَرْضِ وَفَسَادٌ كَبِيْرٌO (الانفال ۷۳)

''اگر تم ایسا نہیں کروگے تو زمین میں بڑا فتنہ اور فساد برپا ہو جائے گا۔''

غیر مسلم اقلیت کے ملکوں میں اسلامی بیداری اور اس کا لائحہ عمل

یہاں ان ملکوں میں اسلامی بیداری کے بارے میں چند باتیں عرض کرنا چاہتا ہوں، جہاں مسلمان اقلیت میں ہیں اور ان کے چاروں طرف غلط فہمیوں، غلط بیانیوں، جھوٹے الزامات اور بے بنیاد واہموں کے دائرے پھیلے ہوئے ہیں۔ جہاں قومی جمہوری حکومتیں برسر اقتدار ہیں۔ وہاں بھی ایک مدت سے اسلامی بیداری کی لہر موجود ہے اور اسلامی ممالک میں پیدا ہونے والی بیداری کی لہروں سے کچھ کم نہیں ہے۔

اسلام کی مثالی سیرت و کردار کی نمائندگی

ان غیر اسلامی ملکوں میں مسلمانوں کے لئے عام طور پر اور اسلامی دعوت کا کام کرنے والوں کے لئے خاص طور پر یہ ضروری ہے کہ اسلام کی مثالی سیرت و کردار کا ممکن حد تک واضح اور مکمل نمونہ پیش کریں۔ یہ اس دین کے لئے احترام کا جذبہ پیدا کرنے کا سب سے قوی اور مؤثر ذریعہ ہے یہی بات برادران وطن کو اسلام کے مصادر (SOURCES) اور اسلامی تعلیمات کے مطالعہ کی دعوت دے سکتی ہے۔ جن تعلیمات نے مسلمانوں کو بہترین سیرت و اخلاق اور امتیازی رنگ عطا کیا ہے اور پرکشش سانچے میں ڈھالا ہے۔ یہی بات ان کو قرآن مجید، سیرت نبوی ﷺ اور شریعت اسلامی سے مانوس ہونے اور اس کا مطالعہ کرنے پر آمادہ کرسکتی ہے۔

افسوس کی بات یہ ہے کہ ایک زمانہ سے مسلمان اسلامی سیرت و کردار سے ہٹ چکے ہیں وہ غیر مسلم اکثریت کے عادات واطوار، رسوم و روایات اور مقامی قدیم تہذیب وتمدن سے متاثر ہو چکے ہیں یا جدید مغربی مادی تہذیب کے زیر اثر آ چکی ہیں۔

پھر یہ بات بھی واضح ہے کہ غیر مسلموں کے لئے یہ ممکن یا آسان نہیں کہ مسلمانوں کے اعمال و اخلاق کا مطالعہ مسجدوں اور مدرسوں میں جا کر کریں۔ وہ تو مسلمانوں کو دیکھیں گے بازاروں میں دفاتر میں محکموں میں اور عمومی اجتماعات اور تقریبات کے موقع پر اور یہیں سے وہ اچھا یا برا اور غلط یا صحیح تاثر قائم کریں گے۔

پرامن اور بقائے باہم فضا بنانے کی کوشش

غیر مسلم اکثریت کے ملکوں میں مسلمانوں کے کرنے کا دوسرا ضروری کام یہ ہے کہ امکان بھر اپنی استطاعت کی حد تک اس بات کی پوری کوشش کریں کہ ملک میں امن و سکون کی فضا قائم رہے اور پرامن بقائے باہم (CO-EXISTENCE) کا اصول کارفرما ہو، تاکہ باہمی اعتماد و احترام کی فضا میں ایجابی اور تعمیری کاموں کا موقع فراہم رہے۔ کیونکہ اس کے بغیر دینی ادارے اسلامی سرگرمیوں کے مراکز یہاں تک کہ مسجدیں اور مدرسے سب خطروں کی زد پر ہیں۔ کسی وقت بھی نفرت اور فرقہ وارانہ جنون کا سیلاب ان تمام اداروں اور مقامات کو برباد کر سکتا ہے۔

اسی طرح امن و سکون اور باہمی احترام کی فضا میں مسلمانوں کے لئے یہ ممکن ہوگا کہ وہ اپنے اسلامی تشخص و امتیاز کو محفوظ رکھیں اسلامی شریعت و احکام کے مطابق زندگی گذاریں۔ اپنے عائلی قانون اور خاندانی نظام کو باقی رکھیں۔ اپنی نئی نسل کو اسلامی عقائد و تعلیمات پر قائم رکھیں۔ اپنی اولاد کو اسلام کی تعلیم دلائیں اور اس بات کا اطمینان حاصل کرلیں جس کا اطمینان سیدنا یعقوب علیہ السلام نے حاصل کیا تھا۔ جب انہوں نے اپنے بیٹوں، پوتوں نواسوں سے سوال کیا تھا کہ میرے بعد تم کس کی عبادت کروگے۔ ما تعبدون من بعدی؟ تو ان لوگوں نے ایک زبان ہوکر جواب دیا تھا:۔

نَعْبُدُ اِلٰهَکَ وَاِلٰهَ اٰبَآئِکَ اِبْرٰهِیْمَ وَاِسْمٰعِیْلَ وَاِسْحٰقَ اِلٰهًا
وَّاحِدًا وَّنَحْنُ لَهٗ مُسْلِمُوْنَ . (سورۃ البقرہ. ۱۳۳.)

”ہم عبادت کریں گے آپ کے اور آپ کے باپ دادوں، ابراہیم اور اسمٰعیل اور اسحٰق کے معبود کی۔ اسی معبود واحد کی اور ہم تو اسی کے حکم بردار ہیں۔“

سماجی بگاڑ کی اصلاحی اور اخلاقی قیادت

اسی طرح مسلمانوں کے لئے ضروری ہے کہ ملک کی اخلاقی قیادت کی ذمہ داری قبول کریں۔ ملک میں پھیلے ہوئے بگاڑ کو درست کرنے کے لئے سامنے آئیں۔ پاکیزہ شریفانہ زندگی اور انسانیت کے احترام کی دعوت دیں۔ ملک جس اخلاقی گراوٹ میں مبتلا ہے اور اجتماعی خودکشی کی راہ پر تیزی سے بڑھ رہا ہے اس کو روکنے اور سماج کو مکمل تباہی سے بچانے کی کوشش کریں۔

یہ کسی طرح جائز نہیں کہ ایسا جہاز غرق ہو جائے جس پر مسلمانوں کی ایک بڑی تعداد سوار ہو۔ اور اس وجہ سے غرق ہو کہ یہاں دولت کی اور شہوت نفسانی کی پوجا ہو رہی ہے۔ یہاں حرص، لالچ اور مفاد پرستی انتہا کو پہنچی ہوئی ہے۔ یہاں رشوت، خیانت اور ملک سے غداری عام ہے۔ مسلمانوں کی ایک بڑی تعداد ان کے علماء مشائخ اور ان کی مدارس و معاہد کی موجودگی میں کسی ملک اور سماج میں یہ بیماریاں پھیل جائیں بڑی فکر کی بات ہے۔ کیونکہ مسلمانوں کے پاس دین کی تعلیمات رسول ﷺ کی سنت اور صحابہ کرام کے اسوہ کی صورت میں اخلاقی تحفظ کا سامان موجود ہے جو اخلاقی بے راہ روی اور ذہنی دیوالیہ پن سے بچا سکتا ہے اور ملک اور سماج کو مکمل تباہی سے محفوظ رکھنے کی صلاحیت رکھتا ہے۔

اسی صورت میں مسلمان اپنے صحیح مقام و منصب کی نمائندگی کر سکیں گے۔ اور اسی صورت میں اہل وطن مسلمانوں کی عزت و احترام کریں گے ان کا پاس و لحاظ کریں گے ان کو آنکھوں میں بٹھانے اور دل میں جگہ دینے پر مجبور ہوں گے۔ اور ممکن ہے اللہ نہیں اس ملک کی قیادت کا ایک موقع اور عنایت فرمائے۔

اخلاقی قیادت کا میدان واحد میدان ہے جو اب تک خالی پڑا ہوا ہے۔ اور مسلمانوں کے لئے اس کا موقع ہے کہ وہ اس میدان میں اپنی صلاحیت، اہمیت و امتیاز ثابت کر دکھائیں اور اسی راہ سے قیادت کا منصب حاصل کر لیں۔

جمہوری حقوق کا صحیح استعمال اور قانون سازی کے رخ و رفتار پر گہری نظر

جمہوری ملکوں میں بسنے والے مسلمانوں کے لئے یہ بھی ضروری ہے کہ اپنے شہری اور جمہوری حقوق کو خود اعتمادی اور جرأت وذہانت کے ساتھ استعمال کریں۔ کیونکہ وہ بھی ملک کے وفادار اور دیانت دار فرزند ہیں ان کو بھی وہی حقوق حاصل ہیں جو غالب اکثریت کو حاصل ہیں۔ اس طرح ان کو اس بات کے مواقع حاصل رہیں گے کہ اپنے حقوق اور اپنے مقام ومنصب کی حفاظت کریں اپنے دین ومذہب کے مطابق زندگی گذاریں۔ اپنی شریعت اور دینی تعلیم کو غیروں کی مداخلت سے محفوظ رکھیں۔

اس کے لئے ضروری ہے کہ مجالس قانون ساز میں بننے والے قوانین کا ذہانت اور بیدار مغزی کے ساتھ مسلسل مطالعہ کرتے رہیں اور ان مجالس کے نمائندوں کے انتخاب میں بھی اپنا پورا وزن استعمال کریں۔

ایسا نہ ہو کہ غفلت میں کسی مصیبت یا مشکل میں پھنس جائیں۔ اور اپنے مذہب وعقیدہ کے خلاف قوانین پر عمل کرنے اور حالات سے صلح کرنے پر مجبور ہو جائیں۔ ان کو اہل مصر کے لئے فاتح مصر سیدنا عمرو ابن العاصؓ کی وصیت ہمیشہ پیش نظر رکھنی چاہئے:۔

انتم فی رباط دائم
لتشوف القلوب الیکم

”تم مستقل محاذ پر ہو۔ کیونکہ مخالفین کے دل تمہارے ہی طرف لگے ہوئے ہیں۔“

نئی نسل کی تعلیم وتربیت اور ان کے ایمان کی حفاظت

مسلمانوں کو چاہئے کہ نئی نسل کی مضبوط ومستحکم اسلامی تعلیم کا انتظام کریں۔ اور توحید کا عقیدہ جو ان کا شعار وامتیاز اور ان کے اور برادران وطن کے درمیان خط فاصل ہے اس عقیدہ کو نئی نسل کے دل ودماغ میں پیوست کر دینے کی ذمہ داری سنبھالیں۔ اور دقت نظر اور دینی غیرت

ذمیت کے ساتھ سرکاری نظام تعلیم و تربیت، مدرسوں میں مقرر نصاب تعلیم، ثقافتی پروگراموں، اور وسائل ابلاغ کا جائزہ لیتے رہیں۔

کیونکہ یہ چیزیں بچوں اور نوجوانوں کے عقیدۂ توحید پر براثر ڈالتی ہیں۔ اور بچے ہی نہیں تعلیم یافتہ مردوں، عورتوں کے عقیدہ کو بھی کمزور کرتی ہیں۔ بلکہ بسا اوقات اس کے خلاف دعوت دیتی ہیں۔ یہ سارا کام وطنی اور قومی ثقافت کے نام پر کیا جاتا ہے۔ حالانکہ یہ قدیم ہندوستانی دیومالا (MYTHOLOGY) ہے جسے پھر سے زندہ کیا جارہا ہے۔

مسلمانوں کو ان وسائل وذرائع اور اداروں کا مقابلہ کرنا چاہئے۔ انہیں دستور میں دیئے گئے حقوق سے فائدہ اٹھانا چاہئے۔ جو فکر وخیال کی آزادی دین وعقیدہ میں عدم مداخلت اور شہری حقوق میں مساوات کی ضمانت فراہم کرتا ہے۔ ملک کے ہر فرد کو مساوی عزت ومقام دیتا ہے اور ہر ایک کو اپنے عقیدہ اور خواہش کے مطابق نئین سل کی تربیت کا حق دیتا ہے۔

ضرورت اس بات کی ہے کہ موجودہ وسائل ابلاغ اور نظام تعلیم وتربیت سے نوجوانوں، بوڑھوں، مردوں، عورتوں کے ذہنوں پر پڑنے والے اثرات کا مقابلہ کیا جائے۔ ان کے ذہنوں کے لئے اچھی غذا، مناسب دوا، طاقتور و پرکشش اسلامی ادب فراہم کیا جائے۔ اور دلوں میں موجود دینی غیرت واسلامی حمیت و بیدار کیا جائے۔

رسول اللہ ﷺ نے وصیت "الدین النصیحة" (دین نصیحت اور خیر خواہی ہے) پر عمل کرتے ہوئے میں نے اپنے خیالات کا اظہار کیا ہے اور کچھ مشورے دیئے ہیں اللہ تعالیٰ ہم سب کو حالات سمجھنے خطرات کا صحیح اندازہ لگانے اور نیک عمل کی توفیق دے آمین۔

وما توفیقی الا باللہ علیہ توکلت والیہ انیب○

امریکہ کو درپیش خطرات اور اس کو تعلیمات نبوی کی ضرورت

[وہ تقریر جو ۲۵ جون سنہ ۱۹ اسلامک سینٹر واشنگٹن میں کی گئی تھی، واشنگٹن کا یہ سفر سید مظہر حسین صاحب کی دعوت و معیت میں ہوا تھا اور انہیں نے سامعین سے حضرت مولانا کا تعارف کرایا تھا، جلسہ میں ہندوستانی، پاکستانی، اور عرب طلباء و فضلاء اور امریکہ کے دارالحکومت میں کام کرنے والے مسلمان اور خواتین موجود تھیں، جلسہ کا آغاز ایک مصری قاری نے سورہ کہف کے رکوع" واضرب لهم مثلاً رجلين جعلنا لا حدهما جنتين من اعناب الخ" سے کیا حضرت مولانا نے اسی کو اپنا موضوع بنایا۔]

میرے عزیز، معزز بھائیو اور بہنو!

مجھے بڑی خوشی ہے کہ میں آپ کے درمیان اس وقت واشنگٹن شہر میں ہوں جس کا اس وقت پوری دنیا کے تہذیب و تمدن، رجحانات، فیصلوں اور طریقہ کار پر اثر پڑ رہا ہے، ہم اس صورت حال کو پسند کریں یا ناپسند کریں یہ ایک واقعہ ہے۔

عالم مغرب کی محرومی:

یہ مقام اس نے کس طرح حاصل کیا؟ اور اس میں امریکی قوم کی قابلیت، جدوجہد، ذہنی صلاحیت تنظیم، اشتراک عمل، باہمی اتحاد اور اس کی سائنسی صنعتی اور تجرباتی ترقیات کا کتنا بڑا حصہ ہے؟ اور ہماری کوتاہیوں کو کتنا دخل ہے؟ یہ ایک تاریخی بحث ہے، جس کا یہ موقع نہیں، مصنفوں، مؤرخوں اور موجودہ دنیا کا جائزہ لینے والوں نے اپنے اپنے نقطۂ نظر کے مطابق اس پر بحث کی ہے، اور اس کا تجزیہ کیا ہے۔

یہ ملک مادی حیثیت سے دنیا کی جنت بنا ہوا ہے، اور معاف کیجئے! یہی کشش آپ کو

اپنے محبوب وطنوں سے ہندوستان اور پاکستان، مصر وشام اور دنیا کے گوشے گوشے سے یہاں کھینچ کر لائی ہے، اور یہ کوئی بڑی بات نہیں ہے، جہاں مقناطیس ہوتا ہے وہاں لوہے کے ٹکڑے ذرے کھنچ کر پہنچتے ہیں، جہاں دریا ہوتا ہے، وہاں پیاسے جمع ہوتے ہیں، جہاں باغ ہوتا ہے وہاں خوشہ چینی کرنے والے پہنچ ہی جاتے ہیں، میں امریکہ کو دیکھتا رہا اور دیکھتا چلا گیا، ایک سرے سے دوسرے سرے تک، ایک متوسط درجہ کے انسان کی حیثیت سے بھی اور قرآن اور تاریخ کے ایک طالب علم کی حیثیت سے بھی، میں نے یہاں جو کمی پائی وہ اس چیز کی ہے، جس کا ذکر ان آیتوں میں ہے، جو ابھی پڑھی گئی ہیں۔

خدا ان قاری صاحب کو جنہوں نے سورۂ کہف کی آیتیں پڑھی ہیں، جزائے خیر دے اور ان کی عمر میں برکت دے کہ انہوں نے حقائق کی ایک دنیا آنکھوں کے سامنے کر دی اور کم سے کم میری بہت مدد کی، میں سوچ رہا تھا کہ آپ سے کیا کہوں، کہنے کی باتیں تو بہت ہیں، آدمی کے لئے انتخاب مشکل ہوتا ہے، امریکہ میں میں آپ کو کیا پیغام دوں آپ مجھ سے کیا چیز سننے کے مشتاق ہوں گے؟ کہ اچانک قرآن نے دستگیری کی جو ہمیشہ کرتا رہا ہے اور کرتا ہے، اور مجھے ایسا معلوم ہوا گویا کہ میرے سامنے اس دور حاضر کی (جو اپنی مادی ترقی کے نقطۂ عروج تک پہنچ گیا ہے) تصویر ان آیتوں میں پیش کی گئی ہے:

كِلْتَا الْجَنَّتَيْنِ اٰتَتْ اُكُلَهَا وَلَمْ تَظْلِمْ مِنْهُ شَيْئًا وَّفَجَّرْنَا خِلٰلَهُمَا نَهَرًا وَكَانَ لَهٗ ثَمَرٌ فَقَالَ لِصَاحِبِهٖ وَهُوَ يُحَاوِرُهٗٓ اَنَا اَكْثَرُ مِنْكَ مَالًا وَّاَعَزُّ نَفَرًا.(۱)

دونوں باغ کثرت سے پھل لاتے اور اس کی پیداوار میں کسی طرح کمی نہ ہوتی اور دونوں میں ایک نہر بھی جاری کر رکھی تھی، اور اس طرح اس شخص کو ان کی پیداوار ملتی رہتی تھی تو ایک دن جب کہ وہ اپنے دوست سے باتیں کر رہا تھا، کہنے لگا کہ میں تم سے مال ودولت میں بھی زیادہ ہوں اور جتھے اور جماعت کے لحاظ سے بھی عزت والا ہوں۔

امریکہ کی تصویر اس سے بہتر کیا کھینچی جا سکتی ہے؟ (جنتین) آپ شمالی وجنوبی امریکہ کو لے لیجئے یا مشرق ومغرب کو لے لیجئے، "جنتین من اعناب" یہاں کس چیز کی

---

(۱) الکہف ۳۳-۳۴۔

ہے ؟ یہاں کون سا میوہ نایاب ہے؟ یہاں کس چیز کا فقدان ہے؟ یہاں خدا کی دی ہوئی ساری نعمتیں موجود، لیکن یہاں کس چیز کی کمی ہے؟ اس چیز کی کمی جس کی طرف ایک صاحب ایمان، صاحبِ بصیرت دوست نے متوجہ کیا:

وَلَوْلَآ اِذْ دَخَلْتَ جَنَّتَکَ قُلْتَ مَاشَآءَ اللّٰہُ لَا قُوَّۃَ اِلَّا بِاللّٰہِ .(۱)

(ترجمہ) اور بھلا جب تم اپنے باغ میں داخل ہوئے تو تم نے ''ماشآء اللہ لا قوۃ الا باللہ'' کیوں نہ کہا؟

صرف ''ماشاء اللہ لا قوۃ الا باللہ'' کی یہاں کمی ہے، یہ'' ماشآء اللہ لا قوۃ الا باللہ'' وہ چیز ہے، جو مٹی کو سونا بنا دے، یہ ما شاء اللہ لا قوۃ الا باللہ وہ چیز ہے، جو مادیت کو اعلیٰ درجہ کی عبادت بنا دے، یہ ماشاء اللہ لا قوۃ الا باللہ وہ چیز ہے، جو نفس انسانی کے سرکش گھوڑے کو اس طرح رام کرتی ہے کہ وہ مطیع و فرمانبردار مرکب اور منزل مقصود تک لے جانے والی ایک مبارک سواری ہوتی ہے، یہ ماشاء اللہ لا قوۃ الا باللہ شاہ کلید ہے، جس قفل پر آپ رکھ دیں یہ اس کو کھول دے گا، اس مغربی دنیا میں، اس مادی دنیا میں جس چیز کی کمی ہے، وہ ''ماشاء اللہ لا قوۃ الا باللہ'' کی کمی ہے، سننے میں تو چند لفظ ہیں، اور اپنی زبان میں بار بار استعمال کرتے ہیں، ماشاء اللہ آپ کب تشریف لائے؟ ماشاء اللہ آپ نے یہ سوٹ...... کب بنوایا؟ ماشاء اللہ آپ کے لڑکے نے کب گریجویشن کیا؟ ماشاء اللہ آپ نے یہ موٹر کب خریدی؟ ماشاء اللہ آپ نے یہ مکان کب بنوایا؟

''ماشاء اللہ'' کے اندر بلاغت کے جو دریا بہہ رہے ہیں اور جو ساری دنیا کو حاوی ہے، اس کے اندر مادیت کو، غرور کو، اور اپنی طرف نسبت کرنے والی طاقت کو یعنی انسان۔ ہوتا ہے کہ یہ سب کچھ وہی کر رہا ہے، اس کو دبانے اور مغلوب کرنے کی جو عجیب و غریب طاقت ہے، اس کا ہم کو اور آپ کو احساس نہیں رہا، اس لئے ہم اس کو موقع بے موقع استعمال کرتے ہیں، اور اتنے مواقع پر پڑھتے ہیں کہ اس کی عظمت اور اعجاز کا احساس نہیں رہا، ماشاء اللہ کے معنی یہ ہیں کہ جو کچھ ہو رہا ہے، خدا کے ارادہ اور قدرت سے ہو رہا ہے، اس میں انسان کا کوئی کمال نہیں ہے، اس میں انسان کی کوئی تعریف نہیں۔ الحمد للہ رب العالمین۔(۲)

(۱) ایضاً ۳۹۔ (۲) [illegible]

سب تعریف خدا ہی کو سزاوار ہے، جو تمام مخلوقات کا پروردگار ہے۔

میں جو حقیقت بیان کی گئی ہے اور

اِنَّمَآ اَمْرُهٗٓ اِذَآ اَرَادَ شَيْـًٔا اَنْ يَّقُوْلَ لَهٗ كُنْ فَيَكُوْنُ .(۱)

(ترجمہ) اس کی شان یہ ہے کہ جب وہ کسی چیز کا ارادہ کرتا ہے تو اس سے فرما دیتا ہے، ہو جا، تو وہ ہو جاتی ہے۔

میں جو بات کہی گئی ہے، اور "رفع السموات الخ" میں جو فضیلت بیان کی گئی ہے، وہ ماشاء اللہ لاقوۃ الا باللہ میں سمٹ کر آ گئی ہے کہ اللہ جو چاہے گا وہی ہوگا اور لا قوۃ الا باللہ، اللہ کے سوا کسی میں کچھ طاقت نہیں ہے۔

اگر آج مجھ سے کوئی پوچھے کہ امریکہ میں سب کچھ موجود ہے، خدا نے اپنے خزانوں سے اس کو مالا مال کر دیا ہے "اسبغ علیکم نعمه ظاهره وباطنه" کا مصداق "يأتيها رزقها من كل مكان" کی تصویر۔

اس بستی کی مثال جس کا رزق ہر جگہ سے آتا تھا، ہر جگہ سے اس کا رزق ابلتا تھا، برستا تھا، روزی کے بادل موسلا دھار بارش کی طرح برستے تھے، آج امریکہ کا حال یہی ہے، لیکن اگر پوچھا جائے کہ امریکہ دنیا کو امن وسکون کا پیغام کیوں نہیں دے رہا ہے؟ آج امریکہ دنیا کو ہدایت کا پیغام کیوں نہیں دے رہا ہے؟ وہ مادی تعاون کرتا ہے، معاشی احسانات کرتا ہے، لیکن......

امریکہ کا کوئی مخلص دوست نہیں:

آج امریکہ ساری دنیا کا محسن بنا ہوا ہے، بہت سے لوگوں کے لئے (معاذ اللہ) یہ رزاق کا درجہ رکھتا ہے، لیکن آج کتنے ملک ہیں، جو امریکہ کے روپے سے پلتے ہیں، جو اس کے روپے اور اس کی امداد کی بدولت پسماندگی سے اٹھ کر ترقی یافتہ کہلانے لگے ہیں، کتنے ترقی پذیر ملکوں کی امریکہ مدد کر رہا ہے، لیکن اس احسان کی یہ قومیں اور ملک ممنون کیوں نہیں ہوتے ہم دیکھتے ہیں، امریکہ غلہ بھی دیتا ہے، مشینری بھی دیتا ہے، فوجی امداد بھی دیتا ہے۔

کتنے ملک ہیں جو امریکہ کی وجہ سے اپنے دشمن سے محفوظ ہیں، لیکن اس کے باوجود کوئی

---

(۱) یس ۸۲۔

امریکہ کے گیت نہیں گا رہا ہے، جب موقع ملتا ہے، امریکہ پر تنقید کرتے ہیں، امریکہ کے خلاف مضامین لکھتے ہیں، کتابیں لکھتے ہیں، امریکہ سے بیزار ہیں، کوئی امریکہ کا دلی دوست نہیں میں واشنگٹن میں آج وہائٹ ہاؤس کی دیوار کے سائے میں بیٹھ کر یہ اعلان کرنے کی عزت حاصل کر رہا ہوں اور خدا کی بارگاہ میں اس پر شکر ادا کرتا ہوں کہ خدا نے مجھے یہ توفیق دی کہ میں یہ حقیقت وہائٹ ہاؤس کے پہلو میں بیٹھ کر بیان کروں کہ آج امریکہ کا کوئی دوست نہیں، کوئی مخلص نہیں۔''

کیا امریکہ کے عقلا، فلسفی اور دانشوروں کی سمجھ میں یہ بات نہیں آتی جو پانی کی طرح روپیہ بہاتے ہیں، جنھوں نے ملکوں کی جھولی بھر دی اور سچی بات تو یہ ہے کہ بڑی فیاضی کے ساتھ بڑی فراخ دلی بلکہ دریا دلی کی ساتھ بھری لیکن کیا بات ہے کہ آج یہ ملک امریکہ کے ممنون نہیں؟ یہ امریکہ کے سچے دوست نہیں، جب ان کو موقع ملتا ہے، کبھی یہ مشرقی بلاک کی طرف پھسل جاتے ہیں، کبھی امریکہ کی بالادستی اور خیالات سے بغاوت کرتے ہیں، اور اگر ایسا نہیں کرتے تو وہ امریکہ سے زیادہ خوش نہیں، امریکہ کی محبت ان کے دل کے اندر پیوست نہیں، اس کی وجہ کیا ہے؟ وجہ یہ ہے کہ اس پورے عمل میں خلوص نہیں، امریکہ سب کچھ دیتا ہے، لیکن امریکہ کے داد و دہش میں خلوص نہیں، قوموں کی کمزوری سے فائدہ اٹھانے کا جذبہ اس کے اندر کار فرما ہے۔

مختلف یونیورسٹیوں کے مختلف شعبوں سے تعلق رکھنے والے، تحقیق کا کام کرنے والے، علمی، ادبی، فکری صلاحیت کے لوگ ہیں، آپ امریکہ میں رہتے ہیں، آپ کی نظر وسیع ہے، آپ یہاں بیٹھ کر ساری دنیا کا مطالعہ کرتے ہیں، آپ غور کیجئے کیا بات ہے، امریکہ جن قوموں کو اپنے احسانات سے مالا مال کر رہا ہے، اس کے جواب میں اس کو کیا ملتا ہے؟

اس کے جواب میں تصنع ملتا ہے، دنیا سازی، دھوکا بازی اور نفاق مل رہا ہے، آج امریکہ پر کوئی برا وقت آئے تو کیا کوئی ہمدردی کرے گا؟ کوئی چار آنسو بہائے گا؟ میں سمجھتا ہوں کوئی نہیں، سب انتظار کر رہے ہیں، اس کی تباہی کا اس کے زوال کا۔

پیغمبروں اور ان کے پیروؤں نے خلوص کے ساتھ انسانیت کی خدمت کی اور وہ محبوب بن گئے:

خدا کے پیغمبروں نے محنت کی انسانیت پر، انہوں نے ایمان کا تحفہ دیا، خلوص کا تحفہ دیا، صداقت کا تحفہ دیا، مساوات انسانی کا سبق پڑھایا، اخوت بنی آدم کا سبق دیا، نتیجہ یہ ہوا کہ قومیں ان کی غلام بن گئیں، ان قوموں نے اپنی زبان، اپنا کلچر، اپنی دو دو چار چار ہزار سال کی تہذیبوں کو خیر باد کہا، مصریوں، شامیوں، عراقیوں نے عربوں کی بلکہ عرب مسلمانوں کی حکومت قبول کی ان کی زبان بھی قبول کی، آج انگریزی کے خلاف ہمارے مشرقی ملکوں میں ایک تحریک جاری ہے، سائن بورڈ سے انگریزی کھرچی جا رہی ہے، لیکن آج تک عربی زبان ختم کرنے کی کوئی تحریک عالم عربی میں نہیں اٹھی، حقیقت یہ ہے کہ عربی بولنے والے ممالک میں اسلامی تہذیب اور عربی اسلامی ثقافت کے خلاف کوئی بغاوت کوئی ردعمل نہیں لیکن شاید دنیا کے کونے کونے میں مغربی تہذیب کے خلاف ردعمل پایا جاتا ہے، وہ دن دور نہیں جب سب اس کا جوا اتار کر پھینک دیں گے، اور مشرقی تہذیب یا اپنی ملکی تہذیب کو زندہ کریں گے۔

امریکہ صحیح آسمانی مذہب سے محروم ہے:

امریکہ میں سب کچھ ہے لیکن وہ کتاب الٰہی اور آسمانی تعلیمات کی نعمت سے محروم ہے، یہ سمجھنا کہ یہ کارخانہ خدا چلا رہا ہے، اور ہم نے یہ جو کچھ کیا ہے، خدا نے کیا ہے، اور ہم کو یہ سب کچھ اس کی مرضی کے مطابق صرف کرنا چاہئے اور ہم کو یہ سب کچھ اس کی بندگی میں صرف کرنا چاہئے اور ہم خدا کے غلام ہیں، اس سے وہ یکسر نا آشنا ہے، ملک میں اگر کسی چیز کی کمی ہے تو اسی چیز کی کمی ہے۔

" **جنتین من اعناب** " تو ہیں لیکن " **ماشاء اللہ لا قوۃ الا باللہ** " نہیں لیکن جنت ارضی کا مالک وہی ہو سکتا ہے، جس کی نشاندہی قرآن نے کی " **مثل الرجلین** " میں سے احد الرجلین جو ہے وہ خالص مادہ پرست ہے، باغی ہے، خدا کا ناشکرا ہے، مادہ پرست اور خود پرست ہے، اور دوسرا انسان مومن ہے، وہ کمزور ہے، اس کے پاس " **جنتین من اعناب** "

نہیں ہے وہ باغات سے محروم ہے، لیکن وہ مومن ہے خدا نے اس کو ایمان کی دولت دی ہے۔

"کلتا الجنتین اتت اکلہا" دونوں باغوں نے کوئی کمی نہیں کی، جیسے کوئی چیز ابل پڑی ہے، دونوں باغ اس طرح ابل پڑے جیسے چشمے ابلتے ہیں، ان کے اندر کی طاقتیں اور شادابی ابل پڑی، انہوں نے کوئی کمی کوئی کسر نہیں اٹھا رکھی۔

اب دوسرے بھائی کی باری آتی ہے، وہ کہتا ہے کہ یہ سب کچھ صحیح ہے، لیکن اس میں صرف اس کی ضرورت ہے کہ ماشاء اللہ لا قوۃ الا باللہ کا اضافہ کر لیا جائے "لولا اذ دخلت جنتک قلت ماشاء اللہ الخ" جب تم نے اپنے باغ میں قدم رکھا تھا تو کہتے ماشاء اللہ لا قوۃ الا باللہ یہ سب خدا کا فضل، اس کی دین اس کی رحمت وقدرت کا کرشمہ ہے۔

کار زلف تست مشک افشانی اما عاشقاں
مصلحت را تہمتے بر آہوئے چیں بستہ اند

اگر امریکہ ایمانی ذہن رکھتا؟:

امریکہ یہ نہیں کہہ رہا ہے کہ یہ سب کچھ اللہ تعالیٰ کا دیا ہوا ہے، کیوں نہیں کہہ رہا ہے؟ اس کی تفصیل طویل بھی ہے، دل خراش بھی، اور ہمارے اور آپ کے لئے شرم ناک بھی، طویل اس لئے ہے کہ یہ صدیوں پر مبنی ہے، دل خراش اس لئے ہے کہ آج یہاں اس کی کمی نہ ہوتی اگر امریکہ کے دامن میں ایمان ہوتا اگر آج امریکہ ایمانی ذہن رکھتا ہوتا تو آج دنیا کا نقشہ کچھ اور ہوتا، دنیا کی تاریخ کچھ اور ہوتی، آج جنگ کے بادل ہمارے سر پر نہ منڈلاتے، ایٹمی توانائی سے اندیشہ نہ ہوتا، شرم ناک اس لئے کہ مسلمانوں نے اس ملک کو اسلام کا پیغام دینے میں کوتاہی کی، خدا نے بہت موقع دیا تھا، مسلمان قومیں یہاں آئیں جب اس ملک نے ایک نوخیز بچہ کی طرح سر اٹھایا تھا اس وقت نظر آ رہا تھا کہ یہ بچہ کتنا ہونہار ہے، اس وقت ہمارے مسلم ممالک سو رہے تھے، خواب خرگوش میں مبتلا تھے، اس لئے پہلے بھی اصل موقع کھو دیا گیا جب اسپین موجود تھا، اسپین یورپ میں تھا، اس وقت بجائے الحمرا اور قصر الزہراء بنانے کے اور بجائے بڑی بڑی عمارتیں اور شاندار مسجدیں بنانے کے اسلام کا پیغام یورپ کے دل وجگر میں

داخل کرنے کی کوشش کی ہوتی، اسلام کے مبلغ اور داعی سارے یورپ کا چکر لگاتے اور جائزہ لیتے لیکن ایسا نہیں ہوا، اس لئے میں کہتا ہوں کہ یہ داستان شرمناک بھی ہے، بہر حال جو کچھ ہونا تھا ہوا، اب اس ملک میں اگر کسی چیز کی ضرورت ہے تو یہ کہ اس کا رشتہ نبوت سے قائم کیا جائے، افسوس کہ مسیحیت اس فرض کی تکمیل سے قاصر ہے۔

مسیحیت کی ناکامی:

مسیحیت صدیوں پہلے اس فرض کے انجام دینے سے قاصر ہو چکی تھی، اگر آپ مسیحیت کی تاریخ پڑھیں گے تو آپ دیکھیں گے کہ مسیحیت یا تو انتہا پسند۔ رہبانیت سے کم کسی چیز پر راضی نہیں تھی، یا اس کے اندر بیجا جمود و عصبیت کا ایسا مادہ تھا کہ وہ علم و تحقیق کے رواں دواں قافلے کا راستہ روک کر کھڑا ہونا، اس کی منزل کھوٹی کرنا، اس کے درپے آزار ہو جانا ضروری سمجھتی تھی، مسیحیت اس ملک کو راہ پر لگانے کے لئے کسی طرح موزوں نہیں تھی، مسیحیت میں وہ طاقت نہیں کہ امریکہ اور یورپ کے نئے عزم و حوصلے سے بھرپور، پرجوش سرگرم انسان کو اعتدال کی راہ دکھائے اس کو جامعیت کی راہ دکھائے، وہ کہے " اهدنا الصراط المستقيم" پھر وہ کہے"ربنا آتنا في الدنيا حسنةً" یہ تعلیم دینا مسیحیت کا کام نہیں مسیحیت "ربنا آتنا في الدنيا حسنة " کہنے کے لئے تیار نہیں اس لئے کہ وہ ترکِ دنیا کی قائل ہے۔

اسلام ہی متوازن وجامع تعلیمات کا حامل ہے:

" رَبَّنَا اٰتِنَا فِي الدُّنْيَا حَسَنَةً وَّفِي الْاٰخِرَةِ حَسَنَةً " کی تعلیم دینا آپ کے اسلاف کا کام تھا، آج ہمارا کام ہے کہ اسلام کا ایسا متوازن ایسا جامع تخیل ان کے سامنے پیش کریں کہ یہ سمجھیں کہ اسلام ہی ان کی صحیح رہنمائی کر سکتا ہے، اگر امریکہ کا اسلام سے، نبوت محمد ﷺ سے، آسمانی تعلیمات سے، اسلامی اقدار سے رشتہ قائم ہو جائے تو آج ساری دنیا پر رحمتوں کے دروازے کھل جائیں، آج دنیا کی قسمت بدل جائے تقدیر بدل جائے، جنگوں کے بادل چھٹ جائیں، دلوں سے نفرت دور ہو جائے، انسان، انسان کا شکاری نہ رہے، انسان، انسان بن جائے، انسان صرف شیطان کا دشمن اور انسان کا دوست بن جائے، یہ اسلام ہی کر سکتا ہے، اور جب کبھی بھی اس ملک میں یہ بات ہوگی اسلام ہی کے ذریعہ ہوگی۔

محرف عیسائیت:

عیسائیت صدیوں پہلے جب وہ فلسطین کی سرزمین سے نکلی تھی اور اس نے رومن امپائر میں قدم رکھا تھا، اسی وقت سے اس نے اپنی شخصیت کھودی، مجھے بڑی خوشی ہے کہ عیسائیت کے سب سے بڑے مرکز میں مجھے یہ کہنے کی جرأت ہورہی ہے کہ موجودہ عیسائیت اس نبی معبوث کا مذہب نہیں جو اللہ تعالیٰ کا پیغام لے کر آیا تھا، اور امن ومحبت کا پیغام دیتا تھا، بلکہ موجودہ عیسائیت سینٹ پال کی پیدا کی ہوئی ہے، یہ اس کی ذہانت کا نتیجہ ہے، یہ سینٹ پال اور قرون وسطی کی مسیحیت ہے، مسیحیت ایسے ابلتے ہوئے دوڑتے ہوئے ملک اور بے چین و بے تاب تہذیب اور نسل کی رہنمائی کرنے سے قاصر ہے، نہ اس میں جامعیت کا پیغام ہے، اور نہ اس میں وہ اخلاق کی طاقت ہے، جو اس کو روک سکے۔

اہل امریکہ کے نام پیغام:

اے امریکہ کے رہنے والو! اے وہائٹ ہاؤس کے ذریعہ ساری دنیا پر حکومت کرنے والو یہ سب تم کو مبارک ہو، ہم اس کو حقارت کی نگاہ سے نہیں دیکھتے، ہم صرف اتنا کہتے ہیں کہ اس میں "ماشاء اللہ لا قوۃ الا باللہ" کا اضافہ کرو، اس سب کو خدا کی مرضی کے تابع بنادو، اس سب کو خدا کے احکام کے تابع کردو، اس سب کو انسانی تعمیر، اخوت انسانی اور انسانی فرض اور انسانی مساوات کے جاری ہونے کے لئے استعمال کرو، دنیا میں امیر وغریب کا تفاوت نہ ہو، حاکم ومحکوم کا امتیاز نہ ہو، یہاں مشرقی مغربی کا فرق نہ ہو، اپنی دولت نئی دنیا کی تعمیر میں صرف کرو، اگر ایسا کرو گے تو اپنے حق میں بھی اچھا کرو گے کیونکہ اس کے بغیر یہ تہذیب زندہ نہیں رہ سکتی، سن لیجئے! آج میں واشنگٹن میں بیٹھ کر اور اس وہائٹ ہاؤس سے چند گز کے فاصلے پر یہ کہہ رہا ہوں کہ اس تہذیب کی زندگی عارضی ہے، یہ تہذیب ہمیشہ باقی رہنے کی صلاحیت نہیں رکھتی بقول اقبال۔

وہ فکر گستاخ جس نے عریاں کیا ہے فطرت کی طاقتوں کو
اسی کی بیتاب بجلیوں سے خطر میں ہے اس کا آشیانہ

آج اس سائنس کی بیتاب بجلیاں کوندرہی ہیں اور کچھ خبر نہیں کس وقت وہ اسی آشیانہ پر گر

جائیں۔

اسلام کا پیغام پہنچایئے:

میں ان الفاظ کے ساتھ اپنی تقریر ختم کرتا ہوں کہ آپ خوش قسمت ہیں کہ اللہ نے آپ کو دنیا میں وہ جامعیت عطا فرمائی ہے کہ آپ دنیا کی قدر و قیمت سمجھتے ہیں لیکن اس کو ایک عبوری منزل اور آخرت کو اپنی اصل اور آخری منزل سمجھتے ہیں، آپ کا عمل اس آیت پر ہے۔

تِلْکَ الدَّارُ الْاٰخِرَۃُ نَجْعَلُهَا لِلَّذِيْنَ لَا يُرِيْدُوْنَ عُلُوًّا فِی الْاَرْضِ وَلَا فَسَاداً وَالْعَاقِبَۃُ لِلْمُتَّقِيْنَ. (۱)

وہ (جو) آخرت کا گھر (ہے) ہم نے اسے ان لوگوں کے لئے (تیار) کر رکھا ہے جو ملک میں ظلم اور فساد کا ارادہ نہیں کرتے، اور انجام (نیک) تو پرہیزگاروں ہی کا ہے۔

میں آپ کا شکریہ ادا کرتا ہوں کہ آپ اپنے ایک مسلمان بھائی کی محبت میں تشریف لائے اور بڑے اطمینان و سکون کے ساتھ آپ نے بات سنی اللہ آپ کی اور آپ کے ایمان کی حفاظت فرمائے اور آپ کی آئندہ نسل بھی مسلمان رہے۔

فَلَا تَمُوْتُنَّ اِلَّا وَاَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ. (۱)

مرنا تو مسلمان ہی مرنا۔

پر عمل رہے، آپ جب تک اس دنیا میں ہیں، خدا کے سامنے سر جھکاتے رہیں، نمازوں کے پابند رہیں، کلمہ کے آپ حلقہ بگوش ہوں، جب آپ اس دنیا سے جائیں تو اس حالت میں کہ آپ کے دل کے اندر نور ایمان ہو، اور آپ کی زبان پر کلمۂ شہادت۔

واخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین.

---

(۱) القصص۔۸۳۔

(۱) البقرۃ۔۱۳۲۔

اس دنیا کی فلاح وسعادت اور تباہی وہلاکت انسان کے ساتھ وابستہ ہے

نحمدہٗ ونصلی علی رسولہ الکریم ۔ اما بعد!

عالمگیر فساد:

دوستو اور بھائیو! اس وقت تمام دنیا میں سخت اختلاف ہے۔ روزمرہ کی جو حقیقتیں سورج کی طرح روشن ہیں، اور جن میں اختلاف کی کوئی گنجائش نہیں، ان میں بھی اختلاف پایا جاتا ہے، کوئی دعوی ایسا نہیں جس کی ہر جگہ سے ہر ادارہ سے اور ہر مکتب خیال سے تائید ہو۔ ایسی کوئی حقیقت نہیں جس پر سب کے سب متفق ہوں، لیکن ایک بات ایسی ہے، جس کی تائید آپ ہر طرف سے سنیں گے، اور جہاں جائیں گے اس کی صدائے بازگشت پائیں گے، وہ یہ ہے کہ اس وقت دنیا میں ایک عالمگیر فساد برپا ہے، اور ایسا بگاڑ ہے، جس سے دنیا کا کوئی گوشہ خالی نہیں ہے، یہاں تک کہ جو ملک اپنی مادی ترقی کے نقطہ عروج پر پہنچ گئے ہیں، وہاں بھی اگر آپ جائیں گے تو اسی کا رونا پائیں گے، کوئی مجلس، کوئی جلسہ، کوئی کتاب، کوئی مباحثہ، کوئی مذاکرہ، کوئی غور وفکر کا حلقہ اس سے خالی نہیں، دنیا کے ایک سرے سے دوسرے سرے تک سفر کر جائیے، ہر جگہ آپ اسی کا شکوہ پائیں گے کہ بگاڑ بہت پھیل گیا ہے، اور دنیا میں ایک عالمگیر فساد برپا ہے، یہ وہ حقیقت ہے، جس پر قریب قریب اس وقت دنیا کے تمام سوچنے اور سمجھنے والے، یہاں تک کہ جو سوچنے سمجھنے کی صلاحیت نہیں رکھتے، وہ بھی متفق ہیں، جو کتابوں کے پڑھنے والے ہیں، وہ کتابوں کے واسطہ سے جانتے ہیں، جن لوگوں کو اس کا اتفاق نہیں ہوتا، یا اس کی فرصت نہیں ملتی، ان کے کانوں میں بھی یہ بات پڑتی رہتی ہے۔ ہمارا ملک ہو یا کوئی باہر کا ملک، یورپ ہو یا امریکہ افریقہ ہو یا ایشیا، اور یہاں تک کہ وہ سرزمین جو خیر وبرکت

کی سرزمین ہے، وہاں بھی اگر آپ جائیں گے تو اس کا احساس کامل پائیں گے۔

یہ ایک ایسی الجھی ہوئی ڈور ہے جس کا سرا کسی کو نہیں ملتا، بگاڑ تو ضرور ہے لیکن بگاڑ کا سبب کیا ہے؟ اور جس قدر اس ڈور کو سلجھانے کی کوشش کی جاتی ہے، وہ الجھتی ہی چلی جارہی ہے، اس لئے کہ سرا ہاتھ میں لینے، اور سرا تلاش کرنے کا جو فطری طریق ہے، اور جو خدا نے پیدا کیا وہ کھوگیا ہے، اور اس کی کسی کو خبر نہیں۔

دنیا کی فلاح وسعادت اور تباہی و ہلاکت انسان کے ساتھ وابستہ ہے

حقیقت یہ ہے کہ ہم مسلمانوں کے عقیدہ کے مطابق اور ان سب لوگوں کے عقیدہ کے مطابق جو خدا کے وجود پر یقین رکھتے ہیں، اور خدائی صفات کا کوئی نہ کوئی تصور ان کے اندر پایا جاتا ہے، وہ سب جانتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اس دنیا کی اصلاح اور اس دنیا کا فساد، اس دنیا کی سعادت اور اس دنیا کی شقاوت اور اس کا بناؤ بگاڑ، اس کی خوش حالی اور اس کی بربادی، سب انسان کے ساتھ وابستہ کیا ہے، انسان اگر اچھا ہے تو یہ دنیا اچھی ہے، اور اگر انسان [illegible] راستہ چھوڑ چکا ہے، خودکشی پر آمادہ ہے، تباہی و بربادی پر مصر ہے، اس [illegible] نہیں وہ خدا کو بھول چکا ہے، اور اس کے نتیجہ میں اپنے کو بھی بھول چکا ہے، [illegible] انجام کی خبر نہیں، یا فکر نہیں، تو پھر اس دنیا کے بچاؤ کی کوئی صورت نہیں [illegible] ہو نہیں سکتا، اللہ تعالیٰ کی ذات غنی ہے، وہ انسان کا محتاج نہیں، لیکن اس نے ایک [illegible] مقرر کردیا ہے، یہ سنت الٰہی ہے، اور سنت الٰہی کبھی تبدیل نہیں ہوتی۔ (ولن تجد لسنة الله تبديلاً. ولن تجد لسنة الله تحويلاً) قرآن شریف میں بار بار یہ مضمون بیان کیا [illegible] کہ اللہ تعالیٰ نے جو قانون، جس کے لئے بنا دیا، جس میں جو خواص رکھ دیئے، ہزاروں لاکھوں برس گذر جانے کے بعد بھی وہ خواص ان کے اندر پائے جاتے ہیں، اور اللہ تعالیٰ کا قانون اسی طرح سے جاری و ساری اور کارفرما ہے، جیسے ہزاروں برس پہلے تھا۔

اللہ تعالیٰ نے اپنی حکمت بالغہ سے، اپنے ارادہ و اختیار سے، اپنی قدرت سے دنیا کی سعادت و شقاوت کو انسان کے ساتھ وابستہ فرما دیا ہے، خدا کا یہ قانون ہے کہ یہ دنیا انسان کے

[illegible] ہے، انسان اچھا ہے تو یہ دنیا اچھی ہے، انسان اگر برا ہے تو یہ دنیا فساد کا گہوارہ ہے، آپ اگر تاریخ میں اس کا سراغ لگائیں گے، اور تاریخ کی تاریکیوں میں دور تک جائیں گے تو آپ کو معلوم ہوگا کہ دنیا کا بگاڑ انسان کی وجہ سے ہے، انسان سرچشمہ ہے دنیا کی فلاح و سعادت کا، اور انسان سرچشمہ ہے دنیا کی تباہی و ہلاکت کا، اس لئے اصل چیز جس پر محنت صرف کرنے اور توجہ کرنے کی ضرورت ہے، وہ انسان ہے، اللہ تعالیٰ نے انبیاء علیہم السلام کی صحیح تربیت فرمائی، اور ان کو مامور فرمایا، ان کو اللہ تعالیٰ نے جو عقل سلیم اور نبوت کا نور عطا فرمایا تھا، اس کی روشنی میں انہوں نے اس حقیقت کو پالیا کہ اس دنیا میں جو کچھ ان کے کرنے کا کام ہے، وہ انسان کی درستگی ہے، اور انسان کی ہدایت ہے، راستے کو سمجھ لینا اور اس پر اپنی طاقت اور صلاحیتوں کو لگا دینا ہے۔

انبیاء علیہم السلام نے اپنی ساری طاقت انسان کو سدھارنے پر صرف کی:

انبیاء علیہم السلام نے اس حقیقت کو سمجھا، اللہ کی نصرت ان کے شامل حال تھی، اور ارادۂ الٰہی ان کی پشت پر تھا، اللہ تبارک وتعالیٰ کا فیصلہ تھا کہ ان کے ذریعہ سے اس گم کردہ راہ انسانیت کو اور اس تباہ شدہ دنیا کو ایسا امن وسکون اور راحت عطا فرمائے گا کہ اس دنیا میں بھی انسان کو جنت کا مزہ آجائے، اور اپنی زندگی ہی میں وہ جنت کا مشتاق ہوجائے، اور اس دنیا میں اس کو انسان بن کر رہنے کا سلیقہ آجائے اسی لئے انبیاء علیہم السلام نے ایک لمحہ تردد کئے بغیر اور ایک دن بھی تجربے کی ضرورت سمجھے بغیر جس وقت وحی کا پہلا حصہ ان پر نازل ہوا، انہوں نے ساری طاقتیں ایک موضوع پر صرف کردیں، اور وہ انسان تھا۔

یہ انسان خود ایک عالم ہے:

لیکن خود انسان ایک عالم ہے، انسان کس طرح سے اپنی وسعت میں اپنی گہرائی میں، اپنی پیچیدگی میں، اپنے تنوع میں، اپنے راز ہائے سربستہ میں، اپنے تہ بتہ پردوں میں کس طرح

اس کائنات سے، سیاروں سے نظام شمسی سے، نظام فلکی سے اور ہماری اس لمبی چوڑی دنیا سے کم نہیں، انسان تو اتنی وسیع مخلوق ہے، جس کی تہہ تک پہنچنا ہی ناممکن ہے، جس طریقے سے آپ سمندر میں ایک مٹی ڈالیں اور پتہ نہ چلے کہ وہ کہاں گئی، انسان کی گہرائی اس سے بھی کہیں زیادہ ہے، اس کی تہہ کو اس کا پیدا کرنے والا ہی جانتا ہے۔ (الا یعلم من خلق ، وھو اللطیف الخبیر .)

یہ انسان خود ایک عالم ہے، اس کو اللہ نے دماغ دیا ہے، اس کو اللہ نے دل دیا ہے، اس کو اللہ نے اعضاء و جوارح دیئے ہیں، اس کو اللہ نے مقاصد عطا فرمائے ہیں، بڑے دور از، بڑی بلند، اس کی کیا خواہشات ہیں؟ کیا کیا ضرورتیں ہیں؟ کیا کیا ارادے ہیں؟ اس کی کیا کیا تمنائیں اور آرزوئیں ہیں؟ غرض کہ اتنا بڑا جنگل ہے کہ بڑے سے بڑے محقق، اس میں گم ہو جائیں۔

انبیاء علیہم السلام کے سامنے جب انسان آیا، اور ان کو معلوم ہوا کہ اس انسان پر ان کو محنت صرف کرنی ہے، اور اس کو بنانا ہے، تو اب ان کے لئے بڑا امتحان تھا، اگر اس موقع پر انسانی نفسیات کے ماہر ہوتے، بڑے بڑے مصلح و معلم ہوتے، بڑے بڑے مفکر و فلسفی ہوتے تو ہزاروں ٹھوکریں کھاتے، وہ انسان کی انسانیت کا سراغ لگانے کے لئے نکلتے اور اس کا سرا ڈھونڈنے کے لئے وہ سفر شروع کرتے تو عمر گزر جاتی بلکہ نسلیں گذر جاتیں اور ان کو اس کا سرا نہیں ملتا، یہ انسان ایک ایسی پہیلی ہے، جس کا بوجھنا ہی مشکل ہے، خود انسان اپنی حقیقت سے واقف نہیں، اس کے سینکڑوں شعبے ہیں، کتنے شعبے ہیں، جو معلوم ہو چکے ہیں اور کتنے شعبے ہیں، جو ابھی تک نامعلوم ہیں انبیاء علیہم السلام کے ساتھ، اگر اللہ کی رہنمائی نہ ہوتی، اور اللہ کی نصرت شامل حال نہ ہوتی اور تقدیر الٰہی کا فیصلہ نہ ہوتا کہ اللہ کے آخری نبی ہی سے قیامت تک ہدایت کا کام لینا ہے، اور اس دنیا کا بگاڑ ان سے دور کرانا ہے، اور انسان کو اس کے خالق سے ملانا ہے، اور انسان کے مقصد زندگی سے آگاہ کرنا ہے، تو انسان کی ہدایت کا کام آسان نہ تھا۔

انسان کی اصلاح وتبدیلی کا مرکز:

انسانیت کے محققین کی نسلیں گذر گئیں جو دماغ ہی کے اندر سرگرداں رہیں اور دماغ ہی کا سفر پورا نہیں کر سکیں لیکن اللہ تعالیٰ نے انبیا علیہم السلام کی رہنمائی فرمائی کہ دنیا کی اصلاح و تبدیلی کا مرکز انسان ہے، اور انسان کی اصلاح وتبدیلی کا مرکز اس کا دل ہے، دل کہنے کو تو ایک لفظ ہے، لیکن اس کا کوئی اور چھور نہیں، اس کی وسعت کا کوئی اندازہ کر سکتا ہے، یہ سارا عالم اس کا لقمہ بن سکتا ہے، یہ سارا عالم اس کے دل کی وسعتوں میں ایسا گم ہو سکتا ہے کہ پتہ ہی نہ چلے، اللہ تعالیٰ نے ان کی ہدایت ورہنمائی فرمائی کہ انسان کے اندر خیر کا ارادہ پیدا ہو جانا، اپنی ہستی سے واقف ہو جانا اور ایثار کا مادہ اس کے اندر پیدا ہو جانا اور اغراض سے اس کا پاک ہو جانا اپنی اور دوسروں کی زندگی کو خدا کی رضا کے راستے پر ڈالنے کی کوشش کرنا تا کہ سب کے سب خدا کی رضا کے جویا بن جائیں، اپنی شہوتوں اور خواہشات کی بندگی سے آزاد ہو جائیں اور ایک خدائے واحد کی بندگی میں لگ جائیں، اور ان پر ان کے معدے کی حکومت نہ ہو، ان کی خواہشات کی حکومت نہ ہو، ان کے نفلی مقاصد کی حکومت نہ ہو، وہ صرف اپنا اور اپنے بچوں کا پیٹ بھرنے کے لئے ہاتھ پاؤں نہ ماریں اور اس دنیا کو صرف اپنے گھر کے اندر محدود نہ سمجھیں، اپنے چار بچوں والی، آٹھ بچوں والی، دس بارہ افراد خاندان والی دنیا نہ سمجھیں، ساری دنیا ان ایک گھر کے اندر آ گئی اور مٹھی میں کی دنیا ہے، نہیں سمجھو تم اور جو ہے وہ اس قفس سے جس کی تیلیاں تمہیں سونے کی ہیں، تمہیں لوہے کی ہیں، مگر بہرحال یہ ایک پنجرہ ہے، اس پنجرہ سے وہ آزاد ہو جائے اور آفاق کی وسعتوں سے آشنا ہو جائے (وکذلک نری ابراہیم ملکوت السموات والارض ولیکون من الموقنین) وہ معلوم ہو جائے کہ [illegible] کیا ہے؟ اس کی کیا صفات ہیں؟ اس کے پاس کیا ہے؟ اس سے کیا چیز مانگنی چاہئے؟ اس کے خزانے میں کیا کچھ ہے؟ اس کے خزانے سے مجھے کیا مل سکتا ہے؟ وہ کون سے اعمال ہیں، کون سے اخلاق ہیں، کون سے عقائد ہیں، کون سا طرز زندگی ہے، جس سے میں خالق سے وہ نعمتیں حاصل کر سکتا ہوں جن کا کوئی تصور بھی نہیں کر سکتا۔ (ما لا عین رأت، ولا أذن سمعت ولا خطر علی قلب بشر) نہ کسی آنکھ نے اس کو دیکھا، نہ کسی کان نے اس کو سنا

اور نہ کسی دل میں اس کا خیال گزرا۔)

انسان کے اندر بے شمار درندے چھپے ہوئے ہیں جب وہ باہر آجاتے ہیں تو دنیا تباہ ہو جاتی ہے:

انسان ایک جنگل ہے، اس میں ہر طرح کے شیر، چیتے، اور تیندوے موجود ہیں، یہ نہ سمجھئے گا کہ یہ اس کے باہر کی دنیا میں موجود ہیں، بلکہ درحقیقت یہ انسان کے اندر موجود ہیں، اور باہر ان کا ظہور ہے، انسان کے اندر کے شیر اور تیندوے، انسان کے اندر کے چیتے اور بھیڑیئے، انسان کے اندر کے کتے اور سور باہر کے کتے اور سوروں سے کہیں زیادہ خطرناک، کہیں زیادہ زہریلے، کہیں زیادہ خونخوار اور کہیں زیادہ انسان کے خون کے پیاسے ہیں، اور ان کے اندر ان سے کہیں زیادہ خباثت ہے، یہ انسان کے اندر کے سانپ اور بچھو، جب سے باہر نکل آئے ہیں، تب سے دنیا تباہ ہوئی ہے۔

باہر کے درندوں نے کبھی دنیا پر حملہ نہیں کیا:

باہر کے سانپ اور بچھوؤں نے دنیا کو کبھی تنگ نہیں کیا، آپ نے یہ کبھی تاریخ میں نہیں پڑھا ہوگا کہ سانپوں اور بچھوؤں نے اپنی تنظیم کی اور اپنے دشمنوں کے خلاف لشکر کشی کی، کبھی آپ نے یہ نہیں سنا ہوگا کہ ساری دنیا کے شیر اکٹھا ہو گئے اور شیروں نے دنیا پر حملہ کر دیا، یہاں پر تاریخ کے بہت سے طالب علم ہیں، آپ نے کسی تاریخ میں یہ پڑھا کہ بھیڑیئے انسان سے لڑے ہوں، یا بھیڑیئے بھیڑیوں سے لڑے ہوں، چھوڑ دیجئے انسان کو، لیکن کتنی بار آپ نے پڑھا اور پڑھتے پڑھتے آپ تنگ آ گئے، اور پڑھنا تو بڑی دور کی بات ہے، ہماری اور آپ کی زندگی میں دو دو جنگیں پیش آئی ہیں، ہم میں سے بہت بڑی تعداد ان لوگوں کی ہے جنہوں نے پہلی جنگ عظیم بھی دیکھی ہوگی، خواہ وہ اس وقت بچے رہے ہوں، یہ دونوں جنگیں، کس نے کس کے خلاف لڑیں؟ خدا کے لئے یہ بتایئے کہ یہ سانپوں اور بچھوؤں کی لڑائی تھی انسان سے، یا سانپوں اور بچھوؤں کی لڑائی تھی سانپوں اور بچھوؤں سے، بچھو بچھو سے لڑتا ہے، سانپ سانپ سے لڑتا ہے، بھیڑیا بھیڑیئے کو کھاتا ہے، مگر بھیڑیوں نے کبھی اپنی تنظیم نہیں کی، بھیڑیوں

نے کبھی اپنی صف آرائی نہیں کی۔

ایک ملک کے بھیڑیئے کبھی دوسرے ملک پر حملہ آور نہیں ہوتے:

بھیڑیوں میں کبھی وطنی عصبیت پیدا نہیں ہوئی کہ ایک ملک کے بھیڑیئے دوسرے ملک کے بھیڑیئے سے لڑیں، لیکن انسانیت کی تاریخ میں ایک دن بھی آپ بتا سکتے ہیں کہ انسان نے، انسان کے خلاف لشکر کشی نہ کی ہو، ایک ملک کا دوسرے ملک سے مقابلہ نہ ہوا ہو، یہاں تو شہر، شہر کے خلاف لڑتے ہیں، محلے، محلے کے خلاف لڑتے ہیں، برادری برادی کے خلاف لڑتی ہے، قومیں، قوموں کے خلاف لڑتی ہیں، لیکن جانوروں کے متعلق کبھی ایسا نہیں سنا گیا۔

انسان کی اندر سے یہ خونخوار جانور کب باہر نکلتے ہیں؟ خدا کے پیغمبروں نے جو حصار تعمیر کیا ہے اور جس کے اندر یاجوج ماجوج کی طرح وہ بند ہیں، انسانوں کے ان خونخوار جانوروں کو لگام دینے کے لئے، ان کے اس جذبہ کو کچلنے کے لئے ان کو قابو میں رکھنے کے لئے، بلکہ ان کو انسانوں میں تبدیل کرنے کے لئے، اللہ کے پیغمبروں کے پاس ایک نسخہ ہے، جب انسان اس سے سرکشی کرتا ہے، یا اس نعمت کی ناقدری کرتا ہے تو انسانوں کے اندر جو درندے ہیں، یہ باہر نکل آتے ہیں، اور پوری دنیا میں فساد برپا ہو جاتا ہے۔

جب انسان، انسان کا شکار کھیلنے لگتا ہے، جب انسان، انسان کے خون کا پیاسا ہو جاتا ہے، تو کیا جاتا ہے، یہ آپ کے سامنے ہے۔

اللہ تعالیٰ کی دوسری توفیق یہ تھی کہ اس نے ان کو یہ سمجھ عطا فرمائی کہ انسان کے دل پر اپنی وہ ساری طاقتیں لگا دیں، حدیث شریف میں آتا ہے! "اِنَّ فِی الْجسدِ مُضغة اذا صلحتْ صَلح الجسدُ کُلہٗ ، واذا فسدت فَسد الجسدُ کُلُّهٗ الا وَھی القلبْ" (انسان کے اندر ایک مضغہ گوشت ہے، ایک حقیر سا ٹکڑا ہے انسانی گوشت کا، اگر وہ درست ہو جائے تو سارا جسم درست ہو جائے، وہ بگڑ جائے تو سب بگڑ جائے، یاد رکھو وہ دل ہے) اس لئے انہوں نے دل پر اپنی طاقت صرف کی، انہوں نے اس حقیقت کو پالیا کہ وسائل اور ارادے، ذہانتیں، طاقتیں، کائنات کے سارے خزانے، روپیہ، پیسہ، اور دنیا کے اندر اللہ تعالیٰ نے جتنی بھی نعمتیں پیدا کی ہیں، اور جتنے بھی فائدہ پہنچانے اور نقصان پہنچانے والے ذرائع

پیدا کئے ہیں، وہ سب انسان کے ارادے کے تابع ہیں، انسان کے اندر خیر کا ارادہ پیدا ہو جائے تو اگر وسائل نہ ہوں گے تو وہ وسائل پیدا کرے گا، اور اللہ اس کے لئے وسائل پیدا فرمادے گا، اگر انسان کی طبیعت کا رخ صحیح ہو جائے، اگر انسان، خیر کا طالب ہو، اگر انسان، انسان کی فلاح چاہنے والا ہو، اگر انسان، انسان کو نفع پہنچانے کا خواہش مند ہو، اگر انسان، انسان کا خادم بن جائے، اگر انسان اپنے اغراض سے پاک ہو جائے، اگر انسان، اپنی ہستی کو دوسرے کے لئے مٹانا چاہے، دوسرے کے زندہ رہنے کے لئے اپنی زندگی کو خطرے میں ڈالنے کی ہمت رکھتا ہو، اور اس دنیا سے بدامنی کو دور کرنا چاہے، اس دنیا سے نفرت کو دور کرنا چاہے، اس دنیا کو امن سے خوش حالی سے، اللہ کی محبت سے، انسان کے قدر سے، انسانی جان کی قیمت کے احساس سے بھر دینا چاہے، تو پھر وسائل نہ ہوں گے تو بھی وہ اتنا بڑا کام انجام دے گا جو بڑے سے بڑے وسائل کے ساتھ آج تک نہ انجام پایا ہے، نہ انجام پا سکتا ہے، اصل چیز ہے، انسان کا ارادہ، اگر وہ ارادہ صحیح ہو جائے اور اس کا سرچشمہ صحیح ہو جائے جہاں سے وہ ارادہ نکلتا ہے، تو سب کچھ درست ہو جائے۔

ساری خرابیوں کا انحصار اس پر ہے کہ انسان کے دل میں کیا ہے؟:

ہمارے اس ہاتھ میں اللہ نے بڑی طاقت رکھی ہے، لیکن یہ ہاتھ خود کوئی چیز نہیں، اس کی کوئی ہستی نہیں، یہ ہاتھ مظلوم پر ظلم کے لئے اٹھ سکتا ہے، ظالم کی مدد کے لئے اٹھ سکتا ہے، اٹھ کیا سکتا ہے، اٹھتا رہتا ہے، اور آج تو صرف اسی کے لئے اٹھ رہا ہے، آج ساری انسانی توانائیاں اور اس کی ساری طاقتیں ظلم کے لئے وقف ہیں، اور یہ کوئی انہونی اور بعید از قیاس بات نہیں، جب انسان کا دل بدل جائے، انسان کے دل میں اور اس کی نیت میں فتور آجائے، اور اس کے دل کے اندر انسان کی دشمنی گھر کر جائے، اس کو انسان کے خون کی چاٹ لگ جائے تو اس کا ہاتھ یتیم کا سر قلم کرنے کے لئے، بیوہ کے سر سے آخری دوپٹہ، یا اس کے چہرے کو چھپانے کے لئے، اس کی آبرو کی حفاظت کے لئے جو آخری سہارا رہ گیا ہے، اس کو چھین لینے کے لئے غریب ومفلس کے فاقہ زدہ گھر سے جس کو ہفتوں کے بعد چند دانے پکانے کے لئے اپنا اور اپنے یتیم بچوں کا پیٹ بھرنے کے لئے ملے ہیں، یہ چند دانے اور اس کے چولھے،

تو اٹھا لینے اور اس کی آگ کو گل کر دینے کے لئے ہمہ وقت تیار رہتا ہے، لیکن مسئلہ صرف ہاتھ کا نہیں، بلکہ اس کا اور اس طرح کی ساری خرابیوں کا انحصار اس پر ہے کہ انسان کے دل میں کیا ہے؟ اس کا ارادہ کیا ہے؟ کیا انسان کے اندر خیر کی طلب پیدا ہوگئی؟ کیا اس کے اندر خوف پیدا ہوگیا، کیا انسانیت کی حقیقت اس پر کھل گئی؟ کیا انسان کو ہستی کا آغاز وانجام معلوم ہو گیا بس سارا انحصار اسی پر ہے۔

انسان کے دل میں اللہ تعالیٰ نے جتنی زرخیزی رکھی ہے، اور اس کے اندر سونا اگلنے کی جو صلاحیت رکھی ہے اس کی سامنے سائبیریا کے میدان، اور ہندوستان کی سرسبز وزرخیز زمین ہیچ ہے، اگر اس کے اندر نیک ارادوں کے اگنے، پھلنے پھولنے اور پرورش پانے کی صلاحیت پیدا ہوگئی، اور انسان کے سفلی اغراض ومقاصد اور اس کی سفلی خواہشات کھاد بننے کے لئے تیار ہے تو انسان ان کو کھاد بنا کر اپنے دل کی سرزمین سے نیک ارادوں کی کھیتی پیدا کر سکتا ہے، اور یہ کھیتی پھل دے سکتی ہے، پک سکتی ہے، اور کاٹی جاسکتی ہے، لیکن اگر یہ دل کی سرزمین اوسر اور بنجر ہوگئی ہے، تو اس کے اندر کانٹے تو پیدا ہو سکتے ہیں، پھول پیدا نہیں ہو سکتے، اس کے اندر تلواریں تو اگ سکتی ہیں، لیکن امن دینے والی چھاؤں نہیں پیدا ہوسکتی، انسان کے دل کی کھیتی ایسی منحوس بن گئی ہے، ایسی الٹی ہوئی ہے کہ اس کے اندر زہر تو پیدا ہوسکتا ہے، تریاق نہیں پیدا ہوسکتا، بدامنی تو پیدا ہوسکتی ہے، اپنے بچوں کو پالنے کے لئے یتیموں کا پیٹ پھاڑنے کا جذبہ پیدا ہوسکتا ہے، لیکن کسی بے بس، کسی مظلوم اور کسی مصیبت زدہ کی حفاظت اور کسی یتیم کے سر پر شفقت کا ہاتھ رکھنے کا جذبہ نہیں پیدا ہوسکتا۔

اگر یہ دنیا جنت کا نمونہ بنادی جائے لیکن دل خراب ہے تو پھر جہنم کدہ بن جائے گی

اگر انسان کی فطرت ہی کچھ ایسی ہوگئی ہے کہ اس کی پیاس شربت سے نہیں بجھتی، دودھ سے نہیں بجھتی (جس کو اللہ نے "لبنا خالصا سآئغا للشاربین" کہا ہے، اس کی پیاس ٹھنڈے میٹھے پانی سے نہیں بجھتی) (جس کو قرآن ماءً فراتاً کہتا ہے) اس کی پیاس دجلہ وفرات کے پانی سے نہیں بجھتی، بلکہ اس کی پیاس انسان کے خون سے بجھتی ہے، ایسی حالت

میں اگر یہ چاند اور دوسرے سیارے جن تک پہنچنے اور وہاں کی آب وہوا اور وہاں کی سطح اپنے مناسب بنانے میں انسان اپنی ساری توانائیاں صرف کر رہا ہے، یہ چاند مریخ اور دوسرے سیارے زمین پر اتر آئیں، انسان کے قدموں کے نیچے آ جائیں اور یہ ساری دنیا جنت کا نمونہ بنا دی جائے، لیکن انسان کے دل کی کھیتی خراب رہے، اور اس سے خیر پیدا کرنے کی صلاحیت جاتی رہی ہے تو یاد رکھو انسان کی تقدیر میں تباہی ہی تباہی لکھی ہوئی ہے، اس کی حالت کبھی سدھر نہیں سکتی، اور یہ دنیا انسانوں ہی کے ہاتھوں پھر جہنم کدہ بن جائے گی۔

دل کی کھیتی کی طرف توجہ کیجئے:

حضرات! دنیا میں ہر طرف پھیلے ہوئے فساد کو، بدامنی کو سروں پر منڈلاتے ہوئے مہیب جنگ کے خطرہ کو دور کرنے کے لئے اور انسان کو امن وسکون، اور باہمی اعتماد ومحبت کے ساتھ زندگی گزارنے کے لئے ضروری ہے کہ انسان کے دل کی کھیتی میں ہل چلایا جائے، آپ کسانوں کو دیکھتے ہیں، خدا کے بنائے ہوئے صحیح اور فطری قانون کے مطابق کسان زمین میں ہل چلاتا ہے، تو زمین کتنا خزانہ اگل دیتی ہے، اسی طرح اگر دل کی کھیتی میں ہل چلایا جائے، اور خدا کے پیغمبروں کے بتائے ہوئے طریقے کے مطابق چلایا جائے اور اس میں تھوڑی سی محنت صرف کی جائے اور یہ دل کی کھیتی لہلہا اٹھے، اور پھلنے پھولنے لگے تو آپ سمجھ سکتے ہیں کہ اس وقت دنیا کا نقشہ کیا ہوگا؟ یہ حقیر زمین جو آپ کے قدموں تلے روندی جاتی ہے، اس سے آپ نے اتنا بڑا فیض پایا، اگر آپ دل کی کھیتی میں خدا کے پیغمبروں کے دیئے ہوئے ہل چلاتے، اور ان کے بتائے ہوئے قانون کے مطابق آپ اس کی خدمت کرتے اور اس میں ریاض کرتے اور وہ کھیتی برگ وبار لاتی، تو پھر آپ دیکھتے کہ دنیا میں کیسی بہار آئی ہے، اور جب دل کی کھیتی خزانہ اگلتی تو دنیا کا دامن کیسے کیسے موتیوں سے بھر جاتا کیسے کیسے ولی کامل، کیسے کیسے خادم انسانیت، کیسے کیسے بے لوث وبے غرض انسان، اور انسانوں کے لئے اپنا خون پانی ایک کرنے والے سامنے آتے کہ جن کے کارناموں کا تصور کرنا بھی مشکل ہے۔

جب دل کی دنیا بدلتی ہے تو کیا ہوتا ہے؟

کوئی باور نہیں کر سکتا کہ کیا انسان کے اندر اتنی بے غرضی پیدا ہو سکتی ہے؟ کیا انسان

دوسروں کی خاطر اپنی اولاد کو قربان کرسکتا ہے؟ کیا انسان وعدہ وفا کرنے کے لئے اپنا گھر لٹا سکتا ہے؟ ایک مظلوم کو بچانے کے لئے اپنے سارے کنبے کو موت کے گھاٹ اتار سکتا ہے؟ ایک انسان خود زخمی ہے، اور پیاس سے حلق میں کانٹے پڑ گئے ہیں، مر رہا ہے، پھر بھی دوسرے زخمی کی پیاس بجھانے کے لئے اپنا پانی پیش کرسکتا ہے؟ دنیا کی عقل اس کا تصور کرنے سے بھی عاجز ہے، یہ سب کرشمہ تھا خدا کے پیغمبر کی محنتوں کا، انہوں نے دل کی کھیتی پر صحیح طریقے سے محنت کی اور اس کے اندر اللہ کے رکھے ہوئے مخفی خزانوں اور دفینوں کو نکالا اور عالم انسانیت کو اس سے مالا مال کردیا۔

خدا کے پیغمبروں نے اس زمین کو چھوڑا، بڑے بڑے ماہرین کو چھوڑا کہ وہ صنعتوں کو ترقی دیں، نہ ان کو روکا نہ ان کی رہنمائی کا دعویٰ کیا، بلکہ انہوں نے صاف کہہ دیا" **انتم اعلم بامور دنیا کم** "صنعت والے صنعت کے میدان میں ترقی کریں، زراعت والے زراعت کے میدان میں اور علم والے علم کے میدان میں، اللہ نے ہم کو ایک اور میدان دیا ہے، وہ انسانیت کا میدان ہے، اور انہوں نے اس میدان میں محنت صرف کی تو دنیا کا نقشہ کیا سے کیا ہو گیا؟ صرف ایک دور کی تاریخ پڑھئے، صحابہ کرام کے دور کی، جب حضور ﷺ کو اللہ نے یہ موقع دیا کہ وہ دل کی سرزمین میں کھیتی کریں تو آپ دیکھئے کہ اس دنیا میں کیسی بہار آئی۔؟

ارادہ نیک ہو تو راہ کی صعوبتیں اور دشواریاں حائل نہیں ہوتیں:

اس وقت ہزاروں مشکلات تھیں، تمدن اپنے بالکل ابتدائی دور میں تھا، انسانیت نے بہت سے میدانوں کا انکشاف ہی نہیں کیا تھا، سائنس نے گویا اپنا سفر ہی شروع نہیں کیا تھا، قدم قدم پر رکاوٹ تھی، سفر کی دشواریاں تھیں، ایک جگہ سے دوسری جگہ آدمی کے پہنچنے کے لئے سخت مشکالات درپیش تھیں، لیکن جب نیک ارادہ پیدا ہوا اور ان کے اندر انسانوں کو خدا کا پیغام پہنچانے کا، انسانوں کو تاریکی سے نکالنے کا، اور ترحم کا سچا جذبہ پیدا ہوا کہ انسان اپنی ہستی کو کس طرح خاک میں ملا رہا ہے؟ اور ان کو اپنی آنکھوں سے صاف نظر آیا کہ جہنم کے شعلے بھڑک رہے ہیں، اور انسان اس میں چھلانگ مارنا چاہتے ہیں، جیسے کہ حدیث شریف میں آتا ہے کہ میری اور تمہاری مثال ایسی ہی کہ جیسے کسی شخص نے آگ روشن کی اور پروانے اس میں

کرنے لگے، وہ ہٹاتا ہے، مگر ہٹا نہیں پاتا، پروانوں کی طرح لوگ اس میں کودنے اور چھلانگ مارنے کے لئے تیار ہیں، اور میں تمہاری کمر پکڑ پکڑ کر تمہیں اس سے ہٹانا چاہتا ہوں، جب صحابہ کرام پر یہ حقیقت منکشف ہوئی تو پھر نہ سفر کی صعوبتیں اور اس کی دشواریاں ان کی راہ میں حائل ہوئیں اور نہ اس وقت کی دقتیں اور سفر کی طوالت، راستوں کے خطرات، ان میں سے کوئی چیز بھی، ان کے عزم کے سامنے نہیں ٹک سکی، اس لئے کہ ایک تو نیک ارادہ پیدا ہوا، دوسری یہ کہ وہ ارادہ ان پر مستولی ہو گیا، ان کے اعصاب پر اور ان کی دل و دماغ پر چھا گیا، اب کھانا پینا مشکل ہو گیا وہ لقمہ توڑتے تھے اور کہتے تھے کہ میں لقمہ توڑتا ہوں اور اللہ کے ہزاروں بندے بالکل (علی شفا خفرة من النّار) جہنم کے کنارے کھڑے ہوئے ہیں جتنی دیر میں لقمہ منہ میں رکھوں گا اور اتاروں گا، اتنی دیر میں کتنے خدا کے بندے جہنم کے گڑھی میں گر پڑیں گے۔؟

آج ہر چیز موجود ہے لیکن انسانیت کا سچا درد مفقود ہے:

آج کس چیز کی محتاجی ہے؟ کیا چیز دنیا سے کھو گئی ہی؟ خدا کے لئے غور کیجئے، کیا چیز اس وقت دنیا کے ہاتھ میں نہیں ہے؟ نیک ارادہ نہیں، انسان کی قدر نہیں، انسانیت کی فکر نہیں، خطرات ہمارے سر پر منڈلا رہے ہیں۔ ان کی کسی کو پروا نہیں، اپنی اپنی تو فکر ہے، لیکن کسی کو عام انسانیت کی فکر نہیں، اگر تیسری جنگ عظیم چھڑ گئی اور یہ ہائیڈروجن بم، اور ایٹم بم چلا دیئے گئے تو دنیا کا کیا حشر ہوگا؟ باتیں تو اس کی بہت کی جا رہی ہیں، چرچے تو اس کے ہر طرف ہیں لیکن کسی کو اس کا سچا درد نہیں ہے، اور جو لوگ کچھ کر سکتے ہیں، اور انسانیت کو بچا سکتے ہیں، وہ سب سے زیادہ ان وسائل کی تیاری ہی میں منہمک ہیں، یہ سمجھ لیجئے کہ نئی جنگ کے لئے ساری قومیں اور دنیا کی ساری طاقتیں پر تول رہی ہیں، اور ساری دنیا میں جو چکھ ریس ہے وہ اسی کی ہے، کسی کو بدی سے نفرت نہیں کسی کو انسان کی تباہی کا غم نہیں، جو حقیقی دکھ اور صدمہ ہونا چاہئے، جیسے باپ کو اولاد کا صدمہ ہوتا ہے، بھائی کو بھائی کا صدمہ ہوتا ہے، وہ صدمہ کسی کو نہیں، صرف زبانی باتیں ہیں، امریکہ سے لے کر آپ ایشیا کے آخری سرے تک چلے جائیے آپ کو ہر جگہ باتیں ملیں گی، لیکن اس کے اندر درد مفقود ہے، جو درد کراہ اور کسک ہوتی ہے، وہ کسی میں آپ نہیں پائیں گے، اس میں سارا حصہ عقل کا ہے، سارا حصہ ذہانت کا ہے، دنیا کے خطرات

سے واقفیت اور اس کی تحلیل اور تجزیہ ایسا کریں گے کہ معلوم ہوگا کہ جیسے کسی معمل میں کسی چیز کے الگ الگ اجزاء گنے جاتے ہیں، بالکل ہندی کی چندی کر کے آپ کو بتادیں گے کہ کیا خطرہ درپیش ہے، لیکن اس کے اندر جو انسانیت کا درد ہے، یا دل کی کسک ہے، وہ نہیں ہوتی جیسے آدمی اپنے گھر کا کوئی واقعہ بیان کرتا ہے تو اس کا لہجہ اور ہوتا ہے، آنسو، اس کی آنکھوں میں ڈبڈبائے ہوئے ہوتے ہیں، آواز مرتعش ہوتی ہے اور معلوم ہوتا ہے کہ اس کا دل رو رہا ہے۔

آج دنیا کے بڑے بڑے فلسفی نہایت اطمینان سے دنیا کے خطروں کو بیان کرتے ہیں، ایسا معلوم ہوتا ہے کہ جیسے وہ کوئی بہت خوش آئند بات ہو، کوئی مبارک واقعہ ہو، جس کو مزہ لے لے کر بیان کیا جائے، اس لئے کہ انسانیت سے کسی کو حقیقی اور قلبی تعلق نہیں ہے، سب زبانی باتیں اور دماغی تعیّشات ہیں۔

آج دنیا کی ساری ہی پوری ہو چکی ہے، کرنے کو سب کچھ...... ہمارے پاس ہے اگر ہم نیک بننا چاہیں، اگر ہم انسان کی خدمت کرنا چاہیں، اگر ہم انسان کو ان خطرات سے نکالنا چاہیں، اگر ایک فرد بھی قطب شمالی یا قطب جنوبی میں ہے، ہم اس کی مدد کرنا چاہیں تو اللہ نے ہم کو وہ وسائل دیئے ہیں کہ ہم ان کی مدد کو پہنچ سکتے ہیں، لیکن ہمارے اندر سچا ارادہ نہیں، ہمارے اندر اس کا شوق نہیں، ایک شخص کے پاس سب کچھ ہے، وہ لاکھوں روپے سے مدد کر سکتا ہے، لیکن وہ خسیس ہے بخیل ہے، اس کو پیسے کی محبت ہے، یا سست ہے اور کاہل الوجود ہے، وہ بالکل ہاتھ ہلانا نہیں چاہتا تو بتائیے، اس کی دولت کیا کام آئے گی؟ ایک شخص حج کو جا سکتا ہے، خدا نے اس کو ایسے ذرائع دیئے ہیں، لیکن حج کا ارادہ نہیں ہے، حج کا شوق نہیں، تو بتائیے، پھر کون اس کو حج پر آمادہ کر سکتا ہے۔؟

آج انسان سب کچھ کر سکتا ہے، لیکن کرنا نہیں چاہتا:

اسی طرح آج انسان کے نیک بننے اور انسان کی خدمت کرنے اور اس دنیا کو امن کا گہوارہ بنا دینے، اس دنیا کو جنت کا نمونہ بنا دینے اور اس دنیا کو مسجد و معبد میں تبدیل کر دینے کا جیسا زریں موقع، جیسا آسان راستہ اس وقت ہے، ایسا کبھی نہیں تھا، آج بدقسمتی سے انسان سب کچھ کر سکتا ہے، لیکن کرنا نہیں چاہتا، کیوں نہیں چاہتا؟ کرنے کا فائدہ اس کے سامنے

نہیں، فائدہ کیوں سامنے نہیں؟ اس کو یقین نہیں! سوائے اپنی آسائش کے سوائے اپنے معدے کے تجربوں کے اپنے جسم کے تجربوں کے اور اپنے محسوسات کے، وہ اپنی ذات اور اپنی اولاد کے سوا سب کچھ بھول گیا ہے، اور اب مجھے خطرہ ہے کہ شاید ہماری زندگی نے وفا کی اور کچھ دن ابھی باقی ہیں، وہ وقت بھی کچھ دور نہیں، جب اپنی اولاد کو بھی بھول جائے گا، خودغرضی میں اور خود پرستی میں، خودنمائی اور اپنے وجود میں سب کچھ محدود کر دینے کے سلسلہ میں جس رفتار سے انسان ترقی کر رہا ہے، اگر یہ رفتار جاری رہی تو چند دنوں میں ہم دیکھ لیں گے کہ ماں باپ اپنی اولاد کو بھی بھول جائیں گے اور صرف اپنا پیٹ بھرنے کی کوشش کریں گے، وہ اگر بھوکے ہیں، اور بلک رہے ہیں تو ان کو اس کی پرواہ نہیں ہوگی، دنیا میں جہاں مادیت اپنے صحیح برگ و بار لائی ہے اور نبیوں کی تعلیم ان کو روکنے کے لئے وہاں موجود نہیں تھی، یہاں تک کہ حضرت مسیح علیہ السلام کی بگڑی ہوئی اور بچی کچھی تعلیمات کلیسائی تعلیمات اور انجیل کی تعلیم، وہ بھی وہاں سے رخصت ہوگئی ہے، وہاں تو یہ حال ہے کہ انسانوں کو اپنے سوائے کسی کا ہوش نہیں رہا بلکہ بہت سے لوگوں کو اپنا بھی ہوش نہیں رہا ہے جیسا کہ قرآن مجید نے بیان کیا ہے (نسُوا اللہَ فَاَ نساھُم انفُسھُم) آخری عبرت کا منظر یہ ہے کہ انسان کو اپنا بھی صحیح ہوش باقی نہ رہے، یعنی اپنے پیٹ کا تو ہوش رہے، اپنا ہوش نہ رہے۔

ساری تفصیل کا خلاصہ یہ ہے کہ اصل معاملہ ہے انسان کا، اور انسان کا بھی جو کچھ معاملہ ہے، وہ اس کے دل کا ہے، اور دل کا جو کچھ بھی معاملہ ہے وہ اس کے نیک ارادوں کا ہے، اگر یہ چیز پیدا ہو جائے۔ یعنی نیک ارادے پیدا ہونے لگیں تو پھر کچھ کہنے کی ضرورت نہیں، یہ وسائل کا تو صرف نام ہی نام ہے، وسائل تو انسانی ارادوں کے تابع ہیں، جن کو خدا کی دی ہوئی طاقت سے انسان خود پیدا کرتا ہے۔

خرابی صرف یہ ہے کہ دنیا کا رخ غلط ہے:

اس وقت دنیا کے اندر جو انقلاب آیا ہوا ہے، اس کو خواہ کسی عنوان سے بیان کیا جائے وہ یہ ہے کہ انسان کا رخ خیر سے شر کی طرف مڑ گیا ہے، ساری طاقتیں ہیں، لیکن اس کی منزل غلط ہوگئی ہے، وہ چل رہا ہے، چلنا ہرگز بند نہیں ہوا، بلکہ پہلے چلتا تھا پھر دوڑنے لگا، اور اب اڑنے

لگا ہے، لیکن جس طرف اڑ رہا ہے، وہ شر کی منزل ہے، انسانیت کشی کی منزل ہے، انسان کو برباد کرنے کی منزل ہے۔

انسانیت کی ساری متاع آج داؤ پر لگی ہے:

سب نے جاہ طلبی میں، اقتدار پسندی میں، حکومت کی کرسی حاصل کرنے میں اپنا سب کچھ داؤ پر لگا دیا ہے، انسانیت کا سارا اثاثہ داؤ پر لگا رکھا ہے، انسانیت کی ساری متاع داؤں پر لگا رکھی ہے، ساری تاریخ داؤ پر لگا رکھی ہے، ساری تہذیب داؤ پر لگا رکھی ہے، بلکہ میں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ انسانیت کی لاشوں پر اگر انسان کھڑا ہو کر "انا ربکم الاعلی" کہہ سکتا ہے، تو درجنوں کی تعداد میں ہے، سینکڑوں کی تعداد میں نہیں، ہزاروں انسان اس کے لئے تیار نہیں؛ ان اللہ کے بندوں سے، عقل کے دشمنوں سے پوچھا جائے کہ جب انسان ہی نہ ہوں گے، تو تم کس پر حکومت کرو گے؟ پتھروں پر حکومت کرو گے؟ پہاڑوں اور ٹیلوں پر حکومت کرو گے؟ ریت کے ذروں پر حکومت کرو گے؟ لیکن آج کے انسان کو ان سوالات سے کوئی دلچسپی نہیں، اب تو صرف حکومت مقصود بن گئی ہے، اور دماغوں پر ایسی مستولی ہو گئی ہے کہ محکوم کی بھی فکر نہیں، اقتدار کی ہوس، جس کے لئے فرعون قرآن میں معیاری انسان کے طور پر پیش کیا گیا ہے، اور دولت کی ہوس، جس کے لئے قارون معیاری انسان کے طور پر پیش کیا گیا ہے، وزارت کا شوق، جس کے لئے ہامان معیاری انسان کے طور پر پیش کیا گیا ہے،

تین زندہ جاوید کردار ہیں، فرعون، ہامان، قارون، ان کا سلسلہ ختم نہیں ہوا ہے

نفس ما را کمتر از فرعون نیست
لیک اورا عون ما را عون نیست

فرق ہے کہ فرعون کے پاس ساز وسامان تھا، اور ہم میں سے کتنے آدمی ہیں، جن کے اندر فرعون بول رہا ہے۔

آج انسان نیلام پر چڑھ چکے ہیں:

لیکن ان کے پاس اپنے مقاصد کو پورا کرنے کے لئے ساز وسامان نہیں، آج ساری دنیا اس راستے کے پیچھے آنکھ بند کر کے چلے جارہی ہے، جیسا کہ میں نے پہلے بھی کہا ہے کہ انسان خربوزوں اور تربوز کی طرح منڈی میں بک رہے ہیں، پارٹیاں بدلی جارہی ہیں، عقیدے بدلے جارہے ہیں، زندگی بھر کے کردار پر زندگی بھر کی تاریخ پر پانی پھیرا جارہا ہے، آدمی ایک کیمپ سے نکل کر دوسرے کیمپ میں جانے کے لئے تیار ہے، جس سے ساری عمر دوستی رہی اس سے دوستی ختم کر کے ان سے دوستی کرنے کے لئے تیار ہے، جن سے ساری عمر دشمنی رہی، جن کو ساری عمر برا کہتے تھے، ان کو اچھا کہنے کے لئے تیار، جن کو پاؤں تلے روندتا تھا ان کو سر پر بٹھانے کے لئے تیار، جن کو آنکھوں میں جگہ دیتا تھا ان کو پاؤں تلے روندنے اور مسلنے کے لئے تیار، سب کچھ انسان کرنے کے لئے تیار ہے، اور جس سے آپ پوچھیں گے اگر وہ صحیح بات کہنے کی ہمت وجرأت رکھتا ہو، منافق نہ ہو تو آپ سنیں گے کہ سب کے دل میں وہی فرعون بیٹھا ہوا ہے، اور دنیا کے فساد کا باعث یہی ہے۔

دنیا کے فساد کا ذمہ دار مذہب نہیں:

سن لیجئے کہ دنیا کے فساد کا ذمہ دار مذہب نہیں ہے، دنیا کا فساد یہ نہیں ہے کہ مذہب مذہب سے لڑ رہا ہے، مذہب کے مذہب سے لڑنے کا دور ختم ہوا، صدیوں پہلے ختم ہوا، آج بچارے مذہب کو کون موقع دیتا ہے کہ وہ میدان میں آئے، آج غیر مذہبی انسان غیر مذہبی انسان سے لڑ رہا ہے، آج غرض غرض سے لڑ رہی ہے، آج ہوس ہوس سے ٹکرا رہی ہے، آج شیطان شیطان سے ٹکرا رہا ہے، آج مال سے مال ٹکرا رہا ہے، آج اقتدار اقتدار سے لڑ رہا ہے، آج حکومت حکومت سے لڑ رہی ہے، آج وزارت وزارت سے لڑ رہی ہے، آج پارٹی پارٹی سے لڑ رہی ہے۔

ساری لڑائی اغراض کی ہے:

تم نے دو عظیم جنگوں کا نقشہ دیکھا ہے، ان میں کون سا مذہب کس مذہب کے خلاف لڑا تھا؟ کہاں صلیبی جنگ تھی۔؟ کیا وہ اسلام وعیسائیت کی آویزش تھی؟ حاشاوکلا!۔ مذہب اس سے بری ہے، یہ مذہب کی خوبی ہو یا مذہب کی کمزوری ہو، مجھے اس سے بحث نہیں، مذہب آج اس پوزیشن میں نہیں ہے کہ دوسرے مذہب سے ٹکرائے، خلوص خلوص سے کبھی نہیں ٹکرایا روحانیت روحانیت سے کبھی نہیں ٹکرائی، یہ الزام ہے اتہام ہے، بہتان ہے، میں تاریخ کو چیلنج کرتا ہوں، تاریخ کے پروفیسروں کو چیلنج کرتا ہوں کہ ایک مرتبہ بھی بتادیں کہ خلوص خلوص سے لڑا ہو خلوص میں خلوص سے لڑنے کی صلاحیت ہی نہیں، خلوص جب خلوص کی طرف بڑھے گا، پہچان لے گا، بھائی، بھائی کو پہچان لیتا ہے، نیک نیک کو پہچان لیتا ہے ماں اپنے بیٹے کو پہچان لیتی ہے، بیٹا اپنی ماں کو پہچان لیتا ہے، اس سے زیادہ مخلص مخلص کو پہچانتا ہے، کبھی مخلص مخلص سے نہیں لڑسکتا، کبھی روحانیت روحانیت، سے نہیں لڑسکتی کبھی نیکی نیکی سے نہیں لڑسکتی، کبھی صداقت صداقت سے نہیں لڑسکتی، ہمیشہ جھوٹ جھوٹ سے لڑتا ہے، ہمیشہ نفاق نفاق سے لڑتا ہے، ہمیشہ باطل باطل سے لڑتا ہے، ہمیشہ اغراض اغراض سے لڑتے ہیں، سارا فساد دنیا میں اغراض کا ہے، اغراض کے سوا آج کچھ نہیں ہے، امریکہ میں اغراض کے سوا کچھ نہیں ہے، یورپ میں اغراض کے سوا کچھ نہیں ہے، اور افسوس کی ساتھ کہا جاسکتا ہے کہ ہمارے اس برصغیر ہندوستان و پاکستان میں اغراض کے سوا کچھ نہیں ہے، آج ساری دنیا میں اغراض کی کارفرمائی ہے آج لوگوں کو روٹی نہیں ملتی تو اغراض کی بدولت، آج لوگوں کو تن چھپانے کے لئے کپڑا نہیں ملتا تو اغراض کی بدولت، آج انسان انسان کے خون کا پیاسا ہے، اغراض کی بدولت، آج کل، جو فرقہ وارانہ فسادات ہوتے ہیں، وہ بھی اغراض کا کرشمہ ہیں، مذہب کا نام بدنام ہے، مذہب کا اس سے کوئی تعلق نہیں ہے۔

ایک شاہراہ کے سوا آج سارے راستے بند ہیں:

میں صاف کہتا ہوں کہ اسلام کا بھی اس سے کوئی تعلق نہیں، ہندو مذہب کا بھی تعلق

نہیں، عیسائیت کا بھی تعلق نہیں، ایک مذہبی اور انصاف پسند انسان کی حیثیت سے میں اعلان کرتا ہوں کہ مذہب کا کوئی قصور نہیں، احمد آباد میں اغراض اغراض سے لڑے، انسانیت دشمنی تھی، جو سامنے آئی، آج جہاں کہیں بھی کشت وخون ہو رہا ہے، آج جہاں کہیں بدامنی ہے آج جہاں کہیں انسان انسان کو پامال کر رہا ہے گھروں کو تاراج کر رہا ہے، بستیوں کو بے چراغ کر رہا ہے، وہاں صرف اغراض ہیں، اور یہ سلسلہ کبھی بند نہیں ہوسکتا، اس کے بند کرنے کی طاقت دنیا کے کسی فلسفے میں نہیں، اس کے بند کرنے کی طاقت کسی مفکر کے پاس نہیں، راستے گم ہیں، دروازے بند ہیں، انسان کی قسمت پر مہر لگ چکی ہے، صرف ایک راستہ ہے، اور وہ راستہ صرف انبیاء علیہم السلام کا بتایا ہوا راستہ ہے۔

اے یورپ کے داناؤ! اے امریکہ کے لال بجھکڑو! تم راستہ کھو چکے مسیح علیہ السلام نے تم کو ایک راستہ بتایا تھا، جب تک محمد ﷺ کی بعثت نہیں ہوئی وہ راستہ بھی منزل تک پہنچانے کے لئے کافی تھا، مگر اے عقل وانسانیت کے دشمنو! تم نے مسیح علیہ السلام کی تعلیمات کا دامن چھوڑ دیا، کلیسا پر افترا ہے، الزام ہے، کلیسا میں ہزاروں خرابیاں سہی، کلیسا نے بہت غلط کردار ادا کیا، لیکن کلیسا جنگوں کا ذمہ دار نہیں، کلیسا نے وحدت پیدا کی، یورپ کی منتشر طاقتوں کو ملایا اور وہاں کے لوگوں نے صاف صاف کہا ہے کہ جب سے لوتھر کی تحریک دنیا میں آئی اس نے عیسائیت کو جو کچھ بھی فائدہ پہنچایا ہو اس نے یورپ کی وحدت کو پارا پارا کر دیا، ایک کلیسائے اعظم، ایک اسقف اعظم کے نیچے جو یورپی اقوام جمع ہوگی تھیں اور صدیوں سے زندگی گزار رہی تھیں، ان کا تار بکھر گیا، ان کی لڑی ٹوٹ گئی، وہ ایسی منتشر ہوئیں کہ آج کوئی طاقت، کوئی فلسفہ، کوئی نظام خواہ وہ اقتصادی نظام ہو، خواہ وہ کوئی سیاسی نظام ہو، خواہ وہ جمہوریت ہو، خواہ ڈکٹیٹر شپ ہو، کوئی اس وحدت کو دوبارہ لانے کی صلاحیت نہیں رکھتا۔

ہمارا علاج ہمارے اندر ہے:

دنیا کو معلوم ہو جانا چاہئے کہ ہمارا مرض ہمارے اندر ہے، اور ہمارا علاج بھی ہمارے اندر ہے، جس چیز کو ہم باہر تلاش کرتے پھرتے ہیں، وہ ہمارے اندر ہے، وہی قصہ ہے کہ کسی کی کوئی چیز کھوگئی تھی، گھر کے اندر اور باہر اس کو تلاش کر رہا تھا، کسی نے کہا کہ وہ چیز

کہاں گری تھی؟ اس نے کہا گھر کے اندر، اس نے کہا کہ گھر کے اندر کیوں نہیں تلاش کرتے؟ کہنے لگے، گھر کے اندر روشنی نہیں، روشنی باہر ہے، اس لئے جہاں روشنی ہے وہاں میں تلاش کر رہا ہوں۔

آج ساری دنیا کے اہل عقل یہی کر رہے ہیں حقیقت گم ہوئی تھی، ہمارے دل کے اندر، ہمارے وجود کے اندر ہمارے ارادوں کے اندر ہمارے یقین کا جو سرچشمہ ہے، اس کے اندر لیکن چونکہ اس میں تاریکی ہے اور تاریکی ہے ایمان نہ ہونے کی وجہ سے، تاریکی ہے، اس وجہ سے کہ نبوت کا دامن ہمارے ہاتھ سے چھوٹ گیا، لیکن ملے گی وہ چیز یہیں، باہر گیس کے ہنڈے کی روشنی سہی لیکن جو چیز جہاں گری ہے وہ چیز وہیں ملے گی، تم نے جس چیز کو گھر کے اندر کھویا ہے، اس کو گھر سے باہر مت ڈھونڈو، گھر کے اندر آؤ ، چراغ جلاؤ ایمان کی مشعل، مانگ کر کے لاؤ، لیکن خدا کے لئے گھر میں آؤ، اور تلاش کرو، جو چیز جہاں گری ہے، قانون خداوندی ہے، عقل کا فیصلہ ہے وہ چیز وہیں ملے گی۔

دنیا کے دکھوں کا علاج صرف یہ ہے کہ دل میں ایمان کا چراغ روشن کیا جائے:

تم نے دل کی دنیا میں یقین کھویا تم نے دل کی دنیا میں انسان کی محبت کھوئی، تم نے دل کی دنیا میں ایمان کھویا تم نے دل کی دنیا میں انسان پر اعتماد کھویا، تم نے دل کی دنیا میں خدا کی محبت کھوئی، اب تم اس کو باہر تلاش کر رہے ہو، تم اس کو اقوام متحدہ کے پلیٹ فارم پر تلاش کر رہے ہو، تم اس کو سیاسی کانفرنسوں میں تلاش کر رہے ہو، تم اس کو سیاسی پارٹیوں میں تلاش کر رہے ہو، تم اس کو یونیورسٹیوں کے ایوانوں میں تلاش کر رہے ہو، تم اس کو کتب خانوں کے گوشوں میں تلاش کر رہے ہو، خدا کا قانون ہے، خدا کی غیرت کا فیصلہ ہے کہ جو چیز جہاں کھوئی ہے وہیں ملے گی، یہ کھوئی ہوئی چیز جسے تم نے دل میں کھویا ہے، اور تم جانتے ہو کہ تم نے کھویا ہے، تمہیں یاد ہے وہ دن جس دن تم نے کھویا تھا، تمہیں وہ گھڑی یاد ہے جس گھڑی تم نے اس کو کھویا تھا، وہ چیز جب گری تھی، اس کی آواز آئی تھی، شیشہ گرتا ہے تو اس کی جھنک پیدا ہوتی

ہے، وہ کوئی ایسی چیز نہ تھی کہ ریت میں گر کر کھوگئی ہو، اور آواز نہ آئی ہو، اس کی رسید آئی، اس نے اعلان کیا کہ میں جارہی ہوں، ایمان جب کھویا تم کو معلوم ہے، اس کی صدائے بازگشت تمہارے کانوں میں آئی، محبت جب کھوئی تو اس کی آواز آئی، اس نے پکارا، اس نے تم کو دہائی دی کہ میں جارہی ہوں، نبوت کا دامن ہاتھ سے چھوٹا تو تم کو احساس ہوا اور بتانے والوں نے بتایا، تم نے سنی ان سنی کردی، یورپ کے داناؤ، یورپ کے لال بجھکڑو! تم نے اسوقت ایسا شور مچارکھا تھا، ایسی گھنٹیاں بجارہی تھیں، ایسے ناقوس بجار کھے تھے، ایسے جنگ کے گھنٹے بجار کھے تھے کہ جب حضرت مسیح علیہ السلام کی عطا کی ہوئی چیز کھوئی تھی اور زمین پر گر کر اس نے آواز دی تھی تو تم نے اس کی آواز نہیں سنی، لیکن مسلمان تم کو بتاتا ہے کہ وہ چیز تم نے کہاں کھوئی؟ ڈھونڈھنے والوں کو وہیں ملے گی، آب حیواں کا چشمہ وہیں ملتا ہے، جہاں ہوتا ہے، ہزار دریا بہیں، سمندر بہیں، راوی وچناب بہیں اور گنگا وجمنا بہیں لیکن آب حیواں کا چشمہ تاریکیوں میں ملے گا، انہی تاریکیوں میں جانا پڑے گا، پہلے تاریکیاں پڑیں گی پھر آب حیواں کا چشمہ ملے گا۔

اب دنیا کا کوئی علاج نہیں، سننے والے سن لیں، لکھنے والے لکھ لیں، یاد کرنے والے یاد کرلیں، کہ اب دنیا کا کوئی علاج نہیں ہے، علاج صرف یہی ہے کہ رسول اللہ ﷺ کا دامن پکڑا جائے اور پھر وہ چراغ بھی روشن کیا جائے جس سے دل کی کھوئی ہوئی چیز ملے، دل کا سر گم ہو چکا، دل تک پہنچنے کا راستہ کسی کے پاس نہیں، افسوس یہ ہے کہ راستہ نہیں، دل تک پہنچنے کا راستہ بہت نازک ہے، یہ بہت پتلی گلی ہے مگر راستہ وہی ہے۔

دماغ ہفت زبان ہے لیکن دل صرف ایک زبان جانتا ہے:

سن لو کہ دماغ ہفت زبان ہے، لیکن دل یک زبان، دماغ انگریزی جانتا ہے، دماغ فرانسیسی جانتا ہے، دماغ عربی جانتا ہے، اعلیٰ سے اعلیٰ تقریریں کرو، لطیف نکتے پیدا کرو، بلند سے بلند فلسفیانہ بحثیں کرو، لیکن دل ایک زبان جانتا ہے، دل انصاف کی زبان جانتا ہے، دل محبت کی زبان جانتا ہے، دل فلسفوں سے نہیں سمجھے گا، باریکیوں سے نہیں سمجھے گا، سائنس سے نہیں سمجھے گا، دل تو ایک ایمان کی زبان جانتا ہے، خدا کا نام لو تو دل جاگ اٹھے گا، خدا کے نام سے پکارو، دل دوڑ پڑے گا، خدا کے نام کی دہائی دو، دل سب کچھ نچھاور کردے گا، اور جب

دل تیار ہو جائے گا تو پھر کسی چیز کی کمی نہیں، وسائل کی کمی نہیں، طاقت کی کمی نہیں، تنظیم کی کمی نہیں، دولت کی کمی نہیں، دانائی کی کمی نہیں، سب قدموں کے نیچے ہیں لیکن دل کو جگاؤ اور دل کو ایک مرتبہ خیر کے راستے پر ڈال دو اور دل میں انسان کی محبت پیدا کر دو، دل کی اس سرد و بنجر زمین میں پھر صلاحیت پیدا کرو، اور وہ صلاحیت پیدا نہ ہوگی، جب تک اپنے سفلی اغراض و مقاصد کی کھاد اس میں نہ ڈالو، یہ تمہاری دولت پرستی، یہ تمہاری جاہ پرستی، یہ تمہاری غرض پرستی یہ تمہاری حکومت پرستی یہ کھاد ہے دل کی، جب اس کی کھاد بنا کر زمین پر ڈالو گے تو دل کی کھیتی خزانہ اگلے گی پھر خلوص پیدا ہوگا، کھاد ہوگی، تم نے دیکھا ہے کہ کھاد ہمیشہ گندی ہوتی ہے، مگر کھاد سے جو چیز پیدا ہوتی ہے، وہ کیسی لطیف و نظیف ہوتی ہے، جب اغراض کی غلط مقاصد کی کھاد، انسانیت دشمنی کی، جاہ پرستی کی، اور حکومت پرستی کی کھاد ڈالو گے تو اس سے خلوص برآمد ہوگا، اس سے صداقت برآمد ہوگی، اس سے انصاف برآمد ہوگا، اس سے انسانیت کی فلاح کی طلب برآمد ہوگی، اور پھر دنیا میں بہار آئے گی، اور یہ دنیا جنت کا نمونہ بن جائے گی۔ اللہ تعالیٰ ہمیں دین کی قدردانی نصیب کرے!

وما علینا الا البلاغ المبین.

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

ملک ومعاشرہ کا سب سے خطرناک مرض ظلم وسفاکی

پیام انسانیت کی تحریک حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ کی وہ عظیم تحریک ہے جس کے ذریعہ ہندوستان جیسے بتکدے میں غیر مسلموں کے درمیان اسلامی پرچار کی وہ قابل تحسین خدمت ہوئی جسے ہندوستانی مسلمان وغیر مسلم صدیوں یاد رکھیں گے، پیام انسانیت کی خوشبو کو وہ مدتوں محسوس کریں گے! اللہ تعالیٰ اس تحریک کو حضرت مولاناؒ کے حق میں رفع درجات کا سبب بنائے۔ ٦ جنوری ١٩٩٣ء کو مولانا کے شہر لکھنؤ کی مشہور تاریخی عمارت بارہ دری قیصر باغ میں پیام انسانیت کا وہ عظیم الشان فقید المثال جلسہ ہوا جسکی صدارت خود حضرت مولانا نور اللہ مرقدہ نے فرمائی، جس میں بلاتفریق مذہب اور ملت بہت سے نامور دانشوروں اور رہبرانِ قوم نے شرکت کی۔ اس موقع پر حضرت مولانا قدس سرہٗ کا وہ تاریخ ساز بیان ہوا!

اس اعصابی اور جذباتی دورہ کے دور کرنے کا سب سے مفید و مؤثر طریقہ مذہبی پیشواؤں، ملک کے دانشوروں اور سیاسی قائدین کی جدوجہد اور مہم جوئی۔۔۔ ایک مؤثر خطاب اور دعوت عمل۔

حضرات:

ہم اس وقت لکھنؤ شہر میں ہیں، میں اپنی تقریر کا آغاز اسی لکھنؤ شہر کے ایک معروف شاعر امیر مینائی کے شعر سے کروں گا، ادب کے بہت سے طالب علم شعر وشاعری سے دلچسپی رکھنے والے اور تاریخ کا علم اور اس کا ذوق رکھنے والے حضرات ان کے نام سے واقف ہوں گے وہ

کہتے ہیں

امیر جمع ہیں احباب درددل کہہ لے
پھر التفات دل دوستاں رہے رہے نہ رہے

اور اسی کے ساتھ میں اس برصغیر (SUB CONTINENT) کے قابل فخر اور مشہور ترین شاعر وادیب اور فلسفی مفکر علامہ اقبال کا بھی شعر پڑھوں گا، وہ کہتے ہیں۔

تا تو بیدار شوی نالہ کشیدم ورنہ
عشق کاریست کہ بے آہ وفغاں نیز کنند

مطلب یہ ہے کہ آپ جاگ جائیں اس لئے کہ میرے دل سے ایک آہ کراہ نکلی ہے ورنہ عشق تو ایسا کام ہے کہ جو آہ وفغاں اور اظہار درد کے بغیر بھی کیا جاتا ہے اور کیا جاتا رہا ہے۔

حضرات:

میں بہت معذرت کے ساتھ اتنی عرض کردوں کہ میں لکھنے پڑھنے والا آدمی ہوں لیکن میری توجہ اور میری دلچسپی کا مرکز دو موضوع (SUBJECTS) ہیں ایک مذہب اور اس میں بھی تقابلی مطالعہ (COMPARATIVE STUDY) اور ایک تاریخ، اور تاریخ صرف ایک حصہ کی نہیں بلکہ تاریخ عام (UNIVERSAL HISTORY) میں نے عربی، فارسی، اردو اور انگریزی میں اس کا بڑا ذخیرہ دیکھا اور پڑھا ہے، اس مطالعہ کے نتیجہ میں میں اس حقیقت تک پہنچا ہوں کہ دنیا کی مذاہب میں سب سے زیادہ اگر کسی چیز پر اتفاق ہے تو وہ یہ کہ ظلم بری چیز ہے، اور ظلم اس دنیا کو پیدا کرنے والے کو پسند نہیں ہے۔ اور جہاں تک تاریخ کا تعلق ہے وہ بتاتی ہے کہ ظلم سے بعض اوقات بڑی بڑی سلطنتوں کے چراغ گل ہوگئے ہیں اور معاشرہ پر بادخزاں چل گئی ہے، ان پر مکمل زوال آگیا ہے اور سارے علمی وادبی کارنامے اور ذخیرے خاک میں مل گئے ہیں۔

تاریخ میں ایسی شہادتیں بھی موجود ہیں کہ بعض اوقات کسی ایک مظلوم مرد کی آہ، اور کسی ایک مصیبت زدہ خاتون کی کراہ سے پورے دور کا خاتمہ ہوگیا ہے، جو بات سب سے زیادہ ملکوں کی خیر خواہی، سچی ہمدردی، حقیقت پسندی انسانیت کے فرض کی ادائیگی بلکہ اس کے احساس کی ہے خواہ اس ملک میں کتنی ترقیاں ہوں اور اس ملک کی تاریخ خواہ کیسی رہی ہو اور

اس میں وسائل وذخائر ہوں، یہ ہے کہ ظلم نہ ہونے پائے، کسی کمزور آدمی کو روندا نہ جائے کسی گھر کا چراغ بجھایا نہ جائے، کسی بے زبان عورت پر ہاتھ نہ اٹھایا جائے اور کسی مظلوم کی بددعا نہ لی جائے۔

میں آپ سے کہتا ہوں کہ اس بارہ دری کی (ہندوستان کو چھوڑیئے لکھنؤ شہر کے مقابلے میں) کیا حقیقت ہے؟ لیکن اگر کچھ لوگ آکر اس بارہ دری میں توڑ پھوڑ شروع کر دیں، کرسیاں پٹخنا شروع کر دیں اور لوگوں پر حملہ آور ہو جائیں، اور یہ جو آپ آرائش کا سامان دیکھ رہے ہیں اس کو برباد کرنا شروع کر دیں، تو اس کا ٹرسٹی، اس کا محافظ، اور اس کی دیکھ بھال کرنے والا اسٹاف برداشت نہیں کر سکتا، آپ کمہار کی دوکان پر جا کر دیکھئے (میں آسانی سے یہ مشورہ نہیں دوں گا مجھے آپ سے ہمدردی ہے) لیکن آپ سے کہتا ہوں کہ آپ کمہار کی دوکان پر تجربہ کیجئے، ایک کمہار کی کیا حقیقت ہے، اس کے مٹی کے برتنوں کی کیا حیثیت ہے؟ دو پیسے کی چیز ہے! لیکن آپ کمہار کی دوکان پر جا کر اس کے گھڑے توڑنے لگیں اس کے بدھنے توڑنے لگیں، اس کے برتن پھوڑنے لگیں تو وہ آپ کو آسانی سے جانے نہیں دے گا، وہ آپ کو روکے گا، اپنے برتنوں کو بچانے کی کوشش کرے گا اور آپ پر حملہ آور ہو جائے گا، اسی طرح آپ کسی اور دوکان پر چلے جایئے اور اس دوکان کو لوٹنے لگے، اس کا سامان اٹھا کر لے جانے لگے، توڑ پھوڑ شروع کرنے لگے اور اپنی طاقت کا مظاہرہ کرنے لگے، تو وہ برداشت نہیں کر سکتا۔ اگر وہاں زندگی کے آثار ہیں اور واقعی وہ کوئی مہذب جگہ ہے، پڑھے لکھے لوگ وہاں رہتے ہیں تو پورا محلہ آکر کھڑا ہو جائے گا، گھر کے لوگ باہر آ جائیں گے لکھنا پڑھنا چھوڑ دیں گے اور آپ کا ہاتھ پکڑیں گے کہ اس غریب دوکاندار کا کیا قصور ہے کہ آپ اس کی دوکان اور اس کے سامان کو توڑ پھوڑ کر رہے ہیں اور جلا رہے ہیں؟ یہاں قریب ہی ایک لائبریری ہے، مجھے وہاں کے ایک ایک صفحہ کی قدر ہے، میری بہت سی تحریریں اور کاوشیں اس کی رہین منت ہیں، لیکن میں کہتا ہوں اور دل پر ہاتھ رکھ کر کہتا ہوں کہ وہاں جا کر کوئی کتابیں پھاڑنے لگے، کیا حقیقت ہے کتاب کی، انسان کی لکھی ہوئی کتاب ہے، دوبارہ لکھی جا سکتی ہے، دوبارہ چھپ سکتی ہے اور کئی بار چھپ سکتی ہے تو آپ کو اس ذخیرہ یا اس کے کسی حصہ کو تلف اور برباد کرنے کی کوئی اجازت نہیں دے گا۔

بس کیا آدمی ہی رہ گئے ہیں، ہمارے بھائی مذہبی رہ گئے ہیں، نسل انسانی کے افرد ہی رہ گئے ہیں جن سے ہمارا ملک آباد ہے، جن سے یہاں کی رونق قائم ہے، جن کی وجہ سے ہمارا ملک ملک کہلاتا ہے، جنگل نہیں کہلاتا ہے، یہاں کوئی شکار کھیلنے نہیں آتا، کیوں کہ وہ جانتا ہے کہ یہ لکھنؤ ہے، تہذیب کا مرکز ہے یہ اجودھیا ہے، یہ دہلی ہے تاریخی شہر ہے اور ملک کا دارالسلطنت (Capital) ہے، بمبئی ہے، احمد آباد اور سورت ہے کہاں تک شہروں کے نام لوں، کوئی آپ کو اجازت نہیں دے گا کہ آپ مٹی کے سامان کو، شیشے کے سامان کو بھی برباد کرنے لگیں تو کیسے یہ خیال آسکتا ہے کہ آدمی جسے اس دنیا کے پیدا کرنے والے نے کس محبت سے، اپنی قدرت وصنعت اور اپنی رحمت سے انسان بنایا وہ انسان شکار بن جائے؟ خود انسانی ہاتھوں کا شکار بن جائے اور اس کا اس طرح شکار کیا جائے جس طرح شکاری جانوروں کا شکار کرتا ہے۔

خلاصہ یہ کہ یہ سارے مذہب اگر کسی بات پر متفق ہیں تو اس پر کہ ظلم بہت بری چیز ہے، اور ظلم خالق کائنات کو ناراض کرنے والی چیز ہے، اور اس کی طرف سے ظلم کرنے والوں پر ایسی ایسی سزائیں، آفتیں اور مصیبتیں آتی ہیں جن کا پہلے سے تصور و تعین بھی نہیں کیا جاسکتا اور ان کے تصور ہی سے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں، میں کہنا نہیں چاہتا، اسی ملک کا رہنے والا ہوں میری زندگی اس ملک سے وابستہ ہے مگر کہتا ہوں کہ ظلم کرنے والوں پر خدا کی طرف سے آفتیں آتی ہیں، زلزلے آتے ہیں، بجلیاں گرتی ہیں، گرانی بڑھتی ہے، قحط سالی آتی ہے، چیزیں نایاب ہو جاتی ہیں، بیماریاں بھی عام ہو جاتی ہیں اور آگے مجھ سے نہ کہلوایئے۔

میں کہہ رہا ہوں کہ سب سے زیادہ ڈرنے والی چیز جو ہے وہ ظلم ہے دنیا کے سارے مذاہب، سارے کلچر، سارے رفارمرس (Reformers)، سارے صوفی سنت اس بات پر متفق ہیں کہ انسان سب سے زیادہ قیمتی چیز ہے اور ہر مذہب کا انسان ہر شہر کا انسان، ہر قابلیت کا انسان، ہر صلاحیت کا انسان، مفید ہو نا یا غیر مفید وہ خدا کی صفت ہے اور خدا کی رحمت کا مظہر ہے ہم اس کو ... (MASTER PIECE) نہیں کہہ سکتے ورنہ اس سے بڑھ کر (MASTER PIECE) اور کیا ہو سکتا ہے؟

میرے بھائیو، دوستو! اب میں آپ سے یہ عرض کرتا ہوں کہ آدمی بیمار ہو جاتا

ہے، اس پر اعصابی اور جنون کا دورہ پڑ جاتا ہے اور یہ دورہ فرد (INDIVIDUAL) پر بھی پڑ سکتا اور پڑتا ہے اور تاریخ ہمیں یہ بتاتی ہے کہ مرض کا یہ دورہ، جنون (پاگل پن) کا یہ دورہ ظلم وسفاکی کا یہ دورہ، انسان کی تحقیر وتذلیل کا یہ دورہ صرف افراد ہی پر نہیں بلکہ پورے پورے معاشرہ، پوری پوری سوسائٹی، پورے پورے ملک اور پورے عہد پر پڑا ہے۔ اور یہ دورہ پڑنا کوئی انوکھی اور تعجب خیز بات نہیں ہے لیکن جو چیز ڈرنے کی ہے اور خطرناک بھی ہے وہ یہ ہے کہ اس دورہ کو دور کرنے والے اور اس بیماری کا علاج کرنے والے لوگ نہ ہوں، ہم نے انسانی تہذیب اور نسل انسانی پر ایسے بڑے بڑے دورے پڑتے ہوئے دیکھے ہیں کہ معلوم ہوتا تھا کہ اب یہ تہذیب زندہ نہ رہ سکے گی، اور یہ نسل اب آگے نہ چل سکے گی، لیکن ہمت والے لوگ سامنے آ گئے اور انہوں نے واقعات کا رخ بدل دیا۔

اس کی مثالیں میں آپ کو اپنے تاریخ کے مطالعہ کی روشنی میں ایک نہیں دس دے سکتا ہوں لیکن اس موقع پر میں صرف دو مثالیں دوں گا۔ ایک تو جب چین کی سرحد سے ترکستان کے تاتاری اٹھے تو ایسا معلوم ہوتا تھا کہ اب نسل انسانی سب کچھ کھو دے گی، اور اب کچھ باقی نہ رہے گا، معلوم ہوتا تھا کہ اب دنیا کو اپنا تہذیبی سفر دوبارہ شروع کرنا پڑے گا۔ کیونکہ سب کچھ برباد ہو جائے گا، نہ کتب خانے رہیں گے، نہ مدرسے رہیں گے، نہ دانشور رہیں گے، اور حد یہ تھی کہ وہ اٹھے تھے ترکستان سے لیکن یورپ میں لوگ ان سے ڈرتے تھے، یہاں چند تاریخی شہادتیں بیان کرتا ہوں جو یورپ کے مستند ومشہور مؤرخوں کی کتابوں سے ماخوذ ہیں۔

گبن (GIBBON) اپنی مشہور کتاب ''تاریخ الخطاط اور سقوط روما'' (THE DECLINE AND FALL OF TH FOMAN DMPIRE) میں لکھتا ہے۔

''سویڈن کے باشندوں نے روس کے ذریعہ تاتار طوفان کی خبر سنی، ان پر اتنی دہشت طاری ہوئی کہ وہ ان کی خوف سے اپنے معمول کے مطابق انگلستانی سواحل پر شکار کھیلنے کے لئے نہیں نکلے۔''

ایچ جی ولز (H.G.WELLS) کا قول ہے کہ:

''اگر کوئی سیاسی پیشین گو ساتویں صدی کے آغاز میں دنیا کا جائزہ لیتا تو اس نتیجہ پر پہنچتا کہ صرف چند صدیوں کی بات ہے کہ پورا یورپ اور ایشیاء منگولوں کے زیر اقتدار آ جائے گا۔''

ہیرالڈلیمب (HAROLD LAMB) لکھتا ہے۔

''چنگیز خان کی جہاں آشوبی وغارت گری نے تمدن کو ایسا سخت صدمہ پہنچایا کہ نصف دنیا میں تہذیب وشائستگی کو مرگ از سرِ نو جنم لینا پڑا، خوارزم کی سلطنت، بغداد کی خلافت، روس کی مملکت اور کچھ دنوں کے لئے پولینڈ (پولار) کی حکومتیں ہٹ گئیں۔''

لیکن کیا ہوا، کچھ صوفیا، (سنت لوگ) کچھ اہل دل اٹھے، انہوں نے کوشش کی، ان سے ملے، خدا کی یاد دلائی، اس کے غضب سے ڈرایا، ان کو انسان پر ترس کھانے کی تلقین کی، اور اپنے اخلاق سے، اپنی روحانیت سے، اپنی بے غرضی اور خلوص سے، اپنی ہمدردی نوع انسانی سے ان کے دلوں کو موہ لیا، ان کے دلوں کو بالکل ایسا نرم بنالیا کہ وہ بالکل موم ہو گئے جس کے اتنے قصے ہیں کہ بیان نہیں کئے جاسکتے، ان صوفیوں اور درویشوں کا دولت سے بے پرواہ ہونے اور ان کے خلوص کی حد یہ ہے کہ چند بزرگوں کے علاوہ ان میں سے اکثر کے نام بھی تاریخ میں نہیں ملتے، انہوں نے اپنے نام بھی چھپائے انہوں نے پوری تاتاری نسل کو آدمی بنادیا اور ایسا آدمی بنایا کہ ان میں مصنف بھی پیدا ہوئے، ان میں بڑے بڑے قانون داں پیدا ہوئے، بڑے بڑے بانیان سلطنت پیدا ہوئے، انہوں نے انسانی تہذیب کی حفاظت کی اور صدیوں تک دنیا کی رہنمائی کرنے کے قابل ہوئے۔

تو میرے بھائیو! کسی ملک، پر کسی فرقہ پر، اور مجھے معاف کیجئے۔ میں صاف کہونگا کہ کسی کمیونٹی (COMMUNITY) پر، کسی مکتب خیال پر، (SCHOOL OF THOUQHT) کسی سوسائٹی پر، کسی کنٹری اور سولیزیشن (CIVILISATION) پر یہاں تک کہ کسی ایج (AGE) پر پورے پورے ایج (AGE) پر اس دورہ کا پڑجانا، اس کا بیمار ہوجانا اور جنون کا شکار ہوجانا کوئی بعید بات نہیں ہے یہ بار بار ہوا ہے۔

لیکن اصل ڈرنے کی بات یہ ہے کہ اس دورے کو دور کرنے اور آدمی کو پھر آدمیت کے حدود میں لانے اور آدمی کو آدمی بنانے اور آدمی کو ظلم سے، خون ریزی سے ڈرانے اور آدمی کی آدمی سے دل میں محبت پیدا کرنے اور اپنے ملک کی سچی خیر خواہی اور سچی حب الوطنی سچا نیشنلزم اور اپنے ملک کی محبت پیدا کرنے کی تعلیم دینے کے لئے کوئی پارٹی اور کوئی جماعت کھڑی نہ ہو، یہ چیز ڈرنے کی ہے، ایک آدمی جو فلسفہ تاریخ پر نظر رکھتا ہے اور جس کی مذاہب کی تعلیمات پر

بھی نظر ہے، جس نے آسمانی کتابیں پڑھی ہیں، جس نے روحانی شخصیات کے ملفوظات اور زبان سے نکلے ہوئے الفاظ پڑھے ہیں وہ جانتے ہیں کہ یہ دورے تو پڑتے رہتے ہیں دولت پرستی کا دورہ پڑ گیا، خواہشات نفس کی پرستش کا دورہ پڑ گیا، اور آدمی سے بیزار ہونے اور آدمی کی صورت دیکھنے کا روادار نہ ہونے، اور ظلم سے لطف اٹھانے (ENJOY) کرنے کی بیماری پیدا ہو جائے، جن کو جائز تفریحات اور فطری لذتوں میں وہ مزہ نہیں آتا اور دلکش گیت اور عمدہ نغمہ سننے میں مزہ نہیں آتا جو آدمی کو مارنے میں مزہ آتا ہے، یہ ایک بیماری ہے، انسانیت کی آخری حد تک گراوٹ ہے اور آخری درجہ کی ذلت ہے، لیکن انسان اس کا شکار ہوتا ہے اور ہوا ہے اور اگر کہہ دوں کہ ہزاروں بار شکار ہوا ہے تو غلط نہیں ہوگا، پوری پوری تاریخیں لکھی گئی ہیں، ایک قوم کے ظلم پر، ایک سلطنت کے دوسری سلطنت کو غلام بنانے پر، اور ظلم کے نئی نئی طریقے نکالنے پر، اور انسان کشی اور انسان سوزی کے واقعات پر، مگر یہ سب تاریخ کی نذر ہو گیا، تاریخ کے سوا ڈھونڈے سے نہیں ملے گا، صاف معلوم ہو رہا تھا کہ یہ چیز دور نہیں ہو سکتی یہ قہر خداوندی ہے، جس رقبہ کی چیز تھی، اس کی جو حدیں تھیں، اس میں جو انسانی برادری آباد تھی، اب پنپ نہیں سکے گی، اس کے بچے پڑھ نہیں سکیں گے، اس کی خواتین اور عورتیں عزت کے ساتھ رہ نہیں سکیں گی۔

لیکن اچانک ہوا کا رخ بدلا اور بہار کا ایسا جھونکا آیا، روحانیت کا ایک ایسا جھونکا آیا اور قربانی دینے کا ایسا جذبہ پیدا ہوا کہ لوگوں نے اپنی جانوں کی پراہ نہیں کی، عہدے کی پرواہ نہیں کی، عہدے تو عہدے کیا ہیں اپنی صحت کی اپنی زندگی کی پرواہ نہیں کی، خوف کا بادل چھٹ گیا۔ وہ کہر دور ہو گیا، وہ انسان جو بالکل عقل کھو بیٹھا تھا، حواس باختہ ہو چکا تھا اور اس کے منہ کو خون لگ گیا تھا، اس کو کھانے میں وہ مزہ نہیں آتا تھا جو انسان کا خون بہانے میں مزہ آتا تھا وہ انسان اور انسانیت کا محافظ بن گیا، جو رہزن اور حملہ آور تھا وہ معالج اور تیماردار بن گیا۔

ایک ایسا دور بھی گزرتا ہے کہ لوگ اپنے بچوں کو دیکھ کر خوش نہیں ہو پاتے اور آج بھی کہیں کہیں ایسا ہو رہا ہے کہ لوگ اپنے بچوں، پوتوں اور نواسوں کو دیکھ کر خوش نہیں ہوتے، بچے ہنستے ہوئے آتے ہیں کہ دیکھ کر پیار آ جائے گا، مگر پیار کے بجائے آنکھوں میں آنسو آ جاتے ہیں کہ کل نہیں معلوم کہ ان کا کیا حشر ہوگا، کب ہسٹریا کا دورہ پڑ جائے اور ان بچوں کو ان کے ماں

باپ کے سامنے چیر پھاڑ کر رکھ دیا جائے، ہزار افسوس اور شرم ایسی زندگی پر کہ آدمی اپنے جگر کے ٹکڑوں کو، آنکھوں کی ٹھنڈک اور دل کی راحت کو اور ہنستے مسکراتے بچوں، نواسوں، پوتوں اور پوتیوں اور پردہ نشین خواتین کو جن پر کسی کا سایہ نہیں پڑا ان پر آج تک کسی کی نگاہ نہیں پڑی ان کو دیکھ کر یہ خطرہ محسوس کرے کہ معلوم نہیں کب جنون کا ایک دورہ آئے، دیوانگی کا ایک وبال آئے اور اس کے بعد نہ شریف عورت رہے نہ معصوم بچہ رہے، نہ یتیم کو یتیم سمجھا جائے نہ بے کس پر رحم کیا جائے، نہ بیوہ پر ترس کھایا جائے، یہ ایک بیماری ہے اور انسانی فطرت کے بالکل خلاف ہے، خدا کے پیدا کرنے کے منشاء کے خلاف ہے، اور خدا کے پیغمبروں، رسولوں اور ریفارمرس کی تعلیمات کے خلاف ہے لیکن یہ ہوتا ہے اور جو چیز ہوتی ہے اس کا ذکر بھی کرنا پڑتا ہے، دل پر پتھر رکھ کر ذکر کیجیے، آنکھوں پر پٹی باندھ کر ذکر کیجیے، رو کر کہیے، چیخیں مار کر کہیے کراہوں کے ساتھ کہیے، آہوں کے ساتھ کہیے لیکن اس کو کہنا پڑتا ہے اور کہنا ہی نہیں پڑتا ہے، لکھنے پڑھنے والا آدمی ہوں لکھنا بھی پڑتا ہے، تاریخ میں ایسے واقعات درج ہوتے ہیں اور آنے والی نسل انہیں دیکھتی ہے اور کہتی ہے کہ یہ کون لوگ تھے؟ کس نسل کے لوگ تھے؟ کس علاقہ کے لوگ تھے؟ ان کو کیا ہو گیا تھا؟ ان کو یہ دیوانگی کا دورہ کیسا پڑا تھا؟ اور ان کی انسانیت کہاں چلی گئی تھی؟ اور کیا دل نکال کر انہوں نے پھینک دیا تھا؟ کیا آنکھیں انہوں نے پھوڑ لی تھیں؟ کیا ان کو کسی کے دکھ سے تکلیف نہیں ہوتی تھی؟ کیا انسان کے رستے ہوئے خون کو دیکھ کر ان کے آنسو بہنے میں گیا لگتا ہے؟ آنسو بہنے میں کیا جاتا ہے، لیکن نہیں وہ ایسے سنگ دل تھے کہ انسان کے جسم سے خون بہتے ہوئے دیکھتے رہے اور ان کی آنکھوں سے ایک آنسو بھی نہیں ٹپکا، کیونکہ وہ انسان کو جانچتے تھے مذہب سے اور مذہب ہی نہیں انسان کو جانچتے تھے، تاریخی روایت سے انسان کو جانچتے تھے، افسانوں سے اور کہانیوں سے انسان کو جانچتے تھے، لوگوں کی افسانہ طرازیوں سے جس پر سینکڑوں برس نہیں ہزاروں برس گزر گئے، لیکن وہ ان کے نزدیک ایک زندہ چیز تھی اور وہ خدا جو حَیٌّ قَیُّومٌ ہے وہ ان کے نزدیک زندہ نہیں ہے؟ وہ انسانیت جو دنیا میں پنپ رہی ہے پھل پھول رہی ہے، گل کھلا رہی ہے، شاہ کار بنا رہی ہے، کتابوں کے ڈھیر لگا رہی ہے، کتب خانے بھر رہی ہے اور اب بھی اس کے اندر محبت کا خزانہ ہے، اب بھی اس کے اندر گل کا کھلانا ہے، یہ انسان جس سے دنیا کی بہار

ہے اگر انسان نہ ہو تو دنیا کی کیا قیمت ہے، انسان ہی سے اس کی بہار ہے، انسان ہی سے اس کی رونق قائم ہے، انسان ہی سے اس کی چمک دمک برقرار ہے، چلے جائیے آپ قبرستان میں کیا آپ کا دل وہاں لگے گا، چلے جائیے عجائب گھروں میں کیا وہاں رہنے کو دل چاہے گا، کیسے کیسے جانور ہیں، کیسی کیسی شاہ کار اور صنعت کی چیزیں ہیں، لیکن وہاں آپ ٹھہر نہیں سکتے، دیکھیں گے اور چلے آئیں گے لیکن انسان کی بستی ہے انسان نہیں گھبراتا، جنگل سے گزرتا ہے تو ڈرتا ہوا، خدا سے دعا کرتا ہوا کہ خیریت سے گزر جائے اور انسانوں کے پاس صحیح سالم پہنچ جائے، اگر انسان کو انسان سے محبت نہ ہو، انسان کو انسان کے دکھ درد کا احساس نہ ہو، انسان انسان پر ترس نہ کھائے، انسان انسان سے ہمدردی نہ کرے تو وہ انسان نہیں بھیڑیا ہے، اور کون ہے جو بھیڑیے کی تعریف کرتا ہے اور کون ہے جو بھیڑیے سے نفرت نہیں کرتا ہے، اور کون ہے جس کا بھیڑیے کی برائی سے دل نہیں دکھتا ہے، اتنے بڑے مجمع میں ہے کوئی شخص جو یہ کہے کہ آپ بھیڑیے کی برائی کیوں کر رہے ہیں، لیکن جب انسان بھیڑیا بن جائے تو کیوں آپ کا دل نہیں دکھتا، کیوں آپ کے دل پر چوٹ نہیں پڑتی اس کے نام سے نفرت کا اظہار کیوں نہیں ہوتا، انسان بھیڑیا بننے کے لئے بنایا گیا ہے؟ انسان تو فرشتہ بننے کے لئے بنایا گیا ہے، انسان تو ولی بننے کے لئے بنایا گیا ہے، انسان تو ہمدرد خلائق بنایا گیا ہے اور ہماری شاعری ہماری بول چال، ہمارے احساسات اور ہماری مجلسوں میں اسی حیثیت سے اس کا تذکرہ کیا گیا ہے اور بھیڑیا بھیڑیا ہے، آج تک بھیڑیا ہے، سینکڑوں برس سے بھڑیا ہے اور میں نے نہیں دیکھا کہ کسی شاعر نے بھیڑیے کی شان میں قصیدہ کہا ہو اور کسی صحیح الدماغ آدمی نے بھیڑیے کو اپنا ہیرو بنایا ہو اور اپنا آئیڈیل سمجھا ہو، سانپ بچھو سے تو ہم نفرت کریں اور وہی کام ہم کریں اور ہمیں شرم نہ آئے۔

دوستو! میں کہتا ہوں کہ ایک انسان کا دوسرے انسان پر ہاتھ اٹھتا کیسے ہے، اس ہاتھ کو دیکھنا چاہئے، اس کو ڈاکٹروں کے پاس لے جانا چاہئے اس کی طبی جانچ کرنی چاہیے، اس کو کاٹ کر دیکھنا چاہئے کہ اس کے اندر کون سی چیز بھری ہوئی ہے اور کس کا خون اس کے اندر دوڑ رہا ہے یہ ہاتھ انسان پر اٹھنے کے لئے نہیں بنایا گیا تھا؟ یہ ہاتھ بنایا گیا تھا انسان پر ظلم روکنے کے لئے، انسان خواہ یورپ کا ہو، انسان خواہ افریقہ کا ہو، انسان خواہ امریکہ کا ہو، اس پر جہاں بھی

زیادتی ہو ہمارا ہاتھ اٹھنا چاہئے اور زیادتی کو روکنا چاہئے، اگر گھر میں ہے تو وہاں بھی، راستہ میں چلنا ہے تو وہاں بھی، بازار میں ہے تو وہاں بھی، مولانا حالی کہتے ہیں ؎

درد دل کے واسطے پیدا کیا انسان کو
ورنہ طاقت کے لئے کچھ کم نہ تھے کروبیاں

اور ہمارے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

"الراحمون یرحمهم الرحمن تبارک وتعالیٰ ارحموا من فی الارض یرحمکم من فی السماء۔"

(ترجمہ) رحم کرنے والوں پر وہ خدا رحم کرتا ہے جس کا نام ہی رحمٰن ہے تم اہل زمین پر رحم کرو تم پر وہ رحم کرے گا جو آسمان میں ہے۔

مولانا حالی نے اس کا ایک شعر میں خوب ترجمہ کیا ہے ؎

کرو مہربانی تم اہل زمیں پر
خدا مہرباں ہوگا عرش بریں پر

اور یہ وہ حدیث ہے جو حدیث کے حلقہ میں سب سے پہلے سنائی جاتی ہے اور اہل علم جانتے ہیں کہ اس حدیث کو کتنی اہمیت دی گئی ہے۔

موجودہ صورت حال کے پیش نظر مایوس ہونے کی ضرورت نہیں لیکن اس وقت سب سے زیادہ ضرورت اس کی ہے کہ ہمارے مذہبی پیشوا اور ہمارے پولیٹکل لیڈر نکل آئیں اور ہاتھ پکڑ پکڑ کر کہیں کہ اس ملک کی عزت رکھ لو، اس ملک کی شہرت پر بٹہ نہ لگاؤ، آدمی بن کر رہو، ایک دوسرے سے محبت کرو، زندگی کا سارا لطف اس میں ہے کہ آدمی آدمی کو دیکھے، آدمی آدمی کو پہنچانے اور امید رکھے کہ ہم پر اگر کوئی مصیبت آئے گی تو یہ بچائیں گے، اسی کا نام زندگی ہے، اسی کا نام تمدن ہے اور اسی کا نام حب الوطنی ہے اور اسی کا نام سیاست ہے، سیاست بھی یہی ہے کہ ملک میں سب مل جل کر رہیں۔

بس حضرات میں یہ کہتا ہوں کہ ہمارے ملک پر اس وقت جنون کا دورہ پڑا ہے، دیوانگی کا جو دورہ پڑا ہے، جذباتیت کا جو دورہ پڑا ہے، مذہبی سیاسی استحصال (EXPLOITATION) کا جو دورہ پڑا ہے یہ دورہ ہے اور دورہ عارضی ہوتا ہے، یہ دورہ چلا جائے گا مگر اس کے دور کرنے

کے لئے علاج کرنے والوں کی ضرورت ہے، ہمدردوں کی ضرورت ہے، دل رکھنے والوں کی ضرورت ہے جو اپنے گھروں سے گھبرا کر نکل آئیں اور اس کا بھی خیال نہ کریں کہ ہم کیا کھائیں گے کیا پئیں گے؟ اور دیوانے بن کر اس ملک میں پھریں، جتھے بنا بنا کر دورے کریں، عوام کو جمع کریں، اور ملک کے نام پر انسانیت کے نام پر عقل وانصاف کے نام پر اور خدا کے خوف اس کی پہچان کے نام پر ان سے اپیل کریں کہ اب اسے ختم کرو، اب ٹھنڈے ہو جاؤ، اور اب جو تعمیری کام ہیں، ترقی کے کام ہیں، ملک کو بنانے والے کام ہیں، ملک کا نام روشن کرنے والے کام ہیں اور ملک کی عزت بڑھانے والے کام ہیں وہ کام کرو، یہ ملک بہت بدنام ہو چکا ہے، آپ کو شاید معلوم نہیں لیکن میں آپ سے کہتا ہوں، مجھے یاد نہیں اور تاریخ کے اندر ریکارڈ موجود ہے اس ملک پر کبھی ایسا دھبہ نہیں آیا تھا، اور یہ ملک باہر کی دنیا میں کبھی اس نظر سے دیکھا نہیں گیا تھا جیسا کہ آج کل دیکھا جا رہا ہے، اس میں ہم سب شریک ہیں، ہندو مسلمان سب شریک ہیں، اس لئے کہ ہم بھی ہندوستانی ہیں اور ہندوستانی رہیں گے۔ انشاء اللہ۔

میرے بھائیو! ہندوستان ہمیں عزیز ہے، یہاں کی آب و ہوا ہمیں عزیز ہے، یہاں کی تہذیب ہمیں عزیز ہے، یہاں کا سویلیزیشن ہمیں عزیز ہے اور مسلمانوں نے اس ملک کو چھوڑا نہیں، وہ کہیں بھی جا سکتے تھے، ان کے لئے بہت سی جگہیں تھیں لیکن ان سے اپنا وطن چھوڑا نہیں گیا اور نہ چھوڑا جائے گا، مگر اس کے لئے ہمت سے کام لیں، حوصلہ سے کام لیں، پاور سے کام لیں، تنظیم سے کام لیں، حکومتیں اپنا فرض انجام دیں، پولیس اپنا فرض انجام دیے، اسکول اور کالجز اپنا فرض انجام دیں، پریس اپنا فرض انجام دیں۔

ملک کی تین چولیں اگر بیٹھ جائیں تو ملک باقی رہ جائے گا اور وہ تین چولیں یہ ہیں، ایجوکیشن، پولیس اور پریس، یہ تینوں چیزیں ایسی ہیں کہ اگر یہ درست ہو جائیں تو پھر کوئی بڑا خطرہ نہیں ہے، آدمی پڑھ کر نکلے تو روشنی کا سبق پڑھ کر نکلے، انسان کی عزت کا سبق پڑھ کر نکلے، اور اس کے بعد پولیس، جس میں خدمت کا جذبہ ہو، میں آپ سے صاف کہتا ہوں، مجھے نہیں معلوم کہ یہاں پولیس کی کتنی نمائندگی ہے لیکن میں ایک حقیقت بیان کرتا ہوں، میں کتنے ملکوں میں گیا ہوں، وہاں پولیس کو دیکھ کر اطمینان ہوتا ہے، وہاں پولیس کو رہنما اور مددگار سمجھا جاتا ہے، مجھے خود اتفاق ہوا ہے کہ لندن میں ایک کانسٹیبل سے پتہ پوچھ لیا تو پوچھ کر پچھتایا، صرف

اتنا ہی نہیں کہ اس نے پتہ بتلایا بلکہ ساتھ ساتھ چلا، اور پولیس وہاں ہے ہی اس کام کے لئے کہ زیادتی نہ ہونے دے اور کمزور کی مدد کرے اور یہی نہیں بلکہ رہنمائی کرے، انگریزوں نے اپنا رعب قائم کرنے کے لئے (کہ وہ سمندر پار سے آئے تھے) انہوں نے پولیس ایجنسی بنائی تھی کہ اس کے ذریعہ اپنا رعب قائم کریں، انگریزوں کو پولیس کے ذریعہ مرعوب کرنا تھا، اب آج کل اس کی ضرورت ہے؟ آج کل تو یہ ہونا چاہئے کہ آدمی پولیس کو دیکھ کر خدا کا شکر ادا کرے کہ میں خطرہ میں پڑ گیا تھا، محلّہ خطرہ میں پڑ گیا تھا، عورتیں خطرہ میں پڑ گئی تھیں، بچوں کی جانیں خطرہ میں پڑ گئی تھیں، یہ پولیس والے تھے جنہوں نے بچایا، ایسا ہونا چاہئے تھا، یہ احساس عام ہونا چاہئے تھا، میں کہتا ہوں ایجوکیشن، پولیس اور پریس تین چیزیں اگر درست ہو جائیں تو اس ملک میں اس طرح کے واقعات پھر نہیں ہو سکتے جس طرح کے ہوئے ہیں، اس کے بعد میں کہتا ہوں کہ دورہ پڑنے سے نہ گھبرائیے، بیماری پھیلنے سے نہ گھبرائیے انسان ہے زندگی میں سب کچھ ہوگا، یہ نشیب وفراز ہیں زندگی کی اتار چڑھاؤ ہیں، زندگی کے، لیکن ڈرنے کی بات یہ ہے کہ اس دورہ کا علاج کرنے کے لئے، اس بیماری کا ڈر ختم کرنے کے لئے، اس مریض کو بچانے کے لئے کوئی جماعت نہ ہو، کوئی آرگنائزیشن نہ ہو، کوئی پارٹی نہ ہو اور محب وطن، ہمدرد انسانیت، صاحب دل اور منصف مزاج لوگ نہ ہوں، کسی بھی ملک کے لئے خواہ اس کی زمین خزانہ اگلے، اس کا آسمان سونا برسائے اور اس کے دریا سونے اور چاندی کے بن جائیں اور اس ملک میں بے کمائے اور بے محنت کئے سب کو روزی ملے، اطمینان نہیں اگر آپ کے تعلقات درست نہیں، اگر ایک دوسرے پر اعتماد اور بھروسہ نہیں یہ کیا بات ہے کہ ہم آدمی کو دیکھ کر گھبرائیں، گھبرانے کی چیز بھیڑیا ہے، گھبرانے کی چیز تیندوا ہے، گھبرانے کی چیز سانپ ہے، گھبرانے کی چیز بچھو ہے، گھبرانے کی چیز آدمی نہیں ہے، کیا یہ آدمی اس لئے پیدا ہوا تھا کہ آدمی آدمی کو مارے، آدمی کے لئے اور اندیشے کم تھے اور خطرات کم تھے۔

حضرات! میں کہہ رہا تھا کہ ان تاتاریوں کو جس نے آدمی بنایا، قانون کا احترام دیا، تہذیب کا محافظ بنایا، وہ اللہ والے لوگ تھے، وہ دل والے لوگ تھے وہ روحانی لوگ تھے، ہندوستان کا آزاد کرانا آسان نہ تھا۔ آپ دیکھئے کہ انگریزوں کی سلطنت برٹسن امپائر کہاں تک تھی، ہم نے بچپن میں یہ مثل سنی تھی کہ ''انگریزوں کی سلطنت میں آفتاب غروب نہیں

ہوتا'' کہیں نکلو گے کوئی نہ کوئی کونا ایسا مل جائے گا جہاں آفتاب روشن ہوگا، یہاں سے لے کر عدن تک ان کی حکومت تھی اور یہ ایک خواب تھا کہ کبھی یہ ملک آزاد ہوگا، لیکن ہندو مسلمان جو محبان وطن تھے انہوں نے گاندھی جی کے ساتھ، مولانا ابوالکلام آزادؒ کے ساتھ، مولانا محمد علی جوہرؒ اور مولانا شوکت علیؒ کے ساتھ، مولانا عبدالباری فرنگی محلیؒ اور شیخ الہند مولانا محمود حسنؒ کے ساتھ اور ان کے بعد مولانا حسین احمد مدنیؒ اور نہرو خاندان کے ساتھ یہ نعرہ دیا کہ انگریزوں کا بائیکاٹ کرو، گاندھی جی اور مولانا آزادؒ سب سے آگے آگے تھے اور اس وقت ہندو اور مسلمان اپنے کلچر کے اختلاف کے باوجود اس طرح باہم مربوط تھے اور اس طرح ملے ہوئے تھے جس طرح گھی اور شکر اور دودھ اور پانی ملا ہوا ہوتا ہے۔

میرا شروع کا زمانہ تھا، میں نے امین آباد پارک میں گاندھی جی کی تقریر سنی ہے، میں نے موتی لال نہرو کو دیکھا ہے، مولانا آزاد سے تو ہمارے پرانے تعلقات تھے، ان لوگوں نے مل کر ان ہونی بات ہونی کردی کہ ہندوستان آزاد ہوا، اس وقت کوئی کہتا تو اس سے کہا جاتا کہ میاں اپنے دماغ کا علاج کراؤ، اپنے ہوش وحواس کا علاج کراؤ، نارمل حالت میں ہو؟ انگریزوں کو کوئی نکال سکتا ہے لیکن یہ ہندو مسلم اتحاد تھا، یہ حب الوطنی اور مل کی محبت تھی جس نے انگیزوں کو ہندوستان چھوڑنے پر مجبور کیا۔

اس کے بعد تین چیزیں تھیں گاندھی جی نے اور ان کے ساتھیوں نے اور مولانا آزاد نے (مولانا آزاد سب سے نمایاں اور سب سے آگے تھے) تین چیزوں کو پیش کیا تھا کہ یہ تین شرطیں ہیں جب تک یہ رہیں گی، ہندوستان آزاد رہے گا، پرامن رہے گا، خوشحال رہے گا اور محبت کا گہوارہ رہے گا ، ایک سیکولرازم ،ڈیموکریسی اور نان ویولنس DEMOCRACY SECULARISM NONVIOLENCE یہ تین چیزیں ہیں جو ضروری ہیں ملک کی بقاء کے لئے یہ رہیں گی ملک رہے گا، اسکالرز بھی سن لیں، ہسٹورین بھی سن لیں اور سب سن لیں، اور لوح دل پر محفوظ کرلیں، کچھ بھی ہو جائے یہ ملک ان تین چیزوں پر باقی رہ سکتا ہے، ایک یہ کہ ڈیموکریٹ اسٹیٹ ہو، نان ویولنٹ ہو اور سیکولر ہو، اس لئے کہ تقدیر الٰہی نے یہ فیصلہ کردیا ہے (اور خدا کا فیصلہ کوئی بدل نہیں سکتا) کہ اس ملک میں ہندو بھی رہیں گے اور مسلمان بھی، جینی بھی رہیں گے اور بودھ بھی، سکھ بھی رہیں گے اور عیسائی بھی، اگر ایسا نہ ہوتا تو خود کیوں نہ آسانی پیدا

ہوتی، یہ ملک اسی طرح رہ سکتا ہے کہ یہاں سیکولرزم ہو، عرب شاعر کہتا ہے کہ "جب آگ کو کچھ کھانے کو نہیں ملتا تو وہ اپنے کو کھانے لگتی ہے" یہ اسلام سے پہلے کی شاعری میں ہے کہ آگ اپنے کو کھانے لگتی ہے اگر اسے کچھ کھانے کو نہ ملے، میں آپ سے صاف کہتا ہوں کہ آج اگر آپ نے مسلمانوں سے خدانخواستہ اس منہ سے ہوں مگر کہنا پڑتا ہے، فرصت کرلی، آپ نے مسلمانوں کے عزیز اور مقدس مقامات کو اپنی تحویل میں لیا تو یاد رکھئے پھر یہ اختلاف آپ کے اندر چلے گا، یہ بیک وقت ورنہ کالا [illegible] ہیں جتنی ہیں، بدقسمتی سے ہیں الگ ہو جائیں اور کہیں گے کہ ہماری عبادت گاہیں واپس کرو، آٹھویں صدی عیسوی میں ساؤتھ میں شنکر اچاریہ پیدا ہوئے تھے، انہوں نے تمام بودھ عبادت گاہوں کو ہندو مندروں میں تبدیل کر دیا تھا، میں نے وہاں جاکر دیکھا ہے، میں نے نالندہ بدھسٹ یونیورسٹی بھی دیکھی ہے جو کھدائی میں نکلی ہے، اور جگہ جگہ میں نے دیکھا ہے کہ جینیوں کے ہزاروں مندر بدل گئے، بدھوں کے سیکڑوں، ہزاروں مندر ہندوؤں کی تحویل میں چلے گئے، راجیو(۱) جی سے لے کر جو پرائم منسٹر (وزیر اعظم) ہیں میں نے ان کو خط لکھا ہے، وہ خط چھپے ہوئے ہیں، میں نے لکھا کہ تاریخ کو الٹنا شروع کیجئے تو تاریخ کا سلسلہ کہیں ختم نہیں ہے، تاریخ کو آگے بڑھائیے، فرصت کہاں ہے اتنی کتنے دن کی زندگی ہے، کتنے ہمارے وسائل و ذرائع ہیں اور کتنے مواقع و مکانات ہیں، اور دنیا میں کیسے کیسے حوادث پیش آتے ہیں، اور کتنے لوگ ہیں جن کی عمریں ۱۰۰ سے متجاوز ہوتی ہیں، پھر یوں وقت ضائع کیا جا رہا ہے، یوں تاریخ کو الٹا سفر کرایا جا رہا ہے، کیوں اپنی طاقت اپنی انرجی (Energy) اپنی صلاحیت اور اپنی قابلیت برباد کی جا رہی ہے، تاریخ کو آگے بڑھنے دیجئے ملک کو آگے لے جائیے، یہ کیا ہو رہا ہے کہ ملک پیچھے سے جانے کی کوشش کی جا رہی ہے اور یہ ہوتا رہا کہ پہلے یہ تھا، وہ تھا، پھر اس سے فرصت نہیں ملے گی اور پھر ایسی خرابیاں پیدا ہوں گی کہ جینے کا مزہ نہ رہے۔

ہندوستان کا نام ڈوب جائے گا، اس کے نام پر خاک پڑ جائے گی، اور یہاں جو ہیرو، دانشور اور فلاسفر پیدا ہوئے ہیں وہ سب چھپ جائیں گے اور سامنے صرف یہ رہے گا کہ وہ

---

(1) آنجہانی راجیو گاندھی سابق وزیر اعظم ہندوستان

ہندوستان جہاں آدمی جلایا جاتا ہے، وہ ہندوستان جہاں آدمی کو ٹکڑے ٹکڑے کیا جاتا ہے، وہ ہندوستان جہاں آدمی کو آرا مشین میں لکڑی کی طرح چیر دیا جاتا ہے، وہ ہندوستان جہاں معصوم بچوں کو چلتی ٹرینوں سے اٹھا کر باہر پھینک دیا جاتا ہے۔

یہ باتیں خدا کو پسند نہیں، آپ ستاروں تک پہنچ جائیں، چاند تک پہنچ جائیں، لیکن جیسے کہ ایک انڈین فلاسفر نے کہا تھا، سی ایم جوڈ C M JOAD نے لکھا ہے، وہ لندن میں فلاسفک ڈیپارٹمنٹ کا ہیڈ تھا، اس نے لکھا ہے اور یہ بات ہندوستانیوں کے لئے فخر کی ہے اس نے لکھا ہے کہ انڈین فلاسفر آئے غالباً رادھا کرشنن تھے وہ آئے اور ہمارے یہاں کے ایک ذہین اور بولنے والے نے کہا آپ کو خبر ہے ہم کہاں سے کہاں پہنچ گئے ہم چاند پر پہنچ گئے، ہم نے یہ مسافت اتنے گھنٹوں میں طے کر لی ہم ایک براعظم کے فلاں کنارے سے دوسرے براعظم کے کنارے تک ہوائی جہاز سے پہنچ گئے۔ پہلے وہ سنتے رہے پھر سب سننے کے بعد انہوں نے کہا کہ ہاں! پانی پر تم مچھلیوں کی طرح تیرنے لگے اور فضا میں چڑیوں کی طرح اڑنے لگے مگر زمین پر آدمیوں کی طرح چلنا تم کو نہیں آیا۔

ڈاکٹر ذاکر حسین خاں صاحب نے اس بات کو ذکر کیا ہے، جامعہ کی پچاس سالہ جبلی تھی، میں بھی وہاں موجود تھا کہ جو بچہ دنیا میں آتا ہے وہ اس بات کا ثبوت لاتا ہے کہ خدا انسان سے مایوس نہیں ہے ورنہ اس بچہ کو دنیا میں نہ بھیجتا، مگر ہمارا فعل بتاتا ہے (کہ اس زمانے میں خونریزی کی ایسی وارداتیں ہو رہی تھیں) کہ ہم انسانوں سے مایوس ہیں، خدا مایوس نہیں اگر وہ مایوس ہوتا تو بچہ کو اس دنیا میں نہ بھیجتا، آپ انسان کو آزمائے تو دیکھئے کہ وہ کیا چیز ہے آزمائیے تو، اس کو خدا نے وہ دل دیا ہے جو اپنی مخلوقات میں سے کسی کو نہیں دیا۔

میں یہ کہہ دوں کہ مذہب کا جاننے والا اور مذہب کا لکھنے والا ہونے کے باوجود کہ یہ دل فرشتوں کو بھی نہیں دیا گیا، خدا نے جو دل انسان کو دیا ہے، انسان کے درد میں جلنے والا تڑپنے والا، آنکھوں سے آنسو بہانے والا خدا سے مانگنے والا، اس کے سامنے گڑگڑانے والا دل انسان کو دیا ہے وہ دل کس کو دیا ہے؟ یہ انسان تو اس قابل تھا کہ اس کو بٹھایا جائے، سر پر جگہ دی جائے، اپنے گھر میں اس کو رکھا جائے کہ ہمارا بھائی ہے لیکن اسی انسان پر ہاتھ اٹھتا ہے، اسی انسان کو روندا جاتا ہے، کمزور عورتوں اور معصوم بچوں کو ظلم کا نشانہ بنایا جاتا ہے، بمبئی احمد آباد اور خاص

طور سے سورت میں آپ دیکھئے کہ کیا ہوا، رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں۔

میں آپ سے صاف کہتا ہوں مجھے بہت جگہ جانا ہوتا ہے، میرے دوست واحباب ہر جگہ ہیں کہہ نہیں سکتا وہاں جو ہوا، عورتوں کو برہنہ کر کے سڑکوں پر چلایا گیا، ان کے ساتھ برا سلوک کیا گیا اور اس کے بعد گولی تک ماردی گئی، یہ کسی طرح سے نہ مذہب کے شایانِ شان ہے، نہ انسانیت کے، نہ علم کے، نہ عقل کے، نہ شرافت کے اور نہ ہندوستانیت کے، آپ کو پتہ نہیں کہ ہندوستان کو باہر کی دنیا میں کس نگاہ سے دیکھا جاتا تھا اور اس کو کیا مقام ملا ہوا تھا، یہاں اللہ کے ایسے ایسے بندے پیدا ہوئے کہ بتانے پر آؤں تو شام ہو جائے لیکن آپ کا زیادہ وقت نہیں لوں گا۔

آخر میں پھر یہ کہتا ہوں، پتہ کی بات ہے، نوٹ کرنے کی بات ہے، بیماری ڈرنے کی چیز نہیں ہے، بیماری کا علاج کرنے والوں کا نہ ہونا ڈرنے کی چیز ہے۔ بیمار کی بیماری دیکھ کر تڑپنے والوں کی کمی، بیمار کی بیماری دیکھ کر علاج کا جذبہ رکھنے والوں کی کمی۔ یہ بات ہر ملک، ہر سوسائٹی، ہر تہذیب اور ہر عہد کے لئے خطرناک ہے اور یہ دنیا جواب تک باقی ہے یہ انہیں علاج کرنے والوں کی بدولت باقی ہے، اولاً پیغمبروں کی برکت سے پھر صوفیوں اور دل والوں، ہمدردوں اور انسان دوستوں کی برکت سے قائم ہے، جنھوں نے اپنا آرام چھوڑا، کھانا پینا بھول گئے، گھر والوں کو بھول گئے اور انسانوں کو دکھ سے بچانے کے لئے، اور انسانوں کو انسانوں کے خنجر سے محفوظ رکھنے کے لئے، اور انسان دشمنی کا علاج کرنے کے لئے گھروں سے باہر آگئے، فاقے کئے، جاگ کر راتیں گزاریں، جان کو خطرہ میں ڈالا اور دیوانہ وار نکل پڑے۔ آج اس ملک میں اسی کی ضرورت ہے۔

ہم امید کرتے ہیں ہمارے یہ معزز بھائی جو یہاں اسٹیج پر بیٹھے ہوئے ہیں اور بہت سے معزز بھائی جن کو اسٹیج پر جگہ نہیں ملی، یہ لوگ ہمت کر کے اور دوسرے پولیٹکل لیڈر اور مذہبی پیشوا باہر نکلیں اور اس صورت حال کو ختم کرنے کی کوشش کریں کہ اب یہ دوبارہ نہ ہونے پائے، کچھ بھی ہو جائے یہ نہ ہونے پائے، خدا اس سے خوش ہوتا ہے کہ آپ اس کا نام لیں، آپ اس کے بندوں کی خدمت کریں، خدا کو اس سے خوشی ہوتی ہے اور یہ بنا دیا، وہ بنا دیا خدا کو اس کی ضرورت نہیں ہے، انسانوں ہی کے لئے اس نے سب چیزیں بنائی ہیں، یہاں تک کہ

مسجد و مندر بھی انسانوں ہی کے لئے ہیں، کیا وہاں جا کر جانور عبادت کرتے ہیں، میں نے آپ کا بہت وقت لیا لیکن پھر میں وہ شعر پڑھوں گا امیر مینائی کا کہ

امیرؔ جمع ہیں احباب دردِ دل کہہ لے
پھر التفاتِ دل دوستاں رہے نہ رہے

نہ زندگی کا بھروسہ، نہ ہمارے آپ کے جمع ہونے کا اطمینان، نہ اس معتدل زندگی کا یقین کہ آپ اس تعداد میں جمع ہوں، جس تعداد میں آج جمع ہوئے، شاید کسی کے دل کو لگ جائے اور کوئی کھڑا ہو جائے اور پھر اس کے ساتھ اور لوگ بھی چلیں گے اور ملک کی صورت حال جو شرم ناک بھی ہے اور دردناک بھی بدلے گی۔ اللہ ہمیں توفیق دے۔ آمین۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

ملک کے موجودہ حالات اور ہماری ذمہ داریاں

الحمدللہ رب العالمین والصلوٰۃ والسلام علی سیدالانبیاء والمرسلین وعلی آلہ وصحبہ اجمعین ومن تبعھم باحسان ودعی بدعوتھم الی یوم الدین. امابعد!

میرے دوستو، عزیزو! ملک کی موجودہ حالات میں ہم کو جائزہ لینا پڑے گا کہ وہ کون سی خرابیاں اور کمزوریاں ہیں جو ہمارے سماج میں نفوذ کر کے اسے کھوکھلا، مفلوج اور ملک کی تعمیر و ترقی کی کوششوں کو بے اثر بنا رہی ہیں۔ اس ملک کے لئے جو حقیقی خطرات ہیں ان کی نشاندہی نہ کی جائے تو یہ ایک بہت بڑی خیانت ہوگی، میں میدان سیاست کا کوئی شہسوار نہیں، مذہب و تاریخ اور اخلاقیات کا ایک طالب علم ہوں۔ اس طرح کے آدمی کی زبان سے تنقید و اصلاح کی کوئی بات نکلے تو اس کی نیت پر شبہ نہیں کرنا چاہئے۔

ہمارے ملک کے لئے پہلا خطرہ:

اس ملک کے لئے اولین اور اہم ترین خطرہ یہ ہے کہ یہاں انسان کی صحیح قدر و قیمت اور انسانی شرف و عزت کا پورا احساس نہیں۔ اس سلسلے میں میرا نقطۂ نظر اور تاثر ایک عملی انسان کا ہے، میری قسمت اس ملک سے وابستہ ہے، میں نے یہاں رہنے کا فیصلہ کیا ہے، میں زندگی کی منجدھار میں ہوں، میں ایسی جگہ کھڑا ہوں جہاں کا ہر مسئلہ مجھ پر براہ راست اثر انداز ہوتا ہے، میں بیرون ملک اگر یہ بات کہتا تو اس کی حیثیت دوسری ہوتی، حقیقت تو یہ ہے کہ انسانی جان کی صحیح قدر و قیمت کو نہ پہچانا کسی سماج کے لئے سب سے بڑا خطرہ ہے بلکہ انسانی جان کا بے قیمت ہو جانا تہذیب و تمدن اور انسانیت کی مستقبل کے لئے پیام موت ہے ع

غارت گر اقوام ہے یہ صورت چنگیز

برادر کشی زوال کی علامت ہے:

کسی ملک کی آبادی خواہ کتنی کثیر ہو، اس کے پاس قدرتی وسائل کی کتنی ہی بہتات ہو، وہ ملک کتنا ہی زرخیز اور دولت مند ہو، اس میں تعلیم کیسی ہی اعلیٰ مدارج تک پہنچ چکی ہو، کوئی چیز ایسے ملک کو محفوظ نہیں رکھ سکتی جو برادر کشی کے مرض میں مبتلا ہو۔

یہ بڑی حیرت اور انتہائی افسوس کی بات ہے کہ وہ ملک جس نے کبھی زمانہ قدیم میں پریم کی سریلی بانسری بجائی تھی اور دلکش لے میں ہندی، سنسکرت، فارسی اور پھر اردو میں محبت کا پیغام دیا تھا، اور آخر دور میں بھی جہاں بیٹھ کر مسلمان صوفیوں نے انسان دوستی اور انسانیت کے احترام کا درس دیا تھا۔ اور جس سرزمین سے گاندھی جی نے عدم تشدد اور اہنسا کا پیغام ساری دنیا کو سنایا تھا اور جس کے پاس آج بھی ہر زبان میں انسان دوستی کا وسیع لٹریچر ہے اس ملک میں آج انسانیت کے شرف اور انسانی جان کی قیمت کا پورا پورا احساس نہیں۔

ہر چیز انسان ہی کے تعلق سے بامعنی اور قیمتی ہوتی ہے:

یہ احساس وخیال اس ملک میں رچ بس جانا چاہئے تھا کہ زبان کے مسائل، کلچر و تہذیب کے مسائل، رسم الخط کے مسائل، انسان کے مسائل ہیں اور اس کے تابع ہیں۔ انہیں انسانوں نے پیدا کیا ہے، ان کے اندر جو کچھ کشش اور معنویت ہے، وہ انسان کی نسبت سے ہے، اگر انسان کی جان محفوظ نہیں تو کیسی زبان، کہاں کا کلچر، کہاں کے دریا، کیسے پہاڑ کیسا ادب و لٹریچر، کہاں کی شاعری، ان چیزوں میں کوئی معنویت نہیں، معنویت تو انسان میں ہے، میں تفصیلات میں جانا نہیں چاہتا، آپ بخوبی واقف ہیں اور یہ ایک واقعہ ہے کہ اس ملک میں انسانی زندگی کی قدر و قیمت کا جتنا عمیق احساس ہونا چاہئے، وہ نہیں ہے، انگریزوں کی تفرقہ انگیز سیاست، فرقہ پرستی اور جذبہ احیائیت (Revivalism) کا اس میں کتنا حصہ ہے اس کا تعین مورخ کا کام ہے۔

معمولی واقعات پر قتل وغارت گری کا طوفان:

بعض اوقات ایک درخت یا جانور کی خاطر یا کسی قدیم چیز کو زندہ کرنے کے جوش میں ب

احیائیت کے جذبہ سے سینکڑوں انسانوں کا خون کر دیا جاتا ہے، اور ایسے ناخوشگوار، دل آزار اور شرمناک واقعات ظہور میں آتے ہیں جن سے ہماری گردنیں شرم سے جھک جاتی ہیں، ایک لہر اٹھتی ہے، اور وہ انسانوں کے متاع، جان و مال کو بہا لے جاتی ہے۔ جن سے دنیا کی آبرو قائم رہے، جن کی خاطر اس کائنات کا حسن، فلسفہ، شاعری، ادب و ثقافت، اور زندگی کی چہل پہل ہے، وہ انسانی ظلم و بربریت کا شکار ہوتا ہے جو خدا کی صنعت کا بہترین نمونہ ہے اور جس کے ساتھ ہم رہتے بستے ہیں، اور جن کے ساتھ پوری زندگی گزرتی ہے، یہ صورت حال ملک کے لئے بڑی خطرناک ہے کہ یہاں کسی انسان کا وجود برداشت نہ کیا جائے۔

اس ملک میں بڑے بڑے دانشور ہیں، یونیورسٹیوں کی تعداد شاید کسی ملک میں اتنی ہو جتنی یہاں ہے، مگر یہ افسوسناک حقیقت ہے کہ یہاں کبھی کبھی ایسی ذہنی کیفیت پیدا ہو جاتی ہے کہ انسان سے بڑھ کر یہاں کوئی گردن زدنی اور کشتنی نظر نہیں آتا، بنیادی اور اہم بات یہ ہے کہ اس ملک میں انسان کی قیمت کا پورا احساس ہو، یہ عقیدہ ہو کہ سب چیزیں انسان کے لئے ہیں اور انسان کسی کی خاطر نہیں۔

ایک فلسفی کا قول:

میں نے کہیں ایک فلسفی کا قول نقل کیا تھا کہ ”جو بچہ دنیا میں پیدا ہوتا ہے، وہ اس بات کا اعلان کرتا ہے کہ خدا نسل انسانی سے مایوس نہیں، لیکن ہم انسان اپنے طرز عمل سے یہ ثابت کرتے رہتے ہیں، اور وقتاً فوقتاً اعلان کرتے ہیں کہ نسل انسانی زندہ رہنے کی مستحق نہیں، انسان کے اس دنیا میں آنے کا مطلب ہی یہ ہے کہ اسے زندہ رہنا چاہئے خوش و خرم رہنا چاہئے، اور پروان چڑھنا چاہئے، خدا نے جب اس پر اعتماد کیا ہے تو ہم کیوں اس پر بے اعتمادی کریں۔“

انسانی دستور کی پہلی اور اہم دفعہ:

میرے بھائیو! آج ہندوستان میں لاکھوں کی تعداد میں ایسے مضمون نگاروں، شاعروں، ادیبوں اور دانشوروں کی ضرورت ہے، جو سارے مسائل بالائے طاق رکھ کر گھر گھر، محلے محلے، گلی کوچے میں اس کی تبلیغ کریں کہ دستور ہند کی پہلی دفعہ چاہے جو کچھ ہو مگر ہمارے

دستور زندگی کی سب سے اہم دفعہ یہ ہے کہ انسان کو زندہ رہنے کا حق ہے، ہم اپنی سوسائٹی کے خوش نما چہرے پر بدنما داغ دیکھ رہے ہیں، اور ہم خاموش ہیں۔

اسلام میں انسان کا مقام:

اب میں آپ سے کہوں گا کہ اسلام کی تعلیمات اس سلسلے میں ہماری بڑی مدد کر سکتی ہیں، اسلام کی بنیادی تعلیم یہ ہے کہ انسان قدرت کا شاہکار ہے، اور اس دنیا کے باغ کا سب سے حسین پھول:۔

لَقَدْ خَلَقْنَا الْاِ نْسَانَ فِیْٓ اَحْسَنِ تَقْوِیْمٍ ‎.(سورۃ والتین)

ہم نے انسان کو سب سے اچھی صورت میں پیدا کیا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے انسان کے سر پر تعظیم و تکریم کا تاج رکھا ہے:۔

وَلَقَدْ کَرَّمْنَا بَنِیْٓ آدَمَ (بنی اسرائیل ۷۰)

اور اس کو اپنی خلافت سے سرفراز کیا ہے، جس سے بڑھ کر کوئی اعزاز اور اعتماد کے اظہار کا طریقہ نہیں:۔

اِنِّیْ جَاعِلٌ فِی الْاَرْضِ خَلِیْفَۃً (سورۃ بقرہ ۳۰)

بے شک میں زمین میں (آدم) کو اپنا نائب بنانے والا ہوں۔

خدا نے فرشتوں کو آدم کے سجدے کا حکم دیا جس سے اس کا اظہار ہو کہ اب اس کے لئے خدا کے سوا کوئی ایسی ہستی اور طاقت نہیں ہے جس کے سامنے اس کو جھکنے کی ضرورت ہو۔

انسان کے قدر و قیمت کی انتہاء یہ ہے کہ خدا کی مخلوق کو خدا کا کنبہ کہا گیا ہے۔ " الخلقُ عِیالُ اللّٰہ" (الحدیث)

انسان کا خدا کے ساتھ اور خدا کا انسان کے ساتھ جو نازک تعلق ہے اس کے لئے وہ پیرایہ بیان اختیار کر گیا ہے، جس سے زیادہ طاقتور اور دلنشین پیرایہ بیان نہیں ہوسکتا، ایک حدیث قدسی میں آتا ہے کہ " اللہ تعالیٰ قیامت میں انسان سے کہے گا کہ میرے بندے میں بیمار تھا تو عیادت کو نہیں آیا وہ کہے گا کہ پروردگار تیرے مرض اور عیادت کا کیا سوال؟ تو تو سارے جہاں کا پروردگار ہے، ارشاد ہوگا کہ تجھے معلوم نہیں کہ میرا فلاں بندہ بیمار ہوا تھا، تو اسے

دیکھنے نہیں گیا، اگر تو اس کو دیکھنے جاتا تو مجھے وہیں پاتا، پھر ارشاد ہوگا، اے انسان میں نے تجھ سے غذا طلب کی تھی، تو نے مجھے غذا نہیں دی، وہ کہے گا کہ پروردگار میں تجھے غذا کیا دیتا تو تو رب العالمین ہے، ارشاد ہوگا کہ تجھے معلوم نہیں کہ میرے فلاں بندہ نے چاہا تھا کہ تو اس کا پیٹ بھر دے اسے کھانا نہیں کھلایا اگر تو اس کو کھانا کھلاتا تو مجھے تو اس کے پاس پاتا۔ اے ابن آدم! میں نے تجھ سے پانی مانگا تھا تو نے مجھے پانی نہیں پلایا، بندہ ویسے ہی جواب دے گا ارشاد ہوگا کہ میرے فلاں بندے نے تجھ سے پانی طلب کیا تھا تو نے اسے پانی نہیں پلایا۔ یاد رکھ اگر تو اس کو پانی پلاتا تو اس کو میرے پاس پاتا۔'' (صحیح مسلم)

پھر خدا نے انسان کی جان کی قیمت اتنی بڑھادی کہ وہ فرماتا ہے:۔

اَنَّـهٗ مَنْ قَتَلَ نَفْسًا بِغَيْرِ نَفْسٍ اَوْ فَسَادٍ فِی الْاَرْضِ فَكَاَنَّمَا قَتَلَ
النَّاسَ جَمِيْعًا وَمَنْ اَحْيَاهَا فَكَاَنَّمَآ اَحْيَا النَّاسَ جَمِيْعًا. (سورہ مائدہ ۳۲)

جو شخص کسی کو ناحق قتل کرے گا یعنی بغیر اس کے کہ جان کا بدلہ لیا جائے یا ملک میں خرابی کرنے کی سزا دی جائے اس نے گویا تمام لوگوں کو قتل کیا اور جو اس کی زندگانی کا موجب ہوا تو گویا تمام لوگوں کی زندگانی کا موجب ہوا۔

انسان زندگی کی رحمت وعظمت کے مسئلہ میں ایک اور سو، قلت وکثرت، فرد اور جماعت میں کوئی فرق نہیں ایک ایک فرد قیمتی اور ایک ایک جان انسانیت کی عزت متاع ہے، ایک فرد کو پوری سوسائٹی کا قائم مقام بنانا کسی انسانی ذہن میں نہیں آ سکتا۔

ملک کے لئے دوسرا خطرہ:

میرے دوستو! ملک کے لئے دوسرا عظیم خطرہ جو اس کے سر پر منڈلا رہا ہے، تنگ نظری اور تہذیبی، لسانی اور علاقائی عصبیت ہے۔ اسی بیماری نے ہمارے ملک کو ماضی میں ٹکڑے ٹکڑے کیا۔ اور باہر کی طاقتوں کو یہاں آنے کی شہ دی یہ عفریت اب بھی موجود ہے۔ جسے بعض بیرونی اور اندرونی حالات نے دبا رکھا ہے، مگر جاننے والے جانتے ہیں کہ یہ راکشش(۱) الف لیلہ کے افسانوی دیو کی طرح کسی بھی وقت بوتل سے باہر آ سکتا ہے۔

---

(۱) شیطان۔

اس ملک کے جنوب وشمال میں بڑی بیگانگی اور بے اعتمادی ہے، جو کسی وقت رنگ لا سکتی ہے، پھر برادریوں اور ملک کے مختلف طبقوں کے درمیان بڑی بڑی دیواریں کھڑی ہیں، ہر طبقہ اور برادری ایک مستقل دنیا ہے۔ ایک برادری دوسری برادری کے افراد کو اسی غیریت اور اجنبیت کی نگاہ سے دیکھتی ہے، جیسے ایک قوم دوسری قوم کو، اپنی برادری کے لئے وہ ہر طرح کی ناانصافی اور حق تلفی کو روا رکھتی ہے اور اس کو نہ صرف جائز سمجھتی ہے بلکہ ایک بڑی خدمت اور عبادت سمجھتی ہے۔ اگر کسی محکمے میں کسی برادری کا کوئی فرد پہنچ جاتا ہے تو سارے محکمے کو اپنی برادری کے لوگوں سے بھر دیتا ہے، اور اس میں کسی اہلیت اور نااہلیت اور مستحق اور غیر مستحق کا لحاظ نہیں رکھتا ہماری سوسائٹی کا یہ وہ روگ ہے جو اسے گھن کی طرح کھا رہا ہے، اور جس نے تمام انتظامیہ کو کھوکھلا اور کمزور بنا دیا ہے۔

اسلام ہی رہنمائی کرسکتا ہے:

تنگ نظری اور لسانی ونسلی اختلافات کو دور کرنے اور فراخ دلی و بے تعصبی اور انسانی وحدت کا خیال وجذبہ پیدا کرنے میں بھی اسلام ہی بیش قیمت مدد اور صحیح رہنمائی کرسکتا ہے، حب الوطنی کی صحیح جذبے کے تحت یہ دیکھے بغیر کے یہ اصول ونظریہ اور یہ بات کہاں سے آئی ہے اور اس کا کہنے والا کون ہے؟ صحیح اور مفید بات کو اپنائیے اگر کسی مکان میں آگ لگ جائے تو اسے بجھاتے وقت یہ نہیں دیکھا جاتا کہ بالٹی کس کی ہے اور پانی کہاں کا ہے، کسی مکان یا بستی کی تباہی سے کہیں زیادہ ملک وقوم کی تباہی ہے، ملک کو خطرات سے بچانے، اسے سالمیت اور استحکام بخشنے کے لئے یہ نہ دیکھئے کہ ملک کے لئے مفید نظریات قرآن مجید یا حدیث نبوی ﷺ سے ماخوذ ہیں، اسلام بلاشبہ ملک کو درپیش اس دوسرے خطرے کو رفع کرنے کے لئے بہترین رہنمائی کرسکتا ہے۔

نسل انسانی کی وحدت کا اصول اسلامی تعلیمات کا اولین اصول ہے، اسلام نے بار بار اس حقیقت کا اظہار کیا ہے کہ نسل انسانی کا خالق بھی ایک ہے، اور ان کا مورث اعلیٰ بھی ایک ہے، اسی لئے سب ایک ہی کنبے کے افراد اور ایک ہی ہستی کے پیدا کئے ہوئے ہیں، اور ایک ہی باپ کے بیٹے ہیں:-

يٰاَيُّهَا النَّاسُ اِنَّا خَلَقْنٰكُمْ مِّنْ ذَكَرٍ وَّ اُنْثٰى وَجَعَلْنٰكُمْ شُعُوْبًا وَّقَبَآئِلَ لِتَعَارَفُوْا. (سورہ حجرات ۱۳)

لوگو! ہم نے تم کو ایک مرد اور ایک عورت سے پیدا کیا اور تم میں قوم اور قبیلے بنائے تاکہ ایک دوسرے کی شناخت میں آسانی ہو۔

ملک کے لئے تیسرا اہم خطرہ:

ہمارے ملک پر دولت پیدا کرنے کا ایک ایسا بھوت سوار ہو گیا ہے، جس نے ملک کے حالات اور اقتصادی نظام کو درہم برہم کر دیا ہے، وہ شخص اس فکر میں ہے کہ وہ راتوں رات دولت مند بن جائے، دولت حاصل کرنا برا نہیں، مگر جلد از جلد دولت مند بن جانے اور ہتھیلی پر سرسوں جمانے کا شوق سخت خطرناک اور تباہ کن ہے، یہ شوق ایک لاوے کی طرح بہہ پڑا ہے اور ایک آتش فشاں پہاڑ کی طرح پھٹ پڑا ہے۔ اس مرض کا شکار شہر، قصبات اور دیہات سب ہیں، دولت پرستی کا یہ جنون دیکھ کر بعض مرتبہ کچھ ایسا محسوس ہونے لگتا ہے کہ اس ملک میں ہر چیز دم توڑ چکی ہے، صرف دو چیزیں زندہ ہیں، ایک باہمی نفرت اور دوسرے زیادہ سے زیادہ دولت پیدا کرنے کی ہوس، جیتی، جاگتی حقیقتیں یہی دو ہیں اور باقی سب کچھ فلسفہ اور شاعری ہے باہمی منافرت کے واقعات آئے دن ہماری آنکھوں کے سامنے ہوتے رہتے ہیں، کبھی اس نفرت کا رخ کسی فرقے کی طرف ہوتا ہے، کبھی کسی برادری کی طرف کبھی کسی کلچر، زبان یا علاقے کی طرف تو کبھی کسی سیاسی پارٹی کی طرف ہے۔

سیاسی پارٹیوں کا اختلاف اپنی جگہ، سوسائٹی میں اخلاقی خرابیاں ہر دور میں رہی ہیں مگر دولت پرستی کا اس طرح اعصاب پر سوار ہو جانا کہ اپنے مفاد کے لئے ملک کے مفادات کی ذرا بھی پرواہ نہ ہو یہ کس قدر تشویش ناک بات ہے۔

ہمارے یہاں مختلف تعمیری منصوبوں، پل، باندھ وغیرہ میں اتنی مقدار کا سیمنٹ اور مسالہ استعمال نہیں ہوتا جو اس کی پختگی کے لئے ضروری ہے۔ ٹھیکیدار اور عملے کی ملی بھگت اس کی پرواہ نہیں کرتی کہ ان کے اس عمل سے اس شہر کو نقصان پہنچے گا، کوئی محکمہ ایسا نہیں، جس میں رشوت کا بازار گرم نہ ہو، اس بات کو ذمہ دار بھی جانتے ہیں کہ دولت پرستی کا ایسا جنون جو ملک

کے مفادات سے آنکھیں بند کر لے بہت بڑا خطرہ ہے، ایک شخص اپنی زندگی کو خوشحال بنانے اور اپنے گھر کی فرمائش پوری کرنے کے لئے ملک کے عوام کو صریحا نقصان پہنچاتا ہے چھوٹے سے چھوٹا کام ایمانداری اور سادگی کے ساتھ کرنا مشکل ہو گیا ہے ہر ایک کی قیمت ادا کرنی پڑتی ہے اور ہر قدم پر رشوت دینی پڑتی ہے، خود شہری زندگی کی آسائشوں اور حکومت کے انتظامات کے فائدوں سے محروم ہوتے جا رہے ہیں، ہر شخص کی نظر دوسرے کی جیب پر ہے اور وہ اس کی ضرورت و مجبوری سے ناجائز فائدہ اٹھانا چاہتا ہے۔ اور کہیں انسانی ہمدردی اور سچی حب الوطنی کا نام نہیں۔

اس خطرے کا علاج:

اس خطرے کا علاج صرف خدا کا خوف، آخرت کی باز پرس کا خطرہ ایسی دانا و بینا ذات کا تصور ہے، جس کے متعلق یقین ہے کہ وہ دیکھ رہی ہے۔

حب الوطنی بھی کسی حد تک اس کا علاج کر سکتی ہے، آپ میں سے بہت سے لوگوں نے یورپ کا سفر کیا ہوگا، مغرب کے لوگ ان رکیک باتوں سے بچتے ہیں، یورپ کے خاص اور مشہور ممالک میں استحصال اور ملکی مفاد کو بالائے طاق رکھ کر دولت اندوزی کا رجحان نہیں پایا جاتا اور یہ جذبہ حب الوطنی ہی کی وجہ سے ہوتا ہے مگر اس مرض کا صحیح علاج آخرت کا تصور ہے، خدا کا خوف اور اس کی باز پرس کا خطرہ ہے۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

یقین مرد مسلمان کا

الحمدللہ رب العالمین والصلوٰۃ والسلام علی اشرف الانبیاء والمرسلین. وعلی الہ وصحبه اجمعین ومن تبعهم باحسان ودعی بدعوتهم الی یوم الدین. امابعد!

محترم حضرات! کون نہیں جانتا کہ یقین دنیا کی بہت بڑی طاقت ہے، ایک شخص کے یقین نے بعض اوقات ہزاروں لاکھوں انسانوں کے شک وتذبذب پر فتح پائی ہے، جب بھی کوئی مرد خدا کسی بات پر پہاڑ کی طرح جم گیا ہے اور اس نے حالات کے سامنے سپر ڈالنے سے انکار کر دیا ہے اور اپنے یقین کا رشتہ مضبوط ہاتھوں سے تھام لیا ہے تو زمانہ کے بہتے ہوئے دھارے کا منہ پھر گیا ہے، بڑے بڑے دوربینوں اور مبصروں کے اندازے غلط نکل گئے ہیں اور ان کی پیشین گوئیاں جھوٹی ثابت ہوئی ہیں اور اس شخص کا یقین آفتاب کی طرح شکوک واوہام کے بادلوں اور خطرات اور اندیشوں کی کہر میں سے نمودار ہوا ہے۔

تاریخ میں اس یقین اور اس کی فتح یابی کی عجیب عجیب مثالیں ملتی ہیں آسمانی صحیفوں اور انبیا علیہم السلام کی سیرتوں نے بھی اس کے بہت سے عجائبات پیش کئے ہیں جن کو پڑھ کر عقل دنگ رہ جاتی ہے اور وہ یقین وایمان کا ایک معجزہ معلوم ہوتا ہے خیال فرمائیے حضرت موسیٰ بنی اسرائیل کو مصر سے لے کر جا رہے ہیں۔ بحر احمر کی خاکنائے کو عبور کر کے جزیرہ نمائے سینا پہنچنا چاہتے ہیں مگر اللہ کو کچھ اور منظور ہے وہ راہ غلط کرتے ہیں اور حق یہ ہے کہ یہی وہ سیدھا راستہ تھا جو اللہ کو منظور تھا، صبح کا تڑکا ہوتا ہے تو کیا دیکھتے ہیں کہ بجائے شمال میں جانے کے وہ مشرق کی طرف چلتے رہے ہیں اور اب بحر احمر (قلزم) کے کنارے کھڑے ہیں اور سمندر اپنی

پوری طغیانیوں کے ساتھ بہہ رہا ہے، دفعۃً کان میں آواز آتی ہے وہ آ گئے! حضرت موسیٰ مڑ کر دیکھتے ہیں تو فرعون اپنے لشکر کے ساتھ سر پر آیا چاہتا ہے، بنی اسرائیل چیختے ہیں کہ موسیٰ ہم نے تمہارا کیا قصور کیا تھا کہ تم نے چوہوں کی طرح ہمارے مارنے کا انتظام کیا، کیا ہمارے ہلاک ہونے میں کوئی کسر باقی ہے۔ انا لمدرکون ہم تو پکڑ گئے تصور کیجئے وہ کون سا پہاڑ ہے جو اس موقع پر ڈگمگا نہ جائے کون سی طاقت ہے جو ایسی کھلی ہوئی حقیقت کے سامنے ہار نہ مان لے لیکن پیغمبر کا یقین کھلے ہوئے مشاہدات اور عریاں حقائق پر بھی غالب آتا ہے ان کے نزدیک آنکھیں دھوکہ دے سکتی ہیں کان غلط سن سکتے ہیں حواس خطا کر سکتے ہیں مگر اللہ کی بات غلط نہیں ہو سکتی اور اس کا وعدہ جھوٹا نہیں ہو سکتا۔ حضرت موسیٰ نے پورے اطمینان اور یقین کے ساتھ جواب دیا" کلا ان معی ربی سیھدین " ایسا ہرگز نہیں ہو سکتا۔ میرا رب میرے ساتھ ہے وہ مجھے ضرور راستہ پر لگائے گا اور منزل پر پہنچائے گا، اس کے بعد جو کچھ ہوا وہ سب جانتے ہیں۔

دوسری مثال لیجئے مکہ معظمہ میں مسلمان قریش کے ظلم و ستم کا نشانہ بنے ہوئے ہیں، ہر مسلمان کی جان خطرے میں ہے صبح ہوتی ہے تو شام کا بھروسہ نہیں اور شام ہوتی تو صبح کا یقین نہیں، اسلام کا بظاہر دنیا میں کوئی مستقبل نہیں معلوم ہوتا جو دن گزر رہا ہے غنیمت معلوم ہوتا ہے ایسی حالت میں ایک مظلوم غریب مسلمان خباب ابن الارت آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوتے ہیں۔ آپ ﷺ بیت اللہ کے سائے میں بیٹھے ہیں، خباب عرض کرتے ہیں یا رسول اللہ (ﷺ) پانی سر سے اونچا ہو گیا اب تو آپ (ﷺ) اللہ سے ہمارے لئے دعا کیجئے آنحضرت ﷺ کو جوش آ جاتا ہے سنبھل کر بیٹھ جاتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ بس خباب گھبرا گئے، پہلی امتوں میں تو یہ ہوا ہے کہ مومن کو گڑھا کھود کر گاڑ دیا گیا ہے اور سر پر آرا رکھ کر چلایا گیا ہے یہاں تک کہ اس کے بدن کے دو ٹکڑے ہو کر گر گئے ہیں اور لوہے کی کنگھیوں سے اس کے گوشت کو ہڈیوں سے جدا کر دیا گیا ہے پھر بھی وہ اپنے دین سے نہیں پھرتا تھا، خدا کی قسم اللہ اپنے دین کو مکمل کر کے رہے گا۔ یہاں تک کہ (اس دین کی عمومیت اور اس کے غلبہ کا) یہ حال ہوگا کہ سوار صنعاء سے حضر موت تک (سینکڑوں میل کی مسافت) چلا جائے گا اور اس کو اللہ کے سوا کسی کا کھٹکا نہیں ہوگا سوائے اس کے کہ اس کو بھیڑئیے سے خطرہ ہو کہ وہ اس کی بکریوں

پر حملہ کرے لیکن تم جلدی بہت کرتے ہو۔ (بخاری)

خیال فرمائیے عرب کی اس وقت کی بدامنی وخونریزی، غارت گری اور پھر اسلام کی مغلوبیت اور کمزوری کو دیکھتے ہوئے ایسی بعید از قیاس پیشن گوئی اس شخص کے سوا کون کر سکتا ہے جس کو نبوت کا یقین حاصل ہو!

دوسرا موقع اس سے کچھ کم نہیں، حالت یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ اور ابوبکرؓ مدینہ جارہے ہیں، کمزوری اور غربت کا یہ حال ہے کہ مکہ جیسا عزیز وطن چھوڑنا پڑ رہا ہے اور راستہ کا بھی اطمینان نہیں، پیچھے سے قریش کی دوڑ آرہی ہے۔ آخر یہ واقعہ پیش آگیا، سراقہ بن جعشم تیز رفتار گھوڑے پر پورے ہتھیار لگائے سر پر پہنچ گیا۔ حضرت ابوبکرؓ نے گھبرا کر کہا یا رسول اللہ (ﷺ) اللہ دوڑ آگئی۔ فرمایا۔ گھبراؤ نہیں اللہ ہمارے ساتھ ہے، آپ نے دعا فرمائی اور گھوڑا گھٹنوں گھٹنوں زمین میں دھنس گیا۔ سراقہ نے کہا کہ یا محمد (ﷺ) دعا کیجئے میں اس مصیبت سے چھوٹ جاؤں میرا ذمہ ہے کہ تعاقب کرنے والوں کو واپس کردوں گا، آپ ﷺ نے دعا فرمائی گھوڑا نکل آیا، سراقہ نے پھر تعاقب کا ارادہ کیا پھر وہی واقعہ پیش آیا، پھر اس نے درخواست کی، اس مرتبہ نکل کر اس نے اپنے اونٹوں کی پیش کش کی، فرمایا ہمیں تمہارے اونٹوں کی ضرورت نہیں۔ جب جانے لگا تو کہا سراقہ وہ کیا وقت ہوگا جب تمہارے ہاتھ میں کسریٰ کے کنگن ہوں گے سراقہ غریب کی سمجھ میں نہ آیا کہ کبھی ایسا وقت آسکتا ہے کہ شہنشاہ ایران کے کنگن ایک غریب اعرابی کے ہاتھ میں ہوں، اس نے بڑی بے ساختگی سے پوچھا کیا کسریٰ ابن ہرمز کے کنگن؟ فرمایا ہاں! فرمائیے ایسی کمزوری اور بے بسی کی حالت میں وہ کون سی نگاہ ہو سکتی ہے جو عرب کے ایک بدو کے ہاتھ میں شہنشاہ ایران کے کنگن دیکھتی ہے اور اس کی زبان اس کے پیشن گوئی کرتی ہے، کیا ظاہری حالت کے لحاظ سے اس کا کوئی امکان پایا جاتا ہے؟ یہی نگاہ نبوت ہے جو مستقبل کے افق پر دھندلے دھندلے ستارے دیکھ لیتی ہے اور جس کو ظاہری قیاسات اور واقعات کے خلاف پورے یقین کے ساتھ ایک واقعہ کی اطلاع دینے میں کوئی جھجک محسوس نہیں ہوتی۔

اب مدینہ آئیے، مدینہ کے گرد خندق کھودی جارہی ہے، اللہ کا رسول خود کھودنے میں مشغول ہے ایک پتھر ایسا آجاتا ہے جس پر کدالیں اور پھاوڑے کام نہیں کرتے، صحابہ حضور

ﷺ سے عرض کرتے ہیں آپ ﷺ تشریف لے جاتے ہیں، حالت یہ ہے کہ پیٹ پر دو دو پتھر بندھے ہوئے ہیں، کدال مارتے ہیں تو پتھر دو ٹکڑے ہو جاتا ہے اور اس سے ایک چمک نکلتی ہے ارشاد ہوتا ہے کہ اس روشنی میں میں نے ایران کا سفید محل اور شام کا زرد محل دیکھا ہے تم ان محلوں کو فتح کروگے، تصور کیجئے یہ وہ کہہ رہا ہے جس کے گھر میں کھانے کے لئے بھی نہیں ہے ایسے موقع پر کہہ رہا ہے کہ اسلام کا وجود اور مسلمانوں کی ہستی خطرہ میں ہے عرب کے قبائل مدینہ پر چڑھائی کر رہے ہیں اور موت وزندگی کا سوال ہے مگر پیغمبرانہ یقین کی روشنی ایسی ہی اندھیروں میں چمکتی ہے۔

پیغمبروں کے بعد دنیا کی تاریخ میں یقین کی جو سب سے بڑی مثال ملتی ہے وہ حضرت ابوبکر صدیقؓ کی ہے اور اسی یقین واستقامت اور اتباع میں ان کی صدیقیت کا راز پنہاں ہے ان کے واقعات بتلاتے ہیں کہ وہ صدیق اکبر کے لقب کے پورے مستحق ہیں اور اہل بصیرت کا یہ کہنا بالکل حق ہے کہ ابوبکرؓ پیغمبر نہیں تھے مگر کام انہوں نے پیغمبروں کا سا کیا اور انہیں کی سی استقامت اور پختگی دکھائی۔

صورت یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ کی وفات ہوگئی ہے سارے عرب میں ارتداد کی آگ پھیل گئی ہے، خزاں میں جس طرح پتے جھڑیں اور ٹوٹی تسبیح کے دانے بکھریں اسی طرح قبائل اسلام سے نکلتے جا رہے تھے، ایک ایک دن میں بیسیوں قبیلوں کے ارتداد کی خبر آئی تھی، یمن، حضرموت، بحرین، نجد کے تمام علاقے مرتد ہوگئے، اور نوبت یہاں تک پہنچی کہ قریش اور ثقیف صرف دو قبیلے اسلام پر قائم رہ گئے، یہودیت اور نصرانیت نے جو عرب سے جلاوطن ہوگئی تھیں سر اٹھایا، نفاق نے جو پہلے سوسائٹی کا ایک جرم اور پوشیدہ عیب تھا، نقاب الٹ دی اور لوگوں نے کھل کر شرک ونفاق کی باتیں کرنی شروع کردیں، مسلمانوں کی ہوا سارے عرب سے اکھڑ گئی اور ان کے دشمن شیر ہوگئے عرب مورخین نے بڑی بلاغت کے ساتھ اس وقت کے مسلمانوں کی بے بسی اور درماندگی کی تصویر کھینچی ہے وہ کہتے ہیں کہ مسلمانوں کی اس وقت وہ کیفیت ہوگئی تھی جیسے بارش کی رات میں بھیڑوں کی ہو جاتی ہے کہ وہ اپنے باڑہ میں دبک جاتی ہیں اور سردی سے ٹھٹھرنے لگتی ہیں۔

عین اس حالت میں یقین اور اطاعت وفدویت کی ایک عجیب وغریب مثال سامنے آتی

ہے جس کی نظیر پیش کرنے سے دنیا کی تاریخ قاصر ہے، حضرت اسامہؓ کا لشکر جس کو رسول اللہ ﷺ نے بھیجنے کے لئے تیار کیا تھا اور آپ کی وفات کی وجہ سے اس کا سفر ملتوی ہو گیا تھا تیار ہے اس لشکر میں مہاجرین اور انصار کے بڑے بڑے سردار اور میدان جنگ کے آزمودہ کار سپاہی ہیں۔ خود حضرت عمرؓ بھی حضرت اسامہؓ کی ماتحتی میں ہیں، یہ اس وقت کے مسلمانوں کی سب سے بڑی فوجی طاقت تھی، عقل و مصلحت شناسی کا فتویٰ کیا تھا، اور جس کو سیاست کہتے ہیں اس کا فرمان ناطق کیا تھا؟ یہی کہ لشکر مدینہ میں ٹھہرے اور حملہ آوروں سے جن کا صبح و شام خطرہ تھا، مسلمانوں کی جان و مال اور عزت و آبرو کی حفاظت کرے اس لئے کہ اس وقت اسلام کی بقاء مدینہ پر منحصر ہے لوگوں نے حضرت ابوبکرؓ سے عرض کیا کہ اس وقت اس لشکر کے کوچ کرتے ہی مدینہ پر حملہ ہو جانے کا، اس مشورے میں مدینہ کے تمام عقلاء شریک تھے لیکن بارگاہ نبوت کا مجذوب جس کے نزدیک رسول اللہ ﷺ کا منشاء پورا کرنا اور آپ کے ارادے کو عمل میں لانا ہی سب سے بڑی عقلمندی اور سیاست ہے۔ صاف جواب دیتا ہے کہ قسم ہے اس ذات پاک کی جس کے قبضہ میں ابوبکر کی جان ہے اگر مجھے اس کا بھی یقین ہو جائے کہ جنگل کے درندے مجھے اٹھا لے جائیں گے تب بھی میں رسول اللہ ﷺ کا منشاء مبارک پورا کروں گا اور اسامہؓ کا لشکر بھیج کر رہوں گا۔ آپ نے تقریر کی، جہاد کے لئے تیار کیا اور حکم دے دیا کہ جو لوگ لشکر اسامہؓ میں داخل ہیں وہ اس کی قیام گاہ جرف میں پہنچ جائیں، چنانچہ لشکر اپنے مقام پر پہنچ گیا، حضرت ابوبکرؓ نے ان چند گنے چنے آدمیوں کو روک لیا جو ہجرت کر کے آئے تھے، اور ان کو اپنے قبائل کی حفاظت کے لئے مقرر کر دیا۔ جب لشکر کے سب آدمی جمع ہو گئے تو امیر لشکر حضرت اسامہؓ نے حضرت عمرؓ کو حضرت ابوبکرؓ کی خدمت میں بھیجا کہ ان کی طرف سے دوبارہ عرض کریں کہ لشکر کو واپس بلا لیں، ان کے ساتھ تمام معززین صحابہؓ اور سرداران قبائل ہیں۔ لشکر کے کوچ کے بعد اس کا خطرہ ہے کہ دشمن خلیفہ اسلام اور ازواج مطہرات تک پر دست درازی کریں اور مشرکین ان کو مدینہ سے اٹھا لے جائیں، انصار کا پیغام یہ تھا کہ لشکر پر زیادہ سن رسیدہ اور تجربہ کار آدمی کو امیر بنایا جائے، اسامہؓ بہت نوعمر ہیں، حضرت عمرؓ نے اسامہؓ کا پیغام پہنچایا حضرت ابوبکرؓ نے جواب دیا کہ اگر مجھے کتے اور بھیڑیئے اٹھا لے جائیں تو بھی میں لشکر ضرور روانہ کروں گا، رسول اللہ ﷺ جس بات کا فیصلہ فرما گئے ہیں میں اس کو رد نہیں کر سکتا، اگر ساری

بستیوں میں میں تنہا رہ جاؤں گا جب بھی اس فیصلہ پر عمل کروں گا، حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ انصار کا پیغام ہے کہ لشکر پر حضرت اسامہؓ سے زیادہ سن رسیدہ آدمی امیر مقرر کیا جائے۔ یہ سن کر حضرت ابوبکرؓ جوش میں کھڑے ہو گئے اور حضرت عمرؓ کی داڑھی پکڑ کر کہا اللہ کے بندے! رسول اللہ ﷺ اسامہؓ کو مقرر کریں اور تم مجھے مشورہ دو کہ میں ان کو معزول کردوں؟

مجاہد کے قدم کی فضیلت

اس گفتگو کے بعد حضرت ابوبکرؓ لشکر میں آئے اور ان کو رخصت کرنے کے لئے چلے، آپ پیدل تھے اور حضرت اسامہ سوار، انہوں نے عرض کیا کہ اے خلیفہ رسول اللہ ﷺ آپ سوار ہو جائیں ورنہ میں اترتا ہوں، فرمایا نہ میں سوار ہوں گا، نہ تم اترو گے، اس میں کیا حرج ہے کہ میں گھڑی بھر اپنے قدم اللہ کے راستے میں غبار آلود کرلوں، اس لئے کہ مجاہد کے ہر قدم پر سات سو نیکیاں لکھی جاتی ہیں، سات سو درجے بلند ہوتے ہیں اور سات سو گناہ معاف ہوتے ہیں، جب واپس ہونے لگے تو حضرت اسامہؓ سے فرمایا کہ اگر تمہاری رائے ہو تو عمرؓ کو میری اعانت کے لئے چھوڑ جاؤ، انہوں نے بخوشی اجازت دی، پھر آپ نے ان کو وصیت فرمائی کہ دیکھنا خیانت نہ کرنا، عہد شکنی، مال غنیمت میں چوری سے سخت اجتناب کرنا، کسی بچہ، بوڑھے اور عورت کو نہ مارنا، کھجور کے درخت کو اکھاڑنا نہ جلانا نہ کسی پھل دار درخت کو کاٹنا، نہ کسی کی بکری، گائے اونٹ کو ذبح کرنا، اور دیکھو کچھ ایسے آدمی بھی تم کو ملیں گے جو عبادت گاہوں میں گوشہ نشین ہوں گے ان کو ان کے حال پر چھوڑ دینا، کچھ ایسے نظر آئیں گی جو چاند صاف کرتے ہیں اور اس کے گرداگرد چوٹیوں کی طرح بال بڑھاتے ہیں ذرا تلوار سے ان کو ہوشیار کر دینا، جاؤ اللہ کے نام پر روانہ ہو اور جس کا رسول اللہ ﷺ نے حکم دیا ہے اس کو عمل میں لاؤ۔

میرے بھائیو! اس کے بعد کیا ہوا؟ اگر اس جگہ تاریخ میں خلا ہوتا اور عقل وقیاس کے قلم کو اس خلا کے پر کرنے کی اجازت دی جاتی تو وہ لکھ دیتا کہ یہ ایک بڑی خطرناک سیاسی غلطی تھی، نتیجہ یہ ہوا کہ مدینہ پر حملہ ہو گیا اور مرکز اسلام دشمنوں کے نرغہ میں آ گیا، لیکن اللہ کی قدرت کہ ابوبکرؓ نے تو اپنے عشق اور کمال اتباع میں یہ کام کیا تھا اور ان کو یقین تھا کہ منشائے نبوت پورا کرنے میں کوئی خطرہ پیش نہیں آ سکتا بلکہ خطرات کا علاج ہی یہی ہے اور قدرت الٰہی

نے اس کی تصدیق کی۔ مورخین لکھتے ہیں کہ اس لشکر کے روانہ ہونے سے سارے عرب پر مسلمانوں کی دھاک بیٹھ گئی، لوگ کہتے تھے کہ اگر مسلمانوں کے پاس طاقت نہ ہوتی تو اس لشکر کو حملہ کے لئے کیوں بھیجتے، چنانچہ جو لوگ ارادہ بد رکھتے تھے وہ چوکنے ہو گئے اور مدینہ پر حملہ کرنے کا خیال دل سے نکال دیا۔ مورخ ابن اثیر کے الفاظ ہیں و کان انفاذ جیش اسامۃ اعظم الا مور نفعا للمسلمین. اسامہ رضی اللہ عنہ کے لشکر کا روانہ ہونا مسلمانوں کے لئے سب سے زیادہ مفید ثابت ہوا۔

دین کی قدر:

حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے عزم راسخ کا ایک نمونہ دنیا دیکھ چکی تھی لیکن ابھی عشق و یقین، اور عقل مصلحت اندیش کا ایک معرکہ باقی تھا، وفات نبوی ﷺ کے متصل ہی عرب میں منع زکوٰۃ کا فتنہ پیدا ہو گیا اور وبا کی طرح سارے ملک میں پھیل گیا، عرب کے سارے قبائل کہنے لگے کہ ہمیں نماز، روزہ، حج سے انکار نہیں مگر ہم زکوٰۃ میں ایک جانور بھی نہیں دیں گے۔ ایک دو قبیلے ہوں تو خیر، دو چار قبائل کو چھوڑ کر سارا ملک یہی کہہ رہا تھا، حضرت ابوبکرؓ کی نگاہ بصیرت نے دیکھ لیا کہ زکوٰۃ کا انکار ارتداد کا پیش خیمہ اور دین سے بغاوت کی زنجیر کی وہ کڑی ہے جس کے ساتھ تمام کڑیاں پیوست ہیں، کفر و تحریف کا یہ دروازہ اگر کھلا تو قیامت تک بند نہیں ہو سکتا، آج زکوٰۃ کی باری ہے تو کل نماز کی اور پھر روزہ حج کا تو اللہ ہی حافظ ہے مستقبل کا خطرہ اگر نہ بھی ہوتا تو بھی ابوبکرؓ کو یہ گوارا نہ تھا کہ دین کا جو مجموعہ رسول اللہ ﷺ چھوڑ کر گئے ہیں اور ابوبکرؓ اس کے متولی مقرر ہوئے ہیں کوئی نقص واقع ہو، اس موقع پر ان کی زبان سے بے ساختہ جو جملہ نکلا تاریخ نے بے کم و کاست محفوظ کر لیا ہے، وہ ان کے دلی جذبات، دین سے تعلق اور ان کی مقام صدیقیت کا ترجمان ہے انہوں نے فرمایا "اینقص الدین وانا حی" (کیا ابوبکرؓ کی زندگی میں اللہ کے دین میں قطع و برید ہوگی؟) انہوں نے فیصلہ کر لیا کہ فتنہ کا یہ دروازہ بند کیا جائے گا، چاہے مسلمانوں کی لاشوں سے، اب سارا مدینہ ایک طرف تھا اور ابوبکرؓ ایک طرف تھے، صحابہؓ کہتے تھے کہ صرف ایک رکن کے ترک سے مانعین زکوٰۃ کے ساتھ مشرکین و کفار کی طرح کس طرح قتال جائز ہے کچھ لوگ کہتے تھے کہ

سارا عرب اس فتنہ میں مبتلا ہے کس کس سے جنگ کی جائے گی، اس وقت تو یہی غنیمت ہے کہ ہم مدینہ میں رہ کر اللہ کی عبادت کرتے رہیں، لیکن حضرت ابوبکرؓ کہتے تھے کہ خدا کی قسم اگر ایک بکری کا بچہ بھی جو یہ رسول اللہ ﷺ کے زمانہ میں زکوٰۃ میں دیا کرتے تھے روک لیں گے تو میں ان سے جہاد کروں گا، آخر کار ابوبکرؓ کا یقین اور جذبہ تمام شبہات وترددات پر غالب آیا اور سب نے ان کا ساتھ دیا، آپ نے مختلف سمتوں پر گیارہ فوجیں روانہ کیں، تین تو مستقل مدعی نبوت تھے جن کی سرکوبی کرنی تھی عرب کے تمام جنگ آزما اور سورما جنھوں نے بعد میں عراق وایران فتح کیا ہے ان مدعیان نبوت اور مرتدین کے ساتھ تھے اور عرب کی پوری جنگی قوت اور شجاعت اسلام کے مقابلہ میں میدان میں آگئی تھی بلکہ کہا جاسکتا ہے کہ اتنی بڑی جنگی طاقت اس سے پہلے کبھی اسلام کے مقابلہ میں نہیں آئی تھی۔

ادھر مدینہ خالی ہوگیا تھا، اس کی شہرت ہوگئی کہ مدینہ میں لڑنے والے تھوڑے ہیں۔ حضرت ابوبکرؓ نے مدینہ کی حفاظت کے لئے حضرت علیؓ، طلحہؓ، زبیرؓ اور ابن مسعود رضی اللہ عنہم کو مقرر کیا اور اہل مدینہ کو مسجد نبوی میں حاضر رہنے کا پابند کردیا اس لئے کہ یہ معلوم نہ تھا کہ دشمن کس وقت حملہ کردیں گے، تین ہی دن گزرنے پائے تھے کہ رات کو یکایک حملہ ہوا محافظ دستہ نے حملہ آوروں کو روکا اور ابوبکرؓ کو اطلاع دی۔ حضرت ابوبکرؓ نے اہل مسجد کو اطلاع کی اور دشمن کو پیچھے دھکیلتے ہوئے ذی حسی تک پہنچا دیا، وہاں انہوں نے مشکیزوں میں ہوا بھر کر رسیوں سے باندھ رکھا تھا ان کو انہوں نے زمین پر اس طرح گھسیٹا کہ مسلمانوں کے اونٹ اس طرح بدکے کہ مدینہ پہنچ کر دم لیا، مرتدین کو مسلمانوں کی کمزوری کا احساس ہوا اور انہوں نے اپنے بڑے مرکز ذی القصہ میں اس کی اطلاع کی اور وہاں سے نئے حملہ آور آگئے حضرت ابوبکرؓ رات بھر جنگ کی تیاری کرتے رہے اور صبح ہی اچانک کھلے میدان میں دشمن کے سر پر پہنچ گئے اور ان کو تلواروں پر رکھ لیا، سورج نکلتے نکلتے دشمن کے قدم اکھڑ گئے، حضرت ابوبکرؓ نے ذی القصہ تک ان کا تعاقب کیا، اس فتح سے ارتداد کی طاقت پر اچھی ضرب پڑی لیکن قبیلہ عبس و ذبیان نے اپنے اپنے قبیلوں کے مسلمانوں کو چن چن کر قتل کردیا۔ حضرت ابوبکرؓ نے قسم کھائی کہ وہ مسلمانوں کا پورا بدلہ لیں گے اور جتنے مسلمان شہید ہوئے ہیں ان سے زائد مشرکین کو قتل کریں گے، اس عرصہ میں مدینہ طیبہ میں زکوٰۃ کے جانور پہنچے ادھر حضرت اسامہؓ کا لشکر

چالیس دن کی غیر حاضری کے بعد واپس ہوا۔ حضرت ابو بکرؓ نے ان کو مدینہ میں اپنا جانشین بنایا اور ان کے لشکر کو آرام کرنے کا حکم دیا اور اپنے ساتھیوں کو لے کر باہر نکلے مسلمانوں نے ان کو اللہ کا واسطہ دیا کہ وہ مدینہ ہی میں رہیں، انہوں نے فرمایا میں مسلمانوں کے ساتھ پوری مساوات کا سلوک کروں گا اب یہ آرام کریں گے اور میں جاؤنگا، چنانچہ مدینہ سے نکل کر دور تک دشمن کو ہزیمت دیتے چلے گئے اور مسلمانوں کا رعب قائم ہو گیا۔

حضرت ابو بکرؓ کے یقین اور جوش نے مسلمانوں میں جو جذبہ جہاد اور سرفروشی کی روح پیدا کر دی تھی اس کا اندازہ کرنے کے لئے بیسیوں معرکوں میں سے صرف یمامہ کی جنگ کے حالات کافی ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ اس جذبہ اور روح کے بغیر ارتداد کا فتنہ عالم آشوب اور قبائل عرب کی نسلی عصبیت اور بدوی شجاعت کا مقابلہ (جس نے کچھ ہی عرصہ بعد ایران و شام کی فوجوں کے چھکے چھڑا دئیے) ممکن ہی نہ تھا غور سے دیکھا جائے تو معلوم ہوگا کہ اس قالب میں ابو بکرؓ کا یقین اور ان کا جذبہ کارفرما تھا۔

یمامہ نجد میں واقع ہے یہ قبیلہ بنی حنیفہ کا مرکز تھا، بنی حنیفہ جو ربیعہ کی ایک شاخ ہے جاہلیت میں سخت ترین عداوت اور موروثی دشمنی اور عصبیت تھی اسی قبیلہ میں مسیلمہ نے نبوت کا دعویٰ کیا اور کچھ لوگوں کو اپنی شعبدہ بازیوں سے اور زیادہ تر خاندانی عصبیت وحمیت کی بناء پر اور قریش کی دینی مرکزیت اور سیاسی طاقت کو توڑنے کے لئے اپنا ہمنوا بنا لیا، حضرت ابو بکرؓ نے حضرت خالدؓ کو مسیلمہ کی سرکوبی کے لئے مقرر کیا اور مہاجرینؓ و انصار اور اکابر صحابہؓ کی ایک بڑی جماعت کو ان کے ساتھ کیا، بنو حنیفہ نے یمامہ کو اپنی چھاؤنی بنایا تھا، ان کے لشکر میں چالیس ہزار لڑنے والے تھے، جنگ سے پہلے بنو حنیفہ کے مقرر نے نہایت پر جوش تقریر کی اور سارے قبیلہ کو مرنے مارنے پر آمادہ کر دیا، مہاجرین کا جھنڈا سالم مولی ابی حذیفہؓ کے پاس تھا اور انصار کا جھنڈا ثابتؓ بن قیس کے پاس لوگوں نے سالمؓ سے کہا کہ ہمیں تمہاری طرف سے خطرہ ہے انہوں نے فرمایا پھر بھی حافظ قرآن کیسا، تف ہے مجھ پر دوسرے قبیلے اپنے اپنے جھنڈوں کے نیچے تھے، لڑائی شروع ہوئی اور اتنی سخت ہوئی کہ مورخ ابن اثیر کہتا ہے کہ اس سے پہلے مسلمانوں کو اس سے سخت جنگ کبھی پیش نہیں آئی تھی یہاں تک کہ مسلمانوں کے پاؤں اکھڑ گئے، مسلمانوں نے ایک دوسرے کو للکارا کہ کہاں جاتے ہو، انصار کے علم بردار ثابتؓ نے

کہا مسلمانو! پیچھے ہٹنے کا تم نے برا دروازہ کھولا ہے اے اللہ میں بنوحنفیہ (مرتدین) کے عمل سے بیزار ہوں اور مسلمانوں کے عمل سے معذرت خواہ ہوں یہ کہہ کر آگے بڑھے شہید ہو گئے۔ حضرت زید بن الخطابؓ نے جو حضرت عمرؓ کے بھائی تھے، مسلمانوں کو آواز دی کہ نگاہیں نیچی کر لو دانتوں کو دبالو اور دشمن کے قلب میں گھس جاؤ اور مارتے ہوئے بڑھے چلو، حضرت ابوحذیفہؓ نے کہا کہ اے قرآن والو آج اپنے عمل سے قرآن کو آراستہ کرو۔ حضرت خالدؓ نے زور کا حملہ کیا اور دشمن کو بہت پیچھے دھکیل دیا، اب گھمسان کی لڑائی ہو رہی تھی، بنوحنیفہ اپنے ایک ایک قبیلہ کا نام لے کر جوش پیدا کر رہے تھے اور گھٹنے ٹیک کر لڑ رہے تھے، لڑائی کا یہ طور تھا کہ کبھی مسلمانوں کا پلہ بھاری معلوم ہوتا تھا کبھی مرتدین کا، اسی عرصہ میں سالمؓ مولی ابی حذیفہؓ و زید بن الخطابؓ کام آگئے، حضرت خالدؓ نے لڑائی کا یہ رنگ دیکھا تو کہا لوگو! ذرا الگ الگ ہو جاؤ تاکہ ہم کو ہر قبیلہ کی شجاعت اور سرفروشی کا اندازہ ہو اور اس کا پتہ چلے کہ ہمارا کون سا بازو کمزور ہے جس سے ہم کو نقصان پہنچ رہا ہے، چنانچہ قبیلے قبیلے جدا ہو گئے اور لوگوں نے کہا کہ اب فرار سے شرم آنی چاہئے۔ اس کے بعد سخت خونریز معرکہ ہوا اور میدان لاشوں سے پٹ گیا زیادہ تر مہاجرین وانصار اس معرکہ میں کام آئے۔ مسیلمہ ایک جگہ جما کھڑا تھا اور اس کے گرد لڑائی کی چکی چل رہی تھی۔ حضرت خالدؓ نے بھانپ لیا کہ جب تک مسیلمہ نہ مارا جائے گا بنوحنیفہ کے حوصلے پست نہیں ہوں گے۔ حضرت خالدؓ سامنے آگئے اور یا محمداہ (جو اس وقت مسلمانوں کا شعار تھا) کہہ کر اپنے مقابلہ کے لئے للکارا اور جو سامنے آیا اس کو خاک وخون میں سلا دیا، جب کئی پہلوان مارے گئے تو حضرت خالدؓ نے مسیلمہ کو آواز دی کہ مقابلہ پر آؤ۔ اس نے منظور نہیں کیا، حضرت خالدؓ نے زور کا حملہ کیا، مسیلمہ کے قدم اکھڑ گئے اور جو لوگ اس کے گرد و پیش تھے وہ اپنی جگہ پر برقرار نہ رہے، حضرت خالدؓ نے مسلمانوں کو للکارا اور مسلمان ہر طرف سے ٹوٹ پڑے اور بنوحنیفہ پسپا ہو گئے اور انہوں نے مسیلمہ کو آواز دے کر کہا کہ جس کا تم ہم سے وعدہ کرتے تھے وہ کہاں ہے؟ مسیلمہ نے کہا کہ اب اس وقت اپنے خاندان اور اپنے قبیلہ کی طرف سے لڑو، اس عرصہ میں بنوحنیفہ کے سردار محکوم نے اپنی قوم کو آواز دی کہ باغ میں آجاؤ، بنی حنیفہ ہر طرف سے سمٹ کر باغ میں آگئے اور دروازہ بند کر لیا، براء بن مالکؓ نے کہا کہ مسلمانو! مجھے اٹھا کر باغ میں پھینک دو، لوگوں نے کہا ایسا نہیں ہوسکتا، انہوں نے خدا کی قسم

دی کہ مجھے باغ کے اندر ڈال ہی دو، چنانچہ لوگوں نے ان کو اٹھالیا اور وہ کسی طرح دیوار پر چڑھ گئے اور باغ میں کود گئے اور دروازہ کھول دیا۔ باغ میں پہنچ کر ایسی گھمسان کی لڑائی ہوئی کہ بایدو شاید، فریقین کے کشتوں کے پشتے لگ گئے، خاص طور پر بنی حنیفہ کا سخت جانی نقصان ہوا، انصار کے علمبردار ثابت بن قیسؓ بھی شہید ہوئے، ان کا پاؤں ایک شخص کی تلوار سے کٹ گیا تھا انہوں نے وہی پاؤں اس زور سے اس شخص کے منہ پر مارا کہ وہ مر گیا، وحشیؓ جو حضرت حمزہؓ کے قاتل تھے اور اپنے اس گناہ کے کفارہ کے فکر میں رہا کرتے تھے مسیلمہ کی تاک میں تھے انہوں نے اپنا بھالا پھینک مارا جو ٹھیک نشانہ پر لگا، ایک انصاری نے بڑھ کر مسیلمہ کی گردن اڑا دی، مسیلمہ کا قتل ہونا تھا کہ بنوحنیفہ کے قدم اکھڑ گئے، مسلمانوں نے ان کو تلواروں پر رکھ لیا اور ان کے اکثر آدمی مارے گئے، مسلمانوں میں سے صرف مہاجرین میں سے تین سو ساٹھ آدمی کام آئے، سینکڑوں حافظ قرآن تھے جنہوں نے اس میدان میں شہادت میں اپنے علم وعمل کا حق ادا کیا۔

بنی حنیفہ کے سردار مجاعہ نے غلط بیانی اور فریب دہی سے حضرت خالدؓ سے ایسی صلح کر لی جس میں قبیلہ کی جان محفوظ ہوگئی، بعد میں دربار خلافت سے حکم آیا کہ بنوحنیفہ میں سے کوئی مرد نہ چھوڑا جائے مگر حضرت خالدؓ نے صلح نامہ کی پوری پابندی کی اور اطلاع دیدی کہ صلح ہو چکی تھی اس لئے اس کے خلاف نہیں ہوسکتا۔

حضرت عمرؓ نے اپنے بیٹے عبداللہؓ سے کہا کہ تم اپنے چچا پر قربان نہ ہو گئے، زید شہید ہو گئے اور تم زندہ موجود ہو، میں تمہارا منہ دیکھنا نہیں چاہتا، عبداللہؓ نے کہا کہ اس میں میرا کیا قصور ہے، ہم دونوں نے شہادت کی تمنا کی تھی ان کی تمنا پوری ہوگئی میری تمنا پوری نہیں ہوئی۔

مسیلمہ کذاب، اسود عنسی، طلیحہ مدعیان نبوت کے یکے بعد دیگرے جب قتل وشکست اور مرتد قبائل کی بغاوت اور قتل وغارت سے سارا عرب مرتدین سے صاف ہو گیا، حضرت ابوبکرؓ اور ان کے امراءِ جیوش نے عرب کا گوشہ گوشہ اور قبیلہ قبیلہ مرتدین سے صاف کر دیا اور مرتدین سے صاف طور پر کہلوا دیا کہ ہم غلطی پر تھے، ہمارے مقتول ناری اور تمہارے مقتول شہید ہیں جو کچھ میدان جنگ میں مسلمانوں کے ہاتھ آیا وہ مال غنیمت ہے اور ان کے ہاتھ سے جو مسلمان شہید ہوئے ان کی دیت (خون بہا) دی جائے گی اور جو مرتدین کے ہاتھ آیا ہے وہ مسلمانوں

کو واپس کیا جائے گا اور جواب بھی ارتداد پر باقی رہنا چاہتے ہیں وہ عرب کی سرزمین چھوڑ دیں اور جہاں سینگ سمائے چلے جائیں۔

اس فتنہ ارتداد کا خاتمہ حضرت ابوبکرؓ کا وہ کارنامہ ہے جس کی نظیر سے امتوں کی تاریخ خالی ہے۔ انہوں نے رسول اللہ ﷺ کی جانشینی کا حق ادا کر دیا۔ آج دنیا میں اگر اسلام محفوظ ہے اور اس کی شریعت بے کم وکاست موجود ہے۔ تو یہ رسول اللہ ﷺ (ارواحنا فداہ) کے بعد حضرت ابوبکرؓ ہی کی استقامت، عزیمت اور جدوجہد کا نتیجہ ہے آج روئے زمین پر جہاں کہیں اسلام کا کوئی رکن ادا ہو رہا ہے، کوئی اسلامی شعار بلند ہے اور کہیں دین پر عمل ہو رہا ہے اس میں حضرت ابوبکرؓ کا حصہ ہے، آج نماز کی ہر رکعت زکوٰۃ کا ہر پیسہ، روزہ کی ہر گھڑی، حج کے ہر رکن کے ثواب میں حضرت ابوبکرؓ کا حصہ ہے، اس لئے کہ اگر زکوٰۃ کے بارے میں ڈھیل دی جاتی تو نہ نماز رہتی نہ روزہ، نہ حج اور جب تک یہ دین دنیا میں باقی ہے (اور وہ قیامت تک باقی ہے) حضرت ابوبکرؓ کو اس امت کے اعمال کا اجر ملتا رہے گا، رضی **اللہ عن ابی بکرو ارضاہ.**

میرے دوستو! یہ عزیمت واستقامت حضرت ابوبکرؓ کے اس یقین کا نتیجہ تھا جو ان کو مشکوٰۃ نبوت اور مرکز ایمان ویقین سے ملا تھا اور جس کی بنا پر وہ صدیق اکبرؓ کہلاتے ہیں جس کی بدولت انہوں نے دین کی گرتی ہوئی عمارت کو تھام لیا۔ اور اس کی ڈوبتی ہوئی کشتی کو اپنی ہمت اور قوت سے پار لگا دیا۔

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کے بعد ہم پر ایک ایسا وقت آیا تھا اگر اللہ تعالیٰ بروقت ابوبکرؓ کو کھڑا نہ کر دیتا تو ہماری ہلاکت میں کوئی کسر باقی نہیں رہ گئی تھی، ہم نے اس پر اتفاق کر لیا تھا کہ اونٹ کے بچے (زکوٰۃ کے جانور) کے بارے میں ہم جنگ نہیں کریں گے اور مدینہ میں رہ کر اللہ کی عبادت جو کچھ بن پڑے گی کرتے رہیں گے یہاں تک کہ ہمارا وقت آ جائے لیکن ابوبکرؓ اڑ گئے اور مرتدین کی ذلت وخواری اور ان کے فتنہ کے سد باب سے کم کسی چیز پر رضامند نہیں ہوئے۔

لیکن اس یقین کے سلسلہ میں یاد رہے کہ جو یقین کسی ضد یا نفسانیت کی بناء پر ہوتا ہے یا کسی انسانی طاقت یا بیرونی امداد کے بھروسہ پر ہوتا ہے اور اس کا سرچشمہ ایمان، عمل صالح،

اعتماد علی اللہ نہ ہو، بلکہ مادی اسباب، سیاسی تدبیر اور جوڑ توڑ ہو، اس کا انجام بعض اوقات بہت خراب ہوتا ہے۔ واقعات بتلاتے ہیں کہ ایسا یقین اور ایک شخص کی ضد اور نامعقول اڑ پر قربان ہوگئی ہیں۔ اس یقین کے لئے جس کے ساتھ اللہ کی مدد ہوتی ہے کہ:۔

(۱) وہ خالص اللہ کے اعتماد پر مخلوق کے کسی وعدہ یا کسی امید پر نہ ہو۔

(۲) مشورہ تدبیر میں کمی نہ کی جائے۔ پھر بصیرت ایمانی جو کچھ فیصلہ کرے اس پر مضبوطی سے قائم ہو جائے۔

(۳) صاحب یقین ایمان واخلاص کے دولت سے مالا مال اور عمل صالح سے متصف ہو اور اللہ تعالیٰ سے بندگی کا خصوصی تعلق رکھتا ہو۔

(۴) اس کی بنیاد حق اور صداقت پر ہو، اللہ تعالیٰ کے یہاں اس کا مقدمہ جعلی اور کمزور نہ ہو۔

ان صفات کے بعد وہ پیش آئے گا جس کا وعدہ اس آیت میں کیا گیا ہے۔

"اِنَّ الَّذِیْنَ قَالُوْا رَبُّنَا اللہُ ثُمَّ اسْتَقَامُوْا تَتَنَزَّلُ عَلَیْهِمُ الْمَلٰٓئِکَةُ اَنْ لَّا تَخَافُوْا وَلَا تَحْزَنُوْا وَاَبْشِرُوْا بِالْجَنَّةِ الَّتِیْ کُنْتُمْ تُوْعَدُوْنَ . نَحْنُ اَوْلِیَآؤُکُمْ فِی الْحَیَاةِ الدُّنْیَا وَفِی الْاٰخِرَةِ."

آج عالم اسلام پر جو مصائب آرہے ہیں، اور دین کا ایوان جس طرح تزلزل میں ہے مسلمانوں کے حوصلے جس طرح پست اور ان کی طبیعتیں جس طرح افسردہ ہوتی جارہی ہیں اور وہ اسلام کے مستقبل سے گویا نا امید ہوتے جارہے ہیں، یاس و ناامیدی کے الفاظ جس طرح زبانوں اور قلم پر آنے لگے ہیں اس میں اسی یقین کی ضرورت ہے، جو گرتے ہوئے دلوں کو تھام لے، بجھتی ہوئی طبیعتوں کو گرمادے اور سوتی ہوئی ہمتوں کو جگادے، خیال فرمائیے، فتنہ ارتداد کی اس صورت حال اور موجودہ صورت حال میں کتنا بڑا فرق ہے۔ مسلمانوں کو رسول اللہ ﷺ کی وفات نے نیم جان اور بے حال کر دیا تھا، ہر شخص یتیمی کی کیفیت محسوس کر رہا تھا، وہ عزیز ترین ہستی جو زخموں کا مرہم اور دلوں کی ڈھارس تھی اور جس کو اپنے میں پا کر تمام مصیبت فراموش اور ہر غم غلط ہو جاتا تھا اور جس کے چہرے کو دیکھ کر نازک دل عورت جس کو باپ، بھائی، بیٹے، شوہر کی شہادت کا تازہ تازہ داغ لگا تھا پکار اٹھتی تھی" کل مصیبة بعدک جلل یا

رسول اللہ“

آپ کے ہوتے ہوئے ہر مصیبت ہیچ ہے یارسول اللہ(ﷺ اللہ وہ ان کے درمیان سے اٹھ جاتی ہے اور اس کے اٹھتے ہی ہر طرف سے نرغہ ہوتا ہے اسلام کی وہ پونجی اور راس المال جو اس کا اصل سرمایہ تھا یعنی عرب اور قبائل عرب وہ ان کے ہاتھوں سے نکل جاتا ہے، اسلام جو عرب کے گوشہ گوشہ میں پھیل گیا تھا سمٹ کر صرف مدینہ، مکہ اور طائف میں محصور ہو جاتا ہے، دشمنوں کی مرکز اسلام (مدینہ) پر بھی نگاہیں ہیں اور صبح و شام حملہ کا خطرہ ہے، دائیں بائیں کی ایرانی اور رومی شہنشاہیں بھی تاک میں ہیں ان سے چھیڑ چھاڑ شروع ہو چکی ہے۔ قرآن مجید سینوں میں ہے۔ اس کی تعلیم کی ابھی عالمگیر اشاعت بھی نہیں ہوئی۔ اسلام کی ساری متاع ایک سفینہ پر ہے اور وہ سفینہ تلاطم میں ہے، لیکن اللہ تبارک وتعالیٰ کی ہزار ہزار رحمتیں ابوبکرؓ کی روح پاک پر اور ان کے وفاداروں سرفروش رفیقوں پر کہ نہ ان پر ناامیدی کا غلبہ ہوا نہ ان کے حوصلے پست ہوئے نہ ہمت شکست، انہوں نے ایک طرف رسول اللہ ﷺ کی آخری خواہش اور منشاء کی تکمیل کی، دوسری طرف سارے جزیرہ نمائے عرب کی پھیلی ہوئی ارتداد کی آگ کو بجھایا، پھر ایسے وقت میں دنیا کی دو عظیم ترین سلطنتوں پر حملہ کر دیا وہ اسلامی فوجیں جو مرتدین سے جہاد کر کے بیٹھنے نہ پائی تھیں عراق و شام کی ان سلطنتوں کے سر پر پہنچ گئیں جن کے وسائل و ذخائر غیر محدود اور جن کی مملکت ان کے خیال سے زیادہ وسیع تھی اور پھر جب تک عراق سے لے کر ہندوستان تک اور عرب کی شمالی سرحد سے آبنائے طارق اور آبنائے باسفورس تک سارا میدان کانٹوں سے صاف نہیں کر دیا چین سے نہیں بیٹھے، یہاں تک کہ ایشیاء میں چین چھوڑ کر تمام متمدن ممالک، افریقہ کا سارا آباد اور متمدن علاقہ اور یورپ کا ایک حصہ اسلام کا زیر نگین ہو گیا۔

لیکن اس وقت کے مقابلہ میں آج دنیا کا نقشہ کچھ اور ہی ہے اس وقت مسلمان صرف مدینہ مکہ اور طائف میں رہ گئے تھے لیکن آج دنیا کا کوئی حصہ ایسا نہیں ہے جہاں اسلام کے نام لیوا موجود نہ ہوں اس وقت مسلمانوں کی تعداد ہزاروں سے زیادہ تھی لیکن آج وہ اسی کروڑ سے بھی متجاوز ہیں، اس وقت تین شہروں کو چھوڑ کر اور کہیں مسلمانوں کو حاکمانہ اقتدار حاصل نہ تھا لیکن آج ان کی بیسیوں حکومتیں موجود ہیں اور لاکھوں مربع میل زمین ان کے زیر اقتدار ہے،

اس وقت مشکل سے ایسے مسلمان موجود تھے جنہیں اطمینان کے ساتھ دونوں وقت کھانا میسر تھا لیکن آج شاید ہی کوئی ایسا ہو جو بھوکا مر رہا ہو، اس وقت ہزاروں کی دولت رکھنے والے مسلمان بھی انگلیوں پر گنے جا سکتے تھے لیکن آج کروڑوں کی مالیت رکھنے والوں کی تعداد بھی ہزاروں سے متجاوز ہے۔ آج نہ یاس کا موقع ہے نہ ہراس کا۔ ضرورت صرف اس بات کی ہے کہ اللہ کی بندے بن جائیں، اپنے آپ کو ایمان و یقین اور عمل صالح سے آراستہ کریں، اگر ہم نے ایسا کر لیا تو تمام خطرات اور شبہات یقین کی حرارت اور عمل کی قوت کے سامنے اس طرح ناپید ہو جائیں گے جس طرح صبح کا کہر اور رات کی شبنم سورج کی گرمی کے سامنے ناپید ہو جاتی ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں دین کی خدمت کی سچی اور حقیقی تڑپ نصیب فرمائے۔ آمین۔

و آخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین
والسلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

ترقی پر ایمان کی سلامتی کو ترجیح دیجئے

[یہ تقریر ۲۰ جون ۱۹۷۷ء کو مسلم کمیونٹی سنٹر (M.C.C) شیکاگو (امریکا) میں کی گئی، اس موقع پر امریکہ میں اسلامی تنظیمات اور اداروں کے کارکن بڑی تعداد میں موجود تھے، چونکہ یہ دورۂ امریکہ کی آخری تقریر تھی۔]

الحمد لله رب العالمين والصلوٰة والسلام على من لا نبي بعده اما بعد.

میرے عزیز بھائیو! اور بہنو!:

تین ہفتے ہو رہے ہیں کہ میں شمالی امریکہ اور کنیڈا کے دورے پر ہوں، اس عرصے میں درجنوں تقریریں اردو اور عربی میں ہوئیں، تقریریں تو تقریروں کی طرح ہوتی ہیں، اس میں خطاب کا عنصر بھی تھا، اور مضامین کا اعادہ اور تکرار بھی، لیکن آج کی اس مجلس کی اور میری تقریر کی نوعیت، اس سے مختلف ہے، میں آج تقریر نہیں کروں گا، بلکہ باتیں کروں گا، باتیں بھی ایسی جیسے ایک خاندان کا فرد اپنے خاندان کے دوسرے عزیزوں سے ملنے کے بعد کچھ تاثرات و تجربات بیان کرتا ہے، اس نشست میں چند عملی باتیں اور ذاتی تجربات (POINT BY POINT) پیش کروں گا، میری درخواست ہے کہ آپ انہیں اپنی ڈائری میں قلم بند کریں، یا یاد داشت میں محفوظ کر لیں، میں اس گفتگو میں نہ مبالغہ سے کام لوں گا نہ تواضع سے نہ کچھ حاشیہ آرائی کروں گا اور نہ خواہ مخواہ خاکساری برتوں گا۔

اس سفر میں مختلف مقامات پر افراد اور جماعتوں کے کارکنوں سے ملنے کے بعد میرے ذہن نے چند باتیں نوٹ کی ہیں، اور کوئی تعجب نہیں کہ یہ سفر جس کا سہرا M.S.A اور ہمارے نیک اور مخلص بھائیوں کے سر ہے، جو دو تین سال سے مجھے یاد کر رہے تھے، یہ باتیں اس سفر کا سرمایہ اور قیمتی تحفہ ہیں، میں بھی اللہ سے دعا کرتا ہوں اور آپ بھی کیجئے کہ اللہ تعالیٰ میری زبان

سے ایسی باتیں کہلوائے جو بہت دنوں تک آپ کو کام دیں، اور میرے اس سفر کو بھی وصول کرا دیں، کیوں کہ میں بہت ڈرتا ہوں کہ میں نے اس سفر کا حق ادا کیا یا نہیں؟ میں اتنا لمبا فاصلہ طے کر کے آیا اور سفر کے سلسلہ میں جو ضروری انتظامات اور لوازمات ہوتے ہیں، وہ سب ہوئے، کہیں مجھ سے خدا کے یہاں سوال نہ ہو، ہو سکتا ہے کہ مجھ سے اس سفر میں بہت سی غلطیاں اور کوتاہیاں ہوئی ہوں۔ میں بالکل اس معیار پر قائم نہ رہ سکا جس پر مجھے قائم رہنا چاہیے تھا، شاید آج کی بات چیت سے اس کے کچھ کفارہ کی صورت پیدا ہو جائے، خدا کرے کہ یہ باتیں آپ کو یاد بھی رہیں، کیوں کہ باتیں بہت کی جاتی ہیں، ہر تقریر کے بعد سوال و جواب کا سلسلہ بھی ہوتا ہے، اور اکثر کام کی باتیں بھلا دی جاتی ہیں، یہ بھی ہوتا ہے کہ مقرر کی تقریر کے دوران ہی ذہن سوال سوچنے لگتا ہے کہ اس پر ہم کیا سوال کریں گے، میری درخواست ہے کہ جس وقت تک میں آپ سے باتیں کروں اس وقت تک آپ اپنے ذہن کو سوال بنانے میں مشغول نہ ہونے دیں۔

سب سے بڑا خسارہ ہے:

پہلی بات تو یہ ہے کہ آپ اس بات کی بھرپور کوشش کریں گے کہ آپ کے پاس اسلام کا جو سرمایہ ہے، وہ کھونے نہ پائے، اگر آپ کو ذرا سا تصور آ جائے کہ دنیا کی زندگی کتنی مختصر ہے اور آنے والی زندگی کتنی طویل ہوگی اور آخرت میں کن مراحل سے گذرنا پڑے گا تو آپ کے رونگٹے کھڑے ہو جائیں بلکہ ہو سکتا ہے کہ آپ کا شدت پریشانی میں دم نکل جائے، اگر ہم نے اس ملک میں سب کچھ کیا لیکن آخرت کے استحضار اور خدا کے خوف کی یہ کمائی لٹا دی تو ہم سے بڑھ کر کوئی بدنصیب نہ ہوگا، میں ایک حقیقت پسند انسان کی حیثیت سے کہتا ہوں کہ خدا کی قسم دانے دانے کا محتاج ہونا اس سے کہیں بہتر تھا کہ ہم اپنے آپ کو اس خطرے میں ڈالیں، اور اپنی اولاد کے دینی مستقبل کو داؤں پر لگائیں، سب کچھ ملا اور ہم اپنے ایمان کی دولت کھو بیٹھے تو یہ سب سے بڑا خسارہ ہے۔

حضور ﷺ نے فرمایا کہ جس شخص میں تین باتیں ہوں گی اس کا ایمان مکمل ہوگا، ان میں سے ایک یہ کہ اس تصور سے کہ وہ کفر کی طرف واپس جا سکتا ہے، اس پر ایسی دہشت طاری ہو، کہ جیسے کوئی کسی کو پکڑ کر آگ میں ڈالنے لگے۔

ہم ان آیتوں کے مصداق نہ ہوں کہ۔

قُلْ هَلْ نُنَبِّئُكُمْ بِالْاَخْسَرِيْنَ اَعْمَالاً O اَلَّذِيْنَ ضَلَّ سَعْيُهُمْ فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَهُمْ يَحْسَبُوْنَ اَنَّهُمْ يُحْسِنُوْنَ صُنْعاً. (۱)

ہم تمہیں بتائیں کہ وہ لوگ کون ہیں جو اپنے عمل کے اعتبار سے بڑے نقصان میں رہنے والے ہیں، یہ وہ لوگ ہیں کہ جن کی ساری کوشش دنیا کی زندگی میں بھٹک کر رہ گئی اور وہ سمجھ رہے ہیں کہ وہ بڑا اچھا کام کر رہے ہیں۔

اس میں بڑی عبرت کی چیز یہی ہے کہ وہ بے چارے یہ سمجھتے ہیں کہ ہم بہت اچھا کام کر رہے ہیں، مجھے یہ ڈر ہے کہ یہ آیت ہم لوگوں پر منطبق نہ ہوتی ہو، بہت سے لوگ ایسے ہیں کہ جو غلط کام کرتے ہیں، اور سمجھتے ہیں کہ غلط کام کر رہے ہیں، لیکن موجودہ تہذیب کی خصوصیت یہ ہے کہ آدمی یہ نہیں سمجھتا کہ وہ غلط کام کر رہا ہے، اپنے عمل پر وہ مطمئن ہوتا ہے کہ وہ اچھا کر رہا ہے، مثلاً کوئی ہندوستان، پاکستان میں اپنے کسی دوست سے پوچھے کہ تمہارے بھائی کہاں ہیں، اور کیا کر رہے ہیں تو وہ کہے ماشاء اللہ وہ امریکہ میں ہیں اور دونوں ہاتھوں سے دولت لوٹ رہے ہیں، امریکہ میں ان کو اتنے سوڈالر ملتے ہیں، یہ تو وہاں کہا جاتا ہوگا، اور ہم یہاں کہتے ہیں کہ ہم تو بڑے اچھے رہے، حیدرآباد، یوپی، بہار، لاہور اور کراچی میں ہوتے، تو کیا کماتے؟ ہم کو تو یہاں وہ مل رہا ہے، وہ جو وہاں گورنر اور منسٹر کو بھی نہیں ملتا، ''**یحسبون انهم یحسنون صنعاً**''

پہلی بات تو یہ کہنا ہے کہ اس سے ڈریئے، اور ہر ترقی ہر خوش حالی پر ایمان کی سلامتی کو ترجیح دیجئے کہ ایمان یہاں سے سلامت چلا جائے کہ حشر کے دن ایمان کی حالت میں اٹھیں، میں تو کہتا ہوں کہ جو آدمی امریکہ میں رہتے ہوئے ایمان سلامت لے جائے گا اور حشر کے دن ایمان کے ساتھ اٹھے گا شاید اس کا اجر اس سے بڑا ہو جو عرب کی سرزمین میں ایمان کے ساتھ اٹھے، کیونکہ اس نے اپنی شمع ایمان کی حفاظت آندھیوں کے طوفان میں کی، حدیث میں آتا ہے، آپ ﷺ نے فرمایا ''میرے کچھ بھائی ایسے ہوں گے جو ایمان پر قائم رہیں گے، اور دین کی پابندی کریں گے'' صحابہ کرامؓ نے کہا یا رسول (ﷺ) اللہ کیا ہم آپ ﷺ کے بھائی نہیں ہیں؟

---

(۱) الکہف ۱۰۳، ۱۰۴۔

آپ ﷺ نے فرمایا تم تو میرے ساتھی ہو، لیکن میرے بھائی وہ ہیں، جنہوں نے مجھے دیکھا نہیں وہ بہت بعد میں آئیں گے انہیں ایمان بالغیب ہوگا۔

امریکہ میں ولایت کا درجہ:

اس میں بالکل مبالغہ نہیں کہ آپ حضرات امریکہ میں ولایت کا اعلیٰ سے اعلیٰ درجہ حاصل کر سکتے ہیں، اور اللہ کو آپ کا عمل کہیں زیادہ عزیز ہوگا، جب بچہ کہیں دور چلا جاتا ہے تو ماں کا دل اس سے زیادہ اٹکا رہتا ہے اور وہ دعا کرتی ہے کہ میرا بچہ پردیس میں ہے، اللہ اس کی حفاظت کرے'' آپ اسلام کے وہ فرزند ہیں جو مرکزِ اسلام سے بہت دور عالم مسافرت اور کفر و مادیت کے نرغے میں ہیں، آپ پر اللہ کی نظر زیادہ ہوگی، آپ خدا کی رحمت سے ہرگز مایوس نہ ہوں۔

ایمان کو ہر حال میں ترجیح دیجئے، فقر و فاقہ کی حالت میں ایمان لاکھ درجے بہتر ہے، اس دولت و سلطنت سے جو ایمان کے بغیر ہو، ماشاء اللہ آپ سب ذہین اور تعلیم یافتہ ہیں، اگر آپ کو ذرا خطرہ محسوس ہو کہ یہاں ایمان کا خطرہ ہے تو چاہے آپ کو اپنے وطن یا جہاں دین و ایمان کی حفاظت کا اطمینان ہو، پیدل جانا پڑے، سب اہل و عیال کو پیدل لے کر چلے جائیں اور فرمان خداوندی۔

وَلَا تَمُوْتُنَّ اِلَّا وَاَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ۔ (۱)

اور نہ مرنا مگر اس حال میں کہ تم خدا کے فرمانبردار ہو۔

پر عمل کرنے کی ہر حال میں کوشش کیجئے۔

میں دو منٹ کا وقفہ دیتا ہوں تاکہ آپ اس کو ذہن نشین کرلیں۔

رضائے الٰہی:

دوسری بات یہ کہ اپنی نیت کی تصحیح کرتے رہیں، جو کام کریں وہ رضائے الٰہی کے واسطے کریں اور کسی جاہ و منصب، عہدہ و غرض کو بیچ میں نہ لائیں، دنیا کا فائدہ تو آپ کو ان شاء اللہ آپ کی

---

(۱) البقرۃ ۱۳۲۔

قابلیت اور محنت کے مطابق ملے گا، لیکن نیت ہمیشہ درست رکھیں تا کہ عمل کا صحیح ثواب ملے۔ حدیث میں آتا ہے۔

> **انما الا عمال بالنيات وانما لكل امرى ما نوى فمن كانت هجرتهٗ الى الله ورسوله فهجرتهٗ الى الله ورسولهٗ ومن كانت هجرتهٗ الى دنيا يصيبها اوامرأة ينكحها فهجرته الى ماها جر اليه .(۱)**

(حضور ﷺ نے فرمایا) تمام اعمال کا دارو مدار نیتوں پر ہے اور ہر ایک کو اپنے عمل میں سے اتنا ہی حصہ ملے گا۔ جتنے کی اس نے نیت کی اگر کسی شخص کی ہجرت اللہ اور اس کے رسول کے سلسلہ میں ہے تو اس کو وہی ملے گا، اگر کسی کی ہجرت دنیا حاصل کرنے کے لئے یا نفس کے تقاضہ کو پورا کرنے کے لئے ہے مثلاً کسی عورت سے شادی کرنے کے لئے جو وہاں رہتی ہے تو اس کی ہجرت اس میں محبوب ہوگی۔

اسی لئے وقتاً فوقتاً اپنی نیت کی تصحیح کر لیا کریں، سب کاموں میں نیت اللہ کی خوشی ہو، اسلام اور مسلمانوں کی خدمت کی ہو، انشاءاللہ آپ کو جہاد کا اور بعض مرتبہ شہید کا ثواب ملے گا

دعاء کا وزن:

آپ ایمان واحتساب (خدا کے وعدوں پر یقین اور اس کے اجر وثواب کے لالچ میں کام کرنے) کا اہتمام کریں تا کہ عمل وزنی ہو، خدا کے یہاں وہی عمل وزنی ہوتا ہے، جو ایمان و احتساب کے ساتھ ہو، رمضان المبارک کے متعلق آتا ہے۔

من صام رمضان ايمانا واحتسابا غفرلهٗ ما تقدم من ذنبه.(۲)

جو رمضان کے روزے اللہ کے وعدوں پر یقین کرتے ہوئے اور اس کے ثواب کی لالچ میں رکھے گا اس کے تمام پچھلے گناہ معاف ہو جاتے ہیں۔

کوئی پوچھے بھلا کوئی روزہ بھی بد نیتی سے رکھ سکتا ہے؟ مگر بھائیو! ایک ہوتی ہے بد نیتی ایک ہوتی ہے بے نیتی، میں کہا کرتا ہوں کہ مسلمان بد نیتی کے کم لیکن بے نیتی کی زیادہ شکار

---

(۱) یہ بخاری شریف کی پہلی حدیث ہے۔ (۲)

ہیں، یعنی کسی عمل کے موقع پر سرے سے غور ہی نہیں کیا کہ یہ عمل رضائے الٰہی کی نیت سے کر رہے ہیں، یا عادتاً اور رواجاً، میکینکل طریقہ پر عمل ہونا کچھ سودمند نہیں۔

اپنے دل کی بیٹری چارج کرتے رہیں:

تیسری بات یہ ہے کہ اپنی طرف سے غافل نہ رہیں، بلکہ اپنے دل کا، اعمال کا نفس کا محاسبہ کرتے رہیں، خود اپنے ممتحن بن جائیں، اور اس کو ٹٹولتے رہیں، اس کے لئے میں آپ کو مشورہ دوں گا کہ آپ سال دو سال کے بعد اپنے اپنے ملک کچھ عرصے کے لئے ضرور جایا کریں، وہاں سے رابطہ قائم رکھیں، ہندوستان پاکستان اور حرمین شریفین ہو تو اور زیادہ بہتر ہے، اور وہاں رہ کر اچھے حقانی، ربانی لوگوں کے خدمت میں حاضر ہوں، جو بے غرض ہیں، جن کے پاس بیٹھ کر خدا یاد آتا ہو، ان سے ملاقات کریں، یا کسی دینی ماحول میں تھوڑا وقت گذاریں، اگر یہیں رہیں گے تو تعلق باللہ اور ایمانی کیفیات کا سرمایہ خرچ ہوتا جائے گا، جیسے کہ بیٹری برابر استعمال میں رہے تو اس کا مسالہ ختم ہوتا جائے گا اس کو نئے سیلس (CELLS) کی ضرورت ہوگی، اس طرح سے اپنے دلوں کی بیٹری کو بھی ہمیشہ نئے سیل دیتے رہیں، اور تھوڑے تھوڑے وقفے دو برس کے بعد، ڈھائی برس کے بعد سہی مگر آپ وطن چلے جائیں، ہم نے دیکھا ہے کہ جو لوگ اپنے ملک سے تعلق رکھتے ہیں، ان میں کچھ اور بات ہوتی ہے، اور وہاں سے جو لوگ منقطع ہو گئے ان میں وہ بات نہیں رہی، انہیں معلوم نہیں کہ دین کا کیا معیار ہے، کیا کیفیات ہیں محض خانہ پری ہوتی ہے، نماز کی جگہ نماز روزے کی جگہ روزہ کوئی چیز کم نہیں، یہاں بھی کرتے ہیں، مگر ان کو یہ اندازہ نہیں ہوتا کہ اس میں کتنا خول پیدا ہو گیا ہے، اس کے اندر کتنا بھراؤ ہے، اور اللہ کے مقبول بندوں کا کیا حال ہے کیسی ان کی نمازیں ہوتی ہیں، کیسی ان کی عبادتیں ہوتی ہیں، کیا ان کا ذوق ہے۔

دینی ماحول کو پاور ہاؤس سمجھنا چاہئے ہندوستان پاکستان میں اب بھی خدا کے فضل سے دینی ماحول ہے، اور وہاں ایسے لوگ ہیں، جن کے پاس بیٹھنے سے واقعی دل کا زنگ چھوٹتا ہے، یہ بات میں بڑے تجربے کی بتا رہا ہوں، حجاز میں بھی اس کا تجربہ ہوا ہے، جہاں میں برابر جاتا رہتا ہوں، وہاں میں نے دیکھا کہ جن خاندانوں نے ہندوسان سے تعلق رکھا وہ ان

خاندانوں سے بہتر ہیں جنہوں نے حجازی تمدن اختیار کرلیا اور بالکل ہندوستان سے کٹ گئے ظاہر ہے کہ حرمین شریفین تو اصل مرکز ہیں اسلام کے لیکن وہاں بھی مغربی تہذیب کے اثرات پہنچ رہے ہیں، اور دولت کی ریل پیل ہے، وہاں جا کر یہ اطمینان پیدا ہوجاتا ہے کہ ہمارا کیا کہنا ہم تو اہل حرم ہیں، کعبہ کی دیوار کے سایہ میں ہیں تو جو لوگ ہندوستان سے تعلق رکھتے ہیں، وہاں آتے جاتے رہتے ہیں، اردو سے تعلق رکھتے ہیں، جس میں دینی کتابیں اور دعوتی رسالے نکلتے ہیں، ہندوستان، پاکستان سے علماء حق آتے ہیں، تو وہ اپنے ہاں ٹھہراتے ہیں، ان سے مسائل پوچھتے ہیں ان کی دینی حالت بہتر ہے، وہ حرم شریف زیادہ جاتے ہیں، عمرہ زیادہ کرتے ہیں، ان میں مدینہ طیبہ کی حاضری کی زیادہ شوق اور وہاں کا ادب زیادہ پایا جاتا ہے، رسول اللہ ﷺ (فداہ ابی وامی) کی ذات گرامی سے عاشقانہ تعلق ان میں ہوتا ہے۔

سلف سے حسن ظن رکھیے:

چوتھی بات یہ ہے کہ آپ امریکہ میں ہیں، آپ کو علمی ذوق اور مطالعہ کا شوق بھی ہے، اسلامی لٹریچر پڑھتے ہیں، میں نے دیکھا کہ یہاں اچھی اچھی کتابیں انگریزی اور اردو کی پڑھی جاتی ہیں، اور مسلم ممالک کے مفکرین، علماء اور قارئین یہاں آتے ہیں، اور ان کی تقریریں ہوتی ہیں، ایک بات میں اپنے تجربہ کی بناء پر کہتا ہوں کہ آپ سلف صالحین اور امت کے ان لوگوں سے جنہوں نے اپنے اپنے دائرہ میں دینی وملی کام کیا ہے، بدگمان نہ ہوں یہ بڑے خطرہ کی بات ہے، یہ بات ہمارے ان بھائیوں میں بہت زیادہ پیدا ہوتی جارہی ہے، جن کا سارا انحصار مطالعہ پر ہے، وہ تنقیدی کتابیں اور مضامین پڑھتے ہیں تو ان کو ایسا نظر آنے لگتا ہے کہ کسی نے اسلام پر مکمل کام ہی نہیں کیا، ان کتابوں کے اثر سے وہ دینی خدمت کے ناپنے کے لئے ایک فتنہ بنا لیتے ہیں، جس سے وہ ہر مصلح اور مجدد کو ناپتے ہیں، جیسے فوج میں بھرتی ہونے والے رنگروٹ ناپے جاتے ہیں، یہ صحیح نہیں۔

آپ کو معلوم نہیں کہ ان اللہ کے بندوں نے کن سخت حالات میں کام کیا، میں مثال کے طور پر کہتا ہوں کہ اگر کوئی یہ کہے کہ ''شیخ عبدالقادر جیلانی جو پیران پیر اور بڑے پیر صاحب'' کے نام سے مشہور ہیں، اسلامی سلطنت قائم نہیں کرسکے وہ بیٹھے بیٹھے وعظ کہتے تھے، عباسی خلیفہ

نے اسلامی نظام کو معطل کر رکھا تھا، اور خلافت پر قابض تھا، اس وقت خلافت علی منہاج النبوت قائم نہیں تھی، اس وقت شیخ عبدالقادر جیلانی نے اس کی کوشش کیوں نہیں کی؟

حضرات! آپ کو معلوم نہیں کہ خدا کے اس شیر نے کیا کام کیا، آج تک افریقہ ان کا احسان مند ہے کہ وہاں اسلام ان کے سلسلہ سے پھیلا، انڈونیشیا، ہندوستان اور ملک ملک میں اسلام ان کے ذریعہ سے داخل ہوا، اور پھیلا اور انہوں نے کتنے مردہ دلوں کی مسیحائی کی، نہ معلوم کتنے لوگوں کو کفر و شرک سے نکالا پھر وہ یہ سمجھتے تھے کہ یہ عباسی خلفاء رسول اللہ ﷺ کے خاندان کے لوگ ہیں، یہ قرآن مجید اسی طرح سمجھتے ہیں، جس طرح ہم سمجھتے ہیں، عربی النسل ہیں، ہاشمی ہیں، آخر کیا بات ہے کہ یہ خلافت کا حق ادا نہیں کرتے اصل بات یہ ہے کہ دنیا کی محبت ان پر غالب ہے، یہ نفس کے بندے بن گئے ہیں، تو معلوم ہوا کہ ساری خرابی کی جڑ نفس کی بندگی اور دنیا کی محبت ہے، اور وہ اسی مرض کا علاج کرتے تھے، میں آپ سے پوچھتا ہوں کہ آج پاکستان میں کیا خرابی ہے، کیا یہ ملک اور اس کے سربراہ مسلمان نہیں؟ انہوں نے اسلام کے نام پر ملک بنایا تھا، کل ہی مجھے پاکستان کے ایک دوست نے بتایا کہ ہمارے ایک عزیز کا لڑکا لاہور میں حکومت کے خلاف مظاہرہ کرنے والے ایک جلوس میں شریک تھا، کسی نے نعرہ لگایا کہ پاکستان کی بنیاد کس پر پڑی؟ تو اس نے کہا کہ " لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ " پر اسی وقت ایک گولی اس کے سینہ کو لگی اور اس کا کام تمام ہو گیا،(۱) بتائیے کہ اس نے مسلمان کے ہاتھ سے گولی کھائی یا کسی غیر مسلم نے کسی ملک سے آکر اس کو گولی کا نشانہ بنایا؟ یہ جو ہو رہا ہے۔ مسلمان مسلمان کو مار رہا ہے کیوں مار رہا ہے؟ اگر کوئی خدا کا بندہ اس فساد کی جڑ دنیا کی محبت اور نفس پرستی کو سمجھتا ہے، تو اس نے کیا غلط کام کیا؟ یہ ساری عمر کس سے لڑتا رہا؟

اسلام کے دنیا میں اس وقت باقی اور محفوظ رہنے میں ان سب لوگوں کا حصہ ہے جنہوں نے اس کی خدمت میں حصہ لیا:

میرے بھائیو، بہنو! بعض مرتبہ کسی وجہ سے یہ ذہن بن جاتا ہے کہ ایک ہی کام

---

(۱) یہ بات ذہن میں رہے کہ یہ قصہ پاکستان کے عمومی انتخابات کے بعد مسٹر ذوالفقار علی بھٹو کی حکومت کے زمانہ میں پیش آیا۔

ہے، اگر کسی نے اسلامی حکومت قائم کرنے کی کوشش نہیں کی تو گویا اس نے کوئی کام ہی نہیں کیا، چاہے وہ حضرت شیخ عبدالقادر جیلانیؒ ہوں یا حضرت مجدد الف ثانیؒ یا حضرت شاہ ولی اللہؒ یہ تاریخ کے سطحی مطالعہ کا نتیجہ ہے، میں صاف کہتا ہوں کہ اسلام اب جو دنیا میں محفوظ ہے، اور زندہ ہے، اس میں سب کا حصہ ہے، محدثین، فقہاء، صلحاء امت، اولیاء اللہ رحمھم اللہ سب کا اس میں حصہ ہے۔

اگر کوئی یہ کہے کہ ''امام ابوحنیفہؒ کیا کرتے تھے؟ نماز روزے کے مسائل بتاتے تھے، انہیں تو اسلامی خلافت وسلطنت قائم کرنی چاہئے تھی۔'' تو صاحبو! خلافت تو قائم ہو جاتی لیکن آپ کو نماز پڑھنا کون سکھاتا؟ اور وہ خلافت کس کام کی جس میں نماز پڑھنا کسی کو نہ آتا ہو؟

اَلَّذِیْنَ اِنْ مَّکَّنّٰھُمْ فِی الْاَرْضِ اَقَامُوا الصَّلٰوۃَ وَاٰتَوُا الزَّکٰوۃَ وَاَمَرُوْا بِالْمَعْرُوْفِ وَنَھَوْا عَنِ الْمُنْکَرِ وَلِلّٰہِ عَاقِبَۃُ الْاُمُوْرِ.(۱)

وہ لوگ جن کو ہم زمین میں اقتدار دیں گے تو وہ نماز قائم کریں گے، زکوۃ دیں گے یہ نہیں کہ جن کو ہم نماز پڑھنا سکھائیں گے وہ حکومت قائم کرلیں گے، ترتیب یہ ہے کہ حکومت اس لئے ہے کہ نماز پڑھنے کے لئے فضا ہموار ہو کوئی عذر نہ کر سکے۔

حق تعالی فرماتے ہیں، ''حتی لا تکون فتنة ویکون الدین کلہ للہ'' یہ خیال آپ کے دل میں نہ آئے کہ سب ناقص تھے، کسی نے اسلام کو سمجھا ہی نہیں، کسی نے پورے اسلام کو قائم کرنے کی کوشش نہیں کی، یاد رکھئے سب لوگ اپنے امکان واستطاعت کے مطابق دین کی خدمت اور اس کی حفاظت میں لگے ہوئے تھے، کوئی وعظ کہہ رہا تھا، کوئی تقریر کر رہا تھا، اور کوئی حدیث پڑھا رہا تھا، کوئی فتوے دے رہا تھا، اور کوئی کتابیں لکھ رہا تھا اپنی اپنی جگہ اسلام کی خدمت اور مسلمانوں کی تربیت کا کام کر رہے تھے، اور ہر ایک نے الگ محاذ سنبھال رکھا تھا۔

صوفیاء کا کارنامہ:

جن لوگوں نے اپنی جگہ بیٹھ کر اللہ کا نام سکھایا اور لوگوں کی تربیت کی ان کے کام کی تحقیر نہ کی جائے، یہ کام انہوں نے کیا جن کو عرف عام میں صوفیائے کرام کہتے ہیں، آپ کو معلوم نہیں

---

(۱) الحج:۴۱۔

کہ صوفیائے کرام نے کیا خدمت انجام دی؟ انہوں نے اسلامی معاشرہ کو زوال سے بچایا، اس کا میرے پاس ثبوت ہے، انہوں نے ایسا بنیادی کام کیا کہ اگر وہ نہ کرتے تو مادیت کا یہ سیلاب لوگوں کو بہا کر لے جاتا اور تنکے کی طرح امت اسلامیہ بہتی، انہی کی وجہ سے لوگ رکے ہوئے تھے، اور ہوس رانی، نفس پرستی کا بازار گرم نہیں ہونے پاتا تھا، اور جو کوئی اس کا شکار ہو جاتا تھا تو فوراً اس میں احساس پیدا ہوتا تھا کہ ہم غلط کام کر رہے ہیں، ان کے پاس آتا تھا، روتا تھا، استغفار کرتا تھا، پھر یہ صوفیاء ومشائخ کام کے آدمی بناتے تھے، اور اپنی جگہ پر فٹ کرتے تھے، تاریخ ہماری ناقص ہے، میں نے ''تاریخ دعوت وعزیمت'' کے مقدمے میں لکھا ہے، کہ نقص تاریخ نویسی کا ہے، نقص تاریخ اسلام کا نہیں، تاریخ اس طرح لکھی گئی ہے کہ وہ سرکار دربار کے گرد گھومتی رہتی ہے، اس میں ان اصلاحی کوششوں کا پورا جائزہ نہیں لیا گیا ورنہ کوئی خلا نہیں۔

اسلام وقرآن صدیوں تک معمہ نہیں بنے رہے:

میرے بھائیو اور بہنو! یہ کبھی نہ سمجھئے گا کہ اسلام کو اب کچھ لوگ سمجھے ہیں، اس سے پہلے کوئی پورے اسلام کو سمجھا ہی نہیں، یہ اسلام پر بڑا الزام ہے، یہ اسلام کی صلاحیت پر بڑا دھبہ ہے، اس سے قرآن شریف کی زندگی اور اس کا واضح اور قابل فہم ہونا مشکوک بن جاتا ہے، جس کو ''کتاب عربی مبین'' ''لسان عربی مبین'' کے ذریعہ ثابت کیا گیا ہے، اس کے علاوہ جو کتاب ہزار بارہ سو برس تک نہ سمجھی گئی ہو، اب کیا اطمینان ہے کہ وہ صحیح سمجھی گئی ہو؟ اس لئے میں ہر اس تحریر کو مضر سمجھتا ہوں جو یہ تاثر دے کہ پورے اسلام کو ہزار بارہ سو برس تک نہیں سمجھا گیا، یا بعض بعض اسلامی حقیقتیں اس وقت تک بالکل تاریکی میں ہیں، میں اس کو بالکل ماننے کے لئے تیار نہیں، اسلام کے بنیادی اصول، قرآن کے حقائق، اور دین کے قطعیات، تسلسل کے ساتھ چلے آرہے ہیں، اگر کوئی سمجھتا ہے کہ وہ عرصہ تک نہیں سمجھے تو یہ اس کے نظر کی کوتاہی ہے، ایک بات بھی کوئی ثابت کردے کہ یہ حقیقت بالکل عالم اسلام بھول گیا، شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ نے تو یہاں تک لکھا ہے کہ ایک سنت بھی نہیں ہے جو پورے طور پر عالم اسلام سے کلیتاً اٹھ گئی ہو، اگر اس کونے پر موجود نہیں تھی، تو اس کونہ پر موجود تھی، گویا بقول اقبال

ع جہاں میں اہل ایماں صورت خورشید جیتے ہیں
ادھر ڈوبے ادھر نکلے، ادھر ڈوبے ادھر نکلے

جیسے سورج حقیقتاً نہیں ڈوبتا، ایک جگہ ڈوب گیا لیکن دوسری جگہ نکلا ہوا ہے، ویسے ہی اسلام کی حقیقتیں کہ اگر ایک جگہ ان پر پردہ پڑ گیا تو دوسری جگہ دوسرے لوگ بیدار ہو گئے اور اس کے لئے جان کی بازی لگا دی، یہ بات ذہن میں ہرگز نہیں آنی چاہئے کہ ہزار برس گذر گئے کسی نے اسلام کو پورے طور پر سمجھا ہی نہیں، گویا اسلام کوئی چیستاں ہے، عقیدۂ تثلیث کی طرح ایسی چیز ہے جسے سمجھانے کے لئے بڑا فلسفہ چاہئے نہیں .. ایسا نہیں، ممکن ہے ہمارا آپ کا دوبارہ ملنا نہ ہو، میں یہ باتیں آپ کی خدمت میں عرض کر رہا ہوں، کسی پر حملہ مقصود نہیں صرف اس لئے کہ پوری وضاحت کے ساتھ یہ باتیں آپ کے سامنے آ جائیں ایک بات تو یہ کہ سلف سے حسن ظن رکھئے، اور ان کے لئے دعا کرتے رہئے، قرآن شریف میں ہے۔

وَالَّذِيْنَ جَآءُوْ مِنْۢ بَعْدِهِمْ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا وَلِاِخْوَانِنَا الَّذِيْنَ سَبَقُوْنَا بِالْاِيْمَانِ وَلَا تَجْعَلْ فِيْ قُلُوْبِنَا غِلًّا لِّلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا رَبَّنَآ اِنَّكَ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ۔ (۱)

اور (ان کے لئے بھی) جو ان (مہاجرین) کے بعد آئے (اور) دعا کرتے ہیں کہ ہمارے پروردگار ہمارے اور ہمارے بھائیوں کے جو ہم سے پہلے ایمان لائے ہیں، گناہ معاف فرما اور مومنوں کی طرف سے ہمارے دل میں کینہ (وحسد) نہ پیدا ہونے دے اے ہمارے پروردگار تو بڑا شفقت کرنے والا مہربان ہے۔

آپ سلف کے ساتھ حسن ظن رکھئے اس میں ایمان کی بڑی حفاظت ہے، اور نہ آدمی کی زبان بے باک ہو جاتی ہے، اور جو چاہتا ہے کہہ دیتا ہے، بھائی کیا دین کو وہ لوگ نہیں سمجھتے جو ہم سے عمل میں، علم میں، انابت میں، کہیں بڑھے ہوئے تھے، جب وہ نہیں سمجھے تو ہم کیسے اعتبار کریں کہ ہم سمجھ گئے۔

نمازوں کا اہتمام:

ایک چیز یہ کہ اس ملک میں ایمان کی حفاظت کی صورت یہ ہے کہ آپ نمازوں کو ہاتھ

---

(۱) حشر۔۱۰۔

سے نہ جانے دیں، نمازوں کو وقت پر پڑھنے کی پوری کوشش کریں حضرت عمرؓ نے ایک گشتی فرمان میں لکھا تھا تمہارے تمام امور ومعاملات میں سب سے اہم نماز ہے، جس نے اس کی حفاظت کی وہ تمام چیزوں کی حفاظت کرے گا اور جس نے اس کو ہاتھ سے جانے دیا اور ضائع کردیا وہ کوئی چیز باقی نہیں رکھے گا، پس نماز کو قائم رکھئے، چاہے بازار میں ہوں یا کہیں بھی ہوں فرض پڑھ ہی لیجئے باقی سنتوں کو بھی حتی الامکان ادا کرنے کی کوشش کیجئے یہ سنتیں اور نوافل فرائض کو بھی محفوظ رکھتے ہیں۔

اور آخری بات یہ ہے کہ یہاں کی تہذیب سے جو اپنے نقطۂ عروج پر ہے، اپنی حفاظت کیجئے، مجھے یہاں بعض باتوں میں بہت تساہل نظر آیا، میں صاف کہے دیتا ہوں کہ یہاں مردوں اور عورتوں کا اختلاط بہت زیادہ ہو گیا ہے، حتی الامکان مخلوط جلسوں، اور مجالس سے بچنے کی کوشش کیجئے، اگر کہیں مجلس ہو جہاں عورتوں کی شرکت ہو، اور وہاں آپ کی شرکت ضروری ہو تو ان کا حلقہ الگ رکھئے، یہاں تک کہ ان کا راستہ تک الگ رکھئے، اس میں بڑی حفاظت ہے، اسلامی معاشرت بڑی حکمتوں پر مبنی ہے، اور حدیثوں میں مردوں اور عورتوں کے تخلیے کے لئے بہت سخت الفاظ آئے ہیں، بہت ڈرایا گیا ہے، امریکی تہذیب کے ان اثرات کو آپ قبول نہ کریں، جہاں تک ہو سکے اسلامی تمدن، اسلامی معاشرت کی حفاظت کریں اور اس کی اچھی خصوصیات اور ان کے اچھے اجزا کو باقی رکھنے کی کوشش کریں۔

آخر میں آپ حضرات سے یہ عرض کروں گا کہ خدا کرے میری گفتگو سے آپ کو غلط فہمی نہ ہو، اور یہ نہ سمجھیں کہ میں کوئی جارحانہ یا منفی بات کہہ رہا ہوں، میں نے جو کچھ کہا ہے، آپ کی ہمدردی میں کہا ہے، اور اپنا فرض سمجھ کر کہا ہے، میرے دل میں سب کا احترام ہے، اور وسعت قلب میں بدنامی کی حد تک مشہور ہوں، میرے تعلقات خدا کے فضل سے مختلف الخیال لوگوں سے ہیں، اور میں سب کی قدر کرتا ہوں، لیکن میں نے اپنا اخلاقی فرض سمجھ کر چند باتیں آپ کے سامنے رکھ دیں، انشاء اللہ بقدر توفیق اور بقدر استطاعت آپ لوگوں کے لئے دعا بھی کرتا رہوں گا، اور آپ سے بھی مجھے یہی امید ہے۔

و آخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین!

موجودہ تہذیب کی ناکامی ذرائع ومقاصد کا عدم توازن

۲۴ فروری ۱۹۵۵ء ساڑھے سات بجے شب میں بنارس کے وکٹوریہ پارک میں ایک جلسۂ عام کو خطاب کرتے ہوئے مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ نے فرمایا۔

مجھے آپ بھائیوں سے جو کچھ عرض کرنا ہے، اس کے لئے میری آپ سے یہ درخواست ہے کہ آپ توجہ اور غور سے سنیں، اگر آپ کے ذہن اس کو قبول کرلیں تو اس کو آپ دوسروں تک بھی پہنچائیں، ہم اور ہمارے احباب اور رفقاء آپ کے شہر میں آئے، آپ کو یہ پوچھنے کا حق ہے کہ آپ نے یہ زحمت کیوں گوارا کی، آپ کو کون سا احساس یہاں لایا؟ آپ نے یہ تو اندازہ کیا ہوگا کہ کوئی بات تو ہے کہ یہ قافلہ شہر شہر پھر رہا ہے، ہم آپ کے سامنے اپنا درد دل پیش کرتے ہیں اور آپ کو اس درد میں شریک کرنا چاہتے ہیں۔

ذرائع کی آسانی اور فراوانی:

دوستو! اور بھائیو! یہ زمانہ بعض حیثیتوں سے بہت ممتاز ہے، کام کرنے کے ذرائع جہاں تک اس زمانہ میں مہیا ہوگئے ہیں، اتنے کبھی مہیا نہیں ہوئے تھے، تاریخ کا ایک طالب علم ہوں، میں جانتا ہوں کہ اتنے ذرائع کبھی انسان کے پاس اس سے پہلے جمع نہیں ہوئے تھے، ذرائع کی بہتات اس دور کی خصوصیت ہے، ذرائع آج زیادہ سے زیادہ اور بہتر سے بہتر ہیں، ہم لوگ لکھنؤ سے چند گھنٹوں میں سفر طے کرکے پہنچ گئے، اس سے بھی تیز رفتار گاڑی سے یہ سفر کیا جاسکتا ہے، لوگ ہوائی جہازوں سے بھی یہاں آسکتے ہیں۔ آج سے صرف ۷۰۔۸۰ برس پہلے لکھنؤ سے کوئی بنارس آنا چاہتا تو آپ سوچئے کہ وہ کیا ذرائع اختیار کرتا اور کتنی مدت میں پہنچتا؟

یہ تو سفر کرنے کا معاملہ ہے، ایک زمانہ تھا کہ آدمی اپنے دور افتادہ احباب اور عزیزوں کی خیریت معلوم کرنے کو ترستے تھے، مگر آج دور دراز ممالک کے لوگوں کی آواز ہم گھر بیٹھے سن سکتے ہیں، اور اس طرح کہ گویا وہ ہم سے بات کر رہے ہیں، آج چند دن میں ہندوستان کے ایک سرے سے دوسرے سرے تک خط پہنچ جاتا ہے، اور تار اس سے بھی پہلے پہنچتا ہے، ایک زمانہ وہ تھا کہ عام حالات میں جو کوئی پردیس جاتا تو واپسی مشکوک تھی اور کہا سنا معاف کرا کے جانا پڑتا تھا، اگر کوئی برسوں میں آتا اور خیریت بتلاتا تو خدا کا شکر ادا کرتا، ورنہ کوئی خیر خبر نہیں ملتی تھی، لیکن آج اگر کوئی طول طویل سفر اختیار کرتا ہے تو وہ ہر جگہ سے اپنی خیریت بتلا سکتا ہے، اور بہت آسانی سے بہت تھوڑے عرصہ میں واپس آ جاتا ہے، آج حالت یہ ہے کہ آپ لندن کی آواز یہاں بیٹھے بیٹھے سن سکتے ہیں، نیویارک میں کوئی آدمی بیان دیتا ہے یا تقریر کرتا ہے تو یہاں آپ اس کی زبان سے سنتے ہیں، آج سے پچاس برس پہلے کوئی ایسی بات کہتا تو اس کا سمجھنا بھی مشکل ہوتا، لیکن آج اگر ان ایجادات کے بارے میں کوئی شبہ کرے تو بچے بھی اس پر ہنسیں گے ٹیلی فون، ٹیلی ویژن، وائرلیس، ریڈیو اور مختلف قسم کے خوردبینوں کو آپ ملاحظہ کیجئے کہ جدید علمی تحقیقات اور سائنس نے ہم کو کیسے کیسے ذرائع بخشے ہیں، ہمارے دل میں بار بار یہ حسرت اور تڑپ پیدا ہوتی ہے کہ اگر کوئی بھی اس زمانہ میں نیک بننے کی خواہش، خدا پرست بننے کی خواہش، رحم دلی، انسانی ہمدردی اور ایک دوسرے سے محبت بھی ہوتی اور ان ذرائع سے صحیح کام لیا جاتا تو یہ دنیا جنت کا نمونہ بن جاتی، رہ رہ کر ہمارے دل میں ایک ہوک اور درد اٹھتا ہے کہ کام کرنے کے ذرائع کی تو اس قدر بہتات، مگر ان ذرائع سے کام لینے والوں کا ایسا حال، آپ کو اب ذرائع تلاش کرنے کی ضرورت نہیں، ذرائع خود آپ کو تلاش کرتے ہیں، آج سواریاں خود مسافر کو تلاش کرتی ہیں اور مقابلہ کرتی ہیں، آج ریلوے کی طرف سے ٹائم ٹیبل شائع ہوتے ہیں، سفر کی ترغیب دینے کے لئے صحت افزا مقامات اور تاریخی شہروں کی تصویریں اور مناظر شائع کئے جاتے ہیں، تاکہ سفر کا شوق ہو، ہوائی جہاز کی کمپنیاں اشتہار دیتی ہیں، اسٹیشن پر گاڑی سے اترتے ہی ہوٹل والوں سے سابقہ پڑتا ہے، بعض دفعہ تو وہ جھاڑ کی طرح ساتھ لگ جاتے ہیں اور ان سے پیچھا چھڑانا مشکل ہو جاتا ہے، ایک زمانہ تھا کہ مسافر سرائے ڈھونڈتا پھرتا تھا، اور بھٹیارے یا بھٹیارن کی تلاش کرنی پڑتی تھی، آج معاملہ برعکس

ہے۔

مقاصد اور نیک خواہشات کا فقدان:

لیکن جس تیزی سے ذرائع نے ترقی کی ہے، ہمارے اخلاق اور آدمیت نے ترقی نہیں کی، ایک انسان کو یہ دیکھ کر دکھ ہوتا ہے کہ پہلے آدمی بھلائی کرنا چاہتا تھا، اس کے پاس ذرائع نہ تھے، مگر اب ذرائع ہیں تو بھلائی کی خواہش دلوں سے جاتی رہی، میں اس کی ایک واضح مثال دوں، پہلے ایک غریب گھرانے کا آدمی پردیس کمانے جاتا تھا، وہ جو کچھ کماتا تھا، اس کا گھر بھیجنا مشکل تھا، یا تو وہ خود جائے یا قسمت سے کوئی معتبر جانے والا مل جائے وہ تڑپ کے رہ جاتا تھا، اس کو اپنے گھر والوں کی تکلیف، بچوں کی بھوک اور ان کا رونا یاد آتا تھا اور کچھ نہیں کرسکتا تھا، نہ ڈاک خانہ تھا، نہ نقل وحمل کی آسانیاں مگر اب شہر شہر اور قصبہ قصبہ ڈاک خانے کھلے ہیں، روپیہ منی آرڈر کے ذریعہ بھیجا جاسکتا ہے، اور تار کے ذریعے بھی، لیکن کمانے والے کے دل میں روپیہ بھیجنے کی خواہش، گھر والوں کی تکلیف اور گاؤں والوں کی غربت کا احساس ہی نہیں، سینما، تفریح گاہوں، کھیل تماشوں اور ہوٹل اور ریسٹران (Resturant) سے کچھ بچتا ہی نہیں کہ وہ گھر بھیجے، ڈاک خانہ کا تو یہ کام ہے کہ اگر کوئی روپیہ بھیجے تو اس کو پہنچادے لیکن اگر کوئی بھیجنا ہی نہ چاہے تو ڈاک خانہ کچھ نہیں کرسکتا، اس کا کام اخلاقی تعلیم یا نیکی کی ترغیب ہیں ہے، پہلے لوگ اپنا پیٹ بھرنے کے لئے بھی مشکل سے رکھتے تھے اور سب غریب گھر والوں کو اور گاؤں کے ضرورت مندوں کو بھیج دینا چاہتے تھے، مگر آج بھیجنے اور مدد کرنے کے تو سب ذرائع موجود ہیں، آدمی کے اندر غریبوں کی مدد کا جذبہ نہیں، مدد کی خواہش فنا ہوچکی، ہمارے تمدن میں اس کا ذکر ہی نہیں، اب یہ ذرائع کیا کارآمد ہوسکتے ہیں؟

ذرائع اور آسانیاں نیک خواہشات کی خانہ پری نہیں کرسکتیں:

حضرات! ذرائع، جذبات، اچھی خواہشات اور نیک ارادوں کی خانہ پری نہیں کرسکتے، آج منی آرڈر ہے، تار ہے، آمد ورفت آسان ہے، دولت کی افراط ہے، مگر اس کا کیا علاج کہ غریبوں کی مدد کا جذبہ اور طبیعت میں انسانوں کی خدمت کا تقاضا نہیں، دنیا کا کون سا ادارہ اس خواہش کو پورا کرسکتا ہے، اور ایسی حالت میں ذرائع کیا مدد کرسکتے ہیں؟

میں اس کی ایک دوسری مثال دیتا ہوں، آپ پرانی کتابیں اٹھا کر دیکھئے، بڑے بڑے اللہ کے نیک بندے یہ آرزو لئے دنیا سے چلے گئے کہ اللہ ان کو حج نصیب کرے، انہوں نے فرطِ محبت اور شوق میں سینکڑوں اشعار کہے اور بیسیوں مضمون لکھے، لیکن ان کی یہ آرزو پوری نہ ہو سکی، کیونکہ ان کے پاس اتنا پیسہ تھا نہ سفر کی یہ سہولتیں موجود تھیں، فرض کیجئے کہ روپیہ بھی ہو اور سفر کی سب آسانیاں بھی، لیکن حج کی خواہش اور شوق نہ ہو تو بتائیے کہ یہ ذرائع کیا کر سکتے ہیں؟ پہلے کاشی، گیا اور متھرا کی یاترا کے لئے لوگ سینکڑوں میل سے پیدل آتے تھے، اور سفر کی تکالیف اٹھاتے تھے، فرض کیجئے آج سفر کی سب آسانیاں ہیں، تیز رفتار سواریاں ہیں، مگر تیرا شوق اور جذبہ نہیں ہے تو یہ ذرائع کیا کر سکتے ہیں؟

ذرائع سے پہلے ان سے کام لینے والے چاہئیں:

پیغمبروں کو یہ معلوم تھا کہ ذرائع سے پہلے ان سے کام لینے والوں کی ضرورت ہے اللہ نے انہیں عقل ایمان اور نورِ نبوت عطا کیا تھا، انہوں نے ذرائع پیدا کرنے سے پہلے ذرائع سے ٹھیک ٹھیک کام لینے والے پیدا کئے، سواریاں مہیا کرنے سے پہلے ان سے فائدہ اٹھانے والے اور نیک مقاصد سے سفر کرنے والے پیدا کئے، پیسہ کمانے سے پہلے اس کو صحیح مصرف پر صرف کرنے والے اور صحیح طریقہ سے استعمال کرنے والے پیدا کئے، ذرائع پیدا کرنے سے پہلے اپنی قوتوں اور خدا کی پیدا کی ہوئی نعمتوں کا استعمال سکھایا، انہوں نے انسان کے اندر اچھی خواہشیں پیدا کیں، اور اچھی خواہشات یوں ہی نہیں پیدا ہوتیں، وہ یقین اور عقیدے سے پیدا ہوتی ہیں، یقین خواہش پیدا کرتا ہے، خواہش عمل کا ارادہ پیدا کرتی ہے اور عمل ذرائع سے کام لیتا ہے، ذرائع اور انسانی کوششوں کے نتائج ہمیشہ انسان کے ارادہ کے تابع رہے۔ نیک خواہشات اس زندگی کی سب سے بڑی طاقت اور دولت ہے، مگر دنیا کے بڑے بڑے فلسفی لیڈر اور سائنسداں اس نکتہ کے سمجھنے سے قاصر رہے، یہ صرف خدا کی رہنمائی اور پیغمبروں کی فراست تھی کہ انہوں نے پہلے نیک خواہش پیدا کی، انسان کو نیک بننے، دوسروں سے ہمدردی کرنے اور نیکی کو پسند کرنے والا بنایا، ذرائع ان کے قدموں کے نیچے تھے۔ اور ان کی خواہشات کے پیچھے پیچھے، ان کا ذہن صحیح رہبری سے نہیں ہٹتا تھا، وہ انسانوں کے دل بناتے

تھے، وہ انسانوں کے دماغ ڈھالتے تھے۔ اللہ کے پیغمبروں نے دنیا کو سائنس نہیں دی، انسان دیئے، اور انسان ہی اس دنیا کا حاصل ہے۔

پیغمبروں نے انسان تیار کئے:

پیغمبروں نے وہ انسان تیار کئے جو اپنے نفس پر قابو رکھتے تھے، اور ذرائع سے بجائے اپنی خواہشات کی تکمیل کا کام لینے کے انسانیت کی خدمت کا کام لیتے تھے، ان میں سے بعض ایسے تھے جن کو وہ ذرائع حاصل تھے جن سے وہ دنیا کا بڑے سے بڑا عیش کر سکتے تھے، لیکن انہوں نے نہیں کیا۔ وہ شاہانہ زندگی گذار سکتے تھے، لیکن انہوں نے زہد و قناعت کی زندگی گذاری، حضرت عمرؓ کو وہ وسائل بھی حاصل تھے جن سے قیصر روم نے عیش و عشرت کی زندگی گذاری اور وہ وسائل بھی حاصل تھے جن سے شہنشاہ ایران نے وہ داد عیش دی، جو دنیا کے کم بادشاہوں نے دی، حضرت عمرؓ کے قدموں کے نیچے روم کی پوری سلطنت تھی اور ایران کا پورا ملک تھا، مصر اور عراق جیسے پر وسائل اور زرخیز ممالک ان کے قبضے میں تھے، ہندوستان کے قریب تک ان کی فوجیں آچکی تھیں، ایشیائے کوچک کے بعض علاقے ان کے قبضے میں آچکے تھے، ایسا شخص اگر عیش کرنا چاہتا تو اس کو کیا کمی تھی، مگر انہوں نے اس عظیم سلطنت اور ان کثیر وسائل سے کوئی ذاتی فائدہ نہیں اٹھایا، ان کی سادہ زندگی کا تو یہ حال تھا کہ انہوں نے قحط کے زمانے میں گھی تک کا استعمال چھوڑ دیا تھا اور تیل کھاتے کھاتے ان کا سرخ و سپید رنگ سانولا پڑ گیا تھا، انہوں نے اپنے اوپر اتنی تنگی کی تھی کہ لوگ کہتے تھے کہ اگر یہ قحط جلدی ختم نہ ہوا تو عمرؓ بچتے نظر نہیں آتے۔

انہیں کے ہم نام عمر بن عبدالعزیز بھی بڑی سلطنت کے مالک تھے، ان کا حال یہ تھا کہ حکومت کے خزانے سے سردیوں میں عام مسلمانوں کے لئے جو پانی گرم ہوتا تھا، اس سے غسل کرنا بھی گوارا نہیں کرتے تھے، ایک رات آپ حکومت کا کام کر رہے تھے ایک شخص آیا اور اس نے آپ کی مزاج پرسی کی اور آپ کے ذاتی حالات پر گفتگو کرنے لگا، آپ نے چراغ گل کر دیا، جس میں بیت المال کا تیل خرچ ہو رہا تھا، تا کہ اس گفتگو میں جو حکومت کے کام سے غیر متعلق تھی، حکومت کا تیل خرچ نہ ہو، اگر وہ عیش کرنے پر آتے تو تمام دنیا کے عیش پرست مات ہو جاتے، کیونکہ ہر طرح کے وسائل کے وہ مالک تھے اور اس وقت کی متمدن دنیا کی سب سے

بڑی سلطنت کے حکمراں تھے، یہ رسول اللہ ﷺ کی تعلیم تھی کہ ان ذرائع کے باوجود ان کی زاہدانہ زندگی میں کچھ فرق نہ آیا۔

یورپ کی بے بسی مقاصد سے محرومی:

دوستو! اور بھائیو! یورپ کی آج سب سے بڑی کمزوری اور بے بسی یہ ہے کہ اس کے پاس وسائل اور ذرائع کا خزانہ موجود ہے لیکن نیک خواہشات اور نیک ارادوں کا فقدان ہے، وہ ایک طرف وسائل اور ذرائع میں قارون ہے، دوسری طرف نیک مقاصد میں محض مفلس اور قلاش! اس نے کائنات کے راز منکشف کئے اور طبعی طاقتوں کو اپنا غلام بنایا، اس نے سمندروں اور فضاؤں پر فرمانروائی حاصل کی لیکن وہ اپنی خواہشات اور نفس پر قابو نہ حاصل کر سکا، اس کائنات کے عقدے حل کئے، لیکن اپنی زندگی کی پہیلی نہ بوجھ(۱) سکا۔ اس نے منتشر اجزاء اور طبعی طاقتوں میں نظم و ترتیب قائم کی اور اس نے اس مادی زندگی میں انقلاب برپا کر دیا، لیکن وہ اپنی زندگی کا انتشار دور نہ کر سکا۔

جس نے سورج کی شعاعوں کو گرفتار کیا
زندگی کی شب تاریک سحر کر نہ سکا
ڈھونڈنے والا ستاروں کی گذر گاہوں کا
اپنے افکار کی دنیا میں سفر کر نہ سکا

کاش اس کے پاس اتنے عظیم وسائل نہ ہوتے لیکن نیک خواہش اور انسانیت کی خدمت کا سچا جذبہ ہوتا۔

وسائل باعث ہلاکت کیوں؟:

ذہن کی کجی اور نیت کی خرابی نے ان وسائل کو انسانیت کے لئے حد درجہ خطرناک بنا دیا ہے، ایک شخص جس کا دل بے رحم اور ظالم ہے، اگر اس کے پاس تیز چھری ہے تو وہ زیادہ نقصان پہنچائے گا، اور کند چھری ہے تو کم نقصان پہنچائے گا، تمدن نے ترقی کی، لیکن انسان کی سیرت

---

(۱) سمجھ

نے ترقی نہ کی جس کا نتیجہ یہ ہے کہ نئے وسائل انسان کے لئے عذاب جان بن گئے، تیز رفتار سواریوں نے ظلم کی رفتار تیز کردی اور ظالموں کو چشم زدن میں ایک ملک سے دوسرے ملک تک پہنچادیا، آج سے پہلے ظالم بیل گاڑیوں پر بیٹھ کر جاتے تھے، اور ظلم کرتے تھے، چونکہ پہنچنے میں جتنی دیر لگتی تھی، ظلم میں اتنی ہی تاخیر ہوتی تھی۔ اور کمزوروں کو سانس لینے اور کچھ دن آرام سے سونے کا موقع ملتا تھا۔ زمانہ نے ترقی کی اور نئے دور کے ظالم تیز رفتار سے تیز رفتار سواریوں پر بیٹھ کر دنیا کے ایک کونہ سے دوسرے کونہ تک آسانی سے پہنچ جاتے ہیں اور کمزور قوموں کو دبوچ لیتے ہیں اور ان کو دم کے دم میں فنا کے گھاٹ اتار دیتے ہیں۔

تہذیب جدید کی ناکامی:

حضرات! یورپ اور امریکہ کے بڑے بڑے مفکر اب اس کا اعتراف کرنے لگے ہیں کہ تہذیب جدید نے وسائل پیدا کئے مگر مقاصد نہیں دیئے، وسائل بغیر مقاصد کے بیکار ہیں ہم ایشیا کے رہنے والے یورپ سے کہہ سکتے ہیں کہ تمہارے وسائل اور تمہاری ترقیاں اور تمہارے انکشافات ناقص ہیں۔ سو ذریعے ایک مقصد کی بھی خانہ پری نہیں کر سکتے، تمہاری تہذیب، تمہارا فلسفۂ زندگی، تمہاری ترقیاں، اچھے مقاصد اور نیک خواہشات پیدا کرنے سے قاصر ہیں ہم یہ تو کر سکتے ہو کہ اچھے سے اچھے کام کے ذرائع پیدا کردو، مگر اچھے کام کرنے کا رجحان پیدا نہیں کر سکتے، رجحان کا تعلق دل سے ہے، اور تمہارے وسائل اور تمہاری ایجادات کی وہاں تک رسائی نہیں، اور جب تک اچھے کام کا رجحان نہ ہو، ذرائع اور کام کے امکانات کچھ نہیں کر سکتے، اچھے کام کا رجحان اور اس کا شدید تقاضا پیدا کرنا پیغمبروں کا کام تھا، اور ان کی تعلیم اب بھی اس کا واحد ذریعہ ہے، انہوں نے بہت بڑے پیمانہ پر اس کو پیدا کرکے دکھادیا، لاکھوں انسانوں کے دل میں نیک کام کی خواہش، خدمت کا جذبہ، ظلم اور بدی کی نفرت پیدا کردی، اور انہوں نے اپنے محدود ذرائع سے وہ کام کر کے دکھادیئے جو آج وسیع ذرائع سے نہیں ہورہے ہیں۔

مذہب کے کرنے کا کام:

بہت سے بھائی اس زمانے میں سمجھتے ہیں کہ مذہب کے پاس کوئی پیغام نہیں، اور

مذہب اس دور کی کوئی خدمت نہیں کرسکتا، مگر میں اس کی تردید کرتا ہوں اور چیلنج کرتا ہوں کہ مذہب آج بھی یورپ کی رہنمائی کرسکتا ہے، صحیح اور طاقتور مذہب ہی ہے جو نیکی کا رجحان اور نیک عمل کی خواہش پیدا کرتا ہے اور یہی زندگی کی کنجی ہے۔ آج دنیا سخت انتشار میں مبتلا ہے، یورپ کے پاس وسائل ہیں، مقاصد نہیں، اگر وسائل اور مقاصد کا جوڑ ہوجائے تو دنیا کا نقشہ بدل جائے۔

ذرائع کی کثرت نے ملکوں کو غلام بنایا:

آج اس تہذیب نے اتنے وسائل پیدا کردیئے کہ ان سے کام لینے کا میدان نہیں ملتا۔ وسائل اپنے لئے منڈیاں تلاش کررہے ہیں۔ یہ تلاش وجستجو قوموں کو غلام بنانے اور آزاد ملکوں کو اپنی تجارت کی منڈی بنانے پر آمادہ کرتی ہے، کبھی کبھی اس کو جنگ کی ضرورت پڑتی ہے، تاکہ یہ نئے نئے اسلحہ ٹھکانے لگیں۔ جنگ عظیم کی بنیاد ہی ان ہوس پرست اسلحہ سازوں اور کارخانہ داروں نے ڈالی تھی جن کو اپنے سامان کی کھپت جنگ ہی میں نظر آتی تھی۔ آج کپڑوں، جوتوں اور طرح طرح کی صنعت کے نمونے نکلتے ہیں اور ان کی کھپت کے لئے جگہ نہیں، ہماری اس تہذیب کو ذرائع کا تخمہ ہوگیا ہے اور اخلاقی قوت اور یقین کی روشنی اس کے پاس بقدر ضرورت بھی نہیں۔

ایشیا کا فرض:

ایشیائی ممالک کا فرض تھا کہ وہ یورپ کے مال کی منڈی بننے کے بجائے اور یورپ کے ذرائع و وسائل کی خوشہ چینی کے بجائے اس نازک وقت میں یورپ کی مدد کرتے، اس کو اخلاق کا سبق دیتے، اس میں ایمان ویقین کی روشنی اور اخلاقی رجحان پیدا کرنے کی کوشش کرتے، اس لئے کہ ان کے پاس مذہب کی طاقت ہے اور یورپ صدیوں پہلے اس دولت سے محروم ہوچکا ہے، لیکن افسوس ہے کہ یہ ملک خود اس اخلاقی رجحان اور انسانی صفات میں دیوالیہ ہوتے جارہے ہیں، وہ خود یورپ کی بیماریوں کا شکار ہوتے جارہے ہیں، ان ممالک میں خودفراموشی، خودغرضی کی وبا پھیلی ہوئی ہے اور دولت پیدا کرنے کا ایک جنون سوار ہے، ان ممالک کی سوسائٹی کو گھن لگ گیا ہے، ان ممالک کے لئے یہ سب سے بڑا خطرہ ہے، اس سے

زیادہ تشویش کی بات یہ ہے کہ ملک کا کوئی ادارہ اور کوئی جماعت اس خطرے کو محسوس نہیں کر رہی ہے اور اخلاق کی اصلاح ایمان و یقین کی تبلیغ اور سیرت کی تعمیر کا کام انجام نہیں دے رہی ہے، حالانکہ یہ کام ہر کام پر مقدم تھا اور ہر تعمیری کام کی تکمیل اسی پر منحصر ہے۔

وقت کا سب سے اہم کام:

بھائیو! یہ بات سارے سال کے لئے کافی ہے، اور میں اس امید پر یہ کہہ رہا ہوں کہ شاید کوئی ایک بیدار مغز، زندہ دل، سلیم الفطرت انسان میری بات کو مان لے، کہنے اور کرنے کی بات یہی ہے کہ پیغمبروں کا راستہ اختیار کیا جائے، خدا کی ہستی کا یقین اور مرنے کی بعد کی زندگی پر یقین پیدا کیا جائے، زندگی میں خدا کی فرمانبرداری اختیار کی جائے جن کو خدا نے علم دیا ہے، دولت دی ہے، وسائل دیئے ہیں، وہ دنیا میں نیکی کی زندگی کے لئے کوشش کریں۔ معلومات اور اخلاق میں مناسبت اور توازن قائم کیجیے، معلومات اور زبان تورشیوں کی، اور عمل اور اخلاق راکششوں(۱) کے؟ یہ کہاں کی انسانیت ہے؟ جب تک وسائل اور مقاصد میں ہم آہنگی اور علم اور اخلاق میں تناسب نہیں ہوگا، یہ دنیا اسی طرح برباد ہوتی رہے گی، وسائل آپ دنیا سے مل سکتے ہیں، میں ان کے اختیار کرنے سے منع نہیں کرتا، لیکن مقاصد اور اچھے رجحانات اور خواہشات آپ کو ایک پیغمبر ہی سے مل سکتے ہیں، اور آپ کے لئے ان سے فائدہ اٹھانے کا وقت موقع ہے، اس سے یقین کی دولت اور نیکی کا رجحان لے کر آپ اپنی زندگی بنا سکتے ہیں اور یورپ کو بھی اس ہلاکت سے بچا سکتے ہیں۔ جو اس کے سر پر اور اس کے ذریعہ ساری دنیا کے سر پر منڈلا رہی ہے۔

وما علینا الا البلاغ المبین

---

(۱) شیطان۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

غلطی کو غلطی نہ تسلیم کرنا خطرناک ہے

الحمد للہ رب العالمین والصلوٰۃ والسلام علی سید الانبیاء والمرسلین وعلی آلہ واصحابہ اجمعین۔ امابعد۔

حضرات! غلطی سب سے ہوتی ہے انسان ہی غلطی کرتا ہے، پتھر غلطی نہیں کرتا، درخت غلطی نہیں کرتا، بیمار بھی ہوتا ہے تو انسان ہی بیمار ہوتا ہے، پتھر بیمار نہیں ہوتا۔ غلطی کرنا اور بیمار ہونا کوئی خلاف فطرت بات نہیں۔ تاریخ قوموں، ملکوں اور حکومتوں اور معاشرے کی غلطی کی نظیروں سے بھری ہوئی ہے لیکن جو چیز خطرناک ہے وہ یہ ہے کہ غلطی کو غلطی تسلیم نہ کیا جائے غلطی کو محسوس نہ کیا جائے پھر اس کے بعد دوسرا درجہ یہ ہے کہ پھر اس کو ہمت کر کے غلطی بتایا نہ جائے۔

اب امید بنتی ہے اور آس پیدا ہوتی ہے کہ ہم، آپ سب غلطی کو غلطی سمجھ رہے ہیں کس کی غلطی؟ میں کسی جماعت کسی فریق کا نام نہیں لوں گا ہم کسی کا نام نہیں لیتے لیکن کہتے ہیں کہ غلطی ہوئی۔ دنیا میں سب سے اول مرتبہ مذہبوں کا ہے اس کی بعد تہذیبیں، کلچر، ملک اور سماج یہ سب کے سب اسی طرح بچے ہیں کہ غلطی کو غلطی کہنے والے لوگ وقت پر پیدا ہو گئے۔ میری اس بات پر بھی آپ دھیان رکھیں کہ وقت پر پیدا ہونا بھی ضروری ہے وقت گزر جانے کے بعد تنقید و اعتراف کرنے سے کچھ حاصل نہیں ہوتا۔

حضرات! میرے پاس وقت کم ہے مجھے اس بارے میں معاف کیا جائے کہ میں تاریخ کا ایک طالب علم ہوں میرا ذہن ماضی کی طرف جاتا ہے اور پیچھے کی طرف لوٹتا ہے وہ تاریخ کے گرے ہوئے منظروں کو اپنے سامنے لاتا ہے۔ مجھے وہ دن یاد آ رہا ہے کہ ۱۷ نومبر ۱۹۴۶ء کی تاریخ ہے اور دہلی میں ڈاکٹر حسین خان مرحوم (سابق صدر جمہوریہ ہند) جو اس وقت جامعہ ملیہ

کے وائس چانسلر (شیخ الجامعہ) جامعہ کی سلور جوبلی منائی جارہی تھی ان کی دعوت پر ہندوستان کے دارالحکومت دھلی میں، میں اپنے تاریخی مطالعہ کی بناء پر کہہ سکتا ہوں کہ ایک ایسا چیدہ اور چنیدہ مجمع ڈائس پر نظر آرہا تھا جو میرے علم میں نہ اس سے پہلے اور نہ اس کے بعد دیکھنے میں آیا ہے۔

میری آنکھیں دیکھ رہی ہیں کہ سامنے ایک طرف پنڈت جواہر لال نہرو مولانا ابوالکلام آزاد، شری راجے گوپال اچاریہ جی بیٹھے ہوئے ہیں دوسری طرف، مسٹر جناح، نواب زادہ لیاقت علی خان اور سردار عبدالرب نشتر بیٹھے ہوئے ہیں۔ ان کے پیچھے ڈائس پر ہندوستان کے مسلمان تشریف فرما ہیں۔ جن میں علامہ سید سلیمان ندوی، سرشیخ عبدالقادر مدیر ''مخزن لاہور'' محمد اسد صاحب (سابق لیو پورٹو ویس) بابائے اردو ڈاکٹر عبدالحق، مشہور شاعر حفیظ جالندھری اور مسلمان علماء اور زعماء میں سے مولانا قاری محمد طیب صاحب، مولانا حفظ الرحمٰن صاحب ناظم جمعیۃ العلماء ہند اور متعدد عظیم رہنما اور تحریک آزادی کے مجاہدین موجود ہیں۔

یہ عظیم اور وقیع مجمع سامنے بیٹھا ہوا تھا اور حالات یہ تھے کہ دہلی میں فرقہ وارانہ فسادات کے سلسلہ میں چھرے زنی، چاقو بازی کی وارداتیں ہو رہی تھیں۔ ہم لوگ جوہر کے مہمان کی حیثیت سے آئے تھے میں بھی خوش نصیبی سے ان میں شامل تھا ہم لوگ پولیس اور والنٹریوں کی حفاظت و معیت میں اپنی قیام گاہ تک پہنچائے گئے تھے ڈاکٹر حسین خان مرحوم نے اس وقت اس منتخب اور قابل احترام مجمع کو خطاب کر کے جو کچھ کہا تھا میں سمجھتا ہوں اس سے بہتر اور اس سے زیادہ موثر اور ادبی انداز میں کہنا مشکل ہے۔

مجھے صدر صاحب اجازت دیں کہ میں ان کے خطبہ کا ایک اقتباس (QUTATION) آپ حضرات کو سنا دوں معلوم ہوتا ہے کہ بالکل اس موجودہ صورت حال کی عکاسی ہے۔

''آپ سب صاحبان آسمان سیاست کے تارے کے لئے جگہ ہے۔ آپ کے یہاں کی موجودگی سے فائدہ اٹھا کر میں تعلیمی کام کرنے والوں کی طرف سے بڑے ہی دکھ کے ساتھ چند الفاظ عرض کرنا چاہتا ہوں۔

آج ملک میں باہمی منافرت کی آگ جو بھڑک رہی ہے اس میں ہمارا چمن بندی کا کام دیوانہ پن معلوم ہوتا ہے یہ آگ شرافت اور انسانیت کی سرزمین کو جھلسے دیتی ہے۔ اس میں

نیک اور متوازن شخصیتوں کے پھول کیسے پیدا ہوں گے؟ حیوانوں سے بھی بدتر سطح اخلاق پر ہم انسانی اخلاق کو کیسے سنوار سکیں گے اس کے لئے خدمت گذار کیسے پیدا کر سکیں گے؟ جانوروں کی دنیا میں انسانیت کو کیسے سنبھال سکیں گے؟

یہ لفظ شاید کچھ سخت معلوم ہوتے ہیں، لیکن ان حالات کے لئے جو روز بروز ہمارے چاروں طرف پھیل رہے ہیں اس سے سخت لفظ بھی بہت نرم ہوتے ہم جو اپنے کام کے تقاضوں سے بچوں کا احترام کرنا سیکھتے ہیں ان کو کیا بتائیں کہ ہم پر کیا گذرتی ہے جب ہم سنتے ہیں کہ بہیمیت کے اس بحران میں معصوم بچے بھی محفوظ نہیں شاعر ہندی نے کہا تھا کہ: ''ہر بچہ جو دنیا میں آتا ہے اپنے ساتھ یہ پیغام لاتا ہے کہ خدا کبھی انسان سے پوری طرح مایوس نہیں ہوا'' مگر کیا ہمارے دیس کا انسان اپنے سے اتنا مایوس ہو چکا ہے کہ ان معصوم کلیوں کو بھی کھلنے سے پہلے ہی مسل دینا چاہتا ہے؟ خدا کے لئے سر جوڑ کر بیٹھئے اور اس آگ کو بجھایئے۔ یہ وقت اس تحقیق کا نہیں کہ آگ کس نے لگائی؟ کیسے لگی؟ آگ لگی ہوئی ہے اسے بجھایئے۔ یہ مسئلہ اس قوم اور اس قوم کے زندہ رہنے کا نہیں تہذیب انسانی زندگی، اور وحشیانہ زندگی میں انتخاب کا ہے خدا کے لئے اس ملک میں مہذب زندگی کی بنیادوں کو یوں کھدنے نہ دیجئے۔''(۱)

حضرات میں محسوس کر رہا ہوں کہ گویا یہ بات آج کہی جا رہی ہے اور اس سے بہتر انداز میں کہنی مشکل ہے۔

اس وقت مسئلہ یہ ہے کہ آپ اس ملک کو سنبھالے لئے اس ملک میں شریفانہ زندگی گذارنے، اس ملک کے باصلاحیت باشندوں کو اپنی ذہانتوں کے اظہار اور اس سے بڑھ کر اپنے خلوص، اپنی خدا ترسی، انسانیت دوستی اور شرافت و اخلاق نمایاں کرنے کا موقع دیجئے۔ اس ملک میں خدا کے فضل سے سب کچھ موجود ہے۔ میں نے نہ صرف ہندوستان کی بلکہ باہر کی تاریخ بھی پڑھی ہے اس کی روشنی میں کہتا ہوں کہ کوئی ایسی نعمت و دولت نہیں ہے جو اس ملک میں نہ ہو یا کسی نہ کسی راستے سے یہاں نہ آئی ہو۔ یہاں کی سرزمین اور فضا نے اس کو ترقی دینے اس کی

---

(۱) ماخوذ از خطبہ ڈاکٹر حسین خان مرحوم بتقریب سلور جوبلی جامعہ ملیہ ۱۷ نومبر ۱۹۴۶ء۔ بعض دیکھنے والوں نے بتایا کہ اس خطبہ کے پڑھنے کے وقت مولانا آزاد، اور صف اول میں بیٹھے ہوئے بعض معزز رہنماؤں کی آنکھوں میں آنسو دیکھے گئے۔

قدر کرنے اور اس کو آگے بڑھانے کی صلاحیت کا اظہار کیا، آپ، اس ملک کو سنبھالئے اور خدا کی اس نعمت کی قدر کیجئے۔ میں یہاں تک کہوں گا کہ اس ملک کو دنیا کی اخلاقی (MORAL) قیادت کرنی چاہئے۔

دنیا کی بڑی طاقتوں اور بڑے ممالک نے اپنے کو اس قابل نہیں رکھا کہ وہ دنیا کی اخلاقی قیادت کر سکیں۔ بلکہ ایک حقیقت پسند انسان یہ دیکھتا ہے کہ ایشیا کے ان ملکوں میں ان بڑی مغربی طاقتوں کی وجہ سے خرابی پیدا ہو رہی ہے وہ کسی صالح، کسی لائق قیادت کو، کسی اچھی لیڈر شپ کو ابھرنے نہیں دیتے اور اگر وہ قیادت وہاں پیدا ہو جاتی ہے تو اس کو زیادہ دنوں تک باقی رہنے کا موقع نہیں دیتے وہ وہاں کی سیاست میں دخل دیتے ہیں وہاں کی اقتصادیات و اخلاقیات میں دخل دیتے ہیں۔ میں آپ سے صاف کہتا ہوں کہ آج دنیا میں وہ تخت خالی ہے جس پر ایک بڑا ملک بیٹھے اور دنیا کو اخلاق، سچی خدا ترسی، محض اس کے نام پر فائدہ اٹھانے اور مخلوق پرستی اور فائدہ اٹھانے کے لئے نہیں بلکہ خدا سے صحیح طور پر ڈر کر اور خدا کی محبت میں (جو خالق کائنات اور خالق بنی نوع انسان ہے) بلا اختلاف رنگ و نسل انسانوں کو سینہ سے لگائے اور ان سے محبت اور ان کی خدمت کیجیے۔

آج یہ تخت خالی ہے۔ روس نے (مجھے معاف کیا جائے) اس بارے میں اپنی نااہلی ثابت کر دی وہ فیل ہو گیا، امریکہ فیل ہو رہا ہے، برطانیہ فیل ہو چکا، یورپ کی دوسری بڑی طاقتیں سب فیل ہو گئیں۔ جب کوئی قوم کوئی ملک اپنی بے غرضی، اپنی خلوص، اپنی صلاحیت؛ اہلیت اور اپنی خدا ترسی اور انسانیت دوستی کا ثبوت دیتا ہے تو اس کے لئے جنگ کی ضرورت نہیں ہوتی۔ اس کے لئے بڑے پروپیگنڈے کی ضرورت نہیں اس کے لئے حقائق (FACTS) اور خلوص وصداقت کی ضرورت ہے۔ اخلاقیات، انسان دوستی اور محبت وخلوص اور روحانیت اس ملک کی روایات میں ہے اور اس نے تاریخ کے مختلف ادوار میں یہ سوغات باہر بھیجی ہے اور اب بھی بھیج سکتا ہے۔

میں اپنے مسلمان بھائیوں سے خاص طور پر کہوں گا کہ ان کی اس سلسلہ میں خاص طور پر بڑی ذمہ داری ہے۔ قیامت کے روز ان سے پوچھا جائیگا کہ دنیا لڑ رہی تھی، برباد ہو رہی تھی مسلی اور پاؤں تلے روندی جا رہی تھی، اخلاقیات کا خون کیا جا رہا تھا عصمتیں برباد تھیں، عزتیں پامال

تھیں اور انسان کا خون سب سے زیادہ سستا ہو چکا تھا تم بیٹھے کیا کر رہے تھے؟ تمہارا فرض تھا کہ تم اس صورت حال کو بدلنے کی کوشش کرتے۔ تمہاری یہ ذمہ داری صرف ہندوستان میں ہی نہیں ساری دنیا میں تھی۔ ڈاکٹر اقبال نے اس حقیقت کو اس طرح بیان کیا ہے کہ:

ہے حضرت جس کے دین کی احتساب کائنات

حضرات! میں آپ سے صاف کہتا ہوں کہ میں پیام انسانیت (CREDIT) خود نہیں کہتا اس کا سہرا میرے سر بندھا ہوا نہیں ہے میری صلاحیتیں میرا تجربہ، میرے مشاغل، میرا ذوق اور میری صحت، کوئی چیز بھی اس کی متحمل نہیں تھی، لیکن دل میں ایک چٹک تھی جس نے مجھے اس پر آمادہ کیا۔ بعض مرتبہ ایسا ہوتا ہے کہ آگ لگتی ہے اور آگ بجھانے والے بھی ہوتے ہیں لیکن ان کو آواز دینے والا کوئی نہیں ہوتا۔ اس وقت ایک بچہ بھی کھڑا ہو کر آواز لگائے کہ آگ لگی ہے، آگ لگی ہے، اس وقت یہ نہیں دیکھا جاتا کہ کس عمر کے آدمی نے آواز لگائی ہے، کسی قابل آدمی نے آواز لگائی یا نا قابل اور غیر تعلیم یافتہ آدمی نے۔ جب آگ لگی ہو اور گاؤں اور بستی جل رہی تو پھر جو بول سکتا ہے اس کو بولنا چاہئے جو دوڑ سکتا ہے ہے اس کو دوڑنا چاہئے، جو دہائی دے سکتا ہے اس کو دہائی دینا چاہئے۔

اس احساس فرض نے مجھے مجبور کیا کہ اتنے بڑے ملک میں اور اتنے بڑے بڑے لوگوں کی موجودگی میں یہ آواز لگاؤں مجھے اس پر فخر نہیں ہے کہ میں نے یہ آواز لگائی اور میں یہ دعویٰ بھی نہیں کرتا کہ سب سے پہلے میں نے ہی یہ آواز لگائی۔ آواز برابر لگائی جاتی رہی ہے۔ یہ ہمارے ملک کی ناقدری، اس کی تاریخ سے ناآشنائی ہے کہ یہ کہا جائے کہ یہ آواز پہلی مرتبہ لگائی گئی ہے میں نہیں سمجھتا کہ کوئی صدی خالی گئی ہو کہ جب یہاں ایسے جرأت مند انسان موجود ہوں جنہوں نے آواز لگائی۔

میں آپ کے سامنے صاف اقرار کرتا ہوں کہ مجھے اندازہ نہیں تھا کہ میری یہ نحیف آواز اتنے بڑے بڑے آدمیوں کو اور اتنے پڑھے لکھے اشخاص کو جمع کر لے گی یہ اس ملک کی صلاحیت اور زندہ دلی کی دلیل ہے۔

میں اپنے صوبہ کے وزیر اعلیٰ شری ملائم سنگھ یادو کو اس بات کی داد دوں گا کہ انہوں نے ایک ایسے زمانے میں جب صرف سیاسی مقاصد، سیاسی زبان اور سیاسی انداز ہر طرف رائج ہے

انہوں نے ایک اصولی اور اخلاقی آواز بلند کی اور کہا کہ ہم قانون کو اس طرح پامال ہوتے ہوئے نہیں دیکھ سکتے۔ اگر قانون کھیل بن گیا، اگر عدالت کے فیصلے کھیل بن گئے، اگر امن عام بچوں کا مذاق بن گیا تو اس ملک میں نہ پڑھا جا سکتا ہے نہ لکھا جا سکتا ہے نہ انسانیت کی خدمت ہو سکتی ہے اور نہ علم و ادب کی۔ اور یہ تو بڑی چیزیں ہیں ایسے سنگین حالات میں گھر میں آدمی آرام سے بیٹھ بھی نہیں سکتا۔

میں ان کو داد دوں گا کہ انہوں نے اصول و اخلاق کی آواز لگائی میں ان سے کہوں گا کہ وہ اس پر مضبوطی سے قائم رہیں اس راہ میں بڑے بڑے امتحانات ہوتے ہیں، اصول و اخلاق کی قیمت ادا کرنی پڑتی ہے۔ یہ سودا اتنا سستا نہیں ہے اگر انہوں نے اس پر ثابت قدمی دکھائی تو تاریخ میں ان کا نام ہوگا۔ امید ہے وہ عبادت گاہوں کے معاملے میں یہ کھیل نہیں ہونے دیں گے کہ آج اس مسجد کے معاملے میں کل اس مندر کے معاملہ میں تاریخ کو جگایا جا رہا ہے اور ہزار دو ہزار سال پہلے قافلہ جہاں سے چلا تھا پھر قافلہ کو وہاں سے سفر کرنے پر مجبور کیا جا رہا ہے اگر یہ کام ہندوستان میں شروع ہو گیا تو سارے تعمیری کام بند ہو جائیں گے اس لئے میں نے جیسا کہ پہلے کہا تھا آج پھر کہتا ہوں ”تاریخ ایک سویا ہوا شیر ہے اس کو جگانا نہیں چاہئے۔“ آپ اس کے پاس سے نکل جائیے اس کو سوتا چھوڑ دیجئے۔ اگر آپ نے اس کو جگا دیا تو پھر اس غلطی کی قیمت ادا کرنی پڑے گی تاریخ کو پچھلے دور میں واپس لے جانا اور وہاں سے سفر شروع کرنا اس ملک کے مفاد میں نہیں کہ جب ہندوستان میں باہر سے نسلیں آ رہی تھیں تہذیبی اور مذاہب آ رہے تھے وغیرہ وغیرہ۔

میں آپ کی اس توجہ، سماعت اور احترام و محبت کا شکر گزار ہوں اور خدا سے دعا کرتا ہوں اور امید کرتا ہوں کہ فرقہ وارانہ مفاہمت اور بقائے باہم کے شریفانہ اصول کے لئے جو قدم اٹھایا گیا ہے اور جو کوشش شروع کی گئی ہے وہ بار آور، نتیجہ خیز، اور وسیع و دقیق ہو۔

وما علینا الا البلاغ المبین

والسلام علیکم

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

کسی ملک ومعاشرہ کے لئے سب سے خطرناک بات

الحمد للہ رب العالمین والصلوٰۃ والسلام علی سید الانبیاء والمرسلین، وعلی آلہ واصحابہ اجمعین. امابعد.

ادباء فضلاء اہل قلم اور اہل فکر حضرات واحباب!

میں آپ سب کی تشریف آوری اور تکلیف فرمائی کا یوپی اردو اکاڈمی کے ارکان اور ذمہ داروں، اور خود اپنی حقیر ذات کی جانب سے خلوص دل سے خیر مقدم کرتا ہوں۔ دور دور سے ہمارے ملک میں سیاسی کانفرنسوں پارٹیوں کے اجلاس، علمی سیمیناروں اور ادبی نشستوں کی کمی نہیں۔ شاید کوئی دن خالی جاتا ہو کہ کوئی ایسی نشست نہ ہوتی ہو۔ پریس کانفرنسوں کی کمی نہیں۔ مگر وہ خاص اغراض کے تحت کی جاتی ہیں اور ان میں بے تکلف تبادلہ خیال کی نوبت کم آتی ہے۔

ضرورت ہے کہ رسوم وتکلفات سے آزاد ہوکر جس طرح ایک خاندان یا ایک محلے کے لوگ کسی جگہ اکٹھے ہوکر بے تکلف بات چیت کرتے ہیں دوستانہ وعزیزانہ گلہ وشکایت ہوتی ہے غلط فہمیاں رفع کی جاتی ہیں۔ اپنے خاندان یا محلے کے فلاح وبہبود کے لئے مشورے ہوتے ہیں، نتیجۃً ایک دوسرے سے کھلے ملتے ہیں، اس طرح ہم بھی کبھی کبھی کسی مرکزی مقام پر جمع ہوکر دوستانہ وبے تکلفانہ گفتگو وتبادلہ خیال کریں۔ اسی خیال کے تحت آپ حضرات کو آج تکلیف دی گئی ہے۔

حضرات! انسان کے لئے بیماری یا غلطی کوئی غیر فطری چیز نہیں ہے۔ صحت کا اعتدال سے ہٹ جانا، اور بیماری کا شکار ہو جانا، اسی طرح غلط فہمی کا شکار ہونا یا کسی غلطی کا ارتکاب کرنا

انسانی فطرت کے خلاف نہیں ہے بلکہ یہ ایک طرح سے زندگی کی علامت ہے۔ پتھر غلطی نہیں کر سکتا۔ درخت غلطی نہیں کر سکتا انسان ہی غلطی کرتا ہے۔ اس لئے غلطی زیادہ پریشانی کی بات نہیں اور اس پر مایوس ہونے کی ضرورت نہیں۔

انسانوں کی ایک بڑی جماعت کا کسی غلط راستہ پر پڑ جانا، اپنی سفلی خواہشات، اور پست درجہ کے مقاصد کی تکمیل کے پیچھے دیوانا ہو جانا تاریخ انسانی کے لئے بھی اور تقدیر انسانی کے لئے بھی شدید تشویش کی بات نہیں ہے۔

تشویش کی بات یہ ہے کہ بگڑے ہوئے حالات سے پنجہ آزمائی کرنے، فساد و انتشار پیدا کرنے والی طاقتوں سے آنکھ ملانے والے اپنی سہولتوں، عزتوں (اور بعض اوقات حکومت و اقتدار) کو خطرہ میں ڈال کر میدان میں اترنے والے نایاب ہو جائیں۔ اصل تشویش کی بات یہ ہے۔

انسان بار ہا ایسی بدنیت، فساد انگیز، اور انتشار پسند طاقتوں، قیادتوں، سازشوں کے شکار ہو گئے ہیں اور ایسے نظر آنے لگا ہے کہ انسانیت سکرات کے عالم میں ہے وہ جلد دم توڑے گی۔

لیکن تاریخ یہ بتلاتی ہے کہ ایسے ہر موقعہ پر کچھ ایسے افراد میدان میں آ گئے جنہوں نے زمانہ کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر حالات کا مقابلہ کیا۔ ان غلط رہنمائیوں اور قیادتوں کے مدمقابل بن کر کھڑے ہو گئے اور انہوں نے جان کی بازی لگا دی۔ انسانی تہذیب کا تسلسل جو ابھی تک قائم ہے محض نسلی تسلسل نہیں بلکہ انسانی خصوصیات کا تسلسل جو ہر دور میں رہا ہے انسانی احساسات و جذبات، اعلیٰ مقاصد، اخلاقی تعلیمات اور ان کی بقاء و ترقی کے لئے ہمت و جرأت اور قربانی کا جذبہ جو اس وقت تک چلا آ رہا ہے یہ درحقیقت انہیں لوگوں کا رہین منت ہے جو بگڑے ہوئے حالات میں میدان میں آئے اور انہوں نے زمانہ کے چیلنج کو مول لیا۔ اور ان بگڑے ہوئے حالات سے پنجہ آزمائی کی اور بعض اوقات زمانے کی کلائی موڑ دی انہیں لوگوں کی بدولت انسانیت زندہ ہے۔

ہر زمانہ کے شاعر ہر زمانہ کے ادیب اور ہر زمانہ کے اہل دل، زمانے کے بگاڑ کی باتیں کرتے چلے آتے ہیں لیکن ہم دیکھتے ہیں کہ اس کے بعد بھی انسانی خوبیوں کا سرمایہ، انسانی

احساسات وجذبات کی کارفرمائی اور نیک انسان موجود رہے۔ یہ اصل میں انہیں لوگوں کی جدو جہد کا نتیجہ ہے جو اس وقت اپنے مفادات سے آنکھیں بند کر کے میدان میں آ گئے انہوں نے اپنے لئے بھی، اپنے خاندان کے لئے بھی اور اپنی آئندہ نسلوں کے لئے بھی خطرہ مول لیا، زمانہ کا رخ موڑ دیا اور انسانیت کی کھیتی ان کی کوششوں اور قربانی کے پانی سے ہری ہوگئی۔

انسانیت کی بقاء کی حقیقی ضمانت وہ جری، دلیر، جاں باز، اور دردمند انسان ہیں جو زخمی دل، اشکبار آنکھیں اور سلگتے اور جلتے ہوئے دل ودماغ رکھتے ہیں، جو ناسازگار حالات کا سامنا کریں۔ چوٹ کو برداشت کریں اور تاریخ کے دھارے کو بدلنے کے لئے جان کی بازی لگادیں۔

جب کبھی جنس کی کمی نظر آتی ہے تو پورا سماج، پورا معاشرہ خطرہ میں پڑ جاتا ہے خواہ دیکھنے میں آپ کو فربہی (موٹاپا) نظر آئے جیسا کہ فربہ جسم کے اندر بیسیوں قسم کی بیماریاں پرورش پاتی ہیں لیکن اس کی فربہی سب پر پردہ ڈالے رہتی ہے، دیکھنے والوں کو دھوکہ ہوتا ہے اور سمجھتے ہیں کہ یہ انسان بہت تندرست ہے لیکن حقیقت میں وہ بیماریوں کا مجموعہ ہوتا ہے۔

کسی سماج کے لئے سب سے بڑا خطرہ (خواہ وہ دنیا کا قدیم سماج ہو) یہ ہے کہ اس کے اندر ظلم کا مزاج پیدا ہو جائے پھر اس سے زیادہ خطرناک بات یہ ہے کہ اس ظلم کو ناپسند کرنے والے اس معاشرے میں انگلیوں پر بھی گنے نہ جا سکتے ہوں۔ دوربین تو دوربین خوردبین پر بھی ان کو نہ دیکھا جا سکتا ہو۔ پورے سماج میں چند درجن آدمی بھی ایسے نہ ہوں جو اس ظلم کو اس سفاکی کو اس قساوت اور سنگ دلی کو، کمزوروں پر دست درازی کو ناپسند کرتے ہوں اور اپنی ناپسندیدگی کا اعلان کرتے ہوں گھر بیٹھ کر ناپسند کرنے والے تو مل جائیں گے جو چار چھ آدمیوں کی موجودگی میں کہہ دیں کہ یہ ٹھیک نہیں ہو رہا ہے بڑے خطرہ کی علامت ہے۔ لیکن جو اپنی ناپسندیدگی کا اعلان کریں اور اس کو لے کر میدان میں آ جائیں۔

ایسے افراد کی جب کسی سماج کسی معاشرہ میں کمی ہوتی ہے تو اس سماج، اس معاشرہ میں اور اس سوسائٹی کو کوئی طاقت نہیں بچا سکتی۔ جب کسی معاشرہ میں ظلم پھیلنے لگا ہو اور پسندیدہ نگاہوں سے دیکھا جانے لگا ہو، جب ظلم کے لئے یہ معیار بن گیا ہو کہ ظالم کون ہے؟ ظالم کی

قومیت کیا ہے؟ ظالم کا فرقہ کیا ہے؟ ظالم کی زبان کیا ہے؟ ظالم کس برادری سے تعلق رکھتا ہے؟
تو انسانیت کے لئے ایک عظیم خطرہ پیدا ہو جاتا ہے۔

جب انسانیت کو اس طرح خانوں میں بانٹا جانے لگے اور ظالم کی بھی قومیت دیکھی جانے لگی جب اس کا مذہب پوچھا جانے لگے جب آدمی اخبار میں کسی فساد یا ظلم وزیادتی کی خبر دیکھے تو پہلے اس کی نگاہیں یہ تلاش کریں کہ کس فرقہ کی طرف سے یہ بات شروع ہوئی۔ اس میں نقصان کس کو پہنچا؟

جب ظلم کو ناپنے اور ظالم ہونے کا فیصلہ کرنے کا یہ پیمانہ بن جاتا ہے کہ وہ کس قوم، فرقہ، طبقہ و برادری سے تعلق رکھتا ہے تو اس وقت معاشرے کو کوئی طاقت، کوئی ذہانت، کوئی سرمایہ اور بڑے بڑے منصوبے بھی بچا نہیں سکتے۔

میں مذہب، انسانی تاریخ و فلسفہ اور اخلاق کا ایک طالب علم ہونے کے ناتے یہ عرض کرنا چاہتا ہوں (اور مجھے اندیشہ ہے کہ شاید دوسرا شخص جس پر سیاسی طرز فکر غالب ہے نہ کہے گا) کہ اس ملک کے لئے سب سے بڑا خطرہ اور آپ کی پہلی توجہ کا مستحق ظلم وتشدد کا رجحان انسانی جان ومال اور عزت وآبرو کی بے قیمتی ہے (خواہ اس کا تعلق کسی فرقہ سے ہو۔)

جس کا ظہور فرقہ وارانہ فسادات، طبقاتی اونچ نیچ کی بنا پر پورے پورے خاندانوں اور محلوں کی صفائی، تھوڑے سے مالی فائدے کے لئے انسان کی جان لے لینا، سفاکانہ جرائم اور مظالم کی کثرت اور سب کے آخر میں (لیکن سب سے زیادہ شرمناک حقیقت) مطلوب و متوقع جہیز نہ لانے پر نئی بیاہی دلہنوں کو جلا دینا یا زہر دے کر ماردینا اور ان سے پیچھا چھڑانا ہے۔

جو لوگ مذہب پر یقین رکھتے ہیں ان کے لئے تو یہ سمجھنا بہت آسان ہے کہ اس کائنات کا پیدا کرنے والا اور چلانے والا جو ماں سے زیادہ محبت کرنے والا اور مہربان ہے، اس عمل سے خوش نہیں ہوسکتا۔ اور اس کو زیادہ دن برداشت نہیں کرے گا اور اس کے نتیجے میں ہزاروں کوششوں اور قابلیتوں کے باوجود کوئی ملک پنپ نہیں سکتا اور وہ معاشرہ زیادہ دن باقی نہیں رہ سکتا۔

خدا کے وجود کے بعد جس حقیقت پر تمام مذاہب، فرقوں اور مکاتب خیال کا اتفاق ہے وہ یہ ہے کہ ظلم خواہ کسی سے سرزد ہو بڑا گناہ (مہاپاپ) اور ملکوں اور قوموں کے حق میں سم قاتل

ہے اور اس کا نتیجہ دیر یا سویر نکل کر رہتا ہے اور اس کی موجودگی میں کوئی ملک یا قوم، (خواہ اس کی پاس کیسے ہی قدرتی وسائل، جنگی طاقت، عددی کثرت، شاندار تاریخ اور علم و ادب اور فلسفہ کے خزانے ہوں) پھل پھول نہیں سکتی۔

لیکن جو لوگ مذہب پر اعتقاد نہیں رکھتے وہ اس تاریخی حقیقت سے واقف ہیں کہ اس سے کم درجہ کا ظلم اور سفاکی کی وجہ سے بڑی بڑی شہنشاہیاں اور وہ تہذیبیں جن کا کسی زمانہ میں ڈنکا بجتا تھا اور آج بھی تاریخ و ادب کے صفحات پر ان کے روشن نقوش ہیں زوال کا شکار ہو گئیں اور داستان پارینہ بن کر رہ گئیں۔

اس صورت حال کی طرف فوری توجہ کی ضرورت ہے۔ سیاسی مسائل اور انتخابی مہم سے زیادہ اس کے خلاف طوفانی مہم چلانے کی ضرورت ہے۔ سخت قوانین، عبرت ناک سزاؤں، ابلاغ عامہ کے ذرائع سے کام لینے اور انتظامیہ کو سخت سے سخت قدم اٹھانے کی ضرورت ہے۔ ورنہ نہ رہے بانس نہ بجے گی بانسری۔

فرقہ پرستی جارحیت اور تشدد کا کھلا رجحان ملک کو زمین دوز اور دھماکہ خیز سرنگوں کے رحم و کرم پر چھوڑ دیتا ہے جو بالآخر ملک کو لے ڈوبے گا۔

گاندھی جی اس حقیقت کو خوب سمجھتے تھے کہ فرقہ وارانہ منافرت تشدد اور جارحیت پہلے ملک کی آبادی کے دو اہم عنصروں (ہندو مسلم فرقوں) کے درمیان اپنا کام کرے گی پھر یہی ذیلی مذہبی اختلافات، طبقات، اور برادریوں کی صف آرائی اور نسلی، لسانی، صوبائی و علاقائی تعصبات کی شکل میں ظاہر ہوگی اور جب یہ کام بھی ختم ہو جائے گا تو وہ آگ کی طرح (جب اس کو جلانے کے لئے ایندھن نہ ملے تو اپنے کو کھانے لگتی ہے) ملک کو اور امن پسند شہریوں کو اپنا لقمہ بنا لے گی اور یہ ملک تباہ ہو کر رہ جائے گا۔

حضرات! انسانیت کے حال اور مستقبل اور سارے تمدنی، معاشی، سیاسی حتیٰ کہ اخلاقی اور مذہبی مسائل کا انحصار اور تمام فلسفوں و افکار و نظریات کا دار و مدار تمام تر اس پر ہے کہ انسان موجود اور محفوظ ہے اس کو اپنی زندگی کی طرف سے اطمینان، انسانی کی قدر و قیمت کا احساس اور اس کے تقدس پر غیر متزلزل عقیدہ ہے۔

اس عقیدے نے، کہ انسان ہی اس دنیا کی پیدائش کا مقصود اور اس کائنات کا سب

سے بیش قیمت وجود ہے اور اس کے اندر بہتر سے بہتر بننے کی صلاحیت موجود ہے، دنیا کے ذہین ترین، شریف ترین اور لائق ترین انسانوں کو انسانوں پر محنت صرف کرنے پر آمادہ کیا اور انہوں نے ان کی ذہنی صلاحیتوں اور ان کے ذہن و دماغ کے سوتوں کو چھیڑا اور وہ تمام اصلاحی، تعمیری، تخلیقی، علمی، ادبی، تمدنی، اور روحانی شاہکار وجود میں آئے جن پر قدیم و جدید دنیا کو فخر ہے۔

تاریخ کے قدیم ترین دور سے لے کر ہمارے زمانہ تک جس چیز نے انسانیت کی شمع مسلسل طور پر روشن رکھی وہ خدا کی یہ نعمت ہے کہ اچھے انسان، انسان سے مایوس نہیں ہوئے انہوں نے اس کو ناقابل علاج مریض اور ناقابل اصلاح حیوان نہیں سمجھا وہ کبھی اس کے وجود سے ایسے متنفر نہیں ہوئے کہ اس کی صورت دیکھنے تک کے روادار نہ ہوں۔ انہوں نے کبھی اس کے زندہ رہنے کے لئے استحقاق کا انکار نہیں کیا۔

انسانیت کا چراغ بے تیل بتی کے جل سکتا ہے وہ ہوا کے تیز جھونکوں اور طوفانوں کے تھپیڑوں میں روشن رہ سکتا ہے۔ اور انسانیت کی تاریخ بتاتی ہے کہ ہمت والوں اور انسانیت کا درد رکھنے والوں نے برسوں بے تیل بتی کے انسانیت کا چراغ روشن رکھا انہوں نے پیٹ پر پتھر باندھ کر اور مسلسل فاقہ کر کے جنگلوں اور بیابانوں، کڑاکے کے جاڑوں کی راتوں اور تپتی ہوئی دوپہریوں میں انسانیت کی خدمت کی۔ ان میں سے کوئی چیز ان کی ہمت توڑنے اور ان کو ان کے مقدس کام سے روکنے کے لئے کافی نہ تھی۔ ان کی نہ ختم ہونے والی قوت کے مقابلہ کا راز اور ان کی حیرت انگیز قوت عمل کی بنیاد یہ تھی کہ وہ انسان کو دست قدرت کا شاہکار (MASTER PIECE) سمجھتے تھے۔

ان کو انسان کی فطرت سلیم پر یقین و اعتماد تھا۔ ان کو یقین تھا کہ انسان کے لئے برائی عارضی اور بھلائی اصلی اور فطری ہے۔ ان کو یقین تھا کہ وہ انسان پر جو محنت کریں گے وہ کبھی نہ کبھی رنگ لائے گی۔ ان کے عقیدہ میں اس باغ کی ہر کلی کو کھلنا اور حسین بننا چاہئے۔

عالم انسانی میں کوئی چیز اس سے زیادہ خطرناک اور تشویش انگیز نہیں کہ انسان انسان سے ناامید ہو جائے۔ اور اس سے زیادہ افسوس ناک بات یہ ہے کہ وہ اس نفرت اور یاس کے جنون میں بے زبان عورتوں اور معصوم بچوں پر دست درازی کرے اور غنچوں کو کھلنے اور مسکرانے سے

پہلے ہی مسل کر رکھ دے۔

تعلیم وتربیت ہو یا اصلاح وترقی، معاشی خوشحالی ہو یا سیاسی استحکام، یہ نشیمن جس شاخ پر قائم ہے اور ہمیشہ جس شاخ پر قائم رہے گا وہ انسانی زندگی کے تحفظ اور امن وامان کی فضا ہے اس لئے نشیمن کو سجانے اور بنانے کے منصوبوں اور اس کی ترتیب وتنظیم کی بحثوں سے پہلے اس شاخ کی حفاظت کی ضرورت ہے۔

آخر میں یہ عرض کرنا چاہتا ہوں کہ سینکڑوں اور ہزاروں برس کی سوئی ہوئی بلکہ مری ہوئی تاریخ کو دوبارہ جگانا اور زندہ کرنا، جو تبدیلیاں صدیوں پہلے (اچھی یا بری) ہوئیں اور ان کو اس ملک کے فراخ دل اور غیرت مند شہریوں نے صدیوں گوارہ کیا، ان کے سفر کو پہلے قدم سے شروع کرنا اور ان کی تلافی کی کوشش اس ملک کو ان نئے مسائل ومشکلات سے دوچار کرے گی جن کا مقابلہ کرنے کی اس ملک کو نہ فرصت ہے نہ ضرورت۔

اور اس طرح حکومت، انتظامیہ، اور دانشور طبقہ کی توانائی (ENERGY) بے محل صرف ہوگی یہ محض اصول پسندی کا تقاضا نہیں ہے دور بیں، حقیقت پسند اور گہری سیاست کا بھی تقاضا ہے۔

حضرات! کوئی کام شدید جدوجہد خطرات اور قربانیوں کے بغیر نہیں ہوسکتا۔ قوم کی صحیح تعمیر اور انسانیت کا احترام اور باہمی اعتماد ومحبت پیدا کرنے کے لئے ہم کو ایک مجنونانہ اور سرفروشانہ جدوجہد کی ضرورت ہے۔

ہندوستان تاریخ کے ایک نازک موڑ اور فیصلہ کن دوراہے پر کھڑا ہے ایک راستہ ہمیشہ کی تباہی نہ مٹنے والے انتشار اور نہ ختم ہونے والے زوال کی طرف لے جاتا ہے۔ ایک راستہ ہمیشہ کے امن وامان اتحاد ویکجہتی کی طرف لے جاتا ہے۔

ہر ایسے موڑ پر کچھ ایسے لوگ سامنے آجاتے ہیں جو تاریخ کا رخ موڑ دیتے ہیں اور واقعات کا دھارا بدل دیتے ہیں ان کی دلیری ان کی صاف گوئی اور ان کی جانبازی پورے پورے ملک اور قوم کو بچالے جاتی ہے یہی لوگ ملک کے معمار ہوتے ہیں۔ اردو کے کسی پرانے شاعر نے صحیح کہا ہے

اولوالعزماں دانشمنداں جب کرنے پہ آتے ہیں
سمندر پاٹتے ہیں کوہ سے دریا بہاتے ہیں

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اسلام ہر دور میں قیادت ورہنمائی کی صلاحیت رکھتا ہے

الحمد للہ رب العالمين والصلاۃ والسلام على سيدنا ونبينا محمد وعلى آله وصحبه اجمعين ومن تبعهم باحسان ودعى بدعوتهم الى يوم الدين، وبعد! فاعوذ باللہ من الشيطان الرجيم، وما كان المومنون لينفروا كآفة، فلو لانفر من كل فرقة منهم طائفة ليتفقهوا فى الدين ولينذروا قومهم اذا رجعوا اليهم لعلهم يحذرون .

حضرات! میں نے آپ کے سامنے قرآن کریم کی آیت پڑھی ہے، اگر میرا قرآن شریف کے ایک طالب علم کی حیثیت سے، ایک عربی داں، ایک مطالعہ کرنے والے کی حیثیت سے امتحان لیا جائے کہ یہ بتائیے کہ جن کی دنیا میں شہرت اور عزت پھیلی، جن کی اہمیت بلند آواز سے، اور بڑی فصاحت و بلاغت سے واضح کی جاتی ہے، اور جن کے لئے بڑی بڑی جانفشانیاں کی جاتی ہیں، اور ان کو دین اور اسلام کا قلعہ کہا جاتا ہے، قرآن مجید میں کہیں اس کا تذکرہ بھی ہے، قرآن مجید میں بہت سی ایسی حقیقتیں بیان کی گئی ہیں جو کسی کتاب میں مشکل سے ملتیں، یہ بتائیے کہ کس چیز کی بڑی اہمیت ہے دین کی نگاہ میں، اور دین والوں، اور علماء، اور دانشوروں کی نگاہوں میں، اور مؤرخوں اور ناقدین نے بھی اس کو بہت بڑا حق دیا ہے قرآن مجید میں بھی ان کا ذکر ہے، تو میں کہوں گا کہ ہاں اس آیت میں ان کا ذکر ہے، اگر آپ غور کریں، ایسی بہت سی حقیقتیں ہیں جن پر غور کرنے کی نوبت نہیں آتی، روزمرہ کی زندگی میں بھی، اور ان مدارس میں بھی بعض چیزیں ایسی بدیہی سمجھ لی جاتی ہیں اور حقیقت روزمرہ کی سمجھ لی جاتی ہیں، جن کے لئے دلیل کی ضرورت نہیں ہوتی، اور آدمی کو غور کرنے کی نوبت ہی نہیں

آتی، ایسا بھی ہوسکتا ہے کہ کسی کے ذہن میں یہ سوال ہی نہ پیدا ہوا ہو، اس میں صاف مدارس کے نام لئے بغیر اس لئے کہ نام لینے میں، الفاظ بدلتے رہتے ہیں، مدارس ہی کو لے لیجئے، کسی کو معاہد، کسی کو مراکز، کسی کو جامعات کہا جاتا ہے مختلف اداروں میں، مختلف الفاظ میں، لیکن جو مدارس کی خصوصیت اور مقصد ہے، اور اس کی افادیت ہے، وہ اس آیت میں بیان کردی گئی ہے، یہ وہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے، جو خالق فطرت اور خالق کائنات ہے، اور وہ انسان کی کمزوریوں اور ضرورتوں سے بھی واقف ہے، اور دین کے متضاد تقاضوں سے بھی واقف ہے، عالم الغیب ہے، وہ اپنے ان تمام صفات کے ساتھ جس طرح اس آیت میں اشارہ کیا ہے، ایسے مراکز جہاں دین کا گہرا علم حاصل کیا جائے، دین کا عمیق اور وسیع آفاقی علم حاصل کیا جائے، جو ہر زمانہ میں کام دے سکے، اس آیت میں اگرچہ مدارس کا نام نہیں لیا، اور اس میں اللہ تبارک وتعالیٰ کی شان اس سے بہت بلند تھی، لیکن اس آیت میں بالکل مدارس کی تصویر آگئی ہے، اور مدارس کی ضرورت اور افادیت بھی آگئی، اور اس میں مدارس کا فرض بھی بیان کردیا گیا، فرماتا ہے کہ ایسا تو نہیں ہوسکتا کہ اہل ایمان سب کے سب گھروں سے نکل جائیں، اور زندگی کی ضروریات سے بالکل آنکھیں بند کرلیں، یہ تو ہونے والی اور ممکن العمل بات نہیں، پھر ایسا کیوں نہیں ہوتا کہ ان میں سے ایک جماعت اس کام کے لئے تیار ہوجائے، تاکہ وہ دین میں فقہی سمجھ حاصل کریں، عربی زبان میں سمجھنے کے لئے بیسیوں لفظ ہوسکتے ہیں، فہم، معرفت، علم تعقل کا لفظ بھی ہے، لیکن تفقہ کا لفظ خاص معنی رکھتا ہے، اس کے معنی ہیں دین میں گہری سمجھ حاصل کریں، دین کے ذخیرہ پر پورے طور پر حاوی ہوجائیں، زمانے کی ضرورت کو سمجھ سکیں، اور بدلتے ہوئے زمانہ اور دائمی دین کے دور میں رشتہ پیدا کرسکیں۔

ایک بات یاد رکھئے کہ یہ دین تو دائمی ہے، زمانہ بدلنے والا ہے، جو ظرف ہے اور ظرف بدلتا رہتا ہے، لیکن دین کی حقیقت، دین کا مطالعہ دین کی بنیادی باتیں نہیں بدلتیں، تو نہ بدلنے والا دین ہے اور اس کا بدلنے والے زمانہ کے درمیان رشتہ پیدا کرنا، پیوند لگانا یہ معمولی کام نہیں ہے۔

" دین کی اصلیت اور حقیقت، دین کے واجبات و فرائض، دین کے صحیح حقائق اور مطالبات میں تو ذرہ برابر بھی فرق نہ آنے پائے، لیکن وہ دین زمانہ کا ساتھ دے سکے، زمانہ کی

رہنمائی کر سکے، زمانہ کتنا ہی بدل جائے، تمدن کتنا ہی وسیع ہو جائے مختلف علوم کی کتنی ہی ترقیاں ہو جائیں، انسان ہوا میں اڑنے لگے، اور پانی پر چلنے لگے، اور زمانہ لاکھوں میل کے حساب سے آگے بڑھ جائے، ذہنی، فکری، عقلی طور پر وہ ثابت کر سکتا ہے کہ دین اس زمانے میں رہنمائی کر سکتا ہے، آج بھی وہ تمام مسائل وضروریات، یہاں تک کہ زمانہ کے معموں اور پہیلیوں کو بجھا سکتا ہے، زمانے کے ساتھ چلنے ہی نہیں بلکہ قیادت کرنے کی صلاحیت رکھتا ہے اور زمانہ کو بے راہ روی اور نسل انسانی کو اپنی خودکشی سے بچا بھی سکتا ہے، وہ اپنی جگہ اپنے تعلیم اور حقائق میں ابدی ہے، زمانہ کتنا ہی ترقی کر جائے اس میں فرسودگی اور قدامت پیدا نہیں ہو سکتی، آؤٹ آف ڈیٹ جسے کہتے ہیں، دین (Out of date) آؤٹ آف ڈیٹ ہو چکا ہے، یہ تو کبھی نہیں ہو سکتا، البتہ زمانہ بدلنے والا ہے یہ اس کی تعریف ہے برائی نہیں ہے، زمانہ کہتے ہی اسے ہیں جو بدل سکے، اور وہ تو ایک پرانی عمارت ہے یا ایسی چیز ہے جس میں زندگی نہیں، زندگی کے ساتھ تغیر وتبدل بھی لگا ہوا ہے، نمو وارتقاء بھی لگا ہوا ہے، نئے نئے تجربے بھی لگے ہوئے ہیں، زمانہ تو بدلے گا اور بدلنا چاہئے لیکن دین زمانہ کی طرح بدلتا بھی نہیں اور زمانہ سے پیچھے بھی نہیں رہ جاتا۔

یہ کام بڑا نازک اور بڑا اہم ہے، اور یہ بات بھی تاریخ کے ایک طالب علم ہونے کی حیثیت سے کہتا ہوں کہ مذاہب کی تاریخ بتاتی ہے اور انصاف پسند لوگوں نے اس کا اعتراف کیا ہے۔ ہندوستان کے بے لاگ مصنفوں نے اس کا اعتراف کیا ہے، ہمارے ملک کے مذاہب زمانہ کا ساتھ نہیں دے سکے اور صدیاں ایسی گذری ہیں جن میں خلا رہا، کوئی ایسا آدمی پیدا نہیں ہوا جو زمانہ کا دین سے رشتہ جوڑ سکے، اور زمانہ کو دین کا تابع بنا سکے اور زمانے کو دین کا قائل بنا سکے، اور زمانے میں خلا نہ پیدا ہونے دے، اس سلسلہ میں میں نے اپنی کتاب "تاریخ دعوت وعزیمت" کے پہلے حصہ کے مقدمہ میں صاف صاف ان مغربی فضلا ہندوستانی مؤرخین کی کتابوں کے صفحے کے حوالہ سے نقل کیا ہے، کہ صدیاں گذر گئیں اور ہمارے یہاں کوئی ایسا ریفارمر پیدا نہیں ہوا، کوئی مجدد پیدا نہیں ہوا جو اس دین کو ضرورت کے تابع کر سکے، اور جو اس میں رخنہ پیدا ہو گیا ہے، اس کو بھر سکے، اور انہوں نے یہ بات بڑی دیانت داری اور جرات کے ساتھ کہی ہے، میں تاریخی ذوق رکھنے والے کی حیثیت سے کہتا ہوں، یہ دو خصوصیتیں ایک تو یہ کہ دین کوئی فرسودہ

چیز، کوئی زمانہ قدیم کی یادگار نہیں بلکہ زمانے کی رہنمائی کرنے والا اور صحیح راستہ پر چلانے والا۔ اور افراط وتفریط اور اس میں مبالغہ جو پیدا ہو جاتا ہے، اسلام کی تاریخ شہادت دیتی ہے وہ کسی زمانہ میں یہ خلا نہیں ہونے پایا، مجھے معاف کیا جائے، میں مجبورا اپنی کتاب کا نام لیتا ہوں، تاریخ دعوت وعزیمت کی پانچ جلدیں ہیں، اس میں میں نے یہ دکھایا ہے کہ شاہ ولی اللہ صاحب کے زمانہ تک کوئی ایسا زمانہ نہیں گذرا، کسی ملک میں ایسا نہیں ہوا کہ وہاں ایک خلا محسوس ہوا ہو، ایک برائی پیدا ہوئی ہو، اس کو کوئی برائی کہنے والا نہیں، کوئی ضرورت پیدا ہوئی ہو اور ضرورت کی تکمیل کرنے والا اور دعوت دینے والا پیدا نہ ہوا ہو، کوئی تحریف ہوئی ہو اس کی تردید کرنے والا، اور سازش ہوئی ہو، اور اس کی قلعی کھولنے والا اور طشت از بام کرنے والا پیدا نہ ہوا ہو، میں نے تسلسل کے ساتھ بتایا ہے کہ جس چیز کی ضرورت ہوئی اس ضرورت کو پورا کرنے والا پیدا ہوا، اور یہ حضور ﷺ کا اعجاز ہے، آپ نے یہ فرمایا ہے کہ ہر زمانہ میں قیامت تک اس امت میں وہ لوگ پیدا ہوتے رہیں گے: "**ینفون عنه تحریف الغالین وانتحال المبطلین، وتاویل الجاهلین**" یہ الفاظ بالکل معجزانہ ہیں، اگر آپ گمراہیوں کو، جو ان امتوں کو پیش آتی ہیں، سلطنتوں اور نظامہائے حکومتوں کو پیش آتی ہیں، اس کے لئے جو چیزیں چیلنج کرنے والی ہیں اور خطرناک ہیں، اور ان تینوں میں سے کسی عنوان میں داخل کر سکتے ہیں، جو غلو پسند لوگوں کی تحریف کو دور کر سکیں، اور جو لوگ خواہ مخواہ دعاء کرتے ہیں، ان کی وہ قلعی کھولتے رہیں گے، اور جو لوگوں کو خوش کرنے کے لئے اپنی عزت رکھنے کے لئے اور اپنی ذہانت ظاہر کرنے کے لئے تاویل کرتے ہیں، اب آپ اسلامی تاریخ کو شروع سے لے کر اب تک دیکھیں، کسی زمانہ میں جو فتنہ پیدا ہوا، میں تفصیل میں جانا نہیں چاہتا وقت بھی زیادہ ہو چکا ہے، کسی میں امام حسن بصری پیدا ہوئے یا، کسی میں امام احمد بن حنبل کو پیدا کیا، امام ابوالحسن اشعری اور امام غزالی کو پیدا کیا، اس کے بعد سوسائٹی میں کچھ کمزوریاں پیدا ہوئیں، کچھ تجارت اور کمائی کے سلسلہ میں، تعلقات کے سلسلے میں جب ذرا اصولوں سے، اسلام کے معیار اور اسلام کی تعلیمات سے لوگ ہٹنے لگے تو ابن الجوزی کو پیدا کیا، اور ایمان میں کمزوریاں پیدا ہونے لگیں تو ابن تیمیہ کو پیدا کیا، جب لوگ خدا کو سلطنتوں کو اثر سے، عہدوں کی لالچ میں اور اپنی انسانی کمزوریوں کو دبا کر بھولنے اور بھلانے لگے اور ملک پرستی میں لگ گئے، تو امام وقت، مصلح اور داعی پیدا کیا،

جن کی وجہ سے لوگوں نے کہا ہے کہ ہزاروں ہزار اس زمانہ میں جو جرائم پیشہ لوگ تھے، وہ تائب ہوئے بعض لوگوں پر اثر پڑتا تھا وہ تاب نہیں لا سکتے تھے وہ جان دے دیتے تھے، تاریخ بتاتی ہے کہ صرف بغداد ہی نہیں بلکہ براعظم افریقہ تک جنوبی ایشیا تک اس کے اثرات پیدا ہوئے، ہندوستان میں آیئے، تاریخ شاہد ہے کہ مجدد الف ثانی جن کو اقبال کہتے ہیں ؎

اس خاک کے ذروں سے ہیں شرمندہ ستارے
اس خاک میں پوشیدہ ہے وہ صاحب اسرار
گردن نہ جھکی جس کی جہانگیر کے آگے
جس کے نفس گرم سے ہے گرمی احرار
وہ ہند میں سرمایۂ ملت کا نگہبان
اللہ نے بروقت کیا جس کو خبردار

مجدد الف ثانی پیدا ہوئے، جب ہندوستان کا رخ پھیرا جانے لگا، دانشوروں نے یہ پٹی پڑھائی کہ ہر مذہب کی عمر ایک ہزار سال ہوتی ہے، قریب تھا کہ ہندوستان کا رشتہ اسلام سے ٹوٹ جائے، اور مسلمان بالکل آزاد ہو جائیں، اکبر نے پادریوں کو بلوایا، مناظرہ کروایا، ان کی باتیں سنیں، اور مذاہب کے پیشواؤں کو بھی موقع دیا، اور ہندوستان کے مسلمانوں کی آبادی ایک علمی اضطراب میں، ایک ذہنی تضاد اور پریشانی میں مبتلا ہوگئی، اس وقت مجدد الف ثانی کھڑے ہوئے اور انہوں نے اسلام کی دعوت دی، پھر اس کے بعد ایک وقت آیا، اسلامی علوم، خاص طور پر قرآن و حدیث کی تعلیم کم ہوگئی، اور عوام کا تعلق ان سے ٹوٹنے لگا، اس وقت شاہ ولی اللہ صاحبؒ کو پیدا کیا، اس کے بعد ان کے اخلاف سید احمد شہیدؒ، شاہ اسماعیل شہید وغیرہ پیدا ہوئے، آپ کو معلوم ہوگا لوگوں نے احتیاط کے ساتھ کہا ہے کہ کم از کم تین لاکھ افراد ان کے ہاتھ پر تائب ہوئے، اور غازی پور بھی تشریف لائے اور ان کے ساتھ یہاں بھی ایسا تعلق پیدا ہوا کہ جان دینے کے لئے تیار ہوئے، اور یہاں بہت مخلص لوگ پیدا ہوئے۔

میں عرض کر رہا ہوں کہ کسی مذہب کے لئے دو چیزیں بہت ضروری ہیں، ایک چیز یہ ہے کہ وہ اپنی اصلیت پر قائم رہے، اس کی اور تحلیل نہ جائے، اور اصلیت سے دست بردار نہ ہونا پڑے۔

ابھی حال ہی میں ایک کتاب آئی ہے اس میں بتایا ہے کہ موجودہ عیسائیت حضرت مسیحؑ کی لائی ہوئی نہیں ہے، حضرت مسیحؑ کے سات برس کے بعد سینٹ پال کے زمانہ سے اب تک کی تحقیق یہ ہے کہ رومن امپائر نے اس کو ایجنٹ بنایا تھا کہ اس میں رومن میتھالوجی داخل کر کے اس سے سیاسی فائدہ اٹھایا جائے، چونکہ عیسائیت ایک طاقت کی طرح ابھر رہی تھی اور رومن امپائر اس سے ڈر رہا تھا، ان کو خطرہ پیدا ہوا کہ اگر یہ وسیع اور طاقتور مذہب بن گیا، تو رومن اس پر اس طرح حکومت نہیں کر سکتے، یہ ایک بہت گہری سازش تھی کہ عیسائیت کے نام سے، عیسائی بنوا کر عیسائی مذہب اور قوم میں داخل کر دیا۔ اس کا اس طرح تعارف کرایا اور عزت دی کہ گویا وہ عیسائیت کا ترجمان بن جائے چنانچہ تحقیق سے ثابت ہو چکا ہے کہ موجودہ عیسائیت حضرت مسیحؑ کی لائی ہوئی نہیں ہے، بلکہ سینٹپال کی لائی ہوئی عیسائیت ہے، اور میں دوسرے مذاہب کے متعلق نہیں کہہ سکتا، وقت بھی نہیں ہے، مثلاً بودھسٹ ہے۔ ایک سوشل یونیفارم کے طور پر اور مذہب میں جو افراط و تفریط پیدا ہو گئی تھی اس کو دور کرنے کے لئے پیدا ہوئی جیسا کہ ہمارے ہندوستان کے بہت سے مورخوں نے لکھا ہے کہ وہ چیزیں باہر سے آگئیں جن کو گوتم بدھ مٹانا چاہتے تھے، اور بت پرستی بھی آگئی میں نے خود دیکھا ہے، لاہور اور پشاور کے درمیان ایک شہر ہے وہاں اتفاق سے ایک ذمہ دار ہمارے اضلاع کے تھے، ہم پیشاور جارہے تھے تو انہوں نے وہ میوزیم دکھایا، اتنے مجسمے گوتم بدھ کے تھے کہ آدمی کو متلی آنے لگے کہ کوئی حد ہے، اور یاد رکھئے بعض زبان دانوں نے کہا ہے کہ اردو اور فارسی میں بت کا جو لفظ آیا ہے، وہ بدھ کا بگڑا ہوا لفظ ہے، یعنی بدھسٹ میں اتنی بت پرستی آگئی تھی کہ بدھ سے جو نئے بت بنے، بت بنانا کافی تھا، تو مذاہب کی تاریخ میں آپ کو بہت سے ایسے خلا ملیں گے، اس کی وجہ یہ تھی کہ اس وقت پر کوئی ایسا آدمی اس میں جان ڈالنے والا اور پیغمبر یا تعلیم دینے والا جو اس کی تعلیم کے مطابق بنائے، بالکل اس کو وہاں پر کھڑا کر دے جہاں اس نے چھوڑا تھا لیکن یہ بات نہیں ہوئی، یہ بات ایک تاریخی حقیقت کے طور پر، ایک انسانی فطرت کے طور پر کہ انسان جدت پسند ہے، اور وہ زمانہ سے متاثر ہوتا ہے۔

میرے بھائیو! میں یہ کہہ رہا ہوں کہ مدارس کے جو خاص کام ہیں، اور مدارس کے علم برداروں نے، مدارس تو عمارتوں کا نام ہے، لیکن جو انسانی مدارس تھے، یعنی انسانی شکل میں جو

مدارس اور معلم تھے اور تعلیم گاہیں تھیں۔ ان لوگوں نے دو کام کئے ایک تو یہ ہے کہ وہ اسلام کو اس شکل پر لے آئے، جس شکل پر رسول اللہ ﷺ نے چھوڑا تھا، اور صحابہ کرام اور خلفائے راشدین کے زمانہ میں جس شکل میں تھا۔ اور یہ تاریخ بتاتی ہے کہ بڑی کامیابی ہوئی، اور بعض بعض بدعات اور نئی نئی چیزیں ایسی مٹیں کہ اس کا تاریخ کے ذریعہ سمجھنا مشکل ہے کہ وہ کیا تھے اور اب کیا ہوئے، وہ ایک تاریخی داستان کے طور پر رہ گئے، دوسری بات یہ ہے کہ زمانہ کو جس رہنمائی کی ضرورت تھی وہ رہنمائی ملی، اجتہاد یعنی زمانے کے جو نئے مسائل ہیں اس کو سامنے رکھ کر اجتہاد کیا جائے، اور خالص دین کی تعلیم اور دن کے اصول کے ماتحت ان کو منطبق کیا جائے اور ان کو یہ بتایا جائے کہ زمانہ کی تبدیلی میں خلا معلوم ہوتا ہے اسی خلا کو دور کیا جائے اور اس کو بتایا جائے کہ اسلام کی تعلیم فلاں موقع پر یہ رہنمائی کرتی ہے، فلاں موقع پر یہ رہنمائی کرتی ہے، اور یہاں تک جایا جا سکتا ہے، اور پھر اس سے بچنے کی ضرورت ہے، اجتہاد کا کام مسلسل ہوتا رہا، اور علماء نے اس میں اتنا احتیاط کیا، اس کو بھی میں ایک نکتہ کے طور پر بتاؤں، علامہ اقبالؒ نے کہا ہے کہ صرف تارتاریوں کے ابتدائی دور میں مسائل کا استنباط اور اجتہاد کا کام، اللہ نے محفوظ رکھا، تاتاریوں نے اثر چھوڑا اور وہ اثر ڈال کر مسائل نکلوائیں گے اور اس سے امت گمراہ ہوگی کہ اس پر عمل کرو، اس کو موقع نہ مل سکے کہ وہ اس سے استنباط کریں اور سیاسی فائدہ اٹھائیں، یہ دو کام ہیں جس کو صرف مدارس کے علماء کر سکتے ہیں، ماہرین علم وفن، ماہرین تفسیر وحدیث، اور ماہرین فقہ واصول فقہ، اور ماہرین ادب وزبان کر سکتے ہیں، بلکہ ان سب کے جامع وہ یہ کہ مذہب اپنی اصل روح، اپنی اصل حقیقت، اپنی اصل طاقت اپنی اصلی تعلیم کے ساتھ باقی رہے، ذرہ برابر فرق نہ آنے پائے، بادشاہوں کی طرف سے رشوتیں دی جائیں، چاہے دھمکیاں دی جائیں، اور چاہے خطرات پیدا ہوں، چاہے بڑے بڑے منافع اس کے سامنے ہوں، بالکل اس کی پرواہ نہ کریں، اس لئے کہ ایک نہیں دو نہیں، پچاس نہیں سینکڑوں انسان ہیں، ان کا یہ حال ہے کہ بادشاہ وقت نے) چاہا کہ علماء کچھ بھی قبول کر لیں، لیکن انہوں نے انکار کر دیا، یہاں تک احتیاط کیا، میں چھوٹا سا واقعہ سناتا ہوں۔

ابن طاؤس بیٹھے ہوئے تھے منصور خلیفہ کے پاس، خلیفہ کو کچھ لکھنا تھا کہ ذرا قلم اٹھا دیجئے، ان کا ہاتھ ہلا نہیں، انہوں نے کہا کہ میں قلم نہیں دے سکتا ہوں، کہا کیوں؟ جواب دیا کہ معلوم

نہیں آپ کیا لکھیں، اور میں گنہگار ہوں۔ ایک نہیں سینکڑوں صفحات علماء کے تذکروں پر ملیں گے انہوں نے ایک حرف کی تبدیلی بھی گوارہ نہیں کی، اور کہا کہ مسئلہ یوں ہی ہے اور یونہی رہیگا قول حق کے خاطر اپنی جان اور خاندان کا خطرہ سمجھتے ہوئے بھی اور خودکشی کا خطرہ سمجھتے ہوئے بھی انہوں نے حق بات کہی، ان ہی کی بات مانی گئی، یہ دو چیزیں ہیں وہ یہ ہیں کہ اسلام اپنی اصلیت پر ہے، اپنی اصلی تعلیمات پر رہے، اس میں ذرہ برابر فرق نہ ہو۔ اور زمانہ کی ضرورت کو پورا کرنا، زمانے کے تقاضے کی تکمیل کرنا، امت اور دین اور زمانہ کے درمیان کوئی فرق یا تصادیا خلا پیدا نہ ہونے دینا، اس لئے کہ جو دین اپنے زمانہ سے ٹوٹ جائے، زمانہ سے اسکا پیوند جدا ہو جائے اور زمانے والے کہنے لگیں اور زمانہ خود اپنے زبان حال سے کہنے لگے کہ یہ دین اب چلنے والا نہیں ہے، پھر وہ دین چلتا نہیں ہے، یہ معمولی بات نہیں ہے کہ یہ دین ابھی تک اپنی اصلی حالت ہی پر نہیں بلکہ اپنے ارکان اور عقائد کے ساتھ، عبادات کے ساتھ، طریقہ عبادت کے ساتھ موجود ہے، اس کی عیدیں اسی طرح منائی جاتی ہیں جس طرح منائی جانی چاہئے، اس کے فرائض ادا کئے جاتے ہیں، ساری دنیا میں کفن دیا جاتا ہے، نماز جنازہ پڑھائی جاتی ہے، عقیقہ اسی طرح سے ہوگا، ختنہ اسی طریقہ سے ہوگا۔ شادی اسی طریقہ سے ہوگی، ایجاب وقبول اسی طریقہ سے ہوگا، مہر باندھا جائے گا۔ طلاق کے لئے بھی احکام ہیں، یہ معمولی بات نہیں ہے، اس میں سب سے پہلے ہاتھ تو ان علماء ربانیین کا ہے، نائبین رسول کا ہے، اور پھر ان کے مرکزوں کا ہے جس میں مدارس عربیہ اور دینیہ ہیں، دوسری بات یہ ہے کہ زمانہ کی ضرورت کو پورا کرنا، زمانے کے چیلنج کا مقابلہ کرنا، زمانہ کے تغیر سے متاثر نہ ہونا اور اس سے دین میں تحریف اور امت میں کوئی انحراف اور ضلالت برپا نہ ہونے دینا۔ یہ دو چیزیں ہیں، ایسے دین کے لئے ضروری ہیں جس کو قیامت تک کے لئے بھیجا گیا ہے اور قیامت تک رہنا ہے۔ اور اس کے متعلق کہہ دیا گیا ہے۔

"اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِيْ وَرَضِيْتُ لَكُمُ
الْاِسْلَامَ دِيْنًا"

حدیث میں آتا ہے کہ ایک یہودی آیا حضرت عمرؓ کے پاس، اس نے کہا امیر المومنین! ایک آیت آپ قرآن شریف میں پڑھتے ہیں، اگر یہ آیت ہم یہودیوں کی کتاب میں آئی

ہوتی تو ہم اس دن خوشی میں تہوار منایا کرتے، حضرت عمرؓ نے پوچھا کون سی آیت ہے؟ کہا " **اليوم اكملت لكم دينكم** . " حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ کسی تہوار کی ضرورت نہیں، یہ تو عرفہ کے دن، اور جمعہ کے دن نازل ہوئی، ہمارے یہاں عید کی ضرورت نہیں، یہ تو عید سے بڑھ کر ہے، یہ دو عیدیں ہیں، عید الاضحیٰ یہ تو بالکل سادے طریقے پر منائی جاتی ہے۔

حضرات! تو یہ ہے ہمارے مدارس کی افادیت، اس خصوصیت اور امتیاز کو اور خدا کی اس نعمت کو باقی رکھیں، ایک تو دین اپنی اصلی حالت میں ہو جو اللہ کے رسول لے کر آئے، اور خلفاء راشدین اور سابقین اولین، اور عمومی طور پر اس پر پوری امت چلتی رہی، تمام دنیا میں دین پر عمل ہوتا رہا، دوسری یہ کہ زمانے سے اس کو پیچھے نہ رہنے دیں، اور زمانہ کی وجہ سے نہ تو اس میں کوئی ایسی تبدیلی کریں کہ دین میں تبدیلی ہو، اور نہ بالکل زمانہ کی ضرورت کو نہ سمجھیں اور کان بند کر لیں کہ ہم کچھ نہیں سنتے، ایسا نہیں، بلکہ زمانہ کی تبدیلی کو دیکھیں اور اس کا جائزہ لیں، کہ کس حکم سے اس کا تضاد اور ٹکراؤ ہے، اور کتنی چیز سے فائدہ اٹھانا چاہئے۔ مثلاً دین میں وہ حکم موجود ہے، کتنی رخصت ہے کتنی رعایت ہے، وہ رعایت بتادیں، لیکن مسئلہ نہ بدلے گا، یہ چیز دین اور امت کی بقا کے لئے اتنا ہی ضروری ہے جتنا ہمارے اور آپ کے لئے سانس لینا ضروری ہے، اور ہمارے اور آپ کے لئے روح کا ہونا ضروری ہے، دین اپنی اصل پر بھی رہے اور زمانہ کی رہنمائی بھی کر سکے، اور زمانہ کا احتساب بھی کر سکے، اور زمانہ کے جائز تقاضوں کو سمجھ سکے، اور بقدر جواز جتنا اسلام اجازت دیتا ہے، ترمیم کرے اور اس کی رعایت کرے، اس کے لئے مدارس ہیں، جو تفقہ اور رسوخ فی الدین اور اجتہاد کی صلاحیت بھی پیدا کرتے ہیں اور ان کے اندر دین کی حمیت بھی ہے اور دین کی حفاظت کا جذبہ بھی ہے، اس کے ساتھ ساتھ وہ نسل انسانی کو بھی سمجھتے ہیں اور زمانہ کا مطالعہ بھی کرتے رہتے ہیں اور وہ زمانہ کے جائز تقاضوں کو بھی سمجھتے ہیں، اس حد تک کہ شریعت میں اس کی رعایت کی گنجائش ہے، اس کا نام تفقہ ہے اور اس سے بڑھ کر اجتہاد ہے، اور اسی کا نام صحیح رہنمائی ہے، ہمارے مدارس دین کے مراکز ہیں، اس لئے ان کا قائم رکھنا، ان کی حفاظت فرض ہے، دین کی حفاظت تو اللہ کے ذمہ ہے، **انا نحن نزلنا الذكر وانا له لحافظون**. لیکن ہمارے ذمہ بھی کچھ کیا ہے، اسی کے ضمن میں احکام دیئے گئے، دین کی تبلیغ کرو، حالات کا مقابلہ کرو، یہ مدارس کا قیام اور بقا اور اس کی ترقی اور مدارس سے

محبت اور ان کی سرپرستی دین کا ایک تقاضا ہے، اور دینی غیرت کا تقاضا ہے، اور دین سے محبت کا تقاضا ہے، دین سے محبت اور بقاء کے جذبہ کا تقاضا ہے، ان ہی کی اصل قیمت ہے، اور افادیت ہے، اور یہی اس کی اصل ضرورت ہے۔ اللہ تعالیٰ دین کے تقاضوں کو پورا کرنے والا بنائے آمین

وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین .

والسلام علیکم

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

خواص امت

حضرت مولانا کی یہ تقریر مورخہ ۳۰/اکتوبر بروز جمعہ ۱۹۸۱ء کو بعد نماز عصر علماء مساجد
اور خواص کے ایک موقر مجمع کے سامنے کی گئی تھی!

الحمد لله رب العالمين ، والصلوٰة والسلام على سيدالانبياء
والمرسلين، وعلىٰ آله واصحابه اجمعين. امابعد.

میرے بھائیو! کسی زمانہ میں خواص کا عالم تو یہ تھا کہ اللہ کا ایک بندہ ایک جگہ بیٹھا ہوا ہے اور وہ وہاں کے بادشاہوں اور حاکموں کو منہ نہیں لگاتا، ایک بزرگ کا میں واقعہ سناتا ہوں، ان کا نام ہے، شیخ الاسلام عز الدین بن عبدالسلام، سلطان العلماء ان کا خطاب تھا، اپنے زمانے کے بہت بڑے (شاید سب سے بڑے) شافعی عالم تھے، دمشق میں قیام تھا، بادشاہ وقت کی کسی بات پر خطبہ میں نکیر کی، بادشاہ کو ناگوار ہوا۔ بادشاہ نے ان کے ساتھ وہ معاملہ کیا جو علماء کے ساتھ نہیں کرنا چاہئے تھا، بے رخی اور بے توجہی، اس کے بعد وہاں کہیں سے اس کے معزز مہمان آئے، وہ بھی اپنے یہاں کے بادشاہ اور حاکم تھے ان کو معلوم تھا کہ اس ملک کے سب سے بڑے عالم شیخ عز الدین بن عبدالسلام ہیں، اور آج کل وہ معتوب ہیں، انہوں نے کہا کہ ہمارے ملک میں ایسا کوئی عالم ہوتا تو ہم اس کو سر پر بیٹھاتے، تعجب ہے کہ آپ اپنے یہاں کے ایسے عالم کے ساتھ ایسا سلوک کر رہے ہیں، بادشاہ نے برا نہیں مانا، اس کو اپنی غلطی کا احساس ہوا، لیکن بادشاہ تو بادشاہ ہی ہوتے ہیں، اس کو یہ خیال ہوا کہ اگر میں ایسے ہی چپ چاپ معافی مانگ لوں اور کہوں کہ مجھ سے غلطی ہوئی تو میری سبکی ہوگی، اور میرا رعب کم ہو جائے گا، تو خواص میں سے کسی کو بلایا، اور کہا کہ دیکھو حضرت سے یہ کہنا کہ میں کسی مجلس

میں بیٹھا ہوا ہوں تو وہ تشریف لائیں اور دست بوسی کر لیں، میرا احترام قائم رہے گا، لوگ بھی دیکھ لیں گے، اس کے بعد بات رفع دفع ہو جائے گی۔ جب کسی نے ان سے جا کر کہا تو انہوں نے کہا کہ تم کس خیال میں ہو؟ واللہ میں تو اس پر بھی راضی نہیں کہ وہ میری دست بوسی کرے، چہ جائیکہ میں اس کی دست بوسی کروں، یہ لفظ تاریخ میں موجود ہے بالکل ان کی الفاظ۔

"لا ارضی ان یقبل یدی فضلا عن ان اقبل یده"

ایسے ہی ہمارے دہلی کے (جو حقیقی سلاطین دہلی کہلانے کے مستحق ہیں) بہت سے مشائخ عظام کا بھی یہی حال تھا، بادشاہ دہلی نے ایک مرتبہ حضرت مرزا مظہر جان جاناںؒ سے کہا اللہ نے مجھے بڑی دولت دی ہے، کچھ قبول فرمائیں، فرمایا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ

"قل متاع الدنیا قلیل"

دنیا کی متاع قلیل ہے تھوڑی ہے بہت کم ہے،، اس قلیل میں سے ایک ٹکڑا ہندوستان ہے، پھر اس میں سے ایک قلیل ٹکڑا وہ جو آپ کے قبضہ میں ہے، (مثل مشہور تھی، سلطنت شاہ عالم از دہلی تا پالم) اگر اس اقل قلیل میں سے میں بھی حصہ بٹاؤں تو کیا رہ جائے گا؟ ایسے ہی ایک مرتبہ بادشاہ نے کہا کہ میں ایک رقم پیش کرتا ہوں، آپ نے معذرت کی، بادشاہ نے کہا غربا میں تقسیم فرمائیں، فرمایا، مجھے اس کا بھی سلیقہ نہیں، آپ اپنے لوگوں کے ذریعے تقسیم کرا دیں، یہاں سے بانٹتے چلے جائیے قلعہ تک پہنچتے پہنچتے ختم ہو جائے گی، نہ ختم ہوگی تو وہاں جا کر ختم ہو جائے گی ایسے ہی سینکڑوں قصے ہیں۔

یہ مثالیں تھیں، جو لوگوں کے دلوں میں گرمی پیدا کرتی تھیں، دنیا کی، مال کی محبت فطرت انسانی ہے۔

"وَاِنَّهٗ لِحُبِّ الْخَيْرِ لَشَدِيْدٌ"

مال کی محبت انسان کی فطرت میں داخل ہے، لیکن اس کے مقابلہ میں یہ مثالیں جب آتی تھیں، استغنا کی، بے نیازی کی، دنیا کے جاہ و حشم سے بے رغبتی کی تو لوگوں میں ایمان تازہ ہو جایا کرتا تھا، اور قوت مقابلہ ابھر آتی تھی، اور پھر مسلم معاشرہ تنکے کی طرح نہیں بہتا تھا، جیسے آج بہتا ہے۔

خواص کے لئے صرف حیات و حرکت ہی کافی نہیں، بلکہ حرارت بھی ضروری ہے، اور

حرارت کہاں سے پیدا ہوتی ہے، حرارت پیدا ہوتی ہے ذکر اللہ سے، حرارت پیدا ہوتی ہے، دعا اور مناجات وتوکل سے، اللہ کے راستہ میں تکلیف اور کچھ مجاہدہ کرنا پڑے تو دل میں حرارت پیدا ہوتی ہے، یہ فقر وقناعت کے قصے جو آپ تاریخ میں پڑھتے ہیں، انہوں نے کسی مجبوری سے اس کو نہیں اختیار کیا تھا، یہ ان کے دل کی آواز تھی، اور اس مجبوری سے ضرور اختیار کیا تھا کہ وہ اپنے دل سے مجبور تھے، یعنی اندر سے کوئی ان سے یہ کہتا تھا کہ نہیں یہ نہیں ہوسکتا، ہم دولت کے بندے نہیں ہیں، ہم طاقت واختیار کے بندے نہیں ہیں۔

اس کی ضرورت ہے کہ یہ خواص کا طبقہ باقی رہے، اپنی خصوصیات کے ساتھ اس میں زندگی رہے۔ اس میں حرکت رہے، اس میں حرارت رہے، اور کوئی جگہ کوئی مقام اللہ کے ان بندوں سے خالی نہ ہو، جن کو کوئی تہمت نہیں لگا سکتا تھا کہ یہ بک گئے، ہزار تہمتیں سہی، فلاں نے غلطی کی، فلاں کے علم میں فلاں کمی ہے، فلاں چیز نہیں بتائی، لیکن یہ کہ بک گئے، کسی کو یہ تہمت نہ لگائی جا سکے، یہ سمجھئے کہ امت کی حفاظت کا گر ہے کہ ایک ہی دو آدمی چاہے ہوں، لیکن ایسے ہوں کہ شکوک وشبہات سے بالاتر ہو چکے ہوں۔

"مَا عَلِمْنَا عَلَیْهِ مِنْ سُوْٓءٍ"

جو حضرت یوسفؑ کے متعلق امراۃ العزیز نے یہ بات کہی تھی، جب بادشاہ نے پوچھا کہ آخر قصہ کیا ہے؟ تمام شہر میں چرچا ہے، تو اس نے کہا۔

سچی بات یہ ہے کہ کوئی کمزوری ہم نے اس میں نہیں دیکھی، تو آج بھی امراۃ العزیز ہی کا مقابلہ ہے، دولت کو امراۃ العزیز زلیخا کہہ لیجئے، طاقت کو زلیخا کہہ لیجئے، اور یوسفؑ مصری، یوسف عزیز کون ہیں؟ دین! کو ایسا ہونا چاہئے کہ کوئی اس کو خرید نہ سکے، اور سب شہادت دیں کہ۔

"مَا عَلِمْنَا عَلَیْهِ مِنْ سُوْٓءٍ"

در و دیوار سے یہ آواز آئے کہ کھرا سونا ہے، جس کا جی چاہے پرکھ لے، سچی بات یہ ہے کہ امت کا مزاج جو اس وقت تک باقی ہے، یہ انہیں بندگان خدا، اور اہل دل کی وجہ سے ہے کہ جن کی وجہ سے یہ امت ہوا میں اڑ نہیں گئی جیسی اور امتیں خشک پتوں، تنکے کی طرح اڑ گئیں، یا پانی میں بہہ نہیں گئی جیسی اور امتیں خس وخاشاک کی طرح بہہ گئیں۔

دوسری بات یہ ہے کہ اس ملت کی ہدایت اور اس کا دینی احتساب کا کام جاری ہو، نمازوں میں ترقی ہورہی ہے، اس پر نظر ہو کہ تناسب کم ہورہا ہے؟ یا بڑھ رہا ہے، مسجدیں خالی ہورہی ہیں کہ بھر رہی ہیں؟ قمار خانے زیادہ آباد ہیں کہ مسجدیں زیادہ آباد ہیں؟ مسلمانوں میں کوئی نئی بیماری تو نہیں پھیل گئی، مثلاً شراب نوشی، قمار بازی کی، یا کسی خراب عادت اور بیماری کی ترقی تو نہیں ہے؟ اس سب کی فکر رکھنا، اور اس سے متفکر اور غمگین ہونا، اس کا صدمہ ہونا کہ مسلمانوں میں یہ چیز غلط پھیل رہی ہے، اچھی چیز ختم ہورہی ہے، خواص امت کا فریضہ اور طبعی وظیفہ ہے، یہ تبلیغی جماعت کا بڑا کارنامہ ہے کہ اس نے خواص کو عوام تک پہنچادیا، پہلے عوام کو خواص کے پاس لاتے تھے، اس نے خواص کو عوام سے جوڑ دیا، میں یہ نہیں کہتا کہ یہی واحد طریقہ ہے لیکن عوام سے ربط ہونا چاہئے، ان کے پاس جانا چاہئے، محلوں اور گلیوں میں جانا چاہئے۔ تاکہ دیکھا جاسکے کہ دین بڑھ رہا ہے، یا گھٹ رہا ہے، ترقی ہے کہ تنزلی ہے، کیا چیز نئی پیدا ہوئی، اکبرالہ آبادی مرحوم نے کہا ہے۔

نقشوں کو تم نہ جانچو لوگوں سے مل کے دیکھو
کیا چیز جی رہی ہے کیا چیز مر رہی ہے

اسی پر اپنی بات کو ختم کرنا چاہتا ہوں اللہ پاک ہمیں اپنے دین کی خدمت کیلئے قبول کرے!

اللھم آمین وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین

سیاسی آزادی لیکن تہذیبی غلامی

یہ تقریر ۲۶ جون ۱۹۶۹ء یوم پنجشنبہ آٹھ بجے شب کو لیڈس یونیورسٹی(۱) کی یونین ہال میں کی گئی۔ ہال برصغیر ہندو پاک کے طلبہ اور عرب نوجوانوں سے بھرا ہوا تھا، حضرت مولانا قدس سرہ نے عرب نوجوانوں کو الگ خطاب کیا۔ یہاں پر صرف اردو تقریر ٹیپ کی مدد سے پیش کی جاتی ہے۔

الحمد لله رب العٰلمین والصلٰوة والسلام علی سید الانبیاء والمرسلین وخاتم النبیین محمد وعلی آله وصحبه اجمعین ومن تبعهم باحسان ودعی بدعوتهم الی یوم الدین. امابعد!

میرے بھائیو! مجھے بڑی مسرت ہے کہ آج آپ کی موقر یونیورسٹی میں آپ سے گفتگو کرنے کا موقع مل رہا ہے۔ مجھ جیسا طالب علم اور ایک ایسا آدمی جو خاص خیالات رکھتا ہے اور کچھ باتیں اپنے عزیز دوستوں سے کہنا چاہتا ہے وہ ایسے موقع کو غنیمت سمجھے گا ہو سکتا ہے کہ ایسے مواقع آپ کے لئے نادر نہ ہوں، لیکن میرے لئے یقیناً بہت غنیمت ہے کہ مجھے ایک تعلیم یافتہ مجمع سے اور اپنے عزیز دوستوں سے بات کرنے کا موقع مل رہا ہے۔

مشرق سے مغرب کا تعارف:

آپ کو معلوم ہے کہ مغربی تہذیب کا تعارف ہمارے مشرقی ممالک سے انیسویں صدی کی ابتدا میں ہوا، مغربی تہذیب درحقیقت اسی صدی کے اوائل میں اس قابل ہوئی تھی کہ مشرق کی طرف بڑھے اور اس کو کچھ دے سکے، اس وقت قرون مظلمہ کی (جس کو تاریخ میں

---

(۱) یہ انگلستان کے مشہور شہر لیڈس (LEEDS) میں واقع ہے، اور اسی کی طرف منسوب ہے۔

<DARK AGES> کے نام سے یاد کیا جاتا ہے)یورپ میں تاریکی چھٹی اور اس کو آزادی کے ساتھ اپنا سفر طے کرنے اور علم وتجربہ کے میدان میں پیش قدمی کرنے کا موقع ملا، اس کے بعد اس نے مشرق کی طرف نظر اٹھائی اس سے پہلے بعض عرب ممالک یعنی خلافت عثمانیہ کے بعد مقبوضات کی طرف کچھ مغربی طاقتیں بڑھ چکی تھیں لیکن وہ زیادہ قابل ذکر واقعہ نہیں، مغربی تہذیب کا اصل تعارف اس وقت ہوا جب ہندوستان اور مصر براہ راست ایک عظیم مغربی قوم کے تسلط میں آئے، ہندوستان، مصر اور ترکی یہ تین ممالک ایسے تھے، جو مختلف حیثیتوں سے نہ صرف دنیائے اسلام میں بلکہ اس وقت کی معاصر دنیا میں بڑی اہمیت رکھتے تھے۔

ہندوستان:

ہندوستان کی اہمیت یہ تھی کہ وہ ایسی کثیر تعداد مسلمان قوم کا وطن تھا، مسلمان وہاں ایک بڑی تعداد میں رہتے تھے، اور بڑی شان وشوکت کے ساتھ صدیوں تک وہاں حکومت کر چکے تھے، انہوں نے اسلامی علوم میں بہت بڑا اضافہ کیا تھا، انہوں نے اپنی ذہانت اور اپنے علم و فضل اپنے علمی شغف اور اپنی صلاحیت کا مختلف میدانوں میں بڑا ثبوت دیا تھا، ۱۸۵۷ء میں جب باقاعدہ انگریزی حکومت کا اقتدار ہندوستان پر قائم ہوگیا، اور ایسٹ انڈیا کمپنی (EAST INDIA COMPANY) کے بجائے وہاں پر منظم اور باقاعدہ حکومت قائم ہوگئی تو یہ سمجھا جانے لگا کہ اب ہندوستان انگریزی اقتدار کے قبضے میں رہے گا۔

مصر:

مصر کی اہمیت یہ تھی کہ وہ عربی زبان اور عربی علوم کا بہت بڑا مرکز تھا وہاں جامع (ازہر موجود تھا) اور وہاں کے علماء، ادباء، شعراء اور وہاں کی کتابیں عالم اسلام میں بہت وقعت کی نگاہ سے دیکھی جاتی تھیں۔

ترکی:

ترکی کے متعلق بھی مجھے زیادہ کہنے کی ضرورت نہیں، وہ خلافت کا مرکز تھا اور بڑی حوصلہ مند باصلاحیت اور جواں مرد قوم وہاں رہتی تھی جس نے دنیا کی تاریخ میں بہت بڑا کردار ادا کیا تھا ان تین ملکوں کا جب مغربی تہذیب سے تعارف ہوا تو ان کے لئے یہ ایک نیا تجربہ اور

تاریخ کا ایک نیا موڑ تھا، اس کو آپ خوش قسمتی کہئے یا بد قسمتی، بلکہ شاید خوش قسمتی بھی تھی اور بد قسمتی بھی۔ بد قسمتی اس لحاظ سے کہ یہ تینوں ممالک قریب قریب ایک ہی وقت میں انگریزی اقتدار سے متاثر ہوئے ہندوستان پر تو براہ راست انگریزوں کا قبضہ ہو گیا اور مصر میں بھی انتداب کے نام سے اور قرض وصول کرنے کے عنوان سے انگریزوں نے اپنے نمائندے مسلط کر دیئے، ترکی پر براہ راست اثر تو نہیں پڑا لیکن انگریزی سیاست کا یہ ملک بھی بڑا شکار ہوا، اس لئے حقیقت میں مشرق کا تعارف مغربی تہذیب سے اسی قوم کے ذریعہ ہوا جس قوم کا یہ وطن ہے جہاں آج ہم آپ جمع ہیں آج مؤرخین اسی قوم کے متعلق یہ بات کہہ رہے ہیں کہ مشرق کو پہلا زخم اس سے لگا، اس کو اپنی پستی، اپنی پسماندگی اور سیاسی وفوجی کمزوری کا پہلا احساس اسی قوم کے ذریعہ ہوا جو اس سرزمین سے تعلق رکھتی ہے، یہ انیسویں ۱۹ صدی کے اوائل یا وسط کا زمانہ تھا اس کے بعد آپ کو معلوم ہے کہ ہمارے ان ممالک میں آزادی کی تحریک شروع ہوئی اور اس میں تقریباً تمام ملکوں نے براہ راست مغربی اقتدار سے نجات حاصل کر لی، ان میں ہندوستان کو میں اس لئے اہمیت دیتا ہوں کہ اس وقت حاضرین کی بڑی تعداد اس برصغیر سے تعلق رکھتی ہے، یہ دور تو ختم ہو گیا اور اس کو ختم ہو جانا چاہئے تھا اس لئے کہ یہ دور غیر فطری تھا، سات سمندر پار سے کوئی قوم آئے اور کسی زرخیز ملک، کسی بڑی وسیع رقبہ پر اس ملک کے باشندوں کی مرضی کے خلاف حکومت کرے یہ بالکل غیر فطری عمل تھا اور اس میں باقی رہنے کی قدرتی صلاحیت نہ تھی اور اگر اس وقت تھی، تو کچھ دنوں کے بعد ختم ہونے والی تھی اور اس لحاظ سے انگریز بھی اپنے معاصر فرانسیسیوں کے مقابلہ میں حقیقت پسند کہے جا سکتے ہیں کہ انہوں نے جلد ہی اس حقیقت کو تسلیم کر لیا اور ان ملکوں کو آزادی دے دی۔

سیاسی آزادی لیکن تہذیبی غلامی:

ان ملکوں نے سیاسی آزادی تو حاصل کر لی اور اس آزادی سے آج ہندوستان اور پاکستان دونوں فائدہ اٹھا رہے ہیں، لیکن اس تہذیب کی ذہنی، اخلاقی اور دماغی غلامی سے ابھی تک ان کو نجات نہیں حاصل ہوئی، آپ میں سے جن حضرات کا موجودہ د ن کا گہرا مطالعہ ہے وہ اس سے اتفاق کریں گے کہ سیاسی آزادی حاصل کرنے کے بعد ذہنی غلامی اور علمی غلامی کی زنجیریں اور زیادہ مضبوط ہو گئیں، اس کے اسباب کیا تھے، یہ بحث طویل ہے اور بعض لوگوں

نے اپنی کتابوں میں اس کو تفصیل سے لکھا ہے مجھے بھی اپنی ایک ناچیز تصنیف (۱) میں اس پر اظہار خیال کرنے کا موقع ملا ہے لیکن یہ واقعہ ہے کہ جتنے ممالک آزاد ہوتے چلے جا رہے ہیں، وہ سیاسی طور پر تو آزاد ہو رہے ہیں، لیکن ذہنی فکری اور علمی طور پر زیادہ غلام ہوتے جا رہے ہیں، اب آپ یہ فیصلہ کر سکتے ہیں کہ ان دونوں راستوں میں سے کون سا راستہ بہتر تھا، یعنی سیاسی آزادی اہم تھی یا ذہنی اور فکری آزادی زیادہ اہم تھی، میں سیاسی غلامی کی تو کسی طرح حمایت نہیں کر سکتا، بلکہ کوئی شخص اس کے سوچنے کی جرأت بھی نہیں کر سکتا، ایک شخص بھی ایسا نہیں ملے گا جو بدیشی اقتدار اور غیر ملکی حکومت کی طرف سے مدافعت کرے اور اس کو حق بجانب ثابت کرے یا اس کے لئے کلمۂ خیر کہے اگر ایسا ہوگا تو یہ قوم کی طفلانہ اور غلامانہ ذہنیت سمجھی جائے گی، میں ایک منٹ بھی اس کا تصور نہیں کر سکتا۔

لیکن بڑے افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ تمام مشرقی ممالک جس میں ہندوستان پاکستان بھی شامل ہیں، اور کسی حد تک (عرب دوستوں سے معذرت کے ساتھ) وہ عرب ممالک اس میں پیش پیش ہیں، جو اب تک حقیقی آزادی کے مفہوم سے آشنا نہیں، ان کو ابھی تک حقیقی آزادی کا ذائقہ چکھنے کا موقع نہیں ملا، وہ جس دن بلکہ جس گھڑی سے آزاد ہوئے اس گھڑی سے انہوں نے اپنے گلے میں غلامی کے ایسے بھاری طول وسلاسل ڈال لئے اور فکری، علمی، سیاسی اور اقتصادی حیثیت سے انہوں نے اپنے کو مغرب کا ایسا دست نگر بنا دیا کہ سوائے اس کے کچھ نہیں کہا جا سکتا کہ اس ملک میں اس ملک کی رہنے والی قوم حکومت کر رہی ہے اور عہدے کسی غیر قوم کے پاس نہیں ہیں، اس کے سوا کسی معنی میں بھی ان قوموں کو آزاد نہیں کہا جا سکتا۔

ہم دینی تحقیقات میں بھی مغرب کے دست نگر ہیں:

اس وقت صورت حال یہ ہے کہ ہم علم مغرب سے لیتے ہیں، زندگی کا معیار مغرب سے لیتے ہیں، یہاں تک کہ ہم دینی نظریات اور دینی تحقیقات بھی مغرب سے لیتے ہیں اس وقت علوم اسلامیہ میں بھی انہی مغربی یونیورسٹیوں کی نظر دیکھی جاتی ہے، مستشرقین کا لوہا نہ صرف

---

(۱) مسلم ممالک میں اسلامیت و مغربیت کی کشمکش۔

مغرب میں بلکہ مشرق میں بھی مانا جاتا ہے اور یہ سمجھا جاتا ہے کہ مستشرقین جو کچھ کہہ دیں وہ حرف آخر ہے، اور اس پر کسی تبصرہ کا کوئی جواز نہیں، یہ وہ صورت حال ہے، جس سے اس وقت کوئی اسلامی ملک مستثنیٰ نہیں، اس کا نتیجہ یہی ہے کہ حقیقی آزادی سے فائدہ اٹھانے کا ان ملکوں اور قوموں کو ابھی تک موقع نہیں مل سکا، ان کے دماغوں پر مغرب کا تفوق، مغرب کے نظریات، اور زندگی کے مغربی نقطہ نظر کا اتنا بڑا بوجھ رکھا ہوا ہے کہ اس بوجھ کے نیچے یہ قومیں دبی بلکہ کچلی جارہی ہیں، بعض ایسے بھی خوش قسمت ملک ہیں کہ وہاں کی کل آبادی مسلمان ہے، لیکن انہوں نے ابھی تک اپنی زندگی کا کوئی ایسا نقشہ نہیں بنایا جو ان کے معتقدات اور ان کے مسلمات (یعنی جن چیزوں کو وہ تسلیم کرتے ہیں اور طے شدہ عقیدہ سمجھتے ہیں) اس سے وہ مطابق ہو، ذہنی انتشار میں مبتلا ہیں، جس کا نتیجہ سوائے کمزوری اور پراگندگی اور سوائے بے اعتمادی اور کشمکش کے کچھ اور نہیں ہو سکتا۔

فاسد قیادت:

ایک اور بڑی کشمکش ان ملکوں میں یہ برپا ہے کہ ان ملکوں کی زمام قیادت یعنی ان کی باگ ڈور جن کے ہاتھ میں ہے وہ مغربی نظریات پر پورا پورا عقیدہ رکھتے ہیں گو ان کا نام مسلمانوں کا ہے ان کی رگوں میں مسلمانوں کا خون ہے وہ بہت اچھے اور قابل فخر خاندانوں سے تعلق رکھتے ہیں، ان کو اسلام سے انکار بھی نہیں، لیکن ان کا ذہن ان کا عقیدہ بالکل مغربی سانچہ میں ڈھلا ہوا ہے، اور جن قوموں سے ان کا واسطہ ہے ان کی بدقسمتی کہئے یا خوش قسمتی کہئے سیدھے سادے مسلمان ہیں، وہ اللہ رسول پر عقیدہ رکھتے ہیں، ان کو یہ یقین ہے کہ مرنے کے بعد ایک زندگی آنے والی ہے وہاں جنت ہے دوزخ ہے، وہاں ہر عمل کا حساب دینا ہوگا، یہاں کا عیش بھی فانی یہاں کی راحت بھی فانی اور یہاں کی تکلیف بھی فانی ہے، ان کے سامنے وہ مقاصد ہیں جو مادی مقاصد سے بالاتر ہیں، وہ سمجھتے ہیں کہ صرف کھاپی لینا اور صرف اچھی مرفہ الحال اور آسودہ زندگی گزار لینا منزل مقصود نہیں بلکہ اچھا انسان بننا، خدا سے ڈرنا، نیکی اختیار کرنا، برائی سے بچنا اور صاف ستھری پاکیزہ زندگی اختیار کرنا، رسول اللہ ﷺ کی سنت اور شریعت کے مطابق عمل کرنا ان کے اسوہ اور نمونے پر چلنا، انسانیت کی خدمت کرنا، ساری دنیا میں اسلام کا پیغام پہنچانا، انسانیت جن مشکلات سے دوچار ہے اس میں اس کی مدد کرنا وہ اصل کام ہے جو

ایک مسلمان کا شایان شان ہے۔

لیکن جن لوگوں کے ہاتھ میں حکومت کی باگ ڈور ہے، وہ زندگی کا بالکل ایک دوسرا نقطۂ نظر رکھتے ہیں، ان کا عقیدہ بہت سی اسلامی حقیقتوں پر سے متزلزل ہو چکا ہے۔ ان کو بہت سی چیزوں میں شک ہے یہ جو کچھ ہم دیکھ رہے ہیں اس کے پیچھے کوئی اور دنیا ہے، اس شہود کے پیچھے کوئی غیب ہے، اس زندگی کے بعد کوئی اور زندگی ہے اور ان چیزوں کے علاوہ جن سے آدمی کو لذت و عزت حاصل ہو رہی ہے کچھ اور حقیقتیں ہیں جن سے آدمی کو لذت حاصل ہو سکتی ہے، جن سے اس کو سکون اور خوشی حاصل ہو سکتی ہے، اس قسم کی کوئی چیز ان کے سامنے نہیں ہے، اس وقت ہمارے مشرقی ممالک میں ایسی معمولی کشمکش بلکہ زیادہ صحیح الفاظ میں غیر ضروری کشمکش برپا ہے، جس میں بہت بڑی انرجی ضائع ہو رہی ہے، کل میں اپنے عرب دوستوں سے کہہ رہا تھا کہ ہماری مشرقی قومیں وہ ہیں کہ اگر ان کو صحیح قیادت مل جائے اور صحیح رہنما میسر آ جائیں جو ان کی اندرونی صلاحیتوں سے واقف ہوں، ان کے اندر خدا نے جو ناقابل تسخیر طاقتیں رکھی ہیں، ان کے اندر زندگی کا جو جوش ہے، قربانی کا جو جذبہ ہے، ایثار کا جو مادہ ہے، جس چیز کو یہ صحیح سمجھ لیں اس پر مٹ جانے کی جو صلاحیت ہے اگر ہمارے ان ممالک کے رہنما ان کی ان مخفی اور پوشیدہ طاقتوں سے واقف ہو جائیں اور وہ اس سے باخبر ہوں کہ ان قوموں کا مزاج کیا ہے؟ ان کا خمیر کیا ہے؟ ان قوموں کا نشو ونما کس طرح ہوا ہے؟ ان کی تاریخ کیا ہے؟ تو یہ اتنی بڑی طاقت بن سکتی ہیں کہ اس طاقت کا کوئی مقابلہ نہیں کر سکتا۔

ایمان کی طاقت:

ان مشرقی ممالک کے اندر اگر کوئی طاقت ہے تو وہ ایمان کی طاقت ہے وہ طاقت اس بات کی ہے کہ خدا کا نام لے کر ان سے بڑے سے بڑا کام لیا جا سکتا ہے خدا کے نام میں انکے لئے اب بھی اتنی کشش ہے کہ یہ قومیں اس پر اپنی جان، اپنی اولاد، اپنا گھر بار سب قربان کر سکتی ہیں، خدا کے نام میں، شہادت میں، جہاد کے لفظ میں، اسلام کی خدمت کے نعرہ میں ان کے اندر اتنی کشش ہے، اور ایسی مقناطیسی طاقت ہے کہ اس موقع پر ان کو اپنا ہوش باقی رہ سکتا ہے اور اس وقت ان کا مقابلہ آسان نہیں ہوتا۔

عالم اسلام کے قائدین:

لیکن افسوس ہے کہ جو لوگ ان یونیورسٹیوں سے تیار ہو کر جاتے ہیں وہ سب سے واقف ہوتے ہیں، لیکن خود اپنی قوموں کی صلاحیتوں سے واقف نہیں ہوتے بلکہ اپنے سے بھی واقف نہیں ہوتے، مجھے آپ اس صاف گوئی پر معاف کریں، اقبال نے شاید اسی موقع کے لئے کہا تھا ع

اپنے من میں ڈوب کر پا جا سراغ زندگی
تو اگر میرا نہیں بنتا نہ بن اپنا تو بن

یہاں سے جو لوگ جاتے ہیں، وہ جہاں تک دنیا کے جغرافیہ، تاریخ اور جدید نفسیات، قوموں کی نفسیات، انسان کی نفسیات کا تعلق ہے اور جو کچھ بھی یہاں انہوں نے پڑھا ہے، اس کی باریک سے باریک باتوں سے وہ واقف ہوتے ہیں لیکن اگر کسی چیز سے واقف نہیں ہوتے تو اپنی قوموں کی فطرت سے، جس سوسائٹی میں وہ جا رہے ہیں، جس ماحول میں ان کو کام کرنا ہے، جن انسانوں میں ان کو رہنا ہے، جن لوگوں سے ان کو کام لینا ہے، جو ان کے ہاتھ پاؤں ہیں، جو ان کے ہتھیار ہیں ان سے وہ پورے طور پر واقف نہیں ہوتے، وہ یہ نہیں جانتے کہ ان کے اندر کون سا خزانہ دفن ہے ان کے اندر وہ کیا برقی طاقت ہے، جس نے دنیا کا تختہ بالا کر رکھ دیا تھا، اور اس کا مقابلہ دنیا کی ساری طاقتیں مل کر بھی نہیں کر سکی تھیں۔

دل کی زبان:

آج بھی ہماری ان مشرقی قوموں میں وہ طاقت موجود ہے، ایمان کی طاقت! لیکن یا تو ہمارے یہ قائدین ایمان سے آشنا نہیں ہوتے یا پھر وہ ایمان کی زبان نہیں جانتے یعنی ان کے دل کی زبان نہیں جانتے، وہ ان کے دماغ کی زبان تو جانتے ہیں وہ زبان تو وہ جانتے ہیں جن سے وہ ان کے دماغوں کو سنا سکیں اور مجھے تو اس میں بھی شبہ ہے کہ وہ ان کے دماغوں کو بھی سنا سکتے ہیں؟ ہاں البتہ ان کے کانوں کو ضرور سنا سکتے ہیں، مگر دل کی زبان سے وہ بالکل ناآشنا ہیں، وہ ان سے اس زبان میں بات نہیں کر سکتے جو سیدھی ان کے دل کی گہرائیوں میں اتر جائے جو ان کے دل کے ساز چھیڑ دے، جو ان کو دیوانہ اور مجنوں بنادے، جو ان کو ہتھیلی پر سر رکھ کر

میدانوں میں لے آئے، ایمان کی زبان، قرآن کی زبان، صحابہ کی زبان، جب تک کوئی شخص کسی کی زبان نہ جانے وہ اس سے کیسے بات کرسکتا ہے، میں اگر یہاں کے انگریزی فضلاء سے بات کرنا چاہوں اور مجھے انگریزی پر قدرت نہ ہو اور وہ میری زبان نہ سمجھتے ہوں تو ''زبان یار من ترکی و من ترکی نمی دانم'' کا منظر ہوگا۔

ان قائدین کا حال بھی کچھ یہی ہے، وہ ان سے اس طرح بات کرتے ہیں جیسے مغربی قوموں سے بات کرنا چاہئے حالانکہ ان کو سمجھنا چاہئے کہ وہ رسول اللہ ﷺ پر ایمان رکھنے والوں سے بات کررہے ہیں، وہ ان قوموں سے بات کررہے ہیں جن کو سب سے زیادہ جو چیز تڑپانے والی، حرکت میں لانے والی ان میں جوش پیدا کرنے والی، بیماروں کو بستر مرگ سے اٹھا کر اور ضعیفوں اور اپاہجوں کو جوانوں کی طرح سرپٹ دوڑانے والی ہے، وہ یہی ایمان کی زبان ہے، وہ یہ ہے کہ ان کو یہ معلوم ہو کہ آپ بھی ان حقیقتوں پر ایمان رکھتے ہیں، آپ کے لئے بھی یہ حقیقتیں لذیذ ہیں، یہ مقاصد عزیز ہیں آپ بھی مسلمان ہیں وہ بھی مسلمان ہیں، مسجدوں میں جاکر آپ ان سے بات کرسکیں آپ ان سے ان کے محلوں میں جاکر بات کرسکیں اور صرف بات کرنا نہیں بلکہ اس زبان میں بات کرسکیں جس کو وہ خوب سمجھتے اور چودہ سو برس سے سمجھتے چلے آرہے ہیں۔

میں ہرگز یہ پوزیشن اپنے لئے قبول نہیں کرسکتا کہ میں جدید علوم کی مخالفت کروں، آپ ان یونیورسٹیوں میں زیادہ سے زیادہ تعلیم حاصل کرنا چاہئے بلکہ ہم تو آپ کو اور آپ کے والدین کو مبارکباد دیں گے بلکہ دیتے ہیں واقعہ یہ ہے کہ ہمارے مسلمان نوجوان کو جدید علوم میں بڑے سے بڑا مقام حاصل کرنا چاہئے، ان کو ان میں اتھارٹی بننا چاہئے اور بڑے محقق کا درجہ حاصل کرنا چاہئے یہ موجودہ وقت کی اہم ترین ضرورت ہے۔

مقصد اور وسائل کا فرق:

لیکن میرے عزیزو اور دوستو آپ جانتے ہیں کہ مقصد اور وسیلہ میں زمین و آسمان کا فرق ہوتا ہے میری یہ چھڑی بڑی کارآمد چیز ہے، میں اس سے ٹیک لگاتا ہوں مجھے یہ سہارا دیتی ہے، میں اس سے مدافعت بھی کرسکتا ہوں مگر چھڑی بجائے خود مقصد نہیں اگر اس سے بہتر چیز مجھے ملے یا میں اس سے بے نیاز ہوسکوں تو میں خود بخود اس کو چھوڑ دوں گا ایک زمانے میں اس سے

ہتھیار کا کام لیا جاتا تھا لیکن اس سے زیادہ کارگر اور موثر ہتھیار ایجاد ہوئے تو لوگوں نے اس کو چھوڑ کر بندوق لے لی۔

قدیم وجدید کا فلسفہ:

اس لئے یہ جدید اور قدیم علم کی تقسیم بالکل غلط ہے، میں کبھی اس کا قائل نہیں رہا کہ علم جدید اور قدیم ہوتا ہے، علم ہمیشہ تازہ ہی ہوتا ہے وہ جس کو آپ قدیم کہہ رہے ہیں اپنے زمانے میں بالکل جدید تھا اور جسے آپ جدید کہہ رہے ہیں بالکل ممکن ہے وہ پچاس برس بعد ایسا قدیم ہو جائے کہ اس کا نام لینا بھی بڑے عیب اور شرم کی بات ہو جائے، یہ قدیم وجدید کی بحث بالکل لایعنی اور بہت سطحی بحث ہے، آپ زبانوں میں مہارت پیدا کریں، علوم میں کمال پیدا کریں، یہاں کے جتنے شعبے ہیں کیمسٹری سے لے کر انجینئری تک اور آرٹ، تاریخ، فلسفہ اور نفسیات سب میں بہت شوق سے آپ کمال پیدا کریں لیکن آپ اس کو ایک ذریعہ سمجھیں، آپ یہ سمجھیں کہ جس میدان میں آپ کو کام کرنا ہے، اس میدان میں آپ کو اس سے کام لینا ہے۔

جسم مشرق میں لیکن دل و دماغ مغرب میں:

اس وقت ہمارے مشرقی ممالک میں جو انتشار ہے اور جس کو میں نے غیر ضروری کشمکش سے تعبیر کیا تھا اور جس پر بڑی طاقت ضائع ہو رہی ہے، اس کی اصل وجہ یہی ہے کہ ہمارے قائدین مغربی دنیا میں رہتے ہیں یعنی وہ مشرق میں رہتے ہوئے بھی مغرب میں رہتے ہیں وہ جسم کے ساتھ مشرق میں رہتے ہیں، مگر دل و دماغ کے ساتھ مغرب میں رہتے ہیں، جن قوموں سے ان کا واسطہ ہے، جن میں ان کو جینا اور مرنا ہے، جن کے ساتھ ان کی قسمت وابستہ کر دی گئی ہے وہ قومیں سچی مسلمان ہیں، اور ان سے اگر کوئی کام لیا جا سکتا ہے تو مسلمان کی حیثیت سے، آپ صحرائے افریقہ کی کسی ایسی قوم کے فرد نہیں ہیں، جس نے ابھی ابھی آنکھیں کھولی ہیں ایسی بہت سی قومیں افریقہ میں ہیں، میں ان کی تحقیر نہیں کرتا جنہوں نے ابھی ابھی دنیا دیکھی ہے ابھی ان کو معلوم ہوا ہے کہ دنیا میں کچھ اور بھی ہے، اب بھی بہت سی مردم خور قومیں موجود ہیں، کل ہی ایک صاحب مجھ سے فرما رہے تھے کہ فیجی (FEEJI) میں جب پہلا پادری پہنچا تو اس کو وہاں کے لوگوں نے برکتا کباب بنا کر کھا لیا اور اس پادری کے بوٹ کو

برکت کے طور پر ابال ابال کر اس کا سوپ پیتے رہتے، تو آپ کسی ایسی قوم کے فرد نہیں جس کی کوئی تاریخ نہ ہو، کوئی عقیدہ نہ ہو، کوئی ماضی کوئی تہذیب نہ ہو کوئی ایسی قوم نہیں جو ایک دم سے تاریکی سے روشنی میں آ گئی، اور یہاں آتے ہی اس کی آنکھیں خیرہ ہو گئیں کہ یا اللہ یہ ترقیاں، یہ ایجادیں، یہ بجلی کی روشنی، یہ ہوائی جہاز، یہ آٹو میٹک کرشمے اور یہ نئی نئی تحقیقات اور یہ لندن کا شہر اور یہ انسان کا ترقی یافتہ ملک کیا عجوبہ ہے! آپ یقین کیجئے آپ کسی خانہ بدوش اور صحرائی قوم کے فرد نہیں ہیں۔

آپ اس امت کے فرد ہیں جس نے انسانیت کو نجات دی:

میرے بھائیو! آپ اس قوم کے فرد ہیں جس نے ایک زمانہ میں عام دنیا کی قیادت کی ہے جس نے انسانیت کی ڈوبتی ہوئی کشتی کو تیرایا ہے، میں کل ہی اپنے عرب دوستوں سے کہہ رہا تھا کہ جس وقت انسانیت کی کشتی ڈوب گئی اور دلدل میں پھنس گئی اور کوئی اس کا نکالنے والا نہ تھا تو یہی امت مسلمہ اور یہی عرب جو سب سے پہلے اسلام قبول کرنے والے تھے آگے بڑھے اور انہوں نے اس کشتی کو دلدل سے نکالا اور آج ہم آپ اس کشتی میں بیٹھے ہوئے اپنا سفر طے کر رہے ہیں، آپ ایک ایسی قوم کے فرد ہیں جس کو مغرب سے اصولی اختلاف ہے، جو اس مغرب کی حقیقتوں پر آنکھ بند کر کے ایمان نہیں لائی، ہمارے قائدین کی کوتاہی اور مشرقی قوموں کی پست ہمتی کہ ہم نے علوم کے میدان میں ترقی نہیں کی، اس کے برخلاف یورپ نے اس میں خاطر خواہ فتوحات حاصل کیں، یہ ہماری بدقسمتی تھی، ورنہ اصل میں دنیا کی رہنمائی اور دنیا کی اتالیقی اور نگرانی ہمارے سپرد تھی اور میں دعویٰ کے ساتھ آپ سے کہتا ہوں کہ آج بھی صرف مسلمان ہی اس قابل ہیں کہ وہ دنیا کی رہنمائی کریں ان مغربی قوموں کی رہنمائی کا حشر تو ہم نے آپ نے دیکھ لیا، انہوں نے انسانیت کا دامن ایجادات سے بھر دیا انہوں نے ناممکن ممکن کر کے بتا دیا، ایک یورپین فلاسفر نے بہت فخر کے ساتھ ایک ہندوستانی فلسفی سے کہا کہ اب ہم نے ایسے تیز رفتار ہوائی جہاز نکالے ہیں، جو بحر اٹلانٹک کو چند گھنٹوں میں طے کر لیتے ہیں، وہ اس طرح دیر تک مغربی تہذیب کی کامیابی اور فتوحات کا قصیدہ پڑھتے رہے اور وہ ہندوستانی فلسفی بہت صبر و سکون سے سنتے رہے جب وہ کہہ چکے تو ہندوستانی فلسفی نے کہا ٹھیک ہے آپ نے فضائے آسمانی میں چڑیوں کی [illegible] اڑنا سیکھ لیا، اور پانی میں مچھلی کی طرح تیرنا

سیکھ لیا مگر ابھی تک آپ کو زمین پر آدمیوں کی طرح چلنا نہیں آیا، تو آج مغربی قوموں کا حال یہی ہے، بیشک انہوں نے ترقی کی ہے، لیکن ان کو اپنی منزل معلوم نہیں۔

بنیادی حقیقت:

اصلی اور بنیادی حقیقت یہ ہے کہ انسان کیا ہے؟ اور انسان کی زندگی کا مقصد کیا ہے؟ انسان کس طرح زندگی گزار سکتا ہے؟ اس معاملہ میں یہ قومیں بالکل مفلس ہیں جس کا نتیجہ یہ ہے کہ آج یہ تمام فتوحات بچوں کا کھیل ہو کر رہ گئیں، مغربی تہذیب ایک ڈرامہ کھیل رہی ہے، جیسے کہ شیکسپیر کے ڈرامے ہوتے تھے ہم اور آپ تماشائی ہیں دیکھ دیکھ کر خوش ہوتے ہیں کہ واہ واہ کیا ہوا میں اڑے اور کیا پانی پر چلے! لیکن ہوا کیا؟ انسان نے کتنی ترقی کی؟ انسانیت نے کتنی ترقی کی؟ دنیا میں امن کتنا پھیلا؟ محبت و بھائی چارہ کتنا عام ہوا؟ ایک دوسرے سے کتنا قریب ہوا؟ انسان نے انسان کو کتنا پہنچانا؟ دل کتنے روشن ہوئے؟ قلب کو سکون کتنا حاصل ہوا؟ انسان کو اپنی منزل کا کتنا پتہ چلا؟ انسان کے اخلاق درست ہوئے یا نہیں؟ ان کے اندر جو خراب اخلاق تھے دوسرے کو پھاڑ نا اپنے بچوں کو پالنا، دوسرے کے گھروں کو لوٹ کر اپنا گھر بھرنا دوسروں کی جیب کاٹ کر اپنی جیب بھرنا، دوسروں کو ذلیل اور غلام بنا کر خوش ہونا اور اپنی فتح کے جھنڈے اڑانا اس میں کتنی کمی آئی ان قوموں نے اس دنیا کو منڈی سمجھ لیا ہے یا اقبال کے الفاظ میں ایک قیمار خانہ اور جوا خانہ سمجھ لیا ہے، اور اس کے نتیجے میں دو جنگیں پہلی اور دوسری جنگ عظیم ہوئیں، میں پوچھتا ہوں کہ آخر اس کا نتیجہ کیا نکلا؟ ان ساری فتوحات سے انسانیت کو کیا حاصل ہوا میں بالکل حقیقت پسند اور عملی آدمی کی طرح آپ سے پوچھتا ہوں کہ اس سے انسانیت نے اپنا اصلی سفر کتنا طے کیا اور دنیا کو کیا امن وسکون حاصل ہوا، اور انسان نے اپنے حقیقی مقصد میں کتنی کامیابی حاصل کی؟ آج آپ دیکھ رہے ہیں کہ قوموں کی باہمی عداوتیں کم نہیں ہوئیں بلکہ ایسی شدید ناانصافیاں ہو رہی ہیں، جسے کہتے ہیں ہاتھی نگل جانا، ایک فلسطین کا مسئلہ لے لیجئے زبردست ترقی یافتہ قوموں نے اس سرزمین کے اصلی رہنے والوں کو جلا وطن کر کے ایک ایسی قوم کو وہاں لا کر بسایا اور ان کو وہاں رہنے اور اس کو اپنا قومی بنانے کا موقع دیا جو سینکڑوں نہیں ہزاروں برس سے اس ملک سے باہر ٹھوکریں کھا رہی مختلف ملکوں میں جا کر بس گئی تھیں ان کو لا کر عربوں کو چھاتی پر سوار کر دیا اور بار بار د

سے حق وانصاف کی اپیل کے باوجود دنیا کی عدالت سے آج تک انصاف نہیں ہو سکا، جس دنیا میں فلسطین جیسا واقعہ پیش آجائے ایسی صریح ناانصافی اور کھلی دھاندھلی کی جائے کیا پھر اس کے بعد بھی یہ ترقی یافتہ دنیا کہی جاسکتی ہے؟ پھر آج یہ امریکہ اور روس اور آپ کا برطانیہ ، ان میں سے کسی کو یہ ہمت نہیں کہ کھڑے ہوکر حق سمجھ کر یہ کہے کہ عربوں کے ساتھ ناانصافی ہو رہی ہے، اور ہم بالکل صریح ظلم کر رہے ہیں، اور کیا آج برطانیہ میں انگلیوں پر گنے جانے والے بھی ایسی ہمت والے ہیں، جو کہیں کہ ہم نے عربوں سے جو وعدے کئے تھے، وہ بالکل بھلا دیئے اور یہ ایک ایسی بداخلاقی ہے جس کی نظیر دنیا کی تاریخ میں نہیں ملتی ، ایسی کھلی ہوئی ناانصافیاں قوموں کے ساتھ، ملکوں کے ساتھ، بلکہ پوری انسانیت کے ساتھ ہو رہی ہیں، اور انسانیت کے ساتھ نہایت خطرناک کھیل کھیلا جا رہا ہے، یعنی وہ تخریبی طاقتیں تیار کی جارہی ہیں، اور ان میں ایک دوسرے سے مقابلہ اور ریس ہے جو ساری دنیا کو ایک گھنٹے میں نہیں چند منٹ میں ختم کر سکتی ہیں۔

آپ کو معلوم ہے کہ امریکہ کے پاس وہ ذرائع ہیں جن سے ایک گھنٹے میں پانچ چھ مرتبہ ساری دنیا تباہ ہوسکتی ہے، روس کے پاس اتنے نہیں تو اس سے کچھ کم ہیں اور اب تو چین نے بھی بنا لئے ہیں، برطانیہ اور فرانس کے پاس بھی موجود ہیں، یعنی آگ کا کھیل شروع ہوگیا ہے، ابھی تک تو بچوں نے ہوا میں پتنگ (کنکوے) اڑائے تھے یہ ان کے ہوائی جہاز اور فضائی فتوحات تھیں، لیکن اب انہوں نے آگ اور آتش بازی کا کھیل شروع کر دیا ہے، کسی ظالم نے ان کے ہاتھ میں تیشے اور ریزر دے دیئے ہیں جن سے وہ ایک دوسرے پر حملہ کر رہے ہیں، خدا جانے کس وقت کون کس کا گلا کاٹ دے۔

اگر ہم یورپ سے کچھ لے سکتے ہیں تو اس سے بہتر دے بھی سکتے ہیں:

آج جن قوموں سے تعلق رکھتے ہیں، ان کا ایک معیار ہے، ایک مقصد زندگی ہے کچھ عقائد ہیں، ان کے سامنے ایک منزل ہے، وہ اس مغربی تہذیب پر کبھی مطمئن نہیں ہو سکتے، بے شک آپ اہل مغرب سے علوم حاصل کیجئے ان کی زبانوں میں مہارت پیدا کیجئے یہاں آکر تاریخ کا وسیع مطالعہ کیجئے میں یہاں تک بھی آپ سے کہہ سکتا ہوں کہ اسلامی علوم کے

بارے میں آپ ان کے نظریات معلوم کیجئے اس سے بھی آپ فائدہ اٹھا سکتے ہیں، لیکن آپ یہ نہ سمجھئے کہ یہ امام برحق ہیں، اور آخری مثال ہیں، انسانیت اور دنیا ان کی رہنمائی کے بغیر رہ نہیں سکتی، اور مشرق کی جاہل نیم وحشی اور پسماندہ اقوام کے لئے یہ فرشتہ رحمت ہیں، انہوں نے ہم کو سکھایا پڑھایا اور آدمی بنایا، اگر آپ ایسا سمجھیں گے تو اس سے بڑھ کر آپ کا اپنے او پر اور جن سے آپ کا انتساب ہے کوئی ظلم اور اپنی قوموں اور اپنی تاریخ کے ساتھ کوئی ناانصافی نہ ہوگی، آپ بے شک ان سے وہ چیزیں لیجئے جو آپ کو وہاں نہیں مل سکیں، لیکن آپ یہاں رہتے ہوئے بھی یہ سمجھئے کہ یہ بہت سی چیزوں میں کھو کھلے ہیں اور جیسے ہم ان سے بہت سے چیزیں سیکھ سکتے ہی، یہ بھی ہم سے بہت سی چیزیں سیکھ سکتے ہیں، اگرچہ اس کا فیصلہ اس وقت نہیں ہوسکتا اور شاید آپ کے لئے اس کا سمجھنا اور اس سے اتفاق کرنا آسان نہ ہو کہ آیا وہ چیزیں جو یہ ہماری مشرقی قوموں (مسلمانوں) سے سیکھ سکتے ہیں، زیادہ قیمتی ہیں یا وہ چیزیں جو ہم ان سے سیکھ سکتے ہیں؟ ہم جو چیزیں ان سے سیکھنے آئے ہیں وہ زیادہ قیمتی اور اہم ہیں یا وہ چیزیں جن کو سیکھنے کے لئے انہیں ہمارے پاس آنا چاہئے؟ میں اس وقت اس نکتہ پر زیادہ اصرار نہیں کروں گا آپ یہی مان لیں کہ جو چیزیں ہم ان کو سکھا سکتے ہیں وہ زیادہ قیمتی اور اہم ہیں اور جو چیزیں ہم ان سے سیکھتے ہیں وہ بہت غیر اہم اور حقیر ہیں، لیکن میں اس موقع پر اتنا ضرور کہوں گا کہ دو چیزیں ہم ان سے سیکھ سکتے ہیں تو چار چیزیں ہم ان کو سکھا سکتے ہیں، اس لئے کہ آپ جو ان کو دے سکتے ہیں اس سے ان کی زندگی یہاں بھی کامیاب ہوسکتی ہے، اور آخرت میں بھی (اس پر ہمارا عقیدہ ہے، اور عیسائیوں کا بھی عقیدہ ہے) کامیاب ہوسکتی ہے، اور یہ جو ہم کو دے رہے ہیں، اگر ملے تو زیادہ سے زیادہ ہمارا سفر ذرا دیر میں طے ہوگا ہم کو تھوڑی دقتیں ہوں گی ہمارا وقت ذرا زیادہ صرف ہوگا یہ حاصل ہے، ان کے دین کا اور وہ نتیجہ ہے ہمارے دین کا، اب آپ انصاف کیجئے کہ ہماری دین بڑھی ہوئی ہے یا ان کی؟ اسی پر اکتفا کرتے ہوئے آپ سے اجازت چاہونگا!

وماعلینا الا البلاغ المبین

وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

زندگی گزارنے کا بہترین دستور عمل

الحمد للہ رب العالمین والصلوٰۃ والسلام علی سید المرسلین
وخاتم النبیین وعلیٰ آلہ واصحابہ اجمعین اما بعد!

ایک اپنے عزیز بھائی اور دوست کے لئے یہ پیغام ریکارڈ کرا رہا ہوں جو یہاں سے بہت دور ہیں جن کو دیکھ کر بات چیت کرنی مشکل ہے۔

اصل میں ہماری کتاب ''دستور حیات'' کو مطالعے میں رکھنا چاہئے اس میں زندگی کا دستور العمل اور طریق کار آ گیا ہے، لیکن خصوصیت کی بناء پر اور پھر ان کی طلب اور خواہش پر چند متفرق باتیں ریکارڈ کرا رہا ہوں۔

پہلی بات یہ ہے کہ فرائض کی پابندی کی جائے، نمازیں اپنے وقت پر پڑھی جائیں اور بڑے اہتمام، بلکہ احترام کے ساتھ پڑھی جائیں۔ اللہ کی نعمت سمجھتے ہوئے ان کو ادا کیا جائے اور جہاں تک ہو سکے سنتوں کے مطابق ہو، صرف عبادات ہی میں نہیں، بلکہ عادات میں بھی ''ایمان واحتساب'' کی نیت شامل ہو۔ یعنی یہ استحضار اور ذہن میں یہ بات تازہ ہو کہ اس پر اللہ تعالیٰ نے کیا کیا وعدے ہیں اور اس پر اس نے کتنا ثواب مقرر کر رکھا ہے تو وہی عادت عبادت میں تبدیل ہو جاتی ہے صرف روزہ ہی کو لیجئے۔ کوئی بھی شخص روزہ شوقیہ یا تفریحا یا عادۃً نہیں رکھتا اس لئے کہ اس میں کھانا پینا چھوڑنا ہوتا ہے۔ بھوک تکلیف گوارہ کرنی پڑتی ہے بہت سی احتیاطیں برتنی پڑتی ہیں لیکن اگر یہی روزہ ماحول کے دباؤ سے یا لوگوں کی تعریف کے خیال سے یا عادۃً محض اس لئے کہ ہر مرتبہ رمضان میں روزہ رکھتے ہی ہیں اب کے روزے کیوں چھوڑے جائیں تو ایسے روزے میں وہ اجر وثواب نہیں ہے جس کا حدیث شریف میں وعدہ آیا ہے کہ:

من صام رمضان ایماناً واحتساباً غفرلہ ما تقدم من ذنبہ.

جو شخص رمضان کے روزے رکھے گا اللہ کے وعدوں پر یقین جماتے ہوئے اور اس کے اجر و ثواب کی لالچ میں تو اس کے سب پچھلے گناہ معاف ہو جائیں گے۔ معلوم ہوا کہ روزہ جیسا مجاہدہ اور پر مشقت چیز بھی آدمی عادۃً کر سکتا ہے اور اس سے غفلت ہو سکتی ہے کہ اس پر اللہ تعالیٰ کے کیا وعدے ہیں مثلاً یہ وعدہ کہ ہر چیز کا بدلہ ایک نیکی سے لے کر دس نیکیوں تک دیا جائے گا بلکہ سات سو نیکیوں تک بھی دیا جائے گا۔ سوائے روزے کے کہ وہ خاص میرے لئے ہے اور میں ہی اس کا اجر دوں گا تو معلوم ہوا کہ روزہ بھی اس طرح ہو سکتا ہے کہ آدمی کو نہ تو اللہ تعالیٰ کے وعدوں پر یقین ہو اور نہ اس کے اجر و ثواب کا لالچ اور شوق ہو، بلکہ عادۃً یا ماحول کے اثر سے رکھے۔ یا اس ڈر سے رکھے کہ لوگ کیا کہیں گے کہ یہ آدمی روزہ خور ہے۔ اس کو شرم نہیں آتی۔ تو اگر روزہ بغیر کسی نیت کے ہو اور اللہ تعالیٰ کے وعدوں کا استحضار نہ ہو۔ اور اس کے اجر و ثواب کی طمع اور لالچ نہ ہو، تو اس پر کوئی اجر و ثواب نہیں۔

مجھے یاد ہے کہ ایک مرتبہ لکھنؤ ریڈیو اسٹیشن سے ہماری ایک تقریر جو ہم نے ریکارڈ کرائی تھی وہ سنائی جا رہی تھی اور اتفاق سے اس وقت ہم کوئٹہ میں تھے۔ یہ تقسیم سے پہلے یعنی ۱۹۴۶ء کا ذکر ہے وہاں کے ایک بڑے ملٹری آفیسر نے جو مسلمان تھے انہوں نے افطار کی دعوت کی وہ بریلی کے رہنے والے تھے۔ ہم گئے تو وہ ہماری تقریر سن کر آئے تھے ہم تو نہیں سن سکے تھے تو انہوں نے کہا کہ آج ہم نے آپ کی تقریر سنی۔ بڑی کام کی باتیں ہیں آپ نے سب باتوں کا ذکر کیا ایک بات کا ذکر نہیں کیا کہ روزہ کھولتے وقت جو مزہ آتا ہے اس کا آپ نے ذکر نہیں کیا میں تو روزہ رکھتا ہی اس لئے ہوں جو مزہ افطار کے وقت آتا ہے۔ وہ مزہ کسی دعوت میں کسی بڑے سے بڑے کھانے میں بھی نہیں آتا ہے۔ بعد میں معلوم ہوا کہ وہ اتھیسٹ ہیں ایمان ان کو حاصل نہیں ہے بلکہ وہ پیدائشی مسلمان ہیں اور عقیدہ ان کو بھی حاصل نہیں ہے، لیکن روزہ بڑے اہتمام سے رکھتے تھے اس لئے کہ روزہ کھولنے میں مزہ آتا ہے۔

اس طریقے سے مسجد جاتے وقت خیال کرے کہ مسجد مین جانے کا کیا ثواب ہے؟ اس کی مسنون دعا بھی پڑھے۔ اور مسجد میں دایاں قدم رکھے اور اس وقت یہ خیال کرے کہ یہ حضور ﷺ کی تعلیم ہے اور سنت ہے اور پھر اس کے بعد وہاں بھی جو تھوڑا سا وقت ملے وہ ادب اور احترام کے ساتھ گذارے۔ اسی طریقے سے صبح و شام کی دعائیں۔ اور جو آداب ہیں کھانے

پینے کے، بلکہ ملنے جلنے میں بھی کپڑے پہننے میں بھی، اور اپنے معمولات میں اللہ تعالیٰ کی رضا کی نیت رکھے۔

اس پر یاد آیا کہ ایک مرتبہ حضرت سید احمد شہید رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا۔ اس وقت ان کی عمر تیس سال سے متجاوز ہو چکی تھی اور کل عمر ہی ان کی ۴۶ سال ہوئی۔ تو فرمایا کہ جب سے شعور آیا ہے اور جب سے سمجھ آئی ہے اس وقت سے لے کر اب تک کوئی کام چاہے وہ امورِ طبعیہ میں سے بھی ہو، مثلاً ہنسنا، بولنا، کھانا، پینا، لوگوں سے ملنا، کپڑے پہننا، رات کو سونا، دن کو آرام کرنا، کوئی کام بھی ایسا نہیں کیا جس میں اللہ تعالیٰ کی رضا کی نیت نہ ہو، کتنی بڑی بات ہے کہ آدمی امورِ طبعیہ میں بھی جن کو آدمی دن رات میں پچاس مرتبہ کرتا ہے اور بعض مرتبہ تو خیال بھی نہیں ہوتا۔ بالکل عام طور پر غفلت میں سب کام ہوتے ہیں بعض اوقات کسی کے ڈر سے یا کسی کی لالچ میں۔ یا آدابِ محفل کے طور پر یا طبعی امور کے طور پر کرتے ہیں۔ یہاں تک وضو بھی بہت سے لوگ ایسے کرتے ہیں جیسے آٹومیٹک طریقے پر مشینی وضو ہوتا ہے اور آج کل ہر مسجد میں ٹونٹیاں لگ گئی ہیں۔ ٹونٹی کھولی ان میں سے پانی آرہا ہے اور اعضاء اس طرح دھل رہے ہیں جیسا کہ مشین میں کوئی چیز آدمی ڈال دے اور دھلی دھلائی چیز باہر آجائے تو بہت سے لوگ اس طرح وضو کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان کو معاف کرے اور ہمیں بھی معاف کرے کہ وضو تو ہو جاتا ہے کوئی فتویٰ نہیں دے گا کہ وضو نہیں ہوا۔ لیکن وضو کا جو ثواب ہے اور وضو سے جو روحانی ترقی ہوتی ہے وہ حاصل نہیں ہوگی اس لئے کہ اس وقت اس کا استحضار نہیں ہوتا کہ وضو پر کیا ثواب ملتا ہے۔ حدیث شریف میں ہے کہ جس وقت آدمی ہاتھ دھوتا ہے تو پانی کے آخری قطرے کے ساتھ وہ سب گناہ یا بے احتیاطیاں جو ان اعضاء سے تعلق رکھتی ہیں پانی کے ساتھ دھل جاتی ہیں۔ (مشکوۃ کتاب الطہارۃ)

جب منہ پر پانی ڈالتا ہے تو اس وقت آنکھ کان سے جو تقصیریں اور کوتاہیاں ہوتی ہیں وہ سب معاف ہو جاتی ہیں اور اسی طرح اور اعضاء کا بھی یہی حال ہے تو ایک وضو سے انسان اتنی بڑی کمائی کر سکتا ہے اور اتنی بڑی روحانی ترقی کر سکتا ہے جو بلانیت کے کسی بڑے سے بڑے مشکل کام سے بھی حاصل نہیں کر سکتا۔ بس یہ خیال کی بات ہے اور دھیان کی بات ہے کہ اس چیز کے بارے میں پہلے تو جاننا مفید ہوگا کہ اس پر کیا اجر و ثواب ہے؟ کیا وعدے ہیں اور اس

کے بعد اس کو تازہ کر لینا اس کو حاضر کر لینا کہ یہ جو میں کام کر رہا ہوں، اللہ تعالیٰ کی طرف سے مجھے یہ ثواب ملے گا۔ اللہ تعالیٰ اس سے اتنا خوش ہوتا ہے اور یہ رسول اللہ ﷺ کی سنت ہے اور میں سنت کے مطابق ادا کر رہا ہوں۔

ایسے ہی اعزہ کے حقوق ادا کرنا، دوسروں کے ساتھ معاملات کرنا، تجارت ہے، دوکان داری ہے یا اور جو ضرورت زندگی ہیں وہ ادا تو کی جاتی ہیں اور ان کی تکمیل تو کی جاتی ہے ان سے تو چارہ نہیں۔

لیکن کسی دھیان کے بغیر ہوتا ہے کون سا دھیان؟ اس کا دھیان ہوتا ہے کہ اس کو اچھے طریقے سے انجام دیں۔ لیکن اس کا دھیان نہیں ہوتا کہ اس پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے کیا وعدے ہیں۔ کیا اجر و ثواب ہے اور اس میں ہم کیا کما سکتے ہیں۔ کھانے کو ہی لیجئے۔ کھانے پر بیٹھ گئے۔ بسم اللہ بھی کہہ لی۔ ہم یہ نہیں کہتے کہ لوگ بغیر بسم اللہ کے کھاتے ہیں، لیکن اس کے آگے کچھ نہیں اول سے آخر تک غفلت کے ساتھ جب کھانا کھانا ہی ہے اور کھانا کھائے بغیر تو زندہ نہیں رہ سکتے، لیکن یہ خیال نہیں لاتے کہ کھانا کھائیں گے تو اس سے طاقت آئے گی اور طاقت آئے گی تو اچھی طرح نماز پڑھیں گے۔ اور حقوق العباد ادا کریں گے اور زندگی کے فرائض اللہ اور اللہ کے رسول کی ہدایت اور حکم کے مطابق ادا کریں گے اور یہ قوت اللہ تعالیٰ کے حکم کی تعمیل میں کام آئے گی تو اس کھانا کھانے پر اجر و ثواب مرتب ہو جائے گا۔ اسی طریقے سے اور چیزوں کو قیاس کر لیجئے۔ والدین کی خدمت ہے یہاں تک کہ اپنے گھر میں اہل خانہ کے ساتھ بات اور موانست اور خوشی حاصل کرنا۔ ان سب کی نیت کو تازہ کر لے۔ اور یہ مشق کر لے کہ یہ کام نیت کے ساتھ ہو تو بات کہیں سے کہیں پہنچ جائے گی یوں سمجھ لیجئے کہ تحت الثریٰ سے ثریا تک پہنچ جائے گی۔ زمین سے اٹھ کر آسمان پر پہنچ جائے گی۔ اس لئے کسی عمل میں بلندی اور قیمت اللہ تعالیٰ کی نسبت سے پیدا ہوتی ہے اور دین کی نسبت سے پیدا ہوتی ہے ورنہ کافر اور مومن سب ایک طرح کام کرتے ہیں وہ بھی زراعت کرتے ہیں وہ بھی تجارت کرتے ہیں محنت مزدوری کرتے ہیں اور بعض اوقات دوسروں کی خدمت بھی کرتے ہیں اور بڑی محنت کے کام کرتے ہیں اور بڑی رقم بھی خرچ کرتے ہیں مگر بغیر کسی نیت کے اور بغیر کسی اجر و ثواب کی امید میں، بھائی یہ ایک اصول کے طور پر عرض کیا جا رہا ہے اللہ تعالیٰ ہمیں بھی توفیق دے اور

سننے والوں کو بھی توفیق دے۔

ہر کام اللہ کے اجر و ثواب کی نیت کی ساتھ اور ذہن کو حاضر کر کے کرنا چاہئے اور ہو سکے تو اس پر قرآن و حدیث میں جو پیچھے آیا ہے اس کو تازہ کر کے وہ کام کیا جائے تو اس سے ولایت کا درجہ تک حاصل ہو سکتا ہے۔

بس میں اس وقت تو اس پر اکتفا کرتا ہوں وقت کم ہے خدا کرے کہ اس سے کہنے والے کو بھی نفع ہو اور سننے والوں کو بھی نفع ہو۔

و آخر دعوانا ان الحمد لله رب العالمین

ملک کی حقیقی آزادی

۲۲ فروری ۱۹۵۵ء کو امین الدولہ پارک لکھنؤ (ہندوستان) میں مرکز دعوت اصلاح و تبلیغ کے زیر اہتمام ایک جلسہ عام منعقد ہوا جس میں اندازاً ۶ تا ۷ ہزار کی تعداد میں ہر مذہب و خیال کے لوگوں نے شرکت کی۔ اس موقع پر حضرت مولانا قدس سرہ کا ایمان افروز بیان ہوا

دوستو اور بھائیو!

ہم اور آپ جس جگہ جمع ہیں، یہ پارک ہندوستان کی تاریخ میں بڑی اہمیت رکھتا ہے، جنگ آزادی کا مورخ اس کو فراموش نہیں کر سکتا۔ جب تحریک خلافت اور تحریک آزادی کا عروج تھا تو یہ پارک بڑے بڑے سیاسی جلسوں کا مرکز تھا، میری آنکھوں نے یہاں بڑے بڑے تاریخی مناظر دیکھے ہیں، میں نے یہاں گاندھی جی اور بڑے بڑے لیڈروں کی تقریریں سنیں اور سول نافرمانی کے دور میں یہاں انگریزی فوج کا تسلط بھی دیکھا، جس زمانہ میں ہندوستان کی آزادی کا خواب دیکھا گیا تھا، اس وقت بڑے بڑے سمجھدار لوگوں کو یقین نہیں آتا تھا کہ یہ خواب کبھی شرمندۂ تعبیر ہوگا، جو لوگ ۲۰-۳۰ سال پہلے یقین دلاتے تھے کہ آزادی ضرور حاصل ہوگی، ان کی بات پر تعلیم یافتہ طبقہ کو بھی یقین نہیں آتا تھا، ۴۷ء کے فیصلے تک ایسے لوگ اس ملک میں موجود تھے، جو ان باتوں پر ہنستے تھے اور کہتے تھے کہ برطانیہ اس ملک سے جو اس کے تاج کا نور ہے، اور جس سے دنیا میں اس کی ساکھ قائم ہے، کس طرح دستبردار ہو سکتا ہے، لیکن یہ انہونی بات ہو کر رہی، واقعہ یہ ہے کہ دنیا میں کوئی بات ناممکن نہیں ہے، صرف انسانوں کا فیصلہ اور عزم شرط ہے۔

جس طرح آپ نے یہ فیصلہ کیا کہ ملک کو انگریز کی غلامی سے آزاد کرانا ہے اور اپنے رہنماؤں کی قیادت میں جدوجہد کی اور یہ خواب پورا ہو کر رہا، اسی طرح اگر آپ اس سے بڑھ کر کوئی منصوبہ بناتے اور اس کے لئے بھی قربانیاں دیتے تو وہ بھی پورا ہو سکتا تھا، مگر اس وقت

آزادی ہی سب سے بلند اور آخری چیز معلوم ہوتی تھی، یقیناً آزادی بڑی نعمت اور زندگی کی اہم ترین ضرورت ہے اور اس کے لئے جو قربانیاں کی جائیں وہ بجا ہیں، ہم کو ان رہنماؤں کا بھی شکرگزار ہونا چاہئے جنہوں نے آزادی کی جنگ لڑی اور ملک کو آزاد کرایا، لیکن میں نہایت صفائی سے عرض کروں گا۔ ہماری یہی طاقت اور فیصلہ کی قوت جس کی بدولت ہمارے ملک سے غلامی کی لعنت ختم ہوئی، اگر اس سے زیادہ حقیقی اور مکمل آزادی کے حصول اور انسانیت کی تعمیر اور ترقی اور انسان کو انسان بنانے کے کام پر صرف کی جاتی تو یہ دنیا کا سب سے اہم کام اور مشکلات ومسائل کا اصلی اور مستقل حل ہوتا۔

آزادی کے آگے:

میں آزادی کی تحریک کی تحقیر اور ناشکری نہیں کرتا مگر یہ کہے بغیر بھی نہیں رہ سکتا کہ دنیا کا سب سے عظیم الشان کام اور انسانیت کی سب سے بڑی خدمت یہ ہے کہ انسان حقیقی انسان بن جائے، اس کے بغیر آزادی اور خودمختاری کے بعد بھی زندگی کا حقیقی لطف اور مسرت اور صحیح خوش حالی حاصل نہیں ہوسکتی اور انتشار، کش مکش اور بے اطمینانی ختم نہیں ہوسکتی، مصیبت، پریشانی اور ذلت ہمیشہ دوسروں ہی کی شکل میں نہیں آتی، وہ کبھی اپنے اندر سے بھی ابھرتی ہے، ظلم وستم اور لوٹ کھسوٹ کے لئے پردیسی ہونا شرط نہیں، ایک ملک کے رہنے والے خود اپنے ملک کے اندر بطور خود بھی یہ خدمت انجام دینے لگتے ہیں۔ میں غلامی سے نفرت ہرگز کم نہیں کرنا چاہتا، لیکن ذرا جذبات وتعصبات سے الگ ہوکر سوچئے کہ ہم انگریز کو اپنا دشمن کیوں سمجھتے تھے، اور غلامی سے ہمیں کیوں نفرت تھی، اس لئے کہ ہمیں زندگی کا حقیقی لطف میسر نہ تھا، ہم کو سکون و اطمینان حاصل نہ تھا۔ ہم کو ہماری ضروریات زندگی آسانی سے میسر نہیں ہوتی تھیں، ہم ہمدردی خلوص وتعاون اور محبت سے محروم تھے جس کے بغیر زندگی تلخ اور یہ دنیا ایک جیل خانہ ہے، دوستو! فرض کرو اگر باہر کی غلامی چلی گئی، لیکن ہم کو خود ایک دوسرے کو غلام بنانے کا چسکا پڑ گیا، ہم کو خود ایک دوسرے پر ظلم کرنے میں مزا آنے لگا، ہم بھی ایک دوسرے سے بے گانہ واجنبی ہیں، ہمدردی اور تعاون سے ناآشنا ہیں، ایک شہری دوسرے شہری کی ساتھ وہی برتاؤ کرنے پر آمادہ ہے، اور موقع کا منتظر ہے، جو ایک فاتح ایک غلام کے ساتھ اور ایک دشمن دوسرے دشمن کے ساتھ کرتا ہے، میں اپنے فاضل سامان میں آپ کی ضروریات زندگی کا بھی اضافہ کرنے) پر مصر

اور بضد ہوں، ملک میں اس ذہنیت کا رواج زور پکڑ رہا ہے، جس کو قرآن نے ایک قصہ کے پیرایہ میں بیان کیا ہے۔

قرآن کہتا ہے کہ حضرت داؤدؑ کے پاس دو فریق مقدمہ لے کر آئے، ایک نے کہا کہ اے پیغمبر خدا اور اے بادشاہ وقت ہمارا انصاف کیجئے، میرے اس بھائی کے پاس ۹۹ بھیڑیں ہیں اور میرے پاس لے دے کر صرف ایک، مگر یہ ظالم کہتا ہے کہ اپنی ایک بھیڑ بھی دے دو تاکہ میری سو کی گنتی پوری ہو جائے۔ میں آپ سے پوچھتا ہوں کہ اگر کسی ملک کے شہریوں کی یہی ذہنیت بنتی چلی جائے تو کیا اس ملک کو آزادی کی حقیقی دولت حاصل ہے، اور کیا یہ واقعہ نہیں ہے کہ ملک کا ہر شہری وہی پارٹ ادا کرنا چاہتا ہے جو دوسرے ملک کی ایک قوم اس ملک کے باشندوں کے ساتھ ادا کرتی تھی، اور کیا وہ ساری تکلیفیں کسی صورت میں موجود نہیں؟ یہ سب اس لئے کہ ملک کی آزادی کے لئے جان توڑ کوشش کی گئی اور ملک آزاد ہو گیا، لیکن انسان کے دل و دماغ اور اس کی روح کی آزادی کے لئے کوئی کوشش نہیں کی گئی، اور وہ بدستور غلام رہے، ملک سے ظالم کو نکال دیا گیا، لیکن دل سے ظلم کی خواہش کو نہیں نکالا گیا، وہ بدستور موجود ہے اور اپنا کام کر رہی ہے۔

قلب کی روشنی:

پیغمبروں نے خدا کی دی ہوئی تمام طاقت اور اپنی ساری توجہ حقیقی اور مکمل انسان کے بنانے پر صرف کی، انہوں نے صرف ملک کی آزادی کو اپنا مطمح نظر نہیں بنایا بلکہ ان احساسات کو پیدا کرنے پر اس عقیدے اور ایمان کو قلب و دماغ میں جاگزیں کرنے پر اور ان اخلاق کو پیدا کرنے پر اپنی توجہ مرکوز کی جن کے ساتھ نہ باہر کی غلامی کی گنجائش تھی نہ اندر کی غلامی کی، جن کی موجودگی میں آدمی نہ دوسروں کا ظلم سہ سکتا تھا، نہ دوسروں پر ظلم کرنا گوارا کر سکتا تھا، جن کی بدولت نہ دوسروں کا شکار ہو سکتا تھا، نہ غیروں کا شکاری بن سکتا تھا، محمد رسول اللہ ﷺ کی مثال لیجئے، آپ کے گرد جانبازوں اور سرفروشوں کی جو جماعت اکٹھی ہو گئی تھی، اس کے ذریعہ سے آپ ہر قسم کا کام کرا سکتے تھے، لیکن آپ نے سیرت و کردار کی تعمیر میں اپنی ساری قوت صرف کی آپ نے یقیناً انسانیت کو وہ ایجادات و ذرائع اور آلات نہیں عطا فرمائے جو یورپ کے سائنس دانوں نے اس اخیر دور میں دیئے، لیکن آپ نے ابو بکرؓ و عمرؓ، عثمانؓ و علیؓ جیسے انسان عطا کئے جو

انسانیت کے حق میں رحمت و برکت ثابت ہوئے، آج بھی اگر انسانیت سے سوال کیا جائے کہ اسے ابوبکر جیسا انسان حکومت وانتظام کے لئے چاہئے یا کوئی بہتر سے بہتر ایجاد تو یقینا اس کا جواب یہی ہوگا کہ اسے ابوبکر جیسا انسان چاہئے، اس لئے کہ اس نے ان ایجادوں کا خوب تجربہ کرلیا ہے کہ حقیقی انسانوں کی غیر موجودگی میں وہ دنیا کے لئے ایک مصیبت اور پیغام ہلاکت بن گئی ہیں۔

شاہ کلید:

دوستو! ہم نے بار بار کہا ہے، اور ہمیشہ کہیں گے کہ سب سے اہم اور مقدم کام یہ ہے کہ انسان کو حقیقی معنی میں انسان بنایا جائے، اس کے اندر سے گناہ اور ظلم کی خواہش ختم ہو، نیکی اور خدمت کا جذبہ پیدا ہو، انسانی زندگی کے رشتے میں ہزار گرہیں پڑتی ہیں، انسانی زندگی کے ہزاروں مشکلات اور مسائل ہیں، ان پر بھاری بھاری تالے پڑے ہوئے ہیں، ان سب قفلوں کے کھولنے کی ایک ہی کنجی ہے، اس کو شاہ کلید کہئے یا ''ماسٹر کی(MASTER KEY) یہ کنجی خدا کے پیغمبروں کو ملتی ہے اور جس کو ملتی ہے، اسی کے ذریعے ملتی ہے۔ یہ کنجی کیا ہے، خدا کی ہستی کا یقین اور اس کا خوف، اس کنجی سے انسانی زندگی کا ہر قفل آسانی سے کھل جاتا ہے اور اس کی گرہیں سلجھتی چلی جاتی ہیں، یہ سمجھئے کہ پیغمبروں کا ہاتھ بجلی کے بٹن پر ہوتا ہے، انہوں نے سوئچ(SWITCH) دبایا اور سارا گھر روشن ہوگیا، جس کا ہاتھ اس سوئچ تک نہیں پہنچتا وہ روشنی نہیں لاسکتا۔

سیرت سازی اور اخلاق کی اصلاح کے بغیر کوئی منصوبہ کامیاب نہیں:

آج ہر ملک کی تعمیر و ترقی اور جدید تنظیم کے لئے نئے پلان اور منصوبے(PROJECTS) بنائے جارہے ہیں، ہمارے ملک میں بھی یہ کام تیزی سے ہورہا ہے، خدا ان منصوبوں کو کامیاب کرے، لیکن یہ منصوبے ہماری نگاہ میں ابھی تک ادھورے اور ناقص ہیں، ان میں انسانیت کی تعمیر، سیرت سازی اور اخلاق کی اصلاح کا کوئی خانہ نہیں، ہمارا یقین ہے کہ جب تک طبیعتوں میں حرص و ہوس کی آگ سلگ رہی ہے، دولت کا بھوت سوار ہے، انسان صرف روپیہ پیدا کرنے اور اس سے عیش کرنے ہی کو زندگی کا مقصد سمجھتا ہے، اس وقت تک کوئی نقشہ

اور کوئی منصوبہ کامیاب نہیں ہوسکتا، جن ملکوں میں یہ منصوبے پورے طور پر کامیاب ہوچکے ہیں اور وہ ملک عرصہ ہوا ان منزلوں کو طے کر چکے ہیں، کیا ان کو حقیقی امن واطمینان حاصل ہے؟ کیا وہاں جرائم نہیں ہوتے؟ جرائم میں تو وہ ملک ہمارے ملک سے کہیں زیادہ ترقی یافتہ ہیں، وہاں دن دہاڑے ڈاکے پڑتے ہیں، بڑے بڑے دولت مندوں اور کارخانہ داروں کو راستہ چلتے اڑالیا جاتا ہے، اور پھر ان کے عزیزوں کو دھمکا کر بڑی بڑی رقمیں وصول کی جاتی ہیں۔ آج ان ملکوں کا اخلاقی زوال اس حد تک پہنچ گیا ہے کہ ان کو اپنی ہستی قائم رکھنا بھی مشکل ہو رہا ہے، ایک قوم پرستی اور وطنیت کا شور ہے جو ان کو تھامے ہوئے ہے۔ پھر بھی ان کا زوال کچھ دور نہیں اور اقبال کا یہ کہنا کوئی مبالغہ نہیں

خود بخود گرنے کو ہے پکے ہوئے پھل کی طرح
دیکھئے پڑتا ہے آخر کس کی جھولی میں فرنگ

کردار کی ضرورت:

حضرات! یہ دولت ستانی، یہ مجرمانہ ذہنیت، یہ ظلم وستم کی خواہش کسی مذہب کی قائل اور کسی فرقہ کی حامی نہیں، چور ومجرم کا مذہب نہ ہندو ہے نہ مسلمان، جس کے اندر یہ سیرت اور کیریکٹر پیدا ہوجائے، اس کو کوئی پرواہ نہیں ہوتی کہ وہ کس کا گلا کاٹ رہا ہے، وہ کس مذہب و ملت کا ہے، وہ تو بھائی کو بھائی نہیں دیکھتا، کوئی حادثہ اس سے بڑھ کر نہیں اور کوئی خطرہ اس سے زیادہ سنگین نہیں کہ خدا کے نام پر اس ملک میں کوئی آواز بلند کرنے والا نہ ہو، کہیں کوئی اخلاق کی اصلاح اور حقیقی انسانیت کی دعوت اور تحریک نہ ہو، آج ہمارے ادب، ہماری صحافت اور ہماری سوسائٹی پر یا تجارت کا تسلط ہے یا سیاست کا، ملک کے بڑے بڑے اخبارات اٹھا کر پڑھ لیجئے، سوائے ان دو موضوعوں کے کوئی چیز ایسی نہ ملے گی جس کا تعلق روحانیت یا اخلاق یا انسانیت سے ہو، اس بارے میں تمام سیاسی پارٹیوں اور تحریکوں کا ایک ہی مزاج ہے، کسی کو اس صورت حال سے اختلاف اور جنگ نہیں۔ ان کی ساری کشمکش اس لئے ہے کہ ان کو قیادت اور لیڈر شپ (LEADER SHIP) حاصل ہو، اور جو کچھ ہو رہا ہے، وہ سب ہماری رہنمائی اور نگرانی میں ہو۔

اخلاقی زوال:

اخلاقی زوال بڑھتے بڑھتے اس حد کو پہنچ گیا ہے کہ اب انسان کی انسانیت کی تذلیل سے تفریح ہوتی ہے بلکہ مذاق اتنا بگڑ گیا ہے کہ انسانیت جتنی پست سطح پر اترے اتنی ہی آسودگی اور تفریح ہوتی ہے، یہ فلم اور پکچر یہ ناول اور افسانے، یہ عریاں تصویریں اور فحش گانے کیوں آپ کی تفریح کا سامان ہیں، کیا ان میں انسانیت، کو ذلیل شکل میں نہیں دکھلایا جاتا، کیا یہ آدم کے بیٹوں اور حوا کی بیٹیوں کو جو آپ کے بھائی اور بہنیں ہیں ایسی شکل میں نہیں پیش کرتیں جو انسانیت کے لئے باعث ننگ و عار ہیں، کیا آپ کو ان تصویروں اور کھیلوں، ان فلموں اور ناولوں میں انسانیت کی ذلت اور رسوائی نظر نہیں آتی؟ پھر آپ کی طبیعت میں کیوں اشتعال اور نفرت پیدا نہیں ہوتی، آپ ان کو کس طرح گوارا کرتے ہیں؟ جب کوئی سوسائٹی اخلاقی حیثیت سے معیاری ہوتی ہے تو اس کا کوئی فرد کسی فرد کی ذلت برداشت کرنا تو الگ رہا اس کے متعلق کسی بداخلاقی کا سننا بھی گوارا نہیں کرتا، قرآن مجید میں ایک غلط الزام کا تذکرہ کرتے ہوئے کہا گیا ہے، کہ تم نے سنتے ہی کیوں نہ اس کی تردید کی اور کیوں نہ صاف کہہ دیا کہ یہ محض ایک طوفان اور اتہام ہے، تم نے اپنے متعلق نیک گمان کیوں نہیں کیا، اور اپنے اوپر اعتماد سے کام کیوں نہیں لیا۔ یہ ہے اس سوسائٹی کی بات جو آئیڈیل (IDEAL) سوسائٹی کہلانے کی مستحق ہے جس میں ہر فرد دوسرے کا آئینہ دار ہوتا ہے۔ اس کا مقابلہ اس گری ہوئی سوسائٹی سے کیجئے جس کے کچھ افراد دوسرے افراد کی اخلاقی گراوٹ اور خلاف شرافت و انسانیت حرکات سے لذت اور تفریح حاصل کرتے ہیں، ایک انسان اپنے جسم کو عریاں کرتا ہے، ہوا و ہوس کا شکار بنتا ہے، اپنی عزت اور ضمیر کو فروخت کرتا ہے اور سینکڑوں اور ہزاروں آدمی اس کا تماشہ دیکھتے اور تفریح حاصل کرتے ہیں، اخلاقی گراوٹ اور بے حمیتی کی عبرت ناک مثال اس سے زیادہ اور کیا ہو سکتی ہے، یہی وہ حالات اور آثار ہیں جن سے خطرہ ہوتا ہے کہ یہ ملک اپنی تمام مادی ترقیوں اور ظاہری خوشحالیوں کے باوجود کہیں زوال کا شکار نہ ہو جائے۔ یہ بداخلاقیاں گناہ اور تعیشات کا رجحان بیماریوں اور وباؤں سے کہیں زیادہ خطرناک ہے، آپ کسی ایک گزشتہ قوم کا نام بتلا دیجئے جس کے متعلق تاریخ میں یہ درج ہو کہ وہ پوری کی پوری قوم فلاں بیماری یا وبا کی نذر ہو کر بالکل فنا ہوئی، لیکن میں آپ کو ایسی بیسیوں قوموں کا نام بتلا سکتا ہوں جو بداخلاقیوں کا شکار ہو

کر صفحہ ہستی سے مٹ گئیں۔

انسانیت:

حضرات! آپ نے اس ملک کی آزادی کے لئے جدو جہد کی، اس کے لئے قربانیاں پیش کیں اور اس کے لئے وہ راستہ اختیار کیا جس کا آپ کے رہنماؤں نے مشورہ دیا، وہ کام اتنا ہی تھا کہ یہ ملک آزاد ہو جائے، چنانچہ یہ ملک آزاد ہو گیا، اب انسانوں میں صحیح انسانیت پیدا کرنے کے لئے ازسرنو جدو جہد کرنی پڑے گی، اس کا یہی ایک راستہ ہے اور وہ وہی راستہ ہے جو خدا کے پیغمبروں نے بتلایا اور اس پر چل کر ان کے ماننے والے منزل مقصود کو پہنچے اور انہوں نے دنیا میں حقیقی انسانیت کا نمونہ پیش کیا، اس کا سرا وہی ایمان ویقین اور خدا کا خوف ہے، یہ سچی خدا پرسیت اور یہ زندہ یقین اور یہ ضمیر کی بیداری پیغمبروں کے علاوہ کسی اور جگہ دستیاب نہیں ہو سکتی، اس کا خزانہ وہیں ہے اور ہم کو اس خزانے سے حاصل کرنے میں شرم اور عار محسوس نہیں ہونی چاہئے، اگر آج اس کے حصول اور اس کی دعوت واشاعت کے لئے وہی جدو جہد شروع ہو، ملک کی آزادی کے لئے جو قربانیاں کی گئی تھیں، وہی قربانیاں اس راستہ میں ہوں، بدیشی حکومت کو نکالنے کے لئے جو تکلیفیں برداشت کی گئی تھیں، وہی سب تکلیفیں برداشت کی جائیں تو ملک کا نقشہ ہی کچھ اور ہو، حقیقی امن واطمینان حاصل ہو، ہر طرح کی غلامیوں کا سلسلہ بند ہو، اور ملک کو حقیقی آزادی اور زندگی کا حقیقی لطف اسی وقت حاصل ہو سکتا ہے۔

صورت اور حقیقت

یہ تقریر مولانا نے لکھنو کے ایک بڑے تبلیغی اجتماع میں کی

صورت اور حقیقت میں بڑا فرق ہے:

ہر ایک چیز کی ایک صورت ہوتی ہے اور ایک حقیقت، ان دونوں میں بہت بڑی مشابہت کے باوجود بہت بڑا فرق بھی ہوتا ہے آپ روزمرہ کی زندگی میں صورت اور حقیقت اور ان کے فرق سے خوب واقف ہیں، میں اس کی دو مثالیں دیتا ہوں۔ آپ نے مٹی کے پھل دیکھے ہوں گے جو بالکل اصلی پھل معلوم ہوتے ہیں لیکن صورت وحقیقت میں زمین و آسمان کا فرق ہے۔ اصل آم کوئی اور چیز ہے اور مٹی کا نقلی آم کوئی اور چیز، مٹی کے آم میں نہ اصلی ذائقہ ہے نہ خوشبو، نہ رس، نہ نرمی، نہ اس کی خاصیتیں، صرف آم کی شکل ہے، اور اس کا رنگ وروغن، اس لئے اس کو آم کہیں گے مگر مٹی کا آم، یہ مٹی کا آم دیکھنے بھر کا ہے، نہ کھانے کا، نہ سونگھنے کا، نہ ذائقہ، نہ خوشبو۔

آپ مردہ عجائب خانہ میں گئے ہوں گے۔ آپ نے دیکھا ہوگا کہ وہاں سب درندے اور سب جانور موجود ہیں۔ شیر بھی ہے اور ہاتھی بھی تیندوا بھی، اور چیتا بھی مگر بے حقیقت، بھس بھری ہوئی کھالیں جن میں نہ کوئی جان ہے نہ طاقت شیر ہے مگر نہ اس کی آواز ہے نہ غصہ، نہ طاقت ہے، نہ ہیبت۔

حقیقت کے مقابلہ میں صورت کی شکست:

اب میں یہ کہنا چاہتا ہوں کہ صورت کبھی حقیقت کے قائم مقام نہیں ہوسکتی صورت سے حقیقت کے خواص کبھی ظاہر نہیں ہوسکتے ،صورت کبھی حقیقت کا مقابلہ نہیں کرسکتی، صورت کبھی حقیقت کا بوجھ سنبھال نہیں سکتی، جب صورت کسی حقیقت کے مقابلے میں آئے گی اس کو

شکست کھانا پڑے گی، جب صورت پر کسی حقیقت کا بوجھ ڈالا جائے گا صورت کی پوری عمارت زمین پر آ رہے گی۔

صورت اور حقیقت کا یہ فرق ہر جگہ نمایاں ہوگا۔ ہر جگہ صورت کی حقیقت کے سامنے پسپا ہونا پڑے گا۔ یہاں تک کہ عظیم سے عظیم اور مہیب سے مہیب صورت اگر حقیر سے حقیر حقیقت کے مقابلہ میں آئے گی تو اس کو مغلوب ہونا پڑے گا اس لئے ہر چھوٹی سے چھوٹی حقیقت ہر بڑی سے بڑی صورت کے مقابلہ میں زیادہ طاقت رکھتی ہے، حقیقت ایک طاقت ہے ایک ٹھوس وجود ہے، صورت ایک خیال ہے دیکھئے ایک چھوٹا سا بچہ اپنے کمزور ہاتھ کے اشارے سے ایک بھس بھرے مردہ شیر کو دھکا دے سکتا ہے اس کو زمین پر گرا سکتا ہے اس لئے کہ بچہ خواہ کتنا ہی کمزور سہی ایک حقیقت رکھتا ہے، شیر اس وقت صرف صورت ہی صورت ہے، بچہ کی حقیقت شیر کی صورت پر آسانی سے غالب آ جاتی ہے۔

نفس کا دھوکا:

یہ عالم حقائق کا مجموعہ ہے اللہ تعالیٰ نے ہر چیز میں ایک حقیقت رکھی ہے مال کی بھی ایک حقیقت ہے اس کی محبت طبعی اور اس کی خواہش فطری ہے اگر حقیقت نہ ہوتی تو اس سے متعلق احکام کیوں ہوتے اس میں کشش کیوں ہوتی؟ اولاد ایک حقیقت ہے اس سے طبعی محبت اور فطری تعلق ہوتا ہے اگر اولاد ایک حقیقت نہ ہوتی تو شریعت میں اس کی پرورش ونگہداشت کے احکام وفضائل کیوں ہوتے؟ اسی طرح طبعی ضروریات اور خواہشات کی بھی ایک حقیقت ہے، ان حقیقتوں پر ایک بالاتر، قوی تر حقیقت ہی غالب آ سکتی ہے، کوئی صورت غالب نہیں آ سکتی، یہ حقائق کتنے باطل آمیز سہی ان پر فتح حاصل کرنے کے لئے اسلام وایمان کی حقیقت درکار ہے۔ اسلام کی صورت کتنی ہی مقدس سہی ان پر فتح حاصل نہیں کر سکتی، اس لئے کہ ادھر حقیقتیں ہیں ادھر صرف صورت، آج ہم یہی دیکھ رہے ہیں کہ صورت اسلام ادنیٰ ادنیٰ حقائق پر غالب نہیں آ رہی ہے اس لئے کہ صورت دراصل کچھ بھی طاقت نہیں۔ ہماری صورت اسلام صورت کلمہ، صورت نماز ہم سے ادنیٰ ترغیبات چھڑنے سے قاصر ہے، ادنیٰ عادات پر غالب آنے سے عاجز ہے، ہم کو موسم کی ادنیٰ سختی اور حقیر ترین خواہش کا مقابلہ کرنے کی طاقت عطا نہیں کرتی آپ کا یہ کلمہ جو کبھی گردن کٹوا دینے کی طاقت رکھتا تھا جو مال اور اولاد کو اللہ تعالیٰ کی راہ میں بے

تکلف قربان کرادینے کی قوت رکھتا تھا جو وطن چھڑادینے اور تختہ دار پر چڑھادینے کی قوت رکھتا تھا، آج وہ ان سردیوں میں صبح کی نماز کے لئے اٹھانے کی طاقت نہیں رکھتا جو کلمہ زندگی بھر کی منہ لگی شراب کو شریعت کے حکم پر ہمیشہ کے لئے چھڑا سکتا تھا، آج اگر ضرورت پڑ جائے تو آپ کی ادنی مرغوب چیز یا معمولی عادت بھی نہیں چھڑا سکتا اس لئے کہ وہ کلمہ کی حقیقت تھی جس کے کارنامے آپ تاریخ اسلام میں پڑھتے ہیں یہ کلمہ کی صورت ہے جس کی بے اثری آپ دن رات دیکھتے ہیں۔ ہم غلطی یہ کرتے ہیں کہ صحابہ کرامؓ کی تاریخ کو اپنے اوپر اوڑھنا چاہتے ہیں اس کو اپنے اوپر منطبق کرنا چاہتے ہیں جب وہ منطبق نہیں ہوتی، جب وہ لباس ہمارے اوپر راست نہیں آتا جب جگہ جگہ جھول پڑ جاتے ہیں تو ہم شکایت کرتے ہیں تعجب کرتے ہیں کہ وہ بھی پڑھتے تھے ہم بھی پڑھتے ہیں نماز وہ بھی پڑھتے تھے ہم بھی پڑھتے ہیں پھر کیوں اسی طرح کے واقعات ظہور میں نہیں آتے کیوں اسی طرح کے نتائج وثمرات برآمد نہیں ہوتے؟ دوستو اور بزرگو! اپنے نفس کو دھوکہ نہ دو وہاں کلمہ کی حقیقت تھی، ایمان کی حقیقت تھی۔ یہاں کلمہ کی صورت ہے ایمان کی صورت ہے نماز کی صورت ہے جس طرح املی کے بیج سے آم کے پھل کی توقع فضول ہے اسی طرح صورت سے حقیقت کے خواص کی امید بے کار ہے اور فریب نفس ہے۔

حقیقت اسلام:

حضرت خبیبؓ کا واقعہ آپ نے سنا ہے پھانسی کے تختہ پر ان کو چڑھایا گیا، چاروں طرف سے کی نیزوں سے نوکوں نے ان کو نوچنا شروع کیا، برچھیوں نے ان کے جسم کو چھلنی کردیا، وہ صبر واستقامت کے ساتھ مقابلہ کرتے رہے، عین اس حالت میں ان سے کہا جاتا ہے کیا تم اس پر راضی ہو کہ تمہاری جگہ رسول اللہ ﷺ ہوں؟ وہ تڑپ کر جواب دیتے ہیں کہ میں تو اس پر بھی راضی نہیں کہ مجھے چھوڑ دیا جائے اور حضور ﷺ کے تلوہ میں کوئی کانٹا بھی چبھے، حضرات! کیا یہ صورت اسلام تھی جس نے ان کو تختہ دار پر ثابت قدم رکھا اور ان کی زبان سے یہ الفاظ کہلوائے؟ نہیں، وہ اسلام کی حقیقت تھی جو ان کے ہر زخم پر مرہم رکھتی تھی جو ہر نیزے کی چبھن پر ان کے سامنے جنت کا نقشہ لاتی تھی اور انہیں دکھاتی تھی کہ یہ تمہاری اس تکلیف کا صلہ ہے بس چند لمحوں کا معاملہ ہے یہ جنت تمہاری منتظر ہے، یہ خدا کی رحمت تمہاری منتظر ہے، اگر تم نے اس فانی جسم کی اس فانی تکلیف کو گوارا کرلیا تو غیر فانی زندگی کی غیر فانی راحت تمہارا حصہ

ہے یہ عشق و محبت کی حقیقت تھی، جب ان سے کہا گیا کہ کیا تم کو یہ منظور ہے کہ تمہاری جگہ رسول اللہ ﷺ ہوں؟ تو حضور ﷺ کی صورت بن کر ان کے سامنے آ گئی اور ان کو گوارا نہیں ہوا کہ اس جسم اقدس ﷺ کو ایک کانٹے کی بھی تکلیف ہو۔

یہ چند پاک اور بلند حقائق تھے جو درد و تکلیف کی حقیقت پر غالب آئے، صورت اسلام میں اس حقیقت درد و تکلیف کا مقابلہ کرنے کی طاقت نہ پہلے تھی، نہ اب ہے، صورت اسلام تو تکلیف کے تصورات اور خیالات کا بھی مقابلہ نہیں کر سکتی، ہم کو اور آپ کو معلوم ہے کہ گذشتہ فسادات کے موقع پر خیالی خطرات کی بنا پر لوگوں نے صورت اسلام بدل دی مسلمانوں نے سروں پر چوٹیاں رکھیں اور غیر اسلامی شعار اختیار کئے۔ اس لئے کہ ان غریبوں کے پاس صرف صورت اسلام تھی جو اس میدان میں ٹھہر نہیں سکتی تھی۔

آپ نے سنا ہے کہ حضرت صہیب رومیؓ ہجرت کر کے جانے لگے تو کفار مکہ نے ان کو راستہ میں روکا اور کہا کہ صہیبؓ تم جا سکتے ہو، مگر یہ مال نہیں لے سکتے جو تم نے ہمارے شہر میں پیدا کیا ہے، اب حقیقت مال سے مقابلہ تھا۔ حقیقت اسلام اپنی مقابل حقیقت پر غالب آئی، صورت اسلام ہوتی تو وہ حقیقت مال کا مقابلہ نہیں کر سکتی تھی۔

آپ نے سنا ہے کہ حضرت ابو سلمہؓ جب ہجرت کر کے جانے لگے تو کفار ان کا راستہ روک کر کھڑے ہو گئے۔ انہوں نے کہا کہ تم جا سکتے ہو مگر ہماری لڑکی ام سلمہؓ کو نہیں لے جا سکتے، اب حقیقت اسلام کا ایک حقیقت سے مقابلہ تھا وہ حقیقت کیا تھی؟ بیوی کی محبت، جو ایک حقیقت تھی، لیکن اسلام کی حقیقت مومن کے لئے دل میں ہر حقیقت سے زیادہ طاقتور اور گہری ہوتی ہے۔ انہوں نے بیوی کو اللہ کے حوالہ کیا اور تن تنہا چل دیئے، کیا صورت اسلام میں اتنی طاقت ہے کہ آدمی بیوی کو چھوڑ دے؟ ہم نے تو دیکھا ہے کہ لوگوں نے بیوی اور بچوں کے لئے کفر تک اختیار کر لیا اور صورت اسلام کی ذرا پروا نہیں کی ہے۔

آپ نے سنا ہے کہ حضرت ابو طلحہؓ نماز پڑھ رہے تھے کہ ان کے باغ میں ایک چھوٹی سی چڑیا آ گئی اور اس کو پھر جانے کا راستہ نہ ملا، حضرت ابو طلحہؓ کی توجہ بٹ گئی۔ نماز کے بعد انہوں نے پورا باغ صدقہ کر دیا۔ اس لئے کہ حقیقت نماز اس شرکت کو گوارا نہیں کر سکتی تھی۔ باغ کی بھی ایک حقیقت ہے اس کی سرسبزی، اس کی فصل، اس کی قیمت ایک حقیقت ہے اس حقیقت کا

مقابلہ کرنے کی صورت نماز نہیں کر سکتی تھی، اس کا مقابلہ کرنے کی طاقت حقیقت صلوٰۃ ہی میں ہے۔ آج ہماری آپ کی نماز ادنیٰ ادنیٰ حقیقتوں کا مقابلہ اس لئے نہیں کر سکتی کہ وہ حقیقت سے خالی اور ایک صورت ہے۔

آپ نے سنا ہوگا کہ یرموک کے میدان میں چند ہزار مسلمان تھے، اور کئی لاکھ رومی، ایک عیسائی (جو مسلمانوں کے جھنڈے کے نیچے لڑ رہا تھا) کی زبان سے بے اختیار نکلا کہ رومیوں کی تعداد کا کچھ ٹھکانہ ہے؟ حضرت خالدؓ نے کہا خاموش خدا کی قسم اگر میرے گھوڑے اشقر کے سم درست ہوتے تو میں رومیوں کو پیغام بھیجتا کہ اتنی ہی تعداد اور میدان میں لے آئیں۔

حضرات! حضرت خالدؓ کو یہ اطمینان و اعتماد کیوں تھا۔ اور وہ رومیوں کی تعداد کو بے حقیقت کیوں سمجھتے تھے؟ اس لئے کہ وہ حقیقت اسلام رکھتے تھے اور سمجھتے تھے کہ اس کے مقابل صرف رومیوں کی صورتیں ہیں جو ہر طرح کی حقیقت سے خالی ہیں، یہ لاکھوں صورتیں اسلام کی حقیقت کے سامنے ٹھہر نہیں سکتیں۔

ہم یقیناً کلمہ پڑھتے ہیں، ہم میں سے بہت سے لوگ کلمہ کے معنی سے واقف ہیں، لیکن حقیقت کلمہ کوئی اور چیز ہے، وہ ان الفاظ اور معنی سے بہت بلند ہے۔ کلمہ کی یہ حقیقت صحابہ کرامؓ کو حاصل تھی، جب وہ کہتے تھے۔ لا الٰہ الا اللہ تو واقعتہً سمجھتے تھے کہ اللہ کے سوا کوئی حاکم و بادشاہ نہیں۔ اللہ کے سوا کوئی محبت و خوف کے لائق نہیں، اللہ کے سوا کسی کی ہستی کوئی ہستی نہیں۔ کیا یہ حقیقتیں ہم سب کے دل میں اتری ہوئی ہیں، ہمارے دماغ کے اندر بسی ہوئی ہیں ہماری زندگی کے اندر جڑ پکڑے ہوئے ہیں؟ اگر ہم ان حقیقتوں سے واقف بھی ہوتے تو لا الٰہ الا اللہ کہتے ہوئے ہمیں احساس ہوتا کہ ہم کتنی بڑی بات کہہ رہے ہیں جس کو اس حقیقت کا ذرا بھی احساس ہے اسلام کا دعویٰ کرتے ہوئے سمجھتا ہے کہ وہ کتنا بڑا دعویٰ کر رہا ہے ؎

چومی گویم مسلمانم بلرزم
کہ دانم مشکلات لا الٰہ را

ہم سب جانتے ہیں کہ آخرت برحق ہے۔ جنت و دوزخ برحق ہیں مرنے کے بعد یقیناً زندہ ہونا ہے۔ لیکن کیا سب کو ایمان کی وہ حقیقت حاصل ہے جو صحابہ کو حاصل تھی؟ اس حقیقت کا نتیجہ یہ تھا کہ صحابیؓ کھجور کھاتے پھینک دیتا ہے اور کہتا ہے کہ ان کے ختم ہونے کا انتظار کرنا

میرے لئے بہت مشکل ہے اور فوراً بڑھ کر شہادت حاصل کرتا ہے۔ اس لئے کہ جنت اس کے لئے ایک حقیقت تھی اور وہ حقیقت اس کے سامنے تھی۔ اس کی حقیقت جس کو حاصل تھی وہ قسم کھا کر کہتا تھا کہ مجھے احد پہاڑ کے اس طرف سے جنت کی خوشبو آ رہی ہے۔ یرموک کے میدان میں ایک صحابی ابوعبیدہؓ کے پاس آتے ہیں اور کہتے ہیں کہ امیر! میں سفر کے لئے تیار ہوں کوئی پیغام تو نہیں کہنا ہے؟ وہ کہتے ہیں، ہاں رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں ہمارا سلام عرض کرنا اور کہنا کہ آپ نے ہم سے جو وعدے فرمائے تھے وہ سب پورے ہو رہے ہیں یہ ہے یقین کی حقیقت اس حقیقت پر کون سی قوت غالب آ سکتی ہے، اور ایسی حقیقت رکھنے والی جماعت پر کون سی جماعت غالب آ سکتی ہے؟

صورت اسلام حفاظت کرنے کے لئے کافی نہیں:

امت میں جو سب سے بڑا انقلاب ہوا وہ یہ کہ اس کی ایک بڑی تعداد اور شاید سب سے بڑی تعداد میں صورت نے حقیقت کی جگہ لے لی۔ یہ آج کی بات نہیں، یہ صدیوں پرانی حقیقت ہے صدیوں سے صورت نے حقیقت کی جگہ حاصل کر رکھی ہے عرصہ تک دیکھنے والوں کو صورت پر حقیقت کا دھوکا ہوتا رہا اور حقیقت کے ڈر سے اس صورت کے قریب آنے سے بچتے رہے لیکن جب کسی نے ہمت کر کے اس صورت کو چھوا تو معلوم ہوا کہ اندر سے پول ہے اور حقیقت غائب ہو چکی ہے۔

آپ نے دیکھا ہوگا کبھی کبھی کاشتکار کھیت میں ایک لکڑی گاڑ کر اس پر کوئی کپڑا ڈال دیتا ہے جس کو دیکھ کر پرندوں اور جانوروں کو شبہ ہوتا ہے کہ کوئی آدمی رکھوالی کر رہا ہے، لیکن اگر کبھی کوئی سیانا کوا یا ہوشیار جانور ہمت کر کے کھیت میں جا پڑے تو ظاہر ہے کہ وہ بے جان شبیہ کچھ نہیں کر سکتی پھر نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ جانور اس کھیت کو روند ڈالتے ہیں اور پرندے اس کا ستیاناس کر دیتے ہیں۔

مسلمانوں کے ساتھ یہی واقعہ پیش آیا ہے، ان کی صورت حقیقت بن کر برسوں ان کی حفاظت کرتی رہی، قومیں ان کے قریب آنے سے ڈرتی تھیں حقیقت اسلام کے واقعات ان کے ذہن میں تازہ تھے اور کسی کو مسلمانوں پر حملہ کرنے کی جرات نہیں ہوتی تھی، لیکن کب تک؟ جب تاتاریوں نے بغداد پر چڑھائی کی جس پر حملہ کرنے سے وہ برسوں احتیاط کرتے رہے تو

اس صورت کی حقیقت نکل گئی اور مسلمانوں کا بھرم جاتا رہا، اس وقت صورت اسلام حفاظت کرنے کے لئے کافی نہیں ہے اب صرف حقیقت اسلام ہی اس امت کی حفاظت کرسکتی ہے۔

ہماری خطا:

آپ تاریخ اسلام میں مسلمانوں کی ناکامی کی تلخ داستانیں پڑھتے ہیں یہ حقیقت کی شکست کے واقعات نہیں یہ سب صورت کی شکست و ہزیمت کے واقعات نے ہم کو ہر معرکہ میں رسوا و ذلیل کیا ہے لیکن خطا ہماری تھی ہم نے غریب صورت پر حقیقت کا بوجھ رکھنا چاہا وہ اس بوجھ کو سہار نہ سکی۔ خود بھی گری اور عمارت کو بھی زمین پر لے آئی۔

حقیقت اسلام مدتوں سے میدان میں آئی ہی نہیں:

عرصہ دراز سے صورت اسلام معرکہ آزما ہے اور شکست پر شکست کھا رہی ہے اور حقیقت اسلام مفت میں بدنام اور دنیا کی نگاہوں میں ذلیل ہورہی ہے، دنیا سمجھ رہی ہے کہ ہم اسلام کو شکست دے رہے ہیں، اس کو خبر نہیں کہ حقیقت اسلام تو مدت سے میدان میں آئی ہی نہیں اس کے مقابلہ میں مسلمانوں کی صرف صورت ہے نہ کہ اسلام کی حقیقت۔

یورپ کی قوموں کے مقابلہ میں ترکی میدان میں آیا لیکن اسلام کی ایک نڈھال صورت لے کر یہ نحیف و نزار صورت مقابلہ میں ٹھہر نہ سکی، فلسطین میں تمام عرب قومیں اور سلطنتیں مل کر یہودیوں کے مقابلہ میں آئیں لیکن حقیقت اسلام شوق شہادت جذبہ جہاد اور ایمانی کیفیت سے اکثر عاری، عربی قومیت کے نشہ میں سرشار صرف اسلام کے نام و نسب سے آراستہ، نتیجہ یہ ہوا کہ اس بے روح صورت نے یہودیوں کی جنگی قوت و تنظیم و اسلحہ کی حقیقت سے مات کھائی، اس لئے کہ صورت حقیقت کا مقابلہ نہیں کرسکتی، یہودی ایک حقیقت رکھتے تھے۔ اگرچہ سرتاپا مادی، عرب صرف ایک صورت رکھتے تھے اگرچہ مقدس لیکن صورت صورت ہے اور حقیقت حقیقت ہے۔

رحمت و نصرت تائید و اعانت کے وعدے حقیقت سے متعلق ہیں:

اسلام کی صورت اللہ کے یہاں ایک درجہ رکھتی ہے اس لئے کہ اس میں مدتوں اسلام کی حقیقت بسی ہوئی رہی ہے اور یہ کہ حقیقت کا قالب ہے اسلام کی صورت بھی اللہ کو پیاری ہے

اس لئے کہ اس کے محبوبوں کی پسندیدہ صورت ہے، اسلام کی صورت بھی اللہ کی ایک بڑی نعمت ہے اس لئے کہ اس صورت سے حقیقت اسلام کی طرف منتقل ہونا نسبتاً آسان ہے، جہاں صورت بھی نہیں وہاں حقیقت پر پہنچنا بہت مشکل ہے لیکن دوستو اللہ تعالیٰ کی رحمت و نصرت کے وعدے دنیا میں اور مغفرت ونجات اور ترقی درجات کے وعدے آخرت میں سب حقیقت سے متعلق ہیں نہ کہ صورت سے، حدیث میں ہے:

ان اللہ لا ینظر الی صور کم و اموالکم ولکن ینظر الی قلوبکم واعمالکم. (مشکوۃ کتاب الایمان)

اللہ تعالیٰ تمہاری صورتوں اور مالوں کو نہیں دیکھتا ہے وہ تمہارے دلوں اور اعمال کو دیکھتا ہے جو لوگ صرف صورت کے حامل تھے اور حقیقت سے یکسر خالی تھے، ان کو وہ ان لکڑیوں سے تشبیہ دیتا ہے جو کسی سہارے رکھی ہوئی ہیں، وہ فرماتا ہے:۔

وَاِذَا رَاَیْتَہُمْ تُعْجِبُکَ اَجْسَامُہُمْ وَاِنْ یَّقُوْلُوْا تَسْمَعْ لِقَوْلِہِمْ کَاَنَّہُمْ خُشُبٌ مُّسَنَّدَۃٌ، یَحْسَبُوْنَ کُلَّ صَیْحَۃٍ عَلَیْہِمْ.

(سورہ منافقون ۴)

اگر تم ان کو دیکھو تو تم کو ان کے جسم بڑے بھلے معلوم ہوں گے، وہ بات کریں گے تو تم کان لگا کر سنو گے لیکن واقعہ یہ ہے کہ وہ لکڑیاں ہیں جو سہارے سے رکھی ہوئی ہیں، ہر آواز کو وہ اپنے خلاف ہی سمجھتے ہیں۔

دین کے اقتدار اور امن واطمینان کا وعدہ:

دنیا میں بھی فتح ونصرت وتائید واعانت کے وعدے حقیقت ایمان کے ساتھ مشروط ہیں اللہ تعالیٰ صاف فرماتا ہے:۔

وَلَا تَہِنُوْا وَلَا تَحْزَنُوْا وَاَنْتُمُ الْاَعْلَوْنَ اِنْ کُنْتُمْ مُّؤْمِنِیْنَ.

(آل عمران ۱۳۹)

(ترجمہ) سست وغمگین نہ ہو تم ہی سربلند ہو، اگر تم (حقیقۃ) صاحب ایمان ہو۔

ظاہر ہے کہ اس آیت میں خطاب مسلمانوں ہی کو ہے لیکن پھر بھی شرط لگائی ہے کہ اگر تم میں حقیقت ایمان پائی جاتی ہے تو پھر تمہاری سربلندی میں شک نہیں۔

دوسری آیت میں بھی صفت ایمان ہی پر اپنی مدد کا وعدہ فرمایا۔

إِنَّا لَنَنْصُرُ رُسُلَنَا وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَيَوْمَ يَقُوْمُ الْاَشْهَادُ (المومن ۵۱)

ہم ضرور ضرور اپنے پیغمبروں کی مدد کریں گے اور ان لوگوں کی جو صفت ایمان سے متصف ہیں، دنیا کی زندگی میں بھی اور آخرت میں بھی جب اللہ کے گواہ کھڑے ہوں گے۔

اسی حقیقت ایمان پر خلافت ارضی دین کے اقتدار اور امن و اطمینان کا وعدہ فرمایا ہے۔

وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ وَعَمِلُوا الصّٰلِحَاتِ لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِي الْاَرْضِ كَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ وَلَيُمَكِّنَنَّ لَهُمْ دِيْنَهُمُ الَّذِي ارْتَضٰى لَهُمْ وَلَيُبَدِّلَنَّهُمْ مِنْ بَعْدِ خَوْفِهِمْ أَمْنًا.

(سورہ نور ۵۵)

ان لوگوں کے ساتھ جو ایمان رکھتے ہیں اور جن کے عمل صالح ہیں اللہ کا وعدہ ہے کہ ان کو زمین کی خلافت سے سرفراز کرے گا جیسے ان لوگوں کو سرفراز کیا جو ان سے پہلے تھے اور ان کے دین کو جو اللہ کا پسندیدہ ہے اقتدار عطا فرمائے گا اور ان کے خوف کو امن سے بدل دے گا۔

لیکن باوجود اس کے کہ یہ سارے وعدے ایمان و عمل صالح کی بنیاد پر تھے پھر یہ شرط فرمائی کہ یہ ضروری ہے کہ ان میں اسلام کی حقیقت (توحید کامل) پائی جائے۔

يَعْبُدُوْنَنِيْ لَا يُشْرِكُوْنَ بِيْ شَيْئًا .(النور)

(اس شرط سے) کہ میری عبادت کریں گے میرے ساتھ کسی کو شریک نہ کریں گے۔

امت کی سب سے بڑی خدمت:

پس اس وقت سب سے بڑا کام اور امت کی سب سے بڑی خدمت یہ ہے کہ اس کے علماء اور سواد اعظم کی صورت سے حقیقت کی طرف سفر کرنے کی دعوت دی جائے، صورت اسلام میں روح اسلام اور حقیقت اسلام پیدا کرنے کی کوشش کی جائے، اس وقت امت کی سب سے بڑی احتیاج یہی ہے کہ اسی سے اس کے حالات اور اس کے نتیجہ میں دنیا کے حالات بدلیں گے، دنیا کے حالات اس امت کے حالات کے اور اس امت کے حالات اس حقیقت کے تابع ہیں، یہ امت حضرت مسیح (علیہ السلام) کے الفاظ میں زمین کا نمک ہے، دیگ کا مزا

نمک کے تابع ہے اور نمک کا مزا اس کی نمکینی پر موقوف ہے اگر نمک کی نمکینی ختم ہوجائے تو وہ نمک کس کام کا؟ اور پھر کھانے کو خوش ذائقہ بنانے والی چیز کہاں سے آئے گی؟ آج ساری زندگی بے کیف اور بے روح ہے اس لئے کہ اس امت کی بڑی تعداد حقیقت سے عاری اور روح سے خالی ہے پھر زندگی میں روح اور حقیقت کہاں سے آئے گی؟

اقوام عالم کی جڑیں خشک ہوچکی ہیں:

دنیا کی اور قومیں بھی ہیں جو ہزاروں برس سے اپنے مذہب اور روح سے خالی ہوچکی ہیں اور ان میں صرف چند بے روح رسمیں اور چند بے حقیقت صورتیں رہ گئیں ہیں لیکن ان قوموں کی دینی وروحانی زندگی ختم ہوچکی ہے ان کی زندگی کے سوتے خشک ہوچکے ہیں آج دنیا کی کوئی طاقت کوئی شخصیت کوئی اصلاح ان میں دینی زندگی اور حقیقی روح پیدا نہیں کرسکتی ایک نئی قوم کا بن جانا ان قوموں کی دوبارہ زندگی سے آسان ہے جن لوگوں نے ان قوموں میں از سر نو دینی زندگی اور اخلاقی روح پیدا کرنے کی انتہائی جدوجہد کی، وہ زمانہ حال کے وسائل اور سہولتوں کے باوجود سخت ناکام رہے، اس لئے کہ درحقیقت ان میں ایمان ویقین اور دینی روح پیدا کرنے کا سرچشمہ عرصہ ہوا خشک ہوچکا ہے، زندگی کا سرا اور رشتہ کٹ چکا ہے جب کسی درخت کی جڑ خشک ہوچکی ہو اور اس کی رگیں زمین چھوڑ چکی ہوں تو اس کی پتیوں کو پانی دینے سے کچھ نہیں ہوتا۔

مسلمان کے لئے حقیقت کی طرف ترقی کرنے کی ضرورت:

لیکن اس امت کی زندگی کا سرچشمہ موجود ہے اس امت کی زندگی کا سرا موجود ہے اور یہ امت اس سے وابستہ ہے وہ ہے اللہ اور اس کے رسول پر ایمان، آخرت اور حساب کتاب کا یقین لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ کا اقرار اس امت کا اس گئی گذری حالت میں بھی اللہ اور اس کے رسول سے جو تعلق ہے وہ دوسری قوموں کے خواص کو بھی نصیب نہیں۔ اس انحطاط کے زمانہ میں بھی جتنی حقیقت اس میں پائی جاتی ہے وہ دوسری قوموں میں مفقود ہے، اس کی کتاب آسمانی (قرآن مجید) محفوظ ہے اور اس کے ہاتھوں میں ہے، اس کے پیغمبر کی سیرت اور زندگی جو آج بھی ہزاروں لاکھوں دلوں کو گرما دینے اور زمانے کے خلاف لڑا دینے کی

طاقت رکھتی ہے، مکمل طریقہ پر موجود ہے اور آنکھوں کے سامنے ہے، صحابہ کرام کی زندگی اور ان کی زندگی کا انقلاب اور ان کی کوششوں سے دنیا کا انقلاب نظر کے سامنے موجود ہے یہ سب زندگی کے سرچشمے ہیں، یہ حرارت اور روشنی کے مرکز ہیں صرف اس کی ضرورت ہے کہ اس امت میں صورت سے حقیقت کی طرف ترقی کی ضرورت کا عام احساس پیدا ہو، زندگی کے ان مرکزوں سے تعلق پیدا ہو، اور مادی ومعاشی انہماک سے ان کو مرکزوں سے اکتساب فیض کی فرصت ملے اور وہ اپنی اصلی زندگی کے چند دن گذار کر اپنی زندگی میں انقلاب اور اپنی پوری زندگی میں ایمان واحتساب اور اللہ کے وعدوں پر یقین اور اس کی رضا کے شوق میں کامل روح پیدا کریں۔

ہماری دعوت صرف یہ ہے کہ:۔

یا ایھا الذین آمنوا آمنوا.

(ترجمہ) اے مسلمانو صورت اسلام سے حقیقت ایمان کی طرف ترقی کرو۔

ہمارے مستقل ہفتہ وار اجتماعات جن کی ہم شہر شہر اور قصبہ قصبہ دعوت دیتے ہیں اسی لئے ہیں کہ ہر آبادی میں ایسے مرکز قائم ہوں جہاں مسلمان جمع ہوکر اپنی زندگی کا بھولا ہوا سبق یاد کریں، جہاں سے انہیں حقیقت اسلام کا پیغام ملے جہاں سے ان کو اپنی کھوئی ہوئی زندگی کا سراغ لگے، جہاں سیرت نبوی ﷺ اور اصلی اسلامی زندگی کے واقعات اور دین کی بنیادی واصولی دعوت کے ذریعہ ان میں دینی انقلاب کی خواہش پیدا ہو، اگر یہ مرکز اور اس طرح کے اجتماعات نہ ہوتے تو بڑے پیمانے پر اور طاقتور اور موثر طریقہ پر امت کی اکثریت میں "حقیقت اسلام" اور روح اسلام پیدا ہونے کی کیا توقع ہے؟

پھر ہم مسلمانوں کو اس کی دعوت دیتے ہیں کہ وہ کچھ دن حقیقت اسلام کو حاصل کرنے اور اس کو اپنے میں راسخ کرنے کے لئے اپنے اوقات فارغ کریں اور اس ماحول سے نکل کر جس میں حقیقت اسلام پنپنے اور ایمانی کیفیات ابھرنے نہیں پاتیں، ایک ایسے ماحول میں وقت گزاریں جہاں اصلی زندگی کی جھلک موجود ہو، جہاں علم وذکر، دعوت وتبلیغ، خدمت وایثار، تواضع وخلق، محنت وجفاکشی کی زندگی ہو، ہم اس وقت مسلمانوں کو اس مقصد کے لئے جماعتوں کی شکل میں نکلنے کی دعوت دیتے ہیں، اگر مسلمانوں کی بڑی تعداد اس کو جزء زندگی بنالے

اور اس کا رواج پڑ جائے تو ہم کو اللہ کی ذات سے امید ہے کہ کروڑوں مسلمانوں تک، حقیقت اسلام کا یہ پیغام پہنچ جائے گا۔ اور لاکھوں مسلمانوں کی زندگی میں دینی روح ایمان و اسلام کی حقیقت اور اس کی صفات و کیفیات پیدا ہو جائیں گی۔

حقیقت اسلام دوبارہ پیدا ہو سکتی ہے:

حضرات! ہم اس سے بالکل مایوس نہیں ہیں کہ اس زمانہ میں حقیقت اسلام پیدا نہیں ہو سکتی ہم کسی ایسے زمانہ اور انقلاب کے قائل نہیں جس میں حقیقت اسلام دوبارہ پیدا نہیں کی جا سکتی، آپ پیچھے مڑ کر دیکھئے، تاریخ کے سمندر میں آپ کو حقیقت اسلام کے جزیرے بکھرے ہوئے نظر آئیں گے، بارہا حقیقت اسلام ابھری اور ایمانی کیفیات پیدا ہوئیں، وہی اللہ اور رسول پر یقین واعتماد، وہی شہادت کا ذوق، جنت کا شوق، وہی دنیا پر آخرت کی ترجیح، جب کبھی اور جہاں کہیں حقیقت اسلام پیدا ہوئی اس نے ظاہری قرائن وقیاسات کے خلاف حالات اور مخالف طاقتوں پر فتح پائی ہے، تمام گزرے ہوئے واقعات کو دہرا دیا ہے اور قرن اول کی یاد تازہ کر دی ہے۔

حقیقت اسلام میں آج بھی طاقت ہے:

حقیقت اسلام اور حقیقت ایمان میں آج بھی وہی طاقت ہے جو ابتدائے اسلام میں تھی آج بھی اس سے وہ تمام واقعات ظاہر ہو سکتے ہیں جو اس سے پہلے ظاہر ہوئے ہیں آج بھی اس کے سامنے دریا پایاب ہو سکتے ہیں، سمندر میں گھوڑے ڈالے جا سکتے ہیں، درندے جنگل چھوڑ کر جا سکتے ہیں، بھڑکتی ہوئی آگ گلزار بن سکتی ہے، لیکن شرط یہ ہے کہ حقیقت ابراہیمی موجود ہو

آج بھی ہو جو ابراہیم کا ایمان پیدا
آگ کر سکتی ہے انداز گلستاں پیدا

اعلیٰ اخلاقی قدریں دل کے اندر کھوئی ہیں ان کی باہر تلاش ہے

یہ تقریر ۲۷ جنوری ۱۹۵۴ء کی شب میں گورکھپور (ہندوستان) کے ٹاؤن ہال میں کی گئی تھی اس موقع پر شہر کے تعلیم یافتہ ہندو مسلمان حضرات موجود تھے۔

الحمد لله رب العالمين والصلوٰة والسلام علی سيدالانبياء والمرسلين، وعلیٰ آله واصحابه اجمعين. امابعد.

ایک کہانی:

دوستو! بچپن میں ایک کہانی سنی تھی۔ ایک صاحب سڑک پر کچھ تلاش کررہے تھے، لوگوں نے پوچھا صاحب آپ کیا تلاش کررہے ہیں؟ انہوں نے کہا جیب سے اشرفی گر گئی تھی، اسے تلاش کررہا ہوں کچھ بھلے مانس بھی ان کے ساتھ تلاش میں لگ گئے، تھوڑی دیر کے بعد کسی نے پوچھا، حضرت وہ اشرفی کہاں گری تھی؟ کہنے لگے گری تو گھر کے اندر تھی مگر مشکل یہ ہے کہ گھر میں روشنی نہیں ہے، سڑک پر روشنی ہے، اس لئے یہاں تلاش کررہا ہوں۔

انسان کی سہولت پسندی:

بظاہر تو یہ ایک افسانہ یا لطیفہ معلوم ہوتا ہے مگر واقعات کی دنیا میں دیکھیں گے تو یہی نظر آئے گا کہ جو چیز گھر میں کھوئی ہے، اس کی آج باہر تلاش ہے۔ بڑے بڑے میدانوں میں آج یہی ہورہا ہے کہ گھر کی چیز باہر تلاش کی جارہی ہے، کوئی چیز کھوئی تو ہے اپنے اندر مگر تلاش اس کی باہر ہے، کیونکہ باہر روشنی ہے، آج بہت سی ایسی چیزوں کی کمیٹیوں اور جلسوں میں تلاش ہے،

سکون، امن، اطمینان اندر کی چیزیں ہیں لیکن ان کی تلاش باہر ہے، انسانیت کی قسمت اندر سے بگڑی ہے لیکن باہر اس کو بنانے کی کوشش کی جا رہی ہے، جس امن وسکون اور اطمینان قلب کی ہمیں ضرورت ہے، جس محبت کی فضا، ہمدردی کی فضا، اخلاق کی فضا کی ہمیں اور آپ کو ضرورت ہے، زندگی کا جو جوہر اور زندگی کا جو قیمتی سرمایہ آج مفقود ہے، وہ سب دل کی دنیا میں کھویا ہے، لیکن وہاں اندھیرا ہے، وہاں ہماری گزر نہیں، اس لئے ہم اس کو باہر ڈھونڈتے پھرتے ہیں ہم نے بڑا ظلم کیا کہ پہلے ہم نے دلوں میں جانے کا راستہ کھویا۔ اب اس کی چیزوں کو باہر تلاش کر رہے ہیں، آج دنیا کے اسٹیج پر یہی ڈرامہ کھیلا جا رہا ہے، دل کی دنیا میں اندھیرا ہے، وہاں برسوں سے گھٹا ٹوپ اندھیاری ہے، ہاتھ کو ہاتھ سجھائی نہیں دیتا، انسانی فطرت سہولت پسند ہے، اس نے کبھی یہ زحمت برداشت نہیں کی کہ دل کے اندر ڈوب کر کھوئی ہوئی قیمتی چیز کو تلاش کر لے، اس نے اس کو آسان سمجھا کہ باہر روشنی میں اپنے گم شدہ مال کو تلاش کرے، آج قومیں حیران ہیں، بڑے بڑے حکیم ودانا سرگرداں ہیں، لیکن اس کا سرا نہیں ملتا کہ ہمارا مال کھویا کہاں ہے لوگوں نے جب دیکھا کہ دل کا دروازہ نہیں ملتا اور اس پر بس نہیں چلتا، اس کو روشن اور گرم کرنے کا سامان ہمارے پاس نہیں تو انہوں نے دماغ کی طرف توجہ کی اور انسانوں کی معلومات بڑھانا شروع کر دیں جو بات آسان تھی وہ کرنے لگے۔ دماغ تک پہنچنا آسان تھا، انہوں نے دل کو چھوڑ کر دماغ کا راستہ اختیار کر لیا۔

آج ہر ایک اسی قافلہ کا شریک ہے، جو آ رہا ہے وہیں جا رہا ہے، دل کے اندر پہنچنے کی کوشش نہیں، دنیا کی چول جب تک اپنی جگہ پر نہ آئے سدھار ناممکن ہے، گھر میں اندھیرا ہے تو روشنی باہر سے لانا پڑے گی اور گھر میں کھوئی ہوئی پونجی اور من کی لٹی ہوئی دولت کو وہیں تلاش کرنا پڑے گا، اگر ایسا نہ کیا تو زندگی ختم ہو جائے گی اور اس کا سراغ نہیں ملے گا۔

حقیقتوں سے کشتی نہیں لڑی جا سکتی:

آج ضرورت تھی کہ ان حقیقتوں کو ابھارا جاتا، انسانوں کو زندگی کا مقصد بتایا جاتا، تعلقات درست ہوتے، انسان حیوانی سطح سے بلند ہوتے، ایک دوسرے سے محبت ہوتی، ایک دوسرے کے لئے قربانی کا جذبہ ہوتا، ایک دوسرے کو بھائی کی نظر سے دیکھا جاتا، رقابت کی نظریں بند ہوتیں، اعتماد اور محبت کی نظریں پیدا ہوتیں، حقیقتیں گم ہو گئیں، سب سے بڑی حقیقت حقیقتوں

کی جان یہ تھی کہ کسی نے اس دنیا کے کارخانے کو بنایا ہے، وہ اسی کی مرضی اور ہدایت کے مطابق ٹھیک ٹھیک چل سکتا ہے، اگر اس سے لڑنے کی کوشش کی جائے گی اور اس کی ہدایات (DIRECTIONS) کے مطابق کام نہیں ہوگا، تو کارخانہ درہم برہم ہو جائے گا، گھڑی کی مثال لے لیجئے جو اس کا ماہر خصوصی (SPECIALIST) ہے، اس کی ساخت سے واقف ہے، وہی اس کی کل درست کر سکتا ہے، کوئی شخص کتنا ہی بڑا عالم و فاضل ذہین اور فلسفی ہو، لیکن گھڑی اس کی ذہانت اور علم سے درست نہیں ہو سکتی، وہ تو ماہر فن کے چلانے سے چلے گی، یہ دنیا جس نے بنائی ہے، اسی کی ہدایت سے ٹھیک ٹھیک چلے گی، حقیقتوں سے کشتی نہیں لڑی جا سکتی، ان کے سامنے سر جھکانا ہی پڑے گا۔

انسان دنیا کا ٹرسٹی ہے:

میں اس وقت آپ سے کچھ بے لاگ باتیں کرنا چاہتا ہوں، لعنت ہے ایسی زندگی پر جس میں کبھی سچی بات نہ کہی جا سکے، آج ہر آدمی فائدہ دیکھتا ہے، اور فائدے کے پیش نظر سچ یا جھوٹ بولنے میں ذرا پس و پیش نہیں کرتا، دنیا میں ایسے آدمیوں سے سدھار ناممکن ہے، جو دو چار ایسے آدمی دنیا میں موجود ہیں، انہیں سے دنیا قائم ہے، جو ہمیشہ سچی بات کہتے ہیں چاہے جان جائے۔

آج دنیا کے رخ پر جو نکھار اور تابانی ہے یہ ان حق گو پیغمبروں، اللہ کے بھیجے ہوئے انسانوں کے خون جگر کا نتیجہ ہے جنہوں نے انسانیت کی فلاح اور قیام کے لئے اپنی زندگیاں نثار کر دیں۔ اور اس طرح سے ان مقدس ورثہ اور گراں قدر متاع کے ہم وارث ہوئے۔ انسانیت کی نجات کا راستہ وہی درخشاں راستہ ہے جسے ان لوگوں نے دکھایا، آج بھی جب تک ہم یہ نہ سمجھیں کہ دنیا ہمارے لئے ہے اور ہم خدا کے لئے ہیں، ہم اس کے متولی (TRUSTEE) اور امین ہیں اور خدا کے سامنے ذمہ دار و جوابدہ ہیں، انسانیت کی مشکلیں حل نہیں ہو سکتیں، یہ تھا راستہ مشکل اور کانٹوں بھرا، لیکن یہی انسانیت کا راستہ تھا، یہ ایک ذمہ داری کی بات تھی، لوگوں نے اس سے گریز کیا، اور کلچر اور تہذیب کا نام لینا شروع کر دیا۔

انسانیت کا مسئلہ پرانی تہذیبوں سے حل نہیں ہوسکتا:

دنیا کی تمام تہذیبیں قابل احترام ہیں خصوصاً اپنے ملک ہندوستان کی تہذیب ہمیں عزیز ہے ، یہ ہماری میراث ہے اور ہم اس کی قدر کرتے ہیں، لیکن انسانیت کا صحیح ارتقاء پرانی تہذیبوں سے نہیں ہوسکتا، ان چیزوں میں اب جان نہیں رہی، ان کی صلاحیت اب ختم ہوگئی۔ یہ اپنا مشن (MISSION) پورا کرچکیں یہ اپنا پارٹ ادا کرچکیں، ان کے بہت سے پہلو اب بھی بہت اچھے ہیں، لیکن آج انسانیت کے عروج کے لئے اور عام اخلاقی گراوٹ کو روکنے کے لئے ان میں کوئی جان نہیں، ان کے پاس کوئی پیغام نہیں، جس طرح ایک جگہ کی چیز دوسری جگہ نصب (ADJUST) نہیں کی جاسکتی، دوہزار برس کی چیز آج کے ماحول میں کام نہیں دے سکتی، عربوں کی پرانی تہذیب رومیوں اور یونانیوں کی تہذیب اپنے اپنے وقت کی زندہ اور ترقی یافتہ تہذیبیں تھیں، لیکن اب وہ اپنا نمو اور شادابی کھوچکیں، اب ان کی جگہ صرف آثار قدیمہ میں ہے

تہذیبیں انسانیت کا لباس ہیں انسانیت لباس تبدیل کرتی رہتی ہے:

انسانیت تہذیبوں سے بالاتر ہے، یہ سب تہذیبیں مل کر بھی آدمیت کو جنم نہیں دیتیں، آدمیت تہذیبوں کو جنم دیتی ہے، آدمیت کسی مخصوص زمانے اور کسی مخصوص مقام سے مخصوص نہیں، تہذیبیں اس کا لباس ہیں اور اپنا لباس بدلتی رہتی ہے، اور اپنے سن اور اپنے ذوق کے مطابق اپنے کو آراستہ کرتی رہتی ہے اور یہ بالکل قدرتی اور ضروری ہے، جو بچہ ہے وہ بچوں کا لباس پہنے گا، جو جوان ہے وہ جوانوں کا چولا بدلے گا، بچوں کا لباس جوان کو نہیں پہنایا جاسکتا، انسانیت کو کسی خاص دور یا کسی خاص ملک کے کلچر کا پابند نہ کیجئے۔ انسانیت کو بڑھنے دیجئے، انسانیت آب حیات کا چشمہ ہے اسے ابلنے دیجئے، یہ صحرا، ریگستان اور میدانوں میں دوڑنا چاہتا ہے، اسے بڑھنے اور پھیلنے دیجئے۔ مذہب کے عالمگیر اور زندہ اصولوں اور اپنی ذہانت اور ذوق سے انسانیت کا ایک نمونہ اور ایک نیا پیکر پیدا کیجئے، انسانیت کو اخلاق کا ایک نیا گلدستہ بنائیے، وہ تازہ اور شاداب گلدستہ ہوگا، جو پھول سوکھ گئے، مرجھا گئے، ان کو گلے کا ہار بنانے پر اصرار نہ کیجئے۔

مذہب روح دیتا ہے، کلچر ایک ڈھانچہ:

مذہب اور تہذیب کا راستہ الگ ہے، مذہب روح دیتا ہے اور کلچر ایک ڈھانچہ (MODLE)

مذہب طریقہ حیات اور زندگی کا ایک ضابطہ دیتا ہے، کچھ پابندیاں عائد کرتا ہے، پھر آزاد چھوڑ دیتا ہے، مثال کے طور پر تہذیب کہتی ہے کہ سیٹھے کا قلم مقدس ہے اور مذہب کو اس سے بحث نہیں کہ لوہے کے قلم سے لکھا جائے یا فونٹن پن سے، اس کا مطالبہ صرف یہ ہے کہ جو کچھ لکھا جائے وہ سچ ہو اور اچھا، مذہب مقصد حیات عطا کرتا ہے اور زندگی کو روح دیتا ہے، وہ انسانی زندگی پر کنٹرول قائم رکھتا ہے مگر اس سے حرکت اور نشو ونما کی صلاحیت نہیں چھینتا کلچر کا احیاء انسان کی نجات نہیں چاہے یہ کام ہندو کرے یا مسلمان یا عیسائی۔

رسم الخط یا ضمیر واخلاق:

آج اس پر بڑا معرکہ برپا ہے کہ ملک کی زبان کیا ہونی چاہئے، کس رسم الخط میں لکھنا چاہئے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ انسانیت کے درد کا مداوا اسی میں ہے، ملک کا سدھار اسی پر موقوف ہے، دوستو! پیغمبروں کے سوچنے کا طریقہ یہ نہیں۔ ان کو اس سے کوئی دلچسپی نہیں کہ تحریر کہاں سے شروع کی جائے اور کہاں ختم کی جائے، دائیں سے شروع ہو کر بائیں طرف یا بائیں سے شروع ہو کر دائیں طرف، ان کو تو اس سے دلچسپی ہے کہ لکھنے والا سچا، خدا سے ڈرنے والا، امانت دار اور فرض شناس ہو۔ پھر وہ کسی طرح لکھے، وہ اچھا ہوگا۔ میں نے بنارس میں کہا تھا کہ اگر دستاویز جھوٹی ہے تو کیا دائیں سے شروع کرنے اور اردو یا فارسی میں لکھنے سے یا بائیں سے شروع کرنے اور ہندی یا انگریزی میں لکھنے سے وہ سچی ہو جائے گی؟ جھوٹی اور جعلی دستاویز کو جس طرح اور جس طرف سے لکھو گے وہ جھوٹی اور جعلی اور پاپی رہے گی، سچی دستاویز کو جس طرح اور جس طرف سے لکھو گے وہ سچی رہے گی، پیغمبر رسم الخط کے پیچھے نہیں پڑتے، وہ اس ہاتھ کو درست کرنا چاہتے ہیں جو قلم سے کام لیتا ہے، بلکہ وہ اس دل کو درست کرنا چاہتے ہیں جو ہاتھ کو حکم دیتا ہے۔

پیغمبر وسائل نہیں پیدا کرتے مقاصد عطا کرتے ہیں:

پیغمبروں کا کام یہ نہیں کہ اپنے اپنے زمانہ میں نئی نئی ایجادیں کریں اور آلات اور مشینیں تیار کریں، وہ اس طرح کہ انسان پیدا کرتے ہیں جو ان مصنوعات اور وسائل کو صحیح مقصد کے لئے صحیح طریقے پر استعمال کر سکیں، یورپ وسائل پیدا کرتا ہے، پیغمبر مقاصد عطا کرتے ہیں،

انہوں نے مشینیں نہیں ڈھالیں، آدمی ڈھالے تھے، یورپ نے مشینیں بنائیں مگر انہیں استعمال کون کرے؟ درندہ صفت انسان؟ آج ساری مصیبت یہ ہے کہ وسائل بہت ہیں، ایجادات بہت ہیں، سامان بہت ہے مگر صحیح طریقے پر استعمال کرنے والا آدمی نایاب ہے۔

انسانیت کو غمخوار انسانوں کی ضرورت ہے:

انسانیت کو آج ایمان ویقین، سچائی اور پاکیزگی، محبت ومروت اور ہمدردی، غمخواری کی ضرورت ہے، اس کا مداوا تہذیب نہیں، تحریر نہیں، اس کو ضرورت ہے غمخوار انسانوں کی، دردمند انسانوں کی، جو دوسروں کے لئے گھلیں اور اپنے کو مٹا کر دوسروں کو بنائیں، تحریروں اور تہذیبوں سے انسانیت نہیں پیدا ہوتی، یورپ نے ہم سے اخلاق اور روحانی اقدار (VALUES) چھین لئے، اس معاملہ میں وہ خود خالی ہاتھ تھا، اس نے ہمیں بھی دیوالیہ بنادیا، اس نے ہماری جھولیوں کو اخباروں سے بھر دیا، معلومات سے بھر دیا، مصنوعات سے بھر دیا اس نے ہماری راتوں کو چراغوں سے جڑ دیا، بجلی کی قمقموں سے جگمگا دیا، ہمیں دل کی روشنی کی ضرورت تھی، اس نے دل کا چراغ گل کر دیا، مبارک تھا وہ زمانہ جب دل کی روشنی تھی، بجلی کی روشنی نہیں تھی، آپ خود سوچیں آپ سے کوئی سودا کرنا چاہے تو آپ کو کون سا زمانہ پسند ہے؟ انسانیت کا ہمدردی کا، غمخواری کا زمانہ جس میں آدمیت کی قدر اور فکر تھی، یا وہ زمانہ جس میں انسانیت کا کوئی احترام نہیں، مگر اس میں پریس ہیں، بجلی کی روشنی ہے اور برقی پنکھے ہیں، آج سکون قلب میسر نہیں، لیکن پیسہ کی افراط ہے، آج سب کچھ ہے، لیکن روحانی قدریں عنقا ہیں، آج سب کچھ ہے، لیکن مقصد نہیں، جس کے حلق میں کانٹے پڑ رہے ہوں، پیاس سے تڑپ رہا ہو، اسے چلو بھر پانی چاہئے، اس کے لئے سب کچھ، کچھ نہیں، اس کے لئے اشرفیاں موجود ہوں تو کیا؟ بس تمدن میں محبت کا ذرہ نہیں، ایثار وہمدردی کا نام نہیں، جسے دیکھو غرض کا بندہ، اس تمدن کو لے کر کیا کریں۔

ہم نے دل کا راستہ کھو دیا:

ساری غلطی یہ ہو رہی ہے کہ صحیح دروازے سے آنے کی کوشش نہیں کی جاتی، چور دروازے سے داخل ہوتے ہیں، دل کا پھاٹک بند ہے اور اندر جانے کا راستہ وہی تھا، دل کا

راستہ ہم کھو چکے، ہم خودغرضیوں کے ساتھ وہاں نہیں پہنچ سکتے، دنیا کا بگاڑ، بیجا غرور اور خواہشات کا اقتدار اور ان سب کا دہانہ دل ہے، اس دل میں جب ایک خدا کا اقتدار نہیں، اسے اس کی بالادستی تسلیم نہیں، یہ اپنے کو اس کے سامنے جواب دہ نہیں سمجھتا تو پھر اس کی شکایت کیا، کسی کو پھر کیا غرض ہے کہ وہ کسی کی مدد کرے اور دوسرے کے لئے اپنے کو خطرے میں ڈالے، آج کی دنیا میں بھائی بھائی کو تاجرانہ ذہن سے دیکھتا ہے، ہر ایک نے دوسرے کو گاہک اور فریق سمجھ لیا ہے، سب طرف لوٹ کھسوٹ(EPLOITATION) کا بازار گرم ہے، فطرت انسانی مسخ ہوگئی ہے، باپ بیٹوں سے نالاں ہیں، استاد شاگردوں سے ناخوش ہیں۔

نظام تعلیم کا نقص:

آج یونیورسٹیوں میں کہرام مچا ہوا ہے کہ شاگرد ادب نہیں کرتے اور استاد شفقت و ہمدردی نہیں برتتے، تمام لوگ اس سے پریشان ہیں اور اس کی اصلاح کی طرح طرح کی کوششیں ہوتی ہیں، لیکن اس کی جڑ اور بنیاد و اصل پر غور نہیں کیا جاتا کہ تعلیمی نظام جس کا سارا ڈھانچہ مادہ پرستی ہو۔ آخر اس کے نتائج کیا ہو سکتے ہیں، تعلیم کا کون سا اسٹیج ہے، جہاں اخلاق اور کردار کی تعمیر کی کوشش کی جاتی ہے؟ یہ تمام برائیاں تو متوقع نتائج ہیں اس نظام تعلیم کے، تمہارا ادب، تمہارا آرٹ نفسانی خواہشات کو بیدار کرتا ہے، اور انسان کو موقع پرست (OPPORTUNIST) بناتا ہے اور پھر تمہارا ماحول ایسے مواقع بہم پہنچاتا ہے کہ خواہشات اور خودغرضیوں کی تسکین ہو سکے، وہ تمہیں دولت مند، ساہوکار بننے کا جذبہ دیتا ہے، اس وقت ضرورت ضمیر اور ذہن بدلنے کی ہے، ان کے بدلے بغیر کوئی تبدیلی نہیں ہو سکتی۔

ذہنیت کی تبدیلی کی ضرورت:

آج ہمارے ملک میں کئی اصلاحی اور سماجی تحریکیں چل رہی ہیں، ہم ان کی قدر کرتے ہیں اور ہمارا بس چلے تو ہم ان کی مدد کریں، خصوصاً بھودان تحریک، لیکن زمین لینے سے پہلے والوں میں یہ بات پیدا کرنے کی ضرورت ہے کہ کوئی زیادہ زمین رکھ ہی نہ سکے، لوگ خود بخود زمین دینے کو تیار ہو جائیں، ایسی ذہنیت بن جائے کہ لوگ ضرورتمندوں کو اپنی چیزیں دے کر خوشی محسوس کریں۔

ہم نے تاریخ میں یہ واقعہ پڑھا ہے کہ مکہ اور مدینہ میں پشتینی رقابت تھی، ان کے کلچر اور (SOCIAL LIFE) میں اختلاف تھا، لیکن جب مکہ سے لوگ مدینہ آنے پر مجبور ہوئے اور انہیں اپنا سارا اثاثہ اور مال و دولت چھوڑ کر خالی ہاتھ مدینہ آنا پڑا تو جن کے پاس کچھ نہ تھا، وہ مدینہ کے مالدار کھاتے پیتے لوگوں کے بھائی بنا دیئے گئے، انہوں نے اپنے ان بھائیوں کو سینے سے لگایا اور جن سے کوئی خونی رشتہ نہیں تھا، ان کے سامنے اپنے گھر کی آدھی دولت لا کر رکھ دی، ادھر آنے والوں کے دل ایسے بنائے گئے تھے اور ان کی ایسی تربیت کی گئی تھی کہ انہوں نے ان کو دعا دی اور ان کا شکریہ ادا کیا اور کہا کہ ہمیں اس کی ضرورت نہیں، آپ ہمیں کچھ تھوڑا سا قرض دے دیجئے اور بازار کا راستہ بتلا دیجئے، ہم مکہ میں بھی تجارت کرتے تھے اور یہاں بھی تجارت کریں گے، پیغمبر اسلام نے مدینہ والوں میں ایثار و ہمدردی اور قربانی کا جذبہ بیدار کیا اور مکہ والوں میں خود اعتمادی اور خودداری کا، انہوں نے گھر کی دولت آنے والوں کے قدموں پر ڈال دی اور آنے والوں نے دولت پر نگاہ نہ کی، اور اپنے ہاتھ پاؤں اور اپنی محنت سے کمانے کا فیصلہ کیا۔

ہمارا سر نیچا ہو جاتا ہے، جب آج کی ہجرت پر نظر ڈالتے ہیں، نہ ایک طرف ایثار و ہمدردی ہے، نہ دوسری طرف خود اعتمادی اور خودداری۔

ہم کہتے ہیں کہ ذہنیت بدلئے، محبت پیدا کیجئے، ایسے دل پیدا کیجئے جو دوسروں کے غم میں گھلنے کی آرزو کریں، زمین کی تقسیم سے پہلے انسان کے اندر یہ آگ پیدا کرنی تھی کہ اس سے کسی کی مصیبت نہ دیکھی جائے، کمیونزم انتظام اور اسٹیٹ سے کام لیتا ہے، مذہب دل کی کیفیت ایسی بناتا ہے کہ اشرفیاں سانپ بچھو معلوم ہونے لگیں، محمد رسول اللہ ﷺ نماز کے لئے کھڑے ہوئے، وہ نماز جس کے لئے آپ کہتے ہیں کہ میری آنکھوں کی ٹھنڈک نماز میں ہے، جس کے لئے آپ بے چین رہتے تھے اور بلالؓ موذن سے کہتے تھے کہ اذان دے کر میری تسکین کا سامان کرو، اسی نماز کے لئے کھڑے ہوتے ہیں، لیکن اچانک گھر میں جاتے ہیں پھر واپس آ کر نماز ادا کرتے ہیں، پوچھا گیا کہ آپ کو کون سا ضروری کام یاد آیا کہ نماز چھوڑ کر واپس تشریف لے گئے؟ فرمایا کہ تھوڑا سا سونا رکھا تھا، میں اسے غریبوں میں تقسیم کرنے کی ہدایت کر آیا۔

کوئی زبان غیر نہیں:

میں مسلمانوں سے کہوں گا کہ ہمت بلند کرو، تمہارا کسی زبان سے بیر نہیں، تمہیں کسی زبان سے وحشت نہیں ہونی چاہئے، تم نے فارسی کو اپنایا، تم ہندی کو کیوں نہ اپناؤ، ایسی سندر زبان جو ہمارے ملک کی زبان ہے، لیکن میں اپنے ہندو بھائیوں سے کہوں گا کہ وہ ٹھنڈے دل سے سوچیں کہ انسانیت کا سدھار نہ اس زبان میں ہے نہ اس زبان میں، نہ اس کلچر میں ہے، نہ اس کلچر میں، نہ اس تہذیب میں نہ اس تہذیب میں، آپ انسان میں قربانی کا جذبہ، نیکی کا جذبہ پیدا کیجئے، اسے انسان بنائیے، انسانیت کا احترام سکھائیے، آج انسانیت کا ضمیر (CONSCIENCE) بگڑ چکا ہے، وہ اپنی قوم اور اپنے ملک ہی کو دیکھنے کا عادی بن چکا ہے، سفید فام کہتے ہیں کہ بحر اوقیانوس (ATLANTIC OCEAN) سے اس طرف انسان ہی نہیں، ہر ملک کے باشندے اپنے سوا کسی کو انسان نہیں سمجھتے، ہر طرف جتھہ بندی ہے اور خود غرضی، روس کے کیمونسٹوں کے سامنے ایک طبقہ کا مفاد ہے، امریکہ کے سرمایہ داروں (CAPITALISTS) کے سامنے دوسرے طبقے کا مفاد، ایک کو سرمایہ دار نظر نہیں آتا، ایک کو کاشتکار، ایک کے نزدیک دنیا میں مزدور ہی مزدور ہیں، دوسرے کے نزدیک کاشتکار ہی کاشتکار، تیسرے کے نزدیک سرمایہ دار ہی سرمایہ دار، یہ قوم پرستی یہ تنگ نظری بڑی خطرناک چیز ہے۔

خدا پرستی کی تحریک کی ضرورت:

آج خدا پرستی اور انسانیت دوستی کی تحریک کی ضرورت ہے، آج اس کے لئے ایک زبردست مہم (CAMPAIGN) کی ضرورت ہے، ایک زلزلے کی ضرورت ہے، خدا پرستی کی آندھی کی ضرورت ہے، جو بڑی بڑی خود غرضیوں کے پہاڑوں کو ہلا دے، خواہشات کے ٹیلوں کو اڑا دے، شہر شہر، گاؤں گاؤں یہ کہتا ہے کہ حیوانی زندگی باقی رکھنے کے لائق نہیں، مادہ پرستی کا درخت کھوکھلا ہو چکا ہے، نفس پرستی کا درخت جو دنیا پر چھایا ہوا ہے، جڑیں چھوڑ چکا ہے، انسانو! اپنی قدر پہچانو، زندہ حقیقتوں سے اپنی قسمت باندھو، اللہ کی زبردست طاقت سے جڑ جاؤ۔

علم و اخلاق کے تعاون کی ضرورت:

ہم کو وہ سنیاسیت اور جوگ مطلوب نہیں جو دنیا سے کنارہ کشی کی تعلیم دے اور اپنی جگہ

غاروں اور پہاڑوں پر تلاش کرے، ہم اس روحانیت کی دعوت دیتے ہیں جو زندگی کے ساتھ چلتی ہے، بلکہ زندگی کی رہنمائی کرتی ہے، میں رجعت پسند نہیں، میں (REACTION) کا قائل نہیں، انسانیت کے لئے یہ ضروری ہے اور انسانیت کا تقاضا اور اس کی مانگ ہے، کہ اخلاق، علم و سائنس اور خدا پرستی مل جل کر چلیں، آج اس کا توازن بگڑ گیا، ان میں تعاون اور اعتماد (CO-OPERATION) نہیں رہا، سائنس ایک طرف جارہی ہے تو اخلاق ایک طرف، دونوں انتہا پسند (EXTREMIST) ہیں۔

مادہ پرستی اور روحانیت:

یہی حال مادہ پرستی اور روحانیت کا ہے، ایک دنیا کو نگل لینا چاہتا ہے، اسے پوجتا ہے، ایک اس سے نفرت کرتا ہے اور اس سے بیزار ہے، ہم یہ کہتے ہیں کہ اسے خدا کا عطیہ سمجھ کر، اللہ کی نعمت سمجھ کر اس کے قانون کے مطابق استعمال کرو، اسے اپنا غلام سمجھو، خود اس کے غلام نہ بن جاؤ، نہ اس زندگی کی پرستش کرو، نہ اس سے نفرت کرو، خدا کے سامنے اپنے کو جواب دہ سمجھو اور اس کی عدالت کے سامنے حاضر ہونے کا اور جزا و سزا کا یقین کرو، اس کے بھیجے ہوئے بے غرض اور مخلص پیغمبروں پر اعتماد کرو اور انہیں سے اس زندگی کے اصول اور ضوابط حاصل کرو، اپنے کو خدا کا بناؤ، یہ دنیا تمہاری بن جائے گی۔

و آخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین

دنیا کی موجودہ کشمکش یہ نہیں کہ برائی دور ہو بلکہ یہ کہ برائی ہماری نگرانی اور انتظام میں ہو

(یہ تقریر یکشنبہ ۲۴ جنوری ۱۹۵۴ء کو مئو ضلع اعظم گڑھ (ہندوستان) میں (جو ایک بڑا صنعتی مرکز ہے) ہندو مسلمانوں کے ایک مشترک جلسہ میں کی گئی تھی، جس میں مختلف سیاسی پارٹیوں اور عقیدوں کے لوگ شریک تھے۔)

نحمده' ونصلي على رسوله الكريم اما بعد.

سامعین محترم! اس دنیا کی تقسیمیں بڑی بے رحم ہیں، پہلے قوموں اور سلطنتوں نے ملکوں کو بانٹا تھا، مگر اب سیاسی تحریکوں نے قوموں اور محلوں کو بانٹ دیا ہے، مذہب کی آڑ میں ایسے فتنے نہیں تھے، جتنے آج کی مہذب دنیا اور جمہوری دور میں نظر آ رہے ہیں، آج کے سیاسی پلیٹ فارم لوگوں کو جدا کرنے کے لئے یا اپنے گروپ بڑھانے کے لئے مخصوص ہیں، لیکن اب بھی بے غرضی سے پکارا جاتا ہے تو لوگ اب بھی جواب دینے کو تیار ہیں، ابھی اس کا امکان ہے کہ سیاسی پلیٹ فارم کے علاوہ بھی لوگ جمع ہو جائیں، ہم نے خالص انسانی مسئلوں پر غور کرنے کی دعوت دی، ہمارا دل بہت خوش ہے کہ آپ نے دعوت قبول کی، آپ کا سیاسی تحریکوں سے گھبرانا تعجب نہیں، انسان اپنے تجربوں ہی سے نتیجہ نکالتا ہے، آدمی بار بار جن چیزوں کو ہوتے دیکھتا ہے، اس سے قاعدہ بنالیتا ہے، آج اغراض کے لئے جمع کرنے کی عادت ہے، آپ ہم پر بھروسہ کریں۔ ہم کسی پارٹی کے ماؤتھ پیس (MOUTH PIECE) یا لاؤڈ اسپیکر نہیں ہیں، ہمارے سامنے خالص انسانیت کا مسئلہ ہے۔

سب ٹھیک ہو رہا ہے لیکن میرے اہتمام سے ہونا چاہئے:

دوستو! اس وقت کا انسان اصل بگاڑ سے آنکھیں بند کر کے کہتا ہے کہ سب ٹھیک ہو رہا ہے، لیکن میرے اہتمام سے ہونا چاہئے۔ جو کچھ ہو میری نگرانی اور چودھراہٹ میں ہو۔ بد اخلاقی و بے مروتی، چور بازاری، دولت سمیٹنے کی ہوس سب ٹھیک ہے، لیکن اس کی تولیت (TRUSTEESHIP) ہمارے سپرد ہو تو خوب ہے، آج سب کے دل کی خواہش یہی ہے اور جب بھی کسی کے ہاتھ میں انتظام آیا ہے تو اس نے لوٹ پھیر کر وہی نظام قائم رکھا اور تھوڑی سی ترمیم کے بعد بات وہیں رہی جہاں تھی۔ بگاڑ کے سمجھنے میں مختلف پارٹیوں میں کچھ زیادہ بنیادی اختلاف نہیں، کوئی نہیں کہتا کہ جو سب کچھ ہو رہا ہے نہیں ہونا چاہئے بلکہ سب کا کہنا یہ ہے کہ جو ہو رہا ہے ہمارے ماتحت اور ہماری سرپرستی میں ہونا چاہئے۔ گویا اس پر اعتراض نہیں کہ کارخانہ غلط ہے بلکہ اس پر غصہ ہے کہ ہمارا سایہ اس کے سر پر نہیں۔

یورپ اور ایشیا میں آج یہی جذبہ کام کر رہا ہے:

دنیا کی بڑی جنگیں اسی بنیاد پر لڑی گئیں، فرانس، انگلستان، جرمنی، روس اور امریکہ وغیرہ سب اسی جذبہ کو لے کر اٹھے۔ انہوں نے لفظوں کو آڑ بنا کر یہ مطالبہ کیا کہ نو آبادیات (COLONIES) کا انتظام دوسروں کے سپرد کیوں ہے، اور دوسری ہی قوم ہمیشہ کیوں حاوی رہے۔ انسانیت کے درد سے بے قرار ہو کر ان میں سے کوئی نہیں اٹھا تھا، ان میں کوئی حضرت مسیحؑ کا مذہب جاری کرنے اور دنیا کے ساتھ انصاف کرنے، فسق و فجور، فحاشی اور عیاشی اور ظلم اور زیادتی مٹانے نہیں اٹھا تھا، نہ انگریز، نہ جرمن، نہ روس، نہ امریکہ، انہیں اچھے برے، ظلم و انصاف، حق و باطل سے کچھ بحث نہ تھی، حاشا وکلا انہوں نے کبھی یہ نہیں سوچا تھا کہ ہم دنیا کو صحیح نظام زندگی دیں گے اور انسانیت کی خدمت کریں گے، ان کے پیش نظر یہ تھا کہ ہم لوگ سونے چاندی کی گنگا بہائیں گے اور ملکوں کے ذخیروں اور دولتوں سے فائدہ اٹھائیں گے۔ وہ دنیا پر اپنی اجارہ داری (MONOPOLY) قائم کرنا چاہتے تھے، یہ سب ایک نظام زندگی پر ایمان لائے تھے کہ تمام دنیا کو پامال کر کے انسانوں کی لاشوں پر عیش و عشرت کی محفل رچائیں گے اور آدمیت کے ملبہ پر اپنی شان و شوکت کا محل تیار کریں گے۔ سب ترسے ہوئے ندیدے،

دولت کے بھوکے خواہشات کے غلام، شرابخوار، قمار باز، خدا کو بھولے ہوئے، فطرتِ صحیح کے خلاف بغاوت کرنے والے تھے دل رحم سے خالی، انسانیت کے درد سے عاری، انہیں کے نقش قدم پر آج قوم اور ملک، ذاتیں اور برادریاں، سیاسی پارٹیاں، قومی ادارے اور قوم پرست حکومتیں چل رہی ہیں۔ سب کا جذبہ یہ ہے کہ ہم اور ہمارے رفیق اور ساتھی اور عزیز و احباب موج کریں۔ وہ موجودہ حالت کو ACCEPT کر لیتے ہیں۔ ان کو صورت حال سے کوئی اختلاف نہیں، صرف ان لوگوں سے اختلاف ہے جن کے ہاتھ میں باگ ڈور ہے۔ وہ دنیا بدلنا نہیں چاہتے صرف اس کی امامت و قیادت (LEADERSHIP) بدلنا چاہتے ہیں، ان کی کوشش صرف یہ ہے کہ دوسروں کی جگہ پر ہم آ جائیں۔ آپ کے یہاں مقامی انتخابات ہوتے ہیں۔ ڈسٹرکٹ بورڈ، میونسپلٹی، ٹاؤن ایریا وغیرہ کے نئے نئے انتخابات میں نئے نئے لوگ آتے ہیں لیکن کیا کوئی نئی ذہنیت، نیا اصول زندگی، نیا جذبہ خدمت اور نیا جذبہ اصلاح لے کر آتا ہے، کیا کوئی نیا بورڈ، نئی کمیٹی بداخلاقیوں کی روک تھام کرتی ہے، انسانوں کی بے لاگ خدمت کرتی ہے، ہم تو یہ جانتے ہیں کہ یہ سب ایک ہی ذہن، ایک ہی اصول زندگی اور ایک ہی جذبہ لے کر آتے ہیں، اسی کا نتیجہ ہے کہ صورت حال میں کوئی تبدیلی نہیں ہوتی، زندگی کی خرابیاں اور سوسائٹی کے جھول جوں کے توں رہتے ہیں۔

پیغمبروں کا مطالبہ، زندگی کا نقشہ غلط ہے:

اس کے برخلاف پیغمبر کہتے ہیں کہ سرے سے زندگی کا نقشہ غلط ہے، اسے ادھیڑ کر پھر سے بناؤ اس میں پھر سے رنگ بھرو، اس کی مثال ایسی ہے جیسے کسی نے ایک شیروانی سلی سلائی لے لی، وہ اس کے جسم پر چست نہیں ہوتی، وہ اس کو ادھر ادھر سے کترتا ہے، کھینچتا ہے، پیغمبر کہتے ہیں کہ یہ بخئے غلط لگ گئے ہیں۔ جب تک یہ بخئے رہیں گے اس میں جھول ہی جھول رہیں گے، اسے ادھیڑ کر پھر سے بناؤ۔

قوموں کو رشوت دی جا رہی ہے:

آج ساری دنیا نے انسان کو اپنی خواہشات میں آزاد مان لیا ہے، ان غلط خواہشات کے خلاف جذبہ پیدا کرنے کے بجائے آج ساری پارٹیاں اسے رشوت دے رہی ہیں، خواہشات

کی رشوت، اخلاقی رشوت اور ایک دوسرے سے بڑھ بڑھ کر کہہ رہی ہیں کہ ہمارے ہاتھ میں نظام حکومت آ گیا تو ہم تمہاری خواہشات کو پورا کریں گے اور تم کو عیش و ترقی کا پورا پورا موقع دیں گے۔ اگر اپنی خواہشات کی تکمیل اور آزادی چاہتے ہو تو ہمیں ووٹ دو، آج ہر ایک یہ کہہ رہا ہے کہ ہم اقتدار پا کر تمہاری تعیّشات میں اضافہ کریں گے، تمہارا معیار زندگی اونچا کریں گے، گویا انہوں نے مٹھائیاں دے کر بچوں کی عادتیں بگاڑ دیں، انہوں نے ان کو مٹھائیوں پر لگا دیا دنیا کے انسان بچے ہیں، پارٹیاں اور حکومتیں انہیں خواہشات کی ہوا دے رہی ہیں، اور ان کی عادتیں بگاڑتی جا رہی ہیں، انسان کا یہ حال ہے کہ جتنا اسے دیئے جاؤ وہ اور مانگتا جاتا ہے، فلم آتے ہیں تو اس کی ہوس اور بڑھتی ہے، یہ اور زیادہ ہیجان (EXCITEMENT) چاہتا ہے اور زیادہ عریاں تصویریں مانگتا ہے، یہ دنیا کے منتظم انسانی خواہشات پر لگام نہیں لگاتے، بلکہ ان کی ہوس کے مطابق دیتے جاتے ہیں۔

پیغمبروں کا یہ راستہ نہیں، وہ خواہشات میں توازن و اعتدال پیدا کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ہر شخص کی خواہش کو پورا کرنے کی کوشش غیر فطری ہے، پیغمبر کہتے ہیں کہ انسانوں کا چٹورپن خطرناک ہے، اس کو چھڑانا چاہئے، چاہے بچے کا دل برا ہو، چاہے وہ کچھ دیر روئے اور مچلے اس کو برداشت کرنا چاہئے اور صحیح راستہ پر لگانا چاہئے۔ یہ غلط فلسفہ ہے کہ خواہشات کو بریک نہ لگایا جائے، اور ان کو شہ دی جاتی رہے۔ اور جب ان کا فساد ظاہر ہو جائے تو پھر حیرت سے دیکھا جائے اور شکایت کی جائے۔

منہ زور اور بے لگام گھوڑوں کی ریس:

سیاسی پارٹیوں کا نظام غلط ہے کہ اس زندگی کے نظام کو قبول کر لیا جائے، منہ زور گھوڑا، بے لگام اور غلط رو گھوڑا انسانیت کی کھیتی کو روندتا چلا جا رہا ہے، آج تمام پارٹیاں اس کا سائیس بننا چاہتی ہیں، منہ زور بے لگام گھوڑوں کی ریس ہے، کیا ان کے سامنے انسانی ضمیر کی کوئی قیمت ہے؟ انسانی ہمدردی کا کوئی جذبہ ہے؟ یورپ اور امریکہ ہمدردی اور مساوات کا نام لیتے نہیں۔ ان کی ہمدردی کے پیمانے ہم سب کو معلوم ہیں، بے چارے باہر سے ہمدردی کرنا چاہتے ہیں اور اندر وہی ہوس کا بھوت ہے، ظلم کے وہاں بڑے عجیب و غریب طریقے ہیں۔

حکومت اور عہدہ کا کون اہل ہے؟:

دوستو! ہم کہتے ہیں کہ زندگی کا راستہ منزل سے بہت دور جا پڑا، جب تک خدا کا یقین (BELIEF) نہ پیدا کیا جائے سدھار نہیں ہو سکتا۔ اس کے بغیر ہم ظالم کو محتاط اور ہمدرد نہیں بنا سکتے ہیں، میں الل ٹپ آپ کے سامنے نہیں آ گیا۔ اس مطالعہ کے بعد کہہ رہا ہوں کہ جب تک آپ یقین نہ پیدا کریں انسانیت کے اصلی ماڈل (MODEL) تک نہیں پہنچ سکتے، اس کے اندر سے عزت وعہدہ کی محبت، دولت کی محبت نکال دیجئے اور ایثار وقربانی اور دوسروں کے لئے گھلنے کا جذبہ پیدا کیجئے۔ محمد رسول اللہ ﷺ نے کہا تھا کہ عہدہ اسے ملے گا جو اس کا خواہش مند نہ ہو، وہاں یہ QUALIFICATION تھی، آج اس کے برخلاف بے حیائی سے خود اپنی قصیدہ خوانی کر کے حکومتیں بنائی جاتی ہیں، صحابۂ کرام اس سے بھاگتے تھے۔ حضرت عمرؓ معافی چاہتے ہیں کہ اس ذمہ داری کے بوجھ سے مجھے معاف رکھا جائے۔ انہیں مجبور کیا جاتا تھا کہ آپ دست بردار ہو گئے تو کون انتظام کرے گا؟ وہ جب تک کرتے تھے اسے بڑی ذمہ داری اور بوجھ سمجھتے تھے، اور جب سبکدوش ہوتے تو بڑا سکون (RELIEF) محسوس کرتے تھے، حضرت خالدؓ کو سپہ سالار اعظم (COMM ONDER IN CHEAF) بنایا گیا تھا۔ سب طرف ان کی دھاک بیٹھی تھی، عین محاذ پر ایک معمولی سا پرچہ مدینہ سے آتا ہے کہ خالد برطرف کئے جاتے ہیں، اور ان کی جگہ ابوعبیدہ مقرر کئے جاتے ہیں، تو ذرا بھی ملال نہیں ہوتا، بڑی فراخ دلی سے کہتے ہیں کہ اگر میں اس کام کو عبادت وفرض سمجھ کر کرتا تھا، تو اب بھی انجام دوں گا اور اگر عمرؓ کے لئے کرتا تھا تو کنارہ کش ہو جاؤنگا، پھر لوگوں نے دیکھا کہ وہ اسی ذوق وشوق سے اپنے کام میں مشغول رہے اور کوئی تبدیلی نہیں ہوئی۔

جاہ طلب سیاسی:

آج سیاسی پارٹی سے کسی کو الگ کر دیا جاتا ہے تو پہلے تو نکلنے کا نام نہیں لیتا اڑا رہتا ہے، فتنہ مچاتا ہے، اور اگر الگ ہوتا ہے تو دوسری سیاسی پارٹی بنا لیتا ہے، یہ کیوں؟ اس لئے کہ عزت کی ہوس، دولت کا شوق اور بڑائی کا خیال دل ودماغ پر چھایا ہوا ہے، پس جب تک موجودہ زندگی کا سانچہ نہیں بدلتا سدھار مشکل ہے۔ میں آپ کو صاف صاف زندگی کی حقیقتیں بتلا

رہا ہوں خدا کا خوف اور اس کی رضا کا شوق پیدا کیجئے، روحانی اور اخلاقی زندگی پیدا کیجئے۔ زندگی سے لطف اندوز ہونے (ENJOY) کرنے کا شوق جو زندگی کا آئیڈیل (IDEAL) بن گیا ہے، اسے چھوڑیئے۔

انسانی ضروریات کی فہرست بہت طویل نہیں:

انسانی ضروریات کی فہرست بہت لانبی نہیں، فضولیات (LUXURIES) کی فہرست بہت لانبی ہے، سب نے اپنی بنیاد LUXURIES پر رکھی ہے، زندگی کے تعیش کو مقصود بنالو، معدہ اور نفس کو معبود مان لو، خدا کو نہ مانو، اس کی بالا دستی کا انکار کرو، انسانوں کو ایک ترقی یافتہ جانور تسلیم کرو اور اس کی زیادہ سے زیادہ خواہشات کو پورا کرو، یہ سب اسی کا فساد ہے، جب تک یہ بنیاد باقی ہے ہزار کوششوں کے باوجود سدھار ناممکن ہے، کسی شہر اور ملک کی تو کیا ایک میونسپلٹی کے رقبہ کی بھی اصلاح نہیں ہوگی۔

خراب اجزا اور اکائیوں سے اچھا مجموعہ تیار نہیں ہوسکتا:

آج انسانی افراد اور سوسائٹی کے اجزا خراب اور ناقص ہیں، غلط بنیادوں پر ان کا اٹھان ہوا ہے اور غلط طریقوں پر ان کی تربیت اور نشو ونما ہوا ہے، نتیجہ یہ ہے کہ آج سارے انسانی مجموعے خراب و ناقص اور کمزور ہیں، جماعتیں افراد سے بنتی ہیں۔ جب تک افراد درست اور صالح نہیں ہوں گے جماعتیں اور جماعتی کام کیسے درست ہوسکتے ہیں، افراد کا سوال چھیڑا جائے تو لوگ چڑتے ہیں اور ناراض ہوتے ہیں اور اس مسئلہ کو ٹال دینا چاہتے ہیں، اور اس خیال خام میں مبتلا ہیں کہ اجتماعی حالت میں یہ نقص خود بخود دور ہوجائے گا، عجب لطیفہ ہے کہ جب اینٹیں بھٹہ سے نکلیں تو کہنے والے نے کہا کہ یہ پیلا ہے، یہ کھنجڑ ہے، یہ اینٹیں اچھی نہیں، یہ عمارت کا بوجھ نہیں اٹھا سکیں گی۔ آپ نے جواب دیا محل بن جانے دو وہ سب اینٹیں اچھی ہوجائیں گی، لیکن خراب اور ناقص اجزاء سے ایک اچھا مجموعہ کیسے تیار ہوسکتا ہے؟ بہت سے خراب ممبروں سے ایک اچھی باڈی (BODY) کیسے بن سکتی ہے، خراب تختوں سے ایک اچھا جہاز کیسے بن سکتا ہے، ہم کہتے ہیں، یونٹ (UNITS) خراب ہیں، مسالہ (MATERIAL) خراب ہے، اس سے اچھی گورنمنٹ کیسے بنے گی؟ آج ساری دنیا میں یہی ہو رہا ہے، (MATERIAL) تو کوئی

نہیں دیکھتا اور نتیجہ کو دیکھ کر کوفت ہے۔ کیا یہ ناسمجھی کی بات نہیں، پیغمبر تختے بناتے ہیں، یونٹ(UNITS) بناتے ہیں، ان کی تعمیر پائیدار، صالح اور جاندار ہوتی ہے، وہاں دھوکا نہیں ہوتا۔ آج تعلیم گاہوں میں بھی اس حقیقت کو نظر انداز کیا جارہا ہے، یقین اور اخلاق پیدا کرنے کی کوشش کہیں نہیں کی جارہی ہے، افراد کی تربیت کا انتظام کہیں نہیں، ہر جگہ غیر تربیت یافتہ افراد کے کھیپ کے کھیپ نکل رہے ہیں، آج طالب علم ہر کام کر سکتا ہے، اس لئے کہ اس کی کوئی تربیت نہیں کی گئی، میونسپلٹی میں کون لوگ ہیں؟ ڈسٹرکٹ بورڈ میں کون لوگ ہیں؟ حکومت میں کون لوگ ہیں؟ سارے نظام پر اس طرح کے لوگ حاوی ہیں۔ انہیں کے ہاتھ میں زندگی کی باگیں ہیں۔ آج اکثر انسان انسان نہیں، انسان نما ہیں۔

حقیقت ظاہر ہو کر رہتی ہے:

حقیقت ظاہر ہو کر رہتی ہے چاہے اس پر کتنا ملمع چڑھاؤ گدھے نے شیر کی کھال پہن لی تھی، لیکن جب خطرہ سامنے آیا تو ہیبت سے اپنی بولی بول دی، آج سب جگہ یہی ہو رہا ہے۔ اندر کی چیز باہر آرہی ہے، آپ میں سے بہت سے بھائی انتھک کوشش کر رہے ہیں، آپ میں سے بہت سے مخلص (SINCERE) ہیں، لیکن کیا کبھی آپ نے نیچے سے سدھار کر کوشش کی، لوگ پارٹی کے اقتدار کے پیچھے پڑے ہیں، لیکن کرنے کا کام یہ تھا کہ آدمیت کا احترام پیدا ہو، خدا کا خوف پیدا ہو۔

خدا کی بستی دکان نہیں ہے:

خدا کی بستی کو دکان سمجھ لیا گیا، ہر ایک دوسرے سے گاہک سمجھ کر معاملہ کرتا ہے، یہ تاجرانہ ذہنیت تباہ کن ہے، آج سب طرف لینا ہی لینا عام ہے، کہیں استاد شاگردوں کی کشمکش، کہیں مزدوروں اور کارخانہ داروں میں چپقلش یہ سب کیوں؟ یہ سب اسی تاجرانہ ذہنیت کا نتیجہ ہے۔ پیغمبر کہتے ہیں کہ سب کے ایک دوسرے پر حقوق ہیں اور سب کے ذمہ فرائض ہیں، فرائض ادا کرنے میں مستعد ہوں اور حقوق حاصل کرنے میں فراخ دل، ہم یہی کہتے ہیں کہ آپ لوگ بھی یہی کرنے لگیں تو فضا بدلے گی، زندگی کا لطف آئے گا، آج لوٹ کھسوٹ کا بازار گرم ہے، ہر ایک کی نگاہ تجوری پر ہے، انسان کی مجبوری پر نہیں۔

ہمارا پیغام:

ہم اپنے پیغام کو ہر پارٹی کے لئے ضروری سمجھتے ہیں، اور ہمارا وجود ہر پارٹی سے زیادہ ضروری ہے، کیوں کہ ہمارا کام ہوگیا تو انسانیت کا مہکتا ہوا گلدستہ بنے گا، آج کانٹے پیدا ہو رہے ہیں، آج انسان عنقا ہے، ہم کہنے آئے ہیں کہ انسانیت کی بہار لاؤ، انسانیت کو نکھارو، آج انسانیت کے درخت سے کانٹے اور کڑوے کسیلے پھل پیدا ہو رہے ہیں، آپ انسانیت کے میٹھے پھل پیدا کیجئے، ہم آپ کے کاموں میں روڑا اٹکانے نہیں آئے، ہم یہ کہنے آئے ہیں کہ انسانیت کی خبر لیجئے، ہم اس بگڑی ہوئی دنیا کے خلاف خلش پیدا کرنے کے لئے آئے ہیں۔ کاش یہ چبھن پیدا ہو، یہ پیغمبروں کا کام اور ان کا پیغام ہے، ہم اسے یاد دلانے آئے ہیں، کوئی دماغ تک رہ جاتا ہے، کوئی پیٹ تک پہنچ جاتا ہے، کوئی کپڑوں اور مکان میں اٹک کر رہ جاتا ہے لیکن مذہب خدا کے یقین اور محبت کے ساتھ دل میں اتر جاتا ہے، وہ آنکھوں کی کھٹک اور جلن دور کرتا ہے، آنکھوں کی سوئیاں نکالنا پیغمبروں ہی کا کام ہے، انہیں کی محنتوں سے دل کی پھانسیں نکلیں اور قلوب کو اطمینان ملا۔

ہم مسلمانوں سے کہتے ہیں کہ تم نے پیغمبروں کے کام اور پیغام کی بڑی ناقدری کی، تم مجرم ہو، تم اصل سرمایہ کو چھوڑ کر ذلیل سرمایہ داروں کے ایجنٹ بن گئے، تم نے بھی تاجرانہ ذہنیت اپنالی اور بیوپاری بن گئے، تمہاری حیثیت بیوپاری اور ملازم کی نہیں تھی، تم یہاں داعی کی حیثیت سے آئے تھے، تم نے داعیانہ حیثیت اور اپنے آنے کا مقصد کھودیا، تم دعوت و محبت کے پیام کے ساتھ جیتے تو عزت سے جیتے اور کامیاب و بامراد جیتے رہتے، اب تمہاری فلاح اسی میں ہے کہ تم اپنی کھوئی ہوئی حیثیت اختیار کرو۔ دنیا کی فلاح اس میں ہے کہ وہ پیغمبروں کے پیغام کی قدر کرے، سیاسی پارٹیاں اور مختلف جماعتیں قیادت کی جنگ اور غلبہ واقتدار کی کشمکش چھوڑ کر زندگی کے اس بگڑے ہوئے نقشہ کو بنانے کی کوشش کریں اور اپنے اپنے متعلقین اور دوستوں کے بجائے ساری انسانیت کی فکر کریں کہ اس کے سدھار کے بغیر کسی کو چین اور امن حاصل نہیں ہوسکتا۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اللہ کی سب سے بڑی نعمت ایمان ہے

الحمد للہ رب العالمین والصلوٰۃ والسلام علی سیدنا محمد وعلیٰ آلہ وصحبہ اجمعین ومن دعا بدعوتھم الیٰ یوم الدین ۔

حضرات:۔ یہ موقع بار بار نہیں آتا، میں آپ سے کیا کہوں ۔ اللہ نے اہل جنت کی زبان سے کہلوایا ہے ۔ **الحمدللّٰہ الذی ھدانا لھذاوما کنا لنھتدی لو لا ان ھدا نا اللہ** ۔ سب شکر اور سب احسان ہے اس پروردگار کا جس نے ہم کو یہاں تک پہنچایا، ہم یہاں تک نہیں پہنچ سکتے تھے اگر اللہ ہماری دستگیری اور رہنمائی نہ فرماتا، پھر اللہ تعالیٰ ان کی زبان سے بڑے کام کی بات ادا کروا رہا ہے، کہ کوئی یہ نہ سمجھے کہ ہم اپنی ذہانت، اپنے علم، اپنی محنت اور نسبی شرافت سے اپنی دولت اور بلندی کے ذریعہ یہاں تک پہنچے ہیں، لقد جاءت رسل ربنا بالحق ۔ یہ سب فیض اور صدقہ ہے ان پیغمبروں کا جن کو اللہ نے ہماری ہدایت کے لئے بھیجا، اور جنہوں نے ہمیں یہ راستہ دکھایا اور پھر اللہ نے توفیق دی کہ ہم اس رستے پر پڑے ۔

بھائیو اور بزرگو! اللہ تعالیٰ کے ہم پر بہت سارے انعامات ہیں، پہلی بات تو یہ ہے کہ جو انعامات اور احسانات کی جڑ ہے، وہ زندگی ہے کہ اللہ نے ہم کو اس دنیا میں بھیجا، اگر وہ نہ بھیجتا اور ہم اس دنیا میں نہ آتے تو کچھ بھی نہ ہوتا، نہ ہدایت ہوتی نہ اللہ کے رسول کی اطاعت ہوتی، نہ مدرسے قائم ہوتے، نہ قرآن مجید حفظ کیا جاتا، نہ دین کی تعلیم حاصل کرتے، نہ اللہ کا قرب حاصل کرتے نہ حج کرتے، نہ زکوٰۃ دیتے، دیکھئے جب آدمی کسی جگہ پہنچ جاتا ہے تو اس کو خیال آتا ہے کہ یہ ہمارا کمال ہے اور یہ ہماری محنت، ہماری بصیرت، ہماری ذہانت ہے اور ہماری جفاکشی ہے، ہماری خوش قسمتی ہے، یہ سب خیالات آدمی کو آتے ہیں لیکن لوگ جنت میں پہنچیں گے تو کہیں گے الحمد للہ الذی ھدانا، سب شکر ہے اللہ کا، یہاں اپنی ذہانتوں اپنی

عبادتوں اور ریاضتوں اور اپنے مطالعے سے نہیں پہنچے اس لئے کہ دنیا کو ہم دیکھ رہے ہیں دنیا والوں کے پاس سب چیزیں موجود ہیں روس اور امریکہ والوں کے پاس کیا کچھ نہیں ہے علم نہیں ہے؟ ذہانت نہیں ہے؟ کمالات نہیں ہیں؟ ایجادات نہیں ہیں؟ تجربے نہیں ہیں؟ بڑے بڑے ماہرین فن نہیں ہیں، لیکن ہدایت سب کو نصیب نہیں، ہدایت بھی ان ہی لوگوں کو نصیب ہوتی ہے جن کو کوئی ایسا ہدایت والا مل جاتا ہے، اور اللہ ہی ان کو ہدایت دینا چاہتا ہے، تو یہ پورا جملہ بالکل ایک معجزہ ہے جو اللہ نے کہلوایا ہے، اللہ نے اس کو قرآن مجید میں اس لئے جگہ دی ہے، جو بات اہل جنت، جنت میں پہنچ کر کہیں گے اللہ نے وہ بھی اپنے کلام میں داخل کر دیا، اسے سکھانے کے لئے۔ پہلی بات یہ ہے کہ ہم اسے سمجھیں، یہ سب اللہ کا احسان ہے، یہ دیکھئے کہ جس علاقے میں آپ ہیں، سارا ہندوستان، جیسے آپ کا ضلع غازی پور اور پھر پورا یوپی۔ پھر اور بڑھ کر ایشیا اور پھر بڑھ کر دنیا، کتنے آدمی ہیں جن کو ہدایت ملی، کتنے آدمی ہیں جو کلمہ پڑھتے ہیں، کتنے آدمی ہیں جو خدا کو پہنچانتے ہیں، اور اس کو پیدا کرنے والا سمجھتے ہیں، **الا لـــه الخلق والامر، رب العلمین** سمجھتے ہیں، کیا ذہانت، علم اور مطالعہ کی کمی ہے، محنت کی کمی ہے کس چیز کی کمی ہے، کمی ہے صرف توفیق الٰہی کی، پہلے تو آپ یہ شکر کریں کہ اللہ نے آپ کو زندگی عطا کی، انسانوں کا یہ جنگل ہے، یہ انسانوں کی آبادی ہے، جس میں کیسے کیسے پڑھے لکھے لوگ ہیں، بڑے بڑے اسکالر اور اسپشلسٹ ہیں بڑے بڑے ذہین ہیں لیکن ہدایت سے محروم، کلمہ بھی نصیب نہیں، دنیا کے پیدا کرنے والے کی پہچان و معرفت بھی نہیں کہ دنیا کو کس نے پیدا کیا، اور کون چلا رہا ہے، سب کر رہے ہیں مگر یہ ہی نہیں معلوم، اگر ہم یہ نہیں جانتے کہ یہ کون سی جگہ ہے، یہ مدرسہ ہے یا ایسے ہی کسی کا گھر ہے، ہم تھوڑی ہی دیر ٹھہرے ہیں اور کون ہمیں ٹھہرا رہا ہے اور کون ہمیں آرام پہنچا رہا ہے اور کون ضرورت کی چیزیں مہیا کر رہا ہے اور کون ہمارا استقبال کر رہا ہے، تو آپ کیا کہیں گے، سوچئے تو لوگ اس دنیا میں ساٹھ ساٹھ برس، ستر ستر برس گزار رہے ہیں، کتب خانے کے کتب خانے موجود ہیں، سائنس کی بڑی سے بڑی تجربہ گاہیں موجود ہیں، لیکن کسی کو خبر نہیں کہ دنیا کو بنانے والا کون ہے، چلانے والا کون ہے، اور ہدایت کیا چیز ہے کون سا عقیدہ صحیح ہے، کون سا غلط ہے، اس دنیا کا پیدا کرنے والا کون ہے، اس کی کیا صفات ہیں، اس کا ہم پر کیا حق ہے، یہ بھی نہیں جانتے ہم آپ کو مبارک باد

دیتے ہیں، کہ اللہ نے آپ سب پر اتنا بڑا انعام فرمایا کہ اس جنگل اور اس علاقہ میں اللہ نے اپنے نیک بندوں کو بھیجا، انہوں نے آپ کو دین کی دعوت دی اور رشتے قائم کئے، تھوڑا سا ہمارا بھی رشتہ ہے کہ آپ کے یہاں جو بزرگ آئے جن کا نام بار بار لیا گیا ہے، شیخ صلاح الدین صاحب کڑا مانک پور سے آئے، اور کڑا مانک پور ہمارا وطن ہے، ہمارا جدی وطن ہے، قطب الدین چشتی جو مدینہ طیبہ سے آئے تھے، جو قطب مدنی کہلاتے ہیں ہم سب لوگ ان کی اولاد میں ہیں، ہمارا یہ رائے بریلی، فتح پور ہنسوا، مانک پور، الہ آباد پھر پاکستان میں بیسوں نہیں بلکہ سینکڑوں ہوں گے ہمارے خاندان کے، یہ سب قطب الدین کی اولاد میں ہیں، کوئی اپنے کو قطبی، کوئی حسنی اور کوئی مدنی لکھتا ہے تو ہمارا آپ کا ایک رشتہ بھی نکلا، آپ کے بزرگ محسن اور مربی صلاح الدین صدیقی صاحب کڑا مانک پر سے آئے، اور ہم لوگ پہلے کڑا مانک پور ہی میں بسے، وہیں قطب الدین رحمۃ اللہ علیہ کا مزار ہے، ان کی اولاد میں بڑے چوٹی کے عالم، اور بڑے بڑے مجاہد پیدا ہوئے بڑے بڑے مصلح پیدا ہوئے، جن میں سید احمد شہید (رحمۃ اللہ علیہ) سب سے زیادہ مشہور ہیں، جن کی وجہ سے ایک نیا دور شروع ہوا، اس سے اندازہ کیجئے کہ تیس لاکھ تو ان لوگوں کی تعداد ہے جنہوں نے ان کے ہاتھ پر بیعت کی اور شرک و کفر سے توبہ کی اور چالیس ہزار ان کے ہاتھ پر مسلمان ہوئے یہ معتبر اور اعداد و شمار ہیں جو کتابوں میں لکھے ہوئے ہیں، حد تو یہ تھی کہ جس نے ان کے ہاتھ میں ہاتھ دیا، اسی وقت اس کو شرک سے نفرت ہو جاتی تھی، بدعت اور بد اخلاقیوں سے نفرت ہو جاتی تھی، کچھ کہنے کی ضرورت نہیں تھی، اس کی زندگی نئے سانچے میں ڈھل جاتی تھی، یہ بات تو تسلسل سے سنی گئی ہے اور لکھی گئی ہے اور ہم نے کتابوں میں پڑھا ہے اور بزرگوں سے سنا ہے اور جتنے محقق اور انصاف پسند لوگ ہیں سب اس کو مانتے ہیں، سب سے اہم چیز یہ ہے کہ آپ اس دولت کی حفاظت کریں، اس دولت ہدایت کی حفاظت کریں، **الحمد للہ الذی ھدانا لھذا** شکر ہے اس خدا کا جس نے ہم کو یہاں تک پہنچایا، اور ہمیں ہدایت دی، آپ کا یہاں آنا مبارک، آپ کے مکانات مبارک، آپ کی کھیتیاں مبارک، اولاد بھی مبارک، بیٹے پوتے، نواسے سب مبارک، اللہ ان کی زندگیوں میں برکت دے اور ان کو توفیق دے، لیکن سب سے جو بڑی نعمت آپ کے پاس ہے وہ کلمے کی نعمت ہے، آپ اس کو خوب اچھی طرح سے لکھ لیجئے کہ یہ سب چیزیں کام

آنے والی نہیں تھیں اور یہ زندگی کتنی ہے، اسی، نوے برس کی عمر ہوئی، اس کے بعد کچھ نہیں وہاں یہی کلمہ کام آئے گا، یہی نمازیں کام آئیں گی، یہی ہدایت کام آئے گی، نہ جائیداد نہ اولاد، نہ گھر کام آئیں گے، نہ شہرت نہ عزت کام آئے گی، کوئی چیز کام نہیں آئے گی، اس وقت ہم جو کچھ بھی آپ سے تھوڑے وقت میں کہہ سکتے ہیں وہ یہ کہ اپنے ایمانوں کی خوب حفاظت کیجئے، اور اپنی اولاد کے ایمان کی بھی حفاظت کیجئے اور اس کی فکر رکھئے، ہم نے کئی بار اپنی تقریروں میں کہا کہ حضرت یعقوب علیہ السلام خود پیغمبر، باپ پیغمبر، اور ان کی اولاد پیغمبر کی چوتھی پشت تھی، جیسے ہی انہوں نے آنکھ کھولی اور ہوش سنبھالا اور کان میں جو آواز پہنچی وہ یہ کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں، کوئی اس کارخانے کو چلانے والا نہیں، کوئی روزی دینے والا نہیں، اور کوئی جلانے اور مارنے والا نہیں بچپن سے دین گھٹی میں پڑا تھا، لیکن یعقوب علیہ السلام کی نبوت کی شان تھی اور دین سے محبت تھی اور اولاد سے بھی محبت کا تقاضا تھا، انہوں نے کہا جب وہ سمجھ گئے کہ اب زیادہ رہنا نہیں بالکل آخری وقت ہے، سب بچوں کو جمع کیا، بیٹے بھی ہوں گے، پوتے بھی ہوں گے، نواسے بھی ہوں گے، انہوں نے اچھی عمر پائی، انہوں نے کہا "ما تعبدون من بعدی" 'بیٹو پوتو نواسو' یہ بتادو کہ میرے بعد تم عبادت کس کی کروگے، اگر کوئی پوچھتا کہ حضرت یہ بات پوچھنے کی ہے، یہ کس کے بیٹے ہیں، کس کے پوتے ہیں، کس کے پڑپوتے ہیں، کس کی اولاد ہیں، آپ کے گھر میں سوائے اللہ کی عبادت کے دیکھا گیا، کیا بت کبھی گھسنے بھی پائے تھے، اس کو ٹھوکر مار کر ایک گندگی کی طرح نکال دیتے، اللہ کے علاوہ کسی کا نام لیتے تو طمانچے مارتے اور اس کو گھر سے نکال دیتے، تم ہمارے گھر میں اللہ کے علاوہ غیر اللہ کا نام لیتے ہو! اس گھر میں دیکھا گیا ہے سنا گیا ہے اس گھر میں کسی سے پوچھنے کی ضرورت کیا، جب محبت ہوتی ہے تو فکر ہوتی ہے۔

عشق است و ہزار بد گمانی

دین سے وہ محبت نہیں رہی، سب کچھ کریں گے اپنی اولاد کے لئے، کہاں سے کھائیں گے، کیا ان کو پڑھانا چاہئے، کوئی ذرا سا بیمار ہو تو حکیم، ڈاکٹر اور سب کچھ لائیں گے لیکن اس کی فکر نہیں کہ اس کا ایمان باقی رہے گا یا نہیں، ہمارے بعد اس راستے پر رہیں گے یا کسی اور راستے پر چلے جائیں گے، اب مسلمانوں کو اس کی فکر بہت کم ہوگئی ہے، اس کا نتیجہ ہے کہ آئندہ نسل کی

کوئی ضمانت نہیں، اطمینان نہیں کہ یہ بھی توحید کی قائل ہوگی، خدا کے علاوہ کسی کو خالق، رازق نہیں سمجھے گی، ہماری اولاد اسی سے مانگے گی، اسی کے سامنے ہاتھ پھیلائے گی، اسی سے ڈرے گی، پھر دین اسلام پر فخر کرے گی، اور سب کچھ دینے کے لئے تیار ہوگی جائیداد تک، لیکن دین وایمان کا سودا کرنے کے لئے تیار نہیں ہوگی، سر کاٹ دیا جائے مگر اللہ کے سوا کسی کے سامنے سر جھکانے کو تیار نہ ہوگی اس وقت ہندوستان میں خطرہ پیدا ہوگیا ہے کہ "ما تعبدون من بعدی" کوئی کہنے والا نہیں رہ گیا ہے، اپنی اولاد سے پوچھے کہ ہمارے بعد تم کس راستہ پر چلوگے، کس دین میں رہوگے، یہ سب سے ضروری ہے، یہ تو زندگی میں کرنے کا کام ہے، ایسا نظام بنا کر جائیں کہ آپ کی اولاد اس دین پر قائم رہے، صرف قائم ہی نہ رہے، بلکہ دین کی غیرت اور دین کا جوش ہو اس کے اندر، اور اس کو دین پر فخر ہو، خدا کا شکر ہے یہ دیکھ کر اطمینان ہوا کہ انشاء اللہ یہاں سے یہی چیز پھیلے گی اور پیدا ہوگی، اللہ تعالیٰ مبارک فرمائے اب کچھ زیادہ کہنا نہیں چاہتا، بہت دیر سے پروگرام چل رہا ہے، اپنے عقیدے کی حفاظت کریں، اور اپنی آئندہ نسل کے متعلق اطمینان حاصل کرلیں، اللہ نے حضرت یعقوب علیہ السلام کو موقع دیا، ہر ایک کو یہ موقع نہیں ملتا، معلوم نہیں آپ کہاں ہوں، آپ کی اولاد کہاں ہو، یہیں رہ کر اور ابھی سے اس کا اطمینان کریں، اللہ نے حضرت یعقوب علیہ السلام کا قصہ سنا کر ہمیں غیرت دلائی اور احساس دلایا کہ دیکھو، یہ ہوتی ہے محبت دین کے ساتھ، حضرت یعقوب علیہ السلام نے کہا دیکھو بیٹو، پوتو، نواسو، میری پیٹھ قبر سے لگے گی نہیں، جب تک میں نہ سن لوں اور یہ سن کر نہ جاؤں کہ تم لوگ صحیح دین، اللہ کے دین اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کے دین پر قائم رہوگے یہ بتادو، پھر ہم قبر میں چین سے سوئیں گے، ان سب نے کہا **نعبد الٰهک واله آبائک ابراهیم واسماعیل واسحق الٰها واحدا** (سورہ بقرہ ۱۳۳) ہم عبادت کریں گے آپ کے معبود کی، آپ کے باپ اور چچا اور دادا کے معبود کی، تب ان کو اطمینان ہوا۔

بس اسی پر اکتفا کرتا ہوں، اپنے دین کو قائم رکھنے کی کوشش کریں، اس پر ذرا آنچ نہ آنے پائے، اپنے عقیدہ توحید پر، عقیدہ آخرت پر دھبہ نہ آنے پائے، پھر اچھے اخلاق پر، جو غیر مسلموں کے لئے باعث کشش ہوں، اور وہ اسلام کے مطالعہ کے لئے آمادہ ہوں کہ یہ کون سا دین ہے، جس کی وجہ سے ان لوگوں میں یہ بات ہے، آپ کی نگاہیں نیچی ہوں، آپ نے

اخلاق درست ہوں، آپ کے اندر انسانی ہمدردی ہو، آپ کے اندر اس فساد سے نفرت ہو جو اس وقت ہندوستان میں پھیلا ہوا ہے، کیا ہو رہا ہے، روپیہ پوجا جا رہا ہے، دلہنیں ماری اور جلائی جا رہی ہیں، کم جہیز لے کر آئی، ابھی ایک مسلمان نے اپنی ایک بہو کو جلا دیا کہ وہ کم جہیز لے کر آئی تھی، حالانکہ خبر میں لکھا ہے کہ جتنا زیادہ سے زیادہ جہیز دیا جا سکتا تھا، لے کر آئی تھی، ان چیزوں سے آپ کو نفرت ہو آپ کا نمونہ ہندو بھائی کے سامنے ایسا آئے کہ وہ کہیں کہ تم نے یہ کہاں سے سیکھا، تم کو یہ کس نے بتایا مجھے بھی بتاؤ، تمہاری نگاہیں نیچی رہتی ہیں، تم میں خدا کا ڈر ہے، تمہارے اخلاق درست ہیں، تم کسی اور کے پجاری نہیں ہو، تم اللہ کی پجاری ہو، اگر آپ یہ کریں گے تو اسلام پھیلے گا، اور آپ کے دائرہ سے نکل کر دوسرے لوگوں کے دائرہ تک پہنچے گا، اور اس دائرہ میں پہنچنے سے آپ کے دائرہ کی بھی حفاظت ہوگی، اور آپ کی اولاد کے متعلق اطمینان ہوگا، ان کے چاروں طرف سے دین کا احترام اور دین کی قدر ہے، سب مسلمان نہ ہوں، لیکن سب اسلام کا احترام کریں اور دین کی قدر کریں، اللہ ہم سب کو توفیق دے۔

نفس پرستی یا خدا پرستی

حضرت نوراللہ مرقدہ کی وہ تقریر جو دعوت اصلاح وتبلیغ کے زیر اہتمام ۲۸ نومبر ۱۹۵۴ء کی شب میں امین الدولہ پارک میں ہوئی تھی، اس اجتماع میں ہر مذہب وخیال کے لوگ موجود تھے، بڑی تعداد میں غیر مسلم بھی شریک تھے، حاضرین کا اندازہ دس بارہ ہزار کا کیا جاتا ہے۔

الحمد لله نحمده ونستعينه ونستغفره ونومن به ونتوكل عليه ونعوذ بالله من شرور انفسنا ومن سيئات اعمالنا من يهده الله فلا مضل له ومن يضلله فلاهادى له. واشهدان لااله الاالله وحده لاشريک له. واشهد ان سيدنا وسندنا ومولانا محمدا عبده ورسوله. ارسله بالحق بشيرا ونذيرا وداعيا الى الله باذنه وسراجا منيرا. امابعد!

امیر جمع ہیں احباب درد دل کہہ لے!
پھر التفات دل دوستاں رہے نہ رہے

صاف اور کھری باتیں:

دوستو! میں اس وقت آپ سے کچھ دل کی باتیں کہنا چاہتا ہوں، اور اس طرح کہنا چاہتا ہوں جیسے میں آپ میں سے ہر ایک کے ساتھ تنہا بیٹھا ہوا گفتگو کر رہا ہوں، فی الواقع اگر کوئی اس کا امکان ہوتا کہ آپ میں سے ہر دوست سے الگ ہی الگ اپنے دل کی بات کہہ سکتا تو ضرور ایسا ہی کرتا، تاکہ آپ اسے تقریر سمجھ کر نہیں، بلکہ ایک دوست کا درد دل سمجھ کر سنتے مگر یہ کروں ایسا ممکن نہیں ہے، اگر یہ چیز ممکن ہوتی تو الیکشن میں کھڑے ہونے والے امیدوار ضرور

اس پر عمل کرتے اور وہ اپنی انتخابی مہم کے سلسلے میں جلسے منعقد نہ کرتے، اس لئے کہ انہیں ان جلسوں میں وہ باتیں کہنی ہوتی ہیں جو تنہائیوں میں لے جا کر کسی کے کان میں بھی کہنا گراں ہوتی ہیں، یعنی اپنی تعریف، اپنی اہلیت کا اظہار اور اپنی شان میں آپ ہی قصیدہ خوانی، اس لئے میں بس اتنا ہی کہہ سکتا ہوں کہ آپ سے یہ درخواست کروں کہ براہ کرم میری گذارشات واعظ کی نہیں، بلکہ دل کی باتیں سمجھ کر سنیئے۔

نفس پرستی یا خدا پرستی:

دوستو، اور بزرگو! دنیا میں زندگی کے بہت سے طرز رائج ہیں، اور اس کی بہت سی قسمیں سمجھی جاتی ہیں۔ مشرقی زندگی، مغربی زندگی، جدید طرز زندگی، قدیم طرز زندگی وغیرہ وغیرہ لیکن حقیقت میں زندگی کی بنیادی قسمیں صرف دو ہیں، ایک نفس پرستانہ زندگی، دوسری خدا پرستانہ زندگی، باقی جتنی قسمیں جتنے مختلف ناموں سے مشہور ہیں وہ سب ان ہی دو کی شاخیں ہیں۔

پہلی قسم کی زندگی یہ ہے کہ آدمی اپنے آپ کو ایک شتر بے مہار سمجھ کر زندگی گذارے اور جو من میں آئے وہ کر گزرے، اس کو من مانی زندگی بھی کہہ سکتے ہیں، دوسری قسم کی زندگی ایسے آدمی کی زندگی ہے جو یقین رکھتا ہے کہ اسے کسی نے پیدا کیا ہے، وہ پیدا کرنے والا ہی اس کی زندگی کا مالک اور حاکم ہے، وہ اس کی ضرورتوں اور مصلحتوں کو سب سے زیادہ جانتا ہے، اس کی طرف سے زندگی گذارنے کے کچھ ضابطے اور قاعدے ہیں جن کی پابندی کرنا ضروری ہے۔

نفس پرستی خدا پرستی سے ہمیشہ برسر پیکار رہی ہے:

ہندوستان میں مہابھارت ایک بڑی تاریخی لڑائی ہوئی ہے۔ مجھے اس کی تاریخی حیثیت سے انکار نہیں ہے، مگر اس دنیا میں ایک دوسری مہابھارت بھی پائی جاتی ہے یہ ہندوستان کی مشہور مہابھارت سے زیادہ قدیم ہے، یہ وہ لڑائی ہے جو خدا پرستی اور نفس پرستی کے درمیان ہمیشہ سے جاری ہے، یہ لڑائی کسی ایک ملک ہی تک محدود نہیں رہی ہے، بلکہ دنیا کے ہر ہر ملک میں پہنچی اور نہ یہ جنگ کے میدانوں ہی تک محدود رہی، بلکہ اس کے معرکے گھروں کے اندر بھی ہوئے ہیں، یہ زندگی کے دو اصول ہیں جو ہمیشہ ایک دوسرے پر غالب آنے کی کوشش کرتے

رہے ہیں، حضرات پیغمبران نے اپنے اپنے وقتوں میں ہر جگہ خدا پرستانہ زندگی کی دعوت دی ہے، اوران کی کامیابی کے دور میں اسی قسم کی زندگی کا دور دورہ رہا لیکن نفس پرستی ہمیشہ کے لئے کبھی فنا نہیں ہوئی، بلکہ اسے جب بھی موقع ملا وہ زندگی پر قابض ہوئی۔ بد قسمتی سے ہمارا زمانہ وہ ہے جس میں نفس پرستی زندگی پر پوری طرح مسلط ہے، زندگی کا ہر شعبہ اور ہر میدان اس کی گرفت میں آیا ہوا ہے، گھروں میں نفس پرستی، بازاروں میں نفس پرستی، دفتروں میں نفس پرستی، کارخانوں میں نفس پرستی، گویا ایک سمندر ہے، جو خشکی میں پورے زور شور سے بہہ رہا ہے، اور ہم اس میں گلے گلے اترے ہوئے ہیں۔

نفس پرستی مستقل ایک مذہب ہے:

نفس پرستی اب مستقل ایک مذہب بن چکا ہے نہیں! بلکہ ہمیشہ سے اس کی یہ نوعیت رہی ہے اور اس مذہب کے ماننے والوں کی تعداد سب سے زیادہ رہتی ہے، ہر چند کہ مذاہب کی فہرست میں اس نام کا کوئی مذہب نہیں بتایا جاتا اور نہ اس نام سے کسی مذہب کے ماننے والوں کی تعداد کا شمار کیا جاتا ہے، مگر یہ اپنی جگہ بالکل حقیقت ہے کہ یہ دنیا کا سب سے بڑا مذہب ہے، اور اس کے ماننے والے سب سے زیادہ تعداد میں پائے جاتے ہیں، آپ کے سامنے مختلف مذاہب کے ماننے والوں کے اعداد و شمار آتے ہیں کہ عیسائی مذہب کے پیرو اتنے، اسلام کے پیرو اتنے اور ہندو دھرم کے ماننے والے اتنے، مگر ان میں سے ہر ایک میں ایک بڑی تعداد ان لوگوں کی ہے جو کہلاتی تو ہیں مذہباً عیسائی، ہندو اور مسلمان، لیکن درحقیقت اسی مذہب نفس پرستی کے پیرو ہیں۔

نفس پرستی کی زندگی کا رواج اور اس مذہب کی مقبولیت صرف اس وجہ سے کہ آدمی کو اس میں مزہ بہت آتا ہے، مانا کہ نفس پرستی کی زندگی بڑے مزے کی اور بڑے لطف کی زندگی ہے اور ہر آدمی کی طبعی خواہش لطف اندوزی ہوتی ہے، لیکن اگر دنیا کے تمام انسانوں کو سامنے رکھ کر سوچنا چاہئے تو پھر اس قسم کی زندگی دنیا کے لئے ایک لعنت ہے، اور اس کی ساری مصیبتیں اور سارے دکھ اسی نفس پرستی کا نتیجہ ہیں اور دنیا کی ساری تباہیوں تمام قحطوں اور ناانصافیوں کی ذمہ داری انہیں لوگوں پر عائد ہوتی ہے، جو اس منحوس مذاہب کے پیرو ہیں۔

اس دنیا میں اس مذہب کی گنجائش صرف اس صورت میں نکل سکتی ہے کہ پوری دنیا میں صرف ایک انسان کا وجود ہو، اسی صورت میں وہ اپنے نفس کی مانگوں کو من مانے طور پر پورا کرنے کا حق دار ہوسکتا ہے، لیکن واقعہ یوں نہیں ہے، اس دنیا کے پیدا کرنے والے نے اس میں کروڑوں اربوں انسانوں کو بسایا ہے، اوران میں سے ہر ایک کے ساتھ نفس، خواہشات نفس اور ضروریات نفس لگی ہوئی ہیں، ایسی صورت میں جو شخص بھی من مانی زندگی گذارنے کی کوشش کرتا ہے وہ گویا اس واقعہ سے آنکھ بند کرتا ہے کہ اس کے ساتھ اس کے اور بھی ہم جنس رہتے ہیں، لیکن واقعہ سے آنکھیں بند کرنے سے واقعہ غلط نہیں ہوجاتا، وہ اپنی جگہ پر رہتا ہے، اس لئے بہت لوگوں کی نفس پرستی کا نتیجہ لامحالہ دوسروں کی مشکلات اور مصائب کی شکل میں نکلے گا۔

نفس پرست من کا راجہ ہوتا ہے:

نفس پرستی کی زندگی گذارنے والا من کا راجہ ہوتا ہے، من کا راجہ وہ راجہ ہے کہ ساری کائنات میں بھی اس کی خواہشات کا سکہ چلے تو اس کا پیٹ اتنے میں بھی نہیں بھر سکتا، وہ اس سے اور زیادہ کا خواہش مند رہے گا۔ غور فرمائیے کہ جب یہ ساری کائنات بھی ایک من کے راجہ کی تسکین کے لئے ناکافی ہے تو آج جو ایک ایک گھر کی محدود سی دنیا میں کئی کئی من کے راجہ پائے جاتے ہیں، وہ کیونکر تسکین اور چین پاسکتے ہیں، اس نفس پرستی کے مرض نے ایک ایک گھر میں چار چار من کے راجہ پیدا کر دیئے ہیں، باپ بھی راجہ، ماں بھی رانی، بیٹا بھی راجہ اور بیٹی بھی من کی رانی تو کیونکر گھروں میں چین اور سکون رہ سکتا ہے؟ یہ نفس پرستی کی زندگی جس کو ہر شخص حاصل کرنا چاہتا ہے، ایک آگ بنی ہوئی ہے، جس میں ایک گھر کے افراد بھی جل رہے ہیں، ایک ملک کی قوم بھی جل رہی ہے اور دنیا کی پوری آبادی جھلس رہی ہے۔

نفس پرستی کی زندگی مصیبتوں کی جڑ ہے:

دوستو! دنیا کی مصیبتوں کی جڑ یہی ہے کہ ہر شخص اپنے نفس کی اطاعت کرنا چاہتا ہے اور ان مصیبتوں کا علاج یہ ہے کہ من کا کہا ماننے کے بجائے خدا کی اطاعت کرو، یہ دنیا کروڑوں کی تو کیا دو آدمیوں کی بھی من مانی کی گنجائش اپنے اندر نہیں رکھتی، اس لئے من مانی زندگی گزارنے

کے خیال کو چھوڑ دو اور اس طرح زندگی گذارنے کی کوشش کرو جس کا پیغام اللہ کے پیغمبر نے دیا تھا۔ یعنی خدا پرستی کی زندگی، اس دنیا کے پیدا کرنے والے نے ہر زمانہ میں اس زندگی کے پیغامبر پیدا کئے، کیونکہ اسی طرز زندگی سے دنیا کا نظام چل سکتا تھا۔ ان پیغمبروں نے پوری طاقت سے اس طرز زندگی کی دعوت دی اور نفس پرستی کا زور توڑنے کی اپنی طاقت بھر پوری کوشش کی، لیکن جیسا کہ میں شروع میں عرض کر چکا ہوں کہ پھر بھی نفس پرستی کا رواج دنیا میں مٹا نہیں، اور جب بھی خدا پرستی کی دعوت کمزور پڑی، نفس پرستی کا رواج بڑھ گیا اور اس کا سیلاب آتے ہی دنیا کے عام لوگوں کی مصیبتیں بھی بڑھ گئیں اور ناقابل برداشت حد تک پہنچ گئیں، مثال کے طور پر چھٹی صدی عیسوی کا زمانہ دیکھئے۔ اس صدی میں نفس پرستی کی زندگی کا رواج انتہائی عروج کو پہنچ گیا تھا، ملک ملک اس کا دور دورہ تھا، یہ ایک بہتا ہوا دریا تھا، جس کے دھارے پر ہر چھوٹا بڑا بہہ رہا تھا، بادشاہ اپنی نفس پرستی میں مبتلا تھے، رعایا ان کی نقل میں نفس پرستی کا شکار تھی، مثال کے طور پر ایران کا حال بیان کرتا ہوں:۔ وہاں قوم کا ہر طبقہ نفس پرستی کا بیمار تھا۔ شاہ ایران کی نفس پرستی کا یہ حال تھا کہ اس کی بیویوں کی تعداد بارہ ہزار تھی، جب مسلمانوں نے اس ملک کو اس مصیبت سے نجات دلانے کے لئے حملہ کیا اور ایران کا بادشاہ تخت چھوڑ کر بھاگا تو ایسے نازک وقت میں بھی یہ حال تھا کہ اس کی ہمراہ ایک ہزار باورچی تھے، ایک ہزار گوئیے تھے اور ایک ہزار باز اور شکرے کے محافظ منتظم تھے، مگر اس پر بھی اس کو افسوس تھا کہ بڑی بے سر و سامانی میں نکلنا ہوا ہے، اس زمانے کے جنرل اور سپہ سالار ایک ایک لاکھ کی ٹوپی اور ایک ایک لاکھ کا پٹکا لگاتے تھے، اونچی سوسائٹی میں معمولی کپڑے پہننا گویا جرم تھا، لیکن اس طبقے کی نفس پرستی نے عوام کو کن مشکلات میں مبتلا کر دیا، اس کا اندازہ اس سے کیجئے کہ کسانوں کا یہ حال تھا کہ وہ لگان بھی نہیں دے سکتے تھے اور زمینیں چھوڑ چھوڑ کر خانقاہوں اور عبادت گاہوں میں جا بیٹھتے تھے، متوسط طبقہ کے لوگ امراء کی ریس میں دیوالیہ ہوئے جا رہے تھے، چنانچہ معاشی لوٹ کھسوٹ برپا تھی، غرض زندگی کیا تھی، ایک ریس کا میدان تھی، ظلم و زیادتی عام تھی، ہر بڑا اپنے چھوٹے کو اور حاکم اپنے محکوم کو لوٹنے اور اس کا خون چوسنے کی کوشش میں لگا ہوا تھا۔ اور پوری سوسائٹی میں ایک [illegible] پھیلی ہوئی تھی۔ آپ سمجھتے ہیں کہ ایسی سوسائٹی میں اخلاق، عقیدہ اور [illegible] کیسے پنپ سکتا ہے اور کس کو آخرت کی فکر اور اخلاقی ذمہ

داریوں کا احساس رہ سکتا ہے، ان تمام اعلیٰ چیزوں کو تو نفس پرستی کا سیلاب بہائے لئے چلا جا رہا تھا، لیکن کوئی نہ تھا جو اس سیلاب پر بند باندھتا اور اس دھارے کو روکتا، علماء، ادباء اور فلاسفہ سب اسی کے رخ پر تنکوں کی طرح بہہ رہے تھے۔

رسول اللہ ﷺ نے ہی نفس پرستی کے دھارے کو موڑا:

کس میں ہمت نہ تھی جو دھارے کے رخ کے خلاف پیر کر دکھاتا اور دھارا بھی کون سا؟ پانی کا نہیں، عام رواج کا دھارا!؟ اس کی ہمت ایک شیر دل انسان ہی کر سکتا ہے، اللہ کو منظور تھا کہ اس دھارے کا رخ موڑا جائے، اس کام کے لئے اس نے عرب میں ایک انسان کو پیدا کیا اور اس کو نبوت عطا کی، جس کو ہم محمد رسول اللہ ﷺ کے نام سے یاد کرتے ہیں، جنہوں نے دھارے کے خلاف صرف پیر کر ہی نہیں، بلکہ اس کا رخ موڑ کر دکھا دیا۔ اس وقت کسی ایسے آدمی سے کام نہیں چل سکتا تھا جو دھارے کا رخ تو نہ موڑ سکے، بلکہ اس میں بہنے والی چیزوں کو نکال لائے، اس لئے کہ اس وقت کوئی ایسا محفوظ مقام نہ تھا، جہاں اس سیلاب کا دھارا نہ چل رہا ہو۔ عبادت گاہوں اور کلیساؤں تک کو اس سیلاب نے اپنی زد میں لے رکھا تھا۔ اس سمندر میں کوئی ٹاپو نہ تھا، اور اگر تھا تو وہ ہر آن خطرے کی زد میں تھا، ایمان، اخلاق، شرافت، تہذیب اور مختصر الفاظ میں انسانیت کی روح کو اس سیلاب سے بچانے کا کام اگر کوئی شخص کر سکتا تھا تو وہی شخص کر سکتا تھا جس میں دھارے کا رخ موڑ دینے کی ہمت ہو، ایسی ہستی اس وقت صرف اللہ کے اسی آخری پیغمبر کی تھی جس نے رواج عام کے اس دھارے کو جو ایک طوفانی انداز میں نفس پرستی کی سمت بہہ رہا تھا، چند سال کی کوشش سے خدا پرستی کی طرف پھیر دیا، ہمیں جو چھٹی صدی عیسوی کی دنیا کی تاریخ میں ایک دم سے ایک حیرت انگیز انقلاب نظر آتا ہے جس نے ساری زندگی اور بالآخر ساری دنیا کو متاثر کیا اور اب بھی جو کچھ انسانیت اور خدا پرستی کا بچا کھچا سرمایہ ہے وہ سب انہیں کی محنت کا فیض ہے۔

بہار اب جو دنیا میں آئی ہوئی ہے
یہ سب پودا انہیں کی لگائی ہوئی ہے

ممکن ہے کہ آپ میں سے کسی کو یہ شبہ گذرے کہ یہ کہنا تو صحیح نہیں ہے کہ اس زمانے میں

عام طور پر لوگ صرف نفس پرست تھے، کیونکہ وہاں دوسری ''پرستیاں'' بھی موجود تھیں، کچھ لوگ سورج پرست تھے، کچھ آگ کو پوجتے تھے، کچھ صلیب پوجتے تھے، کچھ درختوں کو پوجتے تھے اور کچھ پتھروں کی پرستش کرتے تھے ٹھیک ہے، یہ بات اپنی جگہ صحیح ہے مگر یہ تمام ''پرستیاں'' اسی ایک پرستی کی قسمیں تھیں جس کے رواج کا میں دعویٰ کر رہا ہوں، یہ ساری ''پرستیاں'' اسی لئے کی جاتی تھیں کہ یہ نفس پرستی کے مخالف نہ تھیں، یہ ''پرستیاں'' من مانی زندگی گذارنے میں رکاوٹ نہیں ڈالتی تھیں، آگ، پیڑ، پتھر، سورج وغیرہ ان سے نہ کہتے تھے کہ یہ کام کرو اور یہ مت کرو، اس لئے وہ ان کی پرستش کے پہلو بہ پہلو اپنے نفس کی اطاعت بھی کرتے رہتے تھے، ان دونوں میں کوئی تناقض نہیں پاتے تھے، بہر حال ہمارے پیغمبر ﷺ نے اس سیلاب سے لڑنے اور اس کا رخ موڑ دینے کا بیڑا اٹھایا اور پوری سوسائٹی سے لڑائی مول لی، حالانکہ آپ اپنی اس سوسائٹی میں بہت مقبول و ہر دلعزیز تھے، صادق و امین کے معزز لقب سے یاد کئے جاتے تھے اور اس لئے آپ کو ترقی کے بڑے سے بڑے مواقع حاصل تھے، آپ کو اپنی قوم کا اتنا اعتماد حاصل تھا کہ ترقی کا کوئی اونچے سے اونچا مقام نہ تھا جو آپ کو مل نہ سکتا۔ مگر یہ سب کچھ جب ممکن تھا جب آپ ان کی زندگی کے رخ کو غلط نہ کہتے اور اس کو ایک دوسرے رخ پر موڑ دینے کے عزم و ارادہ کا اظہار نہ فرماتے، مگر آپ کو تو اللہ نے کھڑا ہی اس لئے کیا تھا کہ بہاؤ کے رخ پر نہ خود بہیں اور نہ کسی کو بہنے دیں، اس لئے سب سے پہلے تو آپ نے اپنی زندگی کو خدا پرستی کی زندگی کا نمونہ بنا کر پیش کیا اور بالفاظ دیگر دھارے کے خلاف پیر کر دکھایا اور پھر پوری سوسائٹی کے رخ کو نفس پرستی سے ہٹا کر خدا پرستی کی طرف موڑ دینے کی کوشش شروع کی۔

خدا پرستی پیدا کرنے کی تین بنیادی چیزیں:

اس کوشش کو کامیاب بنانے کے لئے آپ نے تین بنیادی چیزیں لوگوں کے سامنے پیش کیں۔ (۱) یہ یقین کرو کہ تمہارا اور اس ساری دنیا کا پیدا کرنے والا اور اس پر حکومت کرنے والا ایک ہے (۲) یہ یقین کرو کہ اس زندگی کے ختم ہونے کے بعد ایک دوسری زندگی ہے جس میں اس زندگی کا حساب و کتاب دینا ہے (۳) یہ یقین کرو کہ میں اللہ کا بھیجا ہوا (پیغمبر) ہوں، اس نے اس زندگی کے متعلق احکام دے کر مجھے بھیجا ہے، جن احکام پر مجھے بھی چلنا ہے اور

تمہیں بھی۔ آپ نے جب ان چیزوں کا اعلان فرمایا تو سوسائٹی میں ایک ہل چل مچ گئی۔ مخالفتیں اٹھ کھڑی ہوئیں، اس لئے کہ یہ نعرہ ان کی زندگی میں خلل ڈالنے والا تھا، سارا زمانہ جس رخ پر بہہ رہا تھا اس کو چھوڑ کر دوسرا رخ اختیار کرنا آخر کوئی آسان کام تو تھا نہیں، زندگی کی کشتی بہاؤ پر بلا دقت کے چلی جا رہی تھی، انہیں کیا پڑی تھی کہ بہاؤ کے خلاف اپنی کشتی چلا کر دقتیں اور خطرات مول لیں، اس لئے انہوں نے چاہا کہ یہ آواز دب جائے، کچھ لوگوں نے آپ کی نیت ہی پر شبہ کیا، ان کی سمجھ میں نہیں آتا تھا کہ دیکھنے میں ایک انہیں جیسا انسان اتنا صاحب عزم بھی ہوسکتا ہے کہ زندگی کے اس طوفانی دھارے کا رخ موڑنے کی ٹھانے جس میں صرف ہم ہی نہیں دنیا کی ساری قومیں ان کے علماء اور حکماء ان کے احبار و رہبان، ان کی ائمہ تہذیب و سیاست، ان کے عقائد و اخلاق، ان کے علوم و فلسفے اور ادب و سیاست خس و خاشاک کی طرح بہے چلے جا رہے ہیں۔ وہ اس دعوے میں کسی شخص کو مخلص ماننے سے قطعاً عاجز تھے، اس لئے انہوں نے سمجھا کہ اس دال میں کچھ کالا ضرور ہے، ہو نہ ہو اس بلند بانگ دعوے کے پیچھے کچھ اور مقصد اور کوئی اور خواہش کام کر رہی ہے، اس لئے انہوں نے ایک وفد رسول اللہ (ﷺ) کے پاس بھیجا، جس نے اپنے خیال کے مطابق تین بڑی چیزیں آپ کے سامنے پیش کیں، اس نے کہا کہ اگر آپ کا مقصد اس قسم کی باتوں سے یہ ہو کہ ہم آپ کو اپنا سردار تسلیم کر لیں تو چھوڑیئے ان باتوں کو ہمیں یہ منظور ہے، یا اگر آپ بہت سے مال و دولت کے طالب ہوں تو ہمیں یہ بھی منظور ہے، اور یا اگر آپ کسی حسین عورت کے خواہش مند ہوں تو ہمیں یہ بھی منظور ہے، ہم ملک کی سب سے حسین عورت آپ کو پیش کریں گے، آپ نے جو یہ نئی بات اٹھانی شروع کی ہے تو اس سے دستبردار ہو جائیے، مگر اللہ کے اس سچے رسول ﷺ اور خدا پرستی کے سب سے بڑے علمبردار نے نہایت بے نیازی سے جواب دیا کہ میں تم سے کچھ لینا نہیں چاہتا، تمہیں کچھ دینا چاہتا ہوں اور وہ میری یہی تین باتیں ہیں جن کی میں تمہیں دعوت دے رہا ہوں، میں چاہتا ہوں کہ تمہیں موت کے بعد والی زندگی میں راحت ملے اور وہ میری ان تین باتوں پر موقوف ہے۔ آپ کی زبان ہی نہیں بلکہ آپ کی پوری زندگی نے ان لوگوں کے اس خیال کی تردید کی کہ آپ دنیا کی کسی چیز کے خواہش مند ہیں، مخالفت نے اتنی شدت اختیار کی کہ آپ کو مکہ چھوڑ کر مدینہ جانا پڑا مگر خدا پرستی کی دعوت کو نہیں چھوڑا۔

بے نفسی اور خدا پرستی کی عجیب مثال:

مخالفین کو اندازہ نہیں تھا کہ آپ نفس پرستی سے کتنا دور تھے، اور اس دھارے کے مخالف سمت تیرنے کی آپ میں کتنی طاقت تھی اور کتنا عزم تھا، آپ نفس پرستی سے اتنا دور تھے کہ جب مکہ چھوڑنے کے کچھ سال بعد آپ پھر مکہ میں آئے اور فاتحانہ حیثیت سے آئے اپنے مخالفوں کو مغلوب کر کے آئے تب بھی آپ کی خدا پرستانہ شان میں ذرا تغیر نہ ہوا، فتح کا نشہ آپ پر ذرا بھی نہیں چڑھا، مکہ میں آپ کا فاتحانہ داخلہ اس شان سے ہوا کہ اونٹ پر سوار تھے، بدن پر غریبانہ لباس تھا، اور زبان پر خدا کا شکر اور اپنی عاجزی کا اظہار تھا، اس موقعہ پر ایک آدمی آپ کے سامنے آیا اور رعب سے کانپنے لگا، آپ نے فرمایا، گھبراؤ نہیں، میں قریش کی اس غریب عورت کا بیٹا ہوں جو سوکھا گوشت کھایا کرتی تھی، سوچئے! کیا کوئی فاتح ایسے وقت میں ایسی بات کہہ سکتا ہے، جس سے اس کا رعب لوگوں پر سے اٹھ جائے، ایسے وقت میں تو کوشش کی جاتی ہے کہ زیادہ سے زیادہ رعب ڈالا جائے۔ آپ آج بھی دیکھتے ہیں اور آج سے پہلے کا حال تاریخ میں پڑھ سکتے ہیں کہ جن لوگوں کے ہاتھ میں حکومت واقتدار آجاتا ہے، ان کی آل اولاد اس سے کتنا نفع اٹھاتے ہیں اور اس کے بل پر کیسے کیسے عیش وآرام کے مزے لوٹتے ہیں، مگر خدا پرستی کے اس سب سے بڑے علمبردار کا حال اس معاملہ میں بھی دنیا سے مختلف تھا، آپ کی صاحبزادی اپنے گھر کا سارا کام اپنے ہاتھ سے کرتی تھیں جس کی وجہ سے آپ کے ہاتھوں میں گٹے پڑ گئے تھے اور جسم پر مشکیزہ اٹھانے کے نشانات ہو گئے تھے، ایک دن انہوں نے سنا کہ میدان جنگ سے کچھ غلام اور کنیزیں ابا جان کی خدمت میں لائی گئی ہیں، خیال کیا کہ میں بھی اپنے لئے ایک آدھ غلام یا کنیز مانگ لاؤں، تشریف لے گئیں، اپنی پریشانی کا حال بیان کیا، ہاتھوں کے گٹے دکھائے حضور ﷺ نے فرمایا ''میں تمہیں غلام اور باندی سے اچھی چیز دیتا ہوں، غلام اور باندی اور مسلمانوں کے حصے میں جانے دو، تم سوتے وقت تینتیس (۳۳) مرتبہ سبحان اللہ تینتیس (۳۳) مرتبہ الحمد للہ اور چونتیس (۳۴) مرتبہ اللہ اکبر پڑھ لیا کرو!'' بے نفسی اور خدا پرستی کی عجیب مثال ہے، بے شک آپ خدا پرستوں کے سردار تھے، کیا کوئی پھر بھی آپ کی بے نفسی پر حرف لا سکتا ہے، دوسروں کے حق میں یہ فیاضی اور

اپنے اور اپنی اولاد کے لئے فقر وغربت کو ترجیح دینا پیغمبر ہی کی شان ہے

عدیل ہمت ساقی ست فطرت عرفی
کہ حاتم و کراں گدائے خویشتن است

آج ایسے لوگ آپ کے سامنے ہیں جنہوں نے پچھلے چھ دنوں میں چند روز یا چند سال جیلیں کاٹ لی ہیں تو آج اقتدار حاصل ہونے پر ان تکلیفوں کا سارا حساب مع سود کے چکا دینے کا درپے ہیں۔ جب کسی شخص کو اقتدار اور قانون کی طاقت مل جاتی ہے تو وہ اپنے اعزہ اور اپنی اولاد کو قانون سے بچانے کی سعی کرتا ہے، مگر خدا پرستوں کے سردار کی شان اس معاملہ میں بھی بالکل نرالی تھی، ایک عورت پر جو چوری کا جرم ثابت ہوا، آپ نے ہاتھ کاٹ دینے کا حکم دے دیا، لوگوں نے حضور ﷺ کے ایک مقرب اور بہت محبوب صحابی سے سفارش کرائی کہ معاف فرما دیا جائے، حضور ﷺ کا چہرہ غصہ سے سرخ ہو گیا اور فرمایا ”خدا کی قسم! اگر خود محمد ﷺ کی (لاڈلی) بیٹی فاطمہؓ سے بھی یہ جرم سرزد ہو جائے تو محمد ﷺ اس کا بھی ہاتھ کاٹے گا۔“

اپنے آخری حج کے موقع پر مسلمانوں کے عظیم تر اجتماع میں آپ نے کچھ قوانین اور احکام کا اعلان فرمایا تو ان کو سب سے پہلے اپنے رشتہ داروں اور اپنے خاندان پر جاری کیا، آپ نے مجمع عام میں کھڑے ہو کر اعلان فرمایا کہ جاہلیت کے تمام دستور ختم کئے جاتے ہیں، منجملہ ان کے سودی لین دین آج سے ختم اور سب سے پہلے میں اپنے چچا عباسؓ کے سودی قرضے کو باطل قرار دیتا ہوں، اب ان کا سود کسی پر واجب نہیں، اب وہ سود کا روپیہ کسی سے وصول نہیں کر سکتے، یہ تھی خدا پرستی، ورنہ آج کل کے قانون ساز اگر اس قسم کا قانون بنانے والے ہوں تو اپنے رشتہ داروں اور ملنے والوں سے پہلے سے کہہ دیں کہ فلاں قانون آنے والا ہے، ذرا جلدی جلدی اپنی فکر کر لو، زمینداری کے خاتمہ کا قانون پاس ہونے والا ہے، جتنی جلدی زمین نکال سکتے ہو نکال لو یا بیچنا چاہو تو بیچ دو۔ ایسے ہی موقع پر آپ نے اعلان فرمایا کہ زمانہ جاہلیت (یعنی قبل اسلام) کے تمام خون باطل کئے جاتے ہیں، اب ان کا انتقام نہیں لیا جا سکتا اور اس کے ماتحت میں سب سے پہلے (اپنے خاندان کا خون) ربیعہ بن الحارث کا خون باطل قرار دیتا ہوں۔ ہمارے حضور ﷺ اس بے مثال خدا پرستی کے ساتھ (جس کی صرف چند مثالیں میں نے بیان کی ہیں) نفس پرستی کے اس سیلاب سے لڑتے رہے جو دنیا کی ساری قوموں کو بہائے

لئے چلا جارہا تھا، آخر کار اس کو روکنے میں کامیاب ہوئے اور لوگ مجبور ہوئے کہ آپ کی بات پر کان دھریں اور مانیں۔

حیرت انگیز انقلاب:

چنانچہ جن لوگوں نے آپ کی ان تین بنیادی باتوں کو کما حقہ قبول کر لیا جو خدا پرستی کی زندگی کی بنیاد ہیں، تو پھر ان لاکھوں کروڑوں انسانوں کی زندگیوں کا رخ ایک دم ایسا بدلا کہ آج دنیا میں یقین آنا مشکل ہے کہ کیا ایسے بھی انسان ہو سکتے ہیں۔ میں مثال کے طور پر ان میں سے چند کا ذکر کرتا ہوں:۔

• آپ کی دعوت قبول کرنے والوں میں سے ایک ابوبکر صدیقؓ بھی تھے، جو آپ کی وفات کے بعد آپ کے پہلے جانشین اور اسلامی حکومت کے ذمہ دار بھی ہوئے، آپ کی بے نفسی کا یہ حال تھا کہ گو اسلامی سلطنت کے سب سے بڑے عہدیدار تھے مگر زندگی اس طرح گذارتے تھے کہ آپ کے گھر والے منہ میٹھا تک کرنے کے لئے ترستے تھے، ایک دن اہلیہ نے عرض کیا کہ بچوں کا جی کچھ میٹھا کھانے کو چاہتا ہے تو فرمایا کہ سرکاری خزانہ تو ہمارا منہ میٹھا کرنے کا ذمہ دار نہیں ہے، ہاں جو کچھ وہاں سے ہمیں روزانہ ملتا ہے، اسی میں سے اگر تم کچھ بچا سکو بچا لو اور کوئی میٹھی چیز پکا لو، چنانچہ انہوں نے روزانہ کے خرچہ میں سے تھوڑا تھوڑا بچا کر تھوڑے سے پیسے جمع کر لئے اور ایک دن حضرت ابوبکرؓ کو دیئے کہ اس کا کچھ سامان لا دیجئے، تاکہ آج کچھ میٹھی چیز پکا لوں، آپ وہ پیسے لئے ہوئے خزانچی کے یہاں چلے گئے اور وہ پیسے بیت المال کو واپس کر دیئے اور فرمایا کہ یہ اسی خرچہ میں سے جو ہمیں بیت المال سے ملتا ہے، اتنے دنوں میں بچایا ہے، معلوم ہوا کہ ہمارا کام اس سے کم میں چل سکتا ہے، لہٰذا اب ہمیں اتنا کم کر کے دیا جایا کرے۔

خلیفہ دوم حضرت عمر فاروقؓ کے دور خلافت میں جب مسلمانوں نے بیت المقدس فتح کیا اور حضرت عمرؓ وہاں تشریف لے گئے، ساتھ میں ایک غلام تھا لیکن اسلامی حکومت کے اس سب سے بڑے شخص کے پاس سواری صرف ایک تھی تھوڑی دور خود سوار ہوتے تھے تھوڑی دور غلام کو سوار کر کے خود پیدل چلتے تھے، جس وقت بیت المقدس میں داخل ہو رہے تھے، غلام

سواری پر تھا اور خود پیدل، اور کپڑوں میں کئی پیوند، آپ ہی کے زمانہ میں ایک دفعہ سخت قحط پڑا، تو آپ وہ کھانا اپنے لئے جائز نہ سمجھتے تھے جو قحط کی وجہ سے عام رعایا کو میسر نہ تھا۔

حضرت خالدؓ جو مسلمان فوجوں کے کمانڈر انچیف تھے اور خود حضور ﷺ نے ان کو سیف اللہ (اللہ کی تلوار) کا اعزازی خطاب عنایت فرمایا تھا، ایسے بے نفس اور نفس پرستی سے اس قدر آزاد تھے کہ ایک مرتبہ ان کی کسی غلطی کی بنا پر عین میدان جنگ میں ان کے پاس حضرت عمرؓ کی طرف سے معزولی کا پروانہ پہنچا تو ماتھے پر شکن تک نہ آئی اور کہا کہ اگر میں اب تک عمرؓ کی خوشنودی کے لئے یا اپنی ناموری کے لئے لڑتا تھا تو اب نہ لڑوں گا، لیکن اگر میں اللہ کے لئے لڑتا تھا تو سپہ سالار کے بجائے ایک معمولی سپاہی کی حیثیت سے بھی بدستور لڑتا رہوں گا۔ اس کے برعکس اس زمانہ کی ایک تازہ مثال جنرل میک آرتھر کی ہے جنہیں ٹرومین نے کوریا میں لڑنے والی افواج کی سپہ سالاری سے معزول کر دیا تو وہ سخت ناراض ہوئے اور ٹرومین کی صدارت کے درپے ہو گئے۔

خدا پرست سوسائٹی:

اور یہی صرف چند افراد نہیں، بلکہ آپ نے پوری قوم اور سوسائٹی کی اسی اصول پر تربیت کی تھی کہ وہ ایک خدا پرست سوسائٹی ہو، آپ کا اصول یہ تھا کہ جو کسی عہدے کا طالب او۔ خواہش مند ہو اس کو عہدہ نہیں دیتے تھے، ایسی سوسائٹی میں عہدے کے امیدوار بننے، اپنی تعریف وتوصیف کرنے اور حکومت کے لئے ایک دوسرے کا مقابلہ کرنے کی کیا گنجائش تھی، جس جماعت کے سامنے ہر وقت قرآن مجید کی یہ آیت رہتی ہو:۔

تِلْکَ الدَّارُ الْاٰخِرَۃُ نَجْعَلُھَا لِلَّذِیْنَ لَا یُرِیْدُوْنَ عُلُوًّا فِی الْاَرْضِ
وَلَا فَسَاداً وَالْعَاقِبَۃُ لِلْمُتَّقِیْنَ.

(ترجمہ) یہ آخرت کا گھر ہم ان لوگوں کے لئے مخصوص رکھیں گے جو زمین میں اپنی بلندی نہیں چاہتے اور نہ فساد پھیلانا چاہتے ہیں۔ اور انجام خدا سے ڈرنے والوں کا ہے۔

جس جماعت کا اس حقیقت پر ایمان ہو وہ کیا اپنی سربلندی اور فتنہ وفساد کے جرم کا ارتکاب کر سکتی ہے؟

دوستو اور بزرگو! یہ خدا پرستی کی دعوت تھی جو حضور ﷺ نے دنیا میں پیش کی تھی اور نتائج کے لحاظ سے یہ دنیا کی سب سے زیادہ نفع بخش کوشش ہے، کوئی شخص دنیا کی کسی اور دعوت کا نام لے کر نہیں بتلا سکتا کہ اس نے دنیا کو اتنا فائدہ پہنچایا، حالانکہ اس دعوت کے حصہ میں انسانوں کی اتنی کوششیں اور اتنے وسائل نہیں آئے جو عصر حاضر کی معاشی، اقتصادی اور سیاسی تحریکوں کے حصے میں آئے، مگر پھر بھی ان تمام تحریکوں کے فائدے مل کر بھی اس ایک دعوت کے فائدوں کا دسواں حصہ بھی نہ ہو سکے۔

خدا پرستی کے علمبردار نفس پرستی کے شکار:

آج بھی دنیا میں معاشی اور سیاسی ظلم اور اخلاقی برائیاں جب ہی دور ہو سکتی ہیں، جب دنیا اس دعوت کو قبول کر لے، لیکن اور کسی کے متعلق کیا کہا جائے جب کہ خود اس دعوت کے علمبردار ہی نفس پرستی میں مبتلا ہو گئے، نفس پرستی تو چوٹ کھائے ہوئے بیٹھی تھی، اس نے موقع پا کر خدا پرستی کے علمبرداروں سے خوب انتقام لیا، جنہوں نے اسے شکست دی تھی اور وہ مسلمان جس کا امتیاز تھا: ”**كنتم خير امة اخرجت للناس تامرون بالمعروف وتنهون عن المنكر**“ افسوس! آج نفس پرستی کا خود شکار ہے۔

مسلمانو! تم نے بڑا ظلم کیا ہے، تمہارا کام تو خدا پرستی کا نمونہ بننا تھا اور ساری دنیا کو اس کی دعوت دینا تھی، تم نے نفس پرستی کو اختیار کر کے اپنا بھی نقصان کیا اور ساری دنیا کو بھی مشکلات میں پھنسا دیا، اگر تم اپنا فرض ادا کرتے رہتے تو نہ یہ نفس پرستی دنیا میں دوبارہ غالب ہوتی اور نہ دنیا کا یہ حشر بنتا۔

دنیا کی سب سے بڑی مصیبت نفس پرستی ہے:

آج دنیا کی سب سے بڑی مصیبت نفس پرستی ہے، دنیا کے بڑے بڑے لیڈر اور امن کے علمبردار (ٹرومین، چرچل، اور اسٹالن) سب سے بڑے نفس پرست ہیں، یہ اپنی نفس پرستی میں اور قومی غرور میں (جو نفس پرستی کی ایک ترقی یافتہ اور وسیع شکل ہے) دنیا کو خاک سیاہ کرنے کے لئے ہر وقت تیار ہیں، ایٹم بم سے زیادہ خطرناک نفس پرستی ہے جس نے دنیا کو تباہ کر دیا، لوگوں کو ایٹم بم پر غصہ آتا ہے کہ قیامت برپا کر دے گا، میں کہتا ہوں ایٹم بم کا کیا قصور، اصل

مجرم تو اس کا بنانے والا ہے اور اس سے بھی پہلے وہ درسگاہیں اور وہ تہذیب ہے جو اس ایٹم بم کو وجود میں لائی ہے اور اس سب کی جڑ وہ نفس پرستی ہے جس نے اس تہذیب کو جنم دیا ہے۔

ہماری دعوت:

دوستو! ہماری دعوت اور ہماری تحریک بس یہی ہے اور اسی مقصد کے لئے ہے کہ نفس پرستی کے خلاف محاذ قائم کیا جائے، خدا پرستی کی زندگی کا طریقہ دنیا میں عام کیا جائے، ہم نے اسی خاص مقصد کے لئے یہ اجتماعات کئے ہیں اور محض اسی مقصد کے لئے ہفتہ وار اجتماع کرتے ہیں، جہاں ہم قوم کے ہر طبقے کو جمع ہونے کی دعوت دیتے ہیں اور ان کے سامنے خدا پرستی کے سب سے بڑے علمبردار حضرت محمد (ﷺ) کی تعلیمات اور ان کے حالات زندگی اور ان کے ساتھیوں کے واقعات پیش کرتے ہیں جو سچی خدا پرستی کا راستہ دکھانے والے ہیں اور ہمارے یقین کے مطابق انہیں میں انسانیت کی نجات اور دنیا کی مشکلات کا حل ہے، ہمارا کام اور ہماری دعوت ایک کھلی ہوئی کتاب ہے، جس کا جی چاہے پڑھ لے۔

وآخر دعوانا ان الحمد لله رب العٰلمین.

امریکہ اور کینیڈا میں مقیم مسلمانوں کی ذمہ داریاں اور فرائض

یہ وہ خطاب ہے جو ۱۰ جون ۱۹۷۷ء کو ٹورنٹو (کینیڈا) میں مقیم مسلم نوجوانوں اور تعلیم یافتہ حضرات سے کیا گیا۔

الحمد لله رب العالمين. والصلوٰة والسلام على اشرف الانبياء والمرسلين وعلى آله واصحابه اجمعين.

اما بعد فقد قال الله تعالىٰ يعبادى الذين امنوا ان ارضى واسعة فاياى فاعبدون.(۱)

اے میرے بندو! جو ایمان لائے ہو، میری زمین فراخ ہے تو میری ہی عبادت کرو۔

ذرائع اور مقصد!:

میرے بھائیو اور بہنو! اللہ تعالیٰ کے یہاں انسان کی زندگی کا مقصد بندگی ہے، یعنی اللہ تعالیٰ کی صحیح معرفت اور اس کے احکام کے مطابق زندگی گذارنا اور آخرت کے لئے کوشش اور اللہ تعالیٰ کو راضی کرنا اور رسول اللہ ﷺ کے طریقہ پر چل کر اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل کرنا اصل مقصد یہ ہے۔ اس کے علاوہ جتنی چیزیں ہیں، سب وسائل اور ذرائع ہیں، مقصد اور ذریعہ کا مطلب آپ سمجھتے ہیں، اللہ کے قرب کے ذرائع کو تلاش کرنا، مناسب ماحول تیار کرنا، قوت تنفیذ حاصل کرنا تاکہ اللہ تعالیٰ کے حکموں پر عمل آسان ہوجائے، اور کوئی مجبوری کی شکایت نہ کر سکے، اور کوئی دوسری طاقت اور دوسرا اقتدار اس میں خلل اندازی نہ کر سکے اور اس کے

---

(۱) عنکبوت ۵۶

مقابل دوسری کوئی متوازی دعوت نہ دے سکے، اس کو قرآن مجید نے اپنے معجزانہ الفاظ میں بیان کیا ہے کہ۔

حَتّٰى لَاتَكُوْنَ فِتْنَةٌ وَّيَكُوْنَ الدِّيْنُ لِلّٰهِ . (بقرة ۱۹۳)

(ترجمہ) کہ فساد نابود ہوجائے اور (ملک میں) خدا ہی کا دین ہوجائے۔

یہاں تک کہ کشمکش جاتی رہے، یعنی دو طاقتوں کے درمیان جو تصادم ٹکراؤ (CLASH) ہوتا ہے، وہ جاتا رہے، جس کی وجہ سے لوگ خواہ مخواہ انتشار میں پڑیں، (CONFSION) کا شکار ہوں، کوئی کہے ادھر چلو، کوئی کہے ادھر چلو۔

”یکون الدین لله“ یعنی طاعت وفرماں برداری صرف اللہ تعالیٰ کی ہو، اسی کے لئے دعوت کا کام ہے، اسی کے لئے ”امر بالمعروف“ اور ”نہی عن المنکر“ ہے ضرورت ہو اور وقت آئے تو جہاد ہے، اسی کے لئے اسلام کو ایسی طاقت مہیا کرنا اور اس کو اقتدار پر لانا ہے کہ کمزور لوگوں کو بھی خدا کے بتائے ہوئے راستے اور اللہ اور رسول کے بتائے ہوئے راستے پر چلنا ایسا مشکل نہ ہوجائے کہ وہ کہیں کہ ”لا یکلف الله نفساً الا وسعها“ یہ تو ہماری طاقت سے باہر ہے۔

اصل مقصد اللہ کی بندگی!:

لیکن ان تمام ذرائع کا مقصد اللہ کی بندگی ہے ”وما خلقت الجن والانس الا لیعبدون“ اس کے بارے میں ذہن کو پورے طور پر صاف کرلینا چاہئے، میں نے یہاں یورپ میں اور امریکہ میں لکھے پڑھے لوگوں کے ذہن میں اچھا خاصا الجھاؤ پایا کہ وہ ذرائع اور مقاصد کے درمیان فرق نہیں کرپاتے، مقصد صرف یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ راضی ہو اور اللہ تعالیٰ نے جو زندگی دی ہے، صلاحیتیں دی ہیں، انہیں ہم ایسے کاموں میں استعمال کریں کہ اللہ کی رضا ہم کو حاصل ہو، اور زندگی کا مقصد پورا ہو، آخرت میں اللہ تعالیٰ ہم سے خوش ہو، اور ہمیں اپنا قرب عطا فرمائے، اور ہم ان کے سامنے سرخرو ہوں اور جنت میں ہمیں اونچے سے اونچا مقام حاصل ہو، یہ اصل مقصد ہے، یہ مقصد اگر کہیں پورا ہو رہا ہے، تو بہت مبارک ہے، اور اگر یہ مقصد خاص اپنے وطن میں بھی پورا نہ ہو تو اسے خیر باد کہنا چاہئے، وطن جہاں آدمی پیدا ہوا ہے، اور اس کے

ذرے ذرے سے محبت ہے، اور جہاں کا کانٹا بھی انسان کو پھول سے زیادہ پیارا ہوتا ہے۔

خار وطن از سنبل و ریحاں خوشتر

کسی نے کہا ہے کہ وطن کا کانٹا بھی سنبل و ریحاں اور عطر بیز پھولوں سے زیادہ محبوب اور خوشنما ہوتا ہے اس کی خاک بھی کیمیا اور مٹی بھی اکسیر سمجھی جاتی ہے، آدمی اس کو آنکھ کا سرمہ بناتا ہے، ایسا وطن جہاں الفت و محبت کے تمام اسباب موجود ہیں، والدین موجود ہیں، بھائی بہن، خاندان کنبہ اور اوا د موجود ہے، وطن اور مسافرت میں جو فرق ہے، وہ ان مالوفات کی وجہ سے ہے، وطن مجموعہ ہے، مالوفات کا، یعنی جس سے آدمی کے دل کو لگاؤ، تعلق اور وابستگی ہوتی ہے، وہ چیزیں وہاں زیادہ جمع ہیں، طبعی، شرعی مالوفات اور فطرت جن چیزوں سے لگاؤ رکھتی ہے، اللہ تعالیٰ نے ان سب کو اس آیت میں جمع کر دیا ہے۔

قُلْ اِنْ كَانَ اٰبَآؤُكُمْ وَاَبْنَآؤُكُمْ وَاِخْوَانُكُمْ وَاَزْوَاجُكُمْ وَعَشِيْرَتُكُمْ وَاَمْوَالُ نِ اقْتَرَفْتُمُوْهَا وَتِجَارَةٌ تَخْشَوْنَ كَسَادَهَا وَمَسَاكِنُ تَرْضَوْنَهَا اَحَبَّ اِلَيْكُمْ مِّنَ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَجِهَادٍ فِىْ سَبِيْلِهٖ فَتَرَبَّصُوْا حَتّٰى يَاْتِىَ اللّٰهُ بِاَمْرِهٖ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِى الْقَوْمَ الْفَاسِقِيْنَ O⑴

کہہ دو کہ اگر تمہارے باپ اور بیٹے اور بھائی اور عورتیں اور خاندان کے آدمی اور مال جو تم کماتے ہو، اور تجارت جس کے بند ہونے سے ڈرتے ہو اور مکانات جن کو پسند کرتے ہو خدا اور اس کے رسول سے اور خدا کی راہ میں جہاد کرنے سے تمہیں زیادہ عزیز ہوں تو ٹھہرے رہو یہاں تک کہ خدا اپنا حکم (یعنی عذاب) بھیجے، اور خدا نافرمان لوگوں کو ہدایت نہیں دیا کرتا۔

حضور ﷺ کی ہجرت:

مکہ مکرمہ کی سرزمین جس کے اندر قدرتی طور پر ایسی محبوبیت اور دلآویزی ہے کہ خود قرآن مجید میں حضرت ابراہیم کی دعا نقل کی گئی ہے جو یقیناً قبول ہوگئی ہے، "**فاجعل افئدةً من الناس تهوى اليهم**." "اے اللہ لوگوں کے دلوں کو ایسا کر دے کہ اس کی طرف ایسی کھنچیں (جیسے مقناطیس کی طرف لوہا کھنچتا ہے) یہ محبوبیت حرم شریف کو حاصل ہے، اس میں بیت اللہ

---

(۱) توبہ ۲۴۔

ہے، زمزم ہے، اس میں صفا اور مروہ ہیں، پھر اس کے نزدیک منٰی اور عرفات ہیں، لیکن جب رسول اللہ ﷺ نے دیکھا کہ یہاں مسلمانوں کے لئے خدا کی بندگی مشکل ہو رہی ہے تو فرمایا ''حبشہ چلے جاؤ'' یہ کیوں فرمایا؟ دین پر قائم رہنے کے لئے فرمایا کہ یہاں نماز نہیں پڑھ سکتے، خدا کی عبادت نہیں کر سکتے، ان کا سر بتوں کے سامنے زبردستی جھکایا جاتا ہے، ان کے سامنے خدا کی توہین کی جاتی ہے، زبردستی ان سے کفر کرانے کی کوشش کی جاتی ہے تو فرمایا کہ ''حبشہ چلے جاؤ'' دو مرتبہ حبشہ کو ہجرت ہوئی، آخر میں خود آپ کو حکم ہوا کہ مکہ چھوڑ دو اور مدینہ چلے جاؤ، اللہ کے نام پر مکہ جیسا شہر چھوڑا جا سکتا ہے تا کہ خدا کی عبادت آزادی کے ساتھ ہو سکے تو دنیا کے اور شہر کس شمار قطار میں ہیں، نیویارک و لندن ہو یا ٹورنٹو اور شیکاگو ہو، دہلی و لکھنؤ ہو، کوفہ و بصرہ ہو، قرطبہ و غرناطہ ہو، یا قاہرہ و دمشق ہو، اصل یہ ہے کہ جہاں اللہ تعالیٰ کے احکام پر عمل کیا جا سکتا ہو، وہ جگہ محبوب ہے، اور رہنے کے قابل ہے، اور جہاں ایسا ممکن نہ ہو وہ جگہ چاہے، وطن ہو یا کوئی محبوب اور حسین سرزمین رہنے کے قابل نہیں۔

مسرت اور تشویش:

میں نے ریاست ہائے متحدہ امریکہ کا سفر کیا، میں یہاں آیا میں نے بہت سے شہر دیکھے اور اب آپ کے یہاں کینیڈا آیا ہوں، ایک طرف تو مجھے مختلف ممالک کے مسلمانوں کو یہاں دیکھ کر خوشی ہوئی، فطری بات ہے کہ آدمی کو اپنے ہم جنس اور ہم مذہب لوگ ملتے ہیں تو خوشی ہوتی ہے، لیکن دوسری طرف مجھے اس کی فکر ہے کہ کیا آپ کو یہاں پورے طور پر اسلامی زندگی گذارنے کا موقع ہے؟ اور کیا آپ کی آئندہ نسلیں اسلام پر قائم رہیں گی؟ آپ کے اندر جو اسلامی جذبہ تھا کیا وہ ویسا ہی روشن اور فروزاں رہے گا؟ یہ بات سوچنے کی ہے، آپ برا نہ مانیں، یہاں ہمارے اکثر بھائی مادی اغراض سے آئے ہیں، ہمارے ایک بھائی نے کہہ بھی دیا تھا کہ

''صاحب ہم تو یہاں کھانے کمانے کے لئے آئے ہیں۔''

یہ کوئی حرام بات نہیں ہے، کوئی گناہ کی بات نہیں، لیکن جہاں خالص مادیت کی زندگی اور غفلت کا دور دورہ ہو وہاں جانے میں تو خیر حرج نہیں، لیکن وہاں رہنے کا فیصلہ کرنا یہ بات سوچنے کی ہے۔ میں آپ سے صرف یہ کہنا چاہتا ہوں کہ اگر آپ کو یہ اطمینان ہے کہ آپ

یہاں اپنی زندگی اللہ تعالیٰ کے منشاء کے مطابق گذار سکتے ہیں، اور دعوت کے کام میں مشغول ہیں، اور یہاں آپ کے رہنے سے دین کو فائدہ پہنچ رہا ہے، اور اس بات پر آپ کا دل گواہی دے کہ آپ اپنا ایمان بھی بچا رہے ہیں، اور دوسروں کے ایمان کی فکر بھی کر رہے ہیں، اور بقدر ضرورت معاشی جدوجہد میں مشغول ہیں، تب تو ٹھیک ہے، میں بھی کہوں گا کہ آپ کا رہنا مبارک ہے، شاید آپ کے ذریعہ سے اللہ یہاں ہدایت عام کرے اور اسلام کی روشنی پھیلائے، اور یہ خطہ بھی اسلام کی دولت وسعادت سے ہم کنار ہوجائے۔

یہ کوئی تعجب کی بات بھی نہیں مسلمان عرب سوداگر جب مشرق بعید انڈونیشیا، ملیشیا اور بحر ہند کے جزیروں میں پہنچے تو جزیرے کے جزیرے مسلمان ہوگئے، وہاں آج مسلمانوں کی کھلی ہوئی اکثریت ہے، آپ تحقیق کریں گے تو معلوم ہوگا کہ اسلام زیادہ تر عرب تاجروں کے ذریعہ پھیلایا، پھر صوفیائے کرام کے ذریعہ پھیلا ہے۔

ہمارے برصغیر ہندوپاک میں بھی سندھ وغیرہ کے علاقوں میں یا مسلم اکثریت کے علاقے مثلاً کشمیر و مشرقی بنگال صرف صوفیائے کرامؒ کے شرمندۂ احسان ہیں۔

یہاں رہنے کے بعد اپنے ایمان اور اپنی آئندہ نسلوں کے اسلام کی حفاظت کا انتظام اور اطمینان آپ نے کر لیا ہے، اور یہاں رہ کر آپ دعوت کا کام کرتے ہیں، اور ایسی اسلامی زندگی کا مظاہرہ کرتے ہیں، جو دوسروں کے لئے کشش کا باعث ہو تو آپ کے یہاں رہنے کا جواز ہے، جواز ہی نہیں، بلکہ یہ بہت بڑا اجہاد اور بہت بڑی خدمت ہے۔

اگر ایسا نہیں ہے، اور آپ کا مطمح نظر صرف کھانا کمانا ہے، تو یہ مقصد مسلمانوں کے مقام اور مقصد حیات سے میل نہیں کھاتا، صرف کھانے کمانے کے لئے اتنی دور دراز کی مسافت طے کرنا کسی مسلمان کے شایان شان نہیں۔

اللہ تعالیٰ کی رزاقی، جغرافیائی حد بندی کی پابند نہیں، میں یہ سراسر عملی باتیں کر رہا ہوں، علمی نکات اور موشگافیاں کسی دوسرے موقع پر کسی دوسرے عالم سے سن لیجئے گا، میں نے جو کچھ یہاں دیکھا اس کی روشنی میں یہ چند عملی باتیں بے تکلف عرض کر رہا ہوں، اگر آپ کی زندگی اور آپ کا یہاں قیام اسلام کے لئے مفید ہے، اور اس کی راہ ہموار کرتا ہے تو میں یہ فتویٰ دیتا ہوں کہ آپ کا یہاں رہنا نہ صرف جائز بلکہ ایک عبادت ہے، اگر اپنے ایمان اور اپنے بچوں کی دینی

زندگی کی طرف سے اطمینان نہیں تو مجھے اس سے بہت ڈر معلوم ہوتا ہے کہ نہ جانے یہاں کس حال میں موت آئے ہم خدا کو کیا جواب دیں گے کہ صرف کھانے کمانے کے لئے وہاں گئے تھے، یہ نہ اسلامی کردار ہے، نہ مسلمان کی شان ہے، ہاں اگر آپ نے یہ انتظام کر لیا کہ آپ کے ایمان پر ذرہ برابر آنچ نہ آئے، آپ کسی دینی دعوت اور اسلام کی تبلیغ کرنے والی تنظیم میں شریک ہیں، آپ نے ماحول بنایا ہے، کوئی ایسا حلقہ بنایا جس میں دینی باتیں ہوتی ہیں، اور تذکیر ہوتی ہے، آخرت کی فکر ہوتی ہے، آپ یہاں غیر مسلموں کے سامنے ایسی زندگی پیش کر رہے ہیں، جس میں چارم (CHARM) ہے، کشش ہے، اور آپ نے اپنے بچوں کی دینی تعلیم کا انتظام کر لیا ہے، یہ بہت اہم بات ہے، قیامت کے دن بچوں سے جب پوچھا جائے گا کہ تم کیسے اس حالت میں آئے ہو؟ نہ ہمارا نام جانتے ہو نہ ہمارے رسول کا نام جانتے ہو نہ نماز جانتے ہو تو وہ کہیں گے کہ۔

رَبَّنَآ اِنَّآ اَطَعْنَا سَادَتَنَا وَ کُبَرَآءَ نَا فَاَضَلُّوْنَا السَّبِیْلَا .(۱)

(ترجمہ) ہمارے پروردگار ہم نے اپنے بڑوں کی بات مانی، انہوں نے جس راستہ پر لگایا اسی راستہ پر ہم لگ گئے، انہوں نے ہمیں کہیں کا نہیں رکھا۔

قرآن مجید میں آتا ہے۔

یٰاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا قُوْٓا اَنْفُسَکُمْ وَاَھْلِیْکُمْ نَارًا .(۲)

(ترجمہ) اے ایمان والو! اپنے کو اور اپنے بچوں کو آگ سے بچاؤ۔

آپ کے بچے بے شک اسکول جاتے ہوں گے، لیکن کیا آپ نے ان کے لئے ایک وقت مقرر کیا ہے، جس میں توحید و رسالت اور دین کی تعلیم حاصل کریں؟ جس کے بغیر آدمی مسلمان ہو نہیں سکتا، اور آپ انہیں بتائیں کہ " ولا تموتن الا وانتم مسلمون" خبردار اسلام کے علاوہ کسی اور راستے پر مرنا حرام ہے، کسی مسلمان بچے کی دینی تعلیم و تربیت کے بغیر زندگی سے اس کی موت بہتر ہے۔

اس صاف گوئی پر مجھے معاف کریں لیکن یہ عملی چیزیں جنہیں یہاں رہ کر آپ کو برتنا

---

(۱) الاحزاب ۶۷۔ (۲) التحریم ۶۔

ضروری ہے، بچوں کی تعلیم اور یہاں اسلامی ماحول بنانے میں اگر آپ تھوڑا سا وقت دیتے ہیں تو آپ یہاں رہئے، شاید اللہ نے اسی لئے آپ کو یہاں بھیجا ہے۔

ہندوستان و پاکستان اور ایشیائی ممالک سے ذہین نوجوانوں کی جوار بھاٹا کی طرح جو لہریں چلی آرہی ہیں، اور وہ یہاں کا رخ کر رہے ہیں تا کہ اپنا دامن اور جھولی بھر لیں تو ان ملکوں کا کیا ہوگا جہاں سے اچھے تعلیم یافتہ اور ذہین لوگ مادی منافع کی خاطر اپنے ملکوں کو چھوڑ دیں۔

چند عبرت انگیز واقعات:

میں صرف ان لوگوں کا یہاں رہنا جائز سمجھتا ہوں جنہوں نے اپنے ایمان کی حفاظت کا انتظام کر لیا ہے، اور غیر مسلموں میں دینی دعوت کو اپنا مقصد بنایا ہے، ورنہ یہاں تو اس کا بھی اطمینان نہیں کہ ایک مسلمان کی، مرنے پر اسلامی طریقہ پر تجہیز و تکفین و تدفین بھی ہوگی! یہاں بوسٹن میں مقیم ہمارے ایک عزیز مولوی مدثر نے بتایا کہ یہاں ایک حاجی صاحب کا انتقال ہو گیا تو انہیں فون آیا کہ آخری رسوم میں شریک ہوں، وہاں پہنچ کر انہوں نے دیکھا کہ لاش تابوت میں رکھی ہوئی ہے، سوٹ پہنا رکھا ہے، ٹائی لگی ہے، سونے کی انگوٹھی پہنے ہوئے ہیں، عیسائی مرد عورتیں آرہے ہیں، اور KISS کر رہے ہیں، تابوت پر پھول ہار وغیرہ ڈال رکھے ہیں، اللہ تعالیٰ نے اس نوجوان کی عمر میں برکت دے، آخر عربی مدرسوں میں پڑھنے سے فائدہ ہی ہوتا ہے، اس نے ان مرحوم کے لڑکے کو بلایا اور کہا کہ میں جاتا ہوں، انہوں نے پوچھا کیوں؟ انہوں نے کہا کہ میں جو کچھ کہوں گا آپ کریں گے نہیں۔

ان صاحب نے کہا کہ ہم نے آپ کو بلایا ہے، ہم آپ کی بات مانیں گے، مدثر نے کہا ''پہلے تو ان کا سوٹ اتاریئے، لوگوں کو یہاں سے علیحدہ کیجئے ہم ان کو شرعی طریقہ سے غسل دیں گے، کفن پہنائیں گے، یہ انگوٹھی بھی نکال دیجئے'' ان صاحب نے کہا انگوٹھی نہ اتاریئے گا، ورنہ ہماری والدہ کا ہارٹ فیل ہو جائے گا انہوں نے کہا کہ ہم انگوٹھی ضرور علیحدہ کریں گے اگر آپ کی والدہ کا ہارٹ فیل ہونے کا خطرہ ہو تو انہیں ابھی نہ بتائیے بعد میں بتا دیجئے گا، خیر وہ راضی ہوئے۔

وہ تو اتفاق تھا کہ ہمارے یہاں کا وہ پڑھا ہوا بچہ وہاں پہنچ گیا ورنہ خدا جانے کتنے مسلمان

اس ملک میں ایسے دفن ہوجاتے ہوں گے۔

ایک اور واقعہ سنا جس سے بڑی عبرت ہوئی کہ ایک مصری عالم کا انتقال ہوا، جنہوں نے اسلام پر انگریزی میں ایک اچھی کتاب لکھی ہے، ان کی بیگم امریکن تھیں، مسلمانوں کا قبرستان ذرا دور تھا، عیسائیوں کے قبرستان میں انہیں دفن کر دیا گیا، یہ چیزیں وہ ہیں، جنہیں ایک مسلمان خواب میں دیکھ لے تو چیخ اٹھے کہ یا اللہ خیر فرما، تو ہی حفاظت فرما، چہ جائیکہ یہ واقعات عام ہوجائیں اور ہم سن کر کوئی فکر نہ کریں۔

دوہرا خطرہ:

بھائیو! اپنی فکر کرو، اپنی اولاد کے اسلام پر قائم رہنے کا بندوبست کرو، ورنہ آپ لوگوں کا یہاں رہنا ہماری سمجھ میں نہیں آتا، ایک تو آپ خطرے میں ہیں، دوسرے آپ کا ملک خطرے میں ہے، ہندوستان و پاکستان کے جو تعلیم یافتہ نوجوان یہاں آرہے ہیں، اگر وہاں رہتے تو جو دس بیس آدمی ان کے ماتحت کام کرتے، ان کو تقویت ہوگی، ان کے والدین اور ہم قوم افراد کو تقویت ہوتی، عرب ممالک کے نوجوان کثرت سے یہاں ہیں، اگر یہ اپنے وطن میں ہوتے تو اسے منظم بناتے، طاقت ور بناتے اور اپنی صلاحیتوں سے فائدہ پہنچاتے، محض تنخواہ کی زیادتی، اچھے مکان اور بہتر خورد ونوش کے لئے یہاں آنا سمجھ میں نہیں آتا، یہ بات بہت سوچنے کی ہے، آپ کو مجھ سے یہ توقع ہوئی کہ میں آپ کے لئے دل خوش کن باتیں کرتا، میں نے وہ باتیں کہیں جس سے آپ کے دل کو چوٹ لگے، اور آپ اس مسئلہ پر سنجیدگی سے غور کریں۔

دعوت کا کام کرنے والوں کے درمیان خوشگوار تعلق اور باہمی محبت کسی خارجی ذریعہ سے نہیں پیدا کی جاسکتی

یہ تقریر امریکہ اور کناڈا کے مسلم طلباء کی تنظیم (M.S.A) کے پندرہویں سالانہ سہ روزہ کنونشن کے افتتاحی اجلاس میں ''اسلام کی نشاۃ ثانیہ کے کارکنوں کے باہمی تعلقات و روابط'' کے موضوع پر کی گئی، اس موقع پر مختلف ممالک کے اسلامی اسکالر، ماہرین تعلیم، مصنفین، تاریخ داں، اور ماہر اقتصادیات موجود تھے، اس تقریر کا انگریزی ترجمہ جناب ممتاز احمد صاحب نے کیا۔

نحمده ونصلى علىٰ رسوله الكريم . امابعد!

مصنوعی کوشش کارگر نہیں ہوتی:

حضرات! آج کی مجلس کا موضوع ہے کہ ''اسلام کی نشأۃ ثانیہ کے لئے کام کرنے والوں کے درمیان کیا شخصی تعلق اور رابطہ ہونا چاہئے۔''

میں اس موضوع پر روشنی ڈالنے کی کوشش کروں گا، لیکن میرے لئے شاید ان الفاظ کے دائرہ میں مقید ہونا ضروری نہ ہوگا، میں ایک حقیقت پسند انسان اور ایک طالبعلم کی حیثیت سے جس کی تاریخ اسلام پر نظر ہے، اور اس نے اس کا مطالعہ کیا ہے، اس ربط و تعلق کے اصل سر چشموں کی نشاندہی کرنے کی کوشش کروں گا۔

حضرات! میں سمجھتا ہوں کہ دعوت کا کام کرنے والوں کے درمیان تعلق اور باہمی محبت کسی خارجی ذریعہ سے نہیں پیدا کی جاسکتی، میرے علم میں ابھی تک کوئی ایسا مادہ یا کیمیاوی مرکب نہیں آیا جو گوند یا لئی کی طرح انسانوں کے دلوں کو جوڑ دے، اس میں کوئی مصنوعی کوشش

کارگر نہیں ہوتی، آپس کی محبت کا سرچشمہ انسان کے دل اور انسان کے اندرون میں پایا جاتا ہے، ایسا کوئی ذریعہ نہیں ہے کہ ان ٹوٹے ہوئے دلوں کو جن کے درمیان کوئی کشش، کوئی قوت جاذبہ نہیں ہے، اور جن کے اوپر کسی حقیقت کا، کسی احساس کا غلبہ نہیں ہوا ہے، ان کے درمیان کوئی اتحاد پیدا کردے، کاغذوں کو ایک دوسرے سے چپکانا آسان ہے، اور کسی عمارت کی اینٹوں کو مسالے سے جوڑا جاسکتا ہی، مگر انسانی دلوں کا معاملہ اس سے کہیں زیادہ نازک، کہیں زیادہ دشوار ہے، خود قرآن مجید میں آتا ہے۔

لَوْ اَنْفَقْتَ مَا فِی الْاَرْضِ جَمِیْعاً مَّآ اَلَّفْتَ بَیْنَ قُلُوْبِهِمْ .(۱)

(ترجمہ) اگر تم دنیا بھر کی دولت خرچ کرتے تب بھی ان کے دلوں میں الفت پیدا نہ کرسکتے۔

کہ تمہارے پاس جو مالی سرمایہ ہے، ذرائع ہیں، وہ سب کے سب خرچ کردو تب بھی ان کے دلوں کو نہیں جوڑ سکتے تھے، اللہ اگر ان کے اندر اتحاد نہ پیدا کرتا، ان کو ایک دوسرے سے نہ جوڑتا تو دنیا کی کوئی طاقت نہیں تھی کہ ان کے دلوں کو جوڑے۔

اخوت کا کرشمہ:

آپ حضرات کو معلوم ہے، جب مکہ مکرمہ سے مدینہ طیبہ کی طرف ہجرت ہوئی تو مہاجرین وانصار کے درمیان سوائے انسانیت اور سوائے عربی زبان کے رشتہ کے نسلی رشتہ تک نہیں تھا، میں تفصیل میں جانا نہیں چاہتا، انصار کا تعلق بنی قحطان یمنی قبائل سے تھا، اور حجازی مہاجرین کا بنی عدنان حجازی قبائل سے تھا، لیکن ان کے درمیان ایک بے نظیر اتحاد پید ہوگیا، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

وَاذْكُرُوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ عَلَیْكُمْ اِذْ كُنْتُمْ اَعْدَآءً فَاَلَّفَ بَیْنَ قُلُوْبِكُمْ فَاَصْبَحْتُمْ بِنِعْمَتِهٖٓ اِخْوَانًا .(۲)

(ترجمہ) اللہ تعالیٰ کے اس احسان کو یاد کرو جب تم آپس میں ایک دوسرے کے دشمن تھے تو تم اس کی نعمت سے آپس میں بھائی بھائی ہوگئے۔

اور اسی اخوت کا کرشمہ تھا کہ جب مہاجرین مدینہ پہنچے ہیں تو حضرات انصار نے ان کو

---

(۱) الانفال ۶۳۔ (۲) آل عمران ۱۰۳۔

گھروں ہی میں نہیں جگہ دی بلکہ دلوں میں جگہ دی، آنکھوں پر بٹھایا، انصاری مہاجر سے کہتا ہے، یہ میرا گھر ہے، آدھا حصہ آپ کا، آدھا میرا، آپ جونسا حصہ پسند فرمالیں شوق سے لے لیں، ایسے ہی کھیتی باڑی میں، جائیداد واملاک میں آدھا آدھا حصہ دینے کے لئے تیار ہوگئے اور حد یہ ہے کہ بعض انصاریوں نے کہا کہ میری دو بیویاں ہیں، میں ان میں سے ایک کو طلاق دیتا ہوں آپ اس کو اپنی زوجیت کے لئے قبول فرمالیں، مہاجرین نے اس کے جواب میں کیا کیا؟ انہوں نے ایثار کا اور غیرت کا مظاہرہ کیا، انہوں نے کہا کہ بھائی! اللہ برکت دے، ہمیں بازار کا راستہ بتادیجئے ہم وہاں قسمت آزمائی کرلیں گے، جو ہمارے نصیب میں ہوگا وہ ہمیں ملے گا۔

یہ چیز کسی مصنوعی طریقہ سے نہیں پیدا ہوسکتی ہے، انسانی تنظیمات کے سامنے (زمانۂ قدیم میں بھی اور آج بھی) یہ بڑا مسئلہ رہا ہے کہ کام کرنے والوں کو شیر وشکر کس طرح بنایا جائے، جس طرح دودھ اور شکر مل کر مفید بن جاتے ہیں، اور پھر شکر اس میں اس طرح تحلیل ہوجاتی ہے کہ اس کو الگ کرنا مشکل ہوتا ہے، اسی طرح کام کرنے والوں کو ایک دوسرے سے کس طرح پیوست کیا جائے کہ ان کی انفرادیت ختم ہوجائے اور اس سے زیادہ صحیح الفاظ میں انانیت ختم ہوجائے۔

چند مثالیں:

اس ضمن میں ایک دو مثالیں پیش کروں گا اور پھر عرض کروں گا کہ اس کا اصل سرچشمہ کیا ہے؟ میں اس کی مثال سیرت نبوی سے دیتا ہوں کہ اس سے بہتر مثال انسانی دنیا کے علمی سرمایہ میں اور اس کے کتب خانوں میں موجود نہیں۔

بدر کے موقعہ پر مشرکین مکہ میں سے کچھ لوگ قید کئے گئے، ان میں ایک ابوعزیز بن عمیر تھے ان کے حقیقی بھائی مصعب بن عمیرؓ، بدر میں اسلامی افواج کے علمبردار تھے، وہ پہلے سے مدینہ آچکے تھے، جب ابوعزیز بن عمیر کی مشکیں باندھی جانے لگیں تو مصعب بن عمیرؓ کھڑے دیکھ رہے تھے، انہوں نے اس شخص کو جو مشکیں باندھ رہا تھا، مخاطب کر کے کہا ''اس کو اچھی طرح کس کے باندھنا، اس سے اچھی رقم وصول ہوگی'' ابوعزیز بن عمیر نے کہا، ''بھائی صاحب! آپ سے اس کی توقع تھی کہ آپ میرے لئے کوئی کلمۂ خیر کہتے، میری سفارش

کرتے کہ میرا بھائی، ذرا خیال کر کے اس کی مشکیں باندھنا، ذرا ڈھیلی باندھنا آخر میرا ماں جایا بھائی ہے، میرے باپ کا لخت جگر ہے، آپ الثانیہ کہتے ہیں کہ مشکیں ذرا اچھی طرح باندھی جائیں تاکہ فدیہ کی رقم اچھی وصول ہو۔"

مصعب بن عمیرؓ نے اس کا جو جواب دیا وہ دنیا کی تعمیری کوششوں اور دینی و اخلاقی انقلابات کی تاریخ میں ہمیشہ کے لئے یادگار رہے گا، انہوں نے کہا "تم میرے بھائی نہیں ہو، میرا بھائی وہ ہے جو تمہاری مشکیں باندھ رہا ہے۔"

عقیدے کی وحدت اور مقصد کا عشق:

عقیدہ کی وحدت، اور مقصد کے عشق نے ایسی قلب ماہیت کر دی تھی، اور ایسا انقلاب پیدا کر دیا تھا کہ مصعب بن عمیرؓ جو اعلیٰ انسانی اقدار کے مالک تھے، جس کا اندازہ ان کی سیرت اور حالات زندگی سے ہوتا ہے، لیکن مقصد کے عشق نے ان کو ایسا خود فراموش بنا دیا تھا کہ انہوں نے یہ کہا کہ "تم اس وقت میرے بھائی نہیں میرا بھائی وہ ہے جو تمہاری مشکیں باندھ رہا ہے" اس لئے کہ ایک نئے رشتہ ایک نئی چیز نے ہم لوگوں کو جھوڑ دیا ہے، وہ خون کا رشتہ نہیں ہے لیکن وہ خون کے رشتہ سے زیادہ عظیم زیادہ مبارک، زیادہ مفید اور زیادہ قابل قدر ہے۔"

ایک اور مثال پیش کرتا ہوں جو بہت مشہور ہے شام کی فتوحات میں یرموک کی لڑائی کے موقع پر ایک صحابی ابوجہم بن حذیفہؓ بیان فرماتے ہیں کہ "میں اس خیال سے میدان میں نکلا کہ میدان جنگ میں اپنے چچازاد بھائی کو تلاش کروں گا، عام طور پر جو لوگ زخمی ہوتے ہیں، ان کو پیاس شدت سے لگتی ہے، میں پانی کا مشکیزہ لے کر نکلا کہ شاید وہ جاں بلب ہو تو پانی ان کے ہونٹوں میں ٹپکا دوں گا اور ان کا منہ دھلا دوں گا میں بھائی کے پاس گیا اور دیکھا کہ وہ جاں کنی کی حالت میں ہیں، ہونٹوں پر پپڑیاں جمی ہوئی ہیں چہرے پر خشکی ہے، میں نے پانی کا پیالہ پیش کیا، اتنے میں کسی کے کراہنے کی آواز آئی، انہوں نے کہا کہ "میرا یہ بھائی پانی کا زیادہ مستحق ہے، یہ پانی کا پیالہ آپ اس کو پیش کر دیں خواہ مجھ پر جو گذرے" جب اس کے پاس گئے تو اتنے میں کسی دوسرے کے کراہنے کی آواز آئی تو انہوں نے کہا کہ یہ پیالہ فلاں بھائی کو پیش کر دو، یہاں تک کہ معتبر راوی بیان کرتا ہے، اور اسلامی عہد کی تاریخ میں (جس میں ایرانی

مبالغہ آرائی اور عجمی شاعری کا اثر نہیں ہے، وہ خالص واقعات وحقائق کی دستاویز ہے) لکھا ہے کہ یہ پیالہ گردش کرتا رہا اور میں برابر چکر کھاتا رہا، جب کسی زخمی کے پاس لے جاتا وہ کسی اور زخمی کی طرف اشارہ کر دیتا کہ میری بجائے فلاں زخمی کو پیش کر دیا جائے، یہاں تک کہ میں اپنے بھائی کی طرف لوٹ کر آیا جب تک وہ جان جان آفریں کے سپرد کر چکے تھے، جب دوسرے کے پاس گیا تو وہ واصل بحق ہو چکے تھے، جب تیسرے کے پاس گیا تو وہ بھی مرتبہ شہادت کو پہنچ چکے تھے ، میرا پیالہ بھرا کا بھرا رہا اور یہ سب اللہ کے بندے اللہ کو پیارے ہو گئے، یہ واقعہ ہے جو تاریخی طور پر پیش آیا ہے، یہ کوئی فرضی واقعہ نہیں ہے۔

تیسرا واقعہ جس کو میں ان دونوں واقعات سے زیادہ اہمیت دیتا ہوں وہ زندہ جاوید واقعہ ہے، جس کو دنیا کی تاریخ کبھی فراموش نہیں کر سکتی اور جس کا تجربہ پہلے کبھی نہیں ہوا، جب یرموک کے میدان میں خلیفۃ المسلمین حضرت عمر فاروقؓ کو یہ مصلحت معلوم ہوئی کہ حضرت خالدؓ کو اسلامی افواج کی سپہ سالاری (ہائی کمانڈ) سے سبکدوش کر دیں اور ان کی بجائے حضرت ابو عبیدہؓ کو مقرر کریں تو پہلی بار دنیا کے سامنے یہ مثال آئی کہ عین میدان جنگ میں جب تمام نگاہیں خالدؓ پر جمی ہوئی تھیں اور ان کو فتح کا رمز (SYMBOL) سمجھا جاتا تھا، اور غالباً حضرت عمرؓ کی یہی مصلحت تھی کہ ذہنوں سے یہ نکل جائے کہ جہاں خالدؓ ہوں گے وہاں فتح ہوگی، خالدؓ اور فتح لازم وملزوم نہیں، خدا پر سے توکل ہٹ کر کہیں خالدؓ کی ذات پر مرکوز نہ ہو جائے، جس وقت خالدؓ کی معزولی کا فرمان خلافت پہنچا ہے، اس وقت فیصلہ کن جنگ کے لئے تیاری ہو رہی تھی. اور حضرت عمرؓ نے یہ فرما دیا تھا کہ خالدؓ کی پگڑی اتار کر (معزولی کی علامت کے طور پر) ان کے گلے میں ڈال دی جائے تاکہ لوگ سمجھ لیں کہ اب خالدؓ اس منصب سے سبکدوش کئے جا چکے ہیں، حضرت خالدؓ کو یہ پیغام سنایا گیا تو انہوں نے کہا " آمنا وسلمنا" فرمان خلافت سر آنکھوں پر، میرے طرز عمل میں کوئی فرق واقع نہ ہوگا، اگر میں خدا کے لئے لڑتا تو اب بھی لڑوں گا اور اگر عمرؓ کے لئے لڑتا تھا تو بے شک اب مجھے حق حاصل ہے کہ بیٹھ جاؤں اس لئے کہ عمرؓ نے مجھ پر بے اعتمادی کا اظہار کیا ہے، مجھے اتنے بڑے اعزاز سے محروم کر دیا ہے، دیکھنے والوں نے دیکھا اور تاریخ کی شہادت ہے کہ حضرت خالدؓ اسی جانبازی سے ہتھیلی پر سر رکھ کر لڑتے رہے، اتنے بڑے اعزاز سے کسی کو معزول کر دیا جائے اور اس کی جوش وخروش میں، اس

کی مصروفیت میں فرق نہ آئے، آج ترقی یافتہ جمہوریتوں میں ہم دیکھ رہے ہیں کہ کسی سے، کوئی عہدہ لے لیا جاتا ہے تو اس پر افسردگی طاری ہو جاتی ہے، اور وہ بجھ کر رہ جاتا ہے۔

مقصد کا عشق:

عقیدہ کی وحدت، مقصد کی وحدت اور محبت کی وحدت حیرت انگیز نتائج پیدا کرتی ہے ۔ مقصد اور عقیدہ ایسا جو رگ وریشہ میں سرایت کر گیا ہو، ذوق و مزاج بن گیا ہو، وہ پیشہ، مشغلہ، مصلحت، اور مفاد کی حیثیت نہ رکھتا ہو بلکہ وہ زندگی کا مسئلہ ہو، محبوب حقیقی ہو وہی یہ اعجاز دکھا سکتا ہے، مقصد سے صرف وابستگی کافی نہیں، مقصد سے صرف اتفاق کافی نہیں، لوگ اتفاق کو کافی سمجھتے ہیں۔ یہ بڑی غلط فہمی ہے، مقصد سے عشق ہو، مقصد میں اور مقصد کے لئے کام کرنے والوں میں جب شمع اور پروانے کا رشتہ قائم ہو جاتا ہے، تب ایسی مثالیں سامنے آتی ہیں، میں نے اسلامی عہد کی چند مثالیں آپ کے سامنے پیش کی ہیں، تاریخ اسلام میں بیسیوں ایسی مثالیں آپ کو ملیں گی۔

تیرہویں صدی ہجری کی تاریخ دعوت وعزیمت سے خلوص وایثار کی دو مثالیں

میں نے آپ کے سامنے عہد رسالت اور دو صحابہؓ کے چار واقعات پیش کئے جن سے پتہ چلتا ہے کہ عقیدہ کی وحدت، اس کی گہرائی، اور مقصد کے عشق نے ایک دین کے ماننے والوں اور اسلام کی سر بلندی کے لئے کام کرنے والوں میں کیسا خلوص واتحاد اور کیسا جذبۂ ایثار پیدا کر دیا تھا، آپ کہہ سکتے ہیں کہ یہ تو اسلام کا عہد زریں اور عہد سعادت تھا، جب نفوس و قلوب نفسانیت اور اخلاق رذیلہ سے پاک وصاف ہو گئے تھے قرآن شریف میں آتا ہے۔

وَلٰكِنَّ اللّٰهَ حَبَّبَ اِلَيْكُمُ الْاِيْمَانَ وَزَيَّنَهٗ فِيْ قُلُوْبِكُمْ وَكَرَّهَ اِلَيْكُمُ الْكُفْرَ وَالْفُسُوْقَ وَالْعِصْيَانَ ۔ (حجرات ۷)

(ترجمہ) لیکن خدا نے تم کو ایمان عزیز بنا دیا اور اس کو تمہارے دلوں میں سجا دیا اور کفر اور گناہ اور نافرمانی سے تم کو بیزار کر دیا۔

لیکن کیا اس دور کے بعد جس کو خیر القرون کہا گیا ہے، اور جس میں آفتاب نبوت کی ضیا پاشی موجود تھی، ایسے خلوص وایثار اور بے نفسی کی مثالیں ملتی ہیں؟ یہ مثالیں ہمارے اندر جو زمانہ نبوت سے بہت بعید ہیں، پیروی اور تقلید کا زیادہ جذبہ پیدا کر سکیں گی، اور ہمارے اندر بھی یہ حوصلہ پیدا ہوگا کہ ہم اس بیسوی صدی میں اس خلوص وایثار کا مظاہرہ کر سکتے ہیں، اور ان کے نقش قدم پر چل سکتے ہیں، میں کہوں گا جب عقیدہ کی گرفت مضبوط اور مقصد کا عشق گہرا اور پختہ ہوگا اور کوئی داعی ومربی اور مصلح ایسا مل جائے گا، جو سب کو اس رنگ میں رنگ دے گا تو تاریخ اپنے آپ کو دہرائے گی اور اسی طرح کے واقعات اور نمونے ظہور میں آئیں گے۔

میں اس وقت آپ کے سامنے مجاہد کبیر سید احمد شہیدؒ (شہادت ۲۴ ذی قعدہ ۱۲۴۶ھ ۶ مئی ۱۸۳۱ء) کی جماعت اور ان کی تاریخ وجہاد کے صرف دو واقعات پیش کروں گا، جن کو ابھی کچھ زیادہ زمانہ نہیں گذرا ہے اور جو اس دور میں پیش آئے جب انگریزوں کے قدم ہندوستان میں جم گئے تھے، اور غیر اسلامی تہذیب اور مادیت کا اثر مسلمانوں کی تہذیب و معاشرہ پر اچھی طرح پڑ چکا تھا۔

مولوی عبدالوہاب صاحب لکھنوی سید صاحب کے لشکر کے مجاہدین (پنجتار) میں قاسم غلہ تھے، ان کا ہر روز یہ معمول تھا کہ قرآن شریف پڑھتے جاتے تھے، اور غلہ یا آٹا لوگوں کو تقسیم کرتے جاتے تھے، بعض اوقات بیس ۲۰ بیس ۲۰ پچیس ۲۵ پچیس ۲۵ آدمیوں کا آٹا غلہ ایک ایک کو دیتے اور زبان سے نہ گنتی مگر کبھی کسی کے آٹے غلے میں کسی قسم کی کمی بیشی نہ آتی۔

ایک روز آٹا تقسیم کررہے تھے، میر امام علی عظیم آبادی آٹا لینے کو آئے، وہ نو وارد تھے، اور بڑے قوی اور جسیم تھے، آٹا باری سے تقسیم ہوتا تھا، جو پہلے آتا، وہ پہلے پاتا، جو پیچھے آتا، وہ پیچھے پاتا، وہ پہلے مانگنے لگے، مولوی صاحب نے کہا کہ تمہارا ابھی وار آتا ہے، ٹھہر جاؤ! وہ جلدی کرنے لگے، انہوں نے نہ مانا، آخر میر امام علی نے مولوی صاحب کو دھکا دیا، اور وہ گر پڑے، وہاں قندھاری بھی آٹا لینے کو بیٹھے تھے، ان کو برا معلوم ہوا اور سب مل کر میر امام علی کو مارنے پر تیار ہوئے مولوی صاحب نے قندھاریوں کو روکا اور کہا: ''وہ ہمارا بھائی ہے، دھکا دیا، تو ہم کو دیا، تم سے کیا مطلب؟'' وہ سب نادم ہو کر چپ ہو رہے، مولوی صاحب نے ان کو آٹا دیا، وہ اپنے ڈیرے کو گئے، لوگوں نے سید صاحب سے جا کر یہ قصہ بیان کیا، جب اس دن مولوی صاحب

رات کو حضرت کے پاس گئے، آپ نے پوچھا کہ مولوی صاحب، آج میر امام علی نے تم سے کیا قصہ کیا؟ انہوں نے کہا، ''میرے نزدیک انہوں نے کچھ نہیں کیا، وہ تو بڑے نیک بخت آدمی ہیں، وہ آٹا لینے کو آئے اور مجھ سے مانگا، ان کا وارنہ تھا، انہوں نے جلدی کی، اس میں ان کا دھکا میرے لگ گیا، بس اتنی بات تھی۔'' سید صاحبؒ یہ بات سن کر خاموش ہو رہے، کسی نے یہ بات میر امام علی کو پہنچائی کہ مولوی عبدالوہاب نے تمہارے متعلق سید صاحبؒ سے ایسی گفتگو کی، وہ اپنی حرکت پر بہت نادم ہوئے اور اسی وقت سید صاحبؒ کے سامنے آ کر مولوی عبدالوہاب سے اپنی خطا معاف کرائی اور مصافحہ کیا۔''(۱)

اس سے زیادہ مؤثر واقعہ جماعت مجاہدین کے ایک فرد اور لشکر کے ایک خادم لاہوری کا ہے، جو ایک دوسرے رفیق جہاد شیخ عنایت اللہ کے ساتھ پیش آیا، اور جس میں لاہوری نے اپنا قصاص کا حق معاف کر کے اس بے نفسی اور ایثار کا ثبوت دیا جو قرون اولیٰ کی یاد تازہ کرتا ہے، یہ واقعہ ''سیرت سید احمد شہید'' کے الفاظ میں نقل کیا جاتا ہے۔

''ایک مرتبہ ایک خادم لاہوری نام کے جو بہت سادہ مزاج اور غریب شخص تھے، اور شیخ عنایت اللہ کے ساتھ مل کر گھوڑوں کا چارہ تیار کرنے کا کام ان کے سپرد تھا، شیخ عنایت اللہ خاں سے کسی بات پر ناراض ہوئے، عنایت اللہ خاں سید صاحبؒ کے قدیم رفقاء میں سے تھے، اور ان کو سید صاحبؒ کے ہاں خاص منزلت حاصل تھی، شیخ عنایت اللہ میں بھی کچھ زائد تیزی آ گئی اور بات بڑھی تو انہوں نے لاہوری کو ایک ایسا گھونسہ مارا کہ وہ زمین پر گر پڑے اور تکلیف سے کراہنے لگے، جب سید صاحبؒ کو اس کا علم ہوا تو عنایت اللہ خاں کو آپ نے سخت سست کہا، اور بہت ملامت کی اور کہا کہ تم اپنے دل میں یوں جانتے ہو گے کہ ہم سید صاحبؒ کے پرانے رفیق اور ان کے پلنگ کے پاس رہتے ہیں، تم کو یہ خیال نہیں ہے کہ ہم یہاں اللہ کے واسطے آئے ہیں، اور کام ایسے نکے کرتے ہو تم سمجھتے ہو کہ لاہوری قاضی مدنی کا سائیس اور کم رو اور حقیر ہے یہی جان کر تم نے اس کو مارا یہ تم نے بڑی زیادتی اور حرکتِ بیجا کی، ہمارے نزدیک تم اور لاہوری بلکہ سب برابر ہیں، کسی کو کسی پر فوقیت نہیں ہے، سب لوگ یہاں خدا کے واسطے آئے ہیں۔

---

(۱) ''سیرت سید احمد شہید'' جلد دوم ص ۹۴ (ماخوذ از وقائع احمدی قلمی)۔

اس کے بعد آپ نے حافظ صابر تھانوی اور شرف الدین بنگالی سے فرمایا کہ ان دونوں کو قاضی حبان کے پاس لے جاؤ عنایت اللہ کی زیادتی ہے، ان سے کہنا کہ اس معاملہ میں کسی کی رورعایت نہ کریں، شرع شریف کے موافق فیصلہ کریں۔

اگلے روز دو تین گھڑی دن چڑھے حافظ صابر اور شرف الدین، لاہوری اور عنایت اللہ کو لے کر قاضی صاحب کے پاس گئے، انہوں نے عنایت اللہ اور لاہوری کو سامنے بٹھایا پہلے عنایت اللہ کی طرف مخاطب ہوکر خوب ملامت کی کہ تم نے بہت برا کیا اور تم سزا کے قابل ہو" پھر لاہوری کی طرف متوجہ ہوکر فرمایا کہ "بھائی صاحب! تم بہت نیک بخت اور بے شر آدمی ہو تم سب صاحب ہندوستان اپنا گھر بار چھوڑ کر محض جہاد فی سبیل اللہ کے واسطے آئے ہو کہ اللہ تم سے راضی ہو اور آخرت میں ثواب ملے، اور دنیا کا کارخانہ تو چند روز کے لئے خواب وخیال کی طرح ہے، سو بات یہ ہے کہ عنایت اللہ تمہارا بھائی ہے، اور اس سے شامت نفس کے سبب یہ قصور ہوگیا اس نے تم کو مارا، تم اگر اس کا قصور معاف کردو اور دونوں مل جاؤ تو بہت خوب بات ہے، اللہ تعالیٰ کے یہاں اس کا اجر پاؤ گے، اور جو تم اس کا عوض لو گے تو برابر ہو جاؤ گے جو معاف کرنے میں ثواب ہے وہ نہ ملے گا۔ معاف کرنا بھی خدا ورسول ﷺ کا حکم ہے، اور عوض لینا بھی، مگر معاف کرنے میں ثواب اور عوض لینے میں اپنے نفس کی خوشی ہے۔

یہ باتیں سن کر لاہوری نے کہا کہ قاضی صاحب! ہم عنایت اللہ کو معاف کردیں تو ثواب ہے اور جو اپنا عوض لے لیں تو برابر ہو جاویں گے بھلا کسی طرح کا گناہ تو نہیں ہے؟ انہوں نے کہا کچھ گناہ نہیں ہے، دونوں حکم خدا رسول کے ہیں، جو چاہو منظور کرو۔ لاہوری نے کہا میں تو اپنا حق چاہتا ہوں، قاضی صاحب نے کچھ دیر سکوت کرکے فرمایا کہ "بھائی لاہوری! حق تو تمہارا یہی ہے کہ تم بھی عنایت اللہ کے منہ پر مارو" اور عنایت اللہ کو لاہوری کے سامنے کھڑا کردیا کہ اپنا عوض لے لو۔ لاہوری نے کہا حق ہمارا یہی ہے کہ ہم بھی اسی جگہ دو گھونسے ماریں" قاضی صاحب نے کہا بے شک یہی بات ہے!

اس وقت جو لوگ موجود تھے، سب کی امیدیں منقطع ہوگئیں، اور یقین ہوگیا کہ لاہوری بے عوض لئے نہ چھوڑے گا، لاہوری نے کہا "اچھا بھائیو! تم سب گواہ ہو کہ قاضی صاحب نے ہم کو ہمارا عوض دلایا ہم لے سکتے ہیں، مگر ہم نے محض اللہ کی رضامندی کے لئے چھوڑ دیا۔

پھر اس نے عنایت اللہ کو اپنے سینہ سے لگایا اور مصافحہ کیا، تمام لوگ جو وہاں تھے، لاہوری کو آفریں کرنے لگے اور شاباشی دینے لگے کہ تم نے بڑے دینداروں کا کام کیا۔"(۱)

قرآن وسنت کی حیات آفرینی:

یہ بات خدا اور رسول سے سچی محبت کے بغیر پیدا نہیں ہو سکتی، خدا اور رسول کی محبت محض مطالعہ سے محض غور و فکر اور ذہانت سے تقریریں مقالے سننے سے حاصل نہیں ہو سکتی، یہاں جو تقریریں کی گئیں اور مقالات پڑھے گئے، میں ان کا معترف ہوں، لیکن اگر ہم جائزہ لیں تو معلوم ہوگا کہ ان سے محبت پیدا نہیں ہو سکتی، محبت و ایثار پیدا ہونے کے لئے سیرت نبوی کا گہرا مطالعہ ضروری ہے، اس طرح مطالعہ کہ سیرت نبوی ﷺ غذا بن جائے، مشعل راہ بن جائے، ہمارے پاس قرآن اور سیرت سے زیادہ کوئی طاقت ور چیز نہیں۔

آپ حضرات نے میری جو عزت افزائی کی ہے، اور جس اعتماد و محبت کا اظہار کیا ہے، اور جتنا فاصلہ طے کر کے میں یہاں آیا ہوں اس کا حق ہے کہ میں آپ کے سامنے اپنے مطالعہ کا نچوڑ اور اپنے تجربوں کا خلاصہ پیش کر دوں کہ آج ہمارے پاس اسلام کے خزانۂ عامرہ میں، اسلام کی جھولی میں قرآن مجید اور سیرت نبوی سے زیادہ طاقت ور و مسیحا نفس بلکہ حیات آفریں، انقلاب انگیز اور معجز نما کوئی چیز نہیں ہے، ہم جس چیز پر فخر کر سکتے ہیں، ہمارے پاس طاقت کا جو سب سے بڑا سرچشمہ ہے، جس سے ہم دلوں کو مسخر کر سکتے ہیں، ہم جس سے انانیتوں کو، نفس کی شرارتوں کو، جذبات کو مغلوب کر سکتے ہیں، جس سے دل کی دنیا بدل سکتی ہے، جس سے ہم زمین کی پستی سے آسمان کی بلندی تک پہنچ سکتے ہیں، شیطان کا مقابلہ کر سکتے ہیں، وہ اللہ کی کتاب قرآن ہے، قرآن مجید سے آج بھی وہ طاقت ابل رہی ہے، حیات آفرینی کے چشمے ابل رہے ہیں، اور ابھر رہے ہیں جو عہد اول میں ابلے اور پھیلے دوسرے درجہ میں سیرت نبوی ہے، میں آپ حضرات سے خواہ آپ کا تعلق کسی بھی طبقہ سے ہو، پُر زور اپیل کروں گا کہ زیادہ سے زیادہ تعلق اور وابستگی اولاً قرآن مجید سے، اس کے بعد سیرت نبوی سے رکھیں،

---

(۱) "سیرت سید احمد شہید" ص ۱۵۷ (ماخوذ از وقائع احمدی قلمی۔)

سیرت نبوی میں آج بھی ایک نئی امت پیدا کرنے کی صلاحیت ہے، سیرت نبوی ﷺ آج بھی دنیا میں ایک نیا انقلاب لانے کی طاقت رکھتی ہے، سیرت نبوی میں وہ واقعات ملیں گے جو ہم کو خود فراموش بنادیں اور ہمارے اندر ایک نیا جذبہ پیدا کردیں۔

نفسانیت، سب سے بڑا المیہ:

تاریخ اسلام کا سب سے بڑا المیہ نفسانیت کا وہ کھیل ہے جو ہمیشہ اپنا تماشہ دکھاتا رہا، ہم نے کبھی اپنے دشمنوں سے شکست نہیں کھائی، تاریخ عالم اور تاریخ اسلام پر نظر رکھنے والے ایک طالب علم کی یہ بات سن لیجئے اور اس کو اپنے دلوں اور دماغوں میں امانت رکھ لیجئے کہ ہم نے کبھی اپنے دشمنوں سے شکست نہیں کھائی ہے، ہم نے اپنے اندرونی اختلافات سے شکست کھائی ہے، اسی نفسانیت کی بدولت ہم نے سلطنتیں کھوئی ہیں، ہمارے ملکوں کے چراغ گل ہوگئے ہیں، اور اسلام بعض اوقات پورے پورے ملکوں سے خارج کردیا گیا ہے۔

اس کی میں صرف ایک مثال دوں گا، وہ مثال اسپین کی ہے، اسپین سے اسلام کو نکالنے والی سب سے بڑی طاقت نفسانیت اور باہمی خانہ جنگی تھی۔

میں اسے تسلیم نہیں کرتا کہ تنہا عیسائی طاقت نے اندلس سے اسلام اور مسلمانوں کو نکالا اور ان کا چراغ گل کردیا، اس میں بہت کچھ دخل تھا، شمالی عربوں، حجازیوں اور یمنی عربوں کی باہمی آویزش اور داخلی نزاعات کا جو عرصہ سے چل رہے تھے، یمنی اور حجازی، ربیعہ اور مضر کی باہمی جنگ سے یہ نوبت آئی کہ اسلام اسپین سے آخری طور پر نکال دیا گیا اور یہ ملک اقبال کے الفاظ میں اذانوں سے محروم ہوگیا۔

دیدۂ انجم میں ہے تیری زمیں آسماں
آہ کہ صدیوں سے ہے تیری فضا بے اذاں

یہی داستان اکثر اسلامی ملکوں کی ہے، برصغیر ہند میں مغلوں کا شیرازہ بکھیرنے والی، مسلمانوں کو اقتدار سے محروم کردینے والی اور ان کی طاقت کا چراغ گل کردینی والی چیز یہی نفسانیت تھی۔

اسلام کے فروغ کو مقصد بنائیے:

نفسانیت کا مرض محض نصیحتوں سے، مقالات سے، سیمینار سے اور علمی بحث ومباحثہ سے دور نہیں ہوسکتا، کوئی بھی چیز ہمیشہ اپنے سے زائد طاقت ور چیز سے مغلوب ہوا کرتی ہے، آگ کو اگر بجھانا ہے تو پانی ڈالئے، اگر کسی چیز کو گرم کرنا ہے تو آگ جلایئے، باتوں سے نفسانیت دور نہیں ہوگی...... اور ہمارے درمیان اتحاد، باہمی ربط ومحبت... نہیں ہوگا، جب اسلام کے فروغ پر ذاتی فروغ، قبائلی فروغ اور جماعتی فروغ کو ترجیح دی جائے گی، تو وہی ہولناک نتائج نکلیں گے جس کا تجربہ ہندوستانی مسلمان کر چکے ہیں۔

رسول اللہ ﷺ دامن گیر ہوں گے:

میں نے یورپ میں بار بار یہ بات کہی ہے کہ دوستو! تمہارے سامنے بہت بڑا امتحان ہے، قیامت کے دن تمہارا دامن ہوگا، اور رسول اللہ ﷺ کا ہاتھ ہوگا، رسول اللہ ﷺ یہ پوچھیں گے، اور خدا تم سے یہ محاسبہ کرے گا کہ ''ہم نے ایک بہت بڑا میدان دیا تھا، جہاں تم احیائے اسلام اور دعوت اسلامی کا جھنڈا بلند کر سکتے تھے، اور دنیا کے فاتحوں کو اپنا مفتوح بنا سکتے تھے، لیکن تم آپس میں لڑ مرے، تم باہمی نزاعات، میز وکرسی کی جنگ اور اقتدار وعہدوں کی رسہ کشی میں مبتلا ہوئے'' تو بتایئے اس روز ہم کیا جواب دے سکیں گے؟

حضرات! محبت کا سرچشمہ ہمارے دل میں ہے، خارج میں نہیں، اللہ تعالیٰ کی محبت کے بغیر کسی خارجی چیز سے باہمی الفت ومحبت نہیں پیدا کی جاسکتی، اور اللہ تعالیٰ کی محبت کے حصول کا ذریعہ نماز پڑھنا، آنسو بہانا، دعا کرنا، راتوں کو اٹھ کر اپنے رب کے حضور اپنے بھائیوں کے اعلیٰ مراتب کی دعا کرنا اور یہ کہنا کہ:

رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا وَلِاِخْوَانِنَا الَّذِيْنَ سَبَقُوْنَا بِالْاِيْمَانِ وَلَا تَجْعَلْ
فِيْ قُلُوْبِنَا غِلًّا لِّلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا رَبَّنَآ اِنَّکَ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ.(۱)

(ترجمہ) اے پروردگار ہمارے اور ہمارے بھائیوں کے جو ہم سے پہلے ایمان لائے ہیں گناہ

---

(۱) حشر ۱۰۔

معاف فرما اور مومنوں کی طرف سے ہمارے دل میں کینہ (وحسد) نہ پیدا ہونے دے، اے ہمارے پروردگار تو بڑا شفقت کرنے والا مہربان ہے۔

اسلام کے مفاد کو، اسلام کی مصلحت کو ہر مفاد اور ہر مصلحت پر ترجیح دیجئے۔

اہل اللہ کا عمل:

شنیدم کہ مردان راہ خدا
دل دشمناں ہم نہ کردند تنگ
ترا کے میسر شود ایں مقام
کہ بادوستانت خلاف است و جنگ

لوگوں نے اپنے خون کے پیاسوں اور جانی دشمنوں کو معاف کردیا ہے، میں ایک واقعہ آپ کو سناتا ہوں کہ ایک بڑے بزرگ پر کسی کو شبہ ہوگیا کہ انہوں نے اس کے روپے کی تھیلی چرالی ہے، اور اس نے بلا تحقیق بے تحاشہ ان بزرگ کو مارنا شروع کردیا، جب لوگوں کو خبر ہوئی تو انہوں نے بیچ بچاؤ کیا، اور مارنے والے کو ملامت کی کہ تو کس کو مار رہا ہے، یہ تو اولیاء اللہ میں سے ہیں، وہ شخص بہت شرمندہ ہوا اور معافی مانگی کہ خدا کے لئے مجھے معاف کردیجئے۔ ان بزرگ نے جواب دیا کہ ''میرے بھائی معافی کا کیا سوال ہے؟ جب تم مجھے مار رہے تھے تو میں خدا سے یہ دعا کر رہا تھا کہ خدایا! تو نے اگر یہ فیصلہ کیا ہے کہ میں جنت میں داخل ہوجاؤں تو اس وقت تک جنت میں قدم نہ رکھوں گا جب تک تو اس مارنے والے کو میرے ساتھ جنت میں داخل نہ کرے'' میں تو یہ دعا کر رہا تھا، چہ جائیکہ مجھے تجھ سے کوئی شکایت ہو۔

اصل سرچشمہ:

حضرات! ہمارے سامنے یہ نمونہ ہونا چاہئے، یہ مثالیں ہمیں سیرت نبوی ﷺ، حالات صحابہ میں ملیں گی، سیرت نبوی ﷺ کا زیادہ سے زیادہ مطالعہ کیجئے، آپ M.S.A کی اس مبارک کانفرنس سے یہ پیام لے کر جائیں کہ اب ہمیں سیرت نبوی ﷺ کو اپنا رفیق بنانا ہے، ہمیں اس سے رہنمائی حاصل کرنا ہے، آپ صحابہ کرامؓ کے حالات کا زیادہ سے زیادہ مطالعہ کریں

، اپنی نمازوں کو درست کریں، خدا کے بندے ہیں اگر خدا کے ساتھ ہم نے تعلق درست نہیں کیا ، اگر خدا کے ساتھ ہمارے دل کا رشتہ استوار نہیں ہوا، خدا کی محبت اگر ہماری رگ و پے میں سرایت نہ کر گئی، اگر خدا کو ہم نے راضی نہیں کیا تو آپ یقین مانئے کہ خدا کے بندوں سے کبھی ہمارا دل نہیں مل سکتا، ہم کبھی ایثار اور قربانی کے قابل نہیں ہو سکتے۔ اس لئے کہ اسلام میں ہر چیز کا سرچشمہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کی سچی محبت ہے۔

دنیا کی موجودہ کشمکش اور اس کا علاج

یہ یادگار تقریر جنوری ۱۹۵۴ء میں موضع اعظم گڑھ ہندوستان میں مسلمان و ہندوؤں کے ایک مشترک جلسہ میں کی گئی تھی جس میں مختلف سیاسی جماعتوں اور عقیدوں کے حضرات شریک تھے!

الحمد لله نحمده ونستعينه ونستغفره ونعوذ بالله من
شرور انفسنا ومن سيئات اعمالنا من يهده الله فلا مضل له ومن
يضلله فلا هادى له . واشهد ان لا اله الا الله وحده لاشريك له
واشهد ان محمداً عبده ورسوله .امابعد!

ہمت شکن تجربے:

حضرات گرامی! اس وقت دنیا کی تقسیمیں بڑی بے رحم ہیں، پہلے سلطنتوں اور قوموں نے ملکوں کو بانٹا تھا، مگر اب سیاسی تحریکوں نے قوموں اور محلوں کو بانٹ دیا ہے، مذہب کی آڑ میں ایسے فتنے نہیں تھے، جتنے آج کی مہذب دنیا اور جمہوری دور میں نظر آرہے ہیں، آج کے سیاسی پلیٹ فارم لوگوں کو جدا کرنے کے لئے یا اپنے گروپ بڑھانے کے لئے مخصوص ہیں، لیکن اب بھی بے غرضی سے پکارا جاتا ہے تو لوگ اب بھی جواب دینے کو تیار ہیں، ابھی اس کا امکان ہے کہ سیاسی پلیٹ فارم کے علاوہ بھی لوگ جمع ہو جائیں، ہم نے خالص انسانی مسئلوں پر غور کرنے کی دعوت دی، ہمارا دل بہت خوش ہے کہ آپ نے دعوت قبول کی، آپ کا سیاسی تحریکوں سے گھبرانا تعجب نہیں، انسان اپنے تجربوں ہی سے نتیجے نکالتا ہے، آدمی بار بار جن چیزوں سے فائدہ ہوتے دیکھتا ہے، اس سے قاعدہ بنا لیتا ہے، آج اغراض کے لئے جمع کرنے کی

عادت ہے، آپ ہم پر بھروسہ کریں ہم کسی پارٹی کے ماؤتھ پیس (MOUTH PIECE) یا لاؤڈ اسپیکر نہیں ہیں۔ ہمارے سامنے خالص انسانیت کا مسئلہ ہے۔

اقتدار کی ہوس:

اس وقت کا انسان اصل بگاڑ سے آنکھیں بند کر کے کہتا ہے کہ سب ٹھیک ہو رہا ہے، لیکن میرے اہتمام سے ہونا چاہئے، جو کچھ ہو، میری نگرانی اور چودھراہٹ میں ہو، بداخلاقی بے مروتی، چور بازاری، دولت سمیٹنے کی ہوس سب ٹھیک ہے، لیکن اس کی تولیت ہمارے سپرد ہو تو خوب ہے، آج سب کے دل کی خواہش یہ ہے اور جب بھی کسی کے ہاتھ میں انتظام آیا ہے تو اس نے لوٹ پھیر کر وہی نظام قائم رکھا اور تھوڑی ترمیم کے بعد بات وہی رہی جہاں تھی، بگاڑ کے سمجھنے میں مختلف پارٹیوں میں کچھ زیادہ بنیادی اختلاف نہیں، کوئی نہیں کہتا کہ وہ سب کچھ جو ہو رہا ہے، نہیں ہونا چاہئے، بلکہ سب کا کہنا یہ ہے کہ جو ہو رہا ہے، ہمارے ماتحت اور ہماری سرپرستی میں ہونا چاہئے گویا اس پر اعتراض نہیں کہ کارخانہ غلط ہے بلکہ اس پر غصہ ہے کہ ہمارا سایہ اس کے سر پر نہیں۔

عالمی جنگوں کی حقیقت:

دنیا کی بڑی جنگیں اسی بنیاد پر لڑی گئیں، فرانس، انگلستان، جرمنی، روس، امریکہ وغیرہ سب اسی جذبہ کو لے کر اٹھے، انہوں نے لفظوں کو آڑ بنا کر یہ مطالبہ کیا کہ نو آبادیات (COLONIES) کا انتظام دوسروں کے سپرد کیوں ہے، اور دوسری قوم ہمیشہ کیوں حاوی رہے، انسانیت کے درد سے بے قرار ہو کر ان میں سے کوئی نہیں اٹھا تھا ان میں کوئی حضرت مسیح کا مذہب جاری کرنے اور دنیا کے ساتھ انصاف کرنے، فسق و فجور اور ظلم و زیادتی مٹانے نہیں اٹھا تھا، نہ انگریز نہ جرمن نہ روس، نہ امریکہ، انہیں اچھے برے ظلم و انصاف، حق و باطل سے کچھ بحث نہ تھی، حاشا وکلا انہوں نے کبھی نہیں سوچا تھا کہ ہم دنیا کو صحیح نظام زندگی دیں گے اور انسانیت کی خدمت کریں گے، ان کے پیش نظر یہ تھا، کہ ہم لوگ سونے چاندی کی گنگا بہائیں گے اور ملکوں کے ذخیرے اور دولتوں سے فائدہ اٹھائیں گے۔

انسانیت کے مجرم:

وہ دنیا پر اپنی اجارہ داری (MONO POLY) قائم کرنا چاہتے تھے، یہ سب ایک نظام زندگی پر ایمان لائے تھے، کہ تمام دنیا کو پامال کرکے انسانوں کی لاشوں پر عیش و عشرت کی محفل رچائیں گے اور آدمیت کے ملبہ پر اپنی قومی شوکت کا محل بنائیں گے، سب ترستے ہوئے ندیدے، دولت کے بھوکے، خواہشات کے غلام، شرابخوار، قمار باز، خدا کو بھولے ہوئے، فطرت صحیح کے خلاف بغاوت کرنے والے تھے، دل رحم سے خالی، انسانیت کے درد سے عاری، انہیں کے نقش قدم پر آج قوم اور ملک، ذاتیں اور برادریاں، سیاسی پارٹیاں، قومی ادارے اور قوم پرست حکومتیں چل رہی ہیں، سب کا جذبہ یہ ہے کہ ہم اور ہمارے رفیق اور ساتھی اور عزیزو احباب موج کریں، وہ موجودہ حالت کو ACCEPT کر لیتے ہیں، ان کو صورت حال سے کوئی اختلاف نہیں، صرف ان لوگوں سے اختلاف ہے، جن کے ہاتھ میں باگ ڈور ہے، وہ دنیا بدلنا نہیں چاہتے صرف اس کی امامت وقیادت (LEADER SHIP) بدلنا چاہتے ہیں ان کی کوشش صرف یہ ہے کہ دوسروں کی جگہ ہم آجائیں، آپ کے یہاں مقامی انتخابات ہوتے ہیں، ڈسٹرک بورڈ، میونسپلٹی، ٹاون اریا وغیرہ کے نئے انتخابات میں نئے نئے لوگ آتے ہیں، لیکن کیا کوئی ذہنیت، نیا اصول زندگی، نیا جذبہ خدمت اور نیا جذبہ اصلاح لے کر آتا ہے، کیا کوئی نیا بورڈ نئی کمیٹی بداخلاقیوں کی روک تھام کرتی ہے، انسانوں کی بے لاگ خدمت کرتی ہے، ہم تو یہ جانتے ہیں کہ یہ سب ایک ہی ذہن، ایک ہی اصول زندگی اور ایک ہی جذبہ لے کر آتے ہیں، اسی کا نتیجہ ہے کہ صورت حال میں کوئی تبدیلی نہیں ہوئی، زندگی کی خرابیاں اور سوسائٹی کے جھول جوں کے توں رہتے ہیں۔

زندگی کا نقشہ سرے سے غلط ہے:

اس کے برخلاف پیغمبرؑ کہتے ہیں کہ سرے سے زندگی کا نقشہ ہی غلط ہے، اسے ادھیڑ کر پھر سے بناؤ، اس میں پھر سے رنگ بھرو، اس کی مثال ایسی ہے جیسے کسی نے ایک شیروانی سلی سلائی لے لی وہ اس کے جسم پر چست نہیں ہوتی، وہ اس کو ادھر ادھر سے کترتا ہے، کھینچتا ہے،

پیغمبر کہتے ہیں کہ یہ بخئے غلط لگ گئے ہیں، جب تک یہ بخئے رہیں گے، اس میں جھول ہی جھول رہیں گے اسے ادھیڑ کر پھر سے بناؤ۔

سیاسی رشوت:

آج ساری دنیا نے انسان کو اپنی خواہشات میں آزاد مان لیا ہے، ان غلط خواہشات کے خلاف جذبہ پیدا کرنے کے بجائے آج ساری پارٹیاں اسے رشوت دے رہی ہیں، خواہشات کی رشوت، اخلاقی رشوت اور ایک دوسرے سے بڑھ کر کہہ رہی ہیں کہ ہمارے ہاتھ میں نظام حکومت آ گیا تو ہم تمہاری خواہشات کو پورا کریں گے اور تم کو عیش وترقی کا پورا پورا موقع دیں گے، اگر اپنی خواہشات کی تکمیل اور آزادی چاہتے ہو تو ہمیں ووٹ دو، آج ہر ایک یہ کہہ رہا ہے کہ ہم اقتدار پا کر تمہارے تعیشات میں اضافہ کریں گے، تمہارا معیار زندگی اونچا کریں گے، گویا کہ انہوں نے مٹھائیاں دے کر بچوں کی عادت بگاڑ دی، انہوں نے ان کو مٹھائیوں پر لگا دیا، دنیا کے انسان بچہ ہیں، پارٹیاں اور حکومتیں انہیں خواہشات کی ہوا دے رہی ہیں، اور ان کی عادتیں بگاڑتی جا رہی ہیں، انسان کا حال یہ ہے کہ جتنا اسے دیئے جاؤ وہ اور مانگتا جاتا ہے، فلمیں آتی ہیں تو اس کی ہوس اور بڑھتی ہے، یہ اور زیادہ ہیجان (EXCITEMENT) چاہتا ہے، اور زیادہ عریاں تصویریں مانگتا ہے، یہ دنیا کی انسانی خواہشات پر لگام نہیں لگاتے بلکہ ان کی ہوس کے مطابق دیئے جاتے ہیں۔

پیغمبروں کا طریقہ:

پیغمبروں کا یہ راستہ نہیں، وہ خواہشات میں اعتدال وتوازن پیدا کرتے ہیں وہ کہتے ہیں کہ ہر شخص کی خواہش پورا کرنے کی کوشش غیر فطری ہے، پیغمبر کہتے ہیں کہ انسانوں کا چٹورپن خطرناک ہے، اس کو چھڑانا چاہئے چاہے بچہ کا دل برا ہو، چاہے وہ چیخ چیخ کر روئے اور مچلے اور اس کو برداشت کرنا چاہئے اور صحیح راستہ پر لگانا چاہئے، یہ غلط فلسفہ ہے کہ خواہشات کو بریک نہ لگایا جائے اور ان کو شہہ دی جاتی رہے، اور جب ان کا فساد ظاہر ہو جائے تو پھر حیرت سے دیکھا جائے اور شکایت کی جائے۔

بے لگام بازی:

سیاسی پارٹیوں کا نظام غلط ہے کہ اس زندگی کے نظام کو قبول کرلیا جائے، منہ زور گھوڑا، بے لگام اور غلط گھوڑا انسانیت کی کھیتی کو روندتا چلا جارہا ہے، آج تمام پارٹیاں، اس کا سائیس بننا چاہتی ہیں، منہ زور بے لگام گھوڑوں کی ریس ہے، کیا ان کے سامنے انسانی ضمیر کی کوئی قیمت ہے، انسانی ہمدردی کا کوئی جذبہ ہے، یورپ وامریکہ، ہمدردی اور مساوات کا نام لیتے ہیں، ان کی ہمدردی کے پیمانے ہم سب کو معلوم ہیں، بے چارے باہر سے ہمدردی کرنا چاہتے ہیں اور اندر وہی ہوس کا بھوت ہے، ظلم کے وہاں بڑے عجیب وغریب طریقے ہیں۔

عہدہ کا اہل کون؟:

ہم کہتے ہیں کہ زندگی کا راستہ منزل سے بہت دور جا پڑا، جب تک خدا کا یقین (BELIEF) نہ پیدا کیا جائے، سدھار نہیں ہوسکتا، اس کے بغیر ہم ظالم کو محتاط اور ہمدرد نہیں بنا سکتے، میں الل ٹپ آپ کے سامنے نہیں آ گیا میں مطالعہ کے بعد کہتا ہوں کہ جب تک آپ یقین نہ پیدا کریں، انسانیت کے اصل ماڈل (MODEL) تک نہیں پہنچ سکتے، اس کے اندر سے عزت وعہدہ کی محبت، دولت کی محبت نکال دیجئے اور ایثار وقربانی اور دوسروں کے لئے گھلنے کا جذبہ پیدا کیجئے محمد رسول اللہ ﷺ نے کہا تھا کہ عہدہ اسے ملے گا جو اس کا خواہش مند نہ ہو یہ کوالیفیکیشن (QUALIFICATION) تھی، آج اس کے برخلاف بے حیائی سے خود اپنی قصیدہ خوانی کر کے حکومت بنائی جاتی ہے۔

صحابہ کرام کا کردار:

صحابہ کرام اس سے بھاگتے تھے، حضرت عمرؓ معافی چاہتے ہیں کہ اس ذمہ داری کے بوجھ سے مجھے معاف رکھا جائے، انہیں مجبور کیا جاتا تھا کہ آپ دست بردار ہو گئے تو کون انتظام کرے گا، وہ جب تک کرتے تھے، تو اسے بڑی ذمہ داری اور بوجھ سمجھتے تھے اور جب سبکدوش ہوتے تو بڑا سکون (RELIEF) محسوس کرتے تھے، حضرت خالدؓ کو سپہ سالار اعظم (COMMONDER INCHIEF) بنایا گیا تھا، سب طرف ان کی دھاک بیٹھی تھی، عین محاذ پر ایک

معمولی سا پرچہ مدینہ سے آتا ہے کہ خالد برطرف کئے جاتے ہیں، اور ان کی جگہ ابوعبیدہ مقرر کئے جاتے ہیں، تو ذرا بھی ملال نہیں ہوتا، بڑی فراخ دلی سے کہتے ہیں کہ اگر میں اس کام کو عبادت سمجھ کر کرتا تھا تو اب بھی انجام دوں گا، اور اگر عمر کے لئے کرتا تھا، تو کنارہ کش ہو جاؤں گا، پھر لوگوں نے دیکھا کہ وہ اسی ذوق وشوق سے اپنے کام میں مشغول رہے، اور کوئی تبدیلی نہیں ہوئی۔

عزت کی ہوس اور دولت کا بھوت:

آج سیاسی پارٹی سے کسی کو الگ کر دیا جاتا ہے تو پہلے نکلنے کا نام نہیں لیتا اڑا رہتا ہے، فتنہ مچاتا ہے، اور اگر الگ ہوتا ہے تو دوسری سیاسی پارٹی بنالیتا ہے یہ کیوں! اس لئے کہ عزت کی ہوس، دولت کا شوق اور بڑائی کا خیال، دل ودماغ پر چھایا ہوا ہے، پس جب تک موجودہ زندگی کا سانچہ نہیں بدلتا، سدھار مشکل ہے، میں آپ کو صاف صاف زندگی کی حقیقتیں بتلا رہا ہوں، خدا کا خوف اور اس کی رضا کا شوق پیدا کیجئے، روحانی اخلاقی زندگی پیدا کیجئے، زندگی سے لطف اندوز ہونے کا شوق جو زندگی کا آئیڈیل بن گیا ہے اسے چھوڑ دیئے۔

ضرورت اور خواہش:

انسانی ضروریات کی فہرست بہت لانبی نہیں، فضولیات کی فہرست بہت لانبی ہے، سب نے اپنی بنیاد اسی پر رکھی ہے کہ زندگی کے تعیش کو مقصود بنالو، معدہ اور نفس کو معبود مان لو، خدا کو نہ مانو اس کی بالادستی کا انکار کرو، انسان کو ایک ترقی یافتہ جانور تسلیم کرو اور اس کی زیادہ سے زیادہ خواہشات کو پورا کرو، یہ سب اسی کا فساد ہے، جب تک یہ بنیاد باقی ہے، ہزار کوششوں کے باوجود سدھار ناممکن ہے، کسی شہر اور ملک کی تو کیا ایک میونسپلٹی کے رقبہ کی اصلاح بھی نہیں ہوگی۔

غلط اجزا سے صحیح مجموعہ کیسے بن سکتا ہے:

آج انسانی افراد اور سوسائٹی کے اجزا، خراب اور ناقص ہیں، غلط بنیادوں پر ان کا اٹھان

ہوا ہے، اور غلط طریقہ پر ان کی تربیت اور نشوونما ہوئی ہے، نتیجہ یہ ہے کہ آج سارے انسانی مجموعے خراب، ناقص اور کمزور ہیں، جماعتیں افراد سے بنتی ہیں، جب تک افراد درست اور صالح نہیں ہوں گے، جماعتیں اور جماعتی کام کیسے درست ہو سکتے ہیں، افراد کا سوال چھیڑا جائے تو لوگ چڑھتے ہیں اور ناراض ہوتے ہیں اور اس مسئلہ کو ٹال دینا چاہتے ہیں، وہ اس خیال خام میں مبتلا ہیں کہ اجتماعی حالت میں یہ نقص خود بخود دور ہو جائے گا، عجب لطیفہ ہے کہ جب اینٹیں بھٹے سے نکلیں تو کہنے والے نے کہا کہ یہ پیلا ہے، یہ کھنجڑ ہے، یہ اینٹیں اچھی نہیں، یہ عمارت کا بوجھ نہیں اٹھا سکیں گی آپ نے جواب دیا محل بن جانے دو وہ سب اینٹیں اچھی ہو جائیں گی لیکن خراب و ناقص اجزاء سے ایک اچھا مجموعہ کیسے تیار ہو سکتا ہے، بہت سے ممبروں سے ایک اچھی باڈی کیسے بن سکتی ہے، خراب تختوں سے ایک اچھا جہاز کیسے بن سکتا ہے، ہم کہتے ہیں یونٹ (UNITS) خراب ہیں، مسالہ (MATERIAL) خراب ہے، اس سے اچھی باڈی کیسے بنے گی، اس سے اچھی میونسپلٹی اور ڈسٹرکٹ بورڈ کیسے بنے گا آج ساری دنیا میں یہی ہو رہا ہے میٹریل کو کوئی نہیں دیکھتا اور نتیجہ کو دیکھ ہر وقت ہے، کیا یہ ناسمجھی کی بات نہیں پیغمبر تختے بناتے ہیں، یونٹ بناتے ہیں، اینٹیں بناتے ہیں، ان کی تعمیر پائیدار، صالح اور جاندار ہوتی ہے، وہاں دھوکہ نہیں ہوتا۔

آج تعلیم گاہوں میں بھی اس حقیقت کو نظر انداز کیا جا رہا ہے، یقین اور اخلاق پیدا کرنے کی کوشش کہیں نہیں کی جا رہی ہے، افراد کی تربیت کا انتظام کہیں نہیں، ہر جگہ سے نیم تربیت یافتہ افراد کی کھیپ کی کھیپ نکل رہی ہے آج طالب علم ہر کام کر سکتا ہے، اس لئے کہ اس کی کوئی تبدیلی نہیں کی گئی میونسپلٹی میں کون لوگ ہیں، ڈسٹرکٹ بورڈ میں کون لوگ ہیں، سارے نظام پر اس طرح کے لوگ حاوی ہیں، انہیں کے ہاتھ میں زندگی کی باگیں ہیں، آج اکثر انسان انسان نہیں، انسان نما ہیں۔

خوف خدا کی اہمیت:

حقیقت ظاہر ہو کر رہتی ہے، چاہے اس پر کتنا ملمع چڑھا دو، گدھے نے شیر کی کھال پہن لی تھی، لیکن جب خطرہ سامنے آیا تو ہیبت سے اپنی بولی بول دی، آج سب جگہ یہی ہو رہا

ہے، اندر کی چیز باہر آرہی ہے آپ میں سے بہت بھائی انتھک کوشش کر رہے ہیں، آپ میں سے بہت سے مخلص ہیں، لیکن کیا کبھی آپ نے نیچے سے سدھار کی کوشش کی، لوگ پارٹی کے اقتدار کے پیچھے پڑے ہیں، لیکن کرنے کا کام یہ تھا کہ آدمیت کا احترام پیدا ہو، خدا کا خوف پیدا ہو۔

خدا کی بستی دکان نہیں ہے:

خدا کی بستی کو دکان سمجھ لیا گیا، ہر ایک دوسرے سے گاہک سمجھ کر معاملہ کرتا ہے، یہ تاجرانہ ذہنیت تباہ کن ہے آج سب طرف لینا ہی لینا عام ہے کہیں استاد شاگردوں کی کشمکش، کہیں مزدوروں اور کارخانہ داروں میں چپقلش، یہ سب کیوں؟ یہ سب اسی تاجرانہ ذہنیت کا نتیجہ ہے، پیغمبروں کا کہنا ہے کہ سب کے سب کا ایک دوسرے پر حق ہے، اور سب کے ذمہ فرائض ہیں، فرائض ادا کرنے میں مستعد ہوں اور حقوق حاصل کرنے میں فراخ دل، ہم یہی کہتے ہیں کہ آپ لوگ بھی یہی کرنے لگیں تو فضا بدلے گی زندگی کا لطف آئے گا، آج لوٹ، کھسوٹ کا بازار گرم ہے، ہر ایک کی نگاہ تجوری پر ہے، انسان کی مجبوری پر نہیں۔

ہمارا وجود ہر پارٹی سے زیادہ ضروری ہے:

ہم اپنے پیغام کو ہر پارٹی کے لئے ضروری سمجھتے ہیں، اور ہمارا وجود ہر پارٹی سے زیادہ ضروری ہے، کیونکہ ہمارا کام ہو گیا تو انسانیت کا مہکتا ہوا گلدستہ بنے گا، آج کانٹے پیدا ہو رہے ہیں، آج انسان عنقا ہے، ہم کہنے آئے ہیں کہ انسانیت کی بہار لاؤ، انسانیت کو نکھارو، آج انسانیت کے درخت سے کانٹے اور کسیلے پھل پیدا ہو رہے ہیں، آپ انسانیت کے میٹھے پھل پیدا کیجئے، ہم آپ کے کاموں میں روڑے اٹکانے نہیں آئے، ہم یہ کہنے آئے ہیں کہ انسانیت کی خبر لیجئے، ہم اس بگڑی ہوئی دنیا کے خلاف خلش پیدا کرنے آئے ہیں، کاش یہ چبھن پیدا ہو، یہ پیغمبروں کا کام ہے، جسے ہم یاد دلانے آئے ہیں، کوئی دماغ تک رہ جاتا ہے، کوئی پیٹ تک پہنچ جاتا ہے، کوئی کپڑوں اور مکان میں اٹک کر رہ جاتا ہے، لیکن مذہب خدا کے یقین اور محبت کے ساتھ دل میں اتر جاتا ہے، اور وہ آنکھوں کی کھٹک اور جلن دور کرتا ہے، آنکھوں کی سوئیاں نکالنا پیغمبروں ہی کا کام ہے، انہیں کی محنتوں سے دل کی پھانسیں نکلیں اور دلوں کو

اطمینان ملا۔

تمہاری حیثیت مالک یا ملازم کی نہیں داعی اور رہبر کی ہے:

ہم مسلمانوں سے کہتے ہیں کہ تم نے پیغمبروں کے کام اور پیغام کی بڑی ناقدری کی، تم مجرم ہو، تم در اصل پیغمبر [illegible] کے نائب [illegible] سرمایہ داروں کے ایجنٹ بن گئے، تم نے [illegible] تاجرانہ [illegible] اپنائی اور [illegible] تمہاری حیثیت [illegible] اور ملازم کی نہیں تھی، تم یہاں داعی کی حیثیت سے آئے تھے، تم نے [illegible] حیثیت اور اپنے آنے کا مقصد بھلا دیا، تم دعوت و محبت سے [illegible] کے ساتھ جیتے تو عزت سے جیتے اور کامیاب [illegible] جیتے [illegible] اب تمہاری فلاح اسی میں ہے کہ اب تم اپنی اصلی دعوتی حیثیت اختیار کرو، دنیا کی فلاح اسی میں ہے کہ وہ پیغمبروں [illegible] کی قدر کرے [illegible] مختلف [illegible] چھوڑ کر زندگی [illegible] اور اپنے [illegible] سے بجائے [illegible] کے بغیر کسی کو چین اور سکون حاصل نہیں ہو سکتا۔

زندگی میں فرد کی اہمیت ہمارے اصلاحی کاموں کا ایک بڑا خلاء

[illegible] جمعیۃ [illegible] ہندوستان ہال میں ہندو مسلمانوں کے ایک مخلوط اجتماع میں [illegible] کی گئی، جس میں علماء، طلباء اور دانشوروں کی بڑی تعداد موجود تھی!

الحمد لله رب العالمين والصلوٰة والسلام على سيد الانبياء والمرسلين، وعلى آله واصحابه اجمعين امابعد.

دوستو [illegible]!

سب جانتے ہیں کہ ہمارے سماج اور موجودہ نظام زندگی میں کوئی خرابی پائی جاتی ہے، جس کی وجہ سے زندگی کی کلی صحیح نہیں بیٹھتی اور اس کا صحیح حل نہیں نکلتا، ایک خرابی دور کیجئے تو چار خرابیاں اور پیدا ہو جاتی ہیں، آج دنیا کے بڑے بڑے ملک بھی اس خرابی کے شاکی ہیں، اور محسوس کرنے لگے ہیں کہ بنیاد میں کوئی خرابی ہے، مگر ان کو اپنے پیچیدہ مسائل سے فرصت نہیں، ہم ان مسائل کی ضرورت سے انکار نہیں کرتے، مگر ان سب مسائل سے زیادہ اہم مسئلہ انسانیت اور آدمیت کا مسئلہ ہے، اس لئے ہماری پہلی حیثیت انسان ہی کی ہے، اور یہ مسائل اس کے بعد آتے ہیں، جن لوگوں کے ہاتھوں میں زندگی کی باگ ڈور ہے، انہوں نے زندگی کی گاڑی اتنی تیزی سے چلا رکھی ہے کہ ایک منٹ کے لئے اس کو روک کر خرابی دیکھنے کے لئے تیار نہیں، وہ نہیں دیکھتے کہ وہ ٹھیک پٹری پر جا رہی ہے یا نہیں، اور اس خرابی سے اس کے مسافروں اور آئندہ نسلوں کے لئے کیا خطرہ درپیش ہے، ان کو صرف اس کی فکر ہے کہ اس گاڑی کے چلانے والے وہ ہوں، ان میں سے ہر ایک دنیا کو اس بات کی رشوت دیتا ہے کہ اگر گاڑی کا ہنڈل اس کے ہاتھ میں ہوگا تو وہ زیادہ سے زیادہ تیز رفتاری سے گاڑی چلائے گا، امریکہ اور روس دونوں میں

سے ہر ایک کا دعویٰ ہے، اور ہر ایک کا وعدہ ہے کہ وہ اس گاڑی کو زیادہ تیز رفتار سے چلائے گا، لیکن کسی کو سمت سفر اور مقصد سفر سے بحث نہیں۔

اجتماعیت کا رجحان:

اب میں بتلاتا ہوں کہ وہ چوک کیا ہے، اور غلطی کہاں ہورہی ہے، آج دنیا میں بڑی بڑی تنظیمیں ہورہی ہیں، اس وقت اجتماعیت پر بڑا زور ہے، ہر کام اجتماعی اور عالمگیر پیمانہ پر کیا جارہا ہے، یہ اجتماعیت ایک خوشگوار اور ترقی پسند رجحان ہے، لیکن افراد اور ان کی صلاحیت ہر اجتماعی کام کی اور ہر تنظیم کی بنیاد ہے، اور اس کی اہمیت سے کسی دور میں انکار نہیں کیا جا سکتا، اس زمانہ کی خطرناک غلطی یہ ہے کہ افراد کی اہمیت اور ان کی سیرت وصلاحیت کو بالکل نظر انداز کیا جارہا ہے، عمارت بنائی جارہی ہے، مگر جن اینٹوں سے وہ بنے گی، ان کو کوئی نہیں دیکھتا، اگر کوئی یہ سوال چھیڑتا ہے کہ اینٹیں کیسی ہیں؟ تو کہا جاتا ہے کہ اینٹیں ناقص سہی، کمزور سہی، مگر عمارت مضبوط اور اعلیٰ ہوگی۔ میری سمجھ میں نہیں آتا کہ سو خراب چیزوں سے ایک اچھا مجموعہ کیسے برآمد ہوگا؟ کیا خرابی جب بڑی تعداد میں جمع ہوجاتی ہے اور ایک دوسرے میں شامل ہوجاتی ہے تو معجزہ کے طور پر اس سے ایک عمدہ چیز ظاہر ہوجاتی ہے؟ کیا سو۱۰۰ مجرموں اور ظالموں کے مل جانے سے ایک انصاف پرور جماعت اور ایک معدلت شعار ادارہ وجود میں آجاتا ہے؟ ہمیں تو یہ معلوم ہے کہ نتیجہ ہمیشہ مبادی اور مقدمات کے تابع ہوتا ہے اور کل ہمیشہ اجزاء کی خصوصیتوں کا نمائندہ اور مظہر ہوتا ہے۔ آپ صحیح میزان نکالنا چاہتے ہیں تو جب تک اکائیاں ٹھیک نہ ہوں میزان غلط رہے گی، یہ کہاں کی منطق اور کہاں کا فلسفہ ہے کہ افراد کو بنانے کی فکر نہیں اور ایک اچھے مجموعہ کی توقع کی جارہی ہے۔

مجرمانہ غفلت:

آج کالجوں، تحقیقاتی اداروں، تجربہ گاہوں، تفریحی مرکزوں میں انسانی زندگی کی ہر حقیقی اور فرضی ضرورت کا انتظام کیا جارہا ہے مگر ان آدمیوں کے بنانے کا کوئی انتظام نہیں سوچا جارہا ہے، جن کے لئے یہ سب انتظامات ہیں، کیا یہ سب تیاریاں ان انسانوں کے لئے ہیں جو سانپ بچھو بن کر زندگی گزاریں گے، جن کا مقصد زندگی بوالہوسی اور عیش پرستی کے سوا کچھ نہیں،

اس دور کے انسان نے ظلم اور جرم کو منظم کیا ہے اور اس بارے میں وہ جانور سے بازی لے گیا، کیا کبھی سانپوں اور بچھوؤں اور جنگل کے شیروں اور بھیڑیوں نے انسانوں پر کوئی منظم اور متحد حملہ کیا؟ لیکن انسان اپنے جیسے انسانوں کو فنا کرنے کے لئے تنظیمیں اور ادارے قائم کرتا ہے اور پوری پوری دنیا کو تباہ کر دینے کی اسکیمیں بناتا ہے، اس وقت افراد کی تربیت، سیرت کی تعمیر اور انسانیت کی صفات اور اخلاق پیدا کرنے کی طرف سے مجرمانہ غفلت برتی جارہی ہے، یہی کام سب سے غیر اہم سمجھا گیا ہے، مشین ڈھالنے کی کتنی فیکٹریاں ہیں، کاغذ بنانے کے کتنے کارخانے ہیں، کپڑے کے کتنے مل ہیں، مگر حقیقی انسان بنانے کا بھی کوئی ادارہ، کوئی تربیت گاہ ہے؟ آپ کہیں گے کہ یہ تعلیم گاہیں، کالج اور یونیورسٹیاں! لیکن بے ادبی معاف، وہاں انسانیت کی تعمیر اور فرد کی تکمیل پر کتنی توجہ کی جاتی ہے، یورپ اور امریکہ نے کتنے بڑے صرف اور کتنے بڑے ساز و سامان سے ایٹم بم بنایا، اگر اس کے بجائے وہ ایک فرد کامل کو بناتا تو دنیا کے لئے کتنا مبارک ہوتا، مگر ادھر کسی کا ذہن نہیں جاتا۔

ہماری غفلت کا خمیازہ:

ہمارا ملک ہندوستان تاریخ میں بڑا مردم خیز ملک رہا ہے اس نے بڑے کامل افراد پیدا کئے ہیں، مگر اب صدیوں سے اس کی طرف سے غفلت برتی جارہی ہے، ہمیں کہنا پڑتا ہے کہ مسلمانوں نے بھی اپنے دور حکومت میں اس فرض کے ادا کرنے میں کوتاہی سے کام لیا، ان کی حکومت اگر خلافت راشدہ کا نمونہ ہوتی اور وہ اس ملک کے منتظم اور حکمراں ہونے سے زیادہ اس ملک کے مربی اور اخلاقی معلم ہوتے تو آج اس ملک کی اخلاقی حالت یہ نہ ہوتی اور وہ اس ملک کی تولید اور انتظام سے سبکدوش نہ کئے جاتے، پھر انگریز آئے، ان کی حکومت تو صرف اسپنج (SPONGE) کی طرح تھی، جس کا کام یہ تھا کہ گنگا کے دہانے سے دولت چوس کر ٹیمز (TAMES) کے کنارے اگل دے، ان کے عہد میں اس ملک کا اخلاقی انحطاط کہیں سے کہیں پہنچ گیا، اب ہم کو آزادی ملی ہمیں چاہئے تھا کہ ہم سب سے پہلے اسی بنیادی مسئلہ کی طرف توجہ کرتے، کیا یہ ملک کبھی آزاد نہیں تھا، پھر وہ آزادی کی دولت سے کیوں محروم ہوا؟ اپنی اخلاقی پستی اور اخلاقی کمزوریوں سے! مگر افسوس ہے کہ سڑکوں اور روشنی کی طرف بھی جتنی توجہ

[illegible] کی توجہ اس بنیادی کمزوری کی طرف نہیں ہے۔

ہر اصلاح کی کامل بنیاد:

میں "[illegible]" اور "[illegible]" تحریک کا بڑا قدرداں ہوں [illegible] تقسیم کو نہیں [illegible]

[illegible] پھر انسانوں کی حرص نے ضرورت مندوں کو محروم اور بے ضرورت اشخاص کو [illegible] کا مالک [illegible]

[illegible] قبضہ کر لیا جائے اور ضرورت مندوں کو [illegible] دیا جائے [illegible]

[illegible]

اصل فتنہ:

یاد رکھئے اس وقت سب سے بڑا خطرہ [illegible] نہیں، اور ملک کے لئے سب سے بڑا خطرہ اخلاقی انحطاط، بددیانتی، بے مروتی، زر پرستی اور رشوت ہے، اسی نے یونان اور روما کو [illegible] نے تباہ کیا، [illegible] نہیں بلکہ ان اخلاقی بیماریوں نے، جن کا [illegible] ان کا سب [illegible] ایک ملک کا اخلاقی انحطاط [illegible] جب [illegible] جب ہر ملک خوش حال اور پر امن ہو۔

پیغمبروں کا کارنامہ:

پیغمبروں کا یہی کارنامہ ہے کہ انہوں نے صالح افراد تیار کئے، خدا سے ڈرنے والے، انسان سے محبت کرنے والے، دوسروں کے لئے تکلیف اٹھانے والے، اپنے پرائے کے معاملے میں انصاف کرنے والے، حق بولنے والے، حق کا ساتھ دینے والے، مظلوم کی مدد کرنے والے، دنیا کے کسی فلسفی اور ماہر [illegible] کسی تربیت گاہ نے ایسے صالح افراد تیار نہیں کئے، دنیا [illegible] ایجادوں پر [illegible] سائنس دانوں کو نئی نئی ایجادات پر فخر ہے لیکن پیغمبروں سے بڑھ کر [illegible] نے انسانیت کی خدمت انجام [illegible] بیش قیمت [illegible] دنیا کو عطا کی [illegible] اگر [illegible] دنیا [illegible] آج اس دنیا میں جو کچھ [illegible] انصاف اور انسانیت [illegible] محبت [illegible] باقی ہے، انہیں پیغمبروں کی کوشش اور تبلیغ کا نتیجہ ہے، موجودہ دنیا بھی محض ایجادات اور سائنسی ترقیات پر نہیں چل رہی ہے، بلکہ اسی سچائی، امانت داری، انصاف اور محبت پر قائم ہے جو [illegible]

پیغمبروں کا طریقہ:

پیغمبروں نے یہ صالح ترین افراد کس طرح پیدا کئے؟ یہ بات کچھ کم حیرت انگیز نہیں، انہوں نے ان کے اندر ایک نیا یقین پیدا کیا، یہ یقین [illegible]

کے فقدان نے ساری دنیا کے نظام کو درہم برہم کر رکھا تھا، اور انسان اس کو کھو کر ایک خونخوار درندہ، ایک حریص چوپایا بن گیا تھا۔ یعنی خدائی ہستی کا یقین اور مرنے کے بعد کی زندگی اور جواب دہی کا یقین اور اس بات کا یقین کہ یہ سچے انسان خدا کا پیغام لانے والے اور انسان کی صحیح رہنمائی کرنے والے ہیں، اس یقین نے انسان کی کایا پلٹ دی اور اس کو ایک بے لگام جانور سے ایک ذمہ دار انسان بنا دیا۔

تاریخ کا تجربہ:

ہزاروں برس کا تجربہ بتاتا ہے کہ انسان سازی کے لئے اس سے بڑی طاقت نہیں، آج دنیا کی سب سے بڑی بدقسمتی یہ ہے کہ جماعتیں موجود ہیں، قومیں موجود ہیں، تنظیمیں اور ادارے موجود ہیں، لیکن صالح افراد نایاب ہیں اور دنیا کے بازار میں سب سے زیادہ اسی جنس کی کمی ہے، خطرناک بات یہ ہے کہ ان کی تیاری کی فکر بھی نہیں ہے اور سچ پوچھیے تو اگر تیاری کی کوشش بھی کی جاتی ہے تو اس کے لئے صحیح راستہ نہیں اختیار کیا جاتا، اس کا راستہ صرف ایک ہے اور وہ یہ کہ یہ یقین پھر پیدا کیا جائے اور سب سے پہلے انسان کو انسان بنایا جائے، اس کے بغیر جرائم بند نہیں ہو سکتے، خرابیاں دور نہیں ہو سکتیں، آپ ایک چور دروازہ بند کریں گے دس چور دروازے کھل جائیں گے، افسوس ہے کہ جن کو اس بنیادی کام کی طرف توجہ کرنے کی ضرورت ہے اور جن کے توجہ کرنے سے اثر ہو سکتا ہے، ان کو دوسرے مسائل سے فرصت نہیں، اگر وہ اس مسئلہ پر توجہ کرتے تو اس سے پوری زندگی پر اثر پڑتا اور سینکڑوں مسائل اس سے حل ہو جاتے جن پر علیحدہ علیحدہ کوشش کی جا رہی ہے اور خاطر خواہ نتیجہ برآمد نہیں ہوتا۔

ہماری جدوجہد کا محرک:

ہم نے جب دیکھا کہ اتنے لمبے چوڑے ملک میں کوئی اس کی صدا بلند کرنے والا نہیں، اور کوئی اس کو اپنی زندگی کا مقصد اور مہم بنانے والا نہیں تو ہم اور ہمارے چند بے سروسامان ساتھی اس دعوت کے لئے اپنے گھر سے نکلے، ہم آپ کے شہر میں آئے، آپ نے ہماری پذیرائی کی اور دلچسپی اور سکون سے ہماری بات سنی، اس کے ہم بڑے شکر گذار ہیں اور اس سے ہماری بڑی

حوصلہ افزائی ہوتی ہے، ہم اسی امید پر نکلے ہیں کہ انسانوں کی اس وسیع بستی میں ضرور کچھ زندہ دل پائے جاتے ہیں، دنیا کا ہر کام انہیں انسانوں کے وجود کے یقین اور ان کے زندہ دلی کے اعتماد پر کیا گیا ہے، اتنے بڑے مجمع میں ہمیں امید ہے کہ بہت سے دلوں نے ہماری اس بات کو قبول کیا ہوگا، ہم اس بات کی بھی امید کرتے ہیں کہ وہ اپنے کو وہ فرد بنانے کی کوشش کریں گے جس کی آج دنیا کو ضرورت ہے اور جس کے بغیر اس زندگی کی چول بیٹھ نہیں سکتی۔

دین پر عمل [illegible] راستے کی [illegible] رکاوٹ [illegible]

دنیا [illegible]

[illegible] ۲۸ نومبر [illegible] آپ نے [illegible]

[illegible]

نحمدہ للہ رب العالمین والصلوۃ والسلام علی سید الانبیاء

والمرسلین وعلی آلہ وصحبہ اجمعین

دین کا اصل موضوع اور رضائے الٰہی کی [illegible]

میرے بھائیو اور دوستو! آپ جانتے ہیں کہ اللہ کا دین جو خدا نے [illegible] بھیجا ہے [illegible] اور اشرف المرسلین وسید الاولین والآخرین خاتم النبیین محمد رسول اللہ ﷺ [illegible] اس دین کا اصل موضوع ہے آخرت [illegible] انسان [illegible] انجام سے [illegible] آخرت کی ابدالآباد کی زندگی جو ہمیشہ ہے [illegible] ختم ہونے والی زندگی [illegible] آخری [illegible] دنیا کی [illegible] زندگی [illegible]

کی جان سے [illegible] زندگی [illegible] نہیں [illegible] تک پہنچ [illegible] آخرت میں اس زندگی کے بعد کی زندگی میں راحت اور لذت اور عزت اور دوام عطا کرتا ہے پھر "لا خوف علیهم ولا هم یحزنون" کا مطلب ہے کہ نہ ان کو کوئی خوف ہو، خوف کیا ہے؟ آئندہ کا کھٹکا کہ کیا ہوگا؟ بیمار ہوگئے تو کیا ہوگا؟ [illegible] ملزم کیا تو کیا ہوگا؟ کوئی حملہ ہوگیا تو کیا ہوگا؟ قحط سالی ہوئی تو کیا ہوگا؟ طوفان آ گیا تو کیا ہوگا؟ کوئی ذلیل کرنے کے درپے ہوا تو کیا ہوگا؟ اور حزن ہوتا ہے ماضی پر، گزشتہ پر، ہائے حسرت یہ کام کیوں کیا، یہ چوک کیوں ہوئی، یہ انتظام کیوں نہیں کرلیا، یہ بات پہلے کیوں نہیں سوچی [illegible] تو جنت میں [illegible] "لا خوف علیهم ولا هم یحزنون" نہ آئندہ کا کھٹکا، نہ پچھلے کا افسوس، اس کی کھٹک اور خلش اور پھر اس کے ساتھ سب سے بڑھ کر "رضوان من الله اکبر" اللہ تعالیٰ کی رضا سب سے بڑی ہے، اس کا مزا تو وہی سمجھ سکتا ہے جس کے دل میں کسی کی محبت ہو اور کسی کی عزت ہو، سمجھتا ہو اس کے لئے محبوب کی ذرا سی پسندیدگی اس کا دیکھ لینا، کسی انسان کے لئے جس کو اللہ تعالیٰ نے محبت سے حصہ عطا فرمایا ہو، بس آخری کامیابی ہے اور عزت اس لئے کہ جب دنیا کا عزیز آدمی کسی سے خوش ہو جاتا ہے، خوشی کا اظہار کرتا ہے، تعریف کرتا ہے تو پھر آدمی پھولے نہیں سماتا، اس کے پاؤں زمین پر نہیں پڑتے، بہت سی اس کی مثالیں ہیں، پہلے انگریز حکام کے زمانہ میں رہا [illegible] میں ایسا ہوا کرتا تھا کہ وہاں سے آئے اور کہا "مہاراجہ صاحب ہنس کر بولے تھے اور مہاراجہ صاحب نے یہ کہا تھا کہ خیریت ہے؟ کہتے ہوئے ہاتھ بھی ذرا سا اٹھ گیا تھا اور ہونٹوں پر تھوڑی سی مسکراہٹ بھی تھی، اس وقت بہت آدمی بیٹھے تھے لیکن مہاراجہ صاحب نے میری طرف دیکھ کر فرمایا کہ قاضی صاحب مزاج اچھا ہے؟ بال بچے اچھے ہیں؟" ایک صاحب کا واقعہ ہے کہ گھر آئے تو بات نہیں کرتے تھے، بیوی بچوں نے کہا کہ کیا بات ہے؟ کوئی تکلیف ہوئی؟ بہت مشکل سے بولے کہ میں حاکم سے بات کرکے آیا ہوں، اب اس منہ سے کسی سے بات کرنے کو جی نہیں چاہتا، جیسے کوئی بہت مزے دار چیز کھائی ہو تو اس کے بعد کوئی کڑوی چیز یا بدمزہ کھالے تو آدمی کہتا ہے منہ کا مزہ خراب ہو جائے گا، ابھی مزہ آرہا ہے، [illegible] صاحب حاکم سے بات کر کے آیا ہوں، اب کس سے بات کروں، بات کرنے کو جی نہیں

چاہتا، یعنی وہ جو عزت ملی تھی وہ جاتی رہے گی، وہ لذت جو حاصل ہوئی تھی جاتی رہے گی۔

آخرت کی عظمت ووسعت:

میرے دوستو! وہ آخرت اس کا تو ہم تصور ہی نہیں کر سکتے، ماں کے پیٹ میں جو بچہ ہو اس سے آپ کہیے یا ابھی پیدا ہوا ہو، اس سے کوئی اگر بات کر سکتا ہو، اور وہ بات سمجھ سکتا ہو تو اس سے کہے کہ بیٹا! جب تم دنیا میں آؤ گے تو بڑا وسیع میدان ہوگا، ہزاروں ہزار میل کا، وہاں باہر ہوا میں چل رہی ہونگی، اور پانی برسے گا، وہاں پر ریلیں چلتی ہیں، اور وہ بچہ بے چارہ ماں کے پیٹ میں کیا سمجھے کہ ریل کیا بلا ہوتی ہے، ریل کاہے پر چلتی ہے اور کتنی تیز چلتی ہے، اور تو اور ہوائی جہاز اڑیں گے، بچہ ماں کے پیٹ میں ہے اور یہ اس سے کہہ رہا ہے کہ ایسا بھی وقت آسکتا ہے کہ ہوائی جہاز میں بیٹھو گے۔ بالکل ایسے ہی بلکہ اس سے بھی بڑھ کر آخرت کا معاملہ ہے۔

یہ تو اللہ تبارک تعالیٰ کی قدرت ہے اور اس کی مصلحت ہے کہ اتنا بھی ہماری سمجھ میں آگیا، ورنہ ہماری سمجھ میں آنے والی بات ہی نہیں ہے کہ اس زندگی کے بعد کی زندگی میں کیا ہوگا، کیا ملے گا، وہ کتنی وسیع ہوگی "عرضها السموات والارض" اس کی وسعت میں زمین و آسمان ایسے ہیں جیسے سمندر میں کوئی کنکری کنکی ڈال دے، یہ بھی پتہ نہیں چلے گا، گئی کہاں؟ تو ایسے ہی یہ ساری دنیا حدیث میں آتا ہے "موضع سوط فی الجنة خير من الدنيا وما فيها" ایک کوڑا رکھنے کی (پھیلا کر نہیں، کھڑا کر کے) رکھنے کی جگہ ساری دنیا سے وسیع ہے، تو اس آخرت کا تو کیا کوئی تصور کر سکتا ہے اور پھر آخری بات یہ ہے کہ "ورضوان من الله اکبر" اللہ کی رضا کہ جب بندوں کو معلوم ہوگا، جنت میں اللہ راضی ہو، میرا مالک یہاں راضی ہے، رب مجھ سے خوش ہے، اب ناراضگی کا کوئی کھٹکا نہیں اسکی لذت کو، اس کی عزت کو تو کوئی سمجھ ہی نہیں سکتا۔

تو دین کا اصل موضوع ہے اس آخرت میں کامیابی دلانا، اس آخرت کے خطروں سے بچانا، اچھی طرح سمجھ لیجئے، اس آخرت کا عیش نصیب کرنا، اس آخرت میں زندگی دوام، ہمیشہ رہنے والی کبھی فنا نہ ہونے والی زندگی عطا کرنا ہے، اللہ فرماتا ہے" لا يذوقون فيها الموت

الا الموتۃ الا ولی'' جب اس دنیا سے جانے لگیں گے تو ایک ہی مرتبہ موت کا تجربہ ہوگا، اور اس کے بعد موت کا کوئی امکان نہیں، پھر موت نہیں آئیگی، یہ دین کا اصل موضوع ہے، اس لئے کہ دین جتنا بڑا ہے، اور اللہ تعالیٰ اس سے جتنا خوش ہوتا ہے، اس کے انعام کی اس دنیا میں کوئی گنجائش نہیں، اس دنیا میں تو بہت چیزوں کی گنجائش نہیں، کتنے آدمی ہیں جن کو شادی مرگ ہوجاتی ہے۔ ایسی خوشی حاصل ہوئی کہ برداشت نہیں کر سکے اور دم نکل گیا، تو اللہ تعالیٰ کے اصل انعامات کی تو اس دنیا میں گنجائش نہیں، اس لئے اس نے آخرت رکھی ہے۔

وہ جنت حقیقی جنت ہے، اور وہ زندگی حقیقی زندگی ہے، اور وہ گھر حقیقی گھر ہے۔

دین پر عمل کرنے سے دنیا میں بہشت کا مزہ:

لیکن اللہ تعالیٰ نے اس دین میں یہ خاصیت رکھی ہے کہ اگر اس پر عمل کیا جائے تو اس زندگی میں بھی جنت کا کچھ لطف آنے لگے۔ عارفوں کو تو چھوڑیئے وہ تو کہتے ہیں کہ اگر لوگوں کو معلوم ہوجائے کہ ہم کیا عیش کر رہے ہیں، کس لطف میں ہیں تو ہمیں بیٹھنے نہ دیں، تلوار لے کر ہم پر حملہ کریں اور کوئی اللہ کا بندہ کہتا تھا کہ میرا کوئی کیا بگاڑ سکتا ہے، مجھ سے کیا چھین سکتا ہے، میری جنت میرے سینہ کے اندر ہے، میں کھڑا ہوں تو جنت، میں بیٹھوں تو جنت، ''جنتی فی صدری'' میری جنت میرے سینہ کے اندر ہے، متوسط درجہ کے مسلمانوں کو بھی اس زندگی میں وہ راحت وہ عزت، وہ سکون حاصل ہوسکتا ہے کہ جس کی غیر مسلم جو دین سے ناآشنا ہیں، تصور نہیں کر سکتے، مگر شرط یہ ہے کہ اس دین پر عمل کریں، اور وہ دین محض قومیت کا دین نہ ہو، رجسٹر میں نام لکھانے کا دین نہ ہو، اور فائدہ حاصل کرنے کا دین نہ ہو کہ مسلمان کے گھر میں اس کی وجہ سے شادی ہوجاتی ہے۔ رشتہ ہوجاتا ہے، اور عید بقرعید میں ملنے کا مزہ آتا ہے، اور شادی بارات میں پوچھے جاتے ہیں بلائے جاتے ہیں، یہ دین اس کا نہ ہو، اس دین سے راحت نہیں حاصل ہوگی۔ اس دین سے کوئی سکون نہیں ہوگا، اس دین سے کسی بستی میں رحمت و برکت نازل نہیں ہوگی، اور آفتیں دور نہیں ہوں گی، دین جو محض فائدہ اٹھانے کے لئے نہ ہو بلکہ بندگی کا دین ہو، شریعت میں جو حکم ہو اس کو مانے ایسی بستیوں کا پھر حال یہ ہوگا جو اللہ تعالیٰ بیان فرماتا ہے۔

وَلَوْ اَنَّ اَهْلَ الْقُرٰٓى اٰمَنُوْا وَاتَّقَوْا لَفَتَحْنَا عَلَيْهِمْ بَرَكٰتٍ مِّنَ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ (الاعراف: ۹۶)

(ترجمہ) اگر بستیوں والے [illegible] ہم سے ڈرتے اور ہمارا پاس کرتے اور ایمان لاتے اور تقویٰ اختیار کرتے تو ہم ان پر آسمانوں اور زمین کی برکتوں کے دروازے کھول دیتے۔

اور [illegible] آتا ہے۔

لَاَكَلُوْا مِنْ فَوْقِهِمْ وَمِنْ تَحْتِ اَرْجُلِهِمْ (المائدہ: ۶۶)

(ترجمہ) اپنے اوپر سے بھی کھاتے اور پاؤں کے نیچے سے بھی کھاتے۔

اللہ تعالیٰ کا وعدہ ہے اس دنیا میں بھی دین پر [illegible] ہے [illegible] اللہ تعالیٰ کے یہاں جو ان کی عزت ہے اس کا تو کیا ٹھکانا ہے کیا آخرت [illegible] اور آخرت میں وہ سب [illegible] اللہ تعالیٰ [illegible] کائنات [illegible] سیارے پائے جاتے ہیں جو سب سے چھوٹا سیارہ ہے [illegible] دوسرے سیاروں کو آپ دیکھیں ان کے [illegible] تو آپ معلوم کریں، اور ان کی تعداد معلوم کریں تو [illegible] کہکشائیں [illegible] یہ زمین حقیر ترین چیز ہے اس پر ہم اور آپ اتنے [illegible] کیا [illegible] اللہ تعالیٰ کی کائنات [illegible] في [illegible] الف سنة [illegible] ایک ہزار [illegible] جو لوگ [illegible] ہیں وہ اس طرح کے حسابات بتاتے ہیں۔

وَلَوْ اَنَّ اَهْلَ الْقُرٰٓى اٰمَنُوْا وَاتَّقَوْا لَفَتَحْنَا عَلَيْهِمْ بَرَكٰتٍ مِّنَ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ (الاعراف: ۹۶)

(ترجمہ) اگر ان بستیوں کے لوگ ایمان لے آتے اور پرہیزگار ہو جاتے، تو ہم ان پر آسمان اور زمین کی برکات (کے دروازے) کھول دیتے۔

دین پر عمل کرنے کی برکتوں کو دیکھنے کے لئے دنیا سفر کر کے آئے گی!

خدا کی قسم اگر مسلمان کی بستی میں خلوص کے ساتھ، سنجیدگی سے اور ایمانداری کے ساتھ

شریعت پر عمل کریں تو جنت کا ایک نمونہ یہیں اللہ تعالیٰ دکھا دے، آپس میں وہ محبت ہو، دلوں میں وہ اتحاد ہو، وہ اطمینان ہو، ایسی ٹھنڈی نیند ہو، ایسے آرام سے ساتھ اپنا کام کریں، ہر کام چلا جائے، ہر چیز میں برکت ہو، لوگ باہر سے آ آکر جیسے یورپ میں لوگ جاتے ہیں، ان کی ترقیات دیکھتے ہیں، اس طرح یہ دنیا کے مارے ہوئے لوگ، یہ دین کا قیمہ کر دینے والے [illegible] دل و دماغ کا قیمہ کر دیں، یہ بات، امن و سکون نصیب نہیں ہے، امریکہ و یورپ [illegible] سب [illegible] دولت، [illegible] طاقت، [illegible] ترقیات، وہ لوگ سانس لینے کے لئے آئیں گے، ایسی بستیوں میں اور بڑی سے بڑی قیمت [illegible] کے پیچھے ہم لوگ [illegible] گھنٹے رہتے ہیں کہ ہم اس فضا میں سانس لے لیں تاکہ جب ہم یہاں سے جائیں تو ہمارے اندر ایک طاقت ہو۔

دین پر ناقص عمل اور شریعت کے حصے بخرے:

اگر یہ کہیں [illegible] کہا جائے کہ مسلمانوں نے اس شریعت کی قدر ہی نہیں کی، اللہ کے رسول کی لائی ہوئی اس نعمت کی قدر ہی نہیں کی، کہیں ایک چیز ہے تو چار چیزیں نہیں، کہیں چار چیزیں ہیں تو دو چیزیں نہیں۔ نماز ہے تو روزہ نہیں، کہیں روزہ ہے تو نماز نہیں۔ کہیں نماز روزہ دونوں ہیں تو زکوٰۃ نہیں، اور کہیں نماز، روزہ، زکوٰۃ ہے تو حج نہیں، اور کہیں یہ چاروں چیزیں ہیں تو آپس میں جو حقوق ہیں مسلمانوں کے جن کا ادا کرنا ضروری ہے، ان کا ذکر نہیں، کہیں عقیدہ درست ہیں تو عبادات درست نہیں، اور اگر عقائد و عبادات درست ہیں تو معاملات درست نہیں، کہیں گھر کی ناچاقی، بھائی بھائی کے خون کا پیاسا، اس کی عزت و آبرو سے کھیلتے ہیں، جعلی مقدمہ، کہیں افیون رکھوا دی، کہیں چرس اور بھنگ رکھوا دی، کہیں کوکین رکھوا دی، پکڑوا دیا۔ یہ مسلمانوں کی بستیوں میں ہو رہا ہے، انشاء اللہ آپ کی بستی اس سے محفوظ ہوں اور مجھے کچھ معلوم بھی نہیں، میں تو اچھی ہی باتیں یہاں کے متعلق سنتا رہا۔ بہت سفر کرتا رہتا ہوں، جس بستی میں گیا وہاں شکایت سنی کہ صاحب! بس یہاں پوچھئے نہیں، جو حالت ہو رہی ہے۔ ایک دوسرے کو دیکھ نہیں سکتا، اللہ کی شریعت کی یہ قدر، رسول اللہ ﷺ کی لائی ہوئی شریعت کی یہ قدر، کہ ایک چیز پکڑی اور چار چیزیں چھوڑ دیں، آج کوئی بستی دنیا میں ہو، روئے زمین پر پیارے

دکھادے ، تو دیکھئے وہاں ٹکٹ لگ جائے ، سینکڑوں ہزاروں روپے کا ٹکٹ جائے داخلہ کا ، یہ بھی مجبوری ہے کہ اگر سب کو آنے دیا جائے تو پھر آدمی بیٹھ کیسے سکے گا ، عورتیں کیسے رہ سکیں گی ، بچے کیسے کھیل سکیں گے ، اس لئے ٹکٹ لگایا جائے ، انتظاماً کہ یہاں قدم رکھنے کے لئے پانچ سو ۵۰۰ روپیہ کی فیس داخل کرو ، تو یہاں تم آسکتے ہو اور یہاں سے گزر جاؤ ایک مرتبہ ، ایسی وہ زمین متبرک بن جائے گی ، مگر افسوس ہے کہ سب کچھ کریں گے مسلمان ، ہزار تدبیر کریں گے کافر بھی بتادے کہ یہ آرام کا طریقہ ہے تو اس کو اختیار کریں گے لیکن اللہ کا رسول ﷺ جو کہتا ہے کہ اس میں آرام ہے ، اس میں راحت ہے ، اس میں عزت ہے ، اسی کو نہیں اختیار کریں گے ، بھلا بتلایئے ! اس ناقدری کی بھی کوئی حد ہے کہ اگر کوئی حکیم کہہ دے ، ڈاکٹر کہہ دے ، کوئی غیر مسلم اکسپرٹ کہہ دے ، کوئی سیاسی لیڈر کہہ دے کہ دیکھو یہ کرو تو کرنے کے لئے تیار ، ہزاروں روپے خرچ کرنے کے لئے تیار ، لیکن اللہ کا محبوب رسول ﷺ یہ کہتا ہے کہ اس میں تمہارا فائدہ ہے ، اس میں تمہارا نقصان ہے اس کو نہیں مانیں گے ۔

امت محمدیہ کے ساتھ اللہ تعالیٰ کا معاملہ :

ہمیں شکایت ہے صاحب مسلمان ہی ہر جگہ ذلیل ہیں ، مسلمان ہی ہر جگہ مارے جاتے ہیں ، مسلمان ہی ہر جگہ پریشان ہیں ، وہ جیسے کوئی اپنا مریض ہوتا ہے تو اس کو بد پرہیزی نہیں کرنے دی جاتی ، اس طریقہ سے اس امت مرحومہ امت محمدی ﷺ کے ساتھ اللہ تعالیٰ کا معاملہ یہ ہے کہ پاؤ گے تو اس راستہ سے پاؤ گے ، تمہارے لئے راستہ یہ مقرر ہے ، یہ محبت کا راستہ تھا ، یہودیوں کا مرض کیا تھا ؟ ان کو جو کچھ ملا وہ دین کے راستے سے ملا ، نبوت کے راستے سے ملا ، لیکن خدا کے بندے اسی راستے کے باغی تھے ، وہ دوسرے راستوں سے عزت چاہتے تھے ، اسی لئے "المغضوب علیھم " کہا کہ خدا کا غضب ان پر ہو ، ہم نے ان کو عزت دی ،

يٰبَنِيٓ اِسْرَآئِيْلَ اذْكُرُوْا نِعْمَتِيَ الَّتِيْٓ اَنْعَمْتُ عَلَيْكُمْ وَاَنِّيْ فَضَّلْتُكُمْ
عَلَى الْعٰلَمِيْنَ ۔ (البقرہ ۱۲۲)

(ترجمہ) اے بنی اسرائیل میرے وہ احسان یاد کرو جو میں نے تم پر کئے اور یہ کہ میں نے تم

کو اہل عالم پر فضیلت بخشی۔

دو۲ مرتبہ تین۳ مرتبہ کہا اور اس کے بعد "اوْفُوا بعهدی اُوف بعهدکم " (تم میرے عہد کو پورا کرو، میں تمہارے عہد کو پورا کروں گا) انہوں نے کہا، اب آپ ہی اپنا عہد پورا کیجئے، ہم تو نہیں عہد پورا کریں گے۔

عقائد و عبادات میں مسلمانوں کا طرز عمل:

مسلمانوں کا حال یہ ہو رہا ہے کہ پوری شریعت پر نہیں چلتے، بھئی ایک حکیم کے نسخہ ہی میں آپ ترمیم کر کے دیکھ لیجئے کہ کیا انجام ہوتا ہے، کیا حکیم اور کیا اس کا نسخہ؟ لیکن چار۴ چیزیں دی تھیں، ہر دوا جو اس میں تھی، ہر جز جو تھا وہ کسی مصلحت سے تھا اب آپ نے اس میں ترمیم شروع کر دی اور کہا چار۴ چار۴ چیزیں کیا کریں، بس دو ہی چیزیں کافی ہیں، اب کہتے ہیں کہ صاحب نزلہ نہیں گیا، پیٹ کا درد نہیں گیا، تو حکیم کے نسخہ میں ترمیم کرنے سے تو آپ کو یہ نقصان پہنچتا ہے اور کوئی عقلمند آدمی نہیں کرتا اور اللہ کے رسول ﷺ کے بتائے ہوئے نسخہ میں ترمیم صاحب عقائد لیں گے، عبادات سے مطلب نہیں، عبادات لیں گے، عقائد سے مطلب نہیں، عقیدہ اور عبادت کا حال یہ ہے کہ

کرے غیر گر بت کی پوجا تو کافر
جو ٹھہرائے بیٹا خدا کا تو کافر
جھکے آگ پر بہر سجدہ تو کافر
کواکب میں مانے کرشمہ تو کافر
مگر مومنوں پر کشادہ ہیں راہیں
پرستش کریں شوق سے جس کی چاہیں

وظیفے جتنے چاہو پڑھوا لو، لیکن اگر یہ کہو کہ نہیں اس میں شرک ہے، یہ بدعت ہے، یہ خلاف شریعت ہے، تو آپ کو اس سے مطلب نہیں یہ شریعت پر چلنا ہے، اس کا نام اطاعت ہے؟ یہی تو یہودیوں نے کیا تھا، اور اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ اے اہل کتاب تمہارا کام نہیں چلے گا جب تک کہ تم پوری کتاب پر نہ چلو، سورۂ مائدہ میں دیکھئے، فرمایا کہ نہیں، تمہیں پوری کتاب

پر عمل کرنا ہے، تمہیں پورے دین پر چلنا ہے، جب جا کر کام بنے گا، تو میں یہ کہہ رہا ہوں کہ دین کی قدر تو آنے کی آخرت میں اس کو تو کوئی بیان ہی نہیں کرسکتا، دنیا میں بھی اس کا مزہ دیکھئے۔

ہم نے اپنی زندگی سے لوگوں کو اسلام سے روکا:

آج ہم مسلمانوں کی زندگی اگر اسلامی ہوتی تو یہ ملک اسلام سے اتنا ناآشنا ہوتا؟ یہ اسلام سے اتنا متنفر ہوتا؟ ہرگز نہ ہوتا، مگر لوگ کہتے ہیں کہ تمہاری ہی زندگی مسلمانوں کی نہیں، تمہارے گھر جو نااتفاقیاں ہیں، جو مقدمہ بازیاں ہیں، وہ ان سے زیادہ ہیں، ہم جتنی ناسمجھی کرتے ہیں، اور جتنے عقل کے خلاف کام کرتے ہیں، وہ نہیں کرتے، ہم جتنے سست ہیں، غافل ہیں بےکار ہیں، وہ نہیں ہیں، ہم جتنے جاہل ہیں، بے پڑھے ہیں، وہ نہیں ہیں، تو کیا کشش ہو کہ وہ اسلام کی طرف راغب ہوں، جہاں کہیں کوئی بستی ایک نمونہ کی بستی بن جاتی تھی، وہاں دیکھئے، اسلام کس طرح پھیلتا تھا، انڈونیشیا میں کیا ہوا؟ یہ جو آپ سنتے ہیں کہ مسلمان اکثریت میں ہیں، یہ صورت کیا ہمیشہ سے تھی؟ یہ تو بحر ہند کے جزیرے ہیں۔ عرب سے ان کا کوئی تعلق نہیں تھا، اور جزیرے کی طرح جزیرے ہیں، تو یہ تو بہ سینکڑوں، ہزاروں جزیرے ہیں، جن کے مجموعہ کا نام انڈونیشیا ہے، اور وہاں اسلام ایسا پھیلا کہ تھوڑے سے وہاں غیر مسلم ہیں، باقی سب مسلمان ہیں، وجہ کیا؟ وہاں جو عرب تاجر گئے، دکان کھول لی، وہاں بیٹھ گئے، ان کی صورت و سیرت دیکھ کر، ان کے اخلاق دیکھ کر، ان کی ایمانداری دیکھ کر، ان کی اللہ کے یہاں مقبولیت دیکھ کر اور ان کی دعاؤں کی مقبولیت دیکھ کر، ملک کا ملک مسلمان ہوگیا، عرب تاجر اور عرب صوفی، اللہ کا نام سکھانے والے دو ہی طبقے ہیں، جنھوں نے ہر جگہ اسلام پھیلایا ہے۔ … وہاں انڈونیشیا میں، ملیشیا میں اور یہاں ہندوستان میں انہی دو طبقوں نے اشاعت اسلام کا کام کیا، خود مشرقی بنگال جو ہندوستان کا بالکل مشرقی حصہ ہے، انہیں لوگوں کی کمائی ہے

احکام شریعت پر عمل نہ کرنے کی نحوست:

یہ بھی شرفاء کی ایک بستی ہے یہ بھی سمجھ دار لوگوں کی اور تعلیم یافتہ لوگوں کی ایک بستی ہے،

اور بھی ہر طرح کے لوگ ہیں، دین پر پورا عمل تو بہت بڑی بات ہے، اللہ نصیب کرے لیکن دین پر عمل کرنے کی سنجیدہ کوشش کریں، ایمانداری کے ساتھ دین کے تمام شعبوں پر، ہم نے اچھے اچھے گھروں میں دیکھا ہے، سب کچھ ہے لیکن ترکہ تقسیم نہیں ہوتا شرعی طریقہ پر، نتیجہ یہ ہے کہ فساد کا ایسا بیج بو دیا گیا ہے کہ پشتوں تک وہ ختم نہیں ہوتا۔

بس بھائیو! یہی کہنا ہے کہ اصل تو اس دین کا فائدہ اور اس دین کی برکت تو ظاہر ہوگی مرنے کے بعد، آنکھ بند ہوئی اور پتہ چل گیا کہ نماز کیا دلا رہی ہے اور کلمہ کیا دلا رہا ہے، اور کہاں ہو تم، اللہ نصیب کرے ہر مسلمان کو، ہم کو اور آپ کو خاص طور پر، لیکن اس دنیا میں بھی اس شریعت کی برکت ظاہر ہو کر رہتی ہے۔

عقائد اور اعمال کی تاثیر اور معاصی کے نتائج و اثرات:

جب اللہ تعالیٰ نے سنکھیا میں اثر رکھا ہے ہزاروں برس سے، آج بھی کوئی سنکھیا کھائے، صاحب پرانی باتیں ہیں، کسی نے لکھ دیا ہوگا، سنکھیا کو بہت عرصہ ہو گیا اب کہاں کوئی سنکھیا سے مرتا ہے، کوئی تجربہ کر کے دیکھے اس کا تجربہ تو کوئی نہیں کرے گا، میں کہتا ہوں کہ گل بنفشہ اور برگ گاؤزباں اور عناب ولائتی سینکڑوں برس سے یہ بتایا جاتا ہے کہ گل بنفشہ کی یہ تاثیر ہے، اور برگ گاؤزباں کی یہ، اور خطمی کی یہ، اور خبازی کی یہ اور فلاں کی یہ اور آج تک اس میں تاثیر موجود ہے اور جب ان دواؤں میں یہ تاثیر سینکڑوں ہزاروں برس سے چلی آرہی ہے، طب یونانی کب تھی، یونان کہاں تھا؟ کب تھا؟ یہ حضرت مسیح علیہ السلام سے بھی پہلے کا زمانہ ہے، یونان کے عروج کا زمانہ، حضرت مسیح کو دو ہزار برس کے قریب ہو گئے، تو حضرت عیسیٰؑ سے بھی معلوم نہیں کتنے سو برس پہلے یونان کا عروج ہوا ہے، اس وقت ان لوگوں نے یہ خاصیتیں دریافت کی تھیں دواؤں کی، ہمارے یہاں طب یونانی چلی آرہی ہے، بعد میں عربوں نے اس میں بڑا اضافہ کیا، مگر اس کی اصل جو ہے وہ یونانی ہے، تو یونانی حکماء جو کہیں وہ تو آج تک پورا ہو، اور اللہ کے رسول ﷺ جو کہیں، اور ابھی جن کو زمانہ بھی اتنا نہیں گزرا اور اس میں ہم کو شک ہو، یہ کیسا ایمان ہے؟ کہاں کا ایمان ہے؟ کہ گل بنفشہ کے اثر پر تو تمہیں ایمان ہے اور اللہ کے رسول ﷺ کا کہنا کہ **"سبحان اللہ وبحمدہ سبحان اللہ العظیم"** جو ہے **"کلمتان خفیفتان**

علی اللسان ثقیلتان فی المیزان حبیبتان الی الرحمن " یہ زبان پر ہلکے اور اللہ ترازو میں بھاری اور اللہ کو بہت محبوب ہیں یہ۔" **سبحان اللہ وبحمدہ سبحان اللہ العظیم**" اس پر ہمیں اعتماد نہیں؟ ترکہ تقسیم کرنے سے یہ برکت ہوتی ہے، ہمارا اس پر عقیدہ نہیں گناہ میں یہ یہ خاصیت ہے، بعض گناہ ایسے ہیں جن سے وبائیں پیدا ہوتی ہیں بعض گناہ ایسے ہیں جن سے رزق میں برکت اٹھ جاتی ہے، بعض گناہ ایسے ہیں ان سے موتیں جلدی ہونے لگتی ہیں، زندگیاں کم ہوتی ہیں۔ حضرت تھانوی قدس سرہٗ کا رسالہ دیکھئے "جزاء الاعمال" اس میں دیکھئے کہ کن کن اعمال پر کیا اثرات شریعت کی طرف سے بتائے گئے ہیں کہ اس کی یہ نحوست، اس کی یہ نحوست آج دیکھ رہے ہیں، ہم دنیا میں، اس پر ہمارا ایمان ہے جس خطہ زمین پر، جس زمانہ میں جتنی دیر کے لئے، جتنے وقت کے لئے شریعت پر عمل ہوا کھلی ہوئی برکتیں خدا کی نظر آئیں، اس کے خلاف۔

وَمَنْ يُّشَاقِقِ الرَّسُوْلَ مِنْۢ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُ الْهُدٰى وَيَتَّبِعْ غَيْرَ سَبِيْلِ الْمُؤْمِنِيْنَ نُوَلِّهٖ مَا تَوَلّٰى وَنُصْلِهٖ جَهَنَّمَ (النساء: ۱۱۵)

اور جو شخص سیدھا راستہ معلوم ہونے کے بعد پیغمبر کی مخالفت کرے اور مومنوں کے راستے کے سوا اور رستے پر چلے تو جدھر وہ چلتا ہے ہم اسے ادھر ہی چلنے دیں گے اور (قیامت) کے دن جہنم میں داخل کریں گے۔

جو اس کے خلاف کرے گا وہ دیکھ لے گا چاہے سو ۱۰۰ امریکا ہو جائے اور سب کچھ کر دے اور ساری دنیا کے سامنے ناک رگڑے، تب بھی اللہ تعالیٰ کی طرف سے نہ عزت ملے گی، نہ راحت ملے گی نہ سکون، مسلمان کے لئے ایک ہی راستہ ہے اور وہ دین وشریعت کا۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

ایک چونکا دینے والی آیت

ذیل میں ہم حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندوی مدظلہ کی وہ تقریر پیش کرنے کی سعادت حاصل کر رہے ہیں جو مولانا نے ۲۷ نومبر ۸۸ء کو سفر حجاز کے موقع پر جدہ میں ان ہندوستانیوں پاکستانیوں کے سامنے فرمائی تھی جو وہاں برسر روزگار ہیں اور عرصہ سے وہاں رہ رہے ہیں۔

الحمد للہ رب العالمین والصلوٰۃ والسلام علی سید الانبیاء والمرسلین وعلیٰ آلہ واصحابہ اجمعین. امابعد. فاعوذ باللہ من الشیطان الرجیم O یَـآَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا ادْخُلُوْا فِی السِّلْمِ کَآفَّۃً، وَلَاتَتَّبِعُوْا خُطُوٰتِ الشَّیْطَانِ اِنَّہٗ لَکُمْ عَدُوٌّ مُّبِیْنٌ، فَاِنْ زَلَلْتُمْ مِّنْ بَعْدِ مَا جَآءَتْکُمُ الْبَیِّنٰتُ فَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰہَ عَزِیْزٌ حَکِیْمٌ“

میرے بھائیو! اور میرے دوستو! میں نے آپ کے سامنے قرآن کریم کی ایک آیت پڑھی ہے اس کا ترجمہ یہ ہے۔

اے ایمان والو! داخل ہو جاؤ اسلام میں پورے کے پورے اور شیطان کے نقشہائے قدم کی پیروی نہ کرو۔ وہ تمہارا کھلا دشمن ہے۔ اگر تم سے لغزش ہوئی صاف صاف باتیں آ جانے کے بعد تو یاد رکھو کہ خدائے تعالیٰ غالب اور حکیم ہے۔

حضرات: یہ آیت بڑی چونکا دینے والی ہے، اللہ سے جنگ کا کیا مطلب ہے۔ کیا اس کا کوئی امکان ہے۔ کیا اس کا کوئی تصور کر سکتا ہے، بھلا اللہ سے بندہ جنگ کر سکتا ہے۔ لیکن قرآن میں لفظ یہی استعمال کیا گیا ہے۔ جس سے ہمارے کان کھڑے ہو جانے چاہئیں بلکہ

جسم لرز جانے چاہئیں۔ کہ اللہ تعالیٰ جو مالک الملک، خالق کائنات، قادر مطلق اور محسن و منعم ہے وہ اپنے بندوں سے کہے کہ اے ایمان والو صلح میں داخل ہوجاؤ، پورے کے پورے، ہم سے جنگ، محاذ آرائی اور مقابلہ کی کوئی گنجائش نہیں ہونی چاہئے!

بظاہر ذہن میں یہ بات آتی ہے کہ "فی السلم" کے بجائے "فی الا سلام" کہا جاتا یعنی اسلام میں داخل ہوجاؤ۔ مگر نہیں یہاں سلم میں داخل ہونے کو کہا گیا یعنی خدا کے ساتھ تمہارا معاملہ فرمانبردارانہ مصالحانہ مطیعانہ اور مکمل ہونا چاہئے۔ عقائد میں بھی، فرائض وعبادات میں بھی، طرز معاشرت اور طریقہ زندگی میں بھی، تمہیں اللہ کی تعلیمات اور سید المرسلین خاتم النبیین ﷺ کے لائے ہوئے اور بتائے ہوئے احکام کا پابند ہونا چاہئے اور تعلقات میں بھی اس کا لحاظ رکھنا چاہئے۔ کہ اللہ کے دشمن سے وفاداری اور اطاعت وفرمانبرداری کا تعلق نہ ہو۔" "اسلام" کا لفظ "سلم" ہی سے نکلا ہے، عربی زبان ولغت کے لحاظ سے "اسلام" کے معنی ہیں اپنے کو حوالہ کردیا، سلنڈر کردیا۔ اپنی ہر چیز سے دستبردار ہوگیا۔ اپنی ملکیت سے، خواہش، مصالح ومفادات سے فوائد ضرر میں فرق کے لحاظ سے اور احساس سے دستبر ہوگیا، اپنے کو خدا کے احکام کے قدموں میں ڈال دیا اور اپنے کو بالکل سپرد کردیا۔ اور سلم کے معنی صلح کے ہیں۔ قرآن میں دوسری جگہ آیا" وان جنحوا للسلم فاجنح لها" اگر یہ لوگ صلح کے طرف مائل ہوں تو آپ بھی صلح کی طرف مائل ہوجائیے۔ " اسالم من سالم واحارب من حارب " مصالحانہ رویہ اختیار کرتا ہوں، اس کے لئے جو مجھ سے مصالحانہ رویہ اپنائے اور مقابلانہ ومحاربانہ رویہ اختیار کرتا ہوں، اس کے لئے جو جنگ کرے اور اسی طرح اللہ تعالیٰ نے دیگر مقامات پر اپنے لئے ایسے پرجلال اور باعظمت الفاظ استعمال کئے ہیں جو لرزا دینے والے اور تھرا دینے والے ہیں مثلاً سود کے بارے میں آیا۔

"يَآ اَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَذَرُوْا مَابَقِيَ مِنَ الرِّبٰوٓا اِنْ كُنْتُمْ
مُّؤْمِنِيْنَ فَاِنْ لَّمْ تَفْعَلُوْا فَاْذَنُوْا بِحَرْبٍ مِّنَ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ"

(ترجمہ) اگر تم نے سود نہیں چھوڑا تو تیار ہوجاؤ اللہ سے لڑنے کے لئے، جنگ کرنے کے لئے۔ اور اسی طرح حدیث میں آیا ہے۔ من آذی لی ولیا فقد آذنته بالحرب۔ میرے کسی دوست اور مقبول بندے کو جو ستائے گا ایذا پہنچائے گا تو

میں نے اس کے لئے اعلان جنگ کردیا؟

تو بظاہر یہ دور اور بہت دور کی بات معلوم ہوتی ہے کہ وہ کون ساشامت زدہ اور بدنصیب ہوگا جو خدا سے جنگ کی ٹھانے گا جو خدا سے برسر مقابلہ ہوگا۔ لیکن انسانوں کی نفسیات، انسانوں کی زندگی کے تجربات، اللہ ورسول کی تعلیمات کے مقابلہ میں طرزِ عمل اوران کے کردار کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ ایسا ہوسکتا ہے۔

اس کا امکان ہے کہ ایک آدمی اسلام کا دعوی بھی کرے، اللہ کا بندہ ہونے کا دعویٰ اور اعتراف کرے۔ اور پھر بعض چیزوں میں اللہ تعالیٰ سے (معاذ اللہ سو بار معاذ اللہ) برسر جنگ ہو یعنی کچھ مانے اور کچھ نہ مانے اللہ کے یہاں رزرویشن اور تحفظ کے ساتھ اور اپنی مرضی کو دخل دیتے ہوئے کوئی بندگی کا تعلق قائم کرے کہ اچھا صاحب، ہم عقائد کو تو مانتے ہیں، بے شک توحید برحق، معاد اور آخرت کا عقیدہ برحق، حساب وکتاب برحق، لیکن معاشرہ میں، تہذیب میں، اپنی گھریلو زندگی میں، اپنے عزیزوں کے ساتھ تعلقات میں، لین دین میں، کاروبار میں، تجارتی معاملات میں ہم آزاد ہیں۔ تو اللہ تعالیٰ اس کو قبول کرنے کے لئے تیار نہیں ہے، یہ آیت اسی لئے نازل ہوئی ہے۔ اور یہ آیت گویا تازیانہ عبرت ہے۔ ایک بہت بڑے خطرے کا اعلان ہے کہ خدا فرماتا ہے، اے وہ لوگو جن کو ایمان لانے کا دعویٰ ہے۔ ادخلوا فی السلم کافة اللہ کے ساتھ پورے طور پر صلح میں داخل ہوجاؤ، یہاں یہ نہیں چلے گا کہ اتنا ہم مانتے ہیں اتنا ہم نہیں مانتے ہیں۔ میٹھا میٹھا تو ہپ ہپ کڑوا کڑوا تھو، یہ نہیں آپ یہی دیکھ لیجئے کہ مسجد میں داخل ہوتا ہے آدمی تو اپنے پورے جسم کے ساتھ داخل ہوجاتا ہے کوئی کہنے لگے کہ صاحب! ہم تو پورے جسم کے ساتھ نہیں آتے، پاؤں رکھتے ہیں مسجد میں، اور بدن رکھتے ہیں باہر، ہم اپنا سر جھکا دیتے ہیں مگر ہمارا بقیہ جسم باہر رہے گا، یا کوئی نماز کے بارے میں کہے کہ قیام تو سر آنکھوں پر، سو بار قیام کرا لیجئے، لیکن جھکنا مشکل ہے رکوع اور سجود سے ہمیں معاف رکھئے۔ اس میں ہمیں انسانیت کی توہین معلوم ہوتی ہے۔ ہمیں اپنی شکست کا احساس ہوتا ہے۔ ہمیں اپنی خودی سے دستبردار ہونا پڑتا ہے۔ تو دوستو! ایسی عبادت نماز کہلانے کی مستحق نہیں، بلکہ یہ کفر کا ایک کلمہ اور کفر کا ایک رویہ ہوگا۔

آپ مجھے معاف کریں، معلوم نہیں کہ آپ کیا توقع رکھتے ہوں گے کہ میں آپ کو

خوشخبریاں دوں، بزرگوں کے واقعات سناؤں اور ایسی چیزیں سناؤں کہ آپ یہاں سے اور زیادہ مطمئن ہو کر جائیں۔ ہم مسلمانوں کی کمزوری یہ ہے کہ ہم اطمینان چاہتے ہیں۔ اپنی زندگی کی تصدیق چاہتے ہیں کہ ہماری زندگی پر کوئی مہر تصدیق ثبت کر دے کہ ہم اس مقدس سرزمین پر ہیں، ہم سے زیادہ کون خوش قسمت ہوگا، ہم یہ سننا چاہتے ہیں کہ مبارک ہو آپ کو اللہ تعالیٰ آپ کو ہمیشہ یہاں رہنا نصیب فرمائے۔ آپ بڑے خوش نصیب ہیں لاکھوں اولیا اللہ اس کی تمنا کرتے تھے کہ اللہ ہمیں ارض مقدس تک پہنچا دے ایک اپنے زمانے کے امام الاولیا مجاہد اعظم اور مجدد وقت جس کے ہاتھ پر ۴۰ ہزار لوگ مسلمان ہوئے۔ اور جس کے ہاتھ پر براہ راست بیعت و توبہ کرنے والوں کی تعداد تیس لاکھ سے کم نہیں اور بالواسطہ سلسلہ بیعت میں داخل ہونے والوں کی تعداد تو کروڑوں بیان کی جاتی ہے۔ اس زمانے کے بڑے مبصر، بڑی مصنف، اور صاحب نظر عالم نے یہ لکھا ہے کہ دوسرے ملکوں میں ایسا (۱) صاحب کمال اور صاحب تاثیر سنا نہیں گیا وہ شخص جس کی وجہ سے ہزاروں کو ولایت ملی ہو تو تعجب نہیں۔ ان کا حال یہ تھا کہ جب وہ آرہے تھے حج کے لئے پہلی بار (اس زمانے میں حج کرنا بڑا مشکل تھا۔ بادبانی جہاز ہوتے تھے) تو ایک جگہ پر کسی نے کہا کہ وہ رہا جزیرۃ العرب، وہ کھجور کا درخت نظر آرہا ہے۔ (خدا جانے وہ جزیرۃ العرب کا کون سا حصہ تھا اور جس کی وجہ سے جزیرۃ العرب محبوب و مکرم ہے اس جگہ سے وہ کتنی دور تھی) تو وہ تاب نہ لا سکے وضو سے تھے، سجدے میں گر گئے دو رکعت نماز پڑھی اور فرمایا اللہ کا شکر ہے کہ اس نے مرنے سے پہلے ہمیں یہ سرزمین دکھا دی۔ اسی طرح بہت سے عابدین و زاہدین یہ تمنا لے کر دنیا سے رخصت ہو گئے کہ ہمیں اس جگہ پہنچنا نصیب ہو تو ہم اپنی پلکوں سے وہ زمین جھاڑیں گے، اپنے آنسوؤں سے وہ خاک دھوئیں گے تو آپ کہیں گے کہ ہم اس سرزمین میں ہیں۔ اس لئے ہمیں خوشخبری سنائیے، ہمیں مبارک باد دیجئے اور دعائیں دیجئے کہ ہم یہاں رہیں پھر کیا بات ہے؟ یہ بے وقت کی شہنائی کیسی؟ ایسی سخت آیت ہمارے سامنے پڑھی گئی جس میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے، اے ایمان والو! ہمارا معاملہ کسی دنیاوی حاکم و بادشاہ کا نہیں ہے کہ تھوڑا دے دیا تھوڑا سا ٹیکس ادا کر دیا اس کی

---

(۱) اشارہ ہے حضرت سید احمد شہید کی طرف المتوفی ۱۲۴۶ھ بمطابق ۱۸۳۱ء۔

تھوڑی سی بادشاہت مان لی۔ اس کی بڑائی تسلیم کر لی تو خوش! اور آپ کے سب کے گناہ معاف، ہماری ذات تو غنی ہے۔ ہم قوی ہیں۔ ہم عزیز ہیں، ہم غالب ہیں، ہم اس دنیا کے پیدا کرنے والے ہیں۔ ہم قسمتوں کے مالک ہیں ہم تقدیر کے بنانے بگاڑنے والے ہیں۔ ہم قسمتوں کے مالک ہیں ہم تقدیر کے بنانے بگاڑنے والے ہیں۔ ہم بیماری اور صحت دینے والے ہیں۔ ''قُلِ اللّٰهُمَّ مَالِكَ الْمُلْكِ تُؤْتِي الْمُلْكَ مَنْ تَشَاءُ وَتَنْزِعُ الْمُلْكَ مِمَّنْ تَشَاءُ'' اے اللہ اے سلطنت کے مالک تیرے اختیار میں ہے تو جسے چاہے سلطنت سے نوازے اور جس سے چاہے آن کی آن میں پلک جھپکانے میں سلطنت چھین لے۔ اور تاریخ بتاتی ہے کہ ہزاروں برس کی شہنشاہیت جن کا ڈنکا بج رہا تھا۔ جن کا طوطی بول رہا تھا۔ جن کے والیان سلطنت کی ایک نگاہ پڑ جانا سمجھا جاتا تھا۔ گویا ''ھما'' اس کے سر پر بیٹھ گئی اور وہ جس کے سر پر سے ہو کر اڑ گئی۔ اس کی تقدیر بدل جاتی تھی۔ مٹی پر ہاتھ رکھ دیں تو سونا ہو جائے پلک جھپکانے میں اللہ نے ان کی سلطنتوں کا آفتاب غروب کر دیا اور ایسا غروب کیا کہ اس کے بعد کبھی طلوع نہیں ہوا۔ رومۃ الکبریٰ کی تاریخ بتاتی ہے گبن (Gibbon) کی کتاب ڈکلائن اینڈ فال آف دی رومن امپائر (Decline and fall of the Roman Empire) آپ پڑھ لیجئے کہ وہ کیا سلطنت تھی، کیا شہنشاہیت تھی۔ کس طرح اس کو زوال ہوا، ساسانی کی سلطنت کی تاریخ پڑھ لیجئے کہ کیسا اس کا ڈنکا بجتا تھا۔ اس کا درفش کاویانی اور اس کی آتش مقدس، ہندوستان کی سرحدوں تک اس کی سلطنت پہنچی ہوئی تھی اس کے بارے میں ارشاد ہوتا ہے "**جعلنا هم احاديث و مزقنا هم كل ممزق**" ہم نے اس کو افسانہ پارینہ بنا دیا اور ان کے ٹکڑے ٹکڑے کر دیئے وہ اللہ کہتا ہے کہ صرف اتنا کافی نہیں کہ آپ نماز پڑھ لیجئے، آپ ایک سجدہ کر لیجئے۔ ایک مرتبہ اللہ کا نام لے لیجئے اور اب آپ سے کچھ نہیں پوچھا جائے گا، نہیں ہماری غلامی میں پورے طور پر داخل ہونا پڑے گا، رزرویشن یہاں نہیں ہے، یہ نہیں کہ اتنا ہمارا، اتنا آپ کا یہاں تو سب ہمارا، تمہاری دولت، ہماری عزت، صحت ہماری، تمہارا بدن ہمارا، تمہارا سر ہمارا تمہارا دین و ایمان ہمارا تمہاری وفاداریاں ہماری۔ گویا ساری کی ساری ہمارا حق ہیں۔ کسی کا حق نہیں ہے۔ ہم جس کی اجازت دے دیں اتنی تم کسی کی اطاعت کرو، ورنہ اصل

اطاعت ہماری ہے۔

یہ بڑی چونکا دینے والی آیت ہے جو ہم نے آپ کے سامنے پڑھی۔ معلوم نہیں کہ پھر کبھی ملنا ہو کہ نہ ہو۔ اللہ تعالیٰ عین وقت پر یا کچھ پہلے ذہن میں ڈالتا ہے وہی میں کچھ کہہ سکتا ہوں، یہ آیت میرے ذہن میں آئی ہے کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

یَآ اَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا ادْخُلُوْا فِی السِّلْمِ کَآفَّةً“

داخل ہو جاؤ صلح میں پورے کے پورے۔ ”کافۃ“ کا تعلق دونوں سے ہے، یعنی سارے احکام کو مانو، اور تم سب مانو۔ ایک نے مانا اور دوسرے نے نہیں۔ اور ایک کو مانا دوسرے کو نہ مانا، یہ نہیں ہو سکتا۔ بلکہ یہ سب ہمارا ہے۔ ہمیں دے دو، سب ہمارے حوالہ کر دو، عقائد وہ ہوں جو اللہ اور اس کے رسول نے بتائے ہیں۔ اس میں ذرہ برابر فرق نہ ہو۔ کائنات میں کسی اور کا حکم چلے ایسا نہیں۔ ”الا لہ الخلق و الامر“ یاد رکھو اس کا کام ہے پیدا کرنا، اور اسی کا کام ہے حکم دینا، وہی پیدا کرتا ہے وہی صحت دیتا ہے، وہی رزق دیتا ہے وہی طاقت دیتا ہے وہی دولت دیتا ہے، وہی عزت دیتا ہے، وہی بیمار کرتا ہے وہی شفا دیتا ہے۔ وہی اولاد کا دینے والا ہے۔ وہی قسمت کا بنانے بگاڑنے والا ہے، اللہ کے متعلق یہ عقیدہ پورا کا پورا ہو کہ اس کی سلطنت میں اس کے اختیارات میں کوئی بڑی ہستی بھی شریک نہیں ہے نہ انبیاء شریک ہیں نہ اولیاء۔ اللہ تعالیٰ کو سمجھ کہ وہ قادر مطلق ہے اس کے یہاں کسی کی سفارش نہیں چلتی، اسی طرح اللہ کے رسول ﷺ کو مطاع مطلق مانو، قرآن مجید میں ہے کہ جو لوگ اللہ کے رسول ﷺ کی کچھ بات مانتے ہیں کچھ نہیں مانتے وہ رسول ﷺ کے مطیع نہیں ہیں۔

مَا کَانَ لِمُؤْمِنٍ وَّلَا مُؤْمِنَةٍ اِذَا قَضَی اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗٓ اَمْرًا اَنْ یَّکُوْنَ لَهُمُ الْخِیَرَةُ.

کہ کسی مسلمان کو یہ اجازت نہیں کہ جب اللہ اور اس کے رسول ﷺ کا کوئی حکم شرعی معلوم ہو جائے تو اس کا کوئی اختیار باقی رہ جائے اور یہ کہے کہ ہمیں ذرا سوچنے اور غور کرنے کا موقع دیجئے۔ فوراً ہم جواب نہیں دے سکتے کہ ہم ضرور مانیں گے نہیں جب معلوم ہو جائے کہ یہ اللہ کے رسول ﷺ کا منشا اور فرمان ناطق ہے۔ یہ ان کا قول ہے صحیح طریقہ سے ہم تک پہنچا ہے تو انسان کا اختیار اور آزادی ختم، اب تو وہی کرنا ہوگا جو اللہ کے رسول ﷺ کہتے ہیں۔

آپ مجھے معاف کریں، میں تو ایک اڑتی چڑیا ہوں آیا اور اس شجرۂ طور پر بیٹھ گیا اور اڑ گیا کل ہی یہاں سے خدا کو منظور ہوا تو اڑ جاؤں گا۔ آپ مجھے یہ نہ سمجھئے کہ میں جاسوسی کرتا ہوں یا میں یہاں آ کر عیب ڈھونڈھتا ہوں، میں یہاں کے مسلمانوں کے حالات سے واقف ہوں اور زندگی کا جو دھارا بہہ رہا ہے میں اس سے کچھ دور نہیں ہوں، اس لئے میں دیکھتا ہوں کہ عقائد درست ہیں، نمازوں کی پابندی ہے فرائض کی پابندی ہے، لیکن معاشرہ بالکل بگڑا ہوا ہے گھر کی زندگی بالکل اسلام سے بدلی ہوئی ہے۔ وہاں تعیشات کی باتیں ہیں۔ وہاں اسراف ہے۔ حقوق کی پامالی ہے، وہاں بے محل خرچ کرنا ہے۔ اس میں تفریحات کا سامان ہے۔ وہاں ویڈیو ہے جو دن رات کا مشغلہ ہے مسجد میں ہم مسلمان، وہاں کوئی کچھ نہیں کہہ سکتا لیکن دوستو!

مسلمان صرف مسجد میں نہیں ہوتا مسلمان تو روئے زمین کے کسی چپے پر ہو، بر و بحر میں ہو اور اگر کبھی خدا چاند پر پہنچا دے (اور اس نے پہنچایا ہے انسانوں کو اپنے دیئے ہوئے علم و طاقت کے ذریعے) وہاں بھی وہ عبد ہے خدا کا بندہ ہے۔ یہاں تک کہ تمام علمائے امت کا اتفاق ہے کہ اس پر تکلیف ساقط نہیں ہوتی۔ پیغمبروں سے بھی تکلیف ساقط نہیں ہوتی اور تکلیف کا مطلب کیا ہے شرعی پابندیاں۔ اور قرآن کی آیت **واعبد ربک حتی یاتیک الیقین** کی تفسیر تمام مفسرین نے یہی لکھی ہے۔ کہ اپنے رب کی بندگی کرتے رہو۔ جب تک کہ وفات کا وقت نہ آ جائے، چنانچہ حضور ﷺ وفات کے وقت تک نمازوں کی ویسی ہی پابندی کرتے رہے پوچھتے رہے کہ کیا لوگوں نے نماز پڑھ لی، کہا گیا نہیں، یا رسول اللہ! آپ کا انتظار ہے۔ فرمایا پانی لاؤ، غسل فرمایا، مگر چلنے کی طاقت نہیں تھی دو دو مرتبہ، تین تین مرتبہ غسل آپ ﷺ نے فرمایا۔ تیاری نہیں ہو سکی تو فرمایا: **مروا ابابکر فلیصل باالناس** ابوبکرؓ سے کہو کہ نماز پڑھائیں۔ پھر آپ ﷺ نے بھی نماز پڑھی، اس وقت آپ کا مسواک کرنا ثابت ہے، آپ کا وصیت کرنا ثابت، آپ کا امت کو ہدایت دینا ثابت ہے، یہاں تک کہ **اللھم رفیق الا علی**. **اللھم رفیق الا علی** کہتے ہوئی دنیا سے تشریف لے گئے۔

اور آج ہم مسلمانوں کی حالت یہ ہے کہ اگر عقائد درست ہیں تو عبادات میں خلل ہے اور اگر عقائد و عبادات دونوں درست ہیں تو اخلاق و معاملات میں بڑی بڑی خندقیں ہیں۔ یعنی رخنے نہیں، شگاف نہیں خندقیں ہیں۔ کھائیاں ہیں پوری پوری خلیج۔ میں نے شارقہ میں

تقریر کرتے ہوئے کہا کہ آپ لوگ جتنا خلیج سے واقف ہیں شاید دنیا کے کم لوگ واقف ہوں گے۔ آپ خلیج کے رہنے والے ہیں۔ مگر آپ ایک ہی خلیج کو جانتے ہیں اور یہ وہ خلیج ہے جو "جزیرۃ العرب" کو ایران سے الگ کرتی ہے۔ بیچ میں پانی ہے۔ میں آپ کو اس سے بھیانک خلیج کی خبر دیتا ہوں۔ وہ خلیج جو اسلام اور مسلمانوں کے درمیان پڑی ہوئی ہے۔ اسلام اور مسلمانوں کے درمیان کئی کئی خلیجیں ہیں۔ عقائد اور عبادات میں خلیج، کتنے لوگ ہیں جو مسلمان ہیں، کلمہ پڑھتے ہیں، لیکن نماز سے ان کو کوئی غرض نہیں، اور بہت سے ہیں جن کے عقائد وعبادات دونوں درست ہیں۔ لیکن اخلاق ومعاملات کو وہ فہرست سے بالکل خارج سمجھتے ہیں۔

جھوٹ بولتے ہیں۔ بے ایمانی کرتے ہیں۔ ناپ تول میں کمی کرتے ہیں۔ ملاوٹ کرتے ہیں۔ جھوٹی قسمیں کھا کر اپنی تجارت کو چمکاتے ہیں۔ کسی کے حق کو ہضم کر لیتے ہیں۔ مگر ان کو کوئی باک نہیں ہوتا کیونکہ وہ ان سب باتوں کو دین سے خارج سمجھتے ہیں، اور کتنے لوگ ہیں جو اپنے ماں باپ کے حق کو گھر والوں کے حقوق کو پامال کر رہے ہیں۔ پڑوسیوں سے ان کو کوئی مطلب نہیں کتنے ہیں جن کی زبان میں نہ سچائی ہے نہ راستی وصداقت ہے نہ حلاوت وشیرینی ہے۔

ان کے آس پاس کے لوگ شاکی ہیں، اور شاکی نہیں تو کم از کم شکر گزار نہیں ہیں۔ پھر اس کے بعد کتنے ہیں جن کے نزدیک تعلقات میں سیاسیات میں خدا کے دوست اور دشمن میں کوئی فرق نہیں ہے۔ ان کے نزدیک صالح اور فاسد میں کوئی فرق نہیں۔ ان کے نزدیک دیندار اور بے دین میں کوئی فرق نہیں، حالانکہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ "وَلَا تَرْكَنُوْٓا اِلَى الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا فَتَمَسَّكُمُ النَّارُ" یہاں "رکون" کا لفظ آیا ہے، ان کا ساتھ دینا اور حمایت کرنا تو بڑی دور کی بات ہے۔ ان کی طرف تمہارا جھکاؤ اور میلان بھی نہ ہو جنہوں نے ظلم کا شیوہ اختیار کر رکھا ہے، جنہوں نے حد سے تجاوز کیا ہے، جن کے اندر بے اعتدالی پائی جاتی ہے۔ جن کی اندر حقوق کی پامالی پائی جاتی ہے۔ جن کے دلوں میں خدا کا خوف نہیں ہے۔ جو دنیا ہی کو سب کچھ سمجھتے ہیں جو دولت کے پرستار ہیں۔ جو اقتدار کے پرستار ہیں۔ جو اپنی بات چلانا جانتے ہیں، یہ سب باتیں ظلموا کے تحت آجاتی ہیں۔ یہ بات وآیت ہم میں سے بہت سے مسلمانوں کے لئے شاید نئی

ہوگی کہ اچھا کہ یہ بات بھی ہے، بہت سخت لفظ ہے ''لا تـر کـنـوا '' یہ نہیں کہا گیا کہ ان کے ہاتھ پر بیعت نہ کرو، یہ نہیں کہا کہ ان کے غلام نہ بن جاؤ بلکہ ادنیٰ جھکاؤ بھی نہیں ہونا **چاہئے**۔ ان کی طرف جنہوں نے ظلم کو اپنا شیوہ بنا رکھا ہے۔

کتنے مسلمان ہیں جو اس کو بھی دین کا کوئی شعبہ سمجھتے ہیں وہ تو کہتے ہیں کہ صاحب! یہ باتیں تو زندگی کی ہیں۔ یہ باتیں تو دین سے باہر ہیں آپ دین کی باتیں کیجئے۔ آپ یہ بتائیے کہ فلاں چیز پڑھنے میں کتنا ثواب ہے۔ فلاں وظیفہ میں کتنا ثواب ہے۔ ذکر و تسبیح کا کوئی طریقہ بتائیے۔ کوئی نفل نماز بتائیے، باقی باتوں میں ہم بالکل آزاد ہیں۔ جو ہماری سمجھ میں آئے گا وہ ہم کریں گے۔ اس سے بحث نہیں کہ اس کا ساتھ دینے سے دین کا نقصان ہوگا یا دین کا فائدہ ہوگا۔ اس کا ساتھ دینے سے دین میں سہولت پیدا ہوگی یا دشواری پیدا ہوگی، ان ساری چیزوں کو ہم نے دین کے دائرے سے الگ سمجھ رکھا ہے۔

• احکام اسلام پر ہی چلنا چاہئے

میرے بھائیو! ہم تمام چیزوں میں اللہ کے بندے ہیں، ہمیں احکام اسلام پر چلنا چاہئے اور اس کے ساتھ ساتھ ہمیں دیگر مسلمانوں کی بھی فکر رکھنی چاہئے۔ اسلام کے غلبے کے لئے ہم دعا کریں، فکر کریں، کوشش کریں، یہ نہیں کہ ہم تو بڑے عابد و زاہد، اپنی ذات سے ہم بڑے دیندار، شریعت کے پابند، لیکن اسلام کس طرف جارہا ہے۔ مسلمان کس طرف جارہے ہیں۔ اس وقت اسلام پر کیا گذر رہا ہے؟ اور کیا مسائل مسلمانوں کو درپیش ہیں؟ کن کن ملکوں میں اسلام پر ادبار آیا ہوا ہے؟ کن کن ملکوں میں اسلام آزمائش کے دور سے گزر رہا ہے۔ اس سے ہمیں کوئی بحث نہیں۔ حالانکہ **من لم يهم باأمر المسلين فليس منهم**. جن کو مسلمانوں کے معاملات کی فکر نہ: وہ مسلمان نہیں اور **مثل المسلمين في توادهم وتراحمهم وتعاطفهم كمثل الجسد الواحد اذا اشتكى منه عضو تداعى له سائر الجسد بالسهر والحمى**. سارے مسلمان جسد واحد کی طرح ہیں۔ اگر کسی عضو کو تکلیف ہو تو سارے جسم پر بخار چڑھ آئے سارے جسم کو اس کی تکلیف محسوس ہو!

یہاں اللہ کا فضل ہے، رزق میں فراخی ہے، اللہ مبارک کرے ہمیں اس پر کوئی رشک

نہیں۔

لیکن آپ کو اپنے ملک کی بھی فکر کرنی چاہئے، اپنے ملک کے اداروں کی بھی فکر کرنی چاہئے۔ ملت اسلامیہ جس کے لئے تڑپ رہی ہے۔ اس کی بھی آپ کو فکر کرنی چاہئے۔ خواجہ معین الدین چشتی نے جس ملک کی فضا کو گرم کیا اس کراہ کی گرمی آج بھی محسوس کی جاسکتی ہے اس برصغیر میں، اس پاکستان وہندوستان میں، جس کے آپ فرزند ہیں۔ اس میں آج بھی اگر اللہ کا کوئی بندہ جائے جس کو خدا نے فہم وادراک عطا فرمایا، ہو، وہ محسوس کرے کہ خواجہ معین الدین چشتی خواجہ قطب الدین بختیار کا کی، خواجہ باقی باللہ اور وہ داعیان اسلام جن کی آہوں کی گرمی اب بھی اس کی فضا میں ہے اور زمین میں دیکھا جائے تو ان کی آنکھوں سے نکلی ہوئی تری زمین کی اوپر نہیں تو زمین کے اندر تو نظر آئے گی۔ ان کی وجہ سے اسلام کا درخت آج بھی موجود ہے اگرچہ اس کے سامنے نئے نئے مرحلے پیش آرہے ہیں۔ لیکن اللہ کا شکر ہے کہ اب بھی وہ درخت باقی ہے۔ اس سرزمین کی بھی آپ کو فکر کرنی چاہئے کہ آئندہ نسل مسلمانوں کی اسلام پر قائم رہے گی یا نہیں۔ آپ نے اگر اپنی اولاد کے لئے کوئی منصوبہ بنا رکھا ہے آپ نے ان کے لئے کوئی فضا سازگار کر رکھی ہے۔ مبارک ہم اس میں کچھ نہیں بولتے۔ کوئی دخل نہیں دیتے مگر آپ جہاں سے آئے ہیں جہاں سے آپ کے اعزہ ہیں، جہاں آپ کے خاندان کے افراد ہیں۔ جہاں آپ کی پیدائش ہوئی ہے۔ اس سرزمین کو بھی نہیں بھولنا چاہئے۔

آئندہ نسلوں کی فکر کریں

میں کسی مدرسہ کے چندہ کے لئے نہیں آیا۔ کوئی خدا کا بندہ کچھ کہے گا بھی تو میں اس وقت بالکل توجہ نہیں کروں گا۔ اللہ کا شکر ہے کہ اللہ رازق حقیقی ہے۔ جو آپ کو رزق پہنچاتا ہے یہاں۔ وہی وہاں بھی رزق پہنچاتا ہے۔ اور اس پر وہ قادر ہے کہ آپ سے زیادہ رزق دے اور اس نے یہ کر کے دکھایا ہے اور سو بار کر کے دکھایا ہے تو میں اس لئے نہیں کہہ رہا ہوں کہ آپ کو کسی ادارے یا کسی تنظیم کی طرف متوجہ کروں۔ لیکن آپ کو وہاں کی ملت اسلامی کی ہم وطنوں کے آئندہ نسلوں کے ایمان کی فکر ہونی چاہئے۔ کہ وہاں کیا کیا خطرے پیدا ہو رہے ہیں کس کس

طرح ان کا ایمان خطرے میں پڑ رہا ہے وہاں کیا کیا پروگرام چل رہے ہیں، رامائن کا سیریل کئی مہینہ تک چلتا رہا۔ خود عینی مشاہدہ کرنے والوں نے مجھ سے پٹنہ میں بتاتے ہوئے کہا کہ ہم نے دیکھا کہ رحل پہ قرآن شریف رکھے ہوئے ہیں، ان میں کچھ کھلے ہوئے ہیں کچھ بند ہیں۔ معلوم ہوتا ہے کہ ابھی لڑکے پڑھ رہے تھے۔ ارے بھئی لڑکے کہاں گئے؟ آج جمعہ تو نہیں ہے۔ آج تو اتوار کا دن ہے۔ آخر لڑکے ہیں کہاں؟ تو کسی نے کہا کہ رامائن دیکھنے گئے ہیں۔ یہ اس بہار کے شہر پٹنہ کا واقعہ ہے جس نے ملا محب اللہ بہاری جیسے رأس العلماء استاذ العلماء اور امام العلماء پیدا کئے۔ کتنے اولیاء اللہ پیدا کئے؟

تو آپ کو تھوڑی بہت ملک کی فکر ہونی چاہئے۔ اور وہ فکر، میں معاشی و مالی فکر نہیں کہتا۔ آپ کو دینی فکر ہونی چاہئے آپ کے دل میں درد ہونا چاہئے کہ آئندہ نسل اسلام پر قائم رہے گی یا نہیں جس سر زمین نے ایسے ایسے مجددین پیدا کئے۔ جن کا فیض ہندوسان ہی نہیں ہندوستان کے باہر تک پہنچا۔ میں تاریخ کے حوالے سے کہہ سکتا ہوں کہ حضرت مجدد الف ثانی کا فیض ترکی تک پہنچا۔ آج بھی ترکی میں ان کے سلسلے کے لوگ موجود ہیں۔ مولانا خالد رومیؒ دہلی کا سفر کر کے گئے۔ انہوں نے اپنا واقعہ لکھا ہے کہ مکہ میں ہندوستان سے آئے ہوئے قافلہ سے میں نے حضرت شاہ غلام علی صاحب کا حال پوچھا دہلی کے لوگ تھے۔ انہوں نے لاعلمی ظاہر کی۔ مجھے تعجب ہوا۔ اتنا بڑا شیخ وقت، مربی روحانی، اس سے یہ لوگ ناواقف ہیں اس کے بعد وہ سفر کر کے دہلی آئے اور پھر حضرت شاہ غلام علی صاحب کی مدح میں انہوں نے عربی و فارسی میں قصیدے کہے۔ مولانا رومی علامہ شامی کے استاد تھے۔ اس لئے ان کا نام سن کر حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب محدث دہلویؒ جو اس زمانے کے مسند الہند، استاد العلماء اور امام وقت تھے۔ ان سے ملنے گئے تو حضرت شاہ ابو سعید صاحب (جو شاہ دہلوی کے شاگرد تھے) نے کہا کہ ہمارے شہر کے سب سے بڑے عالم آپ سے ملنے آئے ہیں۔ انہوں نے فرمایا کہ ان سے ہمارا اسلام کہنا، میں جس مقصد سے آیا ہوں اس کو پہلے حاصل کرلوں، تزکیہ نفس میرا ہوجائے تو میں خود ہی حضرت کی خدمت میں حاضر ہوں گا۔ خیر۔ اس کے بعد جب تکمیل روحانی کرا کر وہ واپس گئے ہیں۔ اپنے ملک کی طرف تو حالت یہ ہوئی کہ عراق میں مور و ملخ کی طرح اور شمع پر پروانوں کی طرح سینکڑوں کی تعداد میں علماء و عوام گرے۔ کہ ہمیں اللہ کا نام

سکھائیے۔ ہمیں نماز پڑھنا بتائیے ہمارے اندر روحانیت پیدا ہو اور احسان کی کیفیت پیدا ہو۔ تو مولانا رومی جو ترکی و شام کے سب سے بڑے عالم تھے۔ وہ نماز پڑھنا سیکھنے کے لئے دہلی گئے، یہ وہ ملک ہے، اس ملک کو فراموش نہیں کرنا چاہئے۔

تو میرے بھائیو! ایک تو یہ کہ دین کے کامل ہونے کا پہلو آپ اپنے ذہن میں رکھیں۔ اس میں عقائد بھی ہیں ایک ایسا عقیدہ ہے جو شرط ہے اسلام کے لئے اس سے انحراف ارتداد کے مترادف ہے۔ عبادات و فرائض کی پابندی کیجئے۔ ایسا نہ ہو کہ آپ یہاں رہیں اس کے باوجود نماز کی پابندی نہ ہو اس سے بڑھ کر بدنصیبی کیا سکتی ہے، پھر اس کے ساتھ؟ آپ کی تہذیب و معاشرت بھی اسلامی ہو یہ نہیں کہ آپ رہیں سرزمین مقدس میں اور آپ کے گھروں میں ہر وقت ٹی وی (TV) چل رہا ہو نمازوں کے اوقات میں لڑکے وہ دیکھ رہے ہوں۔

لہوالحدیث کا مطلب

وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّشْتَرِيْ لَهْوَ الْحَدِيْثِ لِيُضِلَّ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ

ایسا معلوم ہوتا ہے کہ جیسے صرف نام لینا رہ گیا ہو، وڈیو اور ٹی وی کا۔ قرآن تو عربی زبان میں ہے۔ اس میں انگریزی کا لفظ کیسے آتا۔ عقل کی بات نہیں آتی۔ لیکن قرآن کریم کا اعجاز معلوم ہوتا ہے کہ قرآن سے چودہ سو سال پہلے جو کتاب نکلی، اگر میں مسجد میں بیٹھ کر یہ کہوں کہ اس میں ٹی وی وڈیو کا ذکر ہے تو میں غلط نہیں ہوں گا۔ اس لئے کہ قرآن میں کہا گیا کہ **من یشتری لھو الحدیث** جو لوگ عربی کی بلاغت سے واقف ہیں اور اس کی زبان کا صحیح ذوق رکھتے ہیں، اہل زبان کی طرح، اور محض اللہ کے شکر و انعام ہے کہ ہم اس قابل ہوئے، ہمارے استاد عرب تھے۔ ہم نے ساری عربی عربوں سے پڑھی۔ **الحمد للہ** ! تو ہم **لھو الحدیث** کا لطف لے رہے ہیں۔ ہمارا عربی کا ذوق لہو الحدیث کے دائرے کی وسعت کو دیکھ رہا ہے۔ میں لفظ کا ترجمہ نہیں کر سکتا۔ حالانکہ میں لکھنؤ کا رہنے والا ہوں، میں اقرار کرتا ہوں کہ میں لہو الحدیث کے ترجمہ کا حق ادا نہیں کر سکتا۔

اس کے معنی ہیں باتوں کا کھیل۔ اب بتائیے ریڈیو اور وڈیو وغیرہ میں کیا ہے، اگر ہوتا کہ بہت سے لوگ جو کھیل کو پسند کرتے ہیں۔ کھیل کو خریدتے ہیں۔ تو اس میں وڈیو اور ٹی وی

نہ آتا۔ مگر باتوں کا کھیل کہا گیا وہ یہ ہے جو میں دعوے سے کہہ سکتا ہوں کہ قرن اول، قرن ثانی، قرن ثالث، قرن رابع اور پانچویں، چھٹی ساتویں، آٹھویں یہاں تک کہ میں کہوں شیخ الاسلام ابن تیمیہ کا ذہن بھی یہاں تک نہیں گیا ہوگا (یعنی ریڈیو اور ٹی وی کی طرف) یہ قرآن کا معجزہ ہے، حدیث کا لہو۔ باتوں کا کھیل، اور وہ کیا ہے یہ وڈیو کا پروگرام، ٹی وی کی بولتی تصویریں، یہ وڈیو یہ ریکاڈ جو سنے جاتے ہیں، سب لہوالحدیث ہیں۔ آج سے چودہ سو برس پہلے جب یہ سب چیزیں ایجاد ہونا تو درکنار کسی نے خواب میں بھی نہیں دیکھا تھا۔ اس وقت کوئی تصور بھی نہیں کرسکتا تھا۔ اس وقت اللہ کی کتاب نے کہہ دیا۔ بہت سے لوگ ہیں جو لہوالحدیث خریدتے ہیں۔

میرے عزیز! آپ کو کم از کم اپنے گھروں کی حفاظت کرنی چاہئے۔ اور یہ سمجھنا چاہئے کہ عقائد میں بھی ہم کو پورا مسلمان ہونا چاہئے۔

عبادات میں پورا مسلمان ہونا چاہئے۔ اور یہاں نہ ہوئے تو ہم کہاں ہوں گے۔ اس کے بعد میں یہاں تک کہتا ہوں (مجھے معاف کریں آپ حضرات) آپ جب چھٹیوں میں کسی زمانے میں ہندوستان اپنے وطن جائیں تو غیر مسلم پہچان جائیں کہ بھائی معلوم ہوتا ہے کہ یہ لوگ ہندوستان میں نہیں اس سے کسی بہتر فضا میں رہ کر آئے ہیں۔ ان کی صورت سے معلوم ہوتا ہے کہ نور ٹپک رہا ہے۔ ان کی باتوں سے شہد ٹپک رہا ہے۔ ان کی نگاہوں سے حرمت اور احترام ٹپک رہا ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ یہ عرب سے آئے ہیں۔ یہ ہونا چاہئے، نہ یہ کہ دور سے دیکھ کر آدمی کہے کہ ان کے پاس بڑا قیمتی بریف کیس ہے لگتا ہے عرب سے آئے ہیں اور پیچھے پڑ جائیں لوگ کہ کہیں سے اڑا لینا چاہئے اس میں ہزاروں لاکھوں روپے کی رقم ہوگی۔ آپ بریف کیس اور لباس سے نہ پہچانے جائیں۔ بلکہ آپ پہچانے جائیں اپنی صورتوں سے سجدہ کے نشانوں سے چہرہ کی نورانیت سے، الفاظ کی حلاوت سے، خیر خواہی سے، سنجیدگی و متانت سے اور تہذیب سے، آپ سے آپ کے گھر والے متاثر ہوں، آپ جتنے دن رہیں اپنے گھروں میں (خدا مبارک کرے) ان دنوں میں ان گھروں کی فضا بدل جائے۔ اگر قرآن کی تلاوت نہیں ہوتی تھی۔ تو ہونے لگی، وہاں اگر بہت سی سنتیں متروک تھیں تو شروع ہوگئیں، وہ لوگ آپ سے شرمائیں اور کہیں کہ بھائی مکہ کے لوگ آئے ہیں، مدینہ کے لوگ

آئے ہیں، دیکھو! ریڈیو نہیں بجنا چاہئے ٹی وی یہاں نہیں ہونا چاہئے چہ جائے۔ کہ لوگ کہیں (ارے بھائی مکہ مدینہ کے لوگ آئے ہیں وہاں بہت سخت ہوتی ہے ان کو دکھاؤ ان کے زمانے میں تو اور ہونا چاہئے) یہ بڑی بے حرمتی ہے اس جگہ کی، آپ کی وجہ سے وہ چیزیں بند ہو جانی چاہئیں، آپ کے جانے سے ان لوگوں کو شرم آنی چاہئے کہ اب موقع نہیں رہا؟

آپ جب جائیں تو جس طرح روشنی تاریکی کو چیرتی ہے اور چیرتی ہوئی چلی جاتی ہے۔ آپ کی صورتیں وہاں کے بحرِ ظلمات میں روشنی کا کام دیں، آپ کی زندگیوں میں یہیں انقلاب آنا چاہئے۔ وہاں جانے سے پہلے آپ کے اندر تبدیلیاں آنی چاہیں۔

آپ جانتے ہیں کہ صلح حدیبیہ کے بعد فتح مکہ اور حجۃ الوداع کے درمیان تین چار برس کے عرصہ میں جتنی کثرت سے لوگ مسلمان ہوئے۔ امام زہریؒ جو سید التابعین ہیں ان کا قول ہے کہ مکہ معظمہ کے تیرہ برس کے قیام میں اور مدینہ طیبہ کے دس برس کے مبارک قیام میں اتنی کثرت سے لوگ مسلمان نہ ہوئے اس کی وجہ یہ بیان کرتے ہیں کہ صلح حدیبیہ کی وجہ سے راستہ کھل گیا اور بے تکلف قریش آنے لگے مکہ معظمہ اپنے عزیزوں کے یہاں، اب ان کی جتنی راتیں گزرتیں ان کو دیکھ کر مکہ والے حیران تھے۔

اور کہتے کہ ان کا تو عالم ہی دوسرا ہے، یہاں راتوں کو لوگ اٹھتے ہیں، یہاں تو بچے بھی اٹھتے ہیں، ان کے یہاں تو جھوٹ بولنا کیا کوئی لغویات کرنا نہیں جانتا، ہر وقت اللہ رسول کی باتیں ہوتی ہیں یہاں تو اتنا ایثار ہے کہ مہمان کے لئے تھپکا کر بچوں کو بھوکا سلا دیتے ہیں، بس وہ مسلمان ہونا شروع ہوئے کیونکہ انہوں نے اسلام کا نقشہ اپنی آنکھوں سے دیکھا تھا۔

حضرات! آپ لوگوں کے ذریعہ بھی آپ کے ملکوں میں اسلام پھیلنا چاہئے۔ یہاں سے آپ اگر مراسلہ اور رابطہ کریں تو یہی اثر دیں، خود جائیں تو پورے طور پر اثر ڈالیں ان لوگوں پر کہ آپ اس جگہ سے آئے ہیں، اپنے ساتھ برکتوں کا خزانہ لے کر آئے ہیں۔

اب میں اس سے زیادہ طول دینا نہیں چاہتا آپ اس آیت کو اپنے دل پر نقش کر لیں۔

"يَآ اَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا ادْخُلُوْا فِى السِّلْمِ كَآفَّةً"

اے ایمان والو! خدا کے ساتھ صلح کرنے میں پورے پورے داخل ہو جاؤ اور شیطان

کے نقشہائے قدم کی پیروی نہ کرو وہ تمہارا کھلا دشمن ہے، دیکھئے یہاں نقشِ قدم (واحد) استعمال نہیں کیا گیا، بلکہ خطوات الشیطان جمع کا صیغہ لایا گیا۔ معلوم ہوا کہ اس کے بہت سے نقشِ قدم ہیں۔ اس میں وسعت آ گئی، خواہ اعتقادی چیزیں ہوں خواہ عملی چیزیں ہوں، خواہ اخلاقی چیزیں ہوں خواہ تہذیبی چیزیں ہوں، خواہ سیاسی چیزیں ہوں سب اس میں شامل ہیں اور اس بات کا آپ خیال رکھیں کہ آج اگر ہمارے مسلم معاشرے میں یہ باتیں ہوئیں تو وہ خرابیاں پیش آ رہی ہیں کہ کوئی فرق نہیں ہے صالح اور غیر صالح میں دین دار اور بے دین میں، شریعت پر چلنے والے اور نہ چلنے میں۔

اللہ تعالیٰ ہم سب کو توفیق عطا کرے، یہاں کا رہنا قبول فرمائے، اس کی برکتوں سے مالا مال کرے اور آپ کی برکتوں سے فیض پہنچے، آپ کے ملکوں میں، جہاں سے آپ آئے ہیں جن کا حق آپ پر قائم ہے اور قائم رہے گا چاہے آپ یہیں کے ہو جائیں۔

و آخر دعوانا ان الحمد للہ رب العٰلمین

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

سیرت وکردار کی تبدیلی کی ضرورت

الحمد للہ رب العالمین والصلوٰۃ والسلام علی سید المرسلین.

حضرات! ابھی قاری صاحب نے جو آیات تلاوت کی ہیں، ان میں ایک آیت یہ تھی:

اعوذ باللہ من الشیطان الرجیم ○ وَقُلْ رَّبِّ اَدْخِلْنِیْ مُدْخَلَ صِدْقٍ وَّاَخْرِجْنِیْ مُخْرَجَ صِدْقٍ . (سورہ الاسراء ۸۰)

اور کہو کہ اے پروردگار مجھے اچھی طرح داخل کیجیو اور اچھی طرح نکالیو۔

یہاں اورنگ آباد آکر مجھ جیسے تاریخ کے طالب علم پر کچھ پرانی یادوں کا اثر تازہ ہو جاتا ہے۔ یہ کوئی غیر معمولی اور عجیب بات نہیں ہے۔ مورخوں کی ایک بڑی دشواری یہ ہے کہ وہ اپنے تاریخی مطالعہ سے کسی جگہ علیحدہ ہو نہیں سکتے۔ تاریخ کے نتائج بدلی بن کر سامنے آجاتے ہیں، وہ کتنا ہی چاہیں کہ وہ اس سے ہٹ جائیں، ہٹتے نہیں ہیں۔

اورنگ آباد کو میں ہندوستان کا غرناطہ کہتا ہوں، جو لوگ تاریخ اسلام سے واقف ہیں وہ اس تشبیہ کو سمجھیں گے۔ ان دونوں میں مماثلت ہے، اس میں عربی اسلامی سلطنت تھی، جس نے صدیوں یورپ میں ڈنکا بجایا، اس کے بار احسان سے وہ کبھی سبکدوش نہیں ہو سکتا اس نے یورپ کو بہت کچھ دیا، کاش کہ وہ پورے یورپ کو اسلام کی دعوت دیتا، اس سے یہ بڑی کوتاہی ہوئی اس کوتاہی کے جرمانے میں اللہ تعالیٰ نے اس سے ملک ہی لے لیا۔

عربوں نے یورپ کو علم کی روشنی دی، حقیقت پسندی اور استقراء کا طریقہ دیا جس کو یورپ کی علمی ترقی میں بہت بڑا دخل ہے، اندلس ہی ہے، جو یورپ کو قیاس سے استقراء پر لایا۔

قیاس یہ ہے کہ آپ اپنی طرف سے کوئی اصول وکلیہ، اپنی ذہانت ومطالعہ سے بنالیں، اور اس کے بعد جزئیات کو اس کے ماتحت کرلیں اور استقراء یہ ہے کہ آپ جزئیات پر غور کریں، پھر ان کے عمومی اور اجتماعی مطالعہ سے آپ ایک کلیہ بنائیں، جزئیات اس کی شہادت گواہی دیتی ہیں کہ یہ کلیہ ہونا چاہئے۔

یورپ نے جو ترقی کی ہے، اور فلسفۂ مابعد الطبیعات سے ہٹ کر سائنس ٹیکنالوجی اور تجربہ پر آیا ہے وہ استقراء کے اصول کو مان لینے کی وجہ سے، اور یہ دین اور عطیہ ہے۔ اندلس اسلامی (اسپین) کا۔ اس نے طب کا فن دیا، اور یونان کا فلسفہ منتقل کر کے یورپ کو دیا۔ انہوں نے یونان کے فلسفہ کو سمجھا، اس کو ہضم کیا، اور پھر اس کی شرح کی، پھر اسی کے ترجمے انگریزی اور دوسری زبانوں میں ہوئے لیکن ان سے کوتاہی یہ ہوئی کہ انہوں نے خالص اسلام کی دعوت یورپ میں نہیں پھیلائی۔ وہ علوم وفنون کی ترقی، اور ادب وشاعری کی ترقی میں لگ گئے۔ یہ اس وقت کا موضوع نہیں۔ اورنگ آباد آکر یہ زخم کہن تازہ ہوجاتے ہیں وہاں اسلامی عرب سلطنت کا زوال ہوا، اور اس کی آخری فصل (Chapter) لکھا گیا، یہاں ہندوستان میں مغلیہ سلطنت کا زوال شروع ہوا جو بہر حال مسلمانوں کے اقتدار کی ایک نشانی تھی، مورخ و ناقد اس پر کتنی تنقید کریں ہمیں اس کے بہت سے کارناموں کو ماننا پڑے گا … لیکن میں متوجہ کرنا چاہتا ہوں کہ حکومت سلطنت اللہ تعالیٰ کی بڑی نعمت ہے اور خود قرآن پاک میں اس کو ایک بڑی نعمت کے طور پر بیان کیا گیا ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام اپنی قوم سے کہتے ہیں:

یٰقَوْمِ اذْكُرُوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ اِذْ جَعَلَ فِيْكُمْ اَنْۢبِيَآءَ وَجَعَلَكُمْ
مُّلُوْكًا وَّاٰتٰكُمْ مَّا لَمْ يُؤْتِ اَحَدًا مِّنَ الْعٰلَمِيْنَ O (المائدہ ۔ ۲۰)

(ترجمہ) بھائیو! تم پر جو احسان کئے ہیں ان کو یاد کرو کہ اس نے تم میں پیغمبر پیدا کئے اور تمہیں بادشاہ بنایا، اور تم کو اتنا کچھ عنایت کیا کہ ایک عالم میں سے کسی کو نہیں دیا۔

حکومت وسلطنت ایک نعمت ہے لیکن حکومت وسلطنت کوئی ایسی خارجی اور مصنوعی چیز نہیں ہے جو کہیں سے لاکر کہیں ٹھونک دی جائے، یا خود بخود پیدا ہوجائے، حکومت وسلطنت تو ایک خاص کردار، احساس ذمہ داری، ہمدردی خلائق اور جذبہ خدمت کا مظہر ہے یعنی جب کسی جماعت یا ملت کا خاص مزاج وکردار پیدا ہوجاتا ہے تو اس مزاج وکردار کی وسعت اور گہرائی

کے مطابق اس کو موقعہ دیا جاتا ہے کہ وہ کسی خطۂ زمین پر اپنی صلاحیتوں کا اظہار کرے۔

ثُمَّ جَعَلْنٰكُمْ خَلٰٓئِفَ فِی الْاَرْضِ مِنْ بَعْدِهِمْ لِنَنْظُرَ كَيْفَ تَعْمَلُوْنَ○ (یونس ۱۴)

پھر ہم نے ان کے بعد تم لوگوں کو ملک میں خلیفہ بنایا تا کہ دیکھیں کہ تم کیسے کام کرتے ہو۔

اصل چیز ہے سیرت وکردار، اور وہ طرز زندگی ہے جو ایک سلطنت ہی نہیں بلکہ سلطنت سے بڑی چیزیں، یعنی معرفت الٰہی، اللہ کی یہاں کی مقبولیت، نظر کی تاثیر اور خیر عام اور ہدایت ورحمت الٰہی کا دروازہ کھولنے کا کام کرتی ہے، سلطنت تو اس کا ایک ہلکا اور ایک پھیکا سا نشان ہے۔ ایمانی سیرت وہ چیز ہے جو آفاق وانفس کی فتوحات عطا کرتی ہے، جس کے سامنے سلطنتیں ہیچ ہیں وہ اصل چیز جو ہر خیر کا منبع وسرچشمہ ہے، وہ ہے سیرت۔ میں نے کسی موقعہ پر کہا تھا کہ ارادے اداروں کو پیدا کرتے ہیں، ادارے ارادوں کو پیدا نہیں کرتے۔ اصل چیز ہے صحیح ارادہ، جب صحیح ارادہ ہو جاتا ہے تو پھر سینکڑوں ادارے وجود میں آتے ہیں، ادارے جیتے ہیں، مرتے ہیں، پیدا ہوتے ہیں اور ختم ہو جاتے ہیں، لیکن ارادہ انسانی جب صحیح ہو جائے اور انسان کی نیت نیک ہو جائے، انسان کی سیرت شریعت کے سانچہ میں ڈھل جائے، انسان کے اعمال وتصرفات منشائے الٰہی کے تابع ہو جائیں۔ منشائے الٰہی کے سانچہ میں ڈھل کر نکلیں اور ذہن کا رخ صحیح ہو جائے کہ ہر بن مو سے صدا آئے۔

وَقُلْ رَّبِّ اَدْخِلْنِیْ مُدْخَلَ صِدْقٍ وَّاَخْرِجْنِیْ مُخْرَجَ صِدْقٍ وَّاجْعَلْ لِّیْ مِنْ لَّدُنْكَ سُلْطَانًا نَّصِيْرًا.

تو ان کے قدموں کے نیچے کسریٰ وقیصر کے تاج آتے ہیں ؎

در شبستان حرا خلوت گزید
قوم و آئین وحکومت آفرید
ماند شبہا چشم او محروم نوم
تابتخت خسروی خوابیدہ قوم

اقبالؒ کہتے ہیں آپ ﷺ کی امت تخت خسروی پر آکر سوگئی، یعنی اس نے تخت خسروی کو ایک معمولی چارپائی اور ایک سریر سمجھا، اس کو خاطر میں نہیں لائی، جہاں بیٹھنا چاہئے تھا، جادو

جلال کا اظہار کرنے کے لئے وہاں سوگئی۔

تو اصل چیز کیا ہے؟ خدا کو جب منظور ہوگا، اور خدا کی حکمت کا تقاضا ہوگا تو سلطنت وجود میں آئے گی اور جب خدا کی حکمت کو کچھ اور تقاضہ ہوگا تو اس سے بھی بڑی چیزیں وجود میں آئیں گی، یہ درویشان بے نوا، یہ فقیران کج کلاہ، آپ کی سرزمین میں آرام فرما ہیں۔ انہوں نے بادشاہوں پر حکمرانی کی ہے، حضرت خواجہ برہان الدین غریبؒ ... کے واقعات پڑھئے، حضرت خواجہ زین الدینؒ کے واقعات پڑھئے ... ایک مرتبہ کا واقعہ ہے کہ شیخ زین الدینؒ کو بادشاہ وقت نے طلب کیا، جو اس وقت کا سب سے بڑا بادشاہ تھا، کسی بات پر اس کو ناگوار ہوئی، تو انہوں نے خواجہ برہان الدین غریبؒ کی قبر پر آ کر اپنی لاٹھی گاڑ دی اور کہا، اب جس میں دم اور ہمت ہو وہ یہاں سے اٹھا کر دیکھے، تو اس کے سامنے بادشاہ ہی جھکا، وہ اس کے سامنے نہیں جھکے۔ ایسی نظیروں سے پوری تاریخ بھری ہوئی ہے۔

اصل چیز کیا ہے، وہ ہے سیرت کا پیدا کرنا، جس کا عنوان ہے ادخلنی میں داخل ہوں تو تیرے حکم کے مطابق، نکلوں تو تیری تعلیم اور منشاء کے مطابق جس کو "مدخل صدق" اور مخرج صدق کہا گیا: واجعل لی من لدنک سلطاناً نصیراً (الاسراء۔۔۸۰ اور اپنے ہاں سے زور قوت کو میرا مددگار بنائیو) کہا گیا، آپ کے سوا مدد کرنے والی کوئی ذات نہیں ہے، میرے لئے آپ اپنی طرف سے طاقت پیدا کر دیجئے، اصل مسلمانوں کی طاقت اس میں مضمر ہے، کس کی سلطنت رہی ہے؟ اگر کسی کی سلطنت رہتی تو خلافت راشدہ رہتی اور اس کے بعد کوئی شہنشاہ رہتی تو سلطنت عباسیہ جو پورے متمدن افریقہ اور ایشیا کے عظیم ترین ممالک پر حکومت کرتی تھی۔ یہ مغلوں کی سلطنت خود کتنی بڑی سلطنت تھی، یہ چیز یعنی نعمت اللہ تعالیٰ کسی کو دے تو فائدہ اٹھانا چاہئے، میں اس کی تحقیر نہیں کرتا لیکن یہ مسلمان کے لئے موت و زندگی کا سوال نہیں... یہ نہیں کہ سلطنت ختم ہو جائے تو یہ امت مر گئی اور جب سلطنت آئے تو یہ امت زندہ ہو گئی، امت سلطنت سے بالاتر ہے، سلطنت امت سے بالاتر نہیں۔ سلطنت امت کے لئے ہے، امت سلطنت کے لئے نہیں، سیرت سلطنت بھی پیدا کرتی ہے اور سلطنت سے بھی عظیم تر چیز پیدا کرتی ہے اور وہ سیرت خود خدا کو پسند ہے، جس کے انعام میں وہ ساری دنیا بھی عطا کر دے، اور ہفت اقلیم کی سلطنت بھی عطا فرما دے..... اور عطا بھی فرمائی ہے، کبھی

حضرت سلیمان علیہ السلام کو اور کبھی اپنے کسی اور محبوب بندے کو۔

"وَقُلْ رَّبِّ اَدْخِلْنِیْ مُدْخَلَ صِدْقٍ وَّاَخْرِجْنِیْ مُخْرَجَ صِدْقٍ."

میرا چلنا، پھرنا، اٹھنا بیٹھنا، مرنا جینا سب تیرے لئے ہو اور الفاظ قرآنی میں وہ کہا جا سکے جس کی نبی کو تعلیم دی گئی ہے۔

قُلْ اِنَّ صَلَاتِیْ وَنُسُکِیْ وَمَحْیَایَ وَمَمَاتِیْ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ
لَا شَرِیْکَ لَہٗ وَبِذٰلِکَ اُمِرْتُ وَاَنَا اَوَّلُ الْمُسْلِمِیْنَ.

(الانعام . ۱۶۲)

(ترجمہ) (یہ بھی) کہہ دو کہ میری نماز اور میری عبادت اور میرا جینا اور میرا مرنا سب خدائے رب العالمین ہی کے لئے ہے، جس کا کوئی شریک نہیں، اور مجھ کو اسی بات کا حکم ملا ہے اور میں سب سے اول فرمانبردار ہوں۔

مسلمان کی زندگی شریعت کے سانچہ میں قرآن وحدیث کے سانچہ میں سیرت نبوی ﷺ کے سانچہ میں ڈھل کر نکلے، نہ اپنی خواہش سے جانا نہ اپنی خواہش سے آنا نہ اپنی خواہش سے اٹھنا، نہ اپنی خواہش سے بیٹھنا، نہ اپنی خواہش سے حکم چلانا، نہ اپنی خواہش سے حکم ماننا، اور نہ اپنی خواہش سے کسی کو زیر کرنا، نہ اپنی خواہش سے کسی کے سامنے زیر ہونا، یہ ہے ادخلنی **مدخل صدق واخرجنی مخرج صدق.**

ہر کام کے لئے شریعت کی دلیل چاہئے، خدا تعالیٰ کیا چاہتا ہے، اس وقت کا فرمان کیا ہے، اس وقت کا حکم کیا ہے؟ اس وقت خدا کا حکم ہے کہ ہم جھک جائیں، اس وقت خدا کا حکم ہے کہ ہم رک جائیں، حالی نے صحابہ کرامؓ کی تعریف کرتے ہوئے کہا ہے

بھڑکتی نہ تھی خود بخود آگ ان کی
شریعت کے قبضہ میں تھی باگ ان کی
جہاں کردیا نرم نرما گئے وہ!!
جہاں کر دیا گرم گرما گئے وہ!!

حضرات! مجھے ایک تاریخ کے طالب علم کی حیثیت سے، پرانی یادیں ستائیں اور میرے

دل میں چٹکی لیں۔ یہ الگ بات ہے، لیکن قرآن ازلی وابدی کتاب ہے، اور وہ خدا کا فیصلہ ناطق ہے، اصل چیز ہے اسلام کی سیرت بنانا، یعنی نفس کی خواہش اپنے ذاتی مفادات اور وقتی تقاضوں کو شریعت کے سامنے جھکا دینا اور اس کے تابع بنا دینا ، یہ جھوٹی عزت، یہ ناموری، یہ شہرت، ہم چشموں میں عزت کوئی چیز نہیں ہے، اصل چیز ہے امر الٰہی! اور امر الٰہی کیا ہے؟ اس کو تلاش کرنا کہ اللہ تعالیٰ ہماری کیسی زندگی چاہتا ہے، اس وقت اسلام کی مصلحت کا تقاضا کیا ہے؟ معیار اور کسوٹی یہ ہے کہ ہمیں کیا ملے گا؟ ساری جدوجہد، سیاسی جدوجہد سے لے کر معاشی جدوجہد تک اسی مرکز کے گرد گھومے وہ کیا؟ کہ ہمیں اس سے کیا ملے گا؟

آج تمام دنیا میں مسلمان ہیں، کون سا ملک ہے، جہاں آپ کے ملک کے لوگ موجود نہیں؟ لیکن کس کے لئے ہیں، بس یہی مسئلہ ہے دعوت پھیلانے کے لئے نہیں۔ ایسا نہیں ہے کہ انسانیت پر رحم کھا کر، انگلستان، کینیڈا، امریکہ خود عرب ملکوں کی موجودہ خطرناک دیکھ کر وہ بے چین ہو کر اپنے گھروں سے نکلے ہو، یہ **اخرجنی مخرج صدق** نہیں ہے اور وہاں جو گئے تو یہ "**ادخلنی مدخل صدق**" نہیں ہے، معاشی مصلحت کے مفاد نے ان کو نکالا، معاشی مفاد نے ان کو وہاں داخل کیا، معاشی وذاتی وخاندانی مفاد نے ان کو وہاں رکھا، جب اس کا تقاضا ہوگا کہ مکہ کے بجائے نیویارک چلے جائیں تو وہ چلے جائیں گے۔ آپ جب چاہیں امتحان لے کر دیکھ لیجئے، اور جب اس کا تقاضا ہوگا کہ مکہ چلے آئیں تو وہاں چلے آئیں گے۔ اس لئے نہیں کہ ہاں حرم ہے، بلکہ اس لئے کہ معاشی مسئلہ کا تعلق وہاں سے ہے یہ نہ **مدخل صدق** پر عمل کر رہے ہیں اور نہ **مخرج صدق** پر چل رہے ہیں۔ یہ اللہ کا حکم ہے، اپنے نبی کو تعلیم دی جارہی ہے، اور آپ ﷺ کے ذریعہ آپ کے طفیل میں امت کو تعلیم دی جارہی ہے، ہم دعا کریں **رب ادخلنی مدخل صدق واخرجنی مخرج صدق** ہمارا جینا مرنا، ہمارا کسی سے خوش ہونا، کسی سے ناراض ہونا، ہمارا ٹوٹنا اور جڑنا، ہمارا بگڑنا اور بننا، یہ سب خدا کے حکم اور امر الٰہی کے تابع ہو، پھر دیکھئے کہ اللہ تعالیٰ کیا عطا کرتا ہے؟ شکوہ اس سیرت کے بدل جانے کا ہے، اس ذہن کے بدل جانے کا ہے کہ شریعت ہماری امام نہ رہی، شریعت ہمارا فیصلہ کرنے والی طاقت نہ رہی جو ہمارے مسائل میں ایک حکم کی حیثیت رکھے۔ ہم نے شریعت کو حاکم نہیں بنایا، ہم نے اپنی خواہشات کو اپنے مفادات کو حکم بنایا، بس اس وقت اصل

انقلاب جو مسلمانوں کے لئے ضروری ہے، وہ ہے سیرت کا اختیار کرنا کہ ہماری زندگی اللہ اور اس کے رسول کے منشاء کے مطابق بن جائے، وہ ہم سے جو کرائے وہ ہم کریں، وہ جو چھڑائے وہ ہم چھوڑیں۔

آج امتحان لے لیجئے، ہم سب مسلمان کہلاتے ہیں، اللہ کا شکر ہے اللہ تعالیٰ کا ہزار ہزار انعام ہے، ایمان کی دولت ہمارے پاس ہے۔ میں ہرگز اس کا انکار نہیں کرتا، اور نہ اس کی اہمیت کم کرتا ہوں لیکن اس کے بعد ہماری سیرت کیا ہے؟ جس میں فائدہ دیکھا اس کو کیا، سیاسی جدوجہد کو لے لیجئے کہ ہمارے سامنے اسمبلیوں اور پارلیمنٹوں کی ممبریاں ہیں۔ اس کے بعد کی کمیٹیاں ہیں، اس کے بعد کے کمیشن ہیں اور اس کے بعد کے فوائد ہیں۔ عزتیں ہیں، سرخ روئی ہیں اور دوسرے میدانوں میں دیکھ لیجئے۔ شادی بیاہ ہے، بس اس میں جو کچھ ہو رہا ہے، غلط ہو کر صحیح، اس کا مقصد یہ ہے کہ برادری میں تعریف ہو، نام روشن ہو، دھوم مچے کہ فلاں کی شادی اس طرح سے ہوئی فلاں کام اس دھوم دھڑکے سے ہو، یہ تو ادخلنی مدخل، صدق واخرجنی مخرج صدق نہیں ہے۔ مسلمان کو پہلے یہ پوچھنا چاہئے کہ شریعت کا حکم کیا ہے، یہ ہمارے لئے جائز ہے کہ نہیں؟ صحابہ کرامؓ نے تو یہی کیا کہ شراب جیسی چیز ہے اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل سے ہم سب کو محفوظ رکھا ہے.... کسی نے کہا ہے ع

چھٹتی نہیں ہے منہ سے یہ کافر لگی ہوئی

امریکہ میں پریذیڈنٹ ہوور (HOOWER) کے زمانہ میں اس بات کی بھرپور کوشش کی گئی کہ امریکہ سے شراب چھوٹ جائے، دیکھ لیجئے اس کی تمام تر تفصیلات کہ اس کے لئے کیا کیا ذرائع استعمال کئے گئے، اس کے لئے جان تک کی بازی لگا دی، پروپیگنڈہ کیا، ترغیبات دیں، اس کے نقصانات بیان کئے گئے۔ تاریخ کی شہادت موجود ہے کہ بجائے کم ہونے کے مزید لت پڑ گئی اور ضد ہو گئی کہ شراب نہیں چھوٹ سکتی۔ آخر میں صدر اور حکومت کو ہار ماننی پڑی انہوں نے ہار نہیں مانی، اس کے مقابلہ میں مدینہ میں بوریہ پر بیٹھ کر اللہ کا بندہ اور اللہ کا رسول ﷺ کہتا ہے:

يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِنَّمَا الْخَمْرُ وَالْمَيْسِرُ وَالْأَنْصَابُ وَالْأَزْلَامُ رِجْسٌ مِنْ عَمَلِ الشَّيْطَانِ فَاجْتَنِبُوهُ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ. (المائدہ. ۹۰)

(ترجمہ) اے ایمان والو! شراب اور جوا اور بت اور پانسے (یہ سب) ناپاک کام اعمال شیطان سے ہیں، سو ان سے بچتے رہنا تاکہ نجات پاؤ۔

یہ کہنا تھا کہ ادھر سے آواز آئی " انتھینا انتھینا " لوگوں کا بیان ہے کہ ہونٹوں پر جتنی شراب گئی، اس سے آگے نہ بڑھنے پائی، ایک قطرہ بھی نہیں گیا، اسی وقت انڈھیل دی جو جہاں بیٹھا تھا اس نے وہیں انڈیل دی، دیکھنے والوں کا بیان ہے کہ مدینہ کی گلیوں اور نالیوں میں شراب اس طرح بہہ رہی تھی جیسے پانی بہتا ہے۔ اب اس کے بعد دیکھئے کہ شراب پینے کے کتنے واقعات حضرت عمرؓ کے زمانے میں پیش آئے جب کہ تمدن بھی آگیا تھا، اور روم وایران اور شام کی دولت کے خزانے امنڈ آئے تھے۔

اس وقت جس چیز کی کمی ہے اور جو چیز فیصلہ کن اور انقلاب انگیز ہے وہ ہے اسلامی سیرت کا اختیار کرنا اور اگر ایسا اجتماعی طور پر ہو تو کیا کہنے ہیں۔ اجتماعی طور پر الحمدللہ کوششیں ہورہی ہیں۔ انفرادی طور پر کوشش کر کے دیکھئے اور آپ سب لوگ الحمدللہ یہاں پر موجود ہیں، ہم میں سے ہر ایک شخص یہ طے کرے کہ شریعت کو مقدم رکھنا ہے، حکم الٰہی اور حکم شرعی پوچھنا ہے، کوئی بھی کام ہو، سیاسی انتخاب والیکشن سے لے کر شادی بیاہ، ختنہ، عقیقہ، مکان کی تعمیر، جائیداد کی تقسیم اور کھانے پینے تک یہ دیکھنا ہے کہ شریعت کی اجازت ہے کہ نہیں، اور شریعت کا حکم کیا ہے؟ اگر یہ بات پیدا ہو جائے تو تمام کوششیں حاصل، آپ کا یہاں آنا حاصل، اور میرا یہاں آنا اور کچھ کہنا حاصل ورنہ:

نشستند و گفتند و برخواستند

یہ برسوں سے ہو رہا ہے نہ ہمیں کہنے سے فرصت ملتی ہے اور نہ آپ کے سننے کی عادت جاتی ہے، اس کا کچھ حاصل ہونا چاہئے، جو نمازی نہیں ہے وہ اب اس نماز سے جو ظہر کے وقت آنے والی ہے، مرتے مرجائے عہد کرے کہ نماز نہیں چھوڑیں گے۔ اگر خدانخواستہ آپ کسی ناجائز چیز کے عادی ہیں تو یہیں توبہ کیجئے کہ اب اسے ہاتھ نہیں لگانا ہے۔ مسلمان سیاسی طور پر اتنے پیچھے ہیں۔ ہر جگہ اسی بات کا رونا ہے۔ سنتے سنتے کان پک گئے، جان لبوں پر آگئی...... بس ہو چکا کم سے کم اپنے شعور کے وقت سے سن رہا ہوں، کوئی مجلس کوئی جلسہ اس سے خالی نہیں، سیاسی رونا، اقتصادی رونا لیکن کوئی عزم نہیں، کوئی فیصلہ نہیں۔ ضرورت ہے کہ

ہم اپنی سیرت بدلیں اس کی بغیر کام نہیں چلتا، اور جب اللہ اپنے محبوب رسول ﷺ سے یہ کہے اور اس کو تلقین کرے اور یہ وظیفہ بتائے کہ تم یہ دعا کرو کہ رب ادخلنی مدخل صدق واخرجنی مخرج صدق تو ہم کس شمار قطار میں ہیں۔ قانون تو معمولی آدمی نہیں بدلتا، او ریہ تو اللہ تعالیٰ کا قانون ہے، اور قانون یہ ہے کہ پہلے تم بدلو۔

یٰبَنِیٓ اِسْرَآئِیْلَ اذْ کُرُوْا نِعْمَتِیَ الَّتِیٓ اَنْعَمْتُ عَلَیْکُمْ وَاَوْفُوْا بِعَهْدِیٓ
اُوْفِ بِعَهْدِكُمْ . (البقرہ۔ ۴۰)

(ترجمہ) اے بنی اسرائیل! میرے وہ احسان یاد کرو جو میں نے تم پر کئے تھے اور اس وقت اقرار کو پورا کرو جو تم نے مجھ سے کیا تھا میں اس اقرار کو پورا کروں گا جو میں نے تم سے کیا تھا۔

اے بنی اسرائیل! (جو اس وقت کی معزز ومکرم قوم تھی) اللہ کے احسان کو یاد کرو جو تم پر کیا، اور میرے عہد کو پورا کرو میں تمہارا عہد پورا کروں گا، ترتیب یہ ہے، لیکن ہم چاہتے ہیں کہ اللہ میاں اپنا عہد پورا کردیں، باقی پھر دیکھا جائے گا، اور اللہ میاں علیم و خبیر ہے۔ دل کے حالات جاننے والا ہے، پہلے سے دل میں یہ بات بیٹھی ہوئی ہے، سارا شکوہ خدا سے ہے، ارے صاحب یہ امت مرحومہ، یہ اشرف الامم کس طرح ذلیل کیسی خوار ہے، ہر جگہ پٹ رہی ہے اور یہ نہیں دیکھتے کہ ہم کیا کرر ہے ہیں۔ آپ اپنی زندگی میں کون سی تبدیلی لائے۔ اتنے دنوں سے وعظ ہو رہے ہیں، تبلیغی جماعت کام کررہی ہے، ہم یہ دیکھ رہے ہیں کہ نہ شادی بیاہ کے رسم ورواج میں کوئی فرق ہے اور نہ مسلمانوں کے اسراف میں کوئی فرق ہے، اسی شہر میں کسی جگہ سے گزر رہا تھا، وہ روشنی دیکھی وہ روشنی، خطرہ ہوا کہ شاید یہ گھر کسی مسلمان کا ہو۔ بس ایسا معلوم ہوتا تھا کہ تمام روشنی یہیں آ گئی ہے۔ کسی بات میں فرق لانے کو تیار نہیں۔ بیس برس پہلے اور دس برس پہلے جو طرز زندگی تھا، وہی آج ہے جو نماز کے پابند نہیں، وہ نماز کے پابند نہیں جو پینے پلانے کا عادی تھا وہ پینے پلانے کا عادی ہے۔ جو مال میں، حقوق العباد میں، معاملات میں دیانت داری کو ضروری نہیں سمجھتا تھا وہ اب بھی ضروری نہیں سمجھتا۔ جو ہاتھ لگ جائے وہ اپنا مال۔ یہی ہندوستان کا ملک ہے، اگر آپ میں صداقت آجائے، انصاف آجائے، آپ میں خلوص آجائے۔ آپ میں ہمدردی آجائے۔ انسانی جان و مال کا پورا احترام اور ملک کو بچانے کے لئے پوری فکر پیدا ہو جائے تو کوئی زبردستی کی بات نہیں، سنت خداوندی تو بڑی چیز

ہے فطرت انسانی ہے کہ کہا جائے گا، اب آپ ہی انتظام سنبھالیے کہ یہ ملک تباہ ہو رہا ہے اب گاڑی چلتی نہیں ہے۔ ہر آدمی آپ ہی کو چاہتا ہے۔ اپنا کام کرانا چاہتا ہے۔ اپنا وقت بچانا چاہتا ہے، نقصان سے بچنا چاہتا ہے، انسانی فطرت ہے۔ اگر اسے معلوم ہو جائے کہ یہ کام آپ ہی کے ذریعہ سے ہو سکتا ہے تو پھر کہاں کا قومی تعصب اور کہاں کی فرقہ وارانہ عصبیت، سب کہیں گے، لیجئے بس اب آپ ہی ذمہ داری قبول کیجئے۔ قوموں کی لیڈر شپ اس طرح ہاتھ میں نہیں آتی کہ آپ لڑتے بھی رہیں اور کام کچھ نہ کریں، اور شکوہ شکایت کریں، اور اس کے بعد کہیں کہ اقلیت میں ہونے کے باوجود ہمیں وہ حقوق ملیں، اور ہماری مرضی پوری ہو اقلیت تو اقلیت، فرد واحد اپنی دیانت سے اپنی خدا ترسی سے اپنی قابلیت سے سب کو جھکا لیتا ہے اور اپنا لوہا منوا لیتا ہے، سیاسی شکوے سیاسی مظاہرے اور احتجاج بہت ہیں لیکن ہم اپنی سیرت نہیں بدلتے، ہم میں کا ہر آدمی جس جگہ ہے جس محکمہ میں ہے، جس محاذ پر ہے، وہ ثابت کر دے کہ آپ ایک سچے، راست باز انسان ہیں حق و انصاف کے معاملہ میں آپ ہندو مسلم کی بھی کوئی تفریق نہیں کرتے، آپ کے لئے حرام ہے کہ آپ کسی ناجائز پیسے کو نظر اٹھا کر بھی دیکھیں، یہ آپ کچھ دین کر کے دیکھئے پھر ہندوستان کا نقشہ کیا ہوتا ہے، اور آپ کس مقام پر نظر آتے ہیں؟

اللہ تعالیٰ ہم سبھوں کو پورا پورا دین پر چلنے کی توفیق بخشے۔ آمین۔

واخر دعوانا ان الحمد للّٰہ رب العالمین.

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

ذہنی اور اعتقادی ارتداد ایک اہم مسئلہ فوری توجہ کا حامل

الحمد للہ رب العٰلمین والصلوٰۃ والسلام علی سید الانبیاء والمرسلین ، وعلی آلہ واصحابہ اجمعین ۔ امابعد.

نیا ارتداد:

حضرات! اسلام کی تاریخ میں ارتداد کے متعدد واقعات پیش آئے ہیں سب سے بڑا اور سخت سانحہ ارتداد عرب قبائل کا ارتداد تھا جو رسول اکرم ﷺ کی وفات کے معاً بعد پیش آیا یعنی وہ زبردست باغی تحریک جس کو ابوبکر صدیق نے اپنے بےنظیر عزم وایمان سے سر اٹھاتے ہی کچل دیا تھا ۔ دوسرا بڑا ارتدادی واقعہ نصرانیت اختیار کرلینے کی وبا تھی ۔ جو ہسپانیہ سے مسلمانوں کے اخراج کے بعد پھیلی اور بعض ان دوسرے ملکوں میں بھی رونما ہوئی جو مسیحی مغربی طاقتوں کے زیرنگین تھے اور عیسائی پادری اور مشنری وہاں اس مقصد کے لئے سرگرم عمل تھے ۔ ان معتدبہ واقعات کے علاوہ اکادکا واقعات بھی ہیں کہ مثلاً ہندستان میں کسی خفیف العقل اور پست طبیعت فرد نے اسلام کو چھوڑ کر دوسرا مذہب اختیار کرلیا ۔ لیکن ایسے واقعات شاذونادر ہی ہوئے ہیں، بلکہ حقیقت یہ ہے کہ...... اگر بدنصیب ہسپانیہ کے فتنہ نصرانیت کو ارتداد کہنا صحیح ہے تو اس کو مستثنیٰ کرکے کہا جاسکتا ہے کہ...... مسلمانوں کی تاریخ کسی عام ارتداد سے آشنا نہیں ہوئی ہے ۔ جیسا کہ مؤرخین مذاہب کا اعتراف ہے ۔

یہ واقعات جب کبھی پیش آئے ۔ ان پر ہمیشہ دو اثرات مرتب ہوئے:۔

(۱) مسلمانوں کی طرف سے سخت ناراضگی اور ناپسندیدگی ۔

(۴) اسلامی سوسائٹی سے قطع تعلق یعنی جو کوئی اپنے دین سے منحرف ہوتا تھا وہ مسلمانوں کے سخت غیض وغضب کا نشانہ بنتا تھا اور اس اسلامی معاشرے سے خود بخود منقطع ہو جاتا تھا۔ جس میں اس کی بود وباش ہوتی مجرد ارتداد سے اس کے اور اس کے اہل قرابت کے درمیان تمام رشتے اور تعلقات کٹ جاتے تھے اور ارتداد کا مطلب یہ ہوتا تھا کہ آدمی گویا ایک دوسرے معاشرے اور ایک دوسری دنیا میں منتقل ہو گیا۔ مرتد کا خاندان اس کا بالکلیہ بائیکاٹ کر دیتا تھا۔ اب نہ رشتہ رہتا تھا۔ نہ نکاح، نہ اخوت نہ وراثت۔ ارتداد کی اگر کوئی لہر کبھی اٹھتی تھی تو اس سے بین الادیانی کشمکش برپا ہوتی اور مسلمانوں میں مقاومت اور اسلام کے دفاع کی روح بیدار ہو جاتی تھی جس اسلامی ملک میں ایسے واقعات پیش آ جاتے تھے وہاں کے علماء و داعیان اسلام اور اہل قلم پرجوش طریقے سے ان کے خلاف صف آراء ہو جاتے ان کے اسباب کا کھوج لگاتے اور اسلام کے محاسن وفضائل کو سامنے لاتے تھے۔ اس مسلمان معاشرے کا یہ حال ہو جاتا جیسے قلق واضطراب اور غیظ وغضب کی ایک موج آ کر سب کو تہ وبالا کر گئی ہو۔ یہ حوادث مسلمانوں کو جھنجھوڑ کر رکھ دیتے اور کیا خواص کیا عوام سب کے لئے ایک ہی بات اور ایک ہی فکر ہوتی تھی...... یہ ہوتا تھا کہ اسلامی سوسائٹی پر واقعات ارتداد کا ردعمل اور ان کی لازمی خصوصیت حالانکہ نہ یہ کسی وسیع پیمانے پر پیش آتے تھے اور نہ زندگی پر ان کے کچھ اثرات ہی پڑتے۔

لیکن اب کچھ عرصے سے دنیائے اسلام کو ایک ایسے ارتداد سے سابقہ پیش آیا ہے جس نے اس کے سرے سے اس سرے تک ایک لہر پیدا کر دی ہے یہ اپنی شدت وقوت اور وسعت وعمق میں اب تک کی تمام ارتدادی تحریکوں سے بازی لے گیا ہے کوئی ملک نہیں ہے جو اس کی غارت گری سے بچا ہوا ہو بلکہ ملک تو ملک خاندانوں میں ایسے مشکل ہی سے تھوڑے بہت ہوں گے جو اس کی دست برد سے محفوظ ہوں۔ یہ وہ ارتداد ہے جو شرق اسلامی پر یورپ کی سیاسی اور تہذیبی تاخت کے پیچھے پیچھے آیا ہے۔ یہ سب سے عظیم ارتداد ہے جو عہد رسالت سے لے کر آج تک کی اسلامی تاریخ میں رونما ہوا ہے۔

شریعت اسلامی کی اصطلاح میں ''ارتداد کے کیا معنی ہیں؟ ایک دین کی جگہ پر دوسرا دین اور ایک عقیدے کے بجائے دوسرا عقیدہ اختیار کرنا رسول جو تعلیمات لے کر آیا جو کچھ

اس سے تواتر منقول ہے اور جو پچھا اسلام میں قطعی طور پر ثابت ہے اس سے انکار کرنا اور ایک مرتد کیا رویہ اختیار کرتا تھا؟ رسالت محمدی (علی صاحبها الصلوٰة السلام) کا انکار کرتا تھا اور مسیحیت، یہودیت یا ہندو مذہب کی طرف منتقل ہو جاتا تھا۔ یا الحاد کی راہ اختیار کرتا اور وحی و رسالت اور آخرت سے منکر ہوتا تھا۔ یہ ارتداد کے وہ معنیٰ ہیں جن سے پرانی دنیا یا پرانی سوسائٹی واقف تھی ہر وہ شخص جو اپنا دین چھوڑتا تھا اگر مثال کے طور پر نصرانی بن جاتا تو کلیسا میں داخل ہوتا یا ہیکل میں جاتا یا اگر ہندو مذہب اختیار کرتا تو بت خانے کی راہ لیتا۔ اس کا نتیجہ یہ ہوتا تھا کہ یہ ارتداد سب پر روشن ہو جاتا تھا اور مرتد دور سے پہچان لیا جاتا تھا۔ اس کی طرف انگلیاں اٹھتی تھیں اور مسلمان اس شخص سے تمام امیدیں منقطع کر لیتے تھے۔ الحاصل عام طور پر کسی کا ارتداد کوئی راز نہیں ہوا کرتا تھا۔

یورپ کا لایا ہوا فلسفہ

یورپ نے مشرق میں وہ فلسفے پہنچائے جو دین کی بنیادوں کے انکار پر مبنی تھے جن کی بنیاد اس عالم میں کارفرما (متصرف) قوت کے انکار پر تھی، وہ باشعور قوت جو اس دنیا کو عدم سے وجود میں لائی اور جس کے دست تصرف میں کائنات کی زمام کار ہے۔

الا له الخلق والامر

(ترجمہ) خبردار اسی نے تخلیق کی اور اسی کا حکم چلتا ہے وہ فلسفے جو عالم غیب، وحی، نبوت، شرائع سماویہ اور روحانی واخلاقی قدروں کے انکار پر مبنی تھے یہ تھی مغرب کے لائے ہوئے تمام فلسفوں کی مشترک بنیاد جن میں کوئی علم النفس تھا اور کسی کا موضوع بحث سیاست واقتصاد، فلسفے اپنے موضوعات میں خواہ باہم کتنے ہی مختلف تھے۔ تاہم اس نقطے پر سب ملتے تھے کہ انسان کائنات کو محض مادی نظر سے دیکھیں اور ان دونوں کے ظاہری احوال وافعال کی مادی توجیہ کریں۔

یہ فلسفے مشرقی اسلامی معاشرے پر حملہ آور ہوئے اور اس کے ذہن تک گھس گئے۔ یہ فلسفے سب سے بڑا دین تھے جو تاریخ میں اسلام کے بعد پیدا ہوئے سب سے بڑا دین اپنی وسعت اشاعت کے لحاظ سے سب سے گہرا دین اپنی جڑوں کے لحاظ سے اور سب سے طاقتور

دین دلوں اور دماغوں کو مسخر کرنے کے لحاظ سے اسلامی ملکوں کا وہ طبقہ جو علم و فہم کے لحاظ سے ممتاز تھا اس دین پر فریفتہ ہو گیا۔ اس نے اسے نہایت خوشگواری کے ساتھ حلق سے اتارا اور اطمینان کے ساتھ ہضم کر لیا وہ اس دین کا ٹھیک اسی طرح پیرو بن گیا جس طرح ایک مسلمان اسلام کا اور ایک مسیحی مسیحیت کا حتی کہ وہ اس پر جان دیتا ہے۔ اس کے شعائر کی عزت کرتا ہے۔ اس کے رہنماؤں اور داعیوں کی عظمت کا کلمہ پڑھتا ہے۔ اپنے ادب اور تالیفات میں اس دین کی دعوت دیتا ہے اور جو دین، جو نظام اور جو طرز فکر اس کے معارض ہوتا ہے اس کی تحقیر کرتا ہے۔ اس دین کے ہر پیرو سے وہ اخوت کا رشتہ استوار کرتا ہے اور اس طرح یہ تمام افراد ایک امت ایک خاندان اور ایک گروہ بن گئے ہیں۔

دین یا لادینیت:

یہ نیا دین...... اگر چہ اس کے پیرو اس کو "دین" کا نام دینے سے انکار کرتے ہوں۔ کیا ہے؟ کائنات کو وجود میں لانے والی اس علیم و خبیر ہستی کا انکار جو مالک تقدیر بھی ہے اور رہنمائے حیات بھی (الذی قدر فھدٰی) حیات بعد الموت، حشر، جنت و دوزخ، ثواب و عذاب کا انکار، نبوت و رسالت کا انکار، شرائع سماویہ اور حدود شرعیہ کا انکار اور اس حقیقت کا انکار کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی تمام مخلوق پر اپنے برگزیدہ رسول (خاتم الرُسُل) کی اطاعت فرض کی ہے اور ہدایت و سعادت کو اس کی پیروی میں منحصر کر دیا ہے اور اس بات کا انکار کہ اسلام وہ آخری اور دائمی پیغام ہے جو دین و دنیا کی تمام سعادتوں کا کفیل ہے اور زندگی کا ایک نظام ہے جو سب سے اعلیٰ اور افضل ہے اور وہی وہ دین ہے جس کے علاوہ کوئی دین اللہ کے یہاں مقبول نہیں، اور جس کے بغیر دنیا کی فلاح و سعادت کا کوئی امکان نہیں اور اس کا انکار کہ دنیا انسان کے لئے پیدا کی گئی ہے اور انسان اللہ کے لئے۔

آج جس طبقے کے ہاتھ میں اکثر ممالک اسلامیہ کی زمام حیات ہے، اس کے افراد کی ایک بڑی تعداد اسی دین کی پیرو ہے، اگر چہ یہ سب پختگی ایمان اور سرگرمی عمل میں ایک درجے کے نہ ہوں، بحمد اللہ اس طبقے میں خاصی تعداد میں ایسے افراد بھی ہیں جو اللہ پر ایمان رکھتے ہیں اور اسلام کی پیروی کرتے ہیں۔ مگر اس طبقے کا وہ وصف جو افسوس ہے کہ اس پر

غالب ہو گیا ہے اور اس کے بہت سے مقتدر افراد کا دین یہی مادہ پرستی اور زندگی کا مغربی فلسفہ ہے جو الحاد پر مبنی ہے۔

میں پھر کہتا ہوں کہ یہ وہ ارتداد ہے جس نے عالم اسلامی کو اس سرے سے اس سرے تک تاراج کیا ہے گھر گھر اور خاندان خاندان اس کا حملہ ہوا ہے۔ یونیورسٹیوں کالجوں اور اداروں سب پر اس دین کا کوئی پیروکار، پرستار اور عقیدت گزار نہ ہو۔ آپ جب ذرا اس سے تنہائی میں باتیں کریں گے، کچھ چھیڑیں گے اور اندر کی بات اگلوائیں گے تو دیکھیں گے کہ وہ ایمان باللہ سے محروم ہوگا یا ایمان بالآخرت سے خالی ہوگا یا رسول اللہ ﷺ پر ایمان نہ رکھتا ہو گا یا قرآن کو ایک معجزہ و ابدی کتاب اور دستور حیات نہ مانتا ہوگا اور ان میں سب سے غنیمت وہ ہوگا، جو کہے گا کہ میں اس قسم کے مسائل پر غور نہیں کرتا اور ان کو کوئی بڑی اہمیت نہیں دیتا۔

ایک لاوارث مسئلہ:

بلاشبہ یہ ارتداد ہے لیکن وہ مسلمانوں کی توجہ اپنی طرف مبذول نہیں کر سکا، کیوں؟ اس لئے کہ اس ارتداد کا مارا ہوا کلیسا یا ہیکل میں نہیں جاتا اور نہ اپنے ارتداد اور تبدیلی مذہب کا اعلان کرتا ہے۔ نہ معاشرہ اس پر چونکتا ہے کہ احتساب وعتاب کی صورت پیش آئے اور فصل و انقطاع کا معاملہ درپیش ہو، پس وہ بدستور اسی سوسائٹی اور معاشرے میں رہتا ہے۔ اپنے تمام حقوق حاصل کرتا ہے بلکہ معاشرے پر حاوی ہونے تک کا موقع اس کو مل جاتا ہے۔ یہ عالم اسلامی کا نہایت اہم مسئلہ اور بڑا قابل فکر معاملہ ہے۔ ارتداد پھیلتا ہے۔ اسلامی معاشرے پر حملہ آور ہوتا ہے اور کوئی اس پر چونکتا تک نہیں۔ علمائے امت اور رجال دین اس سے کوئی پریشانی اور بے چینی محسوس نہیں کرتے۔ پہلے جب کوئی پیچیدہ مسئلہ پیش آتا تھا تو لوگ اس کو حل کرنے کے لئے حضرت علیؓ کو یاد کیا کرتے تھے۔ ایسے موقع پر ضرب المثل تھی۔

قضية ولا ابا حسن رضى الله عنه لها.

ایک پیچیدہ فقہی مسئلہ درپیش ہے لیکن کوئی نہیں جو اس کو حضرت علیؓ کی ذہانت کے ساتھ حل کرے۔

اس ارتداد کے موقع پر بے ساختہ حضرت ابوبکرؓ کی شان عزیمت یاد آتی ہے اور کہنا پڑتا

ہے:۔

قضية ولا ابا بكر رضى الله عنه لها.

ارتداد کی آگ پھیل رہی ہے۔ لیکن کوئی نہیں جو ابو بکر صدیقؓ کی قوت ایمانی اور شان عزیمت کے ساتھ اس پر قابو پائے۔

لیکن یاد رکھئے اس مسئلہ کا علاج جنگ نہیں اور نہ اس پر رائے عامہ کو بھڑکانا درست ہے۔ یہ برافروختگی اور سختی سے حل نہیں ہوسکتا۔ بلکہ سختی الٹا نقصان پہنچائے گی۔

اور فتنے کو اور بھڑکا دے گی اسلام خفیہ تحقیقاتی عدالتوں(INQUISITION) سے آشنا نہیں ہے۔ اور نہ وہ جبر وظلم کا روادار ہے۔ یہ معاملہ عزم وحکمت اور صبر وتحمل چاہتا ہے اور اس سے نمٹنے کے لئے غور وفکر اور گہرے مطالعہ کی ضرورت ہے۔

لادینیت کی عالمگیر اشاعت کا راز:

یہ نیا دین اسلامی دنیا میں کیوں کر پھیل سکا؟ کیسے اسے یہ طاقت حاصل ہوسکی کہ مسلمانوں پر عین ان کے گھر کے اندر حملہ آور ہوسکے؟ اور کیونکر اس کے لئے ممکن ہوا کہ لوگوں کی عقلوں اور طبیعتوں پر اس قدر قوت کے ساتھ مستولی ہوجائے؟ یہ سب سوالات ہیں جو بڑی گہری اور دقیق فکر اور بڑے وسیع مطالعہ کو چاہتے ہیں۔

قصہ یوں ہوا ہے کہ انیسویں صدی عیسوی میں دنیائے اسلام پر تھکاوٹ اور بڑھاپے کے آثار طاری ہونے لگے۔ دعوت وعقیدہ اور علم وعقلیت کے لحاظ سے وہ شدید ضعف وانحطاط کی کیفیت میں مبتلا ہوگئی۔ اسلام تو بے شک بڑھاپے کی منزل سے آشنا نہیں ہے۔ اس کی مثال سورج کی سی ہے کہ قدیم ہونے کے باوجود ہر وقت جدید اور ہر دم جوان۔ لیکن وہ مسلمان تھے جو ضعف وپیری کا شکار ہوگئے۔ علم میں وسعت، فکر میں ندرت، عقل کی عبقریت دعوت کے جوش وولولہ اور اسلام کو مؤثر طریقے پر پیش کرنے کے سلیقہ میں بڑا اخلاء محسوس ہوتا تھا۔

مزید برآں یہ ہوا کہ تعلیم یافتہ نوجوانوں سے ربط نہیں رکھا گیا اور نہ ان کے ذہن کو متاثر کرنے کی کوشش کی گئی، حالانکہ آنے والا دور انہیں کا تھا۔ اس نوخیز نسل کو اس بات کا قائل کرنے کی بہت کم کوشش کی گئی کہ اسلام ایک سدا بہار پیغام اور دین انسانیت ہے۔ قرآن ہی،

تنہا معجزہ اور ابدی کتاب ہے۔ جس کے عجائبات کی انتہا نہیں۔ جس کے ذخائر فکریہ کا اختتام نہیں اور جس میں جدت اور کہنگی کا گزر نہیں رسول اللہ ﷺ اپنی ذات سے ایک زبردست معجزہ، تمام نسلوں کے رسول اور تمام زمانوں کے امام ہیں۔ اسلامی شریعت قانون سازی کا ایک معیاری نمونہ ہے۔ اس میں زندگی کے ساتھ چلنے اور اس کے صحیح مطالبات کا جواب دینے کی صلاحیت ہے۔ ایمان و عقیدہ اور اخلاق و روحانی اقدار ہی وہ بنیادیں ہیں۔ جن پر ایک شریف سوسائٹی اور پاکیزہ تمدن کی عمارت کھڑی کی جاسکتی ہے۔ نئی تہذیب کے پاس صرف ذرائع و وسائل ہیں۔ اخلاق و عقائد اور غایات و مقاصد کا سرچشمہ صرف انبیاء علیہم السلام کی تعلیمات ہیں اور ایک متوازن اور صالح تمدن کا قیام صرف اسی طرح ہوسکتا ہے کہ مقاصد و وسائل صحیح تناسب کے ساتھ جمع ہوں۔

یہ صورت حال اور یہ وقت تھا جب یورپ اپنے فلسفوں کا لشکر لے کر اسلامی دنیا پر حملہ آور ہوا۔ وہ فلسفے جس کی تدوین اور تراش و خراش بڑے بڑے فلاسفر اور یگانہ روزگار شخصیتوں کی ذہنی کاوشوں کا ثمرہ تھی۔ جنہوں نے ان پر ایسا علمی اور فلسفیانہ رنگ چڑھایا تھا کہ معلوم ہوتا یہ فکر انسانی کی معراج ہے۔ مطالعہ و تحقیق اور عقل انسانی کی پرواز اس پر ختم ہے اور غور و فکر کی یہ وہ حد ہے جس کے بعد کچھ اور سوچا نہیں جاسکتا۔ حالانکہ ان فلسفوں میں کچھ چیزیں وہ تھیں جو ظن و تخمین اور مفروضات و تخیلات پر مبنی تھیں۔ گویا ان میں حق بھی تھا اور باطل بھی، علم بھی تھا جہل بھی، محکم حقائق بھی تھے اور شاعرانہ تخیلات بھی۔ شاعری، یہ نہ سمجھئے کہ نظم اور قافیہ بندی ہی میں منحصر ہے، یہ فلسفہ و علم کے میدان میں بھی ہوتی ہے۔

یہ فلسفے مغربی فاتحین کے جلو میں آئے اور مشرقی عقل و طبیعت نے فاتحین کے ساتھ ساتھ ان کی اطاعت بھی قبول کرلی۔ مشرق کے تعلیم یافتہ طبقے نے پڑھ کر ان کو قبول کرلیا۔ ان دونوں میں وہ بھی تھے جنہوں نے سمجھ کر قبول کرلیا تھا۔ مگر وہ کم تھے زیادہ تر وہ تھے جو ذرا بھی نہیں سمجھتے لیکن اس پر ایمان بالغیب رکھتے تھے یہ سب ایک سرے سے مسحور تھے۔ ان فلسفوں پر ایمان لانا ہی عقل و خرد کا معیار بن گیا اور اس کو روشن خیالوں کا شعار سمجھا جانے لگا۔

اس طرح یہ الحاد و ارتداد اسلامی ماحول اور اسلامی دائروں میں بغیر کسی شورش اور کشمکش کے پھیل گیا۔ نہ باپ اس انقلاب پر چونکے، نہ اساتذہ اور مربیوں کو خبر ہوئی اور نہ غیرت ایمانی

رکھنے والوں کو کوئی جنبش ہوئی۔ اس لئے کہ یہ ایک خاموش انقلاب تھا، اس الحاد وارتداد کو اختیار کرنے والے کسی کلیسا میں جا کر نہیں کھڑے ہوئے نہ کسی معبد میں داخل ہوئے۔ نہ کسی بت کے آگے انہوں نے ڈنڈوت کی اور نہ کسی استھان پر جا کر قربانی پیش کی، اگلے دور میں یہی سب علامات تھیں جن سے کفر وارتداد اور زندقہ کا علم ہوتا تھا۔

نفاق والحاد:

اگلے مرتدین اس سوسائٹی سے منسلک ہو جایا کرتے تھے جس کا دین وہ قبول کرتے تھے اور اپنے عقیدے کی تبدیلی کا صراحت اور جرأت کے ساتھ اعلان کر دیتے تھے، پھر جو کچھ نئے مذہب کی راہ میں انہیں برداشت کرنا پڑتا تھا۔ برداشت کرتے تھے۔ انہیں اس پر اصرار نہیں ہوتا تھا کہ پرانی سوسائٹی میں جو حقوق اور منافع انہیں حاصل تھے۔ ان کو محفوظ رکھنے کے لئے اس سوسائٹی سے چپکے ہیں۔ لیکن آج جو لوگ دین اسلام سے اپنا تعلق منقطع کرتے ہیں، وہ اس پر تیار نہیں ہوتے کہ اسلامی سوسائٹی سے بھی اپنا رشتہ کاٹ لیں۔ حالانکہ دنیا بھر میں اسلامی معاشرہ ہی تنہا وہ معاشرہ ہے جس کی تاسیس وترکیب عقیدے کی بنیاد پر ہے۔ اور مخصوص عقائد کے بغیر اسلامی معاشرہ وجود ہی میں نہیں آتا۔ لیکن یہ نئے مرتدین اصرار کرتے ہیں کہ اس معاشرے کے نام پر فوائد حاصل کرتے ہوئے اپنی جگہوں پر جمے رہیں اور اسلام کے بخشے ہوئے تمام حقوق سے متمتع ہوتے رہیں۔ یہ ایک نرالی صورت حال ہے۔ جس سے اسلام کی تاریخ کو کبھی سابقہ نہیں پڑا تھا۔

جاہلی عصبیت اور ’’مذہب قوم پرستی‘‘:

ان فلسفوں نے جہاں ایک طرف عقائد اور اخلاقی قدروں کو مجروح کیا ہے۔ وہاں ان جاہلی جذبات واحساسات کی تخم ریزی بھی دنیائے اسلام میں کی ہے۔ جن سے اسلام نے کھل کر جنگ کی تھی اور جن پر پیغمبر اسلام ﷺ نے پوری قوت سے چوٹ لگائی تھی۔ مثال کے طور پر عصبیت جاہلیہ کو لیجئے جو نسل وطن یا قومیت کی بنیاد پر پیدا ہوتی ہے۔ پھر اس کی اس قدر تقدیس کی جاتی ہے۔ اس طرح اس پر جان دی جاتی ہے اور انسانی برادری کو اس کی بنیادوں پر تقسیم

کرنے میں اتنا غلو پیدا ہوجاتا ہے کہ یہ (عصبیت) ایک مستقل عقیدہ اور ایک مستقل دین بن جاتی ہے۔ دل ودماغ پر اس طرح اس کا قبضہ ہوجاتا ہے کہ ساری زندگی کی باگ ڈور اسی کے ہاتھ میں آجاتی ہے۔ یہ اپنی ہمہ گیری، اپنی طاقت اور اپنے اثرات کی گہرائی اور مضبوطی کے لحاظ سے بلاشبہ دین ومذہب کی حریف ہے اور اس کی گرفت انسان کی پوری زندگی پر ہوتی ہے۔ یہ جب کسی معاشرے پر چھا جاتی ہے تو انبیاء علیہم السلام کی کوششوں اور کارناموں پر پانی پھر جاتا ہے۔ اور دین عبادت اور چند رسوم ورواج کے دائرے میں محدود ہوکر رہ جاتا ہے جو پوری زندگی پر فرمانروائی کے لئے آیا تھا۔ پھر اس کے نتیجہ میں عالم انسانیت چند متحارب کیمپوں میں تقسیم ہوجاتا ہے اور وہ ''امت واحدہ'' جس کے متعلق پروردگار عالم کا ارشاد ہوا تھا:۔

وَاِنَّ هٰذِهٖۤ اُمَّتُكُمْ اُمَّةً وَّاحِدَةً وَّاَنَا رَبُّكُمْ فَاتَّقُوْنِ. (المؤمنون. ۵۲)

''اور یہ ہے تمہارا طریقہ کہ وہ ایک ہی طریقہ ہے اور میں تمہارا رب ہوں سو تم مجھ سے ڈرتے رہو'' پارہ پارہ ہوکر بے شمار امتوں میں بٹ جاتی ہے۔

اسلام اس عصبیت سے کیوں برسر جنگ ہے؟:

محمد رسول اللہ ﷺ نے اس عصبیت جاہلیہ کے خلاف پوری شدت سے جنگ کی تھی۔ اس کے بارے میں اپنی امت کو صاف الفاظ میں آگاہی دی تھی اور ہر اس بنیاد پر تیشہ چلایا تھا۔ جس سے یہ ابھر سکتی ہے اور اس باب میں یہ رویہ ضروری بھی تھا۔ اس لئے کہ ان عصبیتوں کے ساتھ ایک عالمی دین کے قیام کا کوئی امکان نہیں تھا۔ اور امت واحدہ کی وحدت چار دن بھی سلامت نہیں رہ سکتی تھی۔ اس عصبیت کی مذمت اور اس کی تردید شریعت اسلامیہ میں ایک مسلم حقیقت ہے۔ بیشمار نصوص ہیں جو اس بات کو ظاہر کرتے ہیں، بلکہ سلام کا اس عصبیت سے بُعد ایک بدیہی چیز ہے۔ جو شخص سلام کے مزاج ہی سے بلکہ مطلق دینی مزاج ہی سے واقف ہوگا۔ اس پر بات مخفی نہیں رہ سکتی کہ یہ مزاج ان عصبیتوں کے ساتھ جوڑ نہیں کھاتا۔ سیاسی رجحانات وخیالات سے خالی الذہن ہوکر تاریخ کا مطالعہ کیا جائے تو اس حقیقت سے انکار نا ممکن ہے کہ بین الانسانی تفریق اور عام انسانیت کی تباہی وتخریب میں جو عوامل کارفرما رہے ہیں۔ ان میں ان جاہلی عصبیتوں کا درجہ بہت اونچا ہے، پس قدرتی بات ہے کہ:

○ جو انسان اس لئے آیا ہو کہ پوری دنیا کو ایک اکائی بنائے۔
○ جو اس لئے آیا ہو کہ تمام نوع انسانی کو ایک جھنڈے کے نیچے اور ایک عقیدے پر جمع کرے۔
○ جو اس لئے آیا ہو کہ ایک نیا معاشرہ وجود میں لائے جو دین ایمان برب العالمین کی بنیادوں پر استوار ہو۔
○ جو اس لئے آیا ہو کہ خارزار عالم میں امن وسلام کے پھولوں کی سیج بچھائے۔
○ جو اس لئے آیا ہو کہ انسانیت کے پورے خاندان کو محبت والفت کی ایک لڑی میں پروئے۔
○ جو اس لئے آیا ہو کہ انہیں باہم شیر وشکر کر کے اس طرح یک جان بنادے کہ ایک کو دکھ ہو تو دوسرا بھی تڑپے۔

اس مشن کے حامل انسان کے لئے تو بالکل قدرتی اور عقلی بات ہے کہ وہ ان نسلی، قومی اور عصبیتوں کے خلاف کھلا اعلان جنگ کرے اور اس انتہائی حد تک ان کے خلاف لڑے کہ یہ قصہ ماضی بن کر رہ جائیں۔

ممالک اسلامیہ میں ''قوم پرستی'' کی مقبولیت:

لیکن یورپ کے سیاسی اور ثقافتی غلبہ کے بعد سے دنیائے اسلام کا جو محمد رسول اللہ ﷺ کے وجود سے وجود میں آئی حال یہ ہے کہ وہ انہیں عصبیتوں کو اپنے دل ودماغ میں جگہ دے رہی ہے اور اس طرح انہیں مانے جارہی ہے جیسے کوئی علمی نظریہ اور کوئی حقیقت ثابتہ ہو۔ جس سے مفر نہ ہو۔ آج اس دنیائے اسلام کا حال یہ ہے کہ اس میں بسنے والی تمام قومیں حیرت انگیز حد تک ان عصبیتوں کو زندہ کرنے اور ان کے گن گانے کی طرف راغب ہیں جن کو اسلام ہی نے موت کے آغوش میں سلایا تھا حتیٰ کہ ان قومی وجاہلی شعائر کے احیاء کا جذبہ بھی آج موجزن ہے۔ جو کھلی ہوئی بت پرستی کا مظہر ہیں ان ملکوں میں اس عہد قبل الاسلام کو سرمایہ افتخار گردانا جارہا ہے۔ جسے اسلام'' جاہلیت'' اور صرف جاہلیت کا نام دیتا ہے اور یہ وہ لفظ ہے جس سے زیادہ وحشت اور تنفر انگیز کوئی دوسرا لفظ اسلام کی لغت میں موجود نہیں۔ جس

سے نجات پانے کو قرآن مسلمانوں پر احسان ٹھہراتا ہے اور تلقین کرتا ہے کہ مسلمان اس نعمت کا شکریہ ادا کریں۔

اور یاد کرو احسان اللہ کا اپنے اوپر جب کہ تم تھے آپس میں دشمن پس الفت ڈالی اس نے تمہارے دلوں میں۔ سو اب ہوگئے تم اس کے فضل سے بھائی بھائی اور تم تھے کنارے پر ایک آگ کے گڑھے کے تو اس سے تم کو نجات دی۔ (آل عمران۔۱۰۳)

ایک اور جگہ ارشاد ہے

بلکہ اللہ تم پر احسان رکھتا ہے کہ اس نے راہ دی تم کو ایمان کی اگر سچ ہو۔

(الحجرات۔۱۷)

ایک جگہ فرمایا:

وہی ہے جو اتارتا ہے اپنے بندے پر صاف آیتیں تاکہ نکال لائے تم کو اندھیروں سے اجالے میں اور اللہ تم پر نرمی کرنے والا مہربان ہے۔ (الحدید۔۹)

ممالک اسلامیہ میں دور ’’جاہلیت‘‘ کا اعزاز:

لیکن بہت سے اسلامی ملکوں اور مسلمان قوموں کا حال اس وقت یہ ہے کہ وہ صرف مغربی فلسفوں اور اہل مغرب کی طرز فکر سے مرعوبیت کے ماتحت اپنے قبل اسلام کے عہد اور اس عہد کی تہذیب و رسوم کو عزت کی نگاہ سے دیکھنے لگے ہیں۔ ان میں اس عہد سے دلی لگاؤ سا پیدا ہوتا جا رہا ہے۔ ان میں خواہش پیدا ہو رہی ہے کہ اس عہد کے شعائر کو زندہ کریں اور اس کے مشاہیر، بادشاہوں اور ناموروں کو تاریخ کی زندۂ جاوید ہستیوں میں جگہ دلا دیں گویا یہ ان کا زریں دور تھا اور کوئی نعمت تھی جو اسلام نے ان سے چھین لی العیاذ باللہ! یہ کیسی کھلی ناشکری اور اسلام اور پیغمبر اسلام کی کیسی ناقدری ہے اس کا مطلب تو یہ ہوا کہ کفر و بت پرستی کی شناخت دلوں سے نکل گئی ہے اور جاہلی خرافات سے کوئی نفرت باقی نہیں رہی اور یہ وہ باتیں ہیں کہ ایک باشعور مسلمان کے متعلق ان کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا، ان پر تو ایمان اگر سلب ہو جائے، اسلام کی دولت سے محروم کر دیا جائے اور اللہ کی رحمت کے بجائے اس کا عتاب سامنے آجائے تو کوئی تعجب کی بات نہیں قرآن نے آگاہ کیا ہے:۔

وَلَا تَرْكَنُوْٓا اِلَى الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا فَتَمَسَّكُمُ النَّارُ وَمَا لَكُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ مِنْ اَوْلِيَآءَ ثُمَّ لَا تُنْصَرُوْنَ . (هود. آيت ۱۱۳)

اور مت میلان رکھو ان لوگوں کی طرف جنہوں نے ظلم (شرک) کیا ورنہ کہیں تم کو بھی آگ نہ پکڑ لے اور نہ نکلے اللہ کے علاوہ تمہارا کوئی مددگار، پھر نہ ہو سکے تمہاری کوئی مدد۔

دینی واخلاقی انتشار:

ان قوم پرستانہ رجحانات کے علاوہ ایک اور فتنہ بھی ہے۔ جس سے آج کا عالم اسلام دوچار ہے اور وہ ہے اونچے طبقوں میں آنکھیں بند کرکے مادیات کے پیچھے دوڑنے کا رجحان کہ ہر عقیدہ اور ہر قدر اس پر قربان، دوسرے الفاظ میں دنیا کو آخرت پر ترجیح دینے کا رجحان، دنیاوی زندگی پر فریفتگی اور نفس پرستی کا رجحان اور پھر اس کے نتیجے میں جو کچھ ہوا کرتا ہے۔ یعنی اخلاقی بے راہ روی محرمات الٰہیہ کا استخفاف فسق وشراب کا شیوہ وعموم اور اسلامی فرائض وقیود سے اس طرح کلی آزادی، جیسے اس طبقہ کا کوئی تعلق اسلام سے نہیں یا اسلامی شریعت منسوخ ہو چکی ہے اور وہ کوئی داستان پارینہ اور قصہ وافسانہ ہے۔ دنیائے اسلام کے تمام ملکوں کے اونچے طبقے کے افراد میں بہت بڑی تعداد آپ کو اسی رنگ اور اسی مسلک کی ملے گی گویا ایک ہی تصویر ہے۔ جس کی مختلف کاپیاں کردی گئی ہیں۔ **فاعتبروا یا اولی الابصار۔**

عالم اسلام کے لئے سب سے بڑا خطرہ:

یہ ہے اجمال کے پیرائے میں آج کے عالم اسلامی کی دینی اور اعتقادی تصویر! اس تصویر میں جو کچھ نظر آتا ہے۔ میرے نزدیک یہ جاہلیت کی ایک موج ہے جو اسلام کا سارا سرمایہ بہائے لئے جا رہی ہے۔ دنیائے اسلام کو اپنی پوری تاریخ میں اس سے زیادہ سرکش موج سے سابقہ نہیں ہے نہ اس جیسی طاقتور مخالف موج کا سامنا عالم اسلامی کو کبھی ہوا ہے اور نہ اس جیسی ہمہ گیر موج کا، اور پھر اس کا ایک امتیاز یہ بھی ہے کہ اس کی ہلاکت خیزیوں پر چونکنے والے کم ہیں اور وہ تو کم سے بھی کمتر ہیں جو سب کچھ چھوڑ چھاڑ اور اپنی ساری قوتوں کا سرمایہ لے کر اس کے مقابلے پر ڈٹ گئے ہوں۔ ہم دیکھتے ہیں کہ ماضی میں یونانی فلسفے کے اثر سے جو نئی

الحاد وزندقہ پھیلنا شروع ہوا۔ فوراً ایسی ہستیاں سامنے آ کھڑی ہوئیں جنہوں نے اپنے علمی تبحر، عظیم عقلیت، نادرۂ روزگار ذکاوت اور قوی شخصیت کے سارے ہتھیاروں سے اس کے خلاف جنگ کی، ایسے ہی باطنیت اور ملاحدہ کی جماعت کا ظہور ہوا تو اس کے مقابلے میں بھی علم و حکمت اور دلیل و برہان کی تلواریں لے کر اسلام کے سرفروش میدان میں آ کودے، چنانچہ اسلام ان بروقت نصرتوں کی بنا پر علمی و نقلی اعتبار سے ایسی مضبوط پوزیشن میں رہا کہ مخالفت کی موجیں اٹھتیں اور سر ٹکرا کر واپس چلی جاتیں، سیلاب کے ریلے آتے اور بے اثر ہو کر گزر جاتے۔

اولین مسئلہ:

عالم اسلام کا وہ مسئلہ جو طوفان بن کر کھڑا ہوا ہے اور جس کا رخ براہ راست دین کی طرف ہے۔ کفر و ایمان کا یہی مسئلہ ہے سوال یہ ہے کہ اسلامی دنیا اسلام پر قائم رہے گی یا اس کا قلادہ اپنی گردن سے اتار دے گی؟ اسلامی دنیا میں آج ایک معرکہ برپا ہے۔ جس میں ایک طرف مغرب کا فلسفہ لادینیت ہے۔ دوسری طرف اسلام خدا کا آخری پیغام! ایک طرف مادیت ہے اور دوسری طرف آسمانی شرایعت، میں سمجھتا ہوں کہ یہ دین اور لادینیت کا آخری معرکہ ہے اور اس کے بعد دنیا دونوں میں سے کسی ایک رخ کو اختیار کر لے گی۔

مقدس ترین جہاد:

آج کا جہاد، وقت کا فریضہ اور عصر حاضر کی سب سے بڑی دینی ضرورت یہ ہے کہ لادینیت کی اس طوفانی موج کا مقابلہ کیا جائے جو عالم اسلام کے سر سے گزر رہی ہے۔ نہیں! بلکہ آگے بڑھ کر اس کے قلب و مرکز پر حملہ کیا جائے۔ وقت کا تجدیدی کام یہ ہے کہ امت کے نوجوان اور تعلیم یافتہ طبقے میں اسلام کے احساسات وعقائد، اس کے نظام وحقائق اور رسالت محمدی پر وہ اعتماد واپس لایا جائے۔ جس کا رشتہ اس طبقے کے ہاتھ سے چھوٹ چکا ہے۔

آج کی سب سے بڑی عبادت یہ ہے کہ اس فکری اضطراب اور ان نفسیاتی الجھنوں کا علاج بہم پہنچایا جائے۔ جن میں آج کا تعلیم یافتہ نوجوان بری طرح گرفتار ہے اور اس کی عقلیت اور علمی ذہن کو اسلام پر پوری طرح مطمئن کر دیا جائے۔

آج کا سب سے بڑا جہاد یہ ہے کہ جاہلیت کے وہ بنیادی افکار جو دل و دماغ میں گھر کر گئے ہیں۔ ان سے علم اور عقل کے میدان میں نبرد آزمائی کی جائے یہاں تک کہ اسلام کے اصول و مبادی پھر سے ایمانی جذبات کے ساتھ ان کی جگہ لے لیں۔

کامل ایک صدی گزرتی ہے کہ یورپ ہمارے نوجوان اور ذہین طبقے پر چھاپے مار رہا ہے، شرک والحاد، نفاق وارتیاب کا ایک طوفان ہے جو اس نے ہمارے دل و دماغ میں برپا کر رکھا ہے، غیبی اور ایمانی حقائق پر اعتماد متزلزل ہو رہا ہے اور سیاست اور اقتصاد کے مادہ پرستانہ نظریات اس جگہ پر قابض ہو رہے ہیں کامل ایک صدی سے اس شکست و ریخت کا سلسلہ جاری ہے لیکن ہمیں اس کے مقابلے کی کوئی فکر نہیں ہوئی، ہم نے اس کی کوئی پرواہ نہیں کی کہ وقت کے تقاضوں کے مطابق قدیم علمی ترکہ پر اضافے کرنا بھی ہمارا فرض ہے ہمیں اس سے کوئی دلچسپی نہیں ہوتی کہ یورپ کے ان فلسفوں کو سمجھیں اور پھر ان کا علمی محاسبہ کریں بلکہ سرجنوں کی طرح ان کا پوسٹ مارٹم کریں۔ ہمارا سارا وقت سطحی بحثوں کی نذر ہوتا رہا۔ یہاں تک کہ اس صدی کے آخر میں ہمارے سامنے گویا یکایک یہ منظر آیا کہ ایمان وعقیدہ کی دنیا متزلزل ہے اور ایک ایسی نسل تیار ہو کر برسر اقتدار آ چکی ہے جو نہ اسلام کے عقائد و مبادی پر ایمان رکھتی ہے ، نہ اسلامی جذبات اور اسلامی حمیت سے معمور ہے اور نہ اس کا کوئی علاقہ اپنی مومن و مسلم قوم سے اس کے سوا ہے کہ قومیت کے خانے میں اس کا شمار بھی مسلمانوں میں ہوتا ہے یا اگر کچھ تعلق ہے تو وہ محض سیاسی مصالح کی حد تک! بس اس کے سوا کوئی تعلق نہیں! اور اب اس سے بھی آگے بڑھ کر صورت حال یہ ہے کہ یہ لادینی مزاج اور لادینی انداز فکر ادب و ثقافت اور صحافت و سیاست کے راستے سے جمہور تک پہنچ چکا ہے اور مسلمان قوموں کے سر پر عمومی پیانے کی لادینیت کا خطرہ منڈلا رہا ہے۔

خاکم بدہن! وقت کی رفتار، وہ وقت قریب لا رہی ہے کہ اسلام کو زندگی کے میدان سے کہیں بے دخل کر کے نہ رکھ دیا جائے۔

دعوت ایمان:

یہ وقت عالم اسلامی میں ایک نئی اسلامی دعوت کا متقاضی ہے۔ اس دعوت و جدوجہد کا

نعرہ اور نشانہ ہو "آؤ پھر سے اسلام پر ایمان پیدا کریں!" لیکن تنہا نعرہ کافی نہیں ہے۔ اس میں پہلے وہ نفسیاتی راستہ سوچنے اور سمجھنے کی ضرورت ہے۔ جس سے عالم اسلامی کے موجودہ برسرِ اقتدار طبقہ کے دل و دماغ تک پہنچا جا سکے اور اسے اسلام کی طرف لوٹایا جا سکے۔

بے غرض داعیوں کی ضرورت:

آج عالم اسلام کو ایسے مردانِ کار کی ضرورت ہے جو صرف اسی دعوت کے پیچھے ہو رہیں۔ اپنا علم اپنی صلاحیتیں اور اپنا مال و متاع اس کے لئے وقف کر دیں، کسی جاہ و منصب یا عہدہ و حکومت کی طرف نظر اٹھا کر نہ دیکھیں کسی کے لئے ان کے دل میں کینہ و عداوت نہ ہو، فائدہ پہنچائیں، مگر خود فائدہ نہ اٹھائیں۔ دینے والے ہوں، لینے والے نہ ہوں، ان کا طرزِ عمل سیاسی رہنماؤں کے طرزِ عمل سے ممتاز اور ان کی دعوت و جدوجہد سیاسی تحریکات (جس کا مطمحِ نظر محض حصولِ اقتدار ہوتا ہے) مختلف اور جداگانہ ہو، اخلاص ان کا شعار ہو اور نفس پرستی، خود پسندی اور ہر قسم کی عصبیت سے بالاتری ان کا امتیاز!

دعوت کے لئے نئے علمی اداروں کی ضرورت:

اس پر اضافہ یہ ہے کہ آج ایسے علمی ادارے (ACADEMIES) عالم اسلامی کی بڑی اہم ضرورت ہیں جو ایسا طاقتور نیا اسلامی ادب پیدا کریں جو ہمارے تعلیم یافتہ نوجوانوں کو دوبارہ کھینچ کر اسلام وسیع معنی میں اسلام کی طرف لا سکے جو انہیں مغرب کے ان فلسفوں کی ذہنی غلامی سے نجات دلا سکے۔ جنہیں ان میں سے کچھ نے سوچ سمجھ کر اور زیادہ تر نے محض وقت کی ہوا سے متاثر ہو کر حرزِ جان بنا لیا ہے وہ ادب جو ان کے دماغوں میں از سرِ نو اسلام کی بنیادیں اٹھائے اور قلب و روح کی غذا بنے اس کام کے لئے عالم اسلام کے ہر گوشے میں آج ایسے ارباب عزیمت درکار ہیں جو معرکے کے اختتام تک اس علمی محاذ پر ڈٹے رہیں۔

میں اپنے بارے میں صراحت کے ساتھ بتا دینا چاہتا ہوں کہ زندگی کے کسی لمحے اور کسی وقفے میں بھی ان لوگوں میں نہیں رہا ہوں، جو دین و سیاست کی تفریق کے قائل ہیں، نہ میں ان لوگوں میں ہوں جو دین کی ایسی تعبیر کرتے ہیں، جس سے وہ زندگی کے ہر نظام اور حالات کے

ہر سانچے میں (خواہ وہ اسلام سے کتنا ہی ہٹا ہوا ہو) فٹ ہو جائے اور ہر رنگ کی سوسائٹی میں جڑ جائے اور نہ میرا تعلق کبھی اس گروہ سے رہا ہے جو سیاست کو قرآن کے شجرۂ ملعونہ الشجرة الملعونة فى القرآن کا مصداق سمجھتا ہے، میں ان لوگوں کی اگلی صف میں ہوں جو مسلمان قوموں میں صحیح سیاسی شعور کے داعی ہیں اور ہر اسلامی ملک میں صالح قیادت کو بروئے کار دیکھنا چاہتے ہیں، میں ان لوگوں میں ہوں جن کا اعتقاد ہے کہ دینی معاشرہ اس وقت تک قائم نہیں ہوسکتا۔ جب تک دین کو اقتدار حاصل نہ ہو اور حکومت کا نظام اسلامی بنیادوں پر استوار نہ ہو، میں اس کا داعی ہوں اور زندگی کے آخری سانس تک رہوں گا۔

ماضی کے تجربے:

لیکن بات ترتیب اور تقدیم اور تاخیر کی ہے۔ دینی حکمت اور دینی تفقہ کی ہے اور سوال حالات کے تقاضہ کا ہے اب تک ہماری کوششیں اور ہماری صلاحیتیں ہمارے وسائل اور ہمارے اوقات سیاسی تنظیمی تحریکات کی نذر ہورہے ہیں اور یہ ساری جدوجہد اس مفروضے پر رہی کہ قوم میں پورا پورا ایمان ہے اور قوم کی قیادت جو لامحالہ تعلیم یافتہ طبقے ہی سے ہوتی ہے وہ بھی پوری طرح مسلمان ہے۔ اسلام کے عقائد و مبادی پر اس کا ایمان ہے، اسلام کی سربلندی کے لئے اس کے دل میں جوش و جذبہ ہے اور حدود واحکام کے نفاذ کے لئے بھی وہ تیار ہے۔ حالانکہ بات برعکس ہے۔ قوم کا حال یہ ہے کہ ایمان میں ضعف اور اخلاق میں انحطاط آچکا ہے لیکن اس کا نہ ہمیں پتہ چلا نہ خود قوم کو شعور ہوا۔ تعلیم یافتہ اور اونچے طبقے کا حال یہ ہے کہ مغربی فلسفوں اور سیاست واقتدار کے اثر سے بیشتر افراد میں عقیدہ گویا پگھل چکا ہے، بلکہ بہتوں کا حال تو یہ ہو چکا ہے کہ اسلامی عقیدے سے کھلے باغی اور مغربی فلسفوں کے لائے ہوئے افکار وعقائد پر دل کی گہرائیوں سے ایمان ان کے لئے دنیا سے لڑ جانے کا جوش وولولہ اور ان کی نشر واشاعت کا جنون یہ فکر کہ زندگی کا نظام ان فلسفوں کی روشنی اور ان کی دی ہوئی بنیادوں پر استوار کیا جائے اور یہ کوشش کہ پوری قوم کو اس لادینیت سے مانوس کیا جائے۔ یہ ہے اس طبقے کے بہت سے افراد کا ذہنی حال پھر عمل کے میدان میں بعض جلد باز ہیں، بعض تدریج کے قائل، بعض اس لادینی رجحان کو طاقت کے زور سے قوم پر ٹھونس دینا چاہتے ہیں

اور بعض قوم کو اس شیشے میں خوبصورتی کے ساتھ اتارنے کی راہ پر گامزن ہیں، مگر منزل سب کی ایک اور مقصد وہدف سب کا واحد۔

دینی طبقے کے دو متضاد گروہ:

اس طبقے کے بارے میں ہمارا دینی طبقہ (بشرطیکہ یہ تعبیر درست بھی ہو کیونکہ اسلام میں کوئی مخصوص دینی طبقہ اور پاپائیت جیسی کوئی چیز نہیں ہے) اپنے رویۂ کے اعتبار سے دو گروہوں میں تقسیم ہے۔ ایک گروہ وہ ہے جو اس سے برسر جنگ ہے۔ اس کی تکفیر کرتا ہے اور اس کے سائے سے بھی دور رہنا پسند کرتا ہے لیکن ان اسباب وعلل کی جستجو سے بالکل مستغنی ہے جنہوں نے اس طبقے میں لادینیت کا رجحان پیدا کیا۔ یہ گروہ اس کا قائل نہیں کہ اس طبقے سے اختلاط پیدا کیا جائے، دین اور رجال دین سے اس کی وحشت دور کی جائے۔ اگر کوئی ایمان و خیر کا ذرہ اس میں موجود ہے تو اسے بڑھوا دیا جائے، مؤثر اسلامی لٹریچر کے ذریعہ اس کے اندر دینی افکار اتارے جائیں اس کے جاہ و مال اور قوت واقتدار سے استغنا دکھا کر اسلامی کردار کی عظمت کا نقش قائم کیا جائے مخلصانہ اور حکیمانہ نصیحت کی جائے اور اس طرح اس کے احوال اور دماغ کو بدلا جائے۔

دوسرا گروہ اس کی بالکل ضد ہے، وہ اس طبقے سے تعاون کرتا ہے۔ مال وجاہ میں اس کا شریک بنتا ہے۔ اس کے ذریعہ اپنی دنیا بناتا ہے۔ اس کا دین سنوارنے کی فکر نہیں کرتا۔ پس اس گروہ میں نہ کوئی دعوتی روح ہے نہ دینی غیرت کا مظاہرہ۔ نہ یہاں اس بگڑے ہوئے طبقے کی اصلاح کی کوئی حرص وفکر پائی جاتی ہے اور نہ اسے اس قرب وتعاون میں کوئی پیغام ملتا ہے۔

اصلاح اور دینی انقلاب کے لئے جس گروہ کی ضرورت ہے

ایسا کوئی گروہ نہیں جو اس صورت حال پر دردمند ہو، جو یہ سمجھے کہ یہ اونچا تعلیم یافتہ طبقہ مریض ہے، مگر علاج کے لائق اور شفایابی کے قابل اور پھر اس کے علاج کی فکر کرے، حکمت و نرمی کے ساتھ دین کی دعوت لے کر اس میں گھسے اور بے لوث نصیحت کا حق ادا کرے ایسا کوئی تیسرا گروہ نہ ہونے کا نتیجہ یہ ہے کہ ہمارے اس مغرب زدہ عنصر کو دین اور دینی ماحول سے قریب ہونے کا موقع نہیں ملتا۔ اس کی ساری زندگی اس ماحول سے وحشت اور دوری میں کٹتی

ہے اور پھر اس کے بعد وحشت کو اہل دین کا گروہ اور بڑھا دیتا ہے، ایسے ہی وہ ایک گروہ بھی اس بعد و وحشت میں اضافے کا سبب بنتا ہے جو دین کے نام پر اس طبقے سے جاہ و منصب اور حکومت و سلطنت کے لئے جنگ کرتا ہے۔ یہ دونوں گروہ سوائے اس کے کچھ نہیں کرتے کہ اس طبقے کو دین سے خائف کریں اور ایک بغض و عناد کی کیفیت پیدا کریں، انسان کی فطرت ہے کہ اگر وہ دنیا کا حریص ہے تو اس معاملے میں اپنے کسی رقیب کو برداشت نہیں کر سکتا، اگر حکومت و سلطنت ہی اس کا مقصد زندگی ہے تو اس میدان کے حریف کو ایک آنکھ نہیں دیکھ سکتا اور اگر بندۂ نفس اور خوگر عیش و عشرت ہے تو یہ ممکن ہے کہ وہ اس دنیا میں کسی کو سہیم و شریک بننے کی اجازت دے دے۔

عالم اسلامی کے درد کی دوا آج وہ گروہ ہے، جو خواہشات سے بلند اور داعیانہ بے غرضی کا پیکر ہو، ہر اس بات سے دامن بچائے جس سے وہم بھی ہو سکتا ہے۔ کہ اسے دنیا کی طلب ہے یا اس کا مطمح نظر اپنے لئے، اپنی پارٹی کے لئے یا اپنے خاندان کے لئے حکومت و اقتدار کا حصول ہے، وہ گروہ جو اس طبقے سے میل ملاقات کے ذریعہ مراسلات اور گفتگو کے ذریعہ دعوتی اسفار کے ذریعہ، پر اثر اسلامی ادب کے ذریعہ شخصی روابط کے ذریعہ پاکیزگی کردار اور علو اخلاق کے ذریعہ، زہد و استغنا اور پیغمبرانہ اخلاق کی پر اثر نمائندگی کے ذریعہ ان نفسیاتی اور عقلی گرہوں کو کھول دے جو مغربی علوم نے پیدا کی ہوں یا دینی طبقہ کی بے تدبیری سے پڑی ہوں یا کم فہمی، کم نظری اور اسلام اور اس کے صحیح ماحول سے بعد ان کا سبب ہوا ہو۔

اس طرز پر کام کرنے والوں کی کامیابی:

یہی وہ گروہ ہے۔ جس سے ہر دور میں اسلام کی خدمت بن آئی ہے۔ امور سلطنت کا رخ پھیر دینے اور تخت خلافت پر عمر بن عبدالعزیزؒ کو لا بٹھانے کا سہرا اسی گروہ کے سر ہے۔ جس کی نمائندگی رجاء بن حیوۃ نے کی اور پھر ہندوستان میں مغل سلطنت میں اسی نوعیت کا انقلاب بھی اسی گروہ کا رہین منت ہے۔ اکبر جیسے طاقتور بادشاہ نے اسلام سے انحراف کر کے اور کھلی اسلام دشمنی پر کمر باندھ کے گویا یہ تہیہ کر لیا تھا کہ اس اسلامی بر اعظم کو جو چار صدیاں اسلامی حکومت کے سائے میں گزار چکا تھا، پھر پرانی جاہلیت کے سانچے میں ڈھال دے،

لیکن اس حکیمانہ دعوت اور ایک ایسے حلیم اور داعی اسلام کے ظہور میں آنے کے طفیل جس نے اسلام کے لئے خلوص اور اس کے تفقہ کا حق ادا کیا اور اس کے جانشینوں کی کوششوں کے طفیل یہ مسلک اک بار اسلام کے ہاتھ سے نکل کر ہاتھ میں آیا اور پہلے سے زیادہ مضبوطی کے ساتھ آیا اکبر کے تخت پر پے در پے ایسے بادشاہ آئے جن میں سے ہر ایک اپنے پیش رو سے بہتر تھا، حتیٰ کہ نوبت اورنگ زیب عالمگیر تک پہنچی وہ اورنگ زیب جس کا ذکر تاریخ اسلام اور تاریخ اصلاح کا ایک زریں باب ہے اور معلوم ہے کہ تاریخ ہمیشہ دہرائے جانے اور بار بار دہرائے جانے کے لئے تیار ہے۔ اسے کبھی اس عمل سے انکار نہیں ہوا، بس بات صرف اس وقت کی رہتی ہے۔ جو اس کا رخ پھیر سکے اور اسلام کے تابندہ ادوار کو دہرا کر لانے والی قوت صرف دعوت اور دینی حکمت واخلاص ہے۔

سنگین صورت حال:

اس صورت حال کا ہمیں ہمت و استقلال اور حکمت و دانائی کے ساتھ مقابلہ کرنا ہے دنیائے اسلام پر آج ایک ذہنی فکری اور تہذیبی ارتداد کی سخت مصیبت آئی ہوئی ہے۔ یہ مصیبت ان تمام ملکوں [illegible] جو اسلام کا دم بھرتے ہیں آج ہم اسلامی ملک کے جدید تعلیم یافتہ طبقے کے بہت سے افراد کا حال یہ ہے کہ اعتقاد و ایمان کا رشتہ ان کے ہاتھ سے چھوٹ چکا ہے اخلاقی بندشیں وہ توڑ کر پھینک چکے ہیں، انداز فکر ان کا سراسر مادی ہو چکا ہے اور سیاست میں انہوں نے لادینیت کا نظریہ اپنا لیا ہے۔ اگر ”گستاخی“ کا لفظ بولتے ہوئے مجھے خوف بھی ہوتا ہے تو میں یہ ضرور کہوں گا کہ ان میں بہت سے ایسے ہیں جو اسلام پر ایک عقیدے اور ایک نظام حیات کی حیثیت سے ایمان نہیں رکھتے، اور مسلمان عوام باوجودیکہ ان میں خیر و صلاح کے تمام جوہر موجود ہیں اور وہ اپنی طبیعت سے انسانیت کا صالح ترین گروہ ہیں، اس طبقے کی علمی بالاتری ذہنی تفوق اور اثر و نفوذ کی بنا پر اس کے ماتحت اور مطیع ہیں۔

اگر یہ صورت حال یونہی چلتی رہی تو یہ الحاد و فساد ان عوام میں بھی گھس کر رہے گا۔ دیہاتوں کے سادہ دل مسلمان بھی اس کی لہروں سے نہ بچ سکیں گے اور کھیت اور کارخانوں کے مزدوروں کا بھی دین و ایمان یہ پلٹ کر چھوڑے گا۔ یہ سب کچھ اسی رفتار اور انداز سے یورپ

میں ہو چکا ہے اور اگر حالات کا رخ اور رفتار یہی رہی اور اللہ کا ارادۂ قاہرہ بیچ میں حائل نہ ہو گیا تو رں میں بھی سب کچھ ہونے جا رہا ہے۔

کام کی فوری ضرورت:

اس فریضے کی ادائیگی میں ایک دن کی بھی تاخیر کا موقع نہیں ہے، دنیائے اسلام کو ارتداد کی بڑی زبردست لہر کا سامنا ہے۔ ایسی لہر جو اس کے عزیز ترین طبقوں اور بہترین حصوں میں پھیل چکی ہے۔ یہ اس عقیدے، اس نظام اخلاق اور ان اقدار کے خلاف بغاوت ہے۔ جو دنیائے اسلام کی سب سے برتر متاع ہے۔ اگر یہ دولت ضائع ہوگئی۔ جو رسول ﷺ کا ترکہ ہے جسے نسلوں پر نسلیں منتقل کرتی ہوئی لائی ہیں اور جس کی راہ میں اسلام کے جانبازوں نے مصائب کے کتنے ہی پہاڑ اٹھائے ہیں تو سمجھ لیجئے کہ عالم اسلام بھی گیا۔

کیا ہم اس حقیقت اور وقت کی نزاکت کو سمجھنے کی کوشش کریں گے؟

وما علينا الا البلاغ المبين .

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

مسلمان غیر اسلامی ماحول میں

یہ حضرت مولانا قدس سرہ کی وہ فکر انگیز تقریر ہے جو انہوں نے لندن (برطانیہ) میں عرب نوجوانوں کے جلسہ میں فرمائی تھی جس کا اردو ترجمہ پیش خدمت ہے!

الحمد للہ رب العالمین والصلوٰۃ والسلام علی سیدالانبیاء والمرسلین، وعلی آلہ واصحابہ اجمعین. امابعد.

آپ مہاجرین کے سامنے بیان کرتے ہوئے مجھے بے حد مسرت ہو رہی ہے۔ آپ حضرات اپنی خوشی سے اس ملک میں نہیں آئے بلکہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے مقرر کر کے یہاں بھیجے گئے ہیں جس کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی نہیں جانتا۔

میں اس بات کو تسلیم کرنے کے لئے تیار نہیں ہوں کہ آپ اپنے وطن سے صرف مالی یا سیاسی مشکلات سے نجات پانے کے لئے یہاں تشریف لائے ہوں بلکہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے (ایک عظیم مقصد اور) مذہبی عہدہ پر مقرر کر کے یہاں بھیجا ہے تاکہ آپ اسلامی زندگی کا عملی طور پر نمونہ بن کر پیش کریں اسلام کی مقدس تعلیمات کو مبلغ بن کر پیش کریں۔

میں اس بات کو تسلیم نہیں کرتا کہ آپ صرف مسلمان ملکوں کے سفیر کی حیثیت سے اپنے آپ کو پیش کریں گے۔ میں اسے اچھی اور عزت کی نگاہ سے دیکھتا ہوں۔ مجھے اچھی طرح اس کی ضرورت کا پتہ ہے اور میں اس کے فائدہ سے انکار نہیں کرتا لیکن یہاں ایسے (مسلم) سفارت کاروں کی ضرورت ہے جو بہ رضا ورغبت ایمان ویقین کے فوائد سے باخبر ہوں تاکہ ان کے اثرات دوسروں پر مرتب ہوں۔

آپ کو معلوم ہے کہ لندن ملک برطانیہ کا دارالسلطنت اور ایک معروف شہر ہے جہاں ہر وقت منتشر کرنے والے حالات سے دوچار ہونا پڑتا ہے۔ ایسے مقام پر آپ کس طرح لوگوں کے توجہات کو اپنی طرف مبذول کرا سکتے ہیں اور آپ کس طرح اپنے عمل سے ان کے دل جیت سکتے ہیں؟ اس کے علاوہ کوئی نقطہ نہیں کہ آپ اسلام کی مقدس تعلیمات پر پوری طرح عمل کر کے ان لاکھوں، کروڑوں انسانوں کے نظم ونسق میں تغیر شدید پیدا کر کے ان کے دلوں پر قبضہ کریں۔ بلا عمل ونمونہ کے آپ ان کو اسلام سے متاثر نہیں کر سکتے۔ اسلام کے نورانی وروحانی اعمال سے اپنے آپ کو مزین کر کے ان کے نفع کے لئے ان پر پیش کریں۔ اسی وقت وہ اسلام کو اس کی صحیح روشنی میں دیکھ سکیں گے اور اسلام کے بارے میں سوچنے پر مجبور ہوں گے اور ہر صورت سے اسلام کا مطالعہ کریں گے۔

ہم یہ کس طرح کر سکتے ہیں ؟ ہم یہ کام اسی وقت انجام دے سکتے ہیں جب ہم کھرے کھوٹے کا امتیاز کرنے والے ہوں۔ یہ وہ جگہ ہے جہاں مختلف قسم کے لوگ بستے ہیں جن کا معاشرہ جدا، زبانیں جدا جدا، خیالات اور مقاصد جدا جدا۔ یہ ایک ایسی مارکیٹ ہے جہاں مختلف تجارتی اور سیاسی مقاصد کے لوگ ہیں۔ ایسے مخالفت والے حالات اور ماحول میں آپ اپنے آپ کو ایک خاص انسان کی طرح کیسے پیش کر سکتے ہو؟ آپ میں ایسی کیا خصوصیت ہونی چاہئے جس سے ان کی توجہ آپ کی طرف مبذول ہو۔ اس کا آسان جواب یہ ہے کہ ہر مسلمان ایک خاص (اسلام کی مقدس تعلیمات پر پوری طرح عمل کر کے) انسان بن کر اپنے آپ کو پیش کرے تاکہ وہ اپنے اندر ایک تغیر شدید محسوس کرے۔

امام زہریؒ اپنے وقت کے مشہور محدث تھے۔ فرماتے ہیں کہ صلح حدیبیہ کے دو سال میں جتنے لوگ مشرف بہ اسلام ہوئے۔ حضور اکرم ﷺ کی نبوت کے بعد ۱۸ سال میں بھی اتنے لوگ مسلمان نہیں ہوئے تھے (یعنی بہت زیادہ تعداد میں لوگ صلح حدیبیہ کے وقت مسلمان ہوئے تھے۔)

جب آپ ﷺ نے ساتویں ہجری میں عمرہ کا ارادہ فرمایا تو مشرکین مکہ نے اس سے روکا اور کہا کہ امسال آپ واپس جائیں اور آئندہ سال لوٹیں۔ شرائط میں ایک شرط یہ تھی کہ طرفین کے درمیان کوئی جھگڑا فساد نہ ہو۔ ابھی یہ معاہدہ ہو ہی رہا تھا کہ مکرز آیا تو حضور ﷺ نے فرمایا

کہ یہ شریر شخص ہے۔ یہ بات ہو ہی رہی تھی کہ سہیل بن عمرو آیا تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ اب معاملہ آسان ہوگا۔ سہیل کہنے لگا کہ معاہدہ پورا فرمائیے۔ آپ نے کاتب کو بلایا اور کہا کہ لکھو! **بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔** سہیل نے کہا کہ میں نہیں جانتا کہ رحمٰن کے کیا معنی ہیں آپ تو یہ لکھیں کہ اللہ کے نام کے ساتھ! آپ ﷺ نے کاتب کو فرمایا کہ اب لکھ یہ معاہدہ محمد (ﷺ) اللہ کے پیغمبر سے کیا گیا ہے۔ سہیل کہنے لگا۔ واللہ اگر ہم آپ کو اللہ کا پیغمبر مان لیتے تو کعبہ کے طواف سے نہ روکتے اور نہ آپ سے جنگ کرتے۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ واللہ میں اللہ کا رسول ہوں چاہے تم یقین نہ کرو۔ اس نے کہا کہ محمد بن عبداللہ لکھا جائے (امام زہری فرماتے ہیں کہ حضور اکرم ﷺ نے ان کی تمام شرائط منظور فرمالیں جو اللہ تعالیٰ کو منظور تھیں) اس کے باوجود انہوں نے عمرہ سے روکا اور کہا کہ امسال آپ واپس لوٹ جائیں ایسا نہ ہو کہ ہماری قوم یہ کہے کہ ہم نے دب کر صلح کی ہے۔ آپ آئندہ سال عمرہ کے لئے تشریف لا سکتے ہیں۔

آپ ﷺ نے خون ریزی سے بچنے کے لئے اور امن و امان قائم ہونے کے لئے ساری شرائط منظور فرمالیں۔ آپ ﷺ نے بظاہر چند حروف مٹا دیئے لیکن وہ الفاظ جو دلوں، روح اور تاریخ میں لکھے جا چکے ہوں وہ کیسے محو ہو سکتے ہیں۔

ان دو سال کے درمیان مشرکین جو مدینہ منورہ آئے۔ وہ اپنے رشتہ داروں کے یہاں ٹھہرتے قریش اور دوسرے قبیلہ والوں کے یہاں آتے۔ انہوں نے ایک بہت زبردست تغیر ان کی تعلیم، تربیت، اخلاق اور برتاؤ ہی دیکھا (کہ دل مچل گیا) گو وہ سب عرب تھے اور ہماری طرح وہ سب بنی عدنان اور بنی قحطان کے لوگ تھے۔ وہ سب ایک نسل کے تھے، ان کی رگوں میں ایک ہی خون بہتا تھا، وہ سب ایک ہی زبان بولتے تھے، ایک ہی قسم کا کپڑا پہنتے، دوسرا لباس تھا ہی نہیں، یہاں تک کہ ان کا کھانا بھی ایک ہی قسم کا ہوتا تھا۔

اللہ تعالیٰ نے عربوں کو بہت ساری خوبیوں، صلاحیتوں، اور منطق کے مالک بنا رکھا تھا اور یہ اللہ تعالیٰ کا ان پر ایک عظیم عطیہ ہے اور اسی وجہ سے ان کی شائستگی، تربیت اور تمدن میں ترقی ہوتی رہی۔ اسی انعام کی وجہ سے وہ آگے بڑھتے رہے۔ زبان میں جدید انداز داخل ہوا، پھر وہ اپنے آپ میں اور نئے ہونے والے مسلمانوں میں فرق محسوس کرنے لگے انہوں نے کسی سے غلط اور بدزبانی نہیں سنی۔ مسلمان ذلیل نہیں کرتے، مسلمان جھوٹ نہیں بولتے، وہ خراب الفاظ

زبان سے نہیں نکالتے، وہ جلد غصہ نہیں ہوتے وہ مہمانوں کی خدمت کرتے اور اپنی حاجتوں اور ضرورتوں سے زیادہ دوسروں کی خدمت و مدد کرتے۔

میرے بھائیو! آپ نے حضرت ابوطلحہؓ انصاری کا واقعہ سنا ہوگا کہ وہ اپنے آپ کو اور اہل وعیال کو بھوکا رکھ کر مہمان کو بتی ٹھیک کرنے کے بہانے بجھا کر کھانا کھلایا۔ بظاہر ایسا برتاؤ کررہے تھے جیسے کہ وہ خود کھارہے ہوں حالانکہ وہ کھا نہیں رہے تھے۔ جب مکہ کے لوگوں نے مدینہ پہنچ کر (مسلمانوں میں) تبدیلی دیکھی اور سوچا کہ ان کے اور مدینہ کے لوگوں میں کتنا فرق ہے تو اس بات کو تسلیم کئے بغیر نہ رہے کہ یہ سب کچھ تبدیلیاں اور انقلاب اس اسلام کی وجہ سے ہے اور رسول اللہ ﷺ کی مقدس تعلمات کا نتیجہ ہے گو وہ لوگ ہم میں ہی سے ہیں اور ہماری زبان بولنے والے ہیں۔ یہ انقلاب ایسا انقلاب تھا کہ وہ دل تھام کر بیٹھ گئے اور سوچنے پر مجبور ہوئے۔ وقت بہت تھوڑا ہے اور ایسا موقع ہمیشہ نصیب نہیں ہوتا اس لئے عرض کرتا ہوں کہ اپنے اسلاف کے بزرگوں کی زندگی سے سبق حاصل کرو اور ویسی زندگی اپنانے کی کوشش کرو۔

حضرت عامر بن فہیرہؓ کی شہادت کے واقعہ کو یاد کرو کہ بیر معونہ میں جبار ابن اسلمیٰ نے جب ان کو نیزہ مارا تو آخری وقت میں فرمایا: ''اے کعبہ کے رب میں کامیاب ہوگیا'' یہ الفاظ جبار ابن سلمیٰ کو بہت کھٹکے اور کہنے لگا کہ کون سی کامیابی کا اعلان کیا گیا؟ دولت کی کامیابی؟ خوبصورت عورت؟ محل؟ قوت وطاقت؟ حکومت؟ کس بات کی کامیابی کا اعلان تھا؟ یہ بات بھی عربوں کی مشہور ہے کہ وہ جھوٹ نہیں بولتے جب وہ مر رہے ہوں یہ شخص مرنے کے قریب ہے، بیوی کو بیوہ بنا رہا ہے، لڑکے بغیر باپ کے ہونے والے ہیں، پھر بھی کہہ رہا ہے کہ میں کامیاب ہوگیا!

جبار بن سلمیٰ مسلمانوں کے پاس گیا اور دریافت کیا کہ وہ کون سی کامیابی ہے جس کا ذکر حضرت عامرؓ شہادت سے پہلے کہہ رہا تھا۔ انہوں نے عرض کیا کہ یہ کامیابی جنت ہے جس کا وعدہ اللہ نے کیا ہے اور جس یقین پر حضرت عامرؓ جیتے رہے اور اسی یقین کے ساتھ شہید ہوئے۔ یہ سنتے ہی حضرت جبار مشرف باسلام ہوئے۔ یہی وہ راز ہے جو مسلمان کامیابی سمجھتے تھے اور دوسرے اسے ناکام سمجھتے۔ یہی وہ فرق ہے جس نے حضرت جبارؓ کو دائرہ اسلام میں

داخل ہونے پر مجبور کیا۔

لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ .

میرے بھائیو! یہی فرق وامتیاز آپ اپنے اندر بھی محسوس کریں، ناجائز چیز پر نظر پڑتے ہی اپنی نظروں اور نگاہوں کو نیچی کرلیں، حب مال سے بچیں، اپنے اخلاق واعمال میں امتیاز پیدا کریں تاکہ کوئی قوم آپ کے نیک خیالات پر حملہ نہ کرسکے اور نہ آپ کے ایمان سے سودا کرنے کی ہمت کرسکے، کوئی آپ کو آپ کی عبادت سے روک نہ سکے جب اس کا وقت ہو چکا ہو، کوئی آپ کو اللہ کی یاد سے منتشر نہ کرسکے اور کوئی آپ کو مرنے اور بعد کی زندگی کی یاد سے روک نہ سکے۔

بدقسمتی سے ہم اپنے اعمال (اعمال بد سے) ایسے بن چکے ہیں کہ ہم میں امتیازی شان نہ رہی اور یہ امتیازی شان اسی وقت حاصل ہوسکتی ہے جب ہم میں ایمان ویقین کی نشانی موجود رہے اور اللہ تبارک وتعالیٰ کی ذات اقدس پر پورا بھروسہ ہو۔ صحیح امتیاز کی علامت یہ ہے کہ ہم مرنے کے بعد آنے والی زندگی کو اس دنیا کی زندگی پر ترجیح دیں۔ یہی علامت (عمل کے ذریعہ) ہم میں ہونے کی (شدید) ضرورت ہے ورنہ مجھے خوف ہے کہ مال کی محبت (اور دنیا کی چمک دمک) آپ کے دل ودماغ پر قبضہ کرکے غار عمیق میں دھکیل دے گی اور آپ دیگر اقوام کے بچھڑے ہوئے انسان کی طرح کھو جاؤ گے۔ اس لئے آپ اپنی اسلامی شان وشوکت کی نشانی قائم رکھیں تو (انشاء اللہ تعالیٰ) اللہ تعالیٰ اپنے وعدہ کے مطابق ایک علامت نصیب فرمادیں گے جس سے آپ حق وباطل کی پہچان کرسکیں گے، تمام برائیوں سے محفوظ رکھیں گے اور اپنی رحمت سے نوازیں گے۔

میرے بھائیو! انسان کی کامیابی کا بہترین راستہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے احکام اور رسول اللہ ﷺ کے طریقہ والی زندگی اختیار کرے۔ اگر آپ نے اس میں غفلت اور لاپرواہی برتی تو سن لیجئے میں کوئی عالم الغیب نہیں ہوں کہ مستقبل سے آپ کو آگاہ کردوں یا آپ کو بتاسکوں کہ مستقبل میں کیا ہونے والا ہے لیکن تاریخ گواہ ہے اور حالات ایسے درپیش ہیں کہ میں اسے آئینہ میں دیکھ سکتا ہوں کہ آپ کو یہاں رہ کر بہت سارے نازیبا حالات کا سامنا کرنا پڑے گا اور مقابلہ کرنا پڑے گا جو نہایت خطرناک ہوں گے۔

اگر آپ نے اسلامی وشرعی اعمال کے ذریعہ اپنے ممتاز ہونے کا مظاہرہ نہیں کیا اور آپ نے یہ (علم وعمل کی روشنی میں) ثابت نہیں کیا کہ آپ اسلام کے مبلغ ہیں، ایک آگاہ اور چوکنا رہنے والی قوم کی طرح ایمان ویقین سے لبریز ملت کی طرح اور اپنے (اسلامی ودینی) اخلاق سے اور اس قوم وملت کی طرح جو مرنے کے بعد کی زندگی کو دنیا کی فانی زندگی پر ترجیح دیتی ہے کا مظاہرہ نہیں کیا تو آپ اپنے کو رسول اللہ ﷺ کی بہترین امت کہنے کے لائق نہ رہو گے اور عام دنیا والوں کی طرح ہو جاؤ گے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں عمل کی توفیق دے۔ آمین۔

وما علینا الا البلاغ المبین.

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

پاسباں مل گئے کعبہ کو صنم خانے سے

الحمد للہ رب العالمین والصلوۃ والسلام علی سیدالانبیاء والمرسلین، وعلی آلہ واصحابہ اجمعین. امابعد.

حضرات! جس نے بھی اسلام اور مسلمانوں کی بلکہ دنیا کی تاریخ کا مطالعہ کیا ہے اس پر یہ حقیقت مخفی نہیں کہ تاریخ کے طویل سفر میں باہر تخریبی تحریکوں نے مسلمانوں اور دین اسلام کو نشانہ بنا کر صفحۂ ہستی سے اس کے وجود کو مٹا دینے کی ناپاک وگھناؤنی کوشش کی ہے، اس فاسد ارادے کی تکمیل اور اس کو کارگر بنانے کے لئے ان باطل تحریکوں نے ہر دور میں مختلف طریقے و حربے استعمال کئے جس سے تاریخ کا کوئی ادنیٰ درجہ کا طالب علم بھی ناواقف نہیں لیکن اس کی سب سے زیادہ خطرناک و بھیانک شکل وہ واقعہ ہے جب کہ ساتویں صدی ہجری میں تاتاری غارت گر موروملخ کی طرح مشرق سے بڑھے اور سارے عالم اسلام پر چھا گئے ان تاتاری غارت گروں کا مقصد صرف یہ تھا کہ مسلمانوں کو کرۂ ارضی سے نیست ونابود کر دیا جائے اور ان کو فنا کے گھاٹ اتار دیا جائے اسلامی ریاستوں اور مسلم حکومتوں کی اینٹ سے اینٹ بجا دی جائے۔ مسلمانوں کی عسکری طاقت وقوت کا خاتمہ کر دیا جائے۔

تاتاریوں کا یہ حملہ اتنا شدید اور بھیانک تھا کہ ان کی شکست اور ناکامی کے بارے میں امید ورجا کے سارے قلعے پانی ہو گئے تھے، کسی فرد بشر کے حاشیہ خیال میں بھی یہ بات راہ نہیں پا سکتی تھی کہ تاتاری کبھی مغلوب ہوں گے، یا ان کو ہزیمت کا منہ دیکھنا پڑے گا۔ اور ان کی اس ظالمانہ، وحشیانہ، بہیمانہ سرگرمیوں کا بے پناہ سلسلہ کبھی ختم ہوگا، لوگوں کے ذہنوں اور دلوں میں ان کے رعب ودبدبہ اور زور وقوت کا ایسا سایہ رچ بس گیا تھا کہ اس وقت کے معاشرہ میں

یہ مثل چل پڑی تھی کہ ''اگر تم سے کوئی یہ کہے کہ تاتاری شکست کھا گئے تو دیکھنا اس کی بات ماننا نہیں۔'' اپنی شدت، خطرناکی میں اس نوعیت کا دوسرا واقعہ صلیبی حملہ ہے، اور یہ صلیبی حملہ کوئی ایک دو ملکوں کی قوت وطاقت کے بل بوتے پر نہیں ہوا بلکہ اس میں یورپ کی ساری حکومتیں اور قیادتیں شانہ بشانہ شریک تھیں، یہ صلیبی حملہ آور دینی اور سیاسی جذبات سے ایسے مغلوب تھے کہ مسلمانوں کی ہستی اور نفس اسلام کا وجود زد میں تھا اور ایسا معلوم ہو رہا تھا کہ درخت اسلام کے تنے کو چیر کر چیتھڑیاں اڑادیں گے۔

تمام مسیحی یورپ نے یہ منصوبہ بنالیا تھا اور وہ اسی جذبہ سے مسلمانوں کے خلاف متحد ہو کر لڑ رہے تھے کہ اسلامی مقدسات اور دین اسلامی کے اہم اور بنیادی مراکز پر قبضہ جما کر مسلمانوں کو پردہ ہستی سے مٹادیں۔

لیکن تاریخی حقائق گواہ ہیں کہ ان دونوں حملوں کو بلکہ دونوں نظریوں کو اپنے مقصد میں منہ کی کھانی پڑی، اور یہ محض خدائے ذوالجلال کی تائید غیبی سے ہوا کہ اس نے بروقت اسلام کی سچے اور مخلص داعیوں کی ایک ایسی جماعت پیدا کردی۔ جنہوں نے اپنی آہ سحرگاہی اور نالہ نیم شبی اور بے لوث دعوت الی اللہ کی تلوار سے تاتاریوں کو اسلام کی عظمت اور اس کے جلال وجمال کے سامنے جھکنے پر ایسا مجبور کردیا کہ ایک ہی نظر میں ان کے ذہنوں میں اسلام کا سودا سما گیا اور ان کے قلوب اس کے بے پناہ کشش اور جاذبیت کی طرف کھینچے بغیر نہ رہ سکے۔ پھر کیا تھا، یہی تاتاری جن کی زندگی کا مقصد ہی یہ تھا کہ شجرہ اسلام کو جڑ سے اکھاڑ پھینکیں اور اس کے محافظ و پاسباں بن گئے اور پھر انہوں نے ایسی زبردست اور طاقتور اسلامی حکومتوں اور سلطنتوں کی بنیادیں ڈالیں کہ صدیوں تک ان کی آغوش میں اسلامی تہذیب وتمدن دینی علوم وفنون اور اسلامی سیرت وکردار کا باغ پھولتا پھلتا رہا

ع پاسبان مل گئے کعبے کو صنم خانے سے

جہاں تک صلیبیوں کے سیلاب بلاخیز کا تعلق ہے تو خدا نے اس کو روکنے اور ناکام بنانے کے لئے صلاح الدین ایوبی جیسے بیدار مغز بہادر مجاہد کو وجود بخشا جنہوں نے تائید الٰہی اور اپنی تدبیری اور مادی قوت سے صلیبی حملہ آوروں کے چھکے چھڑادیئے اور ایسی شکست فاش دی کہ عرصہ دراز تک وہ سر نہیں اٹھا سکے،'' وماحدیث حلیمہ بسر'' واقعہ حلیمہ کوئی ڈھکی چھپ بات نہیں

ہے۔''

لیکن ان تاریخی حقائق کے جلو میں پہلو میں کچھ اور بھی ایسے روشن حقائق و دلائل ہیں جن کی روشنی میں تاتاری غارت گروں اور صلیبی حملہ آوروں کی ناکامی و نامرادی کی پوری تصویر اوران کی شکست کے خدوخال واضح اور نمایاں طور پر دیکھے جاسکتے ہیں۔ جس سے یہ حقیقت واضح ہوجاتی ہے کہ اسلام کے قلب وجگر پر ان تیشہ چلانے والوں کے پاس کوئی ایسا ابدی پیغام نہیں تھا کہ جس کے سایہ میں انسانیت امن وسکون چین وراحت کی زندگی بسر کرسکتی۔ بلکہ ان حملہ آوروں، بازی گروں اور ہوس کے بندوں کا مقصد یہ تھا کہ ان کو عسکری وسیاسی غلبہ حاصل ہوجائے، حکومتوں پر ان کا قبضہ ہوجائے، ہر جگہ ان کا اقتدار قائم ہوجائے اور بس۔

لیکن موجودہ دور میں جس نازک صورت حال سے ہم دوچار ہیں اور خطرات کے جو بادل ہمارے سروں پر منڈلا رہے ہیں کہ ہمارا وجود اس کرہ ارض پر ایک ایسی قوم وامت کی حیثیت سے قائم بھی رہے گا یا مٹ جائے گا کہ جس کے پاس ایک پیغام حیات اور عقیدت ودعوت کی کنجی ہو اور شرف وحریت وخرامت نفس اس کی زندگی کا شیوہ اور طیرہ ہو۔ اس وقت جس خطرہ سے ڈرنے اور ہوشیار رہنے کی ضرورت ہے، وہ یہ ہے کہ اس وقت یہودی ذہن کی رفتار اور اس کی قوت فکر یہ اتنی تیز ہوگئی ہے کہ اس کے شعلے نکل رہے ہیں اور یہودیت کے مکرو فریب کا جال اتنا وسیع ہوتا جارہا ہے کہ اندیشہ ہے کہ سارا عالم اسکے دام فریب میں پھنس جائے اس کی ہوس نا کی اس حد تک پہنچ گئی ہے کہ وہ اس کا حریص وخواہش مند بلکہ کوشاں رہنے لگا ہے کہ سارے عالم پر اس کا تسلط ہوجائے، اور پوری دنیا کے مختلف تہذیب وتمدن وعقائد رکھنے والے انسان اس کے سیاسی بساط کے مہرے بن کر رہ جائیں پھر وہ من مانی تصرف کرکے جس طرح چاہے ان کو استعمال کرے۔

یہودیوں کی یہ وہ دلی آرزو وتمنا ہے جس کا بار بار اور صراحت کے ساتھ ان کی کتابوں اور تحریروں میں تذکرہ کیا گیا ہے اور جس نے ان کی کتابوں اوران کے پروگراموں اور عزائم کے بارے میں تھوڑا بہت مطالعہ کیا ہے اس پر یہ حقیقت روز روشن کی طرح عیاں ہے کہ یہ یہود وہ ناپاک عنصر ہیں جو اپنے مقاصد کی تکمیل کی راہ میں ہر قسم کے جائز وناجائز وسائل اختیار کرنے کو روا سمجھتے ہیں۔ ان کی یہ عادت کوئی نئی نہیں ہے بلکہ ان کا یہ پرانا اور دائمی مرض ہے، ہر زمانے

میں بلکہ ان کے مزاج وطبیعت کے خلاف ہر موقع پر جس کا ظہور ہوتا رہا ہے۔ اور ہو رہا ہے اور ہوتا رہے گا، اس کی طرف قرآن مجید نے لطیف اشارہ بھی کیا ہے۔

لیکن مذکورہ خطرہ سے بھی زیادہ بھیانک خطرہ یہ ہے کہ اس وقت یہودی دماغ اور مسیحی وسائل ساز باز کر کے اسلام کے خلاف اٹھ کھڑے ہوئے ہیں، باوجودیکہ ان دونوں مذہبوں کے مابین زبردست اور کھلا ہوا تضاد ہے اس لئے کہ مسیحیوں کا یہ عقیدہ ہے کہ حضرت مسیح اللہ کے فرزند ہیں۔ لیکن یہودی ان کو ان کی والدہ کی طرف ایسی غلط باتیں منسوب کرتے ہیں جن سے رونگٹے کھڑے ہوجاتے ہیں اور فطرت سلیم انکار کرنے لگتی ہے تاہم اسلام دشمنی اور اس کے ابدی پیغام سے عداوت نے ان کو متحد کر دیا ہے جس کی وجہ سے بعض مسیحی ممالک بھی اسلام اور مسلمانوں کے خلاف یہی راگ الاپنے لگے ہیں ان میں پیش پیش امریکہ ہے اور اس کی یہ پیش قدمی کسی اور جذبہ سے نہیں ہے بلکہ اس کا اصل محرک یہ ہے کہ چونکہ اسرائیل امریکہ سیاست وصحافت اور اس کے ذرائع ابلاغ اور اس کے حکومتی شعبوں میں اس طرح دخیل اور چھایا ہوا ہے کہ امریکہ اس کے سامنے اپنے کو بے بس ومجبور محسوس کر رہا ہے۔ بلکہ اگر یہ کہا جائے کہ وہ اپنے کو اس کا غلام سمجھتا ہے تو بے جا نہ ہوگا۔

چنانچہ دشمنان اسلام کی طرف سے اس وقت مسلمانوں کے خلاف جو مہم چلائی جارہی ہے وہ یہ ہے کہ مسلمانوں کو اخلاقی، روحانی، معنوی اور عقائدی اعتبار سے کمزور کر دیا جائے بلکہ ان کی ایمانی قوتوں کے سوتوں کو بند کر دیا جائے تاکہ ان کی زندگی کا پودا خشک ہو کر رہ جائے، کیونکہ ان کو سب سے زیادہ خطرہ اسلام اور مسلمانوں سے ہے اس لئے کہ مسلمان ہی وہ قوم ہے جس کے پاس ایک سچا، عالمی، سرمدی اور طاقتور دین اور کبھی نہ خشک ہونے والا سرچشمہ حیات ہے۔

اگر ایک طرف دشمنان اسلام کی یہ کوشش اور سازش ہے کہ مسلمانوں کے ایمانی، معنوی قوت کا خاتمہ کر دیا جائے تو دوسری طرف ان کے ناپاک وگھناؤنے کھیل کا بازار بھی گرم ہے کہ امت اسلامیہ اور اس کے ابدی پیغام کے امتیازی تشخص کو مٹا دیا جائے تاکہ اسلام سے ان کا رشتہ حیات منقطع ہوجائے اور وہ اس کے فیضان سے محروم ہوجائیں جس محرومی کے نتیجہ میں از سرنو جاہلیت ”جس کی اسلام نے شد و مد کے ساتھ مخالفت کی ہے“ کا لقمہ اجل بن جائیں اور

ان کی زندگی بس جانوروں کی زندگی ہو کر رہ جائے۔

اسلام دشمن تحریکوں کا مقصد یہ ہے کہ اسلام کے خلاف پروپیگنڈہ کر کے اس کو بدنام کیا جائے، چنانچہ مسلمانوں پر وہ یہ الزام عائد کرتے ہیں کہ یہ افزائش نسل کے قائل اور اس کے داعی ہیں۔ اگر غور کیا جائے تو اس کا اصل محرک یہ سمجھ میں آتا ہے کہ چونکہ ان دشمن تحریکوں کو یہ اندیشہ ہے اور ان پر یہ خوف طاری ہے کہ اگر مسلمانوں کی تعداد بڑھ گئی تو سب سے زیادہ خطرہ یہودیوں اور عیسائیوں کے لئے ہے کیونکہ اس کے نتیجہ میں ان کی نوآبادیاتی اور عسکری قوت سرد پڑ جائے گی اور ان کا تمدن کساد بازاری کا شکار ہو جائے گا۔ چنانچہ بعض ممالک نے بڑی شدومد کے ساتھ اسلامی حکومتوں اور مسلم قیادتوں سے اس کی اپیل کی ہے کہ وہ اس سیلاب بلاکیز کو روکیں ورنہ تو سب کی قوت کا چراغ گل ہو جائے گا۔ اس کے علاوہ اور بھی بہت سی وہ سازشیں ہیں جن کی تانے بانے پوری دنیا کے اندر دن کے اجالے اور رات کے اندھیرے میں مسلمانوں کے خلاف بنے جا رہے ہیں۔

اس لئے فی الوقت مسلمانوں پر عام طور سے اور اسلامی حکومتوں اور قیادتوں پر خاص طور سے یہ ذمہ داری عائد ہوتی ہے کہ وہ ان ناپاک اور گھناؤنی سرگرمیوں اور سازشوں سے ہوشیار رہیں۔ اور اپنے ذہن ودماغ کو بیدار رکھیں تاکہ پوری حکمت عملی اور تدبیر کے ساتھ دشمنان اسلام کے ناپاک منصوبوں اور باطل عزائم کے قلعوں کو ریت کے ذرات میں تبدیل کیا جا سکے۔

"وللہ الامر من قبل ومن بعد"

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

شریعت اسلامی مسلمان کے لئے دستور حیات ہے

ذیل کا مضمون حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندوی رحمہ اللہ کا گرانقدر خطبہ صدارت ہے۔ جو اجلاس آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ، منعقدہ ۹، ۱۰ اکتوبر ۱۹۹۳ جے پور ہندوستان میں پڑھا گیا

الحمد للہ رب العالمین والصلوٰۃ و السلام علی سید الانبیاء والمرسلین، وعلی آلہ واصحابہ اجمعین. امابعد.

حضرات علماء کرام ومسلمانان ہند۔ میں آپ سب حضرات کا خیر مقدم کرتے ہوئے جو ہندوستان میں امت مسلمہ اور شریعت اسلامی کے مختلف میدانوں میں اور مختلف سطح اور متفاوت درجات کے ساتھ نمائندگی کرتے ہیں اور توفیق الٰہی کے مطابق دین اور علم کی اشاعت اور شریعت کی حمایت اور دفاع میں مشغول ہیں، اپنے اس احساس واعتراف اور تاثر کو چھپا نہیں سکتا کہ مسلم پرسنل لا، بورڈ کا یہ اجلاس عام صحیح وقت کے ساتھ ایک مناسب، موزوں اور تاریخی دینی اور شرعی اہمیت کے حامل مقام (جے پور) میں ہو رہا ہے۔ اس لئے کہ تاریخی شہر کی کچھ فاصلے پر وہ شہر (ٹونک) واقع ہے جس کو یہ شرف حاصل ہے کہ تیرہویں صدی ہجری کے وسط میں وہاں شہادت گاہ بالاکوٹ سے حامیان شریعت اور فدایان مسلت کا وہ قافلہ منتقل ہوا۔ جس کے لئے اللہ تعالیٰ نے شہادت فی سبیل اللہ کی بجائے شہادت بالحق اور حمایت واشاعت شریعت کی سعادت مقدر فرمائی تھی۔

میری مراد تیرہویں صدی ہجری کے مجدد اور مجاہد اعظم حضرت سید احمد شہیدؒ رائے بریلوی

کے متعلقین اور افراد خاندان کا وہ مجموعہ ہے جو ان کے ہم رکاب اور ان کا ہم سفر تھا، نیز رفقائے سفر ہجرت و جہاد کے وہ عالی حوصلہ، قوی الایمان اور باحمیت افراد جن کے لئے اللہ تعالیٰ نے شہادت جسمانی کے بجائے شہادت ایمانی ولسانی اور شرعی و دینی زندگی کا عملی نمونہ دکھانے اور اس کو برت کر بتانے کی سعادت اور امکان کو ترجیح دی تھی اور جو اس آیت کی تفسیر ہے:

"مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ رِجَالٌ صَدَقُوْا مَا عَاهَدُوا اللهَ عَلَيْهِ فَمِنْهُمْ مَّنْ قَضٰى نَحْبَهٗ وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّنْتَظِرُ وَمَا بَدَّلُوْا تَبْدِيْلًا." (سورہ الاحزاب ۲۳)

"مومنوں میں کتنے ہی ایسے شخص ہیں کہ جو اقرار انہوں نے خدا سے کیا تھا اس کو سچ کر دکھایا، تو ان میں سے بعض ایسے ہیں جو اپنی نذر سے فارغ ہو گئے اور بعض ایسے ہیں جو انتظار کر رہے ہیں۔ اور انہوں نے (اپنے قول) کو ذرا بھی نہیں بدلا۔"

یہ قافلہ ٹونک کے قوی الایمان صاحب حمیت وحمایت اسلامی متشرع والی ریاست نواب وزیر الدولہ مرحوم (متوفی ۱۲۸۱ھ، ۱۸۶۴ء) جو سید صاحب کے مرید باخلاص اور محبت باختصاص تھے کی دعوت ہی نہیں بلکہ اصرار اور خوشامد پر ٹونک منتقل ہوا، جس کا بحیثیت ریاست کے کچھ ہی عرصہ پہلے قیام ہوا تھا اور انہوں نے شہر کے جس حصہ میں قیام اختیار کیا اس کا نام ہی ان کی رعایت سے "قافلہ" پڑ گیا اور آج بھی وہ اسی نام سے مشہور ہے۔

ان بقیۃ السیف اور بقیۃ السلف مہاجرین ومجاہدین کی جنہوں نے ٹونک میں قیام اختیار کیا یہ خصوصیت تھی کہ وہ عقائد وفرائض وعبادات ہی نہیں، عادات واخلاق ومعاملات، شادی وغمی کی تقریبات اور روزمرہ کی زندگی میں بھی متبع شریعت اور عامل بالسنۃ تھے۔ اور ان رسومات وعادات سے جو غیر مسلموں کے اختلاط اور دین وشریعت سے ناواقفیت یا قدیم رسوم کی پابندی کی وجہ سے ہندوستان کے عام مسلمانوں میں رواج پکڑ چکی تھیں، اور انہوں نے اکثر مقامات پر شریعت کی جگہ لے لی تھی، نہ صرف محفوظ بلکہ بیزار و باغی تھے اور ان کی زندگی اپنے پورے لوازم وتنوعات کے ساتھ عہد سلف کی یاد تازہ کرتی تھی اور یہ نتیجہ تھا، حضرات شہیدین (حضرت سید احمد شہیدؒ اور شاہ اسمٰعیل شہیدؒ) کی صحبت وتربیت کا۔

پھر اس ریاست کو یہ شرف بھی حاصل تھا کہ وہاں روز اول سے ریاستوں کے الغاء و منسوخی کے آخری دن تک عدالتیں شریعت کے مطابق فیصلہ کرتی تھیں اور وہاں شرعی قانون ہی

نافذ تھا، جس کے ترجمان و شارح اور اس کی تنفیذ و اجراء کا کام کرنے والے جید علماء و فقہاء محدثین تھے۔

اس قرب مکانی اور قابل فخر جوار کا لحاظ کرتے اور اس کی طرف اشارہ کرتے ہوئے علامہ اقبال کا یہ شعر پڑھنا ہر طرح موزوں اور برمحل معلوم ہوتا ہے

آگ بجھی ہوئی ادھر ٹوٹی ہوئی طناب ادھر
کیا خبر اس مقام سے گذرے ہیں کتنے کارواں

اس قرب مکانی اور اس پس منظر کے علاوہ یہ بھی اس اجلاس کے برمحل اور برموقع ہونے کی ایک دلیل اور فال نیک ہے کہ یہ اجلاس پہلی دفعہ اس سرزمین پر ہو رہا ہے۔ جس کو اسلام کے اس مقبول موثر اور عہد آفرین و تاریخ ساز داعی اور مربی روحانی کے مرقد بننے کا شرف حاصل ہے، جس کو ہندوستان کے ایمانی و روحانی فاتح کا لقب دیا جا سکتا ہے۔ اور جس نے ہندوستان کی زمین، علاقے اور ملک کو اسلام کی تحویل میں لینے کے بجائے اس کا دل جیت لیا اور اس کے عقیدے، معاشرہ اور اخلاق پر سب سے زیادہ گہرا اثر ڈالا۔ اور اسلامی فتوحات کو حقیقی طور پر موثر عمیق اور دائمی بنایا، میری مراد حضرت خواجہ معین الدین چشتیؒ اجمیری کی ذات والا صفات سے ہے، جن کا مرقد مبارک اس راجپوتانہ کی سرزمین کے ایک شہر اجمیر میں واقع ہے۔

آسماں اس کی لحد پر شبنم افشانی کرے
سبزہ نورستہ اس گھر کی نگہبانی کرے

اسلام اور دیگر مذاہب میں نظامہائے زندگی کا فرق

سامعین کرام و حاضرین ذوی الاحترام!: اب میں اصل موضوع پر آتے ہوئے پہلے یہ عرض کروں گا کہ اسلام اور دوسرے مذاہب، معاشروں اور نظام ہائے زندگی کا ایک بنیادی فرق یہ ہے کہ اسلام میں ازدواجی زندگی مرد و عورت کا تعلق اور عائلی (Personal) رفاقت اور اس کی ذمہ داریاں، ان کے باہمی حقوق و فرائض، مذہب آسمانی اور شریعت خداوندی کا ایک شعبہ اور دین کا ایک جزء ہے۔ جس کے لئے آسمانی ہدایات، شرعی قوانین اور سنت رسول ﷺ

رہنما اور نمونہ ہے، جب کہ دوسرے مذاہب اور دنیا کے معاشروں اور تمدنوں میں وہ زندگی کی ایک ضرورت، ایک انسانی، نسلی اور تمدنی کبھی اختیاری اور کبھی اضطراری اور کبھی (مجھے معاف کیا جائے) تفریحی والتذاذی ضرورت ہے۔ اس بارہ میں اسلام کے امتیاز کا سب سے بڑا ثبوت یہ ہے کہ اس کے صحیفہ آسمانی میں طبقہ اناث اور صنف ازواج کو ایک احسان اور مردوں کے لئے ذریعہ سکون اور مستحق مودت و رحمت قرار دیا گیا ہے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

"وَمِنْ اٰيٰتِهٖۤ اَنْ خَلَقَ لَكُمْ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ اَزْوَاجًا لِّتَسْكُنُوْۤا اِلَيْهَا وَجَعَلَ بَيْنَكُمْ مَّوَدَّةً وَّرَحْمَةً اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يَّتَفَكَّرُوْنَ."

(سورۃ الروم۔ ۲۱)

"اور اس کے نشانات (اور تصرفات) میں سے ہے اس نے تمہارے لئے تمہارے ہی جنس کی عورتیں پیدا کیں تا کہ ان کی طرف (مائل ہوکر) آرام حاصل کرو اور تم میں محبت و مہربانی پیدا کردی، جو لوگ غور کرتے ہیں ان کے لئے ان باتوں میں (بہت سی) نشانیاں ہیں۔"

پھر اس حقیقت خلقت اور مظہر رحمت کے آسمانی اعلان کے ساتھ جس کا تعلق طبقہ اناث اور ازدواجی زندگی سے ہے، نسل انسانی کے رہبر اعظم نمونہ ہے جس سے ازدواجی اور عائلی زندگی کے گذارنے کے لئے ہدایات ملتی ہیں اور رفیقہ حیات کا درجہ اور اس کا حق معلوم ہوتا ہے اس سلسلہ میں چند احادیث پر اکتفا کی جاتی ہے۔

"عن عائشة رضي الله عنها قالت: قال رسول الله صلى الله عليه وآله وسلم، خير كم خير كم لاهله وانا خير كم لاهلي"

(ترجمہ) "حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تم میں سب سے بہتر وہ ہے جو اپنے گھر والوں کے لئے بہتر ہو اور میں اپنے گھر والوں کے لئے تم میں سب سے بہتر ہوں۔"

سیرت اور اسوۂ نبوی سے اس کی تصدیق ہوتی ہے، حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ "میں نے کسی کو اپنے اہل خانہ کے ساتھ رسول اللہ ﷺ سے بڑھ کر شفیق و رحیم نہیں دیکھا۔"

عمرو بن الاحوص جوشمی روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے رسول اللہ ﷺ سے حجۃ الوداع کے موقع پر سنا کہ آپ نے خطبہ میں حمد و ثنا کے تذکر و نصیحت کے بعد فرمایا کہ "عورتوں کے

ساتھ اچھا معاملہ رکھو اس لئے کہ وہ تمہاری زندگی میں تمہاری معاون اور رفیقۂ حیات ہیں۔ ان کا حق ہے تم ان کو اچھا کھلاؤ اچھا پہناؤ۔"

حضرت ابو ہریرہؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ "اہل ایمان میں سب سے زیادہ کامل الایمان وہ ہے جو سب سے زیادہ خوش خلق ہو اور تم میں سب سے بہتر وہ لوگ ہیں جو اپنی بیویوں کے لئے سب سے بہتر ہوں۔"

ایک دوسری روایت میں آتا ہے کہ "رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ دنیا ایک گذارہ کی چیز ہے اور اس کی سب سے بڑی دولت نیک بی بی ہے۔"

اس ازدواجی تعلق کی اہمیت کا اندازہ رسول اللہ ﷺ کے اس خطبۂ نکاح سے ہوتا ہے جس میں سورہ نساء کی پہلی آیت پڑھی گئی اس میں نسل انسانی کے آغاز کا تذکرہ ہے جو اس مبارک موقعہ پر نہایت مناسب اور فال نیک ہے کہ حضرت آدمؑ کی ایک اکیلی ہستی تھی اور رفیقۂ حیات جن سے اللہ تعالیٰ نے نسل انسانی کی تخلیق کی اور اس نے روئے زمین کو بھر دیا، اللہ تعالیٰ نے ان دو ہستیوں میں ایسی محبت و الفت اور ان کی رفاقت میں ایسی برکت عطا فرمائی کہ آج دنیا اس کی گواہی دے رہی ہے تو خدا کے لئے کیا مشکل ہے کہ ان دو ہستیوں سے جو آج مل رہی ہیں۔ ایک کنبہ کو آباد اور ایک خاندان کو شاد و بامراد کردے۔ پھر فرماتا ہے کہ اس پروردگار سے شرم کرو جس کے نام پر تم ایک دوسرے سے سوال کرتے ہو اور حقیقت بھی یہی ہے کہ ساری زندگی سوالات کا مظہر اور نمونہ ہے۔ یہی متمدن زندگی کا خاصہ ہے، یہ عقد اور نکاح کیا ہے۔ یہ بھی ایک مہذب اور مبارک سوال ہے، ایک شریف خاندان نے ایک دوسرے شریف خاندان سے سوال کیا کہ ہمارے نور عین اور لخت جگر کو رفیقۂ حیات کی ضرورت ہے۔ اس کی زندگی نامکمل ہے۔ اس کی تکمیل کیجئے۔ دوسرے شریف خاندان نے اس سوال کو خوشی سے قبول کیا، پھر وہ دونوں اللہ کا نام بیچ میں لا کر ایک دوسرے سے مل گئے اور دو ہستیاں جو کل تک ایک دوسرے سے سب سے زیادہ بیگانہ سب سے زیادہ اجنبی اور سب سے زیادہ دور تھیں وہ ایسی قریب اور یگانہ بن گئیں کہ ان سے بڑھ کر قرب کا تصور بھی نہیں ہو سکتا۔ ایک کی قسمت دوسرے سے وابستہ اور ایک کا لطف و انبساط دوسرے پر منحصر ہو گیا یہ سب اللہ کے نام کا کرشمہ ہے، جس نے حرام کو حلال ناجائز کو جائز، غفلت و معصیت کو طاعت و عبادت بنا دیا

اور زندگیوں میں انقلاب عظیم برپا کر دیا، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ اب اس نام کی لاج رکھنا، بڑی خود غرضی کی بات ہوگی کہ تم یہ نام درمیان میں لاکر اپنی غرض پوری کرلو اور کام نکال لو، پھر اس پر عظمت نام کو صاف بھول جاؤ اور زندگی میں اس کے مطالبات پورے نہ کرو، پھر فرمایا کہ ہاں رشتوں کا دور اور ان کے حقوق ختم نہیں ہو جاتے اور اگر کسی کے دل میں یہ خیال آئے کہ ایسی باتوں کی کون نگرانی کرے گا اور کون ہمیشہ ساتھ رہے گا۔ تو فرمایا:

"إِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلَيْكُمْ رَقِيبًا"

(ترجمہ) "اللہ تعالیٰ دائمی نگراں اور محاسب ہے۔"

اس کے برخلاف مختلف قدیم مذاہب اور قدیم و جدید تہذیبوں میں عورت کو کیا درجہ اور کیا حقوق دیئے گئے ہیں، اس سے واقفیت کے لئے وسیع النظر اور ہمت و محنت کے ساتھ مذاہب اور تہذیبوں کے بارے میں تقابلی مطالعہ کی ضرورت ہے۔

اب یہاں پہنچ کر ہم اسلام کے عائلی قانون اور حقوق زوجین کے بارے میں چند غیر مسلم فضلاء اور ماہرین قانون کے اعترافات اور تصریحات پیش کرنے کی اجازت چاہتے ہیں کہ بعض مسلم مکاتب خیال اور ناعاقبت اندیش مسلمان اہل قلم کی تحریروں اور اعلانات سے ہندی و انگریزی پریس میں اسلام کا عائلی قانون اور اس کا ازدواجی نظام، اور سلام میں رفیقہ حیات ہی نہیں عورت کا درجہ طنز واعتراض اور تحقیر و تضحیک کا موضوع بن گیا۔

ہم یہاں تین چار شہادتوں پر اکتفا کرتے ہیں، ان میں سے ایک شہادت ایک مغربی فاضلہ کی ہے، جو ہندوستان میں ایک تربیتی و اصلاحی تحریک کی قائد رہی ہیں اور انہوں نے ہندوستان کی تحریک آزادی میں بھی حصہ لیا تھا، ہماری مراد مسز اینی بسنت (Mrs> AnnieBesant) سے ہے وہ کہتی ہیں:۔

"ہمیں یاد رکھنا چاہئے کہ عورتوں کے متعلق اسلام کے قوانین ابھی حالیہ زمانہ تک انگلینڈ میں اپنائے جا رہے تھے یہ سب سے منصفانہ قانون تھا جو دنیا میں پایا جاتا تھا، جائداد وراثت کے حقوق اور طلاق کے معاملات میں یہ مغرب سے کہیں آگے تھا اور عورتوں کے حقوق کا محافظ تھا، یک زوجگی اور تعدد ازدواج کے الفاظ نے لوگوں کو مسحور کر دیا ہے اور وہ مغرب میں عورت کی اس ذلت پر نظر نہیں ڈالنا چاہتے جسے اس کے اولین محافظ سڑکوں پر صرف اس لئے

پھینک دیتے ہیں کہ ان سے ان کا دل بھر جاتا ہے اور پھر ان کی کوئی مدد نہیں کرتا۔''

مسٹر (N.J.COULSON) لکھتے ہیں:۔

''بلاشبہ عورتوں کی حیثیت کے بارے میں خاص طور پر شادی شدہ عورتوں کے معاملہ میں قرآنی قوانین فضیلت کا مقام رکھتے ہیں، نکاح اور طلاق کے قوانین کثیر تعداد میں ہیں جن کا عمومی مقصد عورتوں کی حیثیت میں بہتری لانا ہے اور وہ عربوں کے قوانین میں انقلاب انگیز تبدیلی کے مظہر ہیں اسے قانونی شخصیت عطا کی گئی جو اس سے پہلے حاصل نہیں تھی، طلاق کے قوانین میں قرآن نے سب سے بڑی تبدیلی جو کی ہے وہ عدت کو اس میں شامل کرنا ہے۔''

مذاہب واخلاق کے انسائیکلوپیڈیا کا مقالہ نگار لکھتا ہے:

''پیغمبر اسلام نے یقینا عورت کا درجہ اس سے زیادہ بلند کیا جو اسے قدیم عرب میں حاصل تھا، خصوصی طور پر عورت متوفی شوہر کے ترکہ کا جانور نہیں رہی بلکہ خود ترکہ پانے کا حق دار ہوگئی اور ایک آزاد فرد کی طرح اسے دوبارہ شادی پر مجبور نہیں کیا جاسکتا تھا، طلاق کی حالت میں شوہر پر یہ واجب ہوگیا کہ اسے وہ سب چیزیں دے دے جو اسے شادی کے وقت ملی تھیں۔ اس کے علاوہ اعلیٰ طبقہ کی خواتین علوم وشاعری سے دلچسپی لینے لگیں اور کچھ نے استاد کی حیثیت سے بھی کام کیا، طبقہ عوام کی عورتیں اپنے گھر کی مالکہ کی حیثیت سے اپنے خاوندوں کی خوشی اور غم میں شریک ہونے لگیں۔ ماں کی عزت کی جانے لگی۔''

تقابلی قوانین کی بین الاقوامی کانفرنس (International Conference on Cmoparative law) منعقدہ پیرس کی ایشیائی قوانین کے مطالعہ کی شاخ (Branoh of Oriental Studies) نے جس میں مغرب ومشرق کے فضلاء قانون شریک تھے، رزولیوشن مورخہ ۷ جولائی ۱۹۵۱ء میں کہا ہے: ''اسلامی قوانین پر ہفتہ بھر چلنے والے مباحثوں سے مندوبین کی سامنے یہ بات ابھر کر آئی کہ اسلامی قوانین کے اصولوں کی افادیت میں کوئی شبہ نہیں ہے۔ قانون کی اس عظیم شاخ میں وہ تمام اصول وطریقہ کار موجود ہیں جو اسے جدید زندگی کی ضروریات کو پورا کرنے کا اہل بناتے ہیں۔''

حضرات! یہ واقعہ ہے کہ ملک کے عام باشندوں اور خاص طور پر اخبار بینوں اور ملک میں

پیش آنے والی تحریکوں اور سرگرمیوں پر نظر رکھنے والوں کو معلوم ہے کہ سپریم کورٹ کے فیصلہ کے خلاف جس میں مطلقہ کو تاحین حیات نفقہ دلانے کا فیصلہ کیا گیا تھا، مسلم پرسنل لا بورڈ کی رہنمائی اور ہدایت پر جو ملک گیر تحریک چلی جس کی اپنی خصوصیت، بالخصوص جوش اور سنجیدگی اور مسلمانوں کے مختلف فرقوں، تنظیموں اور مکاتب خیال کے اتحاد و تعاون میں تحریک خلافت کے دور اور اس کے بعد کوئی نظیر نہیں ملتی تو ہندوستان کے غیر مسلم صحافیوں، دانشوروں اور [illegible] طرف سے ایک ایسے ردعمل، جوش و نفرت اور خوف و ہراس کا مظاہرہ ہوا کہ معلوم ہوتا تھا کہ شاید اس ملک پر کوئی غیر ملکی طاقت حملہ کرنے والی ہے یا بجلی گرنے والی ہے یا زلزلہ آنے والا ہے، حالانکہ یہ ایک حقیقت پسندی اور احساس تناسب کے خلاف ہے۔ جس پر زندگی کا نظام چل رہا ہے، مسئلہ کی نسبت سے توجہ، فکر و پریشانی کا مستحق ہے اسی نسبت سے اس کی طرف توجہ اور اس میں توانائی صرف کرنے کی ضرورت ہے، یہی وہ بات ہے جو عقل سلیم کا تقاضا ہے، اور عملی حکمت (Practical Wisdom) کا۔ سب کو معلوم ہے کہ اس ملک میں مطالبۂ جہیز نہ ملنے پر دلہنیں اور معصوم لڑکیاں جلا دی جاتی ہیں، ملک میں سینکڑوں واقعات پیش آتے ہیں، نیشنل پریس کے ایک صحیفہ "قومی آواز" دہلی ۱۵ جون ۱۹۸۶ء کے بیان کے مطابق "صرف دہلی میں ہر بارہ گھنٹہ پر ایک نئی بیاہی دلہن کو جلا کر مار ڈالا جاتا ہے۔" پھر اس سرزمین پر جہاں ہم آپ ہیں، اس [illegible] مختلف [illegible] کے واقعات پیش آتے رہتے ہیں جن کی مذمت ملک کا [illegible] عقل سلیم اور انسانی ہمدردی کا [illegible] تقاضا یہ نہیں تھا کہ ان مظالم کی طرف توجہ اس سے کچھ زیادہ کی جائے جو مسلمانوں کے اپنے اسلامی عائلی قانون کے تحفظ کے مطالبہ اور یونیفارم سول کوڈ کی مخالفت میں کی جا رہی ہے جس سے ملک میں حقیقی اتحاد پیدا ہونے کی امید رکھنا محض خوش فہمی اور دنیا کے واقعات سے اور دو گذشتہ جنگ عظیم سے ثابت حقیقت کی مخالف ہے جو ایک ہی عائلی قانون اور سول کوڈ کو ماننے والی دو پروٹسٹنٹ عیسائی قوموں اور ملکوں کے درمیان ہوئی۔

عورت شادی کے بعد اسلام اور دیگر مذاہب کی نظر میں

پھر یہ بھی ملحوظ رکھنا چاہئے تھا کہ اسلام اور مسلمانوں میں عورت کی شادی ہوجانے کے

بعد وہ اپنے خاندان، والدین اور بھائیوں سے کٹ نہیں جاتی اور مسلمان مطلقہ خاتون طلاق کے بعد بے سہارا، لاوارث اور بھیک مانگنے یا زندگی کا خاتمہ کرنے پر مجبور نہیں ہوتی، نکاح اور طلاق دونوں حالتوں میں وہ خاندان کے ایک فرد، ماں باپ (اگر وہ زندہ ہیں) کی بیٹی اور بھائی بہنوں کی بہن ہوتی ہے، وہ ترکہ (Heritage) اور جائداد میں اس پورے حصے کی مستحق ہوتی ہے، جو شریعت اسلامی نے مقرر کر دیا ہے اور جس کا قرآن مجید میں ذکر اور اس کے دینے کی تاکید ہے۔

اس کے برخلاف ہندو معاشرہ اور سماج میں عورت شادی کے بعد اپنے خاندان، ماں باپ، بھائی بہنوں سے کٹ جاتی ہے، اس کی کفالت کی ذمہ داری سرتاسر شوہر پر عائد ہوتی ہے اور شوہر کے انتقال پر عورت بالکل لاوارث اور تنہا ہوجاتی ہے اسی صورت حال اور رواج نے قدیم زمانہ میں (جس کی تاریخی تحدید مشکل ہے) خواتین کے طبقہ کو جو بیوگی کی زندگی گزارنے پر مجبور تھیں، ستی کی رسم کی طرف مائل کیا جو اس کسمپرسی اور لاوارثیت سے نجات پانے کا واحد راستہ نظر آتا تھا۔

حضرات! سپریم کورٹ کے فیصلہ کی منسوخی (جس میں مطلقہ کو تاحین حیات نفقہ دینے کو لازم قرار دیا گیا تھا) اور پارلیمنٹ میں اس کے خلاف ممتاز تاریخی غیر معمولی اکثریت کے ساتھ پرسنل لا بورڈ کے مطالبہ اور مسلمانوں کی رائے عامہ کے مطابق بل پاس ہوجانے کا جو تاریخی اور یادگار واقعہ پیش آیا اور جس میں مسلم پرسنل لا بورڈ کو کھلی کامیابی ہوئی۔ اس کے بعد بھی مسلم پرسنل لا بورڈ کا (اور حقیقتاً شریعت اسلامی کی حفاظت وحمایت کرنے والوں اور مسلمانوں کے عائلی قانون (پرسنل لا) کے باقی رہنے کی جدوجہد کرنے والوں کا کام ختم نہیں ہوا بقول شاعر ؎

مکتب عشق کا دیکھا یہ نرالا دستور
اس کو چھٹی نہ ملی جس کو سبق یاد ہوا

اس کے بعد ایک اہم مرحلہ تو یہ ہے جو بورڈ کی توجہ کا موضوع اور حقائق وواقعات کا فطری تقاضا ہے کہ بل کے پارلیمنٹ سے پاس ہوجانے کی بعد بھی ہندوستان کی بعض ریاستوں اور بعض مقامات کی عدالتیں سپریم کورٹ کے سابقہ فیصلہ کے مطابق مطلقہ کو تاحین حیات نفقہ

دینے کے حق میں فیصلہ کر رہی ہیں، جو صریح قانونی تضاد بلکہ حقیقتاً ایک منظور شدہ قانون سے بغاوت کے مرادف ہے جو مرکزی حکومت کا پاس کیا ہوا ہے اور واجب العمل ہے۔ اس کے لئے بورڈ کی مجلس منتظمہ اور اس کے قانون داں ارکان اور وکلاء کوشش کر رہے ہیں اور اس سلسلہ میں مقدمات بھی دائر ہوئے ہیں، یہ مرکزی حکومت کا فرض تھا اور ہے کہ وہ اپنے وزیر قانون کے ذریعہ اپنے اختیارات سے اس سلسلہ کو بند کرائے۔ اس سلسلہ میں بورڈ کے ایک وفد نے سابق وزیر اعظم وی پی سنگھ جی سے ملاقات بھی کی تھی اور ان کی توجہ مبذول کرائی تھی اور انہوں نے اس کا وعدہ بھی کیا تھا لیکن ان کی عہد حکومت میں اس پر کوئی توجہ دی جا سکی اور نہ بعد کی حکومتوں کو اپنی اس ذمہ داری کا احساس ہوتا ہے اور اس میں مرکزی حکومت کی اہانت محسوس ہوتی ہے، ضرورت ہے کہ پوری توجہ اور تنظیم و امن کے ساتھ احتجاج اور قانونی چارہ جوئی کا سلسلہ جاری رہے ورنہ اندیشہ ہے کہ کہیں ان محنتوں پر پانی نہ پھر جائے جو اس سلسلہ میں کی گئیں۔

۱۔ بورڈ کے اہم ترین اور بنیادی مقاصد میں اصلاح معاشرہ کا کام داخل ہے اس سلسلہ میں کوشش ہوتی رہی ہے جلسے بھی اور دورے بھی ہوئے ہیں جن میں سب سے بڑا عوامی جلسہ اور اجتماع کیم مارچ ۱۹۹۲ء کو پٹنہ کے گاندھی میدان میں ہوا، جس کی اپنی وسعت اور مقبولیت میں دور دور تک اور دیر دیر تک نظیر نہیں ملتی، لیکن ضرورت ہے کہ اس کے لئے تھوڑے تھوڑے وقفہ سے ہمہ گیر دورے اور عظیم و وسیع جلسے ہوں، دینی جلسوں اور مساجد کے مواعظ و خطبات کا بھی یہ موضوع بن جائے اور عام زندگی پر اس کا اثر پڑے۔

۲۔ عرصہ سے اس کی ضرورت محسوس کی جا رہی تھی کہ اسلامی عائلی قانون کے موضوع پر ایک مستند اور مفصل کتاب تیار کی جائے جو آزاد اور شرعی دار القضا سے لے کر سرکاری عدالتوں تک میں ایک قابل اعتماد حوالہ کی کتاب اور فقہی مرجع ہو، انگریزوں نے اپنے دور حکومت میں محمڈن لاء (Mohammadan law) پر مسلمان ماہرین قانون سے کتابیں لکھوائیں، جن میں جسٹس سید امیر علی اور جسٹس عبد الرحیم کی کتابیں خاص طور پر مشہور مقبول ہوئیں اور وکلاء اور ججوں نے ان پر اعتبار کیا۔

لیکن ضرورت تھی کہ از سر نو اور زیادہ محنت، وسیع النظری اور دقیق النظری کے ساتھ

ہندوستان کے مستند علماء و ماہرین فقہ وحدیث اس کام کو انجام دیں اور ایک ایسی نئی کتاب کی ترتیب عمل میں آئے جو مرجع اور سند کا کام دے۔

اس ضرورت کا احساس سب سے پہلے مسلم پرسنل لاء بورڈ کے بانی امیر شریعت حضرت مولانا سید منت اللہ صاحب رحمانی کو ہوا، جن کو اللہ تعالیٰ نے دور بینی، بیدار مغزی اور حقیقت شناسی اور خطرات کی آگاہی کی دولت سے خاص طور پر بہرہ مند فرمایا تھا اور اسی بصیرت اور ذہانت وتوفیق الٰہی نے ان سے آل انڈیا مسلم پرسنل لاء بورڈ کی تشکیل کا کام لیا اور انہوں نے اپنی نگرانی وسرپرستی میں مونگیر میں یہ کام شروع کرادیا لیکن اس کام کی تکمیل کی نوبت نہیں آئی تھی کہ انہیں سفر آخرت پیش آگیا۔

لیکن مولانا مرحوم کی وفات کے بعد بھی بورڈ اور امارت شرعیہ نے اس کام کو جاری رکھا اور ہندوستان کے مستند وممتاز علماء، ماہرین فقہ اور مفتیان عظام نے اپنے مقامات سے سفر کرکے مونگیر اور پٹنہ میں ربیع الاول ۱۴۱۴ھ میں توفیق واعانت الٰہی سے یہ کام مکمل کرلیا، جس کو فی الحال ''اسلام کے عائلی قوانین کی دفعہ وار تدوین'' کے نام سے موسوم کیا جاسکتا ہے۔

ضرورت ہے کہ اس کتاب کا انگریزی میں بھی ترجمہ شائع ہوتا کہ وکلاء اور جج صاحبان بھی اس سے فائدہ اٹھاسکیں اور قدیم محمڈن لاء کی کتابوں کے قائم مقام ہو اور اس کی ایک سند اور مرجع کی حیثیت ہو۔

حضرات سامعین کرام! اب میں دین کے ایک نمائندہ اور داعی کی حیثیت سے اور مسلم پرسنل لاء بورڈ کے ایک ذمہ دار کی حیثیت سے آپ سے ایمانی وقرآنی زبان میں کچھ خطاب کرنا چاہتا ہوں۔ کہ اس کے بغیر یہ شرف جو آپ نے اس عاجز کو بخشا ہے اور یہ قیمتی وقت جو آپ نے اس موقر مجلس میں شرکت کے لئے دیا ہے اس کا حق نہیں ادا ہوگا۔ اور اندیشہ ہے کہ اللہ کے یہاں محاسبہ ہو، جہاں پر میں اس عرض داشت کا اعادہ کروں گا جو دہلی کے اجلاس منعقدہ ۲۴۔۲۳ نومبر ۱۹۹۱ء میں کی گئی تھی۔

آپ دیکھئے کہ آپ اسلامی وقرآنی قانون معاشرت کا خود کتنا احترام کرتے ہیں اس پر خاندانی روایات کو اور رسم ورواج کو کتنی ترجیح دیتے ہیں۔ اس پر اس کا اضافہ کیجئے جو آپ نے اپنے ہم وطنوں سے سیکھا ہے۔ جہیز کا بڑھا چڑھا کر مطالبہ ہم میں جہاں سے آیا ہے۔ اس کو کسی

نام سے یاد کیا جاتا ہو، یہ چیز کہاں سے آئی۔ مکہ و مدینہ حرمین شریفین سے آئی ہے۔ قرآن مجید کے راستہ سے آئی ہے۔ یہ لعنت کہاں سے آئی۔ جب آپ اس کو قبول کرتے ہیں تو بطور سزا کے آپ کی غیرتِ ملی کو آپ کے وجودِ ملی کو بار بار نشانہ بنایا جاتا ہے۔

لیکن جب ہم اہل حکومت اور برادرانِ وطن سے شکایت کرتے ہیں تو ہمیں آپ سے شکایت کرنے کا حق کیوں نہ ہو۔ ان سے تو شکایت کریں گے اور ان کا دامن پکڑیں گے لیکن آپ کا گریبان پکڑیں گے اور وہ ہاتھ ہمارا ہاتھ نہیں ہوگا، وہ دینی احتساب کا ہاتھ ہوگا، وہ شریعت کا ہاتھ ہوگا جو آپ کا گریبان پکڑے گا اور کہے گا کہ پہلے تم اپنے گریبان میں منہ ڈال کر دیکھو کہ تم اس قانون پر کتنا چلتے ہو، تمہاری نگاہوں میں اس قانون کی کتنی حرمت ہے۔

تم جہاں اس قانون کو چلا سکتے ہو وہاں چلا رہے ہو کہ نہیں، تم تو اپنے گھروں میں اس قانون کو نہ چلاؤ اور حکومت سے مطالبہ کرو کہ وہ تمہارے قانون کو چلائے اس کا احترام کرے۔

یہاں سے یہ عہد کر کے جائیے کہ اب قانون شریعت پر آپ چلیں گے۔ یہ جہیز کی کیا مصیبت ہے۔ لڑکے والوں کی طرف سے مطالبات کی ایک لمبی چوڑی فہرست پیش ہوتی ہے شرائط پیش کئے جاتے ہیں، ان کے پورا نہ ہونے پر یہ معصوم لڑکیاں جلا دی جاتی ہیں ملک میں سینکڑوں واقعات پیش آتے ہیں، کیا اس کائنات کے خالق اور نوعِ انسانی کے مربی کو (جس کی مخلوق مرد و عورت دونوں ہیں) یہ چیز گوارہ ہو سکتی ہے۔ کیا اس ظلم کے ساتھ کوئی ملک معاشرہ پنپ سکتا ہے۔ خدا کی رحمت و نصرت کا مستحق ہو سکتا ہے۔ آپ رحمۃ للعالمین کی امت ہیں، آپ کے ہوتے ہوئے دوسروں کو بھی اس کی ہمت نہیں ہونی چاہئے تھی، میں نے دہلی ہی کے ایک جلسہ میں کہا تھا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

''وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُعَذِّبَهُمْ وَاَنْتَ فِيْهِمْ ۚ وَمَا كَانَ اللّٰهُ مُعَذِّبَهُمْ وَهُمْ يَسْتَغْفِرُوْنَ'' (سورۃ الانفال ۳۳)

(ترجمہ) ''اور خدا ایسا نہ تھا جب تک تم ان میں سے تھے انہیں عذاب دیتا اور نہ ایسا تھا کہ وہ بخشش مانگیں اور انہیں عذاب دے۔''

آپ رحمۃ للعالمین کی امت ہیں آپ کے ہوتے ہوئے ہندوستانی سماج میں

ہندوستان کے معاشرہ اور سوسائٹی میں یہ ظلم ہو، اس کو عقل قبول کرنے کے لئے تیار نہیں، آپ کے ہوتے ہوئے کبھی یہ نہیں ہونا چاہئے تھا چہ جائیکہ آپ کے ہاتھوں ہو، عہد کیجئے کہ آپ اسلامی طریقہ پر، شریفانہ انسانی طریقہ پر شادی کا پیام دیں گے۔ آپ لڑکی مانگیں گے، اپنے لئے رفیقہ حیات کی تلاش کریں گے بیٹے کے لئے پیام دیں گے جہیز کے لئے آپ کے بڑھتے چڑھتے مطالبات نہیں ہوں گے نہیں یہ ملنا چاہئے وہ ملنا چاہئے لڑکوں کو اور ان کے وارثوں اور بزرگوں کو یہ عہد کرنا چاہئے کہ ہم اپنے یہاں تو کیا ہم اس ملک سے اس رسم کو ختم کر دیں گے۔

ایسے ہی ترکہ شرعی طور پر تقسیم ہونا چاہئے، نکاح شرعی طریقہ پر ہو، اور طلاق کا مسنون طریقہ معلوم کرنا چاہئے۔ مسنون اور افضل طریقہ کیا ہے، پھر اس کے بعد فقہی طلاق جس سے طلاق واقع ہو جاتی ہے۔ اس کو سمجھنا چاہئے یہ بھی جاننا چاہئے کہ طلاق رجعی کیا ہوتا ہے، طلاق بائن مغلظہ کیا ہوتا ہے۔ پھر آپ یہ بھی سمجھیں کہ طلاق ابغض المباحات ہے، خود رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے کہ جائز ہے لیکن آخری درجہ کی چیز ہے، بڑی مجبوری کی چیز ہے۔ جو اپنے کو حرام چیزوں سے اور زندگی کو تلخ بننے سے بچانے کے لئے بہت مجبوری سے دل پر پتھر رکھ کر اختیار کی جاتی ہے۔ یہ نہیں کہ طلاق ایک فیشن ہو گیا ہے جو لوگ مسلمانوں کو یہ طعنہ دیتے ہیں اس میں تھوڑی سی ہماری کوتاہی کو بھی دخل ہے جتنا طعنہ دیتے ہیں اتنے کے مستحق تو ہم ہرگز نہیں ہیں۔

حضرات! اب آپ اس اجلاس سے جو جے پور میں "جامعہ ہدایت" کے سایہ میں ہو رہا ہے، اپنے اپنے مقامات پر واپس جائیں گے ضرورت ہے کہ آپ جامع پیغام ہدایت لے کر جائیں اور یہ اجلاس نہ صرف آپ کے عائلی اور خاندانی دائرہ میں کتاب وسنت اور ہدایت ربانی کے مطابق زندگی گذارنے اہل حقوق و ان کے حقوق ادا کرنے اور ایک صالح و عادل اور متبع سنت و معاشرہ کا نمونہ پیش کرنے کا باعث ہو بلکہ آپ کے ذریعہ آپ کے ہم وطن اور ہم شہر مسلمانوں ہی نہیں بلکہ غیر مسلموں کے سامنے بھی اسلامی عائلی زندگی اور صالح معاشرہ کا ایک ایسا نمونہ پیش آئے جس سے ان کو نہ صرف اسلام کی تعلیمات کی قدر اور اعتراف ہو بلکہ اس کی طرف کشش اور انجذاب پیدا ہو۔ وما ذٰلک علی اللہ بعزیز۔

وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین

حقیقت اسلام اور صورت اسلام

الحمد للہ رب العالمین والصلوۃ والسلام علی سید الانبیاء والمرسلین ، وعلی آلہ واصحابہ اجمعین. امابعد.

حضرات! حضرت خبیبؓ کا واقعہ آپ نے سنا ہے کہ پھانسی کے تختہ پر ان کو چڑھایا گیا، چاروں طرف سے نیزوں کی نوکوں نے ان کو کوچنا شروع کیا، برچھیوں نے ان کے جسم کو چھلنی کر دیا، وہ صبر واستقامت کے ساتھ مقابلہ کرتے رہے، عین اس حالت میں ان سے کہا جاتا ہے کہ کیا تم اس پر راضی ہو کہ تمہاری جگہ رسول اللہ ﷺ ہوں؟ وہ تڑپ کر جواب دیتے ہیں کہ میں تو اس پر بھی راضی نہیں کہ مجھے چھوڑ دیا جائے اور حضور کے تلوہ میں کوئی کانٹا بھی چبھے، حضرات! کیا یہ صورت اسلام تھی جس نے ان کو تختہ دار پر ثابت قدم رکھا اور ان کی زبان سے یہ الفاظ کہلوائے؟ نہیں، وہ اس کی حقیقت تھی جو ان کے ہر زخم پر مرہم رکھتی تھی، جو ہر نیزے کی چبھن پر ان کے سامنے جنت کا نقشہ لاتی تھی اور انہیں دکھاتی تھی کہ یہ تمہاری اس تکلیف کا صلہ ہے بس چند لمحوں کا معاملہ ہے یہ جنت تمہاری منتظر ہے۔ اگر تم نے اس فانی جسم کی اس فانی تکلیف کو گوارا کر لیا تو غیر فانی زندگی کی غیر فانی راحت تمہارا حصہ ہے، یہ عشق ومحبت کی حقیقت تھی، جب اسے کہا گیا کہ کیا تم کو یہ منظور ہے کہ تمہاری جگہ رسول اللہ ﷺ ہوں؟ تو حضور کی صورت حقیقت بن کر ان کے سامنے آ گئی اور ان کو گوارا نہیں ہوا کہ اس جسم اقدس کو ایک کانٹے کی بھی تکلیف ہو۔

یہ چند پاک اور بلند حقائق تھے جو درد و تکلیف کی حقیقت پر غالب آئے۔ صورت اسلام میں اس حقیقت درد و تکلیف کا مقابلہ کرنے کی طاقت نہ پہلے تھی نہ اب ہے، صورت اسلام کا بھی مقابلہ نہیں کر سکتی، ہم کو اور آپ کو معلوم ہے کہ گزشتہ فسادات کے موقع پر خیالی

خطرات کی بناء پر لوگوں نے صورت اسلام بدل دی، مسلمانوں نے سروں پر چوٹیاں رکھیں اور غیر اسلامی شعار اختیار کئے، اس لئے کہ ان غریبوں کے پاس صرف صورت اسلام تھی جو اس میدان میں ٹھہر نہیں سکتی تھی۔

آپ نے سنا ہوگا کہ حضرت صہیب رومی ہجرت کر کے جانے لگے تو کفار مکہ نے ان کو راستہ میں روکا، اور کہا کہ صہیب تم جا سکتے ہو مگر یہ مال نہیں لے جا سکتے جو تم نے ہمارے شہر میں پیدا کیا ہے، اب حقیقت اسلام کا حقیقت مال سے مقابلہ تھا حقیقت اسلام اپنی مقابل حقیقت پر غالب آئی، صورت اسلام ہوتی تو وہ حقیقت مال کا مقابلہ نہیں کر سکتی تھی۔

آپ نے سنا ہے کہ حضرت ابو سلمہ جب ہجرت کر کے جانے لگے تو کفار ان کا راستہ روک کر کھڑے ہو گئے انہوں نے کہا کہ تم جا سکتے ہو مگر ہماری لڑکی ام سلمہ کو نہیں لے جا سکتے، اب حقیقت اسلام کا ایک حقیقت سے مقابلہ تھا وہ حقیقت کیا تھی؟ بیوی کی محبت جو ایک حقیقت تھی، لیکن اسلام کی حقیقت مومن کے دل میں ہر حقیقت سے زیادہ طاقتور اور گہری ہوتی ہے انہوں نے بیوی کو اللہ کے حوالے کیا اور تن تنہا چل دیئے کیا صورت اسلام اتنی طاقتور ہے کہ آدمی بیوی کو چھوڑ دے؟ ہم نے تو دیکھا ہے کہ لوگوں نے بیوی اور بچوں کے لئے کفر تک اختیار کر لیا اور صورت اسلام کی ذرا پرواہ نہیں کی ہے۔

آپ نے سنا ہے کہ حضرت ابو طلحہ نماز پڑھ رہے تھے کہ ان کے باغ میں ایک چھوٹی سی چڑیا آ گئی اور اس کو پھر جانے کا راستہ نہ ملا، حضرت ابو طلحہؓ کی توجہ بٹ گئی، نماز کے بعد انہوں نے پورا باغ صدقہ کر دیا اس لئے کہ حقیقت نماز اس شرکت کو گوارا نہیں کر سکتی تھی باغ کی بھی ایک حقیقت ہے اس کی سرسبزی، اس کی فصل، اس کی قیمت ایک حقیقت ہے اس حقیقت کا مقابلہ صورت نماز نہیں کر سکتی تھی، اس کا مقابلہ کرنے کی طاقت حقیقت صلوٰۃ ہی میں ہے، آج ہماری آپ کی نماز ادنیٰ سے ادنیٰ حقیقتوں کا مقابلہ اس لئے نہیں کر سکتی کہ وہ حقیقت سے خالی اور ایک صورت ہے۔

آپ نے سنا ہوگا کہ یرموک کے میدان میں چند ہزار مسلمان تھے اور کئی لاکھ رومی، ایک عیسائی (جو مسلمانوں کے جھنڈے کے نیچے لڑ رہا تھا) کی زبان سے بے اختیار نکلا کہ رومیوں کی تعداد کا کچھ ٹھکانہ ہے؟ حضرت خالد رضی اللہ عنہ نے کہا خاموش! خدا کی قسم اگر

میرے گھوڑے اشقر کے سم درست ہوتی تو میں رومیوں کو پیغام بھیجتا کہ اتنی ہی تعداد اور میدان میں لے آئیں۔

حضرات! حضرت خالدؓ کو یہ اطمینان و اعتماد کیوں تھا اور وہ رومیوں کی تعداد کو بے حقیقت کیوں سمجھتے تھے؟ اس لئے کہ وہ حقیقت اسلام رکھتے تھے اور سمجھتے تھے کہ اس کے مقابل صرف رومیوں کی صورتیں ہیں جو ہر طرح کی حقیقت سے خالی ہیں، یہ لاکھوں صورتیں اسلام کی حقیقت کے سامنے ٹھہر نہیں سکتیں۔ ہم یقیناً کلمہ پڑھتے ہیں، ہم میں سے بہت سے لوگ کلمہ کے معانی سے واقف ہیں لیکن کلمہ کوئی اور چیز ہے وہ ان الفاظ اور معانی سے بہت بلند ہے، اور یہ حقیقت تو صحابہ کرام کو حاصل تھی جب وہ کہتے تھے لا الہ الا اللہ تو واقعتاً سمجھتے تھے کہ اللہ کے سوا کوئی حاکم، بادشاہ نہیں، اللہ کے سوا کوئی محبت وخوف کے لائق نہیں، اللہ کے سوا کسی کی ہستی کوئی ہستی نہیں، کیا یہ سب حقیقتیں ہم سب کے دل میں اتری ہوئی ہیں، ہمارے دماغ کے اندر بسی ہوئی ہیں، ہماری زندگی کے اندر جڑ پکڑے ہوئے ہیں؟ اگر ہم ان حقیقتوں سے آشنا ہوتے تو لا الہ الا اللہ کہتے ہوئے ہمیں احساس ہوتا کہ ہم کتنی بڑی بات کہہ رہے ہیں، جس کو اس حقیقت کا ذرا بھی احساس ہے وہ اسلام کا دعویٰ کرتے ہوئے سمجھتا ہے کہ وہ کتنا بڑا دعویٰ کر رہا ہے۔

چوں می گویم مسلمانم بلرزم
کہ دانم مشکلات لا الہ را

ہم سب جانتے ہیں کہ آخرت برحق ہے، جنت ودوزخ برحق ہے، مرنے کے بعد یقیناً معاملہ ہونا ہے لیکن کیا سب اہل ایمان کو وہ حقیقت حاصل ہے جو صحابہ کو حاصل تھی، اس حقیقت کا نتیجہ تھا کہ ایک صحابی کھجور کھاتے کھاتے پھینک دیتا ہے اور کہتا ہے کہ ان کے ختم ہونے کا انتظار کرنا میرے لئے بہت مشکل ہے اور فوراً بڑھ کر شہادت حاصل کرتا ہے، اس لئے کہ جنت اس کے لئے ایک حقیقت تھی اور حقیقت اس کے سامنے تھی، اس کی حقیقت جس کو حاصل تھی وہ قسم کھا کر کہتا تھا کہ مجھے احد پہاڑ کے اس طرف سے جنت کی خوشبو آرہی ہے، یرموک کے میدان میں ایک صحابی ابو عبیدہؓ کے پاس آتے ہیں اور کہتے ہیں کہ امیر میں سفر کے لئے تیار ہوں کوئی پیغام تو نہیں کہنا ہے؟ وہ کہتے ہیں ہاں! رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں ہمارا سلام عرض کرنا اور

کہنا کہ آپ ﷺ نے امت سے جو وعدے فرمائے تھے وہ سب پورے ہو رہے ہیں یہ ہے یقین کی حقیقت اس حقیقت پر دنیا کی کوئی قوت غالب آسکتی ہے اور ایسی حقیقت رکھنے والی جماعت پر کون سی جماعت غالب آسکتی ہے؟

صورت اسلام حفاظت کرنے کے لئے کافی نہیں:

امت میں جو سب سے بڑا انقلاب ہوا وہ یہ ہے کہ اس کی ایک بڑی تعداد اور شاید سب سے بڑی تعداد میں صورت نے حقیقت کی جگہ لے لی، یہ آج کی بات نہیں، یہ صدیوں کی پرانی حقیقت ہے، صدیوں سے صورت نے حقیقت کی جگہ حاصل کر رکھی ہے، عرصہ تک دیکھنے والوں کو صورت پر حقیقت کے ڈر سے اس صورت کے قریب آنے سے بچتے رہے لیکن جب کسی نے ہمت کر کے اس صورت کو چھوا تو معلوم ہوا کہ اندر سے پول ہے اور حقیقت غائب ہو چکی ہے۔

آپ نے دیکھا ہوگا کبھی کبھی کاشتکار کھیت میں ایک لکڑی کا ڈھانچہ کھڑا کر کے اس پر پرانا کپڑا ڈال دیتا ہے اور سر پر ہنڈیا رکھ دیتا ہے، پرندوں اور جانوروں کو شبہ ہوتا ہے کہ کوئی آدمی رکھوالی کر رہا ہے لیکن اگر کبھی کوئی سیانا کوا یا ہوشیار جانور ہمت کر کے کھیت میں جا پڑے تو اس کو پتہ چل جاتا ہے کہ یہ بے جان شبیہ کچھ نہیں کر سکتی، پھر نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ جانور اس کھیت کو روندتے ہیں اور پرندے اس کا ستیاناس کر دیتے ہیں۔

مسلمانوں کے ساتھ یہی واقعہ پیش آیا، ان کی صورت حقیقت بن کر برسوں ان کی حفاظت کرتی رہی، قومیں ان کے قریب آنے سے ڈرتی تھیں، حقیقت اسلام کے واقعات ان کے ذہن میں تازہ تھے اور کسی کو مسلمانوں پر حملہ کرنے کی جرات نہیں ہوتی تھی، لیکن کب تک؟ جب تاتاریوں نے بغداد پر چڑھائی کی جس پر حملہ کرنے سے وہ برسوں احتیاط کرتے رہے تو اس صورت کی حقیقت کھل گئی اور مسلمانوں کا بھرم جاتا رہا، اس وقت سے صورت اسلام حفاظت کرنے کے لئے کافی نہیں ہے اب صرف حقیقت اسلام ہی اس امت کی حفاظت کر سکتی ہے۔

حقیقت اسلام مدتوں سے میدان میں آئی ہی نہیں:

عرصہ دراز صورت اسلام معرکہ آزما ہے اور شکست پر شکست کھا رہی ہے اور حقیقت اسلام مفت میں بدنام اور دنیا کی نگاہوں میں ذلیل ہو رہا ہے، دنیا سمجھ رہی ہے کہ ہم اسلام کو شکست دے رہے ہیں، اس کو خبر نہیں کہ حقیقت اسلام تو مدت سے میدان میں آئی ہی نہیں اس کے مقابلہ میں مسلمانوں کی صورت آئی ہوئی ہے نہ کہ اسلام کی حقیقت۔

یورپ کی قوموں کے مقابلہ میں ترکی میدان میں آیا لیکن اسلام کی ایک نڈھال صورت لے کر، یہ نحیف و نزار صورت مقابلہ میں نہ ٹھہر سکی، فلسطین میں تمام عرب قومیں اور سلطنتیں مل کر یہودیوں کے مقابلہ میں آئیں لیکن حقیقت اسلام، شوق شہادت، جذبہ جہاد اور ایمانی کیفیات سے اکثر عاری، عربی قومیت کے نشہ میں سرشار، صرف اسلام کے نام و نسبت سے آراستہ، نتیجہ یہ ہوا کہ اس صورت نے یہودیوں کی جنگی قوت تنظیم و اسلحہ کی حقیقت سے مات کھائی اس لئے کہ صورت حقیقت کا مقابلہ نہیں کر سکتی، یہودی ایک حقیقت رکھتے تھے اگر چہ سرتاپا مادی، عرب صرف ایک صورت رکھتے تھے، اگر چہ مقدس لیکن صورت صورت ہے اور حقیقت حقیقت ہے۔

رحمت، نصرت، تائید و اعانت کے وعدے حقیقت سے متعلق ہیں:

اسلام کی صورت اللہ کے یہاں ایک درجہ رکھتی ہے اس لئے کہ اس میں مدتوں اسلام کی حقیقت بسی ہوئی رہی ہے اور یہ اسلام کی حقیقت کا قالب ہے اسلام کی صورت بھی اللہ کو پیاری ہے اس لئے کہ اس کے محبوبوں کی پسندیدہ صورت ہے، اسلام کی صورت بھی اللہ کی ایک بڑی نعمت ہے اس لئے کہ صورت سے حقیقت اسلام کی طرف منتقل ہونا نسبتاً آسان ہے جہاں صورت بھی نہیں وہاں حقیقت پر پہنچنا بہت مشکل ہے لیکن دوستو! اللہ تعالیٰ کی رحمت و نصرت کے وعدے دنیا میں اور مغفرت و نجات اور ترقی درجات کے وعدے آخرت میں سب حقیقت سے متعلق ہیں نہ کہ صورت سے، حدیث میں ہے:۔ اللہ تعالیٰ تمہاری صورتوں اور مالوں کو نہیں دیکھتا ہے وہ تمہارے دلوں اور اعمال کو دیکھتا ہے، جو لوگ صرف صورت کے حامل تھے

اور حقیقت سے یکسر خالی تھے ان کو وہ ان لکڑیوں سے تشبیہ دیتا ہے جو کسی سہارے رکھی ہوئی ہیں وہ فرماتا ہے:۔

”اگر تم ان کو دیکھو تو تم کو ان کے جسم بڑے بھلے معلوم ہوں گے وہ بات کریں گے تو تم کان لگا کر سنو گے لیکن واقعہ یہ ہے کہ وہ لکڑیاں ہیں جو سہارے سے رکھی ہوئی ہیں ہر آواز کو وہ اپنے خلاف ہی سمجھتے ہیں۔“

اللہ تعالیٰ ہمیں اسلام کی حقیقت کو سمجھنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین

بسم اللہ الرحمن الرحیم

آدمیت سے بغاوت

الحمد للہ رب العالمین والصلوٰۃ والسلام علی سید الانبیاء
والمرسلین وعلی آلہ واصحابہ اجمعین. امابعد

انسان کی تلاش:

ترکی کی حدود میں ایک بڑے مشہور شاعر اور حکیم گزرے ہیں جن کا نام مولانا روم ہے۔ انہوں نے اپنی مثنوی میں ایک عجیب واقعہ لکھا ہے، کہ ایک رات کا وقت تھا ایک ضعیف العمر آدمی ہاتھ میں چراغ لیے ہوئے گھوم رہے تھے، اندھیری رات میں چراغ لے کر تلاش کر رہے تھے، میں نے کہا کہ حضرت سلامت آپ کیا تلاش کر رہے ہیں۔ فرمانے لگے کہ مجھے انسان کی تلاش ہے، میں چوپایوں اور درندوں سے ملتے ملتے تنگ آ گیا ہوں، میری طبیعت ان سے بیزار ہو گئی ہے، اب مجھے ایک ایسے انسان کی تلاش ہے جو خدا کا شیر اور مرد کامل ہو۔ میں نے کہا بزرگو! آپ کا اخیر وقت ہے، انسان کو آپ کہاں تک ڈھونڈیں گے، اس زمانہ میں انسان نہیں ملتا، ہم نے بھی بہت ڈھونڈا ہے لیکن نہیں پایا۔ ان بزرگ نے جواب دیا کہ میری ساری عمر کی عادت یہ ہے کہ جب کسی چیز کو ڈھونڈتا ہوں، وہ نہیں ملتی تو اس کو اور زیادہ تلاش کرتا ہوں۔ تم نے مجھے اب اس بات پر آمادہ کر دیا کہ میں اس گم شدہ انسان کو اور زیادہ ڈھونڈوں اور اس کی تلاش سے کبھی باز نہ آؤں۔

یہ ایک شاعر کا مقالہ ہے آپ کو شاید تعجب ہو کہ ایسا بھی وقت تھا کہ انسان بالکل نایاب ہو گیا تھا۔ مولانا روم نے ہمارے دل میں ایک سوال پیدا کر دیا کہ کیا یہ انسان انسان نہیں ہے؟ اور کیا انسانوں کی بڑی بڑی آبادیوں میں بھی انسان نایاب ہے؟ ہم تو سمجھتے تھے کہ انسان کی

ایک ہی قسم ہے اس سے معلوم ہوا کہ انسانوں کی دو قسمیں ہیں ایک وہ جو دیکھنے میں انسان ہے لیکن حقیقت میں انسان نہیں۔ اور دنیا میں ہمیشہ انہی لوگوں کی کثرت رہی ہے۔ دوسرے وہ جو انسان ہیں اور وہ کبھی ایسے گم ہو جاتے ہیں کہ ان کو چراغ لے کر ڈھونڈھنے کی ضرورت ہوتی ہے۔

انسانیت کی ترقی:

مولانا روم کو زائد از سات سو برس ہو چکے ہیں ان کے بعد سے دنیا میں بڑی ترقیاں ہوئیں۔ ہر شہر میں انسانوں کی تعداد بڑھتی رہی۔ اور آج کی انسانی آبادی پہلے سے بہت زیادہ ہوگئی ہے اور اس کی ترقیاں بہت وسیع ہیں۔ آج انسان نے بجلی، بھاپ، ہوا اور پانی پر قبضہ جما لیا ہے۔ ہوائی جہاز، ریڈیو اور ایٹم بم سے انسانوں کی ترقی کا اندازہ مردم شماری کے نقشوں اور بڑے بڑے متمدن اور ترقی یافتہ ملکوں کی تصویروں سے کرنا صحیح نہیں ہے۔ انسانیت کی ترقی ان مادی ترقیات کا نام نہیں ہے اور محض نسل انسانی کی ترقی کو انسانوں کی ترقی نہیں کہا جا سکتا۔ انسانیت کی ترقی کا اندازہ انسانوں کے اخلاق و کردار سے ہوتا ہے اور اخلاق و کردار کا اندازہ آپس میں ملنے جلنے ریل کے ڈبوں، پارکوں، ہوٹلوں اور دفتروں میں ہو سکتا ہے، نامور شاعر اکبر نے بالکل صحیح کہا ہے۔

نقشوں کو تم نہ جانچو لوگوں سے مل کے دیکھو
کیا چیز جی رہی ہے کیا چیز مر رہی ہے

انسانیت کا صحیح اندازہ امتحان پڑنے پر اور ایسے مواقع پر ہوتا ہے۔ جب ہر قسم کے ذرائع اور مواقع حاصل ہوں۔ کہ چوری، گناہ، حق تلفی کی جا سکے مگر انسان کے اندر کی کیفیات اس کا ہاتھ پکڑ لیں۔ جہاں انسانیت کا گلا گھونٹا جا رہا ہو وہاں انسانیت اپنا جوہر دکھلائے۔ انسانیت کا اندازہ ہماری موجودہ زندگی کے سانچوں اور مادی ترقی کے پیمانوں سے نہیں ہو سکتا۔

انسان اور انسانیت:

انسانیت درحقیقت ایک بڑا مرتبہ ہے۔ لیکن انسانیت کے خلاف انسان ہمیشہ خود

بغاوت کرتا ہے اس کو انسانیت کی سطح پر قائم رہنا ہمیشہ دوبھر اور مشکل معلوم ہوا ہے۔ وہ کبھی نیچے سے نیچے اتر کر نکل گیا اور کبھی اس نے اپنے آپ کو انسانیت سے برتر سمجھا۔ اس لئے کبھی انسانیت سے بالاتر کہلوانے اور خدا اور دیوتا بننے کی کوشش کی اور سچی بات یہ ہے کہ لوگوں نے خدا اور دیوتا بننے کی کوشش کم کی۔ لوگوں نے انہیں خدا اور دیوتا بنانے کی کوشش زیادہ کی۔ ہم اگر فلسفہ اور روحانیت کی تاریخ پڑھیں تو معلوم ہوگا کہ لوگ انسانیت سے بلندتر کسی مرتبہ کی تلاش میں رہے اور انسانوں کو انسان کا صحیح مقام سمجھنے کے بجائے اس سے اونچا ہونے کی فکر کرتے رہے۔ اس کے بالمقابل دوسری کوشش یہ رہی کہ انسان کو انسانیت سے گرادیا جائے وہ حیوانی و نفسانی زندگی کا عادی بنے اور دنیا میں من مانی زندگی کا رواج ہو۔ ان دونوں کوششوں کے نتائج دنیا میں ہمیشہ خراب نکلے۔ جب انسان کو انسانیت سے اٹھا کر خدا یا دیوتا بنایا گیا تو دنیا میں بڑی پیچیدگی اور بڑا فساد برپا ہوا۔ دنیا میں لوگوں نے جب خدائی کا دعویٰ کیا یا لوگوں نے ان کو درجہ دیا تو دنیا میں بگاڑ [illegible] بڑھتا گیا۔ اور اس ساری زندگی میں نئی نئی راہیں پڑ گئیں۔ جب ایک مخلوق کی خدائی کسی انسان کے ہاتھ میں پڑ جاتی ہے اور وہ اس کی [illegible] تو وہ مر جاتی ہے۔ ذرا غور کیجئے انسان مصنوعی خداؤں سے کیسے چل سکتا ہے۔ [illegible] مسائل اتنے مختلف اور اس میں اتنی پیچیدگیاں ہیں کہ اگر ایک انسان اس دنیا کو چلانے [illegible] یقیناً اس کا انجام برا ہوگا۔ یہ [illegible] انسان انسانیت [illegible] بلکہ یہ کہ انسان خدائی کی کوشش نہ کرے۔ اس نے انسانیت ہی میں [illegible] کہ اب وہ خدائی کی ہوس کرے۔

تو کار زمین را نکو ساختی
کہ با آسمان نیز پرداختی

انسان اور فطرت:

مذاہب کی تاریخ بتاتی ہے کہ جب اس قسم کی کوشش کی گئی تو ایسی پیچیدگیاں رونما ہوئیں جن کا کوئی علاج نہ تھا۔ یہ کوشش دنیا کے گوشے گوشے میں ہمیشہ تھوڑے تھوڑے وقفے سے ہوتی رہی۔ ایسے لوگوں نے فطرت سے زور آزمائی کی ہے اور فطرت سے لڑ کر انسان نے ہمیشہ شکست

ہی کھائی ہے۔ دوسری طرف اکثر ایسے انسان گزرے ہیں جنہوں نے اپنے آپ کو چوپایہ بنانا اور ان کو بحیثیت انسان کے اپنی ترقی کا کوئی احساس نہیں ہوا۔ اپنی انسانیت، اپنی روحانیت اور خداشناسی کو ترقی دینے کا ان کو کبھی خیال نہیں ہوا۔ دنیا میں زیادہ تعداد انہی انسانوں کی رہی ہے اس زمانے کی خصوصیت یہ ہے کہ اس میں یہ دونوں بغاوتیں یہ دونوں عیب اور یہ دونوں فساد جمع ہو گئے ہیں۔ ابھی تک تقریبا ساری دنیا انہیں دونوں گروہوں میں بٹی ہوئی ہے۔ چند آدمی ہیں جو خدائی کے دعویدار ہیں اور جن کو دیوتا بننے کا شوق ہے باقی اکثر وہ انسان ہیں جو چوپاؤں اور درندوں کی سی زندگی گذار رہے ہیں اس لئے اس زمانے کا بگاڑ ہر زمانے کے بگاڑ سے بڑھ گیا ہے اور زندگی عذاب بن گئی ہے اس وقت مردم شماری کے قانون میں کوئی ایسا خانہ نہیں ہے کہ جو لوگ اپنی انسانیت کی قدر کرتے اور اس کو صحیح طور پر استعمال کرتے ہیں۔ ان کا اندراج کیا جائے مگر خود ہی انصاف کیجئے کہ آپ کے چاروں طرف زندگی کا جو طوفان اٹھا ہوا ہے اس میں کتنے انسان ہیں جن کو انسانیت کا احساس ہے جو یہ سمجھتے ہیں۔ کہ ہمیں صرف ایک معدہ اور پیٹ ہی نہیں دیا گیا ہے بلکہ اللہ نے انسان کی روح بھی دی ہے دل بھی دیا ہے اور دماغ بھی عطا کیا ہے جن کو ہم ہمیشہ نظر انداز کرتے اور ان کے صحیح استعمال سے بچتے ہیں۔ ہم [illegible] خواہشات اور مادی ضروریات کے ریلے میں ایسے بہے چلے جا رہے ہیں جیسے ایک گاڑی اپنے اختیار سے باہر لڑھک رہی ہو۔ جس پر کسی کا کوئی قابو نہ ہو میں اور [illegible] کا! [illegible]۔ انسانیت ایک سائیکل ہے اور وہ سائیکل ایک ڈھلوان پل پر سے پھسل رہی ہے۔ اس میں نہ کوئی گھنٹی ہے نہ بریک اور نہ اس کے پیڈل پر کسی کا ہاتھ، جغرافیہ کی پرانی تعلیم یہ بتلاتی تھی کہ زمین چپٹی ہے۔ جغرافیہ کی نئی تحقیقات سے ثابت ہوتا ہے کہ زمین گول ہے لیکن مجھے جغرافیہ کے استاد اور طالب علم معاف کریں۔ میں تو یہ دیکھ رہا ہوں کہ زمین ڈھلوان ہے اس لئے کہ ساری قومیں اور ان کے افراد اخلاقی بلندی سے حیوانی پستی کی طرف لڑھکتے چلے جا رہے ہیں۔ اور روز بروز ان کی رفتار تیز ہوتی جا رہی ہے۔ ہماری زمین کا یہ کرہ ضرور آفتاب کے گرد گردش کر رہا ہوگا۔ مگر اس کرۂ ارض پر بسنے والا انسان مادیت اور معدہ کے گرد چکر لگا رہا ہے۔ زمین کی گردش کا انسانوں کے اخلاق اور معاملات میں کوئی اثر نہیں پڑتا۔ لیکن انسانوں کی گردش کا تمام دنیا کے اخلاق اور معاملات پر اثر پڑ رہا ہے۔

انسان اور ہوس:

نظام شمسی میں حقیقی مرکز آفتاب ہو یا زمین لیکن عملی زندگی میں انسانوں کا حقیقی مرکز معدہ یا پیٹ اور حیوانی عنصر بنا ہوا ہے۔ اور ساری انسانیت اس کے گرد چکر لگا رہی ہے۔ آج دنیا میں سب سے وسیع رقبہ معدہ کا ہے یوں تو کہنے کو تو وہ انسان کے جسم کا بہت مختصر حصہ ہے لیکن اس کا طول و عرض اور عمق اتنا بڑھ گیا ہے کہ ساری دنیا اس میں سماتی چلی جا رہی ہے یہ معدہ اتنی بڑی خندق ہے کہ پہاڑوں سے بھی نہیں بھرتا۔ آج سب سے بڑا مذہب سب سے بڑا فلسفہ، معدہ کی عبادت ہے۔ تعلیم گاہوں میں اسی کا غلام بنانا سکھایا جا رہا ہے آج کامیاب انسان بننے کا فن سکھایا جاتا ہے۔ دوسرے الفاظ میں دولت مند بننے کا، آج دولت مند بننے کی ریس ہے۔ دولت مند بننے کی حرص اتنی بڑھ گئی ہے کہ انسان کو خود اپنے تن من کا ہوش نہیں رہا۔ مطالعہ علم اور فنون لطیفہ کا مقصد بھی یہی ہو گیا ہے کہ انسان کہاں سے زیادہ سے زیادہ روپیہ حاصل کر سکتا ہے۔ سب سے بڑا ہنر یہ ہے کہ لوگوں کی جیبوں سے کسی طرح روپیہ نکال کر اپنی جیب بھری جائے پھر اتنا نہیں بلکہ تھوڑے سے تھوڑے وقت میں زیادہ سے زیادہ دولت مند بننے کی کوشش کی جاتی ہے۔ دولت مند بننے کی کوشش تمدن اور سوسائٹی کے لئے اتنی مضر نہیں جتنی دولت مند بننے کی ہوس، یہی ہوس رشوت، خیانت، غبن، چور بازاری، ذخیرہ اندوزی اور حصول دولت کے دوسرے مجرمانہ ذرائع پر آمادہ کرتی ہے اس لئے کہ ان مجرمانہ طریقوں کے بغیر جلد دولت مند بننا ممکن نہیں۔ اسی ذہنیت کی وجہ سے ساری دنیا میں ایک مصیبت برپا ہے۔ دفتروں میں طوفان ہے منڈیوں میں قیامت کا منظر ہے آج کے انسان جونک بن گئے ہیں اور انسان کا خون چوسنا چاہتے ہیں آج کوئی کام بے غرض اور بے مطلب نہیں رہا آج کوئی شخص بغیر اپنے فائدے اور مطلب کے کسی کے کام نہیں آتا۔ آج ہر چیز اپنی مزدوری اور اپنی فیس مانگتی ہے کبھی کبھی تو یہ خیال ہونے لگتا ہے کہ اگر درخت کے سائے میں دم لیں گے تو شاید یہ درخت بھی اپنی فیس اور اپنی مزدوری مانگنے لگیں گے۔

مقصود زندگی:

آج کل سب کا حال یہی ہو رہا ہے کہ دولت اور خواہشات نفس کا نشہ سوار ہے آج دولت کمانا ہی زندگی کا مزہ بن گیا ہے آج دنیا میں صرف دو تین مزے سمجھے جاتے ہیں اور ساری دنیا ان کے پیچھے دیوانی ہو رہی ہے ان کو یہ نہیں معلوم کہ روح کا مزہ کیا ہے اور دوسروں کے لئے اپنا گھر جلا کر کیا مزہ ملتا ہے کسی کی خدمت کر کے کسی کے واسطے خود تکلیف اٹھا کر کیا مزہ ملتا ہے پیغمبر انسانوں کو وہ مزے بتانے آئے تھے جن کو وہ بھلا چکے تھے یہ کام انہیں کا تھا کہ نکالے جارہے ہیں پریشان کئے جارہے ہیں۔ آنکھوں سے آنسو جاری ہیں مگر ان کو مزہ آرہا ہے آج یہ مزہ اڑ گیا ہے۔ آج بھی اگر دنیا یہ جان لے کہ مزہ صرف شکست دینے ہی میں نہیں شکست کھانے میں بھی ایک مزہ ہے تو دنیا کا نقشہ بدل جائے اور ساری زندگی ختم ہو جائے۔

سیاسی اختلافات اور نظام سلطنت تو فرصت کی باتیں ہیں ہم تو یہ جانتے ہیں کہ ان دنوں حکومت خواہشات کی ہے حکومت یا قبضہ خواہ کسی قوم یا پارٹی کا ہو اور کوئی صدر یا وزیر ہو۔ مگر دراصل ہر جگہ نفس کا قبضہ اور خواہشات کا تسلط ہے۔ پہلے برطانیہ کے متعلق کہتے تھے کہ اس کی سلطنت میں آفتاب غروب نہیں ہوتا۔ لیکن آج جس حکومت اور سلطنت میں آفتاب غروب نہیں ہوتا وہ نفس کی خواہش اور من کی چاہت ہے وقت کا فرمان یہ ہے کہ نفس کی خواہش پوری کی جائے۔ دل کی آگ بجھائی جائے چاہے انسانوں کے خون کی نہریں بہتی ہوں۔ خواہ انسانوں کے اوپر ان کی لاشوں کو روندتے ہوئے گذرنا پڑے۔ خواہ قومیں اس راستے میں پامال ہو جائیں۔ خواہ ملک کے ملک ویران اور تباہ ہو جائیں۔

پیغمبروں کا کردار:

لیکن اس میں ذرا بھی تعجب کی بات نہیں۔ سینکڑوں برس سے جو تعلیم انسانوں کو دی جاتی ہے۔ خواہ وہ تعلیم گاہوں کے ذریعہ ہو یا سینماؤں کے ذریعہ یا ادب اور شاعری کے ذریعہ اور جو ہر ملک اور قوم میں رائج ہے اس کا حاصل یہی ہے کہ تم من کے راجہ ہو اور نفس کے غلام، اس زمانے کے سارے انسانوں کی آبادیاں اس لحاظ سے ایک سطح پر ہیں اور اس کے خلاف کوئی

آواز سنائی نہیں دیتی۔ ملکوں کے خلاف بغاوت کرنے والے بہت ہیں چھوٹے چھوٹے مسئلوں کے لئے بھوک ہڑتال کرنے والے بہت ہیں۔ مقامی مسائل کے لئے جان کی بازی لگا دینے والے بہت ہیں لیکن انسانیت کے لئے مرنے والے کتنے ہیں۔ کتنے ایسے ہیں جن کو حقیقی انسانیت کی فکر ہے۔ آج دنیا میں اگر کسی کو انسانیت کے انحطاط کا احساس بھی ہے تو اس میں یہ جرأت نہیں کہ انسانیت کے لئے آواز اٹھائے۔ سارے کرۂ ارض میں ایک آدمی بھی ایسا نہیں ہے جو انسانیت کے لئے اپنی قربانی دے سکے یہ دراصل پیغمبروں ہی کی جرأت تھی۔ خواہ وہ ابراہیمؑ یا موسیٰؑ عیسیٰؑ ہوں یا محمد ﷺ ہوں۔ اللہ کا درود وسلام ان پر کہ انہوں نے ساری دنیا کو چیلنج کر کے انسانیت کے خلاف جو بغاوت جاری تھی اس سے روکا۔ ان کے سامنے دنیا کی لذتیں اور دولتیں لائی گئیں مگر انہوں نے سب کو ٹھکرا دیا اور انسانیت کے دور میں اپنی جان کو خطرے میں ڈالا۔ اللہ نے برگزیدہ اور منتخب بندوں کی یہ جماعت جس کو پیغمبروں کی جماعت کہا جاتا ہے دنیا کو کچھ دینے کے لئے آئی تھی دنیا سے کچھ لینے کے لئے نہیں آئی تھی ان کی کوئی ذاتی غرض نہ تھی انہوں نے دوسروں کے بننے کی خاطر اپنے کو مٹایا۔ انہوں نے دوسری آبادی کی خاطر اپنے گھر کو اجاڑا۔ انہوں نے دوسری خوشحالی کے لئے اپنے متعلقین کو فقر وفاقے میں مبتلا کیا۔ انہوں نے غیروں کو نفع پہنچایا اور اپنوں کو منافع سے محروم کیا۔ رسول اللہ نے ساری دنیا کے غریبوں کے لئے زکوٰۃ کا انتظام کیا اور اپنے خاندان کو قیامت تک کے لئے اس سے محروم کر دیا۔ کیا دنیا کے رہنماؤں میں ایسی بے غرضی اور خلوص کی مثالیں مل سکتی ہیں؟

پیغمبروں نے اپنے اپنے زمانے میں اپنی اپنی قوموں میں خلش پیدا کی۔ اور ان کو محسوس کرا دیا کہ موجودہ زندگی خطرے کی ہے جو لوگ اطمینان کے عادی تھے اور میٹھی نیند سو رہے تھے اور میٹھی نیند ہی سونا چاہتے تھے انہوں نے پیغمبروں کی اس دعوت وتنبیہ کے خلاف سخت احتجاج کیا اور بڑی شکایت کی کہ انہوں نے ہمارا عیش مکدر کر دیا اور ہماری نیند خراب کی۔ لیکن جو گھر میں آگ لگی ہوئی دیکھتا ہے وہ سونے والوں کی پرواہ نہیں کرتا اور اس کو کسی کی نیند پر ترس نہیں آتا۔ پیغمبر انسان کے حقیقی ہمدرد تھے اور دنیا کو خواب خرگوش سے بیدار کرنا اپنا فرض سمجھتے تھے۔ دنیا کے گمراہ رہنماؤں اور نفس کے بندوں نے دنیا کو مارفیا کے انجکشن دیئے اور اس کو تھپک تھپک کر سلایا مگر پیغمبروں نے انسانوں کو جھنجھوڑا اور غفلت سے بیدار کیا یہ چھوٹی چھوٹی

جنگیں اور لڑائیاں دراصل اس لئے ہوگئیں کہ دنیا سے غفلت دور اور دنیا پر جو تاریکی مسلط ہے وہ ختم ہو۔ انسان حقیقی انسانیت کو سمجھے۔

ہمارے سامنے سے زیادہ ممتاز اور سب سے زیادہ واضح اور روشن سب سے زیادہ بلند مرتبہ حضرت محمد ﷺ کی ذات گرامی ہے۔ اگر ہم اس حقیقت کا اظہار نہ کریں تو یہ ایک خیانت ہوگی۔ ہمارا ضمیر اس کی اجازت نہیں دیتا کہ ان کے اس احسان کو نہ بتلائیں جو انہوں نے انسانیت پر کیا۔

انسانیت کا سرمایہ:

جب دنیا میں ایک انسان یہ نہیں کہہ سکتا تھا کہ اللہ ہی اس دنیا کو اکیلا چلا رہا ہے اور وہی بندگی اور اطاعت کا مستحق ہے آپ نے اس حق کا اعلان کیا اور اس آواز کو اتنا بلند کیا کہ آج دنیا کے ہر حصے سے یہ آواز بلند ہو رہی ہے اور جب کوئی آواز سننے میں نہیں آتی تو آپ نے ان کی آواز بلند کی اور آج یہ آواز تمام دنیا میں پھیل گئی ہے۔

آپ کی تعلیمات اور آپ نے جو کچھ دنیا کو عطا کیا وہ انسانیت کا مشترکہ سرمایہ ہے جس پر کسی قوم کی اجارہ داری قائم نہیں ہو سکتی۔ جس طرح ہوا، پانی اور روشنی پر کسی کو اجارہ داری نہیں اور کوئی اس پر اپنی مہر اور اپنی چھاپ نہیں لگا سکتا۔ اس طرح آنحضرت ﷺ کی تعلیمات ساری دنیا کا حق ہیں اور ہر شخص کا اس میں حصہ ہے جو ان سے فائدہ اٹھانا چاہتا ہے۔ یہ دنیا کی تنگ نظری ہے کہ وہ ان حقوق کو کسی قوم یا ملک کی جاگیر سمجھے۔ محمد ﷺ محسن انسانیت تھے اور ساری انسانیت آپ کی ممنون ہے۔ دنیا میں جو عدل و انصاف اس وقت موجود ہے اور جن حقوق کو اس وقت تسلیم کیا جا رہا ہے وہ سب آپ کا فیض ہے۔

بہار اب جو دنیا میں آئی ہوئی ہے
یہ سب پود انہیں کی لگائی ہوئی ہے

ہم موجودہ نظام زندگی کو چیلنج کرتے ہیں اور ڈنکے کی چوٹ پر کہتے ہیں کہ تم دنیا کو آج جتنا بلند سمجھتے ہو وہ اتنی ہی پست ہے۔ ہم صاف کہتے ہیں کہ دنیا تدریجی خودکشی کی طرف جا رہی ہے۔ یہ راستہ انسانیت کی تباہی کا راستہ ہے میں سیدھا مسجد سے آپ تک نہیں آیا۔ بلکہ کتب

خانوں کے راستوں سے مطالعہ کے راستے سے اور معلومات کے راستے سے آپ کے سامنے آیا ہوں۔ آپ میں سے کچھ لوگ یورپ کی دو ایک زبانیں جانتے ہوں گے۔ میں خود یورپ کو جانتا ہوں۔ تم انگریزی داں ہو۔ میں انگریزداں ہوں۔ میں سارے یورپ سے خم ٹھوک کر کہتا ہوں کہ تمہارا پورا انظام زندگی غلط ہے اور وہ انسانیت کو ہلاکت کی طرف لے جارہا ہے۔ میرا دعویٰ ہے اور پورے استدلال اور یقین کے ساتھ کہتا ہوں کہ دنیا کی نجات پیغمبروں ہی کے راستے میں ہے اور دنیا کے لئے اس وقت خدا کے یقین اس کے خوف دوسری زندگی پر ایمان اور پیغمبروں کی رسالت کے اقرار کے سوا کوئی چارہ نہیں۔ یہی ہماری دعوت ہے اور یہی ہماری جدوجہد کا مقصد۔

روحِ انسانیت:

دنیا کی زندگی کے بہت سے طرز ہیں۔ اور سینکڑوں، ہزاروں ان کے نام اور اقسام ہیں۔ کوئی مشرقی طرز زندگی، کوئی مغربی طرز زندگی، کوئی جدید، کوئی قدیم لیکن درحقیقت زندگی کی صرف دو قسمیں ہیں ایک من مانی زندگی جس میں انسان یہ سمجھتا ہے کہ میں ایک شتر بے مہار ہوں۔ اس کو نفس پرستی کی زندگی بھی کہا جا سکتا ہے۔ دوسری زندگی خدا پرستی کی زندگی ہے جس میں انسان خدا کو اپنا حاکم مان کر زندگی گزارتا ہے۔

دنیا میں آج دو محاذ قائم ہیں۔ ایک مغربی دوسرا مشرقی۔ لیکن دراصل خدا پرستی اور نفس پرستی کی جنگ ان میں خود ہر محاذ میں موجود ہے۔ خواہ ان میں سے ایک (خدا پرستی) کتنی ہی کمزوریوں نہ ہو۔ دنیا میں مختلف مذاہب کو ماننے والوں کی تعداد علیحدہ علیحدہ بتلائی جاتی ہے۔ مگر دراصل سب سے بڑی تعداد نفس پرستی کے مذہب کے ماننے والوں کی ہے۔ جو ہر مذہب کے اندر موجود ہے۔ دنیا میں ہمیشہ من مانی زندگی کا رواج رہا ہے۔ اس لئے کہ اس طرح کی زندگی گذارنا بہت مزیدار اور آسان معلوم ہوتا ہے لیکن اگر دنیا میں تنہا ایک انسان ہوتا تو من مانی زندگی کی بڑی گنجائش تھی اور یہ زندگی واقعی بڑے مزے کی تھی۔ مگر دنیا میں لاکھوں کروڑوں انسان موجود ہیں۔ من مانی زندگی والا انسان من کا راجہ ہوتا ہے اگر سب من کے راجہ بن جائیں تو کیسی مشکل پیش آئے گی۔

اللہ نے دنیا میں مختلف طبعیتیں بنائی ہیں۔ ایک کا دل کسی چیز کو چاہتا ہے۔ تو دوسرا کوئی خواہش رکھتا ہے اگر دنیا میں کروڑوں انسان من مانی زندگی گزارنے والے ہوں اور اپنی خواہش کے مطابق دوسرے کا پیٹ کاٹنے اور غلام بنانے کی فکر کرنے لگیں تو دنیا میں کیسا بگاڑ آ جانے گا جیسی کہ اس وقت دنیا کی حالت ہے۔ جس سے من مانی زندگی گزارنے والے خود بھی عاجز ہیں۔ دنیا میں جو تباہیاں آئی ہیں۔ اور جو قحط پڑے ہیں وہ دراصل چند انسانوں کی ناانصافی اور نفس پرستی کا نتیجہ ہیں اس وقت کی تمام مصیبتوں کی جڑ اور فسق کی گانٹھ ہی نفس پرستی ہے جس نے چور بازاری ذخیرہ اندوزی اور نفع خوری، رشوت وخیانت کا بازار گرم کر رکھا ہے چھٹی صدی عیسوی میں یہ من مانی زندگی اپنے انتہائی عروج کو پہنچ چکی تھی۔ اور ملک ملک میں اس کا دور دورہ تھا۔ یہ ایک بہتا ہوا دریا تھا۔ جس کے دھارے پر ہر چھوٹا بڑا بہہ رہا ہے بادشاہ اپنی نفس پرستی میں مبتلا تھے رعایا بھی ان کی نقل میں نفس پرستی کا شکار تھی۔ ایران اس نفس پرستی کا بڑا اڈا تھا۔ قوم کا ہر طبقہ نفس پرستی کا بیمار تھا۔ شاہ ایران کا یہ حال تھا کہ اس کی بیویوں کی تعداد بارہ ہزار تھی۔ جب مسلمانوں نے اس ملک کو مصیبت سے نجات دینے کے لئے حملہ کیا۔ تو وہ بادشاہ بے سرو سامانی کی حالت میں نکل بھاگا تو اسکے ساتھ اس کے ایک ہزار باورچی، ایک ہزار گویئے ایک ہزار باز اور شکروں کو کھلانے والے تھے۔ اس کے باوجود اس کو افسوس تھا کہ بڑی بے سروسامانی میں نکلنا ہوا۔ اس زمانے کے جنرل اور سپہ سالار ایک ایک لاکھ کی ٹوپی اور لیف ایک لاکھ پچاس پچاس ہزار کا پٹکا لگاتے تھے۔ ان کی سوسائٹی میں معمولی کپڑا پہننا جرم تھا۔ کسانوں کا حال یہ تھا کہ وہ لگان نہیں دے سکتے تھے اور زمین چھوڑ چھوڑ کر خانقاہوں اور عبادت گاہوں میں جا بیٹھے تھے۔ متوسط طبقے کے لوگ امراء کی ریس میں دیوالیہ ہوتے جارہے تھے۔ غرض کہ معاشی لوٹ کھسوٹ برپا تھی۔ ہر بڑا اپنے چھوٹے کو اور ہر حاکم اپنے محکوم کو لوٹنے اور اس کا خون چوسنے کی کوشش میں تھا۔

ایسی سوسائٹی میں عقائد، اخلاق، کیریکٹر، کیسے پنپ سکتے ہیں اور کس کو آخرت کی فکر اور مذہب کا ہوش رہ سکتا ہے مگر کوئی اس نفس پرستی کے خلاف محاذ قائم کرنے والا نہ تھا۔ کیونکہ دھارے کے خلاف تیرنا آسان نہیں۔ بڑے بڑے فلاسفر اور حکیم اس دھارے میں بہے چلے جارہے تھے اور ساری انسانی تہذیب ایک تنکے کی طرح اس دھارے میں بہہ رہی تھی۔ کہ

اس زمانے میں حضرت محمد ﷺ دنیا میں تشریف لائے اور آپ نے دنیا کے اس دھارے کو نفس پرستی سے خدا پرستی کی طرف موڑا۔ یہ تاریخ کا سب سے بڑا واقعہ ہے نفس پرستی ہی دنیا کی تمام گمراہیوں اور بداخلاقیوں کا سرچشمہ ہے ظلم وزیادتی، چوری اور بددیانتی سب اس درخت کی شاخیں ہیں اس میں شک نہیں کہ اس زمانے میں آتش پرستی بھی تھی، بت پرستی بھی تھی ستارہ پرستی بھی تھی لیکن ان معبودوں کو اس لئے انتخاب کیا گیا تھا کہ انسانوں کو ان کے یہ معبود کسی برائی سے روک نہیں سکتے تھے اور کسی کی زندگی اور معاملات میں مداخلت نہیں کر سکتے تھے۔ اس لئے ایسی عبادت کے ساتھ نفس پرستی آسانی کے ساتھ نبھ سکتی تھی۔

ہمارے پیغمبر ﷺ نے اس سیلاب سے لڑنے کا بیڑہ اٹھایا اور سب سے پہلے اپنی زندگی میں خدا پرستی کا ثبوت دیا۔ اور پوری سوسائٹی سے لڑائی مول لی۔ حالانکہ اس سے پہلے آپ اپنی سوسائٹی میں بہت مقبول اور ہر دل عزیز تھے "صادق اور امین" کہلاتے تھے اس لئے اگر پڑھنا چاہتے تو سوسائٹی آنکھوں پر بٹھاتی۔ مگر آپ نے اس زندگی کو قربان کیا اور نفس پرستی کے سیلاب کو روکنے کے لئے تین امتیازی چیزیں پیش کیں۔

۱۔ مانو کہ تمہارا اور اس دنیا کا پیدا کرنے والا اور حکومت کرنے والا ایک ہے۔

۲۔ اس زندگی کے بعد دوسری زندگی آنے والی ہے۔ جس میں اس زندگی کا حساب کتاب دینا ہے۔

۳۔ میں خدا کا پیغمبر ہوں۔

اس کے بعد آپ کی پوری زندگی اس سعی خدا پرستی کا ثبوت تھی۔ جو خدا پرستی کے سب سے بڑے داعی اور پیغمبر کے شایان شان رہی۔ ہر موقعہ پر جہاں ایک انسان نفس پرستی کا مظاہرہ کرتا ہے۔ آپ خدا پرستی کی مثال قائم کرتے تھے۔ بادشاہ جب کوئی ملک فتح کرتے ہیں تو اپنی فتح کے نشہ میں مخمور ہو جاتے ہیں۔ بڑائی اور طاقت کا اظہار کرتے ہیں۔ رسول اللہ ﷺ جب مکہ میں فاتحانہ داخل ہوئے۔ تو اونٹ پر سوار تھے زبان سے خدا کا شکر اور اپنی عاجزی کا اظہار کر رہے تھے۔ اس موقع پر سامنے ایک آدمی آیا اور رعب سے کانپنے لگا۔ آپ نے فرمایا گھبراؤ نہیں۔ میں قریش کی ایک غریب عورت کا بیٹا ہوں جو سوکھا گوشت کھاتی ہیں، لوگوں کی دولت و حکومت سے سب سے زیادہ فائدہ ان کے عزیز اور ان کی اولاد اٹھاتی ہے مگر آپ سے جب

آپ کی بیٹی نے کہا کہ کام کرتے کرتے اور پانی بھرتے بھرتے گٹھے اور نشان پڑ گئے تھے ایک غلام یا باندی دے دی جائے تو آپ نے فرمایا کہ بیٹی میں تم کو غلام اور باندی سے زیادہ اچھی چیز بتاتا ہوں کہ سوتے وقت خدا کا ذکر کر لیا کرو یہ حق پرستی کا علمبردار اپنی اولاد کے لئے کیسے گوارا کرتا کہ نفس پرستی کا خیال بھی آئے۔ دنیا کے لوگ اپنی اولاد اور اپنے خاندان کو قانون سے مستثنیٰ کر دیتے ہیں۔ مگر حضور ﷺ سے جب ایک عورت نے اس کے چوری کرنے پر سفارش کی گئی۔ تو یہ فرمایا کہ یہ تو کیا اگر فاطمہ بھی چوری کرے تو اس کا بھی ہاتھ کاٹ دوں گا۔

نفس پرستوں کا قاعدہ ہے کہ وہ کوشش کرتے ہیں کہ اگر نئے قوانین بنائے جائیں تو ان کے عزیزوں اور دوستوں کو کم سے کم نقصان اور زیادہ سے زیادہ فائدہ پہنچے۔ اگر وہ کوئی ایسا قانون نافذ کرنا چاہتے ہیں جس کی زد ان کے دوستوں اور عزیزوں پر پڑتی ہے تو وہ اپنے دوستوں اور عزیزوں کو خبردار کر دیتے ہیں تاکہ وہ اس کا انتظام کر لیں۔ اس کے برخلاف جب رسول اللہ ﷺ کو سود کی حرمت کا اعلان کرنا تھا اور جب آپ نے دنیا کو اس لعنت سے ختم کرنا چاہا۔ تو آپ نے اپنے خاندان سے ہی ابتدا کی۔ آپ نے حج کے موقع پر اعلان عام کیا کہ میں سود کو ختم کرتا ہوں اور سب سے پہلے اپنے چچا کے سود کو معاف کرتا ہوں اب وہ کسی سے اپنا سود وصول نہیں کر سکتے۔ کیا یہ نہیں ہو سکتا تھا کہ آپ ان کے کان میں کہہ دیتے کہ سود وصول کر لیجئے میں سود حرام کرنے والا ہوں۔ خون کا بدلہ لینے کے متعلق فرمایا کہ جاہلیت کے تمام خون (انتقام خون) باطل کر دیئے گئے ہیں اور سب سے پہلے میں اپنے خاندان کا خون ربیعہ بن الحارث کے بیٹے کا خون باطل کرتا ہوں۔ آپ نے پوری قوم اور سوسائٹی کی اس اصول پر تربیت کی کہ وہ ایک خدا پرست سوسائٹی بن جائے۔ اس کا ایک اصول یہ تھا کہ جو کسی عہدہ کا طالب ہو۔ اس کو عہدہ نہیں دیتے تھے ایسی سوسائٹی میں عہدہ کے امیدوار بننے اور اپنی تعریف کرنے اور حکومت کے لئے ایک دوسرے کا مقابلہ کرنے کی کیا گنجائش تھی۔ اس جماعت کا ایمان تھا کہ:

تِلْكَ الدَّارُ الْاٰخِرَۃُ نَجْعَلُهَا لِلَّذِيْنَ لَا يُرِيْدُوْنَ عُلُوًّا فِی الْاَرْضِ وَلَا
فَسَادًا وَالْعَاقِبَۃُ لِلْمُتَّقِيْنَ O

(ترجمہ) یہ آخرت کا گھر ہم ان لوگوں کو عطا کریں گے جو زمین میں اپنی سربلندی اور فساد نہیں

چاہتے اور اچھا انجام خدا سے ڈرنے والوں کا ہے۔

آنحضرت ﷺ کے جانشین بھی خدا پرستی کا نمونہ تھے اور نفس پرستی اور جاہ طلبی سے پاک تھے۔ خلیفہ اول حضرت ابوبکرؓ کی بیوی نے حلوہ کی فرمائش کی۔ تو آپ نے فرمایا کہ میں اس سے زیادہ بیت المال سے نہیں لے سکتا جو روزانہ ملتا ہے۔ بیوی نے گذارے کے ان پیسوں سے بچا کر حلوہ کے لئے سامان منگانے کو پیسے دیئے حضرت ابوبکر نے وہ پیسے خزانچی کو دے کر کہا کہ اتنی رقم زیادہ تھی۔ اب آئندہ سے نہ دی جاوے۔ خلیفہ دوم حضرت عمرؓ جب بیت المقدس جاتے ہیں تو ایک سواری ہے جس پر وہ اور ان کے غلام باری باری بیٹھتے ہیں۔ جس وقت بیت المقدس میں داخل ہو رہے تھے۔ تو غلام سوار تھا۔ اور خود پیدل کپڑوں میں پیوند لگے تھے۔ قحط کے زمانے میں حضرت عمرؓ کے سامنے کھانا آتا۔ تو جب کہ آپ روم اور ایران کے بادشاہ تھے۔ فرماتے کہ اگر تمام لوگوں کو ایسا کھانا میسر نہیں تو میرے سامنے سے بھی کھانا اٹھالو۔ حضرت خالد مسلمانوں کے سپہ سالار تھے۔ یرموک کے میدان میں فوج کی کمان ان کے سپرد تھی۔ ایک چپڑاسی خلیفہ وقت کا حکم لاتا ہے کہ ان کو معزول کیا گیا اور ابوعبیدہؓ کو سپہ سالار بنایا گیا۔ تو آپ کی پیشانی پر شکن بھی نہ آئی۔ اور کہا کہ اگر میں اللہ کے لئے لڑتا تھا تو اب بھی لڑوں گا۔

دنیا کا سب سے بڑا حادثہ یہ ہے کہ نفس پرستی نے خدا پرستی کی تحریک کے علمبرداروں کو بھی زیر کرلیا ہے اور ان کے مورچہ کے اندر گھس آئی اور ان سے اپنی شکست کا بری طرح انتقام لے لیا۔

مسلمانوں نے بڑا ظلم کیا ان کو تو خدا پرستی کا نمونہ بننا تھا اور اس کی دعوت دینا تھا۔ برائی سے روکنا اور بھلائی کی طرف بلانا تھا کُنْتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ أُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَأْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ. افسوس کہ خدا پرستی کے چوکیدار خود نفس پرستی میں پڑ گئے۔ فَاعْتَبِرُوْا يٰٓاُولِي الْاَبْصَارِ O (سورہ حشر آیت نمبر۲)

وما علينا الا البلاغ المبين.

غارِ حرا سے طلوع ہونے والا آفتاب

الحمد لله رب العالمين والصلوٰة والسلام علی سيدالانبياء
والمرسلين وعلی آله واصحابه اجمعين. امابعد.

حضرات! میں جبل نور پر چڑھا اور اس کے غار پر، جو ''غارحرا'' کے نام سے مشہور ہے جا کھڑا ہوا یہاں پہنچ کر میں نے اپنے دل میں کہا، یہی جگہ ہے جہاں خداوند کریم نے حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کو پیغمبری کا شرف عطا فرمایا اور پہلی مرتبہ وحی نازل فرمائی، پس (یہ کہنا حق ہے کہ) یہیں سے وہ آفتاب طلوع ہوا جس کی کرنوں نے دنیا پر نور برسایا اور اسے ایک نئی زندگی بخشی، یہ عالم ہر دن ایک نئی صبح کو خوش آمدید کہتا ہے۔ لیکن اکثر و بیشتر نہ اس صبح میں نیا پن ہوتا ہے نہ کوئی ندرت اور نہ ہر صبح صبحِ سعادت، ان صبحوں کی آمد سے انسان تو جاگ جاتے ہیں مگر دلوں کی نیند کو ذرا فرق نہیں آتا اور روحوں کی بستی یونہی خواب غفلت میں پڑی رہتی ہے۔ کیا شمار ہے ایسے تاریک دنوں کا اور ایسی جھوٹی صبحوں کا۔ البتہ اس غار سے حقیقی معنی میں صبح نمودار ہوئی تھی جس کے نور نے ہر چیز کو چمکایا اور اس کی آمد نے ہر شے کو جگایا اور اسی صبح سے تاریخ کا رخ مڑا اور زمانہ کا رنگ بدلا۔

اس صبح سے پہلے انسانی زندگی کا فطری بہاؤ رکا ہوا تھا اور اس کے ہر دروازے پر بھاری بھاری قفل چڑھے ہوئے تھے اور وہ گویا چند مقفل دروازوں اور بند تالوں کا مجموعہ بنی ہوئی تھی عقل پر قفل چڑھے ہوئے تھے جن کو کھولنے سے حکماء اور فلاسفہ عاجز تھے ضمیر انسانی مقفل تھا جس کو آزادی دلانے میں واعظین اور مصلحین عاجز تھے۔ قلوب انسانی مقفل تھے جن کے قفل توڑنے میں قدرت کی نشانیاں اور زمانہ کے عبرت انگیز حوادث ناکام ہو چکے تھے۔ صلاحیتیں مقفل تھیں جن کو بروئے کار لانے سے تعلیم و تربیت کا نظم اور ماحول اور سوسائٹی کے اثرات

قصر تھے، درسگاہوں کا وجود لاحاصل تھا جن کو کارآمد اور نتیجہ خیز بنانے میں اہل علم اور اہل درس بے بس تھے عدالتیں عملی ہونے کے باوجود مقفل تھیں جن سے انصاف حاصل کرنے کے لئے مظلوموں اور محکوموں کی فریادیں بے اثر تھیں، خاندانی مسائل الجھے ہوئے تھے جن کو سلجھانے سے مصلحین مفکرین عاجز تھے۔ قصر ہائے سلطنت مقفل تھے جن میں راہ پانے سے محنت کش کسان، پسے ہوئے مزدور اور مظلوم رعایا محروم تھی، دولت مندوں اور امیروں کے خزانے مقفل تھے جن کے قفل کھولنے سے ناداروں کی بھوک ان کی عورتوں کی برہنگی اور ان کے دودھ پیتے بچوں کی گریہ وزاری عاجز تھی۔ بڑے بڑے مصلحین عزائم کے ساتھ میدان میں آئے بڑے بڑے قانون ساز سرگرم ہوئے لیکن ان بے شمار قفلوں میں سے کوئی ایک قفل بھی کھولنے میں کامیاب نہ ہوئے۔ اس لئے کہ ان کے تالوں کی اصل کنجی ان کے ہاتھ میں نہ تھی وہ کنجی گم ہو چکی تھی اور تالا بغیر اپنی کنجی کے کبھی کھل نہیں سکتا۔ انہوں نے اپنی بنائی ہوئی کنجیوں سے کام لینا چاہا لیکن وہ ان تالوں کو نہ لگیں اور ایک تالا بھی نہ کھول سکیں اور بعض نے ان تالوں کو کھولنے کی بجائے توڑنے کی کوشش کی ٹکرا لئے اس کوشش میں ان کے اوزار ٹوٹ گئے اور ہاتھ بھی زخمی ہو گئے۔

ایسے وقت میں تمدن کی دنیا سے الگ تھلگ ایک چھوٹے سے پہاڑ کے ایک غار میں جو ظاہری اعتبار سے بے حیثیت مقام (غار حرا) میں دنیا کا وہ عقدہ لاینحل حل ہوا جو نہ بڑی بڑی حکومتوں کی راجدھانیوں میں حل ہو سکا نہ عظیم الشان درسگاہوں میں حل ہوا تھا۔ یہاں پر اللہ تعالیٰ نے حضرت محمد ﷺ کی ذات کی صورت میں عالم انسانیت پر ایک احسان عظیم کا دروازہ کھولا اور صدیوں کی مشکل کی کنجی جو انسانیت کھو چکی تھی۔ یہ کنجی تھی ایمان اللہ پر اس کے رسول پر اور یوم آخرت پر۔ اس کنجی سے آپ نے صدیوں کے ان بند قفلوں کو ایک ایک کر کے کھول ڈالا جس کے نتیجے میں حیات انسانی کے ہر شعبے کے دروازے چوپٹ کھل گئے۔ آپ نے جب نبوت کی اس کنجی کو ذہن کے قفل پر رکھا تو اس کی ساری گرہیں کھل گئیں، اس کی سلوٹیں اور اس کے پیچ و خم دور ہو گئے اسے انشراح فکر حاصل ہو گیا اور وہ اس قابل ہو گئی کہ انفس و آفاق میں پھیلی ہوئی خدائی نشانیوں سے نفع اندوز ہو سکے، اس کائنات میں غور کر کے اس کے خالق کو پا سکے، کثرت کے پردوں کو چیر کر وحدت کا جلوہ دیکھ سکے اور شرک و بت پرستی اور اوہام

خرافات کی لغویت کو محسوس کر سکے، حالانکہ اس سے پیشتر یہ عقل ان باتوں میں دخل دینے کی مجاز نہ تھی اور صدیوں سے اپنے منصب سے معزول تھی۔ اس کنجی سے آپ ﷺ نے انسان کے ضمیر کا قفل کھولا، سویا ہوا ضمیر جاگ اٹھا اور اس کے مردہ شعور واحساس میں حرکت اور زندگی پیدا ہوئی۔ ضمیر کی روک تھام سے آزاد ہو کر نفس انسانی جو صدیوں سے نفس امارہ بنا ہوا تھا۔ اب وہی نفس نفس لوامہ میں تبدیل ہوا اور نفس لوامہ دیکھتے ہی دیکھتے نفس مطمئنہ بن گیا۔ جس کے بعد اس میں کسی باطل کے گھسنے کی گنجائش نہ رہی اور گناہ اس کے لئے ناقابل برداشت ہو گیا۔ اس حد تک کہ گنہگار رسول اللہ ﷺ کے سامنے جا کر از خود اپنے گناہ کا اقرار کر کے اپنے لئے سخت سزا کی درخواست کرتا ہے۔ ایک گنہگار عورت اپنے لئے سنگساری کی سزا کی درخواست کرتی ہے۔ حضور ﷺ عذر شرعی کی وجہ سے سزا کو موخر فرماتے ہیں وہ اپنے دیہات کو واپس چلی جاتی ہے نہ اس کی نگرانی کے لئے سی آئی ڈی متعین ہے نہ مجرمہ کو وقت پر دوبارہ حاضر کرنے کے لئے پولیس متعین ہے لیکن وہ وقت پر مدینہ پہنچتی ہے اور خود کو سزا کے لئے بخوشی واصرار پیش کرتی ہے جو یقیناً قتل سے بھی زیادہ سخت ہے یعنی سنگساری۔

فتح ایران کے وقت ایک غریب فوجی کے ہاتھ کسریٰ کا تاج زریں آتا ہے وہ اس کو کپڑوں میں چھپا کر خفیہ طور سے اپنے امیر کی خدمت میں پیش کرتا ہے تا کہ ادائے امانت تو ہو لیکن امانتداری کی نمائش نہ ہو۔

انسانوں کے وہ دل جو اس طرح مقفل پڑے ہوئے تھے کہ ان میں عبرت پذیری تھی نہ خوف خدا تھا اور نہ رقت اور نرمی تھی، یہ کنجی جب ان کے دلوں پر لگائی گئی تو یکسر کایا پلٹ ہوتی نظر آئی۔ اب وہ خدا کے خوف سے ہر دم لرزاں و ترساں تھے، حوادث وواقعات سے عبرت حاصل کرتے تھے۔ انفس وآفاق میں پھیلی ہوئی نشانیوں کا وجود اب ان کے لئے نفع بخش تھا۔ مظلوموں کا حال زار دیکھ کر تڑپ جاتے تھے اور غریبوں مسکینوں کے ساتھ نفرت وحقارت کا برتاؤ کرنے کے بجائے محبت وشفقت کا برتاؤ کرنے لگے اسی طرح نبوت کی اس کنجی نے جب انسانوں کی ان فطری صلاحیتوں اور قوتوں کو چھوا جو عرصہ سے ٹھٹھری پڑی تھیں تو وہ شعلوں کی طرح بھڑک اٹھیں اور سیلاب کی طرح موجیں مارتی ہوئی ابل پڑیں اور صحیح رخ پر لگ گئیں جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ صلاحیتوں کے ابھرنے کا موقع نہ ملنے کی وجہ سے جو لوگ بکریوں کی گلہ بانی میں

ضائع ہو رہے تھے وہ اب بہترین طور سے قوموں کی نگہبانی اور عالم کی فرمانروائی کی نازک ذمہ داریوں سے عہدہ برآ ہونے لگے اور جو شخص کل تک صرف کسی ایک قبیلہ یا ایک شہر کا شہسوار شمار کیا جاتا تھا وہ اب بڑی بڑی سلطنتوں اور ایسے ایسے ملکوں کا فاتح ثابت ہوا جو قوت و شوکت میں یکتا تھے۔

اس کنجی سے آپ نے درس گاہوں کے قفل کھولے اور ان میں از سرِ نو چہل پہل اور رونق پیدا کی حالانکہ علم کی کساد بازاری اور معلمین کی کسمپرسی اس حد تک پہنچ گئی تھی کہ نہ معلمین کو دلچسپی رہی تھی اور نہ متعلمین کو آپ نے علم کی قدر و قیمت یاد دلائی، اہلِ علم کا مرتبہ بتلایا اور علم و دین کا باہمی تعلق سمجھایا۔ چنانچہ لوگ درس گاہوں کی ترقی کے لئے دامے درمے قدمے سخنے کوشاں ہو گئے، مسلمان کا ہر ہر گھر بجائے خود ایک مسجد و مدرسہ بن گیا۔ ہر مسلمان اپنے حق میں متعلم اور دوسرے کے حق میں معلم بن گیا، کیونکہ ان کا دین خود طلبِ علم کے لئے سب سے بڑا محرک تھا۔

آپ نے اس کنجی سے عدالت کا تعطل ختم کیا۔ اب یہ قانون دان اس قابل تھا کہ اس پر ایک منصف جج کی حیثیت سے اعتماد کیا جا سکے اور ہر مسلمان حاکم اعلیٰ درجہ کا انصاف شعار حاکم تھا اور یہ سچے مسلمان سب کے سب محض اللہ کے لئے سچی شہادتیں دینے والے تھے، جب اللہ اور آخرت کے حساب و کتاب پر ایمان استوار ہوا تو عدل و انصاف کی فراوانی ہوئی۔ بے انصافیاں اور بد معاشگیاں کم سے کم تر ہو گئیں اور جھوٹی شہادتیں اور ظالمانہ فیصلے ناپید ہو گئے۔ خاندانی معاملات جو اس قدر ابتر ہو گئے تھے کہ باپ بیٹے کے درمیان، بھائی بھائی کے درمیان، شوہر اور بیوی کے درمیان چھین جھپٹ اور کشاکش کا میدان گرم تھا۔ پھر یہ بیماری خاندانوں کے محدود میدان سے نکل کر معاشرہ کے وسیع میدان میں بھی پہنچ گئی تھی۔ یہی کشاکش نوکر اور مالک کے تعلقات میں بھی برپا تھی۔ حاکم اور رعیت کے تعلقات میں بھی برپا تھی، بڑے اور چھوٹے کے تعلقات میں بھی برپا تھی۔ ہر ایک کا یہ حال تھا کہ اپنا حق کسی طرح نہ چھوڑنا چاہتا تھا اور دوسروں کا حق کسی طرح دینا نہ چاہتا تھا۔ خود اگر کوئی چیز خریدتا تو ناپ تول میں ذرا ذرا سی اونچ نیچ پر باریک بینی سے نظر رکھتا تھا لیکن اگر دوسرے کے ہاتھ کچھ بیچتا تو کم سے کم ناپنے اور تولنے میں پوری پوری مہارت بہم پہنچاتا۔

آپ ﷺ نے اس خاندانی اور معاشرتی نظام کے عقدوں کا حل بھی اسی کنجی سے کیا۔ خاندان اور معاشرہ میں ایمان کا بیج بویا، لوگوں کو اللہ کی ناراضگی سے ڈرایا اور اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد سنایا:

''اے لوگو! اپنے رب سے ڈرو۔ تم سب کو ایک نفس سے پیدا کیا (اس طرح) کہ اس کا ایک جوڑا پیدا کیا اور دونوں کی (نسل) سے پھیلا دیئے بہت سے مرد اور عورتیں، اور، اللہ سے ڈرو جس کے واسطے سے تم مانگتے ہو اور قرابتوں کا خیال رکھو بے شک اللہ تعالیٰ تم پر نگران ہے۔''

آپ ﷺ نے خاندان اور معاشرے کے افراد میں سے ہر ایک پر کچھ ذمہ داریاں ڈالیں اس طرح از سر نو خاندانی نظام کو بھی عدل، محبت اور راستی کی بنیاد پر قائم فرمایا اور معاشرہ کو بھی اعلیٰ درجہ کا عدل شعار بنایا۔ معاشرہ کے ہر ہر عضو میں امانتداری کا ایسا گہرا شعور اور خداترسی کا ایسا شدید احساس بیدار کر دیا کہ اس معاشرہ کے امراء اور عہدیداران تک پرہیزگاری اور سادہ زندگی کے نمونے بن گئے، قوم کے سردار اپنے تئیں قوم کے خادم سمجھنے لگے، والیان سلطنت اپنی حیثیت یتیموں کے سرپرست سے زیادہ نہیں سمجھتے کہ اگر اپنی ذاتی ملکیت کچھ ہے تو سلطنت کے مال و دولت سے کچھ مطلب نہیں، اگر نہیں ہے تو بقدر ضرورت لینے پر قناعت ہے۔ اسی ایمان کی بدولت آپ ﷺ نے دولت مندوں اور تاجروں میں دنیا سے بے رغبتی اور آخرت سے دلچسپی پیدا کی، انہیں بتلایا کہ مال اصل میں اللہ کا ہے تمہیں اس نے اس کے تصرف میں اپنا نائب بنایا ہے۔

''اور خرچ کرو اس (مال و دولت) میں سے جس میں اللہ نے تمہیں اپنا نائب بنایا اور دو ان (ضرورت مندوں کو) اس مال میں سے جو اللہ نے تمہیں دے رکھا ہے۔''

انہیں تجوریوں میں بند کر کے رکھنے اور راہ خدا میں خرچ نہ کرنے سے یہ کہہ کر ڈرایا۔

''اور وہ لوگ جو سونے چاندی کے خزانے جمع کرتے ہیں اور اللہ کی راہ میں خرچ نہیں کرتے آپ انہیں بشارت دے دیجئے دردناک عذاب کی اس دن جب کہ ان کے خزانوں کو دوزخ کی آگ میں تپایا جائے گا پھر اس سے ان کی پیشانیاں کروٹیں اور پشتیں داغی جائیں گی لو! یہ ہے تمہارا جمع کیا ہوا مال اب چکھو اس کا مزہ۔''

رسول اللہ ﷺ نے اپنے پیغام اور اپنی دعوت کے ذریعے سے جس فرد کو تیار کر کے کارگہہ

حیات میں اتارا تھا وہ اللہ پر سچا ایمان رکھنے والا، نیک خوئی پسند کرنے والا، اللہ کے خوف سے ڈرنے والا اور لرزنے والا، امانت کا پاس کرنے والا دنیا پر آخرت کو ترجیح دینے والا، مادہ کو حقیر سمجھنے والا، اور اپنی روحانیت سے مادیت پر غالب آنے والا تھا۔ وہ اس بات پر دل سے یقین رکھتا تھا کہ دنیا تو میرے لئے بنائی گئی ہے لیکن میں آخرت کے لئے پیدا کیا گیا ہوں پس یہ فرد اگر تجارت کے میدان میں اترتا تو نہایت سچا اور ایماندار ثابت ہوتا، اگر مزدوری کا پیشہ اختیار کرتا تو نہایت محنتی اور بہی خواہ مزدور ثابت ہوتا، اگر مالدار ہو جاتا تو ایک رحم دل اور فیاض دولت مند ثابت ہوتا۔ اگر غریب ہوتا تو شرافت کو قائم رکھتے ہوئے مصیبتوں کو جھیلتا۔ اگر کرسی عدالت پر بیٹھا دیا جاتا تو نہایت سمجھدار اور منصف جج ثابت ہوتا، اگر صاحب سلطنت ہوتا تو ایک مخلص اور بے غرض حکمران ثابت ہوتا۔ اگر آقا ہوتا تو رحم دل اور منکسر المزاج ہوتا اگر نوکر ہوتا تو نہایت چست اور فرمانبردار نوکر ہوتا اور اگر قوم کا مال و دولت اس کی تحویل میں آجاتا تو حیرت انگیز بیداری اور باخبری سے اس کی نگرانی کرتا۔

یہ تھیں وہ اینٹیں جن سے اسلامی سوسائٹی کی تعمیر کی گئی اور جن پر اسلامی حکومت کی عمارت کھڑی کی گئی۔ اسی بنا اس سوسائٹی کے افراد میں جو چیزیں تھیں وہ سب کی سب معاشرہ میں جمع ہوگئی تھیں چنانچہ اس کے تاجر کی سچائی اور ایمانداری اس میں تھی اس کے غریب کی خودداری اور مشقت کوشی اس میں تھی۔ اس کے مزدور کی محنت کشی اور بہی خواہی اس میں تھی۔ اس کے جج کی فراست اور عدالت اس میں تھی۔ اس کے آقا کا انکسار اور رحم دلی اس میں تھی۔ اس کے خادم کی جفاکشی اور چستی اس میں تھی اور اس کے خزانچی کی نگرانی اور بیداری بھی اس میں پوری پوری موجود تھی۔ اسلامی سوسائٹی جس طرح اپنے افراد کی خوبیوں کی مظہر اتم تھی۔ اسی طرح اسلامی حکومت بھی تمام خوبیوں کی جامع بلکہ ان کا قومی محرک بن گئی تھی۔ یہ حکومت راست رو تھی، عقیدوں اور اصولوں کو منافع اور اصولوں پر ترجیح دیتی تھی۔ عوام کو لوٹنے کے بجائے ان کے اخلاق و عقائد کو بنانے اور سنوارنے کی دل سوزی سے کوشش کرتی تھی۔ سوسائٹی اور حکومت کے اثرات کا یہ نتیجہ تھا کہ انفرادی اور اجتماعی پرائیویٹ اور پبلک زندگی کا ہر ہر گوشہ ایمان و عمل، صدق و خلوص محنت و کوشش اور عدل و انصاف سے سجا ہوا اور ان سدا بہار پھولوں کی خوشبو سے مہکا ہوا تھا۔

غار حرا پر کھڑا کھڑا یہ تمام باتیں اپنے دل میں سوچ رہا تھا میں اپنے ان خیالات اور عہد رفتہ کی یاد میں اتنا غرق ہوگیا کہ تھوڑی دیر کے لئے اپنے وجود سے بالکل بے خبر ہوگیا۔ میرا تصور مجھے اپنے ماحول اور اپنے زمانہ سے اڑا کر الگ لے گیا۔ میری نگاہوں میں اس عہد کی نبوی اسلامی زندگی کی تصویر پھرنے لگی۔ میں اس کا رخِ جمال اور ایک ایک خط وخال دیکھنے لگا اور بالکل ایسا محسوس ہونے لگا کہ وہی زندگی میرے چاروں طرف پھیلی ہوئی ہے اور میں اس کی روح نواز فضاؤں میں سانس لے رہا ہوں اسی عالم تصور میں مجھے اپنے زمانے کا خیال آیا جس کی فضاء میں واقعی میں سانس لیتا ہوں۔ میں نے کہا کہ آج بھی زندگی کی کامیابی اور خوشگواری کے دروازوں پر کچھ نئے قسم کے تالے پڑے نظر آرہے ہیں۔ مسائل میں پھیلاؤ اور تنوع کی کوئی حد نہیں اور اسی نسبت سے الجھاؤ اور پیچیدگیاں بھی بڑھ گئی ہیں تو کیا اس حالت میں بھی اس پرانی کنجی سے یہ نئے قفل کھل سکتے ہیں؟

یہ سوال میرے دل میں پیدا ہوا مگر میں نے کہا کہ جب تک ان تالوں کو اچھی طرح دیکھ بھال کر کے ان کی حقیقت نہ معلوم کرلوں مجھے کوئی جواب نہ دینا چاہئے۔ چنانچہ میں نے جوان تالوں کو ہاتھ لگایا تو حقیقت کھل کر سامنے آگئی کہ تالے نئے نہیں ہیں وہی پرانے ہیں صرف رنگ وروغن نیا ہے اور نہ یہ پیچیدگیاں اور الجھنیں ہی نئی ہیں۔ ان کی جڑ تو ہو بہو پرانی ہے۔ آج بھی اصل مسئلہ فرد کا مسئلہ ہے جو سارے دوسرے مسائل کا سرا ہے اور یہی ہمیشہ انسانی زندگی کا اصل مسئلہ رہا ہے۔ کیونکہ فرد وہ اینٹ ہے جس سے سوسائٹی اور حکومت بنتی ہے اور اس کا حال آج یہ ہوگیا ہے کہ مادہ اور قوت کے سوا کسی چیز سے مطلب نہیں ہے۔ اس دنیا کی قدر وقیمت اس کی نظر میں حقیقت سے بہت زیادہ بڑھی ہوئی ہے۔ لذت اور خواہشات کی بندگی حد سے گزر گئی ہے اور اپنے پروردگار سے، انبیاء کی رسالت سے اور عقیدہ آخرت سے رشتہ بالکل ٹوٹ چکا ہے۔ بس یہی فرد کا بگاڑ ہے جو سوسائٹی کے بگاڑ کا سرچشمہ اور تہذیب کی بدبختی کا ذمہ دار ہے۔

یہ فرد اگر تجارت کرتا ہے تو لالچ اور ذخیرہ اندوزی کا مظاہرہ کرتا ہے۔ ارزانی کے وقت مال روک لیتا ہے اور گرانی کے زمانے میں نکالتا ہے اور اس طرح لوگوں کی بھوک اور پریشانی کا سبب بنتا ہے۔ یہ فرد اگر مفلس ہوتا ہے تو کوشش کرتا ہے کہ اپنی مفلسی کو دور کرنے کے لئے

خود کچھ نہ کرے اور دوسروں کی محنتوں کا پھل مفت میں کھالے۔ اگر مزدوری کرتا ہے تو اپنے فرض کی ادائیگی میں کوتاہی کرتا ہے لیکن مزدوری پوری لینا چاہتا ہے، اگر دولت مند ہوتا ہے تو اعلیٰ درجہ کا کنجوس اور سنگدل ہوتا ہے۔ اگر صاحب اقتدار ہوتا ہے تو لٹیرا اور بددیانت ہوتا ہے۔ اگر مالک ہوتا ہے تو ایک ظالم اور خودغرض مالک ثابت ہوتا ہے جو اپنے فائدے اور اپنے آرام کے سوا کچھ دیکھنا نہیں جانتا۔ اگر نوکر ہوتا ہے تو کام چور اور بے ایمان، اگر خزانچی بنادیا جاتا ہے تو غبن کرتا ہے، اگر وزیر یا جمہوریہ کا صدر ہوجاتا ہے تو شکم پرور، روح سے بے خبر اور بندہ نفس ہوتا ہے جو صرف اپنی ذات اور اپنی پارٹی کے فائدے کو دیکھتا ہے۔ اگر لیڈر بن جاتا ہے تو بہت ہی ترقی پسندی کا مظاہرہ کرتا ہے تو اس قوم اور وطن کی حدود سے آگے نہیں بڑھنا چاہتا اور اپنے وطن اور قوم کی عزت بڑھانے کے لئے دوسری قوموں اور ملکوں کی عزت وآبرو خاک میں ملانے سے کسی وقت بھی گریز نہیں کرتا۔ اگر قانون سازی کا اختیار ہاتھ میں آجاتا ہے تو ظلم کے قانون اور بڑے بڑے ٹیکس مسلط کردیتا ہے۔ اگر اس کے دماغ میں ایجاد و اکتشاف کی صلاحیت ہوتی ہے تو ہلاکت برسانے والے اور تباہی پھیلانے والے آلات ایجاد کرنے لگتا ہے۔ زہریلی گیس ایجاد کرتا ہے جو نوع انسانی کو ہلاک کردے، بمبار طیارے اور ٹینک بناتا ہے جو بستیوں کو کھنڈر اور راکھ کا ڈھیر بناڈالیں۔ ایٹم بم بناتا ہے جس کی ہلاکت خیزیوں سے نہ انسان بچ سکتے ہیں نہ حیوان، نہ کھیت نہ باغات اور جب اس فرد کو ان ایجادات کے استعمال کرنے کی قوت بھی مل جاتی ہے تو بستیوں کی بستیاں اندھادھند نشانے پر رکھ لیتا ہے اور آن کی آن میں زندوں کے شہر شہر خموشاں بناڈالتا ہے۔

ظاہر ہے کہ جب اچھے افراد سے مرکب ہونے والا معاشرہ اور ان سے تیار ہونے والی حکومت ان افراد کی تمام خوبیوں کی آئینہ دار ہوتی ہے تو برے افراد سے تیار ہونے والا معاشرہ اور حکومت دونوں لامحالہ ان تمام افراد کی تمام برائیوں اور بیماریوں کی حامل ہوگی۔ اس میں تاجروں کی ذخیرہ اندوزی بھی ہوگی، نفع کا لالچ بھی ہوگا، تنگ دستوں کی سرکشی بھی ہوگی۔ مزدوروں کی کم محنت اور زیادہ اجرت کی بری عادت بھی ہوگی۔ دولت مندی کی ہوس کے جراثیم بھی اسے اڑ کر لگیں گے۔ اپنے حکمران کی بدنیتی اور عیاری بھی اس میں پھیلے گی، مالکوں کا جور و ستم بھی اس کی عادت میں داخل ہوگا۔ نوکر کی خیانت اور خازن کا غبن بھی اس میں سرایت

کرے گا۔ وزراء کی نفع پرستی اور لیڈروں کی وطن پرستی بھی گل کھلائے گی، قانون سازوں کے اندھیر اور سائنس دانوں کی بے راہ روی بھی اپنا جوہر دکھائے گی اور زرداروں کی سنگ دلی بھی اس پورے معاشرہ اور حکومت میں رنگ لائے گی۔

یہ ہے وہ اصل مادۂ فساد جس کے بطن سے وہ تمام بیماریاں، وہ تمام الجھنیں اور وہ تمام پیچیدگیاں پیدا ہوئی ہیں جن سے انسانیت پریشان اور زار و نزار ہے۔ اس مادہ فساد کا نام ہی مادہ پرستی کا ذوق یا مادہ اور اس کے مظاہر ہی کو سب کچھ سمجھنے کا عقیدہ، بلیک مارکیٹنگ اسی کا قدرتی نتیجہ ہے، رشوت ستانی اس کا ادنیٰ کرشمہ ہے، ہوشربا گرانی اور مہنگائی اسی کا ایک شگوفہ ہے۔ ذخیرہ اندوزی اسی کا عطیہ ہے۔ افراط زر اسی کا ثمرہ ہے۔ آج کے مفکرین اور مقننین آج تک ان مشکلات کا کوئی کامیاب حل نہیں ڈھونڈ کر لا سکے۔ ایک مشکل کو حل کرتے ہیں تو دوسری مصیبت میں پھنس جاتے ہیں، ایک گرہ کھلتی ہے تو کئی نئی گرہیں لگ جاتی ہیں بلکہ اب تو یہ کہنا بھی بے جا نہ ہوگا کہ ان کی عقدہ کشائی بجائے خود نئے نئے عقدوں کو جنم دے رہی ہے جیسے عطائی طبیب کے علاج سے صحت کی بجائے کچھ نئے نئے مرض اور پیدا ہو جائیں۔

یہ اس مریض پر روز نئے تجربے کر رہے ہیں۔ انہوں نے سمجھا کہ شخصی حکومت ان تمام امراض کا سبب ہے۔ لہٰذا اسے ختم کر کے جمہوری طرز حکومت کی بنیاد ڈالی مگر اس سے بھی مسئلہ حل نہ ہوا تو بعض نے پھر آمریت اور ڈکٹیٹر شپ کو اختیار کیا۔ اس سے اور خرابیاں بڑھتی دیکھیں تو پھر جمہوریت کی طرف رجوع کیا، ایسی ہی کبھی نظام سرمایہ داری کو اختیار کیا۔ اس سے اور گرہیں بڑھیں تو کمیونزم اور سوشلزم کو اپنے درد کا درماں سمجھ لیا مگر معاملہ کی نوعیت ذرا نہ بدلی اور مشکلات جوں کی توں قائم یا پہلے سے کچھ دشوار ہو گئیں، کیوں ؟

اس لئے کہ یہ ساری تبدیلیاں اور سارا ردوبدل اوپر اوپر ہوتا رہا اور مشکلات کی جو جڑ اور بنیاد ہے یعنی فرد اور اس کا بگاڑ.. اس کو ہاتھ نہیں لگایا گیا۔ اس میں کسی اصلاح و تغیر کی کوشش نہیں کی گئی اور قصداً یا بلا قصد اس حقیقت سے غفلت ہوتی گئی کہ اصل فساد اور ٹیڑھ فرد میں ہے جس کی بدولت معاشرہ اور حکومت میں بھی ٹیڑھ پیدا ہوگئی ہے۔

لیکن میں تو کہتا ہوں کہ اگر یہ مفکرین و مصلحین اس حقیقت کو خوب سمجھ بھی لیتے اور برائیوں کی اس جڑ کو پا بھی لیتے تب بھی اس کا علاج ان کے بس کی بات نہ تھی۔ مانا کہ ان کے

پاس اشاعت علم کے موثر ذرائع ہیں اور یہ دور ہی تعلیم وتربیت کا دور ہے مگر ان کے ہاتھ میں وہ طاقت نہیں ہے جس سے فرد کا رخ شر سے خیر کی طرف اور تخریب سے تعمیر کی طرف موڑ دیں کیونکہ ان کے دماغ ودل روحانیت بلکہ روح کی وقعت ہی سے عاری اور ایمان سے خالی ہیں۔ ان کے پاس دل کو غذا دینے اور اس میں ایمان کا پودا لگانے کا سامان نہیں ہے ان کے ہاتھوں سے وہ چیز نکل چکی ہے جو عبد و معبود کے درمیان رشتہ جوڑے، اس زندگی کے ساتھ اس زندگی کا تعلق قائم کرے۔ روح و مادہ کے درمیان توافق پیدا کرے اور علم کو اخلاق سے وابستہ کرے، ان کے روحانی، افلاس، اندھی مادیت اور غرور عقل نے تو اب اس حد تک پہنچا دیا ہے کہ تخریب و تباہی کا آخر تیر بھی اپنے ترکش میں جمع کر لینا چاہتے ہیں جس کی ہلاکت خیزیوں سے انسانیت کا پورا کنبہ نیست و نابود اور پورا کرۂ ارض اجاڑ اور ویران ہوسکتا ہے۔ خدانخواستہ اگر اس وقت دنیا کی متحارب طاقتوں نے خوفناک ہتھیاروں کے ساتھ جنگ کا میدان گرم کیا تو یقیناً ان کے یہ نو ایجاد آلات تہذیب وانسانیت کا خاتمہ کر دیں گے۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

انسانی شرافت وعظمت

الحمد للہ رب العالمین والصلوٰۃ والسلام علی سیدالانبیاء والمرسلین ، وعلی آلہ واصحابہ اجمعین. امابعد.

حضرات! اسلام کا نوع بشری پر ایک بڑا احسان، انسان کی شرافت وعظمت اور اس کے علو منزلت کا اعلان ہے۔ بعثت محمدی ﷺ سے پہلے انسان ذلت ونکبت کی پستی میں گر چکا تھا اور روئے زمین پر اس سے زیادہ ذلیل وحقیر چیز نہیں رہ گئی تھی، بعض مقدس حیوان اور اشجار جن سے اساطیری LEGENDARY روایات اور معتقدات وابستہ تھے۔ وہ اپنے پرستاروں کے نزدیک زیادہ مکرم ومحترم تھے اور انسان کے مقابلے میں انہیں حفاظت کا زیادہ مستحق سمجھا جاتا تھا خواہ اس کے لئے معصوموں کا خون ہی کیوں نہ بہانا پڑے، ایسے شجر وحجر کے آگے انسان کا خون اور گوشت بھی بے تکلف اور ضمیر کی خلش کے بغیر پیش کر دیا جاتا تھا۔ ہم نے اس کی مکروہ تصویریں اس بیسویں صدی میں ہندوستان جیسے بعض ترقی یافتہ ممالک میں بھی دیکھی ہیں۔

سیدنا محمد ﷺ نے انسانیت کو اس کی شرافت وعظمت واپس کی اور اس کا کھویا ہوا وقار و اعتبار بحال کیا اور یہ اعلان کیا کہ انسان اس کائنات کا سب سے قیمتی وجود اور گراں قدر جوہر ہے۔ اور یہاں اس سے زیادہ باعظمت اور محبت وحفاظت کی مستحق کوئی اور شے نہیں۔ آپ ﷺ نے انسان کا درجہ اتنا بلند کیا کہ وہ اللہ کا نائب وخلیفہ قرار پایا جس کے لئے اس نے دنیا پیدا کی اور اسے اپنے لئے پیدا کیا:

هُوَ الَّذِیْ خَلَقَ لَکُمْ مَا فِی الْاَرْضِ جَمِیْعًا (البقرة ۲: ۲۹)

(ترجمہ) وہ وہی (خدا) ہے جس نے پیدا کیا تمہارے لئے جو کچھ بھی زمین میں ہے سب کا

سب۔

قرآن نے اسے اشرف المخلوقات اور صدر کائنات بتایا:

وَلَقَدْ كَرَّمْنَا بَنِيٓ اٰدَمَ وَحَمَلْنٰهُمْ فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ وَرَزَقْنٰهُمْ مِّنَ الطَّيِّبٰتِ وَفَضَّلْنٰهُمْ عَلٰى كَثِيْرٍ مِّمَّنْ خَلَقْنَا تَفْضِيْلًا O

(الاسراء ۔ ۷۰)

(ترجمہ)اور ہم نے بنی آدم کو عزت دی اور ہم نے انہیں خشکی اور دریا دونوں میں سوار کیا اور ہم نے ان کو نفیس چیزیں عطا کیں اور ہم نے ان کو اپنی بہت سی مخلوقات پر بڑی فضیلت دی۔

اور اس ارشاد نبوی ﷺ سے زیادہ انسان کی عزت اور عظمت کے بارے میں کیا کہا جا سکتا ہے کہ:

الخلق عيال الله فاحب الخلق الى الله من أحسن الىٰ عياله ۔(۱)

(ترجمہ) خدا کی مخلوق خدا کا کنبہ ہے اور اللہ کو مخلوق میں سب سے زیادہ محبوب وہ ہے جو اس کے کنبہ کے ساتھ اچھا سلوک کرتا ہے۔

انسانی رفعت اور اس کی خدمت کے ذریعہ تقرب الٰہی حاصل کرنے کے سلسلہ میں یہ حدیث بہت بلیغ اور معنی خیز ہے جسے حضرت ابو ہریرہؓ نے نبی کریم ﷺ سے روایت کیا ہے کہ:

اللہ تعالیٰ قیامت میں پوچھیں گے اے ابن آدم! میں بیمار پڑا تو نے میری عیادت نہیں کی؟ آدمی کہے گا یارب! آپ تو رب العالمین تھے میں آپ کی عیادت کیسے کرتا؟ اس پر اللہ تعالیٰ فرمائیں گے کہ کیا تمہیں علم نہیں کہ میرا فلاں بندہ بیمار ہوا مگر تم نے اس کی عیادت نہیں کی؟ کیا تمہیں معلوم نہیں کہ اگر تم اس کی عیادت کرتے تو مجھے اس کے پاس پاتے۔

اے ابن آدم! میں نے تم سے کھانا مانگا تو تم نے مجھے کھلایا نہیں آدمی کہے گا کہ بار الٰہا! آپ تو دنیا کے پالن ہار تھے میں آپ کو کیسے کھلاتا اللہ تعالیٰ فرمائیں گے کہ کیا تمہیں معلوم نہیں کہ میرے فلاں بندہ نے تم سے کھانا مانگا مگر تم نے اسے کھانا نہیں دیا؟ اگر تم اسے کھلاتے تو مجھے اس کے پاس پالیتے۔

---

(۱) سنن بیہقی۔

''اے ابن آدم! میں نے تم سے پانی مانگا مگر تم نے مجھے پانی نہیں دیا۔ آدمی کہے گا خدایا! آپ تو رب العالمین ہیں میں آپ کو پانی کیسے پلاتا؟ اللہ تعالیٰ فرمائیں گے کہ میرے فلاں بندہ نے تم سے پانی مانگا مگر تم نے اسے پانی نہیں دیا۔ اگر تم اسے پانی پلاتے تو مجھے اس کے قریب پاتے۔''(۱)

کیا انسانی رفعت وعظمت کا اس سے زیادہ واضح اور صریح کسی اعلان کا تصور کیا جا سکتا ہے۔ جسے دین توحید نے پیش کیا ہے؟ اور دنیائے قدیم وجدید کے کسی دین وفلسفہ کے تحت انسان نے کبھی ایسی عظمت ومنزلت حاصل کی ہے؟

رسول کریم ﷺ نے آدم زادوں (انسانوں) پر رحم کرنے کو اللہ کی رحمت کے نزول کی شرط لازم بتاتے ہوئے فرمایا۔

الرّاحمون یرحمهم الرحمٰن ارحمو من فی الارض یرحمکم من فی السمآء۔(۲)

(ترجمہ) رحم کرنے والے پر رحمٰن بھی رحم کرتا ہے۔ تم زمین والوں پر رحم کرو تم پر آسمان والا رحم کرے گا۔

کرو مہربانی تم اہل زمین پر
خدا مہربان ہوگا عرش بریں پر

وحدت انسانیت اور عظمت انسانیت اور رسول کریم ﷺ کی اس کے لئے جدوجہد سے پہلے دنیا کی سیاسی واجتماعی حالت کا کچھ اندازہ کرنا ضروری ہے۔

آپ ﷺ کی بعثت سے پہلے ایک ایک فرد کی مرضی پر ہزاروں انسانوں کی زندگیاں موقوف رہتی تھیں، کوئی بادشاہ اٹھتا اور ملکوں اور قوموں اور کھیتوں اور آبادیوں کو پامال کرتا چلا جاتا اور راج ہٹ یا سیاسی تفوق کی خاطر خشک وتر کو تہس نہس کر کے رکھ دیتا۔

---

(۱) صحیح مسلم۔
(۲) سنن ابن ابی داؤد۔

سکندر اعظم: ALEXANDER THEGREAT

(۳۵۶_۳۲۴ ق م) آندھی پانی کی طرح اٹھتا ہے اور ایران شام۔ ساحلی ممالک مصر اور ترکستان کا بڑا حصہ زیر و زبر کرتا ہوا شمالی ہند پہنچ جاتا ہے وہ فتح و تسخیر کے اس طویل سفر میں صدیوں کی قدیم اور ترقی یافتہ تہذیبوں اور تمدنوں کو خاک میں ملا دیتا ہے۔

جولیس سیزر: JULIUS CAESAR

(م۴۴ ق م) اور دوسرے فاتحین اور فوجی قائدین جیسے قرطاجہ (CARTNAGE) کا ہنی بال (HANNIBAL) (۲۴۷_۱۸۳ ق م) اور دوسرے فوجی قائد اور کشور کشا انسانی آبادیوں میں اس طرح شکار کھیلتے ہیں۔ اور ہزاروں لاکھوں انسانوں کو موت کے گھاٹ اتارتے چلے جاتے ہیں جیسے مشاق و بے درد شکاری بلا امتیاز جنگلی جانوروں کا شکار کرتے ہیں۔

تباہ کاری اور انسانی زندگی و برگزیدگی کے ساتھ یہ کھلواڑ حضرت مسیح علیہ السلام کے ظہور کے بعد بھی جاری رہی۔ چنانچہ ان کی بعد کے انسانیت پر ظلم ڈھانے والوں اور سنگدلوں میں نیرو (NERO) (۶۸ء) جیسے لوگوں نے اپنے ہم وطنوں کو بھی اپنے ظلم کا نشانہ بنایا اور اپنی ماں اور بیوی کو بھی نہیں بخشا، یہی شخص روما کی عظیم آتش زدگی کا ذمہ دار ہے جب روما آگ کے شعلوں میں جل رہا تھا تو وہ چین کی بانسری بجا رہا تھا۔(۱)

یورپ کے وحشی قبائل یعنی مغربی و شرقی گاتھ اور ونڈال وغیرہ جو بعثت محمدی ﷺ سے ایک صدی قبل پانچویں صدی مسیحی میں سرگرم تھے۔ وہ دنیا کی بڑی بڑی اور متمدن راجدھانیوں کو تاراج کر دیتے اور روئے زمین پر بڑے پیمانے پر خوف اور دہشت پھیلا دیتے۔ عربوں کی نظر میں انسانی زندگی کی قدر و قیمت اتنی کم تھی کہ جنگ اور خونریزی ان کے لئے ایک کھیل بن گئی تھی۔ اور معمولی سا واقعہ بھی جنگ کا محرک بن جاتا تھا۔ چنانچہ بنی وائل کے دو قبیلوں بکر و تغلب کے درمیان چالیس ۴۰ سال تک جنگ کا سلسلہ جاری رہا۔ جس میں پانی

---

(۱) انسائیکلو پیڈیا تاریخ عالم، ولیم لینگر، طبع ۱۹۶۴ء۔

کی طرح خون بہا، بات صرف اتنی تھی کہ کلیب (رئیس معد) نے بسوس بنت منقذ کی اونٹنی کے تھن پر تیر مار دیا تھا۔ جس سے اس کا خون دودھ میں مل گیا تھا۔ اس کے باعث جساس بن مرہ نے کلیب کو قتل کر دیا اور بکر و تغلب میں جنگ چھڑ گئی اس خانہ جنگی کے بارے میں کلیب کا بھائی مہلہل کہتا ہے:

"انسان فنا ہو گئے، مائیں بے اولاد ہو گئیں، بچے یتیم ہو گئے، آنسو رکنے کا نام نہیں لیتے اور مردے بے کفن دفن پڑے رہیں۔

اسی طرح داحس و غبراء کی جنگ کا سبب یہ ہوا کہ داحس جو قیس بن زہیر کا گھوڑا تھا۔ وہ قیس اور حذیفہ بن بدر کے درمیان مقابلہ میں آگے نکل گیا تھا جس پر ایک اسدی نے حذیفہ کے کہنے پر گھوڑے کو چھیڑا اور اس کے چہرے پر طمانچہ مارا اور اس وجہ سے وہ گھوڑا پچھڑ گیا۔ اس واقعہ کے بعد قتل و انتقام اور قبائلی جنگ، قید و بند اور قبیلوں کے ترک وطن کا سلسلہ شروع ہو گیا۔ اور اس میں ہزاروں آدمی مارے گئے۔ (۱)

رسول اللہ ﷺ کے عہد کے غزوات کی کل تعداد ستائیس ۲۷ یا اٹھائیس ۲۸ ہے اور سرایا کی تعداد ساٹھ تک پہنچتی ہے ان میں جنگی تاریخوں کو دیکھتے ہوئے سب سے کم خون بہایا گیا ان میں طرفین کے صرف ۱۰۱۸ آدمی مارے گئے۔ اور ان غزوات کا مقصد انسانی جانوں کی حفاظت، انسانی مفادات کا دفاع تھا اور اس کے ساتھ ہی وہ اخلاقی آداب اور شریفانہ تعلیمات کی اس طرح پابند تھیں کہ نوع انسانی کے حق میں تعذیب کے بجائے تادیب کا حکم رکھتی تھیں۔ (۲)

اسلام ایمان اور اپنی اخلاقی تعلیمات کے ذریعہ انسان کی عظمت و شرافت کا ایسا شعور پیدا کرتا ہے کہ جس سے ایک مسلمان اس معاملہ میں بہت زود حس ہو جاتا ہے وہ انسان کو کسی حال میں جانوروں کے درجہ میں نہیں اتارتا اور نہ وہ ان سے حیوانوں جیسا سلوک پسند کرتا ہے اور نہ انہیں اپنے ذوق تفوق کے لئے غلام بناتا ہے، وہ اپنے اور دوسرے انسانوں کے درمیان کوئی فرق نہیں سمجھتا کہ ان سے توہین آمیز سلوک کرے۔ جہاں انسانی مساوات اور احترام

---

(۱) انسائیکلو پیڈیا تاریخ عالم، ولیم لینجر۔

(۲) ملاحظہ ہو "ایام العرب"

انسانیت فوجوں کو روانہ کرتے وقت نبی کریم ﷺ کی ہدایات کے لئے حدیث سیرت کی کتابیں ملاحظہ ہوں تفصیل کے لئے دیکھیں راقم الحروف کی کتاب ''نبی رحمت'' حصہ دوم کا باب ''غزوات پر ایک نظر'' صفحہ ۱۱۵ کے سلسلہ میں بطور نمونہ صرف ایک واقعہ پیش کیا جاتا ہے۔

حضرت انسؓ کی روایت ہے کہ ہم لوگ حضرت عمرؓ کے پاس تھے کہ ان کی پاس ایک مصری قبطی نے فریاد کی، آپؓ نے دریافت کیا تو اس نے کہا، عمرو بن العاص نے مصر میں گھوڑ دوڑ کرائی۔ جس میں میرا گھوڑا آگے نکل گیا اور لوگوں نے اسے دیکھا بھی۔ مگر محمد بن عمرو بن العاص کہنے لگے کہ بخدا یہ میرا گھوڑا ہے۔ وہ جب قریب آئے تو میں نے انہیں پہچان کر کہا نہیں بخدا وہ میرا گھوڑا ہے، اس پر وہ مجھے کوڑوں سے مارنے لگے۔ انہوں نے کہا کہ جانتے نہیں کہ میں ابن الاکرمین (شریف زادہ) ہوں، اس پر حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس سے کہا کہ اچھا بیٹھو! پھر عمرو بن العاص کو لکھا کہ میرا خط دیکھتے ہی تم اور تمہارے بیٹے محمد حاضر ہو جائیں۔

راوی کہتا ہے کہ عمرو بن العاص نے اپنے بیٹے کو بلا کر پوچھا کہ کیا تم نے کوئی جرم کیا ہے، اس نے نفی میں جواب دیا تو انہوں نے کہا کہ تب کیوں عمر رضی اللہ عنہ نے تمہارے بارے میں لکھا ہے، اس کے بعد وہ حضرت عمرؓ کے پاس حاضر ہو گئے، حضرت انسؓ ہی کہتے ہیں کہ ہم حضرت عمرؓ ہی کے پاس تھے کہ عمرو بن العاص کو ایک لنگی اور چادر میں آتے دیکھا تو حضرت عمرؓ دیکھنے لگے کہ ان کا بیٹا بھی ساتھ ہے یا نہیں، جو ان کے پیچھے پیچھے آرہا تھا، حضرت عمرؓ نے فرمایا مصری کہاں ہے؟ اس نے کہا ہاں میں یہاں ہوں حضرت عمرؓ نے حکم دیا کہ درّہ لے کر ابن الاکرمین (شریف زادہ) کی خبر لو، راوی کہتا ہے کہ اس نے اسے اچھی طرح مارا پھر حضرت عمرؓ نے کہا کہ عمرو کے سر پر بھی گھماؤ کیونکہ انہیں کے برتے اس نے تمہیں مارا تھا مصری کہنے لگا کہ میں مارنے والے کو مار چکا ہوں حضرت عمرؓ نے فرمایا اگر تم انہیں مارتے تو میں بیچ میں نہ پڑتا جب تک تم ہی نہ انہیں چھوڑتے، پھر فرمایا عمرو! تم نے لوگوں کو کب سے غلام بنایا، حالانکہ ان کی ماؤں نے تو انہیں آزاد جنا تھا، پھر مصری کی طرف متوجہ ہو کر کہا کہ اطمینان سے جاؤ اگر کوئی بات پیش آئے تو مجھے لکھنا۔

خواتین کی ذمہ داریاں

الحمد لله رب العالمين والصلاة والسلام على سيد الانبياء والمرسلين وعلى آله واصحابه اجمعين. امابعد.

معزز حاضرین ومحترم خواتین! اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

إِنَّ الْمُسْلِمِيْنَ وَالْمُسْلِمٰتِ وَالْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ وَالْقٰنِتِيْنَ وَالْقٰنِتٰتِ
وَالصّٰدِقِيْنَ وَالصّٰدِقٰتِ وَالصّٰبِرِيْنَ وَالصّٰبِرٰتِ وَالْخٰشِعِيْنَ وَالْخٰشِعٰتِ
وَالْمُتَصَدِّقِيْنَ وَالْمُتَصَدِّقٰتِ وَالصَّآئِمِيْنَ وَالصّٰٓئِمٰتِ وَالْحٰفِظِيْنَ
فُرُوْجَهُمْ وَالْحٰفِظٰتِ وَالذّٰكِرِيْنَ اللّٰهَ كَثِيْرًا وَّالذّٰكِرٰتِ اَعَدَّ اللّٰهُ لَهُمْ
مَّغْفِرَةً وَّاَجْرًا عَظِيْمًا (الاحزاب: ۳۵)

(ترجمہ) ''جو لوگ خدا کے آگے (سر اطاعت خم کرنے والے ہیں یعنی) مسلمان مرد اور مسلمان عورتیں، اور مومن مرد اور مومن عورتیں، اور فرماں بردار مرد اور فرماں بردار عورتیں، اور راست باز مرد اور راست باز عورتیں، اور صبر کرنے والے مرد اور صبر کرنے والی عورتیں اور عاجزی کرنے والے مرد اور عاجزی کرنے والی عورتیں، اور خیرات کرنے والے مرد اور عورتیں اور روزے رکھنے والے مرد اور روزے رکھنے والی عورتیں اور پاک دامن مرد اور پاک دامن عورتیں اور خدا کو کثرت سے یاد کرنے والے مرد اور کثرت سے یاد کرنے والی عورتیں، کچھ شک نہیں کہ ان کے لئے خدا نے بخشش اور اجر عظیم تیار کر رکھا ہے۔''

اللہ تعالیٰ نے ان آیات میں دس صفات کا ذکر کیا ہے لیکن ہر مرتبہ وہ تذکیر وتانیث کے الگ الگ صیغوں میں مردوں اور عورتوں کا ذکر فرماتا ہے، اور ان کی ایک ایک صفت کا ذکر

کرتا ہے، جس سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ کو اپنی بندیوں سے کتنی محبت ہے، اور ان کے لئے ہر عمدہ صفت اور کمال میں ترقی وامتیاز حاصل کرنے کا کتنا امکان اور وسیع میدان ہے، اس سے اس کا بھی اشارہ ملتا ہے (اور مذاہب واخلاقیات کی تاریخ پر نظر رکھنے والے اس کی تصدیق کریں گے) کہ بہت سے قدیم مذاہب اور نظامہائے اخلاق میں طبقہ نسواں کو بہت سے اخلاقی فرائض اور کمالات سے مستثنیٰ سمجھا جاتا تھا۔ اور یہ اس کے لئے عیب نہ تھا، اعمال کی یہ طویل فہرست اس لئے بیان کی تاکہ معلوم ہو کہ اللہ تبارک وتعالیٰ جس طرح اپنے بندوں پر شفقت کرتا ہے اسی طرح اپنی بندیوں پر شفقت کرتا ہے، اس کی صفت ربوبیت اور اس کی صفت رحمت مردوں اور عورتوں دونوں کے لئے عام اور ان پر سایہ فگن ہے، اس کا پورا امکان تھا کہ ایمان ویقین، عبادت واطاعت، صداقت وخلوص، صبر وایثار، خوف وخشیت، صدقہ و خیرات اور پاک بازی اور پاک دامنی کے میدان میں پوری اجارہ داری مردوں کی ہو جائے، اس لئے کہ یہ اوصاف وخصوصیات، بلکہ کمالات وامتیازات، بڑی ہمت وعزم اور قربانی وایثار کے طالب ہیں، اور مذاہب واخلاق اور علم وتمدن کی تاریخ میں زیادہ تر بلکہ تمام تر مردوں ہی کے نام آتے ہیں، پھر عورتوں کی بہت سی ایسی صنفی ذمہ داریاں اور فرائض ہیں جن سے مرد آزاد ہیں، مثلاً خانہ داری کی ذمہ داریاں، اولاد کی پرورش، ان کی غذا اور پوشاک، ان کی دیکھ بھال اور تیمارداری۔

کم سے کم ولایت کے سلسلہ میں بالکل امکان تھا کہ ہم صدہا بلکہ ہزاروں اولیاء اللہ سے واقف ہوتے، اور اس سلسلہ میں ایک خاتون کا نام بھی نہ سنا ہوتا، لیکن اس نورانی فہرست میں بھی حضرت رابعہ بصریہ کا نام درخشاں اور تاباں نظر آتا ہے، اور ان کا نام اب بھی زندہ ہے، کتنی بچیوں کا نام تبرکاً یہی رکھا جاتا ہے، سوانح اور سیر کی تاریخوں اور تصوف وسلوک کی کتابوں میں ان کی عبادت، ولایت وکرامات، اور مقبولیت وعظمت کے واقعات درج ہیں، اسی طرح صدہا مقبولین بارگاہ الٰہی، اور پیشوایان طریقت وسلوک کی روحانی تربیت وترقی میں ان ماؤں کا بنیادی حصہ ہے، اور انہوں نے خود اس کا اظہار واعتراف کیا ہے، ان سب کا نام لینا مشکل ہی نہیں ناممکن ہے، نمونہ کے طور پر ہم عالم اسلام کے سب سے مشہور ومقبول بزرگ پیران پیر سیدنا عبدالقادر جیلانی کا، اور ہندوستان کے مشہور ومقبول بزرگ محبوب الٰہی سلطان المشائخ

حضرت خواجہ نظام الدین اولیاء کا نام لیتے ہیں، ان کے تذکرے، حالات وسوانح کی کتابیں پڑھی جائیں تو معلوم ہوگا کہ وہ اپنی ماؤں کی تربیت اور اپنے بچپن میں اپنے گھر کی فضا اور ماحول کا کتنی اہمیت اور ممنونیت کے ساتھ ذکر کرتے ہیں، اور اس کے احسان منداور شکر گزار نظر آتے ہیں۔

علمی کمالات اور علم کی خدمت واشاعت کے سلسلے میں مجھے افسوس ہے کہ فضلائے امت کی تو سینکڑوں تاریخیں ہیں، لیکن فاضلات امت کی تاریخ بہت کم لکھی گئی ہے، لیکن پھر بھی تذکرہ نویسوں نے خواتین کو بالکل نظر انداز نہیں کیا، دینی علوم وادبی کمالات کے سلسلہ میں ان کے نام آتے ہیں، علمی ذوق وشوق اور شغف کی کامیابی، اور علمی جدوجہد کی یہاں صرف ایک ایسی روشن مثال پیش کی جاتی ہے، جس سے اچھے خاصے واقف آدمی پر بھی ایک عالم تحیر چھا جاتا ہے۔

آپ کو معلوم ہے کہ قرآن مجید کے بعد اسلام کے پورے کتب خانے اور اس کے پورے علمی ذخیرہ میں کس کتاب کا درجہ ہے؟ یہ صحیح بخاری ہے جس کو "اصح کتب بعد کتاب اللہ" کا لقب دیا گیا ہے، وہ ہر مدرسہ اور دارالعلوم کے لئے معیار فضیلت ہے، ختم بخاری کی تقریب بڑے سے بڑے دارالعلوم کے لئے قابل فخر وقابل شکر تقریب ہوتی ہے، اور اس جامعہ میں بھی اس کے ختم کی تقریب منائی گئی ہے آپ کے علم میں ہے کہ صحیح بخاری ہندوستان میں اور اکثر علمی مرکزوں میں کس کی روایت سے پہنچی ہے، اور فضلائے مدارس کو اس کی سند دی جاتی ہے؟ یہ ایک فاضلہ خاتون کریمہ کی روایت ہے، ایک معتبر تذکرہ کی کتاب میں ان کا تعارف ان الفاظ میں آیا ہے:

> كريمة بنت احمد بن محمد المروزية محدثة كانت تروى صحيح البخارى قال ابن الاثير انتهى اليها علوم الاسناد للصحيح ، عاشت تقريباً مائة سنة اصلها من مروا لرود، وفاتها بمكةويقال لها ام الكرام وبنت الكرام (الاعلام للزركلى ج ٦ ص ٧٨)

(ترجمہ) کریمہ دختر احمد بن محمد مروز کی رہنے والی ایک محدثہ خاتون ہیں، جو صحیح بخاری کی خاص روایہ ہیں، مؤرخ ابن الاثیر کہتے ہیں کہ صحیح بخاری کی سب سے اونچی سند انہیں کے ذریعہ سے

ہے، تقریباً سو سال کی عمر پائی، مروز کی رہنے والی تھیں، انتقال مکہ مکرمہ میں ہوا، ام الکرام اور بنت الکرام کے لقب سے یاد کی جاتی ہیں۔

اب ادب کے میدان کو لیجئے **ولا دہ بنت المستکفی اندلس** (اسپین) کے حکام میں سے ایک سربرآوردہ شخصیت کی صاحبزادی تھیں، ان کا ادبی ذوق، سخن فہمی، اور بالغ نظری مسلم اور ان کا نام اس سلسلہ میں تذکرہ اور تاریخ کی کتابوں میں روشن ہے، ان کا ادبی اور شعری دربار ایسا منعقد ہوتا تھا، جیسے بادشاہوں کے دربار منعقد ہوتے تھے، بڑے بڑے ادباء ان کے پاس استفادہ کے لئے آتے تھے۔ (الاعلام للزرکلی، ج۹ص ۱۳۶،۱۳۵)

جہاں تک ہمت وعزیمت، ایثار وقربانی، اور جذبہ جہاد کا تعلق ہے، اس کی ایک مثال دینی کافی ہے، جس کی نظیر اسلام ہی نہیں، دنیا کی تاریخ میں ملنی مشکل ہے، حضرت خنساءؓ عربی زبان کی مسلمہ اور مستند اور غیر فانی شہرت کی مالک شاعرہ ہیں، ان کے دو بھائیوں کا انتقال ہو گیا تھا، ان کے لئے انہوں نے ایسے دل دوز مرثیے کہے کہ ان کی نظیر عربی مرثیوں ہی میں نہیں، دنیا کی دوسری زبانوں کی مرثیوں کے ذخیرہ میں بھی ملنا مشکل ہے، یہ واقعہ ان کی اسلام لانے سے پہلے کا ہے، لیکن حضرت خنساءؓ جب اسلام لائیں تو اسلام نے ان کی نفسیات میں عظیم انقلاب پیدا کر دیا، جس اللہ کی بندی نے اپنے بھائیوں پر رونا اپنا شعار و معمول بنالیا تھا، اور ان کی شاعری اسی پر مرکوز ہو کر رہ گئی تھی، سب کو معلوم ہے اور خاص طور پر ہماری بہنوں اور محترم خواتین کو کہ بھائی اور بیٹے میں کیا فرق ہوتا ہے، بھائی سے ہزار محبت ہو، بیٹا لخت جگر اور نور نظر ہوتا ہے، اور جان سے زیادہ پیارا، انہیں خنساءؓ نے جہاد کے ایک موقع پر اپنے بیٹوں کو بلایا، ایک ایک کو رخصت کیا اور کہا بیٹا! میں نے اسی دن کے لئے تم کو دودھ پلایا تھا، اللہ کے راستہ میں جاؤ اور ثابت قدم رہو، اس کے بعد ایک ایک کی شہادت کی خبر سنتی رہیں، جب آخری بیٹے کی شہادت کی خبر سنی تو ان کی زبان سے یہ الفاظ نکلے۔

الحمد للہ الذی اکرمنی بشا دتھم (کتب رجال وتاریخ)

(ترجمہ) اس خدا کا شکر ہے جس نے ان کی شہادت کی عزت و نسبت سے مجھے سرفراز فرمایا۔

ان اوصاف اور کمالات کے علاوہ دو ایسے میدان ہیں، جن میں خواتین کو سبقت حاصل ہے، اور وہ ان میدانوں میں جو کارنامہ انجام دے سکتی، اور اس کے ذریعے سے امت اسلامیہ کا

صرف نسلی تسلسل ہی نہیں اعتقادی، اخلاقی، دینی اور تہذیبی تسلسل کے قائم رہنے میں بنیادی کردار ادا کرسکتی ہیں، وہ انہیں کا حصہ ہے، اور ہر دور میں ان کے نہ صرف تعاون بلکہ اس کی ذمہ داری قبول کرنے) اور اس کو سر انجام دینے کے بغیر یہ معنوی تسلسل (جو اس امت کی اصل قیمت اور اس کی ضرورت وافادیت کا ثبوت ہے) قائم نہیں رہ سکتا۔

یہ دو میدان ہیں، ایک نئی نسل کی دینی تعلیم وتربیت کا ابتدائی کام، اور اس کے قلب وذہن پر اسلام کا نقش قائم کرنا اور اس کو عمیق ومستحکم بنانا، دوسرے اسلامی تہذیب ومعاشرت کی حفاظت اور نئی نسل کو غیر اسلامی تہذیب ومعاشرت کے اثرات سے بچانا ہے۔

ہماری زبان ومحاورہ میں جب یہ بتانا ہوتا ہے کہ فلاں عادت، یا یقین، یا خوبی، یا کمزوری دل ودماغ میں پیوست ہوگئی ہے، اور اب وہ نکالی نہیں جاسکتی، تو کہا جاتا ہے کہ ''یہ چیز گھٹی میں پڑی ہوئی ہے'' اور ظاہر ہے کہ یہ گھٹی ماں اور گھر کی شفیق اور مربی بیبیوں کے ذریعہ ہی بچوں کو ابتدائے شعور میں گھر ہی میں دی جاسکتی ہے، ماہرین تعلیم وتربیت اور علماء نفسیات نے اس حقیقت پر بہت زور دیا ہے کہ بچہ کے ذہن کی سادہ تختی پر جو ابتدائی نقوش پڑ جاتے ہیں، وہ کبھی نہیں مٹتے اور خواہ ان کو مٹا ہوا سمجھ لیا جائے، لیکن درحقیقت وہ مٹتے نہیں، دب جاتے ہیں، اور وقت پر ابھرتے ہیں، اس حقیقت کو تسلیم کر لینے کے بعد ماؤں اور بچوں کی تربیت کرنے والیوں کی ذمہ داری بہت بڑھ جاتی ہے، جو اس سادہ تختی پر آسانی کے ساتھ اچھے سے اچھے نقش بنا سکتی ہیں، اور جن کو کوئی طاقت اور کوئی تعلیم وتربیت آسانی کے ساتھ مٹا نہیں سکتی۔

ماؤں اور پرورش کرنے والی خواتین اور گھر کی ان بیبیوں کا جو رشتہ میں بزرگ اور گھر کے ماحول میں اثر انداز اور قابل احترام ہوتی ہیں، اتنا ہی فرض اور ذمہ داری نہیں کہ وہ بچوں کو اللہ اور رسول ﷺ کا نام سکھا دیں، کلمہ یاد کرا دیں، اور جب وقت آئے تو نماز پڑھنا سکھا دیں، یہاں تک کہ قرآن شریف پڑھنا بھی ان کو آجائے، اور اردو پڑھنے کے قابل بھی ہو جائیں، ہندی زبان اور رسم الخط کی اس فرماں روائی کے دور میں جب لاکھوں مسلمان بچے اور بچیاں اردو کی ایک سطر پڑھنے اور اپنا نام تک لکھنے کے قابل نہیں ہوتیں، بلکہ اپنا نام زبانی بھی لینے اور بتانے کی ان میں صلاحیت نہیں ہوتی، جس کی درجنوں مثالیں، انٹرویو کی مجلسوں، اسکولوں میں داخلے اور ملازمت کی درخواست دینے کے موقعہ پر سامنے آچکی ہیں، جو زیادہ تر گھروں کی اندر اردو

لکھنے پڑھنے کی صلاحیت پیدا ہونے اور اسلامی تاریخ انبیاء علیہم السلام، صحابہ کرامؓ، ازواج مطہراتؓ، اہل بیتؓ اور پیشوایان اسلام کی ناموں تک سے واقف کرانے کے کام سے غفلت اور سستی کا نتیجہ ہے۔

اس ضروری کام کے علاوہ یہ بھی ضروری ہے کہ ان بچوں کو کفر وشرک سے نفرت، توحید سے محبت، اس پر فخر، اسلامی نسبت اور مسلمان ہونے اور کہلانے پر مسرت وعزت کا احساس، دین کی حمیت وغیرت، خدا کی نافرمانی، اور خدا کے آخری رسول محمد ﷺ سے عشق، اور شیدائیت کی حد تک محبت، گناہوں سے نفرت اور گھن، دنیاوی ترقی ہی کو زندگی کا مقصد اور کامیابی اور عروج کی دلیل سمجھنے سے حفاظت، راست بازی اور راست گوئی کی عادت، خدمت وایثار کا شوق، خدمت خلق اور وطن دوستی کا جذبہ پیدا کرنا بھی ان کی ذمہ داری اور انہیں کے کرنے کا کام ہے، اور اگر یہ کام بچپن میں اور گھروں کے نادر نہیں ہوا، تو دنیا کی بڑی سے بڑی دانش گاہ اور سرکاری یا عالمی پیانہ پر کوئی تربیت گاہ نہیں کر سکتی، اور اس مقصد میں کامیاب نہیں ہو سکتی۔

یہ بھی صفائی سے کہنا پڑتا ہے کہ جب تک مسلمان بچوں کو بت پرستی اور کفر وشرک سے خواہ وہ کسی بیرونی وملکی دیو مالا (MYTHOLOGY) اور نصاب تعلیم (TEXT BOOKS) کے ذریعہ سے ہو، یا ریڈیو، ٹی وی یا لیکچروں کے ذریعہ سے ہو یا خود مسلمانوں کے دین سے ناواقفیت اور دنیا اور پیشہ ور گروہوں کے اثر سے ہو، اس طرح نفرت اور گھن نہ پیدا ہو، جیسی گندی اور بدبودار چیزوں سے ہوتی ہے، تو ان کے ایمان کی حفاظت نہیں ہو سکتی، اور ان کے صحیح العقیدہ مسلمان ہونے کی ضمانت نہیں دی جا سکتی، یہ تربیت، یہ محبت ونفرت جو طبیعت کا خاصہ اور حواس خمسہ کے ساتھ ایک نیا حاسہ بن جائے۔ مسلمان گھرانوں کی میراث، اور مسلمان نسلوں کے اعتقادی و معنوی تسلسل کا راز رہا ہے اور جب تک یہ کام گھروں میں ماؤں اور گھر کی بڑی بہنوں اور بزرگ خواتین کے ذریعہ انجام نہیں پائے گا، یہ بڑے سے بڑے پر اثر مواعظ، موثر سے موثر دینی کتابیں اور مدارس دینیہ عربیہ کے لائق ترین اساتذہ کے ذریعہ بھی اس میں کامیابی حاصل ہونی مشکل ہے۔

دوسرا میدان جس میں خواتین کو امتیاز اور قیادت وراہنمائی کا شرف حاصل ہے، وہ اسلام کے تہذیبی ومعاشرتی امتیاز کو باقی رکھنا، اس کا تسلسل ...ام اور غیر اسلامی تہذیبوں اور طرز

معاشرت سے حفاظت کا مسئلہ ہے اس کے لئے قدرے تفصیل اور قدیم اسلامی تاریخ پر ایک نظر ڈالنے کی ضرورت ہے۔

اسلام کو بالکل ابتدا ہی میں ایک ایسے انوکھے چیلنج کا سامنا کرنا پڑا، جس سے تاریخ میں شاید کسی مذہب کو اس درجہ میں واسطہ نہیں پڑا، جزیرۃ العرب سے نکلنے والے عرب مسلمانوں کو دو ایسے ترقی یافتہ تمدنوں کا سامنا کرنا پڑا جن سے بڑھ کر کسی دوسرے تمدن کا تجربہ انسانی تہذیبی تاریخ میں عرصہ سے نہیں کیا گیا تھا، یہ دو تمدن، رومی وایرانی تمدن تھے، جو تہذیب، آرٹ، انسانی زندگی کو سنوارنے اور اس کو منظم کرنے، راحت وآسائش کے سامان کی فراہمی اور فراوانی میں کئی منزلیں طے کر چکے تھے، اور ترقی کے آخری درجہ تک پہنچ گئے تھے، یہ تمدن اپنی تراش خراش میں بھی بڑی رعنائی رکھتے تھے، اور بڑے دل فریب تھے، آلات ووسائل، راحت و دلچسپی کے سامان، زندگی گزارنے کے بلند معیار، خانہ داری کی ترقی یافتہ طور طریق اور لباس، خوراک، اور گھروں کی زینت وآرائش کے آلات ووسائل سے ان کا تمدن مالا مال تھا۔

اس کے برخلاف عرب اپنے ابتدائی دور میں یا صحیح الفاظ میں تہذیبی طفولیت کے دور میں تھے، درحقیقت یہ تجربہ جس سے ابتدائی مسلمانوں کو گزرنا پڑا، بڑا نازک تجربہ تھا، اسلام یقینا آسمانی تعلیمات، عقائد اور اخلاق عالیہ، اور آداب حسنہ سے آراستہ تھا، لیکن تہذیب ومعاشرہ کی قیادت کی باگ دوڑ اس وقت رومیوں اور ایرانیوں کے ہاتھ میں تھی اس لئے اس کا امکان تھا، اور سارے قرائن بتا رہے تھے یہ عرب اور مسلمان جنہوں نے ایک تنگ وتاریک ماحول میں آنکھیں کھولی ہیں اور جن کے پاس بہت محدود وسائل تھے جن کی زمین دولت کے سرچشموں سے خالی ہے، ان کی زندگی خیموں اور خام ونیم کام مکانات میں گزری ہے، اور ایک طرح سے خانہ بدوشانہ زندگی کہی جاسکتی ہے، تاریخ کی کتابوں میں آتا ہے کہ جب پہلی مرتبہ عرب مجاہدین ومبلغین نے (ایرانی فتوحات کے زمانہ میں) کھانے میں چپاتیاں دیکھیں تو وہ سمجھے کہ یہ ہاتھ پونچھنے کے لئے دستی رومال ہیں، کھانے کے بعد ہاتھ پونچھنے کے لئے جب انہوں نے ان باریک چپاتیوں کو اٹھایا تو معلوم ہوا کہ یہ تو روٹی ہے اسی طرح جب ان کو پہلی مرتبہ کافور سے سابقہ پڑا تو وہ سمجھے کہ یہ نمک ہے، اور بعض اوقات انہوں نے اس کو آٹے کے ساتھ گوندھ دیا۔

غرض یہ کہ جب فتوحات کا دور شروع ہوا تو ان بادیہ نشینوں کو ایک ایسے ترقی یافتہ اور دل کش تمدن سے سابقہ پڑا جس کو انہوں نے کبھی خواب میں بھی نہیں دیکھا تھا، اس لئے اس کا پورا امکان ہی نہیں بلکہ اس کے سب قرائن موجود تھے کہ وہ اس تمدن پر دیوانہ وار اور پروانہ وار گرتے، اس کی ہر خوبی کو اختیار کرتے اور اس پر فخر کرتے، ان کے تمدن و معاشرت، روزمرہ کی زندگی، اور خوراک و پوشاک کا معیار اتنا اونچا ہو جاتا کہ اس کے حصول کے لئے ان کو حدود شریعت ہی نہیں، اپنے عرف و رواج کے حدود سے بھی تجاوز کرنا پڑتا ہے، وہ اس سب کو ایک فیشن، ترقی پسند بلکہ بیداری اور حقیقت پسندی کی علامت کے طور پر اختیار کرتے ہیں اور اس سے وہ سب خرابیاں پیدا ہوتیں، جو مادہ پرست، دنیادار اور تمدن و ترقی کی وبازدہ اقوام و ممالک میں پیدا ہوتی رہی ہیں، اور تاریخ میں اس کی صدہا مثالیں ملتی ہیں، اس کے تصور کے لئے ان مشرقی ممالک و اقوام کا نقشہ اور ان کا طرز عمل دیکھ لینا کافی ہے، جو مغربی تمدن و ترقی کی نقالی کا شکار ہوئیں اور ان کی خوشہ چیں بن گئیں اور انہوں نے دینی تعلیمات و احکام، حدود شریعت اور اپنی قدیم تہذیبی روایات سے یکسر آنکھیں بند کر لیں۔

واقعہ یہ ہے کہ مسلمانوں نے اس مشکل پر مردوں اور عورتوں کے باہمی تعاون سے قابو پایا، اس میں بہت بڑا دخل مسلمان خواتین کے ایمان و یقین، قناعت و ایثار، دنیا پر آخرت کو ترجیح دینے، اور صحابیات و گذشتہ صاحب ایمان و صلاح مستورات کا نمونہ سامنے رکھنے کا نتیجہ تھا، مرد رومی و ایرانی تمدن کی نقالی اور اس کے ترقی یافتہ طور طریق، طرز معاشرت، اور زیب و زینت کے آلات و وسائل کے اختیار کرنے سے کتنے ہی روکنے کی کوشش کرتے اور کتنی ہی موثر اور بلیغ تقریریں کی جاتیں اسلامی معاشرہ رومی و ایرانی تمدن اور طرز معاشرت اور اس کی نقالی سے بچ نہیں سکتا تھا، علماء و واعظین، حکام و سلاطین، اخلاقی احتساب کرنے والے ذمہ دار، فوجی کمانڈر اور افسران بھی اسلامی معاشرہ، اسلامی شخصیت، اور اسلامی تہذیب و تمدن کی حفاظت نہیں کر سکتے تھے، ان خواتین کا اسلامی تشخص کی حفاظت ہی نہیں، بلکہ اسلامی وجود کی بقاء میں بھی بڑا حصہ ہے۔

اب بھی اگر کوئی طاقت مغربی تہذیب کی نقالی اور یہی نہیں بلکہ نئی ابھرنے والی، اور تیزی سے پھیلنے والی ہندو تہذیب کے مسلم معاشرہ میں رائج اور مقبول ہونے سے بچا سکتی ہے، جو

(ایک خاص دیومالائی نظام رکھنے اور اسلامی بنیادی عقائد سے متصادم ہونے کی بناء پر) زیادہ خطرناک ہے، تو وہ ہماری ان بہنوں اور مسلمان خواتین کی صحیح دینی تعلیم، ایمانی و دینی تربیت، اور اسلامی اخلاق وسیرت کو دوسری قوموں کے اخلاق وسیرت پر ترجیح دینے ہی سے ممکن ہے۔

یہ حقیقت طبقہ نسواں میں دینی تعلیم و اسلامی تربیت کے انتظام کی ضرورت کی ایک اہم وجہ ومحرک ہے، ہم خدا کا شکر ادا کرتے ہیں کہ مدارس نسواں اور جامعۃ الصالحات، یا جامعہ نور الاسلام کے ناموں سے جو زنانہ دینی مدارس اور جامعات قائم ہو رہے ہیں، وہ ان مقاصد کے حصول کے لئے ایک مؤثر دانش مندانہ اور تعمیری قدم ہے، جس سے تہذیبی ارتداد (اور اس سے بڑھ کر نئی نسل کے اعتقادی انقلاب) مسلمانوں کی نئی نسل کو بچایا جا سکتا ہے، اور اس کا مقابلہ کرنے کی صلاحیت پیدا کی جا سکتی ہے، اور اگر اس مخلصانہ اور دانش مندانہ کوشش کا سلسلہ جاری رہا تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے نصرت غیبی کی امید بھی کی جا سکتی ہے۔ وصدق اللہ العظیم۔ اِنْ تَنْصُرُو اللّٰہَ یَنْصُرْ کُمْ وَیُثَبِّتْ اَقْدَامَکُمْ (سورۃ محمد ۷)

(اے مسلمانو) اگر تم اللہ کے دین کی نصرت کرو گے، تو اللہ تمہاری نصرت (مدد) فرمائے گا، اور تمہارے قدموں کو جمادے گا۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

مسلمان کی شان امتیازی

یہ تقریر حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ نے ۱۳ جون بعد نماز مغرب ۱۹۹۹ء کو دار العلوم ندوۃ العلماء کے وسیع میدان میں منعقد سہ روزہ تبلیغی اجتماع سے مخاطب ہو کر فرمائی تھی جس میں امت مسلمہ کو دعوت کے کام کی حقیقت خوب سمجھائی گئی ہے اور مسلمانوں کو اپنی دینی اصلاح عبادت، اتباع سنت اور دین کی تبلیغ کے لئے گھر سے نکلنے کی ترغیب فرمائی ہے! اللہ تعالیٰ اس بیان کو امت مسلمہ کیلئے نافع ثابت فرمائے!

الحمد للہ رب العٰلمین ، والصلوٰۃ والسلام علیٰ سید المرسلین محمد و آلہ وصحبہ اجمعین وبعد .

میرے دوستو عزیزو اور دور دور سے آئے ہوئے مہمانو! اور میرے محبوب وقابل قدر بھائیو!

پہلے تو میں آپ تمام لوگوں کو مبارک باد دیتا ہوں خاص طور پر انہیں جو یہاں اس بڑے تبلیغی ودعوتی اجتماع (۱) کے ذمہ دار ہیں، کارکن اور داعی ہیں، کہ کتنی بڑی تعداد میں لوگ یہاں اکٹھے ہوئے، جن کا اتفاق ایک کلمہ پر ہے، ایک عقیدہ پر ہے، ایک مقصد پر ہے، اور ایک طرز پر ہے، یہ ایسا مجمع ہے کہ جو اگر بے ادبی اور گستاخی نہ ہو تو کہوں کہ عرفات ومنیٰ کی یاد دلاتا ہے، اور اس سے بڑھ کر بلیغ تشبیہ نہیں ہو سکتی کہ اس مجمع کی تشبیہ عرفات ومنیٰ سے دی جائے۔

---

(۱) یہ سہ روزہ تبلیغی اجتماع ۱۲/۱۳/۱۴/ جون ۱۹۹۹ء کو ندوۃ العلماء کے وسیع میدان میں منعقد ہوا۔

میں کہوں گا کہ یہ کوئی اتفاقی واقعہ یا حادثہ نہیں ہے کہ اتنا بڑا مجمع جو کہ خاص مقصد لے کر جمع ہو، ایک فکر لے کر جمع ہو اور وہ دنیا میں انقلاب برپا کر دے، میں تاریخ کا ایک طالب علم ہوں اور تاریخ میرا خاص موضوع رہا ہے، اور پھر میں نے کئی زبانوں میں تاریخ پڑھی ہے، انگریزی میں پڑھی ہے، اردو فارسی میں پڑھی ہے، اور پڑھی ہی نہیں لکھی بھی ہے، میں کہتا ہوں کہ اتنا بڑا مجمع اگر ایک مقصد رکھنے والا ہو، اور وہ خلوص کے ساتھ جمع ہو، تو دنیا میں انقلاب آ سکتا ہے۔

اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:۔

يَاۤ اَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اِنْ تَتَّقُوا اللّٰهَ يَجْعَلْ لَّكُمْ فُرْقَانًا وَّيُكَفِّرْ عَنْكُمْ
سَيِّاٰتِكُمْ وَيَغْفِرْ لَكُمْ وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيْمِ O

(سورہ الانفال. ۲۹)

اس آیت کریمہ پر بہت کم لوگوں نے غور کیا ہوگا، یہ ایک سنسنی خیز چونکا دینے والی، ہلا دینے والی اور انقلاب لے آنے والی آیت ہے، کہ اللہ تعالیٰ جو الٰہ العالمین ہے، رب العالمین ہے، خالق کائنات ہے، خالق جن و بشر ہے، کوئی چیز اس کے حکم کے بغیر پیش نہیں آ سکتی، سلطنتوں میں انقلاب پیدا کرنے والا ہے، حالات میں تبدیلی لانے والا ہے، غلام کو آزاد کرنے والا ہے، اور آزاد کو غلام بنا دینے والا ہے، اور وہ جو "عالم الغيب والشهادة" ہے، جو قادر مطلق ہے، جو قدیر برحق ہے جو الٰہ برحق ہے وہ کہتا ہے:۔

يآيها الذين امنوآ ان تتقوا الله .

(ترجمہ) کہ اے ایمان والو! اگر تم تقویٰ اختیار کرو گے۔ . .

یہ "تقویٰ" کوئی معمولی لفظ نہیں ہے، کہ جو کم کھائے سادہ رہن سہن رکھے، یا کم گو ہو بس کہہ دیا جائے کہ یہ متقی ہے، غیبت نہ کرے، چغلی نہ کھائے، جھوٹ نہ بولے، تو وہ متقی ہو گیا، "تقویٰ" صرف اسے نہیں کہتے، تقویٰ کا لفظ قرآن مجید کی اصطلاح میں بڑا جامع اور بہت وسیع لفظ ہے، انقلاب انگیز اور کایا پلٹ دینے والا لفظ ہے، یہاں "ان تتقو الله" فرمایا گیا ہے، یہاں ڈرنے کے لئے خوف کا لفظ نہیں استعمال کیا گیا، "تقویٰ" میں عقائد بھی آ جاتے ہیں، اعمال بھی آ جاتے ہیں، مقاصد بھی آ جاتے ہیں، طرز زندگی بھی آ جاتا ہے، اخلاقیات بھی

آ جاتے ہیں، کہ اللہ سے ڈرنے والا ہو، شریعت پر چلنے والا ہو، اللہ و رسول ﷺ کے احکام پر عمل کرنے والا ہو اور انسانیت کا بہی خواہ اور ہدایت کا داعی اور پاک باز ہو، جس کی نگاہیں نیچی، جس کی زبان محتاط، جس کا قلب دنیوی مقاصد اور لالچ سے خالی ہو، اور اس کا دماغ برے منصوبوں سے پاک ہو، تو جب تقوی والی زندگی گزارنے والا یہ مسلمان جب بھی گزرے گا تو انگلیاں اٹھیں گی، کہ دیکھو! یہ مسلمان جا رہا ہے، دیکھو! اللہ کا بندہ جا رہا ہے، ایک امتیازی شان طاری ہو جائے گی، آگے اللہ فرماتا ہے:۔

یجعل لکم فرقانا

(ترجمہ) کہ وہ تمہارے اندر ایک شان امتیازی پیدا فرمادے گا۔

میں ''فرقان'' کا ترجمہ ''شان امتیازی'' سے کر رہا ہوں، فرقان کا لفظ اتنا بلیغ عمیم اور وسیع ہے، کہ اردو میں ''فرقان'' کا ترجمہ کرنا آسان نہیں جو لفظ قریب تر ہے وہ کہہ رہا ہوں کہ وہ تمہارے اندر شان امتیازی پیدا کر دے گا، کہ انگلیاں اٹھیں گی، نگاہیں بلند ہوں گی، لوگ اشارے کریں گے، لوگوں کی بعض اوقات نیند اڑ جائے گی، بعض اوقات غفلت دور ہو جائے گی، کہ دیکھو! وہ مسلمان جا رہا ہے۔ وہ مسلمان گزر رہا ہے، مسلمان کیسے پارسا اور کیسے پاک باز ہوتے ہیں، انسانیت اصل مسلمانوں میں ہے، یہ کسی غیر محرم پر نظر نہیں اٹھاتا، اور راستہ میں اگر کوئی چیز پڑی ہے، جس سے کوئی تکلیف ہو سکتی ہے، کسی کو ٹھوکر لگ سکتی ہے، تو اس کو ہٹا دینے والا ہے، لوگوں کو دھکا دینے والا نہیں ہے، سہولت سے چلنے والا ہے، وقار کے ساتھ چلنے والا ہے، خیر خواہی اور ہمدردی کے ساتھ چلنے والا ہے۔

یہ تھے مسلمان جو کتنے پتے کہیں پہنچ جاتے تھے، تو پورے پورے معاشرہ کو ماحول کو بدل ڈالتے تھے، پورے پورے شہر مسلمان ہو گئے، لوگوں کی غفلت خواہ کتنی ہی بڑھی ہوئی ہو، اور ان کے اندر کتنی ہی مال کی لالچ ہو، اور جمال کی لالچ ہو، حب مال ہو، حب جمال ہو، کچھ ہو لیکن اللہ تعالی نے انسان کے اندر تاثر لینے اور تاثر دینے کے مادہ پیدا کیا ہے، اور دنیا یہ جو چل رہی ہے اس میں اس کو بڑا دخل ہے۔

ذرا مجھے صفائی سے کہنے دیجئے کہ پتہ نہیں پھر یہ موقع آئے یا نہ آئے، ایسا بڑا مجمع جو اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی بات سننے کے لئے کہاں کہاں سے آیا ہے، اور تبلیغی اجتماع میں آیا

ہے تو اس سے بہتر اور مناسب موقع اور کیا ہوگا، دنیا میں اثر قبول کرنے کا مادہ ہے، اور یہی دنیا کے باقی رہنے کا راز ہے، کہ اس وقت تک اللہ تبارک وتعالیٰ جو کہ خالق کائنات ہے، وہ خوب جانتا ہے کہ ابھی انسان میں سبق لینے کی خاصیت موجود ہے، اور نیک بننے صحیح راستہ پر آنے کی خواہش ہے، آپ جب تبلیغ کا وسیع اور عالمگیر کام کریں گے، اصول پر چلیں گے، جماعتیں بنائیں گے، ملک بھر میں پھریں گے، اور الحمد للہ یہ کام تو اتنا پھیل چکا ہے کہ دنیا بھر میں جماعتیں جاتی ہیں اور نکلتی ہیں، آپ بھی انشاء اللہ نکلیں گے، اثر ڈال کر آئیے گا، متاثر ہو کے نہیں متاثر کر کے آئیے گا، کہ کایا پلٹ جائے اور انقلاب آجائے۔

ایک بات صفائی سے اور کہتا ہوں، بدگمانی نہیں کرتا، لیکن مجھے ڈر لگتا ہے کہ یہ شاید نہ ہی گئی ہو، کہ آپ جس ملک میں ہیں، جس سرزمین پر زندہ رہے ہیں، اس میں آپ کو "شان امتیازی" کے ساتھ رہنا چاہئے، "فرقان" جسے کہتے ہیں، ایسی شان طاری ہونی چاہئے، کہ لوگوں کے عقائد بدل جائیں، اخلاق بدل جائیں، نگاہیں بدل جائیں، احساسات بدل جائیں، کہ مسلمان اتنی بڑی تعداد میں اس ملک میں ہوں، اور وہ اثر ڈال نہ سکیں، اللہ عالم الغیب والشہادۃ ہے اور خالق فطرت ہے وہ فرما رہا ہے کہ:-

ان تتقوا اللہ یجعل لکم فرقاناً.

(ترجمہ) کہ اگر تم اللہ سے ڈرو گے تو وہ تمہارے اندر امتیازی شان پیدا کر دے گا۔

ایسا حال طاری ہو جائے گا کہ دیکھتے ہی لوگوں کی اصلاح ہوگی، اور خدا کا خوف پیدا ہونے لگ جائے گا، آج ہمارے اندر قوت تاثیر کا جو فقدان ہے، یہ اس بات کی کھلی دلیل ہے کہ ہم نے "ان تتقوا اللہ" پر پورا عمل نہیں کیا، اگر "ان تتقوا اللہ" پر عمل ہو اور ہم خدا سے ڈریں، اس کے نبی ﷺ کی تعلیمات پر اور ان کی لائی ہوئی شریعت پر عمل کریں، اور صرف عقائد ہی نہیں، ایمانیات ہی نہیں، جذبات واحساسات، معاملات وتعلقات، اخلاق وکردار، ان سب میں وہ فرق ہو جائے جو تم سے مطلوب ہے، پھر نتیجہ یہ ہوگا کہ انگلیاں اٹھیں گی، انگلیاں ہی نہیں قدم اٹھیں گے، اور زندگی کا رخ بدل کر تمہاری طرف ہو جائے گا، اور لوگوں کو سنبھالنا مشکل ہو جائے گا، وہاں کی اکثریت کو اپنا سنبھالنا مشکل ہو جائے گا، ان کو تھامنا مشکل ہو جائے گا، کہ اسلام تیزی سے پھیلنے لگے گا، گھر گھر، چپہ چپہ خدائے واحد کا نام لیا جائے گا، اور

یہ نفس پرستی، جاہ پرستی، دولت پرستی، شہوت پرستی، منصب پرستی، سیاست پرستی، جس کی اس وقت وبا پھیلی ہوئی ہے، وہ وبا کم ہو جائے گی، اور لوگوں کو اپنے مقاصد کو اپنے اغراض کو اپنے مفادات کو تھامنا مشکل ہو جائے گا، کہ مسلمان اگر ہیں اور وہ اسلامی سیرت پر ہیں اور اسلامی عقیدہ پر ہیں، تو ان کے اثرات ایسے مرتب ہوں گے کہ سیاسی لیڈروں کو دانشوروں اور ادیبوں کو، قائدین کو، سماجی کارکنوں کو، اور دوسرے لوگوں کو تھامنا اور مشکل ہو جائے گا۔

آج ایسا دیکھنے کو کیوں نہیں مل رہا ہے، یہ اس لئے ہے کہ ہماری زندگی اسلامی سانچہ میں ڈھلی نہیں ہے، ہمارے عقائد بھی صحیح ہونے چاہئیں، ہمارے معاملات بھی صحیح ہونے چاہئیں، ہمارے "اہداف" اور زندگی کے نشانے بھی صحیح ہونے چاہئیں، اور مختلف ہونے چاہئیں، کہ یہاں راستہ میں سڑک و گلی میں کوئی ایسی چیز نہیں ہے جس سے لوگ ٹھوکر کھائیں، اور پہلے تو یہاں وہ چیز پڑی ہوئی تھی، جس سے ٹھوکر لگ سکتی تھی، وہ اب نہیں ہے، ضرور یہاں سے کوئی مسلمان گزرا ہے، اسی طرح کوئی مصیبت زدہ ہے، اور کوئی اس کی طرف توجہ نہیں کرتا۔ کسی کو اس کی فکر نہیں، اگر توجہ کی یا فکر رکھی تو وہ مسلمان نے اور لوگ کہہ اٹھیں کہ ضرور اس کے پاس سے کوئی مسلمان گزرا ہے۔ مال کی محبت دوسروں کے مقابلہ ان میں بہت کم ہو، جو بعض اندر کی کمزوریاں اور خامیاں ہوتی ہیں، ان میں کھلا ہوا فرق ہونا چاہئے، اور نفسانی خواہشات اور خود غرضی اور حرص و ہوس جیسی دوسری کمزوریوں میں بھی نمایاں فرق ہونا چاہئے، بس یہ کہہ دینا کافی ہو کہ یہ مسلمان ہے۔

آپ تاریخ میں پڑھیں گے، تو معلوم ہوگا کہ ملک ملک میں انقلاب آ گیا ہے، آپ خود خیال کیجئے، کہاں یہ جزیرۃ العرب جہاں سے اسلام نکلا، کہاں یورپ میں اسپین (اندلس) کا ملک جہاں لاکھوں کے حساب میں لوگ اسلام میں داخل ہوئے، اور پھر جہاں کی زبان تک عربی ہو گئی، اور پورا ملک مسلمانوں کے ہاتھوں میں آ گیا، اس طرح کہاں جزیرۃ العرب اور کہاں ترکی، کہاں جزیرۃ العرب اور کہاں الجزائر اور مغرب اقصیٰ (مراکش) ہم نے ان میں اکثر ممالک دیکھے ہیں، ایک اسپین (SPAIN) کے سوا کہ جہاں باقاعدہ اس کی کوشش کی گئی کہ نہ یہاں مسلمان باقی رہیں اور نہ ان کا کوئی اثر باقی رہنے دیا جائے، اس میں خود مسلمانوں کی غلطی کو بھی دخل تھا، باقی آج تک ان دوسرے ملکوں میں اسلام باقی ہے، اور اسپین میں بھی اسلام

کے پھیلنے کی خبریں آرہی ہیں، آپ زمینی مسافت دیکھیں، زمانی مسافت دیکھیں، زبان کا فرق دیکھیں، تربیت کا فرق دیکھیں تو زمین و آسمان کا فرق ہے، لیکن پورے پورے ملک مسلمان جو ہوئے تو یہ مسلمانوں کے اخلاق کی وجہ سے، تبلیغ ودعوت کی وجہ سے، تربیت کی وجہ سے عملی نمونہ پیش کرنے کی وجہ سے۔ حیرت ہوتی ہے کہ اتنی بڑی تعداد میں اس ملک میں مسلمان آباد ہیں اور وہ اثر نہ ڈال سکیں، ہم تو اس مجمع کو کہتے ہیں جو بات سن رہا ہے کہ یہ یہی کافی ہے، ہاں اگر سچے مسلمان بن جائیں اور اسلامی تعلیمات پر عمل کرنے لگ جائیں۔

اسی کو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:۔

''اِنْ تَتَّقُوا اللّٰہَ یَجْعَلْ لَّکُمْ فُرْقَانًا''

(ترجمہ) کہ اگر تم تقویٰ اختیار کروگے تو وہ تمہارے اندر شان امتیازی پیدا فرمادے گا۔

اور فرماتا ہے:۔

اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَیْکُمْ نِعْمَتِیْ وَرَضِیْتُ لَکُمُ الْاِسْلَامَ دِیْنًا.(۱)

(ترجمہ) کہ میں تمہارے لئے تمہارے دین کو مکمل کر چکا ہوں، اور تم پر اپنی نعمت تمام کر چکا ہوں، اور اسلام کو تمہارے لئے بطور دین کے پسند کر چکا ہوں۔

ایک دوسری جگہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:۔

یَآ اَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا ادْخُلُوْا فِی السِّلْمِ کَآفَّۃً وَّلَا تَتَّبِعُوْا خُطُوَاتِ الشَّیْطٰنِ اِنَّہٗ لَکُمْ عَدُوٌّ مُّبِیْنٌ O (۲)

(ترجمہ) اے وہ لوگو! جو ایمان لے آئے ہو داخل ہو جاؤ اسلام میں پورے کے پورے اور شیطان کے پیچھے نہ چلو، وہ تو تمہارا کھلا ہوا دشمن ہے۔

اس آیت کریمہ میں ''کافۃ'' فرمایا گیا ہے، یہ بڑا جامع لفظ ہے، اس ''کافۃ'' میں سب آ گیا ہے، ''کافۃ'' عملی طور پر بھی، اعتقادی طور پر بھی، اخلاقی طور پر بھی، اجتماعی طور پر بھی، قانونی طور پر بھی، جو لوگ عربی زبان جانتے ہیں وہ سمجھ سکتے ہیں کہ ''کافۃ'' کا کلمہ کتنا مضبوط

---

(۱) سورۃ المائدہ۔۳۔ (۲) سورۃ البقرہ۔۲۰۸۔

ہے، کتنا وسیع ہے، کتنا حاوی ہے، یہ حاوی اور شامل ہے، داخل ہونے والوں پر بھی اور اس پر بھی جس میں داخل ہوا جائے، سو فیصدی مسلمان سو فیصدی اسلام میں داخل ہو جاؤ، اس میں نہ کوئی تناسب ہے کہ ستر فیصدی مسلمان، اسی فیصدی مسلمان، ایسا کچھ نہیں بلکہ تمام مسلمان پورے کے پورے اسلام میں داخل ہو جائیں، توارث (ترکہ کی تقسیم) ایسی ہونی چاہئے، واجبات و فرائض پورے ادا ہونے چاہئیں، ماں باپ کا جو حق ہے وہ، مرد و زن کا جو حق ہے وہ، بیوی کا شوہر پر، شوہر کا بیوی پر جو حق ہے وہ، پڑوسی کا جو حق ہے وہ، محلہ والوں کا جو حق ہے وہ، شہریوں کا جو حق ہے وہ، ملک والوں کا، وطن والوں کا جو حق ہے وہ، سب پورے اور صحیح صحیح ادا ہونے چاہئیں۔

یہ اللہ تعالیٰ فرما رہا ہے کہ اسلام میں (اللہ کے سامنے سر جھکا دینے میں) پورے کے پورے داخل ہو جاؤ، اور یہ وہی فرما بھی سکتا ہے، کہ وہ عالم الغیب ہے، اور سب کا پیدا کرنے والا اور ہر چیز کا بنانے والا ہے، اور سبھی کچھ اس کے قبضہ قدرت میں ہے، جب "ادخلوا فی السلم کآفة" فرما دیا تو بظاہر پھر "ولا تتبعوا خطوات الشیطٰن" کہنے کی ضرورت نہیں تھی، لیکن اس نے ضرورت سمجھی اور وضاحت کی کہ پورے کے پورے اسلام میں داخل ہونے کے ساتھ اس بات کا خیال رہے کہ شیطان کی پیروی نہ ہونے پائے، اس کے نقش قدم پر نہ چل پڑا جائے، شیطان کے نقش قدم پر چلنا نہیں ہے بلکہ تمہارے لئے اسوۂ رسول ﷺ ہے، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے، "لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِيْ رَسُوْلِ اللهِ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ لِّمَنْ كَانَ يَرْجُو اللهَ وَالْيَوْمَ الْاٰخِرَ" کہ تمہارے لئے رسول اللہ ﷺ کی زندگی میں پورا نمونہ موجود ہے۔

بس یہاں سے یہ عہد کر کے جائیے کہ ایسی زندگی اختیار کریں گے کہ صرف گھر ہی نہیں، پورا ماحول، پورا معاشرہ، آس پاس کا قرب و جوار، پورا شہر، سب کا سب متأثر ہو، اور سبھی پر اثر ہو، لوگ کہیں کہ مسلمان کی زندگی کچھ اور ہوتی ہے، جہاں لوگ گر جاتے ہیں، اور جہاں لوگ ٹھوکر کھاتے ہیں، وہاں یہ ثابت قدم رہتا ہے، جہاں دوسرے ضمیر فروشی کرتے ہیں، وہاں یہ مسلمان بکتا نہیں اور اسے کوئی خرید نہیں سکتا، نہ حکومتیں اس کو خرید سکتی ہیں، نہ سیاسی ادارے، اور نہ ہی سیاسی پارٹیاں، نہ دولت منداس کو خرید سکتے ہیں، اور نہ کوئی حسن و جمال اور نہ ہی عزت و کمال، کوئی اسے خرید نہیں سکتا، یہ بس ایک مرتبہ بک گئے، ان کا پیدا کرنے والا ان کو خرید چکا،

جس نے ان کو دین کی نعمتیں عطا کی ہیں، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:۔

إِنَّ اللَّهَ اشْتَرَىٰ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ أَنفُسَهُمْ وَأَمْوَالَهُم بِأَنَّ لَهُمُ الْجَنَّةَ(۱)

(ترجمہ) کہ اللہ تعالیٰ نے مومنوں سے ان کے جان و مال کو خرید لیا ہے جنت کے عوض میں۔

اب اس کے بعد نہ کوئی طاقت نہ کوئی منفعت اور کوئی بھی ان کو خرید نہیں سکتا، یہ کیرکٹر ہونا چاہئے مسلمانوں کا، اگر آج یہ ہوتا تو پورا ملک مسلمانوں سے محبت کرنے والا، ان کے لئے جان دینے والا، اور اسلام سے پورا فائدہ اٹھانے والا ہو جاتا، اور جہاں نہیں ایسا ہوا، اسی طرح ہوا، کہ لوگوں نے مان لیا کہ ان کا دین سچا ہے، ان کے یہاں اصول پسندی ہے، خدا ترسی ہے، ان میں آخرت شناسی ہے، حقیقت شناسی ہے، اور آج جو اسلام باقی ہے، ہمارے ہی ملک میں نہیں، ساری دنیا میں جو باقی ہے، اس میں بہت بڑا دخل اسلام کے نمونہ کو ہی ہے، ایک فرد چلا گیا ایک ایک کونہ میں ہزاروں لاکھوں لوگ مسلمان ہو گئے، دور نہ جائیے ہندوستان ہی کو لے لیجئے، کہ حضرت خواجہ معین الدین چشتی اجمیر (راجستھان) آئے اور لاکھوں کی تعداد میں لوگ مسلمان ہوئے۔(۲) اسی طریقہ سے امیر کبیر سید علی ہمدانی کشمیر گئے اور وہاں کی اکثریت نے اسلام قبول کیا، ایسے ہی کس کس کا نام لیا جائے کہ ایک دو گئے انہوں نے کچھ لوگ تیار کئے اور پھر اس طرح پھیلنے لگا کہ گھر گھر محلّہ محلّہ پھیلا۔(۳)

بس ہمیں اپنی زندگی ایسی بنا لینی چاہئے کہ ''یجعل لکم فرقاناً'' والی صورت پیدا ہو جائے کہ خدا شان امتیازی پیدا کر دے گا، انگلیاں اٹھیں گی، کان کھڑے ہوں گے، آنکھیں کھلیں گی، اشارے ہوں گے، اس سے بڑھ کر لوگ قدموں پر گریں گے، کہ یہ مسلمان ہیں، اس کے عقائد یہ ہیں، اس کے احوال یہ ہیں، اس کے اخلاق یہ ہیں اس کے جذبات یہ ہیں، اس کے احساسات یہ ہیں، اس کی خواہشات یہ ہیں، اس کے معیار یہ ہیں، یہ ہونا چاہئے یہ پیغام لے کر یہاں سے جائیے۔

---

(۱) سورۃ التوبہ ۹:۱۱۱۔

(۲) بعض تاریخی کتابوں میں نوے ۹۰ لاکھ اور ایک کروڑ تک یہ تعداد بتائی گئی ہے۔

(۳) اس سلسلہ میں حضرت سید احمد شہید رحمۃ اللہ علیہ اور ان کے رفقاء دعوت و جہاد کی خدمات ناقابل فراموش ہیں کہ جہاں سے ان کا گزر ہو گیا وہاں ایمان کی لہر دوڑ گئی اور اسلام کا نور پھیل گیا، (تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو راقم کی کتاب ''سیرت سید احمد شہیدؒ اول دوم اور'' جب ایمان کی باد بہار چلی''

مزید اس وقت کچھ کہنے کی ضرورت نہیں سمجھتا، جماعت تبلیغ کے جو اصول ہیں، بنیادی نکات ہیں، اس پر بھی کچھ کہنا نہیں کہ اس پر بہت کہا جا چکا ہے، اور جو رہ گیا ہوگا وہ بھی کہہ دیا جائے گا، ہم نے وہیں سے سیکھا ہے، آپ بھی وہیں سے سیکھ رہے ہیں، لیکن یہ بات کبھی نہ بھولئے گا، بلکہ اس کو اپنی گرہ میں باندھ لیجئے کہ آپ کی زندگی میں ایک امتیاز ہونا چاہئے، ایک کھلا ہوا فرق ہونا چاہئے، جس کے لئے قرآن حکیم کے لفظ سے بڑھ کر کوئی دوسرا بلیغ لفظ ہو ہی نہیں سکتا، وہ ہے ''فرقان'' کہ آپ کی زندگی میں ایک فرقان ہونا چاہئے، جو دیکھے کہے کہ یہ مسلمان ہے، یہ مسلمان کا کام نہیں، صدہا نہیں ہزار ہا واقعات ہیں تاریخ میں، کہ مسلمانوں نے وہ کیا جو کوئی نہیں کرسکتا تھا، کہ ایسی بھی کوئی قربانی ہوسکتی ہے، ایسی بھی کوئی ہمت کرسکتا ہے، ایسا بھی کوئی ایثار کرسکتا ہے، لیکن مسلمان نے کیا، تاریخ میں سب موجود ہے، یہ ریکارڈ ہے جو ہسٹری (تاریخ) میں محفوظ ہے، مسلمانوں کے مابہ الامتیاز بلکہ ممتاز اور معیاری طرز عمل سے لوگ ہزار ہا ہزار کی تعداد میں مسلمان ہوئے ہیں، تاریخ میں آپ پڑھیں مسلمان نے فتح پانے کے باوجود کیسے رحم کا سلوک کیا، کیسی انسانی ہمدردی کا مظاہرہ کیا، کہ لوگ جوق در جوق مسلمان ہونا شروع ہو گئے، اور انہوں نے کہا کہ ہم کو مسلمان کر لیجئے، جو لڑنے آئے تھے وہ قدموں پر گرے اور اسلام قبول کیا۔

بھئی! آج ہندوستان میں محض ہمارے اوپر دین اور اسلام کا حق ہی نہیں ملک و وطن کا حق بھی ہے، یہ بہر حال ہمارا وطن ہے، اللہ نے ہم کو یہاں پیدا کیا، اور ہمارے لئے اس سرزمین کا انتخاب کیا، اس کا بھی حق ہے، آدمی کو اپنے گھر سے محبت ہوتی ہے، یہ ہمارا گھر ہے، اس میں ہمیں ایسا طرز عمل اختیار کرنا چاہئے کہ لوگوں کی اصلاح ہو، بلکہ زندگیوں میں انقلاب آ جائے، یہ ظلم واندھیر جو ساری دنیا میں تو ہو ہی رہا ہے کبھی کبھی ہمارے ملک میں بھی ہو جاتا ہے، بند ہو، کبھی سیاست کے راستہ سے، کبھی حکومت و اقتدار کے راستہ سے، کبھی مقصد و مفاد کے لحاظ سے، یہ سب بند ہو، انصاف پھیلے اور خدا کا خوف عام ہو، لوگوں میں ایک خدا ترسی پیدا ہو، خدا کا خوف پیدا ہو، انسانیت کا احترام پیدا ہو۔

یہاں مجھے صرف یہی کہنا ہے کہ اور اسی پر بات ختم کرنی ہے کہ آپ یہاں سے یہ عہد و پیمان کر کے جائیے اور جانے سے پہلے یہ طے کر لیں، اور تہیہ کر لیں کہ ہم کو اب اپنی زندگی ایسی

بنانی ہے کہ نگاہیں اٹھیں، انگلیاں اٹھیں بلکہ قدم اٹھیں کہ ان کی طرف چلو! ان سے سیکھو اور ان سے فائدہ اٹھاؤ، تب جا کر انشاء اللہ یہ رویہ ہمارا ہر طرح سے انقلاب انگیز ہوگا، ہر طرح سے مبارک ہوگا، وہ یوں بھی مبارک ہے، اور نہایت مبارک ہے، یہ معمولی بات نہیں ہے کہ اللہ کے نام پر اور دین کی دعوت پر اتنی بڑی تعداد میں لوگ جمع ہو جائیں، ہم اس پر اللہ تعالی کا شکر ادا کرتے ہیں، اور فخر کرتے ہیں، دار العلوم ندوۃ العلماء کے بانیوں کی روح خوش ہو رہی ہوگی کہ آج یہاں اتنا بڑا اجتماع ہو رہا ہے، لیکن اس کے ساتھ اس کی بڑی ضرورت ہے کہ آپ کی زندگیوں میں انقلاب آئے، اور یہ انقلاب لازمی نہ ہو بلکہ متعدی ہو، کہ دیکھ کر لوگ متاثر ہوں عقائد کے اعتبار سے بھی اخلاق کے اعتبار سے بھی، اعمال کے اعتبار سے بھی، معاملات کے اعتبار سے بھی، ارادوں کے اعتبار سے بھی، اور کوششوں کے اعتبار سے بھی، اور ہر طرح سے آپ کی زندگی سب کے لئے مشعل راہ بنے، اور دعوت اسلام کا کام دے، مقناطیس کا کام دے، اور مقناطیس کی حیثیت ہی کیا ہے، اگر وہ لوہے کو کھینچ سکتا ہے، تو کیا مسلمان کسی قوم کی کسی آبادی کو کھینچ نہیں سکتا، سینکڑوں مقناطیس ایک مسلمان کے ایمان پر فدا ہیں، اگر مسلمان میں اتنی طاقت نہیں، ان میں مقناطیسیت نہیں تو ہونی چاہئے، مقناطیسیت بھی ضروری ہے، جاذبیت ہونی چاہئے، اللہ ہمیں اور آپ کو توفیق دے۔ آمین۔

اسلامی ممالک میں ذہنی کشمکش اور اس کے اسباب

یہ تقریر علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی اسلام آباد میں ۱۸ جولائی ۸۷ء کو کی گئی جس میں یونیورسٹی کے اساتذہ اور طلبہ کے علاوہ مقامی اور بیرونی سربرآوردہ حضرات، علماء، سیاسی رہنما، [illegible] سامعین موجود تھے۔

الحمد لله نحمده و نستعينه و نستغفره، ونؤمن به ونتوكل عليه و نعوذ بالله من شرور انفسنا و من سيات اعمالنا من يهده الله فلا مضل له ومن يضلله فلاهادى له و نشهد ان لااله الا الله وحده لاشريک له ونشهد ان سيدنا ومولانا محمدا عبده ورسوله صلى الله عليه وعلى اله واصحابه أجمعين ومن تبعهم باحسان و دعابد عوتهم الى يوم الدين. اعوذ بالله من الشيطان الرجيم بسم الله الرحمن الرحيم○ قل ان صلاتى ونسكى ومحياى ومماتى لله رب العالمين. لاشريک له، وبذلک امرت وانا اول المسلمين.

وائس چانسلر، اساتذۂ کرام، برادران عزیز!

اس جامعہ کی نسبت جس گرامی شخصیت سے قائم ہے، اس کی دعوت پر مجھے یہاں آنے سے جو مسرت ہوئی وہ کم دانش گاہوں میں جانے سے ہوئی ہوگی۔ میں اپنی اس تقریر کا آغاز فارسی کے اس مشہور مصرعہ سے کرنا چاہتا ہوں کہ: ؎

غریب شہر سخنہائے گفتنی دارد

لیکن چونکہ اس جامعہ اور اس دانش گاہ کی نسبت اقبال سے ہے اس لئے اب میں اس کے بجائے جگر کا مصرعہ پڑھوں گا ؎

"میں چمن میں چاہے جہاں رہوں
مرا حق ہے فصل بہار پر"

یہ اگر اقبال کا چمن ہے تو میں بھی اس کا بلبل ہوں، اور مجھے اس چمن کی کسی بھی شاخسار پر بیٹھنے کا حق ہے، اس لئے میں غریب شہر نہیں ہوں، مجھے اس شہر کا ایک باشندہ یا ایک چمن کا بلبل سمجھئے۔

حضرات! وقت بہت کم ہے اور اقبال نے تعلیم پر جو کچھ لکھا ہے وہ آپ کے سامنے ہے، اور میں یہ گزارش کروں گا اس جامعہ کے ذمہ داروں سے کہ اسے ایک مستقل مضمون کی حیثیت سے یہاں نصاب میں داخل کریں، تعلیم کے بارے میں اقبال کا نقطۂ نظر اور اقبال کی تنقید اور ان کے خیالات پر اگرچہ مستقل کتابیں لکھی گئی ہیں، لیکن اس کو علیحدہ کر کے اور مستقل فن اور مستقل موضوع بنا کر اس جامعہ میں تحقیقی کام ہونا چاہئے، اقبال ان چند خوش قسمتوں میں سے تھے جو خود اپنے الفاظ میں جدید نظام تعلیم کے آتشکدہ یا نارنمرود میں بیٹھ کر بہت کچھ ابراہیمی خصوصیات کے ساتھ نکلے۔

انہوں نے اس پر بھی فخر کیا ہے کہ میں اس جال میں پھنسا تھا لیکن اس کا دانہ لے کر نکل گیا، میرے بال و پر اس جال میں پھنسے نہیں رہے:

طلسم علم حاضر را شکستم
ربودم دانہ و دامش گستم
خدا داند کہ مانند براہیم
بنارِ او چہ بے پروا نشستم

مشرقی ممالک کے نوجوان مغرب اور خاص طور پر انگلستان جس کو ہندوستانی ولایت کے نام سے یاد کیا کرتے تھے، تعلیم کے لئے جایا کرتے تھے۔ (اقبال کے لئے معذرت کے ساتھ کہہ رہا ہوں) جو بڑے اقبال مند ہوتے تھے ان کو وہاں کا سفر نصیب ہوتا تھا، وہ اس پر پھولے نہیں سماتے تھے۔ میرے شعور کی آنکھیں پہلی جنگ عظیم کے خاتمہ پر کھلی ہیں۔ میں نے تحریک خلافت کو بہت قریب سے دیکھا، میں اس کا ایک طرح سے معاصر و ہم عمر ہوں، اس زمانہ میں انگریز کا طوطی بولتا تھا، کسی کھاتے پیتے گھر کے لئے سب سے بڑے فخر کی بات یہ تھی کہ اس خاندان کا کوئی لڑکا ولایت چلا جائے، سارے ضلع میں دھوم مچ جاتی تھی کہ فلاں زمیندار صاحب، فلاں سید صاحب، فلاں شیخ صاحب، فلاں خانصاب کے صاحبزادے ولایت گئے

ہیں۔ اس وقت مصر وشام سے کم ہندوستان سے زیادہ مغربی ممالک کی طرف نوجوانوں کا رخ تھا۔ غیر منقسم ہندوستان سے اس وقت بہترین جوہر اور بہترین صلاحیتیں رکھنے والے نوجوان انگلستان گئے اور وہاں خاص طور پر آکسفورڈ اور کیمبرج میں انہوں نے تعلیم پائی۔ ہم برصغیر کے مسلمان اس پر فخر کر سکتے ہیں کہ وہاں کے اسلام سوز اور اخلاق سوز ماحول کے اثرات سے جو لوگ آزاد ہو کر نکلے بلکہ ایک طرح سے باغی ہو کر نکلے ان میں ہم دو شخصیتوں کے نام لے سکتے ہیں۔ ایک علامہ اقبال اور ایک مولانا محمد علی جوہر، مصر بلکہ شرق وسطی کو بھی اپنی طویل تاریخ میں یہ فخر حاصل نہیں، وہ کسی ایسے مغربی نوجوان تعلیم یافتہ کا نام نہیں لے سکتا جس نے اقبال کی طرح اپنی خودی کو قائم رکھا ہو بلکہ وہ خودی کا مبلغ بن کر آیا ہو اور مولانا محمد علی جوہر جیسا جوہر قابل جو اس تہذیب کے باغی، اس ملک کے باغی اور ایک شعلہ جوالہ بن کر آیا، یہ ہمارے اس تحتی براعظم کے لئے فخر کی بات ہے، کم سے کم یہ دو نام ہیں جن کو چیلنج نہیں کیا جا سکتا، ورنہ میں اور بہت سے نام پیش کرتا جو وہاں سے کچھ لے کر آئے، کچھ کھو کر نہیں آئے۔ حقیقت کا علم تو صرف اللہ کو ہے، لیکن ہم اقبال کا کلام پڑھتے ہیں، مولانا محمد علی جوہر کی تحریریں پڑھتے ہیں، کامریڈ میں اور ہمدرد میں، تحریک خلافت میں انہوں نے جو قائدانہ کردار ادا کیا اس کو دیکھتے ہیں، ان کی تقریریں پڑھتے ہیں، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ مغربی تہذیب کا فکری طور پر اقبال سے بڑھ کر باغی اور مغربی سیاست اور تمدن کا محمد علی جوہر سے بڑھ کر باغی مشرق کے اسلامی ممالک میں نہیں ملتا۔ اقبال نے اس پر بجا فخر کیا ہے۔ انہوں نے کہا ہے ؎

نشستم بانکویان فرنگی
ازاں بے سوز تر روزے ندیدم

میں خوبان فرنگ کے ساتھ بیٹھا (ان کی مراد جمال علمی و جمال تہذیبی سے ہے) اپنی عمر میں کوئی ایسا بے نور دن یاد نہیں جو ویسا گزرا ہو، کبھی انہوں نے کہا: ؎

زمستانی ہوا میں گرچہ تھی شمشیر کی تیزی
نہ چھوٹے مجھ سے لندن میں آداب سحر خیزی

انہوں نے اپنی خودی کو برقرار رکھا، بلکہ وہ خودی کے مبلغ بن کر آئے، انہوں نے مغربی علوم کے قلب وجگر میں اتر کر مغرب کی کمزوری کو دیکھا اور اس میں سے فائدہ اٹھایا، آپ کی اس

جامعہ کو یہ فخر حاصل ہے کہ اس کا انتساب اقبال سے ہے:

وقت کم ہے، آپ کے سامنے ایک مسئلہ رکھنا چاہتا ہوں جس پر ہماری تمام جامعات کے دانشوروں کو اور ہمارے تعلیمی پالیسی بنانے والوں کو غور کرنا چاہئے۔ ابھی دو تین سال کا واقعہ ہے کہ میں بیروت گیا، میرے ایک بڑے ذہین وصاحب علم دوست مجھے اپنی گاڑی پر بیروت کی سیر کرا رہے تھے۔ انہوں نے گاڑی چلاتے ہوئے مجھ سے کہا کہ مولانا، آپ سے میں ایک سوال کرتا ہوں کہ ممالک اسلامیہ میں جو ذہنی فکری وسیاسی بے چینی اور کشمکش پائی جاتی ہے یہ غیر اسلامی ممالک میں کیوں نہیں پائی جاتی۔ یہ ہندوستان، جاپان، یا سیلون میں کیوں نہیں پائی جاتی؟ یہ اسلامی ممالک کے ساتھ کیوں مخصوص ہے؟ یہاں ایک صف آرائی اور قیادتوں اور عوام میں دو متقابل محاذ بنے ہوئے ہیں، اس کے نتیجہ میں انقلاب کثرت سے آتے ہیں، حکومتیں تبدیل ہوتی ہیں، عوام کو اپنے قائدوں اور حکمرانوں پر بھروسہ نہیں اور برسر اقتدار طبقہ کو عوام کی طرف سے اطمینان نہیں؟ واقعہ یہ ہے کہ میں ان کے سوال کا تسلی بخش جواب نہیں دے سکا، ان کو باتوں میں مشغول رکھا، مگر واقعہ یہ ہے کہ خود میرے ذہن کے اندر ایک سوال پیدا ہو گیا کہ شاید اس سے پہلے یہ سوال میرے ذہن میں نہیں تھا کہ آخر کیوں ایسا ہے؟ اور اس بے چینی کے کیا اسباب ہیں؟ روز ہم سنتے ہیں کہ ان ملکوں میں مستقل ٹکراؤ ہے، وہاں تہذیبوں کا ٹکراؤ ہے، مستقل فلسفہ اخلاق کا ٹکراؤ ہے، بعد میں میرے ذہن میں اس کا ایک جواب آیا، وہ میں آپ کے سامنے پیش کرتا ہوں جس کی وجہ سے مجھ پر اور آپ پر اور ان جامعات کے ذمہ داروں پر بڑی ذمہ داری عائد ہوتی ہے۔

بات یہ ہے کہ جو فلسفہ تعلیم ان غیر اسلامی ممالک میں آیا وہاں کے اقدار اور بنیادی عقائد سے متصادم نہیں تھا، ان اقدار میں اول تو جان نہیں تھی، جان تھی بھی تو ان میں ہر نئے فلسفے کو قبول کرنے کی صلاحیت نہیں تھی، ان کی تو بنیاد ہی مستحکم نہیں، بہت سیال ورقیق قسم کی چیزیں ہیں۔ مثلاً میں آپ کو یاد دلاتا ہوں کہ جب جواہر لال صاحب سے پوچھا گیا کہ ہندو کی تعریف کیا ہے؟ تو انہوں نے بہت سوچنے کے بعد کہا کہ جو اپنے کو ہندو کہے وہ ہندو ہے۔ ہمارے ایک دوست نے واقعہ سنایا، وہ محکمہ تعلیم کے آدمی تھے کہ ہم لوگ اسٹاف روم میں بیٹھے ہوئے تھے، میں نے اپنے ایک ہندو پروفیسر دوست سے کہا پروفیسر صاحب ہم سے اگر پوچھا جائے

کہ دو لفظوں میں اسلام کا خلاصہ بیان کرو تو ہم کہیں گے کہ لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ پر ایمان رکھنا۔ اگر آپ سے پوچھا جائے کہ دو لفظوں میں ہندوئیت کی تعریف کر دیجئے تو آپ کیا کہیں گے؟ اور دیکھئے کسی گہرے فلسفے کی ضرورت نہیں، میری لائبریری میں بہت سی کتابیں ہیں، میں پڑھ لوں گا۔ آپ تو اس وقت دو لفظوں میں بتا دیجئے کہ اگر مجھ سے کوئی پوچھے کہ ہندو کسے کہتے ہیں اور اس کی کیا تعریف ہے تو میں کیا جواب دوں؟

تھوڑی دیر سوچنے کے بعد کہنے لگے، مسٹر قدوائی! اصل بات یہ ہے کہ جو کسی چیز میں Believe نہیں کرتا وہ بھی ہندو ہے اور جو ہر چیز پر Believe کرتا ہے وہ بھی ہندو ہے۔ تو ان کا نظام عقائد اگر ہے تو وہ اتنا روادار ہے کہ ہر فلسفہ کا ساتھ دے سکتا ہے، اس کا کوئی ٹکراؤ نہیں، اس لئے فرض کیجئے کہ مغرب کا نظام تعلیم جب ہندوستان میں آیا تو اس نے ہندو سوسائٹی میں کوئی بے چینی پیدا نہیں کی، کچھ پرانے لوگ تھے جو کہتے تھے کہ سمندر کا سفر نہیں کر سکتے، صبح کا نہانا ضرور ہے، اس کے بغیر کھانا نہیں کھا سکتے، اس کے اندر کیا جان ہے؟ تھوڑے دنوں کے اندر معلوم ہو گیا کہ ہم نے بے سوچے سمجھے باتیں قبول کر لی تھیں، یہ موجودہ تمدن کے ساتھ نہیں چل سکتیں، لیکن اصل مسئلہ پیش آیا ہمارے مسلم معاشرہ کو، وہاں توحید کا ایک مفہوم ہے، اس کے حدود معین ہیں کہ یہاں تک ایمان ہے، اس کے بعد کفر کی سرحد شروع ہو جاتی ہے، ایک وقت میں آدمی کئی مذاہب کا وفادار نہیں ہو سکتا، بیک وقت آدمی توحید و شرک کو جمع نہیں کر سکتا اور یہ خیال کہ مغرب سب کچھ ہے، اور وہی قیادت کا اہل ہے، پھر اس کے بعد رسول اکرم ﷺ کو دائمی و عالمی رہنما اور معیار ماننا، اقبال ہی کے الفاظ میں کہ

وہ دانائے سبل ختم الرسل مولائے کل جس نے
غبارِ راہ کو بخشا فروغِ وادی سینا

وہ رسول اللہ ﷺ کو دانائے سبل، ختم الرسل، مولائے کل بھی سمجھے اور مغربی تہذیب کو حرف آخر بھی سمجھے، سائنس کو علم کی معراج بھی سمجھے، دونوں باتیں جمع نہیں ہو سکتیں، اس لئے بے چینی ان ملکوں میں نہیں ہو سکتی، جہاں مذہب کا کوئی مثبت معین نظام نہیں تھا، جس کو کسی بات پر اصرار نہیں کہ یہ ہدایت ہے، یہ ضلالت۔ وماذا بعد الحق الا الضلال فانی تصرفون۔ ہدایت کے بعد ضلالت کے علاوہ باقی کیا رہتا ہے، وہ کہتا ہے نور ایک ہے، ظلمات بے شمار ہیں،

آپ قرآن مجید میں دیکھئے، کہیں نور کی جمع استعمال نہیں ہے، کیا عربی میں نور کی جمع آتی نہیں، ہر طالب علم کہہ دے "انوار" آتی ہے۔ آپ کے یہاں کتنے بھائیوں کے نام انوار ہوں گے، ممکن ہے دو چار انوار یہاں بھی مل جائیں، تو نور کی جمع نہ صرف یہ کہ موجود ہے بلکہ غیر فصیح بھی نہیں ہے، لیکن واقعہ یہ ہے کہ قرآن کی نظر میں نور ایک ہی ہے اور ظلمات کا کوئی حساب وشمار نہیں، ظلمات ایک کروڑ بھی ہوسکتی ہیں، لیکن نور ایک ہوگا۔ ومن لم یجعل اللہ له نورا فماله من نور۔ جس کے لئے اللہ کی جانب سے نور نہ ملے اس کے لئے نور کا کوئی اور ذریعہ اور سرچشمہ نہیں، جس مذہب کی اور دین کی فطرت یہ ہے کہ اس پر اس کا اصرار ہے کہ تنہا وہی حق ہے، جس کو اس پر اصرار ہے کہ نور وایمان کے حدود متعین ہیں، اس کو اس پر اصرار ہے کہ اسلام ایک تمدن بھی رکھتا ہے، خالی عقائد کا نام نہیں ہے، جب مغربی تہذیب اپنے پورے تصورات کے ساتھ، پورے اقدار حیات کے ساتھ، پورے مقاصد کے ساتھ آئی، تو اس کا اس سے ٹکراؤ لازمی تھا۔ ٹکراؤ ہوا اور خوب ہوا، پھر اس کے بعد ایک دوسرا سانحہ یہ پیش آیا کہ اس ملک وقوم کے ذہین، کھاتے پیتے گھرانے کے نوجوانوں نے مغربی تعلیم حاصل کی، اور عوام اپنی اسی حالت پر رہے، وہ اسی ورثہ کو اپنے سینہ سے لگائے رہے، نتیجہ یہ نکلا کہ وہ نیا تعلیم یافتہ طبقہ عوام کے تصورات اور عوام کے احساسات وجذبات سے اتنا بیگانہ بن گیا کہ جیسے ایک نئی قوم پیدا ہوتی ہے، یعنی دو نئی قومیں پیدا ہوگئیں، اور دوسری مصیبت یہ پیش آئی کہ جدید تعلیم یافتہ طبقہ نے محسوس کیا اور تجربوں کے بعد اس کو یہ معلوم ہوا کہ اگر وہ زندگی چاہتا ہے، قیادت باقی رکھنا چاہتا ہے تو ضروری ہے کہ عوام کے اس دینی جذبہ کو یا اتنا فنا کردے یا اتنا کمزور کردے کہ وہ اس کے راستہ میں مزاحم نہ ہو۔ نتیجہ یہ ہوا کہ انہوں نے تعلیم کے ذریعہ، ابلاغ کے ذرائع کے ذریعہ، صحافت کے ذریعہ، ادب ولٹریچر کے ذریعہ، یہاں تک کہ شاعری کے ذریعہ عوام کی اس دینی حمیت کو، اس اسلامی غیرت کو اور اس کی اس ذکاوت حس کو ختم کرنے کی کوشش شروع کردی۔ اب مستقل معرکہ پیش آیا، ان ملکوں کو کہ انہوں نے دیکھا کہ اگر ہمیں رہنا ہے تو عوام اگر اسی طرح رہے، ان کے یہی احساسات وجذبات رہے تو کبھی یہ عوام ہمارے خلاف صف آرا ہوسکتے ہیں، یہ میں کہانی سنا رہا ہوں، آپ کو مصر کی، شام کی، عراق کی، ترکی کی، میں نہیں کہتا کہ یہ ہر ملک کی کہانی ہے اور خدا کرے اس ملک میں یہ ڈرامہ کبھی اسٹیج نہ ہو، لیکن ہے یہ ترقی یافتہ

مسلم ممالک کی کہانی، ایک طبقہ ایسا پیدا ہو گیا جو اسلام سے نہ صرف یہ کہ بیگانہ تھا، بلکہ اس کو اس سے ایک طرح کا بعد اور وحشت تھی، یہ عوام کا کیا حال ہے، یہ بالکل چھوئی موئی بن گئے ہیں۔ چھوئی موئی کو ہاتھ لگایا اور وہ سمٹ گئی، شرما گئی، تو کیا عوام بالکل چھوئی موئی ہیں، ان کا عقیدہ اتنا کمزور ہے، ارے بھائی اگر کچھ لوگ شراب پیتے ہیں تو پھر اس میں کون سی ایسی مصیبت آگئی اور اگر ٹیلی ویژن پر یہ سب کچھ دکھلایا جاتا ہے اور اس سے لڑکوں اور لڑکیوں کے اخلاق پر اثر پڑتا ہے تو ایسی کیا قیامت آجاتی ہے؟ وہ کھائیں پئیں، دکان اور کاروبار کریں، دولت پیدا کریں، ان کو اس سے کیا تعلق ہے، مذہب تو ایک پرائیویٹ معاملہ ہے، ان کے استادوں نے اور مغرب کی یونیورسٹیوں نے ان کے دل و دماغ میں یہ بات اتار دی ہے کہ مذہب تو ایک شخصی معاملہ ہے، اور مذہب کی بقاء بھی اسی میں ہے کہ شخصی معاملہ رہے اور اب دنیا اسی طرح چل سکتی ہے کہ مذہب شخصی معاملہ سمجھا جائے۔ ان کے ذہن نے پہلے سے اس کو قبول کر لیا، اب یہ جب وہ آئے تو دیکھا کہ عوام حکومت کے معاملہ میں دخل دیتے ہیں، تنقید کرتے ہیں، بات بات سے متاثر بلکہ مشتعل ہو جاتے ہیں۔ انہوں نے ایک نیا محاذ کھول دیا۔ جمال عبدالناصر کے دور میں مصری عوام کے خلاف مصر کی ساری طاقت اور اس کی مشینری لگ گئی، فوج پولیس، ملک کے سارے وسائل و ذخائر اور مصری قوم کی ساری توانائیاں اور جو جماعت برسر حکومت تھی اس کی ساری ذہانت اس جذبہ کے کچلنے میں لگا دی گئی جو ان کے لئے کسی وقت بھی آفت کی صورت اختیار کر سکتی تھی۔ جو دور جمال عبدالناصر کی لیڈر شپ کا گزرا، یہ بجائے اسرائیل سے لڑنے کے، بجائے کمیونزم سے لڑنے کے، بجائے الحاد سے لڑنے کے، یہ پر امن شہریوں سے لڑنے میں صرف ہوا اور ان دینی اور اسلامی تحریکوں کے ختم کرنے میں خرچ ہوا، اس میں کہاں تک کامیابی ہوئی، اس کے اثرات کہاں تک باقی رہے، یہ کہنا مشکل ہے، لیکن یہی حقیقی جنگ تھی جو وہاں لڑی گئی، یہی حقیقی جنگ ہے جو شام و عراق اور لیبیا و تونس، الجزائر اور مراکش میں لڑی جا رہی ہے، کہیں گرم، کہیں نرم، میں عرب ملکوں کے علاوہ کسی غیر عرب ملک کا نام نہیں لوں گا، یہ مصنوعی کارزار پیدا کی ہے ان دو فلسفوں نے، ان دو متوازی نظام تعلیم نے، ہمارے مدارس میں جو تعلیم دی جاتی ہے وہ تو قال اللہ وقال الرسول کی تعلیم ہے اور یہاں جو تعلیم دی جاتی ہے وہ اس کی نفی کی تعلیم ہے، جب انگریزی دور اقتدار (غیر منقسم) ہندوستان میں آیا، اور

انگریزوں کا نظام تعلیم آیا تو اکبر نے وہ شعر کہا جس سے بہتر شعر آج تک جدید لادینی نظام تعلیم اور اس کے دوررس نتائج کے متعلق آج تک کسی نے نہیں کہا ہے، مغربی نظام تعلیم کے اثرات کے بارے میں اس سے زیادہ سادہ الفاظ میں اس سے زیادہ گہری حقیقت نہیں بیان کی گئی۔

یوں قتل سے بچوں کے وہ بد نام نہ ہوتا
افسوس کہ فرعون کو کالج کی نہ سوجھی

انہوں نے اس حقیقت کو بیان کیا کہ فرعون نے اپنی غباوت اور کند ذہنی سے خواہ مخواہ اپنے خلاف اتنا پروپیگنڈہ کرایا اور اپنے لئے اتنی مشکلات پیدا کیں کہ آج تک صحف سماوی تک میں وہ علامت ہے جبر واستبداد کی، وہ نظام تعلیم بدل دیتا تو بجائے بدنامی کے نیک نامی ہوتی، بجائے اس کو جہالت کی ایک علامت سمجھ لینے کے علم کا سرپرست مانا جاتا، مربی مانا جاتا، اس کے نام سے کتنی یونیورسٹیاں قائم ہوتیں، کتنی اکاڈمیاں قائم ہوتیں، سعودی عرب میں بھی مغربی نظام تعلیم سے اب یہ کشمکش پیدا ہو رہی ہے۔

ہر ایسے ملک کو جس کو اسلام کی خدمت کرنی ہے اور جس کو اسلام کا جھنڈا بلند کرنا ہے، اپنے ملک کو اس ذہنی کشمکش سے بچانا چاہئے، اس لئے کہ اس ذہنی کشمکش کے شروع ہو جانے کے بعد پھر وہ ساری ذہانتیں اور قوت عمل وہ سب کی سب اس میں لگ جاتی ہیں، ملک کی تعمیر میں، ملک کو مستحکم کرنے میں، سالمیت کی حفاظت میں جو توانائیاں صرف ہونی چاہئیں اس میں صرف ہوتی ہیں، کون جیتے، کون ہارے، کس کا فلسفہ اخلاق، کس کا فلسفہ مابعد الطبعیات کس کا فلسفہ حیات غالب اور کارفرما ہے۔

میں اس جامعہ سے توقع کرتا ہوں کہ دوسری جامعات کے مقابلہ میں وہ یہ اصلاحی قدم پہلے اٹھائے گی، اس لئے کہ جس مفکر اسلام سے اس کو نسبت ہے وہ موجودہ نظام تعلیم سے غیر مطمئن تھا، وہ اسلامی ملکوں میں اس نظام تعلیم کے نافذ ہونے سے ہراساں و ترساں رہتا تھا، وہ اگر زندہ ہوتے تو شاید مطالبہ اس کا کرتے کہ سب سے پہلے نظام تعلیم بدلا جائے اس لئے کہ انہوں نے کہا ہے کہ یہ وہ تیزاب ہے جس میں انسان کی خودی کو ڈال کر بالکل تحلیل کردیا جاتا ہے

تعلیم کے تیزاب میں ڈال اس کی خودی کو
ہو جائے ملائم تو جدھر چاہے اسے پھیر

تاثیر میں اکسیر سے بڑھ کر ہے یہ تیزاب
سونے کا ہمالہ ہو تو مٹی کا ہے اک ڈھیر

عمان میں ایک مکالمہ تھا۔ استاد کامل الشریف جو آج کل وہاں وزیر اوقاف ہیں، وہ میں اور سعودی عرب کے ایک فاضل شیخ احمد جمال تینوں سے سوال کئے جا رہے تھے، یہ مکالمہ ریڈیو پر بھی نشر ہوتا تھا۔ مجھ سے کہا گیا، اس وقت کی سب سے بڑی مصیبت خصوصاً نوجوانوں کی پریشانی کا اصل سبب کیا ہے۔ میں نے کہا، زندگی کا تضاد، وہ بیک وقت اتنی متضاد چیزیں دیکھتے ہیں، گھر کا نقشہ کچھ دیکھتے ہیں، باپ دادا کی روایت کچھ سنتے ہیں، اسکول یا کالج جا کر کچھ سنتے ہیں، ادب پڑھتے ہیں اور لٹریچر دیکھتے ہیں تو اس میں کچھ اور دعوت پاتے ہیں، ٹیلی ویژن اور ریڈیو پر وہ تفریح حاصل کرتے ہیں وہ ان کو کچھ اور دیتا ہے۔ اس نے ایسا کنفیوژن (CONFUSION) پیدا کر دیا ہے، ایک ایسا دماغی تضاد اور انتشار پیدا کر دیا ہے کہ فیصلہ نہیں کر پاتے، جب تک یہ حالت ہے کہ ایک گاڑی میں دو گھوڑے جتے ہوئے ہیں، ایک مشرق کی طرف لے جا رہا ہے ایک مغرب کی طرف لے جا رہا ہے، اس گاڑی اور گاڑی پر بیٹھنے والے مسافر کا اللہ ہی حافظ ہے۔ یہ تضاد سوسائٹی سے، ہمارے نظام تعلیم سے ختم ہونا چاہئے۔

میں ان الفاظ کے ساتھ اپنی گزارشات ختم کرتا ہوں اور میں وائس چانسلر صاحب کا جسٹس افضل چیمہ صاحب کا شکریہ ادا کرتا ہوں کہ انہوں نے سفارش کی اور میں یہاں آپ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ میں سمجھتا ہوں کہ میرے یہ الفاظ آپ کو یاد نہ رہیں لیکن کم سے کم اقبال کا پیام تو آپ کو یاد رہے گا۔ اب میں اقبال ہی کے اشعار پر ختم کرنا چاہتا ہوں۔

اے پیر حرم! رسم و رہِ خانقہی چھوڑ
مقصود سمجھ میری نوائے سحری کا
اللہ رکھے تیرے جوانوں کو سلامت
دے ان کو سبق خود شکنی خود نگری کا
تو ان کو سکھا خارہ شگافی کے طریقے
مغرب نے سکھایا انہیں فن شیشہ گری کا
دل توڑ گئی ان کا دو صدیوں کی غلامی
دارو کوئی سوچ ان کی پریشاں نظری کا

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

مسلم پرسنل لا کی صحیح نوعیت اور اہمیت

الحمد لله نحمده ونستعينه ونستغفره ونعوذبالله من شرور انفسنا ومن سيأت اعمالنا من يهده الله فلا مضل له ومن يضلله فلا هادى له ونشهد ان لا اله الا الله ونشهد ان محمدا عبده ورسوله الذى ارسله الله تعالى بالحق بشيرا ونذيرا وداعيا الى الله باذنه وسراجا منيرا۔

حضرات! سب سے پہلے میں اس پر معذرت کرتا ہوں کہ میں اس اہم موقع پر کوئی لکھا ہوا خطبہ پیش نہیں کر رہا ہوں، میں تھوڑے تھوڑے وقفہ سے اندرونی اور بیرونی سفروں میں مشغول رہا، اور مسلسل انہماک اور مصروفیت رہی، لیکن اس غیر ارادی اور اضطراری کوتاہی میں خیر کا بھی ایک پہلو ہے، تیار کئے ہوئے بلند پایہ خطبہ ہائے صدارت کی افادیت اور اہمیت کو کم کئے بغیر جواب ہماری علمی، ادبی وسیاسی تاریخ کا جز بن گئے ہیں، میں یہ کہنے کی جرات کروں گا کہ بعض مرتبہ خطبہ صدارت کل کا کل یا اس کا کل جز بے محل یا بعد از وقت ثابت ہوتا ہے، اور حالات میں تغیر کی وجہ سے اپنی زندگی اور برجستگی کھو چکا ہوتا ہے۔ اس لئے شاید اس میں بھی حکمت الٰہی کو دخل ہو کہ اس فضاء میں تازہ حالات کے مطالعہ کے بعد آپ سے براہ راست خطاب کر رہا ہوں۔

حضرات! کسی بھی مسئلہ سے اختلاف یا کسی حقیقت سے گریز اور مخالفت کا باعث صرف مخالف کا جذبہ، عناد یا سیاسی مصالح اور مفادات ہی نہیں ہوتے، اکثر غلط فہمی یا ناواقفیت یا ناقص واقفیت (جسے میں ناواقفیت سے زیادہ خطرناک سمجھتا ہوں) اس کی ذمہ دار ہوتی ہے، افراد اور خاندان کی سطح پر بھی، ملتوں اور قوموں کی سطح پر بھی ملکوں اور سلطنتوں کی سطح پر بھی ایسی غلط فہمیاں، ناواقفیت اور ناقص واقفیت بڑے اہم اور سنگین نتائج کا سبب بنی ہے، اور قوموں، تہذیب و تمدن، سلطنتوں اور مذاہب کی تاریخ اس کی شہادتیں پیش کرتی ہے کہ بعض مرتبہ کسی غلط فہمی،

ناواقفیت یا ناقص واقفیت کی بناء پر بے ضرورت جنگیں برپا ہوئی ہیں، سلطنتیں سلطنتوں سے ٹکرائی ہیں اور بعض اوقات وحشتیں وحشتوں سے نہیں، وحدتیں وحدتوں سے ٹکرائی ہیں۔

مسلم پرسنل لا کے سلسلہ میں بھی نہ ہم کو اس کی ضرورت ہے نہ اس کا شوق ہے کہ ہم ان سب لوگوں کے بارے میں جو ملت اسلامیہ کے دائرے سے باہر ہیں، یا ان گروہوں، جماعتوں یا مکاتب خیال پر جو مسلم پرسنل لا کے مخالف ہیں اور جو ہندوستان پر یونیفارم سول کوڈ کے نفاذ کے داعی اور اس کے حامی ہیں، یہ الزام لگائیں کہ ان میں مخالفت ہی کا جذبہ یا عناد کام کر رہا ہے، میرا خیال ہے کہ اس میں غلط فہمی اور زیادہ تر ناقص واقفیت کو دخل ہے۔

مسلمانوں کے عائلی قانون کی اہمیت اور صحیح حیثیت کیا ہے؟ اس کے متعلق میں دو حقیقتوں کی طرف متوجہ کرنا چاہتا ہوں، اور ان سب حضرات کو جو مسائل پر سنجیدگی کے ساتھ غور کرنے کے عادی ہیں اور ان میں حب الوطنی کا جذبہ ہے اور ان کا ذہن تخریبی نہیں بلکہ تعمیری اور حقیقت پسند واقع ہوا ہے اور وہ صداقت کو قبول کرنے کے لئے ہر وقت تیار رہتے ہیں، دو بنیادی حقیقتوں کی طرف متوجہ کرنا چاہتا ہوں اور اس مؤقر مجلس کے توسط سے صحافت اور ابلاغ عامہ کے سنجیدہ اور ذمہ دار ذرائع سے میں اپنی آواز دور دور تک پہنچانا چاہتا ہوں۔

ا۔ مذاہب کے تقابلی مطالعہ کی روشنی میں جسکا میں ایک طالب علم ہوں ان تمام آسمانی مذاہب کے بارے میں کہہ سکتا ہوں جو صحیفے رکھتے ہیں، اور جن کے یہاں نبوت کی تاریخ ہے لیکن میرے لئے زیادہ محتاط صورت یہ ہے کہ میں اس دین کی طرف سے عرض کروں جس سے میرا اور آپ کا انتساب ہے کہ اس کی ایک بنیادی حقیقت یہ ہے کہ یہ دین جو ہم تک پہنچا ہے اور جس دولت کے ہم آپ امین اور (محافظ کا لفظ تو بڑا ہے) اس دولت کے حامل ہیں، وہ دین ہمیں دانشوروں کے ذریعہ، سماجی خدمتگاروں، اصلاحی کام کرنے والوں یا بانیان سلطنت کے ذریعہ نہیں پہنچا، یہ سارے گروہ قابل احترام ہیں، لیکن کسی دین میں اور کسی تہذیب، نظام فکر، دبستان اور خالص مطالعہ، غور وفکر اور تجربہ کے نتائج میں ایک حد فاصل سرحدی لکیر ہے، جو ایک کو دوسرے سے جدا کرتی ہے، اس خط کو کسی طرح نظر انداز نہیں کیا جا سکتا، حد فاصل یہ ہے کہ آسمانی مذاہب (ادیان) ان برگزیدہ افراد کے ذریعہ پہنچے ہیں، جن کو اللہ تعالیٰ نے نبوت کے منصب سے سرفراز فرمایا تھا، اور جن پر وحی آتی تھی، اس نکتہ کو نہ سمجھنے کی وجہ سے خلط مبحث ہوتا

ہے، زیادہ تر لوگ نادانستہ طریقہ پر ان مذاہب سے توقع اور بعض اوقات آگے بڑھ کر ایسی چیزوں کا مطالبہ کرنے لگتے ہیں جن کی مذاہب میں گنجائش اور ان کا کوئی جواز نہیں، وہ بعض اوقات ان کی تشریح کا فرض اپنے ذمہ لے لیتے ہیں، اپنی وسعت مطالعہ اور وسعت نظر کے اظہار کے لئے وہ مذاہب کی ترجمانی ایسی کرنے لگتے ہیں، جیسے کہ یہ نرے فلسفے یا انسانوں کے بنائے ہوئے تہذیب وتمدن کے نظام اور سماجی تجربے اور معاشرتی نظریات ہیں، یہ ہے وہ غلطی جو نادانستہ طریقے پر بعض بڑے ذمہ دار اور سنجیدہ لوگوں سے ہوتی ہے، وہ یہ نہیں جانتے کہ دین اور غیر دین میں حد فاصل اور امتیازی نشان کیا ہے؟ فلسفہ سماجیات کا علم تہذیب وتمدن، سوسائٹی اور انسانی معاشرہ، یہ سب اپنی جگہ حقائق ہیں، ہم ان کا انکار نہیں کرتے، ان کا احترام کرتے ہیں اور اپنے ذمہ ان کے حقوق سمجھتے ہیں، خود مسلم ملت ایک معاشرہ، تہذیب وتمدن اور فکر و دانش کا ایک مستقل مدرسہ بھی ہے، لیکن اس کی جو اصل حقیقت ہے وہ یہ ہے کہ وہ ایک دین ہے، اور اس دین کو دنیا میں پیش کرنے والے اور اس کو بروئے کار لانے والے، اس کو ہماری زندگی میں داخل کرنے والے انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام ہیں اور یہ ان کی زبان اور ان کا طرز فکر نہیں، اس کا بنیادی چشمہ ان کے دماغ میں نہیں تھا، بلکہ ان سے باہر اور ان سے بلند تھا، اور وہ ان کے لئے اسی درجہ قابل احترام اور قابل اطاعت تھا، جیسے ہمارے آپ کے لئے اور سارے امتیوں کے لئے **وما ینطق عن الھویٰ ان ھو الا وحی یوحیٰ** (وہ خواہش نفس سے منہ سے بات نہیں نکالتے ہیں یہ (قرآن) تو حکم خدا ہے (جو ان کی طرف بھیجا جاتا ہے) **ما کنت تدری ومالکتب ولا الایمان ولکن جعلنہ نورا نھدی بہ من نشاء من عبادنا وانک لتھدی الی صراط مستقیم** (آپ نہیں جانتے تھے کہ لکھنا پڑھنا کیا ہوتا ہے، ہم نے اس کو ایک نور کی طرح آپ کے سینہ میں اتارا، اور اس سے ہم اپنے بندوں میں سے جس کو چاہتے ہیں ہدایت کرتے ہیں اور بے شک (اے محمد ﷺ) تم سیدھا راستہ دکھاتے ہو۔

اچھے اچھے سنجیدہ اہل علم اور اہل فکر اس مغالطہ میں ہیں، اس پر انہوں نے اپنی عمریں گذار دیں۔ ایک کتب خانہ تیار ہو گیا، اس نے غیر ضروری طور پر ایک مہم اور ایک معرکہ آرائی کی شکل اختیار کر لی ہے، حالانکہ اس کی کوئی بنیاد نہیں، سیدھی سی بات یہ ہے کہ آپ جس دین کے ماننے والوں کو مخاطب کرتے ہیں، ان سے توقع اور مطالبہ کرتے ہیں، ان کو مشورہ دیتے ہیں، پہلے

آپ ان کا مزاج اور امتیاز سمجھیں، وہ پیغمبروں کی ایک ایسی جماعت اور اس جماعت کے خاتم اور اس جماعت کے فرد اکمل کے تابع ہیں جس کا رشتہ وحی الٰہی سے تھا اور وہ خود وحی کا انتظار کرتا تھا، بیسیوں حدیثیں ہیں، جو میں اس وقت آپ کے سامنے پیش نہیں کر سکتا کہ لوگ پوچھنے آئے آپ نے کہا انتظار کرو، اور آپ خود انتظار کرتے رہے، اور بعض مرتبہ تو ایسا ہوا کہ سائل موجود ہے اور آپ پر وحی کی کیفیت طاری ہوئی اور کسی صحابی نے اپنے دوست سے کہا کہ دیکھو، تم دیکھنا چاہتے تھے کہ وحی کس طرح آتی ہے تو دیکھو، بعض دفعہ ایسا ہوا کہ ساق مبارک کسی کی ساق پر تھی اور وحی کا نزول شروع ہوا، وہ کہتے ہیں کہ قریب تھا کہ میری ٹانگ ٹوٹ جائے، اتنا بوجھ تھا، اس لئے کہ وحی کے ساتھ ایک بوجھ ہوتا تھا، اور یہ معلوم ہوتا تھا کہ اس مادی دنیا سے آپ کا رشتہ منقطع ہو چکا ہے، اور آپ کسی اور عالم میں ہیں، اور اس کے بعد آپ نے وحی کے الفاظ سنانے شروع کئے، ایک مرتبہ کفار نے اصحاب کہف اور ذوالقرنین کے متعلق سوال کیا، آپ نے وحی کا انتظار کیا، یہاں تک کہ کئی روز (پندرہ روز) گزر گئے اور کفار کو اعتراض کا موقع مل گیا، جب سورۂ کہف نازل ہوئی تب اس کا جواب آیا، اور اللہ تعالیٰ نے وہ قصہ سنایا، آپ نے اس طرح سنایا جیسے کوئی کتاب پڑھ کر سنائی جاتی ہے۔

وحی ونبوت کا فرق اساسی فرق ہے، ہمیں غیر مسلم بھائیوں اور غیر مسلم فضلاء سے زیادہ شکوہ نہیں کہ وہ وحی و نبوت کے عہد سے اتنے دور ہو چکے ہیں کہ ان کے مفہوم سے بھی بہت سے حضرات نا آشنا ہیں، بعثت محمدی سے پہلے خود عربوں کا یہی حال تھا، اس میں نہ کسی کی ذات کا انکار ہے اور نہ کسی کی نیت پر حملہ ہے، ایک تاریخی یا نفسیاتی تجزیہ ہے کہ جو شخص نبوت اور وحی کی حقیقت سے واقف نہیں اور یہ نہیں جانتا کہ اس کا کیا مرتبہ اور حق ہے اور اس سے کیا اثرات مرتب ہوتے ہیں، وہ اس چیز کی متقاضی ہے، وہ مسلمانوں کے بارے میں مشورہ دینے یا فیصلہ کرنے کا اخلاقی یا قانونی طور پر مجاز نہیں، عدالت میں پہلی بات یہ طے کی جاتی ہے کہ تمہیں بحث کرنے کا حق ہے یا نہیں؟ یہاں بڑے بڑے تجربہ کار قانون داں موجود ہیں، ان کو پہلے اپنی سند وکالت پیش کرنی ہوتی ہے، اگر معلوم ہے فاضل جج کو کہ یہ باقاعدہ قانون کے فاضل ہیں اور سند رکھتے ہیں وکالت کی، اور مقدموں میں آتے رہتے ہیں تو ضرورت نہیں، لیکن پہلی مرتبہ کوئی وکیل یا بیرسٹر جائے گا تو یہ اطمینان کیا جائے گا کہ یہ قانون کا طالب علم رہا ہے اور قانون کی سند اس کے

پاس ہے یا نہیں، پھر یہ دیکھا جائے گا کہ موکل نے بھی اس کو اپنا ترجمان بنایا ہے یا نہیں، لیکن دین کا معاملہ عجیب و غریب ہے کہ اس کی حقیقت معلوم کئے بغیر، اس کی تاریخ معلوم کئے بغیر، اس کی روح معلوم کئے بغیر ہر شخص اپنا حق سمجھتا ہے کہ اس کے بارے میں مشورہ دے، اور یہاں تک کہ ترمیم اور اصلاح کا مطالبہ کرے، اور اگر اس کو قبول نہیں کیا جاتا تو اس دین کے ماننے والوں پر جمود و جہالت کا الزام لگایا جاتا ہے اور ان کو کم عقل ثابت کیا جاتا ہے۔

میں اصلاً مذہب کا طالب علم ہوں، زیادہ سے زیادہ تاریخ و ادب کا طالب علم ہوں، میں کسی وقت یہ جرأت نہیں کرسکتا کہ کسی ایسے فن یا مسئلہ میں دخل دوں جس کے مبادی Fundamentals سے بھی ناواقف ہوں، اگر کوئی شخص سائنس کے مبادی، فزکس کے مبادی، یہاں تک ریاضی کے مبادی سے (جو روزمرہ کی ضرورت ہے) ناواقف ہے تو ایک معمولی پڑھا لکھا انسان اس کو اجازت نہیں دے سکتا کہ وہ یہ کہے کہ فلاں ماہر ریاضی نے یہ نتیجہ جو نکالا ہے غلط ہے! لیکن کیا مذہب ہی ایک ایسی چیز رہ گئی ہے کہ اس کے متعلق جس کا جی چاہے جس وقت جی چاہے اور جس انداز میں جی چاہے مشورہ دیا جائے، اس کی ترجمانی کی جائے، اور اس میں خامیاں نکالی جائیں اور اس میں ترمیمات پیش کی جائیں، ان سے پورے نظام علم پر اثر پڑے، عصر حاضر کا سارا نظام اعتماد و اختصاص پر چل رہا ہے، کیا مذہب ہی ایک ایسی چیز ہے، جس کے ماہرین خصوصی کی کوئی قیمت نہیں؟ پھر مذہب کی ایک زبان ہوتی ہے، مذہب کے اصطلاحات ہوتے ہیں، اس کے الفاظ کے اعماق (گہرائیاں) و آفاق (وسعتیں) ہوتے ہیں، ان کی نفسیات ہوتی ہیں، یہ ساری چیزیں جانے بغیر کوئی شخص بھی (خواہ وہ مسلمان ہو، غیر مسلم ہو اور کسی گروہ کا آدمی ہو) اگر کہتا ہے کہ صاحب! مسلمانوں کے عائلی قانون کا فلاں مسئلہ غلط ہے تو وہ اپنی حدود سے تجاوز کرتا ہے، وہ پورے سیاق و سباق سے ناواقف ہے، اس توازن و تناسب سے ناواقف ہے جس کا لحاظ رکھا گیا ہے، آپ یہ نہیں دیکھتے کہ اگر ایک عملی ڈھانچہ اور جامع ماحول کے متعلق سوچا جاتا ہے تو اس کو مجموعی طور پر دیکھنا ہوتا ہے، حالت یہ ہے کہ چوراہے پر کھڑے ہو کر (اور یہ اخبارات بھی ایک طرح کے چوراہے ہیں) جس کا جی چاہتا ہے قلم اٹھا کر لکھ دیتا ہے، اس سے ایک انارکی پیدا ہوتی ہے، ذہنی انارکی سیاسی انارکی سے کہیں زیادہ خطرناک ہے، آپ نے دیکھا ہو گا کہ ملکوں کی تاریخ میں پولیٹکل

انارکی سے پہلے مینٹل انارکی اور اخلاقی انتشار پیدا ہوتا ہے۔ اسلام کے بارے میں ذمہ دارانہ طور پر عرض کرسکتا ہوں کہ اس کا ایک طالب علم ہوں، فاضل نہیں کہتا لیکن مانا ہوا طالب علم ہوں، اور یہ بال اسی طالب علمی میں سفید ہوئے ہیں کہ دین کے متعلق پہلے اس حقیقت کو سمجھنے کی ضرورت ہے کہ اس کا تعلق وحی الٰہی سے ہے، شریعت آسمانی ہے، اس کے لانے والے پیغمبر ہیں، یہودی تک اپنے دین وملت کے بارے میں غیور واقع ہوئے ہیں، آپ کسی یہودی سے یہ کہہ کر دیکھئے کہ تمہارا یہ مسئلہ غلط ہے، تمہارا یہ قانون غلط ہے، تو وہ کہے گا کہ ہمارے قانون کا تعلق شریعت موسوی سے ہے، بائبل سے ہے، ہم تو اس کے پابند ہیں، ساری دنیا بھی اگر کہے کہ یہ غلط ہے تو ہم اسے ماننے کے لئے تیار نہیں، چنانچہ آج بھی اسرائیل کا پورا نظام معاشرت اور ان کا عائلی قانون اسی پر چل رہا ہے۔

یہودیوں کے ذکر پر مجھے ایک بات یاد آگئی، اسرائیل سے ایک پرچہ نکلتا تھا، اس میں ایک مقدمہ کی کارروائی تھی، اس میں ایک مضمون تھا کہ اسرائیل کے عرب مسلمان باشندوں نے اسرائیل کی عدالت عالیہ میں یہ رٹ دائر کی کہ ہمیں تعدد ازواج کی اجازت دی جائے، اس لئے کہ ہمارے یہاں تعدد ازواج کی اجازت ہے، فاضل جج نے وقت مانگا، اس نے کہا کہ اسلام کے جو اولین ماخذ ہیں اور جو کتابیں سند کا درجہ رکھتی ہیں، میں ان کا مطالعہ کروں گا، اسرائیل میں یہودیوں کی ایک بڑی تعداد عربی سے واقف ہے، وہ پہلے سے فلسطین میں رہتے تھے، وہ بے تکلف عربی بولتے ہیں، جج نے قرآن اور احادیث کا مطالعہ کیا، فقہ کی کتابوں کا مطالعہ کیا، اس نے اپنے فیصلہ میں لکھا کہ میں بداہتا اس نتیجہ پر پہنچا ہوں کہ تعدد ازواج کی قرآن وسنت اور اسلامی شریعت میں کھلی اجازت ہے اور ہم اس کا علمی وتاریخی طور پر انکار نہیں کرسکتے، لیکن چونکہ فلاں اسلامی ملک میں اس پر پابندی عائد کردی گئی ہے، اس لئے اسرائیل کو جو ایک غیر اسلامی ملک ہے اور شریعت اسلامی کا پابند نہیں، ضرور اس کا حق پہنچتا ہے کہ وہ یہاں کی مسلم آبادی پر پابندی عائد کرے۔

پھر اس مسئلہ پر ملک اور اہل ملک کی توانائیاں کیوں ضائع کی جارہی ہیں، ملک اور اہل ملک کی زندگی کا ایک ایک لمحہ قیمتی ہے، ملک کی تعمیر وترقی کے لئے یہ ضروری ہے کہ غیر ضروری ذہنی انتشار، بدگمانی اور خوف کی فضا ختم کی جائے، کوئی ملک اس طرح ترقی نہیں کرسکتا کہ اس کی

آبادی کے مختلف عناصر میں اپنے مستقبل کے بارے میں شکوک وشبہات ہوں، اور اس سے بڑھ کر ملک کے لئے بدخواہی نہیں ہو سکتی کہ وہ توانائی جو ملک کی سالمیت، اس کی حفاظت اور تعمیر و ترقی میں صرف ہونی چاہئے تھی وہ شکوک وشبہات کے رفع کرنے میں یا وہ شکوک وشبہات کی فضا میں زندگی گذارنے میں خرچ ہو، میں ایک قدم آگے بڑھا کر کہتا ہوں کہ اگر ہم اس اندیشہ میں مبتلا ہیں کہ ہماری آئندہ نسل ہماری طرح ان چیزوں کی معتقد اور ان پر یقین کرنے والی نہیں ہوگی، جن پر ہم اعتقاد رکھتے ہیں اور جو ہمارے لئے ضروری ہیں تو مسلمانوں کے اندر ایک تذبذب اور اندرونی انتشار کی وہ کیفیت پیدا ہوگی جو صرف مسلمانوں کے لئے مضر نہیں، ملک کے لئے بھی مضر ہے، یہ ہرگز دانشمندی کی بات نہیں ہے کہ جب ملک میں کوئی مصیبت نہیں آئی، کوئی سائیکلون نہیں ہے، کوئی ایمرجنسی کی کیفیت نہیں ہے، کوئی آسمان سے اولے یا گولے نہیں برس رہے ہیں، کسی نے اس لئے حملہ نہیں کیا ہے کہ آپ مسلمانوں کے پرسنل لاء میں تبدیلی کرائیے ورنہ ہم اس ملک پر قبضہ کرتے ہیں، پھر اس کیا وجہ ہے کہ وقتاً فوقتاً یہ آواز بلند ہوتی رہتی ہے کہ مسلم پرسنل لاء میں ترمیم کی جائے؟

۲۔ دوسری ضروری بات یہ ہے کہ دین اسلام کے دائرہ کو سمجھ لیا جائے۔ اس بارے میں مذاہب میں خود اختلاف ہے، اور اس میں درجوں کا فرق ہے، کئی مذہب ایسے ہیں کہ وحی و نبوت سے ان کا آغاز ہونے کے باوجود انہوں نے مذہبی زندگی کو ایک خاص دائرہ میں محدود کر لیا ہے۔ مثلاً عبادات کے دائرہ میں، لیکن اسلام کا معاملہ یہ نہیں ہے، اسلام میں دین کا دائرہ پوری زندگی پر محیط ہے، یہ ایک اساسی حقیقت ہے جو عبد و معبود کے تعلق کو سمجھے بغیر سمجھ میں نہیں آ سکتی، ہر مسلمان خدا کا فرمانبردار بندہ ہے، اور اس کا تعلق خدا سے دائمی ہے، عمومی ہے، عمیق بھی ہے اور وسیع بھی ہے، محدود بھی ہے، جامع بھی ہے، قرآن شریف میں ہے:

یاایها الذین آمنوا ادخلوا فی السلم کآفة ولا تتبعوا خطوات الشیطن انه لکم عدو مبین

(اے ایمان والو! اسلام میں پورے پورے داخل ہو جاؤ، اور شیطان کے پیچھے نہ چلو، وہ تو تمہارا صریح دشمن ہے۔)

یہاں تحفظ نہیں، رزرویشن نہیں کہ اتنا آپ کا، اتنا ہمارا، اتنا ملک، اتنا اسٹیٹ کا، اتنا خدا کا

اور اتنا خاندان کا اور قبیلہ کا، اتنا دین وملت کا اور اتنا سیاسی مفادات کا نہیں جو مذہب سب خدا کا ہے، یہاں سب عبادت ہی عبادت ہے، مسلمان کی پوری زندگی عبادت ہے، مسلمان کی پوری زندگی خدا کے سامنے عاجزانہ، غلامانہ ہے، اسلام خدا کے سامنے مکمل سپردگی اور اپنے کو بلاشرط حوالہ کرنے کا نام ہے Surrender وہ یہ نہیں کہہ سکتا کہ اس وقت وراثت میں ہمارے اقتصادی حالات کا تقاضہ کچھ اور ہے، یہاں کی مجبوریاں، یہاں کے تمدنی تقاضے، معیار زندگی اور ہمارے خاندان کی پچھلی تاریخ، یہ سب اس بات کے متقاضی ہیں کہ ہم وراثت تقسیم نہ کریں، ہم اس زمین کو اسی طرح باقی رکھیں، گھر سے لڑکیوں کو حصہ نہ دیں اس لئے کہ شادی کے بعد یہ حصہ ان کے شوہروں کو چلا جاتا ہے، اس کا بالکل اختیار نہیں، اس بات کو کہنے کی ضرورت ہے کہ دین کا دائرہ پوری زندگی پر حاوی ہے اور اس میں کسی کو بھی ترمیم کرنے کا حق نہیں، بڑی سے بڑی عدالت، بڑی سے بڑی قوت حاکمہ، بڑی سے بڑی ہیئت مقننہ اور بڑی سے بڑی دانش گاہ اور یہاں تک کہ بڑے سے بڑے مجتہد اور امام وقت کو بھی ان چیزوں میں جو قرآن مجید منصوص قطعی ہیں ایک انچ، ایک نقطہ کی ترمیم کرنے کی اجازت نہیں ہے، یہ ہمارے علماء بیٹھے ہوئے ہیں، ان کے سامنے کہہ رہا ہوں، اور اگر یہ بات غلط ہے تو ان کا دینی تبحر اور احساس فرض انہیں مجبور کرے گا کہ یہ میری تردید کریں۔

ان دو حقیقتوں کو اگر سمجھ لیا جائے کہ ایک تو یہ کہ دین ہمیں کہاں سے ملا ہے، پیغمبر کو بھی اس پر عمل کرنے کا حکم ہے، قرآن مجید میں صاف صاف آتا ہے۔

ثم جعلنک علی شریعة من الامر فاتبعها ولا تتبع اهواء الذین لایعلمون

(اے پیغمبر ﷺ) ہم نے آپ کو دین کے خاص طریقہ (شریعت) پر کردیا
ہے تو آپ اسی پر چلتے جائیے اور بے علموں کی خواہشوں کی پیروی نہ کیجئے۔)

کسی قوم اور کسی مذہب سے یہ کہا جا رہا ہے تو ہم سے کیسے مطالبہ کیا جا سکتا ہے
کہ ہم شریعت کو بدل دیں۔

یہ دو حقیقتیں ہیں جن کو سمجھنے کے بعد اس غلط فہمی کا پردہ چاک ہو جاتا ہے اور ایک نئی صورت حال کا مقابلہ کرنے اور اس پر اپنی ذہانت صرف کرنے سے نہیں چھٹی مل جاتی

ہے اور ملک وحکومت کو دوسرے ضروری کاموں کے لئے وقت بچ جاتا ہے۔

ہم سے کہا جاتا ہے کہ ہندوستان کی وحدت کے لئے، سالمیت کے لئے اور یکجہتی [illegible] شعور کے لئے ضروری ہے کہ یہ متحدہ عائلی قانون نافذ ہو، تو میں ایک سیدھی سی بات پوچھتا ہوں، اسکول کا بچہ بھی اس کا جواب دے سکتا ہے کہ پہلی جنگ عظیم جو ہوئی تھی، وہ اصلاً و ابتداءً برطانیہ اور جرمنی کے درمیان ہوئی تھی، جرمن اور انگریز دونوں نہ صرف یہ کہ مسیحی ہیں بلکہ پروٹسٹنٹ بھی ہیں، اور ان کا عائلی قانون بالکل ایک ہے، یہ کوئی بھی شخص معلوم کر سکتا ہے کہ جہاں تک عیسائی قانون کا تعلق ہے ایک ہے، پھر یہ دونوں قوموں کی [illegible] کیوں لڑے؟ اور [illegible] جنگ [illegible] طاقت [illegible] آزمائی اور قصہ [illegible] میدان [illegible] چاہتے تھا، پھر دوسری جنگ عظیم ہوئی اس میں بھی یہی حال تھا کہ جرمن اور [illegible] تہذیب بھی، عائلی قانون بھی، طرز معاشرت بھی ایک ہے، وہ اس طرح لڑتے رہے جیسے ایک دوسرے کے خون کے پیاسے ہوں، آپ عدالتوں میں بھی جا کر دیکھئے کہ جو مقدمے آتے ہیں، مسلمان مسلمان کے خلاف مدعی ہے، مسلمان مسلمان کا مدعی علیہ ہے، اور مسلمان مسلمان کی عزت وخاک میں ملا دینا چاہتا ہے، اس کے گھر پر ہل چلا دینا چاہتا ہے، جن دونوں کا عائلی قانون بھی ایک ہے، بعض وقت خون بھی ایک ہوتا ہے، دونوں فریق ایک ہی خاندان سے تعلق رکھتے ہیں، درحقیقت اختلافات اور دشمنیوں کا تعلق نفسانیت سے، دولت پرستی سے، جنون سے ہے، نفس پرستی اور مادیت سے ہے، اس کا تعلق خدا ناشناسی اور نصاب تعلیم سے ہے، جس نے اخلاقیات کو یکسر نظر انداز کر دیا ہے، اس کا تعلق عائلی قانون کے اختلاف سے نہیں ہے، میں ڈنکے کی چوٹ پر کہتا ہوں اور پیشین گوئی کرتا ہوں کہ عائلی قانون ایک ہو جانے سے اخلاقی صورت حال میں قطعاً ایک ذرہ کا فرق بھی نہیں پڑے گا، پھر کیوں بار بار اس کا حوالہ دیا جاتا ہے کہ یونیفارم سول کوڈ یکساں ہونا چاہئے تاکہ آپس میں اتحاد اور اخوت پیدا ہو۔

حضرات! جاننے والے جانتے ہیں کہ میرا اس گروہ اور خاندان سے تعلق ہے جس نے سب سے پہلے انگریزوں کے خلاف علم جہاد بلند کیا اور پیش از پیش حصہ لیا، ہندوستان کی یہ سرزمین خاص طور سے اس کی شہادت دیتی ہے کہ وہ ایمانی قافلہ [illegible] جاتے ہوئے [illegible] سے گزرا تھا، انہی خطوں بنگال سے روانہ ہوا تھا اور اپنے مستقر سے یہاں تک ایمان و توحید و سنت اور دینی حمیت

کی روشنی پھیلاتا ہوا آیا تھا، اسی نے سارے ہندوستان میں انگریزوں کے خلاف جہاد کی روح پھونک دی، قرآن کہتا ہے کہ تمہیں عصبیت بغض اس پر آمادہ نہ کرے کہ تم انصاف کا دامن ہاتھ سے جانے دو، اور تعصب اور حق پوشی سے کام لو۔

ولا یجرمنکم شنان قوم علی الا تعدلوا اعدلوا هو اقرب للتقوی

(اور لوگوں کی دشمنی تم کو اس بات پر آمادہ نہ کرے کہ انصاف چھوڑ دو، انصاف کیا کرو کہ یہی پرہیزگاری کی بات ہے۔)

انگریز اس بارے میں زیادہ حقیقت پسند تھے، انہوں نے جب ہندوستان میں حاکمانہ طریقہ پر قدم رکھا تو انہوں نے اچھی طرح یہ سمجھ لیا کہ مسلمانوں اور ہندوؤں کے عائلی قانون میں دخل نہیں دینا چاہئے۔ ان کو اس میں آزاد رکھنا چاہئے، اسی کے نتیجہ میں ہندوستان میں محمڈن لا کا اتنا بڑا کام ہوا، اسی کلکتہ کی سرزمین پر اور خاص طور پر یادش بخیر رائٹ آنریبل جسٹس سید امیر علی کے ہاتھوں اور سر عبدالرحیم وغیرہ کے ذریعہ ہوا۔ انگریزوں نے یہ کام بڑی عقلمندی سے کئے، انہوں نے اس بات کو پالیا کہ بے ضرورت جذبات مجروح نہیں کرنا چاہئے اور مشکلات نہیں پیدا کرنی چاہئیں، یہ ایک ایسی قوم کا طرز عمل ہوتا ہے جو حکمرانی کا تجربہ رکھتی ہے، انہوں نے دو باتیں طے کیں، ایک تو یہ کہ عائلی قانون اور مذہب میں مداخلت نہیں ہونی چاہئے، دوسری بات یہ کہ نظام تعلیم سیکولر ہونا چاہئے کہ بلی کے قصے پڑھاؤ مگر کسی دوسرے مذہب کی تلقین نہ کرو۔ ہم نے انگلش پرائمر اور ریڈریں پڑھی تھیں، ان میں شروع سے آخر تک یہ دیکھا کہ جنوں اور بھوتوں پریتوں تک کے قصے اور افسانے آئے، جانوروں کے قصے آئے لیکن کہیں یونانی رومن دیومالا کی بات، کرسچین میتھالوجی کی بات نہیں آئی، اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ایک اطمینان کی کیفیت رہی، وہ بنیادیں دوسری تھیں جن بنیادوں پر ہندوستان کے مسلمانوں نے اور دوسرے عناصر نے مل کر یہاں غلامی کا جوا اپنے سر سے اتار کر پھینک دیا اور جنگ آزادی لڑی، ان دونوں دانشمندانہ فیصلوں نے ان کی حکومتوں کی بقاء میں مدد کی اور اس کی مدت کو دراز کیا، ورنہ میں آپ کو یقین دلاتا ہوں، اپنے تاریخ کے مطالعہ کی روشنی میں کہتا ہوں کہ جو واقعہ ۱۸۵۷ء میں پیش آیا وہ ۱۷۵۷ء میں پیش آجانا چاہئے تھا۔ یہ سو برس سے زائد جو انہوں نے یہاں اطمینان سے حکومت کی، اس میں ان کی اس دانشمندی کو دخل ہے کہ باشندگان ملک

کی مذہبیات میں ان کے عائلی قانون میں دخل نہ دو، ان کے نظام تعلیم میں دخل نہ دو، ان کو سیکولر طریقہ سے پڑھاؤ، اپنے اپنے مذہب کے مطابق یہ عقیدہ رکھیں عمل کریں۔

میں یہ بھی عرض کرنا چاہتا ہوں کہ مسلمان اگر مسلم پرسنل لا، (شرعی عائلی قانون) میں تبدیلی قبول کرلیں گے تو آدھے مسلمان رہ جائیں گے، اور اس کے بعد خطرہ ہے کہ آدھے مسلمان بھی نہ رہیں۔ فلسفہ اخلاق، فلسفہ نفسیات اور فلسفہ مذاہب کا مطالعہ کرنے والے جانتے ہیں کہ مذہب کو اپنے مخصوص نظام معاشرت وتہذیب سے الگ نہیں کیا جاسکتا، دونوں کا ایسا فطری تعلق اور رابطہ ہے کہ معاشرت مذہب کے بغیر صحیح نہ رہ سکتی، اور مذہب معاشرت کے بغیر موثر ومحفوظ نہیں رہ سکتا، اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ مسجد میں آپ مسلمان ہیں (اور مسجد میں کتنی دیر مسلمان رہتا ہے اور اپنے سارے شوق عبادات کے باوجود؟) اور گھر میں مسلمان نہیں، اپنے معاملات میں مسلمان نہیں، اس لئے ہم اس کی بالکل اجازت نہیں دے سکتے کہ ہمارے اوپر کوئی دوسرا نظام معاشرت، نظام تمدن اور عائلی قانون مسلط کیا جائے، ہم اس کو دعوت ارتداد سمجھتے ہیں اور ہم اس کا اس طرح مقابلہ کریں گے، جیسے دعوت ارتداد کا مقابلہ کیا جانا چاہئے اور یہ ہمارا شہری، جمہوری اور دینی حق ہے، اور ہندوستان کا دستور اور جمہوری ملک کا آئین اور مفاد نہ صرف اس کی اجازت دیتا ہے، بلکہ اس کی ہمت افزائی کرتا ہے کہ جمہوریت کی بقا، اپنے حقوق کے تحفظ اور اظہار خیال کی آزادی اور ہر فرقہ اور اقلیت کے سکون واطمینان میں مضمر ہے۔

آخر میں آپ کے اس اعتماد واعزاز کا نیز آپ کی توجہ والتفات کا شکریہ ادا کرتا ہوں جس کا آپ نے مجھے اپنے خیالات کے بے لوث وآزادانہ طریقہ پیش کرنے کی اجازت دے کر اظہار فرمایا ہے۔

یہ مانا اصل شاہینی ہے تیری
تری آنکھوں میں بیباکی نہیں ہے
ترا اندیشہ افلاکی نہیں ہے
تری پرواز لولاکی نہیں ہے
(اقبالؒ)

وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین

اسلام میں اجتماعی اور ذاتی زندگی کا تصور

ذیل کا مضمون حضرت مولانا رحمۃ اللہ کی وہ تقریر ہے جو مدرسہ دینیہ غازی پور (ہندوستان) کے تاریخ ساز سالانہ جلسہ منعقدہ ۲۶ اپریل ۱۹۹۲ء کی شب میں ایک بجے شروع ہوئی۔

الحمد لله رب العالمين والصلوة والسلام على سيد المرسلين وخاتم النبيين محمد وآله وصحبه أجمعين أمابعد ، اعوذ بالله من الشيطان الرجيم بسم الله الرحمن الرحيم ، يايها الذين آمنوا ادخلوا فى السلم كافة ولا تتبعوا خطوات الشيطان انه لكم عدو مبين۔

حضرات! ابھی آپ کے سامنے جو خطبہ استقبالیہ پڑھا گیا ہے، اس میں میرے خاندان کا اور میرے بزرگوں کا جو تعلق رہا ہے، وہ قابل قدر ہے اور میرے لئے بھی فخر کی بات ہے، آپ حضرات نے جس محبت واحترام اور بردارنوازی کا ثبوت دیا ہے، اس کا تقاضہ ہے کہ میں بھی آپ کی خدمت میں وہ چیز پیش کروں جو بہتر سے بہتر تحفہ ہو، آپ نے میری خاطر داری میں کوئی کسر نہیں اٹھا رکھی، محبت سے پیش آئے، اس لئے احسان شناسی کا، تشکر اور شرافت کا، یہ تقاضہ ہے کہ اپنے میزبانوں کے لئے جو قیمتی سے قیمتی چیز ہو وہ پیش کروں جو عمر بھر کے لئے اجتماعی زندگی کے لئے ذاتی زندگی کے لئے، قومی زندگی اور نمونہ کی زندگی کے لئے کافی ہو۔

آپ کے سامنے میں نے ابھی قرآن حکیم کی ایک آیت پڑھی ہے جس میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے، اے ایمان والو! اسلام میں پورے کے پورے داخل ہو جاؤ اور شیطان کے نقش قدم کی پیروی نہ کرو، اسلام کا مطالبہ ہے کہ سو فیصدی مسلمان سو فیصدی اسلام میں داخل ہو جائیں۔ ان الفاظ پر آپ غور کریں، مطالبہ ان سے ہے جو ایمان والے ہیں، کلمہ پڑھنے والے ہیں، اسلام کو اپنا مذہب بنانے والے ہیں، مطالبہ دس بیس یا پچاس فیصدی سے نہیں ہے بلکہ سو فیصدی سے ہے، اسلام کہتا ہے کہ سو فیصدی مسلمان جنہوں نے کلمہ پڑھ لیا اور اعلان کر دیا کہ

ہم مسلمان ہیں بس ان پر اسلام کا قانون لاگو ہو گیا، کوئی استثنا نہیں، کسی قسم کا ریزرویشن یا [illegible] نہیں، اسلام کے قوانین پر اور ضوابط پر عمل کرنا ہوگا، مسلمان جتنی سو فیصدی اور اسلام جتنی سو فیصدی، کسی کو یہ کہنے کا حق نہیں ہے کہ اسلام بحیثیت عقیدہ کے مقبول ہے، لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ پر ہمارا ایمان ہے لیکن فرائض کے مقابلہ میں ذرا استثناء چاہیے کیونکہ ہم بہت مشغول ہیں، بڑی محنت سے کمانا پڑتا ہے، بڑی محنت سے اپنی اور اپنے گھر والوں کی گذر اوقات کا سامان کرنا پڑتا ہے، یہ پانچ وقت کی نمازیں ہمارے اوپر بڑی بھاری ہیں، اس میں تھوڑی سی رعایت کر دیجئے، ہم مغرب اور عشاء کی نماز دفتر سے آکر پڑھ لیا کریں گے، فجر کی نماز سب سے زیادہ مشکل ہے، رات میں بہت دیر سے سونا ہوتا ہے اور دو ہی تین گھنٹوں کے بعد فجر کا وقت ہوتا ہے، ظہر کی نماز کا وقت خاص کاروبار کا وقت ہوتا ہے، اگر ہم طالب علم ہیں تو اسکول کالج میں ہیں، لیکچرر یا پروفیسر ہیں تو یونیورسٹی میں ہیں، اگر ہم دفتر کے ملازم ہیں یا تاجر ہیں تو یہی وقت بڑی مصروفیت کا ہوتا ہے لین دین کا خرید و فروخت کا ہے، ظہر و عصر کا وقت بازاروں کی رونق کا وقت ہے، سانس لینے کا بھی موقع نہیں ملتا، لہٰذا ہمیں اس سے مستثنیٰ کر دیں، ہمارے لئے یہ پانچوں وقت کی پابندی بہت مشکل ہے، بیشک ہم مسلمان ہیں، لیکن ہمیں اس میں کچھ رعایت چاہئے، سن لیجئے کہ اسلام اس کی اجازت نہیں دیتا، قرآن مجید میں صاف لکھا ہوا ہے کہ نماز سب پر فرض ہے، وقت کی پابندی کے ساتھ، فجر کی نماز سورج نکلنے سے پہلے ظہر کی زوال کے بعد، عصر کی غروب سے پہلے اور مغرب کی سورج غروب ہونے کے بعد، عشاء کی نماز جب عشاء کا وقت داخل ہو جائے، اگر کوئی یہ کہے کہ ٹھیک ہے نمازیں بہت ضروری ہیں اور اس میں استثنا بھی نہیں ہے، مگر یہ روزے تو بہت مشکل ہیں، اس کے رکھنے سے آدمی کمزور ہو جاتا ہے، صحت خراب ہو جاتی ہے، اور ہماری تو صحت یوں ہی اکثر خراب رہتی ہے، اور پھر یہ زمانہ ہے مشغولیت کا، یہ موسم ہے گرمی کا، اس میں تو روزوں کی پابندی کسی طرح ممکن نہیں ہے۔

ابھی مجھے ایک لطیفہ یاد آیا، ہم ایک بار مسلم پرسنل لاء کے سلسلہ میں راجیو جی سے ملنے گئے، ہم نے ان سے کہا کہ بات کو کسی نتیجہ تک پہنچا دیجئے، کیونکہ روزہ آنے والا ہے، رمضان میں پھر آنا بہت مشکل ہوگا، راجیو جی شریف خاندان کے آدمی تھے، انھوں نے بڑے بھولے پن سے کہا، مولانا صاحب آپ روزہ جاڑوں میں کیوں نہیں رکھتے، میں نے فوراً ان سے کہا، یہ

بات اب کسی سے نہ کہئے گا ورنہ پرسنل لاء سے بڑھ کر دوسرا مسئلہ اٹھ جائے گا، واویلا مچ جائے گا، ہو سکتا ہے بات پریس میں آجائے کہ راجیو جی نے مولانا علی میاں سے کہا ہے کہ مسلمان اپنے روزے جاڑوں کے موسم میں ہی رکھا کریں روزہ تو اپنے وقت ہی سے ہوگا چاہے گرمی میں ہو یا جاڑے میں یا برسات میں، سب کو رکھنا ہوگا اور اس کے وقت پر رکھنا ہوگا، کوئی صاحب یہ فرمائیں کہ زکوٰۃ کا مسئلہ بڑا ٹیڑھا ہے، سال کے آخر میں ہمارے مال پر، دولت پر ایک ایک پائی جوڑ کر زکوٰۃ نکالی جائے، یہ تو بہت مشکل ہے، ہمیں تو اس سے معاف ہی رکھئے، ہم یہ عرض کریں گے کہ اسلام کے چار ارکان میں سے زکوٰۃ بھی ایک رکن ہے، اسلام کی عمارت اس پر ٹکی ہوئی ہے، اس عمارت کو آپ کمزور کیوں کرتے ہیں، اس کے بعد حج کا معاملہ آتا ہے، اتنا لمبا سفر اور اتنے کثیر اخراجات، جان کا خطرہ الگ، فی زمانہ کوئی زیادہ خطرہ نہیں ہے، لیکن ایک زمانہ تھا کہ ہندوستان کے مسلمان نے سمندری سفر کے خطرات کی وجہ سے حج ترک کردیا تھا اور بعض علماء نے یہ فیصلہ دے دیا تھا کہ حج ہندوستان کے مسلمان پر فرض نہیں ہے، ابھی خطبہ استقبالیہ پر بھی تذکرہ کیا گیا کہ حضرت سید احمد شہید رحمۃ اللہ علیہ نے مقدس حج کے فریضہ کو دوبارہ شروع کیا، زندہ کیا، اس زمانہ میں بادبانی جہاز تھے، اس میں چادریں لادی جاتی تھیں، ہوا کے رخ پر وہ جہاز چلتے تھے، اتنا وقت لگتا تھا کہ بعض مرتبہ حج کا وقت نکل جاتا تھا، بعض مرتبہ ایسا بھی ہوتا تھا کہ ہوا ان بادبانی جہازوں کو کہیں اور پہنچا دیتی تھی، حضرت سید احمد شہید نے یہ خطرہ محسوس کیا کہ کہیں حج کی رسم ہی ہندوستان سے ختم نہ ہوجائے اس لئے آپ نے حج کے سفر کا ارادہ کیا، فیصلہ اور اعلان کردیا کہ جس کا دل چاہے ہمارے ساتھ حج کے لئے چلے، جیسے بھی ہوگا محنت مزدوری کرنی پڑے گی تو کریں گے، مگر حج ضروری کریں گے، جو لوگ جائیں گے، ان کا کھانا پینا ہمارے ذمہ ہوگا، رائے بریلی سید صاحب کلکتہ آئے، کشتی سے ہوتے ہوئے غازی پور آئے اور پھر واپسی میں غازی پور سے گذرنا ہوا، انھوں نے حج کے فریضہ کو زندہ کرنے کے لئے اتنا بڑا اقدام کیا، جس کی کوئی نظیر ہندوستان کی تاریخ میں، بادشاہوں کی زندگیوں میں، بزرگوں کے حالات میں نہیں ملتی، اتنی بڑی تعداد میں لوگوں نے حج کا سفر کیا ہو، اس کی کوئی تاریخ ہمیں نہیں ملتی، میں تاریخ کا طالب علم ہوں اور تاریخ نگار بھی، میں کہہ سکتا ہوں کہ ہندوستان کی تاریخ میں کہیں نہیں ملا کہ اتنی بڑی جماعت کے ساتھ کسی نے حج کیا ہو۔

جب سید صاحب کلکتہ پہونچے تو یہ حالت تھی کہ انگریز تک تماشہ دیکھنے آئے، مکانات کی چھتوں پر چڑھ کر دیکھ رہے تھے، کہ آخر کیا بات ہے، یہ کون لوگ ہیں، سات سو آٹھ سو آدمیوں کا کھانا سید صاحب کے ذمہ تھا، لوگ توبہ کر رہے ہیں، لوگ اسلام لا رہے ہیں، عجیب منظر تھا، گویا ایک زلزلہ سا آ گیا تھا، دینی زلزلہ، روحانی زلزلہ۔

ہماری گفتگو اور ہمارے دلائل میں مطمئن ہو کر اگر کوئی صاحب یہ فرمانے لگیں کہ مولانا صاحب آپ کی باتیں ٹھیک ہیں، ہم سے نمازوں یا روزوں کی ادائیگی و پابندی میں کوتاہی ہو جائے، سستی ہو جائے لیکن ہم بہرحال مانتے ہیں کہ یہ اسلام کے فرائض ہیں لیکن یہ بھی خیال کیجئے کہ یہ ہماری شہری زندگی ہے، یہ ہمارے معاشرتی طریقے ہیں، برادرانہ زندگی ہے، پڑوس سے معاملات ہیں، برادران وطن سے ہمارے کچھ تعلقات ہیں، ہمارے خاندان کے کچھ مخصوص رسم و رواج ہیں، ہماری برادری سے کچھ رشتے اور کچھ ضوابط ہیں، ہماری حیثیت عرفی ہے، کچھ تقاضے ہیں، ہم ایک SOCIOL CLASS سے تعلق رکھتے ہیں، اس لئے ہمیں کم از کم شادی بیاہ اپنے ڈھنگ سے اور اپنی پسند سے کرنے دیجئے، اگر آپ بڑے گھرانے سے تعلق رکھتے ہیں تو خوب دھوم سے شاندار شادی کریں گے، ہزاروں لوگوں کو شادی میں بلائیں گے، سینکڑوں لوگ بارات میں آئیں گے، لڑکی کو اتنا جہیز دیں گے اور اپنی دولت و ثروت کا ایسا مظاہرہ کریں گے کہ سب حیران رہ جائیں گے، ولیمہ کی دعوت میں آسمان سر پر ہو، آپ یہ [illegible] کہ ایسے موقعوں پر ہمارے اوپر کوئی پابندی نہ لگائی جائے، ہم جو چاہیں کریں، جیسے چاہیں کریں، [illegible] پڑے، کھیت بیچنا پڑے تو کوئی مضائقہ نہیں، کوئی ہمارے آڑے نہ آئے؛ میں آپ کو بتاتا ہوں، اسلام اس کی اجازت بالکل نہیں دیتا، اسلام نے زندگی کا ایک طریقہ متعین کیا ہے، عبادات کا ایک ضابطہ مقرر کیا ہے، آپ اس سے باہر نہیں نکل سکتے، پتہ نہیں پھر یہ [illegible] ہو یا نہ ہو، صحت کا اعتبار نہیں، زندگی کا اعتبار نہیں، ضعیف ہو یا جوان، اس لئے خیر خواہی کے جذبہ سے جو چیز مسلمانوں کے لئے بہتر سمجھتا ہوں کہہ رہا ہوں تاکہ میرا سفر رائیگاں نہ جائے، محنت وصول ہو جائے، آپ نے میرے ساتھ جو کریمانہ، عزیزانہ، برادرانہ اور شریفانہ سلوک کیا اس کا کچھ شکریہ ادا ہو سکے، اگر میری بات ذرا سخت معلوم ہو تو آپ معاف کر دیں گے، کہیں آپ یہ نہ سوچنے لگیں کہ ہم تو آئے تھے کچھ اور سننے کے لئے، صحابہ کے

واقعات، بزرگوں کی کرامات، علمی نکتے سننے کے لئے آئے تھے، تو خدا کا شکر ہے یہ چیزیں ہمارے لئے کچھ مشکل نہیں ہیں، علمی مرکز سے ہمارا تعلق ہے، دوسری ملکوں میں جانا ہوتا ہے، یونیورسٹیوں کی سطح کے مطابق ان کی اکیڈمی کی سطح کے مطابق تقریریں کرنی ہوتی ہیں، مگر میں اس وقت آپ سے صاف صاف اور کھری کھری باتیں کرنا چاہتا ہوں، بہت ایمانداری اور دیانتداری کے ساتھ کہہ رہا ہوں کہ اسلام ایک ضابطہ حیات ہے، اس میں استثنا ہے ہی نہیں، یہ نہیں ہوسکتا کہ عبادات میں تو آپ مسلمان رہیں مگر معاملات میں کچھ اور بن جائیں، آپ کو یہ مطالبہ کرنے کا حق نہیں ہے کہ عائلی قانون، پرسنل لا میں SOCIAL LIFE آزادی کا مظاہرہ کریں، جس طریقہ سے چاہیں رہیں، اسی طرح آپ یہ نہیں کہہ سکتے کہ ماں باپ بھائی بہن کے حقوق ادا کرنا، بیوی کے حقوق ادا کرنا، پڑوسیوں کے ساتھ اچھے تعلقات قائم رکھنا اور اتنے بڑے قانون و دستور اور ضابطہ حیات کی پابندی کرنا ہمارے بس کی بات نہیں ہے۔

اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں ارشاد فرمایا، ادخلو فی السم كافة، اسلام میں پورے پورے داخل ہو جاؤ، قرآن کا یہ اعجاز ہے کہ لفظ اسلام کی جگہ سلم کا استعمال کیا، یہ س ل م اسلام کے اصلی حروف ہیں، سلم کا مطلب ہے SURRENDER کرنا یعنی سپردگی، اسلام حوالگی کا نام ہے، یعنی ہماری مصلحت، ہماری خواہش، ہمارا مفاد، ہماری روایات، ہمارا طرز زندگی قدیم، ہماری تاریخ یہ چیزیں کوئی سند نہیں ہیں، ہم خدا کے بندے ہیں، اسلام کو بحیثیت دین کے ماننے والے ہیں، رسولؐ کے ماننے والے ہیں، اسلامی قوانین کو، اسلام طریقہ زندگی کو قبول کرنے والے ہیں، اور اس کے تمام شعبوں کے ساتھ قبول کریں، وعظوں اور جلسوں میں باتیں کم کہی جاتی ہیں، وہ باتیں جو دل کو خوش کرنے والی ہیں، معلومات میں اضافہ کرنے والی ہیں، خطیب کے دھاک بٹھانے والی ہیں، ان کا رعب جمانے والی ہیں، وہ کہی جاتی ہیں، مگر روزمرہ کی باتیں، عملی باتیں کم کہی جاتی ہیں۔

میں نے اپنی تقریر کے آغاز میں جو آیت پڑھی تھی اس کی تشریح آپ کے سامنے کر رہا ہوں اور چاہتا ہوں کہ قرآن کا پیغام آپ کے دل میں اتر جائے، آپ کی زندگی میں انقلاب آ جائے، آپ کی فکر اور سوچ بدل جائے، اسی لئے میں بار بار یہ فقرہ دہرا رہا ہوں کہ مسلمان سو فیصدی مسلمان بن جائیں، وقتی مسلمان نہیں، دائمی مسلمان، ہر وقت مسلمان ہر جگہ مسلمان،

مسلمانوں میں ایک طبقہ ہے جو اعلیٰ تعلیم یافتہ ہے، اس نے اپنا الگ معاشرہ بنا رکھا ہے، اپنی مرضی کے مطابق اپنی علمی سطح کے مطابق، وہ قدم قدم پر رعایت اور ریزرویشن چاہتا ہے، ایسا نہیں ہوسکتا کہ غریب طبقہ یا متوسط طبقہ کے مسلمانوں کے ساتھ اسلام کا جو معاملہ یا مطالبہ ہے، وہ خوش حال طبقہ کے مسلمانوں کے ساتھ نہ ہو، اعلیٰ سطح کے جو لوگ ہیں، ان کے لئے اسلام کا کوئی دوسرا ایڈیشن تیار کیا جائے، ان کو چھوڑ دیا جائے، کہ وہ جس طرح چاہیں رہیں نہیں، ایسا کیسے ہوسکتا ہے کہ پاؤں کو مسجد کے اندر رکھ دیا اور سارا دھڑ باہر کر دیا، مسجد کے کنارے کھڑے ہیں اور نہ وضو سے مطلب نہ نماز سے مطلب اور کہتے یہ ہیں کہ دیکھئے ہم مسجد میں داخل ہونے کا جو حق ہے، جو فریضہ ہے، مسجد جس چیز کا مطالبہ کرتے ہے، جس مقصد کیلئے بنائی گئی ہے، اس کو پورا کیجئے۔

میرے بھائیو: اسلام ایک مکمل دین اور مکمل ضابطہ حیات ہے اور یہ دین اللہ کی طرف سے اتارا گیا ہے، اس کو عقل پر مصلحتوں پر اور اس ملک کے ماحول پر نہیں چھوڑا گیا، ورنہ پھر یہ ہوتا کہ ہندوستان کا اسلام کچھ اور ہوتا مصر کا کچھ اور ہوتا، سعودی عرب کا اسلام اور ہوتا، انگلینڈ کا اور امریکہ کا دوسرا ہوتا، اسلام کے ماڈل دنیا میں الگ الگ ہوتے، آپ آنکھ بند کر کے دنیا کے آخری کونے میں چلے جائیے، جہاں مسلمان ہیں نماز کا وقت آئے، یہی نہیں کہ وہاں نماز پڑھ سکتے ہیں بلکہ بے تکلف پڑھا بھی سکتے ہیں، کتنے ہندوستانی ہیں جو عرب ممالک میں امام ہیں، ہمارے کتنے مدرس عرب گئے، فضلاء گئے ہیں، خطبہ دیتے ہیں، حج کرتے ہیں، وہاں حج کے طریقے بتاتے ہیں، یہ اسلام ہی کی خصوصیت ہے، ہم مراقش گئے، دمشق گئے، تو وہاں یونیورسٹی کی مسجد میں جمعہ کے دن ہم سے نماز پڑھانے کے لئے کہا گیا، ہم نے وہاں نماز پڑھائی، خطبہ دیا، ہمیں نہیں سوچنا پڑا کہ یہاں کس طرح نماز پڑھی جاتی ہے، اور کیا کیا کرنا پڑتا ہے، ہمیں نہیں پوچھنا پڑا کہ یہاں خطبہ نماز سے پہلے دیا جاتا ہے یا بعد میں، یہی ایک دین جس کو گائیڈ بک کی ضرورت نہیں ہے، اسلام ایک آفاقی اور عالمی دین ہے، اسلام ایک UNIVERSAL LAW ہے، جو چیز اچھی ہے، ہر جگہ اچھی ہے، جو چیز بری ہے، ہر جگہ بری ہے، جو حرام ہے ہر جگہ حرام ہے، ایسا ہرگز نہیں کہ جو چیز ایک جگہ حرام ہے دوسری جگہ حلال اور جائز قرار دیدی جائے۔

آج کل مسلمانوں نے لاٹری خریدنا شروع کر دیا ہے، جوا کھیلنا، نشہ آور چیزیں استعمال کرنا، سینما اور ٹی وی دغیرہ کا تو ذکر ہی کیا، یہ سب برائی ہیں خرابی کی جڑ ہیں۔

ایک بات اور سمجھانا چاہتا ہوں، اسلام جغرافیائی تغیر کا قائل ہے نہ تاریخی تغیر کا، یہ بھی سمجھنے کی ضرورت ہے کہ اسلام میں ایسی کوئی تفریق نہیں ہے کہ ایک طبقہ کا دین کچھ ہے اور دوسرے طبقہ کا دین کچھ اور ہے، قدیم مسلم گھرانوں کا دین کچھ اور ہے، نئے نئے اسلام میں داخل ہونے والوں کا کچھ اور ہے، دین اسلام وہی ایک دین ہے جو اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم لے کر آئے، یہ دین عالمی ہے، دائمی ہے، ابدی ہے، اور روحانی و مکانی وطبقاتی ہے، اس دین میں کسی کے لئے کسی قسم کی چھوٹ نہیں ہے، خلفاء راشدین تھے، سلاطین تھے، ہارون رشید ہوں، عالمگیر ہوں، شاہ جہاں ہوں اور کوئی اور بڑے سے بڑا بادشاہ رہا ہو سب کے لئے ایک دین تھا، وہی فرائض، وہی ارکان، وہی اسلامی تہذیب، سلام سب کا ایک یعنی السلام علیکم وعلیکم السلام، یہ نہیں کہ اداب عرض کہہ دیا یا ہاتھ اٹھا دیا، اسلام نے پوری دنیا کے لئے ایک نقشہ بنا دیا ہے، قرآن موجود ہے حدیث موجودہ ہے، سیرت موجود ہے، تاریخ موجود ہے مسلمان چودہ سو سال سے اسی پر چل رہے ہیں، یہی دنیا کا تنہا دین ہے، جس کی شکل اب تک نہیں بدلی ہے، دوسرے مذاہب والوں نے یہ اعتراف کیا ہے کہ ہمارا مذہب وہ مذہب نہیں ہے جو ہمارے پیغمبر لائے تھے، ابھی ایک کتاب شائع ہوئی ہے (ISLAM OF THE TRUE CHRISTIANITY) جس کا تعلق حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی شخصیت سے ہے، یہ ایک عیسائی کی تصنیف ہے، اس کتاب کے مصنف نے بھی اعتراف کیا ہے کہ موجودہ CHRISTIANITY سینٹ پال کی بنائی ہوئی ہے، رومن میتھالوجی ہے، حضرت عیسیٰ کو صلیب پر لٹکایا جانا یا اسی طرح کی دوسری چیزیں سینٹ پال کی گڑھی ہوئی ہیں، اصلی مسیحیت اسلام کے مطابق تھی، اس کو تبدیل کیا گیا ہے، اسلام واحد مذہب ہے جس میں کوئی ردو بدل نہیں کیا گیا، اپنے ORIGINAL FORM میں آج بھی موجود ہے، حضرت مولانا سید سلیمان ندوی نے مجھے اپنے ایک خط میں لکھا تھا کہ ہندوستان اکالۃ الامم یعنی قوموں کو کھا جانے والا ہے، یہاں جو چیزیں پہنچی ہیں وہ تحلیل ہو جاتی ہیں، اپنی اصلی شکل کھو دیتی ہیں، یہاں کتنے ہی ایسے مذاہب ہیں جنھوں نے یہاں گھل مل کر اپنی شکل کو کھو دیا، ان کو پہچاننا مشکل ہے، ہندوستان میں آ کر کچھ سے کچھ ہو گئے، اسلام الحمد للہ

اپنی پوری شکل میں موجود ہے، ہم یہاں سے مصمم ارادہ کر کے اٹھیں کہ ہم سو فیصدی مسلمان سو فیصدی اسلام میں داخل ہوں، یہ نہیں کہ آدھا اسلام ہو اور آدھا اپنے زمانے کا رسم و رواج ہو، مصلحتیں ہوں، زمانے کے تقاضے ہوں، یہ نہیں ہو سکتا، کہ ہم ہندوستان میں رہیں تو یہاں کی قوموں کی تقلید بھی کریں، ان کا بھی رنگ قبول کریں ان کے ہمرنگ ہو جائیں، جس طرح دوسرے لوگ بیاہ شادی کرتے ہیں ہم بھی کرنے لگیں، فرق و امتیاز باقی رکھنا پڑے گا، گھریلو زندگی ہو یا تجارت کا میدان، زراعت ہو یا صنعت و حرفت، قانون ہو یا معاشرتی زندگی، شادی بیاہ کی تقریبات ہوں یا غمی کی، ہر موقع پر ہمیں یہ دیکھنا پڑے گا کہ اسلام کیا چاہتا ہے، ہمیں کسی وقت بھی من مانی کرنے کی اجازت نہیں ہے، **ان صلوتی ونسکی ومحیای ومماتی لله رب العالمین** ، ہماری نمازیں ہماری عبادتیں اور ہمارا جینا اور مرنا سب اللہ ہی کے لئے ہے۔

یہی حضرت سید احمد شہیدؒ کا پیغام تھا، اسی پیغام کو لے کر وہ غازی پور آئے تھے اور اس شہر کے لوگوں نے اس کو قبول کیا تھا، الحمد للہ اس کے اثرات اب بھی پائے جاتے ہیں، ہمارے خاندان کے بزرگوں کا اس سرزمین سے جو تعلق رہا ہے، اس کو بیان کرنے کی ضرورت نہیں ہے، آپ اچھی طرح واقف ہیں، اور ابھی جو خطبہ استقبالیہ پڑھا گیا ہے، اس میں اس کا تفصیل سے ذکر کیا گیا ہے، اس شہر نے حضرت سید صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا جس طرح استقبال کیا اور ان سے فائدہ اٹھایا، اس کی نظیر کم ملتی ہے، آپ نے اس تعلق اور رشتہ کو زندہ کیا، اور مجھے آنکھوں پر بٹھایا، اس کے لئے میں آپ کا شکریہ ادا کرتا ہوں اور بطور تحفہ یہ واقعہ نقل کرتا ہوں، رائے بریلی میں تکیہ پر حضرت سید احمد شہیدؒ کی جو مسجد ہے وہ بلندی پر ہے، اس کے نیچے دریا بہتا ہے، اس کے کنارے ایک پتھر لگا ہوا ہے جو ڈیڑھ سو سال پہلے لگایا گیا تھا، جس کو سید صاحب آپ کے اسی شہر سے لے گئے تھے اور وضو کے لئے وہاں نصب کیا تھا، حضرت سید صاحب اس پر بیٹھ کر وضو کیا کرتے تھے ہمیں بھی کرنے کی سعادت نصیب ہوئی ہے، غازی پور وہاں بھی موجود ہے، غازی پور کا تحفہ اور تبرک وہاں آج بھی دیکھا جا سکتا ہے۔

مجھے خوشی ہے کہ غازی پور کی بعض برادریوں نے شادی بیاہ میں فضول خرچی، دکھاوے اور جہیز کی لعنت سے بچنے کا فیصلہ کر لیا ہے، اور سادگی کے ساتھ چار پانچ آدمی لڑکی کے گھر جاتے ہیں اور نکاح پڑھا کر دلہن لاتے ہیں، ہماری دعا ہے کہ پورے ہندوستان میں اس

کی تقلید کی جائے۔

آج اسلامی قوانین میں مداخلت ہو رہی ہے، ہمارے پرسنل لا پر حملے ہو رہے ہیں، یہ ایک طرح کی سزا ہے، جو ہمیں مل رہی ہے، کیونکہ ہم نے خود اسلام کے قوانین کو پس پشت ڈال کر من مانی حرکتیں شروع کر دی ہیں، ہم خود اس میں ترمیم کرتے ہیں، ہم خود عمل نہیں کرتے، دوسروں سے کیا کہیں۔

ہم مسلم پرسنل لا بورڈ کے ایک خادم اور ترجمان کی حیثیت سے صاف صاف کہتے ہیں کہ ہم نہ حکومت کو اس کا حق دیتے ہیں، نہ عدالت کو اجازت دیتے ہیں کہ وہ ہمارے قانون جو فی الاصل خدا کا قانون ہے جس پر ہم ایمان لائے ہیں اس میں کسی قسم کی ترمیم یا ردوبدل کرے۔

اللہ عمل کی توفیق عطا فرمائے۔ وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین۔

ایک المناک حقیقت
اور
اس کے ازالہ کے لئے امکانی جدوجہد

جن سامعین کی ممالک اسلامیہ اور دول عربیہ (ممالک عربیہ) کے موجودہ حالات پر وسیع اور گہری نظر ہے، ان کو براہ راست وہاں کا سفر کرنے اور کبھی کبھی معتد بہ قیام کرنے کی نوبت آئی ہے، یا وہاں کے اخبارات ورسائل اور وہاں سے شائع ہونے والے لٹریچر پر ان کی مسلسل اور گہری نظر ہے اور اس کے ساتھ ان ملکوں کے "انتظامیہ"، اور حکمران جماعتوں یا قانون ساز اداروں کے رجحانات، اقدامات، اعلانات اور تشکیل نو کے منصوبوں اور عزائم سے واقف ہونے کا ان کو موقع ملتا ہے وہ اس حقیقت سے واقف ہیں کہ ان ملکوں کے اصحاب اقتدار (اور کسی حد تک سامعین واہل فکر) میں کچھ عرصہ سے "اسلامی اقتدار کے لئے جدوجہد"، سے ایک خوف وہراس، نزاکت احساس، جس کو ہم ادبا اگر "توہم" و "اختلاج" سے تعبیر نہ کریں تو ضرورت سے زیادہ "احساس خطر" اور شدت اندیشہ سے تعبیر کر سکتے ہیں، یہ طرز فکر اور نفسیاتی کیفیت بڑھتے بڑھتے اس حد تک پہنچ گئی ہے کہ وہ اسلام کے حدود وتعزیرات کے نافذ کرنے کا مطالبہ، معاشرہ کو اسلامی قالب میں ڈھالنے، نظام تعلیم، ذرائع ابلاغ، اور قانون سازی کو شریعت کے تابع بنانے کی تحریک ودعوت اور سعی وجدوجہد سے خائف ہونے پر منحصر نہیں رہ گئی ہے، کہیں عام دینداری، فرائض کی شدت واہتمام سے ادائی، مغربی تہذیب کی تقلید سے بیزاری، بعض اہم اسلامی شعائر کے اعلان واحترام کے مظاہرہ ومطالبہ سے بھی خائف ہونے کی حد شروع ہوگئی ہے، اور اس حقیقت کے شاہد بعض عرب ملکوں کے وہ اعلانات و اقدامات ہیں، جن کا ذکر کرنے سے ندامت وشرمندگی کے علاوہ اس بات کا بھی اندیشہ پیدا ہوتا ہے، کہ غیر اسلامی ملکوں اور خصوصاً برصغیر ہند میں مسلمانوں کو مذہبی آزادی دینے میں فرق نہ پڑ جائے، اوران کے بعض فرائض شرعی اور قوانین اسلامی (مثلاً مسلمانوں کے اپنے عائلی

قانون (PERSONAL LAW) پر عمل کرنے کی مخالفت اور اس کے بالمقابل ان کو غیر اسلامی قانون کے تابع بنانے، مثلاً یونیفارم سول کوڈ (UNEFORM CIVIL CODE) کے نافذ کرنے کا جواز نہ پیدا ہو جائے، جس کو مسلمانوں نے اپنی عمومی جدوجہد اور ہمہ گیر تحریک کے ذریعہ ناکام بنا دیا تھا، اور پارلیمنٹ نے سپریم کورٹ کے فیصلہ کے خلاف مسلمانوں کے عائلی قانون کی بقا اور تحفظ کا فیصلہ کیا تھا، جس کی تفصیل گزر چکی ہے۔

اس غیر طبعی اور غیر شرعی صورت حال کے پیدا ہونے کے متعدد اسباب ہیں، جن میں سے چند کو یہاں ذکر کرتا ہوں۔

ا۔ اولاً مغربی نظام تعلیم جس کے نتیجہ میں بالخصوص اوپر کے مراحل میں تعلیم پانے والے نوجوانوں میں (جن کے ہاتھ میں ملک کا اقتدار آنے والا ہے، اور وہی عام طور پر کرسی حکومت پر متمکن ہیں) اپنے دین، شریعت، تہذیب اور تاریخ کے بارے میں احساس کمتری (INFERIORITY COMPLEX) کا پیدا ہونا، جو تعلیمی نصاب مغربی لٹریچر اور مستشرقین کی کتابوں کا (جو تحقیق و مطالعہ کا نقطۂ عروج سمجھی جاتی ہیں) لازمی نتیجہ ہے، اس مغربی نظام تعلیم کے مشرق اسلامی میں بے محل مضر بلکہ قاتل ہونے کی مثال اس سے بہتر نہیں دی جا سکتی جو ایک مغربی فاضل نے اپنی ایک کتاب میں لکھی ہے۔

''ایک مشرقی حکایت غیر محتاط غیر ملکی تعلیمی مشیروں سے سرزد ہونے والی غلطیوں کی پوری تصویر کشی کرتی ہے، کسی زمانہ میں ایک بہت بڑا سیلاب آیا، جس میں ایک بندر اور ایک مچھلی پھنس گئے، بندر تیز طرار اور تجربہ کار تھا، لہٰذا ایک درخت پر چڑھ کر وہ سیلاب کی طوفانی موجوں سے محفوظ مقام پر بیٹھا، اب اس نے نیچے نظر ڈالی تو کیا دیکھتا ہے کہ غریب مچھلی امنڈتی ہوئی لہروں کے خلاف جدوجہد میں مصروف ہے، پوری ہمدردی اور نیک نیتی کے جذبہ کے ساتھ وہ نیچے آیا اور اس نے مچھلی کو پانی سے نکال کر خشکی پر ڈال دیا، پھر جو نتیجہ نکلا ظاہر ہے۔

یہ مثال ان مشرقی اور اسلامی ملکوں پر پورے طور پر صادق آتی ہے، جنھوں نے مغربی نظام تعلیم کے نفاذ اور مغربی اقدر و معیار (VALUISAND IDEALS) کی مقبولیت اور تسلیم شدہ حقائق بننے کا موقع دیا۔

۲۔ اس کا دوسرا سبب یہ ہے کہ اعلیٰ تعلیم یافتہ طبقہ میں اسلام کی ہر عہد میں رہنمائی و قیادت

کرنے کی صلاحیت اور اس کی افادیت وضرورت بلکہ تفوق وامتیاز ثابت کرنے بلکہ دل نشین بنانے کی اکثر ممالک اور بیشتر مدت حیات میں منصوبہ بند مفکرانہ اور یقین افروز سنجیدہ کوشش نہیں کی گئی مختصر الفاظ میں اونچے پڑھے لکھے طبقہ میں اسلام کی صلاحیت بقا اور ہر عہد میں اس کی ضرورت پر نوجوان اعلیٰ تعلیم یافتہ طبقہ کا اعتماد بحال کرنے کی منظم مؤثر اور عمر وذہانت اور صلاحیت فہم کے مطابق کوئی عام مؤثر تحریک یا دعوت نہیں چلائی گئی، کچھ انفرادی و سطحی کوششیں ہوئیں اور کچھ محدود اور قلیل التعداد لٹریچر وجود میں آیا (جس کی قدر و قیمت کا انکار نہیں کیا جا سکتا) لیکن اس کو دعوت کا ایک عام میدان اور مؤثر کوششوں کا موضوع اور ہدف نہیں بنایا گیا ہے، جس کا نتیجہ حکمران طبقہ، اہل قلم کی ایک بڑی تعداد، جامعات (UNIVERSITIES) کے پروفیسروں، دانش گاہوں کے ذمہ داروں اور ذرائع ابلاغ پر اثر تسلط رکھنے والوں کے ذہن، اسلام کی نشأۃ ثانیہ، اس کی صلاحیت قیادت بلکہ صلاحیت بقا کے بارے میں بھی اگر مایوس نہیں تو متردد و متشکک نظر آتے ہیں، اور جب یہ طبقہ منصب قیادت یا منصب حکومت پر متمکن ہو جاتا ہے تو وہ سیکولرزم (SECULARISM) علمانیت ہی کو مشکلات کا واحد حل اور اقتدار و حکومت کی بقا کا ضامن سمجھتا ہے، اور اس وقت یہی رجحان بہت سے مسلم ممالک اور چند عرب ممالک میں کام کر رہا ہے۔

۳۔ ایک اعتراف حق، اظہار حقیقت اور ایک مؤرخ و ناقد کے بے لاگ جائزہ کے تقاضہ سے اس حقیقت کا بھی اظہار کیا جاتا ہے کہ اس صورت حال کے پیدا ہونے اور حکمران وقانون ساز اور دانشور طبقہ کے دینی ودعوتی تحریکات اور اسلامی بیداری کی دعوت دینے والوں سے خائف ومحتاط رہنے میں اس کو بھی دخل ہے کہ یہ تجربہ میں آیا ہے کہ ان میں سے بہت سی تحریکیں، اصلاح عقائد واعمال، رجوع الی اللہ، تمسک بالشریعہ، اور عمل بالدین کے لئے شروع ہوئیں لیکن کچھ عرصہ کے بعد وہ سیاست کے میدان میں آ گئیں اور انھوں نے (نیک مقاصد کے ساتھ ہی) حکومت واقتدار پر قبضہ کرنے اور ملک کی زمام کار اپنے ہاتھ میں لینے کی کوشش شروع کر دی اور ان کا براہ راست حکومتوں سے تصادم ہو گیا۔

یہ اسی غلط اندیشی کا نتیجہ جس کو راقم السطور نے اپنے عربی سفرنامہ یمن میں ایک یمنی عالم کے ان الفاظ میں نقل کیا ہے۔

’’راستے دو ہیں: ایک یہ کہ ایمان کرسی والوں (صاحبانِ اقتدار و اہلِ حکومت) تک پہنچ جائے، اور وہ ملک و معاشرہ میں دین کی نمائندگی کریں، اسلامی زندگی پیدا کرنے کی کوشش کریں اور شریعت کے احکام کا نفاذ کریں اور دینداروں اور اہلِ علم کا طبقہ ان کی حمایت و نصرت کرے اور ان کے لئے دعا گو رہے لیکن وہ کسی بڑے منصب اور اس سے بڑھ کر حکومت کے حصول کی کوشش نہ کرے، دوسرا طرزِ فکر اور طرزِ کار یہ ہے کہ اہلِ ایمان (دینی دعوت دینے والے اور اسلامی تحریکوں کے قائدین) خود کرسیوں تک پہنچ جائیں اور حکومت و اقتدار کی باگ ڈور ان کے ہاتھ میں آجائے، پہلا طرزِ فکر اور طرزِ عمل مثبت نتائج پیدا کرنے والا اور اہلِ دین و اہلِ حکومت کو براہِ راست ٹکراؤ سے بچانے والا ہے، دوسرا طرزِ فکر اور طرزِ عمل (براہِ راست کرسیٔ حکومت پر متمکن ہو جانے کی کوشش اور ہدف) مشکلات پیدا کرنے والا، اہلِ دین ہی نہیں بلکہ دین سے ٹکر لینے اور اس سے خائف اور متوحش ہونے پر آمادہ کرنے والا ہے‘‘۔

انھوں نے فرمایا:

’’میں نے آپ کی کتابوں سے یہی سمجھا ہے کہ آپ پہلے طرزِ فکر اور طرزِ عمل کو (ایمان کے کرسیٔ حکومت تک پہنچ جانے کی کوشش اور صاحبِ اقتدار طبقہ کو دین کی حمایت و نصرت پر آمادہ کرنے کی سعی) بہت سی غیر ضروری مشکلات اور حکومت کی دین سے معرکہ آرائی سے بچانے والا سمجھتے ہیں، دوسرا طرزِ فکر و طرزِ کار صدہا مشکلات کا پیدا کرنے والا اور ایک ایسی جنگ آزمائی و محاذ آرائی کی فضا پیدا کرنے والا ہے جس میں توانائی اور وقت کا ضیاع ہے اور دینی مستقبل کو مشکوک بنانے والا ہے‘‘۔

بندہ نے عرض کیا کہ اس عاجز کا بالکل یہی خیال ہے اور ہندوستان کے مصلحِ اعظم، مجدد الفِ ثانی، حضرت شیخ احمد سرہندی (متوفی ۱۰۳۴ھ) کا یہی طرزِ کار تھا، جس نے ہندوستان کی مسلم سلطنت کے مغلیہ خاندان میں انقلاب برپا کر دیا اور سلطان جلال الدین اکبر (متوفی ۱۰۱۴ھ) سے لے کر (جو ہندوستان کو کھلے طور پر برہمنیت اور ہندو تہذیب اور مخالفِ اسلام عقائد کی طرف لے جا رہا تھا) سلطان محی الدین اورنگزیب عالمگیر (متوفی ۱۱۱۸ھ) تک (جن کو بعض اہلِ نظر نے ’’چھٹا خلیفۂ راشد‘‘ کے لقب سے یاد کیا ہے) مسلسل انقلاب آتا رہا اور ہر تخت نشین کے بعد اس کا جانشین اس سے بہتر ہوتا رہا، یہاں تک کہ ہندوستان اس عمومی

خطرۂ ارتداد سے بچ گیا، جس کا ڈر اکبر کے اقدامات واحکام اور عزم اور منصوبہ سے پیدا ہو گیا تھا۔

ایک اظہار حقیقت اور احتساب نفس کے تقاضے سے اس کا اعتراف کیا جاتا ہے کہ بہت سی دینی دعوتوں اور تحریکوں نے اس معاملہ میں عجلت سے کام لیا اور ان کے قائدین کے بعض اقدامات واعلانات اور اس سے زیادہ ان کے تابعین اور ترجمانوں نے غیر ضروری طریقہ پر بعض اسلامی حکومتوں کو اپنا حریف بنا لیا، بعض اسلامی وعرب ملکوں میں اسی چیز نے ان کو اسلامی بیداری اور اسلام ودین کے نام پر جماعت سازی سے خائف بنا دیا، جس کا اثر ورسوخ ان ملکوں میں بڑھتا جا رہا تھا، یہاں تک کہ جماعت خلاف قانون قرار دینے اور اس کے ارکان کو قید وبند کا مرحلہ پیش آ گیا، شہادت بالحق کے طور پر کہا جاتا ہے کہ اس میں ان جماعتوں اور ان کے قائدین کا قصور کم، اہل حکومت کے توہمات کا جس کو کسی شاعر نے اس بلیغ مصرعہ میں ادا کیا ہے۔

عشق است وہزار بدگمانی

کا حصہ زیادہ تھا لیکن بہرحال اس تجربہ سے فائدہ اٹھانے کی ضرورت ہے، اور اس کی روشنی میں غیر ضروری مشکلات کے پیدا ہونے، بلکہ حکومتوں کو اسلام کا حریف اور دین وشریعت کے ادنیٰ نفاذ کا مخالف اور دعوت واصلاح کے کام کو آزادانہ طریقہ پر انجام دینے کے مواقع کو ختم کرنے والا بنانا چاہئے۔

۴۔ اسلامی بیداری، دین وشریعت کی ترویج واشاعت اور حکومتوں کے اسلام سے کھلے ہوئے انتساب بلکہ افتخار سے خائف ہونے اور علمانیت (SECULARUSM) کا میلان پیدا کرنے میں امریکہ کی بالواسطہ اور بلاواسطہ کوششوں کو بھی بڑا دخل ہے، اس نے روس کے انقلاب اور کمیونزم (SOMMUNISM) کے زوال کے بعد اسلام ہی کو اپنا حریف اور عالمی اقتدار کے راستہ میں سب سے بڑا خطرہ اور سد راہ سمجھ لیا ہے اور اس نے دوسرے ابلاغ اور سیاسی تدبیروں سے کام لینے کے بعد اب اصول پسندی، عقیدہ کے استحکام اور دینی ودینوی معاملات میں دین وشریعت کو حکم سمجھنے اور بنانے کے خیال وعقیدہ (جس کو وہ (FUNDAMENTALISM) کے نام سے یاد کرتا ہے) کے خلاف عالمگیر پیمانہ پر پروپیگنڈہ شروع کر دیا ہے، اور بعض ایسی زبانوں سے بھی اس کی ناپسندیدگی اور اس پر تنقید کا کام لیا ہے، جس کی بالکل توقع نہیں تھی۔

ناوک نے تیرے صید نہ چھوڑے زمانہ میں

اب ہم ان ''روشن خیال،، اور ''ترقی پسند،، اسلامی ملکوں کی ذمہ داروں اور اصحاب اقتدار سے یہ کہنا چاہتے ہیں کہ اس اصول پسندی عقیدہ واصول کی پابندی پر تنقید کرنے اور اس سے بے اطمینانی کا اظہار کرنے اور ایسی دعوت وکوشش کے (جن میں یا تو کھلے طور پر علمانیت (SECULARISM) کا اظہار ہو یا اس سے یہ نتیجہ نکالا جا سکے) نتائج خود ان کے لئے اور ان کے ملک ومعاشرہ کیلئے بڑے پرخطر اور مضر ہوں گے، وہ بہت بڑی طاقت اور دولت سے محروم ہو جائیں گے اور بے ضرورت مشکلات ومصائب کا ان کو سامنا کرنا پڑے گا۔

ا۔ پہلی اور اساسی بات تو یہ ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی اس نصرت وحمایت سے محروم ہو جائیں گے جو دین کی نصرت وحمایت اور اعلاء کلمۃ اللہ کے ساتھ مشروط ہے۔

'' ان تنصرو اللہ ینصر کم ویثبت اقدامکم،،

اگر تم خدا کی مدد کرو گے تو وہ بھی تمہاری مدد کرے گا اور تم کو ثابت قدم رکھے گا۔

'' ولینصرن اللہ من ینصرہ،،

اور جو شخص خدا کی مدد کرتا ہے خدا اس کی مدد کرتا ہے۔

'' کم من فئۃٍ قلیلۃٍ غلبت فئۃ کثیرۃ باذن اللہ،،

بسا اوقات تھوڑی سی جماعت نے خدا کے حکم سے بڑی جماعت پر فتح حاصل کی ہے۔

ان کا ملک اور ان کا دائرہ حکومت اس سب سے بڑی طاقت اور دولت سے محروم ہو جائے گا جس نے باوجود قلت تعداد، بے بضاعتی اور بے سروسامانی کے دنیا کا نقشہ بدل دیا، باز نطینی سلطنت کا چراغ ایک طرف اور ساسانی شہنشاہی کا چراغ دوسری طرف گل کر دیا، کتنے ملک جن کی سینکڑوں برس کی تہذیب، جنگی تجربہ اور جنگی ساز وسامان تھا، ان پر فتح حاصل کی، ان کو حلقہ بگوش اسلام بنایا، وہاں کی زبان وتہذیب کو اسلامی سانچہ میں ڈھال دیا، اور صدیوں تک ان پر حکمرانی کی اور اب بھی کثیر التعداد ملکوں پر حکمرانی کر رہے ہیں، وہ دولت ایمان، شوق شہادت، جذبہ جہاد اور جمعیت دینی تھی، جس کا سرچشمہ اللہ اور اس کے رسول کے ارشادات پر یقین آخرت پر ایمان، اور جنت کا شوق تھا اور جس کی طرف اس آیت میں اشارہ کیا گیا ہے۔

'' ولا تهنوا فی ابتغاء القوم، ان تکونوا تألمون فانهم یألمون کما تألمون ترجون من اللہ مالا یرجون وکان اللہ علیما حکیما.

اور کفار کا پیچھا کرنے میں سستی نہ کرنا، اگر تم بے آرام ہوتے ہو اسی طرح وہ بھی بے آرام ہوتے ہیں، اور تم خدا سے ایسی ایسی امیدیں رکھتے ہو، جو وہ نہیں رکھ سکتے اور خدا سب کچھ جانتا اور بڑی حکمت والا ہے۔

اور یہ وہ خلا ہوگا جس کو کوئی چیز پر نہیں کر سکتی، اور وہ خسارہ جس کی تلافی کسی قوت دفاع جدید اسلحہ اور بڑے ملکوں کی سرپرستی بھی نہیں کر سکتی'' وذلک ھو الخسران المبین،۔

۲۔ اس غیر دینی رجحان، دین اور اہل دین سے عدم مناسبت بلکہ وحشت اور اپنے ملک وقوم کے سامنے (سیدنا عمر بن عبدالعزیز، سلطان صلاح الدین ایوبی اورنگزیب رحمہم اللہ) ایک صاحب حمیت مسلمان اور پابند شرع حکمران اور دین واہل دین کے قدرداں کی حیثیت سے نہ آنے سے ان کو اعتماد ومحبوبیت اور جذبات طور پر حمیت وحمایت کا وہ فائدہ اور طاقت حاصل نہ ہوگی، جو ایسے حکمرانوں کو حاصل ہوتی ہے اور جس سے وہ بڑی بڑی مشکلات پر قابو پاتے ہیں اور ان کیلئے بے دریغ جانیں دی جاتی ہیں وصدق اللہ العظیم۔

''ان الذین آمنو اوعملو الصالحات سیجعل لھم الرحمن ودا.

اور جو لوگ ایمان لائے اور عمل نیک کئے خدا ان کی محبت (مخلوقات کے دل میں) پیدا کردے گا۔

اس کے برعکس ملک میں سازشیں ہوں گی، ان کو ناکام بنانے اور ان کا بدل مہیا کرنے کے خفیہ منصوبے بنائے جائیں گے اور ان کی بڑی توانائی اور وقت ان سازشوں کے پتہ چلانے مخالفین کا سراغ لگانے اور ان کو محبوس یا شہر بدر کرنے میں صرف ہوگا، اور ایسے موقع پر کوئی بڑا ملک یہاں تک کہ امریکا بھی ان کی مدد نہیں کر سکے گا۔

اب ہمارے بیدار مغز اور حقیقت شناس، حکام سلطنت، صاحب اقتدار طبقہ اور ملک ومعاشرہ کا سانچہ ڈھالنے والوں کو غور کرنا چاہئے کہ ان دونوں متقابل راستوں میں سے (صدق واخلاق، ایمان وحمیت اسلامی، شریعت کے نفاذ، نئی نسل کو اسلامی الفکر واسلامی العمل بنانے کا کام؟ یا اس کے مقابلہ میں لا مذہبیت وعلمانیت غیر محدود وغیر مشروط روشن خیالی وترقی پسند مغرب کی تقلید ونقالی، اور کسی بڑی سے بڑی طاقت اور ملک کی غاشیہ برداری) زیادہ مفید وبہتر ہوگی؟۔

یہ حقائق ہیں جن کو ان ملکوں کے قائدین، اصحاب اقتدار، اور علم فکر کے علم برداروں،

ذرائع ابلاغ کے ذمہ داروں اور علم وادب فکر وتحقیق کے اجارہ داروں تک پہنچانے کی ضرورت ہے، اور یہ وقت کا اہم ترین فریضہ، ممالک اسلامیہ وعربیہ کی اہم ترین خدمت اور تبلیغ ودعوت کا مؤثر ترین اور اہم ترین شعبہ ہے، اس کو نظر انداز کرنے اور اس کی اہمیت نہ سمجھنے سے خطرہ ہے، کہ یہ ممالک نامذہبیت اور کھلے ہوئے (اعتقادی نہیں تو ذہنی، فکری اور تہذیبی) ارتداد تک نہ پہنچ جائیں، جس کی ان ممالک اسلاف کی مبلغانہ اور مجاہدانہ، مومنانہ اور زاہدانہ کارناموں سے جو تاریخ میں محفوظ ہیں اور جن کی برکت سے ملک کے ملک مسلمان اور متبع شریعت ہیں، امید نہیں، اللہ تعالیٰ کی رحمت سے امید ہے کہ وہ ان کو ان حقائق کی سمجھ عطا کرے گا، اسلام کی قدر بخشے گا، اور پھر صراط مستقیم کی طرف اور اپنے اسلاف کی سیرت ونمونہ کی طرف آنا ہوگا اور وہ اس عہد میں وہ کردار ادا کریں گے جو ان کے اسلاف نے ادا کیا، جس کی اس وقت دنیا کو سخت ضرورت ہے، اور وہی اس عہد کا سب سے بڑا خلا ہے:

"وما کان اللہ لیضیع ایمانکم ان اللہ بالناس لرئوف رحیم"

اور خدا ایسا نہیں کہ تمہارے ایمان کو یوں ہی کھو دے، خدا تو لوگوں پر بڑا مہربان (اور) صاحب رحمت ہے۔

لیکن بہرحال یہ اہل دعوت وحمیت دینی کا فرض ہے کہ یہ حقائق اور یہ تأثرات ان قائدین ممالک اسلامیہ وعربیہ، اہل اقتدار، اہل قلم اور اہل فکر تک پہنچائے جائیں۔

وما علینا الا البلاغ المبین

ملی عزیمت اور اجتماعی فیصلہ

ذیل کا فکر انگیز مضمون حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی کا وہ خطبۂ صدارت ہے جو صوبائی دینی تعلیم کانفرنس۔ نجیب آباد۔ بجنور (ہندوستان) منعقدہ ۲۸ اپریل ۱۹۹۴ء کو پڑھا گیا۔

الحمد للہ وحدہ، والصلاۃ والسلام علیٰ من لانبی بعدہ.

حضرات! وقت کے اہم ترین مسئلہ نے ہم کو آپ کے پچھلے کام کا جائزہ لینے اور آئندہ کے لئے نقشہ کار مرتب کرنے کے لئے جمع کر دیا ہے وقت کی نزاکت اور کام کی وسعت کا تقاضا ہے کہ رسوم وروایات کی پابندی کے بغیر ہمارا سارا وقت اصل موضوع پر صرف ہو اور مغز کی بات بغیر کسی تمہید وتکلف کے شروع کر دی جائے۔

حضرات: دو لفظ ہماری زبان اور دینی تحریروں اور تقریروں میں کثرت سے استعمال ہوتے ہیں، وہ ”فرد،، اور ”ملت،، کے الفاظ ہیں آپ ان کے معنی سمجھتے ہیں، مفرد اکائی کا نام ہے یہاں جتنے حضرات بیٹھے ہوئے ہیں، وہ سب اپنی اپنی جگہ پر فرد اور ایک اکائی ہیں، ان سے مل کر ملت تیار ہوتی ہے، ملت اسلامیہ ملت موسویہ اور ملت عیسویہ بھی افراد کا مجموعہ ہی کا نام ہے۔

اب میں یہ عرض کرنا چاہتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ کا قانون قدرت (سنت اللہ) افراد اور ملت دونوں کے لئے، فرد کے لئے اللہ تعالیٰ کا یہ انتظام ہے کہ اس نے اپنے قانون کے مطابق اس انسانی جسم میں جان اور روح ڈالی اس کے بعد پھر اس کی حفاظت فرمائی، وہ شکم مادر سے اس دنیا میں آیا، اللہ تعالیٰ نے جس کے رہنے اور زندہ رکھے جانے کا فیصلہ کیا، اس میں زندہ رہنے کی صلاحیت پیدا کی، اس میں موسمی اثرات کا مقابلہ کرنے کی طاقت رکھی، اس کے اندر سمجھ پیدا کی ہاتھ پاؤں میں طاقت دی اور اس کو بہت کچھ اختیارات عطا کئے اور صلاحیتیں بخشیں، لیکن اس فرد کے ذمہ بھی کچھ فرائض کئے ایک تو یہ کہ وہ اپنے وجود کی حفاظت کرے، موسم کے اثرات

سے اپنے جسم کو بچائے، غذائی ضروریات اور سامان خوراک مہیا کرے، جس سے جسم وجان کا رشتہ باقی رہے، دشمنوں سے اپنی حفاظت کرے، رہنے کیلئے مکان بنائے، اپنے کو خطرات سے محفوظ رکھے، اور زندگی کی دوسری ضروریات کی تکمیل کرے اس میں تعلیم، زراعت، تجارت، صنعتیں، ہنر پیشے، حفاظت خود اختیاری کا سامان، دوا علاج اور طب کے فن سے لے کر اپنی اپنی ضرورت اور زمانہ کے مطابق سائنس اینڈ ٹیکنالوجی سب علوم وفنون آتے ہیں، اپنی اپنی ضرورت اور حالات کے مطابق یہ سب کام فرد کو انجام دینے ہیں، اللہ تعالیٰ نے اس فرد کو وجود بخشا اس کے وجود کے لئے جتنی بنیادی ضرورتیں تھیں وہ اس نے فرد کو عطا کیں، لیکن اب وہ فارغ نہیں ہے، اللہ تعالیٰ نے اس کو بے دست وپا نہیں چھوڑا ہے، اب آگے اس کا کام یہ ہے کہ اپنے وجود جان ومال، عزت وآبرو کی حفاظت کرے، اسی کے ساتھ اپنی آئندہ نسل کے تسلسل اور اس کی حفاظت وتعلیم کا سامان مہیا کرے، یہ سب فرد کا کام ہے، کوئی یہ نہیں کہہ سکتا کہ وجود حاصل کرنے کے بعد فرد کی ذمہ داری ختم ہوگئی، اب وہ جانے اور اس کو پیدا کرنے والا جانے، اب اس کا کام نہیں، ہم اور آپ اس قانون کو جانتے ہیں، اور ہزاروں برس سے یہ دنیا اس قانون پر چل رہی ہے، ہم اپنی خوراک بھی مہیا کرتے ہیں، اس کے لئے ہاتھ پاؤں مارتے ہیں، دوڑ دھوپ کرتے ہیں، اپنی جان کی حفاظت کے لئے ہزار جتن کرتے ہیں، جاڑے، گرمی اور برسات کے موسم کے مطابق کپڑے استعمال کرتے ہیں، مکان اپنی ضرورت کے مطابق بناتے ہیں، پھر ہم آسائش اور آرام کے ساتھ زندگی گذارنا چاہتے ہیں، ہم یہی نہیں چاہتے کہ ہمارا وجود باقی رہے بلکہ ہم یہ بھی کوشش کرتے ہیں کہ راحت وآسائش کے ساتھ ہمارا وجود باقی رہے اچھا کھائیں، اچھا لباس استعمال کریں، یہ سب فطری تقاضے ہیں، شریعت، عقل، تمدن، معاشرہ، حکومت قانون، کوئی بھی اس کا مخالف نہیں بلکہ اس میں اعانت کرنا اور اس کے لئے سہولتیں مہیا کرنا اپنے فرائض میں سمجھتے ہیں بلکہ ان فرائض وضروریات زندگی کو راحت وسہولت کے ساتھ پورا کرنے کو فطرت کا تقاضا اور انسان کا قدرتی حق سمجھتے ہیں۔

حضرات: بالکل یہی معاملہ ملت کا ہے، ہم فرد کے معاملہ میں جن حقیقتوں کو تسلیم کرتے ہیں ملت کے معاملہ میں ہم ان کو صاف بھول جاتے ہیں یہ ہماری زندگی کا عجیب وغریب تضاد ہے کہ ہم فرد کو حق ہی نہیں دیتے بلکہ فرد پر فرض عائد کرتے ہیں، اگر وہ فرد اس فرض کے ادا

کرنے میں کوتاہی کرتا ہے تو دنیا کے تمام عقلاء اور تعلق رکھنے والے انسان اس کو قابل ملامت بلکہ ایک حد تک اس کو مجرم بلکہ کسی حد تک خودکشی کا مرتکب سمجھتے ہیں، ایک شخص دنیا میں پیدا ہو گیا، اب وہ فرد جانے اور اس کا پیدا کرنے والا جانے لیکن کوئی اس فرد کی کوتاہی کو معاف نہیں کرتا، حد یہ کہ وہ ماں باپ بھی اس کو معاف کرنے کے لئے تیار نہیں ہوتے، جن کی شفقت ضرب المثل ہے، وہ اپنے فرزند اور جگر گوشہ سے یہ نہیں کہتے کہ اب تم پیدا ہو گئے، اللہ تعالیٰ کی بڑی نعمت گھر میں آ گئی، اب تمھیں کچھ کرنے کی ضرورت نہیں بلکہ ماں باپ بعض اوقات اجنبیت اور ایسی بے گانگی سے مطالبہ کرتے ہیں جیسے ان سے خون کا کوئی رشتہ نہیں کہ مکتب جا کر پڑھو، بلکہ وہ استاد سے یہ مطالبہ کرتے ہیں کہ اگر ضرورت ہو تو جائز حدود میں اس کی سرزنش کریں اور اس کو محسوس کرا دیں کہ تعلیم کا حصول ضروری ہے، اس کے بغیر وہ نہ گھر میں رہ سکے گا نہ کھا سکے گا، یہ سب کام وہ ماں کرتی ہے جس سے بڑھ کر اللہ تعالیٰ کے بعد کوئی ہستی رحم دل نہیں ہے، ایسی شفیق ماں بھی پڑھنے میں بچوں کی رعایت نہیں کرتی اور صبح کو دل پر پتھر رکھ کر بچے کو اٹھاتی ہے کہ وہ مکتب جا کر پڑھے، اس کو یہ محسوس کراتی ہے کہ ان بچوں میں جو محنت کرتے ہیں اور جو محنت نہیں کرتے فرق ہے حالانکہ ان سب کی ماں ایک ہے، ہم سب ہزاروں برس سے اس اصول و قانون کو مانتے آتے ہیں، اور دنیا کا سارا نظام اسی پر چل رہا ہے اور زندگی کا پہیہ اسی پر گھوم رہا ہے۔

لیکن آپ ذرا دیانتداری سے سوچئے کہ ہم نے فرد کو جس نظر سے دیکھا اور اس کے ساتھ جو معاملہ کیا ہے، وہ ملت کے معاملہ میں کیوں بالکل بھول جاتے ہیں، جس طرح فرد کو اللہ تعالیٰ نے وجود بخشا، جسم عطا کیا، صلاحیتیں اور توانائیاں بخشیں اسی طرح اللہ تعالیٰ نے ملت کو ایمان بخشا، رحمۃ للعالمینؐ جیسا نبی بخشا، اور آسمانی کتاب عطا فرمائی، ایک مکمل مرتب اور مدون نظام شریعت و تمدن عطا کیا، اسی کے ساتھ نصرت الٰہی اور توفیق الٰہی بھی شامل ہے لیکن اب اس کے بعد ملت کا کام یہ ہے کہ فرد کی طرح اپنے وجود کی حفاظت کرے، جیسے فرد کا یہ کام تھا کہ اپنے جسم کو جلنے نہ دے اس کو ڈوبنے سے بچائے، اگر کوئی زہر دے تو اس کو نہ کھائے اور اگر لاعلمی اور غفلت میں کھا لیا تو اس کے اثر سے بچنے کیلئے امکانی کوشش کرے، بے پڑھا رہ کر جاہل کا نام سننے نہ پائے، ذلت اٹھانے نہ پائے، کم کما کر آدھا پیٹ کھانے کی تکلیف نہ اٹھائے اور اپنے

ہم عصروں اور اپنے محلہ والوں کی نگاہ سے ذلت کی نگاہ سے دیکھا نہ جانے، یہ سب آپ نے فرد کے فرائض تسلیم کئے تھے، بالکل یہی معاملہ ملت کی سطح کے مطابق ہونا چاہئے، وہ فرد تھا، جس کو ختم ہونے یا بھوکے ننگے رہنے اور ذلیل وحقیر ہونے سے یا کم کھانے سے دنیا کا کوئی نقصان نہیں تھا، اس کے ذلیل ہونے سے نسل اور معاشرہ انسانی اور تہذیب انسانی کیلئے کوئی خطرہ پیدا نہیں ہوتا، لیکن یہ ملت ہے، اللہ تعالیٰ نے صاف فرمادیا:

الا تفعلوه تكن فتنة فى الارض وفساد كبير.

اگر تم یہ (کام) نہ کروگے تو ملک میں فتنہ برپا ہو جائے گا اور بڑا فساد مچے گا۔

اللہ تعالیٰ نے اس ملت کے بہت تھوڑے افراد کے لئے جو مدینہ ہجرت کر کے آئے تھے یہ کہا تھا کہ اگر تم نے نظام ''مواخاۃ،، (بھائی چارہ) قائم نہ کیا تو زمین میں فتنہ عظیم اور فساد کبیر برپا ہوگا، انسانیت کا مستقبل تاریک ہو جائے گا اور اس کی قسمت پھوٹ جائے گی، اگر یہ نظام مواخاۃ قائم نہ ہوا تو انسانیت کی قسمت میں ناکامی اور تباہی وبربادی لکھی ہوئی ہے یہ ان مومنوں سے کہا گیا تھا جن کی تعداد چار ہزار سے زیادہ نہ تھی۔

اب یہ نکتہ آپ سمجھ لیجئے کہ ملت کو جو چیزیں دینے کی تھیں وہ اللہ تعالیٰ نے پوری فیاضی اور ''رب العالمینی کی،، پوری صفت کے ساتھ عطا کردیں لیکن انسان کے ذمہ جو چیزیں کرنے کی تھیں، وہ اس کے ذمہ ہیں، جیسے فرد کو اللہ تعالیٰ نے معطل نہیں کیا، نہ اللہ نے اس کو معاف کیا، نہ اس کو معاشرہ اور خاندان نے معاف کیا، نہ قانون اور ماں باپ نے معاف کیا، اور نہ اس کے ضمیر نے اس کو معاف کیا، اس ملت کو معاف کرنے والا کون ہے؟ کس نے ملت کے نام یہ معافی نامہ لکھ دیا ہے کہ خدا نے تم کو جو کچھ دینا تھا دے دیا، اب تم بیٹھو، تمھارے ذمہ اب کوئی کام نہیں، تم جس طرح چاہو رہو، ملک میں کیسا ہی قانون بنے، کیسا ہی نظام تعلیم ہو، وہاں تمھاری شریعت اور عقائد کے لئے کیسے ہی خطرات ہوں بلکہ ان کو ختم کرنے والے منصوبے ہوں، تمھارے کوئی ذمہ داری نہیں، سب ہم کریں گے، یہ معاملہ تو اللہ تعالیٰ نے اپنے برگزیدہ ترین پیغمبر کے ساتھ بھی نہیں کیا، ورنہ مدینہ طیبہ سے ایک ہزار آدمیوں کے مقابلہ میں صرف تین سو تیرہ آدمیوں کو ساتھ لے کر نکلنے کی کیا ضرورت تھی؟ آپ یہ بات سمجھتے تھے کہ اللہ تعالیٰ اپنا کام کر چکا، اب ہمارے کرنے کا کام ہے، اللہ تعالیٰ نے دین دیا، ایمان کی دولت دی،

آخرت کا یقین دیا، اپنی محبت دی، شریعت دی، نماز روزہ سب کچھ عطا کیا، لیکن اس ملت کو بچانے کی ذمہ داری ہماری ہے، اس پیغام کو، جو انسانیت کے لئے روح کا درجہ رکھتا ہے، بچانے کی ذمہ داری ملت کی ہے۔

حضرات: ہندوستان میں ملت کے تشخص (ISENTITY) کو بچانے کی ذمہ داری آپ کی ہے، جیسے فرد کی ذمہ داری یہ ہے کہ وہ اس مٹ جانے والے مٹی کے جسم کو بچائے بلکہ اسی طرح اس پیغام کو جو انسانیت کیلئے روح کا درجہ رکھتا ہے، بچانے کی ذمہ داری ملت کی ہے، ملت کو ملت کہلانے کے استحقاق کو بچانے اور ملت کو اللہ تعالی کی نصرت کا حقدار بنانے کی ذمہ داری آپ کی ہے، آپ اس ملک میں مسلمانوں کے تشخص کو بچانے اور اس کے آئندہ نسل کو مسلمان رکھنے کی ذمہ داری قبول کریں، اور اس کے لئے وہ قربانیاں دیں جو مطلوب ہیں، فرد ایک ہے، اور ایک فرد کی حیثیت سے قربانی دینا ہے، لیکن ملت کی تعداد ہندوستان میں کم سے کم دس کروڑ بتائی جاتی ہے، تو اس کی قربانیوں، کوششوں، جاں فشانیوں، اس کی قوت مقابلہ اور اس کے انتظامات کی مقدار بھی اسی سطح کی ہونی چاہے۔

اس کے ساتھ یہ بھی آپ نظر انداز نہ کیجئے کہ آپ ایسے ملک میں ہیں، جس میں اکثریت غیر مسلموں کی ہے، وہ جمہوری ملک ہے، اور وہاں قانون ساز مجلسیں قانون بناتی ہیں، جب یہ ملک جمہوری ہے تو پارلیمنٹ ہی قانون بنائے گی، اور جمہوریت کا یہ قاعدہ ہے اس لئے ہر وقت اس کا خطرہ ہے کہ ایسے قوانین بنیں جو ہمارے بنیادی عقائد مسلمات ہمارے جذبات اور ہماری ضرورتوں کے خلاف (بدنیتی سے کم اور ناواقفیت سے زیادہ) بنیں، یہ بھی فراموش نہیں کرنا چاہئیے کہ وہاں مذہبی، تہذیبی اور لسانی بنیادوں پر جارحانہ احیائیت (AGGRESSIVE RE VIVALISH) اور کلیت پسندی،، (TOTALITARIANISM) کی تحریکیں بھی زور وشور سے چل رہی ہیں، اب آپ کا کام یہ ہے کہ ایسے سیکولر اور جمہوری ملک میں اپنے ملی تشخص کی حفاظت آئینی طریقہ پر کریں آپ ہندوستان کے وفادار، مفید، کارآمد، اور اس کے ضروری جز ہونے کی حیثیت سے اپنی افادیت واہمیت ثابت کریں، اور مطالبہ کریں کہ کوئی قانون ہماری شریعت آسمانی کتاب، اور ہمارے عقائد کے خلاف نہیں بننا چاہئیے، آپ اسی کے ساتھ یہ بھی ثابت کریں کہ خلاف شریعت

قانون بننے سے آپ کو اس سے زیادہ اذیت ہوتی ہے اور آپ کا ملی وجود اس سے زیادہ خطرہ میں پڑ جاتا ہے جتنا کھانا روکنے سے کوئی جمہوری حکومت کسی اقلیت اور کسی فرقہ کی غذائی ضرورتوں کو نہیں روک سکتی اور کوئی حکومت چاہے کتنی ہی طاقتور ہو، یہ قانون نہیں بنا سکتی، کہ فلاں فرقہ کو غلہ کی فراہمی روک دی جائے یا بازار میں اس کو دکان کھولنے کی اجازت نہ دی جائے یا اس کے بچوں پر تعلیم اور تعلیم گاہوں کے دروازے بند کردیئے جائیں ایسا اگر ہونے لگے تو آپ قیامت برپا کر سکتے ہیں، آپ ثابت کردیں کہ اس قانون اور اس نئے نظام تعلیم سے آپ کو گھٹن ہو رہی ہے، جیسے مچھلی کو پانی سے نکال کر باہر رکھنے سے اس کا دم گھٹتا ہے، آپ کے چہروں کے اتار چڑھاؤ، حرکات وسکنات سے معلوم ہو جائے کہ آپ کی صحت اور توانائی اور کارکردگی پر اثر پڑا ہے، اور یہ محسوس کر لیا جائے یہ ایک مغموم قوم کے افراد ہیں، اس نئے قانون سے ان کا دم گھٹ رہا ہے اور یہ ان کی آئندہ نسل کے قتل کے مرادف ہے، یہ کام آپ کو خلوص کے ساتھ عملی طور پر ایسی کیفیات کے ساتھ کرنا ہوگا کہ ہر شخص اسٹیشنوں، پارکوں اور بسوں میں آپ کی بے چینی کو محسوس کرے، اگر آدھا نہیں تو کم از کم اس کا چوتھائی حصہ ثابت کرنا ہوگا، میں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ ایک ہفتہ بھی ایسا قانون نہیں چل سکتا، میں نے دنیا کے آئینوں اور دستور حکومت کا مطالعہ کیا ہے، اور جمہوریتوں کی تاریخ پڑھی ہے اس لئے میں یہ بات کہہ رہا ہوں۔

لیکن یہ سب کام مرصع اور سیاسی الفاظ کے ساتھ نہیں ہوگا، اس کے لئے جذبات حسی اور جسمانی طور پر اپنے کرب کا اظہار کرنا پڑے گا، آپ کو بتانا ہوگا کہ ہم اس ملک میں رہیں اور ایسا نظام تعلیم رائج کیا جائے، جس سے مسلمان بچے نہ رہنے پائیں اس کا صاف مطلب یہ ہے کہ آپ نے ہم کو زندگی کی حقیقی لذت وعزت سے محروم کر دیا ہے۔

آپ کو ایک طرف آئینی طور پر کوشش کرنی ہوگی، اور اس کے لئے جلسے، جلوس، تنظیمیں، انجمنیں، احتجاج اور وہ سب کچھ کرنا ہوگا جو دستوری و آئینی طریقہ پر کسی جمہوری ملک میں کسی چیز منوانے کیلئے کیا جاتا ہے، میں توڑ پھوڑ اور تشدد کو نہیں کہتا اور نہ میں اس کا قائل ہوں، میں تو برادران وطن کو بھی تشدد (VIOLENCE) سے روکنا چاہتا ہوں، پھر میں آپ کو اس کا مشورہ کیسے دوں گا لیکن دستوری حدود میں رہتے ہوئے ایک جمہوری ملک میں جس طرح اپنی بے

چینی کا اظہار کیا جا سکتا ہے، وہ کرنا چاہئے۔

دوسری طرف آپ کو ہر وقت چوکنا رہنا ہوگا، آپ کو اخبارات پڑھنے ہوں گے، اور وہ کتابیں پڑھنی ہوں گی جو دینی تعلیمی کونسل نے اس موضوع پر تیار کردی ہوں گی، جو دینی تعلیمی کونسل نے اس موضوع پر تیار کردی ہیں اور جن سے کوئی چیز ڈھکی چھپی نہیں رہی ان سے آپ کو معلوم ہوگا کہ اس وقت کون سا قانون بن رہا ہے، جس سے آپ کی آئندہ نسل خطرات میں گھر گئی ہے؟ اگر حالات کا یہی رخ رہا اور یہی لیل ونہار رہے تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ ذہنی وتہذیبی ہی نہیں اعتقادی ارتداد کا خطرہ ہے، اور آپ کو معلوم ہے کہ اسلام کی لغت میں کوئی لفظ اتنا رونگٹے کھڑے کرنے والا اور وحشت ناک نہیں جتنا کہ ''ارتداد،، کا لفظ ہے، حد یہ ہے کہ کفر بھی مسلمان کے اندر اتنا چلبلی نہیں پیدا کرتا، جتنا کہ ارتداد کا لفظ حدیث میں آتا ہے، کہ تین باتیں وہ ہیں کہ آدمی ان کو جمع کرے تو اس نے ایمان کی صفات کو جمع کرلیا، ان میں سے ایک یہ کہ۔

''وأن یکرہ ان یعود الی الکفر کما یکرہ ان یقذف فی النار،، (اس تصور سے کہ میں کفر کی طرف لوٹ جاؤں گا، اسے ایسی وحشت ہو کہ جیسے اس کو آگ میں ڈالے جانے پر وحشت ہوتی ہے) اگر اس طرح حالات باقی رہے جارحانہ احیاء پرستی (AGRESSIVE REVIVALESM) اسی طرح بڑھتی اور ترقی کرتی رہی تو اس ملک میں ارتداد کا خطرہ ہے یہ آسانی سے کہنے والی بات نہیں تھی لیکن وہ دل پر پتھر رکھ کر میں نے کہدی۔

دوسرا راستہ یہ ہے جس کو انجمن تعلیمات دین نے اختیار کیا، وہ یہ کہ مکاتب کا جال بچھایا جائے، ہر مکتب خود کفیل ہو باہر کے چندوں پر بالکل نظر نہ ہو، یہ کام ملت کے لحاظ سے آپ پر فرض ہے، تاریخ کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ جن ملتوں نے اپنا فریضہ ادا نہیں کیا، وہ صفحہ ہستی سے مٹ گئیں ترجمان حقیقت اقبال نے صحیح کہا ہے۔

فطرت افراد سے اغماض بھی کر لیتی ہے
کبھی کرتی نہیں ملت کے گناہوں کو معاف

ہمیں یقین ہے کہ یہ ملک اسپین نہیں بنے گا، جو اس کا خواب دیکھ رہا ہے وہ ہوش میں آئے، لیکن ہمیں اور آپ کو یہ محسوس کرنا چاہئے کہ اسپین سے کم درجہ کے ممالک چین اور روس اور

بلغاریہ ہیں جہاں کروڑوں کی تعداد میں مسلمان آباد ہیں، ان کی مسجدیں ہیں، وہاں انھیں نماز پڑھنے کی اجازت ہے، لیکن دینی تعلیم دینے اور مذہب و اسلامی تہذیب پر آزادی کے ساتھ عمل کرنے کی اجازت نہیں اور نہ اسلامی دعوت کی اجازت ہے، اسپین کو آخری درجہ ہے، اقبال کے بقول صدیوں سے اس کی فضا بے اذان اور اس کی زمین بے سجود ہے، آپ کو یہ کوشش کرنی ہے کہ یہ ملک روس اور چین اور بلغاریہ کی طرح کبھی نہ بن جائے، مجھے یقین ہے کہ اگر آپ اپنے اندرونی کرب و بے چینی کا اظہار کریں گے تو دوسرے بھی متاثر ہوں گے، اور ہزاروں کی تعداد میں آپ کو ایسے ہم نوا اور ہمدرد مل جائیں گے جو آپ کو اس احتجاج میں حق بجانب قرار دیں گے، اور اس کو سچی جمہوریت اور آزادی کا تقاضہ سمجھیں گے اس کے ساتھ آپ کا فرض ہوگا کہ وسیع پیمانہ پر مکاتب قائم کریں، میں قرآن وحدیث کے ایک طالب علم کی حیثیت سے کہتا ہوں کہ کسی ضلع کے لئے یہ جائز نہیں کہ وہاں دنیا کے سارے کام ہوتے ہوں شادیاں دھوم دھام سے ہوتی ہوں، باراتیں نکلتی ہوں اور لاکھوں کے جہیز دیئے جاتے ہوں، رسمیں ہوتی ہوں، حکام کی خوشامدیں ہوتی ہوں، اور انتخاب میں حصہ لیا جاتا ہو، اور وہ ضلع تین آرگنائزر نہیں رکھ سکتا، اگر آپ سے قیامت کے دن اللہ یہ سوال کرے تو آپ کے پاس کیا جواب ہوگا، آپ اس کا جواب نہیں دے سکتے کہ لاکھوں کی آمدنی والے شہروں میں مسلمان دینی تعلیم کے لئے کوئی انتظام محض پیسے کی کمی کی بنا پر نہیں کر سکے، آج آپ اس جلسہ سے فیصلہ کرکے جائیں کہ اس کام میں کوتاہی نہ ہونے دیں گے اگر آپ نے یہ فیصلہ کرلیا کہ اپنے اخراجات میں سے دینی مکاتب کے لئے بھی حصہ رکھیں گے تو یہ ایک تاریخ ساز فیصلہ ہوگا، آپ یہ طے کرلیں کہ ہر جگہ مکاتب کا جال بچھا دیا جائے گا، دفاتر قائم کئے جائیں گے، تعلیمی معائنہ کا سلسلہ ٹوٹنے نہیں پائے گا، اور دینی تعلیمی کونسل سے برابر رابطہ قائم رہے گا، چٹکی کے نظام کو دوبارہ زندہ کیا جائے گا، آپ امکانی حد تک اس مقصد کے لئے تمام مساوی وسائل اختیار کریں گے تو پھر اللہ تعالیٰ کی مدد ہوگی، اور یزدکم قوۃ الی قوتکم، (تمہاری قوت میں اللہ تعالیٰ قوت کا اضافہ فرمادے گا) کا ظہور ہوگا، لیکن شرط یہ ہے کہ پہلے اپنی سی کوشش کرلیں۔

آپ کو معلوم ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا معمول یہ تھا کہ جب کوئی کہتا کہ

حضور کھانے کو نہیں تو آپ تھوڑا کھانا منگواتے جو موجود ہوتا، پھر اس میں برکت کے لئے دعا فرماتے، آپ تو وہ نبی تھے کہ ہاتھ اٹھا کر دعا کر دیتے تو حضرت عیسیٰ کی طرح آسمان سے کھانے کا خوان (مائدہ) نازل ہوتا اسلام کی تعلیمات اور اس کی روح یہ ہے کہ موجود میں ترقی دی جائے، نہ کہ ہمیشہ معدوم کو وجود میں لایا جائے گا، یہی حال حدیبیہ کے موقع پر ہوا کہ لوگوں نے پانی کی کمی کی شکایت کی کہ لشکر ٹھہرا ہوا ہے، آپ نے وہ تھوڑا پانی منگوایا جو لوگوں کے پاس تھا، اس کے بعد برکت کی دعا فرمائی اور پانی سب کیلئے کافی ہو گیا، یہی اسلام کی روح اور اس امت کے شایان شان ہے، جس کو قیامت کے لئے نمونہ اور معیار بنایا گیا ہے کہ آپ کے پاس جو کچھ موجود ہے وہ پہلے پیش کر دیجئے پھر اللہ تعالیٰ سے اس میں برکت کی دعا کیجئے۔

" وللہ جنود السموت والارض "

اور آسمانوں اور زمین کے لشکر خدا ہی کے ہیں۔

اس طرح امت کے تشخص کی حفاظت کی ذمہ داری خود ملت کا فرض ہے، قرآن مجید نے صرف فرد کو مخاطب کر کے نہیں فرمایا، ہر فرد اور ہر ملت کے لئے قانون خداوندی یہی ہے کہ: وان لیس للانسان الا ماسعی، وان سعیہ سوف یری، ثم یجزہ الجزاء الاوفیٰ.

انسان کو وہی ملتا ہے جس کی وہ کوشش کرتا ہے اور یہ کہ اس کی کوشش دیکھی جائے گی پھر اس کو اس کا پورا پورا بدلہ دیا جائے گا۔

اللہ تعالیٰ نے اپنی سی کوشش کرنے اور امکان سعی کو کام میں لانے والے کو بشارت بھی دی ہے کہ نہ صرف اس کی سعی کا نتیجہ نکلے گا بلکہ اس کی سعی مقبول ہوگی اور اللہ تعالیٰ اس میں اپنی طرف سے برکت اور اضافہ فرمائے گا، " ثم یجزنہ الجزآء الاوفی "۔

حضرات: بحیثیت اس مذہب کے متبع اور داعی کے ہم پر اور ہر مسلمان پر یہ فرض ہے کہ ملک کی تعلیمی تبدیلیوں کا بغور جائزہ لیتے رہیں اور ہر وقت ان پر نظر رکھیں اور یہ دیکھتے رہیں کہ ان کا اثر ہمارے مذہب، ہماری نسلوں کے دل و دماغ اور ان کے دینی و اخلاقی مستقبل پر کیا پڑے گا، میں یہ صاف کہہ دینا چاہتا ہوں کہ ہمارا مذہب بہت سے دوسرے مذاہب کے برخلاف جلد متاثر ہوتا ہے اور بہت زیادہ متاثر کرتا ہے اور یہ اس کا نتیجہ ہے کہ وہ ایک زندگی اور

ذی شعور مذہب ہے زندہ ہستی متاثر بھی ہوتی ہے اور موثر بھی، جو وجود زندگی کھو چکا ہوتا ہے، یا زندگی کے میدان سے کنارہ کش ہو جاتا ہے وہ نہ متاثر ہوتا ہے اور نہ موثر، ہم اپنے مذہب کے لئے یہ پوزیشن قبول کرنے کے لئے تیار نہیں کہ دنیا چاہے جتنی ہی بدل جائے، زندگی کے چاہے کیسے ہی نقشے بنیں، نئی نسلوں کو ڈھالنے کے لئے کیسے ہی سانچے تیار ہوں، ہمارے مذہب پر کوئی اثر نہیں پڑتا ہم بدستور مذہبی فرائض ادا کرتے رہیں گے انسان اور خدا کا رشتہ اسی طرح قائم رہے گا، ہمارا مذہب ایک پورا نظام حیات ہے، وہ زندگی کے ہر شعبہ کیلئے متعین ہدایت اور احکام دیتا ہے، اس لئے ہمیں ہر ملک اور ہر دور میں چوکنا رہنا چاہئے اور یہ دیکھتے رہنا چاہئے کہ کیا ہمیں اپنے ذہنی اخلاقی اور روحانی نشوونما کے لئے مناسب فضا اور سازگار ماحول میسر ہے، یا نہیں اور ہماری آئندہ نسلیں صحیح معنوں میں مسلمان رہ سکیں گی یا نہیں؟

پھر یہ بھی یاد رکھئے کہ اسلام صرف چند رسوم اور تقریبات کا نام نہیں چند عبادات تک بھی مخصوص نہیں، بلکہ یہ مکمل زندگی گذارنے طریقہ اور کامل دین ہے، ایک مختصر جملہ میں ہم کہہ سکتے ہیں کہ یہ مستقبل تہذیب ہے، بعض لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ اسلام کا کوئی مخصوص جملہ طرز زندگی اور اس کی کوئی مستقبل تہذیب نہیں، لہٰذا دوسری قومیں اور دوسرے ممالک کے لوگ اسلام قبول کریں تو اسلامی عقائد کو لے لینا ہی کافی ہے تہذیبی اقدار کو لینے اور اختیار کرنے کی ضرورت نہیں۔

میں بڑی صراحت کے ساتھ یہ واضح کر دینا چاہتا ہوں کہ یہ غیر اسلامی طرز فکر ہے، اسلام کو اصرار ہے کہ عقائد و اعمال کے ساتھ اس کا مخصوص طرز زندگی بھی اپنایا جائے قرآن وسنت کے منصوص طریقہ سے معلوم ہوتا ہے کہ اسلام ایک خاص طرح کی زندگی اور خاص طرح کی معاشرت چاہتا ہے، اسلام میں سونے جاگنے، کھانے پینے سے لیکر نکاح وطلاق اور وراثت تک کے متعین ضوابط واحکام ہیں، اور اسلام کے مطالبہ ہے کہ انھیں کے مطابق زندگی گزاری جائے، اس کی خلاف ورزی نہ ہو، نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بڑی باتوں سے لے کر انتہائی معمولی اور چھوٹی چھوٹی باتوں تک کی تعلیم دی اور صحابہ کرامؓ نے انھیں سمجھایا اور برتا۔

حضرات: اس غلط و ناقص نصاب تعلیم کی اصلاح کا مطالعہ اور اس کے لئے ہر طرح کی جدوجہد ہمارا آئینی حق اور وطنی وقومی فرض ہے، اگر ہم اس کو جرأت اور استقامت کے ساتھ

انجام دیں گے تو ہم اس ملک کے ساتھ حقیقی وفاداری اور صحیح حب الوطنی کا ثبوت بھی دیں گے، اس نصاب اور اس کے غلط اندیش و کوتاہ نظر مرتبین نے ہندوستان کی سب سے بڑی اقلیت کو جو صلاحیتوں سے معمور ہے، ایک ذہنی انتشار و اضطراب میں مبتلا کر دیا ہے، جو اس ملک کی قومی یکجہتی اور جذباتی ہم آہنگی کے لئے سخت مضر اور ہندوستان کی مجموعی ترقی و خوشحالی میں حارج ہے۔ اس لئے اس کی اصلاح اور اس نقص کا ازالہ اور سب سے بڑی خدمت ہے جو کوئی ہندوستانی انجام دے سکتا ہے، البتہ مذہبی طور پر یہ آپ کا فریضہ ہے اور اس میں کوتاہی یا اس سے رو گردانی مذہبی گناہ اور اسلام سے دشمنی ہے۔

لیکن اس کام کو جاری رکھتے ہوئے آپ کو وہ کام بھی کرنا ہے جس میں کسی حکومت کے کسی اقدام یا کارروائی کے انتظار کی ضرورت نہیں آپ کو اپنی نسل کے دینی تحفظ اور اسلام سے اس کے ربط و تعلق کا انتظام کرنا ہے اور یہ ذمہ داری غذا، لباس، دوا، علاج، تعلیم اور معاش سے، بدرجہا زیادہ ضروری ہے، آپ کو ہر حال میں اپنے بچوں کی اس ضروری دینی تعلیم و تربیت کا انتظام کرنا ہے، جس کے بغیر وہ مسلمان نہیں رہ سکتے، یہی آیت قرآنی ہے۔

یآیہا الذین آمنو قو آانفسکم واھلیکم نارا۔

مومنو، اپنے آپکو اور اپنے اہل و عیال کو آتش (جہنم) سے بچاؤ۔

کا مفہوم اور تفسیر ہے اور یہی حدیث کلکم راع و کلکم مسئول عن رعیته،،

(تم میں سے ہر ایک صاحب اختیار ہے اور اس سے اس کے ماتحتوں اور حلقہ اثر کے بارہ میں سوال ہوگا) کے حکم کی تعمیل ہے، اس کے لئے آزاد مکاتب صباحی و شبینہ مدارس، دینی مدارس، دینی مجالس، گھر کی تلقین و نگرانی، ماحول کی اصلاح، صحیح اور مفید کتابوں کی اشاعت اور ایسے بہت سے ذرائع ہو سکتے ہیں، خصوصا مدارس و مکاتب کا قیام اس وقت اتنا ضروری ہوگا کی ہے کہ میں نہیں سمجھتا کہ اس وقت نئی نسل کی اسلامیت کے بقاء و تحفظ کے لئے کوئی اور تدبیر اتنی مؤثر ہو سکتی ہے، اس سب کیلئے آپ کے قومی فیصلہ اور اجتماعی عزم کی ضرورت ہے۔

اس دنیا میں اللہ تعالٰی کی طاقت کے بعد (جو اصل طاقت ہے) دنیاوی لحاظ سے سب سے بڑی طاقت جو زندگی کے پہیے کو رواں دواں رکھتے ہوئے ہے، جو مختلف وقتوں میں دنیا میں تبدیلیاں لاتی رہتی ہے، پہاڑوں کو اپنی جگہ سے کھسکا دیتی ہے، دریاؤں کے رخ کو موڑ دیتی

ہے، سلطنتوں کے چراغ گل کر دیتی ہے، ایسے واقعات کو جن کا تصور بھی مشکل ہوتا ہے، وجود میں لے آتی ہے، وہ انسانی فیصلہ ہے، اس فیصلہ نے بارہا افراد کی، اور خاندانوں کی نہیں، قوموں کی اور انسانیت کی تقدیر بدل دی ہے، اللہ تعالیٰ نے انسان کو اس کا موقع دیا ہے کہ وہ اپنی صلاحیت کا اظہار اور زندگی کا استحقاق ثابت کر کے یا آبرو زندگی کے گذارنے کی مہلت لے لے، اور اس کے برعکس اپنی نااہلی، کفران نعمت اور ظلم و فساد کا مظاہرہ کر کے زندگی کا حق اور اللہ کی نعمتوں سے محرومی کا فیصلہ کرالے، اسی کا نام ہے تقدیر کا بدل جانا۔

ان اللہ لا یغیر ما بقوم حتی یغیروا مابانفسہم

اللہ تعالیٰ نے کسی قوم کی حالت میں تغیر نہیں کرتا جب تک وہ لوگ خود اپنی حالت کو نہیں بدل دیتے۔

اللہ فرماتا ہے کہ وہ کسی قوم کو دی ہوئی نعمت اس وقت تک نہیں چھینتا اور اس کی تقدیر نہیں بدلتا جب تک کہ وہ خود اپنے حالات میں تبدیلی پیدا کر کے ناشکری کر کے نعمت خداوندی سے محرومی اور عزت کے بعد ذلت کا فیصلہ نہ کر لے۔

حضرات: مسائل و مشکلات کی نہ تعداد مقرر ہے نہ نوعیت معین، کوئی بڑے سے بڑا مبصر اور مورخ بھی نہ ان کی تعداد بیان کر سکتا ہے نہ اقسام معین کر سکتا ہے، لیکن ایک ''شاہ کلید'' (MASTER KEY) ہوتی ہے جو سارے قفلوں کو کھول سکتی ہے، اور ساری رکاوٹوں کو دور کر سکتی ہے، اس کے لئے زمان و مکان کی بھی قید نہیں، اور اسباب و وسائل کی بھی شرط نہیں، وہ شاہ کلید جس سے ہر قفل کھل سکتا ہے، وہ ہے ملی عزیمت اور اجتماعی فیصلہ اگر اس ملک کے مسلمان یہ فیصلہ کر لیں کہ ان کو اپنی آئندہ نسلوں کے مستقبل کا تحفظ اور ان کی تعلیم کے مسئلہ کا حل ہر مسئلہ، ہر مفاد، ہر سہولت، ہر عزت، ہر خوشحالی اور ہر کامیابی سے زیادہ عزیز ہے تو یہ مسئلہ ایک دن میں حل ہو سکتا ہے، اس کے لئے ان کو ہر وہ قربانی دینی ہوگی، جس کی اس جمہوری ملک کے اندر دستور کے ماتحت گنجائش ہے اور جو اس ملک کی حقیقت پسندوں پر اور دنیا کے دوسرے ممالک پر ثابت کر دے کہ مسلمانوں کو اپنا دین و ایمان اور اپنی اولاد کا اسلام پر قائم رہنا ہر چیز سے زیادہ عزیز ہے، یہ کام بغیر کسی تخریب، کسی جارحانہ اقدام، کسی معاندانہ ذہنیت کسی حریفانہ کشاکش، کسی شر پسندی اور انتشار کے بغیر ہو سکتا ہے لیکن اس کے ذاتی مفادات ذاتی جذبات اور

ذاتی وابستگیوں کی قربانی کی ضرورت ہوگی، اس قربانی کے بغیر کسی چھوٹی سے چھوٹی قوم کا کوئی ادنیٰ سے ادنیٰ شعار، اس کی چھوٹی سے چھوٹی نشانی اور حقیر سے حقیر مفاد بھی محفوظ نہیں رہتا، ایک ملت کا مستقبل اور اس کی شہ رگ اس کی ورید حیات کیسے محفوظ رہ سکتی ہے، اس کا صرف ایک ہی حل ہے اور وہ ہے ملی عزیمت اور اجتماعی فیصلہ اور میں اس کو دور کی آخری دوا سمجھتا ہوں اور اقبال کے الفاظ میں اپنی گذارش کو ختم کرتا ہوں۔

خودی سے مرد خود آگاہ کا جمال و جلال
کہ یہ کتاب ہے باقی تمام تفسیریں
حکیم میری نواؤں کا راز کیا جانے
ورائے عقل ہیں اہل جنوں کی تدبیریں

وما علینا الا البلاغ المبین

آئندہ نسل کی فکر کیجئے

۱۲ اکتوبر ۱۹۹۳ء کو ندوہ کی شاخ مدرسہ جامعہ اسلامیہ مظفر پور، اعظم گڈھ میں مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی رحمۃ اللہ کی یہ تقریر شہر سے دور دیہات کے علاقہ میں دس ہزار کے مجمع میں ہوئی، جلسہ میں قرب وجوار کے علماء، مدرسہ کے بانی، مولانا تقی الدین صاحب استاد حدیث جامعۃ العین ابوظبی بھی موجود تھے۔

الحمد لله رب العالمين والصلوة والسلام على سيدالانبياء والمرسلين. امابعد.فاعوذ باالله من الشيطان الرجيم بسم الله الرحمن الرحيم" يايها الذين آمنواقوا انفسكم واهليكم نارا وقودها الناس والحجارة عليها ملئكة غلاظ شداد لا يعصون الله ماأمرهم ويفعلون ما يؤمرون،،.

''اے ایمان والو اپنے کو اور اپنے اہل وعیال، رشتہ داروں اور متعلقین کو اس آگ سے بچاؤ جس کا ایندھن انسان اور پتھر ہیں، جس پر تند ومضبوط فرشتے متعین ہیں، وہ اللہ رب العزت کی ذرا بھی نافرمانی نہیں کرتے، وہ جو حکم دیتا ہے وہ وہی کرتے ہیں، جوان کو حکم دیا جاتا ہے،،۔

اس کے بعد حضرت مولانا رحمۃ اللہ نے فرمایا، اگر یہ کہا جائے کہ سننے یا کہنے والے کی طبیعت ناساز ہے یا زیادہ دیر تک سننا نہیں چاہتے ہیں تو میں یہی آیت پڑھتا:

يا ايها الذين آمنو اقوا انفسكم واهليكم ، الى آخره

''اے ایمان والو، اپنے کو اور اپنے اہل وعیال ورشتہ داروں اور متعلقین کو اس آگ سے بچاؤ جس کا ایندھن انسان اور پتھر ہیں، جس پر تند ومضبوط فرشتے متعین ہیں، وہ اللہ رب العزت کی ذرا بھی نافرمانی نہیں کرتے جو حکم ان کو دیتا ہے، وہ وہی کرتے ہیں جوان کو حکم دیا جاتا،،

محترم بزرگو اور عزیز بھائیو:

ہندوستان پر بجلی گر رہی ہے، بادل امنڈ رہے ہیں، کہیں بارش بھی ہو رہی ہے، کھلم کھلا یہ

سازش کی جارہی ہے کہ مسلمان اپنے دین پر باقی نہ رہ سکے، ان کے درمیان اور غیر مسلم کے درمیان کوئی فرق نہ رہ جائے، ان کا شعار وہی ہو جو غیر مسلموں کا ہے، ان کا بیٹھنا، کھانا، پینا غیر مسلموں کے طریقہ پر ہو، ان کا لباس بھی غیر مسلموں جیسا لباس ہو، یہ ممکن ہے کہ کچھ دنوں تک صرف نام کے مسلمان رہیں، اس کے بعد نام بھی بدل دیا جائے۔

میرے عزیز بھائیو! تو ایسے وقت میں آپ سے گذارش کرتا ہوں کہ آپ اپنی آئندہ نسل کے بارے میں فکر کیجئے اس کی بہترین صورت یہ ہے کہ آپ ان کو ایسی تعلیم دلائیے جس کے ذریعہ سے یہ اپنے دین پر قائم رہ سکیں اور صرف ایک خدائے واحد و لاشریک کی عبادت کریں، زمانے کا رخ چاہے جس طرف ہو یہ اعلانیہ اعلان کریں کہ ہم تو مسلمان ہیں، ہم پیغمبر برحق محمد صلے اللہ علیہ وسلم کے دین کے پیروکار ہیں، ہم صرف ایک خدائے وحدہ لاشریک کی عبادت کرتے ہیں، اگر کوئی ان کی جان کے درپے ہو جائیں تو یہ کہہ سکیں ہم جان دے سکتے ہیں لیکن اپنے دین سے ہٹنے والے نہیں ہیں۔

قابل توجہ بات

مولانا نے فرمایا کہ میں نے بچپن میں پڑھا تھا کہ جب آدمی کی موت کا وقت قریب ہوتا ہے تو وہ اپنے اہل وعیال کو کچھ وصیتیں کرتا ہے، وہ اپنے اہل وعیال کو بلاتا ہے اور وصیت کرتا ہے کہ بیٹو آپس میں میل جول سے رہنا، میں نے ایک کتاب میں پڑھا تھا کہ ایک شخص کی موت کا وقت قریب آیا تو انہوں نے اپنے بیٹوں کو بلایا اور سب کو ایک ایک لکڑی دی اور حکم دیا کہ کو توڑو، تو سب نے لکڑیاں توڑ دیں، تو پھر انہوں نے سب لکڑیوں کو ملا دیا اور کہا کہ اچھا اب توڑو، تو ان میں کوئی توڑ نہ سکا، تو انہوں نے کہا کہ اگر اسی طرح تم لوگ آپ میں میل جول سے رہو گے تو تمہیں کوئی نقصان نہیں پہنچا سکتا یہ تو دنیا داروں کی وصیت ہوئی، اب ذرا اللہ کے نبی حضرت یعقوب علیہ السلام کی وصیت کو دیکھئے، خود رب العزت ان کے قول کی نقل فرماتا ہے:

"ام کنتم شھداء اذحضر یعقوب الموت اذقال لبنیه ماتعبدون من بعدی قالوا نعبد الٰھک والٰه آبائک ابراھیم واسماعیل واسحٰق الٰھا واحدا ونحن لهٗ مسلمون"۔

یہ قرآن پاک کا خاص اسلوب ہے کہ اگر پوری طرح اس کی طرف متوجہ کرنا ہوتا ہے، تو

کہتا ہے کہ کیا تم اس وقت موجود تھے جس وقت حضرت یعقوب علیہ السلام کی موت کا وقت قریب آیا تو انہوں نے اپنے بیٹوں، بھتیجوں، پوتوں اور نواسوں سے کہا کہ یہ بتاؤ، کہ تم میرے بعد عبادت کس کی کروگے؟ مجھے اس وقت تک اطمینان نہیں ہوگا، میری پشت زمین سے نہیں لگے گی، جب تک تم مجھے یہ نہیں بتاؤ گے کہ تم میرے بعد عبادت کس کی کروگے، ذرا غور کیجئے، حضرت یعقوب علیہ السلام خود نبی، ان کے والد نبی ان کے چچا نبی، ان کے دادا حضرت ابراہیم علیہ السلام نبی، نبی کا گھرانا ہے، ان کی موت کا وقت قریب آتا ہے تو وہ اپنے بیٹوں، بھتیجوں، پوتوں، نواسوں کو جمع کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ مجھے اس وقت تک اطمینان نہیں ہوتا میری پشت زمین سے نہیں لگے گی جب تک تم مجھے یہ اطمینان نہ دلا دو کہ تم میرے بعد کس کی عبادت کروگے، مجھے یہ یقین ہے کہ ان لوگوں نے کہا ہوگا، میرے ابا جان، چچا جان، نانا جان، یہ بھی کوئی پوچھنے کی بات ہے، ہم نے اس گھر میں اب تک دیکھا کیا ہے، ہم نے اس گھر میں عبادت کس کی ہوتے ہوئے دیکھا ہے لیکن اس سب کو قرآن پاک نے ذکر نہیں کیا ہے۔

ان لوگوں نے باتفاق کہا کہ ہم آپ کے معبود آپ کے والد حضرت ابراہیمؑ، حضرت اسماعیل، حضرت اسحاق کے خدا کی عبادت کریں گے، جو اکیلا معبود ہے، ہم تو اسی کے فرمانبردار ہیں، یہ غیرت کی بات ہے، خدا کی غیرت نے یہ گوارہ نہیں کیا کہ اس کے بعد کوئی اور جملہ ہو، فوراً کہا ہم تو آپ کے معبود، آپ کے والد حضرت ابراہیمؑ، حضرت اسماعیلؑ، حضرت اسحاق کے معبود کی عبادت کریں گے، جو اکیلا معبود ہے، ہم تو اسی کے مطیع وفرمانبردار ہیں۔

میرے عزیز بھائیو: تو میں آپ سے کہتا ہوں کہ آپ اپنی اولاد کو ایسی تعلیم دلائیے جس کے ذریعے سے یہ دین کو پہچان سکیں ان کے درمیان دوسری قوموں کے درمیان امتیاز باقی رہے اور اپنے دین پر کاربند ہوں ان کے اندر شریعت محمدی کا احترام ہو، یہ پیغمبر برحق محمد صلے اللہ علیہ وسلم کی غلامی پر فخر کریں، یہ دین کی خاطر جان کی بازی لگادیں، یہ اعلانیہ کہہ سکیں ہم تو مسلمان ہیں، ہم دین حق کے پیروکار ہیں، ہم اس خدا کو ماننے والے ہیں، جو ”الا لہ الخلق والامر“، خالق بھی وہی ہے اور منتظم بھی وہی۔

وہ وحدہٗ لاشریک ہے، ہم اسی کے سامنے سجدہ ریز ہوتے ہیں، ہم اسی سے اپنی ضرورت کا مطالبہ کرتے ہیں وہی ہمارا خالق و مالک اور منتظم ہے۔

اس کے بعد حضرت مولانا نے اردو زبان کی اہمیت پر روشنی ڈالتے ہوئے فرمایا کہ عربی کے بعد اردو زبان میں دین وشریعت کا جتنا حصہ محفوظ ہے وہ کسی اور زبان میں نہیں، پھر اہل اعظم گڈھ سے مخاطب ہو کر فرمایا کہ آپ کے یہاں دارالمصنفین شبلی اکیڈمی جیسا ادارہ موجود ہے، اس نے دین کی بڑی اشاعت کی ہے، سیرت النبی جیسی کتاب یہاں سے چھپی ہے، یہ سیرت کی ایسی کتاب ہے جو کسی دوسری زبان میں نہیں پائی جاتی الحمدللہ اس کا عربی میں ترجمہ ہو چکا ہے، اور خطبات مدراس جیسی مدلل اور واضح کتاب کسی دوسری زبان میں نہیں پائی جاتی، الحمدللہ اس کا بھی عربی میں ترجمہ ہوگیا ہے، اگر آپ نے اس سے فائدہ نہیں اٹھایا تو یہ آپ کی محروم ہے، اور باعث خسارہ ہے۔

اخیر میں حضرت مولانا نے جامعہ اسلامیہ کی ترقی کو دیکھ کر دلی خوشی کا اظہار فرمایا اور مزید ترقی کے لئے دعا فرمائی۔

اسلامی قوانین کی ضرورت واہمیت

آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ احمد آباد۔ گجرات منعقدہ ۷/۸ اکتوبر ۱۹۹۵ء میں پڑھا گیا خطبہ صدارت

الحمد لله رب العالمين والصلوة والسلام على سيد المرسلين وخاتم النبيين محمد وآله وصحبه أجمعين ومن تبعهم باحسان ودعا بدعوتهم الىٰ يوم الدين.

حضرات علمائے کرام، برادران اسلام وحاضرین جلسہ!

اہل عرب جب کسی عمل یا کارروائی کے متعلق یہ تاثر دینا چاہتے ہیں کہ وہ برمحل اور برموقع ہوئی تو کہتے ہیں، ”جاء فی مکانہ وفی أوانہ“، یہ بات اپنے صحیح محل ومقام اور مناسب موقع اور وقت پرپیش آئی (یا پیش کی گئی)۔

اس حقیقت پسندانہ جملہ کی روشنی میں پہلے اس حقیقت اور واقعہ کا اعتراف واعلان کیا جاتا ہے، کہ مسلم پرسنل لا بورڈ کا یہ بارہواں اجلاس اپنے صحیح محل ومقام پر ہورہا ہے، اور پھر عرض کیا جائے گا کہ وقت اور ضرورت کے تقاضہ کی بناء پر منعقد کیا جارہا ہے اور یہ ایک فریضہ کی ادائیگی اور حقیقت پسندی اور فرض شناسی کا ثبوت ہے۔

جہاں تک اجلاس کے محل ومقام کی مناسبت اور اس اجلاس کے یہاں منعقد کرنے کے جواز بلکہ معقولیت اور صحیح انتخاب کا سوال ہے صوبۂ گجرات (جو اس صوبہ کا قدیم تاریخی اور علمی دنیا میں معروف نام ہے) کے بارے میں ہندوستان کے اسلامی عہد کے سب سے بڑے مورخ وسوانح نگار پدر بزرگوار مولانا حکیم عبدالحی صاحب حسنی، سابق ناظم ندوۃ العلماء کی کتاب سے چند اقتباسات پیش کرنے پر قناعت کی جائے گی، جو گجرات کے بارے میں پائے جاتے ہیں۔

علوم فنون میں گجرات شیراز تھا، توحیدی خدمات کے لحاظ سے یمن میمون سے مماثلت

رکھتا تھا، علم حدیث کی سرگرمی کے ساتھ یہاں فقہ میں بھی شاندار کارنامے انجام پائے تھے، ہندوستان کے کسی دوسرے علاقہ کی علمی اور تمدنی سرگرمیوں کی تاریخ اتنی مسلسل اور طویل نہیں ہے جتنی گجرات کی،،۔

اس اجلاس وضوع کی مناسبت سے کہا جاتا ہے کہ گجرات کے فقہ حنفی اور اصول فقہ میں بھی امتیازی حصہ ہے، یہاں مفتی رکن الدین ناگوری نے جو نہروالہ کے مفتی تھے، فقہ حنفی کے دو سو چار کتابوں کو پیش نظر رکھ کر فتاوی حمادیہ تصنیف کی، جس کے حوالے فتاوی عالمگیریہ میں جابجا ملتے ہیں۔

اسی طرح مفتی قطب الدین (۹۹۹ھ) کا ذکر کئے بغیر بھی رہا نہیں جاتا، جن کو حرم شریف میں درس دینے کا شرف حاصل ہوا، علامہ قاضی شوکانی صاحب نیل الاوطار نے اپنی کتاب ''البدر الطالع،، میں بڑے بلند الفاظ میں ان کا ذکر کیا ہے، یہ ایک تاریخی حقیقت ہے کہ حرمین شریفین اور دیار عرب میں، جن کے فضل وکمال کا سب سے زیادہ اعتراف کیا گیا اور جن سے استفادہ وباعث فخر وشرف سمجھا گیا، وہ زیادہ تر علماء گجرات تھے، وکفی به فخرا وشرفا۔

اس سلسلہ میں وزیر آصف خان کا نام لینا کافی ہوگا، جن کو یہ شرف وخصوص حاصل ہے کہ علامہ ابن حجر مکی نے ان کے حالات پر مستقل رسالہ لکھا، جس میں وہ لکھتے ہیں۔

''جس زمانہ میں آصف خان مکہ معظمہ میں آکر رہے تھے عجب طرح کی رونق مکہ معظمہ میں پیدا ہوگئی تھی، علماء وفقہاء ان کی صحبت کو غنیمت سمجھتے تھے، گھر گھر علم کا چرچا ہو گیا تھا، مکہ والوں نے تحصیل علم میں پوری کوشش کی تھی، انھوں نے اہل علم پر اپنے احسان وکرم کے دائرہ کو اس قدر وسیع کر دیا تھا جس کی نظیر ان کے معاصرین میں بلکہ ایک مدت سے مفقود تھی، علامہ عز الدین عبدالعزیز مکی نے آصف خان کی مدح میں چھیاسی شعر کا قصیدہ لکھا،،۔

دنیا ودینیہ بالخصوص فقہ وقضاء وافتاء کی صلاحیت میں علماء گجرات کے امتیاز واختصاص کا نتیجہ تھا کہ سلطنت دہلی نے بھی ان کے اس امتیاز واختصاص سے فائدہ اٹھایا، اور ان کو قاضی القضاۃ کے عہدہ پر فائز کیا، قاضی شیخ الاسلام گجراتی دارالملک دہلی کے قاضی تھے ۱۰۸۶ھ میں عالمگیر نے ان کو مجبور کر کے ''اقضی القضاۃ،، کا عہدہ عنایت کیا، اس عہدہ جلیلہ کے فرائض انہوں نے نہایت آزادی اور راست بازی کے ساتھ انجام دیئے اور حق بات کے ظاہر کرنے

میں کسی بادشاہ کے سامنے بھی نہیں چوکے، ان کے بعد ان ہی کے داماد قاضی ابو سعید ۱۰۹۴ء میں ان کی جگہ ”اقضیٰ القضاۃ،، کے عہدۂ جلیلہ پر فائز ہوئے، عہد عالمگیری میں دہلی کے اقضیٰ القضاۃ کے عہدہ کے لئے گجرات ہی کے علماء کا منتخب ہونا اس کے علمی وفنی امتیاز کا کھلا ثبوت ہے۔

شخصی، خاندانی وموروثی سلطنت کے دور میں والیان سلطنت کے وزراء کا نہ صرف متبع شریعت وسنت ہونا، بلکہ صلاح وتقویٰ میں شرع ودین کی واقفیت میں ممتاز ہونا پوری قلمرو، زیر حکومت علاقہ اور خواص وعوام کے طبقہ پر اثر انداز ہوتا ہے اور اس سے پوری قلمرو میں دین کا احترام اور شریعت پر عمل کرنے کا جذبہ اور رجحان پیدا ہو جاتا ہے، اس سلسلہ میں بھی گجرات کو ایک محدود لیکن طویل مدت تک (یہ امتیاز حاصل رہا ہے، کہ یہاں بعض ایسے سلاطین صاحب اقتدار اور فرمانروائے ملک رہے ہیں جن کی نظیر کم سے کم ہندوستان کے صوبوں کی تاریخ اور سلاطین وقت کی سوانح (سلطان محی الدین اورنگ زیب) کو مستثنیٰ کر کے، جن کو بعض فضلائے عرب نے ”سادس الخلفاء الراشدین،، کا لقب دیا ہے) میں مشکل سے ملتی ہے، اس سلسلے میں سب سے زیادہ نمایاں مظفر شاہ حلیم گجراتی (م ۹۳۲ھ) کی ذات ہے، مولانا سید عبدالحی صاحبؒ تذکرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

”فضل وکمال کے ساتھ تقویٰ وعزیمت کی دولت بھی اس نے خداوند پائی تھی، تمام عمر نصوص احادیث پر عمل رہا، ہمیشہ باوضو رہتا، نماز جماعت کے ساتھ پڑھتا، روزے عمر بھر نہیں چھوٹے،،۔

ان سلطاطین میں بعض ایسے سلاطین گزرے ہیں جن کی خدمت دین، اشاعت علم اور اس کی سرپرستی کا دائرہ گجرات ہی کے حدود سے نہیں بلکہ ہندوستان کے حدود سے بھی نکل کر مرکز ومصدر علم دین، حجاز مقدس تک وسیع تھا، وکفیٰ بہ فخر وشرفا۔

مولانا سید عبدالحی صاحبؒ لکھتے ہیں کہ:

”محمود شاہ دوم (م ۹۶۱ء) کی توجہ وسرپرستی سے مکہ معظمہ میں ایک عظیم الشان مدرسہ باب عمرہ سے متصل قائم کیا گیا، جس میں علامہ شہاب الدین ابن حجر مکی اور عز الدین، عبدالعزیز زمزمی وغیرہ علماء مکہ تدریس کی خدمت انجام دیتے تھے، علاوہ اس کے کئی رباط اور مکتب مکہ

معظمہ میں تعمیر کئے گئے،،۔

محمود شاہ نے اس پر قناعت نہیں کی بلکہ اس نے خلیج لنبایہ (کھمبایت) محترمین میں رہنے والوں کے واسطے وقف کر دی تھی، یہاں سے ایک لاکھ اشرفیوں کی قیمت کا مال جدہ بھیجا جاتا تھا، اور اس کے بھیجنے میں جو کچھ صرف ہوتا تھا، وہ خزانہ شاہ سے دیا جاتا تھا، اس مال کی فروخت سے جو کچھ آمدنی ہوتی تھی۔ وہ سب اہل حرمین محترمین پر تقسیم کر دی جاتی تھی۔

حضرات: ان قابل فخر تاریخی حقائق اور گجرات کے شاندار علمی و دینی دور کا تقاضہ ہے کہ حفاظت وحمایت شریعت بلکہ غیرت دینی وحمیت اسلامی کا جو قدم ہندوستان بلکہ دنیا کے کسی بھی حصہ میں اٹھایا جائے، اور مسلمانوں کو پوری شریعت پر عمل کرنے، جس میں وہ عائلی قانون (پرسنل لا) بھی داخل ہے، جس کی بنیاد کتاب وسنت کے نصوص، آیات قرآنی اور احادیث صحیحہ پر ہے، اور اپنے معاشرتی معاملات، ازدواجی وعائلی زندگی کے مختلف مراحل اور تقاضوں کے سلسلہ میں شرعی وقانونی طور پر خود کفیل ہونے اور اپنے تشخص کو برقرار رکھنے کی دعوت دی جائے، تو اہل گجرات اس پر لبیک کہیں اور اس کے لئے اپنے صوبہ کو موافق ومعاون بنائیں۔ بلکہ اس کی کامیابی اور نفاذ کے لئے اگر ہندوستان کے کسی گوشہ سے بھی صدا اٹھائی گئی ہے اور اس کے لئے جدوجہد شروع کی گئی ہے تو اس کے ساتھ پورا تعاون واشتراک کریں۔

حضرات: اب جب اسلام کے عائلی قانون کا تذکرہ آگیا ہے تو مناسب بلکہ ضروری معلوم ہوتا ہے کہ اس عائلی قانون کی بلندی وبرتری، اس کے انسانیت کے احترام، فطرت انسانی سے مطابقت، عورت کے اسلام میں مرتبہ اور اس کے حقوق کے اعتراف، اس کے ساتھ انصاف بلکہ رعایت وفیاضی کے بارے میں بھی کچھ عرض کیا جائے، اور قوانین مروجہ دنیا کے مختلف مذاہب وتہذیبوں اور معاشرتی وازدواجی زندگی کے رائج الوقت نمونوں اور مناظر کو سامنے رکھ کر، تقابلی مطالعہ (COMPARATIVE STUDY) کی روشنی میں کچھ غیر مسلم مفکرین، ماہرین قانون، تمدن وتہذیب عالم کے مؤرخین اور فضلاء کے اقوال پیش کئے جائیں، جنھوں نے اسلام کے عائلی قانون کی برتری، انصاف پروری، احترام انسانی نہیں بلکہ احترام نسوانی کا برملا اعتراف کیا ہے، اس کی ضرورت اس لئے بھی محسوس کی جاتی ہے، کہ عام طور پر غیر اسلامی ذرائع ابلاغ پریس ایک یک طرفہ ناقدین نے اس کے بارے میں عام طور پر

یہ تاثر دینے کی کوشش کی ہے کہ اسلام کا عائلی قانون، طبقۂ نسواں کے ساتھ انصاف پر مبنی نہیں ہے، وہ قدیم تہذیب و معاشرت اور اس عہد کی یادگار ہے، جب عورت کو وہ درجہ نہیں دیا جاتا تھا، جس کی وہ مستحق ہے، اور یہ قانون اب اس ترقی یافتہ دور میں باقی رہنے اور چلنے کے قابل نہیں ہے، جب حقائق سے پردہ اٹھ گیا ہے، قدیم رسم و رواج داستان پارینہ بن گیا ہے، عورت زندگی میں برابر کی شریک ہے، اور اب ترقی یافتہ مغرب ہی اس سلسلہ میں قابل تقلید و استفادہ ہے۔

اس پروپیگنڈہ کا کچھ اثر مسلمان بالخصوص جدید تعلیم یافتہ طبقہ پر بھی ہوا ہے اور وہ ایک طرح کے احساس کمتری (INFERIORITY OOMPLIXI) میں مبتلا ہو گیا ہے، اور اس میں اپنے عائلی قانون پر افتخار ہی نہیں اعتماد و اطمینان اور دفاع کا جذبہ بہت جگہ سرد پڑ گیا ہے، ہم اس موقع پر چند مغربی ماہرین قانون، مؤرخین تمدن و تہذیب اور مغربی دانشوروں کے اقوال پیش کرتے ہیں، جنہوں نے صاف اس بات کا اعتراف کیا ہے، کہ اسلام کا عائلی قانون دوسرے قوانین کے مقابلہ میں کہیں زیادہ منصفانہ، حقیقت پسندانہ اور کہیں زیادہ طبقۂ نسواں کے احترام اور اس کے ساتھ انصاف و مراعات پر مبنیٰ ہے، یہ بیانات ہمارے مرعوب تعلیم یافتہ طبقہ کی آنکھوں سے پردہ اٹھا دینے کیلئے کافی ہیں، جس نے آزاد تقابلی مطالعہ کی زحمت گوارہ نہیں کی، اور یک طرفہ سطحی بیانات سے متاثر ہے۔

اس سلسلے میں ہم سب سے پہلے ایک مغربی فاضلہ کا بیان پیش کرتے ہیں، اس لئے کہ اس سلسلہ میں خواتین زیادہ (SDENSITIVE)، جذباتی، زود احساس اور رقیق الشعور (SENTIMENTAL) واقع ہوتی ہے، اس لئے کہ یہ ان کے طبقہ کا قضیہ ہے اور وہ اپنے طبقہ کی طرف سے دفاع اور اس کی حمایت اپنا فرض سمجھتی ہیں

مسز اینی بسنٹ (MRS.ANNIE BESANT)

ہندوستان میں ایک تربیتی اصلاحی تحریک کی قائد اور صوفی ہند نے ایک ثقافتی ادارہ (تھیاسوفیکل سوسائٹی) کی صدر رہی ہیں، انہوں نے ہندوستان کی تحریک آزادی میں بھی حصہ لیا تھا، وہ اپنی کتاب ''ہندوستان کے عظیم مذاہب،، میں لکھتی ہیں۔

''قرآن مجید کی آیت ہے، ومن یعمل من الصالحات من ذکر أو أنثی وھو مؤمن فاولئک یدخلون الجنة ولا یظلمون نقیرا۔ (اور جو کوئی نیکیوں پر عمل کرے

کا (خواہ) مرد ہو یا عورت اور وہ صاحب ایمان ہو تو ایسے سب لوگ جنت میں داخل ہوں گے، اور ان پر ذرا بھی ظلم نہ ہوگا) پیغمبر محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی تعلیمات عام اخلاقی ہدایات میں محدود نہیں، بلکہ عورتوں کی وراثت کیلئے پورا قانون قرآن مجید میں موجود ہے اور وہ قانون اپنے عدل وانصاف اور آزادی کی وسعت اور کارفرمائی میں اس مسیحی وانگریزی قانون سے کہیں زیادہ فائق ہے، جس پر اب سے بیس سال پہلے تک برطانیہ میں عمل ہوتا رہا ہے۔ اسلام نے عورت کے لئے جو قانون بنایا ہے وہ ایک مثالی قانون کا درجہ رکھتا ہے، اس نے عورتوں کے حقوق کی حفاظت اور اس کافی حد تک ان کی مدد کا ذمہ لیا ہے اور ان کے کسی ایسے حصہ (جو وہ اپنے اعزا، بھائیوں اور شوہروں سے پائیں) دست درازی کا سد باب کر دیا ہے۔

ایک دوسری جگہ لکھتی ہیں:۔

"یک زوجگی وتعدد ازدواج کے الفاظ نے لوگوں کو مسحور کر دیا ہے، اور وہ مغرب میں عورت کی اس ذلت پر نظر ڈالنا نہیں چاہتے، جس سے اس کے اولین محافظ مردوں پر صرف اس لئے پھینک دیتے ہیں کہ اس سے ان کا دل بھر جاتا ہے اور پھر وہ ان کی کوئی مدد نہیں کرتا،، عظیم ونامور فرنچ مصنف ودانشور گستاولیبان اپنی شہرۂ آفاق کتاب "تمدن عرب،، میں لکھتا ہے۔

"میراث کے وہ اصول جو قرآن میں صراحت کے ساتھ آئے ہیں، وہ عدل وانصاف کا ایک واضح مظہر ہیں، ان کے اور ان حقوق وقوانین کے درمیان مقابلہ کرنے سے فرانس وانگلستان میں عورت کے بارے میں ہیں، صاف ظاہر ہوتا ہے کہ شریعت اسلامی نے شادی شدہ خواتین کو (جن کے بارے میں مغرب میں دعویٰ کیا جاتا ہے کہ مسلمان ان کے ساتھ اچھا سلوک نہیں کرتے)

میراث کے وہ حقوق دیئے ہیں، جن کی نظیر ہمارے قوانین میں نہیں ملتی، اسلام کا اثر مشرق میں عورت کی پوزیشن پر بہت گہرا اور وسیع تھا، اس نے عورت کی معاشرتی پوزیشن کو گھٹانے کے بجائے بہت بلند کر دیا۔ ان تمام دعاوی ومزعومات کے خلاف، جو بغیر کسی دلیل ومطالعہ کے یورپ میں دہرائے جاتے ہیں، قرآن نے عورت کو وہ وراثتی حقوق عطا کئے ہیں، جو ہمارے مغربی قوانین سے کہیں بہتر ہیں، اسلام میں عورتوں کے مرتبہ واہمیت پر اس سے بھی روشنی پڑتی ہے کہ عربوں کے تمدن کے عروج کے زمانہ میں ان میں کثرت سے ایسی خواتین نظر آتی ہیں جو

بڑا بلند علمی و ادبی مقام رکھتی تھیں عہد عباسی میں ان کی ایک بڑی تعداد مشرق میں اور عہد اموی میں اسپین (اندلس) میں پائی جاتی تھی۔

والٹیر (VOLTAIRE) اپنے مضمون میں، جو فلسفہ قرآن کے عنوان سے ہے، ڈکشنری آف فلاسفی (DICTIONARO OF PHILOSOPHY) میں لکھتا ہے۔

''ہم اس سے ناواقف نہیں ہیں کہ قرآن، عورت کا وہ امتیاز مانتا اور بیان کرتا ہے، جو اس کو فطرت کی طرف سے ملا ہے لیکن قرآن اس بارے میں تورات سے مختلف نظر آتا ہے، کہ وہ عورت کی فطری کمزوری کو'' خدائی سزا'' نہیں مانتا جیسا کہ سفر التکوین الاصحاح الثالث نمبر ١٦ میں ہے۔

یہ غلط بیانی اور تلبیس کی بات ہے کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) جیسے عظیم شارح کی طرف عورتوں کے حق میں زیادتی و ناانصافی منسوب کی جائے، حقیقت تو یہ ہے کہ قرآن کہتا ہے کہ:

فان کرهتموهن فعسى ان تكرهوا شيئا ويجعلل الله فيه خيرا كثيرا۔

اگر وہ تمہیں ناپسند ہوں، تو عجب کیا کہ تم اس شئی کو ناپسند کرو اور اللہ اس کے اندر کوئی بڑی بھلائی رکھ دے۔

نیز

ومن آية أن خلق لكم من انفسكم ازواجا لتسكنوا اليها وجعل بينكم مودة ورحمة ان فی ذلک لآیت لقوم یتفکرون.

اور اسی کی نشانیوں میں ہے کہ اس نے تمہارے لئے تمہاری ہی جنس کی بیویاں بنائیں تا کہ تم ان سے سکون حاصل کرو اور اس نے تمہارے (یعنی میاں بیوی کے) درمیان محبت و ہمدردی پیدا کر دی، بیشک اس میں ان لوگوں کے نشانیاں ہیں جو کام لیتے رہتے ہیں۔

دوسرا مغربی مصنف اپنی کتاب DEFENCEI OF ISLAM میں لکھتا ہے۔،

''اگر معاشرتی نقطۂ نظر سے یورپ میں عورت ایک بلند مرتبہ و مقام پر پہنچ گئی ہے تو اس میں شک نہیں کہ اس کی پوزیشن مذہبی و قانونی حیثیت سے چند سال پہلے تک (اور بعض

مقامات پر اب تک) اپنے مرتبہ ومقام میں اس سے کم ہے، جو مسلمان خاتون کو عالم اسلام میں حاصل ہے،،۔

مسٹر (N COULSON) لکھتے ہیں۔

"بلاشبہ عورتوں کی حیثیت کے بارے میں خاص طور پر شادی شدہ عورتوں کے معاملہ میں قرآنی قوانین افضلیت کے مقام رکھتے ہیں، نکاح اور طلاق کے قوانین کثیر تعداد میں ہیں، جن کا عمومی مقصد عورتوں کی حیثیت میں بہتری لانا ہے اور وہ عربوں کے قوانین میں انقلاب انگیز تبدیلی کے مظہر ہیں، اسے قانونی شخصیت عطا کی جو اس سے پہلے حاصل نہیں تھی، طلاق کے قوانین میں قرآن نے سب سے بڑی تبدیلی جو کی ہے وہ عدت کی اس میں شامل کرنا ہے،،۔

حضرات: ان نقول واقتباسات کے جو اسلام کے عائلی قانون کی نہ صرف معقولیت، انصاف پسندی بلکہ امتیاز وبرتری کی شہادتوں پر مشتمل تھے پیش کرنے کے بعد اہل دین واہل دانش نے اس تاریخی اجتماع سے فائدہ اٹھاتے ہوئے یہ حقیقت بھی پیش کرنا ضروری سمجھتا ہوں کہ فلسفہ اخلاق، وفلسفہ نفسیات اور فلسفہ مذاہب کا مطالعہ کرنے والے جانتے ہیں کہ مذہب کو اپنے مخصوص نظام معاشرت وتہذیب سے الگ نہیں کیا جا سکتا، دونوں کا ایسا فطری تعلق اور رابطہ ہے کہ معاشرت مذہب کے بغیر صحیح نہیں رہ سکتی اور مذہب معاشرت کے بغیر موثر ومحفوظ نہیں رہ سکتا، اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ آپ مسجد میں مسلمان ہیں (اور مسجد میں کتنی دیر مسلمان رہتا ہے، اپنے سارے شوق عبادت کے باوجود؟) اور گھر میں مسلمان نہیں اپنے معاملات میں مسلمان نہیں، اپنے عائلی وخاندانی روابط وتعلقات میں مسلمان نہیں، حقوق کی ادائیگی اور ترکہ کی تقسیم میں مسلمان نہیں۔

اس لئے ہم اس کی بالکل اجازت نہیں دے سکتے، کہ ہمارے اوپر کوئی دوسرا نظام معاشرت، نظام تمدن اور عائلی قانون مسلط کیا جائے، ہم اس کو دعوت ارتداد سمجھتے ہیں، اور ہم اس کا اس طرح مقابلہ کریں گے، جیسے دعوت ارتداد کا کرنا چاہئے، اور یہ ہمارا شہری، آئینی، جمہوری اور دینی حق ہے، اور ہندوستان کا دستور اور اس جمہوری ملک کا آئین اور مفاد نہ صرف اس کی اجازت دیتا ہے، بلکہ اس کی ہمت افزائی کرتا ہے کہ جمہوریت کی بقاء، اپنے حقوق کے

تحفظ اور اظہار خیال کی آزادی، ہر فرقہ اور اقلیت کے سکون واطمینان میں مضمر ہے۔

مگر ابھی آئینی اور حکومتی سطح پر کوئی ایسا اقدامی یا خطرہ سامنے نہیں آیا تھا، جس کا کھلے طور پر نوٹس لیا جائے، اور اس خطرہ کا دفاع کرنے یا اس سے محفوظ رہنے کی منظم اور جمہوری طریقے پر کوشش کی جائے کہ اچانک سپریم کورٹ کی طرف سے یکساں عائلی قانون کے نفاذ کا مطالبہ کیا گیا، اور حکومت کی توجہ دلائی گئی کہ وہ دستور ہند کے اس رہنما اصول کو نافذ کرے، کہ اس سے ملک میں اتحاد، معاشرے میں یکسانی اور وحدت پیدا ہوتی ہے اور اس سے ان بعض خطرات کا ازالہ ہوتا ہے، جو بعض فرقوں (بلکہ صحیح معنی میں اکثریت) کو پیش آرہے ہیں،،

سپریم کورٹ کے اس شگوفہ کو چھوڑنے سے جو دستور ہند کے بنیادی اصول اور دفعہ ''مذہب میں عدم مداخلت،، کے بالکل منافی اور اقلیت کے لئے ایک چیلنج ہے، مسلمانوں اور خاص طور پر دین کا علم اور ملی غیرت رکھنے والوں اور ان میں بھی خصوصی طور پر مسلم پرسنل لا بورڈ کے ذمہ داروں کو چونکا بلکہ لرزا دیا، جنہوں نے مطلقہ کو دائمی نفقہ دینے کے خلاف مہم چلائی تھی، اور سپریم کورٹ کے اس فیصلہ کو منسوخ کرانے میں جو اس نے شاہ بانو کیس میں کیا تھا، غیر معمولی اور تاریخی کامیابی حاصل کی تھی۔

سپریم کورٹ کی حکومت کو اس توجہ دہانی اور پریس میں اس کے آجانے کے بعد مسلمانوں میں (بااختلاف فرقہ واریت، حلقہ خیال اور سیاسی تنظیم وپارٹی) ایک ہلچل مچ گئی اور شاہ بانو کیس سے بھی زیادہ اس مذہب میں صریح مداخلت کے خطرات پیدا ہوگئے اس لئے کہ شاہ بانو کیس صرف ایک جزئیہ سے تعلق رکھتا تھا، وہ مطلقہ کو دائمی نفقہ دینے کا مسئلہ تھا، جس کی شریعت اسلامی میں کوئی قید وشرط نہ تھی لیکن یونیفارم سول کوڈ پوری شریعت اسلامی، نکاح وطلاق تعدد وازدواج کی اجازت، نفقہ ومیراث سب کیلئے ایک چیلنج اور ان کے ازالہ اور سد باب کیلئے دروازہ کھولنا تھا، اور مسلمانوں کے لئے (جو ایک مکمل آسمانی شریعت منزل من اللہ کتاب اور عادلانہ ومطابق فطرت معاشرتی قانون رکھتے ہیں، خطرہ کی ایک گھنٹی بلکہ زندگی کی پوری چلتی ہوئی گاڑی کیلئے خطرہ اور روکنے کا ایک سگنل تھا۔

پھر سپریم کورٹ کی یہ توجہ دہانی بالکل ایک بے وقت، بے ضرورت اور بے فائدہ کام تھا کہ اس ملک کے حالات میں کوئی بہتری، باہمی اعتماد کی فضا ایک ملک کی تعمیر وترقی کے لئے

کوئی جذبہ اور جوش نہیں پیدا ہوتا تھا بلکہ ملک میں ایک نئے انتشار کا اندیشہ اور صف آرائی کا خطرہ تھا اس لئے کہ ہم مسلمان اپنے عائلی قانون کو (بجا طور پر) عقائد وفرائض کی طرح دین کا ایک جزء اور قرآن کا ایک حصہ سمجھتے ہیں، اس عائلی قانون کی بنیادیں، اس کے اہم اجزاء قرآن مجید میں (نصوص کی صورت میں) صراحۃً موجود ہیں پھر اس سے ملک کے مختلف فرقوں اور مذہبوں میں کسی طرح بھی اتحاد اور وحدت نہیں پیدا ہو سکتی کہ اس کا اس سے دور کا بھی تعلق نہیں، اور دن رات اس کا مشاہدہ ہوتا رہتا ہے کہ ایک عائلی قانون رکھنے والے ایک دوسرے سے برسر پیکار اور دست وگریباں ہیں۔

اس سلسلہ میں کچھ فیصلے اور اقدامات ضروری ہیں، جو اس ملک میں آئینی حیثیت اور اعلان کی حد تک سیکولر (SECULAR) ہے لیکن عملی اور واقعاتی طور پر وہ اکثریت کے مذہب، تہذیب ومعاشرت اور رجحانات کے تابع ہوتا جا رہا ہے، اور یہاں تدریجی طور پر ملک کا رخ اکثریت کے ترجمان وپسندیدہ نظام تعلیم طرز عمل اور عائلی ورسوم کی طرف پھیرا جا رہا ہے۔

اس پہلا ضروری اقدام وفیصلہ یہ ہے کہ اس ملک میں جا بجا شرعی دار القضاء قائم ہوں، جہاں سے عائلی اختلافات وتنازعات اور واقعات وحوادث کا شرعی فیصلہ معلوم کیا جائے اور اس پر عزم وخلوص اور دیانتداری کے ساتھ عمل کیا جائے اس سے مسلمان خاندان اس طوالت مصارف کثیرہ اور سب سے بڑھ کر شریعت کی مخالفت کے امکان وخطرہ سے بچ جائیں گے، جس کا عدالتی فیصلوں سے خطرہ ہے اور اس کے بارہا تجربے ہو چکے ہیں، پھر یہ بھی دیکھا گیا ہے کہ شرعی فیصلہ پر فریقین اکثر راضی ہو گئے ہیں اور ایک دوسرے سے بغل گیر ہوئے ہیں اور وہ محاذ آرائی ختم ہوگئی ہے، جو اس سے پہلے موجود تھی، پھر اس سے ان کو وہ اجر وثواب ہوتا ہے، جو حکم خداوندی کے سامنے سر تسلیم جھکا دینے سے حاصل ہوتا ہے، اور وہ خدا کے حکم سے اس سرتابی اور بغاوت سے بچ جاتے ہیں، جس کے بارے میں قرآن مجید کے صاف الفاظ ہیں:

ومن لم یحکم بمآ أنزل اللہ فاولئک ھم الفسقون۔

اور جو کوئی اس کے نازل کئے ہوئے (احکام) کے مطابق فیصلہ نہ کرے تو ایسے ہی لوگ نافرمان ہیں۔

اس سلسلہ میں اسلامی عائلی قانون پر کتاب کی تدوین مکمل ہو چکی ہے اور ضرورت ہے

کہ وہ جلد زیور طبع سے آراستہ ہو اور اس کا انگریزی و ہندی میں ترجمہ بھی ہو جائے اور اسی کی روشنی میں ایسی شرعی عدالتوں ''اسلامی دارالقضاء'' میں فیصلے ہوں۔

۲۔ دوسرا کام ''اصلاح معاشرہ'' کا کام ہے۔

یہ ایک مسلم حقیقت ہے کہ اسلام صرف چند عقائد و فرائض اور عبادات مفروضہ کی ادائیگی میں محدود نہیں، وہ ایک پورا نظام حیات و معاشرہ ہے، جس کا تعلق دونوں انسانی جنسوں (ذکور واناث) اور ہر عہد اور ہر ملک کے مسلمانوں سے ہے، مسلمانوں کی زندگی اور معاشرت (اپنے تمام اقسام و مراحل کے ساتھ) شریعت کے اس سانچہ میں ڈھلی ہوئی ہونی چاہئے، جو اللہ کے آخری رسول قیامت تک کے لئے لے کر آئے اور جس بارے میں واضح الفاظ میں اعلان کر دیا گیا کہ:

الیوم أكملت لكم دينكم اتممت عليكم نعمتی ورضيت لكم الاسلام ديناً.

آج میں نے تمہارے لئے دین کو کامل کر دیا اور تم پر اپنی نعمت مکمل کر دی اور تمہارے لئے اسلام کو بطور دین کے پسند کر لیا۔

اور اسی حکمت کی بنا پر اللہ تعالیٰ نے ہر دور میں ہر نبی کو انسانی لباس میں (بشر کی حیثیت سے) بھیجا تا کہ وہ اپنی امت متبعین، اور ملک و معاشرہ اور اپنے عہد کے زندہ انسانوں اور مختلف الانواع طبقات کے لئے نمونہ اور مثالی و قابل تقلید ہستی بنے، خود سید المرسلین و خاتم النبیین صلے اللہ علیہ وسلم کو بھی نوع بشر کے لئے، اسوۂ کامل بنا کر بھیجا، اور آپ کو ان تمام مراحل اور زندگی کے شعبوں سے گزارا، جو انسانی زندگی کے فطری و ضروری شعبے ہیں، یعنی صحت و مرض، شباب و کہولت، فراغت و مجاہدہ، صلح و جنگ، ازدواجی زندگی، اولاد کی پیدائش بھی اور ان میں سے بعض کی وفات بھی، پھر بعض دختران خاندان نبوت سے فریضہ ازدواج کی ادائیگی، پھر ان سب مراحل و شعبوں کے بارے میں (حدیث و سیرت کے ذریعہ) مستند ترین معلومات مہیا کرنے اور محفوظ رکھنے کا غیبی انتظام فرمایا، جس کی مثال صالحین، متقین، مصلحین و معلمین کا کیا ذکر، گزشتہ انبیا علیہم السلام کے بارے میں بھی نہیں ملتی، اور پھر اس سب کے بعد فرمایا:

لقد كان لكم فی رسول الله اسوة حسنة لمن كان یر الله والیوم

الآخر وذکر اللہ کثیراً. (الاخراب)

رسول اللہ کا ایک عمدہ نمونہ موجود ہے تمہارے لئے یعنی اس کے لئے جو ڈرتا ہو اللہ اور روز آخرت سے اور ذکر الٰہی کثرت سے کرتا ہو۔

پھر اس کے بعد آپ ہی کی حیات طیبہ مبارکہ میں دار الہجرہ مدینہ میں وہ اسلامی معاشرہ قائم کیا، شباب و کہولت، خاندانی و قبائلی اختلافات، ذوق و صلاحیت کے تنوع کے ساتھ ایک زندہ، متحرک، حساس، عمل و اختیار کی صلاحیتوں کے تنوع کے ساتھ آپ کی حیات طیبہ میں دس سال تک اور آپ کی وفات کے بعد خلافت راشدہ کے عہد میں ایک مثالی معاشرہ تھا، اس میں قدرتی و فطرتی شادیاں بھی ہوتی تھیں، نکاح بھی ہوتے تھے، اور طلاق بھی، بیٹی کو نکاح کے بعد رخصت بھی کیا جاتا تھا، اور بہو کو بیاہ کر گھر بھی لایا جاتا تھا، مہر بھی معین ہوتا تھا اور کسی نہ کسی شکل و مقدار میں جہیز بھی دیا جاتا تھا، والدین کے انتقال کے بعد میراث بھی تقسیم ہوتی تھی اور املاک و جائیداد میں بھی حصہ دیا جاتا تھا، تجارت، زراعت اور انواع معیشت میں مشارکت و حصہ داری بھی ہوتی تھی، غرض زندگی اپنی پوری تنوع کے ساتھ موجود تھی اور مستندترین تاریخی ذرائع (تاریخ مستند و متواتر روایات کا ذریعہ) اس کی ایسی تصویر محفوظ ہے، جس میں ان سب کے نمونے انواع و الوان، مظاہر و مناظر دیکھے جا سکتے ہیں۔

اس میں ہم دیکھتے ہیں کہ حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ، جو عشرہ مبشرہ میں ہیں، مہاجر ہیں اور قبیلہ قریش سے تعلق رکھتے ہیں، اور اس کا پورا امکان ہے کہ اوپر کے خاندان کے اور بنی ہاشم (خاندان رسالت) کے رشتے بھی ہوئے ہیں، ایک دن معمول کے مطابق آپ کی خدمت میں حاضر ہوتے ہیں، جو عام طور پر اس سے پہلے نہیں ہوتی تھی، آپ سوال فرماتے ہیں کہ عبدالرحمٰن کیا بات ہے، آج تمہارے کپڑوں میں بہت عطر لگا ہوا ہے؟ وہ جواب دیتے ہیں یا رسول اللہ، میں نے نکاح کیا ہے، اس پر حدیث و روایت کی کسی کتاب میں یہ نہیں ملتا کہ آپ نے شکایت و استعجاب کا کوئی لفظ فرمایا ہو کہ عبدالرحمٰن اتنی جلدی یہ بے تعلقی یہ بے مروتی، تم نے ہمیں خبر بھی نہیں کی اور نہ دعوت دی، اور نہ حضرت عبدالرحمٰن بن عوف سے معذرت و شرمندگی کا کوئی جواب منقول ہے، حالانکہ یہ مسلم ہے اور تاریخ کا ہر طالب علم جانتا ہے کہ یثرب (جواب مدینہ طیبہ ہے) کوئی ایسا بڑا شہر نہیں تھا، جہاں اطلاع دینے سے وق

بڑا فاصلہ طے کرنا پڑتا، اور یہ بھی ایک تجربہ اور مشاہدہ کی بات ہے کہ ایک شہر یا ایک نسل و پیشہ کے لوگ جب ترک وطن کر کے کسی دوسرے ملک یا شہر میں جاتے ہیں تو عام طور پر قریب ہی رہتے ہیں، اس لئے کہ وہ ایک دوسرے کے مزاج اور روایات سے واقف ہوتے ہیں، اور خواتین کو بھی ایک دوسرے سے ملنے جلنے میں آسانی ہوتی ہے، آپ یہ سننے کے بعد عبدالرحمن بن عوف نے نکاح کیا، صرف یہ فرماتے ہیں، کہ "اولم ولو بشاۃ"، (دعوت ولیمہ ضرور کرنا، چاہے ایک بکری کا ہو)۔

یہ واقعہ اور روایت اس پر پوری روشنی ڈالتی ہے کہ عقد و نکاح کوئی ایسی ہنگامہ خیز اور زلزلہ خیز تقریب یا واقعہ نہیں ہے کہ سارے شہر کو، پوری برادری کو، اور اہل تعلق کو اس کی خبر کی جائے، اور ان کو مدعو کرنا ضروری سمجھا جائے ورنہ یہ سخت قابل شکایت بات ہوگی اور پھر اس میں ایسی اہتمام اور دھوم دھام سے کام لیا جائے، جس سے نکاح کرنے والے یا اس کے سرپرست خاندان کی حیثیت عرفی (SOCIAL POSITION) کا اظہار و تعین ہو۔

مدینہ طیبہ کی اس مثالی اور معیاری معاشرہ اور طرز زندگی کے بعد عرصۂ دراز تک (جب تک مسلمان بیرونی تمدنوں اور طرز معاشرت سے متاثر نہیں ہوئے اور ان میں اظہار شان و شوکت کی بیماری نہیں آئی) یہی طرز نکاح و ازدواج اور سادگی اور محدودیت قائم رہی، عام طور پر مساجد میں نکاح ہوتے تھے بعض مرتبہ کسی نماز کے بعد اچانک اعلان کر دیا جاتا تھا کہ نماز کے حاضرین تشریف رکھیں فلاں کا نکاح ہوگا اکثر خاندان کے تمام افراد کو بھی اس کی پہلے سے خبر نہیں ہوتی تھی۔(۱)

لیکن جب مسلمان ان ملکوں میں جا کر بسے جہاں دوسرا نظام معاشرت طریقہ شادی و غمی اور طرز زندگی رائج تھا جس میں عزت و افتخار شہرت ناموری اور حب جاہ کا جذبہ کام کر رہا تھا یا وہ اس ملک کے قدیم روایات کے مطابق تھا جس میں دین و مذہب کا کم اور رسم و رواج کا زیادہ دخل تھا اور وہ وہاں کے مذاہب کے علم برداروں اور اجارہ داروں کے تساہل، تغافل اور

---

(۱) ریاست ٹونک میں حضرت سید احمد شہید کے خاندان کے وہ لوگ جو صوبہ سرحد سے زندہ سلامت واپس آئے تھے اور دوسرے افراد خاندان ان کے وطن رائے بریلی سے آ کر بس گئے تھے اور اسی وجہ سے اس محلہ کا نام 'قافلہ'، پڑ گیا، یہی دستور تھا، معذرت کے ساتھ بطور لطیفہ لکھا جاتا ہے کہ ابھی حال میں بندہ نے لکھنؤ کی ایک مسجد میں جمعہ کی نماز کے بعد نماز جمعہ ختم ہونے پر وہیں منبر پر بیٹھ کر دس نکاح پڑھوائے اور یہ سب کام بغیر کسی شور و ہنگامہ کے ایک گھنٹے کے اندر ختم ہو گئے۔

ایک حد تک تعاون کا نتیجہ تھا تو مسلمان جن کو اس معاشرے و ماحول پر اثر ڈالنا چاہئے تھا اور اسکی اصلاح کرنی چاہئے تھے وہ الٹے اس معاشرہ و ماحول اور طرز زندگی سے متاثر ہوئے انہوں نے نکاح کے مسنون فریضہ کو جو نہایت سادگی اور سہولت سے ادا کیا جا سکتا تھا ایک ’’ہفتخواں‘‘ سر کرنے کی مترادف بنا دیا جس کے لئے بعض اوقات سودی قرض لینے، املاک کو فروخت کرنے یا رہن رکھنے کی نوبت بھی آجاتی ہے اور وہ تمام قبائح ومنکرات اس میں شامل ہوجاتے ہیں جن سے شریعت نے روکا ہے اور پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے دین و شریعت کے صحیح ترجمانوں نے اس کی مذمت کی ہے۔

اس سلسلہ میں سب سے زیادہ قابل مذمت اور لائق توجہ مسئلہ زیادہ سے زیادہ جہیز دینے کے مطالبہ کا ہے جس کو خود مسلمانوں نے اختیار کر لیا ہے کہیں اس کا نام ’’تلک‘‘ ہے کہیں ’’گھوڑا جوڑا‘‘، اس کے سلسلے میں وہ قابل مذمت اور لائق نفرت اقدامات بھی پیش آنے لگے ہیں اور بیاہی خاتون کے ساتھ احتجاج اور مقاطعہ کے وہ طریقے اختیار کئے جاتے ہیں جو نہ صرف شرعاً و اخلاقاً مذموم ہیں بلکہ وہ وحشت و جاہلیت کی یادگار ہیں جب دولت کی معبود کی طرح پرستش ہوتی ہے اور اس کے حصول کیلئے سب کچھ جائز سمجھا جاتا ہے۔

پھر اسی طرح طلاق کے بارے میں ترکہ کی تقسیم و میراث کے بارے میں، رفیقۂ حیات کے حقوق کی ادائیگی ورمعاشرت کے بارے میں بہت سے کوتاہیاں مسلمانوں کے معاشرہ اور عائلی زندگی میں ایسی داخل ہوگئی ہیں جنہوں نے اسلامی معاشرہ کا امتیاز اور وقار کھو دیا ہے، اور کثیر التعداد مشکلات پیدا کر دی ہیں۔ جو محض شریعت سے روگردانی اور ناواقفیت کا نتیجہ ہے جو ایک نعمت خداوندی کے طور پر انسانوں کو دی گئی تھی۔

ان حقائق کے پیش نظر جنہوں نے اسلام کی عمومیت، ابدیت مطابق فطرت ہونے اور نعمت خداوندی ہونے پر پردہ ڈال دیا ہے۔ اور مسلمان معاشرہ کو صدہا مشکلات میں قبائح میں مبتلا کر دیا ہے ایک عالمگیر تو نہیں لیکن ہند گیر مہم چلانے کی ضرورت ہے یہ کام ’’اصلاح معاشرہ‘‘ کے عنوان سے مسلم پرسنل لا بورڈ نے شروع سے اپنے پروگرام میں داخل اپنے فرائض میں شامل کیا تھا اس سلسلے میں پٹنہ میں لکھنؤ میں میرٹھ میں اور بستی میں اور بعض دوسرے مقامات پر اصلاح مقام کے نام کامیاب اور کثیر الازدحام کانفرنسیں ہوئیں جن میں پوری طاقت وتاثیر

کے ساتھ عقائد و فرائض اسلام کی پابندی کے ساتھ، اس کے معاشرتی نظام اور عائلی زندگی کے احکام کو قبول کرنے اور ان پر پورے عزم و قوت کے ساتھ عمل کرنے کی دعوت دی گئی اور صفائی کے ساتھ اس آیت کی روشنی میں مکمل اور مسلمانوں کو کامل اسلام کے قبول کرنے کی دعوت دی گئی۔

یآأیھا الذین آمنو ادخلو فی السلم کآفته ولا تتبعو خطوات الشیطین انه لکم عدو مبین.

اے ایمان والو! اسلام میں پورے پورے داخل ہو جاؤ، اور شیطان کے پیچھے نہ چلو وہ تو تمہارا صریح دشمن ہے۔

ضرورت ہے کہ یہ کام ہندگیر پیانہ پر نہ ہو جابجا "اصلاح معاشرہ" کی وسیع موثر جلسے ہوں اس میں صوبہ گجرات کے، جس کے شاندار علمی و دینی تاریخ اور اس کے اس امتیاز و تفوق کا ذکر، خطبہ کی ابتدا میں آ چکا ہے جو صرف اس برصغیر میں نہیں بلکہ (ایک طویل عرصہ تک) عالمی عربی و اسلامی میں حاصل رہا۔ ہر طرح شایان شان قرین قیاس اور حسب توقع واللہ الموفق المعین آخر میں اس اعزاز کے لئے جو صدارت کی شکل میں ناچیز کو حاصل ہوا ہے اور اس توجہ و التفات اور حسن استماع کے لئے جس کا موقر حاضرین جلسہ نے اظہار کیا اللہ تبارک و تعالی شکر اور آپ کا شکریہ ادا کرتا ہوں۔

الحمد لله الذین ھدانا لھذا وما کنا لنھتدی لولا أن ھدانا الله لقد جاء رسل ربنا بالحق.

اندھیرے میں امید کی روشنی

26 جولائی **1964**ء میں حضرت مولانا سید ابو الحسن علی حسنی ندوی رحمۃ اللہ علیہ نے ممبئی (ہندستان) کے عمائدین اور چیدہ مجمع کے سامنے گفتگو کے انداز میں کچھ ہدایات فرمائیں۔ جو ہندوستانی مسلمانوں کے لئے چشم کشا نصائح کا درجہ رکھتی ہیں۔

آج کل سب سے زیادہ ہماری مجلسوں میں جس موضوع پر گفتگو ہوتی ہے وہ موضوع ہندوستان کے موجودہ حالات ہیں جہاں چار مسلمان بیٹھے ہوئے ہوتے ہیں وہاں ضرور اس موضوع پر گفتگو ہوتی ہے اور یہ بالکل قدرتی بات ہے اپنے حالات کا احساس، حالات کا جائزہ، اس پر تبصرہ اور تذکرہ اس پر اظہار خیال یہ زندگی کی علامت ہے اور کوئی زندہ انسان بھی اس سے خالی نہیں رہ سکتا۔ لیکن ان حالات سے دو نتیجے نکالے جا سکتے ہیں ایک نتیجہ تو مایوسی، دل شکستگی اور کوئی ایسی صورت اختیار کرنا کہ جس سے آدمی ان حالات سے بالکل ہی نجات پا جائے کسی قسم کی کوئی تشویش اور کوئی بات باقی ہی نہ رہ جائے اس کے لئے آسان راستہ یہ سمجھا جاتا ہے کہ یہ ملک چھوڑ کر کسی دوسرے ملک میں آباد ہو جائیں۔

یہ ایک نتیجہ ہے جو کمزور طبیعتیں نکالا کرتی ہیں اور خاص طور پر وہ طبیعتیں جو یہ سمجھتی ہیں کہ حالات اور واقعات کی ڈوری گویا ہمارے ہی ہاتھ میں ہے یا ہمارے جیسے کسی دوسرے انسان کے ہاتھ میں ہے۔

لیکن یہ نتیجہ مسلمانوں کے ذہن سے مسلمانوں کے ایمان و یقین سے اس کی ذہنی تربیت سے بہت بعید ہے۔ اگر ہم یہ جان لیں کہ حالات کی ڈوری ہمارے ہاتھ میں نہیں ہے بلکہ کسی اور کے ہاتھ میں ہے اور اس کے کچھ آئین ہیں اس کی طرف سے کچھ اعلانات ہیں کچھ تعلیمات ہیں کچھ وعدے ہیں کچھ شرطیں ہیں کچھ قوانین ہیں اور کچھ اس کی سنتیں ہیں تو پھر اس مایوسی اور پریشانی کی اور یہ جو ذہنیت ہے فرار کی حالات کے سامنے سپر ڈال دینے کی یا جہاں یہ حالات پیش آ رہے ہیں وہ جگہ چھوڑ کر کسی دوسری جگہ چلے جانے کی یہ سب ذہنیتیں باقی نہیں رہ سکتیں۔

اسی طرح ہندوستان کے موجودہ حالات میں پہلی بات تو مجھے یہ کہنی ہے کہ یہاں کے حالات سے بھی دونوں نتیجے نکالے جا سکتے ہیں ایک نتیجہ تو وہ ہے جو قرین قیاس ہے عقل ذہانت کا فیصلہ ہے کہ ہندوستان میں ہمارا کوئی مستقبل نہیں، ہر جگہ فسادات ہوں گے، قتل عام ہوگا خون ریزی کا بازار گرم ہوگا، کارخانے لوٹے جائیں گے مسلمانوں کی عزت وناموس پامال ہوں گے۔ اور اس ملک میں یا تو شودر بن جائیں گے یا خدانخواستہ ارتداد اختیار کریں گے ایک نتیجہ تو یہ ہے لیکن یہ نتیجہ ہے ان ذہنوں کی پیداوار اور خاصا ہے جن کی ذہانت صرف واقعات اور حالات تک محدود ہے ایک اور نتیجہ یہ ہے کہ ہم ہندوستان میں ایک خاص کام سے بھیجے گئے ہیں۔ ہمارے ذمہ ایک خاص پیغام ہے ایک مہم سپرد کی گئی ہے۔ اس مہم کی تکمیل کرنی ہے اور کسی ایک زمانے میں اس مہم کی تکمیل کافی بھی نہیں ہے جب تک انسان اس ملک میں ہے یہ مہم بھی باقی ہے ہمیں اس ملک میں اللہ کے دین کی طرف لوگوں کو بلانا ہے ہمیں آخرت کی یاد تازہ کرنی ہے ہمیں بتانا ہے کہ کھانے پینے کے علاوہ بھی کچھ مقاصد اور کچھ حقائق ہیں ہمیں بتانا ہے کہ کوئی ہے جو یہاں کا نظم ونسق چلا رہا ہے ہم جانوروں کی طرح پیٹ پالنے اور زندگی کے دن پورے کرنے کیلئے نہیں آئے ہیں بندگی کیلئے آئے ہیں۔ یہ کام ہر زمانے میں رہے گا اور ابھی تک کوئی قوم اور کوئی نسل ایسی پیدا بھی نہیں ہوئی جو ہم سے یہ چارج لے لے۔ تو ہمارے ہی اوپر یہ سب کام منحصر ہیں اور برا بھلا ہم ہی کو یہ خدمت انجام دینا ہے۔ یہ رحمت خداوندی اور حکمت الٰہی کے خلاف ہے کہ ہمارا یہاں سے بالکل خاتمہ کر دیا جائے

مٹ نہیں سکتا کبھی مرد مسلماں کہ ہے
اس کی اذانوں سے فاش سر کلیم و خلیل

یعنی اس کی اذانیں حضرت ابراہیم علیہ السلام، حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت محمد مصطفی صلی اللہ علیہ وسلم کے پیغاموں کا اعلان کرتی ہیں تو ان اذانوں کی اگر ضرورت ہے تو مؤذن کی بھی ضرورت ہے۔ آپ حضرات جب مؤذن رکھتے ہیں تو کیا اس کو کھانے کو نہیں دیتے؟ عزت سے نہیں رکھتے؟ چھوٹی سی تنخواہ کا انتظام نہیں کرتے؟ اسی طرح اللہ کو اگر اس ملک میں مؤذن رکھنا ہے تو وہ اپنے شایان شان بندوبست فرمائیں گے۔ اس کی عزت بھی دوسری ہے اس کی حفاظت بھی دوسری ہے۔ اس کا معاش اور رزق بھی دوسرا ہے۔ اس کی ہر چیز زیادہ وسیع، زیادہ پائیدار، زیادہ قابل اطمینان اور زیادہ مستحکم ہے۔

ایک بات تو یہ ہے جو میں کہنا چاہتا ہوں خاص طور پر کلکتہ، بمبئی، مدراس اور ایسے ہی دوسرے مرکزی مقامات پر یہ بات کہنے کی ضرورت ہے دوسری یہ بات نامکمل رہ جائے گی۔ بالکل تشنہ رہے گی بلکہ ممکن ہے غلط اعتماد پیدا ہو۔ اس کے ساتھ اگر میں دوسری بات نہ کہوں وہ یہ کہ جس چیز میں آپ کی حفاظت کا راز ہے اس کا راز سمجھ لیجئے ہوشیار پرندہ وہ ہوتا ہے جو اپنے آشیانے کو دیکھتا رہتا ہے اور جس شاخ پر اس نے آشیانہ لگایا ہے وہ شاخ نازک تو نہیں ہے، ٹوٹ تو نہیں رہی ہے؟ اس پر تیشہ تو نہیں چل رہا ہے؟ باغباں اس کو کاٹ تو نہیں رہا ہے؟ نادان سے نادان پرندہ بھی دیکھتا رہتا ہے کہ جس شاخ پر اس نے گھونسلہ لگایا ہے بچوں کو بسایا ہے وہ شاخ قائم بھی ہے یا نہیں؟

آپ کی زندگی کا آشیانہ جس شاخ پر ہے وہ شاخ آپ کی افادیت ہے آپ کا پیغام ہے دین کے ساتھ انسانیت کے ساتھ آپ کا تعلق ہے۔ اس ملک کی آبادی کیلئے آپ کی زندگی کا [illegible] مقصد ہے۔ [illegible] آپ کی زندگی کا اس ملک میں گزرنا ہے آپ کے مال سے کارخانوں اور فیکٹریوں سے تجربوں اور محنتوں سے اس مقصد کو پورا ہونا ہے۔ اگر آپ ہیں اور وہ مقصد نہیں ہے یا آپ ہیں اور وہ مقصد پورا نہیں ہو رہا ہے آپ ہیں اور اس ملک کے لئے مفید نہیں ہیں کوئی خاص پیغام اس آبادی کو نہیں دے رہے ہیں بالکل گم ہو گئے ہیں، جو دھارا بہہ رہا ہے یعنی حیوانی زندگی کا دھارا، پیٹ پالنے کا دھارا اسی میں آپ نے بھی اپنے آپ کو پوری طرح ڈال دیا ہے۔ سب عذر تنکے کی طرح حوالے کر دیا ہے زندگی مقصد بھی بنا دیا ہے تو کہیں قائم نہیں رہ سکتے ہیں۔ الھکم التکاثر کا منظر آپ کا بھی ہو۔ رضوا بالحیوۃ الدنیا واطمئنوا بھا کا نقشہ آپ کا بھی ہو۔ دنیا کی زندگی پر بالکل مست، کچھ اور نہیں چاہیے۔

پس اگر زندگی کا یہی نقشہ آپ کا بھی بن جائے تو وہ شاخ محفوظ نہیں ہے جس پر آپ کی زندگی کا آشیانہ ہے وہ شرط پوری نہیں ہو رہی ہے جس پر صرف یہاں بلکہ ہر جگہ آپ کی حفاظت کا وعدہ ہے صاف صاف کہا ہے۔

"لاتھنوا ولا تحزنو او انتم الاعلون ان کنتم مومنین۔

سست مت پڑو، ہمت نہ ہارو اور غم نہ کرو تم ہی سربلند رہو گے اگر تم ایمان کی صفت رکھتے ہو۔

وما علینا الا البلاغ المبین

انسانیت کی بقاء وتحفظ کی فکر

6/7 جون 1998ء کو شہر پونہ میں ربط ادب سماجی کی جانب سے منعقد ہونے والے ایک جلسے کے موقع پر مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی رحمۃ اللہ علیہ نے پیام انسانیت کے اجلاس میں یہ تقریر فرمائی، جس میں برادران وطن کی ایک خاصی تعداد شریک تھی۔

حضرات! مجھے آپ جیسے موقر حضرات کو دیکھ کر بڑی خوشی ہوئی، میں بڑے مجمع کا ہرگز قائل نہیں ہوں، افراد تھوڑے ہی ہوں لیکن ان کے اندر نئے جذبات موجزن ہوں، انسانیت کا درد ہو، احساس ہو، ان کے اندر قربانی دینے کا جذبہ ہو، یہی اصل مقصود بھی ہے۔ تاریخ اس بات پر شاہد ہے کہ ہمیشہ انقلاب برپا کرنے والے تھوڑے ہی ہوتے ہیں، لہٰذا مجھے چند چیدہ افراد پر مشتمل ایک چھوٹا سا مجمع دیکھ کر اس لئے بہت خوشی ہو رہی ہے کہ آپ میں سے ہر ایک حقیقت کو سمجھنے کی صلاحیت رکھتا ہے۔

میرے بھائیو! ایک باپ کو جتنا غم اپنے بیٹے کی بیماری پر ہوتا ہے حق تو یہ ہے کہ اتنا ہی غم اپنے پڑوسی کے بیمار پر ہوتا ہے۔ حق تو یہ ہے کہ اتنا ہی غم اپنے پڑوسی کے بیمار ہونے پر اتنا ہی غم اپنے گاؤں میں بسنے والے کسی بیمار فرد پر اتنا ہی غم اپنے ملک کے کسی بھائی کے بیمار ہونے پر ہونا چاہیے، یاد رکھیے! تاریخ اس بات پر گواہ ہے بلکہ میں بھی تاریخ کے ایک طالب علم کی حیثیت سے کہتا ہوں کہ جب بھی یہ حسین جذبہ کسی حساس دل کے اندر پیدا ہوا تو اس نے ساری صورت حال کو بدل ڈالا۔ ماحول اور معاشرے میں اصلاح کا زبردست کام کیا اور اپنا نام روشن کیا، گھر اور خاندان کا نام روشن کیا۔ اپنے ملک کا نام روشن کیا لیکن یاد رکھیے! یہ کام انہیں خوش قسمت افراد کے ہاتھوں انجام پاتا ہے جن کا ذہن ودماغ عصبیت سے خالی ہوتا ہے جو انسانیت کی بقاء وتحفظ کی خاطر جان عزیز تک کی بازی لگا دیتے ہیں لیکن انسانیت پر آنچ نہیں آنے دیتے لیکن افسوس اس بات پر ہے کہ آج معاملہ خلاف فطرت ہے انسان انسان سے وحشت کھائے، انسان انسان سے ڈرے، یہ بڑے تعجب کی بات ہے انسان حیوان سے ڈرے، انسان پھاڑ کر کھا جانے والے درندوں سے ڈرے لیکن انسان انسان

سے ڈرے؟ یہ بڑے تعجب اور خسارے بلکہ انسانی بقاء وتحفظ کے خلاف بات ہے۔

میرے بھائیو! ہمیں چاہیے کہ ہم سب مل کر اپنے اس ملک میں نظام امن پیدا کریں اپنے ملک کے وقار کو مجروح نہ ہونے دیں آپس میں میل محبت کے ساتھ رہیں کسی کے بارے میں غیر ہونے کا گھٹیا تصور وخیال بھی ہمارے ذہن ودماغ میں نہ آنے پائے یہی وہ سبق ہے جس کے پریم ومحبت کی داستان سرائی دوسرے ملکوں میں ہوتی تھی بلکہ آج بھی ہوتی ہے ایک سیاح کی حیثیت سے بھی کہتا ہوں اور مجھے بار بار یورپ، امریکہ اور دنیا کے مشہور ممالک میں جانے کا اتفاق ہوا ہے اور خود یہ میرا مشاہدہ بھی ہے کہ جب لوگ یہ جان جاتے ہیں کہ یہ ہندوستانی ہیں تو یہ سمجھتے ہوئے بڑی قدر اور احترام کی نگاہ سے دیکھتے ہیں کہ یہ وہ قوم ہے جو ایسے ملک کے رہنے والے ہیں جن کے اندر اختلاط کا حسین امتزاج ہے۔

میرے بھائیو! اب ان کی یہ خوش فہمی اور ان کا یہ خواب اس وقت شرمندۂ تعبیر ہوگا جب کہ ہمارے اندر میل ومحبت ہو اور ہم میں جو ایک دوسرے کو گھٹیا سمجھنے کا غلط تصور پایا جاتا ہے وہ ختم نہ ہو جائے۔ اگر ہم ایسا نہیں کرتے ہیں تو ہم نے اپنے ملک کے ساتھ انصاف نہیں کیا بلکہ میں اس سے آگے بڑھ کر کہوں گا کہ ہم نے اپنی ذات کے ساتھ ناانصافی کی۔

یاد رکھئے! اگر معاملہ اس کے برعکس ہے تو میں آپ سے معذرت چاہتے ہوئے صاف صاف یہ کہتا ہوں اور کہوں گا کہ اس ملک ہندوستان کے لئے خطرہ ہے یاد رکھئے تاریخ نے آج تک کسی کو بخشا نہیں۔ آپ رومۃ الکبریٰ کے زوال کی تاریخ پڑھئے۔ ان کے یہاں جب کھانے کے وقت روشنی کی ضرورت پڑتی تو قیدیوں کو دربار میں لاکر جلایا جاتا اور جلنے کی وجہ سے جوان کے جسم سے روشنی نکلتی اس میں بیٹھ کر کھانا کھاتے ایک دوسرے سے ہنسی مذاق کرتے اپنی اپنی محفلیں سجاتے ان کے یہاں بھیڑیوں کو آدمیوں کے ساتھ چھوڑ دیا جاتا اور یہ کھڑے تماشا دیکھتے۔ گبن (GIBBON) نے اس قسم کے واقعات اپنی کتاب The Decline and Fallof the Roman Empireedkard Gibbon میں نقل کی ہے آپ چاہیں تو ان کی یہ کتاب پڑھیں، اسی طرح آپ پرشین امپائر کے زوال کی تاریخ پڑھیں۔ یہ دنیا کے مختلف ملکوں کو فتح کرکے ہندوستان کے باڈر تک آپہنچا لیکن اخلاقی پستی، ذہنی ودماغی عصبیت اور دوسروں کو اپنے سے کمتر اور حقیر سمجھنے کے تصور نے اس سے

بھی ستارے کو غروب کر کے چھوڑا اس کے علاوہ میں آپ سے معذرت چاہتے ہوئے یہ بات بھی کہوں گا کہ بعینہ یہی حال آج یورپ اور ان ترقی یافتہ ملکوں کا ہے جن کے یہاں اخلاق نام ہی کوئی چیز نہیں جو کسی حال میں اپنے سے بڑا کسی کو ماننے کے لئے تیار نہیں۔ قریب ہے کہ یہ بھی بزوالی و اضمحلال کا شکار ہو بلکہ اب اس کے آثار بھی نمایاں ہو رہے ہیں۔

میرے بھائیو! آزادی ملک کے باوجود آج ہم میں اتحاد نہیں۔ شیرازہ بندی ہماری رگ رگ میں داخل ہے۔ آج دنیا کے اندر بڑی بڑی مشینیں کام کر رہی ہیں لیکن صرف اخوت، بھائی چارگی، مساوات، ہمدردی، انسانیت کے ناطے ایک دوسرے پر مرمٹنے کے حسین جذبہ کی ہی مشین اپنا کام نہیں کر رہی ہے آج اگر ساری مادی طاقتوں کے باوجود قوموں اور ملکوں میں اتحاد اور بھائی چارگی نہیں تو یاد رکھنے میں صاف صاف کہتا ہوں کہ یہ ترقیات نہیں بلکہ ترقیات کے پردے میں تنزل و انحطاط ہے۔ علامہ اقبال نے کیا خوب کہا ہے

ڈھونڈنے والا ستاروں کی گذرگاہوں کا
اپنے افکار کی دنیا میں سفر نہ کر سکا
اپنی حکمت کے خم و پیچ میں الجھا ایسا
آج تک فیصلہ نفع و ضرر کر نہ سکا
جس نے سورج کی شعاعوں کو گرفتار کیا
زندگی کی شب تاریک سحر کر نہ سکا

ہمارے پیغمبر محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس کوئی مادی طاقت نہ تھی لیکن انہوں نے جو دنیائے انسانیت کے سامنے پیغام پیش کیا۔ آپ اگر دیانت داری کے ساتھ تاریخ کا مطالعہ کریں تو خود حقیقت آپ کے سامنے واشگاف ہو جائے گی۔

اسی طرح میں اس حقیقت کا بھی اعتراف کرتا ہوں کہ جس محبت و درد والے لوگ اس ملک ہندوستان میں پیدا ہوئے شاید کسی اور ملک میں پیدا نہ ہوئے ہوں آپ مولانا ابوالکلام آزاد کی زندگی دیکھیں آپ مولانا محمد علی جوہر کی زندگی کا جائزہ لیں۔ اسی طرح گاندھی جی کی خدمات پر غور کریں تو یہ بات آپ کی سمجھ میں

آ جائے گی کہ کسی انسان کی ترقی کے لئے یا کسی ملک کی ترقی کے لئے کن کن عناصر کی ضرورت پڑتی ہے اور کن کن قربانیوں کی ضرورت پڑتی ہے۔

لہٰذا آج ضرورت ہے کہ اپنے اندر سوز دروں اور جذبہ صادق پیدا کیا جائے اپنے اخلاق کو بلند کیا جائے۔ ایک دوسرے سے بھائی چارگی کے ناطے، انسانیت کے ناطے ملنے جلنے کے رواج کو بغیر کسی بھید بھاؤ کے عام کیا جائے۔ یاد رکھئے! یہی وہ عناصر ہیں جن کے بغیر کسی قوم و ملک میں تبدیلی نہیں آسکتی۔ بس اخیر میں آپ سے یہی اپیل کرتا ہوں کہ آپ اس ملک کو بچانے کی کوشش کریں۔ اگر یہ ملک بچا تو یقینا یہ دوسرے ملکوں کے بھی کام آئے گا لیکن یہ اس وقت ہوگا جبکہ ہمارا ذہن و دماغ بھید بھاؤ سے خالی ہو اور ہمارے اندر اختلاط آپس میں میل جول، الفت ومحبت کا حسین امتزاج ہو، میں اپنی بات اس امید کے ساتھ ختم کرتا ہوں کہ اب ہم انشاء اللہ ایک نیا جذبہ لے کر اٹھ رہے ہوں گے۔ اور اپنے ملک کی بقاء وتحفظ کی خاطر اپنے اپنے سینے میں ایک چبھن محسوس کریں گے اور ہم سب ایک پلیٹ فارم پر کھڑے ہو کر اپنے اور اپنے ملک کی فکر کریں گے۔

خودکشی مت کرو!

الحمد لله وكفى وسلام على عباده الذين اصطفى. امابعد. فاعوذ بالله من الشيطان الرجيم بسم الله الرحمن الرحيم. وانفقوا في سبيل الله ولا تلقوا بايدكم الى التهلكة

میرے بھائیو اور دوستو! میں نے آپ کے سامنے ابھی سورۃ بقرہ کی ایک آیت پڑھی ہے۔ اس میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ اللہ کی راہ میں خرچ کرو اور اپنے ہاتھوں ہلاکت میں نہ پڑو۔ اور نیکی کرو بے شک اللہ تعالیٰ اچھی طرح کرنے والوں کو پسند فرماتا ہے۔ یہ آیت جس کا ٹکڑا بہت سے مسلمانوں کو یاد ہوگا۔ بہت جگہ اس سے صحیح اور غلط طریقہ پر کام بھی لیتے ہیں۔ اپنے ہاتھوں ہلاکت میں نہ پڑو اس آیت کی صحیح تفسیر اور اس کے نازل ہونے کا موقع اور اس کی اصل مراد اس واقعہ سے معلوم ہوگی جو میں آپ کو سنانے والا ہوں۔

ایک جلیل القدر صحابی سیدنا حضرت ابوایوب انصاریؓ

ایک مرتبہ مسلمانوں کی فوج جس میں صحابہ کرامؓ بھی تھے اور بڑے مرتبہ کے مسلمان بھی، قسطنطنیہ (استنبول) کا محاصرہ کر رہی تھی، وہ قسطنطنیہ جو اس وقت خدا کے فضل و کرم سے مسلمانوں کے قبضہ میں ہے مگر اس وقت فتح ہونا مقدور نہ تھا۔ اللہ تعالیٰ کو کسی اور زمانہ میں کسی اور سے یہ کام لینا تھا اور اسے اسلام کے قبضہ میں آنا تھا۔ اس وقت اس فوج میں بڑے بڑے جلیل القدر صحابہؓ تھے۔ انہیں میں سیدنا ابوایوب انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی تھے جن کو صحابیت کے شرف اور دوسرے بڑے بڑے کمالات کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے ایک ایسی دولت سے بھی نوازا تھا جس پر قیامت تک مسلمانوں کو رشک آئے گا رشک آنا چاہیے یعنی کہ جو ساری دنیا کا میزبان تھا جس کو اللہ تعالیٰ نے ساری دنیا کی ضیافت کرنے اور اللہ تعالیٰ کے خوان نعمت سے فائدہ اٹھانے کے لئے مبعوث فرمایا تھا، ان کی میزبانی ہونے کا شرف اللہ تعالیٰ نے سیدابو

ایوب انصاریؓ کو عطا فرمایا یعنی میزبانِ عالمؐ ان کے مہمان رہے ہیں۔ یہ ایسی فضیلت تھی کہ صحابہ کرامؓ اس کا پاس و لحاظ رکھتے تھے اور ان کو رشک اور احترام کی نگاہ سے دیکھتے تھے۔ ان کی ہر بات بڑی توجہ سے سنی جاتی تھی اس لئے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مہمان ہونے کا مطلب یہی نہیں ہے کہ انہوں نے آپ کی ضیافت کی اور آپ کی میزبانی کا شرف حاصل کیا بلکہ اس کا مطلب یہ بھی ہے کہ ان کو سب سے پہلے زیادہ قرب کا موقع ملا۔ اس لئے اسلام کی روح سمجھنے اور اللہ تعالیٰ کے کلام کا منشا سمجھنے کا ان کو وہ حق بھی تھا جو ہر مسلمان کو ہوتا ہے۔ اس کے علاوہ یہ ہے کہ ان کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طویل صحبت بھی حاصل ہوئی تھی۔ اسی لئے ذات نبوی سے مناسبت اور قربت نے ان کو مومنانہ فراست اور ایمانی ذہانت بخشی تھی اور انہوں نے بڑے بڑے کارہائے نمایاں انجام دیئے تھے وہ حضرت ابوایوب انصاریؓ بھی اس جہاد میں بنفسِ نفیس شریک تھے۔

دوران جہاد، ایک آدمی کا غلط تفسیر بیان کرنا

اسی دوران میں کہ محاصرہ جاری تھا اور بڑے گھمسان کی جنگ ہو رہی تھی۔ یہ دیکھا کہ ایک صحابیؓ سر بکف صف سے نکلے اور صفوں کو چیرتے پھاڑتے آخری صف تک جہاں عام طور پر فوج کو لڑانے والے ہوا کرتے ہیں وہاں تک پہنچ جاتے۔ پھر اسی طریقہ سے صفوں کو درہم برہم کرتے واپس ہوتے، جیسے کوئی مشتاق کھلاڑی اپنے کمالات دکھاتا ہے۔ اس طرح وہ دور تک دشمنوں کی فوج میں پہنچ جاتے اور پھر چلے جاتے۔ دیر تک یہ ہوا پھر مسلمانوں کی زبان سے بے اختیار نکلا کہ یہ کام تو صریحاً قرآن مجید کے حکم کے خلاف ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

ولا تلقوا بایدیکم الی التهلکة۝

یعنی تم اپنی جانوں کو ہلاکت میں نہ ڈالو۔ یعنی جان بوجھ کر ایسا کام نہ کرو جس سے جان جاتی ہو اور یہ تو ایک طرح کی خودکشی ہوئی۔ یہ شخص اس طرح کی خودکشی کر رہا ہے کہ اکیلا آدمی اس طرح دشمنوں کے نرغے میں گھس جاتا ہے۔ گویا کہ دشمنوں کے سمندر میں چھلانگ لگاتا ہے۔ یہ اس کو مناسب نہیں یہ کام جائز نہیں۔

سیدنا ابوایوب انصاریؓ کا، صحیح تفسیر کی طرف متوجہ کرنا

سیدنا ابوایوب انصاریؓ نے اس پر فرمایا کہ دوستو! اس آیت کی کی تفسیر ہم سے پوچھو۔ یہ تو ہمارے گھر کی آیت ہے۔ یہ ان آیتوں میں سے ہے جن کا تعلق خاص طور پر حضرت انصاریؓ سے ہے صحابہ کرامؓ متوجہ ہوگئے اور تمام مسلمان ہمہ تن گوش بن کر کھڑے ہوگئے کہ دیکھیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے میزبان جلیل القدر صحابیؓ قرآن کا بہت علم رکھنے والے اس آیت کی کیا تفسیر بیان کرتے ہیں؟

صحابہ کرامؓ کی دینی جدوجہد اور اس کے نتائج

انہوں نے فرمایا کہ اصل میں یہ آیت اس موقع پر نازل ہوئی کہ جب اسلام مدینہ پہنچا اور ہم گھر کو چھوڑ کر اور سب سے آنکھیں بند کرکے دین کے کام میں ہمہ تن لگ گئے۔ کیسا باغ؟ کہاں کی کھیتی؟ کیسی دکان؟ کیسا مکان؟ کیسی اولاد؟ سب کچھ دین پر قربان تھا اور ساری پونجی اس پر نثار تھی۔ بالکل ایک سرفروشی اور خود فراموشی کی حالت تھی جو اسلام کی خدمت کے لئے سب پر چھائی ہوئی تھی کسی کو اپنے گھر بار کا ہوش نہ تھا۔ اس ایثار قربانی کا اس ظاہری دنیا میں جو قدرتی نتیجہ ہوا کرتا ہے اور جو قانون خداوندی اور قانون تکوینی ہے وہ ہوا ہماری تجارت کے دیوالیے نکل گئے۔ ہمارے باغات ویران ہوگئے۔ ہماری کھیتیاں برباد ہوگئیں۔ غرض یہ کہ ہمارے کاروبار اس سے متاثر ہوئے لیکن اسلام گھر گھر پھیلنے لگا۔ اور جیسے نور پھیلتا ہے اور بارش ہوتی ہے اس طرح اسلام مدینہ میں پھیلنے لگا۔ اب پہلی سی حالت نہ رہی۔ یعنی اتنا تو ابھی نہیں ہوا کہ سارا مدینہ مسلمان ہوجائے لیکن ہزاروں کی تعداد میں مسلمان ہوگئے۔ بہتیرے دولت ایمان سے مالا مال اور سینکڑوں اس باران رحمت سے نہال ہوگئے۔

دینی جدوجہد کے دوران صرف چھٹی کا تصور

اس وقت ہمارے دل میں یہ خیال آیا کہ پہلے کی طرح اب اسلام کو اس درجہ ہماری خدمات کی، ہمارے کل اوقات کی اور ہمارے بالکل تن من دھن سے اس کی خدمت میں لگ جانے کی ضرورت نہیں ہے۔ احکام حالات کے ساتھ بدلتے ہیں۔ اس وقت یہ حکم تھا کہ کوئی اپنے گھر نہ بیٹھے کوئی اپنی جان کو اپنے مال کو اور اپنی اولاد کو اسلام سے زیادہ عزیز نہ سمجھے اور جب ضرورت تھی تو ہم سب کچھ چھوڑ کر اسلام کی خدمت کے لئے کود پڑے تھے۔ اللہ نے اس کی

[illegible] دی اور ہم نے ایسا کیا لیکن اب وہ پہلی سی حالت نہیں ہے اب خدا کے فضل و کرم سے مسلمانوں کی تعداد میں بہت بڑا اضافہ ہو گیا ہے اب اسلام کی خدمت گزار اور اس کے سپاہی اور اس کے مبلغ بہت ہیں۔ اس لئے اگر ہم تھوڑے دنوں کی چھٹی لے لیں تو کیا حرج ہے؟ چھٹی کا قانون تو ہر نظام میں ہوتا ہے۔

بدرجہ ضرورت اور عارضی چھٹی کا خیال

یہ بات تو ان حضرات کے ذہن میں وسوسہ کے درجہ میں آئی۔ یہ وسوسہ اور ایک خیال بھی نہیں آسکتا تھا کہ ہم اپنے آپ کو مستقل طور پر سبکدوش کر دیں کہ حضور اب اسلام کی خدمت کرنے والے بہت ہو گئے ہیں ہم کو آپ چھٹی دے دیجئے تاکہ ہم اپنے گھر جائیں ہمیں اتنے دن ہم نے کام کیا اب دوسرے کام کریں۔ یہ بات تو ان حضرات کے خواب و خیال میں بھی نہیں آسکتی تھی صرف اتنا ہی خیال ہوا تھا کہ وقتی طور پر محض عارضی طور پر کچھ چھٹی لے لیں۔ فوجی محاذ جنگ سے چھٹی لیا کرتا ہے اس کو گھر واپس کیا جاتا ہے۔ اسی طریقہ سے ہسپتالوں سے ان کو چھٹی دی جاتی ہے اور ایسے بہت سے نظائر ہم دیکھتے ہیں جہاں کوئی وقت آجاتا ہے کہ آدمی چھٹیاں لے لیتا ہے۔ تاکہ ذرا تازہ دم ہو جائے آرام کرے اور اپنے گھر کے ضروری کام انجام دے آئے۔

چھٹی لینے کا انجام یعنی دو زبردست نقصان

حضرت ابو ایوب انصاریؓ فرماتے ہیں کہ ہمارے دل میں صرف یہ خیال آیا کہ ہم تھوڑے دن کے لئے چھٹی لے لیں۔ بس اس خیال کا آنا تھا کہ یہ آیت نازل ہو گئی کہ کیا یہ خطرناک خیال تمہارے دل میں آیا؟ یہ کیا شیطانی وسوسہ تمہارے دل میں آیا؟ تم اللہ تعالیٰ کے کام سے چھٹی لینا چاہتے ہو۔ جانتے ہو کہ اس کا کیا نتیجہ ہوگا؟ اس کا نتیجہ کیا ہوگا؟ اس کا نتیجہ جو تم سمجھ رہے ہو وہ نہیں ہے بلکہ تم جو کچھ سمجھ رہے ہو وہ تو یہ ہے کہ تمہاری کھیتیاں سرسبز ہو جائیں گی اور یہ چھوٹی چھوٹی پونجی کی دکانیں جس میں کمی آگئی ہے ان میں پونجی ہوگی سامان ہوگا سب بڑا [illegible] کام معمولی سا کاروبار اس میں تمہیں کامیابی ہو جائے گی۔

تمہاری دکانیں جو بالکل بیٹھ گئی ہیں جس میں [illegible] ہے ان دو چار کا ایک نظ

آنے لگیں گے۔ اس میں روزانہ دس بیس درہم کی آمدنی شروع ہو جائے گی۔ تمہارے باغ جو بالکل سوکھ گئے ہیں ان کو پانی دو گے تو وہ ہرے بھرے ہو جائیں گے لیکن اس کے دو نتیجے نکلیں گے۔ ایک کا تعلق تمہاری ذات سے ہے اور دوسرے کا تعلق پوری کائنات سے ہے۔ جہاں تک تمہاری ذات کا تعلق کا سوال ہے اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ تمہارا نام اللہ کے یہاں خدمت گزاری کی فہرست سے کٹ جائے گا اور تم بھی انہیں قوموں میں شمار کئے جانے لگو گے جن کی قسمت پر مہر لگا دی گئی ہے اور جن کو جانوروں کی فہرست میں لکھ دیا گیا ہے کہ ان کا کام گائے بیل گھوڑے کی طرح کھانا، کمانا اور پیٹ بھرنا ہے اور اس کے بعد حشرات الارض کی طرح زندگی گزار کر دنیا سے چلے جانا۔

آج تمہارا نام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سپاہیوں، ساتھیوں اور جاں نثاروں اور انسانیت کو سرسبز کرنے والوں میں لکھا ہوا ہے۔ دنیا کے معماروں میں نیز دنیا میں دوبارہ بہار لانے کے لئے کوشش کرنے والوں میں لکھا ہوا ہے۔ تمہارے لئے حیات نو اور دنیا کی حیات بخشی مقدر ہے کہ تمہارے ہاتھوں پر یہ دنیا جو کہ محض ایک قمار خانہ محض ایک جانوروں کا، محض انسانوں کا قبرستان بن کر رہ گئی ہے۔ جہاں ناؤ نوش ہر وقت پیٹ پالنے اور کھانے کمانے کے سوا کوئی آواز بھی نہیں آتی۔ اس دنیا کو دوبارہ زندہ کرنا مقدر ہے۔ اس فہرست سے تمہارا نام نکل جائے گا اور یہ دنیا جو اللہ سے بچھڑ گئی تھی خدا کو بھول گئی تھی، آج پھر تمہارے ذریعہ سے خدا کی چوکھٹ پر سر جھکانے لگی ہے اور تمہارے نام ربانیوں میں لکھے ہوئے تھے۔ ان کے نام اولیاء اللہ میں، خادموں میں، مجاہدوں میں، زاہدوں میں اور ربانیین میں دنیا کے نجات دہندہ لوگوں کی فہرست میں لکھے جانے والے ہیں۔ یہ فیصلہ بدل جائے گا اور تم کاروبار میں لگنا چاہتا ہو تو پہلا نقصان تو اپنا کرو گے کہ اس قدسی اور نورانی فہرست سے کٹ کر محض اپنے لئے جینے مرنے والوں میں تمہارا نام لکھ دیا جائے گا۔

دوسرا نتیجہ جو اس سے بھی زیادہ خطرناک ہے وہ یہ ہے کہ دنیا کے لئے اللہ تعالیٰ نے جو فلاح کا دروازہ کھولا ہے اور یہ جو دربار ہدایت کا دروازہ کھولا ہے۔ وہ اس دنیا کے متعلق اب اللہ تعالیٰ کی تقدیر کا یہ جو فیصلہ ہے کہ یہ دنیا دوبارہ خدا کو پہچانے، دوبارہ خدا کے راستے پر چلے، دوبارہ خدائے واحد کی بندگی کرے، دوبارہ اس دنیا میں آئے ہوئے انسان کو اپنا حقیقی مقام معلوم

ہو اور انسان کو اپنی زندگی کا مقصد معلوم ہو۔ یہ دروازہ بند ہو جائے گا۔

بلندیٔ ہمت اور نگاہ یہ سب دینی جدوجہد کا ثمرہ ہے

تم چوپائے درندے نہیں اور فرشتے بھی نہیں بلکہ انسان ہو تمہیں حکم دیا گیا ہے کہ اپنی ضروریات زندگی کو بقدر ضرورت مہیا کر کے اللہ کے کام میں لگو۔ اللہ نے دین دنیا سے [illegible] نہیں بھیجا، اللہ کے پیغام کو دنیا کے گوشے گوشے میں پہنچاؤ۔ اگر تم ایسا نہیں کر سکتے تو نقصان یہ ہوگا کہ پورا یہ عالم انسانی اور یہ پوری کائنات اس فیض سے محروم رہے گی۔ اور اللہ تعالیٰ ان کو جو نعمت عطا فرمانا چاہتا ہے اس نعمت کو روک لے گا۔ لہٰذا اس فیض سے محرومی ہلاکت ہے، تمہارے حق میں بھی اور دوسروں کے حق میں بھی۔

تم دنیا میں کس شمار و قطار میں نہیں تھے اور معلوم نہیں تم کتنی بیماریوں کے شکار ہو سکتے [illegible] سے تم دوچار ہو سکتے تھے لیکن اللہ تعالیٰ نے تم کو یہ موقع پہنچایا اور اپنے نبی کی [illegible] محبت کے لئے منتخب فرمایا، تمہیں ایسی صلاحیتیں عطا فرمائیں جو دوسروں کو نہیں ملیں اور تم میں ایک نیا حوصلہ عطا فرمایا۔ تمہارے دست و بازو کو نئی طاقت عطا فرمائی تمہاری ہمتوں کو بلند کیا اور نگاہوں کو روشن کیا۔ یہ سب اس اسلام کے طفیل تھا۔

شانِ نزول کی مختصر تفصیل

اب اگر تم اسلام کی خدمت سے ہاتھ اٹھاتے ہو تو اپنا بھی نقصان کرو گے، اپنے حق میں خودکشی اور دنیا کے حق میں بہت بڑی ہلاکت اور خسارہ کا سامان کرو گے دنیا ایک رخ پر جاتے جاتے پھر دوسرے رخ پر پڑ جاتی ہے۔ ابھی اس کا رخ ضلالت سے ہدایت کی طرف، شہوت سے عبادت کی طرف، ظلمت سے نور کی طرف جہالت سے علم کی طرف پڑا ہے اور پڑا بھی ہوا ہے؟ پڑنے کی امید پیدا ہوئی ہے لیکن اگر تم اسلام کی خدمت سے ہاتھ اٹھا کر اپنے بیوی [illegible] میں اپنے بچوں کی پرورش میں اپنے گھر والوں کی خدمت میں لگ جاؤ گے اور گویا تم بلندی عبادت سے ہٹ کر اپنے نفس کی عبادت میں لگ جاؤ گے تو پھر دنیا پر خیر کا یہ دروازہ بند کر دیا جائے گا۔ یہ ہے تفصیل ان حالات کی جن میں یہ آیت کریمہ نازل ہوئی تھی۔

اس آیت کے معنی وسیع اور اس کے نتائج دور رس ہیں۔ یہ آیت کسی ایک انسان کی ایک

انفرادی خودکشی کے بارے میں نہیں اتری ہے۔ کسی ایک فرد کے ہلاکت میں پڑنے سے متعلق نہیں ہے بلکہ یہ ایک بہت بڑے اہم موقع پر نازل ہوئی تھی جس کا تعلق پوری نوع انسانی اور اس کے مستقبل سے ہے یعنی وہ لوگ جو دنیا میں ہدایت کا کام کر سکتے ہیں جس کی وجہ سے دنیا ونئے حقائق کی طرف توجہ ہو سکتی ہے۔ نئی منزل کی طرف توجہ ہو سکتی ہے۔ اللہ تعالیٰ کی معرفت حاصل ہو سکتی ہے۔ جس کے ذریعہ انسان اپنی موجودہ زندگی پر پشیمان ہو کر سوچتا ہے کہ ہائے! میں کیا زندگی گزار رہا ہوں۔ یہ تو جانوروں کی، چڑیوں کی اور چوپایوں کی زندگی ہے۔ کھانا پینا اور بستر پر دراز ہو کر سو رہنا اور پھر اٹھ کر نکل، گھوڑے کی طرح اس کام میں جت جانا یہ کوئی انسانی زندگی ہے؟ جو جماعت انسانوں کو چونکانے اس کی دعوت سے اس کے عمل اور کردار کی تاثیر سے اور اس کی تبلیغ کی سرگرمیوں کی وجہ سے دلوں کے دماغوں پر چوٹ پڑے، دلوں کے دماغوں پر ضرب لگے۔ اس کے لئے یہ زندگی نہیں ہے۔ اگر اس عمل سے فرار اختیار کرے تو دنیا والوں کو کون سنبھالا دے سکتا ہے؟ کون ہوگا جو دنیا والوں کو بلند حقیقت کی طرف متوجہ کرے گا اور ان سے کہے گا کہ اے انسانو! یہ کیا زندگی ہے؟ عمدہ سے عمدہ پہننا اور آراستہ ہو کر نکلنا زندگی ہے تو یہ مردوں کی زندگی ہے، اگر خوش آوازی اور خوش آہنگی زندگی کا حاصل ہے تو بلبل میں تم سے زیادہ زندگی ہے۔ اگر دوسروں کا پیٹ کاٹ کر کے دوسروں کا خون پی کر کے زندگی گزارنا آدمیت اور مقصد زندگی ہے تو یہ تو شیروں کی زندگی ہے اور تیندوے تم سے زیادہ زندگی اور آدمیت کے راز سے واقف ہیں۔

میرے دوستو! اگر ایک شخص ہتھیلی پر سر رکھ کر میدان جنگ میں کودتا ہے، تو کبھی ایسا ہوتا ہے کہ وہ زندہ سلامت بچ کر آ جاتا ہے حضرت خالد بن ولید رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے بڑھ کر کون موت کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر لڑا ہوگا اور ہمیشہ موت کو ہنسی کھیل سمجھا ہوگا بتائیے۔ اسلام کی تاریخ میں جاں بازی کی تاریخ میں، سرفروشی کی تاریخ میں۔ خالدؓ سے بڑھ کر جانباز اور سرفروش کوئی گزرا ہے؟ لیکن وہی خالدؓ کہ جب انتقال ہونے لگا اور بستر پر طبعی موت آنے لگی تو کہنے لگے کہ میری زندگی میں کوئی ایسا موقعہ نہیں آیا کہ جہاں موت کا امکان ہو اور میں نے وہاں اپنے آپ کو پیش نہ کیا ہو لیکن خدا کی شان کہ آج میں بستر پر مر رہا ہوں۔

فلاناهت اعين الجينا فلاناهت اعين الجينا ، فلاناهت اعين الجينا.

مجھ سے بڑھ کر اپنی جان ہلاکت میں ڈالنے والا اور شہادت کی تلاش میں نکلنے والا اور کون ہوگا؟ لیکن خدا آج دکھا رہا ہے کہ میں بیماری کے بستر پر مر رہا ہوں۔ اور جو لوگ موت سے بھاگتے تھے کتنے دنیا سے رخصت ہو گئے؟ اور وہ اپنے تمام اندازوں کے خلاف اور تمام تیاریوں کے خلاف موت کا نشانہ بن گئے۔

دوستو! خودکشی یہ نہیں ہے کہ آدمی کسی وقت اپنی جان پر کھیل کر کسی وقت اپنے کاروبار کو خطرے میں ڈال دے کسی وقت دور اندیشوں اور ہوشیار لوگوں کے مشوروں کی خلاف ورزی کرے جبکہ لوگ اس کو اس طرح کے مشورہ دیں کہ بھائی یہ کاروبار بند کرنے کا وقت نہیں ہے یہ وقت دکان چھوڑ کر جانے کا نہیں ہے یہ وقت گھر بار چھوڑ کر جانے کا نہیں ہے۔ اس موقع سے فائدہ اٹھانا چاہیے تو وہ ان لوگوں کے مشورہ کے خلاف چل پڑے۔ جو لوگ کسی وقت آنکھوں پر پٹی باندھ لیتے ہیں۔ یا دیکھی ان دیکھی کر دیتے ہیں۔ وہ خودکشی نہیں کرتے ہیں۔ خودکشی وہ کرتا ہے جو اپنا مقصد زندگی فراموش کر کے اپنے دل کی پرستش میں لگ جاتا ہے۔ ایک مسلمان فرد اور ایک مسلمان جماعت کے لئے خودکشی یہ ہے کہ اپنا حقیقی مقصد بھول کر اور جو کام اللہ نے اس کے سپرد کیا ہے ان کو فراموش کر دے۔ اور یہ بھول جائے کہ اللہ تعالیٰ نے اس کو اس دنیا میں ایک اہم فرض کی ادائیگی کے لئے مبعوث کیا ہے۔

کنتم خیر امة اخرجت للناس تامرون بالمعروف و تنهون عن المنكر و تومنون بالله

یعنی تم اس کام کے لئے محض اسی مقصد کے لئے دنیا میں بھیجے گئے ہو لہٰذا اگر تم اس کام کو بالائے طاق رکھ دو اور اپنے کاروبار میں سر سے پاؤں تک ڈوب جاؤ اور خالص کاروباری انسان بن جاؤ "بزنس مین" بن جاؤ اور تمہاری سب سے بڑی تعریف یہ ہو کہ تمہارے بارے میں یہ کہا جائے گا کہ فلاں [illegible] کوئی مسلمان فرد کوئی مسلمان گروہ اگر خالص کاروباری حیثیت اختیار کرے کہ میں تو ایک کاروباری ہوں۔ میرا کاروبار مقدم ہے، پیٹ مقدم ہے، دنیا کے تقاضے مقدم ہیں۔ گھر والوں کے مطالبے مقدم ہیں۔ گھر والوں کی ضرورتیں مقدم ہیں اس کو "قرآن مجید،، خودکشی کہتا ہے۔ قرآن اس کو "خودکشی،، نہیں کہتا جس میں موت موہوم ہے۔ اس کو خودکشی کہتا ہے جس میں حقیقی موت ہو، یقینی خودکشی وہ نہیں جس میں موت کا امکان

ہے۔ خودکشی وہ ہے جس میں موت یقینی ہے۔ خودکشی وہ نہیں ہے جس میں وہ عارضی جسم ہلاک ہوجائے بیمار ہوجائے، تکلیف اٹھائے جس کو ایک دن مرنا ہے جس کی حیات عارضی ہے۔ خودکشی وہ ہے جس میں اس روح کو تکلیف ہوجائے جس کو موت نہیں۔ خودکشی وہ ہے جس میں وہ مقصد فوت ہوجائے جو سرمایہ تھا۔ جو اثاثہ تھا جو پونجی لے کر نکلے تھے وہ ڈوب جائے۔ یہ ہے کاروباری ذہنیت کے خلاف نہیں حقیقی کاروبار وہ ہے جو اپنی پونجی سلامت رکھ کر نئے نئے تجربے کرے۔ خودکشی یہ ہے کہ آدمی دعوت کا کام نہ کرے آدمی اسلامی زندگی اختیار کرنے کے لئے نہ نکلے اور دین کے لئے ہجرت نہ کرے۔ جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مکہ مکرمہ سے ہجرت فرمائی اس کے بعد بہت سے لوگ بلکہ بہت سے صحابی بیٹھے رہ گئے کمزور تھے اور بہت سے مزور نہیں تھے مگر انہوں نے وقت کی نزاکت کو محسوس کیا اور ہجرت نہیں کی اور بہت سے وہ تھے جنہوں نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ یا بعد میں مدینہ طیبہ کی ہجرت کی۔ انہوں نے کیا فتوحات حاصل کیں اور مراتب حاصل کئے وہ ان سے کہیں زیادہ تھیں جنہوں نے ہجرت نہیں کی۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

والسا بقون الاولون من المهاجرين و انصار والذين اتبعوهم باحسان رضى الله عنهم ور ضو عنه

اور اللہ تعالیٰ فرماتا ہے لایستوی منكم من انفق من قبل الفتح وقاتل اولئک اعظم درجةمن الذين انفقوا من بعد و قاتلوا۔

وہ لوگ جنہوں نے فتح مکہ سے پہلے خرچ کیا اور اللہ کی راہ میں جان کی بازی لگائی اور جنہوں نے بعد میں جان کی بازی لگائی برابر نہیں ہوسکتے۔

خودکشی

غرض حقیقی خودکشی یہ ہے کہ انسان اپنے حقیقی فائدے سے اپنی آنکھیں بند کرلے اور اپنے حقیقی فائدے کو خطرے میں ڈالے۔ فائدے کو خطرے میں ڈالنا خودکشی نہیں ہے۔ بلکہ یقینی فائدے کو یقینی طور پر خطرے میں ڈال دینا اور ہمیشہ کے لئے تلف کر دینا اور ہمیشہ کے لئے اس سے محروم ہو جانا یقینی خودکشی ہے اور اپنے کو واقعی نقصان پہنچانا ہے۔

حکمت روح

اب میں آپ حضرات سے عرض کرنا چاہتا ہوں کہ آیئے ہم اور آپ موجودہ حالات کا جائزہ لیں جہاں اس وقت ہم بیٹھے ہوئے ہیں۔ یہ یورپ کی سرزمین ہے جہاں اللہ تعالیٰ نے محض اتفاقیہ طور پر نہیں بلکہ اپنے حکمت بالغہ کے تحت ہم کو پہنچا دیا ہے۔ حالات کچھ بھی ہوں اسباب کچھ بھی ہوں وہ اسباب سیاسی ہوں یا اقتصادی، اس کا تعلق اپنے پیدائشی ملک سے نکل جانے سے ہو یا یورپ کے عام حالات سے ہو، بہر حال اللہ تعالیٰ کی حکمت تھی اور بہت بڑی رحمت بھی تھی کہ اس کے کلمہ گو انسانوں کو محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دامن سے وابستہ انسانوں کو اگرچہ ہزار خرابیاں، ان کے اندر تھیں، ہزار نقائص تھے، میں نے جانا وہ صفائی میں کم، سلیقے میں کم، وہ مستعدی میں کم، وہ علم میں کم، وہ حسن و جمال میں کم، وہ ذہانت میں کم، اور مزید بھی جو بھی نقائص اور کمی ہو سکتی ہے وہ میں ماننے کے لئے تیار ہوں لیکن اللہ تعالیٰ نے ایک امتیاز ایک جوہر ان کو ایسا عطا فرمایا جس سے یورپ کی یہ گوری قومیں جنہوں نے دنیا میں ڈیڑھ ڈیڑھ دو سو برس تک اپنی حکومتوں کا ڈنکا بجایا اور جس کا مشرق و مغرب میں طوطی بولتا ہے اور جنہوں نے فضاؤں میں اڑ کر اور پانی پر چل کر دکھایا ہے اور جو چاند پر قدم جمار ہے ہیں ان کا دامن جس گوہر نایاب سے خالی ہے وہ کیا ہے؟ وہ ایمان کا جوہر اور وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نسبت کا جوہر ہے۔

اللہ تعالیٰ نے آپ حضرات کو اس سرزمین پر پہنچایا ہے اب میں آپ کو صاف کہتا ہوں کہ آپ کے لئے خودکشی کیا ہے؟ اور آپ کا اپنے اوپر احسان کیا ہے؟ ان دونوں باتوں کو اچھی طرح سمجھ لیجئے۔ بس آج کی بات یہی ہے کہ سارے فیصلہ کا انحصار بھی اسی پر ہے۔ آپ کے لئے تباہی کا راستہ کیا ہے؟ اور آپ کے لئے سرسبزی اور فروغ کا راستہ کیا ہے، آپ کے لئے ہلاکت اور خطرے کا راستہ کیا ہے اور آپ کی حفاظت و ضمانت کا راستہ کیا ہے؟ یہ مجھ سے سنئے اور صاف سنئے۔

آپ کو اللہ تعالیٰ نے اس ملک میں بھیجا ہے۔ اگر آپ یہاں صرف کاروبار میں مصروف رہے آپ کی ساری ذہانت اور محنت اور ساری تگ و دو اسی پر صرف ہوتی رہی کہ ہم نے یہاں آکر کیا کمایا۔ ہم وہاں سے لے کر کیا آئے تھے اور اب یہاں ہم کس حیثیت کے آدمی ہو گئے

ہماری پوزیشن کیسی ہوگی۔ ہم نے بینک میں کیا جمع کیا۔ ہم نے اپنے ملک میں کیا بھیجا وہاں دیہات میں کچا مکان چھوڑ کر آئے تھے وہ پکی حویلی بن گئی یا نہیں۔ ہم نے اپنے بچوں کو یہاں تعلیم یافتہ بنایا ان کو کسی کاروبار میں لگایا یا نہیں؟ ہم نے اگر خود کو اس پیمانہ پر تولا تو یاد رکھئے یہ ایک اجتماعی اور عمومی خودکشی ہوگی ایک فرد کی خودکشی ہوتی ہے ایک قوم کی خودکشی ہوتی ہے فرد کی خودکشی فرد کے لئے ہوتی ہے۔

اور قوم کی خودکشی پوری قوم کے لئے باعث ہلاکت بنتی ہے لوگ غلطیاں کرتے ہیں اپنی موت بھی مر جاتے ہیں۔ زہر بھی پی لیتے ہیں۔ سمندر میں چھلانگ بھی لگا دیتے ہیں چھتوں سے کود بھی جاتے ہیں اس کے لئے دنیا کے لیل ونہار میں کوئی فرق نہیں پڑتا لیکن جب کوئی قوم خودکشی پر آمادہ ہو جاتی ہے اور وہ فیصلہ کر لیتی ہے کہ ہمیں صحیح راستہ چھوڑنا ہے ہمیں ظلم وزیادتی کا گناہوں اور سرکشی کا راستہ اختیار کرنا ہے۔ ہمیں اپنے لئے کانٹے بونے ہیں تو پھر اس پر کھانے والا نہیں ہوتا۔ اور اس کی کوئی جگہ نہیں ہوتی نہ اس پر آسمان روتا ہے اور نہ زمین آنسو بہاتی ہے۔

میرے دوستو! آپ کے لئے دو راستے ہیں۔ ایک راستہ تو یہ ہے کہ آپ خالص کاروباری رہیں اور صبح سے شام تک اسی فکر میں رہیں کل میں مسجد میں عصر ومغرب کے درمیان بیٹھا ہوا تھا میرے کانوں میں مسلسل آوازیں آ رہی تھیں۔ کوئی کہہ رہا تھا کہ ہم اس حالت میں آئے تھے پھر ہم نے یہ کاروبار کیا اور دوسرے صاحب بھی اس قسم کی باتیں کر رہے تھے اور اپنے اپنے تجربہ بیان کر رہے تھے۔ وہ پورا اپنے کاروبار کی داستان سناتے رہے۔ یہ چھوٹا سا نمونہ تھا جو میرے سامنے ایک مسجد میں جمعہ کے دن عصر ومغرب کے درمیان میں پیش آیا۔ تو جب ہمارا زیادہ سے زیادہ وقت اور جو دعا کی قبولیت کا وقت ہوتا ہے جو انوار الٰہی کے برسنے اور ملاءِ اعلیٰ کے متوجہ ہونے کا وقت ہوتا ہے اس میں جب ہمارا موضوع یہ ہو تو مسجد سے باہر کیا ہوتا ہوگا؟ اس کا آپ اندازہ کر سکتے ہیں۔ اگر انگریز پانچ منٹ محنت کرتا ہے تو ہم سات دن محنت کریں گے اگر انگریز انسان کی طرح محنت کرتا ہے تو ہم گھوڑے کی طرح محنت کریں گے۔ اگر انگریز کھاتا پیتا اور تفریح کرتا ہے تو ہم تفریح کو اپنے ملک میں چھوڑ آئے ہیں، اکٹھا تفریح کر لیں گے۔ اگر انگریز صحت کا خیال رکھتا ہے ہمیں صحت سے کیا غرض؟ پیسہ اصل چیز ہے۔ اگر انگریز سلیقہ سے کماتا ہے تو کمانے کا مزہ بھی اٹھاتا ہے۔ تو ہمیں اس سے مطلب نہیں ہمیں

بس پیسہ چاہیے۔ ہمیں تو دیکھنا ہے کہ کتنے دن میں کتنی دولت کمائی۔،،

میرے دوستو! اگر یہ آپ کی ذہنیت ہے تو آپ اس ملک پر دھبہ ہیں اور اس سے بڑھ کر آپ اسلام پر دھبہ ہیں۔ اس لئے کہ آپ اسلام کے لئے دروازہ ہیں۔ فرض کیجئے میں چھوٹی سی مثال آپ کو دیتا ہوں اور وہ یہ ہے کہ خدانخواستہ یہاں مسلمان نہ آتے اور خالص کاروباری اور پیٹ پالنے والی زندگی کا نمونہ پیش کرتے اور مسلمانوں کے مکانات کے بارے میں جو تاثرات ہیں وہ نہ ہوتے اور یہاں اسلام کی عمدہ عمدہ کتابیں پہنچتیں اور اسلام کی تبلیغ ہوتی اور کوئی اللہ کا بندہ موثر طریقے پر انگریزی زبان میں قرآن شریف اور سیرت نبوی کو پیش کرتا تو ہو سکتا ہے کہ انگریز کہتا کہ جس پاک نبی کی یہ سیرت ہے، معلوم نہیں اس کی امت کا کیا حال ہوگا؟ کیا اس کے اخلاق ہوں گے؟ کیا اس کی زندگی ہوگی؟ وہ تو کس مقدس انسان ہوں گے؟ اور وہ تو دنیا سے بالاتر انسان ہوں گے اور وہ ہر چیز میں نمونہ ہوں گے۔ آئیڈیل اور معیاری ہوں گے، اور ان کی ہر چیز سیرت نبوی کے سانچے میں ڈھلی ہوئی نکلتی ہوگی۔ کیسے صاف ستھرے لوگ ہوں گے کیسے فرض شناس لوگ ہوں گے۔ کیسے صادق الوعدہ اور صادق القول ہوں گے۔ ان کی زندگی میں کتنا اعتدال ہوگا؟ کتنا حقوق اللہ اور حقوق العباد کا خیال ہوگا؟ غرض بہت اونچا تصور ہوتا ہو سکتا ہے کہ یہاں سے انگریز جاتے اور مسلمانوں کی زندگی کا مطالعہ کرتے۔ کسی اچھے ماحول میں پہنچ جاتے یا نہ پہنچتے خود قرآن سے متاثر ہو کر اسلام قبول کرتے۔ لیکن اب بتائیے۔ ہم نے اگر اسلامی زندگی کا اچھا نمونہ پیش نہ کیا اور ہم نے اس میں یہ نمونہ اور نظیر نہ قائم کی کہ مسلمانوں کے لئے ہدایت کی کوشش اور اللہ کو پالینے کی کوشش مقدم ہے۔ اس کے بعد ان کی دوسری کوشش ہے پہلے ہدایت پانا اور دنیا کو ہدایت دینا، ہدایت سے آشنا کرنا، اس کے بعد کھانا، بیوی بچے اور گھر بار اور وطن ہے۔ اگر آپ نے یہ نمونہ پیش نہ کیا، تو بتائیے کہ ہم نے اپنی ذات پر اور انسانیت پر ظلم کیا یا نہیں؟

اب آپ حضرات یہاں ہیں۔ آپ کے لئے میں اس کو خودکشی کہوں گا۔ اس کے بعد آپ مجھے معاف کریں، میں ایسا بھیانک لفظ بول رہا ہوں کہ جس کے تصور سے بھی مسلمان کے رونگٹے کھڑے ہوتے ہیں، ''حرام موت،،؟ کون حرام موت کے لئے تیار ہوتا ہے؟ ہزار بار پھانسی کے تختے پر چڑھ جانا، ہزار بار تکلیف میں ایڑیاں رگڑ رگڑ کر مرنا خودکشی سے بہتر ہے۔

میں بار بار خودکشی کہہ رہا ہوں، کیا میرا ذوق اس کو قبول کرتا ہے؟ کیا یہ اچھا معلوم ہوتا ہے؟ مگر کیا کروں۔ قرآن شریف کا خود ارشاد ہے۔

ولا تلقوا بایدیکم الی التهلکه۔

اپنے ہاتھوں میں ہلاکت میں نہ پڑو۔ اسی کا نام خودکشی ہے۔ خودکشی کے معنی خود اپنے گلے میں پھندا ڈال کر خود موت کا سامان اختیار کرنا۔ یہی قرآن شریف کہہ رہا ہے۔

لہٰذا اگر آپ یہاں اس طرح رہے جیسے غیر مسلم رہتے یا بنے رہتے ہیں، پینے اور عیش کی فکر رہتی ہے اور اس طرح رہے غیر مسلم رہتے ہیں اور اس طرح رہے کہ اصل اصل تو کاروبار اور دولت سے 24 گھنٹہ فرصت نہیں۔ ہر لمحہ اسی کا استغراق یعنی نفع اندوزوں کا استغراق، تجارت کا استغراق، اس میں آپ مدہوش رہے آپ کو اپنی زندگی بنانے کی فرصت نہیں۔ آپ کو اللہ کے اور شریعت کے احکام معلوم کرنے کی فرصت نہیں۔ حلال وحرام کا فرق معلوم کرنے کی فرصت نہیں۔ اللہ کے اچھے بندوں کے پاس بیٹھنے کی فرصت نہیں۔ اس طرف رخ کرنے کی فکر نہیں جہاں دین کا بازار لگا ہوا ہے۔ جیسے ہندوستان پاکستان اور ممالک اسلامیہ کے دینی مراکز وہاں جانے کی اور وہاں سے اپنی اصلاح کرا کے آنے کی اور دین کے سبق سیکھنے کی فرصت نہیں۔ بھائیو! یہ خودکشی ہے۔ اس پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے کوئی ضمانت نہیں۔ اس ملک میں کل کیا ہو کا کوئی نہیں کہہ سکتا۔ میں بہت ڈرتا ہوں کہ کوئی بدفالی، بدشگونی کی بات کروں۔ میری دلی تمنا ہے کہ اس ملک میں جتنے مسلمان ہیں وہ عزت وحفاظت کے ساتھ رہیں اور مسلمانوں کی آمد کا سلسلہ برابر جاری رہے۔ یہاں تک کہ یہاں مسلمانوں کی ایک بہت بڑی آبادی قائم ہو جائے۔ میں اسی دل سے دعا کرتا ہوں اور یہاں آ کر بہت خوش ہو رہا ہوں کہ دیکھئے ان گھروں میں پہلے کیا ہوتا تھا۔ اس عمارت میں پہلے کس کا نام لیا جاتا تھا۔ آج اس میں اللہ کا نام لیا جاتا ہے۔

میں ابھی خطبہ مسنونہ پڑھ رہا تھا اور دل باغ باغ ہو رہا تھا۔ کہ اللہ تعالیٰ نے یہ سعادت مجھے بھی دی ہے مگر آج سے بیس سال پہلے کوئی میرا نام لے کر کہتا کہ ایک وقت آئے گا تو انگلستان جا کر گرجے میں محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا نام لے گا اور کہے گا۔ اشہد ان محمد عبدہ ورسولہ۔ رسولہ سے بھی پھوٹ پڑتی ہے مسیحیت پر وہ بھی کہیں میدان میں نہیں، کسی اسٹیج پر نہیں،

بی بی سی ریڈیو پر نہیں، بلکہ خالص گرجے میں جاکر اشہد ان محمد عبدہ ورسولہ کی صدا بلند کرو گے تو بھائی مجھے یقین نہ آتا۔ اب دیکھئے یہ جماعت کی برکت ہے۔ یہ تھوڑے سے دینی کام ہونے کی برکت ہے کہ آج گرجے اللہ کی عبادت کے مرکز بن رہے ہیں۔ توحید کا یہ چوتھا گرجا ہوگا جس میں خطبہ مسنونہ پڑھنے اور اللہ کا پیغام پہنچانے کی توفیق ہو رہی ہے۔

دوستو! آپ کی حفاظت کا راستہ صرف یہ ہے کہ آپ یہاں اللہ کا نام بلند کریں اللہ کا نام بلند کرنے کے لئے ہندوستان و پاکستان میں مسلمانوں کو جتنی کوشش کرنی پڑ رہی ہے اس سے زیادہ آپ کو کوشش کرنی پڑے گی۔ جب آپ محفوظ رہ سکیں گے۔ اس لئے کہ وہاں اسلام تو خدا کے فضل وکرم سے ایک ہزار برس گزر چکا ہے۔ وہاں پر اسلام کے ستون نصب ہیں وہاں تو اسلام کی جڑیں پاتال تک پہنچ چکی ہیں وہاں تو مسجدوں کے مینارے اور مدرسوں کے گنبد آسمان سے باتیں کر رہے ہیں۔ وہاں تو قال اللہ اور قال الرسولؐ سے فضائیں گونج رہی ہیں وہاں تو انشاء اللہ اسلام محفوظ ہے۔ لیکن آج یہاں اسلام تازہ تازہ آیا ہے۔ اور آپ کے ذریعہ سے آرہا ہوں یہاں کی فضا آپ کے ذریعہ سے کلمہ توحید اور کلمہ شہادت سے آشنا ہو رہی ہے۔ اگر تم سے چوک ہوئی اور تم نے کاروبار میں زیادہ وقت لگایا اور تم نے اصل مقصد کو فوت کر دیا اس کی سزا تمہیں بھی بھگتنی پڑے گی اور ضمنی طور پر اس ملک کو بھی اٹھانی پڑے گی۔ اور پھر سارے مسلمان بلکہ ساری دنیا کا یہ نقصان ہوگا کہ یہ اسلام کی ہدایت کا دروازہ یہاں کھلتے کھلتے بند ہو گیا اور آپ کے کاروبار کی حفاظت میں اس ہے کہ آپ یہاں اپنی صلاحیت ثابت کریں اور اللہ تعالیٰ کے یہاں اپنی اہلیت ثابت کریں۔

اس موقع پر آپ کو خاص واقعہ یاد دلاتا ہوں۔

میدان بدر میں جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دیکھ لیا کہ جہاں تک ہتھیاروں کا تعلق ہے قوت و بازو کا تعلق ہے مسلمانوں کی فتح کا کوئی امکان نہیں بلکہ مسلمانوں کی شکست یقینی اور کفار کی فتح یقینی ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نگاہ تو کیا معمولی جرنیل اور فوجی افسر بھی فوجی طاقت کا اندازہ کر لیتا ہے پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو جن کا سینہ اللہ نے کھول دیا تھا۔ الم نشرح لک صدرک جن کو اللہ تعالیٰ نے سب سے زیادہ سلیم الفطرت اور سلیم الذہن پیدا کیا تھا آپ کو کیسے اس بات میں شبہ ہو سکتا ہے۔ فوراً آپ کی بصیرت نے دیکھ لیا اور نگاہ نبوت نے سمجھ

لیا کہ ظاہری آثار کیا ہیں؟ پھر آپ نے کیا کیا؟ آپ زمین پر سر رکھ کر سجدے میں پڑ گئے اور فرمانے لگے۔

اے اللہ! میں اس چھوٹی سی مٹھی بھر جماعت کے بارے میں کچھ کہنا نہیں چاہتا۔ یہ کیا کر لے گی۔ اس کے پاس ہے ہی کیا، یہ نہتی، بے دست و پا جماعت، یہ کنگال جماعت جو گھر میں بھی اپنے بچوں اور گھر والوں کے لئے بجھے چولہے چھوڑ کر آئی ہے جس کے پاس تلوار نہیں تلوار ہے تو نیام نہیں جس کے پاس دو گھوڑے ہیں اور چند اونٹ میں کس منہ سے کہوں کہ یہ فتح کی مستحق لیکن ایک بات کہتا ہوں انہوں نے یہ فیصلہ کیا ہے کہ جب تک رہیں گے تو یہ منادی کرتے رہیں گے۔

اب تجھے اختیار ہے کہ ان کو ختم کر کے اس کا دروازہ بند کر دے اس کا امکان ختم کر دے یا اس کو باقی رکھ کر اس کا سلسلہ باقی رکھ۔ اللّٰھم ان تہلک ہذہ العصابۃ لم تعبد اے اللہ! اگر تو اس مٹھی بھر جماعت کو طاقتور مٹا دے گا تو تیری پرستش نہیں ہوگی یہ معمولی آدمی کے کہنے کی بات تھوڑی تھی اس کے لئے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا اعتماد چاہئے۔ صلاحیت بھی چاہئے تھی کہ اس کے اخلاص کے متعلق پورا اطمینان تھا کہ میں جو کچھ کہہ رہا ہوں یہ اس کی پوری تصدیق کریں گے۔ اے اللہ! اگر تو اس مٹھی بھر جماعت کی ہلاکت کا فیصلہ کرتا ہے کہ ان بھیڑیوں کے دانتوں میں ان کے سر اور منہ ہوں تو میں کچھ نہیں کہتا صرف ایک بات کہتا ہوں کہ پھر تیری حقیقی عبادت دنیا میں نہیں ہوگی اس لئے کہ یہی وہ لوگ ہیں جو اس کا فیصلہ کر کے آئے ہیں۔

قیامت تک کی ضمانت

پھر کیا ہوا؟ میدان بدر میں ہر قسم کے قرائن، آثار اور توقعات، اندازے اور حسابات کے خلاف مسلمانوں کو فتح ہوئی اس کا مطلب یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے لئے ضمانت لی۔ قیامت تک قائم رہنے والی ضمانت کہ اگر یہ رہتے ہیں تو تیرا ہی کام کرتے رہیں گے اور جب اللہ نے فتح دی تو گویا یہ بات مان لی گئی کہ جب تک رہیں گے۔ اللہ ہی کا کام کریں گے۔

ہدایت و نور نبوت سے محروم سرزمین

دوستو! یہاں یورپ میں بھی تم یہ فیصلہ کرتے ہو کہ زندگی کا اچھا نمونہ پیش کروگے یہاں تبلیغ کے لئے وقت نکالوگے اس قوم کی ہدایت کے لئے اور اپنی اصلاح کے لئے وقت نکالوگے، اپنے اخلاق سے اپنے اعمال سے اپنی سرگرمی سے اپنی فکر اور دھن سے۔ تو انشاء اللہ اس ملک میں اسلام کو مضبوط کروگے اور اللہ تعالیٰ تمہارے کاروبار کی حفاظت کرے گا۔ تمہارا مستقبل محفوظ اور یقینی ہے اور اگر یہ نہیں ہے تو بھائیو! ایسے کاروبار میں تو ہندوستان کے مارواڑی اور پاکستان کی بہت سی برادریاں تم سے بڑھی ہوئی ہیں۔ پھر تمہاری کیا خصوصیت ہے؟ یہاں تم نے کون سا ایسا تیر مار دیا ہے اور ایسے چار چاند لگا دیئے ہیں یہاں تو تمہاری جو کچھ خصوصیت ہے قابلیت ہے وہ یہ کہ تم اس ملک میں جس کی زمین ہدایت کے لئے پیاسی ہے جس کے آسمان ہدایت کے لئے پیاسے ہیں جس کی فضائیں اذانوں کے لئے پیاسی ہیں وہاں پر تم یہ عہد کرو کہ ہم انشاء اللہ یہاں اسلام کو پھیلائیں گے، چمکائیں گے اپنی زندگی سے بھی اپنی تبلیغی سرگرمیوں سے بھی اور انشاء اللہ یہاں سچے پکے مسلمان بن کر اسلام کا جھنڈا بلند کریں گے۔

فرصت کو غنیمت جانئے

دوستو! مجھے یہی کہنا ہے کہ اللہ کے لئے وقت نکالنے میں پس وپیش نہ کیجئے۔ اس لئے کہ اس میں تمہاری اور تمہارے مال اور مستقبل کی حفاظت ہے ورنہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے فلا یامن مکر اللہ الا القوم الخاسرون خدا کی مخفی تدبیروں کو کوئی نہیں جانتا اور جن کی قسمت میں نقصان اٹھانا لکھا ہے وہی اللہ کی مخفی تدبیروں سے مطمئن ہوسکتے ہیں۔ خدا جانے کس وقت ان کے دل میں یہ خیال پیدا کردے کہ ان کالے لوگوں کو نکالیں۔ خدا جانے کون سا مسئلہ کھڑا ہو جائے اس وقت تم دیکھتے رہ جاؤ گے اور جہاز بھر بھر کر تم کو بھیج دیا جائے گا۔

آثار سے مآل کا اندازہ کیجئے

آج دل تمہاری طرف ہیں۔ تمہارا خیر مقدم کررہے ہیں تمہاری ضرورت محسوس کررہے ہیں کل تمہارے خلاف باغی ہو جائیں گے اور اس کے آثار شروع ہوگئے ہیں جب اللہ تعالیٰ تنبیہ کرنا چاہتے ہیں تو ایسے موقع پر ایسے آدمیوں کو کھڑا کردیتے ہیں جو تمہاری دشمنی کا نعرہ

لگاتے ہیں تاکہ تمہاری آنکھیں کھل جائیں کہ افق پر دیکھو کہ کیا ہونے والا ہے؟ بادل ابھر رہے ہیں۔ بجلی چمک رہی ہے پانی برسنے والا ہے اپنی چھتوں کو ٹھیک کرلو برسات کا موسم آگیا ہے۔

بار نہیں ابر باراں بنو

میرے یورپ کے دوستو! برسات کا موسم آگیا ہے اپنی چھتوں کے سوراخوں کو بند کرلو برسات میں تمہیں موقع نہیں ملے گا۔ ہر ملک کی ایک برسات ہوتی ہے برما کی برسات آگئی زنجبار کی برسات آگئی تو معلوم نہیں کتنے ملکوں کی برسات آگئی یورپ کی برسات آنے سے پہلے پہلے تیاری کرلو اور یہاں اپنا استحقاق اور اللہ سے یہاں اپنی صلاحیت ثابت کردو کہ تم رہو گے تو اسلام رہے گا انشاء اللہ تعالیٰ تمہیں محفوظ رکھے اور ہوا کا رخ ایسا بدلے گا کہ یہ بھی دیکھتے رہ جائیں گے اور یہی تمہاری خوشامد کریں گے کہ تم رہو القلب بین اصبعی الرحمن انسان کا دل رحمن کی دو انگلیوں کے درمیان ہے اس لئے دل کو بدلتے دیر نہیں لگتی دل کو اپنی طرف متوجہ کرنے کا سامان کرو اور وہ سامان یہ ہے کہ اپنی افادیت ثابت کرو۔ اپنی افادیت سے تم مستفید ہو اس سرزمین پر بار نہیں ہو تم اس سرزمین پر اللہ کی رحمت ہو پھر انشاء اللہ کوئی خطرے کی بات نہیں۔

یہ میں نے بہت دنوں تک کی بات کہہ دی۔ عمل کرنا تمہارا کام ہے۔ میری دعا ہے کہ اللہ تمہیں بھی اور مجھے بھی ان اعمال سے نفع پہنچائے۔

وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین

پیام انسانیت

الحمد للہ رب العالمین والصلوٰۃ والسلام علی سید الانبیاء
والمرسلین اما بعد

حضرات! میں اپنی تقریر کا آغاز حضرت جگر مرادآبادی کے ایک شعر سے کروں گا، وہ کہتے ہیں:

عشق ہے پیارے کھیل نہیں ہے
عشق ہے کار شیشہ و آہن

پیام انسانیت کی آواز پر آپ حضرات ہندوستان کے مختلف حصوں سے یہاں تشریف لائے۔ مجھے اس بات کا اقرار ہے اور میرے ساتھیوں کو بھی کہ ہمیں بہت تھوڑا وقت ملا اس سے کہیں زیادہ مجمع ہو سکتا تھا اور چوٹ کھائے ہوئے دل جو ہندوستان کے گوشے گوشے میں رہتے ہیں اور جن کے لئے ہندوستان ہمیشہ مشہور رہا ہے وہ اتنی بڑی تعداد میں یہاں جمع ہو سکتے تھے کہ لکھنؤ جیسا وسیع شہر بھی شاید ان کے لئے کافی نہ ہوتا ہمارا دل تو کافی ہو جاتا کہ دل میں بڑی گنجائش ہوتی ہے لیکن شاید شہر میں گنجائش نہ ہوتی لیکن بہت تھوڑے وقت میں ہم نے یہ دعوت ملک کے مختلف دور دراز حصوں میں پہنچائی اور وہ لوگ آ سکے جن کو خدا نے اس کی توفیق دی، ان کے لئے آسانیاں تھیں اور وہ بے چین ہو گئے۔ آپ حضرات نے کل سے اس وقت تک جو کچھ منظر دیکھا ہے اس کی وجہ سے مجھے یہ شعر پڑھنا پڑا۔

شاید آپ نے انسانوں کی طرح اس ملک میں رہنے اور بسنے کو بہت آسان کام سمجھ لیا۔ جلسے میں آپ نے بڑے سکون و اطمینان کے ساتھ تقریریں سنیں۔ اب اپنے گھر خیر و عافیت کے ساتھ واپس جائیں گے۔ شاید آپ یہ سمجھیں کہ "پیام انسانیت"، کوئی الہ دین کا چراغ ہے جہاں رگڑا کام بنا، یہ نہیں یہ اسی ملک کی بات نہیں ہے میں کہتا ہوں کہ دنیا کے ہر

ملک ہر شہر میں بلکہ یہاں تک کہنے کی جرأت رکھتا ہوں کہ مکہ اور مدینہ میں بھی جو مسلمانوں کے لئے مقدس ترین شہر ہیں اور ہمارے ہندو بھائیوں کے لئے بھی اس ملک میں کچھ شہر ہیں ان شہروں میں رہنے کے لئے بھی شیشہ و آہن کی طرح ساتھ رہنا پڑے گا۔ یہ الہ دین کا چراغ نہیں آپ نے سمجھا کہ پیام انسانیت کی صدا لگائی گئی اور اتنی دور دور سے لوگ اپنا کرایہ خرچ کر کے یہاں جمع ہو گئے معاملہ بہت آسان ہے اب اس ملک میں محبت کی بھائی چارے کی ہوائیں چلیں گی اب کسی فساد کی خبر سننے میں نہیں آئے گی، میں آپ کو دھوکے میں رکھنا نہیں چاہتا، زندگی زندگی ہے انسان وہی انسان ہے فطرت انسانی وہی فطرت انسانی ہے جو ہزاروں برس سے خدا نے اس انسان کی نسل میں ودیعت فرمائی ہے اور زندگی اپنی تمام خصوصیات کے ساتھ ہے ہم فرشتے نہیں ہیں اور اسی لئے ہم کو فرشتوں سے زیادہ اجر ملے گا اور خدا کے یہاں ہم کو شاباشی ملے گی اور پیٹھ ٹھونکی جائے گی اور ہم کو وہ انعام ملے گا جس کو شاید فرشتے بھی رشک کی نگاہ سے دیکھیں کہ ہم کر سکتے ہیں فرشتے نہیں کر سکتے ہم ٹھوکر کھا سکتے ہیں فرشتے ٹھوکر نہیں کھا سکتے، ہم کو غصہ آتا ہے اور سو بار آئے گا ہزار بار آئے گا لیکن ہم اپنے غصے کو دبانا جانتے ہیں اپنے غصے کو پی جانا جانتے ہیں اپنے غصے پر پشیمان ہونا جانتے ہیں ہمیں اسی زندگی کے ساتھ زندگی کی انہی خصوصیات کے ساتھ ایک ملک میں نہیں ایک شہر میں نہیں، ایک محلے میں نہیں، گھر گھر رہنا ہے اگر کوئی یہ سمجھتا ہے کہ اب غلط فہمیاں نہیں ہوں گی اب شکر رنجیاں نہیں ہوں گی اب تلخیاں نہیں آئیں گی اب ہماری تیوری نہیں چڑھے گی اب ہمارے دماغ پر کوئی نشہ اب نہیں لگے گا تو وہ اس غلط فہمی کو دور کر لے ہمیں اس دنیا میں سب کچھ دیکھنا ہے سب کچھ سننا ہے اور سب کچھ سہنا بھی ہے اور پھر بھی ہم نہ انسان سے الگ ہیں نہ اپنی فطرت سے نہ اپنے اس ملک سے ہم اگر کہیں جانا بھی چاہیں تو نہیں جا سکتے سیاروں پر ہمارے لئے جگہ نہیں ہے اور اب آپ سمجھ لیجئے کہ کسی ملک میں بھی جگہ نہیں ہے ہمیں اس ملک میں رہنا ہے، روٹھنا ہے اور سننا ہے لڑنا ہے اور الجھنا ہے، الجھنا ہے اور سلجھنا ہے، ہمیں یہ سب کام کرنے ہیں سارے پاپڑ بیلنے ہیں مگر ہم یہاں رہیں گے اور اسی طرح سے رہیں گے شہریوں کی طرح شریفوں کی طرح، بھلے مانسوں کی طرح۔

تو اگر آپ اس جلسے کی یہ پرسکون فضا دیکھ کر اور یہ تقریریں جو آپ نے سنی ہیں ان کو

کہ ہم یہ خیال لے کر یہاں سے جارہے ہیں کہ اب سب درد دور ہوگئے اور سب رنج کافور ہوگئے اور اب نہ کسی کی نکسیر پھوٹے گی نہ کسی کو خراش لگے گی نہ کسی کا دل ٹوٹے گا نہ کسی کو کوئی پریشانی لاحق ہوگی تو اس خواب وخیال کو دور کردیجئے اس ملک میں سب کچھ ہوسکتا ہے اور ہوگا اور پھر جب کہ پنبہ وآتش کی بات یعنی آگ بھی ہے اور روئی بھی ہے دونوں رہ سکتے ہیں لیکن اگر آپ کو ہرا دینے والا کوئی ہے اور روئی کو قریب لانے والا کوئی ہے تو پھر اس کا اطمینان نہیں کہ روئی میں آگ نہ لگے گی ہمارے اس ملک میں جہاں تعمیری طاقتیں ہیں جہاں خیر سگالی اور خیر خواہی کی طاقتیں ہیں وہاں مختلف اسباب کی بناء پر تخریبی طاقتیں بھی ہیں وہ اپنا کام کریں گی جیسا کہ ہمارے دوست مولوی عبدالکریم پاریکھ صاحب نے شیطان کا کردار بتایا کہ دیوار پر گڑ کی ایک انگلی لگا کر الگ ہوجاتا ہے ایسی انگلی لگا کر الگ ہوجانے والے ابھی اس ملک میں ہیں اور رہیں گے لیکن ہمیں اپنے دماغی توازن کو درہم برہم نہیں ہونے دینا ہے ہمیں بچوں کی فطرت اختیار کرنی نہیں ہے ہمارے اندر صبر وضبط کی طاقت ہونی چاہیے ہمارے اندر اخلاق کی جہانگیری ہونی چاہیے ہمارے اندر یہ صلاحیت ہونی چاہیے کہ دل پر پتھر رکھ سکیں اپنی اس خود داری کو قائم رکھتے ہوئے جس کا اظہار بعض تقریروں سے ہوا وہ بھی انسانی جذبات تھے، میں ان کی بھی گنجائش سمجھتا ہوں لیکن بہرحال ہمیں اپنے دل پر پتھر رکھنا پڑے گا اور پھر اس کے بعد ہمیں ان پتھروں کو موم بنانے کی کوشش کرنی پڑے گی۔

ہمارے سامنے اس سلسلہ میں سب سے اونچا نمونہ خدا کے پیغمبروں کا ہے وہ کس حال میں کس زمانے میں آئے، ایک آدمی ان کی بات سننے کا روادار نہیں تھا ایک آدمی ان کی بات سمجھنے کے قابل نہیں تھا۔ انسانوں کی بستی نہیں معلوم ہوتا ہے کہ جنگل میں آگئے ہیں درندوں میں آگئے ہیں کوئی ان کی بولی سمجھنے والا نہیں۔ چنانچہ قرآن شریف میں ہے کہ ایک پیغمبر کو خطاب کرکے انکی قوم نے کہا کہ ”**قالو یا شعیب مانفقه کثیرا مما تقول وانا لنراک فینا ضعیفا**،، اکثر آپ کی باتیں ہماری سمجھ میں نہیں آتیں، ہمارے پلے کچھ نہیں پڑ رہا ہے ہم نہیں جانتے آپ کیا کہہ رہے ہیں، ہم دیکھتے ہیں کہ آپ ہمارے درمیان سب سے کمزور آدمی ہیں۔ پھر ہم آپ کی بات کیوں سنیں لیکن انہوں نے کیا کہ اس کی بھی کیا حقیقت ہے کہ پتھر کو چھو جاتا ہے تو سونا بنا دیتا ہے۔ کیمیا کی بھی کیا حقیقت ہے کہ مٹی کو وہ سونا بنا دیتی ہے۔ انہوں نے انسانوں کو فرشتوں سے

اونچا کر دیا انسانوں میں وہ صبر و ضبط پیدا کیا کہ اگر تاریخ کی متواتر شہادتیں نہ ہوتیں تو یقین کرنا مشکل تھا کہ انسان اتنا صابر و ضابط ہو سکتا ہے آپ دیکھیں گے کہ جو ان کے خون کے پیاسے تھے ان کو انہوں نے سینے سے لگایا دل میں جگہ دی اس کے بعد وہ ان پر اپنی جان نچھاور کرنے لگے لوگ ان کو مارنے کے لئے آتے تھے لیکن ان کا کلمہ پڑھتے ہوئے وہاں سے رخصت ہوتے تھے جنہوں نے خون کئے تھے اور جن کی آنکھوں سے اب بھی خون ٹپک رہا تھا انہوں نے ان کو محبت کا پیغام دیا انہوں نے ان کو اپنے سینے سے لگایا پھر دنیا کیا ہوگئی دنیا میں کیسی ہوائیں چلنے لگیں۔ خزاں کے بعد بہار کا دور آیا۔ بادِ سموم کے بعد نسیم جانفزا کے وہ جھونکے چلے۔ آج تک وہ ہم کو محسوس ہو رہے ہیں۔ میں یقین کے ساتھ کہتا ہوں بغیر کسی معذرت کے کہ اس وقت بھی جو کچھ دنیا میں خیر ہے اس وقت بھی دنیا میں محبت کا جو کچھ مادہ ہے اس وقت بھی انسانوں کے دلوں میں جو کچھ روشنی ہے اس وقت بھی انسانوں کے دلوں پر درد کی جو چوٹ ہے وہ سب ان پیغمبروں کا صدقہ ہے ہم کتنی ہی تقریریں کر جائیں، ہم آسمان پر پہنچ جائیں لیکن پیغمبروں کی سطح پیغمبروں کے صبر و ضبط کی سطح، پیغمبروں کی انسانیت کی سطح پیغمبروں کے رحمت و محبت کی سطح سب سے اونچی ہے اور وہاں پر آسمان سے اوپر ایک نیا آسمان نظر آئے گا۔

دوستو اور بھائیو! تھوڑی دیر میں ہم آپ رخصت ہو جائیں گے جیسے رات کے ستارے ڈھل جاتے ہیں اور شمع کے پروانے ایک دوسرے سے رخصت ہو جاتے ہیں لیکن یہ پیغام لے کر جائیے کہ آپ کو اس ملک کی تخریب کو تعمیر سے، نفرت کو محبت سے، عداوت کو دوستی سے، بداخلاقی کو اخلاق سے بدلنا ہے۔

یہاں دولت پرستی کا جو روگ لگ گیا ہے اور ہمارے اس درخت کو جو گھن کھاتا چلا جا رہا ہے پیسے کی حد درجہ بڑھتی ہوئی محبت اس کے لئے آدمی سب کچھ کرنے کے لئے تیار ہے مجھے ان فسادات کے پیچھے بھی پیسے کی محبت ہی نظر آتی ہے اس کو میری نظر کی کوتاہی کہیے یا کچھ کہیے مجھے ان فسادات کے پیچھے حسد نظر آتا ہے۔

تنگ نظری نظر آتی ہے ہمیں ان حقیقتوں کو سامنے رکھنا ہے خواب و خیال کی دنیا میں احمقوں کی جنت میں رہنا نہیں ہے حقائق کا سامنا کرنا چاہیے اس ملک میں بیماریاں ہیں، اس ملک کو روگ لگ گیا ہے اس ملک کے درخت کو گھن کھاتا چلا جا رہا ہے اس ملک کا معاشرہ

فاسد (CORRUPT) ہے اس میں بیسیوں ایسی بیماریاں ہیں کہ باہر سے کسی خطرہ کا کوئی خطرہ نہیں۔ یہ اس کو اندر سے چاٹ جانے کے لئے کافی ہے۔ برگد کا درخت دور سے بڑا نظر آتا ہے بڑا شاندار بڑا عظیم، بڑا مہیب لیکن اندر سے اس کو دیمک چاٹ رہی ہے ہوا کا ایک جھونکا اس کو گرا سکتا ہے ہمارا معاشرہ ویسے ہی گھن کھائے ہوئے برگد کے درخت کی طرح ہے مجھے کہنے کا حق ہے میں اسی ملک کا رہنے والا ہوں اور بظاہر میری عمر یہیں گذری ہے میں ایک بار نہیں دس بار نہیں پچاس بار کہوں کا اس ملک کے معاشرے کو گھن لگ گیا ہے۔ اس ملک کو دیمک اندر سے چاٹتی چلی جارہی ہے میں نے لکھنؤ میں اسی بارہ دری سے ایک جلسہ میں کہا تھا۔ ''ایسا معلوم ہوتا ہے ہندوستان میں ساری حقیقتیں سب صداقتیں مر چکی ہیں، دو حقیقتیں زندہ ہیں ایک پیسے کی محبت اور ایک فرقہ وارانہ منافرت،، میں ڈنکے کی چوٹ پر کہتا ہوں اور یہ بھی ایک ڈنکا ہے میرے پاس اگر اس سے زیادہ بلند آواز کا ڈنکا ہوتا تو میں اس سے زیادہ بلند آہنگی کے ساتھ کہتا کہ اس وقت ہمارا ملک سخت خطرے سے دوچار ہے قدم قدم پر رشوت دینی پڑتی ہے قدم قدم پر بداخلاقی کرنی پڑتی ہے، قدم قدم پر انسانیت کو اپنی خودداری کو پامال کرنا پڑتا ہے قدم قدم پر غلامانہ ذہنیت اور سیرت کا اظہار کرنا پڑتا ہے۔ انگریزوں کے زمانے میں ہم اتنے غلام نہ تھے انگریزوں کے زمانے میں ہمارے جسم غلام تھے آج ذہن غلام ہے، ہمارا ضمیر غلام ہے غلامی کی بدترین اور خلاف فطرت قسم یہ ہے کہ بھائی بھائی کا غلام ہو، ایک ملک میں رہنے والے ایک دوسرے پر حکومت کرنے لگیں اور یہ سمجھیں کہ جس کو موقع مل جائے اس سے فائدہ اٹھانا چاہیے وہ اپنے بھائی کے ساتھ وہ معاملہ کرے جو بدیشی حاکم ہندوستانی کے ساتھ کرتے تھے آج ہندوستان ہندوستان کے ساتھ وہ معاملہ کر رہا ہے کچہریوں میں وہ معاملہ ہو رہا ہے کوتوالیوں میں وہ معاملہ ہو رہا ہے اور افسوس کی بات مجھے معاف کیا جائے دانش گاہوں اور یونیورسٹیوں میں وہ معاملہ ہو رہا ہے جو غلامانہ ذہنیت کا آئینہ دار ہے آج سارا ملک دو کیمپوں میں تقسیم ہو رہا ہے لوگ کہتے ہیں ہندو اور مسلمان میں کہتا ہوں ایک حاکم ایک محکوم اور محکوم کی مثالیں ہم نے تاریخ میں اتنی پڑھی ہیں کہ ہم بے حیا ہو گئے ہیں، دل سخت ہو گیا ہے۔ لیکن جب ہم ملک میں دیکھتے ہیں کہ ایک شہری دوسرے شہری پر حکومت کرنا چاہتا ہے، اس کو اسی طرح ذلیل کرنا چاہتا ہے

جس طرح انگریزوں نے بھی کیا ہوگا۔ آج جس کی بن آتی ہے جس کی کمان چڑھی ہوتی ہے جس کے نشانے پر کوئی آجاتا ہے تو وہ کوئی حد نہیں رکھتا۔ آپ ریلوں کا سفر کریں ہوائی جہاز کا سفر کریں، پلیٹ فارموں پر انتظار کریں، پارکوں کی بنچوں پر بیٹھیں، کالجوں اور یونیورسٹیوں میں تعلیم حاصل کریں ہر جگہ آپ کو معلوم ہوگا کہ آپ آزاد نہیں ہیں۔ اس ملک میں عزت کے ساتھ نہیں رہ رہے ہیں اس سے بڑھ کر یہ ہے کہ ہم کسی ملک سے آئیں اپنے ملک کی سرزمین پر قدم رکھتے ہی اپنی ذلت کا احساس ہوتا ہے اس سے بڑھ کر ڈوب مرنے کی کوئی بات نہیں کہ میں یو کے (UK) میں اپنے کو محسوس کروں عزت والا محسوس کروں امریکہ میں اپنے کو عزت والا انسان محسوس کروں، سعودی عرب میں اپنے کو عزت والا انسان محسوس کروں اور اپنے دیس میں آکر پہلے ہی جو واسطہ پڑتا ہے تو معلوم ہوتا ہے کہ ہم غلام ہیں۔ ہم صبر کئے بغیر ایک قدم بھی آگے نہیں بڑھا سکتے۔ ہم کو آج سب کچھ سننا پڑے گا سب کچھ برداشت کرنا پڑے گا ایئرپورٹ پر دیکھئے پلیٹ فارموں پر دیکھئے کوتوالیوں کو دیکھئے جہاں جہاں ضرورت پڑتی ہے وہاں آپ دیکھئے ہر جگہ ہندوستانی کو یہ محسوس ہوتا ہے کہ وہ ابھی آزاد نہیں ہوا، اپنے بھائی سے اپنے جسم کے ایک ٹکڑے سے اپنے ایک ساتھ رہنے والے شہری سے بات نہیں کر رہا ہے بلکہ آسمان سے اترا ہے یہ صورتحال طبعی و قدرتی (NATURAL) نہیں ہے اس کو بدلنا چاہیے۔

یہ ''پیام انسانیت'' اسی کے اندر محدود نہیں کہ فرقہ وارانہ فسادات نہ ہوں یہ فسادات تو کبھی کبھی ہوتے ہیں اور کبھی کبھی ہی ہو سکتے ہیں۔ لیکن جو فساد گھر گھر ہو رہا ہے وہ فساد جو قدم قدم پر ہو رہا ہے، وہ فساد جو ہمارے اندر برپا ہے وہ فساد جس سے ہمیں چوبیس گھنٹے واسطہ پڑتا ہے وہ بھی فساد ہے ہمیں اس فساد سے بھی بچنا چاہیے اور اس فساد کو روکنا چاہیے۔

میرے بھائیو اور دوستو! راستہ بڑا لمبا ہے اور یہ پھولوں کی سیج نہیں ہے یہ کانٹوں اور انگاروں کی چتا ہے جس پر سے آپ کو گزرنا ہے میں آپ کو دھوکے میں نہیں رکھنا چاہتا جب یہاں سے آپ جائیں گے تو محبت کی ہوائیں چل رہی ہونگی ممکن ہے یہاں سے نکلتے ہی آپ کو کوئی ایسا تلخ تجربہ ہو جہاں آپ کہیں کہ کہاں آگئے؟ قدم قدم پر اس کا تجربہ ہو رہا ہے اور یہ سب ہمارا اور آپ کا ہے۔ قرآن نے کہا ہے ''ظهر الفساد فی البر و البحر بما

کسبت ایدی الناس،، خشکی اور تری میں کباڑ پھیل گیا۔ کرپشن پھیل گیا ہے خشکی اور تری میں سمندروں کو دیکھئے پہاڑ کی چوٹیوں پر دیکھئے غاروں کے اندر دیکھئے کرپشن پھیل گیا ہے کہ انسان کی فطرت کا خالق انسان کو بنانے والا کہتا ہے کہ ''بما کسبت ایدی الناس،، لوگوں کے اعمال کی وجہ سے لوگوں کے کرتوتوں کی وجہ سے ہمارے اعمال میں یہ پیسے کی حد سے بڑھی ہوئی محبت یہ خون کا سفید ہو جانا، خدا سے نہ ڈرنا انسانیت کا احترام نہ کرنا، انسان کی قدر و قیمت کا نہ پہچاننا، ہر انسان کو گاہک سمجھنا، میں کہتا ہوں دفتروں میں لوگ بیٹھے ہوتے ہیں جہاں کوئی آدمی کام سے آیا انہوں نے کہا بڑی موٹی آسامی ہے۔ بس اب اس سے سب وصول کر لیا جائے گا چاہیے تھا کہ اٹھ کر استقبال کیا جاتا اور کہا جاتا کہ میں یہاں اس لئے بیٹھا تھا کہ تمہاری سیوا کروں تمہاری خدمت کروں، میں ہاتھ پر ہاتھ دھرے بیٹھا تھا، کس مصرف کا تھا تم آئے تم نے مجھے باکار اور قیمتی بنا دیا۔ کہیے کیا حکم ہے ہم آپ کی کیا سیوا کر سکتے ہیں؟ آدمی کے دھڑکتے ہوئے دل پر اس کی نظر نہیں ہوتی، اس کے مضطرب دماغ پر نظر نہیں ہوتی، اس کی پیشانی پر پسینے کے قطرے پر نظر نہیں ہوتی، اس کے چہرے پر جو زردی چھائی ہوتی ہے اس پر نظر نہیں ہوتی، اس کی جیب پر نظر ہوتی ہے دیکھا جاتا ہے کہ کوئی بڑا نوٹ جھانک رہا ہے کہ نہیں اور ہوشیار آدمی جب اپنا کام کرانے جاتے ہیں تو نوٹ اس طرح رکھتے ہیں کہ کچھ دکھائی دیتا ہے کچھ چھپا ہوا کچھ نکلا ہوا تاکہ معلوم ہو جائے کہ میرے پاس ''مشکل کشا،، موجود ہے یہ ''قاضی الحاجات،، موجود ہے یہ کیا انسانیت ہے؟ اس انسانیت میں کوئی مزا ہے؟

حضرات! آپ کا کام بہت مشکل ہے، آپ یہاں سے جائیں گے، شربت کے گھونٹ نہیں بڑے کڑوے گھونٹ آپ کو پینے پڑیں گے، بڑے صبر وضبط سے کام لینا پڑے گا، میں کیا کہوں جو کچھ مجھے کہنا تھا میں نے اپنے ناچیز خطبہ میں کہہ دیا کہ انسان میں تو خود ہی کمزوریاں تھیں ان کمزوریوں کو ہوا دینے کی کیا ضرورت تھی۔ ہمارے اخباروں کو کیا ضرورت تھی ہمارے مضمون نگاروں، کالم نویسوں کو کیا ضرورت تھی۔ ہماری سیاسی پارٹیوں اور لیڈروں کو کیا ضرورت تھی کہ اس مادہ کو (جو تناسب کے ساتھ رکھا گیا ہے) بھڑکائیں اور اس کو مشتعل بنائیں؟ بھائیو! انسانوں کو اپنی فطرت پر چھوڑ دو ان کو غصہ بھی آئے گا لیکن تم غصہ دلانے کی بات کیوں کرتے ہو۔

ملک کے موجودہ حالات اور ہماری ذمہ داریاں

ملک کے موجودہ حالات میں ہم کو جائزہ لینا پڑے گا کہ وہ کون سی خرابیاں اور کمزوریاں ہیں جو ہمارے سماج میں نفوذ کرکے اسے کھوکھلا، مفلوج اور ملک کی تعمیر و ترقی کی کوششوں کو بے اثر بنا رہی ہیں اس ملک کے لئے جو حقیقی خطرات ہیں ان کی نشاندہی نہ کی جائے تو یہ ایک بہت بڑی خیانت ہوگی۔ میں میدان سیاست کا کوئی شہسوار نہیں، مذہب و تاریخ اور اخلاقیات کا ایک طالب علم ہوں۔ اس طرح کے آدمی کی زبان سے تنقید و اصلاح کی کوئی بات نکلے تو اس کی نیت پر شبہ نہیں کرنا چاہئے۔

ہمارے ملک کے لئے پہلا خطرہ

اس ملک کے لئے اولین اور اہم ترین خطرہ یہ ہے کہ یہاں انسان کی صحیح قدر و قیمت اور انسانی شرف و عزت کا پورا احساس نہیں۔ اس سلسلے میں میرا نقطہ نظر اور تاثر ایک ملکی انسان کا ہے، میری قسمت اس ملک سے وابستہ ہے میں نے یہاں رہنے کا فیصلہ لیا ہے۔ میں زندگی کی منجدھار میں ہوں، میں ایسی جگہ کھڑا ہوں جہاں کا ہر مسئلہ مجھ پر براہ راست اثر انداز ہوتا ہے۔ میں بیرون ملک اگر یہ بات کہتا تو اس کی حیثیت دوسری ہوتی، حقیقت تو یہ ہے کہ انسانی جان کی صحیح قدر و قیمت نہ پہچاننا کسی سماج کے لئے سب سے بڑا خطرہ ہے بلکہ انسانی جان کا بے قیمت ہو جانا تہذیب و تمدن اور انسانیت کے مستقبل کے لئے پیام موت ہے

غارت گر اقوام ہے یہ صورت چنگیز

برادرکشی زوال کی علامت ہے

کسی ملک کی آبادی خواہ کتنی کثیر ہو اس کے پاس قدرتی وسائل کی کتنی ہی بہتات ہو، وہ ملک کتنا ہی زرخیز اور دولت مند ہو، اس میں تعلیم کیسی ہی اعلیٰ مدارج تک پہنچ چکی ہو، کوئی چیز ایسے ملک کو محفوظ نہیں رکھ سکتی جو برادرکشی کے مرض میں مبتلا ہو۔

یہ بڑی حیرت اور انتہائی افسوس کی بات ہے کہ وہ ملک جس نے کبھی زمانہ قدیم میں پریم

کی سریلی بانسری بجائی تھی اور دل کش کے میں ہندی، سنسکرت، فارسی اور پھر اردو میں محبت کا پیغام دیا تھا اور آخر دور میں بھی جہاں بیٹھ کر مسلمان صوفیوں نے انسان دوستی اور انسانیت کے احترام کا درس دیا تھا اور جس سرزمین سے گاندھی جی نے عدم تشدد اور اہنسا کا پیغام ساری دنیا کو سنایا تھا اور جس کے پاس آج بھی ہر زبان میں انسان دوستی کا وسیع لٹریچر ہے اس ملک میں آج انسانیت کے شرف اور انسانی جان کی قیمت کا پورا پورا احساس نہیں۔

ہر چیز انسان ہی کے تعلق سے بامعنی اور قیمتی ہوتی ہے

یہ احساس و خیال اس ملک میں رچ بس جانا چاہیے تھا کہ زبانوں کے مسائل، کلچر و تہذیب کے مسائل، رسم الخط کے مسائل، ان کے مسائل ہیں اور اس کے تابع ہیں۔ انہیں انسانوں نے پیدا کیا ہے، ان کے اندر جو کچھ کشش اور معنویت ہے، وہ انسان کی نسبت سے ہے۔ اگر انسان کی جان محفوظ نہیں تو کیسی زبان، کہاں کا کلچر، کہاں کے دریا، کیسے پہاڑ، کیسا ادب ولٹریچر، کہاں کی شاعری، ان چیزوں میں کوئی معنویت نہیں، معنویت تو انسان میں ہے۔ میں تفصیلات میں جانا نہیں چاہتا۔ آپ بخوبی واقف ہیں اور یہ ایک واقعہ ہے کہ اس ملک میں انسانی زندگی کی قدر و قیمت کا جتنا عمیق احساس ہونا چاہیے وہ نہیں ہے۔ انگریزوں کی تفرقہ انگریز سیاست، فرقہ پرستی اور جذبہ احیائیت (REVIVALISM) کا اس میں کتنا حصہ ہے اس کا تعین مورخ کا کام ہے۔

معمولی واقعات پر قتل وغارت گری کا طوفان

بعض اوقات ایک درخت یا جانور کی خاطر یا کسی قدیم چیز کو زندہ کرنے کے جوش میں یا احیائیت کے جذبہ سے سیکڑوں انسانوں کا خون کر دیا جاتا ہے، اور ایسے ناخوشگوار، دل آزار اور شرمناک واقعات ظہور میں آتے ہیں جن سے ہماری گردنیں شرم سے جھک جاتی ہیں، ایک لہر اٹھتی ہے اور وہ انسانوں کے متاع، جان و مال کو بہا لیجاتی ہے جن سے دنیا کی آبرو قائم ہے جن کی خاطر اس کائنات کا حسن، فلسفہ، شاعری، ادب و ثقافت اور زندگی کی چہل پہل ہے وہ انسان ظلم و بربریت کا شکار ہوتا ہے۔ جو خدا کی صنعت کا بہترین نمونہ ہے اور جس کے ساتھ ہم رہتے بستے ہیں اور جنکے ساتھ پوری زندگی گزرتی ہے یہ صورت حال ملک کے لئے بڑی

خطرناک ہے کہ یہاں کسی انسان کا وجود برداشت نہ کیا جائے۔

اس ملک میں بڑے بڑے دانشور ہیں، یونیورسٹیوں کی تعداد شاید کسی ملک میں اتنی ہو جتنی یہاں ہے مگر یہ افسوسناک حقیقت ہے کہ یہاں کبھی کبھی ایسی ذہنی کیفیت پیدا ہو جاتی ہے کہ انسان سے بڑھکر یہاں کوئی گردن زدنی اور کشتنی نظر نہیں آتا، بنیادی اور اہم بات یہ ہے کہ اس ملک میں انسان کی قیمت کا پورا پورا احساس ہو، یہ عقیدہ ہو کہ سب چیزیں انسان کے لئے ہیں اور انسان کسی کی خاطر نہیں

ایک فلسفی کا قول

میں نے کہیں ایک فلسفی کا قول نقل کیا تھا کہ ''جو بچہ دنیا میں پیدا ہوتا ہے، وہ اس بات کا اعلان کرتا ہے کہ خدا نسل انسانی سے مایوس نہیں لیکن ہم انسان اپنے طرزِ عمل سے یہ ثابت کرتے رہتے ہیں، اور وقتاً فوقتاً اعلان کرتے ہیں کہ نسل انسانی زندہ رہنے کی مستحق نہیں انسان کے اس دنیا میں آنے کا مطلب ہی یہ ہے کہ اسے زندہ رہنا چاہیے خوش وخرم رہنا چاہیے اور پروان چڑھنا چاہیے، خدا نے جب اس پر اعتماد کیا ہے تو ہم کیوں اس پر بے اعتمادی کریں۔،،

انسانی دستور کی پہلی اور اہم دفعہ

آج ہندوستان میں لاکھوں کی تعداد میں ایسے مضمون نگاروں، شاعروں، ادیبوں اور دانشوروں کی ضرورت ہے جو سارے مسائل بالائے طاق رکھ کر گھر گھر، محلے محلے، گلی کوچے اس کی تبلیغ کریں کہ دستور ہند کی پہلی دفعہ چاہے جو کچھ ہو مگر ہمارے دستور زندگی کی سب سے اہم اور پہلی دفعہ یہ ہے کہ انسان کو زندہ رہنے کا حق ہے ہم اپنی سوسائٹی کے خوش نما چہرے پر بدنما داغ دیکھ رہے ہیں اور ہم خاموش ہیں۔

اسلام میں انسان کا مقام

اب میں آپ سے کہوں گا کہ اسلام کی تعلیمات اس سلسلے میں ہماری بڑی مدد کر سکتی ہیں اسلام کی بنیادی تعلیم یہ ہے کہ انسان قدرت کا شاہکار ہے اور اس دنیا کے باغ کا سب سے حسین پھول۔

لقد خلقنا الانسان فی احسن تقویم.

ہم نے انسان کو سب سے اچھی صورت میں پیدا کیا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے انسان کے سر پر تعظیم و تکریم کا تاج رکھا ہے۔

ولقد کرمنا بنی آدم

اور ہم نے اولادِ آدم کو بڑی عزت بخشی۔

اور اس کو اپنی خلافت سے سرفراز کیا ہے، اس سے بڑھ کر عزت اور احترام کا اظہار ہو سکتا نہیں۔

انی جاعل فی الارض خلیفه

بیشک میں زمین میں (آدم کو) اپنا نائب بنانے والا ہوں۔

خدا نے فرشتوں کو آدم کے سجدے کا حکم دیا، جس سے اس کا اعلان ہو گیا کہ اب اس کے لئے خدا کے سوا کوئی ایسی ہستی اور طاقت نہیں ہے جس کے سامنے اس کو جھکنے کی ضرورت ہو۔

انسان کی قدر و قیمت کی انتہا یہ ہے کہ خدا کی مخلوق کو خدا کا کنبہ کہا گیا ہے۔

الخلق عیال الله

انسان کا خدا کے ساتھ اور خدا کا انسان کے ساتھ جو نازک تعلق ہے اس کے لئے وہ پیرایہ بیان اختیار کیا گیا ہے جس سے زیادہ طاقتور اور دلنشیں پیرایہ بیان نہیں ہو سکتا۔ ایک حدیث قدسی میں آتا ہے کہ اللہ تعالیٰ قیامت میں انسان سے کہے گا کہ اے میرے بندے! میں بیمار تھا تو عیادت کو نہیں آیا، وہ کہے گا کہ پروردگار تیرے مرض اور عیادت کا کیا سوال؟ تو تو سارے جہاں کا پروردگار ہے، ارشاد ہوگا کہ کیا تجھے معلوم نہیں کہ میرا فلاں بندہ بیمار تھا تو اس کو دیکھنے نہیں گیا، اگر تو اس کو دیکھنے جاتا تو مجھے وہیں پاتا، پھر ارشاد ہوگا کہ اے ابن آدم! میں نے تجھ سے غذا طلب کی تھی، تو نے مجھے غذا نہیں دی، وہ کہے گا کہ پروردگار میں تجھے غذا کیا دیتا تو تو رب العالمین ہے، ارشاد ہوگا کہ کیا تجھے معلوم نہیں کہ میرے فلاں بندے نے چاہا تھا کہ تو اس کا پیٹ بھرے، تو نے اسے کھانا نہیں کھلایا، اگر تو اس کو کھانا کھلاتا تو اس کو میرے پاس پاتا، اے ابن آدم! میں نے تجھ سے پانی مانگا تھا تو نے مجھے پانی نہیں پلایا۔ بندہ وہی جواب دے گا، ارشاد ہوگا کہ میرے فلاں بندے نے تجھ سے پانی طلب کیا تھا تو نے اسے پانی نہیں پلایا۔ یاد رکھ اگر تو اس کو پانی پلاتا تو اس کو میرے پاس پاتا۔

اور خدا نے انسان کی جان کی قیمت اتنی بڑھا دی کہ وہ فرماتا ہے

من قتل نفسا بغير نفس او فساد في الارض فكانما قتل الناس

جميعا ومن احياها فكانما احيا الناس جميعا

[illegible]

گویا تمام لوگوں کی زندگانی کا موجب [illegible]۔

[illegible]

پوری سوسائٹی قائم مقام بنانا کسی انسانی ذہن میں نہیں آ سکتا۔

ملک کے لئے دوسرا خطرہ

ملک کے لئے دوسرا عظیم خطرہ [illegible] طاقتوں کو یہاں آنے کی شہہ دی یہ ذہنیت اب بھی موجود ہے جسے بعض بیرونی [illegible] طرح کسی بھی وقت بوتل سے باہر آ سکتا ہے۔

[illegible] اور حق تلفی کو روا رکھتی ہے اور اس کو نہ صرف جائز سمجھتی ہے بلکہ ایک بڑی خدمت [illegible] سوسائٹی کا یہ وہ روگ ہے جو اسے گھن کی طرح کھا رہا ہے اور جس نے تمام انتظامیہ کو [illegible] بنا دیا ہے۔

اسلام ہی رہنمائی کرسکتا ہے

تنگ نظری اور لسانی ونسلی اختلافات کو دور کرنے اور فراخ دلی و بے تعصبی اور انسانی وحدت کا خیال وجذبہ پیدا کرنے میں بھی اسلام ہی بیش قیمت مدد اور صحیح رہنمائی کرسکتا ہے حب الوطنی کے صحیح جذبے کے تحت یہ دیکھے بغیر کہ یہ اصول ونظریہ اور یہ بات کہاں سے آئی ہے اور اس کا کہنے والا کون ہے؟ صحیح اور مفید بات کو اپنایئے اگر کسی مکان میں آگ لگ جائے تو اسے بجھاتے وقت یہ نہیں دیکھا جاتا کہ بالٹی کس کی ہے اور پانی کہاں کا ہے، کس مکان یا بستی کی تباہی سے کہیں زیادہ ملک وقوم کی تباہی ہے، ملک و خطرات سے بچانے، اسے سالمیت اور استحکام بخشنے کے لئے یہ نہ دیکھئے کہ ملک کے لئے مفید نظریات قرآن مجید یا حدیث نبویؐ سے ماخوذ ہیں، اسلام بلاشبہ ملک کو درپیش اس دوسرے خطرے کو رفع کرنے کے لئے بہترین رہنمائی کرسکتا ہے۔

نسل انسانی کی وحدت کا اصول اسلامی تعلیمات کا اولین اصول ہے، اسلام نے بار بار اس حقیقت کا اظہار کیا ہے کہ نسل انسانی کا خالق بھی ایک ہے اور ان کا مورث اعلیٰ بھی ایک ہے اسی لئے سب ایک ہی کنبے کے افراد اور ایک ہی ہستی کے پیدا کئے ہوئے ہیں، اور ایک ہی باپ کے بیٹے ہیں۔

> یایہا الناس انا خلقنکم من ذکر وانثی وجعلنکم شعوبا و قبائل لتعارفوا
>
> لوگو! ہم نے تم کو ایک مرد اور ایک عورت سے پیدا کیا اور تم میں قوم اور قبیلے بنائے تاکہ ایک دوسرے کی شناخت میں آسانی ہو۔

ملک کے لئے تیسرا اہم خطرہ

ہمارے ملک پر دولت پیدا کرنے کا ایک ایسا بھوت سوار ہوگیا ہے جس نے ملک کے حالات اور اقتصادی نظام کو درہم برہم کردیا ہے۔ ہر شخص اس فکر میں ہے کہ وہ راتوں رات دولت مند بن جائے دولت حاصل کرنا برا نہیں مگر جلد از جلد دولت مند بن جانے اور ہتھیلی پر سرسوں جمانے کا شوق سخت خطرناک اور تباہ کن ہے۔ یہ شوق ایک لاوے کی طرح بہہ پڑا ہے اور ایک آتش فشاں پہاڑ کی طرح پھٹ پڑا ہے اس مرض کا شکار شہر، قصبات اور دیہات سب

ہیں، دولت پرستی کا یہ جنون دیکھ کر بعض مرتبہ کچھ ایسا محسوس ہونے لگتا ہے کہ اس ملک میں ہر چیز دم توڑ چکی ہے صرف دو چیزیں زندہ ہیں ایک باہمی نفرت اور دوسرے زیادہ سے زیادہ دولت پیدا کرنے کی ہوس جیتی، جاگتی حقیقتیں یہی دو ہیں اور باقی سب کچھ فلسفہ اور شاعری ہے باہمی منافرت کے واقعات آئے دن ہماری آنکھوں کے سامنے ہوتے رہتے ہیں کبھی اس نفرت کا رخ کسی فرقے کی طرف ہوتا ہے کبھی کسی برادری کی طرف کبھی کسی کلچر، زبان یا علاقے کی طرف تو کبھی کسی سیاسی پارٹی کی طرف ہے۔

سیاسی پارٹیوں کا اختلاف اپنی جگہ سوسائٹی میں اخلاقی خرابیاں ہر دور میں رہی ہیں مگر دولت پرستی کا اس طرح اعصاب پر سوار ہو جانا کہ اپنے مفاد کے لئے ملک کے مفادات کی ذرا بھی پرواہ نہ ہو یہ کس قدر تشویشناک بات ہے۔

ہمارے یہاں مختلف تعمیری منصوبوں، پل باندھ وغیرہ میں اتنی مقدار کا سیمنٹ اور مسالہ استعمال نہیں ہوتا جو اس کی پختگی کے لئے ضروری ہو۔ ٹھیکیدار اور عملے کی ملی بھگت اس کی پرواہ نہیں کرتی کہ ان کے اس عمل سے اس شہر کو نقصان پہنچے کا کوئی محکمہ ایسا نہیں جس میں رشوت کا بازار گرم نہ ہو۔ اس بات کو ذمہ دار بھی جانتے ہیں کہ دولت پرستی کا ایسا جنون جو ملک کے مفادات سے آنکھیں بند کر لے بہت بڑا خطرہ ہے ایک شخص اپنی زندگی کو خوشحال بنانے اور اپنے گھر کی فرمائشیں پوری کرنے کے لئے ملک کے عوام کو صریح نقصان پہنچاتا ہے چھوٹے سے چھوٹا کام ایمانداری اور سادگی کے ساتھ کرنا مشکل ہو گیا ہے ہر ایک کی قیمت ادا کرنی پڑتی ہے اور ہر قدم پر رشوت دینی پڑتی ہے۔ خود شہری زندگی کی آسائشوں اور حکومت کے انتظامات کے فائدوں سے محروم ہوتے جا رہے ہیں ہر شخص کی نظر دوسرے کی جیب پر ہے اور وہ اس کی ضرورت و مجبوری سے ناجائز فائدہ اٹھانا چاہتا ہے اور کہیں انسانی ہمدردی اور سچی حب الوطنی کا نام نہیں۔

اس خطرے کا علاج

اس خطرے کا علاج صرف خدا کا خوف، آخرت کی باز پرس کا خطرہ ایکی دانا و بینا ذات کا تصور ہے۔ جس کے متعلق یقین ہے کہ وہ دیکھ رہی ہے، حب الوطنی بھی کسی حد تک اس کا علاج کر سکتی ہے۔ آپ میں سے بہت سے لوگوں نے یورپ کا سفر کیا ہوگا، مغرب کے لوگ ان

[illegible] باتوں سے بچتے ہیں یورپ کے خاص [illegible] سمجھا ، اور کلی مفاد و بالا کے طاق رکھ کر دولت اندوزی کا رجحان نہیں پایا جاتا [illegible] وطنی کی وحدت [illegible] مرتبی نہ [illegible] آخرت کا تصور ، خدا کا خوف [illegible]

[illegible]

شروع اللہ کے نام سے

10 مارچ 1997ء کو بھٹکل میں کتاب "حیات سلطان ٹیپو شہید" کے اجراء کے موقع سے اس وقت حضرت مولانا سید ابوالحسن حسنی ندوی رحمۃ اللہ نے پیام انسانیت کے نام پر منعقد ہونے والے جلسے میں جس میں ہر مذہب وملت کے لوگ شریک تھے۔ یہ پراثر تقریر فرمائی۔

الحمد لله وكفى وسلام على عباده الذين اصطفى اما بعد فاعوذ بالله من الشيطان الرجيم بسم الله الرحمن الرحيم ولاتفسدوا في الارض بعد اصلاحها وادعوه خوفا و طمعا:

میرے بھائیو، دوستو اور عزیزو!

آج میں نے آپ کے سامنے بسم اللہ سے تقریر شروع کی ہے سب لوگ جانتے ہیں کہ بسم اللہ کیا ہوتی ہے اور کب پڑھی جاتی ہے لیکن بہت کم لوگوں نے غور کیا کہ بسم اللہ کے اندر کیا پیغام ہے۔ جب کوئی اہم کام شروع کرنا ہوتا تھا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پیغمبر اسلام، صحابہ کرام، بزرگان دین اور علماء کرام سب کا طریقہ یہ تھا کہ بسم اللہ سے کام شروع کرتے۔ اور یہاں ہندوستان میں بھی آپ دیکھیں مولانا آزاد ہوں یا اور دوسرے بڑے بڑے خدمت گزار اور آزادی کی لڑائی لڑنے والے وہ بھی بسم اللہ پڑھنے کے عادی تھے یہاں تک کہ کھانا کھانے سے پہلے بھی یہی سنت ہے کہ پہلے بسم اللہ پڑھی جائے پھر اس کے بعد کھانا شروع کیا جائے اور کوئی بڑا یا چھوٹا کام کرنا ہو تو بسم اللہ کہہ کر شروع کیا جائے مگر آپ یہ سوچیے کہ جب اللہ کا نام لے کر کام شروع کیا جارہا ہے تو اللہ کے نام تو بہت ہیں۔

وللہ الاسماء الحسنیٰ قرآن شریف میں خود آتا ہے کہ اللہ کے بڑے اچھے نام ہیں وہ جبار بھی ہے، قہار بھی ہے، طاقت والا قوی بھی ہے، توانا بھی ہے، قادر بھی ہے اور وہ بڑے جلال والا ہے، بڑے جمال والا ہے اور بڑے کمال والا ہے، سب چیزوں کی تعریفوں میں یہ تعلیم دی گئی کہ جب ہم کام شروع کریں تو اللہ کے نام سے شروع کریں۔ اور اس کی صفتوں میں سے یہ دو

صفتیں الرحمن الرحیم بڑی رحمت والا اور بڑا رحمان ہے یہی مزاج بناتا ہے یہی مسلمان ہی کا نہیں انسان کا مزاج بناتا ہے کہ خالی صفتوں میں سے ان دو صفتوں کو خاص طور پر یاد رکھے کہ ہم یہ کام شروع کر رہے ہیں اس خدا کے نام سے جو بڑی رحمت والا ہے اور بڑا مہربان ہے یہاں کیا کچھ نہیں لیا جا سکتا تھا کہ ہم یہ کام شروع کر رہے ہیں اللہ کے نام سے جو بڑا قوی ہے بڑا توانا ہے، بڑا قادر ہے، بڑی سلطنت والا ہے، بڑی قدرت والا ہے لیکن یہ الرحمن الرحیم کی صفت اس میں اس لئے داخل کی گئی ہے تاکہ ہماری زندگی اس کے سانچے میں ڈھلے اور ہم یہ سمجھیں کہ خدا جس نے ہم کو پیدا کیا اور جو ہمیں زندہ رکھے ہوئے ہے اور جو ایک ساتھ زندگی گزارنے کا موقع دے رہا ہے ایک ملک میں ہمیں بسایا ہے اور ایک جگہ ہمیں پیدا کیا ہے وہی کھلاتا ہے اور پلاتا ہے۔ وہ خدا جس کی یہ شان ہے وہ تو ہے ہی لیکن الرحمان الرحیم بڑی رحمت والا اور بڑا مہربان اور بڑا ہی شفیق ہے تو وہ اس سے ہماری زندگی کا رخ معین کرتا ہے۔ کہ ہماری زندگی کا رخ رحمن کی طرف ہو، ہم یہ سمجھیں کہ ہم جس خدا کے بنائے ہوئے ہیں جس خدا کے بندے ہیں جو خدا ہمیں کھلا رہا ہے پلا رہا ہے ہماری حفاظت کر رہا ہے اور پھر اس نے ہمیں ایک دوسرے کے ساتھ بسایا ہے وہ الرحمن الرحیم ہے بڑی رحمت والا ہے۔ بہت بڑا مہربان ہے۔

حدیث شریف میں آیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی صفات کی پیروی کرو اپنے اندر اللہ تعالیٰ کی وہ صفات جو بندے اختیار کر سکتے ہیں جو CHARACTER بنا سکتے ہیں اس CHARACTER میں اللہ تبارک وتعالیٰ کی ان صفتوں کو جگہ دی گئی اور اسی طرح سورۂ فاتحہ۔ الحمد للہ رب العالمین میں کیا کچھ نہیں کہا جا سکتا تھا۔ یہ وہ چیزیں ہیں جب کوئی چیز بہت زیادہ کان میں پڑتی ہے ہر وقت سنائی دیتی ہے۔ اذان ہی ہے، کیا اذان کوئی نہیں سنتا۔ لیکن اذان پر، اذان کے الفاظ پر۔ اذان کے معنی پر غور کرنے والے کتنے ہیں۔ کسی چیز کا عام ہونا، آسان ہو جانا، قابو میں آ جانا ہر وقت سننا اور ہر وقت اسے دیکھنا وہ ایک حجاب بن جاتا ہے، ایک پردہ بن جاتا ہے آپ خیال کیجئے کہ الحمد للہ سب تعریفیں اللہ کے لئے ہیں اور رب العالمین ہے سارے جہانوں کا پالنے والا ہے ایک جہاں کا نہیں، ایک ملک کا نہیں، ایک سوسائٹی ایک ذات کا نہیں ایک کلاس ایک طبقہ اور ایک درجہ کا نہیں، ایک STANDARD کا نہیں۔ وہ تو رب العالمین ہے سارے عالموں کا ساری دنیاؤں کا پالنے والا ہے۔ ہماری دنیا ستاروں کی دنیا آسمانوں کی دنیا اور پھر

کہاں کہاں کی دنیا کتنے براعظم کتنے ملک یہ سب اللہ تعالیٰ کی رحمت کے سایہ کے نیچے ہیں لہٰذا ہمیں یہ تعلیم دی جاتی ہے کہ ہم رحمت کو ایک دوسرے کو دیکھ کر اس کو اپنا بھائی سمجھنے کو اس کی ضرورت پوری کرنے کو اس کی تکلیف دور کرنے کو اور اس کے غم و رنج میں شریک ہونے کو اپنا فرض سمجھیں اور یہ سمجھیں کہ یہ خدا کی شان اور خدا کی صفتیں ہیں ہمیں ان کو اپنا IDEAL بنانا چاہیے اپنا پیشوا اور اپنا رہنما بنانا چاہیے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ ولا تفسدوا فی الارض بعد اصلاحھا۔ زمین میں بگاڑ نہ پیدا کرو۔ اس کے بنانے کے بعد کسی کو اپنا گھر بگڑتے ہوئے دیکھنا پسند نہیں کرتا۔ کوئی اس کے بنائے ہوئے گھر کو بگاڑ دے ایک معمولی سی چیز ہے اگر بچہ بھی ذرا سا لکھے اور کوئی اس کو مٹا دینا چاہے پھاڑ دینا چاہے تو اس بچہ کو بھی غصہ آئے گا۔ اور ایسے ہی کوئی اینٹ پر اینٹ رکھ دے کوئی معمولی سا کام کرے چاہے وہ سفر میں ہو یا حضر میں اور اس میں کوئی دخل دے اور اس میں دست درازی کرے اور اس کی بنائی ہوئی چیز کو بگاڑے تو اس کو گوارا نہیں تو پھر وہ خدا جس نے یہ دنیا پیدا کی اور اس شان سے پیدا کی اور کتنی وسیع پیدا کی اور کتنی طویل اور عریض اور کتنی طویل العمر پیدا کی تو اس کے بگاڑ کو خدا کیسے پسند کر سکتا ہے، یہ دنیا اس کی بنائی ہوئی ہے وہی اس کو چلا رہا ہے وہی اس کا مالک ہے، وہ اپنے گھر کو بگاڑنے کی اجازت کیسے دے سکتا ہے۔ آپ دیکھئے کہ ہمارا اور آپ کا گھر ہی کیا، میں تو یہاں تک کہتا ہوں کہ یہاں کے بڑے بڑے جو مرکزی حکمراں ہیں اور دارالسلطنت (CAPITAL) ہے اور بڑے بڑے حکمرانوں کے محل ہیں خدا کی اس دنیا کے سامنے ان کی کیا حیثیت ہے۔ اگر آپ ان میں ذرا سی اینٹ توڑنا چاہیں اگر اس میں درخت لگا ہوا ہے اس درخت کو کاٹنا چاہیں تو کوئی اس کو گوارا نہیں کرے گا اللہ تعالیٰ جو سب سے زیادہ غیور ہے جو سب سے زیادہ قادر ہے اور سب سے زیادہ عزت والا ہے وہ اپنے گھر کے بگاڑ کو کیسے پسند کرے گا لیکن آج کیا ہو رہا ہے آج ہم اسی گھر کے رہنے والے اسی گھر کو ہم تباہ کر رہے ہیں اور یہ آپ کو معلوم ہونا چاہیے کہ کوئی گھر اکیلا محفوظ نہیں رہ سکتا۔ کوئی گھر اگر شیشے کا بنایا ہوا ہے لوہے کا بنایا ہوا ہے۔ اور ہزار اس کے تحفظ کا سامان کیا جائے۔ اس کے علاوہ اور بھی جو اس کے تحفظ کے ذرائع ہو سکتے ہیں وہ سب کئے جائیں کہ ہاتھ لگانے سے آدمی کا ہاتھ کٹ جائے اور اس میں اور زیادتی کرنے سے آدمی کی جان چلی جائے تب بھی کوئی گھر اس طرح محفوظ نہیں رہ سکتا۔ آپ کو معلوم ہے کہ جب لوگ

اٹھتے تھے فوجیں نکلتی تھیں تو پھر ملک کے ملک الٹ پلٹ ہو جاتے تھے۔ اس میں نہ بادشاہ کا پتہ چلتا تھا اور نہ کوئی کسی صدر جمہوریہ کا پتہ چلتا تھا نہ کسی بڑے دولت مند کا پتہ چلتا تھا نہ کسی حکیم، دانا کا پتہ چلتا تھا۔ تو ہمیں سمجھنا چاہئے کہ یہ ہمارا گھر جس میں ہم سب اس کے رہنے والے ہیں ہم اس گھر کو محفوظ رکھ ہی نہیں سکتے چاہے اس کے باہر شیشے کی دیوار بنادیں یا لوہے کا بڑا حصار بنا دیں۔ اس دور کے لئے جو مقدر کئے ہوتے ہیں سب کریں۔ تب بھی جب معاشرہ خراب ہو تو اس گھر پر بھی اثر پڑے گا۔ جب زور کی بارش ہوگی تو وہ گھر بھی متاثر ہوگا اور جب لوگوں کے اخلاق خراب ہوں گے اور لوگوں کی عزت کو عزت نہیں سمجھیں گے جان کو جان نہیں سمجھیں گے اور یہ سمجھیں گے کہ ہم محفوظ رہیں ہمارے گھر کے بچے گھر والے محفوظ رہیں باقی جو چاہے ہو جائے تو ان کا گھر بھی محفوظ نہیں رہ سکتا دنیا کی تاریخ یہ بتاتی ہے جو UNIVERSAL HISTORY ہے HISTORY OF THE WORLD ہے آپ GIBBON کی کتاب THE HISTORY DECLINCE AND FALL OF ROMAN EMPIRE کو پڑھ کے دیکھئے کہ ظلم کس طرح شروع ہوا تھا۔ اس سے ترقی ہوئی رومن تہذیب کی جو دنیا کا سب سے بڑا EMPIRE تھا جس کا ROMAN LAW آج تک ضرب المثل ہے اور مثال کے طور پر پیش کیا جاتا ہے اور جس کی تہذیب آج تک برطانیہ اور بہت سے یورپ پر آج بھی سایہ فگن ہے تو اس ملک کا یہ زوال اس کا یہ DECLINE AND FALL کیسے شروع ہوا۔ یہ اسی طرح کی زیادتیوں سے شروع ہوا۔ انسان کی نظر میں کوئی قیمت نہیں رہی، مال کی کوئی قیمت نہیں۔ ایک معمولی بات جو انہوں نے لکھی وہ یہ کہ امیر آدمی اگر دعوت کرتا ہے تو وہ سوچتا کہ اگر میں چراغ جلاؤں اور شمع جلاؤں تو مجھ میں اور ایک معمولی آدمی میں کیا فرق ہے جو وہ روشنی کیسے پیدا کرتا۔ آج بھی یورپ میں اصل کھانا جو ہے مثلاً انگلینڈ میں بھی ہے لندن میں اور دوسری جگہوں پر رات کا کھانا اصل کھانا ہوتا ہے۔ اور اسی میں وہ سب سیاسی باتیں ہوتی ہیں مشورے ہوتے ہیں اور اسکیمیں تیار ہوتی ہیں اور جب امیر آدمی اپنے یہاں دعوت کرتا تھا تو بجائے چراغ جلانے کے شمع جلانے کے جیل خانے سے قیدیوں کو بلوا کر اور منگوا کر ان کے کپڑے میں آگ لگا دیتا تھا ان کے کپڑے جلتے رہیں اور وہ خود جلتے رہیں اور ہم کھانا کھاتے رہیں۔ یہ فیشن تھا۔ اس سے اندازہ ہوتا تھا کسی کی بڑائی کا تو یہ کتنا بڑا ظلم تھا پھر

اس کے بعد انہوں نے لکھا ہے کہ وہ ان کو جانوروں سے مرواتے تھے اور جس وقت جانور ان کو مار دیتا اور آدمی کی جان نکلتی تھی تو اس درد کی سننے کے لئے اس کی درد سننے کے لئے اس طرح ریلا ہوتا تھا کہ پولیس اور فوج بھی نہیں روک سکتی تھی۔

جب انسان کی فطرت اتنی بگڑ جاتی ہے اتنی مسخ ہو جاتی تو پھر وہ ملک تو سلامت نہیں رہتا وہ پوری سوسائٹی، پوری نسل، سب کی سب تباہ کردی جاتی ہے۔

تو میرے بھائیو! یہ مذہب جو سب سے بڑی تعلیم دیتا ہے وہ خدا کی پہچان کے بعد اس کی ایمان اس کے قادر مطلق ہونے کے بعد یہ کہ انسانوں کے ساتھ اپنے بھائیوں کے ساتھ آدم کی اولاد کے ساتھ مہربانی کرنا اور ان کو دیکھ کر خوش ہونا ان کی ترقی سے ان کی عزت سے ان کی دولت سے خوش ہونا اور ان کی مدد کرنا، لیکن جب یہ بات چلی جائے تو پھر کوئی بڑی تہذیب (CIVILIZATION) یا CULTURE اور پورا جتنا کی وہ پہلے ترقی میں بڑھی ہوئی قوموں سے SISTERS سے وہ سارا کا سارا تباہ کر دیا جاتا ہے برباد کر دیا جاتا ہے آپ تاریخ میں دیکھئے کہ دنیا میں جتنے ملک ہیں کی تہذیبیں ہیں CIVILIZATIONS ہیں اور جتنے CULTURES ہیں اور جتنے بڑے بڑے EMPIRES ہیں وہ سب کے سب ختم کر دیئے گئے ان کا نام رہ گیا ہے۔

تو سب سے زیادہ جو ڈرنے کی بات ہے وہ ظلم و زیادتی ہے، غرور و تکبر ہے اور اپنے چھوٹے سے مقصد کے لئے بڑے بگاڑ کو پسند کرنا ہے، یہ بگاڑ ہمیشہ چل نہیں سکتا، کوئی گھر ایسی حالت میں محفوظ نہیں رہ سکتا کہ دوسرے محفوظ نہ ہوں۔ یہ جتنے چاہے وہ کسی مذہب سے تعلق رکھتے ہوں خدا کا قانون یکساں ہے ایک بادل چھایا ہوا ہو اوپر سے ایک شامیانہ تنا ہوا ہو وہ شامیانہ محبت کا ہو۔ وہ شامیانہ امن و امان کا ہو۔ وہ شامیانہ اعتماد کا ہو ایک دوسرے پر CONFIDENCE کا ہو یعنی یہاں تک یہ بات ہو کہ آدمی اپنے مال کے متعلق بھی یہ سوچے کہ کوئی ڈرنے کی بات نہیں ایسی SOCIETY ہونی چاہیے۔ وہی ملک سب سے زیادہ خوش قسمت سب سے زیادہ ترقی یافتہ۔ سب سے زیادہ قابل مبارک باد ہے کہ جہاں کے لوگ چوری کی چوری سے نہ ڈریں اور دھوکہ دینے سے نہ ڈریں۔ بے رحمی اور سنگدلی سے نہ ڈریں اور یہ سمجھیں کہ یہ سب بھائی ہیں، ایک کنبہ ہے۔ ایک فیملی ہے، یہاں کسی ڈر کی ضرورت نہیں اور خاص طور

پر ہمارا ہندوستان تو اس کا بہت زیادہ مستحق تھا یہ تو رشی اور منیوں کا ملک ہے۔ یہ صوفیہ کا ملک ہے یہ تو خدا کے ان بندوں کا ملک ہے جنہوں نے صالح محبت کا پرچار کیا، محبت کی تعلیم دی محبت کر کے دکھایا۔ محبت کا سب کو سبق پڑھایا اور یہ سبق سکھایا کہ ہر انسان کو دوسرے انسانوں کو دیکھ کر خوش ہونا چاہیے کہ یہ ہمارا بھائی ہے، اس ملک میں تو خاص طور پر یہ بات ہونی چاہیے بلکہ دوسرے ملکوں کے لئے اس ملک کو مثال بننا نمونہ بننا چاہیے تھا مگر افسوس ہے جیسے شاعر نے کہا ہے ؎

اس گھر کو آگ لگ گئی گھر کے چراغ سے

باہر سے کوئی شعلہ نہیں آیا۔ باہر سے کوئی چنگاری تک نہیں آئی یہاں جو کچھ ہوتا ہے وہ یہاں کے رہنے والوں کے ذریعہ سے ہوتا ہے یہ COMMUNAL RIOTS یہ دنگے اور یہ سب تنگی کی باتیں سنگدلی کی باتیں اور یہ فرقہ وارانہ فسادات یہ سب یہاں کے لوگوں کے کرتوت ہیں ان کی کمزوریاں ہیں باہر سے کسی نے آ کر یہ سبق نہیں پڑھایا۔ نہیں سکھایا اور اگر کسی نے سکھایا تو اس کے سکھانے کی کوئی حیثیت نہیں تھی یہاں کے جو رشی اور منیوں نے زندگی گزارنے کا طریقہ سکھایا اور انہوں نے اس میں ساری عمر فنا کر دی محبت کا سبق دیا اور انسانیت کی حفاظت کا سبق دیا اپنے بھائیوں کی عزت کی حفاظت کرنا اور ان کے ناموس کی حفاظت کرنا اور عورتوں کی عصمت و عزت اور ان کی آبرو کی حفاظت کرنا اور لڑکیوں اور عورتوں کے ساتھ انصاف کرنا اور ان کا حق دینا اور اسی طریقہ سے کمزوروں پر رحم کھانا یہ سب چیزیں ہمارے بزرگوں نے سکھائی ہیں۔

آپ کتابوں میں دیکھئے تاریخ بھری پڑی ہے کہ انہوں نے کس طریقہ سے یہاں پر رحم کا اور محبت کا سبق دیا تھا۔ اور جہاں تک آسمانی مذہب کا تعلق ہے خدائی تعلیم کا تعلق ہے وہ تو بسم اللہ الرحمٰن الرحیم سے شروع ہی ...... ہوتا ہے تا کہ آپ سبق لیں کام کرنے والا سبق لے کر ہم جو کام شروع کر رہے ہیں وہ اس خدا کے نام سے شروع کر رہے ہیں جو رحمان اور رحیم ہے، قہار کہا جا سکتا تھا، قوی کہا جا سکتا تھا، جبار کہا جا سکتا تھا، لیکن اللہ تعالیٰ نے الرحمٰن الرحیم کو بسم اللہ میں کیوں داخل کیا بسم اللہ کو اس کا جز کیوں بنایا تا کہ ہم اس سے سبق لیں۔

اللہ تبارک وتعالیٰ کی صفت جو سب پر غالب ہے اور حاوی ہے اور جو سارے جہاں کی

حفاظت کرنے والی ہے وہ رحمت کی صفت ہے اس رحمت کی صفت کو اپنے اندر پیدا کرنا چاہیے دوسرے کی عزت وناموس کو اپنی عزت وناموس سمجھنا چاہیے دوسرے کی ملکیت کو اس کے مال کو اپنے بھائی کا مال سمجھنا چاہیے۔ اس کی حفاظت کرنا چاہیے اور کم از کم ہندوستان کو تو اس بارے میں وہ LEADING PART ادا کرنا چاہیے تھا کہ تمام ملکوں میں اس سے سبق لیا جاتا اور اس کو استاد مانا جاتا اور یہاں کے لوگوں کو بلایا جاتا یورپ میں دعوت دی جاتی امریکہ میں دعوت دی جاتی کہ کسی ہندوستانی کو بلاؤ وہ امن کا پیغام دے گا اور وہ محبت سکھائے گا سب سے زیادہ محبت اور مساوات اس ملک میں پائی جاتی ہے مگر افسوس ہے کہ یہاں بجائے اس کے اپنے عارضی اور حقیر چھوٹے چھوٹے سیاسی مقاصد اور مفاد حاصل کرنے کے لئے یا مالی فوائد حاصل کرنے کے لئے یا عزت ووجاہت پیدا کرنے کے لئے اور کونسل اسمبلی وغیرہ میں منتخب ہونے کے لئے ایک دوسرے سے باہمی منافرت کا سبق دیا جاتا ہے کہ کس وقت ہمارا کام کس طرح نکل سکتا ہے دشمنی ہو ایک دوسرے سے عداوت ہو پھر اس سے فائدہ اٹھاتے ہیں اور اس سے عزت حاصل کرتے ہیں حالانکہ یہ عزت عزت نہیں جس میں ملک کی بے عزتی ہو۔ وہ کسی آدمی کی عزت نہیں ہوسکتی چاہے وہ کتنا بڑا ہو، بس آپ کم سے کم یہ طے کرلیں کہ .... ہم یہ فضا پیدا کریں گے اور اس طرح کا ایک محبت کا شامیانہ ہمارے اوپر تنا ہوا ہوگا۔

آپ بھٹکل کے ہی سب ہندو مسلمان بھائی کم از کم اس کو ایک نمونہ کی جگہ بنائیے ایک ایسی مثالی جگہ (MODEL) کہ جس کو دیکھنے کے لئے لوگ باہر سے آئیں اور دیکھیں کہ محبت کا شامیانہ تنا ہوا ہے اور محبت کی فضا چھائی ہوئی ہے اور جہاں پہنچ کر انسانیت کی قدر ہوتی ہے اور یہ دولت۔ عزت اور وزارت حکومت ساری چیزیں بالکل عارضی اور محدود ہیں اور ان سے کسی ملک کی قسمت وابستہ ہو جائے یا اس کو IDEAL مان لیا جائے تو ملک بچ نہیں سکتا۔ ساری تاریخ بھری ہوئی ہے کہ جہاں پر یہ چیز ہو کہ صرف دولت کی پوجا ہو اور اپنا مطلب نکالنا مقصود ہو چاہے کسی کا کتنا ہی کیوں نہ نقصان ہو پھر وہاں کی سوسائٹی نہیں رہ سکی وہ خودکشی کرتی ہے ایک دوسرے کو ختم کرتی ہے پھر اپنے کو ختم کرتی ہے ایک دوسرے کو ختم کرنا اپنے کو ختم کرنا ہے۔

بس بھائیو! ہمارے اس ملک کو خاص طور پر اس میں LEADING PART ادا کرنا چاہیے پیشوائی کا جو منصب ہے وہ ہمیں قبول کرنا چاہیے اور اس کی ذمہ داری سنبھالنی چاہیے کہ

وہ دنیا کے لئے ایک نمونہ ہے مگر افسوس ہے کہ یہاں COMMUNAL RIOTS اور یہاں چھوٹے چھوٹے اور حقیر مقاصد کے لئے ایک دوسرے کی عزت وآبرو پر ہاتھ ڈالنا اور جان کی پروانہ کرنا، جان لے لینا اور اس کو تباہ کر دینا یہ روزمرہ کا کھیل بن گیا ہے۔ اس سے ہمارے ملک کی بڑی بدنامی ہوتی ہے میں چونکہ باہر جاتا رہتا ہوں امریکہ اور یورپ کے دورے بھی ہوتے ہیں عرب ممالک میں شاید ہی کوئی ملک بچا ہوگا۔

جہاں میں نہ گیا ہوں تو یہ بات ہندوستان کی وہاں پہنچ گئی ہے وہاں خبر لگ گئی ہے کہ ہندوستان میں COMMUNAL RIOTS بہت ہوتے ہیں اور وہاں اس میں جو محبت ہونی چاہیے شہریوں میں جو الفت ہونی چاہیے نہیں پائی جاتی ہے اس سے خود ہمارا سر ندامت اور شرمندگی سے جھک جاتا ہے کیا کہا جائے کیا ہم لوگ اس کا انکار کر سکتے ہیں جتنے بھی یہ واقعات ہیں اخباروں میں آتے ہیں اور ریڈیو وغیرہ سے ایک دوسرے ملکوں تک پہنچ جاتے ہیں کتابیں لکھی جاتی ہیں اور اس پر CRITISED ہوتا ہے تنقید ہوتی ہے لیکن ہم انکار بھی نہیں کر سکتے تو ہم ہندوستانیوں کو باہر جانے کے قابل بنایئے کہ ہم وہاں آنکھیں ملا سکیں بلکہ ان سے کہہ سکیں کہ نہیں! ہم تو امن ومحبت کا پیغام دیتے ہیں ہم سب ایک دوسرے کے بھائی ہیں اور بھائیوں کی طرح رہتے ہیں اس وقت ہندوستانیوں کو سب سے زیادہ اس چیز کی ضرورت ہے اگر یہ چیز پیدا ہوگئی تو یہ ملک باقی رہے گا یہ پارٹیوں کے بدل جانے سے وزارتوں کے بدل جانے سے کسی کے مستعفی ہونے سے یا کسی کے الیکشن ہار جانے سے اور اس کو اپنی MAJORITY ثابت نہ کر سکنے سے یہ ملک نہیں بچ سکتا۔ یہ ملک بچے گا۔ امن سے محبت سے، پریم سے ایک دوسرے پر اعتبار کرنے سے اب یہ کتنے افسوس کی بات ہے کہ آدمی ایک پڑھے لکھے اور تعلیم یافتہ آدمی کا اعتبار نہ کرے، پہلے تو یہ ہوتا تھا کہ بڑی سے بڑی مالیت کی چیز بغیر کسی ڈر کے چھوڑ جاتے تھے لیکن اب تو ذرا سی چیز بھی نہیں چھوڑ سکتے ریلوں پر کیا ہوتا ہے اور بازاروں میں کیا ہوتا ہے یہاں بھی اور ہمارے پڑوسی ملک میں کیا ہوتا ہے۔

میں صاف کہتا ہوں کسی میں بھی وہ فضا نہیں ہے جو فضا ہونی چاہیے۔ ایک دوسرے پر اعتبار کرنے کی اور ایک دوسرے کی عزت کرنے کی اور اس کی عزت وآبرو سمجھنے کی اس کے عزیزوں کو اپنے خاندان ہی کا فرد سمجھنے کی مختصر بات یہ ہے کہ محبت کو عام کیجیے تا کہ آدمی یہ سمجھے

کہ شریف اور پڑھا لکھا آدمی ہے ہمارے ملک کا ہمارا ہم وطن آدمی ہے، اس سے ڈرنے کی ضرورت نہیں۔ جب آدمی اپنے ہم وطنوں سے ڈرنے لگے تو پھر کیا؟ سانپ اور بچھو کا موقع کب آتا ہے وہ کب ظاہر ہوتے ہیں آدمی کا تو آدمی سے کام پڑتا ہے۔ ایک محلہ میں مختلف مذاہب کے لوگ رہتے ہیں بعض اوقات تو ایک ہوٹل میں معلوم نہیں کتنے مذہب کے لوگ ٹھہرے ہوئے ہوتے ہیں۔ انہیں چاہیے کہ ایک دوسرے کی عزت کریں ایک دوسرے کو اپنا بھائی سمجھیں اور اس کی طرف سے مدافعت DEFENCE کریں، حفاظت کریں اللہ تعالیٰ ہمیں اس کی توفیق دے، اگر ایسا ہم کریں گے تو ہمارا ملک چمن بن جائے گا۔ گلزار بن جائے گا اور پھر اس دنیا میں اس کا نام ہوگا اور اس کو دیکھنے آئیں گے کہ یہ کیسا باغ و بہار ملک ہے کیسی محبت و پریم ہے اور بھائی چارہ کا ملک ہے لیکن افسوس ہے کہ اس کے بجائے ہماری شہرت دوسرے ملکوں میں دوسری طرح ہو رہی ہے اور ہمارے ملک کی جو شناخت ہے جس پر ہمیں فخر تھا وہ جاتی رہی۔

لیکن اب ہمیں چاہیے کہ ہم ایک نیا MODEL پیش کریں، ہماری زندگی کا اس سے پھر وہ اعتبار، وہ شناخت اور عزت و وقار جو تھا واپس آئے۔

واخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین

رشتوں کے توڑنے سے زندگی پر برے اثرات

الحمد للہ و کفیٰ و سلام علیٰ عبادہ الذین اصطفی.

اس وقت مسلمانوں میں زوال وادبار کی جو کھلی ہوئی علامتیں اور بے برکتی، نحوست، فضیحت ورسوائی بدنامی و جگ ہنسائی کے جو قومی اسباب پائے جاتے ہیں ان میں تعلقات کی کشیدگی۔ قطعی رحمی اور اس سے آگے بڑھ کر نا چاقی، عداوت ایک دوسرے کی عزت کے درپے ہونا اس کو خاک میں ملانے کی کوشش کرنا اور اس کے نتیجہ میں مقدمہ بازی، مال اور وقت کی بربادی اور نہ ختم ہونے والی پریشانیاں ہیں سینکڑوں بلکہ ہزاروں خاندان ہیں جن میں زمین و جائیداد کے سلسلہ میں اور کبھی بعض افسوسناک واقعات کے نتیجہ میں سخت درجہ کی نا چاقی و کشیدگی دیکھنے میں آتی ہے خاندان دو حصوں میں بٹ جاتا ہے ملنا جلنا، سلام و کلام بھی موقوف ہو جاتا ہے۔ بعض اوقات صرف غمی کے موقع پر برسوں کے بچھڑے ہوئے ملتے ہیں اور بعض اوقات اس کی بھی توفیق نہیں ہوتی، سالہا سال تک اور نسل در نسل اس کا سلسلہ جاری رہتا ہے اور دل و دماغ کی بہترین صلاحیتیں اور توانائیاں دوسروں (اور وہ غیر نہیں خونی اور رشتہ کے بھائیوں) کو نیچا دکھانے اور ان کے گھر کی اینٹ سے اینٹ بجوا دینے میں صرف ہوتی ہے، کسی بھائی کی سبکی اور ناکامی پر ایسی خوشی منائی جاتی ہے جیسے کبھی (دور اقبال میں) کسی قلعہ کی فتح اور کسی نئی سلطنت کے حصول پر منائی جاتی تھی، جو لوگ اس پستی سے کچھ بلند ہیں اور اتنے گئے گزرے نہیں اور ان کو کچھ دینی تعلیم یا نیک صحبت حاصل ہے اور وہ اچھے دیندار نظر آتے ہیں وہ بھی صلہ رحمی کے مفہوم سے نا آشنا اس کے فضائل سے بے خبر، قرآن وحدیث میں اس کا جو درجہ ہے اس سے یکسر غافل اور دولت بے بہا اور اس سنت جلیلہ سے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو نہایت محبوب اور عزیز تھی اور جس کا رنگ سیرت نبوی میں بہت نمایاں اور غالب ہے بالکل محروم ہیں، بزرگوں کی دوستی کا نباہ پرانے تعلقات کی پاسداری، والدین کے دوستوں کے ساتھ سلوک اور اس کو والدین ہی کی محبت و خدمت کا لازمہ سمجھنا چھوٹوں کے ساتھ الفت، بڑوں کا ادب تو بہت

دور کی باتیں ہیں۔ ضابطہ کا تعلق اور قانونی فرائض بھی ادا نہیں ہوتے۔

اس کا نتیجہ ہے، کہ خاندان اور محلے اور پھر گھر جنت کے بجائے جہنم کا نمونہ اور دارالامن و دارالسلام ہونے کے بجائے دارالحرب بنے ہوئے ہیں۔ زندگی کا لطف اور اجتماعی زندگی بلکہ اسلامی زندگی کی بھی کوئی برکت نظر نہیں آتی۔ پھر اس کے نتیجہ میں غیبی طور پر اللہ اور اس کے رسول کی اطاع اور وعدوں کے مطابق جو سزائیں مل رہی ہیں اور جو برکتیں سلب ہوتی جارہی ہیں ان کے سمجھنے کے لئے نہ شریعت اور قرآن وحدیث کا ضروری علم ہے نہ طبیعتوں میں انصاف نہ وقت میں گنجائش حالانکہ قرآن وحدیث میں کھول کھول کر نا اتفاقی، قطع رحمی، بغض، کینہ اور انتقامی جذبہ وکارروائی کے انفرادی واجتماعی نتائج بیان کردیئے گئے ہیں اور اس کے مقابلہ میں صلہ رحمی اصلاح ذات البین کی کوشش عفو ودرگزر، ایثار وقربانی، حق پر ہوتے ہوئے بھی دب جانے اور طرح دیئے جانے، قطع رحمی کرنے والوں کے ساتھ صلہ رحمی، تکلیف پہنچانے والوں کو راحت پہنچانے کی فضیلت اور درجہ پوری وضاحت کے ساتھ بیان کیا گیا ہے۔

اسی زمانہ میں دین کے بہت سے شعبوں میں بہت کام ہوا ہے۔ عبادات، فضائل اعمال پر ایک کتب خانہ کا کتب خانہ تیار ہوگیا ہے مسائل واحکام پر بھی بڑی بڑی کتابیں تیار ہوتی ہیں اور کچھ عرصہ سے سیاست واجتماعیات پر بھی بڑی توجہ کی گئی ہے اور اس کے ایک ایک پہلو کو روشن ونمایاں کیا گیا ہے۔ ان کوششوں کے اثرات مسلمانوں کی زندگی میں نظر بھی آتے ہیں اور انہوں نے دین کے ان شعبوں میں کچھ ترقی بھی کی ہے لیکن جہاں تک بندہ کی معلومات و مطالعہ کا تعلق ہے تعلقات کی استواری، صلہ رحمی اور اصلاح ذات البین کے موضوع پر بہت کم کام ہوا ہے اور خاص طور پر آسان اردو اور عام فہم طریقہ پر روزمرہ کی زندگی کے مطالعہ اور واقعات کی روشنی میں بہت کم مضامین ورسائل اور کتابیں لکھی گئی ہیں اور اس سلسلہ میں ہمارے معاشرہ میں کچھ بہتری کے آثار نظر نہیں آتے۔ حالانکہ آپس کے اختلافات وافتراق قطع رحمی، برادرکشی اور نزاع باہمی کا مرض وہ عام وباء ہے جس سے مشکل سے کوئی شہر، قصبہ، چھوٹا سا چھوٹا گاؤں اور حد یہ ہے کہ مشکل سے کوئی محلہ اور خاندان محفوظ رہا ہوگا۔ اور اس سے مسلمانوں کی اجتماعی زندگی اس بری طرح متاثر ہورہی ہے کہ نہ دینی جدوجہد پوری طرح مفید ہورہی ہے اور نہ سیاسی اتحاد وتنظیم کی کوششیں بار آور ہورہی ہیں۔ ضرورت ہے کہ اس شعبہ کی طرف پوری توجہ

کی جائے اس کے بغیر زندگی کی چول صحیح طور پر نہیں بیٹھتی اور عبادت و تعلق باللہ میں بھی قوت و قبولیت نہیں پیدا ہوتی یہ مرض جتنا عام اور شدید ہے اتنا ہی اس کے ازالہ کے لئے قوت، جرأت اور فکر و دلسوزی کی ضرورت ہے ؎

نوا را تلخ تر میزن، چو ذوق نغمہ کم یابی
حدی را تیز تر می خواں چو محمل را گراں بینی

واقعات سے سبق لینے کی ضرورت

الحمد للہ و کفی وسلام علیٰ عبادہ الذین اصطفیٰ اما بعد

حضرات! ہم مسلمانوں کو قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے جابجا ہدایت فرمائی ہے کہ ہم واقعات و حالات سے فائدہ اٹھایا کریں اور ان سے صحیح نتیجہ نکالیں۔ اسباب اور اسباب کے نتائج میں اللہ تعالیٰ نے ایک خاص تعلق پیدا کیا ہے۔ جیسے دواؤں میں خاصیت ہے درخت کی پتیوں میں خاصیت ہے یہاں تک کہ گھاس پھوس میں خاصیت ہے۔ اعمال، اخلاق طرز عمل اور زندگی کے طور طریق میں اس سے بھی زیادہ طاقتور خاصیتیں ہیں۔ اس لئے کہ دوائیں، غذائیں، نباتات، حجریات تو انسان کی زندگی کی حفاظت اور انسان کو امراض کی تکلیف سے بچانے کے لئے پیدا کی گئی ہیں۔ زندگی تو اصل چیز ہے جو واقعات ہمارے گردوپیش گزرتے ہیں ان سے ہمیں سبق لینا چاہیے اور قرآن مجید میں اس کی نہ صرف ہدایت کی گئی ہے بلکہ سبق نہ لینے پر ناراضگی کا اظہار اور اس بےحسی کی مذمت کی گئی ہے۔

سورہ یوسف کے آخر میں ہے:

ترجمہ:- اور آسمان وزمین میں بہت سی نشانیاں ہیں جن پر یہ گزرتے ہیں اور ان سے آنکھیں بند کر کے چلے جاتے ہیں۔

یعنی کتنی نشانیاں ہیں اس زمین وآسمان میں کہ اس کے پاس سے یہ لوگ منہ پھیر کر گزر جاتے ہیں اور اس سے فائدہ نہیں اٹھاتے ہیں ان سے کوئی سبق نہیں لیتے۔ اس سے بھی زیادہ سخت الفاظ میں سورۂ یونس میں کہا گیا۔

ترجمہ:- جو لوگ ایمان نہیں رکھتے ان کے لئے نشانیاں وڈراوے کچھ کام نہیں آتے۔

ایک جگہ فرمایا ہے۔

ترجمہ:- ہم عنقریب ان کو اطراف عالم میں بھی اور خود ان کی ذات میں بھی

نشانیاں دکھلائیں گے۔ یہاں تک کہ ان پر ظاہر ہو جائے گا کہ وہ حق ہے

اس وقت کا اہم ترین واقعہ جس کی طرف خاص طور پر ہم سب مسلمانوں کی توجہ ہونی چاہیے وہ روزمرہ کے فسادات ہیں۔ یہ فسادات کیوں ہوتے ہیں؟ کیا یہ محض اتفاقی واقعہ ہیں؟ یا یہ مسلمانوں کی تقدیر بن گئے ہیں؟ اس میں کچھ ہماری کوتاہی، ہمارے طرزِ عمل کو بھی دخل ہے اور اس لئے کچھ ہم پر بھی ذمہ داریاں عائد ہوتی ہیں، یا صرف حکومت اور انتظامی عملے ہی پر ذمہ داری عائد ہوتی ہے؟ یہ مسئلہ تمام مسائل میں اس وقت سب سے زیادہ قابلِ غور ہے اگرچہ اپنے حجم و تعداد (QUANTITY) میں یہ کوئی بڑا مجمع نہیں لیکن آپ حضرات اپنی ثقافتی اپنی ذہنی سطح (QUALITY) کے لحاظ سے بہت اہم ہیں میں سمجھتا ہوں کہ جو بات اس مختصر جماعت کے سامنے کہی جا سکتی ہے وہ بعض اوقات بڑے مجمع میں کہی جانے والی بات سے بھی زیادہ قیمتی ہوگی۔

حضرات! مسلمانوں کا پہلا فرض تو یہ ہے کہ وہ جہاں بھی اور جس ملک میں بھی ہوں وہاں وہ اولاً اپنے ہم وطنوں کو اللہ کی اس نعمت دینِ حق میں شریک کرنے کی کوشش کریں جو اللہ نے ان کو عطا کی ہے اور ان کو اس کی فکر رہے۔ یہ فکر سب سے زیادہ پیغمبروں کو رہا کرتی تھی۔ یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے بار بار رسول کو تسکین دی۔

ترجمہ:- اے پیغمبر، شاید تم اس رنج سے کہ یہ لوگ ایمان نہیں لاتے اپنے تئیں ہلاک کردو گے۔

اس کے بعد درجہ بدرجہ جن لوگوں کو ان سے زیادہ مناسبت ہوتی ہے ان کے اندر فکر زیادہ ہوتی ہے۔ تو پہلا درجہ تو یہ ہے کہ مسلمان جس ملک میں بھی رہیں وہاں ہدایت کا کام کریں اور اللہ تعالیٰ نے ان پر جو احسان فرمایا ہے ان کو جو ہدایت دی ہے ان کو جو روشنی عطا فرمائی ہے اس روشنی کو زیادہ سے زیادہ پھیلائیں۔ سارا قرآن شریف اس سے بھرا ہوا ہے اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو اس کا ذمہ دار قرار دیا ہے۔

دوسرا فرض جو از روئے دینِ انسانیت اور عقلِ سلیم ہم پر عائد ہوتا ہے وہ یہ ہے کہ ہم اپنا تعارف کرائیں کہ ہم کس دین کے ماننے والے ہیں کن اصولوں کو ہم تسلیم کرتے ہیں اور ہماری زندگی کن چیزوں کی پابند ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ ہم اپنے اخلاق سے لوگوں کو مانوس اور

قریب کریں لوگوں کو اس دین کے مطالعے پر آمادہ کریں جس دین کے ہم پابند ہیں اس دین کے بارے میں ان میں تجسس (CURIOSITY) پیدا ہو، یہ کس طرح کے لوگ ہیں یہ کس دین کو مانتے ہیں ہم یہ دیکھتے ہیں کہ یہ کسی کو تکلیف نہیں پہنچاتے یہ ہر ایک کے خیر خواہ ہیں یہ دولت ہی کو سب کچھ نہیں سمجھتے۔ ان کے نزدیک کچھ اور حقائق ہیں (VALUES) کچھ اور (IDEAIS) ہیں۔ یہ کس طرح کے لوگ ہیں جن کو دولت کی بڑی سے بڑی مقدار خرید نہیں سکتی۔ ان کو اپنے اصول سے ہٹا نہیں سکتی اور ان کو ظلم پر آمادہ نہیں کر سکتی۔ کیا ان کے سامنے کوئی اور عالم ہے جو ہماری نگاہوں سے اوجھل ہے؟ ذہن پر چوٹ لگانے والی بعض چیزیں ہوتی ہیں جو بعض اوقات آدمی کی زندگی اور خیالات میں انقلاب پیدا کر دیتی ہیں۔

جبار بن سلمیٰؓ نامی ایک صحابی تھے۔ وہ اسلام لائے ان سے کسی نے کہا کہ آپ کیسے اسلام لائے؟ آپ تو اپنے مذہب میں بڑے سخت تھے؟ انہوں نے کہا کہ ایک فقرہ اس کا سبب بن گیا۔ واقعہ یہ پیش آیا کہ میں نے ایک مسلمان (عامر بن فہیرہؓ) کے نیزہ مارا اور وہ نیزہ ایک پہلو سے گھس کر دوسرے پہلو سے نکل گیا اور تڑپ کر گر گئے زمین پر کرتے کرتے اور جان دیتے دیتے ان کی زبان سے ایک جملہ نکلا اور وہی جملہ ہے جو مجھے اسلام کی طرف کھینچ لایا۔ انہوں نے کہا کہ ''کعبہ کے رب کی قسم میں تو کامیاب ہو گیا۔'' (سیرت ابن ہشام) میں نے سوچا کہ کامیابی کسے کہتے ہیں؟ کیا کامیابی کے دو معیار ہیں؟ میں دیکھ رہا ہوں کہ ایک شخص جانکنی کے عالم میں گرتا ہے۔ تھوڑی دیر میں وہ دنیا کی ہر لذت سے محروم ہو جائے گا وہ جانتا ہے کہ اس کی بیوی بیوہ ہو جائے گی۔ اس کے بچے یتیم ہو جائیں گے پھر کس چیز کو دیکھ کر وہ کہتا ہے کہ میں کامیاب ہو گیا؟ میرے دل میں ایک خلش پیدا ہوگئی کہ معلوم کرنا چاہیے کہ مسلمان کامیابی کسے کہتے ہیں؟ میں نے دیکھا کہ تمام دنیا کی ناکامیاں اس کے لئے جمع ہو گئیں اور اس نے ہر چیز سے ہاتھ دھو لیا مگر وہ ایسے وقت میں جب کوئی جھوٹ بول نہیں سکتا کہتا ہے کہ میں کامیاب ہو گیا (مرتے وقت عام طور پر کوئی جھوٹ نہیں بولتا اور عرب تو زندہ رہ کر بھی جھوٹ نہیں بولتے) میں نے لوگوں سے کہا کہ اس نے کیا دیکھ کر کہا کہ میں کامیاب ہو گیا؟ انہوں نے کہا کہ تم نہیں جانتے! اس کو خوشی تھی کہ میں نے کس کے لئے جان دی۔ یہ مسلمان اللہ پر یقین رکھتے ہیں اور جانتے ہیں کہ جو شہید ہوتے ہیں جنت میں جاتے ہیں اس زخمی مسلمان

نے کچھ دیکھا ہوگا۔ جنت دیکھی ہوگی اور یہ یقین اس کے دل میں بیٹھا ہوگا کہ میں شہید ہو جاؤں گا تو جنت میں جاؤں گا تو اس نے کہا کہ میں کامیاب ہوگیا۔ کہنے لگے کہ اس جملے نے میرے دل کو پکڑ لیا اور کھینچ کر دائرہ اسلام میں لے آیا۔

حضرات اس نے جو واقعہ سنایا۔ بہت آخری درجے کا واقعہ ہے میں یہ نہیں کہتا کہ ہر مسلمان اس کا مظاہرہ کر سکتا ہے اور کرنا چاہیے۔ البتہ مسلمانوں کا طرز زندگی ضرور ایسا ہونا چاہیے تھا کہ پڑوسیوں کو اور اس ملک کی دوسری آبادی کو وہ یہ سوچنے پر آمادہ کریں کہ یہ کیسے لوگ ہیں۔ کیا یہ پیسے کی قیمت نہیں جانتے۔ یہ نہیں جانتے کہ پیسے سے آدمی عیش و راحت، عزت و طاقت کے کیسے سامان خرید سکتا ہے۔ یہ نہیں جانتے کہ جھوٹ بولنے سے بعض مرتبہ کتنا فائدہ ہوتا ہے یہ نہیں سمجھتے کہ بڑی عمدہ کوٹھیوں میں بڑے بینک بیلنس کے ساتھ آدمی کس طرح عیش سے رہ سکتا ہے پھر یہ ان چیزوں کے پیچھے کیوں نہیں دوڑتے جن کے پیچھے ہم دوڑتے ہیں جو چیزیں ہمیں خرید لیتی ہیں وہ چیزیں انہیں کیوں نہیں خرید لیتیں؟

ہماری زندگی ایسی ہوتی جو لوگوں کو اسلام کی طرف کھینچتی میں مثال کے طور پر کہتا ہوں یہ اہل علم کے لئے ایک سوال ہے کہ آنحضرتؐ تیرہ برس تک مکہ معظّمہ میں اسلام کی طرف دعوت دیتے رہے۔ اپنی ان تمام خصوصیات اور برکتوں کے ساتھ جو آپ کا حصہ تھیں اللہ کی پوری مدد پوری تائید آپؐ کے ساتھ تھی۔ قرآن شریف نازل ہو رہا تھا اور دس برس مدینہ طیبہ میں آپؐ نے دعوت دی کل تئیس برس ہوئے لیکن صلح حدیبیہ ہوئی ہے 6ھ میں ہجرت کے چھٹے سال اور مکہ 8ھ میں فتح ہوا۔ امام زہریؒ جو بڑے جلیل القدر تابعی اور امام ہیں کہتے ہیں کہ اس دو ڈھائی برس میں جتنی تعداد میں لوگ مسلمان ہوئے ہیں پورے بیس و اکیس برس میں اس قدر لوگ مسلمان نہیں ہوئے سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ کیا بات ہے؟ وہی اللہ کے رسولؐ! وہی قرآن! وہی معجزات! وہی تاثیر وہی صحبت کی برکت لیکن دو ڈھائی برس میں جیسے معلوم ہوتا ہے پشتہ ٹوٹ گیا ہو تسبیح کے دانے بکھر گئے۔

اس کی وجہ یہ تھی کہ صلح حدیبیہ نے موقع دیا کہ عرب آزادانہ مدینہ آئیں جائیں اور مسلمانوں کی زندگی دیکھیں۔ اب تک ایک دیوار کھڑی تھی اسلام اور کفر کے درمیان اور لڑائیاں ہو رہی تھیں غیر مسلم مدینے میں آتے ڈرتے تھے۔ اب مسلمان ادھر گئے غیر مسلم ادھر گئے ان کو

مسلمانوں کو دیکھنے کا یا میدان جنگ میں موقع ملتا تھا یا پھر سفر وغیرہ میں کہیں ساتھ ہو جائے وہ بھی کم۔ لیکن صلح حدیبیہ کی ایک شرط یہ بھی تھی کہ مکہ کا جو آدمی چاہے مدینہ میں بے خطر آئے اور جو مسلمان چاہے بے خطر مکہ چلا جائے ملنے جلنے کی پوری آزادی ہے کوئی کسی پر ہاتھ نہیں اٹھا سکتا۔ بس پھر کیا تھا؟ مکے کے لوگ اپنے عزیزوں سے ملنے مدینہ آئے اور آئے تو دیکھا کہ ان کی زندگیاں بدل گئی ہیں۔ ہم سب ایک ہی زبان بولتے ہیں، ایک ہی نسل کے ہم لوگ ہیں، ایک ہی لباس پہنتے ہیں، ایک ہی خوراک ہے۔ پھر کیا بات ہے کہ ان کے اخلاق ہم سے مختلف ہیں ان کا معاملہ، ان کا طرز گفتگو ہم سے مختلف ہے ہم ان کے یہاں مہمان رہتے ہیں (حالانکہ ہم ان کے مذہب کے نہیں) تو یہ اپنے بچے کو بھوکا رکھ کر ہمیں کھلاتے ہیں۔ یہ پہلے ہماری خبر لیتے ہیں پھر اپنے گھر والوں کی خبر لیتے ہیں۔ ہمیں پہلے آرام سے سلاتے ہیں پھر خود سوتے ہیں۔ انہوں نے نہ کبھی ہمارا مذاق اڑایا نہ ہم پر کبھی کوئی فقرہ کسا۔ ہم یہ بھی دیکھتے ہیں کہ یہ اپنے کاموں میں بڑے مستعد ہیں یہ نہیں کہ اسلام لانے کے بعد یہ کاہل ہو گئے ہوں۔ نماز کے وقت نماز پڑھتے ہیں اور کام کے وقت کام کرتے ہیں اور اپنے بال بچوں کے ساتھ بھی ان کا بڑا اچھا رہتا ہے۔ سب ان سے خوش ہیں یہ فرق کہاں سے آیا؟ معلوم ہوا کہ یہ فرق اسلام نے پیدا کیا۔ اب ان کو اسلام پر غور کرنیکا موقع ملا اور وہ اسلام کی طرف کھنچنے لگے۔ ہزاروں ہزار آدمی مسلمان ہوئے امام زہریؒ سے بڑھ کر معتبر کون ہو سکتا ہے۔ حدیث کی روایات کے بڑے حصے کا دارومدار ان پر ہے وہ کہتے ہیں کہ عربوں کو اس عرصے میں مسلمانوں سے ملنے کا موقع ملا۔ انہوں نے مسلمانوں کو قریب سے دیکھا۔ اس سے اسلام نے ان کے دل میں گھر کر لیا اور اپنا عاشق بنا لیا۔

اب آپ بتائیے کہ کسی ملک میں مسلمان ایک ہزار برس سے ہوں اور وہ مسلمان نہ اپنا تعارف کرا سکیں نہ ان کو متاثر کر سکیں تو بتائیے یہ کوتاہی ہے یا نہیں؟ اصل بات یہ ہے کہ ہمارے اخلاق کی خوشبو ہمارے ہم وطنوں کو نہیں پہنچ سکی۔ انہوں نے ہمکو سیاسی میدان میں دیکھا یا انتخابی معرکہ (الیکشن) کے میدان میں ہم کو آزمایا یا تجارت کے مقابلے میں ہم کو دیکھا مسجدوں میں یہ آتے نہیں۔ انہوں نے ہم کو معاملات میں نہیں پرکھا۔ انہوں نے ہم کو اخلاق سے نہیں جانچا۔ جس کا نتیجہ یہ ہے کہ وہ اس طرح مسلمانوں پر حملہ کرتے ہیں جیسے بالکل غیر مانوس

پردیسی اور دشمن پر کرتے ہیں ابھی تک ان کو یہی معلوم نہیں کہ ہم اپنے اندر کیا جوہر رکھتے ہیں، کیسی محبت رکھتے ہیں، کیسی انسانیت رکھتے ہیں۔ ہمارے دل میں ان کے لئے کیسی خیر خواہی کا جذبہ ہے ہم اس ملک کے لئے کتنے مفید ہیں کتنے ضروری ہیں؟ ہماری وجہ سے ملک پر اللہ کی کیسی رحمتیں نازل ہوسکتی ہیں۔ ابھی تک ہم غیر مسلموں کو اپنے پڑوسیوں تک کو واقف نہیں کرا سکے۔ اس کا ثبوت برابر ملتا رہتا ہے آپ کسی پڑھے لکھے ہندو سے پوچھ لیجئے کہ آپ نے اسلام کا مطالعہ کیا ہے؟ کہیں گے بالکل نہیں۔ اچھا آپ اسلام اور مسلمانوں سے متعلق کیا جانتے ہیں؟ وہ کہیں گے کہ ہم مسلمانوں سے متعلق اتنا جانتے ہیں کہ مسلمان ختنہ کراتا ہے گائے کا گوشت کھاتا ہے اور کچھ ہو جائے تو اسے بڑی جلدی غصہ آجاتا ہے۔ تین علامتیں مسلمان کی بتائیں۔ ویسے یہ دوسری بات ہے کہ مسلمان سر پر چوٹی نہیں رکھتا) ہم سے ہمارے ایک عرب فاضل دوست کہتے تھے کہ جب میں امریکہ گیا تو وہاں لوگ مسلمان اور عرب سمجھ کر مجھ سے دو باتیں پوچھتے تھے ایک یہ کہ یہ بتاؤ کہ تمہارے حرم میں کتنی بیویاں ہیں؟ دوسرے تمہارے دروازے پر کتنے اونٹ بندھے ہیں؟ تو گویا مسلمان کی پہچان امریکہ میں دو ہیں کئی بیویاں رکھتا ہو اور اونٹ ضرور پالتا ہو۔ تو آج یہ ہندوستان کا ہندو جو متوسط درجے کا ہے (اس کالرز کو آپ الگ کردیں) وہ تین چار علامتیں مسلمانوں کے بارے میں جانتا ہے کہ ختنہ کراتا ہے، گائے کا گوشت کھانا اس کے مذہب میں داخل ہے چاہے چوری سے کھائے۔ وہ سمجھتا ہے کہ ایمان اس کا ناقص ہوگا اگر وہ گائے کا گوشت نہ کھائے۔ اور غصہ اس کی ناک پر رکھا ہوا ہے۔ بات تم نے کی اور مسلمان کو غصہ آگیا۔ مسلمانوں کی دوسری اہم خصوصیت یہ ہے، گویا دین کی علامت ہے۔ کہ مسجد کے سامنے دوسروں کا باجا نہیں سن سکتا۔ چاہے خود بجائے لیکن غیر مسلم کی بارات کا باجا نہیں سن سکتا۔ مسجد کے سامنے اپنی اس کی جان ایک کردے یہ ہے کل تعارف ہمارا اس ملک میں۔

میں ہردوئی سے لکھنؤ آرہا تھا تبلیغی جماعت کے کچھ احباب تھے نماز کا وقت ہوا تو ہم (ریل میں) نماز کے لئے کھڑے ہوئے۔ رکوع میں سجدے میں جاتے ہوئے اللہ اکبر کہنا ہوتا ہے ایک صاحب جو ہمارے قریب بیٹھے تھے اور جنہوں نے اپنا تعارف کرایا تھا کہ وہ ایک ضلع کے ڈسٹرکٹ بورڈ کے چیئرمین ہیں انہوں نے بڑے بھولے پن سے پوچھا کہ ''مولانا

صاحب! یہ بار بار اللہ اکبر! کہتے تھے۔ یہ اکبر بادشاہ کا نام لیتے تھے؟،،

ہم ابھی تک انہیں اذان کا مطلب تک نہیں سمجھا سکے جو پانچوں وقت اور اکثر جگہ لاؤڈ اسپیکر سے ہوتی ہے ہمارے ایک بزرگ تھے انہوں نے کہا بھائی! کچھ نہیں تو کم از کم اذان میں جو کچھ کہا جاتا ہے اسی کا ہندی میں ترجمہ کردیں۔ ہندو بھائی سمجھتے ہیں کہ اذان میں ہمارے بتوں کو برا بھلا کہا جاتا ہے۔ یا ہمیں برا بھلا کہا جاتا ہے یا یہ جہاد کا نعرہ ہے۔ ان کو نہیں معلوم کہ حی علی الصلوٰۃ، حی علی الفلاح، الصلوٰۃ خیر من النوم کے معنی کیا ہیں؟

تو ہم اس ملک میں کرتے کیا رہے اتنے دنوں تک؟ جب فساد ہو جاتا ہے تو ہم کہتے ہیں کہ دیکھئے صاحب یہ کیسے لوگ ہیں کہ اتنے دنوں سے ہم ان کے ساتھ رہ رہے ہیں اور ذرا بھی ان کو ہمارے ساتھ تعلق نہیں ہے۔ اس میں ہمارے ان ہم وطنوں کی بھی غلطی ہے ان کے رہنماؤں کا بھی قصور ہے اس سیاسی نظام اور الیکشنی طریقے کا بھی عیب ہے تعلیمی نصاب اور کورس و مطالعے کی کتابوں کی بھی ذمہ داری ہے میں ان حقیقتوں کو تاریخ کے طالب علم کی حیثیت سے خوب جانتا ہوں مگر اس وقت غیر مسلم بھائیوں اور حکومت و تعلیم کے ذمہ داروں سے میرا خطاب نہیں ہے۔ جب ہوگا تو بتادوں گا کہ خود ان کی کتنی بڑی ذمہ داری تھی کہ وہ اس عظیم ترین اقلیت کے بنیادی عقائد، تہذیب و معاشرت اور اخلاق و عادات اور خصوصیات کو سمجھنے کی کوشش کرتے جو ایک ہزار سال سے زیادہ مدت سے ان کے ساتھ دیوار بدیوار رہتی چلی آ رہی ہے اور جس نے اس ملک کی تعمیر و ترقی میں قائدانہ کردار ادا کیا ہے، اور جس کے ہم مذہب ان کے ہمسایہ ممالک اور درجنوں آزاد ملکوں میں رہتے بستے ہیں۔ نیز محکمہ تعلیم کے ذمہ داروں اور ملک کے دانشوروں کو بار ہا بتایا جا چکا ہے کہ تاریخ کی نصابی کتابیں کس قدر نفرت اور خوف پیدا کرنے کی ذمہ دار ہیں خود ہمارے ہموطنوں کے اندر بھی بہت سی کمزوریاں ہیں۔ مگر ان کی کمزوریاں آپ کے سامنے بیان کرنے سے کوئی فائدہ نہیں۔ میں تو اس وقت اپنی کمزوریاں بیان کر رہا ہوں کہ ہم نے اپنے سے ان کو مانوس نہیں کیا۔ اسلام کا تعارف نہیں کرایا۔ آپ ہی میں سے کوئی بتائے کہ ہم میں سے کتنوں نے اپنے ساتھ کام کرنے والوں کو یا کلاس فیلو دوستوں کو کوئی چیز ایسی پڑھنے کو دی ہو جس سے اسلام کا تعارف ہو۔ میں پوچھتا ہوں کہ مرہٹی، گجراتی، تامل میں اسلام کے تعارف میں کتنی چیزیں ہیں جو غیر مسلموں کو آنکھ بند کر

کے دی جاسکیں؟ علاقائی زبانوں میں ہم نے کتنا کام کیا؟ ان میں کتنے اچھے لکھنے والے ہم مسلمانوں میں پیدا ہوئے۔ ہاں یہاں بڑے بڑے جرنلسٹ مل جائیں گے۔ بہت کریں گے تو ہم اردو کا اخبار نکالیں گے۔ چار نکل رہے ہیں تو پانچواں نکالیں گے اور اسے بہت بڑا جہاد سمجھیں گے۔ کیا مرہٹی، گجراتی کا روزنامہ نکالنے کی ضرورت نہیں تھی یا کم سے کم کوئی ویکلی نکالنے کی ضرورت نہیں تھی؟ ایسا اخبار جو جدید اسٹائل میں ہو بالکل اپٹوڈیٹ ہم آج تک انگریزی کا کوئی روزنامہ نہیں نکال سکے جب فساد ہو جاتا ہے اور اخباروں میں یکطرفہ خبریں شائع ہوتی ہیں تو شکایت کرتے ہیں کہ دیکھئے صاحب کیسا اندھیرا ہے کہ ہم ہی مارے جائیں اور ہم ہی ملزم ٹھہرائے جائیں۔ مجھے خوب یاد ہے کہ مسلم پرسنل لاء کا جلسہ (غالبا69ء) میں ممبئی میں ہوا تھا۔ بڑا عظیم الشان جلسہ تھا خیال یہ ہے کہ پچاس ساٹھ ہزار یا غالباً ایک لاکھ آدمی شریک تھے۔ اگلے دن یا اسی دن دلوائی صاحب نے ایک مظاہرہ (DEMONSTRATION) کیا۔ مسلمانوں نے ان پر چپل پھینکے ان کو مارنے دوڑے اور پولیس نے ان کو گھیرے میں لے کر نکال لیا۔ دوسرے بن بمبئی کے انگریزی اخباروں میں ہمارے جلسے کی خبر تو ایک کونے میں ذرا سی دی گئی اور دلوائی صاحب کے مظاہرہ کی ایسی تھی جیسے اس میں دس بیس ہزار آدمی تھے۔

فساد کے مستقل سدباب کا طریقہ یہ ہے کہ آپ اپنا طرز زندگی ایسا بنائیں جس میں کشش ہو غیر مسلم کیلئے۔ وہ دیکھیں کہ مسلمان اس طرح نظر نیچی کر کے چلتا ہے اس سے کسی کو تکلیف نہیں پہنچتی۔ وہ دیکھیں کہ اسٹیشن پر نل کھلا ہوا ہے اور منوں پانی بہہ رہا ہے ہزاروں آدمی دیکھتے ہیں اور گزر جاتے ہیں، ایک مسلمان جاتا ہے اور نل بند کر دیتا ہے وہ کہتا ہے کہ پانی ہمارے خدا کی دی ہوئی نعمت ہے یہ ہمارے ملک کا پانی ہے اسے ضائع نہیں کرنا چاہیے۔ بارہا ایسا ہوا سفر ہے، فرسٹ کلاس ہے، ہمارے غیر مسلم ہم سفر نے چائے کا آرڈر دیا اور ان کی چائے میں دیر ہوئی، ہماری پہلے آگئی۔ ہم نے ان کو پیش کر دی اور کہا کہ جب آپ کی آئے گی تو ہم پی لیں گے یہ بھی کوئی قابل ذکر بات ہے لیکن وہ بالکل توقع نہیں کرتے تھے کہ مسلمان اس طرح کے کام کرتے ہیں۔ اس سے ان کا تخیل اسلام کے متعلق بدلتا ہے۔ وہ سمجھنے لگتے ہیں کہ اسلام پھاڑ کھانے والی، چٹکی لینے والی چیز نہیں۔ اسلام تو انسانیت کی تعمیر کا سانچہ ہے جس سے انسان

ڈھل کر نکلتے ہیں، اپنے طرز عمل سے بازاروں میں دفتروں میں کارخانوں میں اور جہاں جہاں اپنے ہم وطنوں کے ساتھ کام کرنے کا موقع ملنا چاہیے۔ آپ اسلامی تعلیمات اسلامی اخلاق اور اسلامی سیرت کا دل کش نمونہ پیش کریں۔ بوڑھا آدمی ہو تو اس کو سہارا دے دیں۔ کوئی عورت ہو تو اس کی مدد کر دیں اور کوئی غلط کام کر رہا ہو جس سے معاشرے کو تکلیف یا ملک کو نقصان ہو رہا ہو تو اس کی اصلاح اور اس کو نرمی کے ساتھ روکنے کی کوشش کریں۔

اس وقت کے حالات کی رعایت سے میں نے اتنی بات کہی ہے اور کہنے کی باتیں تو بہت تھیں اللہ تعالی سے دعا ہے کہ وہ ہم کو صحیح سمجھ عطا فرمائے اور عمل کی توفیق دے۔ ہماری معروضات کو قبول فرمائے اور مفید بنائے اور ہماری حفاظت ونصرت فرمائے۔

وآخر دعونا ان الحمدللہ رب العالمین

طبقۂ اشرافیہ کے خاص امراض اور ان کی شفا

25 نومبر 1983ء کو دیپال پور کی نئی مسجد میں ایک مدرسہ کے سنگ بنیاد کے موقع پر حضرت مولانا سید ابوالحسن حسنی ندوی رحمۃ اللہ نے یہ پر اثر تقریر فرمائی

میرے بھائیو اور دوستو! آپ حضرات بہت دیر سے یہاں بیٹھے ہوئے ہیں اور علمائے کرام اور قرآن مجید کے شارحین اور خدمت کرنے والوں کی تقریریں سنتے رہتے ہیں اب بظاہر کسی تقریر کی ضرورت نہیں لیکن اس خیال سے کہ اکثر جگہ جہاں جانا ہوا ہے وہاں کچھ نہ کچھ میں عرض کرتا ہوں آپ لوگوں کو کہیں خیال نہ ہو کہ یہیں آ کر میں نے کیوں خاموشی اختیار کی اور کچھ نہیں کہا؟ حالانکہ یہاں سے جو تعلق ہے وہ آپ کو معلوم ہے۔ دیپال پور کے رہنے والوں کی دعوت پر ہی ہم لوگ آئے ہیں اور یہیں کچھ نہ کہا جائے یہ مناسب نہیں، اس لئے میں مجبوراً بیٹھ گیا، ورنہ خدا کے فضل سے آپ کی جھولی قرآن وحدیث کی باتوں اور اللہ ورسولؐ کے اقوال سے بھر چکی ہے۔

خواص کے ساتھ خصوصی معاملہ

میں صرف ایک بات آپ سے کہنا چاہتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ کا قانون امت مرحومہ کے ساتھ الگ ہے اور دوسری قوموں کے ساتھ الگ ہے اور ہم آپ سب بھی ایسا کرتے رہتے ہیں مثلاً مکتب میں کئی لڑکے بٹھائے جائیں تو ایک لڑکا جس سے دور کا تعلق نہیں کہیں پاس پڑوس کا آ گیا ہے۔ کسی نے بھرتی کردیا ہے اس کے خاندان کو بھی ہم نہیں پہچانتے اس سے کسی قسم کا جذباتی، خاندانی لگاؤ نہیں وہ اگر نہیں پڑھتا تو استاد یا مدرسہ کے جو ذمہ دار ہوتے ہیں وہ طرح دے جاتے ہیں۔ اور چشم پوشی کرتے ہیں سنی ان سنی بھی کر دیتے ہیں، بھاگ جائے تو بھاگنے دیتے ہیں لیکن گھر کا کوئی لڑکا کسی معزز گھرانہ کا جن کا اس مدرسہ کے قائم کرنے میں خاص ہاتھ ہوتا ہے ان کا بڑا احسان ہوتا ہے یا مدرسہ کے پڑھانے والے استاد وغیرہ اسی

خاندان سے تعلق رکھتے ہیں ایسے کسی گھر کا لاڈلا بچہ مکتب میں داخل ہوتا ہے تو اس کے ساتھ یہ معاملہ نہیں ہوتا، سبق یاد کرے نہ یاد کرے چلو جیسے وہ وقت پورا کر کے چلا جائے [illegible] چوری کی عادت پڑ جائے تو ایسے ہی منہ چھپا دو۔ آنکھ بند کر لو، یہ نہیں ہوا کرتا، بلکہ اللہ تعالیٰ کا امت مرحومہ کے ساتھ بھی یہی معاملہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس کے لئے اپنا جو قانون بنا دیا ہے عزت کا اور ترقی کا اس قانون پر چلے بغیر اس کی عزت اور ترقی نہیں ہو سکتی۔

نزدیکاں را بیش بود حیرانی

پھر اس امت مرحومہ میں بھی خاندانوں کے افراد کی رگوں میں سیدنا صدیق اکبرؓ کا خون ہو، سیدنا فاروق اعظمؓ کا خون ہو سیدنا عثمان غنیؓ کا خون ہو، سیدنا علی مرتضیٰؓ کا خون ہو، حضرات انصار کا خون ہو، مہاجرین کا خون ہو اللہ تعالیٰ ان کو اس طرح کی ڈھیل نہیں دیتا۔ ان کے لئے قانون یہ ہے کہ دوسروں سے آگے بڑھنے کی کوشش کریں یہ سمجھیں کہ اگر کسی کے لئے کوئی بات ایک مرتبہ ضروری ہے تو ہمارے لئے چار مرتبہ ضروری ہے اگر کسی کے لئے فرض پڑھ لینا کافی ہے تو ہمارے لئے سنتیں پڑھنا بھی اور نفلیں پڑھنا بھی ضروری ہے اس لئے کہ نزدیکاں را بیش بود حیرانی۔ جو جتنے نزدیک ہیں جن کا جتنا قرب ہوتا ہے ان کو اتنی ہی احتیاط کرنی پڑتی ہے دیکھئے نا! بادشاہوں کے دربار میں جن کو پاس کرسی ملتی ہے اور جو بڑے عہدیدار ہوتے ہیں وہ مکھی بھی بیٹھ جائے تو اڑا نہیں سکتے اور دوسرے دو آپس میں باتیں بھی کر سکتے ہیں اور کھجلا بھی سکتے ہیں لیکن جو بادشاہ کے قریب بیٹھا ہوتا ہے اس کو اگر کھجلی معلوم ہوتی ہے تو ہاتھ نہیں ہلا سکتا۔

بابر کتنا بڑا فاتح گذرا ہے اس نے ہندوستان میں سب سے زیادہ مضبوط سب سے زیادہ لمبی عمر کی سلطنت قائم کی۔ اس نے کہا کہ میری زندگی میں سب سے بڑے امتحان اور نازک وقت دو گزرے ہیں ایک اس وقت جب میں ایک سفر میں ایک پتھر پر سر رکھ کر سو رہا تھا میری آنکھ کھلی تو میں نے دیکھا کہ ایک سانپ اپنا منہ کھولے ہوئے میرے منہ کے قریب پھنکار رہا ہے کالا سانپ بڑا زہریلا اب میں اگر حرکت کرتا ہوں تو مجھے ڈس لے گا یا معلوم نہیں منہ میں چلا جائے؟ اور اسی حال پر رہے تو بھی چھوڑے گا نہیں بس میں نے ہمت کی اور اپنے منہ سے اس کے منہ کو دبا لیا اور دبائے دبائے اس کو کچلا ہوا اٹھایا اور اٹھ کر کے اس کو دور جا کر پھینکا اور مارا۔

ایک دفعہ میں دربار کر رہا تھا سلطنتوں کے سفیر آئے ہوئے تھے کھجلی کا شدید تقاضا ہو رہا تھا اور میں کھجا نہیں سکتا تھا کہ بادشاہ دربار میں کھجائے اس کے داد ہو یا خارش ہو اس کے ضبط کرنے میں جو میری حالت ہوئی وہ میں ہی جانتا ہوں، آپ دیکھئے اتنے بڑے بادشاہ نے کتنی بڑی بڑی مہمیں سر کی ہیں اور کیسی کیسی فتوحات اور خطروں سے دوچار ہوا ہے وہ ان دو واقعوں کا کتنے اہتمام سے ذکر کرتا ہے؟ کہ جو بات ایک معمولی آدمی کے لئے صرف جائز ہی نہیں مستحسن ہے اور بڑے سے بڑے کے لئے بھی یہ بات ہے کھجانا کوئی عیب کی بات ہے؟؟ نہ شرعاً نہ اخلاقاً نہ قانوناً نہ اصول سے لیکن اس کو خیال تھا کہ میں اس وقت دربار کر رہا ہوں سلطنتوں کے سفراء حاضر ہیں اور دم بخود دیکھ رہے ہیں اور میں کھجا رہا ہوں یہ میرے لئے مناسب نہیں۔

بھائیو! یہی نامی گرامی خاندانوں کے ساتھ اللہ تعالیٰ کا معاملہ ہے کہ ان کی ذرا سی غلطی اور ان کی ذرا سی ناقدری، (غلطی بھی اتنی بڑی چیز نہیں ہے جتنی ناقدری) اللہ کی شریعت کی ناقدری کہ اس پر نہ چلنا جس پر ان کے بزرگوں نے اسلاف نے سر کٹا دیئے ہیں اس پر وہ انگلی بھی نہ ہلائیں اس پر وہ چار پیسے کا نقصان بھی نہ برداشت کریں اپنے بچے کے لئے ذرا سا خطرہ بھی مول نہ لیں کہ یہ دینی تعلیم حاصل کرے گا۔ یہ نیک اور دیندار بنے گا تو اتنی بڑی تنخواہ نہ ہوگی اتنی بڑی آمدنی نہ ہوگی جو دوسروں کی ہے جنہوں نے دنیا کا راستہ اختیار کیا تو دین کی اس ناقدری کو اللہ تعالیٰ معاف نہیں کرتا۔

شرفاء کی بستیوں میں فلاکت کیوں؟

میں ملک ملک پھرا ہوں اور ہندوستان کا چپہ چپہ تقریباً دیکھا ہوا ہے۔ میں نے ہر جگہ شرفاء کی بستی میں فلاکت دیکھی خود ہمارے خاندان کی بعض بعض بستیوں میں جہاں ہمارے بزرگ تھے اور جہاں ان کے مزارات ہیں اور بڑے بڑے اولیاء اللہ گزرے ہیں آج وہاں جائیے تو بس یہ معلوم ہوتا ہے کہ فلاکت برستی ہے اور فلاکت کیا برستی ہے، معلوم ہوتا ہے کہ تختہ ہی الٹ گیا ہے ایسی شرفاء کی بستیاں ہمارے اودھ میں بہت ہیں، بات کیا ہے محض اللہ کی شریعت کی ناقدری اور دین کو اپنے لئے باعث ترقی نہ سمجھنا۔ باعث کامیابی نہ سمجھنا، دنیا کو اپنے لئے باعث کامیابی سمجھ لینا۔ یہ بات اللہ تعالیٰ کو ہر ایک کی بری معلوم ہوتی ہے۔ لیکن جو صحابہ کرامؓ کی اولاد ہوں اور اپنے کو اشراف کہیں ان کے لئے تو بالکل ناقابل برداشت ہے اس کا اثر ضرور ہوتا ہے۔

ہمارے اور آپ کے لئے ترقی کا راستہ دین اور علم دین کا راستہ ہے اس میں جو آسانی ہمیں تھوڑی محنت سے ہوگی وہ دوسرے راستوں میں بڑی محنت سے بھی نہیں ہوگی۔

تاریخی بستیوں اور اونچے خاندانوں کی خاص بیماریاں اور کمزوریاں

یہ آپس کی ناچاقیاں ان بستیوں اور خاندانوں کی خاص بیماری ہے میں نے اشراف میں اکثر یہ مصیبت دیکھی گھر گھر لڑائی، بھائی بھائی سے دل صاف نہیں، شرفاء اور خاندانی لوگوں میں یہ بیماری ایسی پائی جاتی ہے کہ اس کا عشر عشیر (دسواں حصہ) بھی ان لوگوں میں نہیں ہے جنہوں نے سو برس سے اسلام قبول کیا ہے دو سو برس سے اسلام قبول کیا ہے۔ وہ خوب پھل پھول رہے ہیں ماشاء اللہ بڑے متحد متفق ہو کر رہ رہے ہیں ان کے اندر حفظ قرآن کا رواج ہے علم دین حاصل کرنے کا شوق ہے میں نام نہیں لیتا نو مسلم ہونا کوئی عیب نہیں۔ صحابہ کرام سب نو مسلم تھے یہ حضرات معلوم نہیں سو برس، دو سو برس، چار سو برس سے اسلام لائے ہوں گے اور بڑے اہل اللہ کے ہاتھوں پر معلوم ہوتا ہے اسلام لائے ہیں لیکن ان کے خاندانوں میں ایسی برکت دیکھی شریعت کا احترام، نماز کی پابندی اور ماشاء اللہ اولاد میں بھی برکت جو ہمارے یہاں شرفاء کے یہاں نہیں ہے اور پھر اس کے ساتھ ساتھ حفظ قرآن کا رواج، ایسے ایسے جید علماء ان برادریوں میں ہیں کہ سادات اور شیوخ میں ان کا آدھا بھی کوئی نہیں۔ بڑے بڑے محدث، بڑے بڑے عالم کیا بات ہے۔ انہوں نے اللہ کے دین کی قدر کی۔ شریعت کی قدر کی اور وہ نفسانیت کہ ہر ایک کہتا ہے۔ ہم چو من دیگرے نیست، وہ بات ان کے اندر نہیں تھی یا کم تھی اللہ تعالیٰ نے اس کی برکت سے یہ نعمت و برکت ان کو عطا فرمائی۔

اتحاد و اتفاق کے لئے ایثار قربانی

بھائیو! دو تین باتیں ہیں جو میں عرض کرتا ہوں، الحمد للہ سب کام کی باتیں ہو چکی ہیں ایک تو اس ناچاقی اور نااتفاقی سے بچئے اور خدا کے لئے اس کو دور کیجئے اور اللہ کی خوشی کے لئے مل جائیے اور یہ کہہ کر اپنے بھائی کے پاس جائیے کہ کوئی مجبوری نہیں ہے ابھی دس برس آپ سے اور لڑ سکتا ہوں، مقدمہ بھی لڑ سکتا ہوں اور جسمانی طور پر بھی لڑ سکتا ہوں لیکن محض خدا اور رسول کی خوشی کے لئے اللہ کو راضی کرنے کے لئے، ایثار کر کے میں اپنا حق معاف کرتا ہوں اور آپ

سے ملتا ہوں۔ اور باقی اب آگے جو کچھ بھی ہو جو لوگ ایسا کریں گے میں سمجھتا ہوں کہ انہیں بڑی بڑی نفل نمازوں سے اور ممکن ہے کہ نفلی حج سے بھی زیادہ ثواب ملے اس لئے کہ یہ نفس کے خلاف کرتا ہے اور نفس کے خلاف میں اللہ تعالیٰ کی جو رضا اور ثواب ہے وہ نفس کی لذت کے ساتھ نہیں۔ ماشاء اللہ نفلی حجوں میں تو بڑے لطف ہیں دور جانا نئی نئی چیزیں دیکھنا نئی نئی چیزیں لے کر آنا اب تو نئی نئی چیزیں دیکھنا ہی نہیں رہا نئی نئی چیزیں جو یہاں نصیب نہیں ہوتیں، دیکھنے میں نہیں آتیں وہاں سے لائیے اور چاہے خود رکھئے چاہے تحفہ میں دیجئے چاہے فروخت کیجئے بہرحال اب تو ان چیزوں میں بڑا ثواب ہے۔ اللہ کے لئے دل صاف کر لینا کدورت کو نکال دینا؟ بچھڑے ہوئے بھائی سے مل جانا، بلکہ ان لوگوں سے بھی ملنا جنہوں نے کھلی ناانصافی کی۔

حضرت ابوبکرؓ کا کارنامہ

اس ایثار کا سب سے بڑا نمونہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ہے کہ ان کو ان کے ایک عزیز (مسطح بن اثاثہ) نے ایسی تکلیف پہنچائی تھی جس سے بڑھ کر تکلیف کا تصور کوئی شریف آدمی کر نہیں سکتا اور ان کا تو معاملہ ہی دوسرا ہے اس لئے کہ ہمیں آپ کو تکلیف پہنچے یہاں کسی بیٹی کے باپ کو تکلیف پہنچے تو ایک ہزار بیٹی کے باپ ایک طرف اور اس بیٹی کا باپ جس کا نام ابوبکرؓ تھا ایک طرف اور بیٹی بھی کس کی اور کس کی بیوی؟ اس مسئلہ کا تعلق اس ذات سے تھا جن سے ان کو عزت حاصل ہوئی تھی، عزت بھی کیسی عزت؟ اس پر بٹہ لگایا اور پر تمہ لیا اس سے بڑھ کر کسی شریف آدمی کے لئے کیا کسی حساس آدمی کے لئے بھی زندہ آدمی کے لئے بھی کوئی آزمائش ہو سکتی ہے؟ لیکن اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔

ولایاتل اولو الفضل منکم والسعة ان یوتو اولی القربیٰ والمسکین والمھجرین فی سبیل اللہ.

اور جو لوگ تم میں صاحب فضل اور صاحب وسعت ہیں وہ اس بات کی قسم نہ کھائیں کہ رشتہ داروں اور محتاجوں اور وطن چھوڑ جانے والوں کو کچھ خرچ پات نہیں دیں گے۔

جن کو اللہ تعالیٰ نے کچھ گنجائش دی ہے اور کچھ عطا فرمایا ہے ان کو اس بات میں کمی نہیں

کرنی چاہیے کہ وہ اپنے قرابت داروں کو دیں۔ ولیعفوا ولیصفحوا اور ان کو چاہیے کہ اگر ان کی کوئی بات بری لگی ہے تو معاف کر دیں۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جو بند کر دیا تھا وہ جاری کر دیا اور معاف کر دیا اور کہا کہ بیشک میں چاہتا ہوں کہ اللہ مجھے معاف کرے بیشک مجھے اس کی ضرورت ہے کہ اللہ مجھے معاف کرے اس سے بڑھ کر کوئی نمونہ نہیں ہو سکتا صلہ رحمی کا اور یہ حدیث میں آتا ہے کہ

"لیس الواصل بالمکافی ولکن الواصل الذی اذا قطعت رحمه وصل"

رشتہ ناطوں کو جوڑنے والا وہ نہیں ہے جو بدلہ دینے والا ہو، تم سے کوئی رشتہ جوڑ رہا ہے تو ہم بھی جوڑ رہے ہیں۔ اصل رشتہ جوڑنے والا وہ ہے کہ اس کا رشتہ توڑا جائے تو وہ جوڑے

شریعت پر عمل نہ کرنے کی بے برکتی

دوسری بات یہ ہے کہ اللہ کی شریعت کی پابندی بلکہ میں یہاں تک کہہ دوں کہ صحیح طریقہ پر میراث نکالنا، ترکہ تقسیم کرنا، بہنوں کا حق دینا، پھوپھیوں کو حق دینا، اور جس کا جو حق ہے اس کو پہنچانا ان میں غفلت کی وجہ سے بڑی بے برکتی ہے۔ آپ دیکھیں گے کہ بہت سے خاندانوں میں بڑی بڑی جائیدادیں ہیں لیکن فلاکت برستی ہے۔

تیسری بات جو مولوی معین اللہ صاحب نے کہی کہ بچوں کی تعلیم کا اہتمام کرنا یہ نہ سمجھنا کہ ان کو دینی تعلیم دی تو یہ کھوئے جائیں گے۔ یہ ہمارے کام نہیں آئیں گے انہوں نے کھول کھول کر مثالیں دیں اور نام لے لے کر ایک ایک آدمی کا ذکر کیا کہ اللہ نے ان پر کیا فضل فرما رکھا ہے۔

اخیر میں پھر کہتا ہوں کہ شرفاء کی بستی میں اس وقت تک برکت، خدا کی رحمت اور ہر چیز میں کامیابی نہیں ہو سکتی ہے جب تک کہ اللہ تعالیٰ کی بھیجی ہوئی اور رسول کی لائی ہوئی شریعت کا احترام نہ کیا جائے جتنا ہو سکے اس کی پابندی کریں اللہ کے دین کے بارے میں ہمارے اندر غیرت ہونی چاہیے جس کو تبلیغ کے عنوان سے مولانا معین اللہ صاحب نے بیان کیا کہ یہ دین کو باقی رکھنے کے لئے ساری دنیا میں ایک کوشش ہے، اس میں آپ حصہ لیں۔

عربوں سے عبرت لیجئے!

آخر میں یاد رکھئے کہ آپ لوگوں کی فلاح دین پر چلے بغیر نہیں ہے، اور یہ بڑی بات ہے دیکھئے ایک دو موقعہ آیا تھا کہ عربوں نے کوشش کی تھی اور جان توڑ کوشش کی تھی۔ وہ دنیا کے راستہ سے بلکہ دین کے خلاف راستہ اختیار کر کے کامیابی حاصل کریں تو اللہ نے ان کو منہ کے بل گرایا اور ایسا ذلیل کیا کہ صدیوں سے اتنے ذلیل نہیں ہوئے تھے۔ مجھے اسی زمانہ میں جانے کا موقع ملا اور میں نے وہاں جدہ میں مکہ مکرمہ میں خطاب کیا اور کہا دیکھو بھئی! ترک کامیاب ہو جائیں ایرانی کامیاب ہو جائیں تم کبھی کامیاب نہیں ہو سکتے، اللہ میاں تمہیں کان پکڑ کر اور باندھ کر کے لائیں گے اور دین ہی کے دروازہ پر تم کو ڈالیں گے۔ اگر کچھ ملے گا تو یہیں کی بھیک ملے گی۔ یہیں کی خیرات ملے گی تم سمجھ لو کہ تم کامیاب نہیں ہو سکتے۔ ہم نے کہا تمہارے لئے اللہ تعالیٰ کے یہاں مقدر یہی ہے کہ تم دین کے راستہ سے پاؤ تو کچھ پاؤ، یہی میں آپ سے کہتا ہوں اور ان سب لوگوں سے کہتا ہوں کہ جن کے آباء و اجداد میں اللہ تعالیٰ نے بڑی بڑی ہستیاں پیدا کیں اور جن کی بستیوں میں دین کا بہت کام ہوا، اچھے اچھے لوگ پیدا ہوئے تمہاری فلاح دین کے اوپر چلنے میں ہے، دس باتوں کی پچاس باتوں کی یہ ایک بات ہے۔

وماعلینا الا البلاغ المبین

ما تعبدون من بعدی

الحمد للّٰه نحمده ونستعینه ونستغفره ونؤمن به ونتوکل علیه ونعوذ باللّٰه من شرور انفسنا ومن سیئات اعمالنا، من یهده الله فلامضل له ومن یضلله فلا هادی له، ونشهد ان لااله الاالله وحده لاشریک له، ونشهد ان سیدنا ونبینا ومولانا محمدا عبده ورسوله صلی الله علیه وعلی آله واصحابه وازواجه وذریاته واهل بیته وبارک وسلم تسلیما کثیرا. امابعد فاعوذ بالله من الشیطان الرجیم، بسم الله الرحمن الرحیم.

ام کنتم شهداء اذحضر یعقوب الموت، اذقال لبنیه ماتعبدون من بعدی قالوا نعبدالهک واله آبائک ابراهیم واسماعیل واسحاق الها واحدا ونحن له مسلمون.

بھلا جس وقت یعقوب وفات پانے لگے تو تم اس وقت موجود تھے جب انہوں نے اپنے بیٹوں سے پوچھا میرے بعد تم کس کی عبادت کرو گے؟ تو انہوں نے کہا کہ آپ کے معبود اور آپ کے باپ دادا ابراہیم اور اسماعیل اور اسحاق کے معبود کی عبادت کریں گے جو معبود یکتا ہے، اور ہم اسی کے حکم بردار ہیں۔

حضرات! جہاں تک مسلمان کا تعلق ہے اس کے لئے دینی تعلیم اور دین کی بنیادی واقفیت کی وہی حیثیت ہے، جو ایک انسان کی زندگی کے لئے ہوا اور پانی کی ہے، ایک مسلمان کو مسلمان کی حیثیت سے زندہ رہنے کے لئے، مسلمان کہلانے کے لئے اور پھر آخرت میں خدا اور اس کے رسول کو منہ دکھانے اور نجات حاصل کرنے کے لئے بنیادی دینی عقائد کے جاننے کی ویسی ہی ضرورت ہے جیسے کہ ایک انسان کو زندہ رہنے کے لئے ہوا پانی کی ضرورت ہے۔ اس میں قطعاً کوئی مبالغہ نہیں، اس لئے کہ مسلمان کسی نسلی تسلسل کا نام نہیں ہے، کسی قومیت کا

نہیں ہے، کسی تہذیب کا نام نہیں ہے (تہذیب اس میں شامل ہے، تہذیب اس کے مضمون اور اس کے معاون چیزوں میں سے ہے) لیکن اسلام محض ایک تہذیب، خالی ایک چیز نہیں، کسی ذات برادری کا نام نہیں، کسی برہمن سے یہاں کوئی بچہ پیدا ہو جائے تو وہ بہرحال برہمن ہے، چاہے مانے چاہے نہ مانے، اس کے لئے اس کو کچھ کرنے کی ضرورت نہیں ہے، مسلمانوں میں بھی بہت سی پشتیں اور خاندان ہیں جن پر مسلم معاشرہ میں فخر کیا جاتا ہے اور لوگ اس کی وجہ سے عزت کرتے ہیں۔

لیکن اصل نسبت صحیح عقیدہ، اللہ سے صحیح رشتہ غلامی وعبودیت ہے اور اس کا صحیح طریقہ تعلیم ہے، یہی وہ نسبت ہے جس کا حضرت یعقوب علیہ السلام دنیا سے کوچ کرتے وقت (حالت احتضار) میں اطمینان حاصل کرنا چاہتے تھے، انہوں نے اپنے فرزندوں، پوتوں، نواسوں کو جمع کرکے (اور وہ ماشاء اللہ کثیر الاولاد تھے) دریافت فرمایا کہ "ماتعبدون من بعدی" میرے بعد تم کس کی عبادت کروگے؟ یہ بات انہوں نے کس سے کہی تھی ان سے کہی تھی جو نبی زادے تھے نبی کے پوتے تھے، نبی کے پڑپوتے تھے، اسی موقعہ سے رسول اللہ ﷺ نے خود فرمایا ہے، کسی نے پوچھا کہ "من هو الکریم" کہ کریم کون ہے، معزز آدمی کون ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا "الکریم ابن الکریم ابن الکریم یوسف ابن یعقوب ابن اسحاق ابن ابراہیم" اگر خاندانی عزت کے بارے میں پوچھتے ہو تو یوسف علیہ السلام سے بڑھ کر کون معزز آدمی ہوگا؟ کہ نبی کے بیٹے، نبی کے پوتے، نبی کے پڑپوتے تھے، پیغمبروں کے اس خاندان کا سرپرست اپنے بچوں کو جمع کرتا ہے، بیٹوں، پوتوں کو جمع کرتا ہے، ماشاء اللہ کثیر الاولاد تھے، قرآن تعداد کا موضوع نہیں ہے، توریت، انجیل، بائبل میں گنتیوں کو بڑی اہمیت دی گئی ہے اور بہت بڑے حصہ میں گنتیاں پھیلی ہوئی ہیں، لیکن قرآن مجید گنتیوں کو زیادہ اہمیت نہیں دیتا، بہرحال افراد خاندان بڑی تعداد میں تھے۔ اللہ نے ان کو عمر بھی طویل عطا فرمائی تھی، برکت بھی عطا فرمائی تھی۔ ان کو بنی اسرائیل کی پوری ملت کا مورث اعلیٰ ہونا تھا۔ ظاہر ہے کہ ان کے سامنے کتنے پوتے نواسے اور ان کی اولاد ہوگی، آپ نے سب کو جمع کیا، ان سے زیادہ کون جانتا تھا کہ یہ کس کی اولاد ہیں، ان کی رگوں میں کس کا خون ہے، اس خون کے کیا خصائص ہیں، اور اس خاندان کی کیا تاریخ ہے، اس کی تاریخ عالم میں کیا کردار رہا ہے؟ یہ ان کے بیٹے ہیں جس کے متعلق

اللہ تعالیٰ نے فرمایا "ان ابراهيم كان امة قانتا لله حنيفا" (ابراہیم خود ایک امت تھے) اور فرمایا "ملة ابيكم ابراهيم هو سماكم المسلمين" (وہ خدا کا پہلا گھر بنانے والا ابراہیم وہ توحید کا پہلا اعلان کرنے والا ابراہیم، وہ جس نے توحید کے عقیدہ کے لئے ہجرت لی، جس نے خطرات مول لئے، جس نے اپنے باپ سے پہلی لڑائی مول لی، اس کا باپ صرف یہ نہیں کہ وہاں کا ایک معزز آدمی تھا، وہاں کے سب سے بڑے معبد (عبادت گاہ) کا سب سے بڑا آدمی تھا، ان کی جو پہلی گفتگو ہوئی اور پہلے جو مسلک کا اظہار و اعلان ہوا وہ باپ کے سامنے ہوا۔ پھر اس زمانے کے غالباً سب سے بڑی نہیں تو ایک بڑی متمدن سلطنت کے فرمانروا سے ان کا مقابلہ ہوا، ابراہیم کی اولاد کو ابراہیم ہی کا جانشین (حضرت یعقوب علیہ السلام) اپنے بیٹوں، پوتوں کو جمع کر کے کہتا ہے۔

"پیارے بیٹو، پوتو، نواسو! اب میں تم سے رخصت ہونے والا ہوں، لیکن میری پیٹھ قبر سے نہیں لگے گی، جب تک یہ اطمینان نہ ہو جائے کہ تم خدائے واحد ہی کی عبادت کرو گے؟ اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ کرو گے، یا لوگوں کو جیسا کرتے دیکھو گے تم بھی کرنے لگو گے، اور انہیں کی بولیاں بولنے لگو گے، تم ایک نہیں تین تین پیغمبروں کی اولاد ہو، تمہاری رگوں میں نوع انسانی کے موحد اعظم (سیدنا ابراہیمؑ) کا خون ہے، جس نے توحید خالص کی اس وقت صدا لگائی، جب دنیا میں وہ بالکل نامانوس ہو چکی تھی، اس نے اللہ کے نام پر اس وقت گھر تعمیر کیا جب دنیا میں اس کے نام کا کوئی گھر نہیں رہ گیا تھا، اس نے اس کے لئے اپنے باپ اور گھر والوں سے ناطہ توڑا، آگ میں ڈال دیا جانا گوارا کیا، اس کے لئے گھر بار اور محبوب و عزیز وطن چھوڑا اور ملک ملک کے سفر کئے۔ لیکن میں اتنا کافی نہیں سمجھتا۔ (میں نے بڑے بڑے خدا پرستوں اور بت شکنوں کے خاندانوں کا حشر دیکھا ہے کہ وہ کس قدر جلد صحیح راستہ چھوڑ کر بھٹک گئے۔)

عزیزو! اس وقت کہنے کی پچاس باتیں ہو سکتی ہیں، مل کر رہنا، اتحاد کے ساتھ رہنا، اپنی محنت سے حق حلال کی کمائی کھانا، شریفانہ زندگی گزارنا، کسی کو تکلیف نہ پہنچانا، سب کے کام آنا، پچاس باتیں کہی جا سکتی ہیں، لیکن میں صرف ایک بات پوچھتا ہوں "ماتعبدون من بعدی؟" یہ بتادو کہ میرے بعد تم بندگی کس کی کرو گے؟

اللہ اکبر! یہ وہ وقت ہے کہ آدمی سب کچھ بھول جاتا ہے، ہمارے سامنے اگر

وصیتوں کا لٹریچر جمع کیا جائے، یعنی کوئی ریسرچ اسکالر، دین کا کوئی طالب علم اس پر کام کرے کہ لوگوں نے اپنی اپنی اولاد اور پسماندگان کو کیا وصیتیں کی ہیں، دنیا سے جاتے وقت اپنے دوستوں اور عزیزوں کو کیا ہدایت کرتے ہیں، تو ایک جلد نہیں، ایک چھوٹا سا کتب خانہ تیار ہو جائے گا لیکن اللہ کے اس مؤمن بندے کو فکر صرف یہ ہے کہ کیا میری اولاد اس دولت کو اپنے سینے سے لگائے رکھے گی، جس پر خدا کی ہر مدد، خدا کی ہر رحمت، خدا کے ہر بہتر فیصلے اور خدا کی نصرت، فرد و امت کی نجات اور انسانیت کے مستقبل کا دارومدار ہے، وہ ایک ہی چیز ہے۔ "ماتعبدون من بعدی" تم یہ بتادو کہ میری آنکھ بند ہونے کے بعد بندگی کس کی کرو گے؟

یہ سب مسلمانوں کے ذہنوں کو ڈھالنے والا سانچہ، ایمان کی قیمت پہچاننے کا امتحان و معیار، اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں اس واقعہ کا ذکر کر کے اس کو قیامت تک کے لئے محفوظ کر دیا ہے کہ ہر نسل کا مسلمان بلکہ ہر نسل کا انسان پڑھے اور اس سے سبق لے، اللہ تعالیٰ نے اس واقعہ کو نقل کر کے تاریخ نہیں سنائی ہے، قرآن تاریخ کی کتاب نہیں ہے، تاریخ ہے، لیکن وہ تاریخ کے لئے نہیں، یہاں پر ہمیں بتایا کہ اس طرح مسلمان کے ذہن کو کام کرنا چاہئے۔

اب مسئلہ اس وقت فرد کا نہیں ملت کا ہے، میں مسلمانوں سے پوچھتا ہوں کہ ملت کیا اس ذہن سے کام کر رہی ہے؟ کیا اپنی اولاد کے بارے میں اسے یہ فکر ہے کہ "ماتعبدون من بعدی" ہم میں سے کتنے آدمی ہیں جن کے دل پر اس بات کا اثر ہے، جن کے دماغوں میں اس بات کی اہمیت بیٹھی ہوئی ہے؟ اپنے دل کو ٹٹولیں، اپنے دماغوں کا جائزہ لیں اگر مجھ سے کوئی پوچھے کہ ملت کے لئے صرف ایک پوسٹر بنانا ہے، اور صرف ایک جملہ کی گنجائش ہے اور اس کے علاوہ کچھ نہیں، تو میں کہوں گا کہ "ماتعبدون من بعدی" لکھ دو، پوسٹر کے نیچے لکھو کہ ہر مسلمان اپنی اولاد سے دنیا سے جانے سے پہلے سوال کرے اور جب تک دنیا میں ہے اپنا جائزہ لے، محاسبہ کرے کہ اس کے نزدیک اس کی اہمیت ہے یا نہیں؟ وہ اپنے بچوں کے لئے، اپنی آئندہ نسل کے لئے یہ اطمینان کرنا ضروری سمجھتا ہے یا نہیں کہ "ماتعبدون من بعدی" میرے بعد تم کس کی عبادت کرو گے؟ میں آپ سے کہتا ہوں کہ ہم اور آپ سب اپنے اپنے دلوں کو ٹٹولیں اور یہ دیکھیں کہ واقعی اس سوال کی ہمارے یہاں اہمیت ہے یا نہیں؟ اور یہ سوال افراد کے پیمانہ پر، خاندان کے پیمانہ پر، برادری کے پیمانہ پر، معاشرہ کے پیمانہ پر، محلّہ کے پیمانہ

پر، قصبہ کے پیمانہ پر اور آخر میں، میں کہتا ہوں کہ ملت کے پیمانہ پر اور ملت ہندیہ اور اسلامیہ کے پیمانہ پر، ہمارے دلوں پر نقش ہے یا نہیں؟ ہماری آئندہ نسل ہمارے بعد کس راستے پر چلے گی، وہ کس گروہ و ملت کی پیرو ہوگی، کس کی پرستش کرے گی، کن عقائد کو مانے گی یہ خدائے واحد کی پرستار ہوگی یا سینکڑوں، ہزاروں، لاکھوں، کروڑوں، خداؤں اور دیوتاؤں کی، یہ اس وسیع کائنات میں اور اپنی محدود زندگی میں کس کے دست قدرت کو کام کرتا ہوا دیکھے گی اور مانے گی۔

یہ سب سے بڑا اطمینان ہے اس کے بغیر میں سمجھتا ہوں کہ مسلمان مسلمان نہیں رہ سکتا، جب تک وہ کسی نہ کسی درجے میں یہ اطمینان نہ کر لے کہ میری نسل اسلام کے صحیح راستے پر رہے گی۔ صحیح عقیدہ پر قائم رہے گی، خواہ اس کو اس کے لئے کتنی قربانیاں دینی پڑیں، آج ہماری اصل کمزوری یہ ہے کہ ہم اس کے لئے معمولی قربانی دینے کے لئے تیار نہیں، ہم اپنے بچوں کے لئے اس خطرہ کے تصور سے نہیں لرزتے کہ وہ صحیح دین وعقیدہ سے بے خبر اور آخرت میں نجات پانے اور خدا اور رسول کے سامنے سرخرو ہونے سے محروم رہیں گے، لیکن اس سے لرزہ براندام ہوتے ہیں کہ ہمارے بچے کمپیٹیشن میں کامیاب ہونے یا اپنا تعلیمی کیریئر بنانے میں ناکام ہوں گے، اگر بچہ نے اردو کو اپنی زبان قرار دیا، اس کو اپنی مادری زبان ڈکلیئر کیا، تو اس کے نتیجہ میں اس کے کیریئر پر اثر پڑے گا، حالانکہ یہ بالکل موہوم خطرہ اور ''اندیشہ دور دراز'' کی حیثیت رکھتا ہے، اب نوبت یہاں تک پہنچ گئی ہے کہ مسلمان اپنے دین کی بقاء کے لئے ایک فی ہزار خطرہ مول لینے کے لئے تیار نہیں، مسلمان کارجین اس کے لئے تیار نہیں ہیں کہ وہ اسکولوں میں یہ لکھا دیں کہ ہمارے بچے کی زبان اردو ہے، اس کی مادری زبان اردو ہے، جب ملت کی اپنے دین کے ساتھ وابستگی کی قیمت ادا کرنے کی اتنی ہی اہمیت نہیں ہے کہ میرے بچہ کو کہیں دس برس میں اردو بول لینے کی قیمت ادا کرنی پڑے، حالانکہ اس کی سینکڑوں، ہزاروں مثالیں مل سکتی ہیں کہ اردو کے ذریعہ سے لوگوں نے پڑھا، اور اپنی ذہانت سے، اپنی محنت سے، اپنی صلاحیت سے بڑے بڑے امتحان میں کامیابی اور امتیاز حاصل کیا، بڑی سے بڑی اسامی اور بڑے سے بڑے عہدہ پر فائز ہوئے، اس کے لئے ہزاروں مثالیں مل جائیں گی، آپ بتائیے کہ اس ملت کی نگاہ میں اپنے ایمان کی کتنی قیمت ہے، اپنے دین کی کتنی قیمت ہے؟ اس کے متعلق، آپ دنیا کی کسی عدالت سے پوچھ لیجئے، مت پوچھئے علماء سے، آپ ماہرین نفسیات سے پوچھ لیجئے، آپ

تقابل ادیان کے استادوں سے پوچھ لیجیے کہ جو ملت اتنا خطرہ مول لینے کے لئے تیار نہیں ہے۔ ایک فیصدی اس کا خطرہ ہے کہ بچہ ایک بڑے امتحان میں نہ آئے، امتیاز نہ حاصل کر سکے، تو بڑے اسامی پر نہ جائے، اس لئے میں نے اسکول میں جا کر یہ نہیں لکھوایا کہ بچہ کی مادری زبان اردو ہے، میں نے ہندی لکھوادی، اس ملت کے متعلق آپ غیر مسلموں سے پوچھئے جیسا کہ ابھی ہمارے محترم مہمان سید حامد صاحب نے فرمایا کہ اقلیت کمیشن کے ایک ہندو ذمہ دار نے یہ لکھا ہے کہ ''ہندوستان ہی کی یہ خصوصیت ہے کہ یہاں اقلیت اتنی محنت نہیں کرتی جتنی اکثریت کرتی ہے، حالانکہ اس کو اس سے زیادہ محنت کرنے کی ضرورت ہے۔'' میں اس سے زیادہ آگے قدم بڑھا کر اپنی زبان میں کہتا ہوں، ایک دین کے طالب علم کی زبان میں کہتا ہوں کہ امت اپنے دین وایمان کے لئے اتنی بھی قربانی دینے کے لئے تیار نہیں جتنی ملک کو آزاد کرانے کے لئے، جتنی اپنی تہذیب کو باقی رکھنے کے لئے، جتنی ہندی زبان کو رائج کرنے کے لئے ہندو اکثریت نے دی ہے، امریکہ کے یہودیوں کا ذکر تو فضول ہے جنہوں نے اپنی شخصیات و امتیاز ثابت کر دیا اور اپنے ملی و تہذیبی مطالبات منوا لئے، خود ہندوستان میں ملک کو آزاد کرانے کے لئے اور اپنے مطالبات کو منوانے کے لئے یہاں کے مختلف فرقوں نے جو قیمت ادا کی ہے، اس کا دسواں حصہ بھی یہ ملت اپنے دین وایمان کی حفاظت کے لئے ادا کرنے کو تیار نہیں، اپنے بارے میں آپ خود فیصلہ کیجئے، یہ فیصلہ میں آپ پر چھوڑتا ہوں، جب ملت کی ذہنی کیفیت، جب ملت کی شکست خوردگی، جب ملت کی اپنے دین کی قیمت سے ناواقفیت اس درجہ کو پہنچ جائے کہ وہ موہوم سے موہوم خطرہ بھی اپنے بچے کے لئے مول لینے کے لئے تیار نہ ہو، دنیاوی ترقیات اور معاشی مسئلہ کے لئے دین وایمان کو خطرہ میں ڈال دے، بلکہ دین و ایمان کو زد پر لگا دے، تو اس کا کیا مقام رہ جاتا ہے؟

اس وقت دنیا میں وہ طریقے نہیں ہیں جو نسل کشی کے پرانے طریقے تھے، اور جس کے لئے اس زمانہ کے مطلق العنان فرماں روا بدنام ہیں، میں آپ ہی کے شہر الہ آباد کے شاعر نہیں بلکہ اپنے دور کے سب سے بڑے شاعر اور لسان العصر کے شعر کا حوالہ دیتا ہوں، وہ انگریزوں کا دور تھا، انہوں نے اس دور کو سامنے رکھ کر کہا:

یوں قتل سے بچوں کے وہ بدنام نہ ہوتا

افسوس کہ فرعون کو کالج کی نہ سوجھی

اس شعر میں انہوں نے ایک پوری کتاب کا مضمون بیان کر دیا ہے۔ میں ان کا دوسرا شعر پڑھتا ہوں:

شیخ مرحوم کا قول اب مجھے یاد آتا ہے
دل بدل جائیں گے تعلیم بدل جانے سے

آج سے ساٹھ ستر برس پہلے انہوں نے یہ شعر کہا ہوگا، لیکن آج بھی یہی حقیقت ہے اور حقیقتوں کی عمر نہیں ہوتی، برسوں کے حساب سے ان کی عمر نہیں ناپی جاتی۔ ابدی صداقتیں سینکڑوں، ہزاروں برس تک اور سیاسی وثقافتی اور تہذیبی تبدیلیوں کے ساتھ باقی رہتی ہیں، اس تعلیمی انقلاب اور معنوی نسل کشی سے ملت اپنے ماضی ہی سے نہیں، وہ اپنے دین سے، اپنے دینی شخصیت سے اپنے دینی حقائق وعقائد سے نہ صرف یہ کہ بیگانہ ہوگی، بلکہ بے زار ہوگی، اپنے اسلاف سے نہ صرف ناواقف ہوگی، بلکہ اس کے نام پر شرماتی ہوگی، اور ان کو حقارت کی نگاہ سے دیکھتی ہوگی، ہمارے چھوٹے اسکولوں کے بچے بتاتے ہیں کہ اٹھتے بیٹھتے ہم سے کہا جاتا ہے کہ اورنگزیب ظالم تھا اور جب تک کہ ایک من جنیو جلا نہیں دیتا تھا، اس وقت تک ناشتہ نہیں کرتا تھا۔ اسلام تلوار سے پھیلایا گیا، اس دنیا کا کارخانہ دیوی، دیوتا چلاتے ہیں۔ یہ آج ہمارے اسکولوں میں پڑھایا رہا ہے۔

میرے بھائیو اور دوستو! سیدھی سیدھی بات یہ ہے کہ خالص مسلم اکثریت کے ملک میں بھی مسلمانوں کو مسلمان رہنے کے لئے، اپنی آئندہ نسل کو مسلمان رکھنے کے لئے سخت جانفشانی اور سخت قربانی کی ضرورت ہے، وہاں بھی بغیر جانفشانی اور قربانی کے مسلمان اپنی آئندہ نسل کے دین وایمان کا تحفظ نہیں کر سکتے، وہاں بھی ماتعبدون من بعدی کا سبق ہمارے سامنے، چہ جائیکہ ایک ایسے ملک میں جہاں ہم اقلیت میں ہیں، اور اقلیت کے ساتھ ارادی اور غیر ارادی، شعوری یا غیر شعوری طریقے پر ایک ایسی تاریخ اور ایک دور وابستہ ہے، کہ جائز یا ناجائز، حق بجانب ہو یا غیر حق بجانب، اس کے متعلق نہ صرف یہ کہ غلط فہمیاں ہیں بلکہ بدگمانیاں بھی ہیں اور شکایتیں بھی، یعنی ہماری ملت کی یہاں صحیح پوزیشن یہ ہے کہ ایک تو وہ اقلیت میں ہے، پھر اس کی ایک بڑی آزمائش یہ ہے کہ اس نے آٹھ سو برس تک اس ملک میں

حکومت کی ہے۔ اس شکل سے پیچھا نہیں، اب اس سے خلاصی حاصل کرنے کی کوئی صورت نہیں، تاریخ جب ایک مرتبہ بن جاتی ہے تو اس کو مٹایا نہیں جا سکتا [illegible] انگریزوں نے (اپنے انتظامی وسیاسی مصالح) سے اپنے دور میں اقلیت واکثریت کے مسائل پیدا کئے، اس میں خلیج پیدا کی، پھر یہ بھی واقعہ ہے کہ اس ملک کے پروں میں یہاں [illegible] حکومت رہی اور وہ قائم ہے، ہم کو اور آپ کو ان سب حقائق کو سامنے رکھنا پڑے گا، یہ وہ چیزیں [illegible] پردہ ڈالنے سے کام نہیں چلے گا، ایک ہزار بار کہیں کہ ہمیں اس سے کوئی تعلق نہیں [illegible] ذہنی اثرات ہمارے ساتھ لگے ہوئے ہیں، پھر یہ بھی واقعہ ہے کہ ہم نے اپنے ہم وطنوں [illegible] دین کی حقیقت سے اور صحیح تاریخ سے باخبر نہیں کیا، ہم نے انسانیت کی جو خدمت [illegible] اس ملک کو چار چاند لگانے، عالمی انسانی تمدن پر اس ملت کے جو احسانات ہیں [illegible] اثرات پڑے ہیں ان سے ہم نے ابھی تک ان کو آگاہ نہیں کیا ہے، انہیں میں سے کسی کو [illegible] نے توفیق دی تو اس نے کچھ لکھ دیا۔

یہ ملک جمہوری ہے، اس نے جمہوری سیکولرازم کو پسند کیا ہے، اس لئے یہاں یہ تعداد ایک اہمیت رکھتی ہے، ہماری تاریخ ایک بیرونی قوم کی تاریخ نہیں ہے، ایک ایسی قوم کی تاریخ ہے جو یہاں ایک ہزار برس سے رہ رہی ہے، اس طویل سفر میں نشیب وفراز آئے ہیں، زندہ قوموں کی تاریخ میں نشیب وفراز آتے ہی ہیں، لیکن ان کو رنگ آمیزی کے ساتھ نمایاں کیا گیا ہے، اور اب ان کو خاص طور سے زندہ کیا جا رہا ہے، زندہ اور حکومت کرنے والی قوموں کی تاریخ میں ساری چیزیں خوشگوار اور ساری چیزیں بالکل ہموار نہیں ہوتیں۔

اب آپ خود فیصلہ کیجئے کہ آپ کے لئے اپنی دینی تعلیم کا تحفظ، اس کے انتظامات اور اپنی آئندہ نسل کو مسلمان باقی رکھنے کی جدوجہد کتنی ضروری ہے؟ اس کو زبان قال سے بھی اور زبان حال سے بھی اس حقیقت کا اطمینان کر لینا ضروری ہے کہ ہمارے بچے خدائے واحد کے پرستار ہوں گے، محمد رسول اللہ ﷺ کو سچا اور آخری پیغمبر سمجھتے ہوں گے، یہ قرآن ہی کو اپنا دستور حیات سمجھیں گے، کتاب وسنت نے مسلمانوں کو عائلی قانون کا جو نقشہ دیا ہے، نکاح وطلاق، ترکہ ومیراث، موت وحیات کے لئے جو ہدایات دی ہیں ان کو وہ اپنے دین کا جز سمجھیں گے، نماز روزوں کے پابند ہوں گے، فرائض کے پابند ہوں گے، اللہ اور رسول سے محبت رکھتے ہوں

گے، اور اللہ و رسول کے نام پر اپنی عزت اور جان و مال کی قربانی کرنے کے لئے تیار ہوں گے۔

حضرات! اپنی دینی تعلیمی نسل اور اس کی اس بنیادی تہذیب کا حاصل ہے، آپ اپنی اولاد سے زبان حال سے پوچھیں یا زبان قال سے پوچھیں کہ کیا وہ کسی دین و ملت کے پیرو ہوں گے؟ اور آپ کے پاس جو وسائل اور امکانات ہیں ان سب کو اس مقصد کے حصول کے لئے استعمال کریں گے کہ یہ خدا کے دین سے [illegible] اور مختصر لفظوں میں پکے مسلمان ہوں، مسلمان ہوں، اس زندگی کے بعد دوسری زندگی پر ایمان رکھتے ہوں، اس پر یقین رکھتے ہوں کہ ”ان الدین عند اللہ الاسلام“ اللہ کے یہاں جو دین مقبول ہے وہ اسلام ہے۔

ہم اپنی پوری دینی خصوصیت کے ساتھ اور پوری انسانی حیثیت کے ساتھ آزادی اور عزت کے ساتھ اس ملک میں رہیں گے، مذہب اور جان کے تحفظ کی ضمانت پر کسی جانور کی زندگی نہیں گذاریں گے، عزت و آبرو کے ساتھ اس ملک کے نظم و نسق میں شریک ہوتے ہوئے اور اس ملک میں اپنی اپنی رائے کا اظہار کرتے ہوئے اس ملک کی تعمیر و ترقی میں مساویانہ حصہ لیتے ہوئے اور اس ملک کی حفاظت کرنے کے ساتھ اور اس ملک کا نام اونچا کرنے کے ساتھ اور اس ملک کی دنیا کے دوسرے ملکوں میں عزت بڑھانے کے ساتھ ہم اس ملک میں اپنے عقائد و خصوصیات کے ساتھ رہیں گے، خدا نے اور ہمارے دین نے جو تعلیم دی ہے، اور ہمارے پاس جو تاریخ [illegible] ہے ہم اس ملک کو اخلاقی گراوٹ سے، کرپشن سے اور بد اخلاقی دیوالیہ پن سے بچا سکتے ہیں جو اس ملک کے لئے اس وقت سب سے بڑا خطرہ ہے، ہم اپنی نسلوں کے بھی ایمان و اسلام کی حفاظت کا بندوبست کریں گے، ان کی دینی تعلیم کے لئے دینی مکاتب قائم کریں گے، ہماری آئندہ نسل کی زبان اردو ہوگی، اس لئے کہ یہ اس [illegible] اقلیت کا سب سے آسان ذریعہ ہے اور یہ اس کی تہذیب کا نشان ہے، اس کا کلچر ہے، اس کے لئے اول تو قومی فیصلہ کی ضرورت ہے، اس کے بعد تھوڑی سی قربانی کی ضرورت ہے، ہمیں امید نہیں یقین ہے کہ ایک خوددار، صاحب ضمیر و عقیدہ اور صاحب دعوت اور ایک شاندار تاریخ رکھنے والی زندہ ملت کی حیثیت سے آپ اس کے لئے تیار ہیں۔

وما التوفیق الا من عنداللہ

عالم عربی کا اصل خطرہ اسرائیل یا مردہ ضمیر؟

> حضرت مفکر اسلام مولانا علی میاں نے یہ تقریر ۲۴ شعبان ۱۳۸۸ھ (۱۷ نومبر ۶۸ھ) کو کویت میں کی تھی جس میں ممتاز شہری، دانشور، حکومت کے اعلیٰ افسران اور صحافی شریک تھے۔

الحمد لله نحمده و نستعينه و نستغفره، ونومن به ونتوكل عليه و نعوذ بالله من شرور انفسنا و من سيات اعمالنا من يهده الله فلا مضل له ومن يضلله فلاهادى له و نشهد ان لااله الا الله وحده لاشريك له ونشهد ان سيدنا ومولانا محمداً عبده ورسوله صلى الله عليه وعلى اله واصحابه أجمعين ومن تبعهم باحسان و دعابدعوتهم الى يوم الدين. اعوذ بالله من الشيطان الرجيم بسم الله الرحمن الرحيمo

ایک تاریخ ساز اور عہد آفریں واقعہ

میں آپ کو تاریخ کا ایک واقعہ یاد دلانا چاہتا ہوں اہم، مؤثر اور فیصلہ کن واقعہ۔ وہ واقعہ جس سے دعوت اسلامی کی تاریخ کا آغاز ہوا۔ بلکہ اسی سے انسانیت کا نیا تاریخی سفر شروع ہوا۔ یہ اس نازک اور اہم موقعہ کا ذکر ہے جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صفا کی چوٹی پر کھڑے ہوکر بلند آواز سے صدادی۔ یا صباحاہ

عربوں میں یہ لفظ بہت اہم اور مشہور تھا۔ بے خبری میں کسی حملہ کا اندیشہ ہوتا یا گھات میں لگے ہوئے کسی دشمن کے حملہ کا خطرہ ہوتا اور شہر کے کسی آدمی کو ان کی سن گن مل جاتی تو وہ کسی پہاڑی یا چوٹی یا کسی بلند ٹیلہ پر چڑھ جاتا اور پوری طاقت سے پکارتا یا صباحاہ۔ لوگ سنتے ہی سمجھ جاتے کہ گردوپیش یا شہر پر کوئی خطرہ منڈلا رہا ہے وہ سب کے سب پکارنے والے کی

طرف دوڑ پڑتے۔ وہ اپنے کاروبار اور اپنی صنعت و تجارت کو اپنی جگہ چھوڑ کر ہمہ تن اس کی طرف متوجہ ہو جاتے اور اس انجانے خطرہ کی تحقیق و تفتیش کرنے لگتے۔

جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم صفا کی چوٹی پر گئے اور پوری طاقت سے آواز دی، یا صباحاہ، اور آپ کی آواز بھی ان کے لئے اجنبی یا نامانوس نہیں تھی۔ اس مانوس آواز سے ان کے کان آشنا تھے اور اس آواز کو سننے والوں کا بے مثال اعتماد بھی آپ کو حاصل تھا یہ کسی عام آدمی کے منہ سے نکلی ہوئی معمولی آواز نہیں تھی۔ بلکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مبارک ہونٹوں سے نکل رہی تھی۔ جن کو لوگ نبوت سے پہلے ہی صادق اور امین کا لقب دے چکے تھے۔ جب اہل مکہ نے اس صادق اور امین کو یہ آواز دیتے ہوئے سنا اور اس پکار کے بارے میں ان کا تجربہ تھا کہ اس میں ظن و تخمین یا مبالغہ کا ادنیٰ شائبہ بھی نہیں ہو سکتا۔ اور نہ کسی بات کے صرف اعلان یا کسی بات پر آمادہ کرنے یا اس سے برگشتہ کرنے کیلئے یہ حرکت کی جا سکتی ہے تب انہوں نے یہی سمجھا کہ بہت بڑا خطرہ درپیش ہے اور سب کے سب سنتے ہی آپ کی طرف دوڑ پڑے، اور وادی مکہ کے بسنے والے پہاڑ کے دامن میں جمع ہو گئے حیرت و استعجاب سے ان کے سر اٹھے ہوئے تھے اور سب کی نگاہیں قریشی، ہاشمی نوجوان محمد بن عبداللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر مرکوز تھیں لوگ منتظر تھے کہ دیکھیں کیا کہتے ہیں۔

عربوں کا ذوق سلیم

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اے بنی عبدالمطلب، اے بنی فہر، اے بنی کعب ذرا یہ تو بتاؤ کہ اگر میں تمہیں اطلاع دوں کہ اسی پہاڑی کے اوٹ میں سواروں کا ایک دستہ چھپا ہوا ہے جو تم پر ٹوٹ پڑنا چاہتا ہے تو کیا تم سچ مانو گے؟

عربوں کو اس کی ناخواندگی یا زیادہ صحیح الفاظ میں ''فن علم'' نا آشنائی کے باوجود اللہ کی جانب سے ذوق سلیم سے نوازا گیا تھا اور ان کو فکر صحیح عطا ہوئی تھی، انہوں نے صورتحال کا جائزہ لیا سامنے کی حقیقت کو دیکھا کہ ایک شخص پہاڑ کی چوٹی پر کھڑا ہے اور پہاڑ کے آگے اور پیچھے دونوں جانب دیکھ رہا ہے اس کو پورا حق حاصل ہے کہ پہاڑ کے دامن میں کھڑے ہوئے لوگوں کو دوسری طرف کی خبر دے، جہاں پہنچنے سے ان کی نگاہیں قاصر ہیں۔ اس کے لئے صرف عقل سلیم کی ضرورت تھی اور عقل سلیم نے ہی ان کی رہنمائی کی اس نے فیصلہ دیا کہ پہاڑ کی چوٹی پر

کھڑے ہوئے اس شخص کی تنبیہ وتحذیر بے محل نہیں، اس توقع سے کہ انہیں ایسی خبر دے جو خود ان کی نگاہوں سے اوجھل ہے اور پیچھے کھڑے ہوئے لوگوں کو اعتراف کرنا پڑا۔ انہوں نے کہا، ابھی تک ہم نے تمہاری کذب بیانی کا کوئی تجربہ نہیں کیا ہے بلکہ ہمیشہ تمہیں صادق اور امین ہی پایا ہے اور جب انہوں نے اس کا اقرار کرلیا تو آپ نے فرمایا۔ **فانی نذیر لکم بین یدی عذاب شدید۔**

سب سے بڑا خطرہ

میرے بھائیو! ذرا غور کیجئے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کیا فرمایا؟ یہی کہ اے اہل مکہ تمہارا یہ طرز حیات جس کے مطابق تم زندگی گزار رہے ہو، یہی تمہارے لئے سب سے بڑا خطرہ ہے، یہی تمہارا سب سے بڑا دشمن ہے، اگر میں تمہیں خبر دوں کہ پہاڑ کے پیچھے دشمن کا ایک دستہ چھپا ہوا ہے جو تم پر حملہ کرنے کی تاک میں ہے تو تم اسے پوری اہمیت دو گے اور اپنے گھروں کی طرف دوڑ پڑو گے کہ فوراً اسلحہ اور سامان جنگ سے لیس ہو کر مقابلہ کیلئے تیار ہو جاؤ۔ لیکن جب میں کہتا ہوں کہ تمہاری یہ زندگی، تمہارے تسلیم کئے ہوئے عقائد، تمہارا پسندیدہ طرز حیات، تمہاری تہذیب وتمدن، تمہارے اخلاق وعادات اور گلے سے لگائی ہوئی تمہاری یہ بلند قدریں، یہ بت جن کے سامنے تم سر جھکاتے ہو، جن کی تعظیم وتقدس اور جن کی عبادت پر تم جمے ہوئے ہو، تمہارا یہ طرز حیات، تمہاری اس لہو ولعب اور جہالت وحماقت سے معمور زندگی تمہارے لئے سب سے بڑا چیلنج اور دشمن کی پوشیدہ فوج سے کہیں زیادہ خطرناک ہے، کیونکہ یہ طرز حیات ہی تمام خطرات کا منبع ومخزن ہے تو کیا وجہ ہے کہ تمہیں یقین نہیں آتا؟

قریش اپنی محدود عقل اور محدود تجربات کی وجہ سے حملہ کرنے والے دشمن کی کمین گاہوں میں چھپی ہوئی فوج اور قبائلی لشکر کے علاوہ جس سے ان کو آئے دن سابقہ پڑتا تھا کسی خطرہ کا وجود ہی تسلیم نہیں کرتے تھے۔ ان کا علم اور ان کے تجربات اسی تنگ دائرہ میں محدود تھے۔ اور اسی وجہ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو متنبہ کیا کہ وہ جس انداز سے زندگی گزار رہے ہیں وہی اصل خطرہ ہے، اور درحقیقت وہی طرز زندگی ہر طرح کی محرومیوں، ناکامیوں، مصیبتوں اور بلاؤں کا سرچشمہ ہے اس وسیع سرچشمہ کا ہونا اس بات کا متقاضی ہے کہ وہ ہر وقت ہوشیار رہیں اور سر پر منڈلانے والے خطرہ سے غافل نہ ہوں قریش کے معاشرہ کی یہی دکھتی رگ تھی جس

پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انگلی رکھ دی تھی جب تک یہ مستقل خطرہ موجود ہے کوئی خارجی خطرہ چنداں اہمیت نہیں رکھتا۔

قلب وضمیر سے غفلت

محترم حضرات! ازل سے یہ انسان کی فطری کمزوری ہے کہ وہ خارجی خطرات اور دوسروں کی دشمنی کا یقین رکھتا ہے اور ان کو پوری اہمیت دیتا ہے۔ لیکن خطرات کی ان بنیادوں اور اس کے گہرے سرچشموں سے غفلت کا شکار رہتا ہے اور ان کی طرف مطلق توجہ نہیں دیتا جو قوم کے قلب وضمیر اور معاشرہ کے رگ وریشہ میں سمائے رہتے ہیں جو اجتماعی زندگی کے عوام کے اخلاق میں گھر کر چکے ہیں۔ اس لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو بلیغ اور موثر زبان سے متنبہ کیا (جس کو قریش کے ذہین لوگ اہل زبان ہونے کی وجہ سے بخوبی سمجھتے تھے) کہ تم کو چاہئے کہ اس مہلک اور مستقل خطرہ سے خبردار ہو جاؤ جو تمہارے جسم وجان میں پوشیدہ ہے لیکن آنکھوں سے نظر نہیں آتا۔ تم اس وقت تک مستقل خطرات کی زد پر اور گڑھے کے کمزور کنارہ پر کھڑے ہو، جب تک جہالت اور بت پرستی پر قائم رہو گے، انفرادی مفاد کو اجتماعی مصالح پر ترجیح دیتے رہو گے وقتی فوائد اور لذائذ کو دائمی ابدی منافع سے بہتر سمجھتے رہو گے کمزوروں کے مقابلہ میں طاقت وروں کو فوقیت دیتے رہو گے اور ان کی جنبہ داری کرتے رہو گے، جب تک تم مادہ پرستی کے جنگل میں گرفتار رہو گے طاقت کے سامنے سرنگوں رہو گے اور خود تراشیدہ بتوں کی تقدیس تمہارے دلوں میں سمائی رہے گی خواہ وہ بت پتھر کے ہوں یا انسانی ہاتھوں کی صناعی کی رہین منت ہوں یا فکر انسانی کے ساختہ پرداختہ وہ علم وتحقیق کے منت کش ہوں یا خیالات کی بلند پروازی اور امیدوں اور آرزوؤں کے دلکش خواب کا نتیجہ، جب تک تمہارے یہ حالات باقی رہیں گے خطرات کا سرچشمہ بند نہیں ہو سکتا۔

خارجی دشمن، خیالی خطرات

میرے دوستو، بھائیو! تمہاری مثال اس جہاز کے سواروں جیسی ہے جس کے نچلے حصے میں ایک بڑا سا سوراخ ہے اور اس سے پورے زور اور تیزی کے ساتھ جہاز میں پانی ابل رہا ہے لیکن وہ اس سوراخ کی طرف توجہ نہیں دیتے اور خارجی دشمن کے خیالی خطرہ سے پریشان

ہیں انہوں نے سند باد جہازی اور گولیور کے سفر ناموں میں بحری قذاقوں کے بارہ میں پڑھ رکھا تھا ان کی کہانیاں مشرق ومغرب کے سیاحوں کی زبانی سن چکے تھے اور وہ اپنی ساری توجہ انہیں بحری قذاقوں کے امکانی خطرہ پر مرکوز کئے ہوئے تھے۔ لیکن جہاز کے پیندے میں موجود سوراخ کی طرف ذرا بھی توجہ نہیں کرتے جس سے پورے زور کے ساتھ پانی ابل رہا ہے اور جہاز بھی بھر رہا ہے۔

ہمارا موجودہ معاشرہ

ہمارے موجودہ معاشرہ کی بھی حالت یہی ہے رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے بیان کردہ یہ بلیغ مثال جس کے لئے آپ نے ایسا حکمت آمیز طریقہ اختیار کیا جس کی تاریخ میں کوئی مثال نہیں ملتی قریش مکہ کے تنگ اور محدود معاشرہ ہی کے لئے مخصوص نہیں جو اب تاریخ کی زینت بن چکا ہے۔ بلکہ وہ ہر زمانہ کے لئے ایک حکیمانہ اور زندہ وجاوید مثال ہے جو ہمارے اوپر بھرپوری طرح منطبق ہورہی ہے اور ہمارے معاشرہ کی صحیح اور سچی تصویر کشی کررہی ہے۔ ہم وباؤں سے ڈرتے ہیں امراض سے گھبراتے ہیں بلاؤں کی دہشت ہمارے دلوں میں سمائی ہوئی ہے۔ اور اس کیلئے ہر طرح کی احتیاجی تدبیریں عمل میں لاتے ہیں یہاں تک کہ اگر کوئی کہہ دے کہ یہاں کالرا کا[1] ایک کیس ہوگیا ہے تو پورے شہر میں دہشت پھیل جاتی ہے ہر شخص پر خوف مسلط ہوجاتا ہے اور یہ سمجھنے لگتا ہے کہ اس وبا کا سب سے پہلا شکار وہی ہوگا۔ لیکن اخلاقی امراض، یہ غلط اخلاق وعادات، جن کو اللہ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ناپسند کرتے ہیں۔ یہ مادہ پرستی، شہوت پرستی، ہر جگہ قوت کے سامنے سرنگوں ہوجانا، خواہشات کی بے قید اطاعت، جذبات کی رو میں بہہ جانا لہو ولعب میں انہماک، رقص وسرور میں ذہنی تسکین اور آرام طلبی وعیش کوشی کے دیگر وسائل میں حد سے بڑھی ہوئی دلچسپی، قیدوں اور نعروں کی اندھی تقلید، حقائق سے چشم پوشی، بار بار کے تجربات سے عبرت حاصل نہ کرنا، امیدوں اور آرزوؤں کی بے لگامی، انسانوں کا حد سے بڑھا ہوا احترام، سیاسی اور غیر سیاسی لیڈروں اور رہنماؤں کی تقدیس اور ان کے بارہ میں غلطیوں اور لغزشوں سے معصومیت کا اعتقاد، یہ امراض ہمارے انجام اور ہمارے معاشرہ کیلئے ہزاروں دشمنوں اور دشمن کے ہزاروں لشکروں سے کہیں زیادہ خطرناک، کہیں زیادہ

---

[1] ہیضہ

محبت اور یقین پیدا کرتی ہیں۔

ثابت شدہ حقائق سے چشم پوشی

یہی صحیح مفہوم اور اس حکیمانہ اور بلیغ مثال کا جسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہر زمانہ اور ہر جگہ کے لئے بیان فرمایا ہے اور ہم آج اس صورت حال سے دوچار ہیں ہم ثابت شدہ حقائق سے چشم پوشی کرتے ہیں اور زمانہ کے [illegible] اور تجربات سے پہلو تہی کرتے ہیں اور عبرت پذیری سے اعراض کرتے ہیں یہ انتہائی تشویشناک صورتحال ہے۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے۔

فلولا اذ جاءهم باسنا تضرعوا ولكن قست قلوبهم وزين لهم الشيطان ما كانوا يعملون

پھر کیوں نہ جب ان پر عذاب پہنچا گڑگڑائے ہوتے لیکن ان کے دل سخت ہو گئے اور ان کو بھلے دکھائے شیطان نے جو کام کر رہے تھے۔

قرآن کا اعجاز

اور اعجاز کا مقام یہی ہے اور ان کو بھلے دکھائے شیطان نے جو کام کر رہے تھے لوگوں سے [illegible] یہ جو ان پر پہنچ رہے تھے اس لئے شیطان نے ان کے لئے نیا فلسفہ تیار کر دیا۔ نئے نام ایجاد کر دیئے تاویل کا وسیع دروازہ کھول دیا اور عبرت و نصیحت حاصل کرنے کے بجائے [illegible] اور تحلیل اسباب و علل کی تلاش میں اپنا دل و دماغ مشغول کر دیا اپنے طرز عمل اور سابقہ زندگی کیلئے وجہ جواز تلاش کرنے لگے اور اپنے اخلاق و کردار کی مدافعت میں پوری قوت صرف کر دی یہ قرآن کے معجزات میں سے ایک زندہ پائندہ معجزہ ہے۔

5 جون کا المناک حادثہ

تاریخ نے ایک بار پھر اپنے آپ کو دہرایا اور فطرت انسانی اپنی اسی پرانی راہ پر گامزن ہوئی [illegible] 5 جون 68 کے المناک حادثے سے دوچار ہونے [illegible] یہ درحقیقت اجتماعی زندگی میں ہمارے اختیار کردہ طریق کار اور دین اور فطرت سلیم سے انحراف کا نتیجہ اور ایک زمانہ سے کا [illegible]

اسباب وعوامل کا انجام ہے۔ لیکن ہمارے قائدین عرب اقوام کے سامنے ایک پردہ اور روک بن کر کھڑے ہوگئے۔ اور اس المیہ سے انہوں نے دلوں کو عبرت وبصیرت حاصل کرنے سے محروم کردیا۔ انہوں نے ہمارے سامنے نئے نظریات پیش کئے نئے الفاظ واصطلاحات ایجاد کیں، اور کہنا شروع کردیا کہ یہ المیہ نہیں مصلحت آمیز پسپائی ہے شکست نہیں فتح ہے وہ فتح مبین جس کی مثال نہیں ملتی، یا جس مصیبت سے ہم دوچار ہوئے وہ عرب اقوام میں باقی ماندہ رجعت پسندی کا نتیجہ ہے، سچ فرمایا اللہ تعالیٰ نے۔

وزينا لهم الشيطن ما كانو يعملون (الانعام۴۳)

اوران کو بھلے دکھائے شیطان نے جو کام کررہے تھے۔

انسانی تجربات قیمتی اثاثہ

یہ انتہائی تشویشناک صورتحال ہے انسانی تجربات ایک قیمتی اثاثہ ہیں جن سے انسان ہمیشہ اور ہر جگہ فائدہ اٹھاتا ہے اگر ہم ان تجربات کو غلط ٹھہرادیں عقل کا فیصلہ، حواس کا فیصلہ آنکھ اور کان کا دیکھنا سننا غلط ٹھہرادیں اور ہم یہ کہنے لگیں کہ ہم دیکھتے ہیں پھر بھی نہیں دیکھتے، مانتے، سنتے پھر بھی انکار کرتے ہیں ہمیں سب درس سبق مل رہے ہیں مگر ہم ان کو حقارت سے ٹھکرادیتے ہیں تو اس سے زیادہ تشویشناک صورتحال اور کیا ہوسکتی ہے یہ ایک زبردست المیہ ہے کیونکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ ہم اپنی صلاحیتوں سے محروم ہوگئے ہیں۔

نازک اور اہم مرحلہ

اس وقت عرب قوم اپنی تاریخ کے انتہائی نازک اور اہم مرحلہ سے گزررہی ہے میں یہ نہیں کہتا کہ یہ شکست کا مرحلہ ہے یا مصیبت کا مقام ہے اور میں اس مصیبت سے خوف زدہ نہیں ہوں دعوت اور پیغام کی حامل قومیں طویل تاریخ رکھنے والی قومیں، زندہ ضمیر اور روشن زندگی سے بھرپور قلب رکھنے والی قومیں، ان مراحل سے گزرتی ہی رہتی ہیں ہم خود اس طرح کے بے شمار مراحل سے گزر چکے ہیں، ہمارے اوپر صلیبیوں نے یلغار کی تاتاریوں کا طوفان ہمارے سروں پر سے گزر گیا۔ جبکہ خطرہ پیدا ہوگیا تھا کہیں مسلمانوں کی آخری سانس بھی ٹوٹ نہ جائے پھر بھی وہ مایوسی اور بدشگونی کا مقام نہیں تھا۔ کیونکہ مومن کا ضمیر زندہ تھا [illegible]

باشعور تھی اور وہ خیر و شر، دوست و دشمن اور مفید و مضر کی تمیز کرسکتا تھا۔ اور اس وقت مسلمان جری، صاف گو اور بہادر تھا۔

قومی ضمیر پر موت طاری

میں ان جیسے المیوں سے کوئی خطرہ محسوس نہیں کرتا بلکہ مجھے اصل خطرہ اس ضمیر سے ہے جس نے اپنا کام کرنا چھوڑ دیا ہے ضمیر کا کام ہے، احتساب اور غلطیوں کی گرفت، خواہ وہ اپنے باپ اور بھائی سے سرزد ہوئی ہو یا کسی ذی وقار پیشوا اور رہنما سے، اگر یہ ضمیر مردہ ہو جائے اپنا فطری عمل چھوڑ دے، اپنی افادیت کھو بیٹھے اور اس میں حقائق کے اعتراف کی صلاحیت باقی نہ رہ جائے تو یہی سب سے بڑا خطرہ ہے یہ انسانیت کی موت ہے، ایک انسان مرتا ہے تو ہزاروں انسان پیدا ہو جاتے ہیں لیکن جب ضمیر مردہ ہو جائے تو اجتماعی اور قومی ضمیر سے زندگی کے آثار ناپید ہو جاتے ہیں۔ جب قوم سے محاسبہ کی صلاحیت اور جرأت ختم ہو جائے، جب تنقید و احتساب کی جگہ شاباشی اور داد و تحسین کے پھول برسنے لگیں تو یہ ایسا المیہ ہوگا جس کے بعد کسی المیہ کا تصور ہی ممکن نہیں۔

فتح اور شکست معیار نہیں

میرے دوستو، بھائیو! آپ حضرات واقف ہیں کہ ہر قوم نشیب و فراز کے ان مراحل سے گزرتی ہے شکست کے بعد فتح، فتح کے بعد شکست اور کبھی پے در پے ہزیمتیں قوموں کی عروج و زوال میں یہ مراحل بار بار آتے ہیں اور کسی قوم میں خود اعتمادی کے جوہر اور کارزار حیات میں سرگرم عمل رہنے کی صلاحیتیں ان مراحل میں گزرے بغیر اجاگر بھی نہیں ہوتیں۔ اسی غرض سے اللہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کے اصحابؓ کے لئے آزمائش مقدر فرمائی تھی، اور کبھی کبھی ان کو پیچھے ہٹنا چنانچہ فرماتا ہے۔

> لقدنصرکم اللہ فی مواطن کثیرۃ، یوم حنین اذا عجبتکم کثرتکم فلم تغن عنکم شیئا و ضاقت علیکم الارض بما رحبت ولیتھم مدبرین
>
> (توبہ ۲۵)

بہت سے میدانوں میں اللہ تمہاری مدد کر چکا ہے اور حنین کے دن جب تم اپنی کثرت پر

اتر آئے پھر وہ کچھ تمہارے کام نہ آئی اور زمین اپنی فراخی کے باوجود تم پر تنگ ہوگئی۔ پھر تم پیٹھ دے کر ہٹ گئے۔

یہ تربیت الٰہی کا ایک انداز ہے جس میں کسی قوم یا کسی طبقہ کے لئے کوئی استثنا یا رعایت یا کوئی امتیاز نہیں اور یہ فتح وشکست کسی قوم کی عزت وذلت اور بلندی وپستی کا معیار نہیں۔

اصل معیار

اصل معیار ہے قلب اور ضمیر، جب قوم میں اتنی ہمت اور جرأت نہ ہو کہ اپنے قائد کی غلط کاری پر ٹوک سکے تو ایسی قوم کو جو سر پھرا بھی چاہے غلام بنا سکتا ہے۔ ہر جاہل اور احمق اس کی عزت وشرف کی دھجی بکھیر سکتا ہے۔ ایسی قوم ہر ظلم وزیادتی کا شکار ہو سکتی ہے اور ہر استعمار کے لئے لقمۂ تر ثابت ہوتی ہے۔

استعمار سے نفرت

غیر ملکی استعمار ناپسندیدہ اور مبغوض کیوں تھا؟ اسی لئے تو کہ اس نے ہمارے جسموں، ہماری روحوں، ہمارے قلوب، ہماری عقلوں پر، سب پر اپنا تسلط قائم کر لیا تھا۔ تو کیا یہی استعمار اگر کسی بیرونی شخص کی طرف سے ہو تو ناپسندیدہ اور ناقابل برداشت ہے لیکن اپنی ہی قوم ووطن کا کوئی فرد اس کا مرتکب ہو تو یہی استعمار پسندیدہ اور محبوب ہو جائے گا؟ اللہ نے آپ کو عدل کی میزان عطا کی۔ ہے تا کہ دنیا میں انصاف قائم کریں اور رہتی دنیا تک لوگوں میں حق وعدل کی شہادت دیتے رہتے ہیں۔

> يايها الذين امنو اكونوا قوامين لله شهداء بالقسط، ولايجرمنكم شنان قوم علىٰ الا تعدلو، اعدلو هو اقرب للتقوى واتقوا الله ان الله خبير بما تعملون (المائدہ۔۸)

اے ایمان والو کھڑے ہو جایا کرو اللہ کے واسطے، انصاف کی گواہی دینے کو اور ایک قوم کی دشمنی کے باعث عدل نہ چھوڑو عدل کرو، یہی بات تقویٰ سے لگتی ہے اور اللہ سے ڈرتے رہو، اللہ کو خبر ہے جو تم کرتے ہو۔

اللہ نے دوستوں، دشمنوں، خوردوں اور بزرگوں سب کے ساتھ عدل کا حکم دیا ہے۔

عجیب منطق

لیکن [illegible] میدان [illegible] سے ہاتھ دھو بیٹھیں اور ایک ہی کام جب کسی اجنبی کی جانب سے منسوب ہو تو مردود اور مبغوض قرار پائے لیکن وہی حرکت جب کسی اپنے آدمی سے سرزد ہو، جس سے ہمارا سلسلہ نسب ملتا ہو یا اس کی اور ہماری قومیت مشترک ہو اور وہ ہماری گردنوں اور اس پر رعونت کے ساتھ مسلط ہو جائے تو ہم اس کے سامنے سر جھکا دیں اس کے لئے اپنی عقلوں اور ضمیروں کو معطل کر دیں۔ خدا گواہ ہے کہ یہی حقیقی خطرہ ہے دنیا کی دیگر اقوام و ملل کی قسمت اسی امت مسلمہ کے ساتھ وابستہ ہے۔ یہ امت تمام قوموں میں حق کی شہادت کیسے دے سکتی ہے [illegible] اور نگراں کیسے بن سکتی ہے، تمام اقوام کا محاسبہ کس طرح کر سکتی ہے جب یہ اپنی [illegible] کے ساتھ انصاف نہ کرے۔ حق و باطل میں تمیز کرنا چھوڑ دے مخلص اور فریبی میں فرق نہ کرے اور طاقت کے سامنے اس گھناؤنے شرمناک طریقے سے ہتھیار ڈال دے سر تسلیم خم کر دے، اس قدر پست ہمتی کا ثبوت دے اور اس ضمیر سے محروم ہو جائے جس نے دنیا کو اس جگمگاتی ہوئی تہذیب و تمدن سے آشنا کیا۔ جس نے دنیا کو یہ ترقی یافتہ علوم عطا کئے اور اس کو یہ قابل فخر تاریخ سرمایہ بہم پہنچایا جب کہ دنیا تباہی کے دہانے پر پہنچ چکی تھی۔

واذكروا نعمت الله عليكم اذ كنتم اعداء فالف بين قلوبكم فاصبحتم بنعمته اخوانا و كنتم على شفاحفرة من النار فانقذكم منها

(آل عمران۔۱۰۳)

اور تم اپنے اوپر اللہ کا احسان یاد کرو جب تم آپس میں دشمن تھے پھر تمہارے دلوں میں الفت دی اور اب اس کے فضل سے بھائی بھائی ہو گئے۔ اور تم ایک آگ کے گڑھے کے کنارے پر تھے پھر تم کو اس سے بچایا۔

بے حسی اور مردہ ضمیری

میرے [illegible] سب سے بڑی مصیبت اور سب سے بڑا خطرہ یہ ہے کہ یہ ضمیر اپنا کام کرنا [illegible] دے اور یہ صرف عرب یا صرف مسلمانوں کیلئے خطرہ نہیں بلکہ پوری انسانیت کے لئے خطرہ ہے۔ [illegible] اللہ نے اسی امت مسلمہ ہی کو اپنے رازوں کا امین بنایا ہے۔ اس نے ہر

انسان ہو یا جماعت اور حکومت سب کے لئے عدل وانصاف کی میزان بہت ضروری ہے۔ جو کامل احتیاط اور ایماندارانہ ذہن کے ساتھ اور پوری جرأت اور [illegible] کے ساتھ فیصلہ کرے کسی فرد کی رعایت نہ کرے اور کسی کو کسی پر ترجیح نہ دے۔ لیکن جب یہ میزان ہی اپنا کام چھوڑ دے تو پھر عدل وانصاف کا کام کس سے لیا جائے۔ جب نمک ہی اپنی نمکینی ضائع کر دے تو آپ بتلائیے کہ کھانا کس چیز سے نمکین کیا جائے۔ یہاں یہ مصیبت نہیں کہ کھانا نمکین نہیں ہے بلکہ مصیبت یہ ہے کہ نمک کی نمکینی جاتی رہی، مصیبت یہ ہے کہ عدل وانصاف کی میزان سے کارکردگی کی صلاحیت ختم ہوگئی، وہ غیر جانبدار نہیں رہی کسی کی دوست ہوگئی تو کسی کی دشمن۔

حادثات سے سبق

مجھے حادثات و مصائب سے پریشانی نہیں ہوتی کیونکہ ایمان کی چنگاری بجھی نہیں ہے بلکہ وہ مسلمانوں اور عربوں کی راکھ میں چھپی ہوئی ہے اور مجھے پورا یقین ہے کہ یہ چنگاری بھڑک اٹھنے کے لئے تیار ہے وہ کسی ایک شخصیت کی منتظر ہے جو اسے راکھ کے ڈھیر سے نکال دے، اس کے اوپر آئے ہوئے کھوکھلی تہذیب، آرزوؤں کی بے اعتدالی، مادہ پرستی، خود پسندی، موت سے خوف اور خطرات نے [illegible] اور ان کے رسوم پر ایمان رکھنے والا اٹھ کھڑا ہو [illegible] اور ایمان کی چنگاری [illegible] تو اب بھی یہ چنگاری بھڑک اٹھنے، تپنے اور تپانے کی صلاحیت رکھتی ہے جو بتی روشن ہوگی اور دنیا کو بھی روشن کر دے گی۔ اس رخ سے مجھے کوئی خطرہ نہیں، خطرہ اس بات سے ہے کہ ہم نے حادثات سے سبق لینا چھوڑ دیا ہے۔

[illegible]

قیادت سے محاسبہ کیجئے

ہم رومیوں کی تاریخ میں پڑھتے ہیں کہ وہ بہت سے دیوتاؤں پر اعتقاد رکھتے تھے، بحر و بر، جنگ و امن ہر ایک کے لئے ان کا الگ دیوتا تھا لیکن ان دیوتاؤں کے پرستش کے باوجود [illegible] سمجھا جاتا تھا [illegible] ان کو کسی مہم میں کامیابی نہ ہوتی یا ان کی امیدیں بر نہ [illegible] کا واقعہ ہے [illegible] رومی شہنشاہ [illegible] کا بحری بیڑا سمندر میں غرق ہو گیا تو وہ غصہ میں اتنا مشتعل ہوگیا کہ سمندر کے

دیوتا نیپچون (Neptune) کی مورتی چور چور کردی یہ کوئی انہونی بات نہیں ہے، ناکامی پر جھنجھلاہٹ انسان کی فطرت ہے اور ہم تو مومن اور موحد ہیں اور ایک اللہ کی ذات پر ایمان رکھتے ہیں ہمارے لئے تو کسی صورت میں بھی یہ جائز نہیں کہ کسی قیادت پر اللہ اور اس کے رسول پر ایمان کی طرح کامل ایمان لے آئیں۔ ہمارا فرض ہے کہ اپنے قائدین کا محاسبہ کریں۔ اور خود اپنے آپ کا محاسبہ کریں اور اپنے سیاسی، اخلاقی اور معاشری حالات کا غائر نظر سے جائزہ لیں اور انہی میں مصائب کے اسباب تلاش کریں کسی فرد یا جماعت کی اندھی اطاعت گمراہی کے ایسی غار میں پہنچا دے گی جہاں ہدایت کی روشنی پہنچ نہیں سکے گی۔ اور نہ اس سے نجات آسان ہوگی اور قیادت کا محاسبہ نہ کرنا اور اس کی غلطیوں کا موخذہ نہ کرنا اور اس سے وضاحت طلب نہ کرنا یہ ایسی اطاعت ہے جس کے بارے قرآن کا فیصلہ ہے۔

فاتبعو امرفرعون ومامرفرعون برشید، یقدم قومه یوم القیمة فاورد هم النار، و بئس الوردالمورود واتبعو فی هذا لعنته یوم القیمته بئس الرفدالمرفود . (ہود۔۹۷۔۹۹)

پھر وہ فرعون کے کہنے پر چلے اور فرعون کی بات درست نہیں تھی وہ قیامت کے دن اپنے قوم سے آگے ہوگا اور ان کو آگ پر پہنچا دیگا اور یہ پہنچنے کی بری جگہ ہے اور پیچھے سے اس دنیا میں اس کو لعنت ملی، اور قیامت کے دن یہ برا انعام ہے جو ملا۔

اللہ کا مطالبہ

میرے دوستوں اور بھائیوں! اللہ نے ہم کو انسانوں پر مسلط ہونے والی طاغوتی طاقتوں سے اظہار بے زاری کا حکم دیا ہے خواہ وہ کسی زمانہ میں اور کہیں بھی ہوں اور یہاں تو متعدد طاغوت ہیں اگر یہ ہم پر مسلط ہوجائیں تو ایک مسلمان کی حیثیت سے ہمارے لئے ہرگز جائز نہیں کہ ان کا احترام کریں بلکہ اللہ کا مطالبہ تو یہ ہے کہ ہم ان کا اقتدار تسلیم کرنے سے انکار کردیں اور اس سے اپنی بے زاری اور بے تعلقی کا اعلان کردیں جیسا کہ حضرت ابراہیم نے اعلان کردیا تھا۔

انا براء وامنکم ومما تعبدون من دون اللہ کفرنا بکم وبدابیننا و بینکم العداوۃ والبغضاء ابدا حتیٰ تومنو باللہ وحدہ (ممتحنہ۔۴)

ہم تم سے اور ان چیزوں سے جو تم پوجتے ہو بے تعلق ہیں اور ہمارے اور تمہارے درمیان بیر اور دشمن کھل گئی ہمیشہ کے لئے یہاں تک کہ تم ایک اللہ پر ایمان لے آؤ۔

آنحضرتؐ کی ہدایت

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک بار فرمایا

''اپنے بھائی کی مدد کرو، خواہ وہ ظالم ہو یا مظلوم''

تو صحابہ کرامؓ کو تعجب ہوا کیونکہ بہت اہتمام اور توجہ کے ساتھ ان کی تربیت کی گئی تھی وہ جانتے تھے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جو کچھ فرماتے ہیں وحی الٰہی سے فرماتے ہیں اپنے جی سے کوئی بات نہیں کہتے لیکن اس کے باوجود وہ آپؐ کے فرامین میں بھی اپنی عقل سے کام لیتے تھے اور جو سمجھ نہیں آتا تھا اس کی وضاحت چاہتے تھے، چنانچہ انہوں نے کہا ''ہم اپنے مظلوم بھائی کی تو مدد کریں ظالم کی کیونکر کریں'' آپؐ نے وضاحت کی کہ ''ظالم کی مدد یہ ہے کہ اسے ظلم سے روک دو'' اسی طرح صحابہ کرام جانتے تھے کہ خالق کی نافرمانی کر نا مخلوق کی اطاعت میں جائز نہیں ہے۔ خواہ وہ کوئی بھی ہو، ان کے طرزِ عمل سے بھی اس کی شہادت ملتی ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک بار ایک مہم روانہ کی اور اس کا سردار ایک انصاری کو بنایا راستہ میں وہ کسی بات پر اپنے ساتھیوں سے خفا ہو گئے اور ان سے کہا کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے میری اطاعت کا حکم نہیں دیا ہے؟ لوگوں نے کہا ''ہاں دیا ہے'' انھوں نے کہا لکڑیاں جمع کرو، لکڑیاں جمع ہو گئیں تو آگ منگا کر ان کو دہکا دیا پھر اپنے ساتھیوں سے کہا کہ میں تم کو حکم دیتا ہوں کہ تم سب کو اس آگ میں کودنا ہوگا۔ امیرِ لشکر کے یہ تیور دیکھے تو ایک نوجوان نے کہا اسی آگ سے بھاگ کر ہم لوگوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دامن میں پناہ لی ہے پھر اس دوسری آگ میں کود پڑیں؟ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے مل لو اگر وہ بھی یہی حکم دیں تو بے خطر کود پڑو۔ لوگ لوٹ کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس گئے اور واقعہ سے آگاہ کیا۔ تو آپؐ نے فرمایا کہ اگر تم اس آگ میں داخل ہو جاتے تو پھر کبھی نہیں نکل سکتے تھے، اطاعت صرف بھلائی میں ضروری ہے۔''

غفلت، حماقت اور لہو ولعب کا انجام

میں ایک بار پھر آپ حضرات سے کہنا چاہتا ہوں کہ عرب ممالک کی موجودہ لہو ولعب اور

بے فکری کی زندگی حقائق سے آنکھیں بند کر لینے والی زندگی جو ہر معاملہ میں غیر معقول اور معمولی باتوں کا سہارا تلاش کرتی ہے۔ جس میں ثقاہت پر حماقت غالب آ چکی ہے اگر آپ برا نہ مانیں تو صاف کہہ دوں جس میں بہادری پر بزدلی غالب آ چکی ہے۔ اور اگر میں کہوں کہ مادہ پرستی اللہ اور اس رسولؐ کی محبت پر غالب آ چکی ہے۔ تو غلط یا مبالغہ نہ ہوگا۔ اگر اس زندگی کو کوئی انسان دور سے دیکھے یا کوئی اجنبی کسی عربی شہر میں پہنچ جائے تو اتنے بڑے المیے سے دوچار ہونے کے بعد کھیل کود اور ناچ رنگ کے ان مظاہروں کو دیکھ کر دنگ رہ جائے، اسے اپنی آنکھوں اور کانوں پر یقین نہیں آئے گا۔ ہم ہنگامی حالات سے گزر رہے ہیں اس عرصہ میں عرب ممالک اور ان کے مراکز میں دن رات ہنگامی حالات طاری رہنا چاہئے اور ہر معاملہ میں معقولیت، مقصدیت احتیاط اور دور اندیشی کے مظاہر نظر آنے چاہئیں۔

اسلامی عقیدے کا اشتراک

اگر ہمارے اور آپ کے درمیان اسلامی عقیدہ کا اشتراک نہ ہوتا تو بات یہ نہ ہوتی کہ ہمارا اور آپ کا انجام ایک ہے اور ایک دوسرے کے ساتھ وابستہ ہے۔ اور جو کچھ یہاں ہو رہا ہے ہمارے یہاں اس کا جواب ہم سے طلب کیا جاتا ہے۔ تو شاید مجھے محاسبہ کا حق نہ ہوتا اور حقیقت تو یہ ہے کہ قومیں اسی محاسبہ کے سہارے زندہ رہتی ہیں یورپی اقوام میں اگر اتنی بے داری اور مخلصانہ تنقید کا چلن نہ ہوتا تو وہ تاریخ ماضی کی کہانی بن چکی ہوتیں کڑی تنقید ان کی زندگی کا ایک اہم سبب ہے وہ اپنے کسی رہنما کو یہ موقع نہیں دیتیں کہ ہمیشہ اقتدار پر قابض رہے اور ان کی تعظیم و تکریم ہوتی رہے یہ صرف یورپی اقوام کی خصوصیت نہیں بلکہ مسلمانوں کے سربراہ اور قائدین کی بھی یہی حالت ہے۔

ایک مسلمان قائد کا احتساب

میں ہندوستان میں ابتدائی اسلامی فتوحات کا ایک عبرت انگیز واقعہ آپ کو سناؤں، ہند کی سرزمین پر اسلامی اقتدار کی بنیاد رکھنے والے بادشاہ شہاب الدین غوری (م ۶۰۲ھ) کا واقعہ ہے اس نے ہندوستان پر فوج کشی کی تو اجمیر کے راجہ پتھورا نے اس کا سخت مقابلہ کیا یہاں تک کہ مسلمان فوج شکست کھا گئی اور اس نے بھاگ کر لاہور میں پناہ لی تو سلطان نے جنگ میں

پیٹھ دکھانے والے غوری اور خراسانی امرا کو سخت سرزنش کی اور کہا تم انسان نہیں چوپائے ہو اور ان کی گردنوں میں جو سے بھرا ہوا توبڑا لٹکا دیا اور دوبارہ حملہ کی تیاری کیلئے اپنے دارالسلطنت غزنی چلا گیا اور ایک سال بعد ایک لشکر جرار تیار کر کے بغیر کسی سے مشورہ کئے یا بتلائے وہاں سے چل پڑا راستہ میں ایک مرد بزرگ نے ان کا ارادہ معلوم کرنا چاہا تو اس نے ٹھنڈی سانس لی اور کہا کہ ہندوستان کے راجہ سے شکست کے بعد آج تک میں اپنے بستر پر سویا نہیں ہوں اور اپنی قبا ہٹاتے ہوئے کہا دیکھو اس تاریخ سے آج تک میں نے اپنا لباس تبدیل نہیں کیا اور نہ ان سرداروں کا منہ دیکھا ہے جنہوں نے مجھے جنگ میں رسوا کیا تھا۔ پھر فوج کو خطاب کرتے ہوئے کہا کہ ہمارا فرض ہے کہ گزشتہ سال اسلام اور مسلمانوں کے دامن پر شکست کا جو دھبہ لگا ہے اس آج دھو ڈالیں، لوگوں نے تلوار پر ہاتھ رکھ کر اخیر دم تک سلطان کی اطاعت و رفاقت کا عہد کیا۔ اس کے بعد ہندوستان کا رخ کیا۔ راجہ پتھورا کو ایک خط بھیج کر اسلام کی دعوت دی جسے اس نے اپنی طاقت کے غرور میں انتہائی رعونت اور تکبر کے ساتھ رد کر دیا۔ اور مقابلہ پر آ گیا سلطان نے اس پر اتنا سخت حملہ کیا کہ اس کی فوج ٹک نہ سکی، بھاگ کھڑی ہوئی اور ہندوستان میں اسلامی حکومت قائم ہوگئی جو مختلف شکلوں میں سات صدیوں تک باقی رہی۔

احتساب اور محاسبہ ہمارا امتیاز

جب ایک بڑھیا خلیفہ ثانی کو ٹوک سکتی ہے تو ایک مسلمان یا مورخ کو یہ حق کیوں حاصل نہ ہو کہ اپنے قائدین کا محاسبہ کرے۔ حضرت عمر ابن خطابؓ کے زمانہ میں ہر مسلمان کو یہ حق تھا کہ اس سے جواب طلب کرے۔ ایک دفعہ وہ مسجد نبوی میں خطبہ دینے کھڑے ہوئے اور کہا کہ لوگو! سنو اور اطاعت کرو، ایک صحابی کھڑے ہوئے اور کہا ہم نہیں سنتے، خلیفہ نے کہا کیوں؟ لوگوں نے کہا کہ آپ کے جسم پر مال غنیمت کی دو چادریں نظر آرہی ہیں جب کہ ہم لوگوں کے حصہ میں ایک ہی ایک آئی ہے۔ حضرت عمرؓ نے کہا کہ کیا یہاں عبداللہ بن عمرؓ موجود ہیں وہ کھڑے ہوئے اور کہا کہ ایک چادر میرے حصے کی ہے جو میں نے انہیں دے دی ہے صحابی نے کہا ''ٹھیک اب ہم ہر حکم کی اطاعت کے لئے تیار ہیں۔''

امت کی زندگی

اسی ضمیر اور اسی جرات و ہمت کے ساتھ یہ امت زندہ رہی اور حادثات و مصائب کا سامنا کرتی رہی ہے اور اپنی طویل تاریخ میں ترقی یافتہ اور بیدار شعور کا ثبوت دیتی رہی ہے، اس نے ہمیشہ حق و انصاف کا ساتھ دیا ہے اور غلطیوں اور کوتاہیوں کے ارتکاب پر گرفت کی ہے۔ اور انہیں اوصاف کے ساتھ مستقبل میں بھی زندہ رہ سکتی ہے۔

وما علینا الا البلاغ المبین

وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین

ناشاد شادی آباد سے عبرت وموعظت

یہ تقریر ۲۷ نومبر ۱۹۸۳ء بروز شنبہ مانڈو (قدیم شادی آباد) کے طویلہ محل کی بالائی منزل پر کی گئی

آج صفر ۱۴۰۳ھ کی ۱۰/تاریخ اور نومبر ۱۹۸۳ء کی ستائیسویں تاریخ ہے۔ ہم لوگ اس وقت شادی آباد مانڈو میں ہیں جواب ناشاد ہے اس کواب ناشاد شادی آباد کہنا چاہئے اور سچی بات تو یہ ہے کہ ہم سب آنے والے بھی ناشاد ہیں، اس لئے کہ جس انسان کے دل پر چوٹ نہیں لگتی وہ صحیح الفطرت انسان نہیں۔

ہم اس وقت یہاں قیام گاہ طویلہ محل کی بالائی منزل پر ہیں ہمارے چاروں طرف کھنڈر پھیلے ہوئے ہیں قبور بھی ہیں اور قصور بھی ہیں کسی صاحب دل سے ایک مرتبہ کسی نے انسانی زندگی اور شان وشوکت کا انجام پوچھا تو انہوں نے کہا ''**هذه قبورهم وتلك قصورهم** ''**هذه** ''اشارہ قریب کا ہے اور''**تلک** ''اشارہ بعید کا ہے یہ تو ہیں ان کی قبریں اور وہ رہے ان کے محل۔

یہاں قرآن مجید کی دو آیتیں ہیں جو اس وقت ذہن میں تازہ ہوئی ہیں ایک آیت ہے۔ **اولم يهدلهم كم اهلكنا من قبلهم من القرون يمشون فى مسكنهم، ان فى ذلك لايت افلا يسمعون** (السجدہ۔۲۶)

ترجمہ: کیا ان کو اس (امر) سے ہدایت نہ ہوئی کہ ہم نے ان سے پہلے بہت سی امتوں کو جن کے مقامات سکونت میں یہ چلتے پھرتے ہیں ہلاک کردیا، بے شک اس میں نشانیاں ہیں تو یہ سنتے کیوں نہیں۔

بھلا یہ نہیں دیکھتے کہ ان سے پہلے ہم نے کتنی پشتیں اور کتنی نسلیں کھپا دیں، وہ رخصت ہوئیں''**يمشون فى مسكنهم** '' جس چیز نے متوجہ کیا وہ ہے لفظ ''**يمشون فى مسكنهم** '' یہ ایسا حسب حال ہے کہ کوئی فوٹو گرافی کی تصویر بھی اتنی حسب حال نہیں ہوسکتی ''**يمشون فى مسكنهم** ''ان کے رہنے کی، ان کی سکونت کی جگہوں پر چل پھر رہے ہیں گذر رہے ہیں،''**ان فى ذلك لايت** ''اللہ تعالیٰ متوجہ کرتا ہے کہ تم جس طرح چل پھر رہے

ہو یہ کچھ چلنا پھرنا نہیں، "ان فی ذلک لایت" اس میں نشانیاں ہیں کیا سنتے نہیں غور نہیں کرتے، دوسری آیت ہے کہ۔

وکاین من آیته فی السموت والارض یمرون علیها وهم عنها معروضون (یوسف۔۱۰۵)

"ھم عنھا معروضون" اعراض جسمانی بھی ہوتا ہے اعراض قلبی بھی اور اعراض فکری بھی اعراض فکری اور اعراض معنوی اعراض جسمانی سے بھی زیادہ خطرناک ہے۔

میں اس وقت انسانی زندگی کی بے ثباتی، اور سلطنتوں اور حکومتوں اور جاہ وحشم کی بے وفائی اور حکومتوں اور تہذیبوں کے زوال وانحطاط پر کوئی روشنی ڈالنا نہیں چاہتا وہ تو آپ کے سامنے ہے عیاں راچہ بیاں۔ میں نے یہاں پچھلی مرتبہ دوشعر پڑھے تھے۔

چمن کے تخت پر جس دم شہ گل کا تجمل تھا   ہزاروں بلبلیں تھیں باغ میں ایک شور تھا غل تھا
کھلی جب آنکھ نرگس کی نہ تھا جز خار کچھ باقی   بتاتا باغباں رو رو یہاں غنچہ یہاں گل تھا

زوال پذیر ملکوں اور سلطنتوں سے سبق

لیکن میرے قلب پر ایک اور تقاضہ غالب اور ایک مضمون وارد ہوا ہے وہ یہ کہ میں اس سے پہلے قرطبہ اور غرناطہ بھی گیا ہوں جہاں چھ سو برس تک بڑے جاہ وجلال کے ساتھ عرب مسلمانوں نے حکومت کی اور ایسا نقش قائم کیا کہ وہ یورپ کے لئے بھی رہنما بنا آج بھی ان کے محلات شاہی اور وہاں کی مسجدیں اپنی نظیر نہیں رکھتیں۔ حالی مرحوم نے کہا تھا۔

کوئی قرطبہ کے کھنڈر جا کے دیکھے   مساجد کے محراب و در جا کے دیکھے
حجازی امیروں کے گھر جا کے دیکھے   وہ اجڑا ہوا کر و فر جا کے دیکھے
جلال ان کا کھنڈروں میں ہے یوں چمکتا
کہ ہو خاک میں جیسے کندن دمکتا

میں غرناطہ بھی گیا قرطبہ بھی گیا، ابھی اورنگ آباد گیا تھا میں نے کہا تھا کہ اورنگ آباد اور غرناطہ میں مجھے بڑی مماثلت نظر آتی ہے اب یہ کہتا ہوں کہ مجھے اس ناشاد شادی آباد اور غرناطہ میں بھی مماثلت نظر آتی ہے ان سب میں ہم سب لوگوں کے لئے ایک سبق ہے اور اسی کو عرض

کرنا چاہتا ہوں۔

فاتحین اور حکمرانوں کی ایک غلطی

اسپین پھر اس کے بعد ہندوستان میں ان حکومتوں کے تخت پر جو لوگ متمکن تھے ان کے کبھی تصور میں یہ بات نہیں آتی تھی کہ کبھی ان کا یہاں سے کوچ ہوگا۔ اور وہ بالکل بے دخل ہو جائیں گے وہ اپنا زوال خواب میں بھی نہیں دیکھتے تھے۔ بہت سی ایسی سلطنتیں ہوئی ہیں جو اپنے کو ''دولت ابد قرار'' لکھتی تھیں یہ سمجھتی تھیں کہ ہم اس ملک کا چارج براہ راست حضرت اسرافیل کو دیں گے، ان لوگوں نے ملک فتح کئے۔ لیکن قوم فتح نہیں کی، انہوں نے زمین فتح کی لیکن دل فتح نہیں کئے، دونوں مثالیں ہمارے سامنے ہیں انہوں نے اس حقیقت کو نظر انداز کر دیا کہ یہاں کی اصل آبادی کیا اہمیت رکھتی ہے۔ اور وہ کس حد تک قابل توجہ ہے، اللہ تعالیٰ کے قانون فطرت کے مطابق ایسا بہت کم سنا گیا ہے کہ کسی ملک کی آبادی سو فیصدی فنا ہوگئی ہو، کسی ملک میں مسلمانوں کو اس وقت تک اپنے مستقبل پر اعتبار نہیں کرنا چاہئے جب تک کہ وہاں کی اکثریت کو اپنے عقائد اپنے مسلک زندگی اور حقائق اور احساسات میں (اور ایک لفظ میں) اس عقیدہ ایمان میں شریک نہ کر لیا جائے جو اللہ نے نبی عربی صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعے اس امت کو نصیب فرمایا ہے۔ جب تک مسلمان ان کو اس دولت میں شریک نہ کر لیں اس وقت تک نہ ان کی سلطنت کا کوئی اعتبار ہے نہ تہذیب کا اعتبار ہے۔

عرب فاتحین اولین کا امتیاز

یہ نکتہ تھا جس کو ان عرب اولین نے سمجھا۔ جنہوں نے مصر، شام اور عراق فتح کیا تھا وہاں کی قوم کو انہوں نے سینہ سے لگایا، ان کے ساتھ ایسی مساوات برتی ان کے ساتھ ہمدردی کی اور ان کے مسائل سے ایسی دلچسپی لی اور ان میں ان کی رہنمائی کی ان کے درد دکھ میں ایسے شریک ہوئے کہ وہ قوم ان کے دین اور ان کی انسانیت و شرافت کا کلمہ پڑھنے لگی۔ اور اس نے اپنی خواہش سے ان کی تہذیب اور ان کی زبان بھی اختیار کر لی۔ مصر میں آج بہت تھوڑی تعداد میں قبطی ہیں اور وہ عربی ہی بولتے ہیں اور مجھے خوب یاد ہے کہ جس وقت مصر میں ایک قانون بنا تھا کہ غیر مسلم اقلیت کے بچوں کو قرآن مجید کی تعلیم سے مستثنیٰ کر دیا جائے تو عیسائیوں نے بڑا

احتجاج کیا تھا اور کہا تھا کہ ہماری عربی زبان کمزور ہو جائیگی۔ اور ہم جاہل رہ جائیں گے یہ قانون ہم پر نافذ نہ کیا جائے ان میں حافظ بھی ہوئے ہیں، مصریوں کا مذہب بدل گیا، تہذیب بدل گئی، زبان بدل گئی، قومیت بدل گئی، سب نے عرب قومیت اختیار کر لی، اسی طرح عراق میں ہوا، اسی طرح شام میں ہوا اور جب اول اول سندھ میں آئے انہوں نے وہاں بھی اثر ڈالا جس کا اثر آج تک ہے کہ سندھی زبان میں آج تک چٹائی حصیر کہتے ہیں آج تک لہسن کو ثوم کہتے ہیں، آج تک جمعرات کو خمیس کہتے ہیں، ابھی تک سندھیوں کا رسم الخط عربی ہے۔ اسی طرح انڈونیشیا میں انہوں نے ایسا اثر ڈالا کہ انڈونیشیائی رسم الخط بھی اصلاً عربی تھا، اب وہاں قومیت کی تحریکیں اٹھیں تو یہ حقیقت نظر انداز ہوئی۔

اصل آبادی کو نظر انداز کرنے کی غلطی

ہندوستان میں ہمارے یہاں کے حکمرانوں نے سب کچھ کیا مگر یہ نہیں سوچا کہ اس ملک کی اصل آبادی کو یہاں رہنا ہے اور بظاہر اکثریت واقلیت کا یہ تناسب سیکڑوں ہزاروں برس تک رہے گا۔ اس کو جب تک اپنے سے مانوس نہ کیا جائے اس کے دلوں میں جب تک گھر نہ کر لیا جائے اس کے دل میں جب تک ایمان کا تخم نہ بو دیا جائے اور کم سے کم ان کے اندر اسلام کی قدر اور اسلام کی عظمت نہ پیدا کر دی جائے جب تک ان کی وحشت ونفرت کو دور نہ کیا جائے اس وقت تک حکومت کا کوئی اعتبار نہیں ہم چاہے زمین میں، چاہے پہاڑوں پر فن تعمیر کے محیر العقول نمونے پیدا کر دیں جیسا کہ قوم ثمود نے کیا تھا کہ ”تنحتون من الجبال بیوتا فرھین“ انہوں نے پتھر تراش تراش کر بستیوں کی بستیاں آباد کر لیں۔ لیکن یہ چیز بالکل قابل اعتبار نہیں تھی۔ اصل کام کرنے کا یہ تھا کہ یہاں کی آبادی کو مانوس کیا جاتا اور اپنے اخلاق سے، تعلیم سے، تربیت سے، طرز عمل سے، محبت سے، خلوص سے یا ان کو (ان کی رضامندی بلکہ خواہش واصرار سے) اسلام میں داخل کر لیتے، یا اسلام سے اتنا مانوس کر لیتے کہ اسلام سے کسی قسم کی کوئی وحشت اور اجنبیت نہ رہتی۔ اسپین میں جو کچھ ہوا اور آج ہم یہاں جو کچھ دیکھ رہے ہیں یہ اسی غفلت کا نتیجہ ہے۔ یہاں کے مسلمان حکمرانوں کے اندر احساس برتری رہا، ہم حکمران طبقہ کے افراد ہیں ہم حکمرانی کیلئے پیدا کئے گئے ہیں اور یہ محکومیت کے لئے پیدا کئے گئے ہیں یہ ہمارے ترکی النسل سلاطین اور افغانی النسل سلاطین کے ذہن سے نہیں نکلا اس کے

بالکل برخلاف عربوں کے اندر یہ تھا کہ نہیں ہم سب بھائی بھائی ہیں ہم یہاں داعی اور مبلغ ہوکر کے آئے ہیں اور ہمیں یہاں اللہ کا دین پھیلانا اور پہونچانا چاہئے۔

بربر کی مثال

اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ بربر جیسی ناقابل تسخیر قوم جس کی مثال تاریخ میں نہیں ملتی عربوں سے پہلے اس نے کسی کی حکومت کو تسلیم نہیں کی۔ یہاں تک کہ رومن امپائر Roman Empire اپنے عروج اور شان وشوکت کے ساتھ رہی لیکن بربر آزاد کے آزاد رہے انہوں نے رومیوں کی کوئی چیز قبول نہیں کی وہ رام اور تسخیر ہوئے تو عربوں سے ۳۰-۳۲۔ میں فرانس نے ایڑی چوٹی کا زور لگا دیا کہ بربروں میں اپنی قومیت وقدیم تہذیب کو زندہ کرنے کا جذبہ پیدا ہو۔ انہوں نے بربروں میں یہ احساس پیدا کرنے کی کوشش کی کہ وہ الگ ہیں عرب الگ ہیں۔ فرانسیسیوں نے الظہیر البربری کے نام سے شاہ مراکش کی طرف ایک فرمان نکلوایا کہ بربروں کو اندرونی آزادی دی جاتی ہے وہ اپنی قدیم تہذیب کا احیاء کریں، اپنا رسم الخط الگ بنائیں، اس کی لغت اور ڈکشنری بنائیں اور اپنے آپ کو مستقل قوم سمجھیں، بربروں نے اس سے انکار کردیا اس وقت ہمارے مشائخ ہی میدان میں آئے انہوں نے ایک وظیفہ نکالا ''**یالطیف الطف بنافی ماجرت به المقادرو ولا تفوف بیننا و بین اخواننا البرابر**'' یہ ان کا ہر نماز کے بعد وظیفہ تھا اس وقت اس وظیفہ نے وہ کام کیا کہ فرانسیسی حکومت بالکل ناکام ہوئی ادھر بربروں نے انکار کردیا ادھر عربوں نے کہا کہ یہ ہمارا گوشت پوست ہیں نتیجہ یہ ہے کہ وہ ایسے شیر وشکر نظر آتے ہیں کہ پہچان نہیں پڑتے۔

اسپین کی عرب حکومت کی غلطی

اسپین میں عربوں سے یہ غلطی ہوئی کہ وہاں کی عیسائی آبادی اور اکثریت کو انہوں نے نظر انداز کیا۔ وہ فنون لطیفہ کی ترقی اور تعمیرات میں لگ گئے، الزہرہ جیسا شہر انہوں نے آباد کیا جس کی نظیر دنیا میں ملنی مشکل ہے۔ الحمرا قلعہ بنایا جو لوگ اسے دیکھ آئے ہیں وہ کہتے ہیں کہ اس کے سامنے مغلوں کے تعمیری نمونے بھی نہیں جچتے، اندلس کے زوال کی جو کتابیں لکھی گئی ہیں ان میں جو اسباب بیان کئے گئے ہیں اس میں یہ بھی ہے کہ عربوں نے اس آبادی سے آنکھیں

[illegible] جو ان کے گرد سمندر کی طرح پھیلی ہوئی تھی اپنے حال میں مگن اور اپنے خول میں بند رہے وہ علوم ادبیہ اور شعر وشاعری میں مست رہے انہوں نے خاص اسٹائل پیدا کیا فن تعمیر کا ایک نیا نمونہ ایک نیا آرکیٹیکٹ (Architect) دنیا کو دیا یہ سب کچھ کیا لیکن ملک کی آبادی کی طرف سے انہوں نے آنکھیں بند رکھیں۔ اس کو دین فطرت میں لانے کی کوئی اہم اور کوئی منظم کوشش نہیں کی اس کا نتیجہ یہ ہے جب وہ بے دخل ہوتے ہوتے غرناطہ کی آخری سرحد تک پہنچے جہاں سے پھر آبنائے جبل الطارق تھی اور وہاں ان کو آخری دھکا دیا گیا تو وہ تعمیرات کو چھوڑ گئے۔ باقی چیزوں کو لے کر وہ زمین سے ایسے بے دخل ہوئے جیسے کبھی یہاں تھے ہی نہیں۔

غلطی کا اعادہ نہ ہو

ہم نے بھی اگر ہندوستان کی اصل آبادی کو نظر انداز کیا، اور اسلام کا پیغام اس تک نہیں پہنچایا اور اسے اپنے اخلاق سے تسخیر نہیں کیا اور ان کے دلوں میں ہم نے گھر نہیں کیا تو (اللہ تعالیٰ محفوظ رکھے) یہ ملک بھی کسی وقت اسپین بن سکتا ہے۔ ترکستان میں بھی یہی ہوا مسلمانوں نے ایک سرحد بنالی کہ بس اس سے آگے نہیں جاتے، ادھر روس کا سارا علاقہ طاقت حاصل کر رہا تھا لیکن بخارا اور سمرقند میں بیٹھے ہوئے ہمارے مسلمان بادشاہ یہ سمجھ رہے تھے کہ ہم قیامت تک یہیں رہیں گے اور کسی کی کیا مجال کہ سرحد پار کرے اور یہاں آئے نتیجہ یہ ہوا کہ جب یورپین روس سے انقلاب کا ریلا آیا تو سب بہا کر لے گیا۔

ہم مسلمانوں کو اس حقیقت کو اب سمجھ لینا چاہئے کہ اگر ۱۰۰ فیصد مسلمان تہجد گزار ہوجائیں اور ہر مسلمان کے ہاتھ میں تسبیح آجائے اور ہر مسلمان اشراق اور چاشت کا پابند ہوجائے لیکن اگر اکثریت اس سے نامانوس ہے اکثریت اپنے دل میں اس کی طرف سے زہر لئے بیٹھی ہے۔ اور سینہ میں انگارے سلگ رہے ہیں تو خدانخواستہ جس وقت اس ملک میں کوئی بھونچال آئے گا تو ہم اپنی تمام عبادتوں، نوافل کے ساتھ بے دخل ہوجائیں گے۔ اس وقت نوافل تو نوافل جو بنیادی چیزیں ہیں وہ بھی نہیں رہیں گی۔ اس لئے دینی حکمت کا تقاضا یہ ہے کہ ہم اس آبادی کو اپنے سے مانوس بنائیں، اسلام کا پیغام گھر گھر پہنچائیں، ان کو بتلائیں کہ اسلام کیا ہے؟

آج ایران کا ایک نمونہ دنیا کے سامنے آیا ہے کہ بس مارو اور بزن بزن بزن پچیس آدمی کل مارے گئے اور پچاس آدمی آج مارے گئے۔ یہ اسلام کی تعلیم نہیں ہے، ان کو بتایا جائے کہ دین کس طرح پھیلا، ایک اکیلی ذات سے دین پھیلا ہے اور جو ایمان لاتے رہے وہ بھی غیر مسلح اور کمزور لوگ تھے۔ یہ آخر کون سی تلوار تھی جو میدان میں آئی اور اس نے دین کو پھیلایا۔ ہم اپنے طرز زندگی سے، طرز عمل سے، اپنے اخلاق سے، اپنی خوش معاملگی سے، اپنی دیانتداری سے اپنے میٹھے بول سے یہاں کی اکثریت کو زیادہ سے زیادہ مانوس کرنے کی کوشش کریں ورنہ دوستو بقول اقبال۔ ؎

میں نہ عارف نہ مجدد نہ محدث نہ فقیہ — مجھ کو معلوم نہیں کیا ہے نبوت کا مقام
ہاں مگر عالم اسلام پہ رکھتا ہوں نظر — فاش ہے مجھ پہ ضمیر فلک نیلی فام
عصر حاضر کی شب تار میں دیکھی میں نے — وہ حقیقت کہ ہے روشن صفت ماہ تمام

یہ ایسی حقیقت ہے جس کے لئے کسی بڑی فراست اور دور بینی کی ضرورت نہیں، کیا میرٹھ اور مرادآباد میں عابد وزاہد لوگ نہیں تھے، خدا معاف کرے کیا وہاں دینی تعلیم نہیں تھی؟ مسجدیں نہیں تھیں؟ لیکن جب فساد کی لہر آئی تو سب کو نقصان پہنچ گیا جس وقت کوئی لاوا پھٹے گا کسی کوہ آتش فشاں سے پھر وہ کسی چیز کی تمیز نہیں کرے گا۔ اس کو ہم رو رہے ہیں کئی برس سے کہ دیکھو شہروں کی فضا ایسی بناؤ اگر کوئی مفسد آئے اور لڑوانا چاہے اور وہاں فساد کروانا چاہے تو اس کو وہیں کے شہری ناکام بنادیں۔ وہ کہیں کہ ہم کس کے خلاف ہاتھ اٹھائیں؟ یہ مسلمان جن کی وجہ سے یہاں کی وبائیں دور ہوتی ہیں، بلائیں دور ہوتی ہیں، ان کی وجہ سے ہم خدا کا نام سنتے ہیں، جو ہمارے بچوں سے پیار کرتے ہیں، جو ہمارے مریضوں کی خبر لیتے ہیں، جو اسپتالوں میں جاکر بلاتفریق مذہب وملت مسلمان، ہندو سب مریضوں سے ہمدردی، غمگساری کرتے ہیں۔ برادران وطن کو پتہ ہی نہیں کہ اسلام کیا ہے؟ وہ اپنے اندر رحمت کا کیا پیام رکھتا ہے، وہ انسانیت کو کیا دیتا ہے؟ اور مسلمان کیسے خلیق کیسے عالی ظرف، کیسے رقیق القلب، کیسے مخلص کتنے فرض شناس ہوتے ہیں یہ کوئی نہیں جانتا

صوفیائے کرام کا کارنامہ

یہ کام یہاں ہمارے صوفیائے کرام نے کیا اگر وہ نہ کرتے تو آج اتنا بھی نہ ہوتا ہم اتنی تعداد میں بھی یہاں نہ ہوتے، آپ پڑھیں تو خواجہ نظام الدین اولیاء رحمۃ اللہ علیہ کی خانقاہ غیاث پور انسانیت کی پناہ گاہ تھی کہ مارے، کھدیرے، ستائے ہوئے، گھروں سے نکالے ہوئے لوگ آتے تھے ان کو وہیں پناہ ملتی تھی، روٹی بھی کھاؤ، بستر بھی ملے گا، یہاں پڑے رہو کوئی تمہیں ترچھی نگاہ سے نہیں دیکھ سکتا۔ یہ غیاث پور کی خانقاہ ہی کا اثر تھا کہ میوات کا سارا علاقہ مسلمان ہو گیا۔ وہیں سے وہ دھارا چلا ہے یہ بات دہلی کے اور اطراف میں کیوں نہیں؟ اس پر کبھی غور کیا۔

یہی وہ چیز ہے جس کو ہم کہتے ہیں مگر نقار خانہ میں طوطی آواز بھی کچھ ہوتی ہے۔ ہماری آواز تو طوطی کی آواز کے برابر بھی نہیں، یہاں آ کر ایک چوٹ سی لگی ہے کہ آخر اس آسانی کے ساتھ یہاں کے باشندے کیسے چل گئے۔ جنہوں نے اپنی ذہانت، اپنی کارکردگی اور اپنے عزم کے سکے بٹھا دیئے تھے۔

وظنو آانہم مانعتہم خصونہم من اللہ (الحشر۔۲)

ترجمہ: اور وہ لوگ یہ سمجھے ہوئے تھے کہ ان کے قلعے ان کو خدا (کے عذاب) سے بچا لیں گے۔

قلعے نہیں بچاتے، اصل میں پیغام بچاتا ہے، دین بچاتا ہے عمل بچاتا ہے، اخلاق بچاتے ہیں اور وہ رشتہ اور تعلق جو عام انسانوں کے ساتھ ہوتا ہے کہ ماں اور باپ کی گود میں جگہ نہیں وہ کہتے ہیں، ہماری گود میں آ جاؤ حضرت خواجہ معین الدین چشتی نے کیسے اجمیر میں بیٹھ کر اتنا بڑا کام کر لیا، یہی وہ انسان دوستی اور وہ رحمت و رافت تھی جو ان کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور اولیاء عظام رحمہم اللہ سے میراث میں ملی تھی۔ وہ گویا شیروں کے بھٹ میں آ کر بیٹھ گئے ہم آپ اس وقت اندازہ نہیں کر سکتے کہ اجمیر کی اس وقت کے ہندوستان پر کیا حیثیت تھی؟ اس وقت خدا کا ایک بندہ ایران سے چل کر کے آتا ہے اور سیدھے آ کر کے وہاں بیٹھ جاتا ہے۔ اور کوئی اس کا کچھ بگاڑ نہیں سکتا کیا آپ سمجھتے ہیں کہ لوگ ان سے ڈرتے تھے نہیں، ان کی سیرت، ان کے حالات دیکھ کر لوگوں کے ہاتھ ان کے خلاف اٹھ نہیں سکتے تھے وہ سمجھتے تھے جیسے مہاپاپ (بڑا گناہ) ہے، ایسے آدمی کو تکلیف دینا معلوم نہیں کیا آفت آ جائے گی۔

زلزلہ آجائے گا۔ ابھی تک یہ حقیقت نظر انداز ہوتی رہی اس کا نتیجہ دیکھئے، مغلیہ سلطنت کس آسانی کے ساتھ ختم ہوگئی۔ یہ جو علاقائی حکومتیں تھیں ان کا نعرہ "اللہ اکبر" کہتے ہیں کہ مانڈو میں (۱۷) سترہ لاکھ کے قریب آبادی تھی، سترہ لاکھ کی آبادی اس زمانہ میں؟ ایسے ہی گولکنڈہ ایک زمانہ میں ایشیا کا عظیم ترین نہیں تو دو تین عظیم ترین شہروں میں سے تھا، اس کی تہذیب ضرب المثل تھی۔ وہ نورو ہیں سے مغل بادشاہوں کو ملا تھا۔ کسی طریقہ سے اس پر غور کیا جائے کہ اس آبادی کو اپنے عقیدہ اور مسلک میں ادنیٰ درجہ کا کوئی فرق کئے بغیر مانوس کیا جائے اور یہ بالکل ممکن ہے ہمارے بزرگوں نے کر کے دکھا دیا۔ ان کے ادنیٰ معمولات میں بھی فرق نہیں آتا تھا۔ بلکہ اور بڑھ جاتے تھے لیکن اس کے ساتھ ساتھ ایک کام انہوں نے یہ بھی کیا کہ ان کو قریب کیا اور ان کو مانوس بنایا۔ بس یہی مجھے عرض کرنا تھا کہ ہمیں یہ عبرت لینی چاہئے کہ کیوں یہاں سے مسلمانوں کا مکمل زوال ہوگیا۔ اور ایسا زوال ہوا کہ اب۔ ؎

بتاتا ہے باغباں رو رو کے یہاں غنچہ یہاں گل تھا

واخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین

نکاح، ایک عظیم، وسیع، و مسلسل عبادت

یہ تقریر ۲۶ نومبر ۱۹۸۳ء بروز جمعہ مدرسۃ الفلاح آزاد نگر اندور میں مولوی محمد تقی ندوی کے عقد کی تقریب میں خطبہ کے موقعہ پر کی گئی تھی

الحمد لله نحمده و نستعينه و نستغفره، ونومن به ونتوكل عليه و نعوذ بالله من شرور انفسنا و من سيات اعمالنا من يهده الله فلا مضل له ومن يضلله فلاهادى له و نشهد ان لااله الا الله وحده لاشريك له ونشهد ان سيدنا ومولانا محمدا عبده ورسوله صلى الله عليه وعلى اله واصحابه أجمعين ومن تبعهم باحسان و دعابد عوتهم الى يوم الدين. اعوذ بالله من الشيطان الرجيم بسم الله الرحمن الرحيمo قل ان صلاتى ونسكى ومحياى ويماتى لله رب العالمين، لاشريك له، وبذلك امرت وانا اول المسلمين (الانعام-۱۶۲-۱۶۳)

ترجمہ: (یہ بھی) کہد و کہ میری نماز اور میری عبادت اور میرا جینا اور میرا مرنا سب خدائے رب العالمین ہی کے لئے ہے، جس کا کوئی سریک نہیں اور مجھ کواسی بات کا حکم ملا ہے اور میں سب سے اول فرماں بردار ہوں۔

دو عبادتیں جن سے غفلت عام ہے

حضرات ہمارے اس عہد اور ہمارے اس جوار (پڑوس) کے ایک بڑے عارف باللہ حضرت شاہ محمد یعقوب صاحب مجددی بھوپالی رحمۃ اللہ علیہ قدس اللہ سرہ نے ایک بات فرمائی جس کو میں نے دہرایا بھی، اور لکھا بھی لیکن حقیقت یہ ہے کہ اس کی پوری گہرائیوں تک ذہن ابھی نہیں پہونچا تھا، اور اب بھی یہ دعویٰ نہیں کر سکتا کہ پوری گہرائیوں تک پہونچ گیا ہے، فرماتے تھے کہ دو (۲) عبادتیں ایسی ہیں کہ جن سے لوگ عام طور پر غافل ہیں بلکہ ان کے عبادت کے ہونے سے بھی ناواقف ہیں،، ان کو سرے سے عبادت ہی نہیں سمجھتے، ان پر عادت ہونے کی چھاپ اتنی غالب آچکی ہے کہ عبادت ہونے کی حیثیت بالکل محجوب نہیں بلکہ غائب

ہوتی ہے، ان میں سے ایک نکاح ہے، ایک کھانا، یہ بات حضرت نے بہت سیدھے سادے طریقہ پر (جیسا کہ بزرگوں کا قاعدہ ہے) فرمائی، اس پر غور کیا تو معلوم ہوا کہ حضرت نے بڑی گہری بات فرمائی۔

اول تو عبادت کا مفہوم سمجھ لیں، عبادت کا مفہوم کیا ہے، عبادت کا مفہوم ہے، کسی کام کو اللہ کی خوشی کے لئے اللہ کے حکم کے مطابق، اس کے رسول کی تعلیم کے مطابق اجروثواب کی لالچ میں کرنا، ہر وہ عمل جو اللہ کی خوشی کے لئے اور اتنا کافی نہیں ہے، بلکہ اللہ کے حکم اور شریعت کی تعلیم کے مطابق، اور اگر اس میں کوئی سنت ثابت ہے تو اس کی سنت کے مطابق اس کو ادا کرنا، اجروثواب کی امید پر اور اس پر جو وعدے ہیں، ان پر یقین کے ساتھ انجام دینا عبادت ہے، اور یہ ہر عادت کو عبادت بنا دیتی ہے، اور یہ روح نکل جائے تو ہر عبادت خالی عادت اور محض رسم، اور نفس کی پیروی رہ جاتی ہے۔

بڑی بڑی عبادتیں اور فرائض اس وقت تک عبادت رہتے ہیں جب تک آدمی ان میں مشغول ہے

ابھی یہاں آتے ہوئے اچانک ذہن میں یہ بات آئی کہ جتنی عبادتیں ہیں، وہ اپنے وقت کے ساتھ ہیں، اور تھوڑے عرصہ کے لئے ہیں، مثلاً نماز سے بڑھ کر کوئی عبادت نہیں، لیکن جب تک آپ نماز کے آداب کے ساتھ اللہ کے سامنے قبلہ رخ کھڑے ہوئے ہیں تو آپ عبادت میں ہیں، لیکن جیسے ہی آپ نے سلام پھیرا، یہ عبادت ختم ہوگئی، روزہ بہت بڑی عبادت ہے لیکن جب سے آپ نے روزے کی نیت کی اور روزہ شروع ہوا، صبح صادق سے لے کر غروب آفتاب تک آپ نے روزہ کے احکام و مسائل پر عمل کیا، آپ روزہ کی عبادت میں مشغول تھے، لیکن ادھر آپ نے افطار کیا، روزہ کی عبادت ختم ہوگئی، زکوۃ کا حال بھی یہی، آپ پر زکوۃ فرض ہوئی، اور آپ نصاب کے مالک ہیں، آپ نے مسئلہ کے مطابق زکوۃ نکالی، اپنے مال میں سے اور کسی کے حوالے کردی، جب حوالہ کردی تو زکوۃ کی عبادت ختم ہوگئی، سب سے بڑھ کر حج کا معاملہ ہے کہ سب سے زیادہ وقت اس میں لگتا ہے، سب سے زیادہ مجاہدہ اس میں ہوتا ہے، بڑی ہمت کی چیز، بڑی عزیمت کی چیز اور بڑے مرتبہ کی چیز ہے، لیکن

وہ بھی اس وقت ہے جب آپ نے احرام باندھا، اور حج کی نیت کی ''احرام کھولتے'' تک اور حج کے آخری مناسک ادا کرنے تک، آپ حج کی عبادت میں مشغول ہیں لیکن جیسے ہی آپ آخری مناسک سے فارغ ہوئے آپ حج کی عبادت سے فارغ ہو گئے، میرے ذہن نے ابھی آتے آتے کام کیا کہ نکاح کی عبادت بھی عجیب ہے کہ یہ نکاح ایجاب وقبول کے بعد سے لے کر، سوتے رہیں آپ، جاگتے رہیں آپ، چلتے رہیں آپ، باتیں کرتے رہیں آپ، اس عبادت میں مشغول ہیں، یہ عبادت مستمر ہے، یہ عبادت طویل ترین عبادت ہے اور اس میں حالات کا تغیر کوئی اثر نہیں ڈالتا، نماز میں حالات کا تغیر اثر پیدا کرتا ہے، مثلاً یہ کہ آپ بول دیئے، نماز کی عبادت ختم ہوگئی لیکن یہ عبادت ایسی ہے کہ اس میں بولتے رہئے تو نہ صرف یہ کہ یہ عبادت ختم نہیں ہوتی، بلکہ یہ عبادت اور مقبول ہو جاتی ہے، اس میں حکم ہے کہ اخلاق کے ساتھ پیش آؤ، اپنے گھر والوں کے ساتھ باتیں کرو، حضور صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم تو کہانیاں تک سناتے تھے، بخاری شریف میں ام زرعت کی طویل اور مشہور حدیث ہے، یہ بات کبھی ذہن میں نہیں آئی کہ حضرت نے یہ جو فرمایا کہ عبادت یہ ہے تو یہ ایک ایسی مسلسل عبادت ہے، جس کی مثال مجھے ابھی نہیں مل سکی۔

جمالی وجلالی عبادت

بعض عبادتیں جمالی ہی جمالی ہیں، بعض عبادتیں جلالی ہی جلالی ہیں، بعض عبادتیں وہ ہیں کہ جب تک مشغول ومصروف ہیں وہ عبادت ہے، قرآن مجید کی تلاوت عبادت ہے، زبان چلتی رہے، پڑھتے رہیں، آنکھ سے پڑھتے رہیں، اس وقت تک آپ مشغول، لیکن یہ ایسی عبادت ہے کہ اکثر عبادتوں کے تنوعات اس میں ہیں، یہ عبادت ایسی ہے کہ اس میں مختلف مزاجی کیفیات، اور ان مزاجی کیفیات سے کامیابی کے ساتھ گزر جانا، اور ان مزاجی کیفیات کو برداشت کرنا، اور جو اس میں مزاج کے خلاف باتیں پیش آئیں، ان کا تحمل کرنا، سب عبادت ہے، تو نہ صرف یہ کہ یہ ایک طویل ترین عبادت ہے، مسلسل بلا انقطاع عبادت ہے، بلکہ بہت سی عبادتوں کے رنگ اس میں آ گئے ہیں، اس میں جہاد کی عبادت بھی ہے، اس میں حج کا بھی نقشہ ہے، اس میں روزے کا پرتو بھی ہے، نماز کا عکس بھی ہے، تو سچی بات یہ ہے کہ حضرت نے بالکل القائی بات فرمائی، حضرت نے فرمایا، میں نے ایک شخص کو مجلس نکاح میں دیکھا کہ وہ

سگریٹ پی رہا ہے، تو میں نے کہا کہ دیکھو ایک شخص نماز میں سگریٹ پی رہا ہے لوگوں نے کہا کون ایسا بدبخت ہے، جو نماز کی حالت میں ایسی حرکت کرسکتا ہے؟ میں نے کہا کہ یہ عبادت کا موقعہ ہے، سب لوگ یہاں بیٹھے ہوئے ہیں، متوجہ الی اللہ ہیں، اللہ رسولؐ کی باتیں سنیں گے، اور مسلمان ہستیوں کے، بلکہ سچ پوچھئے، تو دو خاندان، دو زندگیاں اللہ کے لئے ایک دوسرے سے مربوط ہو رہی ہیں، اور شریعت کے مطابق اور یہ اللہ کا بندہ یہاں سگریٹ پی رہا ہے، تو یہ تو عبادت کی مجلس میں سگریٹ پی رہا ہے، اس لئے کہ جہاں عبادت کی جائے، وہ جگہ اللہ تبارک وتعالےٰ کی رحمت کے نزول کی ہوتی ہے، وہ موقع تفریح اور سگریٹ نوشی کا ہے؟

عجیب وغریب عبادت

یہ عجیب وغریب عبادت ہے کہ برسوں چلے گی، کھا رہے ہیں، جب بھی عبادت میں ہیں، سو رہے ہیں جب بھی عبادت میں ہیں، جاگ رہے ہیں جب بھی عبادت میں ہیں، کما رہے ہیں اور کما کر دے رہے ہیں، جب بھی عبادت میں ہیں، اس کی تائید میں کہتا ہوں کہ حضور صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ جو تم اپنی بیوی کے منھ میں لقمہ رکھو گے وہ بھی صدقہ ہے، وہ بھی عبادت ہے، اور یہاں تک فرمایا کہ انسان کے جو جنسی طبعی تقاضے ہیں ان کو پورا کرنا بھی عبادت ہے، پھر صحابہ کرامؓ سے بڑھ کر فقیہ کون تھا، لیکن ان کو بھی اس وقت ذرا تامل ہوا سمجھنے میں، انھوں نے کہا کہ یارسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم وہ کیسے عبادت ہے، اس میں نفس کا تقاضہ پورا ہوتا، انسان کے قلب کو اس کے دماغ کو سب کو فرحت حاصل ہوتی ہے تو اس کا حصہ تو مل گیا، قلب کو قلب کا حصہ ملا، دماغ کو دماغ کا حصہ ملا، جسم کو جسم کا حصہ ملا، تو اس میں ثواب کیوں؟ فرمایا، اچھا اگر غلط جگہ، اور غلط طریقہ پر آدمی اپنا تقاضا پورا کرتا، تو گناہ ہوتا کہ نہ ہوتا؟ صحابہؓ نے کہا کہ ضرور، فرمایا کہ اس پر تو گناہ ہو، اور اس پر ثواب نہ ملے، یہ اللہ کے انصاف سے بعید ہے۔

شریعت کا اعجاز

ابھی تک اس تقاضہ کو پورا کرنے میں کیوں دیر لگی؟ اللہ کا حکم نہیں تھا، وہ بیچ میں جو دیوار کھڑی تھی، حجاب کی حرمت، کی، غیرت کی، وہ دیوار بغیر اللہ کے حکم کے ہٹ نہیں سکتی تھی نکاح

پڑھایا گیا، ایجاب وقبول ہوا، نکاح پڑھانے والے نے کہا میں نے فلاں کو تمھاری زوجیت میں دیا، تم نے قبول کیا؟ اتنے مہر کے بدلہ، نوشہ نے کہا، ہاں، بس وہ دیوار فوراً ہٹ گئی، اس وقت تک ساری دنیا، اس دیوار کو ہٹانا چاہے یعنی اس وقت روس اور امریکہ بھی اس دیوار کو ہٹانا چاہیں تو نہیں ہٹا سکتے، اس کو تو ایک کلمہ ہٹائے گا کہ ہاں قبلتُ میں قبول کیا، اردو میں کہئے، ہندی میں کہئے، انگریزی میں کہئے، لوگ سمجھیں کہ اس نے کہا، اور قبول کیا، یہ شرط ہے کہ لوگ بھی سمجھیں کہ ہاں ایجاب وقبول ہوگیا، وہ دیوار پاش پاش ہوگئی، دیوار دھواں ہو کر اڑ گئی، اب اس دیوار کو کوئی دوسرا کھڑا نہیں کر سکتا، نہ وہ حکومتیں اور طاقتیں اس دیوار کو ہٹا سکتی ہیں، نہ وہ حکومتیں اور طاقتیں اس دیوار کو بیچ میں لا سکتی ہیں، یہ صرف اللہ کے حکم کی طاقت ہے، شریعت کی مسیحائی اور اعجاز نمائی۔

شریعت محمدی اب بھی جوان ہے اور اس کی حکومت قائم

مجھے حضرت مسکین شاہ صاحب حیدرآبادی کی ایک بات بہت پسند آئی، میں نے سنا کہ ایک بڑی بی، حضرت کے پاس بیعت ہونے کے لئے آئیں، عمر ۷۰۔۷۵ سال کی، حضرت کی عمر بھی ایسے ہی، تو انھوں نے کہا کہ بی بی بیٹھو ایک طرف پردہ میں، اور چادر دے دو، ایک سرا آپ پکڑ لیجئے، انھوں نے کہا، میاں آپ بھی بوڑھے، میں بھی بوڑھی، آپ بھی ۷۰۔۷۵ سال کے، اور میں بھی ۷۰۔۷۵ سال کی تو پردہ کاہے کا؟ فرمایا ہاں، بی بی ہم بھی بوڑھے تم بھی بوڑھی، لیکن رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شریعت جوان ہے، میں کیا کروں، محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شریعت جوان کھڑی ہے، مجھے اس سے شرم آتی ہے، تو بھئی یہ شریعت جوان ہے، اور یہی شریعت آج بھی ہم پر حکومت کر رہی ہے، یہ اتنے سب آدمی اسی کے حکم پر چل رہے ہیں، اللہ کے فضل وکرم سے کہ جب تک یہ ایجاب وقبول نہ ہو، شرعی طریقہ پر نکاح نہ ہو، مجال نہیں، کہ مرد عورت کا سایہ بھی دیکھ سکے، آج بھی ہمارے گھروں میں ایسا پردہ ہے، خدا کے فضل سے کہ پرچھائیں نہیں پڑ سکتی، کسی غیر مرد کی، سب سے خون کا رشتہ ہے، اور یقیناً یہاں بھی رشتہ ہوگا اور ہر جگہ ہے، اور عام طور پر قرابتوں میں شادیاں ہوتی ہیں، لیکن جب تک شریعت بیچ میں نہ آجائے، جو جوان ہے، جس کی حکومت اب بھی ہے، کوئی کچھ کہے ہماری حکومت ہے، ہماری حکومت ہے، لیکن سچ پوچھئے تو شریعت محمدیؐ کی حکومت ہے، وہ جیسی

حکومت ہے، کیا روس کی حکومت ہوگی؟ کیا امریکہ کی حکومت ہوگی؟ یہاں ہے کوئی کسی حکومت والا، کون یہ سب کرا رہا ہے، کون اتنے آدمیوں کو اتنی دور سے بلا کر لایا ہے، کس نے اتنے آدمیوں کو سب کام چھڑا کر یہاں بٹھایا ہے، کس نے اس بچے کو ابھی تک روکے رکھا، کس نے اس بچی کو اس سے دور رکھا، یہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شریعت ہے، اس سے بڑھ کر حکومت کسی کی ہوسکتی ہے، ہوتی ہو تو بتادے، ہم نے تو یہ دیکھا ہے کہ لوگ دیوار کے پیچھے آئے اور گالیاں دینی شروع کردیں، اور حکموں کو ایسا توڑتے ہیں، مسلتے ہیں، پاؤں سے روندتے ہیں، کیا حکومتوں کے آج قانون نہیں توڑے جارہے ہیں، کون سا قانون ہے جو پورے طور پر چل رہا ہے، لیکن آج بھی اللہ کے فضل وکرم سے کروڑوں انسان رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بات مان رہے ہیں، اور آپ کی شریعت پر چل رہے ہیں، اور جیسے نکاح یہاں ہورہا ہے، ایسے ہی مراکش میں، اور ایسے ہی الجزائر میں، اور ایسے ہی امریکہ میں، خدا کے فضل وکرم سے وہاں بھی مسلمان رہتے ہیں، کیا مجال کہ کوئی مسلمان جس کے اندر ایمان ہے، وہ وہاں امریکہ کے قانون کے مطابق سول میرج کرلے، کوئی شادی ویسے ہی کرے، وہ کرے گا تو ویسے ہی کسی مولوی کو ڈھونڈ کر لائے گا، کسی تبلیغی آدمی کو لائے گا اور مجلس ہوگی اور سو، پچاس آدمیوں کے سامنے نکاح پڑھایا جائے گا، یورپ میں بھی ایسا ہی ہورہا ہے، کس کی ایسی حکومت ہے کہ وہ خشکی اور تری پر، شمال اور جنوب پر، امیر وغریب پر، بوڑھے اور جوان پر، مرد وعورت پر، ہر ایک پر اس کی حکومت ہو، اللہ کا دین زندہ ہے، اور اللہ کا رسول اپنی قبر مبارک میں بھی زندہ ہے، اور اس کی شریعت اس دنیا میں بھی زندہ ہے، یہ معجزہ ہے، اور یہ بات اور یہ طاقت صرف شریعت ہی میں ہے، اور کسی چیز میں نہیں، اس ازدواجی زندگی میں بھی ایسے مرحلے آتے ہیں کہ بعض مرتبہ آدمی بالکل اس کا جی چاہتا ہے کہ اس وقت کچھ کر گزرے، غصہ اتارے، وہ حقوق کا خیال نہ کرے، حقوق کو پامال کردے، اور دیکھا جائے گا، جو کچھ ہوگا، لیکن شریعت روکتی ہے، نہیں مرضی کے خلاف کوئی بات ہورہی ہے، سب برداشت کررہا ہے، تو یہ عبادت نہیں، عبادات کا مجموعہ ہے، اور اس میں درجنوں عبادتوں کے نمونے موجود ہیں، اور ان کے عکس موجود ہیں، اس لئے یہ بڑی مبارک عبادت ہے۔

محبوب سنّت

پھر اس کے بعد وہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کی محبوب سنت ہے، اس لئے کہ یہ وہ سنت ہے، جس میں حضور صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کو تمام امت کے مقابلہ میں زیادہ اختیار دیا گیا ہے، اور یہ نہیں کہ ہم آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر پانچ وقت کی نماز فرض تھی، حضور صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم پر چھ وقت کی ہو، ایسا نہیں، ویسے تہجد آپؐ ایسی پڑھتے تھے،، ایسی پابندی کرتے تھے، جیسے گویا فرض ہے، اور بعض لوگوں کا خیال ہے کہ آپ کے لئے وہ فرض ہی تھا، لیکن مسئلہ کے اعتبار سے، شرعی اعتبار سے، وہی پانچ وقت کی نمازیں آپ کے لئے بھی تھیں، ہمارے لئے بھی ہیں، لیکن نکاح کی وہ سنت ہے کہ آپ کو ہم سے زیادہ بیویاں رکھنے کا اختیار تھا، اور امت کا عقیدہ ہے اس پر، اور یہ امت کی ان چیزوں میں ہے جن کا ثبوت قطعی اور متواتر طریقہ پر ہو چکا ہے، تو یہ ایسی سنت ہے کہ جس میں حضور صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کا حصہ امت کے مقابلہ میں بھی زیادہ ہے، اس سے آپ سمجھ لیجئے کہ یہ محبوب سنت ہے، محض ایک چل پہل، رونق یا اپنی شان وشوکت کا اور اپنی دولت کا اظہار (جیسے بعض جگہوں پر ہوتا ہے) مقصود نہیں ہے، یہ خالص عبادت ہے)۔

وسیع ومُتعدّی ثواب

اس کو عبادت سمجھ کر کرے تو انشاء اللہ نوشہ کو بھی ثواب، اس کے سرپرستوں، بزرگوں اور افراد خاندان کو بھی ثواب اور بچی کے گھر والوں کو بھی ثواب، اور اس میں حصہ لینے والوں کو بھی ثواب، اس میں آنے والوں کو بھی ثواب اور بیٹھنے والوں کو بھی ثواب، اور گواہ بننے والوں کو بھی ثواب، اور سب کو ثواب، یہ ایسی متعدی اور وسیع دائرہ کی عبادت ہے، کہ جو اس شامیانہ کے نیچے آ جائے، یہ شامیانہ مراد نہیں، یہ بھی اچھا ہے، لیکن وہ عبادت کے شامیانہ کے نیچے شادی کے شامیانہ کے نیچے، وہ سب اس ثواب کے کام میں شریک ہیں، اللہ تعالےٰ مبارک فرمائے، البتہ نیت صحیح ہونی چاہئے اور شریعت کے احکام کو ڈھونڈھنا چاہئے، آپ کی معاشرت کا، آپ کے گھر کی زندگی، اہل بیت کی زندگی کا مطالعہ اہتمام کے ساتھ ہونا چاہئے، ان سب چیزوں کو اختیار کرنے کی کوشش کرنی چاہئے۔

واخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین

حیات ملی میں خواص امت کا مقام اور ان کی ذمہ داریاں

یہ تقریر ''میر واعظ منزل جموکشمیر'' میں جمعہ ۳۰ اکتوبر کو بعد نماز عصر علماء، ائمہ مساجد اور خواص کے ایک مؤقر مجمع کے سامنے کی گئی۔

الحمد لله نحمده و نستعينه و نستغفره، ونومن به ونتوكل عليه و نعوذ بالله من شرور انفسنا و من سيات اعمالنا من يهده الله فلا مضل له ومن يضلله فلاهادى له و نشهد ان لااله الا الله وحد ہ لاشريک له ونشهد ان سيدنا ومولانا محمداً عبده ورسوله صلى الله عليه وعلى اله واصحابه أجمعين ومن تبعهم باحسان و دعابد عوتهم الى يوم الدين.

جناب میر واعظ مولانا محمد فاروق صاحب، علماء کرام، مجھے بڑی خوشی ہے کہ جن حضرت کی خدمت میں مجھے فرداً فرداً حاضر ہونا چاہئے تھا، وہ خود یہاں تشریف لے آئے ہیں، اور ایک جگہ مجھے ان کی زیارت وملاقات نصیب ہوگئی، میں میر واعظ صاحب کا بہت شکر گذار ہوں کہ جو فرض مجھ پر عائد ہوتا تھا، اس سے مجھے انھوں نے بہت خوبی اور بڑی کریم النفسی کے ساتھ سبکدوش کر دیا۔

حضرات! میں اس تھوڑے سے وقت میں ایسے معزز حضرت کی خدمت میں کیا عرض کروں؟ میں ایک حدیث سے مدد لیتا ہوں، صحیحین کی حدیث ہے، ''الا ان فی السجد مضغته اذا صلحت صلح الجسد كله واذا فسدت فسد الجسد كله ، الاوهى القب(۱) کلام نبوت کا نور اس میں صاف چمک رہا ہے، (غور سے سن لو، جسم انسانی میں گوشت کا

---

(۱) صحیحین، بخاری ومسلم

ایک ٹکڑا، مضغہ، گوشت، ایسا ہے کہ اگر وہ درست ہو جائے تو جسم کا پورا نظام درست رہتا ہے، ''واذافسدت فسد الجسد کله'' اور اگر اس میں بگاڑ آ جائے تو پھر پورا جسم بگڑنے لگتا ہے، اس میں فساد پھیل جاتا ہے)، معلوم ہے مضغہ، گوشت کیا ہے، کونسا ہے؟ (آپ نے خود ہی اس کی تشریح فرمائی)'' ألاوهی القب، یادرکھو وہ دل ہے'' تو میں سمجھ رہا ہوں کہ جس طریقہ سے جسم انسانی کا ایک قلب ہوتا ہے، امت کا بھی ایک قلب ہوتا ہے، انسانیت کا بھی ایک قلب ہوتا ہے، یہ قلب جسم انسانی کے اندر اپنے فرائض انجام دیتا ہے۔ اور اس انسانی جسم کا پورا نظام اس پر موقوف ہوتا ہے، یہ قلب اگر خراب ہو جائے (اور اس کی شکلیں بہت سی ہیں) اس بگاڑ کی اور اس بیماری کی نوعیت کچھ ہو، لیکن جب قلب اس سے متاثر ہو جاتا ہے تو پورا جسم اس سے متاثر ہوئے بغیر نہیں رہتا، اور پورا جسم اپنے اس نقطۂ اعتدال اور اپنے اس مقام سے ہٹ جاتا ہے، جس مقام پر وہ تھا، اس وقت میں سمجھ رہا ہوں کہ میں کشمیر کے قلب، شاید قلب و دماغ دونوں سے خطاب کر رہا ہوں، ہم آپ سب خدا کے فضل سے صاحب قلب ہیں، اہل دل تو نہیں کہتا، اہل دل تو بہت بامعنی اور بہت بلند مفہوم رکھنے والا لقب ہے، شیخ سعدیؒ جہاں ذکر کرتے ہیں، ''صاحب دلے گفتہ'' ''صاحب دلے فرمود'' کہتے ہیں، اہل دل کا تو بڑا مقام ہے لیکن ہم سب اصحاب قلوب ضروری ہیں، آپ غور فرمایئے، دل کے لئے جادۂ اعتدال پر رہنے کے لئے، اور اپنا فطری وظیفہ بحیثیت ایک مضغۂ گوشت، بحیثیت ایک جز کے (لیکن کل کی تنظیم کرنے والے اور حفاظت کرنے والے عضو کے) بڑے نازک اور عظیم فرائض ہیں۔

صالح دل کے لئے ضروری چیزیں

اب میں عرض کروں گا کہ دل کے لئے تین چیزیں ضروری ہیں، تاکہ وہ اپنا فطری وظیفہ ادا کر سکے، اور جسم کا نظام درست رہے، پہلی چیز یہ ہے کہ وہ زندہ ہو، سارا انحصار اس کی زندگی پر ہے، اگر دل مرگیا تو پھر کسی چیز کا سوال نہیں، کسی شاعر کہا ہے،

مجھے یہ ڈر ہے ، دل زندہ تو نہ مرجائے
کہ زندگی ہی عبارت ہے، تیرے جینے سے

پہلی شرط ہے کہ دل زندہ ہو، اس کا زندگی سے رشتہ جڑا ہوا ہو، دوسری بات یہ کہ دل میں

حرکت ہو، دل متحرک ہو، اور آپ جانتے ہیں کہ دل کی حرکت بند ہوئی تو دل بھی ختم اور جسم بھی ختم، پھر زندگی کا کوئی سوال نہیں، دل کو حرکت میں رکھنے کیلئے کیا کیا تدبیریں کی جاتی ہیں، طبی، جسمانی، عضوی) اور اب میکانکی بھی، آپ سب جانتے ہیں کہ دل کو حرکت میں لانے کے لئے جس طریقہ سے ایک انسان اپنی زندگی کے لئے ہاتھ پاؤں مارتا ہے، اسی طرح معالجین اور اطباء اور ہارٹ اسپشلسٹ ہیں، اس کو حرکت میں لانے کے لئے کیا کیا تدبیریں کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ حرکت میں آ جائے، پھر آگے اس کو باقی رکھنے کی کوشش کی جائے گی، تیسری شرط یہ ہے کہ دل میں حرارت ہو، دل سرد اور افسردہ نہ ہو جائے، یہ تین شرطیں ہوئیں، حیات، حرکت، حرارت۔

اب میں عرض کروں گا کہ جس خطہ، جس ملت وامت اور جس خاندان کے خواص ہوں، ان کے لئے بھی یہ تین شرطیں ہیں، پہلے یہ کہ وہ زندہ ہوں، دوسرے یہ کہ وہ متحرک ہوں، تیسرے یہ کہ ان کے اندر حرارت ہو، اگر ان میں سے کوئی چیز چلی جائے اور خواص کا رشتہ زندگی سے منقطع ہو جائے، تو پھر عوام کا کیا حال ہوگا، آپ سمجھ سکتے ہیں، یوں سمجھئے کہ خواص پاور ہاؤس (PowerHouse) ہیں، ملت اسلامیہ اور یہ ملت جو آج تک قائم ہے، اپنے اس پاور ہاؤس کے تعلق کی وجہ سے اس کا پاور ہاؤس کبھی بند نہیں ہوا، معطل نہیں ہوا، آپ دیکھتے ہیں، تھوڑی دیر کے لئے پاور ہاؤس آپ کے شہر کے کا کام کرنا چھوڑ دیتا ہے، اور اس کا رابطہ ٹوٹ جاتا ہے، تو وائرز (بجلی کے تاروں) میں کرنٹ بند ہو جاتا ہے اور ہر جگہ اندھیرا، اور سردی پھیل جاتی ہے، تو ملت کا پاور ہاؤس اس کے خواص ہیں، تاریخ ہمیں بتاتی ہے کہ کسی دور میں اس ملت کا پاور ہاؤس بند نہیں ہوا، یہ امت کے تسلسل کی تاریخ درحقیقت خواص کے اصلاحی کارناموں کے تسلسل کی تاریخ ہے، اگر آپ اس کو ذرا گہرائی سے دیکھیں تو آپ جس کو ملت اسلامیہ کی بقا کی تاریخ کہے ہیں، یہ ملت اسلامیہ کے خواص کی بقا اور تسلسل کی تاریخ ہے، ملت میں ہر دور میں ایسے لوگ موجود تھے، جو خود زندہ تھے، خود متحرک تھے، صاحب حرارت تھے، ان کی وجہ سے ملت کی رگوں میں خون کی تقسیم صحیح ہوتی تھی، آپ جانتے ہیں کہ دل خون تقسیم کرتا ہے، اس کی وجہ سے یہ خون رگوں اور شرائین میں دوڑتا ہے، تو ملت کے قلب نے کبھی اپنا کام بند نہیں کیا، ملتوں پر جو زوال آیا، اور ملتیں مٹ گئیں، اس کی ایک وجہ یہ ہے کہ ان کا پاور ہاؤس بند ہو گیا، آپ عیسائیت کی تاریخ پڑھیں، یہودیت کی تاریخ پڑھیں، آپ کو معلوم ہوگا، کہ انبیاء بنی اسرائیل کے تھوڑے

عرصہ کے بعد اسرائیلی پاور ہاؤس نے کام کرنا چھوڑ دیا تھا، وہ کام کیا تھا احتساب کا کام امر بالمعروف نہی عن المنکر کا کام، حق و باطل میں تمیز کا کام، اور بے خوفی، بے رعبی، خدا پر توکل، صحیح کلمۂ حق کہنا، ہر حال میں کوئی ناراض ہو، کوئی راضی ہو، بنی اسرائیل کی تاریخ بتاتی ہے کہ اس پاور ہاؤس نے اپنا کام کرنا چھوڑ دیا تھا، قرآن مجید اس کی شہادت ہے۔

یا ایھا الذین آمنوان کثیرا من الاحبار والرھبان لیا کلون اموال الناس بالباطل ویصدون عن سبیل اللہ. (التوبہ۔۳۴)

اے ایمان والو (اہل کتاب کے) بہت سے عالم اور فقیہ لوگوں کا مال ناحق کھاتے ہیں، اور اللہ کی راہ سے روکتے ہیں۔

اس سے بڑھ کے شاید شہادت نہیں ہوسکتی کہ بنی اسرائیل کا پاور ہاؤس کیا تھا؟ یہ اس کے احبار و رہبان تھے، ان کے علماء اور مشائخ تھے، احبار و رہبان اگر آپ اس وقت کی اصطلاحات میں، اور اسلامی ٹرمس (TERMS) میں ترجمہ کریں، تو ''علماء و مشائخ'' ترجمہ ہوگا، ان کے اکثر علماء و مشائخ لوگوں کا مال ناحق کھاتے تھے،'' **ویصدون عن سبیل اللہ** ''یعنی جو کام تھا وہ نہیں کرتے تھے، اور جو کام نہیں کرنا تھا، وہ کرتے تھے، اور اس کا مطلب یہی ہوتا ہے کہ پاور ہاؤس نے اپنا اصلی کام چھوڑ دیا، دوسرا کام شروع کردیا، یہ کانسٹیبل جو ٹریفک کنٹرول کرتا ہے، یہ اگر اپنی جگہ چھوڑ دے، اور پانی پلانے لگے، راستہ بتانے لگے، تو سواریوں میں ٹکر ہوجائے، بیسیوں حوادث پیش آئیں، حالانکہ وہ کار خیر کررہا ہے، بہت ثواب کا کام کرتا ہے، پیاسے کو پانی پلاتا ہے، دور تک جاتا ہے، راستہ بتانے کے لئے، لیکن وہ مستوجب تعزیر ہوگا، کہ اس نے اپنا اصلی کام چھوڑ دیا، ڈیوٹی چھوڑ دی، علماء و مشائخ کا کام کیا تھا؟ اللہ پر بھروسہ کرنا، زہد و قناعت کی زندگی گذارنا، دوسروں کی جیبوں پر نظر نہ ڈالنا، دوسروں کے مال کو نہ دیکھنا، اور جو نہ ملے اس پر شکر کرنا، لیکن کیا کرنے لگے،'' **یاکلون اموال الناس بالباطل** '' وہ لوگوں کا باطل طریقہ سے مال کھانے لگے، خود محنت نہ کرتے دوسروں کی محنت سے فائدہ اٹھاتے، دوسروں کی محنت کیا ہے؟ اپنے اور اپنے بچوں کا پیٹ بھرنے کیلئے ہاتھ پاؤں مارنا، اس محنت سے تو یہ مفت میں فائدہ اٹھاتے ہیں، لیکن ان کی جو محنت تھی، انھوں نے جو پڑھنے میں محنت کی تھی، علم حاصل کرنے میں محنت کی تھی، اس کا نتیجہ لوگوں کو وہ دیتے نہیں، یہ اپنی محنت کے نتیجہ میں لوگوں کو

شریک نہیں کرتے، اور لوگوں کی محنت کے نتیجہ پر وہ حاوی اور مسلط ہو گئے ہیں، کہ اس کا بڑا حصہ انھیں کی نذر ہو جاتا ہے، ”**ویصدون عن سبیل اللہ**“ ان کا کام تھا لوگوں کو راستہ بتانا، الٹا راستہ روکنے لگے، یعنی بجائے رہبر کے رہزن بن گئے، اگر آپ ملتوں کی تاریخ پڑھیں تو آپ کو معلوم ہوگا کہ ان کا پاور ہاؤس پہلے بند ہوا، اور ملت میں بعد میں فساد آیا تحریف آئی۔

یہ ہر ملت کی تاریخ ہے، لیکن ہماری ملت کی تاریخ یہ ہے کہ مختصر سے مختصر دور میں بھی اس کے پاور ہاؤس نے کام کرنا نہیں چھوڑا، اور یہ ایک ایسا تسلسل ہے کہ اگر کوئی شخص اس پر قسم کھائے تو وہ حانث نہیں ہوگا (یعنی اس کو کفارہ دینا نہیں ہوگا) اگر میں یہ کہوں کہ اس ملت کی تاریخ میں ایک مہینہ کی مدت بھی ایسی نہیں گذری کہ جس میں اس کا پاور ہاؤس بالکل خاموش ہو گیا ہو، اور کوئی خدا کا بندہ عالم اسلام کے کسی حصہ میں، کسی ملک میں بھی نہیں رہا، جو حق کو حق کہے، باطل کو باطل کہے، تو یہ بات صحیح نہیں اور اس کی سب سے بڑی شہادت صحاح کی روایت ہے، کہ ”**لاتزال طائفة من أمتي قوامة على امر الله، لايضرها من خالفها**“[1] (میری امت میں ہر دور میں، ہر زمانہ میں ایک جماعت ضروری رہے گی، جو حق پر قائم ہوگی، اور کوئی ان کی کتنی ہی مخالفت کرے، اور اس کی مدد نہ کرے، ان کو کوئی نقصان نہیں پہونچا سکتا)۔

اب کسی علاقہ کے لئے سب سے بڑا خطرہ یہ ہے کہ وہاں کے خواص جو وہاں کے قلب ہیں وہ یا مردہ ہو جائیں، یا غیر متحرک ہو جائیں، یا ان کی حرارت ختم ہو جائے، بس اب ہمیں دیکھنا یہ ہے کہ یہ تینوں شرطیں ہم میں پائی جاتی ہیں یا نہیں؟ حیات، حرکت، حرارت، اگر حیات ہے لیکن حرکت نہیں ہے، ہماری زندگی میں وقوف و تعطل پیدا ہو گیا ہے، تو جیسے بہتا ہوا پانی، رکنے کے بعد خراب ہونا شروع ہو جاتا ہے، اور اس میں تعفن پیدا ہو جاتا ہے، اسی طرح ہمارے معاشرہ اور حیات ملی میں بھی فساد آ جائے گا، تیسری بات یہ کہ آپ کے اندر حرارت بھی ہو، یعنی آپ کے اندر تعلق مع اللہ، عشق رسول، لقائے رب اور جنت کا شوق، ایمان کی قوت اور حق بات کہنے کی جرأت باقی ہو، تو پھر کوئی کتنی ہی سازش کرے اس جسم کو خراب کرنے کی جسم خراب نہیں ہوگا، لیکن اگر قلب اپنا کام کرنا چھوڑ دے تو دنیا کی ساری سلطنتیں اور طاقتیں جمع ہو جائیں تو، اس جسم کو زندہ نہیں رکھ سکتیں، جس طریقہ سے کسی درخت کی اگر قوت نمو ختم ہو جائے تو آپ

---

[1] سنن ابن ماجہ

ہزار مرتبہ ہزار طریقے سے اس پر پانی گرائیں تو وہ درخت سرسبز نہیں رہ سکتا، تھوڑے دن میں وہ گر جائے گا، اور ایندھن بن جائے گا۔

حضرات! ہمیں تاریخ بتاتی ہے کہ ہندوستان میں ہر دور میں ایسے لوگ رہے جو حق بات کہتے تھے، اور ان کے اندر حرارت تھی، حرارت ایمانی اور حرارت عشقی ان کے اندر باقی تھی، جو شخص ان کے پاس بیٹھتا تھا، وہ متاثر ہوتا تھا، ان کے پاس سے گذر جانے والا بھی بعض اوقات محروم نہیں رہتا تھا، اس کو بھی آنچ پہونچتی تھی، اس میں بھی کرنٹ دوڑ جاتا تھا، یہ جو آپ تصوف کی تاریخ اور صوفیائے کرام کے ذکر میں سنتے ہیں، کہ ان کے اندر بھی توکل کے بجائے تواکل(۱) اور حرکت کے بجائے تعطل پیدا ہوگیا تھا، اور رسمیت آگئی تھی، تو یہ بعد کی بات ہے اور کسی حلقہ اور جگہ کے ساتھ مخصوص ہے، ہم ہندوستان میں دیکھتے ہیں کہ لوگ جو صوفیاء اور مشائخ کہلاتے تھے، ان کے ذریعہ سے عوام میں ایمان اور عمل کا ایک کرنٹ دوڑتا تھا، اور اگر ایک شہر میں ایک بھی ایسا آدمی ہوتا تھا تو اس شہر پر غفلت، جاہلیت، خدا فراموشی، دولت پرستی اور موقعہ پرستی کا پورا حملہ نہیں ہونے پاتا تھا، ہوتا تھا، لیکن یہ نہ تھا کہ پورا معاشرہ اس کا شکار ہو جائے، اور اس بہاؤ میں بہہ جائے، ایسا نہیں ہوتا تھا، ایک آدمی بیٹھا ہے، خدا کا بندہ اور سارے شہر میں ایک گرمی سی معلوم ہوتی ہے، حضرت خواجہ نظام الدین اولیاء دہلی میں بیٹھے تو معلوم ہوتا تھا کہ دنیا کا مرکز ثقل یہی ہے، کیا سرکاری، کیا امیر کیا وزیر، کیا شاعر کیا ادیب، کیا عالم، ساری مخلوق ان کی طرف چلی آرہی ہے، پھر خواجہ نصیر الدین چراغ دہلی کا دور آیا، اور سارا ماحول روشنی اور گرمی سے معمور ومخمور ہوگیا، ہر شہر میں ایسا رہا ہے، آپ اپنے کشمیر ہی کو دیکھ لیجئے، یہاں اللہ کا ایک شیر آیا، حضرت امیر کبیر سید علی ہمدانیؒ اور سارے خطہ کو انھوں نے مسلمان بنا دیا، اور آج بھی ان کے خلوص کی برکت ہے، ان کی للّٰہیت کی برکت ہے، ساری خرابیوں کے باوجود بھی یہاں مسلمان ہیں، یہ کیا تھا؟ یہ وہی قلب کی حرکت وحرارت ہے، ایک قلب اس کا تناسب کیا ہوتا ہے، آپ دیکھئے جسم انسانی کتنا بڑا ہے، اور قلب کتنا چھوٹا ہے، لیکن یہ چھوٹا سا ٹکڑا (مضغہ، گوشت) سارے جسم پر حکومت کرتا ہے، اور سارے جسم کا صلاح وفساد اس سے مربوط ہے، خواص میں تعطل پیدا ہونا، خواص میں دنیا طلبی آنا، خواص میں دولت پرستی کا آنا، خواص میں

---

(۱) ترک سعی وعمل اور دوسروں پر بھروسہ

انتشار پیدا ہونا، اصل خطرے کی بات ہے۔

میں ایک واقعہ سناتا ہوں، ایک بزرگ نے بتایا کہ حیدرآباد میں ایک بزرگ کے گھٹنے میں درد ہو گیا تھا تو میں اس میں قیروطی مل رہا تھا (جو وجع مفاصل اور جوڑوں کے درد کے لئے مفید ہے) ان کے خدام، معتقدین، مریدین، جن کا بڑا حلقہ تھا، جب مجلس میں بیٹھے تھے، خاموش مؤدب، بالکل معلوم ہوتا تھا کہ سب کے سروں پر پرندے بیٹھے ہیں'' **کان علی رئوسھم الطیر** ''حضرت فرماتے ہیں، سب سنتے ہیں، اس دن معلوم نہیں کہ کیا بات ہوئی کہ ایک یہاں سے بولا، ایک نے بات کہی ایک نے اس کو کاٹا، کسی نے اس کا جواب دیا، اور بالکل معلوم ہوتا کہ بزرگوں کی مجلس نہیں ہے، ہم کسی منڈی میں پہونچ گئے ہیں، مچھلی بازار یا سبزی منڈی میں، ادھر سے شور ادھر سے شور، مجھے بڑا تعجب ہوا کہ آج ہوا کیا؟ آج یہ کیا نئی بات ہے کہ یہاں بزرگ اپنی پوری خصوصیات کے ساتھ بنفس نفیس موجود لیکن آج معلوم ہوتا ہے کہ جیسے لوگوں کو احساس ہی نہیں کہ بزرگ سامنے بیٹھے ہوئے ہیں، انھوں نے میرا استعجاب و حیرت دیکھی تو گھٹنے کی طرف اشارہ کیا میں سمجھا کہ یہاں درد زیادہ ہو رہا ہے، تو میں وہاں ملنے لگا، پھر مجھے تعجب ہوا کہ لوگ اب بھی خاموش نہیں ہو رہے ہیں، تو انھوں نے پھر گھٹنے کی طرف اشارہ کیا، تو میں ادھر ملنے لگا، میں نہیں سمجھا کہ کیا بات ہے، اس وقت وہ بزرگ میرے کان کے پاس منھ لائے اور فرمایا کہ گھٹنے کے درد کی وجہ سے میں رات کے معمولات پورے نہیں کر سکا ہوں اس کی بے برکتی اور اس کی نحوست ہے، جو تم دیکھ رہے ہو، اچھا میں پوچھتا ہوں کہ ایک بزرگ کے اپنے معمولات کے چھوڑ دینے کا کیا نتیجہ ماحول اور معاشرہ پر ہوگا؟ اب آپ حساب لگائیے کہ ایک کا اثر اتنا تو چار کا کتنا، تو آٹھ کا کتنا، تو پچاس کا کتنا تو اگر کسی جگہ کے سب خواص ایسے ہو جائیں، (خدانخواستہ) تو کیا حال ہوگا؟ اکبر الہ آبادی مرحوم نے اسی حالت کو دیکھ کر کہا ہے۔

رحم کر قوم کی حالت پہ تو اے ذکر خدا
بے ادب ہو گئی محفل تیرے اٹھ جانے سے

جب خواص کو عوام دیکھیں کہ دولت کی اہمیت ان کے دل میں بھی وہی ہے، عہدہ اور عزت کی اہمیت ان کے دل میں بھی وہی ہے جو ہمارے دل میں ہے تو بتائیے کہ پھر عوام پر کیا اثر ہوگا؟۔

کسی زمانہ میں خواص کا عالم تو یہ تھا کہ اللہ کا ایک بندہ ایک جگہ بیٹھا ہوا ہے اور وہ وہاں کے بادشاہوں اور حاکموں کو منہ نہیں لگاتا، ایک بزرگ کا میں واقعہ سناتا ہوں، ان کا نام ہے شیخ الاسلام عز الدین بن عبدالسلام، سلطان العلماء کا خطاب تھا، اپنے زمانہ کے بہت بڑے (شاید سب سے بڑے) شافعی عالم تھے، دمشق میں قیام تھا، بادشاہ وقت کی کسی بات پر خطبہ میں نکیر کی، بادشاہ کو ناگوار ہوا، بادشاہ نے ان کے ساتھ وہ معاملہ کیا جو علماء کے ساتھ نہیں کرنا چاہئے تھا، بے رخی، اور بے توجہی، اس کے بعد وہاں کہیں سے اس کے معزز مہمان آئے، وہ بھی اپنے یہاں کے بادشاہ اور حاکم تھے، ان کو معلوم تھا کہ اس ملک کے سب سے بڑے عالم شیخ عز الدین بن عبدالسلام ہیں، اور آج کل وہ معتوب ہیں، انھوں نے کہا کہ ہمارے ملک میں ایسا کوئی عالم ہوتا تو ہم اس کو سر پر بٹھاتے، تعجب ہے کہ آپ اپنے یہاں کے ایسے عالم کے ساتھ ایسا سلوک کر رہے ہیں، بادشاہ نے برا نہیں مانا، اس کو اپنی غلطی کا احساس ہوا، لیکن بادشاہ تو بادشاہ ہوتے ہیں، اس کو یہ خیال ہوا کہ اگر میں ایسے ہی چپ چاپ معافی مانگ لوں، اور کہوں مجھ سے غلط ہوئی میری سبکی ہوگی، اور میرا رعب کم ہو جائے گا، تو خواص میں سے کسی کو بلایا اور کہا کہ دیکھو حضرت سے یہ کہنا کہ میں کسی مجلس میں بیٹھا ہوا ہوں تو وہ تشریف لائیں اور دست بوسی کر لیں، میرا احترام قائم رہے گا، لوگ بھی دیکھ لیں گے، اسکے بعد بات رفع دفع ہو جائے گی، جب کسی نے ان سے جا کر کہا تو انھوں نے کہا کہ تم کس خیال میں ہو؟ واللہ میں تو اس پر بھی راضی نہیں کہ وہ میری دست بوسی کرے، چہ جائیکہ میں اس کی دست بوسی کروں، یہ لفظ تاریخ میں موجود ہے، بالکل ان کے الفاظ ''**لاأرضى أن يقتبل يدى فضلاً عن أن اقتبل يده**'' ایسے ہی ہمارے دہلی کے (جو حقیقی سلاطین دہلی کہلانے کے مستحق ہیں) بہت سے مشائخ عظام کا بھی یہی حال تھا، بادشاہ دہلی نے ایک مرتبہ حضرت مرزا مظہر جان جاناں سے کہا کہ اللہ نے مجھے بڑی دولت دی ہے، حکومت دی ہے، کچھ قبول فرمائیں، فرمایا کہ اللہ تعالےٰ فرماتا ہے کہ ''**متاع الدنيا قليل** (النساء ۷۷)'' دنیا کی متاع قلیل ہے، اس قلیل میں سے ایک قلیل ٹکڑا ہندوستان ہے، پھر اسمیں سے ایک قلیل ٹکڑا وہ جو آپ کے قبضہ میں ہے، (مثل مشہور تھی، سلطنت شاہ عالم از دہلی تا پالم) اگر اس اقل قلیل میں سے میں بھی حصہ بٹاؤ تو کیا رہ جائے گا؟ ایسے ہی ایک مرتبہ بادشاہ نے کہا کہ میں ایک رقم پیش کرتا ہوں، آپ نے معذرت کی، بادشاہ

نے کہا غرباء میں تقسیم فرمائیں، فرمایا مجھے اس کا بھی سلیقہ نہیں، آپ اپنے لوگوں کے ذریعہ تقسیم کرادیں، یہاں سے بانٹتے چلے جایئے قلعہ تک پہونچتے پہونچتے ختم ہو جائے گی، نہ ختم ہوگی تو وہاں جا کر ختم ہو جائے گی، ایسے ہی سینکڑوں قصے ہیں۔

یہ مثالیں تھیں، جو لوگوں کے دلوں میں گرمی پیدا کرتی تھیں، دنیا کی، مال کی محبت، فطرت انسانی ہے،'' وانه لحب الخير لشديد (العدیت۔۸)'' مال کی محبت انسان کی فطرت میں داخل ہے، لیکن اس کے مقابلہ میں یہ مثالیں جب آتی تھیں، استغنا کی، بے نیازی کی، دنیا کے جاہ وحشم سے بے رغبتی کی، تو لوگوں میں ایمان تازہ ہو جایا کرتا تھا، اور قوت مقابلہ ابھر آتی تھی، اور پھر مسلم معاشرہ تنکے کی طرح نہیں بہتا تھا جیسے آج بہتا ہے۔

خواص کے لئے صرف حیات وحرکت ہی کافی نہیں، بلکہ حرارت بھی ضروری ہے، اور حرارت کہاں سے پیدا ہوتی ہے، حرارت پیدا ہوتی ہے، ذکر اللہ سے، حرارت پیدا ہوتی ہے، دعا اور مناجات وتوکل سے، اللہ کے راستہ میں تکلیف اور کچھ مجاہدہ کرنا پڑے تو دل میں حرارت پیدا ہوتی ہے، یہ فقر وقناعت کے قصے جو آپ تاریخ میں پڑھتے ہیں، اور یہ حضرات جن کے قصے ہیں، انھوں نے کسی مجبوری سے اس کو نہیں اختیار کیا تھا، یہ ان کے دل کی آواز تھی، اور اس مجبوری سے ضرور اختیار کیا تھا، کہ وہ اپنے دل سے مجبور تھے، یعنی اندر سے کوئی ان کے یہ کہتا تھا کہ نہیں یہ نہیں ہوسکتا، ہم دولت کے بندے نہیں ہیں، ہم طاقت واختیار کے بندے نہیں ہیں۔

اس کی ضرورت ہے کہ یہ خواص کا طبقہ باقی رہے، اپنی خصوصیات کے ساتھ اس میں زندگی رہے، اس میں حرکت رہے، اس میں حرارت رہے، اور کوئی جگہ کوئی مقام اللہ کے ان بندوں سے خالی نہ ہو، جن کو کوئی تہمت نہیں لگا سکتا تھا، کہ یہ بک گئے، ہزار تہمتیں سہی، فلاں نے غلطی کی، فلاں کے علم میں فلاں کمی ہے، فلاں چیز نہیں بتائی، لیکن یہ کہ بک گئے، کسی کو یہ تہمت نہ لگائی جا سکے، یہ سمجھئے کہ امت کی حفاظت کا گر ہے، کہ ایک ہی دو آدمی چاہے ہوں، لیکن ایسے ہوں کہ شکوک وشبہات سے بالاتر ہو چکے ہوں'' ماعلمنا عليه من سواء ی یوسف ۵۱'' جو حضرت یوسفؑ کے متعلق امرأة) العزیز نے یہ بات کہی تھی، جب بادشاہ نے پوچھا کہ آخر قصہ کیا ہے؟ تمام شہر میں چرچا ہے، تو اس نے کہا'' ماعلمنا عليه من سوءٍ'' سچی بات یہ ہے کہ کوئی کمزوری ہم نے ان کی نہیں دیکھی، تو آج بھی امرأة العزیز ہی کا مقابلہ ہے، دولت کو امرأة

العزیز زلیخا کہہ لیجئے، طاقت کو زلیخا کہہ لیجئے، وجاہت کو زلیخا کہہ لیجئے اور یوسف مصری، یوسف عزیز کون ہیں؟ دین، دین کو ایسا ہی ہونا چاہئے کہ کوئی اس کو خرید نہ سکے، اور سب شہادت دیں کہ ''ماعلمنا علیه من سوء. یوسف-۵۱'' درودیوار سے یہ آواز آئے کہ کھرا سونا ہے، جس کا جی چاہے پرکھ لے، سچی بات یہ ہے کہ امت کا مزاج جو اس وقت باقی ہے۔

انھیں بندگان خدا، اور اہل دل کی وجہ سے ہے، کہ جن کی وجہ سے یہ امت ہوا میں اڑ نہیں گئی، جیسے اور امتیں خشک پتوں، تنکے کی طرح اڑ گئیں، یا پانی میں بہہ نہیں گئی جیسی اور امتیں خس وخاشاک کی طرح بہہ گئیں۔

تبلیغی جماعت کا کارنامہ

دوسری بات یہ ہے کہ اس ملت کی ہدایت اور اس کا دینی احتساب کا کام جاری ہو، نمازوں میں ترقی ہو رہی ہے، اس پر نظر ہو کہ تناسب کم ہو رہا ہے؟ یا بڑھ رہا ہے، مسجدیں خالی ہو رہی ہیں کہ بھر رہی ہیں؟ قمار خانے زیادہ آباد ہیں کہ مسجدیں زیادہ آباد ہیں؟ مسلمانوں میں کوئی نئی بیماری تو نہیں پھیل گئی، مثلاً شراب نوشی، قمار بازی کی، یا کسی خراب عادت اور بیماری کی ترقی تو نہیں ہے؟ اس سب کی فکر رکھنا اور اس سے متفکر اور غمگین ہونا، اس کا صدمہ ہونا کہ مسلمانوں میں یہ چیز غلط پھیل رہی ہے، اچھی چیز ختم ہو رہی ہے، خواص امت کا فریضہ اور طبعی وظیفہ ہے، یہ تبلیغی جماعت کا بڑا کارنامہ ہے کہ اس نے خواص کو عوام تک پہونچا دیا، پہلے عوام کو خواص کے پاس لاتے تھے، اس نے خواص کو عوام سے جوڑ دیا، میں یہ نہیں کہتا کہ یہی واحد طریقہ ہے، لیکن عوام سے ربط ہونا چاہئے، ان کے پاس جانا چاہئے، محلوں اور گلیوں میں جانا چاہئے، تا کہ دیکھا جا سکے کہ دین بڑھ رہا ہے، یا گھٹ رہا ہے، ترقی ہے کہ تنزلی ہے، کیا چیز نئی پیدا ہوئی، اکبر الہ آبادی مرحوم نے کہا ہے۔

نقشوں کو تم نے جانچوں لوگوں سے مل کے دیکھو
کیا چیز جی رہی ہے کیا چیز مر رہی ہے

حضرات: میں اس وقت اس حال میں نہیں ہوں کہ اس سے زیادہ عرض کروں، ورنہ اس

کی ضرورت ہے، میں سمجھتا ہوں، کہ مغز کی بات ہو چکی (۱)، آخر میں میں حدیث شریف برکت کے لئے دہراتا ہوں " قال رسول ا لله صلى ا لله عليه وعلى آله واصحابه وسلم، ألا ان فى الجسد مضغة اذا صلحت صلح الجسد كله واذا فسدت فسد الجسد كله ألاوهى القب "۔

وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین

---

(۱) مقرر تقریر ختم کر کے بیٹھ گئے تھے کہ ان کو ایک بات یاد آئی، انھوں نے کھڑے ہو کر کہا کہ عقیدۂ توحید راسخ کرنے، شرک کی بیخ کنی اور عقائد کی اصلاح میں قرآن مجید سے بڑھ کر کوئی تریاق اور قوی التاثیر چیز نہیں ہے، علماء کو چاہئے کہ وہ شہر اور ملک کے مختلف مقامات پر درس قرآن کو رواج دیں، اور شرح و تفسیر میں خاص طور پر عقیدۂ توحید اور رد شرک پر زور دیں، پنجاب میں مولانا حسین علی صاحب (ساکن وان بچھراں ضلع میاں والی) اور شیخ التفسیر مولانا احمد علی صاحب لاہوری نے اس سے بڑا کام لیا اور ہزاروں، لاکھوں انسانوں کو اس سے نفع پہونچا اور ان کے عقائد کی اصلاح ہوئی۔

ازدواجی زندگی کے رہنما خطوط

مولانا قاری عبدالحمید ندوی امام وخطیب جامع مسجد السلام دبئی امارات متحدہ عرب (دبئی) کی صاحبزادی کا خطبہ نکاح حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندوی نے پڑھا تھا، اس موقع پر خطبہ میں پڑھی جانے والی آیتوں کی حضرت مولانا نے نہایت معنی خیز تشریح فرمائی تھی جو گویا ازدواجی زندگی میں نہیں بلکہ پوری زندگی کا دستورعمل ہے۔

الحمد لله نحمده و نستعينه و نستغفره و نو من به و نتو كل عليه و نعوذ بالله من شرر انفسنا و من سيأت اعمالنا من يهده الله فلا مضل لهٖ و من يضلل الله فلا هادى له ونشهد ان لا اله الا الله وحد ہ لاشريک له و نشهد ان سيد نا ومولانا محمداً عبده و رسوله صلى الله تعالىٰ عليه و علىٰ آله واصحابه اجمعين اما بعد فاعوذ بالله من الشيطان الرجيم بسم الله الرحمن الرحيم.

يايها الناس اتقو ربكم الذى خلقكم من نفس واحدة وخلق منهازو جها وبث منهمار جالاً كثيراً ونساء ً، واتقو الله الذى تساء لون به والارحام ، ان الله كان عليكم رقيباً۔

تیرا خرابہ فرشتے نہ کر سکے آباد

حضرات: آپ کے سامنے جو آیتیں پڑھیں گئیں وہ نکاح کے خطبہ کی آیتیں ہیں اور وہ مشہور ہیں، ثابت ہیں، ان میں پورا پیغام ہے، خوشگوار فریضہ کے لئے بھی اور ساری عمر کے لئے بھی اور ساری زندگی کے لئے ضابطہ حیات اور ہدایات ہیں، اور پوری زندگی کے بارے میں اللہ تبارک وتعالی کے احکام اور اس کی ہدایات کا ذکر آ گیا ہے، یہ آیت سورۃ النساء کی ہے، اسی سے عورتوں کا درجہ معلوم ہوتا ہے، کہ ان کے نام سے طویل سورۃ نازل ہوئی، جس کا نام سورۂ نساء ہے، اس سے معلوم ہوا کہ ایک درجہ، ان کا ایک مقام ہے اور ان کے حقوق ہیں اور اس کے

فرائض ہیں، ان کے بارے میں احکامات جیسا کہ پہلی آیت میں اللہ تبارک تعالیٰ فرماتا ہے، یاایھا الناس سے خطاب کیا گیا ہے، اس لئے کہ ایہ انسانی حیثیت رکھتا ہے، قلبی حیثیت رکھتا ہے، یاایھا الناس سے خطاب کیا گیا ہے کہ اے انسانو: کہ جب تم انسان ہو، تمہاری ضروریات ہیں، فطرتی تقاضے بھی ہیں، بلکہ شرعی فطری، اخلاقی تقاضہ یہ ہے کہ ایک رفیق حیات ہو، کوئی بھی ایسا جوڑا ہے، جس سے وہ اپنی زندگی کو شرعی طریقے پر بھی، طبعی طریقے پر بھی اور فطری طریقے پر بھی مکمل کر سکے، خود اللہ نے خطاب کیا ہے، کہ اے لوگو: ڈرو اور لحاظ کرو اور اپنے پروردگار کا کہ جس نے تم کو ایک جان سے پیدا کیا اور پھر اسی سے اس کا جوڑا بھی پیدا کیا، اس کا اللہ تعالیٰ نے ذکر کیا کہ یہ ایک حکیمانہ آغاز ہے، تقریب کا، نکاح کا، دو ہستیوں کو معمولی بات نہ سمجھو، ایک ہی ہستی تھی، آدم علیہ السلام کی، اللہ نے اسی سے اس کا جوڑا پیدا کیا، اور دونوں کو صحیح طریقے سے ملایا، اور پھر ایسی برکت دی کہ ساری دنیا انسانی آبادی سے بھر گئی اور بقول علامہ اقبال کہ۔

ترا خرابہ فرشتے نہ کر سکے آباد

اس کو بنی آدمؑ نے آباد کیا اور یہ نتیجہ تھا اس فکری، اخلاقی، قانونی تعلق کا جو دونوں میں ہوا ''وخلق منها زوجها، وبث منهما رجالاً كثيرا، و نساءً'' کہ وہ دونوں جب اللہ کے حکم سے ملے اور انہوں نے ازدواجی تعلق قائم کیا تو اللہ تعالیٰ نے اس کے نتیجہ میں لاتعداد مرد اور عورتیں پیدا کر کے دنیا کو آباد کیا، فرمایا'' واتقو الله الذی تساء لون به و لارحام'' ڈرو اور لحاظ کرو اپنے پروردگار کا کہ جس کے نام پر تم ایک دوسرے سے سوال کرتے ہو، تم نے کیسا نازک سوال کیا تھا، ایک شریف خاندان سے اس کی بیٹی مانگی تھی، اس کے لئے کوئی جواز اور گنجائش نہیں تھی،، کوئی جرأت نہیں تھی لیکن اللہ کے نام کو بیچ میں لائے کہ آپ بھی مسلمان ہیں ہمیں جوڑے کی ضرورت ہے، ہمارے بیٹے کو ایک رفیق حیات کی ضرورت ہے، تم نے اس رب العزت کے نام پر اس موقع پر زبان سے یہ لفظ نکالا اور فائدہ اٹھایا (کہ آپ بھی مسلمان ہیں، ہم بھی مسلمان ہیں) لیکن شادی کے بعد پھر اس نام کو نہ بھول جانا کہ کام نکال لیا، کام چل گیا بس اب کیا ہے، اذانوں میں جب یہ نام لیا جائے تو نماز کو جاؤ اور جب کسی کام پر آمادہ کیا جائے کہ یہ اللہ کا حکم ہے تو اس پر تم سر جھکاؤ اور جب شریعت کا کوئی مسئلہ آ جائے تو اس کو مان لو

چاہے جتنا ہی نقصان ہو جب کہا جائے یہ زندگی کی ضرورت اور فرائض ہیں ان کو بھی شرعی طریقے پر ادا کیا جائے، جو رسم ورواج داخل ہو گئے ہیں ان کی کوئی اہمیت نہیں، بس ''آمنا وصدقنا'' ہم نے مانا اور تسلیم کیا اللہ تعالیٰ فرماتا ہے (**نساء لون به ولارحام**)، اس اللہ کے نام کو فراموش مت کرنا، اگر اللہ کے حوالے سے قرآن کریم کے حوالہ سے کوئی بات کی جائے تو پرواہ نہ کرو کہ کام نکال لیا، اپنا مطلب نکال لیا، اسی لئے فرمایا: اور رشتوں کا بھی خیال کرنا، نئے رشتہ سے دوسرے رشتہ بے کار نہیں ہو جاتے، ماں، ماں رہے گی، بہنیں، بہنیں رہیں گی، بھائی، بھائی رہیں گے اور اسی طریقے سے جو گھر کے افراد ہیں، ان کے جو حقوق ہیں وہ ان پر باقی رہیں گے۔

ان الله كان عليكم رقيبا، اگر تم کہو کہ اس کو کون دیکھتا ہے، سب الگ ہو جائیں گے اس کے بعد ہم جو چاہیں گے کریں گے، نہیں اللہ تمہارے اوپر نگراں ہے، یہ نہیں کہ بس یہ نکاح کے گواہ ہیں جن کے گواہ بننے سے نکاح ہوا بلکہ فرشتے بھی گواہ ہیں، اللہ گواہ ہے جو عالم الغیب والشہادۃ ہے وہ فرماتا ہے، ہم یہ دیکھیں گے کہ تم نے ایسا کیوں کیا تم نے اپنا کام کرلیا اس کے بعد شریعت سے کوئی مطلب نہیں، تم ہمارا نام لے کر ایک شریف باعزت خاتون کو اپنے گھر لے آئے تو اس سلسلے میں ہمارا حکم یہ ہے کہ ''**يا ايها الذين آمنوا اتقو الله حق تقاته**'' (اے ایمان والو! ڈرتے رہو اللہ سے جیسا چاہئے اس سے ڈرنا) نکاح کے موقع پر سہرے پڑھے جاتے ہیں مبارکباد دی جاتی ہے لیکن خدا کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم اس موقع پر آنے والی گھڑی کو بھلاتا نہیں ہے وہ نہیں چاہتا ہے کہ اس کو بھلا جائے نکاح مبارک ہو یہ تقریب مبارک ہو اور گھر کی آبادی مبارک ہو، لیکن یہ نہ بھولو یاد رکھو کہ جب تم دنیا سے جاؤ گے تو جیسے تم آج نکاح کا اقرار کرتے ہو کہ تم نے مانا اور قبول کیا، ایسے ہی جب دنیا سے جاؤ تم کہو کہ ہم اللہ پر ایمان رکھتے ہیں، شریعت پر ایمان رکھتے ہیں یہاں کے قبول کرنے سے محدود اور مخصوص قسم کی آزادی حاصل ہوگی زندگی کا نیا مزہ آئے گا لیکن اس کا کلمہ پڑھنے سے ہمیں جنت ملے گی۔

اسی لئے کہا گیا ''**اتقو الله**'' اے ایمان والو اللہ سے ڈرو'' سچی پکی بات زبان سے نکالو سوچ کر کہو اور کہہ کر سوچو، سمجھ کر کہو اور کہہ کر سمجھو، ہم نے اقرار کیا ہم نے ایجاب قبول کیا پہلے حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہوشیار کرتے ہیں خبردار کردیتے ہیں تیار کردیتے ہیں کہ بات سمجھ کر کہو

جب کہا جائے کہ یہ مہر تم کو منظور ہے قبول ہے اس کے فرائض شرعی تقاضے ہیں اخلاقی تقاضے ہیں، قانونی تقاضے ہیں ان کو پورا کرو۔

اللہ تمہارا معاملہ درست فرمادے گا اور تمہارے گناہوں کو معاف کردے گا، عام طور پر نکاح کی تقریب کو ایک رسمی، فکری اور معاشرتی تقریب سمجھا جاتا ہے حالانکہ یہ عبادت ہے اس کے بعد جو زندگی گزرے گی وہ عبادت میں گزرے گی، اور جیسا کہ اس زمانے کے شاہ محمد یعقوب صاحب فرماتے تھے کہ آدمی جب تک نماز پڑھتا ہے تب تک ثواب ملتا ہے اسلام پھیرا تو ثواب ختم ہوگیا۔ لیکن نکاح کرنے کے بعد سے آخر وقت تک ثواب ملتا رہے گا۔ کما کرلائے گا، کھلائے گا، اس نیت سے ثواب ملے گا، محبت کے ساتھ بولے گا، ساتھ رہے گا۔ اس کو ثواب برابر ہے کا فرمایا:'' ومن يطع الله ورسوله فقد فازفوا عظيما '' جو اللہ کے حکم کی اطاعت کرے گا وہ پورے طور پر کامیاب ہوا۔

وقت کا تقاضا کیا ہے......؟

ایک بے موقع اور ناوقت مہم

میرے دوستوں اور بھائیوں! راقم سطور فضل الٰہی سے ایک ایسے خاندان سے تعلق رکھتا ہے جو صدیوں سے توحید کے عقیدۂ خاص، کامل اتباعِ سنت اور ائمہ سلف سے پوری عقیدت ان کے اعتراف واحترام کا صدیوں سے خوگر چلا آ رہا ہے اور کتاب وسنت پر عمل کو اصل دین سمجھتا ہے اس کے زمانہ شعور میں بعض ایسے علماء اور افراد خاندان بھی رہے ہیں جو براہ راست حدیث پر عمل کرتے تھے اور ان کو خاندان میں اعتراض اور طعن وتشنیع کا ہدف نہیں بنایا جاتا تھا۔ بلکہ ان کے علم وصلاح کی وجہ سے ان کا پورا احترام کیا جاتا تھا، خود راقم کے عربی زبان وادب کے باکمال ومتجر عرب استاد (جن کی نظیر تحقیق واتقان اور حسن تعلیم میں خود ممالک عربیہ میں ملنی مشکل تھی) استقلالاً عامل بالحدیث تھے، پھر اس کے بعد راقم کو معاصر اہل حدیث علماء وشیوخ سے احترام وعقیدت کا تعلق بھی رہا اس نے ان کی کتابوں اور شروح وحدیث سے ایام تدریس حدیث میں فائدہ اٹھایا، اور خاص طور پر محدث جلیل علامہ عبدالرحمٰن مبارک پوری صاحب (1) "تحفۃ الاحوذی" شرح "سنن ترمذی" کے علم وتحقیق کا معترف ہے اور اس نے زمانہ تدریس حدیث میں ان کا فاضلانہ شرح سے فائدہ اٹھایا اور اس کو ان سے حدیث کی سند کے حصول کا شرف بھی حاصل ہے۔

لیکن ادھر کچھ دنوں سے (خاص طور پر ہندوستان میں) مذاہب اربعہ (جن میں اپنی اکثریت اور اشاعت کی وجہ سے مذہب حنفی ہی خاص طور پر نشانہ ہے) اور تقلید ائمہ کے خلاف ایک طاقتور اور عمومی مہم جاری ہے جو ان مذاہب اور اور تقلید ائمہ کو بدعت اور تعلیمات اسلام کے خلاف بتاتی ہے۔ یہ مہم کچھ عرصہ سے اتنی تیز ہوگئی ہے کہ گویا وہ ایک بڑی "ضلالت" اور "بدعت" کے خلاف محاذ آرائی ہے۔ اور اس وقت وہ دین صحیح کی طرف دعوت کے مرادف ہے۔

---

(1) ان سے مراد شیخ خلیل بن محمد بن حسین الانصاری الیمانی اور علامہ تقی الدین الہلالی المراکشی ہیں۔

چند دنوں سے مصنف کے پاس ہندوستان کے مختلف اطراف ونواح سے خطوط آئے کہ یہ مہم بہت تیز ہوگئی ہے اور اس سے خود مسلمانوں میں (جو دینی اور تہذیبی بنیاد پر سازشوں، حملوں اور کردارکشی کا نشانہ بنے ہوئے ہیں) ایک انتشار خانہ جنگی کی سی نوبت آرہی ہے۔

جنوبی ہند، گجرات اور کئی ریاستوں اضلاع اور قصبوں سے ایسے خطوط آئے ہیں، فاضل گرامی مولانا مفتی سید عبدالرحیم لاج پوری نے بھی اس کی طرف توجہ دلائی، خود تقلید ائمہ اور مذاہب اربعہ کے جواز وصحت پر انہوں نے اردو میں ایک مفصل کتاب لکھی ہے، جس کا ایک عالم نے عربی میں ترجمہ کروایا اور راقم سے اس پر مقدمہ لکھوایا۔ ان شکایتی واحتجاجی خطوط کا سلسلہ ابھی تک جاری ہے۔

راقم نے مناسب سمجھا کہ وہ اس مہم کے خلاف کوئی مخالفانہ ومقابلہ مہم شروع کرنے کے بجائے (جس سے مسلمانوں میں مزید انتشار پیدا ہونے کا خوف ہے) حضرات علمائے حدیث کو ایک داعیانہ، مخلصانہ اور برادرانہ خط لکھے جس میں ان کو اس "**جهاد في غير جهاد ونقال في غير عدو**" سے اجتناب کرنے کی دعوت اور مخلصانہ مشورہ دے اور وقت کی نزاکت اور معنوی نسل کشی کی جو مہم اس وقت ملک میں چل رہی ہے اس سے آگاہ کرے، اور یہ مشورہ دے کہ یہ وقت توجہ اور توانائی حقیقی دشمن اور سنگین خطرہ کا مقابلہ کرنے کا ہے(۱) اس لئے اس نے (احتیاطاً) عربی میں یہ ایک مراسلہ ترتیب دیا۔(۲) اور دس ممتاز ونامور سلفی علماء کی خدمت کے لئے بھیجا۔

اس مراسلہ کے جواب میں سعودی عرب کے سب سے نامور عالم ودینی شخصیت علامہ شیخ عبدالعزیز بن باز صدر ادارۃ البحوث العلمیۃ والافتاء، وسکریٹری ہیئۃ کبار العلماء کا گرامی نامہ آیا

---

(۱) خود رابطہ عالمی اسلامی مکہ مکرمہ نے اپنی مجلس "المجمع العلمی الاسلامی" کے ایک اجلاس میں جو ۲۴ صفر ۱۴۰۸ھ بمطابق (۱۷ اکتوبر ۱۹۸۷ء) میں منعقد ہوئی تھی اس مسئلہ اور ضرورت پر روشنی ڈالی اور بالاتفاق یہ طے کیا کہ معتبر اور معمول بہ مذاہب فقہی اور تقلید ائمہ اربعہ کے خلاف مہم چلا کر عالم اسلام میں انتشار پیدا نہ کیا جائے (ملاحظہ ہو القرار التاسع بشان موضوع الخلاف الفقهي بين المذاهب او التعصب المذهبي من بعض اتباعها)

(۲) اس کو عربی میں اس لئے پیش کیا گیا کہ وہ مکتوب الیہم علماء ہی کے دائرہ میں محدود ہے اور اس سے کوئی سیاسی یا جماعتی فائدہ نہ اٹھایا جائے۔

جس میں انہوں نے لکھا کہ میں آپ کی اطلاع کے لئے لکھتا ہوں کہ البحوث العلمیۃ والافتاء کی مستقل کمیٹی کی طرف سے ۱۷ شوال ۱۴۰۴ھ میں اور المجمع الفقہی رابطہ عالم اسلامی کی جانب سے ۲۴ صفر ۱۴۰۸ھ میں یہ فتاویٰ صادر ہوا کہ ائمہ مذاہب اربعہ امام ابوحنیفہ، امام مالک، امام شافعی، امام احمد بن حنبل (رحہم اللہ) فضلائے اہل علم متعبین رسول اور احکام شرعیہ میں اجتہاد و استنباط کے اہل ہیں ان کا مقلد کافر نہیں اسلئے کہ اگر انسان احکام شرعیہ کے براہ راست معرفت نہیں رکھتا اور وہ مذاہب اربعہ میں سے کسی کا پیرو ہے تو کوئی مضائقہ نہیں۔ (۱)

پھر اس مراسہ میں ائمہ اربعہ کی واضح الفاظ میں تعریف و اعتراف کیا گیا اور ان کی خدمات و مناقب بیان کئے گئے۔

اس کے علاوہ اور بھی مؤقر ذمہ داروں اور مرکزوں کی طرف سے اس ضمن میں جوابات ہیں (۲)

یہاں اس پورے مکتوب کا (جو عربی میں لکھا گیا تھا) ترجمہ پیش کیا جا رہا ہے وہ شاید اب بھی چشم کشا اور کم سے کم غور طلب بن جائے (۳)

یہ ایک تسلیم شدہ حقیقت ہے کہ ہر دور میں انسان نے غلطی، لغزش اور گمراہی و کج روی سے بچنے کیلئے ایسے اصحاب اختصاص اور ماہرین فن سے رجوع کرنا ضروری سمجھا ہے جو اپنے فن اور موضوع میں خصوصی مہارت اور اس میں تفوق و امتیاز مجتہدانہ صلاحیتوں کے حامل ہوں علوم فنون و بحث و تحقیق کی قدیم جدید تاریخ اس طرح کی بکثرت مثالوں سے بھری ہوئی ہے۔

اس سے بھی یہ زیادہ روشن، تابناک اور بدیہی حقیقت یہ ہے کہ دین پر عمل کرنے، نت نئے پیش آنے والے مسائل کے بارے میں شریعت کے احکام معلوم کرنے کیلئے ایسے اصحاب اختصاص اور ماہرین فن سے رجوع کیا جائے جو اپنے فن میں نہ صرف کامل دست گاہ رکھتے ہوں بلکہ ان کی تحقیقات معلومات گہری کے ساتھ گیرائی اور وسعت تبحر علمی بھی ہو اس کے ساتو وہ لوگوں کو دینی مسائل و احکام بتانے میں اجر و ثواب کے حریص اور ایمان و احتساب کے روح

---

(۱) اس مراسلہ پر علامہ عبدالعزیز بن عبداللہ بن باز اور متعدد علماء و مفتیوں کے دستخط ہیں۔

(۲) یہ جوابات اور مراسلات مصنف کتاب کے پاس محفوظ ہیں۔

(۳) اس عربی مکتوب کا ترجمہ عزیز گرامی مولوی نذیر الحفیظ ندوی ازہری استاذ دارالعلوم ندوۃ العلماء کے قلم سے ہے۔

سے سرشار ہوں۔ دیانت کے ساتھ ساتھ اپنے فرائض اور علمی امانت کو دوسرے تک پہنچانے میں انہیں اللہ تعالیٰ کے یہاں جواب دہی کا غیر معمولی شعور اور حساب کتاب کا خوف ہو، اسی بناء پر اسلامی تاریخ کے اولین دور خلفائے راشدین صحابہ کرام، اور تابعین عظام کے عہد میں فقہی احکام ومسائل معلوم کرنے کیلئے ایسے حضرات سے رجوع کرنا عام بات تھی جو علم دینیہ میں رسوخ وتبحر رکھتے تھے۔ اس کے ساتھ انفرادی واجتماعی مسائل ومشکلات کے حل کرنے کیلئے شریعت کے احکام اور قرآن وسنت کے مطابق مسلمانوں کی رہنمائی کو وہ حضرات باعث اجر وثواب اور تقریب الٰہی کا ذریعہ تصور کرتے اور اس امانت کی ادائیگی کو اپنے اوپر ایسی ذمہ داری سمجھتے تھے جس کے بارے میں قیامت کے دن وہ جواب دہ ہوں گے۔

اسلامی تاریخ کے اولین دور میں کسی خاص اور متعین فقہی مکتب فکر یا کسی مخصوص مسلک پر عمل پیرا افراد سے علمی فقہی معاملات میں رجوع کرنا ضروری نہیں تھا۔ اور نہ اس کا التزام اور کوئی پابندی تھی۔ بلکہ سائل کسی شخص سے بھی دینی وفقہی احکام ومسائل معلوم کر لیتا تھا۔ اس لئے کہ اس دور میں یہی خصوصیت تھی پھر ایمان احتساب کی روح عام طور پر موجود تھی اور صحیح بات معلوم کرنے اور حق تک رسائی کا جذبہ اس عہد کے تمام لوگوں میں پایا جاتا تھا۔ دوسری وجہ یہ تھی کہ علمی ماحول عام تھا اور ہر جگہ بحث وتحقیق کے حلقے قائم تھے۔

پھر وہ دور آیا جب حالات کے تقاضوں کی رعایت اور محنت ووقت بچانے کی خاطر حق وصواب کی جستجو تلاش کرنے کیلئے اور تلاش کے لئے لوگ ایسے فقہی مکتب فکر کی طرف رجوع کرنے لگے جو اس کی بہتر نمائندگی وترجمانی کرے اور جس کے علم وتحقیق وامانت ودیانت اور تقویٰ پر اعتماد واعتبار کیا جا سکے۔ چنانچہ کسی خاص فقہی مکتب فکر کی طرف رجوع کرنا ایک عام اور قابل تقلید طریقہ بن گیا۔ جو پسندیدہ بھی تھا اور سہل الحصول بھی اس علمی رجوع میں نہ تو کوئی برائی تھی اور نہ رجوع کرنے والے کو شرک وبدعت کا مرتکب اور اجماع امت کا مخالف قرار دیا گیا۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ پورے عالم اسلام میں چار فقہی مکاتب فکر میں سے کسی ایک طرف رجوع کرنا عام بات ہوگئی۔ اس رجوع نے نہ تو لوگوں کے اندر غلط ردعمل پیدا کیا اور نہ اس طرز عمل کو کسی بدعت یا گمراہی کا نام دیا گیا اس لئے کہ اصحاب اختصاص سے شرعی معاملات میں رجوع اور ان کے بتائے ہوئے احکام پر عملدرآمد کی بنیادی شرط یہ تھی کہ وہ مسائل وتحقیقات

کتاب وسنت کے مطابق ہوں، کہ یہی دونوں سرچشمہ ہدایت ہیں (۱)۔

دینی وشرعی احکام معلوم کرنے کیلئے کسی خاص فقہی ومکتب فکر کی طرف رجوع اور اس کے ائمہ مجتہدین کے اجتہاد اور فقہی بصیرت پر اعتماد واعتبار کرنے کی (جو کتاب وسنت سے مسائل کا استنباط کرتے اور انہیں دونوں سرچشموں سے کسب فیض کرتے ہیں) ضرورت تو اس دور میں اور بھی بڑھ گئی کہ یہ زمانہ خاص طور فکری انارکی، ذہنی انتشار، مادی کشش، فتنوں اور جدید چیلنجوں کا ہے ہر قسم کے اخلاقی قید وبند سے گلوخلاصی وآزادی حاصل کرنے نفس کی خواہشات وترغیبات اور معاشرہ وزمانہ کے ساتھ دینے کا دور ہے اس کا پورا مشاہدہ ان ملکوں میں اور معاشروں میں ہو رہا ہے جہاں شرعی حدود وقیود اور دینی واخلاقی قدروں سے بے قید آزادی کی زندگی پائی جاتی ہے۔

رنج وافسوس کی بات یہ ہے کہ ایسے نازک اور پرخطر چیلنجوں اور آزمائشوں کے دور میں برصغیر ہندوستان جیسے ملک میں ائمہ اربعہ کے فقہی مکاتب فکر کے خلاف زبردست یورش کا آغاز کر دیا گیا ہے۔ اس میں خاص طور پر احناف کو نشانہ بنایا جا رہا ہے جن کی اس ملک میں اکثریت ہے اس طرح کی یورش کا نہ تو یہ وقت ہے اور نہ ہندوستان اس کی مناسب جگہ ہے اس طرح کی سرگرمیوں سے بجز اختلافات میں اضافہ اور ذہنی انتشار کے کچھ حاصل نہیں جبکہ ہندوستانی مسلمانوں کو اس وقت شدید ضرورت اتحاد واتفاق کی ہے۔ اس لئے کہ انہیں بت پرستانہ اور مشرکانہ اور لادینی طاقتوں اور مغرب کی ملحدانہ تہذیب وثقافت کے چیلنج کا سامنا ہے۔

اخناف کے خلاف جدوجہد اور جہد شروع کرنے کے بجائے اس کی شدید ضرورت ہے کہ مشرکانہ عقائد واعمال کے خلاف پوری توجہ اور پوری طاقت لگا دی جائے کہ ہم ہندوستانی مسلمان جس ماحول میں رہتے ہیں وہ مرکز اسلام سے دور ہونے کی بناء پر شرک وبت پرست کا قدیم زمانہ سے مرکز رہا ہے، اس ملک کی زبان وثقافت بھی اسلامی زبان وثقافت سے قطعی مختلف ہے۔ ہندوستانی مسلمان اپنے غیر مسلم پڑوسیوں کے مشرکانہ عقائد واعمال، بدعات وخرافات جاہلی رسم ورواج اور شادی وغمی اور پرسنل لاء میں ان سے متاثر ہیں۔ اس بات کی شدید

---

(۱) تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو "حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی کی کتاب عقد الجید فی احکام الاجتہاد والتقلید"

ضرورت ہے کہ نئی نسل کی دینی تعلیم وتربیت پر ساری توجہ اور توانائی صرف کردی جائے۔ کہ مسلمانوں کے اس ملک میں بقاء وتحفظ کا سارا انحصار اس بات پر ہے کہ وہ کس حد تک اپنے عقائد، تہذیب، ثقافت، دینی غیرت وحمیت اور اسلامی تشخص وامتیاز کو باقی رکھ سکتے ہیں، یہ روز روشن کی طرح عیاں ہے کہ ملک میں تہذیبی وثقافتی ارتداد کے اثر وقرائن ظاہر ہو چکے ہیں (ہم دینی ارتداد کا لفظ استعمال کرنے سے گریز کر رہے ہیں کہ یہ لفظ دل ودماغ اور سماعت پر گراں ہے اس کے اندر بڑی شناخت ہے)

اس ملک کیلئے سب سے زیادہ بہتر منہج اور اصول حضرت شاہ ولی اللہ دہلویؒ کا ہے جس کے آثار وتابندہ نقوش ابھی بھی باقی ہیں ان کے باکمال فرزندوں نے جن میں سے ہر ایک نابغۂ روزگار اور مجتہدانہ فقہی علمی بصیرت کا حامل تھا۔ ان کا مشن جاری رکھا۔ پھر اس علمی خانوادہ کے تربیت یافتہ اور خوشہ چین شاگرد رشید امام المسلمین سید احمد بن عرفان شہیدؒ (ش ۱۲۴۶ھ) جیسے داعی ومجاہد ہیں۔ جن کے دست مبارک پر ہر قسم کے شرک وبدعات وخرافات اور جاہلی عادات واطوار سے توبہ وبیعت کرنے والوں کی تعداد تیس لاکھ ہے۔ اس توبہ وبیعت کے بعد ان لوگوں کے اندر ہر قسم کے شرک وبدعت اور جاہلانہ رسوم ورواج سے سخت نفرت پیدا کی وکراہیت پیدا ہوگئی۔ اس کے ساتھ دینی غیرت وحمیت میں بھی نمایاں اور ممتاز تھے جن غیر مسلموں نے سید صاحب کے ہاتھ پر اسلام قبول کیا ان کی تعداد چالیس ہزار (۴۰۰۰۰) سے کچھ زیادہ ہی بتائی جاتی ہے۔ یہی حال ان کے جانشین اور قوت بازو، مجاہد کبیر مولانا شاہ محمد اسماعیل شہید (ش ۱۲۴۶ھ) صاحب "تقویته الایمان" کا تھا جن کی کتاب توحید خالص کے بیان اور شرک وبدعات کی تردید میں سب سے زایدہ طاقتور اور مؤثر کتاب شمار کی جاتی ہے اور جسے پڑھ کر ایک بڑے سعودی عالم نے کہا کہ یہ کتاب توحید کی "منجنیق" ہے۔(۱)

---

(۱) وہ مشین ہے جو پتھر پھینکتی ہے اور سنگسار کرتی ہے۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

خرابی کی جڑ برائی اور پاپ کی خواہش ہے

۹؍جنوری ۱۹۵۴ء کو گنگا ہرشاد میموریل ہال لکھنؤ میں ایک مخلوط اجتماع میں جس میں شہر کے سر برآوردہ حضرات اور غیر مسلم تعلیم یافتہ اصحاب کی خاص تعداد شریک تھی یہ تقریر کی گئی۔

تاریخ کا مطالعہ:

دوستو اور بھائیو! آپ میں اکثر لوگوں نے تاریخ کا مطالعہ کیا ہوگا، انسان آج نئے نہیں ہیں، وہ ہزاروں سال سے آباد ہیں، ان کی سینکڑوں برس کی تاریخ محفوظ ہے، اس تاریخ کی سطح پانی کی سطح کی طرح برابر نہیں، اس میں سخت نشیب و فراز ہے، اس میں آدمی، کہیں اونچا نظر آتا ہے، کہیں نیچا، کبھی ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہ انسان کی تاریخ نہیں، خونخواروں اور درندوں کی تاریخ ہے، سب کی تاریخ ہے، مگر انسان کی تاریخ نہیں، اس کے مطالعہ سے انسانوں کا سر جھک جاتا ہے کہ ہم میں ایسے افراد بھی گزرے ہیں، یہ فیصلہ تو آنے والی نسلیں کریں گی کہ ہم اور آپ کیسے آدمی تھے، لیکن یہ اندازہ ہم کر سکتے ہیں کہ انسانوں کا پچھلا ریکارڈ کیسا ہے؟ اس میں بعض ایسے دور نظر آتے ہیں کہ اگر بس چلے تو تاریخ سے ہم ان اوراق کو نکال دیں، ایسا ریکارڈ ہے کہ ہم بچوں کے ہاتھوں میں دینے کو تیار نہیں، مجھے اس کی کہانی سنانی نہیں، لیکن مجھے ایک حقیقت کی طرف متوجہ کرنا ہے کہ تاریخ میں جو ایسے ناگوار دور گزرے ہیں اس میں خرابی کی جڑ کیا ہے؟

جب تک سوسائٹی میں برائی کا رجحان اور بگاڑ کی صلاحیت نہ ہو کوئی اس کو بگاڑ نہیں سکتا:

حضرات! عام طور پر لوگ کسی خاص طبقہ یا چند افراد اور بعض اوقات تنہا کسی فرد کو پوری سوسائٹی کی خرابی کا ذمہ دار قرار دیتے ہیں اور سمجھتے ہیں کہ ان خراب عناصر نے یا اس بگڑے ہوئے فرد نے پوری زندگی کو غلط رخ پر ڈال دیا تھا، لیکن مجھے اس سے اتفاق نہیں، میں تاریخ کے مطالعہ کی بنیاد پر کہتا ہوں کہ ایک مچھلی تالاب کو گندہ کر سکتی ہے، لیکن ایک فرد سوسائٹی کو بگاڑ

نہیں سکتا، واقعہ یہ ہے کہ اچھی سوسائٹی میں برے آدمی کا گزر نہیں ہوسکتا، وہ گھٹ گھٹ کر مر جائے گا۔ جس طرح مچھلی کو پانی سے نکال دیا جاتا ہے تو وہ گھٹ کر مر جاتی ہے، اسی طرح جو سوسائٹی برائی کی ہمت افزائی نہیں کرتی وہ اسے خوش آمدید کرنے کے لئے تیار نہیں، اس میں برائی تڑپنے لگے گی، اس کا دم گھٹنے لگے گا اور وہ دم توڑ دے گی۔

ہر زمانے میں اچھے برے انسان ہوئے ہیں، لیکن سب برائیوں کا ان کو ذمہ دار ٹھہرانا اور تمام برائیوں کو ان کے سر تھوپ دینا ٹھیک نہیں، اگر کچھ برے لوگ حاوی ہو گئے تھے، تو اس کا یہ مطلب نہیں کہ پوری زندگی کا ہینڈل ان کے ہاتھ میں تھا، وہ جس طرح چاہتے تھے، زندگی کو موڑ دیتے تھے، بلکہ بات یہ ہے کہ اس زمانہ میں سوسائٹی میں خود خرابی آ گئی تھی، اس زمانہ کا ضمیر گندہ ہو گیا تھا، اس میں برائیوں کا رجحان پیدا ہو گیا تھا، اس کے اندر اندھیر، ظلم اور خواہشات کو پورا کرنے کی زبردست خواہش پیدا ہو گئی تھی وہ خود غرض اور نفس پرست بن گیا تھا، جس دل کو گھن لگ جائے، جو من پاپی ہو جائے، آپ اسے جرائم سے کسی طرح روک نہیں سکتے، آپ اس کو بیڑیوں میں جکڑ کر کے بھی رکھیں گے تب بھی ان چیزوں سے محفوظ نہیں رکھ سکتے۔

خودغرض انسان:

ہر زمانہ میں کچھ ایسے افراد رہے ہیں جن کا عقیدہ تھا کہ بس ہم اور ہمارے اہل وعیال انسان ہیں اور سب ہمارے خادم ہیں، کچھ ایسے انسان بھی ہیں، جو کروڑوں انسانوں کو بستا دیکھتے ہیں، لیکن وہ خود اپنے ہی محدود حلقہ کو انسان سمجھتے ہیں، یہ لوگ بس یہ سمجھتے ہیں کہ دنیا میں بس انہیں کے کنبہ کے دس گیارہ یا بیس پچیس انسان بستے ہیں، ایسے انسان ہمیشہ رہے ہیں جو اپنے اپنے مسائل اور متعلقین کو دیکھنے کے لئے خوردبین رکھتے ہیں، اور دوسروں کو دیکھنے کے لئے ان کی آنکھیں بھی بند ہوتی ہیں، بعض لوگ دو عینکیں رکھتے ہیں، ایک سے اپنے کو دیکھتے ہیں، دوسری سے تمام دنیا کو دیکھتے ہیں، انہیں نظر بھی نہیں آتا کہ انسان کہاں ہے؟ میرا اندازہ ہے کہ ان کے پاس وہ عینک ہے کہ اس کے ذریعہ ان کو اپنے بچے آسمان سے باتیں کرتے نظر آتے ہیں، ان کو اپنی رائی پربت اور دوسروں کا پہاڑ ذرہ نظر آتا ہے۔

اصلاح اور سدھار کی مختلف تجاویز اور تجربے:

دنیا کے مختلف انسانوں نے اپنی اپنی سمجھ کے مطابق زندگی کے سدھار کے طریقے سوچے اور ان پر عمل کرنا شروع کر دیا۔

کسی نے کہا کہ ساری خرابی کی جڑ یہ ہے کہ انسانوں کو پیٹ بھر کھانے کو نہیں ملتا، یہی زندگی کا سب سے بڑا روگ ہے، انہوں نے اسی مسئلہ کو اپنا مشن بنالیا، اس کے نتیجہ میں پاپ اور بڑھا، پہلے لوگ کمزور تھے، پاپ بھی اسی لحاظ سے کمزور تھا، انہوں نے جب خون کے انجکشن دیئے اور قوت حیات بڑھائی تو ان کے پاپ بھی طاقتور ہو گئے، دل بدلا نہیں، ضمیر بدلا، نہیں۔ ذہن بدلا نہیں۔ طاقت بڑھ گئی، بے فکری پیدا ہو گئی، فرق اتنا ہوا کہ پہلے پھٹے کپڑوں میں پاپ ہوتے تھے، اب زرق برق لباسوں میں پاپ ہونے لگے، پہلے بے زور اور بے ہنر ہاتھوں سے گناہ ہوتے تھے، اب طاقتور اور ہنر مند ہاتھوں سے وہی سب گناہ ہونے لگے۔

کسی نے کہا تعلیم کا انتظام کیا جائے، جہالت، ناخواندگی ہی فساد کی جڑ ہے اور تمام خرابیوں کی اصل وجہ ہے۔ علم بڑھا، لوگوں نے معلومات حاصل کئے اور نئی نئی زبانیں سیکھیں، لیکن جن کا ضمیر فاسد اور ذہن ٹیڑھا تھا، اور دل کے اندر پاپ بسا ہوا تھا انہوں نے علم کو فساد اور تخریب کا ذریعہ بنالیا، کھلی بات ہے کہ اگر چور کو لوہاری کا فن آجائے تو وہ تجوری توڑنا سیکھے گا۔ اب اگر کسی میں خدا کا خوف اور انسانی ہمدردی کا رجحان نہیں ہے اور ظلم وستم اس کے خمیر میں پڑا ہوا ہے تو علم اس کے ہاتھ میں ظلم اور فتنہ وفساد کا آلہ دے گا اور اس کو گناہ اور چوری کے نئے نئے ڈھنگ سکھائے گا۔

بعض لوگوں نے تنظیم کو اصلاح کا ذریعہ سمجھا اور اپنی ساری قوتیں لوگوں کی تنظیم پر صرف کیں۔ نتیجہ یہ ہوا کہ بگڑے ہوئے افراد کا ایک بگڑا ہوا مجموعہ تیار ہو گیا، جو کام اب تک غیر منظم طریقے پر ہوتے تھے، اب منظم طریقے پر ہونے لگے، اب سازش اور تنظیم کے ساتھ منظم چوریاں ہونے لگیں، لوگوں نے اخلاق تربیت، دل اور ضمیر کی اصلاح کی طرف تو توجہ کی نہیں، جیسے برے بھلے لوگ تھے، ان کو منظم کرنے ہی کو کام سمجھا، نتیجہ یہ ہوا کہ بداخلاقی کو نئی طاقت حاصل ہو گئی، میں تو کہوں گا کہ ڈاکوؤں اور چوروں اور بداخلاقوں کی تنظیم نہ ہوتی تو اچھا تھا۔

کسی نے کہا کہ زبانوں کا اختلاف اور کثرت فتنہ وفساد کی جڑ ہے، زبان ایک اور مشترک

ہونی چاہئے، اسی میں ملک کی ترقی، قوم کی خوشحالی اور انسانیت کی خدمت ہے، لیکن اگر لوگ نہ بدلیں، خیالات نہ بدلیں، دلوں کی خواہشات اور اندر کے رجحانات نہ بدلیں، تو زبان کے بدل جانے یا بولی کے ایک ہو جانے سے کیا خاص فائدہ ہوگا۔ فرض کیجئے کہ اگر ساری دنیا کے چور اور جرائم پیشہ ایک بولی بولنے لگیں، اور ایک ہی زبان اختیار کرلیں تو اس سے دنیا کو کیا فائدہ ہوگا، اور اس سے چوری اور جرائم کا کیا سد باب ہوگا؟ میں تو سمجھتا ہوں کہ اس سے، بجائے اس کے کہ چوری اور جرائم کم ہوں، زیادہ ہوں گے اور مجرم کی شناخت میں اور دقت ہوگی۔

کسی نے کہا کہ وقت کا سب سے بڑا کام اور انسانیت کی سب سے بڑی خدمت یہ ہے کہ کلچر ایک ہو جائے، مگر کیا آپ کو معلوم نہیں کہ یہاں تہذیبیں نہیں ٹکراتیں، ہوس ٹکراتی ہے "ہم چو ما دیگرے نیست" کا مہلک جذبہ ٹکراتا ہے، ہمارے بہت سے رہنما بے سوچے سمجھے کہنے لگے ہیں کہ اگر تمام دنیا کا کلچر ایک ہو جائے تو انسانیت کی ناؤ پار لگ جائے گی، اگر پورے ملک کا کلچر ایک ہو جائے تو اس ملک کے رہنے والے شیر وشکر ہو جائیں گے، لیکن دوستو! کلچر کا ایک ہونا مفید نہیں، دل کا ایک ہونا مفید ہے۔ کہنے والے نے غلط نہیں کہا کہ:

یک دلی از یک زبانی بہتر است

اگر لوگ ایک دل نہ ہوئے تو ایک زبان یا تہذیب ہونے سے کچھ فائدہ نہیں۔ جو لوگ پہلے سے ایک زبان ہیں اور جن کی تہذیب اور کلچر مشترک ہے، ان میں کونسی محبت اور اتحاد ہے۔ کیا وہ ایک دوسرے پر ظلم نہیں کرتے، کیا وہ ایک دوسرے کو دھوکا نہیں دیتے، کیا ان میں سے ایک دوسرے سے عاجز اور پریشان نہیں ہیں، کیا ایک کلچر، ایک زبان اور ایک تہذیب کے لوگ آپس میں نہیں لڑتے۔

بعضوں نے کہا کہ لباس ایک ہو، لیکن جب کسی زبردست کو گریبان پکڑنے کی عادت پڑ جائے، اور جیب کترنے کی لت لگ جائے تو کیا وہ لباس کا احترام کرے گا، کیا وہ محض اس وجہ سے اپنے ارادہ سے باز رہے گا کہ اسی کا جیسا لباس دوسرے کے جسم پر ہے، انسانیت کا احترام دل میں نہ ہو تو لباس کا احترام کیسے پیدا ہوگا؟ لباس کی قدر و قیمت تو انسان کی وجہ سے ہے۔

دل کی تبدیلی کے بغیر زندگی تبدیل نہیں ہوسکتی:

دوستو! انسانیت کے مسائل اور مشکلات کا حل نہ لباس کی یکسانی ہے، نہ زبان اور

تہذیب کا اشتراک، نہ ملک ووطن کی وحدت، نہ علم ودولت، نہ تہذیب وتنظیم، نہ وسائل وذرائع کی کثرت، ان سب میں کوئی ایک بھی ایسی طاقت نہیں جو دنیا کو بدل دے، جب تک دل کی دنیا نہیں بدلتی باہر کی دنیا نہیں بدل سکتی۔ پوری دنیا کی باگ ڈور دل کے ہاتھ ہے، زندگی کا سارا بگاڑ دل کے بگاڑ سے شروع ہوا ہے، لوگ کہتے ہیں تباہی کس طرف سے ہونا شروع ہوتی ہے، میں کہتا ہوں انسان دل کی طرف سے ہوتی ہے، یہیں سے بگاڑ شروع ہوتا ہے اور ساری زندگی میں پھیل جاتا ہے۔

پیغمبر انسانیت کا مزاج بدلتے ہیں:

پیغمبر یہیں سے اپنا کام شروع کرتے ہیں، وہ خوب سمجھتے ہیں کہ یہ سب دل کا قصور ہے، انسان کا دل بگڑ گیا ہے، اس کے اندر چوری، ظلم، دغابازی کا جذبہ اور ہوس پیدا ہوتی ہے، اس کے اندر خواہش کا عفریت ہے، جو ہر وقت اس کو نچا رہا ہے اور وہ بچے کی طرح اس کے اشاروں پر حرکت کر رہا ہے، پیغمبر کہتے ہیں کہ ساری خرابیوں کی جڑ یہ ہے کہ انسان پاپی ہو گیا ہے، اس کے اندر برائی کا جذبہ اور اس کا زبردست میلان پیدا ہو گیا ہے، اس لئے سب سے ضروری اور مقدم کام یہ ہے کہ اس کے دل کی اصلاح کی جائے اور اس کے ذہن کو مانجھا جائے۔

وہ لوگوں کو فاقہ کرتے دیکھتے ہیں، اس منظر سے ان کا دل کس قدر دکھتا ہے، دنیا میں کس کا نہیں دکھتا، ان کو کھانا پینا دشوار ہو جاتا ہے، مگر وہ حقیقت پسند ہوتے ہیں، وہ یہ نہیں کرتے کہ اسی کو مسئلہ بنا کر اس کے پیچھے پڑ جائیں، اس لئے کہ وہ جانتے ہیں کہ یہ خرابی کا نتیجہ ہے، خرابی کی جڑ نہیں، وہ جانتے ہیں کہ اگر لوگوں کے پیٹ بھرنے کا سامان کر دیا جائے اور زائد غلے بھوکوں کو دے دیا جائے تو یہ ایک وقتی اور سطحی انتظام ہوگا، وہ ایسی نفسیات اور ایسے حالات پیدا کرتے ہیں کہ لوگوں سے دوسروں کی بھوک نہ دیکھی جا سکے اور خود اپنے گھر سے غلہ لا کر دوسروں کے پاس ڈال جائیں۔

اس کے برخلاف لوگ ایسے حالات پیدا کرتے جاتے ہیں کہ غلہ گھٹتا اور ایک جگہ جمع ہوتا چلا جائے، یاد رکھئے کہ اگر ذہنیت میں تبدیلی نہیں ہوئی اور غلہ کی تقسیم یا رسد کا انتظام کر دیا گیا تو اس کے بعد بھی لوگوں کو ایسا فن معلوم ہے کہ دوسروں کی جھولی کے دانے ان کی جھولی میں آجائیں اور ہر دولت ہر طرف سے سمٹ کر ان کے قدموں سے لگ جائے۔ آپ نے شاید

الف لیلہ کا قصہ پڑھا ہو کہ سند باد جہازی اپنے سفر میں ایک مقام پر پہنچا، اس نے دیکھا کہ جہاز کا کپتان بہت فکر مند اور غمگین ہے، سند باد نے سبب پوچھا تو جہاز کے ناخدا نے بتایا کہ ہم غلطی سے ایک ایسے مقام پر آ گئے ہیں جہاں سے قریب مقناطیس کا ایک پہاڑ ہے، ابھی تھوڑی دیر میں ہمارا جہاز اس کے قریب پہنچ جائے گا، مقناطیس لوہے کو کھینچتا ہے، جب وہ پہاڑ کشش کرے گا تو جہاز کی سب کیلیں اور تختوں کے قبضے نکل کر پہاڑ سے جا ملیں گے اور جہاز کا بند بند جدا ہو جائے گا، اس وقت ہمارا جہاز ڈوبنے سے نہ بچ سکے گا۔ چنانچہ ایسا ہی واقعہ پیش آیا۔ مقناطیس نے لوہے کو کھینچنا شروع کیا اور جہاز میں جتنا بھی لوہے کا سامان تھا سب کھنچ کھنچ کر پہاڑ پر پہنچ گیا اور دیکھتے ہی دیکھتے جہاز غرق ہو گیا۔ خوش قسمت سند باد ایک بہتے ہوئے تختے کے سہارے کسی جزیرے میں پہنچ گیا اور اس کی جان بچی۔

یہ قصہ غلط ہو یا صحیح اس سے مجھے کچھ سروکار نہیں، مگر مجھے آپ کو یہ سنانا تھا کہ ہماری سوسائٹی میں بھی مقناطیس صفت سرمایہ دار اور تاجر موجود ہیں، انہیں آپ بھی **(Magnate)** کہتے ہیں، وہ ایسی سازش کرتے ہیں کہ دولت سمٹ کر ان کی گھر آ جاتی ہے، وہ ایسا معاشی جال پھیلاتے ہیں کہ لوگ چار و ناچار سب کچھ ان کی جھولی میں ڈال دیتے ہیں، اور اپنے وسائل زندگی اور ضروریات ان کے سپرد کر کے پھر غربت اور فاقہ کشی کی زندگی گزارنے لگتے ہیں، پیغمبر قلب کی ماہیت بدل دیتے ہیں، وہ انسان کے اندر ایسی تبدیلی پیدا کرتے ہیں کہ وہ دوسرے انسان کی فاقہ کشی کو دیکھ نہ سکے، وہ اس کے اندر ایثار کی روح اور قربانی کا جذبہ اور سچی انسانی ہمدردی پیدا کرتے ہیں، اس کو دوسروں کی زندگی اپنی زندگی سے زیادہ عزیز ہو جاتی ہے، وہ اپنی جان کھو کر دوسروں کی زندگی بچانا چاہتا ہے، وہ اپنے بچوں کو بھوکا رکھ کر دوسروں کا پیٹ بھرنا چاہتا ہے، وہ خطروں میں اپنے کو ڈال کر دوسروں کو خطروں سے محفوظ کرنا چاہتا ہے۔

ایثار کے دو واقعے:

آپ میرے ان لفظوں پر تعجب نہ کریں، یہ سب تاریخ کے واقعات ہیں، ہماری آپ کی اسی دنیا میں ایسا ہو چکا ہے، تاریخ میں ایسے واقعات گزرے ہیں جو ان فرضی قصوں اور افسانوں سے کہیں زیادہ حیرت انگیز اور تعجب خیز ہیں، جو آج فلموں میں اور اسکرین پر دکھلائے جاتے

ہیں۔

محمد رسول اللہ ﷺ کی دنیا میں آمد کے کچھ عرصہ بعد کا قصہ ہے کہ ایک مسلمان اپنے ایک زخمی بھائی کی تلاش میں پانی لے کر نکلا کہ شاید پانی کی ضرورت ہو تو میں ان کی خدمت کروں، زخمیوں میں ان کو اپنے بھائی نظر آ گئے جو زخموں سے نڈھال اور پیاس سے بے قرار تھے۔ انہوں نے پیالہ بھر کر پیش کیا تو زخمی نے ایک دوسرے زخمی کی طرف اشارہ کیا کہ پہلے ان کو پلاؤ، اگر واقعہ یہیں ختم ہو جاتا تب بھی انسانیت کی بلندی کے لئے کافی تھا اور تاریخ کا ایک یادگار واقعہ ہوتا، لیکن واقعہ یہیں ختم نہیں ہوتا، جب اس زخمی کے سامنے پیالہ پیش کیا گیا تو اس نے تیسرے زخمی کی طرف اشارہ کیا، اس طرح ہر زخمی اپنے پاس والے زخمی کی طرف اشارہ کرتا رہا۔ یہاں تک کہ پیالہ چکر کاٹ کر پہلے زخمی کی طرف پہنچا تو وہ دم توڑ چکا تھا، دوسرے کے پاس پہنچا تو وہ بھی رخصت ہو چکا تھا، اسی طرح سے یکے بعد دیگرے یہ سب زخمی دنیا سے چلے گئے لیکن تاریخ پر اپنا ایک نقش چھوڑ گئے۔ آج جب کہ بھائی بھائی کا پیٹ کاٹ رہا ہے، اور ایک انسان دوسرے انسان کے منہ سے روٹی کا ٹکڑا چھین رہا ہے، یہ واقعہ روشنی کا مینار ہے۔

ایک دفعہ محمد رسول اللہ ﷺ کے کچھ مہمان آئے۔ آپ ﷺ کے یہاں کچھ کھانے کو نہیں تھا۔ آپ ﷺ نے فرمایا ان کو کون اپنے گھر لے جائے گا۔ ایک صحابی حضرت ابوطلحہؓ انصاری نے اپنے کو پیش کیا اور مہمانوں کو لے گئے۔ گھر میں کھانا کم تھا، گھر میں یہ مشورہ ہوا کہ بچوں کو سلا دیا جائے گا اور کھانا مہمانوں کے سامنے رکھ کر چراغ بجھا دیا جائے گا۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ مہمانوں نے شکم سیر ہو کر کھایا اور ابوطلحہ بھوکے اٹھ گئے۔ مہمانوں کو اندھیرے میں پتہ چلنے نہیں پایا کہ ان کا میزبان کھانے میں شریک نہیں ہے اور وہ خالی ہاتھ منہ تک لے جاتے رہے ہیں۔

انسانیت کا درخت اندر سے سرسبز ہوگا:

پس پیغمبر انسان کے اندر تبدیلی پیدا کرتے ہیں، وہ نظام بدلنے کی اتنی کوشش نہیں کرتے، جتنا مزاج بدلنے کی کوشش کرتے ہیں، نظام ہمیشہ مزاج کا تابع رہا ہے، اگر دل نہیں بدلتا، مزاج نہیں بدلتا تو کچھ نہیں بدلتا۔ لوگ کہتے ہیں کہ دنیا خراب ہے، زمانہ خراب ہے، میں کہتا ہوں کہ یہ کچھ نہیں بلکہ انسان خراب ہے۔ کیا زمین کی حالت میں فرق پڑ گیا، کیا ہوا کا اثر بدل گیا، کیا سورج نے گرمی اور روشنی دینی چھوڑ دی، کیا آسمان کی حالت تبدیل ہو گئی، کس کی

فطرت میں فرق پڑا؟! زمین اسی طرح سونا اگل رہی ہے، اس کے سینہ سے اسی طرح اناج کا ذخیرہ ابل رہا ہے، پھلوں کے ڈھیر نکل رہے ہیں، لیکن تقسیم کرنے والے پاپی ہو گئے، یہ ظالم جب اپنی ضروریات کی فہرست بناتے ہیں تو اخبارات کے صفحات اس کے لئے تنگ اور دفتر کے دفتر ان کے لئے کم، اور جب دوسروں کی ضروریات پر سوچتے ہیں تو ساری علم معیشت کی قابلیت کا کمال اس کے مختصر کرنے میں صرف کر دیتے ہیں۔ جب تک یہ رجحان نہیں بدلتا، انسانیت کراہتی رہے گی، پیغمبر دلوں میں انجکشن لگاتے ہیں، لوگ باہر کی ٹپ ٹاپ کرتے ہیں اور اسی پر سارا زور صرف کرتے ہیں، پیغمبر اندر کے گھن کی فکر کرتے ہیں، آج ساری دنیا میں یہی ہو رہا ہے، انسانیت کا درخت اندر سے خشک ہوتا چلا جا رہا ہے، کیڑا اس کے گودے کو کھائے چلا جا رہا ہے، لیکن زمانہ کے بقراط اوپر سے پانی چھڑکوا رہے ہیں۔ درخت کے اندر سرسبزی اور اس کے نشوونما کی جو قوت تھی، وہ ختم ہو چلی ہے، لیکن پتیوں کو سرسبز کرنے کو ہوائیں پہنچائی جا رہی ہیں۔ پانی چھڑکا جا رہا ہے کہ خشک پتے ہرے ہوں، پیغمبروں نے انسان کو انسان بنانے کی کوشش کی، انہوں نے اسے ایمانی انجکشن دیا اور کہا کہ اے بھولے ہوئے انسان اپنے پیدا کرنے والے کو پہچان اور سوتے جاگتے، چلتے پھرتے اسے نگراں مان **"لاتاخذه سنة ولا نوم"** اس پر اونگھ کا غلبہ ہوتا ہے، نہ اسے نیند آتی ہے۔

انسانیت کے صحیح نمائندے:

بس جب تک انسان کے قلب و جگر سے محبت کا چشمہ نہ ابلے، جب تک دل کے اندر ایثار کا جذبہ نہ پیدا ہو، انسانیت کی اصلاح ناممکن ہے۔ بس وہ ایسی انسانی تربیت کرتے ہیں کہ اس میں بھائی کے لئے ایثار اور تکلیف اٹھانے کا جذبہ پیدا ہوتا ہے، وہ محض قانون سے دنیا کا علاج نہیں کرتے بلکہ وہ انسان کے اندر حقیقی انسانیت، انسانیت کا جوہر پیدا کرتے ہیں، وہ ایسی قوم پیدا کرتے ہیں جو صحیح انسانیت کا مظاہرہ کر کے یہ ثابت کر دیتی ہے کہ ہم معدہ، پیٹ اور سر کے غلام نہیں، وہ زبان حال سے اعلان کرتی ہے کہ وہ شکم پرست، شوق پرست، دولت پرست، بادشاہ پرست، یا اہل و عیال پرست نہیں۔ جب تک ایسی قوم سامنے نہیں آتی، انسانیت کی اصلاح نہیں ہو سکتی۔

اگر کسی ملک میں ایسی قوم پیدا ہوتی ہے کہ سب کو نفع پہنچائے اور خود کو بھول جائے تو وہ

انسانیت کو سدھار سکتی ہے، تاریخ شاہد ہے کہ بڑے بڑے انسانیت کے خیر خواہ گزرے ہیں، لیکن کسی نہ کسی اسٹیج پر آپ یہ بتائیں گے کہ انہوں نے بالآخر اپنا انتظام کرلیا، ایسے بے شمار قوم کے سیوک گزرے ہیں، جنہوں نے قومی سدھار کا کام بڑی مشکلات میں شروع کیا، جیلیں کاٹیں، لیکن بالآخر جیل سے نکل کر حکومت کی کرسیوں پر جا بیٹھے، ان کا یہ حق تھا انہیں مبارک ہو۔

پیغمبروں کی زندگی:

لیکن اللہ کے پیغمبر دنیا سے بے داغ چلے گئے، انہوں نے دنیا کے آرام کی خاطر اپنا عیش تج دیا، انہوں نے سو فیصدی دوسروں کے فائدے میں بے آرام زندگی گزاری اور ایک فیصدی بھی اپنا فائدہ نہیں اٹھایا، اور ان کے صحابی اور ساتھی جہاں سے گزرے دنیا کو نہال کر دیا، وہ دنیا آج تک ان کے لگائے ہوئے باغ کا پھل کھا رہی ہے، جسے انہوں نے اپنے خون سے سینچا تھا، جو دوسروں کے گھر میں چراغاں کر گئے، لیکن ان کے گھر میں دنیا سے جاتے وقت اندھیرا تھا، محمد رسول اللہ ﷺ کی عطا کی ہوئی روشنی جھونپڑوں اور شاہی محلوں میں یکساں چمکائی، لیکن جاتے ہوئے ان کے گھر کا چراغ مانگے ہوئے تیل سے جل رہا تھا، حالانکہ مدینہ کے سینکڑوں گھروں میں ان ہی کا جلایا ہوا چراغ جل رہا تھا۔ آپ فرماتے تھے "نحن معشر الانبیاء لانرث ولا نورث ما ترکنا صدقة" (ہم پیغمبر نہ کسی کے وارث ہوتے ہیں، نہ ہمارا کوئی وارث ہوتا ہے، ہم جو کچھ چھوڑیں وہ سب غریبوں کا حق ہے) اس سے بڑھ کر آپ کا ارشاد تھا کہ جو کوئی مر گیا اور وہ کچھ ترکہ چھوڑ کر گیا، وہ اس کے ورثاء کو مبارک ہو۔ ہم اس سے ایک پیسہ نہیں لیں گے، لیکن اگر کوئی قرض چھوڑ کر گیا ہے تو وہ میرے ذمہ ہے، اسے میں ادا کروں گا، کیا دنیا کے کسی بادشاہ یا قائد نے یہ نمونہ چھوڑا ہے، آپ کی زندگی انسانیت کا شاہکار ہے، آپ دنیا کے سامنے ایسا نمونہ پیش کر گئے جس میں سوائے ایثار و محبت اور دوسروں کے غم میں گھلنے کے کہیں اپنا رتی برابر فائدہ نظر نہیں آتا۔ آپ عرب کے واحد بادشاہ تھے، دلوں پر ان کی بادشاہی تھی، لیکن دنیا سے دامن بچائے ہوئے بے منت چلے گئے، آپ ہی نہیں بلکہ جو جتنا آپ سے قریب تھا، اتنا ہی وہ خطرے سے قریب اور فائدے سے دور تھا، اپنے گھر والیوں سے علی الاعلان کہہ دیا کہ اگر دنیا کی بہار اور عیش چاہتی تو ہم تم کو کچھ دے دلا کر اچھی طرح سے تمہارے

گھروں کو رخصت کردیں گے، تم وہاں واپس جاؤ اور راحت و آرام کی زندگی گزارو اور ہم سے فارغ خطی لے لو، ہمارے ساتھ رہنا ہے تو درد، دکھ، تنگی ترشی برداشت کرنا ہے، یہی اس ہمت کا تحفہ ہے، اور اسی پر اللہ کے یہاں سے انعام ملے گا۔

دوستو! ہم چاہتے ہیں کہ پھر یہی زندگی عام ہو، انسانیت کی بے لوث خدمت اور بے غرض محبت کا رواج ہو، پھر دوسروں کے نفع کے لئے اپنے نقصان کو ترجیح دی جائے، پھر ایسی قوم پیدا ہو جو خطرے کے موقع پر پیش پیش اور نفع کے موقع پر دور دور نظر آئے۔

خواہشات کی تسکین سکون کا راستہ نہیں:

آج دنیا کی ساری ریاستیں و حکومتیں اس محور پر گھوم رہی ہیں کہ قوموں اور طبقوں کو ہر طرح سے مطمئن کیا جائے اور خواہشات کی تسکین کی جائے، لیکن دانایان فرنگ! یہ اصلاح و تسکین کا راستہ نہیں، یہاں ایک فرد کی خواہشات بھی پوری ہونا مشکل ہے، خواہشات کا یہ حال ہے کہ وہ لامتناہی ہیں، اور دنیا کا یہ حال ہے کہ وہ محدود اور مختصر اور کروڑوں انسانوں میں مشترک ہے، واقعات کی دنیا میں آکر دیکھئے تو اس دنیا میں درحقیقت ایک آدمی کی منہ مانگی خواہشات کو بھی پورا کرنے کی گنجائش نہیں، یہاں کسی بوالہوس کی ہوس پوری نہیں ہوسکتی، یہاں نفس کی تسکین کا خواہشات مند پکار پکار کر کہہ رہا ہے:

دریائے معاصی تنک آبی سے ہوا خشک
میرا سر دامن بھی ابھی تر نہ ہوا تھا

آج دنیا کے بڑے بڑے رہنما کہہ رہے ہیں کہ انسانی خواہشات سب جائز اور فطری ہیں، سب کو پورا ہونا چاہئے اور اسی پر ساری دنیا میں عمل ہو رہا ہے۔

دوستو! یہی بنیادی غلطی ہے، خواہشات کی تسکین اور تکمیل سے انسانیت کی تشفی نہیں ہوسکتی، خواہشات کی تسکین سے خواہشات میں کمی اور قلب میں سکون پیدا نہیں ہوگا، یہ تو سمندر کا کھاری پانی ہے، جس قدر اس سے پیاس بجھائیے گا، پیاس بھڑکے گی، آج ساری دنیا میں حکومتیں، ادارے اور تہذیبیں اسی فلسفہ کے مطابق کام کررہی ہیں کہ انسانوں کو صحیح غلط خواہشات کی تسکین کا سامان کیا جائے، قومیں، طبقے، جمہور اور افراد جو کچھ مانگیں ان کو دیا جائے، اس سے سکون پیدا ہوگا، امن قائم ہوگا، لیکن نتیجہ بالکل الٹا ہے، آج ہر طرف آگ لگی ہوئی ہے، دل کی لگی

کسی سے بجھتی نہیں، خواہشات کا الاؤ جل رہا ہے، اور اس میں ہر قوم ایندھن ڈالتی جارہی ہے، اور اس کو ہوا دے رہی ہے، آج اس کے شعلے آسمان سے باتیں کرنے لگے ہیں، اور قوموں اور ملکوں کی طرف لپک رہے ہیں، آج وقودها الناس والحجارة (اس کے ایندھن آدمی او پتھر ہیں) کا منظر نظر آرہا ہے، لوگ اس آگ کی شکایت کرتے ہیں، مگر سوچنے کی بات یہ ہے کہ یہ آگ کس نے جلائی، یہ الاؤ کس نے روشن کیا، اس پر تیل کس نے چھڑکا، اس میں ایندھن کون ڈال رہا ہے، خواہشات کی تکمیل اور تسکین کے راستہ کا یہی انجام اور منزل ہے۔

لطیفہ یہ ہے کہ یہی لوگ جو قوم کی ہر خواہش اور ہر فرمائش کو پورا کرنا ضروری سمجھتے ہیں اور اس کے لئے تفریح وتسکین کا سامان بہم پہنچانا ضروری جانتے ہیں، اپنی اولاد کے ساتھ یہ معاملہ نہیں کرتے، اس کی بہت سی غلط اور مضر خواہشات کی روک تھام کرتے ہیں، بچہ اگر آگ سے کھیلنا چاہے تو نہیں کھیلنے دیتے، لیکن وہ ان قوموں کی ہر خواہش اور فرمائش کو پورا کرنے کے لئے تیار ہیں، جو وہ کریں، اس کا مطلب یہ ہے کہ ان کو اپنی رعایا سے اپنی اولاد کی طرح ہمدردی نہیں، یہی لوگ جو قوموں پر حکومت کرتے ہیں، ان کو خوش رکھنے کے لئے اور ان کے افراد سے رائے حاصل کرنے کے لئے ہر غلط اور صحیح خواہش کی تکمیل ضروری سمجھتے ہیں، آج کسی ملک میں کوئی ایسی جماعت نہیں، اور کسی شخص میں یہ اخلاقی جرأت نہیں کہ وہ تفریحات اور تعیشات پر تنقید کرے، لہو ولعب کے بڑھتے ہوئے ذوق، تماشہ بینی، موسیقی، رقاصی اور مصوری کے حد سے بڑھے ہوئے شوق اور انہماک پر اعتراض کرے، آج کوئی ایسی حکومت نہیں جو ان چیزوں پر ضروری پابندیاں عائد کردے اور قوم اور اہل ملک کی ناراضگی مول لے۔

اللہ کے پیغمبر خواہشات مین اعتدال پیدا کرتے ہیں اور صحیح ذہنیت اور صلاحیت عطا کرتے ہیں:

اللہ کے پیغمبروں کا راستہ اس سے بالکل مختلف ہے، انہوں نے جائز اور ناجائز خواہشات کی تکمیل اور تسکین کے بجائے خواہشات کو لگام دی۔ انہوں نے خواہشات کے رخ کو موڑا اور صرف جائز خواہشات کو اس کا مستحق سمجھا کہ ان کی تکمیل کی جائے۔ انہوں نے زندہ اور بیدار ضمیر پیدا کیا، اس سے زندگی میں اعتدال اور دلوں میں سکون پیدا ہوا، تمہاری درس گاہوں،

تمہاری تجربہ گاہوں، تمہاری سائنس نے دنیا کو بہت کچھ دیا، انہوں نے حیرت انگیز ایجادوں کو جنم دیا، لیکن انسانوں کو پاک ضمیر نہیں دیا، تمہارے ان اداروں نے انسان کے ہاتھ کھول دیئے، بچوں کو ہتھیار تو دیئے لیکن ان کی تربیت نہیں کی، آج وہ نادان بچے شوخیاں کر رہے ہیں، اور آزادانہ ان ہتھیاروں کا استعمال کر رہے ہیں لیکن:

اے باد صبا ایں ہمہ آوردہ تست

اللہ کے پیغمبروں نے خواہشات پر پہرے بٹھائے، خواہشات میں توازن اور اعتدال پیدا کیا، نفسانی خواہشات کے بجائے اللہ کو راضی کرنے کی زبردست خواہش پیدا کی، انسانی ہمدردی اور غمگساری کا جذبہ پیدا کیا، انہوں نے چیزیں ایجاد کر کے نہیں دیں، مگر انہوں نے وہ ذہنیت پیدا کی جس سے خدا کی بنائی ہوئی اور انسان کی تیار کی ہوئی چیزوں کے استعمال کرنے کی صلاحیت پیدا ہو، انہوں نے ضمیر بخشا، یقین بخشا، آج دنیا کے پاس سب کچھ ہے، یقین نہیں ہے، آج دنیا کے کارخانے سب کچھ پیدا کر سکتے ہیں لیکن یقین پیغمبروں کے کارخانے سے ملتا ہے، آج دنیا خدا سے ڈرنے والوں سے خالی ہے، یقین سے خالی ہے، انسانیت کی بے لوث خدمت کون کرے، خدا کا خوف اور اس کی رضا کا یقین، اس کے کنبے کی بے لوث خدمت کا جذبہ دیتا ہے، انسانیت کے ایسے خادم ہر غرض سے دور، حکومت کے لالچ سے الگ، سیاسی چالوں اور سیاسی جوڑ توڑ سے بیزار، بے لوث خدمت کرتے ہیں، آج ایسے ہی خدمت گاروں کی ضرورت ہے، جن کے پاس کچھ نہ ہو، پھر بھی کچھ لینا نہ چاہیں، بلکہ دینا ہی چاہیں۔

ہمارا پیغام اور ہماری صدا:

ہم لوگوں میں اس جذبہ کو پیدا کرنا چاہتے ہیں اور ان میں ان حقیقتوں کی پیاس پیدا کرنا چاہتے ہیں، زندگی محض کھانے پینے کا نام نہیں، انسان کی زندگی محض مادی یا حیوانی زندگی کا نام نہیں، ہم ایک نیا ذوق لے کر آئے ہیں، آج کی مادی دنیا میں یہ بات نئی ہے، دراصل یہ بات نئی نہیں، دنیا کے سب پیغمبر جو ہر قوم میں آئے ہیں، یہی پیغام لائے اور سب سے زیادہ طاقت اور وضاحت کے ساتھ محمد رسول اللہ ﷺ نے آخری طور پر یہ بات کہی، یہ حقیقت چوراہوں پر کہنے کے لائق ہے، لوگ پیٹ کے گرد چکر لگا رہے ہیں، اصل زندگی دم توڑ رہی ہے، انسانیت کی پونجی لٹ رہی ہے، ہم ایک صدا لگانے آئے ہیں، حق کی صدا، دنیا اس صدا سے نامانوس

ہے، بلکہ ہم دنیا سے مایوس نہیں، انسانوں کے پاس اب بھی ضمیر ہے، یہ ضمیر مردہ نہیں ہوا، اس پر گرد و غبار آ گیا ہے، اگر وہ گرد و غبار جھاڑ دیا جائے اور اس کو آلودگی سے صاف کر دیا جائے تو اب بھی اس کی گنجائش ہے کہ وہ حق کو قبول کرے اور اس میں ایمانی شعور پیدا ہو۔

وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

قرآن کا مطالبہ
مکمل اطاعت وسپردگی

نحمده ونصلی علیٰ رسوله الکریم. اما بعد فاعوذ بالله من الشیطان الرجیم بسم الله الرحمن الرحیم . یآیها الذین آمنوا ادخلوا فی السلم کافة، ولا تتبعوا خطوات الشیطن انه لکم عدو مبین فان زللتم من بعد ما جائتکم البینت فاعلموا ان الله عزیز حکیم

میرے بھائیو، اور دوستو! میں نے آپ کے سامنے قرآن کی ایک آیت پڑھی ہے، اس کا ترجمہ ہے۔ ''اے ایمان والو! داخل ہو جاؤ سلم (صلح) میں پورے کے پورے اور شیطان کے نقشہائے قدم کی پیروی نہ کرو، وہ تمہارا کھلا دشمن ہے۔ اگر تم سے لغزش ہوئی، صاف صاف باتیں آ جانے کے بعد، تو یاد رکھو کہ خدائے تعالیٰ غالب اور حکیم ہے۔''

حضرات! یہ آیت بڑی چونکا دینے والی ہے، اللہ سے جنگ کا کیا مطلب ہے کیا اس کا کوئی امکان ہے، کیا اس کا کوئی تصور کر سکتا ہے، بھلا بندہ اللہ سے جنگ کر سکتا ہے؟ لیکن قرآن میں لفظ یہی استعمال کیا گیا ہے، جس سے ہمارے کان کھڑے ہو جانے چاہئیں بلکہ جسم لرز جانے چاہئیں کہ اللہ تعالیٰ جو مالک الملک، خالق کائنات، قادر مطلق اور محسن ومنعم ہے وہ اپنے بندوں سے کہے کہ اے ایمان والو! صلح میں داخل ہو جاؤ پورے کے پورے، ہم سے جنگ، محاذ آرائی اور مقابلہ کی کوئی گنجائش نہیں ہونی چاہئے۔

بظاہر ذہن میں یہ بات آتی ہے کہ ''فی السلم'' کے بجائے ''فی الاسلام'' کہا جاتا۔ یعنی اسلام میں داخل ہو جاؤ، مگر نہیں، یہاں سلم میں داخل ہونے کو کہا گیا یعنی خدا کے ساتھ تمہارا معاملہ، فرمانبردارانہ، مصالحانہ، مطیعانہ اور مکمل ہونا چاہئے، عقائد میں بھی، فرائض وعبادات میں بھی، طرز معاشرت اور طریقہ زندگی میں بھی تمہیں اللہ کی تعلیمات اور سید المرسلین خاتم النبیین ﷺ کے لائے ہوئے اور بتائے ہوئے احکام کا پابند ہونا چاہئے اور تعلقات میں بھی

اس کا لحاظ رکھنا چاہئے کہ اللہ کے دشمن سے وفاداری اور اطاعت وفرمانبرداری کا تعلق نہ ہو، ''اسلام'' کا لفظ ''سلم'' ہی سے نکلا ہے، عربی زبان ولغت کے لحاظ سے ''اسلام'' کے معنی ہیں اپنے کو حوالہ کردیا، سلنڈر کردیا، اپنی ہر چیز سے دستبردار ہوگیا، اپنی ملکیت سے، خواہش، مصالح و مفادات سے، فوائد وضرر میں فرق کے لحاظ، اور احساس سے دستبردار ہوگیا، اپنے کو خدا کے احکام کے قدموں میں ڈال دیا اور اپنے کو بالکل سپرد کردیا اور سلم کے معنی صلح کے ہیں، قرآن میں دوسری جگہ آیا ہے "وان جنحوا للسلم فاجنح لها" (اگر یہ لوگ صلح کی طرف مائل ہوں تو آپ بھی صلح کی طرف مائل ہوجائیے) "اسالم من سالم واحارب من حارب" مصالحانہ رویہ اختیار کرتا ہوں، اس کے لئے جو مجھ سے مصالحانہ رویہ اپنائے اور مقابلانہ ومحاربانہ رویہ اختیار کرتا ہوں اس کے لئے جو جنگ کرے، اور اسی طرح اللہ تعالیٰ نے دیگر مقامات پر اپنے لئے ایسے پرجلال اور باعظمت الفاظ استعمال کئے ہیں جو لرزا دینے والے اور تھرا دینے والے ہیں، مثلاً سود کے بارے میں آیا "یآیها الذین آمنوا اتقوا لله وذروا مابقی من الربو ان کنتم مؤمنین فان لم تفعلوا فاذنوا بحرب من الله ورسوله" اگر تم نے سود نہیں چھوڑا تو تیار ہوجاؤ اللہ تعالیٰ سے لڑنے کے لئے، جنگ کرنے کے لئے، اور اسی طرح حدیث قدسی میں آیا ہے "من اذی لی ولیا فقد ذنته بالحرب" (میرے کسی دوست اور مقبول بندے کو جو ستانے کا ایذا پہنچانے کا تو میں نے اس کے لئے اعلان جنگ کردیا۔)

تو بظاہر دور اور بہت دور کی بات معلوم ہوتی ہے کہ وہ کونسا شامت زدہ اور بدنصیب ہوگا جو خدا سے جنگ کی ٹھانے گا جو خدا سے برسر مقابلہ ہوگا، لیکن انسانوں کی نفسیات، انسانوں کی زندگی کے تجربات، اللہ ورسول کی تعلیمات کے مقابلہ میں طرز عمل اور ان کے کردار کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ ایسا ہوسکتا ہے، اس کا امکان ہے کہ ایک آدمی اسلام کا دعویٰ بھی کرے، اللہ کے بندہ ہونے کا دعویٰ اور اعتراف کرے اور پھر بعض چیزوں میں اللہ سے (معاذ اللہ، سو بار معاذ اللہ) برسر جنگ ہو۔ یعنی کچھ مانے اور کچھ نہ مانے اللہ کے یہاں روز روشن اور تحفظ کے ساتھ اور اپنی مرضی کو دخل دیتے ہوئے کوئی بندگی کا تعلق قائم کرے کہ اچھا صاحب، ہم عقائد کو تو مانتے ہیں، بے شک توحید برحق، معاد اور آخرت کا عقیدہ برحق، حساب وکتاب برحق لیکن معاشرہ میں، تہذیب میں، اپنی گھریلو زندگی میں، اپنے عزیزوں کے ساتھ تعلقات

میں، نہیں دین میں، کاروبار میں، تجارتی معاملات میں ہم آزاد ہیں تو اللہ تعالیٰ اس کو قبول کرنے کے لئے تیار نہیں۔ یہ آیت اسی لئے نازل ہوئی ہے، اور یہ آیت گویا تازیانہ عبرت ہے، ایک بہت بڑے خطرے کا اعلان ہے کہ خدا فرماتا ہے، اے وہ لوگو جن کو ایمان لانے کا دعویٰ ہے "ادخلوا فی السلم کافۃ" اللہ کے ساتھ پورے طور پر صلح میں داخل ہو جاؤ، یہاں یہ نہیں چلے گا کہ اتنا ہم مانتے ہیں اتنا نہیں مانتے ہیں "میٹھا میٹھا ہپ ہپ، کڑوا کڑوا تھو تھو" یہ نہیں، آپ یہی دیکھ لیجئے کہ مسجد میں داخل ہوتا ہے آدمی، تو اپنے پورے جسم کے ساتھ داخل ہو جاتا ہے، کوئی کہنے لگے کہ صاحب! ہم تو پورے جسم کے ساتھ نہیں آئے، پاؤں رکھتے ہیں مسجد میں اور بدن رکھتے ہیں باہر، ہم اپنا سر جھکا دیتے ہیں مگر ہمارا بقیہ جسم باہر رہے گا، یا کوئی نماز کے بارے میں کہے کہ قیام تو سر آنکھوں پر، سو بار قیام کرا لیجئے، لیکن جھکنا مشکل ہے رکوع اور سجود سے ہمیں معاف رکھئے اس میں ہمیں انسانیت کی توہین معلوم ہوتی ہے، ہمیں اپنی شکست کا احساس ہوتا ہے، ہمیں اپنی خودی سے دستبردار ہونا پڑتا ہے، تو دوستو! ایسی عبادت نماز کہلانے کی مستحق نہیں، بلکہ یہ کفر کا ایک کلمہ اور کفر کا ایک رویہ ہوگا۔

آپ مجھے معاف کریں، معلوم نہیں آپ کیا توقع رکھتے ہوں گے کہ میں آپ کو خوشخبریاں دوں، بزرگوں کے واقعات سناؤں اور ایسی چیزیں سناؤں کہ آپ یہاں سے اور زیادہ مطمئن ہو کر جائیں، ہم مسلمانوں کی کمزوری ہے کہ ہم اطمینان چاہتے ہیں، اپنی زندگی کی تصدیق چاہتے ہیں کہ ہماری زندگی پر کوئی مہر تصدیق ثبت کر دے کہ ہم اس مقدس سرزمین پر ہیں، ہم سے زیادہ کون خوش قسمت ہوگا، ہم یہ سننا چاہتے ہیں کہ مبارک ہو آپ کو، اللہ تعالیٰ آپ کو یہاں ہمیشہ رہنا نصیب فرمائے، آپ بڑے خوش نصیب ہیں، لاکھوں اولیاء اللہ اس کی تمنا کرتے تھے کہ اللہ ہمیں ارض مقدس تک پہنچائے، ایک اپنے زمانے کے امام الاولیاء، مجاہد اعظم اور مجدد وقت، جس کے ہاتھ پر ۴۰ ہزار لوگ مسلمان ہوئے اور جس کے ہاتھ پر براہ راست بیعت و توبہ کرنے والوں کی تعداد تیس لاکھ سے کم نہیں اور بالواسطہ سلسلہ بیعت میں داخل ہونے والوں کی تعداد تو کروڑوں بیان کی جاتی ہے، اس زمانے کے بڑے مبصر، بڑے مصنف اور صاحب نظر نے لکھا ہے کہ دوسرے ملکوں میں بھی ایسا صاحب تاثیر سنا نہیں گیا، وہ شخص جس کی وجہ سے ہزاروں کو ولایت ملی ہو تو تعجب نہیں، ان کا حال یہ تھا کہ جب وہ آرہے

تھے حج کے لئے پہلی بار (اس زمانے میں حج کرنا بڑا مشکل تھا، بادبانی جہاز ہوتے تھے) تو ایک جگہ پر کسی نے کہا کہ وہ رہا جزیرۃ العرب! وہ کھجور کا درخت نظر آ رہا ہے! (خدا جانے وہ جزیرۃ العرب کا کونسا حصہ تھا اور جس کی وجہ سے جزیرۃ العرب محبوب ومکرم ہے اس جگہ سے وہ کتنا دور تھا؟) تو وہ تاب نہ لا سکے، وضو سے تھے، سجدے میں گر گئے۔ دو رکعت نماز پڑھی اور فرمایا، اللہ کا شکر ہے کہ اس نے مرنے سے پہلے ہمیں وہ سرزمین دکھادی اسی طرح بہت سے عابدین و زاہدین یہ تمنا لے کر دنیا سے رخصت ہو گئے کہ ہمیں اس جگہ پہنچنا نصیب ہو کہ ہم اپنی پلکوں سے وہ زمین جھاڑیں گے، اپنے آنسوؤں سے وہ خاک دھوئیں گے...... تو آپ کہیں گے کہ ہم اس سرزمین میں ہیں، اس لئے ہمیں خوشخبری سنائیے، ہمیں مبارکباد دیجئے اور دعائیں دیجئے کہ ہم یہاں رہیں، پھر کیا بات ہے، یہ بے وقت کی شہنائی کیسی؟ ایسی سخت آیت ہمارے سامنے پڑھی گئی جس میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے، اے ایمان والو! ہمارا معاملہ کسی دنیاوی حاکم و بادشاہ کا نہیں کہ تھوڑا دے دیا، تھوڑا سا ٹیکس ادا کر دیا، اس کی تھوڑی سی بادشاہت مان لی، اس کی بڑائی تسلیم کر لی تو خوش! اور آپ کے سب گناہ معاف، ہماری ذات تو غنی ہے، ہم قوی ہیں، ہم عزیز ہیں، ہم غالب ہیں، ہم اس دنیا کے پیدا کرنے والے ہیں، ہم قسمتوں کے مالک ہیں، ہم تقدیر کے بنانے، بگاڑنے والے ہیں، ہم بیماری اور صحت دینے والے ہیں "**قل اللهم مالك الملك تؤتي الملك من تشآء وتنزع الملك ممن تشآء**" اے اللہ، اے سلطنتوں کے مالک، تیرے اختیار میں ہے تو جس کو چاہے سلطنت سے نوازے، اور جس سے چاہے آن کی آن میں پلک جھپکانے میں سلطنت چھین لے۔ اور تاریخ بتاتی ہے کہ ہزاروں برس کی شہنشاہیاں جن کا ڈنکا بج رہا تھا دنیا میں، جن کا طوطی بول رہا تھا، جن کے والیان سلطنت کی ایک نگاہ پڑ جانا سمجھا جاتا تھا کہ گویا "ھما" اس کے سر پر بیٹھ گئی، اور وہ جس کے سر پر سے ہو کر اڑ گئی اس کی تقدیر بدل جاتی تھی، مٹی پر ہاتھ رکھ دیں تو سونا ہو جائے، پلک جھپکاتے میں اللہ نے ان کی سلطنتوں کا آفتاب غروب کر دیا اور ایسا غروب کیا کہ اس کے بعد کبھی طلوع نہیں ہوا۔ رومۃ الکبریٰ کی تاریخ بتاتی ہے گبن کی کتاب "زوال وسقوط روما" آپ پڑھ لیجئے کہ وہ کیا سلطنت تھی، کیا شہنشاہیت تھی، کس طرح اس کو زوال ہوا، ساسانی سلطنت کی تاریخ پڑھئے کہ کیسا اس کا ڈنکا بجتا تھا، درفش کاویانی اور اس کی آتش مقدس، ہندوستان کی سرحدوں تک اس کی

سلطنت پہنچی ہوئی تھی، اس کے بارے میں ارشاد ہوتا ہے "**فجعلناهم احاديث ومزقناهم كل ممزق**" ہم نے اس کو افسانہ پارینہ بنادیا اوران کے ٹکڑے ٹکڑے کردیئے ۔۔۔ وہ اللہ تعالیٰ کہتا ہے کہ صرف اتنا کافی نہیں کہ آپ نماز پڑھ لیجئے، آپ ایک سجدہ کرلیجئے، ایک مرتبہ اللہ کا نام لے لیجئے اوراب آپ سے کچھ نہیں پوچھا جائے گا، نہیں ہماری غلامی میں پورے طور پر داخل ہونا پڑے گا، رزرویشن یہاں نہیں ہے، یہ نہیں کہ "اتنا ہمارا، اتنا آپ کا" یہاں تو سب ہمارا، تمہاری دولت ہماری، تمہاری عزت ہماری، تمہاری صحت ہماری، تمہارا بدن ہمارا، تمہارا سر ہمارا، تمہارا دین وایمان ہمارا، تمہاری وفاداریاں ہماری، گویا ساری کی ساری ہمارا حق ہیں، کسی کا حق نہیں ہے، ہم جس کی اجازت دے دیں اتنی تم کسی کی اطاعت کروورنہ اصل اطاعت ہماری ہے۔

یہ بڑی چونکا دینے والی آیت ہے جو ہم نے آپ کے سامنے پڑھی، معلوم نہیں پھر کبھی ملنا ہو کہ نہ ہو، اللہ تعالیٰ عین وقت پر یا کچھ پہلے جو ذہن میں ڈالتا ہے وہی میں کچھ کہہ سکتا ہوں، یہ آیت میرے ذہن میں آئی ہے کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے "**يآيها الذين آمنوا ادخلوا في السلم كآفة**" داخل ہو صلح میں پورے کے پورے "کافۃ" کا تعلق دونوں سے ہے، یعنی سارے احکام کو مانو اور تم سب مانو۔ ایک نے مانا، دوسرے نے نہیں اور ایک کو مانا دوسرے کو نہ مانا، ایسا نہیں ہوسکتا، بلکہ یہ سب ہمارا ہے، ہمیں دے دو، سب ہمارے حوالہ کردو، عقائد وہ ہوں جو اللہ اور اس کے رسول ﷺ نے بتائے ہیں، اس میں ذرہ برابر فرق نہ ہو، کائنات میں کسی اور کا حکم چلے ایسا نہیں "**الاله الخلق والامر**" یاد رکھو! اس کا کام ہے پیدا کرنا اور اسی کا کام ہے حکم دینا وہی پیدا کرتا ہے، وہی صحت دیتا ہے، وہی رزق دیتا ہے، وہی طاقت دیتا ہے، وہی دولت دیتا ہے، وہی عزت دیتا ہے، وہی بیمار کرتا ہے، وہی شفا دیتا ہے، وہی اولاد کا دینے والا ہے، وہی قسمت کا بنانے بگاڑنے والا ہے، اللہ کے متعلق یہ عقیدہ پورا کا پورا ہو کہ اس کی سلطنت میں، اس کے اختیارات میں کوئی بڑی سے بڑی ہستی بھی شریک نہیں ہے، نہ انبیاء شریک ہیں، نہ اولیاء اللہ۔ تعالیٰ کو سمجھو کہ وہ قادر مطلق ہے، اس کے یہاں کسی کی سفارش نہیں چلتی، اسی طرح اللہ کے رسول کو مطاع مطلق مانو، قرآن مجید میں ہے کہ جو لوگ اللہ کے رسول کی کچھ بات مانتے ہیں، کچھ نہیں مانتے وہ رسول کے مطیع نہیں ہیں۔ "**وما كان لمؤمن ولا مؤمنة اذا**

قضی اللہ ورسولہ امرا ان یکون لہم الخیرة من امرہم" کہ کسی مسلمان کو یہ اجازت نہیں کہ جب اللہ اور اس کے رسول کا کوئی حکم شرعی معلوم ہو جائے تو اس کو کوئی اختیار باقی رہے اور یہ کہے کہ نہیں ذرا سوچنے اور غور کرنے کا موقع دیجئے، غور اس وقت تک [illegible] ان [illegible] فرماتے کیا ہیں [illegible] نہیں، جب معلوم ہو جائے کہ یہ اللہ کے رسول کا منشا اور فرمان [illegible] ہے، یہ ان کا قول ہے، صحیح طریقے سے ہم تک پہنچا ہے تو انسان کا اختیار اور آزادی ختم، اب تو وہی کرنا ہوگا جو اللہ کے رسول ﷺ کہتے ہیں۔

آپ مجھے معاف کریں، میں تو ایک اڑتی چڑیا ہوں، آیا اور اس شجر کی شاخ پر بیٹھ گیا اور کیا کل ہی یہاں سے خدا کا منظور ہوا تو اڑ جاؤں گا، آپ مجھے یہ نہ سمجھئے کہ میں جاسوسی [illegible] ہوں، یا میں یہاں آ کر عیب ڈھونڈتا ہوں، میں یہاں کے مسلمانوں کے حالات سے واقف ہوں اور زندگی کا جو دھارا بہہ رہا ہے میں اس سے کچھ دور نہیں ہوں، اس لئے عرض کرتا ہوں۔ عقائد درست ہیں، نمازوں کی پابندی ہے، فرائض کی پابندی ہے، لیکن معاشرہ بالکل بگڑا ہوا ہے، عملی زندگی بالکل اسلام سے بدلی ہوئی ہے، وہاں معیشت کی باتیں ہیں، وہاں اسراف ہے، حقوق کی پامالی ہے، وہاں سب کی [illegible] ہے، اس میں [illegible] کا سامان ہے، [illegible] ہے جو ان راتوں کا مشغلہ ہے، مسجد میں مسلمان، وہاں کوئی چیز نہیں [illegible] مسلمان صرف مسجد میں نہیں ہوتا، مسلمان تو وہ ہے زمین کے کسی چپہ پر ہو [illegible] کسی خدا کا بندہ پہنچ جائے اور اس کے پہنچنے سے انسانوں کو اپنے [illegible] طاقت سے ذریعہ ایمان کی [illegible] ہے، خدا کا بندہ ہے، یہاں تک کہ تمام علمائے امت کا اتفاق ہے اس پر کہ [illegible] تکلیف ساقط نہیں ہوتی [illegible] تکلیف کا مطلب یہ ہے شرعی پابندیاں اور قرآن کی آیت "واعبد ربک حتی یاتیک الیقین" کی تفسیر تمام مفسرین نے یہی لکھی ہے کہ اپنے رب کی بندگی کرتے رہو، جب تک کہ وفات کا وقت نہ آ جائے، چنانچہ حضور ﷺ وفات کے وقت تک نمازوں کی ویسی ہی پابندی کرتے رہے، پوچھتے رہتے کہ کیا لوگوں نے نماز پڑھ لی؟ کہا گیا نہیں یا رسول اللہ ﷺ! آپ کا انتظار ہے، فرمایا پانی لاؤ، غسل فرمایا، مگر چلنے کی طاقت نہیں تھی، دو دو مرتبہ، تین تین مرتبہ آپ ﷺ نے غسل فرمایا، تیاری کی، نہیں ہو سکا تو فرمایا "مروا ابابکر فلیصل بالناس" ابوبکر سے کہو کہ نماز

پڑھائیں، پھر آپ ﷺ نے بھی نماز پڑھی، اس وقت آپ کا مسواک کرنا ثابت، آپ کا وصیت کرنا ثابت، آپ کا امت کو ہدایت دینا ثابت، یہاں تک کہ "**اللھم الرفیق الاعلیٰ اللھم الرفیق الاعلیٰ**" کہتے ہوئے دنیا سے تشریف لے گئے۔

اور آج ہم مسلمانوں کی حالت یہ ہے کہ اگر عقائد درست ہیں تو عبادات میں خلل ہے اور اگر عقائد وعبادات دونوں درست ہیں تو اخلاق ومعاملات میں بڑی بڑی خندقیں ہیں، یعنی رخنے نہیں، واشگاف نہیں، خندقیں ہیں، کھائیاں ہیں، پوری پوری خلیج … میں نے شارقہ میں تقریر کرتے ہوئے کہا کہ آپ لوگ جتنا خلیج سے واقف ہیں شاید دنیا کے کم لوگ واقف ہوں گے، آپ خلیج کے رہنے والے ہیں، مگر آپ ایک ہی خلیج کو جانتے ہیں اور یہ وہ خلیج ہے جو جزیرۃ العرب کو ایران سے الگ کرتی ہے، بیچ میں پانی ہے، میں آپ کو اس سے بھیانک خلیج کی خبر دیتا ہوں وہ خلیج جو اسلام اور مسلمان کے درمیان پڑ ہوئی ہے، اسلام اور مسلمانوں کے درمیان کئی کئی خلیجیں ہیں، عقائد اور عبادات میں خلیج، کتنے لوگ ہیں جو مسلمان ہیں، کلمہ پڑھتے ہیں، لیکن نماز سے ان کو کوئی غرض نہیں اور بہت سے ہیں جن کے عقائد وعبادات دونوں درست ہیں، لیکن اخلاق ومعاملات کو وہ فہرست سے بالکل خارج سمجھتے ہیں۔

جھوٹ بولتے ہیں، بے ایمانی کرتے ہیں، ناپ تول میں کمی کرتے ہیں، ملاوٹ کرتے ہیں، جھوٹی قسمیں کھا کر اپنی تجارت کو چمکاتے ہیں، کسی کے حق کو ہضم کر لیتے ہیں، مگر ان کو کوئی باک نہیں ہوتا کیونکہ وہ ان سب باتوں کو دین سے خارج سمجھتے ہیں اور کتنے لوگ ہیں جو اپنے ماں باپ کے حق کو، گھر والوں کے حق کو پامال کر رہے ہیں، پڑوسیوں سے ان کو کوئی مطلب نہیں، کتنے ہیں جن کی زبان میں نہ سچائی نہ راستی وصداقت ہے نہ حلاوت وشیرینی ہے۔

ان کے آس پاس کے لوگ شاکی ہیں، اور شاکی نہیں تو کم از کم شکر گزار نہیں ہیں، پھر اس کے بعد کتنے ہیں جن کے نزدیک تعلقات میں، سیاسیات میں، خدا کے دوست اور دشمن میں، کوئی فرق نہیں ہے، ان کے نزدیک صالح اور فاسد میں کوئی فرق نہیں، حالانکہ اللہ تعالیٰ صرف فرماتا ہے "ولا ترکنوآ الی الذین ظلموا فتمسکم النار" یہاں "رکون" کا لفظ آیا ہے، اس کا ساتھ دینا اور حمایت کرنا تو دور کی بات ہے، ان کی طرف تمہارا جھکاؤ اور میلان بھی نہ ہو جنہوں نے ظلم کا شیوہ اختیار کر رکھا ہے، جنہوں نے حد سے تجاوز کیا ہے، جن کے اندر بے

اعتدالی پائی جاتی ہے، جن کے اندر حقوق کی پامالی پائی جاتی ہے، جن کے دلوں میں خدا کا خوف نہیں ہے جو دنیا ہی کو سب کچھ سمجھتے ہیں، جو دولت کے پرستار ہیں، جو اقتدار کے پرستا ہیں، جو اپنی بات چلانا جانتے ہیں، یہ سب باتیں "ظلموا" کے تحت آجاتی ہیں، یہ آیت ہم میں سے بہت سے مسلمانوں کے لئے شاید نئی ہوگی کہ اچھا یہ بات بھی ہے، بہت سخت لفظ ہے "لاترکنوا" یہ نہیں کہا گیا کہ ان کے ہاتھ پر بیعت نہ کرو، یہ نہیں کہا کہ ان کے غلام نہ بن جاؤ، بلکہ ادنیٰ جھکاؤ بھی نہیں ہونا چاہئے، ان کی طرف جنہوں نے ظلم کو اپنا شیوہ بنا رکھا ہے۔

کتنے مسلمان ہیں جو اس کو دین کا کوئی شعبہ سمجھتے ہیں، وہ تو کہتے ہیں کہ صاحب! یہ باتیں تو زندگی کی ہیں، یہ باتیں تو دین سے باہر ہیں، آپ دین کی باتیں کیجئے، آپ یہ بتائیے کہ فلاں چیز پڑھنے میں کتنا ثواب ہے، فلاں وظیفہ میں کتنا ثواب ہے، ذکر وتسبیح کا کوئی طریقہ بتائیے، کوئی نفل نماز بتائیں، باقی باتوں میں ہم بالکل آزاد ہیں، جو ہماری سمجھ میں آئے گا وہ ہم کریں گے، اس میں اس سے بحث نہیں کہ اس کا ساتھ دینے سے دین کا نقصان ہوگا یا دین کا فائدہ ہوگا، اس کا ساتھ دینے سے دین میں سہولت پیدا ہوگی یا دشواری پیدا ہوگی، ان ساری چیزوں کو ہم نے دین کے دائرے سے الگ سمجھ رکھا ہے، میرے بھائیو! ہم تمام چیزوں میں خدا کے بندے ہیں، ہمیں احکام اسلام پر چلنا چاہئے اور اسی کے ساتھ ساتھ ہمیں دیگر مسلمانوں کی بھی فکر رکھنی چاہئے، اسلام کے غلبہ کے لئے ہم دعا کریں، فکر کریں، کوشش کریں، یہ نہیں کہ ہم تو بڑے عابد وزاہد، اپنی ذات سے ہم بڑے دیندار، شریعت کے پابند، لیکن اسلام کس طرف جارہا ہے، مسلمان کس طرف جارہا ہے، اس وقت اسلام پر کیا گزر رہی ہے۔ اور کیا مسائل مسلمانوں کو درپیش ہیں، کن کن ملکوں میں اسلام پر ادبار آیا ہوا ہے، کن کن ملکوں میں اسلام آزمائش کے دور سے گزر رہا ہے، اس سے ہمیں کوئی بحث نہیں، حالانکہ "**من لم یهتم بامر المسلمین فلیس منهم**" جن کو مسلمانوں کے معاملات کی فکر نہ ہو، وہ مسلمان نہیں اور "**مثل المسلمین فی توادهم وتراحمهم تعاطفهم کمثل الجسد الواحد اذا اشتکی منه عضو تداعی له سائر الجسد بالسهر والحمی**" سارے مسلمان جسد واحد کی طرح ہیں، اگر کسی عضو کو تکلیف ہو تو سارے جسم پر بخار چڑھ آئے، سارے جسم کو اس کی تکلیف محسوس ہو۔

یہاں اللہ کا فضل ہے، رزق میں فراخی ہے، اللہ مبارک کرے ہمیں بالکل اس پر رشک نہیں۔

لیکن آپ کو اپنے ملک کی بھی فکر کرنی چاہئے، اپنے ملک کے اداروں کی بھی فکر کرنی چاہئے، ملت اسلامیہ جس کے لئے تڑپ رہی ہے اس کی بھی آپ کو فکر کرنی چاہئے، خواجہ معین الدین چشتی نے جس ملک کی فضا کو گرم کیا اس کراہ کی گرمی آج بھی محسوس کی جاسکتی ہے، اس برصغیر میں، اس ہندوستان و پاکستان میں، جس کے آپ فرزند ہیں، اس میں آج بھی اگر اللہ کا کوئی بندہ جائے، جس کو خدا نے فہم وادراک عطا فرمایا ہو، وہ محسوس کرے گا کہ خواجہ معین الدین چشتی، خواجہ بختیار کاکیؒ، خواجہ باقی باللہ اور داعیان اسلام جن کی آہوں کی گرمی اب بھی اس کی فضا میں ہے، اور زمین میں دیکھا جائے تو ان کی آنکھوں سے نکلی ہوئی تری زمین کے اوپر نہیں تو زمین کے اندر نظر آئے گی، ان کی وجہ سے اسلام کا درخت آج بھی موجود ہے، اگرچہ اس کے سامنے نئے نئے مرحلے پیش آرہے ہیں، لیکن اللہ کا شکر ہے کہ اب بھی وہ درخت باقی ہے، اس سرزمین کی بھی آپ کو فکر ہونی چاہئے کہ آئندہ نسل وہاں کے مسلمانوں کی اسلام پر قائم رہے گی یا نہیں؟ آپ نے اگر اپنی اولاد کے لئے کوئی منصوبہ بنا رکھا ہے، آپ نے ان کے لئے کوئی فضا سازگار کر رکھی ہے، مبارک، ہم اس میں کچھ نہیں بولتے، کوئی دخل نہیں دیتے، مگر آپ جہاں سے آئے ہیں جہاں آپ کے اعزہ ہیں، جہاں آپ کے خاندان کے افراد ہیں......
جہاں آپ کی پیدائش ہوئی ہے، اس سرزمین کو بھی نہیں بھولنا چاہئے...... میں کسی مدرسہ کے چندہ کے لئے نہیں آیا، کوئی خدا کا بندہ کچھ کہے گا بھی تو میں اس وقت بالکل توجہ نہیں کروں گا۔ خدا کا شکر ہے، اللہ رازق حقیقی ہے، جو آپ کو رزق پہنچاتا ہے یہاں، وہی وہاں بھی رزق پہنچاتا ہے، اور وہ اس پر قادر ہے کہ آپ سے زیادہ رزق دے، اور اس نے یہ کر کے دکھایا اور سو بار کر کے دکھایا ہے، تو میں اس لئے نہیں کہہ رہا ہوں کہ آپ کو کسی ادارے یا کسی تنظیم کی طرف متوجہ کروں، لیکن آپ کو وہاں کی ملت اسلامی کی، ہم وطنوں کی، آئندہ نسلوں کے ایمان کی فکر ہونی چاہئے کہ وہاں کیا کیا خطرے پیدا ہو رہے ہیں، کس کس طرح ان کا ایمان خطرے میں پڑ رہا ہے، وہاں کیا کیا پروگرام چل رہے ہیں؟ رامائن کا سیریل کئی مہینہ تک چلتا رہا، خود عینی مشاہدہ کرنے والوں نے مجھ سے پٹنہ میں بتاتے ہوئے کہا کہ ہم نے دیکھا کہ رحل پر قرآن

شریف رکھے ہوئے ہیں۔ ان میں کچھ کھلے ہوئے ہیں کچھ بند ہیں، معلوم ہوتا ہے کہ ابھی لڑکے پڑھ رہے تھے، ارے بھئی لڑکے کہاں گئے؟ آج جمعہ تو نہیں، آج تو اتوار کا دن ہے، آخر لڑکے ہیں کہاں؟ تو کسی نے کہا کہ رامائن دیکھنے گئے ہیں، یہ اس بہار کے شہر پٹنہ کا واقعہ ہے، جس نے ملا محب اللہ بہاری جیسا راس العلماء، استاذ العلماء اور امام العلماء پیدا کیا، اور کتنے اولیاء اللہ پیدا کئے۔

تو آپ کو تھوڑی بہت اپنے ملک کی فکر ہونی چاہئے اور وہ فکر، میں معاشی و مالی فکر نہیں کہتا، آپ کو ذہنی فکر ہونی چاہئے، آپ کے دل میں درد ہونا چاہئے کہ آئندہ نسل اسلام پر قائم رہے گی یا نہیں، جس سرزمین نے ایسے ایسے مجدد پیدا کئے جن کا فیض ہندوستان ہی نہیں ہندوستان کے باہر تک پہنچا، میں تاریخ کے حوالے سے کہہ سکتا ہوں کہ حضرت مجدد الف ثانیؒ کا فیض ترکی تک پہنچا، آج بھی ترکی میں ان کے سلسلے کے لوگ موجود ہیں، مولانا خالد رومیؒ دہلی کا سفر کر کے گئے۔ انہوں نے اپنا واقعہ لکھا ہے کہ مکہ میں ہندوستان سے آئے ہوئے قافلہ سے میں نے حضرت شاہ غلام علی صاحبؒ کا حال پوچھا، دہلی کے لوگ تھے، انہوں نے لاعلمی ظاہر کی۔ مجھے تو تعجب ہوا کہ اتنا بڑا شیخ وقت، مربی روحانی، اس سے یہ لوگ ناواقف ہیں، اس کے بعد وہ سفر کر کے دہلی آئے، اور پھر حضرت شاہ غلام علی صاحب کی مدح میں انہوں نے عربی و فارسی میں قصیدے کہے، مولانا رومی علامہ شامی کے استاد تھے، اس لئے ان کا نام سن کر حضرت شاہ عبدالعزیز صاحبؒ محدث دہلوی جو اس زمانے کے مسند الہند، استاذ العلماء اور امام وقت تھے، ان سے ملنے گئے تو حضرت شاہ ابوسعید صاحب (جو شاہ دہلوی کے شاگرد تھے) نے کہا کہ ہمارے شہر کے سب سے بڑے عالم آپ سے ملنے آئے ہیں، انہوں نے فرمایا کہ ان سے ہمارا سلام کہنا، میں جس مقصد سے آیا ہوں اس کو پہلے حاصل کرلوں، تزکیہ نفس میرا ہو جائے تو میں خود ہی حضرت کی خدمت میں حاضر ہوں گا خیر اس کے بعد جب تکمیل روحانی کرا کر وہ واپس گئے ہیں اپنے ملک کی طرف، تو حالت یہ ہوئی کہ عراق میں موروملخ کی طرح اور شمع پر پروانوں کی طرح سینکڑوں کی تعداد میں علماء و عوام گرے کہ ہمیں اللہ کا نام سکھائیے۔ ہمیں نماز پڑھنا بتائیے، ہمارے اندر روحانیت پیدا ہو اور احسان کی کیفیت پیدا ہو تو مولانا رومی جو ترکی و شام کے سب سے بڑے عالم تھے وہ نماز پڑھنا سیکھنے کے لئے دہلی گئے، یہ وہ ملک ہے، اس

ملک کو فراموش نہیں کرنا چاہئے۔

تو میرے بھائیو! ایک تو یہ کہ دین کے کامل ہونے کا پہلو آپ اپنے ذہن میں رکھیں، اس میں عقائد بھی ہیں، ایک ایسا عقیدہ جو شرط ہے اسلام کے لئے اس سے انحراف ارتداد کے مترادف ہے، عبادات وفرائض کی پابندی کیجئے ایسا نہ ہو کہ آپ یہاں رہیں، اس کے باوجود نماز کی پابندی نہ ہو، اس سے بڑھ کر بدنصیبی کیا ہو سکتی ہے، پھر اس کے ساتھ آپ کی تہذیب و معاشرت بھی اسلامی ہو، یہ نہیں کہ آپ رہیں سرزمین مقدس میں اور آپ کے گھروں میں ہر وقت ٹی وی چل رہا ہو، نمازوں کے اوقات میں لڑکے وہ دیکھ رہے ہوں۔ **ومن الناس من یشتری لھو الحدیث لیضل عن سبیل اللہ** (اور لوگوں میں بعض ایسے ہیں جو بے ہودہ حکایتیں خریدتے ہیں تاکہ لوگوں کو بے سمجھے خدا کے راستہ سے گمراہ کریں)۔

ایسا معلوم ہوتا ہے کہ جیسے صرف نام لینا رہ گیا ویڈیو اور ٹی وی کا، قرآن تو عربی زبان میں ہے، اس میں انگریزی کیسے آتا؟ عقل کی بات نہیں تھی، لیکن قرآن کا اعجاز معلوم ہوتا ہے کہ آج سے چودہ سو برس پہلے جو کتاب نکلی، اگر میں مسجد میں بیٹھ کر کہوں کہ اس میں ٹی وی اور ویڈیو کا ذکر ہے تو میں غلط نہیں کہوں گا، اس لئے کہ قرآن میں کہا گیا "**من یشتری لھو الحدیث**" جو لوگ عربی کی بلاغت سے واقف ہیں، اور اس کی زبان کا صحیح ذوق رکھتے ہیں، اہل زبان کی طرح، اور محض اللہ کا شکر وانعام ہے کہ ہمیں اسی حجاز ویمن کا فیض پہنچا ہے کہ ہم اس قابل ہوئے، ہمارے استاد عرب تھے، ہم نے ساری عربی عربوں سے پڑھی۔ الحمد للہ! تو ہم "لھو الحدیث" کا لطف لے رہے ہیں۔ ہمارا عربی کا ذوق "لھو الحدیث" کے دائرے کی وسعت کو دیکھ رہا ہے، میں اس لفظ کا ترجمہ نہیں کر سکتا، حالانکہ لکھنؤ کا رہنے والا ہوں، میں اقرار کرتا ہوں کہ میں "لھو الحدیث" کے ترجمہ کا حق ادا نہیں کر سکتا۔ اس کے معنی ہیں باتوں کا کھیل، اب بتائیے۔ ریڈیو اور ویڈیو وغیرہ میں کیا ہے؟ اگر یہ ہوتا کہ بہت سے لوگ ہیں جو کھیل کو پسند کرتے ہیں، کھیل خریدتے ہیں تو اس میں ویڈیو اور ٹی وی نہ آتا۔ مگر باتوں ں کا کھیل کہا گیا ہے، یہ وہ ہے جو میں دعویٰ سے کہہ سکتا ہوں کہ قرن اول، قرن ثانی، قرن ثالث، قرن رابع اور پانچویں، چھٹی، ساتویں، آٹھویں، یہاں تک کہ میں کہوں شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ کا ذہن بھی یہاں تک نہیں گیا ہوگا (یعنی ویڈیو اور ٹی وی کی طرف) یہ قرآن کا معجزہ ہے۔

حدیث کا لہو، باتوں کا کھیل اور وہ کیا ہے، یہ ویڈیو کا پروگرام، ٹی وی کی بولتی تصویریں، یہ ویڈیو، یہ ریکارڈ جو سنے جاتے ہیں، سب ”لہوالحدیث“ ہیں۔ آج سے چودہ سو برس پہلے جب یہ سب چیزیں ایجاد ہونا تو درکنار، کسی نے خواب میں بھی نہیں دیکھا تھا، اس وقت کوئی تصور بھی نہیں کرسکتا تھا، اس وقت اللہ کی کتاب نے کہہ دیا، بہت سے لوگ ہیں جو ”لھوالحدیث“ خریدتے ہیں۔

میرے عزیزو! آپ کو کم از کم اپنے گھروں کی حفاظت کرنی چاہئے، اور یہ سمجھنا چاہئے کہ عقائد میں بھی ہم کو پورا مسلمان ہونا چاہئے، عبادات میں بھی پورا مسلمان ہونا چاہئے، اور یہاں نہ ہوئے تو ہم کہاں ہوں گے۔ اس کے بعد میں یہاں تک کہتا ہوں (مجھے معاف کریں آپ حضرات) آپ جب چھٹیوں میں یا کسی زمانے میں ہندوستان اپنے وطن جائیں تو غیر مسلم پہچان جائیں کہ بھائی معلوم ہوتا ہے کہ یہ لوگ ہندوستان میں نہیں، اس سے کسی بہتر فضا میں رہ کر آئے ہیں، ان کی صورت سے معلوم ہوتا ہے کہ نور ٹپک رہا ہے، ان کی باتوں سے شہد ٹپک رہا ہے، ان کی نگاہوں سے حرمت اور احترام ٹپک رہا ہے، معلوم ہوتا ہے کہ یہ عرب سے آئے ہیں، یہ ہونا چاہئے، نہ یہ کہ دور سے دیکھ کر آدمی کہے کہ ان کے پاس بڑا قیمتی بریف کیس ہے، لگتا ہے کہ عرب سے آئے ہیں اور پیچھے پڑ جائیں لوگ کہ کہیں سے اڑا لینا چاہئے، اس میں ہزاروں، لاکھوں روپے کی رقم ہوگی، آپ بریف کیس اور لباس سے نہ پہچانے جائیں، بلکہ آپ پہچانے جائیں اپنی صورت سے، سجدہ کے نشانوں سے، چہرہ کی نورانیت سے، الفاظ کی حلاوت سے، خیر خواہی سے، سنجیدگی ومتانت سے، چہرہ کی نورانیت سے، الفاظ کی حلاوت سے، خیر خواہی سے، سنجیدگی ومتانت سے اور تہذیب سے، آپ سے آپ کے گھر والے متاثر ہوں، آپ جتنے دن رہیں گے اپنے گھروں میں (خدا مبارک کرے) ان دنوں میں ان گھروں کی فضا بدل جائے، قرآن کی تلاوت نہیں ہوتی تھی تو ہونے لگی، وہاں اگر بہت سی سنتیں متروک تھیں تو شروع ہو جائیں۔ وہ لوگ آپ سے شرمائیں، اور کہیں کہ بھائی! جدہ کے لوگ آئے ہیں، مکہ کے لوگ آئے ہیں، مدینہ کے لوگ آئے ہیں، دیکھو، ریڈیو نہیں بجنا چاہئے، ٹی وی یہاں نہیں ہونا چاہئے چہ جائیکہ لوگ کہیں (ارے بھائی! مکہ مدینہ کے لوگ آئے ہیں، وہاں بہت ہوتی ہے، ان کو دکھاؤ، ان کے زمانہ میں تو اور ہونا چاہئے) یہ بڑی بے حرمتی ہے اس جگہ

کی، آپ کی وجہ سے وہ چیزیں بند ہو جانی چاہئیں، آپ کے جانے سے ان لوگوں کو شرم آنی چاہئے کہ اب موقع نہیں رہا۔

آپ جب جائیں تو جس طرح روشنی تاریکی کو چیرتی ہے اور چیرتی ہوئی چلی جاتی ہے، آپ کی صورتیں وہاں کے بحر ظلمات میں روشنی کا کام دیں، آپ کی زندگیوں میں یہیں انقلاب آنا چاہئے، وہاں جانے سے پہلے آپ کے اندر تبدیلیاں آنی چاہئیں۔

آپ جانتے ہیں کہ صلح حدیبیہ کے بعد فتح مکہ اور حجۃ الوداع کے درمیان تین چار برس کے عرصہ میں جتنی کثرت سے لوگ مسلمان ہوئے، امام زہریؒ جو سید التابعین ہیں ان کا قول ہے کہ مکہ معظمہ کے تیرہ برس کے قیام میں اور مدینہ طیبہ کے دس برس کے مبارک قیام میں اتنی کثرت سے لوگ مسلمان نہ ہوئے۔ اس کی وجہ یہ بیان کرتے ہیں کہ صلح حدیبیہ کی وجہ سے راستہ کھل گیا اور بے تکلف قریش آنے لگے مکہ معظمہ اپنے عزیزوں کے یہاں، اب ان کی جتنی راتیں گزرتیں ان کو دیکھ کر مکہ والے حیران تھے اور کہتے کہ ان کا تو عالم ہی دوسرا ہے، یہاں راتوں کو لوگ اٹھتے ہیں، یہاں تو بچے بھی اٹھتے ہیں، ان کے یہاں تو جھوٹ بولنا کیا، کوئی لغوت بات نہیں جانتا، ہر وقت اللہ رسول کی باتیں ہوتی ہیں، یہاں تو اتنا ایثار ہے کہ مہمان کے لئے تھپکا کر بچوں کو بھوکا سلا دیتے ہیں، بس وہ مسلمان ہونا شروع ہوئے، کیونکہ انہوں نے اسلام کا نقشہ اپنی آنکھوں سے دیکھا۔

حضرات! آپ لوگوں کے ذریعہ بھی آپ کے ملکوں میں اسلام پھیلنا چاہئے، یہاں سے آپ اگر مراسلہ اور رابطہ قائم کریں تو یہی اثر دیں، خود جائیں تو پورے طور پر اثر ڈالیں ان لوگوں پر کہ آپ اس جگہ سے آئے ہیں، اپنے ساتھ برکتوں کا خزانہ لے کر آئے ہیں۔

اب میں اس سے زیادہ طول دینا نہیں چاہتا۔ آپ اس آیت کو اپنے دل پر نقش کر لیں "یایھا الذین اٰمنوا ادخلو فی السلم کافۃ"

اے ایمان والو! خدا کے ساتھ صلح کرنے میں پورے پورے داخل ہو جاؤ اور شیطان کے نقش ہائے قدم کی پیروی نہ کرو، وہ تمہارا کھلا دشمن ہے، دیکھئے یہاں نقش قدم (واحد) استعمال نہیں کیا گیا۔ خطوات الشیطان جمع کا صیغہ لایا گیا معلوم ہوا کہ اس کے بہت سے نقش قدم ہیں، اس میں وسعت آ گئی، خواہ اعتقادی چیزیں ہوں، خواہ عملی چیزیں ہوں، خواہ اخلاقی چیزیں

ہوں، خواہ تہذیبی چیزیں ہوں، خواہ سیاسی چیزیں ہوں، سب اس میں شامل ہیں اور اس بات کا آپ خیال رکھیں کہ آج اگر ہمارے مسلم معاشرے میں یہ باتیں ہوتیں تو یہ خرابیاں پیش نہ آتیں جو بہت سی جگہ پیش آرہی ہیں کہ کوئی فرق نہیں ہے صالح اور غیر صالح میں، دیندار اور بے دین میں، شریعت پر چلنے والے اور نہ چلنے والے میں۔

اللہ تعالیٰ ہم سب کو توفیق عطا کرے، یہاں کا رہنا قبول فرمائے، اس کی برکتوں سے مالا مال کرے، اور آپ کی برکتوں سے فیض پہنچے آپ کے ملکوں میں، جہاں سے آپ آئے ہیں، جن کا حق آپ پر قائم ہے اور قائم رہے گا، چاہے آپ یہیں کے ہو جائیں۔

وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

کل مسلمان اور مکمل اسلام

یہ تقریر دارالعلوم ندوۃ العلماء میں مسلم پرسنل لا بورڈ کی تجویز پر "اصلاح معاشرہ" کانفرنس منعقدہ ۳۰، ۳۱ جولائی ۱۹۹۴ء کو ایک نمائندہ اور منتخب مجمع کے سامنے کی گئی تھی جس میں پورے ہندوستان سے دو ہزار مندوبین نے شرکت کی تھی۔ مندوبین کی یہ تعداد علماء، آئمہ مساجد، مدارس کے ذمہ دار مختلف جماعتوں کے سربراہ و وکلاء اور ماہرین قانون پر مشتمل تھی

الحمد لله رب العالمين، والصلوٰة والسلام على سيد المرسلين وخاتم النبيين محمد رسول الله صلى الله عليه وآله واصحابه اجمعين ومن تبعهم باحسان ودعا بدعوتهم الىٰ يوم الدين اما بعد! يآيها الذين آمنوا ادخلوا فى السلم كافة ولا تتبعوا خطوات الشيطان انه لكم عدو مبين. افحكم الجاهلية يبغون ومن احسن من الله حكما لقوم يوقنون

ترجمہ: اے ایمان والو! اسلام میں سارے کے سارے داخل ہو جاؤ اور شیطان کے قدموں کی پیروی نہ کرو، کیونکہ وہ تمہارا صریح دشمن ہے۔

تو کیا پھر جاہلیت کا فیصلہ چاہتے ہو، حالانکہ جو لوگ یقین رکھنے والے ہیں ان کے یہاں اللہ سے بہتر اور کوئی فیصلہ کرنے والا نہیں۔

حضرات! میں نے آپ کے سامنے قرآن شریف کی دو آیتیں پڑھی ہیں، بہت سے تعلیم یافتہ حضرات کو اور خاص طور سے جو قرآن مجید سے تعلق رکھتے ہیں، وہ شاید سوچتے ہوں کہ ان آیتوں کا انتخاب کیوں کیا گیا، اور اس مقصد سے اس کا کیا تعلق ہے؟ لیکن یہ دو آیتیں زندگی کے لئے بلکہ پوری کائنات کے لئے اور زندگی کی اپنی تمام وسعتوں کے ساتھ اور خاص طور سے امت اسلامیہ کے لئے یہ دو آیتیں مستقل ایک درسگاہ ہیں اور مستقل ایک دعوت فکر ہیں۔

حضرات! سارا مسئلہ اسلام اور جاہلیت کے فرق کا ہے، اب میں معذرت کے ساتھ یہ عرض کرتا ہوں کہ ہمارے بہت سے پڑھے لکھے بھائی بھی ''اسلام'' و'' جاہلیت'' کے فرق کو بھول چکے ہیں، چونکہ جاہلیت ان کے نزدیک ختم ہو چکی ہے، زیادہ تر'' جاہلیت عربیہ'' ان کے ذہن میں ہے، وہ سمجھتے ہیں کہ جاہلیت اور اسلام کی کوئی کشمکش اب نہیں ہے اور اسلام و جاہلیت کے فرق کو سوچنا اور اس کا جائزہ لینا گویا ایک طرح سے تضیع اوقات ہے، لیکن حقیقت یہ ہے کہ اس وقت ملت میں جو بھی کمزوریاں اور خرابیاں ہیں وہ سب اس فرق کو فراموش کر دینے کا نتیجہ ہے جو اسلام اور جاہلیت کے درمیان ہے، پہلی جو آیت پڑھی وہ سورۂ بقرہ کی ہے۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: یآیہا الذین آمنوا ادخلوا فی السلم کافة ولا تتبعوا خطوات الشیطان انه لکم عدو مبین ''اے ایمان والو! اسلام میں سارے کے سارے داخل ہو جاؤ اور شیطان کے قدموں کی پیروی نہ کرو، کیونکہ وہ تمہارا صریح دشمن ہے۔''

اے ایمان والو! تم ''سلم'' میں داخل ہو جاؤ اور ''سلم'' کا ترجمہ میں نے مستند اور معتبر تراجم میں دیکھا ہے، حضرت شاہ عبدالقادر دہلوی رحمۃ اللہ علیہ سے لے کر حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانویؒ، مولانا عبدالماجد صاحب دریابادیؒ، مولوی فتح محمد صاحب جالندھری تک، سب میں ''سلم'' کا ترجمہ اسلام سے کیا گیا ہے، شاہ صاحبؒ کے ترجمہ میں ''مسلمانی'' سے کیا گیا ہے، یعنی اے ایمان والو! مسلمانی اور اسلام میں داخل ہو جاؤ۔ "ولا تتبعوا خطوات الشیطان" اور شیطان کے نقشِ قدم کی پیروی نہ کرو، وہ تمہارا کھلا دشمن ہے۔

پہلی بات یہ ہے کہ پہلے اسلام کو سمجھنے کی ضرورت ہے، میں معذرت کے ساتھ یہ بات عرض کروں گا، بہت سے حضرات کے ذہنوں میں جنہوں نے تقابلی مطالعہ نہیں کیا ہے اور مذاہب کی تاریخ پر ان کی نظر نہیں ہے، ان کے ذہن میں شاید یہ بات مستحضر اور تازہ نہیں ہوگی کہ اسلام وہ واحد مذہب ہے دنیا کا، جو ایک اصول و عقیدہ اور مسلک زندگی کے نام سے موسوم کیا گیا ہے، ورنہ جتنے مذاہب ہیں وہ سب (مذاہب کے بانی نہیں کہتا اور نہ کوئی مذہب کا بانی ہوتا ہے) مذاہب کے داعیان اول کے نام پر یا ملکوں کے نام پر یا طبقوں اور نسلوں کے نام پر وہ مذاہب ہیں۔ مثال کے طور (مجھے معاف کیا جائے) یہودی مذہب ہے، اس کی نسبت یہودا کی طرف ہے جو خاندانِ نبوت کے ایک فرد تھے، عیسائی، اس کی نسبت حضرت عیسیٰ کی طرف ہے،

پھر مجوسی، وہ پارسی کہلاتے ہیں، فارس (ایران) ایک ملک ہے، کوئی عقیدہ یا کوئی طرزِ زندگی یا دعوت الٰہی نہیں ہے، ہندویت، ہند ایک ملک ہے اور اس کی طرف منسوب ہے، برہمنیت، الگ طبقہ اور ایک خاص نسل کی طرف منسوب ہے، بدھ مت، گوتم بدھ کی نام سے موسوم ومشہور ہے، ایسے ہی جیسی مذہب۔

واحد مذہب جو ایک مسلک زندگی، عقیدہ اور نبوت کی طرف منسوب ہے، وحی الٰہی اور اللہ کی براہ راست رہنمائی اور اس کے دیئے ہوئے احکام اور شریعت کی طرف منسوب ہے، وہ اسلام ہے، تو اسلام کا پورا دار ومدار عقیدہ پر ہے، شریعت پر ہے، اور وہ بالکل ایک امتیازی شان رکھتا ہے۔

اب اس کے بعد سوچنے کی بات یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے "**یآیھا الذین آمنوا ادخلوا فی السلم کافۃ**" اے ایمان والو! اسلام اور مسلمانی میں پورے کے پورے داخل ہو جاؤ۔

اس میں یہ بات لحاظ کرنے کی ہے کہ اس میں بتایا گیا ہے کہ سو فیصدی اسلام میں داخل ہو جانا چاہئے، مسلمان بھی سو فیصدی ہوں، اور اسلام میں بھی سو فیصدی ہو۔ نہ مسلمانوں میں کوئی تحفظ یا ریزرویشن ہے، نہ اسلام میں کوئی تحفظ، استثنا، یا ریزرویشن ہے، یہ ایک نکتہ ہے، جس کو آپ ساتھ لے کر جائیں، اور اس کی اشاعت کریں، خدا کا مطالبہ اور قرآن مجید کی صریح آیت ہے، کہ سو فیصدی مسلمانوں کو سو فیصدی اسلام میں داخل ہونا چاہئے اور مذاہب کی طرح نہیں کہ عقائد لے لئے اور سب کچھ چھوڑ دیا، یا عبادات لے لئے اور اس کی زندگی کے قانون اور زندگی کے طرز حیات اور طرز معاشرت سے اور باہمی حقوق اور فرائض سے اور شرعی قانون پر چلنے سے تعلق نہیں ہے، ہر مذہب نے ایک ایک حصہ لے لیا ہے، کسی نے دو لیا ہے، کسی نے تین، یہاں مطالبہ یہ کیا جا رہا ہے کہ سو فیصدی مسلمانوں کو سو فیصدی اسلام میں داخل ہو جانا چاہئے، مسلمانوں میں تحفظ اور ریزرویشن نہیں ہے کہ مسلمان پچاس فیصدی کے پابند ہیں اور قائل ہیں، اور عامل ہیں اور پچاس فیصدی سے مستثنیٰ ہیں، یا پچھتر فیصدی رکھ لیجئے، یہاں تو مطالبہ ہے کہ سو فیصدی اسلام ہونا چاہئے۔ ایک فیصدی بھی خارج نہیں ہونا چاہئے۔ کسی قسم کا خصوصی معاملہ نہیں کیا گیا ہے، ہم کو ملت اور اپنا جائزہ لینے کا ایک رہنما اصول دیا گیا ہے، بلکہ

پیمائش کا آلہ دیا گیا ہے، پہلا مطالبہ اللہ کا یہ ہے اور قرآن مجید کا صریح حکم یہ ہے کہ سو فیصدی مسلمانوں کو سو فیصدی اسلام میں داخل ہونا چاہئے نہ تو یہ کہ پڑھا لکھا طبقہ مستثنیٰ ہے، شریف النسب اور عالی نسب لوگ مستثنیٰ ہیں، یہاں تک کہ حاکم مستثنیٰ ہیں، کسی بڑے سے بڑے حاکم (جو تصور اسلام میں حاکم یا خلیفہ کا ہے) کسی بڑے سے بڑے شہنشاہ وقت، کسی بڑے سے بڑے سربراہ مملکت اور کسی بڑے سے بڑے قانون ساز، کسی بڑے سے بڑے فاتح اعظم، کسی کے لئے بھی کوئی استثناء نہیں ہے کہ اس کو نماز پڑھنے کی فرصت نہیں، اس کو نماز سے مستثنیٰ کیا جائے، فلاں کو حج سے مستثنیٰ کیا جائے، کسی کو ہرگز یہ اجازت نہیں کہ جس پر حج فرض ہے اور وہ اس کی استطاعت رکھتا ہے وہ حج چھوڑے۔

اسی طریقہ سے ''عائلی قانون'' کہ سب مسلمان اس کے پابند ہیں، ترکہ اور میراث کے قانون کے سب مسلمان پابند ہیں، یہ بات چونکا دینے والی ہے، ایک تازیانہ ہے ہمارے لئے اس وقت ساری چیزیں اس کے ماتحت آجاتی ہیں، ہمارا یہ اصلاح معاشرہ کا اجلاس، اس کی تقریریں اور اس کی وضاحتیں، اس کے مشورے سارے کے سارے اس کے اندر آجاتے ہیں کہ **"یآیها الذین آمنوا ادخلوا فی السلم کآفة"** اے ایمان والو! اسلام مسلمانی میں پورے پورے داخل ہو جاؤ۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ سو فیصدی مسلمان اور سو فیصدی اسلام ہونا چاہئے، اگر آپ آزادانہ مطالعہ کریں، منصفانہ مطالعہ کریں، اور تقابلی مطالعہ کریں تو آپ کو معلوم ہوگا کہ آج مسلمانوں میں اس طرح کی تقسیم پائی جاتی ہے کہ اس دین کے قبول کرنے والوں میں بھی استثناء اور تحفظ ہے، ریزرویشن ہے اور رعایتیں ہیں اور اس دین میں بھی تقسیم ہے، اس طبقہ کے لئے دین کا فلاں حصہ مناسب ہے، اس طبقہ کے لئے مناسب نہیں، اس پر وہ عمل نہیں کر سکتا تنہا یہ بات کافی ہے، اس آیت کی رو سے اس کی گنجائش ہی نہیں کہ عقائد ہم لیں گے اور عبادات چھوڑیں گے، عقائد اور عبادات بھی لیں گے، لیکن معاملات چھوڑیں گے، معاملات بھی لیں گے، لیکن عائلی قانون کو چھوڑیں گے، اس میں کسی چیز کی اجازت نہیں، اگر آپ اس نکتہ کو سمجھ جائیں اور اس کو اپنے ساتھ لے کر جائیں تو یہ عمر بھر کے لئے کافی ہے، مسلمانوں کو حکم ہے کہ وہ سو فیصدی اسلام میں داخل ہوں، اب آپ اپنا محاسبہ کر لیجئے اور کرتے رہئے کہ کیا آپ نے سو فیصدی اسلام کو قبول کیا اور سو فیصدی آپ اسلام پر عمل کر رہے ہیں؟

کیا آپ کی معاشرت بھی اسلام کے مطابق ہے، آپ کا معاشرتی نظام، آپ کے رواجات، آپ کی رسوم اور آپ کا جو معاشرتی، اجتماعی، خانگی نظام ہے، خانگی روایات ہیں، تاریخ ہے، اور آپ کے خاندانوں میں جو رسمیں اور معمولات رائج ہیں، آپ صرف ان کا خیال رکھیں کہ آپ اس معیار پر اترتے ہیں، اور آپ اس کو پورا کرتے ہیں؟ آپ اس کے بعد احکام شریعت کو نظر انداز کر دیں گے؟ جو معیاری و مثالی مسلمان تھے اور جو قیامت تک نمونہ رہیں گے، وہ ان احکام اور ہدایات کو کس طرح پورا کرتے تھے، ان تقریبات اور زندگی کے ان مواقع سے کس طرح سے گذرتے تھے؟

میں آپ سے عرض کرتا ہوں کہ صحابہ کرامؓ کی جماعت کوئی خالص روحانی جماعت نہیں تھی، یہ بات نہیں تھی کہ ان کو صرف عقیدہ کی ضرورت تھی، آپ ان کا مطالعہ کریں، سیرت اور احادیث کی کتابوں میں مساجد کا حال پڑھیں، ان کی نمازوں کا حال پڑھیں، ان کی تہجد گذاری اور شب بیداری کو تو دیکھیں، لیکن ان کی تقریبات کو نہ دیکھیں، یہ بھی اس روح کے خلاف ہوگا جو روح ہمیں اس آیت سے ملتی ہے کہ "ادخلوا فی السلم کآفۃ" دین کو ہمیں پورے طور پر اپنے اندر جذب کرنا چاہئے اور اپنے کو دین کے تابع بنانا چاہئے، ہمیں رسول اللہ ﷺ کی حیات طیبہ، حیات مبارکہ اور صحابہ کرامؓ کے حالات اور سیرت کا مطالعہ بھی اسی وسیع نظر سے کرنا چاہئے۔

عرصہ سے یہ غلطی ہو رہی ہے، پورے عالم اسلام میں اور خاص طور پر ہمارے ملک میں کہ ہم صحابہ کرامؓ، اولیاء کرامؒ، علماء ربانیینؒ اور مصلحین ومجددین سب کے حالات میں صرف اس حصہ کو پڑھتے ہیں، جس کا تعلق عقیدہ سے ہے، عبادات سے ہے، ہم ان کے شادی بیاہ کی تقریبات کا مطالعہ نہیں کرتے کہ کس طرح انہوں نے انجام دیں، ہم ان کی عائلی زندگی کا، خانگی زندگی کا مطالعہ نہیں کرتے کہ وہ گھر میں کیسے رہتے تھے، اسی طرح نکاح وطلاق کے جو مسئلے ان کو یا ان کی اولاد کو پیش آتے تھے، وہ ان کو کس طرح حل کرتے تھے، جس طرح ان مسلمانوں کے بارے میں ایک تحفظ اور ریزرویشن ہے، ویسے ہی تاریخ کے بارے میں ابھی الگ ریزرویشن ہے کہ ہم کتاب کے صرف ان ابواب کو کھولتے ہیں جن کا تعلق عبادات سے ہے، ذکر وافکار سے ہے، یاد الٰہی سے ہے، ان کے روحانی اثرات سے ہے، ان کی تبلیغ اور

انفرادی کارناموں سے ہے ہم یہ نہیں دیکھتے کہ ان کی شادیاں کیسے ہوتی تھیں ان کا ترکہ کیسے تقسیم ہوتا تھا، جب طلاق کی ضرورت ہوتی تو وہ کس طرح طلاق دیتے تھے؟

میں ایک واقعہ صحابہ کرامؓ کے صدہا واقعات میں سے بیان کرتا ہوں، وہ واقعہ آنکھ کھول دینے والا، اور ایک طرح سے چونکا دینے والا ہے، بلکہ ایک طرح سے وہ ایک ذہنی زلزلہ پیدا کرتا ہے، آپ خیال فرمائیے حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ مہاجر ہیں، اور اتنا ہی نہیں بلکہ عشرہ مبشرہ میں داخل ہیں، حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ ایک مرتبہ حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوتے ہیں، آپ ﷺ فرماتے ہیں، عبدالرحمٰن خیریت تو ہے، آج تمہارے کپڑوں پر خوشبو نظر آرہی ہے؟ فرمایا ہاں اللہ کے رسول ﷺ، میں نے شادی کرلی ہے۔ حیرت کی بات یہ ہے (میں حدیث کے ایک طالب علم کی حیثیت سے، اور جو مستند علماء بیٹھے ہوئے ہیں، ان کی تصدیق بالکل کافی ہے) یہ عرض کررہا ہوں، پہلے آپ اپنے ذہن کو متوجہ اور بیدار کیجئے، یہ ایک ہلا دینے والا واقعہ ہے، ایک زلزلہ لے آنے والا واقعہ ہے کہ اللہ کے رسول، خاتم النبیین، سید المرسلین، شفیع المذنبین، رحمۃ اللعالمین مدینہ طیبہ کے اندر موجود ہیں، اور میں آپ کو اپنے ذاتی تجربہ کی بناء پر بتاتا ہوں، سیاحتوں کی بناء پر کہ جب کوئی برادری کہیں ترک وطن کرتی ہے تو عام طور پر ایک جگہ رہنا پسند کرتی ہے، مثلاً ہندوستان کے میمن اور خوجے جو بمبئی میں تجارت کرتے تھے، ان کو آپ تلاش کریں تو وہ سب آپ کو کراچی میں ملیں گے، اگر آپ ان کو تلاش کرنا چاہیں تو کراچی میں تلاش کرلیجئے، پڑھے لکھے لوگ، ادیب وشاعر اگر ملیں گے تو لاہور، اسلام آباد راولپنڈی میں ملیں گے، جو علمی مرکز ہیں، تو اس میں شہر نہیں بلکہ محلّہ کی تخصیص کرکے کہتا ہوں کہ یہ مہاجرین جو مکہ معظمہ سے آئے تھے، وہ مدینہ طیبہ کے خاص حصہ اور علاقے بلکہ ایک جوار میں سکونت پذیر ہوئے ہوں گے، کچھ روایات ہوتی ہیں، کچھ عادتیں ہوتی ہیں، مستورات کا ملنا جلنا ہوتا ہے، اور کچھ پچھلے واقعات ہوتے ہیں، یہ سب چیزیں مشترک ہوتی ہیں، اس کے لئے ضرورت ہوتی ہے کہ قریب ہی رہیں، تو یہ بھی یقینی بات ہے کہ حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ رسول اللہ ﷺ سے مکانی فاصلہ کے لحاظ سے زیادہ دور نہیں رہے ہوں گے، لیکن حیرت کی بات ہے، جس پر آدمی محو حیرت ہوجائے، اور اس پر ایک سکتہ طاری ہوجائے کہ مدینہ طیبہ میں عبدالرحمٰن بن عوفؓ جیسا مہاجر اور جلیل القدر صحابی نکاح کرتا ہے اور اللہ کے رسول موجود ہیں،

کم فاصلہ پر اور آپ ﷺ کو زحمت دینے کی ضرورت نہیں سمجھا۔ کچھ نہیں تو برکت ہی کے لئے۔ آج حال یہ ہے کہ لوگ کہتے ہیں کہ بھائی برکت کے لئے آ جائیے۔ آپ کا قدم پہنچ جائے، یہ مولویوں سے کہا جاتا ہے اور نیک دیندار لوگوں سے کہا جاتا ہے۔ آخر عبدالرحمٰن بن عوفؓ کو یہ خیال کیوں نہیں ہوا کہ میں نکاح کر رہا ہوں اور اللہ کے رسول ﷺ یہاں اتنے قریب موجود ہیں اور آپ ﷺ کو زحمت نہ دوں، اس سے بڑھ کر ناشکری کیا ہو سکتی ہے، ناقدری کیا ہو سکتی ہے، بے ادبی کیا ہو سکتی ہے؟ لیکن یہ واقعہ ان کی نظر میں ایسا تھا کہ ان کو ایک لفظ بھی معذرت کا کہنے کی ضرورت پیش نہیں آئی اور انہوں نے اس کی ضرورت نہیں سمجھی کہ کہیں کہ یا رسول اللہ ﷺ معاف فرمائیے، مجھے بالکل خیال نہیں رہا، یا فلاں بات مانع ہوئی، اور اسی طرح حیرت کی بات یہ ہے کہ حضور ﷺ نے بھی ایک لفظ شکایت کا نہیں فرمایا۔ حدیث کا دفتر موجود ہے، ہندوستان کے عظیم کتب خانوں میں یہاں کا کتب خانہ بھی ہے، میں دعوت دیتا ہوں کہ وہ بتائے کہ حضور ﷺ نے شکایت کی ہو کہ عبدالرحمن تم ہمیں بھول گئے، بات کیا تھی، عبدالرحمٰن کا تفقہ اور ان کی فراست تھی، ان کی ذکاوت تھی، اور ان کی حقیقت شناسی تھی کہ انہوں نے سوچا کہ جتنی دیر میں حضور ﷺ کو تکلیف دوں گا، معلوم نہیں کتنے لوگ آئیں اور اسلام قبول کریں، اور سب سے بڑی دولت جو نجات کا باعث ہے وہ اس کو حاصل کریں، ہم اس کے بجائے کہ آپ کو زحمت دیں آپ کو تکلیف دیں، اور وہ لوگ چلے جائیں کہ ہم پھر کبھی آئیں گے تو اس سے بہتر یہ ہے کہ آپ ﷺ اپنے مقام عالی پر تشریف رکھیں اور لوگ آئیں، ہدایت پائیں، کلمہ پڑھیں، آپ ﷺ کے دست مبارک پر اسلام لائیں۔

دوسری بات یہ ہے کہ اگر قرآن مجید کے نزول کی کوئی ڈائری، روزنامچہ ہوتا، وہ روزنامچہ اس طرح تو ہے کہ یہ سورہ کہاں نازل ہوئی، کتنا پہلے نازل ہوا اور کتنا بعد میں، اگر ایسا ہوتا کہ (وقت شماری کے ساتھ، آیت شماری کے ساتھ) فلاں وقت یہ آیت نازل ہوئی اور فلاں وقت یہ آیت نازل ہوئی، کوئی اگر روزنامچہ لکھنے والا ہوتا تو یقین دلاتا ہوں کہ جتنی دیر حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ کے نکاح کی مجلس میں شرکت میں گذرتی، اس میں اتنی آیتیں نازل ہوئیں۔

تو ایک بات یہ ہے کہ اس آیت کو اپنے ساتھ لے کر جائیے، دماغ پر نقش کر کے لے

جائیے کہ مطالبہ صرف اتنا نہیں ہے کہ اسلام قبول کرو اور اسلام میں داخل ہو جاؤ، بلکہ مطالبہ یہ ہے کہ اسلام میں سو فیصدی داخل ہو، تم بھی سو فیصدی ہو اور اسلام بھی سو فیصدی ہو، نہ اس میں ریزرویشن اور آج کیا ہے جو لوگ اسلام کی دولت سے مشرف ہیں، انہوں نے بھی تقسیم کر رکھی ہے کہ دین کا وہ شعبہ لیں گے، اور دین کا وہ شعبہ چھوڑیں گے، اس کے وہ مکلّف نہیں، وہ ان کی طاقت سے باہر ہے۔

''اصلاح معاشرہ'' کی دعوت کا ایک اجمالی پیغام اور زندگی کا ایک رہنما اصول (جو زندگی کے تمام سرد و گرم اور نشیب و فراز، اور مختلف النوع مرحلوں پر حاوی ہے) وہ یہ ہے **"یآایھا الذین آمنوا ادخلوا فی السلم کآفة"** اے وہ لوگو جو ایمان لائے ہو، اسلام میں داخل ہو جاؤ، مسلمانی میں شامل ہو جاؤ'' ''کافۃ'' کا تعلق دونوں سے ہے، داخل ہونے والوں سے بھی ہے اور جس دائرہ میں داخل ہو رہے ہیں، اس سے بھی ہے، وہ بھی کافۃ یہ بھی کافۃ۔ اس طرح نہیں کہ مسجد جائیں اور ایک قدم مسجد کے اندر رکھا، بس ہم مسجد میں داخل ہو گئے، یا دونوں قدم اندر رکھ دے اور اندر نہ جائے، یا اندر تو جائے لیکن نماز نہ پڑھے، یہ نہیں **"ادخلوا فی السلم کافة"** پورے کے پورے داخل ہو جاؤ، اور عامل بن جاؤ۔ ''داخل'' بھی بنو اور ''عامل'' بھی بنو۔

اس کے بعد دوسری آیت میں نے آپ کے سامنے پڑھی ہے، سورۂ مائدہ کی آیت ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے **"افحکم الجاھلیة یبغون ومن احسن من الله حکماً لقوم یوقنون"** کیا وہ جاہلیت کا حکم چاہتے ہیں، میں حکم کے متعلق عرض کر دوں، عربی زبان سے ایک خصوصی تعلق رکھنے والے انسان کی حیثیت سے اور عربی ذخیرہ کی چھان بین کرنے والے طالب علم کی حیثیت سے بھی ''حکم'' کا لفظ قرآن مجید میں بڑا وسیع اور بلیغ ہے، حکم کے معنی صرف قانونی فیصلہ کے نہیں، ''ترجیح'' و ''اختیار'' کے بھی ہیں۔ کسی چیز کو ترجیح دینا اور کسی چیز کو اختیار کرنا، یہ بھی حکم میں شامل ہے۔ حکم کا لفظ ان سب معانی پر حاوی ہے، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ کیا جاہلیت کے فیصلہ کو، کیا جاہلیت کے انتخاب کو، کیا جاہلیت کے رجحان و، کیا جاہلیت کے اصول کو ترجیح دیتے ہیں؟ وہ چاہتے ہیں **''ومن احسن من الله حکماً لقوم یوقنون''** اللہ تعالیٰ سے بہتر حکم دینے والا ان لوگوں کے لئے جو یقین رکھتے ہیں کون ہے؟

دوسری بات یہ ہے کہ جاہلیت کے معنی بھی اب بہت فراموش ہو گئے ہیں، بہت گہرا

مطالعہ کرنے والوں اور جن کو سیرت نبوی ﷺ پر اللہ تعالیٰ کچھ لکھنے اور تالیف کرنے کی سعادت عطا فرماتا ہے، وہ اس سے بحث کرتے ہیں، اور اس کا حق ابھی بہت کم ادا ہوا ہے، جاہلیت کے دور کی وسعت کو بہت کم لیا گیا ہے، میں کہتا ہوں ایک سیرت نگار کی حیثیت سے، اور ایک ایسے خوش قسمت انسان کی حیثیت سے جس کو اللہ نے سیرت کے موضوع پر لکھنے کی توفیق دی کہ جاہلیت کے مفہوم سے بھی ہمارا ذہن بہت آشنا ہوگیا ہے، جاہلیت سے لوگ سمجھتے ہیں کہ صرف جاہلیت عربیہ مراد ہے، اور جاہلیت عربیہ سے مراد ہے بت پرستی کا دور، دختر کشی کا دور، شراب نوشی کا دور اور رہزنی کا دور، ان کے سامنے صرف یہ آتا ہے، لیکن معاشرت، طرز معیشت، طرز زندگی، فیصلے کرنے کے معیار واصول، اور رغبات اور نفرتیں، یہ چیزیں جاہلیت کے تصور کے ساتھ ذہن میں نہیں آتیں، حالانکہ جاہلیت ان سب پر مشتمل ہے، اگر جاہلیت کا ترجمہ اردو میں کیا جائے تو اس کا جو ترجمہ حاوی ہے اور ان سب چیزوں کو اپنے ضمن میں لے لیتا ہے، وہ یہ ہے کہ اس سے مراد وہ دور ہے جو نبوت کی روشنی اور ہدایت سے محروم رہا ہے، قوم کا وہ دور جو نبوت کی روشنی اور ہدایت سے محروم رہا ہے، چاہے وہ یورپ ہو یا ساسانی مملکت ہو، چاہے وہ ہندوستان ہو، چاہے وہ عرب ہو، میں اس کا ایک دوسرا ترجمہ کرتا ہوں ''من مانی زندگی'' جاہلیت کیا ہے؟ من مانی زندگی گذارنا، یہ روح ہے جاہلیت کی، جاہلیت کی اسپرٹ ہے، جو چیز اسلام کی مخالف اور متوازی ہے اور آسمان سے اللہ کے نازل کئے ہوئے ادیان سے، اور صحف سماوی سے، اور تعلیمات ربانی سے بے نیاز ہے، وہ یہ ہے کہ نبوت اور ہدایت آسمانی کی روشنی سے جو دور محروم ہو وہ جاہلیت ہے، اور اس میں پھر کیا ہوتا ہے، زندگی کیسے گذاری جاتی ہے، من مانی زندگی، یعنی جو دل میں آئے، جو ہماری سوسائٹی، ہمارا ماحول چاہتا ہے، اور جو معیار اس وقت مقرر ہو چکے ہیں اور ''حیثیت عرفی'' کے اظہار کے جو اصول مقرر ہو گئے ہیں، ہم تو اس پر چلیں گے، یہ ہے من مانی زندگی، اور اس کو قرآن اور حدیث کی اصطلاح میں ''جاہلیت'' کہا گیا ہے، دیکھئے اگر آپ احادیث کا جائزہ لیں تو آپ کو کئی جگہ ایسا معلوم ہوگا کہ حضور ﷺ نے ایسی چیز پر بھی جس کا تعلق عقیدہ سے نہیں تھا، جاہلیت کا اطلاق فرمایا، ایک صحابی ہیں (جن کا نام نہیں لوں گا) ان کا معاملہ اپنے ملازم کے ساتھ کوئی مساویہ نہیں تھا۔ آپ ﷺ نے فرمایا: **انک امرؤ فیک جاهلية** تم ایک ایسے آدمی ہو، تمہارے اندر جاہلیت کی بو ہے، اب عقائد تلاش

کرنے کی ضرورت نہیں۔ خادم کے ساتھ ایسا معاملہ رکھنا کہ یہ مالک ہے اور وہ مملوک ہے، اس کو جاہلیت کہا، او پھر اس سے بڑھ کر "من تعزیٰ علیکم بعواء الجاهلية" جو تمہارے سامنے جاہلیت کی دعوت دے، عصبیت جاہلیت کی طرف بلائے، اور جاہلیت کا نعرہ لگائے، اس کے ساتھ سخت کلامی کرو، میں اس کو علماء کے لئے چھوڑ دیتا ہوں، اس کا پورا ترجمہ نہیں کروں گا، سخت سے سخت بات اس کے سامنے کہو "ولا تکنوا" کنایہ و اشارہ سے بھی کام نہ لو، اس کو جاہلیت کیوں کہا؟ اس کا تعلق تو عقیدہ سے نہیں، اس کا تعلق تو عقیدۂ توحید سے نہیں، ایمان بالآخرۃ سے نہیں، ایمان بالرسول سے نہیں، تو معلوم ہوا کہ اسلام صرف اسی کا مطالبہ نہیں کرتا، اسلام صرف اسی کا نام نہیں ہے کہ عقائد صحیح ہوں، مجھے معاف کیا جائے میں بغیر کسی تنقیص کے کہتا ہوں، اسلام صرف اس کا نام نہیں ہے کہ صرف عقائد صحیح ہوں اور نمازوں کی پابندی اور عبادات اور اس کے علاوہ جو چیزیں عقائد اساسیہ میں آجاتی ہیں، وہ اس کے دائرہ میں ہیں، لیکن ہم شادی کرنے میں آزاد ہیں، ہم پردہ کرنے نہ کرنے میں آزاد ہیں، ہم مقدمات عدالتوں میں لے جانے میں آزاد ہیں، ہم اپنے مال کی تقسیم میں آزاد ہیں، ہم ان سب چیزوں میں آزاد ہیں، اس لئے ہم سے ان سب چیزوں میں کوئی کچھ نہ پوچھے، اور ہمیں نہ ٹوکے، یہ دین کے دائرہ میں نہیں آتا، یہاں کا اصل پیغام جس کے لئے آپ کو زحمت دی گئی ہے، یہ ہے کہ آپ دین کا صحیح مفہوم سمجھ لیں، ایک ہے "اسلام"، ایک ہے "جاہلیت"۔ اب آپ یہ دیکھئے کہ جو زندگی گذر رہی ہے مسلمانوں کی وہ اسلام کے مطابق ہے؟ سو فیصدی اسلام کلی اتباع چاہتا ہے، جو آیت میں کہا گیا ہے "ادخلوا فی السلم کآفۃ" پورے کے پورے اسلام میں داخل ہو جاؤ، اس لئے اس کی ہرگز گنجائش نہیں کہ مسلمان دین کے بہت سے احکام کے پابند رہیں اور ان کا احترام و اہتمام کرتے رہیں، مگر زندگی کے شعبوں اور رواجوں میں آزاد ہیں، مجھے معاف کیا جائے تحقیر مقصود نہیں، وضاحت مقصود ہے۔

صاحب، شادی بیاہ میں بھی دین کا نام لینا، اور اس میں بھی سنت و شریعت کا حوالہ دینا، اس کا بھی احتساب کرنا کہ یہ شادی اتنے دھوم دھام سے کیوں ہوئی؟ صاحب! اللہ نے دولت دی تھی اور ہمارے کنبہ کا، ہمارے خاندان کا اور ہم جہاں رہتے ہیں، وہاں یہی دستور تھا، لیکن یہ ضروری ہے کہ آپ کا عائلی قانون بھی وہی ہو جو قرآن مجید نے دیا ہے، اور شریعت نے اس کی

تشریح کی ہے، اور علمائے اسلام اور فقہائے کرام نے (اللہ ان کو بہتر جزائے خیر عطا فرمائے) انہوں نے اس کے لئے اپنی راتوں کی نیندیں قربان کی ہیں، اور اپنی صحت کو خطرہ میں ڈالا ہے اور ملت اسلامیہ کو مستغنی کردیا ہے۔

میرے بزرگو! دوستو اور عزیزو! یہ آیتیں ہیں، آپ ان کو اپنے ذہن میں لے کر جائیے، ایک تو مطالبہ ہے کہ اسلام میں داخل ہو کلی طور پر تم بھی کلی طور پر اور تمہارا اسلام بھی کلی طور پر، یہ نہیں کہ عقائد سر آنکھوں پر، اللہ بچائے ذرہ برابر انحراف نہیں ہوگا، عبادت میں ذرہ برابر بھی ہم سے تساہل نہ ہوگا، لیکن صاحب یہ کہ شادی کس طرح ہو، اور نکاح وطلاق کے مسائل ہیں، اور تقسیم میراث کے مسائل ہیں، اور پھر بہت سی ایسی چیزیں ہیں جو خاندان میں پیش آتی ہیں، اس میں آپ کو آزاد چھوڑ دیجئے، بالکل اس کی مہلت نہیں ''یا ایھا الذین آمنوا ادخلوا فی السلم کافۃ ولاتتبعو خطوات الشیطان'' اور خطوات الشیطان میں بڑی بلاغت ہے، کہ اگر تم نے یہ نہیں کیا تو پھر اتباع خطوات الشیطان ہوگا، یہاں پر اس لئے اس کا بھی ذکر کیا، اللہ صرف فرمادیتا ''ادخلوا فی السلم کآفۃ'' لیکن اس کا جو متوازی ہے وہ ''ولاتتبعوا خطوات الشیطان'' ہے۔ آج ہم اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے ہیں کہ ''خطوات الشیطان'' ہے، یہ گھروں کو لٹا دینا، یہ جائیدادوں کو قرق کردینا، یہ سودی قرض لینا، اور اس خوشی میں راتوں کو جاگنا، صحت کو خراب کرلینا، یہ سب اس لئے ہے کہ نام ہوجائے اور شان ہو کہ فلاں صاحب کے یہاں بارات آئی تھی، اس میں دوسو موٹریں تھیں اور اتنی بڑی بارات تھی اور اس سب کو فائیو اسٹار ہوٹل میں ٹھہرایا گیا۔ میرے نام دعوت نامے آتے ہیں، اس میں لکھا ہوتا ہے کہ آپ فائیو اسٹار ہوٹل میں ٹھہریں گے، یہ ساری چیزیں ''عرف'' میں داخل ہوگئی ہیں جو عربی کا بہت بلیغ لفظ ہے، جس کا ترجمہ ہے رسم ورواج اور اصول زندگی۔

ہمارے بمبئی کے ایک دوست نے ذکر کیا کہ ایک مجلس میں کھجور، چھوہارے تقسیم کرنے کے بجائے جو مسنون ہے، نوٹ تقسیم کئے گئے۔ سوسو روپے، پچاس پچاس روپے، دس دس روپے کا نوٹ۔ کتنے ہزار روپے صرف اس نکاح میں صرف ہوگئے، کہاں سے اس کی اجازت ملی ہے۔

حضرات! ہمارا مقام ومنصب تو یہ تھا کہ ہمارے ہندوستان میں اتنے دن سے رہنے سے ہندوستان کی قدیم قوم جو تھی اس کے اندر ایک ہلچل پیدا ہوجاتی، غور وفکر کرنے کی زبردست

تحریک پیدا ہوتی اور وہ اپنے پورے معاشرہ کا جائزہ لیتی اور پھر وہ ان خصوصیات وفوائد کو جو مسلمانوں کے ان چیزوں سے بچنے سے حاصل ہوتی ہیں، دیکھ کر خود وہ ان رسوم کو چھوڑتے، معلوم ہوتا کہ مسلمانوں کے اس ملک میں آنے سے ایک معاشرتی انقلاب آ گیا، تہذیبی انقلاب ہوگیا، مگر افسوس ہے کہ بجائے اس کے ہم ان کو دیتے، ہم نے ان سے لیا، ایک ایک چیز کی تاریخ بتائی جاسکتی ہے۔ اگر معاشرہ کی تاریخ پر کوئی کتاب لکھی گئی ہوتی تو آپ کو اس سے پتہ چل جاتا کہ فلاں رسم فلاں طبقہ سے لی گئی ہے اور فلاں رسم فلاں زمانے سے رائج ہوئی ہے، سب کی تاریخ مل جاتی، آغاز کی تاریخ مل جاتی۔

ہماری اس کانفرنس کی (مجھے معاف کیا جائے) یہ ایک امانت ہے یا عطیہ ہے، اور اس کا ایک نشان اور شعار ہے، جس کو آپ لے کر جائیں۔ یہ دو آیتیں ہیں، "**یآیھا الذین آمنوا ادخلوا فی السلم کآفۃ ولا تتبعوا خطوات الشیطان**" جو لوگ عربی کا ذوق رکھتے ہیں، وہ محسوس کریں گے کہ ان الفاظ میں بھی کتنا زور اور بلاغت ہے، یہ کھلا اعجاز قرآنی ہے، اگر یہ کہا جائے کہ جلال الٰہی بھی شامل ہے، میں عربی کے طالب علم کی حیثیت سے کہتا ہوں کہ بالکل الفاظ بتا رہے ہیں کہ اس کا دوسرا مفہوم یہ ہے، اگر ایسا نہ کروگے تو اللہ کے غضب سے ڈرو، اور اللہ کی طرف سے بے برکتی پر ڈرو اور برے نتائج سے ڈرو۔ "**یآیھا الذین آمنوا ادخلوا فی السلم کآفۃ ولا تتبعوا خطوات الشیطان انہ لکم عدو مبین**" اس سے اور صاف بات کیا کہی جاسکتی ہے۔

اور دوسری طرف فرمایا: "**افحکم الجاھلیۃ یبغون**" کیا جاہلیت کے رسم و رواج کو چاہتے ہیں، کیا جاہلیت کے ترجیح وانتخاب کو چاہتے ہیں، جاہلیت کے فیصلہ کو چاہتے ہیں، میں نے عرض کیا کہ حکم کے معنی صرف فیصلہ کے نہیں، بلکہ ترجیح واختیار کے بھی آتے ہیں، یعنی آدمی کسی چیز کو اختیار کرتا ہے جو قوت محرمہ ہوتی ہے، جو اس کی دلیل ہوتی ہے، وہ بھی اس کے اندر شامل ہوتی ہے، کیا جاہلیت کا فیصلہ قبول کریں گے، جاہلیت نے جس چیز کو ترجیح دی ہے، اختیار کیا ہے، اس کو اختیار کریں گے، اس پر چلیں گے، یہ جائز نہیں۔

اب آپ حضرات یہاں سے عزم لے کر جائیں، یہ ارادہ کر کے جائیں کہ ہمارے گھر میں یہ ہرگز نہیں ہوسکے گا، آپ اپنے دل میں قسم کھالیں کہ اب خلاف شریعت رسوم یہاں گھر

میں، ہمارے یہاں، ہمارے خاندان میں ادا نہیں کی جائیں گی، یہ ظلم نہیں ہوگا کہ جہیز کا زبردست مطالبہ کیا جائے، خدا کی پناہ، خدا کی ذات حلیم ہے، ورنہ میں سچ کہتا ہوں کہ ایک بیاہی ہوئی لڑکی کو جو ابھی بیاہ کر آئی ہے، ارمانوں کے ساتھ آئی ہے اور بڑی امیدوں کے ساتھ اس کو رخصت کیا گیا ہے، اعزاز کے ساتھ اس کا استقبال کیا گیا ہے، صرف اس جرم میں کہ وہ دس ہزار روپے نہیں لائی ہے، اس کو مار ڈالا جاتا ہے، میں نے اخبار میں پڑھا، دہلی میں ایک دلہن آئی اور اس کے گھر والوں سے دس ہزار روپے کا مطالبہ کیا گیا تھا، وہ نہیں لائی، اس کو جلا دیا گیا اور اس کا خاتمہ کر دیا گیا۔ اگر اس پر زلزلہ آجائے، اللہ محفوظ رکھے اور ان الفاظ کو نہ پکڑے، اس پر زلزلہ آجائے، اس پر بجلی گرے، اس پر کوئی دوسری قوم آ کر حملہ کرے کوئی تعجب کی بات نہیں، اللہ کو اپنی مخلوق عزیز ہے، اور ایسی عزیز ہے "انه بكم رؤف رحيم" وہ تمہارے ساتھ رؤف بھی ہے اور رحیم بھی ہے، پھر اس کی پالی ہوئی، پھر مرضوں سے بچائی ہوئی اور بڑے ناز و نعم کے ساتھ رکھی ہوئی ایک جان آپ کے یہاں آتی ہے، اور بڑے ارمانوں کے ساتھ آتی ہے، اور آپ مانگ کر لاتے ہیں، خوشامد کر کے لاتے ہیں دس ہزار کی وجہ سے، لعنت ہو ایسے دس ہزار روپے پر، جس کی وجہ سے کسی انسان کی جان جائے، ڈرنا چاہئے اللہ کے غضب سے، ایک جان اللہ کو تمہارے کروڑوں روپے اور تمہاری سلطنتوں سے زیادہ عزیز ہے آدم علیہ السلام کو کس پیار و محبت کے ساتھ پیدا کیا گیا، ان کا فرشتوں سے سجدہ کرایا گیا، اس آدم کی اولاد کے ساتھ آپ کا یہ معاملہ ہے۔

یہی میں فرقہ وارانہ فسادات کے بارے میں کہتا ہوں، کسی کمہار کے یہاں جا کر تم ایک گھڑا توڑ کر دیکھو، وہ تمہارا سر توڑ دے گا اور اللہ کی مخلوق اتنی بھی قیمت نہیں رکھتی کہ تم انسانوں کے سر توڑو، انسانوں کی جان نکالو، ایک نہیں، پچاسوں، سینکڑوں، ہزاروں۔ یہ وہ چیزیں ہیں جو ہماری مسرتوں کی تقریبات میں داخل ہوگئی ہیں اور وہ چیزیں غضب الٰہی کو بلانے والی ہیں، تو پھر کیسے ان مسرتوں کی تقریب میں برکت ہو، کیسے اللہ کی نصرت ان کے ساتھ شامل ہو، اور پھر نسل میں بھی وہ دین منتقل ہو اور وہ خصوصیات منتقل ہوں۔

بس حضرات! اگر میں نے حدود سے تجاویز کیا اور میری زبان سے سخت لفظ نکلے تو میں اللہ سے معافی مانگتا ہوں اور توبہ کرتا ہوں اور آپ سے بھی معافی چاہتا ہوں، مگر کوئی وقت ایسا

ہوتا ہے اور اس کی مثالیں ہمیں رحمۃ اللعالمین کی سیرت سے بھی ملی ہیں کہ کسی وقت ایسے سخت لفظ بھی بول دیئے جاتے ہیں "(من تعزى عليكم بعزاء الجاهلية)" اس کے معنی اگر آپ کسی عالم سے پوچھیں تو رونگٹے کھڑے ہو جائیں جو تمہارے سامنے جاہلیت (خلاف اسلام) کا نعرہ لگائے اس کے کسی فعل یا رواج کی تحسین کرے تو تم سخت لفظ استعمال کرو اور ذرا بھی رعایت، اشارہ اور کنایہ سے کام نہ لو، کون کہہ رہا ہے، وہ رحمۃ اللعالمین فرما رہے ہیں، اور جو سراپا رافت و رحمت ہیں، وہ یہ کہہ رہے ہیں، مثال نہیں مل سکتی، اس سے آپ اندازہ کیجئے کہ جاہلیت کو، جاہلی زندگی کو، جاہلیت کے معیاروں کو، جاہلی دعوتوں کو کس نظر سے خدا نے بھی دیکھا ہے، اور اس کے رسول نے بھی دیکھا ہے، وہ چیزیں اپنے گھروں میں آئیں، ہمارے معاشرت کے جز بن جائیں، ہمارے واجبات و فرائض میں داخل ہو جائیں، جہیز اتنا لاؤ، شادی دھوم دھام سے ہوگی، نہیں مسجد میں جائیے اور کسی عالم سے نکاح پڑھوا لیجئے، ہم نے تو نکاح دیکھے ہیں، عصر کی نماز ہوئی، کہہ دیا گیا کہ ایک نکاح ہوگا۔ قریب ترین عزیزوں میں سے سب کو نہیں معلوم اور وہیں کے ایک عالم کھڑے ہو گئے۔ انہوں نے خطبہ مسنونہ پڑھا، ایجاب وقبول کرایا اور چلے گئے، یہاں سے آپ عہد و ارادہ عزم کر کے جائیں کہ اپنے گھر میں یہ نہ ہونے دیں گے، اور حتی الامکان آپ ان تقریبات میں باعث رونق اور باعث فخر نہیں بنیں گے، یہاں تو یہ ہوتا ہے، شرعی مجبوری کی بات الگ ہے، لیکن آپ ان عزیزوں اور خاندان والوں کو محسوس کرائیے، محلّہ والوں کو آپ محسوس کرائیے کہ یہ خلاف شریعت ہے، یہ خلاف شریعت بھی ہے اور خلاف عقل بھی ہے اور خلاف مصلحت بھی ہے، یہاں سے ارادہ کر کے جائیں۔

ائمہ مساجد جو یہاں تشریف رکھتے ہیں یا معلمین اور علمائے کرام، مدرسین، ان سے کہوں گا کہ یہاں سے جانے کے بعد مسجدوں میں تقریریں کریں، اور اس پر وعظ کہیں اور دوسرے جو جلسے ہوتے ہیں، ان میں بھی وعظ کہیں، اور پورے ہندوستان میں اصلاح معاشرہ اور اصلاح رسوم کی تحریک چلائیں۔ اللہ مدد فرمائے گا۔ برکت دے گا اور آپ کو دین کے ایک اہم شعبہ کی تبلیغ اور اس کے احیاء کا جو اجر عظیم ہوگا وہ آپ کو عطا فرمائے گا۔

وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین

عالم اسلام کا عبوری دور

یہ تقریر اسلامی نظریاتی کونسل پاکستان کی طرف سے مقرر کے اعزاز میں ۱۸ جولائی ۱۹۷۸ء کو اسلام آباد ہوٹل ہال میں دیئے گئے استقبالیہ میں کی گئی۔ صدارت سپریم کورٹ آف پاکستان کے چیف جسٹس جناب انوار الحق نے کی۔ جلسہ میں سپریم کورٹ کے جج صاحبان، وفاقی وزراء، اسلامی نظریاتی کونسل کے ارکان، علماء اور جدید تعلیم یافتہ حلقہ کی نمائندہ شخصیتیں موجود تھیں۔

نحمده ونصلی علیٰ رسوله الكريم. اما بعد

صدر محترم، حاضرین گرامی قدر! میرے لئے بڑے شکر و مسرت کا مقام ہے کہ جن حضرات کی خدمت میں مجھے فرداً فرداً جانا چاہئے تھا اور مجھے ان سے اپنا دردِ دل یا اپنے مطالعہ اور فکر کا نتیجہ علیحدہ علیحدہ پیش کرنا چاہئے تھا وہ یہاں خود تشریف لائے ہیں، اور مجھے ایک ایسا موقع ملا ہے کہ میں ان سب حضرات کی خدمت میں عرض کر سکتا ہوں، یہ بڑے خوشی کا موقع بھی ہے اور بڑی ذمہ داری کا بھی، میں یہ فیصلہ نہیں کر پا رہا ہوں کہ مجھے اس پر زیادہ خوش ہونا چاہئے یا ذمہ داری کے احساس سے مجھے متفکر اور گراں بار ہونا چاہئے؟ بہر حال یہ دو ملے جلے احساسات ہیں اور میں نے بے تکلف آپ کے سامنے پیش کر دیا ہے۔

یک لحظہ غافل گشتم وصد سالہ راہم دور شد:

حضرات! ہم اس وقت عالم اسلام میں بڑے نازک مرحلے سے گزر رہے ہیں، یہ ایک عبوری مرحلہ ہے اور عبوری مرحلہ ہمیشہ بڑا نازک اور دشوار ہوتا ہے۔ اسلامی ملکوں کی قیادتیں اور اسلامی ملکوں کے دل و دماغ کوئی لمحہ ضائع کر دیں یا کسی انفرادی اور وقتی مسئلہ میں الجھ کر رہ جائیں تو زندگی کا رواں دواں قافلہ رعایت نہیں کرے گا۔ زمانہ کا سیلاب صرف سیلاب سے تھمتا ہے، وہ کسی کشتی کے ڈوبنے کی پرواہ نہیں کرتا۔ حالی نے کہا تھا اور میرا خیال ہے کہ انہوں

نے اپنے محدود ماحول میں اور محدود تخیل میں کہا ہوگا:

دریا کو اپنی موج کی طغیانیوں سے کام
کشتی کسی کی پار ہو یا درمیاں رہے

سرزمین اندلس کا ایک عزیز پیام:

ابھی جسٹس افضل چیمہ صاحب نے اسپین یعنی اندلس مرحوم کا ذکر کر کے داغ کہن تازہ کر دیئے اور میرے دل کو خاص طور پر تڑپا دیا کہ میں خوش قسمتی کہوں یا بد قسمتی کہ اس سرزمین رنگ و بو سے گزرا ہوں، اور اس کی تاریخ بھی پڑھی ہے۔ آپ یقین مانئے میں ممالک اسلامیہ میں سے شاید ایک ہی دو ایسے ملکوں کے دیکھنے سے جو شاہراہ عام سے مٹے ہوئے ہیں اس وقت تک محروم رہا ہوں ورنہ بیشتر اسلامی ممالک سے گزرا ہوں۔

لیکن میں جب اندلس گیا تو معلوم ہو رہا تھا کہ فضائیں مجھ سے لپٹ رہی ہیں اور یہاں کی روحیں مجھ سے معانقہ کر رہی ہیں، زمین کا ذرہ ذرہ کچھ پیغام رکھتا ہے اور مجھ سے کہنا چاہتا ہے، میں یہ سمجھا کہ وہ اسلامی ممالک کے مستقبل کے متعلق مجھے آگاہ کرنا چاہتا ہے، اندلس کا ذرہ ذرہ مجھ سے کہہ رہا تھا کہ دیکھو! عالم اسلام کا کوئی دوسرا ملک اس المیہ سے دوچار نہ ہونے پائے۔ یہ بات تمہارے ذمہ امانت ہیں، یہ اس سرزمین کے ہر ذرہ کا پیغام ہے، جہاں تک پہنچا سکو کہ اب اسلام کی تاریخ میں اور مسلمانوں کے صبر و تحمل میں اس کی بالکل گنجائش نہیں کہ کوئی دوسرا ملک اسپین بنے۔ میں یہ الفاظ زبان سے ادا کرتے ہوئے بھی تکلیف محسوس کرتا ہوں۔ لیکن یہ ایک پیام ہے، میرا فرض ہے کہ میں اس کو ہر ملک میں دہراؤں۔

عالم اسلام ایک عبوری دور سے گزر رہا ہے:

عالم اسلام اس وقت ایک عبوری مرحلہ سے گزر رہا ہے، پورا ڈھانچہ توڑا جا رہا ہے اور ایک نیا ڈھانچہ بنایا جا رہا ہے۔ یہ وقت ہوتا ہے جب قوموں کی قسمتیں بدل جاتی ہیں اور ایک نیا سلسلہ شروع ہوتا ہے، نئی تقدیریں لکھی جاتی ہیں، اس وقت پورا عالم اسلام ایک عبوری دور سے گزر رہا ہے، یہ دور جہاں ایمان و عقیدہ کی طاقت چاہتا ہے وہاں بڑے عمیق مطالعہ کا بھی طالب ہے، بڑی سنجیدگی اور فکر کی گہرائی کا بھی طالب ہے اور ایثار و قربانی کا بھی طالب ہے، یہ

مرحلہ بغیر ان عناصر کے طے نہیں ہوتا اور نہ کبھی اس سے پہلے طے ہوا ہے اور نہ اس وقت طے ہوسکتا ہے، یہ جس طرح ہمارے عقیدہ کا امتحان ہے، اسی طرح ہماری ذہانت کا بھی امتحان ہے، اس لئے کہ ایک معاشرے کا نیا ڈھانچہ بنانا، اس کو اسلام کی تعلیم کے مطابق کرنا، ان عناصر کو خارج کرنا جو اس کے منافی ہیں اور ایک نیا تمدن تشکیل میں لانا ہے۔ کل میں نے عرض کیا تھا کہ اس وقت اسلام ایک عقیدہ کی حیثیت سے موجود ہے، لیکن اس کو اس کے تمدن سے محروم کردیا گیا ہے اور یہ مغرب کی بہت بڑی سازش ہے کہ اس نے جب یہ دیکھا کہ مسلمانوں کو عقیدہ سے ہٹانا مشکل ہے اور ان کے احساسات اس کے بارے میں بہت تیز ہیں، اس کو اس کے بہت تلخ تجربے ہوئے ہیں۔ جنگ صلیبی سے لے کر اسپین کی نسل کشی اور مسلمانوں کے کلی اخراج سے لے کر اس وقت تک تو اس نے اپنے ان تجربوں سے فائدہ اٹھایا اور اس نے یہ حکمت عملی طے کی کہ مسلمانوں کو ان کے عقیدہ سے ہٹانے کے بجائے ان کے تمدن اور ان کے نظام معاشرت سے علیحدہ اور محروم اور اس پر آمادہ کردینا چاہئے کہ وہ دوسرا تمدن اختیار کرلیں اور اس میں سمجھتا ہوں یورپ بڑی حد تک کامیاب ہوگیا ہے۔ خدا کے فضل سے اسلامی عقائد کے بارے میں کوئی تحریف واقع نہیں ہوئی ہے جیسا کہ عیسائیت میں واقع ہوئی ہے۔ عیسائیت جس طرح حضرت مسیح کو دی ہوئی پٹری سے ہٹ کر سینٹ پال کی پٹری پر پڑ گئی ہے اور وہ برابر اس پر چل رہی ہے، مسیحیت صراط مستقیم سے ہٹ کر تثلیث، ابنیت مسیح کے عقیدے اور رومی تمدن کی پٹری پر پڑ گئی اور پھر اس پر برابر چلتی رہی، پھر ایسے واقعات پیش آئے کہ وہ رفتار سی تیز تر ہوتی چلی گئی، کاش کہ یہی ہوتا کہ اس کا مشرق کے سست کار اور ایک سوتے ہوئے قافلہ سے واسطہ پڑا ہوتا۔ لیکن وہ مغرب تھا اور مغرب میں وہ طاقتیں ابل رہی تھیں، ترقی کے جذبات موجزن تھے، زندگی کا گرم خون رگوں میں دوڑ رہا تھا اور ساری دنیا میں وہ خون جاری اور ساری ہونا چاہتا تھا، جہاں اور چیزوں کی رفتار تیز سے تیز تر ہوئی وہاں اس انحراف وضلالت کی رفتار بھی تیز ہوگئی، اس لئے کہ جن قوموں کے ساتھ اس کی قسمت وابستہ تھی یا جو قومیں اس کے حامل تھیں وہ سست رفتاری پر قانع نہیں تھیں، ان کو یورپ کے خاص حالات کی بناء پر تنازع للبقاء کے اصول پر عمل کرنا تھا اور زندگی کے سخت مقابلہ میں ان کو اپنی صلاحیتوں کا اظہار کرنا تھا۔ اس لئے ہر چیز کی رفتار تیز ہوگئی۔ عیسائیت کے صراط مستقیم سے انحراف کی رفتار بھی تیز ہوتی چلی گئی۔

ایسی کوئی تحریک یا انحراف الحمدللہ عالم اسلام میں پیش نہیں آیا اور قرآن مجید کی زبان میں: **انا نحن نزلنا الذکر وانا له لحافظون** کے عقائد اور اصول دین کی حد تک ایسا انحراف پیش آ بھی نہیں سکتا، خدا نے اس دین کی حفاظت کا ذمہ لیا ہے، لیکن جہاں تک تمدن اور زندگی کا تعلق ہے، ظاہر ہے کہ کوئی عقیدہ، کوئی تعلیم یا اس کی حامل کوئی خلا بھی نہیں رہ سکتی، اس کو ایک ماحول چاہئے اس کو آزادی چاہئے، اس کو وسائل چاہئیں، اپنے معاشرہ کی تشکیل کی آسانی چاہئے، عقائد میں انحراف اور تبدیلی نہیں ہوئی، لیکن عقائد کے نتیجے میں جو اخلاق اور جو زندگی کا طرز عمل متعین ہوتا ہے، اس طرز عمل کو عملی طور پر ظاہر ہونے کے لئے ایک آزاد ماحول چاہئے، ایک معاشرہ چاہئے اور ایک ایسا خطہ چاہئے جہاں وہ آزادی کے ساتھ سانس لے سکے اور اپنے اصول پر عمل کر سکے تو اس بارے میں یورپ کو کامیابی حاصل ہوئی کہ اس نے اسلام کو مسلمانوں کو اصل اسلامی تمدن سے دور کر دیا اور اپنا تمدن ان پر مسلط کر دیا، یا ان کو ان کے لئے دلفریب بنا دیا۔

اسلام کو اقتدار کی ضرورت ہے:

اگرچہ میرا تعلق فطری طور پر خاندانی طور پر اور عملی طور پر اس مکتب فکر اور اس گروہ سے ہے جو خاک کی آغوش میں تسبیح ومناجات پر وسعت افلاک میں تکبیر مسلسل کو ہمیشہ ترجیح دیتا ہے، میری مراد سید احمد شہید رحمۃ اللہ علیہ اور ان کے اولوالعزم، عالی ہمت رفقاء سے ہے جنہوں نے احیائے خلافت اسلامیہ کی کوشش کی اور ان پچھلی صدیوں میں پورے عالم اسلام میں کسی ایسی جامع، مکمل، بلند نظر، بلند ہمت جماعت کا سراغ نہیں لگتا جیسا کہ حضرت سید صاحب کی جماعت تھی، میرا تعلق اس جماعت سے ہے اور میں سمجھتا ہوں کہ اسلام کو اقتدار کی ضرورت ہے، مسلمانوں کو حریت کی فضاء کی ضرورت ہے اور خدا کا یہ فرمان جس طرح نزول کے وقت صحیح تھا، آج بھی صحیح ہے اور قیامت تک صحیح ہوگا۔

الذین ان مکنّٰهم فی الارض اقامو الصلوٰة واتوالزکوٰة وامروا بالمعروف ونهوا عن المنکر (الحج)

یہ وہ لوگ ہیں کہ اگر ہم ان کو ملک میں دسترس دیں تو نماز پڑھیں اور زکوٰۃ ادا کریں اور

---

(۱) اس استقبالیہ میں جو مقرر کے اعزاز میں اسلام آباد ہوٹل کی طرف سے دیا گیا۔

نیک کام کرنے کا حکم دیں اور برے کاموں سے منع کریں۔

آپ خیال کیجئے کہ معروف ومنکر کے لئے قرآن مجید میں اور حدیث میں امر ونہی کے الفاظ استعمال کئے گئے ہیں۔ استدعا ودرخواست کے الفاظ استعمال نہیں کئے گئے ہیں۔ عربی زبان ایسی تنگ دامن نہیں ہے کہ اس کے اندر صرف امر ونہی کے الفاظ ہوں اور دوسرے الفاظ نہ ہوں، جن میں تواضع ہے، خوشامد ہے، جن میں استدعا ہے، جن میں مطالبہ ہے، بلکہ اس کے لئے جہاں کہیں بھی الفاظ استعمال کئے گئے ہیں وہ امر اور نہی کے ہیں۔ **تأمرون بالمعروف وتنهون عن المنكر كنتم خير أمة اخرجت للناس تأمرون بالمعروف وتنهون عن المنكر** اور امر ونہی طاقت چاہتے ہیں۔ امر ونہی وہ مقام چاہتے ہیں جہاں سے ہم اعتماد کے ساتھ اور جرأت کے ساتھ یہ کہہ سکیں کہ یہ صحیح ہے اور یہ غلط ہے۔ امر میں اور نہی میں ایک استعلاء ہے۔ امر ونہی درخواست کے معنی میں نہیں، امر ونہی حکم دینا اور روکنا، اس کے لئے آدمی کے اندر قوت چاہئے۔ ایسا مقام اور ایسی بلندی چاہئے، ایسا اعتماد چاہئے اور اس کی ایسی وقعت ہو دلوں میں کہ وہ امر کر سکے اور نہی کر سکے، اس کا مطلب یہ ہے کہ اسلام کو قوت کی ضرورت ہے، اسلام کو اقتدار کی ضرورت ہے کہ ہمیشہ وہ یہی نہ کہے کہ ''اگر ایسا کر لیا جاتا تو اچھا تھا۔'' ہماری درخواست ہے اور ہم آپ کو ترغیب دیتے ہیں ''ہم تبلیغ کرتے ہیں۔'' اپنی جگہ پر یہ سلسلہ جاری رہے گا لیکن قرآن جو معیار ومیزان ہے اس میں الفاظ امر ونہی کے ہیں۔ جن میں مسلمانوں کو وہ طاقت حاصل کرنی چاہئے کہ جس مقام پر فائز ہو کر وہ حکم دے سکیں اور روک سکیں، اس لئے کہ فطرت انسانی تعریف تو کر دیتی ہے اور وہ خوش بھی ہو جاتی ہے، لیکن انسانی نسل کی پوری اصلاح، مکمل اصلاح کے بغیر نہیں ہو سکتی جس کے نتیجے میں **اقاموا الصلوة واتوا الزكوة** اور **امروا بالمعروف** اور **نهوا عن المنكر** کے الفاظ آئے ہیں۔

سارا انحصار شاخ پر ہے:

اگرچہ میرا اس فکر وتحریک سے تعلق ہے لیکن میں آپ سے یہ عرض کرتا ہوں کہ جس شاخ پر نشیمن ہم کو بنانا ہے، اس شاخ کی فکر کی ضرورت ہے۔ ہمارا سارا انحصار اس شاخ پر ہے۔ شاخ اگر قائم ہے، ہری بھری ہے، استوار وپائیدار ہے تو اس کے بعد یہ مسئلہ آتا ہے کہ نشیمن کیسا ہو؟ نشیمن بلبل کا ہو یا زاغ وزغن کا؟ لیکن پہلے تو یہ دیکھنا چاہئے کہ شاخ ہے بھی یا نہیں۔ اگر شاخ

نہیں ہے تو پھر کوئی سوال نہیں اٹھتا کہ نشیمن کیسا ہو؟

وہ شاخ جس پر نشیمن ہوگا وہ شاخ ہے معاشرہ، وہ شاخ ہے کسی ملک کی عام زندگی، شہر میں چلنے والے، بازار میں خرید وفروخت کرنے والے، کارخانوں میں کام کرنے والے اور مدرسوں میں، دانشگاہوں میں پڑھنے اور پڑھانے والے انسان، یہ عام انسان جن سے زندگی عبارت ہے، جن سے شہروں کی رونق ہے، یہ اصل آبادی ہے۔ یہ کیا ہے، اس کی پسندیدگی اور ناپسندیدگی کے پیمانے کیا ہیں، اس کے احساسات کیا ہیں؟ اس میں نشیمن کو اٹھانے، نشیمن کو برداشت کرنے کی کتنی صلاحیت ہے۔ آپ نشیمن زمین پر، عافیت کی جگہ پر بہتر سے بہتر بنائیں، لیکن کسی شاخ پر اس کو آپ قائم کرنا چاہتے ہیں، وہ شاخ اگر اس کا بوجھ نہیں اٹھا سکتی اور زبان قال سے نہیں لیکن زبان حال سے اس کی پتی پتی، اس کا ایک ایک ریشہ یہ اعلان کرتا ہے کہ ہم اس کا بوجھ نہیں اٹھا سکتے اور ہم کو نشیمن نہیں چاہئے، تو یہ ساری محنت بیکار جائے گی۔ مسئلہ یہ ہے کہ شاخ بھی نشیمن چاہتی ہے یا نہیں؟ پھر نشیمن کا بوجھ شاخ برداشت کر سکتی ہے یا نہیں۔ سارا انحصار اس پر ہے کہ ہمارا معاشرہ کیسا ہے؟ ہمارا معاشرہ اعتقادی طور پر اور اخلاقی طور پر کیسا ہے؟ زندگی کی بنیادی چیزیں، اولین اصول، انسانیت کی ابتدائی شرائط کو پورا کر رہا ہے یا نہیں؟

معاشرہ ایسا ہے کہ گناہ کی رغبت، نفس پرستی، ابوالہوسی اس کا مزاج بن گیا ہے، جس طرح کہ مچھلی اگر پانی سے نکال کر خشکی میں ڈال دی جائے تو اس کا دم گھٹنے لگتا ہے، یہ معاشرہ ایسا ہے کہ اگر اس میں صلاح کی دعوت دی جائے، اگر خدا کے خوف کی دعوت دی جائے، یا اچھے اخلاق کی دعوت دی جائے، فسق وفجور سے بچنے کی دعوت دی جائے تو اس معاشرہ کا دم گھٹنے لگتا ہے، جیسے مچھلی کا دم گھٹنے لگتا ہے، میں قرآن مجید کی اس آیت پر غور کرتا ہوں تو اس کے اعجاز و صداقت کے سامنے انگشت بدنداں رہ جاتا ہوں، ایک فاسد مسخ شدہ معاشرے نے کس خوبی سے اپنے احساسات اور اپنے مضمرات کی ترجمانی کی ہے۔

اخرجوا آل لوط من قریتکم انھم اناس یتطھرون

یعنی معاشرہ چیخ اٹھا، اس معاشرہ نے پکار کر کہا اور بغیر کسی پردہ اور شرم وحجاب کے کہا کہ ان پاکبازوں کی گزر ہم لوگوں کے ساتھ نہیں ہو سکتی۔ **اخرجوا آل لوط من قریتکم انھم اناس یتطھرون**۔ ہم تو نجاست میں گلے گلے ڈوبے ہوئے ہیں۔ ہم وہ مچھلی ہیں جو نجاست

میں زندہ رہ سکتی ہے، یہ جو ایک رو آئی ہے طہارت کی یہ ہمیں برداشت نہیں، ہم اس کے ساتھ زندہ نہیں رہ سکتے، ہم رہیں گے یا یہ، اگر آپ کو رہنا ہے تو ہم چلے جائیں گے یہ بستی چھوڑ کر۔

جس معاشرہ کی یہ کیفیت ہو جائے گی اس معاشرہ کی صورتحال کو دراصل زندگی کو نظر انداز کر کے کاغذ کے صفحات یا کسی گوشہ میں بیٹھ کر کوئی نقشہ، کوئی نظام بنایا جائے گا تو وہ نظام کامیاب نہیں ہو سکتا، اس لئے یہ نشیمن بہر حال اس پر قائم ہوگا۔ آپ کو اگر اس نشیمن کو قائم کرنا ہے تو اس کی فکر کیجئے کہ وہ شاخ کس حالت میں ہے۔ اگر اس شاخ پر تیشہ چلانے والے سینکڑوں ہیں اور نشیمن بنانے والا ایک ہے اور میں مانتا ہوں کہ وہ اعلیٰ درجہ کی صلاحیت اور پورے وسائل رکھتا ہے، لیکن جہاں ہزار آدمی تیشہ چلا رہے ہوں تو وہ ایک آدمی جو نشیمن بنا رہا ہے یا کوئی تعمیری کام کرنا چاہتا ہے، وہ کامیاب نہیں ہو سکتا۔ کوئی عمارت اس طرح کھڑی نہیں ہو سکتی کہ اس پر مسلسل تیشے چل رہے ہوں اور کچھ لوگ اس کو بنا بھی رہے ہوں۔ وہ عمارت کبھی بن کر تیار نہیں ہو سکتی۔

معاشرہ زمین ہے:

معاشرہ زمین ہے، اگر یہ زمین درست ہے، اپنی جگہ پر قائم ہے، قرآن کے الفاظ میں کثیباً مھیلاً ریت کا ٹیلہ نہیں ہے جو ہر وقت کھسکتا رہتا ہے، جب ہوا آتی ہے تو اس کے ذرات کو اڑا کر لے جاتی ہے، اس کا کسی وقت بھی اطمینان نہیں کہ کل جب آندھی کا طوفان آئے گا تو یہ ٹیلہ یہیں پر ملے گا۔ اگر ہماری سوسائٹی ''ریگ رواں'' کی طرح ہے، جب کوئی چالاک آدمی اس سوسائٹی میں پیدا ہو جائے تو پوری سوسائٹی کو اپنا مسحور بنا سکتا ہے، اس کے دل کی دھڑکنوں کے ساتھ یہ سوسائٹی مل جاتی ہے، اگر سوسائٹی میں اتنی بھی مقاومت، خطرہ کے مقابلہ کی طاقت نہیں ہے، اگر اس میں تنکے کی طرح بہتے ہوئے پانی میں بہہ جانے کی صلاحیت ہے اور وہ ہر وقت اس کے لئے تیار رہتی ہے کہ کوئی مفسد طاقت یا دعوت، یا نظام یا فلسفہ آ جائے تو اس کی ہمنوائی کرنے لگے اور اس کی ساری محنتوں پر پانی پھیر دے، جیسے کچھ ہوا ہی نہیں۔ اس معاشرہ کا، اس سوسائٹی کا خدا ہی حافظ ہے اور اس کا کوئی اعتبار نہیں کیا جا سکتا۔

واقعہ یہ ہے کہ کہیں کا بھی اسلامی معاشرہ ایسا نہیں ہے کہ آپ اس پر پورے طور پر اعتبار کر سکیں، ابھی کل کی بات ہے، مجھے معاف کیا جائے ممکن ہے بعض لوگ میرے ان خیالات

سے متفق نہ ہوں کہ جمال عبدالناصر کا زمانہ تھا، ایسا معلوم ہوتا تھا کہ مصر میں ایک شخص، ایک متنفس بھی ایسا نہیں ہے جس کو جمال عبدالناصر سے اختلاف ہے، ایسا معلوم ہوتا تھا کہ اس کی آواز پر تالی بجانے، اس کے پیچھے چلنے اور اس کی کار کے پیچھے نعرے لگانے کے لئے پورا مصر مست ہے، اس کو تقدس وعصمت اور محبوبیت ومقبولیت کا اعلیٰ مقام عطا کیا گیا اور بالکل پیغمبروں کی طرح صف میں بٹھا دیا گیا۔ اس کے بعد یہ طلسم ٹوٹا تو معلوم ہوا کہ کچھ بھی نہیں۔ آج کوئی سیدھے منہ سے اس کا نام لینے کے لئے تیار نہیں۔ اس کے بعد اور بھی بہت سے معاشرے ہیں جن میں اگر کوئی شخص جو ذرا بھی اثر ڈال سکتا ہو، عوام پر یا خواص پر، اگر وہ کھڑا ہو جائے تو پورا کا پورا معاشرہ اس کے قدموں میں پڑ جاتا ہے کہ چاہے وہ اس کو پامال کرے، چاہے زندہ کرے:

زندہ کنی عطائے تو ور بکشی لقائے تو

یہ بڑی خطرناک صورت حال ہے۔

اسلامی شریعت کے نفاذ میں ایک لمحہ کی بھی تاخیر نہ ہو:

اس کا ہرگز یہ مطلب نہیں ہے کہ اسلامی قانون سازی کی جو بات کی جارہی ہے، اسلامی شریعت کے نفاذ کے جو ارادے ہیں، ان میں سستی پیدا کی جائے۔ میں ہرگز اس غلط فہمی کی اجازت نہیں دوں گا۔ ایک لمحہ کے لئے بھی اس کوشش کو روکنے کے حق میں نہیں۔ یہاں اس حقیقت کو سامنے رکھنا چاہتا ہوں کہ کامیابی کا انحصار اسی معاشرہ پر ہے، اگر معاشرہ اس کا استقبال کرتا ہے اور ہم نے، ہمارے دین کے داعیوں نے، مصنفین نے، صحافت نے، ہمارے ٹیلی ویژن نے، ریڈیو نے، میں یہاں تک عرض کرتا ہوں کہ ابلاغ کے جتنے ذرائع ہیں اگر ان سب نے یہ کوشش کی، یہ مہم چلائی کہ پسندیدگی اور ناپسندیدگی کے پیمانے بدلیں، اندر کے احساسات بدلیں اور نیکی، خدا ترسی، سنجیدگی، متانت، صبر وتحمل، نفس کی ترغیبات، مالی ترغیبات، یا اخلاقی امتحانات کا مقابلہ کرنے کی صلاحیت پیدا ہو جائے تو پھر اس معاشرہ پر بڑے سے بڑا بوجھ ڈالا جا سکتا ہے اور وہ خلافت اسلامی کا بھی بوجھ برداشت کر سکتا ہے اور مجھے اس میں بالکل شبہ نہیں کہ اگر معاشرہ کی اصلاح ہو جائے اور یہ ساری طاقتیں جو اثر انداز ہوتی ہیں اس میں آپس میں تعاون ہو اور یہ سب اشتراک عمل کے ساتھ معاشرے کی اصلاح میں

کچھ عرصہ لگ جائے تو خلافت اسلامیہ کا خواب بھی حقیقت بن سکتا ہے، اس وقت صورت یہ ہے کہ اس گروہ کا جادو چل رہا ہے اور اس کے ہاتھ میں ابلاغ کے ذرائع ہیں، جن کی تعریف قرآن نے ان الفاظ میں کی ہے:

ان الذين يحبون ان تشيع الفاحشة فى الذين امنوا لهم عذاب اليم فى الدنيا والاخرة والله يعلم وانتم لاتعلمون .

جو لوگ اس بات کو پسند کرتے ہیں کہ مومنوں میں بے حیائی پھیلے، ان کو دنیا اور آخرت میں دکھ دینے والا عذاب ہوگا اور خدا جانتا ہے اور تم نہیں جانتے۔

یہ آیت ایک معجزہ ہے، جس وقت یہ آیت **ان الذين يحبون ان تشيع الفاحشة فى الذين امنوا** نازل ہوئی تھی، مدینہ طیبہ کے محدود معاشرے میں ایک خاص واقعہ پیش آیا تھا۔ اس واقعہ کا لوگ اپنی مجلسوں میں چرچا کرنے لگے۔ مجلسیں کتنی بڑی تھیں، وہ واقعہ کتنا بڑا تھا، کن افراد سے اس کا تعلق تھا، یہ ساری چیزیں ایسی تھیں کہ قرآن مجید کی اس آیت کی وسعت اس سے زیادہ تھی۔ وہ قرنوں سے بڑھ کر اور تاریخی اور جغرافیائی فاصلوں سے آگے بڑھ کر کچھ اور چاہتی تھی۔ آج ہم اس آیت کی تفسیر دیکھ رہے ہیں۔ **ان الذين يحبون ان تشيع الفاحشة فى الذين امنوا** ۔ جو لوگ یہ چاہتے ہیں کہ اہل ایمان میں فواحش اور منکرات کی محبت کا رواج ہو، اس کا تصور آج صحافت، ٹیلی ویژن، ریڈیو کے اس دور میں، ناولوں کے اس دور میں، پکچر اور فلم کی ترقی کے اس دور میں، لٹریچر اور فلسفوں کے اس دور میں اس کی جیسی تفسیر، تفسیر نہیں بلکہ تصویر دیکھی جا سکتی ہے، کسی اور زمانہ میں مشکل ہے۔ مدینہ کے اس ماحول میں لوگوں نے ایمان بالغیب سے کام لیا ہوگا اور انہوں نے اس کا انطباق کیا ہوگا۔ کسی مخصوص واقعہ پر، لیکن آج دنیا کی ساری طاقتیں جس طرح **ان تشيع الفاحشه** پر لگی ہوئی ہیں اس کا اس سے پہلے کیا اندازہ ہو سکتا تھا۔

کچھوا سست رفتاری کے باوجود سو رہا ہے اور خرگوش تیزی کے ساتھ مصروف عمل ہے:

ہم نے اور آپ نے بچپن میں یہ کہانی سنی تھی کہ خرگوش اور کچھوے میں مقابلہ ہوا۔ خرگوش بہت تیز رفتار، کچھوا بہت سست رفتار، لیکن کچھ محنتی تھا، وہ مسلسل چلتا رہا اور خرگوش سو گیا،

نتیجہ یہ ہوا کہ روایتی کچھوا اس روایتی خرگوش سے آگے بڑھ گیا، آج معاملہ اس کے برعکس ہے، آج مقابلہ کچھوے اور خرگوش کا ہے، لیکن معاملہ یہ ہے کہ کچھوا اپنی سست رفتاری کے ساتھ بھی سو رہا ہے اور خرگوش اپنی معروف تیز رفتاری کے ساتھ سرگرم عمل ہے۔ آج ہماری اور تخریبی طاقتوں کی مثال یہی ہے۔ عالم اسلام کی تعمیری کوششیں اس کچھوے کی طرح ہیں جو سست رفتار بھی ہے اور جاگ بھی رہا ہے، آپ تخریبی اور تعمیری طاقتوں کا مقابلہ کر کے دیکھیں، ہر جگہ یہ کچھوے اور خرگوش کی کہانی آپ کو بالکل واقعہ نظر آئے گی۔

ہمارے معاشرے میں تخریبی طاقتیں جس طرح اخلاقی انارکی اور بغاوت پھیلا رہی ہیں، ان کے پاس وہ وسائل ہیں جو رات کو دن اور دن کو رات ثابت کر سکتے ہیں، نور کو ظلمت اور ظلمت کو نور بنا سکتے ہیں۔ ادھر ان تعمیری کوششوں کا، ان تعمیری اداروں کا حال یہ ہے کہ وہ وسائل سے بھی محروم ہیں، ان کے پاس قوت تنقید بھی نہیں اور کشش اور لبھانے والی طاقتیں بھی نہیں ہیں۔

اس وقت اسلامی معاشرہ کا مسئلہ بہت اہم ہو گیا ہے اور یہ خام خیالی جو لوگوں کے ذہنوں میں بیٹھ گئی ہے کہ افراد کا معاملہ اتنا اہم نہیں، اصل معاملہ مجموعہ کا اور اجتماعیت کا، یہ دور ہے اجتماعیت کی تقدیس کا، اجتماعیت کا اتنا پروپیگنڈا کیا گیا ہے، فلسفہ سیاست، اجتماعیات اور عمرانیات کے ذریعہ جو ایک مستقل فن بن گیا ہے، افراد کی اہمیت نگاہوں سے بالکل اوجھل ہو گئی ہے، بلکہ ان کی نفی ہونے لگی ہے، لوگوں کے ذہن میں یہ بات ہے کہ افراد اپنی جگہ پر کیسے ہی ناقص اور فاسد ہوں، لیکن جب افراد ایک دوسرے سے مل جائیں گے، ان کے ملنے سے، ان کے اجتماع سے جو مجموعہ وجود میں آئے گا، وہ صالح ہوگا، یعنی تختے چاہے کتنے ہی خراب ہوں، گھن کھائے ہوئے ہوں، کرم خوردہ ہوں، لیکن جب کشتی بنائی جائے گی، جہاز بنایا جائے گا تو وہ جہاز اچانک ایک بڑے بیڑے میں تبدیل ہو جائے گا، اور ان تختوں کی علیحدہ علیحدہ جو خرابی ہے، وہ اس میں گم ہو جائے گی، اس کی ایک مثال یہ دی جا سکتی ہے کہ رہزن جب تک علیحدہ علیحدہ ہو وہ رہزن ہیں، لیکن اگر رہزن یونین بنا لیں تو وہ پاسبان بن جاتے ہیں، چور اگر اپنا کوئی اتحاد قائم کر لیں، وفاق قائم کر لیں تو وہ چوکیدار کی حیثیت اختیار کر لیتے ہیں لیکن اگر الگ الگ ہیں تو چور ہیں، رہزن ہیں، یہ منطق میری سمجھ میں نہیں آئی کہ ایک رہزن، رہزن

ہے، دو رہزن، رہزن ہیں، لیکن سو رہزن آپس میں مل کر پاسبان کیسے بن جاتے ہیں۔ یہی رہزنی جب ایک فردِ واحد میں ہے تو مضر ہے، لیکن ترقی کر کے سو درجے تک پہنچے تو اب کیسے مضر نہیں رہے گی، اگر وہ ایک نمبر کی مضر تھی تو اب سو نمبر کی مضر ہونی چاہئے۔ دنیا کی سیاسی، اقتصادی، اجتماعی تنظیمات سب کا حال یہی ہے۔ یورپ، امریکہ اور روس کی حکومتوں کو دیکھئے، اسی کے ساتھ مشرقی حکومتوں کو بھی دیکھئے کہ وہ فاسق الخیال، فاسد المقصد، جن کے مقاصد تخریبی، جن کی زندگی فاسد، جن کے اخلاق خراب، جن کے افکار و خیالات فاسد، ان سبھوں نے ایک اجتماعی نظام بنالیا ہے اور وہ اجتماعی نظام قوموں کی قسمتوں کا فیصلہ کر رہا ہے۔

اسلام کے ترکش کا قیمتی تیر:

یہاں پر اس وقت خدا نے ایک موقع میسر فرمایا ہے اور یہاں لوگوں کے ذہن میں خدا کی طرف سے یہ بات آئی ہے کہ اس ملک میں معاشرہ کی ایک نئی تشکیل ہونی چاہئے اور اس ملک میں شریعت کا نفاذ ہونا چاہئے اور بالاتری اور اقتدار اعلیٰ شریعت اسلامی کے ہاتھ میں ہونا چاہئے۔ یہ بہت مبارک بات ہے، محض اللہ کا فضل ہے اور میں سمجھتا ہوں کہ یہ محض اتفاق واقعہ نہیں ہے، میں اتفاق کی منطق کا قائل نہیں، جو کچھ ہوتا ہے تقدیر الٰہی اور قضا و قدر کے فیصلہ پر ہوتا ہے، یہ ملک جس بلند مقام اور بلند نسبت پر قائم ہوا تھا اللہ تعالیٰ نے اسی نسبت کا لحاظ فرمایا اور اس کی عنایت و رحمت کی نظر ہوئی، اس لئے میں اس موقع کو غنیمت بلکہ نعمت سمجھتا ہوں اور اس سے فائدہ اٹھانے کی تلقین کرتا ہوں۔ میں آپ حضرات کو یہ بھی آگاہی دینا چاہتا ہوں کہ جب تک ترکش کا کوئی تیر آزمایا نہ جائے اس تیر کے متعلق اس قسم کا حسن ظن قائم کیا جا سکتا ہے، اس سے ڈرایا بھی جا سکتا ہے اور اس سے امید بھی قائم کی جا سکتی ہے، لیکن جب کوئی ترکش سے باہر آ جائے، وہ استعمال ہو جائے، پھر اس کے بعد صرف حقیقت رہ جاتی ہے، تجربہ رہ جاتا ہے اور کچھ نہیں رہ جاتا۔ اسلام کے ترکش کا یہ تیر بڑا قیمتی ہے، میں شریعت کا نفاذ اسے نہیں سمجھتا کہ چند حدود جاری ہو جائیں، شریعت کا نفاذ بہت وسیع لفظ ہے اور اس کا بڑا وسیع مفہوم ہے، اس لئے میں کسی ملک کے متعلق شہادت دینے کے لئے تیار نہیں ہوں جبکہ اس کے پورے حالات مقاصد کا اور نیتوں کا علم نہ ہو جائے، لیکن بہر حال دنیا میں ایک چیز ایسی تھی جس کے متعلق کہا جا سکتا تھا کہ اگر وہ تیر ترکش سے نکلا تو پھر دنیا میں خیر و برکت کا دروازہ کھل جائے گا، جب تک

وہ تیر ترکش سے باہر نہیں آیا تھا، اس کے آنے کی امیدیں پیدا نہیں ہوئی تھیں، اس وقت تک دنیا کی زبانیں خاموش، قلم بھی خاموش، ہمارے لئے عذر کے موقع بھی بہت تھے کہ کیا کیا جائے، شریعت کا نفاذ ہی پوری طرح نہیں ہو رہا ہے، اسلامی معاشرہ ہی درست نہیں ہو رہا ہے، اس سے کیسے اچھی امید کی جا سکتی ہے؟ لیکن جب وہ تیر باہر آ جائے، پھر اس کے بعد کیا عذر ہو سکتا ہے، یہ تیر ایک ہی بار استعمال ہوتا ہے۔ یہ میں آپ سے عرض کر دوں کہ تاریخ کے تجربے، تاریخ کے مطالعہ کی روشنی میں کہ یہ تیر بار بار استعمال نہیں ہوا کرتا، یہ ایسا تیر نہیں جو بار بار آزمایا جائے، پھیر جا کر اٹھا لائیں، پھر ترکش میں رکھ لیں کہ ہم بوقت ضرورت استعمال کرتے رہیں گے، یہ تیر ایک مرتبہ کمان سے نکلا پھر واپس نہیں آیا، یہ بہت ہی نازک وقت ہے، میں ایک ایسے منتخب مجمع کے سامنے جس میں ایک ملک کے چیف جسٹس موجود ہیں اور متعدد مرکزی وزراء موجود ہیں، علماء کرام بھی موجود ہیں، میں آپ سے پوری معذرت کے ساتھ یہ عرض کر رہا ہوں کہ صرف پاکستان کی تاریخ میں نہیں بلکہ تاریخ اسلامی میں ایک نازک مرحلہ آ گیا ہے، ایسے مواقع پر آدمی اپنی سانس روک لیتا ہے۔

تجربے کامیاب بھی ہوتے ہیں، ناکام بھی ہوتے ہیں۔ ہماری انسانی زندگی ساری کامیاب اور ناکام تجربوں کا مجموعہ ہے، انسان ٹھوکر کھاتا ہے، پھر سنبھلتا ہے، گرتا ہے، پھر اٹھتا ہے۔ قوموں کی کشتیاں بھی ڈوبیں اور نکلیں اور یہ خدا کا قانون ہے۔ **یولج اللیل فی النہار ویولج النہار فی اللیل ویخرج الحی من المیت ویخرج المیت من الحی** اور **قل اللّٰھم مالک الملک** میں جو حقیقت بیان کی گئی ہے **یقلّب اللہ اللیل والنہار** یہ الٹ پھیر ہوتے رہتے ہیں، کسی تجربہ کا ناکام ہونا اتنا مضر نہیں ہے جتنا آئندہ تجربوں کے دروازوں کا بند ہونا مضر ہے۔

میں آپ سے کہتا ہوں جو مبارک کام آپ کرنے جا رہے ہیں، اس ملک و معاشرہ کے اندر اتنی صلاحیت ہونی چاہئے کہ وہ اس کو قبول کرے، استقبال کرے اور پھر اس کو برداشت کر سکے، ہضم کر سکے، اگر آپ کسی کمزور معدہ میں کوئی لطیف ترین غذا بھی ڈال دیں اور وہ معدہ اس کو واپس کر دے، اس کو قبول نہ کرے تو اس کا کوئی فائدہ نہ ہوگا، اصلاح معاشرہ کا کام بڑے وسیع پیمانے پر شروع ہونا چاہئے، مسجدوں کے منبروں سے، درسگاہوں سے، اخبار کے کالموں

سے، ٹیلیویژن اور ریڈیو سے اور سیاسی مقررین کی تقریروں میں بھی ان کو نظر انداز نہیں ہونا چاہئے۔ قدم قدم پر اگر رشوت ہے، قدم قدم پر مالی ترغیبات ہیں، قدم قدم پر سنگدلی ہے اور اپنے ساتھیوں اور ایک محلّہ کے رہنے والوں، شہر کے بسنے والوں سے اگر بے حسی ہے، ان کی مدد کرنے کا کوئی جذبہ نہیں ہے، ہمارے کارکنوں میں، دفتر کے کارکنوں میں اور ہمارے مختلف عہدوں اور محاذوں پر کام کرنے والوں میں تو پھر بہت بڑا خطرہ ہے۔

اسپین سے مسلمانوں کے اخراج کے اسباب:

اسپین سے مسلمانوں کے اخراج کا سب سے بڑا سبب معلوم ہوا کہ جہاں ان سے اور بہت سی غلطیاں ہوئیں وہیں ان میں اشاعت اسلامی کی کوشش نہ کرنا بھی شامل ہے۔ وہ شمال کی طرف نہیں بڑھے بلکہ جنوب کی طرف ہٹتے چلے گئے۔ انہوں نے وہاں کی عیسائی آبادی کو اپنے سے مانوس نہیں کیا، اسلام کا پیغام نہیں پہنچایا۔ وہ قلب یورپ میں نہیں گھسے اور اپنے ماحول کو درست نہیں کیا، وہ فن تعمیر اور اپنے تہذیبی اثاثہ کو وسیع کرنے میں مشغول ہو گئے۔ فنون لطیفہ اور شاعری اور موسیقی کی طرف ان کی بہت زیادہ توجہ منعطف ہو گئی، لیکن سب سے بڑی بد قسمتی کی بات ان کا داخلی انتشار تھا، وہ ربیعہ و مضر اور یمانی و حجازی قبائل کا اختلاف تھا۔

لسانی عصبیت، صوبائی عصبیت، نسلی عصبیت اور تہذیبی عصبیت سخت خطرناک بیماریاں ہیں۔ قرآن مجید میں ہمیں یہ ہدایت کی گئی:

لایسخر قوم من قوم عسی ان یکونوا خیرا منهم ولا نسآء من نسآء عسیٰ ان یکون خیرا منهن، ولا تلمزوآ انفسکم ولا تنابزوا بالالقاب .

کوئی قوم کسی قوم سے تمسخر نہ کرے، ممکن ہے کہ وہ لوگ ان سے بہتر ہوں، اور نہ عورتیں عورتوں سے، ممکن ہے کہ وہ ان سے اچھی ہوں اور اپنے کو عیب نہ لگاؤ اور نہ ایک دوسرے کا برا نام رکھو۔

یہ مشورہ افراد ہی کے لئے نہیں ہے، یہ ملتوں کے لئے بھی مشورہ ہے، یہ وہ چیزیں ہیں جنہوں نے قوموں اور ملکوں کے چراغ گل کر دیئے ہیں۔ میں نے اپنے دوستوں سے جو ہندوستان سے پاکستان آنے والے تھے یہی کہا کہ آپ جا رہے ہیں تو اپنے اپنے دلوں سے یہ احساس برتری نکال دیجئے کہ آپ اہل زبان ہیں، آپ کی اپنی تہذیب ہے، اگر آپ

خلاف تہذیب کام کریں تو وہ بھی دوسروں کی تہذیب سے بڑھ کر تہذیب ہوگی، ان سب چیزوں کو ذہن سے نکال دیجئے، آپ وہاں جا کر پرانے رہنے والوں کے ساتھ شیر و شکر ہو جائیے۔

پاکستان اس وقت دنیا کے نقشہ پر اثر انداز ہو سکتا ہے اور اس وقت کوئی اہم کردار ادا کر سکتا ہے جب ایسا صحیح الترکیب معجون ہو ان عناصر کا جو باہر سے آئے ہیں یا یہاں کے رہنے والے ہیں، ان کو کوئی کسی سے امتیاز نہ کرے۔ یہ سب وہ خطرات ہیں جو اسپین میں تھے، وہاں قبائلی عصبیت نے گل کھلائے اور اپنا اثر دکھایا، اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ عیسائیت وہ جو خطرہ تلوار کی طرح ان کے سر پر لٹک رہا تھا وہ اس کو بھول گئے، وہ آپس میں ایک دوسرے کا تفوق ظاہر کرنے یا زیادہ سے زیادہ حکومت سے لینے یا اپنے قبیلے کے مفاد کی حفاظت میں لگ گئے، آج پاکستان میں اس کی کوئی گنجائش نہیں ہے، اس سے زیادہ موزوں مجمع اس سے زیادہ موقر مجلس کوئی نہیں ہو سکتی جس میں اپنے اس اندیشے کا اظہار کر دوں کہ آپ کی اصلاح کی مہم ان عصبیتوں کو ختم کر دے اور ان عصبیتوں کو ختم کرنے کی صورت یہ نہیں ہے کہ ان عصبیتوں کی تردید کی جائے۔ ہم اپنے طرز عمل سے اور اسلامی اتحاد اور عدل و مساوات سے جس کا ذکر کیا ہے چیمہ صاحب نے، اس کے قانون و مساوات پر عمل کر کے ہم ان عصبیتوں کو بالکل فنا کر دیں، کم سے کم پاکستان کی حد تک ہمارے سامنے صرف اسلام کا مسئلہ رہے۔

میں سمجھتا ہوں کہ اس وقت دنیا میں دو ہی محاذ ہیں، ایک محاذ ہے الحاد و کفر کا اور ایک محاذ ہے اسلام کا، اور اس میں ذرا سی بھی چوک ہوئی تو میں قرآن مجید کے وہی الفاظ دہراؤں جو مدینہ میں قائم ہونے والے چھوٹے سے اسلامی معاشرے کو مخاطب کر کے کہے گئے تھے، مدینہ طیبہ میں جو معاشرہ بن رہا ہے وہ نہ صرف یہ کہ مہاجرین و انصار سے مرکب تھا بلکہ خود انصار کے دو قبیلے اوس و خزرج سے مرکب تھا اور مہاجرین اور انصار کے درمیان اتنی شکر رنجیاں اور اتنی تلخیاں، انتقامی جذبات، اتنی رنگین تاریخ، خون آلود تاریخ نہیں ہوگی جتنی اوس و خزرج کے درمیان، اوس خزرج تقریباً چالیس برس لڑ چکے تھے اور اب بھی ان کی آنکھوں میں خون بھرا ہوا تھا اور ذرا سے ایک شعر پڑھ دینے میں ان کے جذبات مشتعل ہو جاتے تھے۔ ایسا ہوا ہے کہ اوس و خزرج بیٹھے ہوئے ہیں اور کسی شاطر یہودی نے کسی کو بھیجا اور کہا کہ فلاں قصیدہ پڑھو

اور اس نے پڑھنا شروع کیا اور قریب تھا کہ تلواریں نیام سے نکل آئیں اور آنکھوں سے معلوم ہوتا تھا کہ خون ٹپکنے لگا کہ اچانک رسول اللہ ﷺ پہنچ گئے اور آپ نے ان کو اسلامی وحدت اور اسلامی اخوت کی طرف متوجہ فرمایا اور وہ آگ ٹھنڈی ہوئی۔ وہ معاشرہ جو اتنا چھوٹا سا تھا، ساری دنیا ایک طرف، ساری طاقتیں ایک طرف، بازنطینی اور ساسانی سلطنتیں ایک طرف تھیں، اس کے بعد کی سلطنتیں ہندوستان وغیرہ کو چھوڑ یئے اور ان کے مقابلہ میں چند ہزار آدمیوں کا ایک مجموعہ، ایک یونٹ، ایک وحدت تیار ہو رہی تھی، یہ وحدت بڑی طاقتوں کا کیا مقابلہ کر سکے گی، لیکن اس کو بھی آگاہی دی گئی کہ اگر تم نے اپنی وحدت کو مستحکم نہ کیا، اپنی اخوت کو مستحکم نہ کیا، الا تفعلوہ تکن فتنة فی الارض وفساد کبیر اگر تم نے اس میں کوتاہی کی تو اس کوتاہی کی سزا دنیا میں یہ ملے گی کہ زمین میں فتنہ عظیم وفساد کبیر برپا ہوگا۔ اب آپ خیال کیجئے کیا یہ لوگ ایسے تھے کہ جو انسانی قسمت پر ایسے اثر انداز ہو سکیں؟ لیکن انسانیت کی آس ان ہی لوگوں سے قائم تھی، انسانیت کا جوہر، انسانیت کی اصلاح کا جو بھی سرمایہ تھا صرف یہی لوگ تھے، اسی لئے کہا گیا تم اگر ذرا سی غلطی کرو گے اور تمہاری وحدت واخوت میں ذرا بھی رخنہ پڑا تو صرف یہی نہیں کہ تم فنا ہو جاؤ گے بلکہ تکن فتنة فی الارض و فساد کبیر دنیا میں فتنہ عظیم اور فساد کبیر برپا ہوگا۔ آپ سے کہتا ہوں کہ پاکستان میں اگر خدانخواستہ ان عصبیتوں نے سر اٹھایا جن کا ہر وقت خطرہ رہتا ہے، جن کو Exploit کیا جاتا ہے، جن سے ہر وقت لوگ کام لیتے ہیں تو پھر کوئی طاقت پاکستان کو بچا نہیں سکتی۔ نفاذ شریعت کا تجربہ اگر خدانخواستہ ناکام ہوا تو پھر دنیا کے کسی گوشے میں کوئی خدا کا بندہ اس کا نام نہیں لے سکتا کہ شریعت کا نفاذ کیا جائے۔

میں پورے وثوق کے ساتھ کہہ سکتا ہوں کہ مغرب اور پوری غیر اسلامی دنیا اس وقت ان ملکوں کی طرف دیکھ رہی ہے جہاں شریعت کے نفاذ کی آواز بلند ہو رہی ہے، یہ تجربہ اگر ناکام ہوتا ہے تو پھر میدان صاف ہے، اس لئے میں صرف یہ عرض کرنا چاہتا ہوں کہ یہ بڑا نازک مرحلہ ہے اور اس مرحلہ پر آپ کو پوری توانائیاں، پوری ذہنی صلاحیتیں، اپنی قوت ارادی، ایثار و قربانی کا جذبہ، تعاون واشتراک عمل، اختلاف کو پس پشت ڈال دینے کی ہمت اس پر مرکوز کر دینی ہے۔ آپ کو جماعتوں سے بالاتر ہو کر بلندتر ہو کر پاکستان کے مفاد اور اس سے بھی بالاتر ہو کر اسلام کے مفاد کو دیکھنا ہے، اگر آپ نے یہ شرائط پوری کر دیں تو تاریخ کا ایک نیا صفحہ

پلٹے گا اور ایک نئے دور کا آغاز ہوگا، جب ایک ایسا معاشرہ قائم ہو جائے گا تو آپ دیکھیں گے کہ دنیا بھر کے سیاح ہی نہیں بلکہ دنیا بھر کے شاہد اور مبصر آپ کے ملک میں آئیں گے تاکہ اس کو اپنی آنکھوں سے دیکھیں اور ساری دنیا میں بیان کر سکیں اور بتائیں کہ ہم نے ایک ایسا معاشرہ دیکھا ہے جہاں گناہ ناپید ہے، جہاں ہر فرد ایک دوسرے کے ساتھ ہمدردی کرتا ہے جو ایک معیاری اور مثالی معاشرہ ہے، جہاں قلب کو سکون حاصل ہوتا ہے اور روح کو اطمینان نصیب ہوتا ہے اور جہاں پہنچ کر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ جنت میں آ گئے ہیں، اس لئے میں صرف اس طرف آپ کی توجہ مبذول کرانا چاہتا ہوں کہ یہ ہتھیلی پر سرسوں جمانے کا کام نہیں ہے کہ ایک رات میں سب کچھ ہو جائے۔ کاش ایسا ہو جاتا، آپ اس کے لئے وہ سب تیار کریں اور وہ سب قربانیاں دیں جو ایک ایسی نعمت کے لئے دینا چاہئے جس پر انحصار ہے اسلام کی آئندہ ترقی کا اور آپ کے ملک کی قسمت کا۔

میں ان الفاظ کے ساتھ شکر گزار ہوں ان حضرات کا جنھوں نے مجھے ایسا زرین مواقع فراہم فرمایا اور آپ کا کہ آپ نے یہاں تشریف لا کر میری عزت بڑھائی۔

ملت کے تشخص کو بچائیے

الحمد لله رب العالمین والصلاه والسلام علی سیدالمرسلین وخاتم النبین محمد وآله وصحبه اجمعین اما بعد !

حضرات! ہندوستان میں ملت کے تشخص (IDENTITY) کو بچانے کی ذمہ داری آپ کی ہے، جیسے فرد کی ذمہ داری یہ ہے کہ وہ اس مٹ جانے والے مٹی کے جسم، بچائے، بالکل اسی طرح اس پیغام کو جو انسانیت کے لئے روح کا درجہ رکھتا ہے، بچانے کی ذمہ داری ملت کی ہے، ملت کو ملت کہلانے کے استحقاق کو بچانے اور امت کو اللہ تعالیٰ کی نصرت کا حقدار بنانے کی ذمہ داری آپ کی ہے، آپ اس ملک میں مسلمانوں کے تشخص کو بچانے اور اس کی آئندہ نسل کو مسلمان رکھنے کی ذمہ داری قبول کریں، اور اس کے لئے وہ قربانیاں دیں جو مطلوب ہیں، فرد ایک ہے اور ایک فرد کی حیثیت سے قربانی دینا ہے، لیکن ملت کی تعداد ہندوستان میں کم سے کم دس کروڑ بتائی جاتی ہے، تو اس کی قربانیوں، کوششوں جانفشانیوں، اس کے قوت مقابلہ اور اس کے انتظامات کی مقدار بھی اسی سطح کی ہونی چاہئے۔

ملی تشخص کی حفاظت آئینی طریقہ پر کریں:

اس کے ساتھ یہ بھی آپ نظر انداز نہ کیجئے کہ آپ ایسے ملک میں ہیں، جس میں اکثریت غیر مسلموں کی ہے، وہ جمہوری ملک ہے، اور وہاں قانون ساز مجلسیں قانون بناتی ہیں، جب یہ ملک جمہوری ہے تو پارلیمنٹ ہی قانون بنائے گی، اور جمہوریت کا یہ قاعدہ ہے کہ اکثریت کی رائے اور تائید سے قانون بنتا ہے، اس لئے ہر وقت اس کا خطرہ ہے کہ ایسے قوانین بنیں جو ہمارے بنیادی عقائد، مسلمات، ہمارے جذبات اور ہماری ضرورتوں کے خلاف (بد نیتی سے کم اور ناواقفیت سے زیادہ) بنیں، یہ بھی فراموش نہیں کرنا چاہئے کہ مذہبی، تہذیبی اور لسانی بنیادوں پر جارحانہ احیائیت (AGGRESSIVE REVIVALISM) اور کلیت پسندی۔ (TOTALITARANISM) کی تحریکیں بھی زور شور سے چل رہی ہیں، اب آپ کا

کام یہ ہے کہ ایسے سیکولر اور جمہوری ملک میں اپنے ملی تشخص کی حفاظت آئینی طریقہ پر کریں، آپ ہندوستان کے وفادار، مفید، کارآمد اور اس کے ضروری جزء ہونے کی حیثیت سے اپنی افادیت واہمیت ثابت کریں، اور مطالبہ کریں کہ کوئی قانون ہماری شریعت، آسمانی کتاب اور ہمارے عقائد کے خلاف نہیں بننا چاہئے۔ آپ اسی کے ساتھ یہ بھی ثابت کریں کہ خلاف شریعت قانون بننے سے آپ کو اس سے زیادہ اذیت ہوتی ہے، اور آپ کا ملی وجود اس سے زیادہ خطرہ میں پڑ جاتا ہے جتنا کھانا روکنے سے۔ کوئی جمہوری حکومت کسی اقلیت اور کسی فرقہ کی غذائی ضرورتوں کو نہیں روک سکتی، اور کوئی حکومت چاہے کتنی ہی طاقتور ہو، یہ قانون نہیں بنا سکتی کہ فلاں فرقہ کو غلہ کی فراہمی روک دی جائے، یا بازار میں اس کو دکان کھولنے کی اجازت نہ دی جائے یا اس کے بچوں پر تعلیم اور تعلیم گاہوں کے دروازے بند کردیئے جائیں، ایسا اگر ہونے لگے تو آپ قیامت برپا کرسکتے ہیں، آپ ثابت کردیں کہ اس قانون اور اس نئے نظامِ تعلیم سے آپ کو گھٹن ہورہی ہے، جیسے مچھلی کو پانی سے نکال کر باہر رکھنے سے اس کا دم گھٹتا ہے، آپ کے چہروں کے اتار چڑھاؤ، حرکات وسکنات سے معلوم ہوجائے کہ آپ کی صحت اور توانائی اور کارکردگی پر اثر پڑا ہے، اور یہ محسوس کرلیا جائے کہ یہ ایک مغموم قوم کے افراد ہیں، اس نئے قانون سے ان کا دم گھٹ رہا ہے اور یہ ان کی آئندہ نسل کے قتل کے مترادف ہے، یہ کام آپ کو خلوص کے ساتھ عملی طور پر ایسی کیفیات کے ساتھ کرنا ہوگا کہ ہر شخص اسٹیشنوں، پارکوں اور بسوں میں آپ کی بے چینی کو محسوس کرے، اگر آدھا نہیں تو کم از کم اس کا چوتھائی حصہ ثابت کرنا ہوگا، میں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ ایک ہفتہ بھی ایسا قانون نہیں چل سکتا، میں نے دنیا کے آئینوں اور دستورِ حکومت کا مطالعہ کیا ہے، اور جمہوریتوں کی تاریخ پڑھی ہے، اس لئے میں یہ بات کہہ رہا ہوں۔

تشدد سے اجتناب:

لیکن یہ سب کام مرصع اور سیاسی الفاظ کے ساتھ نہیں ہوگا۔ اس کے لئے جذباتی، حسی، اور جسمانی طور پر اپنے کرب کا اظہار کرنا پڑے گا۔ آپ کو بتانا ہوگا کہ ہم اس ملک میں ہیں اور ایسا نظامِ تعلیم رائج کیا جائے جس سے مسلمان بچے مسلمان نہ رہنے پائیں، اس کا صاف مطلب یہ ہے کہ آپ نے ہم کو زندگی کی حقیقی لذت وعزت سے محروم کردیا ہے۔

آپ کو ایک طرف آئینی طور پر کوشش کرنی ہوگی اور اس کے لئے جلسے، جلوس، تنظیمیں، انجمنیں، احتجاج اور وہ سب کچھ کرنا ہوگا جو دستوری وآئینی طریقہ پر کسی جمہوری ملک میں کسی چیز کو منوانے کے لئے کیا جاتا ہے، میں توڑ پھوڑ اور تشدد کو نہیں کہتا اور نہ میں اس کا قائل ہوں، میں تو برادران وطن کو ''تشدد'' سے روکنا چاہتا ہوں۔ پھر میں آپ کو اس کا مشورہ کیسے دوں گا، لیکن دستوری حدود میں رہتے ہوئے ایک جمہوری ملک میں جس طرح اپنی بے چینی کا اظہار کیا جا سکتا ہے، وہ کرنا چاہئے۔

اعتقادی ارتداد کا خطرہ:

دوسری طرف آپ کو ہر وقت چوکنا رہنا ہوگا، آپ کو اخبارات پڑھنے ہوں گے، اور وہ کتابیں پڑھنی ہوں گی جو دینی تعلیم کونسل نے اس موضوع پر تیار کر دی ہیں، اور جن سے کوئی چیز ڈھکی چھپی نہیں رہی، ان سے آپ کو معلوم ہوگا کہ اس وقت کونسا قانون بن رہا ہے، جس سے آپ کی آئندہ نسل خطرات میں گھر گئی ہے؟ اگر حالات کا یہی رخ رہا اور یہی لیل ونہار رہے تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ ذہنی وتہذیبی ہی نہیں، اعتقادی ارتداد کا خطرہ ہے، اور آپ کو معلوم ہے کہ اسلام کی لغت میں کوئی لفظ اتنا رونگٹے کھڑے کرنے والا اور وحشت ناک نہیں جتنا کہ ''ارتداد'' کا لفظ ہے، حد یہ ہے کہ کفر بھی مسلمان کے اندر اتنی کپکپی نہیں پیدا کرتا جتنا کہ ارتداد کا لفظ، حدیث میں آتا ہے کہ تین باتیں وہ ہیں کہ اگر آدمی ان کو جمع کرے تو اس نے ایمان کی صفات کو جمع کر لیا ان میں سے ایک یہ ہے کہ:

من یکره ان یعود الی الکفر کمایکره ان یقذف فی النار

(اس تصور سے کہ میں کفر کی طرف لوٹ جاؤں گا اسے ایسی وحشت ہو جیسے اس کو آگ میں ڈالے جانے پر وحشت ہوتی ہے)۔

اگر اس طرح حالات باقی رہے، جارحانہ احیاء پرستی اسی طرح بڑھتی اور ترقی کرتی رہی تو اس ملک میں ''ارتداد'' کا خطرہ ہے، یہ آسانی سے کہنے والی بات نہیں تھی، لیکن دل پر پتھر رکھ کر میں نے کہہ دی۔

وسیع پیمانے پر مکاتب قائم کریں:

دوسرا راستہ یہ ہے کہ مکاتب کا جال بچھا دیا جائے، ہر مکتب خود کفیل ہو، باہر کے چندوں پر بالکل نظر نہ ہو، یہ کام ملت کے لحاظ سے آپ پر فرض ہے، تاریخ کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ جن ملتوں نے اپنا فریضہ ادا نہیں کیا وہ صفحۂ ہستی سے مٹ گئیں، ترجمان حقیقت اقبال نے صحیح کہا ہے:

فطرت افراد سے اغماض بھی کر لیتی ہے
کبھی کرتی نہیں ملت کے گناہوں کو معاف

ہمیں یقین ہے کہ یہ ملک اسپین نہیں بنے گا، جو اس کا خواب دیکھ رہا ہے وہ ہوش میں آئے، لیکن ہمیں اور آپ کو یہ محسوس کرنا چاہئے کہ اسپین سے کم درجہ کے ممالک چین، روس اور بلغاریہ ہیں، جہاں کروڑوں کی تعداد میں مسلمان آباد ہیں، ان کی مسجدیں ہیں، وہاں انہیں نماز پڑھنے کی اجازت ہے، لیکن دینی تعلیم دینے اور مذہب اسلامی تہذیب پر آزادی کے ساتھ عمل کرنے کی اجازت نہیں، اور نہ اسلامی دعوت کی اجازت ہے۔ اسپین تو آخری درجہ ہے۔ اقبال کے بقول صدیوں سے اس کی فضا بے اذان اور اس کی زمین بے سجود ہے، آپ کو یہ کوشش کرنی ہے کہ یہ ملک بھی روس اور چین اور بلغاریہ کی طرح نہ بن جائے، میرا یقین ہے کہ اگر آپ اپنے اندروں کرب و بے چینی کا اظہار کریں گے تو دوسرے بھی متاثر ہوں گے اور ہزاروں کی تعداد میں آپ کو ایسے ہم نوا اور ہمدرد مل جائیں گے، جو آپ کو اس احتجاج میں حق بجانب قرار دیں گے اور اس کو سچی جمہوریت اور آزادی کا تقاضہ سمجھیں گے، اس کے ساتھ آپ کا فرض ہوگا کہ وسیع پیمانہ پر مکاتب قائم کریں، میں قرآن وحدیث کے ایک طالب علم کی حیثیت سے یہ کہتا ہوں کہ کسی ضلع کے لئے یہ جائز نہیں کہ وہاں دنیا کے سارے کام ہوتے ہوں، شادیاں دھوم دھام سے ہوتی ہوں، باراتیں نکلتی ہوں، اور لاکھوں کے جہیز دیئے جاتے ہوں، رسمیں ہوتی ہوں، حکام کی خوشامدیں ہوتی ہوں اور انتخاب میں حصہ لیا جاتا ہو اور وہ ضلع تین آرگنائزر نہیں رکھ سکتا۔ اگر آپ سے قیامت کے دن اللہ تعالیٰ یہ سوال کرے تو آپ کے پاس کیا جواب ہوگا آپ اس کا کوئی جواب نہیں دے سکتے کہ لاکھوں کی آمدنی والے شہروں میں مسلمان دینی تعلیم کے لئے کوئی انتظام محض پیسہ کی بنا پر نہیں کر سکے، آج آپ اس جلسہ سے

فیصلہ کر کے جائیں کہ اس کام میں کوتاہی نہ ہونے دیں گے، اگر آپ نے یہ فیصلہ کر لیا کہ اپنی اخراجات میں سے دینی مکاتب کے لئے بھی حصہ رکھیں گے، تو یہ ایک تاریخ ساز فیصلہ ہوگا، آپ یہ طے کر لیں گے کہ ہر جگہ مکاتب کا جال بچھا دیا جائے گا، دفاتر قائم کئے جائیں گے، تعلیمی معائنہ کا سلسلہ ٹوٹنے نہیں پائے گا، آپ امکانی حد تک اس مقصد کے لئے تمام مادی وسائل اختیار کریں گے، تو پھر اللہ تعالیٰ کی مدد ہوگی اور یزدکم قوۃ الی قوتکم (تمہاری قوت میں اللہ تعالیٰ قوت کا اضافہ فرمادے گا) ظہور ہوگا، لیکن شرط یہ ہے کہ پہلے آپ اپنی کوشش کر گذریں۔

ملت کا فرض اور اسلامی نظام حیات:

امت کے تشخص کی حفاظت کی ذمہ داری خود ملت کا فرض ہے۔ قرآن مجید نے صرف فرد کو مخاطب کر کے نہیں فرمایا۔ ہر ''فرد'' اور ہر ''ملت'' کے لئے قانون خداوندی یہی ہے۔

وان لیس للانسان الا ماسعی O وان سعیه سوف یری O ثم یجزاہ الجزآء الاوفیٰ O

انسان کو وہی ملتا ہے جس کی وہ کوشش کرتا ہے، اور یہ کہ اس کی کوشش دیکھی جائے گی۔ پھر اس کو اس کا پورا پورا بدلہ دیا جائے گا۔

اللہ تعالیٰ نے اپنی سی کوشش کرنے اور امکانی سعی کو کام میں لانے والے کو بشارت بھی دی ہے کہ نہ صرف اس کی سعی کا نتیجہ نکلے گا بلکہ اس کی سعی مقبول ہوگی، اور اللہ تعالیٰ اس میں اپنی طرف سے برکت اور اضافہ فرمائے گا۔ ثم یجزاہ الجزاء الاوفی

حضرات! بحیثیت اس مذہب کے متبع اور داعی کے ہم پر اور ہر مسلمان پر یہ فرض ہے کہ ملک کی تعلیمی تبدیلیوں کا بغور جائزہ لیتے رہیں، اور ہر وقت ان پر نظر رکھیں اور یہ دیکھتے رہیں کہ ان کا اثر ہمارے مذہب، ہماری نسلوں کے دل و دماغ اور ان کے دینی و اخلاقی مستقبل پر کیا پڑے گا، میں یہ صاف کہہ دینا چاہتا ہوں کہ ہمارا مذہب بہت سے دوسرے مذاہب کے برخلاف بہت جلد متاثر ہوتا ہے اور بہت زیادہ متاثر کرتا ہے، اور اس کا نتیجہ ہے کہ وہ ایک زندہ اور ذی شعور مذہب ہے، زندہ ہستی متاثر بھی ہوتی ہے اور موثر بھی جو وجود زندگی کھو چکا ہوتا ہے، یا زندگی کے میدان سے کنارہ کش ہو جاتا ہے، وہ نہ متاثر ہوتا ہے اور نہ موثر، ہم اپنے مذہب

کے لئے یہ پوزیشن قبول کرنے کے لئے تیار نہیں کہ دنیا چاہے جتنی ہی بدل جائے، زندگی کے چاہے جتنے ہی نقشے بنیں، نئی نسلوں کو ڈھالنے کے لئے کیسے ہی سانچے تیار ہوں، ہمارے مذہب پر کوئی اثر نہیں پڑتا، ہم بدستور مذہبی فرائض ادا کرتے رہیں گے اور انسان اور خدا کا رشتہ اسی طرح قائم رہے گا، ہمارا مذہب ایک پورا نظام حیات ہے، وہ زندگی کے ہر شعبہ کے لئے متعین ہدایات اور احکام دیتا ہے، اس لئے ہمیں ہر ملک اور ہر دور میں چوکنا رہنا چاہئے اور یہ دیکھتے رہنا چاہئے کہ کیا ہمیں اپنے ذہنی، اخلاقی اور روحانی نشوونما کے لئے مناسب فضا اور سازگار ماحول میسر ہے یا نہیں اور ہماری آئندہ نسلیں صحیح معنوں میں مسلمان رہ سکیں گی یا نہیں؟

اسلام مکمل دین اور مستقل تہذیب ہے:

پھر یہ بھی یاد رکھئے کہ اسلام صرف چند رسوم اور تقریبات کا نام نہیں، چند عبادات تک بھی مخصوص نہیں بلکہ یہ مکمل زندگی گزارنے کا طریقہ اور کامل دین ہے، ایک مختصر جملہ میں ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ یہ مستقل تہذیب ہے، بعض لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ اسلام کا کوئی مخصوص طرز زندگی اور اس کی کوئی مستقل تہذیب نہیں، لہذا دوسری قومیں اور دوسرے ممالک کے لوگ اسلام قبول کریں تو اسلامی عقائد کو لے لینا ہی کافی ہے، تہذیبی اقدار کو لینے اور اختیار کرنے کی ضرورت نہیں۔

میں بڑی صراحت کے ساتھ یہ واضح کر دینا چاہتا ہوں کہ یہ غیر اسلامی طرز فکر ہے، اسلام کا اصرار ہے کہ عقائد و اعمال کے ساتھ اس کا مخصوص طرز زندگی بھی اپنایا جائے، قرآن و سنت سے منصوص طریقہ سے معلوم ہوتا ہے کہ اسلام ایک خاص طرح کی زندگی اور خاص طرح کی وراثت تک متعین ضوابط و احکام ہیں، اور اسلام کا مطالبہ ہے کہ انہیں کے مطابق زندگی گذاری جائے، اس کی خلاف ورزی نہ ہو، نبی کریم ﷺ نے بڑی باتوں سے لے کر انتہائی معمولی اور چھوٹی چھوٹی باتوں تک کی تعلیم دی اور صحابہ کرامؓ نے انہیں سیکھا اور برتا۔

حضرات! اس غلط و ناقص نصاب تعلیم کی اصلاح کا مطالبہ اور اس کے لئے ہر طرح کی جد و جہد ہمارا آئینی حق اور وطنی و قومی فرض ہے، اگر ہم اس کو جرأت اور استقامت کے ساتھ انجام دیں گے تو ہم اس ملک کے ساتھ حقیقی وفاداری اور صحیح حب الوطنی کا ثبوت بھی دیں گے،

اس نصاب اور اس کے غلط اندیش وکوتاہ نظر مرتبین نے ہندوستان کی سب سے بڑی اقلیت کو جو صلاحیتوں سے معمور ہے، ایک ذہنی انتشار واضطراب میں مبتلا کردیا ہے، جو اس ملک کی قومی یک جہتی اور جذباتی ہم آہنگی کے لئے سخت مضر اور ہندوستان کی مجموعی ترقی وخوشحالی میں حارج ہے۔ اس لئے اس کی اصلاح اور نقص کا ازالہ وہ سب سے بڑی خدمت ہے، جو کوئی ہندوستانی انجام دے سکتا ہے، البتہ مذہبی طور پر یہ آپ کا فریضہ ہے اور اس میں کوتاہی یا اس سے روگردانی، مذہبی گناہ اور اسلام سے دشمنی ہے۔

لیکن اس کام کو جاری رکھتے ہوئے آپ کو وہ کام بھی کرنا ہے جس میں کسی حکومت کے کسی اقدام یا کارروائی کے انتظار کی ضرورت نہیں، آپ کو اپنی نسل کے دینی تحفظ اور اسلام سے اس کے ربط وتعلق کا انتظام کرنا ہے، اور یہ ذمہ داری، غذا، لباس، دوا علاج، تعلیم اور معاش سے بدرجہا زیادہ ضروری ہے، آپ کو ہر حال میں اپنے بچوں کی اس ضروری دینی تعلیم وتربیت کا انتظام کرنا ہے، جس کے بغیر وہ مسلمان نہیں رہ سکتے، یہی آیت قرآنی:

یاایھا الذین امنوا قوا انفسکم واھلیکم نارا O

مومنو! اپنے آپ کو اور اپنے اہل وعیال کو آتش (جہنم) سے بچاؤ۔

کا مفہوم اور تفسیر، اور یہی حدیث کلکم راع و کلکم مسئول عن رعیتہ (تم میں سے ہر ایک صاحب اختیار ہے، اور اس سے اس کے ماتحتوں اور یہ حلقہ اثر کے بارے میں سوال ہوگا۔) کے حکم کی تعمیل ہے، اس کے لئے آزاد مکاتب، صباحی وشبینہ مدارس، دینی مجالس، گھر کی تلقین ونگرانی، ماحول کی اصلاح، صحیح اور مفید کتابوں کی اشاعت اور ایسے بہت سے ذرائع ہوسکتے ہیں، خصوصا مدارس ومکاتب کا قیام اس وقت اتنا ضروری ہوگیا ہے کہ میں نہیں سمجھتا کہ اس وقت نئی نسل کی اسلامیت کے بقاء وتحفظ کے لئے کوئی اور تدابیر اتنی موثر ہوسکتی ہے، اس سب کے لئے آپ کے قومی فیصلہ اور اجتماعی عزم کی ضرورت ہے۔

انسانیت کی تقدیر میں تغیر وتبدل:

اس دنیا میں اللہ تعالیٰ کی طاقت کے بعد (جو اصل طاقت ہے) دنیاوی لحاظ سے سب سے بڑی طاقت جو زندگی کے پہیئے کو رواں دواں رکھے ہوئے ہے، جو مختلف وقتوں میں دنیا میں تبدیلیاں لاتی رہتی ہے، پہاڑوں کو اپنی جگہ سے کھسکا دیتی ہے، دریاؤں کے رخ موڑ دیتی

ہے، سلطنتوں کے چراغ گل کردیتی ہے، ایسے اوقات کو جن کا تصور بھی مشکل ہوتا ہے، وجود میں لے آتی ہے، وہ انسانی فیصلہ ہے، اس فیصلہ نے بارہا افراد کی، اور خاندانوں کی نہیں، قوموں کی اور انسانیت کی تقدیر بدل دی ہے، اللہ تعالیٰ نے انسان کو اس کا موقع دیا ہے کہ وہ اپنی صلاحیت کا اظہار اور زندگی کا استحقاق ثابت کرکے باآبرو زندگی کے گذارنے کی مہلت لے لے، اور اس کے برعکس اپنی نااہلی، کفرانِ نعمت اور ظلم وفساد کا مظاہرہ کرکے زندگی کے حق اور اللہ کی نعمتوں سے محرومی کا فیصلہ کرالے، اسی کا نام ہے تقدیر کا بدل جانا۔

ان اللہ لایغیر مابقوم حتیٰ یغیروا ما بانفسھم.

اللہ تعالیٰ کسی قوم کی حالت میں تغیر نہیں کرتا جب تک وہ لوگ خود اپنی حالت کو نہیں بدل دیتے۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ وہ کسی قوم کو دی ہوئی نعمت اس وقت تک نہیں چھینتا، اور اس کی تقدیر نہیں بدلتا جب تک کہ وہ خود اپنے حالات میں تبدیلی پیدا کرکے اور ناشکری کرکے نعمت خداوندی سے محرومی اور عزت کے بعد ذلت کا فیصلہ نہ کرائے۔

وہ شاہِ کلید جس سے ہر قفل کھل سکتا ہے:

حضرات! مسائل ومشکلات کی نہ تعداد مقرر ہے، نہ اقسام معین ہیں لیکن ایک ''شاہ کلید'' ہوتی ہے، جو سارے قفلوں کو کھول سکتی ہے، اور ساری رکاوٹوں کو دور کرسکتی ہے، اس کے لئے زمان ومکان کی بھی قید نہیں، اور اسباب ووسائل کی بھی شرط نہیں، وہ شاہ کلید جس سے ہر قفل کھل سکتا ہے، وہ ہے ملی عزیمت، اور اجتماعی فیصلہ، اگر اس ملک کے مسلمان یہ فیصلہ کرلیں کہ ان کو اپنی آئندہ نسلوں کے مستقبل کا تحفظ اور ان کی تعلیم کے مسئلہ کا حل ہر مسئلہ، ہر مفاد، ہر سہولت، ہر عزت، ہر خوش حالی اور ہر کامیابی سے زیادہ عزیز ہے، تو یہ مسئلہ ایک دن میں حل ہوسکتا ہے، اس کے لئے ان کو ہر وہ قربانی دینی ہوگی جس کی اس جمہوری ملک کے اندر اور دستور کے ماتحت گنجائش ہے، اور جو اس ملک کے حقیقت پسندوں پر، اور دنیا کے دوسرے ممالک پر ثابت کردے کہ مسلمان کو اپنا دین وایمان، اور اپنی اولاد کا اسلام پر قائم رہنا ہر چیز سے زیادہ عزیز ہے، یہ کام بغیر کسی تخریب، کسی جارحانہ اقدام، کسی معاندانہ ذہنیت، کسی حریفانہ کشمکش، کسی شرپسندی اور انتشار کے بغیر ہوسکتا، لیکن اس کے لئے ذاتی مفادات، ذاتی جذبات اور ذاتی

وابستگیوں کی قربانی کی ضرورت ہوگی، اس قربانی کے بغیر کسی چھوٹی سی چھوٹی قوم کا کوئی ادنی سے ادنی شعار، اس کی کوئی چھوٹی سی چھوٹی نشانی اور حقیر سے حقیر مفاد بھی محفوظ نہیں رہتا۔

(ایک ملت کا مستقبل اور اس کی شہ رگ، اس کی ورید حیات کیسے محفوظ رہ سکتی ہے، اس کا صرف ایک ہی حل ہے، اور وہ ہے ملی عزیمت اور احتجاجی فیصلہ اور میں اسی کو درد کی آخری دوا سمجھتا ہوں) اور اقبال کے لفظ میں اپنی گذارش کو ختم کرتا ہوں۔

خودی سے مرد خود آگاہ کا جمال و جلال
کہ یہ کتاب ہے باقی تمام تفسیریں
حکیم میری نواؤں کا راز کیا جانے
ورائے عقل ہیں اہل جنوں کی تدبیریں

صحیح اسلامی اقدار کی ذمہ داری اور اس کے برکات

یہ تقریر ۲۷ مئی ۱۹۸۴ء کو اس عظیم جلسہ میں کی گئی جس کا انتظام فاران کلب کی جانب سے کراچی کے مشہور میٹروپول ہوٹل میں کیا گیا تھا اور جس میں اعلیٰ عہدیدار، شہر کے معززین اور اعلیٰ تعلیم یافتہ حضرات کثیر تعداد میں موجود تھے

نحمده ونصلى علىٰ رسوله الكريم اما بعد فاعوذبالله من الشيطان الرجيم. بسم الله الرحمن الرحيم. الذين ان مكنهم فى الارض اقاموا الصلوٰة واتوالزكوٰة وامروا بالمعروف ونهوا عن المنكر ولله عاقبة الامور O

یہ وہ لوگ ہیں کہ اگر ہم ان کو ملک میں دسترس دیں تو نماز قائم کریں اور زکوٰۃ ادا کریں اور نیک کام کرنے کا حکم دیں اور سب کاموں کا انجام خدا ہی کے اختیار میں ہے۔

حضرات میں اپنے معزز داعیوں اور اس سوسائٹی کا شکر گزار ہوں کہ انہوں نے مجھے ایک ایسے منتخب مجمع سے خطاب کرنے کا موقع دیا اور عزت افزائی کی۔

حضرات! چھٹی ساتویں صدی مسیح کی تاریخ آپ کے سامنے ہے۔ جس میں ظہور اسلام اور بعثت محمدی کا تاریخ ساز، عہد آفریں، انقلاب انگیز، زلزلہ خیز واقعہ پیش آیا اور میں سمجھتا ہوں کہ کسی زبان میں اس کی عظمت کی گہرائی و گیرائی ادا کرنے کے لئے الفاظ نہیں ہیں۔ آپ میں سے جو لوگ اس وقت کی تاریخ سے کچھ بھی واقفیت رکھتے ہیں اور جنہوں نے بعثت کی معاصر دنیا اور اس کے قبل کے عہد (جس کو جاہلیت کے بلیغ و عمیق لفظ سے تعبیر کیا جاتا ہے) کی تاریخ پڑھی ہے وہ جانتے ہیں کہ غالباً کوئی ملک بھی ایسا نہیں تھا جہاں خدا شناس، خدا ترس، انسانیت دوست اور ایک حد تک پاکباز انسان نہ پائے جاتے ہوں، لیکن ان کا حیات انسانی اور ذہن انسانی پر کوئی اثر نہیں پڑ رہا تھا، اس لئے کہ افراد کا اثر زیادہ تر افراد پر پڑتا ہے، تمدنوں اور مختلف طبقات انسانی پر یہ افراد اثر انداز نہیں ہو سکتے، اگر اس زمانہ کی مفصل روداد (ریکارڈ) ہمارے سامنے ہوتی تو ہمیں معلوم ہوتا کہ جن صالحین، جن دانشوروں یا جن فلاسفہ و معلمین اخلاق کے حالات ہم تاریخ میں

پڑھتے ہیں، بعض اوقات ان کے خاندان پر بھی ان کا اثر نہیں ہوتا۔ ان کے خاندان والے قریبی رشتہ دار بھی تاویل کر لیا کرتے تھے کہ اگر یہ نیک نہ بنیں گے تو کیا بنیں گے؟ ان کے وسائل قلیل، ان کی خواہشات محدود، ان کی عمر ایک خاص مرحلہ پر پہنچ چکی ہے، دنیا اس سے بے نیاز ہے۔ وہ ان سے پوچھ کر نہیں چلتی، اس لئے یہ اپنے گوشہ عافیت میں بیٹھے ہوئے ہیں۔ اپنے خیالات میں مگن ہیں۔ انسانی ذہن میں غور کرنے اور تہہ تک پہنچنے کی اللہ نے جو فطری صلاحیت رکھی ہے وہ اس وقت تک بیدار نہیں ہوتی جب تک کہ اس کے سامنے کوئی حقیقت بڑی وسیع، عمیق اور طاقتور شکل میں نہ آئے اور اس کو سوچنے پر مجبور نہ کر دے۔ یہ نوع انسانی کی بدقسمتی ہے کہ افراد کا دائرہ اثر سمٹتے سمٹتے اس صفحہ حیات پر ایک نقطہ بن کر رہ گیا تھا۔ ایک چھوٹا سا نقطہ جو بعض اوقات خوردبین کے بغیر نہیں دیکھا جا سکتا تھا۔ زندگی کا چکر جس طرح چل رہا تھا، چلتا رہا، زندگی کا پہیہ جس طرح گھوم رہا تھا، گھومتا رہا۔ جو لوگ حاوی تھے ان کا اقتدار اسی طرح قائم تھا۔ کوئی چیز ایسی نہیں تھی جو ان کو جھنجھوڑ کر رکھ دے اور اندر سے ان کے ضمیر کو پکڑ لے اور ہلا دے اور کہے کہ اس کا جواب دینا ہوگا۔ اس کی توجیہ کرنی ہوگی کہ یہ کیا ہوا، یہ کیا ہو رہا ہے؟ یہ بات جب ہوتی ہے جب کسی امت کی سطح پر، کسی عالمگیر دعوت کی سطح پر، اور ایک ایسے ماحول کی سطح پر جس میں طبقات انسانی کی پوری نمائندگی ہو، اس میں ہر طبقہ کے لوگ ہوں، ہر پیشہ کے لوگ ہوں، ہر سطح کے لوگ ہوں، ایک نیا معاشرہ وجود میں آتا ہے اور وہ ایک نئی زندگی کا تجربہ پیش کرتا ہے، تب دنیا غور کرنے پر مجبور ہوتی ہے کہ یہ کیا ہو رہا ہے؟ اس مقصد کے لئے ایک امت سامنے لائی گئی۔ قرآن کے لفظ بتاتے ہیں کہ اس امت کی حیثیت کسی دعوت کے آہستگی سے قابو کر لینے اور اس پر بیٹھ کر عمل کر لینے والوں کی نہیں تھی۔ یہ امت اللہ کے فیصلہ کے مطابق دنیا کے منظر عام (عالمی اسٹیج) پر لائی گئی جو معاذ اللہ ایکٹر کی (اداکار و ممثل) کی حیثیت سے نہیں، فیکٹر یعنی ایک طاقتور تاریخی عامل کی حیثیت سے کام کرنے والی تھی۔

یہ وہ واقعہ تھا جس نے دنیا کی تاریخ نہیں دنیا کی تقدیر بدل دی، ایک نئی امت مبعوث کی گئی، جس نے ساری دنیا کو متوجہ کیا کہ یہ کیا ہو رہا ہے۔ ایک کے متعلق تاویل کی جا سکتی ہے، دو کے متعلق، چار کے متعلق، پچاس کے متعلق، یہ لاکھوں انسان چند اصولوں اور چند عقائد کے قائل ہوئے تو اپنی سابقہ زندگی کو بالکل بھول کر اور اس کو ترک کر کے انہوں نے زندگی کا ایک

نمونہ جس سے دنیا ناآشنا ہو چکی تھی دنیا کے سامنے پیش کیا۔ اب حکمرانی اللہ کی ہے، اب حکمرانی شریعت اسلامی، شریعت محمدی کی ہے۔ اب حکمرانی انسانیت کی خیر خواہی کی ہے اب حکمرانی آخرت کے یقین کی ہے، اب حکمرانی ایثار و قربانی کی ہے، اب حکمرانی زہد و اخلاص کی ہے۔ اب حکمرانی خواہشات کی نہیں ہے، اب حکمرانی ایک بالاتر طاقت کی غلامی کی (اساس پر قائم) ہے۔ وہ ''تکبیر مسلسل'' جو وسعت افلاک میں گونجی تھی، اب دکانوں میں بھی اس کا نغمہ سنا جانے لگا اور مکانوں میں بھی۔ وہ عبادت گاہوں تک محدود نہیں ہے۔ بازاروں کی مشغول کر دینے والی فضاؤں بلکہ میدان جنگ تک کے رستخیز میں بھی سنی جاتی ہے۔ وہاں بھی یہ امت جو نماز کی پابند ہے، صلوٰۃ الخوف پڑھتی ہے۔ وہاں بھی اپنے اللہ کو نہیں بھولتی۔ ان کے خلفاء و حکمراں وہ ہیں کہ روم و ایران کے صدیوں سے جمع ہونے والے خزانے ان کے قدموں کے نیچے ہیں، لیکن کیا مجال جو اپنی ذات پر کچھ خرچ کر لیں۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے ان کی اہلیہ محترمہ کہتی ہیں کہ بچوں کا بہت دنوں سے منہ میٹھا نہیں ہوا، منہ کا مزا خراب ہے۔ آپ جب خلیفہ نہیں تھے اور آزاد پیشہ (تجارت) کرتے تھے تو ہم مختلف قسم کی چیزیں پکاتے اور کھاتے تھے۔ اور جب سے آپ نے خلافت کی ذمہ داری سنبھالی ہے اور روزینہ مقرر کر دیا ہے ہمارا پورا گھر تنوع اور مختلف مزوں سے محروم ہے۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ ''مسلمانوں کا بیت المال اس لئے نہیں کہ ابوبکر کے گھرانے کا منہ میٹھا کرے۔'' اہلیہ صاحبہ نے کہا کہ ''اچھا اگر خود ہم اپنی خوش انتظامی اور کفایت شعاری سے اس روزینہ میں سے کچھ بچا کر آپ کو دے دیں تو آپ اس سے وہ سامان لا سکتے ہیں جس سے میٹھا تیار ہو سکے؟'' انہوں کہا۔ ''اس میں کیا حرج ہے؟ یہ تو تمہاری سلیقہ مندی کی بات ہے۔'' زوجہ محترمہ نے ایک ایک دو دو درہم جمع کرنے شروع کیئے۔ اس سے کم میں انہوں نے گھر کا انتظام کر لیا، اس کے بعد انہوں نے کہا۔ ''لیجئے یہ آپ کے بیت المال سے نہیں آیا ہے، جو کچھ ہم کو ملتا ہے اسی سے ہم نے بچایا ہے۔'' انہوں نے ان کی تعریف کی اور پیسے لے لئے اور بیت المال کے ذمہ دار کو بلایا اور کہا کہ ''تجربہ نے ثابت کر دیا کہ ابوبکر کے گھرانے کا گزارا اس سے کم پیسے میں بھی ہو سکتا ہے۔ اس لئے یہ تو بیت المال میں جمع کر لو اور آئندہ اتنا کم کر کے بھیجا کرو۔''

حضرت عمر بن عبدالعزیز ایک رات سرکاری کام کر رہے تھے۔ شمع جل رہی تھی اور وہ

کاغذات کھولے ہوئے اپنے کام میں منہمک تھی کہ ایک دم سے ان کے دوست آ گئے۔ السلام علیکم، وعلیکم السلام۔ عمر بن عبدالعزیزؒ نے ان سے اس ملک کا حال پوچھا، جہاں سے وہ آئے تھے۔ یہ بھی خلافت کا کام تھا اور خلیفہ کا فرض ہے کہ وہ تمام ممالک محروسہ کے حالات سے واقف ہو۔ شمع جلتی رہی۔ اتنے میں انہوں نے کہا کہ "کتنے بچے خیریت سے ہیں؟ گھر میں سب آرام ہے؟ کوئی بیمار تو نہیں؟" حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے فوراً شمع بجھا دی۔ دوست نے کہا۔ "یہ کیا کیا؟" عمر بن عبدالعزیزؒ نے جواب دیا کہ "مسلمانوں کے بیت المال کی شمع اس لئے نہیں ہے کہ عمرؒ کے گھر کے لوگوں کی خیریت پوچھی جائے۔ ایک ایک آدمی کا نام لے کر اس کا حال پوچھا جائے۔ اس کے لئے بیت المال کا تیل نہیں ہے، اب جب میں سرکاری کام کروں گا جب جلاؤں گا، اگر میرے گھر کی باتیں آپ کو کرنی ہیں تو میں گھر کی شمع منگواتا ہوں۔" یہ دو مثالیں آپ کے سامنے دی ہیں ورنہ خلافت راشدہ اور عہد اول کی تاریخ میں درجنوں مثالیں ہیں۔

یہ چیز دنیا کے بادشاہوں کو بھی معلوم تھی، قیصر وکسریٰ کو بھی معلوم تھی، قیصر نے اپنی فوج کے کمانڈر سے پوچھا کہ "میں فوج پر فوج بھیجتا ہوں، کمک پر کمک بھیجتا ہوں، آزمودہ کار جنرل جنہوں نے کل ایران کو شکست دی تھی اور اس کے قلب تک پہنچ گئے تھے، ان کو بھی مامور کرتا ہوں، لیکن ہر فوج شکست کھا کر آتی ہے۔ مجھے بتاؤ کہ یہ آدمی ہیں یا جن؟ یہ کون لوگ ہیں؟" کمانڈر نے کہا کہ "سرکار! اگر آپ ناراض نہ ہوں تو میں صاف صاف بتاؤں؟" قیصر نے کہا "ضرور بے تکلف کہو!" اس نے کہا کہ "ان کی حالت یہ ہے کہ رات وہ راہب معلوم ہوتے ہیں (اس لئے کہ ان کے یہاں اصطلاح یہی تھی) رات کو تو وہ عبادت گزار نظر آتے ہیں اور دن کو شہسوار۔ رات کو دیکھئے تو معلوم ہوتا ہے کہ میدان جنگ سے ان کو کوئی واسطہ نہیں ہے۔ یہ بھی نہیں جانتے کہ تلوار کس طرح پکڑی جاتی ہے۔ دن میں ان کو گھوڑوں کی پیٹھ پر دیکھئے تو معلوم ہوتا ہے کہ اللہ کا نام بھی لینے کی ان کو فرصت نہ ہوگی۔ آپ رات کو مسجد چلے جائیں، ان کے قرآن پڑھنے کی دھن میں آپ کان پڑی آواز نہیں سن سکتے، ان کا حال یہ ہے کہ یہ اپنے مفتوحہ علاقہ کی کسی معمولی سے معمولی چیز کو بھی بغیر دام دیئے نہیں لے سکتے۔ اگر ان کے امیر کا لڑکا بھی چوری کرے تو اس کا ہاتھ کاٹے بغیر نہیں چھوڑتے۔" قیصر نے کہا "اگر تم نے ان کا حال صحیح صحیح بیان

گیا ہے تو میں جہاں بیٹھا ہوں یہاں تک ایک دن ان کی حکومت پہنچ کر رہے گی۔"

حضرات! میں نے جو آیت شروع میں پڑھی تھی اس میں یہی بتایا گیا ہے کہ **الذین ان مکناھم فی الارض** یہ وہ لوگ ہیں کہ اگر ہم ان کو زمین میں قابو دیں گے، ان کے قدم کہیں جمائیں گے، تو یہ نہیں ہوگا کہ یہ عیش وعشرت کریں گے، یہ تعمیرات میں ایک دوسرے سے آگے بڑھنے کی کوشش کریں گے۔ یہ بڑے سے بڑے سرمائے جمع کریں گے، ان کا تمدن ایک حسین گلدستہ بن جائے گا، ان کے شہروں میں حسن برستا نظر آئے گا، ہر شخص کے سر پر ہما کا پرندہ بیٹھا نظر آئے گا، یہ اعلی سے اعلی سواریوں پر بیٹھے نظر آئیں گے، ان کے دستر خوانوں پر انواع نعمت چنے ہوئے ہوں گے نہیں بلکہ فتوحات کی تاریخ، کشور کشائی کی تاریخ، جنگ آزمائی کی تاریخ اور انسانی حوصلہ اور عزم کے اظہار کی تاریخ کے تجربوں کے برخلاف ان کا حال یہ ہوگا کہ:

الذین ان مکنٰھم فی الارض اقاموا الصلوٰۃ واتوا الزکوٰۃ وامروا بالمعروف ونھوا عن المنکر وللہ عاقبۃ الامور O

یہ وہ لوگ ہیں کہ اگر ہم ان کو ملک میں دسترس دیں تو نماز قائم کریں اور زکوٰۃ ادا کریں او رنیک کام کرنے کا حکم دیں اور برے کاموں سے منع کریں اور سب کاموں کا انجام خدا ہی کے اختیار میں ہے۔

اگر ہم ان کو زمین میں تمکین واقتدار عطا کریں گے تو نماز کو برپا کریں گے۔ میں اس کا ترجمہ یہ نہیں کرتا کہ نماز پڑھیں گے۔ لفظ "صلوا" نہیں ہے بلکہ "اقاموالصلاۃ" ہے۔ یعنی نماز کو زندگی کا جزء اور اس کا لازمہ بنادیں گے، اس کا انتظام واہتمام کریں گے۔ اس کے لئے جس فضاء کے تیار کرنے کی ضرورت ہے، جتنے علم کی ضرورت ہے، جن جگہوں کی ضرورت ہے (جن کو مساجد کہتے ہیں) ان سب کا اہتمام کریں گے "اقاموالصلاۃ" "اقاموا" کے لفظ میں یہ سب چیزیں آجاتی ہیں۔ واتوالزکوٰۃ "زکوۃ کا فریضہ ادا کریں گے، زکوۃ کو عام کریں گے۔" وامروا بالمعروف ونہوا عن المنکر اور نیکی کا حکم کریں گے اور برائی سے روکیں گے۔

یہاں یہ بھی خیال رہے کہ اس آیت میں بعض دوسری آیتوں کی طرح "امروا" اور "نہوا" کے الفاظ استعمال کئے گئے ہیں جو نصیحت ودعوت، ترغیب وفہمائش کے الفاظ سے مختلف ہیں۔ امر ونہی (حکم وممانعت) کا منصوبہ ادا کرنے والے کے لئے اس کی کسی قدر طاقت و بالاتری

حاصل ہو اور وہ عزت واحترام کی نگاہ سے دیکھا جاتا ہو اور اس کی بات نہ ماننے کی صورت میں عقوبت ونقصان کا خوف ہو، اس لئے بھی ایسی جماعت یا امت کو جو اس فرض کو انجام دینے کے لئے پیدا کی گئی ہے، سیاسی اقتدار اور قوت کی ضرورت ہے۔ یہ تھا راز اس واقعہ کی جہانگیری اس واقعہ کی اعجاز نمائی اور اس واقعہ کی بوالعجبی کا جو بعثت نبوی اور امت عربیہ مسلمہ کے ظہور کی شکل میں چھٹی صدی میں پیش آیا۔ یہ وہ چیز تھی جس نے ساری دنیا کو غور کرنے پر مجبور کر دیا اور دنیا کی نگاہیں اسلام کی طرف متوجہ ہو گئیں۔

میں یہ عرض کرنا چاہتا ہوں کہ آج بھی دنیا کی سب سے بڑی ضرورت یہ ہے کہ ایک نمونہ حیات دنیا کے سامنے ہو، "حیاۃ" جس کا نام ہے اس کے اندر اضطراب ہے، اس کے اندر اہتزاز ہے، ارتعاش ہے، اس کے اندر جوش بھی ہے، جذبات بھی ہیں۔ اس میں تجارت بھی ہے، زراعت بھی، حاکم ومحکوم کی تقسیم بھی ہے، عالم وجاہل کا فرق بھی ہے، اس کے اندر بوڑھے بھی ہوتے ہیں، جوان بھی، بچے بھی، زندگی اپنی تمام بوقلمونیوں کے ساتھ، تمام تنوعات کے ساتھ ہوتی ہے۔ ایسا ملک جو اس زندگی کا نمونہ ہو اقوام وملل کی صف میں باعزت مقام حاصل کرسکتا ہے۔ اگر دنیا کی مدد کرنے کی ضرورت ہو، ذہنی طور پر، اخلاقی طور پر تو وہ اس کی بھی صلاحیت رکھتا ہو، وہ ایک آزادانہ، باعزت اور باوقار، طاقتور ملک ہو، ایک وسیع زندگی جس میں وہ سب کچھ ہو جو زندگی کے لوازم ہیں، لیکن وہ ایک صالح باضمیر معاشرہ ایک ایسا ماحول رکھتا ہو جس میں دولت ہی سب کچھ نہیں، اصل چیز اللہ کی رضا، آخرت کا نفع، اللہ اور اس کے رسول کے احکام پر عمل ہے۔ اس معاشرہ پر تمدن سوار نہ ہو، بلکہ اس معاشرہ نے تمدن کو اپنے زنو کے نیچے رکھا ہو، تمدن اس کا مرکب ہو، اس کا راکب نہ ہو، اس معاشرہ نے زندگی کی آسائشوں کے سامنے سپر نہ ڈالی ہو۔ اس نے زندگی کی آسائشوں کو اپنا تابع بنا رکھا ہوا، وہ کسی حد شرعی سے کسی وقت تجاوز نہ کرسکتا ہو۔ اس کے یہاں کوئی کسی پر ظلم نہیں کرسکتا۔ اس کے یہاں رشوت کا وجود ہی نہیں ہے۔ اس کے کسی جج کو کسی طاقت سے غلط فیصلہ پر آمادہ نہیں کیا جاسکتا۔ اس کے دفاتر میں کام کرنے والے کام چور نہیں ہیں، وہ دیر سے آنے والے نہیں ہیں، وہ ناحق اپنی تنخواہیں وصول کرنے والے نہیں ہیں، وہ اگر کسی کمزور سے کمزور پر ظلم ہو تو وہ طاقتور سے طاقتور آدمی بن جاتا ہے، اگر کوئی بڑے سے بڑا طاقتور ظلم کرے تو وہ کمزور سے کمزور انسان سمجھا جاتا ہے۔ جیسے حضرت ابوبکر صدیقؓ نے کہا کہ "تم میں سے بڑے سے بڑا قوی میرے نزدیک کمزور ہے۔ اگر

وہ ظلم کرے گا اور تم میں سے سب سے زیادہ کمزور طاقتور ہے اگر اس پر ظلم ہو۔"

یہ وہ آئیڈیل سوسائٹی اور ایسا صالح معاشرہ ہے جس کے لئے دنیا ترس رہی ہے، تڑپ رہی ہے۔ اس وقت اگر کوئی خدمت انسانیت کی ہو سکتی ہے تو یہی ہے کہ ایک آزاد طاقتور ملک کی سطح پر آپ اسلامی زندگی کا مظاہرہ کریں۔ یہ وہ چیز ہے جس کے اندر ہزاروں نہیں لاکھوں مقناطیسوں کی کشش ہے۔ جس کے اندر وہ دلربائی، وہ جاذبیت ہے جو امریکہ اور روس کو بھی سوچنے پر مجبور کر دے گی۔ ہماری آپ کی سب کی جگہ پیچھے کی صفوں میں ہے اور ہم سو چیزوں میں ان کے محتاج ہیں، لیکن اگر ہم ایسی زندگی کا نمونہ پیش کریں تو ان کی گردنیں احترام سے ہمارے سامنے جھک جائیں گی۔ وہ اپنے یہاں جرائم کا استیصال نہیں کر سکے، وہ شراب نہیں چھڑا سکے، وہ جوا نہیں چھڑا سکے، وہ ظلم کرنا نہیں بند کر سکے اور آپ کے یہاں یہ سب چیزیں ناپید ہیں۔ یہ وہ خدمت ہے جو پاکستان انجام دے سکتا ہے۔

حضرات! مجھے ایک آزاد باقتدار ملک میں جو کچھ خطرہ محسوس ہوتا ہے وہ نفسانیت سے ہے، جاہ طلبی سے ہے، حکومت اور حصول اقتدار کی اس چاٹ سے ہے جو قوموں کو چاٹ چکی ہے اور ان کو کھوکھلا بنا کر رکھ چکی ہے۔ مجھے جو کچھ خطرہ ہے وہ شخصی مفادات سے ہے۔ آپ جانتے ہیں اور اسلام کی تاریخ بتاتی ہے کہ ہر زمانہ میں اسلامی مملکت کو جو کچھ نقصان پہنچا وہ مفاد پرستوں سے پہنچا۔ آپ عباسی عہد کی تاریخ پڑھیں ابن العلقمی اور خواجہ نصیر الدین طوسی کا نام آپ کے سامنے آئے گا، جنہوں نے ہلاکو خان کو بغداد پر حملہ کی دعوت دی۔ آپ ہندوستان کی تاریخ پڑھیں گے تو جعفر و صادق کے نام سامنے آئیں گے، جن کے متعلق اقبال نے کہا ہے:

جعفر از بنگال و صادق از دکن
ننگ آدم، ننگ دین، ننگ وطن

مذہبی اختلافات کو ہوا دے کر، گروہی پروپیگنڈہ کر کے ملک میں اعتقادی یا سیاسی انتشار پیدا کر کے اور اپنا گرویدہ بنا کر جعفر و صادق اس زمانے میں بھی سامنے آ سکتے ہیں، اور جو کچھ اندیشہ ہے ان ہی جعفران بے ضمیر اور صادقان تدبیر سے ہے۔ دوسرا خطرہ وہ سیاسی انتشار ہے۔ جو ملک کے وسیع تر مفادات کو بھول جاتا ہے اور اپنی پارٹی کے مفادات کو سامنے رکھتا ہے۔ اسی طرح اگر اندیشہ ہے تو صوبائی تعصب اور لسانی تعصب سے ہے کہ زبان کا بھوت کسی صوبے پر سوار ہو جائے اور کسی صوبے کا بت بن جائے اور اس کے سامنے پوری قوم کو سجدہ ریز کرنے اور

پوری قوم کو اس کی قربان گاہ پر قربان کر دینے کا جذبہ پیدا ہو جائے۔ یہ حقیقی خطرات ہیں جو آپ کے ملک کو در پیش ہیں، آپ دنیا کو دکھائیے کہ افراد ہی نہیں، وہ لوگ ہی نہیں جو متروک الدنیا ہیں بلکہ وہ لوگ بھی جن کے پاس طاقت ہے، جن کے پاس وسائل ہیں، جن کے پاس اتنا بڑا وسیع ملک اور مملکت ہے وہ اسلام کی تعلیمات پر عمل کرتے ہیں اور اسلام کی تعلیمات پر اس بدلے ہوئے دور میں، اس عہد انقلاب میں بھی عمل ہو سکتا ہے۔ اسلامی قانون نافذ ہو سکتا ہے اور مملکت کے تمام شہری اس کو دل و جان سے قبول کر سکتے ہیں۔ اس کو کامیاب ثابت کر سکتے ہیں۔ (اسی طرح) علمی بحثیں مدرسوں میں ہونی چاہئیں، تصنیفات میں ہونی چاہئیں، ان کی بنیاد پر ملک کو انتشار اور خانہ جنگی میں مبتلا نہیں کرنا چاہئے۔ آپ اپنی توانائی ضائع نہ کریں۔ میں علماء سے کہوں گا کہ آپ کو یورپ و امریکہ دعوت اسلام کے لئے جانا چاہئے۔

تو ہما کا ہے شکار ابھی ابتداء ہے تیری
نہیں مصلحت سے خالی یہ جہان مرغ و ماہی

یہ نہ دیکھئے کہ سہرا کس جماعت کے سر بندھتا ہے اور کس جماعت کو کریڈٹ ملتا ہے۔ اس کی فکر کیجئے کہ سر سلامت رہے، اس پر عزت کا تاج کسی ہاتھ سے رکھا جائے، مفاد عامہ کو نظر انداز کر کے جماعتی سطح پر کام نہ کیجئے۔ رضائے الٰہی، حکمت دینی، وقت کے تقاضے اور دنیا کے ماحول کے پیش نظر خطرات کو سامنے رکھ کر اخلاص و ایثار سے کام کیجئے اور صرف اللہ تعالیٰ سے اجر کے طالب اور امیدوار، اور قوامين لله شهداء بالقسط (اللہ کے لئے کھڑے ہونے والے اور حق و انصاف کی گواہی دینے والے) بنئے، پھر دیکھئے کہ اللہ تعالیٰ کن انعامات سے سرفراز فرماتا ہے۔

وقل اعملوا فسيرى الله عملكم ورسوله والمؤمنون وستردون الى عالم الغيب والشهادة فينبئكم بما كنتم تعملون O

اور ان سے کہہ دو کہ عمل کئے جاؤ، اللہ اور اس کا رسول اور سب مومن تمہارے عملوں کو دیکھ لیں گے اور تم غائب و حاضر کے جاننے والے (اللہ واحد) کی طرف لوٹ جاؤ گے، پھر جو کچھ تم کرتے رہے ہو (سب) تم کو بتا دے گا۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

ملک وقوم کی سطح پر اسلامی معاشرہ کی ضرورت

یہ تقریر خطبہ جمعہ سے پہلے ۲۵ مئی ۱۹۸۴ء کو احاطہ جامعہ علوم اسلامیہ علامہ بنوری ٹاؤن کی جامع مسجد میں علماء، طلباء اور حاضرین جمعہ کے سامنے کی گئی تھی

نحمده ونصلي على رسوله الكريم . اما بعد فاعوذ بالله من الشيطان الرجيم. وكذلك جعلناكم امة وسطا لتكونوا شهداء على الناس ويكون الرسول عليكم شهيدا .

اور اسی طرح ہم نے تم کو امت معتدل بنایا ہے تا کہ تم لوگوں پر گواہ ہو۔

میرے بھائیو اور دوستو! آپ کو معلوم ہے کہ جب چھٹی صدی مسیحی میں آنحضرت ﷺ کی بعثت ہوئی۔ اس وقت دنیا سے ایمان وعقیدہ، اعمال حسنہ اور اللہ تعالیٰ کی عبادت یکسر وکلیۃً مفقود نہیں ہوئی تھی، کہیں کہیں اس کے آثار پائے جاتے تھے، ایسے افراد موجود تھے جو اپنی جگہ پر صحیح عقیدہ بھی رکھتے تھے اور عمل بھی کرتے تھے، خود اللہ تعالیٰ قرآن مجید میں یہودیوں کے متعلق فرماتا ہے:

ليسوا سواء من اهل الكتاب امة قائمة يتلون ايات الله اناء الليل وهم يسجدون ○ يؤمنون بالله واليوم الآخر ويأمرون بالمعروف وينهون عن المنكر ويسارعون فى الخيرات واولئك من الصالحين ○ (۲)

یہ بھی ایک جیسے نہیں ہیں ان اہل کتاب میں کچھ لوگ (اللہ کے حکم) قائم بھی ہیں جو رات کے وقت اللہ کی آیتیں پڑھتے ہیں اور (اس کے آگے) سجدے کرتے ہیں اور اللہ پر او رروز آخرت پر ایمان رکھتے اور اچھے کام کرنے کو کہتے ہیں اور بری باتوں سے منع کرتے اور نیکیوں پر لپکتے ہیں اور یہی لوگ نیکوکار ہیں۔

دنیا ایمان وعقیدہ، عمل صالح اور اللہ کی معرفت سے (ان کمزوریوں کے ساتھ جو امتداد زمانہ اور عہد نبوت سے بعد فاصلہ سے ان میں پیدا ہوگئی تھیں، بالکل خالی نہیں ہوگئی تھی۔

خواہشات نفس اور ماحول کے فساد سے جو خرابیاں پیدا ہوگئی تھیں، وہ پورے معاشرہ کی پوری زندگی پر حاوی ہوگئی تھیں اور جو فاسد وظالم نظام و ماحول قائم ہوگیا تھا اس کا اثر ضرور پڑا تھا، مگر اچھے لوگ موجود تھے، ان افراد کی مثال ایسی تھی جیسے برسات کی اندھیری رات میں جگنو چمکتا ہے، یہاں سے اڑ کر ادھر چلا گیا، ادھر سے اڑ کر ادھر آ گیا نہ مسافر کو اس سے راستہ مل سکتا ہے اور نہ کوئی اس کی روشنی میں اپنا کام کر سکتا ہے کہ کچھ سی پرو لے یا حشرات الارض کو پہچان لے۔ راستہ کے نشیب وفراز دیکھ لے اور ٹھوکر نہ کھائے۔ وہ روشنی ایسی نہیں ہوتی۔ جاہلیت کی شب ظلمت میں ان افراد کے نور ایمان کے جوان کے قلب کے اندر تھا، حقیقت اس سے زیادہ نہیں تھی جتنی برسات کی اندھیری رات میں کہیں کہیں جگنو کی چمک نظر آتی ہے، اس جگنو کی روشنی سے کوئی اپنا دیا جلا نہیں سکتا۔ اس وقت ان افراد کی حالت ایسی ہی تھی۔ وہ افراد نہیں کم تھے نہیں زیادہ تھے۔ نسل انسانی کی بدقسمتی یہ تھی کہ اچھے افراد نہیں تھے، افراد تھے، لیکن افراد اس صورتحال میں کوئی بڑی تبدیلی نہیں پیدا کر سکتے تھے، وہ افراد منتشر تھے، کمزور تھے، ان افراد کے اندر دعوت کا جذبہ نہیں تھا، حالات سے جو بے چینی ہونی چاہئے کہ آدمی کی روح سلگتی رہے، اور اس کا دل جلتا رہے، اس کی آنکھیں اشکبار ہیں اور اس کو کسی کل چین نہ آئے، ان افراد کی حالت یہ بھی نہیں تھی، وہ افراد یا تو اصلاح سے مایوس ہوگئے تھے اور اپنی خیر مناتے تھے کہ ہمارا ہی ایمان محفوظ رہ جائے، جیسا کہ حضرت سلمان فارسیؓ نے اپنی طلب ہدایت کی سرگزشت میں بیان کیا ہے، کہیں کسی کلیسا میں بیٹھا ہوا کوئی آدمی ملتا، کہیں کسی خانقاہ میں پناہ گزین کوئی اللہ کا نام لینے والا ملتا، لیکن دنیا جس روش پر جارہی تھی، اس روش کی تیزی کو کم کرنے کے لئے بھی (رخ تبدیل کرنا تو بہت بڑی چیز ہے یہ تو اولوالعزم پیغمبروں ہی کا کام ہے) یہ افراد کچھ موثر ومفید نہیں تھے، جس رفتار کے ساتھ دنیا ہلاکت کے خندق کی طرف جارہی تھی اس میں تھوڑا سا سکون پیدا کرنے اور بریک لگانے کی طاقت بھی کسی میں نہیں تھی۔

اس دنیا کی بدقسمتی یہ نہیں تھی کہ سرے سے کہیں اللہ کا نام لینے والا کوئی نہیں تھا، اللہ کے سامنے سر جھکانے والا کوئی نہیں تھا۔ ایسا نہیں تھا، دنیا کی بدقسمتی اور عالم انسانی کا سب سے بڑا یہ خلا تھا کہ صحیح اعتقاد اور اس اعتقاد کے مطابق عمل کرنے کا عزم وجذبہ، انسانی سیرت واخلاق کی بلندی اور عملی نمونہ قوموں کی سطح پر، ملکوں کی سطح پر اور عالمگیر دعوت کی سطح پر نہیں تھا، افراد تھے

مگر معاشرہ نہیں تھا، شہروں میں ایک دو گھر محفوظ تھے مگر پاکیزہ ماحول اور سوسائٹی نہیں تھی۔ اس وقت دنیا کی سب سے بڑی ضرورت یہ تھی کہ ایک پورا معاشرہ ایک مکمل اور وسیع ماحول قائم ہو۔ ایک صاحب اقتدار موثر قوم صحیح عقیدہ، صحیح عمل، صحیح اخلاق اور صحیح طرز زندگی کی داعی اور اس کا نمونہ بن کر دنیا کے سامنے آئے۔ اس دنیا کی یہی بدقسمتی تھی جس کی وجہ سے ہدایت کا کام چل نہیں رہا تھا، انسانیت معطل اور مفلوج ہو کر رہ گئی تھی، اس پر فالج کا ایسا حملہ ہوا تھا کہ جو لوگ غلط کو غلط سمجھتے تھے اور صحیح کو صحیح سمجھتے تھے وہ انسانیت کے مستقبل سے بالکل مایوس ہو گئے تھے اور کسی پہاڑ کی چوٹی پر یا کسی غار کی گہرائی میں اپنا ایمان اپنے سینے سے لگائے ہوئے اور اس چراغ ہدایت کو دامن کے نیچے لئے ہوئے کہ ہوا کا کوئی تیز جھونکا اس شمع کو بجھا نہ دے، جیسے اس نے قوموں کے چراغ بجھا دیئے ملکوں کے چراغ گل کر دیئے (وہ ڈرتے تھے کہ) ہمارے چراغ ہدایت کو بھی ہوا کا کوئی جھونکا گل نہ کر دے۔ فرشتوں کو تخلیق آدم پر بڑا اعتراض تھا، وہ کہتے تھے **"اتجعل فیہا من یفسد فیہا ویسفک الدماء"** (کیا تو زمین میں ایسے کو رکھنے والا ہے جو اس میں فساد برپا کرے گا اور خون بہانے کا) اس اعتراض کا جواب دینے اور انسان کی ضرورت اور افادیت ثابت کرنے کے لئے دنیا میں کوئی کوشش نہیں ہو رہی تھی۔

اس وقت اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ ﷺ کی بعثت فرمائی اور آپ کی بعثت کے ساتھ ایک اور بعثت فرمائی۔ بہت سے لوگوں کے لئے یہ تعبیر بھی شاید نئی ہو اور شاید کچھ الجھن پیدا کرنے والی ہو کہ رسول اللہ ﷺ کی بعثت ''بعثت مقرونہ'' تھی جیسا کہ حکیم الاسلام حضرت شاہ ولی اللہ صاحب دہلویؒ نے ''حجۃ اللہ البالغۃ'' میں لکھا ہے کہ بعثت کی دو قسمیں ہیں۔ ایک اکہری بعثت (بعثت واحدۃ) نبی کی بعثت، دوسری ''بعثت مقرونہ'' یعنی نبی کی بعثت کے ساتھ ایک امت کی بعثت، تو آپ کی بعثت کے ساتھ ایک پوری امت مبعوث کی گئی، اس لئے کہ دنیا کی گمراہی، دنیا کی خودکشی کرنے کا جذبہ اور اس کا عزم وفیصلہ اس حد تک پہنچ گیا تھا اور دنیا کا مستقبل خطرہ سے اتنا دوچار تھا کہ افراد کی سعی اس صورت حال میں کوئی تبدیلی نہیں پیدا کر سکتی تھی، اس کے لئے اللہ تبارک وتعالیٰ نے ایک طرف تو محمد رسول اللہ ﷺ کو مبعوث فرمایا، دوسری طرف ایک پوری امت کو مبعوث فرمایا، اس کے لئے قرآن مجید میں جو الفاظ آئے ہیں ان کی بعثت ہی سے تعبیر کی جا سکتی ہے، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

و کذلک جعلنا کم امۃ وسطا لتکونوا شہداء علی الناس

اور اسی طرح ہم نے تم کو امت معتدل بنایا تا کہ تم لوگوں پر گواہ بنو۔

کنتم خیر امۃ اخرجت للناس تامرون بالمعروف وتنہون عن المنکر وتؤمنون باللہO

مومنو! جتنی امتیں یعنی قومیں لوگوں میں پیدا ہوئیں تم ان سب سے بہتر ہو کہ نیک کام کرنے کو کہتے ہیں اور برے کاموں سے منع کرتے ہیں اور اللہ پر ایمان رکھتے ہیں۔

"اخرجت للناس" کا لفظ بتاتا ہے کہ یہ امت کوئی سبزہ خودرو نہیں تھی جیسے جنگل کی گھاس ہوتی ہے، یا جنگلی درخت ہوتے ہیں کہ اگ آئے لیکن بلکہ "اخرجت للناس" مجہول کا صیغہ استعمال کیا گیا اور اس کی نسبت اللہ تبارک وتعالیٰ کی طرف ہے۔ خروج اور اخراج میں فرق ہے۔ خروج اپنا ذاتی فعل ہے۔ انفرادی فعل ہے اخراج کسی دوسری طاقت بالا اور ہستی کا فعل ہے۔

چونکہ اللہ تبارک وتعالیٰ کو نبوت ورسالت کو رسول اللہ ﷺ پر ختم کرنا تھا اور قیامت تک کے لئے آپ کے دین کو قائم رکھنا تھا، اس لئے اللہ تعالیٰ نے انسانیت کی گاڑی کو چلانے کے لئے اور اس کے چلتے رہنے کے لئے یہ انتظام کیا۔ آپ ﷺ کے ساتھ ایک پوری امت کی بعثت فرمائی۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہ اس حقیقت کو جانتے تھے اور اپنے لئے اسی قسم کے الفاظ استعمال کرتے تھے۔ چنانچہ جب رستم نے حضرت ربعی ابن عامر سے پوچھا کہ "ماالذی جاء بکم؟" (تمہیں کونسی چیز یہاں لائی؟) تم اپنے صحراء سے نکل کر یہاں کیوں آئے، اس کا محرک کیا ہے؟ تو انہوں نے کہا "اللہ ابتعثنا" اللہ نے ہم کو بھیجا ہے، تا کہ ہم لوگوں کو بندوں کی بندگی سے نکال کر اللہ کی غلامی اور اللہ کی بندگی میں داخل کریں اور دنیا کی تنگی سے ان کو نکال کر کونین کی بے کراں وسعتوں سے آشنا کریں اور مذاہب کی ناانصافی سے نکال کر اسلام کے انصاف کے مزہ سے آشنا کرائیں۔ اسی لئے انہوں نے اس موقع پر بعثنا کا لفظ استعمال کیا۔

میں یہ عرض کرنا چاہتا ہوں کہ ہر دور میں دنیا کے لئے ضرورت رہی ہے کہ ایک مکمل معاشرہ، ایک ملت اور ایک عالمیہ دعوت کی سطح پر اسلامی زندگی پائی جائے۔ یہ کہنا کافی اور مفید نہیں کہ صاحب کتابوں کے اندر پورا اسلام موجود ہے، دیکھ لیجئے، پڑھ لیجئے، یا آپ کہیں کہ آپ کو معلوم کرنا ہو کہ اللہ شناسی کیا ہوتی ہے، اللہ کا خوف کیسا ہوتا ہے، اچھے اخلاق کیا ہوتے

ہیں، تو ہم آپ کو فلاں بزرگ سے ملا دیں گے۔ اس سے دنیا ہدایت نہیں پاتی اور دنیا میں کوئی انقلاب رونما نہیں ہوتا۔ دنیا اس وقت توجہ اور غور کرنے پر مجبور ہوتی ہے، جب پورے معاشرہ کی سطح پر، پورے تمدن کی سطح پر عالمگیر اسٹیج پر (جس پر تمام دنیا کی نگاہیں پڑتی ہیں) صحیح اور مکمل اسلامی زندگی کا نمونہ پیش کیا جائے اور قوموں اور ملکوں کی نگاہیں یہ اندازہ لگا سکیں کہ اسلام کا عقیدہ انسان کی زندگی میں یہ تبدیلی پیدا کر سکتا ہے۔ اللہ کے یہاں سے آئی ہوئی روشنی او رہدایت کا نور اس کی زندگی کو اس طرح چمکاتا اور سنوارتا ہے، شریعت کی تعلیمات کس طرح کا معاشرہ پیدا کرتی ہیں، کس طرح کے اخلاق پیدا کرتی ہیں، جب تک یہ نہ ہو اس وقت تک انسانیت کیا انسانیت کا کوئی چھوٹا سا کنبہ اور عالم انسانی کا ایک چھوٹا سا گوشہ بھی توجہ کرنے کے لئے تیار نہیں ہوتا۔

- آج بھی دنیا کی ضرورت یہ ہے کہ کسی ملک کا پورا معاشرہ اسلامی زندگی کی نمائندگی کر رہا ہو۔ اسلامی اخلاق کیسے ہوتے ہیں، مسلمان کس طرح اس پر یقین رکھتا ہے کہ **"الصدق ينجي، والكذب يهلك"** (۱) اس کے دل کی گہرائی میں یہ بات بیٹھ گئی ہے کہ صحیح کردار نجات دیتا ہے، کامیاب کرتا ہے اور غلط بیانی اور غلط طرز کی زندگی انسان کو ہلاک کرتی ہے، اس کو یقین ہو کہ **"العاقبة للمتقين"** "انجام متقین ہی کا ہوتا ہے۔ اس کو یقین ہو کہ **"قد افلح من زكاها وقد خاب من دساها"** (کامیاب ہوا جس نے نفس کا تزکیہ کیا اور نا کام ہوا جس نے اس کو خاک میں ملا دیا) اس کو یقین ہو **"وان الدار الاخرة لهي الحيوان"** (آخرت کی زندگی ہی حیات اصلی ہے) اس کو یقین ہو کہ نصرت اللہ کی طرف سے آتی ہے، اچھے اعمال میں تاثیر ہے، غلط اعمال کرنے سے ناکامی ہوتی ہے اور صحیح زندگی اختیار کرنے سے کامیابی ہوتی ہے۔ یہ حکومتوں کی سطح پر، ملکوں کی سطح پر، معاشروں کی سطح پر، سوسائٹی کی سطح پر ہو، اور منظر عام پر یہ حقیقت جلوہ گر ہو۔ آج ہم کسی ایک ملک کا نام نہیں لے سکتے کہ تم آنکھ بند کر کے اس میں چلے جاؤ۔ دیکھ لو کہ اسلام کیا ہوتا ہے، اسلامی اخلاق کیا ہوتے ہیں، مسلمان جھوٹ نہیں بولتا، مسلمان ناپ تول میں کمی نہیں کرتا، مسلمان دھوکہ نہیں دیتا، مسلمان زر کا پرستار نہیں ہے، مسلمان عاجل اور وقتی منافع کے لئے اجل اور دائمی منافع کو قربان نہیں کرتا۔ مسلمان

---

(۱) سچ نجات دلاتا ہے اور جھوٹ ہلاک کر دیتا ہے۔

اللہ کے علاوہ کسی سے نہیں ڈرتا، مسلمان ظلم کرنا نہیں جانتا، مسلمان نے دھوکہ دینے کا سبق نہیں پڑھا، مسلمان کو بڑی سے بڑی سیم وزر کی تھیلی اور بڑی سے بڑی پیشکش خرید نہیں سکتی، مسلمان اپنے ضمیر کا سودا نہیں کرتا، مسلمان جس بات کو حق سمجھتا ہے اس پر اپنا گھر لٹا سکتا ہے، سر کٹا سکتا ہے۔ اس پر اپنے خاندان کو خطرہ میں ڈال سکتا ہے، اپنے پیٹ پر پتھر باندھ سکتا ہے، فاقہ کرکے مر سکتا ہے، لیکن کفر وضلالت اور ظلم وستم کا راستہ نہیں اختیار کرسکتا۔ آج پوری دنیائے اسلام کی سب سے بڑی احتیاج، اس کا سب سے بڑا فاقہ، اس کا سب سے بڑا فقر، اس کی سب سے بڑی طلب، اس کی سب سے بڑی ضرورت یہ ہے کہ کوئی ایسا معاشرہ تیار ہو جائے، جس کی طرف انگلی اٹھا کر ہم پورے اعتماد کے ساتھ کہہ سکیں کہ اسلام کو دیکھنا ہو تو اس معاشرہ کو دیکھ لو۔

میرے پاکستانی دوستو اور بھائیو! آپ کا ملک اس امید پر بلکہ یہ کہنا صحیح ہوگا کہ اس دعویٰ پر اور اس دلیل پر قائم ہوا تھا کہ آپ دنیا کو اسلامی معاشرہ قائم کرکے دکھائیں گے۔ ملک کا حجم کچھ ہی اس کا رقبہ کچھ ہی، وزن اصل چیز ہے معاشرے تولے جاتے ہیں، معاشرے ناپے نہیں جاتے، افراد تولے جاتے ہیں، افراد گنے نہیں جاتے، اصل چیز حقیقت ہے، کردار ہے، سیرت ہے، امتیاز ہے، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: "**یاایھا الذین امنوا ان تتقوااللہ یجعل لکم فرقانا**" اے ایمان والو! اگر تم تقویٰ اختیار کروگے، صحیح اسلام پر عمل کروگے، احتیاط اور لحاظ تمہارا مزاج بن جائے گا، تو اللہ تعالیٰ تمہارے لئے ایک روشنی پیدا کردے گا۔ "**نورھم یسعی بین ایدیھم وبایمانھم**" (ان کی روشنی ان کے آگے آگے اور ان کے دائیں چلتی ہے) آخرت میں مومنین کی جو حالت ہوگی، اس دنیا کی امتوں میں ایک امت کی، ملتوں میں ایک ملت کی، معاشروں میں ایک معاشرہ کی، ملکوں میں ایک ملک کی یہی حیثیت ہوگی۔ "**یجعل لکم فرقانا**" جہاں مسلمان جائے گا، اس ملک کا جہاں نام آئے گا، احترام سے گردنیں جھک جائیں گی، اس کی فوجی طاقت پر کوئی جرح کرے، اس کی مالی طاقت پر، اس کی ترقی کے امکانات پر خواہ کوئی شبہ کرے، لیکن جب اس کا نام لیا جائے گا تو بڑے سے بڑے جباروں کی گردنیں احترام سے جھک جائیں گی۔

آج ہمارا سر شرم سے جھک جاتا ہے ہماری نگاہیں نیچی ہو جاتی ہیں، ہماری قوت گویائی جواب دے جاتی ہے، جب ہم سے کوئی پوچھتا ہے کہ سب صحیح، اسلام کی تعلیمات برحق، اور

اس نے زمانہ ماضی میں جو انقلاب برپا کیا اس کی کوئی مثال نہیں ملتی۔ اگر مستند تاریخ نہ ہوتی تو وہ باتیں یقین کرنے والی نہیں ہیں، جو ہم سیر نبوی ﷺ میں اور صحابہ کرامؓ کے حالات میں پڑھتے ہیں، مگر تم اللہ کے لئے کسی محدود سے محدود خطہ کو معین کر کے بتادو کہ وہاں معیاری اسلامی زندگی پائی جاتی ہے، وہاں چوری نہیں ہوتی، وہاں دھوکہ دہی نہیں ہوتی، وہاں فسق وفجور نہیں ہوتا، وہاں دولت ہی کو اور دنیاوی کامیابی ہی کو اصل کامیابی نہیں سمجھتے، یہاں آ کر ہمارا سر جھک جاتا ہے، ہمارا منہ بند ہو جاتا ہے۔

حضرات! سیرت کا ایک معمہ ہے، ایک بڑا علمی وتاریخی سوال ہے کہ صلح حدیبیہ سے لے کر فتح مکہ تک (جو مشکل سے دو سال ہیں) جس تعداد میں لوگ مسلمان ہوئے اور عرب قبائل نے جس تعداد میں اسلام قبول کیا کہ "یدخلون فی دین اللہ افواجا" کا منظر سامنے آ گیا، وہ مکہ معظمہ کی پوری تیرہ سالہ زندگی میں اور مدینہ طیبہ کی آٹھ برس کی زندگی میں (صلح کے دو برس مستثنیٰ کر رہا ہوں) دیکھنے میں نہیں آیا، سیرت کا غور سے مطالعہ کرنے والے پوچھتے ہیں کہ دو برس کے اندر جزیرۃ العرب میں جس تیزی کے ساتھ اسلام پھیلا ہے اور جس کثرت سے لوگ حلقہ بگوش اسلام ہوئے ہیں پورے اکیس برس میں نہیں ہوئے۔ اس کا کیا جواب ہے؟ امام زہریؒ جو ایک جلیل القدر تابعی ہیں اور راویت حدیث کے ایک بڑے ستون ہیں، اور جن سے سینکڑوں نہیں بلکہ ہزاروں روایات کتب صحاح وسنن میں مروی ہیں، انہوں نے یہ بات کہی ہے کہ اس دو برس کے اندر جتنے لوگ مسلمان ہوئے وہ اکیس برس کے اندر نہیں ہوئے۔

اس کی وجہ یہ ہے کہ صلح حدیبیہ کے بعد کفار عرب کو اور خاص طور سے کفار مکہ کو مدینہ طیبہ کے مسلمانوں سے، اپنے مہاجر بھائیوں سے ملنے کے آزادانہ مواقع میسر آئے اس لئے کہ معاہدہ ہو گیا تھا کہ کوئی کسی پر حملہ نہیں کر سکتا، کوئی جنگی کارروائی نہیں ہو سکتی، اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ عزیز اپنے عزیزوں سے ملنے آئے، بھائی بھائیوں سے ملنے آئے اور قریشی ان قریشیوں سے ملنے آئے جو یہاں ہجرت کر کے آ گئے تھے۔ مکہ سے شام اور شام سے مکہ آتے جاتے لوگ اپنے مہاجر بھائیوں سے ملتے تھے اور ان کے گھر مہمان ہوتے تھے، ان کو ان کی زندگی کو قریب سے دیکھنے کا موقع ملتا تھا، جس کے نتیجے میں ایمان ان کے دل میں اتر جاتا تھا، وہ سمجھتے تھے کہ

اسلام نے کتنا بڑا انقلاب ان کی زندگی میں برپا کر دیا۔ ہمارے ان کے نسب میں کوئی فرق نہیں، ہماری ان کی زبان میں کوئی فرق نہیں، ہماری ان کی نسل میں کوئی فرق نہیں، یہ بھی اسی خاک سے پیدا ہوئے، ہم بھی اسی خاک سے پیدا ہوئے، ہم بھی عدنانی اور قحطانی ہیں اور ہم بھی قریشی، ہاشمی اور اموی ہیں، مخزومی اور تیمی ہیں، ہماری زبان بھی ایک ہے، قرآن مجید جس زبان میں نازل ہوا ہے اس کو ہم ان کے برابر سمجھتے ہیں، پھر کیا بات ہے کہ ہم جانوروں کی زندگی گزار رہے ہیں، یہ فرشتوں کی زندگی گزار رہے ہیں، یہ اپنے مہمانوں کو کھلانے کے لئے اپنے بچوں کو بھوکا رکھتے ہیں۔ یہ مہمانوں کو اطمینان دلانے کے لئے پھونک مار کر چراغ بجھا دیتے ہیں۔(۱) یہ اپنے بچوں کے سامنے کی روٹی اٹھا کر اپنے ان بھائیوں ان پردیسی مسافروں کے سامنے رکھ دیتے ہیں، جن سے ان کا دین کا اختلاف ہے، عقیدہ کا اختلاف ہے اور جو ابھی تک ان کے مخالف اور برسر جنگ رہے۔ کیا بات ہے؟ یہ انقلاب ان میں کہاں سے آیا؟ ہمارے اور ان کے درمیان یہ زمین اور آسمان کا فرق کیسے پیدا ہو گیا؟

انسان انسان ہے، سوچنا اس کی فطرت ہے، اندر سے جو سوال ابھرتے ہیں ان کے جواب دینا اس کی فطرت ہے، انسان کا ضمیر کتنا ہی سو جائے، لیکن وہ مرتا نہیں ہے، وہ جاگ اٹھتا ہے۔ ان کے دل نے ان سے سوال کیا اور جب دل سوال کرے تو اس کا ٹالنا آسان نہیں ہوتا۔ ہم آپ سوال کریں، راستہ چلتا کوئی سوال کرے، تو اس کو دس بہانوں سے خاموش کیا جا سکتا ہے، لیکن جب دل پوچھنے لگے، جب دیکھنے والی آنکھیں پوچھنے لگیں، جب سننے والے کان پوچھنے لگیں، جب جسم کا ریشہ ریشہ سوال کرنے لگے کہ اے اللہ کے بندو! اللہ کے لئے بتاؤ کہ یہ کل مکہ سے آئے تھے، ابھی تھوڑے دن ہوئے اور تمہارے دینی بھائی بند ہیں، یہ جھوٹ نہیں بولتے، یہ دھوکہ نہیں دیتے، دوسروں کو کھلائے بغیر ان کے حلق سے نوالہ نہیں اترتا، یہ مہمانوں کا خیال اپنے بچوں سے زیادہ کرتے ہیں، ان کو دنیا کی کوئی طاقت خرید نہیں سکتی، یہ صرف ایک اللہ سے ڈرنے والے ہیں، تو ان کے دل میں ایک کھٹک پیدا ہوئی، جس نے مکہ تک ان کا ساتھ نہیں چھوڑا، وہ مکہ میں اپنے گھروں تک پہنچ گئے، آرام سے لیٹ گئے، لیکن وہ چبھن تھی کہ ہو رہی تھی کہ آخر کیا بات ہے، یہ انقلاب عظیم کہاں سے برپا ہوا؟

---

(۱) دیکھئے حضرت ابوطلحہ انصاری کا قصہ اور آیت ویؤثرون اور آیت کی تفسیر۔ ویؤثرون علی انفسہم ولو کان بہم خصاصۃ

پھر انہوں نے خود جواب دیا کہ کوئی چیز تلاش کرنے سے بھی نہیں معلوم ہوتی، ایک ہی غذا ہم کھاتے تھے، ایک ہی طرح کا کپڑا ہم سب پہنتے تھے، آپ کو معلوم ہے کہ عرب کا لباس ایک تھا، یہ پاکستان کے سے دس اور ہندوستان کے سے پچاس لباس نہیں تھے، سارا عرب ایک طرح کا لباس پہنتا تھا، شکلیں بھی ان سب کی ایک تھیں۔ عرب من حیث القوم داڑھی رکھتے تھے، عربوں کے نام بھی عام طور پر ایسے ہوتے تھے کہ آج بھی اگر کوئی دیکھ لے تو مسلمان ہو جائے گا، وہ چیزیں جو اسلام نے حرام کی ہیں پہلے سے ان کی فطرت سلیم ان سے ابا کرتی تھی، وہ خنزیر نہیں کھاتے تھے وہ غیر مذبوح چیزیں بھی نہیں کھاتے تھے، یہ ساری چیزیں ہمارے اور انکے درمیان مشترک ہیں، پہناوا ایک، کی غذا ایک، زبان ایک، لہجہ ایک، آب وہوا ایک، وطن ایک، قوم ایک، پھر کیا بات ہے کہ یہ فرشتے ہیں اور ہم جانور، وہاں ان کو جواب ملتا تھا کہ یہ اسلام کا کرشمہ ہے، اس سے وہ مسلمان ہوتے چلے جارہے تھے اور یہ حالت ہو گئی تھی کہ جیسے تسبیح ٹوٹ جائے تو دانے ایک کے اوپر ایک گرنا شروع ہوتے ہیں، دانوں کی بارش ہو جاتی ہے، اسی طرح اسلام لانے والوں کی بارش ہوئی اور اللہ تعالیٰ نے وحی کے الفاظ میں اس کا نقشہ اس طرح کھینچا ہے۔ "یدخلون فی دین اللہ افواجا" (اسلام میں فوج در فوج داخل ہو رہے ہیں)۔

میرے بھائیو اور بزرگو! آج کرنے کا کام یہ ہے کہ آپ پاکستان میں ایک اسلامی معاشرہ قائم کریں، جس کے دیکھنے کے بعد سیاح یا نو وارد کہے کہ ہم نے ایسا اچھا، ایسا پاکیزہ معاشرہ نہیں دیکھا۔ لیکن اگر یہ نہیں ہے، اگر آپ کے اندر بھی دولت کی لائی ہوئی ساری خرابیاں موجود ہیں، آپ کے اندر بھی حق کے خلاف کہنے اور چلنے کی صلاحیت موجود ہے، آپ بھی عقیدہ پر پیسے کو ترجیح دیتے ہیں؟ آپ پیسے کو صداقت پر ترجیح دیتے ہیں؟ آپ پیسے کو انصاف پر ترجیح دیتے ہیں؟ آپ کے اندر بھی وہی نسلی تعصب، خاندانی تعصب، صوبائی تعصب اور لسانی تعصب ہے، جو دوسرے ملکوں کی مختلف قوموں، نسلوں اور مختلف زبانیں بولنے والوں میں پایا جاتا ہے تو دنیا کی کوئی قوم اور کوئی ملک بھی آپ کو خرید سکتا ہے اور آپ کو اپنے اغراض کے لئے آلہ کار بنا سکتا ہے، پاکستان کو تباہ کرنے کے لئے بھی اس کو یہاں لوگ مل جائیں گے، تو آپ یقین مانئے کہ ہم اسلام کی صداقت دنیا پر ثابت نہیں کر سکتے اور ہم اسلام کی نمائندگی کرنے کے اہل نہیں ہیں۔ ہم دنیا کو مایوس کریں گے، ان سیاحوں، مورخوں اور مبصروں کو مایوس کریں گے جو پاکستان آئیں گے، وہ دیکھیں گے کہ یہاں وہ سب کچھ ہو رہا ہے جو کسی غیر اسلامی ملک میں ہوتا ہے، بلکہ بعض ترقی یافتہ اور آزاد ملکوں کا سیاسی شعور اور شہری احساس

ذمہ داری بہت سی پستیوں، بہت سی بدعنوانیوں سے ان کو روکتا ہے۔ یہاں وہ بھی نہیں ہے، یہ معیاری زندگی اور آئیڈیل معاشرہ جب تک آپ دنیا کے سامنے پیش نہ کریں گے، آپ ان قربانیوں کی قیمت ادا نہیں کرسکیں گے جو اس ملک کے قیام کے سلسلہ میں دی گئی ہیں اور وہ قربانیاں نہ صرف آپ نے دی ہیں بلکہ انہوں نے بھی دی ہیں جنہوں نے ان قربانیوں سے کوئی فائدہ نہیں اٹھایا، جن کے حصہ میں صرف قربانیاں آئیں۔ آپ کے حصہ میں قربانیاں بھی آئیں، قربانیوں کے انعامات بھی آئے۔

اس وقت اسلام کی سب سے بڑی خدمت اور دنیا کی سب سے بڑی ضرورت اسلامی معاشرہ ہے اور ایک پورے ملک کی سطح پر نہیں، گھروں کی سطح پر نہیں، مساجد کی سطح پر نہیں بلکہ بازاروں کی سطح پر اور بین الاقوامی مجموعوں کی سطح پر، ایک خطہ ارضی تو کم سے کم ایسا ہو جہاں پر اسلام کی صحیح زندگی آنکھوں سے دیکھی جاسکے۔ اس کو چھوا جاسکے، مس کیا جاسکے، تخیل سے نہیں، ذکاوت سے نہیں، خیال آرائی سے نہیں، ہاتھوں سے مس کیا جاسکے، میں کپڑے کو چھوتا ہوں، مجھے اس کی نرمی محسوس ہوتی ہے، میں جسم کو چھوتا ہوں مجھے اس کی گرمی محسوس ہوتی ہے، اسی طرح اسلامی زندگی مس کی جاسکے، ان کی نرمی اور گرمی، اس کا گداز، اس کا سوز وساز محسوس کیا جاسکے، قلب اس کی شہادت دے، دماغ اس کی شہادت دے، آنکھ اور کان اس کی شہادت دیں۔ وہ شہادت جو کوئی جھٹلا نہ سکے۔

یہی ہے جس کو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ”**وکذلک جعلناکم امة وسطاً لتکونوا شهداء علی الناس**“ اور اسی طرح سے اللہ نے تم کو پیدا کیا ہے۔ ایک متوازن اور معتدل امت تاکہ تم دنیا کے انسانوں پر گواہ بنو۔ آپ ”**شهداء علی الارض**“ بنا کر بھیجے گئے ہیں، آپ اپنے گھر تعمیر کرنے کے لئے، اپنی دکانیں، اپنی تجارتیں کامیاب کرنے کے لئے، اپنی نسل آگے بڑھانے کے لئے نہیں پیدا کئے گئے۔ آپ شہداء علی الناس ہیں **ویکون الرسول علیکم شهیداً** اور اس کا معیار اور اس کی جانچ کیا ہے؟ حیات طیبہ مبارکہ، رسول اللہ ﷺ نے آپ کے اوپر شہادت کا جو فرض انجام دیا اور وہ جس درجہ کے آپ پر شاہد تھے اس کے شایان شان آپ امتوں کے سامنے شہادت دیں۔

وما علینا الا البلاغ المبین

ملی وحدت اور اس کے تقاضے

یہ تقریر ہمدرد نیشنل فاؤنڈیشن کے صدر حکیم محمد سعید صاحب کی دعوت پر "شام ہمدرد" کے جلسہ منعقدہ ہوٹل انٹر کانٹی نینٹل کراچی میں ۱۳ جولائی ۱۹۷۸ء کو کی گئی۔ ابتداء میں حکیم محمد سعید صاحب نے خیر مقدمی اور تعارفی تقریر کی، آخر میں کلمات تشکر مولانا جمال میاں صاحب فرنگی محلی (رکن رابطہ عالم اسلامی) نے ادا فرمائے۔ اس شستہ اور شائستہ جلسہ میں ہر شعبہ زندگی سے متعلق اصحاب اور نمائندہ شخصیتیں تھیں، سامعین میں معتد بہ تعداد ان اصحاب ذوق کی بھی تھی جو اس تقریر کو سننے کے لئے دور دراز کا سفر کر کے آئے تھے۔

الحمد لله نحمده ونستعينه ونتوكل عليه ونعوذ بالله من شرور انفسنا ومن سيئات اعمالنا من يهده الله فلا مضل له ومن يضلله فلا هادى له ونشهد ان لا اله الا الله وحده لا شريک له ونشهد ان محمداً عبده ورسوله صلى الله تعالىٰ عليه وعلى آله واصحابه وسلم تسليما كثيراً كثيرا

لفظ وحدت میں ایک قسم کی مقناطیسیت ہے:

حاضرین کرام! میں حکیم محمد سعید صاحب کا بہت ممنون ہوں کہ انہوں نے مجھے ایک ایسے چیدہ اور برگزیدہ مجمع سے خطاب کرنے اور اپنے خیالات پیش کرنے کا ایسا شستہ اور شائستہ موقع مہیا کیا، ایک نو وارد پر (جس کے قیام کے دن گنے چنے ہیں اور جو شہر کے اعیان اور معززین اور اہل فکر کے نام و مقام سے پورے طور پر آشنا نہیں ہے) یہ ایک طرح کا احسان ہے کہ اس کے لئے ایک منتخب جگہ پر ایسے ممتاز حضرات جمع کر دیئے جائیں، جن میں سے اکثر سے تہا مل لینا اور ان کے لئے سفر کرنا بھی حق بجانب تھا، لیکن اس کے ساتھ ساتھ اس سے مقرر یا مہمان کی ذمہ داری میں بڑا اضافہ ہوتا ہے کہ وہ اس نعمت سے کہاں تک فائدہ اٹھا سکے گا اور اس وقت کو کہاں تک کام میں لا سکے گا، اور افکار و خیالات کا ہجوم، جذبات کی فراوانی اور تشکر و امتنان اور احساس ذمہ داری کی یہ ملی جلی کیفیت اس کو اپنے دل کی بات مناسب اور موزوں طریقہ پر کہنے کا موقع دے گی یا نہیں؟

اس موضوع کے انتخاب پر بھی حکیم محمد سعید صاحب کو داد دیتا ہوں کہ انہوں نے ایسے دور میں جو بہت سی کشمکشوں، غلط فہمیوں، بدگمانیوں اور مختلف ومتضاد محرکات کا دور ہے۔ ایک ایسے معاشرے میں، ایک ایسے ملک میں جو اس خارزار سے گزر چکا ہے، اور پھر یہ خارزار اس کے سامنے ہے، اس موضوع کا انتخاب کیا۔

حضرات! دنیا میں جو لفظ اور جو مفہوم بہت محبوب ومقبول ہیں اور جن کے لفظ وصورت میں ایک کشش اور مقناطیسیت ہے ان میں ایک لفظ ''وحدت'' بھی ہے۔ انسان کو فطرتاً وحدت سے محبت ہے، اس لئے کہ یہ اس کے دل کا تقاضا، اس کے دل کی آواز اور خدا کی مرضی ہے۔ انسان کو انسانوں کی اس دنیا میں رہنا ہے، اس کو زندگی سے لطف اٹھانا ہے، اس باغ عالم کو سنوارنا ہے اور اپنی صلاحیتوں کا اظہار کرنا ہے۔ خدا کی طرف سے جو جوہر اس کو عطا ہوئے ہیں، اس کا اظہار کرنا ہے، اس لئے اس کو ایک دوسرے کے ساتھ مل کر رہنے کی ضرورت ہے۔

وحدتیں وحدتوں سے ٹکراتی ہیں:

لیکن دنیا کی تاریخ بتاتی ہے کہ ان وحدتوں نے اب تک زیادہ تر تعمیر کے بجائے تخریب کا کام کیا ہے، یعنی بالکل اپنے مزاج، اپنی فطرت، اپنے دعویٰ اور معانی کے خلاف کردار ادا کیا ہے، وحدت اس لئے تھی کہ لوگوں میں محبت واتحاد پیدا کرے، خیر سگالی کا جذبہ پیدا کرے، باہمی اعتماد کی فضا پیدا کرے لیکن وحدتیں وحدتوں سے ٹکرائیں، جس طرح وحشتیں وحشتوں سے ٹکراتی ہیں، طاقتیں طاقتوں سے ٹکراتی ہیں، اسی طرح وحدتیں وحدتوں سے ٹکرائیں، حالانکہ کوئی چیز بھی ایک دوسرے سے ٹکرائے، لیکن وحدت کو وحدت سے نہیں ٹکرانا چاہئے، اس سے بڑھ کر اپنی فطرت سے انحراف اور بغاوت نہیں ہوسکتی کہ وحدت وحدت سے ٹکرائے۔ تخریب تخریب سے ٹکرا سکتی ہے، انتشار انتشار سے ٹکرا سکتا ہے، لیکن جمعیت جمعیت سے ٹکرائے، وحدت وحدت سے ٹکرائے یہ ایک انوکھا تجربہ ہے جس سے ہماری انسانی تاریخ داغدار بلکہ شرمسار ہے، یہ ایک دل خراش اور طویل داستان ہے۔

وجہ یہ ہے کہ اس کا تعلق وحدتوں کی بنیاد سے ہے۔ وحدت کس بنیاد پر ہے؟ اگر وحدت کسی منفی بنیاد پر ہے، اگر وحدت کسی جارحانہ جذبہ پر ہے، اگر وحدت احساس برتری پر ہے، اگر وحدت تحقیر انسانی پر ہے، اگر وحدت ہوس ملک گیری، برتری اور سروری حاصل کرنے کے لئے

ہے تو ایسی وحدت کو کسی اور وحدت کو گوارا نہیں کرنا چاہئے، کہ ایک نیام میں دو تلواریں نہیں رہ سکتیں، اس لئے جب آپ انسان کی تاریخ پڑھیں گے، کسی قوم ومذہب کی تاریخ پڑھیں گے تو آپ کو یہ پوری تاریخ ایک رزمیہ جنگ کی ایک مربوط داستان نظر آئے گی، جس میں خون کی ندیاں بہہ رہی ہیں، انسانوں کے سروں کے مینار بنائے جارہے ہیں، ملکوں کے چراغ گل کئے جارہے ہیں۔ کھیتیاں جلائی اور پامال کی جارہی ہیں، بلکہ تہذیبیں پامال کی جارہی ہیں۔ اور جب ان کے وجوہ اسباب کا (فلسفۂ تاریخ کی مدد سے) آپ سراغ لگائیں گے تو آپ کو معلوم ہوگا کہ ایک ایسی وحدت نے نشو ونما پایا تھا جو دوسری وحدت کو فنا کرنے میں اپنی زندگی کا راز سمجھتی تھی۔

محض وحدت کوئی معنویت نہیں رکھتی:

وحدت کا خالی لفظ بالکل کافی نہیں۔ اب قوموں کے تجربے نے نوع انسانی کے مسلسل اور طویل تجربے نے بتادیا کہ محض وحدت کوئی معنویت نہیں رکھتی اور کسی بات کی ضمانت نہیں ہے۔ دیکھنا یہ ہے کہ وحدت کس بنیاد پر ہے؟ اس وحدت کی اساس کیا ہے؟ وحدت کے مقاصد کیا ہیں؟

نوع انسانی کی تاریخ میں سب سے پہلی جو وحدت نظر آتی ہے وہ گھرانوں کی وحدت ہے، قبیلہ کی وحدت ہے، قوم ونسل کی وحدت ہے، نام ونسب کی وحدت ہے، پھر اس کے بعد آگے بڑھ کر دنیا نے جب ذرا اور ترقی کی تو زبان کے اشتراک کی وحدت ہے جسے ہم لسانی وحدت کہتے ہیں، پھر تہذیبی وثقافتی وحدت ہے، ان وحدتوں میں سب سے زیادہ جس وحدت سے امید ہونی چاہئے تھی وہ تہذیبی وثقافتی وحدت ہے کہ تہذیب وثقافت کو مردم آزاری اور آدم بیزاری سے کیا تعلق؟ تہذیب وثقافت کے معنی یہ ہیں کہ غلط فہمیاں رفع ہوں، آدمی، آدمی کو سمجھے، اس کے ساتھ انصاف کرے، اس کی مجبوریاں معلوم کرے، اس کی کمزوریاں معلوم کرے، اس کے لئے اپنے دل میں ہمدردی کا جذبہ پیدا ہو، اس کے ادب وشاعری سے واقفیت کا ذوق پیدا ہو، تہذیب وثقافت کی وحدت۔ کے اندر جارحیت کا پہلو اور اس کے اندر انسانوں کو ذلیل کرنے یا انسانی تہذیب کے خلاف حملہ آور ہونے کا پہلو تو ہونا ہی نہیں چاہئے تھا۔ واقعہ یہ ہے کہ انسانوں کی زندگی مختلف قسم کے تناقضات (CONTRADICTIONS) کا

مجموعہ ہے، اس کو سمجھنا بڑا مشکل ہے، ہمارا موجودہ علم نفسیات بھی اس کے لئے کافی نہیں ہے۔ انسان کے اندر ایک دوسرا انسان پیدا ہو جاتا ہے، انسان کے کچھ ایسے مقاصد بن جاتے ہیں جو دوسرے انسانوں کے لئے مہلک ہوتے ہیں۔ ان مقاصعد کی تعمیر بعض اوقات دوسرے انسانوں کے مقاصد کے ملبہ پر ہی ہو سکتی ہے، اس کے کھنڈروں پر ہی یہ عمارت تعمیر ہو سکتی ہے۔ کوئی فلسفہ زندگی ایسا ہو جو انسان کی تباہی اور انسان کے مفتوح ہونے اور شکست کھانے ہی سے بنتا، ابھرتا، پھلتا اور پھولتا ہو تو اس کا کوئی علاج نہیں۔

وحدت کا اسلامی تصور:

اسلام نے ان مصنوعی وحدتوں کے معاملے میں دو حقیقی وحدتوں کو تسلیم کیا اور ان کی دعوت دی ہے۔ یہ دنیا کی معصوم ترین، غیر مضر ترین، مثبت اور تعمیری وحدتیں ہیں، ایک وحدت انسانی اور ایک وحدت ایمانی وحدت انسانی تو یہ کہ پوری نسل انسانی ایک آدم کی اولاد ہے، اور حضور اکرم ﷺ نے حجۃ الوداع کے خطبہ میں ایسے معجزانہ الفاظ میں اس پر مہر لگادی کہ اس سے زیادہ انسانی مساوات کا کوئی منشور یا چارٹر نہیں ہو سکتا، آپ نے فرمایا کہ " ان ربکم واحد وان اباکم واحد" اے انسانو! تمہارا رب بھی ایک ہے اور تمہارا باپ بھی ایک ہے، وحدت اب اور وحدت رب دو وحدتیں ہیں جو ہر انسان کو ملی ہیں۔ اس کے جسمانی وجود کا آغاز ایک انسانی وجود سے ہوتا ہے، بڑا ہو، چھوٹا ہو، کسی زبان کو بولنے والا ہو، کسی سطح کا انسان ہو، سب کا سلسلہ نسب ایک انسان پر ختم ہوتا ہے اور وہ نسل انسانی کے باوا آدم ہیں اور ان ربکم واحد تمہارا پیدا کرنے والا اور پرورش کرنے والا بھی ایک ہے۔ ان دو مختصر لفظوں میں وحدت انسانی کا وہ اعلان کیا گیا ہے جس سے زیادہ وسیع، عمیق اور جس سے زیادہ قابل فہم کوئی اعلان نہیں ہو سکتا یہ دونوں وحدتیں جو انسان کو ملی ہیں انسان کو ایک دوسرے سے منسلک اور وابستہ کئے ہوئے ہیں۔ نسل انسانی کا مورث ایک اور نسل انسانی کا خالق، مربی اور رازق ایک، اس لئے ہر شخص ایک دوسرے کا بھائی ہے اور دو رشتوں سے بھائی ہے۔ ایک باپ کے رشتہ سے اور ایک پیدا کرنے والے کے رشتہ سے، باپ کا ذکر پہلے اس لئے کیا کہ یہ حقیقت سب سے زیادہ عام فہم ہے اور اس کو سب مانتے ہیں، زبان نبوت نے اعلان کیا کہ نسل انسانی کا مورث اعلیٰ ایک ہے، اس کا پیدا کرنے والا اور اس کی پرورش کرنے والا بھی ایک ہے اور اس کی پرورش کا سلسلہ

جاری ہے۔ یہ وہ وحدت انسانی ہے جس کا اعلان حجۃ الوداع کے موقع پر کیا گیا۔ یہ ایک عالمگیر خطبہ تھا جس کی مخاطب پوری نوع انسانی تھی یہ ایک شہادت تھی جو ایک نبی دے رہا ہے اور ایک طرح کا اعلان تھا جو خاتم الانبیاء کر رہے تھے۔

ایک نئی وحدت:

چھٹی صدی مسیحی میں ایک نئی وحدت کی بنیاد ڈالی گئی، اس وحدت کی بنیاد اللہ کی وحدانیت کے عقیدہ، نوع انسانی کے ہمدردی کے جذبہ، عدل ومساوات کے اصول اور انسانوں کی خدمت کے عزم وارادہ پر تھی۔

اس جماعت کی جس وقت مدینہ طیبہ میں تشکیل ہو رہی تھی تو وہ مٹھی بھر جماعت تھی، مہاجرین جب مکہ معظمہ سے نکلے اور مدینہ پہنچے تو ان کو وہاں کے اصل باشندوں اوس اور خزرج سے ملایا گیا، اور ان دونوں کے درمیان مواخات (بھائی چارہ) کا رشتہ قائم کیا گیا۔ اس لئے کہ یہ غریب الدیار تھے یہ کہاں ٹھہرتے، ان کا گھر بار نہیں تھا۔ یہ ایک بالکل نیا رشتہ اور نئی برادری تھی جس کی بنیاد محض عقیدہ ومقصد پر تھی۔ آپ میں سے جو لوگ سیرت پر گہری نظر رکھتے ہیں، وہ جانتے ہیں کہ اس کی بنیاد تہذیب کی وحدت اور معاشرت کی وحدت پر بھی نہیں تھی، زبان کی وحدت تو تھی لیکن مکہ اور مدینہ کی زبان اور لہجوں میں اتنا اختلاف تھا جو ایک کو دوسرے سے دور رکھنے کے لئے کافی تھا۔ اور آپ کو معلوم ہے کہ تھوڑے فاصلہ پر زبان بدل جاتی ہے اور اس میں پھر وہ عصبیت پیدا ہو جاتی ہے جو مستقل دو زبانوں کے بولنے والوں کے درمیان ہوتی ہے، جس کا تجربہ، جیسا کہ پاکستان میں ہوا میں سمجھتا ہوں دنیا کے کم ملکوں میں ہوا ہوگا۔

مکہ اور مدینہ کے معاشرہ اور تمدن کو عام طور پر سیرت کا مطالعہ کرنے والوں نے جیسا متحد سمجھا ہے، صحیح نہیں ہے، سیرت کا نیا مطالعہ یہ بتاتا ہے کہ مکہ اور مدینہ کے معاشرے اور تہذیب و تمدن میں خاصا فرق تھا اور مکہ کے قبیلہ قریش میں اچھا خاصا احساس برتری (Superit Ority Complex) پایا جاتا تھا۔ آپ کو معلوم ہوگا کہ جس وقت بدر میں تین قریشی سورما عتبہ، شیبہ اور ربیعہ آئے تو انہوں نے دعوت مبارزت دی کہ ہمارے مقابلہ میں کسی کو آنا چاہئے۔ تین انصاری نکل کر آئے۔ بعض روایتوں میں ہے کہ انہوں نے کہا کہ تم شریف آدمی ہو لیکن ہمارے جوڑ کے...... جو لوگ ہیں ان کو بھیجو، اس سے ان کی قبائلی نخوت کا اندازہ ہوتا ہے

کہ وہ اپنے برابر کسی کو نہیں سمجھتے تھے، پھر مدینہ طیبہ کے معاشرہ کے جو عناصر تھے، ان میں بہت اہم عنصر بلکہ جو Dominate کرتا تھا وہ یہودیوں کا عنصر تھا، یہودی اپنے ساتھ ایک تہذیب رکھتے تھے، زبان رکھتے تھے اور تنہا وہ جزیرۃ العرب میں ایک ایسی ترقی یافتہ قوم تھی جن کے اپنے مدارس تھے، جن کو "مدراس" کہا جاتا تھا۔ وہ ان سب لوگوں کو امی کہتے تھے جیسا کہ قرآن مجید میں ان کا قول خود آتا ہے **لیس علینا فی الا میین سبیل** (یعنی یہ ان پڑھ لوگ ہیں، ان کو نقصان پہنچانے یا دھوکہ دینے سے کوئی گناہ نہیں ہوتا۔) اور یہ آج بھی یہودیوں کا قول ہے اور عقیدہ ہے اور اس کے لئے ان کے یہاں خاص لفظ ہے **GOYIM** جس کے معنی غیر مہذب اور اجنبی کے ہوتے ہیں۔

بہر حال اگر آپ تفصیل کے ساتھ سیرت کی کتابوں کا مطالعہ کریں تو آپ کو معلوم ہوگا کہ مدینہ کا معاشرہ اور مکہ کا معاشرہ باوجود لسانی وحدت کے اور اوپر جا کر نسبی وحدت کے بھی ایک دوسرے سے کتنا مختلف ہو چکا تھا۔ الگ الگ ماحول میں ارتقاء کے منازل طے کرنے کی وجہ سے گویا وہ دو ملکوں کے معاشرے تھے، اس لئے جب وہ مکہ سے مدینہ ہجرت کر گئے تو اس کا بڑا اندیشہ تھا کہ یہ شیر و شکر نہیں ہو سکیں گے یعنی ایک مزاج پیدا نہ کر سکیں گے، جیسا کہ کسی معجون کے اجزاء باہم مل کر کے ایک مزاج پیدا کرتے ہیں (اور یہ طبی اصطلاح میں حکیم صاحب کی رعایت سے بول رہا ہوں) تو یہ اندیشہ تھا کہ یہ جو اسلامی معجون بن رہا ہے، اس کے یہ دو جز مہاجرین اور انصار ایک دوسرے میں اس طرح تحلیل ہو سکیں گے، اپنی شخصیت سے اس طرح دستبردار ہو سکیں گے کہ ایک مشترکہ مزاج پیدا کر لیں؟ دوا جب مفید ہوتی ہے جب وہ ایک مشترک مزاج پیدا کر لے۔ اگر ہر ایک جز کا مزاج قائم رہے تو وہ مفید نہیں ہو سکتی۔

مسئلہ صرف مہاجرین اور انصار ہی کا نہ تھا، خود انصار کے دو بڑے قبیلے اوس اور خزرج بھی تھے جو مستقل دو قوموں اور حریفوں کی طرح ایک دوسرے کے مقابلہ میں صف آرا اور نبرد آزمارہ چکے تھے۔ بعاث کی جنگ (جو ہجرت کے پانچ سال پہلے پیش آئی تھی) ان خون آشام جنگوں کے سلسلہ کی آخری کڑی تھی جس میں ایک نے دوسرے کو قتل کیا تھا، ہر قبیلہ کے پاس اپنے فخریہ کارناموں کی ایک تاریخ اور مستقل منظوم شاہ نامے بنے ہوئے تھے۔ یہودی ان دونوں قبیلوں کے مسلمان ہو جانے کے بعد بھی مشترک مجلسوں میں ان واقعات کو یاد دلا کر اور

ان اشعار کو پڑھ کر ان کے مندمل زخموں کو ہرا اور ان کی جاہلی نخوت کو زندہ کرنے کی کوشش کرتے رہتے تھے۔ سیرت کی ایک روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ ایک مرتبہ ایک ایسے ہی موقع پر (یہودی سازش کے نتیجہ میں) قریب تھا کہ تلواریں نیام سے نکل آئیں اور یہ دونوں قبیلے ایک دوسرے سے گتھ جائیں کہ آنحضرت ﷺ عین موقع پر تشریف لے آئے اور آپ نے آگ کے شعلوں کو ایمان اور محبت اسلامی کے پانی سے سرد کر دیا اور فتنہ بھڑکنے نہیں پایا۔ (۱)

بہر حال اس کا پورا امکان تھا کہ بجائے اس کے کہ ایک نئی طاقت ابھرے، ایک نیا انتشار نہ برپا ہو جائے، اور اس کے بہت سے اسباب تھے، جیسا کہ عرض کیا گیا، خود یہودیوں کا وجود سب سے بڑا عامل (FACTOR) تھا تخریب کا۔ تخریب کی ان کے اندر جتنی صلاحیت ہے، دنیا کی کم قوموں میں ہے، اور آج تک ان کا یہ جوہر باقی ہے، اس لئے اس کا بھی خطرہ تھا کہ وہ ایک دوسرے کے درمیان کوئی رقابت پیدا کر دیں گے، اور ایک کو دوسرے سے ٹکرا دیں گے۔

مکہ معظمہ کی زندگی کا دار و مدار تجارت پر تھا اور مدینہ کی زندگی کا دار و مدار زراعت اور باغبانی پر تھا، یہ دونوں شہروں کی جغرافیائی خصوصیات کا نتیجہ تھا۔ گھر کی معاشرت میں بھی فرق تھا جس کی طرف حضرت عمرؓ نے بھی ایک مرتبہ اشارہ کیا تھا۔ (۲)

عقیدہ اور مقصد کا اشتراک:

اس کے پہلے مجھے معلوم نہیں کہ ایسے منظم اور واضح طریقہ پر دو متبائن عناصر کے درمیان کسی عقیدہ اور مقصد کے اشتراک پر ایک نئی برادری کی بنیاد ڈالی گئی ہو، یہ برادری تھی ان ایمان لانے والوں کی جو وحدت انسانی پر اور وحدت ربانی پر یقین رکھتے تھے، اور وحدت عقیدہ اور وحدت مقصد پر جمع ہوئے تھے، ایک نئی طاقت اس دنیا کو بچانے کے لئے پیدا کی جا رہی تھی۔

عددی لحاظ سے قلیل و حقیر، مقاصد کے لحاظ سے عظیم و جلیل:

یہ چھوٹی سی برادری جو وجود میں آ رہی تھی اس کی حقیقت کیا تھی؟ اس کے افراد کی تعداد کیا تھی؟ قرآن کریم نے اس کی تصویر خود کھینچی ہے۔

---

(۱) ملاحظہ ہو سیرت ابن ہشام حصہ اول ص ۵۵۵۔

(۲) کتب صحاح میں حدیث ایلاء۔

واذکروآ اذا انتم قلیل مستضعفون فی الارض تخافون ان یتخطفکم الناس۔

(وہ دن یاد کرو جب تم مٹھی بھر تھے، انگلیوں پر گنے جانے کے قابل تھے **انتم قلیل مستضعفون فی الارض** اور تمہیں کوئی خاطر میں نہیں لاتا تھا، تم کسی شمار وقطار میں نہیں تھے، تم ڈرتے تھے کہ جس طرح چیل جھپٹا مار کر گوشت کا ٹکڑا لے جاتی ہے اسی طرح تمہارے دشمن تم کو اڑا کر نہ لے جائیں اور تم کچھ نہ کر سکو۔

حالت تو یہ تھی لیکن ان مسلمانوں کو پوزیشن کیا دی گئی؟ ان کو مقام کیا عطا کیا گیا؟ جب بھی میں اس آیت کو پڑھتا ہوں تو حیرت میں ڈوب جاتا ہوں، اس نئی وحدت کو کیا فرض انجام دینا تھا، اس کا کام کتنا مشکل، نازک اور عظیم تھا اور خدا کی نگاہ میں اس کی کیا وقعت تھی خدائے تعالیٰ فرماتا ہے **الا تفعلوہ تکن فتنة فی الارض وفساد کبیر**۔ اے مہاجرین وانصار اگر تم نے اس نئی وحدت کی بنیاد نہ ڈالی اور اس وحدت کو مستحکم نہ کیا تو **تکن فتنة فی الارض وفساد کبیر** زمین میں فتنہ عظیم اور فساد عظیم برپا ہوگا یہ الفاظ سنتا ہوں تو حیرت کرتا ہوں کہ اس جماعت کی حقیقت کیا تھی، بتیس دانتوں میں ایک زبان، اس سمندر میں اس قطرہ کی کیا حقیقت تھی، یہ مہاجرین وانصار اگر وحدت قائم کر بھی لیتے تو اس فتنہ کبریٰ اور فساد عظیم کو روکنے کی وہ کیا صلاحیت رکھتے تھے؟ لیکن خدا کو اس وحدت سے جو کام لینا تھا اور یہ وحدت انسانی انسانی تہذیب اور اس دنیا کی بقا کے لئے جتنی ضروری تھی اس کی بنیاد پر اس کو یہ تمغہ یہ اعزاز عطا کیا گیا، سوائے ان لوگوں کے جو خدا کو قادر مطلق سمجھتے تھے اور یہ جانتے تھے کہ یہ برادری جو قائم ہو رہی ہے اپنے اندر کیا جوہر رکھتی ہے۔ عددی حیثیت سے یہ کتنی قلیل اور حقیر لیکن اپنے (MERIT) جوہر وصلاحیت کے لحاظ سے کتنی قیمتی، باوزن اور مؤثر ہے، جو لوگ دیکھتے کہ اس کے اندر کیا جوش وجذبہ ہے، اس کے اندر انسانیت کے لئے کس قدر سوز وگداز بھرا ہوا ہے، اس کے افراد کی راتیں کس تپش میں، ان کے دن کس خلش میں گزرتے ہیں اور ان کو اپنی جان اور اپنی اولاد کس قدر بے حقیقت معلوم ہوتی ہے، نوع انسانی کو بچانے کے لئے دنیا میں ہدایت کو عام کرنے اور انسان کو انسان سے ٹکرانے سے بچانے کے لئے ان میں کتنی بے چینی و بے قراری ہے، وہی اس آیت کی حقیقت کو سمجھ سکتے تھے، ورنہ اس وقت کے سیاسی فتنے اور تہذیب وتمدن کے ماحول میں یہ بات سمجھ میں نہ آنے والی تھی کہ ایک ایسی چھوٹی جماعت کو یہ اعزاز دیا

جارہا ہے۔ **الا تفعلوہ تکن فتنة فی الارض وفساد کبیر** تم نے یہ برادری قائم نہ کی، اس وحدت کو مضبوط نہ کیا تو **تکن فتنة فی الارض وفساد کبیر** فتنہ وفساد کے شعلے دنیا میں اٹھیں گے اور پوری دنیا کو جلا کر خاکستر بنادیں گے۔ اس جلتی ہوئی آگ کو جس نے ساری دنیا کو اپنے لپیٹ میں لے لیا تھا، آپ ساتویں صدی مسیحی کے نقشے میں دیکھیں، جغرافیائی نہیں بلکہ ان کی باہمی آویزشوں اور ان کی جنگوں کے نقشہ میں ان کے احساس برتری کا اور ان کے نشہ قوت کا دنیا پر جو اثر پڑا تھا، اس کو اقبال نے اپنے خاص انداز میں اس طرح بیان کیا ہے۔

اسکندر وچنگیز کے ہاتھوں سے جہاں میں
سو بار ہوئی حضرت انسان کی قبا چاک
تاریخ امم کا یہ پیام ازلی ہے
صاحب نظراں! نشہ قوت ہے خطرناک
اس سیل سبک سیر وزمیں گیر کے آگے
عقل ونظر وعلم وہنر ہیں خس و خاشاک

چھوٹی سی برادری پر سارے عالم کا بوجھ:

اس نشۂ قوت نے دنیا پر کیا اثر ڈالا تھا اس کے مقابلہ میں یہ ایک جو چھوٹا سا پودا تیار ہو رہا تھا، مدینہ کی سرزمین میں چھوٹی سی برادری قائم ہو رہی تھی۔ ایک نئی وحدت کی بنیاد پڑ رہی تھی، اس پر سارے عالم کا بوجھ ڈال دیا گیا۔ الا تفعلوہ اگر تم نے اس وحدت کے استحکام میں، وحدت کی جڑوں کو گہرا کرنے میں اور اس وحدت پر یقین کرنے میں، اس وحدت سے عشق، محبت کا تعلق رکھنے میں اور انسانیت کے درد کی آگ اپنے دلوں میں محسوس کرنے میں کمی کی، اگر تم نے اپنے مفاد کو دیکھا، اپنے جماعتی مفاد کو دیکھا، انفرادی مفاد کو دیکھا تو پھر دنیا میں فتنہ و فساد کا سیلاب رواں ہوگا اور پھر انسانیت کی قسمت میں سوائے تباہی و بربادی کے کچھ نہیں ہوگا۔ میں جب بھی ان الفاظ کو پڑھتا ہوں تو لرز جاتا ہوں کہ کتنی چھوٹی اور کمزور جماعت پر کتنا بوجھ ڈال دیا گیا، جو اپنی تعداد میں کمی اور اپنی بے حیثیتی میں اتنی چھوٹی تھی کہ شاید اس کو اگر خوردبین سے نہیں تو نگاہ دوربین سے دیکھنے کی ضرورت تھی۔ اسی جماعت کے متعلق کہا جارہا ہے الا تفعلوہ تکن فتنة فی الارض وفساد کبیر کہ دیکھو خبردار اگر تم نے اس نئی وحدت کے مستحکم کرنے میں

ذرا بھی کمزوری دکھائی تو پھر انسانیت کی قسمت میں سوائے شقاوت اور بدبختی کے کچھ لکھا نہیں، پھر تو یہ وحدتیں نسل انسانی کو کھا جائیں گی، یہ وحدتیں نہیں وحشتیں ہیں۔ نوع انسانی کی تفریق کی سازشیں ہیں، ان میں سے ایک کی حیات دوسرے کے لئے پیام موت بن گئی ہے، ایک مجموعہ انسانی کی حیات سینکڑوں مجموعہائے انسانی کے لئے موت کا پیغام ہے، اسی وحدت کا تسلسل اور نتیجہ ہم اور آپ ہیں۔ آج بھی دنیا میں وحدتوں کے نام سے وحشتیں کارفرما ہیں آج بھی وحدتوں کے نام سے تفرقے کارفرما ہیں، آپ جس سے پوچھیں گے وہ اس کی تعریف وحدت میں کرے گا، یہ ملک ہے، یہ فلاں یونٹ ہے، یہ فلسفہ، وہ فلسفہ، یہ ازم، وہ ازم لیکن کوئی وحدت کسی دوسرے وحدت کی روادار نہیں، ہر وحدت نے اپنی زندگی کو اس کے لئے شرط حیات قرار دیا ہے کہ اس کے علاوہ ساری وحدتیں ختم ہوں، اس لئے اگر کوئی وحدت دنیا کے لئے رحمت کا پیام رکھتی ہے تو وہ وحدت انسانی اور وحدت ربانی ہے۔

زبان کی وحدت کے تباہ کن نتائج:

یہ زبان جو بڑی معصوم چیز ہے جس سے پھول جھڑتے ہیں، یہ زبان جو دلوں کو ملانے کے لئے، دل کو خوش کرنے کے لئے، محبت کے گیت سنانے کے لئے، انسان کو قریب کرنے کے لئے اس کو آواز دینے کے لئے ہے، یہ زبان جو جذبات محبت کی ترجمانی کے لئے استعمال کی گئی، راز ہائے فطرت کو عیاں کرنے کے لئے استعمال کی گئی، یہ زبان جس نے بارہا انسان کو مست کر دیا، بچھڑے ہوؤں کو ملا دیا، ٹوٹے ہوئے دلوں کو جوڑ دیا، جس نے محبت کے دریا بہائے، یہی زبان لاکھوں انسانوں کی بربادی کا باعث ہوئی ہے، یہ زبان وہ ہے جس کے نام پر زبان والے قتل کئے گئے، جو خود زبان رکھتے تھے، جن کے پاس ویسی ہی فطرت کی دی ہوئی زبان تھی جیسی ان قاتلوں کے پاس تھی، لیکن یہ زبان کی نام نہاد وحدت، زبان کا بڑھا ہوا عشق، زبان کی عصبیت نے ان انسانوں کو جن کی زبان سے محبت کے سوا، پیار کے سوا کوئی لفظ نہیں نکلا، جنہوں نے خدا کی یاد میں پوری پوری راتیں بسر کر دیں، خاک وخون میں تڑپایا ہے، یہی زبان جب ایک ایسی مصنوعی وحدت کی بنیاد بنتی ہے جس کی اللہ کی طرف سے کوئی سند نہیں ما انزل اللہ بہا من سلطان تو وہ پیغمبروں کی محنتوں پر پانی پھیر دینے والی اور تمام دنیا کے اصلاحی کاموں پر خط تنسیخ پھیر دینے والی تخریبی طاقت بن جاتی ہے۔ وہ تہذیب کے ذخیروں کو آن کی

آن میں برباد کر دیتی ہے۔ اس زبان کی وحدت نے دنیا میں وہ وہ گل کھلائے کہ انسان بالکل تصویر حیرت بن گیا ہے۔ آپ کو اس کا خوب تجربہ ہے اور یہ خطرہ اب بھی موجود ہے کہ کوئی چالاک انسان زبان کو بنیاد بنا کر اس ملک میں تفریق وانتشار اور ''حمیت جاہلیہ'' کا زہر پیدا کر دے اپنے سیاسی مقاصد کی تکمیل کے لئے اس کو کام میں لائے، یہ زبان آج بھی وہ تخریبی کردار ادا کر سکتی ہے جو سیزر، قیصر اور چنگیز کی تلواروں نے انجام دیا۔

تہذیب کی وحدت کا انجام:

ایسی تہذیب، جس کا پیغام ہی یہی ہے کہ انسان مہذب ہو، انسان کے اندر اپنی کمزوریوں کا احساس ہو، دوسروں کے کمالات کا اعتراف ہو جو ہر جمال، ہر حسن پر فریفتہ ہو جو فن تعمیر کے ہر نمونہ پر تحسین اور آفرین کے پھول برسائے، جو اپنے شعر پر مست ہو جائے، جو ہر قوم کی ذہانت پر اور اس کی طباعی اور صناعی کے ہر نمونہ پر مسرور ہو، اس کو اپنی ملکیت سمجھے، تہذیب کا خاصہ تو یہ تھا کہ انسان کے ہر کارنامے کو اپنا سمجھا جائے، اس سے اپنے تعلق اور اپنی قدر کا اظہار کیا جائے، جب تہذیب خدا کی رہنمائی اور پیغمبروں کی رہنمائی سے محروم ہو جاتی ہے تو وہ تہذیب تہذیب نہیں رہتی۔ وہ اپنے حق میں خواہ تہذیب ہو، دوسروں کے حق میں تعذیب بن جاتی ہے۔ آپ نے دیکھا کہ تہذیبیں تہذیبوں سے کس طرح ٹکرائیں اور کلچر، کلچر سے ٹکرائے؟ اب یہ طلسم ٹوٹ چکا ہے کہ وحدت کافی ہے، اگر اس وحدت میں ان دو وحدتوں یعنی وحدت ایمانی اور وحدت انسانی میں سے کوئی وحدت نہ ہو تو یہ وحدتیں بجائے خود ایک معبود بن جائیں گی اور پھر بجائے اس کے کہ ان سے اپنے دل کے ارمان نکالے جائیں، اپنا شوق پورا کیا جائے، اور ان وحدتوں سے تفریح کا سامان مہیا کیا جائے ان سے اپنے جذبہ کی تسکین کی جائے، بجائے اس کے وہ ایک مذہب بن جاتی ہیں، ایک ایسا نظام جو دوسروں پر مسلط کیا جاتا ہے، یہ تہذیبیں انسانوں کی غارت گری کا سامان بنتی ہیں۔ یہ دنیا کا تجربہ ہے جو بارہا ہو چکا ہے۔

دو عظیم جنگوں کے اسباب:

آپ میں سے بہت سے ایسے حضرات ہوں گے جنہوں نے ۱۴ء اور ۳۹ء کی پہلی اور دوسری جنگ عظیم کو دیکھا ہوگا، بعض ایسے ہوں گے جنہوں نے صرف دوسری جنگ عظیم کو دیکھا

ہوگا۔ یہ جنگیں، یہ قتل وغارت گری کس بات کا نتیجہ تھی؟ کیا یہ صحیح مقاصد کا غلط مقاصد سے ٹکراؤ تھا؟ کیا اسی لئے کسی قوم، کسی ملک نے کوشش کی کہ دنیا کو صحیح راستہ پر لائے؟ جو جرائم ہو رہے ہیں، جو بے راہ روی ہے اس سب کی اصلاح سے ہمیں کوئی بحث نہیں، مقصد صرف یہ ہے کہ یہ سب ہماری نگرانی اور ہماری سرپرستی میں ہو، دنیا کا جو موجودہ نقشہ ہے، اس میں کوئی خرابی نہیں، لیکن اس پر جو اجارہ داری فلاں قوم کی قائم ہے، اس کی بجائے ہماری ہونی چاہئے۔ مثلاً پہلی جنگ عظیم کیا تھی؟ جرمنی کو یہ احساس پیدا ہوا کہ دنیا کی منڈیوں پر، تجارت گاہوں پر اور وسائل و ذخائر پر برطانیہ کا قبضہ ہے۔ اس پر بہت دنوں سے برطانیہ کا تسلط چلا آرہا ہے، اب ہمارا قبضہ ہونا چاہئے۔ ہماری سیاسی پارٹیوں کا بھی یہی مزاج ہے۔ میں نے ہندوستان میں کھلے طریقوں پر ان جلسوں میں جن میں ہندو بھائی بھی شریک ہوتے تھے، بارہا کہا کہ آج کی سیاسی پارٹیوں کو اس سے کوئی دلچسپی نہیں کہ یہ خرابیاں دور ہوں، بلکہ صرف یہ ہے (چاہے زبان سے نہ کہیں) کہ یہ خرابیاں ہماری نگرانی میں ہونی چاہئیں اور اب تجربہ کر کے دیکھ لیجئے۔ آپ صرف اپنا اختیار ان کی طرف منتقل کر دیجئے، میں آپ سے کہتا ہوں ذرا بھی اس نقشہ میں تغیر و تبدل نہ ہوگا۔ اصولی اختلاف کوئی نہیں، اخلاقی بنیاد پر کوئی اختلاف نہیں۔ آپ اونچی سطح پر جائیں تو یورپ کی قومیں جو کئی بار ایک دوسرے سے برسر جنگ رہ چکی ہیں، ان کے نزدیک اصول و بے اصولی، مسیحیت اور غیر مسیحیت، ظلم و انصاف کا اختلاف یا انسانی زندگی کے نقشہ کی تشکیل کا مسئلہ نہیں، بلکہ صرف یہ کہ دنیا کو ہمارے جھنڈے کے نیچے آنا چاہئے اور معاف کیجئے گا۔ ہمارے مختلف مشرقی ملکوں کی سیاسی پارٹیوں کے سوچنے کا طریقہ بھی یہی ہے۔ اس سے کوئی خاص خلش نہیں، تکلیف نہیں کہ انسانی طاقتیں ضائع ہو رہی ہیں۔ نوجوانوں کے اخلاق خراب ہو رہے ہیں۔ نظام تعلیم غلط ہے، درست ہونا چاہئے بلکہ سب کی توانائیاں حصول اقتدار میں صرف ہو رہی ہیں۔

پاکستانی مسئلہ:

پاکستان کے مسلمانوں کا مسئلہ یہ نہیں ہے کہ آپ تنہا اس ملک میں وحدت کے علمبردار ہیں، بلکہ اس وقت دنیا کے سیاسی نقشے میں اس اسلامی وحدت کے دعویدار ہیں اور اس وحدت کو Demonstrate کرنے والے ہیں۔ اگر آپ اس وحدت سے دستبردار ہو جائیں گے یا

آپ کے ملک میں لسانی جھگڑے یا تہذیبی جھگڑے یا پرانی یا علاقائی تہذیبوں کے احیاء کا فتنہ سر اٹھائے گا۔ مثلاً یہ جذبہ پیدا ہو جائے کہ ہماری قدیم تہذیب مسلمانوں کی آمد سے پہلے کی تہذیب کو زندہ کیا جائے تو پھر اس ملک کا خدا ہی حافظ ہے۔ (اس معنی میں کہ اس ملک کی خیریت نہیں) اس لئے کہ اس ملک کے مختلف عناصر ترکیبی کو جو چیز مربوط کرتی ہے وہ وحدت ایمانی ہے، وحدت عقیدہ ہے، وحدت اسلامی ہے، اب اگر یہ نئی مصنوعی وحدتیں، یہ انسانوں کے تراشے ہوئے بت جس کو اقبالؒ کہتا ہے:

بتانِ رنگ و بو کو توڑ کر ملت میں گم ہو جا
نہ ایرانی ہے باقی نہ تورانی نہ افغانی

یہ بتانِ رنگ و بو اپنا اثر رکھتے ہیں اور اپنے عمل میں آزاد ہیں تو اس ملک کے لئے خطرہ باقی ہے۔ ترکی میں وسط ایشیائی تہذیب کے احیاء کا جذبہ پیدا ہوا تھا جس کا داعی ''ضیاء گوکالپ'' تھا اور اس کے سب سے بڑے ہیرو کمال اتاترک تھے۔ اسی طرح ایران میں بھی ماقبل اسلامی تہذیب کے احیاء کے کبھی کبھی باتیں ہوئی ہیں۔ آپ کے اس ملک میں کسی صوبہ میں قدیم تہذیب کے احیاء کا کوئی جذبہ پیدا ہو جائے اور تحریک چل جائے تو پھر پاکستان کے لئے بڑا خطرہ ہے۔ میں یہ عرض کروں گا کہ صرف وحدت ایمانی اور وحدت اسلامی ہی میں ہمارے لئے پناہ ہے۔ اس کے علاوہ اگر کوئی ''وحدت'' پیدا ہوئی تو اس ملت اور ملک کا شیرازہ منتشر کر دے گی۔ طاقتیں ایک دوسرے سے ٹکرائیں گی اور جاہلی عصبیتیں دوبارہ زندہ ہو جائیں گی۔ جس کو اسلام نے ختم کیا تھا:

اذجعل الذین کفروا فی قلوبهم الحمیة حمیة الجاهلیة

جب اہل کفر نے اپنے دلوں میں حمیت جاہلیہ کو جاگزیں کر لیا۔

آنحضرت ﷺ نے شاید کسی مسئلہ اور کسی موقع پر اتنی سخت زبان استعمال نہیں کی، مجھے آپ یہ کہنے کی اجازت دیجئے کہ زبان نبوت سے شاید پہلی مرتبہ ایسے سخت لفظ نکلے جو اس جاہلی عصبیت کے بارے میں آپ کی زبان سے نکلے تھے۔ اس لئے کہ آپ ﷺ کو اللہ نے جو بصیرت عطا فرمائی تھی اور وحی الٰہی کی علاوہ جو اللہ تعالیٰ نے آپ کا شرح صدر فرمایا تھا اور آپ پر حقائق منکشف کر دیئے تھے، اب قوموں اور ملتوں کی تاریخ آپ کے سامنے تھی، اس کی بناء پر

سب سے بڑا فتنہ آپ اس کو سمجھتے تھے۔ اسی عصبیت جاہلیہ کے احیاء کو آپ نے فرمایا:

من تغری علیکم بغراء الجاهلية فاعضوه بهن ابيه ولا تكنوا

اگر تمہارے سامنے کوئی جاہلی عصبیت کا نام لے یا کہے کہ فلاں قبیلہ، فلاں قوم کی دہائی ہے، فلاں کی زبان کی دہائی ہے یا کسی قوم کی توہین کرے، محض نسلی بنیاد پر یا قبائلی بنیاد پر یا ایسے کسی عصبیت پر تو آپ نے فرمایا کہ سخت سے سخت لفظ اس کے لئے بولو اور اشارے و کنائے سے بھی کام مت لو۔ یعنی جو سخت سے سخت لفظ تمہاری زبان میں ہے وہ لفظ تم اس کے لئے استعمال کرو، اس لئے کہ آپ نے دیکھا ہے کہ یہ وہ عصبیت ہے جو دم کے دم میں ہزاروں برس کے علمی و ادبی اور تہذیبی ذخیرے پر اور خدا کے مخلص اور بے لوث بندوں کی کوششوں پر اور ان کا خون نہ پسینہ ایک کردینے پر پانی پھیر دیتی ہے۔ یہ عصبیت ایسی اندھی ہے جس سے بڑھ کو کوئی اندھا وجود دنیا میں پیدا نہیں ہوا، یہ کسی کی رعایت کرنے کے لئے تیار نہیں۔

میں آپ کو آگاہی دیتا ہوں، اور اپنی بات پہچانا چاہتا ہوں کہ اس ملک کے لئے سب سے زیادہ خطرناک چیز یہ لسانی یا تہذیبی عصبیت یا قدیم تہذیب کے احیاء کی دعوت ہے۔ میں تنہا پاکستان کی بات نہیں کرتا اور بھی دوسرے ممالک میں مثلاً مصر میں یہ جذبہ پیدا ہو جائے کہ فرعونی تہذیب کو زندہ کیا جائے۔ جیسا کہ چند سال پہلے یہ فتنہ کھڑا ہوا تھا۔ یا ایران میں سائرس کی عظمت اور اس کو ایران کا ہیرو بنانے کا فتنہ پیدا ہو جائے تو وہاں اسلام کی چولیں ہل جائیں گی۔ اس لئے اس وحدت اسلامی کو مضبوط کرنے کی ضرورت ہے، یہی وحدت اسلامی ہے جو امن پسند اور تعمیر کی صلاحیت رکھنے والی ہے، وہ انسانوں کو جوڑتی ہے توڑتی ہے اور انسانوں کے لئے تعمیر کا باعث ہے۔ تخریب کا باعث نہیں۔ اللہ نے ہم کو آپ کو بہت پہلے یہ نعمت عطا کی تھی

واذكرو نعمة الله عليكم اذ كنتم اعدآء فالف بين قلوبكم
فاصبحتم بنعمته اخواناً

خدا کے اس احسان کو یاد کرو جب تم ایک دوسرے کے دشمن تھے، ایک دوسرے کے خون کے پیاسے تھے، اللہ نے تمہارے دل ملا دیئے، تم اس کے فضل سے، اس کے احسان سے بھائی بھائی ہو گئے اور ایسے بھائی ہوئے کہ انسان انگشت بدنداں رہ جاتا ہے۔ جب سیرت کے واقعات پڑھتا ہے کہ مصعب بن عمیرؓ کے بھائی ابوعزیز کی مشکیں باندھی جارہی ہیں، مصعب

جب سامنے سے گزرتے ہیں تو کہتے ہیں ذرا اچھی طرح باندھنا موٹی اسامی ہے، اس کے فدیہ کی زیادہ رقم وصول ہوگی۔ وہ اپنے بھائی مصعب کی طرف دیکھتے اور کہتے ہیں کہ اے میرے بھائی تم سے تو امید یہ تھی کہ میری سفارش کروگے اور تم الٹا اس شخص کو ہدایت دیتے ہو۔ تو انہوں نے کہا کہ تم میرے بھائی نہیں، میرا بھائی یہ ہے جو تم کو باندھ رہا ہے۔ اس عقیدت کی وحدت نے اور مقصد کی وحدت نے اس طرح دلوں کو ملا دیا تھا، اس کے مقابلہ میں زبان کی وحدت کا حال معلوم ہے۔ آپ دیکھتے ہیں کہ ایک زبان بولنے والوں کو آپس کے تعلقات کا کیا حال ہے، کیا ان کی زبان نے ملانے کا کوئی کام کیا تھا، کیا اس نے ان کو نفسانیت اور اپنے ذاتی اغراض سے بالاتر کر دیا ہے اور کیا اس نے اصلاح انسانیت کا جذبہ پیدا کیا ہے، کیا وہ دوسری زبان والوں کے مقابلے میں صف آرا ہونے سے فرصت پاتے ہیں تو آپس میں شیر و شکر ہو جاتے ہیں کہ وہ ایک دوسرے کی عزت کو اس احترام کی نظر سے دیکھتے ہیں جس سے اپنے مال کو، اپنی عزت و آبرو کو دیکھتے ہیں۔ اقبال نے کہا ہے:

یک دلی از یک زبانی بہترا است

ایک زبان ہونے سے کام نہیں چلتا۔ ایک دل ہونا چاہئے اور زبان ایک دل نہیں کرتی۔ صرف منفی رول ادا کرتی ہے، دوسروں کے مقابلہ میں زبان کی دہائی دے کر یا زبان کا حوالہ دے کر وہ ان طاقتوں کو مجتمع کرتی ہے جس سے ان کو مقابلہ کرنا ہے

آپ کو وحدت اسلامی کا منصب حاصل ہے:

اللہ نے اس وحدت اسلامی ہی کی نعمت ہی آپ کو عطا نہیں کی ہے، آپ کو اس کی دعوت دینے کی ذمہ داری بھی تفویض کی ہے۔ آپ کا فرض ہے کہ دنیا کے سامنے نمونہ پیش کریں کہ وحدت اسلامی کے ثمرات و برکات کیا ہوتے ہیں۔ اگر کسی کو وحدت اسلامی کو دیکھنا ہو تو وہ پاکستان کو دیکھے، یہاں کسی ایسی وحدت کی اجازت اور اس کے لئے آپ کو کسی قسم کی کوئی چھوٹ نہیں دینی چاہئے جو آپ کو ایک دوسرے سے جدا کرے اور یہاں وہ مشکلات اور وہ مسائل پیدا کرے جن کا حل کسی بڑے سے بڑے سیاستدان اور کسی بڑے سے بڑے قائد کے پاس نہیں، یہ اللہ کی نعمت کی بڑی ناقدری ہوگی کہ جس بنیاد پر یہ ملک و معاشرہ قائم ہوا ہے، وہ بنیاد منہدم یا کمزور ہو جائے۔ یہاں مسلمان کس کشش پر آئے؟ کس نام پر آئے؟ کس شمع پر یہ

سب پروانے جمع ہوئے؟ کیا وہ زبان تھی؟ کیا وہ تہذیب تھی؟ کیا وہ معاشرت وتمدن تھے۔ یہاں کی آبادی کے مختلف حصوں میں معاشرہ وتمدن کا ایسا فرق بھی ہوسکتا ہے جو دو قوموں میں ہوتا ہے۔ صوبہ سرحد کے رہنے والے اور یوپی کے رہنے والے ایک مسلمان کے تمدن میں، لباس میں، وہ فرق ہوسکتا ہے جو دو ملکوں کے باشندوں میں ہوتا ہے۔ یہ فرق موجود ہے اور اگر آپ اس موقر مجلس پر نظر ڈالیں تو یہ فرق آپ کو نظر آجائے گا، لیکن ان سارے امتیازات پر، ان سارے تنوعات پر جو چیز حاوی ہے وہ کیا ہے؟ وہ یہ وحدت ایمانی ہے۔ یہی وحدت ایمانی آپ کو مربوط بھی رکھے گی، مضبوط بھی، باعزت بھی رکھے گی، محفوظ بھی۔ آپ اس وحدت کی قدر کریں، دنیا میں اس کے داعی اور علمبردار بنیں، یہ اپنی خدمت بھی ہوگی، معاصر دنیا کی بھی جو تفریق وتقسیم کی زخم خوردہ ہے۔

آخر میں میں آپ سب حضرات کی عزت افزائی اور محبت کا شکر گذار ہوں کہ آپ دور دور سے تشریف لائے اور دلچسپی اور توجہ سے میری معروضات سنیں۔ خاص طور پر حکیم محمد سعید صاحب کا شکر گذار ہوں کہ انہوں نے میرے لئے ایسا زریں موقع اور ایک ایسی چیدہ مجلس یہاں بلائی جس کے سامنے مجھے اپنے خیالات کے اظہار کا موقع ملا۔ اللہ تعالیٰ آپ سب کو جزائے خیر عطا فرمائے۔

خدا کی بستی دوکان نہیں

یہ تقریر ۲۷ جولائی ۱۹۷۸ء کو محکمہ اوقاف کے صدر دفتر لاہور میں علماء، وکلاء اور دانشوروں کے سامنے اس استقبالیہ میں کی گئی جو محکمہ اوقاف نے مقرر کر دیا تھا۔

الحمد لله نحمده ونستعينه ونتوكل عليه ونعوذ بالله من شرور انفسنا ومن سيئات اعمالنا من يهده الله فلا مضل له ومن يضلله فلا هادى له ونشهد ان لا اله الا الله وحده لا شريك له ونشهد ان محمدا عبده ورسوله صلى الله تعالىٰ عليه وعلى آله واصحابه وسلم تسليما كثيرا

یہ دنیا ایک مقدس وقف ہے:

حضرات علماء کرام، کارکنان محکمہ اوقاف وحاضرین مجلس!

میں محکمہ اوقاف کا شکر گزار ہوں کہ اس نے مجھے یہاں دعوت دے کر میری عزت افزائی کی، مجھے جب یہ دعوت ملی تو میں یہ سمجھا کہ ایک محدود تعداد میں وہ حضرات ہوں گے جن کا محکمہ اوقات سے ذمہ دارانہ تعلق ہے، ان سے تعارف ہوگا اور میں محکمہ اوقاف کی کارگزاری یا اس کی سرگرمی کے جو میدان ہیں ان سے واقفیت حاصل کر کے مسرت حاصل کروں گا اور اپنی معلومات میں اضافہ کروں گا، لیکن جب یہاں پہنچا تو معلوم ہوا کہ آج اس تقریب اور اس اجتماع کا موضوع ہے ”موجودہ دنیا میں اسلام کی ضرورت ہے۔“ میں سوچتا رہا کہ اس موضوع سے اس قابل قدر محکمے کا کیا تعلق ہے؟ لیکن میں نے فوراً ہی اس تعلق کا انکشاف کر لیا کہ حقیقت میں ہماری یہ دنیا بھی ایک مقدس وقف ہے اور اس کی متولی بھی حقیقت میں وہی لوگ ہو سکتے ہیں جو اس وقف کے مقصد سے واقف ہوں اور واقف کے مقاصد و منشا سے ان کو نہ صرف دلچسپی ہو بلکہ وہ اس کے وفادار بھی ہوں۔

اس وقت دنیا کا حال یہ ہے کہ دنیا ایک ایسا مظلوم وقف ہے جس کے متولی اس کے مقاصد سے بالکل نا آشنا ہیں بلکہ اس میں بھی میں نے بڑی احتیاط برتی ہے، واقعہ یہ ہے کہ وقف کے مقصد و منشاء کے مخالف ہیں اور ابھی تک وہ یہ بھی دریافت نہیں کر سکے کہ اس عالم

انسانی اور اس کائنات کا واقف ہے کون؟ آپ حضرات کو خوب معلوم ہے اور عملی تجربہ ہے کہ سب سے پہلے تو واقف کا علم ہونا چاہئے، پھر واقف کا مقصد و منشاء معلوم ہونا چاہئے، پھر یہ جذبہ پیدا ہونا چاہئے کہ ہم اس کے امین ہیں۔ قرآن مجید میں اس "تولیت" کے لئے مختلف الفاظ آئے ہیں مثلاً ایک جگہ بہت واضح طریقہ پر فرمایا **وانفقوا مما جعلكم مستخلفين فيه**. یہ استخلاف بھی ایک طرح کی تولیت ہے کہ خالق کائنات نے اس زمین کو پیدا کیا اور اس پر انسان کو بسایا نسل انسانی کو پیدا کیا اور فرمایا" **هو الذى خلق لكم ما فى الارض جميعا**" یہ کہا کہ تم اصالۃً اس کے مالک نہیں ہو، بلکہ ہمارے خلیفہ کی حیثیت سے ہمارے منشاء کے مطابق اس کا انتظام کرنے کے مکلّف و ذمہ دار ہو۔ چھوٹے سے چھوٹے وقف کے لئے بھی قانون بنا ہوا ہے اور اس کے بھی ضابطے ہیں اور میں جس جگہ سے اپنی یہ معروضات پیش کر رہا ہوں یہ اس کا ایک مرکزی مقام ہے جس کی بنیاد اس پر ہے کہ ان اوقاف کی حفاظت کی جائے اور میں پوری توقع کرتا ہوں کہ آپ اس کے امین ثابت ہو رہے ہوں گے لیکن یہ بدقسمت سرزمین اور یہ مظلوم وسیع ترین وقف جس کی کوئی نظیر اوقاف کی تاریخ میں نہیں مل سکتی (اس لئے کہ اوقاف کی تاریخ تو بہت بعد کی ہے) خدا نے یہ کرۂ ارض، یہ سیارہ ایک وقف کی حیثیت سے بہت پہلے پیدا کیا تھا اور انبیاء علیہم السلام کو، ان کی امتوں کو اور ان کے جانشینوں کو اس کا متولی بنایا تھا، یہ بھی ایک محکمہ اوقاف تھا اور اس کے بعد آخری طور پر سید الانبیاء، خاتم النبیین، اشرف المرسلین محمد رسول اللہ ﷺ فداہ رواحنا ونفوسنا کو اور ان کی امت کو آخری طور پر اس کا متولی بنایا گیا۔

امت خودرو کھیتی اور جنگلی گھاس نہیں:

آنحضرت ﷺ کی بعثت کی خصوصیت ہے کہ اور انبیاء علیہم السلام کی بعثت منفرد بعثت ہوتی تھی، ان کی ذات کی بعثت ہوتی تھی، لیکن آپ کی بعثت کی خصوصیت یہ ہے کہ آپ کے ساتھ ایک امت بھی مبعوث کی گئی یعنی وہ امت خودرو کھیتی اور کوئی جنگلی گھاس نہیں ہے، حشرات الارض کا کوئی مجموعہ نہیں ہے بلکہ اس کے لئے قرآن مجید میں، سنت نبوی میں، احادیث صحیحہ میں جو الفاظ استعمال کئے گئے ہیں وہ ذمہ داری کے الفاظ ہیں اور انتہائی ذمہ داری کا اظہار ان الفاظ سے ہوتا ہے، چنانچہ فرمایا:۔

كنتم خير امة اخرجت للناس

''اخرجت'' کا لفظ بتاتا ہے کہ یہ امت کسی مقصد کے لئے پیدا کی گئی ہے، انسانیت کی حفاظت اور فاطر کائنات کے مقاصد کو بروئے کار لانے کے لئے خلیفۃ اللہ کی حیثیت سے، اور حدیث میں اس سے بھی زیادہ واضح اور صریح الفاظ ہیں کہ فرمایا: '' **انما بعثتم میسرین ولم تبعثوا معسرین** " اس میں بعثت کا لفظ استعمال کیا گیا ہے کہ تم بھیجے گئے ہو، تمہیں مقرر کیا گیا ہے، تمہیں نامزد اور نصب کیا گیا ہے، تمہاری ایک حیثیت متعین کی گئی ہے اور تمہاری ڈیوٹی لگائی گئی ہے اور ''میسرین'' سہولت پیدا کرنے والے کی حیثیت سے مشکلات پیدا کرنے والے کی حیثیت سے نہیں۔ اگر ایک چھوٹے سے چھوٹا وقف ضائع ہو رہا ہو تو حکومت اس کی ذمہ دار ہوتی ہے، حکومت اس کی مدعی بن جاتی ہے، وقف کی حفاظت کے لئے خواہ وہ مسجد کی شکل میں ہو چاہے یتیم خانہ کی شکل میں، خواہ کسی جائیداد کی شکل میں ہو، حکومت اپنے پورے اختیارات سے اور تمام وسائل سے کام لیتی ہے اور آپ کو دن رات ان واقعات سے واسطہ پڑتا ہے۔

خدا کی بستی دکان نہیں ہے:

لیکن کیسی قابل رحم حالت ہے اس وقف کی جس کے متولی غلط تصرف کر رہے ہیں، بلکہ اس کے مالک بن بیٹھے ہیں اور مالک بننے کے باوجود اس کے ساتھ دشمنوں کا سا سلوک کر رہے ہیں، قبرستانوں کا جیسا سلوک کر رہے ہیں، کسی قبرستان کا وہ حشر نہیں ہوگا جو اس معمورہ جہاں کا حشر ہوا، اس آبادی کو ویرانہ اور قبرستان بنا دیا گیا۔ بقول اقبال

''جسے فرنگی مقامروں نے بنا دیا ہے قمار خانہ''

آپ کے اسی شہر کے شاعر عظیم نے اہل یورپ کو خطاب کر کے کہا تھا۔ ع

''خدا کی بستی دکاں نہیں ہے''

آپ کسی مسجد کو قمار خانہ بنتا نہیں دیکھ سکتے لیکن وہ سرزمین جس کے متعلق کہا گیا تھا۔ **جعلت لی الارض مسجداً وطهورا** میرے لئے پوری زمین مسجد بنا دی گئی ہے۔ اس مسجد کو فرنگیوں نے قمار خانہ بنا دیا۔

میں سمجھا کہ یہ موضوع مقرر کرنے والوں نے بڑی ذہانت کا ثبوت دیا ہے، اور اس وقف سے اس بڑے وقف کی طرف توجہ دلائی ہے، یہ آپ کے موضوع سے بالکل غیر متعلق نہیں ہے، آپ اس دنیا کی حالت پر نظر ڈالیں اور دیکھیں اس دنیا کے ساتھ کیا سلوک کیا جا رہا ہے، جن کو

تعمیر کا کام کرنا چاہئے تھا، وہ تخریب کا کام کر رہے ہیں، جن کو اسے امانت سمجھنا چاہئے تھا وہ اس کو ذاتی ملکیت نہیں بلکہ میراث سمجھ رہے ہیں۔ جن کو اس میں اس کی ضروریات اور وہاں رہنے والوں کے جذبات کا خیال رکھنا چاہئے تھا وہ ان کے جذبات اور ان کی ضروریات کے کھنڈر پر یا ان کے مقبروں پر اپنی عیش گاہیں تعمیر کر رہے ہیں، اسوقت دنیا کی صورت کیا ہے؟ کسی وقف کا وہ برا حال کبھی نہیں ہوا ہوگا جو اس وقت اس عظیم بلکہ وقف اعظم کا ان لوگوں نے کر دیا ہے جو اس کے متولی بن بیٹھے ہیں۔ جو متولی نہیں بنائے گئے، غاصب ہیں، انہوں نے اس دنیا کی قبریں کھودنی شروع کر دیں اور پرانی قبریں ہی نہیں نئی قبریں بنانی شروع کیں اور افراد کی نہیں بلکہ قوموں اور ملکوں کی قبریں کھودنی شروع کر دی ہیں، اب تو معاملہ یہاں تک پہنچ گیا ہے۔ انسانیت کی قبریں کھودی جا رہی ہیں۔ یہ سازش ہے انسانیت کے خلاف، یہ سازش ہے اخلاق کے خلاف، یہ سازش ہے بقول اقبال دین کے خلاف یہ سازش ہے انسان کے مستقبل کے خلاف، بلکہ اب تو ڈر یہ ہے کہ انسان کے حال کے خلاف بھی سازش ہے، یہ وقف اس بری طرح ضائع ہو رہا ہے کہ دنیا کے ہر انسان کو اس پر آنسو بہانا چاہئے اور ہر انسان کو نالشی بن جانا چاہئے۔

اسلام کی عدالت قائم کیجئے:

اس وقف کے ساتھ جو سلوک روا رکھا جا رہا ہے اس کے خلاف پوری بنی نوع انسان کو اور پوری افرادِ بشر کو مدعی ہونا چاہئے لیکن کس عدالت میں یہ مقدمہ دائر کیا جائے؟ کیا اقوام متحدہ کی عدالت میں یہ مقدمہ دائر ہو سکتا ہے؟ آپ کا ذاتی مقدمہ ابتدائی عدالتوں سے لے کر چیف جسٹس کی عدالت یا ہائی کورٹ میں جائے گا، پھر سپریم کورٹ میں جائے گا لیکن یہ انسانی کنبہ جس کے خلاف یہ عالمگیر سازش کی گئی ہے اور جسے خاک وخون میں ملایا جا رہا ہے، اس کے خلاف کس کی عدالت میں مقدمہ دائر کیا جائے؟ اور اس وقف کو کیسے بحال کیا جائے گا؟ قانون دانوں سے پوچھئے، اور انسانیت کے بہی خواہوں سے پوچھئے کہ کس عدالت میں یہ مقدمہ دائر کیا جائے، مشکل یہ ہے کہ مدعا علیہ ہی جج ہے، اس مقدمہ کا کیا حشر ہوگا جس کا جج خود مدعا علیہ ہے؟ اسی کے خلاف ہم مقدمہ دائر کرنا چاہتے ہیں اور اسی کی عدالت میں مقدمہ دائر کر رہے ہیں، اس مقدمہ کا کیا فیصلہ ہوگا؟ اس لئے اصل ضرورت یہ ہے کہ وہ عدالت قائم ہو جائے

جہاں یہ مقدمہ دائر کیا جائے، وہ عدالت اس وقت دنیا میں موجود نہیں، وہ طاقت موجود نہیں جو اس مقدمہ کا فیصلہ کرے۔ اس میں دو صفتیں ہونی چاہئیں ایک صفت عدالت، ایک طاقت، اگر آپ کسی دانشور کے سامنے، کسی انسانیت کے بہی خواہ کے سامنے مقدمہ لے جائیں تو وہ اپنا فیصلہ تو صادر کردے گا لیکن اس کو تنفیذ کے اختیارات نہیں۔ آج کوئی مسلمان ملک اس پوزیشن میں نہیں جو انسانیت کی دادرسی کرسکے، بلکہ اپنے ملک پر جو ظلم اور خطرہ درپیش ہے اس کو دور کر سکے۔ اس وقت المیہ یہ ہے پورے عالم انسانی کا کہ اس مقدس امانت میں جو ایک وقف کی حیثیت رکھتی تھی، خیانت کی جارہی ہے اور دنیا میں خیانت کی کوئی ایسی مثال ہم کو نہیں ملتی، اس مقدس امانت میں خیانت کی جارہی ہے۔ یہاں کی ہر چیز کو شیر مادر سمجھا گیا ہے۔ جس کی لاٹھی اس کی بھینس اور جنگل کا قانون دنیا میں نافذ ہے۔ اس مقدس وقف کو جس کو خدا نے اہتمام کے ساتھ بنایا، قرآن مجید میں مختلف سورتوں میں اس کا بار بار اللہ نے ذکر کیا ہے۔ اس کا ایک مرتبہ کہہ دینا کافی تھا، لیکن تفصیل کے ساتھ بیان کرتا ہے کہ ہم نے زمین اس طرح بنائی پھیلائی، اس طرح زمین بچھائی، آسمان کا شامیانہ نصب کیا، سورج کو اس کے لئے قندیل بنایا اور چاند کو اس کے ٹھنڈک اور روشنی کا ذریعہ بنایا، کھیتیاں اگائیں، اس پر نباتات اگائے، اس میں چشمے بنائے۔ یہ سب کیوں کیا جاتا ہے؟ تاکہ آپ کو اس وقف کی عظمت معلوم ہو۔ آپ کو اگر پتہ چلے کہ کسی کاغذ میں یہ اندراج ہے کہ یہ وقف ایسے عظیم مقاصد کے لئے کیا گیا ہے اور اس وقف میں اس بات کی صلاحیت ہے، اس کا رقبہ اتنا بڑا ہے، اس میں اتنی عمارتیں موجود ہیں، اس میں ایک عظیم کتب خانہ ہے، تو آپ کو اس کی اہمیت کا احساس ہوگا۔ خدا نے زمین کے بنانے کے سلسلے میں جو تفصیلات بیان کیں اس کا مقصد یہ ہے کہ ہم اس وقف کی عظمت کو سمجھیں لیکن آج دنیا کا حال کیا ہے؟ یا تو کہیں صریح تخریب کا عمل جاری ہے، کہیں یہ حالت ہے کہ وسائل ہیں لیکن مقاصد نہیں، سب کیا جاسکتا ہے لیکن جن کے ہاتھ یہ وسائل ہیں وہ نہیں جانتے کہ ان کو کس طرح استعمال کریں؟ ان سے انسانیت کی فلاح میں کس طرح کام لیں؟ انسانیت کے دکھ درد کو ان سے دور کریں، انسان کو انسان سے ملائیں، انسان کے دل سے عداوت اور کینہ کا مادہ نکالیں اور محبت و اعتماد کو اس کی جگہ قائم کریں، انسان کو انسان کی مدد کے قابل بنائیں۔ ان کے پاس یہ مقاصد نہیں ہیں۔

مسیحیت اور یہودیت رہنمائی سے قاصر ہیں:

یہ مقاصد صرف انبیاء علیہم السلام کے ذریعے حاصل ہو سکتے تھے اور سوائے اسلام کے ہر مذہب کا دامن ان سے خالی ہو چکا ہے اور مسیحیت کا دامن تو ایسا خالی ہوا کہ اس کی مثال ملنی مشکل ہے۔ خالی ہی نہیں بلکہ اس نے اپنے دامن کو جھٹک دیا ہے اور اس میں جو کچھ تھا اس کو دور پھینک دیا ہے۔ مسیحیت آج اپنی قوموں کی (جنہوں نے اس کو قبول کیا ہے اور اس کی حلقہ بگوش ہیں) رہنمائی سے بالکل قاصر ہے، مسیحیت ان کی رہنمائی کرے، ان کی بے اعتدالیوں پر کوئی قدغن لگائے اور زندگی کی مشکلات میں ان کی عقدہ کشائی کرے، اس سب سے عاجز ہے، اس لئے کہ موجودہ مسیحیت وہ مسیحیت نہیں ہے جو سیدنا عیسیٰ ابن مریم علیہما السلام کے ذریعہ پہنچی ہے، یہ سینٹ پال کی مسیحیت ہے جو یورپ میں آ کر مسخ ہوئی۔ یہودیت کا جہاں تک معاملہ ہے وہ اس سے پہلے بگڑ چکی تھی، وہ چند رسموں کا نام ہے، نسل پرستی کا نام ہے، وہ یعقوب علیہ السلام کی اولاد کے گرد گھومتی ہے۔ اس کو دنیا کی کسی نوع، خاندان، کنبہ سے کوئی دلچسپی نہیں، بلکہ وہ اس پوری نسل انسانی کی تخریب ان کے اخلاق کو بگاڑنے کا منصوبہ رکھتی ہے۔ وہ صاف کہتے ہیں کہ ہمارا مقصد یہ ہے کہ ہم دنیا کی تمام قوموں میں بداخلاقی پھیلائیں، ان کی تمام اقدار کو، ان کی تمام بنیادوں کو متزلزل کر دیں، ان میں اخلاقی وانتشار، انارکی پیدا کریں، ان کو دماغی اعتبار سے، روحانی حیثیت سے، اخلاقی حیثیت سے دیوالیہ بنادیں تاکہ وہ ہمارے ہاتھوں شطرنج کے مہرے کی طرح کام کریں۔ ہم ساری دنیا کو اس طرح ذلیل کر دیں اور قوموں کو اتنا کمزور کر دیں کہ وہ ہمارے قدموں پر آ کر گر جائیں، یہ یہودیت ہے۔

اب اسلام رہ جاتا ہے جو زندگی میں رہنمائی کر سکتا ہے، موجودہ دنیا کو اسلام کی اس لئے ضرورت ہے کہ اخلاق و برباد ہو رہا ہے۔ انہوں نے کاش کہ دنیا کو یتیم خانہ ہی سمجھا ہوتا، یتیموں کی طرح قوموں کے ساتھ سلوک کرتے، اس کو یتیم خانہ نہیں قمار خانہ بنا دیا ہے۔ ہم اس پوزیشن پر بہت خوش ہوتے کہ دنیا میں قوموں کو یتیم سمجھ لیا جاتا، یورپ اس پر راضی ہوتا کہ سب یتیم ہیں اور ساری دنیا ایک یتیم خانہ ہے، اس کے ساتھ ہمدردی، غمگساری ہونی چاہئے۔ یہ بھی بہت غنیمت تھا۔

یہ دنیا شکارگاہ بنی ہوئی ہے:

لیکن نہیں یتیم خانہ بھی نہیں، یہ دنیا شکارگاہ بنی ہوئی ہے۔ شکاری نکلتے ہیں ہتھیار لے کر اور قوموں کا شکار کھیلتے چلے جاتے ہیں، قوموں کو پامال کرتے چلے جاتے ہیں، آج جو بڑی طاقتیں ہیں، ان کے نزدیک مشرقی اقوام کی قیمت، مسلم ممالک کی قیمت اتنی ہے کہ دنیا سے کچا مال (RAW METERIAL) ان کو ملے، پیٹرول ان کو پہنچتا رہے، اور اگر کوئی جنگ ہو تو یہ ان کے ذریعہ سے اپنے دشمن کا مقابلہ کرسکیں، ان کو اپنا سپاہی بنا سکیں، یہ گویا ایندھن ہیں ان کے باورچی خانہ کا، بس اس کے سوا کوئی قیمت نہیں، آپ یقین مانئے ع

مرے دیکھے ہوئے ہیں مشرق و مغرب کے میخانے

جس کو اب اہل مغرب "بلاد نامیہ" (ترقی پذیر ممالک) کہنے لگے ہیں، ورنہ پہلے تو پسماندہ کہتے تھے۔ پسماندہ اقوام کی قیمت ان کے نزدیک یہ ہے کہ ایک اچھا ایندھن ہے، جب آگ جلانا چاہیں، جب یہ اپنا مطبخ گرم کرنا چاہیں تو یہ قومیں اور یہ ملک ایندھن مہیا کریں، وہ یہ سمجھ رہے ہیں کہ قوموں کی تقدیر ہمارے ہاتھ میں آئی ہے، انہوں نے انسانوں کے ساتھ جانوروں کا، بلکہ جمادات کا سلوک کررکھا ہے اور آج کوئی طاقت نہیں جو اس کا مقابلہ کر سکے، سب اپنی طاقت اور اپنا جوہر کھو چکے ہیں، سب اپنا پیغام بھول چکے ہیں سب اپنا کردار چھوڑ چکے ہیں، سب میدان سے کنارہ کش ہو چکے ہیں۔

سارا انحصار اسلام اور مسلمانوں پر:

اس وقت سارا انحصار مسلمانوں اور اسلام پر ہے۔ آپ حضرات کی بہت بڑی ذمہ داری ہے، آپ اس ملک کی فکر کریں، معاشرہ کی اصلاح کی فکر کریں، اس وقت مسلم معاشرہ ہر ملک میں مرض کی ایسی حالت میں پہنچ گیا ہے کہ اس کی جلد خبر لینے کی ضرورت ہے، معاشرہ کا عیب یہ نہیں کہ وہ فاسد الاخلاق ہو گیا ہے، خطرہ کی بات یہ ہے کہ معاشرہ فاسد المزاج ہو گیا ہے اور کسی معاشرہ کا فاسد الاخلاق ہونا اتنا خطرناک نہیں ہے، اس کے لئے سو تدبیریں ہیں لیکن معاشرہ جب فاسد المزاج ہو جائے تو پھر دوا بھی اثر نہیں کرتی، اس وقت اس معاشرہ کی خبر لینے کی ضرورت ہے۔ محکمہ اوقاف اپنے وسائل کے ذریعہ اور ایک بہت بڑا وسیلہ جو اس کے ہاتھ

میں ہے۔ وہ اثر اور قبول اتنا عام ائمہ مساجد اور خطباء ہیں، یہ وہ ہیں جن کا عوام سے براہ راست ربط ہے۔ اگر ہمارا محکمہ اوقاف اس کے لئے تیار ہو جائے اور وہ ائمہ و خطباء اپنی ذمہ داری سمجھیں اور جب سے اختلافی مسائل چھیڑنے سے جو اس ملک کا انتشار بڑھاتے ہیں، اگر وہ معاشرہ کی اصلاح پر اپنی توجہ مرکوز کر دیں تو ملک کو بھی بچائیں گے اور عالم اسلام کی بہت بڑی خدمت کریں گے۔ آپ کو معلوم ہے جس وقت قسطنطنیہ محمد فاتح کی یلغار کے نیچے تھا، محمد فاتح کی فوجیں داخل ہو رہی تھیں، اس وقت اس پر بحث ہو رہی تھی کہ حضرت مسیح نے جو روٹی کھائی تھی عشائے ربانی میں وہ فطیری تھی یا خمیری تھی، اس پر بڑی متعصبانہ بحثیں اور بڑی بڑی نکتہ چینیاں ہو رہی تھیں اور محمد فاتح کی فوجیں یلغار کرتے ہوئے قسطنطنیہ میں داخل ہو رہی تھیں، مجھے اندیشہ ہے کہ یہاں بھی ایسے اختلافی مسائل نہ چھیڑے ہوں کہ فاتح تمدن کی یلغار جاری ہو فاتح تہذیب کی یلغار جاری ہو، اس وقت صورت حال یہ ہے کہ مغربی تہذیب فاتحانہ پیش قدمی کر رہی ہے، ہماری اسلامی بنیادوں کو ہلا رہی ہے بلکہ ہماری چولیں اور ہمارے اس ملک کی چولیں بھی ہلا رہی ہے، اسلامی معاشرت تبدیل ہو رہی ہے، اسلامی تمدن متاثر ہو رہا ہے، مسلمان ذہنی و فکری ارتداد کے شکار ہو رہے ہیں اور ہمارے یہاں علم غیب کی بحثیں ہو رہی ہیں، بشریت رسول کی بحثیں ہو رہی ہیں، تو توقع نہیں کہ اس نازک دور میں جب کہ ہمارے سروں پر خطرے کی تلوار لٹک رہی ہے، کوئی یہ بحثیں چھیڑے گا، لیکن اس دنیا میں سب کچھ ممکن ہے، ہو سکتا ہے ہم اپنی ذہانت ان فروعی اور نزاعی معاملوں میں ضائع کر رہے ہوں اور اپنی توانائی و طاقت اس میں برباد کر رہے ہوں، آپ سے یہ کہتا ہوں کہ آپ خطرے کو محسوس کریں، آپ کا ملک ایک دوراہے پر کھڑا ہے، اس موقع پر آپ متاع اسلام کو بچانے کی کوشش کریں، جب یہ بچ جائے گی تو پھر ان مسائل کا موقع ہوگا۔ یہ بحثیں مدرسہ کے اندر کی ہیں، یہ بحثیں مدرسوں سے باہر کی نہیں۔ یہ میں نے ابھی ایک بڑی کانفرنس میں جو خاص مسلک رکھنے والی جماعت نے ہندوستان کے ایک مقام پر کی تھی خطاب کرتے ہوئے کہا تھا کہ اختلافات ہمیشہ سے تھے، نماز کے اندر بھی مذاہب اربعہ میں اور مذاہب اربعہ کے باہر بھی کتنے اختلاف ہیں، ان کو گنا جائے تو درجنوں کی تعداد میں نکلیں لیکن کبھی ان سے انتشار نہیں پیدا ہوا۔ انتشار اس وقت ہوا جب معلمین و مدرسین مدرسہ سے نکل کر عوام میں آ گئے، غلطی یہ ہے کہ ان مسائل کا فیصلہ چوراہوں پر کیا

جائے، مسئلوں کا فیصلہ جلسۂ عام میں کیا جائے، ان مسئلوں کو نعرہ بنایا جائے، ان مسئلوں کو عوام کے حوالے کر دیا جائے، کہ اس سے بجائے ایک دوسرے سے ملنے کے وہ جدا ہوں، ورنہ یہ بحثیں تو ہمیشہ ہوتی رہی ہیں، ان سے علم میں اضافہ ہوا، ذہانت میں اضافہ ہوا اور یہ تو زندہ انسان و زندہ جماعت کی خصوصیت ہے کہ غور کرے، سمجھنے کی کوشش کرے، اس پر کوئی پہرہ نہیں بٹھا سکتا اور اگر یہ بحثیں عوام میں آجائیں اور ان سے سیاسی مقاصد حاصل کئے جائیں، جماعتی مقاصد حاصل کئے جائیں، ان سے اپنی بڑائی اور ذاتی مفادات کی حفاظت کا کام لیا جائے تو پھر یہ مضر ہی نہیں مہلک بن جاتی ہیں۔ یہ مسئلے فقہی ہیں، خالص علمی ہیں، کلامی ہیں، ان کو اپنے کتب خانوں میں رکھئے، مدرسوں میں رکھئے، دوستوں کے حلقوں میں رکھئے، طالب علموں کے سامنے رکھئے، ان کو عوام میں نہ لائیے، جو ہمارے معاشرہ میں مزید انتشار پیدا کرے اور مسلمان کو مسلمان سے الگ کرے اور مسلمان کو مسلمان سے توڑے، اس کی کوئی گنجائش نہیں۔ مولانا رومؒ نے تو بہت معمولی سی بات پر کہا ہوگا:

تو برائے وصل کردن آمدی
نے برائے فصل کردن آمدی

آپ کو جو مسائل درپیش ہیں وہ قوموں اور ملکوں کی قسمتوں کا فیصلہ کرنے والے ہیں، اس سے ہم کو بڑی احتیاط برتنی چاہئے۔ علمی بحثوں کا کوئی دروازہ بند نہیں ہو سکتا، میں تو ہرگز اس کی رائے نہیں دوں گا۔ اس لئے کہ میں طالب علم ہوں۔ لیکن ان کو سیاسی تفریق، جماعتی تفریق کے لئے، جماعتی مقاصد، سیاسی مقاصد کے حصول کے لئے اور محض جاہ طلبی کے لئے اور اپنی بات اونچی کرنے کے لئے استعمال نہیں کرنا چاہئے۔ اس وقت ہمیں پورے اخلاص کے ساتھ اللہ تعالیٰ سے عہد کر کے معاشرہ کی اصلاح کے کام میں لگ جانا چاہئے اور ملک کو اس تہذیبی و تمدنی ارتداد سے بچانا چاہئے۔

یہ محکمہ اوقاف جس کے دفتر میں آج ہم جمع ہیں، اس سلسلہ میں اہم کردار بلکہ فیصلہ کن کردار ادا کر سکتا ہے، اس لئے کہ ابھی تک خدا کے فضل سے عوام پر علماء کا اثر ہے۔ ائمہ کا اثر ہے، مساجد کا احترام ہے، منبر رسول ﷺ سے مسجد کے محراب و منبر سے جو آواز بلند ہوگی دلوں کی گہرائی تک پہنچ جائے گی، وہاں ہمارے سیاسی لیڈر اور ہمارے منتظمین کی آوازیں نہیں پہنچ سکتی

جہاں ان واعظین کی، خطیبوں کی اور علماء کرام کی آواز پہنچے گی، اس لئے اس آواز کے بارے میں اللہ سے ڈرنا چاہئے اور اس اثر کو بڑی احتیاط کے ساتھ استعمال کرنا چاہئے۔

ان الفاظ کے ساتھ میں آپ کا شکریہ ادا کرتا ہوں کہ مجھے آپ نے اتنے قابل قدر، قابل احترام علماء، خطباء، ائمہ مساجد اور اپنے مخلص مسلمانوں کے سامنے اپنے خیالات پیش کرنے کا موقع دیا۔

صالح اور طاقتور معاشرہ، اقتدار وتہذیب کی بنیاد اور اس کا سرچشمہ ہے

یہ تقریر ۲۵ مئی ۱۹۸۴ء کو موتمر عالم اسلامی (کراچی) کی طرف سے دیئے گئے استقبالیہ اور عشائیہ کے موقع پر بہادر یار جنگ اکاڈمی بہادر آباد کراچی میں کی گئی، جس میں نہ صرف کراچی بلکہ پاکستان کی سطح پر بھی چیدہ چیدہ برگزیدہ شخصیتیں اور فضلاء و دانشور خاصی تعداد میں موجود تھے، اس جلسہ کے داعی و منتظم ڈاکٹر انعام اللہ خان رکن تاسیسی رابطہ عالم اسلامی و سیکریٹری موتمر عالم اسلامی نے خیر مقدمی و تعارفی تقریر کی، اس کے بعد حسب ذیل خطاب ہوا

حضرات! ایسی باوقار نشستوں اور ایسی مجلسوں کی اگر کوئی قدر و قیمت اور اہمیت ہے تو یہ ہے کہ کچھ حقائق سامنے آئیں اور کسی صاحب دل، صاحب ضمیر اور حساس آدمی کے دل کو کوئی بات لگ جائے اور وہ اس کا داعی اور علمبردار یا کم سے کم اس کا موید بن جائے۔

عالم اسلام کے متعلق کچھ عرض کرنا دشوار بھی ہے، ناخوشگوار بھی اور نازک بھی۔ میں اپنے محدود تاریخی مطالعہ کی بنیاد پر کہہ سکتا ہوں کہ حملہ تاتار کے بعد سے شاید عالم اسلام پر ایسا سخت وقت اس سے پہلے نہیں آیا، اس وقت عالم اسلام میں جتنی حکومتیں قائم ہیں، جتنے آزاد مسلم ممالک پائے جاتے ہیں، عالم اسلام کے جو ذخائر ہیں، جو وسائل اور امکانات پائے جاتے ہیں وہ اس سے پہلے کبھی عالم اسلام کے پاس نہیں تھے۔ بعض چیزیں جو صنعتی نظام میں اور دنیا کے تمدن اور ترقی کے نظام میں شہ رگ کا کام دیتی ہیں، وہ چیزیں اس وقت عالم اسلام کے پاس وافر مقدار میں موجود ہیں، بہت سے شعبے ایسے ہیں جن میں معاصر ترقی یافتہ دنیا کو عالم اسلام کی احتیاج ہے اور ان میں اسلام سے صرف نظر نہیں کیا جا سکتا لیکن (ان سیاسی، اقتصادی، مادی پہلوؤں سے قطع نظر کر کے) اس وقت عالم اسلام کی سب سے بڑی آزمائش اور عالم اسلام کے لئے سب سے بڑی تشویش کی بات اس کی معنوی طاقت کی کمی ہے۔ آپ سب حضرات اہل نظر و اہل علم ہیں۔ آپ جانتے ہیں کہ تاتاریوں نے عالم اسلام کی چولیں ہلا دیں تھیں۔ انہوں نے عالم اسلام کو موت و حیات کی کشمکش میں مبتلا نہیں کیا تھا موت کے منہ میں

دے دیا تھا۔ عالم اسلام پر کبھی یاس کی ایسی کیفیت (میرے علم ومطالعہ) میں طاری نہیں ہوئی تھی جیسی کہ تاتاریوں کے زمانہ میں طاری ہوئی تھی۔ اس کی ایک معمولی سی مثال یہ ہے کہ اس وقت کی ایک کہاوت تھی کہ ہر بات مان لینا، ہر بات باور کر لینا سوائے اس بات کے کہ تاتاریوں نے کہیں شکست کھائی۔ وہ الفاظ اس طرح نقل کئے گئے ہیں جو عالم عربی میں زبان زد تھے "اذا قیل لک ان التتر انهزموا فلا تصدق" اگر تم سے کوئی معتبر آدمی بھی یہ کہے کہ تاتاریوں نے کسی معرکہ میں کسی موقع پر شکست کھائی تو اس کو باور نہ کرنا، یہ بات قابل یقین نہیں ہے۔ اس وقت عالم اسلام سیاسی وفوجی وانتظامی لحاظ سے تاتاریوں کے گھوڑوں کی ٹاپوں کے نیچے پامال ہو چکا تھا اور گویا سکرات کی حالت میں تھا۔

لیکن امید کی ایک روشنی تھی، وہ یہ کہ عالم اسلام اگرچہ اخلاقی زوال کا شکار ہو گیا تھا اور ایسے غیر معمولی حوادث بغیر اخلاقی زوال کے پیش نہیں آیا کرتے۔ لیکن اس اخلاقی زوال کے ساتھ عالم اسلام اپنی معنوی اور روحانی طاقت سے محروم نہیں ہوا تھا۔ اس میں ایسے افراد، جو مسلمانوں میں ایک نئی زندگی پیدا کر سکتے اور اخلاقی فتح حاصل کر سکتے تھے، خاصی تعداد میں موجود تھے، جو ممالک تاتاریوں کے حملہ کا میدان بنے، حکمت الٰہی اور رحمت الٰہی تھی کہ اہل دل، اہل ایمان اور اہل علم کے بڑے بڑے مرکز بھی وہیں قائم تھے۔ انہوں نے اپنا کام شروع کیا۔ تاتاریوں نے سیاسی، فوجی اور انتظامی حیثیت سے پوری کامیابی حاصل کر لی تھی اور عالم اسلام میں کہیں اس صورت حال کا مقابلہ کرنے اور اس کو بدلنے کی کوئی سکت نظر نہیں آتی تھی، لیکن ان اللہ کے بندوں نے اپنا کام شروع کیا اور بہت جلد وہ تاتاری جنہوں نے سیاسی حیثیت سے اسلام کو مفتوح بنا لیا تھا، روحانی، علمی اور ذہنی حیثیت سے عالم اسلام کے مفتوح بن گئے اور صرف مفتوح ہی نہیں بلکہ انہوں نے عالم اسلام کی قیادت سنبھال لی اور عالم اسلام کے پاسبان بن گئے۔ یہ ایک دلچسپ واقعہ ہے (جو شاید بعض حضرات کے لئے تاریخی انکشاف کی حیثیت رکھتا ہو) کہ حکمرانوں اور بادشاہوں کے ناموں میں "الدین" کی اضافت تاتاری حملہ سے پہلے بہت کم نظر آتی ہے۔ تاتاریوں کے حملہ سے پہلے ایسے مرکب نام جس کا دوسرا جز "الدین" ہو جیسے ناصر الدین، شمس الدین، ظہیر الدین، محی الدین، کم سے کم اہل حکومت میں بہت کم ہوتے تھے۔ تاتاریوں کے اس قبول اسلام کے بعد سے آپ کو کثرت سے یہ نام نظر

آئیں گے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ تاتاریوں نے عالم اسلام کو یہ تاثر دینا چاہا کہ ہم اب حامی دین ہیں، اب ہماری قسمت اسلام سے وابستہ ہوئی ہے۔ آپ مغل سلطنت کے ناموں کا مختصر جائزہ لیجئے جو تاتاری نسل سے تعلق رکھتے ہیں۔ بانی سلطنت کا نام ظہیر الدین بابر، اس کے فرزند کا نام نصیر الدین ہمایوں، اس کے بیٹے کا نام جلال الدین اکبر، اس کے بیٹے کا نام نور الدین جہانگیر اور اس کے بیٹے کا نام شہاب الدین شاہجہاں اور اس کے بیٹے کا نام محی الدین اورنگزیب۔ یہ محض اتفاقی امر نہیں ہے۔ تاتاریوں نے اپنی زندگی کو اور اپنے مستقبل کو، اپنے تخیل اور عزائم کو دین کے ساتھ وابستہ کر دیا اور مسلمانوں کو یہ یقین دلایا کہ ہم اب حامی دین ہیں، ماحی دین نہیں۔ اقبال نے اپنے اس شعر میں ایک تاریخی حقیقت بیان کی ہے کہ

ہے عیاں یورش تاتار کے افسانے سے
پاسباں مل گئے کعبہ کو صنم خانے سے

یہ تاتاریوں کے اس ذہنی انقلاب کا نتیجہ تھا کہ اب ہر بڑے آدمی کا نام اور ہر صاحب اورنگ وسریر کا نام دین کے ساتھ تعلق رکھتا ہے اور اس کی نسبت دین کے ساتھ ہے۔

آپ نے مولانا جمال الدین کا قصہ پڑھا ہوگا کہ ان کے ایک فقرہ نے ایک پوری تاتاری شاخ کو مسلمان کر لیا، یعنی تغلق تیموری شاخ جو ایران پر قابض تھی، وہ محض ان کے ایک فقرہ سے مسلمان ہوئی۔ اس شاخ کے سردار نے اشتعال کی حالت میں مولانا سے یہ کہا کہ ''میرا یہ کتا زیادہ عزت رکھتا ہے یا آپ؟'' تو انہوں نے نہایت سنجیدگی سے جواب دیا کہ اس کا فیصلہ ابھی نہیں ہو سکتا۔ اس نے کہا کیا مطلب؟ انہوں نے کہا ''اگر میرا خاتمہ ایمان پر ہوا تو میں زیادہ عزت والا ہوں اور اگر اللہ نہ کرے میرا خاتمہ ایمان پر نہیں ہوا تو یہ کتا مجھ سے بہتر ہے۔'' بس یہ جملہ اس کے دل پر نقش ہو گیا، وہ اس ایمانی زبان اور کلام سے بالکل آشنا نہیں تھا، بلکہ دنیا کا کوئی بھی فرمانروا اور کوئی فاتح قوم اس نکتہ کو نہیں سمجھ سکتی، اس لئے کہ اسی وقت فیصلہ ہو سکتا تھا کہ کتا معزز ہے یا یہ غریب مسلمان؟ لیکن اگر وہ کہتے کہ میں زیادہ عزت والا ہوں تو اس کی تلوار نیام سے نکل آتی اور کتے کے لئے وہ ان کو قربان کر دیتا اور اگر وہ کہتے کہ کتا مجھ سے زیادہ عزت والا

---

(۱) تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو ''تاریخ دعوت وعزیمت'' حصہ اول ص ۳۰۳۔۳۱۴ سے زیر عنوان ''تاتاری حملہ اور اس کے اسباب''

ہے تو ان کا ایمان خطرہ میں پڑ جاتا۔ ٹی آرنلڈ نے Preaching of Islam میں بھی اس کو ایک دوسرے رنگ میں پیش کیا ہے۔ اس نے لکھا ہے کہ انہوں نے یہ جواب دیا کہ اگر ہمیں ایمان کی دولت نصیب نہ ہوئی ہوتی تو یہ کتا ہم سے ہزار درجہ افضل تھا اور یہ کچھ بعید از قیاس اور اسلامی عقیدہ کے خلاف نہیں ہے۔ لیکن قدیم فارسی تاریخوں اور ترکی مآخذ میں یہ واقعہ اسی طرح بیان کیا گیا ہے جیسا کہ میں نے بیان کیا۔

تو اس وقت عالم اسلام کے پاس ایک بڑی طاقت تھی وہ روحانی معنوی طاقت تھی اور اس نے اپنا کام کیا اور جیسا کہ خود آرنلڈ نے لکھا ہے کہ اس وقت سب سے زیادہ ناقابل قیاس اور ناقابل یقین یہ پیش گوئی تھی کہ تاتاری اپنے لئے اسلام کا انتخاب کریں گے۔ ان کے سامنے کسی مذہب کے انتخاب کا مسئلہ آتا تو سب سے پہلی امیدوار مسیحیت تھی، اس لئے کہ ان کی حرم سراؤں میں عیسائی عورتیں تھیں، لیکن اس نے لکھا ہے کہ اسلام اپنے خاکستر کے نیچے سے برآمد ہوا اور اس نے تاتاریوں پر فتح پالی۔ میں اس وقت جو بات آپ سے عرض کرنا چاہتا ہوں وہ یہ ہے کہ حکومت واقتدار ثانوی چیز ہے۔ وہ در اصل ایک خاص طرح کی زندگی اور صورت حال کا ارتقاء ہے، اصل چیز نہیں ہے۔ اصل چیز جو حکومتوں کو بنانے والی ہے وہ معاشرہ ہے۔ اگر معاشرہ صحت مند ہے، معاشرہ اخلاقی زوال کا شکار نہیں ہوا ہے، اور معاشرہ (اچھے اور صالح) افراد پیدا کر رہا ہے اور پیدا کر سکتا ہے تو پھر تشویش کی کوئی بات نہیں۔ حکومتیں بدلتی رہیں گی لیکن معاشرہ وقت کے مطابق نئی نئی حکومتیں عطا کرتا رہے گا۔

میں مثال کے طور پر کہتا ہوں کہ محمود غزنوی نے ہندوستان پر حملہ کیا۔ اس کے بعد شہاب الدین غوری اور قطب الدین ایبک نے یہاں اسلامی سلطنت کو مستحکم کیا اور تقریبا پورا ہندوستان مسلمانوں کے زیر نگیں آگیا۔ یہ خاندان غلاماں تھا، غزنوی کے بعد خاندان غلاماں نے حکومت کی۔ اس کے بعد خلجیوں نے حکومت کی، اس کے بعد تغلق آئے، لودھی آئے، سوری آئے، سب کے بعد مغل آئے، یہ سب مختلف خاندان تھے اور مختلف نسلوں سے تعلق رکھتے تھے، ان کے درمیان کچھ تہذیبی اختلاف بھی تھا اور کچھ زبانوں کا فرق بھی تھا، لیکن درحقیقت برصغیر کا مسلم معاشرہ اس پورے عرصہ ایک صاحب صلاحیت اور صحت مند معاشرہ کی حیثیت سے قائم رہا۔ اسی کا نتیجہ تھا کہ خاندان بدلتے رہے لیکن اسلامی حکومت میں کوئی فرق

نہیں آیا۔ اگر مسلم معاشرہ اس قابل نہ ہوتا تو فوراً وہ برہمنی عنصر اور وہ خود غیر مسلم طاقت جو تاک میں تھی غالب آجاتی کیونکہ اس کو وہ سب قوتیں حاصل تھیں جو بڑی وسیع حکومتوں کی بنیاد رکھتی ہیں، اس کا مذہب اس ملک کا اصل مذہب تھا، اس کی تہذیب اس ملک کی اصل تہذیب تھی۔ مسلمان نووارد تھے، لیکن جس چیز نے ''انتقال سلطنت'' کو کلی طور پر ''انقلاب سلطنت'' میں تبدیل نہیں ہونے دیا، وہ کسی خاندان کی قابلیت نہیں تھی، وہ مسلم معاشرہ کی قابلیت تھی کہ خاندان بدلتے رہے لیکن ایک ہی مسلم حکومت رہی، ایک ہی آئین (اسلامی آئین) رہا، ایک ہی عائلی قانون شرع (محمدی) رہا، ایک ہی تہذیب رہی یعنی عربی، ہندوستانی، ترکستانی، ایرانی تہذیب کا آمیزہ جس پر اسلامی چھاپ غالب تھی، دربار کی زبان ترکی رہی یا فارسی اور دربار اور دفتر کی زبان فارسی رہی اور دین وعلم کی زبان عربی۔ ان میں سے کسی چیز میں کوئی تغیر نہ ہوا۔

آپ حضرات کو غور کرنا چاہئے کہ کسی ایک خاندان کے زوال کے بعد کتنا بڑا موقع تھا کہ فوراً ہندو عنصر غالب آجائے اور اس کی جگہ لے لے، یعنی جب خاندان غلاماں کا زوال ہوا اور سلطانہ رضیہ تخت سلطنت پر بیٹھی (اور اسلامی حکومتوں کی تاریخ میں یہ بڑا نازک مرحلہ تھا) میں سمجھتا ہوں کہ پوری اسلامی تاریخ میں ہندوستان جیسے وسیع خطہ میں ہندوستان کی جیسی پیچیدہ صورت حال میں کسی خاتون کا تخت سلطنت پر آنا بہترین موقع تھا کہ یہاں کی غالب اکثریت اس موقع سے فائدہ اٹھالے اور صدیوں کے لئے اسلامی سلطنت کا چراغ گل ہوجائے، وہ کیا چیز تھی جس نے سلطانہ رضیہ کی حفاظت کی اور اس کی بعد پھر خلجی خاندان ہی کے ایک فرمانروا کو جو چیز تخت سلطنت پر لائی اور اس کے بعد خلجیوں سے حکومت بلبن خاندان کی طرف منتقل ہوئی۔ عبوری دور بڑا نازک ہوتا ہے۔ اس عبوری دور میں بہت سے عناصر کو موقع ملتا ہے کہ وہ اپنا کام کرلیں، لیکن ایک دن کے وقفہ کے بغیر بلکہ ایک گھنٹہ کے وقفہ کے بغیر ایک مسلمان فرمانروا خاندان کی جگہ پر دوسرا مسلمان فرمانروا خاندان آجاتا ہے۔ کیا یہ محض اتفاقی واقعہ تھا؟ کیا ہندوستان کے غیر اسلامی عنصر میں حوصلہ مندی کا جذبہ اور ہندوستان کے اپنے ملک ہونے کا احساس اتنا معدوم ہوگیا تھا کہ وہ صورت حال سے کوئی فائدہ نہیں اٹھا سکتا تھا؟ ایسا نہیں تھا۔ آپ تاریخ فیروز شاہی کا مطالعہ کریں تو آپ کو معلوم ہوگا کہ ایسا بار ہا ہوا ہے کہ غیر مسلموں نے سازش یا کوشش کی ہے کہ وہ حاوی ہوجائیں لیکن ایسا نہیں ہونے دیا گیا۔ یہ کس بات کی دلیل

تھی؟! اسی کا نتیجہ تھا کہ خاندان میں زوال آتا تھا، لیکن مسلم معاشرہ میں عمومی طور پر زوال نہیں تھا۔ اس میں وہی دینی جذبہ تھا، اس میں وہی دینی حمیت تھی، اس میں اسلام سے وہی محبت تھی، اس میں اسلام کے افہام وتفہیم کے وہ مراکز قائم تھے جن کو مدارس کہا جاتا ہے، اس میں اسلام کی روحانیت کے تسلسل کے لئے وہ مرکز قائم تھے جن کو خانقاہوں کے نام سے تعبیر کیا جاتا ہے۔

میں اس کی ایک مثال دیتا ہوں، محبوب الٰہی سلطان المشائخ حضرت خواجہ نظام الدین اولیاءؒ کا تعلق سلسلہ چشتیہ سے ہے۔ سلسلہ چشتیہ والوں نے اصولاً یہ طے کرلیا تھا کہ وہ اسلامی سلطنت کے لئے دعا گوئی کا فرض انجام دیں گے، اور رہنمائی بھی کریں گے۔ لیکن ان سے دور رہیں گے، کوئی عہدہ قبول نہیں کریں گے۔ اس اصول پر حضرت محبوب الٰہی شدت سے کاربند رہے۔ انہوں نے سلطنت کو جاڑوں کی اس آگ کی طرح سمجھا کہ جس سے ذرا دور رہ کر تاپا جائے اور گرمی حاصل کی جائے، لیکن اس کے اندر داخل نہ ہوا جائے۔ وہ سلطنتوں سے اتنے دور رہتے تھے کہ ان کے حالات سے تو واقف رہے لیکن اس میں ملوث نہیں ہوئے۔ ان کا دہلی کی سلطنت سے ایسا تعلق تھا کہ جب کوئی سخت وقت آتا تھا تو دہلی کے فرمانروا ان کی طرف رجوع کرتے تھے۔ ایک مرتبہ علاء الدین خلجی نے جب جنوب میں ملک عنبر کی ماتحتی میں مہم بھیجی اور چوکیاں اٹھ گئیں اور بہت دنوں تک خبر نہیں آئی تو اندیشہ ہوا کہ اسلامی فوج ضائع ہوگئی۔ بادشاہ نے پریشان ہوکر اپنے ایک معتمد کو حضرت خواجہ نظام الدین اولیاءؒ کے پاس بھیجا اور کہا کہ حضرت کو مسلمانوں کی فکر اور مسلمانوں کی جان کی قیمت کا احساس ہم سے زیادہ ہے۔ اس وقت ہمیں کوئی پتہ نہیں چل رہا ہے کہ ہماری فوج جو جنوب کی طرف گئی تھی اس کا کیا حشر ہوا؟ ہم سب پریشان ہیں۔ حضرت نے جواب دیا کہ ''انشاء اللہ خیریت ہے، بادشاہ کو فتح کی مبارکباد کہنا اور کہنا کہ اور فتوحات بھی حاصل ہوں گی۔'' ایک طرف تو بادشاہ کو اطمینان دلایا، دوسری طرف اپنی خانقاہ کے سارے ذاکرین کو ذکر چھڑا کر دعا کے لئے بٹھا دیا کہ تم دعا کرو۔ میں ایک دوسری مثال دیتا ہوں۔ حضرتؒ جب رات کو آرام فرمانے کے لئے لیٹتے تھے تو خاص طور سے امیر خسروؒ کو جو بڑے مقرب تھے طلب فرماتے تھے اور کہتے تھے کہ ''کہو دہلی میں کیا ہو رہا ہے؟'' یہ گویا اخبار تھا اور رات کو حضرت یہ اخبار سنتے تھے۔ جو لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ سارے مشائخ نے دنیا سے بالکل آنکھیں بند کر رکھیں تھیں اور وہ سلطنت وسیاست کی ہوا بھی اپنی

خانقاہوں میں نہیں لگنے دیتے تھے، غلط ہے۔ امیر خسروؒ حضرت کے بڑے معتمد، اس کے ساتھ سلطنت دہلی کے ایک بڑے رکن رکین تھے اور شاعر ہونے کی وجہ (۱) سے وہ بہت سی ایسی چیزوں سے واقف ہوجاتے تھے جن سے انتظامی لوگ جن کا تعلق صرف انتظامی امور سے ہو واقف نہیں ہوسکتے تھے۔

مسلم معاشرہ کا صحت مند رہنا اور اپنے اسلامی مزاج کو اسلامی سیرت و کردار کو قائم رکھنا اور کرپٹ نہ ہونا یہ سلطنت کے استحکام کے لئے سب سے بڑی ضمانت ہے اور عالم اسلام کے استحکام اور قوت کا سرچشمہ اسلامی معاشرہ کی قوت ایمانی، حمیت اسلامی اور اس کی اخلاقی بلندی ہے۔ کسی ملک کے لئے سب سے خطرناک بات یہ ہے کہ وہاں کا معاشرہ کرپٹ ہوجائے، معاشرہ کا اس صلاحیت سے محروم ہوجانا جس سے کہ وہ صالح افراد مہیا کرتا رہے اور ضرورت کے لئے دیتا رہے بڑے خطرہ کی بات ہے۔ اگر ضرورت کسی منتظم کی یا ایک سپہ سالار کی ہے تو وہ مہیا کرے، اگر ضرورت ہے ایک مفتی اور قاضی کی جو عدل وانصاف کے ساتھ فیصلہ کرے تو مفتی اور قاضی مہیا کرے، اگر اس ملک کو دانشوروں کی ضرورت ہے تو دانشور مہیا کرے۔ جب کسی معاشرہ سے یہ صلاحیت مفقود ہوجائے تو پھر سلطنت کا وہ معاملہ ہوجاتا ہے جس کو اقبال نے اپنے مشہور شعر میں بیان کیا ہے:

حکومت کا کیا رونا کہ وہ اک عارضی شے تھی
نہیں دنیا کے آئین مسلم سے کوئی چارا!

وہ چونکہ ایک دانشور، شاعر اور فلسفی ہیں اس لئے وہ کہتے ہیں:

مگر وہ علم کے موتی کتابیں اپنے آباء کی
جو دیکھیں ان کو یورپ میں تو دل ہوتا ہے سی پارا (۲)

لیکن میں اس سے آگے بڑھ کر کہتا ہوں، یہ بات اتنی تشویش کی نہیں ہے کہ ہم انڈیا آفس لائبریری میں ہندوستان کے مخطوطات اور تبرکات کو دیکھیں، اس سے بڑھ کر یہ ہے کہ ہم

---

(۱) مولانا علی میاں کس اختصار اور جامعیت کے ساتھ تفصیلات کو چند لفظوں میں سمیٹ لیتے ہیں۔ شعر و ادب کی ماہیت اور قوت پر ان کی گہری نظر اور مطالعہ کا اندازہ نقوش اقبال کے مطالعہ سے ہوسکتا ہے۔ شاعر حقیقتاً زیادہ حساس ہوتا ہے اور مستقبل کو دیکھ سکتا ہے۔ ناشر

(۲) بانگ درا۔ نظم "خطاب بہ جوانان اسلام"

مخطوطات کے بجائے اپنے جگر گوشوں کو ان کی گود میں دیکھیں اور ہمارا معاشرہ وقت پر صالح افراد مہیا نہ کر سکے۔ مجھے اس وقت ہندستان کے مسلم معاشرہ کے بارے میں یہی فکر اور تشویش ہے۔ اسی بناء پر ہم چند ناتواں اور بے مایہ آدمیوں نے ''تحریک پیام انسانیت'' وہاں شروع کی ہے کہ مسلم معاشرہ کو اس کرپشن سے بچایا جائے جو تیزی سے ہندوستانی سماج میں پیدا ہو رہا ہے۔

یہاں سب سے زیادہ جو خطرہ محسوس ہوتا ہے وہ معاشرہ کا کرپٹ ہو جانا ہے۔ میں جب بھی یہاں آیا مجھے محسوس ہوا کہ مادیت کا غلبہ، دولت کی افراط جو برے نتائج پیدا کرتی ہے اور اخلاق میں تبدیلی لاتی ہے وہ یہاں نظر آ رہی ہے، معیار زندگی تیزی کے ساتھ بلند ہو رہا ہے، کسی آدمی کا دولت مند ہونا اس کے احترام کے لئے کافی سمجھا جاتا ہے، یہاں تک کہ عزیزوں کے تعلقات، باپ بیٹے کے تعلقات اور بھائیوں کے تعلقات پر بھی اس کا اثر پڑ رہا ہے۔ اس بارے میں رباط و مراکش سے لے کر بحرین و کویت تک کے ممالک میں کوئی فرق نہیں کہ معیار زندگی اتنا بلند ہو گیا ہے کہ لوگ اپنی عادتوں کے غلام بن گئے ہیں اور وہ مہم جوئی و خطرہ پسندی کا قدم نہیں اٹھا سکتے۔

آپ عربوں کو دیکھیں، اسلامی فتوحات کا اصل راز تو صحابہ کرامؓ کی قوت ایمانی تھی، جس کو ساری دنیا تسلیم کرتی ہے، لیکن ظاہری اسباب کے طور پر ایک اور چیز بھی تھی، وہ ان کی زندگی کی سادگی تھی، وہ اپنی عادات کے غلام نہیں تھے، وہ دن بھر کھانا چھوڑ سکتے تھے، وہ چائے کے، پان کے کسی چیز کے غلام نہیں تھے، وہ پورا پورا دن گھوڑے کی پیٹھ پر گزار سکتے تھے، وہ سوکھی روٹی [illegible] سکتے تھے، [illegible] کر سکتے تھے، جب کہ رومی و ایرانی ایسا نہیں کر سکتے تھے۔ میں نے سنا [illegible] ہوا کہ روسی لشکر آ گیا ہے تو [illegible] بغیر چائے پئے میدان میں [illegible] چائے پییں گے، پھر شریفوں اور معقول لوگوں کی طرح میدان میں آئیں گے۔ تو جب کسی معاشرہ میں عادات کی غلامی اس درجہ تک پہنچ جائے تو پھر کوئی [illegible] نہیں کر سکتا۔ مجھے جو خطرہ یہاں محسوس ہوتا ہے، وہ معیار زندگی کی روز افزوں بلندی، [illegible] دولت کی [illegible] اور اس کا [illegible] استعمال ہے۔ [illegible]

سے پیشتر یہاں ۷۸ء میں آیا تھا؟ اس کے بعد میں اب آیا ہوں۔ اس مختصر سے وقفہ میں بھی مجھے بڑا فرق نظر آیا۔

اس وقت ملک کی اہم ترین ضرورت یہ ہے کہ اس ملک میں اصلاح معاشرہ کی کوشش کی جائے اور مہم چلائی جائے۔ اس وقت ملک کی بنیادی ضرورت اصلاح معاشرہ ہے۔ دولت میں جو مسابقت کا جذبہ اور دوڑ پیدا ہوگئی ہے، اس سے اس معاشرہ کو بچانے کی ضرورت ہے، یہ اس وقت کا اہم ترین کام ہے۔ بعض مرتبہ ایسا ہوتا ہے، فذکر فان الذکری تنفع المؤمنین کہ کسی نو وارد کے اور کسی دور افتادہ بھائی کے کہنے سے اور زور دینے سے ایک خیال ابھر آتا ہے۔

اس بناء پر میں عرض کرتا ہوں کہ خلافت عثمانیہ کے سقوط کے بعد اس سے بڑا حادثہ نہیں ہوگا کہ پاکستان انتشار کا شکار ہو۔ میں ہر چیز کو اس کے مقابلہ میں ثانوی سمجھتا ہوں۔ پاکستان مستحکم رہے، پاکستان اپنا اسلامی اخلاقی کردار ادا کر سکے، یہ ملک کی سب سے بڑی اور پہلی ضرورت ہے، اس کے بعد کے سارے قصے ثانوی اور ثالثی درجہ کے ہیں۔ وہ بالکل حاشیہ کی باتیں ہیں۔ موت و حیات کا فیصلہ کرنے والی جو چیز ہے وہ یہ ہے کہ پاکستان باقی رہے، پاکستان مستحکم رہے، پاکستان انتشار سے محفوظ رہے، پاکستان اپنا امتیاز ثابت کر سکے۔ اس کے لئے اصلاح معاشرہ کی ضرورت ہے، یہ اخلاقی زوال جو تیزی کے ساتھ آرہا ہے اسے روکا جائے، افراط زر کے بدترین نتائج واثرات جو ہمارے معاشرہ پر مرتب ہو رہے ہیں، ان میں کسی درجہ میں بریک لگایا جائے، مسجدوں کے منبروں سے یہ صدا بلند کی جائے، سیاسی انجمنوں کے اسٹیجوں سے اور اس جیسی موتمر اسلامی اور اس طرح کی تنظیموں کے پلیٹ فارم سے بھی یہ بات کہی جائے۔ پاکستان کو بچانے کے لئے اس وقت دو چیزوں کی سخت ضرورت ہے، ایک تو اس کو عقائدی اور مذہبی انتشار سے بچایا جائے جو اس کے لئے سخت خطرناک ہے۔ مختلف گروہ بنے ہوئے ہیں اور وہ چاہتے ہیں کہ پاکستان پر ان کی جماعت کا اقتدار ہو۔ اصل میں مطمع نظر صرف یہ ہے کہ اقتدار اعلیٰ پر جو بھی فائز ہو وہ ہم سے پوچھ کر کام کرے اور دنیا کو یہ معلوم ہو کہ اس مسلک وخیال کے لوگ یہاں زیادہ قابل اعتماد اور قابل احترام سمجھے جاتے ہیں۔

دوسرے سیاسی انتشار سے ملک کو ہر قیمت پر بچایا جائے، ہر کمزوری کو برداشت کیا جائے، ستر کمزوریوں کو برداشت کیا جائے، لیکن پاکستان کے استحکام کو، اس کی وحدت کو اور اس

کی سالمیت کو ہرگز خطرہ میں نہ ڈالا جائے۔ سب گوارہ کیجئے اور اپنے ذمہ داروں کی غلطیوں کو برداشت کیجئے۔ دیکھئے میں اس گروہ سے تعلق رکھتا ہوں جو خلافت اموی کو معیاری نہیں سمجھتا اور میرا تاریخی مطالعہ بھی یہی بتاتا ہے، لیکن میں اس کو مسلمانوں کی بصیرت سمجھتا ہوں کہ مسلمانوں نے خلفائے بنی امیہ، پھر خلفائے بنی عباس کو (جو خلفائے راشدین کے معیار کے ہرگز نہیں تھے) حکومت کرنے کا موقع دیا اور روز روز ان کے خالف خروج نہیں کیا، نہ ہر مرتبہ ھل من جدید؟ ھل من جدید؟ کا نعرہ لگایا، اس کے نتیجہ میں اتنی بڑے سلطنت بنی اور اسلام کی اشاعت ہوئی اور اس برصغیر تک اسلام کی شعاعیں پہنچیں۔ اس میں صرف ایک ہی ہستی کا استثناء ہے اور وہ سیدنا امام حسین رضی اللہ عنہ ہیں۔ ان کے متعلق برملا کہوں گا کہ ان کا اقدام صحیح تھا اور جب اس طرح کے حالات ہوں، جن کے برداشت کرنے کی (از روئے شرع دینی بصیرت) بالکل گنجائش نہ ہو، تو اہل عزیمت وبصیرت کے سامنے ان کی مثال اور ان کا نمونہ ہے، رضی اللہ تعالیٰ عنہ وارضاہ۔

حضرات! تاریخ بتاتی ہے کہ بہترین جمہوریتوں کے زمانہ میں بھی جب معاشرہ کرپٹ ہوگیا، فاسد ہوگیا تو اس نے ان جمہوریتوں کے چراغ گل کردیئے اور ان کے لئے جتنے امکانات کامیابی کے ہوسکتے تھے سب ختم کردیئے۔ معاشرہ صحت مند ہے، معاشرہ اخلاقی معیار رکھتا ہے تو بہتر سے بہتر ریاست قائم ہوسکتی ہے، بہتر سے بہتر انتظامیہ بن سکتی ہے، لیکن معاشرہ اگر اپنی خصوصیتوں کو کھو چکا ہے، تو کوئی بڑی سے بڑی جمہوریت بھی کامیاب نہیں ہوسکتی اور کوئی سامری بھی اس گوسالہ میں روح نہیں پھونک سکتا۔

میں اپنے محترم دوست ڈاکٹر انعام اللہ خان کا شکر گزار ہوں کہ انہوں نے میری عزت افزائی کی اور ایسے مؤقر مجمع کے سامنے اپنے خیالات وتجربات پیش کرنے کا موقع دیا۔ میں آپ سے اپنی صاف گوئی ودرازنفسی اور جسارت کی معافی چاہتا ہوں اور آپ سب کا اس اعزاز وتوقیر کے لئے شکر گزار ہوں۔

انسانی معاشرہ میں عدل واحسان (انصاف اور نیکی) کی اہمیت

یہ تقریر اجین ہندوستان کے اس جلسہ عام میں کی گئی، جس کا انتظام ۲۵ نومبر ۱۹۸۳ء بروز جمعرات، شہر کی ایک عام شاہراہ (سڑک) پر کیا گیا تھا، اور جس میں بڑی تعداد میں شہر کے تعلیم یافتہ اور عام غیر مسلم بھی شریک تھے

الحمد لله نحمده ونستعينه ونستغفره ونعوذ بالله من شرور انفسنا ومن سيئات اعمالنا من يهده الله فلا مضل له ومن يضلله فلا هادى له، واشهد ان لا اله الا الله وحده لاشريک له واشهد ان سيدنا ومولانامحمدعبده ورسوله. اما بعد فاعوذ بالله من الشيطان الرجيم. ان ا لله يأ مر بالعدل والاحسان وايتاء ذى القربىٰ وينهىٰ عن الفحشأء والمكنرو البغى يعظكم لعلكم تذكرون. (سورۃ نحل. ۹۰)

بے شک اللہ تعالیٰ اعتدال اور احسان کا اور اہل قرابت کو دینے کا حکم فرماتے ہیں، اور کھلی برائی اور مطلق برائی اور ظلم کرنے سے منع فرماتے ہیں، اللہ تعالیٰ تم کو اس لئے نصیحت فرماتے ہیں کہ تم نصیحت قبول کرو۔ کی تلاوت کی اسی کو اپنی تقریر کا موضوع بنایا۔

بھرے بازار اور شاہراہ عام پر کی جانے والی بات کی اہمیت وتاثیر

میرے بھائیو اور دوستو: ہم لوگ اس کے عادی ہیں کہ کسی ہال یا بہت پرسکون جگہ پر تقریر ہو، جہاں اگر کوئی سوئی بھی گر جائے تو آواز آئے، اور سب لوگ کان لگا کر سن رہے ہوں، لیکن میں بہت خوش ہوں کہ آج عین بازار میں جلسہ ہو رہا ہے، میرا خیال ہے کہ یہ جب تک کوئی بات بازار میں نہ آئے بازار میں اس کا چرچا نہ ہو، اور بازار والے اس کو قبول نہ کرلیں، اس کا

اعتبار نہیں، اس وقت بہت بڑی کمزوری یہ ہے کہ ہم مدرسوں میں مسجدوں میں اور ہمارے بہت سے بھائی مندروں میں، پاٹ شالاؤں میں بات کرتے ہیں لیکن انکی حیثیت ایسی ہے، جیسے سمندر میں کوئی جزیرہ ہو، وہاں آپ جو چاہے کر لیجئے، سمندر کو اس سے کوئی مطلب نہیں ہوتا، یا ہوائی جہاز پر آپ اڑ رہے ہوں، وہاں باتیں کر رہے ہوں، اور آپ خوش ہو رہے ہوں کہ ہم نے اتنی اونچائی سے یہ بات کہی ہے کہ اب یہ بات ضرور دنیا میں چل جائے گی، تو جہاز تو چلے گا مگر آپ کی بات نہیں چلے گی، اس لئے کہ آپ کی بات اس جہاز کے اندر گونج کر رہ جائے گی، اب بھی دنیا سے سچائی ختم نہیں ہوئی، اچھی بات کہنے کا چلن ختم نہیں ہوا، مگر وہ ہوائی جہازوں میں کہی جانے لگی، یا کسی گنبد اور اونچے محل میں ہی جا رہی ہے، اور دنیا میں جو ہو رہا ہے، باتیں بڑی اونچی اونچی کہی جاتی ہیں، لیکن اونچی جگہ سے کہی جاتی ہیں، اونچے ہی لوگ کہتے ہیں، اونچے ہی لوگ سنتے ہیں، اونچی جگہ پر کہتے ہیں، مگر ہم آپ جو زمین پر چلنے والے ہیں، وہ اس سے متاثر نہیں ہوتے، اس لئے وہ بات ابھی عام زندگی کی سطح پر نہیں آئی، میں پڑھنے لکھنے والا آدمی ہوں، ایسی جگہ بیٹھ کر لکھنے پڑھنے کا کام کرتا ہوں، جہاں چڑیا پر نہ مار سکے، مجھے یہاں بازار میں گلی سڑک پر گھبرانا چاہئے تھا، ڈسٹرب (DISTURB) ہونا چاہئے تھا، مگر زندگی نے مجھے کچھ سبق دیا ہے، اس کی بناء پر میں خوش ہوں، اور میں چاہتا ہوں کہ یہ سلسلہ جاری ہو۔ جو باتیں مدرسوں اور مسجدوں کے اندر کہی جاتی تھیں، کبھی ریڈیو پر کہی جاتی ہیں، وہ بازار میں کہی جائیں۔

ہندوستان کی آزادی کی تحریک جب تک کہ ہال میں رہی، لائبریریز میں رہی، اور اسکالرس کے درمیان رہی، دانشوروں، فلاسفر اور تھینکرز (THINKERS) کے درمیان رہی، ہندوستان ٹس سے مس نہیں ہوا اور نہ انگریزی سرکار ٹس سے مس ہوئی، لیکن جب پبلک جلسے ہونے لگے، جب پارکوں میں وہ بات کہی جانے لگی، جب برسر بازار وہ بات کہی جانے لگی، تو ہندوستان کیا برطانوی حکومت ہل گئی، جس کے بارے میں کہتے ہیں کہ اس کی قلمرو میں سورج ڈوبتا نہیں ہے، اگر یہاں ڈوبا تو کہیں نکلا ہوا ہوتا ہے، تو سڑکوں اور بازاروں میں جلسے، عوامی جگہوں پر اجتماعات، یہ بہت اچھا سلسلہ ہے۔

معتدل و پرسکون (NIORMAL) حالات وفضا کی ضرورت

اس وقت دنیا کو وہ آتش فشاں کے دہانے پر کھڑی ہے، جہاں پھٹ جانے والا مادہ ہوتا ہے، میں سیدھی سیدھی بات آپ سے کہتا ہوں، ذرا آپ سوچئے، اس وقت آپ لوگ بہت شانت (پرسکون) ہوکر بہت اطمینان سے میری بات سن رہے ہیں، اگر کبھی پانی برسنے لگے تو ایک کا بھی بیٹھنا مشکل ہے، اسی طریقہ سے اگر کوئی جانور آجائے، بات کیا ہے؟ اچھی بات ہو، مذہب کی بات ہو، اخلاق کی بات ہو، عقل کی بات ہو، سمجھ کی بات ہو، انصاف کی بات ہو، سب نارمل حالت میں کہی جاتی ہے، سنی جاتی ہے، اگر نارمل حالت نہ ہو، اگر غیر معتدل (ABNIORMAL) حالات ہوں، فضا بالکل بگڑی ہوئی ہو، بجلی چمک رہی ہو کہ اب گری تب گری اور بادل گرج رہے ہوں، معلوم ہوتا ہے کہ پہاڑ ٹوٹ جائے گا، اور پانی موسلا دھار برس رہا ہو، تو اگر کوئی دنیا کے بڑے سے بڑا مقرر بھی اسٹیج پر آئے اور کہے کہ میں تمھیں بڑی حکمت کی باتیں سنانے والا ہوں، کوئی سننے کیلئے تیار نہیں ہوگا، یہ انسانوں کی فطرت ہے، انسان نارمل حالات میں جب اس کی طبیعت کو سکون ہوتا ہے، کوئی ڈر نہیں ہوتا، کوئی خطرہ نہیں ہوتا، وہ بہت زیادہ بیمار نہیں ہوتا، بہت زیادہ بھوکا نہیں ہوتا، بات غور سے سنتا ہے، اور مانتا بھی ہے اور کوئی اندر کی پریشانی ہو، یا باہر کی پریشانی ہو تو پھر چاہے سر کاٹ کر رکھ دیجئے، انسان سنتا نہیں، ہم صرف یہ چاہتے ہیں کہ ہمارے اس ملک ہندوستان ہی میں نہیں، ساری دنیا میں نارمل حالات ہوں، تاکہ کام کرنے والوں کو کام کا موقعہ ملے، پڑھانے والوں کو پڑھانے کا موقعہ ملے، لٹریری لوگوں کو لٹریچر کی خدمت کا موقع ملے، جو شاعر ہیں، انھیں شاعری کا موقع ملے، جو آرٹسٹ ہیں، ان کو اپنے آرٹ میں اپنے کمال دکھانے کا موقعہ ملے، جو دانشور ہیں، اسکالر ہیں، ان کو تحقیق کرنے اور ریسرچ کرنے کا موقع ملے، ریسرچ کے لٹریچر کے جو بڑے بڑے شاہکار دنیا میں تیار ہوئے یہ سب نارمل حالات میں ہوئے، کسی شخص کے پیٹ میں درد ہو، اس سے کچھ لکھا جائے گا؟ کچھ بولا جائے گا؟ آپ ہزار منطق اس پر صرف کر دیجئے، اس کو قائل کرنے کی کوشش کیجئے، پیٹ میں درد ہے تو کیا بات ہے، ہوتا ہی ہے، آپ اپنا کام کیجئے، آپ تو شعر سنئے، مگر کیا اس سے سنا جائے گا، اور وہ لطف لے سکے گا؟

اس عہد اور معاشرہ کی سب سے بڑی کمی

حضرات: نے اس ملک کو سب کچھ دیا ہے، مگر پھر کس چیز کی کمی ہے، وقت پر کام نہیں ہوتا، اور کسی کی مانگ پوری نہیں ہوتی، ذرا سا کام آپڑا ہو، آپ کو سفر کرنا ہو، بغیر رشوت دیئے ہوئے کوئی کام اس زمانہ میں نہیں ہو رہا ہے، خدا نے زندگی میں کوئی کمی نہیں رکھی اس کو ہر طرح سے مکمل کر کے اس نے دیا، اس دنیا کو ایسا بنا دیا کہ اگر آدمی چاہے تو اس کو زندگی کا حقیقی مزا آنے لگے، جنت کا مزا چاہے آئے نہ آئے، جینے کا مزا ضرور آجائے، پریم ہو، محبت ہو، وقت پر کام ہو، پاؤں پھیلا کر، آنکھ بند کر کے خوب میٹھی نیند سوئے، نہ چور کا کھٹکا، نہ ڈاکو کا دھڑکا، نہ کسی لٹیرے کا غم، کسی چیز کی کوئی فکر نہ ہو، یہ سب کچھ ہے، پھر آپ سوچئے کہ کس چیز کی کمی ہے، سائنس نے کتنی ترقی کی، ٹیکنالوجی نے کتنی ترقی کی کہ دنیا میں اب سردی، گرمی کو کنٹرول کرلیا گیا ہے، بیماریوں پر کنٹرول کرلیا گیا ہے، فاصلے ختم کر دیئے گئے ہیں، اب اسپیس (SPACE) کوئی چیز نہیں ہے، یہ سب کچھ ہوا، لیکن نتیجہ کچھ نہیں، مقصد حاصل نہیں ہو رہا ہے۔

بات کیا ہے؟ چیزیں بنیں، مشینیں بنیں، مگر آدمی نہیں بنا، ان مشینوں سے کام لینے والا آدمی تھا، وہ نہیں بنا، اور آپ جانتے ہیں کہ آدمی تھا اور مشینیں نہیں تھیں تو دنیا کیسی سکھی تھی، راجہ بکرماجیت کا زمانہ یاد کیجئے، جس کو آج تک لوگ یاد کرتے ہیں، اور آپ کے شہر کا بہت بڑا نام ہے، کہ بکرمی جنتری آپ کے شہر سے شروع ہوئی، راجہ بکرماجیت کے زمانہ میں، میں آپ سے پوچھتا ہوں، یہ مشینیں تھیں؟ یا مائک تھا؟ جس سے دور تک آواز پہونچائی جاسکے، یہ ریڈیو تھا، ٹی وی تو خیر ابھی آیا ہے، لیکن ریڈیو بھی تھا؟ مگر کیا تھا؟ کان تھے، دل تھا، اور کان تھے تو مائک ہو نہ ہو، لاؤڈ اسپیکر ہو نہ، ریڈیو ہو نہ ہو (ELECTRICITY) ہو نہ ہو، پھر بھی آدمی دور کی بات بھی سن لیتا ہے، اور مان لیتا تھا، اپنے فائدے کی بات، دوسروں کے فائدے کی بات، اب مصیبت یہ آئی ہے کہ مشینیں موجود، اچھی سے اچھی بات دور سے دور جگہ تک آپ پہونچا سکتے ہیں، مگر آدمی سننے کے موڈ میں نہیں، اس کا سننے کو جی ہی نہیں چاہتا، وہ تو بس پیسہ کے پیچھے، آرام کے پیچھے اور کرسی کے پیچھے ایسا دیوانہ ہو کر پڑا ہے کہ اس کو کچھ ہوش نہیں ہے، اب کیا فائدہ ان چیزوں کا؟ بلکہ یہ چیزیں اور زیادہ نقصان پہونچاتی ہیں، آدمی جس کی نیت خراب ہے، ان سے برا کام لے سکتا ہے۔

بھائیو: ہم یہ کہتے ہیں کہ جو کچھ کام ہیں، یہ کام جب ہو سکیں گے تو ان کا تحفظ PROTECTION ان کی گارنٹی اس وقت ہے، جب عام فضا APMOSPHERE درست ہو، جب کہ ہمارے آپ کے بازاروں کی زندگی اچھی ہو، بازار میں جو لوگ آتے ہیں، دکانوں پر بیٹھتے ہیں، سودا خریدنے آتے ہیں، گھر لے جاتے ہیں، یہ جب اچھے آدمی ہوں گے، بھلے آدمی ہوں گے، خدا سے ڈرنے والے اور انسان سے محبت کرنے والے ہوں گے تو پھر اس کے بعد ہر اچھا کام ہو سکے گا، ہندوستان میں سینکڑوں یونیورسٹیاں ہیں، لیکن روز جھگڑا ہے، لڑکے پڑھنا نہیں چاہتے، ٹیچر پڑھانا نہیں چاہتے، وہ ڈگری چاہتے ہیں، یہ تنخواہ چاہتے ہیں، ان یونیورسٹی والوں سے پوچھئے، وہ فریاد کرتے ہیں، صاحب کہاں کا پڑھنا، کہاں کا پڑھانا؟ نہ ہمیں پڑھانے کا شوق ہے، نہ انھیں پڑھنے کا شوق، اور ہمیں پڑھانے کا شوق ہو بھی تو ان کو پڑھنے کا شوق نہیں، وہ تو ڈگری لینے کے لئے آتے ہیں، وہ تو کہتے کہ ہماری حاضری لکھ لیجئے بلکہ یہ مطالبہ ہونے لگا ہے کہ بغیر امتحان کے ڈگری دے دی جائے، بی اے ہو گیا، ایم اے ہو گیا، ایل ایل بی ہو گیا، کہتے ہیں امتحان کو ختم ہی کردو۔

خود غرضوں اور دولت پرستوں کی سنگدلی اور انسانیت کی پامالی

بھائیو: سامان ہونے سے کچھ نہیں ہوتا، اصل مین من ہے، اصل میں آدمی کی روح ہے، وہ اگر صحیح ہو جائے، کانشنس (CONSCINCT) اس کا صحیح ہو جائے، اور وہ چیزوں کا صحیح طور پر استعمال کرنا سیکھ جائے تو تھوڑا سامان بھی بہت ہے، بلکہ سامان کچھ بھی نہ ہو تب بھی کام چلا لے گا، خدا کے پیغمبروں نے بہت تھوڑے سامان کے ساتھ بہت بڑا کام کیا، آج اتنے سامان کے ساتھ کچھ نہیں ہو رہا ہے، بات کیا ہے؟ ہمارے اوپر ان چیزوں کی حکمرانی ہے، وہ چیزیں DOMINATE کر رہی ہیں، ہم پر حکومت چلاتی ہیں، جو انسان کے لئے پیدا کی گئی ہیں، اور وہ انسان کی ضرورت پوری کرنے کے لئے پیدا کی گئی ہیں، انسان ان کا غلام بن گیا ہے، اب انسان ان کے پیچھے آنکھ بند کرکے ایسا پڑا ہے کہ آدمی اپنے جیسے انسانوں کو روندتا ہوا، ان کی لاشوں پر چلتا ہوا، وہاں پہونچنا چاہتا ہے، آج یہ حالت ہوگئی ہے کہ بہت سے آدمی ایسے ملیں گے کہ جنھیں معلوم ہو جائے کہ پیسہ اس کے بغیر نہیں ملے گا، ترقی اسکے بغیر نہیں ملے گی کہ آدمیوں پر پاؤں رکھتا ہوا چلا جائے، کسی کے پیٹ پر اور کسی کے سینہ پر اور کسی کے منھ پر، تو بہت

سے لوگ ایسے ہوں گے جو اس کی پرواہ نہیں کریں گے، آدمیوں کو روندتے ہوئے نکلیں گے، اور آدمیت تو روندی جا ہی رہی ہے، آدمی کو روندیں نہ روندیں، لیکن آدمیت کو تو روز روندا جارہا ہے، پاؤں سے اس کو کچلا جارہا ہے، اس کو ذلیل کیا جارہا ہے، ہمارا پیام یہ ہے کہ آدمیت پیدا کیجئے، اور فضا درست رکھئے، تاکہ سب اچھے کام ہوسکیں، ورنہ بھائی کسی کام کی خیریت نہیں ہے، اگر فضا اچھی نہ ہوئی، اور یہی بجلیاں چمکتی اور کوندتی رہیں، بادل گرجتے رہے، پانی برستا رہا۔ فرض کیجئے کوئی تباہی بیچ میں آگئی، اور کسی نے پکار کر کے کہہ دیا کہ بھیئے، بھیئے یا، پھر کوئی نہیں سنے گا، نارمل فضا رکھو تاکہ یہ اچھا کام ہوسکے، نہیں تو نہ علما، وعظ کہہ سکیں گے، نہ کوئی بھلا آدمی پیغام دے سکے گا، کوئی کسی کی سنے گا ہی نہیں، جب زلزلہ آتا ہے، (اللہ بچائے) تو پھر کسی کو کسی کا ہوش نہیں رہتا، آگ لگتی ہے تو ماں باپ بچوں کو بھول جاتے ہیں، جنت عظیم GREAT WAR میں یہ حالت تھی کہ کسی کو کسی کا ہوش نہیں تھا، تو بس ہم یہ کہتے ہیں کہ امن وامان رہے، آدمی آدمی کی قدر کرے، آدمی آدمی سے محبت کرنا سیکھے۔

عدل واحسان کی برکت

ابھی قرآن شریف کی آیت پڑھی گئی ''ان اللہ یامر بالعدل والاحسان وایتآء ذی القربی'' اللہ تعالے حکم دیتا ہے کہ انصاف FUSTICE کے اصول کو اپنایئے اور احسان کو اپنا شعور بنایئے، انصاف تو یہ ہے کہ جتنا دینا ہے دے دو، اور احسان یہ ہے کہ اس سے کچھ زیادہ دے دو، انصاف یہ کہ جتنا کرنا ہے کرلو، اور احسان یہ کہ اس سے بھی زیادہ کرلو، اگر تمھارے ساتھ کسی نے ناانصافی کی اور تم انصاف کرو، یہ احسان ہوگا، اعلیٰ اخلاق کی تعلیم ہے، سب مذہبوں نے تعلیم دی، اور اسلام نے تو ایسی دی کہ ایک نئی دنیا بنا کر رکھ دی، اس زمانہ کا جو سماج تھا، اس کے حالات آپ پڑھیں، کوئی حد ہے، ایک آدمی نے پاس والے گھر کو کوئی چیز جو اس کے پاس پکی تھی، بھیجی تحفہ میں تھوڑی دیر کے بعد اسی کے گھر میں واپس آگئی، کیسے واپس آئی؟ ہم نے تو اسے گھر سے نکال دیا تھا، اس نے اس گھر کو بھیجی تھی، اس گھر والے نے اس گھر کو بھیجی، اس گھر والے نے اس گھر کو بھیجی، اور چکر کھا کر کے پھر اسی کے یہاں آگئی، اپنا ہی تحفہ واپس اپنے پاس آگیا، اور اس سے بڑھ کر یہ کہ ایک زخمی جان دے رہا ہے، بالکل جان کنی کی حالت ہے، اور پانی پیش کیا جاتا ہے، تو کہتا ہے نہیں میرے پاس ایک دوسرا زخمی پڑا ہوا ہے، میں نے

اس کی کراہ بھی سنی ہے، اس کو دیجئے، اس کو دیا تو اس نے کہا تیسرے کو دیجئے، تیسرے، چوتھے، اخیر میں وہ جب اس کے پاس آیا تو وہ مر چکا تھا، وہ بھی مر چکے تھے، وہ سب تو مر چکے لیکن اخلاق کو زندہ کر گئے، اور تعلیم دے گئے کہ اللہ کے بندے، شیر مرد اس طرح کرتے ہیں کہ جان دے دیں لیکن اپنے اوپر دوسرے کو ترجیح دیں۔

خودغرضی ساری خرابیوں کی جڑ ہے

حضرات! آج دنیا کی ساری خرابی یہ ہے کہ آدمی اپنا کام نکال لینا چاہتا ہے (معاف کیجئے ہماری یو، پی کی زبان میں ''الّو سیدھا کر لینا'' چاہتا ہے) چاہے کسی کی جان جائے، چاہے کسی کے بچے مر جائیں، بس اپنا اُلّو سیدھا ہو، سارا فساد اس وقت اسی وجہ سے ہے، ریلوں میں کیا ہو رہا ہے؟ ڈاکے پڑ رہے ہیں، محکموں میں کام نہیں ہو رہا ہے، آدمی کو اپنا حق نہیں مل رہا ہے، کوئی کام وقت پر نہیں ہو رہا ہے۔ ڈاک خانے چوپٹ، اور ٹیلی فون کو تو پوچھئے نہیں، وہ تو بالکل ستیاناس، اور ریلوں کی بری گت ہے، نہ وقت کی پابندی نہ کسی کے اندر ڈیوٹی کا احساس، نہ ذمہ داری کا شعور، اب کیسے یہ کارخانہ چلے؟

کیا انسان ہی مارنے کے لئے رہ گیا ہے؟

میرے دوستوں بھائیو! آج انسان آنکھوں میں کانٹے کی طرح کھٹکتا ہے، آدمیوں کو مارنے والوں سے پوچھتا ہوں، ذرا بتاؤ تم نے اپنی زندگی میں کتنے بچھو مارے ہیں، ذرا لکھ کر مجھے دو، ایک بچھو نہیں مارا ہوگا، ایک سانپ نہیں مارا ہوگا، ایک چیتے کا شکار نہیں کیا ہوگا، تو کیا آدمی ہی رہ گیا مارنے کے لئے؟ خدا کے غضب سے نہیں ڈرتے ہو، کیا آدمی بچھو سے بھی گیا گذرا، سانپ سے بھی گیا گذرا ہے، کتنے چوہے مارے یہی بتا دیجئے؟ چوہے بڑا نقصان کرتے ہیں، آپ نے کتنے چوہے مارے؟ یہ چوہے سے تیس مار خان بنے ہوئے ہیں، رستم بنے ہوئے ہیں اور جن کے ہاتھ انسانوں کے خون سے رنگے ہوئے ہیں، انھوں نے کتنے موذی جانور مارے ہیں؟ ایک نہیں مارا ہوگا، آدمی مارنے بیٹھے ہیں، اور شیر مارنے کے لئے بلی، شرم آنی چاہئے، کسی کے باغ میں جا کر ایک پھول کو مسلو، معلوم ہو جائے گا کہ تمھارا کیا حشر ہوتا ہے؟ باغ کے مالک ایک پھول خراب کرنے اور ایک گلاب کا پودا نکالنے کے روادار نہیں، تو کیا اللہ میاں اپنے اس چمنستان میں یہ پسند کرے گا کہ وہ بنائے اور تم بگاڑو، وہ لگائے [illegible]

جا کر کبھی دیکھ لو دو چار گھڑ توڑو، دیکھوں کیسے آتے ہو، سر بھی تمھارا سلامت رہتا ہے کہ نہیں، دو ٹکے کا کمہار تمہیں بغیر مارے نہیں چھوڑے گا، کمہار کے گھڑے نہیں توڑ سکتے ہو، اللہ میاں کے بنائے ہوئے پھول، اللہ کے بنائے ہوئے یہ گلدستے، اللہ میاں کے بنائے ہوئے شیش محل، اللہ میاں کے بنائے ہوئے یہ تاج محل، جس پر ہزار تاج محل قربان ہوں، تاج محل یہ کس کا بنا ہوا ہے، انسان کا، انسان کس کا بنا ہوا ہے، خدا کا، پھر اس تاج محل کی کیا حقیقت ہے انسان کے سامنے، اللہ میاں تاج محل بنائیں تم توڑو، ذرا آگرہ کے تاج محل پر تم ہاتھ اٹھا کر دیکھو، گردن تمھاری ناپی جاتی ہے کہ نہیں؟ اپنے یہاں کے جو آثار قدیمہ ہیں، جو خود گر رہے ہیں، ان پر کہیں ہاتھ اٹھا کر دیکھو، بس اللہ میاں کی بنائی ہوئی چیزیں ہی ایسی سستی ہیں کہ ان کی کوئی قیمت ہی نہیں، جب چاہو ان کو توڑ کر کے رکھ دو، صاف سن لو، فسادات کر کے آدمیوں کو مار کر کے، رشوت لے کر، کام چوری کر کے، ملک رہے گا نہیں، چاہے اس کی پشت پر امریکہ ہو، چاہے روس ہو، سن لو، صاف بات، اپنا گھر اگر تم بگاڑو گے، کوئی دوسرا سنبھال سکتا ہے؟ اپنا گھر اپنے ہاتھ سے بنتا ہے، اپنے گھر کو سنبھالو۔

راجہ بکرما جیت کا نام کیوں زندہ ہے؟

ہندوستان میں معلوم نہیں کتنے راجا آئے اور چلے گئے مگر بکریا جیت کا نام زندہ ہے، معلوم ہوتا ہے کہ ان میں انصاف تھا، اس زمانہ کے مطابق ان کو رہنمائی ملی، اس کے مطابق انھوں نے انصاف کیا، ہم نے تاریخ میں پڑھا بھی ہے کہ وہ منصف تھے، اور بہت اچھے راجہ تھے، جب ہی ان کا نام ابھی تک زندہ ہے، ان کے اسی شہر میں آپ سے کہتا ہوں کہ آپ یہاں کی فضا کو درست رکھئے، تا کہ اچھے لوگ اپنا کام کر سکیں، لکھ پڑھ سکیں، پیام دے سکیں، لکھا سکیں، پڑھا سکیں اور اس ملک کی خدمت کر سکیں اور مالک کی عبادت کر سکیں، جب کہیں فساد ہوتا ہے، تو مسجدوں میں اذان بھی نہیں ہو سکتی، نماز بھی نہیں ہو سکتی، لوگ جاتے ہوئے ڈرتے ہیں، گھر سے نکلتے نہیں۔

شرفا اور اونچے گھرانوں کی خاص بیماریاں اور ان کے لئے ترقی کا واحد راستہ

حضرت مولانا نور اللہ مرقدہ کی ۲۵ نومبر ۱۹۸۳ء بروز جمعرات دیپال پور ہندوستان کی نئی مسجد
میں مدرسہ کے سنگ بنیادی کے موقعہ پر کی گئی تقریر

الحمد لله نحمده ونستعينه ونستغفره ونعوذ بالله من شرور انفسنا ومن سيئات اعمالنا من يهده الله فلا مضل له ومن يضلله فلا هادى له ، واشهد ان لا اله الا الله وحده لاشريك له واشهد ان سيدنا محمدا عبده ورسوله . امابعد.

میرے بھائیو اور دوستو: آپ حضرات بہت دیر سے یہاں بیٹھے ہوئے ہیں اور علماء کرام اور قرآن مجید کی شارحین اور خدمت کرنے والوں کی تقریریں سنتے رہے ہیں، اب بظاہر کسی تقریر کی ضرورت نہیں لیکن اس خیال سے کہ اکثر جگہ جہاں جانا ہوا ہے، وہاں کچھ نہ کچھ میں عرض کرتا ہوں، آپ لوگوں کو کہیں خیال نہ ہو کہ یہیں آ کر میں نے کیوں خاموشی اختیار کی اور کچھ نہیں کہا؟ حالانکہ یہاں سے جو تعلق ہے، وہ آپ کو معلوم ہے، دیپال پور کے رہنے والوں کی دعوت پر ہی ہم لوگ آئے ہیں، اور یہیں کچھ نہ کیا جائے یہ مناسب نہیں، اس لئے میں مجبورا بیٹھ گیا، ورنہ خود ان کے فضل سے آپ کی جھولی قرآن وحدیث کی باتوں اور اللہ ورسول کے اقوال سے بھر چکی ہے۔

خواص کے ساتھ خصوصی معاملہ

میں صرف ایک بات آپ سے کہنا چاہتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ کا قانون امت امرحومہ کے ساتھ الگ ہے، اور دوسری قوموں کے ساتھ الگ ہے، اور ہم آپ سب بھی ایسا کرتے رہتے ہیں، مثلاً مکتب میں کئی لڑکے بٹھائے جائیں، تو ایک لڑکا جس سے دور کا تعلق نہیں، کہیں پاس

پڑوس کا آ گیا ہے، کسی نے بھرتی کر دیا ہے، اس کے خاندان کو بھی ہم نہیں پہچانتے، اس سے کسی قسم کا جذبات خاندانی لگاؤ نہیں، وہ اگر نہیں پڑھتا تو استاد مدرسہ کے جو ذمہ دار ہوتے ہیں، وہ طرح دے جاتے ہیں، اور چشم پوشی کرتے ہیں، سنی ان سنی بھی کر دیتے ہیں، بھاگ جائے تو بھاگنے دیتے ہیں، لیکن گھر کا کوئی لڑکا، کسی معزز گھرانہ کا جن کا اس مدرسہ کے قائم کرنے میں خاص ہاتھ ہوتا ہے، ان کا بڑا احسان ہوتا ہے، یا مدرسہ کے پڑھانے والے استاد وغیرہ اسی خاندان سے تعلق رکھتے ہیں، ایسے گھر کا لاڈلا بچہ مکتب میں داخل ہوتا ہے، تو اس کے ساتھ یہ معاملہ نہیں ہوتا، سبق یاد کرے نہ یاد کرے، چلو چلنے دو وقت پورا کر کے چلا جائے، یا بھاگتا ہو، چوری کی عادت پڑ جائے تو ایسے ہی منہ پھیر لو، آنکھ بند کر لو، یہ نہیں ہوا کرتا، پھر اللہ تعالیٰ کا اس امت مرحومہ کے ساتھ بھی یہی معاملہ ہے، اللہ تعالیٰ نے اس کے لئے اپنا جو قانون بنا دیا ہے، عزت کا اور ترقی کا، اس قانون پر چلے بغیر اس کی عزت اور ترقی نہیں ہو سکتی۔

نزدیکاں را بیش بود حیرانی

پھر اس امت مرحومہ میں بھی جن خاندانوں کے افراد کی رگوں میں صدیق اکبرؓ کا خون ہو، فاروق اعظمؓ کا خون ہو، سیدنا عثمان غنیؓ کا خون ہو، سیدنا علی مرتضیٰؓ کا خون ہو، حضرات انصار کا خون ہو، مہاجرین کا خون، اللہ تعالیٰ ان کو اس طرح کی ڈھیل نہیں دیتا، ان کے لئے قانون یہ ہے کہ دوسرے سے آگے بڑھنے کی کوشش کریں، یہ سمجھیں کہ اگر کسی کے لئے کوئی بات ایک مرتبہ ضروری ہے تو ہمارے لئے چار مرتبہ ضروری ہے، اگر کسی کے لئے فرض پڑھ لینا کافی ہے، تو ہمارے لئے سنتیں پڑھنا بھی اور نفلیں پڑھنا بھی ضروری ہے، اس لئے کہ ''نزدیکاں را بیش بود حیرانی'' جو جتنے نزدیک ہیں جن کا جتنا قرب ہوتا ہے ان کو اتنی ہی احتیاط کرنی پڑتی ہے، دیکھئے نا، بادشاہوں کے دربار میں جن کو پاس کرسی ملتی ہے، اور جو بڑے عہدہ دار ہوتے ہیں وہ مکھی بھی بیٹھ جائے تو اڑا نہیں سکتے، اور دوسرے دو آپس میں باتیں بھی کر سکتے ہیں لڑ جھگڑ بھی سکتے ہیں، لیکن جو بادشاہ کے قریب بیٹھا ہوتا ہے، اس کو اگر کھجلی معلوم ہوتی ہے تو ہاتھ نہیں ہلا سکتا۔

بابر کتنا بڑا فاتح گذرا ہے، اس نے ہندوستان میں سب سے زیادہ مضبوط، سب سے زیادہ لمبی عمر کی سلطنت قائم کی، اس نے کہا کہ میری زندگی میں سب سے بڑے امتحان اور نازک وقت دو گزرے ہیں، ایک اس وقت جب میں ایک سفر میں ایک پتھر پر سر رکھ کر سو رہا تھا،

میری آنکھ کھلی تو میں نے دیکھا کہ ایک سانپ اپنا منہ کھولے ہوئے میرے منہ کے قریب پھینکار رہا ہے، کالا سانپ بڑا زہریلا، اب میں اگر حرکت کرتا ہوں تو مجھے ڈس لیگا، یا معلوم نہیں منہ میں چلا جائے؟ اور اسی حال پر رہے تو بھی چھوڑے گا نہیں، بس میں نے ہمت کی اور اپنے منہ سے اس کے منہ کو دبا لیا، اور دبائے دبائے اس کو کچلا ہوا اٹھایا اور اٹھ کر اس کو دور جا کر پھینکا اور مارا۔

دوسرا واقعہ یہ کہ میں دربار کر رہا تھا، سلطنتوں کے سفیر آئے ہوئے تھے، مجھے اس زمانہ میں داد کی بیماری تھی، کھجلی کا شدید تقاضا ہو رہا تھا، اور میں کھجلا نہیں سکتا تھا کہ بادشاہ دربار میں کھجائے، اس کے داد ہو یا خارش ہو، اس کے ضبط کرنے میں جو میری حالت ہوئی وہ میں ہی جانتا ہوں، آپ دیکھئے اتنے بڑے بادشاہ نے کتنی بڑی بڑی مہمیں سر کی ہیں، اور کیسی کیسی فتوحات اور خطرہ سے وہ دوچار ہوا ہے، وہ ان دو واقعوں کا ذکر کرتا ہے، بات کیا ہے؟ کہ جو بات ایک معمولی آدمی کے لئے صرف جائز ہی نہیں مستحسن ہے، وہ ایک ذمہ دار آدمی کے لئے غیر مستحسن ہے، اور بڑے عیب کی بات ہے، کھجلانا کوئی عیب کی بات ہے؟؟ نہ شرعاً، نہ اخلاقاً، نہ قانوناً، نہ طبی اصول سے لیکن اس کو خیال تھا کہ میں اس وقت دربار کر رہا ہوں، یہ میرے لئے مناسب نہیں۔

بھائیو! یہی نامی گرامی خاندانوں کے ساتھ اللہ تعالیٰ کا معاملہ ہے کہ ان کی ذرا سی غلطی اور ان کی ذرا سی ناقدری (غلطی بھی اتنی بڑی چیز نہیں ہے جتنی ناقدری) اللہ کی شریعت کی ناقدری، اس پر نہ چلنا، جس پر ان کے بزرگوں نے، اسلاف نے سر کٹا دیئے ہیں، اس پر وہ انگلی بھی نہیں ہلائیں، اس بروہ چار پیسے کا نقصان بھی نہ برداشت کریں، اپنے بچے کے لئے ذرا سا خطرہ بھی نہ مول لیں کہ یہ دینی تعلیم حاصل کرے گا، یہ نیک دیندار بنے گا، تو اتنی بڑی تنخواہ نہ ہوگی، اتنی بڑی آمدنی نہ ہوگی، جو دوسروں کی ہے، جنھوں نے دنیا کا راستہ اختیار کیا، تو دین کی اس ناقدری کو اللہ معاف نہیں کرتا۔

شرفا کی بستیوں میں فلاکت کیوں؟

دوستو، بھائیو! میں ملک ملک پھرا ہوں، اور ہندوستان کا تو چپہ چپہ تقریباً دیکھا ہوا ہے، میں نے ہر جگہ شرفاء کی بستی میں فلاکت دیکھی، خود ہمارے خاندان کی بعض بعض بستیوں میں

جہاں ہمارے بزرگ تھے، اور جہاں ان کے مزارات ہیں، اور بڑے بڑے اولیاء اللہ گذرے ہیں، آج وہاں جائیے تو بس یہ معلوم ہوتا کہ فلاکت برستی ہے، اور فلاکت کیا برستی، معلوم ہوتا ہے کہ تختہ ہی الٹ گیا ہے، ایسی شرفاء کی بستیاں ہمارے اودھ میں بہت ہیں، بات کیا ہے، محض اللہ کی شرعت کی ناقدری اور دین کو اپنے لئے باعث ترقی نہ سمجھنا، باعث کامیابی نہ سمجھنا، دنیا کو اپنے لئے باعث کامیابی سمجھ لینا، یہ بات اللہ تعالیٰ کو بہ ایک ہی بری معلوم ہوتی ہے، لیکن جو صحابہ کرامؓ کی اولاد ہوں، اور اپنے آپ کو اشراف کہیں، ان کے لئے تو بالکل ناقابل برداشت ہے، اس کا اثر ضروری ہوتا ہے، ہمارے اور آپ کے لئے ترقی کا راستہ دین اور علم کا راستہ ہے، اس میں جو آسانی ہمیں تھوڑی محنت سے ہوگی، وہ دوسرے راستوں میں بڑی محنت سے بھی نہیں ہوگی۔

تاریخی بستیوں اور اونچے خاندانوں کی خاص بیماریاں اور کمزوریاں

یہ آپس کی ناچاقیاں ان بستیوں اور خاندانوں کی خاص بیماری ہے، میں نے اشراف میں اکثر یہ مصیبت دیکھی، گھر گھر لڑائی، بھائی بھائی سے دل صاف نہیں، شرفاء اور خاندان لوگوں میں یہ بیماری ایسی پائی جاتی ہیں کہ اس کا عشر عشیر (دسواں حصہ) بھی ان لوگوں میں نہیں ہے جنھوں نے سو برس سے اسلام قبول کیا ہے، دو سو برس سے اسلام قبول کیا ہے، وہ خوب پھل پھول رہے ہیں، ماشاء اللہ بڑے متحد، متفق ہو کر رہ رہے ہیں، ان کے اندر حفظ قرآن کا رواج ہے، علم دین حاصل کرنے کا شوق ہے، میں نام نہیں لیتا، نو مسلم ہونا کوئی عیب نہیں، صحابہ کرامؓ سب نو مسلم تھے، یہ حضرت معلوم نہیں سو برس، دو سو برس، چار سو برس سے اسلام لائے ہوں گے، اور بڑے اہل اللہ کے ہاتھوں پر معلوم ہوتا ہے، اسلام لائے ہیں، لیکن ان کے خاندانوں میں ایسی برکت دیکھی، شریعت کا احترام، نماز کی پابندی اور ماشاء اللہ اولاد میں بھی برکت جو ہمارے یہاں شرفاء کے یہاں نہیں ہے، اور پھر اس کے ساتھ ساتھ حفظ قرآن کا رواج، ایسے ایسے جید علماء ان برادریوں میں ہیں کہ سادات اور شیوخ میں ان کا آدھا بھی کوئی نہیں، بڑے بڑے محدث، بڑے بڑے عالم، کیا بات ہے، انھوں نے اللہ کے دین کی قدر کی، شریعت کی قدر کی، اور وہ نفسانیت کہ ہر ایک کہتا ہے، ہم چومن دیگرے نیست۔ وہ بات ان کے اندر نہیں تھی یا کم تھی، اللہ تعالیٰ نے اس کی برکت سے یہ نعمت و برکت ان کو عطا فرمائی۔

اتحاد و اتفاق کے لئے ایثار و قربانی

بھائیو: دو تین باتیں ہیں جو میں عرض کرتا ہوں، الحمد للہ سب کام کی باتیں ہو چکی ہیں، ایک تو اس ناچاقی اور نااتفاقی سے بچئے، اور خدا کے لئے اس کو دور کیجئے، اور اللہ کی خوشی کے لئے مل جائیے، اور یہ کہہ کر اپنے بھائی کے پاس جائے کہ کوئی مجبوری نہیں ہے، ابھی دس برس آپ سے اور لڑ سکتا ہوں، مقدمہ بھی لڑ سکتا ہوں، اور جسمانی طور پر بھی لڑ سکتا ہوں، لیکن محض خدا اور رسولؐ کی خوشی کے لئے، اللہ کو راضی کرنے کے لئے، ایثار کر کے اپنا حق معاف کرتا ہوں، اور آپ سے ملتا ہوں، اور باقی اب آگے جو کچھ بھی ہو، جو لوگ ایسا کریں گے میں سمجھتا ہوں کہ انھیں بڑی بڑی نفل نمازوں سے اور ممکن ہے کہ نفلی حج سے بھی زیادہ ثواب ملے، اس لئے کہ یہ نفس کے خلاف کرتا ہے، اور نفس کے خلاف میں اللہ تعالےٰ کو جو رضا اور ثواب ہے، وہ نفس کی لذت کے ساتھ نہیں، ماشاء اللہ نفلی حجوں میں بڑے لطف ہیں، دور جانا، نئی نئی چیزیں دیکھنا، نئی نئی چیزیں لے کر آنا، اب تو نئی نئی چیزیں دیکھنا ہی نہیں رہا، نئی نئی چیزیں جو یہاں نصیب نہیں ہوتیں، دیکھنے میں نہیں آتیں، وہاں سے لائیے اور چاہے خود رکھئے، چاہے تحفہ میں دیجئے، چاہے فروخت کیجئے، بہر حال اب تو ان چیزوں میں بڑا ثواب ہے، اللہ کے لئے دل کو صاف کر لیا، کدورت کو نکال دینا؟ بچھڑے ہوئے بھائی سے مل جانا، بلکہ ان لوگوں سے بھی ملنا جنھوں نے کھلی ناانصافی کی۔

سیدنا حضرت ابوبکرؓ کا کارنامہ

میرے بھائیو! اس ایثا کا سب سے بڑا نمونہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالےٰ عنہ کا ہے کہ ان کو ان کے ایک عزیز (مسطح بن اثاثہ) نے ایسی تکلیف پہونچائی تھی، جس سے بڑھ کر تکلیف کا تصور کوئی شریف آدمی نہیں کر سکتا، اور ان کا تو معاملہ ہی دوسرا ہے، اس لئے کہ ہمیں آپ کو تکلیف پہونچے، یہاں کسی بیٹی کے باپ کو تکلیف پہونچے، تو ایک ہزار بیٹی کا باپ ایک طرف، اور اس بیٹی کا باپ جس کا نام ابوبکر تھا، ایک طرف، اور بیٹی بھی کس کی، اور کس کی بیوی؟ اس مسئلہ کا تعلق اس ذات سے تھا، جن سے ان کو عزت حاصل ہوئی تھی، عزت کیسی عزت؟ اس پر بٹہ لگایا، اس پر حملہ کیا، اس سے بڑھ کر کسی شریف آدمی کے لئے کیا، کسی حساس آدمی کے لئے بھی، زندہ آدمی کے لئے بھی، کوئی آزمائش ہو سکتی ہے؟ لیکن اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

ولا یاتل اولوا الفضل منکم والسعة ان یوتوا اولی القربیٰ والمسکین والمھٰجرین فی سبیل اللہ (سورہ نور. ۲۲۰)

اور جو لوگ تم میں صاحب فضل اور صاحب وسعت ہیں، وہ اس بات کی قسم نہ کھائی کہ رشتہ داروں اور محتاجوں اور وطن چھوڑ جانے والوں کو کچھ خرچ نہیں دیں گے۔

جن کو اللہ تعالےٰ نے کچھ گنجائش دی ہے، اور کچھ عطا فرمایا ہے، ان کو اس بات میں کمی نہیں کرنی چاہئے کہ وہ اپنے قرابت داروں کو دیں "**ولیعفو، ولیصفحوا**" اور ان کو چاہئے کہ اگر ان کی کوئی بات بری لگی ہے، تو معاف کر دیں، حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے جو بند کر دیا تھا، وہ جاری کر دیا، اور معاف کر دیا، اور کہا کہ بیشک میں چاہتا ہوں کہ اللہ مجھے معاف کرے، بیشک مجھے اس کی ضرورت ہے کہ اللہ مجھے معاف کرے، اس سے بڑھ کر کوئی نمونہ نہیں ہوسکتا، صلۂ رحمی کا، اور پھر حدیث میں آتا ہے کہ" **لیس الواصل بالمکافی ولکن الواصل الذی اذ قطعت رحمه وصل** "رشتہ، ناتوں کو جوڑنے والا وہ نہیں ہے، جو بدلہ دینے والا ہو، ہم سے کوئی رشتہ جوڑ رہا ہے تو ہم بھی جوڑ رہے ہیں، اصل رشتہ جوڑنے والا وہ ہے کہ اس کا رشتہ توڑا جائے تو وہ جوڑے۔

شریعت پر عمل نہ کرنے کی بے برکتی

دوسری بات یہ ہے کہ اللہ کی شریعت کی پابندی، بلکہ میں یہاں تک کہہ دوں کہ صحیح طریقہ پر میراث نکالنا، ترکہ تقسیم کرنا، بہنوں کا حق دینا، پھوپھیوں کا حق دینا اور جس کا جو حق ہے، اس کو پہونچانا، ان میں غفلت کی وجہ سے بڑی بے برکتی ہے۔ آپ دیکھیں گے کہ بہت سے خاندانوں میں بڑی بڑی جائیدادیں ہیں، لیکن فلاکت برستی ہے،

تیسری بات جو مولوی معین اللہ صاحب نے کہی کہ بچوں کی تعلیم کا اہتمام کرنا، یہ نہ سمجھنا کہ ان کو دینی تعلیم دی تو یہ کھوئے جائیں گے، یہ ہمارے کام نہیں آئے گا، انھوں نے کھول کھول کے مثالیں دیں اور نام لے لے کر ایک ایک آدمی کا ذکر کیا کہ اللہ نے اس پر کیا فضل فرما رکھا ہے۔

اخیر میں پھر کہتا ہوں کہ شرفاء کی بستی میں اس وقت تک برکت، خدا کی رحمت، اور ہر چیز میں کامیابی نہیں ہوسکتی، جب تک کہ اللہ کی بھیجی ہوئی، اور رسولؐ کی لائی ہوئی شریعت کا

احترام نہ کیا جائے، جتنا ہو سکے اس کی پابندی کریں، اللہ کے دین کے بارے میں ہمارے اندر غیرت ہونی چاہئے، جس کو تبلیغ کے عنوان سے مولوی معین اللہ صاحب نے بیان کیا کہ یہ دین کو باقی رکھنے کے لئے ساری دنیا میں ایک کوشش ہے، اس میں آپ حصہ لیں۔

عربوں سے عبرت لیجئے:

اخیر میں یاد رکھیے کہ آپ لوگوں کی فلاح دین پر چلے بغیر نہیں ہے، بس یہ پکی بات ہے، سن لیجئے، ایک وہ موقعہ آیا تھا کہ عربوں نے کوشش کی تھی، اور جان توڑ کوشش کی تھی کہ وہ دنیا کے راستہ سے بلکہ دین کے خلاف راستہ اختیار کر کے کامیابی حاصل کر لیں تو اللہ نے ان کو منہ کے بل گرایا، اور ایسا ذلیل کیا کہ صدیوں سے ایسے ذلیل نہیں ہوئے تھے، مجھے اسی زمانہ میں جانے کا موقع ملا اور میں نے وہاں جدہ میں، مکہ مکرمہ میں خطاب کیا، اور کہا دیکھو بھئی ترک کامیاب ہو جائیں، ایرانی کامیاب ہو جائیں، تم کبھی کامیاب نہیں ہو سکتے، اللہ میاں تمھیں کان پکڑ کر کے اور باندھ کر کے لائیں گے، اور دین ہی کے دروازہ پر تم کو ڈالیں گے، اگر کچھ ملے گا تو یہیں کی بھیک ملے گی، یہیں کی خیرات ملے گی، تم سوسر کے ہو جاؤ تم کامیاب نہیں ہو سکتے، ہم نے کہا کہ تمہارے لئے اللہ تعالیٰ نے یہاں مقدر یہی ہے کہ تم دین کے راستہ سے پاؤ تو کچھ پاؤ، یہی میں آپ سے کہتا ہو، اور ان سب لوگوں سے کہتا ہوں، جن کے آباؤ اجداد میں اللہ تعالےٰ نے بڑی بڑی ہستیاں پیدا کیں، اور جن کی بستیوں میں دین کا بہت کام ہوا، اچھے اچھے لوگ پیدا ہوئے، تمہاری فلاح دین کے اوپر چلنے میں ہے، دس باتوں کی پچاس کی یہ ایک بات ہے، اسی پر اکتفا کرتے ہوئے آپ سے اجازت چاہوں گا۔

وصلی اللہ تعالیٰ علیٰ خیر خلقه سید نا و مولانا محمد و آله وصحبه وسلم

صحت مند معاشرہ کی زندگی کے تین ستون

یہ تقریر ۲۸ نومبر ۱۹۸۳ء بروز یکشنبہ جامع مسجد بھیرہ میں کی گئی تھی

الحمد للہ و کفی وسلام علی عبادہ الذین اصطفی. اما بعد. فاعوذ باللہ من الشیطان الرجیم، لاخیر فی کثیر من نجواھم الا من امر بصدقۃ او معروفٍ او اصلاح بین الناس. (النساء، ۱۱۴)

ان لوگوں کی بہت سی مشورتیں اچھی نہیں، ہاں (اس شخص کی مشورت اچھی ہوسکتی ہے) جو خیرات یا نیک بات یا لوگوں میں صلح کرنے کو کہے۔

آپ غور کریں تو یہ تین چیزیں ایسی ہیں، جن پر ایک صالح معاشرہ قائم ہوسکتا ہے، وہ معاشرہ کے تین ستون ہیں، صدقہ جب تک کہ ایک کو دوسرے کے ساتھ عملی ہمدردی نہ ہوگی، آدمی کی مدد کا جذبہ سینہ کے اندر کارفرما نہ ہوگا اور وہ ایثار نہ کرے گا، کوئی معاشرہ قائم نہیں ہو سکتا’’ **اومعروف** ‘‘معروف بھی قرآن مجید کا ایسا لفظ ہے کہ اس کا ترجمہ نہیں ہوسکتا، یعنی معقول و مستحسن بات، جو چیز عرف میں داخل ہے، اور جس کو فطرت سلیم رکھنے والے سب بالاتفاق اچھا کہتے ہیں، اس کا جو حکم دے، اب ہر جگہ کا معروف الگ ہوگا، یہاں کا معروف یہاں کے لحاظ سے ہوگا، دوسرے مقام کا معروف وہاں کے لحاظ سے ہوگا، ’’**اومعروف او صلاح بین الناس**‘‘ عام طور پر قبیلوں، خاندانوں میں ’’**افساد ذات البین**‘‘ کا منظر نظر نہیں آتا ہے، یعنی آپس کے تعلقات کشیدہ ہیں، بستی بستی، گاؤں گاؤں، قصبے قصبے یہی بیماری پھیلی ہوئی ہے، خاص طور پر جہاں شرفاء آباد ہیں، کسی دل سوختہ شاعر نے یہاں تک کہہ دیا کہ

بہ ہر جا جمع می آیند سادات
فسادات و فسادات و فسادات

اس کو یوں سمجھا جا سکتا ہے کہ جہاں سادات جمع ہوں، پھر ماشاءاللہ سادات ہی سادات ہیں، اور یوں بھی تشریح ہوسکتی ہے، کہ پھر ناانصافیاں ہی ناانصافیاں اور جنگ وجدل ہی کا منظر نظر آئے گا۔

مولانا الیاس صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے۔ چور وہیں آتا ہے، جہاں مایہ ہوتی ہے، تو جتنا اونچا ہوتا ہے، اس پر شیطان حملہ کرتا ہے، تو یہ سادات، شیوخ صدیقی، فاروقی، انصاری، قریشی اور ان کی مختلف شاخیں عثمانی، علوی، عباسی جہاں ہوتے ہیں، ان میں شیطان بہت کامیاب ہو جاتا ہے، اس لئے کہ ان کو ایک دوسرے سے مکدر کرنے اور شاکی بنانے کا کام دوسروں کے مقابلہ میں آسان ہوتا ہے، ان کی حیثیت، حیثیت عرفی بلند ہوتی ہے، کچھ ان کی توقعات ہوتی ہیں، کچھ ان کی عادتیں ہوتی ہیں، کچھ وہ اپنا حق سمجھتے ہیں، شیطان اسی راستہ سے آتا ہے، دیکھو فلاں نے تمھیں سلام ٹھیک سے نہیں کیا، وہ حقیر سمجھتے ہیں، مالی حالت کچھ کمزور ہو گئی ہے، اب وہ اس طرح جھک کر سلام نہیں کرتے، اب دل صاف نہیں ہے، ہمارے خاندان میں بھی ایسے جھگڑے ہو چکے ہیں کہ شادی میں نہیں ملتے تھے، غمی میں ملتے تھے، یہ ایک ذرا سی شرافت کی بات تھی، بہت دنوں تک قصہ چلا پھر اللہ نے صلح و محبت کی فضا پیدا کر دی، یہ تین چیزیں ایسی ہیں کہ یہ واقعی ہر جگہ مشترکہ ہیں، صدقہ، معروف، اصلاح بین الناس، ہر مقام پر ان کی ضرورت ہے، جہاں صدقہ بند ہو جائے، محبت کا دروازہ بند ہو جاتا ہے، ہنس کر بولنا بھی صدقہ ہے، میٹھی زبان رکھنا اور خوش کلامی بھی صدقہ ہے، اگر کسی کا کوڑا گر جائے، اور وہ سواری پر ہو تو اٹھا کر اس کو دے دو یہ بھی صدقہ ہے، راستہ سے کانٹا ہٹا دینا بھی صدقہ ہے، صدقہ کی سینکڑوں قسمیں ہیں، ایک صدقہ کہہ دیا اس لئے کہ یہ سب پر حاوی ہے، یعنی خیر سگالی کا جذبہ، خیر خواہی اور مدد کا جذبہ، اس کے بغیر کوئی معاشرہ، کوئی اجتماعی زندگی اول تو وجود میں نہیں آ سکتی اور اگر آئے تو رہ نہیں سکتی، اور پھر معروف'' او اصلاحِ بین الناس '' یہ قرآن ہی کہہ سکتا تھا، یہ آیت بھی معجزہ ہے، پورا تمدن انسانی، پورا معاشرہ انسانی اسی پر قائم ہے، صدقہ معروف، اصلاح بین الناس، آج ہر جگہ آپ دیکھیں گے کہ اس کے خلاف ہو رہا ہے، کہیں صدقہ کا دروازہ بند ہے، تو کہیں معروف کا دروازہ بند ہے، تو کہیں دونوں چیزیں ہیں، لیکن اصلاح بین الناس کا دروازہ بند ہے، بگاڑنے والے لڑانے والے، پچاس اور ملانے والا ایک، مجھے الحمد للہ تجسس کی عادت نہیں کہ میں یہاں کے لوگوں سے پوچھتا کہ آپ کے یہاں کیا کمزوریاں ہیں، یا مجھے وہاں تقریر کرنا ہے، مجھے بتا دیجئے، تاکہ انھیں دکھتی ہوئی رگوں پر انگلی رکھوں، یہ طریقہ مصلحین کا بھی نہیں ہے، اور جو دین کا کام کریں، ان کا بھی نہیں ہے، ستر، پردہ پوشی اللہ کی

صفت اور مومن کے اخلاق ہیں، مجھے نہ تفصیل معلوم ہے، نہ اجمالی طور پر کچھ علم ہے، لیکن ہر بستی میں اسی کا اندیشہ ہوتا ہے، کئی مقامات پر اسی کی طرف توجہ دلائی، آج یہاں بھی یہی کہتا ہوں، کہ ان تین چیزوں کا خیال رکھئے، صدقہ، معروف، اصلاح بین الناس۔

چوتھی شرط اللہ نے یہ لگائی ہے، اس کارِ خیر میں نیت ہونی چاہئے، رضائے الٰہی کی "**ومن یفعل ذلک ابتغاء مرضات اللہ**" ایک اچھا عمل، سیاسی اغراض سے بھی ہوسکتا ہے، تمدنی اور مادی اغراض سے بھی ہوسکتا ہے، یہ سب اغراض ہیں لیکن یہاں اللہ نے فیصلہ کر دیا، "**ومن یفعل ذلک ابتغاء مرضات اللہ فسوف نوتیہ اجرا عظیما**" جو اللہ کی رضا کے لئے کام کرے اس میں ثواب ہے، یہ نہیں کہ صاحب ہم کریں گے تو وہ بھی کرے گا، اور اچھا ہے کہ اچھی زندگی گذرے گی، یہ نہیں، بلکہ خالص اللہ کی رضا کے لئے۔

آپ لوگوں کو شکر کرنا چاہئے کہ الحمدللہ یہاں ابھی تک مسجدیں قائم ہیں، اور یہاں تبلیغی جماعتیں بھی آتی ہوں گی، اور یہاں سے لوگ بھی نکلتے ہیں، ہمارے عارف اللہ صاحب(۱) بھی ماشاءاللہ بڑی دور دور گئے باوجود اتنی کمزوری کے اور آئندہ کے لئے بھی دعوت دیتا ہوں کہ آپ اندور اور بھوپال سے رابطہ رکھیں۔

مکاتب کا نظام

اپنے یہاں بچوں کی تعلیم کا بھی انتظام کریں، ہر مسجد کے ساتھ مکتب ہونا چاہئے، ہمارے بچپن میں بڑا اچھا رواج تھا کہ گھروں میں بیبیاں پڑھاتی تھیں، بڑی بوڑھیاں یا بیوہ عورتیں جو پڑھی لکھی ہوتی تھیں، محلہ محلہ اس کا رواج تھا، بڑا فائدہ پہونچتا تھا، اکثر بچیاں آتی تھی، اور بچے بھی آتے تھے، اس کو بھی زندہ کیجئے اور باہر کی دنیا سے کٹئے نہیں، بزرگوں سے تعلق رکھئے، علماء کے مرکزوں میں جایئے، مدرسوں میں جایئے، اب اگر یہ بچے ہمارے یہاں ندوہ میں نہ جاتے تو کیا معلوم کیا بنتے، لیکن اگر یہ سلسلہ بند ہوجائے، اور اپنے اس خول میں آپ بند ہوکر رہ جائیں، پھر ترقی نہیں ہوسکتی، ترقی اس طرح ہوتی ہے کہ باہر سے روشنی، طاقت اور رہنمائی حاصل کی جائے۔

میں زیادہ طول دینا نہیں چاہتا، آپ حضرات کی محبت کا شکریہ ادا کرتا ہوں اور اللہ تعالیٰ

---

(۱) مولوی معین اللہ صاحب کے عم محترم

ت دعا کرتا ہوں کہ جو کچھ کہا گیا، اس کے مؤاخذہ سے ہم لوگوں کو بچائے، ہم پر اس کی ذمہ داری نہ آئے۔ اور قیامت میں آپ لوگوں کے سامنے ہم سب لوگوں کو جن کا تعارف کرایا گیا شرمندہ نہ ہونا پڑے۔

وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین

اسلام کے حلقہ بگوش عربوں کو
قرآن کی نوید فتح

> عربی مضمون '' الفتح للعرب المسلمین '' کا اردو ترجمہ۔ اس مضمون میں عربوں کو زندگی اور امید کا پیغام دیا گیا ہے، اور بتایا گیا ہے کہ یہودیوں کی کامیابی اور ان کی ناکامی عارضی ہے، اور اگر عرب دعوت اسلامی کے حامل اور دین حق کے علم بردار ہیں تو ان کی فتح یقینی ہے۔

الحمد لله و كفى وسلام على عباده الذين اصطفى . اما بعد.

ناقابل تصور کامیابی

اس میں کوئی شک نہیں کہ بین الاقوامی یہودیت کو اپنے بہت سے مقاصد میں توقع سے زائد بھی کامیابی حاصل ہو چکی ہے، اور اس کے بہت سے وہ منصوبے بروئے کار آ گئے ہیں، جن کا خواب وہ ہزاروں سال سے دیکھ رہی تھی، بہت سی وہ باتیں جو پہلے خواب و خیال اور جنون و پریشان دماغی کا نتیجہ معلوم ہوتی تھیں، اس آسانی کے ساتھ واقعہ بن چکی ہیں کہ نہ صرف عرب بلکہ یہودی بھی کچھ عرصہ پیشتر اس کا تصور کرنے سے قاصر تھے۔

اسرائیل کا قیام

پہلے اسرائیل کی ریاست عالم عربی کے قلب و جگر اور اس کے بہترین و مقدس مقامات کے عین وسط میں قائم ہوئی اور عربوں اور مسلمانوں کے سینہ پر کابوس بن کر مسلط ہو گئی، اس کے بعد یہودیوں کے بین الاقوامی اثر و رسوخ کی بدولت اس نے اپنے وجود کو نہ صرف برقرار رکھا بلکہ دن بدن طاقت پکڑتی گئی، اور بالآخر عالم عربی کی سب سے بڑی فوجی طاقت (مصر) پر غالب آئی اور اس کی ہوائی قوت کو ختم کر دینے میں کامیاب ہو گئی، اس سے زیادہ خطرناک بات

یہ ہوئی کہ اس نے ۵ جون کی جنگ میں چند گھنٹوں کے اندر عربوں کی قوت ارادی اور قوت مدافعت کو سخت نقصان پہونچایا، بیت المقدس، نہر اردن کے مغربی کنارے اور جزیرہ نمائے سینا پر مکمل قبضہ کرلیا، سوئز اور مصر کے ساحلی شہر ہر وقت اسرائیلی حملہ کی زد میں رہنے لگے، شام میں اس نے اندر تک پیش رفت کی اور بہت سے فوجی اہمیت کے مقامات اور پہاڑیوں پر قبضہ کرلیا، اس نے بعض عرب ممالک کے ہوائی اڈوں کو بڑی جسارت کے ساتھ نشانہ بنایا اور اب وہ پورے عالم عربی پر قبضہ جمانے اور حجاز کے مقدس مقامات کی طرف بڑھنے کے خواب دیکھ رہی ہے۔

اسرائیل کے ناپاک عزائم

اسرائیل کے بعض لیڈروں نے کھل کر یہ بات کہی کہ اسلام کے دور اول میں جن یہودی نو آبادیوں پر قبضہ کرلیا گیا تھا، وہ اس پر دوبارہ قبضہ کرنا چاہتے ہیں، اس سے آگے بڑھ کر بہت سے یہودی یہ خواب دیکھ رہے ہیں کہ ایک نہ ایک دن ان کو دنیا کی سب سے بڑی طاقت بننا ہے، جس کا حکم دنیا کے تمام صدور مملکت، سربراہان حکومت اور وزراء پر چلے گا، اور اس طرح وہ خواب پورا ہو جائے گا، جس کا ذکر یہودیوں کی مقدس کتاب تلمود میں اور حکماء صیہون کے مشہور پروٹو کولز میں ملتا ہے۔ (۱)

ایک بنیادی سوال

اب ہمیں اس پر غور فکر کرنا ہے کہ کیا یہ صورت حال واقعی مستقبل اور پائدار صورت اختیار کر لے گی اور صیہونیت کے باقی ماندہ منصوبے بھی پایہ تکمیل کو پہونچ جائیں گے، کیا عربی اور مسلمان ان حوصلہ مند یہودیوں کے رحم وکرم پر رہنے کیلئے مجبور ہوں گے، کیا ان کی رسی اتنی دراز کر دی جائے گی، اور ان کو اس طرح پے در پے کامیابیاں حاصل ہوتی جائیں گی کہ بالآخر ساری دنیا پر ان کا تسلط قائم ہو جائے گا، ان کے تمام منصوبے اور مقاصد پورے ہو جائیں گے، اور ان کا فلسفہ حیات اور افکار ونظریات ساری دنیا میں پھیل جائیں گے، کیا انسانیت کی زمام قیادت ان کے حوالہ کر دی جائے گی، اور وہ اس طرح کی رہنمائی وقیادت کرنے لگیں گے جس طرح تاریخ کے بہت سے دوسرے مذاہب، تہذیبوں اور دعوتوں نے اپنے اپنے وقت پر کی تھی۔

---

(۱) ملاحظہ ہو پروتو کولات حکمائے صیہون

ہم اس وقت تک اس سوال کا فیصلہ کن اور قطعی جواب نہیں دے سکتے، جب تک کہ ہم اس عجیب وغریب اور بیکراں کائنات پر ایک نظر نہ ڈال لیں، اس کے خالق وپروردگار کے اسماء وصفات، افعال واداروں اور اس کے قوانین فطرت واصول قدرت کا مطالعہ نہ کرلیں، اور انسانی تاریخ کے تجربوں اور اہم واقعات کو اپنی نظر کے سامنے نہ رکھیں۔

ہم اس سوال کا اطمینان بخش جواب اسی وقت دے سکتے ہیں، جب نسل انسانی کی صلاحیت، انسانی خمیر میں خیر وشر کی آمیزش، بنی نوع انسان کا مستقبل اور اس کائنات کی تقدیر اور قوانین فطرت ہماری نظر کے سامنے ہوں اور ہمارے ذہن میں ان کا واضح اور معین تصور موجود ہو۔

خالق کائنات کا نظام

اگر ہم یہ فرض کرلیں کہ خالق کائنات نے اس کائنات اور اس سیارہ کو جس پر ہم رہتے ہیں، صرف فساد وتخریب، خون ریزی اور دہشت گردی، ظلم وسنگدلی، حیوانیت وبربریت، سازشوں اور مکر وفریب کے لئے پیدا کیا ہے، اور اس نے اس دنیا کے لئے یہ سارا اہتمام وانتظام (جو اس کے ہر شعبہ کے حسن وجمال، ترتیب وتوازن اور اعجاز سے ظاہر ہے، اور جس میں انبیاء کی بعثت، کتب سماویہ کا نزول، وحی والہام، صالحین وصادقین کی نصرت وخیر وشر اور فساد پر صلاح وفلاح کا غلبہ سب چیزیں شامل ہیں) صرف اس لئے کیا ہے کہ اس پر ایک ایسے عنصر کا تسلط ہوجائے جو کسی زمانہ میں انبیاء کی طرف منسوب سمجھا جاتا تھا، اور جس کی رگوں میں ان کے خون کے چند ایسے ذریعے شامل ہیں جن کو آج خوردبین سے دیکھنا بھی مشکل ہے، اور جن کی حقیقت تک رسائی ریاضی کی مدد سے بھی ناممکن ہے، اس نے اس کائنات کا پورا انظام اس لئے قائم کیا ہے کہ ایک نسل جو اپنے کو ”خدا کی پسندیدہ وبرگزیدہ قوم“ کہتی ہے اور اپنے کو مقدس الٰہی خاندان کے افراد سمجھتی ہے،(۱) ساری طاقتوں، سارے ذخائر اور دولتوں پر قابض ہوجائے۔

---

(۱) اسی بات کو قرآن مجید نے ان کی زبان سے اس طرح ادا کیا ہے ”نحن ابناء اللہ واحباءہ“ (سورہ مائدہ۔ ۱۸) بائبل عہد عتیق اور تالمود کے صفحات ان دعووں سے بھرے ہوئے ہیں، اور ان میں جگہ جگہ یہودیوں کے امتیاز ونسلی برتری کا ذکر ہے، یہ مختصر مضمون اس تفصیلات کا متحمل نہیں۔

فرض کیجئے

اگر ہم یہ فرض کر لیں کہ یہ خاندان وہ واحد انسانی نسل ہے، جس کو اللہ نے ہر قسم کی صلاحیتوں اور طاقتوں سے مالا مال کر دیا ہے اور ہر قسم کی ذہانت، اعلیٰ دماغی اور ہر قسم کا کمال صرف اس کے ساتھ مخصوص ہے، باقی تمام نسلیں جن سے دنیا آباد اور بزم عالم قائم ہے، وہ آٹے کی چوکر کی طرح حقیر و بے قیمت ہے۔ اور ہر کی اہلیت و صلاحیت، ایجاد واختراع کی قوت اور مختصر یہ کہ تمام عطیات خداوندی سے یکسر محروم ہیں، تو ہمیں یہ بات یقیناً تسلیم کر لینا چاہئے کہ صرف اسی نسل کو بنی نوع انسان پر حکمرانی کا حق حاصل ہے، اور دوسری تمام نسلیں واقوام صرف اس لئے پیدا ہوئی ہیں کہ ان کو جانوروں کے ریوڑ اور بھیڑوں کے گلہ کی طرح ہانکا جاتا رہے، "اس ناز پروردہ اور محبوب اولاد" اور ان "وہبی و پیدائشی خوش نصیبوں" کے سوا جتنے لوگ بھی ہیں، وہ شطرنج کے ان مہروں سے زیادہ حیثیت نہیں رکھتے جن کو یہ معزز اور ذہین یہودی بڑی قدرت ومہارت کے ساتھ ایک دوسرے سے لڑاتے اور ان سے کھیلتے رہتے ہیں، خود ان کو اپنے مستقبل کی تعمیر اور زندگی کی تشکیل میں کوئی دخل نہیں ہے۔

اسی طرح اگر ہم یہ فرض کر لیں کہ انسانی فطرت اصلاً بد ہے، اور تعمیر کے مقابلہ میں تخریب کو اور اصلاح کے مقابلہ میں فساد کو پسند کرتی ہے، ہر چیز کو بدگمانی کی نظر سے دیکھتی ہے، ساری دنیا میں سب بیزار اور برسر پیکار ہے، ماضی وحال دونوں سے برگشتہ ہے، وہ ہر وقت بغاوت اور انتقال نفرت اور کینہ کی آگ میں جلتی رہتی ہے، اور اپنے سینہ میں ہر قسم کی قدیم وجدید عداوتوں کا ذخیرہ رکھتی ہے، اور ہر صنعت وتعمیر اور ہر تہذیبی ورثہ اور تمدنی دولت کے صرف کمزور پہلو دیکھنے کی عادی ہے، اپنے سوا سب کو حقیر سمجھتی ہے، وہ احساس کمتری کا شکار ہے، اور اس کی نگاہ میں انسان کی عزت وشرافت کی کوئی قیمت نہیں ہے، مادہ پرستی کے سوا اس کا کوئی مطمح نظر نہیں اور سفلی جذبات کی تسکین و تکمیل کے سوا اس کا کوئی مشرب ومسلک نہیں، وہ فتح کے وقت ظلم وبربریت کی آخری حد پر ہوتی ہے، ہزیمت کے بعد بزدلی کے آخری کنارے پر، وہ اپنے مقاصد کے حصول کے لئے ہر قسم کے جائز وناجائز وسائل کو استعمال کرنا ضروری سمجھتی ہے، اپنے عزائم کو بروئے کار لانے کے لئے اس کو ذلیل سے ذلیل عمل، بڑے سے بڑے

ظلم، پست سے پست اخلاق اور آخری درجہ کے نفاق سے بھی کوئی عار نہیں ہوتا۔

اگر ہم تھوڑی دیر کے لئے یہ فرض کرلیں کہ تاریخ سازی، تہذیب وتمدن کی تشکیل، انسانیت کی فلاح اور اقوام عالم کی سیاست وتدبر کا واحد تعمیری اور حقیقی محرک اور طاقتور ومؤثر عنصر صرف مکر وفریب، جرائم پسندی، تخریبی ذہانت ہے، اور تہذیب وتمدن کا یہ درخت صرف فساد فی الارض، ضمیر اور خاندانی نظام کے خاتمہ، بے حیائی وبے قید زندگی کی تبلیغ واشاعت اور بغاوتوں اور سازشوں کے ذریعے برگ وبار لا سکتا ہے........ اور وہ واحد ذریعہ اور وسیلہ جو اقوام کی تقدیر کو ڈھالتا ہے، اور دنیا کے تمام انقلابات میں کارفرما نظر آتا ہے، اور تاریخ کا رخ بدلنے کی صلاحیت رکھتا ہے، دراصل وہ خفیہ ہاتھ ہے، جو سازش کا جال پھیلاتا ہے، اور وہ سب سے بڑی طاقت جس پر اعتماد ممکن ہے، بدعہدی، دھوکہ بازی، محسن کشی اور اعلیٰ درجہ کی رذالت اور کردار کی پستی وگندگی ہے، اور...... سب سے زیادہ پسندیدہ شئی جو فتح وکامرانی کی شرط اور انسانیت کی فلاح وخوشحالی کی بنیاد ہے، وہ تکبر اور خودغرضی ہے۔(۱)

اگر ہم یہ فرض کرلیں کہ انسانیت کا چہرہ ہمیشہ سے سیاہ اور داغدار ہے، اور امن وسکون، انسانی اخوت، ہمدردی وآدمیت اس کی تقدیر میں نہیں بلکہ اس کی قسمت میں صرف یہ لکھا ہے، کہ ایک جنگ سے دوسری جنگ، ایک المیہ سے دوسرے المیہ، ایک بدنصیبی سے دوسری بدنصیبی اور ایک بغاوت سے دوسری بغاوت کے درمیان ہچکولے کھاتے رہے، یہاں تک کہ اس جہنم میں جا پڑے جو غیظ وغضب، کینہ وحسد، اغراض وہوس اور نفرت وعداوت کی ایندھن سے بھڑک رہا ہے۔

اگر ہم یہ مان لیں کہ اس دنیا میں رسالت وہدایت کا کوئی قصہ ہی سرے سے موجود نہیں، یہاں نہ عقائد واصول کا کوئی سوال ہے، نہ قلب وضمیر کا کوئی مسئلہ، نہ اخلاق وفضائل کی کوئی ضرورت، نہ خدا کی پسندیدہ شریعت اور نظامِ زندگی کی کوئی حاجت، یہاں صرف ایک ہی حقیقت کارفرما ہے، اور صرف اسی کو زندہ اور باقی رہنے کا حق ہے، اور وہ ہے نسل وخاندان کی برتری، آباؤ اجداد کا خون پرانی روایات، نفرت وانتقام، کینہ وحسد، عظمت رفتہ کے حصول کی

---

(۱) قرآن مجید نے ان یہودیوں کے لئے "مغضوب علیہم" کا لفظ دراصل اسی لئے استعمال کیا ہے کہ، یہ وصف سورۂ فاتحہ میں ہے جو بار بار پڑھی جاتی ہے، اس بلیغ نکتہ کا صحیح ذوق وہی لے سکتا ہے اور یہودیوں پر اس کے ٹھیک ٹھیک انطباق کا اندازہ اسی کو ہوسکتا ہے، جو یہودیوں کے قومی خصائص اور اس کردار سے واقف ہے، جو انھوں نے انسانیت کی تاریخ میں ادا کیا ہے۔

کوشش اور اپنے پرانے علاقوں کو واپس لینے کی ہوس، مہم پسندی اور ہوس ملک گیری کی تسکین اور اپنے جذبۂ حرص وطمع کی تشفی وتسلی۔

اگر ہم ان تمام مفروضات کو تسلیم کرلیں اور یہ ساری باتیں مان لیں تو پھر اس میں یقیناً شبہ نہیں کہ یہودی انسانی قیادت اور غلبہ وکامرانی اور اقتدار وتسلط کے جائز اور موزوں امیدوار ہیں، اور ان کو ابتدا سے اسی کے لئے تیار کیا گیا ہے، اس نقطہ نظر سے ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ یہ حالات اسی طرح برقرار رہیں گے، اور یہودیوں کی ہوس ملک گیری اور اپنی سرحدوں کو بڑھاتے رہنے کی پالیسی کامیاب ہوگی اور ان کے لئے کوئی چیز سنگ راہ نہ بن سکے گی اور ان کے تمام شیطانی منصوبے ایک ایک کرکے کامیاب ہوجائیں گے یہی وہ حقیقی تصویر ہے جو ہمیں یہودیوں کے عہد قدیم بائبل میں تلمود میں حکمائے صہیون کے پروٹوکولز میں ان کے لیڈروں کی تقریروں میں ان کے جلسوں کی کاروائیوں میں بلکہ خود ان کے عملی اقدامات میں ملتی ہے خاص طور پر اس جنگ کے بعد یہ تصویر اور زیادہ ابھر کر سامنے آرہی ہے۔

لیکن ہمیں یاد رکھنا چاہئے کہ یہ پوری تصویر کینہ پروری اور حقارت کی تصویر ہے۔ یہ جن رنگوں سے تیار ہوئی ہے اس میں یہ چیزیں شامل ہیں انسانیت سے قدیم بغض وعداوت یہودی نسل کے تقدس پر ایمان کامل اسرائیلی خون کی عبادت و پرستش کی حد تک عظمت اور تاریخ انسانی کے ہر دور اور روئے زمین کے ہر گوشہ میں بقیہ انسانی نسلوں اور قوموں کو ہر اہلیت وصلاحیت سے محروم سمجھنا۔ پوری دنیا پر تسلط حاصل کرنے کا منصوبہ، شر وفساد کا طبیعت ثانیہ اور افتاد طبع بن جانا، تشدد اور دہشت انگیزی کا قومی خصائص اور موروثی عادتوں کا درجہ اختیار کر لینا، یہ تصویر یہودیوں کی تاریخ کے ساتھ ساتھ اس طرح وابستہ ہے جس طرح مزاج انسان کے ساتھ یہ سائے کی طرح ہر وقت اور ہر جگہ ان کے ساتھ ہے اس لئے کہ سازش ان کی تاریخ کی سب سے بڑی بنیاد اور ان کے نظام زندگی کا سب سے بڑا ستون ہے یہ وہ محور ہے جس کے گرد ان کی ساری ذہانت اور کاوش گھومتی ہے۔ یہی وہ دماغ یا خفیہ ہاتھ ہے جو ہر بغاوت، انقلاب، سازش، تخریبی نظریات، تباہ کن فلسفوں اور ہر قسم کی بے چینی، اضطراب انارکی اور ہر طرح کے اقتصادی سیاسی اجتماعی اور اخلاقی بحران کے پیچھے کام کر رہا ہے ایک ممتاز یہودی مفکر ڈاکٹر آسکر لیوی نے اپنے اس جملے میں اس قوم کی ساری تصویر کھینچ دی ہے وہ یہودیوں کے کردار پر فخر کے ساتھ روشنی ڈالتے ہوئے لکھتا ہے۔

رفاہی خدمات عبادت ہے

مدرسہ دارالتعلیم والصنعت کانپور میں الحاج منت اللہ اسپتال کے سنگ بنیاد کے موقع ۱۱/ اکتوبر ۱۹۹۸ء کو علماء دانشوروں اور سرمایہ داروں کی موجودگی میں حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندوی رحمۃ اللہ نے یہ مؤثر اور گراں قدر تقریر فرمائی تھی، افادۂ عام کی غرض سے ہم اس تقریر کو ہدیہ ناظرین کر رہے ہیں۔ خدا کرے کہ یہ تقریر دوسروں کے لئے باعث تشویق ہو۔

الحمد للہ رب العالمین والصلوٰۃ والسلام علی سید المرسلین و خاتم النبیین و علی آلہ وصحبہ اجمعین ومن تبعھم باحسان الی یوم الدین.

دین اسلام فطرت مکین

سامعین کرام وحاضرین عزیز! ہمارے لئے اور رفقاء کے لئے اور حقیقت میں تمام شرکاء محفل کے لئے یہ بڑی مسرت اور عزت کی بات ہے کہ کار خیر اور ادارہ عام اور ایک شفاخانہ کے افتتاح کے سلسلے میں اللہ تعالیٰ نے ہم لوگوں کو جمع کیا اور آنے کی توفیق دی، اسلام میں کتاب و سنت سے معلوم ہوتا ہے کہ ہر مقام اللہ تعالیٰ کے یہاں بڑی قیمت رکھتا ہے اور اللہ کے یہاں اس کی بڑی قدر ہے جس سے لوگوں کو نفع پہنچے اور ذاتی نفع کے مقابلہ میں اور ذاتی اظہار وعزت ووجاہت کے مقابلہ میں ایسے اداروں سے، اور ایسے مرکزوں اور ایسے اقدامات سے اللہ تعالیٰ بہت خوش ہوتا ہے۔ جس سے اللہ کی مخلوق کو نفع پہنچے اس کے بارے میں بڑی بڑی بشارتیں آئی ہیں جو لوگ کوئی ایسا کام کریں۔ ایسی جگہ بنائیں ایسا مرکز قائم کریں جس سے لوگوں کو جسمانی طبی یا اس سے بڑھ کر دینی وروحانی اور اخلاقی فائدہ پہنچے اس سے اللہ کے یہاں بڑی قدر ہے او ریہ دین ہمارا دین ہے جس سے اللہ نے ہمیں عزت بخشی ہے، یہ دین تو ایک دین فطرت ہے دین انسانیت ہے دین عالم ہے اور دین ابدی ہے۔ یہ اپنی عمومیت کے لحاظ سے تمام بنی آدم پر مشتمل ہے، اور اپنے دوام کے لحاظ سے یہ قیامت تک کیلئے ایک صدقہ جاریہ ہے اسکو جس شکل میں بھی جو انسانوں کے لئے مفید ہو اگر کوئی قدم اٹھایا جائے کوئی مرکز قائم کیا جائے، تو اللہ تبارک وتعالیٰ اس سے خوش ہوتا ہے اس لئے کہ یہ اللہ کی مخلوق کے لئے مفید ہے۔

اور اس میں سب سے بڑا مرتبہ اور جو پہلا درجہ ہے وہ علم دین کے سکھانے کا ہے کہ لوگوں کو یہ معلوم ہو اور نئی نسل کو یہ معلوم ہو کہ اس کا پیدا کرنے والا کون ہے۔ اس کی کیا صفات ہیں اور اس کے کیا احسانات نہیں ہے اس کے کیا مطالبات ہیں، اس کے کیا حقوق وفرائض ہیں اور صحیح طور پر زندگی گزارنے کا اصول طریقہ کیا ہے جس سے اس کو اللہ تعالیٰ کے یہاں شرف ورضا حاصل ہو اور دوسروں کے نفع پہنچے اس لئے اگر تاریخ پڑھی جائے تو معلوم ہوگا کہ رفاہ عام کا کام ہر دور میں جتنا اس امت اسلامیہ کے ہاتھ انجام پایا، اس کی کوئی مثال تاریخ انسانی میں نہیں ملتی۔

مساجد کی تعمیر، مدارس کا قیام اور دارالشفاء اور بڑے بڑے علاج کے مرکز کا قیام پھر اس کے علاوہ رسد پہنچانے کے جو ذرائع ہیں۔ وہ سب مسلمانوں نے اپنے دور میں اختیار کئے ہیں۔ ان کا کہیں پورا تذکرہ آ ہی نہیں سکتا تاریخ پڑھنے کی ضرورت ہے۔ کہ اس کے لئے مسلمانوں نے مسلمان امراء نے، ملوک وسلاطین نے، مسلمان اغنیاء نے اور پھر داعیوں نے اور مصلحین نے اور عام مسلمانوں نے اپنی اپنی حیثیت کے مطابق ہر دور میں اس کی کوشش کی ہے کہ کوئی ایسی چیز بنائیں جس سے لوگوں کو نفع ہو، اور اس سے پورا عالم اسلام بھرا ہوا ہے کوئی جگہ خالی نہیں ہمیں بڑی خوشی ہے کہ آج یہاں حاجی منت اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ جن کا کام بالکل اپنے نام کے مطابق ہے۔ اور ان کا نام ایک طرح کی بشارت ہے، ''اللہ کا احسان'' کہ اللہ کا ان پر بڑا احسان ہے، کہ ان سے اللہ نے بڑے مفید کام لئے اور دینی اداروں اور دینی جدوجہد وغیرہ میں ہمیشہ وہ شریک رہے۔ اس لئے ندوۃ العلماء جس کا ایک عظیم نمائندہ ہوں وہ بھی ان کا ممنون ہے اور کانپور کے ادارے اور آس پاس مدرسے اور آج آپ جس ادارے کی تعمیری بنیاد رکھنے میں شریک ہیں، یہ سب درحقیقت ان کے اخلاص کی برکت ہے، مدرسے قائم کروانا، مسجد بنوانا اور ابھی وہ ادارے جس کی بنیاد رکھنے میں آپ نے شرکت کی۔ یہ تھی کہ ایک مسلمان نے جو ایک اچھا قدم اٹھایا ہے اس کی دل شکنی نہ ہو۔ اور قرآن کریم کے نام پر جو تقریب شروع ہوئی ہے اس کی بے حرمتی نہ ہو، اجتماع کی روداد آپ دوسرے صفحات میں پڑھیں گے۔ حضرت مولانا سے جو ناواقف ہیں وہ معذور ہیں جو حضرات مولانا کے مزاج و افتادہ طبع اور عالمی عزت وشہرت کے مقام سے واقف ہیں وہ غالب کے ہم زبان ہوں گے۔

ترے جواہر طرف کلہ کو کیا دیکھیں
ہم اوج لالع لعل و گہر کو دیکھتے ہیں

صالح معاشرتی انقلاب کی ضرورت

اس نقطہ نظر نے انسانیت کے مستقبل کو بیحد متاثر کیا، اور یہ لوگوں کیلئے مذاہب وتحریکات اور رجحانات کی تاریخ میں ایک نئے تجربہ کی حیثیت رکھتا تھا، جس نے تاریخ میں ایک انقلاب برپا کردیا، اس لئے چھٹی صدی مسیحی کی عالمی صورت حال (جو تقریباً ہر زمانہ میں رہی ہے) ایسی نہ تھی کہ اس پر چند صالح افراد اثر انداز ہوتے ہیں، چنانچہ قرآن مجید خدائی غضب کے شکار یہودیوں کے درمیان بھی کچھ صالح افراد کی موجودگی کی گواہی دیتا ہے۔

> **لیسوا سوآءً من اهل الکتب امة قآئمة یتلون ایت اللہ انآ الیل وهم یسجدون، یومنون باللہ والیوم الاخرة ویامرون بالمعروف وینهون عن المنکر ویسارعون فی الخیرات واولئک من الصلحین.**
>
> (آل عمران۔۱۱۳۔۱۱۴)۔
>
> سب (اہل کتاب) یکساں نہیں، (انھیں) اہل کتاب میں ایک جماعت قائم ہے، یہ لوگ اللہ کی آیتوں کو اوقات شب میں پڑھتے ہیں اور سجدہ کرتے ہیں، یہ اللہ اور قیامت کے دن پر ایمان رکھتے ہیں، اور بھلائی کا حکم دیتے ہیں، اور بدی سے روکتے ہیں اور اچھی باتوں کی طرف دوڑتے ہیں یہی لوگ نیکوکاروں میں سے ہیں۔

مگر ان صالح افراد کا انسانی معاشرہ اور انسانی عمل پر کوئی اثر نہ تھا، کیونکہ وہ صرف چند افراد تھے اور قومیں افراد کو خاطر میں نہیں لاتیں، چنانچہ ہر دور و دیار میں ایسے صالح افراد رہے ہیں اور اب بھی ہیں، جو اپنے کچھ اعمال واخلاق اور عبادات اور دوسرے لوگوں سے ممتاز ہوتے ہیں، لیکن جو خلاء اور مسئلہ قوموں اور نسلوں اور تمدن ومعاشرہ کی سطح پر ہو وہ اس وقت تک پر نہیں ہوسکتا، جب تک کہ وہ خیر وصلاح، اسوۂ حسنہ اور عملی نمونہ بھی امت اور انسانی معاشرے کی سطح کی نہ ہو، جو بلند ترین نبوی تعلیمات، شریفانہ اصول واخلاق، اور مثالی انفرادی واجتماعی عمل کی

نمائندگی حکومت وسیاست، تجارت ومعاملت انفرادی واجتماعی زندگی، افراد اور جماعتوں کے ساتھ برتاؤں اور قوموں اور حکومتوں کے ساتھ معاملات رضامندی وناراضگی، صلح وجنگ، فقر وغنا، ہر حالات اور ہر صورت میں کرتا ہو اور اس امت وجماعت کی عام علامت اور ممتاز خصوصیت نہ بن چکا ہو۔

صحابہ کرامؓ اور وہ مبارک لوگ جنھوں نے گہوارۂ نبوت میں پرورش اور مدرسہ ایمان وقرآن میں تربیت پائی تھی، انہی مذکورہ علامات وخصوصیات کے مالک تھے۔

ایک انصاف پسند اور تاریخ عالم سے واقف مغربی اہل علم نے اس طبقہ کی بڑی کامیاب تصویر پیش کی ہے اور ان کی نمایاں ومشترک خصوصیت کی طرف اشارہ کیا ہے، جو نبوت کا باغ تازہ اور قرآن کی فصل بہار کہلانے کا مستحق ہے، جرمن فاضل کائتانی (CAETANI) اپنی کتاب "سنین اسلام" میں لکھتا ہے:۔

> یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اخلاقی وراثت کے سچے نمائندے مستقبل میں اسلام کے مبلغ اور محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خدا رسیدہ لوگوں تک جو تعلیمات پہونچائی تھیں، ان کے امین تھے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی قربت اور ان سے محبت نے ان لوگوں کو فکر وجذبات کے ایک ایسے عالم میں پہونچادیا تھا جس سے اعلیٰ اور متمدن ماحول کسی نے دیکھا نہیں تھا۔

درحقیقت ان لوگوں میں ہر لحاظ سے بہترین تغیر ہوا تھا، اور بعد میں انھوں نے جنگ کے مواقع پر مشکل ترین حالات میں اس بات کی شہادت پیش کی کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے افکار کی تخم ریزی، زرخیز زمین میں کی گئی تھی، جس سے بہترین صلاحیتوں کے انسان وجود میں آئے، یہ لوگ مقدس صحیفہ کے امین اور اس کے حافظ تھے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے جو لفظاً یا حکماً انھیں پہونچایا تھا، اس کے زبردست محافظ تھے۔

یہ تھے اسلام کے قابل احترام پیش رو جنھوں نے مسلم سوسائٹی کے اولین فقہاء علماء اور محدثین کو جنم دیا (ماخوذ از

CAETANI ANNALI DES ISLAM VOLII.P429 T.W.ARNOLD: PREACHING OF ESLAM(LONDON1925)PP.42

احتساب کائنات

امت اسلامیہ پر عالمی نگرانی اخلاق ورجحانات انفرادی وبین الاقوامی طرز عمل کے احتساب انصاف کے قیام، شہادت حق، امر معروف، ونہی منکر کی ذمہ داری ڈالی گئی ہے، اور اس کو قیامت کے دن اس ذمہ داری کی ادائیگی میں کوتاہی پر جواب دہ بنایا گیا ہے۔

یآایھا الذین امنو کونوا قوامین لله شهدآء بالقسط ولا یجر منکم شنان قومٍ علی الاتعدلو، اعدلو اهوا قرب لتقوی، واتقوالله ان الله خبیر بما تعلمون (المائدہ۔۹)

اے ایمان والوں اللہ کے لئے پوری پابندی کرنے والے اور عدل کے ساتھ شہادت دینے والے رہو اور کسی جماعت کی دشمنی تمہیں اسپر آمادہ نہ کرے کہ تم (اس کے ساتھ) انصاف نہ کرو، انصاف کرتے رہو کہ وہ تقویٰ سے بہت قریب ہے اور اللہ سے ڈرتے رہو بے شک اللہ کو اسکی (پوری) خبر ہے کہ تم کیا کرتے ہو۔

اور اس امت کے اپنے فرائض کی ادائیگی میں کوتاہی پر تنبیہ کی گئی ہے جس کے نتیجے میں انسانیت مصیبت ومشکل میں پھنس سکتی ہے اور روئے زمین پر فتنہ وفساد اور انارکی پھیل سکتی ہے چنانچہ اس چھوٹے سے انسانی مجموعہ کو (جو مدینہ کی ابتدائی زندگی میں تھا اور جس کی تعداد چند سو سے زائد نہیں تھی) مخاطب کرتے ہوئے اور اسے دعوت وعقیدہ کی بنیاد پر اسلامی اخوت قائم کرنے کی تاکید کرتے ہوئے فرمایا گیا۔

الا تفعلو ة تکن فتنه فی الارض وفساد کبیر، (الانفال۔۷۳)

اگر یہ نہ کروگے تو زمین میں (بڑا) فتنہ اور بڑا فساد پھیل جائے گا۔

پھر کیا آج کی ملت اسلامیہ اس کی مخاطب ہیں جس سے معمورہ عالم آباد ہے اور جو بڑی بڑی حکومتیں اور افرادی طاقت رکھتی ہے۔ جب وہ اپنے قائدانہ وداعیانہ منصب ومقام کو خالی چھوڑ دے گی اور اپنی اجتماعی ذمہ داری (اخلاقی نگرانی اور رجحانات کے احتساب مظلوم کی حمایت اور ظالم کی مذمت وسرزنش) سے منہ موڑ لے گی تو دنیا پر اس بڑی کوتاہی اور خطرناک غلطی کا کیسا برا اثر پڑے گا۔

قرآن اس امت کو اس داعیانہ وقائدانہ مقام، اصلاح کی ذمہ داری اور امر بالمعروف و

نہی عن المنکر کی مسئولیت کی یاد گزشتہ اقوام کا حوالہ دیتے ہوئے اور اس کے شعور واحساس کو بیدار کرتے ہوئے دلاتا ہے۔

فلولا کان من القرون من قبلكم اولو بقيته ينتهون عن الفساد في الارض الا قليلا ممن انجينا منهم واتبع الذين ظلمو ما اترو فو فيه وكانو مجرمين (ہود ۱۱۶)

پس کاش تمہارے پیشتر کی امتوں میں ایسے باشعور لوگ ہوتے جو منع کرتے ملک میں فساد (پھیلانے) سے بجز چندلوگوں کے جن کو ہم نے اس سے بچالیا تھا اور جولوگ (اپنی جانوں پر) ظلم کرنے والے تھے وہ جس نازونعمت میں تھے اس کے پیچھے پڑے رہے اور (عادی) مجرم بن گئے۔

شاعر اسلام ڈاکٹر علامہ اقبال نے اس حقیقت کو اپنی نظم "ابلیس کی مجلس شوریٰ" میں بڑی خوبی سے پیش کیا ہے اور صدر مجلس ابلیس کی زبان سے اس خطرہ کی نشاندہی کی ہے کہ جو مسلمان کے وجود، ان کی بیداری اور ان کی عالمی ذمہ داری سے ابلیسی نظام کو لاحق ہے چنانچہ ابلیس اپنے مشیروں سے کہتا ہے۔

توڑ ڈالیں جس کی تکبریں طلسم شش جہات
ہونہ روشن اس خدا اندیش کی تاریک رات
تم اسے بیگانہ رکھو عالم کردار سے
تابساط زندگی پر اس کے سب مہرے ہوں مات
خیر اسی میں رہے قیامت تک مومن غلام
چھوڑ کر اورووں کی خاطر یہ جہان بی ثبات
ہے وہی شعر وتصوف اس کے حق میں خوب تر
جو چھپائے اس کے آنکھوں سے تماشائے حیات
ہر نفس ڈرتا ہوں اس امت کی بیداری سے میں
ہے حقیقت جس کی دیں کی احتساب کائنات

---

(۱) ازمغان حجاز

امت کی مسلسل ذمہ داری ونگرانی

اس نقطہ نظر سے یہ بات لازمی ہوجاتی ہے کہ انسانی تمدن میں تاثیری عمل جاری رہے اور وقفہ وقفہ سے اس کا از سرنو جائزہ لیا جاتا رہے اور تخریبی اور شر پسند عناصر اور فاسد ومہلک رجحان سے برابر اس کی حفاظت کی جاتی رہے۔ اس کے خاص طور پر دو اسباب ہیں ایک تو یہ کہ یہ اقوام عالم صالح وفساد کے نئے اور متضاد عناصر اور تعابع اور ان سے متاثر ہوتی رہتی ہے اور زندگی ہر دم رواں دواں ہے اور اس کا کوئی کارواں کہیں کبھی ٹھہرتا نہیں۔ اس لئے تھوڑے تھوڑے وقفہ سے اس کی سمت ورفتار کو دیکھتے رہنا اور اس کی نئی ضرورتوں کو پورا کرنا ناگزیر ہوتا ہے افسوس کا مقام ہے کہ اس عہد اخیر میں تخریبی ومفسد تحریکوں اور فلسفوں کے زیر اثر آکر ملت اسلامیہ عالمی قیادت کے میدان سے الگ ہوکر گویا اپنے خول میں بند ہوکر رہ گئی ہے۔

دوسرا سبب یہ ہے کہ امت اسلامیہ ہی آخری آسمانی پیغام کی حامل ایک ابدی امت اور انسانیت کے مرکزی امید ہے اس لئے اسے اپنے پیغام کو سینے سے لگائے رہنا چاہئے۔ اور قافلہ انسانیت کی قیادت اور دنیا کی نگرانی اور عقائد واخلاق اور انفرادی وبین الاقوامی تعلقات پر نظر رکھنا چاہئے۔ اس لئے کہ قومیں صرف تاریخ کے سہارے یا اپنی عظمت رفتہ اور گزشتہ کامرانیوں کی بدولت نہیں، بلکہ جہد مسلسل، دائمی سرگرمی، مستقبل احساس ذمہ داری، ہمہ دم قربانی کیلئے آمادگی، جدت وندرت اپنی تازہ دم اور تازہ کار قوت افادیت وصلاحیت کے بل پر زندہ وتابندہ رہتی ہیں۔ جب وہ اپنے منصب وہ مقام کو چھوڑ کر گوشہ عافیت میں چلی جاتی ہیں تو تاریخ کے دفتر پارینہ کا حصہ بن جاتی ہیں۔ اور زمانہ انہیں طاق نسیاں پر رکھ دیتا ہے اس لئے امت محمدیہؐ کے لئے ضروری ہے کہ وہ از سرنو اپنے دعوتی، تہذیبی اور قائدانہ کردار کے ساتھ سرگرم سفر ہو۔

زمانہ کا حقیقی خلا

یہ حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندوی رحمہ اللہ کی وہ اہم اور تاریخی تقریر ہے جو انہوں نے "جامعۃ الامارات العربیہ العین" میں منتخب دانشوروں، ممتاز علماء، مسلمان عرب نوجوانوں اور طلبہ وطالبات کی ایک بڑی تعداد کی موجودگی میں ۱۵ صفر ۱۴۰۴ھ بمطابق ۱۹ نومبر ۱۹۸۳ء کو فرمائی۔ جس میں حضرت مولانا نے امت کی ذمہ داریوں اس کے مقصد حیات، اور عام انسانی مسائل پر زمان ومکان سے بلند ہو کر موقع وحاضرین کی مناسبت سے پوری طاقت وقوت کے ساتھ روشنی ڈالی ہے۔

الحمد لله رب العالمين والصلاة والسلام على سيد المرسلين و خاتم النبين محمد واله وصحبه اجمعين و من تبعهم باحسان ودعا بدعوتهم الى يوم الدين.

سب سے پہلے اللہ تعالیٰ کی توفیق پر شکر ادا کرتا ہوں جس نے ایسے منتخب دانشوروں، ممتاز فضلاء، مسلمان عرب نوجوان اور جزیرہ کے باشندوں اور ہونہار دوستوں سے ملاقات کا موقع عنایت فرمایا۔ جو ابدی عزت وشرافت کے وارث وامین ہیں اور جن سے مستقبل میں امیدیں وابستہ ہیں۔

زمانہ کا فیشن

میرے بھائیو! آج پڑھے لکھے دل سوز انسانی مشکلات اور اسلامی مسائل سے دلچسپی رکھنے والوں نے ان مشکلات اور مسائل پر کثرت سے اظہار خیال شروع کر دیا، یہی ان کی بحث ومباحثہ کا موضوع بلکہ زمانہ کا فیشن بن گیا ہے۔

ان میں بہت اسے اقتصادی مسئلہ کو اٹھاتے ہیں اور اس کو موضوع گفتگو بناتے ہیں بعض قیادت کا مسئلہ پیش کرتے ہیں اور اس کو اصل ٹھہراتے ہیں کچھ سیاسی مسائل پر اظہار خیال کرتے ہیں بات یہاں تک پہنچ گئی ہے کہ مزدوری کا مسئلہ کارخانوں میں کام کرنے والے ملازمین کا مسئلہ، کاریگروں کا مسئلہ، غرضیکہ مسائل کا ایک انبار ہے لیکن سارے مسائل ذیلی

ہیں اور طفیلی ہیں یا وہمی اور خیالی حقیقی مسئلہ پوری انسانی برادری کا عالمی مسئلہ ہے۔

میرے بزرگو اور دوستو! قوم اور ملت کی سطح پر صالح نمونہ کے وجود کا مسئلہ ہے میرا رائے سخن افراد کے مسئلہ کی طرف نہیں افراد تو ہمیشہ سے ہیں اور ہمیشہ رہیں گے کوئی زمانہ ان سے خالی نہیں تنہا افراد انقلاب نہیں لاسکتے، زمانہ کا رخ نہیں بدل سکتے، مسئلہ اس وقت اس کامل زندہ مثالی نمونہ کا ہے جو قوموں کی سطح پر وجود میں آئے ہیں، ان تمام قوموں اور ملتیں بھیڑ بکریوں کے اس ریوڑ کی طرح ہوگئی ہیں جس کا کوئی چرواہا نہ ہو۔

انسانی دنیا کی تاریک ترین صدی

چھٹی صدی مسیحی انسانی دنیا کی تاریک ترین صدی ہے جس میں نہ انسانیت، نہ زندگی کی رمق، نہ ضمیر کی کسک، نہ دین کا خیال، نہ اخلاقی حس، نہ آسمانی ہی کوئی کتاب محفوظ تھی، نہ محفوظ اور صادق دین کی رہنمائی پورا عالم ایک لاشئہ بے جان، ایک جسم بے روح کی طرح تھا، نور کی کوئی کرن نہیں انسانیت کے قلب میں کوئی درد نہیں تھا، غرضیکہ لوگ تاریکیوں میں بھٹک رہے تھے، کہ اللہ تعالی نے اس جزیرہ پر جس پر آپ اور ہم مل رہے ہیں، یہ جو ہم کو اور پورے مسلمانوں کو دل وجان سے زیادہ عزیز ہے اپنے نبی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو معبوث فرمایا، آپ کی بعثت ایک نبی کی بعثت تھی لیکن وہ منسلک تھی ایک پوری امت کی بعثت کے ساتھ، اس کا ادراک بہت سے لوگ نہیں کر سکے، اللہ تعالیٰ نے اس امت کی ایسی صفات بیان کی ہیں جو کسی مبعوث پر ہی منطبق ہوسکتی ہیں جو مامور من اللہ ہو۔

" کنتم خیر امة اخرجت الناس تامرون بالمعروف و تنهون عن المنكر وتومنون بالله.

تم بہترین امت ہو، لوگوں کے لئے نکالے گئے ہو تم بھلائی کا حکم کرتے ہو اور برائیوں سے روکتے ہو اور اللہ پر ایمان رکھتے ہو۔

ہم نے ایسا مابہ الامتیاز وصف نہیں دیکھا جو دو امتوں اور دو قوموں کے درمیان لکیر کھینچ دے ایسی امت جو مامور من اللہ ہو جس کو ایک ایسی ذمہ داری سونپی گئی ہو، جس سے بڑھ کر کوئی ذمہ داری نبوت کے علاوہ نہیں ہوسکتی، حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت، بعثت مقرونہ تھی، وہ ایک امت کی بعثت سے وابستہ تھی۔ یہی وہ چیز ہے جو انسانیت کے انجام پر اثر انداز ہوئی،

مذاہب کی تاریخ، قوموں کے عروج وزوال کی تاریخ اور نظریات ومقاصد کی تاریخ میں یہ ایک نیا تجربہ تھا ہو سکتا ہے قرآن وحدیث کے ماہرین کو اس تعبیر میں انوکھا پن محسوس ہو اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ وہ اس میں جدت اور حد سے تجاوز سمجھیں لیکن اس موقع پر اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا کلام استشہاد میں پیش کرتا ہوں آپ نے فرمایا:

بعثتم میسرین ولم تبعثوا معسرین

(تم آسانی پیدا کرنے کیلئے مبعوث ہوئے ہو دشواریاں پیدا کرنے کیلئے نہیں)

آپ نے بعثت کا لفظ اختیار کیا اور اس سے صحابہ کرامؓ کو مخاطب کیا یہ ان کے اندر ذمہ داری کا احساس پیدا کرنے کیلئے تھا جو بھیجا جاتا ہے اس کی ذمہ داری ہوتی ہے جو مامور ہوتا ہے اس کی ذمہ داری ہوتی ہے، اس احساس نے صحابہ کرامؓ اور اس کے پیروکاروں کو ایک مہمیز دیا ان کا ہر فرد اگرچہ مرتبہ ومقام کے اس درجہ کو نہ پہنچے اور ثقافت اور تہذیب کے اس معیار پر نہ اترے مگر اس کو یہ احساس رہتا تھا کہ وہ بھیجا ہوا ہے (مبعوث ہے) اس سے خدا کے سامنے سوال ہوگا کہ تمہاری موجودگی میں اور تمہارے رہتے ہوئے انسانوں اور قوموں کا یہ انجام کیوں ہوا۔

ہم اللہ ہی کے قاصد ہیں

ایران کے سپہ سالارِ اعظم نے حضرت ربعیؓ بن عامر (۱) سے جب اسلامی فوج جو عربوں پر مشتمل تھی، ایران پر آئی پوچھا کہ تم کو یہاں کیا چیز لائی ہے کس چیز نے تم کو جزیرۃ العرب سے نکلنے پر مجبور کیا؟

انہوں نے اس کے جواب میں وہ زلزلہ خیز واثر انگیز اور تاریخی جملہ کہا جس کی نظیر حکومتوں اور سربراہوں کے قاصدوں اور سفراؤں کی زبان سے ادا کئے ہوئے جملوں میں نہیں ملتی انہوں نے کہا کہ ''ہم کو کوئی چیز لے کر نہیں آئی اور ہم اپنے لئے نہیں نکلتے ہیں'' تاریخ ایک ریکارڈ ہے خاص طور پر عربی تاریخ، کیوں کہ عرب تاریخ میں بڑے امانتدار ثابت ہوئے ہیں۔ جو تاریخ عربوں نے ریکارڈ کی ہے وہ اپنی باریک بینی اور امانت میں ممتاز ہے تاریخ نے یہ کلمات نوٹ کئے، یہ شہ پارے محفوظ کر لئے جو آج بھی میرے کان سن رہے ہیں۔

---

(۱) حضرت ربعی بن عامرؓ صحابی تھے اور عرب کے ایک شریف اور ممتاز خاندان سے تعلق رکھتے تھے۔

اللہ ابتعثنا (اللہ نے ہم کو بھیجا ہے)

میرے بھائیو! ذرا اعتماد کو دیکھو جو اس اعرابی کی رگ رگ میں سما گیا تھا، کس بلندی سے وہ بات کر رہا ہے، احساس کمتری کی کوئی قسم اس کے قریب پھٹکتی نہیں۔

رستم سپہ سالار ایران شاہانہ تزک واحتشام اور اپنی شوکت وسطوت کے ساتھ جلوہ آرائے مسند ہے، ایک دیہاتی آ کر معمولی گھوڑے سے نکلتا ہے اور اس کے کمخواب اور ریشم ودیبا کے فرش وفروش کو روندتا ہوا آگے بڑھ جاتا ہے، وہاں کی ٹیپ ٹاپ نے اس کو ذرا بھی مرعوب نہیں کیا۔ جب رستم نے اس سے کہا کہ تم کو کیا چیز یہاں لائی اس کے متنوع جواب ہو سکتے تھے کم از کم یہ تو ممکن تھا کہ کہتے کہ فقر وفاقہ ہم کو یہاں لایا ہے، یا ذرا آگے بڑھتے تو کہتے کہ خوشحالی اور فارغ البالی کی زندگی گزارنے کے شوق میں نکلے جو ایران میں پائی جاتی ہے، یا قبائل کے ظلم وستم سے مجبور ہو کر یہ اقدام کیا ہے۔ یہ سب کچھ نہیں بلکہ بڑے اطمینان اور قلبی سکون کے ساتھ انہوں نے (ایمان ان کے زبان سے بول رہا تھا، بلکہ امنڈ رہا تھا اور بہہ رہا تھا) کچھ نہیں ان میں سے کوئی چیز ہم کو لے کر نہیں آئی صرف اللہ نے ہم کو بھیجا ہے چھٹی صدی مسیحی کے اسلامی پیغام کے اولین حاملین کے اعتماد کا یہی حال تھا۔

رستم اس بات کی توقع بھی نہیں کر سکتا تھا میرے بھائیو! میں پورے وثوق سے کہہ سکتا ہوں کہ رستم کو اس بات کی ہرگز توقع نہیں تھی خواب میں بھی اس کو دیکھ نہیں سکتا تھا ایک دیہاتی جو معمولی لباس پہنے ہوئے تھا جس کو ایرانی نہایت حقارت آمیز نگاہ سے دیکھتے تھے یہ ایرانی کون تھے اگر ان میں سے کوئی پٹکا لگاتا تو اس کی قیمت ایک لاکھ سے کم ہوتی تو وہ نگاہوں میں جچتا نہیں تھا بلکہ لوگ اس کو حقیر جانتے تھے، اور ٹوپی ایک لاکھ سے کم ہوتی تو لوگ اس کو گھٹیا تصور کرتے تھے، وہ بڑوں کے ساتھ بیٹھ نہیں سکتا تھا، یہ بدوی جس کا لباس مکمل نہ تھا ہو سکتا ہے اس نے کانٹے اپنا لباس باندھ رکھا ہو وہ کہتا ہے ''اور اللہ نے ہم کو بھیجا ہے'' یہ کلمہ کیا ہے، اس کا جلال ہے ایک رعب ہے، جس کی گونج دلوں میں ہوگی۔ جس کا ریکارڈ تاریخ میں ہے اس نے جواب دیا نہیں اللہ نے ہم کو بھیجا ہے تا کہ ہم نکالیں'' عقیدہ توحید سے سرشار، ایمان ویقین کی دولت سے مالا مال اس اعرابی نے نہایت دقیقہ رسی سے کلام کیا کیونکہ وہ ایک دین کی اور عقیدہ توحید کی آخری آسمانی پیغام کی نمائندگی کر رہا تھا۔ اس نے کہا ہم خود نہیں آئے اللہ نے ہم کو بھیجا ہے

یہ بات صرف ایک موحد اور ایک صاحب ایمان ہی کہہ سکتا ہے۔ کہ اگر نکلنا ہی ہوتا تو ہم کب کے نکل چکے ہوتے، مقدر کی بات ہے کہ یہ حکم ہم کو اللہ کے رسول حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے واسطے سے ملا اس لئے انہوں نے کہا "اللہ نے ہم کو بھیجا ہے" ہر ہر کلمہ نہایت دقیق اور نپا تلا ہے جیسے سو دفعہ اس پر غور کیا گیا ہو، ماہرین قانون کی دقیق دفعات سے زیادہ عمیق اور دقیق اور لیکن یہ سب دفعتاً ہو گیا ایمان کی زبان سے بول رہا تھا۔ انہوں نے کہا کہ اللہ نے ہم کو بھیجا ہے تا کہ ہم بندوں کو بندوں کی بندگی سے نکال کر خدائے واحد کی بندگی میں داخل کریں۔ اس جملہ سے انہوں نے صاف اشارہ کر دیا۔ کہ تم نے اللہ کے بندوں کو اپنی بندگی کی زنجیروں میں جکڑ رکھا ہے جو ایران کے طرز حکومت و معاشرت اور کسریٰ اور قیصر کے طرز عمل سے دنیا کو معلوم تھا، اور اس کی شاہانہ نشست اور شاہانہ ٹھاٹ باٹ سے بھی ظاہر ہو رہا تھا۔

حضرت ربعی بن عامرؓ نے یہ بات واضح کرتے ہوئے کہہ دیا کہ ہم کو اللہ نے بھیجا ہی ہے کہ لوگوں کو بندوں کی بندگی سے نکال کر ایک اللہ کی بندگی میں داخل کریں اور دنیا کی تنگی سے نکال کر دنیا کی وسعت میں لائیں ان جملوں کو سوچ سوچ کر میں عالم حیرت میں کھو جاتا ہوں اگر وہ کہتے دنیا کی تنگی سے نکال کر آخرت کی وسعت میں لائیں تو ذرا بھی تعجب کی بات نہ تھی۔ اگر آخرت کی وسعت کہتے تو بالکل حیرت نہ ہوتی، لیکن انہوں نے تو کہا کہ دنیا کی تنگی سے نکال کر دنیا کی وسعت میں لائیں، تم پنجرے میں زندگی گزار رہے ہوں، تمہاری زندگی ان خوبصورت پرندوں کی طرح ہے، جن کو پنجرے میں قید کر دیا گیا ہو، پنجرا سونے کا ہو، اس کی تیلیاں سونے کی ہوں، اور جن برتنوں میں ان کو کھانے پینے کے لئے دیا جائے وہ بھی سونے کے ہو لیکن بہر حال پنجرا پنجرا ہی ہے،، تو ہم اس لئے آئے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ہم کو حکم دیا ہے کہ تم کو دنیا کی تنگی سے نکال کر جس کو تم نے اپنی کم علمی، وحی الٰہی سے محرومی، بلند اغراض، پاکیزہ جذبات اور اعلیٰ مقام انسانیت (جس سے اللہ نے تم کو عزت بخشی ہے) سے ناآشنائی کی وجہ سے وسعت تصور کر رکھا ہے۔ اس کی تنگی کو اپنی عبادت مذاہب سے ناواقفیت، اور انسانیت کی حقیقت ناشناسی سے تم نے وسعت سمجھ رکھا ہے، ہم تم کو اس تنگ و تاریک زندگی سے نکالنے کے لئے آئے ہیں تمہارے سینے تنگ ہیں تمہارے دل تاریک ہیں، تمہاری آنکھیں بند ہیں، تمہاری سانسیں رک چکی ہیں، تم کو آزادی کا شعور نہیں، تم حریت آشنا نہیں، روحانی لذت سے

واقف نہیں۔ اور انسانی رفعت، روحانی پرواز اور آسمانی بلندی سے آگاہ نہیں، اس تنگی سے تم کو چھٹکارا دلانے کیلئے جس میں تم صدیوں سے گرفتار ہو ہم آئے ہیں اس دنیا کی وسعتوں میں تم کو لانے کیلئے، انہوں نے اس انداز سے یہ بات کہی جیسے کہ ان کو پورا یقین تھا کہ وہ اور ان کے تمام ساتھی جو ان کے ہمراہ آئے ہیں، فراخی اور کشادگی وسعت کی زندگی گزار رہے ہیں۔

بھائیو! وہ وسعت والی زندگی کیا تھی، جن پر ان کو ناز تھا کیا وہ عیش وعشرت کی زندگی گزار رہے تھے، وہ تو سخت تنگدستی اور اقتصادی بدحالی کا شکار تھے، نہ غذا کی، نہ سامان کی فراوانی، نہ مکانات ورہائش کی آسانی، خیموں کی زندگی تھی اور صحرانوردی، لیکن ہاں! ان کے دل ایمان کی دولت سے مالا مال، اور یقین کی لذت سے سرشار تھے، اس لئے ان کی زبان کھلی تو یہ لازوال الفاظ اور جملے نکلے۔

اللہ نے ہم کو بھیجا ہے تا کہ جس کو وہ چاہے بندوں کی بندگی سے نکال کر صرف ایک اللہ کی بندگی میں داخل کریں۔ اور دنیا کی تنگی سے نکال کر دنیا کی وسعت میں پہنچائیں، اور مذاہب و ادیان کے ظلم وستم سے نجات دلا کر اسلام کے عدل وانصاف کے سایہ میں لائیں۔

اس امت کا بھیجا جانا جو ایمان میں نرالی، اپنے اعتقاد میں مثالی، اپنی سیرت وکردار میں بےنظیر، انسانیت پر رحم وکرم کرنے میں انوکھی، اپنی سادگی پرکاری ضرب المثل، اور انسانی ہمدردی وغمخواری اور جن تکلیف دہ حالات سے انسانیت دوچار ہے، اس پر بےقراری اور بےچینی میں اپنی مثال آپ ہے، ایک نیا تجربہ تھا، یہ بھیجا جانا (بعثت) اجتماعی بعثت تھی، قومی بعثت تھی، اس لئے پورا عرب اس لڑی میں پرو گیا، اور سب کے سب پیغام آسمانی کے حامل، رہنما و رہبر اور منارہ نور بن گئے۔ اسی نے تاریخ کو نیا رخ دیا، کیونکہ چھٹی اور ساتویں صدی مسیحی اس سے کہیں آگے جا چکی تھی، کہ چند صالح افراد اس میں اثر انداز نہ ہو سکیں، قرآن کی شہادت موجود ہے، کہ وہ یہود جو قرآن کے نزدیک اور قرآن کی انزل کرنے والے کی نظر میں مبغوض ترین قوم تھے، ان میں نیک اور صالح افراد پائے جاتے تھے۔ قرآن فرما رہا ہے۔

لَیْسُوْ سواء من اهل الكتاب اناء الليل وهم يسجدون يومنون بالله واليوم
ا لآخر ويأ مرون بالمعروف ويسارعون فى الخيرات واولئک من
الصالحين.

ترجمہ: سب یکساں نہیں (انھیں) اہل کتاب میں ایک جماعت قائم ہے، یہ لوگ اللہ کی آیتوں کو اوقات شب میں پڑھتے ہیں اور سجدہ کرتے ہیں، یہ اللہ اور قیامت کے دن پر ایمان رکھتے ہیں اور بھلائی کا حکم دیتے ہیں اور بدی سے روکتے ہیں اور اچھی باتوں کی طرف دوڑتے ہیں، یہی لوگ نیکوں کاروں میں سے ہیں۔

قرآن گواہی دے رہا ہے کہ یہودی معاشرہ نیک اور صالح افراد سے خالی نہ تھا لیکن انسانی سوسائٹی پر ان کا کوئی اثر نہیں تھا، اور نہ انسانیت کے انجام پر وہ اثر انداز تھے، اس لئے کہ کہ وہ گنے چنے افراد تھے، ایک پوری قوم کی جو عقیدہ کی پختگی ایمان ویقین کی حلاوت، اخلاق وکردار کی بلندی ایثار وقربانی کے جذبہ، شہ سواری وسپہ گری کے حوصلے اور سنجیدگی ومتانت کے اس معیار پر ہو تب ہی وہ ایسا عظیم اور غیر معمولی انقلاب برپا کر سکتی ہے، جس کا انسانی تاریخ نے مشاہدہ کیا۔

میرے بھائیو: یہی وہ راز ہے، درحقیقت اصل جو دشواری ہے، جو سب سے بڑا خلا ہے وہ کسی ایسی قوم کا موجود نہ ہونا ہے جو تمام قوموں کے لئے مثالی ہو، قومیں افراد کو خاطر میں نہیں لاتیں، یہ ایک حقیقت ہے کہ اور خاص طور سے موجودہ دور کی جن کے ہاتھ میں زمام قیادت ہے، وہ چند افراد کے صلاح وتقویٰ کو نہیں دیکھتیں کیوں کہ چند افراد تو ہر قوم میں پائے جاتے ہیں، عربوں میں بھی ہیں، مسلمانوں میں بھی ہیں، لیکن یہ قومیں افراد کو نہیں دیکھتیں، ان کی نظریں منتظر ہیں، ایسی قوموں کی یا ایسی قوم کی جو انسانیت کی قیادت کی صلاحیت رکھتی ہو، جو دوسری قوموں سے عقیدہ کی صلاحیت میں، ایثار وقربانی کے جذبہ میں سادگی اور مجاہدہ میں، خواہشات نفس سے بلند ہو کر اور انانیت سے بالاتر ہو کر زندگی گزارنے میں ممتاز نظر آئے اور اس کو اس چیز میں کوئی کشش اور جاذبیت محسوس نہ ہو، جس میں دوسری قوموں کو محسوس ہوتی ہے، چاہے وہ قومیں سیادت وقیادت، تہذیب وثقافت علوم وفنون اور فلسفہ وحکمت کے بام عروج پر کیوں نہ پہنچ جائیں، تمام یورپی قومیں بلکہ پوری انسانی دنیا ذرا بھی ماننے کو تیار نہیں اور سر اٹھا کر کسی ایسی قوم کو دیکھنے کیلئے تیار نہیں جو ان قوموں کے مقابلے میں شان امتیازی نہیں رکھتی، کیوں کہ ان کے مقابلہ میں ان کو دنیا کم ملی ہے، اگر یہ بھی اس دنیا کے پیچھے لگے اور انھیں خواہشات کے چکر میں پڑ گئے، اور اسی طرح عیش کوشی اور لذت پسندی کا شکار ہو گئے، جس کی یورپ میں پوجا ہو رہی ہے، تو میرے بھائیو یقین کیجیے کہ ہمارے مسلمان بھائی ان سے کئی گنا بڑھ جائیں۔

ان تمام وسائل عیش وعشرت میں مال ودولت کی فراوانی میں وسیع وعریض حکومتوں میں، اور علوم وفنون کی ترقی میں تو معاصر دنیا مسلمانوں اور عربوں کو خاطر میں لانے والی نہیں ہے، اسی لئے کہ وہ سمجھ رہے ہیں بلکہ ان کو ناز وغرور ہے، کہ وہ دنیا کے پیشوا ہیں، تہذیب وتمدن کے امام ہیں، تمام قومیں ان کے دستر خوان کی زلہ ربا اور ان کی خوشہ چیں ہیں، کوئی بڑے سے بڑا آدمی امریکا یا یورپ، متمدن سے متمدن شہر میں، چلا جائے، دولت کے انبار لگا لے، اونچی اونچی بلڈنگیں اٹھا لے، ایک خیالی دنیا بسا لے، اور ایسی داد وعیش دے کر داستان الف لیلیٰ کی یاد تازہ ہو جائے، تو بھی کوئی یورپین میں سر اٹھا کر دیکھنے کو اور نہ کسی کا احترام دینے کو تیار ہوگا، اور نہ جبیں سائی کے لئے آمادہ ہوگا۔

اسی کے برخلاف اگر وہ کسی ایسے شخص کو پالے جو اگرچہ فقیر ہی کیوں نہ ہو لیکن ان تمام خواہشات سے بلند وبالاتر ہو، جن کی یورپین اقوام پرستش میں مبتلا ہیں، وہ دیکھیں کہ یہ چمک دمک اس کی آنکھوں کا خیرہ نہیں کرتی، یہ صنعت وحرفت کا رعب اور اس کی رعنائی اس کو مرعوب نہیں کرتی، یہ تہذیب وتمدن کا ٹیپ ٹاپ اس کو لبھا نہیں سکتا، بلکہ وہ اس بحر متلاطم میں کوہ گراں کی طرح ثابت قدم ہے، وہ سمندر کی تاریکیوں میں منارۂ نور ہے، اس تہذیب کی اس کو ذرہ برابر پرواہ نہیں بلکہ وہ اس کا مذاق اڑاتا ہے، اور چوسی ہوئی گٹھلی کی طرح اس کو حقیر سمجھ کر پھینک دیتا ہے اور صاف صاف کہہ دیتا ہے، وہ ایک قاصد اور حامل پیغام ہے، وہ انسانیت کا نجات دہندہ ہے، سارا عالم جل رہا ہے، وہ آگ بجھانے والا اور ان کا مددگار ہے، ساری دنیا امراض کا شکار ہے، وہ طبی کیمپ لے کر آیا ہے، یہی وہ اعتماد اور یقین ہے، جو ایک یورپین، ایک ہندو، ایک چینی، ایک جاپانی کو مجبور کر دے گی کہ سو دفعہ غور کریں کہ اسلام میں ایسی نسل اور ایسی قوم پیدا کرنے کی پوری قدرت اور صلاحیت ہے۔

جہاں تک مال ودولت کا تعلق ہے اس سے موازنہ ہوتا ہے، حساب لگایا جاتا ہے کل کالیٹ کیا جاتا ہے، کوئی ملینر ہے تو کوئی نہیں، ایک لکھ پتی ہے تو دوسرا نہیں، اور کوئی اس سے بھی آگے بڑھ جاتا ہے۔ یہ چیز کسی انسان کو اس دنیا میں اس شخص کے احترام اور عزت پر آمادہ نہیں کر سکتی جس کے پاس عیش وعشرت کے سارے وسائل موجود ہوں۔

جس خلا کو ساتویں صدی مسیحی میں امامت اسلامیہ نے پر کیا تھا، وہ عالمی قیادت کا خلا تھا،

جس کو پوری صلاحیت اور قدرت کے ساتھ اس نے پر کیا، یہ پوری امت کی بعثت کا کرشمہ ہے، جس کا ایک ایک فرد منارۂ نور، حامل ایمان ویقین تھا، جس نے ظلمتوں میں اپنی راہ پیدا کی۔

حضرت عقبہ بن نافع ؓ نے فرمایا تھا کہ یہ سمندر حائل نہ ہوتا تو میں برابر چلتا چلا جاتا یہاں تک کہ آخری گناہ تک اسلام کا پیغام پہونچا دیتا، اسی طرح وہ اعتماد ویقین کی دولت سے مالا مال تھے، مسلمانوں کا ایمان تھا کہ ان کو بھیجا گیا ہے، وہ اللہ کی طرف سے مامور ہیں ان میں سے ہر فرد ذمہ داری کا پورا احساس رکھتا تھا، وہ سمجھتا تھا کہ اس کے حوالہ ایک قیمتی امانت کی گئی ہے، انسانی انجام کی امانت، جس کے بارے میں اس سے سوال کیا جائے گا، اسی نے اسلامی عربی امت کا مقام متعین کیا، اس کا کام اور میدان متعین کیا اور دین وملت کی اقتصادی وسیاسی معرکہ آرائی میں اس کے قائدانہ کردار کی نشاندہی کی۔

غرض کہ اس وقت ہم کو ایک اجتماعی صالح نمونہ پیش کرنے کی قوموں اور ملتوں کی سطح پر ضرورت ہے۔

آج زمانہ لہولعب اور ذلت ورسوائی سے عبارت ہے!

آج زمانہ لہولعب اور ذلت ورسوائی سے عبارت ہے، اور اسی طرح کی خبریں شائع ہوتی ہیں، رسوا کن یا پھر پریشان کن، اگر آپ ایسی خبریں تلاش کرنے لگیں جو رسوائیوں اور پریشانیوں سے تعلق رکھتی ہوں تو آپ تھک ہار کر بیٹھ جائیں گے، یہ بات اس لئے پیش آئی کہ ہم مقصدیت سے رشتہ توڑ کر لہو ولعب کا شکار ہو گئے، رسوائی قبول کر لی، ایمان صحیح اور اعتماد ویقین سے بیگانہ ہو گئے، وہ اعتماد جس سے ہر مسلمان کو لیس ہونا چاہئے، کیوں کہ جس مدد کی موجودہ دنیا کو سخت ضرورت ہے اور دنیا جس کو بار بار دہائی دے رہی ہے، امت اسلام کو پکار پکار کر مدد کیلئے بلا رہی ہے، وہ یہی ایمان ویقین ہے۔

پورا یورپ اس کتے کی طرح ہو چکا ہے

پورا یورپ اس کتے کی طرح ہو چکا ہے جو ہانپتا رہتا ہے، مارو اور دوڑاؤ تو بھی ہانپے اور چھوڑ دو تو بھی ہانپے اور یورپین تمدن اس جگالی کرنے والے اونٹ کی طرح ہے جو برابر جگالی میں لگا رہتا ہے، یورپین تمدن اپنی افادیت کھو چکا ہے، اس کے پاس کوئی نئی اور مفید چیز باقی نہیں رہ

گئی ہے، یورپی دانشور سترھویں، اٹھارہویں، انیسویں صدیوں، میں جدت پیدا کرنے سے ہار چلے ہیں، وہ ایک ہی چیز دہرائے چلے جا رہے ہیں، لے دے کے ان کے دو کام رہ گئے ہیں، غلام بنانا، بے جا دباؤ ڈالنا، رسوا کرنا، مسائل کھڑے کرنا، وہ بامقصد اور مفید کام کی صلاحیت کھو چکے ہیں، وہ دیوالیہ ہو چکے ہیں، نہ ان کے یہاں جدت ہے نہ نافیت، ایمان میں تو پہلے سے دیوالیہ تھے، انسانیت کی چارہ سازی، ، انسانی ترقی اور تہذیب وتمدن کے ارتقاء میں بھی وہ دیوالیہ ہو چکے، ایسا دیوالیہ پن جس کی کوئی نظیر نہیں، اس وقت صرف ایک خلا ہے، کسی دوسرے خلا کو تسلیم کرنے کو تیار نہیں، عالم تمدن اور انسانی انجام کار کے نقشہ میں صرف ایک خلا ہے، وہ ایک ایسی امت کا خلا ہے، جو حامل پیغام ہو، سیرت وکردار کی آئینہ دار ہو، اخلاق وعادات کی بلندیوں پر فائز ایمان ویقین سے، سرشار ہو، سنجیدہ ہو اور عزم وحوصلہ والی ہو، ایثار وقربانی کا جذبہ رکھتی ہو، روحانی بالیدگی سے ہمکنار اور سپہ گری سے متصف ہو، انسانی دنیا کے نقشہ میں یہی تنہا ایک خلا ہے، جس کو ایک مسلمان قوم ہی پر کر سکتی ہے، کیونکہ وہ ساتویں صدی عیسوی سے اخیر تک قیادت کے فرائض انجام دیتی رہی ہے، اگر آج بھی اپنی قیمت جان لے اس کو اپنے پیغام کی عظمت وجلال کا احساس ہو جائے اور اپنے قوت کے سرچشموں سے اس کو آگاہی حاصل ہو جائے تو انسانیت کی قیادت ورہنمائی کا فریضہ انجام دیتی رہے گی، لیکن ہم خود لہو ولعب کا شکار، اور غفلت شعار ہو چکے ہیں، میں معافی چاہتے ہوئے یہ کہنے کی اجازت چاہتا ہوں (اگرچہ میری پیدائش اور میرا نشو ونما ہندوستان میں ہوا) لیکن میری رگوں میں عربی خون خود بخود دوڑ رہا ہے، میں اس پر اللہ کا شکر ادا کرتا ہوں، میرا نسب نامہ حضرت سیدنا حسن رضی اللہ عنہ سے جا ملتا ہے، اگر آپ سے کچھ کہا سنا تو ایک بھائی کے ناطہ سے جو آپ کا دینی بھائی بھی ہے اور نسبی بھائی بھی، جس سے ادب کا، زبان کا اور احساسات کا رشتہ قائم ہے تو میرے بھائیو، آپ مجھ سے ناراض نہ ہوں۔

یہ اسلامی عربی امت کب اپنے پیروں پر کھڑی ہوگی، اور کب از سر نو پیغام انسانی کی ذمہ داری سے عہدہ برآ ہوگی، زمانہ پلٹ کر پھر وہیں جا پہونچا، جہاں سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے کام کی ابتداء کی تھی، آج پھر جاہلیت کا دور دورہ ہے، ایک عالمی جاہلیت، ایک یورپی جاہلیت، امریکی روسی جاہلیت، لیکن جاہلیت جاہلیت ہے، صرف ایک روشنی ہے، وہ اسلام کا

نور ہے، وہ نور آج بھی قرآن مجید کے واسطہ سے عربوں کے پاس قرآن کے صفحات میں اور سیرت کی کتابوں میں موجود ہے، ہم ہندوستان والے، برصغیر کے رہنے والے جزیرۃ العرب کی طرف نگاہیں اٹھا اٹھا کر دیکھتے ہیں، ایک قائد امت کی حیثیت سے اور ایک حامل پیغام امت کی حیثیت سے بڑے افسوس اور شرمندگی کی بات ہے کہ ہم کو ایک تجربہ ہوا جو نہ ہمارے حسب حال تھا اور نہ آپ کے شایان شان ہمارے بہت سے بھائی آپ کے دریوزہ گر ہیں آپ کے خوان نعمت کے خوشہ چیں ہیں، لیکن حقیقی خوشہ چینی اور دریوزہ گری قرآن وایمان کے دستر خوان اور اس کی نعمت ہائے لازوال ہے۔

ہم اپنے ہندوستانی اور پاکستانی بھائیوں سے کہتے رہتے ہیں کہ ہم جو دولت اپنے عرب بھائیوں سے پٹرول کی شکل میں حاصل کر رہے ہیں یہ اصل دولت نہیں ہے بلکہ اصل وہ نور ہے جو مکہ مدینہ میں چمکا وہی عربوں کی اصل دولت ہے، اس میں ہمارا حصہ ہونا چاہئے، میں اپنے نوجوان سے بہت پر امید ہوں کہ وہ اپنے کو اس بلند منصب کے لئے تیار کریں گے، قیادت ورہنما کے منصب کے لئے اور ان تہذیب یافتہ لوگوں کے لئے ایسا ایمانی وقابل تقلید نمونہ پیش کریں گے، جو تہذیب وتمدن اور ترقی پسندی وپیش قدمی کے دعویدار ہین۔

امریکہ اور یورپ کے دورہ میں یونیورسٹیوں کے بڑے اساتذہ سے یہ سن کہ بہت افسوس ہوا، کہ ہم نے اپنے عرب مسلمان نوجوانوں میں شان وامتیازی نہیں دیکھی، دوسروں کے رنگ میں رنگے ہوئے اور انہیں کے سانچہ میں ڈھلے ہوئے نظر آئے، ہم جزیرۃ العرب میں رہیں تو نمونہ بن کر رہیں اور جب امریکہ اور جاپان جائیں یا کسی بھی ملک میں جائیں تو وہاں بھی قابل تقلید نمونہ بن کر رہیں مسلمان تو ایک نور ہے اور نور چھپ نہیں سکتا۔

یہ ایک امانت ہے جو میں آپ سے کہنا چاہتا تھا، میرے دوستوں اور بھائیوں کی طرف سے یہ پیغام نہیں ہے بلکہ یہ انسانیت کا پیغام ہے، اگرچہ میں بہت چھوٹا ہوں لیکن میں انسانیت کا نمائندہ ہوں۔

میرے کان، دلوں کی دھڑکنیں، ضمیر انسانی کی آواز اندرون کی سرگوشیاں سن رہے ہیں، میں یہاں کہہ رہا ہوں، لیکن دنیا کے آخری حصہ میں امریکہ اور یورپ والوں کے جذبات وخیالات میرے کان سے ٹکرا رہے ہیں، آپ بھی ان کو سن کر محسوس کر سکتے ہیں، اگر زندہ

ٹرانسمیٹر سے رابطہ قائم کریں۔

میں اپنی بات اپنے نوجوانوں سے کہتا ہوں کہ اپنے آپ کو تیار کرو اپنی بیٹری ایمانیات سے چارج کروں، سنجیدگی ومتانت، پختگی اور حوصلہ مندی کا اپنے کو عادی بناؤ، شہ سواری اور اولوالعزمی اپنے اندر پیدا کرو، خواہشات نفس اور انانیت سے بالاتر ہوکر کام کرو، نہ مال کے غلام بنو نہ جاہ کے اور نہ مادہ پرستی میں مبتلا ہو، تم خالص اللہ کی بندگی میں داخل ہوکر اس کے بندے بن کر رہو، تاکہ یہ کہہ سکو" اللہ نے ہم کو بھیجا ہے کہ جس کو وہ چاہے اس کو بندوں کی بندگی سے نکال کر صرف ایک اللہ کی بندگی میں داخل کریں، اور دنیا کی تنگی سے نکال کر دنیا کی وسعت میں داخل کریں اور مذاہب وادیان کی زیادتیوں سے نجات دلا کر اسلام کے انصاف میں داخل کریں"۔

پورا عالم ہمہ تن گوش ہے کہ اس کے کان میں یہ صدا پھر گونجے، یہ محبت آمیز کلمے وہ سنے، جس نے تاریخ کے دو حصوں میں تقسیم کر دیا، اور انسانیت کو اور قوموں کو دو خانوں میں بانٹ دیا، ایک خوش بخت اور نصیب آور، دوسرا بد بخت اور شقی، ایک نجات پانیوالی، دوسری ہلاک وبرباد ہونے والی، میں اس پر اکتفا کرتا ہوں اور اس قیمتی موقع کی فراہمی پر دوبارہ شکریہ ادا کرتا ہوں، کہ اپنے نوجوانوں سے ملاقات کا اور ان سے صاف صاف کھل کر سچائی اور اخلاص کے اتھ بات کرنے کا موقع ملا۔

وآخر دعو انا ان الحمد للہ رب العالمین

والسلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

اسلام اور خدمت خلق

> ایک ہونہار ندوی فاضل ظہیر احمد صاحب صدیقی ندوی نے منصوبہ بند طریقہ پر رفاہی کاموں کا بیڑا اٹھایا ہے، جس کے تحت ایک حیات ہاسپٹل اور حیات موبائل ہاسپٹل بھی ہے اور الحمدللہ یہ کام شروع بھی ہو چکا ہے، سر دست پندرہ بیڈوں کے لئے تعمیر ہو چکی ہے، اور خدمت خلق کا جذبہ رکھنے والے ڈاکٹر حضرات اور نرسیں کام کر رہی ہیں، اس ہاسپٹل کے افتتاح اور ایک نئی عمارت کا سنگ بنیاد حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی، رحمۃ اللہ کے ہاتھوں انجام پایا، اس تقریب میں دارالعلوم ندوۃ العلماء کے معتمد تعلیمات مولانا ڈاکٹر عبداللہ عباس صاحب ندوی، مہتمم دارالعلوم مولانا سید محمد رابع (۱) صاحب حسنی ندوی، صدر شعبۂ عربی دارالعلوم، مولانا سعید (۲) الرحمن اعظمی ندوی، ایڈیٹر الرائد مولانا واضح رشید ندوی اور دیگر اساتذہ کرام کے علاوہ اعیان شہر نے بھی ہمہ گیری کا ایک حصہ ہے جو اسلام کی اصل روح کو پیش کرتی ہے جبکہ اس وقت یہ کہا جا رہا ہے کہ اسلام چند عبادتوں اور رسومات کا مذہب ہے، اس ہاسپٹل کے بانی دیگر اور رفاہی کام انجام دے رہے ہیں، ہماری دعا ہے کہ یہ ادارہ مثالی خدمت انجام دے اور دوسرے شہروں کے مسلمانوں میں بھی یہ جذبہ خدمت بیدار ہو جو اسلامی روایات کا نقش قائم کرے۔

الحمد للہ رب العالمین والصلاۃ و السلام علی سید المرسلین وخاتم النبیین محمد وعلیٰ آلہ وصحبہ أجمعین ومن تبعھم باحسن الی یوم الدین.

حضرات: میرے لئے، میرے رفقاء کے لئے اگر زیادتی نہ ہو تو میں کہوں کہ تمام حاضرین کے لئے یہ بڑی خوش قسمتی کا بلکہ بڑی برکت کا اور قابل شکر موقع ہے کہ ہم ایک رفاہی مرکز میں ایک رفاہی کام کے سلسلہ میں جمع ہوئے ہیں، آپ کو معلوم ہے کہ اسلام میں خدمت خلق کو کیا درجہ دیا گیا ہے، کسی مذہب میں (جہاں تک میرا مذاہب کا تقابلی مطالعہ ہے) مجھے نہیں معلوم اور مجھے اب تک اس کا کوئی ثبوت نہیں ملا کہ اللہ کے بندوں کی خدمت، خلق اللہ کی خدمت پر اتنی رضامندی اور خوشی کا اظہار کیا گیا ہو اور اتنا سراہا گیا ہو، اتنا اعزاز دیا گیا ہو، جو کم کسی چیز کے لئے ہوتا ہے، حدیث میں آتا ہے "**خیر الناس من ینفع الناس**" لوگوں میں

---

(۱) حال ناظم دارالعلوم ندوۃ العلماء

(۲) اب مہتمم دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ..... صدر مسلم پرسنل لا بورڈ ہندوستان

سب سے بہتر وہ ہے جو لوگوں کے کام آئے، ان کو فائدہ پہونچائے اور پھر "من فرج عن مومن کربة فرج الله عنه کربة من کرب یوم القیامة" جو شخص کسی صاحب ایمان کی ایک تکلیف کو دور کرے گا تو قیامت میں اللہ تعالیٰ اس کے بدلہ میں اس کی تکلیف کو دور کریں گے۔

اسلام میں خدمتِ خلق کو عام طور پر جو قانون الٰہی ہے اس کے لحاظ سے اس کا دور ہونا بہت مشکل ہوتا ہے اس کی بڑی ترغیب دی گئی ہے اور اس کو قرآن وحدیث میں بڑا درجہ دیا گیا ہے جو کسی انسان کی تکلیف کو دور کردے یہاں تک کہ اگر راستہ کا پڑا ہوا پتھر ہٹادے، کوئی پانی پی رہا ہو اس کا گلاس بھردے، یا اگر راستہ میں کوئی خطرہ ہو اس سے لوگوں کو آگاہ کردے یا اسے دور کردے تو اس کا بڑا اجر بتایا گیا ہے، اسی وجہ سے ہم دیکھتے ہیں، اور اگر آپ حضرات نے تاریخ پڑھی ہے تو آپ کو معلوم ہوگا کہ عالم اسلام میں خدمتِ خلق کے ایسے ایسے نمونے بلکہ ادارے اور مرکز قائم ہوئے ہیں جن کی دنیا میں مثال ملنی مشکل ہے اور ایک زمانہ میں اس کام کو ایک بڑی عبادت اور اجر وثواب کی چیز سمجھ کر کیا گیا ہے، اور خاص طور پر یہ جو طب کا فن ہے، اس میں اللہ کے اجر کی طلب، اس کی رضا اور خوشنودی کا شوق، اس کی لالچ اور حسن نیت کو شامل کیا گیا ہے، جو ہمارے علم میں کسی اور مذہب میں نہیں ہے، اس میں لوگوں کی تکلیف کو دور کردینا، ان کو دوا کھلانا اور اس کا علاج کردینا ایک بہتر کام ہے لیکن کسی مذہب میں اس پر اللہ کے اجر کا وعدہ اور اس کا اعلان اور اس کام میں اس طرح کے جذبہ کی قبولیت کا ذکر نہیں ہے میری تاریخ مذاہب کے محدود تقابلی مطالعہ میں مجھے یہ بات نہیں ملی، آپ دیکھیں گے کہ ایسے مسلمان اطباء گذرے ہیں، اللہ کے ایسے نیک بندے گذرے ہیں، جنھوں نے مخلوق کی تکلیف کو دور کرنا، اسے خطرہ سے باہر نکالنا خواہ وہ کسی مذہب سے تعلق رکھتا ہو، اعلیٰ درجہ کی عبادت سمجھا ہے، اور اس کو بعض اوقات نفلی چیزوں پر ترجیح دی ہے کہ اللہ کے کسی بندہ کی تکلیف ہمارے ذریعہ سے دور ہوجائے تو اللہ تعالیٰ ہم سے ایسا راضی ہوگیا جیسا ہماری کسی عام عبادت پر نہیں اس طرح کے واقعات سے پوری تاریخ بھری پڑی ہے۔

حضرات: آپ طب اسلامی کی، مسلم اطباء کی، حکمت وطبابت اور فن طب وعلاج کی تاریخ پڑھیں اور خاص طور پر اگر سوانح اور تذکرہ کی کتابوں کو دیکھیں تو آپ کو معلوم ہوگا کہ انبیاء

کرام مشائخ عظام، صوفیاء اور اولیاء اللہ بھی اس کو کتنی ترجیح دیتے تھے، ان کے ایسے واقعات ہیں کہ حیرت ہوتی ہے، کہ انھوں نے اتنی بڑی قربانی دی، اتنی بڑی مشقت برداشت کی، راتوں کو جاگنا، دوسروں کی تکلیف کو دور کرنے کے لئے خود کو تکلیف میں ڈالنا، اس کے واقعات آپ کو تاریخ وسوانح کی کتابوں میں ملیں گے، جن سے کتب خانے بھرے پڑے ہیں۔

دیکھئے: انسان کو اپنی بنائی ہوئی ہر چیز عزیز ہوتی ہے چھوٹی سے چھوٹی چیز عزیز ہوتی ہے، یہ ادارہ تو بہت بڑی چیز ہے اس ادارہ کی ایک ایک اینٹ بھی عزیز ہے، اللہ تعالیٰ کو اپنے پیدا کی ہوئی مخلوق عزیز کیوں نہ ہو، مذاہب کا مسئلہ الگ ہے، وہ تو نجات کا معاملہ ہے اور قیامت کے دن اس کا فیصلہ ہوگا لیکن اس دنیا میں تو اللہ تبارک وتعالیٰ خود کو رب العالمین کہتا ہے، رب المسلمین کہیں نہیں آیا ہے اور پھر رب کا لفظ عربی میں اتنا عام جامع اور وسیع ہے کہ اس کے مقابلہ میں اردو کا کوئی مفرد لفظ نہیں رکھا جا سکتا کہ ہر طرح کا خیال رکھنے والا ہر طرح کی خبر گیری کرنے والا، اس طرح یہ بہت بڑی خدمت ہی نہیں بلکہ اس کو میں ایک عبادت سمجھتا ہوں جس کے لئے یہ مرکز قائم کیا گیا ہے اور اس پر اپنی مسرت اور اپنے اس احساس کا بھی اظہار کرتا ہوں کہ مسلمانوں میں اس چیز کی کمی تھی، ضرورت تھی کہ ہر بڑے شہر میں کیا معنیٰ ہر شہر میں خاص طور پر مسلمانوں کی طرف سے ایک اسپتال ہوتا، جس کے اندر اس دل سوزی، ہمدردی اور فکر کا اظہار ہو جو عام اسپتالوں میں نہیں ہوتا اس لئے کہ وہاں تو فن ہے، سائنس ہے اور ڈیوٹی ہے لیکن یہاں تو اجر بھی ہے، ثواب کی امید بھی ہے، اس کی ضرورت کا احساس بھی ہے اور پھر اس میں ہر انسان کو آدم کی اولاد ہونے کی بناء پر، بعض اوقات ہم وطن ہونے کی بناء پر اور بعض اوقات دوسرے اور رشتوں کی بناء پر صرف ڈاکٹر اور مریض کے رشتہ کی نظر سے نہیں دیکھا جاتا بلکہ کئی رشتوں کی رعایت کر کے دیکھا جاتا ہے، اس لئے ایسے اسپتالوں کی خاص طور پر مسلمانوں کی طرف سے بنانے کی ضرورت تھی اور اس میں وہ عناصر شامل ہو سکتے تھے اور ہوتے ہیں جو ''ایمان'' کا نتیجہ ہیں، انسانی ہمدردی کا نتیجہ ہیں اور جو اللہ کی مخلوق کو اپنی برادری اور ہم جنس سمجھنے کے عقیدہ میں داخل ہیں، اس لئے ہمیں بڑی خوشی ہے کہ ہمارے اس تاریخی شہر میں، اس بڑے علمی مرکز میں اور ایک بڑے شاندار روایات اور تاریخ کے حامل شہر میں ایک اسپتال ہم

مسلمانوں کی طرف سے قائم ہو رہا ہے، ہمیں امید ہے کہ یہاں اس ہمدردی، اس دل سوزی، اور مساوات اور اس اخلاص وتندہی کا اظہار ہوگا، جو عام طور پر اسپتالوں میں نہیں ملتا، میں اسپتالوں کی تحقیر کئے بغیر اور اس پر تنقید کئے بغیر کہتا ہوں کہ یہ نتیجہ ہے اس شریعت اور اس اخلاقی تعلیم کا جو اسلام نے دی ہے کہ آدمی کو انسان سے محبت ہونا چاہئے اور کسی انسان کو کوئی تکلیف پہونچے تو اس تکلیف کا احساس ہونا چاہئے اور اس کی صد ہا نہیں ہزار ہا مثالیں تاریخ اسلام میں پائی جاتی ہیں، میں مبارکباد پیش کرتا ہوں اپنے ان عزیزوں اور بھائیوں کو جنھوں نے اس کا بیڑا اٹھایا اور اس کام کی بنیاد ڈالی اور پھر وہ اس کو اس پیمانہ اور اس معیار پر لے جا رہے ہیں کہ جو اس کو بڑے بڑے اسپتالوں کے مقابلہ میں انشاءاللہ ممتاز بنادے گا، اللہ کے، بندوں بیماروں اور مصیبت کے ماروں کو اس سے آرام ملے گا اور ان کی دعائیں حاصل ہوں گی، میں دوبارہ مبارکباد دیتا ہوں یہاں کے ذمہ داروں کارکنوں، خادموں اور داعیوں کو جنھوں نے ہمیں بھی اس مسرت میں شریک کیا، میں دعا کرتا ہوں کہ یہ اسپتال کامیاب بھی ہو، نیک نام بھی ہو اور جاذب بھی ہو، اس کے اندر ایسی جاذبیت اور خصوصیت ہو کہ لوگ اس کی طرف کھنچیں اور اس کو دوسرے اسپتالوں اور ترجیح دیں، اللہ تعالیٰ دنیا میں اسے مصیبتوں سے نجات اور خدمت خلاق اور آخرت میں مغفرت کا ذریعہ بنائے، آمین۔

وآخر دعوانا أن الحمد للہ رب العالمین

انسان کی فطرت میں عشق ومحبت کا عنصر

الحمد لله نحمده ونستعينه ونتوكل عليه ونعوذ بالله من شرور انفسنا ومن سيئات اعمالنا من يهده الله فلا مضل له ومن يضلله فلا هادى له ونشهد ان لا اله الا الله وحده لا شريک له ونشهد ان محمداً عبده ورسوله صلى الله تعالىٰ عليه وعلى آله واصحابه وسلم تسليما كثيرا كثيرا

اسلام توحید کا دین ہے اس میں وساطت ووکالت کی ضرورت نہیں

اسلام توحید خالص کا دین ہے، وہ خدا اور بندہ کے درمیان کسی، وساطت(۱) اور ''ایجنسی'' کا قائل نہیں، وہ کسی ایسی محسوس اور مادی چیز کا روادار نہیں، جس کو انسان اپنے فکر وخیال میں معبود کی طرح بسا کر اپنی ساری توجہ اور ہمت وقوت اس پر مرکوز کر دے، اور اس کے دامن سے وابستہ ہو جائے، اس میں نہ تو واسطوں کی گنجائش ہے، نہ مظاہر کی، نہ تصویروں کی نہ بتوں کی، نہ یہاں پادری اور پروہت کے قسم کا کوئی طبقہ پایا جاتا ہے، نہ کاہنوں اور مجاوروں کے طرز کی کوئی جماعت۔

اللہ تعالیٰ کا صاف ارشاد ہے۔

واذاسَالَکَ عبادى عنى فانى قريب اجيب دعوة الداع اذادعان فليسجيبوا لى وليو منو ابى لعلهم يرشدون(۲)۔

اور جب آپ سے میرے بندے میرے بارے میں دریافت کریں تو میں تو قریب ہی ہوں، دعا کرنے والے کی دعا قبول کرتا ہوں، جب وہ مجھ سے دعا کرتا ہے پس (لوگوں کو) چاہیئے کہ میرے احکام قبول کریں، اور مجھ پر ایمان لائیں، عجب نہیں کہ ہدایت پا جائیں۔

---

(۱) سوائے انبیاء مرسلین کے، اس معنی میں کہ وہ تبلیغ ورسالت، اللہ تعالیٰ کی صفات اور اس کی پاکی کے بیان اور صراط مستقیم کی طرف رہنمائی میں خدا اور اس کے بندوں کے درمیان ضروری واسطہ ہیں اور اسی پر ایمان کا انحصار ہے

(۲) سورہ بقرہ۔۱۸۶

دوسری جگہ ارشاد ہے۔

فاعبدالله مخلصاًله الدين، الالله الدين الخالص والذين اتخذو امن دونه اولياء مانعبدهم الا ليقربونآ الى الله زلفى.

سو آپ خالص اعتقاد کر کے اللہ ہی کی عبادت کرتے رہیے، یاد رکھو عبادت خالص اللہ ہی کے لئے ہے اور جن لوگوں نے اس کے سوا اور شرکا تجویز کر رکھے ہیں (کہ) ہم تم ان کی پرستش بس اس لئے کرتے ہیں کہ یہ ہم کو خدا کا مقرب بنادیں۔

اس کے علاوہ اسلام ایک ایسا دین ہے جو خیال کی پاکی، فکر کی بلندی، نیت وارادہ کی صفائی ودرستی، غیر سے بے تعلقی اور عمل میں اخلاص کے اس معیار اور فکر اور عقیدہ کی اس سطح پر ہے جس سے بہتر معیار اور بلند سطح ناقابل تصور ہے، دنیا کے تمام مذاہب، فلسفے، دینی اور عقلی انتظام اور پوری انسانیت مل کر بھی آج تک اس جیسی کوئی چیز پیش کرنے سے قاصر رہی اور اس معیار کے قریب بھی اس کی رسائی نہ ہوسکی، اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں اپنا جو وصف بیان کیا ہے، اس پر کوئی اضافہ ناممکن ہے۔

ليس كمثله شئ وهو السميع البصيره

کوئی اس کے مثل نہیں وہی (ہر بات کا) سننے والا ہے (ہر چیز کا) دیکھنے والا ہے۔

ایک مشہود کی ضرورت جو شوق وتعظیم کا مرکز بن سکے

لیکن فطرت انسانی، فطرت انسانی ہے ایک ایسی چیز کی جستجو اور آرزو ہر بشر کی سرشت میں داخل ہے، جس کو وہ اپنی ان مادی آنکھوں سے دیکھ سکے، اس کے ذریعہ اپنے جذبۂ شوق کی تسکین کر سکے، اور قرب وصال اور تعظیم وتسلیم کے اس شدید تقاضے کی آسودگی کا سامان کر سکے، جو ہمیشہ سے اس کے خمیر میں ہے۔

شعائر اللہ اور ان کی حکمت

اس کے لئے اللہ تعالیٰ نے کچھ ایسی ظاہری اور محسوس چیزیں مقرر کی ہیں جو اس کی ذات اقدس کے ساتھ کچھ خصوصیت رکھتی ہیں، اسی کی طرف منسوب ہیں، اسی کی کہلائی جاتی ہیں اور ان پر اس کی رحمت کی اس قدر تجلی اور عنایت کی ایسی نظر ہے کہ ان کو دیکھ کر ہی خدا یاد آتا ہے،

اس کے علاوہ ان کے ساتھ بہت سے ایسے واقعات ومعاملات اور اعمال واحوال وابستہ ہیں جو انسان کو اللہ تعالی کی نشانیاں اور اس کے انعامات، اس کا دین توحید اور اس کے رسولوں کا جہاد اور صبر یاد دلاتے ہیں، ان چیزوں کا نام، اس نے ''شعائر اللہ'' رکھا ان کی تعظیم اپنی تعظیم قرار دی اور ان میں کوتاہی اپنے حق میں کوتاہی کے مرادف بتایا اور انسانوں کو اس کی اجازت بلکہ دعوت دی کہ اس کے ذریعہ وہ اپنی پوشیدہ دستور محبت اور مشاہدہ وقرب کے فطری جزبہ کو تسکین دیں اور اپنی آسودگی کا سامان کریں۔

ارشاد ہے۔

ذلک ومن یعظم شعآئر الله فانها من تقوی القلوب

یہ بات ہو چکی اور جو کوئی (دین) خدا کی یادگاروں کا ادب رکھے گا سو یہ (ادب) دلوں کی پرہیزگاری میں سے ہے۔

دوسری جگہ آتا ہے۔

ذلک ومن یعظم حرمات الله فهو خیر له عند ربه

یہ بات ہو چکی اور جو کوئی بھی اللہ کے محترم احکام کا ادب کرے گا، سو یہ اس کے حق میں اس کے پروردگار کے پاس بہتر ہوگا۔

انسان کی فطرت میں عشق ومحبت کا عنصر

انسان نہ صرف عقل محض ہے، نہ مجبور محض، جو کسی قانون اور طاقت کے سامنے بے دست وپا ہو، نہ وہ ایسا مشینی پرزہ ہے جو کسی خاص قانون اور پہلے سے مقرر کردہ نقشہ کے مطابق ایک دائرہ میں گردش کرتا رہتا ہے، وہ عقل بھی ہے دل بھی، ایمان بھی ہے اور وجان بھی، اطاعت بھی ہے اور محبت بھی، اور اسی میں اس کی عظمت وشرافت، اس کی طاقت وعبقریت، ذہانت ودقیقہ رسی، امتیازی وبرتری اور ایثار وقربانی کا راز پوشیدہ ہے، اسی کی بدولت اس نے دشوار سے دشوار مسئلہ پر قابو پایا، محیر العقول کارنامے انجام دیئے، خارق عادت باتیں اس سے صادر ہوئیں اور سب سے بڑھ کر یہ کہ اسی کی وجہ سے وہ ''امانت'' اس کے حوالہ کی گئی جس سے آسمان، زمین اور پہاڑ سب معذرت کر چکے ہیں، اس شہپر کی مدد سے اس نے ان بلندیوں پر اپنا نشیمن بنایا جہاں مقرب فرشتوں کے بھی پر جلتے ہیں، حیوانات، نباتات اور جمادات کا ذکر کیا ہے؟

اس نے انسان کا اپنے رب کے ساتھ رشتہ محض قانونی اور عقلی رشتہ نہیں، جس کا دائرہ صرف واجبات ادا کرنے، احکام میں کچھ حقوق حاصل کرنے تک محدود ہو، یہ محبت اور پاکیزہ جذبات کا بھی رشتہ ہے، یہ ایسا رشتہ ہے، جس پر ذوق وشوق اور عشق وقربانی اور دل سوزی و بے قراری کا غلبہ ہونا چاہئیے، اور یہ عنصر اس رشتہ میں اس طرح جاری وساری ہونا چاہئے کہ کوئی عمل اس کے اثر سے خالی نہ رہنے پائے، دین اس سے منع نہیں کرتا، بلکہ کی دعوت دیتا ہے، اس جذبہ کو غذا پہونچاتا اور اس کو مزید قوت بخشتا ہے۔

والذین آمنو ااشد حباً للہ[1]

اور جو ایمان والے ہیں وہ تو اللہ کی محبت سب سے قوی رکھتے ہیں۔

دوسری جگہ آتا ہے۔

قل ان کان ابآئو کم وابنآءُ کم واخوانکم وازواجکم وعشیر تکم واموال اقترفتموھا وتجارۃ تخشون کسادھا ومساکن ترضونھآاحب الیکم من اللہ ورسولہ وجھاد فی سبیلہ فتربصوا حتی یاتیی اللہ بامرہ ط واللہ لا یھدی القوم الفاسقینo[2]

آپ کہہ دیجئے کہ اگر تمہارے باپ اور تمہارے لڑکے اور تمہارے بھائی اور تمہاری بیویاں اور تمہارے کنبہ اور وہ مال جو تم نے کمائے ہیں اور وہ تجارت جس کو بگڑ ے جانے سے تم ڈر رہے ہو، اور وہ گھر جنہیں تم پسند کرتے ہو، یہ سب تم کو اللہ اور اس کے رسول، سے اور اس کی راہ میں جہاد کرنے سے زیادہ عزیز ہوئے تو منتظر رہو، یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ اپنے حکم بھیج دے اور اللہ تعالیٰ نافرمان لوگوں کو مقصود تک نہیں پہنچاتا۔

وہ اپنے رسول کا ذکر کرتے ہوئے ان کی محبت وخلوص اور ان کے شوق فنائیت کو خاص طریقہ پر نمایاں کرتا ہے اور اس کی طرف خصوصیت سے متوجہ کرتا ہے، یحیٰی علیہ السلام کے متعلق آتا ہے کہ:

واتیناہ الحکم صبیاً وحناناً من لدناوزکوٰۃً وکان تقیاً ہ[3]

اور ہم نے ان کو لڑکپن ہی میں سمجھ دیدی تھی اور خاص اپنے پاس سے رقت قلب اور پاکیزگی اور وہ بڑے پرہیزگار تھے۔

---

(۱) سورۂ بقرہ۔۱۶۵ (۲) سورۂ توجہ۔۲۴ (۳) سورۂ مریم۔۱۲۔۱۳

حضرت ابراہیمؑ اللہ کا پورا قصہ اسی محبت کی تصویر ہے، اس میں اللہ تعالیٰ نے خاص طور پر یہ بیان کیا ہے، کہ انھوں نے اپنے جگر کے ٹکڑے اور محبوب فرزند کی محبت کے گلے پر کس طرح چھری پھیری اور جب تک خدا نے ان کے صدق واخلاص

اور صبر و قربانی کو دیکھ نہ لیا، انھوں نے چھری گلے سے نہ ہٹائی۔

یاابراھیم، قد صدقت الر ئیا، انا کذلک نجزی المحسنین، ان ھذا لھُوَ البلاء المبین.(۱)

اے ابراہیم تم نے خواب کو سچ کر دکھایا ہم مخلصین کو ایسا ہی صلہ دیا کرتے ہیں بے شک یہ تھا بھی کھلا ہوا امتحان۔

حضرت ابراہیمؑ کی تعریف میں آتا ہے۔

ان ابراھیم لحلیم اَوَّاہٌ منیب.(۲)

بے شک ابراہیم بڑے حلیم، بڑے دردمند، بڑے نرم دل تھے

''صفات''ہی کے علم سے محبت ہوتی ہے اور اسی لئے قرآن مجید اس پر بہت زور دیتا ہے

قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ کے صفات وافعال اور اس کے انعامات کا اتنی کثرت سے ذکر اور اس کے اعادہ وتکرار اور اس قدر شرح وبسط کے ساتھ بیان کا اصل راز یہی ہے، اس لئے کہ صفات ہی محبت وشوق کا سرچشمہ ہیں، اسی بات کو بعض ائمہ اسلام(۳) ''نفی مجمل اور اثبات مفصل'' سے تعبیر کیا ہے، یہی اثبات ہے (یعنی اللہ کی صفات کریمہ کے بیان اور اس کے دلائل وشواہد کا ذکر) جس سے انسان کے ذوق وشوق کو غذا ملتی ہے اور محبت جوش مارنے لگتی ہے، اگر نفی رہبر عقل ہے اثبات رہبر دل۔ (۴)

---

(۱) سورہ صافات ۱۰۴ تا ۱۰۵

(۲) سورۂ ہود ۷۵

(۳) شیخ الاسلام ابن تیمیہ مراد ہیں

(۴) جہاں نفی ہے کہ خدا ایسا نہیں ہے، ایسا نہیں ہے، وہاں ''لیس کمثلہ شئ'' پر اکتفا کیا گیا ہے، لیکن جہاں اثبات ہے کہ خدا ایسا ہے ایسا ہے، وہاں بڑی تفصیل اور تکرار واعادہ سے کام لیا گیا ہے، ملاحظہ ہو، سورۂ حشر کا آخر رکوع۔

اگر اللہ تعالیٰ کی یہ صفات عالیہ اور اسمائے حسنیٰ ہمارے سامنے نہ ہوتے جن سے قرآن وحدیث بھرا ہوا ہے اور جن پر عشاق ومحبین ہمیشہ اپنا سر دھنتے رہے، عارفین ان کے ترانے گاتے رہے، ذاکرین ان کی تسبیح میں مشغول رہے اور ان کا کلمہ پڑھتے رہے اور اہل معرفت و حقیقت زندگی بھر اس سمندر کے تہ نشین موتی چنتے رہے، تو یہ دین ایک چوبی یا آہنی نظام اور قانون کی طرح ہوجاتا ہے، جس کے دلوں میں جگہ نہ ہوتی، یہ نہ ان میں کوئی جذبہ اور گرمجوشی پیدا کر سکتا، نہ ان کے دلوں کو گرم اور آنکھوں کو نم کرنے کی صلاحیت رکھتا، نہ ان سے دعا میں انابت ورقت کی کیفیت پیدا ہوتی ہے، نہ دل میں سرفروش کا جوش، نہ سر میں اس کا سودا، اس کے بغیر خدا اور بندہ کا تعلق ایک مردہ اور محدود تعلق ہے، جس میں نہ کوئی زندگی ہے، نہ روح، نہ لچک، نہ وسعت، زندگی ایک ایسی خشک، سخت اور بے جان چیز ہے جو لذت وآرزو ومتاع شوق اور جنون وشوریدگی کی دولت سے بالکل تہی دامن اور محروم ہے۔

اگر انسانیت سے یہ دولت چھین لی جائے تو زندگی اور موت انسان اور جمادات میں آخر کیا فرق باقی رہ جائے گا؟۔

اس ساغر کی کیا قیمت جو کبھی چھلک نہ پائے

دل کی اس آنچ کو کچھ کم کرنے اور روح کی پیاس بجھانے کے لئے ایک مسلمان کو اس کی ضرورت تھی کہ اس کے دل کا ساغر اور نگاہوں کا پیمانہ چھلک چھلک کر بہنے لگے اور دوری ومجبوری کی آگ میں جلے ہوئے دل کو سیراب کر دے اور جام کیا جام ہے، جو بھر کر چھلک تو جائے لیکن چھلک کر بہہ نہ پائے۔

حج بیت اللہ جذبہ عشق کی تسکین کے لئے ہے

امام غزالیؒ نے اپنی نادرۂ روزگار ذہانت اور شریعت کے گہرے مطالعہ سے اس نکتہ کو خوب سمجھا تھا کہ محبت وشوق ایک زندہ اور سلیم الطبع انسان کی حقیقی ضرورت ہے، وہ اس کی تسکین کے لئے ہمیشہ طلب وجستجو میں رہتا ہے، بیت اللہ اور اس کے ساتھ جتنے شعائر اللہ اور حج کے مناسک ومقامات ہیں وہ اس کی اس سچی اور حقیقی ضرورت کو اچھی طرح پورا کر سکتے ہیں اور ان سے اس کو پوری تسکین اور تسلی حاصل ہو سکتی ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

واذابَوَّاُنَا لابراهيم مكان البيت ان لاتشرک بی شيئاً وطهر بيتی لطآئفين والقائمين والركع السجوده واذن فی الناسِ بالحج يا توک رجالاً وعلیٰ كل ضامر ياتين من كل فج عميق، لِيَشْهَدُوْا منافع لهم ويذ كرو أاسم الله فی ايامٍ معلومات علی مارزقهم من بهيمةِ الانعام فكلو امنها واطعموا ا لبآئس الفقير، ثم ليقضوا تفثهم وليوفوا نذورهم وليطوفو بالبيت العتيق.(۱)

اور (وہ وقت یاد دلایئے) جب ہم نے ابراہیمؑ کو بیت اللہ کی جگہ بتائی (اور حکم دیا) کہ میرے ساتھ کسی کو شریک نہ کرنا اور میرے گھر کو پاک رکھنا، طواف کرنے والوں اور قیام ورکوع وسجود کرنے والوں کے لئے اور لوگوں میں حج کا اعلان کر دو، لوگ تمہارے پاس پیدل بھی آئیں گے اور دبلی اونٹنیوں پر بھی جو دور دراز راستوں سے پہنچی ہوں گی، تا کہ اپنے فوائد کے لئے آموجود ہوں اور تا کہ ایام معلوم میں اللہ کا نام لیں، ان چوپایوں پر جو اللہ نے ان کو عطا کئے ہیں، بس تم بھی اس میں سے کھاؤ اور مصیبت زدہ محتاج کو بھی کھلاؤ پھر لوگوں کو چاہیئے کہ اپنا میل کچیل دور کریں اور اپنے واجبات کو پورا کریں اور چاہیئے کہ (اس) قدیم گھر کا طواف کریں۔

امام غزالیؒ لکھتے ہیں۔

”اگر اللہ تعالیٰ سے لقا کا شوق ہے تو مسلمان اس کے وسائل اسباب اختیار کرنے پر لامحالہ مجبور ہوگا، عاشق اور محبّ ہر اس چیز کا مشتاق ہوتا ہے جس کی اضافت اور اس کے محبوب کی طرف ہو، کعبہ کی نسبت عزوجل کی طرف ہے اس لئے مسلمان کو قدرتی طور پر اس کا سب سے زیادہ مشتاق ہونا چاہیئے، علاوہ اس اجر وثواب کی طلب واحتیاج کے جس کا وعدہ بھی اس سے کیا گیا ہے۔“(۲)

حضرت شاہ ولی اللہ صاحب بھی اسی نکتہ کو حج کی بنیادی حکمت بتاتے ہوئے ایک جگہ لکھتے ہیں۔

---

(۱) سورۂ حج ۲۶ تا ۲۹

(۲) احیاء العلوم ج ۱ ص ۲۴

"کبھی کبھی انسان کو اپنے رب کی طرف غایت درجہ اشتیاق ہوتا ہے اور محبت جوش مارتی ہے اور وہ اس شوق کی تسکین کے لئے اپنے چاروں طرف نظر دوڑاتا ہے، تو اس کو معلوم ہوتا ہے کہ اس کا سامان صرف حج ہے"(۱)

یہ ہو سکتا تھا کہ وہ اس شوق ومحبت اور ان جذبات وکیفیات کی تسکین ان نمازوں کے ذریعہ کر لیتا ہے، جو وہ دن میں کئی بار پڑھتا ہے، وہ نماز میں اپنے پیمانہ دل کو چھلکنے دیتا ہے اور محبت وعشق کی اس تپش وبے قراری اور دل سوزی اور اپنے آنسوؤں کے کچھ چھینٹے ڈال لیتا، لیکن اشک کے یہ چند قطرے تھوڑی دیر کے لئے اس کے دل کو گرم اور آنکھوں کو نم ضرور کر سکتے ہیں، اس کی تشنگی کو دور نہیں کر سکتے، ان میں محبت کی اس تیز آنچ کو کم کرنے کی طاقت نہیں جو بعض وقت اس کے سینہ میں بھٹی کی طرح سلگتی ہے، اور اس کو کسی پہلو چین نہیں لینے دیتی۔

مادیت کے قفسِ زریں سے کائنات کی بیکران وسعتوں میں

اسی طرح اس کو روح کی پیاس بجھانے، سوزشِ دل کو آرام پہونچانے، نفس کی سرکشی کو لگام لگانے اور اپنی مرغوبات وعادات کی "وثنیت" کے خلاف علم بغاوت بلند کرنے میں رمضان سے بھی مدد مل سکتی تھی، اس لئے کہ اس وقت خلوئے معدہ اور احتیاط وپرہیز کی وجہ سے اس کی روح کو غذا ملتی ہے اور صفائی قلب نصیب ہوتی ہے، لیکن یہ بھی چند گنی چنی چھڑیاں ہیں، جو اکثر ایسی چیزوں سے گھری رہتی ہیں، جن سے روزہ کا اثر برابر کمزور ہوتا رہتا ہے، اس کے چاروں طرف نفیس ومرغن کھانوں، انواع واقسام کے ذائقوں اور راحت طلبی اور شکم پری کا ایسا ماحول بن جاتا ہے جو اس کو یکسو نہیں ہونے دیتا۔ اس کا معاشرہ (جو انکار وبغاوت اور غفلت ومعصیت کا علمبردار بن چکا ہے) چاروں طرف سے اس کو اس طرح گھیرے میں رکھتا ہے، جس طرح کوئی چھوٹا سا جزیرہ متلاطم وغضبناک سمندر میں گھرا ہوا ہو۔

ان تمام باتوں کی وجہ سے اس کو ایک ایسی جرأت مندانہ بلکہ رندانہ وقلندرانہ جست کی ضرورت تھی، جو اس کے طوق وسلاسل کو پاش پاش کر کے رکھ دے اور اس کو ایک ہی چھلانگ

---

(۱) حجۃ اللہ البالغہ ج ۱ ص ۵۹

میں اپنے قدیم، تنگ وتاریک اور شکستہ وبوسیدہ قید خانہ سے آزاد کردے اور اس قدیم وفرسودہ پابند واسیر، پابہ زنجیر، مصنوعی اور مشینی، مادی اور حسابی دنیا سے نکل کر ایک بالکل نو دریافت آزاد دبے کراں، وسیع ولامحدود عالم میں پہنچا دے، جہاں محبت کی فرماں روائی اور شوق کی حکمرانی ہے، یہاں پہونچ کر وہ ہر قسم کی غلامی سے آزاد اور ہر نوع کی وثنیت وبت پرستی سے پاک ہو جاتا ہے، رنگ ونسل اور ملک ووطن کی مصنوعی حد بندیاں اور رقبہ کی پیمائشیں اس کی نظر میں کوئی حیثیت نہیں رکھتیں، وہ وحدت الوہیت، وحد رزاقیت، وحدت انسانیت، وحدت عقیدہ، وحدت دعوت اور وحدت مقصد کا قائل ہوتا ہے اور اپنے دوسرے بھائیوں کے ساتھ ایک آواز ہوکر خدا کی حمد کا ترانہ گاتا ہے، اور یہ نعرہ لگاتا ہے۔

لبیک اللھم لبیک، لبیک لاشریک لک لبیک، ان الحمد والنعمة لک والملک لاشریک لک.

اے میرے اللہ میں حاضر ہوں، حاضر ہوں، تیرا کوئی شریک نہیں، میں حاضر ہوں، ساری تعریفیں اور نعمتیں تیرے ہی لئے زیبا ہیں اور حکومت وبادشاہت بھی تیرا ہی حق ہے، تیرا کوئی شریک نہیں۔

مسلمان ان نمازوں کے بعد بھی جن کو وہ روزانہ پابندی کے ساتھ پڑھتا ہے، اس رمضان کے بعد بھی جس میں وہ ہر سال روزے رکھتا ہے، اور اس زکوٰۃ کے بعد بھی جو مالک نصاب ہونے اور سال گزرنے پر وہ ادا کرتا ہے، ایک ایسی فصل یا ایسے موسم کی ضرورت تھی جس کو ہم عشق ومحبت کی فصل اور جنون وشوریدگی کا موسم بہار کہہ سکتے ہیں، اور اہل جنوں اور اہل وفا کی قبلہ گاہ تعبیر کر سکتے ہیں۔

عقل ومادیت کے پرستاروں کے خلاف نعرۂ بغاوت

اس کو کبھی کبھی اپنی سنجیدہ ومتعین اور جامد عقل کے خلاف بھی بغاوت کی ضرورت پیش آتی ہے اور اس میں کوئی حرج بھی نہیں اس لئے کہ جو زندگی بغاوت اور انقلاب کے بغیر گزر جائے، وہ کیا زندگی ہے، اس کو اس کی ضرورت ہے، کہ عادات واطوار، پسند وناپسند خود ساختہ قوانین، مصنوعی تہذیب، ظاہری تکلفات، رسمی وضعداریوں اور اس سخت وبے رحم سماج کے بندھے ٹکے نظام اور فرضی بندھنوں کو توڑ کر آزاد ہو جائے، زمام کار اس عقل سے لے کر جو عرصہ سے

اس پر قابض ہے، تھوڑی دیر کے لئے جذبۂ دل اور رہوارِ شوق کے حوالہ کردے، کبھی اس طرح بادیہ پیمائی وصحرانوردی کرے، جس طرح عشاق ومحبین اپنے محبوب کے لئے کرتی ہیں، کبھی اس شوریدگی وآشفتہ سری کا مظاہرہ کرے جو اہل جنوں واہل وفا کا شعار ہے، اس لئے کہ جس کو سوسائٹی، سماج اور رسم ورواج نے اپنا غلام بنالیا ہو، اس کو آزاد کون کہہ سکتا ہے؟ جو اپنی عادات وخواہشات اور مرغوبات کا اسیر ہو، اس کو موحد کیسے کہا جا سکتا ہے؟ اسی طرح اسی شخص کو مطیع وفرمانبردار اور وفا شعار کیسے کہا جا سکتا ہے، اور جو ہمیشہ اپنی عقل پر اعتماد کرتا ہے، اور جب تک اپنی محدود اور مخلوق عقل کے پیمانہ سے کسی چیز کو ناپ نہ لے اور اس کو محسوس اور مادی فوائد اس کے علم میں نہ آجائیں اس میں کسی کام کا ولولہ اور اطاعت کا جذبہ ہی نہ پیدا ہوتا ہو، یہ حج اپنی مخصوص شکل کے ساتھ عقل اور مادیت کے پرستاروں اور نظم وڈسپلن کے اسیروں کے خودساختہ قوانین اور زندگی کے اس ''روٹین'' کے بالکل منافی ہے، جس کے وہ دلدادہ ہیں اس کا مقصد یہ ہے کہ انسان کے اندر ایمان بالغیب اور حکم کو محض حکم سمجھ کر بے چون وچرا بجالانے کا جذبہ اور ملکہ پیدا ہو اور اس عقل کو تھوڑی دیر کے لئے اپنے اس منصب سے ہٹا دیا جائے جو ہر چیز کو منطق وفلسفہ، بحث ومناظرہ اور دلیل وحجت کے پیمانہ سے ناپتی ہے اور ہر وقت اور ہر جگہ منطق واستدلال سے کام لیتی ہے۔

امام غزالیؒ نے حج کی حقیقت اور روح کو (جس کو ایمان بالغیب اور مطلق امتثال امر سے تعبیر کیا جا سکتا ہے) بڑے عجیب اور بلیغ انداز میں بیان کیا ہے، اور اپنے موئے قلم سے اس کی دلکش اور دل آویز تصویر کھینچ دی ہے، انھوں نے دین کے اس اہم رکن کے قلب وجگر میں اتر کر بہت اچھی تشریح کی ہے اور اس کے مغز اور جوہر کو ہمارے سامنے پیش کر دیا ہے، جو بہت سے قدیم وجدید اہل فکر کی نظر سے رہ گیا تھا۔

وہ لکھتے ہیں:

''اس (بیت اللہ کی) وضع اور شکل اس شاہی دربار یا شاہی ایوان کی طرح ہے جہاں پر عشاق واہل فراق ہر دشوار گزار اور دور دراز مقام سے افتاں وخیزاں، آشفتہ سر اور پراگندہ مو ہو کر پہنچتے ہیں، رب البیت کے سامنے سرِ تسلیم خم کئے ہوئے، اپنی حقارت کا احسان لئے ہوئے، اس کی عزت وجلال کے سامنے اپنے کو فراموش کئے ہوئے اس عزم واعتراف کے ساتھ کہ وہ اس سے پاک اور بلند وبرتر ہے کہ کوئی گھر اور چہار دیواری اس کو گھیر سکے، یا کوئی شہر اس کا احاطہ کر سکے تاکہ

ان کی عبودیت ورقت اپنی انتہا کو پہنچ جائے اور اطاعت وانقیاد اور تسلیم ورضا میں کوئی کسر باقی نہ رہ جائے۔

اسی لئے ان کو ایسے اعمال اور نقل وحرکت کا پابند کیا گیا ہے، جن سے نہ نفس انسانی کا کوئی لگاؤ ہے نہ عقل کی وہاں تک رسائی ہے، مثلاً رمی جمار (شیطان کو ایک خاص جگہ پر پہونچ کر پتھر مارنا) صفاومروہ کے درمیان بار بار دوڑنا، اس قسم کے اعمال کمال عبودیت اور غایت درجہ فنائیت کو ظاہر کرتے ہیں، زکوٰۃ اس قسم کی رحم دلی وغمخواری ہے، اس کا مفہوم بھی آسانی سے سمجھ میں آجاتا ہے اور عقل بھی اس کو قبول کرتی ہے، روزہ نفس کشی اور ان خواہشات بشری کی سرکوبی کے لئے ہے جن کو شیطان اپنی مقصد براری کے لئے استعمال کرتا ہے، اور اس میں دوسرے مشاغل کم کرکے عبادت میں انہماک واشتغال کا پہلو واضح ہے، نماز میں رکوع وسجود اور ان افعال اور حرکات کے ذریعہ جن سے تواضع کی روح پیدا ہوتی ہے، خدا کے سامنے اس کبریائی اور اپنے عجز کا اظہار ہے اور اس سے دلوں کو خاص لگاؤ محسوس ہوتا ہے، لیکن رمی جمار اور سعی اور اس طرح کے دوسرے اعمال ایسے ہیں، جن سے دل کو کوئی حظ اور سرور حاصل نہیں ہوتا، طبیعت بشری بھی ان کی طرف مائل نہیں ہوتی اور عقل بھی ان کے معنی ومفہوم سے قاصر رہتی ہے، چنانچہ یہ عمل یا اقدام صرف اطاعت ہی کے جذبہ سے کیا جاتا ہے، یہ سمجھ کر کہ یہ خدا کا ایک حکم ہے جو بہرصورت واجب الاتباع ہے، اس سے مقصود عقل کو اس کے اختیارات سے محروم کردینا اور نفس وطبیعت کو ان چیزوں سے دور رکھنا، جن سے اس کو لگاؤ اور انس پیدا ہوسکتا ہو، اس لئے کہ جب کوئی چیز عقل سے اچھی طرح سمجھ میں آجاتی ہے تو طبیعت اس کی طرف خود بخود چلنے لگتی ہے اور طبیعت کا یہ رجحان خود اس عمل کے باعث اور محرک بن جاتا ہے، اور اس میں کمال عبدیت اور مجرد اطاعت کی شان باقی نہیں رہتی، یہی وجہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حج کے موقع پر خصوصیت سے یہ الفاظ کہے،

لبیك لحجة حقا تعبداً ورقاً

لبیک حج پر سچے دل کے ساتھ غلامی اور عبدیت کے جذبہ کے ساتھ۔

حج کے علاوہ یہ الفاظ آپ نے کسی اور عبادت حتیٰ کہ نماز کے لئے بھی استعمال نہیں فرمائے

چونکہ اللہ تعالیٰ کی حکمت نے مخلوق کی نجات کا دارومدار اس پر رکھا ہے کہ ان کے اعمال اطاعت وانقیاد اور تسلیم وعبودیت کے طریقہ کار اور سنت پر ہوں اس لئے وہ اعمال وعبادت (جن کے اسرار ومعانی عقل انسانی کی دسترس سے باہر ہیں) تزکیہ نفوس اور رجحان وطبیعت، اخلاق وفضائل سے ہٹا کر بودیت کاملہ سے روشناس کرنے میں زیادہ مؤثر ہیں اس بات کی تہ تک پہونچ

جانے کے بعد یہ بات ہماری سمجھ میں خوب آ جائیگی کہ ان افعال اور حرکات وسکنات پر تعجب دراصل عبادتوں کے مخصوص اسرار ومقاصد کو نہ سمجھنے کا نتیجہ ہے اور حج کی اصل بنیاد اور حقیقت سمجھنے کیلئے انشاء اللہ اتنا ہی کافی ہے۔(۱)

رمی جمار کے متعلق کہتے ہیں کہ اس کا مدار ہی اطاعت محض اور مجرد امتثال امر پر ہے۔

لکھتے ہیں:۔

''اس سے مقصود مجرد امتثال امر ہے تا کہ مکمل عبودیت کا مظاہرہ ہو سکے عقل اور نفس کا اس میں کوئی حصہ نہیں ہے، مزید برآں اس سے مراد حضرات ابراہیم علیہ السلام سے تشبیہ ہے، اس لئے ابلیس ملعون اسی جگہ ان کے حج میں شبہ پیدا کرنے یا کسی معصیت میں مبتلا کرنا آیا تھا، اللہ تعالیٰ نے ان کو حکم دیا کہ ان کو کنکریاں ماریں تا کہ وہ ان کے پاس سے دفع ہو جائے، اور اس کو ان سے کوئی توقع ہی باقی نہ رہ جائے، اگر کوئی یہ خیال کرتا ہے کہ ان کے سامنے شیطان حقیقت میں آ گیا تھا، اس لئے انھوں نے اس کو مارا، میرے سامنے شیطان نہیں ہے کہ میں ماروں تو اس کو سمجھنا چاہئے کہ یہ خیال بھی شیطان ہی کا پیدا کردہ ہے اور وہی ہے جس نے یہ خیال تمہارے دل میں ڈالا ہے تا کہ شیطان کو ذلیل وخوار کرنے کا جو عزم اور ارادہ تمہارے اندر تھا وہ کمزور پڑ جائے۔

تم کو جاننا چاہئے کہ ظاہر میں تم جمرہ عقبہ پر کنکریاں مارتے ہو، لیکن حقیقت میں وہ کنکریاں شیطان کے منھ پر پڑتی ہیں، اور اس کی کمر توڑ دیتی ہیں، اس لئے کہ اس کی تذلیل وتوہین سب سے زیادہ اس تعمیل حکم سے ہوتی ہے، جو اللہ تعالیٰ کی تعظیم اور اطاعت محض کے جذبہ کے ساتھ ہو، نفس یا عقل کا اس میں کوئی حصہ نہ ہو''۔(۲)

قربانی کے سلسلے میں کہتے ہیں۔

''جاننا چاہئے کہ یہ امتثال امر (یعنی قربانی) تقرب الی اللہ کا ذریعہ ہے، چنانچہ یہ حکم بھی فوراً بجالانا چاہئے، اور یہ امید اللہ تعالیٰ کی ذات سے رکھنی چاہئے کہ اس کے ایک ایک جز کے بدلے میں تمہارا ایک ایک جز آگ سے محفوظ رکھے گا، حدیث میں اسی طرح آیا ہے، قربانی جتنی بڑی ہو گی اور اس کے اجزا جتنے زیادہ ہوں گے، آگ سے فدیئے بھی اسی قدر زیادہ ہو سکیں گے''۔(۳)

---

(۱) احیاء العلوم جلد ا صفحہ ۲۴۰

(۲) احیاء العلوم جلد ا ص ۲۴۳۔

(۳) احیاء العلوم جلد ا ص ۲۴۰

حاجی حکم کا بندہ ہے اور اشاروں کا غلام ہے

حج اپنے سارے ارکان واعمال اور مناسک وعبادت کے ساتھ اطاعت محض، مجرد امتثال امر، بے چون وچرا حکم بجالانے اور ہر مطالبہ کے آگے سر جھکا دینے کا نام ہے، حاجی کبھی مکہ میں نظر آتا ہے کبھی منی میں، کبھی عرفات میں، کبھی مزدلفہ میں، کبھی ٹھہرتا ہے، کبھی سفر کرتا ہے، کبھی خیمہ گاڑتا ہے، کبھی اکھاڑتا ہے، وہ حکم کا بندہ اور چشم وابرو کا پابند ہے، اس کا خود نہ کوئی ارادہ ہوتا ہے، نہ فیصلہ نہ انتخاب کی آزادی، وہ منی میں اطمینان سے سانس بھی لینے نہیں پاتا کہ اس کو عرفات جانے کا حکم ملتا ہے، لیکن مزدلفہ میں رکنے کی اجازت نہیں ہوتی، عرفات پہنچ کر وہ دن بھر دعا وعبادت میں مشغول رہتا ہے، غروب آفتاب کے بعد اس کو اس کا تقاضا ہوتا ہے کہ ذرا ستالے اور رات کو یہیں رہ جائے لیکن اس کے بجائے اس کو مزدلفہ جانے کا حکم ملتا ہے، وہ زندگی بھر نماز کا پابند رہا تھا لیکن عرفہ میں اس کو اس کا حکم ہوتا ہے کہ مغرب کی نماز ترک کردے اس لئے کہ وہ اللہ کا بندہ ہے، نماز یا اپنی عادت کا بندہ نہیں، وہ یہ نماز مزدلفہ پہنچنے کے بعد عشا کے ساتھ ملا کر پڑھتا ہے، مزدلفہ میں اس کا خوب جی لگتا ہے اور سوچتا ہے کہ یہاں جی بھر کر ٹھہرے مگر اس بات کی اجازت بھی اس کو نہیں ملتی اور اس کو منی کی طرف رخ کرنے کا حکم ہوتا ہے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام اور سب انبیاء کرام اور ان کے بعد تمام عشاق واہل محبت اہل دل، اور اہل طلب کی زندگی کا طرز یہی تھا، کبھی سفر، کبھی قیام، کبھی وصل کبھی ہجر، نہ عادت کی غلامی، نہ ذوق کی اسیری، نہ خواہش کی تابعداری، نہ شہوت کے آگے سپر اندازی

رحمت خداوندی کو متوجہ کرنے میں زمان ومکان کا حصہ

اس کے لئے سب سے موزوں اور مناسب جگہ یہی تھی جہاں اہل محبت کے پیشوا مخلصین کے امام اور اپنے زمانہ میں اللہ کے سب سے زیادہ محبّ اور محبوب اور مقرب بندہ نے اخلاق ومحبت وفاداری وجان نثاری اور ایثار وقربانی کی ایسی دلاویز اور حیرت انگیز کہانی پیش کی جو پاکیزہ محبت، بے غرض وفاداری اور صدق واخلاص کی تاریخ میں سب سے زیادہ تابناک اور فریب ہے ان کے بعد جتنے انبیاء کرام، موحد ومخلص اور عاشق صادق پیدا ہوئے وہ سب اپنے اپنے دور میں انہی کے نقش قدم پر چلتے رہے ان کی ایک ایک ادا کی نقل کرتے رہے اور صدق

وفا کی وہی کہانی دہراتے رہے، انہوں نے اسی طرح بیت اللہ کا طواف کیا، صفا ومروہ کے درمیان سعی کی، عرفات میں ٹھہرے، مزدلفہ میں رات گذاری، جمرات میں کنکریاں ماریں اور منیٰ میں قربانی کی۔

اس طرح زمان ومکان میں کہانی کی ان فصلوں میں جو برابر دہرائی جاتی رہی ہیں، ان اعمال میں جن میں ان کی تقلید جاری ہے، محبت کے ان جاں نواز اور روح پرور جھونکوں میں جن سے حجاج از سرنو تازگی حاصل کرتے ہیں، اس ذوق وشوق میں جس میں وہ ہمہ وقت ڈوبے رہتے ہیں، امت کے ان مختلف طبقوں اور جماعتوں کی صحبت میں جنت کی رفاقت ان کو میسر آتی ہے، اس دینی اور روحانی اجتماع میں جس کی نظیر روئے زمین پر کہیں نہیں ملتی اور ذکر و دعا تلبیہ واستغفار کے دل آویز زمزموں میں جو ہر وقت اس فضا میں گونجتے رہتے ہیں اور دل میں بس جاتے ہیں، وہ چیز اب بھی موجود ہے جو مردہ دلوں کو حیات نو بخشتی ہے، پست ہمتوں کی حوصلہ افزائی کرتی ہے، مضمحل وافسردہ نفوس کو نئی زندگی عطا کرتی ہے، عشق کی دبی ہوئی چنگاری کو بھر سے بھڑکا دیتی ہے اور چھیڑ دیتی ہے، جو بجھنے کے قریب تھی یا بجھ چکی تھی، رحمت الٰہی کی طرف متوجہ کرتی ہے اور اس میں جوش پیدا کرتی ہے۔ مسلمانوں کے ایک عظیم الشان اجتماع اور اہل ایمان کی دعاؤں میں رحمت الٰہی کو اپنی طرف متوجہ کرنے کی جو خاصیت ہے اور اس کی بدولت سخت سے سخت دل والوں کی زندگی وحرکت اور ذوق وشوق کی جو کیفیت حاصل ہوتی ہے اس کی طرف بہت سے اہل نظر واہل دل علماء اسلام نے (بھی) متوجہ کیا ہے۔

معاشرہ انسانی کا باہمی ارتباط

الحمد لله نحمده و نستعينه و نستغفره و نو من به و نتو كل عليه و نعوذ بالله من شرور انفسنا و من سيأت اعمالنا من يهده الله فلا مضل له و من يضل الله فلا هادى له ونشهد ان لا اله الا الله وحد ه لاشريک له و نشهد ان سيد نا ومولانا محمد اً عبده و رسوله صلى الله تعالىٰ عليه و علىٰ آله واصحابه اجمعين اما بعد فاعوذ بالله من الشيطان الرجيم بسم الله الرحمن الرحيم.

يايها الناس اتقو ربكم الذى خلقكم من نفس ولمحدة وخلق منهازو جها وبث منهمار جالاً كثيراً ونساءً، واتقو الله الذى تساء لون به والارحام، ان الله كان عليكم رقيباً۔

لوگو: اپنے پروردگار سے ڈرو، جس نے تم کو ایک شخص (یعنی آدم) سے پیدا کیا، اس سے اس کا جوڑا بنایا، پھر ان دونوں سے کثرت سے مرد وعورت پیدا (پیدا کر کے روئے زمین پر) پھیلائے دیئے، اور خدا سے جس کے نام کو تم اپنی حاجت براری کا ذریعہ بناتے ہو، ڈرو اور (قطع مودت) ارہام سے (بچو) کچھ شک نہیں کہ خدا تمہیں دیکھ رہا ہے۔

یہ آیت سورہ نساء کی ہے، سورہ نساء کا نام ہی اس بات کی دلیل ہے کہ اسلام نے طبقہ اناث کو اور جنس لطیف کو کیا مقام دیا ہے، میں سمجھتا ہوں کہ طبقہ اناث کے متعلق اسلام کے تصور اور مرد وعورت کی باہمی ذمہ داری اور تعلقات کی نوعیت پر یہ آیت پوری روشنی ڈالتی ہے، پہلے تو اس میں اللہ تعالیٰ نے یہ اشارہ فرمایا ہے کہ ان دو طبقوں کی خلقت ایک ہی طرح ہوئی ہے، اور ان دونوں کی قسمت ایک دوسرے سے ایسی وابستہ ہے، گویا ایک جسم کے دو حصے ہوں، مرد وعورت کی جسمانی ساخت میں معمولی تبدیلیاں اس وجہ سے ہیں کہ دونوں زندگی کا سفر خوشگواری سے طے کر سکیں۔

پہلے تو ان دونوں طبقوں کا وجود نفس واحدہ سے ہے پھر اس نفس واحدہ کو دو حصوں میں

تقسیم کر دیا گیا، اس تقسیم کے باوجود ان میں کوئی تضاد، کوئی بیر نہیں بلکہ وہ جا کر ایک ہی نقطہ پر جمع ہو جاتے ہیں، اس دنیا میں سفر کرنے والے انسان کو ہم سفر اس کی جنس سے دیا گیا ہے، اور وہ اسی کے جسم کا حصہ ہے، پھر اس کے بعد ان دونوں سے نسل انسانی کی آفرینش، اور افزائش ہوئی، اللہ تعالیٰ نے دونوں کی رفاقت محبت اور ہم سفری میں بڑی برکت عطا فرمائی کہ جو دو تھے، ان سے ہزاروں ہوئے اور ہزاروں سے لاکھوں، کروڑوں ہوئے، یہاں تک کہ صحیح تعداد کا شمار کمپیوٹر بھی نہیں لگا سکتا ہے کہ کتنے انسان پیدا ہوئے؟ اس کو صرف خدا جانتا ہے ''کثیرا'' کے لفظ سے خدا نے ان کی کثرت کی طرف اشارہ فرمایا ہے۔

سائل بھی اور مسئول بھی

پھر اللہ تعالیٰ فرماتا ہے، کہ تم اس خدا سے ڈرو جس کے نام پر تم ایک دوسرے سے سوال کرتے ہو، قرآن مجید میں انقلابی طور پر تصور پہلی مرتبہ پیش کیا گیا ہے کہ انسانی سوسائٹی کا ہر فرد ایک دوسرے کا محتاج ہے، ہر ایک سائل ہے اور ہر ایک مسئول ہے، پھر تقسیم اس طرح نہیں کہ سائلین ایک طرف ہیں اور مسئولین دوسری طرف بلکہ جو سائل ہے، وہ مسئول بھی ہے، اور جو مسئول ہے وہ سائل بھی ہے، ''تساؤل'' (مشترک سوال و جواب) ایک ایسی زنجیر ہے جس میں ہر ایک بندھا ہوا ہے، جس میں ہر ایک دوسرے کا ضرورت مند ہے۔

مرد عورت کے بغیر اپنا قدرتی اور فطری سفر خوشگوار طریقہ سے طے نہیں کر سکتا اور کوئی شریف خاتون، رفیق حیات کے بغیر خوشگوار طریقہ سے زندگی نہیں گزار سکتی، اللہ تعالیٰ نے ہر ایک کو دوسرے کا ایسا سائل اور محتاج بنا دیا ہے کہ اس کے بغیر زندگی نہیں گذر سکتی۔

خدا کا نام بیگانوں کو یگانہ بناتا ہے

پھر بھی یہ فرمایا گیا کہ سوال جس کے نام پر تم کرتے ہوئے وہ خدا ہے، اسلامی معاشرہ خدا کے عقیدے، خدا کی عظمت، خدا کی قدرت اور خدا کی عظمت، خا کی قدرت اور خدا کی وحدت پر وجود میں آتا ہے، ایک مسلمان مرد کی مسلمان مرد کی مسلمان خاتون سے ہم سفری اور رفاقت جب جائز ہوتی ہے جب وہ خدا کا نام بیچ میں لائیں، خدا کا نام ہی بیگانوں کو یگانہ بناتا ہے، دور کو نزدیک کرتا ہے، غیروں کو اپنا بناتا ہے، اور جن کی پرچھائیں بھی پڑنا گوارا نہ تھی، ان کو ایسا

قریب اور عزیز بنا دیا جاتا ہے، ان کے بغیر زندگی کا صحیح تصور بھی نہیں ہوسکتا، وہ ایک دوسرے کے رفیق حیات اور ذمہ دار بن جاتے ہیں، شوہر اور بیوی کا تعلق ایسی محبت واعتماد کا تعلق ہے کہ بعض اوقات وہ والدین کے تعلق سے بھی بڑھ جاتا ہے، جو بے تکلفی، جو اعتماد، جو الفت جو سادگی، جو فطریت ان کے درمیان ہوتی ہے، کسی اور رشتہ میں اس کا تصور نہیں کیا جا سکتا، یہ سب اللہ کے نام کا کرشمہ ہے، خدا کا نام بیچ میں آتا ہے تو ایک نئی دنیا وجود میں آجاتی ہے، کل تک جو غیر تھا، یا غیر تھی، وہ اپنوں سے بھی زیادہ بڑھ کر اپنا بن جاتا ہے، ایک مسلمان مرد، ایک مسلمان عورت، ایک دوسرے کے ساتھ بے تکلف نہیں ہو سکتے، ایک دوسرے کے ساتھ بعض اوقات سفر بھی نہیں کر سکتے، ایک دوسرے کے لئے نامحرم ہیں لیکن جب خدا کا نام بیچ میں آجاتا ہے تو ایک مقدس رشتہ قائم ہو جاتا ہے۔

یہ ایک قرآنی معجزہ ہے کہ ''نسآء لون بہ'' کہہ کر معاشرہ انسانی کا باہمی ارتباط، پیوستگی وابستگی اور ہر ایک کا ایک دوسرے کے ساتھ جڑا ہونا ایسا بیان کر دیا کہ کوئی بڑے سے بڑا منشور اور بڑے بڑے چارٹر بھی اس کو بیان نہیں کر سکتا، فلسفہ اجتماع وعمرانیات (سوشیالوجی) کی بڑی ضخیم کتاب بھی اس کو نہیں بیان کر سکتی۔

پھر یہ فرمایا کہ جس کا نام بیچ میں لاکر حرام کو حلال کرتے ہو، ناجائز کو جائز کرتے ہو اور اپنی زندگی میں انقلاب عظیم لاتے ہو، اس پاک اور برے نام کی لاج بھی رکھنی چاہئے، زوجین کے گہرے اور محکم تعلق کو قرآن مجید نے ایک دوسرے انداز میں بھی بیان کیا ہے، فرمایا ''ھن لباس لکم و انتم لباس لھن'' (تم ایک دوسرے کا لباس بن جاتے ہو) یہ بھی قرآن مجید کا ایک معجزہ ہے، کہ اسکے لئے ''لباس'' کا لفظ استعمال کیا، جو ستر پوشی اور زینت زندگی کی اہم ضرورت ہے، ''لباس'' کے لفظ میں وہ سب کچھ آ گیا جو زوجین کے باہمی تعلق واعتماد کے متعلق زیادہ سے زیادہ کہا جا سکتا ہے، تم ان کے لئے لباس ہو اور وہ تمہارے لئے لباس ہیں، لباس کے بغیر جس طرح انسان حیوانیت سے قریب تر نظر آتا ہے، ایک صحرائی مخلوق نظر آتا ہے۔ ویسے ہی ازدواجی زندگی کے بغیر انسانی غیر متمدن نظر آتا ہے، اس کو غیر متمدن اور غیر مہذب سمجھنا چاہئے۔

رشتوں کے توڑنے سے زندگی پر برے اثرات

الحمد للہ و کفیٰ وسلام علیٰ عبادہ الذین اصطفیٰ۔

ہماری موجودہ حالت

اس وقت مسلمانوں میں زوال وادبار کی جو کھلی ہوئی علامتیں اور بے برکتی، نحوست، فضیحت ورسوائی، بدنامی، جگ ہنسائی کے جو قومی اسباب، پائے جاتے ہیں، ان میں تعلقات کی کشیدگی، قطع رحمی اور اس سے آگے بڑھ کر ناچاقی، عداوت ایک دوسرے کی عزت کے درپے ہونا اس کو خاک میں ملانے کی کوششیں کرنا، اور اس کے نتیجہ میں مقدمہ بازی، مال اور وقت کی بربادی اور نہ ختم ہونے والی پریشانیاں ہیں، سینکڑوں بلکہ ہزاروں خاندان ہیں، جن میں زمین وجائیداد کے سلسلہ میں اور کبھی بعض افسوسناک واقعات کے نتیجہ میں سخت درجہ کی ناچاقی وکشیدگی دیکھنے میں آتی ہے، خاندان دو حصوں میں بٹ جاتا ہے، بعض اوقات صرف غمی کے موقع پر برسوں کے بچھڑے ہوئے ملتے ہیں اور بعض اوقات اس کی بھی توفیق نہیں ہوئی سالہا سال تک اور نسل درنسل اس کا سلسلہ جاری رہتا ہے اور دل ودماغ کی بہترین صلاحیتیں اور توانائیں دوسروں (اور وہ غیر نہیں خونی اور شتہ کے بھائیوں) کو نیچا دکھانے اور ان کے گھر کی اینٹ سے اینٹ بجوانے میں صرف ہوتی ہے، کسی بھائی کی سبکی اور ناکامی پر ایسی خوشی منائی جاتی ہے، جیسے کبھی (دوَر اقبال میں) کسی قلعہ کی فتح اور کسی نئی سلطنت کے حصول پر منائی جاتی تھی، جو لوگ اسی پستی سے کچھ بلند ہیں اور اتنے گئے گزرے نہیں اور ان کو کچھ دینی تعلیم یا نیک صحبت حاصل ہے، اور وہ اچھے دیندار نظر آتے ہیں، وہ بھی صلح رحمی کے مفہوم سے ناآشنا، اس کے فضائل سے بے خبر، قرآن وحدیث میں اس کا جو درجہ ہے اس سے یکسر غافل اور دولت بے بہا اور اس سنت جلیلہ سے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو نہایت محبوب اور عزیز تھی اور جس کا رنگ سیرت نبویؐ میں بہت نمایاں اور غالب ہے، بالکل محروم ہیں، بزرگوں کی دوستی کا نباہ پرانے تعلقات کی پاسداری والدین کے دوستوں کے ساتھ سلوک اور اس کو والدین ہی کی محبت

وخدمت کا لازمہ سمجھنا چھوٹوں کے ساتھ الفت، بڑوں کا ادب تو بہت دور کی باتیں ہیں، ضابطہ تعلق اور قانونی فرائض بھی ادا نہیں ہوتے۔

اس کا نتیجہ ہے کہ خاندان اور محلے اور پھر گھر، جنت کے بجائے جہنم کا نمونہ اور دار الامن وار السلام ہونے کے بجائے دار الحرب بنے ہوئے ہیں، زندگی کا لطف اور اجتماعی زندگی بلکہ اسلامی زندگی کی بھی کوئی برکت نظر نہیں آتی پھر اس کے نتیجہ میں غیبی طور پر اللہ اور اس پر رسول کی صحیح ہے اور وعدوں کے مطابق جو سزائیں مل رہی ہیں اور جو برکتیں سلب کی جا رہی ہیں، ان کے سمجھنے کیلئے نہ شریعت اور قرآن وحدیث کا ضروری علم ہے، نہ طبیعتوں میں انصاف، نہ وقت میں گنجائش، حالانکہ قرآن وحدیث میں کھول کھول کر نا اتفاقی، قطع رحمی، بغض، کینہ اور انتقامی جذبہ وکارروائی کے انفرادی واجتماعی نتائج بیان کر دیئے گئے ہیں اور اس کے مقابلہ میں صلہ رحمی اصلاح، ذات البین کی کوشش، عفو ودرگذر، ایثار وقربانی، حق پر ہوتے ہوئے بھی دب جانے اور طرح دیئے جانے، قطع رحمی کرنے والوں کے ساتھ، صلۂ رحمی، تکلیف پہونچانے والوں کو راحت کے ساتھ بیان کیا گیا ہے۔ اس زمانہ میں دین کے بہت سے شعبوں میں بہت کام ہوا ہے، عبادات وفضائل اعمال پر ایک کتب خانہ کا کتب خانہ تیار ہو گیا ہے، مسائل احکام پر بھی بڑی بڑی کتابیں تیار ہوگئی ہیں اور کچھ عرصہ سے سیاست واجتماعیات پر بھی بڑی توجہ کی گئی ہے، اور اس کے ایک ایک پہلو کو روشن ونمایاں کیا گیا ہے، ان کوششوں کے اثرات مسلمانوں کی زندگی میں نظر آتے ہیں، اور انھوں نے دین کے ان شعبوں میں کچھ ترقی بھی کی ہے، لیکن جہاں تک بندہ سطور کی معلومات کا تعلق ہے، تعلقات کی استواری، صلہ رحمی اور اصلاح ذات البین کے موضوع پر بہت کم کام ہوا ہے اور خاص طور پر آسان اردو اور عام فہم طریقہ پر روزمرہ کی زندگی کے مطالعہ اور اقعات کی روشنی میں بہت کم مضامین ورسائل اور کتابیں لکھی گئی ہیں اور اس سلسلہ میں ہمارے معاشرہ میں کچھ بہتری کے آثار بھی نظر نہیں آتے۔

قوت، مرأۃ اور فکر ودل سوزی کی ضرورت

حالانکہ آپس کے اختلافات وافتراق، قطع رحمی، برادر کشی اور نزاع باہمی کا مرض وہ عام وبا ہے، جس کی مشکل سے کوئی شہر، قصبہ، چھوٹا سا گاؤں اور حد یہ ہے کہ مشکل سے کوئی محلّہ اور خاندان محفوظ رہا ہوگا، اور اس سے مسلمانوں کو اجتماع زندگی اس پر بری طرح متاثر ہو رہی ہے،

کہ نہ دینی جدوجہد پوری طرح مفید ہورہی ہے اور نہ سیاسی اتحاد و تنظیم کی کوششیں بارآور ہورہی ہیں، ضرورت ہے کہ اس شعبہ کی طرف پوری توجہ کی جائیں کہ اس کے بغیر زندگی کی چول صحیح طور پر نہیں بیٹھتی اور عبادت جو تعلق باللہ میں بھی قوت وقبولیت نہیں پیدا ہوتی، یہ مرض جتنا عام اور شدید ہے اتنا ہی اس کے ازالہ کے لئے قوت، جرأت اور فکر و دلسوزی کی ضرورت ہے۔

نوارا تلخ تر میزن ، چو ذون نغمہ کم یابی
حدی را تیز تر می خوان، چو محمل را گراں بینی

سود وزیاں کی میزان

یہ تقریر ٦ نومبر ٦٧ء کو "نادی الوحدۃ الریاضی" مکہ مکرمہ (سعودی عرب) میں کی گئی، اس وقت جون ٦٧ء کی جنگ کو صرف پانچ ماہ کی مدت گذری تھی، اور زخم تازہ تھا، اس جلسے میں مکہ کے برآوردہ حضرات، ادیبوں، صحافیوں اور کالجوں کے اساتذہ ماہرین تعلیم اور تعلیم یافتہ نوجوانوں کی بڑی تعداد شریک تھی۔

الحمدللہ و کفیٰ و سلام علیٰ عبادہ الذین اصطفیٰ . امابعد.

واقعیت پسندی، حقائق دوستی

میرے لئے بڑی سعادت اور مسرت کا موقع ہے کہ "نادی الوحدۃ الریاضی" میں آپ سے کچھ کہنے اور گفتگو کرنے کا موقع مل رہا ہے، اس لئے کہ ریاضت بدنی ہو یا فنی، اس کی بنیادی بہرحال واقعیت پسندی، حقائق دوستی اور عقل وتجربہ پر ہوتی ہے، وہ زندگی کے حقائق، ٹھوس واقعات اور مسلسل تجربوں پر شعر وخیال اور اوہام واحلام سے زیادہ یقین رکھتی ہے، میرا عقیدہ ہے کہ ایمان اور دین حق بھی ریاضت بلکہ ریاضتی نفسیات سے خطابیات وتخیلات کے مقابلہ میں زیادہ قریب اور ہم آہنگ ہے، اس لئے کہ حقیقت وصداقت اور زندگی کی واقعیت دونوں میں یکساں طور پر پائی جاتی ہے، خصوصیت کے ساتھ اس وقت ہم مسلمانوں کو واقعیت پسندی کی زیادہ ضرورت ہے۔

پہلی بات تو یہ کہ اگر ہم اپنے کو مسلمان کہتے ہیں تو ہمیں حقیقی معنی میں مسلمان ہونا چاہئے محض صورت کے نہیں، حقیقت کے مسلمان، ان لوگوں کا معاملہ جو اس دین حق پر یقین رکھتے ہیں، ان لوگوں سے بالکل مختلف ہے، جو اس کے قائل تک نہیں، دین حق کے ماننے والوں کا پہلا فرض ہے کہ وہ اخلاق سے اس دین کے حلقہ بگوش ہو جائیں اور اس دین کی حقیقت کو مضبوطی سے تھام لیں، اس طرح اس راہ میں وہ جتنے اخلاق، صداقت اور جد وجہد کا ثبوت دیں گے، اتنا ہی خدا کے غیبی وعدے فتح وظفر کی صورت میں نظر آئیں گے، اور کامیابی کی راہیں

کھلتی چلی جائیں گی۔

قرآن کا مطالبہ

قرآن میں ہم دیکھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ یہود سے بار بار ایمان کامل اور اخلاص کا مطالبہ کرتا ہے، اور حقیقی دینداری کو میزان عدل اور معیار کامل ٹھہراتا ہے۔

قل یا اھل الکتاب لستم علی شئ حتیٰ تقیمو التوراۃ والا نجیل وما انزل الیکم من ربکم (مائدہ.٦٨)

صاف کہہ دو کہ "اے اہل کتاب، تم ہرگز کسی اصل پر نہیں ہو جب تک کہ توراۃ اور انجیل اور ان دوسری کتابوں کو قائم نہ کرو جو تمہارے رب کی طرف سے نازل کی گئی ہیں۔

ولو انھم اقاموا التوراۃ والا نجیل وما انزل الیھم من ربھم لا کلوا من فوقھم ومن تحت ارجلھم (مائدہ.٦٦)

کاش کہ انھوں نے توراۃ اور انجیل اور ان دوسری کتابوں کو قائم کیا ہوتا جو ان کے رب کی طرف سے ان کے پاس بھیجی گئیں تھیں ایسا کرتے تو ان کے لئے اوپر سے رزق برستا اور نیچے سے ابلتا۔

پھر ان کی بددینی پر سخت ترین انداز میں عتاب ہوا:

ان الذین اتخذوا العجل سینا لھم غضب من ربھم وذلۃ فی الحیواۃ الدنیا، وکذلک نجزی المفترین. (الاعراف.١٥٢)

جن لوگوں نے بچھڑے کو معبود بنایا وہ ضرور اپنے رب کے غضب میں گرفتار ہو کر رہیں گے، اور دنیا کی زندگی میں ذلیل ہوں گے، جھوٹ گڑھنے والوں کو ہم ایسی ہی سزا دیتے ہیں۔

اس حقیقت کے پیش نظر اگر ہم نے بھی دین سے انحراف کیا اور اس کے نام اور صرف صورت کے حامل رہے تو اللہ کی نصرت وحمایت کے ہرگز مستحق نہیں ہو سکتے۔

اس امت کی قسمت اس دین سے وابستہ ہے، وہ جس حد تک بھی اس دین پر قائم رہے گی، زندگی کے معرکوں میں اسی قدر کامیاب بھی رہے گی، اس لئے کہ اس امت کا معاملہ دوسری قوموں سے بالکل مختلف ہے۔

جب سے ہم نے اس دین کو قبول کیا اور اپنے کو مسلمان کہا اسی وقت سے ہمارا فرض ہو گیا

کہ ہم مسلمان بن کر رہیں اور اسلام میں پوری طرح داخل ہو جائیں اور اپنی باگیں اس کے سپرد کردیں، اپنے اندر مسلمانوں کے اخلاق واوصاف پیدا کریں۔

اسی دن سے ہم پر واجب ہو گیا کہ حقیقت اور روح کے اعتبار سے بھی مسلمان ہو جائیں، اس لئے کہ ہم ہر دن مشاہدہ کرتے ہیں کہ محض کسی چیز کی صورت اور اس کی شکل زیادہ دیر تک کام نہیں دے سکتی۔

اللہ تعالےٰ فرماتا ہے:۔

واذارایتهم تعجبک اجسامهم وان یقولوا تسمع لقولهم کانهم خشب مسندة یحسبون کل صیحة علیهم هم العدو فاحذ رهم، قاتلهم الله انیٰ یؤفکون (المنافقون. ۴)

اور جب تو دیکھے ان کو خوش لگیں تجھ کو ان کے ڈیل، اور اگر بات کہیں سنے تو ان کی بات کیسے ہیں، جیسے لکڑی لگادی دیوار سے، جو کوئی چیخے جائیں ہم ہی پر بلا آئی، وہی ہیں دشمن ان سے بچتا رہ، گردن مارے ان کی اللہ، کہاں سے پھرے جاتے ہیں (شاہ عبدالقادرؒ)

صورت اور حقیقت

ہماری موجودہ حالت یہ ہے کہ ہم اس دین کا اور اپنی اسلامیت کا دعوا کرتے ہیں، اور چاہتے ہیں کہ اللہ تعالےٰ ہمارے ساتھ مسلمانوں کا سا معاملہ کرے، وہ تمام نتائج اور وعدے ہمارے سامنے بھی موجود ہوں جن کا تذکرہ ہم نے اسلامی تاریخ میں پڑھا ہے، کیا ہم یہ بھولنے اور بھلانے کی کوشش کر رہے ہیں، کہ وہ نتیجے طبعی اسباب اور صحیح مقدمات کے تحت رونما ہوئے تھے، اور ہوتے رہیں گے، پانی اگر واقعی پانی ہے تو سیراب کرے گا، غذا اگر حقیقی غذا ہے تو وہ ضرور قوت پہونچائے گی اور دوا واقعی دوا ہوگی، تو شفا کی امید اس سے کی جائے گی، اور اگر واقعیت نہیں ہوئی تو سراب آب زلال کا کام نہیں دے سکتا، آگ کی تصویر سے ہم روشنی اور گرمی حاصل نہیں کر سکتے، .... یہی اشیاء کی فطرت اور کائنات کا نظام ہے..... ہمارا سب سے بڑا قصور یہی ہے کہ ہم نے صورتوں سے وہ چیزیں طلب کیں جنھیں صرف حقائق ہی دے سکتے ہیں، ہم نے اسماء، مظاہر، دعاوی، اور کلمات سے عظیم نتائج کی امید کی جو صرف حقائق کی پیداوار ہوتے ہیں، ہم یہاں سے اسلام کے نام اور اس کی صورت لے کر گئے، اپنی قوت کا غلط

اندازہ کر کے گئے، چنانچہ نتیجہ یہ ہوا کہ جب صورت و حقیقت کے درمیان کشمکش ہوئی تو ہمیں صورت نے بھرے میدان میں شکست کی ذلت سے دوچار کیا اور دنیا بھر کی نگاہوں میں ہم رسوا ہوئے، .... اگر ہم اسلام کو لے کر معرکہ آزما ہوتے تو صورت حال کچھ اور ہوتی اور ہماری عظیم تاریخ ایک بار پھر اپنے کو دہراتی، جس کی طرف سے دنیا مایوس ہو چکی ہے۔

مثل کلیم ہو اگر معرکہ آزما کوئی   اب بھی درخت طور سے آتی ہے بانگ لاتخف

حقیقت کی دائمی تاثیر

حقیقت ہزاروں سال پرانی ہو کر بھی نہیں بدلتی، جب دواؤں اور غذاؤں کی حقیقت نہیں بدلی، جب آگ نے لاکھوں کروڑوں سال گذرنے پر بھی جلانے کی خاصیت نہیں چھوڑی، اور جب کہ تمام کائناتی حقائق آج بھی ماضی کی طرح فعال ہیں، تو ہم کیسے مان لیں کہ صرف دین و ایمان اپنی قوت و اثر میں ان حقائق سے بڑھ گیا تھا، چنانچہ یہی آگ ایمان ابراہیمؑ کے آگے عافیت اور سلامتی بن گئی، یہ حقیر حقائق جو وقتی ضرورتوں کے لئے بنائے گئے ہیں، اگر اس ایمان کے آگے جھکتے ہیں، جو انسانیت کی آبرو ہے تو تعجب کیا ہے، ایمان اگر زندہ جاوید اور تازہ دم ہو تو یہ پہاڑ، یہ سمندر، یہ کائنات اس کے سامنے جھکیں گے اور ہزاروں سال کے آزمودہ قوانین فطرت بھی اپنے خواص واصل سے ہٹ جائیں گے۔

آج بھی ہو جو براہیم کا ایماں پیدا
آگ کر سکتی ہے انداز گلستاں پیدا

زندگی کی تعمیر نو اور ایمان

آپ کو مدائن کا واقعہ یاد ہوگا، جب حضرت سعد بن وقاصؓ نے حضرت سلمانؓ سے دجلہ کی ہولناکی دیکھ کر مشورہ چاہا کہ ہم کشتیوں کا انتظار کریں، یا خدا کا نام لے کر اس میں گھس پڑیں؟ حضرت سلمانؓ نے جواب دیا کہ ہمارا دین تازہ اور نئی زندگی سے بھرپور ہے، اور اللہ نے اس کو غالب کرنا طے کر لیا ہے، اور وہ زندگی کی تعمیر نو کرنا چاہتا ہے، ہمیں خیال بھی نہیں آسکتا کہ یہ دین کبھی شکست کھائے گا، اس عظیم دین کے آگے اس دریا کی کیا حقیقت ہے، یہ اس ایمانی عقل کا نمونہ ہے، جو مسلمانوں پر چھا چکی تھی، پھر حضرت سلمانؓ نے کہا کہ اگر اس اسلامی فوج

میں گناہگار نہ ہوں تو پھر بیڑا پار ہو کر رہے گا، اور اللہ ضرور مدد کرے گا، چنانچہ ہم آپ تاریخ میں پڑھتے ہیں کہ کس اطمینان و بےفکری سے اس لشکر نے دریا پار کیا، ایسا معلوم ہوتا تھا کہ جیسے خشکی پر چل رہے ہوں، چنانچہ تاریخ طبری کے الفاظ ہیں کہ جب ایرانیوں نے یہ منظر دیکھا تو بے اختیار پکار اٹھے کہ "دیو آمدند دیو آمدند"۔

یہی ایمان دراصل ایمان تھا، جو فطری قوانین پر بھی غالب آتا تھا اور جس کے آگے قلت وکثرت اور ضعف وقوت کا یہ فلسفہ ہیچ ہو جاتا جس پر ایمان لانے والے نقال اور کمزور لوگ ہیں، لیکن آج ہمارا ایمان کچھ اسی قسم کا ہو کر رہ گیا ہے۔

بندوق کی اصل طاقت اس کی گولی ہے، جو بندوق کارتوس سے خالی ہو، اس کی میدان جنگ میں کوئی قیمت نہیں، اس کے مقابلہ میں لکڑی زیادہ مفید ثابت ہو سکتی ہے، اس لئے اسے طرح طرح سے استعمال کیا جا سکتا ہے، لیکن بندوق تو صرف ایک ہی طریقہ سے استعمال ہو سکتی ہے، یہی حال مومن کا ہے، مومن نے جب ایمان اور اعتماد علی اللہ کھو دیا اور ان صفات سے عاری ہو گیا جن سے اسے دنیا میں امتیاز ملا تھا، تو اس کی کوئی حقیقت نہیں رہ گئی، آگ جب گرمی کھو دے تو پھر اس کی کیا قیمت، نمک جب اپنی نمکینی کھو دے تو کنکر پتھر اس سے کہیں قیمتی اور مفید ہیں، مسلمان اپنے ایمان ہی کی بدولت عظیم تھے اور اپنے دین ہی کے سبب حکمراں تھے، وہ ان حقائق پر ایمان کی وجہ سے ہی قوی تھے، جب کہ دوسرے منکر تھے۔

وترجون من الله مالا يرجون، وكان الله عليما حكيما (النساء ۱۰۴)

اور تم کو اللہ سے امید ہے جو ان کو نہیں اور اللہ سب جانتا ہے، اور حکمت والا ہے

جب مسلمان اللہ سے مایوس ہو گئے تو مادہ پرستوں کی پستی تک آ گئے، بلکہ ان دنیاداروں سے بھی پست ہو گئے، جو دنیا سے اپنی امیدیں باندھے رہتے ہیں۔

کامیابی اور ناکامی کی میزان

ہم میدان میں کاہلی اور سستی کی زندگی، مریض و ناتواں زندگی کو لے کر گئے تھے، جس کے مقابلہ میں ایک فعال، صاحب عزم وارادہ، اور جانباز قوم تھی، جس نے مقصد کی آگ میں خود کو جھونک دیا تھا، اس کے مقابلہ میں ہم کیسے کامیاب ہو سکتے تھے، اور کامیاب نہ ہوئے، تو پھر شکوہ کیسا؟ میں نے جیسا کہا ہے کہ ہمارے دشمن حقیقت پسندی صلاحیت، تیاری اتحاد ونظام

میں ہم سے فائق ہیں۔

مسلمان اپنے مخالف پر ایمان و اخلاق، زہد و استغنا، شوق شہادت اور ذوق آخرت اور موت فی سبیل اللہ کو زندگی پر ترجیح دینے کی وجہ سے غالب ہوتے تھے، جبکہ دشمن کی فوج حاکموں کے لئے لڑتی تھی، وہ میدان جنگ کی طرف زبردستی دھکیلے جاتے تھے، بہت مجبور ہو کر لڑائی پر آمادہ ہوتے اور ساتھ ہی ان حاکموں پر لعنت بھیجتے جاتے اور طبیعت پر بہت جبر کر کے لڑتے تھے۔

''شہادت ہے مطلوب و مقصود مومن''

مسلمان شرف شہادت کے لئے جان دیتے ہیں، تاکہ ثواب آخرت سے مالا مال ہوں، نتائج کے اعتبار سے ظاہر ہے کہ ان دو قوموں میں بڑا فرق ہے کہ ایک قوم تو موت کے ڈر سے جنگ سے پیچھا چھڑانا چاہتی ہے اور دوسری موت کو ہر جگہ ڈھونڈھتی پھرتی ہو۔

کامیابی کی صرف ایک ہی صورت ہے، وہ یہ کہ ہم واقعی مومن بن جائیں اور ایمان کی آتش رفتہ سے پھر اپنی جانوں کو پر سوز کریں جو باطل کے ہر خس و خاشاک کو جلا سکتی ہے، جب ایمانی حرارت اور زندگی کے شعلہ کی بازیافت ہم کریں گے، تاریخ اپنے آپ کو دہرائے گی، ہم نے ماضی میں اسلام کے ساتھ خلوص برتا اور اسلام ہماری رگ و پے میں سما گیا، جاہلیت کے ہر شعار سے ہم الگ ہوئے اسلام کی مشعل ہم نے ہاتھوں میں لی تو ہم دنیا کے سردار بن گئے، اور سارے عالم پر حکمراں رہے، اور ہمارا عقیدہ، تہذیب، ادب و اخلاق، علم و فن حیرت انگیز طور پر دنیا میں پھیل گیا جو کسی زبان و تہذیب کی تاریخ میں دیکھنے میں نہیں آیا، چنانچہ عربی زبان علم و ثقافت کی زبان بن گئی اور ہر ملک کے مسلمان باوجود نسلاً عجمی ہونے کے فکر و فلسفہ، علم و فن، بحث و نظر کے لئے اس زبان کا سہارا لینے لگے اور اس پر فخر کرنے لگے۔

اسلام کی جہانگیری

آپ ان عظیم علماء سے واقف ہیں، جو مختلف صدیوں میں عالم اسلامی میں اٹھے، یہ ابو علی فارسی، جار اللہ زمخشری، مجد الدین فیروز آبادی، سید مرتضیٰ زبیدی، بلگرامی کون تھے؟ یہ سب عجمی تھے، پھر کس چیز نے انھیں عربی پڑھنے اور سیکھنے پر مجبور کیا تھا؟ امام غزالیؒ نے اپنی محبوب کتاب''

احیاء علوم الدین'' پہلے عربی میں لکھی، اور پھر اسے اپنی مادری زبان فارسی میں منتقل کیا......... اور یہ اس کے باوجود کہ وہ ایرانی تھے، اور طوس کے رہنے والے تھے..... اور دوسرے مشاہیر عربیت کا شمار کون کر سکتا ہے، میں آپ سے علوم دینیہ کا ذکر نہیں کر رہا ہوں، اس لئے کہ دینی خدمات کے اسباب و محرکات تو ہمیشہ بہت طاقتور رہے، آپ شاید یہ سمجھیں کہ یہاں بھی وہی دینی جذبہ کام کر رہا ہوگا، حالانکہ یہاں تو خالص زبان و ادب کا ذکر ہے، جہاں کوئی مذہبی احساس کم ہوتا ہے، اور وہاں کوئی سیاسی وجغرافی محرک بھی نہیں ہوتا لیکن اس کے باوصف وہاں عربی کی فضلیت مسلم سمجھی جاتی ہے، اور اس کے باوجود کہ وہاں کے لوگوں کی عجمی زبانیں مادری زبانیں ہوتی ہیں، اور سب ادبی سرمایہ بھی رکھتی ہیں، لوگ عربی کے قائل نظر آتے ہیں، مثال کے طور پر ایک واقعہ کا ذکر کروں گا، کہ میں ۱۹۶۰ء میں کیرالا میں تھا، جو ہندوستانی تہذیب کا قدیم مرکز ہے، لیکن وہاں بعض اوقات مجھے عربی زبان کو رابطہ کی زبان بنانا پڑا، آخر کس چیز نے عربی کو یہ قبولیت عام بخشی کہ وہ مقامی زبانوں پر بھی فائق نظر آتی ہے؟ اس کا واحد جواب یہی ہوگا کہ دینی جذبات، دینی رجحان ہی یہاں اصل محرک تھے، قرآن وسنت اور اسلام ہی کا رشتہ اصل ہے، جس نے ایسے دور دراز علاقوں کو ایک دوسرے سے قریب کر رکھا ہے، اگر خدانخواستہ یہ رشتہ کٹ گیا، جیسا کہ قوم پرست چاہتے ہیں تو اس عظیم زبان سے ہمارا کوئی رابطہ نہیں رہ سکتا۔

مختلف ثقافتوں، قومیتوں اور جغرافیائی تقسیموں کے باوجود یہی دینی رشتہ ہے، جو عجم کو عرب سے باندھے ہوئے ہے، وہ عربیت کے اسی لئے قائل ہیں کہ اس سے ان کا دینی اور روحانی رشتہ ہے، یہی جذبہ ہے جس کی وجہ سے وہ عربی کو اپنی مادری زبان پر بھی ترجیح دیتے ہیں، اور اسے محنت سے سیکھتے ہیں۔

قوم پرستوں سے

میں قوم پرستوں سے کہتا ہوں کہ تم تجربہ کر کے دیکھ لو اور عربی کو اس کے دینی مقام سے الگ کر کے دیکھو کہ تم نے کیا کھویا کیا پایا؟ اور نفع ونقصان کا تناسب کیا رہا نتیجہ یہی ہوگا کہ تم دنیا سے کٹ کر رہ جاؤ گے، اور یہ عظیم عالم اسلامی جو ہر موقع پر تمہارے موقف کی حمایت کرتا ہے، حتی کہ تمہارے ساتھ مل کر اسرائیل سے ٹکر بھی لینا چاہتا ہے، تم سے قطع تعلق کر لے گا۔

آغاز اسلام میں عرب دنیا میں ایک جزیرہ کی حیثیت رکھتا تھا، عربی زبان، عربی نسب،

عربی تہذیب کے فضائل وخصائص سب موجود تھے، لیکن عرب جہاں تھے، وہیں رہے، اسلام جب آیا تو اس نے اس کے حدود میں اتنی وسعت پیدا کردی کہ وہ متمدن دنیا کے مقابلہ پر آگیا ہم جب اسلامی روح کو قدامت، رجعیت اور پسماندگی کہہ کر کچلتے ہیں، اور قومیت کا دم بھرتے ہیں تو ہمیں وہاں یہ بھی دیکھنا چاہئے کہ ہم نے کیا کھویا اور کیا پایا؟ کیونکہ دنیا ایک تجارتی منڈی ہے، جہاں سیاست وحکومت، معاملات وتجارت، جنگ وصلح ہر شے کو نفع ونقصان کی میزان میں تولا جاتا ہے۔ اور آمدنی وخرچ کا حساب لگایا جاتا ہے، معمولی تاجر بھی اپنے میزانیہ کا جائزہ لیتا رہتا ہے، اگر ایسا نہ ہو تو تمدن کی رونق اور اس کی گرم بازاری باقی نہ رہے۔ اس لئے عربوں کو بھی اپنی اس تجارت کا موازنہ کرنا چاہئے کہ قومیت، اشتراکیت اور ترقی پسندی کو لے کر اور اپنی روح وجذبات اور اسلامی رجحانات کو چھوڑ کر ہم نے کیا دیا اور کیا حاصل کیا۔

بہ بیں کہ از کہ شکستی وبا کی پیوستی؟

بلند وبانگ دعوے

ہم جنگ سے قبل یہ بلند بانگ دعوے سن رہے تھے کہ عظیم عرب انسان الف لیلہ کے افسانوی جن کی طرح بوتل سے نکل کر جس میں اس کو کسی حکمت نے بند کر دیا تھا دنیا کو اپنے حیرت انگیز کارناموں سے مسحور کر دے گا۔ لیکن ہم نے باوجود تلاش بسیار کے اس عظیم عبقری عرب کو نہیں دیکھا بلکہ اس کی جگہ یہ المیہ دیکھا کہ ذلیل وخوار بے حیثیت و بے وطن یہودی جو اپنی ذلت اور بزدلی کے لئے ضرب المثل تھا۔ اس عظیم عرب پر غالب آیا۔

یہ المیہ اسی وقت پیش آیا جب عرب دین سے معری اور معنوی اسلحہ سے خالی ہو گیا تھا لہٰذا وہ سب کچھ ہو کر رہا جس کا خواب میں خیال نہ تھا عربوں اور مسلمانوں کو اس شرمناک شکست و رسوائی کی روسیاہی ملی جسے سات سمندر بھی نہیں دھو سکتے۔

کیا پایا؟

غور کرنے کا مقام ہے کہ ہم نے اس لادینی قیادت اور اشتراکیت سے کیا فیض پایا زندگی تمام تر تجربات ہی پر قائم ہے اگر ہم تجربوں سے عبرت نہ حاصل کریں اور اپنی غلطیوں کی تلافی بھی نہ کریں اور اپنے دعووں اور تخیلات ہی پر جمے رہیں تو اس کا مطلب ہے کہ ہم زندگی کی

صلاحیت نہیں رہ گئی ہیں ہم نہ زندگی سے کچھ حاصل کر سکتے ہیں نہ مستقبل کی کچھ امید ہو سکتی ہے جب انسان کا اپنے تجربات سے عقیدہ اٹھ جائے اور ہمیشہ وہ اوہام وخیالات ہی کی دنیا میں رہنے لگے تو انسانی ترقی کا سرا میدان ہی ویران ہو جائے گا جیسا کہ میں نے کہا تھا کہ علوم ریاضی کی بنیاد بھی تجارب ہی پر ہے زمانہ جدید کی اکثر ترقیاں استقراء اور تلاش وتجسس ہی کی بدولت ہوئی ہیں اس لئے ایک جائزہ یہ بھی لینا چاہئے کہ اسلام سے بغاوت یا غفلت اختیار کر کے اور اس کی عظمت وصلاحیت سے انکار کر کے ہم نے چند سالوں میں کیا پایا؟

وسائل کی کمی نہیں

خدا کے فضل سے ہمارے محبوب عرب ممالک کے پاس قدرت کے تمام وسائل موجود ہیں، خوشحال زندگی کے جملہ لوازمات انہیں میسر ہیں اس کے ساتھ ہی حرب و دفاع اور نشر واشاعت کے بہترین ذرائع بھی انہیں حاصل ہیں اور ان کی اتنی فراوانی ہے جو دوسرے ملکوں میں کم دیکھنے میں آتی ہی اس لئے کہا جا سکتا ہے کہ فتح وظفر کے تمام مادی اسباب فراہم تھے۔ پھر موجودہ صورت حال کس کمی کا نتیجہ کہی جائے اور اسلام کا بنیادی سبب کسے قرار دیا جائے۔ جواب بہت آسان اور کھلا ہوا ہے وہ یہی کہ اسلام کے ساتھ اخلاص کا سرمایہ نہ تھا۔ اس شجاعت وبسالت کی کمی تھی، جسے صرف ایمان وعقیدہ ہی بخشتے ہیں اس یقین واعتماد کا فقدان تھا جو صرف خدا کی ذات سے تعلق رکھتا ہے۔

اسلامیت سے بیزاری

اس معنوی اور روحانی پہلو کے نقص کا یہ تو عالم تھا کہ بہت سے لیڈروں کو اسلام کا نام لیتے شرم آتی تھی۔ ان پر کلمہ حق کی گواہی اور اپنی اسلامیت کے اقرار سے بڑھ کر شاید کوئی شے ناگوار نہیں گزرتی تھی۔ اللہ پر اعتماد اور اسلام پر فخر کا تصور بھی نہیں تھا۔ ظاہر ہے کہ اس سے برا نتیجہ اور کیا ہوتا، پستی کی آخری حد جو ہو سکتی تھی ذلت کے ساتھ ہمیں وہاں تک آنا پڑا۔ ان تمام کھلی ہوئی ناکامیوں کے بعد یہ کیونکر جائز ہو سکتا ہے کہ ہم اسلام کی ہمنوائی چھوڑ کر اصنام کی خدائی میں پناہ ڈھونڈنے کا تصور کریں۔ ان بتوں کو تو ہم نے تراشا اور انہیں پوجا بھی۔ مگر نہ یہ سنگدل کچھ کام آئے اور نہ ”عرب انسان“ کا ”صنم اکبر“ ہی کوئی مدد کر سکا۔

تاریخی حقیقت

صحابہ کرامؓ بظاہر بہت ضعیف ونحیف تھے، غربت وجہالت کے مارے تھے۔ متمدن زندگی میں ان کا کوئی مقام نہ تھا نظریں انہیں حقارت سے دیکھتی تھیں کپڑوں میں پیوند لگے ہوئے، جوتے پھٹے ہوئے، ڈھالیں زنگ کھائی ہوئی تھیں لیکن اس کے باوجود حیرت انگیز کارنامے گرد راہ کی طرح ان کی ٹھوکر سے پیدا ہوتے تھے۔ کل آدھی صدی میں انہوں نے چار کھونٹ میں اسلام کا علم لہرایا۔ اور آدھی دنیا پر اسلامی حکومت کا سکہ رواں کردیا، دنیا کو ایک نیا طرز حکومت نئی زندگی اور نئی تہذیب دی اور دنیا کو تنگی سے وسعت وآفاقیت اور انسانی مذاہب کی چیرہ دستیوں سے اسلام کے عدل کی طرف اور انسانوں کی غلامی سے نکال کر ایک خدائے ذوالجلال کی بندگی کی جانب رواں کردیا۔

ہم جب بھی ان حقائق کو جھٹلائیں گے اور تجربات سے چشم پوشی کریں گے تو انسانیت پر ظلم کریں گے اور حیوانوں کے مقام سے بھی کچھ نیچے آرہیں گے۔ اس لئے کہ حیوان بھی بہرحال تجربات سے فائدہ اٹھاتے اور خطرات سے بچتے ہیں۔ پھر آخر ہم کیوں ناکردنی کو بار بار کئے جارہے ہیں حیوان کبھی اپنے دشمن کو نہیں بھولتا لیکن ہم ہیں کہ دھوکہ کھانے کیلئے بڑھے جارہے ہیں اور تباہی کو منت واصرار کے ساتھ دعوت دینے پر تلے ہوئے ہیں۔

شکست کے ذمہ دار

ہماری بدنصیبی ہے کہ جو لوگ اس شکست کے ذمہ دار ہیں وہ آج بھی ہماری عقلوں پر چھائے ہوئے ہیں اور ہمارے دل میں اب بھی ان کی پہلی سی عزت قائم ہے۔ اگر ہم میں ذرا بھی غیرت، حیا اور انسانیت ہوتی تو ہم ان سے ان مجرموں کا سا معاملہ کرتے جو قوموں کے قاتل ہوتے ہیں۔ اور ملکوں سے بے وفائی کرتے ہیں ان حالیہ مجرموں نے ہماری شخصیت، ہمارے شرف اور ہماری تاریخ پر پانی پھیرا ہے۔

اسلامی تاریخ کے سب سے بڑے مجرم

ان کا سب سے بڑا جرم یہی ہے کہ انہوں نے ہماری تاریخ پر دھبہ لگایا ہے ایسی تاریخ پر جس پر ہماری عظمت رفتہ کا مدار تھا جس سے ہم ہر موقع پر مدد لیتے تھے اسلامی شعور کی بیداری،

شعلہ ایمان کی تابکاری اور جرأت وعزیمت کے وفور میں اس کا بڑا حصہ ہوتا تھا یہی اسلامی عربی تاریخ تھی جس کا اہل علم فخر یہ حوالہ علم وفن کی ہر مجلس میں دیتے رہتے تھے یہ وہ عصائے موسی تھا جو ہر جگہ ہمارے کام آتا تھا ہم اپنے عجمی ماحول میں عباقرۂ اسلام اور نوابغ ایمان کی مثالیں دیتے تھے اور فخر یہ کہتے تھے کہ فاتح شام خالدؓ ہیں اور فاتح عجم سعد بن وقاصؓ ہیں اور یہ عقبہ بن نافعؓ ہیں یہ فاتح اندلس طارق بن زیادؒ اور یہ فاتح ہندوستان محمد بن قاسمؒ ہیں۔

اولئک آبائی فجئنی بمثلھم
اذا جمعتنا یا جریر المجامع

عظمت رفتہ کی پامالی

یہ وہ عظیم ہیرو تھے جو مٹھی بھر نہتے اور افلاس زدہ لوگوں کو لے کر نکلے اور ایک دنیا فتح کر ڈالی لیکن موجودہ پسپائی نے اسلامی تاریخ کے عظمت وجلال میں بہت سے رخنے ڈال دیئے لوگ اب اسے شک وشبہ کی نگاہ سے دیکھتے ہیں اور ہماری رہنمائی میں انہیں جھجک محسوس ہوتی ہے۔ اب وہ ہماری زندۂ جاوید تاریخ کو داستان پاستان اور قصۂ ماضی سمجھتے تھے۔ وہ یہ ماننے کو تیار نہیں کہ اقلیت بھی اکثریت پر غالب آسکتی ہے جب پورا عالم عرب اسرائیل کے مقابلہ پر آگیا تھا اور اسے کچل ڈالنے پر آمادہ تھا اس کی ہیبت ناک چیلنج سے رونگٹے کھڑے ہو گئے تھے لیکن خلاف توقع ہماری آنکھوں نے دیکھا کہ ذلیل وخوار یہودیوں کی جماعت ان تمام حکومتوں پر غالب آئی یہ ایک ایسا حادثہ اور المیہ تھا جس نے ناطقہ سے قوت گویائی چھین لی گردنیں شرم سے جھک گئیں اور کوئی تاویل ممکن نہیں رہی عالم اسلام کا یہ ایسا خسارہ تھا جس کی تلافی شاید کبھی نہ ہو، یہ ایسے عواقب چھوڑ گیا جو شاید کبھی دور نہ ہوسکیں۔

خیر جو ہوا سو ہوا اب سوچنا یہ ہے کہ اب کیا کرنا ہے کیا اب بھی ٹھنڈے دل سے یہ فیصلہ کرنے کا وقت نہیں آیا کہ جن لیڈروں نے ہمیں یہ دن دکھائے ہیں انہیں ہم نااہل قرار دے کر قیادت سے ہٹا دیں۔ اور صاف صاف کہہ دیں کہ وہی شکست کا سبب ہیں اور یہ سب ان کی غلط کار سیاست وپالیسی کا نتیجہ ہے ہمارا پہلا فرض ہے کہ ہم ان سے بیزاری وبرأت کا اظہار کریں اور اس عظیم خسارہ کا ان سے تاوان طلب کریں۔ اگر امت میں احساس وشعور ہوتا تو ان غلط کاروں کا سختی سے محاسبہ کرتی۔

اس شعور سے میری مراد وہ اسلامی شعور نہیں جو صحابہؓ میں تھا جس کے سبب وہ اشخاص کے نہیں حقائق کے تابع فرمان ہوتے تھے۔ وہ خلفاء اور امراء کا سختی سے محاسبہ کرتے تھے اور ہر سلطان جائر کے سامنے کلمہ حق کہنا فرض اولیں سمجھتے تھے میں یہ صرف سیاسی شعور کا مطالبہ کر رہا ہوں بلکہ اس مادی شعور سے اپیل کرتا ہوں جس کے تحت غیر مسلم انگریز اور فرانسیسی بھی اپنے لیڈروں سے باز پرس کرتے رہتے ہیں جب مسٹر ایڈن نے سویز کے معرکہ میں شکست کھائی اور انگریز قوم کی توہین ہوئی تو انگریزوں نے ان سے استعفیٰ طلب کر لیا اور کرسیٔ وزارت سے اتار کر گوشۂ گمنامی میں بھیج دیا۔

خوددار قوموں کا شعار

خوددار قوموں کا ہمیشہ سے یہی شعار رہا ہے کہ جب بھی کسی کے ہاتھوں انہیں اجتماعی رسوائی کا سامنا ہوا ہے انہوں نے شخصی عظمت کو جماعت پر قربان کر دیا ہے یہ انسان کی فطرت ہے آپ کے شہر میں رمی جمرات کی تاریخ یہی ہے کہ ہم اس سے نفرت کا اظہار کرتے ہیں جو اپنے دشمن ازلی سے ہے جو ہماری ناکامی کا سبب بنا تھا جس نے حضرت ابراہیمؑ کو بہکانا چاہا اور جواب بھی ہماری تاک میں ہے۔ عربوں کی غیرت وحمیت، ان کی خودداری اور عزت نفس ایک تاریخی حیثیت رکھتی ہے انہوں نے اپنے امراء، اپنے مشائخ اور اپنے علماء پر کھلی ہوئی تنقیدیں کیں ہیں انہیں کلمہ حق سے کوئی شے مانع نہیں ہوتی تھی لیکن آج ہم عرب نوجوانوں کو دیکھ رہے ہیں کہ وہ کس طرح ان ارباب اقتدار کی ہاں میں ہاں ملا رہے ہیں جن کی قیادت کے ثمرات ہمارے سامنے ہیں۔ عرب شاعر نے غلط نہیں کہا تھا کہ وہ ظلم کا بدلہ مغفرت اور برائی کا احسان سے دیتے ہیں گویا اللہ نے اپنے خوف کیلئے انہیں بنایا ہے۔

اسلام کی طرف بازگشت

ہمارا تجربہ تو یہ ہے کہ ہم جب بھی دین سے ہم خالی اسلام سے بیزار، اور روحانی افلاس کا شکار ہوئے ہیں ہم نے ہر چیز کھو دی ہے۔ اور ہمیں دین و دنیا دونوں سے ہاتھ دھونا پڑا ہے۔ یہ طویل تجربات ہمیں چونکا دینے اور ہوشیار کرنے کیلئے کافی ہیں لہٰذا ہمارا پہلا فرض یہی ہوتا ہے کہ اسلام کی طرف بازگشت کریں اور اس کی پناہ میں آ جائیں۔

اور یہ لوٹنا پورے عزم وثبات کے ساتھ، پورے اخلاص وصداقت کے ساتھ ہو، اس لئے کہ صداقت نے ہر موقع پر نجات دی ہے اور نفاق اور تذبذب نے کبھی کسی قوم کو فائدہ نہیں پہنچایا۔ تاریخ اس کی گواہ رہی ہے کہ ملت اسلامیہ کو جب بھی اس کے ایمانی مرکز اور اس کے دینی رجحان سے ہٹانے کی کوشش کی گئی ہے اس کا انجام ناکامی پر ہوا ہے۔ خواہ وہ مسیلمہ کذاب اور دوسرے خانہ ساز نبیوں کا فتنہ رہا ہو یا قرامطہ کی سازش خواہ باطنیوں اور فلاسفہ کا سیل الحاد رہا ہو یا موجودہ قومی تحریک جو ایک مستقل عقیدہ اور فلسفہ رکھتی ہے۔ سب کا انجام عبرتناک ہی ہوا اس کو اس کے سردار جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی دائمی امامت وقیادت یا دوسرے لفظوں میں اس کی عزت وقوت کے سرچشمہ اور فتح وظفر کے عنوان سے جب بھی ہٹانے کی کوشش ہوئی ہے وہ اپنی موت آپ مر رہی ہے۔

یہ زندہ شہادت یہ بتاتی ہے کہ اللہ کے سوا ملجا وماوی اور کوئی نہیں، دنیا میں اور کہیں کوئی جائے پناہ نہیں۔

ہیچ کنجے بے ددوبے دام نیست
جز بخلوت گاہ حق آرام نیست
(رومیؒ)

شکست کے بعد

شکست کے بعد آج ہماری وہی حالت ہے جو غزوۂ تبوک میں نہ جانے والے صحابہؓ کی ہوئی تھی۔ جس کی تصویر کشی قرآن نے کی ہے کہ ''زمین ان پر باوجود تمام وسعتوں کے تنگ ہوگئی اور ان کا جینا دوبھر ہو گیا۔ اور انہیں خیال ہوا کہ نجات اور پناہ خدا ہی کے پاس ہے۔ پھر اللہ نے ان کی توبہ قبول کی ''اللہ تواب ورحیم ہے'' (توبہ۔۱۱۹) آج ہم پر بھی زمین اسی طرح تنگ ہے آج سرزمین فلسطین جا کر دیکھئے کہ ہماری ذلت ونکبت کا کیا حال ہے۔ اور دنیا کی نگاہوں سے ہم کتنے گر گئے ہیں۔ ہم اس وقت صحیح احساس کر رہے ہیں کہ اللہ کے سوا کہیں پناہ نہیں، تمام راستے تاریک اور بند ہیں اس لئے ہمیں واقعہ کا اعتراف کرتے ہوئے کہنا چاہئے کہ ہم نے اسلام سے بغاوت کر کے کچھ نہ پایا ہمیں اب کہنا چاہئے کہ ہم اسلام کے دائرہ میں آتے ہیں اور اس

کی قوت کو آزمانا چاہتے ہیں جو ہماری مدد کو تیار کھڑا ہے جو ہمارا ہاتھ پکڑ کر ہمیں بلندی تک لے جانا چاہتا ہے۔

صاف گوئی اور تلخ نوائی

میں محسوس کرتا ہوں کہ میں نے اپنے ان عرب بھائیوں پر بہت سخت تنقید کی ہے جن سے مجھے محبت وعقیدت ہے۔ اور جن کی میں عزت کرتا ہوں اور اللہ نے جن کے مستقبل سے میرا مستقبل اور جن کی عزت وذلت سے میری عزت وذلت وابستہ کر رکھی ہے۔ میں نے یہ بات ہندوستان میں بارہا کہی ہے کہ عالم اسلام کا مستقبل عربوں کے مستقبل سے وابستہ ہے۔ عربوں کی ذلت وعزت اسلام کی ذلت وعزت ہے۔ یہ وہ قوم ہے جسے چھوڑ کر میں کسی قوم کو اپنا نہیں سکتا اور جس کی کتاب، جس کی زبان، جس کی تہذیب سے میں کسی قیمت پر دستبردار نہیں ہو سکتا۔ اسی پر میں جیتا رہا ہوں اور اسی پر مرنا چاہتا ہوں یہ صراحت اور یہ تلخی میں نے اس لئے اختیار کی ہے کہ میں بھی آپ کے انجام میں شریک ہوں اور جن حالات کا آپ شکار ہیں میں بھی انہیں میں اپنے آپ کو مبتلا پاتا ہوں لہٰذا پھر کہتا ہوں کہ محمدیؐ جھنڈے تلے جمع ہو جایئے، قومی وطنی یا اور کسی جھنڈے کے نیچے نہیں۔

اللہ نے آپ کے ذریعہ دنیا کو ان لعنتوں سے نجات دی تھی جاہلیت میں ہر قوم کے پاس تہذیب ومذہب تھا اور ان کے آداب ورسوم بھی تھے لیکن جب اسلام کا پیغام لے کر گئے تو آپ نے انہیں بچایا پھر خود آپ ادھر کیوں جا رہے ہیں؟

روشنی کی کرن

اے اہل عرب، اے اہل مکہ اور اے خادمان حرم آپ نے اپنے ہاتھوں سے اس مقدس گھر کو بنایا تھا کہ ہر گھر سے اونچا ہو جائے اور ہر صنم وہیکل سے بلند دکھائی دے۔ آپ کے لئے یہ کیسے جائز ہے کہ پھر ان ناقابل ذکر بتوں کا سہارا لیں یہیں سے عالمی انسانیت کی آواز اٹھی، جس نے امتیازات کے بتوں کو توڑ کر اور نسلی وطنی غلامی کے طوق وسلاسل کو کاٹ کر رکھ دیا جس نے تاریخ کا رخ پھیر دیا۔ جس نے حوادث کا منہ موڑ دیا۔ یہیں سے وہ روشنی کی کرن پھوٹی جو دنیا میں پھیل گئی اور جس نے انسانیت کے تن مردہ میں روح زندگی دوڑا دی۔

جاہلیت کا رجحان

ہمیں حیرت ہے کہ آپ کیسے اس جاہلیت کی طرف جارہے ہیں جسے ہر ہوشیار قوم نے چھوڑ دیا ہے، آج یورپ بھی قومیت کی تباہ کاریوں کے بعد اس سے تائب ہو گیا ہے۔ یورپ کا اگلا ہوا لقمہ اٹھاتے ہوئے میں آپ کو دیکھنا نہیں چاہتا، آپ وہی قوم ہیں جس نے دنیا کو اپنے خوان کرم پر صلائے عام دیا تھا۔ اور قومیں آپ کے دستر خوان پر مہمان ہوتی تھیں۔ جس کے لئے کہا گیا ہے کہ

اویم زمیں سفرۂ عام اوست
بریں خوان یغماں چہ دشمن چہ دوست

آپ کیلئے کیسے زیبا ہو سکتا ہے کہ آپ خود ہی دوسروں کے ہاں طفیلی بن کر جائیں اور ان کے پاس [illegible] پر قناعت کرلیں۔

ہمیں رسوا نہ کیجئے

اس ملک کے علاوہ ہمارے دوسرے عرب بھائیوں کے غلط موقف سے ہم عجیب کشمکش میں ہیں خصوصاً ہندو پاک تو عجیب گھٹن میں ہیں ان لوگوں کو جو قرآن کے سوا کوئی کتاب، شریعت کے علاوہ کوئی نظام اور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ماسوا کوئی امام و قائد نہیں جانتے انہیں یہ موقف بہت کھل رہا ہے میں آپ سے رحم کی اپیل کرتا ہوں کہ ہمیں اپنے ملکوں میں رسوا نہ کریں۔ آپ ہماری مدد نہیں کر سکتے تو ہمیں کمزور بھی مت بنایئے ہمارے اسلام پر اعتماد اپنی اسلامیت پر اطمینان اور تاریخ اسلامی پر فخر کرنے کے مواقع سے مت روکئے ہمارے اس پرانے یقین کو دھچکا نہ لگایئے کہ آپ نے قوموں کو جہالت کی بوجھل زنجیروں سے چھڑایا تھا۔

عرب زعماء سے عجمی مسلمانوں کی اپیل

اے اہل عرب اور اے مصری اور شامی زعماء ان مسلمانوں پر رحم کرو جو جاہلیت سے منہ موڑ کر اسلام و قرآن کو سب کچھ سمجھتے ہیں آپ نے انہیں مومن قوم بنایا تھا۔ اور شجر و حجر کی پرستش سے بچایا تھا۔ اور ایشیا و افریقہ کی قومیں آج بھی منتظر ہیں، بھوکی پیاسی انسانیت زبان حال سے ”أفیضو اعلینا من المآء اومما رزقکم الله“ کی صدا لگا رہی ہے۔ کہ محمدؐ کے خوان کرم

سے ہمیں بھی کچھ دو، اہل عجم سے تو آپ اس معاملہ میں پیچھے نہ رہیں آپ سے تو اس رسول ﷺ کا قومی، وطنی، لسانی اور تہذیبی بلکہ خون کا رشتہ بھی ہے، آپ ہم ہندوستانیوں کو دیکھیں کہ محمدؐ کے نام نامی پر ہمارے جذبات بے اختیار ہو جاتے ہیں۔ روح جھوم اٹھتی ہے اور آتش شوق تیز تر ہو جاتی ہے۔

ترکوں کے لئے یہ نام ایک ایسا سحر انگیز کیف رکھتا ہے جو دوسرے کسی لیڈر کے لئے نہیں پایا جاتا۔ محمدؐ کا نام لے کر ترکوں کو تم خرید سکتے ہو، انہیں غلام بنا سکتے ہو، اسلام کا نام لے کر تو دیکھو کہ کس طرح ہم ہندوستانی بھی سر اور آنکھوں کے بل ہر دور دراز مقام سے آج بھی آنے کو تیار ہیں، خدا کی قسم دنیا کی کسی تاریخ نے اس سے بڑھ کر قوت کا سرچشمہ نہیں دیکھا کل تک یورپ اس قوت سے تھرتھر کانپتا تھا، لیکن آج وہ خراٹے کی نیند سو رہا ہے۔

حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے الفاظ میں کہوں گا کہ **"المحیا محیاکم والممات مماتکم"** اگر یہ خدائی رابطہ نہ ہوتا تو ہماری تاریخ آپ کی تاریخ سے مختلف ہوتی۔ اسلام ہی کے رشتہ میں ہم دونوں بندھے ہوئے ہیں۔ وہی اسلام جہاں ہم دونوں عہد وفا نبھانا چاہتے ہیں، وہی اسلام جس کے لئے ہماری آرزو ہے کہ آپ از سر نو اس کی قیادت اور اس کے سہارے دنیا کی **امامت کا کار عظیم** سنبھالیں۔

مجھے امید ہے کہ آپ اس تلخ گوئی کو معاف کریں گے۔ اس لئے کہ یہ صرف اخلاص کا نتیجہ ہے۔

چمن میں تلخ نوائی مری گوارا کر
کہ زہر بھی کبھی کرتا ہے کار تریاقی

زندہ رہنا ہے تو...... میر کارواں بن کر رہو

انگریزی استبداد نے جب برصغیر میں اپنے ناپاک عزائم سے اسلامی راہیں مسدود کردیں اور مسلمانوں کا جینا محال کردیا، ایسے حالات میں سرزمین ہند میں دارالعلوم دیوبند کا قیام بلاشبہ مسلمانان ہند کیلئے امید کی کرن تھی، یہ شعلہ جوالہ ملت اسلامیہ کے لئے روشنی کا مینار ثابت ہوئی، دارالعلوم دیوبند کی دینی وملی خدمات سنہری حروف سے لکھنے کے قابل ہے۔

ان ہی خدمات کو اجاگر کرنے کیلئے مورخہ ۲۳/۲۲/۲۱ مارچ ۱۹۸۰ء کو دیوبند (ہندوستان) صد سالہ اجلاس منعقد ہوا، جسمیں دنیا کے کونے کونے سے فضلاء دارالعلوم، متوسلین اور مشاہیر شریک ہوئے، اس بابرکت جلسہ میں عالم اسلام کے ممتاز شہرۂ آفاق عالم، دینی وروحانی ہستی علامہ سید ابوالحسن علی ندویؒ بھی جلوہ افروز تھے، حضرتؒ نے اس جلسہ سے مخاطب ہوکر فرمایا تھا

ع زندہ رہنا ہے تو میر کارواں بن کر رہو۔

الحمد للہ نحمدہ ونستعینہ ونستغفرہ ونعوذباللہ من شرور انفسنا ومن سیئات اعمالنا من یھد اللہ فلا مضل لہ ومن یضللہ فلا ھادی لہ ونشھد ان لا الہ الا اللہ ونشھد ان محمد اعبدہ ورسولہ الذی ارسلہ اللہ تعالی بالحق بشیرا ونذیرا وداعیا الی اللہ باذنہ وسراجامنیرا. اما بعد. فاعوذ باللہ من الشیطان الرجیم بسم اللہ الرحمن الرحیم. واذکروآ اذ انتم قلیل مستضعفون فی الارض تخافون ان یتخطفکم الناس فاواکم وایدکم بنصرہ ورزقکم من الطیبت لعلکم تشکرون.

میرے بھائیو اور عزیز دوستو: میں نے آپ کے سامنے سورہ انفال کی یہ آیت پڑھی جو فوری طور پر میرے ذہن میں آئی، کسی غیبی طاقت نے میری کان میں کہا، اس عظیم مجمع کو دیکھو جو لاکھوں کی تعداد میں تمہارے سامنے ہے، اس غیر معمولی تعداد کا تصور پہلی صدی ہجری میں بڑے سے بڑا جنگ جو، غیر معمولی دور میں، حوصلہ مندی، صاحب فراست اور بڑے سے بڑا

ایسے قصبے میں، جو جزیرۃ العرب سے سات سمندر پار ہے اور جو زبان، تہذیب، قانون، قومیت اور نسل ومذہب، کسی بھی رشتہ سے جزیرۃ العرب سے منسلک نہیں مسلمانوں کی اتنی بڑی تعداد جمع ہو سکے گی، قرآن مجید کی اس آیت پر دوبارہ غور کیجئے اور پہلی صدی ہجری کے ان حالات کو یاد کیجئے جو مسلمانوں کے ساتھ مدینہ طیبہ میں پیش آئے تھے۔

قرآن مجید مسلمانوں کو مخاطب کرکے (جن کی تعداد اس وقت چند ہزار سے زیادہ نہ تھی) کہتا ہے: ”جب تم تھوڑے تھے، زمین میں کمزور سمجھے جاتے تھے، ہر وقت ڈرتے تھے کہ تم کو کوئی جھپٹا مار کے اچک نہ لے جائے یہاں پر قرآن مجید نے تخطف کا لفظ استعمال کیا ہے، جس کے معنی جھپٹا مارنا اور اڑا کر لے جانا ہیں) حالت یہ تھی کہ تم لقمہ تر تھے، دنیا کی بڑی سے بڑی طاقت کو چھوڑیئے کہ حجاز بلکہ صرف قریش کا قبیلہ ہمیشہ کیلئے اس چراغ کو گل کرنے کیلئے کافی ہوتا قرآن مجید کے اندر مندرجہ ذیل آیت میں پھونک مار کر بجھانے کی تعبیر استعمال کی گئی ہے۔

”یریدون لیطفو اتور اللہ بافواھھم“۔

یہ صرف ادبی لفظ نہیں ہے، اس کے سارے الفاظ معجز ہیں، اس لفظ میں ایک سچی اور صحیح تصویر ہے، حالت یہ تھی کہ مسلمانوں کی زندگی کا چراغ اور اسلام کے چراغ کو ہر وقت گل کیا جا سکتا تھا، اس کے بجھانے کیلئے کسی پنکھے کی ضرورت نہیں تھی بلکہ وہ منہ کی پھونک سے بجھایا جا سکتا تھا، اللہ تعالیٰ نے دو تین جگہ قرآن میں یہ الفاظ استعمال کئے ہیں اور ان کے ذریعہ مسلمانوں کے حالات کی صحیح اور سچی تصویر پیش کی گئی ہے۔

اس کے بعد اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

”فاواکم وایدکم بنصرہ ورزقکم من الطیبت لعلکم تشکرون“

اور تم کو پناہ دی اور تم کو نصرت خداوندی اور آسمانی مدد کے ذریعہ تمہاری تائید کی اور صرف یہی نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ نے حلال و پاک چیزوں میں سے تم کو عطا فرمایا تا کہ تم شکر ادا کرو، طیبات کا لفظ عام ہے، سلطنت سے لے کر مطلق العنان وبااختیار سلطنت تک اور سلطنت کے دنوں میں جو عزت ہوتی ہے، جو اعزاز و اختیارات حاصل ہوتے ہیں، جو قانون سازی کی طاقت، آزادی وخودمختاری اور بلندی وبرتری حاصل ہوتی، یہ سب طیبات میں آتا ہے۔

”ورزقکم من الطیبت لعلکم تشکرون“

کہ شاید تم شکر کرو، اور تمہارے اندر شکر کا جذبہ پیدا ہو۔

آج میں انسانوں کا جنگل دیکھ رہا ہوں اور اس وقت کو یاد کر رہا ہوں، جب چند ہزار مسلمانوں کے متعلق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر یہ آیت نازل ہوئی تھی اور اللہ تعالیٰ نے یہ احسان جتایا تھا، لیکن آج ہماری کیا حالت ہوگئی ہے؟ اللہ تعالیٰ نے محض اپنے فضل وکرم سے ایک قصبہ میں دین کے خادموں کی ایک آواز پر دنیا کے دور دراز گوشوں سے کتنے انسانوں کو جمع کر دیا ہے، ہر مسلک کے لوگ یہاں اس طرح جمع ہو گئے ہیں، اگر بے ادبی نہ ہو تو بلا تشبیہ میدان عرفات کا نقشہ یہاں دکھائی دے رہا ہے، جو طاقت مسلمانوں کو میدان عرفات میں جمع کرتی ہے، وہی طاقت اور سنت ابراہیمی کی وہی کشش ہے، جس نے آج اس قصبہ میں لاکھوں مسلمانوں کو یکجا کر دیا ہے۔

"واذن فی الناس بالحج یاتوک رجالا وعلی کل ضامر یاتین من کل فج عمیق"

تیسری سپہ انس وجن تو ہے امیر جنود

مکہ مکرمہ میں اگر مسلمان جمع ہوتے ہیں تو سنت ابراہیمی اور سنت محمدی کی وجہ سے، مدرسہ میں اگر مسلمان جمع ہوتے ہیں تو اس میں بھی سنت ابراہیمی اور سنت محمدی کی کشش کو دخل ہے اور آج بھی اس آواز میں وہ غیر معمولی طاقت اور کشش ہے، جس کو اگر مسلمان سمجھ لیں تو دنیا کی کسی بڑی سے بڑی حکومت میں وہ اثر اور طاقت نہیں جو اب بھی ایمان کی آواز میں ہے، اقوام متحدہ سو بار جئے، سو بار مرے، امریکا اور روس جیسی بڑی بڑی طاقتیں مر مر کے زندہ ہوں، پھر بھی ان کی آواز میں وہ طاقت وتاثیر نہیں، جو اسلام کی آواز میں ہے، جس طرح مقناطیس لوہے کے ٹکڑوں کو اپنی طرف کھینچتا ہے، اسی طرح آج بھی اس آواز میں وہ کشش توانائی اور مسیحائی ہے جو دنیا کی کسی چیز میں نہیں ہے، ہمیں اور آپ کو یہ سمجھنا چاہئے کہ وہ کیا چیز تھی جس نے قلیل تعداد کو کثیر تعداد پر غالب کر دیا۔

میں نے عربوں کو خطاب کرتے ہوئے کہا تھا کہ اللہ تعالیٰ نے تم کو لاشئی سے کل شئی بنا دیا، اور میں آپ سے ایک بار نہیں چار بار کہتا ہوں کہ آپ کچھ نہ تھے، سب کچھ اللہ تعالیٰ نے آپ کو اسلام کے طفیل عطا کر دیا۔

ذرا سوچیے تو سہی:

آپ ہندوستان میں کس کس چیز کی پرستش کر رہے تھے؟ شجر و حجر سے لے کر ہر چیز آپ کے لئے معبود و مسجود بننے کے لائق تھی، پستیوں، ذلتوں، جہالتوں اور شقاوتوں کے اس بحر ظلمات سے آپ کو کس نے نکالا ہے؟ یہ وہی انبیاء کرام کی دعوت تھی جو آخری طور پر قیامت تک کے لئے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ سے اس دنیا کو پہونچی، اگر عربوں پر یہ احسان ایک مرتبہ ہے تو آپ پر اللہ تعالیٰ کا یہ احسان سو بار ہے۔

میں عربوں سے بار بار خطاب کرتا ہوں اور ان کا گریبان پکڑ کر جھنجھوڑتا ہوں، یہ انکا عالی ظرفی اور کریم النفسی ہے کہ میں نے ان کو جھنجھوڑا تو جھک گئے اور جب بھی میں نے ان کا پکارا تو انھوں نے آواز دی اور جب بھی ان کا ایک محتسب کی طرح احتساب کیا، انھوں نے اس کو برداشت کیا، حالانکہ مجھے اس کا کوئی حق نہ تھا، میں تو ایک میخوار ہوں، اب میں آپ سے کہوں کا اور سو بار کہوں گا کہ خود کو یاد کریں کہ آپ کہاں تھے اور اللہ تعالیٰ نے آپ کو کہاں پہونچا دیا۔

میرے دوستو اور بزرگو: آپ اپنی حقیقی عظمت کے راز کو سمجھئے کہ دنیا میں اب تک ہزاروں طوفان، آندھی اور سیلاب کے باوجود آپ اب تک کیوں باقی ہیں؟ ایک ہندوستان ہی کی تاریخ کو دیکھ لیجئے، یہ زمین جس کو حالی نے اکال الارض اور ہندوستانی تہذیب و مزاج کو اکال الامم سے تعبیر کیا ہے، یعنی جو قوم یہاں آئی وہ تحلیل ہو گئی اور اس نے اپنی قومی خصوصیات و امتیازات کو کھو دیا، اور ''ہر کہ در کان نمک رفت نمک شد'' کا منظر سامنے آتا رہا، اس میں نہ تو آریائی نسلیں باقی ہیں، نہ دوسری قومیں، جو بھی یہاں آیا وہ اس کے رنگ میں رنگ گیا، لیکن وہ کیا چیز تھی جس نے اپنے آپ کو اپنے تشخص کے ساتھ باقی رکھا ہے؟ وہ ہے عقیدہ توحید اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دامن سے وابستگی، اللہ کی عظمت کا اقرار اور اس کے سامنے ساری طاقتوں کا انکار اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات گرامی کی محبت کا طوق اپنے گلے میں ڈالنا۔

یہ تھے وہ اسباب جن کی بنا پر ہم اس قابل ہوئے کہ اس منظر کو دیکھ سکیں، ہم ان عربوں کو اس لئے جمع کرتے ہیں کہ ان سے ملیں اور ان سے کہیں کہ اے ہمارے مرشدو، اے ہمارے استادو، تم نے ہم کو جو سبق پڑھایا تھا اور جو مبلغ ہندوستان بھیجے تھے ہم ثابت کرتے ہیں کہ ہم یہاں ہیں اور ہم کندہ، ناتراش نہیں ثابت ہوئے محمد بن قاسم الثقفی اور دوسرے بزرگان دین

(خواہ براہ راست عرب سے آئے یا دوسرے ملکوں سے ہوکر) جو سبق لے کر آئے تھے وہ سبق ہم نے یاد رکھا اور ہم نے آپ کو اسی لئے بلایا ہے کہ ہم اپنا سبق سنائیں اور یہ زبان حال سے سن رہے ہیں اور حیرت زدہ ہیں کہ اس ہندوستان میں اتنے غیور مسلمان، شمع اسلام کے اتنے پرانے اسلام کی شمع کو اسطرح جلا سکتے ہیں اور علم کی شمع پر اتنے پروانے جمع ہو سکتے ہیں، ہم نے ان عربوں کو دارالعلوم کی تاریخ سننے اور اس کے کارناموں کی عظمت سے باخبر کرنے کیلئے جمع نہیں کیا ہے بلکہ ہم انھیں کے مشہور شاعر ابوفراس ہمدانی کا وہ شعر سنانا چاہتے ہیں، جس میں اس نے کہا تھا۔

صنائع فاق صانعها فضاقت
وغرس طاب غارسه فطابا
وكنا كالسهام اذا اصابت
مراميها فراميها اصابا

(کارنامے جن کو بنانے والے بڑے بلند و عالی مرتبہ تھے، وہ بڑے روشن ہیں، وہ پودا جس کا لگانے والا بڑا کریم، بڑا شریف، بڑا عالی استعداد تھا، وہ پودا خوب کامیاب نکلا اور خوب برگ و بار لایا۔

ہم تو تیر تھے، جب تیر انداز نے کمان میں جوڑ کر ان تیروں کو چلایا تو وہ اپنے نشانے پر بیٹھے، تو تیروں کی تعریف ہے اور تیر انداز کی بھی تعریف ہے)۔

حضرات: میں آپ سے کہنا چاہتا ہوں کہ آپ اپنی عظمت اور تشخصات کے ساتھ اس ملک میں باقی رہنے، ہم مسلمان ہیں، ہم کو اس کا اقرار ہے ہم اس ملک میں پورے اسلامی امتیازات اور مکمل اسلامی تشخصات کے ساتھ باقی رہیں گے، ہمارا فیصلہ ہے۔

بزرگو اور دوستو: ہجرت کا فلسفہ کیا ہے، ہجرت کا شرعی حکم کیوں ہے؟ اسی لئے کہ جس زمین پر احکام اسلام پر عمل نہ ہو سکے اس سرزمین کو چھوڑ دینا فرض ہے، ہم اس ملک میں اس حالت میں نہیں رہ سکتے کہ ہم اپنے تمام تشخصات و امتیازات سے دست بردار ہو جائیں اور اپنے مابہ الامتیاز عقائد کو چھوڑ دیں، اپنے عقیدہ توحید و رسالت، ایمان بالآخرۃ سے دست کش ہو جائیں اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت و عقیدت اور آپ کی سنت پر چلنے کے جذبہ سے

ہم خالی اور عاری ہو جائیں۔

ہم صاف اعلان کرتے ہیں، اور ہم چاہتے ہیں کہ آپ بھی اعلان کریں کہ ہم ایسے جانوروں کی زندگی گزارنے پر راضی نہیں جن کو صرف راتب چاہئے اور ان کو SELF SECURITY چاہئے کہ ان کو مائی مارے نہیں، ہزار بار ایسی زندگی گزارنے اور ایسی حیثیت قبول کرنے سے انکار کرتے ہیں، ہم اس سرزمین پر اپنی اذانوں اور نمازوں کے ساتھ ہیں گے بلکہ ہم تراویح اور اشراق وتہجد تک چھوڑنے کیلئے تیار نہیں ہوں گے، ہم ایک ایک سنت کو سینے سے لگا کر رہیں گے اور رسول اکرم کی سیرت کو سامنے رکھ کر کسی ایک نقش بلکہ کسی نقطہ سے بھی دست بردار ہونے کیلئے تیار نہیں۔

لیکن۔ عزیزو اور دوستو: اس وقت جبکہ پورے ملک اور عالم اسلام کا جوہر اور دل ودماغ ایک جگہ جمع ہے اور یہاں ایسے لوگ جمع ہیں جن کا فتوی سکۂ رائج الوقت کی طرح چلتا ہے، میں ان تمام حضرات کی موجودگی میں کہتا ہوں، آپ یہاں سے عہد کر کے جائیں کہ ہم کو اس ملک میں مسلمان بن کر ہی رہنا ہے اور ہم کسی قیمت پر اس سے دستبردار ہونے کیلئے تیار نہیں۔

توحید کی امانت سینوں میں ہے ہمارے

میرے بھائیو: آپ اپنی طاقت اور اپنی قوت سے آشنا ہوں۔

اپنے من میں ڈوب کر پاجا سراغ زندگی
تواگر میرا نہیں بنتا نہ بن اپنا تو بن

آپ اپنے ساتھ تو انصاف کیجئے، مسئلہ ایک مدرسہ یا کسی جامعہ کا نہیں، نہ کسی مکتب خیال کا مسئلہ ہے، اور نہ کچھ منصوبوں اور عمارتوں کی تکمیل کا مسئلہ ہے، مسئلہ صرف علوم اسلامی کے باقی رکھنے اور اسلامی شخصیت کے تحفظ کا نہیں، آج مسئلہ ہے، اس ملک کی قیادت کا، آپ دوسروں کے پیچھے چلنے کیلئے ہرگز نہیں پیدا کئے گئے، اور نہ خدا نے آپ کو اس ملک میں اس لئے بھیجا ہے کہ آپ دوسروں کا حاشیہ بردار ہوں اور آپ لوگوں کے اشاروں کو دیکھیں اور ان کے چشم وابرو کو پہچاننے کی کوشش کریں کہ ملک کس رخ پر جارہا ہے، ہم کسی قومی دھارے سے واقف نہیں، ہم تو دنیا کی قیادت وامامت کیلئے پیدا کئے گئے ہیں۔

حضرات: آج ملک خودکشی کے لئے قسم کھا چکا ہے، وہ آگ کی خندق میں گرنے کے لئے تیار ہے، وہ بداخلاقی اور انسانیت کی کے دلدل میں ڈوب رہا ہے، آپ ہی ہیں جو ہندوستان میں کیا پورے ایشیا میں اس ملک کو بچا سکتے ہیں، آپ اللہ اور رسول کی بات کہئے، آپ کو کوئی ضرورت نہیں کہ آپ نیلام کی منڈی میں اتر آئیں اور آپ سودا کرنے لگیں کہ ہماری بولی بولی جائے، آپ متاع نایاب ہیں، اللہ کے سوا آپ کی خریداری کا کوئی حوصلہ نہیں کرسکتا، اسلئے میں ڈنکے کی چوٹ پر کہتا ہوں، کاش میں آپ کے دلوں اور دماغوں پر چوٹ لگا سکتا، میں صرف آپ سے کہتا ہوں کہ اس ملک کو صرف تنہا آپ بچا سکتے ہیں، اس لئے آپ کے پاس عقیدہ توحید اور انسانی اصول ومساوات ہے، آپ کے پاس اجتماع عدل کا مکمل نظام موجود ہے، آپ ہی ہیں جو ہر چیز سے بالاتر ہیں، آپ ہی ہیں جن کے پاس ایمان بالآخرۃ ہے اور جو العاقبۃ للمتقین پر یقین رکھتے ہیں۔

آپ ان لوگوں میں سے نہیں جن کی نظر طاقت اور قوت پر رہا کرتی ہے، جن کی نگاہ میں مال ومتاع اور اکثریت ہی سب کچھ ہے اور نہ آپ کا شمار ان لوگوں میں ہوتا ہے جو انتخابات میں کامیاب اور پارلیمنٹ تک پہونچ جانے ہی کو سب سے بڑی معراج سمجھتے ہیں۔

بزرگو اور دوستو: جو دولت کے فلسفے پر ایمان رکھتا ہے اور ہر چڑھتے سورج کو پوجنے لگتا ہے وہ ڈوب کر رہے گا، اس کو کوئی بچا نہیں سکتا، مجھے افسوس سے کہنا پڑتا ہے کہ یہ عرب ممالک اس سے بہتر حالت میں نہیں اور یہ میں آپ سے اردو میں اس لئے نہیں کہہ رہا ہوں کہ میں ان سے ڈرتا ہوں، میں نے ان سے بارہا کہا ہے:

> **" لا لفقر اخشیٰ علیکم ولکن اخشی ان تبسط علیکم الدنیا کما بسطت علی من کان قبلکم فتنا فسوھا کما تنا فسوھا فتھلککم کما اھلکتھم".**

اس کو میں نے مکہ اور مدینہ میں کہا اور ہر جگہ میں نے یہی صدا لگائی کہ وہی بچ سکتا ہے جو اللہ کے وعدوں پر یقین اور اس کی نصرت پر بھروسہ رکھتا ہے، اگر ہندوستانی مسلمان اپنے اندر ایمانی خصائص پیدا کرلیں تو آج بھی آتش نمرود سرد پڑ سکتی ہے، اور وہی انداز گلستان پیدا ہوسکتا ہے۔

میرے عزیزو اور دوستو: میں پورے وثوق کے ساتھ کہتا ہوں کہ مولانا قاسم نانوتوی اور ان کی روح کا یہی پیغام ہے۔ حضرت شیخ الہند اسی پر چلتے اور جھیلتے رہے۔

حکیم الامت حضرت تھانوی اور مولانا مدنی اپنے اپنے خاص طرز اور اسلوب سے اس کے لئے ہمیشہ سوزاں اور لرزاں رہے کہ ہندوستانی مسلمان اپنی خصوصیات اور ملی تشخصات کے ساتھ اس ملک میں باقی رہیں، قرآن وسنت کو سینے سے لگائے رکھیں، اخلاقی مسائل چھیڑنے کے بجائے توحید وسنت پر زور دیں، دیوبند کا یہی پیغام ہے اور اس کی یہی خصوصیت رہی ہے کہ انھوں نے سرمایہ ملت کو بچانے کی کوشش کی اور اخلاقی مسائل کو عوام کے سامنے نہیں لائے۔

یہ دیوبند وارث ہے حضرت مجدد الف ثانی کا، اگر اور اگر کوئی نہیں سمجھتا تو اس کو سمجھنا چاہئے، یہ میرا مقام نہیں ہے، لیکن میں کہتا ہوں، اور حضرت مجدد الف ثانی کے وارث ہیں حکیم الامت حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی، مقتدر بزرگوں میں سے کسی کو بھی اس میں کلام نہیں کہ یہ حضرت شاہ ولی اللہ کا گلستان اور ان کا مکتب فکر ہے جو دیوبند کی شکل میں اس وقت سامنے ہے اور میں سمجھتا ہوں کہ ہندوستان میں جہاں جہاں صحیح العقیدہ درس گاہیں ہیں وہ شاہ ولی اللہ کی شمع فروزاں اور اسی کی تجلیات ہیں۔

منصب قیادت حفاظت ملک وملت کا فریضہ

حضرات: میں آپ سے کہنا چاہتا ہوں کہ آپ اپنے لئے قائد کا مقام اختیار کیجئے، آپ سمجھئے کہ آپ کی حیثیت ملک میں قائد کی ہے، میرے لئے یہ بات ناقابل برداشت ہے کہ کوئی یہ کہے کہ مسلمانوں کو یہ کرنا چاہئے، کون یہ کہنے کا حق رکھتا ہے، کیا نبی عربی کے بعد کوئی اور پیغمبر پیدا ہوگا، کیا کتاب اللہ کے بعد اور کوئی کتاب آسمان سے نازل ہوگی، کیا شریعت محمدی کے بعد کوئی اور شریعت آئے گی؟ ہم سے کہنے والا صرف اللہ اور اس کا رسول ہے، ہمارا ساتھ دینے والی ہماری آسمانی کتاب اور سنت رسول ہے، آپ یہ عہد کر کے یہاں سے جائیے کہ آپ کو ان خصوصیات کیساتھ ملک میں رہنا ہے، اور کتاب وسنت کو دل جان سے زیادہ عزیز رکھنا ہے، اس کے لئے بڑی سے بڑی قربانی کیلئے تیار رہنا ہے،، اگر آپ ان خصوصیات کے ساتھ اس ملک میں ہیں تو انشاء اللہ آپ عزت کے ساتھ سربلند سرخرو ہیں۔

"ولا تهنو اولا تحز نوا وانتم الاعلون ان كنتم مؤمنين".

حضرات: یہ دارالعلوم دیوبند کے فضلاء جن کو دستار فضیلت ملنے والی ہے ان سے اس درسگاہ کی تین چار اہم خصوصیات کے بارے میں کہنا چاہتا ہوں۔

(۱) اس درسگاہ کی سب سے بڑی خصوصیت یہ ہے کہ اس نے اخلاقی مسائل کے بجائے توحید وسنت پر اپنی توجہ مرکوز کی (اور یہ وہ وراثت اور امانت ہے جو حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی، شاہ اسماعیل شہید اور سید احمد شہید کے وسیلہ سے اس کو ملی اور ابھی تک اس کو عزیز ہے)۔

(۲) اتباع سنت کا جذبہ اور فکر۔

(۳) تعلق مع اللہ کی فکر اور ذکر وحضوری اور ایمان واحتساب کا جذبہ۔

(۴) چوتھا عنصر ہے اعلاء کلمۃ اللہ کا جزبہ اور کوشش۔

یہ چار عناصر مل جائیں تو دیوبندی بنتا ہے، اگر ان میں سے کوئی عنصر کم ہو جائے تو دیوبندیت ناقص، فضلائے دارالعلوم دیوبند کا یہ شعار رہا ہے کہ وہ ان چار چیزوں کے جامع رہے ہیں، اب میں عام آدمیوں سے کہنا چاہتا ہوں کہ اس میں آپ کا بھی حصہ ہے اور یہ صرف فضلائے کے ساتھ مخصوص نہیں ہے، آپ بھی یہاں سے پیغام لے کر جائیے کہ عقیدہ توحید کو سینے سے لگانا ہے، اور آپ کے گرد جو شرک اور فتنہ کا دھارا بہہ رہا ہے، اس سے الگ رہنا ہے توحید پر آپ قائم رہیں، اتباع سنت اور فرائض کی پابندی کا جذبہ آپ کے اندر ہو اور تعلق مع اللہ کی کوشش کرتے رہیں، آپ کا تعلق اللہ تعالیٰ کے ساتھ ذاکر ومذکور، محبّ ومحبوب اور عبد ومعبود کا ہونا چاہئے، یہی تعلق آپ کے دل ودماغ اور آپ کے اعصاب پر حاوی ہونا چاہئے۔

وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

امت مسلمہ کا فرض منصبی
اور اس کے انقلابی اثرات

یہ تقریر مولانا حضرتؒ نے اسلامی فاؤنڈیشن پارک فیلڈ لسٹر شائر برطانیہ میں ۱۸/ستمبر ۱۹۹۲ کو کی، جس میں اس شہر اور قرب وجوار کے مقامات کے چیدہ اور منتخب حضرات شریک ہوئے تھے۔

الحمد لله نحمده ونستعينه ونستغفره ونعوذبالله من شرور انفسنا ومن سيّئات اعمالنا من يهد الله فلا مضل له ومن يضلله فلا هادى له ونشهد ان لا اله الا الله ونشهد ان محمد اعبده ورسوله الذى ارسله الله تعالى بالحق بشيرا ونذيرا وداعيا الى الله باذنه وسراجامنيرا

حضرات! میں قرآن مجید کا ایک حقیر طالب علم ہوں اور آپ سب جانتے ہیں کہ قرآن مجید روزانہ پڑھا جاتا ہے اور حسب توفیق بار بار اور زیادہ سے زیادہ پڑھا جاتا ہے، قاعدہ یہ ہے کہ جب آدمی کسی چیز کو حیرت سے دیکھتا ہے اور اس سے وہ متعجب ہوتا ہے تو اسکا یہ تعجب ہمیشہ قائم نہیں رہتا، وہ زائل بھی ہوجاتا ہے، لیکن میں اپنا حال آپ کے سامنے بیان کرتا ہوں (اسی سے میں نے اپنی بات کہنے کا مضمون اخذ کیا ہے) جب میں قرآن مجید میں سورۂ انفال کی یہ آیت کریمہ پڑھتا ہوں:

الا تفعلو تكن فتنة فى الارض و فساد كبير.

تو مومنو! اگر تم یہ کام نہ کروگر گے تو ملک میں فتنہ برپا ہوجائے گا اور بڑا فساد مچے گا۔

اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں ان مہاجرین اور انصار کو مخاطب فرمایا ہے، جو مشرف بہ اسلام تھے، جہاں تک ان مہاجرین کا تعلق ہے جو مکہ مکرمہ سے ہجرت کرکے مدینہ طیبہ آئے تھے، وہ چند سو کی تعداد میں تھے، آپ جانتے ہیں کہ ہجرت کوئی ہنسی کھیل نہیں ہے، ہجرت میں آدمی کو

گھر بار چھوڑنا پڑتا ہے، اعزہ واقرباء سے دور ہونا پڑتا ہے اور ان سہولتوں کو خیر باد کہنا پڑتا ہے۔ جو موروثی اور مقامی طور پر اس کو حاصل ہوتی ہیں، ظاہر ہے کہ ان مہاجرین کی تعداد محدود تھی، اور جن لوگوں نے مدینہ طیبہ میں اسلام قبول کیا تھا ان کی تعداد بھی اس وقت تک کچھ زیادہ نہ تھی۔ حدیث کے مطالعہ سے معلوم ہوا کہ مدینہ طیبہ میں رسول اللہ ﷺ کے حکم سے تین مرتبہ مسلمانوں کو شمار کیا گیا۔ پہلی مرتبہ شمار کرنے میں مسلمانوں کی تعداد پانچ سو، دوسری مرتبہ چھ سو، سات سو کے درمیان تھی، تیسری مرتبہ شمار میں مسلمان ڈیڑھ ہزار تھے، اس تعداد پر مسلمانوں نے اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کیا اور اطمینان کی سانس لی کہ اب ہم ڈیڑھ ہزار ہوگئے، اب ہمیں کیا ڈر ہے؟ ہم نے تو وہ زمانہ دیکھا جب ہم میں کوئی اکیلا نماز پڑھتا تھا، پھر بھی دشمنوں کا ڈر لگا رہتا تھا۔

گویا یہ مٹھی بھر انسانوں کی آبادی تھی جس نے اسلام قبول کیا تھا اور جس نے اس کی ذمہ داری قبول کی تھی کہ اس کے چاروں طرف انسانی ابدی کا جو سمندر پھیلا ہوا ہے، اس میں وہ ہدایات وتبلیغ کا کام کرے گی اور اسکا آپ اندازہ کرسکتے ہیں کہ ساری دنیا میں زیادہ تر وہ لوگ تھے جنہوں نے اسلام کا نام بھی نہیں سنا تھا، قبول کرنے کا کیا ذکر؟ پھر اس وقت دنیا کی دو عظیم الشان سلطنتیں تھیں جن کو (EMPIRE) کہنا چاہئے، وہ صرف امپائر ہی نہیں تھیں، ان کی حیثیت محض انتظامیہ اور حکومت ہی کی نہیں تھی، ان کے ساتھ مستقل تہذیب تھی، مستقل تمدن، طرز زندگی اور معیار واقدار (IDEALS & VALUES) تھے، متمدن دنیا کا سب سے بڑا حصہ جس پر یہ دونوں شہنشاہ یہاں بلاواسطہ یا بالواسطہ قابض تھے، وہیں سے وہ تہذیب لیتے تھے، وہیں سے فیشن اخذ کرتے تھے، وہیں سے قانون لیتے تھے، آپ کو معلوم ہے کہ (ROMAN LAW) دنیا میں کتنی وقعت کی نظر سے دیکھا جاتا تھا، اور ایرانی تہذیب ہندوستان اور دور دراز ملکوں تک پہنچ گئی تھی۔

حضرات! میں جب آیت پر پہنچتا ہوں تو ہمیشہ تصویر حیرت بن کر رہ جاتا ہوں، سوچنے لگتا ہوں کہ یا اللہ یہ کس سے کہا جا رہا ہے، کب کہا جا رہا ہے اور کہاں کہا جا رہا ہے؟ یہ آخری مسلم شماری جس میں مسلمان ڈیڑھ ہزار نکلے، بعض شراح حدیث اور محققین کی تحقیق میں جنگ احد کے موقعہ پر ہوئی جو ۳ھ میں پیش آئی اور بعض کے نزدیک جنگ خندق (جس کو غزوۃ الاحزاب بھی

کہا جاتا ہے) کے موقع پر ہوئی تھی، جس تک آپ کی بعثت کی یہ مدت زیادہ سے زیادہ پانچ سال کی ہوتی ہے، جس میں مسلمانوں کے شمار کا یہ اندازہ ہے کہ زیادہ سے زیادہ دو ہزار مسلمان تھے جن سے کہا جا رہا تھا کہ تم اپنی شیرازہ بندی کرو، ایک نئی وحدت (UNIT) قائم کرو، جس کی اساس ایمان پر ہو، قرآن پر ہو، صحیح عقیدہ پر ہو، اور جو آنحضرت ﷺ کی سرپرستی میں ہو۔

یہ وحدت اس لئے قائم کرنے کے لئے کہا جا رہا ہے کہ تم اس وحدت کے ذریعہ دنیا میں اسلام کا پیغام پہنچاؤ اور دنیا کو "جاہلیت" (من مانی آزادی اور نفس پرستی) کی زندگی سے نکال کر دنیا کو اسلام (خدا پرستی اور کامل خود سپردگی) کی دعوت دو، اگر تم نے ایسا نہ کیا تو دنیا میں فتنۂ کبریٰ اور فساد عظیم برپا ہوگا۔

میں اس موقع پر سوچتا ہوں کہ جن سے کہا جا رہا ہے اور جو اس آیت کے مخاطب ہیں ان میں اور ان پر جس کام کی اور دنیا کی جس آبادی کی ذمہ داری ڈالی جا رہی، دونوں میں کیا تناسب تھا؟ لیکن فارسی میں ایک محاورہ ہے، اور ہم اس کو عربی میں بھی ادا کر دیا کرتے ہیں کہ "**بقامت** کہتر و بقیمت بہتر" یعنی قد و قامت کے لحاظ سے چھوٹا لیکن قیمت کے لحاظ سے کہیں بڑا اور بہتر۔ میں نے اپنی عربی تقریر میں بھی اس کو اس طرح ادا کیا تھا کہ "**العبرة بالقيمة لا بالقامة**" یہ اس جماعت سے کہا جا رہا ہے جو بقامت کہتر تھی لیکن بقیمت بہتر، اصل چیز جو فیصلہ کن ہے وہ "قیمت" ہے "قامت" نہیں، چنانچہ اس کہتر قامت اور بہتر قیمت نے اپنی انقلاب انگیزی اور عہد آفرینی ثابت کر دی، ایرانی سلطنت کا چراغ گل ہو گیا، صرف سلطنت کا نہیں ایرانی تہذیب اور ان کے معیاروں کا اور ان کی قدروں (IDEALS & VALUES) کا جو تقلید کی جاتی تھی، پرستش کرتے اور زندگی کی قدریں جن کو عربی میں المثل والقیم کہتے ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی خلافت کے آخری دور یا زیادہ سے زیادہ خلافت راشدہ کے اختتام تک دنیا کا متمدن ترین حصہ جو مہذب اور ترقی یافتہ انسانوں سے بستا تھا، جو (IDEAL) کا درجہ رکھتا تھا، وہ بدل گیا تھا یا بدل رہا تھا، معیار بدل گئے تھے، سوچنے کے طریقے بدل گئے تھے، ایران اور روم کی ذہنی و فکری غلامی سے آزاد ہو گئے تھے، معیار مہذب اور ترقی یافتہ کہلانے، احترام اور وقعت کی نگاہ سے دیکھے جانے کا معیار نہیں رہا تھا، حکم خداوندی کی تعمیل

اور سنت نبویؐ کی پیروی اور عہد رسالت اور اس کے معتبر نمائندوں سے مشابہت لکھی ہوئی کتابوں کا مطالعہ فرمائیے۔

حضرات! میں آپ کو مبارکباد دیتا ہوں کہ آپ نے اس مرکز (ISLAMIC FOUNDATION) کے قیام کے لئے صحیح جگہ کا انتخاب کیا، آپ یہاں مغربی تہذیب کے سینہ بیٹھ گئے، اگر یہاں سے یا کسی بڑے مغربی ملک یا مغربی تہذیب کے بڑے [illegible] سے انقلاب شروع ہوا، تو وہ طاقت میں اور گہرائی میں، وسعت میں بھی اور نتیجہ خیز، قابل [illegible] ہوگا، خدا کرے وہ وہ دن آئے کہ ان ملکوں میں بھی لوگوں میں حق کی طلب اور اپنی زندگی سے [illegible] کا احساس پیدا ہو، اور نہیں کہ آپ ہم کو اس تاریکی کی زندگی، نفس پرستی کی زندگی، اور [illegible] کی زندگی سے نکالئے، یہاں پر یہ نکتہ یاد رہے کہ قرآن مجید میں تاریکی کے لئے [illegible] صیغہ "ظلمات" آتا ہے اور روشنی کے لئے واحد صیغہ "النور" آتا ہے۔

یخرجهم من الظلمات الی النور۔

وغیرہ وغیرہ، اس سے معلوم ہوا کہ ظلمتیں بے شمار ہیں اور نور ایک ہے [illegible] دوست [illegible] یہاں [illegible]

اور یہ بات جب [illegible]

میرے ایک واقعہ آکسفورڈ [illegible] بڑے تعجب [illegible]

[illegible] پشاور [illegible] ہندوستان کا ہاتھ پیرا ہوا اور [illegible]

[illegible] ہندوستانیوں [illegible] کمزور [illegible]

[illegible]

اور بعض کئی کئی سال سے اپنا گھر چھوڑے ہوئے ہیں، شادی شدہ ہیں یا شادی کی عمر ہے، لیکن ہم نے آپ میں سے کسی کو کسی نامحرم کی طرف نظر اٹھا کر دیکھتے ہوئے میں دیکھا، تو ہم نے کہا کہ ایک ہو دو ہوں تو ہوسکتا ہے، لیکن سب کے سب کیوں نہیں دیکھتے؟ ادھر جوانی ہے ادھر حسن ہے، لیکن کسی کو بدنگاہی کرتے ہوئے نہیں دیکھتے۔

اس ہندوستانی نے جواب دیا کہ الحمد للہ ہم سب کی نظر بالکل ٹھیک ہے، مگر قرآن کی تعلیم ہے۔

قل للمنومنين يغضوا من ابصار هم ويحفظوا فروجهم

اہل ایمان سے کہہ دیجئے کہ اپنی نظریں نیچی رکھیں اور اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کریں۔

پھر یہ ہمارے امام کی تربیت کا بھی نتیجہ ہے اس خصوصیت کی طرف اس آیت بھی اشارہ کیا گیا ہے کہ۔

يا ايها الذين امنو ا ان تتقو الله بعمل لكم فرقاناً

اے ایمان والو! اگر تم اللہ کے معاملہ میں تقویٰ واحتیاط کا عمل اختیار کرو گے تو اللہ تعالیٰ تمہارے اندر ایک شان امتیازی پیدا کردے گا۔

اگر آپ نے اس ملک میں رہتے ہوئے زندگی کا ایک نیا ماڈل (MODEL) ایک نیا سانچہ اور ایک نیا نمونہ پیش کیا، جس میں یہاں کی زندگی، طرز معاشرت، نفس پرستی اور دولت پرستی اور ہر قسم کی آزادی سے امتیاز ظاہر ہوا، تو لوگوں کے اندر اسلام کے مطالعہ کا شوق پیدا ہوگا، وہ آپ کے یہاں آئیں گے اور کہیں گے کہ ہمیں کوئی کتاب دیجئے جس سے ہم سمجھیں کہ اس انقلاب کا سرچشمہ کہاں ہے؟ کہاں سے یہ تبدیلی آئی اور آپ میں امتیاز پیدا ہوا۔

میں آپ کا بہت شکر گزار ہوں کہ آپ نے میری حقیر ذات اور میرے رفقاء کا اعزاز کیا، خاص طور پر ڈاکٹر خورشید احمد صاحب اور مناظر احسن صاحب اور سب حضرات اور اس ادارہ کے ذمہ داروں کا کہ آپ نے ہمارے ساتھ برادرانہ ہی نہیں کریمانہ اور فیاضانہ سلوک کیا، اللہ تبارک وتعالیٰ توفیق دے کہ یہ مرکز زیادہ سے زیادہ ہدایت اور رشد کا سرچشمہ بنے، اللہ وہ دن نہیں دکھائے کہ جیسے پہلے اس ملک سے دنیا پرستی اور نفس پرستی اور مادیت کی ہوا چلی تھی، الحاد اور لادینیت کا رجحان پیدا ہوا تھا، ویسے ہی اب ایمان کی، اخلاق کی انسانیت اور شرافت کی اور

آخر میں اقبال کے ان چند اشعار پر اس خطاب کو ختم کرتا ہوں، جو اس مقام و ماحول، عہد و زمانہ، اور مسلمانوں کے مقام و پیغام سے بھی خاص مناسبت رکھتے ہیں۔

ناموس ازل را تو امینی تو امینی   دارائے جہاں را تو یساری تو یمینی
اے بندۂ خاکی تو زمانی تو زمینی   صہبائے یقین درکش واز دیر گماں خیز

از خواب گراں، خواب گراں، خواب گراں خیز
از خواب گراں خیز

فریاد ز افرنگ و دلآویزیٔ افرنگ   فریاد ز شیرینی و پرویزیٔ افرنگ
عالم ہمہ ویرانہ ز چنگیزیٔ افرنگ   معمار حرم! باز بہ تعمیر جہاں خیز

از خواب گراں، خواب گراں، خواب گراں خیز
از خواب گراں خیز

وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

کاروانِ ملت کا جلیل القدر مسافر

[illegible] کی طرف سے [illegible] ایشیائی کانفرنس منعقدہ [illegible] کے اختتام پر ۹ جولائی [illegible] جلسہ میں یہ تقریر کی۔

الحمد لله نحمده ونستعينه ونستغفره ونعوذ بالله من شرور انفسنا ومن سيئات اعمالنا من يهده الله فلا مضل له ومن يضلله فلا هادى له ونشهد ان لا اله الا الله ونشهد ان محمدا عبده ورسوله الذى ارسله الله تعالى بالحق بشيرا ونذيرا وداعيا الى الله باذنه وسراجا منيرا

دل کہے اور دل سنے

حضرات! میں سب سے پہلے تو آپ کی اس محبت اور اعتماد کا شکریہ ادا کرتا ہوں، جس کا آپ نے مجھے اہل سمجھا اور اس اجتماع کے موقع پر [illegible] تشریف لانے کی زحمت [illegible] الفاظ اور زبان وہ جو جذبات و خیالات کے اظہار کا [illegible] ناقص محسوس لگتا ہے۔ آپ سب کو معلوم ہے کہ میں اپنے خیالات کا اظہار زبان قلم سے [illegible] لیکن [illegible] آپ [illegible] اظہار کر رہا ہوں کہ مجھے الفاظ کا بڑے سے بڑا ذخیرہ اور زبان کی بڑی سے بڑی روانی اس وقت [illegible] محسوس ہوتی ہے [illegible] تعلیم یافتہ [illegible] سنے لیکن ابھی تک سائنس نے اتنی ترقی نہیں کی ہے کہ میری آواز کے ساتھ میرے دل کی دھڑکنیں بھی آپ تک منتقل ہو سکیں، یہ تو [illegible] اہل دل کا [illegible] تھا کہ دل سے باتیں کرتے تھے۔

میں اس وقت ذہنی کشمکش میں مبتلا ہوں کہ بات کہاں سے شروع کروں اور اپنی بات کو کس طرح سمیٹوں، میں نے کل اسلامی ایشیائی کانفرنس کی اختتامی تقریب میں جو عربی میں تھے، تین اشعار انتخاب کئے تھے، میں تھوڑی دیر عالم تحیر میں رہا کہ کس زبان کا انتخاب کروں، سب سے پہلے تو مجھے خیال آیا کہ اردو زبان میں خطاب کروں کہ مسلمانوں کی سب سے بڑی تعداد اس کو سمجھتی اور بولتی ہے، لیکن پھر مجھے عربی زبان سے شرم آئی کہ میں اس کو کیا جواب دوں گا، وہ قرآن کی زبان ہے، ایمان کی زبان ہے اور رابطہ عالم اسلامی کی بھی سرکاری زبان ہے جس کے اسٹیج سے میں تقریر کر رہا تھا، اس لئے میں نے اس کا حل تلاش کیا کہ میں ان تین زبانوں سے جن میں شد بد رکھتا ہوں ایک ایک شعر منتخب کرلوں، چونکہ آپ حضرات اس وقت تشریف نہیں رکھتے تھے، اس لئے میں ان کو پھر دہراتا ہوں۔ میں نے عربی کا یہ شعر انتخاب [illegible]

حمامة جرعى حومة الجندل اسجعى
فانت بمرأى من سعاد ومسمع

(اے حومۃ الجندل کے ریگزار کے بوتر: اس سے بہتر چہکنے کا کوئی موقع نہیں [illegible] سعاد (محبوبہ) قریب ہے، وہ دیکھ بھی رہی ہے) میں نے کہا آپ سب [illegible] ہی نہیں سعاد ہیں۔

فارسی میں عرفی یا نظیری یا حافظ یا جامی کا کوئی شعر انتخاب کرتا اور پڑھ سکتا تھا [illegible] اقبال سے [illegible] زمین کا سب سے بڑا فارسی [illegible] ہے، [illegible] نظیری کی [illegible] یوں جاؤں، میں نے ان [illegible]

[illegible]

[illegible]

پھر میں نے کہا [illegible]

[illegible]

موقع کے لئے زیادہ موزوں ہے۔

حضرات! میں سمجھتا ہوں کہ ایک صاحب پیغام، صاحب امر و نہی اور سیاسی وزن رکھنے والی اور دنیا میں ظلم و زیادتی کو روکنے کی صلاحیت رکھنے والی، عدل و مساوات کا سبق سکھانے والی اور خدا کا پیغام بلند سطح پر پہنچانے والی ملت کی حیثیت سے فیصلہ کی دو گھڑیاں تھیں۔ میرے نزدیک ایک تو وہ دن تھا جب سلطنت عثمانیہ کی قسمت کا فیصلہ ہونے والا تھا، یعنی یہ کہ سلطنت عثمانیہ نہ صرف باقی رہے گی، بلکہ اس طرح باقی رہے گی کہ دنیا کے سیاسی نقشہ پر وہ کوئی اثر ڈال سکے گی۔ بہ حیثیت امت کے پاسبان اور خادم کے اس کا وجود برقرار رہے گا یا نہیں؟ تقدیر [illegible] میں یہ عثمانی ملت کی تقدیر کا فیصلہ نہیں بلکہ ملت اسلامیہ کی تقدیر کا فیصلہ تھا، اور [illegible] اوقات پیغاموں کی قسمت ملتوں سے وابستہ ہو جاتی ہے، اس لئے کہ پیغام [illegible] ہوتا، اور ملت بھی خلا میں نہیں ہوتی، اسی زمین پر اس کا وجود قائم ہوتا ہے۔ امت [illegible] سیاسی وزن قوموں پر، وقت کے اہم فیصلوں پر، تاریخ کے دھارے پر ڈال سکنے [illegible] کا موقع یا تو اس دن تھا، جب سلطنت عثمانیہ کی قسمت کا فیصلہ ہونے جا رہا تھا [illegible] ہے جو آج [illegible] زیادہ بہتر ہے۔

یک لحظہ غافل گشتم و صد سالہ راہم دور شد

پاکستان آج ایک موڑ پر آکے کھڑا ہو گیا ہے، وقت تقدیر [illegible] بہت سے ایسے مواقع ہوتے ہیں [illegible] ہمارے [illegible] عام سب [illegible] دیکھیں گے کہ کب تقدیر فیصلہ [illegible] فیصلہ الٰہی کا منتظر ہے، اور فیصلہ [illegible] کا محتاج ہے بلکہ یہ سنت اللہ [illegible] اخلاص ہے، [illegible] بدتی [illegible] قرآن [illegible] تقدیر [illegible] کسی [illegible]

ہوتا ہے، اس کی ایک لغزش پوری پوری قوم کے سفینہ کو غرق کر دینے کے لئے کافی ہوتی ہے۔ فارسی کے ایک شاعر نے بھی کہا تھا:

رفتم کہ خار از پا کشم محمل نہاں شد از نظر
یک لحظہ غافل گشتم و صد سالہ راہم دور شد

شاعر اپنی ذہانت اور قوت متخیلہ سے بہت سے ایسے مضامین بیان کر دیتے ہیں جن کا کوئی مصداق اس وقت پیدا نہیں ہوا، وہ اپنی ذہانت اور مضمون آفرینی سے بعض باتیں کہہ جاتے ہیں، بعض مرتبہ برسوں کے بعد، بعض مرتبہ صدیوں کے بعد وہ وقت آتا ہے جب اس شعر کی صحیح تشریح ہوتی ہے، اور اس میں جان پڑتی ہے، مجھے اس میں بڑا شک ہے کہ شاعر نے کسی واقعہ یا ذاتی تجربہ سے کہا تھا اس وقت اس کے سامنے یہ واقعہ تھا کہ کسی مسافر کی [illegible] اپنے تلوے سے کانٹے نکالنے کے لئے بیٹھنا پڑا ہو اور کارواں گذر گیا ہو، وہ کارواں کن مسافروں کا تھا؟ کہنے والے نے کیا سوچ کر کہا تھا اور کس واقعہ کی طرف اس کا اشارہ تھا؟ میرے خیال میں وہ واقعہ اس لازوال شعر کا ہرگز مستحق نہیں ہوگا، شاعر کے خواب و خیال میں بھی یہ بات نہیں ہوگی کہ ایک دن یہ شعر ایک حقیقت بنے گا، یہ کارواں ملت اسلامی کا ایک کارواں ہوگا، اور اس ملت کے کاروانِ حیات کا ایک مسافر جس کا نام پاکستان ہے، اپنے پاؤں کی کوئی پھانس نکالنے کے لئے کارواں سے بچھڑ جائے گا (میں ان پھانسوں کی طرف اشارہ نہیں کروں گا، ان کا تعین نہیں کروں گا، اس لئے کہ یہ اس شعر کی عظمت اور اس سوال کی اہمیت کے خلاف ہوگا، اس شعر کو یہ بات مجروح کرے گی کہ میں کسی پھانس کا نام لوں، اس لئے یہ بات آپ پر چھوڑتا ہوں کہ آپ کے [illegible] کن کن پھانسوں کا تصور کریں، لیکن یہ واقعہ ہے کہ اگر یہ شعر صحیح طور پر منطبق ہوتا ہے تو ہماری اور آپ کی موجودہ صورت حال پر۔

کاروانِ ملت کا جلیل القدر مسافر:

پاکستان اس ملت کے کاروانِ حیات کا ایک جلیل القدر مسافر ہے، ملت کا کاروان سفر کی منزل طے کر رہا ہے [illegible] کاروان کا ایک مسافر جس کے پاؤں میں کچھ کانٹے چبھ گئے ہیں، یا کچھ پھانسیں گڑ گئی ہیں، ان پھانسوں کو [illegible] کرنے میں اگر اس نے تاخیر سے کام لیا اگر اس حالت

میں اس کو نیند آ گئی، اگر اس حالت میں وہ کسی اور مسافر سے دست و گریباں ہو گیا تو اندیشہ ہے کہ ملت کا کارواں بچھڑ کر رہ جائے، اس وقت آپ کی ذرا سی لغزش ملت کی قسمت پر مہر لگا سکتی ہے، ملت اسلامیہ پر آپ کا صحیح یا غلط فیصلہ اس طرح اثر انداز ہو سکتا ہے کہ ایک صدی دو صدی تک اس ملت کی قسمت پر پھر ایک اور قفل پڑ جائے اور اس کی زبانی خدانخواستہ قلم ہو جائے، اس لئے کہ آپ بڑے نازک مقام پر کھڑے ہیں۔

اس مقام پر بڑی قربانی کی ضرورت ہے، مجھے افسوس ہے کہ قربانی کا لفظ اتنی کثرت سے استعمال ہوا ہے، اور ہماری سیاسی تحریکوں نے (لکھنؤ کی زبان میں کہوں گا) اس کی مٹی پلید کی ہے اور علمی زبان میں کہوں گا کہ ایسا غلط استعمال کیا ہے کہ وہ اپنی طاقت کھو چکا ہے، قربانی تو وہ چیز ہے کہ اس کو سنتے ہی بدن کے رونگٹے کھڑے ہو جائیں، لیکن ہم قربانی کا لفظ جب استعمال کرتے ہیں تو ملازمت کی قربانی کو، تنخواہ کی معمولی سی قربانی کو اس کا مصداق سمجھتے ہیں، لیکن قربانی وہ باعظمت اور مقدس چیز ہے جس کی تاریخ ابراہیم علیہ السلام کی قربانی پر ختم ہوتی ہے، ہر چیز کا شجرۂ نسب ہوتا ہے، مسجد کا شجرۂ نسب حضرت ابراہیم علیہ السلام کی بنائی ہوئی مسجد کعبہ، بیت اللہ سے ملتا ہے، اور جس مسجد کا نسب مسجد ابراہیمی پر جا کر ختم نہ ہو وہ مسجد خانہ خدا کہلانے کی مستحق نہیں، وہ مسجد ضرار ہے اور جس مدرسہ کا شجرۂ نسب صفہ نبوی ﷺ پر ختم نہ ہو وہ مدرسہ دانش کدہ نہیں، جہالت کدہ ہے، تو اس طرح میں کہوں گا کہ جس قربانی کا شجرۂ نسب ابراہیم خلیل اللہ کے جذبۂ ایثار و حب خدا اور حضرت اسماعیل ذبیح اللہ کی بے نفسی و تسلیم و رضا پر ختم نہ ہو وہ صحیح النسب نہیں ہے۔

تین قسم کی قربانیاں:

آپ کو تین طرح کی قربانیاں دینی ہیں، ہماری ہر قربانی کے لئے ہماری تاریخ میں ایک امام موجود ہے، ایک قربانی وہ ہے جو سیدنا خالد بن ولید نے یرموک میں دی تھی، دوسری قربانی وہ ہے جو حضرت حسن بن علیؓ نے حضرت معاویہؓ کے مقابلہ میں امت کے انتشار کو ختم کرنے کے لئے دی تھی، تیسری قربانی وہ ہے جو حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے (اسلامی مملکت اور معاشرہ کو اسلامی زندگی اور اسلامی سیرت کی راہ پر لگانے کے لئے) اپنی زندگی کو بدل کر اور اپنے خاندان کے مفاد سے آنکھیں بند کر کے دی تھی، اب یہ تینوں قربانیاں پاکستان کی اس ملت

اسلامیہ کو درپیش ہیں۔

حضرت خالد بن ولیدؓ کی قربانی یہ پیغام دیتی ہے کہ عین میدان جنگ میں اگر معزول کر دیا جائے تو پیشانی پر شکن نہ آئے اور یہ الفاظ تاریخ کے ریکارڈ نے اسی وقت محفوظ کر لئے تھے کہ ’’اگر میں عمر کے لئے لڑتا تھا تو اب نہیں لڑوں گا، اور اگر اللہ تعالیٰ کے لئے لڑتا تھا تو میرے جوش و سرگرمی میں کوئی فرق نہیں آئے گا۔‘‘ اور دنیا نے دیکھ لیا کہ اللہ کے سچے بندے نے اس کو سچا کر دکھایا کہ اس کے جوش جہاد اور شوق شہادت میں کوئی فرق نہیں آیا۔ دنیا کی تاریخ اس کی نظیر پیش کرنے سے قاصر ہے کہ جس شخص کا نام فتح کے ساتھ اس طرح گھل مل گیا تھا کہ ان میں فرق کرنا مشکل تھا وہ نام فتح کی علامت واشر (Symbol) بن گیا تھا، لوگ پوچھتے تھے معرکہ میں خالدؓ ہیں یا نہیں؟ اگر جواب ملتا کہ وہ ہیں تو دل امیدوں سے بھر جاتے تھے، اصل بھروسہ خدا پر تھا، لیکن ان کی موجودگی کو نیک فال سمجھتے تھے، دنیا کی تاریخ اس کی نظیر پیش نہیں کر سکتی، فاروق اعظمؓ کی عظمت کے سامنے، خدا اعتمادی اور خود اعتمادی کے جوہر کے سامنے مورخ حیران ہو کر کھڑا ہو جاتا ہے کہ اس خدا کے بندے نے اس ملت کے لئے اور قیامت تک کے لئے ایک نظیر قائم کرنے کے لئے یہ قدم اٹھایا، اتنا خطرناک قدم کہ میں سمجھتا ہوں کہ جنگوں کی تاریخ میں اتنا خطرناک قدم نہیں اٹھایا گیا، اور اتنا بڑا خطرہ (Risk) مول نہیں لیا گیا کہ عین اس وقت جب سب سے بڑا فیصلہ کن معرکہ (یرموک کی جنگ) درپیش تھا، مدینہ سے ایک شخص آتا ہے اور حضرت خالدؓ کی معزولی اور حضرت ابوعبیدہؓ کے تقرر کا پروانہ ہاتھ میں دیتا ہے اور لوگوں کو معلوم ہوتا ہے کہ خالد اب کمانڈر انچیف یا قائد افواج اسلامی نہیں رہے۔ انہوں نے سر جھکا دیا اور سب سپاہیوں نے دیکھا کہ خالد معزول کر دیئے گئے اور خالدؓ نے اس وقت کہا کہ ’’اگر جہاد سے میرا مقصد عمر بن خطاب کی خوشنودی ہوتی تو میں آئندہ سے رک جاتا، لیکن میں چونکہ اللہ کے راستے میں، اس کی رضا جوئی کے لئے اور اللہ تعالیٰ سے ثواب کی امید میں جہاد کرتا تھا، اس لئے میرے زور بازو میں کوئی فتور اور قتال کے لئے میرے جوش و سرگرمی میں کوئی کمی نہیں آئے گی۔‘‘

ملت کا مفاد مقدم رکھیں:

ایک قربانی آپ کو اس ملک میں یہ دینی ہے کہ ملت کے مفاد کو اپنے مفاد پر، جماعت

کے مفاد پر، برادریوں کے مفاد پر اور یہاں تک میں عرض کرتا ہوں کہ ملت کی ضرورت کا جو عنوان اور راستہ ہم نے تجویز کیا ہے، اس پر بھی ملت کے مفاد کو مقدم رکھیں۔ اس لئے کہ جماعتیں ملت کے لئے ہیں، ملت جماعتوں کے لئے نہیں، مولانا محمد یوسف صاحب امیر جماعت اسلامی ہند یہاں بیٹھے ہیں، میں نے ہندوستان میں ''مسلم مجلس مشاورت'' کے پلیٹ فارم پر بھی یہ بات کی تھی، اس وقت بھی اس پر ایمان رکھتا تھا، اور اب بھی ایمان رکھتا ہوں کہ اگر ملت کے مفاد کا تقاضا ہو کہ حرف غلط کی طرح جماعتوں کو مٹا دیا جائے تو میرے اخلاص کا تقاضا ہوگا کہ سب سے پہلے میں اسے قبول کروں، یہ وہ قربانی ہے جس کا سبق حضرت خالد بن ولیدؓ کی قربانی ہمیں دیتی ہے۔

حضرت حسنؓ کی قربانی کی عظمت کو ہمارے اچھے اچھے مورخ بعض مرتبہ سمجھنے سے قاصر رہتے ہیں، لیکن حقیقت میں وہ قربانی بھی کسی قربانی سے کم نہیں کہ وہ نواسۂ رسول ﷺ تھے، بڑے نواسے تھے، انصار علیؓ کی تلواریں نیام سے ابھی باہر تھیں، اس وقت جو شخص بھی صورت حال کا جائزہ لیتا وہ یہ پیش گوئی کر سکتا تھا کہ ابھی بڑی فوجی طاقت حضرت حسنؓ کے ساتھ ہے، اور مسلمانوں کی جذباتی وابستگی بھی ان کے ساتھ ہے، ان کے ساتھ شرعی دلائل تھے، وہ نواسۂ رسول ﷺ تھے اور خلیفہ راشد تھے۔ ان کے ہاتھ پر بیعت ہو چکی تھی، انہوں نے دیکھا یہ کہ کشمکش بے نتیجہ ثابت ہوئی اور میرے جلیل المرتبت والد کی توانائیوں کا بڑا حصہ اس میں صرف ہوگیا، ان کا یہ ایک اجتہاد تھا کہ انہوں نے خلافت سے کنارہ کشی اختیار کی، ایک قربانی وہ ہے جو ان کے بعد ان کے عظیم المرتبت بھائی حضرت حسینؓ نے یزید کے مقابلہ میں دی، ایک اجتہاد ان کا تھا، میں ان دونوں اجتہادوں کو صحیح سمجھتا ہوں، ان دونوں میں کوئی تضاد نہیں سمجھتا، یہ موقع نہیں کہ میں تاریخی اسباب بیان کروں، لیکن میرے نزدیک حالات کے بدلنے کے ساتھ احکام بدلتے ہیں، ان حالات کے مطابق حضرت حسنؓ کا فیصلہ صحیح تھا، ان حالات کے مطابق حضرت حسینؓ کا فیصلہ صحیح تھا اور دونوں نے عالی ہمتی سے کام لیا اور کسی نے کمزوری نہیں دکھائی۔ میں ایک منٹ کے لئے یہ ماننے کو تیار نہیں ہوں کہ حضرت حسنؓ نے کسی کمزوری کی بناء پر یا کسی بیرونی دباؤ کی بناء پر یہ فیصلہ کیا بلکہ یہ تو وہ فیصلہ تھا کہ جس کی پیش گوئی زبان نبوت ﷺ نے کی تھی:

ان ابنی هذا سید، ولعل الله ان یصلح بن بین فئتین من المسلمین

میرا یہ بیٹا سردار ہے، کیا عجب ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کے ذریعہ مسلمانوں کے دو گروہوں کے درمیان مصالحت کرادے۔

حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کی قربانی بھی کسی قربانی سے کم نہیں، وہ جب مدینہ کے گورنر تھے، اور حکمران خاندان کے ایک فرد تو اپنے اعلیٰ مذاق و نفاست پسندی کے لئے ایک ضرب المثل کی حیثیت رکھتے تھے، ان کا فیشن نوجوانوں میں نہ صرف قابل تقلید بلکہ منتہائے کمال سمجھا جاتا تھا، ان کی چال ڈھال کی نقل کی جاتی تھی اور ''المشیۃ العمریۃ'' کے نام سے اس زمانے کی سوسائٹی میں زبان زدِ خلائق تھی، بیش قیمت سے بیش قیمت کپڑا بازار سے خرید کر آتا، تو ان کی نظر میں نہ جچتا، لیکن جب خلافت کا بار ان کے کاندھوں پر پڑا تو ان کی زندگی یکسر تبدیل ہوگئی، انہوں نے اپنے اور اپنے قریب ترین اعزہ کی جاگیریں بیت المال کو واپس کردیں، ایک مرتبہ سستے سے سستا کپڑا ان کی پوشاک کے لئے آیا تو یہ کہہ کر انہوں نے واپس کردیا کہ یہ قیمتی ہے، ان کے خادموں کی آنکھوں میں پرانا زمانہ یاد کرکے آنسو آگئے کہ بازار کے قیمتی کپڑوں کو انہوں نے یہ کہہ کر واپس کردیا تھا کہ بہت معمولی ہیں، کھانے پینے اور گھر کی چیزوں کا معیار انہوں نے اتنا گرادیا کہ بوریا نشین زاہد بھی اس سے نیچے شاید نہ اتر سکے۔ احتیاط کا یہ عالم تھا کہ سرکاری شمع جل رہی ہے، اور وہ حکومت کا کام کررہے ہیں کہ ایک دوست باہر سے آتے ہیں، وہ ان کے علاقہ کے مسلمانوں کے حالات دریافت کرتے ہیں۔ جوں ہی وہ ان کے بچوں کی خیریت اور گھر والوں کی عافیت پوچھنے لگتے ہیں تو وہ پھونک مار کر شمع گل کردیتے ہیں اور ذاتی شمع منگواتے ہیں کہ سرکاری شمع اور تیل اس لئے نہیں ہے کہ ذاتی سوالات اور خانگی حالات میں وہ صرف ہوں۔ میں نے یہ چند مثالیں دی ہیں، ورنہ ان کی خلافت کے بعد کی پوری زندگی اس عظیم قربانی کی ایک مثال ہے جو کوئی خدا ترس اور صاحب ضمیر اور صاحب ایمان انسان کسی ملت کے لئے پیش کرتا ہے۔

معاملہ ملت اسلامیہ کی تقدیر کا:

یہ میری خوبی ہو یا میری آزمائش ہو، یہ خدا کی نعمت ہو یا میرا امتحان ہو، میں نہیں کہہ سکتا، لیکن شاید اس مجمع میں (ان کے پورے احترام کے ساتھ) کوئی صاحب ایسے موجود نہ ہوں

گے، جن کو عالم اسلام کو اس طرح اور اتنے قریب سے دیکھنے کا موقع ملا ہوگا، جتنا مجھے، کچھ تھوڑی سی بدقسمتی، کچھ تھوڑی سی خوش قسمتی، بدقسمتی اس لئے کہ میں نے اس عالم اسلام کو جس طرح دیکھا وہ جگر پر داغ ہے، جگر پر زخم ڈالنے والا ہے، خوش قسمتی اس لئے کہ مجھے مسلمانوں کو قریب سے اچھی طرح دیکھنے کا موقع ملا، اپنے جسم کے ان ٹکروں کو دیکھنے کا موقع ملا، بہر حال میں آپ سے یہ کہتا ہوں کہ معاملہ اس وقت پارٹیوں کا نہیں، معاملہ جماعتوں کا نہیں، معاملہ وقتی مصالح کا نہیں، معاملہ ملت اسلامی کی تقدیر کا ہے، ہوسکتا ہے کہ عبادات محفوظ ہوں، معاملات میں بہت سی شکلیں محفوظ ہوں، لیکن ملت دنیا کے سیاسی ترازو میں اپنا وزن نہیں ڈال سکتی، بیت المقدس کا مسئلہ ہو یا فلسطین کا مسئلہ ہو، لبنان کا مسئلہ ہو یا قبرص کا مسئلہ ہو، آپ دیکھئے کہ پوری ملت اسلامی اس بارے میں کوئی اثر نہیں رکھتی۔ سلطنت عثمانیہ کے بعد عالم اسلام کا کوئی ملت اور ملت اسلامیہ کا کوئی کنبہ، کوئی خاندان اس پوزیشن میں نہیں ہے کہ عالم اسلام کے کسی مسئلہ میں اپنا سیاسی وزن ڈال سکے۔ کچھ فیصل مرحوم نے تھوڑا سا وزن ڈالا تھا اور کچھ ہمت دکھائی تھی، لیکن آ کر ”آں قدح بشکست وآں ساقی نہ ماند“ آج کوئی اسلامی ملک ایسا نہیں ہے کہ جس کی ناپسندیدگی، جس کا عدم اتفاق اور جس کا احتجاج کسی بڑی طاقت کو ایک سیکنڈ کے لئے بھی اس مسئلہ پر غور کرنے پر آمادہ کر سکے، آپ سب جماعتی مفاد سے بالاتر ہو کر صورت حال کا مقابلہ کریں، زمانہ کے چیلنج کو قبول کریں اور اس کا ہمت و جرأت سے سامنا کریں، اور اگر خدا کی طرف سے کوئی موقع ملا ہو تو آپ اس موقع سے فائدہ اٹھائیں، اگر کوئی فرد، کوئی جماعت دس فیصد بھی اپنے کو اس کا اہم قرار دے کہ وہ آپ کی کوئی خدمت کر سکے تو اخلاص کا تقاضا یہ ہے کہ اسے موقع دیں کہ وہ اپنی صلاحیت کا اظہار کرے، مسلمانوں کی تقدیر کی یہ جو لکیریں ہیں، ان کو سامنے رکھئے، یہ نوشتۂ دیوار نہیں، نوشتۂ تقدیر ہے، آپ کی ذرا سی غلطی، ذرا سی نفسانیت، ذرا سی صوبائی یا لسانی یا طبقہ واری عصبیت، آپ کا انتشار و اختلاف مسلمانان عالم کے لئے نقصان دہ ہوسکتا ہے، آج یا کل جب بھی وہ موقع آئے تو آپ سارے مفادات پر ملت کے مفاد کو مقدم رکھیں اور آپ ہر اس موقع سے، ہر اس موضوع سے، ہر اس مسئلہ سے کنارہ کشی اختیار کریں، جو کسی قسم کا ذہنی انتشار پھیلائے، اگر اس کے لئے آپ کو اختلافی مسائل کو کچھ دنوں کے لئے بالائے طاق رکھنا پڑے تو ضرور رکھیں، فرض اور واجب ہے کہ آپ

غیر ضروری بحثوں کو نہ چھیڑیں اور میں سمجھتا ہوں کہ اگر بعض دینی دعوتوں نے شروع سے یہ احتیاط برتی ہوتی اور انہوں نے جانبی اور ذیلی بحثوں کو کچھ دنوں کے لئے اٹھا رکھا ہوتا تو آج ان کے لئے راستہ اس سے زیادہ صاف تھا جتنا اس وقت آپ کو نظر آ رہا ہے، لیکن بہر حال یہ انسانی کوششیں ہیں، انسان اپنے علم اور عقل کا مکلف ہے۔

موجودہ صدی کو کسی معتصم کی تلاش:

میں سمجھتا ہوں کہ میری تقریر کے مضمرات کو آپ حضرات نے پورے طور پر سمجھ لیا ہوگا اور اتنا کافی ہے، میں اللہ تعالیٰ سے دعا کرتا ہوں کہ آپ پورے عالم اسلام بلکہ دنیائے انسانیت کے لئے اور حق و انصاف اور عدل و مساوات کے لئے پشت پناہ بنیں اور آپ اس قابل ہوں کہ دنیا کے کسی گوشہ میں آپ کے اخلاقی اثر اور آپ کے احترام میں ظلم نہ ہونے پائے، جیسا کہ ایک بڑھیا عورت پر ظلم ہوا تھا، اس نے ''وامعتصماہ!'' کی صدا لگائی تھی اور عباسی خلیفہ معتصم اس کی دادرسی کو پہنچ گیا تھا، آج بھی کوئی ملک اس قابل ہو کہ کوئی مظلوم ''وامعتصماہ'' کہہ سکے، کوئی تو معتصم اس دنیا میں اس صدی میں پیدا ہونا چاہئے، جیسا ایک امام کعبہ کی ضرورت ہے، اور ہم، آپ سب ان کا احترام کرتے ہیں، جیسا کہ آج ایک بڑے عالم دین کی ضرورت ہے اور ہم آپ ان کا احترام کرتے ہیں، ویسے حق پسند، انصاف شعار، عدل گستار، دردمند، انسان دوست جماعت کی بھی ضرورت ہے، پس میں ان الفاظ پر اپنی بات ختم کرتا ہوں، آپ حضرات کا بہت شکر گزار ہوں کہ آپ حضرات نے مجھے ایسا موقع عطا کیا کہ اگر میں کوشش کرتا اور یہاں میرے احباب بھی کوشش کرتے تو شاید اس آسانی سے یہ موقع فراہم نہیں ہوسکتا تھا، اللہ تعالیٰ آپ سب کو بہترین جزا عطا فرمائے۔

وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اسلام ایک تغیر پذیر دنیا میں

مسلم یونیورسٹی علی گڈھ میں شعبہ اسلامک اسٹڈیز کے زیراہتمام ایک چارروزہ سیمینار منعقدہ ۲۲ تا ۲۵ جنوری ۱۹۷۷ء میں کی گئی ایک افتتاحی تقریر۔

جناب وائس چانسلر صاحب، اساتذہ جامعہ، فضلائے مجلس اور معزز حاضرین! میں سب سے پہلے اپنا اخلاقی فرض سمجھتا ہوں کہ اس سیمینار کے داعیوں کا شکریہ ادا کروں کہ انہوں نے مجھے ایسی موقر مجلس کے افتتاح کے لئے جس کا ایسا سنجیدہ اور فکر انگیز عنوان ہے، دعوت دی اور عزت بخشی۔

بڑی ذمہ داری:

حضرات! یہ بڑی موزوں اور برمحل بات ہے کہ یہ سیمینار مسلم یونیورسٹی کے حلقے میں اور اس کے زیر سایہ منعقد ہو رہا ہے، جس نے ہندوستان میں اسلام اور مسلمانوں کے تعلق سے بدلتی ہوئی دنیا اور تغیر پذیر عہد کا سب سے زیادہ جرات مندانہ اور واضح طور پر نوٹس لیا، لیکن تغیر کی حقیقت کو تسلیم کرنے والے اداروں اور تحریکوں پر بڑی ذمہ داری عائد ہوتی ہے، تغیر اور تبدیلی کی ضرورت کا تسلیم نہ کرنا آسان ہے، اس سے کوئی ذمہ داری اس ادارے اور اس تنظیم پر عائد نہیں ہوتی، جو تغیر سے انکار کر دیتا ہے، مگر تغیر کی ضرورت کو تسلیم کرنے کے بعد تو ادارہ ہمیشہ کے لئے اس کا ذمہ دار ہو جاتا ہے کہ حالات کا دیانتدارانہ اور حقیقت پسندانہ جائزہ لیتا رہے اور دیکھے کہ نئے تغیر کی حقیقت کو تسلیم کرنے اور اس کا سامنا کرنے کے لئے وہ تیار ہے یا نہیں؟

اس حیثیت سے مسلم یونیورسٹی پر اور اس کے بعد ندوۃ العلماء کے ذمہ داروں اور کارکنوں پر بڑی ذمہ داری عائد ہوتی ہے اور حسن اتفاق ہے کہ ان دونوں اداروں کے ذمہ داروں کا یہاں ایک سنگم ہو رہا ہے، ان کو خود زمانے سے پہلے اپنا جائزہ لینا چاہئے کہ ایک مرتبہ تغیر کو قبول کر لینے

کے بعد پھر کیا وہ کسی جائز تغیر کو قبول کر لینے کے لئے تیار ہیں یا نہیں؟

زمانہ ثبات وتغیر کا نام ہے:

حضرات! آج کا عنوان ہے ”اسلام ایک تغیر پذیر دنیا میں“ اس کے دو جز ہیں ایک تو ”اسلام“ اور ایک ”تغیر پذیر دنیا“ میں چاہتا ہوں کہ ان دونوں کے بارے میں اپنے ناچیز خیالات پیش کروں اور ہم آپ ایک کھلی ہوئی فضا میں کھلے ہوئے دماغوں کے ساتھ اس پر غور کریں۔

زمانہ اپنی تغیر پذیری اور زیادہ صحیح الفاظ میں اپنی تغیر پرستی یا اقبال کے الفاظ میں ”تازہ پسندی“ کے لئے بدنام زیادہ ہے اور بدکم ہے، بہت سے لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ زمانہ تغیر پذیری ہی کا نام ہے، اس میں کوئی ٹھہراؤ نہیں، حالانکہ یہ صحیح نہیں ہے، زمانہ ثبات اور تغیر کے متوازن، مرکب اور مجموعے کا نام ہے۔

جب کبھی اس کا تناسب بگڑ جائے گا، یعنی ٹھہراؤ تغیر پر غالب آجائے گا یا تغیر ٹھہراؤ پر غالب آجائے گا تو زمانے، سوسائٹی اور تہذیب کا قوام بگڑ جائے گا، ان دونوں کے تناسب کا معاملہ کیمیاوی اجزاء کے تناسب سے بھی کہیں زیادہ نازک ہے، زمانہ جہاں تغیر کی صلاحیت رکھتا ہے، اور اس کو بدلنا چاہئے اس لئے کہ بدلنا زندگی کی کوئی کمزوری، کمی یا عیب نہیں، وہ زندگی کی عین مزاج ہے، اور زندگی کی تعریف ہے۔

ہر دم رواں، ہر دم دواں، ہر دم جواں ہے زندگی

وہ زندگی، زندگی کہلانے کی مستحق نہیں جس میں نمو کی صلاحیت مفقود ہو چکی ہو، وہ درخت شاداب اور پرثمر نہیں کہلایا جا سکتا جو اپنی نمو کی صلاحیت کھو دے۔

تغیر پذیری یا اس کے بجائے اگر آپ اس کو نمو یا ترقی کا نام دیں تو میرے خیال میں آپ اس کے ساتھ زیادہ انصاف کریں گے۔

زمانہ تغیر قبول کرنے کے ساتھ مقابلے کی بھی ایک طاقت رکھتا ہے، ہم یہ تو دیکھتے ہیں کہ زمانہ کتنا بدل گیا اور اس تبدیلی کے مظاہر بھی ہم کو صاف نظر آتے ہیں لیکن زمانے نے اپنی اندرونی صلاحیتوں کو باقی رکھنے اور اپنے صالح اجزاق، وعناصر کو محفوظ رکھنے کے لئے کتنی کشمکش کی اور کس قوت مقابلہ سے کام لیا، عام حالات میں ہم اس کو نہیں دیکھ پاتے اس کے لئے

اسی خاص طرح کی خوردبین کی ضرورت ہے۔

ایک دریا ہی کو آپ لیں جو روانی اور حرکت کے لئے سب سے بہتر مثال ہوسکتا ہے، دریا کی کوئی موج اپنی پہلی موج کی بالکل عین اور مماثل موج کی بالکل عین اور مماثل نہیں ہوتی، لیکن دریا اپنی گذرتی ہوئی موجوں کے باوجود، اپنے نام کے ساتھ، اپنے حدود کے ساتھ، اپنی بہت سی خصوصیات کے ساتھ ہزاروں برس سے قائم ہے، دجلہ وفرات آج بھی دجلہ وفرات کہلائیں گے، اور گنگ وجمن آج بھی گنگ وجمن کہلاتے ہیں۔

زمانے کے اندر ٹھہراؤ بھی ہے، اور بہاؤ بھی، اگر زمانہ ان دونوں خصوصیتوں اور صلاحیتوں میں سے کسی ایک سے محروم ہوجائے تو وہ اپنی افادیت کھودے گا۔

اسی طرح کائنات میں جتنے بھی وجود، شخصیتیں اور ہستیاں ہیں، سب کے اندر مثبت اور منفی لہریں برابر اپنا کام کرتی رہتی ہیں ان دونوں لہروں کے ملنے سے وہ فریضہ ادا ہوتا ہے، اور وہ منصب پورا ہوتا ہے جو ان کے سپرد کیا گیا ہے۔

مذہب زندگی کا نگراں ہے:

جہاں تک مذہب کا تعلق ہے، مذہب کے ایک پیرو اور طالب علم کی حیثیت سے میں مذہب کے لئے یہ پوزیشن قبول نہیں کرسکتا اور میں سمجھتا ہوں کہ آپ حضرات بھی مذہب کے لئے یہ پوزیشن نہیں پسند کریں گے کہ مذہب ہر تغیر کا ساتھ دے یہ کسی تھرمامیٹر کی تعریف تو ہوسکتی ہے کہ وہ:۔

درجۂ حرارت وبرودت بتلائے یہ مرغ بادنما (WEATHER COCK) کی بھی تعریف ہوسکتی ہے جو کسی ہوائی اڈے یا اونچی عمارت پر لگایا گیا ہے صرف یہ معلوم کرنے کے لئے کہ ہوا کس طرف کی چل رہی ہے، لیکن مذہب کی تعریف نہیں ہوسکتی، میں سمجھتا ہوں کہ آپ حضرات میں سے کوئی بھی ایسا نہیں ہوگا کہ مذہب کو اس کے بلند مقام سے اتار کر تھرمامیٹر یا مرغ بادنما کا مقام دینا چاہتا ہو کہ مذہب کا کام یہ ہے کہ وہ صرف زمانے کی تبدیلیوں کی رسید دیتا رہے، اکنالج۔ (ACKNOWLEDGE) کرتا ہے یا اس کی عکاسی کرتا رہے، صحیح آسمانی مذہب کے تو کیا کسی نام نہاد مذہب کے پیرو یا اس کے نمائندے بھی اس پوزیشن کو قبول کرلینے کے لئے تیار نہیں ہوں گے۔

مذہب تغیر کو ایک حقیقت مانتا ہے، اور اس کے لئے وہ ساری گنجائش رکھتا ہے، جو ایک صالح، صحیح، فطری اور جائز تغیر کے لئے ضروری ہوں، مذہب زندگی کا ساتھ دیتا ہے، لیکن یہ محض ساتھ دینا یا محض رفاقت اور پیروی نہیں ہے، بلکہ اس کے ساتھ ساتھ مذہب کا فریضہ یہ بھی ہے کہ وہ اس کا فرق کرے کہ یہ صالح تغیر ہے، اور یہ غیر صالح تغیر ہے، یہ تخریبی رجحان ہے، اور یہ تعمیری رجحان ہے، اس کا نتیجہ انسانیت کے حق میں یا کم سے کم اس مذہب کے پیروؤں کے حق میں کیا ہوگا؟ مذہب جہاں رواں دواں زندگی کا ساتھ دینے والا ہے، وہاں وہ زندگی کا محتسب، نگراں، گارجین (GUARDIAN) اور زندگی کا اتالیق بھی ہے۔

گارجین کا کام یہ نہیں ہے کہ جو ہستی اس کی اتالیقی میں ہے، اس کے ہر صحیح غلط رجحان کا ساتھ دے اور اس پر مہر تصدیق ثبت کرے، مذہب ایسا سسٹم نہیں ہے کہ جہاں ایک ہی قسم کی مہر رکھی ہوئی ہے، ایک ہی طرح کی روشنائی ہے، اور ایک ہی طرح کا ہاتھ ہے، جو دستاویز اور تحریر آئے مذہب کا کام یہ ہے کہ وہ اس پر مہر تصدیق ثبت کردے۔

مذہب پہلے اس کا جائزہ لے گا، پھر اس پر اپنا فیصلہ صادر کرے گا، اور ترغیب کے اور بعض اوقات مجبوراً ترہیب کے ذریعہ اس سے اسے باز رکھنے کی کوشش کرے گا اور اگر کوئی ایسی غلط دستاویز اس کے سامنے آئی ہے، جس سے اس کو اتفاق نہیں یا جس کو وہ انسانیت کے حق میں مہلک اور تباہ کن سمجھتا ہے تو نہ صرف یہ کہ وہ اس پر مہر تصدیق ثبت کرنے سے انکار کرے گا، بلکہ اس کی بھی کوشش کرے گا کہ وہ اس کی راہ میں مزاحم ہو۔

یہاں اخلاقیات اور مذہب میں ایک فرق پیدا ہو جاتا ہے، مذہب اپنی ذمہ داری اور فرض سمجھتا ہے کہ غلط رجحان کو روکے، ماہر اخلاقیات ونفسیات کی ڈیوٹی صرف یہ ہے کہ وہ غلط رجحانات کی نشاندہی کردے، یا اپنا نقطۂ نظر ظاہر کردے، لیکن مذہب اس کی کوشش کرے گا کہ وہ اس کا راستہ روک کر کھڑا ہو جائے۔

مذہب کی تاریخ کی بعض آزمائشیں:

مذہب کی تاریخ میں ہمیں بعض وقفے نظر آتے ہیں، جہاں ہم دیکھتے ہیں کہ مذہب اور زندگی کا ساتھ چھوٹ گیا ہے، وہاں مذہب سے زیادہ پیروان مذہب اس کے ذمہ دار ہوتے ہیں، جو مذہب کے اعلیٰ اصول، عملی زندگی میں جاری اور ساری کرنے میں کوتاہی برتتے ہیں، یہ

مذہب کی کوتاہی نہیں کہ وہ زندگی کا ساتھ نہیں دیتا، یہ پیروانِ مذہب کی کوتاہی ہے کہ وہ اپنی سستی اور کوتاہی سے زندگی کے قافلے سے بچھڑ جاتے ہیں، لیکن مذہب اور پیروانِ مذہب کا ایسا مستحکم رشتہ اور نازک تعلق ہے کہ ان دونوں کے درمیان بہت کم نگاہیں فرق کرسکتی ہیں کہ یہ کوتاہی مذہب کی ہے، یا پیروانِ مذہب کی، تاہم ایک عظیم ادارے اور ایک عظیم تحریک کے علمبردار حقیقت پسندانہ، ناقدانہ اور مذہبی، علمی اور گروہی عصبیتوں سے علیحدہ ہوکر تاریخ کا بے لاگ اور غیر جانبدارانہ جائزہ لیں تو معلوم ہوگا کہ اسلام بحیثیت دینی اور آسمانی تعلیمات کے اس کا ذمہ دار نہیں تھا، اور اس کے اندر کوئی ایسا نقص موجود نہیں تھا، جو اس کو زندگی کا ساتھ دینے اور اس کے مسائل حل کرنے سے باز رکھے۔

ان غلاموں کا یہ مسلک ہے کہ ناقص ہے کتاب:

انسانوں کی پرانی کمزوری ہے کہ اپنی ذمہ داری دوسروں پر ڈال دیتے ہیں، جب بہت سے مسلمانوں سے قرآن مجید کی روشنی میں مسائلِ حاضرہ کے حل کرنے اور اپنی محنت وذہانت سے قرآن مجید کے رہنما ابدی اصولوں اور بدلتی ہوئی زندگی کے درمیان مطابقت پیدا کرنے میں کوتاہی ہوتی ہے تو وہ اپنے قصور کا اقرار کرنے کے بجائے قرآن مجید پر زندگی کے ساتھ نہ دے سکنے کا الزام لگاتے ہیں، یا مخالفین کو یہ تاثیر دیتے ہیں کہ قرآن مجید معاذ اللہ ناقص ہے، اس لئے کہ وہ ان کی ہر خواہش اور ہر ضرورت کے لئے سندِ جواز مہیا نہیں کرتا، علامہ اقبال نے اسی حقیقت کو اپنے اس شعر میں بیان کیا ہے ؎

ان غلاموں کا یہ مسلک ہے کہ ناقص ہے کتاب
کہ سکھاتی نہیں مومن کو غلامی کے طریق

بعض لوگ اس سے ایک قدم آگے بڑھا کر خود قرآن مجید کو اپنی خواہشات اور اپنی کمزوریوں اور بے اصولیوں کا تابع بنانے کی کوشش کرتے ہیں، وہ اس کی ایسی تفسیر کرنے لگتے ہیں جس سے ان کی غلط زندگیوں کا جواز نکلے، وہ اپنے کو قرآن مجید کے سانچہ میں ڈھالنے کے بجائے قرآن مجید کو اپنے فکر وعمل کے سانچہ میں ڈھالنے کی کوشش شروع کردیتے ہیں۔

مولانا ابوالکلام آزاد نے اپنے مقدمہ تفسیر میں اپنے مخصوص ادیبانہ اور بلیغ انداز میں اس صداقت کو ان الفاظ میں بیان کیا ہے:۔

''انہوں نے جب دیکھا کہ وہ قرآن مجید کی بلندیوں کا ساتھ نہیں دے سکتے تو انہوں نے اس کو اس کی بلندیوں سے نیچے اتارنے کی کوشش کی تا کہ وہ ان کی پستیوں کا ساتھ دے سکے۔

باصلاحیت افراد کی کمی:

وہ سارے وقفے جس میں ہمیں مذہبی حلقے پر جمود کی طاہر نظر آتا ہے یا پیروان مذہب کی زندگی میں الجھنیں پیدا ہوگئی ہیں، یہ ان باکمال شخصیتوں کے فقدان یا کمی کا دور ہے، جو زمانے کے چیلنج کو قبول کر کے مذہب کی مؤثر نمائندگی کرتے ہیں، اسلامی تاریخ کے جس دور میں بھی مذہب کی بہتر نمائندگی ہوئی اسلام اور شریعت اسلامی پر معاشرے میں کبھی بھی بے اعتمادی نہیں پیدا ہوئی، اسلامی تاریخ کے مختلف ادوار میں ہمیں زمانے کی سطح سے بلند ایسی شخصیتیں نظر آتی ہیں، جنہوں نے اپنی اعلیٰ صلاحیت اور عبقری (Genius) شخصیت سے اپنے دور کے فتنوں کا سدباب، اپنے زمانے کے پیدا شدہ نئے مسائل کے حل اور مذہب کی طاقتور نمائندگی کا فریضہ نہایت کامیابی سے انجام دیا، امام ابوحنیفہؒ، امام مالکؒ، امام شافعیؒ، امام احمد بن حنبلؒ اس دور میں پیدا ہوئے، جب ان کی ضرورت دین اور زمانے کو تھی، انہوں نے اسلامی شریعت وقانون کو منقح شکل میں پیش کر کے اسلامی سلطنت کی وسعت اور اس سے پیدا ہونے والے مسائل کو حل کیا، بعد کے دور میں امام ابوالحسن اشعریؒ اور امام غزالیؒ جیسے عالی دماغ افراد آئے اور انہوں نے ان خطرات اور فتنوں کا مقابلہ کیا جو ان کے زمانے میں پیدا ہوئے تھے۔

آسان اور پر پیچ:

حضرات! اگر آپ غور فرمائیں تو بات بہت آسان اور قابل فہم ہے، لیکن اگر صرف منطقی اور فلسفیانہ نقطۂ نظر سے مسئلہ سمجھنا چاہیں تو اچھا خاصہ معمہ بن سکتا ہے، بات بہت سادہ ہے، اور بہت آسان ہے اور بہت مشکل اور پر پیچ بھی ہے، سادہ اس طرح ہے کہ پہلے آپ زمانے کی حقیقت کو سمجھ لیں کہ زمانہ اس طرح تغیر پذیر نہیں کہ اس کی سرعت کا نہ نظام اخلاقیات ساتھ دے سکتا ہے، اور نہ کوئی نظام فکر، زمانے کی حقیقت ہم سمجھیں اور زمانے کا جو اصل مقام ہے اس کے ادارک کی کوشش کریں اور اس کے ساتھ ہم اسلام کو سمجھیں اور اس کا گہرا مطالعہ کر کے دیکھیں کہ قرآن مجید میں رہنمائی کے کیسے ابدی اصول دیئے گئے ہیں، اس میں زندگی کے تغیر کا

کتنا اعتراف کیا گیا ہے، اور عقل وفہم سے کام لینے کی کیسی دعوت دی گئی ہے؟ ہم دیکھیں کہ ابتدائی دور کے مسلمانوں نے جن کو پہلی مرتبہ نئی نئی تہذیبوں اور فلسفوں کا سامنا کرنا پڑا تھا کس خوبی سے اپنی ذمہ داری پوری کی۔

عہد جدید کا ساتھ دینا کیا معنی، میں اس کو اسلام کی پوزیشن سے فروتر بات سمجھتا ہوں، اسلام تو عہد جدید کی رہنمائی کرسکتا ہے، اور اس کو راہ راست پر بھی لگا سکتا ہے۔

عہد جدید خودکشی پر آمادہ:

حضرات! اگر آپ یہ بھی دیکھیں کہ عہد جدید کس مہلک غار کی طرف جا رہا ہے؟ کس طرح خودکشی پر آمادہ ہے؟ اور انسانیت کے لئے پیام موت بن رہا ہے؟ نسل انسانی کی افادیت کے خلاف خدا کی عدالت میں ثبوت پیش کر رہا ہے کہ انسان کو زندہ رہنے کا حق نہیں؟ کیسے کیسے تخریبی رجحانات اس میں کام کر رہے ہیں؟ اسلام اپنے ان اصولوں کے ذریعہ جو قرآن مجید میں مذکور ہیں، خواہ وہ اخلاقی ہوں یا تمدنی، خواہ افراد کے باہمی رشتوں سے تعلق رکھتے ہوں یا ان کی خارجی زندگی سے، ان اصلوں کی ذریعے عہد جدید کے نہ صرف جائز تقاضوں کو پورا کرسکتا ہے بلکہ عصر جدید کو اس تباہی سے بھی بچا سکتا ہے، جو تلور کی طرح اس کے سر پر لٹک رہی ہے۔

اب مسئلہ عصر جدید کا ساتھ دینے اور نہ دینے کا نہیں رہا اب تو عصر جدید کے بچانے کا مسئلہ سامنے آیا ہے، اب تو عہد جدید کی بات کرنے والوں، عصر جدید کے قصیدہ خوانوں، عہد جید کی دہائی دینے والوں اور عہد جدید کے نام پر ایسے سیمینار بلانے والوں کا ہے کہ وہ بھی رہیں گے یا نہیں رہیں گے؟ اس نقار خانے میں ان کی آواز بھی سنی جائے گی، جہاں صرف پیٹ اور نفس امارہ کی پرستش ہو رہی ہو؟ آج دنیا میں اور خود ہمارے ملک میں دو ہی حقیقتیں زندہ نظر آتی ہیں، ایک دولت، دوسری قوت، کیا ایسے زمانے میں کسی سنجیدہ علمی حقیقت پر غور کیا جا سکے گا؟ اور کیا انسان اس موڈ میں ہوں گے کہ کوئی سنجیدہ بات ان سے کہی جا سکے؟ یہاں تو صرف ایک نعرہ ہوگا کہ بہتی ہوئی گنگا ہے اپنا اپنا ہاتھ دھولو اور اپنی اپنی جھولوی بھر لو، کوئی اخلاقی حدود، کوئی بلند معیار، کوئی انسانی خیر خواہی کی بات اور تہذیب کو بچانے کا مسئلہ قابل فہم نہیں رہے گا، لوگ اس موڈ ہی میں نہیں ہوں گے۔

اب تو اسلام کے بجائے عہد جدید کو بچانے کا مسئلہ زیادہ اہم ہے، آپ اس عہد جدید کی خبر لیجئے جو اتنا بدمست ہو چکا ہے کہ کوئی سنجیدہ بات سننا نہیں چاہتا، آپ اسلام کی طرف سے اطمینان رکھئے وہ ہر عہد اور تمام جائز تقاضوں کو تسلیم کرتا ہے، اس سے زیادہ انصاف پسند کوئی نظام نہیں، جب بھی کوئی مظلوم آواز یا انسانی فریاد بلند ہوئی تو اسلام نے اس کی طرف توجہ کی، اس نے ہمیشہ عقل انسانی کو سرگرم کار رہنے کی دعوت دی، علی گڑھ یونیورسٹی اور عربی مدارس کے لئے چھٹی ہے، جمعہ کی ہو یا اتوار کی چھٹی، لیکن عقل انسانی اور عقل ایمانی کو کبھی چھٹی نہیں، اس نے کہا کہ اہلک علم کے لئے سب سے زیادہ قربانی کی ضرورت ہے، اور سخت معیار زندگی گزارنے کے لئے اپنے کو تیار رکھنا چاہئے۔

غلط تشریح سے غلط فہمیاں:

بہت سی غلط فہمیاں غلط تشریح سے پیدا ہوتی ہیں، حضرت علیؓ مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ کا یہ کتنا حکیمانہ مقولہ ہے " كلموا الناس على قدر عقولهم اتريدون ان يكذب الله ورسوله ."لوگوں کی عقل کے مطابق بات کرو، دینی حقائق کو اس انداز میں پیش کرو کہ ذہن اس کو قبول کرے، یہ مسئلہ صرف الفاظ کا نہیں بلکہ اسلوب، طرز فکر اور طریقہ بیان کا بھی ہے، اس کے بعد فرمایا: کیا تم چاہتے ہو کہ اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی تعلیمات کی تکذیب کی جائے، خدا اور رسول ﷺ کی تکذیب اس لئے نہیں کی جا رہی ہے کہ خدا اور رسول کی باتیں زمانے کے حقائق کے خلاف ہیں، بلکہ اس لئے کہ جا رہی ہیں کہ ان کو دل نشین اور قابل فہم طریقہ پر پیش نہیں کیا جاتا ہے۔

اسلام تغیر پذیر دنیا میں اپنا مقام رکھتا ہے، یہ مقام کوئی ایسا نہیں کہ وہ آپ سے رحم کی درخواست کرے کہ اس کو باقی رہنے دیا جائے، بلکہ زندگی اسی کی نگرانی و رہنمائی میں صحیح راستے پر چل سکتی ہے۔

مذہب اور تہذیب:

اس موقع پر ذہن میں تہذیب کا تصور آتا ہے، یہ ایک مغربی تخیل ہے، بہت سے لوگ سمجھتے ہیں کہ اسلام ایک گزشتہ تہذیب کا نام ہے، اسلام پر لکھنے والے مصنفین LEGACY

OF ISLAM کا عنوان دیتے ہیں، اسلام ایک تہذیب ضرور رکھتا ہے، لیکن وہ محض ایک گذشتہ تذیب کا نام نہیں ہے، تہذیب کے لئے ہم جانتے ہیں کہ یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ ہزار برس پہلے کی تہذیب یا پانچ سو برس پہلے کی تہذیب کا اس بدلی ہوئی دنیا میں کوئی جواز ہے، لیکن مذہب صرف اخلاقی قدروں، محض کسی معاشرت، رہن سہن کے طریقی، تہذیب اور فن تعمیر کا نام نہیں، وہ تو غیبی حقائق، ایمانی عقائد اور ایمانیات کا مسئلہ ہے، وہ عبد و معبود کے باہمی رشتے اور زندگی گزارنے کے ابدی آسمانی اصولوں کا نام ہے۔

اگر اسلام کا یہ دائرہ ہے تو اسلام کے لئے کوئی خطرہ نہیں ہے کہ سانچے بدل جائیں گے تو وہ ان سانچوں میں فٹ ہوسکتا ہے یا نہیں، مغربی مصنفین خلط مبحث کرتے ہیں، زندگی چاہے کتنی ہی بدل جائے ان ابدی حقائق وعقائد کے لئے جگہ اور گنجائش ہے، اور پوری زندگی اس کے سائے کے نیچے آنی چاہئے اگر نہ آئے گی تو پھر اس زندگی اور سوسائٹی کے اندر ساری وہ خرابیاں پیدا ہوں گی جو ہم آج مغربی تمدن میں دیکھ رہے ہیں، اور اس کا کوئی حل وہاں کے بڑے سے بڑے مفکروں کی سمجھ میں نہیں آرہا ہے۔

وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العلمین

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

ضرورت تبلیغ

۲۸ جون ۱۹۶۹ء بعد نماز عصر شیفلڈ (انگلستان) کے ایک چیدہ مجمع میں کی گئی یادگار تقریر۔

الحمد لله نحمده ونستعينه ونستغفره ونعوذبالله من شرور انفسنا ومن سيئات اعمالنا من يهد الله فلا مضل له ومن يضلله فلا هادى له ونشهد ان لا اله الا الله ونشهد ان محمد اعبده ورسوله الذى ارسله الله تعالى بالحق بشيرا ونذيرا وداعيا الى الله باذنه وسراجامنيرا

اعوذ بالله من الشيطن الرجيم

بسم الله الرحمن الرحيم

وانفقوا فى سبيل الله ولا تلقوا بايديكم الى التهلكة.

میرے بھائیوں اور دوستو! میں نے آپ کے سامنے ابھی سورۂ بقرہ کی ایک آیت پڑھی ہے اس میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ اللہ کی راہ میں خرچ کرو اور اپنے ہاتھوں ہلاکت میں نہ پڑو، اور نیکی کرو، بے شک اللہ تعالیٰ اچھی طرح نیکی کرنے والوں کو پسند فرماتا ہے۔ یہ آیت جس کا ٹکرا بہت سے مسلمانوں کو یاد ہوگا، بہت جگہ اس سے صحیح اور غلط طریقہ پر کام بھی لیا جاتا ہے۔ اپنے ہاتھوں ہلاکت میں نہ پڑو۔ اس آیت کی صحیح تفسیر اور اس کے نازل ہونے کا موقعہ اور اس کی اصل مراد اس واقعہ سے معلوم ہوگی جو میں آپ کو سنانے والا ہوں۔

ایک جلیل القدر صحابی سیدنا ابوایوب انصاریؓ:

ایک مرتبہ مسلمانوں کی ایک فوج جس میں صحابہ کرام بھی تھے، قسطنطنیہ (استنبول) کا محاصرہ کر رہی تھی، وہ قسطنطنیہ جو اس وقت خدا کے فضل وکرم سے مسلمانوں کے قبضہ میں ہے۔ مگر اس وقت اس کا فتح ہونا مقدر نہ تھا۔ اللہ تعالیٰ کو کسی اور زمانے میں، کسی اور سے یہ کام لینا تھا

اور اسے اسلام کے قبضے میں آنا تھا اس وقت اس فوج میں بڑے بڑے جلیل القدر صحابہؓ تھے۔ انہیں میں سیدنا ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہ بھی تھے، جن کو صحابیت کے شرف اور دوسرے بڑے بڑے کمالات کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے ایک ایسی دولت سے بھی نوازا تھا۔ جس پر قیامت تک مسلمانوں کو رشک آئے گا اور رشک آنا چاہئے تھا یعنی کہ جو ساری دنیا کا میزبان تھا۔ جس کو اللہ تعالیٰ نے ساری دنیا کی ضیافت کرنے، اور اللہ کے خوان نعمت سے فائدہ اٹھانے کے لئے مبعوث فرمایا تھا، ان کے میزبان ہونے کا شرف اللہ تعالیٰ نے سیدنا ابو ایوب انصاریؓ کو عطا فرمایا یعنی میزبان عالم ان کا مہمان رہا ہے۔ یہ ایسی فضیلت تھی کہ صحابہ کرامؓ اس کا پاس رکھتے) تھے۔ اور ان کو رشک اور احترام کی نگاہ سے دیکھتے تھے، ان کی ہر بات بڑی توجہ سے سنی جاتی تھی اس لئے کہ رسول اللہ ﷺ کے میزبان ہونے کا مطلب یہی نہیں ہے کہ انہوں نے آپ ﷺ کی ضیافت کی، اور آپ کی میزبانی کا شرف حاصل کیا بلکہ اس کا مطلب یہی ہے کہ ان کو سب سے پہلے زیادہ قرب کا موقعہ ملا۔ اس لئے اسلام کی روح سمجھنے اور اللہ تعالیٰ کے کلام کا منشاء سمجھنے کا ان کو وہ حق بھی تھا جو ہر مسلمان کو ہوتا ہے۔ اس کے علاوہ یہ کہ ان کو رسول اللہ ﷺ کی طویل صحبت بھی حاصل ہوئی تھی۔ اسی لئے ذات نبوی ﷺ سے مناسبت اور قربت نے ان کی مومنانہ فراست اور ایمانی ذہانت کو جلا بخشی تھی اور انہوں نے بڑے بڑے کارہائے نمایاں انجام دیئے تھے، حضرت ابو ایوب انصاریؓ بھی اس جہاد میں بہ نفس نفیس شریک تھے۔

دوران جہاد ایک آدمی کا غلط تفسیر بیان کرنا:

اسی دوران کہ محاصرہ جاری تھا اور بڑے گھمسان کی لڑائی ہو رہی تھی، یہ دیکھ کر ایک صحابیؓ سر بکف صف سے نکلے اور صفوں کو چیرتے پھاڑتے آخری صف تک جہاں عام طور پر فوج کو لڑانے والے ہوا کرتے ہیں، وہاں تک پہنچ جاتے پھر اسی طریقے سے صفوں کو درہم برہم کرتے ہوئے، واپس ہوتے، جیسے کوئی مشاق کھلاڑی اپنے کمالات دکھاتا ہے۔ اسی طرح وہ دور تک دشمنوں کی فوج میں پہنچ جاتے اور پھر چلے آتے دیر تک یہ منظر رہا۔ مسلمانوں کی زبان سے بے اختیار نکلا کہ یہ کام تو صریحاً قرآن مجید کے حکم کے خلاف ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

ولا تلقو بایدیکم الی التھلکۃ.

یعنی تم اپنی جانوں کو ہلاکت میں نہ ڈالو۔ یعنی جان بوجھ کر ایسا کام نہ کرو جس سے جان

جاتی ہو اور یہ تو ایک طرح کی خودکشی ہوئی، یہ شخص اس طرح کی خودکشی کر رہا ہے اکیلا آدمی اس طرح دشمنوں کے نرغے میں گھس جاتا ہے۔ گویا کہ دشمنوں کے سمندر میں چھلانگ لگاتا ہے۔ یہ اس کو مناسب نہیں، یہ کام جائز نہیں۔

سدینا ابوایوب انصاریؓ کا، صحیح تفسیر کی طرف متوجہ کرنا:

سیدنا ابوایوب انصاریؒ نے اس پر فرمایا کہ دوستو! اس آیت کی تفسیر ہم سے پوچھو، یہ تو ہمارے گھر کی آیت ہے۔ یہ ان آیتوں میں ہے، جس کا تعلق خاص طور پر حضرات انصارؓ سے ہے، صحابہ کرامؓ متوجہ ہو گئے، اور تمام مسلمان ہمہ تن گوش بن کر کھڑے ہو گئے کہ دیکھیں رسول اللہ ﷺ کے میزبان جلیل القدر صحابیؓ قرآن کا بہت علم رکھنے والے اس آیت کی کیا تفسیر بیان کرتے ہیں؟

صحابہ کرامؓ کی دینی جد و جہد اور اس کے نتائج:

انہوں نے فرمایا کہ اصل میں یہ آیت اس موقعہ پر نازل ہوئی کہ جب اسلام مدینہ پہنچا اور لوگ گھر کو چھوڑ کر اور سب سے آنکھیں بند کر کے دین کے کام میں ہمہ تن لگ گئے۔ کیسا باغ؟ کہاں کی کھیتی؟ کیسی دکان؟ کیسا مکان؟ کیسی اولاد؟ سب کچھ دین پر قربان تھا، اور ساری پونجی اس پر نثار تھی، بالکل ایک سرفروشی کی حالت تھی جو اسلام کی خدمت کے لئے سب پر چھائی تھی، کسی کو اپنے گھر بار کا ہوش نہ تھا۔ اس ایثار و قربانی کا اس ظاہری دنیا میں جو قدرتی نتیجہ ہوا کرتا ہے، اور جو قانون خداوندی اور قانون تکوینی ہے، وہ ہوا۔ ہماری تجارت کے دیوالیے نکل گئے، ہمارے باغات ویران ہو گئے، ہماری کھیتیاں برباد ہو گئیں غرض یہ ہے کہ ہمارے کاروبار اس سے متاثر ہوئے لیکن اسلام گھر گھر پھیلنے لگا، اور جیسے نور پھیلتا ہے، اور بارش ہوتی ہے، اسی طرح اسلام مدینہ میں پھیلنے لگا۔ اب پہلی سی حالت نہ رہی۔ یعنی اتنا تو ابھی نہیں ہوا کہ سارا مدینہ مسلمان ہو جائے، لیکن ہزاروں کی تعداد میں مسلمان ہو گئے۔ بہتیرے دولت ایمان سے مالا مال اور سینکڑوں اس باران رحمت سے نہال ہو گئے۔

دینی جدوجہد کے دوران صرف چھٹی کا تصور:

اس وقت ہمارے دل میں یہ خیال آیا کہ پہلے کی طرح اب اسلام کو اس درجہ ہماری خدمات کی، ہمارے کل اوقات کی، اور ہمارے بالکل تن من دھن سے اس کی خدمت میں لگ جانے کی ضرورت نہیں ہے۔ احکام حالات کے ساتھ بدلتے ہیں۔ اس وقت یہ حکم تھا کہ کوئی اپنی گھر نہ بیٹھے، کوئی اپنی جان کو، اپنے، مال کو اور اپنی اولاد کو اسلام سے زیادہ عزیز نہ سمجھے۔ اور جب ضرورت تھی تو ہم سب کچھ چھوڑ کر اسلام کی خدمت کے لئے کود پڑے تھے، اللہ نے ہم کو توفیق دی اور ہم نے ایسا کیا۔ لیکن اب وہ پہلے کی حالت نہیں ہے۔ اب خدا کے فضل وکرم سے مسلمانوں کی تعداد میں بہت بڑا اضافہ ہوگیا ہے۔ اب اسلام کے خدمت گزار اور اس کے سپاہی اور اس کے مبلغ بہت ہیں۔ اس لئے اگر ہم تھوڑے دن کی چھٹی لے لیں تو کیا حرج ہے؟ چھٹی کا قانون تو ہر نظام میں ہوتا ہے۔

بدرجہ ضرورت عارضی چھٹی کا خیال:

یہ بات تو ان حضرات کے ذہن میں وسوسہ کے درجہ میں بھی نہیں آ سکتی تھی اور یہ خیال بھی نہیں آ سکتا تھا کہ ہم اپنے آپ کو مستقل طور پر سبکدوش کرالیں۔ کہ حضور ﷺ! اب اسلام کی خدمت کرنے والے بہت ہوگئے ہیں۔ ہم کو آپ چھٹی دے دیجئے تا کہ ہم اپنے گھر جا کر بیٹھیں، اتنے دن ہم نے کام کیا۔ اب دوسرے کام کریں، یہ بات تو ان حضرات کے خواب و خیال میں بھی نہیں آ سکتی تھی، صرف اتنا ہی خیال ہوا تھا کہ وقتی طور پر محض عارضی طور پر کچھ چھٹی لے لیں، آدمی محاذ جنگ سے چھٹی لیا کرتا ہے، اس کو گھر واپس کیا جاتا ہے۔ اسی طریقہ سے ہسپتالوں سے بھی چھٹی دی جاتی ہے۔ اور ایسے بہت نازک کام ہیں جہاں کوئی وقت آ جاتا ہے کہ آدمی چھٹی لیتا ہے تا کہ ذرا تازہ دم ہو جائے، آرام کرنے اور اپنے گھر کے ضروری کام انجام دے آئے۔

چھٹی لینے کا انجام یعنی دوزبردست نقصان:

حضرت ابوایوب انصاریؓ فرماتے ہیں کہ ہمارے دل میں صرف یہ خیال آیا کہ ہم

تھوڑے دن کے لئے چھٹی لے لیں، بس اس خیال کا آنا تھا کہ یہ آیت نازل ہوئی کہ کیا یہ خطرناک زہریلا خیال تمہارے دل میں آیا؟ کیا یہ شیطانی وسوسہ تمہارے دل میں آیا؟ تم اللہ کے کام سے چھٹی لینا چاہتے ہو۔ جانتے ہو کہ اس کا کیا انجام ہوگا؟ اس کا نتیجہ کیا ہوگا؟ اس کا نتیجہ تم سمجھ رہے ہو وہ نہیں ہے بلکہ تم جو کچھ سمجھ رہے وہ وہ تو ہو جائے گا، یعنی کھیتیاں سرسبز ہو جائیں گی، اور یہ چھوٹی چھوٹی پونجی کی دکانیں جس میں کمی نہ ہو، کسی میں پانچ سو کا سامان ہے، برائے نام معمولی سا کاروبار اس میں تمہیں کامیابی ہو جائے گی۔

تمہاری دکانیں جو بالکل بیٹھ گئی ہیں، جس میں خاک اڑنے لگی ہے، وہاں دو چار گاہک نظر آنے لگیں گے، اس میں روزانہ دس بیس درہم کی آمدنی شروع ہو جائے گی۔ تمہارے باغ جو بالکل سوکھ گئے ہیں اس کو پانی دو گے تو وہ ہرے بھرے ہو جائیں گے۔ لیکن اس کے دو نتیجے نکلیں گے ایک کا تعلق تمہاری ذات سے ہے، اور دوسرے کا تعلق پوری کائنات سے ہے، جہاں تک تمہاری ذات کے تعلق کا سوال ہے اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ تمہارا نام خدا کے یہاں خدمت گزاروں کی فہرست سے کٹ جائے گا اور تم بھی انہیں قوموں میں شمار کئے جانے لگو گے جن کی قسمت پر مہر لگا دی گئی ہے، اور جن کو جانوروں کی فہرست میں لکھ دیا گیا ہے کہ ان کا کام گائے بیل گھوڑے کی طرح کھانا، کمانا اور پیٹ بھرنا ہے اور اس کے بعد حشرات الارض کی طرح زندگی گزار کر دنیا سے چلے جانا ہے۔

آج تمہارا نام رسول اللہ ﷺ کی سپاہیوں، ساتھیوں اور جاں نثاروں اور انسانیت کو سرسبز کرنے والوں میں لکھا ہوا ہے، دنیا کے معماروں میں، نیز دنیا میں دوبارہ بہار لانے کے لئے کوشش کرنے والوں میں لکھا ہوا ہے تمہارے لئے حیات نو اور دنیا کی حیات بخشی مقدر ہے کہ تمہارے ہاتھوں پر یہ دنیا جو کہ محض ایک قمار خانہ، محض ایک جانوروں کا اصطبل، محض انسانوں کا قبرستان بن کر رہ گئی ہے جہاں نا ؤ نوش ہر وقت پینے پلانے اور کھانے کمانے کے سوا کوئی آواز بھی نہیں آتی، اس دنیا کو دوبارہ زندہ کرنا مقدر ہے اس فہرست سے تمہارا نام نکل جائے گا، اور یہ دنیا جو اللہ سے بچھڑ گئی تھی، خدا کو بھول گئی تھی، آج پھر تمہارے ذریعہ سے خدا کی چوکھٹ پر سر جھکانے لگی ہے اور جن کے نام باغیوں میں لکھے ہوئے تھے۔ ان کا شمار اولیاء اللہ میں، عارفوں میں، عبادت گزاروں میں اور علماء ربانیین میں، دنیا کے نجات دہندہ لوگوں کی فہرست

میں لکھے جانے والے ہیں ۔ یہ فیصلہ بدل جائے گا۔ اگر تم کاروبار میں لگنا چاہتے ہو تو پہلا نقصان تو اپنا کرو گے کہ اس قدسی اور نورانی فہرست سے کٹ کر محض اپنے لئے جینے مرنے والوں میں تمہارا نام لکھ دیا جائے گا۔

دوسرا نتیجہ جو اس سے بھی زیادہ خطرناک ہے، وہ یہ ہے کہ دنیا کے لئے اللہ تعالیٰ نے جو فلاح کا دروازہ کھولا ہے۔ اور یہ کہ دربار ہدایت کا دروازہ کھولا ہے، اور اس دنیا کے متعلق اب اللہ تعالیٰ کی تقدیر کا یہ جو فیصلہ ہے کہ یہ دنیا دوبارہ خدا کو پہچانے، دوبارہ خدا کے راستے پر چلے، دوبارہ خدائے واحد کی بندگی کرے، اور پھر اس دنیا میں آنے والے انسان کو اپنا حقیقی مقام معلوم ہو اور انسان کو اپنی زندگی کا مقصد معلوم ہو، یہ دروازہ بند ہو جائے گا۔

بلندی ہمت ونظر یہ سب کچھ دینی جدوجہد کا ثمرہ ہے:

ہم چوپائے درندے نہیں اور ہم فرشتے بھی نہیں ہیں بلکہ ہم انسان ہیں۔ ہمیں حکم دیا گیا ہے کہ اپنی ضروریات زندگی کو بقدر ضرورت مہیا کر کے ہم اللہ تعالیٰ کے کام میں لگیں، اللہ کے دین کو دنیا کے کونے کونے میں پھیلائیں۔ اللہ کے پیغام کو دنیا کے گوشہ گوشہ میں پہنچائیں۔ اگر ہم ایسا نہیں کر سکے تو نقصان یہ ہوگا کہ پورا یہ عالم انسانی اور یہ پوری کائنات اس فیض سے محروم رہے گی۔ اور اللہ تعالیٰ ان کو جو نعمت عطا فرمانا چاہتا ہے، اس نعمت کو روک لے گا۔ لہٰذا اس فیض سے محرومی ہلاکت ہے، تمہارے حق میں بھی اور دوسروں کے حق میں بھی، تم دین کو چھوڑ کر اس شاخ پر تیشہ چلاؤ گے، جس پر تمہارا آشیانہ ہے۔ تم تو دنیا میں کسی شمار وقطار میں نہیں تھے، اور معلوم نہیں تم کتنی بیماریوں کے شکار ہو سکتے تھے کتنے دشمنوں کے لقمہ اجل بن سکتے تھے لیکن اللہ تعالیٰ نے تم کو ہر موقع پر بچایا، اور اپنے نبی ﷺ کی صحبت کے لئے منتخب فرمایا، اور تمہیں ایسی طاقتیں عطا فرمائیں جو دوسروں کو نہیں ملیں، اور تم میں ایک نیا حوصلہ عطا فرمایا، تمہارے دست وبازو کو نئی طاقت عطا فرمائی، تمہاری ہمتوں کو بلند کیا، اور نگاہوں کو روشن کیا، یہ سب اس اسلام کے طفیل تھا۔

شان نزول کی مختصر تفصیل:

اب اگر تم اسلام کی خدمت سے ہاتھ اٹھاتے ہو، تو اپنا بھی نقصان کرو گے، اپنے حق میں

خودکشی اور دنیا کے حق میں بہت بڑی ہلاکت اور خسارے کا سامان کرو گے، دنیا ایک رخ پر جاتے جاتے فوراً دوسرے رخ پر پڑ جائے گی۔ ابھی اس کا رخ ضلالت سے ہدایت کی طرف، شقاوت سے سعادت کی طرف، ظلمت سے نور کی طرف، جہالت سے علم کی طرف پڑا ہے اور پڑا بھی کہاں ہے، پڑنے کی امید پیدا ہوئی ہے۔ لیکن اگر تم اسلام کی خدمت سے ہاتھ اٹھا کر اپنے پیٹ کی سیوا میں، اپنے اپنے بچوں کی پرورش میں اپنے گھر والوں کی خدمت میں لگ جاؤ، اور گویا تم اللہ کی عبادت سے ہٹ کر اپنے نفس کی عبادت میں لگ جاؤ گے تو پھر دنیا پر خیر کا یہ دروازہ بند کر دیا جائے گا۔ یہ ہے تفصیل ان حالات کی جن میں یہ آیت کریمہ نازل ہوئی تھی۔

اس آیت کے معنی وسیع اور اس کے نتائج دوررس ہیں۔ یہ آیت کسی ایک انسان کی انفرادی خودکشی کے بارے میں نہیں اتری ہے، کسی ایک فرد کی ہلاکت میں پڑنے کے متعلق نہیں ہے، بلکہ یہ ایک بہت بڑے اہم موقع پر نازل ہوئی تھی، جس کا تعلق پوری نوع انسانی اور اس کے مستقبل سے ہے یعنی وہ لوگ جو دنیا میں ہدایت کا کام کر سکتے ہیں، جس کی وجہ سے دنیا کو نئے حقائق کی طرف توجہ ہو سکتی ہے، نئی منزل کی طرف توجہ ہو سکتی ہے، اللہ تعالیٰ کی معرفت حاصل ہو سکتی ہے، جن کے ذریعہ انسان اپنی موجودہ زندگی پر پشیمان ہو کر سوچتا ہے کہ ”ہائے! میں کیا زندگی گزار رہا ہوں، یہ تو جانوروں کی، چڑیوں کی اور چوپایوں کی زندگی ہے۔ کھانا پینا اور بستر پر دراز ہو کر سو رہنا اور پھر اٹھ کر بیل، گھوڑے کی طرح اس کام میں جٹ جانا یہ کوئی انسانی زندگی ہے؟ جو جماعت انسانوں کو چونکائے، اس کی دعوت سے اس کے عمل اور کردار کی تاثیر سے اور اس کی تبلیغی سرگرمیوں کی وجہ سے لوگوں کے دماغوں پر چوٹ پڑے، لوگوں کے دماغوں پر یہ ضرب لگے کہ نہیں نہیں، یہ زندگی نہیں ہے۔ اگر اس عمل سے فرار اختیار کر لے تو دنیا والوں کو کون سنبھالا دے سکتا ہے؟ کون ہوگا جو دنیا والوں کو بلند حقیقت کی طرف متوجہ کرے گا اور ان سے کہے گا کہ اے انسانو! یہ کیا زندگی ہے؟ عمدہ سے عمدہ پہننا اور آراستہ ہو کر نکلنا زندگی ہے تو یہ مردوں کی زندگی ہے، اگر خوش آواز اور خوش آہنگی زندگی کا حاصل ہے تو بلبل میں تم سے زیاہ زندگی ہے۔ اگر دوسروں کا پیٹ کاٹ کر کے، دوسروں کا خون پی کر کے زندگی گزارنا آدمیت اور مقصد زندگی ہے تو یہ تو شیروں کی زندگی ہے، اور تیندوے تم سے زیادہ زندگی اور راز آدمیت سے واقف ہیں۔

میرے دوستو! اگر ایک شخص ہتھیلی پر سر رکھ کر میدان جنگ میں کودتا ہے تو کبھی ایسا ہوتا ہے کہ وہ زندہ سلامت بچ کر آ جاتا ہے، حضرت خالد رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے بڑھ کر کس نے اپنے آپ کو جان جوکھوں میں ڈالا ہوگا۔ خالد سیف اللہ سے بڑھ کر کون موت کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر لڑا ہوگا۔ اور ہمیشہ موت کو ہنسی کھیل سمجھا ہوگا، بتائیے! اسلام کی تاریخ میں، جانبازی کی تاریخ میں، سرفروشی کی تاریخ میں خالدؓ کا جب انتقال ہونے لگا اور بستر پر طبعی موت آنے لگی تو کہنے لگے کہ میری زندگی میں کوئی ایسا موقع نہیں آیا کہ جہاں موت کا امکان ہو، اور میں نے وہاں اپنے آپ کو پیش نہ کیا ہو، لیکن خدا کی شان کہ آج میں بستر پر مر رہا ہوں۔

فلانا هت اعین الجبنا، فلانا هت اعین الجبنا، فلا ناهت اعین الجبنا۔

خدا کرے بزدلوں کی آنکھ چھوئے نہیں، بزدلوں کی نیند نصیب نہ ہو اس لئے کہ مجھ سے بڑھ کر اپنی جان ہلاکت میں ڈالنے والا اور شہادت کی تلاش میں نکلنے والا اور کون ہوگا؟ لیکن خدا آج دکھا رہا ہے کہ میں بیماری کے بستر پر مر رہا ہوں، اور جو لوگ موت سے بھاگتے تھے کتنے دنیا سے رخصت ہو گئے؟ اور وہ اپنے تمام اندازوں کے خلاف اور تمام تیاریوں کے خلاف موت کا نشانہ بن گئے۔

دوستو! خودکشی یہ نہیں ہے کہ آدمی کسی وقت اپنی جان پر کھیل کر کسی وقت اپنے کاروبار کو خطرے میں ڈال دے، کسی وقت دور اندیشوں اور ہوشیار لوگوں کے مشورے کی خلاف ورزی کرے جب لوگ اس کو اس طرح کے مشورے دیں کہ بھائی یہ وقت کاروبار ملتوی کرنے کا نہیں ہے، یہ وقت دکان چھوڑ کر جانے کا نہیں ہے، اس موقع سے فائدہ اٹھانا چاہئے تو وہ ان لوگوں کے مشورے کے خلاف چل پڑے۔ جو لوگ کسی وقت آنکھوں پر پٹی باندھ لیتے ہیں۔ یا دیکھی ان دیکھی کر دیتے ہیں، وہ خودکشی نہیں کرتے ہیں۔ خودکشی وہ کرتا ہے جو اپنا مقصد زندگی فراموش کر کے اپنے نفس کی پرستش میں لگ جاتا ہے۔ ایک مسلمان فرد، ایک مسلمان جماعت کے لئے خودکشی یہ ہے کہ اپنا حقیقی مقصد بھول کر، اور جو کام اللہ نے اس کو سپرد کیا ہے، ان کو فراموش کر دے، اور یہ بھول جائے کہ اللہ تعالیٰ نے اس کو اس دنیا میں ایک اہم فرض کی ادائیگی کے لئے مبعوث کیا ہے۔

کنتم خیرامة اخرجت للناس تامرون بالمعروف تنهون عن المنکر

وتومنون بالله .

یعنی تم اس کام کے لئے محض اسی مقصد کے لئے دنیا میں بھیجے گئے ہو، لہذا اگر تم اس کام کو بالائے طاق رکھ دو اور کاروبار میں سر سے پاؤں تک ڈوب جاؤ، اور خالص کاروباری انسان بن جاؤ، بزنس مین بن جاؤ، اور تمہاری سب سے بری تعریف یہ ہو کہ تمہارے بارے میں یہ کہا جائے کہ فلاں تو بڑا کاروباری ہے کوئی مسلمان فرد، کوئی مسلمان گروہ اگر خالص کاروباری حیثیت اختیار کرلے کہ میں کاروباری ہوں، میرا کاروبار مقدم ہے، پیٹ مقدم ہے، دنیا کے تقاضے مقدم ہیں، گھر والوں کے مطالبے مقدم ہیں، گھر والوں کی ضرورتیں مقدم ہیں، اسی کو قرآن مجید ''خودکشی'' کہتا ہے قرآن اس کو ''خودکشی'' نہیں کہتا جس میں موت موہوم ہو اس کو خودکشی کہتا ہے جس میں حقیقی موت ہو یقینی خودکشی وہ نہیں جس میں موت کا امکان ہے۔ خودکسی وہ ہے جس میں موت یقینی ہے۔ حقیقی خودکشی وہ نہیں جس میں یہ عارضی جسم ہلاک ہو جائے، بیمار ہو جائے، تکلیف اٹھائے جس کو ایک دن مرنا ہے، جس کی حیات عارضی ہے خودکشی وہ ہے، جس میں اس روح کو تکلیف ہو جائے جس کو موت نہیں۔ خودکشی وہ ہے جس میں وہ مقصد فوت ہو جائے جو سرمایہ تھا، جو اثاثہ تھا، جو پونجی لے کر نکلے تھے وہ ڈوب جائے، یہ ہے کاروباری ذہنیت کے خلاف اور پونجی سلامت رہے اور آج کا نفع نہ ملے یہ کاروباری ذہنیت کے خلاف اور پونجی سلامت رہی اور آج کا نفع نہ ملے یہ کاروباری ذہنت کے خلاف نہیں، حقیقی کاروبار وہ ہے جو اپنی پونجی سلامت رکھ کر نئے نئے تجربے کرے۔ خودکشی یہ ہے کہ آدمی دعوت کا کام نہ کرے آدمی اسلامی زندگی اختیار کرنے کے لئے نہ نکلے۔ اور دین کے لئے ہجرت نہ کرے۔ جب نبی کریم ﷺ نے مکہ مکرمہ سے ہجرت فرمائی اس کے بعد بہت سے لوگ بلکہ بہت سے صحابیؓ بیٹھے رہ گئے، کمزور تھے، اور بہت سے کمزور نہیں تھے، مگر انہوں نے وقت کی نزاکت کو محسوس نہیں کیا اور ہجرت نہیں کی، اور بہت سے وہ تھے جنہوں نے حضور اکرم ﷺ کے ساتھ یا بعد میں مدینہ طیبہ کی ہجرت کی انہوں نے کیا فتوحات حاصل کیں، اور مراتب حاصل کئے، وہ ان سے کہیں زیادہ تھیں جنہوں نے ہجرت نہیں کی۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:۔

والسبقون الاولون من المهجرين والانصار والذين اتبعوهم باحسان رضی الله عنهم ورضواعنه.

اور اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:۔

لا يستوى منكم من انفق من قبل الفتح وقاتل اولئک اعظم درجة من الذين الفقوا من بعد وقاتلوا.

وہ جنہوں نے فتح مکہ سے پہلے خرچ کیا، اور اللہ کی راہ میں جان کی بازیاں لگائیں، اور جنہوں نے بعد میں جان کی بازی لگائی، برابر نہیں ہو سکتے۔

خودکشی کیا ہے:

غرض یہ ہے کہ حقیقی خودکشی یہ ہے کہ انسان اپنے حقیقی فائدے سے اپنی آنکھیں بند کر لے، اور اپنے حقیقی فائدے کو خطرے میں ڈالے۔ فائدے کو یقینی طور پر خطرے میں ڈال دینا، اور ہمیشہ کے لئے تلف کر دینا، اور ہمیشہ کے لئے اس سے محروم ہو جانا یقینی خودکشی ہے اور اپنے کو واقعی نقصان پہنچانا ہے۔

حکمت روح:

اب میں آپ حضرات سے عرض کرنا چاہتا ہوں کہ آئیے۔ ہم اور آپ موجودہ حالات کا جائزہ لیں۔ جہاں اس وقت ہم بیٹھے ہوئے ہیں، یہ یورپ کی سرزمین ہے، جہاں اللہ تعالیٰ نے محض اتفاقیہ طور پر نہیں بلکہ اپنی حکمت بالغہ کے تحت ہم کو پہنچا دیا ہے، حالات کچھ بھی ہوں، اسباب کچھ بھی ہوں وہ اسباب سیاسی ہوں یا اقتصادی، اس کا تعلق ہندوستان کے ملک سے نکل جانے سے ہو یا یورپ کے عام حالات سے ہو، بہر حال اللہ تعالیٰ کی حکمت تھی اور بہت بڑی رحمت بھی تھی کہ اس کے کلمہ گو انسانوں کو محمد رسول اللہ ﷺ کے دامن سے وابستہ انسانوں کو اگرچہ ہزار خرابیاں ان کے اندر تھیں، ہزار نقائص تھے، میں نے مانا کہ وہ صفائی میں کم، سلیقے میں کم، وہ مستعدی میں کم، وہ حسن و جمال میں کم، وہ ذہانت میں کم، اور اس سے بھی زیادہ جو بھی نقائص اور کمی ہو سکتی ہے وہ میں ماننے کے لئے تیار ہوں، لیکن اللہ تعالیٰ نے ایک امتیاز، ایک جوہر ان کو ایسا عطا فرمایا جس سے یورپ کی یہ گوری قومیں، جنہوں نے دنیا میں ڈیڑھ سو، دو سو برس تک اپنی حکومتوں کا ڈنکا بجایا ہے، اور جس کا مشرق و مغرب میں طوطی بولا ہے، اور جنہوں نے فضاؤں میں اڑ کر اور پانی پر چل کر دکھایا ہے اور جو چاند پر قدم جمانا چاہتے ہیں، لیکن ان کا دامن

جس گوہر نایاب سے خالی ہے وہ کیا ہے؟ وہ ایمان کا جوہر ہے، وہ رسول اللہ ﷺ کی نسبت کا جوہر ہے۔

اللہ تعالیٰ نے آپ حضرات کو اس سرزمین پر پہنچایا ہے۔ اب میں آپ کو صاف کہتا ہوں کہ آپ کے لئے خودکشی کیا ہے؟ اور آپ کا اپنے اوپر احسان کیا ہے؟ ان دونوں باتوں کو اچھی طرح سمجھ لیجئے۔ بس آج کی بات یہی ہے اور سارے فیصلے کا انحصار بھی اسی پر ہے۔ آپ کے لئے تباہی کا راستہ کیا ہے، اور آپ کے لئے سرسبزی اور فروغ کا راستہ کیا ہے؟ آپ کے لئے تنزل کا راستہ کیا ہے، آپ کے لئے ہلاکت اور خطرے کا راستہ کیا ہے، اور آپ کی حفاظت وضمانت کا راستہ کیا ہے؟ یہ مجھ سے سنیئے۔

آپ کو اللہ تعالیٰ نے اس ملک میں بھیجا ہے۔ اگر آپ یہاں صرف کاروبار میں مصروف رہے، آپ کی ساری ذہانت اور محبت اور ساری تگ ودو اسی پر صرف ہوتی رہی کہ ہم نے یہاں آکر کیا کمایا، ہم وہاں سے لے کر کیا آئے تھے اور اب یہاں ہم کس حیثیت کے آدمی ہوگئے، ہماری پوزیشن کیسی ہوگئی ہم نے بینک میں کیا جمع کیا۔ ہم نے اپنے ملک میں کیا بھیجا، وہاں دیہات میں کچا مکان چھوڑ کر آئے تھے وہ پکی حویلی بن گئی یا نہیں، ہم نے اپنے بچوں کو یہاں تعلیم یافتہ بنایا، ان کو کسی کاروبار میں لگایا یا نہیں؟ ہم نے اگر اپنے اپ کو اس پیمانہ پر تولا تو یاد رکھئے، یہ ایک اجتماعی اور عمومی خودکشی ہوگی، ایک فردی خودکشی ہوتی ہے اور ایک قوم کی خودکشی، فردی خودکشی فرد کے لئے ہوتی ہے اور قوم کی خودکشی، فردی خودکشی سے خطرناک ہوتی ہے۔ اور قوم کی خودکشی پوری باعث ہلاکت ہوتی ہے، جس کے لئے اس کائنات میں کوئی جگہ نہیں۔ یوں تو لوگ غلطیاں کرتے ہیں، اپنی موت بھی مر جاتے ہیں، زہر بھی پی لیتے ہیں، سمندر میں چھلانگ بھی لگا دیتے ہیں چھتوں پر سے کود بھی جاتے ہیں اس لئے دنیا کے لیل ونہار میں کوئی فرق نہیں پڑتا۔ لیکن جب کوئی قوم خودکشی پر آمادہ ہوجاتی ہے، اور فیصلہ کر لیتی ہے کہ ہمیں صحیح راستہ چھوڑنا ہے۔ ہمیں ظلم وزیادتی کا، گناہوں اور سرکشی کا راستہ اختیار کرنا ہے، ہمیں اپنے لئے کانٹے بونے ہیں، تو پھر اس پر رحم کھانے والا کوئی نہیں ہوتا اور اس کی کوئی جگہ نہیں ہوتی، نہ اس پر آسمان روتا ہے اور نہ زمین آنسو بہاتی ہے۔

میرے دوستو! آپ کے لئے دو راستے ہیں۔ ایک راستہ تو یہ ہے کہ آپ خالص

کاروباری رہیں۔ اور صبح سے شام تک اسی فکر میں رہیں۔ کل میں مسجد میں عصر ومغرب کے درمیان بیٹھا ہوا تھا، میرے کانوں مسلمان آوازیں آرہی تھیں۔ کوئی کہہ رہا تھا کہ ہم اس حالت میں آئے تھے۔ وہ پورا اپنے کاروبار کی داستان سناتے رہے۔ یہ چھوٹا سا نمونہ تھا جو میرے سامنے ایک مسجد میں جمعہ کے دن عصر ومغرب کے درمیان میں پیش آیا۔ تو جب ہمارا زیادہ سے زیادہ وقت جو دعا کی قبولیت کا وقت ہوتا ہے، جو انوار الٰہی کے برسنے اور ملاء اعلیٰ کے متوجہ ہونے کا وقت ہوتا ہے، اس میں جب ہمارا موضوع یہ ہو تو مسجد سے باہر کیا ہوتا ہوگا؟ اس کا آپ اندازہ کر سکتے ہیں، اگر انگریز پانچ منٹ محنت کرتا ہے تو ہم ساٹھ دن محنت کرلیں گے۔ اگر انگریز انسان کی طرح محنت کرتا ہے تو ہم گھوڑے کی طرح محنت کریں گے۔ اگر انگریز کھاتا پیتا اور تفریح کرتا ہے، ہم تفریح کو اپنے ملک میں چھوڑ آئے ہیں، اکٹھا تفریح کرلیں گے۔ اگر انگریز صحت کا خیال رکھتا ہے تو ہمیں صحت سے کیا غرض؟ پیسہ اصل چیز ہے۔ اگر انگریز سلیقے سے کماتا ہے تو کمانے کا مزہ بھی اٹھاتا ہے، تو ہمیں اس سے مطلب نہیں، ہمیں تو بس پیسہ چاہئے۔ ہمیں تو یہ ہے کہ کتنے دن میں کتنی دولت کمائی۔

میرے دوستو! اگر یہ آپ کی ذہنیت ہے تو آپ اس ملک پر دھبہ ہیں، اور اس سے بڑھ کر آپ اسلام پر دھبہ ہیں اس لئے کہ آپ اسلام کے لئے دروازہ ہیں فرض کیجئے میں چھوٹی سی مثال آپ کو دیتا ہوں، اور وہ یہ ہے کہ خدانخواستہ یہاں مسلمان نہ آتے، اور خالص کاروباری اور پیٹ پالنے والی زندگی کا نمونہ پیش کرتے اور مسلمانوں کے مکانات کے بارے میں ان کے جو تاثرات ہیں وہ نہ ہوتے، اور یہاں اسلام کی عمدہ عمدہ کتابیں پہنچتیں، اور اسلام کی تبلیغ ہوتی، اور کوئی اللہ کا بندہ موثر طریقے پہ انگریزی زبان میں قرآن شریف اور سیرت نبوی ﷺ کو پیش کرتا تو ہوسکتا ہے کہ انگریز کہتا کہ جس پاک نبی ﷺ کی یہ سیرت ہے، معلوم نہیں اس کی امت کا کیا حال ہوگا؟ کیسے اس کے اخلاق ہوں گے؟ کیا اس کی زندگی ہوگی؟ وہ تو بس مقدس انسان ہوں گے؟ اور وہ تو دنیا سے بالاتر انسان ہوں گے، اور وہ ہر چیز میں نمونہ ہوں گے۔ آئیڈیل اور معیاری ہوں گے، اور ان کی ہر چیز سیرت نبوی ﷺ کے سانچے میں ڈھلی ہوئی نکلتی ہوگی۔ کیسے صاف ستھرے لوگ ہوں گے۔ کیسے فرض شناس لوگ ہوں گے۔ کیسے صادق الوعدہ اور صادق القول ہوں گے، ان کی زندگی میں کتنا اعتدال ہوگا؟ کتنا حقوق اللہ اور حقوق

العباد کا خیال ہوگا؟ غرض بہت اونچا تصور ہوتا۔ ہوسکتا ہے یہاں سے انگریز جاتے اور مسلمانوں کی زندگی کا مطالعہ کرتے، کسی اچھے ماحول میں پہنچ جاتے، یا نہ پہنچتے، خود قرآن سے متاثر ہوکر اسلام قبول کرتے۔ لیکن اب بتائیے! ہم نے اگر اسلامی زندگی کا اچھا نمونہ پیش نہ کیا اور ہم نے اسلام کو صحیح رنگ میں پیش نہ کیا، اور اسلام کا کام نہ کیا، اور ہم نے اس میں یہ نمونہ اور نظیر نہ قائم کی، کہ مسلمان کے لئے ہدایت کی کوشش اور اللہ کو پالینے کی کوشش مقدم ہے۔ اس کے بعد ان کی دوسری کوششیں ہیں۔ پہلے ہدایت پانا اور دنیا کو ہدایت دینا، ہدایت سے آشنا کرنا، اس کے بعد کھانا، بیوی بچے اور گھر بار اور وطن ہے۔ اگر ہم نے یہ نمونہ پیش نہ کیا، تو بتائیے کہ ہم نے اپنی ذات پر اور انسانیت پر ظلم کیا یا نہیں؟

اب آپ حضرات یہاں ہیں۔ آپ کے لئے میں اس کو خودکشی کہوں گا۔ اس کے بعد آپ مجھے معاف کریں، میں ایسا بھیانک لفظ بول رہا ہوں کہ جس کے تصور سے بھی مسلمان کے رونگٹے کھڑے ہوتے ہیں ''حرام موت''؟ کون حرام موت کے لئے تیار ہوتا ہے؟ ہزار ہا پھانسی کے تختے پر چڑھ جانا، ہزار بار تکلیف میں ایڑیاں رگڑ رگڑ کر مرنا خودکشی سے بہتر ہے۔ میں بار بار خودکشی کہہ رہا ہوں، کیا میرا ذوق اس کو قبول کرتا ہے؟ کیا یہ اچھا معلوم ہوتا ہے؟ مگر کیا کروں قرآن شریف کا خود ارشاد ہے۔ ولا تلقوا بایدیکم الی التھلکۃ اپنے ہاتھوں ہلاکت میں نہ پڑو۔ اسی کا نام خودکشی ہے۔ خودکشی کے معنی خود اپنے گلے میں پھندا ڈال کر خود موت کا سامان اختیار کرنا یہی قرآن شریف کہہ رہا ہے۔

لہٰذا اگر آپ یہاں سے اس طرح رہے جیسے غیر مسلم رہتے یا بنیے رہتے ہیں، سمٹنے اور عیش کی فکر رہتی ہے اور اس طرح رہے کہ اصل تو کاروبار اور دولت ہے، ۲۴ گھنٹے فرصت نہیں، ہ ہر لمحہ اسی کا استغراق یعنی نفع اندوزی کا استغراق، تجارت کا استغراق، اس میں آپ مدہوش رہے، آپ کو اپنی زندگی بنانے کی فرصت نہیں، آپ کو اللہ کے اور شریعت کے احکام معلوم کرنے کی فرصت نہیں، حلال وحرام کا فرق معلوم کرنے کی فرصت نہیں، اللہ کے اچھے بندوں کے پاس بیٹھنے کی فرصت نہیں، اس طرف رخ کرنے کی فکر نہیں، جہاں دین کا بازار لگا ہوا ہے۔ جیسے ہندوستان، پاکستان اور ممالک اسلامیہ کے دینی مراکز وہاں جانے کی اور وہاں سے اپنی اصلاح کراکے آنے کی، اور دین کے سبق سیکھنے کی فرصت نہیں۔ بھائیو! یہ خودکشی ہے۔ اس پر اللہ تعالیٰ

کی طرف سے کوئی ضمانت نہیں، اس ملک میں کل کیا ہوگا۔ کوئی کچھ کہہ نہیں سکتا؟ میں بہت ڈرتا ہوں کہ کوئی بدفالی، بدشگونی کی بات کروں۔ میری دلی تمنا ہے کہ اس ملک میں جتنے مسلمان ہیں وہ عزت وحفاظت کے ساتھ رہیں اور مسلمانوں کی آمد کا سلسلہ برابر جاری رہے۔ یہاں تک کہ یہاں مسلمانوں کی ایک بہت بڑی آبادی قائم ہو جائے۔ میں اس کی دل سے دعا کرتا ہوں اور یہاں آ کر بہت خوش ہو رہا ہوں کہ دیکھئے ان گھروں میں پہلے کیا ہوتا تھا۔ اس عمارت میں پہلے کس کا نام لیا جاتا تھا۔ آج اس میں اللہ کا نام لیا جاتا ہے۔

میں ابھی خطبہ مسنونہ پڑھ رہا تھا۔ اور دل باغ باغ ہو رہا تھا کہ اللہ تعالیٰ نے یہ سعادت مجھے بھی دی ہے مگر آج سے بیس سال پہلے کوئی میرا نام لے کر کہتا ہے کہ ایک وقت آئے گا تو انگلستان جا کر گرجے میں محمد رسول اللہ ﷺ کا نام لے گا اور کہے گا ''اشہدان محمداً عبدہ ورسولہ'' ۔ رسولہ سے بھی چوٹ پڑتی ہے مسیحیت پر، وہ بھی کہیں میدان میں نہیں، کسی اسٹیج پر نہیں بی بی سی ریڈیو پر نہیں، بلکہ خاص گرجے میں جا کر اشہدان محمداً عبدہ ورسولہ کی صدا بلند کرو گے تو بھائی مجھے یقین نہ آتا، اب دیکھئے یہ جماعت کی برکت ہے، یہ تھوڑے سے دینی کام ہونے کی برکت ہے کہ آج گرجے اللہ کی عبادت کے مرکز بن رہے ہیں۔ توحید کا یہ چوتھا گرجا ہوگا جس میں خطبہ مسنونہ پڑھنے اور اللہ کا پیغام پہنچانے کی توفیق ہو رہی ہے۔

دوستو! آپ کی حفاظت کا راستہ صرف یہ ہے کہ آپ یہاں اللہ کا نام بلند کریں، اللہ کا نام بلند کرنے کے لئے ہندوستان و پاکستان میں مسلمانوں کو جتنی کوشش کرنی پڑ رہی ہے، اس سے زیادہ آپ کو کوشش کرنی پڑے گی، جب آپ محفوظ رہ سکیں گے، اس لئے کہ وہاں تو اسلام خدا کے فضل وکرم سے ایک ہزار برس گزار چکا ہے، وہاں پر اسلام کا ستون نصب ہے، وہاں تو اسلام کی جڑیں پاتال تک پہنچ چکی ہیں، وہاں تو مسجدوں کے مینارے اور مدرسوں کے گنبد آسمان سے باتیں کر رہے ہیں۔ وہاں تو قال اللہ اور قال الرسول ﷺ سے فضائیں گونج رہی ہیں وہاں تو انشاء اللہ اسلام محفوظ ہے۔ لیکن آج یہاں اسلام تازہ تازہ آیا ہی اور آپ کے ذریعہ سے آ رہا ہے۔ یہاں کی فضا آپ کی ذریعہ سے کلمہ توحید اور کلمہ شہادت سے آشنا ہو رہی ہے۔ اگر تم سے چوک ہوئی اور تم نے کاروبار میں زیادہ وقت لگایا اور تم نے اصل مقصد کو فوت کر دیا تو اس کی سزا تمہیں بھگتنی پڑے گی اور ضمنی طور پر اس ملک کو بھی اٹھانی پڑے گی اور پھر سارے

مسلمان، بلکہ ساری دنیا کا یہ نقصان ہوگا کہ اسلام کی ہدایت کا دروازہ یہاں کھلتے کھلتے بند ہوگیا اور آپ کے کاروبار کی حفاظت اس میں ہے کہ آپ یہاں اپنی صلاحیت ثابت کریں۔ اور اللہ تعالیٰ کے یہاں اپنی اہلیت ثابت کریں۔

اس موقع پر آپ کو خاص واقعہ یاد دلاتا ہوں۔ میدان بدر میں جب رسول للہ ﷺ نے دیکھ لیا کہ جہاں تک ہتھیاروں کا تعلق ہے، قوت بازو کا تعلق ہے، مسلمانوں کی فتح کا کوئی امکان نہیں بلکہ مسلمانوں کی شکست یقینی اور کفار کی فتح یقینی ہے حضور ﷺ کی نگاہ تو کیا، معمولی جرنیل، اور فوجی افسر بھی فوجی طاقت کا اندازہ کر لیتا ہے پھر رسول اللہ ﷺ کہ جن کا سینہ اللہ نے کھول دیا تھا۔ الم نشرح لک صدر ک۔ جن کو اللہ تعالیٰ نے سب سے زیادہ سلیم الفطرت اور سلیم الذہن پیدا کیا تھا آپ کو کیسے اس بات میں شبہ ہوسکتا ہے۔ فوراً آپ کی بصیرت نے دیکھ لیا، اور نگاہ نبوت نے سمجھ لیا کہ ظاہری آثار کیا ہیں پھر آپ نے کیا کیا؟ آپ ﷺ زمین پر سر رکھ کر سجدے میں پڑ گئے اور فرمانے لگے: اے اللہ! میں اس چھوٹی سی مٹھی بھر جماعت کے بارے میں کچھ کہنا نہیں چاہتا، یہ کیا کرے گی، اس کے پاس ہے ہی کیا، یہ نہتھی، بے دست و پا جماعت، یہ کنگال جماعت جو گھر میں بھی اپنے بچوں اور گھر والوں کے لئے خالی چولھے چھوڑ کر آئی ہے، جس کے پاس تلوار نہیں، تلوار ہے تو نیام نہیں۔ جس کے پاس دو گھوڑے ہیں اور چند اونٹ، میں کس منہ سے کہوں کہ یہ فتح کی مستحق ہے؟ لیکن ایک بات کہتا ہوں، انہوں نے یہ فیصلہ کیا ہے جب تک رہیں گے توحید کی منادی کرتے رہیں گے، اب تجھے اختیار ہے کہ ان کو ختم کر کے اس کا دروازہ بند کردے اس کا امکان ختم کردے، یا اس کو باقی رکھ کر اس کا سلسلہ باقی رکھ۔

اللھم ان تھلک ھذہ العصابۃ لم تعبد فی الارض قط

اے اللہ! اگر تو اسی مٹھی بھر جماعت کو ہلاکت کردے گا تو تیری پرستش نہیں ہوگی یہ معمولی آدمی کے کہنے کی بات تھوڑی تھی، اس کے لئے تو حضور ﷺ کا کا اعتماد چاہئے تھا اور اس قوم کی صلاحیت بھی چاہئے تھی کہ اس کے اخلاص کے متعلق پورا اطمینان تھا کہ میں جو کچھ کہہ رہا ہوں یہ اس کی پوری تصدیق کریں گے اے اللہ! اگر تو اس مٹھی بھر جماعت کی ہلاکت کا فیصلہ کرتا ہے کہ ان بھیڑیوں کے دانتوں میں ان کے سر اور منہ ہوں تو میں کچھ نہیں کہتا، صرف ایک بات کہتا

ہوں کہ پھر تیری حقیقی عبادت دنیا میں نہیں ہوگی اس لئے کہ یہی وہ لوگ ہیں جو اس کا فیصلہ کر کے آئے ہیں۔

قیامت تک کی ضمانت:

پھر کیا ہوا؟ میدان بدر میں ہر قسم کے قرائن، آثار اور توقعات، اندازے اور حسابات کے خلاف مسلمانوں کو فتح ہوئی، اس کا مطلب یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ان کے لئے ضمانت لی، قیامت تک قائم رہنے والی ضمانت، کہ اگر یہ رہتے ہیں تو تیرا ہی کام کرتے رہیں گے اور جب اللہ نے فتح دی تو گویا یہ بات مان لی گئی کہ یہ جب تک رہیں گے اللہ ہی کا کام کریں گے۔

ہدایت ونورِ نبوت سے محروم سرزمین:

دوستو! یہاں یورپ میں بھی تم یہ فیصلہ کرتے ہو کہ زندگی کا اچھا نمونہ پیش کرو گے، یہاں تبلیغ کے لئے وقت نکالو گے اس قسم کی ہدایت کے لئے اور اپنی سرگرمی سے، اپنی فکر اور حسن سے، تو انشاء اللہ اس ملک میں اسلام کو مضبوط کرو گے اور اللہ تعالیٰ تمہارے کاروبار کی حفاظت کرے گا، تمہارا مستقبل محفوظ اور یقینی ہے اور اگر یہ نہیں ہے تو بھائیو! ایسے کاروبار میں تو ہندوستان کے مارواڑی اور پاکستان کی بہت سی برادریاں تم سے بڑھی ہوئی ہیں پھر تمہاری کیا خصوصیت ہے؟ یہاں تم نے کون سا ایسا تیر مار دیا ہے اور ایسے چار چاند لگا دیئے ہیں، یہاں تو تمہارے جو کچھ خصوصیت ہے، قابلیت ہے وہ یہ کہ تم اس ملک میں جس کی زمین ہدایت کے لئے پیاسی ہے جس کے آسمان ہدایت کے لئے پیاسے ہیں، جس کی فضائیں اذانوں کے لئے پیاسی ہے جس کے آسمان ہدایت کے لئے پیاسے ہیں، جس کی فضائیں اذانوں کے لئے پیاسی ہیں وہاں پر تم یہ عہد کرو کہ ہم انشاء اللہ یہاں اسلام کو پھیلائیں گے، چمکائیں گے، اپنی زندگی سے بھی، اپنی تبلیغی سرگرمیوں سے بھی اور انشاء اللہ یہاں سچے پکے مسلمان بن کر اسلام کا جھنڈا بلند کریں گے۔

فرصت کو غنیمت جانئے:

دوستو! مجھے یہ کہنا ہے کہ اللہ کے لئے وقت نکالنے میں پس وپیش نہ کیجئے اس لئے کہ اسی

میں تمہاری اور تمہارے مال اور مستقبل کی حفاظت ہے، ورنہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے فلا یا من مکر اللہ الا القوم الخاسرون، خدا کی مخفی تدبیروں کوئی نہیں جانتا اور جن کی قسمت میں نقصان اٹھانا لکھا ہے وہی اللہ کی مخفی تدبیروں سے کالے لوگوں کو نکالیں، خدا جانے کون سا مسئلہ کھڑا ہو جائے اس وقت تم دیکھتے رہ جاؤ گے اور جہاز بھر بھر کر تم کو بھیج دیا جائے گا۔

آثار سے مآل کا اندازہ کیجئے:

آج دل تمہاری طرف ہیں تمہارا خیر مقدم کر رہے ہیں تمہاری ضرورت محسوس کر رہے ہیں، کل تمہارے خلاف باغی ہو جائیں گے اور اس کے آثار شروع ہو گئے ہیں، جب اللہ تعالیٰ تنبیہ کرنا چاہتے ہیں تو ایسے موقع پر ایسے آدمیوں کو کھڑا کر دیتے ہیں جو تمہاری دشمنی کا نعرہ لگاتے ہیں تاکہ تمہاری آنکھیں کھل جائیں کہ افق پر دیکھ لو کہ کیا ہونے والا ہے؟ بادل اٹھ رہے ہیں، بجلی چمک رہی ہے، پانی برسنے والا ہے اپنی چھتوں کو ٹھیک کر لو، برسات کا موسم آ گیا ہے۔

بار نہیں ابر باراں بنو:

میرے یورپ کی دوستو! برسات کا موسم آ گیا ہے، اپنی چھتوں کے سوراخوں کو بند کر لو، برسات میں تمہیں موقع نہیں ملے گا، ہر ملک کی ایک برسات ہوتی ہے، برما کی برسات آ گئی، یورپ کی برسات آنے سے پہلے پہلے تیاری کر لو اور یہاں اپنا استحقاق اور اللہ کے یہاں اپنی صلاحیت ثابت کر دو کہ تم رہو گے تو اسلام رہے گا انشاء اللہ اللہ تعالیٰ تمہیں محفوظ رکھے گا، اور رخ ایسا نکلے گا کہ یہ بھی دیکھتے رہ جائیں گے اور یہی تمہاری خوشامد کریں گے کہ تم رہو" القلب بین اصبعی الرحمٰن" انسان کا دل رحمٰن کی دو انگلیوں کے درمیان ہے اس لئے دل کو بدلتے دیر نہیں لگتی دل کو اپنی طرف متوجہ کرنے کا سامان کرو اور وہ سامان یہ ہے کہ اپنی افادیت ثابت کرو۔ اپنی افادیت سے تم مفید ہو، اس سرزمین پر بار نہیں ہو، تم اس سرزمین پر اللہ کی رحمت ہو، پھر ان شاء اللہ کوئی خطرے کی بات نہیں۔

یہ میں نے بہت دنوں تک کی بات کہہ دی، عمل کرنا تمہارا کام ہی، میری دعا ہے کہ اللہ تمہیں بھی اور مجھے بھی ان لمحات سے نفع پہنچائے۔

وآخر دعوانا أن الحمد للہ رب العالمین۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نیا ایمان

۲۶ نومبر ۱۹۵۱ء کو بمقام لکھنؤ مفکر اسلام مولانا علی میاں نے ایک تبلیغی جلسہ میں یہ اہم تقریر کی تھی
جس میں عوام و خواص کی ایک جم غفیر موجود تھی

الحمد لله نحمده و نستعينه و نستغفره و نعوذبا لله من شرور انفسنا ومن سيّئات اعمالنا من يهد الله فلا مضل له ومن يضلله فلا هادى له و نشهد ان لا اله الا الله و نشهد ان محمد اعبده ورسوله الذى ارسله الله تعالى بالحق بشيرا و نذيرا و داعيا الى الله باذنه و سراجامنيرا .

بھائیو اور بزرگو! آپ حضرات کو اس تعداد میں دیکھ کر بڑی مسرت ہوتی ہے، اور اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرنے کا جی چاہتا ہے، کہ دین کی آواز پر اپنے کاموں کو چھوڑ کر آپ یہاں تشریف لائے، اور سب سے بڑا احساس یہ ہوتا ہے کہ ایمانی دعوت میں اب بھی یہ طاقت ہے کہ دور دراز کے بھائیوں کو ایک جگہ جمع کر سکتی ہے، جی چاہتا ہے کہ ایمان کی قوت اس سے زیادہ بڑھے اور ہمارے اندر از سر نو ایمانی زندگی پیدا ہو۔

دین اور ایمان میں فرق:

دوستو! ایک چیز ہے دین، اور ایک ہے ایمان، ان دونوں میں ایک فرق ہے دین تو وہ نظام ہے جس کو لے کر تمام انبیاء آتے رہے، اور جس کا آخری پیغام رسول اللہ (ﷺ) لے کر تشریف لائے، اور اللہ تعالیٰ نے آپ کے ذریعہ اس دین کو مکمل فرمایا:۔

اليوم اكملت لكم دينكم واتممت عليكم نعمتى ورضيت لكم الا سلام ديناً.

دین تو یقیناً مکمل ہو چکا، اب اس میں جو کوئی ترمیم اور اضافہ کرنا چاہے وہ دجال، کاذب اور مفتری ہے لیکن دوسری چیز ہے اس دین پر یقین کرنا اور اس دین کی حقیقتوں پر ایمان لانا،

دین پر تو بے شک مہر لگ چکی ہے، اس میں کسی اضافہ کی دعوت نہیں دی جا سکتی، اس میں سے جس طرح کچھ گھٹایا نہیں جا سکتا، بڑھایا بھی نہیں جا سکتا، لیکن ایمان کا معاملہ یہ نہیں ہے، اس میں زیادہ سے زیادہ ترقی کی گنجائش ہے، اس لئے ایمان میں تازگی اور زیادتی کی دعوت قیامت تک جاری رہے گی، بلکہ ضروری ہے کہ دین پر اپنے ایمان ویقین کو مضبوط کرنے، اس کو اپنی زندگی بنائے، اور ہر چیز کو اس پر قربان کرنے اور اس کو کسی چیز کے عوض ہاتھ سے نہ دینے کی کوشش برابر جاری رہے۔ اس امت کی ہر نسل، ہر حصے، اور ہر دور کو اس دین پر نیا ایمان لانا اور از سر نو دین کو سمجھنا ضروری ہے۔

مشاہدے اور تجربے سے زیادہ نبی کی خبر پر یقین:

دوستو! اور بزرگو! آنحضرت ﷺ کی بعثت کے وقت بھی دین کی بعض حصے موجود تھے، نماز و حج وغیرہ کسی نہ کسی جگہ اور کسی نہ کسی حالت میں پائے جاتے تھے، دین کا وجود بالکل ختم نہیں ہو چکا تھا، قدیم مذاہب وادیان کی بہت سی شکلیں اور صورتیں موجود تھیں، لیکن جو چیز کھوگئی تھی وہ یہ تھی کہ دین میں کوئی طاقت باقی نہیں رہی تھی۔ ان لوگوں کا ان حقیقتوں پر تو ایمان ویقین تھا کہ سانپ کا زہر قاتل ہے، ہوا زندگی کے لئے ضروری ہے، کھانے سے پیٹ بھرتا ہے، اسی طرح زندگی کے بہت سے تجرباتی حقائق پر وہ دل سے یقین رکھتے لیکن اس پر ایمان نہیں تھا کہ دوزخ کی آگ کیسی خطرناک ہے، اور جنت کا آرام اور اس کی راحتیں کیسی قابل رشک ہیں۔ ان کا ایمان نہیں تھا کہ اللہ کو ناراض کر کے وہ دنیا کی فلاح نہیں پا سکتے۔ دراں حالانکہ ان کا نوکر ان کی نافرمانی کر کے ان کے گھر میں نہیں رہ سکتا تھا، ان کا ایمان نہیں کہ گناہ وظلم سے بستیاں اور ملک تباہ ہو سکتے ہیں، وہ جتنا ایک طبیب کی باتوں پر اعتماد رکھتے تھے رسول کی باتوں پر اتنا بھی اعتماد نہیں تھا، اس کا سبب یہ تھا کہ ان کا تعلق دین اور دوسری زندگی سے مردہ ہو چکا تھا، اور انہیں اس سے کوئی دلچسپی باقی نہ رہی تھی، صرف دنیا کی زندگی اور اس کی دیکھی بھالی اور آزمائی ہوئی حقیقتیں ان پر چھائی ہوئی تھیں۔

دوستو! کچھ ایسا ہی حال اب ہمارا ہو گیا ہے، اگر اسی وقت کوئی آ کر یہاں کہہ دے کہ عجائب گھر سے شیر چھوٹ گیا ہے تو آپ دیکھیں گے کہ یہ پورا مجمع اسی خبر کی طرف متوجہ ہو جائے گا، اور سب کو اپنی اپنی فکر پیدا ہو جائے گی، اجتماع کا سارا سکون انتشار سے بدل جائے

کا، کیونکہ ہماری زندگی ہمارے اوپر حاوی ہے، جب کوئی خطرہ زندگی کو چیلنج کرتا ہے تو ہماری قوتیں بیدار ہو جاتی ہیں اور زندگی کے لئے محافظ بن جاتی ہیں، لیکن اگر کوئی شخص اس زندگی کے خطرات سے آگاہ کرے جو ہمیشہ ہمیشہ کی زندگی ہے، اور جس میں تکلیف ہے تو دوامی اور غیر فانی اور آرام ہے تو دوامی اور غیر فانی، تو ہم نہایت بے توجہی اور بے فکری سے سن لیں گے، اس کا سبب بے دینی نہیں، بلکہ دین پر ایمان کی کمی اور کمزوری، اور ایک طرح کی بے یقینی ہے، اور ظاہر ہے کہ ایمان کی اس درجہ کمزوری کے ساتھ ایک ایسی زندگی سے کیسے دلچسپی ہو سکتی ہے اور کیسے اس کے خطرات سے فکر پیدا ہو سکتی ہے جو بالکل آڑ اور اوٹ میں ہے۔

کوہ صفا پر آغاز دعوت:

آنحضرت ﷺ کو جب اللہ تعالیٰ نے اپنا رسول بنایا، اس زمانے میں عرب میں ایک دستور یہ تھا کہ اگر کوئی قبیلہ کسی دوسرے قبیلے پر حملہ آور ہوتا، اور اس قبیلہ کا کوئی شخص حملہ آور لشکر کو اس وقت دیکھ لیتا جب وہ بالکل سر پر پہنچ چکا ہوتا، تو وہ شخص دوڑ کر پہاڑ پر چڑھ جاتا اور بالکل برہنہ ہو جاتا، اور دہائی دیتا، اس شخص کو "النذير العريان" کہا جاتا تھا، اس کا یہ فعل اس بات کی علامت ہوتی ہے کہ دشمن بالکل سر پر آ پہنچا ہے، اور جس حال میں بھی ہو اسی حال میں مقابلے کے لئے کھڑے ہو جاؤ۔

اسی دستور کے مطابق آنحضرت (ﷺ) ایک دن ایک پہاڑ پر چڑھ گئے، مگر آپ کپڑے پہنے رہے، اور پکارا ''انا النذیر العریان'' مکہ والے آپ کی صداقت اور شرم و حیا کے معترف تھے اس لئے سارا شہر آناً فاناً کام کاج چھوڑ کر پہاڑ کے دامن میں جمع ہوا، انہوں نے اتنی توجہ اور فکر سے اس لئے کام کیا تھا کہ حضور ﷺ کے اس فعل کو انہوں نے اپنی زندگی کے لئے ایک خطرے کی علامت سمجھا تھا، وہ سمجھتے تھے کہ کوئی دشمن حملہ آور ہو رہا ہے جس کی اطلاع یہ ہمیں دیں گے چنانچہ جب حضور ﷺ نے فرمایا کہ اگر میں تم سے کہوں کہ پہاڑ کے پیچھے دشمن کا لشکر چھپا ہوا ہے، جو تمہاری گھات میں ہے تو کیا تم مجھے سچا سمجھو گے؟ حالانکہ تم اسے نہیں دیکھ رہے ہو، مگر میں چونکہ اوپر کھڑا ہوں اس لئے میری نظر کے اور اس کے درمیان کوئی آڑ نہیں۔ سب نے کہا بے شک ہم آپ کی بات کی تصدیق کریں گے کہ مگر جب آپ نے فرمایا کہ وہ لشکر عذاب الٰہی کا لشکر ہے جو بالکل سر پر کھڑا ہوا ہے، میری بات مانو تو اس کے حملہ سے بچ سکتے

ہو۔ بس یہ سن کر ان کی ساری توجہ اور ساری فکر ختم ہوگئی، اور وہ آکر پچھتائے، اور کہنے لگے کہ یہ آپ نے یہی بات سنانے کے لئے ہمیں یہاں بلایا تھا؟ کیا بات تھی؟ ان پر بس اپنی دنیا کی زندگی چھائی ہوئی تھی، اس کے ہر خطرہ پر ان کے کان کھڑے ہو جاتے تھے مگر دوسری زندگی کا انہیں خیال نہ تھا، اس لئے اس کے خطرات کی مطلق فکر نہ ہوتی تھی۔

آنحضرت ﷺ کے زمانہ میں مختلف مذاہب موجود تھے وہ ایمان کے مدعی تھے، مگر ان کے ماننے والوں پر ایمان اتنا بے جان اور بوسیدہ ہو گیا تھا جو محض فرضی اور خیالی تکالیف کا مقابلہ نہیں کر سکتا تھا، ان کی مرغوب معصیتیں اور بداخلاقیاں نہیں چھڑا سکتا تھا، ان کے پاس دین تو موجود تھا، مگر ایمان کی طاقت اور تازگی کھو جانے کی وجہ سے وہ دین چھوٹے چھوٹے حوادث سے مقابلہ کرنے کے لئے بھی انہیں آمادہ نہیں کر سکتا تھا۔

لیکن رسول اللہ ﷺ کے لائے ہوئے دین پر سچے دل سے ایمان لانے والوں کا حال ان لوگوں سے بالکل مختلف تھا، انہیں اس زندگی سے زیادہ دوسری زندگی سے دلچسپی تھی۔ اس کی فکر تھی اور ان کا دین ان سے بڑی سے بڑی قربانی بآسانی کرا دیتا تھا، اس لئے کہ دین اور دینی حقیقتوں پر ان کا ایمان تازہ اور نہایت جاندار تھا۔ دوسرے مذاہب کے ٹھیکہ داروں اور تنہے دینداروں میں ایسا فرق تھا جیسا کاغذ کی تصویر اور ایک زندہ انسان میں، آگ کی تصویر اور خود آگ میں جیسا فرق ہوتا ہے، صحابہ کرامؓ کے نئے ایمان نے ان کی رگ رگ میں وہ آگ بھر دی تھی کہ مقابلہ میں آنے والے جو اس ایمان سے محروم تھے، مومی تصویروں کی طرح پگھل جاتے تھے یا اپنی خیر مناتے ہوئے سامنے سے ہٹ جاتے تھے، ان کی تلواروں میں لوہے کی گرمی نہ تھی، بلکہ ان کے ایمانوں کی گرمی تھی، وہ فاقہ کش اور خرقہ پوش مجاہد دراصل ہتھیار کی طاقت پر نہیں بلکہ ایمان کی طاقت پر لڑتے تھے اور دشمنوں کے چھکے چھڑا دیتے تھے۔ ان کا یقین تو یہ تھا کہ اگر ساری دنیا کی تلواریں ہماری گردنوں پر پڑیں، مگر اللہ کا حکم نہ ہو تو ہمیں کوئی نہیں مار سکتا، جبکہ ان کے مقابل یہ یقین رکھتے تھے کہ تلوار کا ایک ہی وار ہمارا خاتمہ کر دے گا۔ اس نئے ایمان کی طاقت نے ان غریب عربوں کے دل سے ان کی کمزوری کا احساس بالکل نکال دیا تھا۔ ایران کے دربار میں جب ان کے سفیر گئے تو ان کی تلواروں پر چیتھڑے لپٹے ہوئے تھے اور گھوڑے پست قامت تھے۔ مگر ان کا ایمان شعلہ زن تھا، اور اسی کی طاقت ساری طاقتوں پر

غالب تھی، جس سے سپہ سالار ایران رستم بھی لرزاں تھا۔ ایران کے سارے درباری بھی اپنی اپنی فکر میں پڑے ہوئے تھے۔ ان کی اسی قوت نے انہیں اس قدر جری اور نڈر بنادیا تھا کہ ان درباروں میں قالینوں پر گھوڑوں کو لئے ہوئے چلے جاتے، اور تخت پر نیزہ گاڑ دیتے تھے۔

حقیقی ایمان کیا ہے؟

اسی ایمان کا فرق تھا کہ حضور ﷺ کی بعثت کے وقت اگر نمازیں تھیں بھی تو خشوع و خضوع نہ تھا، اور اگر حج تھا تو اس کی روح نہ تھی، لیکن جو لوگ حضور ﷺ کی دعوت پر ایمان لے آئے، ان میں آپ نے ایسا ایمان پیدا فرمادیا کہ حج و نماز کے وقت کے علاوہ بھی وہ ان پر چھایا رہتا تھا اور گویا ہر دم خدا اور آخرت کو اپنی آنکھوں کے سامنے پاتے تھے، اسی دنیا میں جنت کی خوشبوئیں تک محسوس کر لیتے تھے۔

ایک صحابی کا واقعہ:

ایک مرتبہ کا واقعہ ہے کہ میدان جنگ میں اپنے ایک صحابی کے متعلق ایک دوسرے صحابی سے حضور ﷺ نے فرمایا کہ جاؤ، ذرا فلاں کا پتہ چلاؤ۔ کس حال میں ہیں؟ (یعنی صحیح سلامت ہیں یا خدانخواستہ زخمی پڑے ہیں یا جاں بحق ہوگئے) انہوں نے ایک جگہ دیکھا زخمی پڑے ہوئے ہیں اور تقریباً وقت آخر ہو رہا ہے، کہا حضور ﷺ نے حال دریافت فرمایا ہے۔ جواب دیا، جاؤ میرا سلام عرض کرنا اور عرض کر دینا کہ حضور جنت کی خوشبوئیں آرہی ہیں۔

حضرت ابوہریرہؓ کا واقعہ:

حضرت ابوہریرہؓ کا واقعہ ہے کہ وہ مرض الوفات کی سخت تکلیف میں مبتلا تھے، بیوی قریب بیٹھی تھی، تکلیف کی شدت دیکھ کر ان کے منہ سے نکلا "واکرباہ!" حضرت ابوہریرہؓ کی جب ذرا طبیعت سنبھلی، فوراً بولے کیا کہتی ہو واکرباہ؟ نہیں! واطرباہ واطرباہ! غدا القی الاحبہ محمدًا وحزبہ (واہ کیا خوشی کا موقع ہے، کیا نشاط کا عالم ہے کل ہم دوستوں سے ملیں گے، محمد ﷺ اور آپ کی جماعت سے ملیں گے)۔

غرض صحابہ کرامؓ کو دین کی حقیقتوں پر ایسا یقین تھا کہ ہمیں محسوسات ومشاہدات پر بھی

ویسا یقین نہیں ہے، اس کی وجہ یہ تھی کہ ان کا ایمان نیا اور تازہ تھا اور ہر نئی اور تازہ چیز میں ایک قوت اور شادابی ہوتی ہے۔

حضرت ابوذر غفاریؓ کا واقعہ:

حضرت ابوذر غفاریؓ جب حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوکر اسلام لائے تو اس کا جوش پیدا ہوا کہ حق کا اعلان اور اظہار کروں۔ (حالانکہ دشمنان اسلام کی نظر میں وہ ایک جرم کا اظہار تھا) آپ نے بیچ میں جا کر بلند آواز سے کلمہ پڑھا، کفار چاروں طرف سے ٹوٹ پڑے اور خوب زدوکوب کیا، مگر ان کو وہ لذت ملی کہ دوسرے دن پھر جا کر یہی پٹنے کا کام کیا اور پھر پیٹے گئے۔ یہ دراصل ان کے ایمان کی تازگی تھی، ان کا نیا اور تازہ ایمان دین کی راہ میں دنیا کی ہر تکلیف کو حلاوت ولذت سے بدل دیتا تھا۔

حضرت عبداللہ ذوالبجادین کا واقعہ:

حضرت عبداللہ ذوالبجادین اسلام لانے سے قبل اپنے والد کے فوت ہوجانے کی وجہ سے اپنے چچا کے پاس رہا کرتے تھے، اور انہیں کا کام کاج کیا کرتے تھے، ان کی بکریاں وغیرہ چرانے جاتے تھے، کانوں میں اسلام کی آواز پہنچ چکی تھی، ایک دن تہیہ کرلیا کہ آج محمد ﷺ کی خدمت میں جاکر اسلام لے آنا ہے۔ چچا کے پاس آئے، بکریوں کا ریوڑ چچا کے حوالے کیا، اور کہا، میں اب اس ذمہ داری سے سبکدوش ہونا چاہتا ہوں، اسلام قبول کرنے جارہا ہوں، چچا نے کہا بدن پر جو کپڑے ہیں اتارتے جاؤ، ظالم نے بالکل برہنہ کرکے چلتا کردیا، کیسے نہ کیسے والدہ کے پاس پہنچے اور پہننے کے لئے کپڑا مانگا، انہوں نے ایک کمبل دیا، جس کے دو ٹکڑے کرکے ایک اوڑھا اور ایک باندھا اور حضور ﷺ کی خدمت میں پہنچے اور پھر بقیہ زندگی آپ کے قدموں میں گزاردی، ذوالبجادین کا لقب آپ نے ان کی دو کملیوں کی وجہ سے دیا تھا۔

تازہ ایمان کی کشش:

بزرگو اور دوستو! نیا اور تازہ ایمان اس زندگی کو بالکل بے وقعت بنادیتا ہے، اور اس کو قبول کرنے والا فوراً داعی ومجاہدین بن جاتا ہے۔ ایک جنگ کے موقع پر رومیوں کی صف سے ایک

بہادر نکلا اور اس نے حضرت خالدؓ کو پکارا، آپ گئے، اس نے بجائے لڑنے کے اسلام کے متعلق کچھ سوالات شروع کر دیئے اور آخر میں دریافت کیا کہ تمہارے دین میں داخل ہونے کا طریقہ کیا ہے؟ آپ نے سب سوالات کے جواب دیئے، اور اپنے خیمے میں لے آئے، وہاں اسے غسل کرایا، کلمہ پڑھایا، اس نے دو رکعت نماز پڑھی اور پھر میدان جنگ میں واپس آیا، اور اللہ کی راہ میں بڑی بہادری اور بے جگری سے لڑ کر شہید ہو گیا۔ دیکھا آپ نے نئے اور تازہ ایمان میں کتنی کشش ہے کہ حضرت خالدؓ بیچ جنگ میں سے ایک دشمن کو اسلام کا خادم بنا کے لے آئے اور اس نے اسلام قبول کرتے ہی اپنی زندگی اس پر نثار کر دی۔

ہماری دعوت:

دوستو! ہماری دعوت دراصل ایمان کی اسی اصل طاقت کو حاصل کرنے کی دعوت ہے اور ایسا ایمان پیدا کرنے کی دعوت ہے جس سے ہمارے متعلقین اور ہمارے احباب بھی ایک خوشبو محسوس کریں۔ پھول میں اگر خوشبو ہوتی ہے تو ضرور محسوس ہوتی ہے، آگ میں جب گرمی ہوتی ہے تو ضرور محسوس ہوتی ہے، اسی طرح اگر ہمارے ایمان میں خوشبو ہو، گرمی ہو، تو اس سے دوسرے ضرور متاثر ہوں گے، ورنہ دوسروں کی شکایت اور غیروں کے شکوے بیکار ہیں۔

حمص میں مسلمانوں کا غلبہ ہوا اور وہاں جزیہ وصول کیا گیا، مگر تھوڑے ہی دن بعد خلیفہ وقت کے حکم سے اس جگہ کو چھوڑ کر جانا پڑا، تو جزیہ کی ایک ایک پائی کا حساب کر کے واپس کیا گیا، یہ ان کے ایمان کا اثر تھا۔ حمص کے یہودیوں اور عیسائیوں نے اس سے ان کے ایمان کی خوشبو محسوس کی۔ چنانچہ جب مسلمان رخصت ہو رہے تھے تو وہ لوگ روتے تھے اور دعائیں کرتے تھے کہ اللہ تم کو پھر واپس لائے۔ اسی طرح اگر ہمارے اندر کوئی ایمانی طاقت، کوئی اندرونی قوت، اور اخلاقی برتری ہو تو ناممکن ہے کہ دوسرے انسان اس کو محسوس نہ کریں۔

مسلمانوں کے پاس سرمایہ اور علم، تمدن اور دوسری دولتوں کی کمی نہیں، اصل میں جو کمی ہے اور جس سے لوگوں کی نگاہیں بدل گئیں اور مسلمان دنیا کی نظروں میں گر گئے وہ ایمان کی تروتازگی اور شادابی کی کمی ہے۔ اس کمی کا اثر آج ہی نہیں اسی وقت ظاہر ہو گیا جب مسلمان صاحب اقتدار و حکومت بھی تھے۔ بنی امیہ کے عہد میں حکومت کی طرف سے ایک غیر مسلم باجگزار ریاست میں جزیہ کی رقم وصول کرنے کے لئے محصل گئے۔ یہ پہلا موقع تھا جب اسلامی حکومت کے محصل

حکومتی کروفر کے ساتھ وہاں گئے، تو والی ریاست نے کہا وہ اللہ کے بندے کہاں ہیں جو پہلے آیا کرتے تھے، جو گھانس کے چپل پہنے ہوتے تھے، جن کے چہروں سے فاقہ کشی اور کپڑوں سے غربت ٹپکتی تھی؟ ان کو بتلایا گیا کہ وہ تو اگلے زمانہ کے مسلمان تھے، اب وہ کہاں ہیں۔ تو اس نے کہا کہ اب ہم ایک پیسہ خراج کا نہیں دیں گے، کیونکہ ہم نے اب تک ان سے مرعوب ہوکر خراج دیا تھا، وہ جس وقت کہتے تھے کہ اللہ کے بندے اللہ کا مطالبہ دے، تو ہم ان کی بات کو رد نہیں کر سکتے تھے، لیکن تم سے مرعوب ہونے کی وجہ نہیں ہے، تمہارا جو جی چاہے کرلو!

آج تر وتازہ ایمان کی شدید ضرورت:

دنیا کو آج اس تر وتازہ ایمان کی شدید ضرورت ہے جو آدمی کی پوری زندگی کو اپنے تابع کرے، مگر یہی ضروری چیز ہے جو دنیا سے ناپید ہوگئی۔ آج یورپ کے کارخانوں نے دنیا کی ہر ضروری بلکہ غیر ضروری بھی چیز بناڈالی ہے، اور ہر ضرورت مند بازار سے خرید سکتا ہے، مگر وہ چیز جس کو پیدا کرنے سے یورپ کے کارخانے بھی عاجز ہیں یہی خالدؓ وابوذرؓ کا ایمان ہے، اور اسی بناء پر یورپ کو اس بات کا پورا پورا اعتراف ہے کہ وہ دنیا کی برائیوں اور جرائم سے پاک کردینے سے قاصر ہے۔ بڑے بڑے ماہرین اخلاقیات ونفسیات اخلاقی جرائم کے مرتکب ہوتے ہیں۔ یورپ کا ایک ماہر نفسیات واخلاقیات جو ہر سال اپنی خدمت قبول کرانے کے لئے حکومت کے سامنے سفارش پیش کیا کرتا تھا، ایک بار ایک عورت کے گلے سے ہار چراتے ہوئے پکڑا گیا۔ یہ چرچل وٹرومین دنیا کے امن کے چوکیدار بنے بیٹھے ہیں، اگر موقع ملے تو شخصی یا قومی اقتدار حاصل کرنے یا قائم رکھنے کے لئے ایٹم بم گرا کر دنیا کو تباہ وبرباد کردیں، جیسا کہ گزشتہ جنگ میں جاپان کے دو معصوم صنعتی شہروں کے ساتھ کیا۔

دوستو! ہم کسی نئے دین کے داعی نہیں، لیکن ایک نئے ایمان کے ضرور داعی ہیں۔ ہم ضرور کہتے ہیں کہ اپنے ایمان کو تازہ کرو، خود اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

یاایھا الذین آمنوا آمنوا

اے وہ لوگو! جو ایمان لا چکے ہو، ایمان لاؤ۔

حضور ﷺ فرماتے ہیں: جددوا ایمانکم (اپنے ایمانوں کو نیا کرتے رہو) اور یہی ہماری دعوت ہے!

ہم کھل کر کہتے ہیں کہ ہم اور ہمارے بزرگ، بڑے اور چھوٹے، ہمارے ساتھی، اس کے محتاج ہیں کہ ہمارا ایمان تازہ ہو اور وہی ایمان پیدا ہو جو ہمارے اسلاف کا تھا۔ اس ہندوستان میں جو بزرگ اپنے اپنے وقت میں ایمان کے داعی اور مجدد گزرے ہیں، انہوں نے بھی اس وقت باوجودیکہ دین اور ایمان موجود تھا اور عالم دین موجود تھے، ایمان کی تجدید کی دعوت دی، اور امت کے اندر ایک نئی ایمانی زندگی پیدا کردی۔ پھر ان قدیم الاسلام نومسلموں سے وہ باتیں ظہور میں آئیں جنہوں نے قرن اول کی یاد تازہ کردی اور ثابت کردیا کہ ایمان میں بڑی طاقت ہے اور اس طاقت کو ہر زمانہ میں زندہ کیا جاسکتا ہے۔ آج بھی اسی طاقت کی دنیا میں ایسی مثالیں ملتی ہیں جن سے اسلاف کی روایت تازہ ہوجاتی ہے۔ "اخوان المسلمین" کے نوجوانوں نے جب اپنے اندر نیا ایمان پیدا کیا تو انہوں نے دین کے لئے ایسی قربانیاں پیش کیں، جن کی اس زمانہ میں مثال نہیں ملتی۔

اس وقت ساری اسلامی دنیا میں ایمان کی طرف ایک بازگشت ہورہی ہے۔ ترکی، مصر اور حجاز میں اپنے اپنے طرز پر ایمان کو بڑھانے کی کوشش کی جارہی ہے۔ ہر ملک کی طرح اور شاید اور ملکوں سے زیادہ ہمارے اس ملک میں ضرورت ہے کہ نیا ایمان حاصل کرنے کی کوشش کی جائے، اور اس کی دعوت عام کی جائے۔

ہمارا افسردہ اور بوسیدہ ایمان مشکلات کا مقابلہ کرنے کی طاقت نہیں رکھتا۔ معمولی حالات کا مقابلہ معمولی اور کمزور ایمان کرسکتا ہے، لیکن غیر معمولی حالات کا مقابلہ کرنے کے لئے غیر معمولی طاقت کا ایمان درکار ہے۔ آج دنیا میں مسلمانوں کو غیر معمولی حالات کا سامنا ہے، اس لئے ہمیں اپنے ایمان میں غیر معمولی تازگی اور اپنی زندگی میں غیر معمولی تغیر پیدا کرنے کی ضرورت ہے۔

ہمارے ان اجتماعات کی دعوت اور ہماری حقیر کوششوں کا مقصد یہی ہے کہ ہم میں ازسرنو حقیقی ایمان اور ابتداء اسلام کے نومسلموں کا سا جوش اور ذوق پیدا ہو! حالات کے بدلنے میں صرف اتنی ہی بات کی دیر ہے۔

مسلم خواتین کی علمی ودینی خدمات

> اپریل ۱۹۹۶ء کے پہلے ہفتہ میں جامعۃ المومنات الاسلامیہ، [illegible] میں ثقافتی ہفتہ منایا گیا، جس میں حفظ وقرآن اور تقاریر واسلامک کوئز کے انعامی مقابلے ہوئے، طالبات نے بڑی محنت وکاوش کے ساتھ ان مقابلوں میں حصہ لیا اور انعامات حاصل کئے، جامعۃ المومنات کے اس ثقافتی ہفتہ کا اختتام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی کے خطاب سے ہوا، جس میں حضرت مولانا نے تاریخ اسلامی کے مختلف ادوار میں عورتوں کے کردار کا ذکر کیا، اور معاشرہ کے سدھار اور اس کی اصلاح میں ان کی خدمات کو بیان کیا، مولانا نے اس ثقافتی ہفتہ کے پروگراموں میں حصہ لینے والی طالبات کو مبارکباد پیش کی اور ان کے روشن مستقبل کیلئے دعائیں کیں۔

الحمد لله رب العالمین والصلاة والسلام علی سید المرسلین وخاتم النبیین محمد وآله واصحابه اجمعین ومن تبعهم باحسان الی یوم الدین. امابعد:

علم مرد وعورت دونوں کے لئے

میرے عزیز بہنو اور بیٹیو: مجھے بہت مسرت ہے کہ میں یہاں آکر اس ثقافتی سرگرمی کے نتیجے کو دیکھ رہا ہوں جو خاص طور پر ہماری بچیوں کے لئے امت کی بیٹیوں کے لئے اس کا انتظام کیا گیا ہے، حقیقت یہ ہے کہ جیسے ایک گھرانہ بغیر بیبیوں کے ناقص ہے اور اس کو گھرانہ کہنا بھی صحیح نہیں ہے ایسے ہی امت کا بھی حال ہے کہ اگر اس میں صرف تعلیم اور ترقی، فہم اور سمجھ، اخلاق اور تہذیب یہ صرف مردوں میں محدود رہی تو پھر اس امت کو بیدار امت اور زندہ امت کہنا مشکل ہے، اس کا اہتمام ہمیشہ کیا گیا ہے ابتدائے اسلام سے بچیوں، لڑکیوں اور خواتین کو بھی تعلیم میں اور اسلام کی تربیت میں شریک کیا گیا ہے، حدیث میں فرمایا گیا ہے، ”طلب العلم فریضة علی کل مسلم“ علم کی طلب اور علم پر محنت کرنا اور علم کو حاصل کرنا یہ مسلمان مرد اور عورت

پر فرض ہے۔

عورت کی تعلیم کے بغیر نظام حیات کا حال

تو اسلام کا پورا نظام، اس کا نظام دینی اور اس کا نظام ذہنی اور اس کا نظام اخلاقی اور اس کا نظام پرورش کا صحیح مفہوم وجود میں نہیں آسکتا، جب تک کہ خود ہماری امت کی مسلمان بیٹیاں اس میں شریک نہ ہوں اور وہ ضروری حد تک علم حاصل نہ کریں اللہ تعالیٰ کی تعلیمات سے جو مرد وعورت کے درمیان مشترک ہیں، ان سے واقف نہ ہوں یہ ایک یکطرفہ کوشش ہوگی اور یکطرفہ روش ہوگی، جس سے کوئی امت تو امت ملت تو ملت ایک شہر بھی اس پر گذارا نہیں کر سکتا، اس کی ضرورت ہے اسی لئے آتا ہے کہ علم کی طلب ہر مسلمان مرد اور ہر مسلمان عورت پر فرض ہے، ہمارا پورا نظام معاشرت بلکہ نظام زندگی ونظام مذہبی بھی اس کے بغیر نہیں چل سکتا کہ بیٹیاں اور بچیاں بھی اسلام سے واقف ہوں اور گھر میں جو کچھ ماحول ہوتا ہے وہ تو بیویوں اور بیٹیوں ہی کا ساختہ پرداختہ ہوتا ہے اگر گھر کے اندر اسلامی فضا نہیں ہے، دینی تعلیمات نہیں ہیں، اسلامی اخلاق نہیں ہیں، تو پھر اس نسل کی اسلامی پرورش ہو ہی نہیں سکتی اس لئے ہم تاریخ میں پڑھتے ہیں کہ اس کا ہمیشہ اہتمام رکھا گیا۔

تاریخ اسلام میں طبقہ نسواں کے کارنامے

اور امت کا طبقہ نسواں بھی ہمیشہ نہ صرف یہ کہ علم سے واقف بلکہ علم پھیلانے والا بھی رہا اور تذکرہ کی کتابوں میں ایسی بیویوں کے نام ملتے ہیں جو بڑی فاضلہ عالمہ تھیں اور جن کی وجہ سے خاندان کے خاندان بلکہ اس زمانہ میں ملت کا پورا حصہ دین سے واقف تھا اور دین پر کاربند تھا، ان کے کارنامے آپ دیکھیں، بلکہ بعض خاندانوں کا ایمان بچایا ہے مستورات نے کہ انھوں نے شروع سے بچیوں کی ایسی تربیت کی اور اسلامی اور دینی غیرت کا اظہار کیا اور نقش کر دیا اور سچ پوچھئے تو دل کی تختی میں دل کی خاک میں اور دل کی کشت زار میں تخم مائیں ڈال سکتی ہیں، گھر کی مستورات ہی ڈال سکتی ہیں اور یہ تخم جب پک جاتا ہے تو پھر اس کو حکومتیں بھی نہیں اکھاڑ سکتی ہیں اور اس کی ہزارہا مثالیں ہیں کہ ماں اور بہنوں سے پڑھایا ہوا سبق ان سے سیکھا ہوا دین، ان کا بیدار کیا ہوا جذبہ بڑے بڑے مجاہدین کی استقامت اور ان کی ثابت قدمی کا

ذریعہ بنا اور اگر آپ ان کی تحقیق کریں اور ذرا ریسرچ سے اور سراغ رسانی سے کام لیں تو معلوم ہوگا کہ اصل جو اس میں اثبات واستقامت اور جذبہ پیدا ہوا ہے وہ ماں کا پیدا کیا ہوا ہے اور اس کی کثرت سے مثالیں ہیں کہ بڑے بڑے چوٹی کے علماء اسلام میں ایسے گذرے ہیں، جن پر سب سے زیادہ ان کی ماؤں کا اثر پڑا ہے، اور ان کی ماؤں نے ان کی اخیر تک اسلام پر قائم رہنے کی ہمت اور حوصلہ دیا ہے اور اس کے لئے مستقبل کتابیں ہیں اور ہماری تاریخ میں مستورات کے طبقہ کی مستقل کتابیں ہیں کہ بعض اوقات انھوں نے اللہ کے راستے میں جان دینے پر آمادہ کیا اور اپنے لخت ہائے جگر کو انھوں نے خطرے میں ڈالا ان کی ہمت بڑھائی بلکہ ان میں غیرت پیدا کی کہ دین کے لئے کیوں کام نہیں کرتے ہو؟ دین کے لئے قربان ہو جانا چاہئے اور سب کچھ قربان کر دینا چاہئے، اس کی مثالیں ہماری تاریخ میں ملتی ہیں، بعض بڑے بڑے اکابر اور بڑے بڑے مجاہد پیدا ہوئے ہیں کہ اول اول ان کے اندر جو جہاد کا جذبہ پیدا ہوا، اسلام کے لئے قربانی دینے کا جذبہ پیدا ہوا اور اسلام پر نثار اور قربان ہو جانے کا جو حوصلہ پیدا ہوا وہ ان کی ماؤں کی تربیت کا نتیجہ تھا کہ اکثر اہل اللہ کے حالات میں اور مجاہدین کے حالات میں اور فاتحین کے حالات میں ان کی ماؤں کا بنیادی حصہ ملے گا اور انھوں نے خود اعتراف کیا کہ ہمیں سب سے پہلے ہمارے کان میں یہ بات ہماری ماں کے ذریعہ پڑی، انھوں نے ہمارے اندر دینی غیرت پیدا کی اور بعض موقعوں پر تو دینی حمیت پیدا کرنے میں ہماری خواتین کا حصہ زیادہ ہے، اور یہ بڑی خوشی کی بات ہے کہ اس مدرسہ میں الحمد للہ دین کی تعلیم ہو رہی ہے، اور زمانے کے مطابق اور ضرورت کے مطابق اس کا کام کیا جا رہا ہے، الحمد للہ اس کا ایک بڑا مرکز بن گیا ہے، ہمارے شہر میں جو ہمارے شہر اور اہل شہر کے لئے خاص طور سے ہمارا جس ادارہ سے اور جس حلقہ سے تعلق ہے اس کے لئے قابل فخر اور موجب شکر ہے کہ اس ادارہ کے قائم کرنے والوں اور چلانے والوں کا تعلق دارالعلوم ندوۃ العلماء سے ہے اور اس مکتب خیال سے ہے جس کے ہمارے اساتذہ ہمارے رفقاء داعی رہے اور ہیں۔

اللہ تبارک وتعالیٰ قبول فرمائے اور جزائے خیر دے اور اب جو خطرہ پیدا ہو رہا ہے نئی نسل کے لئے ذہنی ارتداد کا اور ہم آگے نہیں کہتے اور اس سے باز رہنے میں سب سے بڑا ہاتھ ماؤں کا ہوگا اور اس کی بہت سی مثالیں ملتی ہیں کہ کسی کی مادر مشفقہ، کسی ماں کے فقرے نے ایک روح

پیدا کردی اور قربانی دینے اور ایثار اور اپنے کو خطرے میں ڈالنے پر آمادہ کرلیا، اس کی بہت سی مثالیں ملتی ہیں۔

خواتین اسلام کی ذمہ داریاں

اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرتا ہوں اور اپنے عزیزوں کا اور رفقاء کا شکریہ ادا کرتا ہوں کہ انھوں نے یہ نمونہ دکھایا اور امید پیدا کرائی کہ انشاء اللہ ہمارے اس اودھ میں خاص طور پر ہمارے اس لکھنؤ میں جو تہذیبی مرکز ہے اور اس طرح صوبہ کا دارالحکومت بھی ہے اس میں انشاء اللہ ایک ایسا طبقہ پیدا ہوگا جو مسلمانوں کی آئندہ نسل کے ایمانی، دینی اور اخلاقی حفاظت کا کردار ادا کرے گا اور وہ طبقہ صرف مستورات کا ہوسکتا ہے، خواتین کا طبقہ ہوسکتا ہے اور ہماری بہنوں کا طبقہ ہوسکتا ہے، اللہ تبارک وتعالیٰ اس کو ترقی دے اور اس کو زیادہ مفید اور نافع اور فیض رساں بنائے اور ان کی محنتوں اور خوشی کی جفاکشی اور ان کی قربانیوں کو قبول فرمائے، ان کی فیضیوں اور ان کی لڑکیوں کو جنھوں نے اس میں حصہ لیا ہے، اس کو اللہ تعالیٰ قیام اور دوام بخشے اور اس سے زیادہ نفع پہونچائے۔

وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین

ایک اعلان وشہادت بالحق

الحمدللہ و کفیٰ و سلام علی عبادہ الذین اصطفی. اما بعد.

حضرات! یہ ایک حقیقت اور مشاہدہ ہے کہ تبلیغی جماعت (جس کا مرکز نظام الدین دہلی ہے) اس زمانہ کی ایک سرگرم، متحرک اور محرک، متعلم اور معلم، داعی دینی جماعت ہے، جس سے ایک وقت میں مجموعی طور پر ہزاروں افراد ایک بستی سے دوسری بستی، ایک شہر سے دوسرے شہر، ایک ملک سے دوسرے ملک اور ایک براعظم سے دوسرے براعظم میں، (جس میں کسی تعداد میں بھی مسلمان پائے جاتے ہیں) تبلیغی ودعوتی نقل وحرکت اور تبلیغی سفروں اور دوروں میں مصروف اور سرگرم نظر آتے ہیں، یہ اپنے دعوت واصولوں اور ضابطوں کے دائرے میں رہ کر (جو بانی جماعت اور داعی اول) حضرت مولانا محمد الیاس صاحب کاندھلوی ۱۳۶۳ھ-۱۹۴۴ء) نے توفیق الٰہی کی مدد سے اور اپنے علم وتجربہ کی روشنی میں بنایا تھا، دین کے مبادی کی تعلیم، ایمان کی تجدید اور استحکام، فرائض شرعیہ کی پابندی، مسلمان کے اکرام واحترام، ذکر الٰہی و یاد خداوندی اور ترک مالا یعنی (فضول اور زائد کاموں سے احتراز) کی تلقین کرتے ہیں اور یہ ایک حقیقت ہے کہ اس فی سبیل اللہ نقل وحرکت، قربانی وجفاکشی اور اخلاص وتوکل کی برکت سے خود انھوں نے دینی ترقی کی اور دین سے ضروری واقفیت پیدا کی، اور ان کی دعوت وتبلیغ اور عزیمت ونقل وحرکت سے ہزاروں کی زندگی میں ایک دینی انقلاب آ گیا، مسجدیں آباد ہوئیں، تعلیم کے حلقے قائم ہوئے، اخلاق ومعاشرہ کی بھی اصلاح ہوئی، دین کی تعلیم اور دین میں مزید ترقی کا جذبہ پیدا ہوا، جماعت کے قابل قدر اثرات ونتائج کا اعتراف کرتے ہوئے اس حقیقت سے بھی انکار نہیں کیا جا سکتا کہ زمانہ کی تبدیلی، نئے خطرات اور چیلنجوں اور نئی سازشوں اور منصوبوں کو پیش نظر رکھتے ہوئے جو تاریخ کے ہر دور میں اسلام اور مسلمانوں کو کم وبیش پیش آئے ہیں اور اس زمانہ میں وہ کہیں زیادہ سنگین، مہیب اور عمیق ودوررس ہیں، جماعت

کے اصولوں اور بنیادی ہدایت کے دائرہ میں رہتے ہوئے ان کی طرف بھی توجہ کی ضرورت ہے اور اس دعوت سے جو قوت ایمانی اور جذبہ دینی پیدا ہوتا ہے، وہ ان کے دورس اثرات اور خطرناک نتائج سے ملت کو محفوظ رکھنے میں معین ومددگار ہو سکتا ہے۔

جہاں تک اس دعوت وجماعت کے بنیادی عقیدہ اور مسلک کا تعلق ہے، وہ توحید خالص شرک وبدعت سے احتراز، پابندی شریعت اور اتباع سنت ہے اس کی حقیقت اور وجہ جاننے کے لئے اس دعوت کے داعی اول اور جماعت کے بانی حضرت محمد الیاس صاحب کے خاندانی وروحانی اور ذاتی تعلیم وتربیت اور نشوونما کے ماحول سے (اجمالی ہی) واقفیت کی ضرورت ہے کہ جس طرح ایک نسبی اور نسلی تعلق اور نسبت، عقائد واخلاق پر اثر انداز ہوتی ہے، بلکہ ان کا سرچشمہ قرار دی جا سکتی ہے، اسی طرح (بلکہ اس سے زیادہ) روحانی تعلیمی وتربیتی نشوونما اور سلسلۂ طریقت، اثر انداز بلکہ ذہن وفکر ساز ہوتا ہے۔

اس سلسلہ میں پہلی تاریخی کڑی یہ ہے کہ مولانا کے مادری جد امجد اور خاندان کاندھلہ کے مورث اعلیٰ حضرت مولانا مفتی الٰہی بخش صاحب کاندھلوی (م ۱۲۴۵ھ) حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب علیہ الرحمۃ اللہ کی ممتاز ترین تلامذہ میں تھے، وہ شیخ وقت ہونے کے باوجود ۶۰، ۶۵ برس کی عمر میں اپنے شیخ کے جواں سال خلیفہ حضرت سید احمد شہید (ش ۱۲۴۶ھ) سے بیعت ہوئے اور اپنے علمی ودینی کمالات اور سلوک وتصوف کے منازل طے کرنے کے باوجود حضرت سید صاحب کی محبت آپ کے فضل وکمال کے اعتراف اور آپ کی تعلیمات اور دعوت کے اثر میں (جس کا سب سے بڑا اصول اور جزو اعظم توحید خالص کی دعوت وتعلیم اور شرک وبدعت سے نفور واحتراز تھا) ڈوب گئے اور خود اس کے داعی بن گئے۔

پھر اس خاندان کا روحانی تعلق حضرت حاجی امداد اللہ صاحب گنگوہی، حضرت مولانا رشید احمد صاحب گنگوہیؒ اور ان کے خلیفۂ اعظم حضرت مولانا خلیل احمد صاحب سہارنپوریؒ سے رہا، یہ سب حضرات توحید اور اتباع سنت میں حضرت سید احمد شہیدؒ، حضرت مولانا اسماعیل شہیدؒ کی شہرۂ آفاق کتاب ''تقویۃ الایمان'' کے (جو توحید اور رد شرک کے باب میں ایک بے نظیر کتاب ہے) حامی ومؤید اور انتہائی مداح اور معترف تھے، اس کا نتیجہ ہے کہ حضرت مولانا محمد الیاس کے حقیقی برادر زادہ وخویش اور محبوب فرد خاندان، شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب

کاندھلوی نے بندہ کو اس کو عربی میں منتقل کرنے کی دعوت دی اور ایماء فرمایا، اور ان کی طرف سے اس کے لئے بار بار یاددہانی اور اصرار رہا، اس عاجز نے مدینہ طیبہ (علی ماجہا الصلاۃ والسلام) میں اس کام کی ابتدا کی، اور ہندوستان آ کر اس کو پورا کیا، اور اس پر مفید حواشی اور مسلم اور بلند پایہ مشائخ وعلماء کی تائیدی اقوال حاشیہ میں درج ہے، یہ کتاب جب طبع ہوئی تو اس کا ایک نسخہ بندہ نے جامعہ اسلامیہ مدینہ طیبہ کے ایک سلفی العقیدہ عرب فاضل اور استاد جامعہ کو پیش کیا، انھوں نے پڑھنے کے بعد اپنے گہرے تاثر کا اظہار کیا اور فرمایا کہ "یہ تو توحید کا منجنیق (مشین گن) ہے"۔

یہ عقیدہ ومسلک آخر وقت تک اس جماعت کا ذمہ داروں، مولانا محمد الیاس صاحبؒ کے خاندان کے ارکان وافراد اور مرکز نظام الدین میں رہا اور ہے، ایک مرتبہ مولانا محمد الیاس صاحبؒ نے بندہ کو مخاطب کر کے فرمایا کہ مولوی ابوالحسن، ہم لوگ ابھی تک حضرت سید صاحب کی تجدید کے سایہ میں ہیں بندہ کی کتاب سیرت سید احمد شہید پڑھ کر فرمایا کہ میری معلومات میں اس سے کچھ اضافہ نہیں ہوا، ہم نے اپنی دادیوں اور نانیوں سے یہ سن رکھا ہے۔

اس تاریخی پس منظر میں اس نسبی ونسبتی توارث اور تسلسل کے بیان کرنے کا مقصد یہی ہے کہ اس دعوت کے فکر ومزاج اور اس دعوت کے بانی اور ذمہ داروں کے عقیدہ ومسلک میں توحید خالص اتباع سنت ورد بدعت، اور دین خالص کی تعلیم ودعوت ضمیر وخمیر میں شامل ہے اور اس کی طرف کسی ایسے عقیدہ ومسلک اور کسی ایسے قول وعمل کی نسبت نہیں کی جاسکتی جو اس کے منافی اور اس کے متعارض ہو اور ان لوگوں کو جو اس جماعت ودعوت کو ان چیزوں سے متہم کر کے صحیح العقیدہ اہل علم ودین کی نظر میں مشکوک بنانا چاہتے ہیں، خدا سے جو عالم الغیب والشہادۃ ہے، ڈرنا اور یوم الحساب کا خیال رکھنا چاہئے۔

وما علینا الا البلاغ

دنیا بعثت سے پہلے اور بعثت کے بعد

الحمدللہ و کفیٰ و سلام علیٰ عبادہ الذین اصطفیٰ. اما بعد

حضرات! چودہ برس پہلے کی دنیا پر نظر ڈالئے، اونچی اونچی عمارتوں، سونے چاندی کے ڈھیروں اور زرق برق لباسوں کو چھوڑ دیجئے، یہ تو آپ کو پرانی تصویروں کے مرقع اور مردہ عجائب خانہ میں بھی نظر آجائیں گے، یہ دیکھئے کہ انسانیت بھی کہیں جیتی جاگتی تھی، مشرق سے مغرب اور شمال سے جنوب تک پھر کر دیکھ لیجئے اور سانس روک لیجئے کہیں اس کی نبض چلتی ہوئی اور اس کا دل دھڑکتا معلوم ہوتا ہے؟

زندگی کے سمندر میں بڑی مچھلی چھوٹی مچھلی کو کھائے جا رہی تھی، انسانی کے جنگل میں شیر اور چیتے، سور اور بھیڑیئے، بکریوں اور بھیڑوں کو کھا رہے تھے، بدی نیکی پر، رذالت شرافت پر، خواہشات عقل پر، پیٹ کے تقاضے روح کے تقاضوں پر، غالب آچکے تھے، لیکن اس صورت حال کے خلاف اتنی لمبی چوڑی زمین پر کہیں احتجاج نہ تھا، انسانیت کی چوڑی پیشانی پر غصہ کی کوئی شکن نظر نہیں آتی تھی، ساری دنیا اسلام کی ایک منڈی بن چکی تھی، بادشاہ، وزیر، امیر و غریب، اس منڈی میں سب کے دام لگ رہے تھے اور سب کوڑیوں میں بک رہے تھے، کوئی ایسا نہ تھا، جس کا جوہر انسانی خریداروں کے حوصلہ سے بلند ہو اور جو پکار کر کہے کہ یہ ساری فضا میری ایک اڑان کے لئے کافی نہیں، یہ ساری دنیا اور یہ پوری زندگی میرے حوصلہ سے کم تھی، اس لئے ایک دوسری ابدی زندگی میرے لئے پیدا کی گئی، میں اس فانی زندگی اور اس محدود دنیا کی ایک چھوٹی سی کسر پر اپنی روح کو کس طرح فروخت کر سکتا ہوں؟

قوموں اور ملکوں کے اوران سے گزر کر قبیلوں اور برادریوں کے اوران سے آگے بڑھ کر کنبوں اور گھرانوں کے، چھوٹے چھوٹے گھروندے بن گئے تھے، اور بڑے بڑے بلند ہمت، انسان جن کو اپنی سرفرازی اور سربلندی کے بڑے اونچے دعوے تھے، بالشیوں کی طرح ان

گھروندوں میں رہنے کے عادی بن چکے تھے، کسی کو ان میں تنگی اور گھٹن محسوس نہیں ہوتی تھی، اور کسی کو اس سے زیادہ وسیع تر انسانیت کا تصور باقی نہیں رہا تھا، زندگی ساری سود و سودا اور مکر وفن میں گھر کر رہ گئی تھی۔

انسانیت ایک سرد لاشہ تھا، جس میں کہیں روح کی تپش، دل کا سوز اور عشق کی حرارت باقی نہیں رہی تھی، انسانیت کی سطح پر خودرو جنگل اگ آیا تھا، ہر طرف جھاڑیاں تھیں، جن میں خونخوار درندے اور زہریلے کیڑے تھے، یا دلدلیں تھیں، جن میں جسم سے لپٹ جانے والی اور خون چوسنے والی جونکیں تھیں، اس جنگل میں ہر طرح کا خوفناک جانور، ہر طرح کا شکاری پرندہ، اور ان دلدلوں میں ہر قسم کی جونک پائی جاتی تھی لیکن آدم زادوں کی اس بستی میں کوئی آدمی نظر نہیں آتا تھا، جو آدمی تھے وہ غاروں کے اندر، پہاڑوں کے اوپر اور خانقاہوں اور عبادت گاہوں کے خلوتوں میں چھپے ہوئے تھے اور اپنی خیر منارہے تھے یا زندگی میں رہتے ہوئے زندگی کی آنکھیں بند کر کے فلسفہ سے اپنا دل بہلا رہے تھے یا شاعری سے اپنا غم غلط کر رہے تھے اور زندگی کے میدان میں کوئی مرد میدان نہ تھا۔

دفعتاً انسانیت کے اس سرد جسم میں گرم خون کی ایک رو دوڑی، نبض میں حرکت اور جسم میں جنبش پیدا ہوئی، جن پرندوں نے اس کو مردہ کو سمجھ کر اس بے حس جسم کی ساکن سطح پر بسیرا کر رکھا تھا، ان کو اپنے گھر ہلتے ہوئے اور اپنے جسم لرزتے ہوئے محسوس ہوئے، قدیم سیرت نگار اس کو اپنی زبان خاص میں یوں بیان کرتے ہیں کہ کسری شاہ ایران کے محل کے کنگرے گرے اور آتش پارس ایک دم بجھ گئی، زمانۂ حال کا مورخ اس کو اس طرح بیان کرے گا، کہ انسانیت کی اس اندرونی حرکت سے اس کی بیرونی سطح میں اضطراب پیدا ہوا، اس کی اس ساکن و بے حرکت سطح پر جتنے کمزور اور بودے قلعے بنے ہوئے تھے، ان میں زلزلہ آیا، مکڑی کا ہر جالا ٹوٹتا اور تنکوں کا ہر گھونسلہ بکھرتا نظر آیا، زمین کی اندرونی حرکت سے اگر سنگین عمارتیں اور آہنی برج خزاں کے پتوں کی طرح جھڑ سکتے ہیں تو پیغمبر کی آمد آمد سے کسریٰ وقیصر کے خود ساختہ نظاموں میں تزلزل کیوں نہ ہوگا؟ زندگی کا یہ گرم خون جو انسانیت کے سرد جسم میں دوڑا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کا واقعہ ہے جو متمدن دنیا کے قلب مکہ معظمہ میں پیش آیا۔

آپ نے دنیا کو جو پیغام دیا اس کے مختصر لفظ زندگی کی تمام وسعتوں پر حاوی ہیں، تاریخ

گواہ ہے، کہ انسانی زندگی کی جڑیں اور اس کے جھوٹے قصر زندگی کی بنیادیں کبھی اس زور سے نہیں ہلائی گئیں جیسی اس پیغام لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ کے اعلان سے ہلائی گئیں اور دنیا کے کند ذہن پر کبھی ایسی چوٹ نہیں پڑی تھی، جیسے ان لفظوں سے پڑی، وہ غصہ سے تلملا گیا اور اس نے جھنجھلا کر کہا ”اجعل الآلهة الها واحداً ان هذا لشیی عجاب (کیا ان سب کو جن کی ہم پرستش کرتے تھے اور جن کے ہم بندے بنے ہوئے تھے، اڑا کر ایک ہی معبود مقصود رکھا ہے؟ یہ تو بڑے اچنبھے کی بات ہے) اس ذہن کے نمائندوں نے فیصلہ کیا یہ ہمارے نظام زندگی کے خلاف ایک گہری اور منظم سازش ہے اور ہم کو اس کا مقابلہ کرنا ہے۔“ وانطلق الملأ منهم ان امشوا واصبرو اعلىٰ آلهتكم ان هذا لشئ يراد“ (ان کے سردار اور ذمہ دار ایک دوسرے کے پاس گئے کہ چلو اور اپنے معبودوں پر جمے رہو، یہ تو کوئی طے کی ہوئی بات معلوم ہوتی ہے۔

یہ نعرہ زندگی اور انسانیت کے تصور پر ایک کاری ضرب تھی، جو ذہن کے پورے سانچہ اور زندگی کے پورے ڈھانچہ کو متاثر کرتی تھی، اس کا مطلب تھا کہ جیسا کہ آج تک سمجھا جاتا رہا، یہ دنیا کوئی خودرو جنگل نہیں بلکہ یہ مالی کا لگایا ہوا آراستہ باغ ہے اور انسان اس باغ کا سب سے اعلیٰ پھول ہے، یہ پھول جو ہزاروں بہاروں کا سرمایہ ہے، بے مقصد نہیں کہ مل دل کر رہ جائے، انسان کے جوہر انسانیت کی اس خالق کے سوا کوئی قیمت نہیں لگا سکتا، اس کے اندر وہ لامحدود طلب، وہ بلند ہمت وہ بلند پرواز روح اور وہ مضطرب دل ہے کہ ساری دنیا مل کر اس کی تسکین نہیں کر سکتی اور یہ سست عناصر دنیا اس کے ساتھ نہیں چل سکتی اس لئے غیر فانی زندگی اور ایک لامحدود دنیا درکار ہے، جس کے سامنے یہ زندگی ایک قطرہ اور یہ دنیا بازیچہ اطفال ہے، وہاں کی راحت کے سامنے یہاں کی کوئی تکلیف حقیقت نہیں رکھتی، اس لئے انسان کا فطری تقاضا خدائے واحد کی عبادت، اس کی خودشناسی رضائے الٰہی کی طلب اور اس کی زندگی اس کے لئے جدوجہد ہے، انسان کو کسی روح، کسی مخفی وفرضی طاقت کسی درخت اور پتھر، کسی قسم کی دھات اور جمادات کسی مال ودولت، کسی جاہ وعزت، کسی طاقت وقوت اور کسی روحانیت وعظمت کے سامنے بندوں کی طرح جھکنے اور سبزہ کی طرح پامال ہونے کی ضرورت نہیں، وہ صرف ایک بلندی کے سامنے سب سے زیادہ پست اور سب پستیوں کے مقابلہ میں سب سے زیادہ بلند ہے

، وہ سارے عالم کا مخدوم اور ایک ذات کا خادم ہے، اس کے سامنے فرشتوں کو سجدہ کرا کر اس کو اللہ کے سوا ہر ایک کے سجدے سے منع کر کے ثابت کر دیا کہ کائنات کی طاقتیں جن کے فرشتے امین ہیں اس کے سامنے سرنگوں اور سربسجود ہیں اور اس کا سر اس کے جواب میں اللہ کے سامنے جھکا ہوا ہے۔

دنیا کا ذہن اتنا شل ہو چکا تھا کہ وہ مادیت محسوسات اور جسم اور پیٹ کے حدود سے باہر آسانی سے کام نہیں کر سکتا تھا، انھوں نے کچھ پیمانے بنا رکھے تھے ہر نئے شخص کو اس پیمانے سے ناپتے تھے، زندگی کی جو چھوٹی چھوٹی بلندیاں بن چکی تھیں، ہر بلند انسان کو انھیں کے سامنے لا کر دیکھتے تھے، انھوں نے بڑے غور و فکر اور ذہانت سے کام لیا اور وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے اس کے آگے نہ سوچ سکے کہ یا تو وہ مال و دولت کے یا سرمایہ داری و بادشاہی کے یا عیش و عشرت کے طالب ہیں، انصاف کیجئے تو اس وقت تک دنیا کا تجربہ اس سے زیادہ اور کیا تھا اور اس نے اپنے زمانہ کے حوصلہ مندوں اور شہبازوں کی اس بلند پرواز کب دیکھی تھی؟ انھوں نے آپ کی خدمت میں ایک وفد بھیجا، یہ اصل اس عصر کے ذہن و دماغ اور نفسیات کی سچی نمائندگی اور اس نے جو کچھ کہا وہ زمانہ کے احساسات کی صحیح ترجمانی تھی، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو اس کا جواب دیا وہ نبوت کی صحیح نمائندگی اور امت مسلمہ کی حقیقت کا اصلی اظہار تھا، آپ نے ثابت کر دیا، کہ آپ ان میں سے کسی چیز کے طالب نہیں، آپ جس چیز کے داعی ہیں وہ ان کی ان بلند چیزوں سے اس سے بھی زیادہ اونچی ہے، جتنا آسمان اس سے۔ آپ اپنی ذات راحت اور ترقی کے لئے فکر مند نہیں بلکہ نوع انسانی کی نجات اور راحت کے لئے بے چین ہیں، آپ اس دنیا میں اپنے لئے کوئی مصنوعی جنت بنانے کے خواہش مند نہیں بلکہ جنت سے نکالے ہوئے انسان کو حقیقی جنت میں ہمیشہ کے لئے داخل کرنا چاہتے ہیں، آپ اپنی سرداری کے لئے کوشاں نہیں بلکہ تمام انسانوں کو انسان کی غلامی سے نکال کر بادشاہ حقیقی کی غلامی داخل کرنا چاہتے ہیں، اسی بنیاد پر امت نبی اور یہی پیغام لے کر دنیا میں پھیل گئی، اس کے سفیروں نے جو اپنے اندر دعوت کی سچی روح اور اسلام کی صحیح زندگی رکھتے تھے، کسریٰ اور قیصر کے بھرے دربار میں صاف کہہ دیا کہ ہم کو اللہ نے اس کام کے لئے مقرر کیا ہے کہ ہم اس کے بندوں کی بندگی سے نکال کر اللہ کی غلامی میں، دنیا کی تنگی سے نکال کر اس کی

وسعت میں اور مذاہب کی ناانصافی سے نکال کر اسلام کے انصاف میں داخل کریں، ان کو جب اپنے اصولوں پر حکومت قائم کرنے اور چلانے کا موقع ملا تو وہ جو کچھ کہتے تھے اور جس کی دوسروں کو دعوت دیتے تھے، اس کو جاری کر کے دکھا دیا، ان کی معیاری حکومت کے زمانہ میں کسی انسان کی بندگی نہیں ہوتی تھی، بلکہ اللہ کی بندگی ہوتی تھی، کسی انسان یا جماعت کا حکم نہیں چلتا تھا، بلکہ اللہ کا حکم چلتا تھا، ان کا حاکم جس کو وہ خلیفہ کہتے تھے، معمولی سی انسانی تحقیر پر کہہ اٹھتا تھا کہ لوگ ماں کے پیٹ سے آزاد پیدا ہوئے تھے، تم نے ان کو کب سے غلام بنا لیا؟ ان کا بڑے سے بڑا حاکم بڑی بڑی بادشاہتوں کے دارالسلطنت میں اس شان سے رہتا تھا کہ لوگ اس کو مزدور سمجھ کر اس کے سر پر بوجھ رکھ دیتے تھے اور وہ اس کو ان کے گھر پہونچا آتا تھا، ان کا دولت مند انسان اس طرح زندگی گزارتا تھا کہ معلوم ہوتا تھا کہ وہ اس زندگی اور اس کی راحت کو راحت ہی نہیں سمجھتا اس کی نظر کسی اور زندگی پر ہے اور اس کو طلب کسی اور راحت کی ہے۔

اس امت کا وجود دنیا کے ہر گوشہ میں مادی حقیقتوں اور جسمانی لذتوں کے علاوہ ایک بالکل دوسری حقیقت کے وجود کا اعلان ہے، اس کا ہر فرد پیدا ہو کر بھی اس حقیقت کا اعلان کرتا ہے کہ دنیا کی طاقتوں سے بڑی ایک دوسری طاقت ہے، اور اس زندگی سے زیادہ حقیقی دوسری زندگی ہے، وہ دنیا میں آتا ہے، تو اس کے کان میں اسی حق کی آواز دی جاتی ہے، مرتا ہے تو اسی شہادت و مظاہرہ کے ساتھ اس کو رخصت کیا جاتا ہے، جب اس دنیا پر بے حسی اور موت کا سکوت طاری ہو جاتا ہے اور شہر کی ساری آبادی معاش کی جدوجہد میں سرتاپا غرق ہو جاتی ہے اور دنیا میں مادی ضرورتوں کے علاوہ کوئی اور ضرورت اور محسوس حقیقتوں کے علاوہ کوئی اور حقیقت جیتی جاگتی نظر نہیں آتی، اس کی وہی اذان اس طلسم کو توڑ دیتی اور اس کا اعلان کرتی ہے کہ نہیں جسم اور پیٹ سے زیادہ ایک دوسری روشن حقیقت ہے اور وہی کامیابی کی راہ ہے ”حی علی الصلوٰۃ حی علی الفلاح“ بازار کا شور اس نعرۂ حق کے سامنے دب جاتا ہے، اور سب حقیقتیں اس حقیقت کے سامنے ماند پڑ جاتی ہیں اور اللہ کے بندے اس آواز پر دیوانہ وار دوڑ پڑتے ہیں، جب رات کو پورا شہر میٹھی نیند سوتا ہے اور یہ جیتی جاگتی دنیا ایک وسیع قبرستان ہوتی ہے، دفعتاً موت کی اس بستی میں زندگی کا چشمہ اس طرح ابلتا ہے، جس طرح رات کی سیاہی میں صبح سپیدی نمودار ہو ”الصلوٰۃ خیر من النوم“ سے اونگھتی سوتی انسانیت کو تازگی اور زندگی کا نیا پیغام ملتا ہے، جب کسی

طاقت وسلطنت کا کوئی فریب خوردہ ''انا ربکم الاعلیٰ'' (میں تمہارا سب سے اونچا پروردگار ہوں) اور ''مالکم من الہ غیری'' (میرے سوا تمہارا کوئی معبود نہیں) کا نعرہ لگاتا ہے تو ایک غریب موذن اسی کی مملکت کی بلندیوں سے ''اللہ اکبر'' کہہ کر اس کے دعوائے خدائی کا تمسخر اڑاتا ہے اور ''شھد ان للہ الہ الا اللہ'' کہہ کر حقیقی بادشاہت کا اعلان کرتا ہے اس طرح دنیا کا مزاج بے اعتدالی سے اور اس کا دماغ بہکنے سے محفوظ رہتا ہے۔

اس عرفان، ایمان اور اعلان کا چشمہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت اور آپ کی تعلیم ودعوت ہے، اور اب یہی عرفان، ایمان اور اعلان دنیا کی حیات نو کا سرچشمہ اور ہر صحیح وصالح انقلاب کا واحد ذریعہ ہے)

یہ سحر جو کبھی فردا ہے کبھی ہے امروز
نہیں معلوم کہ ہوتی ہے کہاں سے پیدا
وہ سحر جس سے لرزتا ہے شبستان وجود
ہوتی ہے بندۂ مومن کی اذاں سے پیدا

آگ سے خوف......

اسبابِ آگ سے بے خوف

ذیل کا مضمون حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندوی رحمہ اللہ کی وہ اہم اور دو دو چار کی طرح سمجھ میں آنے والی تقریر ہے جو مولانا نے 18 اکتوبر 1991ء کو مدرسۃ الفلاح اندرو کی مسجد میں جمعہ کے دن فرمائی تھی۔

الحمد للہ و کفیٰ وسلام علیٰ عبادہ الذین اصطفیٰ. اما بعد. فاعوذ باللہ من الشیطان الرجیم بسم اللہ الرحمن الرحیم. یاایھا الذین آمنوا قوا انفسکم واھیکم ناراً وقودھا الناس والحجارۃ.

(مومنو اپنے آپ کو اور اپنے اہل وعیال کو آتش جہنم سے بچاؤ جس کا ایندھن لوگ اور پتھر ہیں) کی تشریح فرماتے ہوئے حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی رحمہ اللہ نے فرمایا: لوگ نتائج سے تو ڈرتے ہیں لیکن نتائج پیدا کرنے والے اسباب سے نہیں ڈرتے ہیں۔ یعنی آگ سے تو ڈرتے ہیں لیکن آگ میں لے جانے والے اسباب سے نہیں ڈرتے۔ مرض سے ڈرتے ہیں لیکن مرض پیدا کرنے والے اسباب' غیر صحت بخش آب وہوا' متعفن فضا اور جراثیم سے نہیں ڈرتے۔ اس کھلی ہوئی حقیقت اور روز روشن کی طرح عیاں غلطی میں بڑے بڑے فلاسفہ' علماء اور حکماء سب مبتلا ہیں کوئی اپنی اولاد کو آگ میں نہیں ڈالنا چاہتا لیکن نادانی اور غفلت سے اسباب وہی اپناتا ہے جو آگ میں لے جانے والے ہیں۔

ایک خاتون شادی میں شرکت کے لئے گئیں شادی شادی ہوتی ہے ہر ایک خوش وخرم نظر آتا ہے اپنی خوشی اور بشاشت کا اظہار کرتا ہے مگر ان خاتون کے چہرے پر اداسی بلکہ گھبراہٹ سی طاری تھی عورتوں نے پوچھا بہن! کیا بات ہے آپ نہیں ہنس بول رہی ہیں کیوں خاموش خاموش چپ سادھے بیٹھی ہیں۔ ان خاتون نے جواب دیا بہن میں جب گھر سے نکلی تو میرا بچہ سو رہا تھا میں اسے سوتا چھوڑ کر چلی آئی ہوں فکر لگی ہوئی ہے کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ جاگے اور وہیں

طاق پر ماچس رکھی ہوئی ہے لے کر کھیلنے لگے جلائے اور اس کے کپڑوں میں آگ لگ جائے۔ عورتوں نے بہت سمجھانا اور مطمئن کرنا چاہا کہ بہن آپ اطمینان رکھیں بچہ جائے گا تو طاق پر رکھی ہوئی ماچس جو اد پر ہے کیونکر لے گا کیسے اس پر چڑھے گا آپ خواہ مخواہ وہم سے پریشان ہیں ان کو بہت کچھ اطمینان دلایا لیکن اس دور دراز قیاس امکان پر بھی ان کے دل میں جو کھٹک پیدا ہوگئی تھی وہ دور نہ ہوسکی اس لئے کہ ماچس کی تیلی جلانے کا نتیجہ فوراً سامنے آجاتا ہے۔

مگر ہمارا ہی بچہ جب ایسے طور وطریق اپناتا ہے یا ایسے ماحول میں جاتا ہے ایسی تعلیم وتربیت حاصل کرتا ہے جو اس کو اسلام اور شعائر اسلام سے دور لے جاتی ہیں۔ اخلاقی بے راہ روی اور مشرکانہ عقائد کی طرف لے جاتی ہیں۔ خدا فراموشی کی راہ پر ڈالتی ہیں جو سراسر جہنم میں لے جانے والی ہیں تو اس ماں کو ذرا بھی فکر وتشویش نہیں ہوتی اس لئے کہ وہ اس حقیقت پر زیادہ دھیان نہیں دیتی سامنے جو کچھ ہے اس پر اس کی نظر ہے نتائج سے غافل ہے اس لئے بے فکر و مطمئن ہے بلکہ بعض وقت فکر مند ماؤں کو ایسے ہی مطمئن کرنا چاہتی ہے جس طرح گھر میں بچے کو چھوڑ کر شادی میں جانے والی خاتون کو عورتیں مطمئن کررہی تھیں۔ آپ کیسی ناممکن بات کررہی ہیں کہیں بچہ دیا سلائی کو پا بھی سکتا ہے۔

آگ سے بچانے کے لئے دینی عقائد کی حفاظت ضروری ہے یہ ایمان ویقین کہ اس پوری کائنات کا خالق ومالک تنہا ایک خدا کی ذات ہے اور پورے نظام کو وہی چلا رہا ہے اس کے چلانے میں اس کو کسی کی نہ مدد وسہارے کی ضرورت ہے اور نہ وہ انسانوں کی طرح کبھی تھکتا اکتاتا ہے اور نہ اس پر نیند وغفلت طاری ہوتی ہے۔ لاتاخذہ سنۃ ولا نوم۔

یہ اللہ تعالیٰ کی اتاری ہوئی کتاب کی سچی اور پکی بات ہے اس میں جو کچھ بیان ہوا ہے وہ صد فیصد صحیح ہے۔ (ذلک الکتاب الاریب فیہ یہ کتاب (قرآن مجید) اس میں کچھ شک نہیں (کہ یہ کلام خدا ہے) حوالہ دیں

اس کے بھیجے ہوئے نبی آخرالزماں سچے نبی ہیں اور جو کچھ انہوں نے بتایا اور انسان کو راہ ہدایت دکھائی ہے وہ سب حق ہے۔ قیامت کا آنا یعنی اس دنیا کا جس کی زیب وزینت عیش و آرام میں پڑ کر انسان غفلت کی زندگی گزارتا ہے۔ ایک دن فنا ہوجانا یقینی ہے۔

کل من علیها فان ویبقی وجه ربک ذو الجلال والاکرام۔ یہ اللہ کا وعدہ ہے اور اللہ کا وعدہ پورا ہو کے رہے گا۔

الا ان وعد اللہ حق

(اور یہ بھی سن رکھو کہ اللہ کا وعدہ سچا ہے)

قیامت میں قرآن وحدیث میں دی گئی تعلیمات ہی کے مطابق حساب ہوگا جو اپنے ایمان وعمل میں کھرا نکلے گا وہ ہمیشہ ہمیشہ کے لئے جنت میں داخل ہو جائے گا اور اس کو ابدی راحت وآرام نصیب ہوگا۔ اور جو ان عقائد میں کچا ہوگا یا اس سے دور جا پڑے گا وہ ہمیشہ ہمیشہ کے لئے جہنم میں ڈالا جائے گا۔

اب ذرا سوچئے کہ اپنے بچے کو آپ شعوری یا غیر شعوری طور پر کس راہ پر لگا رہے ہیں اس کے لئے کون سے اسباب اپنا رہے ہیں آگ میں لے جانے والے یا اس سے بچانے والے؟

اس روشنی میں اپنے بچوں کی صحیح تعلیم وتربیت کا انتظام کیجئے ان کے ایمان وعقیدہ کی فکر کیجئے اور اس کے لئے اس ماں کی طرح بے کل وبے چین ہو جایئے جو ایک موہوم خیال اور دور از قیاس بات کے خیال سے خوشی وشادی کے موقع پر بھی اداس بیٹھی تھی کہ کہیں بچہ جاگ کر دیا سلائی اتار کر جلائے نہیں کہ اس کے کپڑوں میں آگ لگ جائے اور وہ جل جائے۔

میرے دوستو اور بھائیو! اس حقیقت پر ذرا سنجیدگی کے ساتھ فکر کے ساتھ حقیقت پسندی کے ساتھ غور فرمایئے کہ اس وقت اپنے بچے کو آپ دین وعقیدہ کی طرف سے غافل ہو کر جو تعلیم دے رہے ہیں وہ آپ کے بچے کو غیر شعوری طور پر کس راہ پر لے جا رہی ہے آگ کے راستہ پر یا اس سے بچانے والے راستہ پر۔

آپ علماء کی تقریریں سنتے ہیں لیکن فائدہ نہیں اٹھاتے۔ آپ اگر آگ میں لے جانے والے اسباب سے ڈرنے لگیں اور فکر ودور اندیشی سے کام لیں اور آخرت میں جو انجام سامنے آنے والا ہے اس پر غور کریں تو اس سے آپ کو وہ فائدہ ہوگا جو مضامین وتقریروں سے بھی نہیں حاصل ہو سکتا۔ اس کا سارا انحصار اس پر ہے کہ فوری اور نقد فائدے پر نہیں بلکہ انجام پر غور فرمائیں۔

آپ اس کو اس مثال سے سمجھئے کہ آپ کا بچہ سائیکل چلا رہا ہے۔ سائیکل میں بریک نہیں

ہے اور بچہ جس راستہ پر سائیکل لے کر جارہا ہے اس راستہ میں بڑے بڑے غار اور کھائیاں ہیں اگر آپ نے اپنے بچے کو اس راستہ پر جانے دیا تو خود سوچئے کہ اس کا انجام کیا ہوگا۔ ابھی جب تک بچہ سطح زمین پر سائیکل چلا رہا ہے آپ دیکھ رہے ہیں اور خوش ہو رہے ہیں لیکن چند گھنٹوں کے بعد وہ جن کھائیوں میں گر کر ہلاک ہو جائے گا اس پر آپ کی نظر نہیں جارہی ہے۔

ہم نے شروع میں آپ سے کہا تھا کہ لوگ نتائج سے تو ڈرتے ہیں لیکن نتائج پیدا کرنے والے اسباب سے نہیں ڈرتے یعنی آگ سے ڈرتے ہیں لیکن آگ میں لے جانے والے اسباب سے نہیں ڈرتے۔

ابھی ہم مانڈو ہو کر آئے ہیں وہاں کیسے کیسے غار اور کھائیاں ہیں اگر کوئی آنکھ بند کر کے انجام سے بے خبر ہو کر ان کھائیوں کی طرف سائیکل چلائے تو اس کا انجام کیا ہوگا؟

ہم اس وقت زندگی کے جس راستہ پر چل رہے ہیں اس میں بڑی بڑی کھائیاں ہیں بڑے بڑے غار ہیں۔ اس کی بہت زیادہ تشریح کی ضرورت نہیں ہے۔ آپ اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے ہیں۔ کیسے کیسے ایمان سوز، دین سوز، آخرت کے حساب کتاب اور اس کے برے انجام سے غافل کر دینے والے خوش رنگ وخوش آہنگ حالات ہیں جو ہمارے بچوں کو آگ کے الاؤ میں جھونک دینے کے لئے منہ کھولے ہوئے ہیں مگر ہم اس پر غور نہیں کرتے۔ اس کی فکر نہیں کرتے نقد اور فوری نفع کی تلاش میں بالکل ہی غافل ہیں کہ ہمارا بچہ ہلاکت خیز غاروں اور کھائیوں کی طرف جارہا ہے۔

بچوں کی تعلیم وتربیت کی فکر نہیں کرتے، ان کو صحیح راستہ نہیں بتاتے، بچے کے دل ودماغ میں سب سے پہلی بات یہ بٹھانی چاہئے پہلی نصیحت یہ کرنی چاہئے کہ سب سے بڑا جرم شرک و بدعت ہے یعنی اللہ کے علاوہ کسی اور کو نفع یا نقصان پہنچانے والا سمجھنا خدا کے نزدیک شرک و بدعت نہایت گندی اور گھناؤنی چیز سے بھی گندی ہے مزاروں پر جا کر مانگنا اور اپنی عرضیاں پیش کرنا۔ یہ سب شرکیہ کام ہیں۔ ان سے بچنے کی بچوں کو تربیت دیجئے ان کو ایسی تعلیم دیجئے جو ان خطرناک چیزوں سے ان کو بچا سکے۔ یہ تو صرف خدا کی قدرت میں ہے کہ جو چاہے اور جب چاہے اور جس کے لئے چاہے فیصلہ فرمادے۔

انما امره اذا اراد شيئا ان يقول له كن فيكون

(اس کی شان یہ ہے کہ جب وہ کسی چیز کا ارادہ کرتا ہے تو اس سے فرما دیتا ہے ہو جا تو وہ ہو جاتی ہے) کسی اور کو یہ قوت وطاقت حاصل نہیں۔

بس! بھائیو آخر میں یہی کہوں گا کہ اپنے بچوں کو متعلقین کو آگ سے بچایئے ان چیزوں سے بچایئے جو آگ میں لے جانے والی ہیں۔ بچوں کو بری صحبت سے بچایئے بری کتابوں سے بچایئے۔ اخلاق بگاڑنے والے رسالوں اور میگزینوں سے بچایئے۔ کالج کی تعلیم کو اسباب زندگی کے طور پر ضرور لایئے لیکن دین اور عقیدہ سے غافل اور اندھے بہرے ہو کر نہ تعلیم دلایئے کہ آپ کے بچوں میں الحاد و دہریت کے جراثیم پیدا ہو جائیں اور وہ آگ کے راستہ پر چل پڑیں۔

اسی کے ساتھ اپنے گھروں اور بیویوں کے حالات کی بھی خبر لیجئے۔ شادی بیاہ میں بے حجابی و بے پردگی سے بچایئے، فلموں اور ٹیلیویژن کی حیا سوزیوں سے بچایئے، مجھے تجربہ ہے اور اپنی آنکھوں سے برابر دیکھتا ہوں کہ مجھ کو شادی میں بلایا گیا۔ اور عورتیں بے پردہ بیٹھی ہوئی ہیں، میں نے کہا یہ کیا ہے؟ اور پھر فوراً چلا آیا۔ آپ ان رسوم سے بچئے۔ ان بزرگوں، اللہ کے نیک بندوں اور صالحین کے قصے سنایئے، ان کو قرآن وحدیث کی باتیں بتایئے اور دین کی سیدھی راہ پر چلانے کی فکر کیجئے۔

یہ کیسی ستم ظریفی اور مضحکہ خیز بات ہے کہ آگ سے بچنے کی نصیحت تو کی جائے لیکن اسباب وہ اپنائے جائیں جو آگ میں لے جانے والے ہیں۔ بس بھائیو! آپ غور وفکر سے کام لیں اور اپنی اولاد کو اپنے اہل وعیال اور متعلقین کو ان اسباب سے اور ان فتنوں سے بچانے کی فکر کریں جو آگ میں لے جانے والے ہیں۔

وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین۔

سو فیصدی اسلام مطلوب ہے

بسم الله الرحمن الرحیم o الحمد لله رب العالمین و الصلاة و السلام علی سید المرسلین و خاتم النبیین محمد و آله وصحبه اجمعین اما بعد! اعوذ بالله من الشیطان الرجیم بسم الله الرحمن الرحیم. یایها الذین آمنوا ادخلوا فی السلم کافة ولا تتبعوا خطوات الشیطان انه لکم عدو مبین.

حضرات! ابھی آپ کے سامنے جو خطبہ استقبالیہ پڑھا گیا ہے اس میں میرے خاندان کا اور میرے بزرگوں کا ذکر کیا گیا ہے۔ غازی پور سے ان بزرگوں کا جو تعلق رہا ہے وہ قابل قدر ہے اور میرے لئے بھی فخر کی بات ہے۔ آپ حضرات نے جس محبت واحترام اور برادر نوازی کا ثبوت دیا ہے اس کا تقاضا ہے کہ میں بھی آپ کی خدمت میں وہ چیز پیش کروں جو بہتر سے بہتر تحفہ ہو۔ آپ نے میری خاطر داری میں کوئی کسر نہیں اٹھا رکھی' محبت سے پیش آئے اس لئے احسان شناسی کا' تشکر اور شرافت کا' یہ تقاضا ہے کہ اپنے میزبانوں کے لئے جو قیمتی سے قیمتی چیز ہو وہ پیش کر دوں جو عمر بھر کے لئے' اجتماعی زندگی کے لئے' ذاتی زندگی کے لئے' دعوتی زندگی اور نمونہ والی زندگی کے لئے کافی ہو۔

آپ کے سامنے میں نے ابھی قرآن حکیم کی ایک آیت پڑھی ہے جس میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ اے ایمان والو! اسلام میں پورے کے پورے داخل ہو جاؤ اور شیطان کے نقش قدم کی پیروی نہ کرو۔ اسلام کا مطالبہ ہے کہ سو فیصدی مسلمان سو فیصدی اسلام میں داخل ہو جائیں۔ ان الفاظ پر آپ غور کریں۔ مطالبہ ان سے ہے جو ایمان والے ہیں۔ کلمہ پڑھنے والے ہیں' اسلام کو اپنا مذہب بنانے والے ہیں۔ مطالبہ دس بیس یا پچاس فیصدی سے نہیں ہے بلکہ سو فیصدی سے ہے۔ اسلام کہتا ہے کہ سو فیصدی مسلمان جنہوں نے کلمہ پڑھ لیا اور اعلان کر دیا کہ ہم مسلمان ہیں بس ان پر اسلام کا قانون لاگو ہو گیا۔ کوئی استثنا نہیں' کسی قسم کا ریزرویشن یا کوٹہ نہیں۔ اسلام کے قوانین پر اس کے ضوابط پر عمل کرنا ہوگا' مسلمان بھی سو فیصدی اور اسلام بھی سو

فیصد ملی۔ کسی کو یہ کہنے کا حق نہیں ہے کہ اسلام بحیثیت عقیدے کے مقبول ہے۔ لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ پر ہمارا ایمان ہے لیکن فرائض کے مقابلہ میں ذرا استثناء چاہیے کیونکہ ہم بہت مشغول ہیں۔ بڑی محنت سے کمانا پڑتا ہے، بڑی محنت سے اپنی اور اپنے گھر والوں کی گذر اوقات کا سامان کرنا پڑتا ہے۔ یہ پانچ وقت کی نمازیں ہمارے اوپر بڑی بھاری ہیں، اس میں تھوڑی سی رعایت کر دیجئے۔ ہم مغرب اور عشاء کی نماز دفتر سے آ کر پڑھ لیا کریں گے۔ فجر کی نماز سب سے زیادہ مشکل ہے۔ رات میں بہت دیر سے سونا ہوتا ہے اور دوسری تین گھنٹوں کے بعد فجر کا وقت ہو جاتا ہے۔ ظہر کی نماز کا وقت خاص کاروبار کا وقت ہوتا ہے۔ اگر ہم طالب علم ہیں تو اسکول کالج میں ہیں۔ لیکچرار یا پروفیسر ہیں تو یونیورسٹی میں ہیں۔ اگر ہم دفتر کے ملازمین ہیں یا تاجر ہیں تو یہی وقت بڑی مصروفیت کا ہوتا ہے، لیکن دین کا خرید و فروخت کا ہے۔ ظہر و عصر کا وقت بازاروں کی رونق کا وقت ہے۔ سانس لینے کا بھی موقع نہیں ملتا لہٰذا ہمیں اس سے مستثنیٰ کر دیں۔ ہمارے لئے یہ پانچوں وقت کی پابندی بہت مشکل ہے۔ بیشک ہم مسلمان ہیں لیکن ہمیں اس میں کچھ رعایت چاہیے۔ سن لیجئے کہ اسلام اس کی اجازت نہیں دیتا۔ قرآن میں صاف لکھا ہوا ہے کہ نماز سب پر فرض ہے، وقت کی پابندی کے ساتھ، فجر کی نماز سورج نکلنے سے پہلے، ظہر کی زوال کے بعد عصر کی غروب سے پہلے اور مغرب کی سورج غروب ہونے کے بعد عشاء کی نماز جب عشاء کا وقت داخل ہو جائے۔ اگر کوئی یہ کہے کہ ٹھیک ہے نمازیں بہت ضروری ہیں اور اس میں استثناء بھی نہیں ہے مگر یہ روزے تو بہت مشکل ہیں اس کے رکھنے سے آدمی کمزور ہو جاتا ہے۔ صحت خراب ہو جاتی ہے اور ہماری تو صحت یوں ہی اکثر خراب رہتی ہے اور پھر یہ زمانہ ہے مشغولیت کا، یہ موسم ہے گرمی کا۔ اس میں تو روزوں کی پابندی کسی طرح ممکن نہیں ہے۔

ابھی مجھے ایک لطیفہ یاد آیا۔ ہم ایک بار مسلم پرسنل لاء کے سلسلہ میں راجیو جی سے ملنے گئے ہم نے ان سے کہا کہ بات کو کسی نتیجہ تک پہنچا دیجئے کیونکہ روزہ آنے والا ہے۔ رمضان میں میرا آنا بہت مشکل ہوگا۔ ہم رائے بریلی کے رہنے والے ہیں وہاں سے اتنا لمبا سفر کر کے آنا میرے لئے ممکن نہ ہوگا۔ راجیو جی نے بڑے بھولے پن سے کہا۔ مولانا صاحب! آپ روزہ جاڑوں میں کیوں نہیں رکھتے؟ میں نے فوراً ان سے کہا، یہ بات اب کسی سے نہ کہیے گا ورنہ

پرسنل لاء سے بڑھ کر دوسرا مسئلہ کھڑا ہو جائے گا۔ واویلا مچ جائے گا' ہو سکتا ہے بات پریس میں آ جائے کہ راجیو جی نے مولانا علی میاں سے کہا ہے کہ مسلمان اپنے روزے جاڑوں کے موسم میں ہی رکھا کریں۔ روزہ تو اپنے وقت ہی سے ہوگا چاہے گرمی میں ہو یا جاڑے میں یا برسات میں۔ سب کو رکھنا ہوگا اور اس کے وقت پر رکھنا ہوگا۔ کوئی صاحب یہ فرمائیں کہ زکوۃ کا مسئلہ بڑا ٹیڑھا ہے۔ سال کے آخر میں سارے مال پر دولت پر ایک ایک پائی جوڑ کر زکوۃ نکالی جائے۔ یہ تو بہت مشکل ہے ہمیں تو اس سے معاف ہی رکھیے۔ ہم یہ عرض کریں گے کہ اسلام کے ارکان میں سے زکوۃ بھی ایک رکن ہے۔ اسلام کی عمارت اس پر ٹکی ہوئی ہے اس عمارت کو آپ کمزور کیوں کرتے ہیں۔ اس کے بعد حج کا معاملہ آتا ہے اتنا لمبا سفر اور اتنے کثیر اخراجات۔ جان کا خطرہ الگ' فی زمانہ کوئی زیادہ خطرہ نہیں ہے لیکن ایک زمانہ تھا کہ ہندوستان کے مسلمانوں نے سمندری سفر کے خطرات کی وجہ سے حج ترک کر دیا تھا اور بعض علماء نے یہ فیصلہ دیدیا تھا کہ حج ہندوستان کے مسلمانوں پر فرض نہیں ہے۔ ابھی خطبہ استقبالیہ میں بھی تذکرہ کیا گیا کہ حضرت سید احمد شہید رحمۃ اللہ علیہ نے مقدس حج کے فریضہ کو دوبارہ شروع کیا' زندہ کیا۔ اس زمانہ میں بادبانی جہاز تھے' اس میں چادریں لگا دی جاتی تھیں۔ ہوا کے رخ پر وہ جہاز چلتے تھے۔ اتنا وقت لگتا تھا کہ بعض مرتبہ حج کا وقت نکل جاتا تھا۔ بعض مرتبہ ایسا بھی ہوتا تھا کہ ہوا ان بادبانی جہازوں کہیں اور پہنچا دیتی تھی۔ حضرت سید احمد شہید نے یہ خطرہ محسوس کیا کہ کہیں حج کی عبادت ہی ہندوستان کے مسلمانوں میں ختم نہ ہو جائے اس لئے آپ نے حج کے سفر کا ارادہ کیا۔ فیصلہ اور اعلان کر دیا کہ جس کا دل چاہے ہمارے ساتھ حج کے لئے چلے۔ جیسے بھی ہوگا' محنت مزدوری کرنی پڑے گی تو کریں گے مگر حج ضرور کریں گے جو لوگ جائیں گے ان کا کھانا پینا ہمارے ذمہ ہوگا۔ رائے بریلی سے سید صاحب ڈلمئو آئے' کشتی سے ہوتے ہوئے غازی پور آئے اور پھر واپسی میں غازی پور سے گزرنا ہوا۔ انہوں نے حج کے فریضہ کو زندہ کرنے کے لئے اتنا بڑا اقدام کیا جس کی کوئی نظیر ہندوستان کی تاریخ میں' بادشاہوں کی زندگیوں میں' بزرگوں کے حالات میں نہیں ملتی۔ اتنی بڑی تعداد میں لوگوں نے حج کا سفر کیا ہو' اس کی کوئی تاریخ ہمیں نہیں ملتی۔

میں تاریخ کا طالب علم ہوں اور تاریخ نگار بھی۔ میں کہہ سکتا ہوں کہ ہندوستان کی تاریخ

میں کہیں نہیں ملا کہ اتنی بڑی جماعت کے ساتھ کسی نے حج کیا ہو۔ جب سید صاحب کلکتہ پہنچے تو یہ حالت تھی کہ انگریز تک تماشہ دیکھنے آئے۔ مکانات کی چھتوں پر چڑھ کر دیکھ رہے تھے کہ آخر کیا بات ہے۔ یہ کون لوگ ہیں؟ سات سو آٹھ سو آدمیوں کا کھانا سید صاحب کے ذمہ تھا۔ لوگ توبہ کر رہے ہیں، لوگ اسلام لا رہے ہیں، عجیب منظر تھا۔ گویا ایک زلزلہ سا آ گیا تھا۔ دینی زلزلہ روحانی زلزلہ۔

ہماری گفتگو اور ہمارے دلائل سے مطمئن ہو کر اگر کوئی صاحب یہ فرمانے لگیں کہ مولانا صاحب! آپ کی باتیں ٹھیک ہیں، ہم سے نمازوں یا روزوں کی ادائیگی و پابندی میں کوتاہی ہو جائے سستی ہو جائے لیکن ہم بہرحال مانتے ہیں کہ یہ اسلام کے فرائض ہیں لیکن یہ بھی خیال کیجئے کہ یہ ہماری شہری زندگی ہے، کچھ معاشرتی طریقے ہیں۔ برادرانہ زندگی ہے، پڑوس کے معاملات ہیں، برادران وطن سے ہمارے کچھ تعلقات ہیں۔ ہمارے خاندان کے کچھ مخصوص رسم و رواج ہیں۔ ہماری برادری کے مقرر کردہ کچھ ضوابط ہیں۔ ہماری حیثیت عرفی کے کچھ تقاضے ہیں۔ ہم ایک Social Class سے تعلق رکھتے ہیں اس لئے ہمیں کم از کم شادی بیاہ اپنے ڈھنگ سے اور اپنی پسند سے کرنے دیجئے۔ اگر آپ بڑے گھرانے سے تعلق رکھتے ہیں تو ظاہر ہے شاندار شادی کریں گے۔ ہزاروں لوگوں کو شادی میں بلائیں گے۔ لڑکی کو اتنا جہیز دیں گے اور اپنی دولت و ثروت کا ایسا مظاہرہ کریں گے کہ لوگ حیران رہ جائیں گے۔ ولیمہ کی دعوت میں آدھا شہر اُمڈ پڑے گا۔ آپ یہ کہیں گے کہ ایسے موقعوں پر ہمارے اوپر کوئی پابندی نہ لگائی جائے، ہم جو چاہیں کریں۔ جیسے چاہیں کریں۔ جائیداد گروی رکھنی پڑے، کھیت بیچنا پڑے تو کوئی مضائقہ نہیں۔ کوئی ہمارے آڑے نہ آئے تو میں آپ کو بتاتا ہوں اسلام اس کی بالکل اجازت نہیں دیتا۔ اسلام نے زندہ رہنے کا ایک طریقہ بتایا ہے۔ عبادات کا ایک ضابطہ مقرر کیا ہے، کچھ اصول دیئے ہیں حدود مقرر کئے ہیں۔ آپ اس سے باہر نہیں نکل سکتے۔ اگر میری بات آج ذرا سخت معلوم ہو تو آپ معاف کریں گے۔ کہیں آپ یہ نہ سوچنے لگیں کہ ہم تو آئے تھے کچھ اور سننے کے لئے۔ صحابہؓ کے واقعات، بزرگوں کی کرامات، علمی نکتے سننے کے لئے آئے تھے، تو خدا کا شکر ہے یہ چیزیں ہمارے لئے کچھ مشکل نہیں ہیں۔ ایک علمی مرکز سے ہمارا تعلق ہے، دوسرے ملکوں میں جانا ہوتا ہے۔ یونیورسٹیوں کی سطح کے مطابق ان کی اکیڈمی کی سطح

کے مطابق تقریریں کرنی ہوتی ہیں مگر میں اس وقت آپ سے صاف صاف اور کھری کھری باتیں کرنا چاہتا ہوں۔ بہت ایمانداری اور دیانتداری کے ساتھ کہہ رہا ہوں کہ اسلام ایک مکمل ضابطہ حیات ہے اس میں استثناء ہے ہی نہیں۔ یہ نہیں ہوسکتا کہ عبادات میں تو آپ مسلمان رہیں مگر معاملات میں کچھ اور بن جائیں۔ آپ کو یہ حق نہیں ہے کہ عائلی قانون میں، پرسنل لاء میں Social Life میں آزادی کا مظاہرہ کریں، جس طریقہ سے چاہیں رہیں اسی طرح آپ یہ نہیں کہہ سکتے کہ ماں باپ بھائی بہن کے حقوق ادا کرنا، بیوی کے حقوق ادا کرنا، پڑوسیوں کے ساتھ اچھے تعلقات قائم رکھنا اور اتنے بڑے قانون و دستور اور ضابطہ حیات کی پابندی کرنا ہمارے بس کی بات نہیں ہے۔

اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں ارشاد فرمایا۔

ادخلوا فی السلم کافة

اسلام میں پورے پورے داخل ہو جاؤ۔ قرآن کا یہ اعجاز ہے کہ لفظ اسلام کی جگہ سلم کا استعمال کیا۔ یہ س ل م کے اصلی حروف ہیں سلم کا مطلب ہے Surrender کرنا یعنی سپردگی۔ اسلام حوالگی کا نام ہے۔ یعنی ہماری مصلحت، ہماری خواہش، ہمارا مفاد، ہماری روایات، ہمارا طرز زندگی، ہماری تاریخ یہ چیزیں کوئی سند نہیں ہیں۔ ہم خدا کے ماننے والے ہیں رسول ﷺ کے ماننے والے ہیں۔ اسلامی قوانین کو، اسلامی طریقہ زندگی کو قبول کرنے والے ہیں اور اس کے تمام شعبوں کے ساتھ قبول کریں گے۔ وعظوں اور جلسوں میں یہ باتیں کم کہی جاتی ہیں۔ وہ باتیں جو دل کو خوش کرنے والی ہیں معلومات میں اضافہ کرنے والی ہیں، خطیب کی دھاک بٹھانے والی ہیں، ان کا رعب جمانے والی ہیں وہ کہی جاتی ہیں مگر روزمرہ کی باتیں، عملی باتیں کم کہی جاتی ہیں۔

میں نے اپنی تقریر کے آغاز میں جو آیت پڑھی تھی اسی کی تشریح آپ کے سامنے کر رہا ہوں اور چاہتا ہوں کہ قرآن کا پیغام آپ کے دل میں اتر جائے۔ آپ کی زندگی میں انقلاب آ جائے۔ آپ کی فکر اور سوچ بدل جائے۔ اسی لئے میں بار بار یہ فقرہ دہرا رہا ہوں کہ مسلمان سو فیصدی مسلمان بن جائیں، وقتی مسلمان نہیں دائمی مسلمان ہر جگہ مسلمان۔ مسلمانوں میں ایک طبقہ ہے جو اعلیٰ تعلیم یافتہ ہے، اس نے اپنا الگ معاشرہ بنا رکھا ہے۔ اپنی مرضی کے مطابق، اپنی

علمی سطح کے مطابق وہ قدم قدم پر رعایت اور ریز رویشن چاہتا ہے۔ ایسا نہیں ہو سکتا کہ غریب طبقہ یا متوسط طبقہ کے مسلمانوں کے ساتھ اسلام کا جو معاملہ یا مطالبہ ہے وہ خوش حال طبقہ کے مسلمانوں کے ساتھ نہ ہو۔ اعلیٰ سطح کے جو لوگ ہیں ان کے لئے اسلام کا کوئی دوسرا ایڈیشن تیار کیا جائے۔ ان پر چھوڑ دیا جائے کہ وہ جس طرح چاہیں رہیں نہیں۔ ایسا کیسے ہو سکتا ہے کہ پاؤں مسجد کے اندر رکھ دیا اور سارا دھڑ باہر کر دیا۔ مسجد کے کنارے کھڑے ہیں اور نہ وضو سے مطلب نہ نماز سے مطلب اور کہتے یہ ہیں کہ دیکھئے ہم مسجد میں داخل ہو گئے یہ مسجد میں داخل ہونا نہیں ہے۔ مسجد میں پورے جسم کے ساتھ داخل ہوں۔ مسجد میں داخل ہونے کا جو حق ہے جو فریضہ ہے۔ مسجد جس چیز کا مطالبہ کرتی ہے جس مقصد کے لئے بنائی گئی ہے اس کو پورا کیجئے۔

میرے بھائیو! اسلام ایک مکمل دین اور مکمل ضابطہ حیات ہے اور یہ دین اللہ کی طرف سے اتارا گیا ہے۔ اس کو عقل پر مصلحتوں پر اور کسی ملک کے ماحول پر نہیں چھوڑا گیا ورنہ پھر یہ ہوتا کہ ہندوستان کا اسلام کچھ اور ہوتا مصر کا کچھ اور ہوتا' سعودی عرب کا اور ہوتا انگلینڈ اور امریکہ کا دوسرا ہوتا۔ اسلام کے ماڈل دنیا میں الگ الگ ہوتے۔ آپ آنکھ بند کر کے دنیا کے آخری کونے تک چلے جائیے جہاں مسلمان ہیں' نماز کا وقت آئے' یہی نہیں کہ آپ وہاں نماز پڑھ سکتے ہیں بلکہ بے تکلف پڑھا بھی سکتے ہیں۔ کتنے ہندوستانی ہیں جو عرب ممالک میں امام ہیں۔ ہمارے کتنے مدرس عرب گئے' فضلاء گئے ہیں' خطبہ دیتے ہیں' حج کرتے ہیں' وہاں حج کے طریقے بتاتے ہیں۔ یہ اسلام ہی کی خصوصیت ہے ہم مراکش گئے' دمشق گئے تو وہاں یونیورسٹی کی مسجد میں جمعہ کے دن ہم سے نماز پڑھانے کے لئے کہا گیا۔ ہم نے وہاں نماز پڑھائی خطبہ دیا۔ ہمیں نہیں سوچنا پڑا کہ یہاں کس طرح نماز پڑھی جاتی ہے اور کیا کیا کرنا پڑتا ہے۔ ہمیں نہیں پوچھنا پڑا کہ یہاں خطبہ نماز سے پہلے دیا جاتا ہے یا بعد میں' یہی ایک دین ہے جس کو گائیڈ بک کی ضرورت نہیں ہے۔ اسلام ایک آفاقی اور عالمی دین ہے۔ اسلام ایک Universal Law ہے جو چیز اچھی ہے ہر جگہ اچھی ہے۔ جو چیز بری ہے ہر جگہ بری ہے' جو حرام ہے ہر جگہ حرام ہے۔

ایسا ہرگز نہیں ہے کہ جو چیز ایک جگہ حرام ہے دوسری جگہ حلال اور جائز قرار دیدی جائے۔ آج کل مسلمانوں نے لاٹری خریدنا شروع کر دیا ہے۔ جوا کھیلنا' نشہ آور چیزیں استعمال

کرنا، سینما اور ٹی وی وغیرہ کا تو ذکر ہی کیا۔ یہ سب برائی ہیں۔ خرابی کی جڑ ہیں۔

ایک بات اور سمجھانا چاہتا ہوں۔ اسلام جغرافیائی تغیر کا قائل ہے نہ تاریخی تغیر کا، یہ بھی سمجھنے کی ضرورت ہے کہ اسلام میں ایسی کوئی تفریق نہیں ہے کہ ایک طبقہ کا دین کچھ ہے اور دوسرے طبقہ کا دین کچھ اور ہے۔ قدیم مسلم گھرانوں کا دین کچھ اور ہے اور نئے نئے اسلام میں داخل ہونے والوں کا کچھ اور ہے۔ دین اسلام ہی ایک دین ہے جو اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم لے کر آئے۔ یہ دین عالمی ہے۔ دائمی ہے۔ ابدی ہے اور روحانی ومکانی وطبقاتی ہے۔ اس دین میں کسی کے لئے کسی قسم کی چھوٹ نہیں ہے۔ خلفاء راشدین تھے، سلاطین تھے، ہارون رشید ہوں، عالمگیر ہوں، شاہ جہاں ہوں اور کوئی اور بڑے سے بڑا بادشاہ رہا ہو سب کے لئے ایک دین تھا۔ وہی فرائض، وہی ارکان وہی اسلامی تہذیب۔ سلام سب کا ایک یعنی السلام علیکم وعلیکم السلام۔ یہ نہیں کہ آداب عرض کہہ دیا یا ہاتھ اٹھا دیا۔ اسلام نے پوری دنیا کے لئے ایک نقشہ بنا دیا ہے۔ قرآن موجود ہے حدیث موجود ہے، سیرت موجود ہے، تاریخ موجود ہے۔ مسلمان چودہ سو سال سے اسی پر چل رہے ہیں۔ یہی دنیا کا تنہا دین ہے جس کی شکل اب تک نہیں بدلی ہے۔ دوسرے مذہب وہ مذہب نہیں ہے جو ہمارے پیغمبر لائے تھے۔ ابھی ایک کتاب شائع ہوئی ہے۔ Islam or the true cristianity جس کا تعلق حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی شخصیت سے ہے۔ یہ ایک عیسائی کی تصنیف ہے۔ اس کتاب کے مصنف نے بھی اعتراف کیا ہے کہ موجودہ Christianity سینٹ پال کی بنائی ہوئی ہے۔ رومن میتھالوجی ہے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو صلیب پر لٹکایا جانا یا اسی طرح کی دوسری چیزیں سینٹ پال کی گڑھی ہوئی ہیں۔ اصلی مسیحیت اسلام کے مطابق تھی۔ اس کو تبدیل کیا گیا ہے۔ اسلام واحد مذہب ہے جس میں کوئی رد و بدل نہیں کیا گیا۔ اپنے (Original Form میں آج بھی موجود ہے۔ حضرت مولانا سید سلیمان ندویؒ نے مجھے اپنے ایک خط میں لکھا تھا کہ ہندوستان اکالۃ الامم یعنی قوموں کو کھا جانا والا ہے۔ یہاں جو چیزیں پہنچتی ہیں وہ تحلیل ہو جاتی ہیں۔ اپنی اصلی شکل کھو دیتی ہیں۔ یہاں کتنے ہی ایسے مذاہب ہیں جنہوں نے یہاں گھل مل کر اپنی شکل کو کھو دیا۔ ان کو پہچاننا مشکل ہے۔ ہندوستان میں آ کر کچھ سے کچھ ہو گئے۔ اسلام الحمد للہ اپنی پوری شکل میں موجود ہے۔ ہم یہاں سے مصمم ارادہ کر کے اٹھیں کہ ہم سو فیصدی مسلمان سو فیصدی اسلام میں داخل ہوں۔

یہ نہیں کہ آدھا اسلام ہو اور آدھا اپنے زمانے کا رسم و رواج ہو، مصلحتیں ہوں، زمانے کے تقاضے ہوں۔ یہ نہیں ہوسکتا کہ ہم یہاں رہیں تو یہاں کی قوموں کی تقلید بھی کریں۔ ان کا بھی رنگ قبول کریں ان کے ہم رنگ ہو جائیں۔ جس طرح دوسرے لوگ بیاہ شادی کرتے ہیں ہم بھی کرنے لگیں۔ فرق و امتیاز باقی رکھنا پڑے گا۔ گھریلو زندگی ہو یا تجارت کا میدان، زراعت ہو یا صنعت و حرفت، قانون ہو یا معاشرتی زندگی، شادی بیاہ کی تقریبات ہوں یا غمی کی۔ ہر موقع پر ہمیں یہ دیکھنا پڑے گا کہ اسلام کیا چاہتا ہے۔ ہمیں کسی وقت بھی من مانی کرنے کی اجازت نہیں ہے۔

ان صلوۃ ونسکی و محیای و مماتی للہ رب العالمین.

ہماری نمازیں ہماری عبادتیں اور ہمارا جینا مرنا سب اللہ ہی کے لئے ہے۔

مجھے خوشی ہے کہ بعض برادریوں نے شادی بیان میں فضول خرچی، دکھاوے اور جہیز کی لعنت سے بچنے کا فیصلہ کرلیا ہے اور سادگی کے ساتھ چار پانچ آدمی لڑکی کے گھر جاتے ہیں اور نکاح پڑھا کر دلہن لاتے ہیں۔ ہماری دعا ہے کہ سارے عالم اسلام میں اس کی تقلید کی جائے۔

آج اسلامی قوانین میں مداخلت ہورہی ہے۔ ہمارے پرسنل لاء پر حملے ہورہے ہیں۔ یہ ایک طرح کی سزا ہے جو ہمیں مل رہی ہے کیونکہ ہم نے خود اسلام کے قوانین کو پس پشت ڈال کر من مانی حرکتیں شروع کردی ہیں۔ ہم خود اس میں ترمیم کرتے ہیں، ہم خود عمل نہیں کرتے۔ دوسروں سے کیا کہیں۔

ہم مسلم پرسنل لاء بورڈ کے ایک خادم اور ترجمان کی حیثیت سے صاف صاف کہتے ہیں کہ ہم نہ حکومت کو اس کا حق دیتے ہیں نہ عدالت کو اجازت دیتے ہیں کہ وہ ہمارے قانون جو فی الاصل خدا کا قانون ہے جس پر ہم ایمان لائے ہیں اس میں کسی قسم کی ترمیم یا ردوبدل کرے۔

وادی کشمیر میں توحید خالص کا پہلا پیغام اور اس کے علمبردار

حضرت مولانا علی میاں ندوی رحمہ اللہ کی یہ تقریر یکم محرم الحرام ۱۴۰۲ھ (۳۰ اکتوبر ۱۹۸۱ء) بروز جمعہ مسجد سری نگر میں نماز جمعہ سے پیشتر ایک مجمع عظیم کے سامنے ہوئی جس میں ہزاروں کی تعداد میں سری نگر اور اطراف کے مسلمان شریک تھے۔

حمد لله نحمده و نستعينه و نستغفره،ونومن به ونتوكل عليه و عوذ بالله من شرور انفسنا و من سيات اعمالنا من يهده الله فلا مضل له ومن يضلله فلاهادى له و نشهد ان لااله الا الله وحده لاشريك له ونشهد ان سيدنا ومولانا محمدا عبده ورسوله صلى الله عليه وعلى اله واصحابه أجمعين ومن تبعهم باحسان و دعا بدعوتهم الى يوم الدين.

اعوذ بالله من الشيطان الرجيم

ماكان لبشر ان يؤتيه الله الكتب والحكم والنبوة ثم يقول للناس كونو عبادا لى من دون الله ولكن كونو ربانيين بما كنتم تعلمون الكتب وبما كنتم تدرسون ، ولايامركم ان تتخذو الملائكة والنبيين اربابا ايامركم بالكفر بعد اذانتم مسلمون (آل عمران 79-80)

ترجمہ: کسی انسان کو یہ بات سزاوار نہیں اللہ تو اسے کتاب، حکمت اور نبوت سے سرفراز فرمائے اور اس کا شیوہ بن جائے کہ لوگوں سے کہتا پھرے کہ خدا کو چھوڑ کر میرے بندے بن جاؤ۔ بلکہ وہ تو یہی کہے گا کہ اللہ والے بن جاؤ یہ اس لئے اور بھی کہ تم کتاب آسمانی کے پڑھنے پڑھانے میں مشغول رہتے ہو نہ وہ تم کو اس کا حکم دے گا کہ فرشتوں اور پیغمبروں کو اپنا

پروردگار بنا لو کیا ایسا ہو سکتا ہے کہ وہ تمہیں کفر کا حکم دے بعد اس کے کہ تم اسلام (دین توحید خالص) میں داخل ہو چکے ہو؟

بھائیو اور دوستو! جیسا کہ ابھی محترم میر واعظ مولانا محمد فاروق صاحب نے فرمایا کہ میں یہاں 36 سال کے بعد آیا ہوں عمر وصحت کا قافلہ جس رفتار جا رہا ہے اس لحاظ سے مستقبل سے متعلق یقین سے کچھ نہیں کہا جاسکتا۔ سب ارادہ الٰہی پر موقوف ہے۔ میں جب 36 برس قبل یہاں آیا تھا تو اس وقت میر واعظ مولانا محمد یوسف شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ بقید حیات تھے میں ان کا مہمان تھا ان سے میرا تعارف ہندوستان میں نئی دہلی نظام الدین کے تبلیغی اور ندوۃ العلماء کے تعلیمی مرکز میں ہوا تھا جب میں نے یہاں قدم رکھا تو بے اختیار وہ دور یاد آگیا، وہ منظر یاد آیا جب وہ اسی منبر جامع مسجد سے قرآن وحدیث کے ارشادات کے موتی کی طرح بکھیرتے تھے آج ان کی صورت (تخلیل کی آنکھوں کے) سامنے ہے۔ میں اس بار جب آیا ہوں تو وہ اپنے مالک وخالق کے پاس پہنچ چکے ہیں اللہ تعالیٰ ان کے درجات بلند فرمائے اور ہمارے موجودہ میر واعظ مولانا محمد فاروق صاحب کی زندگی اور علم وعمل میں ترقی عطا فرمائے (آمین)

میرے بھائیو! جو مسافر اتنے دنوں کے بعد آیا ہو، اور اسے آئندہ آنے کی یقینی وقطعی طور پر امید نہ ہو، اس کو آپ کی خدمت میں کیا تحفہ پیش کرنا چاہئے؟ ایسے موقعہ پر آدمی اپنا دل اور کلیجہ نکال کر رکھ دیتا ہے۔ اس لئے چاہتا ہوں کہ فقیر کے پاس جو قیمتی سے قیمتی تحفہ ہے وہ آپ کے سامنے رکھ دے۔ اور وہ فقیر کی ملکیت نہیں اس کے گھر کی چیز نہیں وہ اسے اللہ کی طرف سے کلام الٰہی کے ذریعہ ملی ہے۔ یہ دولت سب کو وہیں سے ملی ہے اور جس کو ملے گی قیامت تک وہیں سے ملے گی۔ ہدایت کا سرچشمہ اور منبع ایک ہی ہے اس لئے میں آپ کے سامنے سب سے ضروری پیام اور سب سے ضروری سبق دہرانا چاہتا ہوں۔

ابھی میر واعظ صاحب نے چند مبارک نام لئے ان میں ایک مبارک نام حضرت امیر کبیر سید علی ہمدانی کا ہے۔

زبان پہ بار خدایا یہ کس کا نام آیا
کہ میرے نطق نے بوسے میری زباں کے لئے

میرا ان کے سلسلہ اور ان کی ذات سے ایک طرح کا خاندانی تعلق ہے وہ اس طرح کہ وہ

اور میرے جد امجد امیر کبیر سید قطب الدین محمد مدنی ایک ہی سلسلہ کے تھے (۱) اور مجھے ان سے ایک قلبی ربط محسوس ہوتا ہے میں آپ سے پوچھتا ہوں حضرت میر سید علی ہمدانی کو ختلان (۲) سے کونسی چیز کھینچ کر یہاں لائی، کیا اس حسین وادی کا حسن کھینچ کر لایا؟ کیا سلسلۂ ہمالیہ کی چوٹیوں کی بلندی اور وادیوں کی شادابی کھینچ کر لائی؟ آپ کو معلوم ہونا چاہئے کہ وہ جس خطہ سے آئے تھے، وہ بھی حسین خطہ تھا، پھلوں اور پھولوں سے بھرا ہوا تھا، پھر کیا چیز ہے، جو ان کو یہاں لائی؟ آپ ہر وقت ان کا نام لیتے ہیں، اللہ کا شکر ہے، آج صدیاں گذرنے کے بعد بھی آپ کا ان سے تعلق قائم ہے اور میں سمجھتا ہوں کہ ان کی کوششوں اور اخلاص و روحانیت کی برکت سے ابھی یہاں اسلام محفوظ ہے۔

حضرت میر سید علی ہمدانی کی تڑپ

میں آپ کو بتاؤں کہ وہ کون سی چیز تھی جو ان کو کھینچ کر لائی؟ وہ ایک غیرت تھی جس کو اپنے محبوب سے زیادہ محبت ہوتی ہے، اس کی ذات و صفات کی زیادہ معرفت ہوتی ہے، اور اس کے محاسن و کمالات پر زیادہ یقین ہوتا ہے، اس میں اتنی ہی اپنے محبوب کے بارے میں غیرت ہوتی ہے، ایک ناواقف آدمی لعل و جواہر کو اینٹ پتھر کی طرح ڈال دیتا ہے، قیمتی ہیرے کو ناواقفی سے توڑ دیتا ہے لیکن جوہری کو دیکھئے کہ وہ اسے اپنی جان سے زیادہ عزیز رکھتا ہے اور اس کی کس طرح حفاظت کرتا ہے ایسے ہی باغبان کو دیکھئے وہ کس طرح ایک ایک پھول پر قربان ہوتا ہے اور اس کو پسند نہیں کرتا کہ اس پر کوئی شکن آئے، بلبل سے پوچھئے گل کے متعلق، پروانوں سے پوچھئے شمع کے متعلق، عاشق سے پوچھئے معشوق کے متعلق، اور خدا کے پیغمبروں اور اس کے عارفوں سے پوچھئے توحید کے متعلق۔

---

(۱) امیر کبیر سید قطب الدین محمد مدنی (متوفی ۶۷۷ھ) ابوالجناب حضرت نجم الدین کبری (م ۶۱۰ھ) کے خلفاء میں سے تھے جن کے سلسلہ میں امیر علاء الدولہ سمنانی کی شاخ پُر شہرت ہے امیر کبیر سید علی ہمدانی (م ۷۸۶ھ) منسلک اور وابستہ تھے یہ سلسلہ سہروردیہ تھا جو کشمیر میں کبروی، بہار میں فردوسی اور وطن میں جنیدی کہا جاتا ہے حضرت شیخ شرف الدین احمد بن یحییٰ منیری (مخدوم بہاری) (م ۷۸۲ھ) اسی سلسلہ کے مشائخ کبار میں تھے جن کے مکتوبات بہت مشہور ہیں (تفصیل کیلئے ملاحظہ ہو "تاریخ دعوت و عزیمت" حصہ سوم)

(۲) ختلان ماوراء النہر کے علاقہ میں سمرقند کے قریب شہروں کا ایک مجموعہ ہے، جو دریائے جیحون کے بالائی حصہ پر واقع ہے، اس ضلع کے ایک شہر یا مقام کو ختل بھی کہتے ہیں جمع کے موقع پر ختلان بولتے ہیں (مراصد الاطلاع، دائرہ معارف اسلامیہ وغیرہ)

آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم توحید کے سب سے بڑے امین اور اس کے سب سے بڑے مبلغ وداعی اور اس کے عارف وحقیقت شناس تھے، صدیوں سے انہی کی پائی ہوئی دولت ہے، جو اب تک بٹ رہی ہے اور قیامت تک بٹتی رہے گی ہمارے اور آپ کے دامن میں بھی خدا کے فضل سے وہی دولت موجود ہے۔ آنحضرت ((روحی فداہ) سب سے زیادہ اللہ کو جاننے والے سب سے زیادہ اللہ کو پہچاننے والے سب سے زیادہ اللہ کو چاہنے والے سب سے زیادہ اللہ پر قربان ہونے والے تھے۔ اس لئے آپ کی غیرت کا بھی یہ حال تھا کہ ایک شخص نے صرف یہ کہہ دیا کہ۔

من يطع الله ورسوله فقد رشد و من يعصهما فقد غوى.

جو اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرے گا وہ ہدایت پائے گا اور جو نافرمانی کرے گا وہ گمراہ ہوگا۔

آپ اس کو برداشت نہیں کر سکے اور آپ سے سنا نہ گیا فرمایا "بئس الخطيب انت قل ومن يعص الله ورسوله "(۱) (تمہیں بات کرنے کا سلیقہ نہیں (الگ الگ) یوں کہو کہ جو اللہ اور اس کے رسول کی نافرمانی کرے گا وہ گمراہ ہوگا۔) ایسے ہی ایک شخص نے کہا " ماشاء الله و شئت " (اگر اللہ اور آپ چاہیں تو یہ کام ہو جائے) آپ نے فرمایا "جعلتنی والله عدلاً قل ماشا الله وحده "(۲) (تم نے مجھے خدا کا ہمسر بنا دیا؟) نہیں "ماشاء اللہ وحدہ" (جو تنہا خدا چاہے)

محبت وغیرت لازم وملزوم

یہ ہے غیرت کا عالم، ایک عاشق صادق کو جتنی محبت ہوتی ہے اتنی ہی غیرت ہوتی ہے غیرت تابع ہے محبت کے، غیرت تابع ہے علم کے، غیرت تابع ہے خلوص کے، اگرچہ سوءِ ادبی ہے لیکن اس سے بہتر مثال نہیں مل سکتی دیکھئے میاں بیوی کا تعلق کیسا نازک ہوتا ہے، کتنا قریبی، کتنا دائمی، اور کتنا مخلصانہ ہوتا ہے تو شوہر کی غیرت بیوی کے بارے میں اور بیوی کی غیرت شوہر کے بارے میں کتنی بڑھی ہوئی ہوتی ہے شوہر یہ برداشت نہیں کر سکتا۔

---

(۱) صحیح مسلم ج ا ص ۲۸۶ (کتاب الجمعہ)

(۲) مسند احمد ج ا ص ۲۸۳

(اگر وہ شریف مرد ہے اور صحیح معنی میں غیرت دار ہے) کہ اس کی بیوی پر غیر کا سایہ پڑے، کسی سے تھوڑا سا بھی علاقہ ہو، کسی کی طرف اس کا میلان ظاہر ہو جائے، چونکہ حضرت امیر کبیر میر سید علی ہمدانی قدس سرہ عارف باللہ تھے، ولی کامل تھے، عاشق خدا تھے، عاشق رسول تھے، خداشناس، دین کے مزاج آشنا اور نباض تھے اس لئے آپ کو دین کے بارے میں غیرت بھی ایسی تھی کہ لاکھوں کروڑوں آدمیوں میں نہیں ہوتی۔ انہوں نے سنا کہ کشمیر ایک طویل وعریض وادی ہے وہاں کے لوگ خدا سے نا آشنا ہیں۔ وہاں خدا کی ذات کے سوا خالق کائنات کے سوا، وحدہ لاشریک کے سوا بہت سی چیزیں پوجی جارہی ہیں۔ اصنام کی پرستش ہوتی ہے جو چیزیں زمین کے اندر ہیں جو زمین کے اوپر ہیں جو کھڑی ہیں جو لیٹی ہیں لوگوں نے جس میں ذرا سی طاقت دیکھی، نفع ونقصان پہنچانے کی صلاحیت دیکھی کوئی خصوصی امتیاز دیکھا ذرا سا حسن و جمال دیکھا، اسی کے سامنے جھک گئے۔ میرا خیال ہے کہ اگر وہ یہاں نہ آتے تو شاید خدا اور اس کا رسول ان کا دامن گیر نہ ہوتا اس لئے وہ جہاں رہتے تھے وہاں سے لے کر اس وادی کشمیر تک بڑے بڑے دین کے روحانی مراکز تھے۔ ہمالیہ کے دامن میں پورا ہندوستان پڑا ہوا تھا۔ جہاں ہزاروں عالم، سینکڑوں مدرسے اور خانقاہیں تھیں لیکن عالی ہمت یہ نہیں دیکھتے کہ تنہا ہم پر یہ فریضہ عائد ہوتا ہے یا نہیں وہ اس فریضہ کو اپنا ذاتی فریضہ سمجھ لیتے ہیں۔ ہزار کوئی ان کو روکے، ان کے راستہ پر ہزار کوئی رکاوٹیں کھڑی کردے، پہاڑ ان کے راستے میں حائل ہوں، دریا سد راہ ہوں، وہ کسی کی بھی پرواہ نہیں کرتے، گویا کوئی آسمانی آواز تھی جو انہوں نے سنی کہ سید کشمیر جاؤ اور وہاں توحید پھیلاؤ۔

سید علی ہمدانی نے صاف محسوس کیا کہ میں عند اللہ جواب دہ ہوں میدان حشر سامنے ہے عرش خداوندی موجود ہے۔ اس کے سایہ رحمت میں انبیاء اولیاء کھڑے ہیں اور وہاں سے سوال ہوتا ہے کہ سید علی! تم کو علم تھا کہ میری پیدا کی ہوئی زمین کے ایک خطہ میں غیر اللہ کی پرستش ہورہی ہے غیر اللہ کے سامنے دست سوال دراز کئے جارہے ہیں، دامن مراد پھیلائے جارہے ہیں، تم نے اس کو کیسے برداشت کیا؟ میر سید علی ہمدانی کے سامنے تو یہ منظر تھا اگر ساری دنیا کے علماء وحکماء جمع ہو کر سمجھاتے کہ حضرت! آپ سے سوال نہیں ہوگا لیکن وہ کہتے کہ نہیں مجھ ہی سے یہ سوال ہوگا میری غیرت یہ برداشت نہیں کرسکتی کہ اللہ کی لمبی چوڑی زمین کے ایک چھوٹے سے

حصے میں بھی غیر اللہ کی پرستش ہو، غیر اللہ سے خوف ورجا کا معاملہ ہو، انسانوں کو (خواہ وہ زندہ ہوں یا مردہ) قسمت بنانے اور بگاڑنے والا سمجھا جاتا ہو، اولاد اور رزق دینے والا باور کیا جاتا ہو ان کو ہر وقت ہر جگہ حاضر وناظر جانتے ہوں، اگر مجھے معلوم ہوگیا کہ قطب شمالی میں یا قطب جنوبی میں یا ہمالیہ کی بلند وسبز چوٹی پر ایک متنفس بھی ایسا ہے جو غیر اللہ کی پرستش کر رہا ہے، غیر اللہ کو نافع وضار سمجھتا ہے غیر اللہ کو اس کائنات پر حکومت کرنے والا سمجھتا ہے تو میرا فرض ہے کہ میں وہاں پہنچوں اور اس کو پیغام پہنچاؤں۔ یاد رکھو اللہ فرماتا ہے:۔

الالہ الخلق والامر (الاعراف۵۴)

اسی کا کام ہے پیدا کرنا اور اسی کا کام ہے حکم چلانا۔

ایسا نہیں کہ پیدا تو اس نے کیا مگر حکم کسی اور کا چل رہا ہے اس نے اپنی سلطنت کسی اور کے حوالہ کر رکھی ہے کہ ہم نے پیدا کر دیا تم حکومت کرو، خالق بھی وہی ہے حاکم اور منتظم (ایڈمنسٹریٹر) بھی وہی ہے۔ ایسا نہیں کہ جیسے تاج محل کو شاہ جہاں بادشاہ نے بنوایا۔ ترکستان وغیرہ سے معمار بلائے، صناعوں نے کاریگری دکھائی وہ آئے اور چلے گئے اب تاج محل پر جس کا جی چاہے راج کرے، حکومت کرے، تخت بچھائے توڑے، بنائے۔

یہ دنیا تاج محل نہیں ہے، یہ دنیا قطب مینار نہیں ہے، یہ دنیا کوئی آثار قدیمہ کا عجائب خانہ نہیں، یہ خدا کی پیدا کی ہوئی دنیا ہے، سارا نظام اسکی مٹھی میں ہے، اس کے دست قدرت میں ہے ایک چھوٹا سا کارخانہ بھی یہاں کا اس نے دوسروں کے حوالہ نہیں کیا۔

''وسع کرسیہ السمٰوٰت والارض''

ترجمہ: (اس کی بادشاہی اور علم آسمان وزمین سب پر حاوی ہے)

اس کا تحت سلطنت پوری کائنات پر حاوی ہے۔ اس پورے کرۂ ارض پر حاوی ہے، یہ (زمین کا) ایک سیارہ کیا ہے سارے سیارے، ساری کہکشاں، سارا نظام شمسی، سارا نظام فلکی، یہ سب کے سب اسی کے قبضہ میں ہے۔⁽¹⁾

---

(۱) خواجہ الطاف حسین حالی مرحوم نے اپنی مشہور نظم ''مسدس حالی'' میں خوب کہا ہے۔

خرد اور ادراک رنجور ہیں واں مہ و مہر ادنیٰ سے مزدور ہیں واں
جہاندار مغلوب و مقہور ہیں واں نبی اور صدیق مجبور ہیں واں
نہ پرسش ہے رہبان و احبار کی واں
نہ پروا ہے ابرار و احرار کی واں

حضرت مولانا سید علی ہمدانی کو جو چیز کھینچ کر یہاں لائی وہ غیرت توحید تھی، یہ بھی آپ یاد رکھئے کہ سید علی ہمدانی نے اس سرزمین کو بزور شمشیر فتح نہیں کیا، محبت سے فتح کیا ہے روحانیت سے فتح کیا ہے، خلوص سے فتح کیا ہے، درد سے فتح کیا، میں نے عربوں کے ایک جلسہ میں بھی یہ بات کہی میں نے کہا کہ کوئی اندازہ کرسکتا ہے اس شخص کی روحانیت کا، اس شخص کی تاثیر کا؟ جس نے تین دورے کئے اور پورے کے پورے خطہ کو مسلمان بنالیا، مورخوں نے کہا کہ انہوں نے تین دورے کئے ایک دورہ اجمالی کیا، دوسرا قدرے تفصیلی اور تیسرے دورہ میں گھر گھر گئے اور اللہ کا پیغام پہنچایا، خدا کا ایک بندہ چند ساتھیوں کے ساتھ آتا ہے، اور پورا کا پورا خطہ مسلمان ہوجاتا ہے اور اللہ تعالی کے فضل سے آج بھی وہ مسلمان ہے آج بھی دلوں میں ایمانی حرارت موجود ہے اور دنیا کی کوئی طاقت اس توحید کی امانت کو ان سے چھین نہیں سکتی، اور وہ رشتہ توڑ نہیں سکتی، جو عبد اور معبود کے درمیان ہے۔

میرے بھائیو! یاد رکھو اگر اس خطہ میں کہیں بھی غیر اللہ کی پرستش ہوتی ہے، ان سے حاجت روائی کا سوال کیا جاتا ہے، کوئی مشرکانہ فعل ہوتا ہے، تو میر سید علی ہمدانی کی روح کو قبر میں اذیت ہوتی ہے۔

ایک تاریخی حقیقت

اس غیرت کا ایک نمونہ یہ ہے کہ جب حضرت یعقوب کا وقت آخر قریب آیا تو آپ نے خاندان کے سب افراد، بیٹوں، پوتوں، نواسوں کو جمع کیا اور کہا کہ عزیزو! میرے جگر گوشو! میری پیٹھ قبر سے نہیں لگے گی جب تک تم مجھے یہ اطمینان نہ دلا دو کہ میرے دنیا سے چلے جانے کے بعد کس کی عبادت اور پرستش کروگے؟ ان لوگوں نے خم ٹھونک کر کہا کہ آپ اندیشہ نہ فرمائیں، آپ ہی کے معبود برحق اور آپ کے باپ دادا، ابراہیم واسماعیل واسحاق علیہم السلام کے معبود وحدہ لاشریک کی عبادت کریں گے۔

قالو نعبد الهک واله ابآئک ابراهم واسماعيل واسحاق الها واحدا
و نحن له مسلمون (البقرہ۔۱۳۳)

انہوں نے کہا کہ آپ کے معبود اور آپ کے باپ دادا ابراہیم واسمٰعیل اور اسحاق کے معبود کی عبادت کریں گے جو معبود یکتا ہے اور ہم اسی کے حکم بردار ہیں۔

ابا جان، دادا جان، نانا جان آپ کیوں ہم سے یہ سوال کر رہے ہیں آپ کو کس بات کا کھٹکا ہے؟ آپ اطمینان رکھئے آپ نے بچپن سے جس طرح ہماری تربیت فرمائی ہے اور دل کی نرم نرم زمین میں توحید پاک کا بیج بویا ہے اس سے ہم ہٹ نہیں سکتے، ہم آپ کے معبود برحق خدائے واحد ہی کی پرستش کریں گے جس کی ابراہیم واسماعیل واسحاق پرستش کرتے تھے اس وقت ان کو اطمینان ہوا اور دنیا سے خوش خوش رخصت ہوئے۔ یہ اولیائے عظام، داعیان اسلام، بزرگان کرام، ان ہی پیغمبروں کے وارث اور جانشین ہیں یعقوب علیہ السلام کو کھٹکا اسی بات کا تھا کہ میری اولاد شرک کے جنجال میں اسی طرح نہ پھنس جائے جیسے ہزاروں خاندان اور سینکڑوں قومیں (اپنے بانیوں اور داعیوں کے بعد) پھنس گئیں۔

میرے بھائیو! جو کچھ عرض کیا گیا اسے گوش دل سے سنئے اور اس پر عمل کیجئے، اس وادی کے لئے میر سید علی ہمدانی اور ان کے رفقاء جو تحفہ اور پیغام لے کر آئے تھے وہ اصلاً توحید کی دولت تھی اس کو سینے سے لگائے رکھئے اللہ تعالیٰ ہی کو اس دنیا کا مالک، افراد اور قوموں کے عروج وزوال کا مالک، دنیا کے سیاہ وسپید کا مالک سمجھئے، اس کے آستانہ پر سر جھکائیے یہی پیغام ہے جو خدا کا ہر پیغمبر لے کر آیا ہے خدا کے ولیوں نے دنیا کو سنایا اور مصلحین ومجددین نے ہر دور کے لوگوں تک پہنچایا، فتح وکامیابی کی شرط یہی ہے، عزت وطاقت کی شرط یہی ہے، اسی کے سامنے سر جھکائیں اسی سے دل لگائیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

ان الذین اتخذ والعجل سینا لهم عضب من ربهم وذلته فی الحیوة الدنیا، وکذلک نجری المفترین (الاعراف۔۱۵۲)

جن لوگوں نے بچھڑے کو (معبود) بنالیا تھا ان پر پروردگار کا غضب واقع ہوگا اور دنیا کی زندگی میں ذلت (نصیب ہوگی) اور ہم افترا پردازوں کو ایسا ہی بدلہ دیا کرتے ہیں۔

ممکن ہے لوگ یہ کہتے کہ ہم نے گوسالہ پرستی کب کی؟ اس سے ہزار بار توبہ، ایسی احمقانہ وشنیع حرکت ہم کب کر سکتے تھے؟ تو اللہ تعالیٰ نے اپنی اس آخری کتاب میں اس کا جواب دیا ہے کہ ہم اسی طرح بہتان باندھنے والوں کو سزا دیتے ہیں تمام مشرکانہ عقائد واعمال کو شامل بتایا کہ شرک کی بنیاد ہمیشہ من گھڑت قصے کہانیوں اور بے اصل وبے تحقیق باتوں پر ہوتی ہے۔ یہ دونوں توأم (جڑواں بچوں کی طرح) ہوتے ہیں۔ اسی لئے اللہ تعالیٰ شرک کا ذکر کرتے

ہوئے فرماتا ہے۔

فاجتنبو الرجس من الاوثان واجتنبو ا قول الزور (الحج ۳۰)

بتوں کی پلیدی سے بچو اور جھوٹی بات سے اجتناب کرو۔

شرک کو اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں صاف صاف ''افترائے عظیم'' کا لقب دیا ہے فرماتا ہے۔

و من یشرک باللہ فقد افتریٰ اثماً عظیما (النساء۔۴۸)

اور جس نے خدا کا شریک مقرر کیا اس نے بڑا بہتان باندھا۔

میں آپ کو اس وقت اس منبر سے خطاب کر رہا ہوں جو منبر رسول کا جانشین ہے مسجد نبوی کے منبر کی نشانی ہے، اس کا پایہ بہت بلند ہے اس پر بیٹھ کر کہہ رہا ہوں کہ آپ کے سارے مسائل حل ہیں، آپ کی ساری مشکلات کہر کی طرح چھنٹ جائیں گی، اور سب مصائب کافور ہو جائیں گے، اگر آپ نے توحید کا دامن مضبوط پکڑ لیا، اور جب تک اس سرزمین میں توحید خالص نہیں آتی، اور ہر قسم کے مشرکانہ خیالات و توہمات دور نہیں ہوتے، مجھے اس میں بڑا تردد اور شبہ ہے کہ ہزاروں تدبیروں سے بھی مسائل حل ہوں، اللہ تعالیٰ کی مدد نہ ہو تو کوئی تدبیر بھی کارگر نہیں، اور مدد ہو تو پھر کسی کا کھٹکا نہیں۔

ان ینصر کم اللہ فلا غالب لکم و ان یخذلکم فمن ذالذی ینصر کم من بعدہ و علی اللہ فلیتو کل المومنون.

ترجمہ: اگر خدا تمہارا مددگار ہے تو تم پر کوئی غالب نہیں آ سکتا، اور اگر وہ تمہیں چھوڑ دے تو پھر کون ہے کہ تمہاری مدد کرے اور مومنوں کو چاہئے کہ خدا ہی پر بھروسہ رکھیں۔

وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین۔

تبلیغی جماعت

مولانا الیاس صاحب کی دینی فکر

حضرت مولانا محمد الیاس رحمتہ اللہ علیہ ۱۹۴۴ بمطابق ۱۳۶۴، نے جب مسلمانوں میں دینی شعور کو کم، بے دینی کے رجحان کو عام اور مغربی تہذیب، عصری تعلیم اور انگریزی حکومت کے مہلک اثرات کو بڑھتے دیکھا اور بہت سے علماء کو مادیت کا شکار عیش و تنعم کا دل دادہ اور دعوت دین کے فریضہ سے غافل دیکھا، جب انہوں نے مدارس کو اس حال میں پایا کہ وہ سمندر میں ایک جزیرہ کی حیثیت اختیار کر گئے ہیں، ان میں اثر انگیزی کی طاقت کم اور اثر پذیری کی صلاحیت زیادہ ہوگئی ہے، عوام سے ان کا رابطہ کمزور اور زندگی سے ان کا تعلق ٹوٹ چکا ہے، تو انھوں نے یہ محسوس کیا کہ ان نازک حالات میں گوشہ نشینی اختیار کرنا، عافیت پسندی کو ترجیح دینا اور محدود مدرسی تعلیم و تدریس پر اکتفا کرنا، کسی طرح بھی کافی نہیں، بلکہ اس صورت حال کو بدلنے کے لئے عوام سے رابطہ ضروری ہے اور اس میں اب ذرا بھی تاخیر مہلک ثابت ہوسکتی ہے، کیونکہ بیماروں کو اپنی بیماری کی سنگینی اور اپنے مرض کی ہلاکت خیزی کا اندازہ نہیں ہے۔

چنانچہ مولانا محمد الیاس رحمتہ اللہ علیہ نے سب سے زیادہ اس بات پر زور دیا کہ عوام سے رابطہ قائم کر کے ان کے دلوں میں ایمان کی آبیاری کی جائے اور عقیدہ توحید اور دین کے بنیادی وضروری مسائل کو ان کے دل و دماغ میں پیوست کیا جائے، پھر ارکان اسلام، علم دین اور اوراد و اذکار کی طرف توجہ کی جائے اور اس میں کا ان آداب کو پوری طرح ملحوظ رکھا جائے جو اس دعوتی عمل کو مؤثر بنانے اور اس کو فتنوں اور آزمائشوں سے محفوظ رکھنے کا ذریعہ بنتے ہیں اور جن میں اکرام مسلم، لایعنی باتوں پر پرہیز اور غیر متعلق امور سے اجتناب بنیادی اہمیت کے حامل ہیں۔

تحریک کا آغاز و عروج

مولانا محمد الیاس رحمتہ اللہ علیہ نے اپنی دعوت و تحریک کا آغاز ہندوستان کے اخلاقی لحاظ سے سب سے زیادہ پسماندہ علاقہ سے کیا، جو جہالت و گمراہی اور دین سے ناواقفیت میں سب سے

بڑھا ہوا تھا، یہ علاقہ میوات کے نام سے مشہور ہے، اور دہلی کے جنوب میں واقع ہے۔

مولانا محمد الیاس رحمتہ اللہ علیہ نے وہاں کے لوگوں کو اپنا کاروبار اور علاقہ چھوڑنے اور کچھ مدت کے لئے دوسرے علاقوں میں جا کر دعوت وتبلیغ کا کام کرنے کی دعوت دی، کیونکہ مولانا کا یہ خیال تھا کہ جب تک یہ لوگ اس بگڑے ہوئے ماحول سے جس میں وہ زندگی گزار رہے ہیں، نکلیں گے نہیں اس وقت تک ان کے لئے دین کو سیکھنا اور سمجھنا، اخلاق کو بنانا اور سنوارنا اور ایک پاکیزہ اور شریعت کے مطابق زندگی گزارنا ممکن نہیں۔

اس علاقہ کے سینکڑوں نہیں ہزاروں باشندوں نے مولانا محمد الیاس رحمتہ اللہ علیہ کی دعوت پر لبیک کہا، اور دنوں ہفتوں کے لئے نہیں، مہینوں اور سالوں کے لئے راہ خدا میں اپنا گھر بار چھوڑ کر دور دراز علاقوں کا سوار پر اور پیادہ پا سفر کیا، دین سیکھا، اخلاق کی اصلاح کی اور دینی جذبہ اپنے اندر پیدا کیا۔

مولانا محمد الیاس رحمتہ اللہ علیہ کی یہ دعوت دیکھتے ہی دیکھتے پورے ملک میں پھیل گئی، اس کے اس تیزی کے ساتھ پھیلنے اور دلوں پر اثر انداز ہونے کے پیچھے نہ تو پروپیگنڈہ کی طاقت تھی، نہ اخباری اشتہار کی، نہ سرکاری خزانہ کی کارفرمائی تھی، اور نہ عوامی چندہ کی، اس کی پس پشت اگر کوئی طاقت تھی تو وہ صرف یہ کہ اس کا طریق کار اسلام کے ابتدائی کے دعوتی واصلاحی طریقہ کار سے مشابہ اور قریب تر تھا اور اس جماعت سے منسلک لوگوں میں اخلاص اور رضائے الٰہی کا جذبہ موجزن تھا، جو ان مخلص بندوں کو یاد دلاتا تھا، جنھوں نے دعوت وجہاد کی راہ میں پیش آنے والی ہر تکلیف ہنسی خوشی برداشت کی اور اس کام میں خوشنودی رب کے علاوہ کبھی کسی چیز کی خواہش نہ تھی۔

آہستہ آہستہ اس تحریک کے اثر دوسرے براعظموں اور دوسرے ملکوں میں پھیلنے لگے، امریکہ، یورپ، آفریقہ اور آسٹریلیا، میں جماعتوں کی نقل وحرکت شروع ہوگئی، جس سے کام کرنے والوں کی زندگی میں تبدیلی آئی، اپنی اور دوسروں کی اصلاح کے فکر دامن گیر ہوئی اور اس کے لئے قربانی دینے کا جذبہ پیدا ہوا۔

مخالفین کے خلاف جماعت کا استحکام

بنگلہ دیش، پاکستان اور ہندوستان کے طول وعرض میں تبلیغی جماعت کی شہرت ایک ”وہابی

جماعت'' کی حیثیت سے ہے، جو مشرکانہ رسم ورواج کے خلاف آواز اٹھاتی اور جاہلی عادات واطوار کے خلاف برسر پیکار نظر آتی ہے، اس جماعت کی مخالفت میں سب سے آگے وہ بدعتی حلقہ تھا جو مولوی احمد رضا خان صاحب بریلوی کو اپنا روحانی پیشوا تسلیم کرتا تھا، اس حلقہ نے تبلیغی جماعت کی مخالفت کو اپنا شعار بنایا، اور اس کی وہابی تحریک کا ایجنٹ قرار دیا، مولانا اسماعیل شہید رحمۃ اللہ علیہ کی معرکۃ الآراء تصنیف ''تقویۃ الایمان'' کی کھل کر مخالفت کی اور تبلیغی جماعت کے اثرات محدود کرنے کے لئے وہی حربے استعمال کئے جو جاہلی عہد کے کفار ومشرکین استعمال کیا کرتے تھے، جو کہتے تھے،

''لا تسمعوا لهذا القرآن واتعوفيه لعلكم تغلبون''

اس قرآن کو سنو (اور اس کی تلاوت کے وقت) اتنا شور مچاؤ کہ تمہارے اس شور وہنگامہ سے وہ دب جائے۔

لیکن خدا گواہ ہے کہ ان غلط اتہامات، بے بنیاد الزامات اور ایذا رسانی کے ان واقعات سے ان حضرت کے پائے استقامت میں لغزش تو درکنار ان کے صبر وضبط اور عزم وثبات میں اور اضافہ ہو گیا، اور ان کی بردباری، نرم گفتاری اور سخت سے سخت بات پر خاموشی کا یہ اثر پڑا کہ ان کے بہت سے مخالفین ان کے ہم نواب گئے، اور ایک بڑی تعداد جو شرک وبدعت میں مبتلا تھی، اس نے شرک وبدعت سے توبہ کی اور توحید خالص کی دعوت قبول کی گمراہی سے نکل کر ہدایت کی راہ پائی اور اس کی گواہی ہر وہ شخص دے سکتا ہے جس نے ان علاقوں کو دیکھا ہو جہاں تبلیغی جماعتوں کی آمد ورفت ہوئی ہو۔

فردی کوتاہی وتقصیر کا الزام جماعت پر عائد نہ کیجئے

اب اگر ان دعوتی واصلاحی کوششوں، اس راہ میں دی جانے والی عظیم قربانیوں اور اس کے نتیجہ میں حاصل ہونے والی اہم اور نمایاں کامیابیوں کے ساتھ اس جماعت سے وابستہ بعض افراد سے اعتقادی نہیں عملی، دانستہ نہیں نادانستہ کوئی قابل مواخذہ عمل سرزد ہوتا تو یہ چند افراد کو اپنی کوتاہی اور جماعت کے اصول ومنہج کو سمجھنے میں ان کی اپنی تقصیر ہے اور اس کا الزام جماعت پر عائد کیا جانا کسی بھی صورت میں درست نہیں ہو سکتا۔

تبلیغی جماعت کے بارے میں علامہ سید سلیمان ندویؒ کی رائے

آخر میں اس تقریر تبصرہ کو علامہ سید سلیمان ندوی رحمۃ اللہ علیہ کے اس مقدمہ کی آخری سطروں پر ختم کیا جاتا ہے، جو انھوں نے بندہ کی کتاب ''حضرت مولانا محمد الیاس اور ان کی دینی دعوت'' پر تحریر فرمایا تھا:

> اوپر کی سطروں میں تبلیغ ودعوت کے اصول پر جو کچھ آپ کے سامنے پیش کیا گیا ہے، اس سے معلوم ہوگا کہ اسلام کے تبلیغی اصول اور دعوت کے طریقہ کیا ہیں، اور جہاں تک ہم سمجھ سکتے ہیں آئندہ اوراق میں جو کچھ کہا گیا ہے اور جس دعوت وتبلیغ کے علمی وعملی اصول وآئین کا تذکرہ ہے وہ موجودہ ہندوستان کی تمام دینی تحریکوں میں اصل اول سے زیادہ تقریب ہے۔ حکیمانہ تبلیغ ودعوت، امر وبالمعروف، نہی عن المنکر اسلام کے جسم کی ریڑھ کی ہڈی ہے، اس پر اسلام کے بنیادی، اسلام کی قوت، اسلام کی وسعت اور اسلام کی کامیابی منحصر ہے اور آج سب زمانوں سے بڑھ کر اس کی ضرورت ہے اور غیر مسلمانوں کو مسلمان بنانے سے زیادہ اہم کام مسلمانوں کو مسلمان، نام کے مسلمانوں کو کام کا مسلمان اور قومی مسلمانوں کو دینی مسلمان بنانا ہے، حق ہے کہ آج مسلمانوں کی حالت دیکھ کر قرآن وپاک کی یہ ندا:
>
> **''یا ایھالذین آمنوا آمنوا''**
>
> اے مسلمانو: مسلمان بنو۔
>
> کو پورے زور وشور سے بلند کیا جائے، شہر شہر، گاؤں گاؤں اور در در پھر کر مسلمانوں کو مسلمان بنانے کا کام کیا جائے اور اس راہ میں وہ جفاکشی اور محنت کوشی اور وہ ہمت اور وہ قوت مجاہدہ صرف کیا جائے جو دنیادار لوگ دنیا کے عز وجاہ اور حصول طاقت میں صرف کر رہے ہیں، جس میں حصول مقصد کی خاطر ہر متاع عزیز کو قربان کرنے اور ہر مانع کو بیچ سے ہٹانے کے لئے ناقابل تسخیر طاقت پیدا ہوتی ہے، کشش سے، کوشش سے، جان ومال سے، ہر راہ سے اس میں قدم آگے بڑھایا جائے، اور حصول مقصد کی خاطر وہ جنون کی کیفیت اپنے اندر پیدا کی جائے جس کے بغیر دین ودنیا کا کوئی کام ہوا ہے اور نہ ہوگا۔

خدارا ذرا سوچئے

اس وقت مسلمان جن خطرات میں گھرے، جن مسائل میں الجھے جن چیلنجوں سے نبرد

آزما اور تاریخ کے جس نازک ترین موڑ سے گزر رہے ہیں ہیں وہ ہرگز اس بات کی اجازت نہیں دیتے کہ وہ اپنی طاقت وتوانائی ان فروعی مسائل میں صرف کریں جو بحث وتحقیق کے مراحل سے گزر چکے ہیں، اور صدیوں سے ان پر عمل ہوتا چلا آرہا ہے یا کسی فقہی مسلک کی کسی ایسے مسئلہ کی وجہ سے مخالفت کریں، جو کوئی بنیادی اہمیت نہیں رکھتا، اس سے امت کی کوئی خدمت نہیں ہوتی، اس لئے ضرورت ہے کہ اپنی توانائی صرف تعمیری کاموں میں صرف کی جائے اور اپنی کوششوں کا محور، اخلاقی بگاڑ، مشرکانہ عقائد، جاہلی رسم ورواج، اور غیر اسلامی بود وباش کی اصلاح کو بنایا جائے۔

توحید اور شریعت اسلامی پر عمل کرنے والوں اور محرمات سے بچنے والوں کو صرف فقہی اختلافات کی بنیاد پر جو ہمیشہ قائم رہا ہے، ہدف تنقید بنانا ایسا ہی ہے، جیسا بندہ نے اپنے ایک عربی رسالہ میں لکھا ہے، ''بے مقصد جہاد بغیر دشمن کے جنگ کے مرادف ہے''۔

اکثریتی فرقہ کے ارادوں اور عزائم سے جو شخص بھی واقف ہے وہ بخوبی اس بات کو سمجھ سکتا ہے کہ ہندوستان کو جس پر مسلمانوں نے آٹھ سو سال حکمرانی کی اور تہذیبی، ثقافتی، انتظامی اور اقتصادی حیثیت سے اس کو بام عروج پر پہونچایا، ایک دوسرا اندلس (اسپین) بنانے کی پوری تیار کی جا چکی ہے اور ہندوستان کے مسلمانوں کی فکری، ثقافتی، اجتماعی، تہذیبی اور لسانی اور اس کے بعد دینی واقتصادی نسل کشی کی کوشش کا سلسلہ جاری ہے وراس کی علامتیں نصاب تعلیم میں تبدیلی، ہندی کی جبری تعلیم پرسنل لاء میں مداخلت، یکساں سول کوڈ کے نفاذ پر اصرار، اردو زبان کی بیخ کنی، انگریزی وہندی اخبارات میں شائع ہونے والے مضامین، فرقہ وارانہ جماعتوں کے قائدین حتیٰ کہ بعض وزراء کے بیانات واعلانات اور ان کی پیش کردہ تجاویز اور ان کی تیار کی ہوئی اسکیموں کی شکل میں ظاہر ہونی لگی ہیں، تو ایسے نازک وقت میں آپس میں دست وگریبان ہونا ایک بڑی ناعاقبت اندیایش اور کوتاہ نظری ہے۔

وما علینا الا البلاغ المبین

عزم مصمم اور قوت فیصلہ

ملت اسلامیہ کی ایک اہم ضرورت

> ذیل کا مضمون مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندوی رحمۃ اللہ علیہ کا خطبۂ صدارت ہے جس کو مولانا نے انجمن تعلیمات دین علی گڑھ کے زیر انتظام ۲۶/۲۷ اپریل ۱۹۹۸ء کی کل ہند دینی تعلیمی کونسل کے اجلاس میں علماء، ادباء، دانشوروں اور مسلمانوں کی ایک بڑی تعداد کی موجودگی میں پڑھا یہ خطبہ علی گڑھ کے وسیع کینیڈی ہال میں پڑھا گیا جو کھچا کھچ بھرا ہوا تھا۔

الحمد للہ وحدہ والصلوٰۃ والسلام علیٰ من لانبی بعدہ

حضرات: میں اپنے خطبے کا آغاز قرآن شریف کی ایک چونکا دینے والی آیت سے کروں گا، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

ام کنتم شہدآء اذ حضر یعقوب الموت اذقال لبنیہ ماتعبدون من بعدی ، قالو انعبد الٰہک والہ ابآئک ابراھیم واسمعیل واسحاق الٰہاً وحداً ونحن لہ مسلمون.

بھلا جس وقت یعقوب علیہ السلام وفات پانے لگے تو تم اس وقت موجود تھے، جب انھوں نے اپنے بیٹوں سے پوچھا کہ میرے بعد تم کس کی عبادت کروگے؟ تو انھوں نے کہا کہ آپ کے معبود اور آپ کے باپ دادا ابراہیمؑ اور اسماعیلؑ اور اسحاقؑ کے معبود کی عبادت کریں گے، جو معبود یکتا ہے اور ہم اسی کے حکم بردار ہیں۔

باوجود اس کے کہ یہ پیغمبرزادوں کا گھرانہ تھا، جس میں توحید اور اللہ تعالیٰ کی خالص عبادت کے سوا نہ کوئی تعلیم تھی نہ عمل، نہ ماحول اور فضا، پھر بھی عقیدہ اور عمل اور توحید خالص کی اہمیت اور فکر وا پنی نسل کے اس عقیدہ و عمل سے دائمی وابستگی کے خیال سے کہ

عشق است وہزار بدگمانی

حضرت یعقوب علیہ السلام نے اپنے بیٹوں، پوتوں اور نواسوں کو جمع کر کے دریافت کیا کہ عزیزو! میرے بعد تم کس کی عبادت کرو گے؟ ان فرزندوں اور نبی زادوں نے اس کے جواب میں یقیناً یہ کہا ہوگا کہ ابا جان، دادا جان، نانا جان آپ نے ابھی تک ہم کو تعلیم ہی کیا دی؟ اور کس چیز کا پابند بنایا؟ یہی توحید خالص اور عبادت الہ واحد، پھر آپ کو ہمارے مستقبل کے بارے میں کیوں شک ہے؟ کہ ہم آپ کی آنکھ بند ہوتے ہی دوسرے راستہ پر پڑ جائیں گے؟ حضرت یعقوب علیہ السلام نے زبان حال سے یہی کہا ہوگا کہ فرزندو میری پیٹھ قبر سے نہیں لگے گی جب تک دنیا سے یہ اطمینان لے کر نہ جاؤں گا کہ میرے بعد تم سب خدائے واحد کے پرستار اور دین ابراہیمی کے علمبردار ہو گئے۔

دنیا میں رہنا ہے تو صرف مسلمان بن کر

حضرات! آپ سلسلۂ ابراہیمی سے تعلق رکھتے ہیں، اس خاندان کا شیوہ اور شعار یہ رہا ہے کہ دنیا سے جانے سے پہلے اپنی نسل کے بقائے ایمان اور تعلق باللہ کا اطمینان اور ضمانت کر لی جائے اور دنیا سے جانے سے پہلے اولاد سے یہی عہد و پیمان لے کر جائے کہ دنیا میں جب تک رہنا ہے مسلمان بن کر رہنا ہے اور جب جانا ہے تو مسلمان کی حیثیت سے جانا ہے۔

ووصّٰی بها ابراهيم بنيه ويعقوب، يٰبنّی ان الله اصطفیٰ لكم الدين فلا تموتن الاوانتم مسلمون.

اور یہی وصیت کر گئے ابراہیم اپنے بیٹوں کو اور یعقوب، اے بیٹو! اللہ نے چن کر دیا ہے تم کو دین پس نہ مرنا مگر مسلمان۔

نہ صرف یہ عہد و پیان ضروری ہے بلکہ اس کے لئے وسائل کا مہیا کرنا، اس کو ممکن اور آسان بنانے کی تدبیریں اختیار کرنا اور اس کا اطمینان حاصل کر لینا بھی ضروری ہے، اسی لئے حضرت یعقوب علیہ السلام نے اپنی اولاد کا امتحان لیا، اور اپنا پڑھایا ہوا سبق سنایا۔

حضرات: بحیثیت اس مذہب کے متبع اور داعی کے ہم پر اور ہر مسلمان پر یہ فرض ہے کہ ملک کی تعلیمی تبدیلیوں کا بغور جائزہ لیتے رہیں اور ہر وقت ان پر نظر رکھیں اور یہ دیکھتے رہیں کہ ان کا اثر ہمارے مذہب، ہماری نسلوں کے دل و دماغ اور ان کی دینی و اخلاقی مستقبل پر کیا پڑے گا،

میں یہ صاف کہہ دینا چاہتا ہوں کہ ہمارا مذہب بہت سے دوسرے مذاہب کے برخلاف بہت جلد متاثر ہوتا ہے اور بہتر زیادہ متاثر کرتا ہے، اور یہ اس کا نتیجہ ہے کہ وہ ایک زندہ اور ذی شعور مذہب ہے، زندہ ہستی متاثرہ بھی ہوتی ہے اور مؤثر بھی، جو وجود زندگی کھو چکا ہوتا ہے، یا زندگی کے میدان سے کنارہ کش ہو جاتا ہے، وہ نہ متاثر ہوتا ہے، اور نہ مؤثر، ہم اپنے مذہب کے لئے یہ پوزیشن قبول کرنے کے لئے تیار نہیں کہ دنیا چاہے جتنی ہی بدل جائے، زندگی کے چاہے کیسے ہی نقشے بنیں، نئی نسلوں کو ڈھالنے کے لئے کیسے ہی سانچے تیار ہوں، ہمارے مذہب پر کوئی اثر نہیں پڑتا، ہم بدستور مذہبی فرائض ادا کرتے رہیں گے، اور انسان اور خدا کا رشتہ اسی طرح قائم رہے گا، ہمارا مذہب ایک پورا نظام حیات ہے، وہ زندگی کے ہر شعبہ کے لئے متعین ہدایات اور احکام دیتا ہے، اس لئے ہمیں ہر ملک اور ہر دور میں چوکنا رہنا چاہئے، اور یہ دیکھتے رہنا چاہئے کہ کیا ہمیں اپنے ذہنی، اخلاقی اور روحانی نشو ونما کے لئے مناسب فضا اور سازگار ماحول میسر ہے یا نہیں، اور ہماری آئندہ نسلیں صحیح معنوں میں مسلمان رہ سکیں گی یا نہیں؟۔

اسلام چند رسومات وتقریبات کا نام نہیں

پھر یہ بھی یاد رکھئے کہ اسلام صرف چند رسول اور تقریبات کا نام نہیں، چند عبادات تک بھی مخصوص نہیں بلکہ یہ مکمل زندگی گذارنے کا طریقہ اور کامل دین ہے، ایک مختصر جملہ میں ہم کہہ سکتے ہیں کہ یہ مستقل تہذیب ہے، بعض لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ اسلام کا کوئی مخصوص طرز زندگی اور اس کی کوئی مستقل تہذیب نہیں، لہٰذا دوسری قومیں اور دوسرے ممالک کے لوگ اسلام قبول کریں تو اسلامی عقائد کو لے لینا ہی کافی ہے، تہذیبی اقدار کو لینے اور اختیار کرنے کی ضرورت میں بڑی صراحت کے ساتھ یہ واضح کر دینا چاہتا ہوں کہ یہ غیر اسلامی طرز فکر ہے، اسلام کو اصرار ہے کہ عقائد واعمال کے ساتھ اس کا مخصوص طرز زندگی بھی اپنایا جائے، قرآن وسنت سے منصوص طریقہ سے معلوم ہوتا ہے کہ اسلام ایک خاص طرح کی زندگی اور خاص طرح کی معاشرت چاہتا ہے، اسلام میں سونے جاگنے، کھانے پینے سے لے کر عائلی قانون، نکاح وطلاق اور وراثت تک کے متعین ضوابط واحکام، اور اسلام کا مطالبہ ہے، کہ انھیں کے مطابق زندگی گذاری جائے، اس کی خلاف ورزی نہ ہو، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بڑی باتوں سے لے کر انتہائی معمولی اور چھوٹی چھوٹی باتوں تک کی تعلیم دی اور صحابہ کرامؓ نے انھیں سیکھا

اور برتا۔

پورے نصاب تعلیم کیا ابتدائی اور نئی تاریخ کی وضع وتدوین تو بڑے وسیع اور انقلاب انگیز منصوبے ہیں، رسم الخط (SCRIPT) کی تبدیلی ہی قدیم تہذیبی، علمی اور مذہبی سرمایہ سے رشتہ ختم کر دینے اور ان سے بیگانہ بنا دینے کے لئے کافی ہے، آرنلڈ ٹو آئن بی (TOYNBEEARNOLD) نے جو اس زمانہ کا بڑا فلسفی اور مورخ ہے، لکھا ہے کہ "اب کسی کتب خانہ کو آگ لگانے کی ضرورت نہیں، رسم الخط (SCRIPT) بدل دینا کافی ہے۔" رسم الخط کی تبدیلی سے قوم کا رشتہ اپنے ماضی سے بالکل ٹوٹ جائے گا، اور اس کی پوری تہذیب اس کے لئے بے معنی ہو کر رہ جائے گی، پھر جس طرف چاہو اس کو لے جاؤ، جو چیز کسی ملت کو اس کے ماضی سے، اس کے مذہب سے، اس کی تہذیب سے، اس کے کلچر سے ملاتی ہے، وہ رسم الخط ہے، رسم الخط بدلا، نسل بدل گئی، آج ہندوستان میں یہی ہو رہا ہے، فرقہ وارانہ فسادات محض ملک کو بدنام کرتے ہیں، فائدہ ان کا کچھ نہیں ہے، تعلیم کا نظام بدلنا کافی ہے، آج سے ۶۰۔۷۰ سال پہلے لسان العصر اکبر الہ آبادی مرحوم نے کہا تھا۔

شیخ مرحوم کا قول اب مجھے یاد آتا ہے
دل بدل جائیں گے تعلیم بدل جانے سے

اور اس سے زیادہ لطیف انداز میں انھوں نے اس حقیقت کو اپنے مشہور شعر میں بیان کیا ہے۔

یوں قتل سے بچوں کے وہ بدنام نہ ہوتا
افسوس کہ فرعون کو کالج کی نہ سوجھی

ان کے ذہن میں کالج کا وہ تصور رہا ہوگا جس میں صرف قبطی زبان پڑھائی جاتی ہو اور ایسی تاریخ جس میں فراعنہ کی الوہیت، ان کے غیر محدود وغیر مشروط اختیارات اور مصر کی دوسری نسلوں اور قوموں (بنی اسرائیل اور بیرون مصر سے آئی ہوئی قوموں) کی تحقیر آمیز تصویر اور نفرت انگیز تاریخ پیش کی گئی ہو۔

دل بدل جائیں گے تعلیم بدل جانے سے

زبان اور رسم الخط بدل جانے اور ثقافتی وتعلیمی انقلاب سے کسی ملک میں جو عظیم وعمیق

انقلاب آ سکتا ہے اور وہ ملک اگر اپنے عقائد، تہذیب تمدن، علمی اشتغال وکمال، مساجد ومدارس کی کثرت وشان وشوکت کے لحاظ سے کسی خالص قدیم الاسلام (اسلامی تمدن اور عربی زبان کے حامل) کی حیثیت سے کسی قدیم اور خالص اسلامی ملک سے کم نہیں تھا، لیکن وہاں زبان اور رسم الخط کے بدل جانے اور دینی تعلیم موقوف کئے جانے کی وجہ سے وہ عقیدہ، عمل، زبان اور تمدن وثقافت کے لحاظ سے بالکل خالص غیر اسلامی ملک بن گیا، تو وہ اندلس (اسپین) ہے، جس کے انقلاب حال کے لئے علامہ اقبال کا یہ مصرعہ کافی ہے۔

اس کی فضا بے اذان، اس کی زمیں بے سجود

اسپین میں ایسے روحانی پیشوا، علوم اسلامیہ اور عربی زبان میں کمال رکھنے والے اور علوم اسلامیہ میں ایسی مجتہدانہ تصنیفات، مستند ومعیاری کتب حدیث کی شرحات لکھنے والے پیدا ہوئے جن کی نظیر ہر عربی اللسان اور پیرو اسلام ملک میں بھی نہیں مل سکتی۔''

مذہب مالکی جو اندلس کا عمومی اور اکثریتی طبقہ کا فقہی مذہب تھا، اس کی پیروی اس ملک میں ایسی تھی کہ اس دور میں مذہب مالکی کا یہ فتویٰ اور فیصلہ تھا ''عمل اهل قرطبة حجته'' (اہل مدینہ کا عمل ایک شرعی دلیل اور معیار ہے) صدیوں سے یہ سر زمین اور پورا ملک جو دین کا نہ صرف پیرو بلکہ علمبردار، علوم اسلامیہ کا نہ صرف حامل بلکہ اس میں مجتہدانہ درجہ رکھنے والا تھا، اور جس کی سرکاری اور عوام زبان عربی تھی، اس کی فضا یکسر بے اذان ہے اور اس کی مساجد تک (جن کی نظیر بڑے سے بڑے اسلامی ممالک میں بھی مشکل سے ملے گی) رکوع وسجود سے محروم ہیں۔

حضرات! اب اس داستان کو جس میں شکوہ وشکایت کا حصہ زیادہ ہے، مختصر کرتے ہوئے کہوں گا کہ ایک آزاد جمہوری حکومت کہ جس کی بنیاد خالص حب الوطنی، رضا کارانہ، جذبۂ خدمت اور اس مشترکہ جنگ آزادی پر پڑی ہو، جس میں ملک کے تمام شہری اور اکثریت واقلیت کے افراد دوش بدوش شریک رہے ہوں، سب سے عظیم ومقدس فرض یہ ہے کہ اس کی

---

(۱) تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو علامہ کرد علی کی کتاب عربی میں ''غابر الاندلس وحاضرها'' اردو میں ''عبرت نامہ اندلس'' جلد اول ودوم، مصنفہ پروفیسر رائن ہارٹ، ڈوزی، ترجمہ مولوی عنایت اللہ دہلوی، ناظم دارالترجمہ عثمانیہ یونیورسٹی، مطبوعہ بستان ادب لاہور، پاکستان نیز اخبار الاندلس از مولانا خلیل الرحمٰن صاحب۔

آبادی کے تمام عنصر اور اس کے مختلف فرقوں اور اقلیتوں کو اس ملک میں اپنے اور اپنی نسل کے تحفظ کا پورا احساس اور مکمل اطمینان ہو، کسی حکومت کی ناکامی اور دستور کی خامی کی اس سے بڑھ کر مثال نہیں ہو سکتی کہ اس ملک کا کوئی شہری تحفظ کے احساس سے محروم ہو اور واضح رہے کہ اس حقیقت پسند انسان کی حیثیت اس میں جب تحفظ کا لفظ بولتا ہوں تو اس سے مراد جسمانی و معنوی، نسلی و اعتقادی ہر طرح کا تحفظ ہوتا ہے، کہ محض جسمانی تحفظ، جسم و جان کی سلامتی اور قتل وغارت گری سے حفاظت پر کوئی باشعور، باضمیر صاحب عقیدہ اور صاحب تہذیب، جماعت قانع اور مطمئن نہیں ہو سکتی، ایسا تحفظ تو جنگل کے بعض جانوروں اور پرندوں کے لئے بھی کیا جاتا ہے، اور وقتاً فوقتاً ان کی نسل و نوع کی حفاظت کے لئے سخت قوانین بنائے جاتے ہیں، مجھے معاف کیا جائے، مسلمانوں کا معیار اس بارے میں اور زیادہ بلند اور ان کی حس اس سلسلہ میں اور زیادہ تیز ہے، اس کا تعلق ان کے مذہبی معتقدات، ان کے حصول زندگی اور ان کے اس فہم و فکر اور نقطۂ نظر سے ہے، جو دین و دنیا، فوز و فلاح، فرد و جماعت کی کامیابی، و سعادت کے بارے میں وہ رکھتے ہیں، ان کا تقاضا ہے کہ ایک طرف اس ملک کے مسلمان آئینی جدوجہد کے تمام طریقوں سے کام کر کے اور اجتماعی عزم و فیصلہ کی پوری طاقت سے اس ملک میں اپنے لئے حقیقی اور کامل تحفظ کی فضا پیدا کریں، جس کے بغیر (مجھے کہنے کی اجازت دی جائے، وطن وطن نہیں غربت و مسافرت ہے، آزادی آزادی نہیں غلامی ہے، اور گھر چمن نہیں قید خانہ اور قفس ہے، اس سلسلہ میں ایثار و قربانی اور خطر پسندی کی بھی ضرورت ہے، کہ حکومت کی امداد سے جو ان مطالبات اور تغیرات کے ساتھ مشروط ہے، پورے استغناء اور توکل اور اعتماد علی اللہ کے ساتھ معذرت کر دی جائے اور اس کو قبول نہ کیا جائے۔

دوسری طرف حکومت کو بھی اپنے رویہ اور اس رجحان پر نظر ثانی کرنی چاہئے، جو نجی تعلیمی اداروں کو ختم کرنے اور مختلف فرقوں اور اقلیتوں کو ان کی آزادی اور بنیادی شہری حقوق سے محروم کرنے کی شکل میں جو دستور ہند نے ان کو دیئے ہیں، نمایاں ہو رہا ہے بلکہ اس سے ایک قدم آگے دستور ہند میں تبدیلیوں کا خطرناک قدم بھی اٹھایا جا چکا ہے، اور اس طرح اقلیتوں کیلئے وہ آخری پناہ گاہ بھی ختم ہو رہی ہے، جو کسی دستوری اور جمہوری ملک میں پائی جاتی ہے، یہاں تک کہ ملک کے آزاد و اقلیتی اداروں بلکہ مذہبی تعلیم گاہوں کو بھی سرکاری تعلیمی پالیسی اور اکثریت

کے اعتقادات وروایات اور مذہبی نشانات کا پابند بنانے کے عزم واعلانات اور مذہبی نشانات کا پابند بنانے کے عزائم واعلانات کا اظہار ہو چکا ہے، سرکاری اداروں، کالجوں اور اسکولوں میں ہندو دیو مالا (HINDUMYIHOLOGY) پر مبنی کتابیں بھی نصاب میں داخل کی جارہی ہیں، اس سے بڑھ کر کہ یہ تعلیم گاہوں میں جن میں مسلمان بچے بڑی تعداد میں تعلیم پاتے ہیں، وندے ماترم کا گیت پڑھنا ضروری قرار دیا جارہا ہے جو اسلامی نقطۂ نظر بلکہ اعتقاد کے لحاظ سے واضح اور طاقتور مشرکانہ گیت ہے، سامعین کی معلومات کے لئے اس کا ترجمہ اردو میں پیش کیا جارہا ہے۔

> تو ہی مرا علم ہے، تو ہی میرا دھرم ہے، تو ہی میرا باطن ہے، تو ہی میرا مقصد ہے، تو ہی جسم کے اندر کی جان ہے، تو ہی بازوؤں کی قوت، دلوں کے اندر تیری ہی حقیقت ہے، تیری ہی محبوب مورتی ہے، ایک ایک مندر میں، تو ہی درگا دس مسلح ہاتھوں والی تو ہی کملا ہے، کمل کے پھول کی بہار، تو ہی پانی ہے، علم سے بہرہ ور کرنے والی، میں تیرا غلام ہوں، غلام کا غلام ہوں، غلام کے غلام کا غلام ہوں، اچھے پانی، اچھے پھلوں والی، مری ماں، میں تیرا بندہ ہوں میں بھارت ماتا کی وندنا کرتا ہوں"۔

پھر ہندوستان کے تصور کے سامنے سر جھکانے اور پھول چڑھانے کا ضابطہ بھی نافذ کیا جارہا ہے، یہ ملک کو ایسی خطرناک منزل کی طرف لے جانے کا اقدام ہے جس کے تصور ہی سے ایک محب وطن کے رونگٹے کھڑے ہونے جاتے ہیں، اوران کی راتوں کی نیند حرام ہوجاتی ہے، انھیں خطرات کی نشاندہی انھیں حقائق کو واضح اور دلنشین کرنے اور انھیں مقاصد کے حصول کے لئے آخری جدوجہد کرنے کی خاطر یہ دینی تعلیمی کونسل وجود میں آئی۔ اس خطرہ کا واضح طور پر احساس سب سے پہلے قاضی محمد عدیل عباسی صاحب (ملیگ) کو ہوا، جو ایک ممتاز نیشنلسٹ اور کانگریسی مسلمان تھے، یوپی اسمبلی کے ممبر بھی رہے، اور ڈسٹرکٹ بورڈ بستی کے اہم رکن وعہدیدار بھی ڈسٹرکٹ بورڈ کے اندر رہتے ہیں اور خاص طور پر ایجوکیشن کمیٹی کے عرصہ تک چیئرمین رہنے کی وجہ سے اور پھر اپنی واقفیت، حقیقت پسندانہ ذہن اور اسلامی ضمیر واحساس کی وجہ سے انھوں نے اس خطرہ کو نہ صرف یہ کہ جلد ہی بھانپ لیا، بلکہ یہ ان کے ذہن واعصاب پر ایسا مستول ہوگیا کہ انھوں نے اپنی پوری توانائی اور اپنی تمام ذہنی صلاحیتیں اس پر مرکوز کردیں، وہ عرصہ تک اپنے ضلع کے خود ہی خطرہ کا مقابلہ اور مکاتیب ومدارس قائم کرنے کا کام خاموشی

سے کرتے رہے۔ ان کو ایک ایسا چٹکا ہاتھ آ گیا، جس سے وہ عام چندہ سے بڑی حد تک مستغنی ہو گئے، یہ چٹکا چٹکی فنڈ تھا۔ انھوں نے یہ تحریک چلائی کہ ہر گھر میں کھانا پکاتے وقت ایک مٹھی آٹا ایک ہانڈی میں جو اس کے لیے مخصوص کر دی جائے، ڈال دیا جایا کرے۔ اس کو فروخت کر کے مقامی مکتب کا خرچ چلایا جائے، وہ اسی دائرہ کے اندر عرصہ تک محدود ہو کر کام کرنا چاہتے تھے، لیکن جب مولانا منظور صاحب نعمانی مرحوم، بندہ سطور اور بعض دوسرے دوستوں کے سامنے وضاحت کے ساتھ یہ مسئلہ آیا تو ہم نے ان سے اصرار کیا کہ وہ اس دائرہ سے باہر قدم نکالیں اور اس سے باہر کام سے کم صوبائی پیمانہ پر انجام دینے کی کوشش کریں۔

ہماری گفتگوؤں کے بعد وہ اس پر آمادہ ہو گئے، اور انھوں نے ۳۰/۳۱ دسمبر ۱۹۰۹۱ کی تاریخوں میں بستی میں ایک صوبائی دینی تعلیمی کانفرنس بلائی جس میں انھوں نے صرف صوبہ ہی نہیں بلکہ صوبہ کے باہر سے بھی ممتاز مسلمان دانشوروں، تعلیمی مسئلہ سے دلچسپی رکھنے والوں، قومی، ملی کارکنوں اور تنظیموں کے سربراہوں کو بلایا۔ اس کے بعد مختلف و متعدد اہم مقامات میں اس کے سالانہ اجلاس (کانفرنسیں) ہوتے رہے، جس میں اب علی گڑھ کا یہ شہرۂ آفاق تعلیمی و ثقافتی شہر شامل ہے، جس نے ایک تاریخ ساز رول ادا کیا ہے۔

نشان یہی ہے زندہ قوم کا

حضرات! جو قوم خود فیصلہ نہیں کر سکتی، دنیا کی ساری تدبیریں، حکمت و سائنس، بلکہ طاقت ور سلطنتیں بھی اس قوم کی مدد نہیں کر سکتیں، جن قوموں نے اپنے ضمیر کے ساتھ اپنے عقیدے، اور اپنے ایمان کے ساتھ، ان اصولوں کے ساتھ جو ان کو جان سے زیادہ عزیز تھے، باقی رہنے کا فیصلہ نہیں کیا ان کا نام حرفِ غلط کی طرح لوحِ جہاں سے مٹا دیا گیا، دنیا جو تاریخ رکھتی ہے، یہ سلطنتوں کی تاریخ نہیں ہے، تہذیبوں کی تاریخ نہیں ہے، علم و دانش کی ترقی و فروغ کی تاریخ نہیں ہے، ذہانتوں کی تاریخ نہیں ہے، ایک جملہ میں یہ انسانی فیصلوں کی تاریخ ہے، فیصلوں نے سلطنتیں قائم کی ہیں اور مٹا دی ہیں، فیصلوں نے تہذیبیں پیدا کی ہیں اور تہذیبوں کا کام تمام کر دیا ہے، فیصلوں نے قوم کو دنیا کے ایک سرے سے اٹھا کر دنیا کے دوسرے سرے پر پہنچا دیا ہے، اور عزم و فیصلہ کی غیر موجودگی نے جیتی جاگتی، دوڑتی بھاگتی، زندگی اور توانا قوم کو بے جان مجسموں کی طرح باقی رکھا اور مردوں کی طرح دفن کر دیا۔

نشان یہی ہے زندہ قوموں کا
کہ صبح وشام بدلتی ہیں ان کی تقدیریں
کمال صدق ومروت ہے زندگی ان کی
معاف کرتی ہے فطرت بھی ان کی تقصیریں
خودی کے مرد خود آگاہ کا جمال وجلال
کیا یہ کتاب ہے باقی تمام تفسیریں
حکیم میری نواؤں کا راز کیا جانے
ورائے عقل ہیں اہل جنوں کی تدبیریں

اصلاح واستفادہ سے کوئی مستغنی نہیں

حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندوی رحمۃ اللہ نے یہ تقریر مصلح الامت حضرت مولانا شاہ وصی اللہ رحمۃ اللہ علیہ کی خانقاہ الہ آباد میں ان کی وفات کے بعد فرمائی، جو نومبر ۱۹۷۶ء میں ''معرفت حق'' میں شائع ہوئی تھی، تقریر کی اہمیت وافادیت کے پیش نظر ہم اس کو ہدیہ ناظرین کر رہے ہیں۔

• **الحمد للہ رب العالمین والصلوٰۃ والسلام علی سید المرسلین محمد بن عبداللہ الامین ومن تبعھم باحسان الی یوم الدین۔**

حضرات! جن لوگوں کو کسی مدرسہ میں پڑھنے کا اتفاق ہوا ہے یا وہ کسی بزرگ کی خدمت میں استفادہ اور تربیت کے لئے حاضر ہوئے ہیں، ان کو اس کا بخوبی اندازہ ہوگا، کہ زمانہ خواہ کتنا ہی گذر جائے اس طالب علم کیلئے اپنے مدرسہ میں کھڑے ہوئے کچھ بیان کرنا یا اس جگہ جہاں وہ استفادہ کے لئے حاضر ہوا کرتا تھا، کچھ عرض کرنا کتنا مشکل کام ہے۔

میری مثال بالکل ایسی ہی ہے، اس لئے کہ میں ہمیشہ اپنے بزرگوں کی خدمت میں اور خصوصاً اس آخری دور میں حضرت مولانا (شاہ وصی اللہ صاحبؒ) کی خدمت میں اس لئے آتا تھا کہ کوئی ایسی بات سننے میں آئے جس سے دل کی کچھ کیفیت پیدا ہو، یقین میں اضافہ ہو اور ایمانی حلاوت نصیب ہو، اور رسم وصورت میں حقیقت پیدا ہو۔

اصلاح واستفادہ سے کوئی مستغنی نہیں ہوتا!

بہت سے لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ جو لوگ کچھ لکھ پڑھ جاتے ہیں یا ان کو کچھ تصنیف وتالیف کا اتفاق ہوتا ہے اور ان کی طرف کچھ نگاہیں اٹھنے لگتی ہیں کہ ہم بھی کچھ جانتے بوجھتے ہیں تو پھر اب ان کو کچھ سننے کی اور کہیں جانے کی اور کسی سے فائدہ اٹھانے کی ضرورت نہیں تو ان کا یہ خیال بالکل صحیح نہیں بلکہ واقعہ یہ ہے کہ کوئی آدمی کسی دور میں بھی اور کسی عمر میں بھی، گمنامی اور شہرت کی حالت میں بھی استفادہ سے بلکہ اصلاح سے مستغنی نہیں ہوتا، ہمہ شمسار کا تو خیر ذکر کیا ہے، جن

کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم جیسی صحبت حاصل تھی، جس کو کیمیا اثر کہنا بھی حقیقت میں اس کی کچھ تعریف نہ ہوگی، بس یوں سمجھئے کہ ایسی پاک صحبت جس کے بعد کسی صحبت کا تصور ہی نہیں کیا جا سکتا، اور کوئی صحبت اس سے بڑھ کر موثر نہیں ہو سکتی، مگر پھر بھی صحابہ کرامؓ کو آپ کے بعد ہمیشہ اس بات کی فکر وطلب رہتی تھی کہ اپنے ایمان میں اضافہ کریں، اور ہمارے قلوب میں وہی سوز وگداز اور وہی کیفیات پیدا ہو، جو صحبت نبویؐ میں حاصل ہوا کرتی تھیں یا کم از کم اس کا اثر یا عکس ہی نصیب ہو جائے، چنانچہ بخاری شریف میں ایک جلیل القدر صحابی کا قول، امام بخاری نے نقل کیا ہے، ''اجلس بنا نومن ساعة'' آؤ بھائی تھوڑی دیر بیٹھ کر ذرا ایمان کی باتیں کر لیں، اور ایمان کا مزہ اٹھالیں، ایمان کے جھونکے آئیں اور ہم اس سے لطف اندوز ہوں، اس سے معلوم ہوا کہ صحابہ کو اس کی ضرورت محسوس ہوئی تو بعد والے کیونکر اس سے مستغنی ہو سکتے ہیں؟ بلکہ واقعہ یہ ہے اور جن لوگوں کا تجربہ ہے وہ جانتے ہیں کہ کہنے سننے سے آدمی کے قلب میں ضرور ایک بے کیفی سی پیدا ہو جاتی ہے، اور اس میں کہنا سننے سے زیادہ اثر انداز ہوتا ہے، سننے سے اتنی بے کیفی قلب میں نہیں پیدا ہوتی ہے، جتنی کہنے سے ہوتی ہے، اس لئے ایسے لوگوں کو اس کی زیادہ ضرورت ہے کہ وہ کبھی سامع ہوں قائل نہ ہوں، اور کبھی صرف مستفید ہوں، مفید نہ ہوں اور کبھی مخاطب ہوں، مخاطب نہ ہوں اور ہمہ تن گوش ہو کر کسی اللہ والے کی باتیں سنیں، تاکہ قلب میں ایسا کیف پیدا ہو، جس سے قلب کی زندگی ہے۔

ایمان کو تازہ کرنے کی ضرورت ہے:

غرض جن لوگوں کو ذرا بھی تجربہ ہے اور ان کے قلوب مردہ نہیں ہو چکے ہیں وہ خود جانتے ہیں کہ ان کو دوسروں سے ہزار درجہ زیادہ اپنے ایمان کو تازہ کرنے کی ضرورت ہے اور اللہ والوں کی بات ادب وتعظیم کے ساتھ سننے کی ضرورت ہے اگر وہ سمجھیں کہ ہم مستغنی ہیں یا ہم بھرے ہوئے ہیں، تو ان سے زیادہ محروم وبدقسمت کوئی نہیں بزرگان دین نے اس کی ایسی مثال بیان فرمائی ہے کہ اگر کوئی فقیر اس طرح صدا لگائے کہ یوں تو میرے پاس سب کچھ ہے، ہمارا کشکول بھی بھرا ہوا ہے، پھر بھی صدا لگاتا ہوں تو بڑے سے بڑے سخی کے اندر بھی سخاوت کا جذبہ نہیں پیدا ہوگا، اس کے لئے تو اسباب کی ضرورت ہے کہ اپنے کو محتاج ظاہر کیا جائے، یہی حال اب

یہاں بھی ہونا چاہئے (یعنی اللہ والوں کے یہاں) ان حضرات کے یہاں اس طرح سے حاضر ہونا چاہئے کہ ہم بالکل خالی ہیں، مفلس محتاج بن کر آپ کی خدمت میں کچھ لینے کے لئے آئے ہیں۔

مفلسانیم آمدہ در کوئے تو
شیئاً للہ از جمال روئے تو
دست بکشا جانب زنبیل ما
آفریں بردست وبربازوئے تو

واقعہ یہ ہے کہ تھوڑے تھوڑے وقفہ کے بعد مجھے اس کی ضرورت محسوس ہوتی تھی کہ میں ایسے حضرات کی خدمت میں حاضری دوں، اور پھر ایسے دور میں اور ہمارے جوار میں حضرت مولانا وصی اللہ رحمۃ اللہ علیہ زیادہ شفقت کرنے والا میری نظر میں کوئی نہیں تھا، اور مناسبت کی بات تو بالکل غیر اختیاری ہے، اس کے لئے کوئی معلوم اور متعین اصول نہیں ہیں کیوں ہوتی ہے؟ کب ہوتی ہے؟ کیسے ہوتی ہے؟ اس کے اصول تو کسی بڑے سے بڑے حکیم نے بھی نہیں بتائے تو مناسبت منجانب اللہ ایک چیز ہے، بہر حال حضرت کی صحبت سے مجھے فائدہ ہوتا تھا، حضرت کی شفقتوں سے متعلق کچھ کہنے کی ضرورت نہیں، وہ تو ہمارے دوستوں کو اور یہاں کے حاضر باش بزرگوں کو یاد ہوں گی، باقی سب سے بڑا فائدہ یہاں کی حاضری میں مجھے یہ ہوتا تھا۔ (جس کی شاید آپ حضرات توقع نہ کرینگے) وہ یہ کہ معلوم ہوتا تھا کہ ہم یہاں بالکل عامی ہیں، اور گنوار ہیں ہمیں ان چیزوں کی ہوا بھی نہیں لگی اور یہ کہ دین کی حقیقت ان ہی حضرات کے یہاں آکر معلوم ہوتی ہے، اگر کوئی اور فائدہ نہ ہوتا سوائے اس اصولی اور کلی فائدے کے تو سب سے بڑا فائدہ یہی تھا کہ کہیں تو آدمی کو یہ معلوم ہو کہ وہ کچھ نہیں جانتا، کہیں تو آدمی کو معلوم ہو کہ وہ محتاج ہے، تو سب سے بڑی چوٹ جو یہاں آکر دماغ پر لگتی، وہ یہ کہ ہم تو بالکل عامی اور جاہل ہیں ہمیں تو صرف نقوش آتے ہیں باقی دین کی حقیقت سے ہم بہت دور نظر آتے ہیں، اسی کو علامہ اقبال نے کسی کے متعلق کہا ہے۔

سر دیں مارا خبر اُور انظر
او درون خانہ مابیرون در

یعنی ہمارے لئے دین کی حقیقت سنی سنائی چیز ہے اور ان کے لئے جانچی پرکھی دیکھی بھالی اور چکھی ہوئی چیز ہے، وہ گھر کے اندر ہیں اور ہم گھر سے باہر، غرض بزرگان دین کے یہاں جا کر آدمی کی سمجھ میں یہ بات آجاتی ہے خاص کر پڑھے لکھے لوگوں کی سمجھ میں کہ ہمیں اپنی صورت حقیقت پیدا کرنے کی ضرورت ہے اور اپنے قالب میں روح پیدا کرنے کی حاجت ہے، یہ سب سے بڑا فائدہ ہے۔

حضرت سیّد صاحب کا واقعہ

مجھے یاد ہے کہ حضرت مولانا سید سلیمان ندوی نے جب حضرت مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ سے رجوع کیا تو ان کے بہت سے عالی معتقدین کو ناگوار ہوا، اور سید صاحب سے احتجاج کیا کہ ہماری جماعت کی ایک طرح کی سبکی ہوئی کہ ہم نے تو آپ کو بڑا بنایا تھا، گویا آپ شیخ الکل تھے، اور ہر چیز میں آپ امام کا درجہ رکھتے تھے، اور ہر چیز میں آپ امام کا درجہ رکھتے تھے اور آپ نے دوسرے کا دامن پکڑ لیا، تو اس سے ہماری خفت ہوئی اس پر ایک دن سید صاحبؒ نے فرمایا کہ یہ عجیب لوگ ہیں ایک طرف تو میرے معتقد بنتے ہیں، دوسری طرف مجھ ہی پر اعتماد نہیں کرتے، یعنی میں اپنا فائدہ سمجھ کر وہاں گیا تو ان کو اس سے اختلاف ہے، گویا میرے استاد بن کر مجھے مشورہ دیتے ہیں کہ آپ کہاں چلے گئے؟ اس کا مطلب تو یہ ہوا کہ میں ان سے پوچھ کر وہاں جاتا، میں تو اپنا فائدہ اس میں دیکھتا ہوں اور آپ کی خاطر وہاں نہ جاؤں، گویا اس دولت سے میں محروم رہوں۔

اللہ والوں کے یہاں کی باتیں ذھانت کا نتیجہ ہیں

ان حضرات کے یہاں جو باتیں ملتی ہیں وہ صرف نکتے اور موشگافیاں نہیں ہیں وہ تو ذہانت کا نتیجہ ہیں، درحقیقت ذہانت کے چار درجے ہیں اور جو ذہانت کا آخری درجہ ہے وہ روح کی ذہانت ہے، یہ روح کی ذہانت ایسی لطیف ہے کہ اس کا بیان الفاظ میں مشکل ہے، جہاں سرحدیں ختم ہوتی ہیں، دماغ کی ذہانت کی (جس سے پہلے زبان کی ذہانت کا درجہ تھا) وہاں سے قلب کی ذہانت شروع ہوتی ہے، اور جہاں قلب کی ذہانت کی سرحد ختم ہوتی ہے وہاں سے روح کی ذہانت کی سرحد شروع ہوتی ہے، اور وہ اللہ تعالیٰ کے ان مخلص اور مقبول بندوں کو

حاصل ہوتی ہے، جن سے اللہ تعالیٰ تربیت کا کام لیتے ہیں، اس میں سامنے ہونا نہ ہونا، مسافت کا قرب وبعد، معرفت وعدم معرفت سب برابر ہے، کوئی چیز اس کے لئے شرط نہیں، ان حضرات کی روح اتنی براق، اتنی سریع الادراک ہوتی ہے کہ بلاکسی شرط کے خیر وشر کی تمیز ان کو حاصل ہو جاتی ہے، خصوصی طور پر ان حضرات کے یہاں جو چیز مجھے محسوس ہوتی ہے، وہ یہی ہے اور یہ بھی اللہ تعالیٰ کا مجھ پر بہت بڑا فضل ہے کہ بغیر کسی وجہ کے جس کی وجہ مجھے خود نہیں معلوم، اللہ تعالیٰ نے ایسے بندوں کے پاس مجھے پہونچا دیا۔

حضرت مولانا محمد الیاس صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے یہاں ہم نے روح کی ذہانت کے کھلے نمونے دیکھے اور پھر حضرت (شاہ وصی اللہ صاحبؒ) رحمۃ اللہ علیہ میں، میں نے ان دونوں بزرگوں میں زیادہ مشابہت دیکھی، اگر چہ اللہ تعالیٰ نے ان دونوں بزرگوں سے الگ الگ کام لیا، ذوق بھی دونوں کا الگ الگ تھا، لیکن بہت سی چیزوں میں مشارکت تھی، خصوصاً قلب کی ذہانت اور روح کی ذہانت میں۔

بہر کیف میں ان حضرات کے یہاں اس لئے آیا کرتا تھا کہ کبھی تو اس پر عونت اور فریب خوردہ کو یہ محسوس ہو کہ وہ کچھ نہیں ہے کیونکہ اس سے بڑھ کر آدمی کیلئے کوئی چیز خطرناک نہیں ہے کہ اس کو کبھی یہ محسوس نہ ہو کہ کوئی کوچہ ایسا بھی ہے کہ جس سے وہ واقف نہیں اور خاص طور سے دین کے متعلق اگر یہ ذہن میں آ جائے کہ مجھے سب کچھ معلوم ہے اور اب مجھے کسی کے پاس جانے کی ضرورت نہیں، تو اس سے زیادہ خطرناک کوئی چیز نہیں ہے، ایسا آدمی جو بھی دعویٰ کر دے بعید نہیں ہے اور اسی طرح کے لوگوں نے دعویٰ کیا بھی ہے، ان لوگوں نے دعویٰ نہیں کیا جو پہاڑ کے نیچے کھڑے تھے، کہ جب سر اٹھاتے تھے تو دیکھتے کہ آسمان بھی بہت اونچا ہے بلکہ جو لوگ سمجھے کہ ہم پہاڑ کی چوٹی پر پہونچ گئے ہیں، انھوں نے دعویٰ کیا ہے، انسان کے لئے اس سے بڑھ کر کوئی چیز محافظ نہیں اور اس پر یہ بڑا فضل ہے کہ اس کو یہ معلوم ہو کہ دین کی ایسی جگہیں بھی ہیں جہاں جا کر دین کی وہ باتیں سننے یا دیکھنے میں آ سکتی ہیں، جس سے یہ معلوم ہو سکتا ہے کہ یہ ہمارا میدان نہیں اور یہاں ہمارا گذر نہیں۔

ہمارے اکابرین کا رتبہ

کوئی شخص اگر ایسا ہو کہ بولنے پر آئے تو بولتا جائے اور لکھنے پر آجائے تو لکھتا جائے اور دنیا بھر کے لوگ مل کر اس کی تعریف کرنے لگیں تو اس سے کچھ نہیں ہوتا بلکہ ''مرد دین'' جس کو علامہ اقبال نے کہا ہے کہ اس کو کرنے کی ضرورت ہے، اور وہ اللہ کے ان خاص بندوں ہی کے پاس ہوتا ہے، یہی چیز تھی جس کی وجہ سے حضرت ملا نظام الدین بانی درس نظامیہ نے سید عبدالرزاق بانسوی کا دامن پکڑا جو بالکل ہمارے بارہ بنکی اور لکھنؤ کے دیہات کی بولی بولتے تھے، جیسے آوت ہے جاوت ہے۔ (یعنی آتا ہے جاتا ہے) یہ تو ان کی زبان تھی مگر ملا نظام الدین کا حال یہ ہے کہ مناقب رزاقیہ میں دیکھتے چلے جائیے تو معلوم ہوتا ہے کہ اپنے آپ ہر دور میں اس کی مثالیں دیکھیں گے تیرھویں صدی میں مولانا عبدالحئی صاحب جن کو شاہ عبد العزیز صاحب خود شیخ الاسلام کا لقب دیتے ہیں اور مولانا اسماعیل شہید جن کو (شاہ صاحب) حجۃ الاسلام کے لقب سے یاد کرتے ہیں، چنانچہ فرماتے ہیں کہ شیخ الاسلام مولانا عبدالحئی اور حجۃ الاسلام مولانا اسماعیل شہید اگرچہ یہ دونوں میرے عزیز ہیں اور مجھ سے چھوٹے ہیں، مگر اظہار حق واجب ہے، اس لئے کہتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کو وہ مقام عنایت فرمایا ہے کہ جو کم کسی کو حاصل ہے، نیز فرماتے ہیں کہ ان کو مجھ سے کم نہ سمجھو، تو ان لوگوں کو دیکھئے کہ سید احمد شہید سے رجوع ہوئے جو کہ امی تو نہیں تھے مگر محض فارسی داں تھے اور ان کا یہ حال تھا کہ مشکوۃ کا مطالعہ کرتے تھے اور جو کوئی پاس سے گذرتا اس سے پوچھتے، ارے بھائی، اس لفظ کے کیا معنی ہیں ذرا بتاتے جائیے، ان کا یہ علم تھا اور مولانا عبدالحئی سے تو انھوں نے پڑھا بھی تھا کہ باوجود ان دونوں حضرات نے سید صاحب کی رکاب جو تھامی ہے تو مرتے دم تک نہیں چھوڑی، جب کوئی پوچھتا کہ آپ لوگوں نے سید صاحب میں کیا بات دیکھی جس کی وجہ سے ان کی طرف رجوع کیا؟ حالانکہ وہ علم میں بھی آپ کے مقابل میں کوئی مقام نہیں رکھتے، تو فرماتے، بھائی ہم کو نماز پڑھنی بھی نہ آتی تھی، انھوں نے نماز پڑھنا سکھایا، نیز فرمایا کہ میں یہ عرض کر رہا تھا کہ جیسی اور بہت سی چیزیں ہیں، یہ بھی ضروری ہے کہ کوئی جگہ اور بہت سی چیزیں ہیں یہ بھی ضروری ہے کہ کوئی جگہ ایسی ہو جہاں پڑھے لکھوں کو بھی جا کر معلوم ہو کہ میں کچھ نہیں ہوں، اگر

خدانخواستہ ایسی جگہیں ختم ہوگئیں اور ایسے اللہ کے بندے نہ رہے اگر صرف مدعیان علم رہ گئے اور ہم جیسے لوگ رہ گئے جن کے متعلق لوگ معلوم نہیں کیا کیا سمجھتے ہیں تو یہ بڑے خطرے کی بات ہے"

عالم نشود ویراں تا میکدہ آباد است

اللہ کا بہت بڑا فضل ہے کہ کچھ ایسے حضرات موجود ہیں جہاں نہ کسی خوش بیانی کی ضرورت ہے، اور نہ کسی بڑے وسیع مطالعہ کی حاجت، یہ سب چیزیں تو ہر جگہ موجود ہیں۔
میں تو کہا بھی کرتا ہوں اور اس میں تنہا نہیں ہوں کہ آجکل کے علماء کے وعظ میں میرا جی نہیں لگتا، جلسے کی تحقیر اور علماء کی تنقیص نہیں کرتا اور اس کے فائدہ کا بھی انکار نہیں، لیکن خدا جانے کیا بات ہے، اس کو بیماری ہی سمجھ لیجئے کہ میرا جی نہیں لگتا، ہمارا جی تو بس ایسے وعظ میں لگتا ہے، جس میں خالص اللہ اور اس کے رسول کی بات پرانے انداز سے کہی جائے اور جنت اور دوزخ کا تذکرہ کیا جائے، چنانچہ جب یہ حضرات تقریر کرتے ہیں تو صاف معلوم ہوتا ہے کہ نہ یہ کتابی علم ہے، نہ کتابوں کی باتیں ہیں، بلکہ یہ علمی باتیں ہیں، سیدھی سادی دین کی باتیں اور ایسے انداز سے کہی جاتی ہیں کہ ہم کو بھی اس سے فائدہ ہوتا ہے۔

حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں بھی ہم جب آتے تھے تو معلوم ہوتا تھا کہ جو کچھ فرمارہے ہیں، وہ حقیقت ہے اور ان کے یہاں لب لباب ہے، یہ نہیں کہ ایک چیز کو خوب پھیلا کر بیان کیا جارہا ہے، یہ چیز تو ہم کو دوسری جگہ نہیں ملتی، ہمارے یہاں کتب خانے ہیں اور دوسرے ذرائع ہیں، جن سے ہم کسی بھی مضمون کو پھیلا سکتے ہیں، لیکن ان حضرات کے یہاں جو حقائق ہیں ان کی مدعیت ہی کچھ اور ہے۔

مولانا جامی صاحب نے ایک عالم کا جو مکالمہ سنایا کہ میں اور جلسوں پر گیا وہاں یہ چیز محسوس نہ ہوئی جو حضرت کی خدمت میں آکر محسوس ہوئی، اس کے متعلق کچھ عرض کرنا چاہتا ہوں، وہ یہ کہ بزرگوں کے یہاں کوئی بنیادیں، کوئی نیا علم کوئی نئی تحقیق، کوئی نیا انکشاف نہیں ہے، اس بارے میں بھی لوگ بہت غلط فہمی میں ہیں، معلوم نہیں کیا سمجھتے ہیں کہ بزرگان دین کے یہاں جاکر کیسے کیسے دین کے اسرار ونکات اور عجیب عجیب تحقیقات سننے میں آئیں گی تو یہ بھی ہوتا ہے، چنانچہ محی الدین ابن عربی کے یہاں مجدد الف ثانی اور شیخ مخدوم یحییٰ بہاری کے

یہاں تو ایسے ایسے نکات ہیں کہ بڑے بڑے فلسفی ان کے سننے کے بعد کان پکڑ لیں اور سمجھیں کہ ہمیں تو علم کی ہوا بھی نہیں لگی، لیکن ان حضرات کے یہاں سے جو چیز لینے کی ہے، وہ یہ کہ صورت اور رسم میں حقیقت پیدا کی جائے اور میں تو سمجھتا ہوں کہ یہی خلاصہ بھی ہے تصوف کا، جس کا مطلب گویا بس اس کے سوا کچھ نہیں کہ نماز تو پڑھتے ہیں، صحیح نماز پڑھنے لگیں اور دین کے سارے شعبوں میں حقیقت نہیں تھی، نیت صحیح نہیں تھی، اخلاق صحیح نہیں تھا، رخ صحیح نہیں تھا، حقیقت پیدا ہو جائے اور نیت درست ہو جائے اور اللہ کی رضا کے لئے ہم اس کو کرنے لگیں اور شریعت کے احکام کی تلاش اور ان کا اہتمام پیدا ہو جائے، نیز ان کا ادب واحترام پیدا ہو جائے احکام شرعیہ کا اہتمام اور انتظام یہ دونوں ہی چیزیں ضروری ہیں، بس یہ ہے کہ تل اوٹ پہاڑ جس کے بارے میں لوگ سمجھتے ہیں کہ تصوف پتہ نہیں کیا چیز ہے اور تصوف کی حقیقت جو بیان کر رہا ہوں اس کا بہت کچھ لکھا جاچکا ہے۔

حضرت مولانا کی تصنیف ''نسبت صوفیہ'' اس سلسلہ کی بہترین چیز ہے، میں نے پہلے بھی عرض کیا تھا پھر کہہ رہا ہوں کہ یہ کتاب اس قابل ہے کہ دوسری زبانوں میں بھی اس کا ترجمہ کیا جائے اور علماء خاص طور اس کو پڑھیں، کیونکہ تصوف کی اصلاح نے ہی اس پر پردہ ڈال دیا ہے لہٰذا بجائے تصوف کے جیسا کہ حضرت مولانا کا معمول تھا، اس کو ''نسبت احسان'' یا حقیقت سے تعبیر کیا جائے، اگر سب حضرات مل کر اس بات کو قبول کرلیں اور گو یہ کام مشکل ہے لیکن اگر ہو جائے تو کیا خوب ہے کہ منکرین تصوف سے ہمارا آدھا اختلاف تو اسی سے ختم ہو جائے گا۔

نیز فرمایا کہ تصوف کا لب لباب اور خلاصہ یہی ہے کہ جو کچھ ہم صبح سے شام تک کرتے رہتے ہیں بغیر کسی نیت کے اور بغیر کسی احتساب کے وہ ہم احتساب اور نیت کے ساتھ کرنے لگیں، ہمارے اندر اصلیت پیدا ہو جائے، نیز اس کی اہمیت پیدا ہو جائے، گویا نمک ہے مگر اس میں نمکینی نہیں ہے، شکر ہے مگر اس میں مٹھاس نہیں ہے، مٹھاس پیدا ہو جائے، پانی ہے مگر اس میں برودت اور تسلی دینے اور پیاس بجھانے کی صلاحیت نہیں، وہ ایسا ہو جائے کہ اس سے ہمارا حلق تر ہو رہا ہو، ہمارے جسم کا ایک ایک عضو تر ہو رہا ہو، اور ہماری زبان سے اللہ کا شکر ادا ہو، ہمارے اور پانی کے درمیان جو رشتہ ہے حقیقت میں وہ ٹوٹ گیا ہے، پانی بھی موجود ہے اور ہم بھی ہیں لیکن پانی سے جو فائدہ ہم کو پہونچنا چاہئے، وہ نہیں پہنچ رہا ہے، اس میں پانی کا نقص

کم اور ہمارا نقص زیادہ ہے، بس یوں سمجھ لیجئے کہ ہمارے اور اس کے درمیان پل ٹوٹ گیا ہے، پل تعمیر کر لیجئے تاکہ پانی اپنا کام کرنے لگے، اللہ کی نعمتیں بٹ رہی ہیں، اللہ کی دنیا بالکل اسی طریقے سے ہے، جیسی تھی، لیکن اس سے استفادہ کے جو وسائل تھے وہ کمزور ہو گئے ہیں، بقول اکبر مرحوم۔

اللہ کی راہ اب تک ہے کھلی آثر ونشاں سب قائم ہیں
اللہ کے بندوں نے لیکن اس راہ پر چلنا چھوڑ دیا

یہی حال دین کی نعمتوں کا ہے، قرآن وہی، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات وہی، احکام شرعیہ سب وہی اور ان پر اللہ کے جو وعدے ہیں سب برحق لیکن ہمارے اور ان کے درمیان جو رشتہ ہونا چاہئے تھا، اعتقاد کا، یقین کا بھروسے کا اور شوق کا وہ ٹوٹ چکا ہے اسی کو پیدا کرنے کی ضرورت ہے، بس یہی چیز ان حضرات سے لینے کی ضرورت ہے اور اسی کے وہ امام تھے، ان کی تحریریں اور ان کے ملفوظات اور ارشادات اب بھی موجود ہیں اور ان میں وہی تاثیر ہے، مجھے خوب یاد ہے کہ حضرتؒ نے جو گرامی نامہ میرے نام تحریر فرمایا تھا، اس میں خواجہ محمد معصومؒ کی ایک عبارت بھی نقل فرمائی تھی، جس میں ففروا الی اللہ تحریر تھا، میں نے جب حضرت کا وہ خط پڑھا تو مجھ پر کئی دن تک اس کا اثر رہا، خواجہ محمد معصومؒ کا مضمون بالکل ایسا معلوم ہوا کہ ایک زندہ چیز ہے اور ابھی کسی اللہ کے بندے نے لکھا ہے ایک تو حضرت خواجہ محمد معصوم کی تحریر پھر حضرت کا اسکو نقل کرنا ان دونوں باتوں کا امتزاج سے اس میں اثر ہی دوسرا تھا۔

خدا کا شکر ہے "جائے بزرگاں بجائے بزرگان" آج تو نہیں ہیں مگر حضرت کے جو معمولات تھے اور ان کی اصلاح وتربیت کا جو طریقہ تھا وہ آپ حضرات نے اللہ کے فضل اور اس کی توفیق سے جاری رکھا اور حضرت کی یہ مقبولیت اور خصوصیت ہے ورنہ بہت سی جگہ دیکھا کہ جب وہ بزرگ اٹھ گئے تو سب چیزیں ختم ہو گئیں اور وہ جگہ خالی ہو گئی، سوا اس کے کہ جا کر زیارت کر لیجئے، کوئی پیغام وہاں سے نہیں ملتا اور دل کی دوا وہاں نہیں ملتی بزرگوں نے اس موقع کے لئے یہ مصرعہ پڑھا ہے۔

وہ جو بیچتے تھے دوائے دل وہ دکان اپنی بڑھا گئے

چنانچہ جہاں جائیے یہی نظر آتا ہے کہ جن کی دکان تھی وہ واقعی بڑھا گئے لیکن خدا کا شکر

ہے کہ یہاں کے لوگوں نے حضرت کے کام کو جاری رکھا رسالے کے ذریعہ، مجلسوں کے ذریعہ، خطوط کے ذریعہ اور حضرت کے جو افادے کے طریقے تھے اس کے ذریعہ ان چیزوں کو باقی رکھا، بیشک دین زندہ ہے اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہمیشہ اس کا انتظام رہے گا کہ حقیقی دین باقی رہے اور وہ زندہ انسانوں کے ذریعہ سے زندہ رہے گا۔

لہٰذا اب اس کی دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ان تحقیقات اور ملفوظات کے ساتھ ساتھ ان کے سلسلے اور ان کے خاندان اور ان کے دوستوں کو اس کی توفیق دیتا رہے کہ وہ اس کام کو جاری رکھیں اور خود ان سے بھی دوسروں کو وہی پیغام ملتا رہے، اللہ تعالیٰ حفاظت فرمائے اور یہ فیض جاری رہے۔

یہ شہر تو ہمیشہ سے مرکز رہا ہے، اور یہاں کیسے کیسے اللہ کے بندے پیدا ہوئے ہیں اور آخر میں حضرت نے بھی اسی جگہ کا انتخاب فرمایا اور وہ چیز زندہ ہوگئی۔

ہنوز آں ابر رحمت درفشاں است
خم و خمخانہ بہ مہر و نشان است

الحمدللہ کہ ابھی خم و خمخانہ مہر و نشاں کے ساتھ باقی ہے، خدا کا شکر ہے کہ حضرتؒ کے بعد اتنے دن گذر جانے کے باوجود بھی الحمدللہ جگہ خالی نہیں ہے اور یہاں سے وہی پیغام ملتا ہے اور وہی بات کہی جاتی ہے۔

اللہ رکھے آباد آں ساقی ترا میخانہ

وآخر دعوانا ان الحمدللہ رب العالمین

منتخب و مامور امت

الحمد للہ نحمدہ و نستعینہ و نستغفرہ و نؤمن بہ و نتوکل علیہ و نعوذ باللہ من شرور انفسنا و من سیأت اعمالنا من یھدہ اللہ فلا مضل لہ و من یضلل اللہ فلا ھادی لہ و نشھد ان لا الہ الا اللہ وحدہ لاشریک لہ و نشھد ان سیدنا و مولانا محمدا عبدہ و رسولہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ و علیٰ آلہ واصحابہ اجمعین اما بعد فاعوذ باللہ من الشیطان الرجیم بسم اللہ الرحمن الرحیم.

ایک مثالی رہنما امت کی ضرورت

جن باتوں کی طویل انسانی تاریخ اور علم النفس اور علم الاخلاق پوری تائید کرتے ہیں، ان میں سے ایک بات یہ بھی ہے کہ بلند ترین مقاصد، شریفانہ تعلیمات اور عمل کے اعلیٰ ترین نمونے اس وقت تک قائم نہیں ہو سکتے اور اگر قائم ہو بھی جائیں تو دائم و باقی نہیں رہ سکتے، جب تک کہ ان کی پشت پر ایک انسانی جماعت (بلکہ صحیح الفاظ میں ایک ایسی امت) نہ ہو جو اس دعوت و تحریک کی علمبردار، اس کے راستہ میں جدوجہد کرنے والی اور اس کا عملی نمونہ ہو۔

اسی لئے ہم دیکھتے ہیں کہ بعض انبیاء علیہم السلام (چہ جائیکہ مصلحین اخلاق اور حکمائے کبار) کی تعلیمات بھی اس وجہ سے زیادہ عرصہ تک باقی نہیں رہیں کہ ان کے پیچھے کوئی امت نہ تھی، جو ان سے پیغام کی ذمہ داری سنبھالتی، اس راستہ میں جان نثار کرتی اور اپنی زندگی، اپنے تمدن اور حکومت و معاشرہ کے ذریعہ ان کا عملی نمونہ پیش کرتی، نتیجہ یہ ہوا کہ جن علاقوں میں وہ بھیجے گئے تھے، وہاں کی زندگی ایک ایسے آب رواں کی طرح بن کر رہ گئی جس کی سطح ایک ہوتی ہے اور وہ اقوام و قبائل جانوروں کے ایک ریوڑ کی طرح ہو گئے جن کا کوئی نگراں و نگہبان نہ ہو۔

جب اللہ تعالیٰ نے یہ فیصلہ فرمایا کہ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم آخری رسول اور خاتم النبیین ہوں، اور آپ کے بعد نہ کوئی اور نبی آئے اور نہ کوئی اور کتاب نازل ہو، تو اس طرح اللہ تعالیٰ

نے انسانیت کو اس خطرہ سے محفوظ کر دیا، اور محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ ایک پوری امت کو بھی مبعوث کیا، گویا بعثت محمدیہ دہری بعثت تھی جس میں نبی کی بعثت امت کی بعثت کے ساتھ شامل تھی، چنانچہ اللہ تعالی نے اس امت کی ایسی تعریف کی ہے (جو نبوت کے بغیر) کسی مبعوث اور مامور من اللہ ہی کی ہو سکتی ہے۔

كنتم خير امته اخرجت للناس تامرون بالمعروف وتنهون عن المنكر و تومنون بالله

تم لوگ بہترین جماعت ہو جو لوگوں کے لئے پیدا کی گئی ہے، تم بھلائی کا حکم دیتے ہو اور برائی سے روکتے ہو، اور اللہ پر ایمان لاتے ہو۔

دوسری جگہ ارشاد ہوا:

وكذلك جعلنكم امة وسطا لتكونو شهدآء على الناس ويكون الرسول عليكم شهدا.

اور اسی طرح ہم نے تمہیں ایک امت عادل بنا دیا تاکہ تم گواہ رہو لوگوں پر اور رسول گواہ رہیں تم پر۔

حدیث نبویؐ میں بھی اسی طرح کے الفاظ آئے ہیں جن میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے صحابہ کرامؓ کی ایک جماعت سے فرمایا۔

انما بعثتم ميسرين ولم تبعثوا معسرين

تم آسانی پیدا کرنے والے بنا کر بھیجے گئے ہو نہ کہ تنگی پیدا کرنے والے۔

بعثت و دعوت کی ذمہ داری اور اپنی ماموریت و مسولیت کا یہ شعور و احساس صحابہ کرامؓ و تابعین عظام کے دلوں میں اس وقت بھی موجزن تھا جب ایرانی قائد جنگ رستم نے سید نا ربعی بن عامرؓ (آپ صحابی رسول صلی اللہ علیہ وسلم تھے، ملاحظہ ہو الاصابۃ ۱/۵۰۳) سے (جنھیں سید نا سعد بن ابی وقاصؓ نے رستم کی طلب پر اپنا سفیر بنا کر بھیجا تھا) یہ پوچھا کہ تمھارے یہاں آنے کا محرک و مقصد کیا ہے؟ تو انھوں نے یہ مومنانہ اور داعیانہ جواب دیا کہ:

الله ابتغنا النخرج من شاء من عبادة العباد الى عبادة الله وحده ومن ضيق الدنيا الى سعتها ، ومن جور الاديان الى عدل الاسلام

(البداية والنهاية. /۳۹)

اللہ تعالیٰ نے ہمیں اس لئے بھیجا ہے کہ ہم جس کو وہ چاہے بندوں کی بندگی سے نکال کر ایک خدا کی بندگی پر آمادہ کریں اور دنیا کی تنگی سے اس کی وسعت کی طرف اور مذاہب کے ظلم سے بچا کر سایہ عدل میں لائیں۔

عشق کے دردمند کا طرز کلام اور ہے

آج سے چار سال قبل ۲۰ تا ۲۵ اگست ۹۸ء مطابق ۲۸ ربیع الثانی تا ۳ جمادی الاول ۱۴۱۹ھ کو رابطہ عالم اسلامی کا سالانہ اجلاس اردن کے دارالسلطنت عمان میں منعقد ہوا۔ اس موقع پر عالم عربی کے چوٹی کے علماء و دانشور موجود تھے۔ جلسے کی اہم اور چشم کشا تقریر حضرت مولانا ابوالحسن علی حسنی ندوی نوراللہ مرقدہ نے اس جلسے میں فرمائی جس کا انتظام اردنی وزارت اوقاف نے کیا تھا۔ وزیر اوقاف نے آغاز جلسہ میں حضرت مولانا رحمۃ اللہ کا تعارف کرتے ہوئے مولانا کے فکر اور ان کی شہرۂ آفاق کتاب ''ماذا خسر العالم'' اپنے غیر معمولی تاثر کا اظہار کیا۔ حضرت مولانا رحمۃ اللہ کی عربی تقریر کا ترجمہ ہدیۂ ناظرین ہے!

الحمد للہ رب العالمین، والصلاۃ والسلام علی سید المرسلین، خاتم النبین محمد وعلی آلہ و صحبہ اجمعین، ومن تبعھم باحسان ودعا بدعوتھم الی یوم الدین. اعوذ باللہ من الشیطان الرجیم، والذین کفرو بعضھم أولیاء بعض الا تفعلوہ تکن فتنہ فی الارض و فساد کبیر.

میرے بھائیو! اور بہنو جب بھی میں قرآن کریم کی یہ آیت پڑھتا یا سنتا ہوں اس کے اعجاز بیانی اور جہاں معانی کے سامنے حیران و ششدر ہو جاتا ہوں۔ اس بنا پر بھی کہ الحمد اللہ پورے قرآن پر اور اس کے ایک ایک حرف اور اس کے ایک ایک گوشہ پر میرا ایمان ہے چاہے اس کا تعلق عقائد سے ہو یا احکام سے، پیشن گوئیوں سے ہو یا خبروں اور واقعات سے اور تاریخ کے ایک طالب علم بلکہ ایک محقق کی حیثیت سے بھی۔ خصوصاً چھٹی صدی عیسوی کی تاریخ کے تعلق سے کہ اس مبارک صدی میں رحمت عالم، خاتم الانبیاء محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت ہوئی اور سیرت نبوی سے شغف اور خصوصی اشتغال رکھنے اور اس موضوع پر مختلف عالمی زبانی میں لکھی کتابوں پر نظر رکھنے اور اسمیں حسب توفیق واستاطت حصہ لینے والے کی حیثیت سے بھی جس حیثیت سے بھی اور جس قدر اس میں غور و فکر کرتا ہوں حیرت و استعجاب بڑھتا جاتا ہے،

جس وقت یہ آیت نازل ہوئی پوری دنیا میں جہالت مضبوطی کے ساتھ اپنے پنجے گاڑھے ہوئے تھی، روم وایران، مشرق ومغرب، شمال وجنوب، یورپ وایشیا، چین وافریقہ غرض دنیا کے تمام علاقے متمدن اور غیر متمدن سب کے سب اس کے شکنجے میں جکڑے ہوئے تھے۔ دشت وجبل پر اس کی حکمرانی تھی، جاہلیت ایسا بت تھا جس کی سبھی پرستش کر رہے تھے، جس کے سامنے سبھی کی جبین نیاز جھک رہی تھی۔

اس وقت کی متمدن، مہذب اور ترقی یافتہ دنیا دو حصوں میں منقسم تھی، ایک تھا مشرقی اور دوسرا مغربی شمالی، یہ دونوں حصے دو جاہلی شہنشاہیت کے ماتحت اور زیر اثر تھے، میں بہت سوچ سمجھ کر بت پرست شہنشاہیت کے بجائے جاہلی شہنشاہیت کی تعبیر استعمال کر رہا ہوں۔ متمدن دنیا کا بڑا حصہ یعنی مغربی شمالی حصہ روم امپائر (جو کہ ایک مسیحی شہنشاہیت تھی) کے زیر اثر تھا۔ جبکہ مشرقی حصہ مجوسی، ساسانی اور ایرانی شہنشاہیت کے ماتحت تھا۔ اور دنیا کے تمام باقی حصے اور علاقے کھلی ننگی اور عریاں بت پرستی میں زندگی گزار رہے تھے۔ اس میں ہمارا ملک ہندوستان بھی شامل ہے جو اپنی تمام ذہانتوں، عمیق فلسفوں قدیم تہذیبوں اور تاریخ کے بعض ادوار میں فکری اسکولوں کا گہوارہ ہونے کے باوجود وثنیت اور بت پرستی میں گلے گلے ڈوبا ہوا تھا۔ دہلی یونیورسٹی کے ایک وسیع النظر اور قدیم ہندوستان کی تاریخ پر سند سمجھے جانے والے مورخ کا کہنا ہے کہ ہندوستان پوجے جانے والے دیوی دیوتاؤں کی تعداد بعض اوقات 3 کروڑ تک پہنچ گئی ہے۔

اس صورتحال کو بدلنے اور انسانوں کو اپنے سے کم تر، جامد اور بے جان چیزوں کی غلامی سے نجات دلانے میں بدھ مذہب بھی ناکام رہا، کم وبیش یہی حال ایران کی مجوسی حکومت کا تھا۔ یہی حال فارس کا تھا، اور یہی حال دنیا کے تمام ملکوں، تمام سلطنتوں اور قوموں کا تھا۔ سب کے سب اوہام وخرافات کے اسیر وگرفتار اور لاکھوں کروڑوں خداؤں کے بندے اور پرستار تھے، اور یہی لوگ پوری دنیا پر چھائے ہوئے تھے ان لوگوں کی صحیح تعداد بتانا تو مشکل ہے مگر میرے علم میں کسی بھی مورخ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے وقت یا اس سے پہلے کی آبادی کی تعداد نہیں بتائی ہے لیکن یہ ایک حقیقت ہے کہ یہی لوگ حکومتوں کے بھی مالک تھے، اور جنگی ساز وسامان کے بھی، یہی لوگ علمی لائبریریوں کے بھی مالک تھے۔

اور اقدار و روایات کے بھی، ان لوگوں نے اپنے تمام اسباب و وسائل کے ساتھ ایک محاذ بنا رکھا تھا اور وہ تھا بت پرستی کا محاذ، بت پرستی کی ترغیب کا محاذ، ظلم و استبداد اور جبر کا محاذ، اور ظالم و جابر اور مطلق العنان حکمرانوں کی سامنے جھکنے کا محاذ، چھوت چھات کا محاذ اور وطن پرستی کا محاذ۔

اور اس کے بالمقابل مٹھی بھر لوگ، اس میں ذرا بھی مبالغہ نہیں ایک طرف پوری متمدن دنیا تمام وسائل و ذرائع ابلاغ پر قابض دنیا، اس وقت کے تمام علوم و فنون کی ماہر دنیا، تمام انسانوں کو اپنی مرضی کے مطابق چلانے والی دنیا تھی۔ اور دوسری طرف صحیح معنوں میں مٹھی بھر لوگ تھے صحیح بخاری میں آیا ہے تین مرتبہ مسلم شمار (مردم شماری نہیں) کروانے جانے کا ذکر ملتا ہے آخری رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد گرامی سے غزوۂ احد یا غزوہ خندق کے موقع پر مسلم شماری ہوئی اس وقت مسلمانوں کی کل تعداد جو سامنے آئی وہ پندرہ سو کی ہے" **الا تـفـعلوه تـكـن فتنه فی الارض فساد كبير** "میں انہیں مسلمانوں سے کہا جا رہا ہے۔ کہ اگر تم نے کفر و شرک اور عالمگیر بت پرستی اور عالمی جاہلیت کے محاذ کے مقابلہ میں محاذ نہیں بنایا، کوئی چھاؤنی قائم نہیں کی، توحید خالص، دین حق، احترام انسانیت، انسانی اخوت و ہمدردی اور سماجی عدل و انصاف کا کوئی محاذ نہیں بنایا تو پوری دنیا میں بڑا فتنہ و فساد برپا ہو جائے گا۔

حقیقت یہ ہے کہ قرآن کی کتاب الٰہی اور منزل من اللہ ہونے پر کسی شخص کا ایمان نہ ہو اور تاریخ پر نظر ہو، دنیا کی صورتحال سے واقف ہو، بت پرست محاذ کی طاقت و قوت کا اندازہ ہو وہ اس بات کو آسانی سے کبھی نہیں سمجھ سکتا۔

ایک جانب کروڑہا کروڑ انسان جن میں دانشوروں کا طبقہ بھی ہے اور جاہلوں کا بھی ہر قسم کے ہتھیار سے لیس اور تمام وسائل و ذرائع سے مالا مال ہیں دوسری جانب مٹھی بھر کمزور لوگوں سے جن کی تعداد پندرہ سو سے آگے نہیں بڑھتی، فقر و فاقہ اور غربت کی وجہ سے ان کی بڑی تعداد اپنے تن چھپانے اور پیٹ بھرنے کی بھی استطاعت نہیں رکھتی، ان سے کہا جا رہا ہے کہ تم جہالت اور ظلم و استبداد کے سیلاب بلاخیز کو روکنے کیلئے اٹھ کھڑے نہیں ہوئے تو دنیا میں فساد برپا ہو جائے گا اگر تم نے بند نہیں باندھا تو یہ سیلاب ہر چیز کو بہا لے جائے گا۔

اس طرح اس وقت پوری دنیا دو کیمپوں میں بٹی ہوئی تھی، ایک کیمپ بت پرستوں کا اور جاہلیت کے علمبرداروں اور پرستاروں کا تھا اور دوسرا مٹھی بھر مسلمانوں کا، دونوں کی عددی و

نفری طاقت وقوت مادی اسباب وسائل میں وہی تناسب تھا، جو تناسب سمندر اور قطرہ میں ہوتا ہے، جو تناسب آفتاب اور ذرہ میں ہوتا ہے، خدائے وحدہ لاشریک کے سوا کون اور یہ کہہ سکتا ہے کہ اے مٹھی بھر مسلمانو! اگر تم نے دنیا کے اس شرک وبت پرستی اور اوہام وخرافات کے محاذ کے خلاف توحید خالص اور دین حق کا محاذ نہیں کھولا تو دنیا میں زبردست تباہی مچ جائے گی۔ فتنہ برپا ہو جائے گا۔ کیا ظاہری اسباب وسائل کو دیکھتے ہوئے اور مادی پیمانوں کے لحاظ سے یہ ایک قابل فہم اور بعید از مکان بات نہیں ہے۔ چند ذرات یا ریت کے ایک معمولی تودہ سے کہا جا رہا ہے کہ بھیانک، غضبناک اور سرکش بحر مواج کے سامنے پشتہ بن کر کھڑے ہو جاؤ، اس طوفان بدتمیزی کو روکو ورنہ دنیا تباہ ہو جائے گی یہ بات خدائے وحدہ لاشریک اور عالم الغیب والشہادۃ کے سوا کوئی دوسرا نہیں کہہ سکتا تھا۔ خدا قیمت کو دیکھتا ہے قامت کو نہیں، اس کے یہاں اعتبار اوصاف کا ہوتا ہے ذات کا نہیں، وہ کوالٹی (معیار) کو دیکھتا ہے، کوانٹیٹی (تعداد) کو نہیں، اگرچہ مسلمان قد و قامت میں چھوٹے تھے، لیکن قیمت میں بڑھے ہوئے تھے، اور میزان الٰہی میں اعتبار قیمت کا ہوتا ہے، قامت کا نہیں، تاریخ اس پر گواہ ہے، ہر دور میں قیمت قامت پر غالب آئی ہے اور شکست دیتی رہی ہے، اگر قیمت کا اعتبار ختم ہو جائے، اگر یہ جوہر کم عیار ہو جائے تو دنیا باقی نہ رہے، کائنات کا وجود مٹ جائے، اگر قیمت کی قیمت باقی نہ رہے، اگر قیمت بے قیمت ہو جائے تو نہ عقیدہ صحیحہ کا تحفظ ممکن ہوگا اور نہ دین صحیح باقی رہے گا، نہ دعوت صحیحہ کو کامیابی مل سکتی ہے۔

میرے بھائیو: ہم لوگوں کو چاہئے کہ اس آیت کو اپنے فکر وتدبر کا محور بنائیں اس پر غور کریں کہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ پوری انسانیت کو انسانوں کی غلامی اور دنیا کی تنگی سے نکالنے کی ذمہ داری مٹھی بھر والوں پر ڈال رہا ہے۔

اور چشم فلک نے دیکھا کہ اس مٹھی بھر بے سروساماں جماعت نے اس ذمہ داری کو جب قبول کرلیا، اور اسے لے کر اٹھ کھڑی ہوئی تو اسباب وسائل سے بھرپور زبردست اکثریت پر غالب آ گئی، یہ تودۂ خاک نہ صرف یہ کہ ٹھاٹھیں مارتے ہوئے سمندر کے لئے پشتہ اور بند ثابت ہوا بلکہ اس نے اس کا دھارا موڑ دیا، اسے پیچھے ڈھکیل دیا، اس مٹھی بھر جماعت نے اپنے اوصاف وخصوصیات سے اپنی بے سروسامانی کے باوجود بڑی بڑی سلطنتوں کو ان کے تمام ساز و

سامان اور کروفر اور جاہ وجلال کے ساتھ شکست دیدی۔

حقیقت یہ ہے کہ اس آیت کریمہ پر غور کرنے سے دل ودماغ میں بجلیاں کوندنے لگتی ہیں، احساسات وجذبات میں تموج پیدا ہوجاتا ہے، ایمان وعقیدہ میں صلابت، عزائم میں بلندی اور ارادوں میں قوت واستحکام پیدا ہوتا ہے، یہ آیت ہمیں آواز دے رہی ہے، کہ جاہلیت کے مقابلہ کے لئے ہم اپنے ایمان وعقیدہ کے سہارے اٹھ کھڑے ہوں، صدق واخلاص کے ہتھیار سے مسلح ہوکر اسباب ووسائل کا مقابلہ کریں، ہمیں ہرگز اپنے ذرائع ووسائل اور عددی طاقت پر بھروسہ نہیں کرنا چاہئے، یہ آیت ہمیں پیغام دیتی ہے کہ کبھی ہمارا سر باطل اور طاغوتی طاقتوں کے سامنے نہ جھکے ہم ساز وسامان اور آلات حرب وضرب سے کبھی مرغوب ومتاثر نہ ہوں، اللہ کی تائید ومدد قیمت والوں کے ساتھ ہوتی ہے، اس نے مسلمانوں اور حق کے علمبرداروں سے فتح ونصرت کا وعدہ فرمایا ہے، ہر زمانہ میں اس نے اہل حق کی مدد کی ہے، آج بھی اس کی مدد ہوسکتی ہے، شرط یہ ہے کہ ہم ایمان ویقین، انسانی ہمدردی اور ایثار وقربانی کے ساتھ اٹھ کھڑے ہوں، ہم اپنے ان اسلحوں سے پوری دنیا کو فتح کرسکتے ہیں، سیاسی مصلحتوں او ریوری دنیا کو فتح کرسکتے ہیں، سیاسی مصلحتوں اور مال ودولت کے پجاریوں کو زیر کرسکتے ہیں، انسانی تاریخ میں بارہا ایسا ہوا ہے، اسلامی تاریخ ایسی مثالوں سے بھری پڑی ہے، کہ تھوڑی فوج نے تھوڑے سے ہتھیار اور معمولی ساز وسامان سے بڑی بڑی فوجوں کو شکست دی ہے، میں آپ سے صاف کہتا ہوں کہ اس وقت دنیا کو ایک ایسے خلا کا سامنا ہے، جس سے بڑا کوئی خلاء نہیں، یہ خلاء انسانیت کے خلاف ہے، یہ خلاء اللہ کی رحمت کے خلاف ہے، یہ خلاء مشیت الٰہی کے خلاف ہے، یہ خلاء انبیاء کرام کی تعلیمات کے خلاف ہے، یہ خلاء عالمی دعوت کا خلاء ہے، یہ اللہ پر اعتماد وتوکل کا خلاء ہے، ایمانی قوت وطاقت پر بھروسہ کا خلا ہے، اللہ تبارک وتعالیٰ کی نصرت وتائید پر اعتماد کا خلاء ہے، تاریخ انسانی اور تاریخ اسلامی بھی بارہا اس کا تجربہ کرچکی ہے، کہ مادی ساز وسامان اور تعداد کے لحاظ سے معمولی جماعت بڑی بڑی فوجوں پر غالب آئی ہے،

''کم من فئةٍ قلیلة غلبت فِئةً کثیرةً باذن اللہ۔

میرے بھائیو: آج اس موقع کو میں غنیمت جانتا ہوں، گوناگوں مصروفیات، متنوع ذمہ داریوں کی وجہ سے ایسے مواقع اب کم ملتے ہیں، میرے بھائیو، میرے دینی اور اسلامی

بھائیو: میرے عرب بھائیو، "**الاتفعلوہ تکن فتنة فی الارض وفساد کبیر**" کو لوحِ دل پر لکھ لیجئے، اسے اپنے ذہن و دماغ میں بسا لیجئے کہ اگر آپ جاہلیت کے مقابلہ میں اٹھ کھڑے نہیں ہوئے، اگر آپ نے دعوت کا جھنڈا بلند نہیں کیا، تو دنیا میں فتنہ برپا ہو جائے گا، فساد پھیل جائے گا، اگر آپ نے حق کی دعوت کو عام نہیں کیا، اگر آپ نے انسانیت پر ترس نہیں کھایا، تو دنیا اپنی تمام مادی ترقیوں، عیش و آرام کے تمام اسباب اور سائنس کی تمام ایجادات کے باوجود خطرہ میں ہے، ضرورت ہے کہ حق کا غلغلہ اس طرح بلند ہو کہ ہر کان سن لے، اس قوت سے اسے پھیلایا جائے کہ ہر فرد تک وہ پہونچ جائے، اس انداز سے اسے پیش کیا جائے کہ ہر دل کو چوٹ لگے، ہر آنکھ بھر آئے، اگر ایسا نہیں ہوتا ہے اور اس خلاء کو پر نہیں کیا جاتا ہے، تو دنیا خطرے میں ہے، اس کی ذمہ داری اللہ نے آپ پر ڈالی ہے، پوری امت مسلمہ پر ڈالی ہے، لیکن میرے عرب بھائیو، آپ پر اس کی زیادہ ذمہ داری ہے، آخر یہ، دین اسلام دنیا کو آپ کے ذریعہ ملا، وہ آپ ہی کے اسلاف تھے جنھوں نے اس نعمت خداوندی اور عطیہ ربانی کو پوری دنیا کے لئے وقف عام کیا، وہ آپ ہی کے آباؤ اجداد تھے، جنھوں نے دنیا کو خودکشی سے بچایا تھا، انسانیت کی بھنور میں گھری کشتی کو ساحل تک پہونچایا تھا، آپ کو ان کا صحیح وارث اور جانشین ہونا چاہئے اور اس کی دعوت دین کی امانت کا امین ہونا چاہئے، آپ اس دعوت کو لے کر مشرق و مغرب میں پھیل جایئے، جاپان اور چین جایئے، روس اور امریکا جایئے، دنیا کے گوشہ گوشہ میں جایئے اور سسکتی، ہوئی دنیا کو اسلام کا مرہم پیش کیجئے، انسانوں کو انسانوں کی غلامی سے نکالئے، اس مقصد کے لئے وہ تمام وسائل اختیار کیجئے، جن کا زمانہ تقاضا کر رہا ہے، وہ اسلوب اپنائیے، جس اسلوب کو زمانہ سمجھتا ہے، وہ زبان بولئے جس زبان کو آج دنیا سمجھتی ہے، یہ تمام مسلمانوں پر فرض ہے، لیکن میرے عرب بھائیو، آپ پر دوسری ذمہ داری ہے کیونکہ جن کے ہاتھوں یہ دین پھیلا، جن کی کوششوں اور قربانیوں نے انسانیت کو ہلاکت سے بچایا، وہ عرب تھے، صحابہ کرام تھے، انصار و مہاجرین تھے یا ان کے شاگرد اور پروردہ تھے، وہ لوگ تھے جنھوں نے عربوں ہی سے کسب فیض کیا تھا، صحابہ کرام ہی سے علم صحیح، انسانیت کے لئے ہمدردی کا جذبہ اور اس کے دکھ درد میں سلگنا اور کڑھنا سیکھا تھا، ہم پر واجب ہے کہ ہم دین کی دعوت کی ذمہ داری ادا کرنے کی ہر ممکن کوشش کریں، اس مقصد کی تکمیل کے لئے کسی بھی قربانی سے دریغ نہ کریں،

یہ ایک خلاء ہے، جس کا جلد از جلد پر ہونا ضروری ہے، کیونکہ کوئی خلاء انانیت کے لئے اس سے زیادہ خطرناک اور تشویشناک نہیں، اس کا پر ہونا صرف مسلمانوں ہی کے مفاد میں نہیں ہے، مثلاً اس کام کو اس لئے کیا جائے تا کہ مسلمانوں کے اثر ورسوخ کا دائرہ وسیع ہو، انھیں اقتصادی اور سیاسی فائدہ پہونچے نہیں، ہرگز نہیں، اس کا پر ہونا پوری انسانیت کے مفاد میں ہے، اگر یہ خلاء پر نہیں ہوتا ہے تو پوری انسانیت خطرہ میں ہے پوری دنیا خطرہ میں ہے، چاہے وہ تمدن، ترقی یافتہ اور دنیا کو اپنی مرضی کے مطابق چلانے کی کوشش کرنے والے ممالک ہی کیوں نہ ہوں، اگر یہ خلاء پر نہیں ہوتا ہے، تو زیادہ دنوں تک انسانیت کی بقاء، وتحفظ کی ضمانت نہیں دی جا سکتی، اس خلاء کا پر ہونا انسانیت کے مفاد میں بھی ہے اور مسلمانوں کے بھی، ہماری ذمہ داری ہے کہ دنیا کو ہم یہ بات سمجھائیں اور دنیا کو چاہئے کہ وہ یہ بات سمجھے، اس میں اس کی بھلائی ہے، عالمی طاقتوں کو چاہئے کہ وہ یہ بات سمجھیں، جس دن وہ اس کو سمجھ لیں گے اور دین اسلام کا کھلے ذہن ودماغ سے مطالعہ شروع کردیں، وہ دن بڑا مبارک ہوگا، تاریخ کا ایک نیا دور شروع ہوگا اور اللہ کی قدرت سے کچھ بھی بعید نہیں۔

آخر میں آیت کریمہ کو آپ کے سامنے ایک بار پھر میں تلاوت کرتا ہوں، تا کہ آپ غور کریں، اس کے پیغام کو سمجھیں اپنی ذمہ داری کو محسوس کریں اور اس کی ادائیگی کا عزم کریں،

اعوذ باللہ من الشیطان الرجیم، والذین کفرو بعضھم انولیاء بعض الاتفعلوہ تکن فتنة فی الارض وفساد کبیر"۔

مسلمانو: اگر تم نے دین حق کی نشر واشاعت اور دعوت وتبلیغ کا کام نہیں کیا تو زمین پر فساد برپا ہوجائے گا، فتنہ پھیل جائے گا۔

وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین

امت مسلمہ کا وجود غزوۂ بدر کا صدقہ ہے

دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ میں تبلیغی اجتماع کے موقع پر ۱۴ اکتوبر ۱۹۹۵ کو بعد نماز مغرب حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی نے ایک پراثر دینی، دعوتی، علمی، فکری، اور اصلاحی تقریر فرمائی

الحمد لله و كفى و سلام على عباده الذين اصطفى اما بعد! فاعوذ بالله الشيطان الرجيم بسم الله الرحمن الرحيم ولقد نصر كم الله ببدرٍ وانتم اذلة ، فاتقو الله لعلكم تشكرون.

غزوہ بدر بقائے دین کا ضامن ہے

ترجمہ: اور یہ بات محقق ہے کہ حق اللہ تعالیٰ نے تم کو بدر میں منصور فرمایا حالانکہ تم بے سرو سامان تھے، سو اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہا کرو، تاکہ تم شکر گذار رہو۔

اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے کہ اے مسلمانو: اللہ تعالیٰ نے تم کو بدر میں فتح عطا فرمائی اس حالت میں کہ تم بہت بے یار و مددگار تھے اور بہت خطرے میں تھے تو اللہ سے ڈرو تاکہ تم شکر گذار بندے بنو، ہمارے بہت سے ذی علم حضرات کو اور اس مسند نشینوں کو بھی، اہل علم کو بھی اور جو قرآن مجید کی آیات کا ترجمہ سمجھتے ہیں ان کو تعجب ہوگا کہ اس عظیم الشان تبلیغی اجتماع میں جس کا موضوع تبلیغ و دعوت ہے، یہ آیت کس مناسبت سے پڑھی گئی؟ کیا کچھ غزوات کا تذکرہ ہونا والا ہے، کچھ غزوۂ بدر پر روشنی ڈالی جانے والی ہے کیا، تاریخ کا کوئی ورق کھولا جانے والا ہے، کوئی باب کھولا جانے والا ہے، لیکن اس آیت کی تبلیغ و دعوت سے بھی اور ہم مسلمانوں کی زندگی سے بھی اور ہم مسلمانوں کی کامیابوں سے اور اسلام کے آج دنیا میں موجود رہنے سے بھی بڑا گہرا تعلق ہے، اگر میں یہ کہوں کہ آپ کے سامنے ایک تاریخ کے طالب علم کی حیثیت سے، ایک نظر رکھنے والے انسان کی حیثیت سے کہ اس وقت دنیا میں جو مشرقی ممالک ہیں ان میں مسلمانوں کی آبادی بھی ہے، مسلمانوں کی سلطنت اور شان و شوکت بھی ہے اور دولت و ثروت

بھی یہ اور پھر دعوت وعزیمت کا کام بھی ہے اور مدارس بھی ہیں، کتب خانے بھی ہیں، یہاں تک کہ میں بلا تکلف بغیر کسی تواضع کے کہتا ہوں کہ یہ ندوۃ العلماء ایک عالمی درسگاہ ہے، جس کی شہرت تمام دنیا میں ہے، اس کا وجود اور یہاں کا جو کتب خانہ ہے، جس میں ہزاروں سے متجاوزہ کتابیں ہیں اور مشرق سے لے کر مغرب تک جتنے کتب خانے ہیں اور پوری تاریخ اور انسانی تاریخ میں پوری تاریخ عالم میں مسلمانوں نے جو کچھ کارنامہ انجام دیا ہے اور انھوں نے علم کے دریا بہائے اور انھوں نے کتابوں کے انبار لگائے، تحقیقات کی اور پوری دنیا میں جو خدا کی عبادت ہو رہی ہے اور عقیدۂ توحید موجود ہے اور یہ مساجد جو آپ کو نظر آ رہی ہیں، یہ سب غزوہ بدر کی فتح کا نتیجہ ہیں اور خالص غزوہ بدر کی فتح کا نتیجہ ہے، میں آپ سے اگر یہ کہوں کہ ابھی آپ نے جو مغرب کی نماز پڑھی ہے یہ بھی غزوہ بدر کی برکتوں میں سے ایک برکت ہے اور آپ جو آزادی سے نماز پڑھ لیتے ہیں روزہ رکھتے ہیں، حج کرنے کیلئے بیت اللہ شریف کو بھی جاتے ہیں اور پھر تعلیم کا سلسلہ بھی جاری ہے، اور تبلیغ کا یہ عالمی نظام اور یہ عظیم الشان مظاہرہ اور یہ اس کا منظر جو آپ کے سامنے ہے، یہ سب غزوہ بدر کی فتح کا نتیجہ ہے کیا صورت تھی، کہ کل تین سو تیرہ مسلمان تھے جو مدینہ طیبہ سے نکلے تھے، اللہ کے راستے میں جہاد کرنے کیلئے اور مدینہ طیبہ کی حفاظت کے لئے اور دین کی حفاظت وبقاء کے لئے اور ادھر ایک ہزار مسلح کفار قریش آئے تھے جو دانت پیس رہے تھے اور وہ اس کے لئے تڑپ رہے تھے، بیقرار تھے کہ اس خطرہ کا سد باب کر دیا جائے اور اسلام کے وجود کو فنا کر دیا جائے اور وہ بہترین طریقے سے مسلح تھے ایک طرف قریش کا جتھا جو قبیلہ تھا اور اس کے پاس تمام اسلحہ اور سامان جنگ تھا اور وہ مسلمان جن کے گھروں میں فاقے ہوتے تھے اور ان میں کئی بچے بھی شامل ہو گئے تھے، وہ سب جہاد کے شوق میں تھے تو جہاں تک تعلق ہے اسباب ونتائج کا اور ذرائع کا اور بصیرت کا اور حالات کا جائزہ لینے کا اور عقل سلیم کا اور گذشتہ واقعات سے نتیجہ نکالنے اور ریاضی کا بھی وہ جو سب سے عام فن ہے۔ اور ہر ایک کو ان سے کچھ نہ کچھ دخل ہے کہ وہ ایک ہزار اور تین سو تیرہ کا فرق سمجھتا ہے کہ جاہل سے بھی کہہ دیجئے تو وہ سمجھ جائے گا کہ کہاں ایک ہزار اور کہاں تین سو تیرہ تو اگر یہ جو اللہ تعالیٰ نے اسباب میں خاصیت رکھی ہے اور اسباب کو بھی آزاد چھوڑ دیا ہے کہ وہ اپنا عمل کرتے ہیں جب تک خدا کا ارادہ ہوتا ہے، خدا کی مشیت ہوتی ہے تو اگر اسباب پر اسباب و

نتائج پر ہر بات کا انحصار ہوتا تو اس کا فیصلہ ہوتا تو انجام بالکل معلوم ہے کہ وہ ایک ہزار تین سو تیرہ پر غالب آ جاتے اور یہ تین سو تیرہ ختم ہو جاتے اللہ تعالیٰ معاف فرمائے اور اللہ تعالیٰ ان الفاظ کے کہنے پر کوئی مواخذہ نہ فرمائے خدانخواستہ تین سو تیرہ ختم ہو جاتے تو پھر اس کے باقی رہنے بڑھنے اور فتح حاصل کرنے کا کیا ذکر اسلام باقی رہنے کا بھی کوئی سوال نہیں تھا اب جو بات میں آپ سے کہنا چاہتا ہوں وہ یہ کہ بات صرف اتنی ہی نہیں کہ تین سو تیرہ نے ایک ہزار پر فتح پائی تھی ایک تاریخی واقعہ ہے اور سنایا گیا ہے ایک ایسے مجمع میں کیوں تین سو تیرہ کو خلاف قیاس، خلاف عقل، خلاف تجربہ خلاف اندازہ اور عقل سلیم کے خلاف تین سو تیرہ کو ایک ہزار پر فتح حاصل ہوئی یہ بات یاد رکھنے کی ہے کہ اور یہ ایک سبق ہے یہاں سے اپنے ساتھ لے جانے کا کہ کیسے تین سو تیرہ کو ایک ہزار پر فتح ہوئی کیا تین سو تیرہ کو اس لئے فتح ہوئی کہ وہ زیادہ مضبوط تھے زیادہ مسلح تھے یا زیادہ ان کے اندر جوش تھا اگر یہ بات ہوتی تو اس کا سب سے زیادہ اندازہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو تھا پھر آپ پر اضطراری کیفیت طاری ہوئی ایک الحاج کی، تضرع کی اور دعا وانابت کہ ابوبکر صدیق ؓ سے بھی نہ دیکھا جا سکے آپ نے نماز پڑھنی شروع کی اور اس طرح گریہ وزاری کے ساتھ دعا کرنی شروع کی اور آپ پر اتنی الحاح کی کیفیت طاری ہوئی کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ علیہ سمجھ رہے تھے کہ میں کس سے بات کر رہا ہوں نبی المرسل سے اللہ تعالیٰ تبارک وتعالیٰ سے براہ راست اس کے پیغام آتے ہیں جن کو سب سے زیادہ اللہ تعبارک وتعالیٰ کی نصرت پر یقین ہے۔ اور جو اللہ تبارک وتعالیٰ کو ہر چیز پر قادر مانتا ہے وہ تابع نہیں ہے اسباب ونتائج کا قلت وکثرت کا، تعداد کا اسلحہ کی کمی وزیادتی کا، بالکل پابند نہیں ہے لیکن ان سے دیکھا نہیں گیا، اضطراری کیفیت ان پر بھی طاری ہوئی انہوں نے کہا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ فضل فرمانے کا۔ اس پر آپ پریشان نہ ہوں اور تسلی کے الفاظ فرمائے اس کے بعد اب جو بات آپ کو سنانا ہے وہ ہم چاہتے ہیں کہ آپ اپنے ساتھ لے کر جائیں وہ یہ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان سے اس وقت ایک جملہ نکلا، سیرت کو پڑھنے والا، کتابوں کے دیکھنے والے اکثر گزر جاتے ہیں ان چیزوں سے اور وہاں غور نہیں کرتے، ایسا نہیں کہ چونک کر کھڑے ہونے او رہم پر ایک استغراقی کیفیت طاری ہو جائے اور ہم ڈوب جائیں غور وفکر میں ابھی آپ سے پوچھا جائے جو لوگ راستوں سے گزرتے ہیں بھائی آپ

جب وہاں سے آتے ہیں تو دائیں طرف ایک سائن بورڈ پڑتا ہے کیا لکھا ہے تو آپ کہیے گا کہ بھئی ہم تو نے خیال ہی نہیں کیا کیونکہ روز گزرنا ہوتا ہے، دن میں کئی کئی بار ہم غور سے دیکھتے بھی نہیں، اور کام بھی نہیں اس لئے بہت سے لوگ جو سیرت کی کتابیں پڑھتے ہیں اس سے گزر جاتے ہیں بہت کم لوگوں نے اس پر غور کر لیا ہوگا کہ یہ کیسی ایک چونکا دینے والی اور بیدار کر دینے والی اور عبرت لینے والی اور عبرت حاصل کرنے کی صلاحیت پیدا کرنے کی چیزیں ہیں، وہ ایسی چیز ہے کہ آدمی سب بھول جائے اور اس پر ہر ایک بالکل ششدر اور حیران رہ کر کھڑا ہو جائے کہ کیا کہا جا رہا ہے، کیا فرماتے ہیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے پورا جائزہ لیا، کیا تناسب ہے، طاقت میں، کیا تناسب ہے اسلحہ میں، کیا تناسب تعداد میں اور قریش کی حالت غضبناکی کی اور ایک جذبہ انتقام کی اور مسلمانوں کی، جو اللہ پر بھروسہ رکھتے ہیں جو اللہ ہی کی مدد کو سمجھتے ہیں کہ اس کی مدد کام آنے والی ہے دونوں میں کیا فرق ہے مادی طور پر اور میدان جنگ میں جو چیزیں اہمیت رکھتی ہیں ان کے لحاظ سے آپ کی زبان سے یہ جملہ نکلا جو قیامت تک غور کرنے کے قابل اور غور کرنے کا مستحق ہے اور عبرت لینے کا مستحق اور اصول عمل بنا لینے کا مستحق ہے، **اللھم ان تھلک ھذہ العصابۃ لا تعبد**، آپ فرماتے ہیں کہ اے اللہ اگر تو نے اس مٹھی بھر جماعت کو ہلاک کر دیا ان ایک ہزار کے مقابلے میں کہ وہ ایک ہزار ہیں اور زیادہ مسلح ہیں اور یہ مٹھی بھر جماعت جو پوری طرح مسلح بھی نہیں ہیں تو اور پھر ہو نہ ہو آپ کی عبادت اس دنیا میں نہیں ہوگی۔ تو یہ ایک نبی ہی کہہ سکتا ہے جو اللہ تبارک وتعالیٰ کا محبوب بھی ہے اور مقرب ترین انسان بھی اور ملہم من اللہ ہے بڑی بات یہ ہے کہ" **وماینطق عن الھویٰ ان ھو الا وحیی یوحی**" اور نہیں بولتے اپنے نفس کی خواہش سے یہ تو حکم ہے بھیجا ہوا، **ملھم من اللہ** ہے اور دنیا میں کوئی آدمی نہیں کہہ سکتا تھا کہ اولیاء اللہ میں سے نہ قائدین جنگ میں سے اور نہ بڑے بڑے مفسروں اور فراست رکھنے والوں میں سے کوئی یہ بات نہیں کہہ سکتا تھا اور پھر کس سے یہ بات کہی جا رہی ہے خدائے **غنی خدائے لم یزل ولا یزال** سے جو کسی چیز کا محتاج نہیں ہے اس کو کسی چیز سے ڈرایا نہیں جا سکتا لیکن یہ آپ کی ہی شان تھی کہ آپ نے یہ فرمایا، اور آپ نے فرمایا کیا بلکہ اللہ نے کہلوایا سچ بات یہ ہے کہ **وما ینطق عن الھویٰ ان ھو الا وحیی یوحی**، اور اس لئے آپ کی زبان سے کہلوایا تا کہ قیامت تک مسلمانوں کو یاد رہے کہ کیا بات

کہی گئی تھی اور کس بناء پر یہ بالکل خاق العادت طریقہ پر، معجزانہ طریقہ پر، محیر العقول طریقہ پر، ششدر و حیران بنا دینے والے طریقہ پر آدمی دانتوں میں انگلی رکھ کر سوچتا ہی رہے اور سر جھکا کر کے اور سسکیاں لے کر کے اس پر ایک استغراق کی کیفیت طاری ہو جائے بلکہ بعض لوگ اگر اس میں بے ہوش ہو جائیں سوچنے میں تو کوئی تعجب کی بات نہیں لیکن ہم لوگ غور کرنے کے عادی نہیں گزر جاتے ہیں ان چیزوں سے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اے اللہ اگر تو نے اس مٹھی بھر جماعت کو ہلاک کر دیا تو پھر سب کچھ ہوگا، دنیا کا کارخانہ ویسا ہی رہے گا وہی دنیا میں رونق ہوگی، فتوحات ہوں گی، سلطنتیں ہوں گی، دولت کے دریا بہیں گے اور علم کے بھی دریا بہیں گے، لیکن ایک کام نہیں ہوگا وہ یہ کہ تیری یعنی ایک خدائے واحد کی عبادت نہ ہوگی اب اس کے بعد کیا ہو، سوچنے کی بات یہ ہے کہ اللہ تبارک وتعالی نے بالکل خارق العادت طریقہ پر محیر العقول اور بالکل معجزانہ طریقہ پر یعنی صرف اس میں خدا کی طاقت ہی نظر آتی ہے، ارادۂ الٰہی معلوم ہوتا ہے اور کچھ نہیں اور قدرت الٰہی کا ایک جلوہ ہے اور قدرت الٰہی کی ایک شان ہے او ر کچھ بھی نہیں اللہ تعالی نے اس فقرہ کے بعد ان تین سو تیرہ کو ان ایک ہزار پر فتح مبین عطا فرمائی ''ولقد نصر کم اللہ ببدر وانتم اذلہ فاتقو اللہ لعلکم تشکرون'' اللہ تعالی فرماتا ہے اور اللہ نے تم کو فتح دی بدر کے میدان میں اس حالت میں کہ تم بے بس تھے اور بالکل اس وقت مغلوب تھے تو اللہ سے ڈرو تا کہ شکر گزار بندے بنو تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ اللہ تبارک وتعالی اس امت کے اسباب کے خلاف، نتائج کے خلاف تجربوں کے خلاف اور حقائق کے خلاف او ر ہر طرح کی پیشنگوئیوں اور اندازوں کے خلاف جو فتح دی ہے ان تین سو تیرہ کو ایک ہزار پر، وہ اس بنا پر کہ اللہ تبارک وتعالی نے یہ بات قبول کر لی اور اس کی تصدیق فرمائی کہ یہ تین سو تیرہ کی جو تعداد ہے ان کی وجہ سے دنیا میں عبادت کا سلسلہ چلے گا اور ان تین سو تیرہ کی فتح سے امت کو جو امن وامان حاصل ہوگا اطمینان حاصل ہوگا، اور ان جانشینوں کے ذریعہ یہ سلسلہ قیامت تک چلے گا اس کی وجہ سے عبادت الٰہی دنیا میں قائم رہے گی تو آپ جانتے ہیں کہ جب کسی چیز پر، کسی شرط پر، کسی صفت پر، کسی امتیاز کے بیان کرنے پر بڑا نتیجہ نکلے اور اس پر بالکل خارق العادات طریقہ پر کوئی اس کا انجام ہو اور اس میں اللہ تعالی فتح دے خلاف قیاس پھر تو اس شرط کو قائم رکھنا ضروری ہو جاتا ہے، اس کا مطلب یہ ہے کہ اس امت کے دنیا میں باقی رہنے کا،

عبادت کی دعوت دینے کا اور دنیا میں اللہ تبارک وتعالیٰ کا قانون پھیلانے اور اس کو غالب کرنے کا اور پھر اس دنیا میں اس کو فتوحات حاصل کرنے کا اور سلطنتیں قائم کرنے اور اس دنیا میں اس کو علم کے دریا بہا دینے کا اور معرفت الٰہی کے دروازے کھول دینے کا اور اس دنیا میں اس امت کو بہت طویل عرصہ تک اور کثیر حصہ میں دنیا کے اس امت کو آزادی کے ساتھ عزت کے ساتھ اور وقار کے ساتھ عظمت کے ساتھ رہنے کا موقع ملے کا ان سب کی شرط یہ ہے کہ کہ اللہ تبارک وتعالیٰ کی خود عبادت کریں، اللہ تبارک وتعالیٰ کے احکام پر عمل کریں، اللہ تبارک وتعالیٰ کے قانون پر، اللہ تبارک وتعالیٰ کی شریعت پر اور دوسروں کو بھی حکم دیں، اور یہ آپ سمجھ لیں کہ عبادت کے معنی صرف نماز روزہ کے نہیں، عبادت میں عقائد بھی داخل ہیں معاملات بھی داخل ہیں اخلاق بھی داخل ہیں، آئین وقانون بھی داخل ہیں ازدواجی زندگی کے جو طریقے خدا نے بتائے ہیں اور اس کے رسول نے بتائے ہیں او قرآن حدیث میں وہ بھی داخل ہے او لوگوں کے ساتھ معاملہ کرنا بھی داخل ہے اور اس میں تجارت بھی داخل ہے اس میں جتنے معیشت کے اسباب ہیں سب معاش کے جتنے اسباب ہیں سب داخل ہیں ان سب پر یہ امت عمل کرے گی، اللہ تعالیٰ کی شریعت پر، پوری نازل کی ہوئی شریعت پر، اور اللہ کے رسول کی عطا کی ہوئی سکھائی ہوئی شریعت پر یہ امت عمل کرے گی اس میں اس بات کو قبول کرنے پر اس کی تصدیق کرنے پر اللہ تبارک وتعالیٰ نے ان تین سو تیرہ کو ایک ہزار پر فتح دی تو اب اگر یہ سب کچھ کرنے لگے میں اب صاف کہتا ہوں کہ مسلمان اگر تارے توڑے آسمان کے اور فضاؤں پر ا کا قبضہ ہو جائے جیسے یورپ کا قبضہ ہے اور آپ مشرق سے مغرب تک جائیں اور منطقوں او رسیلنڈوں میں بھی پہنچ جائیں اور آپ سائنسی تحقیقات میں ایک ریکارڈ قائم کر دیں اور آپ علم کے دریا بہائیں اور کتب خانوں سے شہر کے شہر بھر دیں، اور آپ کے اندر اعلیٰ درجہ کی ذہانت اور اعلیٰ درجہ کی نکتہ آفرینی ہو اعلیٰ درجہ کی ادبی صلاحیت ہو، جسمانی حسن و جمال اور قوت کمال ہر چیز میں آپ فائق ہوں ان میں سے کوئی چیز امت کی بقاء کی ضمانت نہیں اس امت کے بقاء کی ضمانت صرف یہ ہے کہ امت وہ ہے جس کی وجہ سے عبادت کا رواج ہے یہ امت خود تیری عبادت کرے گی اور تیرے احکام پر چلے گی اور دنیا کو ان احکام کی طرف بلائے گی دعوت دے گی تو آپ سمجھ لیجئے جب کسی شرط پر کسی بات پر کسی پیشن گوئی پر کوئی نتیجہ ظاہر ہوتا ہے پھر کیسا

نتیجہ اور اس نتیجہ کا ذریعہ کون ہے اللہ تبارک وتعالیٰ فتح دینے والے، رسول صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کی فتح چاہنے والے، نصرت چاہنے والے اور اس کے درمیان ایک شرط، ایک صفت حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بیان کی جس سے بڑھ کر خدا کے جلال اور کمال سے کوئی خائف نہیں اور کوئی اس پر ایمان رکھنے والا نہیں ہوسکتا، آپ سے بڑھ کر ادب شناس نہیں ہوسکتا آپ سے بڑھ کر کوئی اللہ کے جلال سے اور اللہ کے شان استغناء سے کوئی واقف نہیں ہوسکتا لیکن ان سب کے باوجود میں سمجھتا ہوں کہ یہ کلمہ آپ کی زبان سے نہیں نکلا بلکہ یہ کلمہ بھی الہامی تھا، اللہ نے آپ کی زبان سے کہلوایا اور اس پر فتح دی تاکہ قیامت تک کے لئے یہ باب بالکل طے شدہ اصول بن جائے کہ مسلمانوں کی بقاء مسلمانوں کی زندگی، مسلمانوں کی عزت، مسلمانوں کا آزادی کے ساتھ اپنے اصول پر عمل کرسکنا اور عمل کو دعوت دینا اور دعوت وتبلیغ کا سلسلہ یہاں تک کہ میں صاف کہتا ہوں کہ خلافت راشدہ سے لے کر خلاف نبی امیہ تک خلاف نبی امیہ سے لے کر خلافت عباس تک اور اس کے بعد کی سلطنتوں تک اور اس کے بعد پھر یہ پوری ساسانی سلطنت ایران، اس کا فتح ہونا اور ادھر رومی سلطنت بازنطینی سلطنت کا فتح ہونا یہ بالکل ناقابل قیاس بات تھی، کہ کوئی اتنی بڑی رومی سلطنت کو شکست دے سکتا ہے، ادھر ایران کی سلطنت کا یہ حال تھا کہ ہندوستان کی سرحدوں تک پہنچی ہوئی تھی سارا ایران، سارا عراق اس کے ماتحت تھا یہ ساری ناقابل قیاس باتیں اور ناممکن عمل باتیں اور ناقابل تصدیق باتیں صرف اس وجہ سے ظہور میں آئیں کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے یہ تسلیم کرلیا اور اس بات کی تصدیق فرمائی اور قبول فرمالیا کہ اس امت کے ذریعہ دنیا میں عبادت کا سلسلہ جاری رہے گا اور امت خود عبادت کرے گی اور دوسروں کو عبادت کی دعوت دے گی تو جو کچھ مسلمانوں کو ملا آج صاف میں کہتا ہوں کہ ابھی آپ نے جو مغرب کی نماز پڑھی یہ بھی بدر کا نتیجہ اور برکت ہے یہ ابھی اتنے مسلمان جمع ہوگئے ایک دعوت پر اور ایک تبلیغ کے اجلاس پر، تبلیغی دعوت پر، یہ سب اس سے بڑھ کر لیا، یہاں سے لے کر ہر سال جو حج ہوتا ہے لاکھوں مسلمان جمع ہوتے ہیں منیٰ وعرفات میں اور یہ طواف اور پھر صفا ومروہ کی سعی یہ ساری کی ساری چیزیں، جو کچھ ہے، جو مسلمان جہاں بھی ہے بلکہ جو مسلمان اطمینان سے کھانا کھالیتا ہے، آج آپ سے میں صفائی سے کہتا ہوں کہ میں نے اور آپ نے جو آج کھانا کھایا ہے دوپہر کا اور انشاء اللہ جو آج کھائیں گے اور جو اس وقت چاروں

وقت کی نماز پڑھی ہے اور ان شاء اللہ پانچویں نماز پڑھیں گے، سب فتح بدر کا نتیجہ ہے اور سب فتح بدر کی برکت سے آپ کو ملا ہے، ورنہ کوئی صورت نہیں تھی اور کتنے ادیان ہیں جن کو آپ دیکھئے اگر آپ تاریخ پڑھیں تو آپ کو معلوم ہوگا کہ کوئی مذہب سو برس رہا، کوئی پچاس برس رہا اور کوئی اس سے بھی کم رہا یا محرف ہو گیا۔ دین جو آج تک باقی ہے صرف یہ نہیں کہ باقی ہے۔ اور کوئی ردو بدل نہیں ہوا اور اپنی اصل شکل میں باقی ہے۔ اپنی خصوصیات کے ساتھ باقی ہے اپنے عقائد کے ساتھ باقی ہے اپنے فرائض و عبادات کے ساتھ باقی ہے ذکر اللہ کے ساتھ باقی ہے او صلوۃ النبی کے ساتھ باقی ہے اللہ کی اطاعت اور فرمانبرداری اور اس کے ساتھ محبت اور رشتہ رسول کے ساتھ باقی ہے اور یہ حق کی حمایت کے جذبے کے ساتھ باقی ہے اور باطل کا مقابلہ کرنے کے جوش کے ساتھ باقی ہے اور یہ امت معروف کو معروف سمجھتی ہے منکر کو منکر سمجھتی ہے اور نفس و شیطان اور الٰہی فرمان کے فرق کو سمجھتی ہے۔ اور اس دنیا میں کہیں اس کا وجود نہیں ہے اللہ تبارک وتعالیٰ کی کتاب قرآن مجید کا یہ معجزہ ہے سورہ فاتحہ جو سب سے زیادہ پڑھی جانے والی سورت ہے اس صورت کے آخر میں آتا ہے۔

"اھدنا الصراط المستقیم صراط الذین انعمت علیھم غیر المغضوب علیھم والاالضالین"

اب مسلمانوں کے بعد جو مذاہب رہ جاتے ہیں جہاں تک آسمانی مذاہب کا تعلق ہے تو دو سب سے بڑے مذہب ہیں جو اس وقت تک دنیا میں باقی ہیں ایک یہودیت اور ایک عیسائیت، اور ایک کے بارے میں فرمایا المغضوب علیھم اور دوسرے کے بارے میں فرمایا الضالین صرف اس امت کو سیدھی راہ حاصل ہے کہ بدر کی فتح ہوئی بدر میں یہ سب حضرات فتح یاب ہوئے اور ان میں سے اکثر صحیح و سالم مدینہ تک پہنچ گئے اور وہاں جا کر انہوں نے یہ الفاظ دہرائے۔

"الا تفعلوہ تکن فتنة فی الارض فساد کبیر"

اس چھوٹی (اقلیت سے جو بقامت کہتر بقیمت بہتر تھی آپ خیال تو کیجئے کس سے کہا جا رہا ہے "الا تفعلو تکن فتنہ الارض فساد کبیر" اے مسلمانوں اور مٹھی بھر مسلمانو! اے مکہ معظمہ سے آئے ہوئے مہاجرو اور جنہوں نے اسلام قبول کیا ہے فتح خیبر کے انصاریو!

اگر تم لوگ دنیا میں کفر وشرک کا مقابلہ کرنے کیلئے اور دنیا سے ضلالت مٹانے کیلئے، دنیا میں ہدایت پھیلانے کیلئے، دنیا والوں کا سر اللہ کے سامنے جھکانے کیلئے دنیا کو سچائی اور اخلاق حسنہ پر عمل کرنے کے لئے اور نفس پرستی اور شہوانیت اور شیطانیت ان سب سے بچانے کیلئے اگر تم نہ کھڑے ہوئے اور اگر اس کیلئے تم نے کمر نہ باندھی ''تكن فتنة في الارض و فساد كبير'' تو دنیا میں ایک فساد عظیم برپا ہوگا میں نے مکہ معظمہ میں عربوں کو خطاب کرتے ہوئے کہا آپ بقامت کہتر بقیمت بہتر ہیں آپ ہی کے اسلاف تھے جو مٹھی بھر تھے اس کی تعداد تھی بخاری شریف سے معلوم ہوتا ہے کہ تین مرتبہ مسلمانوں کی مردم شماری ہوئی تو کسی میں چند سو نکلے اور پھر اخیر دو ڈھائی ہزار یا اس سے کم وبیش اتنی چھوٹی تعداد نکلی لیکن یہ بقامت کہتر بقیمت بہتر تھے یعنی قد وقامت کے لحاظ سے، اپنی تعداد کے لحاظ سے مٹھی بھر تھے لیکن اپنے مقصد کے لحاظ سے، اپنی افادیت کے لحاظ سے، اپنے اعمال کے لحاظ سے وہ بقیمت بہتر تھے تو آپ یہ بھی سمجھ لیجئے کہ آج بھی دنیا میں بقامت کہتر بقیمت بہتر ہیں لیکن بقیمت بہتر کہاں سے یہ صفت پیدا ہوگی اسلام پر عمل کرنے سے، عبادت وسیع معنی میں جس کو عربی میں اور قرآن وحدیث کی اصلاح میں عبادت کہتے ہیں ہمارے یہاں کس کو کہتے ہیں ذرا سی دعا مانگ لی اور نماز پڑھی لی ایک دو رکعت، بھی ہم نے عبادت کی، عرب میں عبادت کا مفہوم بہت وسیع ہے اس میں سارے احکام الٰہی آجاتے ہیں، اور جیسے میں کہا کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ''اعوذ بالله من الشيطان الرحيم بسم الله الرحمن الرحيم. ياايها الذين آمنو الدخلو في السلم كآفته ولا تتبعو خطوات الشيطان '' اے ایمان والو! اللہ کے ساتھ صلح اور اطاعت پر پورے کے پورے داخل ہو جاؤ یعنی سو فیصد مسلمان ہو جاؤ سو فیصدی اسلام میں داخل ہو جاؤ، اس میں پچاس فیصدی، ساٹھ فیصد کی کوئی تقسیم نہیں نہ مسلمانوں میں اس کی گنجائش ہے اور نہ اس کی اجازت، نہ اس کا کوئی جواز ہے مسلمان ساٹھ فیصدی یا پچاس فیصدی دین پر چل رہے ہیں نہیں یہ بالکل کافی نہیں ادخلو في السلم كآفة پورے کے پورے سو فیصدی داخل ہو جاؤ اور پھر یہی نہیں کہ داخل ہونے والے سو فیصدی نہیں جس پر داخل ہو رہے ہیں اور جس نظام کی اطاعت کو قبول کر رہے ہیں اور جس آئین خداوندی کو قبول کر رہے ہیں اور جس دین میں داخل ہو رہے ہیں اس کے سو فیصدی حصہ میں داخل ہوں یہ نہیں مسجد میں پاؤں تو رکھ دیئے اور جسم

باہر، تو آج میں آپ یہ کہوں گا اس موقع سے فائدہ اٹھاتے ہوئے اور اس درس سے کہ کہیں خدا کے یہاں باز پرس نہ ہو کہ تمہیں ایک ایسا موقع ملا اپنے اتنے بھائیوں سے بات کرنے کا، اور وہ توجہ سے سن رہے تھے ان مخلصین کی برکت سے جنہوں نے اس پر پہلے تقریریں کیں اور جنہوں نے اس جلسہ کو بلوایا ان سے کہ دین کو پورے عقائد کے ساتھ، فرائض وعبادات کے ساتھ اور اس کیساتھ اپنے معاشرے کے ساتھ پورے اسلامی معاشرے کے ساتھ اس کے اصول کیساتھ، اس کی سادگی کے ساتھ، اور اس کی پابندیوں کے ساتھ، اور اس پر جو حقوق ہیں جنہیں ان حقوق کے ساتھ قبول کرنا ضروری ہے یہ نہیں کہ فرائض پنجگانہ کے تو آپ بھی قائل ہیں اور عامل بھی ہیں اور پانچ وقت کی نماز بھی پڑھتے ہیں لیکن شادی میں نہ بولئے یہ شادی جو ہے شادی کا معاملہ ایک ذاتی معاملہ ہے، خاندانی معاملہ ہے، اس میں تو پہلے حیثیت عرفی دیکھی جاتی ہے کہ کیا اس کی (Soial position) سماجی پوزیشن ہے فرض کیجئے کہ کسی نے لاکھ روپیہ خرچ کر دیا تو اس اس کا دین سے کیا تعلق یہ تو عرف کی چیز ہے عرف کے معنی فقہ کی اصلاح اور اصول فقہ کی اصلاح میں لغت بھی بہت وسیع معنی ہیں تو یہ عرف چیز ہے یہ تو جس ملک میں ہم رہتے ہیں اور جس آب وہوا میں رہتے ہیں اور جس ماحول میں رہتے ہیں یہ اس کا خیال کرتے ہوئے اور اس کا احترام کرتے ہوئے اور اس کو ضرورت سمجھتے ہوئے ہم کرتے ہیں ان چیزوں میں آپ دین اجراء کرنے لگتے ہیں دینی نقطہ نظر سے اور دین کا حکم بیان کرنے لگتے ہیں یہ شادی ہے بھی اس میں آدمی کو آزاد چھوڑ دیجئے۔

ہر جگہ مانگا جاتا ہے اور مطالبہ کیا جاتا ہے جہیز کا مسلمان بھی اگر مانگے تو اس میں کیا حرج ہے یہ تو ایک بالکل خاندانی چیز ہے اور عرفی چیز ہے اور ماحول کی چیز ہے نہیں اس کی اجازت نہیں دی جا سکتی عقائد سے لے کر اخلاق ومعاملات اور معاشرت اور باہمی تعلقات تک اور تجارت وزراعت تک سب میں اللہ کے احکام کی پیروی کرنا ضروری ہے اور یہ امت جو چھوڑی گئی ہے کہ جب اللہ کے رسول نے فرمایا ’’**اللھم ان تھلک ھذا العصابة لا تعبد**‘‘ میں نے سیرت کی بعض کتابوں میں دیکھا ’’لاتعبد ابدا‘‘ تک حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور پھر اللہ کے جلال سے اللہ تبارک وتعالیٰ کی شان استغناء سے، اللہ کی عظمت سے، آپ سے زائد کون واقف ہوسکتا ہے؟، لیکن آپ کی زبان سے یہ الفاظ نکلے، آپ دیکھئے کہ یہ الفاظ جو انسان

کوششدر بنا دینے والے اس کے قیاس وقوت قیاسیات کو بالکل ماؤف کردینے والے الفاظ ہیں اگر یہ صحیح سیرت کی کتابوں میں نہ آتے اور حدیث کی کتابوں میں نہ آتے تو کوئی ہمت نہیں کرسکتا تھا کہ اس کو اس طرح بیان کرسکتا بس میں یہ کہنا چاہوں گا کہ اس امت کو اس بنا پر وقت دیا گیا ہے اور اس کی زندگی کی مہلت دی گئی ہے اس کو سب سہولتیں دی گئی ہیں اور اس کیلئے نصرت الٰہی آسمان سے بار بار آئی ہے اور آج بھی اللہ تعالیٰ حفاظت فرما رہا ہے اس امت کی، باوجود اس کے کہ آپ کو معلوم نہیں کہ اسرائیل امریکہ کے اتحاد سے ایسا منصوبہ تیار ہے جو بالکل نسل کشی کیا، ہر ملک کو اسپین بنا دینا اور مسلمانوں کے دلوں سے اسلام کی حمیت کیا حمیت تو بڑی چیز ہے دین کی محبت کو نکال دینا اور دین پر فخر کرنے کے جذبہ کو نکال دینا چاہتا ہے جس کے لئے سب پلان بنا ہوا ہے، آبادی کو کنٹرول کرنے اور خواتین کے فلاح و بہبود کے مسائل کو بہانہ بنا کر پوری انسانیت کے خلاف سازش کی جارہی ہے اس وقت بھی یہ امت موجود ہے اور انشاء اللہ موجود رہے گی، قیامت تک موجود رہے گی یہ اس بنا پر کہ اللہ تعالیٰ نے اس بات کو تسلیم کرلیا اپنے رسول کی زبان سے جو لفظ نکلا تھا لاتعبد، کہ اس امت کو آپ نے فنا کردیا، اس دنیا سے اس کا نام و نشان مٹ گیا اور ان ایک ہزار کو ان تین سو تیرہ پر جو اس دنیا میں ہمیشہ ہوتا رہا ہے اور عقل بھی، تجربہ اور قیاس بھی اور ریاضی بھی اور فن جنگ سب کا تقاضا یہی ہے کہ یہی نتیجہ نکلے لیکن اس کے بالکل برخلاف اگر اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ ان تین سو تیرہ کو ایک ہزار پر فتح ہوئی تو یہ اس بناء پر کہ اللہ تعالیٰ نے اس بات کی تصدیق کی اور اس کو مان لیا کہ عبادت کا رشتہ اس امت کے ساتھ بندھا ہوا ہے۔ اس امت کے ساتھ عبادت کا رشتہ باندھ دیا گیا ہے یہ خود عبادت کریں اور دنیا کو عبادت کی دعوت دیں، میں زیادہ وقت نہیں لوں گا کہ بیمار و کمزور ہوں۔

تو میرے بھائیو! میں آپ سے کہنا چاہتا ہوں کہ ہمارے اور آپ کی بقا کیلئے ہمارے اور آپ اس وقت جو ہم بیٹھے ہیں اس کو بھی میں کہتا ہوں اس مجمع کو بھی شامل کرتا ہوں، پرسوں جمعہ آئے گا جہاں جہاں جمعہ کی نمازیں ہوں گی پھر حج کا زمانہ بھی انشاء اللہ آئے گا، انشاء اللہ مسلمان حج کریں گے، آج آپ دنیا میں جو سفر کرتے ہیں اور مسافتیں طے کرتے ہیں اور عہد لیتے ہیں بہر حال آپ کو زندگی کی آزادی حاصل ہے یہ سب صدقہ ہے، سب طفیل ہے اس کا کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ بات تسلیم کرلی اور اس کو قبول کرلیا

کہ عبادت الٰہی اس امت کے ساتھ وابستہ ہے آپ میں سے ہر ایک بادشاہ ہو جائے، ہر ایک قارون ہو جائے اپنے وقت کا ہر ایک ہامان وفرعون ہو جائے، معاذ اللہ اور آپ کچھ بن جائیں آپ میں سے ہر ایک اسکالر بنیں، بڑے اسکالر بنیں، بڑے انجینئر بنیں، بڑے سائنس دان بنیں، بڑے میکنک بنیں، یہاں تک کہ آپ جمہوریتوں کے صدر ہو جائیں اور کہیں کے وزیر اعظم ہو جائیں یہ آپ کے باقی رہنے زندہ رہنے کیلئے اللہ تبارک وتعالیٰ کے یہاں بالکل کافی نہیں اور یہ کوئی استحقاق نہیں اور اس کے لئے کوئی استحقاق پیدا نہیں ہوتا آپ کے زندہ رہنے کا عزت سے رہنے کا اور اپنی نسل کو آگے بڑھانے اور اپنے دین وفرائض کو ادا کرنے کا ان سب کا آپ کو وقت ملا ہے یہ سب صدقہ ہے نتیجہ ہے اس کا اللہ تبارک وتعالیٰ نے یہ بات تسلیم کر لی اور قبول فرما لیا اپنے نبی محبوب کو کہ سب کچھ ہوگا اے اللہ تیرے تمام کارخانے ویسے ہی رہیں گے مگر ایک عبادت کا کام صرف یہی امت کرنیوالی ہے اب اس امت کی ذمہ داری کتنی بڑھ جاتی ہے۔ تبلیغ ودعوت اصل میں اسی کی یاد دہانی ہے اور اس کی تشریح ہے اور اسی متن کی تشریح ہے کہ اس امت کا سب سے پہلا فریضہ جس سے اس کو زندگی کا استحقاق پیدا ہوتا ہے کہ زندگی کا استحقاق ہی اس پر منحصر ہے کہ آپ اللہ کی عبادت خود کریں اور دوسروں کو دعوت دیں یہ میں کہتا ہوں آج یورپ امریکہ سب محتاج ہیں آپ ان کو اللہ کی عبادت کی دعوت دیں یہ لوگ دنیا کی تنگی میں ہیں ان کے فیشن، ان کے معبود بن گئے ہیں ان کی روایات (Eitsion) Kitesion) اٹیشن ان کے معیار اسٹینڈرڈ یہ ساری چیزیں ان کے معبود بن گئے ہیں کہ بغیر اس کے یہ زندگی گزار ہی نہیں سکتے ان کو آپ بتائیں کہ آزادی کیا ہوتی ہے۔ حقیقی آزادی کیا ہوتی ہے زندگی کا لطف کس چیز میں ہے۔ یہ یورپ امریکہ چاہے کتنے بڑے سرمایہ دار ہوں کتنی بڑی یہ فوجی طاقت رکھتے ہوں اور کتنی ترقی کی ہو علم وفن میں، تہذیب میں اور سائنس میں یہ سب کے سب اپنے نفس کے غلام ہیں، اپنے آلات کے غلام ہیں اور اپنے ہی قانون اور اپنے ہی خودساختہ قوانین کے یہ فیشن کیا فیشن تو اپنا بنایا ہوا ہے کہ اچھا صاحب کل سے یہ فیشن ہوگا۔ اور جو معمولات ہیں دن رات کے ان کے ایسے غلام ہیں کہ جیسے کوئی آزاد مرد کسی کا غلام کا، کسی آزاد کا غلام ہو جائے، آپ کا اور ہمارا فریضہ ہے کہ دینی اسلامی، اور ایمانی فرض ہے، انسانی فرض ہے، اخلاقی فرض ہے، کہ ہم ان کو بھی دنیا کی تنگی اور دنیا کی کال کوٹھری سے تعبیر کرتا ہوں

صاف کہتا ہوں کہ آپ کی دنیا کال کوٹھری سے ایسے غلام کو نکال کر دنیا کی وسعتوں میں لائیں اور دنیا کی کھلی فضاء میں ہوا کھلائیں اور ان کو بتائیں کہ آزادی کیا ہوتی ہے۔ اس امت کے باقی رہنے سے آج جو ہم اور آپ باقی ہیں گویا یہ ایک سے لئے اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک پیشتہ سا ہے کہ وہ اس امت کا فرد ہیں جس کی وجہ سے دنیا میں عبادت ہو رہی ہے۔ اور دنیا میں عبادت کی دعوت بھی دی جا رہی ہے، عبادت کی دعوت قیامت تک دی جاتی رہے گی بس اگر ہم زندگی چاہتے ہیں اور عزت چاہتے ہیں اور آخرت میں سرخروئی چاہتے ہیں اور اللہ تبارک وتعالیٰ کی نعمتیں چاہتے ہیں اور اپنے نبی کی خوشنودی اور مسرت چاہتے ہیں تو عبادت کو اپنے ساتھ اتنا مربوط کر لیں کہ ہم جہاں ہوں اللہ کے دین کے داعی ہوں خود عمل کرنے والے ہوں اور دوسروں کو عمل کرنے کی دعوت دینے والے ہوں اللہ تبارک وتعالیٰ ہم کو آپ کو اور سب کو اس کی توفیق دے (آمین)

وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین

قرآن کریم میں عورتوں کا مقام

صحیح معاشرہ کی تشکیل میں عورتیں کیا اہم رول ادا کرسکتی ہیں...!

ذیل کا مضمون حضرت مولانا رحمۃ اللہ کی وہ اہم تقریر ہے جو ۱۹ دسمبر ۹۶ء کو مدرسہ خدیجۃ الکبریٰ کے جلسہ میں جس میں طالبات کے علاوہ خواتین کی بہت بڑی تعداد موجود تھی فرمائی، حضرت مولانا نے قرآن کریم میں عورتوں کو جو درجہ دیا گیا ہے اور اللہ تعالیٰ نے مردوں کے ساتھ عورتوں کو جو مرتبہ عطا کیا ہے، اس پر تفصیل سے گفتگو فرماتے ہوئے خواتین اسلام کے علمی کارناموں اور دینی خدمات پر روشنی ڈالی اور فرمایا کہ خواتین خدمت اور اصلاح معاشرہ میں اہم رول ادا کرسکتی ہیں، یہ تقریر ایسی ہے کہ پمفلٹ کی شکل میں زیادہ سے زیادہ خواتین تک پہونچائی جائے، اور ہماری مائیں، بہنیں اس کو پڑھیں اور اپنی قسمت پر ناز کریں خصوصاً اس ماحول میں جبکہ یہ کہا جارہا ہے کہ اسلام میں عورتوں کو بہت کم حصہ دیا گیا ہے۔

الحمد لله نحمده و نستعينه و نستغفره و نو من به و نتو كل عليه و نعو ذ بالله من شر ر انفسنا و من سيأت اعمالنا من يهده الله فلا مضل له و من يضل الله فلا هادى له ونشهد ان لا اله الا الله وحد ه لاشريک له و نشهد ان سيد نا ومولانا محمد ا عبده و رسوله صلى الله تعالىٰ عليه و على آله واصحابه اجمعين اما بعد فاعو ذ بالله من الشيطان الرجيم بسم الله الرحمن الرحيم.

"من عمل صالحا من ذكر أ و انثىٰ وهومو من فلنحيينه حيوة طيبة ولنجز ينهم اجرهم باحسن ما كانو يعملون"

حضرات: قاری صاحب نے جو آیت تلاوت کی ہے وہ ذہن کو بہت متوجہ کرنے والی ہے اس میں اللہ تعالیٰ نے عمل صالح کے تذکرہ میں مرد اور عورت کا الگ الگ تذکرہ کرتے ہوئے توجہ دلائی ہے، اس طرح عورت کو بھی اسی توجہ کا مستحق دکھایا ہے، جس کا مرد کو عمل صالح کا جو فائدہ بتایا ہے، وہ بہت عظیم ہے، عمل صالح کا فائدہ یوں تو سب کو معلوم ہے اور اس کا ذکر بھی

سب کرتے ہیں، لیکن اس آیت میں جو فائدہ بتایا گیا وہ اپنی خاص نوعیت واہمیت رکھتا ہے. جو بہت اہم ہے لیکن اس کی طرف اس آیت کے پڑھنے والوں کا ذہن عموماً کم گیا ہے، گذشتہ زمانے سے لے کر اس وقت تک کتنے حفاظ گزرے ہیں، اور حافظوں کو قرآن حفظ یاد ہے اور ہوگا اور عالموں نے اس کی تفسیر بیان کی ہے لیکن بہت کم اس پر غور کرنے کی نوبت آئی کہ اس میں کتنی بڑی بشارت سنائی گئی ہے وہ یہ کہ اس آیت میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ جو بھی نیک کام کرے گا۔ (**من یعمل من الصالحات**) مرد ہو یا عورت (**من ذکر او انثی**) **فلنحیینہ حیوۃً طیبۃً** ہم اس کی ضرور اچھی زندگی گزروائیں گے۔

یہ سب ساری دوڑ دھوپ دنیا میں جو ہو رہی ہے، امریکہ سے لے کر انڈونیشیا تک ہماری اسلامی دنیا میں مراکش سے لے کر شمالی افریقہ پھر، یمن، انڈونیشیا اور ملیشیا تک سب کا حاصل یہ ہے کہ اچھی زندگی کیسے حاصل ہو، اس کے لئے کیا کوشش کی جائے، اور اس کے کیا اسباب اور کیا ذرائع ہیں اور کس طرح یہ دولت حاصل کی جائے، آپ دیکھیں گے کہ پرائمری اسکولوں سے لے کر یونیورسٹیوں تک، یونیورسٹیوں کے بعد خاص مضمون کی بڑی جو یونیورسٹیاں، جامعات اور بڑی اکیڈمیاں ہیں جو غور وفکر کرنے کے لئے ہی بنائی اور قائم کی گئی ہیں اور بڑے بڑے مصنفین ہیں ان سب کا جو مشترک موضوع ہے وہ یہ کہ ایسی زندگی کیسے حاصل ہو، یہاں تک کہ سیاست اور انتخابات اور جمہوریت اور صحافت، یہ ساری چیزیں بھی اس کی معاون ہیں، کم سے کم یہ کہ وہ اس کا اعلان کرتی ہیں کہ ہم اس کا راستہ دکھائیں گے، رہنمائی کریں گے۔

اچھی زندگی کی ضمانت

اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں ایک بہت بڑی بشارت سنائی ہے، ''**من یعمل من الصالحات**'' جو اچھے کام کرے گا، اور اس کی بنیادی شرط یہ ہے کہ وہ اللہ کے حکم کے مطابق ہوں، کام اللہ کی منشاء کے مطابق ہوں اس کے رسولؐ کی منشاء، وفرمان کے مطابق ہوں اور دینی احکام کے مطابق ہوں، پھر آخری آسمانی صحیفہ قرآن مجید کے مطابق تو ہم اس کی اچھی زندگی گزروائیں گے، اس میں دنیا کی زندگی بھی آجاتی ہے، یہ نہیں سمجھنا چاہئے کہ اس میں صرف آخرت ہی کی بشارت دی گئی۔ ''حیوۃ طیبۃ'' جو لوگ عربی جانتے ہیں وہ سمجھ سکتے ہیں کہ یہاں نکر،

کا لفظ ہے، ''الحیٰوۃ طیبۃ'' بھی نہیں کہا گیا ہے، '' فلنحیینہ حیواۃ طیبۃ '' ہم ہر طرح کی اچھی زندگی اس کی گزروائیں گے، یہ ساری کوشش اس بات کی ہو رہی ہے، یہ دوڑ دھوپ، یہ محنتیں اور یہ راتوں کا جاگنا، اور یہ کتابوں پر محنت کرنا، پرائمری سے لے کر یونیورسٹیوں تک پڑھنا پڑھانا اور پھر اس کے بعد ڈگریاں حاصل کرنا، کوئی انجینئرنگ کا راستہ اختیار کرتا ہے اور کوئی ادب اور لٹریچر کا راستہ اختیار کرتا ہے، سب کا مشترک مقصد اور ہدف و نشانہ یہ ہے کہ اچھی زندگی حاصل ہو۔

اور کیا آدمی چاہتا ہے کہ بڑی تنخواہ ہو، رہنے کیلئے اچھی بڑی کوٹھی اور سواری کے لئے اعلیٰ درجہ کی موٹر اور ہوائی جہازوں پر سفر کرنا اور پھر اس کے بعد سیاست میں آنے تو وزیر اعظم بن جانا اور پھر پارلیمنٹ کا ممبر بن جانا، سب اس لئے کیا جاتا ہے کہ ہم آرام اور سکھ کی زندگی گذار سکیں، اس کو سکھ کہتے ہیں، یہ ایک عام لفظ ہے اور بہت وسیع کہ ہم سکھی ہوں دکھی نہ ہوں، ہم سکھ کی زندگی گذار سکیں، اللہ تبارک وتعالیٰ نے اس کی ضمانت لے لی ہے، اور فرمایا ہے کہ اس کا راستہ صرف یہ ہے کہ نیک عمل کرے، ہمارے احکام کے مطابق اگر عمل ہوگا، '' فلنحیینہ '' لام کے ساتھ کہا، جب کہنا ہوتا ہے، عربی میں ایسا ضرور ہوگا، ایسا ضرور کریں گے تو اس کو لنفعلن، لنحیین لنعلمن کے وزن پر استعمال کیا جاتا ہے۔

یہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے حالانکہ اللہ کا قول، فرمان خداوندی ہے، اس میں شک کیا ہو سکتا تھا، لیکن ہمیں اطمینان دلانے کے لئے مردوں اور عورتوں کو اطمینان دلانے کے لئے کہا کہ ہم ضرور اس کی اچھی زندگی گزروائیں گے، اور کیا چاہئے، دنیا میں یہ کس لئے دوڑ دھوپ ہو رہی ہے، کس لئے اپنی صحتیں خطرے میں ڈالی جا رہی ہیں، کس لئے مقابلے ہیں، کس لئے یہ دوڑ دھوپ ہے، سب اسی لئے کہ اچھی زندگی گزرے۔

اب اچھی زندگی کسی نے یہ سمجھ لیا ہے کہ اچھی تنخواہ ہو، حالانکہ اچھی تنخواہ بھی اچھی زندگی گزرنا ہرگز یقینی نہیں، لاکھوں مثالیں دی جا سکتی ہیں، کہ اچھی بڑی تنخواہ ہے، لیکن زندگی اچھی نہیں، یا صحت خراب ہے، یا آپس میں نا اتفاقی ہے، یا اطمینان قلبی نہیں ہے، کوئی ڈر لگا ہوا ہے، یا کوئی خطرہ ہوا ہے، یا کوئی ایسا مرض ہو گیا ہے، کوئی عارضہ ہو گیا ہے، کچھ ہو گیا ہے، وہم ہونے لگا ہے، یا صحت میں بھی خرابی آ گئی ہے کہ بڑی تنخواہ، بڑی کوٹھی، شاندار موٹر سب ہے، اولاد ہے، لیکن مزہ نہیں آ رہا ہے، زندگی میں۔

نعمت، جس کو زندگی کی نعمت کہتے ہیں وہ حاصل نہیں ہو رہی ہے، تو یہ بات بہت سوچنے کی ہے، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ جو ہمارے احکام پر عمل کرے گا، ہماری شریعت پر عمل کرے گا، ہمارے رسولؐ کے فرمانوں پر عمل کرے گا، نہ وہ دیکھے گا کہ رسموں میں کیا ہوتا ہے، نہ یہ دیکھے گا کہ کون سی چیز بڑے فخر کی سمجھی جاتی ہے، کس بات پر تعریفیں ہوتی ہیں، کس بات میں عزت ملتی ہے، کس بات میں دولت ملتی ہے، کوئی اس کا خیال نہیں کرے گا، کوئی اس کا خیال نہ کرے صرف یہ کہ اللہ اور اس کے رسولؐ کا حکم ہے کہ شادی بیاہ کس طرح ہونا چاہئے، بچوں کی پرورش کیسے کرنی چاہئے، گھر میں کس طرح کی زندگی رائج کرنی چاہئے، نمازوں کی پابندی ہو، پردہ ہو، حیا و شرم ہو، ایک دوسرے کا احترام ہو، بڑے کو بڑا سمجھا جائے، چھوٹے پر شفقت کی جائے، غرور نہ ہو، تعلّی نہ ہو، اسراف و فضول خرچی نہ ہو، ناجائز رسمیں نہ ہوں، اور یہ دوسروں کو خوش کرنے کے لئے اللہ کو ناراض کرنا بالکل آسان سمجھا جائے یہ نہ ہو۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ اگر یہ باتیں نہ ہوں گی تو ہم اس کو ضرور اچھی طرح گزروائیں گے، یقینی میں بھی اور اس کی ہزاروں نہیں لاکھوں مثالیں ہیں، اگر آپ حدیث پڑھیں تو آپ دیکھیں گے کہ جن گھروں میں اور جن خاندانوں میں شریعت کی پابندی کی گئی اور اسلامی زندگی کا جو نمونہ اور سانچہ ہے، اسلامی زندگی کا جو ماڈل ہے، وہ اختیار کیا گیا، رسموں کو نہیں دیکھا گیا، رواج کو نہیں دیکھا گیا، بلکہ یہ دیکھا گیا کہ اللہ اور اس کے رسولؐ کا حکم کیا ہے؟ جن لوگوں، خاندانوں، برادریوں اور جن ملکوں اور جن معاشروں نے اور جس سوسائٹی نے اس پر عمل کیا ان واللہ نے دنیا میں جنت کی زندگی کا مزہ چکھا دیا، اس میں شبہ نہیں، ہم مبالغہ سے نہیں کہہ رہے ہیں، دنیا ہی میں اس کو جنت کی زندگی کا مزہ آ گیا کہ بس معلوم ہوتا ہے کہ ہم جنت میں ہیں، محبت کا دور دورہ ہے، ایک دوسرے کا حق ادا کیا جاتا ہے، یہاں کسی کا حق مارا نہیں جاتا، کسی کو حقارت کی نظر سے دیکھا نہیں جاتا، کوئی فضول بات نہیں کہی جاتی، کوئی ناجائز آمدنی باہر سے نہیں، بس اللہ توکل اور اللہ کا نام لینا، پابندی کے ساتھ نماز پڑھنا، حلال روزی کمانا، حرام کا پیسہ کیا حرام کی پانی بھی گھر میں نہ آنے پائے، جن گھروں میں اس کی پابندی کی گئی ان کے گھر جنت کا نقشہ ہیں، ان گھروں پر بادشاہوں کے محلات اور شاہوں کی کوٹھیاں قربان، ان کے سامنے معلوم ہوتا ہے کہ یہ کوئی جیل خانہ ہے، دیکھنے میں باہر سے کتنی شاندار کوٹھی ہے، بڑی بڑی

دیواریں ہیں، یہ سب ہے لیکن اندر جہنم کی زندگی ہے، بیوی اور شوہر میں محبت نہیں، ماں بیٹے میں محبت نہیں ہے، نہ ماں میں وہ شفقت ہے، نہ بیٹے میں وہ احترام ہے، نہ کسی کمزور پر ترس آتا ہے، نہ کسی غریب کی مدد کی جاتی ہے اور سوائے کھانے پینے اور سوائے فخر وغرور کے اور دکھاوے کے لئے مظاہرہ کرنے کے کوئی اور یہاں کام ہی نہیں ہے۔

تو بھائیو اور بہنو: آپ اس بات کا خیال رکھیں اور یہ اللہ نے موقع دیا ہے کہ مرد عورت دونوں کوشش کر کے اور شریعت کے مطابق زندگی گزار کر اور اللہ کی فرمانبرداری کر کے اور اس کے رسول کی شریعت پر چل کر وہ بڑی سے بڑی ترقیاں حاصل کر سکتے ہیں، اور ترقیاں بھی کیسی روحانی ترقی، یہ ہم خوب سوچ سمجھ کر کہہ رہے ہیں، اس پر بحث ہوتی ہے اس کو پکڑا جاتا ہے، اس پر سوال کیا جاتا ہے کہ یہ کیسے لکھ دیا، اس لئے ہم ایسی بات نہیں کہہ سکتے۔

علمی دنیا میں عورتوں کی خدمات

ہم آپ کو خدا کی قسم کھا کر بتاتے ہیں کہ دین کے احکام پر عمل کرنے سے اور دین کا ضروری علم حاصل کرنے سے اسی پر عمل کرنے سے مستورات نے اسلامی تاریخ میں، اسلامی دنیا میں وہ وہ ترقیاں حاصل کی ہیں، روحانیت کے اس درجہ تک پہونچی ہیں، جس درجہ تک اس زمانے میں ہزاروں نہیں لاکھوں مرد نہیں پہونچنے پائے، آج ہم آپ سے پوچھتے ہیں کیا رابعہ بصریہ کا نام، آپ نے نہیں سنا کہ رابعہ بصریہ کون تھیں، ان کا نام آج لکھنؤ میں یہاں اس محلے میں لیا جا رہا ہے کہ ان کے زمانے کے ہزاروں نہیں لاکھوں آدمی بھی ان کے درجے کو نہیں پہونچے ہوں گے، اور اس کے علاوہ تاریخ پڑھیں اور خود مستورات کی اور مسلمان فاضلات کی اور مسلمان ادیبات کی تاریخیں الگ الگ لکھی گئی ہیں، تو آپ کو معلوم ہوگا کہ علمی حیثیت سے بھی ہماری بہنیں پرانے زمانے میں ایسے درجہ تک پہونچی ہیں کہ تاریخ میں نام آتے ہیں، کہ بڑے بڑے اس زمانے کے علامہ ان سے رجوع کرتے تھے، اس وقت ہم ان کے نام لے نہیں سکتے وہ بہت ہیں اور مجھے سب یاد بھی نہیں۔

اندلس، بغداد اور قاہرہ میں اور حرمین شریفین میں ایسی عورتیں تھیں کہ ان سے لوگ مسئلے پوچھنے جاتے تھے اور عربی لغت کی تحقیق کرنے جاتے تھے، ان سے علمی استفادہ کے لئے جاتے تھے

ان کے نام ہیں، تاریخ کے اندر، ان کے شاگردوں کے نام ہیں، کتنے بڑے بڑے شاگرد ہوئے، تو یہ دولت علم کی دولت مردوں کے ساتھ مخصوص نہیں، مرد وعورت دونوں قرآن کے لئے ہے۔

قرآن کریم میں مردوں کے ساتھ عورتوں کے ذکر کا اہتمام

ہم آپ سے ایک طالب علم اور عربی جاننے والے کی حیثیت سے کہتے ہیں کہ یہ صرف کہہ دینا کافی ہوتا ہے کہ مرد وعورت سب درجے حاصل کر سکتے ہیں لیکن اللہ تعالیٰ جب ذکر کرتا ہے ایسے مراتب کا، تو مردوں کے لئے صیغہ الگ اور عورتوں کے لئے الگ ذکر کرتا ہے، ''ان المسلمین والمسلمٰت والمومنین و المومنت والقانتین والقانتات'' اور ہر لفظ کے ساتھ ایک مرد کے لئے صیغہ ہے، ایک عورت کے لئے، کوئی پوچھے کہ بھئی اتنا کہہ دیا ہوتا کہ ''ومن یعمل من الصالحات من ذکر أو انثی وموٴمن'' نہیں کوئی یہ نہ سمجھے کہ عبادت کی یہ قسم صرف مردوں کے ساتھ مخصوص ہے، عورت اس میں کوئی درجہ نہیں حاصل کر سکتی، روزہ رکھنے میں ان کا ذکر ہے، عبادت کرنے میں ان کا ذکر ہے، اور اللہ کی یاد کرنے میں ان کا ذکر ہے، ''واللہ والذکرین اللہ کثیرا والذکرات'' اللہ کا ذکر کرنے میں الذاکرین مذکر کا صیغہ بھی استعمال کا گیا ہے اور موٴنث کا بھی، اس لئے کہ دوسرے مذاہب کی تاریخ ان کی کتابیں بتاتی ہیں کہ وہاں بہت سے کمالات اور بہت سی صفات صرف مردوں کے لئے مخصوص کر دی گئی ہیں اور یہ بات دماغ میں بیٹھی ہوئی تھی اور ایک بالکل بدیہی بات سمجھی جاتی تھی کہ یہ صرف مردوں کا کام ہے عورت اس میں ہاتھ نہ لگائے، وہ ترقی نہیں کر سکتی ہے، اس کو اس سے کوئی بڑا امتیاز نہیں حاصل ہو سکتا ہے، لیکن قرآن میں ایک ایک عبادت کے ساتھ، عبادت کی ایک ایک قسم کے ساتھ مردوں کے لئے الگ لفظ اور الگ صیغہ ہے اور عورتوں کیلئے الگ صیغہ ہے۔

قرآن مجید میں عورتیں کے نام سے مستقل ایک سورۃ

اور پھر دیکھئے اس سے بڑھ کر اور کیا بات ہو سکتی ہے کہ قرآن مجید کی بڑی سورتوں میں سے ایک سورۃ کا نام ہی عورتوں کے نام پر رکھا گیا ہے ''سورۃ النساء'' کیا ہندو مذہب کا کوئی جاننے والا بتائے گا کہ اس کے مذہب میں اور اس کی کسی مقدس کتاب میں عورتوں کے نام سے کوئی لکھی ہو یا اس کے عنوان سے ذکر ہو۔ لیکن جہاں پر ایک سورۃ سورۂ بقرہ ہے سورۂ آل عمران

اور پھر ساری سورتیں قرآن مجید کی ہیں وہیں ایک سورۃ النساء بھی ہے۔ اور پہلے دن سے اس وقت تک اس کا نام چلا آرہا ہے اور یہ عورتوں کیلئے ہے ترقی اور علم دین حاصل کرنے اور دین میں ترقی اور اس میں امتیاز پیدا کرنے اور اللہ تعالیٰ کی رضامندی حاصل کرنے اور اس کے یہاں اونچا مقام حاصل کرنے اور اللہ کا مقبول بندہ اور بندی بننے کی پوری پوری صلاحیت اور پورے امکانات اور پہلی صدی سے لے کر اس وقت تک موجود ہیں اور آج بھی ایسا ہوسکتا ہے۔

ہندو مذہب میں عورتوں کی دینی خدمات

اور آپ حضرات ہندوستان ہی کی تاریخ پڑھیں تو آپ کو معلوم ہوگا کہ یہاں کتنی بیویوں نے قرآن کی تعلیم اور دینیات کی ترویج اور بدعات کی تردید اور سنتوں کی اشاعت کا کام کیا ہے ایک شاہ ولی اللہ صاحب کے خاندان کو دیکھئے کہ وہاں ایسی بیبیاں گزری ہیں کہ جنھوں نے دہلی میں اور بعض مرتبہ دہلی کے باہر بھی ان کا فیض پہنچا اور کم سے کم یہ کیا کم بات تھی کہ ان کی آغوش تربیت میں ان کی گود میں شاہ عبدالقادر پیدا ہوئے، شاہ رفیع الدین پیدا ہوئے شاہ عبدالعزیز پیدا ہوئے یہ ان کی گودوں میں پیدا ہوئے تھے اور پھر ہمارے یہاں اودھ میں دیکھئے کیسی کیسی بیبیاں پیدا ہوئیں میں ایک چھوٹی سی مثال دیتا ہوں کہ حضرت سید احمد شہید رائے بریلی میں پیدا ہوئے وہاں کے خاندان میں ہی نہیں بلکہ ان کا فیض سارے ہندوستان میں پہنچا۔ ان کے ہاتھ پر ۲۵،۳۰ ہزار آدمی مسلمان ہوئے اور ۳۰ لاکھ کے قریب لوگوں نے ان کے ہاتھ پر بیعت اور توبہ کی ان کے حالات میں لکھا ہے کہ دیکھنے اور سننے میں تو بہت معمولی بات معلوم ہوتی لیکن دیکھئے کس درجہ کی کتنی اونچی بات ہے کہ ایک مرتبہ ایسا ہوا کہ ان کی والدہ صاحبہ نماز پڑھ رہی تھیں اور ان کی دائی بیٹھی ہوئی تھی کہ ایک دم سے کوئی آدمی گھر میں آگیا گھر میں اس آدمی نے کہا کہ دو فرقوں میں فساد ہوگیا اور لڑائی ہورہی ہے اور آپ کو جہاد کیلئے دعوت دی آپ تیار ہوئے ماشاء اللہ آپ جوان تھے اور بہت ورزشیں کئے ہوئے اور بہت پھرتیلے تھے دائی نے کہا نہیں نہیں یہ نہیں جاسکتے عمر بھی اس وقت شاید ۱۲،۱۴ برس کی رہی ہوگی والدہ خوب سمجھتی اور جانتی تھیں کہ وہاں جاکر شہادت کی خبر آسکتی ہے ہم یہیں بیٹھیں ہیں کہ معلوم ہوا کہ شہید ہوگئے یا زخمی ہوکر واپس لائے جاسکتے ہیں تو دائی نے روک دیا اور والدہ صاحب نے

جب سلام پھیرا حیرت کی بات ہے کہ انہوں نے کہا بی بی تم نے کیوں روکا تم نے اس سعادت سے کیوں محروم رکھا ہمارے بیٹے کو جانے دینا چاہئے تھا یہ جہاد کا معاملہ تھا اب آپ بتایئے کہ کس درجہ کا کیسا یقین وایمان ہوگا اس خاتون کے اندر اور وہ علم دین سے کتنی واقف ہوں گی اور پھر کتنا اس کے اندر ایثار وقربانی کا جذبہ ہوگا کہ اپنے بیٹے کو خطرے میں ڈالنے کیلئے تیار اور دائی جس کا ایک عارضی خادمانہ رشتہ ہوتا ہے وہ روکے مگر دودھ پلانے والی اور اس کو وجود میں لانے والی شفیق ماں یہ کہے کہ نہیں ان کو جانا چاہئے تھا ایسی سیکڑوں ہزاروں مثالیں آپ کو ملیں گی۔ یہ سب کے بیان کرنے کا موقع نہیں۔ آپ کو بہت سے ایسے انشاء اللہ ملیں گے علماء فضلاء اور دین کے داعی وخدمت کرنیوالے کہ ان سے آپ اگر یہ پوچھیں کہ آپ کی یہ حالت کیسے ہوئی آپ اس درجہ تک کیسے پہنچے، آپ کی یہ سیرت کیسے بنی تو ان میں سے بہت سے کہیں گے کہ ہماری ماں نے ہماری ایسی ہی تربیت کی تھی، اور امید ہے کہ مجمع میں بھی ایسے لوگ بیٹھے ہوں گے جو اپنی ماں کے ممنون واحسان مند ہوں گے۔ اور ہم شہادت دے سکتے ہیں کہ ہمیں ہماری ماں نے جھوٹ بولنے سے روکا، ہماری ماں نے ہم کو حق تلف کرنے سے کسی پر زیادتی کرنے سے کسی پر ہاتھ بڑھانے سے روکا ہم اپنی ماں کو دیکھتے تھے ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ ہم نے تو جب سے ہوش سنبھالا ہے اور ہمیں یاد ہے کہ ہم نے اپنی والدہ صاحبہ کو تہجد پڑھتے ہوئے دیکھا ہے معلوم ہوا کہ نماز تہجد نہیں چھوٹتی ہے اور ہم فخر یہ نہیں کہتے لیکن عرض کرتے ہیں کہ ہمارے بچپن میں ہمارے چھوٹے سے خاندان میں چار گھر رہے ہوں گے تکیہ پر یہ سوال کیا گیا کہ کیا عورتیں تراویح پڑھ سکتی ہیں اور کیا عورتوں کی تراویح باجماعت ہو سکتی ہے۔ تو علماء فرنگی محل نے یہ فتویٰ دیا کہ اگر عورت امام ہو اور عورتیں ہی مقتدی ہوں تو جماعت کرنے میں کوئی حرج نہیں، چنانچہ ہماری والدہ صاحبہ مرحومہ اور ہماری خالہ زاد بہن اور ہماری پھوپھی یہ سب قرآن مجید پڑھتی تھیں اور تراویح میں ایک قرآن ہمارے گھر میں ختم ہو جاتا۔

اس کے علاوہ عورتوں میں مصنفات گزری ہیں اور ایسی بڑی بڑی بعض مصنفات ہیں کہ ان کی کتابیں عالمی کتب خانے کی زینت ہیں اور بعض تو اس میں مردوں سے بھی بازی لے گئی ہیں ان سب کا ذکر کرنا اور پھر ایسے مجمع میں مشکل ہے۔

اس ملک میں مسلمان بن کر رہنے کی آدھی ذمہ داری عورتوں پر ہے

ہم صاف کہتے ہیں کہ مسلمانوں کا اس ملک میں مسلمان بن کر رہنا قرآن شریف پڑھنے کے قابل ہونا اردو کتابوں سے فائدہ اٹھانا، اسلامی شعائر واحکام سے واقف ہونا، اسلامی تہذیب اختیار کرنا، اوراس پرقائم رہنااورتوحید کے عقیدے پر مضبوطی سے جمنااس میں آدھی سے زیادہ ذمہ داری ہماری بیبیوں اورعورتوں پر ہے۔

اللہ جزائے خیر دے ہماری دینی تعلیمی کونسل کواور قاضی جلیل عباس صاحب مرحوم کواور ہمارے ڈاکٹر اشتیاق صاحب کوان کی عمر میں صحت میں ترقی ہے کہ انہوں نے یہ بات گھر گھر پہنچانے کی کوشش کی ہے کہ اس وقت کچھ کوشش کرلی جائے کہ یہ ہمارے بچے قرآن مجید پڑھنے کے قابل بن جائیں قرآن مجید توعربی میں لکھا ہے اس کو پڑھ سکیں اوراردو پڑھ سکیں۔ دینیات کی کتابوں سے فائدہ اٹھائیں اورشرک وتوحید کا فرق سمجھیں، سنت وبدعت کا فرق سمجھیں اورگناہوں کو سمجھیں کہ کون کون سی چیزیں گناہ ہیں۔

ہماری پڑھی لکھی بہنوں کی ذمہ داری

اگر یہ نہ ہوااوراس میں ہماری خواتین اورہمارے گھر میں پڑھی لکھی دیندار بیبیوں نے اس طرف توجہ نہ کی اورنہ ہی دلچسپی لی تو میں آپ سے صاف کہتا ہوں اوردل پر ہاتھ رکھ کر کہتا ہوں کہ اس ملک میں مسلمان کا مسلمان رہنا مشکل ہوگا، بلکہ یہ ملک اسپین بن جائے گا اورآج بتاتا ہوں آپ کو یہ نقشہ اورمنصوبہ تیار ہے کہ اس ملک کو اسپین بنادیا جائے۔ اوراسپین کیا ہے بہت سی بڑی بڑی بیبیاں نہیں جانتی ہوں گی کہ اسپین یورپ کا ایک ایسا ٹکڑا تھا جوکہ خالصۃ مسلمان ملک تھا وہاں بڑی اسلامی شان وشوکت کی سلطنتیں قائم ہوئیں اوروہاں بڑے بڑے اولیاء اللہ پیدا ہوئے شیخ اکبر کہ جن کا نام ہر شخص کی زبان پر ہے یہیں کے رہنے والے تھے مالکی مذہب کا ایک مسئلہ ہے کہ اگر یہ معلوم ہوجائے کہ مدینہ میں ایسا ہوا کرتا تھا تو اب کسی دلیل کی ضرورت نہیں، ان کا عمل حجت اوردلیل ہے۔

تاریخ میں لکھا ہے کہ ایک زمانہ ایسا تھا کہ مالکیوں میں یہ اصول بھی تھا کہ اہل قرطبہ کا عمل حجت ہے، اہل قرطبہ ایسا کرتے ہیں اس کی اہمیت ایسی ہے کہ قرطبہ کے متعلق یہ کہہ دینا کافی تھا کہ وہاں ایسا ہوتا ہے وہ اسپین جہاں اولیاء اللہ پیدا ہوئے چوٹی کے علماء موطا اور بڑے

بڑے مجاہدین پیدا ہوئے کے شارمین اور پورے اسپین پر اسلامی حکومت تھی اور جامع قرطبہ اور جامع اشبیلیہ اور جامع غرناطہ کیسی کیسی مسجد ہیں جن کی مثال ملنی مشکل ہے۔

اس ملک کو وہاں کے غیر مسلم باشندوں نے منصوبہ بنا کر اور اس میں کچھ ہمارے مسلمانوں کی بھی کوتاہی تھی کہ انہوں نے ان کو مانوس نہیں کیا تھا۔ اس طرح وہاں سے غیر مسلموں نے اسلام کو خارج کر دیا، جو بچے کھچے مسلمان تھے وہ غرناطہ سے مراکش پہنچ گئے اور آج پورا اسپین خالی ہے نہ کہیں سے اذان کی آواز آتی ہے اور نہ کہیں کوئی مدرسہ ہے۔

ویسے لوگوں نے کہا ہے کہ ہم نے فضا سے آوازیں سنی ہیں اذان کی قران کی یہ نہیں پتہ چلتا کہ کہاں سے آوازیں آ رہی ہیں معلوم ہوتا ہے کہ روحانی فضا سے آوازیں آ رہی ہیں کہ کچھ اللہ کے مقبول بندوں نے قرآن پڑھا تھا۔ اللہ کے بندے جب ریکارڈ کر سکتے ہیں تو اللہ کیوں نہیں کر سکتا ہے تو اللہ نے اس کو ریکارڈ رکھا ہے، اور ان کی آوازیں سب سن رہے ہیں اور ہم آپ سے کہتے ہیں کہ آج ساری کوشش جو ہو رہی ہے یہ ندوۃ العلماء ہو یا جو بھی ہمارا خاص مدرسہ اور ادارہ ہو یا دار العلوم دیوبند ہو، یا جامعہ ملیہ ہو یا مسلم یونیورسٹی علی گڑھ ہو، اور بھی کوئی بڑا مدرسہ، کالج ہو یونیورسٹی ہو وہ کامیاب نہیں ہو سکتے۔

ہماری مستورات نے توجہ نہ کی تو ملک خطرہ میں ہے

مسلمان آئندہ مسلمان نسل کو مسلمان رکھنے میں کامیاب نہیں ہو سکتے جب تک ہمارے گھر کی مستورات، بیگمات، ہماری مائیں بہنیں اس کا ارادہ نہ کر لیں اور یہ طے نہ کر لیں کہ ہم اپنے بچوں کو دین سے واقف کرائیں گے۔ پرائمری اسکول جانا ضروری ہے جائیں لیکن ہم مغرب بعد انتظام کریں گے، کسی کو بلائیں گے یا صبح جانے سے پہلے کوئی انتظام کریں گے ان کو اردو پڑھائیے، ان کو اردو لکھنے کی مشق کرائیں ان کا کلمہ سن لیجیے یہ معلوم کر لیجیے کہ اتنی سورتیں ان کو یاد ہیں کہ نماز پڑھ سکیں، اگر اس کی طرف ہماری مستورات نے توجہ نہ کی تو یہ ملک خطرہ میں ہے بس اس جلسہ کا ہم بھی بڑا فائدہ سمجھتے ہیں اصل بات جو یہاں کہنے کی ہے اور میں اسے امانت کے طور پر چھوڑ کر جاتا ہوں وہ یہ ہے کہ اپنے بچوں کی خود فکر کیجیے اپنے ہی گھروں سے نہیں اپنے محلے اور بہنوں، سہیلیوں اور رشتہ دار بیویوں کو بھی توجہ دلائیے کہ دیکھو بی بی، دیکھو

بیشک اپنے بچے کو جہاں چاہے بھیجو لیکن اس کو اللہ کا نام سکھا دو، کہ اللہ ایک ہے، وحدہ لاشریک ہے اور اللہ کے پیغمبر حضور آخری پیغمبر تھے۔ ورنہ آج تو ایسی تربیتیں کی جا رہی ہیں کہ وہاں سے بتایا جاتا ہے کہ اگر تمہاری کوئی چیز گم ہو جائے یا کوئی کام ہو یا تکلیف ہو تو راستہ میں مندر آئے گا اس سے گزرتے ہوئے اس سے مانگ لینا اور یہاں تک سازشیں ہوتی ہیں کہ کوئی چیز چھپا دی جاتی ہے۔ ایک طالب علم نے ایک طالب علم کی کتاب یا کاپی کہاں ہے اس نے کہا رام کا نام لو، رام کا نام لو تو مل جائے گی۔ اس نے جو رام کا نام لیا تو اس نے چپکے سے نکال کر سامنے رکھ دیا اس طرح اس کے دل میں یہ عقیدہ ڈال دیا کہ رام کا نام لینے سے مسئلہ حل ہوتا ہے کام ہو جاتا ہے کھوئی چیز مل جاتی ہے یہ بڑی گہری اور بڑی وسیع سازش چل رہی ہے۔

ہندوستان کے اندر جو اولیاء اللہ کی سرزمین ہے، یہ مجاہدین کی سرزمین ہے مجددین کی سرزمین ہے، جہاں پر مجدد الف ثانی پیدا ہوئے یا خواجہ معین الدین چشتی آئے، یا شاہ ولی اللہ صاحب جیسا امام وقت آیا اور یہاں مولانا قاسم نانوتوی، مولانا رشید احمد گنگوہی، مولانا محمد علی صاحب مونگیری اور کیسے کیسے عالم، کیسے کیسے فاضل پیدا ہوئے اس ملک کے بارے میں یہ نقشہ بنایا جا رہا ہے، نقشہ بنا ہوا ہے کہ نام تھوڑے دن مسلمان رہے باقی کوئی امتیاز نہیں ہو جائے آئندہ نسل جو ہو وہ بالکل اسلام سے ناواقف کر دیا جائے۔ بس یہ پیغام لے کر جائیے کہ اپنے گھروں میں پہلے اور پھر محلے میں اور پھر برادری میں کہ کہیں اگر شادی بیاہ پر جانا ہو تو وہاں کہیں تقریب ہو تو وہاں پر بھی وہاں بھی توجہ دلائیے گا۔

بہنوں سن لو!

بہنو! بیویوں سن لو! اپنے بچوں کو مسلمان بناؤ مسلمان رکھو اور اردو پڑھنا سکھاؤ قرآن مجید پڑھنے کے قابل بناؤ توحید ان کے دل میں بٹھاؤ، شرک و بدعت سے، بت پرستی سے ان سب چیزوں سے روکو۔ اللہ ہمیں آپ کو توفیق دے اگر یہ کام ہو گیا تو اس میں بہت کچھ ضمانت ہے اسلام کے بقا اور تحفظ کی ورنہ محض خارجی اور تنظیمی کوششیں اور محض اخبارات و رسائل اور محض کانفرنسیں یہ منعقد ہوں لیکن کافی نہیں ہیں۔

وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین

ترے ضمیر پر جب تک نہ ہو نزول کتاب

۳۰ ستمبر ۱۹۹۶ء بڑی مسجد مدراس میں قاری محمد قاسم صاحب کے بیس سال سے جاری تفسیر القرآن کا سلسلہ تکمیل کو پہنچا، اور مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندوی رحمۃ اللہ نے دوسرے دور کا آغاز فرمایا، اس مبارک و مسعود موقع پر حضرت مولانا نے بڑی اہم اور چشم کشا تقریر فرمائی۔

الحمد للہ رب العالمین و الصلوۃ و السلام علی سید المرسلین و خاتم النبیین محمد و الہ وصحبہ اجمعین و دعا بدعوتہم الی یوم الدین اما بعد فأعوذ باللہ من الشیطان الرجیم

بسم اللہ الرحمن الرحیم

لقد انزلنا الیکم کتابا فیہ وزکرکم افلا تعلقون.

ہم نے تمہاری طرف ایسی کتاب نازل کی ہے جس میں تمہارا ذکر ہے کیا تم نہیں سمجھتے؟

میرے دینی و ایمانی بھائیو! میں سب سے پہلے تو آپ کو مبارکباد دیتا ہوں کہ اللہ تبارک و تعالیٰ نے مقدر فرمایا میسر بھی فرمایا اور مقبول بھی فرمایا اور اس کے آثار ظاہر ہیں کہ آپ کے اس شہر مدراس میں قرآن مجید کا درس ہوا۔ اور آپ کے سامنے پورا قرآن مجید اس کے معانی و تشریح کے ساتھ پیش کیا گیا۔

آپ کو اندازہ نہیں کہ اس سے اس شہر پر اللہ تبارک و تعالیٰ کی کیا رحمتیں نازل ہوئیں میں یقین سے کہہ سکتا ہوں کہ اس شرف اس سعادت اور اس توفیق کی بنا پر معلوم نہیں کہ اس شہر سے کتنی بلائیں ٹلی ہوں گی اور کتنی نعمتیں اللہ تبارک و تعالیٰ نے نازل فرمائی ہوں گی جن کا کوئی احساس نہیں کر سکتا، احساس تو بڑی چیز ہے ادراک بھی نہیں کر سکتا۔

میں سب سے پہلے آپ کو مبارکباد دیتا ہوں کہ آپ کو اللہ تبارک و تعالیٰ نے یہ موقع میسر فرمایا اور اس کی توفیق دی اور اللہ کے ایک مخلص بندے کی زبان سے ایک صحیح العقیدہ، صحیح الفہم، صحیح النسبت اور قرآن مجید پر نظر رکھنے والے ایک حافظ قرآن اور عالم و قاری کی زبان سے آپ نے قرآن مجید کی تفسیر سنی اس پر آپ کو شکر ادا کرنا چاہئے۔

میں سب سے پہلے آپ کو یہ مشورہ دوں گا اور آپ سے یہ عرض کروں گا کہ آپ چاہے اپنے دل اور چاہے اپنی زبان سے اور چاہے دل وزبان دونوں سے اس کا شکریہ ادا کریں اور اس وقت بھی اس کا ذرا ذہن میں تازہ کریں اور اس وقت بھی اپنے دل سے اللہ تبارک وتعالیٰ کا شکریہ ادا کریں اے اللہ تیرا فضل ہے ہم اس قابل نہ تھے۔ ’’وما کنا لنھتدی لولا ان ھدانا اللہ‘‘، اگر اللہ ہم کو ہدایت نہ دیتا تو کوئی ہدایت دینے والا نہ تھا۔

تیری آسمانی کتاب، تمام صحف آسمانی میں سب سے معزز، سب سے محترم سب سے مشرف، بلکہ مُشرّف شرف بخشنے والی کتاب اور ہم ناچیز بندے تیرے گہنگار بندے ہم دنیادار انسان ہمارے شہر میں اس کو سنایا جائے اس کی تشریح کی جائے اس سے بڑھ کر اور کیا نعمت ہوسکتی ہے۔

میں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ بڑے سے بڑا اعزاز اگر مدراس کو ملتا ہے تو اس سے بڑا اعزاز نہیں تھا کہ قرآن مجید سارا کا سارا آپ کے سامنے پڑھا گیا اور اس کی تشریح کی گئی۔

اب میں آپ کے سامنے اس موقع سے فائدہ اٹھاتے ہوئے آپ کا حق اور اپنا فرض سمجھتے ہوئے آپ کو ایک خاص نکتہ اور ایک حقیقت کی طرف توجہ دلاتا ہوں، یہ قرآن مجید اپنے معانی، آسمانی مطالب، آسمانی مضامین، اور مقدس مضامین کے ساتھ ہمارے لئے ایک آئینہ بھی ہے کہ ہم کو اس آئینہ میں اپنی صورت دیکھنی چاہئے کہ ہم کیسے نظر آتے ہیں۔

اللہ تبارک وتعالیٰ فرماتا ہے ’’لقد انزلنا الیکم کتاباً فیه ذکرکم ‘‘۔ ہم نے تمہاری طرف کتاب نازل کی جس میں تمہارا تذکرہ ہے یہ بڑی بات ہے سوچنے کی بات ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ ہم نے ایسی کتاب نازل کی کہ جس میں تمہارا تذکرہ ہے تو ہم کو اپنا تذکرہ تلاش کرنا چاہئے ہم اس میں کس صف میں ہیں کس گروہ میں ہیں کس مرتبہ میں ہیں اور اللہ تبارک وتعالیٰ ہمیں اس کی کیا جزا دے گا، ہم نے اس کی کتنی قدر کی ہے ہمیں اپنی صورت، اپنا چہرہ، اس میں تلاش کرنا چاہئے ہمارا جو کردار ہے، ہمارا زندگی میں جو طرز عمل ہے اس کو اس کتاب کے نقطۂ نظر سے، اس کتاب کے آئینہ سے اس کتاب کے چشمہ سے دیکھنا چاہئے اور معلوم کرنا چاہئے۔

میں آپ کے سامنے ایک واقعہ بیان کرتا ہوں ایک بہت بڑے تابعی تھے جن کا نام

حضرت انس بن قیس تھا تابعی کا مطلب ہوتا ہے کہ جنہوں نے ایمان کی حالت میں صحابہ کرامؓ کا زمانہ پایا اور صحابہ کرامؓ کو دیکھا ان کو تابعی کہتے ہیں صحابیت کے بعد سب سے بڑا شرف تابعیت کا ہے، تو حضرت انس بن قیس تابعی تھے، اور اپنے قبیلہ کے بڑے سردار تھے ۷۲ھ میں ان کی وفات ہوئی وہ ایک دن بیٹھے تھے کہ کسی نے یہ آیت پڑھی لقد انزلنا الیکم کتابا فیہ ذکرکم افلا تعقلون، ہم نے تمہاری طرف کتاب نازل فرمائی جس میں تمہارا ذکر ہے کیا تم غور نہیں کرتے، کہنے لگے ارے ہمارا تذکرہ، ہمارا تذکرہ علیَّ بالْمُصْحفْ علیَّ بالْمُصْحفْ قرآن شریف لاؤ۔ قرآن شریف لاؤ، میں دیکھوں گا کہ میرا تذکرہ کن الفاظ میں ہے اور مجھے کون سی جگہ دی گئی ہے کس گروہ میں مجھے جگہ دی گئی ہے اور مجھے کس نظر سے دیکھا جاتا ہے۔ اب قرآن شریف ان کے سامنے پیش کیا گیا وہ اہل زبان تھے عربی اللسان تھے تابعی تھے، عالم تھے انہوں نے ورک الٹنا شروع کر دیئے دیکھنا شروع کیا تو کہیں ایسی تعریف تھی نمونہ کے طور پر میں پیش کرتا ہوں۔

قد افلح المومنون الذین ھم فی صلاتھم خشعون، والذین ھم عن اللغو معرضون، والذین ھم لذکوۃ فعلون، والذین ھم کفروجھم حفظون الی علی ازوجھم او ماملکت ایمانھم فانھم غیر ملومین.

وہ مومن کامیاب ہوئے جن کی نماز میں خشوع وخشیت طاری ہوتی۔ جو لغویت سے اور ہر لغو کام سے اعراض کرتے ہیں اور جو زکوۃ دیتے ہیں اور جو اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کرتے ہیں۔

انہوں نے یہ پڑھا اور کہا۔

انی الاجد نفسی فی ھولاء ۔ میں اس درجہ میں اپنے کو نہیں پاتا میں اس میں نظر نہیں آتا پھر دیکھا۔

وعباد الرحمن الذین یمشون علی الارض ھونا واذا خاطبھم الجھلون قالو سلما، الذین یبتیون لربھم سجدا وقیاما والذین یقولون ربنا اصرف عنا عذاب جھنم ان عذابھا کان غراما، انھا سآءت مستقرا ومقاما۔

اللہ کے وہ بندے جو زمین پر ہلکے ہلکے چلتے ہیں، دبے پاؤں چلتے ہیں اور جب جاہل ان

سے مانگتے ہیں تو کہتے ہیں کہ ہمیں معاف کر، ہمارا سلام قبول ہو اور جو اپنی راتیں اس طرح گزارتے ہیں کبھی کھڑے ہیں اور کبھی جھکتے ہیں ساری ساری رات اس طرح گزر جاتی ہے۔

اسی طرح کی مومنین کی صفتیں انہوں نے پڑھیں اور انہوں نے کہا کہ میں اپنے کو ان میں نہیں پاتا یہ تو بڑا اونچا گروہ ہے پھر قرآن مجید کھولا پھر بہت بڑے بڑے اولیاء اللہ کی اللہ تعالیٰ نے جو صفتیں بیان کی ہیں، صحابۂ رسولؐ کی جو صفتیں بیان کی ہیں مومنین اطہار کی جو صفتیں بیان کی ہیں اولیاء اللہ کی شان بیان کی ہیں تو وہ ایک سچے باضمیر انسان تھے وہ دھوکا نہیں کھاتے تھے، صاف کہہ دیتے تھے کہ میں اپنے کو اس گروہ میں نہیں پاتا۔ یہ تو بہت اونچا گروہ ہے اب ایسی آیتیں اگر وقت ہوتا اور موقع ہوتا تو ایسے دس نمونے آپ کے سامنے پیش کئے جاتے کہ جہاں مسلمانوں کی، اہل ایمان کی، صحابۂ رسولؐ کی، مجاہدین اسلام کی، عباد و زہاد کی بڑی تعریف کی گئی ہے لیکن وہ اپنے آپ کو پہچانتے تھے اور اپنے کو پہچاننے کا مطلب یہ ہے کہ وہ خدا کو بھی پہچانتے تھے جو خدا کو پہچانے گا اپنے کو پہچانے گا وہی صحیح انصاف کی بات کر سکتا ہے۔ وہ تو یہ کہتے تھے کہ میں اس قابل نہیں ہوں میں تو اس میں نظر نہیں آتا۔

یہاں تک کہ جب ان کے سامنے یہ آیت آئی۔

واخرون اعترافوا بذنوبهم حلطوا عملا صالحا و اخرسينا عسى الله ان يتوب عليهم و ان الله غفور رحيم ۔

اللہ کے کچھ بندے ایسے بھی ہیں جنہوں نے اپنے گناہوں کا اقرار کرلیا انہوں نے کچھ اچھے کام کئے اور برے کام بھی ان سے ہو گئے ملے جلے کام ہیں حسنات بھی ہیں سیئات بھی ہیں عبادات بھی ہیں اور کہیں تھوڑی لغزشیں بھی ہیں ایک گروہ ایسا بھی ہے وہ ہمیشہ رہا ہے اور ہمیشہ رہے گا کوئی عجب کی بات نہیں کہ اللہ تعالیٰ ان کی توبہ قبول کرے بے شک اللہ تعالیٰ غفور رحیم ہے۔

تو انہوں نے کہا کہ ہاں یہاں میرا تذکرہ ہے اور یہ میرا گروہ ہے یہاں ہماری تعریف کی گئی ہے "خلطو عملا صالحا و اخرسينا " ہم ایمان لائے، ہم نمازیں پڑھتے ہیں، ہم روزے رکھتے ہیں، ہم زکوٰۃ بھی الحمدللہ دیتے ہیں جس کی توفیق ہوتی ہے حج بھی ہم نے کئی بار کئے ہیں لیکن کبھی کبھی ہماری زبان سے ایسی بات نکل جاتی ہے جو نہیں نکلنی چاہئے تھی، نظر ایسی

جگہ اٹھ جاتی ہے جہاں نہیں اٹھی چاہئے تھی، کبھی کبھی غفلت ہو جاتی ہے کبھی کبھی سو جاتے ہیں اور تہجد میں ناغہ ہو جاتا ہے۔ تہجد قضا ہو جاتی ہے کبھی کسی وقت بات کرنے میں ہم کو غصہ آجاتا ہے۔ اور کسی کا حق ہے ابھی تک ہم اس کو ادا نہیں کر سکے، اور جیسی اللہ کے راستہ میں جدوجہد کرنی چاہئے اپنا سر کٹا دینا چاہئے اللہ کے راستے میں اپنا خون بہا دینا چاہئے جہاد فی سبیل اللہ میں وہ ابھی تک توفیق نہیں ہوئی۔

وہ اپنے خدا کو بھی پہچاننے والے تھے عارف باللہ بھی تھے اور اپنے آپ کو پہچاننے والے تھے عارف بالنفس بھی تھے، انہوں نے اپنا مقام پالیا اور اس جگہ کو دیکھ لیا جہاں وہ خود اپنے آپ کو نظر آتے تھے ''**واخرون اعترفو بذنوبهم**'' کچھ اللہ کے بندے ایسے بھی ہیں جنہوں نے اپنے گناہوں کو اقرار کر لیا ''**خلطوا عملا صالحاً**'' اب اگر آپ غور کریں اپنے حالات پر میں آپ کے متعلق نہیں کہتا اور صفائی کے ساتھ اس کی جرات بھی نہیں لیکن اپنے متعلق کہتا ہوں کہ میں اپنے کو تو یہی سمجھتا ہوں کہ'' **واخرون اعترفوا بذنوبهم** '' مجھے اپنے گناہوں کا اقرار ہے اپنی کوتاہیوں کا اقرار ہے، ''**خلطو عملاً صالحاً**''، کچھ اچھے کام بھی کئے کچھ کوتاہیاں بھی مجھ سے ہوئی لغزشیں بھی ہوئی ہیں دونوں ملی جلی ہیں۔

اللہ تبارک وتعالیٰ نے اپنے بزرگ مقبول بندوں سے ملایا قرآن مجید کا درس لیا مولانا احمد علی صاحب لاہوری رحمۃ اللہ علیہ جو امام وقت تھے امامِ تفسیر تھے پورا قرآن مجید ان سے پڑھا، اول سے آخر تک امتحان دیا اور پھر اللہ نے اپنے اس عہد کے مقبول ترین بندوں سے اور اولیاء اللہ سے ملایا جن کے نام لئے گئے میرے تعارف میں اگرچہ اس قابل نہیں تھا اور پھر اللہ تبارک وتعالیٰ نے حج کی بھی سعادت نصیب فرمائی اور یہاں تک کہ جو واقعہ بیان کیا گیا اور جس کو سن میں میں شرمندہ بھی ہوا لیکن یہ بہرحال یہ اللہ کی ایک نعمت بھی تھی کہ بیت اللہ شریف کا دروازہ میرے گنہگار ہاتھوں سے کھلوایا گیا، کہاں یہ بندۂ خاکی وخاطی اور گنہگار اور کہاں وہ اللہ کا گھر جس سے بڑھ کر روئے زمین پر کوئی چیز ہے ہی نہیں قسم کھا کر کہیے کہ روئے زمین پر بیت اللہ شریف سے اونچی جگہ، مشرف جگہ، مکرم جگہ، معزز جگہ، مقبول جگہ نہیں تو بالکل صحیح ہے۔

یہ گنہگار ہاتھ، یہ ہندوستانی، ہندوستان کی مٹی کا بنا ہوا یہ ہاتھ اور یہ بیت اللہ شریف کو کھولے اور پھر اتنے بڑے عالم اسلام کے چند برگزیدہ بندوں کی موجودگی میں، محض اللہ کا فضل

ہے کہ اللہ کے کسی بندے کی دعا تھی، ہمارے آباؤ اجداد سے کوئی عمل اللہ کو پسند آگیا کہ اللہ نے یہ رتبہ نصیب کیا، تو ہم آپ خلطو عملا صالحا واخر سیئا میں ہیں بس قرآن مجید کو اس نظر سے دیکھئے کہ آپ کا حلیہ اس میں ملے گا یہ کوئی مرقع نہیں ہے تصویر تو حرام ہے۔ اسلام میں، اس میں تصویریں کیا ہوں گی لیکن اس میں ایسی تصویریں ہیں جو تصویروں سے بڑھ کر ہیں یہ تصویریں جو فوٹو گرافی کی تصویریں ہوتی ہیں یہ کیا ہیں، یہ تو ایک دھوکہ ہیں اور یہ جسم جو خاک میں مل جانے والا ہے، یہ کب تک رہے گا اس کی کیا تصویر ہے، اور اس میں کون سا جمال ہے

لیکن وہ تصویر جو اللہ تعالیٰ کی کتاب میں آئے۔ جو حلیہ اللہ کی کتاب میں بیان کیا گیا ہو اس سے بڑھ کر نہ کوئی تصویر ہوسکتی ہے نہ کوئی تشکیل ہوسکتی ہے نہ کوئی انعام ہوسکتا ہے اور نہ کوئی تشخیص ہوسکتی ہے، تشخیص بھی اس سے بہتر نہیں ہوسکتی۔

بس میرے بھائیو! پہلے تو میں آپ سے کہتا ہوں کہ آپ اللہ تعالیٰ کا یقینا شکریہ ادا کیجئے کہ اللہ تبارو تعالیٰ نے آپ کو یہ نعمت نصیب فرمائی کہ یہاں پر گیارہ سال بارہ سال کی جو مدت گزری ہے اس میں قرآن کا درس ہوا، اس کا ترجمہ ہوا اور حالات کو اس کی روشنی میں دیکھا گیا، اور اس کو آئینہ کی طرح سامنے لایا گیا، کہ دیکھ لو اپنی اپنی صورتیں، دیکھ لو اپنے اپنے چہرے کہ تم کون ہو، کیا ہو، کس گروہ میں ہو۔

اللہ تعالیٰ نے یہ موقع عطا فرمایا کہ آپ حضوری کے ساتھ اور صحیح نیت کے ساتھ اللہ تعالیٰ کا اس پر شکر ادا کریں۔ اور اللہ کے جس بندے سے اللہ نے یہ کام لیا اس کا شکریہ ادا کریں۔ شکر خدا کا لیکن شکریہ اس کا بھی کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے اس کے ذریعے آپ کو قرآن مجید سنوایا۔ اس کا ترجمہ سنوایا۔ یہ بات اس لئے نہیں کہ یہاں پر ماشاء اللہ اتنا بڑا مجمع ہے صرف یہ کافی نہیں بلکہ اس کے دل میں اس پر خوشی ہونی چاہئے اور شکر کا جذبہ ہونا چاہئے اور زبان پر بھی شکر آنا چاہئے کہ الحمد اللہ الحمد للہ۔ اللہ نے ہم کو اس قابل سمجھا کہ اس ملک میں جہاں مسلمان اکثریت میں نہیں ہیں۔ یہاں دین خطرہ میں پڑ گیا ہے آئندہ مسلمانوں کی نسل خطرہ میں پڑ گئی ہے کہ یہ مسلمان رہتی ہے یا نہیں۔

میں اس موقع سے فائدہ اٹھا کر آپ سے یہ بھی اپنی اس حاضری کی قیمت وصول کرنے کیلئے اور اس کا شکریہ ادا کرنے کیلئے کہہ دیتا ہوں میں آپ کے سامنے قرآن مجید کی ایک آیت

پڑھتا ہوں بڑے غور کی ہے۔

ام كنتم شهدآء اذحضر يعقوب الموت اذ قال لبنيه ماتعبدون من بعد، قالو نعبد الهك و اله ابآئك ابراهيم و اسماعيل و اسحق الهاواجد و نحن له مسلمون۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ اے قرآن مجید کے پڑھنے والو سننے والو اور اے ایمان والو کیا تم اس وقت موجود تھے جب حضرت یعقوب جو حضرت ابراہیم کے پوتے ہیں اور حضرت اسحاق کے بیٹے ہیں جب ان کا آخیر وقت آیا تو ایسے موقع پر جمع ہوتے ہیں گھر کے لوگ جمع ہو جاتے ہیں جب حضرت یعقوب کے انتقال کا وقت قریب آیا تو انہوں نے اپنے بیٹوں، پوتوں، نواسوں جو سامنے موجود تھا ان سے کہا، ماتعبدون من بعد'' میرے بیٹو، میرے پوتو اور میرے نواسو مجھے یہ بتادو، یہ اطمینان دلا دو قبل اس کے کہ میں دنیا سے رخصت ہو جاؤں ماتعبدون من بعد تم میرے بعد کس کی عبادت کرو گے اب کوئی شخص کہتا کہ ارے یہ پیغمبر زادے ہیں انبیاء کی اولاد ہیں ان کے بارے میں ذرا بھی شک نہیں کرنا چاہئے یہ تو پیغمبر زادے ہیں ان کی رگوں میں تو پیغمبروں کا خون ہے ابراہیم علیہ لاسلام کا خون ہے اسماعیل علیہ السلام کا خون ہے، اسحاق علیہ السلام کا خون ہے، یعقوب علیہ السلام کا خون ہے بھلا یہ بھی کوئی پوچھنے کی بات ہے اور ان صاحبزادوں کو بھی اور ان پیغمبر زادوں کو بھی کہنا چاہئے اور وہ یہ کہہ سکتے تھے کہ دادا جان، نانا جان آپ یہ کیوں پوچھ رہے ہیں آپ کو اس کے پوچھنے کی ضرورت کیا پیش آئی۔ آپ ہمارے بارے میں خطرہ میں ہیں آپ کو ہمارے بارے میں شک ہے آپ پوچھ رہے ہیں ''**ماتعبدون من بعد**'' ''تم میرے بعد کس کی عبادت کروں گے،'' **قالو نعبدو الهك واله ابآئك ابراهيم واسماعيل واسحق الها واحد**''۔

ہم آپ کے معبود کی عبادت کریں گے اور ابراہیم کے معبود کی عبادت کریں گے ہم نے دیکھا کیا ہے ہم نے اپنے بزرگوں کو کس کے سامنے سر جھکاتے دیکھا ہے ہم نے کس کو اللہ کے سوا کسی سے ڈرتے دیکھا ہے اور کسی سے مانگتے دیکھا ہے کیا آپ کو ہمارے ایمان کے بارے میں شک ہے لیکن عشق است ہزار بدگمانی

آدمی کی جب کوئی چیز پسند ہوتی ہے اور وہ پیاری ہوتی ہے تو اس کے بارے میں شک

ہوتا ہے اطمینان چاہتا ہے۔

میں آپ سے کہتا ہوں کہ اس موقع پر اور اپنی حاضری سے فائدہ اٹھاتے ہوئے اور یہ قرآن مجید ہی کا پیغام ہے میں قرآن مجید کی آیت کی روشنی میں کہہ رہا ہوں کہ آپ کو اپنی آئندہ نسل کی فکر ہونی چاہئے کہ آپ یہاں گیارہ بارہ برس قرآن مجید کا درس ہوا اور آپ میں سے بیسوں اور سینکڑوں آدمی آتے رہے، سنتے رہے کیا آئندہ بھی ایسا ہو سکے گا کیا ہماری اولاد میں قرآن کی یہ قدر ہوگی کیا ان کے اندر ایمان کی روشنی ہوگی کہ اگر قرآن مجید کا یہ ترجمہ وتفسیر اس میں یا کسی مسجد میں تو وہ اس کیلئے کام چھوڑ کر، تفریح چھوڑ کر، کھانا پینا چھوڑ کر آرام چھوڑ کر آئیں، اس کی آپ کو فکر ہونی چاہئے اور اس کا اہتمام ہونا چاہئے۔

اتنا کافی نہیں کہ آپ نے سن لیا۔ آپ کے زمانہ میں قرآن مجید کا درس دس بارہ برس تک برابر ہوتا رہا اس کی تفسیر بیان ہوتی رہی، آپ آتے رہے آپ کو آئندہ کی متعلق بھی اطمینان حاصل کرنا چاہئے اور آئندہ بھی یہ سلسلہ جاری رہے گا اور اس کی شکل یہ ہے کہ کلمہ توحید اور اس کا مطلب اپنے بچوں کے دل میں اتاریئے زبان ہی پر نہیں دل ودماغ میں اتار دیجئے اور پھر اس کے بعد ان کی تعلیم کا انتظام کیجئے۔ اسلامی مکتب ہو، دینی مکتب ہوں دینی مدرسے ہوں دینی کتابیں ان کے سامنے آئیں اور وہ پڑھیں اردو جانتے ہوں پھر اردو میں دینیات کی جو کتابیں لکھی گئی ہیں وہ الحمدللہ کسی اسلامی زبان سے کم نہیں ہوں گے وہ سب کتابیں وہ پڑھ سکیں آپ اپنے ہاں ایسے کتب خانے اور دارالمطالعہ قائم کریں محلہ محلہ قائم کریں، مسجد مسجد قائم کریں اور ان بچوں کو اس کا شوق دلائیں بس میں یہ کہنا چاہتا ہوں کہ اس کا استحضار ہو یعنی اس پر آپ شکر ادا کریں محض یہ کافی نہیں کہ آج کچھ لوگ باہر سے آگئے ہیں اور جلسہ میں ان کی تقریریں سنیں گے آج قرآن مجید ختم ہوا ہے اس کی تقریب ہے نہیں بلکہ اس پر اللہ کا شکر ادا کریں یہاں سے جانے کے بعد بھی کہ اللہ تو نے توفیق دی ہمیں اتنا زندہ رکھا اور ہمیں اس کا موقع دیا کہ ہم نے تیرا کلام عالی، تیرا کلام معجزہ سنا، ہمیں اس کی توفیق ہوئی اور پھر اس کے بعد اپنی آئندہ نسل کی بھی فکر کیجئے کہ یہ سلسلہ جاری رہے اور ان کو بھی توفیق ہو اور ان کو بھی اس کا ذوق ہو یہ نہیں کہ وہ جو جدید سیکولر تعلیم جو ایجوکیشن ہے یہ غیر دینی جو تعلیم دی جارہی ہے پرائمری اسکولوں میں اور پھر اس کے بعد اسکولوں میں اور کالجوں میں اور پھر وہ جو لٹریچر شائع ہوتا ہے اور سارے کا سارا بھرا

ہوا ہے یا تو اسلام پر حملوں سے یا اگر حملوں سے نہیں تو اسلام کو نظر انداز کرنے سے اس کی تحقیر کرنے سے اس سے استغنا برتنے سے، کہ کوئی ضرورت نہیں، یہ زمانہ نہیں ہے اسلام کا، وہ تو بہت پرانے زمانہ یعنی چھٹی صدی مسیحی میں آیا تھا تو اس کی آپ کو اپنے بارے میں فکر رکھنی چاہئے۔

آپ کو فرائض کی پابندی، حلال وحرام میں فرق اور قرآن مجید میں جن چیزوں کی فرضیت بیان کی گئی ہے ان کی پابندی اور جن چیزوں سے روکا گیا ہے خاص طور شرک اور شرک کی جو تمام شکلیں ہو سکتی ہیں مظاہر ہو سکتے ہیں جیسے غیر اللہ سے مانگنا، غیر اللہ سے اتنا ڈرنا جتنا کوئی خدا سے ڈرے، اور غیر اللہ کی ایسی تعظیم کرنا جو اللہ کے لائق ہے اللہ کیلئے ہونی چاہئے اور ان کو اپنا رازق سمجھنا اور ان کو اپنا مشکل کشا سمجھنا اللہ کے سوا کسی سے یہ جائز نہیں اور اس کی بالکل اجازت نہیں اور اس کا کوئی جواز نہیں۔

ہمارے لئے ضروری ہے کہ ہمارے عقائد بھی درست ہوں، اعمال بھی درست ہوں اور یہ سلسلہ قرآن مجید کے سننے کا، ترجمہ سننے کا، درس میں شریک ہونے کا، اس کی قدر کرنے کا اور اس کی اہمیت کو سمجھنے کا اور اس پر اللہ کا شکر ادا کرنے کا، اس پر فخر کرنے کا، یہ میں اور آپ کے بعد کی آئندہ نسلوں میں بھی جاری رہے، اللہ تعالیٰ کی اس نعمت کا شکرانہ اس اللہ کی نعمت کے لائق عمل بس یہ ہے۔ یہ نہیں بس شریک ہوئے اور اسکے بعد زندگی آزاد گزر رہی ہے وہاں درس میں سنا تھا کچھ کر رہے ہیں کچھ وہاں کچھ عقائد بتائے گئے تھے اور کچھ اعمال واخلاق سکھائے گئے یہ نہیں بلکہ ہماری زندگیوں کو قرآن مجید کے سانچہ میں کم از کم اسلام کے سانچہ میں ڈھل جانا چاہئے۔ ہمیں بالکل نیا انسان بن کر نکلنا چاہئے، جس کے عقائد بھی درست ہوں، جس کا اخلاق بھی درست ہوں، جس کی معاشرت بھی درست ہو، اور جس کا حال بھی درست ہو، اللہ سے ڈرنے والا، آخرت پر یقین رکھنے والا، ثواب کا حریص اور گناہ سے خائف اور اس سے لرزاں اور ترساں اگر ہو چکا ہے تو اس سے توبہ کریں اور اگر نہیں ہو تو اس سے خائف نہیں یہ سب قرآن مجید کے درس کی قیمت ہے اگر کہنا صحیح ہو، درس کا احسان ہے، درس کا شکرانہ ہے یہ سب چیزیں آپ میں پیدا ہونی چاہئے آپ کی زندگی کا سانچہ بدل جانا چاہئے آپ کا کیریکٹر بدل جانا چاہئے آپ کے عقائد قرآن کے سانچے میں ڈھلے ہوئے ہونا چاہئے۔

میں باوجود اپنی بیماری اور اپنی کمزوری کے قرآن مجید کی عظمت کی وجہ سے اس کی نسبت کی وجہ سے اور پھر جناب قاری محمد قاسم صاحب اللہ تعالیٰ ان کی عمر دراز کرے ان سے جو تعلق ہے کہ ہمارے استاذوں کے خاندان سے انہوں نے استفادہ کیا ہے اور وہ بھوپال کے اسی محلّہ کے رہنے والے ہیں جس محلہ کے استادوں سے ہم نے عربی سیکھی، اور جن سے پڑھ کر ہم اس قابل ہوئے کہ ہم عربی پڑھ سکیں بول سکیں، اور عربوں سے خطاب کر سکیں، تو ان دونوں چیزوں کا خیال کر کے میں حاضر ہو گیا ورنہ حقیقت میں میں اس قابل نہیں تھا کہ لمبا سفر کروں اور کہیں دیر تک بیٹھوں اور زیادہ مجاہدہ کروں اس لئے آپ سے اجازت چاہتا ہوں، معذرت کرتا ہوں اور آپ کو پھر مبارکباد دیتا ہوں اور پھر اس کی بھی دعوت دیتا ہوں کہ یہ سلسلہ برابر جاری رہے آپ کی زندگی بھر جاری رہے اور آئندہ بھی جاری رہے اور اپنی نسل کو بھی اس کیلئے تیار کریں، اللہ تعالیٰ ہم سب کو اس کی توفیق عطا فرمائے۔

وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین۔

نصرت الٰہی کی شرائط

یہ تقریر انجمن نصرۃ الاسلام ہال میں ۴ نومبر ۱۹۸۱ء بروز چہار شنبہ ۴ بجے سہ پہر ہوئی جہاں مقرر کے اعزاز اور وداع کی تقریب میں ایک عظیم جلسہ ہوا جس میں سری نگر اور اطراف کے علماء و اہل علم و فکر خاصی تعداد میں شریک تھے۔

الحمد لله وحده والصلوٰة والسلام على سيد الانبيا والمرسلين و على آله صحبه اجمعين.

جناب صدر انجمن و صدر اجلاس علمائے کرام، معززین شہر اور برادران عزیز آج ایک ہفتہ کے قیام سری نگر کا اختتام اس جلسہ پر ہو رہا ہے میں سمجھتا ہوں کہ یہ محض اتفاق نہیں ہے، حسن اتفاق ہے میں دنیا کے بیشتر مشہور ممالک میں جا چکا ہوں، لیکن ایسا بد قسمت مسافر ہوں جس پر اقبال کا یہ مصرعہ صادق آتا ہے۔

تسکین مسافر نہ سفر میں نہ حضر میں

تاریخی مطالعہ

میں اسلامی ممالک میں جہاں جہاں گیا وہاں سے بجائے مسرتیں لے کر اور مطمئن ہو کر آنے کے فکر لے کر آیا میرے نصیب میں یہی ہے معلوم نہیں یہ میری بڑھی ہوئی ذکاوت حس کی بناء پر ہے یا اس لئے کہ جہاں جاتا ہوں وہاں اپنا تاریخی مطالعہ فراموش نہیں کر پاتا جو واقعات تاریخ اسلام میں پیش آئے وہ میرے آنکھوں کے سامنے رہتے ہیں اور ان سے جو نتائج نکالے جا سکتے ہیں میرا دماغ ان سے آزاد نہیں ہونے پاتا، خود قرآن مجید نے اس کی مذمت کی ہے کہ آدمی آنکھوں سے سب کچھ دیکھے لیکن کسی چیز سے سبق نہ لے۔

وكاين من ايته فى السموات والارض يمرون عليها وهم عنها معروضون.

کتنی نشانیاں زمین و آسمان میں ایسی ہیں جس پر لوگ منہ پھیر کر چلے جاتے ہیں اور کچھ

سبق نہیں لیتے۔

حقیقت قرآن

میں اپنے کو بہت خوش نصیب سمجھتا اگر آپ کو پیامِ تہنیت دے جاتا، اور آپ کے اطمینان وسکون میں کچھ اضافہ کرتا، خدا نے جو آپ کو حسین سرزمین عطا فرمائی ہے، جن نعمتوں کی بارش کی ہے جو قدرتی مناظر آپ کو یہاں عطا کئے ہیں بڑی خوشی کی بات ہوتی اگر میں آپ سے کہتا کہ آپ کو یہ مبارک ہو آپ مطمئن رہیں کوئی فکر کی بات نہیں۔

لیکن ایسا نہیں ہے اور اس کا سبب میرا قرآن مجید کا ٹوٹا پھوٹا مطالعہ ہے میں نے قران مجید کو اس نظر سے پڑھا کہ وہ ایک زندہ کتاب اور ایک بولتا ہوا مرقع یا آئینہ ہے جس میں افراد بھی اپنے اپنے چہرے دیکھ سکتے ہیں قومیں بھی اپنی صورتیں دیکھ سکتی ہیں اور قوموں، سلطنتوں، تمدنوں کی ترقیات وعروج کے انجام بھی اس کتاب میں دیکھے جا سکتے ہیں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

لقد انزلنا الیکم کتاب فیه ذکر کم افلا تعلقون۔

ہم نے تمہاری طرف ایک ایسی کتاب نازل کی جس میں تمہارا تزکرہ ہے تم اس پر غور نہیں کرتے۔

''ذکر کم'' کے معنی اور بھی مفسرین نے کئے ہیں، شرفکم عزکم لیکن اس کے متبادل معنی یہی ہیں کہ اس میں تمہارا تذکرہ ہے۔ فیه حدیثکم۔ تو قرآن مجید میں عمل اور جزائے عمل کا بیان، اور اللہ تعالیٰ کا قانون مکافات پورا پورا موجود ہے، اس نے صاف صاف کہہ دیا ہے۔

لیس بامانیکم ولا امانی اهل الکتب من یعمل سوء الیجزب۔

نہ تمہاری امیدوں پر مدار ہے اور نہ اہل کتاب کی امیدوں پر جو کوئی برا کام کرے گا اس کی سزا پائے گا۔

خدائی قانون بے لاگ ہے

مسلمانو! نہ تم پر کچھ منحصر ہے اور نہ اہل کتاب پر (جن کو بڑے بڑے دعوے ہیں ہمارا قانون بے لاگ ہے قانون الٰہی یہ ہے کہ ''من یعمل سوء ا یجزبه'' جو کوئی برائی کرے گا اس کا بدلہ ملے گا، کمزوری کا، کوتاہی کا، غفلت کا، غداری اور بے وفائی کا انتشار کا، اختلاف

کا، بے عملی کا، دولت پرستی کا، اقتدار پرستی کا، سب کا خدا کے یہاں ایک نتیجہ ایک جزا ہے جس میں کوئی استثنا، اور رعایت جانبداری نہیں یہ مضمون قرآن مجید میں کہیں صراحتاً اور کہیں کنایۃً بیان کیا گیا ہے اس میں قوموں کی سلطنتوں کے بڑے بڑے جباروں کے تذکرے بھی ہیں اور کمزوروں کا ذکر بھی ہے اس میں یہ آیت بھی موجود ہے۔

واورثنا القوم الذین کانو یستضعفون مشارق الارض ومغاربھا التی برکنا فیھا ؕوتمت کلمت ربک الحسنیٰ علی بنی اسرائیل بما صبرو دھرنا ماکان یصنع فرعون و قومه وما کانو یعرشون.

اور جو لوگ کمزور سمجھے جاتے تھے ان کو زمین (شام) کے مشرق و مغرب کا جس میں ہم نے برکت دی تھی وارث کردیا، اور بنی اسرائیل کے بارے میں ان کے صبر کی وجہ سے تمہارے پروردگار کا وعدہ نیک پورا ہوا اور فرعون اور قوم فرعون جو (محل) بناتے اور (انگور کے باغ) جو چھتریوں پر چڑھاتے تھے سب کو ہم نے تباہ کردیا۔

اور اس طریقہ سے دوسری جگہ فرمایا گیا ہے۔

ونرید ان نمن علی الذین استضعفوا فی الارض ونجعلھم ائمته و نجعلھم والوٰرثین، و نمکن لھم فی الرض و نری فرعون وھامن و جنودھما منھم ما کانو یحذرون۔

اور ہم چاہتے تھے کہ ان پر احسان کریں جو ملک میں کمزور کئے گئے تھے اور انہیں سردار بنادیں، اور انہیں وارث کریں، اور انہیں ملک پر قابض کریں اور فرعون اور ہامان اور ان کے لشکروں کو وہ چیز دکھادیں جس کا ان کو خطرہ تھا۔

قرآن دستورِ حیات ہے

اس طرح قرآن مجید قوموں، تاریخی ادوار، اور مختلف مراحل حیات اور مختلف زندگیوں کے انواع واقسام کا ایک منہ بولتا ثبوت ہے، مرقع اور چمکتا ہوا صاف شفاف آئینہ جس کا جی چاہے فرد ہو یا قوم، جماعت یا انجمن، خاندان ہو یا قبیلہ اس میں اپنی صورت دیکھ لے اور اپنی جگہ تلاش کرلے اور اپنی متعلق خود فیصلہ کرتے کہ ہمارے ساتھ کیا معاملہ ہونے والا اللہ تعالیٰ

سے کسی کا رشتہ نہیں اس نے صاف صاف کہہ دیا ہے۔

وقالت الیھود والنصریٰ نحن ابنٰؤُا اللہ واحباؤُہ قل فلم یعذبکم بذنوبکم بل انتم بشر ممن خلق۔

اور یہود ونصاریٰ کہتے ہیں کہ ہم اللہ کے بیٹے اور اس کے پیارے ہیں کہہ دو پھر تمہاری گناہوں کے باعث تمہیں کیوں عذاب دیتا ہے بلکہ تم بھی اور مخلوقات کی طرح ایک آدمی ہو۔

للکار کے فرمایا کہ یہودی اور عیسائیوں نے کہا کہ ہمارا کوئی کیا بگاڑ سکتا ہے ہم تو بالاتر ہیں ہم انسانیت کی سطح سے بالاتر ہے ہم خدا کے اولاد ہیں خدا کے چہیتے ہیں لاڈلے بیٹے ہیں تو اللہ اس کے جواب میں فرماتا ہے کہ پھر خدا کا قانون مجازات تم پر کس طرح جاری اور ساری ہے تمہاری رعایت کیوں نہیں کی جاتی تم بھی ایسے ہی ایک انسان ہو جیسے اور مخلوق۔

ہمارے اکابرین کی خدمات

میرے بھائیو، بزرگو، اور دوستو! میں آپ حضرات کے خلوص ومحبت آپ کے اکرام واعزاز سے بہت متاثر ہوں میں ناشکر گذار انسان نہیں بننا چاہتا لیکن میں اس کا تقاضا یہ نہیں سمجھتا کہ میں آپ کو مطمئن کروں اور آپ کی تعریف کر کے چلا جاؤں، جب کسی کو کسی سے محبت ہوتی ہے تو وہ خطرے کی نشاندہی کرتا ہے وہ اس کے چہرے کو دیکھتا ہے اس کی نبض دیکھتا ہے ہر وقت اس کا منہ دیکھتا رہتا ہے کہ خدانخواستہ کوئی تکلیف تو نہیں میں آپ سے عرض کرتا ہوں، کہ آپ بہت نازک دور سے گزر رہے ہیں میں انجمن نصرۃ الاسلام کے پلیٹ فارم سے بہتر کوئی پلیٹ فارم نہیں سمجھتا کہ آپ کو اس حقیقت کی طرف متوجہ کروں جو عین ''نصرت اسلام'' ہے اس کے انجمن کے بانی ہمارے دعاؤں مستحق ہیں کہ انہوں نے ایک مرکز قائم کیا جہاں بیٹھ کر اور جس کے ذریعہ اسلام کی نصرت کر سکیں، لیکن اسلام کا کام بہت وسیع ہے اور آپ سے کوئی فرد، کوئی جماعت، کوئی مقتدر ہستی، کوئی قابل احترام بزرگ اس سے سبکدوش اور فارغ البال نہیں ہو سکتے۔

تم ہر وقت ایک اہم ناکہ پر کھڑے ہو!

میرے بزرگو اور دوستو! حضرت عمرو بن العاصؓ نے جب مصر فتح کیا جو اس وقت دنیا

میں تمدن کی چوٹی پر تھا اور سرسبزی و شادابی میں اس پورے علاقہ کا کشمیر تھا حضرت عمرو بن العاصؓ نے وہ خوبصورت ترقی یافتہ معدنی، حیوانی، انسانی زمینی دولتوں سے بھرپور سرزمین کو فتح کیا، ایک فاتح کی جو خوشی جو اطمینان ہونا چاہئے تھا وہ ان کو نہیں ہوا اس لئے کہ انہوں نے صحبت نبویؐ پائی تھی، قران مجید کے تدبیر اور صحبت نبوی کی برکت نے ان کی آنکھیں، بلکہ ان کا دل و دماغ روشن کر دیا تھا ان کو اللہ تعالیٰ نے فراست مومن عطا فرمائی تھی۔ اور فراست ایمان سے آگے ایک قدم فراست صحابیت عطا کی تھی۔ انہوں نے عرب مسلمانوں سے جو اس ملک کے فاتح اور حکمراں تھے ایک بات کہی جو آب زر میں لکھنے کے قابل ہے ''انتم فی رباط دائم'' دیکھو یاد رکھو تمہیں یہاں کی زمین، فضا کی دلکشی و رعنائی، یہاں کی دولتیں اور تمدن اپنے میں مشغول نہ کرنے پائے اور تم اس سرزمین میں کھو نہ جاؤ، تم اپنے کو پالو اور حقیقت کو پالو، وہ کیا ہے ''انتم فی رباط دائم'' تم ہر وقت ایک اہم ناکہ پر کھڑے ہو تم یہ نہ سمجھنا کہ تم نے قبطیوں کو شکست دی اور رومن ایمپائر کے بہترین علاقہ پر تمہارا قبضہ ہو گیا، جزیرۃ العرب بالکل قریب ہے اور یہاں تم نے پورے انتظامات کر لئے ہیں اس پر تم دھوکہ نہ کھانا ''انتم فی رباط دائم'' تم ایسی جگہ پر کھڑے ہو کہ آنکھ جھپکی اور مارے گئے تمہیں یہاں ہر وقت بیدار رہنا چاہئے ہر وقت چوکنا رہنا چاہئے تم ایک پیام کے علمبردار ہو تم ایک دعوت لے کر آئے ہو تم ایک سیرت لے کر آئے ہو، اگر دعوت سے تم نے غفلت کی تو تم مارے گئے اور اگر تم نے اپنی سیرت کھو دی جو تم عرب سے لے کر آئے تھے جو تم آغوش نبوت سے اور مرکز رسالت (مدینہ) سے لے کر آئے تھے تو تمہیں کوئی برتری حاصل نہیں ہوگی، اگر تم نے کبھی یہ سمجھا کہ تم کھانے کمانے کے لئے یہاں آئے ہو، تم یہاں کی سرزمین سے، یہاں کے حسن و جمال سے متمتع ہونے کے لئے آئے ہو تم یہاں کے عیش و عشرت میں پڑ گئے اور تم نے ذرا سی غفلت کی تو پھر تم پر کوئی رحم نہیں کھائے گا تم یہاں بچ نہیں سکتے۔

حضرت صدیق اکبر کا تاریخی جملہ

آج سے ساڑھے چودہ سو برس پہلے جو بات عرب کے ایک سپاہی نے کی جو کسی دانشگاہ کا تعلیم یافتہ نہیں تھا، کہی تھی آج وہی بات صادق ہے آج بڑے بڑے اسلامی

ملکوں میں یہ بات صادق ہے کہ ’’انتم فی رباط دائم ‘‘ آپ کی ذمہ داری اور ہر فرد کی ذمہ داری ہے جس وقت جزیرۃ العرب میں ارتداد کی آگ پھیل گئی تو یہ سب کی ذمہ داری تھی لیکن ذمہ داری کے احساس میں فرق ہوتا ہے یہی فرق آدمی کو بڑا اور زندہ جاوید بناتا ہے ابوبکر صدیقؓ اس وقت خلیفہ وقت تھے انہوں نے کہا ’’اینقصُ الدینُ و أنا حیٌّ ‘‘ کیا میرے جیتے جی دین میں کوئی کتر بیونت ہوسکتی ہے کوئی قطع و برید ہوسکتی ہے حیف ہے میری زندگی پر، اگر میرے سامنے شریعت اسلامی میں ترمیم ہونے لگے، اور اسکے فرائض واحکام میں انتخاب کیا جانے لگے کہ نماز تو ٹھیک ہے، حج بھی ٹھیک ہے روزہ بھی ٹھیک ہے لیکن زکوٰۃ نہیں یا زکوٰۃ بھی ٹھیک روزہ نہیں میں زندہ ہوں اور میرے سامنے یہ تحریف ہو؟ یہ ہونہیں سکتا۔ بس یہ حمیت تھی جو ابل کر ان کی زبان پر آئی اور یہ لفظ ان کی زبان سے نکلے اور اس نے زمانہ کی کلائی موڑ دی، اور تاریخ کا دھارا بدل دیا، ایک انسان کی حمیت اسلامی، ایک انسان کی احساس ذمہ داری نے، تہ بہ تہ مشکلات کو کائی کی طرح کاٹ کر رکھ دیا تاریخ لمبی ہے اور واقعۂ ارتداد اور اس کی تفصیلات تاریخ میں محفوظ ہیں، لیکن حقیقت میں جو فیصلہ کن بات تھی وہ حضرت ابوبکر صدیقؓ کی یہ بات تھی ’’یہ نہیں ہوسکتا کہ میں زندہ ہوں اور دین پر حرف آئے، میں نے جو دین رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے پایا تھا وہ بے کم و کاست سو فیصدی رہے گا، ایک نقطہ کو بھی اپنی جگہ سے مٹنے نہیں دوں گا اور انہوں نے کر کے دکھایا۔

کل قیامت کے دن تم سے باز پرس ہوگی

حضرت! آپ علمائے کرام ہیں آپ زعمائے قوم ہیں آپ میں بڑے بڑے خطیب و مقرر ہیں آپ انجمنوں کے بانی اور اس کے ستون ہیں آپ کشمیر کا قلب ودماغ ہیں آپ کا فیصلہ اصل میں فیصلہ کن ہوگا پہلی بات یہ ہے کہ اس سرزمین کی اسلامیت باقی رہے، یہ آپ کے ذمہ واجب ہے کل حشر کا میدان ہوگا اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم تشریف رکھتے ہوں گے اور اللہ تبارک وتعالی عدالت کی کرسی پر ہوگا، اور سول صلی اللہ علیہ وسلم کا ہاتھ ہوگا اور آپ کا گریبان یا دامن ہوگا، آپ سے سوال ہوگا کہ اللہ نے اس سرزمین کو دولت اسلام سے مشرف کیا اولیائے کرام کو وہاں بھیجا، وہ اپنے کو خطرہ میں ڈال کر اس وادی میں پہنچے انہوں نے خدا کا کلام اور

پیغام وہاں کے باشندوں کو پہنچایا پھر ہم نے اسلام کے پودہ کو تن آور، بار آور اور پرثمر درخت بنایا اور درخت سینکڑوں برس تک سرسبز شادات اور پرثمر و سایہ دار رہا، ہزاروں مسجدیں بنیں، سینکڑوں مدرسے خانقاہیں قائم ہوئیں۔ جلیل القدر علماء ومحدثین وفقہاء پیدا ہوئے لیکن تمہاری ذرا سی غفلت و سستی، یا اختلاف وانتشار یا کوتاہ نظری وکم نگاہی سے اسلام کا یہ باغ خزاں کی نذر ہوگیا۔

لمحوں نے خطا کی، صدیوں نے سزا پائی

میں اسپین گیا وہاں سے دل پر یہ چوٹ لے کر آیا کہ خدا جانے وہ کیا غلطی تھی جس کی وجہ سے مردم خیز سرزمین، اولیاء وائمہ کا مرکز اسلام سے محروم ہوگیا بقول اقبال آج اس کا یہ حال ہے۔

آہ کہ صدیوں سے ہے تیری فضا بے اذاں

تاریخ ہمیں بتاتی ہے کہ غلطی اور غلطی کی سزا میں تناسب ہونا ضروری نہیں بعض مرتبہ چھوٹی غلط ہوتی ہے لیکن سزا بہت بڑی ہوتی ہے جس کے کچھ اسباب ہوتے ہیں، بعض مرتبہ ایک چھوٹے سے فیصلہ میں غلطی ہوئی اس کا نتیجہ صدیوں پر پھیلا ہوا ہے دنیا کی بہت سی قوموں نے اور جماعتوں نے غلطی کی اور کسی خاص موقعہ پر کمزوری دکھائی، صدیوں اس کی سزا ملتی رہی، اسپین میں اسلام کے زوال کی تاریخ اور اس کے اسباب کا سراغ لگائیں تو آپ کو معلوم ہوگا کہ عرب قبائل کی رقابت واختلاف یعنی ربیعہ، مضر عدنانی اور قحطانی، حجازی اور یمنیوں کا اختلاف اس کا بڑا سبب تھا جن لوگوں نے اسپین کے اسلام اور مسلمانوں کے زوال کا تجزیہ کیا ہے ان کا کہنا ہے کہ اس میں بڑا ہاتھ اس کا تھا کہ عدنانی اور حجازی چاہتے تھے کہ اقتدار ان کے ہاتھ میں ہو اور قحطانی، یمنی چاہتے تھے کہ اقتدار ان کے ہاتھ میں ہو انہوں نے کبھی تبلیغ واشاعت اسلام کی طرف توجہ نہیں کی، وہ جنوب کی طرف سمٹتے چلے گئے (جہاں سے مسلم ملک مغرب اقصیٰ مراکش قریب تھا) شمال کی طرف بڑھنے کی انہوں نے کوشش نہیں کی انہوں نے تعمیرات اور تمدن میں اپنی صلاحیت اور ذہانت صرف کی لیکن اسلام کے استحکام اور اسلام کو وہاں کی آبادی کے دلوں میں اتارنے کی کوشش نہیں کی، انہوں نے مدینۃ الزہراء آباد کیا انہوں الحمراء کا قلعہ بنایا

انہوں نے مسجد قرطبہ تعمیر کی جو فن معماری (Arcitec Ture) کا دنیا میں منفرد نمونہ ہے لیکن ان کو چاہئے تھا کہ اس کے بجائے وہ اپنے گردوپیش کی آبادی کو اسلام سے مانوس کرتے اسلام سے متعارف کراتے، بجائے پیچھے ہٹنے کے (یعنی جبل الطارق کی طرف آنے کے) ان کو آگے بڑھنا اور یورپ میں پیش قدمی کرنی چاہئے تھی لیکن وہ تہذیب وتمدن کی ترقی اور فنون لطیفہ کی سرپرستی اور تعمیرات میں لگ گئے، شعروشاعری میں منہمک ہوگئے، کسی وقت غلطی بہت بڑے اور دوررس نتائج پیدا کرتی ہے، کبھی کسی قوم نے بہت بڑا ظلم کیا اور اگر آدمی کے ہاتھ میں ترازو دے دیا جائے تو کہے کہ تختہ الٹ جائے لیکن ایسا نہیں ہوا، مگر ایک بیوہ کی آہ، ایک یتیم کی کراہ انقلاب سلطنت کا باعث بنی۔

اسلام ہر قیمت پر باقی رہے

پہلی بات تو یہ ہے کہ یہاں کی اسلامیت ہر قیمت پر باقی رہے، یہ آپ کا فریضہ ہے اور یہ آپ کے حق میں بہتر ہے عالم اسلام کے حق میں بہتر ہے، ہندوستان کے حق میں بھی بہتر ہے، ہندوستان کے حق کا تقاضا بھی یہی ہے کہ آپ اپنی خصوصیات اور اکثریت کے ساتھ باقی رہیں ہندوستان میں جب ہی صحیح توازن قائم ہوگا، ملک اسی وقت عزت پائے گا۔ اس کو استحکام حاصل ہوگا جب یہاں پر آپ اپنی خصوصیت اپنے پیام، اپنی امن پسندی، انسان دوستی تعمیری ذہنیت اور دماغی صلاحیتوں کے ساتھ باقی رہیں جب کوئی مسئلہ سامنے آئے تو فیصلہ کن بات یہ ہونا چاہئے کہ اس کا اس خطہ کی اسلامیت پر کیا اثر پڑتا ہے۔

عقیدہ کی صحت

اس سلسلہ میں سب سے اہم بات جو مجھے نظر آتی ہے وہ ہے عقیدہ کی صحت، یعنی اللہ تبارک وتعالیٰ کے ساتھ موحدانہ تعلق اور اس کے سوا کسی کے سامنے سر نہ جھکانے کا عزم اس میں اگر کمی ہوتی ہے تو اللہ تعالیٰ کی نصرت میں کمی ہوتی ہے اور قرآن مجید میں صاف صاف اشارے ہیں کہ جس امت کی توحید میں فرق آیا اس کی طاقت میں فرق آ گیا، طاقت کا سب سے بڑا سرچشمہ اور منبع عقیدۂ توحید ہے۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

سنلقی فی قلوب الذین کفروا الرعب بما اشرکو باللہ مالم ینزل بہ سلطناً وما وھم النار و بئس مثو الظلمین۔

اب ہم کافروں کے دلوں میں ہیبت ڈال دیں گے، اس لئے کہ انہوں نے اللہ کا شریک ٹھہرایا، جس کی اس نے کوئی دلیل نہیں اتاری، اس کا ٹھکانا دوزخ ہے اور ظالموں کا بہت برا ٹھکانا ہے۔

ان الذین اتخذ والعجل سینالھم غضب من ربھم و ذلتہ فی الحیوٰۃ الدنیا...... وکذلک نجزی المفرتین۔

بے شک جنہوں نے معبود بنایا، انہیں ان کے رب کی طرف سے غضب اور دنیا کی زندگی میں ذلت پہنچے گی۔ اور ہم بہتان باندھنے والوں کو یہی سزا دیتے ہیں۔

شرک ضعف کا سبب ہے

شرک ضعف کا سبب ہے ہمیشہ رہا ہے اور ہمیشہ رہے گا، سنۃ اللہ فی الذین خلوا من قبل'' اللہ تعالیٰ نے اشیاء میں خاصیتیں پیدا کی ہیں زہر میں ایک خاصیت ہے تریاق میں ایک خاصیت ہے پانی میں ایک خاصیت ہے آگ میں ایک خاصیت ہے اور اسی طرح شرک میں کمزوری کی خاصیت ہے اور توحید میں طاقت اور بے خوفی اور بے رعبی کی خاصیت ہے اس لئے سب سے بڑی ضرورت اس کی ہے کہ عقائد کی تصحیح ہو خدا کے ساتھ ابراہیمی، محمدی قرآنی تعلیم کے مطابق توحید کا رشتہ استوار ہو، رشتہ کو پھر استحکام کی ضرورت ہے اس لئے کہ شیطان ہمیشہ تاک میں رہتا ہے اور وہ ہمیشہ چھاپا مارتا رہتا ہے اور چور وہیں جاتا ہے جہاں دولت ہوتی ہے آپ کے پاس توحید کی، ایمان کی دولت ہے اس لئے آپ کے لئے خطرہ ہے ان کے لئے خطرہ میں نہیں بتاتا جن کی پاس سرے سے یہ نعمت نہیں آپ کے پاس خدا کے فضل سے نعمت ہے آپ کے باہر سے ملی اندر سے ملی وہ نعمت اب زمین کا جز بن گئی اس ملک کا حصہ بن گئی ہے یہاں کی تاریخ کا حصہ بن گئی ہے یہاں کی زندگی کا حصہ بن گئی ہے لیکن اس سے مطمئن نہیں ہونا چاہئے۔

آپس کی چپقلش سے اجتناب کریں

دوسری جس بات سے ڈرتا ہوں وہ انتشار اور افتراق ہے اس میں بھی اللہ تعالیٰ نے خاصیت ضعف کی رکھی ہے۔

واطیعو اللہ ورسولہ ولا تنازعو فتفشلو وتذھب ریحکم واصبرو ان اللہ مع الصابرین۔

اور اللہ اور اس کے رسول کا کہا مانو اور آپس میں نہ جھگڑو ورنہ بزدل ہو جاؤ گے اور تمہاری ہوا اکھڑ جائے گی اور صبر کرو، بے شک اللہ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے دیکھو آپس میں لڑائی جھگڑا نہ کرو، منازعت ومخاصمت سے کام نہ لو، ورنہ کمزور پڑ جاؤ گے، تمہاری بندھی ہوئی ہوا اکھڑ جائے گی اداروں کی کثرت بے شک زندگی کی علامت ہے اور بقدر ضرورت اس کو ہونا چاہئے لیکن یہ ہر محلّہ پر ایک ایک جھنڈا، ہر گھر پر ایک جھنڈا ہو ہر جگہ ایک انجمن ہو یہ صحیح نہیں ہے۔

دنیا کی محبت تمام برائیوں کی جڑ ہے

تیسری بات یہ ہے کہ اکثر کمزوریوں اور اکثر غلطیوں کی جڑ میں جو بات ملتی ہے وہ دنیا کی حد سے بڑھی ہوئی محبت دولت کی حد سے بڑھی ہوئی محبت ہے میں کوئی حکم نہیں لگاتا، کوئی شہادت نہیں دیتا لیکن یہ کہتا ہوں کہ دنیا کی محبت، پیسے کی محبت بھی بہت بڑی کمزوری کا سبب ہے جہاں سے دولت آئے جس طرح سے بھی دولت ہاتھ لگے، جس طرح سے عزت واقتدار میسر ہو، جس طرح سے ترقی منصب اور عہدہ ملے، بہر حال وہ مطلوب ہے اس کو ہاتھ سے نہیں جانے دینا چاہئے اس سے مطلب نہیں کہ یہ اجتماعی مفاد کے خلاف ہے یا موافق، یہ بیماری کی ایک بڑی علامت ہے، اس سے بھی زیادہ ڈرنے کی ضرورت ہے۔

اسراف سے اجتناب

چوتھی چیز تمدن کی خرابیاں، اسراف، فضول خرچی اور روایات پرستی، اور اس میں غلوہ اسراف تکبر وتفاخر ہے جو کو قرآن نے ''ترف'' اور ''بطر'' کے لفظ سے یاد فرمایا ہے۔

وما ارسلنا فی قریته من نذیر الا قال مترفوها انا ابما ارسلتم به کفرون۔

اور ہم نے کسی بستی میں کوئی ڈرانے والا نہیں بھیجا مگر وہاں کے خوشحال لوگوں نے کہا کہ جو چیز دے کر تم بھیجے گئے ہو ہم اس کے قائل نہیں۔

دوسری جگہ فرمایا کہ:

و کم اهلکنا منه قریه بطرت معیشتها فتلک مسکنهم لم تسکن من بعد هم الا قلیلا و کنا نحن الوارثین۔

اور ہم نے بہت سی بستیوں کو ہلاک کر ڈالا جو اپنی (فراخی) معیشت پر اترا رہی تھیں سو یہ ان کے مکانات ہیں جن کو ان کے بعد آباد ہونے کی بہت کم نوبت آئی اور ان کے پیچھے ہمیں ان کے (شہر و دریا) کے مالک رہے۔

تمدن کی فضولیات کو کم کیجئے، یہ نہیں کہ جس طریقہ سے شادیوں میں ہوتا آیا ہے، جس طریقہ سے شاہانہ تجمل اور رئیسانہ دولت کا اظہار ہوتا ہے، ویسا ہی ہو، اب اس کا وقت نہیں، ذرا آنکھیں کھولئے، اور دولت کو پہچانئے، اور غریب طبقہ کا خیال کیجئے، جن کو یہ وسائل حاصل نہیں۔

ایک چیز یہ ہے کہ کیرکٹر میں صلابت ہونی چاہئے، یہ نہیں کہ آدمی بالکل پارے کی طرح ہو جائے کہ اس کو کسی وقت قرار نہیں، کبھی ادھر کبھی ادھر، کسی چیز میں اثبات نہیں. یہ بھی قوموں کیلئے بڑی مہلک بیماری ہے، اپنی سیرت میں صلابت اور استقامت پیدا کیجئے، یہ بات میں عام طور پر ہندوستانی مسلمانوں سے کہتا ہوں، اور صرف اہل عجم سے نہیں، عربوں میں بھی کہتا ہوں، الحمد اللہ میرے مضامین اس پر شاہد ہیں، جن تقریروں میں میں نے عربوں کو مخاطب کیا ہے، ان کا مجموعہ ''العرب والاسلام'' کے نام سے الگ چھپ گیا ہے، اس کو دیکھا جا سکتا ہے، یہ مشترک بیماریاں ہیں، مشرق کی، ایشیا کی اور ہم مسلمانوں کی خاص طور پر۔

تو ایک چیز تو یہ کہ عقائد کی تصحیح ہونی چاہئے اور دوسرے یہ کہ افتراق و انتشار کو دور کرنا چاہئے، اتحاد ہونا چاہئے، اور تیسری بات یہ کہ حب دنیا، دولت کی محبت پر کچھ پابندی عائد کرنی چاہئے، حدیث شریف میں آتا ہے اور میں سمجھتا ہوں کہ معجزہ ہے ان معجزات میں سے جو حدیث کی شکل میں اور ارشادات نبویؐ کی شکل میں محفوظ ہیں، ''حب الدنیا رأس کل

خطیئة ”(دنیا کی محبت ہر گناہ کی جڑ ہے، ہر غلطی کی جڑ ہے) آپ دیکھیں گے کہ فلاں افسوسناک واقعہ کیوں ہوا، اس نے کیوں بے وفائی کی؟ یہ اس سے کیوں ٹوٹا؟ وہ اس سے کیوں ملا؟ اس نے ملت فروشی کیوں کی؟ اس نے ملک فروشی کیوں کی؟ اس نے ضمیر فروشی کیوں کی؟ سب کی جڑ ملے گی، دنیا کی محبت اور کچھ نہیں۔

مسلمانوں کی سب سے بڑی کمزوری

ایک اور کمزوری کی طرف اشارہ کرنا چاہتا ہوں، جو مسلمانوں کی عام کمزوری ہے، اور کسی علاقہ میں (بعض خاص اسباب کی بناء پر) زیادہ پائی جاتی ہے، وہ ضرورت سے زیادہ ”جذباتیت“ ہے یہ کمزوری جہاں اور جب اجتماعی طور پر پائی جاتی ہے، اور جماعتی یا علاقائی مزاج بن جاتی ہے، بڑے خطرات اور نقصانات کا موجب ہوتی ہے، اور اس سے بعض غلط اندیش عناصر ناجائز فائدہ اٹھاتے ہیں، بعض نادان دوست بھی سخت نقصان پہونچا دیتے ہیں، تاریخ میں بعض بڑے ملی حوادث و مصائب کا سبب یہی جذباتیت، اشتعال پذیری اور سرعت انفعال تھی، کسی شاعر نے صحیح کہا ہے۔

چواز قومے یکے بے دانشی کرو
نہ کہ راعنہ تے ماند نہ مہ را

پھر اگر یہ ”بے دانشی“ ایک دو افراد کی طرف سے نہ ہو، بلکہ ایک بڑی جماعت یا عوام کی طرف سے ہو، تو وہ اور مہیب، ورسوا کن اور دور رس نتائج کا سبب بن جاتی ہے، اسی حقیقت کو مشہور حکیم عرب شاعر متنبی نے اپنے اس شعر میں بیان کیا ہے۔

وجرمِ جرّہٗ سفهاء قومِ
فحل بغير جارمه العقاب

(وہ غلطی جس کا ارتکاب کسی قوم کی خفیف العقل لوگوں نے کیا، اس کا نتیجہ میں گیہوں کے ساتھ گھن بھی پس گئے اور نا کردہ گناہ لوگوں کو بھی اس سزا بھگتنی پڑی)

جن قوموں یا جماعتوں نے دنیا میں بڑے کارہائے نمایاں انجام دیئے ہیں، یا تاریخ

میں سلطنتوں اور تہذیبوں کی بانی قرار پائی ہیں یا یا انھوں نے دین حق کی دنیا میں جھنڈا بلند کیا ہے، وہ طبعی طور پر حلیم وبردبار، متحمل وعالی ظرف اور اسی کے ساتھ بہادر وغیور واقع ہوئی تھیں اور صدر اول کے مسلمان تو اس کا بہترین نمونہ ہیں، میں نے ایک مرتبہ ایک مجلس میں کہا کہ ”میں ابھی اس شہر میں داخل ہورہا تھا، تو میں نے دیکھا کہ میری کار کے سامنے ایک ٹینکر چل رہا ہے، اس کے پیچھے کی جانب جلی حروف میں لکھا ہوا ہے۔ ”Highly Implameable“ (جلد اور بہت زیادہ آگ پکڑ والی چیز) میں نے کہا کہ یہ پٹرول کی تعریف ہوسکتی ہے، بارود کی تعریف ہو سکتی ہے، کسی آتش گیر مادہ کی تعریف ہوسکتی ہے، مسلمان کی تعریف تو نہیں ہوسکتی کہ ذرا سی بات پر بھڑک اٹھیں، اور عواقب ونتائج سے بے پرواہوکر جو چاہیں کر گزریں، عمل ورد عمل میں کوئی تناسب نہ ہو، رائی کا پربت بنادیں، اور دوست دشمن خطاوار وغیرہ خطاوار، کمزور وطاقتور، بچوں بوڑھوں کسی کی تمیز نہ ہو، یہ جذباتیت اور سریع الانفعال لی ایک خطرناک بیماری ہے، جس کے علاج کی فوری ضرورت ہے، اور ہمارے قائدین داعیان دین اور تعلیم وتربیت واصلاح وتبلیغ کا کام کرنے والوں کو اس کی طرف فوراً توجہ کرنا چاہئے۔

آپ سے دردمندانہ گزارش

حضرات: میں خوش ہوں کہ میرے قیام کشمیر اور میری حقیر تقریروں کا خاتمہ ایک ایسی جگہ اور ایک ایسے مرکز سے ہورہا ہے، جہاں نصرت اسلام کے لئے ایک منظم، مخلصانہ ودانشمندانہ کوشش شروع ہوئی، خاص طور سے خدا کے ایک مخلص بندہ مولانا رسول شاہ صاحب نے نصرۃ الاسلام کی بنیاد ڈالی، اللہ تعالیٰ نے اس درخت کو قبول فرمایا، بارآور کیا اور سایہ دار بنایا۔

کشجرة طيبة اصلها ثابت وفرعها فی السمآء، تؤتی اكلها كل حين باذن ربها۔

گویا وہ ایک پاک درخت ہے، جس کی جڑ مضبوط (زمین کو پکڑے ہوئے ہے) اور شاخیں آسمان میں ہیں، اپنے پروردگار کے حکم سے ہمیشہ پھل لاتا (اور میوے دیتا) ہے۔

اس درخت نے پہلے بھی پھل دیا اور اب بھی پھل دے رہا ہے اور اگر خدا کو منظور ہے تو اللہ سے امید ہے کہ آئندہ بھی یہ پھل دیتا رہے گا، اس کو مضبوط کیجئے۔

ان الفاظ کے ساتھ میں اپنی گذارش ختم کرتا ہوں، امید کرتا ہوں کہ میری یہ ب

کے دل و دماغ میں ضرور محفوظ رہیں گی، اور ان لوگوں کے ذہن میں ضرور رہیں گی، جو اس سلسلہ میں کچھ کر سکتے ہیں، وہ کمزوری کے اسباب کو رفع کر کے نصرت الٰہی کو کھینچنے اور بلانے والے اسباب اور شرائط کو پورا کرنے اور ان اسباب کو مہیا کرنے کی کوشش کریں، تا کہ اللہ تبارک وتعالٰی کی مدد ہو۔

ان ینصر کم اللہ فلاغالب لکم و ان یخذلکم فمن ذاالذی ینصر کم من بعدہ، وعلی اللہ فلیتو کل المومنون۔

اگر اللہ تمہاری مدد کرے گا تو تم پر کوئی غالب نہیں آ سکتا، اور اگر وہ تمہیں چھوڑ دے تو پھر کون ہے کہ تمہاری مدد کرے اور مومنوں کو چاہیئے کہ خدا ہی پر بھروسہ رکھیں۔

ان الفاظ کے ساتھ میں آپ کے اس اعزاز کا اور مولانا محمد فاروق صاحب کا خاص طور پر اس کے رفقائے کار اور حاضرین کا عام طور پر دل سے شکریہ ادا کرتا ہوں اور اللہ تعالٰی سے یہ دعا کرتا ہوں، اور آپ بھی دعا کریں کہ میری اس حاضری کا کوئی لفظ قبول ہو جائے، خدا کے یہاں کوئی قدم قبول ہو جائے، میرے یہاں جو سات آٹھ دن گذرے ہیں، ان کی حرکات وسکنات سے اور ان کے اوقات میں سے کوئی چیز اللہ کے یہاں قبول ہو جائے، اور میرا آنا کسی درجہ میں بھی مفید ہو اور میں اپنی اس حاضری پر خدا کے یہاں شرمندہ نہ ہوں کہ میں کس مقصد کیلئے گیا تھا اور کیا کر کے آیا۔

و ما علینا الاالبلاغ المبین

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

غیر اسلامی تہذیب و اقتدار کے
مراکز میں مقیم مسلمانوں کی ذمہ داریاں

یہ تقریر ۲۰ ستمبر ۱۹۹۲ء لندن میں اسلامک سینٹر کے ایک عظیم مجمع میں دعوت اسلامی سے تعلق رکھنے والے موضوع پر کی گئی۔

نحمده ونصلی علی رسوله الكريم . اما بعد.

بزرگو! ایک ایسے ملک میں جس میں اسلام ایک محکومانہ مذہب کی حیثیت رکھتا ہے اور مغربی اقدار اور غیر اسلامی طرز معاشرت کی بالادستی ہو اور جس میں ذاتی مفاد اور سیاسی و جماعتی فائدوں ہی کو سب کچھ سمجھا جاتا ہو اور لذت کو ایک فلسفہ کی شکل دے دی گئی ہو، جس میں تمام تر اعمال و اخلاق اور کاوشوں کا محور اسی کو سمجھا گیا ہو، ایسے ملک میں مسلمانوں کی (جب کہ وہ وہاں اقلیت میں ہوں) بہت بڑی ذمہ داری ہے، اس کے لئے ضروری ہے کہ ان میں غیر متزلزل ایمان ہو، جرأت مندانہ کردار ہو، وہ پوری حکمت سے کام لیں، پھر ان میں اس پیغام و دعوت پر پورا اعتماد ہو جس سے اللہ نے ان کو مشرف فرمایا ہے۔ یہ بھی ان کے لئے ضروری ہے کہ ان کا ایک بلند معیار ہو اور وہ احساس کمتری کا شکار نہ ہونے پائیں، اگر وہ اس بلند معیار پر نہ ہوئے تو اپنی ذات کو اور اپنی قوم کو حقارت کی نگاہ سے اور مغربی تہذیب کے مقلدوں اور اس کے خوشہ چینیوں کی حیثیت سے دیکھیں گے، اس صورت میں وہ کوئی موثر اور اہم کردار ادا نہیں کر سکتے جو لوگوں کی توجہ کو مرکوز کر سکے اور کچھ تبدیلی عمل میں لا سکے۔

میں آپ کے سامنے ایک واقعہ بیان کرتا ہوں جس سے آپ کے سامنے بات بالکل واضح ہو جائے گی، اور ایک ایسے غیور مسلمان کا کردار بھی آپ کے سامنے آئے گا جس کو اپنی

دعوت اور پیغام پر پورا اعتماد تھا اور یہ ظاہری شان وشوکت اور دلفریب مناظر اس کی نظر میں ٹھیکروں سے زیادہ وقعت نہ رکھتے تھے اور ظاہری عیش، عشرت پر جینے مرنے والوں اور جاہلی زندگی گزارنے والوں پر اس کو ترس آتا تھا، یہ تاریخ اسلام کے قرن اول کا واقعہ ہے، اس کو میں آپ کے سامنے بیان کر رہا ہوں، اس میں عبرت ونصیحت بھی ہے اور یہ ہمارے لئے سبق آموز بھی ہے۔

ایرانی افواج کا سب سے بڑا قائد جس کو رستم کے نام سے یاد کیا جتا ہے اور جس کو اپنے دبدبہ اور شان وشوکت میں شہنشاہ ایران کے قریب ہی سمجھا جاتا تھا، اس نے لشکر اسلام کے قائد حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کو پیغام بھیجا کہ کسی ایسے آدمی کو بھیج دیا جائے جو اس مقصد کی وضاحت کرے جو عرب کے صحرا نشینوں اور بدوؤں کو ان متمدن ملکوں تک لے آیا جو تہذیب وتمدن اور عسکری قوت میں نقطہ عروج پر ہیں اور ملک عرب کو ان سے کوئی نسبت نہیں۔

اب غور کیجئے کہ وہ آدمی جو تخت سیادت وقیادت پر بیٹھا ہوا ہے، اور ایک بڑے رقبہ پر اس کی حکومت ہے، اس کا عربوں کے بارے میں کیا تاثر ہوگا جو خیموں اور کچے مکانات میں بودو باش رکھتے تھے، اور جن کا گزارہ کھجور اور اونٹ کے گوشت پر تھا، وہ کس لاپرواہی اور حقارت کی نگاہ سے عربوں کی طرف دیکھتا ہوگا، اس نے کہلوایا کہ کوئی ایسا آدمی بھیج دیا جائے جو اس مقصد و محرکات کی ترجمانی کردے جو ان کو یہاں لائے ہیں۔

یہ اسلام کا معجزہ ہے کہ اس نے تمام عربوں کو فکر وعقیدہ وایمان باللہ اور مقصد اسلام پر ناز و فخر کے ایک بلند اور بالا معیار پر پہنچا دیا تھا، حضرت سعد بن ابی وقاصؓ نے حضرت ربعی بن عامرؓ کا انتخاب فرمایا۔ یہ حضرت ربعی بن عامرؓ جن سے اکثر علمائے تاریخ وسیر ناواقف ہیں، ان کو لشکر اسلامی میں کوئی شان امتیازی بھی حاصل نہ تھی، میں آپ کے سامنے یہ قصہ کوئی افسانہ کے طور پر نہیں بیان کر رہا ہوں کہ جس میں صرف وقتی مزہ ہے یا قومی فخر وعزت کا سامان ہے، میں اسلئے آپ کے سامنے اس قصہ کا ذکر کر رہا ہوں تاکہ آپ اس طاقتور ایمان واعتماد کا جس نے ایرانی لشکروں کے قائد اعظم رستم کے سامنے اس جرأتمندانہ اور آزادانہ گفتگو پر آمادہ کیا، کچھ اندازہ کرسکیں اور مومن کے کردار، جرأت وعزم اور ایمانی قوت کا، مغربی تہذیب و ترقی، اقتدار وغلبہ کے بارے میں اپنے موقف اور کردار سے موازانہ کرسکیں، یہاں ہمارا اپنے

آپ کے ساتھ اپنے پیغام کے ساتھ اور اپنی ذمہ داریوں کے ساتھ کیا معاملہ ہے اور مغربی تہذیب جو یہاں رائج ہے، اور جس کو اس وقت معاصر دنیا میں سیادت وقیادت کا مقام حاصل ہے اس کی طرف ہم کس نگاہ سے دیکھتے ہیں۔

حضرت ربعی بن عامرؓ رستم کے دربار میں تشریف لائے، ان کے لباس میں پیوند لگے ہوئے تھے، معمولی سی تلوار اور ڈھال ان کے ساتھ تھی، ایک معمولی اور پست قد وقامت گھوڑے پر سوار تھے، اسی حال میں قالینوں کو روندتے ہوئے تشریف لائے، پھر گھوڑے سے اترے، وہیں کسی تکیہ سے اس کو باندھ دیا اور رستم کی طرف بڑھنے لگے، ہتھیار ان کے ساتھ تھے، زرہ میں ملبوس تھے اور سر پر خود تھا، خدم وحشم اس پر معترض ہوئے اور کہنے لگے ہتھیار اتار دو، حضرت ربعی بن عامرؓ نے فرمایا، میں خود تمہارے پاس نہیں آیا، تمہاری دعوت پر آیا ہوں، اگر اسی حال میں جانے دیتے ہو تو ٹھیک ہے، ورنہ میں واپس جاتا ہوں، رستم نے کہا کہ آنے دو۔ حضرت ربعیؓ اپنے نیزہ کو ان ریشمی قالینوں پر ٹیکتے ہوئے آگے بڑھے۔ حتیٰ کہ ان میں اکثر قالین پھٹ گئے۔

ربعیؓ رستم کے پاس پہنچے۔ رستم نے پوچھا کہ عرب کس مقصد سے یہاں آئے ہیں؟ انہوں نے پورے ایمان ویقین کے ساتھ جوان کے رگ وریشہ میں سرایت کر چکا تھا، اور بھرپور اعتماد کے ساتھ جس نے ان کے اعصاب کو مضبوط بنا دیا تھا، اس لئے کہ ان کی پشت پر جو چیز کارفرما تھی وہ آسمانی کتاب تھی، نبوت صادقہ تھی، غیر متزلزل اور پختہ عقیدہ تھا، بلند ہمت تھی اور تیر بہدف نگاہ تھی، انہوں نے فرمایا: ہم کو اللہ نے اس لئے بھیجا ہے، تاکہ ہم ان لوگوں کو جن کو اللہ چاہے بندوں کی غلامی سے نکال کر خدائے واحد کی غلامی میں لے آئیں، دنیا کی تنگی سے نکال کر دنیا کی وسعت میں لائیں اور مذاہب کے جور وستم سے نکال کر اسلام کا عدل وانصاف عطا کریں۔

بزرگو اور دوستو! اسلام کے پیغام ودعوت اور اس کے بنیادی مقصد کے بارے میں حضرت ربعیؓ نے جو فرمایا اس پر کامل یقین کے ساتھ اور جو انہوں نے لوگوں کو اللہ کی بندگی کی طرف لانے اور دوسرے مذاہب کے جور وستم سے نکال کر اسلام کے عدل وانصاف کی راہ دکھانے کا ذکر فرمایا، اس پر کوئی حیرت واستعجاب نہیں ہوتا کہ یہ ان کے عقیدہ اور یقین کی بات تھی، لیکن

مجھے ان کے اس جملہ پر بڑی حیرت واستعجاب ہے، جس میں انہوں نے فرمایا کہ ہمیں اس لئے بھیجا گیا ہے کہ "دنیا کی تنگی سے نکال کر دنیا کی وسعت کی طرف لائیں۔" اگر وہ دنیا کی تنگی سے نکال کر آخرت کی وسعت میں لانے کا ذکر فرماتے تو مجھے ادنیٰ تعجب نہیں ہوتا، اس لئے کہ یہ تو ایسی حقیقت ہے، جس پر ہر مسلمان اور صاحب ایمان یقین رکھتا ہے، اور حضرت ربعیؓ کا واقعہ تو قرن اول کا ہے، میں ان کے اس جملہ پر غرق حیرت ہو جاتا ہوں کہ ہم تم کو دنیا کی تنگی سے نکال کر دنیا کی وسعتوں میں لانا چاہتے ہیں، گویا کہ وہ فرما رہے ہیں ہم نے اپنے اوپر ترس کھا کر اور ان ملکوں کے عیش وعشرت کی طمع میں اپنے وطن کو ترک نہیں کیا، ہم تو یہاں تم پر ترس کھا کر آئے ہیں، ہم چاہتے ہیں کہ تم کو تنگ وتاریک قید خانے سے آزاد کریں جس میں تم اس پرندہ کی طرح زندگی گزار رہے ہو جس کو کسی ظرف یا قفس میں بند کر دیا جاتا ہے اور دانہ اور پانی اسی کے اندر دے دیا جاتا ہے، اس لئے کہ تم اپنی عادتوں اور ضرورتوں کے غلام ہو، خواہشات نفس کے غلام ہو، مروجہ فیشنوں سے پیچھا نہیں چھڑا سکتے، تمہارے لئے تنہا ایک لمحہ گزارنا مشکل ہے، تم اپنی مرضی کے مطابق کوئی کام نہیں کر سکتے، تم کو قدم قدم پر خادموں اور معاونوں کی ضرورت ہے، پہرہ داروں اور چوکیداروں کی ضرورت ہے، کوئی کام بھی تم بغیر کسی مددگار کے انجام نہیں دے سکتے۔

تاریخی شواہد موجود ہیں کہ جب شاہ ایران یزدگرد اپنی مملکت سے فرار ہوا تو درمیان سفر اس کو پیاس لگی، ایک گھر میں داخل ہوا، اس کو ایک معمولی روزمرہ کے استعمال کے گلاس میں پانی دیا گیا تو اس نے کہا کہ میں اس گلاس میں پانی نہیں پی سکتا، اس لئے کہ وہ تو سونے اور چاندی کے گلاس میں پانی پینے کا عادی تھا۔ ایرانیوں کا تو یہ حال تھا کہ ایران میں کوئی بڑا آدمی ایک لاکھ درہم سے کم کا تاج پہنتا یا اس کے پاس عالی شان محل اور اس کے لوازمات، حوض و فوارہ اور باغات نہ ہوتے تو اس کو حقارت کی نظر سے دیکھا جاتا۔

گویا کہ حضرت ربعیؓ یہ فرما رہے ہیں کہ تم تو اپنے خادموں کے خادم اور غلاموں کے غلام ہو اس لئے کہ ان سے زیادہ تم ان کے محتاج ہو، ہماری آرزو ہے کہ تمہیں اس تنگ وتاریک قید خانہ سے نکال کر وسعت وآزادی کی فضا میں لائیں، ہم یہاں اپنی ضرورت سے نہیں آئے، ہم نے تو یہ دور دراز کا سفر تمہاری ضرورت کے پیش نظر کیا ہے، ہمارے لئے اپنے وطن میں کوئی تنگی

نہیں۔ وہ صحرا تو بڑا کشادہ اور وسیع ہے، ہم کو تو تمہاری اس غیر فطری اور غیر طبعی معیشت پر بے چینی ہے، جس میں تم مست ہو، یہی بے چینی ہمیں یہاں لائی ہے، ہم لوگ خواہشات پر چلنے والے نہیں ہیں، ہم خاص پوشاک اور راتب کے غلام نہیں ہیں اور نہ خادموں اور حاشیہ برداروں کے محتاج ہیں، ہم صحرا میں آزادی کی زندگی گزارنے والے ہیں، جو میسر آتا ہے کھاتے ہیں اور شکر کرتے ہیں، ہم کو تو اللہ نے اس لئے بھیجا ہے کہ جس کو وہ چاہے اس کو ہم لوگوں کی غلامی سے نکال کر ایک اللہ کی غلامی میں لے آئیں، دنیا کی تنگی سے نکال کر دنیا کی وسعت عطا کریں اور مذاہب کے جور وستم سے آزاد کراکے اسلام کے عدل وانصاف سے فائدہ اٹھانے کا موقع دیں، تم مذاہب کے ظلم وستم کا نشانہ بنے ہوئے ہو، جس کے نتیجہ میں مصیبتوں میں گرفتار ہو، ذلت وخواری تمہارا مقدر بنی ہوئی ہے اور حقیقی سکون وراحت تم کو نصیب نہیں ہے۔

میرے بھائیو اور دوستو! میں طوالت دینا نہیں چاہتا، آپ کی بھی ذمہ داریاں اور مشغولیتیں ہیں۔ میں آپ سے مختصراً کہتا ہوں، آپ یہاں آزادانہ، موثر اور بنیادی کردار ادا کریں، آپ کی زندگی مثالی زندگی ہو، جو لوگوں کی نگاہیں پھیر دے اور توجہ مرکوز کردے، ذہنوں میں ایسے سوالات پیدا ہوں جو موازنہ کرنے پر مجبور کریں اور اسلام کے متعلق صحیح معلومات حاصل کرنے کا داعیہ پیدا ہو، اگر آپ نے بھی مغربی طرز معاشرت اختیار کرلیا، آپ انہی کے مقلد بن گئے اور اپنے بلند معیار سے اپنے کو نیچے گرالیا تو آپ میں اور یہاں کے مغربی باشندوں میں کوئی امتیاز باقی نہیں رہ سکتا اور نہ ان میں معلومات کا شوق اور غور وفکر کا جذبہ پیدا ہوسکتا ہے اور نہ آپ کا احترام ان کے دل میں آسکتا ہے، چہ جائیکہ وہ آپ کو قابل تقلید ونمونہ سمجھیں۔

لیکن جب آپ ان کے سامنے ایک نامانوس طریقہ زندگی پیش کریں گے تو اس سے ان کے اندر ایک جستجو پیدا ہوگی، اور وہ آپ سے پوچھنے پر مجبور ہوں گے کہ یہ طریقہ زندگی آپ نے کہاں سے اخذ کیا اور یہ بلند وبالا اقدار اور اخلاق فاضلہ آپ نے کس سے سیکھے، ان میں اشتیاق پیدا ہوگا کہ ان کو آپ ایسا لٹریچر دیں جس سے وہ اسلام سے متعلق مستند معلومات حاصل کریں، اور آپ ان کو رسول اللہ ﷺ کی سیرت طیبہ سے روشناس کرائیں اور ان کو وہ راستہ دکھائیں جس پر چل کر آپ کے اندر یہ قدریں پیدا ہوئیں اور یہ بلند کردار آپ کو حاصل ہوا، اس

وقت وہ آپ کو احترام وعقیدت کی نگاہ سے دیکھیں گے۔

مسلمان بھائیو اور یہاں کے باشندو! (خواہ وہ یہاں کے نیشنل ہوں یا کچھ مدت کے لئے آئے ہوں) ایسا نمونہ زندگی پیش کیجئے جو ان میں اسلام کے مطالعہ کا شوق پیدا کردے اور اس راستہ کو جاننے کا اشتیاق پیدا کردے جس پر چل کر یہ طرز زندگی اور طریقہ فکر ہم کو عطا ہوا، یہی تنہا وہ انقلاب انگیز راستہ ہے، جس پر چل کر آپ ان غیر اسلامی ملکوں میں موثر کردار ادا کر سکتے ہیں، اگر آپ ان ہی کے رنگ میں رنگ گئے اور وہی طریقہ زندگی اختیار کرلیا، (خواہ یہ احساس کمتری اور نقالی کا جذبہ عالم عرب میں ہو یا ہندوستان یا افریقہ کے کسی حصہ میں یا دنیا کے کسی بھی ملک میں) آپ ہرگز ان پر اثر انداز نہیں ہو سکتے اور کوئی تبدیلی عمل میں نہیں لا سکتے، خواہ سو سال یا اس سے زیادہ مدت تک وہاں قیام اور زندگی گزارنے کا موقع ملے۔

آخر میں آپ حضرات کا شکریہ ادا کرتا ہوں کہ آپ نے سکون واطمینان کی ساتھ تقریر سنی اور اگر مجھ سے کوئی زیادتی ہوئی ہو تو معذرت خواہ ہوں۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

خواص
ملت میں ان کا مقام اور ذمہ داریاں

۲/اپریل ۱۹۷۲ء کو گھورکھپور میں خواص اور شہر کے سر برآوردہ ایک مخصوص مجلس میں یہ تقریر کی گئی تھی جس میں طبقۂ خواص کے مقام اور ذمہ داریوں پر روشنی ڈالی گئی تھی۔

الحمد للہ و کفیٰ وسلام علی عبادہ الذین اصطفی. اما بعد.

خواص کی اصطلاح:

حضرات! آپ سب حضرات کا تعلق طبقہ خواص سے ہے۔ یہ ایک عزت کی بات بھی ہے اور ذمہ داری کی بھی ''خواص'' کی اصطلاح بہت قدیم زمانے سے چلی آ رہی ہے، اور مذہب و تاریخ، تمدن و معاشرت اور ادب و شاعری سب میں یہ یا اس کے ہم معنی الفاظ کثرت سے استعمال ہوئے ہیں، مگر اس کا صحیح مفہوم کیا ہے، اس کا تفصیلی اطلاق کس طبقہ پر ہوتا ہے؟ یہ بات تشریح طلب ہے، اور اس کی کسی قدر تفصیل کی ضرورت ہے، میں اس وقت اسی کے متعلق کچھ عرض کرنا چاہتا ہوں۔

''خواص'' کا جاہلی مفہوم:

خواص کا ایک ''جاہلی'' مفہوم ہے اور ایک ''اسلامی'' اس کا جاہلی مفہوم یہ ہے کہ کسی معاشرے، ملت یا ملک میں ایک ایسا طبقہ وجود میں آ جائے جو ہر چیز میں عوام سے الگ ہو، وہ اپنی دنیا خود بنائے اور اسی دنیا میں عمر بسر کردے۔ زندگی کے ہر شعبہ میں اس کا معیار بلند ہو، جہاں ایک روپے سے کام چلتا ہو، وہاں سو روپے سے کام چلائے، جو کام سادہ طریقے پر ہوتا ہو وہ دھوم دھام اور نہایت تزک و احتشام کے ساتھ انجام دیا جائے، ہر چیز میں نام و نمود اور عزت و وجاہت پیش نظر ہو، جب مسرتوں اور شادیوں کا موقع آئے تو تھیلوں کے منہ کھول

دیئے جائیں اور دولت پانی کی طرح بہائی جائے اور اس میں ایسی شان وشوکت کا اظہار ہو کہ شہر میں ہفتوں اور مہینوں اس کے چرچے رہیں اور اپنی خیالی دنیا میں پوری عمر گزار دی جائے اور عوام پر جو کچھ گزرتی ہے اور جن مصائب ومشکلات سے دن رات ان کا سامنا ہے ان کی اس طبقہ کو ہوا بھی نہ لگے، کسی دینی تحریک اور کسی اصلاحی کوشش سے قطعاً کوئی دلچسپی نہ ہو، ساری دلچسپیاں اپنے، اپنی اولاد اور اپنے ذاتی مفادات تک محدود ہوں، جس کام سے شہرت وعزت حاصل ہوتی ہو اور حکومت وسوسائٹی کی نگاہ میں وقعت بڑھ سکے اس کے لئے اشرفیوں کی لوٹ ہو اور جس کام سے یہ مفید مقصد حاصل نہ ہوتا ہو اس کے لئے کوڑیوں پر مہر ہو اخلاقیات میں جو بات عوام کے لئے ناجائز ہے، اس طبقہ کے لئے جائز، جو بات ان کے حق میں عیب، اس کے حق میں ہنر ہے۔

حالی نے اپنے زمانے کے امراء وخواص کے اسی طبقے کی تصویر ان اشعار میں کھینچی ہے:

امیروں کا عالم نہ پوچھو کہ کیا ہے
خمیر ان کا اور ان کی طینت جدا ہے
سزاوار ہے ان کو جو ناسزا ہے
روا ہے انہیں سب کہ جو نا روا ہے
شریعت ہوئی ہے نکونام ان سے
بہت فخر کرتا ہے اسلام ان سے

قرآن مجید میں "مترفین" کی اصلاح اور ان کا کردار:

خواص کے ایسے طبقہ کے لئے جس کی یہ سیرت اور اخلاق ہوں، قرآن مجید میں "مترفین" کی اصطلاح استعمال کی گئی ہے، قرآن مجید نے اس کو معاشرے کے ایک مریض ومفسد گروہ کی حیثیت سے ذکر کیا ہے، جو تکبر وانانیت کے مرض میں مبتلا ہے اور جو ہر نیک دعوت واصلاحی کوشش کی مخالفت میں ہمیشہ پیش پیش رہتا ہے۔ ارشاد ہے:

وما ارسلنا فی قریة من نذیر الا قال مترفوها انا بما ارسلتم به کافرون (۱)

اور ہم نے کسی بستی میں کوئی ڈرانے والا نہیں بھیجا مگر وہاں کے خوشحال لوگوں نے کہا کہ جو

چیز دے کر تم بھیجے گئے ہو ہم اس کے قائل نہیں۔

اس کو اپنی اولاد اور دولت کی کثرت پر ناز ہوتا ہے اور اس سے وہ نتیجہ نکالتا ہے کہ وہ ہر نعمت سے بہرہ ور اور ہر مصیبت و ناکامی سے محفوظ رہے گا۔

وقالوا نحن اکثر اموالاواولاداو ما نحن بمعذبین.

اور یہ بھی کہنے لگے کہ ہم بہت سا مال اور اولاد رکھتے ہیں اور ہم کو عذاب نہیں ہوگا۔

کبھی اس گروہ کو ''اکابر مجرمین'' کے لقب سے یاد کیا گیا ہے جس کا کام ہی سازش کرنا ہے، اصلاحی کوششوں کی راہ میں مشکلات پیدا کرنا اور ان کو ناکام بنانے کی کوشش کرنا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

وکذلک جعلنا فی کل قریۃ اکابر مجرمیھا لیمکرو فیھا وما یمکرون الا بانفسھم وما یشعرون .

اور اسی طرح ہم نے ہر بستی میں بڑے بڑے مجرم پیدا کئے کہ ان میں مکاریاں کرتے رہیں اور جو مکاریاں یہ کرتے ہیں ان کا نقصان انہیں کو ہے اور وہ (اس سے) بے خبر ہیں۔

ان کا کام ہر فساد و انتشار کا ساتھ دینا ہے، ایک دوسری جگہ ارشاد ہے:

واتبع الذین ظلموا ما اترفوا فیہ وکانو مجرمین.

اور جو ظالم تھے وہ انہی باتوں کے پیچھے لگ رہے جن میں عیش و آرام تھا اور وہ گناہوں میں ڈوبے ہوئے تھے۔

اس طبقے کا عروج، اس کی بے عنوانیاں، اس کی اخلاقی انارکی، اس کا آزادانہ طریقے سے داد عیش دینا اور ہر قسم کے حدود و قیود کو پھلانگ جانا اور اس کی خرمستی، ملکوں اور قوموں، شہروں اور بستیوں کی تباہی کا سبب بن جاتی ہے، قرآن کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ جب کسی بستی کی تباہی کے دن آتے ہیں، اور اس کا پیمانہ حیات لبریز ہو جاتا ہے تو پہلے اس طبقے میں بگاڑ آتا ہے اور وہ اپنے اعمال و اخلاق سے عذاب خداوندی کو دعوت دیتا ہے اور پوری پوری آبادی پر مصیبت لے آتا ہے، قرآن مجید اپنے خاص اسلوب میں فرماتا ہے:

واذا اردنا ان نھلک قریۃ امرنا مترفیھا ففسقوا فیھا فحق علیھا القول فدمرناھا تدمیراً

اور جب ہمارا ارادہ کسی بستی کے ہلاک کرنے کا ہوا تو وہاں کے آسودہ لوگوں کو (فواحش) پر مامور کر دیا تو وہ نافرمانیاں کرتے رہے پھر اس پر (عذاب کا) حکم ثابت ہو گیا اور ہم نے اسے ہلاک کر ڈالا۔

دوسری جگہ ارشاد ہے:

وکم اھلکنا من قریۃ بطرت معیشتھا فتلک مساکنھم لم تسکن من بعدھم الا قلیلاً وکنا نحن الوارثین۔

اور ہم نے بہت سی بستیوں کو ہلاک کر ڈالا جو اپنی (فراخی) معیشت میں اترا رہے تھے سو یہ ان کے مکانات ہیں جو ان کے بعد آبادی نہیں ہوئے مگر بہت کم اور ان کے پیچھے ہم ہی ان کے وارث ہوئے۔ یہ ہے خواص کا جاہلی مفہوم۔

”خواص“ کا اسلامی مفہوم اور ان کی سیرت واخلاق:

خواص کا اسلامی مفہوم اس سے بالکل جدا ہے، اس سے مراد ملت اور اسلامی معاشرے کا ایک ایسا طبقہ ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے فہم وفراست کی وافر دولت عطا فرمائی ہے، اس کو ذمہ داری اور اپنے فرائض کا احساس عوام اور دوسرے طبقوں کے افراد سے زیادہ ہوتا ہے، جو اپنی قسمت کو دین وملت کی قسمت سے اور عام فلاح وبہبود سے وابستہ سمجھتا ہے، جس کا عقیدہ ہے کہ افراد کی زندگی جماعت سے ہے اور موج دریا سے باہر اپنی ہستی باقی نہیں رکھ سکتی، وہ ملت کے ہر دکھ درد میں شریک رہتے ہیں بلکہ چونکہ اللہ تعالیٰ نے ان کو معاشرے میں دل ودماغ کا درجہ عطا کیا ہے، اس لئے ان کو دل ودماغ ہی کی طرح عوام وملت کا درد سب سے پہلے اور سب سے زیادہ محسوس ہوتا ہے، ان کی حیثیت جب معاشرے کے جسم میں آنکھ کی ہے تو وہ اسی طرح نازک وحساس ہوتے ہیں اور ایک معمولی ذرے سے ان کے اندر کھٹک پیدا ہو جاتی ہے، وہ ملت اور معاشرے میں مقیاس الحرارہ (بیرومیٹر) کی حیثیت رکھتے ہیں کہ وہ سب سے پہلے موسم کے تغیرات اور درجہ حرارت وبرودت کو بتاتا ہے وہ ہر خطرے کے وقت سینہ سپر اور ملت کی پہلی صف میں نظر آتے ہیں اور ہر نفع اور مفاد کے موقع پر ملت کی آخری صف میں دکھائی دیتے ہیں، جب خدمت وقربانی کا کوئی موقع آتا ہے اور عمل وسرگرمی کے لئے پکارا جاتا ہے تو وہ سمجھتے

ہیں کہ انہیں کو آواز دی گئی ہے اور وہی مخاطب ہیں اور انعامات اور مال غنیمت کی تقسیم کا وقت آتا ہے تو وہ سمجھتے ہیں کہ وہ اس کے مستحق نہیں ہیں اور ان کا اس میں کوئی حصہ نہیں ہے، ملی و اجتماعی حادثوں کے وقت ان کی راتوں کی نیند اڑ جاتی ہے، اور خواب و خور حرام ہوا جاتا ہے، وہ اس کو اپنا ذاتی معاملہ سمجھتے ہیں اور جب تک اس صورت حال میں تبدیلی واقع نہیں ہوتی ان کے اندر سکون و اعتدال نہیں ہوتا، وہ دوسروں کے حق میں حاتم اور اپنے حق میں انتہا درجہ کے محتاط اور کفایت شعار ہوتے ہیں، اس معیار و پیمانہ کو لے کر امت کے ’’خاص الخاص‘‘ افراد کی زندگی کا مطالعہ کریں۔

اپنے ’’خواص‘‘ اور ’’عزیزوں‘‘ کے بارے میں رسول اللہ ﷺ کا طرز عمل:

سب سے پہلے آنحضرت ﷺ کی حیات طیبہ کا مطالعہ کیا جائے، حضرت علیؓ خاندان نبوت کے ایک فرد اور محرم اسرار تھے، وہ کہتے ہیں کہ جب بڑے زور کا رن پڑتا تھا اور گھمسان کی لڑائی ہوتی تھی تو آپ ﷺ ہم لوگوں کو اور خاندان بنی ہاشم کو آگے کر دیا کرتے تھے، لڑائی کا سارا زور ہم پر پڑ جاتا تھا، میدان بدر میں جو کچھ پیش آیا وہ اس کی تصدیق کرتا ہے، جس وقت قریش کے سورما اور نامی گرامی لڑنے والے عتبہ، شیبہ، ربیعہ میدان میں نکلے اور انہوں نے مقابلہ کے لئے للکارا اور عرب کے دستور کے مطابق ’’مبارز‘‘ طلبی کی تو ان کے مقابلہ کے لئے تین انصاری میدان میں آئے۔ انہوں نے کہا کہ شریف مقابل ہیں مگر ہم لوگ مقابلہ کے لئے اپنی برادری قریش کے جوان چاہتے ہیں جو مکہ آئے ہوں۔ آپ کو معلوم ہے کہ آپ سرداران قریش کی سپہ گری و مردانگی اور ان کے جنگی کمالات سے خوب واقف تھے، وہ قریش کی بڑی بڑی جنگوں میں اپنی شجاعت کے جوہر دکھا چکے تھے اور بڑا نام پیدا کیا تھا۔ ان کا مقابلہ کرنے کے لئے مہاجرین میں بھی بڑے بڑے آزمودہ کار سپاہی اور ان کے برابر لڑنے والے موجود تھے، جن میں سے حضرت سعدؓ، حضرت طلحہؓ، حضرت ابوعبیدہؓ کا نام لیا جا سکتا ہے، جنہوں نے بعد میں پورے پورے ملک فتح کئے اور ایران و شام میں اسلام کا جھنڈا گاڑ دیا، لیکن اس موقع پر آپ نے ان میں سے کسی کو زحمت نہ دی، آپ اپنے اپنے تین قریب ترین عزیزوں اور افراد خاندان کو حکم دیا

کہ وہ ان کے مقابلہ میں جائیں۔ یہ کون تھے؟ ایک حقیقی چچازاد بھائی علی ابن ابی طالب، ایک چاہنے والے اور جاں نثار چچا حمزہ اور ایک دوسرے چچازاد بھائی عبیدہ ابن الحارث۔ یہ بھی خیال رہے کہ حضرت علیؓ آپ کے داماد ہونے والے تھے اور ان کو جان بوجھ کر بلا میں ڈالنا اپنی چہیتی بیٹی کے مستقبل کو خطرے میں ڈالنا تھا، ایسے موقعوں پر دامادوں کی زندگی فرزندوں کی طرح عزیز سمجھی جاتی ہے، چنانچہ یہ حضرات مقابلہ کے لئے نکلے، حضرت علیؓ، حضرت حمزہؓ فائزہ المرام زندہ سلامت واپس آئے اور حضرت عبیدہؓ بن الحارث زخمی ہوئے، یہ اس طرز عمل کی ایک مثال تھی جو آپ نے اپنے خاندان اور اپنی ذات کے ساتھ اختیار کر رکھا تھا۔

دوسری مثال لیجئے، آپ کو سود کی حرمت کا اعلان کرنا تھا، جس کے لئے آپ کو ایک عملی مثال پیش کرنی تھی، عرب میں جن لوگوں کا بڑے پیمانہ پر سودی کاروبار تھا ان میں آپ کے چچا حضرت عباسؓ بھی تھے، آپ اس موقع پر کسی قریشی مہاجر اور کسی مسلمان سرمایہ دار کا نام لے سکتے تھے، جو سود کے حرام ہونے سے پہلے یہ کاروبار کرتا تھا، لیکن آپ نے اس کے لئے صرف حضرت عباسؓ کے نام کا انتخاب کیا، مجھے معلوم نہیں ہے اور غالباً سیرت کی کسی کتاب میں اس کا تذکرہ نہیں ہے کہ آپ نے ان سے پہلے ذکر فرما دیا تھا یا نہیں، آپ نے اپنے حجۃ الوداع کے خطبہ مین اعلان فرمایا کہ اس قانون کا سب سے پہلا اطلاق حضرت عباس ابن عبدالمطلب پر ہوگا، ان کا جو کچھ مطالبہ اور سود دوسروں کے ذمہ ہے وہ کالعدم قرار دیا جاتا ہے۔ ”**واول ربا اضعہ ربا عباس ابن عبدالمطلب**“ (پہلا سود جو میں ختم کرتا ہوں وہ عباس ابن عبدالمطلب کا سود ہے۔)

اسی طرح آپ کو یہ اعلان فرمانا تھا کہ جاہلیت (ماقبل اسلام) میں جو خون کے مطالبے چلے آرہے تھے، اور ایک مقتول کے بدلے میں قاتل قبیلہ کے کسی آدمی کا قتل کر دینا جائز سمجھا جاتا تھا، میں اس جاہلی رسم کو بھی ہمیشہ کے لئے ختم کرتا ہوں، اس کے لئے بھی آپ بطور نمونہ کے کسی ایسے مقتول کا نام لے سکتے تھے، جس کے خون کا بدلہ ابھی نہیں لیا گیا تھا اور آپ کو بہت سی ایسی مثالیں مل سکتی تھیں، لیکن اس کے لئے بھی آپ نے اپنے ہی خاندان کے ربیعہ ابن الحارث ابن المطلب کے بچے یعنی اپنے ایک بھتیجہ کا نام لیا، آپ نے فرمایا ”**وان اول دمائکم اضع دم ابن ربیعہ ابن الحارث ابن عبدالمطلب وکان مسترضعاً فی**

بنی لیث فقتله هذیل فهو اول مابعد ابه من دماء الجاهلیة"(۱)

ترجمہ:۔ اور پہلا جاہلی خون جس کو میں ساقط کرتا ہوں وہ ربیعہ ابن الحارث ابن عبدالمطلب کے بچہ کا خون ہے جو قبیلہ بنولیث میں دودھ پیتا تھا، اس کو قبیلہ ہذیل نے قتل کردیا تھا، وہ جاہلیت کا پہلا خون ہے جس سے میں آغاز کرتا ہوں۔

لیکن جب زکوۃ کے مستحقین کے ذکر کا موقع آیا اور یہ بتانے کی ضرورت ہوئی کہ زکوۃ کس کس کو دی جاسکتی ہے اور اس سے کون کون فائدہ اٹھا سکتا ہے؟ تو آپ نے اپنے خاندان بنی ہاشم اور قیامت تک ان کی نسل کو اس نفع بخش اور دائمی سلسلے سے فائدہ اٹھانے سے محروم کردیا اور فرمایا کہ بنی ہاشم کو زکوۃ نہیں دی جاسکتی۔

خواص امت کا طرز عمل:

آئیے اب امت کے خواص کے صف اول کے لوگوں کی زندگی کا جائزہ لیں، ان میں سب سے پہلے رفیق غار اور خلیفہ اول حضرت ابوبکر صدیقؓ کا نام آتا ہے، انہوں نے جب خلافت کی ذمہ داری سنبھالی تو اپنے گزر اوقات کے لئے مسلمانوں کے بڑے اصرار سے جو روزینہ قبول کیا وہ ایسا تھا کہ جس سے کم میں شاید اس وقت کسی معمولی سے معمولی مسلمان شہری کی گزر بسر نہیں ہوسکتی تھی۔ حالانکہ وہ خلافت سے پہلے مسلمانوں کے آسودہ حال طبقے سے تعلق رکھتے تھے اور مکہ و مدینہ کے ایک کامیاب تاجر تھے، اس روزینہ میں بھی ان کے احتیاط کا یہ حال تھا کہ جب ان کی اہلیہ محترمہ نے منہ کا مزہ درست کرنے کے لئے اس وظیفہ میں سے کچھ رقم حلوے کے لئے پس انداز کرلی تو انہوں نے بیت المال کے ذمہ داروں کو ہدایت کردی کہ اب اتنی رقم کاٹ کر روزینہ دیا جائے اس لئے کہ تجربے نے بتایا ہے کہ اس سے کم رقم میں ابوبکرؓ کے گھرانے کا گزر ہوسکتا ہے۔

یہ ان کی احتیاط اور طرز معیشت کا ایک نمونہ تھا کہ وہ طبقہ خواص میں ہونے اور سب سے بڑے اسلامی منصب پر فائز ہونے کا مطلب یہ نہیں سمجھتے تھے کہ وہ سب سے اچھا کھائیں، سب سے اچھا پہنیں اور سب سے بہتر زندگی گزاریں، بلکہ اس کا مطلب یہ سمجھتے تھے کہ

---

(۱)(سیرۃ ابن ہشام جلد۴۔ صفحہ۔ ۲۷۵)

وہ سب سے کم پر قناعت کریں یا کم سے کم سب کے مساوی زندگی گزاریں۔

اب ان کے احساس ذمہ داری کا ایک اور نمونہ دیکھئے، اسلام اور ملت کو جو خطرات پیش آئے اور ان کی زندگی میں جو نازک ترین گھڑیاں آئیں، اس موقع پر ان کا احساس اور ان کے قلب و دماغ پر کیا اثر ہوتا ہے اور وہ اس کا درد اپنے جگر میں کس طرح محسوس کرتے ہیں؟ اس کے لئے ایک ہی واقعہ اور ان کا ایک ہی جملہ کافی ہے اور اسی میں ان کی سیرت کا پورا جوہر اور ان کا مزاج اور انداز فکر آ گیا ہے، وہ جملہ طبقہ خواص کے لئے ایک تازیانہ اور ایک درس موعظت و عبرت ہے۔

جب عرب قبائل میں ارتداد کی آگ بھڑکی اور بہت سے قبائل نے صاف صاف یہ کہنا شروع کیا کہ ہم نماز، روزہ اور حج کی فرضیت کے قائل ہیں لیکن ہم زکوٰۃ کو یہ مقام دینے کے لئے تیار نہیں، اور اس طرح فرائض و ارکان دین میں تبدیلی کا فتنہ اور اسلام میں تحریف کا دروازہ کھل رہا تھا، تو حضرت ابوبکرؓ تڑپ اٹھے، ان کی زبان سے اس وقت جو فقرہ نکلا وہ تاریخ نے جوں کا توں محفوظ کر دیا ہے۔ انہوں نے فرمایا۔ "اینقص الدین و انا حی" کیا میرے جیتے جی دین میں قطع و برید ہو سکتی ہے، میں زندہ ہوں اور رسول اللہ ﷺ کے لائے ہوئے دین میں کتر بیونت ہونے لگے؟ یہ قیامت تک نہیں ہو سکتا، بس اسی وقت اس فتنے کے سدباب کے لئے اور اس دروازے کو ہمیشہ کے لئے بند کرنے کے لئے اپنی جان کی بازی لگا دی اور بپھرے ہوئے شیر کی طرح میدان میں آ گئے۔ ان کی دینی غیرت اور ان کی صدیقی شجاعت و استقامت نے ہمیشہ کے لئے دین کو ایسی تحریف سے اور امت کو ایسے خطرے سے محفوظ کر دیا کہ آج زکوٰۃ کا رکن اسی طرح زندہ اور تابندہ ہے، جس طرح نماز، روزہ اور حج۔

اہل فکر و قائدین کا مقام اور ذمہ داری:

ملت کو جو خطرات و مصائب پیش آتے ہیں ان میں بہت سے خطرات و مصائب وہ ہیں جن کو عامی اور کم پڑھے لکھے افراد بھی محسوس کرتے ہیں، ان کے احساس کے لئے کسی خاص ذہانت و فراست اور کسی خاص دور بینی اور باریک بینی کی ضرورت نہیں ہے۔ مثلاً اتلاف جان و مال، فسادات و ہنگامے، تنگدستی اور بے روزگاری وغیرہ وغیرہ۔ لیکن کچھ خطرات اور مصائب وہ

ہیں جن کو صرف وہ خواص ہی محسوس کر سکتے ہیں، جنہیں اللہ تعالیٰ نے فہم و فراست کی دولت بخشی ہے، ان کی نگاہ معاملات کی تہہ تک پہنچتی ہے، اقوام و ملل کی تاریخ پر ان کی نظر ہے اور اللہ تعالیٰ نے ان کو دینی حمیت اور ملی غیرت کا جوہر بھی عطا فرمایا ہے، وہ ان خطرات اور مصائب سے بدرجہا زیادہ معنوی خطرات اور مصائب کو محسوس کرتے ہیں، اور مستقبل کے تصور سے ان کی راتوں کی نیند اڑ جاتی ہے۔ مثلاً ذہنی و تہذیبی ارتداد کا خطرہ اس زبان و کلچر سے محرومی جو دینی معلومات سے مالا مال اور اسلامی روح و مزاج کی حامل ہو اور جس سے نئی نسلوں کا اپنے اسلاف اور حال کا ماضی سے رشتہ قائم ہوتا ہے۔ نیا نظام تعلیم جس کے اثر سے مسلمانوں کی نئی نسل کا اسلامی تعلیمات سے ناآشنا اور خلاف اسلام اور منافی توحید عقائد و افکار سے متاثر ہونا بالکل قدرتی امر ہے، مسلمانوں کی اپنی مستقل شخصیت اور ملی خصائص اور اسلامی تہذیب سے محرومی اور اکثریت کی تہذیب، فلسفہ اور شخصیت میں تحلیل ہوجانے کا خطرہ ہے، یہ وہ خطرات ہیں جن کی سنگینی کو صرف طبقہ خواص کے لوگ ہی محسوس کر سکتے ہیں۔ وہ اکثر اقبال کے الفاظ میں اس طرح گویا ہوتے ہیں:

آنکھ جو کچھ دیکھتی ہے لب پہ آ سکتا نہیں
محو حیرت ہوں کہ دنیا کیا سے کیا ہوجائے گی

قرآن شریف کی آیت ہے: "**یآیھا الذین آمنوا اصبروا وصابروا ورابطوا واتقوا اللہ لعلکم تفلحون**"

ترجمہ: اے ایمان والو! صبر کرو ایک دوسرے کو صبر کی ترغیب دو اور مورچوں پر جمے رہو اور ہر حال میں خدا سے ڈرتے رہو تاکہ (اپنے مقصد میں) کامیاب ہو۔

اس آیت میں "اصبروا" کے ساتھ "صابروا" کی ہدایت و تلقین کی حکمت اور اس کا راز بڑا غور طلب ہے، اقوام و ملل کی زندگی اور قوموں کے عروج و زوال کے مسئلہ میں صرف انفرادی صبر و استقامت کافی نہیں ہوتی، اجتماعی صبر و استقامت اور ہمت و استقلال کی ایک عام فضا اور ماحول کی ضرورت ہوتی ہے، اس کی ضرورت ہوتی ہے کہ ہر فرد دوسرے فرد کے لئے باعث تقویت، اس کا پشت پناہ، اپنی جگہ پر صابر و تقسیم اور دوسروں کے لئے صبر و استقامت کا داعی و مبلغ ہو، ا
کی زندگی، اس کا ایمان و یقین، اس کا صبر و توکل، اس کا عزم و حوصلہ، اس کا بلند کردار، دوسر

میں اعتماد پیدا کرنے کا ذریعہ اور ان کے لئے مشعل راہ ہو، اس کو دیکھ کر اکھڑتے ہوئے قدم جم جائیں، افسردہ طبیعتیں اور پست ہمتیں بلند و مستحکم ہو جائیں، اس فضا میں بے ہمتی اور بے صبری کی بات کہنا اور کرنا ایسا ہی مشکل ہو جائے اور معیوب سمجھا جائے جیسے تردد و تذبذب کے ماحول اور خوف و ہراس کے عالم میں صبر و ہمت کی تلقین و ثبات و استقامت کی ہدایت۔

حفاظت دین وملت کا مورچہ:

پھر فرمایا ''ورابطوا'' (اور مورچوں پر جمے رہو) اس موقع پر یاد رکھنا چاہئے کہ مورچے دو طرح کے ہوتے ہیں۔ ایک فوجی اور زمینی مورچہ، دوسرے معنوی مورچہ، فوجی و زمینی مورچہ بھی بہت اہم ہے، اور زندہ و غیور قومیں اس پر گھٹنے ٹیک دیتی ہیں اور اس کی حفاظت میں جان کی بازی لگا دیتی ہیں، مگر یہ مورچہ قومی زندگی میں فیصلہ کن حیثیت نہیں رکھتا، قوموں کی زندگی میں میدان جنگ کی شکست یا کسی مورچے سے پسپائی ان کی قسمت پر مہر نہیں لگا دیتی، دنیا میں قومیں شکست بھی کھاتی رہی ہیں، اور فتح بھی حاصل کرتی رہتی ہیں، اپنے مورچوں سے ہٹتی بھی رہی ہیں اور ان کو واپس بھی لیتی رہی ہیں، عہد نبوی ﷺ، دور صحابہؓ اور تاریخ اسلام کے ہر عہد میں یہ نشیب و فراز اور یہ سرد و گرم پیش آتے رہے ہیں اور جو قوم اس نشیب و فراز سے نہیں گزرتی اور شکست کی تلخی سے اس کے کام و دہن کبھی آشنا نہیں ہوتے وہ صرف فتح کی لذت و حلاوت سے آشنا ہوتی ہے۔ اس قوم کی صلاحیت پر زیادہ اعتماد نہیں کیا جا سکتا، اس لئے قوموں کی تربیت کے لئے یہ دونوں تجربے ضروری ہیں اور خدا نے اپنے محبوب پیغمبر اور اس کے برگزیدہ اصحاب کو ان دونوں راستوں سے گزارا ہے۔

لیکن معنوی مورچوں کا معاملہ ان سے بالکل مختلف ہے، کسی معنوی مورچہ پر شکست و پسپائی بعض اوقات صدیوں و ہزاروں برس کا فیصلہ کر دیتی ہے اور بعض اوقات اس سے کسی قوم و ملت کی قسمت پر مہر لگ جاتی ہے۔ آج ہندوستان کی ملت اسلامیہ کو یہی معنوی مورچہ درپیش ہے، ملت کی جداگانہ شخصیت کا مورچہ، اسلام کی مستقل تہذیب کا مورچہ، اسلام کے عائلی قانون (پرسنل لاء) کا مسئلہ، زبان و کلچر کا مسئلہ، آئندہ نسلوں کی تعلیم کا مورچہ، ان مورچوں کی حفاظت ''خواص'' ہی کر سکتے ہیں، اس کے لئے جس علم، جس فہم، جس احساس، جس دروں بینی

اور حقیقت شناسی اور مقصد کی تکمیل کے لئے جن وسائل و ذرائع کی ضرورت ہے، وہ اسی طبقہ کے پاس ہے، ان کی بروقت فرض شناسی اور مستعدی، ان کی بے چینی اور دردمندی مدتوں کے لئے اس خطرہ کو ٹال سکتی ہے اور ملت کو اس خطرے سے محفوظ بنا سکتی ہے اور ان کی ذرا سی غفلت و سستی ملت کے قافلہ کو سالوں اور صدیوں کے حساب سے منزل سے دور کر سکتی ہے۔ انہوں نے اگر اپنے ذاتی مقاصد و مفادات کو ملت کے مفاد پر، اپنی ذات کو پیش آنے والے دور، ازکار، خطرات کو ملت کے حقیقی خطرات پر ترجیح دی تو ان مورچوں پر شکست یقینی ہے:

رفتم کہ کار از پا کشم محمل نہاں شد از نظر
یک لحظہ غافل بودم و صد سالہ راہم دور شد

ملت کے نمائندوں کی کمزوری کا خمیازہ:

ان خواص کی جو صرف اپنی دولت، تمول، کاروبار اور نسبی و خاندانی تفوق کی وجہ سے طبقہ خواص میں سمجھے جاتے ہیں، اور معاشرے میں ''بڑے آدمی'' کہلاتے ہیں، ملت کے مفادات و ضروریات سے غفلت اور چشم پوشی، اسراف بے جا، دولت کا غلط استعمال اور ملت فراموشی کا اثر، ملت اور اس کے مستقبل پر اتنا اثر انداز نہیں ہوتا، اور اس کی قسمت کا فیصلہ اس طرح نہیں کرتا جس طرح ملت کے ان نمائندوں، زعماء وقائدین، ممتاز اہل فکر اور دانشور طبقہ کی وہ کمزوری کرتی ہے، جس کو اگر ہم ان کے احترام میں ملت فروشی نہ کہیں تو ملت فراموشی کہنے پر مجبور ہیں۔

یہ طبقہ جو اپنے دل کی آواز، ملت کی پکار اور ضمیر کے تقاضے کے بجائے اپنے ذاتی مفادات اور شخصی کامیابیوں کو ترجیح دیتا ہے اور جاہ پرستی و حصول اقتدار کے مرض میں مبتلا ہو جاتا ہے، اور اسی کو زندگی کا نصب العین اور ترقی کی معراج سمجھنے لگتا ہے، حق بات کہنے میں اس کی زبان گنگ، اور اس کے لب بستہ ہوتے ہیں، بڑے بڑے ملی مصائب کے وقت بھی اس کے اندر حمیت و غیرت کا کوئی جذبہ انگڑائی نہیں لیتا اور اس کو ظالم کہنے کی توفیق نہیں ہوتی، وہ اپنی نشست محفوظ رکھنے، اپنے عہدے اور اعزاز کو برقرار رکھنے یا اس کے حصول کے لئے بڑے سے بڑے ملی نقصان کو برداشت اور بڑے سے بڑے المیہ کو انگیز کر لیتا ہے، بڑے سے بڑے محضر قتل پر دستخط کرنے میں اس کو باک نہیں ہوتا، بلکہ بعض اوقات اپنے ایک موہوم فائدے اور

محدود عارضی جاہ واقتدار کے لئے پوری ملت کو خطرے میں گرفتار اور اس کے بڑے سے بڑے مقدس اثاثہ اور ورثہ کا سودا کرنے کے لئے تیار ہو جاتا ہے۔ اقبال نے ”شیخ حرم“ کہہ کر اسی طبقہ کی تصویر کھینچی ہے، جس کے ہاتھ میں بدقسمتی سے ملت کی قیادت ونمائندگی آجاتی ہے، وہ کہتے ہیں:

یہی شیخ حرم ہے جو چرا کر بیچ کھاتا ہے
گلیم بوذرؓ و دلق اویسؓ و چادر زہراؓ

ملتوں اور قوموں کی تاریخ اور خصوصیت کے ساتھ اس ملت کی تاریخ شاہد ہے کہ اسی طبقہ کی ضمیر فروشی، یا بے ضمیری، مفاد پرستی، جاہ طلبی اور اقتدار کی ہوس نے بڑی بڑی مستحکم اور طویل العمر سلطنتوں کا چراغ گل کردیا اور پوری ملت کو آن کی آن میں ذلیل کر کے رکھ دیا، خلافت عباسیہ کا خاتمہ، بغداد کی تباہی، بیت المقدس پر صلیبیوں کا قبضہ، سلطنت مغلیہ کا زوال، میسور کی ابھرتی ہوئی طاقت کا خاتمہ اور ٹیپو کی ناکامی، ترکوں کی شکست اور مقامات مقدسہ اور ممالک عربیہ کا اتحادیوں کے زیر اثر آنا، سب اسی طبقہ کی ملت فروشی، جاہ واقتدار کی ہوس اور انانیت کا نتیجہ ہے۔

ملت کے نمائندوں اور منتخب افراد کی ذمہ داری:

ایک جمہوری، آزاد وترقی یافتہ ملک میں یہ اچھا یا برا کردار ملت کی حفاظت یا ملت کی ہلاکت کا پارٹ ”خواص“ کا وہ طبقہ ادا کرتا ہے جو مجالس قانون ساز، پارلیمنٹ اور اسمبلیوں میں اس ملت کا نمائندہ یا حکومت وانتظامیہ میں بڑے بڑے عہدوں اور منصوبوں پر فائز ہوتا ہے، یا صحافت وسیاست میں اونچا مقام رکھتا ہے، یا ملک کے دانشوروں، اہل قلم اور مفکرین میں ان کا شمار ہوتا ہے، اسی طبقہ کا ایک ایک فرد ہزاروں، لاکھوں کے مقابلے میں زیادہ وزن واعتبار رکھتا ہے۔

اس طبقہ کی دینی حمیت وملی غیرت، اخلاقی جرأت، معمولی قربانیاں، صدیوں کے لئے ملت کا مستقبل محفوظ کر دیتی ہیں، اور جو کام بعض اوقات لاکھوں کروڑوں انسان انجام نہیں دے سکتے، وہ یہ مٹھی بھر جماعت انجام دے دیتی ہے، وہ اگر کسی ملی مسئلہ پر یک زبان و یک

آواز ہو جائے اور ملت کے دین، اس کی تہذیب یا اس کی ثقافت اور کلچر یا اس کے قانون و شریعت کو بچانے، یا ملت کو باعزت باصول رکھنے کے لئے اپنے ذاتی مفاد کو ٹھکرا دیتے ہیں اور اقتدار کی کرسی اور جاہ و اعزاز سے دستبردار ہو جانے کا ارادہ ظاہر کرتے ہیں، ایوان ہائے قانون ساز کی رکنیت، صدارتیں اور قیادتیں، عہدے اور اس مقصد عزیز کے سامنے پرکاہ کے برابر بھی نہ معلوم ہو، تو چشم زدن میں بڑے بڑے فیصلے بدل جائیں، ناممکن ممکن ہو جائے، خطرے کے پہاڑ اور چٹانیں ریت کے ذرات میں تبدیل ہو جائیں اور پوری ملت، عزت و توقیر، شرف و اعتبار سے ہمکنار ہو۔

لیکن اگر معاملہ اس کے برعکس ہوتا ہے، ان کو ملت کے اجتماعی مفاد کے مقابلے میں اپنی کرسی عزیز ہوتی ہے اور اپنا مفاد مقدم، ان کو ادنیٰ سے ادنیٰ خطرہ مول لینے کی جرأت نہ ہوتی، یا حکومت و اکثریت کی پیشانی پر ادنیٰ سی شکن پڑنے کی ہمت نہیں ہوتی، وہ اپنے حقیر فائدے کے لئے ملت کے بڑے سے بڑے نقصان، اس کی تہذیب کا زوال اور اس کے ذہنی و دینی ارتداد تک گوارا کر لیتے ہیں اور ملت کے تمام مفادات، اس کی موت و حیات کے مسئلے سے آنکھیں بند کر کے اپنے منصوبوں کی تکمیل، اپنے خوابوں کی تعبیر اور اپنے محلوں کی تعمیر میں لگے رہتے ہیں، اور کوئی بڑے سے بڑا واقعہ یا حوادث کا تازیانہ، ان کے ضمیر کو جھنجھوڑنے کے لئے کافی نہیں ہوتا، تو پھر اس ملت کی قسمت پر مہر لگ جاتی ہی اور اس کے بڑے سے بڑے مخلص و ناصح اور چارہ گر و مسیحا اس کے درد کی دوا نہیں کر سکتے۔

یہاں آ کے دیتا ہے رو ابر نسیاں

دین کی نبوی مزاج، اور اس کی حفاظت کی ضرورت

یہ تقریر حضرت مولانا علی میاں نوراللہ مرقدہ نے مورخہ ۳ نومبر ۱۹۸۱ء کو کشمیر کے دورے پر مرکز جماعت اسلامی سرینگر میں فرمائی تھی۔ اس موقعہ پر جماعت کے رفقاء، ہمدردوں اور کارکنوں کے علاوہ دوسرے تعلیم یافتہ حضرات کی بھی خاص تعداد موجود تھی۔

الحمد لله رب العلمين والصلاة والسلام على سيد المرسلين خاتم النبيين محمد واله وصحبه اجمعين ومن تبعهم باحسان ودعا بدعوتهم الى يوم الدين امابعد ۔

جناب قائم مقام امیر جماعت، رفقاء، احباب اور معزز حاضرین، میں سب سے پہلے تو آپ کی اس عزت افزائی کا شکریہ ادا کرتا ہوں، جس کا اظہار آپ نے اس دعوت اور پھر اس سپاسنامہ کے ذریعہ کیا، اللہ تعالیٰ آپ کے حسن ظن کے حق بجانب ثابت کرے اور توقعات کو پورا کرے، جن کا آپ نے اس محبانہ سپاسنامہ میں اظہار فرمایا ہے، میرا احساس ہے کہ اس وقت میں ایک ایسی صاحب علم وفکر جماعت سے خطاب کر رہا ہوں، جس کی تشکیل فکر ومطالعہ پر ہوئی ہے، یہ عوام کا کوئی مجمع نہیں ہے، اس لئے میری تقریر میں اگر خطیبانہ عنصر نہ ہو تو آپ اس کو بے محل نہ سمجھیں۔

آپ نے جس محبت، حسن ظن اور اعتماد کا اظہار فرمایا ہے، اس کا بھی حق ہے اور میرے ضمیر اور میرے محدود فکر ومطالعہ اور تجربہ کا بھی تقاضہ ہے کہ میں آپ کے سامنے وہ چیز رکھوں جو مجھے خود بھی عزیز ہے، اور اس کو اہم اور ضروری سمجھتا ہوں، حدیث میں آتا ہے، ''لايؤمن أحد كم حتى يحب لأخيه مايحب نفسه '' تم میں سے کوئی شخص مومن نہیں ہو سکتا (لفظ تو حدیث کے یہی ہیں، مگر ہمارے علماء نے بہت سے اعتراضات اور خدشوں سے بچنے کے لئے اس کا مفہوم اس طرح بیان کیا ہے کہ ''تم میں سے کوئی شخص مومن کامل نہیں ہو سکتا'') جب تک کہ اپنے بھائی کے لئے وہی چیز پسند نہ کرے جو اپنے لئے پسند کرتا ہے، ذمہ دار حضرات اور

جماعت کے افراد سے اس کی بھی امید کرتا ہوں کہ جس تناسب اور جس انداز سے میں بات کہہ رہا ہوں، اسی تناسب اور انداز کے ساتھ آپ اخذ بھی کریں گے، اور اسی طرح دوسروں تک بھی پہونچائیں گے۔

حضرات! جس جماعت سے کسی تعلیم، تحریک، فلسفہ یا دعوت کا اخذ کیا جائے، اسی جماعت کا مزاج اس تحریک، تعلیم یا دعوت یا فلسفہ میں جاری ساری ہوتا ہے، یہ ایک قدرتی بات، ایک فطری عمل اور سنۃ اللہ ہے، آپ جن استادوں سے پڑھتے ہیں، ان استادوں کا طریق فکر، بلکہ اندازِ گفتگو بعض اوقات چال ڈھال بھی اس سے ملنے لگتی ہے، آپ جس گروہ کے ساتھ زیادہ اٹھتے بیٹھتے ہیں، شعوری یا غیر شعوری طریقہ پر آپ کے فکری سانچہ کو، آپ کے احساسات کو، آپ کے طریق تعبیر اور اظہار مافی الضمیر کو متاثر کرتا ہے، یہ قدرتی بات ہے کہ ایک فن طب ہی کو لیجئے (خواہ طب قدیم ہو یا طب جدید) میں نے دیکھا ہے، اس طریقے سے ہونہار شاگرد نسخہ لکھتے ہیں، اسی طرح سے مرض کی تشخیص کرتے ہیں، وہی پرہیز اور اسی طرح کی احتیاطیں بتاتے ہیں، بلکہ بعض اوقات دیکھا ہے کہ وہ نقل بالکل مطابق اصل ہوتی ہے، اسی طریقہ سے جو لوگ کشتی کا فن سیکھتے ہیں، وہ اپنے استادوں کے کرتب داؤں پیچ، اکھاڑے میں اترنے اور دو دو ہاتھ کرنے کا انداز اپنا لیتے ہیں۔

اقبال نے اپنی غزل اور شاعری کے متعلق کہا ہے، مگر حقیقت اس سے زیادہ وسیع ہے۔

ہے رگِ ساز میں رواں صاحب ساز کا لہو

میرے بھائیو! یہ دین جس کی نعمت سے اللہ نے ہم کو اور آپ سب کو سرفراز فرمایا ہے، نہ دانشوروں سے اخذ کیا گیا ہے، نہ حکما، فلاسفہ سے، نہ سیاست دانوں سے، نہ اہل حکومت و بانیان سلطنت سے، نہ فاتحین سے نہ خالص ذہین لوگوں سے یہ ماخوذ ہے انبیاء علیہم السلام سے، اس لئے اس دین کے اخذ کرنے والوں میں اس دین پر چلنے والوں میں اس دین کی دعوت دینے والوں اور دین کا فکر پیش کرنے والوں میں انبیاء علیہم السلام کا مزاج جاری و ساری ہونا چاہئے، یہی اس "دانشگاہ" کے طالب علموں کی سب سے بڑی ترقی، سعادت اور (تعبیر غلط نہ ہو تو) معراج ہے کہ وہ "نبوی مزاج" زیادہ سے زیادہ اخذ کریں، اس میں کامیاب ہوں۔

میں اس موقعہ پر آپ کو ایک لطیفہ سناتا ہوں، جس سے شاید میری بات زیادہ سمجھ میں

آئے ، کہتے ہیں اورنگ زیب عالمگیر کے پاس ایک بہروپیا آتا تھا، وہ مختلف روپ بدل کر آتا تھا، اورنگ زیب ایک فرزانہ وتجربہ کار شخص تھے، جو اس طویل وعریض ملک پر حکومت کر رہے تھے، اس کو پہچان لیتے، وہ فوراً کہہ دیتے کہ فلاں ہے، میں جانتا ہوں، وہ ناکام رہتا، پھر دوسرا بھیس بدل کر آتا پھر وہ تاڑ جاتے اور کہتے کہ میں نے پہچان لیا تو فلاں کا بھیس بدل کر آیا ہے تو تو فلاں ہے، بہروپیا عاجز آ گیا، اخیر میں کچھ دنوں تک خاموشی رہی، ایک عرصہ تک وہ بادشاہ کے سامنے نہیں آیا، سال دو سال کے بعد شہر میں یہ افواہ گرم ہوئی کہ کوئی بزرگ آئے ہوئے ہیں، اور فلاں پہاڑ کی چوٹی پر خلوت نشین ہیں، چلہ کھینچے ہوئے ہیں، بہت مشکل سے لوگوں سے ملتے ہیں، کوئی بڑا خوش قسمت ہوتا ہے جس کا وہ سلام یا نذر قبول کرتے ہیں، اور اس کو باریابی کا شرف بخشتے ہیں، بالکل یکسو اور دنیا سے گوشہ گیر ہیں، بادشاہ حضرت مجدد الف ثانیؒ کی تحریک کے مکتب کے پروردہ تھے، اور ان کو اتباع سنت کا خاص اہتمام تھا۔ وہ اتنی جلدی کسی کے معتقد ہونے والے نہیں تھے، انھوں نے اس کا کوئی نوٹس نہیں لیا،، ان کے اراکین دربار نے کئی بار عرض کیا کہ کبھی جہاں پناہ بھی تشریف لے چلیں، اور بزرگ کی زیارت کریں، اور ان کی دعا لیں، انھوں نے ٹال دیا، دو چار مرتبہ کہنے کے بعد بادشاہ نے فرمایا کہ اچھا بھئی چلو کیا حرج ہے، اگر خدا کا کوئی مخلص بندہ ہے، اور خلوت گزیں ہے، تو اس کی زیارت سے فائدہ ہی ہو گا، بادشاہ تشریف لے گئے، اور مؤدب ہو کر بیٹھ گئے، اور دعا کی درخواست کی، اور نذر دکھائی، درویش نے لینے سے معذرت کی، بادشاہ وہاں سے رخصت ہوئے تو درویش کھڑے ہو گئے اور آداب بجالائے، فرشی سلام کیا اور کہا کہ جہاں پناہ مجھے نہیں پہچان سکے، میں وہی بہروپیا ہوں جو کئی بار آیا، اور سرکار پر میری قلعی کھل گئی، بادشاہ نے اقرار کیا، کہا کہ بھائی بات تو ٹھیک ہے، میں اب کی بار نہیں پہچان سکا، لیکن یہ بتاؤ کہ میں نے جب تمہیں اتنی بڑی رقم پیش کی جس کے لئے تم یہ سب کمالات دکھاتے تھے، تو تم نے کیوں نہیں قبول کیا، اس نے کہا سرکار، میں نے جن کا بھیس بدلا تھا، ان کا یہ شیوہ نہیں، جب میں ان کے نام پر بیٹھا، اور میں نے ان کا کردار ادا کرنے کا بیڑہ اٹھایا تو مجھے شرم آئی کہ میں جن کی نقل کر رہا ہوں، ان کا طرز نہیں کہ وہ کسی بادشاہ کی رقم قبول کریں، اس لئے میں نے نہیں قبول کیا، اس واقعہ سے دل ودماغ کو ایک چوٹ لگتی ہے کہ ایک بہروپیا یہ کہہ سکتا ہے، تو پھر سنجیدہ لوگ، صاحب دعوت، انبیاء علیہم السلام کی دعوت

قبول کر کے ان کا مزاج اختیار نہ کریں، یہ بڑے ستم کی بات ہے، میں نے یہ لطیفہ تفریح طبع کے لئے نہیں بلکہ ایک حقیقت کو ذرا آسان طریقہ پر ذہن نشین کرنے کے لئے سنایا۔

ہم داعی و مبلغ ہوں، یا دین کے ترجمان، یا شارح، ہمیں یہ بات پیش نظر رکھنی چاہئے کہ یہ دین اور دعوت ہم نے انبیاء علیہم السلام سے اخذ کی ہے، اگر انبیاء علیہم السلام یہ دعوت لے کر نہ آتے تو ہم کو اس کی ہوا بھی نہ لگتی، قرآن شریف میں آتا ہے کہ جب جنت والوں کو آخرت میں انعام ملے گا، اور وہ جنت میں پہونچیں گے تو وہ کہیں گے، کہ "**الحمد لله الذی هدانا لهذا وما كنا لنهتدی لو لا ان هدانا الله**" (شکر ہے اس خدا کا جس نے کہ ہمیں یہاں تک پہونچایا، اور ہم یہاں تک پہونچنے والے نہ تھے، اگر اللہ ہمیں یہاں تک نہ پہونچاتا) ہدایت کے معنی پہونچانے کے ہیں، اس کے بعد انھوں نے ایک بڑی حقیقت بیان کی، جس کی طرف میں متوجہ کرنا چاہتا ہوں، ہم جو یہاں تک پہونچے، عقل و دانش کی راہ سے نہیں پہونچے، تجربہ کی راہ سے نہیں پہونچے، اشراقیت نفس کشی اور ریاضت و مجاہدہ کی راہ سے نہیں پہونچے، فلسفہ و حکمت کی راہ سے بھی نہیں پہونچے، پہلے تو انھوں نے اجمالاً کہا ہے" **وما كنا لنهتدی لو لا ان هدانا الله**" (ہماری رسائی یہاں تک نہ تھی، اگر خدا ہمیں یہاں تک نہ پہونچا دیتا) لیکن خدا کے پہونچانے کے طریقے ہوتے ہیں، اس کا بھی ایک ذریعہ ہوتا ہے، تو اس کا ذریع کیا ہوا، "**لقد جاء ت رسل ربنا بالحق**" ہمارے رب کے قاصد حق لے کر آئے، جان سخن یہ ہے کہ خدا کے ایلچی اور سفیر حق لے کر نہ آتے تو ہم یونہی بھٹکتے رہتے اور آج جنت کے بجائے ہمارا کوئی دوسرا مقام ہوتا، تو یہ بھی نہیں بھولنا چاہئے کہ جس چیز نے ہم کو اس قابل بنایا، وہ چیز دانشوروں، فلسفیوں، سیاستدانوں اور تجربہ کاروں سے سے اخذ کی ہوئی نہیں ہے، پیغمبروں سے اخذ کی ہوئی ہے، اور اس کا کوئی ذریعہ نبوت و رسالت اور اس کے حاملین (انبیاء کرام) کے علاوہ نہیں ہو سکتا، ہم نے اس کو قبول کر لیا تو اس قابل ہوئے کہ اللہ تعالےٰ کی پیدا کی ہوئی ان نعمتوں ان سعادتوں اور صداقتوں سے فیض یاب اور بہرہ اندوز ہوں، اور دوسروں تک بھی ان کو پہونچائیں۔

اب ہم کو یہ دیکھنا چاہئے کہ نبوت کا مزاج کیا ہے؟ نبوت کیلئے متحرک کیا چیز ہوتی ہے؟ نبی کے سوچنے کا اندازہ کیا ہوتا ہے؟ اس لئے اس وقت آپ ﷺ کے سامنے تین چیزیں عرض کرتا

ہوں۔

پہلی بات یہ ہے کہ نبی کی دعوت، جدو جہد اور قول وعمل کا سب سے بڑا محرک رضائے الٰہی کا جذبہ ہوتا ہے، کوئی اور چیز ان کے سامنے نہیں ہوتی کہ اس کے نتیجہ میں یہ ملے یا وہ ملے، یہ جذبہ ایک ایسی شمشیر برہنہ ہے، جو ہر چیز کو کاٹ کر رکھ دیتی ہے، سوائے رضائے الٰہی کے، ان کا کچھ مطلوب نہیں ہوتا، میرا مالک مجھ سے راضی ہو جائے، بس مجھے سب کچھ مل گیا طائف کی دعا کی روح پر آپ غور کریں، اور طائف کے منظر کو آپ سامنے رکھیں کہ حضور صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم بڑی امیدوں، اور بڑی توقعات کے ساتھ طائف تشریف لے جاتے ہیں، طائف کا سفر آسان نہیں تھا، سخت دشوار گذار راستہ، پہاڑ کی چڑھائی اور خچر کی سواری، ایک اکیلا رفیق (زید ابن حارثہؓ) آپ وہاں پہونچے تو کیا ہوا؟ وہاں کے سرداروں نے کچھ اوباشوں کو اشارہ کر دیا اور انھوں نے پتھر پھینکنے شروع کیے اور اتنی سنگ باری کی کہ نعلین مبارک سے قدم مبارک نہیں نکلتے تھے، قدم مبارک لہولہان ہو گئے تھے، اس وقت پاؤں پر اتنا زخم نہیں آیا تھا، جتنا دل پر آیا تھا، کیا امید لے کر آئے تھے، اور کیا ہوا، یہاں تو کوئی بات سننے کا بھی روادار نہیں ہے، اسی حالت میں آپ نے یہ دعا فرمائی، اس سے آپ کو معلوم ہوگا کہ رضائے الٰہی کی قیمت کیا ہے، آپ نے فرمایا'' **اللهم اليک أشکو ضعف قوتی وقلة حيلتی وهوانی علی الناس، رب المستضعفين الی من تکلنی الی بعيد يتجهّمنی أو الی عدو ملّکته أمری** ''فرماتے ہیں کہ اے میرے پروردگار میں تجھ سے فریادی ہوں اپنی کمزوری کا، اور اپنی بے چارگی اور بے سروسامانی کا، لوگوں کی نگاہوں میں بے وقعتی، بے بسی اور بے کسی کی آپ سے شکایت کرتا ہوں، اے کمزوروں کے پروردگار ن تو مجھے کس کے حوالہ کرتا ہے؟ ایک ایسے بیگانہ کے جو مجھ سے ترش روئی کے ساتھ پیش آتا ہے، یا کسی دشمن کے حوالہ کرتا ہے کہ جس کے ہاتھ میں تو نے میری زمام اختیار دے دی ہے۔

اب دیکھئے یہاں نبی کا مزاج اپنی پوری شان تابانی کے ساتھ جلوہ گر ہوتا ہے، اوپر کے الفاظ کے بعد جو نقل ہوئے معاً فرماتے ہیں ''ان لم یکن بک علی غضب فلا أبالی غیر أن عافیتک ھی اوسع لی'' (اگر تو ناراض نہیں ہے تو مجھے کسی بات کی پروا نہیں ہے، البتہ اتنا ضروری ہے کہ انسان ہوں تیری عافیت کا طلب ہوں) تو پہلی چیز جو نبی کے مزاج کی بنیادی ہوتی ہے، وہ

رضائے الٰہی ہے، وہ پیغام پہونچاتے ہیں، اور جب ان کو یہ معلوم ہو جاتا ہے کہ ہم نے پیغام پہونچا دیا، اور ہمارا رب ہم سے راضی ہو گیا تو پھر ان کو بالکل پروا نہیں ہوتی کہ نتیجہ کیا نکلا۔

اس کی ایک واضح مثال حضرت نوح علیہ السلام کا واقعہ ہے کہ "**لبث فیهم الف سنة الا خمسین عاماً**" پچاس برس کم ایک ہزار برس وہ دعوت دیتے رہے اور انھوں نے کس طرح دعوت دی، دن رات ایک کر دیئے، سورہ نوح کی آیات پڑھئے:۔

قال رب انی دعوت قومی لیلا ونهاراً (نوح. ۵)

کہا اے میرے رب میں نے اپنی کو رات اور دن بلایا۔

ثم انی اعلنت لهم واسررت لهم اسراراً (نوح. ۹)

پھر میں نے انھیں علان یہ بھی کہا، اور مخفی طور پر بھی کہا۔

اس سب کے بعد کیا ہاتھ آیا کہ "**وما امن معه الا قلیل**" ان کے ہاتھ پر چند آدمی ایمان لائے جو انگلیوں پر گنے جا سکتے ہیں، لیکن ان کو ان اس پر کوئی ملال، کوئی شکوہ نہیں، جو میرا کام تھا، وہ میں نے کر دیا، میں نے اپنے رب کو راضی کر دیا، اب آگے اللہ کا کام ہے۔

سیدنا حضرت حسینؓ کا کارنامہ

تو پہلی بات یہ ہے کہ دین کے ہر عمل کا مقصد صرف رضائے الٰہی ہونا چاہئے، اس رضائے الٰہی کے سلسلہ میں اگر ساری سلطنت ہمارے ہاتھ سے نکلتی ہو تو وہ سلطنت نکلتی نہیں بلکہ آئی، اور رضائے الٰہی کے بغیر ہفت اقلیم کی سلطنت ملتی ہو تو وہ سلطنت ملی نہیں بلکہ کھوئی، اس لئے میں حضرت حسینؓ کے کارنامہ کو بہت بڑا کارنامہ سمجھتا ہوں، اور میں ان کو بالکل ناکام نہیں سمجھتا، انھوں نے ایک نظیر قائم کر دی کہ حق کے لئے کس طرح سینہ سپر ہوا جاتا ہے، کس طرح جان دی جاتی ہے، انھوں نے اس کی نظیر قائم کر دی کہ کسی غلط چیز کے خلاف (واہ اس پر کوئی لیبل لگا ہو) اگر آدمی جدوجہد کرے تو اس کا جواز ہے، اگر حضرت حسینؓ کا یہ کارنامہ نہ ہوتا تو بعد میں بڑی مشکل پیش آتی، کہیں کھلے طریقہ پر دین کو پامال کیا جا رہا ہے، یا اسلام کشی، اسلام دشمنی کی جا رہی ہے، یا دین میں بالکل تحریف کی جا رہی ہے، لیکن اس کے خلاف کوئی آواز بلند نہ کی جا سکتی کہ عہد سعادت میں اس کی کوئی نظیر نہیں۔

فرق تو بہت بڑا ہے، تاریخ کا بھی بڑا فاصلہ ہے، اور شخصیت کا بھی بڑا فرق ہے، لیکن یہی معاملہ شہدائے بالاکوٹ اور حضرت سید احمد شہیدؒ اور شاہ اسماعیل شہید کا ہے، کہ آج ایک چپہ زمین پر ان کی جماعت کی حکومت نہیں، اور خدا کا شکر ہے، اور میں اس پر اللہ تبارک تعالےٰ کی بارگاہ میں شکر ادا کرتا ہوں، میرا بھی ان کے خاندان سے تعلق ہے، الحمد للہ ہم نے ان کے کام اور ان کے نام سے کوئی فائدہ نہیں اٹھایا، ہمارے خاندان کے افراد ملازمتیں کرتے ہیں، محنت برتتے ہیں، عام مسلمانوں کی طرح رہتے ہیں، نہ کوئی سجادگی ہے، نہ کوئی مجاوری، اور نہ یہ کہ انھوں نے جو ریاست بنائی تھی، اس سے فائدہ اٹھا رہے ہیں، لیکن ہم خوش اور مطمئن ہیں کہ انھوں نے اپنا فرض ادا کیا، اور خدا کے سامنے سرخرو ہیں۔

سودا قمار عشق میں خسرو سے کوہکن
بازی اگرچہ لے نہ سکا سر تو کھو سکا

قابل غور مقام

انبیاء علیہم اسلام نے کے پیش نظر صرف رضائے الٰہی کا مسئلہ ہوتا ہے اور ہر چیز میں وہ سوچتے ہیں کہ اس سے اللہ راضی ہوتا ہے یا نہیں؟ سربلندی اور اقتدار اور حکومت یہ سب چیزیں اللہ تعالےٰ کے انعامات ہیں، اپنے وقت پر اپنی شرطوں کے ساتھ ملتے ہیں، لیکن ان میں سے کوئی چیز مطلوب نہیں، چنانچہ آپ دیکھئے کہ قرآن مجید میں ایک جگہ تو یہ ہے کہ:۔

تلک الدار الاٰخرۃ نجعلها للذین لایریدون علوا فی الارض ولا فساداً، والعاقبة للمتقین۔

یہ دار آخر ہم ان لوگوں کے لئے مخصوص کریں گے، جو زمین میں سربلندی نہیں چاہتے اور نہ فساد چاہتے ہیں، اور اچھا انجام متقین کے لئے ہے (القصص۔۳۷)

لیکن دوسری جگہ فرماتا ہے:

ولا تهنوا ولا تحزنوا وانتم الاعلون ان کنتم مؤمنین (آل عمران ۱۳۹)

ہمت نہ ہارو، غم نہ کرو، تم ہی اعلیٰ ہو تم ہی کو علو حاصل ہوگا، اگر تم مومن ہو۔

اب دونوں میں تطبیق کس طرح دیں گے؟ صاف مطلب یہ ہوا کہ تم علو مت چاہو، ہم

علوم دیں گے، چنانچہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم، صحابہ کرام کسی نے جو نہیں چاہا، اور تواضع اور ایثار اور قربانی سے کام لیا، اللہ تعالے نے جتنا منظور تھا، ان کو علوم عطا فرمایا، تو پہلی چیز تو یہ ہے کہ مطلوب صرف رضائے الٰہی ہو، اور رضائے الٰہی کے ساتھ اگر ساری دنیا کے فوائد اور ساری دنیا مفادات سے دست بردار ہونا پڑے تو وہ کامیابی ہے، اور رضائے الٰہی کے بغیر اگر ساری دنیا کی سلطنت ملتی ہو تو وہ ناکامی ہے، یہ نبوتی مزاج ہے، جو بغیر کسی تکلف کے اور بغیر کسی پلاننگ کے پیغمبروں اور ان کے سچے متبعین میں پیدا ہو جاتا ہے، قرآن شریف میں اسی مضمون کو اس طرح سے ادا کیا گیا ہے، "یوم لاینفع مال ولا بنون، الامن اتی اللہ بقلب سلیم" "جس دن نہ مال ہی کچھ فائدہ دے سکے گا نہ بیٹے، ہاں جو شخص خدا کے پاس پاک دل لے کر آیا (وہ بچ جائے گا) اس میں غیر اللہ کے مقابلہ میں کوئی اور محرک، کوئی اور طاقت، کوئی اور خواہش نہ ہو اور حضرت ابراہیم کی تعریف ان لفظوں میں کی گئی ہے "اذ جآء ربہ بقلب سلیم ۔ جب وہ اپنے رب کے پاس (عیب سے) پاک دل لے کر آئے) قلب کو قلب سلیم بنانے کی کوشش ہمیشہ جاری رہنی چاہئے، اور برابر اپنے قلب کا احتساب جاری رہنا چاہئے، کہ اس کے اندر سیاسی مقاصد، مادی مفادات، علو اور سر بلندی کا شوق تو کام نہیں کر رہا ہے،

اقبال نے صحیح کہا ہے۔

براہیمی نظر پیدا ذرا مشکل سے ہوتی ہے
ہوس سینے میں چھپ چھپ کر بنا لیتی ہے تصویریں

آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "ان الشیطان یجری من المؤمن مجری الدم" شیطان مومن کے جسم میں بعض اوقات اس طرح سرایت کر جاتا ہے، جس طرح خون رگوں میں دوڑ جاتا ہے، حضرت امیر کبیر سید علی ہمدانی رحمتہ اللہ علیہ کی دعوت یہی قلب سلیم کی دعوت تھی، تزکیہ واحسان کا لب لباب، اور اللہ کے مخلص بندے جو نفوس اور قلوب کا علاج کرتے تھے، ان کا کام یہی تھا کہ قلب سلیم پیدا ہو وہ چاہتے تھے کہ ان کے پاس اٹھنے بیٹھنے والے قلب سلیم کے حامل ہو جائیں، ان کے اندر سے دنیا کی محبت، مال کی محبت، جاہ کی محبت، اور اولاد کی وہ محبت (جو اللہ تبارک وتعالے کے احکام کی تعمیل میں مزاحم ہو) نکل جائے۔

دوسری یہ ہے کہ وہ انبیاء (اور نائبین انبیاء) دین کی تعلیم اور اللہ تبارک وتعالے کے احکام

کے بارے میں بڑے غیور ہوتے ہیں، وہ اس میں کوئی ردو بدل نہیں کرتے، وہ اس کو جوں کا توں، بے کم وکاست پہونچاتے ہیں، نہ کوئی (ذہنی) رشوت قبول کرتے ہیں، اور نہ کوئی رشتے دیتے ہیں، کوئی مانے نہ مانے، کوئی ان کی طرف آئے یا نہ آئے، وہ اپنی بات اسی انداز میں کہتے ہیں، جس انداز میں خدا نے ان کو وہ بات عطا کیا اور سمجھائی ہے، مثلاً ایسا ہوا کہ کفار نے مسلمان سے کہا کہ کچھ دن ہمارے بتوں کی عبارت کرلو، اور کچھ دن ہم تمہارے بتوں کی، خدا کے پیغمبرؐ نے جواب دیا، ہرگز نہیں: ۔

لا اعبد ماتعبدون و لا انتم عٰبدون ما اعبد، (الکافرون ۲،۳)

نہ تو میں تمہارے معبودوں کی عبادت کرتا ہوں، اور نہ تم ہی میرے معبود کی عبادت کرتے ہو

طائف کے قبیلۂ ثقیف نے چاہا تھا کہ ''لات'' کو جو قبیلہ بنی ثقیف کا بڑا بت تھا، گویا قریش کا بت ''ہبل'' کا ہمسر تھا، نہ توڑا جائے، اور اس کی کچھ عرصہ تک عبادت کرنے کی اجازت دے دی جائے، انھوں نے کہا کہ ایک سال: فرمایا ہرگز نہیں چھ مہینے، فرمایا ہرگز نہیں، ایک مہینہ، فرمایا ہرگز نہیں، ایک دن ہرگز نہیں، اور اس کے بعد حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ کو بھیجا، انھوں نے جا کر اس کو پاش پاش کردیا، انھوں نے کہا کہ ہم دین میں داخل ہوتے ہیں، لیکن نماز سے ہم کو معاف کردیا جائے، فرمایا ''**لاخیر فی دین لا رکوع فیہ**'' ایسے دین میں کچھ رکھا نہیں جس میں خدا کے سامنے جھکنا نہ ہو۔

میرے بھائیوں، دوستوں!

تو ایک بات تو یہ ہے کہ وہ کسی قسم کا سمجھوتہ (Comrpomize) نہیں کرتے، وہی زبان، وہی الفاظ بولتے ہیں، جو ان کے پیغام اور کار رسالت سے مناسبت رکھتے ہیں، آخرت کی صاف صاف دعوت دیتے ہیں، جنت ودوزخ کو پیش کرتے ہیں، ایمان بالغیب کا مطالعہ کرتا ہے، ان کے زمانہ میں بھی مختلف فلسفے ہوتے ہیں، ان کے زمانہ میں بھی مختلف گروہوں کی مخصوص اصطلاحات ہوتی ہیں، وہ اس سے ناواقف نہیں ہوتے، ان کے زمانہ کے بھی رائج الوقت سکے ہوتے ہیں، وہ ایسا ایک سکہ بھی استعمال نہیں کرتے، صاف بات کہتے ہیں، اللہ پر ایمان لاؤ، اس کی صفات پر، اس کے افعال پر [illegible] لاؤ، اگر ایسا کروگے تو تمہیں جنت ملے گی، ایک مرتبہ بھی نہیں کہتے کہ تمہیں حکومت ملے گی۔ [illegible] کہتے ہیں، تمہیں جنت ملے گی، خدا کی

رضا ملے گی، خدا تم سے راضی ہوگا، قرآن و حدیث میں مجھے کہیں نہیں ملتا کہ دین کہ دین کی دعوت قبول کرنے سے تم کو دنیا میں علو و اقتدار حاصل ہوگا۔ اگر کہیں حکومت اور امن وحفاظت کا وعدہ فرمایا ہے تو اس کا انداز ہ یہ ہے۔

> وعد اللہ الذین امنوا منکم وعملوا الصلحت لیستخلفنھم فی الارض کما استخلف الذین من قبلھم ولیمکنن لھم دینھم الذی ارتضیٰ لھم ولیبدلنھم من بعد خوفھم امنا. یعبدو ننی لایشر کون بی شیا. ومن کفر بعد ذلک فاؤلئک ھم الفسقون (النور. ۵۵)

اللہ نے ان لوگوں سے وعدہ کیا ہے، جو تم میں سے ایمان لائے اور نیک عمل کئے کہ انھیں ضرور ملک کی حکومت عطا کرے گا، جیسا کہ ان سے پہلوں کو عطا کی تھی، اور ان کے لئے جس دین کو پسند کیا ہیا، اسے ضرور مستحکم کردے گا اور البتہ ان کے خوف کو امن سے بدل دے گا، وہ میری عبادت کریں گے (اور) میری ساتھ کسی اور کو شریک نہ بنائیں گے، اور جو اس کے بعد کفر کرے تو ایسے لوگ بدکردار ہیں

دوسری جگہ فرمایا ہے:۔

> الذین ان مکنھم فی الارض اقاموا الصلوٰۃ وآتوا الزکوٰۃ (الحج۔۴۱)

وہ لوگ اگر ہم انھیں دنیا میں حکومت دے دیں، تو نماز کی پابندی کریں اور زکوۃ دیں

یعنی یہ اقامت صلوٰۃ اور ایتاء زکوٰۃ جو ہے، یہ مقصود ہے، ذریعہ نہیں ہے، اعمال کے راستہ سے حکومت الٰہی تک نہیں پہونچنا ہے بلکہ حکومت الٰہی کے ذریعہ سے اس کی طرف بڑھنا ہے، اس کے لئے زیادہ سے زیادہ ماحول سازگار کرنا ہے پھر ان کو رائج کرنا ہے، خلاصہ یہ ہے کہ وہ اپنے دین کے مقاصد، مبادی وحقائق اور عقائد کے بارے میں حد درجہ کے غیور، بلکہ ذکی الحس ہوتے ہیں، اور اس میں ذرا سی بھی تبدیلی وتحریف گوارہ نہیں کرتے۔

جب مدینہ والوں نے بیعت عقبہ میں پوچھا کہ یارسول اللہ ہم آپ کا ساتھ دیں گے، اور آپ کی پوری نصرت کریں گے تو ہمیں ملے گا کیا؟ آپ کے لئے بڑا آسان تھا (اور اس کے قرائن موجود تھے) کہ ارے بھائی ہم آجائیں گے اور تم ہمارے ساتھ مل جاؤ گے، تو بادشاہت قائم کرلیں گے، تم کمزور ہو طاقت آنے گی، لیکن اس کے جواب میں فرمایا تو یہ فرمایا

کہ اللہ کی رضا حاصل ہوگی۔

اس کی ایک مثال اور دیتا ہوں، جبلہ ابن ایہم ایک بڑا عرب سردار تھا، غسانی ریاست ملک شام میں ایک پورا اسٹیٹ تھا، ایسے ہی جیسے برطانوی عہد میں، ہمارے یہاں حیدرآباد وغیرہ کی ریاستیں تھیں، وہ اسلام لایا تو ہزاروں اس کے ساتھ مسلمان ہوئے، مکہ آیا تو طواف کرنے لگا، ایک معمولی عربی بدو بھی طواف کررہے تھے، طواف میں اس کا شاہی لباس چادر لٹک رہی تھی، جیسا کہ بڑے آدمیوں کا دستور تھا، اس پر اس بدو کا پاؤں پڑ گیا، چادر گر گئی تو اتنا جسم کا حصہ اس کا کھل گیا، اس نے اس بدو کو تھپڑ مار دیا، بدو کی یہ ہمت تو نہیں ہوسکتی تھی کہ وہیں تھپڑ مارتا، اس نے امیر المؤمنین حضرت عمر فاروقؓ کے پاس شکایت کی اور کہا کہ جبلہ ابن ایہم نے مجھے تھپڑ مارا ہے، جبلہ نے کہا کہ میں تو ایسے دین میں نہیں رہ سکتا جہاں میری ایسی بے حرمتی ہو، وہ چلا گیا، لیکن حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پیشانی پر شکن بھی نہیں آئی، جائے، وہ جانے اس کا کام جانے، لیکن ہم حکم الٰہی کو نہیں بدلیں گے، حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ نے سفارش کی فلاں معزز قبیلہ کی عورت نے چوری کی ہے، اس پر یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حد جاری نہ ہو، آپ نے فرمایا "لو سرقت فاطمه بنت محمد لقطعت يدها" "اگر فاطمہ بنت محمد اعاذها الله تعالى کاہے کو ایسا ہوتا، کبھی نہ ہوتا بھی چوری کرتی تو اس کا ہاتھ کاٹتا، فرمایا کہ اللہ کے حدود میں سفارش کرتے ہو اور اتنا فرمایا کہ حضرت اسامہ ڈھل گئے، پھر چھ نہ کہا اور حد جاری ہوئی۔

تو ایک بات یہ ہے کہ انبیاء علیہم السلام دین کو اس طرح پہونچاتے ہیں، انہیں اصطلاحات کے ساتھ پہنچاتے ہیں، جو پیغمبروں کی دعوت اور آسمانی کتابوں میں آئے ہیں، بلکہ الفاظ تک کا تحفظ کرتے ہیں، اور دین کی تعبیر ایسی نہیں کرتے کہ جس سے یہ خیال ہو کہ بہت سے لوگ تو پڑھے لکھے ہیں، بہت ذہن میں کھینچ کر چلے آئیں گے، بالکل جیسی چیز ان کو ملتی ہے ویسی ہی چیز ان کے سامنے رکھ دیتے ہیں، لیکن حکمت کے ساتھ، ان کا عمل اس آیت پر ہوتا ہے۔

أدع الى سبيل ربک بالحكمة والموعظة الحسنة (النحل ۱۲۵)

"اپنے رب کے راستہ کی طرف دانشمندی اور عمدہ نصیحت سے بلاؤ۔

لیکن اس میں یہ خطرہ مول نہیں لیتے کہ ذہن دوسرے رخ پر چلا جائے، یہ نبوی مزاج او

ر یہ دین جو اس وقت تک محفوظ رہا ہے وہ خدا کے فضل کے بعد اسی وجہ سے ہے کہ امت کے ہر دور میں علمائے ربانی اس کی حفاظت کرتے رہے، انہوں نے اس کی روح کی بھی حفاظت کی، مراتب کی بھی حفاظت کی کہ دین کا جس حکم جس رکن کا جو مقام ہے وہ باقی رہے، جو چیز جس مقام کی ہے وہیں رکھی جائے عبادت عبادت ہے، فرائض فرائض ہیں، ارکان ارکان ہیں، ایمانیات ایمانیات ہیں، آخرت آخرت ہے، انہوں نے دنیا کو آخرت پر غالب ہونے نہیں دیا، اس کا نتیجہ یہ ہے کہ امت میں بے عملی ہے، ہم سب خطا کار اور کمزور ہیں لیکن یہ دین محفوظ ہے، آج تک دین میں تحریف نہیں ہو سکی، اس کے برخلاف عیسائی کلیسا کے ذمہ داروں اور بائبل کے شارحین نے اپنے زمانہ کے بعض جدید نظریات بائبل میں شامل کر لئے۔ بائبل میں شامل نہ ہو سکے تو اس کی شرح اور اس کی تفسیر میں ان کو شامل کر لیا، نتیجہ یہ ہوا کہ جب وہ نظریہ بدلا تو بائبل بھی متزلزل ومشکوک اور ساقط الاعتبار ہوگئی، بائبل کی تفسیر میں انہوں نے لکھ دیا کہ زمین چپٹی ہے اس لئے کہ اگر چپٹی نہ ہو گول ہو تو خدا کا دیدار قیامت کے دن سب کو کیسے ہوگا؟ بائبل کی یہ تشریح غلط ثابت ہوگئی اور زمین کی کرویت کا نظریہ تسلیم کر لیا گیا، بائبل پر بھی قدرتاً اس کا اثر پڑا،، اس کی حقانیت پر اس کی منزل من اللہ اور کلام الٰہی ہونے پر بھی اثر پڑا۔

’’آخری بات عقیدہ آخرت کا اہتمام ہے، وہ انبیائے کرام علیہم السلام کی دعوت کا بنیادی نقطہ ہے جو لوگ انبیاء کرام علیہم السلام کے اقوال واحوال کے مطالعہ میں زندگی گزارتے ہیں اور ان کے کلام کا صحیح ذوق رکھتے ہیں وہ صاف محسوس کرتے ہیں کہ جیسے آخرت ہمیشہ ان کی نظروں کے سامنے ہوتی ہے اور اس تصویر (نعمت ومصیبت اور سعادت وشقاوت کی تمام تفصیلات کے ساتھ) ان کی آنکھوں کے سامنے کھڑی رہتی ہے، وہ ہمہ وقت جنت کے شدید اشتیاق اور جہنم سے شدید خوف کے عالم میں رہتے ہیں، یہ بات ان کے لئے بالکل مشاہدہ اور ایک واقعہ کی حیثیت رکھتی ہے، جو ان کے شعور واحساس اعصاب اور قوت فکریہ پر غالب آ جاتا ہے۔

آخرت پر ایمان اور وہاں ملنے والی ابدی سعادت اور لازوال شقاوت اور ان تمام انعامات (جنہیں اللہ نے اپنے نیک بندوں کیلئے مہیا کر رکھا ہے) اور تمام عذابوں (جو نافرمان کافروں کیلئے تیار کئے گئے ہیں) کا ہمہ وقت نگاہوں کے سامنے ہونا، یہی انبیاء کرام

علیھم السلام کی دعوت، اور ان کی پند و نصیحت کا اصل محرک تھے، یہی ان کو پریشان کرتا رہتا ہے، ان کی آنکھوں کی نیندیں اڑا دیتا ہے، ان کی پرسکون و پاکیزہ زندگی کو مکدر کر دیتا ہے، اور ان کو کسی حالت میں سکون اور کسی پہلو قرار نہیں ملتا، نگاہوں کے سامنے پھیلے ہوئے شر و فساد، حالات کی ابتری اور ماحول میں خرابیوں کے پروان چڑھنے کی صورت میں (جس سے وہ سخت اذیت محسوس کرتے ہیں) ان کے دل و دماغ پر سب سے زیادہ اثر انداز اور ان کے لئے سب سے طاقتور محرک یہی فکر آخرت ہے، اور وہ اس کو اپنی دعوت و تبلیغ کی اصل وجہ اور خوف و اضطراب کا اصل سبب قرار دیتے ہیں۔

پھر وہی شروع کی بات عرض کرتا ہوں کہ یہ دین جو ہم کو ملا ہے، یہ دانشوروں سے نہیں ملا ہے، مصنفوں سے نہیں ملا، مفکروں سے بھی نہیں ملا، سیاستدانوں سے بھی نہیں ملا، حکما اور فلاسفہ سے بھی نہیں ملا، یہ ملا ہے پیغمبروں سے اس لئے ہر بات میں ہمیں یہ دیکھنا چاہئے کہ اس موقعہ پر پیغمبر ہوتا تو کیا کہتا، نبی ہوتا تو کس زبان میں بات کرتا کس چیز کی دعوت دیتا، اس کی دعوت میں کس چیز کا تناسب کیا ہوتا، مجھے امید ہے کہ جو حضرات محض طالب دین ہیں وہ اسی کو معیار بنائیں گے، اور ہمیشہ کو پیش نظر رکھیں گے۔ اللہ تعالی فرماتا ہے۔

والذین اذا ذکروا بایت ربھم لم یخروا علیھا صما و عمیانا (الفرقان)

اور وہ لوگ جب انہیں ان کے رب کی آیتوں سے سمجھایا جاتا ہے تو ان پر بہرے اندھے ہو کر نہیں گرتے۔

میں آپ کا شکر گزار ہوں، اللہ تبارک وتعالی ہمیں اور آپ سب کو توفیق دے اور ہمیں استقامت عطا فرمائے اور ہم جب اس کے سامنے حاضر ہوں، تو ہم سرخرو ہوں، وہی آیت مبارکہ جس سے اس مجلس کا افتتاح کیا گیا ہمارے پیش نظر رہنی چاہئے۔

یوم تبیض وجوہ و تسود وجوہ فاما الذین اسودت وجوھھم اکفرتم بعد ایمانکم فذوقوا العذاب بما کنتم تکفرون و اماالذین ابیضت وجوھھم ففی رحمۃ اللہ. ھم فیھا خلدون (آل عمران ۱۰۶۔۱۰۷)

جس دن بعضے منہ سفید، اور بعضے منہ سیاہ ہوں گے، سو وہ جن کے منہ سیاہ ہوں گے ان سے کہا جائے گا، تم ایمان لا کر کافر ہو گئے تھے، اب اس کفر کے بدلہ میں عذاب چکھو، اور وہ لوگ جن کے منہ سفید ہوں گے تو وہ اللہ کی رحمت میں ہوں گے اور اس میں ہمیشہ رہیں گے۔

اے اللہ ہمیں ان لوگوں میں شامل فرما جن کے متعلق تو نے فرمایا ہے:۔

واما الذين ابيضت وجوهم ففى رحمة الله، هم فيها خلدون

(آل عمران۔۱۰)

او وہ لوگ جن کے منہ سفید ہوں گے تو وہ اللہ کی رحمت میں ہوں گے وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے۔

بس اسی پر آپ سے رخصت ہونے کی اجازت چاہتا ہوں

وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین۔

دعوت اور حکمتِ دعوت

یہ فکر انگیز تقریر ۲ نومبر ۱۹۸۱ء مطابق ۴ محرم الحرام ۱۴۰۲ھ بوقت صبح ۱۰ بجے جمعیت اہل حدیث جموں و کشمیر کے صدر دفتر ہال میں کی گئی، حاضرین میں ایک بڑی تعداد علماء، اساتذہ اور اہل علم و فکر کی تھی۔ حضرۃ مولانا علی میاں ندوی رحمۃ اللہ ان دنوں کشمیر کے دعوتی دورے پر تھے!

الحمد للہ رب العالمین و الصلوۃ والسلام علی سید الا نبیاء والمرسلین و علی آله وا صحا به اجمعین .اما بعد.

بھلی بات کو بھلی طرح کہنا ہی حکمت ہے۔

ادع الی سبیل ربک بالحکمة والموعظة الحسنة وجاد لهم بالتی احسن ان ربک هو اعلم بمن ضل عن سبیله وهو اعلم بالمهتدین (النحل۔۱۲۹)

آپ اپنے پروردگار کی راہ کی طرف بلائیے حکمت سے اور اچھی نصیحت سے اور ان کے ساتھ بحث کیجئے پسندیدہ طریقے سے، بیشک آپ کا پروردگار (ہی) خوب جانتا ہے کہ کون اس کی راہ سے بھٹکا ہوا ہے اور وہی ہدایت پائے ہوؤں کو (بھی) خوب جانتا ہے۔

حضرات! رب العزت کا یہ خطاب اپنے آخری نبی صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم سے آخری امتی کے لئے ہے، کیونکہ اس امت کے بعد اور کوئی امت نہیں، یہ سورہ نحل کے آخری رکوع کی آیت ہے، جس میں دعوت وارشاد کے طریقہ کو بیان کیا گیا ہے، فرمان الٰہی ہے:

ادع الیٰ سبیل ربک بالحکمة والموعظة الحسنة (النحل. ۱۲۵)

آپ اپنے رب کی راہ کی طرف علم وحکمت اور اچھی نصیحتوں کے ذریعے بلائیے۔

حکمت سے مراد ہے عقل، دانائی، سلیقہ، حسن تدبیر، سچی اور صحیح بات کو واضح کر کے دل میں اتارنے کا طریقہ، اس طرح کہ مداہنت، یا موقعہ پرستی کا شائبہ نہ ہونے پائے، سیاست کا اس میں دخل نہ ہو، سیاست الگ چیز ہے اور حکمت وموعظمت الگ ہے۔

اپنے عہد میں خدا کے محبوب ترین بندہ موسیٰ علیہ السلام کو اس عہد کے خدا کے معضوب

ترین بندہ ظالم وجفا کار فرعون کے پاس جانے اور دعوت دینے کا حکم ملتا ہے، لیکن سلیقہ اور نرمی سے بات کرنے کا حکم دیا جاتا ہے۔

اذ هب الیٰ فرعون انه طغی (طٰہٰ۔۴۳)

دونوں فرعون کے پاس جاؤ وہ بہت نکل چکا ہے۔

اس سرکش اور طاغی کے ساتھ بھی دعوت کا کیا طریقہ اختیار کرنا ہے؟

فقو لا له قو لاً لینا۔ (طٰہٰ۔۴۴)

پھر اس سے نرمی کے ساتھ بات کرنا۔

بات پکی اور سچی ہو، مگر انداز تکلم سلیقہ، نرمی، خوش آہنگی کا ہو:۔

لعله یتذکر اویخشی (طٰہٰ۔۴۴)

شاید وہ (برغبت) نصیحت قبولکر لے یا (عذاب الٰہی سے ڈر جائے)۔

تا کہ وہ نصیحت پکڑے، یا سلیقہ کی بات سن کر اس کے دل میں خشیت وخوف پیدا ہو جائے، اور اپنے کفر وطغیان، اور شر وظلم سے باز آئے، اگر بھلی بات کے کہنے کا انداز بری طرح ہو تو وہ کارآمد ثابت نہیں ہوتا، شاعر نے سچ کہا ہے۔

کہتے ہیں وہ بھلے کی و لیکن بری طرح

بھلی بات کو بھلی طرح کہنا ہی حسن سلیقہ اور حکمت ہے، اگر مخاطب سے سوال وجواب بھی کرنا پڑے تو اس میں بھی سلیقہ ہونا چاہئے، مناظرہ اور مجادلہ کے موقعہ پر بھی اس کی ہدایت ہوئی۔

وجادلهم بالتی هی احسن (النحل۔۱۲۵)

اور ان کے ساتھ اچھے طریقے سے بحث کیجئے۔

تا کہ سننے والے اور دیکھنے والے داعی کے طریقہ استدلال سے متاثر ہوں، چاہے مخاطب پر اثر نہ ہو، اگر طریقہ بحث ومجادلہ احسن طریقہ پر ہوگا تو مخاطب عقل سلیم اور نیک فطرت کی بناء پر خود متاثر ہوگا، اگر ایسا نہ ہوا تو بھی حاضرین وسامعین پر حسن مجادلہ کا ضرور اثر پڑے گا، یہی حقیقت اس آیت سے بھی واضح ہوتی ہے:

ان ابراهیم كان أمة قانتا لله حنيفا، ولم يک من المشركين (النحل۔۱۲۰)

بیشک ابراہیم بڑے مقتدر تھے اللہ تعالےٰ کے فرمانبردار تھے بالکل ایک طرف کے ہو

رہے تھے اور وہ شرک کرنیوالوں میں نہ تھے۔

ان کو اس طریقہ استدلال، سلیقہ حکمت وموعظت اور احسن مجادلہ کے باوجود:

حنیفاً مسلماً وماکان من المشرکین

طریق مستقیم والے (یعنی) صاحب اسلام تھے اور مشرکین میں سے (بھی) نہ تھے۔

کا خطاب عطا فرمایا گیا، اس لئے کہ ان کی دعوت میں حکمت تھی، مداہنت نہ تھی، لینت تھی، سیاست نہ تھی، لہٰذا ایک مومن مسلمان کو بھی یہ طرز تبلیغ اختیار کرنا لازم ہے، عقائد کی اصلاح کے لئے بھی ’’ **ادع الیٰ سبیل ربک بالحکمة** ‘‘ کا طریق کار ہی مفید ہے، بات کتنی ہی ضروری اور لازمی ہو، داعی کے سامنے مقصد یہ ہونا چاہئے کہ مریض کا علاج کرنا ہے، اس میں پیار، نرمی اور محبت ہو، سختی درشتی، تیزی وتندی کی وجہ سے مریض تجربہ کار مشہور ڈاکٹر اور حکیم کے پاس جانے سے بھی ڈرتا ہے، علاج معالجہ کی بات ہی الگ ہے، امت کو پیغام ملتا ہے:

لقد جآء کم رسول من انفسکم عزیز علیه ماعنتم حریص علیکم بالمومنین رء وف رحیم (التوبہ۔۱۲۸)

(اے لوگو) تمہارے پاس ایک ایسے پیغمبر تشریف لائے ہیں جو تمہاری جنس (بشر) سے ہیں جن کو تمہاری مضرت کی بات نہایت گراں گزرتی ہے جو تمہاری منفعت کے بڑے خواہشمند رہتے ہیں (یہ حالت تو سب کے ساتھ ہے بالخصوص ایمانداروں کے ساتھ بڑے ہی شفیق (اور) مہربان ہیں۔

اس پر عمل کرنا آپ کے ایک امتی پر بھی لازم ہے، وہ دوسرے انسان کو حکمت عملی اور محبت وپیار سے دعوت دے کر سلیقہ سے سمجھا کر عقائد کی اصلاح کے لئے مائل وراغب کرے، آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی فکر وتبلیغ اور دلسوزی کی کیفیت بیان کرتے ہوئے فرمایا گیا ہے:

فلعلک باخع نفسک علیٰ آثاھم ان لم یؤمنوا بھذا الحدیث اسفا

(الکھف۔٦)

اے پیغمبر تمہاری حالت تو ایسی ہو رہی ہے کہ جب لوگ یہ (واضح) بات بھی نہ مانیں، تو عجب نہیں ان (کی ہدایت) کے پیچھے مارے افسوس کے اپنی جان ہلاکت میں ڈال دو (حالانکہ یہ ماننے والے نہیں)۔

لعلک باخع نفسک الایکو نوامومنین (الشعراء۔۳)

کیا آپ اپنی ذات کو ان کے ایمان لانے کی خاطر ہلاکت میں ڈال دیں گے؟

آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کی محبت اور درد دلی کا تقاضا تھا کہ ایک ایک آدمی اپنے مالک مختار کے آستانہ پر سر جھکائے، اور کوئی اس در سے محروم نہ جائے، آپ نے حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے فرمایا ہے:

لان یھدی اللہ بک رجلا خیر لک من حمر النعم

سرخ اونٹوں سے بھی کہیں بہتر ہے کہ ایک آدمی کو تمہارے ذریعہ سے ہدایت ہو جائے

واقعات سے مربوط رہیئے

مبلغ کو بھی ایک دردمند اور دانشمند ڈاکٹر اور معالج کی طرح مریض کا خیر اندیش بن کر علاج کرنا ہے، حکیم یا ڈاکٹر کا مقصد مریض کو مارنا نہ ہو بلکہ صحت یاب کرنا ہونا چاہئے، عقیدہ توحید کی بات تو بالکل صاف کہی جائے اور شرک کی تردید بھی ہو، لیکن دوا کی مناسب خوراک زیادہ تیز یا مقدار میں زیادہ ہو گی یا یکدم کھلا دی جائے گی، یا قوت برداشت سے زیادہ مریض کا کام تمام ہو جائے گا چونکہ بات واقعات سے مربوط ہو کر زیادہ خوبی کے ساتھ جھ میں آتی ہے اس لئے دو ایک واقعات سنئے۔

چند واقعات

دیکھئے اللہ کے بندے جن کے دلوں میں عشق الٰہی کی آگ لگی تھی، وہ بھی حکمت سے کس طرح کام کرتے رہے ہیں، شیخ جمال الدین ایرانی کہیں جا رہے تھے، تاتاریوں نے اسلامی سلطنتوں کو تاراج کیا تھا، اتفاق سے اسی روز ایک تاتاری شہزادہ تغلق تیمور

شکار کھیلنے نکلا ہوا تھا، اور یہ تاتاری شہزادہ چغتائی شاخ کا ولی عہد تھا، جو ایران پر حکومت کر رہی تھی، شہزادہ کی شکارگاہ میں جب شیخ جمال الدین اتفاقاً داخل ہوئے گئے اور پہرہ داران کو پکڑ کر شہزادے کے سامنے لائے تو شہزادہ نے ایک مسلمان فقیر صورت دیکھ کر اور وہ بھی ایرانی کو دیکھ کر (جو کہ تاتاری اس وقت بڑی حقارت کی نظر سے دیکھتے تھے) بدشگونی لی، اور غصہ سے پوچھا، بتاؤ میرا یہ کتا اچھا ہے، یا تم شہزادہ نے غیظ وغضب سے بات کی تھی، شیخ جمال الدین نے سنجیدہ انداز

میں جواب دیا، انھوں نے فرمایا: اس کا قطعی فیصلہ کرنے کا یہ موقعہ نہیں، شہزادہ بولا، پھر اس کا کون سا موقعہ ہوگا؟ فرمایا وہ میرے خاتمہ یعنی وفات کے وقت ہی واضح ہوگا، اگر میں کائنات کے پیدا کرنے والے مالک وحدہ لاشریک کی صحیح معرفت اور اقرار پر فوت ہوا تو میں آپ کے کتے سے بہتر ثابت ہوں گا، صورت دیگر یہ کتا ہی مجھ سے بہتر اور خوش قسمت ہوگا، ان کے اس جواب سے شہزادہ کے دل پر ایک چوٹ لگی، شہزادہ نے شیخ سے کہا، جب تم سنو کہ میں تخت نشین ہوا ہوں تو اس وقت مجھ سے آکر ملنا، شیخ جمال الدین کا شہزادہ کی ولی عہدی ہی کے زمانہ میں دنیا سے کوچ کرنے کا وقت آگیا، آپ نے اپنے بیٹے کو بلا کر کہا کہ میں دنیا سے رخصت ہوتا ہوں، جو کام میرے ذمہ تھا، وہ ادھورا رہا شاید تم اس کو پورا کر سکو، اور یہ تمام واقعہ بیان کیا۔

شیخ جمال الدین کی وفات کے بعد جب ولی عہد کی تاج پوشی ہوئی تو پھر شیخ کے فرزند اپنے والد بزرگوار کی وصیت پورا کرنے کی خاطر روانہ ہوئے، شاہی محل کے دروازہ پر سپاہیوں نے ٹوکا اور دروازہ سے ہٹایا، آپ نے ایک درخت کے نیچے مصلیٰ بچھایا، اور علی الصباح اذان دی، جس سے بادشاہ کی آنکھ کھل گئی، تحقیقات سے معلوم ہوا کہ کوئی مسکین صورت آدمی باہر بیٹھا ہے، اس نے ہی یہ آواز لگائی ہے، جس سے بادشاہ کی نیند میں خلل پڑا، بادشاہ نے غصہ ہوکر اس کو گرفتار کرکے لانے کا حکم صادر کیا، چنانچہ ان کو پکڑ کر سپاہی بادشاہ کے پاس لائے، پوچھنے پر انھوں نے اپنے والد کا سلام پہونچا کر بتایا کہ میں شہادت دیتا ہوں کہ ان کا خاتمہ ایمان پر ہوا، اور اس سوال کا جواب مل گیا، جو آپ نے کیا تھا، اور شکار کا واقعہ جو ولی عہدی کے زمانہ میں پیش آیا تھا، یاد دلایا، بادشاہ کے دل پر اب دوسرا چرکا لگا، اور فوراً اپنے اسلام لانے کا اقرار کرکے وزیر سلطنت کو بلایا اور اس سے یہ قصہ کہا، وزیر نے جواب دیا کہ میں تو پہلے ہی مسلمان ہو چکا ہوں، مگر میں نے اس کو پوشیدہ رکھا تھا، اس طرح ایران کی یہ چغتائی تاتاری شاخ تمام اہل کاروں، فوج سمیت حلقہ بگوش اسلام ہوئی، اس طرح ایک اللہ والے نے ایرانی تاتاری سلطنت میں اسلام کو کیسے پھیلایا کہ ساری تاتاری قوم مسلمان ہوگئی۔

ایسے ہی ایک دوسرا واقعہ ہے کہ مولانا یحیی علی صاحب جو حضرت مولانا ولایت علی صاحب صادقپوری کے تربیت یافتہ تھے، اور ان کو مجاہدین سرحد کی مدد کرنے کے الزام میں۔ (جنھوں نے حضرت سید صاحب کے بعد ان کا کام جاری رکھا تھا) ۱۸۶۴ء میں پھانسی کی سزا

ہوتی تھی، وہ انبالہ جیل کی ایک تنگ و تاریک کوٹھری میں محبوس تھے، جس میں ہوا اور روشنی کیلئے کوئی راستہ نہ تھا، سخت گرمی کے دن تھے، جیل آفیسر معائنہ کے لئے آیا تو اس کو خیال ہوا کہ ایسے حال میں تو یہ مر جائیں گے، مقدمہ ابھی باقی ہے، اس نے حکم دیا کہ دروازہ کھلا رہے اور سنتری پہرہ پر کھڑے رہیں، یہ سنتری بالعموم سکھ یا گورکھا ہوتے تھے۔

وہ جہاں اپنی ڈیوٹی سنبھالتے، آپ ان کو مخاطب کر کے حضرت یوسفؑ کا وعظ توحید سنانے لگتے:

> یصاحبی السجن أ ارباب متفرقون خیر ام اللہ الواحد القھار
> ماتعبدو ن من دونہ الاسماء سمیتموھا انتم و آباؤکم ما انزل اللہ بھا
> من سلطن. ان الحکم الاللہ، امر الاتعبدوا الاایاہ، ذلک الدین القیم
> ولکن اکثرالناس لایعلمون ۔ (یوسف۔ ۳۹۔ ۴۰)

اے قید خانہ کے رفیقو: متفرق معبود اچھے یا ایک معبود برحق جو سب سے زبردست ہے وہ اچھا، تم لوگ تو خدا کو چھوڑ کر صرف چند بے حقیقت ناموں کی عبادات کرتے ہو، جن کو تم نے اور تمہارے باپ دادوں نے (آپ ہی) ٹھہرالیا ہے، خدا تعالےٰ نے تو ان (کے معبود ہونے) کی کوئی دلیل (عقلی یا نقلی) بھیجی نہیں، (اور) حکم دینے کا اختیار (صرف) خدا ہی کا ہے (اور) اس نے حکم دیا ہے کہ بجز اس کے اور کسی کی عبادت نہ کرو یہی (توحید) کا سیدھا طریقہ ہے لیکن اکثر لوگ نہیں جانتے۔

وہ ان آیات کی تلاوت اور تشریح فرماتے یہ سن کر ان پہرہ داروں کے آنکھوں سے آنسو نکل پڑتے اور ان پر سناٹا چھا جاتا، اور جب ان کا پہرہ بدلا جاتا تو وہ خوشامد کرتے کہ ان کو یہیں رہنے دیا جائے اللہ تعالےٰ ہی بہتر جانتا ہے کہ ان میں کتنے بندگان خدا کے دل میں توحید کا بیج پڑ گیا اور ان کو ایمان نصیب ہوا۔

مولانا جعفر تھانسری کی للٰھیت

اسی طرح مولانا جعفر صاحب کو جب "کالا پانی" کی سزا ہوئی تو کوئی غم فکر ان کے چہرہ پر نمودار نہ تھا، انگریز تماشائیوں نے پوچھا کہ کیا بات ہے؟ انھوں نے فرمایا، یہ موت نہیں شہادت ہے، جو ایک ایسی نعمت ہے، جس کے مقابلہ میں تمام دنیا کی سلطنت ہیچ ہے، وہاں بھی

وہ تبلیغ دین حکمت سے انجام دیتے رہے، جیل اور پورٹ بلیر میں بھی وہ اور ان کے رفقائے کرام توحید کی دعوت اور تبلیغ کرتے رہے، اور بہت سے بندگان خدا نے ہدایت پائی، مولانا یحییٰ علی صاحبؒ کے پاس ایک رات کو ایک بدکردار بدنام قیدی کا بستر آ گیا، جب اس نے مولانا کی عبادت گذاری، اور دعائیں اور آہ وزاری دیکھی تو وہ بھی تائب ہوا، اور تہجد گزار بن گیا، اسی طرح جیل میں بیسیوں بندگان خدا کو ہدایت ہوئی اور ان کی زندگی بدل گئی۔

اس طرح اللہ کے بندوں میں جب دل کا سوز، اور دماغ کی روشنی ہو اور دونوں مل کر کام کریں تو پھر نتیجہ واضح ہے، اگر ایک شکاری جانور شکار کرنے کیلئے حکمت استعمال کرتا ہے، تو ایک مبلغ اپنے مقدس کام میں حکمت سے کام کیوں نہ لے جو اس سے بہتر مقصد رکھتا ہے، شرک سب سے بڑا مہلک مرض ہے، اس کا علاج بھی حکمت سے کرنا لازم ہے، لہجہ نرم ہو مگر بات سچی ہو تاکہ سننے والا مانوس ہو تو علاج کا اثر جلد ہوگا، شرک ہی کے متعلق اعلان ہے:۔

ان اللہ لا یغفران یشرک بہ و یغفر مادون ذلک لمن یشآء (النساء۔۱۱۶)

بیشک اللہ تعالےٰ اس بات کو نہ بخشیں گے کہ ان کے ساتھ کسی کو شریک قرار دیا جائے اور اس کے سوا اور جتنے گناہ ہیں جس کے لئے منظور ہوگا وہ گناہ بخش دے گا۔

تو ہم پرستی اور مخلوق پرستی سے نکالنے کے لئے جتنی نرمی برتی جائے، مناسب ہے، ایک پورے شہر پورے ملک کو حکمت ہی سے خدا کے صحیح راستہ پر لایا جا سکتا ہے، آنحضرت صلے اللہ علی وآلہ وسلم نے فتح مکہ کے دن جب سنا کہ سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ نے ابوسفیان کو دیکھ کر کہا:

الیوم یوم الملحمۃ الیوم تستحل الکعبۃ الیوم اذل اللہ قریشا

آج بدلے کا دن ہے، آج کعبہ میں آزادی کے ساتھ عمل کیا جائے گا، آج اللہ نے قریش کو ذلیل کیا ہے۔

تو آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کے بدلے ''**الیوم یوم المرحمۃ الیوم یعز اللہ قریشان ویعظم اللہ الکعبہ**'' (آج رحمت عام کا دن ہے، آج اللہ قریش کو عزت دے گا، آج کعبہ کی عزت بڑھائی جائے گی) کا اعلان فرمایا، اور سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ سے جھنڈا لے کر ان کے بیٹے کو دیا، جھنڈا پکڑنے میں باپ کی جگہ بیٹے کا ہاتھ آیا، تو اس حکمت عملی

نے ابوسفیان کے دل میں تلاطم پیدا کر دیا، آپ نے ان کے گھر کو جب دارالامان کا درجہ دیا تو ابوسفیان کی دشمنی محبت اور دوستی سے بدل گئی، اب حکمت کا اندازہ کیجئے، ابوسفیان کو جو یہ اعزاز بخشا گیا، تو ان کی نفرت کی آگ ٹھنڈی ہوئی، اور دل کے دروازے کھلے، تاریخ وتذکرہ کی کتابیں بتاتی ہیں کہ ہمارے بزرگ جس راستے سے گذرتے توحید کی تبلیغ اور بدعات وشرکیات سے پرہیز کا وعظ کہتے ہوئے گزرے، جو بھی قافلہ ہمارا جہاں سے گذرا وہاں توحید کی ہوا چلی، حضرت سید علی ہمدانی، سید عبدالرحمن بلبل شاہ وغیرہم رحمہم اللہ تعالےٰ کشمیر کی گل پوش وگل پاش وادی یا چشموں کی سیرابی کا نظارہ کرنے آئے، بلکہ کوہستانوں، لق ودق بیابانوں، خارزار وادیوں کو قطع کر کے کلمہ حق کی اشاعت وتبلیغ کی خاطر آئے، جس کے نتیجہ میں آپ کشمیر میں لاکھوں کی تعداد میں لوگوں کو توحید کا حلقہ بگوش پاتے ہیں، میں نے یہی بات ذرا تفصیل سے جامع مسجد کی تقریر میں کہی تھی، اخباروں میں شائع ہوا کہ میں نے سارے کشمیریوں کو مشرک بنایا، بھلا مجھے بلاتحقیق اس کا کیا حق تھا، اور میں مسلمانوں کو کیسے زبان سے کافر کہہ سکتا ہوں، میری پوری تقریر اس مجموعہ میں شامل ہے۔

توحید کی دعوت میں انس پیدا کیا جائے

توحید کی دعوت میں انس پیدا کیا جائے، اختلافی مسائل درمیان میں نہ لایا جائے، اختلافی مسائل میں ترجیح الگ بات ہے، علمی اختلافات کی گنجائش بہرحال ہے، وہ بعد میں ہوگا، پہلے توحید کا مضمون لانا ہے، آستانہ الٰہی پر سر جھکانا ہے، علمی اختلافات کا موقع اس کے بعد ہے، بزرگوں کا کام توحید پھیلانا اور شرک وبدعت کو دور کرنا ہے، حضرت مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ اپنے زمانہ کے ایک بڑے شیخ طریقت تھے، جو مسلک حنفی پر عمل کرتے تھے، ایک اہل حدیث عالم ان کے مرید ہوئے اور رفع یدین چھوڑ دی، کہ مولانا کو خبر ہوئی تو فرمایا، اگر آپ کی تحقیق رفع یدین سے متعلق بدل گئی ہے تو الگ بات ہے، لیکن اگر میری وجہ سے چھوڑ دی ہے، تو میں سنت چھوڑنے کے لئے نہیں کہہ سکتا ہوں۔

آپ کو دیکھنا ہے کہ اللہ کی مخلوق کہاں جا رہی ہے؟ اور سب سے بڑی بات قرآن وحدیث کی تبلیغ ہے، یہی چیز دعوت وتبلیغ کی اصل واساس ہونی چاہئے، مسلکی خصوصیات اس کے بعد آتے ہیں، مسلمان تعداد میں بہت بڑھ گئے ہیں لیکن جذبۂ دین وہ نہ رہا جو پہلے تھا،

عامۃ المسلمین کے لئے کوئی خطرہ ہو تو اس کے لئے سینہ سپر ہو جائیں، اس بات کا خیال رہے کہ کسی کی دل آزاری نہ کی جائے، ہمیشہ وسعت قلبی کا ثبوت دیا جائے، نفرت نہ پھیلائی جائے۔

صادقپوری اور غزنوی خاندان کے حضرات، اہل حدیث علماء تھے، ان میں مولانا ولایت علی، مولانا احمد، مولانا یحییٰ علی، مولانا عبدالرحیم، مولانا سید عبداللہ غزنوی، مولانا عبدالجبار غزنوی، جیسی دیندار اور خدا دوست ہستیاں تھیں کہ ان کے چہروں سے نور ٹپکتا تھا اور ان کو دیکھ کر خدا یاد آتا تھا، انھوں نے ہندوستان بھر میں کس طرح موعظت وحکمت یا بضرورت استدلال واثبات سے لوگوں کے عقائد کی تصحیح کی۔

امرتسر میں ندوہ کا جلسہ تھا، جس میں ہندوستان کے چوٹی کے علماء شریک تھے، علامہ شبلی کا زمانہ تھا، صدر یار جنگ مولانا حبیب الرحمن خاں شروانی، صاحب کی زبانی میں نے سنا ہے کہ صبح مولانا عبدالجبار صاحب غزنوی کا درس قرآن ہوتا تھا، غالباً فارسی میں درس دیتے تھے، مولانا شبلی ایک مرتبہ شریک ہوئے تو مولانا شروانی سے کہا، جس وقت مولانا عبدالجبار صاحب اللہ کا نام لیتے تھے تو روح وجسم میں ایک بجلی سی دوڑ جاتی تھی، اور دل چاہتا تھا کہ سر ان کے قدموں میں رکھ دیا جائے۔

ہندوستان پر خدا کی ایک بڑی رحمت شاہ ولی اللہ کا خاندان تھا، جس نے قرآن وسنت کو رواج دیا، اور شرک وبدعت کا قلع قمع کیا، ترجمہ قرآن کرنے پر ان کی سخت مخالفت کی گئی، مگر وہ اللہ کے بندے کب دعوت دین سے ہچکچانے والے تھے؟ اس خاندان میں شاہ عبدالعزیز، شاہ عبدالقادر، شاہ رفیع الدین، شاہ اسماعیل، شاہ اسحاق جیسے علماء ربانیین اور مجاہدین پیدا ہوئے۔

مولانا اسماعیل شہید کے صرف ایک وعظ سے ایک جلسہ میں بیسیوں طوائف اور پیشہ ور عورتیں نیکوکار اور پارسا بن گئیں، تفصیل میری کتاب ''کاروان ایمان وعزیمت'' میں دیکھئے۔

تقریر کے اختتام پر جمعیۃ کے ناظم تبلیغ صوفی محمد مسلم صاحب نے اقبال کا یہ شعر پڑھا۔

اسی پر یہ تقریر ختم کی جاتی ہے کہ اس تقریر کی روح آگئی ہے۔

نگہ بلند، سخن دل نواز، جاں پر سوز
یہی ہے رخت سفر میر کارواں کے لئے [۱۴]

صلے اللہ تعالیٰ علے خیر خلقہ محمد وآلہ واصحابہ اجمعین وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین

مناور کو کس طرح منارۂ نور بنایا جا سکتا ہے؟

یہ تقریر ۲۸ نومبر ۱۹۸۳ء بروز یکشنبہ بعد نماز فجر کی گئی

نحمده ونصلی علیٰ رسوله الکریم. امابعد.

دین کا اصل موضوع اور رضائے الٰہی کی قیمت

میرے بھائیو، اور دوستو! آپ جانتے ہیں کہ اللہ کا یہ دین جو خدا کے پیغمبر اپنے اپنے زمانہ میں اور اشراف المرسلین وسید الاولین والآخرین، خاتم النبیین محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم آخری بار اور ہمیشہ کے لئے لے کر آئے، اس دین کا اصل موضوع ہے آخرت میں انسان کو اللہ کی رضا اور اس کے انعام سے سرفراز کرنا اور آخرت کی ابدالآبادی زندگی کو ہمیشہ رہنے والی زندگی کو، کبھی نہ فنا ہونے والی زندگی کو، پُرراحت نہیں، پُرعشرت بنانا اور آخری ترقیوں تک اور ان نعمتوں تک جن کا تصور بھی اس دنیا میں ممکن نہیں ہے اور جن کے متعلق آتا ہے کہ نہ کسی آنکھ نے دیکھا، نہ کسی کان نے سنا، نہ کسی دل میں خیال گذرا، ان نعمتوں تک پہونچانا، اصل موضوع اس کا اس آخرت میں اس زندگی کے بعد کی زندگی میں میں راحت اور لذت، عزت اور دوام عطا کرنا ہے، پھر "لا خوف علیهم ولا هم یحزنون" یعنی نہ وہاں کوئی خوف ہوگا، نہ غم، خوف کیا ہے؟ آئندہ کا کھٹکا، کل کیا ہوگا؟ پیسہ نہ رہا تو کیا ہوگا؟ کوئی بیمار ہو گیا تو کیا ہوگا؟ کوئی عزیز مر گیا تو کیا ہوگا؟ کوئی حملہ ہو گیا تو کیا ہوگا؟ قحط سالی ہوئی تو کیا ہوگا؟، طوفان آ گیا تو کیا ہوگا؟ کوئی ذلیل کرنے کے درپے ہوا تو کیا ہوگا؟ اور سب سے آخر میں موت آئے گی تو کیا ہوگا؟ اور حزن ہوتا ہے، ماضی پر، گزشتہ پر، ہائے حسرت یہ کام کیوں کیا، یہ چوک کیوں ہوئی، یہ انتظام کیوں نہیں کر لیا، یہ بات پہلے کیوں سمجھ میں نہیں آئی، تو جنت میں دونوں چیزیں نہیں ہوں گی "لا خوف علیهم ولا هم یحزنون" نہ آئندہ کا کھٹکا، نہ پچھلے کا افسوس، اس کی کھٹک اور خلش اور پھر اس کے ساتھ سب سے بڑھ کر "ورضوان من اللہ

اکبر ''اللہ تعالےٰ کی رضا سب سے بڑی ہوگی، اس کا ذائقہ تو وہی کچھ سمجھ سکتا ہے، جس کے دل میں کسی کی محبت ہو اور کسی کی عزت ہو، محبت تو اس لئے کی ذرا سی پسندیدگی، اس کا دیکھ لینا، یہی انسان کے لئے جس کو اللہ تعالےٰ نے محبت سے حصہ عطا فرمایا ہو، بس آخری کامیابی ہے، اور عزت اس لئے کہ جب کوئی معزز آدمی کسی سے خوش ہو جاتا ہے، خوشی کا اظہار کرتا ہے، تعریف کرتا ہے، تو پھر آدمی پھولے نہیں سماتا، اس کے پاؤں زمین پر نہیں پڑتے۔ بہت سی اس کی مثالیں ہیں، پہلے انگریز حکام کے زمانہ میں ریاستوں میں ایسا ہوا کرتا تھا کہ وہاں سے آنے اور کہا'' مہاراجہ صاحب ہنس کر بولے تھے، اور مہاراجہ صاحب نے یہ کہا تھا کہ خیریت ہے؟ کہتے ہوئے ہاتھ بھی ذرا سا اٹھ گیا تھا، اور ہونٹوں پر تھوڑی مسکراہٹ بھی تھی، اس وقت بہت آدمی بیٹھے تھے، لیکن مہاراجہ صاحب نے میری طرف دیکھا اور فرمایا کہ کہو قاضی صاحب مزاج اچھا ہے؟ بال بچے اچھے ہیں؟ ایک صاحب کا واقعہ ہے کہ گھر آئے تو بات نہیں کرتے تھے، بیوی بچوں نے کہا کہ کیا بات ہے؟ کوئی تکلیف ہو گئی؟ بہت مشکل سے بولے کہ میں حکام سے بات کر کے آیا ہوں، اب اس منہ سے کسی سے بات کرنے کو جی نہیں چاہتا، جیسے کوئی بہت مزیدار چیز کھائی ہو تو اس کے بعد کوئی کڑوی چیز یا دوا کھلائے تو آدمی کہتا ہے منہ کا مزا خراب ہو جائے گا، ابھی مزا آ رہا ہے اس کا، تو انھوں نے کہا کہ اب حاکم سے بات کر کے آیا ہوں، اب کس سے بات کروں، بات کرنے کو جی نہیں چاہتا، یعنی وہ جو عزت ملی تھی، وہ جاتی رہے گی، وہ لذت جو حاصل ہوئی تھی، جاتی رہے گی۔

آخرت کی عظمت و وسعت

میرے دوستو: وہ آخرت اس کا تو ہم تصور ہی نہیں کر سکتے، ماں کے پیٹ میں جو بچہ ہو اس سے آپ کہئے یا ابھی پیدا ہوا ہو، اس سے کوئی اگر بات کر سکتا ہو اور وہ بات سمجھ سکتا ہو، تو اس سے کہے کہ بیٹا، جب تم دنیا میں آؤ گے تو بڑا وسیع میدان ہوگا، ہزاروں ہزار میل کا، وہاں باہر ہوائیں چل رہی ہوں گی، اور پانی برسے گا، وہاں پر ریلیں چلتی ہیں، اور بچہ بے چارہ ماں کے پیٹ میں کیا سمجھے کہ ریل کیا بلا ہوتی ہے، ریل کاہے پر چلتی ہے، اور کتنی تیز چلتی ہے، اور تو اور ہوائی جہاز اڑیں گے، بچہ ماں کے پیٹ میں ہے اور یہ اس سے کہہ رہا ہے کہ ایسا بھی وقت آ سکتا ہے کہ ہوائی جہاز میں بیٹھو گے، بالکل ایسے ہی بلکہ اس سے بھی بڑھ کر آخرت کا معاملہ

ہے۔

یہ تو اللہ تبارک وتعالیٰ کی قدرت ہے، اور اس کی مصلحت ہے کہ اتنا بھی ہماری سمجھ میں آ گیا، ورنہ ہماری سمجھ میں آنے والی بات نہیں ہے کہ اس زندگی کے بعد کی زندگی میں کیا ہوگا، کیا ملے گا، وہ کتنی وسیع ہوگی، "عرضها السموات والارض" اس کی وسعت میں زمین وآسمان ایسے ہیں کہ جیسے سمندر میں کوئی کنکری، سنکی ڈال دے، یہ بھی پتہ نہیں چلے گا، گئی کہاں؟ تو ایسے ہی یہ ساری دنیا حدیث میں آتا ہے "فوضع سوط في الجنة خير من الدنيا ومافيها" "ایک کوڑا (پھیلا کر نہیں کھڑے کر کے) رکھنے کی جگہ ساری دنیا سے وسیع ہے، تو اس آخرت کا تو کیا کوئی تصور کر سکتا ہے، اور پھر آخری بات یہ ہے کہ "ورضوان من الله اكبر" اللہ کی رضا کہ جب بندوں کو معلوم ہوگا جنت میں اللہ راضی ہوا، میرا مالک یہاں راضی ہے، رب مجھ سے خوش ہے، اب ناراضگی کا کوئی کھٹکا نہیں اس کی لذت کو، اس کی عزت کو تو کوئی سمجھ ہی نہیں سکتا۔

تو دین کا اصل موضوع ہے اس آخرت میں کامیابی دلانا، اس آخرت کے خطروں سے بچانا، اچھی طرح سمجھ لیجئے، اس آخرت کا عیش نصیب کرنا، اس آخرت میں زندگی، دوام ہمیشہ رہنے والی، کبھی فنا نہ ہونے والی، زندگی عطا کرنا ہے، اللہ فرماتا ہے، "لا يذوقون فيها الموت الا الموتة الاولىٰ" "جب اس دنیا سے جانے لگیں گے تو ایک مرتبہ موت کا تجربہ ہو گا، اور اس کے بعد موت کا کوئی امکان نہیں، پھر موت نہیں آئے گی، یہ دین کا اصل موضوع ہے، اسلئے کہ دین جتنا بڑا ہے، اور اللہ تعالےٰ اس سے جتنا خوش ہوتا ہے، اس کے انعام کی دنیا میں کوئی گنجائش نہیں، اس دنیا میں تو بہت چیزوں کی گنجائش نہیں، کتنے آدمی ہیں، جن کو شادی مرگ ہو جاتی ہے، ایسی خوشی حاصل ہوئی کہ برداشت نہیں کر سکے اور دم نکل گیا، تو اللہ تعالےٰ کے اصل انعامات کی تو اس دنیا میں گنجائش نہیں، اس لئے اس نے آخرت رکھی ہے۔

وہ جنت حقیقی جنت ہے، اور وہ زندگی حقیقی زندگی ہے، اور وہ گھر حقیقی گھر ہے۔

دین پر عمل کرنے سے دنیا میں بہشت کا مزہ

لیکن اللہ تعالےٰ نے اس دین میں یہ خاصیت رکھی ہے کہ اگر اس پر عمل کیا جائے تو اس زندگی میں بھی جنت کا کچھ لطف آنے لگے، عارفوں کو چھوڑیئے وہ تو کہتے تھے کہ اگر لوگوں کو

معلوم ہو جائے کہ ہم کیا عیش کر رہے ہیں، کس لطف میں ہیں تو ہمیں بیٹھنے نہ دیں تلوار لے کر ہم پر حملہ کریں، اور کوئی اللہ کا بندہ کہتا تھا کہ میرا کوئی کیا بگاڑ سکتا ہے، مجھ سے کیا چھین سکتا ہے، میری جنت میرے سینہ کے اندر ہے، میں کھڑا ہوں تو جنت، میں بیٹھوں تو جنت ''جنتی فی صدری ''میری جنت میرے سینہ کے اندر ہے، متوسط درجہ کے مسلمانوں کو بھی اس زندگی میں وہ راحت، وہ عزت، وہ سکون حاصل ہو سکتا ہے، کہ جس کی غیر مسلم جو دین سے ناآشنا ہیں، تصور نہیں کر سکتے، مگر شرط یہ ہے کہ اس دین پر عمل کریں، اور وہ دین محض قومیت کا دین نہ ہو، رجسٹر میں نام لکھانے کا دین نہ ہو، اور فائدے حاصل کرنے کا دین نہ ہو کہ مسلمان کے گھر میں اس کی وجہ سے شادی ہو جاتی ہے، رشتہ ہو جاتا ہے، اور عید بقر عید میں ملنے کا مزہ آتا ہے، اور شادی بارات میں پوچھے جاتے ہیں،، بلائے جاتے ہیں، یہ دین اس کا نہ ہو، اس دین سے راحت نہیں حاصل ہوگی، اس دین سے کوئی سکون نہیں ہوگا، اس دین سے کسی بستی میں رحمت و برکت نازل نہیں ہوگی اور آفتیں دور نہیں ہوں گی، دین جو محض فائدہ اٹھانے کے لئے نہ ہو، بلکہ بندگی کا دین ہو، شریعت میں جو حکم ہو اس کو مانے، ایسی بستیوں کا پھر حال یہ ہوگا جو اللہ تعالےٰ بیان فرماتا ہے۔

ولو ان اهل القرى امنوا واتقوا الفتحنا عليهم بركت من السمآء والارض.

(المائدہ.٦٦)

اگر بستیوں والے کچھ ہم سے ڈرتے اور ہمارا پاس کرتے اور ایمان لاتے اور تقویٰ اختیار کرتے تو ہم ان پر آسمانوں اور زمین کی برکتوں کے دہانے کھول دیتے۔

یہ اللہ تعالےٰ کا وعدہ ہے اس دنیا میں بھی، دین کا جو مقام ہے، جو مرتبہ ہے، اللہ تعالیٰ کے یہاں جو اس کی عزت ہے، اس کا تقاضا یہ ہے کہ آخرت ہو اور آخرت میں یہ سب کچھ ملے، اس لئے اللہ تعالےٰ نے آخرت کی زندگی بنائی ہے، کہ اللہ تعالےٰ کے ان انعامات کی، اس کی خوشنودی کی یہاں سمائی نہیں، آپ ایک سیارہ پر آباد ہیں، جو سب سے چھوٹا سیارہ ہے، اگر دوسرے سیاروں کو آپ دیکھیں، ان کے رقبہ کو آپ معلوم کریں، ان کے فاصلے معلوم کریں اور ان کی تعداد معلوم کریں تو معلوم ہو کہ یہ زمین کا ذرہ ہے، اس نظام شمسی میں یہ زمین حقیر ترین چیز ہے، اس پر ہم اور آپ اتنے رتجھ رہے ہیں، معلوم نہیں کیا کیا دعوے کر رہے ہیں، تو اللہ

تعالیٰ کی کائنات اتنی وسیع ہے کہ جس کا آپ کوئی تصور ہی نہیں کر سکتے ''في يوم كان مقداره خمسين الف سنة'' وہ فاصلہ ہے کہ یہاں کی چیز جب وہاں جاتی ہے تو آپ کے حساب سے پچاس ہزار برس، اور کم سے کم ایک ہزار برس لگ جاتا ہے، اور ابھی خلا میں جو لوگ گئے ہیں، وہ اس طرح کے حسابات بتاتے ہیں۔

لیکن میں آپ سے یہ کہتا ہوں کہ :۔

ولو ان اهل القرىٰ امنوا واتقوا لفتحنا عليهم بركت من السمآء والارض (الاعراف۔ ۹۶)

اگر ان بستیوں کے لوگ ایمان لے آتے اور پرہیز گار ہو جاتے، تو ہم ان پر آسمان اور زمین کی برکات (کے دروازے) کھول دیتے۔

دین پر عمل کرنے کی برکتوں کو دیکھنے کے لئے دنیا سفر کر کے آئے گی

خدا کی قسم اگر مسلمان کسی بستی میں خلوص کے ساتھ، سنجیدگی سے اور ایمانداری کے ساتھ شریعت پر عمل کریں تو جنت کا ایک نمونہ یہیں اللہ تعالیٰ دکھا دے، آپس میں وہ محبت ہو، دلوں میں وہ اعتماد ہو، وہ اطمینان ہو، ایسی سکھ کی نیند سوئیں، ایسے آرام کے ساتھ اپنا کام کریں، ہر کام بنتا چلا جائے ہر چیز میں برکت ہو، کہ لوگ باہر سے آ آ کر جیسے سینٹوریم میں لوگ جاتے ہیں، صحت افزا مقامات پر جاتے ہیں، اسی طرح یہ دنیا کے مارے ہوئے لوگ، یہ جن کا قیمہ کر دیا گیا ہے، جن کے دل و دماغ کا قیمہ کر دیا گیا ہے، جن کو سکون نصیب نہیں ہے، امریکہ و یورپ کے لوگ جن پر خدا کا عذاب نازل ہوا ہے، بشکل دولت، بشکل طاقت، بشکل وسائل، بشکل ترقیات وہ لوگ سانس لینے کے لئے آئیں گے، ایسی بستیوں میں اور بڑی سے بڑی قیمت ادا کریں گے کہ ایک درخت کے نیچے ہم کو آپ چار گھنٹے رہنے دیجئے کہ ہم اس فضا میں سانس لے لیں، تاکہ جب ہم یہاں سے جائیں تو ہمارے اندر ایک طاقت ہو۔

دین پر ناقص عمل اور شریعت کے حصے بخرے

مگر کہیں سے فریاد کی جائے کہ مسلمانوں نے اس شریعت کی قدر ہی نہیں کی، اللہ کے رسول کی لائی ہوئی اس نعمت کی قدر ہی نہیں کی، کہیں ایک چیز ہے، تو چار چیزیں نہیں، کہیں چار

چیزیں ہیں تو دس چیزیں نہیں، کہیں نماز ہے تو روزہ نہیں، کہیں روزہ ہے تو نماز نہیں، کہیں نماز روزہ دونوں ہیں تو زکوۃ نہیں، اور کہیں نماز، روزہ، زکوۃ ہے تو حج نہیں، اور کہیں یہ چاروں چیزیں ہیں تو آپس میں جو حقوق ہیں مسلمان کے جن کا ادا کرنا ضروری ہے، ان کا ذکر نہیں، کہیں عقائد درست ہے، تو عبادات درست نہیں، اور اگر عقائد وعبادات درست تو معاملات درست نہیں، گھر گھر ناچاقی، بھائی بھائی کے خون کا پیاسا، اس کی عزت وآبرو کے درپے کہیں، جعلی مقدمہ، کہیں افیون رکھوادی، کہیں چرس اور بھنگ رکھوادی، کہیں کوکین رکھوادی، پکڑوادیا، یہ مسلمانوں کی بستیوں میں ہو رہا ہے، انشاء اللہ آپ کی بستی اس سے محفوظ ہوگی، اور مجھے کچھ معلوم بھی نہیں، میں تو اچھی ہی باتیں یہاں کے متعلق سنتا رہا، قاضی قدرۃ اللہ صاحب رحمتہ اللہ علیہ ان کے حالات برسوں سے سن رہا ہوں ان کا معتقد ہوں، ایسے ہی اور اللہ کے بندے آپ کے یہاں اچھے گذرے ہوں گے، میں واقف نہیں، بہت سفر کرتا رہتا ہوں، جس بستی میں گیا وہاں شکایت سنی کہ صاحب بس یہاں پوچھئے نہیں، جو حالت ہو رہی ہے، ایک دوسرے کو دیکھ نہیں سکتا، اللہ کی شریعت کی یہ قدر؟ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کی لائی ہوئی شریعت کی یہ قدر، کہ ایک چیز پکڑی اور چار چیزیں چھوڑیں، آج کوئی بستی دنیا، میں روئے زمین پر یہ کر کے دکھادے، تو دیکھئے وہاں ٹکٹ لگ جائے، سینکڑوں ہزاروں روپے کا ٹکٹ لگ جائے داخلہ کا، یہ بھی مجبوری سے کہ اگر سب کو آنے دیا جائے تو پھر آدمی بیٹھ کیسے سکے گا، عورتیں کیسے رہ سکیں گی، بچے کیسے کھیل سکیں گے، اسلئے ٹکٹ لگایا جائے، انتظاماً کہ یہاں قدم رکھنے کیلئے پانچ سو روپیہ کی فیس داخل کرو، تو یہاں تم آسکتے ہو، اور یہاں سے گذر جاؤ ایک مرتبہ، ایسی وہ زمین متبرک بن جائے گی، مگر افسوس ہے کہ سب کچھ کریں گے مسلمان، ہزار تدبیریں کریں گے کافر بھی بتادے کہ یہ آرام کا طریقہ ہے تو اس کو اختیار کریں گے، لیکن اللہ کا رسولؐ جو کہتا ہے، کہ اس میں آرام ہے اس میں راحت، اس میں عزت ہے، اس کو نہیں اختیار کریں گے، بھلا بتائیے، اس ناقدری کی بھی کوئی حد ہے، کہ اگر کوئی حکیم کہدے، ڈاکٹر کہدے، کوئی غیر مسلم اکسپرٹ کہہ دے، کوئی سیاسی لیڈر کہہ دے کہ دیکھو یہ کرو تو کرنے کے لئے تیار، ہزاروں روپے خرچ کرنے کے لئے تیار، لیکن اللہ کا محبوب رسولؐ یہ کہتا ہے کہ اس میں تمھارا فائدہ ہے، اس میں تمھارا نقصان ہے، اس کو نہیں مانیں گے۔

امت محمدیہ کے ساتھ اللہ تعالیٰ کا معاملہ

ہمیں شکایت ہے صاحب مسلمان ہی ہر جگہ ذلیل ہیں، مسلمان ہی ہر جگہ مارے جاتے ہیں، مسلمان ہی ہر جگہ پریشان ہیں، وہ جیسے کوئی اپنا مریض ہوتا ہے، تو اس کو بدپرہیزی نہیں کرنے دیا جاتا، اس طریقہ سے اس امت مرحومہ امت محمدیؐ کے ساتھ اللہ تعالیٰ کا معاملہ یہ ہے کہ پاؤ گے تو اس راستہ سے پاؤ گے، تمھارے لئے راستہ مقرر ہے، یہ محبت کا راستہ ہے، یہودیوں کا مرض کیا تھا؟ ان کو جو کچھ ملا وہ دین کے راستے سے ملا، نبوت کے راستہ سے ملا، لیکن خدا کے بندے اسی راستہ کے باغی تھے، وہ دوسرے راستوں سے عزت چاہتے تھے، اسی لئے ''المغضوب علیھم'' کہا کہ خدا کا غضب ان پر ہو، ہم نے ان کو عزت دی۔

یبنی اسرائیل اذکروا نعمتی التی انعمت علیکم وانی فضلتکم علی العلمین. (البقرہ۔ ۱۲۲)

اے بنی اسرائیل میرے وہ احسان یاد کرو جو میں نے تم پر کئے، اور یہ کہ میں نے تم کو اہل عالم پر فضیلت بخشی

دو مرتبہ تین مرتبہ کہا، اور اس کے بعد ''اوفوا بعھدی اوف بعھد کم'' (تم میرے عہد کو پورا کرو، میں تمھارے عہد کو پورا کروں گا) انھوں نے کہا نہیں، اب آپ ہی اپنا عہد پورا کیجئے، ہم تو نہیں عہد پورا کریں گے۔

عقائد و عبادات میں مسلمانوں کا طرزِ عمل

مسلمانوں کا حال یہ ہو رہا ہے کہ پوری شریعت پر نہیں چلتے، بھئی ایک حکم کے نسخہ ہی میں آپ ترمیم کر کے دیکھ لیجئے کہ کیا انجام ہوتا ہے، کیا حکیم اور کیا اس کا نسخہ؟ لیکن چار چیزیں دی تھیں، ہر دوا جو اس میں تھی، ہر جز جو تھا، وہ کسی مصلحت سے تھا، اب آپ نے اس میں کتر بیونت شروع کر دی، اور کہا، چار چار چیزیں کیا کریں، بس دو ہی چیزیں کافی ہیں، اب کہتے ہیں کہ صاحب نزلہ نہیں گیا، پیٹ کا درد نہیں گیا، تو حکیم کے نسخہ میں ترمیم کرنے سے تو آپ کو یہ نقصان پہونچتا ہے اور کوئی عقلمند آدمی نہیں کرتا، اور اللہ کے رسولؐ کے بتائے ہوئے نسخہ میں ترمیم، صاحب عقائد لیں گے، عبادات سے مطلب نہیں، عبادات لیں گے، عقائد سے

مطلب نہیں، عقیدہ اور عبادات کا حال یہ ہے کہ

کرے غیر گر بت کی پوجا تو کافر
جو ٹھہرائے بیٹا خدا کا تو کافر
جھکے آگ پر بہر سجدہ تو کافر
کواکب میں مانے کرشمہ تو کافر
مگر مومنوں پر کشادہ ہیں راہیں
پرستش کریں شوق سے جس کی چاہیں

وظیفے جتنے چاہو پڑھوالو، لیکن اگر یہ کہو کہ نہیں اس میں شرک ہے، یہ بدعت ہے، یہ خلاف شریعت ہے، تو آپ کو اس سے مطلب نہیں، یہ شریعت پر چلنا ہے، اس کا نام اطاعت ہے؟ یہی تو یہودیوں نے کیا تھا، اور اللہ تعالےٰ فرماتا ہے، کہ اے اہل کتاب، تمہارا کام نہیں چلے گا، جب تک کہ تم پوری کتاب پر نہ چلو، سورۂ مائدہ میں دیکھئے، فرمایا کہ نہیں، تمھیں پوری کتاب پر عمل کرنا ہے، تمھیں پورے دین پر چلنا ہے، جب جا کر کام بنے گا، تو میں یہ کہہ رہا ہوں کہ دین کی قدر تو آئے گی آخرت میں، اس کو تو کوئی بیان ہی نہیں کرسکتا، دنیا میں بھی اس کا مزہ دیکھئے۔

ہم نے اپنی زندگی سے لوگوں کو اسلام سے روکا

آج ہم مسلمانوں کی زندگی اگر اسلامی ہوتی تو یہ ملک اسلام سے اتنا نا آشنا ہوتا؟ یہ اسلام سے اتنا متنفر ہوتا؟ ہرگز نہ ہوتا، مگر لوگ کہتے ہیں کہ تمھاری ہی زندگی مسلمانوں کی نہیں، تمھارے گھر جو نااتفاقیاں ہیں، جو مقدمہ بازیاں ہیں، وہ ان سے زیادہ ہیں، ہم جتنی ناسمجھی کرتے ہیں، اور جتنے عقل کے خلاف کام کرتے ہیں، وہ نہیں کرتے، ہم جتنے سست ہیں، غافل ہیں، بے کار ہیں، وہ نہیں ہیں، ہم جتنے جاہل ہیں، بے پڑھے ہیں، وہ نہیں ہیں، تو کیا کوشش ہو کہ وہ اسلام کی طرف راغب ہوں، جہاں کہیں کوئی بستی ایک نمونہ کی بستی بن جاتی تھی، مثالی بستی بن جاتی تھی، وہاں دیکھ لیجئے، اسلام کس طرح پھیلتا تھا، انڈونیشیا میں کیا ہوا؟ یہ جو آپ سنتے ہیں کہ مسلمان اکثریت میں ہیں، یہ صورت کیا ہمیشہ سے تھی؟ یہ تو بحر ہند کے جزیرے

ہیں، عرب سے ان کا کوئی تعلق نہیں تھا، اور جزیرے کی طرح جزیرے ہیں، تو بہ تو بہ سینکڑوں، ہزاروں جزیرے ہیں، جن کے مجموعہ کا نام انڈونیشیا ہے، اور وہاں اسلام ایسا پھیلا، ایسا پھیلا کہ تھوڑے سے وہاں غیر مسلم ہیں، باقی سب مسلمان ہیں، وجہ کیا؟ وہاں جو عرب تاجر گئے، دکان کھول لی، وہاں بیٹھ گئے، ان کی صورت و سیرت دیکھ کر، ان کے اخلاق دیکھ کر، ان کی ایمانداری دیکھ کر، ان کی اللہ کے یہاں قبولیت دیکھ کر اور ان کی دعاؤں کی مقبولیت دیکھ کر، ملک کا ملک مسلمان ہو گیا، عرب تاجر اور عرب صوفی، اللہ کا نام سکھانے والے دو ہی طبقے ہیں، جنھوں نے ہر جگہ اسلام پھیلایا ہے، وہاں انڈونیشیا میں، ملیشیا میں، اور یہاں ہندوستان میں انھیں دو طبقوں نے اشاعت اسلام کا کام کیا، خود مشرقی بنگال جو ہندوستان کا بالکل مشرقی حصہ ہے، انھیں لوگوں کی کمائی ہے۔

احکام شریعت پر عمل نہ کرنے کی نحوست

یہ بھی شرفاء کی ایک بستی ہے، یہ بھی سمجھدار لوگوں کی اور تعلیم یافتہ لوگوں کی ایک بستی ہے، اور بھی ہر طرح کے لوگ ہیں، دین پر پورا عمل تو بہت بڑی بات ہے، اللہ نصیب کرے، لیکن دین پر عمل کرنے کی سنجیدہ کوشش کریں، ایمانداری کے ساتھ دین کے تمام شعبوں پر، ہم نے اچھے اچھے گھروں کو دیکھا ہے، سب کچھ ہے لیکن ترکہ تقسیم نہیں ہوتا شرعی طریقہ پر، نتیجہ یہ ہے کہ فساد کا ایسا بیج بو دیا گیا ہے کہ پشتوں تک وہ ختم نہیں ہوتا۔

بس بھائیو: یہی کہتا ہے کہ اصل تو اس دین کا فائدہ اور اس دین کی برکت تو ظاہر ہو گی، مرنے کے بعد آنکھ بند ہوئی اور پتہ چل گیا کہ نماز کیا دلا رہی ہے اور کلمہ کیا دلا رہا ہے، اور کہاں ہو تم، اللہ نصیب کرے ہر مسلمان کو ہم کو اور آپ کو خاص طور پر، لیکن اس دنیا میں بھی اس شریعت کی برکت ظاہر ہو کر رہتی ہے۔

عقائد و اعمال کی تاثیر اور معاصی کے نتائج و اثرات

جب اللہ تعالیٰ نے سنکھیا میں اثر رکھا ہے، ہزاروں برس سے، آج بھی کوئی سنکھیا کھائے، صاحب پرانی باتیں ہیں، کسی نے لکھ دیا ہوگا، سنکھیا کو بہت عرصہ ہو گیا، اب کہاں کوئی سنکھیا سے مرتا ہے، کوئی تجربہ کر کے دیکھے، اس کا تجربہ تو کوئی نہیں کرے گا، میں کہتا ہوں کہ کل

بنفشہ اور برگ گاؤزباں اور عناب ولایتی اور یہ حکیم فضل اللہ صاحب (۱) کے یہاں جو دوائیں ملتی ہیں، حکیم قاضی قدرۃ اللہ صاحب بھی یہی کہتے تھے، اور اگر ان کی مورث طبیب رہے ہوں گے تو وہ بھی یہ کہتے تھے، سینکڑوں برس سے یہ بتایا جاتا ہے کہ گل بنفشہ کی یہ تاثیر ہے، اور برگ گاؤزباں کی یہ، اور خطمی کی یہ اور خبازی کی یہ اور فلاح کی یہ اور آج تک سینکڑوں ہزاروں برس سے چلی آرہی ہے، طبی یونانی کب تھی؟

یونان کہاں تھا؟ کب تھا؟ یہ حضرت مسیح علیہ السلام سے بھی پہلے کا زمانہ ہے، یونان کے عروج کا زمانہ حضرت مسیح کو دو ہزار برس کے قریب ہو گئے، تو حضرت عیسیٰ سے بھی معلوم نہیں کتنے سو برس پہلے یونان کا عروج ہوا ہے، اس وقت ان لوگوں نے یہ خاصیتیں دریافت کی تھیں، دواؤں کی، ہمارے یہاں طب یونانی چلی آرہی ہے، بعد میں عربوں نے اس میں بڑا اضافہ کیا، مگر اس کی اصل جو ہے، وہ یونانی ہے، تو یونانی حکما، جو کہیں وہ تو آج تک پورا ہو، اور اللہ کے رسول جو کہیں، اور ابھی جن کو زمانہ بھی اتنا نہیں گذرا، اور اس میں ہم کو شک ہو، یہ کیسا ایمان ہے؟ کہاں کا ایمان ہے؟ کہ گل بنفشہ کے اثر پر تو تمہیں ایمان ہے، اور اللہ کے رسول کا کہنا کہ ''سبحان اللہ وبحمدہ سبحان اللہ العظیم'' جو ہے ''کلمتان خفیفتان علی اللسان ثقیلتان فی المیزان حبیبتان الی الرحمن'' یہ زبان پر ہلکے اور اللہ کی ترازو میں بھاری اور اللہ کو بہت محبوب ہیں یہ ''سبحان اللہ وبحمدہ سبحان اللہ العظیم'' اس پر ہمیں اعتماد نہیں؟ ترکہ تقسیم کرنے سے یہ برکت ہوتی ہے، ہمارا اس پر عقیدہ نہیں، گناہ میں یہ یہ خاصیت ہے، بعض گناہ ایسے ہیں، جن سے وبائیں پیدا ہوتی ہیں، بعض گناہ ایسے ہیں، جس میں رزق میں برکت اٹھ جاتی ہے، بعض گناہ ایسے ہیں، ان سے موتیں جلد ہونے لگتی ہیں، زندگیاں کم ہوتی ہیں، حضرت تھانوی قدس سرہ کا رسالہ دیکھئے ''جزاء الاعمال'' اس میں دیکھئے کہ کن کن اعمال پر کیا کیا اثرات شریعت کی طرف سے بتائے گئے ہیں، کہ اس کی یہ نحوست، اس کی یہ نحوست، آج دیکھ رہے ہیں، ہم دنیا میں اس پر ہمارا ایمان ہے، جس خطہ زمین پر جس زمانہ میں، جتنی دیر کے لئے، جتنے وقت کے لئے، شریعت پر عمل ہوا کھلی ہوئی برکتیں خدا کی نظر آئیں، اس کے خلاف۔

---

(۱) مناور کے مشہور حکیم، حکیم فضل اللہ ندوی فرزند قاضی قدرۃ اللہ مرحوم

ومن يشاقق الرسول من بعد ماتبين له الهدیٰ و يتبع غير سبيل المومنين نوله ماتولى ونصله جهنم (النساء. ۱۱۵)

اور جو شخص سیدھا راستہ معلوم ہونے کے بعد پیغمبر کی مخالفت کرے، اور مومنوں کے رستے کے سوا اور رستہ پر چلے تو جدھر وہ چلتا ہے ہم اسے ادھر ہی چلنے دیں گے، اور (قیامت کے دن) جہنم میں داخل کریں گے۔

جو اس کے خلاف کرے گا، وہ دیکھ لے گا، چاہے سو سر کا ہو جائے، اور سر کاٹ کر کے رکھ دے اور ساری دنیا کے سامنے ناک رگڑے، تب بھی اللہ تعالیٰ کی طرف سے نہ عزت ملے گی، نہ راحت ملے گی، نہ سکون، مسلمان کیلئے ایک ہی راستہ ہے اور وہ دین وشریعت کا۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

دین حق اور دعوت اسلام
ایک فلک بوس اور سدابہار درخت

حضرت مولانا کی وہ تاریخی تقریر ۳ ستمبر ۱۹۹۱ء کو لیسٹر انگلستان کے اسلامک فاؤنڈیشن میں اہل علم اور دعوتی وتحقیقی کام کرنے والوں کا ایک وقیع مجمع میں کی گئی تھی۔

الحمد لله نحمده ونستعينه ونستغفره ونعوذبالله من شرور انفسنا ومن سيئات اعمالنا من يهده الله فلا مضل له ومن يضلله فلا هادى له ونشهد ان لا اله الا الله ونشهد ان محمدا عبده ورسوله الذى ارسله الله تعالى الى كافة الناس بشيرا ونذيرا وداعيا الى الله باذنه وسراجا منيرا . اما بعد .فاعوذ بالله من الشيطان الرجيم. بسم الله الرحمن الرحيم.

الم تر كيف ضرب الله مثلا كلمة طيبة كشجرة طيبة اصلها ثابت وفرعها فى السمآء تؤتى اكلها كل حين باذن ربها ويضرب الله الامثال للناس لعلهم يتذكرون .

کیا تم نے نہیں دیکھا کہ خدا نے پاک بات کی کیسی مثال بیان فرمائی؟ (وہ ایسی ہے) جیسے پاکیزہ درخت جس کی جڑ مضبوط (یعنی زمین کو پکڑے ہوئے) ہو اور شاخیں آسمان میں، اپنے پروردگار کے حکم سے ہر وقت پھل لاتا (اور میوے دیتا ہو) اور خدا لوگوں کے لئے مثالیں بیان فرماتا ہے کہ وہ نصیحت پکڑیں۔

قرآن کریم کا اعجاز

حضرات! میں یہاں حاضر ہوا تو مجھے یہاں کی سرگرمیوں اور یہاں کی دعوتی وتحقیقی کاموں کو دیکھنے کا شوق تھا اور میرے ذہن میں کوئی خاص مضمون نہیں تھا اور نہ یہ بات متعین تھی

کہ مجھے کچھ عرض کرنا ہے۔ میں تو یہاں ایک زائر اور ایک استفادہ کرنے والے کی حیثیت سے آیا تھا، لیکن مجھے حکم ہوا کہ میں آپ کے سامنے کچھ عرض کروں، میں بیٹھنے کے بعد بالکل خالی الذہن تھا اور میں نے اس کو خدا پر چھوڑ دیا تھا اور اس کا بارہا تجربہ ہوا کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے مدد ہوتی ہے، اور قرآن مجید ہر موقع پر مدد کرتا ہے اور راستہ کھول دیتا ہے اور نئی نئی حقیقتیں اپنے اعجاز کے نئے پہلو سامنے لاتا ہے، ابھی آپ کے سامنے جو آیت پڑھی گئی وہ تنہا کافی ہے، دنیا کے کسی عہد میں بھی دین کی دعوت کا، اسلام کے تعارف کا، اور لوگوں کو دنیا کے خطرات سے نکالنے کا اور زندگی کو نہ صرف برباد کرنے بلکہ زندگی کو باعث اذیت اور خدا سے بعد کا ذریعہ بنانے کی آزمائش سے نکال کر نجات کے راستہ پر لگانے کا جب بھی ذکر کیا جائے گا تو یہ آیت اس کی رہنمائی کے لئے کافی ہے اور اس کے اندر قرآن مجید کا اعجاز جھلک رہا ہے۔

قرآن مجید جیسا کہ میں نے بعض مرتبہ عرض کیا کہ مجموعی حیثیت سے بھی وہ معجزہ ہے اور انفرادی حیثیت سے بھی، یعنی ایک ایک آیت بھی اس کا الگ الگ معجزہ ہے بلکہ اگر میں (عربی زبان کے ایک طالب علم کی حیثیت سے) یہ کہوں کہ اس کا ایک ایک لفظ بھی مستقل معجزہ ہے تو اس میں کوئی مبالغہ نہ ہوگا۔

کسی ملک اور کسی عہد میں بھی دین کا کام کیا جائے، دین کے تعارف کا کام کیا جائے، اسلام کی طرف دعوت دینے کا کام کیا جائے، اسلام کے محاسن کو پیش کرنے کا کام کیا جائے اور لوگوں کو زندگی اور زندگی کے بعد کے خطرات سے نکالنے کا کام کیا جائے تو یہ آیت اس کی پوری تصویر کھینچ دیتی ہے، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

> اعوذ باللہ من الشیطان الرجیم. بسم اللہ الرحمن الرحیم الم تر کیف ضرب اللہ مثلا کلمة طیبة کشجرة طیبة اصلها ثابت وفرعها فی السمآء تؤتی اکلها کل حین باذن ربها ویضرب اللہ الامثال للناس لعلهم یتذکرون.

”کیا تم نے نہیں دیکھا کہ خدا نے پاک بات کی کیسی مثال بیان فرمائی ہے؟ (وہ ایسی ہے) جیسے پاکیزہ درخت جس کی جڑ مضبوط (یعنی زمین کو پکڑے ہوئے) ہو، اور شاخیں آسمان میں، اپنے پروردگار کے حکم سے ہر وقت پھل لاتا (اور میوے دیتا) ہو اور خدا لوگوں کے

لئے مثالیں بیان فرماتا ہے تاکہ وہ نصیحت پکڑیں۔"

اس آیت میں مکانی رقبہ بھی آ گیا اور زمانی رقبہ بھی آ گیا اور اس کی بنیاد اور اس کا سرچشمہ بھی آ گیا اور اس کے نقطہ عروج اور جن بلندیوں تک اسلام کی دعوت پہنچ سکتی ہے اس کا ذکر بھی آ گیا۔

آپ ایک درخت کی حقیقت پر غور کیجئے (شجرۃ طیبۃ) پہلی شرط تو یہ ہے کہ وہ اچھا درخت ہو "شجرۃ طیبۃ" اور یہ اللہ تعالیٰ کے یہاں شرط ہے کام کی کامیابی کے لئے، کتنی ہی بڑی ذہانت اور کتنے ہی بلند مقاصد، کتنے ہی وسیع وسائل، کتنی ہی بڑی جمعیت، کتنی ہی اپنے عہد کی علمی وصنعتی ترقیاں سب ساتھ ہوں تو وہ اللہ کے یہاں معتبر نہیں ہے، اس کے لئے ضروری ہے کہ مقصد صحیح ہو، دافع اور محرک صحیح ہو اور وہ دعوت بذات خود صحیح ہو۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: "الم تر کیف ضرب اللہ مثلا کلمۃ طیبۃ" (کیا تم نے نہیں دیکھا کہ خدا نے پاک بات کی کیسی مثال بیان فرمائی ہے؟)

پہلی شرط تو یہ ہے کہ کلمہ طیبہ ہو، صرف کلمہ ہونا کافی نہیں، دنیا میں ایک بہت بڑی غلطی یہ ہوتی رہی ہے، ادبیات کی تاریخ بتاتی ہے، شاعری کی تاریخ بتاتی ہے، ذہانت وحکمت کی تاریخ بتاتی ہے، یونان کے فلسفہ ومنطق کی تاریخ بتاتی ہے کہ لوگوں نے کلمہ کو کافی سمجھ لیا، کلمہ ہونا چاہئے اور اس کے اندر انسان کی ذہانت جھلکنی چاہئے، اس کے اندر مضمون آفرینی ہونی چاہئے، انسان کے مطالعہ کی گہرائی ہونی چاہئے، اظہار بیان کی طاقت ہونی چاہئے، دنیا میں زیادہ تر اسی پر زور دیا گیا ہے۔ آپ ساری دنیا کے ادبیات کا مطالعہ کریں تو آپ دیکھیں گے کہ ان سب میں "کلمہ" پر زور ہے، کلمہ طیبہ پر زور نہیں۔

پہلی شرط تو یہ ہے کہ وہ کلمہ طیبہ ہو، اس کا مقصد صحیح ہو، بات جو کہی جائے تو صرف اتنا کافی نہیں کہ وہ فصیح وبلیغ ہے، بعض لوگوں نے اس کو کافی سمجھا ہے، اگر آپ مذہبی، دینی نفسیات کی تاریخ پڑھیں اور دعوتوں کی تاریخ پڑھیں، تو بہت جگہ ایسا ہوا ہے کہ بہت سے لوگوں نے کلمہ کو کافی سمجھا ہے کہ بات اچھی طرح (Tactfully) کہی جا رہی ہے، لیکن وہ خود بجائے خود صحیح ہے، اس کا رشتہ صحیح ہے، وہ خالق کائنات سے الہام اور اس کی رہبری سے اخذ کی گئی ہے، وہ صحف سماویہ سے لی گئی ہے، وہ انبیاء علیہم السلام کی تعلیم سے ماخوذ ہے، یا صرف اس میں انسان

کی فصاحت و بلاغت ہی ہے، اس کا زور بیان ہے، اس کی شاعری کی لطافت ہے؟

کلمہ طیبہ کی مثال دینے کے لئے دنیا میں سینکڑوں، ہزاروں چیزیں ہو سکتی تھیں، موتی، جواہرات، سونا، چاندی، پھول، پھل، سب سے تشبیہ دی جا سکتی تھی، لیکن "کلمہ طیبہ" کے بار آور ہونے اور اس کے ثمردار ہونے اور اخیر عہد تک اس کی کام کرتے رہنے کی مثال درخت سے بہتر نہیں ہو سکتی، درخت کے لئے بھی یہ شرط ہے کہ وہ شجرۂ طیبہ ہو، یہ نہیں کہ آپ نیم کا درخت لگالیں اور آپ اس سے آم کی امید رکھیں، آپ کانٹے بوئیں اور آپ اس سے پھول کی توقع کریں، خود وہ شجرہ بھی طیبہ ہونا چاہئے، جیسے کلمہ طیبہ ہوتا ہے، اس کی تعریف میں کہا گیا ہے "کشجرة طيبة" اب اس کے بعد قرآن مجید کا اعجاز ہے، وہ کہتا ہے: "اصلها ثابت وفرعها في السمآء" جس کی جڑ مضبوط ہو اور شاخیں آسمان میں۔ آپ ان الفاظ کی وسعت اور ان کی لطافت پر غور کریں تو ان میں سب کچھ کہہ دیا گیا ہے، اس میں ادیان سماویہ کی تاریخ آ گئی ہے، اس میں نبوت اور پیغمبروں کی مساعی اور کوششوں کی تاریخ آ گئی، اس میں ان روحانی تبدیلیوں اور انقلابات کی تاریخ آ گئی، جس کا احاطہ اس وقت تک نہیں کیا گیا اور احاطہ کرنا مشکل ہے، سینکڑوں نہیں، ہزاروں نہیں، لاکھوں مثالیں ایسی ہوں گی مخلصین کے کلام کی کہ جن کا کوئی ریکارڈ ہمارے سامنے نہیں ہے۔

تو ایک تو یہ کہ وہ ایسا شجرۂ طیبہ ہو کہ "اصلها ثابت" اس کی جڑ تو زمین میں ہوگی "وفرعها في السمآء" اور اس کی شاخ آسمان سے باتیں کرتی ہوگی، ایک انسان کی زبان سے کلمہ نکلے گا، لیکن وہ قوموں کی تقدیر بدل دے گا، زمانہ کا رخ بدل دے گا، سوچنے کا طریقہ بدل دے گا، قوموں کی قومیں دین حق میں داخل ہوں گی۔

اس کے لئے ایک مثال جو اس وقت میرے ذہن میں آئی آپ کے سامنے پیش کرتا ہوں کہ آپ یہ دیکھیں کہ ایک چھوٹا سا کلمہ کیا کام کرتا ہے؟! اس کے لئے میں عرض کروں اپنے فاضل دوستوں کے سامنے کہ محض مطالعہ، محض ذہانت، محض پیش کرنے کا بہتر سے بہتر طریقہ، الفاظ کا انتخاب، انشاء پردازی اور خطابت کا زور تنہا کافی نہیں ہے، اس کے لئے ضروری ہے کہ وہ دل کی گہرائیوں سے نکلا ہوا اور اسلام کو جو اس وقت آپ دنیا میں پھیلا ہوا دیکھ رہے ہیں، اسلام کی جو فتوحات ہیں، ان میں ایک بہت بڑا عامل یہ تھا کہ جو بات دل سے نکلتی ہے اثر

رکھتی ہے۔

ہرچہ از دل خیزو بردل ریزو

اس کی ایک مثال میں دیتا ہوں جو اس وقت میرے ذہن میں آئی ہے، مثالیں تو بہت ہیں، پروفیسر ٹی ڈبلیو آرنلڈ نے اپنی کتاب Preaching of Islam میں ایک واقعہ لکھا ہے، ترکی اور ایرانی تاریخوں میں بھی یہ واقعہ آیا ہے، لیکن تھوڑے فرق کے ساتھ، پہلے تو میں ''آرنلڈ'' کے بیان کو آپ کے سامنے پیش کرتا ہوں، اس کے بعد پھر ترکی اور فارسی تاریخوں میں جو واقعہ مذکور ہے وہ بیان کروں گا، تو تلق تیمور تا تاریوں کی ایک شاخ کا شہزادہ تھا، جس کا پایہ تخت کاشغر تھا، آپ کو معلوم ہے کہ ساتویں صدی ہجری اور تیرہویں صدی عیسوی میں تا تاریوں نے ترکستان اور ایران پر حملہ کیا اور پھر اس کے بعد وہ بغداد تک پہنچ گئے، اس کی اینٹ سے اینٹ بجادی اور عالم اسلامی کی چولیں ہلادیں، ایسا نظر آنے لگا کہ اب اسلام دنیا میں ایک طاقت کی حیثیت سے باقی نہیں رہے گا، ان کی ایک شاخ (وہ مختلف شاخوں میں تقسیم ہوگئے تھے) جو ترکستان پر حکمران تھی (یہ بھی حسن اتفاق ہے کہ اس وقت ترکستان میں ایک نیا انقلاب ہوا اور ہم اس حالت میں اس کا ذکر کر رہے ہیں کہ اس کا نام لینے سے ہمارے دل میں چوٹ نہیں لگتی) جس میں ایران بھی شامل تھا، اس کا وہ ولی عہد تھا، ابھی اس کی تاج پوشی نہیں ہوئی تھی، تاج پوشی کے بعد وہ اپنے پورے قلمرو کا حکمران ہوتا، وہ شکار کے لئے نکلا اور آپ کو معلوم ہے (شاید آپ میں سے بہت سے لوگ شکار کھیلتے ہوں) کہ شکاریوں کے کچھ توہمات ہوتے ہیں، ان کے یہاں کچھ روایات ہوتی ہیں جن کی کوئی اصلیت نہیں، وہ محض اتفاقات ہوتے ہیں۔ لیکن خدا کو کچھ اور منظور تھا، تو تلق تیمور ہرن کا شیر کا شکار کرنا چاہتا تھا، اور اللہ تعالیٰ کو منظور تھا کہ دین حق اس کو اپنا اسیر اور تابع بنالے اور تا تاریوں کی ایک پوری شاخ اسلام کے حلقہ بگوش بن جائے۔

تو قلع تیمور اپنی ولی عہدی کے زمانہ میں شکار کے لئے نکلا، ہر طرف پہرے بٹھا دیئے گئے کہ کوئی باہر کا آدمی شکار گاہ میں داخل نہ ہونے پائے، ایک ایرانی بزرگ شیخ جمال الدین کہیں جارہے تھے، وہ نادانستہ اس شکار گاہ میں داخل ہوگئے، ان کو مشکیں باندھ کر شہزادہ کے سامنے حاضر کیا گیا، خان نے ان سے غضبناک ہوکر کہا کہ ایک ایرانی سے تو کتا ہی بہتر ہوتا

ہے۔ شیخ نے کہا کہ ہاں یہ سچ ہے، اگر ہم کو اللہ تعالیٰ دین حق کی نعمت و عزت نصیب نہ فرماتا تو ہم سے کتا ہی بہتر ہوتا۔ خان نے شیخ سے پوچھا کہ دین برحق کیا چیز ہے؟ شیخ نے اسلام کے عقائد ایسی گرم جوشی اور ایسے دینی ولولے سے بیان کئے کہ اس کا پتھر دل موم کی طرح پگھل گیا، شیخ نے حالت کفر کا بھی ایسا ہیبت ناک نقشہ کھینچا کہ خان پر لرزہ طاری ہو گیا، خان نے شیخ سے کہا کہ جب آپ سنیں کہ میری تاج پوشی ہو گئی تو آپ مجھ سے ضرور ملیں۔

یہ دل سے نکلی ہوئی بات تھی، اس لئے اس میں کوئی منطقی اثر ہو یا نہ ہو، لیکن اس کے دل پر اس کا اثر پڑا، اور یہ من جانب اللہ بات تھی، یہ میں اس لئے کہہ رہا ہوں کہ جب تک دعوت میں وہ دل شامل نہ ہو جو نور باطن سے منور اور دردمند ہے اور وہ بات دل کی گہرائی سے نہ نکلی ہو تو اس کا وہ اثر نہیں ہو سکتا کہ زندگی میں انقلاب پیدا کر دے۔

یہ تو روایت ہے آرنلڈ کی، لیکن ترکی اور فارسی کے مآخذ میں جو زیادہ معتبر ہیں یہ ہے کہ اس نے ان سے پوچھا کہ کتا زیادہ عزت رکھتا ہے یا ایرانی؟ انہوں نے نہایت اطمینان سے یہ جواب دیا کہ ابھی اس کا فیصلہ نہیں ہو سکتا، اس نے کہا ابھی اس کا فیصلہ کیوں نہیں ہو سکتا؟ کیا کتا زیادہ عزت رکھتا ہے یا کہ میں، وہ اس کی تیاری میں تھا کہ اگر وہ یہ کہہ دیتے کہ میں بہتر ہوں تو وہ تلوار سے ان کا سر اڑا دیتا، اور اگر کہتے کہ کتا زیادہ عزت والا ہے تو کہتا کہ چلے جاؤ۔ اس نے کہا کہ اس میں انتظار کی کیا بات ہے؟ انہوں نے کہا کہ اگر میرا خاتمہ ایمان پر ہوا تو میں عزت والا ہوں، ورنہ یہ کتا معزز ہے۔ اس نے پوچھا کہ ایمان کیا ہوتا ہے؟ انہوں نے ایمان کی تشریح کی۔

اس کے بعد وہ برابر اس کے انتظار میں رہے کہ یہ اطلاع ملے کہ قلق تیمور کی تاجپوشی ہوگئی ہو تو میں جاؤں اور یہ واقعہ یاد دلاؤں، لیکن ان کی قسمت میں نہیں تھا۔ جب وہ عالم سکرات میں تھے، آخری وقت تھا تو انہوں نے اپنے صاحبزادہ شیخ رشید الدین کو بلایا اور کہا کہ دیکھو بیٹا! میری قسمت میں تو یہ سعادت نہیں تھی، لیکن شاید تمہاری قسمت میں ہو، جب سننا کہ قلق تیمور کی تاج پوشی ہوگئی اور وہ بادشاہ ہو گیا تو اس سے ملنا اور یہ واقعہ یاد دلانا۔

یہاں سے آرنلڈ اور ترکی کتابوں کا بیان مشترک ہے۔ وہ یہ کہ جب شیخ رشید نے سنا کہ قلق تیمور کی تاج پوشی ہوئی تو وہ گئے، اس کے شاہی محل میں، ان کو کون اندر جانے دیتا، جب ان کی کچھ سمجھ میں نہیں آیا تو انہوں نے ذرا فاصلہ پر ایک درخت کے نیچے مصلیٰ بچھا لیا اور وہاں نماز

پڑھنی شروع کی، جب نماز کا وقت آتا اذان دیتے اور نماز پڑھتے۔ اور وقتوں میں تو اذان کی آواز نہیں پہنچتی، لیکن فجر میں ایک دن جو کہ سناٹے کا وقت ہوتا ہے محل میں آواز آئی۔ اس نے پوچھا کہ یہ کیا ہے؟ یہ کیسی مجنونانہ صدا ہے؟ یہ کیا صدائے بے ہنگام ہے؟ لوگوں نے کہا کہ بادشاہ سلامت! (وہ جس طرح بھی خطاب کرتے ہوں) ایک مجذوب سا شخص ہے، وہ پچھلا اٹھتا بیٹھتا ہے اور یہ آواز لگاتا ہے۔ اس نے کہا کہ پکڑ لاؤ اسے، وہ لائے گئے تو اس نے کہا تم کون ہو؟ اور یہ کیا آواز لگاتے ہو؟ انہوں نے کہا آپ کو کچھ یاد ہے، ایک مرتبہ آپ شکار میں گئے تھے، تو ایک ایرانی عالم آپ کو ملے تھے شیخ جمال الدین، ان سے آپ کا کچھ مکالمہ ہوا تھا، اس نے کہا کہ ہاں یاد ہے۔ انہوں نے کہا کہ میں یہ شہادت دینے آیا ہوں کہ ان کا ایمان پر خاتمہ ہوا، اس نے اسی وقت کلمہ پڑھا۔ آرنلڈ نے بھی یہ لکھا ہے اور ترکی فارسی کتابوں میں بھی یہی لکھا ہے، اس نے کلمہ پڑھا اور اپنے ایک رازدار اور سربرآوردہ امیر کو بلایا اور تنہائی میں کہا کہ دیکھو میں نے اپنے متعلق فیصلہ کیا ہے کہ میں مسلمان ہو گیا ہوں، اب تم اپنے متعلق سوچو، انہوں نے کہا کہ حضور میں تو بہت دنوں سے مسلمان ہوں، آپ کے ڈر سے ظاہر نہیں کرتا تھا، اس کے بعد پھر اس طرح پوری کی پوری شاخ سو فیصدی مسلمان ہو گئی۔

میں عرض کر رہا تھا ’’کشجرة طيبة‘‘ یہ محض اتفاقی لفظ نہیں ہے، قرآن مجید میں کوئی اتفاقی لفظ نہیں ہوتا، پہلی شرط یہ ہے کہ ’’شجرۂ طیبہ‘‘ ہو، یہ نہیں کہ آپ برگد کا درخت لگا دیں، نیم کا درخت لگا دیں، کانٹے بو دیں اور آپ ان سے اچھے پھل پھول کی امید کریں۔

پہلی شرط یہ ہے کہ وہ ’’شجرۂ طیبہ‘‘ ہو پھر اس شجرۂ طیبہ کی جو صفت خدا نے بیان کی وہ بالکل اس کے دین کی صفت ہے کہ ’’اصلها ثابت وفرعها في السماء‘‘ جڑ تمہیں نظر آئے گی زمین پر، اور شاخیں تمہیں نظر آئیں گی آسمان پر، اب آپ اسلام کی تاریخ پڑھئے کہ کس پستی کی حالت میں، کس بے سرو سامانی کی حالت میں، کس کمزوری کی حالت میں اس کی ابتدا ہوئی اور پھر اس کی شاخیں کہاں تک پہنچیں؟

’’تؤتي اكلها كل حين باذن ربها‘‘ یہ بھی قرآن کا اعجاز ہے، ہر زمانہ میں وہ اللہ کے حکم سے پھل دیتا رہے گا، یہ محض ’’شجرۂ طیبہ‘‘ نہیں۔ ’’شجرۂ طیبہ خالدہ‘‘ ہے، یہ زمانہ کے تغیرات کا تابع نہیں ہے، بہت سے درخت ہیں، جو اپنی عمر پوری کر لیتے ہیں، اور ختم ہو جاتے

ہیں، جانوران کو تباہ کر دیتے ہیں اور خود ان کا لگانے والا کبھی ان کو کاٹ دیتا ہے، تو اس میں بتایا کہ اس کی مکانی تو یہ ہے کہ وہ زمین سے اٹھتا ہے اور آسمان تک جاتا ہے یہ تو اس کی مکانی وسعت ہے اور زمانی وسعت یہ ہے کہ "تؤتی اکلها کل حين باذن ربها" وہ اپنے پھل ہر زمانے میں اللہ کے حکم سے دیتا ہے۔

اب آپ دیکھئے یہ برطانیہ ہے، جب اس کی حکومت ہندوستان کے برصغیر پر تھی تو کوئی تصور نہیں کر سکتا تھا کہ خاص اس کے دارالحکومت لندن میں اور اس کے قرب وجوار میں اسلامی مطالعہ کے مراکز قائم ہوں گے، اور اسلام کی دعوت وہاں پیش کی جائے، ایک وقت تو ایسا آیا تھا کہ ہندوستان میں عیسائیت کے مبلغ (پادری) میدان میں آ گئے تھے، اور انہوں نے حکومت کو بھی یہ یقین دلا دیا تھا کہ یسوع مسیح نے ہم کو یہ ملک دیا ہے، اور ہمیں ان کے مذہب کی تبلیغ کرنی چاہئے، مسلمانوں کے (خاکم بدہن) ارتداد کا بڑے پیمانے پر خطرہ پیدا ہو گیا تھا، اس کی بناء پر مولانا رحمت اللہ صاحب کیرانوی نے ''اظہار الحق'' جیسی معرکۃ الآراء کتاب لکھی اور آگرہ میں پادری فنڈر سے ان کا مناظرہ ہوا جس میں اس کی شکست فاش ہوئی، مولانا سید محمد علی مونگیریؒ نے اس خطرہ سے ندوۃ العلماء کی تحریک چلائی، مجھے معلوم ہے کہ اس کے پس منظر میں عیسائی مبلغین کی سرگرمیوں اور ان کے نتائج کا خطرہ کام کر رہا تھا، انہوں نے ایسے علماء و مبلغین کا تیار کرنا ضروری سمجھا جو دوسرے مذاہب کا مطالعہ کر سکیں، وہ کسی مغربی زبان (بالخصوص انگریزی سے) بھی واقف ہوں اور جغرافیہ اور تاریخ سے بھی آشنا ہوں، اور اس نئی نسل کو اس کی مانوس زبان میں خطاب کر سکیں اور مسائل حاضرہ میں مسلمانوں کی رہنمائی کریں۔

''تؤتی اکلها کل حين باذن ربها'' ہر زمانہ میں وہ پھل دے گا اللہ کے حکم سے۔ آج آپ اپنی آنکھوں سے اس آیت کا تحقق دیکھ رہے ہیں کہ وہ شجرۂ طیبہ جو آخری رسول نے لگایا تھا اور جس کی جڑ زمین میں تھی، کہاں تھی؟ جزیرۃ العرب میں تھی، جو سیاسی حیثیت سے، فکری حیثیت سے، علمی حیثیت سے، اور مالی حیثیت سے، ہر حیثیت سے دنیا کا پسماندہ ترین علاقہ تھا، اور ساری دنیا سے کٹا ہوا تھا ''اصلها ثابت وفرعها فی السماء'' اس کی شاخیں کہاں تک گئیں؟ اس کی شاخیں آسمان تک گئیں، آپ دیکھیں کہ اس کی اشاعت وفتوحات کے نتیجہ میں کتنی سلطنتیں پیدا ہوئیں، اس کے نتیجہ میں کتنی دانش گاہیں، کتنی جامعات وجود میں آئیں، کتنے

مراکز ہدایت وتربیت قائم ہوئے، کتنے محقق پیدا ہوئے، کتنے مفکر پیدا ہوئے، کتنے ادیب پیدا ہوئے اور کتنا بڑا لٹریچر تیار ہوا، کسی ایک زبان میں بھی اگر آپ اس کا احاطہ کرنا چاہیں تو مشکل ہے، جو کلمہ کہا گیا تھا، جزیرۃ العرب میں بیٹھ کر وہ کلمہ آج ساری دنیا میں پھیل رہا ہے، اور وہ اپنے پھل دے رہا ہے، شجرۂ طیبہ کی طرح پھل پھول رہا ہے۔

اس وقت کسی طویل تقریر کی ضرورت نہیں، اہل علم کا مجمع ہے، اہل فکر اور مطالعہ کرنے والوں کا مجمع ہے، میں عرض کروں گا کہ دعوت کے لئے دو تین چیزوں کی ضرورت ہے۔

ایک تو واقفیت کی ضرورت ہے کہ نفسیات انسانی سے واقفیت ہو۔ اور بیان کی ضرورت ہے، زبان کی بڑی اہمیت ہے اور آپ حضرات نے بہت صحیح قدم اٹھایا ہے، میں اس کی داد دیتا ہوں اور اس کی تحسین کرتا ہوں کہ آپ نے بہتر سے بہتر انگریزی زبان میں اسلام کو پیش کرنے کا انتظام کیا ہے اور اس کے لئے آپ لوگوں کو تیار کر رہے ہیں تو ایک تو عقل سلیم کی، ذہانت کی ضروت ہے اور دوسرے زبان کی ضرورت ہے کہ اچھی سے اچھی زبان میں دعوت دی جائے، بہت سے حلقوں میں یہ غلط فہمی ہے کہ زبان کی کوئی اہمیت نہیں ہے، آدمی کو جس طرح بن پڑے، اپنے خیالات ظاہر کر دینے چاہئیں، لیکن جب ہم سیدنا عبدالقادر جیسے زاہد فی الدنیا اور متوکل علی اللہ اور ان سے پہلے امام حسن بصری کے مواعظ پڑھتے ہیں تو ہمیں معلوم ہوتا ہے کہ زبان کی کیا اہمیت ہے، اور انہوں نے زبان کو کیا اہمیت دی ہے اور کس زبان میں انہوں نے اپنے مخاطبین اور معاصر نسل کو خطاب کیا ہے کہ اس سے بہتر مشکل ہے، یہ مسلم ہے، عربی ادب کی تاریخ میں کہ حجاج اور حسن بصری سے بڑا کوئی بلیغ نہیں تھا اور حسن بصری کو فوقیت حاصل ہے حجاج پر۔ پھر اس کے بعد ہر دور میں آپ دیکھیں گے۔ حضرت علی مرتضیٰؓ کو چھوڑ دیجئے وہ تو ابلغ البلغاء تھے، لیکن اس کے بعد ہر دور میں آپ دیکھیں گے، آپ ابن الجوزی کو لیجئے، اعلیٰ سے اعلیٰ زبان انہوں نے استعمال کی اور تاریخ وادب کے ایک مدرس کی حیثیت سے بھی اور ادب کے نمونوں کو جمع کرنے والے ایک جامع کی حیثیت سے بھی کہتا ہوں کہ جن کی طرف خیال بھی نہیں جا سکتا تھا ان کی کتابوں میں وہ ادبی ٹکڑے ملتے ہیں جن کو ادب کے شہ پارے کہنا چاہئے، ہم نے اس سلسلہ میں امام ابن تیمیہ کا بھی نام لیا ہے اور شیخ محی الدین ابن عربی کا بھی نام لیا ہے، جہاں خیال بھی نہیں جا سکتا، وہاں بھی آپ کو ایسے ادبی نمونے ملیں گے، پھر

سیدنا عبدالقادر جیلانیؒ سے بڑھ کر دنیا میں زاہد اور مدح وذم سے بے پرواہ کون ہوگا؟ ان کے جو مواعظ محفوظ ہیں، ان کو دیکھئے اور میں یہ عرض کروں گا کہ بزرگوں کے مواعظ زیادہ قابل اعتبار ہیں، اس لئے کہ لوگوں نے تبرکاً ان کو جوں کا توں نقل کیا ہے، بادشاہوں کے فرامین یا ادباء کا کلام اتنا محفوظ نہیں ہے، اس کو لوگ بدل دیتے ہیں، لیکن بزرگوں کی زبان سے نکلے ہوئے الفاظ کو لوگ بجنسہٖ نقل کرنے کی کوشش کرتے ہیں، وہ ان میں برکت سمجھتے ہیں، یہ بات تاریخی وادبی لحاظ سے بھی ایک واقعہ ہے کہ ہم یہ کہہ سکتے ہیں، پورے وثوق کے ساتھ کہ یہ انہیں کے الفاظ ہیں، اگر آپ ان کے مواعظ کے مجموعہ کو دیکھیں تو آپ کو حیرت ہوگی، بعض مرتبہ معلوم ہوتا ہے کہ بادل گرج رہا ہے اور بجلیاں کوندرہی ہیں، اور معلوم ہوتا ہے کہ اب بجلی گری، اب بجلی گری۔

تو ایک تو چیز ہے علم ومعرفت، دوسری چیز ہے زبان کی تاثیر اور قوت اور تیسری چیز ہے اخلاص ودردمندی، یعنی خود دل پر چوٹ ہو اور جو چیز نکلے صرف قلم سے نہ نکلے بلکہ قلب سے نکلے، تب اس کا اثر ہوگا، اگر ہم نے ان ''عناصر اربعہ'' کا خیال رکھا تو مغربی ممالک میں، اور اس نئے بدلے ہوئے زمانہ میں اور مختلف زبانوں کے بولنے والوں میں تحریری وتقریری طور پر دین صحیح کی دعوت ضرور اثر انداز ہوگی، اور اللہ تعالیٰ اس کے بہتر سے بہتر نتائج عطا فرمائے گا، اس میں ہمارے لئے بہت بڑی بشارت اور فال نیک ہے کہ اللہ تعلیٰ فرماتا ہے "تؤتی اکلھا کل حین باذن ربھا" ورنہ آدمی یہ کہتا ہے کہ زمانہ گذر گیا، اب یہ بیسویں صدی ہے، دنیا نے کتنی ترقی کرلی ہے، سائنس، پالیٹکس، ٹیکنالوجی کی ترقی کہاں سے کہاں پہنچی، ذہن وفکر کا معیار بدل گیا ہے، اب وہ زمانہ نہیں رہا، اب اس وقت اسلام کی دعوت کوئی اثر نہیں کرے گی، تو قرآن نے "تؤتی اکلھا کل حین باذن ربھا" کہہ کر تسلی دی ہے اور تقویت کا سامان کیا ہے کہ کسی زمانہ کے، کسی جگہ کے لوگ یہ نہ سمجھیں کہ ہمارے اسلام کی دعوت دینے کا کیا فائدہ؟ قرآن نے ''کل حین'' کہہ کر زمانہ کی تحدید کو ختم کر دیا۔

لیکن یہ سب اللہ کے ارادہ اور قدرت سے ہوگا اس نے ''باذن ربھا'' کہہ کر یہ بتادیا کہ اپنی ذہانت پر، اپنی زبان کی مہارت پر اعتماد نہ کرو، بلکہ یہ بھی سمجھو کہ اللہ ہی اگر چاہے تو اثر ہوگا، اس کے اندر دعوت کا پورا نقشہ آگیا ہے۔

میں اس کو محض اتفاقی بات نہیں کہوں گا، میں اتفاقات کا قائل نہیں، یہ بھی منجاب اللہ

بات تھی، میں یہاں آ کر اسی کرسی پر بیٹھ گیا تھا اور میرا ذہن خالی تھا، میں نے سوچا کہ تقریر کہاں سے شروع کروں گا؟ قاری صاحب کو اللہ جزائے خیر دے انہوں نے یہ آیت پڑھی، میں نے کئی بار تجربہ کیا، امریکہ اور یورپ کے دورہ میں خاص طور پر کہ میں بعض اوقات بالکل خالی الذہن ہوتا تھا، پے در پے پروگرام ہوتے تھے، ابھی ایک جگہ سے آیا، دوسری جگہ سے آیا، کچھ سمجھ میں نہیں آتا تھا کہ بات کہاں سے شروع کروں اور کیا بات کہوں، میں نے قاری پر چھوڑ دیا، قاری نے آیت پڑھی اور گویا بالکل میرے لئے آیت پڑھی۔

حضرات! میں اس مرکز کے ذمہ داروں، خاص طور پر محترمی مناظر احسن صاحب کا شکر گزار ہوں کہ انہوں نے مجھے مدعو کر کے اس قابل قدر مرکز کے معائنہ کا موقع دیا، میں آپ کے علمی، تحقیقی اور تربیتی واشاعتی شعبوں اور اس عظیم عمارت اور اس کے سلیقہ ونظام کو دیکھ کر بہت مسرور ہوں، لیکن میں دین کے ایک طالب علم کی حیثیت سے یہ بات ضرور کہوں گا کہ دعوتی و تعلیمی مرکز کسی خاص مکتب خیال، دعوت و جماعت کی تشہیر و دعوت کا ذریعہ نہ بنایا جائے، صرف اللہ کی رضا مطلوب ہو، اور یہ کہ اسلام اپنی صحیح و عمومی شکل میں دوسروں تک پہنچے اور اللہ ان کو ہدایت دے، اس کا ثواب ان کو ضرور پہنچے گا، جنہوں نے اسلام کے تعارف و تفہیم کی طرف رہبری کی اور اس کا سامان مہیا اور مواد فراہم کیا، لیکن اس میں جماعتی عصبیت یا شخصی تقدس و عظمت کا عقیدہ نہیں ہونا چاہئے، اسلام کو بحیثیت اسلام و دین حق کے پیش کرنا چاہئے، اس میں کسی کی اجارہ داری نہیں، ہمارا شعار اور اعلان خاص طور پر عیسائی ملک اور مغربی ماحول میں وہی ہونا چاہئے جس کی قرآن نے تعلیم دی۔ "تعالوا الی کلمة سواء بیننا و بینکم الا نعبد الا اللہ و لا نشرک بہ شینا و لا یتخذ بعضنا بعضا اربابا من دون اللہ" (جو بات ہمارے اور تمہارے درمیان یکساں (تعلیم کی گئی) ہے اس کی طرف آؤ وہ یہ کہ خدا کے سوا ہم کسی کی عبادت نہ کریں اور اس کے ساتھ کسی چیز کو شریک نہ بنائیں اور ہم میں سے کوئی کسی کو خدا کے سوا اپنا کارساز نہ سمجھے۔

میں شکر گزار ہوں کہ آپ نے مجھے یہ اعزاز بخشا، اعتماد کا اظہار فرمایا اور خطاب کا موقع دیا۔

وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین

داعیانِ اسلام کی حکمت وبصیرت

ہم نے گذشتہ خطبات میں جہاں تین اولوالعزم انبیائے کرام کے طرز ہائے دعوت کے نمونے پیش کئے تھے (یعنی حضرت ابراہیم علیہ السلام، حضرت یوسف علیہ السلام اور حضرت موسیٰ علیہ السلام) اور ان کے وہ مکالمات نقل کئے تھے، جو ان کے اور ان کی امت دعوت اور امت اجابت کے درمیان (۱) ہوئے، وہاں ہم نے ایک ایسے فرد کا بھی مکالمہ نقل کیا ہے، جس کو نبوت ورسالت کے لئے نہیں منتخب کیا گیا تھا، وہ کسی قوم کی طرف مبعوث نہیں کیا گیا تھا، بات صرف اتنی تھی کہ وہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کا ہم عصر ایک مرد مومن تھا، اللہ تعالیٰ نے اس کے سینے کو ایمان وحکمت کے لئے کھول دیا تھا، اس کی قوت گویائی نرم ونازک بات کی ادا کرنے کے لائق ہوگئی تھی، ایک بلیغ اور پاکیزہ وعظ اس طرح اس کے زبان سے نکلا کہ معلوم ہوتا تھا، پہلے سے ایک اسکیم کے تحت اس نے اپنی باتوں کو مرتب کرلیا تھا، جس میں فکر کے ساتھ سنجیدگی کا عنصر نمایاں تھا، اس نے ”فی البدیہ“ اور فضول گوئی نہیں کی، جس پر وہ شرمندہ ہوتا یا معذرت کی ضرورت محسوس کرتا، یا اپنی بات واپس لینے پر مجبور ہوتا۔ اللہ تعالیٰ جس کو دعوت جیسے مقدس فریضہ کے لئے تیار کرتا ہے، اس کے اندر یہ صلاحیت ابھر آتی ہے، ہر وہ مخلص جو صرف اللہ تعالیٰ کی رضا کے لئے اس طرح کی خدمت انجام دینے کے لئے کھڑا ہوتا ہے، اور اپنی طرف سے اتمام حجت جس کا مقصد ہوتا ہے وہ اس طرح کی تائید ربانی سے سرفراز کیا جاتا ہے۔

ہم نے اس سے پہلے کے خطبہ میں سید الانبیاء خاتم النبیین محمد ﷺ کی دعوت کے دو نمونے پیش کئے تھے، جہاں تک سیرت نبوی ﷺ کا تعلق ہے، وہ ایسے دل کش نمونوں اور بیانی ودعوتی ومعجزات کا ایک مجموعہ ہے جن کا احاطہ مشکل ہے، اس خزانے کے موتی کبھی کم نہیں ہوتے، آج کی مجلس میں ہم ایک دوسرے موضوع کی طرف آتے ہیں، جو ان صاحب ایمان و

---

(۱) پیغمبر کے معاصرین جن کو وہ دعوت دیتا ہے، وہ دعوت قبول کریں یا نہ کریں، سب وہ امت دعوت کہلاتے ہیں اور جو لوگ اس کی دعوت قبول کرلیں اور ایمان لے آئیں وہ امت اجابت میں شمار ہوتے ہیں۔ (مترجم)

عزیمت مومنین کی دعوت سے متعلق ہے، جو آغوش نبوت کے پروردہ اور تربیت مصطفوی کے ساختہ پرداختہ تھے، ان کی تعداد بھی کم نہیں ہے، ہم دست ہم ان میں سے ایک ممتاز فرد کا نمونہ پیش کرتے ہیں، اور وہ ہیں حضرت جعفر بن ابی طالب رضی اللہ عنہ، آنحضرت ﷺ کے چچازاد بھائی۔ یہ وہی جعفر ہیں جن کے بارے میں آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا تھا "اشبهت خلقي وخلقي" (اے جعفر تم ظاہری شکل وصورت اور اخلاق دونوں میں میرے شبیہ ہو)۔(۱)

وہ نازک اور خوف وہراس کا عالم جس نے اس گفتگو کی تقریب پیدا کی

قبل اس کے کہ اس دعوت کا نمونہ پیش کیا جائے اور اس کی بلاغت، دعوتی روح اور نفسیات انسانی کے گہرے مطالعہ کی جو شان اس کے اندر جلوہ گر ہے اس کا جائزہ لیا جائے، مناسب ہوگا کہ اس ہولناک اور نازک موقع وماحول کو اپنے سامنے رکھیں، جس میں اسلام کے تعارف وترجمانی وکی مسلمانوں کی مظلوم ومہاجر جماعت کی نمائندگی کا نازک ودشوار فرض انجام دیا گیا اور حضرت جعفر رضی اللہ عنہ تقریر کرنے کھڑے ہوئے تھے، اس واقعہ کا پس منظر جس نے یہ حالات پیدا کئے تھے، سامنے رکھنا ضروری ہے۔

وہ مجلس جس میں حضرت جعفرؓ اسلام کی حقیقت بیان کرنے اور دعوت حق دینے کھڑے ہوئے تھے، اس کے بارے میں سیرت نگار لکھتے ہیں:

رسول اللہ ﷺ نے جب صحابہ کرامؓ پر مصائب کے پہاڑ ٹوٹتے ہوئے دیکھے اور یہ محسوس فرمایا کہ آپ ﷺ دشمنوں کو روک نہیں سکتے تو ان سے فرمایا "بہتر ہوتا کہ تم لوگ حبشہ کی سرزمین کی طرف چلے جاتے، وہاں ایک بادشاہ ہے جس کی سرزمین میں ظلم نہیں ہوتا، اور یہ اچھا ملک ہے، اس وقت تک وہاں رہو جب تک کہ اللہ ان مصائب سے نجات کا راستہ نہ دکھادے۔" اس پر مسلمانوں کی ایک جماعت نے حبشہ کا رخ کیا، اور یہ اسلام کی تاریخ میں پہلی ہجرت تھی۔ یہ لوگ دس نفر تھے، آپ نے حضرت عثمان بن مظعون رضی اللہ عنہ کو ان کا امیر منتخب فرمایا۔ ان

---

(۱) صحیح بخاری، باب عمرۃ القضا۔ مؤلف نے اپنی مرتبہ سیرت نبوی ﷺ میں اس کو تفصیل سے بیان کیا ہے، ملاحظہ ہو نبی رحمت صفحہ ۳۶۲

کے بعد حضرت جعفر بن ابی طالبؓ گئے، پھر سلسلہ لگ گیا۔ یہاں تک کہ تراسی (۸۳) نفر ہو گئے۔

جب قریش نے دیکھا کہ یہ لوگ امن کی جگہ پہنچ گئے اور حبشہ جا کر محفوظ ہو گئے تو انہوں نے عبداللہ بن ابی ربیعہ اور عمرو بن العاص بن وائل(۱) کو حبشہ بھیجا اور ان کے ساتھ بہت سی مکہ مکرمہ کی سوغاتیں شاہ نجاشی والی حبشہ کے لئے روانہ کیں۔ یہ دونوں نجاشی کے پاس پہنچے، وہ دربار کے بڑے مشیروں کو تحفہ دے کر پہلے سے ملا چکے تھے، بادشاہ کے دربار میں پہنچ کر بولے:

''بادشاہ عالی جاہ کے ملک میں ہمارے چند بے عقل چھوکرے آ کر بس گئے ہیں، جو اپنے مذہب کو بھی چھوڑ چکے ہیں، اور آپ کے مذہب میں بھی داخل نہیں ہوئے ہیں، وہ ایک ایسے نئے قسم کے مذہب کی پیروی کر رہے ہیں، جسے نہ ہم جانتے ہیں اور نہ آپ، ہم کو آپ کی خدمت میں ان کے سرپرستوں (باپ، چچا) خاندانی بزرگوں اور قبیلہ کے سرداروں نے بھیجا ہے کہ آپ ان لوگوں کو ہمارے ساتھ واپس کر دیں، وہ لوگ ان کی حقیقت سے زیادہ واقف ہیں اور ان کی رائے ان کے بارے میں ہر طرح سے معتبر ہے۔''

دربار کے بڑے مشیروں نے ایک زبان ہو کر کہا۔ ''بادشاہ معظم یہ لوگ اپنے مطالبہ میں حق بجانب ہیں، ان جوانوں کا ان دونوں کے سپرد کر دیا جانا ہی مناسب ہے۔''

مسلمان پناہ گزینوں کا پرفریب اور نفرت انگیز تعارف:

ان الفاظ پر غور کیجئے جن کے ذریعہ ان مسلمانوں کا تعارف کرایا گیا تھا، جو حبشہ کی طرف ہجرت کر کے گئے تھے، یہ کتنا متوحش و متنفر بنانے والا تعارف تھا اور کس قدر چالاکی کے ساتھ خاص سیاسی انداز میں یہ بات کہی گئی تھی، ان دونوں (قریش کے نمائندوں) نے ان غریب الوطن مسلمانوں پر بھرپور وار کیا تھا، جو عام حالات میں خالی جانے والا نہ تھا۔

پہلے تو انہوں نے ان مسلمان مہاجروں کی حیثیت کو بہت کم کر کے اور حقیر انداز میں دکھایا، پھر ان کی ایسی تصویر پیش کی جو اور بھی تحقیر و استہزاء کا باعث ہو، کہنے لگے ''بادشاہ معظم کے ملک میں چند بے عقل چھوکرے آ کر بس گئے ہیں۔'' شاہی دربار میں اس لفظ کا خاص

---

(۱) یہ دونوں عرب کے اونچے درجے کے سیاسی دماغ کے آدمی تھے

مفہوم ہے، جہاں اونچے درجہ کے پختہ کار وزراء اور شہزادے اور دنیا دیکھے ہوئے گھاگ قسم کے پادری اور دانشور جمع تھے، ان دونوں نے بادشاہ اور اس کے حاشیہ نشینوں کے اندر ان مہاجروں کی طرف سے نفرت وتحقیر کا اور بھی احساس یہ کہہ کر بڑھایا کہ یہ لوگ اپنے مذہب کو چھوڑ چکے ہیں، (یعنی بے دین ہیں) اور آپ کے مذہب میں بھی داخل نہیں ہوئے ہیں، اور ایک ایسے نئے قسم کے مذہب کی پیروی کررہے ہیں، جسے نہ ہم جانتے ہیں اور نہ آپ۔ ان الفاظ کے ذریعہ ان دونوں (قریش کے نمائندوں) نے بڑی ایمانداری، انصاف اور غیر جانبداری کا مظاہرہ کرتے ہوئے ایسی بات کہی (بظاہر) جو عقل سلیم کے لئے قابل قبول تھی، اور زمانہ کے عرف ورواج کے مطابق تھی، ایسے مذہب کی کیا حیثیت ہوسکتی ہے، جس کا دنیا کے مانے ہوئے مذاہب میں سے کسی مذہب سے تعلق نہ ہو، نہ جمہور نے اس کو تسلیم کیا ہو اور نہ کسی حکومت نے؟ ایسا مذہب تو ایک بالکل نو ایجاد طریقہ زندگی ہوگا، جس کا دائرہ چند بے فکر اور ناسمجھ جوانوں تک محدود ہوگا۔

اس کے بعد ان دونوں نے جو کہا وہ بھی ایسی بات تھی، جس کو عام حالت میں ہر صاحب عقل قبول کر لیتا، کہنے لگے:

’’ہمیں آپ کے پاس اے بادشاہ معظم! ان کے سرپرستوں (باپ، چچا) خاندانی بزرگوں اور قبیلے کے سرداروں نے بھیجا ہے کہ آپ ان کو ہمارے ساتھ واپس کردیں، وہ لوگ ان کے رشتہ دار، ہم وطن اور ان کی رگ رگ سے واقف ہیں۔‘‘

نازک اور کشمکش میں ڈالنے والی پوزیشن:

یہ بات جو ان دونوں (نمائندگان قریش) نے کہی تھی کوئی معمولی بات نہ تھی، سفارتی قابلیت اور سیاسی ذہانت کا نمونہ تھی۔ یہ انداز گفتگو بادشاہ اور اس کے حاشیہ نشینوں کو اپنی طرف مائل کرنے اور ان کی تائید وہمدردی حاصل کرنے کے لئے بالکل کافی تھا، اس پر مزید یہ کہ دربار کے پادریوں نے (جو شاہ کے خاص الخاص مشیروں میں تھے) بھی کہہ دیا کہ یہ لوگ ٹھیک کہتے ہیں اے بادشاہ معظم! آپ ان (پناہ گزینوں) کو ان کے (قریش کے دونوں نمائندوں) کے سپرد کردیجئے! مسلمانوں کے لئے یہ بڑی فیصلہ کن اور نازک گھڑی تھی۔ کوئی آدمی بھی ان کی

جگہ ہوتا، ان کے اوسان خطا ہو جاتے اور نہ جانے اضطراب میں کیا کہہ دیتا یا زبان بالکل بند ہو جاتی، اس پوزیشن میں جو بھی ہوتا اور مسلمانوں اور اسلام کی نمائندگی کی جس پر ذمہ داری ہوتی اس کا فرض تھا کہ ایسی صورت حال نہ پیدا ہونے دے کہ بادشاہ کا پروقار دربار مناظرہ کا اکھاڑہ بن جائے، جہاں سوال جواب اور لے دے ہونے لگے، اس کو ایسی بات کہنے سے بھی احتیاط کرنا تھا جس سے اس عیسائی بادشاہ کا احساس برتری مجروح ہو، جو ملک کا حکمران ہونے کے ساتھ اپنے مذہب کا محافظ و سرپرست بھی تھا، اگر کوئی بات ایسی زبان سے نکل گئی تو وہ اپنے مذہب پر حملہ سمجھے گا، اور اس کی عیسائیت کی رگ حمیت بھڑک اٹھے گی، اور اس کے اندر اپنے مذہب کے دفاع کا جذبہ ابھر آئے گا۔

اس کے ساتھ یہ بھی ضروری تھا کہ اسلام اور مسلمانوں کی نمائندگی کرنے والا خالص علمی قسم کی بات منطق وفلسفہ کی زبان میں نہ چھیڑے، کیونکہ مسیحیت کے بڑے بڑے عالم وہاں موجود تھے، جو اپنے سے زیادہ کسی کو دینی علوم میں متبحر نہیں سمجھتے تھے، علوم سماوی میں کسی کو بال برابر بھی اہمیت دینے کے لئے تیار نہ تھے۔

حضرت جعفر بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کا حکیمانہ طرز:

حضرت جعفر نے اس جال اور مخمصہ سے کس طرح اپنے آپ کو اور مسلمانوں کو نکالا جسے قریش کے نمائندوں نے بنا تھا؟ اور وہ کیا طرز گفتگو تھا جو انہوں نے اس نازک گھڑی میں اختیار کیا؟

نجاشی کے دربار میں حضرت جعفرؓ کی تقریر پڑھنے والے کو پہلی نظر میں معلوم ہوگا کہ یہ ایک سادہ سی تقریر تھی جو انہوں نے مجبوری کے عالم میں فی البدیہ کر دی، اور اس سے زیادہ ایک ایسے عرب سے توقع بھی نہیں کی جا سکتی تھی، جو ترقی یافتہ و متمدن دنیا سے دور سیاسی داؤ پیچ سے بے خبر اور علم و ثقافت سے نابلد تھا۔

لیکن ایسا نہیں ہے، حضرت جعفرؓ کی تقریر حکمت و موقع شناسی اور سلامت عقل کا نمونہ تھی، ٹھیک وقت پر اور صحیح و مناسب موقع پر اللہ نے ان سے بات کہلا دی، ان کی تقریر سے ان کی لسانی مہارت و بلاغت سے زیادہ ان کی ذہنی توازن اور عقلی پختہ کاری کا پتہ چلتا ہے اور وہ

ایک القائی والہامی تقریر معلوم ہوتی ہے، یہ تقریر اللہ کی طرف سے دین حق کی تائید کا ایک مظہر تھی، اور اس بات کی شہادت کہ اللہ تعالیٰ نے مقدر فرمادیا ہے کہ اسلام کی روشنی مکمل ہوکر رہے گی، اور اللہ اس کو ہر دین پر غالب کرکے رہے گا، اس کے ساتھ فطرت سلیم اور عقلی بلندی کا بھی پتہ چلتا ہے، جس میں تمام عربوں کے مقابلہ میں قریش فائق تھے، اور قریش میں بنو ہاشم تھے۔

حضرت جعفرؓ نے بجائے خطابت واستدلال اور مذاہب کے تقابل کے، اس بات کو ترجیح دی کہ وہ صرف اس صورت حال کا نقشہ کھینچ دیں جس میں جزیرہ عرب کے لوگ زندگی گزار رہے تھے، اور اب رسول برحق کی بعثت اور ان پر ایمان لانے کے بعد ان کی کیا حالت ہے، اور یہ کہ اللہ کے رسول ﷺ نے ان کو ایمان لانے کی تزکیہ نفوس اور تہذیب اخلاق کی تصحیح اور سچے دین کی پیروی کرنے کی جو دعوت دی ہے، اس نے ان کے اندر کیا انقلاب عظیم برپا کردیا اور وہ کہاں سے کہاں پہنچ گئے!

جب صورت حال بیان کی جاتی ہے، اور اگر اس میں مبالغہ اور مناظرہ کا رنگ نہ ہو تو اثر کرتی ہے اور جو مفہوم بیان کرنا مقصود ہوتا ہے، وہ آسانی سے ذہنوں مین جم جاتا ہے، مقاصد کی تکمیل کی راہ ہموار ہوتی ہے، اور غور وفکر، انصاف اور ہمدردی کے ساتھ بات سننے کا ماحول پیدا ہوتا ہے۔

نجاشی کے دربار میں:

اب سنئے، حضرت جعفر ابن ابی طالب رضی اللہ عنہ نجاشی کے دربار میں تقریر کرتے ہوئے فرماتے ہیں ہیں:

"بادشاہ معظم!

ہم جاہلیت کی زندگی گزارنے والے لوگ تھے، بت پوجتے، مردار کھاتے، بے حیائی کے کام کرتے اور خونی رشتوں کے حقوق کو نظر انداز کرتے تھے، ہم اپنے پڑوسیوں کے ساتھ برا سلوک کرتے تھے، ہم میں جو طاقتور تھا وہ کمزور کو دبا کر رکھتا تھا۔

ہمارے یہی شب وروز تھے کہ اللہ تعالیٰ نے ہماری طرف اپنا ایک پیغمبر مبعوث کیا، جو ہم ہی میں سے ہے، اور ہم ان کے خاندان کو اچھی طرح جانتے ہیں، ان کی سچائی اور امانت داری

اور پاک دامنی سے واقف ہیں، انہوں نے ہمیں اللہ کی طرف بلایا اور تلقین کی کہ ہم اس کو یکتا اور بلاشریک مانیں، اس کی عبادت کریں اور ان اعمال سے باز آجائیں، جو ہمارے آباءو اجداد کرتے آئے ہیں، جو خدا کو چھوڑ کر پتھروں اور مورتیوں کو پوجا کرتے تھے، ان پیغمبر نے ہمیں سچی بات کرنے، امانت کی ادائیگی، صلہ رحمی، پڑوسیوں کے حقوق کی ادائیگی کی تعلیم دی، لوگوں کے حقوق پر دست درازی اور خون ناحق کے جرائم سے روکا، بے حیائی کے کاموں سے باز رہنے کا حکم دیا، جھوٹ بولنے، یتیموں کا مال کھانے، شریف خواتین پر تہمت لگانے سے منع کیا اور ہمیں تعلیم دی کہ ہم صرف اللہ کی عبادت کریں، کسی کو اس کا شریک نہ ٹھہرائیں، ہمیں نماز ادا کرنے، زکوۃ نکالنے اور روزہ رکھنے کی تلقین کی۔ (اسی طرح حضرت جعفرؓ نے ارکان اسلام شمار کرائے) تو ہم نے ان کی تصدیق کی اور ان پر ایمان لائے، اور اللہ کی طرف سے جو باتیں لے کر آئے تھے، ان کی تعمیل کی، خدائے واحد کی عبادت کرنے لگے، شرک سے مجتنب ہوئے، ان باتوں کو اپنے اوپر حرام قرار دیا جنہیں اللہ کے رسول ﷺ نے حرام قرار دیا اور ان باتوں کو حلال سمجھا جن کو اللہ کے رسول ﷺ نے ہمارے لئے حلال قرار دیا۔

جب ہم نے ایسا کیا تو ہماری قوم نے ہم سے زیادتی شروع کی، طرح طرح کی ایذائیں پہنچانے لگے، ہم کو اپنے اس دین سے پھیرنے کی تدبیریں کرنے لگے، تاکہ پھر اللہ تعالی کی عبادت چھوڑ کر اصنام کی پوجا شروع کردیں، اور جن ناپاکیوں میں ہم آلودہ تھے، پھر سے ان میں جاگریں۔

جب ان لوگوں نے ہم کو حد سے زیادہ ستانا شروع کیا، ظلم کرنے لگے، زندگی تنگ کرنے لگے، اور ہمارے دین پر قائم رہنے کی راہ میں روڑے اٹکانے لگے تو ہم نے آپ کے ملک میں پناہ لی اور دوسروں کی بہ نسبت آپ کو ترجیح دی اور آپ کے جوار کو پسند کیا اور یہ توقع قائم کی کہ آپ کے ہوتے ہوئے اے بادشاہ ہم پر ظلم نہ ہوگا۔

ایوان شاہی میں حضرت جعفرؓ کی تقریر کا اثر:

مؤرخوں کا بیان ہے کہ نجاشی نے یہ پوری تقریر بڑے اطمینان اور دل جمعی کے ساتھ سنی۔ غالباً اس کا سبب یہ بھی ہوگا کہ حضرت جعفرؓ نے اس کے عدل وانصاف پر اعتماد کا اظہار کیا اور اس وصف کو سراہا تھا کہ وہ اپنے زیر انتظام رہنے والے باشندوں کے ساتھ حسن معاملگی

کے ساتھ پیش آتا ہے، کیونکہ سمجھدار حکمران ہمیشہ اپنی نیک نامی اور اچھی شہرت کے طلب گار رہتے ہیں اور وہ چاہتے ہیں کہ لوگوں میں ان کی خوبیوں کا چرچہ ہو اور ان کا اعتماد بحال رہے۔

نجاشی نے سوال کیا: ”تمہارے رہنما جو اللہ کی طرف سے پیام لے کر آئے ہیں، ان میں سے کچھ تمہیں یاد ہے؟“

حضرت جعفر رضی اللہ عنہ نے فرمایا ”ہاں!“ کہا، سناؤ۔ حضرت جعفرؓ نے سورۂ مریم کی ابتدائی آیتیں پڑھ کر سنائیں، ان کو سن کر نجاشی پر گریہ طاری ہو گیا، وہ اتنا رویا کہ اس کی داڑھی تر ہو گئی، اور جو پادری اور ارکان سلطنت وہاں جمع تھے، ان پر بھی رقت طاری ہو گئی اور اتنا روئے کہ ان کے سامنے جو صحیفے کھلے ہوئے تھے، وہ آنسوؤں سے تر ہو گئے۔

نجاشی نے کہا۔ ”یہ قرآن اور وہ صحیفہ جو عیسیٰ (علیہ السلام) لے کر آئے تھے، دونوں ایک ہی چراغ کی لو ہیں۔“ اس کے بعد وہ قریش کے دونوں فرستادوں کی طرف متوجہ ہو کر بولا:

”تم دونوں چلے جاؤ۔ ہم بخدا ان لوگوں کو تمہارے یہاں واپس نہ کریں گے۔“

عقیدہ کی آزمائش اور حاضر جوابی:

مصیبت یہاں پر ختم نہیں ہوئی۔ مسلمانوں کو ایک اور آزمائش کا سامنا کرنا پڑا، جو شاید پہلے سے زیادہ سخت تھی۔ عمرو بن العاص نے اپنی ترکش کا آخری مگر زہر میں بجھا ہوا تیر اچھینکا اور دوسرے دن کی صبح کو جا کر نجاشی کے کان اس طرح بھرے۔ ”اے بادشاہ! یہ لوگ حضرت عیسیٰ بن مریم کے بارے میں بہت بری اور سخت بات کہتے ہیں۔“ بادشاہ پھر مسلمانوں کی طرف متوجہ ہوا اور دریافت کیا۔ ”تم لوگ حضرت مسیح کے بارے میں کیا عقیدہ رکھتے ہو؟“

حضرت جعفرؓ نے فرمایا: ”ہم ان کے بارے میں وہی کہتے ہیں جو ہمارے نبی ﷺ لے کر آئے ہیں، یعنی وہ اللہ کے بندے اور اس کے پیغمبر تھے، اس کی روح اور کلمہ ... جس کو اس نے ناکتخدا، عفت مآب مریم میں جلوہ گر گیا۔“

یہ سن کر نجاشی نے زمین پر ہاتھ مارا اور ایک تنکا اٹھا کر کہا۔ ”واللہ جو تم نے کہا ہے، اس سے ایک تنکا برابر بھی عیسیٰ بن مریم نے اضافہ نہیں کیا ہے۔“

اگر یہاں حضرت جعفر بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کے علاوہ کوئی اور شخص ہوتا جس کو اس

مشکل کا سامنا کرنا پڑتا اور اس نئے قسم کی آزمائش سے دوچار ہوتا تو کوئی تعجب نہیں کہ وہ مداہنت کی راہ اختیار کرتا اور موقع کی نزاکت کا خیال کرکے کوئی سیاسی قسم کا جواب دیتا، اور ایسی گول مول بات کرتا جس سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی بشریت واضح نہ ہوتی۔ بلاشبہ حضرت جعفرؓ فصیح و بلیغ عرب تھے، اور حاضر جوابی، اور اسلوب کلام پر قدرت رکھتے تھے، لیکن وہ اسلام کے بے داغ عقیدہ کے نمائندہ تھے، اور اگرچہ وہ پیغمبر نہیں تھے، مگر اس ایوان شاہی میں وہ انبیائے کرام ہی کی قائم مقامی کررہے تھے، اس لئے مداہنت کرنے اور حق وباطل میں آمیزش کرنے کے وہ مجاز نہ تھے، اس لئے جو کہا صاف کہا اور کھل کر واضح انداز میں کہا، اگرچہ عقل وحکمت اور توازن وتناسب کے ساتھ اپنی بات نپے تلے الفاظ میں کہی جس میں نہ زیادتی تھی نہ کمی۔

ایک ذہنی ودعوتی معرکہ میں فتح ونصرت:

اس سچائی اور اخلاص کا حاصل، اور اس بلاغت وحکمت کا نتیجہ یہ ہوا کہ حضرت جعفرؓ اس خطرناک کشمکش اور دشمنوں کے جال سے معزز اور کامیاب ہوکر بے داغ نکل آئے، معرکہ میں کامیابی حاصل کی، روایتوں میں آیا ہے کہ نجاشی نے انتہائی شریفانہ سلوک اور احترام کے ساتھ مسلمانوں کو رخصت کیا اور قریش کے دونوں نمائندے عبداللہ بن ربیعہ اور عمرو بن العاص بن وائل شرمسار ہوکر نجاشی کے دربار سے لوٹے۔ مسلمان ایک اچھے ملک میں اچھے پڑوسی کے ساتھ رہنے لگے۔

دعوت دین کے ادبی شہ پاروں اور حکمت تبلیغ کے تابناک نمونوں کا بیان ہم اس واقعہ پر ختم کرتے ہیں جس کا مظاہرہ ایک لرزہ خیز اور زلزلہ انگیز ماحول میں ہوا، اور دنیا کے ایک پرعظمت اور پروقار ایوان میں پیش آیا، جس کا سہرا رسول اللہ ﷺ کے صحابی اور آپ ﷺ کے خانوادے کے فرد کے سر رہا، جنہیں اللہ تعالیٰ نے حکمت اور دوٹوک بات کرنے کی صلاحیت بخشی تھی، دعوت کا کام کرنے والوں اور مبلغوں کے لئے یہ دلیل راہ ہے، اور علم وادب کے شیدائیوں کے لئے مطالعہ کا موضوع۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اس ملک کی قسمت اسلام سے وابستہ ہے!

بنگلہ دیش کی راجدھانی ڈھاکہ کی مرکزی جامع مسجد بیت المکرم میں ۱۶ مارچ ۱۹۸۴ء کو حضرت مولانا کا درد بھرا، فکر انگیز تاریخی خطاب

الحمد لله نحمده ونستعينه ونستغفره ونعوذ بالله من شرور انفسنا ومن سيات اعمالنا من يهده الله فلا مضل له ومن يضلله فلا هادى له ، ونشهد ان لا اله الا الله وحده لاشريک له ، ونشهد ان سيدنا ومولانا محمدا عبده ورسوله. صلى الله عليه وعلى آله واصحابه اجمعين. اما بعد فاعوذ بالله من الشيطان الرجيم بسم الله الرحمن الرحيم . واعتصموا بحبل الله جميعاً ولا تفرقوا واذكروا نعمت الله عليكم اذ كنتم اعداءً فالف بين قلوبكم فاصبحتم بنعمته اخوانا وكنتم على شفا حفرة من النار فانقذكم منها كذلک بين الله لكم آيته لعلكم تهتدون .

اور سب مل کر خدا کی (ہدایت کی) رسی کو مضبوط پکڑے رہنا اور متفرق نہ ہونا اور خدا کی اس مہربانی کو یاد کرو جب تم ایک دوسرے کے دشمن تھے تو اس نے تمہارے دلوں میں الفت ڈال دی اور تم اس کی مہربانی سے بھائی بھائی ہو گئے اور تم آگ کے گڑھے کے کنارے تک پہنچ چکے تھے، تو خدا نے تم کو اس سے بچالیا۔ اس طرح خدا تم کو اپنی آیتیں کھول کھول کر سناتا ہی، تا کہ تم ہدایت پاؤ۔

میرے عزیز بھائیو! اللہ تبارک وتعالیٰ کا ہزار ہزار شکر ہے کہ اللہ نے ایک جگہ اتنے مسلمان بھائیوں کی شکلیں ہمیں دکھائیں، پہلے مسلمان کے دیکھنے کو آنکھیں ترستی تھیں، اور دنیا میں کلمہ گو اتنے کم تھے کہ انگلیاں اٹھتی تھیں، کہا جاتا تھا کہ وہ مسلمان جارہا ہے، یہ مسلمان ہے،

اب خدا کے فضل و کرم سے مسلمانوں کا ایک سمندر ہے، اس وقت جبکہ میں آپ سے باتیں کر رہا ہوں، جمعہ کی اس مبارک ساعت میں کتنی جگہ کتنے مسلمان مسجدوں میں اپنے مالک کے سامنے سر جھکانے کے لئے اور جمعہ کی نماز ادا کرنے کے لئے جمع ہوں گے۔

لیکن ہم کو اور آپ کو بھی اس کا احساس ہونا چاہئے کہ اللہ نے ہم کو کیا دولت عطا فرمائی ہے، کلمہ نصیب ہونا، اللہ اور اس کے رسول پر صحیح طور پر ایمان اور توحید کی دولت کا نصیب ہونا، یہ دنیا کی سب سے بڑی نعمت ہے، ہفت اقلیم کی سلطنت کلمہ شہادت پر قربان کر دینے کے قابل ہے، ایمان کی قیمت یہ ہے کہ اگر ساری دنیا کی سلطنت ایک طرف رکھی جائے، اور مسلمان سے کہا جائے کہ یہ سلطنت تم کو مل سکتی ہے، لیکن ایمان سے محروم ہونا پڑے گا، تو اس کی چیخ نکل جائے، وہ یک لخت بے ہوش ہو جائے کہ مجھ سے کیا گناہ ہوا تھا، کہ یہ کہا جا رہا ہے کہ تم کو سلطنت دی جائے گی، ایمان لیا جائے گا۔

ایک زمانہ میں ترکی میں قانون بن گیا تھا کہ ترکی ہی میں اذان دی جائے، عربی میں اذان نہ دی جائے، ترک تڑپ تڑپ کر رہتے تھے کہ ہم عربی میں اذان سننے سے محروم ہیں، ترکوں نے بتایا کہ جب پہلی مرتبہ عربی میں اذان ہوئی اور الله اکبر، الله اکبر، اشهد ان لاالہ الا الله، اشهد لاالہ الا الله، اشهد ان محمد رسول الله، اشهد ان محمد رسول الله کی آواز ان کے کان میں پڑی تو ترک دیوانے ہو گئے، اور سڑکوں پر خوشی کے مارے ناچنے لگے، لوگ کہتے تھے کہ ہزاروں دنبے اس خوشی میں ذبح کئے گئے کہ اللہ نے ہمیں دنیا سے رخصت ہونے سے پہلے نبی ﷺ کی زبان کے یہ الفاظ انہیں کی زبان میں سننے کا موقع دیا۔ میں نے قسطنطنیہ میں جامع سلیمانی میں نماز پڑھی، جو وہاں کی سب سے بڑی مسجد ہے اور دوسری مسجدوں میں بھی نماز پڑھی۔ میں نے دیکھا کہ فرض نماز کے بعد پہلا لفظ جو ترکوں کی زبان سے نکلتا ہے وہ "علی نعمة الاسلام الحمد لله" ہے، یعنی اسلام کی نعمت پر خدا کا شکر ہے، میں نہیں کہتا کہ آپ بھی یہ کہیں، علماء اس کو صحیح نہیں قرار دیں گے، ہمیں وہی کہنا چاہئے جو رسول اللہ ﷺ نے سکھایا، اور جو کلمات احادیث میں آئے ہیں، لیکن ترکوں کی یہ ادا مجھے پسند آئی کہ ان کو اس بات کا احساس ہے کہ اللہ نے ان کو اسلام کی شکل میں سب سے بڑی نعمت عطا فرمائی ہے۔

میرے بھائیو، میرے عزیز دوستو! اس پر فخر کرو اور شکر کرو، اور اس وقت تک تمہاری خیریت اور اس ملک کی خیریت ہے، جب تک تم سب سے زیادہ اسلام پر فخر کرو گے، تم دنیا کی ہر چیز سے دستبردار ہونے اور اس کی قربانی کے لئے تیار رہو، لیکن اسلام کی نعمت سے محروم ہونا، ایک منٹ کے لئے گوارہ نہ ہو۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

واذکروا نعمت اللہ علیکم اذ کنتم اعداء فالف بین قلوبکم فاصبحتم بنعمته اخوانا وکنتم وعلی شفا حفرة من النار فانقذکم منها

اور خدا کی اس مہربانی کو یاد کرو جب تم ایک دوسرے کے دشمن تھے تو اس نے تمہارے دلوں میں الفت ڈال دی اور تم اس کی مہربانی سے بھائی بھائی ہو گئے اور تم آگ کے گڑھے کے کنارے تک پہنچ چکے تھے، تو خدا نے تم کو اس سے بچالیا۔

اللہ تعالیٰ کے احسان کو یاد کرو کہ جب تم ایک دوسرے کے دشمن تھے، ایک دوسرے کے خون کے پیاسے تھے "فالف بین اقلوبکم" اللہ نے تمہارے دل ملا دیئے "فاصبحتم بنعمته اخوانا" تم اللہ کے احسان وفضل سے بھائی بھائی بن گئے، بتاؤ کہاں اس طرح بڑا اور چھوٹا، امیر غریب صدر اور عام شہری کاندھے سے کاندھا ملا کر بیٹھتا ہے، کوئی جگہ دنیا میں ایسی کہ جہاں محمود و ایاز کی تفریق نہ ہو، جب مسجد میں گئے سب ایک ہو گئے تو "فاصبحتم بنعمته اخوانا"۔

آج تاریخ میں ان جھگڑوں کا پورا ریکارڈ نہیں ہے، جو جھگڑے پہلے دنیا میں پائے جاتے تھے نسل کے جھگڑے، رنگ کے جھگڑے، بڑے چھوٹے کے جھگڑے، طبقات کے جھگڑے، امیر وغریب کے جھگڑے، زمیندار اور کسان کے جھگڑے، زبانوں کے جھگڑے، تمدنوں کے جھگڑے، یہ سارے جھگڑے دنیا میں تھے، اور ایک دوسرے کا خون بہایا جارہا تھا "فاصبحتم بنعمته اخوانا" پھر اللہ فرماتا ہے "وکنتم علی شفا حفرة من النار فانقذکم منها" تم جہنم کے گڑھے کے کنارہ کھڑے تھے، اللہ نے تم کو صاف بچالیا، یہ اللہ تعالیٰ کا احسان ہے، اگر یہ دین نہ آتا، اگر اللہ تعالیٰ اپنے پیغمبروں کو مبعوث نہ فرماتا، اگر خدا کے آخری نبی ﷺ نہ آتے تو ہمارے جہنم کے گڑھے میں پھاند پڑنے، کود پڑنے، جست لگانے میں کوئی کسر باقی نہیں تھی، آج آپ دیکھئے دنیا میں کیسے بڑے بڑے فلاسفر، کیسے بڑے بڑے دانشور، کیسے بڑے بڑے اسکالرز، حکومتوں کے کیسے کیسے سربراہ اسلام کی جیسی عام فہم (Common Sense) سمجھ میں

آنے والی چیز کے سمجھنے سے محروم ہیں، لیکن اللہ تعالیٰ نے ہم کو اور آپ کو اسلام کی دولت نصیب فرمائی، اس اسلام کے مقابلہ میں کسی متوازی (Parallel) چیز کسی فلسفہ، کسی تحریک، قومیت کے کسی نعرہ، کسی عصبیت کی دعوت کا اثر نہیں پڑنا چاہئے۔ بخاری شریف کی حدیث ہے "ثلاث من جمعهن فقد استکمل الایمان" تین باتیں ہیں، اگر کسی شخص نے ان کو جمع کرلیا تو ان کا ایمان مکمل ہوگیا "ان یکون الله ورسوله احب الیه مما سواهما" ایک یہ کہ اللہ اور رسول ﷺ اس کے نزدیک ماسوی اللہ سے زیادہ محبوب ہوں، اللہ و رسول کے علاوہ دنیا میں جتنی چیزیں ہیں، سب سے زیادہ اللہ و رسول محبوب ہوں، اور ایک یہ کہ "وان یکره ان یعود الی الکفر کما یکفره ان یقذف فی النار" اس خیال سے کہ وہ کفر کی طرف واپس جا سکتا ہے اس کو ایسی تکلیف محسوس ہو، ایسی وحشت محسوس ہو جیسے کسی کو آگ میں پھینک دیئے جانے سے محسوس ہوتی ہے، بالکل طبعی و جسمانی (Physical) طریقہ پر، وہ اگر خواب میں دیکھ لے کہ وہ کوئی کفر کا کام کر رہا ہے، اسلام کو نقصان پہنچانے والا کوئی کام کر رہا ہے، وہ کسی سازش کا شکار ہوگیا ہے، وہ اللہ و رسول ﷺ کے خلاف کسی اور جھنڈے کے نیچے جا رہا ہے تو اس کی چیخ نکل جائے، سارے گھر کے لوگ جمع ہو جائیں اور کہیں خیریت ہے؟ خیریت ہے؟ آپ نے کوئی ڈراؤنا خواب دیکھا؟ تو وہ کہے گا کہ ڈراؤنا خواب، ڈرانا خواب، کوئی چیز ہے؟ میں نے ایسا برا خواب دیکھا کہ اللہ پھر کبھی نہ دکھائے، میں نے دیکھا کہ میرے گھر میں کفر کی پرچھائیں آرہی ہیں، کفر کا سایہ آرہا ہے، یہ وہ چیز ہے، جو انبیاء علیہم السلام کی وراثت ہے، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

ام کنتم شهداء اذ حضر یعقوب الموت اذ قال لبنیه ماتعبدون من بعدی قالوا نعبد الهک واله ابائک ابراهیم واسماعیل واسحق الها واحدا ونحن له مسلمون.

بھلا جس وقت یعقوب وفات پانے لگے تو تم اس وقت موجود تھے، جب انہوں نے اپنے بیٹوں سے پوچھا کہ میرے بعد تم کس کی عبادت کرو گے؟ تو انہوں نے کہا کہ آپ کے معبود اور آپ کے باپ دادا ابراہیمؑ اور اسماعیلؑ اور اسحاقؑ کے معبود کی عبادت کریں گے جو معبود یکتا ہے اور ہم اسی کے حکم بردار ہیں۔

کیاتم اس وقت موجود تھے جب سیدنا یعقوب علیہ وعلی نبینا الصلوٰۃ والسلام کا آخر وقت آیا، جب ان کے انتقال کا وقت آیا، تو ان کے سب بچے جمع ہو گئے، ان کے بیٹے، پوتے، نواسے، ماشاء اللہ ان کی بڑی عمر تھی، ان کا کنبہ بڑا تھا، بہت بڑا پریوار تھا، سب جمع ہو گیا تو انہوں نے کیا کہا؟ انہوں نے یہ نہیں کہا کہ بیٹو! میں نے اتنی دولت جمع کی ہے، اتنی دولت زمین میں گاڑی ہے فلاں جگہ سے نکال لینا، انہوں نے یہ نہیں کہا کہ میرا فلاں فلاں پر قرض ہے، اس سے وصول کر لینا، انہوں نے وہ نہیں کہا جو سب سے اچھی اور ہلکی بات ہو سکتی تھی کہ دیکھو مل جل کر رہنا، اتحاد اور اتفاق کے ساتھ رہنا، اور اگر وہ یہ کہہ دیتے تو کوئی بات نہیں تھی، لیکن انہوں نے کیا کہا؟ انہوں نے کہا کہ میرے بیٹو! میرے جگر کے ٹکڑو! تم مجھے یہ بتادو کہ "ماتعبدون من بعدی" میری آنکھ بند ہونے کے بعد تم کس کی عبادت کرو گے؟ میری پیٹھ قبر سے نہیں لگے گی، جب تک کہ مجھے یہ اطمینان نہ ہو جائے کہ تم میرے بعد کس کی عبادت کرو گے؟

انہوں نے کہا کہ ابا جان! دادا جان، نانا جان، یہ بھی کوئی پوچھنے کی بات ہے، یہ بھی کوئی ڈرنے کی بات ہے، ہماری رگوں میں ابراہیمؑ، اسماعیلؑ، اسحاقؑ، یعقوبؑ کا خون ہے، آپ نے ہمیں شرک سے نفرت دلائی، کفر سے نفرت دلائی، ہم مرجانا گوارہ کریں گے، لیکن کفر و شرک میں مبتلا ہونا پسند نہیں کریں گے، آپ اطمینان سے دنیا سے جائیے "نعبد الهک واله آبائک" ہم آپ کے معبود کی پرستش کریں گے، آپ کے بزرگوں، آپ کے پرکھوں، آپ کے باپ، چچا، دادا کے معبود (اللہ) کی ہم پرستش کریں گے۔ "الهک واله ابائک ابراهیم واسماعیل واسحق الها واحدا ونحن له مسلمون" ہم سب اس کے فرماں بردار ہیں، تب ان کو اطمینان ہوا۔

یہی ہر مسلمان کی شان ہونی چاہئے، اپنے متعلق بھی ہمیشہ ڈرنا ہے، اپنے ایمان کی خیر مناتا رہے، اپنے لئے دعا کرتا رہے کہ ہمارا ایمان سلامت رہے، ہمارا خاتمہ ایمان پر ہو، اور اپنی اولاد کے متعلق بھی اطمینان حاصل کرلے کہ یہ ہماری زندگی میں بھی اور ہمارے بعد بھی اللہ کو چھوڑ کر غیر اللہ کے آستانہ پر سر نہیں جھکائے گی۔ یہ اطمینان گارنٹی سب سے زیادہ ضروری ہے، یہ گارنٹی آدمی کو حاصل کر لینی چاہئے، ایمان کے ساتھ کفر اور کفر کی چیزوں سے نفرت بھی ضروری ہے "فمن یکفر بالطاغوت ویومن باللہ" اللہ تعالیٰ اس کو مقدم رکھتا ہے کہ جو سرکش

شیطان کا انکار کرے گا، اور اس کو ٹھکرا دے گا، اور اللہ پر ایمان لائے گا، تو اس نے اللہ کے کڑے کو مضبوط پکڑ لیا تو "فمن یکفر بالطاغوت" بھی ضروری ہے اور "لا الہ الا اللہ" میں نفی پہلے ہے، اثبات بعد میں ہے، نہیں ہے کوئی معبود، نہیں ہے وہ جو پورے طور پر محبوب بنایا جائے "الا اللہ" پہلے نفی ہے، پھر اثبات ہے، ایسے ہی نفی و اثبات پر ہم کو بھی قائم رہنا چاہئے۔

بھائیو اور دوستو!

شکر کرو کہ اللہ نے تمہیں کتنا بڑا ملک دیا ہے، مسلمانوں کی اکثریت ہے، اس ملک کے لئے تقدیرِ الٰہی کا فیصلہ ہے، قضا و قدر کا فیصلہ ہے کہ یہ ملک مسلمان رہے، اور اس ملک کی خیریت اور سلامتی بھی اسی میں ہے، میں رسول اللہ ﷺ کے منبر کے قائم مقام منبر پر محراب میں بیٹھ کر مسجد میں آپ سے کہتا ہوں، یہ ملک کبھی خوشحال نہیں ہو سکتا، اس ملک میں کبھی خیریت نہیں رہ سکتی، اس ملک کی چول کبھی بیٹھ نہیں سکتی، اگر اس نے اسلام کو چھوڑا، اپنے دل پر لکھ لیجئے، اس ملک کی سلامتی، اس ملک کی خیریت، اس ملک کی خوشحالی، اس ملک کی عزت اسلام سے وابستہ ہے، یہ ملک اسی وقت تک محفوظ رہے گا جب تک یہ مسلمان ہے، اگر اس نے خدانخواستہ اللہ کی نعمت کی ناشکری کی اور وہ جاہلیت کے کسی جھنڈے کے نیچے چلا گیا تو اس ملک کی خیریت نہیں، کوئی پروجیکٹ، کوئی پلان، کوئی باہر کی مدد اندر کی باہر کی سیکورٹی کوئی اس ملک کو بچا نہیں سکتی، اس ملک کی قسمت اسلام کے ساتھ وابستہ کر دی گئی ہے، سمجھنے والے اس بات کو سمجھ لیں اور لکھنے والے اس بات کو لکھ لیں، اگر کسی کی زندگی رہی اور خدانخواستہ وہ وقت آیا تو اپنی آنکھوں سے دیکھ لے گا اور لوگ اس زمانہ کو یاد کریں گے، جب یہاں اسلام تھا، اس ملک کی تاریخ ہی میں نہیں اس ملک کی تقدیر میں بھی ہے کہ یہ مسلمان رہے۔

اس کے ساتھ یہ بھی سمجھ لیجئے کہ اللہ کا مطالبہ یہ ہے کہ "یاایھا الذین آمنوا ادخلوا فی السلم کافۃ" یہ نہیں ہوتا کہ مسجد میں سر اندر کرو، پاؤں باہر رکھو، یہ مسجد میں آنا نہیں ہوا، مسجد میں آنا یہ کہ پورے جسم سے آجاؤ، اس طریقہ سے اسلام کے اندر بھی یہ نہیں ہے کہ آدھے آؤ، اور آدھے نہ آؤ، تہائی آؤ اور تہائی نہ آؤ نہیں، پورے کے پورے آؤ، اسلام کے عقائد کو قبول کرتے ہوئے، اسلام کے شعائر کو قبول کرتے ہوئے، عبادات کو قبول کرتے ہوئے، احکام کو

قبول کرتے ہوئے، اسلامی تہذیب اور اسلامی معاشرہ کو قبول کرتے ہوئے اور اسلامی قانون کو قبول کرتے ہوئے، اسلام میں آؤ، جب ہی اسلام میں آنا معتبر ہے، تحفظات اور ریزرویشن کے ساتھ نہیں، ریزرویشن کے ساتھ اسلام میں کوئی نہیں آسکتا، اس کا اسلام قبول نہیں ہے "اذقال له ربه اسلم قال اسلمت لرب العالمین" جب ابراہیم علیہ السلام سے کہا گیا کہ سب حوالہ کردو، کہا "اسلمت لرب العالمین" میں نے سب کچھ اللہ کے حوالہ کر دیا، ایسے ہی آپ کو بھی سب کچھ اللہ کے حوالہ کر دینا چاہئے۔ اسلام کو ہر چیز پر مقدم رکھنا چاہئے۔

میرے دوستو اور بھائیو! اللہ تبارک وتعالیٰ کے سایہ رحمت کے نیچے آجاؤ، پھر دیکھو اللہ تعالیٰ اس ملک کو کیسا نوازتا ہے۔ "ولو ان اهل القری آمنوا واتقوا لفتحنا علیهم برکت من السماء والارض" اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ اگر بستیوں والے اللہ تعالیٰ کی کتاب پر عمل کرتے تو ہم ان پر آسمانوں اور زمین کی برکتوں کے دروازے کھول دیتے، دہانے کھول دیتے، اگر آپ لوگوں نے بھی اللہ کی نعمت کا شکر کیا اور اس کی نعمتوں کی، دی ہوئی فرصتوں کی، سہولتوں کی ناقدری نہیں کی، اور ان لوگوں کا طرز عمل اختیار نہیں کیا جن کے متعلق اللہ تعالیٰ فرماتا ہے "الم تر الی الذین بدلوا نعمت الله کفرا واحلوا قومهم دار البوار" کیا تم نے ان لوگوں کی طرف نہیں دیکھا، جنہوں نے اللہ کی نعمت کو، اس کے احسان کو، کفر سے بدل دیا، امن کو بدامنی سے، اتحاد کو انتشار سے، اعتماد کو بے اعتمادی سے بدل دیا، یہ مسلمان کی شان نہیں ہے کہ جب روز صبح اٹھے تو "هل من جدید. هل من جدید" پکارے، یہ مسلمان کا شیوہ نہیں ہے کہ روز نیا آئین ہو، روز نیا حاکم ہو، اللہ نے آپ کو امن کی دولت عطا فرمائی، رزق عطا فرمایا، اللہ تعالیٰ نے ایسی سرسبز، ایسی زرخیز زمین آپ کو دی ہے کہ بہت سے ملکوں کو نصیب نہیں، کیسے کیسے گھنے جنگلات، پٹسن (جوٹ) کی کتنی افراط، سب سے بڑی نعمت یہ ہے کہ مسلمان یہاں اکثریت میں ہیں، ان مسلمانوں کا اسلام سے تعلق مضبوط کیجئے، ان مسلمانوں میں خلوص پیدا کیجئے، گرم جوشی پیدا کئے، یہاں کی قوم میں ایمان کا جوش ہے، اس میں خلوص کا خزانہ ہے، اس میں محبت کا دفینہ ہے، اس میں ذہانت کے سوتے ہیں، ان میں آپ کام لیں، اور اس خلوص سے، اس صداقت سے ایک نئی طاقت پیدا کریں، آپ قدر کریں ان لوگوں کی

جن کو اللہ تعالیٰ نے انتظام سپرد کیا ہے، ناشکری نہ کریں۔

دعا کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ اس ملک کو ہمیشہ اسلام کے دامن سے وابستہ رکھے، اور رسول عربی ہاشمی، مطلبی، قریشی ﷺ کے دامن سے وابستہ رکھے، اور اس کو اپنی تمام نعمتوں کا اور رزق کا مستحق بنائے، اور یہاں ہمیشہ امن وامان رہے، یہاں ہمیشہ باہمی اعتماد رہے، یہاں ہمیشہ محبت والفت رہے۔

و آخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

ترتیبِ خلافت میں حضرت حسنینؓ کے مثالی اقدام

یہ تقریر ۱۵ محرم الحرام ۱۴۱۲ھ مطابق ۲۸ جولائی ۱۹۹۱، کو مولانا عبد الشکور ہال واقع احاطہ شوکت علی لکھنؤ میں شہدائے اسلام کے عنوان کے تحت ایک منعقدہ جلسہ میں کی گئی

الحمد لله رب العالمين والصلاة والسلام على رسوله الا مين محمد وآله وصحبه اجمعين، ومن تبعهم باحسان ودعا بدعو تهم الى يوم الدين اما بعد! أعوذبالله من الشيطان الرجيم بسم الله الرحمن الرحيم والشمس تجرى لمستقرلها. ذلك بتقدير العزيز العليم.

اللہ تعالیٰ اس آیت میں فرماتا ہے کہ آفتاب اپنے مستقر کی طرف (اللہ تعالیٰ نے اس کے لئے طلوع اور غروب کی جو جگہ متعین کی ہے) بے اختیارانہ بڑھتا اور اس کی طرف چلتا رہتا ہے، اور یہ اس مالک کا مقدر کیا ہوا اور بنایا ہوا نظام و حساب اور اس کا قانون ہے، جو ''العزیز'' بھی ہے، ''العلیم'' بھی، غالب بھی ہے، اور علم والا بھی، نظام بنانے والا اور حساب مقرر کرنے والا بھی، اگر کوئی صرف غالب ہو تو ضروری نہیں کہ اس کا نظام و حساب حکمت پر بھی مبنی ہو، وہ محض اپنی قوت سے کام لیتا ہے، لیکن اس کی ساری کارروائی اور کارفرمائی ضروری نہیں کہ حکمت پر مبنی ہو، اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ حکم دینے والا علیم ہو، لیکن غالب نہ ہو تو سارا کام پورا ہونا مشکل ہے۔

حضرات! آپ کو تعجب ہو رہا ہوگا کہ آج کے اس جلسہ سے جس کا تعلق صحابۂ کرام اور شہدائے اسلام کے فضائل و مناقب سے ہے، اس آیت مبارکہ کا کیا تعلق ہے، جس میں نظام شمس کا ذکر کیا گیا ہے کہ آفتاب اللہ تعالیٰ کے ارادہ سے ایک خاص جگہ سے چلتا ہے، اور ایک خاص جگہ پہنچتا ہے، اور وہ اپنا پورا سفر اللہ کی قدرت اور اس کے علم کے مطابق طے کرتا ہے؟

میں یہ عرض کروں گا کہ اس آیت کی روشنی اور رہنمائی میں جس میں نظام شمسی کا ذکر ہے،

آفتاب رسالت، آفتاب دین حق آفتاب دین و دعوت کے نظام شمسی کے انضباط اور اپنے مقاصد کی تکمیل کو بھی سمجھا جا سکتا ہے۔ ان کا معاملہ بھی یہی ہے کہ اس میں اتفاقات والی چیز نہیں ہیں، وہ سب اللہ کے منشا اور اس کے حکم کے مطابق اور اس کی حکمت کے عین موافق گردش کرتے ہیں، اور اس کے تابع ہو کر ان کا نظام چلتا ہے۔

آپ اس نظام نیابت کو دیکھیں جو ''خلافت راشدہ'' کے لقب سے مشہور ہے کہ آنحضرت محمد رسول ﷺ کے دنیا سے سفر کرنے کے بعد جو شخصیتیں مسند خلافت پر آئیں اور جس ترتیب کے ساتھ مسند خلافت پر متمکن ہوئیں، اور اللہ تعالیٰ نے فرائض خلافت ادا کرنے کا جو موقعہ ان کو عطا فرمایا یہ بالکل ''ذلک تقدیر العزیز العلیم'' کا مظہر ہے۔ اس سلسلہ کو اللہ تعالیٰ نے ایسی ترتیب اور ایسے نظام کے ساتھ چلایا کہ وہ اس کی رحمت واسعہ، اس کی حکمت بالغہ اور اسکی قوت قاہرہ کی ایک مثال ہے۔

دنیا کے مذاہب و ادیان اور اقوام و ملل اور فلسفہ تاریخ پر نظر رکھنے والے مفکرین اگر انہیں جمع ہوں اور ان کو اس کا پورا اختیار دیا جائے کہ وہ اپنے تاریخی تجربہ اور مذاہب و ادیان اور اقوام و ملل کے اسباب زوال و ارتقاء کے مطالعہ کی مدد سے اس سے بہتر ترتیب قائم کریں تو میں یقین کے ساتھ کہتا ہوں، اور تاریخ اور فلسفہ تاریخ کے ایک طالب علم اور خاص طور پر ادیان و ملل کی تاریخ کا مطالعہ کرنے والے فرد کی حیثیت سے پورے دعوے کے ساتھ کہتا ہوں کہ وہ اس سے بہتر ترتیب سوچ نہیں سکتے اور اس کا تصور بھی نہیں کر سکتے۔ اکثر ایسا ہوا ہے کہ کوئی عہد گزر گیا ہے، یا ملوک و سلاطین کا کوئی سلسلہ مکمل و ختم ہو چکا ہے، کوئی سلسلہ حکومت یا شاہی خاندان اپنی مدت ختم کر چکا ہے۔ بعد میں فلسفہ تاریخ پر نظر رکھنے والے جو لوگ آئے اور انہوں نے ان کی ترتیب پر اور اس ترتیب کے نتائج پر اور پھر ملک و معاشرہ پر پڑنے والے اس کے اثرات پر غور کیا تو ان کو کہیں نہ کہیں یہ کہنے کا موقعہ مل گیا کہ اگر ایسا ہوا ہوتا تو زیادہ بہتر تھا، فلاں کے بعد اگر فلاں آیا ہوتا تو زیادہ اچھا ہوتا، اگر وہ پہلے نمبر پر ہوتا تو زیادہ مفید ثابت ہوتا، اگر وہ دوسرے نمبر پر آیا ہوتا تو زیادہ بہتر ثابت ہوتا، اور پھر جیسا کہ کسی کہنے والے نے کہا ہے کہ ایک حرف ''کاش'' ایسا ہے کہ مجھے سو جگہ لکھنا پڑا ہے۔

یك حرف كا شكيست كه صد جا نوشته ايم

وہ بھی سوچ کر لکھنے پر مجبور ہوتا کہ کاش ایسا ہوتا، کاش ویسا ہوتا، میں دعوے کے ساتھ کہتا ہوں کہ صرف مسلمان ہی نہیں دنیا کی دوسری قوموں کے اعلیٰ تعلیم یافتہ حضرات اور مغربی اقوام کے بہترین مفکرین، تاریخ داں اور فلاسفہ اور بڑے بڑے ماہرین جمع ہو کر اسلام کے عہد اول کی تاریخ کا مطالعہ کریں اور ان کو آزاد چھوڑ دیا جائے، اور کہہ دیا جائے کہ وہ اپنے ذہن ودماغ سے اور اپنے تاریخ مطالعہ کی روشنی میں اس دین کی حفاظت کرنے والوں، اور اس کو دنیا میں پھیلانے والوں کا ایک چارٹ تیار کریں اور ایک نقشہ بنائیں کہ کس کو کس کے بعد آنا چاہئے تھا تو میں دعوے کے ساتھ کہتا ہوں کہ اس سے بہتر چارٹ بنا نہیں سکتے۔

ایمان کی قدر:

مذاہب وادیان کی تاریخ بتاتی ہے کہ دین کے لئے جو چیز سب سے زیادہ ضروری ہے (میں ریڑھ کی ہڈی نہیں کہوں گا اس کے لئے یہ روح کا درجہ رکھتی ہے) وہ اس دین کی حفاظت کا کام ہے، اس کا لانے والا، اس کا حامل اول اس کو جس طرح لایا ہے، اور اس میں جس چیز کا جو مقام ہے اور جس چیز کا درجہ، اور اس کی جو ترتیب ہے، اس کے مطابق اس کا جانشین اس کو قائم رکھے، اور اس میں ذرا بھی تبدیلی کا روادار نہ ہو، یہ سب سے ضروری اور اہم کام ہوتا ہے، مذاہب کی تقدیر کا اس پر انحصار ہوتا ہے کہ پیغمبر ﷺ کے بعد، (اس دین کے اولین لانے والے کے بعد) کون اس کی جگہ لیتا ہے کہ دین اپنی اصلی حالت اور صحیح ترتیب پر، اور اس کی تعلیمات اپنی اہمیت کے مطابق اپنے مقام پر قائم وباقی رہیں؟

ایمان کامل کے بعد، معرفت الٰہی کے بعد، اور توحید خالص کے بعد دنیا میں جو بہترین اوصاف ہو سکتے ہیں، اور نفسیات انسانی کے ماہرین اور مراتب کمال کے نبض شناسوں نے جو اعلیٰ ترین اوصاف تجویز کئے ہیں وہ سارے اوصاف اور وہ سارے کمالات ایک طرف رکھے جائیں ان میں سب سے زیادہ کسی مذہب کے بقاء کے لئے (میں ارتقاء نہیں کہتا، ارتقاء تو بعد کی چیز ہے) جو چیز سب سے زیادہ ضروری ہے، وہ ہے جذبہ حفاظت، اور نبی کی تعلیمات کے بارہ میں شدید غیرت، میں تقویٰ کا ذکر یہاں نہیں کرتا، خلفاء اربعہ بلا کسی استثناء کے تقویٰ کے ایسے مقام پر فائز تھے جس کا تصور بھی بڑے بڑے مفکروں اور تقویٰ شناسوں کے لئے مشکل ہے، میں ان کے علم اور ان کی ذہانت کا بھی ذکر نہیں کرتا، میں ان کی انسانی ہمدردی اور خدمت خلق

کے جذبہ، اور ان کی نیک نفسی، خدا ترسی اور انسان دوستی کا بھی ذکر نہیں کرتا، پہلی چیز اور پہلی شرط جو ہے، وہ یہ کہ پیغمبر کی پہلی جگہ لینے والا اور اس کی نیابت اولیٰ کا فرض انجام دینے والا، اس دین شریعت کے معاملہ میں اتنا غیور ہو کہ اس سے بڑھ کر غیور، اس سے بڑھ کر ذکی الحس، اس سے بڑھ کر خوددار وحساس، اس کے ایک ایک نقطہ کی حفاظت کا جذبہ رکھنے والا کوئی دوسرا نہ ہو۔

نیابت رسول اللہ ﷺ!:

دوسری صفات بعد کی ہیں اور اپنی اپنی جگہ پر ان سب کا مقام ہے، لیکن پہلی شرط جس پر دین کی بقا کا انحصار ہے وہ یہ کہ نبی ﷺ کا جانشین، اس کا نائب، اس کی جگہ پر امت کی رہنمائی کا منصب سنبھالنے والا جو کچھ بھی ہو اپنی جگہ پر، لیکن دین کے معاملہ میں وہ حد درج غیور ہو، وہ اپنے گھر والوں اور اپنی بہو بیٹیوں کی عزت وآبرو کے مقابلہ میں بھی اس دین کے ایک ایک نقطہ کے بارے میں زیادہ غیور، زیادہ باحمیت اور ذکی الحس واقع ہوا ہو، سارے مذاہب وادیان کی تاریخ بتاتی ہے کہ سب سے زیادہ یہ مذاہب اس وجہ سے تحریف کا شکار ہوئے اور انہوں نے بہت جلد اپنی شکل بدل دی اور ایک دوسرے راستہ پر پڑ گئے کہ ان مذاہب کو اپنے لانے والوں کے بعد (لاکھوں درود وسلام ہوں ان پر) حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ جیسا جانشین، محافظ وامین، اور وفادار وغیور جانشین نہیں ملا، حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کس مرتبہ کے انسان تھے؟ ان کی صفات، ان کی سیرت وسوانح کی کتابوں میں پڑھئے، وہ کن کمالات کے حامل تھے، حضور ﷺ نے ان کے بارہ میں کیا فرمایا، ان کو کس درجہ کی فضیلت حاصل ہے، ان پر امت کو کتنا اتفاق ہے، یہ سب حدیث اور سیرت کی کتابوں میں دیکھا جا سکتا ہے، لیکن ان کی سب سے بڑی اور غالب صفت جس کی پہلے مرحلہ میں سب سے بڑھ کر ضرورت تھی، وہ ان کی دین کے بارے میں حد سے بڑھی ہوئی غیرت، ذکاوت حس، اس کے ایک ایک نقطہ کی حفاظت کا جذبہ اور منشائے رسول ﷺ کی تکمیل کا غیر متزلزل عزم وفیصلہ تھا۔

ان کا خدا کے ساتھ جو تعلق تھا، وہ اپنی جگہ پر، ان کی راتوں کی گریہ وزاری، ان کی دعائیں، اور خلق خدا پر ان کی شفقت اور ان کا عدل وتقویٰ، ان کا زہد وایثار، وہ صفات وخصوصیات ہیں، جو اپنی جگہ پر بڑی قدر وقیمت کی حامل ہیں، مگر حفاظت دین اور اس کے بارہ میں شدید غیرت، یہ ان کا وصف خاص اور ان کی سیرت کی کلیدی صفت ہے، جس کے بارے

کہا جا سکتا ہے کہ آج دین پر جو عمل ہو رہا ہے، فرائض اور شرعی احکام زندہ ہیں، دین تحریف اور امت کلی طور پر ضلالت سے جو محفوظ ہے، جو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی اسی حفاظت دین کی جذبہ کا نتیجہ اور ظہور ہے، خدا کے فضل سے آج بھی خدائے واحد کے ماننے والے موجود ہیں، بنیادی عقائد پر ایمان رکھنے والے اور فرائض کے پابند ہیں، جن کے بغیر کسی مسلمان کا مسلمان رہنا مشکل ہے، یہ سب رہین منت ہے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی خلافت اولیٰ کا، اور میں کیا چیز ہوں، میری کیا حیثیت ہے، حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ جن سے زیادہ حدیث کے راویوں میں کسی سے روایات منقول نہیں، اور جن کی عدالت وصداقت پر امت کا اتفاق ہے، وہ فرماتے ہیں:۔

"والله الذی لا اله الا هو لو لا أن ابا بكر استخلف ما عبدالله "

لوگوں نے کہا دیکھئے آپ کیا کہہ رہے ہیں؟ انہوں نے پھر کہا **"والله الذی لا اله الا هو لو لاأن ابا بكر استخلف ما عبدالله"** (خدا کی قسم جس کے سوا کوئی معبود نہیں اگر حضرت ابوبکرؓ مسند خلافت پر متمکن نہ ہوتے تو دنیا میں خدائے واحد کی عبادت واطاعت کا سلسلہ جاری نہ رہتا۔)

بات کیا تھی؟ بات یہ تھی کہ حضرت ابوبکرؓ دین کے بارے میں ایسی غیرت رکھتے تھے، جو غیرت عزت وآبرو کے بارے میں ہوتی ہے، اور یہی ان کا سب سے بڑا وصف تھا، اور یہی ان کا اصل جوہر جس کی اس وقت سب سے زیادہ ضرورت تھی، ان کے اس وصف کو ان کا وہ جملہ بتاتا ہے، جس کو تاریخ نے انہیں کے لفظوں میں نقل کیا ہے، اور وہ جملہ خود بول رہا ہے کہ وہ کس دل سے نکلا ہے، اور کس ایمان ویقین کے ساتھ نکلا ہے، وہ جملہ ہے " **أينقص الدين وأنا حی** "(میرے جیتے جی دین میں کتر بیونت ہو سکتی ہے؟) میری آنکھوں کے سامنے اللہ کے دین میں ایک حرف کیا ایک نقطہ کی بھی کمی ہو سکتی ہے؟

یہ ہے وہ چیز جس کی مذاہب وادیان کو سب سے پہلے ضرورت پڑتی ہے، اور یہ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ میں بدرجہ کمال موجود تھی۔

اب میں آپ کے سامنے اس دینی غیرت وحمیت اور ذمہ داری کے بڑھتے ہوئے احساس کی دو مثالیں پیش کرتا ہوں۔

وفات نبوی کے بعد!:

۱۔ وفات نبوی ﷺ کے بعد ہی جزیرۃ العرب میں فتنہ ارتداد اٹھا، اب کچھ ایسی نئی تحقیقات سامنے آئی ہیں، جن سے ثابت ہوتا ہے کہ اس فتنہ ارتداد میں باہر کے یہودیوں اور عیسائیوں کا بھی ہاتھ تھا، ابھی تک یہ بات تاریخ کی روشنی میں نہیں آئی تھی، انہوں نے یہ کوشش کی کہ وہیں جزیرۃ العرب میں ایک ایسی انتشار پسند اور انتشار انگیز تحریک پیدا ہو جس سے اسلام کے نتیجہ میں پیدا ہونے والی ایمانی وحدت، اعتقادی وحدت، ذہنی وحدت، قلبی وحدت اور اخلاقی وحدت، ختم ہو جائے، یہ فتنہ شروع ہوا، جو لوگ اسلام کا کلمہ پڑھتے تھے، اور نماز ادا کرتے تھے، زکوٰۃ کے بارے میں ایک گروہ اس کی فرضیت کا بالکل منکر ہو گیا اور اس نے نماز و زکوٰۃ میں تفریق کی، دوسرے فریق نے کہا کہ ہم زکوٰۃ بیت المال کو ادا نہیں کریں گے، بلکہ اپنے طور پر اس کی ادائیگی کا انتظام خود کر لیا کریں گے، حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ جیسے اولوالعزم صحابی کو بھی تامل تھا، اور یہ تامل ان کے احتیاط اور تقویٰ پر مبنی تھا، نہ کسی کمزوری کی وجہ سے کہ جب یہ لوگ کلمہ پڑھتے ہیں، نماز ادا کرتے ہیں، اور اسلام کا انکار بھی نہیں کرتے تو ان سے جنگ کیسے کی جائے؟ لیکن حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے کہا ''واللہ لأقاتلن من فرق بین الصلاۃ والزکوۃ، فان الزکوۃ حق المال'' (بخدا میں اس سے جنگ کروں گا جو نماز اور زکوٰۃ کے بارے میں مختلف رویہ اختیار کرے گا کہ نماز پڑھے گا اور زکوٰۃ نہ دے گا، اسلئے کہ زکوٰۃ مال کا حق ہے) اور یہ بھی فرمایا کہ ''ایک رسی بھی اگر کوئی حضور ﷺ کے زمانہ میں دیا کرتا تھا، اگر نہ دے گا تو میں اس سے بھی جنگ کروں گا'' حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ ایک طرف تھے، اور اچھے اچھے لوگوں کو تامل تھا، یہ خالص الہامی بات تھی، اللہ کو دین کو چونکہ باقی رکھنا تھا لہذا انہوں نے کہا کہ نہیں یہ نہیں ہو سکتا، اگر اس میں تساہل برتا گیا، اور زکوٰۃ کے بارے میں ڈھیل دی گئی تو کل حج کی باری ہے، اس کے بعد روزہ کی باری ہے، پھر نماز کی باری ہے، اور پھر عقیدہ کی باری ہے، اور یہ سلسلہ رکتا نہیں، انہوں نے دنیا کی تاریخ کا مطالعہ نہیں کیا تھا، لیکن یہ الہامی بات تھی جو خدا نے ان کے دل میں ڈالی تھی، کیونکہ اس دین کو اللہ تعالیٰ کو قیامت تک باقی رکھنا تھا، کیسی کیسی قوموں کو اس میں داخل کرنا تھا، کن کن بلندیوں تک اس کو پہنچانا تھا، لہذا اللہ تعالیٰ نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے دل میں یہ بات ڈالی کہ اگر اس وقت ذرا بھی تساہل برتی گئی

اور ذرا بھی رعایت کی گئی تو دین باقی نہ رہے گا، اور وہ بالکل ادیان سابقہ عیسائیت اور یہودیت کی طرح محرف ہو کر رہ جائے گا، چنانچہ وہ اپنے موقف پر اڑ گئے اور انہوں نے جہاد کیا اور اس جہاد میں خود بھی جانے کا ارادہ کیا، لیکن سیدنا علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے جا کر رکاب تھام لی کہ ہم آپ کو جانے نہیں دیں گے اور یہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے خلوص اور محبت کی کھلی ہوئی دلیل ہے، انہوں نے خیال کیا کہ اگر خدانخواستہ کوئی واقعہ پیش آ گیا تو اسلام کے شیرازہ کو مجتمع کرنے والی کوئی طاقت نہیں، یہ خلوص کی اعلیٰ ترین مثال ہے، حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے حضرت علی رضی اللہ کی بات مان لی اور حضرت خالد بن ولید بہت سے صحابہ اور حفاظ قرآن کو جنگ کے لئے روانہ کیا، اتنی بڑی تعداد میں حفاظ قرآن کو بھیجا کہ ڈر ہوا کہ اگر یہ حفاظ جنگ میں کام آ گئے تو یہ قرآن کیسے باقی رہے گا؟ لیکن وہ اڑ گئے، خدا کی مدد ان کے ساتھ تھی، جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ فتنہ ارتداد ختم ہوا، دعویداران نبوت مارے گئے اور اب یہ واقعہ صرف تاریخ کی ایک امانت رہ گیا ہے، وہ بھی پڑھے لکھے لوگوں کے لئے، بہت سے لوگ شاید ایسے ہوں گے جو پہلی مرتبہ اس واقعہ کا ذکر سن رہے ہوں گے۔

ہم اس واقعہ کی اہمیت اور اس کی سنگینی کا اندازہ نہیں کر سکتے، وہ عرب جو اسلام سے قریب العہد تھا، ابھی اللہ کے رسول نے وفات پائی تھی، اور دنیا سے آخرت کا سفر فرمایا تھا، ایک طرف رومن امپائر تھا، جو تقریباً نصف متمدن دنیا پر قابض تھا، دوسری طرف ساسانی سلطنت تھی، پھر عیسائیت، یہودیت اور مجوسیت جیسے مذاہب تھے، اور یہاں ہندوستان میں ہندو مذہب اور بودھ مذہب تھا، ان سب کی موجودگی میں اسلام اپنی اصل شکل میں کیسے باقی رہا، یہ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کا کارنامہ ہے، اور یہ کارنامہ خلافت نبوت کا مظہر اول ہے، انہوں نے کہا خواہ کچھ ہو، میں دین کے ایک نقطہ سے دست بردار ہونے کے لئے بھی تیار نہیں ہوں، نتیجہ یہ ہوا کہ آج وہ دین اسی شکل میں باقی ہے، میں آپ کو بتاتا ہوں کہ دوسرے مذاہب کا کیا حال ہوا، میں اس وقت صرف دنیا کے ایک وسیع ترین مذہب عیسائیت کا ذکر کروں گا۔

عیسائیت کی اصلیت وحقیقت:

یہ عیسائیت جس کا دنیا میں ڈنکا بج رہا ہے اور جو دنیا کے متمدن ترین اور ترقی یافتہ خطوں میں حکومت کر چکی ہے، بحیثیت مذہب کے بھی اور بحیثیت اپنے علمبرداروں کے بھی، اس

عیسائیت کا یہ حال ہے کہ نصف صدی کی مدت کے اندر بھی یہ اپنی اصلی حالت پر قائم نہ رہ سکی، اب کتابیں نکل رہی ہیں، ابھی حال ہی میں ERNEST DE BENSEN کی کتاب جس کا نام ہے ISLAM OR TRUE CHRISTIANTY شائع ہوئی ہے، اس میں صاف لکھا ہے۔

”موجودہ عیسائیت کسی طرح بھی حضرت مسیح علیہ السلام کی پیش کی ہوئی عیسائیت نہیں ہے، یہ وہ عیسائیت نہیں، جس کی دعوت اور اشاعت حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے کی تھی، یہ عیسائیت سینٹ پال کی بنائی ہوئی عیسائیت ہے۔

آپ کو معلوم ہونا چاہئے کہ سینٹ پال اور حضرت مسیح علیہ السلام کے درمیان صرف ۶۰-۶۵ برس کا فصل ہے، ان چند برسوں میں عیسائیت کا یہ حال ہوا کہ اس نے رومی اثرات اور بودھ مذہب کے بہت سے تصورات قبول کر لئے، اور اگر آپ مذاہب کی انسائیکلوپیڈیا اور عیسائیت پر لکھی گئی دوسری کتابیں دیکھیں گے تو معلوم ہوگا کہ عیسائیت نے رومی دیومالا اور بودھ مذہب کی کتنی چیزیں مثلاً تمثیل، اتحاد و حلول کو اور کتنے ان عقائد و نظریات و اقدار کو جو ہندوستان کے مذاہب سے تعلق رکھتے تھے، قبول کیا، اور بالکل محرف ہو کر رہ گئی اور برابر اسی راستہ پر چل رہی ہے۔

یہ قرآن کریم کا معجزہ ہے کہ اس نے عیسائیوں کے لئے ”الضالین“ کا لفظ استعمال کیا ہے، ضالین کے معنی کیا ہیں؟ آپ کلکتہ جانا چاہتے ہوں اور دہلی جانے والی گاڑی پر بیٹھ جائیں، یہ ہے ضلال، آپ بجائے اس جلسہ گاہ میں آنے کے ریلوے اسٹیشن چلے جائیں، اس کو کہتے ہیں راستہ بدل دینا اور پھر اسی راستہ پر چلتے رہنا، اور اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ آدمی جتنا زیادہ چلتا ہے منزل مقصود سے اتنا ہی دور ہوتا چلا جاتا ہے، عیسائیت تیز چلی اور اب تو ہوائی جہاز پر جا رہی ہے (ہوائی جہاز بھی اسی کی پیروؤں کی دین ہے) تو یہ عیسائیت صرف زمین کے رقبہ میں نہیں اپنے مذہبی اور دینی سفر میں بھی ہوائی جہاز کی رفتار سے چلی یعنی چل کر منزل مقصود سے دور نہیں ہوئی بلکہ اڑ کر دور ہوئی، آج کی موجودہ مسیحیت بالکل دوسری مسیحیت ہے، جس کو سینٹ پال کا تحفہ اور اس کی دین کہنا چاہئے، اور وجہ اس کی یہ ہے (مجھے معاف کیا جائے اور خدا بھی مجھے معاف کرے) کہ عیسوی مذہب کو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ جیسا پاسبان اور خلیفہ نہیں

ملا۔ اب یہ حکمت اللہ کی تھی، اور کوئی اس پر اعتراض نہیں کرسکتا، اللہ تعالیٰ قادرِ مطلق ہے، اس کی ذات غنی ہے، اس نے حضرت مسیح علیہ السلام پر دوسرے بہت سے انعامات فرمائے، حضرت مسیح حضرت مسیح ہیں، ہمارا ان پر ایمان ہے، اور ان کی نبوت کا اقرار کئے بغیر ہم مسلمان نہیں ہوسکتے لیکن یہ اللہ تعالیٰ کا معاملہ ہے، اس کو چونکہ عیسائیت کو قیامت تک باقی رکھنا مقصود نہ تھا "**لیظهره علی الدین کله**" اس کے لئے کہا نہیں گیا، "**الیوم اکملت لکم دینکم واتسمت علیکم نعمتی ورضیت لکم الا سلام دینا**" کی بشارت اس کو نہیں دی گئی۔ ایک یہودی عالم نے حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ سے کہا "اے امیر المومنین! ایک آیت قرآن مجید میں آپ آسانی سے پڑھ لیا کرتے ہیں، اگر کہیں وہ آیت ہم یہودیوں کے بارے میں نازل ہوتی تو ہم اس دن کو تہوار بنا لیتے، آپ نے فرمایا کون سی آیت؟ اس نے کہا "**الیوم اکملت لکم دینکم الخ**" فرمایا کہ یہ آیت رکھے رکھائے تہواروں میں ہی نازل ہوئی تھی، یہ تو یوم عرفہ میں نازل ہوئی تھی اور وہ دن بھی جمعہ کا تھا، ہم لوگ اس طرح کے تہوار منانے کے عادی نہیں، ہمارے یہاں یہ طریقہ رائج نہیں۔

یہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا کارنامہ تھا کہ وہ دین کے ایک نقطہ کو بھی چھوڑنے کے لئے تیار نہیں تھے، میں آپ سے صاف کہتا ہوں کہ کرامات چاہے ایسے ہوں کہ آدمی ہوا میں اڑے، اور زبان ایسی ہو کہ جو بات نکلے پوری ہو جائے، اور نظر ایسی کہ جس پر پڑے مسلمان ہو جائے اور ولی کا درجہ پائے، سب چیزیں ایک جگہ مسلم اور قابل اعتراف ہیں، مگر جہاں تک دین کے باقی رہنے کا تعلق ہے تو سب سے اہم اور بنیادی چیز جو ہے وہ یہ کہ اس کے بارے میں غیرت اور اس کی حفاظت کا جذبہ سب پر غالب ہو، یہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی شان تھی، اور اس میں وہ ساری امت میں ممتاز ہیں، کسی دوسرے مسئلہ میں کسی کا وصف ان سے نمایاں ہو، اس انکار نہیں کرتا، لیکن اس معاملہ میں ان کا کوئی مثیل نہیں۔

آپ کا دوسرا نمونہ یہ ہے کہ جس وقت آپ مسندِ خلافت پر بیٹھے تو آپ کو یہ بات معلوم تھی کہ حضور ﷺ کی آخری خواہشات اور تمناؤں میں یہ بات شامل تھی کہ حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ کو رومیوں سے جنگ کرنے کے لئے بھیجیں، ادھر فتنہ ارتداد پھیلا ہوا تھا اور صرف دو تین مقامات ایسے بچے تھے، جہاں نماز ہو رہی تھی، پورا جزیرۃ العرب خطرہ میں اور ارتداد کی زد پر تھا،

اور اس بات کا اندیشہ تھا کہ اگر یہ ارتداد پھیلا اور پھیلا تو پورا جزیرۃ العرب اسلام کی دولت سے محروم ہو جائے گا، اور مسلمانوں کی جو کچھ بھی فوجی طاقت تھی وہ جیش اسامہ میں تھی، اور یہ وہ شکر تھا جس کو حضور ﷺ نے رومیوں سے مقابلہ کرنے کے لئے تیار کیا تھا، لیکن اس کو بھیجنے کی نوبت نہیں آئی اور آپ اس دنیا سے رحلت فرما گئے، حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اس نازک موقعہ پر فرمایا کہ میں یہ لشکر بھیجوں گا، بار بار صحابہ نے سمجھایا کہ اے خلیفہ رسول اللہ! یہ وقت اس لشکر کے بھیجنے کا نہیں، کیونکہ جو کچھ بھی ہمارے پاس فوجی طاقت ہے وہ یہی لشکر ہے، اور اس لشکر نے مدینہ سے باہر قدم رکھا تو یہ قبائل جو ہماری تاک میں ہیں ہم پر حملہ آور ہو جائیں گے، لیکن حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے جواب دیا کہ خدا کی قسم میں اس لشکر کو روانہ کر کے رہوں گا، اس لئے کہ حضور ﷺ کی یہ تمنا اور وصیت تھی، اور میں اس کو پورا کر کے رہوں گا، اس کے بعد ایسے الفاظ کہے جن کو میں آپ کے سامنے صاف طریقے سے بیان نہیں کر سکتا، یعنی یہاں تک کہہ دیا کہ ہمارے گھروں اور گھر والوں کی سلامتی اور حفاظت پر بھی اثر پڑ جائے اور وہ خطرہ میں پڑ جائیں، جب بھی میں اس وصیت پر عمل کر کے رہوں گا، اس لئے کہ وہ یہ سمجھتے تھے کہ اللہ کی ساری نصرت اور اس کی قدرت کاملہ کا ظہور اور نظام عالم و بدل دینے کی اس کی عادت اور سنت ظاہر ہوتی ہے۔ نبی ﷺ کے منشاء کی تکمیل کی صورت میں، نہ کہ اس کو ملتوی رکھنے میں، یہ ان کا دین کا فہم تھا اور قرآن مجید کا مطالعہ۔

چنانچہ یہ واقعہ تاریخ میں ہے کہ ادھر اس لشکر نے مدینہ طیبہ سے قدم نکالا اور ادھر سارے عرب قبائل پر مسلمانوں کی دھاک بیٹھ گئی کہ اوہو اب بھی مسلمانوں کے یہ دم خم ہیں کہ ان حالات میں بھی رومیوں سے آنکھیں ملانے کے لئے تیار ہیں، اور لشکر جا رہا ہے، ہم لوگ کیا ہیں، ہم غیر منظم قبائل ہیں، ہمارے پاس وہ ہتھیار بھی نہیں، وہ عسکری تنظیم بھی ہم نہیں جانتے، جب رومیوں سے لڑ سکتے ہیں تو ہم کیا چیز ہیں، ان پر دھاک بیٹھ گئی اور بالکل الٹا اثر ہوا۔

یہ ہے اخلاص کا نتیجہ اور یہ ہے دین کے فہم اور حقیقی نیابت، نبوت کا کارنامہ کہ سب ڈر رہے تھے، بڑے بڑے صحابہ ڈر رہے تھے، یا اللہ خیر کرے، ابوبکرؓ مانتے نہیں، اسامہؓ کا لشکر باہر بھیج رہے ہیں، وہ باہر نکلا تو لوگ سمجھیں گے کہ اب یہ لوگ بالکل لاوارث ہیں، کوئی ان کی مدد کرنے والا نہیں، اس سے بہتر موقعہ ہو نہیں سکتا اور وہ مدینہ پر چڑھائی کر دیں گے، لیکن اس کا

بالکل الٹا اثر ہوا اور تمام مورخین نے بالاتفاق لکھا ہے کہ پورے عرب پر دھاک بیٹھ گئی اور سہم گئے۔

یہ تھی پہلی بات اور دیکھئے یہی ہے تقدیر الٰہی "**ذلک تقدیر العزیز العلیم**" سے میں اس کی طرف اشارہ کر رہا ہوں، آپ روز سورج کو مشرق سے نکلتے اور مغرب میں ڈوبتے دیکھتے ہیں، یہی تنہا اللہ کے قہار ہونے اور حکیم و غالب ہونے کی دلیل نہیں۔ بلکہ یہ بھی ہے کہ آفتاب رسالت کے اللہ تعالیٰ نے جو منازل مقرر کئے اور جن منازل سے اس کو گذارا، اور جس طرح اس نے دین کو تکمیل تک پہنچایا، اور جس طرح اس کے جانشین مہیا کئے اور اپنے نبی کو جو خلفاء دیئے یہ بھی "**ذلک تقدیر العزیز العلیم**" کا مظہر ہے۔

اب حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کا کام پورا ہوا اور فتنہ ارتداد ایسا ختم ہوا کہ آج صرف تاریخ میں اس کا نشان باقی ہے۔ یہ صرف اللہ کی قدرت تھی اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی عزیمت جو اللہ کی عطا کی ہوئی تھی، اور اس کے نبی کی تربیت کی ہوئی تھی کہ وہ ارتداد کا فتنہ ختم ہو گیا، ورنہ پورے جزیرۃ العرب کا نام بھی تاریخ میں اس حیثیت سے آتا کہ وہاں تھوڑے دن کے لئے اسلام غالب ہوا تھا اور وہاں ایک ایسی ہستی پیدا ہوئی تھی، جو اپنے آپ کو نبی کہتی تھی، اور اس کے بعد کچھ دن وہ دین چلا، اور اس کی صرف ایک تاریخ رہ جاتی۔

اب دوسرے نمبر پر ضرورت تھی کہ دین کو محفوظ رکھیں یعنی مسلمین دین جن کے محافظ ہیں اور جو داعیان اول ہیں اور اس کے نمونہ اکمل ہیں اور جو اس کے عملی پیکر اور اس کا مظہر کامل ہیں، ان کا مزاج بدلنے نہ پائے۔ بڑی شاندار تاریخ اور وسیع رقبے والی، اعلیٰ مقاصد کی حامل، مستقل تہذیب کی مالک قوموں اور جماعتوں کا حال یہ ہوا ہے کہ فتوحات حاصل کرنے اور متمدن اور باوسائل زرخیز رقبے والے ممالک فتح کر لینے کے بعد برف کی طرح گھل اور موم کی طرح پگھل گئیں اور انہوں نے سارے اصول و معیارات سے دستبرداری حاصل کر لی۔

اس وقت کہ روم اور شام اور ایران فتح ہو رہے ہیں، مصر و شام کی دولت امنڈ امنڈ کر آ رہی ہے اور بارش کی طرح برس رہی ہے، جن کی آنکھوں نے کبھی دیکھا نہیں تھا، وہ چیزیں ان کے ہاتھوں میں آ رہی ہیں، عربوں کا حال یہ تھا کہ جب انہوں نے پہلی مرتبہ کافور دیکھا تو نمک سمجھ کر سالنے میں ڈالنے لگے، یہ عرب تھے اونٹوں کے چرانے والے، خیموں میں رہنے والے،

اونٹ کا گوشت کھانے اور اس کا دودھ پینے والے ان کو سابقہ پڑا رومن امپائر سے، ساسانیوں کی سینکڑوں سال پرانی سلطنت سے، جہاں تمدن ارتقاء کے آخری درجہ تک پہنچ گیا تھا، اب خطرہ یہ تھا کہ امت تمدن کے اس سیلاب میں بہہ نہ جائے، اللہ تعالیٰ اس موقع پر ایک ہستی کو سامنے لایا جو اس وصف میں سب سے زیادہ ممتاز تھی۔ کہا نہیں، بالکل نہیں، یہ سب سامنے عربوں کی، امت اسلامیہ کا مزاج نہیں بدل سکتے، یہ تمدن کا شکار نہیں ہو سکتے، یہ عیش و عشرت میں نہیں پڑ سکتے، انہوں نے عربوں کو بڑی تاکید سے سادگی، جفاکشی، شہسواری، زہد و قناعت اور اپنی قدیم نسلی سپاہیانہ و متقشفانہ خصوصیات کو قائم رکھنے کی ہدایت و تلقین کی۔

خود ان کا یہ حال تھا کہ جب آپ جابیہ کی طرف سفر کر رہے تھے تو اس شان سے ساتھ گئے کہ آپ ایک اونٹ پر بیٹھے ہوئے ہیں، جس پر ایک معمولی کپڑا پڑا ہوا ہے، اگر زمین پر لیٹنا ہو تو وہی اس کا بستر ہے، اور اگر اوڑھنے کی ضرورت پڑے تو وہی ان کی چادر، جسم پر ایک موٹی سوتی کپڑے (کرباس) کا کرتہ تھا، جس پر جگہ جگہ سے نشان پڑ گئے تھے اور جا بجا پھٹا ہوا تھا۔ بیت المقدس کے سفر میں جہاں آپ کو اس کی چابیاں لینی اور مسلمانوں کی تولیت میں اس کو لینے کا عمل کرنا تھا، راستہ میں پانی پڑا تو چھپ چھپ کر اس کو پار کر لیا، حضرت ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ سے رہا نہ گیا، عرض کیا کہ اے امیر المومنین! آپ نے یہاں جو مظاہرہ فرمایا یہ مناسب نہیں تھا۔ یہ رومی جو بڑے ترقی یافتہ اور تمدن سے آراستہ ہیں کہیں گے کہ یہ مسلمانوں کے خلیفۂ اعظم ہیں؟ ان کا حال یہ ہے کہ پانی میں اس طرح چھپ چھپاتے چلے آ رہے ہیں، آپ کی معزز سواری پر تشریف لانے ہوتے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو یہ بات برداشت نہ ہوئی اور انہوں نے یہ فرمایا "اولو غیرک قالها یاابا عبیدۃ انکم کنتم اذل الناس فاعزکم اللہ بالاسلام فمهما تطلبوا العز بغیرہ یذلکم اللہ."

مذاہب کی تاریخ، وارثین انبیاء کی تاریخ میں ان الفاظ کی مثال نہیں ملتی۔ انہوں نے کہا کہ اے ابوعبیدہ! تم یہ کہہ رہے ہو؟! اگر کوئی اور کہتا تو مجھے افسوس نہ ہوتا، دل پر چوٹ نہ لگتی، تم جیسا آدمی یہ کہہ رہا ہے، امین الامت! خدا کی قسم تم (اہل عرب) سے بڑھ کر دنیا میں کوئی ذلیل و حقیر و قلیل نہ تھا، تم کو اللہ نے اسلام کے ذریعہ عزت دی، اب تم جس راہ سے بھی عزت تلاش کرو گے اللہ تم کو ذلیل کرے گا، پھر جب وہاں پہنچے تو کہنے لگے، ارے تم نے اتنی جلدی اپنا

لباس تبدیل کر دیا؟ ایسے کپڑے پہنے ہوئے ہو؟ تو حضرت ابوعبیدہ اور حضرت عمرو بن العاص نے کہا: اے امیر المومنین یہ ٹھنڈا ملک ہے، یہاں اس طرح کے کپڑوں کی ضرورت پڑتی ہے، اور دیکھئے ہمارے نیچے وہی کپڑے ہیں، انہوں نے کہا کہ اچھا خیر، اس کے بعد کسی پادری کو کرتہ دیا کہ پھٹ گیا ہے ذرا اس کو سی دیں، پادری نے ایک دوسرا قیمتی کرتا اس کے بدلے دیا، آپ نے فرمایا کہ یہ کیا چیز ہے؟ پادری نے کہا کہ حضرت یہ بڑے اچھے کپڑے (کتان) کا بنا ہوا ہے، آپ نے فرمایا کہ نہیں، ہمارا وہی کرتہ لاؤ، چنانچہ وہ کرتا لایا گیا اور آپ نے اس کو پہنا۔

یہ وہ زمانہ تھا کہ جب حاکم و محکوم کے درمیان وہ فرق ہوتا تھا جو انسان اور جانور سے بھی زیادہ ہوتا ہے، آپ ہندوستان کو دیکھئے، یہاں جو طبقاتی تفاوت تھا اور اونچی اور نیچی ذاتوں کے درمیان جو فرق تھا، وہ دیکھئے، منوشاستر پڑھئے تو آپ کو اس وقت کے حالات کا علم ہوگا۔

لیکن حضرت عمر رضی اللہ عنہ جو عدل الٰہی اور مساوات انسانی کے علمبردار تھے، اور ان کو اس صفت کو قائم بھی رکھنا تھا اور اللہ کو ان کے ذریعہ اس صفت کو اس وقت تک پہنچانا بھی تھا، ان کی عدل گستری اور مساوات انسانی کا صرف ایک واقعہ میں آپ کو سناتا ہوں۔

ایک مرتبہ مصر میں گھوڑوں کی ریس ہو رہی تھی، حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ جو مصر کے فاتح اور اس کے گورنر ہیں، ان کے صاحبزادہ اس ریس میں شریک تھے، مقابلہ میں ایک قبطی کا گھوڑا ان کے گھوڑے سے جب آگے بڑھنے لگا تو انہوں نے ایک کوڑا گھوڑے پر لگایا، دور رہ گیا تو انہوں نے اس قبطی پر بھی ایک کوڑا مارا اور کہا کہ میں ایک شریف زادہ ہوں اور تم مجھ سے آگے بڑھنے کی کوشش کرتے ہو؟ قبطی نے اس واقعہ کی شکایت حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے کی۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے گورنر صاحب اور ان کے صاحبزادہ دونوں کو طلب کیا اور فرمایا کہ تم نے کب سے لوگوں کو غلام بنایا، حالانکہ سب اپنی ماں کے پیٹ سے آزاد پیدا ہوئے تھے، پھر آپ نے اس قبطی کو بلایا اور اس کے ہاتھ میں کوڑا دیا اور حکم دیا کہ اس شریف زادہ گورنر صاحب کے صاحبزادہ کے سر پر ایسا ہی پھیرو جیسا کہ انہوں نے تمہارے سر پر پھیرا تھا۔

یہی وہ چیز جس کی وجہ سے اسلام میں یہ نظام عدل اور مساوات انسانی اور انسانیت کا احترام اور اس کا شرف اور اس کی عزت و باقی رہی۔

اب میں آپ کو بتاتا ہوں کہ تیسرے نمبر پر کس چیز کی ضرورت تھی؟ فتنہ ارتداد ختم ہو چکا تھا، دین میں تحریف کا دروازہ بند ہو چکا تھا، انسانی مساوات اور عدل کا نظام ہو چکا تھا، اب ضرورت تھی کہ یہ اسلامی مملکت قائم رہے، فتح کا دروازہ کھلا رہے تا کہ یہ نئی قومیں مشرف بہ اسلام ہوں گی، کیسے کیسے باکمال افراد پیدا ہوں گے، کیسے کیسے عالم ربانی پیدا ہوں گے، کیسے کیسے ائمہ و مجتہدین پیدا ہوں گے، امام ابوحنیفہؒ، امام مالک، امام شافعی، امام احمد بن حنبل جیسے، کیسے کیسے محدث پیدا ہوں گے، امام بخاری اور امام مسلم جیسے، کیسے کیسے قانون ساز پیدا ہوں گے، امام ابویوسف اور امام محمد جیسے، کیسے کیسے فاتح پیدا ہوں گے، عقبہ بن نافع اور طارق بن زیاد اور محمد بن قاسم جیسے۔

چنانچہ اس کے لئے اللہ تعالیٰ نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا انتخاب فرمایا، کیونکہ انہیں کے خاندان کے لوگ زیادہ تر ملکوں کے فاتح اور حاکم و منتظم تھے، اور یہ انسانی فطرت ہے کہ جب حاکم اس سلطنت کا خونی رشتہ بھی ہوتا ہے، نسبی و وطنی رشتہ بھی ہوتا ہے تو وہ اس کو اپنی چیز سمجھتے ہیں، وہ یہ نہیں سمجھتے کہ ہم محض ملازم ہیں اور جوابدہ ہیں، تو وہ اس وقت اس کے ساتھ خیرخواہی کرتے ہیں، اب یہاں پر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی ضرورت تھی، چنانچہ وہ آئے اور تاریخ بتاتی ہے کہ کیسی فتوحات ان کے زمانہ میں ہوئیں، آپ کے زمانہ میں قبرص، افریقہ کا ایک بڑا حصہ، آذربائیجان، اصطخر، سابور، شیراز، اصفہان، طبرستان، سجستان اور نیشاپور فتح ہوئے۔

خلافت عظمیٰ پر فائز اور وسیع مملکت کے حاکم اور ذاتی طور پر فراخ معیشت اور صاحب [illegible] ہونے کے باوجود [illegible] آپ [illegible] ہیں اور آپ نے [illegible] ایک [illegible] قیمت [illegible] یہ بہت بڑا [illegible] غریبانہ تھا۔

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا سب سے بڑا [illegible] کہ آپ نے اپنی خلافت سے دستبرداری منظور نہیں کی وہ نبی کی نیابت تھی اور منشاء رسول اور مصلحت الٰہی کے مطابق اور اس طرح استقامت و عزیمت کی ایک شاندار نظیر چھوڑی لیکن اپنی سلامتی و حفاظت کے لئے مسلمانوں کے خون کا ایک قطرہ بہانے کی اجازت نہیں دی شہادت سے ایک روز قبل آپ نے مکان پر

[illegible]ت سو کے قریب مہاجر و انصار جمع ہو گئے جن میں متعدد جلیل القدر صحابی بھی تھے، حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے کہا جس پر بھی میرا کوئی حق ہے اس کو قسم دیتا ہوں کہ وہ اپنا ہاتھ روکے اور اپنے گھر چلا جائے، اپنے غلاموں سے فرمایا، جو تلوار میان میں کر لے وہ آزاد ہے۔

اسلام کی طرف سے اب بالکل اطمینان ہو چکا تھا۔ سیاسی، انتظامی اور عسکری طور پر اب کوئی خطرہ باقی نہ تھا، اب ضرورت تھی کہ مسلمان اتنے دنوں تک حکومت کر چکے تھے اور تمدن کا اثر پڑنا لازمی تھا، اور سیاسی طرز فکر کا آنا بھی ضروری تھا کہ آدمی سیاسی اقدار کے ذریعہ سوچے اور فیصلہ کرے کہ اس وقت یہ کرنا مناسب ہے اور یہ کرنا مناسب، سیاسی مصلحت کا تقاضہ یہ ہے، اور دین کا مطالبہ یہ ہے۔

اب ضرورت تھی کہ خلیفہ رابع سیدنا علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کا یہ جانشین کا اصل وصف اور اصل امتیاز یہ تھا کہ سیاسی اصولوں اور سیاسی منافع اور مفادات پر [illegible] دینی اصولوں کو ترجیح دی جائے، اور اس کی ذرا پرواہ نہ کی جائے کہ خلافت ہاتھ میں رہے گی یا نکل جائے گی، جو چیز یہاں کے لئے مناسب نہیں، اس کو بدل دینا چاہئے، یہ کام یہاں [illegible] تک [illegible] یہ تھی کہ اپنے عمال [illegible] تھے، ایک صاحب ایک دعوت میں چلے گئے، ان سے [illegible] مجھے معلوم ہوا ہے کہ تم ایسی دعوت میں گئے جہاں غریبوں کو ہٹایا جاتا ہے اور امیروں کو بلایا جاتا ہے، تم نے وہاں کی دعوت میں شرکت کی [illegible] ان واقعہ [illegible] ان کی آخری زندگی کا یہ حال تھا کہ ایک شخص [illegible] مہمان آیا اور اس کا خیال تھا کہ آج امیر المؤمنین کے یہاں آئے ہیں، آج تو خوان نعمت لگے گا، اور طرح طرح کے کھانے رکھے جائیں گے، [illegible] دستر خوان بچھا تو [illegible] حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ایک تھیلی منگوائی، اس پر مہر لگی ہوئی تھی، آپ نے مہر توڑی اور اس میں سے ستو نکالا، اس نے کہا اے امیر المؤمنین یہاں تو اس وقت عراق اور کوفہ میں غذا اور [illegible] کی فراوانی ہے اور آپ ستو کھاتے ہیں؟ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ [illegible] یہ [illegible] اور یہی میرا کھانا ہے، میں نے اس پر مہر اس لئے لگا رکھی ہے تاکہ اس میں کوئی دوسری چیز داخل ہونے نہ پائے۔

آپ ہی کا واقعہ ہے کہ ایک زرہ کے معاملہ میں آپ کا عدالت جانا ہوا، آپ کی زرہ ایک

یہودی کے ہاتھ لگ گئی تھی، جو کھو گئی تھی، اس کا مقدمہ قاضی کے پاس گیا اور حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کو ایک فریق کی حیثیت سے عدالت جانا پڑا۔ آپ اپنے صاحبزادہ حضرت حسن اور ایک غلام کو لے کر عدالت گئے، قاضی صاحب نہ ان کے لئے کھڑے ہوئے اور نہ ان کو اس جگہ بٹھایا جہاں امیر المومنین کو بٹھانا چاہئے تھا اور جب آپ نے گواہ پیش کئے تو قاضی صاحب نے ان کی گواہی قبول کرنے سے انکار کر دیا اور کہا کہ ان میں تو ایک آپ کا صاحبزادہ ہے اور دوسرا آپ کا غلام، لہذا ان کی گواہی معتبر نہیں، آپ نے چوں نہیں کیا، لیکن وہ یہودی اس واقعہ سے اتنا متاثر ہوا کہ وہ اسی وقت مسلمان ہو گیا اور کلمہ پڑھا کہ امیر المومنین اس طرح قانون پر چلتے ہیں اور اپنی طاقت اور شان اور حیثیت سے بالکل کام نہیں لیتے۔

آپ کے عہد خلافت کی یہ بھی ایک خصوصیت و افادیت تھی کہ آپ نے اس کا نمونہ پیش کیا کہ اندرونی فتنوں، ہم مذہبوں کی مخالفتوں اور انتشار کے دور میں کس طرح اصول پر قائم رہا جاتا ہے اور سیاست دین پر غالب نہیں ہونے پاتی، امام ابو حنیفہؒ نے خوب فرمایا ہے کہ اگر حضرت علیؓ کا دور نہ ہوتا تو ہمیں خیر القرون کی یہ مثال اور نمونہ نہ ملتا کہ فتنوں اور خود مسلمانوں کی مخالفت کی حالت میں کیا کرنا چاہئے۔

یہ تھا وہ جوہر جس کی چوتھے نمبر پر ضرورت تھی، اب میں آپ سے کہتا ہوں کہ اسی طریقہ سے اللہ تعالیٰ نے اس سلسلہ کو جاری رکھا، اور یہی حضرت حسن رضی اللہ عنہ اور حضرت حسین رضی اللہ عنہ کا معاملہ ہے، میں صفائی سے کہتا ہوں کہ حضرات حسنین رضی اللہ عنہم کا معاملہ بھی آیات الٰہی اور اللہ تعالیٰ کی نشانیوں میں سے ہے، حضور ﷺ کے ساتھ خدا تعالیٰ کا جو مخصوص معاملہ رہا ہے، اور اللہ تعالیٰ نے آپ کو دنیا کی جو بہتر سے بہتر نعمتیں عطا فرمائی ہیں، ان میں سے آپ کے یہ دو پھول بھی ہیں جن کو "ریحانتی رسول اللہ" کا لقب ملا ہے۔

میں اپنے تاریخ کے مطالعہ کی روشنی میں صاف کہتا ہوں کہ حضرت حسن رضی اللہ عنہ کا اقدام بالکل حق تھا جو انہوں نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ سے معاملہ میں کیا تھا اور خود آنحضرت ﷺ نے حضرت حسن رضی اللہ عنہ کی طرف دیکھ کر فرمایا تھا "ان ابنی هذا سید وسیصلح اللہ به بین فئتین من المسلمین" میرا یہ بیٹا سردار ہے، امید ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کے ذریعہ مسلمانوں کی دو بڑی جماعتوں میں صلح کرا دے گا۔ یہ بات حضرت حسن رضی

اللہ عنہ کے لئے ایک خبر نہیں تھی، بلکہ یہ آپ کے لئے ایک وصیت تھی، منشاء رسول تھا، اللہ کے رسول کا منشا بھی اور پیارے نانا جان کا منشا بھی، چنانچہ حضرت حسن رضی اللہ عنہ نے اس کو اپنے خاص حکم نبوی سمجھا اور اس کے مطابق جو اقدام کیا وہ بالکل صحیح تھا کہ معاملہ حضرت معاویہ کے ساتھ تھا، وہ صحابی تھے، کاتب وحی تھے، قریبی رشتہ دار تھے اور کوئی بات موجب خروج اور تلوار اٹھانے کی نہ تھی، ان کی مخالفانہ فوجی اقدام کا نتیجہ خونریزی کے سوا کچھ نہ تھا، ان کو جب بعض جوشیلے لوگوں نے طعنہ دیا کہ یہ ننگ و عار کی بات ہے تو فرمایا "العار خیر من النار"۔

اس طریقہ سے جب معاملہ یزید کا آیا تو میرے نزدیک حضرت حسین رضی اللہ عنہ کا اقدام سو فیصد صحیح تھا اور حضرت حسین رضی اللہ عنہ کو یہی کرنا چاہئے تھا، ورنہ قیامت تک کے لئے قرن اول کا کوئی نمونہ ہمارے سامنے نہ ہوتا کہ جب کوئی غلط اقتدار قائم ہو جائے اور جب معاشرہ کی سیرت و کردار کے تبدیل ہو جانے کا خطرہ پیدا ہو جائے، جب حکومت بجائے امر بالمعروف و نہی عن المنکر اور بجائے تقویٰ اور طہارت پیدا کرنے اور بجائے خدا ترسی اور عبادت کا ذوق بنانے کے، سیر و شکار اور تعیش و لذت اندوزی کا ذوق پیدا اور دولت و اقتدار کا غلط استعمال ہونے لگے تو ہمارے سامنے کوئی نمونہ اس کا بھی ہونا چاہئے تھا کہ کوئی اللہ کا بندہ اٹھے اور اس کو چیلنج کرے اور اس کے مقابلہ میں آ جائے، اگر یہ نہ ہوتا تو آپ اسلام کی جدید تاریخ میں دیکھتے کہ وہ ساری کی ساری اس شعر کی تعمیل ہوتی:

چلو تم ادھر کو ہوا ہو جدھر کی

جو غلط اقتدار آ جاتا، جو غلط حکومت قائم ہو جاتی، ہم لوگ اس کے تابع بن جاتے کہ یہی تقدیر الٰہی ہے، ہمارے پاس صدر اول کا کوئی نمونہ نہیں ہے، ہمارے پاس کوئی قابل اقتدا مثال نہیں ہے کہ ہم کچھ کر سکیں، پھر اس میں یہ اندیشہ ہے کہ اس سے اسلامی وحدت پر اثر پڑے گا، مسلمانوں کی اجتماعیت خطرہ میں پڑ جائے گی، سب خاموش تماشائی بنے رہتے ہیں۔

اس کے لئے حضرت حسین رضی اللہ عنہ کا نمونہ قائم کیا گیا کہ نہیں کچھ لوگ ایسے ہونے چاہئیں کہ وہ اس کا مقابلہ کرنے کے لئے میدان میں آئیں اور کسی چیز کی پروا نہ کریں، چنانچہ بعد کے مجاہدین کی اگر آپ تاریخ پڑھیں اور ان کی نفسیات کا مطالعہ بھی کریں اور ان کے مکاتیب بھی اگر دیکھیں اور ان کی باتیں بھی سنیں تو آپ کو معلوم ہوگا کہ مختلف عہدوں اور ملکوں

میں جو اصلاحی تحریکات وجود میں آئیں اور جو انقلابی کوششیں پروان چڑھیں، ان سب میں حضرت حسین رضی اللہ عنہ کا یہ نمونہ کام کر رہا تھا، امیر عبدالقادر جزائری ہوں یا عبدالکریم ریفی، شیخ سنوسی ہوں یا شیخ شامل داغستانی یا سید احمد شہید اور شاہ اسماعیل شہید سب کے دلوں میں بسنے والی، ان کے اندر جذبہ پیدا کرنے والی چیز حضرت حسین رضی اللہ عنہ کا یہ نمونہ تھا، یہ وہی شعلہ [illegible] حرارت تھی جو [illegible] اشتعال انگیز ہوئی انتشار پیدا کرنے والی حرارت نہیں بلکہ تعمیری قوت ہے۔

یہ سلسلہ دراصل اس دور تک قائم ہے، تحریک خلافت جس کا لکھنؤ ایک بڑا مرکز تھا اس کے جو سب سے بڑے قائد تھے، یعنی رئیس الاحرار مولانا محمد علی جوہر ان کے اندر بھی حضرت حسین کی تقلید کا یہ جذبہ کام کر رہا تھا، وہ کہتے ہیں:

پیغام ملا تھا جو حسین ابن علی کو
خوش ہوں کہ وہ پیغام وفا میرے لئے ہے

پھر آپ دیکھیں کہ حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے پوتے حضرت زین العابدین کے صاحبزادے زید بن علی بن حسین جب ہشام بن عبدالملک (جو یزید سے یقینا بدرجہا بہتر تھا) کے مقابلہ میں کھڑے ہوئے تو امام ابوحنیفہ نے دس ہزار درہم جو اس زمانہ کے لحاظ سے اور امام ابوحنیفہ کے اعتبار سے (جو ایک مجتہد اور فقیہ تھے کوئی سرمایہ دار نہیں تھے) بہت بڑا عطیہ تھا، [illegible] آپ ان کے [illegible] اس کے بعد جب حضرت محمد ذوالنفس الزکیہ [illegible] محمد ذو النفس الزکیہ بن عبداللہ المحض بن حسن المثنی بن حسن المجتبی بن سیدنا علی المرتضی [illegible] مقابلہ میں [illegible] (منصور [illegible] ہارون رشید [illegible] عباسی خلافت کا یہ [illegible]) [illegible] امام ابوحنیفہ [illegible] ان کا [illegible] امام ابوحنیفہ نے [illegible] بیان [illegible] بھائی ابراہیم [illegible] محمد بن عبداللہ [illegible] مدینہ میں [illegible] اور حدیث [illegible] ذوالنفس الزکیہ [illegible] مدینہ میں [illegible] میں شہید ہوتا یہ [illegible] آپ پر صادق آئی [illegible] بھائی ابراہیم تھے جو بغداد

میں کھڑے ہوئے تھے لیکن تاریخوں کے اختلاف کی وجہ سے ذرا سا فرق ہو گیا چنانچہ دونوں مل کر مقابلہ نہیں کر سکے۔ امام ابوحنیفہؒ اور امام مالکؒ نے دونوں کا ساتھ دیا اور رقم بھی بھیجی۔

اب اگر کوئی حضرت حسینؓ، زید بن علیؒ اور محمد ذو النفس الزکیہ کے اس اقدام پر اعتراض کرتا ہے اور کہتا ہے کہ یہ جمعیت اسلامی اور اقتدار اسلامی کے خلاف ایک غیر مستحسن اقدام اور ایک ناعاقبت اندیشانہ عمل تھا تو وہ گویا یہ کہتا ہے کہ وہ امام ابوحنیفہ اور امام مالک سے زیادہ فقیہ اور مجتہد ہے، اور زیادہ خداترس اور اسلام دوست۔ اور آپ یہ بھی یاد رکھیں کہ امام ابوحنیفہ اور امام مالک نہ صرف فقیہ اور مجتہد تھے، بلکہ ایسے فقیہ اور مجتہد تھے کہ میں شریعت اور فقہ اور مذاہب کے تقابلی مطالعہ کے ایک طالب علم ہونے کی حیثیت سے کہتا ہوں کہ ملتوں میں ان دونوں کی مثال نہیں ملتی۔ انہوں نے نہیں سوچا کہ اسلامی اقتدار اعلیٰ کے خلاف یہ لوگ قدم اٹھا رہے ہیں؟ ان کے پاس کیا فوجی طاقت ہے؟ اس کا نتیجہ سوائے انتشار کے کچھ نہیں، دونوں نے بالکل کھل کر ان لوگوں کی تائید کی۔

یہ ہم اہل سنت کا امتیاز ہے کہ ہم صحابہ کرام کی عظمت کرتے ہیں، ان کی فضیلت کے قائل ہیں اور اہل بیت سے محبت رکھتے ہیں اور اپنے اس سرمایہ پر فخر کرتے ہیں اور یہ حال جس کی یادگار ہے، میں خود اس کے متعلق یہ گواہی دیتا ہوں کہ یہی ان کا مسلک تھا، یہی حضرت شاہ ولی اللہ اور ان کے بعد ان کے خاندان کا مسلک تھا، یہی مجدد الف ثانی کا مسلک تھا، میں نے صاف پڑھا ہے کہ جب ان کے والد (حضرت شیخ عبدالاحد سرہندی) کا انتقال ہونے لگا، بالکل سکرات کا وقت تھا، حضرت مجدد صاحب نے کہا کہ ابا جان آپ بہت کہا کرتے تھے کہ اہل بیت کی محبت کا حسن خاتمہ میں بہت دخل ہوتا ہے تو فرمایا کہ میں دیکھ رہا ہوں اور پھر اس جگہ یہ شعر لکھا:

الٰہی بحق بنی فاطمہ
کہ بر قول ایمان کنی خاتمہ

یہ ہمارا شعر ہے، ہم کسی قیمت پر بھی اس کو چھوڑنے کے لئے تیار نہیں۔ ہم خلفاء راشدین کو احق الناس بالخلافۃ اسی ترتیب کے ساتھ اور ان کی اولیت بھی اسی ترتیب کے ساتھ، پھر خلیفۃ الرسول حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ، دوسرے نمبر پر حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ، تیسرے نمبر پر

حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ، چوتھے نمبر پر حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ ہیں۔ ہم اس ترتیب کے بھی قائل ہیں، ان کی افضلیت کے بھی قائل ہیں اور ان کی خلافت کی حقانیت کے بھی قائل۔ اس کے ساتھ ہم اہل بیت سے بھی محبت رکھتے ہیں اور ہم حضرات حسنین رضی اللہ عنہم کے اقدام کو بالکل حق سمجھتے ہیں۔

ہمارے تمام قابل اعتماد اور لائق استناد مجتہدین اور ائمہ سب متفق ہیں، یزید کے فعل کی شناعت اور یزید کے فسق پر۔ امام احمد بن حنبلؒ سے متعلق صاف آتا ہے کہ ان کے صاحبزادے نے کہا اباجان کچھ لوگ کہتے ہیں کہ آپ یزید کو پسند کرتے ہیں؟! انہوں نے کہا کہ بیٹا جو شخص اللہ تعالیٰ پر اور یوم آخرت پر یقین رکھتا ہو کیا وہ یزید کو پسند کرتا ہے؟ صاحبزادے نے عرض کیا کہ پھر آپ لعنت کیوں نہیں بھیجتے یزید پر۔ امام احمد بن حنبلؒ نے فرمایا کہ تم نے اپنے باپ کو کب کسی پر لعنت بھیجتے ہوئے سنا ہے۔

یہی امام ابن تیمیہؒ کا مسلک ہے۔ جب ان کا مکالمہ تاتاری قائد بولائی سے ہوا تو یزید کے بارے میں سخت الفاظ استعمال کئے، اور اس نے اپنی برأت کا اظہار کیا اور اس کے فعل کی شناعت بیان کی۔

یہی مسلک تھا حضرت مجدد الف ثانی، شاہ عبدالحق محدث دہلوی اور ہمارے تمام پیشواؤں کا یہی مسلک تھا۔ امام اہل سنت مولانا عبدالشکور رحمۃ اللہ علیہ کا، میں ان کو جانتا ہوں کہ ان کو اہل بیت سے کتنا تعلق تھا، اور حضرات حسنینؓ سے کتنا تعلق تھا۔ یہاں تک کہ ان کے متبعین تک سے ان کا جو معاملہ تھا، وہ ہم سب جانتے ہیں، اس خصوصیت سے ہم کو بھی دستبردار نہیں ہونا چاہئے اور اس کے بارے میں کوئی سودا نہیں کرنا چاہئے، نہ عظمت صحابہ کے بارے میں، نہ خلفاء راشدین کی ترتیب کے بارے میں اور نہ حضرات حسنینؓ کے فعل کی صحت کے بارے میں، اور ان کے اقدام کے صحیح اور مبارک ہونے کے بارے میں۔

خوارج ایک طرف چلے گئے، روافض ایک طرف چلے گئے۔ بے توفیق تھے وہ، خدا کی نصرت، اس کی رہنمائی اور اس کی ہدایت سے محروم تھے وہ۔ خوارج نے حضرت علیؓ کی تکفیر کی اور روافض نے خلفاء ثلاثہ کی تکفیر کی اور ان کے ائمہ جو یہ بات کہتے ہیں کہ حضور ﷺ کی آنکھ بند ہونے کے بعد صرف تین آدمی دین پر قائم رہے، اور بقیہ تمام لوگوں نے ارتداد کا راستہ اختیار

گیں، معاذ اللہ اس سے بڑھ کر رسول کی ناکامی کا اعلان اور آپ کی رسالت اور آپ کی کیمیا اثر صحبت کی تاثیر کا انکار اور کیا ہوگا، یہ تو عیسائیوں اور یہودیوں نے بھی کیا، چنانچہ ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ نے بڑی عمدہ بات لکھی ہے، اور اس سے بہتر بات نہیں ہوسکتی اور میں اسی پر اپنی تقریر ختم کروں گا۔

وہ لکھتے ہیں کہ یہودیوں سے پوچھا گیا کہ تمہاری امت میں، امت یہودیہ میں سب سے افضل اور سب سے اعلیٰ لوگ کون تھے؟! انہوں نے جواب دیا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ساتھی، عیسائیوں سے پوچھا کہ تم اپنی امت میں سب سے افضل اور سب سے بہتر کسے سمجھتے ہو، اور امت عیسوی میں نمونہ کامل کون لوگ تھے، انہوں نے جواب دیا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے حواری، روافض سے پوچھا گیا کہ امت اسلامیہ میں سب سے بدتر اور خراب لوگ کون ہیں؟ انہوں نے جواب دیا کہ محمد رسول اللہ ﷺ کے صحابی۔ بالکل الٹی بات ہے۔

ارے بھائی جن کا یہ سب فیض ہے اور یہ جو آج روشنی نظر آرہی ہے بقول شاعر

بہار اب جو دنیا میں آئی ہوئی ہے
یہ سب پود انہیں کی اگائی ہوئی ہے

اس کا فیض اگر اس کے قریب ترین لوگوں میں نہ پہنچے تو پھر کیسا دعویٰ۔ اور میں نے تو کہا کہ اگر کسی مغربی ملک میں تقریر کر رہا ہوں اور تقریر زور وشور سے جاری ہو اور لوگ متاثر ہو رہے ہوں کہ ایک دم سے ایک عیسائی کھڑا ہوتا ہے اور مجھ کو مخاطب کر کے کہتا ہے کہ مولانا صاحب! یہ جو آپ ہم کو دین کی دعوت دے رہے ہیں تو آپ ہم سے کیا امید رکھتے ہیں، آپ کے نبی کے تیار کیے ہوئے لوگ آپ کے نبی کی آنکھ بند ہوتے ہی پھر گئے، تو پھر آپ ہم سے کیا امید رکھتے ہیں اور ہم پر کیوں محنت کرتے ہو، ہم اگر آج کلمہ پڑھ لیتے ہیں، مسلمان بھی ہو جاتے ہیں تو ہمارا کیا اعتبار۔ ہمارے پاس کوئی جواب نہیں۔ تو جب بقول بعض اثنا عشری علماء کے تین ہی ارتداد سے بچے اور اسلام پر قائم رہے۔ ۲۳ سال کی محنت شاقہ اور موثر تربیت جو خاک کے ذروں کو کیمیا بنادے، اور سونا کیا چیز ہے، اس کو آسمان تک پہنچادے۔ اس ۲۳ سالہ مشقت اور تبلیغ کے بعد نتیجہ صرف یہ ۳ آدمی ہیں، تو آپ ہم کو کس امید اور کس بھروسہ پر دین کی دعوت دے رہے ہیں؟

آپ اس چیز کو ہمیشہ قائم رکھیں، صحابہ کرامؓ کی عظمت و عقیدت، ان کی افضلیت کا عقیدہ، ان کی خلافت کو برحق ماننا اور حضرات سیدنا حسن رضی اللہ عنہ اور سیدنا حسین رضی اللہ عنہ دونوں کے اقدام کو بالکل صحیح سمجھنا اور ان کے لئے دعائے خیر کرنا، اور ان سے محبت کرنا، یہ ہمارا آپ کا شعار ہے، اور اس پر ہم کو فخر ہے، اور ہم اللہ سے دعا کرتے ہیں کہ ہم اس پر زندہ رہیں، اور اسی پر دنیا سے جائیں۔

وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین

دین ایمان کو جسم وجان پر ترجیح دینا ایمانی تقاضا ہے

ہندوستان کے موجودہ حالات میں اسلامی تہذیب وتمدن اسلامی تعلیم وتربیت اسلامی امتیازات وتشخیصات کے لئے جو خطرات پیدا ہو گئے ہیں اور سیکولر اور مشرکانہ نظام تعلیم نے مسلمانوں کے دین وایمان اور تہذیب کے لئے جو مسائل ومشکلات کھڑی کردی ہیں ان کے دفاع کے لئے تیاری اور بیداری وہوشیاری کی جیسی ضرورت اس وقت ہے ویسی شاید کبھی نہ تھی۔

دین وایمان کے لئے اسی سیکولر اور مشرکانہ چیلنج کے جواب ودفاع کے سلسلے میں ہم مخدوم گرامی مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی برحمہ اللہ کی یہ فکر انگیز، ایمان افروز اور دلپذیر تقریر (جو آپ نے دینی تعلیمی کونسل کے اجلاس عام منعقدہ 27 فروری 1983ء بمقام خیر انٹر کالج بستی) فرمائی۔ شائع کرنے کی سعادت حاصل کر رہے ہیں۔

حضرات! اتنی رات ہوگئی ہے اور میں خود اس حال میں ہوں کہ میرا جی چاہا کہ میں دعا پر جلسہ کو ختم کردوں لیکن مجھے ان لوگوں سے شرم آئی جو اس وقت تک بیٹھے رہتے ہیں اور میں ان کے صبر کا زیادہ امتحان لینا مناسب نہیں سمجھتا اس لئے کہ اس کی بھی ایک حد ہوتی ہے اور جو بات توجہ اور شوق کی حالت میں کہی جاتی ہے وہ شوق کے ساتھ سنی جاتی ہے۔ اور اس کا اثر بھی ہوتا ہے تو میں کوئی لمبی تقریر نہیں کروں گا اور آپ تقریریں ہی سنتے رہے ہیں یعنی آپ کو شکایت نہیں ہوگی کہ آپ نے کوئی تقریر نہیں سنی۔ تقریبا ایک دو کو مستثنی کر کے جو صاحب بھی تشریف لائے ہیں انہوں نے پوری پوری تقریر کی ہے۔ اس لئے اب میرا بہت سا کام بلکہ تقریبا پچانوے اور اٹھانوے فیصدی کام اس سے پہلے ہو گیا ہے۔

ایک غلط فہمی کا ازالہ

وانفقوا فی سبیل اللہ ولا تلقوا بایدیکم الی التہلکۃ واحسنوا ان اللہ

یحب المحسنین۔

میں نے آپ کے سامنے قرآن کریم کی ایک آیت پڑھی ہے اس میں اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے اس کا واقعہ یہ ہے جو میں آپ کو پہلے سناؤں کہ ایک موقع پر بعض مسلمان ایسے تھے جو اپنی جان ہتھیلی پر رکھ کر اور اپنے وطن کو خطرہ میں ڈال کر اسلام کی خدمت کر رہے تھے۔ اور بالکل نتائج سے بے پرواہ ہو کر مسلمان تو قرآن پڑھتے ہوئے ہوتے ہی ہیں اور اس زمانہ کے لوگ اور زیادہ پڑھتے ہوئے تھے ان میں کچھ لوگوں کو خیال ہوا کہ فتح مکہ کے بعد اسلام غالب ہو چکا ہے۔ اور اب انفاق مال اور جہاد کی ضرورت نہیں۔ اس لئے ہم لوگوں کو کھیتی باڑی اور تجارت وغیرہ میں لگنا چاہیے۔ اس موقع پر ایک بڑے جلیل القدر صحابی سیدنا حضرت ابوایوب انصاری (جو میزبان رسولؐ اور بقول مولانا شبلی کے میزبان عالم کے میزبان تھے یعنی حضورؐ جو دنیا کے میزبان ہیں۔ جن سے ہماری دنیا کو اسلام اور ہدایت کی نعمت ملی ان کو اللہ تعالیٰ نے آپ کا میزبان ہونے کا شرف عطا فرمایا تھا) وہ برداشت نہ کر سکے۔ انہوں نے کہا کہ لوگو! اس آیت کا مطلب ہم سے پوچھو ہم انصاریوں کے بارے میں یہ آیت نازل ہوئی ہے اور جتنا ہم اس کو سمجھتے ہیں اتنا دوسرا نہیں سمجھتا۔ اس لئے کہ ہم پر گزر چکی ہے اور ہم ہی اس کے اول مخاطب تھے قصہ یہ پیش آیا کہ جب اسلام مدینہ میں آیا اور ہم لوگوں نے اس کے لئے قربانیں دینی شروع کیں اپنا سارا وقت اس کے نذر کیا اپنی ساری صلاحیت توانائی سب کچھ اس کے سپرد کر دیا تو قدرتاً ہمارے کاروبار اس سے متاثر ہونے لگے باغوں کو پانی دینے کا وقت نہیں رہا دکان پر بیٹھنے کا وقت نہیں رہا۔ مکانوں کی تعمیر اور کاروبار کے بڑھانے کا وقت نہیں رہا۔ تو ہمارے ذہنوں میں یہ بات آئی کہ کچھ دنوں تک تو ہم نے آنکھ بند کر کے کام کیا اپنوں کو جھونک دیا لیکن جب مسلمانوں کی تعداد بڑھی اور خدا کے فضل سے ہر محاذ پر اسلام کے سپاہی پیدا ہو گئے تو ہم نے یہ سوچا کہ اب حضورؐ سے کچھ دنوں کی چھٹی لے لیں اور کہیں کہ اب ذرا ہم اپنے کاروبار کو سنبھال لیں۔ اس کے بعد پھر ہم آ کر رہیں گے ہم ہمیشہ کے لئے چھٹی نہیں لے رہے ہیں بس یہ خیال آتا تھا اور ابھی شاید زبان پر بھی یہ بات نہیں آئی تھی اور آپ کی خدمت میں پیش کرنے کی نوبت تو کیا آئی ہوگی۔ اس خیال کا آنا تھا کہ قرآن شریف کی آیت نازل ہوئی کہ اللہ کے راستے میں خرچ کرو اور اس خرچ کرنے کا مطلب یہ نہیں ہے کہ صرف مال خرچ کرو بلکہ جان و

مال سے لے کر وقت اور صلاحیت و توانائی اور توجہ سب صرف کرو اور اپنے آپ کو ہلاکت میں نہ ڈالو اور اپنے کو خندق میں نہ دھکیلو بلکہ پھانسی کے تخت پر نہ چڑھو۔ اور اپنے گلے میں پھانسی نہ ڈالو جب یہ آیت نازل ہوئی تو اس نے ہم کو چونکا دیا۔ یہ آیت کیا تھی ایک کوڑا ایک تازیانہ تھا ہم تڑپ گئے اور بے قرار ہو گئے اور معلوم ہوا کہ اسلام کی خدمت میں اپنے کاروبار سے آنکھیں بند کر لینا خودکشی نہیں ہے بلکہ اسلام کی خدمت کے مقابلے میں اپنے کاروبار کو ترجیح دینا اور اپنے مادی تقاضوں کا زیادہ لحاظ کرنا اور اس سے اسلام کے جو تقاضے ہیں ان کے پورے ہونے میں فرق آئے تو یہ خودکشی ہے۔

اسلام میں انفرادی و اجتماعی دونوں خودکشی حرام ہیں

اور آپ کو معلوم ہے کہ فردی خودکشی بھی اسلام میں حرام ہے۔ یہ مسئلہ سب جانتے ہیں کہ اگر کوئی زہر کھا کر مرنا چاہے خواہ وہ کتنا ہی بیمار ہو اور خواہ اس کو کتنی ہی ناقابل برداشت اذیت اور تکلیف ہو رہی ہو جب اسلام میں اس کو حرام قرار دیا گیا ہے اور کوئی اس کی اجازت نہیں دے سکتا کسی فردی خودکشی کو خواہ وہ بہت ہی اضطراری حالت میں بھی ہو۔ جب بھی اسلام نے حرام قرار دیا ہے۔ تو ایک قوم اور ایک جماعت کی خودکشی کو کیسے جائز قرار دے سکتا ہے؟ اور پھر اس ملت کو جس سے دوسروں کی جان اور زندگی کا مسئلہ وابستہ ہے جو آخری امت اور آخری ملت ہے اور ساری انسانیت کے لئے بڑا سہارا ہے۔ اور اگر وہ ڈوبی تو سارا عالم ڈوب جائے گا اور وہ بچی تو پھر عالم اگر ڈوب رہا ہوگا تو بچ جائے گا اور آج ڈوبے گا تو کل نکل آئے گا اور اللہ تعالیٰ اسی طریقہ سے انسانیت کی گاڑی چلاتا رہے گا لیکن اگر اس امت کا بیڑا غرق ہوا اور اس امت نے اپنے گلے میں پھانسی ڈال کر خود اپنی زندگی ختم کر دی تو یہ اجتماعی خودکشی نہیں قومی خودکشی نہیں بلکہ انسانیت کی خودکشی ہے یہ پورے ملک کی خودکشی نہیں پوری دنیا کی خودکشی ہے۔

ہندوستانی مسلمانوں کی غیرت کا امتحان

تو میرے دوستو اور بھائیو! آپ نے تقریریں اور تجویزیں سنیں آپ نے خطرے سنے اور خطروں کا علاج سنا اب بات یہ ہے کہ کیا دنیا میں کوئی غیرت دار انسان تو الگ ہے کوئی انسان بھی اس کا تصور کر سکتا ہے کہ ایک پوری کی پوری ملت جس نے ہندوستان میں انسانیت اور

اسلام کا پیغام پہنچایا آدمی بنایا اور جس نے توحید کا سبق سکھایا اور جس نے آدمی بن کر زمین
چلنا سکھایا وہ ملت محض اپنے موہوم خطروں کی وجہ سے اور حقیر فائدوں کی وجہ سے اجتماعی خود
اور ملی خودکشی کا ارتکاب کرے۔

ذاتی مفاد کی ترجیح کا رجحان خطرناک ہے

آج مسلمانوں کا مسئلہ یہ ہے کہ وہ خطرے کو سمجھتے ہوئے بھی اپنے ذاتی مفادات
مصلحتوں کو اور آرام اور تن آسانی اور تھوڑی سی آمدنی کو اور تھوڑے سے کیریر اور مستقبل کو
دیتے ہیں یعنی مسلمانوں کے ایمان کی کمزوری یہاں تک پہنچ گئی ہے کہ یہ خطرہ نہیں برداشت
سکتے کہ باپ جا کر کے اسکول میں کہہ دے کہ میرا بچہ اردو کے ذریعے سے تعلیم حاصل کرنا چاہتا
ہے یا اردو پڑھنا چاہتا ہے اس کے اردو پڑھانے کا انتظام کیا جائے اس لئے کہ وہ خود تیار نہیں
ہے اس کا ضمیر تیار نہیں ہے وہ کہتا ہے کہ میرا بچہ اگر ہندی چھوڑ کر اردو پڑھے گا تو اس کا مستقبل
روشن نہیں ہے اور وہ اس کیریئر کو حاصل نہیں کرسکتا وہ اپنے ان ساتھیوں سے جو ہندی
ذریعہ تعلیم حاصل کررہے ہیں یا ہندی ہی پڑھ رہے ہیں ان کے مقابلہ میں پیچھے رہ جائے گا
اس کو بڑی نوکری نہیں ملے گی۔ آپ بتائیے کیا ایمان کے ساتھ یہ بات جمع ہوسکتی ہے۔

غیرت ایمانی کا تقاضا

میں نے صبح کہا تھا کہ ایمان کا تو ادنیٰ تقاضا ہے کہ اگر مسلمان خواب میں بھی سوتے سوتے
دیکھے کہ میرے بچے نے اسلامی اصطلاح کے بجائے غیر مسلموں کی کوئی اصطلاح استعمال
ہے اور کوئی لفظ بول دیا ہے جیسے تبرک کے بجائے کہا پرشاد دیجئے اور میلاد نہیں سمجھتا۔ سیرت
جلسہ نہیں سمجھتا کتھا سمجھتا ہے اور فلاں کا انتقال ہوگیا کے بجائے دیہانت کا لفظ بولتا ہے تو
کوئی مسلمان سوتے سوتے بھی یہ خواب دیکھے اور خواب میں تو آدمی سب کچھ دیکھ لیتا ہے۔
پروا بھی نہیں کرتا لیکن ایمان کا تقاضا یہ ہے کہ اگر وہ اپنے بچہ کی کوئی ایسی آواز سن لے تو چیخ
کے اور رو کر کے وہ اٹھے بھاگے اور دوڑے اور سارا گھر پریشان ہوجائے کہ کیا بات ہے۔ یہ
مصیبت آئی، سانپ نے کاٹ لیا بچھو کہیں اسکے بستر میں تھا اس نے ڈنک مار دیا
کیا؟ تو مسلمان کہے کچھ نہیں ہوا۔ میں نے خواب میں دیکھا اور ظاہر ہے کہ خواب میں آدمی

ب پتھ دیکھتا ہے وہ ہوتا نہیں لیکن

عشق است و ہزار بدگمانی

جب کسی چیز سے محبت ہوتی ہے اور جب کسی چیز کی اہمیت ہوتی ہے تو آدمی اس کے خیال ے بھی پریشان ہو جاتا ہے اور کہیں اس کا وہم بھی آ جائے تو اس سے بھی اس کی چیخ نکل جاتی ے اور اس کی نیند حرام ہو جاتی ہے۔

سلام کے لئے کسی موہوم خطرے کو بھی گوارا نہیں کرنا چاہیے

یہ تھا اسلام کا ابتدائی درجہ کہ مسلمان اپنے بچے کے لئے موہوم سے موہوم خطرہ بھی قبول کرنے کے کو تیار نہ ہو یعنی کفر و شرک کا بت پرستی اور عقائد کی خرابی کا خطرہ اگر یہ بات نہیں ہے تو سچ پوچھیے تو ہمارا ایمان قابل اطمینان نہیں ہے۔ حدیث میں آتا ہے کہ جس شخص میں یہ بات ہوئی اس نے گویا کہ ایمان کا بڑا درجہ پایا تو اس تصور سے کہ وہ پھر کفر کی طرف چلا جائے گا اور اس کا امکان ہے وہ اتنا ڈرے جتنا کہ کسی آدمیکو آگ میں جھونک دئیے جانے سے ڈر معلوم ہوتا ہے کہ جیسے کوئی بہت بڑا الاؤ جل رہا ہو اور اس کے لڑکے کو کوئی لے کر اس میں پھینک دے اس سے کسی ماں باپ کو جو تکلیف ہوگی اور اس کے رونگٹے کھڑے ہو جائیں اور ماں باپ چیخنے لگیں اور ممکن ہے کہ ان کا دم نکل جائے اتنا ہی صدمہ ایک مسلمان کو اپنے بچے کے بارے میں اس خیال اور اس تصور سے کہ یہ بچہ کبھی اسلام کی دولت سے محروم ہو جائے گا۔ اور کبھی ارتداد کے راستے پر پڑ جائے گا۔ ہونا چاہیے کہ یہ ایمان کا ادنیٰ درجہ ہے۔ اور اگر یہ بھی نہیں ہے تو بھائی اپنے اپنے ایمان کی خیر منانی چاہیے چاہے ہم کتنی نمازیں پڑھتے ہوں اور چاہے ہم کیسی ہی مسجدیں بناتے ہوں اور چاہے ہم کتنا ہی صدقہ خیرات کرتے ہوں اور بلکہ میں آگے بڑھ کر یہاں تک کہتا ہوں کہ چاہے ہم دس دس حج کر چکے ہوں صاف صاف سن لیجئے اگر ہم نے حج پر حج کئے اور اگر ہم نے کوئی بڑا عربی کا مدرسہ بھی قائمکر دیا ہے اور ہم بڑے علماء اور اپنے بزرگوں کے بڑے معتقد بھی ہیں لیکن اس کے ساتھ ہم اس کو گوارا کرتے ہیں اور اس کا امکان ہم تسلیم کرتے ہیں کہ ہمارا بچہ اسلام سے بالکل محروم ہو جائے گا کوئی حرج نہیں اس کو بڑی تنخواہ ملے گی وہ بڑے عہدے پر ہوگا تو دین کے ایک طالب علم کی حیثیت میں آپ سے صاف کہتا ہوں کہ یہ حج قیامت کے دن کام نہ آئیں گے اور آپ کو بخشوا نہیں سکیں گے۔

جسمانی موت کے بجائے روحانی موت خطرناک ہے

آپ فرض نمازیں پڑھیں آپ پانچوں وقت کی فرض نمازیں پڑھیں اور سنت مؤکدہ ادا کریں اور اگر آپ پر حج فرض ہے تو ایک مرتبہ آپ حج کرلیں اور اگر زکوۃ آپ پر فرض ہے تو آپ زکوۃ دے دیں اس کے بعد آپ سے کوئی نفلی کام نہ ہوتا ہو آپ کوئی تسبیح نہ پڑھتے ہوں صاف صاف کہتا ہوں اور دین کے ایک نمائندے کی حیثیت سے آپ سے کہتا ہوں لیکن آپ کے دل میں یہ بات بیٹھی ہوئی ہو کہ سب کچھ گوارا ہے یہاں تک ایمان کے تقاضے پر لڑکے کی موت بھی گوارا ہے بہت مشکل سے بہت ہی ناگواری کے ساتھ یہ سخت الفاظ ادا کررہا ہوں لیکن مجھے دین کا جو تھوڑا سا فہم ہے وہ مجھ سے کہلوا رہا ہے اور وہ تھوڑی سی امانت جو میرے سینے میں ہے وہ بلوا رہی ہے تو میں کہتا ہوں کہ اسلام کی علامت یہ ہے کہ آدمی اپنے بچے کی موت کو اس کی جسمانی موت کو اس کی روحانی موت پر ترجیح دے وہ کہے کہ چار مرتبہ اور دس مرتبہ اس پر جسمانی موت طاری ہو جائے لیکن ایک مرتبہ بھی اس پر اعتقادی موت، معنوی موت، انسانی موت طاری نہ ہو جس کی وجہ سے وہ ابدالآباد تک جہنم میں جلتا اور پھنکتا رہے گا اور اس پر عذاب ہوگا۔ بڑے سخت لفظ ہیں۔ بڑی مشکل سے میری زبان سے ادا ہوئے ہیں آپ سے معافی چاہتا ہوں بچوں والی ماؤں سے معافی چاہتا ہوں اور صاحب اولاد والدین سے معافی چاہتا ہوں۔ مگر ایمان کا تقاضا یہ ہے کہ آدمی یہ دعا کرے کہ اے اللہ اگر ایمان سلامت رہنا ہے اگر اس بچے کو اسلام کے راستے پر چلنا ہے اگر اس کو کل حشر کے دن اللہ کے رسول کے سامنے مسلمان بن کر کھڑا ہونا ہے اور ان کی شفاعت کا مستحق ہونا ہے تو اس کو زندہ رکھ ورنہ اس کو دنیا سے اٹھا لے یہ ہے ایمان کا تقاضا۔

ہماری ایمانی حالت قابل تشویش ہے

مگر ہم کس حالت میں ہیں اتنا سا خطرہ ہم نہیں برداشت کر سکتے کہ ہمارے لڑکے کو دو ہزار تنخواہ کے بجائے ڈیڑھ ہزار تنخواہ ملے، اردو سے ہم بیزار ہیں اردو سے ہمارا کوئی تعلق نہیں۔ دینیات سے ہمارا کوئی تعلق نہیں۔ نماز روزے سے ہمارا کوئی تعلق نہیں۔ بنیادی عقائد جو ہیں خدا کی وحدانیت اور توحید اور رسول کی رسالت اور قیامت اور حشر پر ایمان کسی چیز پر نہیں

وابستگی نہیں ہے، ہمیں اس سے کوئی خاص دلچسپی نہیں ہے۔ بس ہمارا بچہ پڑھ لکھ جائے کسی عہدے پر پہنچ جائے حالانکہ اس کے بعد وہ ماں باپ کی کتنی خدمت کرتا ہے اور اس نے کتنا سبق سیکھا تھا۔ ماں باپ کی خدمت کرنے کا آپ نے اس کے دین کو داؤ پر لگا دیا کہ ہمارے کام آئے اور وہ آپ کو ٹھوکر مارتا ہے اور لات مارتا ہے۔

نہ خدا ہی ملا نہ وصال صنم
نہ ادھر کے رہے نہ ادھر کے رہے

یاد رکھئے! اگر آپ نے اپنے لڑکے کی دنیا کو اس کے دین پر ترجیح دی تو اللہ تعالیٰ آپ کو آپ کی زندگی میں دکھا دے گا کہ آپ ترسیں گے اس کے ایک ایک پیسے کو آپ ترسیں گے اس کی روٹی کے ٹکڑے کو آپ ترسیں گے اس سے ایک سلام کو کہ وہ آپ کو سلام کرے یہ خدا کی طرف سے فوری اور پہلی سزا ہے جو دنیا میں ملتی ہے اور جو سزا وہاں ملے گی قرآن نے اس کی بھی وضاحت کر دی ہے کہ وہ اولاد یہ کہے گی کہ۔

ربنا انا اطعنا سادتنا و کبراءنا فاضلونا السبیلا ربنا اٰتھم ضعفین من العذاب والعنھم لعنا کبیرا.

سورہ احزاب میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ قیامت کے دن ایک نسل کی نسل کھڑی ہوگی اولاد کی بچوں کی ایک پلٹن کیا معنی دنیا ہوگی وہ کہہ رہے ہوں گے کہ اے ہمارے پروردگار ہم نے اپنے بڑوں کی اپنے سرداروں کی اپنے ماں باپ کی بات مانی بات ماننے کا کیا مطلب ہے؟ جس راستے پر لگایا ہم لگ گئے تو انہوں نے ہمیں کہیں کا نہیں رکھا۔ ہم دین سے محروم ہو گئے اے اللہ ان کو دو گنا عذاب دے اور اچھی طرح آسمان سے ان پر لعنت کی بارش برسا۔

صاف صاف آپ کو بتا رہا ہوں کہ ایمان کا تقاضا یہ ہے کہ بچہ کی فاقہ کشی بچہ کا ننگا ہونا بچہ کی جیب کا بالکل خالی ہونا اس کا کسی طرح کی عزت و دولت سے محروم رہنا گوارا بلکہ دل سے گوارا اور شکر کے ساتھ گوارا ہو۔ اور یہ گوارا نہ ہو کہ وہ ایمان کی دولت سے محروم ہو جائے اور وہ ارتداد کے راستے پر پڑ جائے دیو مالا کے چکر میں پھنس جائے صاف صاف شرک و بت پرستی پر اس کا یقین ہو جائے۔ اگر یہ نہیں ہے تو اپنے ایمان کی خیر منایئے اور پوچھئے عالموں اور مولویوں

ہے کہ ایمان رہا یا نہیں رہا؟

صحابہ کرامؓ کے ایمان وعمل کے اعلیٰ معیار کی ایک مثال

میں اپنی ماؤں اور بہنوں سے کہتا ہوں کہ حضرت خنساءؓ نے جن کے کئی کئی بیٹے تھے سب کو بلا کر کہا: لڑائی اور جنگ ہو رہی ہے مسئلہ نوکریوں کا نہیں ہے مسئلہ کھانے پینے کا نہیں ہے مسئلہ ہے جان کا جن کے لئے راتوں کو مائیں نیندیں حرام کرتی ہیں اور لئے لئے پھرتی ہیں اور کھانا پینا بھول جاتی ہیں اس اللہ کی بندی اور مومنہ نے اپنے جوان لڑکوں کو بلایا اور کہا کہ دیکھو میں نے تم کو پالا تھا اس دن کے لئے اب وقت آ گیا ہے کہ تم اسلام پر جان دو اللہ کا نام لو اور میدان میں جاؤ اس کے بعد ان لڑکوں کو رخصت کیا گویا کفن پہنا کے رخصت کیا۔ اس کے بعد خبر آتی ہے ایک ایک کی شہادت کی۔ جب آخری لڑکے کی شہادت کی خبر آئی تو کہا

الحمد للہ الذی اکرمنی بشہادتہم۔

میں اس خدا کی شکر گزار ہوں جس نے یہ مرتبہ بڑھایا ان کی شہادت سے اپنے دلوں پر ہاتھ رکھ کر دیکھئے کس میں ہے یہ ہمت آج اس کا موقع نہیں آج یہ نہیں کہا جا رہا ہے کہ بچوں کو میدان جنگ کیلئے رخصت کیجئے کہاں ہو رہی ہے جنگ اور کہاں اس کا موقع لیکن یہ کیا کہا جا رہا ہے کہ بچوں کے ایمان بچانے کے لئے کچھ قربانی دیجئے کچھ ذرا سا ایمان کا مظاہرہ کیجئے جو ایمان کا ہو آپ ثبوت دیجئے کہ اگرچہ معاشی خطرہ ہو عزت کا خطرہ ہو اور اس ملک میں لوگوں کی عزت اس ملت کو حاصل ہے کہ جس میں کوئی بڑا فرق پڑ جانے کا آج کون سا بڑے سے بڑا معزز فرد آپ کے یہاں معزز ہے۔ ملتیں عزت پاتی ہیں کسی اور چیز سے خالی ایک نائب صدر جمہوریہ ہو جائے اور کوئی بھی صدر جمہوریہ بھی ہو جائے تو اس سے ملت کو عزت نہیں ملا کرتی۔ تو وہ کون سی عزت ہے جس میں فرق پڑنے کا اندیشہ ہے اور افراد کی عزت کوئی حیثیت نہیں رکھتی جب جماعت معزز ہوتی ہے تو افراد بھی معزز ہوتے ہیں انگریز یہاں جب صاحب اقتدار تھا تو اس کی فوج کے گورے جن کو ہم لوگ بچپن میں کہا کرتے تھے کہ یہ صاحب لوگ ہیں آج انہیں کوئی پوچھتا بھی نہیں کہاں گئے وہاں انگریز کا وہ کروفر تھا کچھ کروفر نظر نہیں آتا۔ لیکن جب یہاں ان کا اقتدار تھا تو ایک معمولی سا ایک تھوڑی سی تنخواہ پانے والا ایک گورا جس کو دو حرف انگریزی کے پڑھنے نہیں آتے تھے وہ بھی بادشاہ بنا ہوا تھا۔ ملتوں کو عزت ملتی ہے ان کے

کردار سے ان کی قربانیوں سے ان کی طاقت وحکومت سے وہ کون سی عزت ہے جس کو بٹہ لگ جائے یا بڑا فرق آجائے گا یہ کہ لڑکا فوراً کمپیٹیشن میں آجائے آئی اے ایس میں آجائے۔ پولیس میں آجائے اس خطہ کو بھی اور اس میں ذرا سا بھی کچھ فرق پڑتا ہو اس کو اگر آپ نہ برداشت کرسکیں تو پھر وہ ایمان کہاں ہے؟ پھر تو ایمان خالی اس کے لئے ہے کہ آپ ایمان کا دعویٰ کرتے رہیں اور ایمان ایمان کہتے رہیں۔

کم از کم ایمان کا ادنیٰ تقاضا پورا کریں

مسئلہ یہ ہے کہ اپنے بچوں کے ایمان کو بچانے کیلئے آپ کہاں تک ان تجاویز پر عمل کریں گے۔ اور کہاں تک آپ اس دینی تعلیمی کونسل اور اپنے اپنے ضلع کی انجمن تعلیمات دین کی دعوت بلکہ اس کی درخواست کو قبول کریں گے۔ بس یہ ہے اور میں اسی پر ختم کرتا ہوں زیادہ گنجائش نہیں ہے تقریر کی اور یہ بھی جو کچھ میں نے کہا یہ بھی ایک جذبے نے کہلوایا۔ ورنہ وقت میں نہ اس کی گنجائش ہے اور نہ میری صحت ہی اس کی متحمل ہے کہ ہماری مائیں بہنیں اور خواتین جو پس پردہ ہیں وہ اور جو بھائی سامنے بیٹھے ہوئے ہیں وہ فیصلہ کریں اور یہ بات اپنے دل میں لے کر جائیں یہاں سے آج صبح سے جو کانفرنس ہو رہی ہے اور مجلسیں ہو رہی ہیں ان سب کا پیغام یہی ہے کہ ایمان کی قدر کریں، ایمان کی قیمت پہچانیں ایمان کا بالکل ابتدائی اور ادنیٰ تقاضا پورا کریں وہ یہ کہ ہر قیمت پر اپنی اولاد کے ایمان کو بچانا ہے اور اپنی نسل کو مسلمان رکھنا ہے اس کے لئے جو بڑے سے بڑا مطالبہ ہو اسے ہر حال میں پورا کریں۔

سنت یعقوبی کو زندہ کرنے کی ضرورت ہے

ایک بات جو اصل لب لباب اور نچوڑ ہے ساری باتوں کا وہ یہ ہے کہ ہر حال میں اپنی آئندہ نسل اور بچوں کی شکل میں اللہ نے آپ کو جو نعمت عطا فرمائی ہے اللہ کی اس نعمت کا شکریہ ہے کہ ان کو اسلام پر قائم رکھنے کی آپ پوری کوشش کریں۔ دعا کریں جدوجہد کریں، قربانی جو دینے کا وقت آئے تو قربانی دیں اور کم سے کم اپنے ارادے سے اور اپنی مرضی سے انہیں اسلام سے ناآشنا نہ ہونے دیں۔ اس کے بعد ان کی قسمت اور اللہ کا ارادہ وہ غالب ہونے والا ہے اور اللہ کا فیصلہ ہی اصل ہے جسے نہ آپ روک سکتے ہیں اور نہ ہم روک سکتے ہیں اور جب نبی نہیں

رواں سکے وہ ایک اپنے والد کو راستہ پر نہ لا سکے اور ایک اپنے بیٹے کو اسلام کے سایہ میں نہ لا سکے تو ہم اور آپ کیا ہوتے ہیں یہ تو ہے اللہ تعالیٰ کا منشاء اور اس کی مرضی۔

لیکن ہمارے آپ کے کرنے کا کام یہ ہے کہ جو کچھ بھی ہم سے ہو سکے گا ہم اپنی پوری طاقت اس پر لگا دیں گے کہ ہمارے جیتے جی یہ خطرہ نہ ہو جیسے کہ حضرت یعقوب علیہ السلام نے اپنے انتقال سے پہلے اپنے بچوں، پوتوں اور نواسوں کو جمع کیا اور کہا کہ اے میرے بیٹو! یہ بتاؤ کہ تم میرے بعد کس کی عبادت کرو گے؟

ام كنتم شهداء اذ حضر يعقوب الموت اذ قال لبنيه ماتعبدون من بعدى قالوا نعبد الهك واله ابائك ابراهيم و اسمعيل واسحق الها واحدا ونحن له مسلمون.

کیا تم خود (اس وقت) موجود تھے جس وقت یعقوب علیہ السلام کا آخری وقت آیا (اور) جس وقت انہوں نے اپنے بیٹوں سے پوچھا کہ تم لوگ میرے (مرنے کے بعد) کس چیز کی پرستش کرو گے۔ انہوں نے (بالاتفاق) جواب دیا کہ ہم اس کی پرستش کریں گے جس کی آپ اور آپ کے بزرگ (حضرت) ابراہیم و اسماعیل و اسحاق پرستش کرتے آئے ہیں یعنی وہی معبود جو وحدہ لاشریک ہے اور ہم اس کی اطاعت پر (قائم) رہیں گے۔ (البقرہ رکوع ۱۶)

دیکھو میرے بیٹو! اے میرے پوتو! اے میرے نواسو! میری پیٹھ قبر سے نہیں لگے گی زمین سے نہ لگے گی جب تک کہ مجھے یہ اطمینان نہ ہو جائے کہ میرے بعد تم کس راہ پر چلو گے؟ اور کس کی تم عبادت کرو گے۔

ماتعبدون من بعدى؟ قالوا نعبد الهك واله ابائك ابراهيم و اسماعيل و اسحق الها واحدا ونحن له مسلمون.

وہ نبی کی اولاد تھی۔ انہوں نے کہا کہ ابا جان، دادا جان، نانا جان آپ کیوں گھبراتے ہیں آپ نے جو ہمیں سبق پڑھایا ہے اس کو ہم لوگ بھولیں گے نہیں ہم آپ کے اور آپ کے والد حضرت اسحاق آپ کے چچا حضرت اسمٰعیل اور آپ کے دادا حضرت ابراہیم کے بتائے ہوئے راستہ پر چلیں گے۔ اور اسی خدائے واحد کی ہم پرستش کریں گے۔ تب جا کر حضرت یعقوب علیہ السلام کو اطمینان ہوا انہیں انہوں نے یہ نہیں کہا کہ دیکھو بیٹو! فلاں جگہ میں نے پیسے

کار دیئے تھے فلاں پر میرا اتنا قرضہ ہے فلاں جگہ اتنی زمین چھوڑ کر جا رہا ہوں اتنے کھیت چھوڑ کر جا رہا ہوں یہ تم سب لے لینا یہ بھی نہیں کہا کہ محبت اور اتحاد کے ساتھ رہنا۔ جیسے بہت سے مشفق باپ کہتے ہیں کچھ نہیں کہا ایک بات ہی کہ ماتعبدون من بعدی؟ یہ نبی کا اسوہ ہے اور یہی ہمیں تعلیم دی گئی ہے بس میں اس پر ختم کرتا ہوں اور دعا کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ ہمیں ایمان کی قدر نصیب فرمائے اور ان خطروں کا احساس کہ جو اس کے نہ ہونے سے اللہ اور رسولؐ نے بیان کئے ہیں اور قرآن میں صاف صاف کہہ دیا گیا ہے۔

یاایھا الذین امنو اقوا انفسکم واھلیکم نارا وقودھا الناس والحجارۃ علیھا ملائکہ غلاظ شداد لایعصون اللہ ماامرھم ویفعلون مایومرون.

اے ایمان والو! تم اپنے کو اور اپنے گھر والوں کو (دوزخ کی) اس آگ سے بچاؤ جس کا ایندھن (اور سوختہ) آدمی اور پتھر ہیں جس پر تندخو (اور) مضبوط فرشتے (متعین) ہیں جو خدا کی (ذرا) نافرمانی نہیں کر سکتے۔ کسی بات میں جو ان کو حکم دیتا ہے اور جو کچھ ان کو حکم دیا جاتا ہے اس کو (فورا) بجالاتے ہیں۔ (پ۲۸ التحریم رکوع ۲)

اے ایمان والو! بچاؤ اپنی جان کو بھی اور اپنے گھر والوں کو بھی ایسے دوزخ کی آگ سے کہ جس کا ایندھن آدمی اور پتھر ہیں اللہ تعالیٰ ہمیں اور آپ کو توفیق دے کہ ایمان کی جو دولت محض اپنے فضل اور بندہ نوازی سے اپنے نبیوں اولیاء اللہ اور اپنے مقبول بندوں کے ذریعہ بغیر محنت کے نصیب فرمادی ہے ہم اس کو قائم رکھیں اور اپنی زندگی میں بھی اور اپنی اولاد کے لئے بھی ہم اس کو محفوظ کر جائیں اپنی حد اور اپنی دانست تک اس کے بعد اللہ کو جو منظور ہے وہ ہوگا اللہ ہمارے ایمانوں کی حفاظت فرما اور ہمیں جب تک زندہ رکھ اسلام کے صراط مستقیم پر قائم رکھ اور جب اٹھا دنیا سے تو ایمان کے ساتھ اٹھا اور ہمارے بچوں کو بھی اے اللہ ایمان سے وابستہ رکھ اور اس راستے پر چلاتا رہ جو تیرے پیغمبر نے بتایا اور جو تیرے نبی لے کر آئے اور ایمان کے ساتھ ان کو دنیا میں بھی قائم رکھ اور ایمان کے ساتھ ان کو اٹھا بھی اور ایمان کے ساتھ ان کا حشر بھی فرمائی۔

ربنا تقبل منا انک انت السمیع العلیم وتب علینا انک انت التواب الرحیم.

ایمان اور اس کی قیمت

یہ تقریر تقی مہاجرین سے ایک اجتماع میں ۳۱ [illegible] بعد نماز ظہر عیدگاہ میدان کی مسجد میں کی گئی جس میں مسلمانوں کو ایمان کی حقیقت سے روشناس کرایا گیا ہے۔

الحمد لله نحمده و نستعينه و نستغفره و نؤمن به و نتوكل عليه و نعوذ بالله من شرور انفسنا و من سيات اعمالنا من يهده الله فلا مضل له و من يضلل الله فلا هادی له ونشهد ان لا اله الا الله وحده لاشريک له و نشهد ان سيدنا ومولانا محمدا عبده و رسوله صلى الله تعالى عليه و على آله واصحابه اجمعين اما بعد فاعوذ بالله من الشيطان الرجيم بسم الله الرحمن الرحيم.

فاستجاب لهم ربهم انی لا اضيع عمل عامل منكم من ذكر او انثى بعضكم من بعض فالذين هاجروا واخرجوا من ديارهم واوذوا فی سبيلی و قتلوا و قتلوا لاكفرن عنهم سياتهم ولا دخلنهم جنت تجری من تحتها الانهار ثوابا من عند الله ، والله عنده حسن الثواب.

تو ان کے پروردگار نے ان کی توبہ قبول کر لی (اور فرمایا) کہ میں کسی عمل کرنے والے عمل کو مرد ہو یا عورت ضائع نہیں کرتا، تم ایک دوسرے کی جنس ہو تو جو لوگ میرے لئے وطن چھوڑ گئے اور اپنے گھروں سے نکالے گئے اور ستائے گئے اور لڑے اور قتل کئے گئے میں ان کے گناہ دور کر دوں گا اور ان کو بہشتوں میں داخل کر دوں گا جن کے نیچے نہریں بہہ رہی ہیں (یہ) خدا کے یہاں بدلہ ہے اور خدا کے یہاں اچھا بدلہ ہے۔

وطن مانوس چیزوں کا مجموعہ ہے

میرے عزیز بھائیو! مجھے بڑی خوشی ہے کہ میں آج اپنے مہاجر بھائیوں سے ایک جگہ مل رہا ہوں، یہ ملاقات تمام سیاسی، معاشی، ملکی اغراض ومفادات سے بالکل الگ ہو کر اللہ اور اس

کے رسول کی محبت اور اسلام کے رشتہ سے ہے اور یہ موقع قسمت سے نصیب ہوتے ہیں۔

بھائیو! وطن کیوں وطن ہوتا ہے اور فارسی کے ایک شاعر نے کیوں کہا ہے؟

خاک وطن از ملک سلیمان خوشتر
خار وطن از سنبل و ریحان خوشتر

وجہ یہ ہے کہ وطن مانوس چیزوں کا مجموعہ ہوتا ہے جن جن چیزوں سے آدمی کو انس ہوتا ہے وہاں سب جمع ہوتی ہیں وہاں اس کا بچپن گزرتا ہے، جوانی کے دن بیتے ہوتے ہیں وہاں کی پیدائش ہوتی ہے، وہاں کی گلیوں میں وہ چلا پھرا ہوتا ہے، وہاں کے باغوں، اور وہاں کی کلیوں میں کھیلا ہوتا ہے وہ وہاں کے ذرہ ذرہ چپے چپے کو پہچانتا ہے اور اسے اس کو انس ہوتا ہے۔ اور پھر وہاں اس کے اسلاف دفن ہوتے ہیں، وطن اور پردیس میں یہی فرق ہے کہ وطن میں اسباب انس اور انس کے مرکز بڑی تعداد میں جمع ہوتے ہیں، اس لئے حضرت بلالؓ جب مکہ معظمہ سے مدینہ منورہ ہجرت کر گئے، وہاں ان کے محبوب بلکہ محبوب رب العالمین موجود تھے اللہ نے ان کو ایسی عزت بخشی کہ ان کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور آپ کی مسجد کا موذن بنا دیا لیکن کبھی کبھی وہ بھی کہہ اٹھتے تھے۔

الا لیت شعری هل ابیتن لیلة
بواد وحولی اذخر و جلیل

(کیا کوئی ایسی رات بھی آئے گی کہ میں ایک ایسی وادی میں رہوں گا جہاں میرے گرد و پیش مکہ کی گھاس پھوس ہوگی)

ایمان کی حفاظت کیلئے ہر چیز کو قربان کرنے کی ضرورت

میرے بھائیوں خود حضور صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے ہجرت میں مکہ سے چلتے وقت بیت اللہ کی طرف سر اٹھا کر فرمایا کہ میں تجھ کو کبھی نہ چھوڑتا، لیکن یہاں کے لوگ مجھے نکالتے ہیں اور یہاں دین پر قائم رہنا مشکل ہے۔

لیکن اس کے باوجود اللہ کے بندوں نے دین کی خاطر ایسے عزیز وطن کو خیر باد کہا، بہت سے لوگوں نے عمر بھر کا جمع کیا ہوا سرمایہ اور زندگی بھر کی پونجی چھوڑی اور اپنے بال بچوں کو بھی خیر آباد کہا، حضرت ابو سلمہؓ جب ہجرت کرنے کیلئے نکلے تو ان کے ساتھ ان کی رفیقہ حیات تھیں

(جو بعد میں امہات المومنین میں شامل ہوئیں) ام سلمہ کے قبیلہ بنی المغیرہ نے حضرت ابو سلمہ کے اونٹ کی نکیل پکڑ کر کہا کہ تم کہاں جارہے ہو؟ تم نے اپنا دین بدلنے کا فیصلہ کر لیا ہے لیکن ہماری بیٹی کو تم کیسے لے جاسکتے ہو۔ یہ تو ہماری بیٹی ہے انہوں نے کہا کہ اگر میں اس کو چھوڑ دوں تو تم لوگ مجھے جانے دو گے؟ انہوں نے کہا ہاں جانے دیں گے، ابو سلمہؓ نے بیوی کو سلام کیا اور کہا خدا کے حفظ و امان میں تمہیں اور بچہ کو دیا، میں تو ایمان بچانے کیلئے جارہا ہوں مجھے ایمان تم سے زیادہ پیارا ہے۔ انہوں نے بھی خوشی سے کہا خدا حافظ! اگر اللہ کو ملانا منظور ہے تو پھر ملیں گے حضرت ام سلمہؓ کی گود میں بچہ تھا، ابو سلمہ کے قبیلہ بنو الاسد کے لوگ آگئے۔ انہوں نے کہا کہ ہم اپنے قبیلہ کے بچہ کو ماں کے پاس رہنے نہیں دیں گے، انہوں نے اس معصوم کو اس زور سے چھینا کہ اس کا ہاتھ اتر گیا، اور وہ اس کو لے کر چلتے بنے۔ اس کے بعد ام سلمہؓ کا حال یہ تھا کہ جہاں سے ان کی جدائی ہوئی تھی، وہاں آکر اس واقعہ کو یاد کر کے روتی تھیں۔ اس پر ایک سال بیت گیا، آخر ان کے قبیلہ کے ایک شریف طبیعت آدمی کو ترس آگیا اس نے کہا کہ یہ بے زبان عورت یہاں آکر روتی ہے، آنسو بہاتی ہے، اپنے شوہر کو یاد کرتی ہے، آخر یہ کیا ظلم ہے یہ کیا سنگدلی ہے۔ ایک بھلا مانس اور خدا کا شریف بندہ تیار ہوا اور کہا کہ بہن ہم تمہیں مدینہ پہنچا دیں گے، بنو الاسد کو بھی رحم آیا اور بچہ کو ماں کے حوالے کیا وہ کہتی تھیں کہ ایسا شریف آدمی تھا کہ مجھ کو کوئی ضرورت ہوتی تھی تو خود پہلے اتر جاتا تھا اور الگ ہو جاتا تھا اس نے راستہ بھر میری طرف نظر اٹھا کر نہیں دیکھا۔

اس کے بعد پھر صہیب رومی کا واقعہ یاد کیجئے وہ مکہ کے بہت بڑے کاریگر اور دستکار تھے جب وہ چلنے لگے تو کفار نے ان کا راستہ روک دیا، انہوں نے کہا کہ صہیب تم کہاں جارہے ہو؟ کہا بھائی ہم دین و ایمان بچانے کیلئے جارہے ہیں جہاں اللہ کا نام آزادی کے ساتھ لے سکیں، وہاں ہم چلے جائیں گے ان لوگوں نے کہا اچھا تم مدینہ جاسکتے ہو، لیکن تم نے ہمارے شہر میں رہ کر جو کمائی کی ہے اس کو تمہیں لے جانے کا کیا حق حاصل ہے یہ ہمارا مال ہے تم نے یہاں رہ کر حاصل کیا اور کمایا اب تم تو جارہے ہو مگر ہم تم کو یہاں کا پیسہ لے جانے کی اجازت نہیں دیں گے۔ انہوں نے کہا تمہارا مال تم کو مبارک ہو، میں اپنی جھولی خالی کر کے سب تم کو دے جاؤں، تب تو تم خوش ہو؟ انہوں نے کہا ہاں، کہا یہ لو "لے جاؤ"! تمام پونجی دے کر اللہ کا شکر ادا کرتے

ہوئے وہاں سے چلے گئے، حضور صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے فرمایا صہیب نے بڑی کمائی کی، وہ نقصان میں نہیں رہے۔

راہ خدا میں سر دھڑ کی بازی لگانے کی ضرورت

آپ سب جانتے ہیں کہ دین وایمان کیلئے پہلے لوگوں نے جان دی، جان سے بڑھ کر کوئی چیز قیمتی نہیں اس کے بعد وطن چھوڑا، دولت چھوڑی، اور بہت سے لوگوں نے حکومت بھی چھوڑی ہے، ایسے اللہ کے بندے بھی گزرے ہیں جو ولی عہد تھے، شہزادے تھے، ان کو امارات وریاست حاصل تھی، لیکن ان کا دل مطمئن نہیں تھا وہ سمجھتے تھے کہ اس میں بہت غلط کام کرنے پڑتے ہیں، ہمیں آخرت کی جو تیاری کرنی چاہئے وہ تیاری یہاں رہ کر نہیں ہو سکتی، حضرت ابراہیم بن ادھم رحمۃ اللہ علیہ کا نام آپ نے سنا ہوگا، وہ بھی ایسے ہی تھے اور کئی ایسے بزرگ تھے، رکن الدین علاء الدولہ سمنانی، سید اشرف جہانگیر سمنانی بھی ایران میں امرات وریاست کے مالک تھے، اور اس کو لات مار کر آئے اور راہ خدا میں نکل کھڑے ہوئے، اور کہا کہ ہم معرفت حاصل کریں گے اور اسکی رضا کیلئے سر دھڑ کی بازی لگا دیں گے۔

بھائیو! آپ لوگوں نے اپنا وطن چھوڑا، آپ کو مبارک ہو، اللہ تعالی اصل میں یہ دیکھتا ہے کہ میرے بندے نے کس چیز کو کس کیلئے چھوڑا ہے، چیزوں کو چھوڑنے والے تو دنیا میں بہت ہیں، ہم آپ صبح وشام روزانہ اخذ وترک کا یہ عمل کرتے رہتے ہیں، مثلاً آپ بازار گئے، آپ نے کوئی سودا خریدا، آپ نے کچھ پیسے چھوڑے، لیکن آپ نے کچھ پیسے دیئے ترکاری لی، آپ نے دام دیکر کپڑا خریدا، دفتر جاکر کوئی کام کرایا یہ چھوڑنے اور لینے کا معاملہ تو انسان کی زندگی میں صبح شام ہوتا رہتا ہے۔ لیکن دیکھنے کی چیز یہ ہے کہ کسکو چھوڑا اور کس کے لئے چھوڑا؟ اللہ تعالی اس کو دیکھتا ہے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام اپنی بیوی ہاجرۃ اور اپنے شیر خوار بچہ اسماعیل علیہ السلام کو مکہ میں چھوڑ کر چلنے لگے، حضرت ہاجرۃ نے کہا ہم کو کس پر چھوڑ کر جا رہے ہیں؟ کہا اللہ نے حکم دیا ہے، حضرت ہاجرہ نے کہا کہ پھر ہمیں کوئی فکر نہیں، اگر اللہ کے حکم سے ہم کو چھوڑ کر جا رہے ہیں تو ہمیں کوئی ڈر نہیں ہے، دیکھئے اللہ نے اس عمل کو کیسا قبول کیا کہ ساری دنیا وہیں جاتی ہے، اور کتنے شوق سے جاتی ہے، اڑ کر جانا چاہتی ہے، چاہتی ہے کہ پر لگ جائیں اور ہم وہاں پہونچ جائیں، حضرت ابراہیم علیہ السلام اپنا وطن چھوڑ کر حضرت ہاجرہ علیہا السلام کو وہاں

لے گئے تھے، تو اللہ تعالی ہزاروں لاکھوں آدمیوں کو وہاں لے جاتا ہے، اور وہاں دوڑاتا ہے، پھراتا ہے، حضرت ہاجرہ علیہا السلام حضرت اسماعیل علیہ السلام کے لئے پانی کی تلاش میں صفا سے مروہ تک اور مروہ سے صفا تک دوڑی تھیں، تو اللہ تعالیٰ بڑے بڑے سلطان وقت اور امام عصر کو بھی وہاں دوڑاتا ہے اور کہتا ہے کہ ہاجرہ کی یہ ادا ہمیں پسند آئی، اس لئے تم بھی اسی طرح یہاں دوڑو، جہاں وہ تیز چلنے لگی تھیں، وہاں حکم ہوا کہ تیز چلو، جہاں وہ آہستہ چلیں تمہیں وہاں حکم ہوا کہ آہستہ چلو، آپ میں سے جو لوگ وہاں گئے ہیں، وہ یہ منظر دیکھ چکے ہیں۔

میرے بھائیو! دیکھنے کی اصل چیز یہ ہے کہ کیا چیز چھوڑی اور کس کے لئے چھوڑی؟ کیا چھوڑا، اس کی اہمیت تو ایسی نہیں ہے، لیکن کس کے لئے چھوڑا اس کی اہمیت بہت ہے، میری محبت میں چھوڑا، میرے نام پر چھوڑا، اللہ کو اس پر پیار آتا ہے، اگر سلطنت چھوڑی لیکن کسی اور مقصد کے لئے چھوڑی تو اللہ کے یہاں اس کی قدر نہیں، اگر پیسہ چھوڑا لیکن اللہ کے نام پر چھوڑا، اور اللہ کی محبت میں چھوڑا، تو اللہ کے یہاں اس کی بڑی قدر ہے، تو اصل چیز دیکھنے کی یہ ہے کہ آپ نے اپنا وطن کس چیز کے لئے چھوڑا؟ ہم کو جہاں تک معلوم ہے، آپ نے اپنا ایمان بچانے کے لئے چھوڑا، اور ایمان ایسی چیز ہے کہ آدمی کو دور سے بھی دھوکا ہو کہ ایمان کیلئے خطرہ ہے تو وہ چیخ مار کر رونے لگے، حدیث میں آتا ہے کہ تین باتیں وہ ہیں کہ اگر آدمی ان کو جمع کر لے تو اس نے ایمان کی صفات کو جمع کر لیا، اس میں سے ایک یہ ہے **"من يكره ان يعود الى الكفر كمايكره أن يقذف في النار"** اس تصور سے کہ میں کفر کی طرف لوٹ جاؤں، اسے ایسی وحشت ہو کہ جیسے اس کو آگ میں ڈالے جانے پر وحشت ہوتی ہے۔

آئندہ نسل کی سلامتی کے لئے لائحہ عمل

میرے بھائیوں، دوستوں! ٹورنٹو، کناڈا میں میری ایک تقریر ہندوستانی، پاکستانی مسلمانوں کے اور عربوں کے اجتماع میں ہوئی تھی، میں نے اس میں کہا، دیکھو بھائیو! اگر تم کو یہ معلوم ہو جائے کہ آئندہ ہمارے نسل کا اسلام پر باقی رہنا مشکوک ہے، اور اس کا ایمان خطرہ میں ہے تو میں تم کو فتوی دیتا ہوں کہ چاہے تم کو اپنے وطن تک پیدل جانا پڑے تم کو یہاں سے چلا جانا چاہئے، ساری ملازمتیں، عہدے اور ساری ترقیاں چھوڑ کر تم کسی اسلامی ملک کی طرف کوچ کرو اور چلے جاؤ، ہم تو مسلمان ہیں، جیسے ہمارے عزیز نے بیان کیا، لیکن آئندہ نسلوں

کے بارے میں اطمینان نہیں، ہمارے بیٹے، پوتے بھی اسلام پر قائم رہیں گے، یا نہیں؟ اب اگر تم کو خطرہ ہو کہ تمہاری اولاد، خدانخواستہ ارتداد میں مبتلا ہو جائیں گی تو تمہارے لئے وہاں رہنا حرام ہے۔ اس لئے کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:۔

ان الذین توفهم الملئکة ظالمی انفسهم قالوا فیم کنتم قالوا کنا مستضعفین فی الارض، قالوا الم تکن ارض الله واسعة فتهاجروا فیها

جو لوگ اپنی جانوں پر ظلم کرتے ہیں، جب فرشتے ان کی جان قبض کرنے لگتے ہیں تو ان سے پوچھتے ہیں کہ تم کس حال میں تھے، وہ کہتے ہیں کہ ہم ملک میں عاجز و ناتواں تھے، ان فرشتے کہتے ہیں کیا خدا کا ملک فراخ نہیں تھا؟ کہ تم اس میں ہجرت کر جاتے

آگے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

فاولئک ماویٰهم جهنم وساءت مصیرا (النساء۔۹۷)

ایسے لوگوں کا ٹھکانا دوزخ ہے، اور وہ بری جگہ ہے۔

خدا کا شکر ہے کہ میری اس بات کو انھوں نے آج تک یاد رکھا ہے، وہاں سے جو لوگ آتے ہیں، کہتے ہیں کہ آپ کی وہ تقریر ہمارے کانوں میں آج تک گونج رہی ہے، کسی نے سنایا کہ جنوبی افریقہ میں ہم موٹر پر جا رہے تھے، لوگوں نے ٹیپ ریکارڈ چالو کر دیا، ٹیپ پر آپ کی آواز تھی، اور آپ کہہ رہے تھے کہ ”اگر یہاں تمہاری اولاد کا اور آئندہ نسل کا اسلام پر قائم رہنا مشکل ہو تو تمہارے لئے اس سرزمین پر رہنا ایک دن بھی جائز نہیں، چاہے تم پر آسمان سے سونا برسے، چاہے زمین سونا اگل دے“۔

تبتی مسلمانوں کیلئے ایک لمحہ فکریہ

اللہ تعالےٰ ان بزرگوں کو اگر وہ دنیا میں نہیں ہیں تو جنت میں اعلیٰ سے اعلیٰ مقام عنایت فرمائے، اور اگر زندہ سلامت ہیں، تو اللہ ان کی زندگی میں برکت دے، مجھے یقین ہے کہ انھوں نے تمہارے ایمان کو بچانے کے لئے اتنی بڑی قربانی دی ہے، اللہ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام کی ہجرت کے عمل کو ایسا قبول کیا کہ اس کے نام سے مستقل جنتری (تقویم) قائم فرما دی۔ یہ بھی حسن اتفاق ہے کہ کل ۱۴۰۲ھ کا پہلا دن تھا، اس سال کا پہلا دن ہمیں مہاجرین کے درمیان نصیب ہوا ہے، جو ہجرت سے شروع ہوتا تھا، میرا یہ مشورہ دینے کا جی چاہتا ہے کہ

ایک "وصلی" بنائے اردو یا تبتی رسم الخط میں اس پر خوش خط حروف سے لکھیں "ہم نے وطن کیوں چھوڑا؟" "ہم نے تبت (Tibbet) کیوں چھوڑ دیا؟" ایک سوالیہ نشان، تو جس شخص کی نظر اس پر پڑے گی وہ یاد کرے گا کہ ہمارا وطن ہم کو کاٹ نہیں رہا تھا، ہمارا وطن ایسا برا بھی نہیں تھا کہ وہاں رہنا دوبھر ہو، ہم نے وطن چھوڑا ایمان کی خاطر، سوالیہ نشان اس کے دل میں چبھے، اور اس سے پوچھے کہ تم نے وطن کیوں چھوڑا تھا؟ اس کا جواب دل و دماغ دیں کہ ہم نے ہجرت کی تھی، اپنا اور اپنے بچوں، عورتوں، بیٹوں، پوتوں، نواسوں، پوتیوں اور ان کی اولاد کا ایمان بچانے کے لئے، آپ یہ کبھی نہ بھولیں، ورنہ تھوڑے دنوں کے بعد لوگ بھول جاتے ہیں، بہت سے لوگ بھول گئے کہ ہمارے آباؤ اجداد یہاں کیوں آئے تھے، ان کو کیا مجبوری پیش آئی تھی؟ پھر سب ایک ہی رنگ میں رنگ جاتے ہیں، کھانے کمانے میں لگ جاتے ہیں، پھر نمازیں بھی چھوٹ جاتی ہیں، اور دینی تعلیم کا بھی سلسلہ ختم ہو جاتا ہے، خدا کی یاد بھی فراموش ہو جاتی ہے، وہاں کے نظام میں ڈھلے ڈھلائے پرزوں کی طرح فٹ ہو جاتے ہیں، میں چاہتا ہوں کہ کوئی بات ایسی کیجئے کہ آپ ہمیشہ چونکتے رہیں اس کو دیکھ کر، وہ چیز آپ کو کاٹتی رہے، اور آپ کو غافل نہ ہونے دے، یا یہ کہ آپ وقتاً فوقتاً اجتماع کیجئے اس میں یہ بات یاد دلائیے، میں یہ نہیں کہتا کہ یہی ایک طریقہ ہے کہ کوئی چیز لکھ کر لگا دیں، کچھ دنوں کے بعد اس کی عادت پڑ جاتی ہے، پھر ایک اور چیز چاہئے، پھر وہ بھی مانوس ہو جاتی ہے، پھر اس کے لئے کوئی تیسری چیز چاہئے، آپ دیوار پر چاہے نہ لکھے اپنے دل پر لکھے کہ ہم نے تبت کیوں چھوڑا تھا؟ ہم نے اپنا محبوب اور عزیز وطن کیوں چھوڑا تھا؟ سب کچھ برداشت کیجئے، اپنے ایمان کا نقصان برداشت نہ کیجئے، جس کے لئے آپ نے اپنا وطن چھوڑا تھا۔

ان فی ذلک لذکری لمن کان له قلب او القی السمع وهو شهید .

(ق۔۳۷)

جو شخص دل (آگاہ) رکھتا ہے، یا دل سے متوجہ ہو کر سنتا ہے، اس کے لئے اس میں نصیحت ہے۔

و آخر دعوانا ان الحمد لله رب العالمین

انسانیت کی سب سے بڑی ضرورت
عقیدہ، عمل اور دعوت

> مرکز اصلاح وتبلیغ کے زیر اہتمام ۱۱ فروری ۱۹۵۶ء کو میونسپل پارک لال باغ لکھنؤ میں ایک جلسۂ عام منعقد ہوا تھا جس میں غیر مسلم بھی موجود تھے، اس جلسہ میں حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندوی نور اللہ مرقدہ نے یہ چشم کشا اور موثر تقریر فرمائی تھی، افادہ عام کی غرض سے ہم اس تقریر کو ہدیہ ناظرین کر رہے ہیں

الحمد لله نحمده و نستعينه و نستغفره و نو من به و نتو كل عليه و نعوذ بالله من شرور انفسنا و من سيات اعمالنا من يهده الله فلا مضل له و من يضلل الله فلا هادى له ونشهد ان لا اله الا الله وحد ه لاشريک له و نشهد ان سيد نا ومولانا محمد ا عبده و رسوله صلى الله تعالى عليه و علىٰ آله واصحابه اجمعين اما بعد فاعوذ بالله من الشيطان الرجيم بسم الله الرحمن الرحيم.

اللہ تعالیٰ نے انسان کو دنیا میں زندگی گزارنے کیلئے پیدا کیا اور اس کی ضروریات کو اس دنیا میں بڑی فیاضی اور فراوانی اور افراط کے ساتھ پیدا فرمایا، انسان کی ضروریات کیا ہیں اور ان کا سامان کس طرح کیا گیا ہے یہ ہم اور آپ سب جانتے ہیں جن لوگوں نے ذرا بھی اس دنیا پر غور کیا ہے وہ جانتے ہیں کہ جن چیزوں کی انسان کو سیکڑوں اور ہزاروں برس کے بعد ضرورت پیش آئی ان کا اہتمام دنیا کے ابتدا میں کر دیا گیا تھا انسانی ضروریات کے ہر شعبہ کو چلانے اور ترقی دینے کی صلاحیت اور محبت بھی انسان کی فطرت میں ودیعت کی اور اس کے لئے ایسے گروہ اور افراد پیدا کئے جو اپنے ان شعبوں اور پیشوں کو اپنی اولاد سے زیادہ عزیز رکھتے ہیں۔ حالانکہ ان میں بعض ایسے کام ہیں جن سے ہمیں وحشت ہوتی ہے لیکن ان کے کرنے والے ان پیشوں کو اپنے سینے سے لگائے ہوئے ہیں۔ اور اسی میں دنیا کے نظام کو چلانے اور ترقی دینے کا راز ہے۔

ان کے لئے دنیا میں ہزاروں انقلابات کے باوجود ہر پیشہ اور ہر شعبہ موجود اور ترقی یافتہ ہے۔

زندگی کو خالق کے منشاء کے مطابق گزارے!

انسان کی سوچنے کی بات یہ ہے کہ اس زندگی کو اپنے پیدا کرنے والے کے منشاء کے مطابق گزارے۔ انسان کے مقصد کو پہچاننے اور اپنی منزل مقصود تک پہنچنے کیلئے بھی اللہ تعالیٰ نے کوئی انتظام فرمایا یا نہیں؟ زندگی کے اس سب سے اہم شعبے اور سب سے زیادہ ضروری کام کیلئے بھی کوئی سلسلہ یا گروہ دنیا میں جاری رہا یا نہیں؟ جو اپنے اس مقدس کام کو اپنی زندگی کا مقصد سمجھے اور اس اہم خدمت کیلئے اپنی جان کی بازی لگائے۔

انسان کو جو اصل ضرورت ہے اس کے لئے کوئی انتظام نہ کرنا اللہ کی رحمت سے بعید ہے اس دنیا میں حکمت صلاحیت اور ہر شعبہ زندگی سے مناسبت سب کچھ موجود ہے جس کی بڑی دھوم دھام ہے انسانوں کے معمولی ذہن بھی اسے ماننے کیلئے تیار نہیں۔ کہ انسانوں کی اصل ضرورت اور حقیقی مقصد (کہ کس طرح زندگی گزارنا چاہئے کس طرح وہ اپنے پالنے والے کو راضی کر سکتا ہے) کوئی انتظام نہ کیا گیا ہو، خدا نے انسانوں کو اس اہم ضرورت اور خدمت کیلئے دنیا میں ایک ایسی بے غرض جماعت بھی پیدا کی جو انسانوں کو بتلاتی رہے کہ یہ زندگی تمہاری تابعدار ہے۔ لیکن تم کسی اور کے تابعدار ہو، اور انسانی زندگی حیوانیت سے بہت ممتاز اور ایک بڑے منصب کی مالک ہے دنیا میں گاڑیاں چلنے اور معمولی معمولی سفروں کیلئے طرح طرح کے انتظامات موجود ہیں۔ لیکن میں پوچھتا ہوں کہ زندگی کا سفر بھی کوئی اہمیت رکھتا ہے یا نہیں؟ میں اس کے ماننے کیلئے تیار نہیں کہ زندگی کا اتنا بڑا سفر بغیر کسی ادارے اور جماعت کے طے ہو سکتا ہے۔ جس میں طرح طرح کے خطرات، تضاد رقابتیں اور کشمکش موجود ہوں کو پورا کرنے کے لئے ایسی حالت ہے کہ نہ ہم رہیں نہ ہماری خواہشات، آپ سانپوں اور بچھوؤں کو جانتے ہیں لیکن انسانی زندگی میں جو سانپ اور بچھو جو شعلے اور کانٹے اور جراثیم ہیں وہ زندگی کے سفر کے لئے بڑے خطرناک ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ نے انسانوں کو اپنی خاص رحمت اور فضل سے ان خطرات سے بچانے کا انتظام فرمایا۔ ہر زمانے میں وہ اپنے برگزیدہ بندے بھیجے جو انسانوں کو ان کے مالک سے متعارف کرائیں اور ان کی اصل فلاح اور حقیقی بہبود کا راستہ دکھائیں اگر یہ انتظام نہ ہوتا تو انسانیت حیوانیت میں کوئی فرق نہ ہوتا۔ مگر اللہ کو یہ دنیا چلانی اور انسانی زندگی کو

اپنے معیار پر لانا تھا۔ جس کیلئے اس نے ایسے انسان پیدا کئے جو اس کی خدمت کو انجام دیں اور ان کو ایسا خلوص اور ایسی لگن عطا کی کہ وہ انسانوں کی ہدایت اور فلاح کے لئے اپنی ہر عزیز چیز قربان کرتے۔ جب اور لوگوں کو ان پر شبہ ہوتا تھا کہ نہ معلوم دنیا سے یہ کیا حاصل کرنا چاہتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے ان برگزیدہ بندوں میں سے سب سے آخری پیغمبر حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو پیدا کیا اور آپ نے ایک جماعت تیار کی جس کی بنیاد معاشرت، تمدن اور کلچر پر نہیں تھی اور نہ اس کا دائرہ کسی قوم، گروہ یا ملک تک محدود تھا۔ بلکہ اس نے انسانیت سے سارے عالم کو اپنا پیغام دیا اور فرمایا کہ اگر میرے پاس وہ لوگ آئیں جو زندگی میں ہوس کے مقابلے میں قناعت اور خود غرضی کے بجائے بے نفسی اور نفس پرستی کے بجائے خدا پرستی کو ترجیح دیں جن کا مقصد حیات دنیا میں حشرات الارض کی طرح جینا، شکاری عقابوں اور درندوں کی طرح دوسروں کو پھاڑ کر کھانا نہ ہو بلکہ وہ اپنی زندگی سے انسانوں کو انسانیت کا مقام اور اصل مقصد حیات یاد دلائیں اور ان کو حقیقت بتائیں کہ وہ دنیا میں خدا کے نائب اور اس دنیا کی امین و متولی ہیں اور تمہارے لئے جو مقدر ہے اس کی وسعتیں اس محدود دنیا سے بالاتر ہیں۔

اگر ضرورت تھی تو..........!

سردار انبیاء حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم جس زمانے میں مبعوث ہوئے اس وقت دنیا میں سب کچھ موجود تھا۔ ملک تھے، قومیں تھیں، حکومتیں تھیں لیکن کوئی ایک جماعت ایسی نہ تھی کہ اپنی ذات اور اولاد کے علاوہ انسانیت کی فکرمند ہوتی۔ انسان بھیڑیوں کی خصلت اختیار کر چکا تھا۔ جس کا کام صرف اپنے بچوں کو پالنا اور دوسروں کو پھاڑنا تھا۔ کروڑوں انسانوں میں کوئی ایک آدمی ایسا نہ تھا جو دنیا کے اس نازک گھڑی کو محسوس کرتا۔ اس لئے لوگوں کو آپ کے مقصد کو سمجھنے میں بڑی دقت اور کشمکش ہوئی کیوں کہ اس وقت انسانیت دنیا کی ایک منڈی بنی ہوئی تھی ایک دوسرے کو اپنا گاہک سمجھتا تھا۔ انسانیت کی روح لرز رہی تھی بڑے بڑے فلسفی شاعر، اور حکماء اس اضطراب سے نا آشنا اور خطرات سے ناواقف تھے۔

حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم نے دنیا کی اس ذہنیت کو بدلنے کیلئے ایک ایسی جماعت بنائی جس نے ایمان، یقین و عمل اور دعوت کے مجموعہ قوت سے اس بات کا فیصلہ کیا کہ

انسانیت کو ہلاکت اور تباہی کے سمندر میں ڈوبنے سے بچا لیں گے۔ آپ نے ایسے بے لوث اور جاں باز مردوں کی تشکیل کی جو اس خطرے میں انسانیت کی کمر پکڑ لیں اور زندگی کے دھارے کا رخ موڑ دیں۔ اور دنیا کو چیلنج کریں اور زندگی کی پٹری پر اپنے آپ کو ڈال دیں کہ اب اس لائن پر نہیں چلنے دیں گے اور یہ وہ امت ہے جس نے اللہ کی طرف بلانے اور ہدایت کا راستہ دکھلانے کو اپنی زندگی کا مقصد قرار دیا۔ حضرت محمد مصطفی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس نازک وقت میں دنیا کی بڑی سے بڑی عزت، لذت اور بالاتری کی پیشکشوں کو ٹھکرا کر اپنے فیصلے سے انسانیت کے مستقبل کو روشن اور دنیا کی زندگی کو بامقصد بنایا اور دنیا کے سامنے ایک نیا نقشہ یا نظام حیات پیش کیا جس کی بنیاد چند خاص اصولوں پر تھی، جن لوگوں نے ان کو اختیار کیا۔ ان کا امتیاز محض چند حقیقتوں کو تسلیم کر لینا محض ایک رسم اور خاص طرز زندگی نہ تھی۔ حضرت کی نبوت اس پر قناعت نہیں کر سکتی تھی قرآن گواہ ہے اور بڑی ناانصافی اور زیادتی ہوگی جو یہ سمجھا جائے کہ آپ کا پیغام یا مشن محض ذاتی عقیدے اور عمل تک محدود تھا بلکہ آپ نے جو جماعت پیدا کی وہ اپنے عقیدے اور عمل کے ساتھ اس بات کا فیصلہ کر چکی تھی کہ اپنی تمام قوت اور صلاحیت اور ہر عزیز شے کو دنیا سے برائی روکنے اور نیکی پھیلانے کیلئے قربان کر دے گی۔ اور مستقبل کیلئے انسانی ہدایت کا راستہ کھولے گی اس کا مقصد نیکی اور برائی میں محض امتیاز نہ تھا۔ بلکہ نیکی کو برائی پر غالب کرنے کا فیصلہ اور عزم بھی تھا۔ دنیا سے خدا فراموشی اور فحاشی کو ختم کرنا تھا انہوں نے بدی، ظلم، نفس پرستی اور خدا فراموشی کے خلاف ایک مورچہ قائم کیا اور اس کا فیصلہ کیا کہ ان کو آخر وقت تک اس مورچہ پر جنگ کرنی ہے۔ اور بدی کی طاقت کے خلاف گھٹنے ٹیک دینے ہیں اور حق کو دنیا پر غالب کرنا ہے انہوں نے اس کا بھی فیصلہ کیا کہ اس مقصد کے حصول کیلئے اگر ان کو اپنی تمام لذتوں، راحتوں، عزتوں کو قربان کرنا پڑے تو وہ تیار ہیں۔

صرف رسم اور عقیدہ دنیا کے حالت میں کوئی انقلاب نہیں پیدا کر سکتا۔ اس کے ساتھ اگر عمل بھی ہو تب بھی دنیا سے برائی کو نہیں روک سکتا۔ عقیدے اور عمل کے ساتھ دعوت اسلام کا یہ اصل مشن ہے یہی وہ نمونہ ہے جو پیغمبر اسلام نے دنیا کے سامنے پیش کیا اور یہی وہ نمونہ ہے جو ڈوبتی ہوئی ناؤ کو تیرا سکتا ہے۔ لیکن آج دنیا میں اس نمونہ کی مثال مشکل سے ملتی ہے۔ وہ یقینی جو زندگی پر اثرانداز اور اپنے خلاف چلنے پر مانع ہو، وہ عمل جس سے دنیا متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکے

ہو اور وہ دعوت جو مشرق میں خدا فراموشی کی آواز سن کر مغرب سے لڑ جانے کیلئے بے چین ہو، نظر نہیں آتی آج دنیا کو پھر اس کی ضرورت ہے کہ عقیدے اور عمل کے ساتھ دعوت کو اختیار کرے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اصل مقصد کو اپنایا جائے جو اس دور کی سب سے بڑی ضرورت ہے اللہ کے پیغمبر صحیح عقیدہ، صحیح عمل اور بے غرض دعوت لے کر آئے اسی بنیاد پر ایک جماعت قائم کی جو مسلمان کہلائی، آج اگر عقیدہ ہے تو عمل نہیں عمل ہے تو دعوت نہیں اور اگر دعوت ہے تو عقیدہ اور عمل نہیں۔ آج دنیا میں دعوتیں ہیں صرف تحریکیں تحریریں اور تقریریں، خدا کی ہستی پر یقین مفلوج ہو کر رہ گیا ہے آج دنیا میں دعوتیں ہیں تو سب کی تان اس پر ٹوٹتی ہے کہ ہماری ذات، ہماری اولاد اور اگر بہت ترقی کی تو ہماری قوم اور ہمارا ملک ان کی دعوت کی غرض سے ساری انسانیت اور اصل مسئلہ انسانی مسئلہ نہیں ہوتا آج ایمانی اور پاکیزہ اور خداترس زندگی کی دعوت کون دے رہا ہے، کون انسانیت کی تباہی کے درد سے بے چین ہے، زیادہ سے زیادہ صحت کی بربادی، یا سیاسی زوال یا ملکی مشکلات و مسائل پیش نظر ہیں ہمارے کان لگے رہتے ہیں کہ کسی گوشے سے ہم صحیح اور ٹھوس بات سنیں۔ ہم نے بار بار بڑے اشتیاق اور توقعات کے ساتھ تقسیم اسناد کے خطبے اور بڑے بڑے مفکرین کی تقاریر اور مضامین پڑھے لیکن ہم بڑے مایوس ہوئے کہ ہمیں انسانیت کے مقام، خدا کے یقین اور مرنے کے بعد کا ذکر تک نہیں ملتا، اور اخلاق اور سچی خداترسی کا یقین اور زندگی کے اس بگڑے ہوئے سانچے پر گہری تنقید نہیں ملتی۔

مسلمانوں سے اپیل:

ہم مسلمانوں سے خاص طور پر کہتے ہیں کہ جو زندگی وہ گزار رہے ہیں وہ ان کی تاریخ اور ان کے دعوے اور عقیدے سے مطابقت نہیں رکھتی، آج وقت کی پکار یہ ہے کہ تم اپنی زندگی کے مقصد کو سمجھو، دنیا کے بڑے بڑے تجارتی شہر اور کارخانے اور مادی ترقی کا عروج دنیا کو تباہی سے بچانے سے قاصر ہیں۔ تم نے اپنی ذمہ داری کو بھلا دیا اور وہی طرز زندگی اختیار کیا جو دنیا کی خدا فراموش قوموں نے اختیار کر رکھا ہے آج دنیا میں اس کی ضرورت ہے کہ تم اپنے عقیدے، عمل اور بے غرض دعوت کی زندگی پیش کرو۔

دنیا تمہاری طرف دوڑے گی اور اسی نظام حیات سے زندگی کی گاڑی دلدل سے نکل سکتی ہے۔ آپ اپنے اس منصب کو پہچانئے اور انسانوں کو بتلائیے کہ اے دنیا کے مقصود اے دنیا کے

سردار تو کہاں بھٹک رہا ہے تو کس پست ہمتی اور کس خودکشی میں مبتلا ہے میں اپنے دوستوں اور وطنی بھائیوں سے کہتا ہوں کہ آج ہر شعبے کیلئے پلان اور ہر مقصد کیلئے منصوبہ بنایا جا رہا ہے لیکن کیا زندگی کا کام اور حقیقی مقصد اس قابل نہیں کہ اس کیلئے بھی جدوجہد کی جائے آج سب میں اس مقصد کیلئے کوئی منظم جدوجہد اور تحریک نہیں پائی جاتی۔ زندگی کی تباہی کی دعوت دینے اور اخلاق کو بگاڑنے اور انسانیت کو کچلنے اور نفس کی خواہشات کو پورا کرنے کا سامان قدم قدم پر موجود ہے۔ اور اس کی ترغیبات کا جال بچھا ہوا ہے۔ لیکن انسانی خوبیوں کو ابھارنے اور پاکیزہ زندگی گزارنے، ایمان، یقین اور نیک کردار پیدا کرنے کی کہیں دعوت موجود نہیں۔

میں مسلمانوں سے کہتا ہوں کہ اگر تم خلوص، ہمدردی اور بے غرضی کے ساتھ دعوت دو تو کوئی وجہ نہیں کہ انسان اس کی قدر نہ کرے محبت کو کسی سفارش کی ضرورت نہیں ہوتی، خود اپنا راستہ اور مقام پیدا کر لیتی ہے۔ مسلمانو! تمہاری زندگی کا راز اسی تجارت میں ہے تم وہ سودا بازار میں لاؤ جو دنیا میں نایاب اور انسانیت کیلئے آب حیات ہو، تم کو رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی مقصد کیلئے مقرر کیا تھا۔ اور جو بھی یہ زندگی لے کر اٹھے گا وہ آنکھوں کا تارا اور سب کا دلارا ہے۔ مسلمانو! حضور کی لائی ہوئی پاکیزہ زندگی کا اپنا نمونہ اور آپ کی دعوت کو اپنا مقصد حیات بنایا اس وقت کی سب سے بڑی خدمت اور ہمارا اصلی پیغام ہے۔

وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین

مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندوی رحمۃ اللہ علیہ

کا پیغام
خواتین اسلام کے نام

> حضرت مولانا سید ابوالحسن علی الحسنی الندوی کی یہ وہ تقریر ہے جو انھوں نے [illegible] اہلیہ مولانا معین اللہ صاحب ندوی سابق نائب ناظم ندوۃ العلماء کی وفات سے متصل ۲۸ مئی ۱۹۹۷ء [illegible] میں عورتوں میں فرمائی تھی۔

الحمد لله رب العلمين والصلاة والسلام على سيد المرسلين خاتم النبيين محمد وآله وصحبه أجمعين ومن تبعهم بإحسان ودعا بدعوتهم إلى يوم الدين أما بعد. فأعوذ بالله من الشيطان الرجيم بسم الله الرحمن الرحيم. ومن يعمل من الصالحات من ذكر أو أنثى وهو مؤمن فلنحيينه حياة طيبة.

میری قابل احترام بہنو اور بیٹیو! میں سب سے پہلے تو آپ کو مبارکباد دیتا ہوں کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے آپ کو نہ صرف یہ کہ مسلمانوں کے گھر میں پیدا کیا، بلکہ صحیح العقیدہ گھرانے میں پیدا کیا، جو شرک وبدعت سے پاک ہے، اور بہت سی بری رسمیں جو اس دنیا میں ہوتی ہیں اس سے بھی اللہ نے محفوظ رکھا ہے۔ اس خاندان میں عالم پیدا کئے، [illegible] شخص پیدا کئے، داعی الی اللہ، اللہ کی طرف بلانے والے، مدرسے قائم کرنے والے، مسجدیں بنانے والے اور اللہ کے مقبول بندوں کی صحبت میں رہنے والے عطا فرمائے، تو اس پر بہت شکر ادا کرنا چاہئے اور شکر خود بڑی عبادت ہے، لئن شكرتم لأزيدنكم اللہ فرماتا ہے کہ تم شکر کروگے تو تم کو اور دیں گے۔ اس کے بعد یہ ہے کہ عقیدہ اپنا صحیح رکھیں۔ اللہ کا شکر ہے کہ صحیح العقیدہ خاندان ہے، اور دیار میں بھی شرک وبدعت وغیرہ کی گرم بازاری نہیں ہے، جو بعض دوسری جگہوں پر ہے، تو صحیح عقیدہ رکھنے کا سب سے ضروری حصہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کو کارساز حقیقی سمجھیں، اللہ تعالیٰ کو نفع وضرر کا مالک سمجھیں، فائدہ پہنچانے، نقصان پہنچانے، صحت وزندگی دینے اور روزی ورزق عطا کرنے

اور امداد و عطا فرمانے کی صفت اللہ تعالیٰ ہی کی قدرت ہے، جو نہ کسی ولی میں، نہ کسی قطب میں نہ کسی غوث میں، نہ کسی ابدال میں، نہ کسی پیغمبر میں ہے، یہ سب کام اللہ کرتا ہے، اور اللہ فرماتا ہے، الالہ الخلق والامر اسی کا کام ہے پیدا کرنا، اسی کا کام ہے کارخانہ کا چلانا، کارخانہ بھی اسی نے بنایا اور چلا بھی وہی رہا ہے، اس کی اجازت و حکم کے بغیر نہ پتہ ہل سکتا ہے، نہ ذرہ سرک سکتا ہے، اپنے بچوں کو یہ تعلیم دیجئے، بچپن سے، اللہ کا شکر ہے، جو خاندان معتبر خاندان تھے، جن سے اللہ تعالیٰ نے بہت فائدہ پہنچایا ہندوستان میں، وہاں بچوں کو شروع سے یہ تعلیم دی جاتی تھی کہ خدا کے سوا کوئی کچھ نہیں کر سکتا، کوئی کچھ دے نہیں سکتا، چنانچہ بچے انکار کر دیا کرتے تھے، کبھی ان سے کسی نے ایسی بات کہی کہ نہیں اللہ کے سوا کسی میں کوئی قدرت نہیں، ہم نہیں مانتے اس کو، اللہ ہی دیتا ہے لیتا ہے، خدا ہی روزی رساں ہے، وہی غذا اور خوراک سب عطا فرماتا ہے، آپ ان خاندانوں کے واقعات پڑھیں، شاہ ولی اللہ صاحب کا خاندان اور ان سے سلسلے جو لوگ تھے دیوبند کے بزرگوں کے خاندان حضرت رشید احمد گنگوہی، حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی، حضرت مولانا اشرف علی تھانوی، حضرت مولانا خلیل احمد صاحب، حضرت مولانا حسین احمد مدنی، وغیرہ وغیرہ حضرت سید احمد شہید سب میں سب سے بڑی چیز توحید کی تھی اس توحید کو آپ مضبوط پکڑیے اور دوسری اپنی بہنوں کو اور شہر میں رہنے والی بیبیوں کو بھی بتائیے، جہاں کہیں جانا ہو، شادی میں جانا ہو، تقریب میں جانا ہو، کسی نہ کسی عنوان سے توحید کی دعوت ضرور دیجئے کہ بیبیو، اللہ کے سوا اور کسی کے ہاتھ میں کچھ بھی نہیں ہے، پورا کارخانہ اسی کے ہاتھ میں ہے اور وہی اکیلا چلاتا ہے، وہی روزی دیتا ہے، وہی اولاد دیتا ہے، وہی صحت دیتا ہے، وہی بیمار کرتا ہے، وہی اچھا کرتا ہے، ایک بات ہے کہ عقیدہ اپنا پکا رکھیے، بچوں کے کان میں ابھی سے ڈالئے، کان میں نہیں بلکہ دل میں بٹھا دیجئے، دیکھو بیٹے، دیکھو بیٹی اللہ کے سوا کوئی کچھ نہیں کر سکتا، نہ روٹی نہیں مل سکتی، وہی روزی دیتا ہے، اس سے مانگو اور دعا کرنا سکھایئے بچپن سے۔

الحمد للہ ہماری والدہ مرحومہ نے بچپن سے ہم کو دعا سکھائیں اور جب ہم لکھنے کے قابل ہوئے تو کہا کہ بیٹا تم سب سے پہلے بسم اللہ الرحمن الرحیم کے بعد یہ لکھا کرو "اللھم اتنی بفضلک ماتوتی عبادک الصالحین" یہ ہمیں بچپن شروع سے بالکل ہم جب قلم پکڑنے کے قابل ہوئے کہ جب بسم اللہ لکھو تو لکھو، اس وقت بتایا کہ اللہ تو ہمیں اپنے فضل سے وہ

جو بہت سے بہتر عطا کرتا ہے، اپنے نیک بندوں کو، اس وقت سے ہم نے لکھنا شروع کر دیا تھا۔

اس طریقہ سے اپنے بچوں کو پڑھ کر سنایئے، جو معتبر علماء کی لکھی ہوئی کتابیں ہیں، تعلیم الاسلام مفتی کفایت اللہ صاحب کی اور ہمارے والد صاحب کی، مولانا اشرف علی تھانوی کی بہشتی زیور پڑھنے کا دور شروع کیجئے، اور نمازوں کی تاکید رکھئے، جن پر نماز فرض ہوتی ہے، وہ نماز شروع کر دیں، ان کی نما قضا نہ ہو، سوتے سے اٹھایئے کہ نماز پڑھ لیں اور گھر میں ماحول ہو کہ لوگ دیکھیں کہ یہاں دین ہے اور دینداری ہے، اور خدا کا خوف ہے اور دینی باتیں ہیں۔ ان کے سامنے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے واقعات، صحابہ کرام کے واقعات بیان کیجئے، عقیدہ ٹھیک رکھنے اور کوشش کیجئے اور اللہ کی نعمتوں کا شکر ادا کیجئے، اللہ نے آپ کو بہت نعمتیں دی ہیں اور اچھے خاندانوں میں پیدا کیا۔

ہم نے اپنے بچپن میں سب سے پہلے دیکھا ہے کہ ہماری والدہ صاحبہ تہجد پڑھتی تھیں ہمیں اس وقت معلوم ہوا کہ تہجد بھی کوئی چیز ہے، تہجد کی نماز پڑھی جاتی ہے اور ہمارے ساتھ معاملہ یہ تھا کہ اتنی چھوٹی عمر میں اگر سو جائیں عشاء کی نماز پڑھے بغیر تو خود اٹھاتی تھیں، اور نماز پڑھاتی تھیں، اسی طریقہ سے دعا کرنا سکھایا، اور کتابوں کا شوق دلایا اور اس کے بعد اگر ان کے خطوط آپ دیکھیں، ان کی کتابیں منگوایئے ''ذکرِ خیر'' کے نام سے ہم نے کتاب لکھی ہے، ان کے حالات میں، اللہ تعالیٰ نے دعاؤں کا ان کو ایسا ملکہ عطا فرمایا تھا کہ حضرت تھانوی کے ایک خلیفہ نے کہا کہ یہ تو عارفہ کا کلام ہے ایسی ایسی دعائیں اور مناجاتیں ان کی، ان کے پڑھنے کا رواج ڈالئے ان کے پڑھنے سے دل پر اثر پڑتا ہے، اب بھی اس عمر میں اثر پڑتا ہے، ان کی دعاؤں پر اتنا یقین تھا، ان کی سب سے بڑی خصوصیت ہم نے جو دیکھی وہ دعا ہے، یعنی اپنے بہت سے اونچے اونچے بزرگوں کے یہاں یہ بات دیکھی کہ ہر چیز میں دعا، جو کام پیش آئے، جو مشکل پیش آئی، بس دعا کی طرف توجہ، اور نماز، نماز اور دعا ان کا اوڑھنا بچھونا بن گیا تھا، ہماری والدہ قرآن شریف کی حافظہ تھیں، پورا قرآن شریف تراویح میں ختم کرتی تھیں، علماء نے فتویٰ دیا تھا، فرنگی محل کے علماء کا فتویٰ، ہمارے بڑے چچا راقم کے دادا سید خلیل الدین صاحب حضرت گنگوہیؒ سے بیعت تھے کہ کیا عورتوں کی تراویح ہو سکتی ہے، یعنی عورتیں ہی عورتیں ہوں عورت ہی امام ہو اور مقتدی بھی عورت ہی ہے، اس لئے کہ پورا خاندان تھا، تو فرنگی محل کے علماء

[illegible]

[illegible]

ان میں سب کے حقوق بتائے ہیں، اسلامی زندگی گھروں میں کیسے گذاری جائے، وہ دکھایا ہے [illegible] قدرت [illegible] طور پر مناجاتیں بڑی متاثر ہیں، رقت طاری ہو جاتی ہے، معلوم ہوتا ہے کہ کوئی عارفہ، کوئی اللہ کی [illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible] پورا دیوان بھرا ہوا ہے۔ پہلی بات یہ کہ اللہ کا شکر ادا [illegible] آپ نے اپنے خاندان میں پیدا کیا ہے، یہاں توحید کا عقیدہ [illegible] سنت کا اہتمام [illegible] پھر بچوں کو سلیقہ تہذیب اپنی جگہ پر [illegible] سکھایئے [illegible] کہ بیٹا مانگو تو اللہ سے مانگو، بیٹی مانگو تو اللہ سے مانگو [illegible] بچھاڑنے والا نہیں ہے، کسی کے اختیار میں کچھ نہیں، چنانچہ [illegible] بچپن میں [illegible] تھا، ان کا یہ حال ہوا کہ بڑے بڑے امتحان کے موقع پڑے [illegible] عقیدہ توحید سے نہیں ہٹے نہیں ذرا سا بھی، بال برابر بھی کھسکے نہیں، بچپن سے ان کے دل میں [illegible] ساز حقیقی اللہ ہے، وہی نافع وضار ہے، نفع پہونچانے والا ہے، نقصان پہونچانے والا ہے، [illegible]

کی قدرت میں کچھ نہیں ہے۔

حضرت سیدنا عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ کو اللہ نے ایسی مقبولیت عطا فرمائی تھی کہ پوری دنیا میں شہرت غوث اعظم اور پتہ نہیں کیا کیا، وہ کہلاتے ہیں، ان کی والدہ نے نصیحت کی تھی، کہ دیکھو بیٹا سچ بولنا جھوٹ نہ بولنا، چنانچہ جب وہاں سے بغداد پڑھنے کے لئے آ رہے تھے، ابھی بچے تھے، پورا قافلہ تھا، راستے میں ڈاکوؤں نے حملہ کیا اور ہر ایک سے پوچھا تمہارے پاس کچھ ہے، کہا کہ نہیں ہے، ہمارے پاس کچھ نہیں، جیب دیکھتے تو بہت پیسہ نکلتا تھا تو لے لیتے تھے، ان کے پاس آئے ان سے پوچھا تمہارے پاس کچھ ہے، بیٹے، انہوں نے کہا کہ ہمارے پاس یہ ہے۔ انہوں نے اس کو لیا اور توبہ کی کہ یہ لڑکا سچ بولتا ہے، اور ہماری حالت ہے کتاب میں یہ واقعہ لکھا ہے، ان کا واقعہ ایک اور لکھا کہ بغداد میں ایک مرتبہ قحط پڑا تو لوگ دریائے دجلہ کے کنارے جاتے تھے، وہاں سے جو لوگ ترکاریاں لے کر آتے تھے، عام طور پر ترکاری باہر سے آتی ہے، ترکاری لے کر آتے تھے تو ترکاری گرتی تھی، کوئی پتہ گر گیا، کوئی پھل گر گیا، کہیں آلو گر گیا، کہیں ٹماٹر گر گیا، تو لوگ اٹھا لیتے تھے، وہاں جاتے تھے کہ گری چیز کا اٹھانا ناجائز ہے، ان کے یہاں سیدنا عبدالقادر جیلانی کو بھی جب فاقہ پر فاقہ شروع ہوئے ابھی پڑھ رہے تھے، جوان تھے، انہوں نے کہا کہ ہم بھی چلیں اٹھائیں، پکالیں گے، گئے تو دیکھا کہ لوگ اٹھا رہے ہیں، ان کو شرم آئی کہنے لگے کہ یہ اللہ کی مخلوق کے لئے ہے کمی ہو جائے گی، اگر اٹھا لیں گے، ایک آدمی کا حصہ کم ہو جائے گا، یہ واقعہ سننے کے قابل ہے، تو وہاں سے خالی ہاتھ آ گئے کہ ہم نہیں اٹھاتے، یہ ان کو مبارک ہو اٹھائیں، مسجد میں آ کر بیٹھ گئے، چلنے کی ہمت نہیں تھی، بہت تھکے ہوئے تھے کہ اتنے میں ایک صاحب آئے انہوں نے خوان بچھایا، اچھا اچھا کھانا رکھا، اور کھانے لگے، معلوم نہیں حضرت کا بے اختیاری میں منہ کھل گیا، یا کیا ہوا، یا اس نے دیکھا کہ ایک لڑکا بیٹھا ہوا ہے، بہت بھوکا معلوم ہوتا ہے، اس نے کہا کہ آؤ بیٹا کھانا کھاؤ، خیر اس کے بلانے پر بیٹھ گئے، اس نے پوچھا کہ تمہارا نام کیا ہے، کہا عبدالقادر، کہاں سے آئے ہو، انہوں نے وہ جگہ بتائی، کہنے لگے کہ یہ تو تمہارا ہی کھانا ہے، ہم جب چلے تھے تو تمہاری والدہ نے کہا تھا کہ لو اس میں روپے رکھ لو، وہاں عبدالقادر کو تلاش کرنا، شاید اس کو ضرورت ہو، ہم نے تم کو بہت تلاش کیا نہیں ملے تو ہم نے کہا کہ یہ بیکار روپیہ جا رہا ہے، تو ہم نے سب خریدا تھا

تو ہم تمہارے مہمان ہیں۔

تو بزرگوں کے ساتھ عجیب وغریب واقعات پیش آتے ہیں، تو شروع سے بچوں کے دل میں ڈالئے کہ رزاق حقیقی روزی رساں اللہ تعالیٰ ہے، اسی کا دیا ہوا رزق ہم کھاتے ہیں اور کھائیں گے، اور جھوٹ نہ بولنا، دھوکہ کبھی نہ دینا، اور ظلم کبھی نہ کرنا، زیادتی کبھی نہ کرنا، کسی کو تکلیف نہ دینا، کوئی بھولا بھٹکا مسافر ہو تو اس کو راستہ بتانا، کوئی تکلیف دہ چیز ہو تو اس کو اٹھالینا کہ ٹھوکر نہ لگے، بچپن سے یہ تعلیم دینی چاہئے اور اپنے یہاں ایسی کتابیں پڑھنا چاہئے، "زاد سفر" ہماری ہمشیرہ امۃ اللہ تسنیم صاحبہ کی کتاب ہے، یہ "ریاض الصالحین" کا ترجمہ ہے، جو بہت معتبر کتاب ہے، حدیث کی، اس کے ساتھ "ذکر خیر" پڑھئے اور امہات المومنین کے حالات میں "سیرت عائشہ" پڑھوا کر سنئے، یہ چیزیں اپنے گھروں میں ہونی چاہئے، اور ابھی تو اللہ تعالیٰ کو آپ کی اولاد سے ان شاء اللہ بہت کام لینا ہے، اور اس علاقہ میں تو آپ ہی کا ایک چراغ ہے جو جل رہا ہے، اللہ تعالیٰ اس کو ہمیشہ جلتا رکھے اور دعا کریں نمازوں کے بعد اپنے لئے بھی اور جن کے حقوق ہیں، آپ پر ان کے لئے، رشتہ داروں کے لئے بھی اور سب سے بڑی دعا یہ کہ اللہ تعالیٰ ان کو صحیح العقیدہ مسلمان رکھے اور نیک صالح بنائے، اللہ تبارک برکت عطا فرمائے، ان گھروں میں ہمیں تو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ جیسے اپنے خاندان میں بیٹھے ہوئے ہیں، اور اپنے بچیوں کو بھتیجیوں کو بہنوں کو پھوپھیوں کو خطاب کر رہے ہیں بس دعا فرمائیں۔

وآخر دعوان ان الحمد للہ رب العالمین

قرآنی قصوں کی اہمیت وافادیت

مندرجہ ذیل تقریر حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی مدظلہ نے ۲۶ فروری ۱۹۹۹ء مطابق ۹ ذیقعدہ ۱۴۱۹ھ کو بروز جمعہ رابطہ ادب اسلامی کے افتتاحی اجلاس منعقدہ بنگلور میں فرمائی تھی، صدر جلسہ نے دار العلوم سبیل الرشاد، جہاں یہ جلسہ ہو رہا تھا، قرآنی تعبیر سبیل الرشاد کی تشریح سے اپنے خطبہ شروع فرمایا، انھوں نے اس تعبیر کی فصاحت وبلاغت اور اس کے معانی کی وسعت وجامعیت، گہرائی وگیرائی، جغرافیائی اور مکانی حیثیت سے اس کی عمومیت وآفاقیت، طبقات انسانی، اور تغیرات زمانی پر اس کے انطباق کا تجزیہ کیا، مولانا نے لفظ ''الرشاد'' اور ''الہدایہ'' کے درمیان معانی کے نازک فرق کو بیان کرتے ہوئے فرمایا کہ لفظ ''الہدایہ'' میں زیادہ اعتقادات وعبادات وفرائض اور اخلاق ومعاملات، برتاؤ، متاثر کرنے کے ذرائع صالح اور پاکیزہ احساسات وجذبات اور اچھی نیتیں داخل ہیں اس تعبیر میں زیادہ وسعت وعمومیت ہے، اس سبیل الرشاد کو دکھانے کے لئے اگر ادب کی ضرورت ہے تو وہ بھی ایک بہت بڑی خدمت، خدمت انسانیت ہی نہیں بلکہ عبادت الٰہی ہے، ہمارے نزدیک وہ دعوت الٰہی کا فریضہ انجام دیتا ہے، اس کے اندر حکایات، مفید مثالیں، جذبات واحساسات، تمنائیں، تجربات یہاں تک کہ مصلحانہ ومفکرانہ اور مثبت تعمیری دعوتی شاعری بھی شامل ہے۔

نحمدہ ونصلی علی رسولہ الکریم. اما بعد.

اس تمہید کے بعد مولانا مدظلہ نے ''اسلامی ادب اور قصہ نگاری'' کی اہمیت وافادیت اور اس کے بنیادی مقاصد کو قرآنی مثالوں سے واضح فرمایا، اس ضمن میں بامقصد اور پاکیزہ ادب کی تشریح کرتے ہوئے انبیاء علیہم السلام کی دعوتوں اور صحف سماوی کے دلکش اسالیب کی طرف اشارہ کیا اور فرمایا کہ قرآن مجید نے انسانی دل ودماغ میں توحید ورسالت کے مضامین کو اتارنے کے لئے جو وسائل وذرائع اختیار کئے ہیں ان میں قصص وحکایات کو مرکز اہمیت حاصل ہے، دینی حلقوں میں قصے کہانیوں سے متعلق جو غلط فہمیاں پائی جاتی ہیں اور جس طرح تحقیر کی نگاہ سے اس فن کو دیکھا جاتا ہے، اس میں واعظوں اور مصلحوں کے طرز عمل کا بڑا دخل ہے کہ وہ اس کی اہمیت اور افادیت کو تسلیم نہیں کرتے، مولانا نے فرمایا۔

قصہ کہانیوں سے متعلق صدیوں سے ایک حقارت آمیز اور ایک احساس کمتری کا خیال چلا آرہا ہے، ہمارے واعظوں نے قصوں اور حکایات کی کچھ ایسی تحقیر کی ہے یا کم از کم انھوں

نے اس کی افادیت اور معنویت کو تسلیم نہیں کیا ہے، بلکہ وہ اس کو ایک تفریحی چیز سمجھتے ہیں۔ کسی ثقہ سنجیدہ مجلس میں جہاں لوگ اپنی اصلاح کے لئے بیٹھے ہوں، اگر کوئی قصہ کہنے لگے تو لوگ اس کو ایک بے محل بات سمجھیں گے، کہ یہاں تو خدا و رسول کی باتیں ہونی چاہییں مواعظ اور اعتقادات وایمانیات کی باتیں ہونی چاہئیں، یہ قصہ کہانی کہاں سے شروع کر دیا، لیکن جب قرآن مجید نے قصہ کو جگہ دی ہے، ایسی کہ حیرت ہوتی ہے آپ دیکھیں کہ حضرت موسیٰ اور حضرت ابراہیمؑ کے تذکرے واقعات اور قصے کتنے مقامات پر قرآن مجید نے ذکر کئے ہیں، ایک پوری سورۃ حضرت یوسف علیہ السلام سے متعلق ہے، یہ پوری سورۃ ان کے قصہ پر مبنی ہے۔ لیکن وہ اعلیٰ درجہ کی دانشمندانہ باتوں اور مواعظ پر مشتمل ہے، ایسے واقعات پر مبنی ہے کہ ان کے بغیر بہت سے حقائق سمجھ میں نہیں آسکتے، خود قرآن کریم کہتا ہے۔ لقد كان فی قصصهم عبرة لاولی الالباب. ما كان حديثا يفترى ولكن تصديق الذى بين يديه. اس سے بڑھ کر قصہ کی منقبت یا قصہ کی توثیق کی نہیں جا سکتی، کہ خود اللہ تعالیٰ اس قصہ کو احسن القصص فرما رہا ہے۔

مولانا مدظلہ نے اس موقع پر اپنے اس عربی مقالہ کا ذکر فرمایا، جس میں انھوں نے تفصیل کے ساتھ سورۂ یوسف اور سورۂ کہف میں ذکر قصوں کا موازنہ تورات وانجیل سے کیا ہے، مولانا نے اس موقع پر سورۂ یوسف میں ذکر حضرت یوسف کی حکایت کا تجزیہ کرتے ہوئے اس سے بیش بہا دعوتی اور تربیتی نتائج نکالے، انھوں نے فرمایا:

اللہ تعالیٰ نے حضرت یوسف علیہ السلام کو ایک خاص جمال عطا فرمایا تھا، وہ پیغمبر زادے تھے اور پیغمبر زادوں کے پیغمبر زادے تھے، دوسری بات یہ کہ ان کے حلیہ میں بڑا فرق تھا جو جمال اور رنگ کی صفائی شام وفلسطین میں ہے وہ مصر میں نہیں ہے، نہ پہلے تھا نہ اب ہے، حضرت یوسفؑ وہاں پیدا ہونے والے، وہیں کے پروردہ، پشتہا پشت سے جس خاندان میں پیغمبری کا سلسلہ چلا آ رہا ہے، اس کے وہ فرزند تھے، پھر جب وہ مصر آئے تو قصر شاہی میں انھیں ایک آزمائش سے گذرنا پڑتا، ایک خاتون نے کوشش کی حضرت یوسف اس کے دل کی خواہش پوری کر دیں لیکن حضرت یوسفؑ نے انکار کر دیا، وہ کامیاب نہیں ہوئی، اس کے بعد حضرت یوسفؑ کو جیل جانا پڑا، وہیں جیل کے دو قیدیوں نے خواب دیکھا، انھوں نے حضرت یوسف علیہ

السلام کو دیکھتے ہی یہ سمجھ لیا کہ اگر ہمارے خواب کی کوئی تعبیر دے گا تو وہ حضرت یوسفؑ ہیں۔ چنانچہ ان دونوں نے اپنا خواب بیان کیا حضرت یوسف علیہ السلام نے اس موقع پر فائدہ اٹھایا اور توحید کا بڑا مؤثر، طاقتور لیکن جامع وعظ کیا۔

حضرت یوسفؑ نے سمجھ لیا کہ یہ دونوں ضرورتمند ہیں، اور ضرورت انسان کے اندر سننے اور اطاعت وانقیاد کی صلاحیت پیدا کر دیتی ہے، جو بات وہ سن نہیں سکتا، وہ سب سننے کے لئے تیار ہو جاتا ہے، اس کے اندر ادب واحترام اور فروتنی کا جذبہ بھی پیدا ہو جاتا ہے۔ اس نازک اور قیمتی موقع سے حضرت یوسف علیہ السلام نے فائدہ اٹھاتے ہوئے فرمایا:

> یاصاحبی السجن أ ارباب متفرقون خیر ام اللہ الواحد القہار،
> ماتعبدون من دونہ الا اسماء سمیتموھا انتم وآباکم، ما انزل اللہ
> بہا من سلطان. ان الحکم الاللہ امر الا تعبدوا الا ایاہ. ذلک
> الدین القیم ولکن اکثر الناس لایعلمون.

حضرات: غور کرنے کی بات ہے کہ حضرت یوسف علیہ السلام نے وعظ کو اتنا رکھا جتنا اس موقع کے لئے مناسب تھا، اگر وہ لمبا وعظ کہہ دیتے تو کہتے کہ آپ کا وعظ ہم سننے کے لئے نہیں آئے ہیں، آپ تو ہمیں تعبیر دیجئے، اگر آپ تعبیر جانتے ہیں، ورنہ رخصت کر دیجئے لیکن حضرت یوسفؑ نے ایسے جچے تلے الفاظ ایسے غیر جارحانہ اور غیر ناقدانہ انداز میں وعظ کہا کہ اگر ادباء اور ماہرین بلاغت اس پر غور کریں تو اعجاز قرآنی کے قائل ہو جائیں، اس وعظ میں حکمت یوسفی بھی نظر آیا ہے، قیامت تک کے لئے یہ اسلوب داعیوں اور مبلغین کے لئے ایک نمونہ ہے، ہمیشہ ہمیں اس کو نمونہ بنانا چاہئے کہ کس موقع سے ہم اپنی بات کہیں اور کس بلاغت سے اس کی مقدار کیا ہونی چاہئے۔

اس احسن القصص کے دوسرے جز یعنی بادشاہ وقت کے خواب، اس کی تعبیر، پھر بادشاہ کی طرف سے جب دعوت آئی تو اس نازک موقع پر حکمت یوسفی اور جمال یوسفی کس طرح نمایاں ہوئی اور سیرت یوسفی نے کیا رہنمائی کی اس پر روشنی ڈالتے ہوئے مولانا نے فرمایا:

جب بادشاہ نے اپنے خواب کی تعبیر درباریوں سے پوچھی کسی نے کہا کہ اس کی تعبیر تو حضرت یوسفؑ ہی دے سکتے ہیں اور وہ اس وقت جیل میں ہیں بادشاہ نے حضرت یوسفؑ کو

اپنے دربار میں طلب کیا، اس موقع پر کوئی اور ہوتا تو وہ خوشی خوشی دربار جانے کے لئے تیار ہو جاتا لیکن حضرت یوسف علیہ السلام نے سب سے پہلے اپنے معاملہ میں تحقیقات کا مطالبہ کیا، فرمایا:

مابال النسوة التی قطعن ایدیهن ان ربی بکیدهن علیم، کہ پہلے تحقیق کر لیجئے، ان عورتوں کے بارے میں جنھوں نے اپنے ہاتھ کاٹ لئے تھے، اس لئے کہ جب عزیز مصر کی بیوی نے دیکھا کہ اس کو اپنے مقاصد میں کامیابی نہیں ملی، اور لوگوں میں چرچا شروع ہو گیا کہ محل کی بیگم فریفتہ ہوئی ہیں، ایک معمولی انسان پر، تو اس نے تدبیر کی اور سب عورتوں کو بلا کر ان کے سامنے حضرت یوسفؑ کو پیش کیا، ان کو دیکھتے ہیں وہ ان پر ایسی فریفتہ ہو گئیں، کہ اپنی انگلیاں کاٹ لیں، ان حالات میں حضرت یوسف نے یہ ضروری سمجھا کہ اس کی تحقیق پہلے کر لی جائے، یہ ہدایت الٰہی بھی تھی، اور نفسیات وخاصیت پیغمبری بھی تھی، انھوں نے کہا کہ اگر اس حالت میں شاہی دربا میں جاؤں گا تو سارے شہر میں چرچا ہو جائے گا کہ وہ تو مجرم تھے اور انھوں نے ڈورے ڈالے تھے، انھوں نے ادھر کی نگاہ ڈالی تھی، اور نہ معلوم کیا کرنے والے تھے، کہ اس کے بعد وہ جیل چلے گئے، پھر بغیر تحقیق کے شاہی دربا چلے گئے، محض بادشاہ کی خصوصی نظر عنایت سے ایسا ہوا۔

حضرات: منصب نبوت کے لئے جو بلندی چاہئے، جو عفت، جو برأت اور جو پاکیزگی چاہئے پھر وہ نہ ہوتی، اگر بغیر تحقیق کے حضرت یوسف محض بادشاہ کے بلاوے پر اس کے دربار میں چلے جاتے، اب حکمت خداوندی ہی نہیں، یہ خاص اعجاز قرآنی ہے کہ حضرت یوسفؑ نے فرمایا کہ "**ارجع الی ربک فاسأله مابال النسوة التی قطعن ایدیهن**" پھر جب تحقیق ہوئی تو نتیجہ یہ سامنے آیا کہ **ماعلمنا علیه من سوء** ہم نے ان کے اندر کوئی کمزوری اور کوئی خرابی نہیں پائی، تب حضرت یوسفؑ پورے اعزاز اور پوری خودداری کے ساتھ بلکہ نور نبوت اور منصب نبوت کیساتھ دربار میں آئے اور وہاں رہے، یہ ساری چیزیں تورات میں موجود نہیں، اس طرح تورات ایک اور بات نظر انداز کرتی ہے، اور وہ ہے، **اجعلنی علی خزائن اسلارض انی حفیظ علیهم**، یہ وہی کہہ سکتا ہے، جس پر دعوت کا غلبہ ہو، جس کو انسانیت کے ساتھ برادرانہ نہیں مشفقانہ تعلق ہو، یہ کتنا بڑا خزانہ ہے اور کتنی بڑی مملکت ہے،

لیکن بے محل اس کی دولتیں صرف ہورہی ہیں، حضرت یوسفؑ نے اس کا خیال نہیں کیا کہ لوگ کیا کہیں گے کہ انھوں نے عہدہ طلب کیا، اس لئے کہ لوگوں کے مفاد اپنی ذات کے متعلق بد گمانیوں کے مقابلہ میں زیادہ اہم اور زیادہ قابل ترجیح ہے، اگر کوئی ہمارے متعلق کہے گا کہ وہ لالچی تھے، کوئی حرج نہیں، لیکن ہزاروں ہزار انسانوں کے کام ہوں گے، غریبوں کو پیسے ملیں گے، بھوکوں کو روٹی ملے گی، جو اہل ہیں ان کو عہدہ ملے گا، اس لئے فرمایا ''**اجعلنی علی خزائن الارض انی حفیظ علیم**'' یہ خدا کے سوا کوئی نہیں کہہ سکتا تھا، کوئی سوانح نگار ہوتا تو حضرت یوسفؑ کی سیرت میں اس کا ذکر نہ کرتا کہ اس میں حضرت یوسفؑ کی کمزوری ظاہر ہوتی ہے، قابل غور بات یہ ہے کہ حضرت یوسفؑ حضرت یعقوبؑ کے بیٹے پیغمبر کے پوتے اور پرپوتے تھے، اس سے بہتر کیا ہے کہ ان پر حرف آئے، داغ لگے، لیکن لوگوں کو آرام پہونچے، یہ ہے نبوت کا مزاج، اور اس کی نفسیات، یہ صرف نبی کے اندر ہوتی ہے، تورات نے حضرت یوسفؑ کے وعظ اور ان کی حکیمانہ باتوں کو نظر انداز کر دیا ہے جبکہ قرآن نے اس قصے میں ان تمام عناصر کا ذکر کیا ہے، جن سے انسانوں کی رہنمائی ہوتی ہے، اور ان سے سیرت وکردار کی تشکیل میں مدد ملتی ہے۔

مولانا نے سورۂ کہف میں درج واقعات اور حکایتوں کا اختصار کے ساتھ تحلیل وتجزیہ کرتے ہوئے فرمایا کہ ہم نے اپنے عربی مقالہ اور کتاب معرکہ ایمان ومادیت میں ذکر کیا ہے کہ ہر زمانہ میں ایمان ومادیت کے درمیان کشمکش پیش آئے گی، یہ کشمکش ایک خاص شکل میں اصحاب کہف کے زمانہ میں پیش آئی اصحاف کہف نے اپنے زمانہ کی مشرکانہ حکومت کا کس طرح مقابلہ کیا، اللہ تعالیٰ نے ان کو کیسا اعزاز بخشا، آخر زمانے میں کیا کیا واقعات پیش آئیں گے، قیامت تک پیش آنے والی ساری تحریکات، ترغیبات، مادی کشش اور رعنائی ودلکشی کی طرف اشارے کئے گئے ہیں، یہ سب چیزیں حکایتوں کے ذریعہ ہمارے سامنے قرآن نے رکھی ہیں، تاکہ ہم ان سے نصیحت اور عبرت حاصل کریں، لیکن ان کہانیوں کو دین کے دائرے سے خارج کر دیا گیا، بس لوگوں نے یہ سمجھ لیا کہ صرف تفریح اور وقت گذاری کے لئے واقعات اور قصے پڑھ لئے جائیں، عربی میں کہانیوں کا بڑا ذخیرہ ہے، الف لیلۃ ہے، جس کی مثال دوسری زبانوں میں نہیں ملتی، اس طرح ابوالفرج اصفہانی کی کتاب بہت مقبول ہوئی لیکن ان

کہانیوں اور واقعات کو اصلاحی اور تربیتی مقاصد سے پڑھنے کے بجائے تفریحی طور پر پڑھا گیا لیکن اللہ کے بندے اپنے اپنے دور میں کام کرتے رہے۔

قرآن مجید میں انبیاء علیہم السلام کے واقعات کا تذکرہ خود اس بات کی دلیل ہے کہ ان کے اندر افادیت ہوتی ہے پھر جس تفصیل کے ساتھ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت لکھی گئی ہے، اور اس کا جتنا بڑا ذخیرہ اسلامی کتب خانہ میں ہے اس کی نظیر نہیں ملتی، نسل انسانی میں سے کسی بھی انسان کے بارے میں اتنی تفصیل کے ساتھ اور اتنی احتیاط، استدلال اور موزونیت کے ساتھ کوئی کتاب نہیں لکھی گئی جتنی کہ خاتم النبیین سید المرسلین محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں لکھی گئی ہے۔

حضرات: ہمیشہ ادب کو دین کا معاون سمجھئے اور اس کو بچوں کی نفسیات اور ان کی عمر اور ذوق کے مطابق دین کے حقائق اور اصول عقائد سے متاثر کرنے کا کام لیجئے اگر اس میں ذرا بھی تاخیر ہو جائے یا ذرا سے چوک ہو جائے تو بڑے سنگین نتائج نکلتے ہیں، مصر میں حکایات الاطفال کے نام سے جو کتابیں لکھی گئیں، اس میں باتصویر کہانیاں، کتے بلیوں سے متعلق تھیں، یہ کتابیں ندوۃ العلماء میں پڑھائی جاتی تھیں، مولانا عبدالماجد دریابادی نے اپنے رسالہ "صدق" میں لکھا، کہ جس ادارہ کے معتمد تعلیم مولانا سید سلیمان ندوی ہوں اور جس کے ناظم مولانا حکیم ڈاکٹر عبدالعلی ہوں اس ادارہ میں حکایات الاطفال پڑھائی جاتی ہو، جس میں گائے بیل کی تصویریں ہوں، حیرت کی بات ہے اسوقت مجھے ایک دھکا سا لگا اور یہ احساس پیدا ہوا تو میں نے حکایات الاطفال کے بجائے قصص النبیین للاطفال کے نام سے ایک کتاب کا سلسلہ شروع کیا، جو الحمد للہ یہیں نہیں بلکہ بلاد عرب یہاں تک کہ روس وچین میں بھی پڑھائی جاتی ہے، اس کے ترجمے، انگریزی، ہندی، فرنچ اور اسپینی وترکی میں ہوئے، اس کتاب کی بنیادی خصوصیت یہ ہے کہ بنیادی عقائد کو اس طرح بچوں کے سامنے پیش کیا گیا ہے کہ وہ اس کو کوئی تعلیم وتلقین اور درسی چیز نہ سمجھیں بلکہ ایک بدیہی حقیقت سمجھیں، جیسے روزمرہ کی چیز ہو جیسے انسان کھانا کھاتا اور پانی پیتا ہے، اور سمجھتا ہے کہ پانی تو پینا ہی چاہئے یہ فطرت کے عین مطابق ہے، اس طرح وہ آسانی سے بغیر کسی پیچیدگی کے عقیدۂ توحید کو سمجھ لیتا ہے اور اپنے اوپر دباؤ بھی محسوس نہیں کرتا، نہ دلائل کی وہ تلاش کرتا ہے، قصص النبیین میں آسان کہانیوں سے

ذریعہ تمام بنیادی عقائد دلکش انداز میں بچوں کی نفسیات اور ان کی عمر کے تقاضوں کے مطابق آسان زبان میں بیان کر دیئے گئے ہیں اور اس کا لحاظ رکھا گیا ہے کہ یہ ان بچوں کو ذہن پر بار نہ ہوں اور ان کا معدہ بھی آسانی سے ہضم کر جائے اور ان کے قول و فعل اور سیرت و کردار میں یہ عقائد گھل مل جائیں۔

خطاب کے آخر میں صدر جلسہ نے جنوب کی سرزمین خصوصاً اس کے مایہ ناز سپوت سلطان کا ذکر کیا اور فرمایا کہ انھوں نے جو کردار ادا کیا وہ ناقابل فراموش کارنامہ ہے، مولانا نے سلطان ٹیپو کے خاندان کے ساتھ ان کے بزرگوں خصوصاً شاہ ابوسعید، شاہ ابو اللیث سعید نعمان اور حضرت سید احمد شہید سے تعلق و روابط کا ذکر کیا، اور فرمایا کہ سلطان ٹیپو اور حضرت سید صاحب نے اس سرزمین کو آزاد کرانے کے لئے جو قربانیاں دیں وہ تاریخ کے انبار میں دبی ہوئی ہیں، ان کو ابھارنے کی ضرورت ہے، یہ بھی ادب کا ایک جز ہے کہ اپنے کوتے اور تناسب کے مطابق ہو، یہ چیزیں اس طرح ہماری ادب کی کتابوں میں آئیں کہ ذہن قبول کرے اور بچہ بھی محسوس نہ کرے کہ وعظ کیوں کہا جا رہا ہے، ادب کے لئے جس نفسیات انسانی اور نفسیات صبیانی (بچوں کی نفسیات) کی ضرورت ہے، اس کو سمجھنے کی ضرورت ہے، اور اس پر عمل کرنے کی بھی۔

مولانا نے رابطہ ادب اسلامی کے جلسہ کے بنگلور میں انعقاد پر مسرت ظاہر کرتے ہوئے فرمایا کہ ہمیں بڑی خوشی ہے کہ جنوبی ہند اس کام کو کر رہا ہے، جو بہت سی توانائیوں اور خصوصیتوں میں ممتاز ہے، اس ملک میں سب سے پہلے اس سرزمین نے جنگ آزادی شروع کی تھی، جس کا ایک نمونہ سلطان ٹیپو تھے، ہمیں امید ہے کہ اسلامی ادب کو ان شاء اللہ اس سیمینار کے بعد ایک طاقت ملے گی اور اس میں ایک دلکشی پیدا ہوگی۔

وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین

بسم اللہ الرحمن الرحیم

دعوت دین میں حکمت و وسعت اور ہر زمان و مکان کے لئے اس کی ہم آہنگی

نحمده ونصلی علی رسوله الكريم اما بعد ! فاعود بالله من الشيطان الرجيمo بسم الله الرحمن الرحيم o

ایک دیرینہ آرزو کی تکمیل:

اللہ تبارک وتعالیٰ کا ہزار ہزار شکر ہے کہ آج آپ سے ایسے موضوع پر خطاب کرنے کا موقع مل رہا ہے جو میرے دل کی دیرینہ آرزو کی تکمیل ہے، بلکہ قرآن کریم کی اس آیت کو اپنے حسب حال پاتا ہوں۔

هذا تاويل روياى من قبل قد جعلها ربی حقا (یوسف ۱۰۰)

یہ میرے اس خواب کی تعبیر ہے جو میں نے پہلے دیکھا تھا، میرے پروردگار نے اسے سچ کر دیا۔

ہم آپ آج دعوت و تبلیغ دین کے اصول و اسلوب اور اس کے طریق کار کو سمجھنے اور سمجھانے کے لئے جمع ہوئے ہیں، حقیقت یہ ہے کہ یہ موضوع اس ادارہ کی اصل روح ہے جو آج سے نوے سال قبل قائم ہوا تھا۔

قرآن کریم کا اسلوب دعوت کیا ہے؟ یا یوں پوچھئے کہ قرآن کریم دین کی دعوت دینے والے مبلغ کو کیا ہدایت دیتا ہے؟ انبیاء کرام علیہم الصلوۃ والسلام نے دعوت دین کس طریقے پر اور کن اصولوں پر پیش کی؟ قرآن داعی اور مبلغ کے لئے کیا اوصاف و خصوصیات پسند کرتا ہے؟ کیا دعوت کے متعین حدود اور طریقے مقرر ہیں، جن کا ایک مبلغ پابند ہو سکے، اور جنہیں ایک طالب علم تبلیغ کی درسگاہ میں سیکھ سکے؟

یہ موضوع بہت ہی اہم ہے، قرآن کریم سے اس کا براہ راست تعلق ہے، اور تبلیغ دین

کے موضوع سے بھی اسی طرح اس کا تعلق ہے، اور جب اس موضوع کے تحت اس کے دوتابناک اور ولولہ انگیز پہلو جمع ہو رہے ہوں تو اس کی اہمیت وعظمت اور بھی بڑھ جاتی ہے۔

قرآن کریم کا موضوع دعوت وہدایت ہے:

قرآن کریم ہدایت ودعوت کی کتاب ہے، اور احکام وشریعت کی بھی کتاب ہے، لیکن اس کے اندر دعوت وہدایت کا پہلو دوسرے پہلوؤں پر غالب ہے، شریعت واحکام کی اہمیت سے انکار نہیں، اس کی عظمت سر آنکھوں پر، لیکن سوال اولیت واہمیت کا ہے، کونسا پہلو زیادہ اہمیت رکھتا ہے، اور کس کو اولیت حاصل ہے، اس لحاظ سے اگر دیکھیں تو میرا حقیر مطالعہ یہ ہے کہ شریعت واحکام کے مقابلہ میں دعوت وہدایت کا پہلو قرآن کریم میں غالب ہے، کیونکہ ایمان کی بنیاد ہدایت پر ہے اور تبلیغ پر اس ایمان کے حصول کا دارومدار ہے، لہذا یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ دوسرے تمام مضامین ومقاصد پر ہدایت ودعوت کا عنصر قرآن کریم میں نمایاں طور پر غالب ہے۔

دعوت وتبلیغ کا کام قوانین وضوابط کا پابند نہیں ہے:

قرآن کریم نے دعوت وتبلیغ کے کیا اصول بتائے ہیں؟ وہ کیا ضابطے ہیں جن کی پابندی کرنے کا قرآن نے حکم دیا ہے؟ کیا قرآن کریم میں ہمیں تبلیغ ودعوت کے متعین قوانین اور اس کے بے لچک حدود بتائے گئے ہیں؟

میرا خیال ہے دعوت کے طریق کار کو قانون وضابطہ کی زبان میں نہیں بیان کیا گیا ہے اور نہ ایسا کرنا قرین مصلحت اور مقتضائے حکمت ہے، دعوت وتبلیغ کا انداز ماحول اور گردوپیش کے حالات، مخاطبین کے طبائع اور دین کے مصالح کے مطابق متعین ہوتا ہے۔

چونکہ دعوت کو "صورتحال" کا سامنا کرنا ہوتا ہے اور "صورتحال" ہمیشہ بدلتی رہتی ہے، اس لئے دعوت کے کام میں "حاضر کلامی" اور حاضر دماغی دونوں کی ضرورت ہے، مزید یہ کہ دعوت پیش کرنے والوں کو انسانی نفسیات سے گہری واقفیت اور اس کی دکھتی رگوں اور سوسائٹی کے کمزور پہلوؤں پر انگلی رکھ کر بتانا ہوتا ہے، اس لئے یہ نہیں کہا جا سکتا کہ مبلغ کو یہ بات کرنی چاہئے، یہ نہیں کرنی چاہئے، اور یہ کام کرنا چاہئے، اور یہ نہیں کرنا چاہئے، اس کو ایسا اسلوب

اختیار کرنا چاہئے اور لوگوں کے سامنے دعوت کو اس طرح پیش کرنا چاہئے، اس کے یہ حدود و ضوابط ہیں، خواہ وہ قوانین کے مرکزی خطوط ہوں، کیونکہ بدلتے ہوئے معاشرے اور تبدیل شدہ صورتحال سے اس کو نمٹنا ہوتا ہے۔

اگر قوانین وضوابط میں اس کو جکڑ دیا جائے تو وہی حال ہوگا جو ایک صاحب کو اپنے ملازم کے ساتھ پیش آتا تھا، جو ایک لطیفہ بیان کیا جاتا ہے کہ کسی صاحب نے ایک ملازم رکھا، ملازم ضرورت سے زیادہ ''قانونی'' واقع ہوا تھا، اس نے مطالبہ کیا کہ مجھے میرے فرائض بتا اور نوٹ کرا دیئے جائیں۔ چنانچہ ایک فہرست تیار ہوئی کہ فلاں وقت بازار سے سودا لانا ہے، فلاں وقت گھر صاف کرنا ہے، فلاں وقت یہ کام کرنا ہے اور فلاں وقت وہ کام کرنا ہوگا۔ ملازم نے ان خدمات پر اپنے آپ کو مامور سمجھا جن کی تفصیل اس کی فہرست میں درج تھی، خدا کا کرنا ایسا ہوا کہ ایک بار وہ صاحب جنہوں نے ملازم رکھا تھا گھوڑے پر سوار تھے، وہ اترنا چاہتے تھے، پاؤں رکاب میں پھنس گیا اور ان کی جان پر بن گئی، اب گھوڑا بھاگ رہا ہے اور یہ گھسٹتے ہوئے جا رہے ہیں۔ اسی حال میں ملازم پر نظر پڑی۔ چیخ کر آواز دی کہ جلد آ اور میری جان بچا۔ ملازم نے کہا۔ ذرا ٹھہریئے میں اپنی فہرست میں دیکھ لوں کہ آیا یہ خدمت بھی میرے فرائض میں ہے یا نہیں؟ اس وقت جب کہ آقا کی جان جا رہی ہے اور وہ موت وحیات کی کشمکش میں ہے، ملازم صاحب نے اپنے اصول وضوابط پر عمل کیا اور آقا اس ضابطہ پرستی کی نذر ہو گئے اور ملازم ان کے کچھ کام نہ آیا۔ عربوں کو اللہ تعالی نے تجربات سے فائدہ اٹھانے کی بڑی صلاحیت بخشی ہے، اور ان کے اندر فطرتاً سلامت روی پائی جاتی ہے، ان کے کسی شاعر کا یہ خوب شعر ہے:

اذا کنت فی حاجة مرسلا
فارسل حکیما ولا توصه

یعنی اگر تمہیں کسی کام سے کوئی آدمی کہیں بھیجنا پڑے تو اس کے لئے ایک عقیل وفہیم آدمی کا انتخاب کر لو اور اس کو (تفصیلی) ہدایتیں نہ دو، کیونکہ وہ خود اپنی سمجھ سے موقع محل کی مناسبت دیکھ کر وہ کام کر لے گا جو تمہارے حقیقی منشاء کے مطابق ہوگا۔

دعوت کے زمانی اور مکانی حدود:

دعوت دین بہت نازک کام ہے، اور اس کی وسعت کا کوئی ٹھکانہ نہیں ہے، اس کے پیچھے

حدود مکانی ہیں اور کچھ زمانی، اور دونوں انتہائی وسیع اور پھیلے ہوئے۔ زمانے کے لحاظ سے دیکھئے تو اس کا زمانہ اس وقت سے شروع ہوتا ہے جبکہ کسی پیغمبر نے دعوت کا آغاز کیا یا غیر پیغمبر نے اس دعوت کی ابتداء کی اور اس کی انتہا، کوئی بھی نہیں ہے، اسی طرح اس کا مقام (مکانی حدود) بھی متعین نہیں کیا جا سکتا، ہو سکتا ہے کہ داعی مشرق میں ہو اور یہ بھی ممکن ہے کہ وہ مغرب میں ہو یا مشرق سے مغرب یا مغرب سے مشرق منتقل ہو جائے، لہذا اگر صرف اہل مشرق کو سمجھانے کا طریقہ اس کو معلوم ہے تو مغرب میں وہ افہام و تفہیم کا کام انجام نہیں دے سکتا، اور اگر وہ صرف اہل مغرب کے طبائع اور نفسیات سے واقف ہے تو مشرق میں اس کی دعوت برمحل اور بارآور نہیں ہوگی۔

آیت دعوت کا اختصار و اعجاز اس کی وسعت اور گیرائی:

قرآن کریم کا یہ اعجاز ہے کہ اس نے دعوت کے طریق کار کے حدود مقرر نہیں کئے اور یہ کام داعی کی قوت تمیز اور عقل سلیم پر چھوڑ دیا ہے، اس بات کا فیصلہ کہ کب اور کس وقت کونسا طریق کار اختیار کیا جائے، اس کی طرف خود داعی کا ذوق اور عقیدہ رہنمائی کرے گا، اور اس کی دینی فکر جو اس کے احساسات و اعصاب پر حکمراں ہے، وہ خود طریق کار کا انتخاب کر لے گی، قرآن کریم نے صرف ایک وسیع حصار قائم کر دیا ہے، جس کے اندر دعوت دین کی پوری روح (اسپرٹ) سما گئی ہے، وہ آیت یہ ہے:

ادع الی سبیل ربک بالحکمة والموعظب الحسنة وجا دلهم بالتی هی احسن ان ربک هو اعلم بمن ضل عن سبیله وهو اعلم بالمهتدین O

(اے پیغمبر) لوگوں کو دانش اور نیک نصیحت سے اپنے پروردگار کے رستے کی طرف بلاؤ، اور بہت ہی اچھے طریق سے ان سے مناظرہ کرو، جو اس کے رستے میں بھٹک گیا، تمہارا پروردگار اس سے خوب واقف ہے اور جو رستے پر چلنے والے ہیں انہیں بھی خوب جانتا ہے۔

اس آیت کریمہ کی رو سے دونوں باتیں پوری طرح عیاں ہیں، ایک داعی الی اللہ کو کتنی آزادی ہے اور کس درجہ پابندی ہے، کہاں تک وہ جا سکتا ہے، اور کس حد سے آگے قدم بڑھانا ممنوع ہے، جہاں تک دعوت کی وسعت اور داعی کی آزادی کا تعلق ہے، وہ اس تعبیر سے واضح ہے کہ "ادع الی سبیل ربک" (بلاؤ اپنے رب کی راہ کی طرف) اس آیت میں یہ نہیں فرمایا گیا

کہ ایمان کی طرف دعوت دو، یا صحیح اور سچے عقیدہ کی طرف بلاؤ، یا نماز قائم کرنے کی دعوت دو یا اخلاق حسنہ اختیار کرنے کی ترغیب دو، انسانیت کے احترام کی تلقین کرو، یہ سب نہیں کہا گیا مگر یہ تمام باتیں ’’سبیل ربک‘‘ میں سمٹ آئی ہیں، اس لفظ نے فکر وعمل کے آفاق کھول دیئے ہیں، یہ آفاق بھی محدود نہیں ہیں، اس میں دوسرے ادیان سماوی، بشری ضروریات، انسانی زندگی میں پیش آنے والی حاجتیں سب داخل ہیں ’’ادع‘‘ (بلاؤ) کا لفظ بھی کس درجہ وسیع معانی پر حاوی ہے، اس میں نہ اس کی قید ہے کہ وعظ وتقریر کے ذریعے بلاؤ نہ یہ کہ تحریر کے ذریعے دعوت دو، یہ کہ وعظ وتلقین ہی کا ذریعہ اختیار کرو، یہ لفظ ’’ادع‘‘ تمام معانی اپنے جلو میں رکھتا ہے، اور حسب موقع داعی، دعوت کا فرض کبھی پند ونصائح سے کبھی وعظ وتقریر سے اور کبھی تحریر اور دوسرے ذرائع ابلاغ سے ادا کر سکتا ہے، اور بلانے کا ہر وہ وسیلہ اختیار کر سکتا ہے جو مشروع ہو، موثر اور نافع ہو، پھر فرمایا ’’سبیل ربک‘‘ اپنے رب کے رستے (کی طرف) اس کے علاوہ کوئی تعبیر ممکن نہیں جس میں اتنی جامعیت اور وسعت، گہرائی اور گیرائی بیک وقت موجود ہو۔

’’حکمت‘‘ کا لفظ بہت ہی بلیغ اور بڑے وسعتوں کا حامل ہے، دوسری زبان میں اس کا ترجمہ آسان نہیں ہے، اسی طرح ’’موعظت‘‘ بھی وسیع معانی پر حاوی لفظ ہے۔ ’’حسنہ‘‘ کا لفظ بھی لامحدود معانی پر مشتمل ہے، قرآن نے اس آیت میں آزادی بھی دی ہے اور حد بندی بھی کی ہے، ایجاز واختصار سے بھی اور بیان وشرح بھی۔

ادع الیٰ سبیل ربک بالحکمة والموعظة الحسنة .

اے پیغمبر! اپنے پروردگار کے رستے کی طرف دانش اور نیک نصیحت سے بلاؤ۔

یہ آیت کریمہ بعثت محمدی سے پیشتر کے سب سے بڑے داعی الی اللہ یعنی حضرت ابراہیم علیہ السلام کے تذکرہ میں نازل ہوئی ہے، یہ پورا تذکرہ اس طرح ہے:

ان ابراهیم کان امة قانتا لله حنیفا ولم یک من المشرکین
O شاکراً الا نعمه اجتبه وهده الی صراط مستقیم O واتینه فی
الدنیا حسنة وانه فی الاخرة لمن الصالحین O ثم اوحینآ الیک ان
اتبع ملة ابراهیم حنیفاً وماکان من المشرکین O

بے شک ابراہیمؑ (لوگوں کے) امام (اور) خدا کے فرمانبردار تھے جو ایک طرف کے

ہو رہے تھے اور مشرکوں میں نہ تھے۔ اس کی نعمتوں کے شکر گذار تھے، خدا نے ان کو برگزیدہ کیا تھا اور (اپنی) سیدھی راہ پر چلایا تھا اور ہم نے ان کو دنیا میں بھی خوبی دی تھی اور وہ آخرت میں بھی نیک لوگوں میں ہوں گے۔ پھر ہم نے تمہاری طرف وحی بھیجی کہ دین ابراہیمؑ کی پیروی اختیار کرو جو ایک طرف کے ہو رہے تھے، اور مشرکوں میں سے نہ تھے۔

اس کے بعد ارشاد ہوا: ادع الیٰ سبیل ربک۔ الخ

لہذا یہ آیت کریمہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دعوت توحید سے مربوط ہے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی ذات سے دعوت حق کا گہرا تعلق ہے، اس آیت سے ظاہر ہوتا ہے اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کے تذکرہ کے ضمن میں اس آیت کا آنا اس بات کی دلیل ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام اپنی دعوت میں اسی طریق کار کا ایک اعلیٰ نمونہ تھے، اور یہ کہ آپ کی دعوت "حکمت وموعظت حسنہ" کے اصول پر کاربند تھی۔

دعوت کا ایک اہم عنصر، واقعات اور مثالیں:

قرآن کریم نے دعوت کے لئے واقعات بیان کرنے اور مثالیں دینے کا اسلوب اختیار کیا ہے، دوسرے وسائل دعوت کی بہ نسبت یہ طریقہ زیادہ موثر اور دلنشین ہے، اور مقصد کے حصول میں یہ طریقہ زیادہ مفید اور کارآمد ثابت ہوا ہے، ایک طرف قرآن کریم نے اگر تفصیلی ضابطے اور قانونی باریکیاں بتانے کو ضروری نہیں سمجھا ہے، تو دوسری طرف اس خلا کو (اگر اس کو خلا سمجھا جائے جو درحقیقت خلا نہیں ہے) انبیاء کرام کی سیرت اور ان کے مواعظ اور دعوت پر مکالموں کے نمونوں سے پر کیا ہے۔ یہ نمونے دلوں پر اثر اندازی کی بے انتہا قوت رکھتے ہیں، ذہن وقلب پر ان کا سحر کی مانند اثر ہوتا ہے، کیونکہ عملی نمونوں کا جو اثر ہوتا ہے، وہ کسی دوسرے وسائل دعوت کا نہیں ہو سکتا، منطقی، نفسیاتی، علم کلام کے انداز کے جدلی اصول، دعوت دین کے لئے کارآمد عناصر نہیں ثابت ہوئے ہیں، تمام آسمانی صحیفوں نے شروع سے آخر تک عملی نمونوں پر اعتماد کیا ہے، یہ نمونے اور مثالیں ادبی شہ پارے ہیں جو دلوں کو موہ لیتے ہیں۔

ان میں سے اکثر واقعات چار برگزیدہ پیغمبروں کی سیرتوں سے ماخوذ ہیں، وہ انبیاء کرام حضرت ابراہیم علیہ السلام، دوسرے حضرت یوسف علیہ السلام، تیسرے حضرت موسیٰ علیہ السلام اور آخر میں خاتم الانبیاء والرسل محمد رسول اللہ ﷺ ہیں۔

ایک مومن کی دعوت کا نمونہ جو اپنا ایمان مخفی رکھے ہوئے تھا:

دعوت کے سلسلہ میں ایک اہم نکتہ ہے جس کو قرآن نے فراموش نہیں کیا ہے، وہ یہ ہے کہ دعوت کا کام صرف انبیاء کرام تک محدود نہیں ہے، اگر ایسا ہوتا تو لوگوں کو یہ کہنے کا موقع مل سکتا تھا کہ ہم کہاں اور اللہ کے پیغمبر کہاں، وہ لوگ اللہ کی نوازش خاص سے بہرہ مند تھے، ان کو اللہ تعالیٰ نے نبوت اور وحی سے نوازا تھا، روح القدس سے ان کی تائید و تقویت کا انتظام فرمایا گیا تھا، ہم عاجز بندے کس طرح ان برگزیدہ انبیاء کرام کی نقل کر سکتے ہیں، ان کے نقش قدم پر چلنا ہمارے بس میں نہیں ہے۔

قرآن مجید نے اس سبب سے ایک مثال ایسے شخص کی دی ہے جو نبی نہیں تھا، اور نہ پیغمبروں کے ممتاز اور جلیل القدر ہم نشینوں میں تھا، ایک مومن تھا، فرعون کی قوم کا فرد تھا، قرآن کریم نے صرف اس قدر بتایا ہے۔

وقال رجل مؤمن من ال فرعون يكتم ايمانه .

اور فرعون کے لوگوں میں سے ایک مومن شخص نے (جو اپنے ایمان کو مخفی رکھتا تھا) کہا۔

یعنی اس کے حالات اور ماحول نے اس کو دین کے اعلان کا موقع بھی نہیں دیا تھا۔ خواہ وہ ایمانی قوت کے لحاظ سے جس قدر بھی بلند رہا ہو، مگر حضرت ابوبکر صدیق اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہما کی طرح یا حضرت ابوذر کی طرح اپنے ایمان کا اظہار نہ کر سکا، لیکن وہ مومن تھے اور اپنے ایمان کو اب تک چھپائے ہوئے تھے، انہوں نے اپنے بھائی بندوں کے خلاف جنگ نہیں کی، اور ایک دوست، خیر خواہ اور اپنے دوستوں اور بھائیوں کا بہی خواہ بن کر انہوں نے دعوت دین کا فرض انجام دیا، ایک صاحب ادراک و بصیرت داعی کے لئے اس واقعہ میں ایک نمونہ ہے، اگر وہ اس صورتحال سے دوچار ہو اور دینی مصلحت کا تقاضہ ہو، اور اس شخص کے لئے بھی نمونہ ہے جو اگرچہ ایسی صورتحال سے دوچار نہیں ہے، مگر کلام کے انداز اور حقیقت سے آگاہ کرنے کا اسلوب، ماضی کے عبرتناک واقعات اور انجام کار کے نتائج سے باخبر کرنے کا طریقہ اس واقعہ سے اخذ کر سکتا ہے:

وكلا وعد الله الحسنى

اور اللہ نے ان دونوں فریقوں کے لئے بہتر نتائج کے وعدے کئے ہیں۔

وما علينا الا البلاغ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دعوت کے دو نمونے

نحمده و نصلی علی رسوله الکریم اما بعد ! فاعوذ باللہ من الشیطان الرجیم ○ بسم اللہ الرحمن الرحیم ○

مناسب ہوگا کہ آج ہماری مجلس کا موضوع حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دعوت ہو۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دعوت کے دو نمونے ہمیں ملتے ہیں، اگر ہم ان دونوں نمونوں کو سامنے رکھیں اور ان کا باہمی موازنہ کریں تو محسوس ہوگا کہ "حکمت" (جو دعوت کا اولین عنصر ہے) کس درجہ کمال حسن کے ساتھ ان کی دعوت میں جلوہ گر ہے، اور پیغمبرانہ انداز تبلیغ کی مکمل نمائندگی ان کے طرز خطاب میں موجود ہے۔

ایک نمونہ تو وہ ہے، جبکہ انہوں نے اپنے والد کو دین حق کی دعوت دی، اور دوسرا نمونہ وہ ہے جس میں انہوں نے اپنی قوم کو مخاطب فرمایا، ان دونوں دعوتوں کے انداز بیان میں حکیمانہ تنوع پایا جاتا ہے، صرف انداز گفتگو اور پیرایہ بیان ہی میں فرق نہیں ہے بلکہ موقع کا لحاظ اور مخاطب کی نفسیات کا گہرا علم بھی جھلکتا ہے، اور یہ کہ کس طرح دل کی پہنائیوں میں بات اتار دی جائے، آپ اگر ان آیات کو پڑھیں جن میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اس گفتگو کو نقل فرمایا گیا ہے، جو انہوں نے اپنے والد کو دین کی طرف بلانے کے سلسلے میں کی، پھر اس خطاب کو ملاحظہ فرمائیے جو انہوں نے اپنی قوم سے کیا، تو آپ کو دونوں میں واضح فرق نظر آئے گا۔

ایک فرزند اپنے باپ کو دین کی دعوت دیتا ہے:

واذکرفی الکتب ابراھیم انه کان صدیقا نبیاء إذ قال لأبیه یابت لم تعبد مالا یسمع ولا یبصرو ولا یغنی عنک شیئاً ○ یآبت إنی قد جآء نی من العلم مالم یاتک فاتبعنی اھدک صراطاً سویا ○ یابت

لاتعبد الشیطن ان الشیطن کان للرحمن عصیا O یابت انی اخاف
ان یمسک عذاب من الرحمن فتکون للشیطن ولیا O

اور کتاب میں ابراہیمؑ کو یاد کرو، بے شک وہ نہایت سچے پیغمبر تھے، جب انہوں نے اپنے باپ سے کہا کہ ابا آپ ایسی چیزوں کو کیوں پوجتے ہیں جو نہ سنیں اور نہ دیکھیں اور نہ آپ کے کچھ کام آسکیں؟ ابا مجھے ایسا علم ملا ہے جو آپ کو نہیں ملا تو میرے ساتھ ہو جائیے، میں آپ کو سیدھی راہ پر چلا دوں گا۔ ابا شیطان کی پرستش نہ کیجئے، بے شک شیطان خدا کا نافرمان ہے، ابا مجھے ڈر لگتا ہے کہ آپ کو خدا کا عذاب آ پکڑے تو آپ شیطان کے ساتھی ہو جائیں۔

ان آیات میں حسب ذیل امور واضح طور پر نظر آئیں گے۔

(۱) پدرانہ شفقت کے جذبہ کو ابھارا گیا ہے۔

یابت کے طرز خطاب پر غور کیجئے۔ میرے باپ (یا میرے ابا جان اے میرے بابا جس طرح بھی آپ ترجمہ کریں) اس انداز خطاب میں بیٹے کی سعادت مندی، محبت اور فروتنی پوری طرح نمایاں ہے۔ اس انداز خطاب کے لطف کو سمجھنا ذوق سلیم پر موقوف ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ اس تمثیل کو اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم کی زبان سے آشنا کیا ہے۔

اذهب یاابن اخی فقل مااحببت فوالله مااسلمک ابدا (۱)

میرے بیٹے! تم اپنا کام کرتے رہو، جو جی چاہے کہو، میں اللہ کی قسم تمہیں کسی کے حوالے نہیں کروں گا۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام اور دلائل کا حسن انتخاب:

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنے والد سے گفتگو کے وقت منطقی گرفت سے کام نہیں لیا اور نہ ایسی باتیں کہیں جن کو صرف بڑے ذہین لوگ ہی سمجھ سکیں، بلکہ روزمرہ کی، آئے دن کی اور جانی بوجھی باتوں سے ابتداء کی، ایسی بات کی جو ایک بچے کی بھی سمجھ میں آ سکے، اور واقعہ بھی یہی تھا کہ ان کے والد اگرچہ عمر رسیدہ تھے مگر ''عقل کا بچپن'' ختم نہیں ہوا تھا، لہذا ان سے کہا: ابا جان! آپ کیوں ایسی چیز کی پرستش کرتے ہیں جو نہ سنتی ہے نہ دیکھتی ہے اور نہ کسی کام آ سکے، پھر فرمایا کہ مجھ پر وہ حقیقت آشکارا ہو گئی ہے، جس کی آپ کو خبر نہیں، یہ بات بھی بجائے خود

ایک بات کو خوش کرنے والی ہے کہ اس کا بیٹا علم وفہم میں، سمجھ بوجھ میں اس سے بڑھ جائے، اور یہ کوئی اچنبھے کی، یا خرق عادت قسم کی بات نہیں تھی، بہت دیکھا گیا ہے کہ باپ ناخواندہ ہے، اور بیٹا پڑھ لکھ کر عالم فاضل ہوگیا ہے، یا باپ نے کم پڑھا ہے، بیٹا باپ سے بڑھ گیا ہے، چنانچہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا: ابا جان! مجھ پر وہ حقیقت آشکارا ہوگئی ہے، جس کی آپ کو خبر نہیں ہے، لہذا میری پیروی کیجئے، میں آپ کو صحیح راستہ بتاؤں گا، ابا جان! شیطان کی پرستش نہ کیجئے، شیطان، رحمان کا نافرمان ہے، ان آیات میں سے ہر آیت اپنے اندر بڑی گہرائی رکھتی ہے، معانی وحکمت کے خزانے اس کے اندر بند ہیں، شیطان کا نام تو لیا مگر اس کی ماہیت اور کوئی علمی باتیں نہیں کیں، کیونکہ وہ جانتے تھے کہ ان کے والد جب اس درجہ سادہ لوحی کا کام کر سکتے ہیں کہ بت تراشی کو اپنا پیشہ بنالیں تو ان سے توقع بیکار تھی کہ وہ گہری اور نازک قسم کی بات سمجھ سکیں گے، لہذا ان کو صرف اس قدر بتانے پر اکتفا کیا کہ ابلیس کا سب سے بڑا گناہ یہ ہے کہ وہ خدائے رحمان ورحیم کا نافرمان ہے، آخر میں کہا ابا جان! مجھے ڈر لگتا ہے کہ کہیں (رحمان) سب سے بڑا رحم فرمانے والے کا عذاب نہ آپ پر آجائے، جس کے نتیجہ میں آپ شیطان کے گروہ کا ایک فرد بن جائیں۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اپنی قوم کو دعوت فطرت انسانی اور حقائق کی بنیاد پر گفتگو:

ایک انداز بیان یا دعوت کا اسلوب وہ ہوتا ہے جو حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنے والد کو مخاطب کرتے وقت اختیار کیا تھا، جو ابھی آپ نے سنا، اب دوسرا انداز بیان یا اسلوب دیکھئے جو حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنی قوم کو مخاطب کرتے ہوئے اختیار کیا، دونوں کا فرق خود ظاہر ہوجائے گا۔

واتل علیھم نبا ابراھیم O اذ قال لابیه وقومه ماتعبدون O قالو نعبد اصناماً فنظل لَھا عکفین O قال ھل یسمعونکم اذ تدعون O اوینفعونکم اویضرون O (الشعراء . ۶۹.۷۳)

اوران کو ابراہیمؑ کا حال پڑھ کر سنادو، جب انہوں نے اپنے باپ اور اپنی قوم کے لوگوں

سے کہا کہ تم کس چیز کو پوجتے ہو؟ وہ کہنے لگے ہم بتوں کو پوجتے ہیں اور ان کی پوجا پر قائم ہیں۔ ابراہیمؑ نے کہا کہ جب تم ان کو پکارتے ہو تو کیا وہ تمہاری آواز کو سنتے ہیں؟ یا تمہیں کچھ فائدے دے سکتے ہیں یا نقصان پہنچا سکتے ہیں۔

ان آیات کریمہ پر غور کیجئے، اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کی پیغمبرانہ فراست اور حکیمانہ بالغ نظری کا اندازہ کیجئے۔ انہوں نے اپنی قوم کے معبودانِ باطل کی کوئی ہجو نہیں کی، اور نہ ان کو برے نام سے یاد کیا، اگر ایسا کرتے تو عین ممکن تھا کہ ان کے مخاطب بھڑک جاتے اور سرے سے بات سننے ہی کے لئے تیار نہ ہوتے۔ لہذا حضرت ابراہیم علیہ السلام نے بجائے خود کچھ کہنے کے انہی کو مجبور کیا کہ وہ بولیں۔ فرمایا "ماتعبدون؟" کس چیز کی تم لوگ پرستش کرتے ہو؟

قالوا نعبد اصناما فنظل لها عكفين O قال هل يسمعونكم اذ تدعونO او ينفعونكم اويضرون (الشعراء ۷۱.۷۳)

وہ کہنے لگے ہم بتوں کو پوجتے ہیں اور ان کی پوجا پر قائم ہیں۔ ابراہیمؑ نے کہا کہ جب تم ان کو پکارتے ہو تو کیا وہ تمہاری آواز کو سنتے ہیں؟ یا تمہیں کچھ فائدہ دے سکتے ہیں یا نقصان پہنچا سکتے ہیں۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے یہاں منطقی دلائل سے کام نہیں لیا اور نہ فلسفیانہ موشگافی کی، صرف یہ سوال کیا کہ آیا جب تم ان کو پکارتے ہو تو کیا یہ تمہاری پکار سنتے ہیں؟ نفع یا نقصان پہنچاتے ہیں؟ کیونکہ انسانی زندگی انہی دو بنیادوں پر قائم ہے، انسان کو جب پکارا جائے تو سنے، پھر نفع کی اس سے امید ہو یا نقصان کا خوف ہو۔ یہی وہ دو سرے ہیں، جن سے انسانی زندگی بندھی ہوئی ہے، ایک انسان کا دوسرے انسان سے، ایک سوسائٹی کا دوسری سوسائٹی سے تعلق انہی بنیادوں پر قائم ہے، نفع کی امید اور نقصان کا خوف، سچ یہ ہے کہ زندگی کی پوری گردش ان بنیادی نقطے سے مربوط ہے۔

قالوا : بل وجدنا اباء نا كذالك يفعلون

کہنے لگے (یہ بات نہیں کہ وہ ہمیں فائدہ یا نقصان پہنچاتے ہیں) بلکہ بات یہ ہے کہ ہم نے اپنے آباء واجداد کو اسی طرح کرتے دیکھا ہے۔

یہی وہ بات تھی جو حضرت ابراہیم علیہ السلام ان کے منہ سے کہلانا چاہتے تھے، کیونکہ یہ

جواب دراصل جہل و عاجزی کا اعتراف ہے، وہ کوئی جواب دے ہی نہیں سکتے تھے، یعنی یہ جو نام وہمی معبودوں کے رکھے ہیں، ان کا کہیں وجود بھی ہے؟ یہ ہاتھوں سے تراشے ہوئے اور پتھروں کے سہارے کھڑے کئے ہوئے بت، یہ وہمی اور افسانوی معبود جن کا کہیں وجود نہیں، ان کی زندگی سے کیا رشتہ ہے، اور انسانوں کے لئے کیا کر سکتے ہیں؟ کس درجہ کا مداوا بن سکتے ہیں؟ کس مصیبت سے نجات دلا سکتے ہیں، کوئی علمی توجیہ، کوئی حقیقت اور علم پر مبنی بنیاد بھی ان کی ہے؟؟

ذہانت، قوت گفتار اور مخاطب کی مدافعانہ صلاحیت سے فائدہ اٹھانا:

ان آیات کریمہ کو بار بار پڑھئے، آپ محسوس کریں گے کہ ان میں ایک جہان معانی آباد ہے، ایک معنی سے دوسرے معنی روشن ہوں گے، ایک بات سے دوسری کارآمد بات نکلے گی اور ان دونوں انداز بیان (والد کو دعوت دینے اور قوم کو مخاطب کرنے) کا فرق واضح ہوگا اور یہ اندازہ ہوگا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے پیغمبر برحق حضرت ابراہیم علیہ السلام کو کس درجہ انسانی نفسیات پر عبور عطا فرمایا تھا اور ذہن و قلب کے باریک سے باریک سوتوں کو جگانے اور صلاحیتوں کو بیدار کرنے میں مہارت انہیں حاصل تھی، اپنے مخاطبین سے کس طرح انہوں نے وہ سب کچھ اگلوالیا جو ان کے دل و دماغ میں محفوظ تھا، ان کی ذہانتیں، قوت گفتار، مدافعانہ صلاحیتیں سب ظاہر ہوگئیں، اور آخر میں ان کے ترکش کا آخری تیر بھی نکلوالیا (بل وجدنآ ابآئنا کذلک یفعلون) ''بات یہ ہے کہ ہم نے اپنے آباء و اجداد کو اسی طرح کرتے پایا ہے۔'' حضرت ابراہیم علیہ السلام نے یہ جواب کہلا کر گویا ان سب کی جھولی خالی کروائی، اب وہ دیوالیہ ہو چکے تھے، ان کے پاس کچھ کہنے کو رہ نہیں گیا۔

اب اس کے بعد اپنی دعوت شروع کی، اللہ تعالیٰ کی ذات اور توحید سے ان کو آشنا کرنا شروع کیا، فرمایا:

افرء یتم ما کنتم تعبدون O انتم وابآؤ کم الاقدمون O فانھم عدولی الا رب العالمین O الذی خلقنی فھو یھدین O والذی ھو یطعمنی ویسقین O واذا مرضت فھو یشفین O والذی یمیتنی ثم یحیین O والذی اطمع ان یغفرلی خطیئتی یوم الدین O (الشعراء ۷۵۔۸۲)

تم نے دیکھا کہ جن کو تم پوجتے رہے ہو تم بھی اور تمہارے اگلے باپ دادا بھی، وہ میرے

دشمن ہیں، لیکن خدائے رب العالمین (میرا دوست) جس نے مجھے پیدا کیا اور وہی مجھے رستہ دکھاتا ہے اور وہ مجھے کھلاتا اور پلاتا ہے اور جب میں بیمار پڑتا ہوں تو مجھے شفا بخشتا ہے اور وہ مجھے مارے گا اور پھر زندہ کرے گا، اور جس سے میں امید رکھتا ہوں کہ قیامت کے دن میرے گناہ بخشے گا۔

قرآن کریم کا طرز۔ اثبات مفصل اور نفی مجمل:

یہاں قرآن کریم کا ایک عجیب دل آویز نکتہ ہے جس کی طرف سب سے پہلے شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ کے ایک جملہ سے توجہ ہوئی۔ وہ فرماتے ہیں، فلاسفہ یونان جب اللہ جل شانہ کی صفات کا ذکر کرتے (جس کو وہ اپنی فلسفیانہ زبان میں ''واجب الوجود'' یا ''مبدأ فیاض'' سے یاد کیا کرتے تھے) تو وہ ان صفات کی زیادہ تفصیل اور گہرائی میں جاتے تھے، جو ان کے نزدیک اللہ تعالیٰ کے لئے مناسب نہیں ہیں، یعنی سلبی صفتیں (وہ ایسا نہیں ہے، اور اس بات سے مبرا ہے) اور جب اثباتی صفات کا ذکر ہوتا (اللہ ایسا ہے اور اس کی یہ صفت ہے) تو اس میں اجمال سے کام لیتے، اس طرح فلسفہ میں سلبیات کا بیان مفصل ہے، اور ایجابیات کا ذکر اجمالاً ملتا ہے، برخلاف قرآن کریم کے اس میں ایجابیات کی تفصیل ہے اور سلبیات کا اختصار ہے، دوسرے آسمانی مذاہب اور انبیاء کرام کی تعلیمات میں یہی مشترک وصف ملے گا کہ اثبات مفصل اور نفی مجمل ہے۔(۱)

اللہ تعالیٰ کی صفات کا اثبات بیان قرآن کریم کی ان آیات میں پڑھئے:۔

هو الله الذى لآاله الا هو علم الغيب والشهادة هو الرحمن الرحيم O هو الله الذى لآاله الا هو الملك القدوس السلم المؤمن المهيمن العزيز الجبار المتكبر سبحان الله عما يشركون O هو الله الخالق البارئ المصور له الاسماء الحسنى يسبح له مافى السموت والارض وهو العزيز الحكيم O

(الحشر ۲۳،۲۴)

وہی خدا ہے جس کے سوا کوئی معبود نہیں، پوشیدہ اور ظاہر کا جاننے والا، وہ بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے، وہی خدا ہے جس کے سوا کوئی لائق عبادت نہیں، بادشاہ حقیقی، پاک ذات

---

(۱) کتاب النبوت از شیخ الاسلام ابن تیمیہ۔ (الفاظ مؤلف کے ہیں)

(ہر عیب سے) سالم، امن دینے والا، نگہبان، غالب، زبردست، بڑائی والا، خدا ان لوگوں کے شریک مقرر کرنے سے پاک ہے، وہی خدا (تمام مخلوقات کا) خالق، ایجاد و اختراع کرنے والا، صورتیں بنانے والا، اس کے سب اچھے سے اچھے نام ہیں، جتنی چیزیں آسمانوں اور زمینوں میں ہیں، سب اس کی تسبیح کرتی ہیں اور وہ غالب حکمت والا ہے۔

اور سلبی صفت کا ذکر پڑھئے:

لیس کمثله شئ وهو السميع البصير O (الشوری ۱۱)

اس جیسی کوئی چیز نہیں اور وہ دیکھتا سنتا ہے۔

امام ابن تیمیہؒ نے مزید فرمایا کہ سلبی صفات خواہ سینکڑوں کی تعداد میں ہوں، ان کا وہ اثر نہیں پڑ سکتا جو ایک اثباتی بیان کا ہوتا ہے۔ امام ابن تیمیہؒ نے بالکل سچی بات کہی ہے، حقیقت یہی ہے کہ ہماری یہ زندگی اور گزری ہوئی نسلوں کی زندگیاں گواہ ہیں کہ انسانی زندگی اثبات پر قائم ہے، نہ کہ نفی پر، نفی کی نسبت انسانی زندگی اور تمدن میں بہت معمولی ہے۔

دلی جوش اور امنگ کے ساتھ اللہ کا تذکرہ:

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اس جواب کو سن کر کہ "ہم بتوں کی پرستش کرتے ہیں، اور انہی پر جمے بیٹھے رہتے ہیں، فرمایا کہ "کیا تمہاری وہ سنتے ہیں، جب تم ان کو پکارتے ہو، کیا تم کو فائدہ پہنچاتے ہیں، یا ضرر پہنچاتے ہیں؟" اس ارشاد میں "نفی مجمل" ہے، اور جب اللہ کا تذکرہ ہوا اور دعوت کی بات آئی تو اس میں وسعت و بیانی اور فراخ دامانی سے کام لیا، اور اثبات مفصل کا رنگ آ گیا، اور فرمایا:

فانهم عدولی الا رب العلمين O الذی خلقنی فهو يهدين O والذی هو يطعمنی ويسقين O واذآ مرضت فهو يشفين O والذی يميتنی ثم يحيين O والذی اطمع ان يغفرلی خطيئتی يوم الدين O (الشعراء ۷۷۔ ۸۲)

وہ میرے دشمن ہیں لیکن خدائے رب العالمین (میرا دوست ہے) جس نے مجھے پیدا کیا اور وہی مجھے رستہ دکھاتا ہے، اور وہ مجھے کھلاتا ہے اور پلاتا ہے اور جب میں بیمار پڑتا ہوں تو مجھے شفا بخشتا ہے، اور وہ جو مجھے مارے گا اور پھر زندہ کرے گا، اور وہ جس سے میں امید رکھتا ہوں کہ قیامت کے دن میرے گناہ بخشے گا۔

ان آیاتِ کریمہ میں اللہ تعالیٰ کی پانچ صفات کا ذکر ہے۔ (تخلیق، ہدایت، رزق، شفا اور موت و حیات پر قدرت) جبکہ بتوں کے سلسلہ میں جو سوال کیا اس میں صرف دو باتیں دریافت کی تھیں، کیا وہ دعا سنتے ہیں؟ اور کیا وہ نفع و ضرر پر قدرت رکھتے ہیں؟ لیکن جب اللہ کا نام آیا اور اس کا ذکر شروع کیا تو ایسا محسوس ہوتا ہے کہ جیسے اس کی روح جھوم اٹھی ہو اور وجد سا آ گیا ہو، جوش اور امنگ کے ساتھ بیان کرنے لگے، فطری بات ہے کہ انسان جب کسی شے میں لذت محسوس کرتا ہے تو اگر وہ کھانے کی ہوتی ہے تو دیر تک منہ میں رکھتا ہے، کام و دہن کو زیادہ سے زیادہ مزہ لینے کا موقع دیتا ہے، لیکن اگر کوئی تلخ شے ہوئی، اور اس کا استعمال ضروری ہوا تو جلد سے جلد اس سے چھٹکارا حاصل کرنا چاہتا ہے، اور ایک ہی گھونٹ یا ایک ہی نوالہ میں اس کو حلق سے اتار لیتا ہے۔

چنانچہ انہوں نے جب اللہ تعالیٰ کا ذکر چھیڑا تو جذبات میں جوش اور ایمان میں حرکت آ گئی، اور فرمایا: ”یہ میرے لئے باعث ضرر ہیں، مگر ہاں رب العالمین! جس نے مجھے پیدا کیا اور پھر وہی میری رہنمائی کرتا ہے، اور جو کہ مجھے کھلاتا پلاتا ہے، اور جب میں بیمار ہو جاتا ہوں تو وہی مجھ کو شفا دیتا ہے اور جو مجھ کو موت دے گا، پھر مجھے زندہ کرے گا، اور جس سے مجھے امید ہے کہ قیامت کے روز میری غلط کاریوں کو معاف کر دے گا۔“

دل کی آواز موقع و مناسبت کی جستجو نہیں کرتی:

اتنا کہنے کے بعد بھی ان کی طبیعت سیر نہیں ہوئی، جیسے ہی اللہ کا نام زبان پر آیا دل امنڈ آیا، موقع و مناسبت سے بے نیاز ہو کر دل کی آواز دعا بن کر نکلنے لگی:

رب هب لی حکما والحقنی بالصلحين O واجعل لی لسان صدق فی الاخرين O وجعلنی من ورثة جنة النعيم O (الشعراء ۸۳۔۸۵)

اے پروردگار، مجھے علم و دانش عطا فرما اور نیکوکاروں میں شامل کر اور پچھلے لوگوں میں میرا ذکر نیک کر اور مجھے نعمت کی بہشت کے وارثوں میں کر۔

اتنا عرض کرنے کے بعد باپ کی یاد آ گئی، کیونکہ وہ بت پرستوں کے قائد اور مندر کے بڑے پجاری اور مشہور کاہن تھے، اور فرمایا:

ولا تخزنی یوم یبعثون O یوم لاینفع مال ولا بنون O الا من اتی اللہ

بقلب سلیم O (الشعراء ۸۷. ۸۹)

اور جس دن لوگ اٹھا کر کھڑے کئے جائیں گے مجھے رسوا نہ کیجیو جس دن نہ مال ہی کچھ فائدہ دے سکے گا اور نہ بیٹے، ہاں جو شخص خدا کے پاس پاک دل لے کر آیا (وہ بچ جائے گا۔)

ان آیتوں کے بعد یہ بھی پڑھئے:

ان ابراهیم کان امة قانتا لله حنیفا ولم یک من المشرکین O شاکرا لانعمه اجتبه وهده الیٰ صراط مستقیم O واتینه فی الدنیا حسنة وانه فی الاخرة لمن الصالحین O (النحل ۱۲۰. ۱۲۲)

بے شک ابراہیمؑ (لوگوں کے) امام (اور) خدا کے فرمانبردار تھے جو ایک طرف کے ہو رہے تھے اور مشرکوں میں سے نہ تھے، ان کی نعمتوں کے شکرگزار تھے، خدا نے ان کو برگزیدہ کیا تھا، اور (اپنی) سیدھی راہ پر چلایا تھا، اور ہم نے ان کو دنیا میں بھی خوبی دی تھی اور وہ آخرت میں بھی نیک لوگوں میں ہوں گے۔

وما علینا الا البلاغ المبین

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

حضرت یوسف علیہ السلام کے طرزِ تبلیغ کا ایک نمونہ

نحمده و نصلى على رسوله الكريم اما بعد○ فاعوذ بالله من الشيطان الرجيم ○بسم الله الرحمن الرحيم ○

انبیاء کرام علیہم السلام کے طرزِ تبلیغ کی جو مثالیں گزشتہ دو خطبوں میں پیش کی گئی ہیں، آج کا خطبہ بھی اسی سلسلہ کی ایک کڑی ہے، اور موضوع پر کل جہاں بات ختم کی گئی تھی، آج وہیں سے اس کی ابتدا کرتے ہیں۔ پیغمبرانہ طرزِ دعوت و تبلیغ کے دو حکیمانہ انداز ہمیں حضرت ابراہیم علیہ السلام کے ذکر میں ملتے ہیں۔ دعوت کا ایک طرز تو وہ تھا، جو انہوں نے اپنے والد کو مخاطب کر کے اختیار کیا، جس کا ذکر سورۂ مریم میں ہے، اور دوسرا طرز وہ ہے جو انہوں نے اپنی قوم کے ساتھ مخاطب کرتے ہوئے اختیار کیا، جس کا ذکر سورۃ الشعراء میں ہے۔

آج ایک اور مثال پیش کروں گا، یہ حضرت یوسف علیہ السلام کے طرزِ دعوت کا نمونہ ہے، سب سے پہلے آئیے ہم ان آیات کریمہ کو پڑھتے ہیں جن میں اس دعوت کا ذکر ہے۔

ودخل معه السجن فتين قال أحدهما انى ارنى اعصر خمرا وقال الاخر انى ارنى احمل فوق راسى خبز ا تاكل الطير منه نبئنا بتاويله انا نراک من المحسنين O قال لاياتيكما طعام ترزقنه الا نباتكما بتاويله قبل ان ياتيكما ذلكما مما علمنى ربى انى تركت ملة قوم لايؤمنون بالله وهم بالاخرة هم كفرون O واتبعت ملة اباۤء ى ابراهيم واسحق ويعقوب ماكان لنا ان نشرک بالله من شئ ذلک من فضل الله علينا وعلى الناس ولكن اكثر الناس لايشكرون O يصاحبى السجنء ارباب متفرقون خير ام الله الولد القهار O ماتعبدون من دونه الآ اسماۤء سميتموهآ انتم واباؤكم ماانزل الله بها من سلطن ان الحكم الا لله امر ان لاتعبدوا الا اياه ذلک الدين القيم ولكن اكثر الناس لايعلمون O يصاحبى السجن امآ احدكما فيسقى ربه خمراوا ماالاخر فيصلب فتاكل الطير من

راسه قضی الامر الذی فیه تستفیتن O (یوسف ۳۶ تا ۴۱)

اوران کے ساتھ دواور جوان بھی داخل زنداں ہوئے، ایک نے ان سے کہا کہ (میں نے خواب دیکھا ہے) دیکھتا کیا ہوں کہ شراب کے لئے انگور نچوڑ رہا ہوں، دوسرے نے کہا کہ میں نے بھی خواب دیکھا ہے، میں یہ دیکھتا ہوں کہ میں اپنے سر پر روٹیاں اٹھائے ہوئے ہوں، اور جانوران سے کھار ہے ہیں، تو ہمیں ان کی تعبیر بتادیئے کہ ہم آپ کو نیکوکار دیکھتے ہیں۔ یوسف علیہ السلام نے کہا کہ جو کھانا تم کو ملنے والا ہے وہ آنے نہیں پائے گا کہ میں اس سے پہلے تم کو ان کی تعبیر بتادوں گا، یہ ان باتوں میں سے ہے جو میرے پروردگار نے مجھے سکھائی ہیں، جو لوگ خدا پر ایمان نہیں لاتے اور روز آخرت کا انکار کرتے ہیں، میں ان کا مذہب چھوڑے ہوئے ہوں اور اپنے باپ دادا ابراہیم اور اسحاق اور یعقوب کے مذہب پر چلتا ہوں، ہمیں شایاں نہیں کہ کسی چیز کو خدا کے ساتھ شریک بنائیں، یہ خدا کا فضل ہے ہم پر بھی اور لوگوں پر بھی، لیکن اکثر لوگ شکر نہیں کرتے، میرے جیل خانے کے رفیقو! بھلا کئی جدا جدا آقا اچھے یا ایک خدائے یکتا وغالب؟ جن چیزوں کی تم خدا کے سوا پرستش کرتے ہو، وہ صرف نام ہی نام ہیں، جو تم نے اور تمہارے باپ دادا نے رکھ لئے ہیں، خدا نے ان کی کوئی سند نہیں نازل کی، سو سن رکھو کہ خدا کے سوا کسی کی حکومت نہیں ہے، اس نے ارشاد فرمایا ہے کہ اس کے سوا کسی کی عبادت نہ کرو، یہی سیدھا دین ہے، اور لیکن اکثر لوگ نہیں جانتے، میرے جیل خانے کے رفیقو! تم میں سے ایک جو پہلا خواب بیان کرنے والا ہے، وہ تو اپنے آقا کو شراب پلایا کرے گا، اور جو دوسرا ہے وہ سولی دیا جائے گا اور جانور اس کا سر کھا ئیں گے، جو امر تم مجھ سے پوچھتے ہو وہ فیصل ہو چکا ہے۔

ایک انوکھا ماحول جس میں حضرت یوسفؑ نے دعوت دی:

ان آیات کریمہ کی تشریح سے پہلے اپنے ذہن میں اس انوکھے ماحول کا ایک نقشہ سامنے لائیے، جو اس دعوت کے وقت تھا، اور ان حالات کو پیش نظر رکھئے، جن میں حضرت یوسف علیہ السلام نے کار دعوت انجام دیا۔

سب سے پہلے تو یہ دیکھئے کہ حضرت یوسف علیہ السلام کون تھے؟ حضرت یوسف علیہ السلام حضرت یعقوب علیہ السلام کے صاحبزادے، حضرت اسحاق کے پوتے اور حضرت ابراہیم کے پڑپوتے ہیں، یہ وہی حضرت یوسف علیہ السلام ہیں، جن کے بارے میں رسول اللہ

ﷺ نے فرمایا، ''الکریم بن الکریم بن الکریم بن الکریم'' (ایک برگزیدہ، برگزیدہ کے صاحبزادے، برگزیدہ کے پوتے، برگزیدہ کے پڑپوتے) نسب دیکھئے تو سب سے اعلیٰ، خاندانی شرافت میں سب سے بلند، نبوت کی میراث دیکھئے تو کئی پشتوں سے اس کے حامل، اللہ تعالیٰ جل شانہ کی معرفت دیکھئے تو یہ بھی خاندانی ورثہ، سیرت اور اخلاق دیکھئے تو پشتہا پشت سے ان کے خاندان میں یہ دولت منتقل ہوتی آرہی ہے، آسمانی صحیفوں میں ان کا ذکر ہے، دین ودانش، ادب وحکمت کی کتابوں میں ان کا قصہ موجود ہے، جمال ظاہری میں بے مثال تھے، اللہ تعالیٰ نے حسن صورت اور حسن سیرت کا جامع بنایا تھا، ظاہری شکل ووجاہت کا اگر وہ نمونہ تھے تو دوسری طرف پاکیزہ اخلاق اور کردار کی بلندی کا بھی آئینہ تھے، ان کی ذات حسن صورت، حسن سیرت اور جمال عقل وفکر (اگر یہ تعبیر مناسب ہو تو) کی جامع تھی، اس کے ساتھ طبیعت میں گداز، احساس وجذبات میں لطافت اور فطری شرافت کا عنصر مستزاد تھا، وہ صحیح معنی میں حسن کامل کا پرتو تھے، یہ حسن ان کی ظاہری وجاہت کی طرح ان کے عادات واطوار، طرز کلام اور طرز فکر سے بھی آشکارا تھا۔

ان آیات کریمہ کی ادبی شان اور بلاغت کا لطف لینے سے پہلے ہمیں اس ماحول کو بھی اپنے سامنے رکھنا چاہئے، جس میں حضرت یوسف نے اپنی دعوت پیش کی تھی، ان آیات کریمہ کو پڑھئے:

وجآءت سيارة فارسلو واردهم فادلى دلوه (یوسف ۱۹)

اب خدا کی شان دیکھو کہ اس کنویں کے قریب ایک قافلہ وارد ہوا اور انہوں نے پانی کے لئے اپنا سقا بھیجا، اس نے کنویں میں ڈول لٹکایا۔

ثم بدا لهم من بعد ما راو الايت لسجننه حتى حين O (یوسف ۳۵)

پھر باوجود اس کے کہ وہ لوگ نشان دیکھ چکے تھے، ان کی رائے یہی ٹھہری کہ کچھ عرصے کے لئے ان کو قید ہی کردیں۔

حضرت یوسف کو جیل میں ڈال دیا جاتا ہے اور ایک ایسی تہمت لگائی جاتی ہے جس سے اللہ تعالیٰ نے ان کو ایسا بری اور بے قصور ثابت کردیا، جیسے خون ریزی کی تہمت سے وہ بھیڑیا بری تھا، جس پر حضرت یوسف علیہ السلام کو پھاڑ کھانے کا الزام ان کے بھائیوں نے لگایا

تھا۔ (۱)

بہر حال حضرت یوسف علیہ السلام جیل میں ایک تہمت کی بنا پر مجرم کی حیثیت سے داخل کئے جاتے ہیں، جیل خانوں میں حکام بالا کے احکام کی صرف تعمیل ہوتی ہے، جیل خانہ کے عملہ کو حق و ناحق سے کوئی سروکار نہیں ہوتا، وہ عملہ تو قیدیوں کو اس طرح اپنی تحویل میں لیتا ہے، جیسے ہم لوگ ڈاک وصول کرتے ہیں، ڈاکیہ کو بھی اس سے مطلب نہیں کہ ان خطوط میں کیا ہے، اور لینے والا بھی بغیر کسی جرح قدح کے اس کو وصول کر لیتا ہے، اب خواہ اس میں کوئی تار ہو، جس میں اچانک کسی حادثہ کی خبر ہو یا کوئی خوشخبری ہو، غرض جیل خانے کا عملہ جمادات یا اشیاء منقولہ کی طرح قیدیوں سے بھی معاملہ کرتا ہے، انہوں نے حضرت یوسفؑ کا ہاتھ پکڑ لیا، اب انہیں کیا معلوم کہ کون ہیں اور کس خاندان کے چشم و چراغ ہیں، اور کس درجہ بلند اخلاق کے حامل ہیں، ان کو تو صرف یہ معلوم تھا کہ ان کے لئے جیل میں ڈالے جانے کا حکم صادر ہوا ہے، لہٰذا انہوں نے دوسرے قیدیوں کی طرح ان کو بھی داخل زندان کر دیا، جب حق و ناحق کا فیصلہ جیل کے باہر نہ ہو سکا تو پھر جیل کی چہار دیواری کے اندر کیونکر ممکن تھا؟ اس کے آہنی پھاٹک کے پٹ جب بند ہو گئے تو اس کے اندر جو بھی ہے، یکساں ہے، باہر کی صاف ہوا سے سب محروم کر دئیے جاتے ہیں۔ جیل خانہ کی اپنی ایک دنیا ہوتی ہے، اور قیدیوں کو باتیں کرنے کا وقت ہی وقت ہوتا ہے۔

احترام واعتماد کا مرکز:

باوجود اس کے کہ سب قیدی برابر ہوتے ہیں، حضرت یوسفؑ تھوڑے ہی دنوں میں لوگوں کی توجہ کا مرکز بن گئے، قیدیوں میں (ان کی شرافت و حسن اخلاق کا) عام چرچا تھا، ان کے ماحول پر چھائی ہوئی تاریکی، ان کے اخلاق کریمانہ کی نورانیت سے چھٹ گئی، سنجیدگی، وقار، کردار کی بلندی، سیرت کی پختگی، عبادت میں یکسوئی اور پھر ملنے ملانے میں خندہ پیشانی، عجز و انکساری، ہر ایک سے اخلاق و مروت کا برتاؤ، کوئی چیز ایسی نہ تھی، جس کا اثر نہ پڑتا، قیدیوں کے دل بے اختیار ان کی طرف کھینچنے لگے، اور وہ ان کا احترام کرنے پر مجبور ہو گئے اور یہ سب اللہ تعالیٰ کے منشاء و مصلحت کا مظہر تھا۔

---

(۱) یہ عربی کا ایک محاورہ ہے کہ فلاں شخص اس تہمت سے ایسا بری ہے جیسے حضرت یوسف علیہ السلام کے خون سے بھیڑیا بری تھا۔ (مترجم)

اس کے بعد کیا ہوتا ہے؟ قیدیوں میں دو قیدی دو مختلف قسم کے خواب دیکھتے ہیں، خواب آئے دن کے خوابوں سے مختلف اور نرالی قسم کے تھے، ایک نے دیکھا کہ وہ شراب کشید کر رہا ہے، اس کے اعصاب پر (کابوس کی طرح) یہ خواب سوار ہو گیا، اس کی سمجھ میں نہیں آتا تھا کہ اس خواب کی کیا تعبیر ہوگی، دوسرا شخص دیکھتا ہے کہ وہ سر پر روٹی اٹھائے ہوئے ہے، جس کو پرندے کھا رہے ہیں، یہ بھی عجیب و غریب قسم کا خواب تھا، اللہ نے ان کے دل میں یہ بات ڈالی کہ وہ حضرت یوسف علیہ السلام سے رجوع کریں، خوابوں کی تعبیر لینے کے لئے ان کا حضرت یوسف علیہ السلام سے رجوع کرنا اس بات کو ظاہر کرتا ہے کہ ان کی انسانی فطرت مردہ نہیں تھی، اور ان میں مشاہدہ کی قوت باقی تھی، اور یہ ہوتا آیا ہے کہ لوگ علم و منطق سے زیادہ اپنے مشاہدات و تجربات پر اعتماد کرتے ہیں، بہرحال ان دونوں نے اپنے اپنے خواب بیان کئے، ایک نے کہا کہ میں اپنے آپ کو شراب کشید کرتے ہوئے دیکھتا ہوں، دوسرے نے کہا کہ میں اپنے سر پر روٹی دیکھتا ہوں، جس کو پرندے کھا رہے ہیں، براہ کرم اس کی تعبیر دیجئے، آپ ہمیں بہت بھلے انسان دکھائی دیتے ہیں۔ (ہم آپ کو ان لوگوں سے پاتے ہیں، جو احسان کرتے ہیں۔)

احسان کا مفہوم:

خواب کی تعبیر پوچھنے والوں نے حضرت یوسف علیہ السلام سے کہا ”انی ارک من المحسنین“ یعنی آپ ہم کو ان لوگوں میں سے دکھائی دیتے، جو احسان کرتے ہیں، یہاں پر احسان کا کیا مفہوم ہے؟ کیا حضرت یوسف علیہ السلام کے پاس کوئی دولت تھی، جسے انہوں نے چھپا کر رکھا تھا اور قیدیوں میں اس کو تقسیم کیا کرتے تھے، احسان کرنے کا لفظ سن کر ہمارے ذہن میں جو بات پہلے آتی ہے وہ یہی ہے، لیکن حضرت یوسف علیہ السلام جس حالت میں تھے، اس کو دیکھتے ہوئے یہ بات صرف نہ خلاف عقل بلکہ محال معلوم ہوتی ہے۔

احسان کا مطلب ہے کسی کام کو بہتر سے بہتر طریقہ پر انجام دینا، جو کمال کا درجہ ہے۔

جب رسول اللہ ﷺ سے دریافت کیا گیا کہ احسان کیا ہے؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا:

ان تعبدو اللہ کأنک تراہ فان لم تکن تراہ فانہ یراک

احسان یہ ہے کہ اللہ تعالی کی اس طرح عبادت کرو کہ گویا تم اس کو دیکھ رہے ہو۔ کیونکہ

اگر چہ تم اس کو دیکھ نہیں رہے ہو، لیکن وہ تو تم کو دیکھ ہی رہا ہے۔

لہذا یہاں احسان کا مفہوم یہ ہے کہ ہم آپ کو عبادت میں درجہ احسان پر فائز پاتے ہیں، آپ کو گفتگو میں، معاملہ میں ہر چیز میں اس کمال کے درجہ پر پاتے ہیں جو احسان کا درجہ ہے، چونکہ حضرت یوسف علیہ السلام کے گردوپیش تہمت اور بدنامی کے ہالے پڑ چکے تھے (جمال ظاہری میں حضرت یوسف علیہ السلام ایک مہ تابندہ تھے، اس لئے ان کے گردوپیش تہمت اور بدنامی کے ماحول کو ہالہ سے تعبیر کرنا مناسب ہوگا) لوگ کچھ کا کچھ گمان کرنے لگے تھے، چرچے ہو رہے تھے، قیاس آرائیاں ہو رہی تھیں، کوئی کہتا آخر جیل میں کیوں ڈالے گئے، کسی نے کہا ضرور ایسا کیا ہوگا، کسی نے کہا۔ اس سے ایسا نہیں ہو سکتا، لیکن یہاں جیل میں یہ سب ہالے ختم ہو گئے، اور ایک دوسرا ہالہ اس صورت وسیرت کے "ماہ تاباں" کے گرد دکھائی دینے لگا، یہ تھا احترام اور تحسین وتعریف کا ہالہ۔

بھیانک خوابوں سے زیادہ قابل فکر بات:

حضرت یوسف علیہ السلام نے محسوس فرمالیا کہ جو چیز ان دونوں کو لائی ہے، اور جس کی وجہ سے یہ مجبور ہو کر آئے ہیں، وہ ان کے بھیانک خواب ہیں، اور یہی ان بیچاروں کا معیار علم ہے، اور یہ لوگ اسی طرح کی باتوں کو زندگی کا اہم ترین مسئلہ سمجھتے ہیں، ان کے نزدیک رنج و راحت، کامرانی اور ناکامی کا تصور اس دوروزہ زندگی سے وابستہ ہے۔

مگر حضرت یوسف علیہ السلام آغوش نبوت کے پروردہ تھے، اللہ تعالیٰ نے انہیں بصیرت کی دولت عطا فرمائی تھی، رسالت خداوندی کے لئے ان کے مزاج کو ڈھالا گیا تھا، وہ سمجھ گئے کہ یہ دونوں قید و بند کے رفیق جس حقیقت کو فراموش کر رہے ہیں، وہ ان خوابوں سے کہیں زیادہ قابل فکر بات ہے، وہ حقیقت ہے، ایمان باللہ کی، یعنی اس ذات پاک پر ایمان جو اس کائنات کا خالق ومدبر ہے، اور وہ حقیقت ہے توحید کی جس میں شرک کی آمیزش نہ ہو، اور کیا اس زندگی کی (خواہ کتنی ہی طویل ہو) حقیقت ایک خواب سے زیادہ ہے؟ ان دونوں رفیقان قید و اسارت کو اس طویل خواب کی تعبیر جاننا زیادہ ضروری تھا اور وہ اس کے زیادہ محتاج اور ضرورت مند تھے، ان کا بھولنا یا فراموش کر دینا زیادہ خطرہ اور سخت نقصان کی بات ہے۔ حضرت یوسف علیہ السلام کو جو اللہ تعالیٰ نے فطری طور پر جذبہ ہمدردی اور لوگوں کی خیر خواہی کا ذوق عطا

فرمایا تھا، اس کا تقاضہ یہی تھا کہ حضرت یوسف علیہ السلام انہیں اصل خطرہ سے آگاہ فرمائیں اور ان کو ایسی بات بتائیں جو ان کے لئے بنیادی طور پر نفع بخش ہو، اور خاص طور پر اس وقت جبکہ بات سمجھنے کے لئے ذہن تیار ہو چکا ہے، اور دماغ پر ایک دھچکہ لگ چکا ہے، خواہ کسی معمولی ہی سبب کی بنیاد پر، بہرحال یہ ایک موقع پر بات سمجھانے کا اور ہو سکتا ہے کہ اس کے بعد ایسا موقع نہ ملے، لہذا حضرت یوسف علیہ السلام نے مناسب سمجھا کہ اس موقع کو ہاتھ سے جانے نہ دیا جائے، اور ان کے دماغ کی نرم مٹی میں ایک اچھا تخم ڈال ہی دیا جائے، خواب کی تعبیر نے ایک اچھی تقریب اور مناسب سلسلہ کلام پیدا کر دیا ہے، اس کے ذریعہ اللہ کے دین کی طرف دعوت دی جائے، اور ان کی فطرت سلیم کو بیدار کیا جائے کہ وہ واضح اور قابل فہم عقیدہ توحید کو پا سکیں۔

آغاز گفتگو کا حسین پیرایہ:

گفتگو کا آغاز کس حسین پیرایہ سے کیا گیا ہے، اس کو سمجھنے کی ضرورت ہے، ایک اعلیٰ درجہ کی بات کے لئے گفتگو کا پیرایہ بھی اعلیٰ درجہ کا ہونا چاہئے، آداب کلام میں اس کی بڑی اہمیت ہے، اگر ایسا نہ ہو تو بات کا حسن ختم ہو جاتا ہے، جس طرح ایک پرشکوہ اور حسین عمارت کے لئے ضروری ہے کہ اس کا پھاٹک بھی دیدہ زیب اور عالیشان ہو جس کو دیکھتے ہی عمارت کی اہمیت معلوم ہو اور آدمی اندر داخل ہونے میں سہولت و مسرت محسوس کرے۔

حضرت یوسف علیہ السلام نے اپنی گفتگو کا آغاز اس طرح فرمایا کہ پہلے تو ان کو مطمئن کیا کہ وہ ان خوابوں کی تعبیر دے سکتے ہیں، اور جس مقصد سے یہ لوگ ان کے پاس آئے ہیں، ان میں ان کو کامیابی ہوگی، انہوں نے انتخاب میں کوئی غلطی نہیں کی ہے، وہ صحیح منزل پر آ گئے ہیں، جس شخص سے انہوں نے رجوع کیا ہے، وہ اس کام کا اہل ہے جس کی انہیں ضرورت ہے، اور جو ان کو اس ذہنی الجھن سے نکال کر صحیح طریقہ عمل بتا سکتا ہے۔

یہ ایک فطری بات ہے کہ ایک ضرورت مند یہ چاہتا ہے کہ اس کی ضرورت جلد سے جلد پوری ہو جائے۔ ایک مریض جب کسی معالج کی پاس جائے کہ وہ اس کے مرض کی تشخیص کر کے دوا تجویز کرے اور وہ معالج ٹال مٹول کرنے لگے یا یہ کہنے لگے کہ میں کتابیں دیکھ کر بتا سکوں گا، ذرا میں فلاں ڈاکٹر، فلاں حکیم سے مشورہ کر لوں تو مریض کا دل ٹوٹ جائے گا، اور وہ مایوس ہو کر واپس چلا جائے گا، اور شاید دوبارہ کبھی اس معالج کی طرف رخ بھی ۔ لہذا گفتگو کا

پہلا جزو یہ ہوتا ہے کہ طالب حاجت کے دل میں اعتماد پیدا کر دیا جائے کہ وہ جس کے پاس آیا ہے، وہ کار برآری کی صلاحیت رکھتا ہے، اور اس کی ضرورت پوری ہو جائے گی "قال **لایاتیکما طعام ترزقنه الا نباتکما بتاویله**" فرمایا: جو کھانا تم کو ملنے والا ہے وہ آنے نہیں پائے گا کہ میں اس سے پہلے تم کو ان کی تعبیر بتا دوں گا، یعنی ان کی ضرورت بلا تاخیر پوری کر دی جائے گی، اس طرح کہ وہ جو پوچھنا چاہتے ہیں، اس کا جواب ان کو بعجلت مل جائے گا، ظاہر ہے کہ وہ دونوں قیدی تھے، اور جیل خانہ کے قوانین کے پابند، زیادہ دیر تک حضرت یوسف علیہ السلام کے پاس بیٹھے نہیں رہ سکتے تھے، لہذا حضرت یوسف علیہ السلام نے فرمایا کہ تمہارا کھانا (جو آیا کرتا ہے) پہنچنے بھی نہ پائے گا کہ میں تم کو خواب کی تعبیر بتا کر رخصت کر دوں گا۔

اس آیت کی تفسیر دو طریقوں سے کی گئی ہے۔

پہلی تفسیر:

حضرت یوسف علیہ السلام نے فرمایا: "**لایاتیکما طعام ترزقنه الا نباتکما بتاویله**" یعنی قبل اس کے کہ تمہارا کھانا جو تم کو ملتا ہے، یہاں آ جائے، میں اس کی تفصیل بتا دوں گا، یعنی کھانے میں آج کیا آنے والا ہے۔ حضرت یوسف علیہ السلام کا منشاء یہ تھا کہ ان کو باور کرا دیں کہ وہ کچھ غیب کی باتیں بتانے پر قادر ہیں اور اس طرح ان دونوں کو اطمینان دلا دیں کہ وہ خواب کی تعبیر بیان کرنے کے اہل ہیں۔

دوسری تفسیر:

پہلی تفسیر (جو اوپر بیان کی گئی) میرے نزدیک قابل قبول نہیں ہے، اولاً اس لئے کہ غیب میں کیا ہے، اس کی نشاندہی اس سے ثابت نہیں ہوتی ہے، جیل خانوں میں کھانے متعدد، اقسام وانواع کے نہیں دیئے جاتے، ایک ہی دو قسم کے کھانے الٹ پھیر کر دیئے جاتے ہیں، ہر قیدی آسانی سے قیاس کر سکتا ہے کہ کھانے میں کیا ملنے والا ہے، اس میں حضرت یوسف علیہ السلام کی کون سی غیر معمولی صلاحیت کا اظہار ہوتا؟ توراۃ میں مذکور ہے کہ حضرت یوسف کے سپرد قیدیوں کے کھانے کا انتظام بھی تھا، اگر یہ صحیح ہے تو بات اور بھی معمولی ہو جاتی ہے، ایک شخص، جو باورچی خانے کا منتظم ہے، وہ کسی کو بتا دے کہ آج کھانے میں کیا دیا جائے گا، اس میں کونسی

قابلیت ہے؟

میرا رجحان یہ ہے کہ اس آیت کی وہ تفسیر درست ہے (جو بعض تفسیروں میں ہے) جس میں اس آیت کا یہ مطلب بتایا گیا ہے کہ ''تمہارا کھانا آنے بھی نہ پائے گا کہ میں تمہیں خوابوں کی تعبیر بتادوں گا۔'' تاکہ ان خواب دیکھنے والے قیدیوں کو اطمینان ہو جائے کہ تاخیر نہیں ہوگی، اس کی نوبت نہیں آئے گی کہ جیل کا نگراں آکر ڈانٹے اور کہے کہ اپنی اپنی جگہ جاؤ، یہاں تم کیسے آگئے؟ کیوں آئے؟ مصر حضرت یوسف علیہ السلام کے وقت میں بھی خاصا متمدن ملک تھا، کھانے کے اوقات متعین تھے، کھانے کا وقت آچکا تھا، اس لئے حضرت یوسف علیہ السلام نے فرمایا کہ کھانا جو آرہا ہے اس کے آنے سے پہلے میں تم کو تعبیر بتا کر فارغ کردوں گا۔

مرغوب اور پسندیدہ چیز کے ذکر سے طبیعت میں نشاط پیدا ہوتا ہے:

ایک نکتہ ابھی سمجھ میں آیا کہ قیدیوں کے لئے کھانے کا ذکر بہت پسندیدہ ہوتا ہے، لہذا حضرت یوسف علیہ السلام نے کھانے کا ذکر فرما کر ان کے اندر ایک نشاط پیدا کردیا، کھانے کا ذکر ہر ایک کے لئے پسندیدہ ہے، چہ جائیکہ قیدیوں کے لئے، ان کے لئے تو اور بھی رغبت کی چیز ہے، لہذا جب حضرت یوسفؑ نے اس کا ذکر کیا تو ان کے دل کھل اٹھے، اور مزید باتیں سننے کے لئے کان آمادہ ہوگئے۔

پھر مزاج نبوت ابھر کر سامنے آتا ہے، تعبیر خواب کی صلاحیت کو اپنی قابلیت پر محمول نہیں کرتے بلکہ اللہ تعالی کے فضل کا نتیجہ بتاتے ہیں، اور یہیں سے بات کا رخ پھیرتے ہیں، اس درجہ کے حکیمانہ ''گریز'' کی شاید ہی کوئی مثال ملے۔ ''ذٰلکما مما علمنی ربی'' یہ ان باتوں میں سے ہے جو میرے رب نے مجھے سکھائی ہیں، اور نصیحت کی جو بات کرنا چاہتے تھے، اس کا سرا ہاتھ آگیا۔

غور فرمائیے، خواب کی تعبیر سے پہلے کس درجہ حکیمانہ اسلوب میں دعوت و تبلیغ کا فرض انجام دیا، یہی بات اگر سیدھے سادھے بغیر گفتگو کا رخ موڑے ہوئے کہتے تو وہ قیدی سننے کے لئے تیار نہیں ہوتے، کیونکہ وہ بھیانک خوابوں کی وجہ سے خوفزدہ تھے، وہ چاہتے تھے کہ جلد سے جلد کوئی ان کو اطمینان کی بات بتادے، وہ کہاں متحمل ہو سکتے تھے کہ طویل طویل باتیں سنیں۔ مگر حضرت یوسفؑ نے جب یہ فرمایا کہ اس تعبیر خواب کے بیان کرنے میں میرے علم و فضل،

ذہانت و ذکاوت کا کوئی دخل نہیں ہے، یہ سب اللہ تعالیٰ کا فضل ہے، جس نے مجھے یہ صلاحیت عطا فرمائی ہے اور اس بات سے ان کو دعوت الی اللہ کی بات کا سرا ملتا ہے، جو اس درجہ لطیف، سبک رو اور طبائع کے لئے قابل قبول ہے کہ کوئی انکار نہیں کر سکتا تھا۔

دعوت کے اس حکیمانہ اسلوب پر اس طرح غور کیجئے کہ اگر حضرت یوسفؑ ان خواب دیکھنے والوں کو اس طرح مخاطب فرماتے کہ ''میرے معزز ساتھیو، ذرا صبر سے کام لو، میں آپ کے خواب کی تعبیر ابھی بتا دوں گا، لیکن سنئے! اس دنیا میں اس خواب سے بڑھ کر بھی اہمیت اور فکر کے لائق ایک بات ہے، ظاہر ہے وہ لوگ دلجمعی سے ہرگز بات نہ سنتے، خاص طور پر ایسے موضوع پر گفتگو جس کے وہ عادی نہیں، اور نہ یہ سب سننے کے لئے آئے تھے، لہذا حضرت یوسف علیہ السلام نے گفتگو کا موضوع بغیر بدلے ہوئے، سلسلہ کلام کو جاری رکھتے ہوئے بلکہ ایک ہی سانس میں فرمایا:

ایک دلنشیں اور سبک پیرائے میں دعوت کی طرف روئے سخن کا پھیر دینا(۱)

ذلکما مما علمنی ربی (یوسف ۳۷)

یہ ان باتوں میں سے ہے جو میرے رب نے مجھے سکھائی ہیں۔

آپ اس ماحول کو اپنی نگاہ میں رکھئے جس میں یہ دعوت دی گئی ہے، اس حکیمانہ اسلوب میں جس کی مثال اگر کہیں ملتی ہے تو صرف رسول اللہ ﷺ کی دعوت میں جس کا ذکر بعد میں کروں گا، لیکن اس کے علاوہ دعوت دین اور داعیان دین کی طویل تاریخ میں مجھے اس سے زیادہ نازک ماحول نہیں نظر آتا اور نہ اس سے زیادہ لطیف پیرایہ بیان ملتا ہے، جہاں سے بات شروع کی ہے۔ ''**لایأتیکما طعام ترزقنه**'' سے آیت ''ذلکما مما علمنی ربی'' تک پڑھئے اور دیکھئے کس طرح رب کے لفظ سے توحید کے وعظ کا راستہ نکال لیا ہے، کیا اس سے زیادہ سہل،

---

(۱) یہ معجزانہ اور بلیغ ٹکڑا حضرت یوسف علیہ السلام کے ذکر میں صرف قرآن میں ہے، تورات میں اس کا سراغ نہیں ملتا، اس واقعہ کو قرآن کریم اور بائبل دونوں میں دیکھئے تو معلوم ہوگا کہ قرآن کریم نے وہی حصہ لئے ہیں، جن میں دعوت و تبلیغ، عبرت و موعظت کا عنصر ہے، اور تورات میں جو ذکر ہے، اس میں صرف تاریخیں، گنتیاں اور مسافتوں کا بیان ہے۔

لطیف، قابل قبول اور تیزی سے بات کا رخ بدلا جا سکتا ہے؟ گویا وہ فرما رہے ہیں، میری کیا حیثیت کہ آپ کے خوابوں کی تعبیر بتاؤں، میں کمزور در ماندہ انسان، میرا اپنے اوپر بس نہیں چلتا، لوگوں نے مجھے جیل خانہ میں دھکیل دیا، اور میں ان کا مقابلہ نہ کر سکا، میرا جیسا کمزور و ناتواں جو قید میں ڈال دیا جائے اور اپنے آپ کو بے بس پاتا ہو، اس کی کیا مجال کہ اس بلند مقام پر اپنے کو فائز سمجھے کہ علم و بصیرت کی بات کرے، یہ محض اللہ تعالیٰ کا کرم ہے کہ اس نے مجھے علم عطا فرمایا۔

جادۂ صد سالہ کو حضرت یوسفؑ ایک لمحہ میں طے فرماتے ہیں:

یہاں ایک اور سوال اٹھاتے ہیں، میرے رب نے یہ علم مجھے کیوں دیا؟ دعوت الی اللہ کی طرف لوگوں کا ذہن منتقل کرنے کا ایک اور پیرایہ ان کو ملتا ہے، دراصل یہ طول طویل راہ تھی، جس کو حضرت یوسفؑ نے اپنی حکمت و بصیرت، تابناک روحانیت، روشن ضمیری اور اللہ کی عطا کردہ فکر رسا کے ذریعہ ایک لمحہ میں طے فرمالیا، یہ راہ جس کو جادۂ صد سالہ کہا جائے تو غلط نہ ہوگا اور جس کو حکماء، وفلاسفہ برسہا برس میں طے کرتے، حضرت یوسف علیہ السلام کی پیغمبرانہ قوت نے چشم زدن میں طے کرلی، فرمایا۔

ذلکما مما علمنی ربی إنی ترکت ملة قوم الا یؤمنون باللہ وھم بالاخرة ھم کفرون (یوسف ۳۷)

یہ ان باتوں میں سے ہے جو میرے پروردگار نے مجھے سکھائی ہے، جو لوگ خدا پر ایمان نہیں لاتے اور روز آخرت کا انکار کرتے ہیں، میں ان کا مذہب چھوڑے ہوئے ہوں۔

اتنا کہنے کے بعد حضرت یوسف علیہ السلام نے محسوس فرمایا کہ وہ اب ایک محفوظ پوزیشن میں، ایک بلند مقام پر فائز ہیں، گویا وہ ایک پہاڑ پر یا ٹیلے پر چڑھ کر نیچے والوں کو مخاطب فرما رہے ہیں کہ:

یاصاحبی السجن ء ارباب متفرقون خیر أم اللہ الواحد القھار

میرے جیل خانے کے رفیقو! بھلا کئی جدا جدا آقا اچھے یا (ایک) خدا یکتا و غالب؟

اگر حضرت یوسف علیہ السلام یہ بات پہلے کہہ دیتے تو ان رفیقوں کے کان پر یہ بات گراں گزرتی، نہ اس کو ان کا قلب و ذہن قبول کرتا، لیکن اب موقع آ گیا تھا کہ کہیں، اور ان کا

حق تھا کہ کہیں ''اے جیل کے رفیقو! بھلا کئی جدا جدا آقا اچھے یا ایک خدا یکتا و غالب؟'' یہاں کلام کی ترتیب تقدیم و تاخیر اور قرآن کریم کی ترتیب کلام قابل غور ہے، اور اگر وہ سابق سلسلہ کلام جاری رکھتے تو خشک اور بے جان بات ہوتی، لیکن حضرت یوسفؑ نے اپنی بصیرت سے اندازہ کرلیا اور اپنے مخاطبین کے چہرے پر اطمینان کے آثار دیکھ کر سمجھ لیا کہ اب یہ لوگ اس صدائے آسمانی کو سننے کے لئے گوش بر آواز ہیں، کیونکہ اللہ تعالیٰ کا یہ پیغام ہے، جو اپنے پیغمبروں کے ذریعہ اپنے بندوں کو دے رہا ہے، فرمایا: **یاصاحبی السجن أأرباب متفرقون خیر أم اللہ الواحد القھار** اس لہجہ کو دیکھئے کس درجہ پہلے لہجہ سے مختلف ہے، پہلا لہجہ (جس میں **ذلکما مما علمنی ربی** کہا تھا، الخ) نرم تھا، اس میں گداز تھا، مگر یہ لہجہ جس میں وہ کہہ رہے ہیں ''کیا جدا جدا آقا اچھے یا ایک خدا یکتا و غالب'' قوت و اعتماد کا اظہار کر رہا ہے، اس سے بھرپور خود اعتمادی جھلکتی ہے، اور یہی لہجہ اور اسی انداز کی بات وہ آسانی سے سمجھتے تھے، اگر حضرت یوسفؑ یہاں پر منطق اور علم کلام کی زبان میں بات کرتے تو ان کی سمجھ میں خاک نہ آتا۔

ایک قرآنی معجزہ:

پھر فرمایا:

ماتعبدون من دونہ الآ اسمآءً سمیتموھآ انتم وابآؤکم ماأنزل اللہ بھا من سلطن (سورہ یوسف ۴۰)

جن چیزوں کی تم خدا کے سوا پرستش کرتے وہ صرف نام ہی نام ہیں جو تم نے اور تمہارے باپ دادا نے رکھ لئے ہیں، خدا نے ان کی کوئی سند نہیں نازل کی۔

یہ نام ہیں مگر ان کا کوئی مسمّٰی نہیں ہے، یہ نام ہیں جن کی کوئی حقیقت نہیں ہے، کچھ نام یونانیوں نے تصنیف کرلئے ہیں، کچھ نام بت پرست قوموں نے رکھ چھوڑے ہیں، اور اسی طرح دوسرے لوگوں نے بغیر کسی وجود کے صرف اپنے اوہام کے بت بنائے اور ان کا نام رکھ دیا، اور دنیا میں ہر قوم کا ایک مستقل علم الاصنام تیار ہوگئی، قرآن کریم کا اعجاز یہ ہے کہ ان وہمی چیزوں کے لئے جن کا کبھی کوئی وجود نہیں تھا ''اسماء'' کا لفظ استعمال کیا ہے، جن لوگوں کی مذاہب عالم کی تاریخ پر نظر ہے، اور جو علم الاصنام کی تاریخ جانتے ہیں، وہی اس لفظ کی معجزانہ حیثیت کا اندازہ کرسکتے ہیں، یہ صرف نام ہی نام ہیں، یہ معبود کہاں اور کب پائے گئے؟ کہاں

اور کب بارش کا خدا اور جنگ کا خدا تھا؟ اور کس زمانہ میں اور کس جگہ، خدائے جمال اور خدائے محبت کا وجود تھا؟ یہ الٰہ کہاں اور کس صدی میں بستے تھی، ان کا وجود اوہام وظنون کی دنیا سے باہر کبھی پایا گیا؟ قرآن کریم نے بتایا کہ ''صرف نام ہی نام ہیں، جنہیں تم نے اور تمہارے اجداد نے اپنے دل سے گڑھ لیا ہے، اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس کی کوئی سند نہیں ہے۔''

قرآن کریم کا یہ معجزہ رہتی دنیا تک کے لئے قائم ہے، بت پرستی بھی اسی طرح کے اسماء کا مجموعہ ہے، قرآن کریم نے ان کا پول ان دو لفظوں میں کھول دیا ''ان ھی الآ اسمآء'' یہ صرف نام ہی نام ہیں۔

ایک ایسے داعی کا طریقہ کار جو اللہ کی طرف سے الہام کی نعمت سے سرفراز ہے:

حضرت یوسف علیہ السلام نے اس موقع پر محسوس فرمایا کہ ان کے دل ودماغ کا خلا پر ہو چکا ہے، اور اب حکمت کا تقاضا ہے کہ بات کو طول نہ دیا جائے اور توحید کا مضمون زیادہ پھیلا کر بیان نہ کیا جائے، ایک ماہر طبیب جانتا ہے کہ مریض کو کتنی غذا اور کس مقدار کی دوا درکار ہے، مریض کی ضرورت اور قبولیت کی صلاحیت وہ جانتا ہے، یہی ایک ایسے داعی کا طریق کار ہے، جو اللہ کی طرف سے الہام کی نعمت سے سرفراز ہے، اور جس کو اللہ تعالیٰ نے دعوت کی صلاحیت دی ہے، وہ جانتا ہے کہ ایک مرکز پر پہنچنے کے بعد اس سے تجاوز نہ کرنا چاہئے۔

یہی سبب ہے کہ جو شخص دعوت وتبلیغ کو اصول وقواعد کی حد بندیوں میں محصور کرتا ہے، وہ دراصل اس کی کارکردگی کو محدود کرتا ہے، دعوت، نشاط، جوش اور حرارت کی متقاضی ہے، داعی اور مبلغ پر بھی یہ ظلم ہے کہ اس کو ضوابط کا پابند کر دیا جائے۔(۱)

آئندہ مجلس میں انشاء اللہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے طرز دعوت کے مطالعہ کا نتیجہ پیش کیا جائے گا۔

---

(۱) مؤلف نے ۱۷ ربیع الثانی ۱۴۰۰ھ کو مدینہ منورہ کی اسلامی یونیورسٹی کے ہال میں ''حکمت دعوت'' کے موضوع پر ایک تقریر کی ہے، جا س کا عنوان تھا ''حکمة الدعوة وصفة الدعاة'' (دعوت میں حکمت کا پہلو اور داعی کے اوصاف) اس محاضرہ میں حضرت یوسف علیہ السلام کی دعوت کا ذکر تھا، اور اس میں ادبی نکات اور دعوت کے تابناک پہلو سامنے آ گئے تھے، لہٰذا اس خطبہ کو بھی سابقہ محاضرہ کے ساتھ ضم کر دیا گیا۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

حضرت موسیٰؑ کی دعوت اور پیغمبرانہ حکمت کے چند نمونے

نحمده و نصلی علی رسوله الکریم اما بعدo فاعوذ باللہ من الشیطان الرجیمo بسم اللہ الرحمن الرحیم o

پیغمبرانہ دعوت کا ایک اور نقش جمیل:

آج ہم پیغمبرانہ دعوت کا ایک اور نقش جمیل پیش کرتے ہیں، یہ ہے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی دعوت کا نمونہ، وہ دعوت جس کے لئے وہ مامور من اللہ تھے، اور فرعون جس کا مخاطب تھا، یہ طریق دعوت وتبلیغ اس طریق کار سے مختلف ہے جو ہم نے پہلے پیش کیا تھا اور آئندہ جو نمونے پیش کئے جائیں گے اس سے بھی یہ مختلف ہے، اس دعوت کی تین لحاظ سے نوعیت مختلف ہے۔ دعوت کا مزاج، داعی کی حیثیت اور جس کو دعوت دی جارہی ہے، اس کی صورتحال۔

یہ دعوت جو موسیٰ علیہ السلام نے دی، یہ دعوت جس پر وہ مامور کئے گئے تھے، انبیاء کرام کی دعوتوں سے ایک لحاظ سے مختلف کہی جاسکتی ہے، اس میں مرکزی اور بنیادی عناصر موجود ہیں، اللہ تعالیٰ کی طرف دعوت، توحید کی دعوت، آخرت پر ایمان کی دعوت، مر کر دوبارہ اٹھنے، اور آخرت کی زندگی، اور اللہ تعالیٰ کی صفات اور غیبی امور کی دعوت، مگر ایک دوسرے پہلو سے مختلف ہے، اور وہ یہ ہے کہ ان بنیادی اور مرکزی مضامین دعوت کے علاوہ ایک اور مہم بھی دعوت میں داخل کردی گئی ہے، وہ مہم تھی بنی اسرائیل کو فرعون کے عذاب سے نجات دلانا اور عقائد کی بنیاد پر جو مصائب ان کو فرعون کی طرف سے اٹھانا پڑے تھے، ان سے گلوخلاصی حاصل کرنا۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کی مہم دوسرے انبیاء کرام کی مہم سے قدرے مختلف ہے:

وہ خاص ماحول اور حالات جن میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کی پیدائش ہوئی، اور جن میں انہوں نے پرورش پائی، اور گرد وپیش کی صورتحال جن سے ان کو سابقہ پڑا، ان باتوں نے

حضرت موسیٰ علیہ السلام کے کام کو دوسرے انبیائے کرام علیہم السلام کے کام سے ایک حد تک مختلف نوعیت دے دی تھی، حضرت موسیٰ علیہ السلام کو مامور کیا گیا کہ فرعون سے صاف صاف کہہ دیں کہ ”وہ ظالم و جابر ہے، اور وہ بنی اسرائیل پر مسلط ہے، وہ بنی اسرائیل جو انبیائے کرام کی اولاد تھے، اور جن کے آباء (اس وقت کی دنیا میں) ایمان باللہ اور عقیدہ توحید کے تنہا وارث تھے، یہاں معاملہ کسی خاص قوم کا یا کسی انسانی گروہ کا نہ تھا، جن سے دنیا کبھی خالی نہیں رہی اور اس طرح کے انسانی گروہ آج بھی پائے جاتے ہیں، اگر کسی ایسے گروہ کا معاملہ ہوتا، جس پر کوئی ظالم و جابر قابض ہو گیا ہو اور جن کو ظلم و بہیمیت کے ذریعہ غلام بنائے ہوئے تھا اور عقیدے کی بنیاد پر ان کو مصائب اٹھانا پڑ رہے تھے تو بات آسان اور معمول کے مطابق سمجھی جاتی، کیونکہ آئے دن اور ہر جگہ ایسا ہوتا رہتا ہے، اور تاریخ کے ہر دور میں ایسی مثالیں ملتی ہیں، اور آئندہ بھی اس طرح کی صورت حال سے انسانی آبادی کا دوچار ہونا بعید نہیں ہے۔

بنی اسرائیل کی ان کے معاصرین کے مقابلہ میں جداگانہ نوعیت و خصوصیت:

صورتحال اس درجہ سادہ اور معمولی نہ تھی، صورت حال یہ تھی کہ دینی و اخلاقی قدروں میں انحطاط، اور بہت سی کمزوریوں کے باوجود، یہی ایک باقی ماندہ قوم تھی، جسے ایمان باللہ صحیح معنوں میں حاصل تھا اور عقیدہ توحید کے وارث و امین تھی، تاریخ کی شہادت ہے کہ بنی اسرائیل اپنی اخلاقی و دینی کمزوریوں کے باوجود تاریخ کے ہر دور میں (کسی نہ کسی درجہ میں) عقیدۂ توحید پر قائم رہے، ایک زمانہ ایسا گزرا ہے کہ سوائے یہود کے کوئی عقیدۂ توحید کا شناسا بھی نہ تھا، مفسرین نے قرآن مجید میں دنیا کی قوموں پر فضیلت کا بار بار ذکر کرنے کی توجیہ یہی کی ہے کہ شرک و بت پرستی کی اس تاریخ میں وہ تنہا عقیدۂ توحید کا چراغ روشن کئے ہوئے تھے۔(۱)

صورت حال صرف اس قدر نہ تھی کہ بنی اسرائیل فرعون اور اس کی فوج کے گھوڑوں کی

---

(۱) اللہ تعالیٰ نے تاکید و تکرار کے ساتھ اس حقیقت کو یاد دلایا ہے۔

یابنی اسرائیل اذکرو نعمتی التی انعمت علیکم و انی فضلتکم علی العالمین O (سورۂ بقرہ ۴۷)

اے یعقوب کی اولاد وہ احسان یاد کرو جو میں نے تم پر کئے تھے اور یہ کہ میں نے تم کو جہان کے لوگوں پر فضیلت بخشی تھی۔

ٹاپوں سے روندے جا رہے تھے، اور ایک ظالم و جابر حاکم وقت کے رحم وکرم پر پڑے تھے، بلکہ صورت حال یہ تھی کہ بنی اسرائیل عقیدۂ توحید کے حامل اور میراث نبوت کے امین تھے، یہ امانت کے حامل تھے، جو (اس دور میں) انبیائے سابقین علیہم السلام کی تعلیمات کا مجموعہ تھی۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام پر دوہری ذمہ داریاں:

حضرت موسیٰ علیہ السلام کی نوعیت دوسرے انبیائے کرام سے جداگانہ ہے، کیونکہ آپ پر دوہری ذمہ داری تھی، ایک ذمہ داری تو پیغام حق پہنچانے اور فرعون کو اس خدائے واحد وقہار کی طرف متوجہ کرنے کی تھی، جس کا کوئی حکومت اور قانون سازی میں شریک نہیں، اور دوسری ذمہ داری یہ تھی وہ فرعون سے مطالبہ کریں کہ وہ بنی اسرائیل کو آزاد کردے، اور ان کے قیدیوں کو رہا کردے، چنانچہ قرآن مجید میں صاف صاف فرمایا گیا:

فاتیه فقولآ انا رسولا ربک فارسل معنا بنی اسرآئیل O ولا تعذبهم قدجئنک بایة من ربک والسلم علیٰ من اتبع الهدی O (سورہ طٰہٰ ۔ ۴۷)

(اچھا) تو تم اس کے پاس جاؤ اور کہو کہ ہم اپنے پروردگار کے بھیجے ہوئے ہیں، تو بنی اسرائیل کو ہمارے ساتھ جانے کی اجازت دیجئے، اور انہیں عذاب نہ کیجئے، ہم آپ کے پاس آپ کے پروردگار کی طرف سے نشانی لے کر آئے ہیں اور جو ہدایت کی بات مانے اس پر سلامتی ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی دعوت کا یہی رخ ہے، جو ان کی دعوت کو دوسرے انبیائے کرام کی دعوتوں سے ممتاز کرتا ہے، لیکن ان کی پوزیشن نازک تھی، کیوں؟ اس لئے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی سرگزشت منفرد نوعیت کی تھی، ان کی زندگی کا نشیب وفراز دوسروں سے بہت مختلف تھا۔

فرعون کا منصوبہ اور انتظامات کی ناکامی:

حضرت موسیٰ علیہ السلام ایک انتہائی تاریک، صبر آزما، گھٹتے ہوئے بلکہ مردم خور ماحول میں پیدا ہوئے، فرعون نے اپنے انٹیلی جنس کو (جیسا کہ موجودہ اصطلاحات میں کہا جاتا ہے) یا اپنے محکمہ پولیس کو ہدایت دی تھی کہ بنی اسرائیل میں کسی نومولود لڑکے کو زندہ نہ چھوڑے۔

ان فرعون علا فی الارض وجعل اهلها شیعا یستضعف طآئفة منهم

يذبح ابنآء هم ويستحى نسآء هم انه كان من المفسدين O (القصص)

فرعون نے ملک میں سر اٹھا رکھا تھا اور وہاں کے باشندوں کو گروہ گروہ بنا رکھا تھا۔ ان میں سے ایک گروہ کو یہاں تک کمزور کر دیا تھا کہ ان کے بیٹوں کو ذبح کر دیتا اور ان کی لڑکیوں کو زندہ رہنے دیتا، بے شک وہ مفسدوں میں تھا۔

فرعون نے اپنا پلان بہت باریک بینی سے تیار کیا تھا، جس طرح ترقی یافتہ منظم حکومتیں اپنے پلان تیار کرتی ہیں، یہ پلان یہ تھا کہ بنی اسرائیل میں کوئی لڑکا نہ ہونے پائے، اور ایک نسل اس طرح گزر جائے تو بنی اسرائیل کی طرف سے ہمیشہ کے لئے بے فکر ہو جائے گا۔ صرف عورتیں رہ جائیں گے، ان سے ضرر نہیں، ان کے بیٹوں کو ذبح کر دیا جائے، اور عورتوں کو زندہ چھوڑ دیا جائے، فرعون نے ایک مطلق العنان حکمراں کی طرح جس کے احکام کی کہیں اپیل نہ ہو سکے، اپنا فرمان نافذ کر دیا، اور یہ چاہا کہ بنی اسرائیل میں معمولی سطح کا بھی لڑکا زندہ نہ رہنے پائے، لیکن اللہ تعالیٰ کی یہ مرضی تھی کہ ان میں ایک عظیم شخصیت پیدا ہو، فرعون کی یہ تدبیر تھی کہ بنی اسرائیل سے نجات حاصل کرے، اور بنی اسرائیل میں ایسا لڑکا نہ پیدا ہونے دے، جو اس کی سلطنت وعظمت کا خاتمہ کرنے والا ثابت ہو، اور اس کے پلان کو برباد کر دے، لیکن اللہ تعالیٰ نے اس کے سارے منصوبے خاک میں ملا دیئے، اور موسیٰ کی پیدائش مقرر کر دی، وہ موسیٰؑ جن کے خوف سے بچے ذبح کئے جا رہے تھے، فرعون کے کارندے بچوں کو حضرت موسیٰؑ کی وجہ سے قتل کر رہے تھے، لیکن وہ نومولود جس سے فرعون کو خدشہ تھا، پیدا ہو کر رہا، اور اللہ کی مرضی پوری ہوئی، وہ پیدا ہوا، پلا بڑھا، جوان ہوا، لیکن کیسے پیدا ہوا، اور کیسے بچ گیا، کیوں کر پلا اور بڑھا، یہ انسانی تاریخ کے عجائبات میں سے ہے، اور قدرت الٰہی کا معجزہ ہے کہ وہ بچہ اپنے سخت ترین دشمن کی گود میں پلا۔

خرق عادت کا پورا ماحول:

اپنی نگاہ تصور میں اس پورے ماحول کو رکھئے، جس میں ایک ایک بات خرق عادت کا مظہر ہے، شروع سے آخر تک قدرت خداوندی کی معجزہ نمائی کا منظر ہے۔

فالتقطه ال فرعون ليكون لهم عدوا وحزنا ان فرعون وهامن وجنودهما كانوا خطئين O وقالت امراة فرعون قرة عين لى ولك لاتقتلوه

عسیٰ ان ینفعنا اونتخذہ ولدا وھم لایشعرون O واصبح فؤاد ام موسی فارغاان کادت لتبدی بہ لولآ ان ربطنا علی قلبھا لتکون من المومنین O وقالت لاختہ قصیۃ فبصرت بہ عن جنب وھم لایشعرون O وحرمنا علیہ المراضع من قبل فقالت ھل الکم علیٰ اھل بیت یکفلوتہ لکم وھم لہ ناصحون O فرددناہ الی امۃ کی تقرب عینھا ولاتحزن ولتعلم ان وعدہ اللہ حق ولکن اکثر الناس لایعلمون O (القصص ۸۰ تا ۱۳)

تو فرعون کے لوگوں نے اس کو اٹھالیا، اس لئے کہ نتیجہ یہ ہونا تھا کہ وہ ان کا دشمن اور ان کے لئے موجب غم ہو، بے شک فرعون اور ہامان اور ان کے لشکر چوک گئے اور فرعون کی بیوی نے کہا کہ یہ میری اور تمہاری دونوں کی آنکھوں کی ٹھنڈک ہے، اس کو قتل نہ کر، شاید یہ ہمیں فائدہ پہنچادے۔ یا ہم اسے بیٹا بنالیں اور وہ انجام سے بے خبر تھے۔ اور موسیٰ کی ماں کا دل بے صبر ہوگیا، اگر ہم ان کے دل کو مضبوط نہ کر دیتے تو قریب تھا کہ وہ اس قصے کو ظاہر کر دیں۔ غرض یہ تھی کہ وہ مومنوں میں رہیں اور اس کی بہن سے کہا کہ اس کے پیچھے پیچھے چلی جا، تو وہ اسے دور سے دیکھتی رہی اور ان لوگوں کو کچھ خبر نہ تھی اور ہم نے پہلے ہی سے دائیوں کے دودھ اس پر حرام کر دیئے تھے، تو موسیٰ کی بہن نے کہا کہ میں تمہیں ایسے گھر والے بتاؤں کہ تمہارے لئے اس بچے کو پالیں اور اس کی خیر خواہی سے پرورش کریں تو ہم نے اس طریق سے ان کو ان کی ماں کے پاس واپس پہنچادیا کہ ان کی آنکھیں ٹھنڈی ہوں اور وہ غم نہ کھائیں اور معلوم کریں کہ خدا کا وعدہ سچا ہے، لیکن یہ اکثر آدمی نہیں جانتے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام (فرعون کے گھر میں پرورش پانے اور پروان چڑھنے کے بعد) پھر وہاں سے بغیر اجازت نکل کھڑے ہوئے، ایک قبطی کو ہلاک کرنے کا واقعہ پیش ایا جو شاہی خاندان یا شاہی قوم میں سے تھا:

ودخل للمدینۃ علیٰ حین غفلۃ من اھلھا فوجد فریھا رجلین یقتتن ھذا من شیعتہ وھذا من عدوہ فاستغاثہ الذی من شیعتہ علی الذی من عدوہ فوکزہ موسیٰ فقضیٰ علیہ قال ھذا من عمل الشیطن انہ عدو مضل مبین O (القصص ۱۵)

اور وہ ایسے وقت شہر میں داخل ہوئے کہ وہاں کے باشندے بے خبر ہو رہے تھے، تو دیکھا کہ وہاں دو شخص لڑ رہے ہیں، ایک تو موسیٰ علیہ السلام کی قوم کا ہے اور دوسرا ان کے دشمنوں میں سے ہے، تو جو شخص ان کی قوم میں سے تھا، اس نے دوسرے شخص کے مقابلے میں جو موسیٰ علیہ السلام کے دشمنوں میں سے تھا، موسیٰ علیہ السلام کی مدد طلب کی تو انہوں نے اس کو مکا مارا اور اس کا کام تمام کر دیا۔ ☆ ☆ ☆ یہ کام تو اغوائے شیطان سے ہوا، بے شک وہ انسان کا دشمن اور صریح بہکانے والا ہے۔

یہ ایک کھلا معجزہ تھا۔ قدرت خداوندی کا کھلا اظہار تھا۔ اللہ کی روشنی نشانیوں میں سے روشن ترین نشانی تھی کہ اللہ دعوت وتبلیغ اور بنی اسرائیل کی نجات دہندگی کے لئے ایک ایسے شخص کو منتخب فرماتا ہے جس کی پوزیشن بنی اسرائیل میں سب سے زیادہ کمزور نازک تھی۔

ایمان اور قلبی قوتوں کی کاوشیں:

حضرت موسیٰ علیہ السلام کو (جن کا تذکرہ قرآن کریم نے سورۂ قصص میں تفصیل سے کیا ہے، اور دوسری سورتوں میں کہیں اجمال سے اور کہیں کہیں درجہ تفصیل سے) اللہ کے دین کی طرف بلائے جانے پر مامور کیا جاتا ہے، اور ساتھ ہی بنی اسرائیل کو آزاد کرانے کی مہم بھی سپرد کی جاتی ہے، اور یہ دونوں کام سخت ترین کاوشوکاہش چاہتے ہیں، دعوت الی اللہ کا کام سخت جاں کا ہی کام ہے، اس میں ایمان، ضبط نفس، صبر اللہ پر بھروسہ اور یقین سبھی درکار ہیں اسی طرح ایک قوم کی آزادی کا حصول کوئی آسان مہم نہیں، سخت ترین کاوش چاہتا ہے، حضرت موسیٰ علیہ السلام کے اندر ان دونوں گرانبار ذمہ داریوں کے احساس نے ایک تردد اور جھجھک کی کیفیت پیدا کر دی تھی، جس کی طرف قرآن کریم نے انہی کی زبانی اشارہ کیا ہے:۔

ولهم علىٰ ذنب فأخاف أن يقتلون O (الشعراء ۱۴)

اور ان لوگوں کا مجھ پر ایک گناہ (یعنی قبطی کے خون کا دعویٰ) بھی ہے سو مجھے خوف ہے کہ مجھے مار ہی ڈالیں۔

یہ وہی بات ہے جس کی طرف فرعون نے اشارہ کیا تھا:

وفعلت فعلتک التی فعلت وانت من الکفرین

اور تم نے وہ کام کیا تھا جو کیا اور تم ناشکرے معلوم ہوتی ہو۔

اسی فرعونی آ گاہی یا دھمکی نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے اندر یک گونہ جھجک سی پیدا کردی تھی، ایک ہچکچاہٹ کی کیفیت تھی، جس کا اظہار وہ کو فرما رہے تھی، لیکن اللہ تعالیٰ نے ان دونوں مہموں کے لئے ان کو منتخب فرمالیا تھا، اور ان کاموں کے لئے ان سے بہتر اور موزوں کوئی دوسرا شخص نہیں ہوسکتا۔

قرآن کریم نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی سیرت اور کار نبوت کی ادائیگی کا ایک وہ منظر پیش کیا ہے جس سے اندازہ ہوتا ہے کہ کس طرح ایک صاحب وحی پیغمبر اور صاحب حکمت مبلغ وداعی اپنی بات پیش کرتا ہے، اور وہ کس طرح ایمانی غیرت وحمیت، دعوت الی اللہ کی نزاکتوں سے پوری واقفیت اور اس کے شعور کو ایک ساتھ لے کر چلتے ہیں، وہ ایک نبی برحق تھے، پوری امت کے لئے اسوہ اور مثال تھے، ان کے طریق خطاب سے واضح ہوجاتا ہے کہ وہ لوگ جن کو اللہ اپنے دین کی خدمت کے لئے منتخب فرماتا ہے، ان کا انداز کلام اور اسلوب خطاب کیا ہوتا ہے، اور ان لوگوں کا انداز کیا ہوتا ہے جو خوشامد اور چاپلوسی کو اپنا شعار بناتے ہیں اور پیشہ وارانہ انداز میں دعوت کی انجام دہی کا دم بھرتے ہیں، اور اپنے آپ کو حقیقت پسند یا واقعی صورت حال کا اعتراف کر کے کام کرنے والا شمار کرتے ہیں۔

اللہ کا محبوب ترین بندہ...... ایک مبغوض ترین بندہ کے پاس جاتا ہے:

یہاں قابل غور بات یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو مبعوث فرماتا ہے، حضرت موسیٰ علیہ السلام اس کے پسندیدہ بندے اور نبی برحق ہیں، مگر کس کی طرف اور کہاں بھیجے جارہے ہیں، ایک ایسے دشمن کے پاس جو اللہ کا دشمن ہے، ایک محبوب ترین فرد، ایک انتہائی قابل نفرت مخلوق کی طرف بھیجا جارہا ہے، ایک اس کنارے پر ہے، دوسرا اس کے برعکس دوسرے کنارے پر کھڑا ہے، ایک دوسرے کے بالکل متضاد ہیں، دو عام انسانوں میں اس درجہ تفاوت نہیں ہوتا، یہ تفاوت ایسے دو افراد کے درمیان پایا جاتا ہے جو ایک دوسرے کی ضد ہیں، اپنے وقت کا سب سے بڑا پیغمبر اس شخص کے پاس بھیجا جارہا ہے جو قدرت حق کو چیلنج کرتا ہے، عظمت خداوندی کو چیلنج کرتا ہے، حدیث قدسی میں جس عظمت عظمت کے بارے میں کہا گیا ہے کہ (اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ عظمت میری چادر ہے، جو اس کو مجھ سے چھینے گا اس کو پیس کر رکھ دوں گا۔) فرعون نے اس عظمت خداوندی کو چیلنج کیا تھا، اس کی جرأت، بے باکی اور دریدہ دہنی

اس درجہ بڑھ گئی تھی کہ وہ:

انا ربکم الاعلیٰ

تمہارا سب سے بڑا مالک میں ہوں۔

کا اعلان کر رہا تھا، ایسے شخص کے پاس جو صرف کفر وانکار کا مرتکب نہیں تھا، بلکہ خود خدائی کا دعویدار بن بیٹھا تھا، ایک مجرم اور قابل نفرت ولعنت وجود کے پاس ایک محبوب شخصیت کو بھیجا جا رہا ہے، اور ان کو ہدایت کیا دی جاتی ہے؟

فقولا له قولاً لينا لعله يتذكر اويخشى (طٰہٰ ۴۴)

اور اس سے نرمی سے بات کرنا شاید وہ غور کرے یا ڈر جائے۔

اس ہدایت الٰہی کے بعد کسی داعی ومبلغ کے لئے اس امر کی گنجائش نہیں رہ جاتی کہ دعوت کے کام میں سخت کلامی یا لہجہ کی ترشی سے بات کرے اور اس کی کوئی بھی تاویل کر سکے کیونکہ بے باکی، انکار، سرکشی میں فرعون سے سبقت وفوقیت لے جانے والے شخص کا تصور بھی مشکل ہے، جو یہ کہے "انا ربکم الاعلیٰ" لیکن اس سے بھی بات کرنے کے لئے جب پیغمبر وقت کو بھیجا گیا تو یہ ہدایت کی گئی کہ نرم لہجہ میں بات کرنا، حضرت موسیٰ علیہ السلام اور ان کے ساتھ حضرت ہارون علیہ السلام کو جب یہ حکم ملا کہ فرعون کے دربار میں داخل ہو کر اس کے سامنے کلمہ حق کہیں تو:

قالا ربنا اننا نخاف ان يفرط علينا اويطغىٰ (طٰہٰ ۴۵)

دونوں کہنے لگے کہ ہمارے پروردگار ہمیں خوف ہے کہ وہ ہم پر تعدی کرنے لگے یا زیادہ سرکش ہو جائے۔

چونکہ حضرت موسیٰ کے ساتھ ایک نزاکت تھی، اور ان کی پوزیشن میں کمزوری تھی، اس لئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

لاتخافآ اننی معکمآ اسمع واری O فاتیه فقولآ ان رسولا ربک فارسل معنا بنی اسرائیل ولا تعذبهم قدجئنک باية من ربک والسلم علیٰ من اتبع الهدیٰ O انا قد اوحی الینآ ان العذاب علیٰ من کذب وتولیٰ O قال فمن ربکما یموسیٰ O قال ربنکا الذی اعطیٰ کلّ شیٔ خلقه ثم هدیٰ O

(طٰہٰ ۴۶۔۵۰)

ڈرو مت! میں تمہارے ساتھ ہوں اور سنتا اور دیکھتا ہوں، پاس جاؤ! اور کہو کہ ہم آپ کے پروردگار کے بھیجے ہوئے ہیں، تو بنی اسرائیل کو ہمارے ساتھ جانے کی اجازت دیجئے اور انہیں عذاب نہ دیجئے۔ ہم آپ کے پاس آپ کے پروردگار کی طرف سے نشانی لے کر آئے ہیں، اور جو ہدایت کی بات مانے اس کی سلامتی ہے، ہماری طرف سے یہ وحی آتی ہے کہ جو جھٹلائے اور سر پھیرے اس کے لئے عذاب (تیار) ہے۔ (غرض موسیٰ اور ہارون علیہ السلام فرعون کے پاس گئے) اس نے کہا تمہارا پروردگار کون ہے؟ کہا ہمارا پروردگار وہ ہے جس نے ہر شے کو شکل وصورت بخشی، پھر راہ دکھائی۔

فرعون کی ترکش کا ایک زہریلا تیر:

فرعون کا شیطانی دماغ تیزی سے کام کرنے لگا، اور اس نے اپنے ترکش کا ایک ایسا زہر میں بجھا ہوا تیر نکالا جو کبھی خطا نہیں کرتا، ایسا تیر جو کسی بھی ذہین سے ذہین، زیرک اور دانا و بینا مبلغ پر پھینکا جائے تو بغیر اپنا کام کئے نہ رہے، خواہ وہ مبلغ دین بڑے سے بڑا افاضل روزگار ہو، اور اس نے تبلیغ کے فلسفہ کا مطالعہ کیا ہو، نفسیات کا ماہر ہو، علم الاجتماع (سوشیولوجی) اور فن مناظرہ میں یکتا ہو، جو بھی ہو، اس تیر سے اس کا گھائل ہونا یقینی ہے، وہ تیر یہ ہے کہ فرعون نے یہ پوچھا:

فما بال القرون الاولیٰ O (طٰہٰ ۵۱)

تو پہلے گزرے ہوئے لوگ کا کیا حال ہے؟

فرعون کی شیطانی عقل وذہانت کا ایک نادر سوال تھا، وہ چاہتا تھا کہ اس کے دربار میں جو لوگ موجود تھے، ان میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کے خلاف سخت اشتعال اور جذباتیت پیدا کردے، اور حضرت موسیٰ علیہ السلام سے اس طرح نجات بھی حاصل کرلے، اس طرح ایک تیر سے دو شکار کرنا چاہتا تھا، ایک تو یہ کہ دعوت توحید کو نظر انداز کردے، کیونکہ یہ دعوت اس کے لئے انتہائی بھیانک چیز تھی، توحید کا عقیدہ دلوں کے تار ہلا دیتا ہے، فطرت انسانی کے اندر چھپا ہوا ایمان اس سے ابھر آتا تھا، فرعون کے حاشیہ نشین بھی تو آخر بشر ہی تھے، اور ان میں سمجھدار اور ہوشمند لوگ بھی تھے، ایسے بھی ہوں گے جن کا ضمیر مردہ نہیں ہوا ہوگا، لہذا ممکن تھا کہ دعوت توحید ان کے اندر کا جذبہ ایمان ابھار دے، لہذا فرعون کی یہ کوشش ہوئی کہ وہ کسی طرح اس

سوال کو ٹال جائے، اور لوگوں کی نگاہ سے اس سوال کو اوجھل کر دے، اس لئے کہ یہ فرعون کی دکھتی رگ تھی، اور وہ اس عقیدہ سے انتہائی درجہ خائف تھا، اس لئے اس نے ایک ایسا سوال کر دیا، جس سے اس کے حاشیہ نشین اور مصاحب سب کے سب چوکنے ہو جائیں، اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کے متعلق یہ محسوس کرنے لگیں کہ یہ ان کے آباؤ اجداد کے راستہ سے برگشتہ کرنا چاہتے ہیں، لہٰذا اس نے سوال کیا، تو پہلے گزرے ہوئے لوگوں کا کیا حال ہے؟ اس کے جواب دو ہی ہو سکتے تھے یا تو صاف اور صریح جواب بغیر کسی لاگ لپٹ کے دے دیتے کہ وہ لوگ جہنم میں ہیں:

انکم وما تعبدون من دون اللہ حصب جھنم انتم لھا واردون (الانبیاء ۹۸)

تم اور جو کچھ پوجتے ہو اللہ کے سوا، جھونکنا ہے دوزخ میں، تم کو اس پر پہنچنا ہے۔

یہ کہتے تو ظاہر ہے بات کا راستہ ہی بند ہو جاتا، سب غیظ و غضب میں بپھر جاتے اور ان کی رگ حمیت جو دراصل جاہلیت کی رگ تھی، ابھر آتی، سب یا تو وہاں سے خفا ہو کر نقل جاتے یا سب مل کر حضرت موسیٰ علیہ السلام پر ٹوٹ پڑتے، یا شور و ہنگامہ برپا ہو جاتا، موسیٰ تم یہ کیا کہہ رہے ہو؟ ہمارے آباؤ اجداد کی توہین کرتے ہو، اور ہمارے احساسات کو پامال کرتے ہو؟

حکمت پیغمبرانہ اور مکمل معجزہ:

دوسری صورت یہ ممکن تھی کہ حضرت موسیٰ خاموش رہ جاتے، یا سیاست و حکمت سے کام لیتے۔ مثلاً کہتے کہ جہاں تک بزرگان سلف کا تعلق ہے، ان کا احترام ہمارے دل میں بھی ہے اور وہ لوگ بلاشبہ بڑے عالم و بزرگ تھے، اور اس طرح کی منہ دیکھی بات کرتے، اگر ایسا کرتے تو فرعون یہیں پر ان کو پکڑ لیتا اور کہتا کہ اگر وہ عالم و بزرگ تھے اور قابل احترام تھے، تو ہمارا عقیدہ بھی بعینہ وہی ہے جو ان کا عقیدہ تھا:

قال فما بال القرون الاولی ○ قال علمھا عند ربی فی کتب لا یضل ربی ولا ینسیٰ ○ (طٰہٰ ۵۱، ۵۲)

کہا تو پہلی جماعتوں کا کیا حال ہے؟ کہا: ان کا علم میرے پروردگار کو ہے جو کتاب میں (لکھا ہوا) ہے۔ میرا پروردگار نہ چوکتا ہے نہ بھولتا ہے۔

لیکن انہوں نے یہاں سے روئے سخن پھر اس موضوع کی جانب پھیر دیا جو پہلے سے

چل رہا تھا، جیسے بات سے بات نکلتی ہے، یہ ممکن تھا کہ وہ فرماتے، ان کے متعلق معلومات تاریخ میں ملیں گی، لیکن اگر ایسا کہتے تو صورت حال بدل جاتی، پھر تو فرعون بولنے اور تقریر کرنے لگتا، اور لوگوں کے تصنیف کردہ افسانے جن کو تاریخی روایات کا درجہ دے دیا جاتا ہے، اور جن کو اس کے زمانے او عہد حکومت میں ''تاریخی حقائق'' کی طرح تعلیم وتلقین کی جاتی ہوگی، ان سے استدلال کرتا، لہذا حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ایسی بات کہی جس کا کوئی جواب ہی نہ تھا، اور جس سے کوئی مفر نہیں ہوسکتا تھا:

قال علمها عند ربی فی کتب

کہا: اس کا علم میرے پروردگار کو ہے، جو کتاب میں لکھا ہے۔

ذرا ان الفاظ اور ان کی سادگی اور گہرائی کو ملاحظہ کیجئے، کتنی جچی تلی بات کیسے نپے تلے لفظوں میں کہہ دی، یہ ہے حکمت نبوت، دعوت کا اعجاز کامل، اگر ہم میں سے کوئی ایسی آزمائش میں پڑ جائے تو ایک نہیں ہزاروں طریقے پر اپنا مقصد ادا کرسکتا ہے، اور مشکل سے نجات پاسکتا ہے، مثلاً کہتے اس کو چھوڑو، یہ بات علیحدہ ہے۔ میرا مطلب گزشتہ زمانے سے نہیں بلکہ مجھے تو آج کی فکر ہے۔ وغیرہ وغیرہ۔

دعوت میں پختگی کے ساتھ جمار ہنا اور کسی حال میں اس مقصد کو فراموش نہ کرنا:

لیکن حضرت موسیٰ علیہ السلام نے دعوت کی بات ترک نہیں کی، اور گفتگو کا جو سرا ان کے ہاتھ تھا اس کو نہیں چھوڑا، اور بہت تیزی سے اصلی موضوع پر آ گئے، اس تیزی سے جس سے زیادہ سرعت و بلاغت کا تصور نہیں ہوسکتا، اور وہ حکمت اختیار کی جس سے زیادہ گہری حکمت دیکھی نہیں گئی۔ ایک لفظ میں سارا مسئلہ حل کردیا۔ "**علمها عند ربی**" اور یہ کہتے ہی اپنے موضوع پر آ گئے "**علمها عند ربی فی کتب لایضل ربی ولاینسی**" (کہا ان کا علم ہمارے پروردگار کو ہے جو کتاب میں لکھا ہوا ہے، میرا پروردگار نہیں چوکتا اور نہ بھولتا ہے)۔ اور اپنی بات کا تسلسل ٹوٹنے نہیں دیا، اور اللہ تعالیٰ کی انہی صفات کا ذکر کرنے لگے، جس سے فرعون بھاگنا چاہتا اور بات کا رخ پھیرنا چاہتا تھا، ایسی مختصر آیت کو پڑھتے ہی ادبی ذوق کو وجد

آنے لگتا ہے، ادب وبلاغت کے اس حسین شاہکار سے روح جھوم اٹھتی ہے، اور عقل سرنیاز خم کردیتی ہے۔

علمها عند ربی فی کتب لایضل ربی ولا ینسی الذی جعل لکم الارضظ مهدا وسلک لکم فیها سبلا وانزل من السمآء ماء فاخرجنا به ازوجا من نبات شتی O کلوا وارعوا انعامکم ان فی ذلک لایت لاولی النهر O
(طٰه ۵۲، ۵۴)

ان کا علم میرے پروردگار کو ہے جو کتاب میں لکھا ہوا ہے، میرا پروردگار نہ چوکتا ہے، نہ بھولتا ہے، وہی تو ہے جس نے تم لوگوں کے لئے زمین کو فرش بنایا اور اس میں تمہارے لئے رستے جاری کئے، اور آسمان سے پانی برسایا، پھر اس نے انواع واقسام کی مختلف روئیدگیاں پیدا کیں کہ خود بھی کھاؤ اور اپنے چارپایوں کو بھی چراؤ، بے شک ان باتوں میں عقل والوں کے لئے بہت سی نشانیاں ہیں۔

فرعون کی فکری پینترابازی (۱) اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کی استقامت اور کامیابی:

دوسری مثال سورۂ شعراء میں ملتی ہے:

قال فرعون وما رب العلمین O قال رب السموت والارض وما بینهما ان کنتم موقنین O قال لمن حوله الا تتمعون O قال ربکم ورب ابائکم الاولین O قال ان رسولکم الذی ارسل الیکم لمجنون O (الاشعراء ۲۳، ۲۷)

فرعون نے کہا کہ تمام جہاں کا مالک کیا؟ کہا کہ آسمان اور زمین اور جو کچھ ان دونوں میں ہے سب کا مالک، بشرطیکہ تم لوگوں کو یقین ہو، فرعون نے اپنے اہالی وموالی سے کہا کہ تم سنتے نہیں ہو؟ (اس نے) کہا کہ تمہارا اور تمہارے باپ دادا کا مالک (فرعون نے) کہا کہ (یہ) پیغمبر جو تمہاری طرف بھیجا گیا ہے باؤلا ہے۔

---

(۱) عربی میں حضرت مصنف مدظلہ نے (مراوغہ) کا لفظ استعمال کیا ہے، جس کا مقصد پینترا بدلنا، آگے بڑھ کر پیچھے مڑنا، اور اچانک حملہ کرنا، جس سے کھلاڑی بھی کام لیتا ہے۔ انگریزی میں ڈاج کا لفظ بھی اس سے قریب مفہوم رکھتا ہے، اردو میں پینترابازی سے مفہوم ایک حد تک ادا ہوجاتا ہے۔ (مترجم)

فرعون کی یہ فکری پینترا بازی تھی اور گفتگو کا رخ بدلنے کی انتہائی چالاک کوشش، وہ چاہتا تھا کہ اصل موضوع سے لوگوں کی توجہ ہٹا دے، اپنی قوت گفتار، انسانی وقومی نفسیات سے واقفیت (جو ایک تجربہ کار حکمران کو حاصل ہوتی ہے) اور سیاسی داؤ پیچ سے بات کو "ٹال دے" اور حضرت موسیٰ علیہ السلام سے نمٹ لے، ادھر حضرت موسیٰ علیہ السلام کا کمال یہ تھا کہ وہ موضوع سے ذرا بھی ٹلنے کے لئے تیار نہیں تھے، فرعون نے کہا "ومنا ربک العلمین" (سارے جہانوں جہانوں کا پروردگار کیا؟) وہ چاہتا تھا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کوئی ایسا جواب دیں جس سے بات دوسرا رخ اختیار کر لے اور مناظرہ چل پڑے۔ لیکن حضرت موسیٰ علیہ السلام نے پھر وہی دکھتی رگ پکڑی'قال رب السموات والارض وما بینهما ان کنتم موقنین" (فرمایا وہ جواب ہے آسمانوں اور زمین کا اور ان کا جو ان دونوں کے درمیان ہے بشرطیکہ تم یقین کرو) اس کا مطلب یہ تھا کہ خود فرعون کا تخت سلطنت ایسا ہے، جس کے کوئی پائے نہیں ہیں، مگر انہوں نے یہ کہا نہیں، اور صرف اس پر اکتفا نہیں کیا کہ "رب السموات والارض وما بینهما" بلکہ یہ بھی ساتھ ساتھ کہہ دیا"ان کنتم موقنین" (بشرطیکہ تم یقین کرو) اس طرح چیلنج کر دیا اور اصل مرض کی نشاندہی فرمادی (اگر تم یقین کرتے ہو) یعنی تم ایمان سے محروم ہو، اگر ایمان ہوتا تو دیکھ سکتے تھے کہ سارے جہانوں کا پروردگار وہی ہے جو آسمان اور زمین اور ان دونوں کے درمیان ہر شے کا مالک اور پروردگار ہے۔

فرعون کے ترکش میں ایک ہی تیر تھا جس کو اس نے آزمالیا:

فرعون کے پاس حضرت موسیٰ علیہ السلام کی زبان بندی اور لوگوں کو ان کے خلاف بھڑکانے کا ایک ہی ذریعہ تھا، جس کو وہ بار بار استعمال کر رہا تھا، قرآن کریم نے اس کو متنوع پیرایوں میں ذکر کیا ہے۔ "قال لمن حوله" اپنے بالی موالی سے کہا "الاتستمعون" سنتے نہیں؟ یہ کیا کہہ رہے ہیں!! یعنی کیا تمہاری رگ حمیت نہیں بھڑکتی؟ تمہیں غیرت نہیں آتی؟ تم کو میری طرف سے جواب دینے اور منہ بند کرنے کی ہمت نہیں ہوتی؟ سنتے نہیں یہ کیا کہہ رہا ہے!! لیکن قبل اس کے کہ وہ بولتے، ان میں جوش پیدا ہوتا، حضرت موسیٰ علیہ السلام نے بات پوری کر دی "ربکم ورب اباؤکم الاولین" (تمہارا اور تمہارے آباؤ اجداد کا پروردگار ہے) فرعون نے ایک بار پھر کوشش کی کہ ان کی بات کو ہوا میں اڑا دے، اور تحقیر کے انداز میں مذاق

اڑانے کا اسلوب اختیار کیا۔ "ان رسولکم الذی ارسل الیکم لمجنون" یہ تمہارا پیغمبر جو تمہاری طرف بھیجا گیا ہے، پاگل ہے! فرعون سمجھتا ہوگا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام اس بات کے جواب میں اپنی مدافعت کریں گے اور کہیں گے کہ نہیں میں پاگل نہیں ہوں۔

فرعون کی ترکش کا آخری تیر:

فرعون اس انسانی کمزوری سے واقف تھا کہ اگر کسی شخص کی ذات پر حملہ کیا جاتا ہے تو وہ اشتعال میں آجاتا ہے، اس سے اپنی توہین برداشت نہیں ہوتی، قرآن کریم نے اس ماحول اور مناظر کی وہ منظر کشی کی ہے جسے ہم دیکھ اور سن رہے ہیں، فرعون سمجھتا تھا کہ اس کے جواب میں حضرت موسیٰ علیہ السلام بھڑک پڑیں گے اور کہیں گے کہ کون کہتا ہے کہ میں پاگل ہوں، بلاؤ کسی ڈاکٹر، حکیم کو، کسی ماہر امراض کو، میرا معائنہ کرے۔ فرعون نے جب حضرت موسیٰ علیہ السلام کو باؤلا اور پاگل کہا تو اس کا مقصد یہی تھا، لیکن حضرت موسیٰ علیہ السلام نے سب سنی ان سنی کرکے اپنی ہی بات جاری رکھی۔

قال رب المشرق والمغرب وما بینھما ان کنتم تعقلون O (الشعراء ۲۸)

کہا کہ مشرق اور مغرب اور جو کچھ ان دونوں میں ہے سب کا مالک بشرطیکہ تم کو سمجھ ہو۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنی بابت کچھ نہیں کہا۔ نہ اپنی مدافعت میں ایک لفظ بولے، وہ اللہ کے فرستادہ پیغمبر برحق تھے، ان کے سپرد یہ مہم تھی کہ اللہ کے دین کی ان کو دعوت دیں، یہ سب باتیں (باؤلا، پاگل کہنا) ان کو یہ افروختہ نہیں کرسکتی تھیں اور ان کی دعوت حق کے مقابلے میں اس کی حیثیت ہی کیا تھی، اور ایسے ماحول میں جس میں شرک چھایا ہوا ہو، جس میں بت پرستی عام ہو، جس میں جرائم اور معاصی کی پرورش ہورہی ہو، جہاں آبرو باختہ، باعزت افراد کی پگڑیاں اچھالنے کے درپے ہوں، جس ماحول میں معصوم بچے اور بے گناہ افراد قتل کئے جاتے ہوں، ایسے ماحول میں مجنون اور پاگل کی پھبتی اور چوٹ کوئی بڑی بات نہ تھی، لہذا انہوں نے سنی ان سنی کرکے فرمایا کہ وہ رب وہی ہے جو مشرق ومغرب اور ان دونوں کے درمیان جو کچھ ہے، سب کا پروردگار ہے، اس پر مزید ایک لفظ بڑھا دیا۔ "ان کنتم تعقلون"

یہ تیر فرعون کے جگر کو چھلنی کرگیا، وہ تو سمجھتا تھا کہ مصر میں وہی رب المشرق والمغرب ہے، اس کی سمجھ یہی تھی کہ سارا عالم مصر سے عبارت ہے اور وہ چونکہ مصر کا مالک ہے، لہذا سارا

عالم اس کے قدموں کے نیچے ہے، حضرت موسیٰ نے مشرق ومغرب اور ان دونوں کے درمیان دنیا کا ذکر کر کے اسی کے غرور حکمرانی پر ضرب لگائی اور بنیاد ہی ڈھا دی جس پر فرعون کی جھوٹی خدائی کی عمارت قائم تھی، اور جس پر اس کو بڑا ناز تھا۔

پیغمبرانہ دعوت وحکمت کا یہ ایک نمونہ تھا، اس نمونہ میں دعوت دینے والا اور جس کو دعوت دی گئی ہے دونوں کی نوعیتیں مختلف اور جداگانہ نظر آتی ہیں، دعوت کا موضوع پیچیدہ اور نازک تھا اور داعی کی پوزیشن بڑی نازک اور کشمکش والی تھی۔ جس کو دعوت دی جارہی تھی وہ ایک شہنشاہ اور حکمران مطلق العنان تھا، اسی لئے اس نمونہ دعوت کا مطالعہ ہماری خصوصی توجہ کا طالب ہے، اس سے دوررس نتائج نکل سکتے ہیں، اور اس سے طریق دعوت کے واضح اصول وہدایات اخذ کی جاسکتی ہیں، جن سے دعوت کی فکری تعمیر اور عملی خاکہ بنانے میں بیش قیمت مدد مل سکتی ہے۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

حضرت موسیٰ علیہ السلام اور ان کی قوم بنی اسرائیل

گزشتہ خطبہ میں یہ ذکر کیا گیا تھا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنے وقت کے تخت ظالم و جابر حکمران فرعون کو دعوت دینے میں کیا رویہ اختیار کیا تھا، آج اس موقعہ پر اس امر کا جائزہ لینا ہے کہ ان کا خود اپنی قوم کے مقابلہ میں کیا موقف تھا؟

اندرونی کشمکش بسا اوقات سخت ابتلا کا باعث بن جاتی ہے، جب ایک خاندان یا قبیلہ کے افراد آپس میں دست و گریبان ہوتے ہیں، قلب و دماغ پر اس کے اثرات کچھ کم نہیں ہوتے، بلکہ بیرونی دشمنوں سے نبرد آزما ہونے کے مقابلہ میں یہ بات صبر آزما ہوتی ہے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اپنی قوم بنی اسرائیل سے جو سابقہ پڑا تو ان کا کیا موقف رہا؟

حضرت موسیٰ علیہ السلام کے چار واضح اور فیصلہ کن مواقف:

یہ سوال اپنی جگہ معقول ہے (یعنی حضرت موسیٰ علیہ السلام کا اپنی قوم بنی اسرائیل کے مقابلہ میں بحیثیت ایک داعی اور مصلح کے کیا رویہ رہا؟) اور اس کا جواب ہمیں قرآن کریم سے جو ملتا ہے اس کو ہم یوں کہہ سکتے ہیں کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ہمیں چار نہایت صریح اور قطعی مواقف نظر آتے ہیں، اور ان کے مطالعہ سے ہم ایسے نتائج اخذ کر سکتے ہیں، جن کے ذریعہ دعوت دین کے اصول سمجھ سکیں، اور ساتھ ہی داعی کے مختلف مواقف کا اندازہ کر سکیں، مثلاً یہ کہ ایک داعی الی اللہ اپنی اقوم کے افراد سے، اپنے قبیلہ یا خاندان کے افراد سے یا اپنے عزیزوں سے کس طرح مخاطب ہو، اور اگر کسی دشمن کو مخاطب کرتا ہو تو اس کا پیرایہ بیان کیا ہونا چاہئے، اس مطالعہ سے ایک بات جو بہت کھل کر سامنے آتی ہے، وہ یہ کہ ایک داعی الی اللہ کا موقف ہمیشہ داعی ہی کا موقف رہتا ہے، خواہ وہ دشمن کو مخاطب کر رہا ہو یا عزیز ترین فرد خاندان کو، دعوت کا رنگ اس پر غالب رہے گا، اور داعی کی شان اس میں جھلکتی رہے گی، خواہ صورتحال کچھ بھی ہو، اور مخاطب جو بھی ہو، اس کی زبان دعوت کی زبان ہوگی، اس کے سامنے مقصد

دعوت ہوگا، اور ہمیشہ اسی نغمہ کا تار چھیڑتا رہے گا اور انداز بیان خواہ جو بھی ہو مگر اس کی نظر اس پر ہوگی کہ کس طرح دعوت کی بات دل میں اتار دے اور کس طرح دلوں کو قبول حق کے لئے تیار کرے، دعوت کے منافی جو بات ہوگی، اس کو وہ ہاتھ نہیں لگائے گا۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کے سپرد جو مہم تھی، وہ اپنے ماحول اور گردوپیش کے حالات کی بناء پر ایک خاص نوعیت کی مہم تھی، اس کا تعلق ان خاص حالات اور فضاء سے بھی ہے جس میں وہ پیدا ہوئے اور پروان چڑھے۔

منصب نبوت اور سیاسی قیادت کا فرق:

حضرت موسیٰ علیہ السلام کی اس ضمنی مہم کو سمجھنے میں کسی حد تک غلط فہمی اور خلط ملط کا امکان ہے، جس کے لئے وہ اللہ کی طرف سے مامور تھے، اور جس کا مقصد بنی اسرائیل کی آزادی کا حصول تھا، میں چاہتا ہوں کہ اس سلسلہ میں آپ کا ذہن صاف رہے، بات یہ ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کا جو کام تھا (بنی اسرائیل کو آزادی دلانا) وہ ایسا کام تھا کہ جو بھی اس کو لے کر اٹھتا اس پر سیاسی رنگ غالب آجاتا، اور وہ سیاست کی زبان میں بات کرتا، قومی جوش سے پر ہوتا ''حقوق'' اور دلیل کی بات کرتا اور حقیقت بھی یہی تھی کہ بنی اسرائیل کو فرعون نے غلام بنا رکھا تھا اور وہ سخت مظالم کا شکار تھے، ایسے مظالم جن کی صحیح تصویر کشی صرف قرآن ہی کی بلیغ آیتوں میں ممکن تھی:

واذ نجینکم من ال فرعون یسومونکم سوء العذاب یذبحون ابنآء کم ویستحیون نسآء کم وفی ذلکم بلآء من ربکم عظیم O (البقرہ ۴۹)

اور ہمارے ان احسانات کو یاد کرو جب ہم نے تم کو فرعون سے مخلصی بخشی، وہ (لوگ) تم کو بڑا دکھ دیتے تھے، تمہارے بیٹوں کو قتل کر ڈالتے تھے اور بیٹیوں کو زندہ رہنے دیتے تھے اور اس میں تمہارے پروردگار کی طرف سے بڑی سخت آزمائش تھی۔

سورۂ قصص میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

ان فرعون علا فی الارض وجعل اھلھا شیعا یستضعف طآئفة منھم یذبح ابناء ھم ویستحی نسآء ھم انه کان من المفسدین O (القصص ۴)

کہ فرعون نے ملک میں سر اٹھا رکھا تھا اور وہاں کے باشندوں کو گروہ گروہ بنا رکھا تھا، انہی

میں سے ایک گروہ کو (یہاں تک) کمزور بنا رکھا تھا کہ ان کے بیٹوں کو ذبح کر ڈالتا اوران کی لڑکیوں کوزندہ رہنے دیتا، بے شک وہ مفسدوں میں تھا۔

جس کی قوم پر یہ بیت رہی ہو، وہ جب اپنی قوم کی مدافعت میں اٹھ کھڑا ہوگا، اوران کو آزاد کرنے کا بیڑا اٹھائے گا، اور ایسے ظالم کے چنگل سے چھٹکارا دلانا چاہے گا جواس کو ہر طرح سے کچل رہا ہو، طرح طرح سے ذلیل کر رہا ہو تو یہ بالکل کھلی ہوئی بات ہے کہ وہ غیرت قومی سے سرشار ہوگا، اور قومی نفسیات اس کے اندر ابھر آئے گی، وہ سیاست اور ''مطالبات'' اور ''حقوق'' کی زبان میں بات کرے گا اور جیسا کہ سب جانتے ہیں، حقوق ومطالبات کی زبان خاص ہوتی ہی اور طرز تعبیر بھی مختلف ہوتا ہے۔

مگر جس پہلو کی طرف آپ کی نظر ملتفت کرانا چاہتا ہوں، وہ یہ ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام، دوسرے انبیائے کرام علیہم السلام کی طرح ایک نبی مرسل تھے، جنھیں اللہ تعالیٰ نے اپنا مخاطب بنانے اور بات کرنے کا شرف عطا فرمایا تھا، ان کی اولین حیثیت یہ تھی کہ وہ دین حق اور ایمان وعقیدہ کے داعی تھے، لہٰذا ان آیات پر آپ غور کریں اور دیکھیں کہ کس طرح حضرت موسیٰ علی السلام نے اللہ تعالیٰ کی مدد وتائید سے اپنی داعیانہ شخصیت کو آگے رکھا اور احتجاج و مطالبات اور قومی نخوت اور جوش کو بیچ میں آنے نہیں دیا، موقع ایسا تھا کہ اس میں انسان سب کچھ بھول جایا کرتا ہے، اس کے اندر ''حمیت جاہلیہ'' (غیر دینی قومی حمایت وفخر) جوش مارنے لگتی ہے، اور جذبہ وطنیت وقومیت اپنا کام کرنے لگتا ہے، اور قوم پرست سیاسی کارکنوں کی زبان میں وہ بات کرنے لگتا ہے، لیکن دیکھئے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی کس طرح رہنمائی فرمائی کہ ان کے جذبۂ قومی کی رگ ایمانی قوت پر غالب نہ آسکی اور فرعون کو جو دعوت دی وہ اللہ پر ایمان کی دعوت تھی، اس کو دینی حقائق بتانے اور اللہ تعالیٰ کا جو معاملہ اپنی مخلوق کے ساتھ ہے، اور جو قوموں اور نسلوں کے ساتھ رہا ہے، اس کو یاد دلایا، اب میں ان آیات کی تلاوت کرتا ہوں۔

فرعون کے وزراء ایک تیر سے دو شکار کرنا چاہتے تھے:

وقال الملأ من قوم فرعون اتذر موسیٰ وقومه لیفسدوا فی الارض ویذرک والھتک قال سنقتل ابنآء ھم وتستحی نسآء ھم ونا فوقھم قاھرون (الاعراف ۱۲۷)

قوم فرعون میں جو سردار تھے، کہنے لگے کہ کیا آپ موسیٰ اور اس کی قوم کو چھوڑ دیجئے گا کہ ملک میں خرابی کریں اور آپ سے اور آپ کے معبودوں سے دست کش ہو جائیں۔ وہ بولے کہ ہم ان کے لڑکوں کو تو قتل کر ڈالیں گے اور ان کی لڑکیوں کو زندہ رہنے دیں گے۔ اور بے شبہ ہم ان پر غالب ہیں۔

ان لوگوں نے ایک تیر سے دو شکار کرنا چاہا۔ ایک تو فرعون کو خود شکار کرنا چاہا (اگر اسکو شکار کہا جا سکتا ہو) اور دوسرے اس کی قوم کو، فرعون سے وہ بات کہی جو اس کو بھڑکاوے اور غیظ میں لے آئے۔

''یہ ملک میں خرابی اور بگاڑ پیدا کرنا چاہتے ہیں'' یہ بات صنم پرستوں اور گوسالہ پرستوں کو بھڑکانے والی تھی۔ وہ ان کا کہنا کہ ''ویذرک والھتک'' (یہ چاہتے ہیں کہ اہل ملک آپ سے اور آپ کے معبودوں سے دشت کش ہو جائیں) ان لوگوں نے اپنی بات میں فرعون اور اس کی قوم دونوں کو ایک ساتھ برافروختہ کردیا۔

پیغمبرانہ روح کا تابناک نمونہ:

اس دہشت ناک موقع پر جبکہ انسان نخوت اور جوش سے بھر جاتا ہے، حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنے اس اسلوب کلام کو فراموش نہیں کیا، جس کے وہ ہمیشہ سے پابند تھے، اور نہ اس پیغام کو بھولے جس کا انہیں اللہ تعالیٰ نے حامل بنایا تھا۔

تصور کیجئے، اگر یہاں پر حضرت موسیٰ علیہ السلام کے علاوہ کوئی عالم، مبلغ یا سیاسی لیڈر ہوتا تو وہ قدرتاً فرعون کو مخاطب کرتا، فرعون کی قوم سے لڑتا، لیکن حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنی قوم کو مخاطب کیا، کیونکہ ان کی دعوت کے اولین مخاطب وہی تھے، اور وہی ان کا اصل سرمایہ تھے، اور ان ہی سے یہ توقع تھی کہ اللہ تعالیٰ ان کے ذریعہ صورت حال تبدیل فرمادے گا۔

ایک راہ شناس مبلغ جس کو اللہ تعالیٰ نے ایک بڑی مہم سر کرنے کے لئے تیار کیا تھا:

قال موسیٰ لقومه استعينوا بالله واصبروا ان الارض لله يورثها من يشآء من عباده ولعاقبة للمتقين (الاعراف ۱۲۸)

موسیٰ نے اپنی قوم سے کہا کہ خدا سے مدد مانگو اور ثابت قدم رہو، زمین تو خدا کی ہے (اور) وہ اپنے بندوں میں سے جسے چاہتا ہے اس کا مالک بنا دیتا ہے، اور آخر بھلا تو ڈرنے والوں کا ہے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام فرماتے ہیں ''خدا سے مدد مانگو'' یہ نہیں کہتے کہ تمہاری تعداد کافی ہے، اس پر بھروسہ رکو، اپنی عقل وذہانت پر بھروسہ کرو، جو خدا نے تم کو دے رکھی ہے اور اس میں شک نہیں کہ بنی اسرائیل کے افراد اپنی ذہانت اور دماغی صلاحیت میں ہر دور میں ممتاز رہے ہیں لیکن حضرت موسیٰ علیہ السلام نے کسی ایسی بات کو نہیں چھیڑا جس سے قومی غرور کا جذبہ پروان چڑھے۔ اگر وہ چاہتے تو ان باتوں کا ذکر کر سکتے تھے، کیونکہ وہ خود انہیں میں سے تھے اور انہیں تمام خصوصیات کا علم تھا، لیکن حضرت موسیٰ علیہ السلام نے تو ان کی طرف اشارہ بھی نہیں کیا اور ایسا معلوم ہوتا ہے کسی مسجد کے منبر پر کھڑے ہوئے خطبہ دے رہے ہیں اور کہہ رہے ''استعینوا باللہ واصبرو '' اللہ سے مدد مانگو اور ثابت قدم رہو۔ ''ان الارض للہ یورثھا من یشآء من عبادہ'' زمین تو خدا کی ہے اور وہ اپنے بندوں میں سے جسے چاہتا ہے اس کا مالک بنا دیتا ہے ''والعاقبۃ للمتقین'' اور انجام کار کی خوبی اور بھلائی تو خدا سے ڈرنے والوں کے لئے ہے۔

یہ ہے ایک حامل رسالت، جادۂ حق پر گامزن، اور راہ شناس مبلغ وداعی کا رویہ جس کو اللہ تعالیٰ نے ایک عظیم مہم کے لئے تیار کر رکھا تھا۔

یہ دعوت تھی اللہ کی طرف سے، دعوت تھی کہ اللہ پر بھروسہ کو اپنا شعار بنائیں، دعوت تھی کہ سارے معاملات اللہ تعالیٰ کے سپرد کر دیئے جائیں، دعوت تھی کہ پامردی اور استقلال وہمت کے ساتھ فرعون کی ان دھمکیوں کا مقابلہ کریں جو اس کے اس جملہ سے ظاہر تھے۔ ''سنقتل ابناء ھم ونستحیی نسآء ھم وانا فوقھم قاھرون'' (یعنی ہم ان کے بیٹوں کو قتل کر ڈالیں گے، اور ان کی لڑکیوں کو زندہ رہنے دیں گے، اور بلاشبہ ہم ان پر غالب ہیں) اور فرعون کا یہ عمل کوئی ہنگامی یا وقتی نہیں تھا بلکہ دائمی طور پر اس نے اپنا اصول بنا رکھا تھا ''انا فوقھم قاھرون'' (بلاشبہ ہم ان پر غالب ہیں) یہ مستقل غرور تھا، حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنی قوم سے فرمایا ''خدا سے مدد مانگو اور ثابت قدم رہو، زمین تو اللہ کی ہے۔'' اس جملہ نے فرعون کے

دل و دماغ پر سخت ضرب لگائی ہوگی، فرعون کے دربار میں یہ کہنا آسان نہ تھا کہ زمین تو اللہ کی ہے، یعنی فرعون کی نہیں ہے، اور نہ بنی اسرائیل ہی کی ہے، اگر حضرت موسیٰ علیہ السلام کوئی سیاسی لیڈر یا قومی رہنما ہوتے تو کہتے کہ یہ زمین ہماری ہے، ہم اس کے مالک ہیں، یہ انداز بیان جو خاص قوم پرست لیڈروں کا ہوا کرتا ہے، جیسے کہا جاتا ہے کہ یہ ملک انگریزوں کا نہیں ہندوستانیوں کا ہے، امریکہ امریکہ والوں کا ہے، لیکن حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرعون کے روبرو کہا کہ زمین اللہ کی ہے، یہ نہیں کہا کہ یہ ہمارے آباؤ اجداد کی میراث ہے، اگر وہ ایسا کہتے تو حق بجانب ہوتے، کیونکہ وہ صدیوں سے اس میں آباد چلے آرہے تھے، اور اس سرزمین پر ان کا حق تھا، اور وہ لوگ وہاں کے شہری تھے، ان کے بھی وہی حقوق تھے، جو قبطیوں کے تھے، یا شاہی خاندان کے افراد کے ہوسکتے تھے، مگر یہاں حضرت موسیٰ علیہ السلام کا انداز بیان ہی کچھ اور تھا، اپنے لوگوں سے فرمایا اللہ کی مدد چاہو اور ثابت قدم رہو، زمین صرف اللہ کی ہے، جس کو چاہتا ہے اس کا مالک بنادیتا ہے، اس کا یہ مطلب بھی واضح ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام اپنی قوم کو باور کرارہے ہیں کہ اگر فرعون اس ملک سے نکل بھی گیا اور تم کو تخت وحکومت مل بھی گئی تو یہ کوئی ابدی اور ہمیشہ رہنے والی چیز نہ ہوگی، یہ بات اللہ تعالیٰ کی سنت کے خلاف ہے، اور اس کے عدل کے منافی ہے، اللہ جس کو چاہتا ہے اس کو زمین کا مالک بنادیتا ہے، اور انجام کار کی بھلائی خدا سے ڈرنے والوں کے حصہ میں آتی ہے، یعنی یہ زمین کسی خاص فرد اور خاندان کی ملکیت نہیں ہوسکتی، کوئی قوم ہمیشہ کے لئے اس پر قابض نہیں رہ سکتی، البتہ انجام کار کی خوبی خداترس لوگوں کے حصہ میں آتی ہے، جیسا کہ سورۂ یونس میں آیا ہے:۔

ثم جعلنکم خلئف فی الارض من بعدھم لینظر کیف تعملون O

(یونس ۱۴)

پھر ہم نے ان لوگوں کے بعد تم کو خلیفہ بنادیا، تاکہ دیکھیں تم کیسے کام کرتے ہو۔

ہمت شکن اور دل توڑنے والی بات:

حضرت موسیٰ علیہ السلام کو سب سے زیادہ اذیت جس بات سے پہنچی ہوگی وہ میرے خیال میں بنی اسرائیل کا ان سے یہ کہنا تھا کہ:

اوذینا من قبل ان تاتینا و من بعد ماجئتنا (الاعراف ۱۲۹)

تمہارے آنے سے پہلے بھی ہم کو اذیتیں پہنچتی رہیں اور آنے کے بعد بھی۔

یہ بات حضرت موسیٰ علیہ السلام کے لئے فرعون کی اس بات سے زیادہ دل توڑنے والی اور حوصلہ شکن تھی، جبکہ اس نے کہا تھا کہ "ہم ان کے بیٹوں کو قتل کر ڈالیں گے اور ان کی لڑکیوں کو زندہ رہنے دیں گے اور بلاشبہ ہم ان پر غالب ہیں۔"

کیونکہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے اس لئے مبعوث فرمایا تھا کہ بنی اسرائیل کو فرعون کی غلامی اور ذلت کی زندگی سے نجات دلائیں، اور اللہ کی طرف ان کی رہنمائی کریں، لیکن انہوں نے اس احسان کا بدلہ کیا دیا؟ کہا کہ تمہارے آنے سے پہلے بھی ہمیں اذیتیں پہنچتی رہیں، اور تمہارے آجانے کے بعد بھی یہی صورتحال ہے، یہی نہیں بلکہ جیسا کہ سورۂ یسین میں اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کا قول نقل کیا ہے، جن کے پاس خدا کے کئی کئی پیغمبر اور ہدایت کے قاصد آئے تھے۔

قالو آ انا تطیرنا بکم (یٰس ۱۸)

وہ بولے ہم تم کو نامبارک سمجھتے ہیں۔

اسی زبان اور لہجہ میں گویا بنی اسرائیل حضرت موسیٰ علیہ السلام سے کہنا چاہتے تھے کہ تم ہمارے لئے منحوس ثابت ہوئے (کہ تمہاری وجہ سے ہمارے سینکڑوں ہزاروں بچے موت کے گھاٹ اتار دیئے گئے) یہ کس درجہ جگر خراش اور دل توڑنے والی بات ہے کہ جس قوم کے لئے انسان جان دے، قربانیاں دے، عیش و آرام کی زندگی تج دے، زندگی کو خطرہ میں ڈالے، وہ لوگ اس سے احسان فراموشی، ناشکری اور ناقدری کا معاملہ کریں۔ اگر وہ احسان کا اعتراف نہیں کر سکتے تھے، تو کم سے کم درجہ یہ تھا کہ خاموش ہی رہتے، مگر وہ تو یہ کہہ رہے تھے کہ ہمیں مصائب آپ کے آنے سے پہلے بھی جھیلنا پڑے اور وہی مصائب آپ کے آنے کے بعد بھی جھیلنا پڑ رہے ہیں، اس کا مطلب یہ تھا کہ وہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی پیدائش کو نحس سمجھ رہے تھے، اور کہہ رہے تھے کہ آپ کا وجود ہماری مصیبتوں کا سبب ہے، جب سے آپ آئے ہیں، ہم مصائب میں اس طرح گرفتار ہیں جس طرح آپ کی آمد سے پہلے مبتلائے رنج و آلام تھی، مصائب کا ایک تسلسل ہے جو ختم نہیں ہوتا۔

داعی ہر حال میں داعی ہی رہتا ہے:

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اس کا کیا جواب دیا؟ یہ ایک دوسرا موقف ہے، ایک نبی برحق اور صاحب وحی داعی الی اللہ کا، انہوں نے اپنی قوم کی اس دل آزار بات کا نوٹس نہیں لیا اور نہ غضبناک ہوئے، گویا اس حقیر بات کو انہوں نے سنا ہی نہیں، اور جو بات اس کے جواب میں کہی اس سے پیغمبرانہ وقار اور منصب نبوت کے شایان شان حلم و بردباری کا اظہار ہوتا ہے:

قال عسی ربکم ان یھلک عدوکم ویستخلفکم فی الارض فینظر کیف تعملون O (الاعراف ۱۳۹)

کہا، قریب ہے کہ تمہارا رب تمہارے دشمن کو ہلاک کر دے اور اس کی جگہ تمہیں زمین میں خلیفہ بنادے، پھر دیکھے کہ تم کیسے عمل کرتے ہو۔

ایک داعی کی شان ہی نرالی ہوتی ہی، وہ ہر حال میں اور ہر جگہ داعی رہتا ہے، یہاں تک کہ آپ کہیں تو غلط نہیں ہوگا کہ وہ کھانے پینے میں بھی داعی دکھائی دیتا ہے، اپنے گھر میں، اپنے افراد خاندان کے ساتھ، اپنے بال بچوں کے ساتھ زندگی گزارنے میں، رنج و غم کے موقع پر اس کے داعی ہونے کی شان اس سے جدا نہیں ہوتی، ہمیں رسول اللہ ﷺ کی سیرت طیبہ میں بھی یہی بات نظر آتی ہے کہ ہر حال میں آپ ﷺ داعی نظر آتے تھے، یہاں حضرت موسیٰ علیہ السلام کی سیرت میں بھی یہی نقشہ نظر آتا ہے، ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ناشکری اور ناقدری کی بات نے ان پر اثر ہی نہیں کیا، اور اس کو نظر انداز کر کے کہنے لگے ”قریب ہے کہ تمہارا پروردگار تمہارے دشمنوں کو ہلاک کر دے اور اس کی جگہ تمہیں زمین کا خلیفہ (مالک) بنادے۔“ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اسی پر اکتفا نہیں کیا بلکہ یہ بھی سمجھانا چاہا کہ ”ہوش میں رہنا، کہیں پھر تمہارا نفس تم کو دھوکہ میں نہ ڈال دے اور دوبارہ پھر کہیں انہیں غلطیوں کا ارتکاب نہ کر بیٹھو جو پہلے تم سے سرزد ہو چکی تھیں۔“ اس لئے بات کو اس طرح مکمل فرمادیا۔ ”**فلینظر کیف تعملون**“ پھر دیکھے تم کیسے عمل کرتے ہو، یعنی ایسا نہ ہو کہ تم قبطیوں کی طرح دنیا سے لطف اندوزی میں پڑ جاؤ، یا فرعون اور اس کے بالی موالی کی طرح دنیاوی عیش و آرام کو اپنا شعار بنالو، اللہ تعالیٰ تمہیں ایک موقع دینے والا ہے کہ وہ دیکھے کہ تم کیسے عمل کرتے ہو، تمہارا کیا طرق عمل رہتا ہے، اللہ تعالیٰ نے جس طرح قبطیوں کو زمین کا وارث بنایا ہے تمہیں بھی بنا سکتا ہے۔

ان الارض للہ یورثھا مایشآء من عبادہ والعاقبۃ للمتقین (الاعراف ۱۲۸)

بلاشبہ زمین اللہ کی ہے، اپنے بندوں میں جس کو چاہتا ہے اس کو مالک بنادیتا ہے اور انجام کار کی بھلائی خدا سے ڈرنے والوں کے لئے ہے۔

اور جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

ولقد کتبنا فی الزبور من بعد الذکر ان الارض یرثھا عبادی الصلحون

(الانبیاء ۱۰۵)

اور ہم نے نصیحت (کی کتاب یعنی توریت) کے بعد زبور میں لکھ دیا تھا کہ میرے نیکوکار بندے ملک کے وارث ہوں گے۔

یہاں جو بات واضح کرنا مقصود ہے وہ یہ ہے کہ داعی الی اللہ کے اعصاب پر دعوت کی روح غالب رہتی ہے، لہذا جو بات اس کی زبان سے نکلتی ہے اور جو عمل بھی اس سے صادر ہوتا ہے اس سے دعوت کی روح جھلکتی ہے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے کچھ اور چاہا اور اللہ تعالیٰ نے کچھ اور کردیا:

ایک دوسری صورت اور سامنے آتی ہے، جو بہت ہی نازک اور کشمکش کی صورت ہوئی جب حضرت موسیٰ علیہ السلام بنی اسرائیل کو لے کر فرعون کی حدود مملکت سے باہر لے جانے لگے، تاکہ اس سرزمین سے آزاد کرادیں، جہاں وہ ذلت اور رسوائی میں دن کاٹ رہے تھے، اور جہاں ظالم و جابر حکمران کی حکمرانی تھی، اور جہاں مذہب اور قومیت کی وجہ سے ان پر مصائب کے پہاڑ توڑے جارہے تھے، حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فیصلہ کیا کہ ان کو سینائے کے جزیرہ نما میں لے جائیں گے جو فرعون کی شہنشاہیت سے باہر تھا، یہاں عجیب بات سامنے آئی، حضرت موسیٰ علیہ السلام کی خواہش تو صرف اس قدر تھی کہ ان لوگوں کو فرعون کی حدود سلطنت سے باہر ایک جائے امن تک پہنچادیں، بنی اسرائیل کچھ اور امید باندھے ہوئے تھے، مگر اللہ تعالیٰ کی مشیت یہ تھی کہ فرعون اور اس کے لشکر کو غرق کردیا جائے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے رات کی تاریکی میں سفر شروع کیا۔ جزیرۂ عرب اور صحرائے

افریقہ کے درمیان ایک ہی خشکی کا راستہ تھا، جو افریقہ اور ایشیاء کو ایک دوسرے سے جوڑتا تھا اور وہ مصر کے شمال مشرق جانب تھا، لیکن رات کی تاریکی میں حضرت موسیٰ علیہ السلام راستہ بھول گئے، یہ بھول کوئی اتفاقی بات نہ تھی بلکہ قضاء وقدر کا فیصلہ تھا، اور اللہ تعالیٰ کی ایک طے شدہ تدبیر تھی، وہ بجائے خشکی کے راستہ کے بحری راستے چل پڑے، اگرچہ خشکی کی طرف نکلنے والا راستہ مختصر تھا، مگر رات کی تاریکی میں وہ کہیں سے کہیں پہنچ گئے، جب صبح کی پو پھٹی تو دیکھا کہ سمندر سامنے ہے، اور پیچھے پیچھے فرعون کا لشکر ہے، لوگ چیخ اٹھے کہ اب کیا چارۂ کار ہے، ان کو حضرت موسیٰ علیہ السلام سے بدگمانی ہونے لگی، جو پہلے ہی کچھ کم نہ تھی، کہنے لگے آپ ہم کو ایسی جگہ لے کر آئے ہیں، جہاں ہم فرعون کے چنگل میں پھنس جائیں، آگے دریا، پیچھے دشمن "نہ جائے رفتن نہ پائے ماندن" اب کیا کریں، حضرت موسیٰ علیہ السلام کی یہاں بھی پیغمبرانہ اور داعیانہ شان نمایاں ہوتی ہے، سورۂ شعراء میں اس واقعہ کو بیان کیا گیا ہے:

فلما تر آء الجمعن قال اصحب موسیٰ انا لمدرکون O (الشعراء ٦١)

جب دونوں جماعتیں آمنے سامنے ہوئیں تو موسیٰ علی السلام کے ساتھی کہنے لگے کہ اب تو ہم پکڑ لئے گئے۔

اس موقع پر کسی سیاسی لیڈر کا جواب کیا ہوسکتا تھا؟ یہی نا کہ ہم نے بہت سوچ سمجھ کر اور باریک بیں پلان بنایا ہی، اور ہم بالکل ٹھیک ٹھاک اپنی پلاننگ کے مطابق چل رہے ہیں، اور ہم کامیابی حاصل کر کے رہیں گے، ہمیں اس کا بالکل یقین ہے۔

ہرگز نہیں، میرا رب میرے ساتھ ہے، وہ مجھے راستہ بتائے گا:

لیکن ایک صاحب علم وامانت پیغمبر حضرت موسیٰ علیہ السلام نے کیا جواب دیا، فرمایا:

کلا ان معی ربی سیھدین O (الشعراء ٦١)

ہرگز نہیں! میرا رب میرے ساتھ ہے وہ مجھے راستہ بتائے گا۔

یہ بات انہوں نے پورے وثوق اور اعتماد کے ساتھ فرمائی، پورے اطمینان قلبی اور انشراح صدر سے کہی، اس جملہ کا ہر لفظ بتا رہا ہے کہ ان کو اپنے مالک پر کس درجہ اعتماد تھا اور اللہ کی قدرت وعظمت پر کس درجہ یقین تھا، اور انہیں پورا یقین تھا کہ یہ راتوں رات کا سفر محض اللہ رب العزت کے حکم سے ہوا، وہ رب کریم جو اپنے بندے کو مایوس نہیں کرتا، اس کا وعدہ کبھی خطاء

نہیں کرتا، لہذا بحر بیکراں کا کیا خوف اور لشکر جرار سے کیا ہراس؟

اس بات کا خوف کہ وہ اپنے ماننے والوں کو دشمن کے لئے لقمہ تر بنا دے گا۔ اللہ تعالیٰ کی رحمت ورافت سے بہت بعید ہے، یہ تو کسی نیک خو حکمران سے، کسی شفیق باپ سے، کسی صاحب مروت اور شریف انسان سے بھی توقع نہیں کی جاسکتی، چنانچہ اگر چہ صورت حال بہت سے بھیانک اور ظاہری آنکھوں سے خطرات میں لوگ گھر گئے تھے، پھر بھی ان کو ذرہ برابر شک وشبہ نہیں تھا، آخر وہ نبی برحق تھے، اللہ تعالیٰ کے ایماء ہی سے وہ بنی اسرائیل کو لے کر راتوں رات چل پڑے تھے، اور جب اللہ تعالیٰ کے قبضہ قدرت میں ہر شے ہے، کائنات سب اس کی ملکیت ہے، لہذا کوئی ایسی بات سامنے نہیں آسکتی، جس سے خوف وہراس کو دل میں جگہ دی جائے، حضرت موسیٰ علیہ السلام نے پورے یقین اور جوش سے فرمایا، ہرگز نہیں! اللہ میرے ساتھ ہے، وہ میری رہنمائی فرمائے گا۔

اس واقعہ کو جسے قرآن کریم نے بیان کیا ہے، ایک دوسرے واقعہ سے ملا کر دیکھئے، اس کا بھی قرآن کریم ہی نے ذکر کیا ہے، اور وہ واقعہ حضرت خاتم الرسل محمد رسول اللہ ﷺ کا ہے:

ثانی اثنین اذهما فی الغار اذ یقول لصاحبه لاتحزن ان الله معنا (التوبہ ۴۰)

(اس وقت) دو میں سے دوسرے جب وہ دونوں (غار ثور) میں تھے، اس وقت اپنے ساتھی کو کہہ رہے تھے غم نہ کرو۔ خدا ہمارے ساتھ ہے۔

اس کی تفصیل صحیح بخاری میں پڑھئے، جس کو تمام سیرت کی کتابوں میں نقل کیا گیا ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ اور آپ کے رفیق سفر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ میں تھے کہ حضرت ابوبکرؓ کو مشرکین قریش کی آہٹ محسوس ہوئی اور کہنے لگے، یارسول اللہ! اگر ان میں سے کوئی اپنے پیر کی طرف دیکھ لے تو ہمیں دیکھ سکتا ہے، حضور اکرم ﷺ نے فرمایا۔ ”تم ان دو کے بارے میں سوچتے ہو جن کا تیسرا خود اللہ تعالیٰ ہے؟“ **ماظنک باثنین الله ثالثهما**“

ان دو عظیم پیغمبروں کے واقعات میں کس درجہ مماثلت ہے۔ اس پر غور کیجئے، ان دونوں پیغمبروں کے درمیان قدر مشترک یہ ہے کہ دونوں منصب نبوت پر فائز تھے، اور ان کے اندر وہ پختہ یقین تھا جو آج بھی کروڑوں انسانوں کے ایمان ویقین کا باعث ہے، ان دونوں پیغمبران برحق کا یقین اللہ کی قدرت پر اعتماد، ان کی رحمت ورافت پر بھروسہ اس درجہ کا تھا، جس کو بڑے

سے بڑا فلسفی، حکیم وقت، ذہانت وذکاوت کے پتلے چھو نہیں سکتے تھے، بلاشبہ اللہ کی دین ہے جسے وہ چاہتا ہے، مرحمت فرماتا ہے۔

پھر کیا ہوا!!

پھر کیا ہوا، اس کا جواب ان آیات کریمہ میں موجود ہے۔

فاوحینآ الی موسی ان اضرب بعصاک البحر فانفلق فکان کل فرق کالطور العظیم O وازلفنا ثم الاخرین O وانجینا موسیٰ ومن معه اجمعین O ثم اغرقنا الاخرین O ان فی ذلک لایة وما کان اکثرهم مؤمنین O وان ربک لهو العزیز الرحیم (الشعراء ۶۳ تا ۶۸)

اس وقت ہم نے موسیٰ کی طرف وحی بھیجی کہ اپنی لاٹھی دریا پر مارو تو دریا پھٹ گیا اور ہر ۸
ایک ٹکڑا یوں ہوگیا کہ گویا بڑا پہاڑ ہے، اور دوسروں کو ہم نے قریب کردیا۔ موسیٰ اور ان کے ساتھ والوں کو بچالیا، پھر دوسروں کو ڈبو دیا، لیکن یہ اکثر ایمان لانے والے نہیں ہیں، اور تمہارا پروردگار تو غالب اور مہربان ہے۔

ارادۂ الٰہی اور اسباب مادی

مادی اسباب کے سلسلے میں انبیآء اور ان کے مخالفین کا فرق

نحمدہ و نصلی علی رسولہ الکریم اما بعد o فاعوذ باللہ من الشیطان الرجیم o بسم اللہ الرحمن الرحیم o

قرآن کا...... جو وہ واحد کتاب ہے جس نے انبیاء کی تاریخ، ان کے حالات زندگی، اور پیمبرانہ خبروں کو محفوظ رکھا ہے...... پڑھنے والا تسلسل اور وضاحت کے ساتھ یہ دیکھے گا کہ انبیآء کی بعثت ہمیشہ بڑے تاریک مخالف ماحول میں ہوئی ہے..... مادی لحاظ سے بھی وہ کمزور اور بے سروسامان تھے، اور ملک و مال، دوست اور ساتھی اور دوسرے وہ تمام مادی اسباب جن پر انسانوں کو ناز ہوتا ہے ان کے مخالفین کے پاس تھے، اور ان کے ماتحت تھے انبیآء کا سرمایہ وہ مضبوط ایمان ہوتا ہے جس تک شک کی رسائی بھی نہیں اخلاص کامل ہوتا ہے جس میں طمع و نفاق کی ذرا بھی آمیزش نہیں ہوتی، اللہ پر بھروسہ، اس کی طرف رجوع، اس کی چوکھٹ پر افتادگی، عمل صالح تقویٰ، حسن سیرت، اخلاق فاضلہ ہوتے ہیں، اور سب سے بڑھ کر (مذکورہ صفات کی اہمیت برقرار رکھتے ہوئے) وہ صحیح ایمانی دعوت ہوتی ہے، جس کی کامیابی کی ضمانت خود خدا نے لی ہے۔

انا لننصر رسلنا والذین آمنوا فی الحیواۃ الدنیا و یوم یقوم الاشھاد o

ہم اپنے پیمبروں اور ان کی جو ایمان لائے دنیا کی زندگی اور اس دن جب گواہ کھڑے ہوں گے ضرور مدد کریں گے۔

کتب اللہ لاغلبن انا و رسلی ان اللہ قوی عزیز

اللہ نے طے کر رکھا ہے کہ میں اور میرے پیغمبر ضرور غالب آئیں گے اللہ یقیناً قوی اور غالب ہے۔

ولقد سبقت کلمتنا لعبادنا المرسلین. انھم لھم المنصورون وان

جندنا لهم الغالبون

ہماری بات طے ہو چکی ہے اپنے بندوں اور رسولوں کے لئے کہ وہی کامیاب ہوں گے اور ہماری فوج ہی غالب ہوگی۔

متعین ومقصود موضوع:

قرآن کے پڑھنے والے کے سامنے یہ بھی آئے گا کہ اللہ تعالیٰ نے نبیوں اور رسولوں کے جو قصے، ان کی دعوت کی خبریں، اور اس سلسلے میں پیش آنے والے مقابلوں، جنگوں، سازشوں اور قوم کی متفقہ دشمنی اور متحدہ محاذ آرائی کا جو نقشہ کھینچا ہے، اور اس خطرناک لڑائی کا جو نتیجہ بیان کیا ہے، وہ ہمیشہ ایک نہتے مرد فقیر اور ایک سرمایہ دار اور ذی اثر قوم کے درمیان یا کسی جابر بادشاہ سے ہوئی اور پھر نبوی دعوت اور اس کے علمبردار اپنے فقر و کمزوری کے باوجود کامیاب اور ذی اثر سرمایہ دار اور جابر بادشاہ اپنی قوت و سطوت کے باوصف ہمیشہ ناکام رہے یا اس دعوت کو ماننے پر مجبور ہو گئے۔۔ وہ ایک مقصود مطلوب چیز ہے، یہ ایک مشترک حقیقت محض ایک اتفاقی حادثہ نہیں ہے بلکہ ایک دائمی سنت الٰہی اور ایک طے شدہ بات ہے، اور ظاہر ہے کہ اللہ کی قدرت کاملہ اچانک حادثات اور بخت اور اتفاق سے کوئی علاقہ نہیں رکھتی جو نادانوں اور بے عملوں کی منطق اور تسکین کا سامان ہے۔

اور یہ واقعات بار بار دہرائے گئے ہیں، ان کے ذریعے اس قدرت کاملہ پر ایمان کی دعوت دی گئی ہے جس نے اسباب کو پیدا کیا اور جو اسباب کی مالک، ان میں اپنی مرضی سے تصرف کرنے والی اور انہیں موثر یا غیر موثر کر دینے والی ہے، اور وہ قدرت۔ جیسا کہ ہم نے سابقہ خطبہ میں کہا۔۔ کہ اسباب کو پیدا کر کے خود معطل اور کمزور نہیں ہوئی، اور اپنے ارادے سے دوسروں کو دینے کے بعد خود اس سے محروم نہیں ہوئی اور نہ وہ تخلیق و ایجاد، اور غلبہ و کامرانی کے لئے ان اسباب کی محتاج ہی ہے۔

یہ واقعات حق کی قوت، اس کے باقی رہنے کی صلاحیت اور باطل کی کمزوری اور اس کی سست بنیادی پر دال ہیں اور ایمان کی دعوت دیتے ہیں۔

کل جاء الحق ومایبدی الباطل ومایعید

آپ ﷺ کہہ دیجئے کہ حق آ گیا اور باطل نہ اب شروع ہوگا نہ اس کی بازگشت ہوگی۔

بل نقذف بالحق علی الباطل فیدمغہ فاذا ھو زاھق و لکم الویل مماتصفون

بلکہ ہم حق کو باطل پر دے مارتے ہیں اور وہ اس کی سرکوبی کرتا ہے، اور پھر وہ مٹ جاتا ہے اور تمہارے لئے اس میں جو تم کہتے ہو ہلاک ہے۔

فاما الزبد فیذھب جفاء اواما ماینفع الناس فیمکث فی الارض کذلک یضرب اللہ الا مثال

جھاگ یونہی ختم ہو جاتا ہے اور جو لوگوں کو نفع دیتا ہے، وہ زمین پر باقی رہتا ہے، اس طرح اللہ مثالیں دیتا ہے۔

تجربہ اور اللہ کی رحمت کی ترغیب:

اس طرح کے قرآنی قصے اللہ اور اس کی مدد پر توکل کی......زمانہ کے تمام اختلافات کے باوجود......دعوت ہیں، اور تمام ناسازگار و مخالف فضا اور حالات میں بھی دعوت حسن سیرت اور عمل صالح پر اعتماد بحال کر دیتے ہیں، خدائی نصرت کے معجزانہ کارنامے، اور قدرت الٰہیہ کے عجائبات کے تذکرے قرآن میں بہ تکرار آتے رہتے ہیں جب قرآن کسی نبیؐ کو خدائی مدد فتح مبین قبولیت دعا، اور دشمن پر غلبہ کا ذکر کرتا ہے، تو وہیں، اس نبیؐ کے ماننے والوں اور اس کی دعوت کے حمایتیوں کو اس تجربہ کی دعوت بھی دیتا اور انہیں رحمت الٰہی سے پر امید کر دیتا ہے، جیسے ایوبؑ نبی پر خدا کے عطیے کے ذکر کے بعد ارشاد ہوا۔

رحمة من عند نا و ذکریٰ للعا بدین

یہ ہماری رحمت سے ہوا اور عبادت گزاروں کے لئے تنبیہ ہے۔

حضرت یونسؑ کے بارے میں فرمایا گیا۔

فاستجبنا لہ و نجیناہ من الغم و کذالک نخبی المو منین

ہم نے اس کی دعا قبول کی اور اسے غم سے نجات دی اور ہم ایسے ہی مومنین کو نجات دیتے ہیں۔

سلام علی موسیٰ وھا رون انا کذالک نجزی المحسنین

موسیٰ و ہارون پر سلامتی ہو ہم اسی طرح نیکوں کو بدلہ دیتے ہیں۔

سلام علیٰ الیاسین انا کذالک نجزی المحسنین

الیاس پر سلام ہو ہم اسی طرح نیکوکاروں کو بدلہ دیتے ہیں۔

قصہ لوط کے ذکر کے بعد فرمایا گیا۔

نعمة من عندنا کذالک نجزی من شکر

یہ بطور ہماری نعمت کے ہوا جو شکر کرتا ہے اسے ہم ایسے ہی بدلہ دیتے ہیں۔

اس لئے قرآن کے بڑے حصے پر مشتمل یہ قصے تفریحی قصے یا تاریخی کہانیاں نہیں، بلکہ وہ ذکر وموعظت، ترغیب، دعوت وارشاد، رہنمائی اور تقویت وتشجیع کی حیثیت رکھتے ہیں۔

لقد کان فی قصصهم عبرة لاولی الا لباب ماکا ن حدیثا یفتری ولکن تصد یق الذی بین یدیه و تفصیل کل شی ء وهدی ورحمة لقوم یومنون .

ان کے قصوں میں عقل والوں کے لئے سامان عبرت ہے، یہ کوئی گڑھی ہوئی بات نہیں بلکہ اپنے سے پہلے واقعہ کی تصدیق، ہر چیز کی تفصیل اور ایمان لانے والی قوم کے لئے ہدایت ورحمت ہے۔

و کلا نقص علیک من انباء الرسل مانثبت به فؤادک وجاء ک فی هذه الحق وموعظة وذکری للمؤمنین .

اور ہم انبیاء کی تمام خبریں آپ ﷺ کو دیتے ہیں جس کے ذریعہ آپ ﷺ کے دل کو تقویت دیتے ہیں اور آپ کے پاس اس بارے میں حق آ چکا جو نصیحت اور مومنین کے لئے یاد کرنے کی چیز ہے۔

تمام انبیاءؑ کے ساتھ اللہ کا طریقہ:

اللہ تعالیٰ کا یہ طریقہ تمام انبیاء کے ساتھ رہا ہے، مثلاً حضرت نوحؑ کی قوم نے جب ان سے کہا۔

انو من لک واتبعک الارذلون

کیا ہم تم پر ایمان لائیں حالانکہ ذلیل لوگ تمہاری پیروی کرتے ہیں۔

حضرت نوحؑ نے اللہ تعالیٰ سے عجز کے ساتھ اپنے ضعف کی شکایت کی۔

انی مغلوب فانتصر

میں شکست کھا رہا ہوں میری مدد کر!

اور حضرت لوط نے قوم سے کہا:

لو ان لی بکم قوۃ او آوی الی رکن شدید

کاش تمہارے مقابلہ کی مجھے طاقت ہوتی یا کسی مضبوط چیز کا سہارا لیتا۔

اور حضرت شعیبؑ کی قوم نے ان سے کہا:

مانفقه کثیرا مما تقول وانا لنراک فینا ضعیفا ولولارهطک لرجمناک وماانت علینا بعزیز .

جو تم کہتے ہو اس کا بیشتر حصہ ہم نہیں سمجھ جاتے اور ہم تمہیں اپنے درمیان کمزور پاتے ہیں ،اور اگر تمہارا قبیلہ نہ ہوتا تو ہم تمہیں سنگسار کر چکے ہوتے اور تم ہم پر غالب آنے والے نہیں۔

اور فرعون اپنے اور حضرت موسیٰ کے بارے میں صراحت اور بے شرمی کیساتھ کہتا ہے۔

ونادیٰ فرعون فی قومه قال یقوم الیس لی ملک مصر وهذه الانهار تجری من تحتی افلا تبصرون ام اناخیر من هذا الذی هومهین ولا یکاد یبین فلولا القی علیه اسورة من ذهب اوجآء معه الملائکة مقترنین .

اور فرعون نے اپنی قوم میں اعلان کی اور کہا کہ اے قوم کیا میرے پاس مصر کی سلطنت نہیں؟ اور یہ نہریں میرے قدموں کے نیچے بہہ رہی ہیں کیا تم غور نہیں کرتے؟ کیا میں اس سے بہتر نہیں جو ذلیل ہے، اور بولنے پر بھی قادر نہیں اور اگر وہ سچا ہے تو اس کے پاس سونے کے کنگن کیوں نہیں آئے یا اس کے ساتھ فرشتے کیوں نہیں آئے۔

انبیاء جن قوموں کی طرف بھیجے گئے تھے، وہ بڑی قوت وقدرت والی بڑے ساز وسامان کی مالک اور بڑی خوشحال قومیں تھیں، حضرت ہودؑ کا قول اپنی امت کے بارے میں گذر چکا۔

واتقوا الذی امدکم بما تعلمون O امدکم بانعام وبنین وجنت وعیون

ڈرو اس سے جس نے وہ کچھ تمہیں دیا جو تم جانتے ہو تمہیں جانور دئے اولاد دیں باغ دئے اور چشمے۔

اور حضرت صالحؑ نے اپنی امت سے اس طرح فرمایا۔

فاتقوا الله واطیعون. وما اسئلکم علیه من اجر ان اجری الا علی رب

العلمین O اتترکون فیما ھھنآ امنین O فی جنت وعیون. وزروع ونخل طلعھا ھضیم و تنحتون من الجبال بیوتا فارھین.

تو خدا سے ڈرو اور میرا کہا مانو، اور میں اس کا تم سے بدلہ نہیں مانگتا، میرا بدلہ (خدا) رب العالمین کے ذمہ ہے، کیا جو چیزیں (تمہیں یہاں میسر) ہیں ان میں تم بے خوف چھوڑ دیئے جاؤ گے؟ یعنی باغ اور چشمے اور کھیتیاں اور کھجوریں جن کے خوشے لطیف و نازک ہوتے ہیں، اور تکلف سے پہاڑوں میں تراش خراش کر کے گھر بناتے ہو۔

اور شعیبؑ نے اپنی قوم سے کہا" انی اراکم بخیر" میں تمہیں خوشحال دیکھ رہا ہوں۔

لیکن خدا کی عطا کردہ اس خوش حالی کا نتیجہ کیا ہوا؟ اس کا جواب قرآن کی زبان سے سنئے۔

الم یرواکم اھلکنا من قبلھم من قرن مکنا ھم فی الارض مالم نمکن لکم وارسلنا السماء علیھم مدرارا وجعلنا الا نھار تجری من تحتھم فاھلکنھم بذنوبھم وانشأنا من بعد ھم قرنا آخرین.

کیا وہ دیکھتے نہیں کہ ان سے پہلے کتنی قوموں کو ہم نے ہلاک کر دیا جنہیں زمین میں ہم نے وہ طاقت دے رکھی تھی، جو تمہیں نہیں دی، اور ہم نے ان پر آسمان کے دہانے کھول دیئے اور ان کے نیچے نہریں بھی بہائیں پھر ان کے گناہوں کے سبب انہیں ہلاک کر دیا اور ان کے بعد دوسری نسل کو کھڑا کر دیا۔

مادیت کے لئے سب سے بڑا چیلنج اور اسباب کی خدائی کے خلاف سب سے بڑی بغاوت:

حضرت ابراہیمؑ کا قصہ جو قرآن میں بار بار بیان ہوا ہے، وہ مادی اسباب کی ذاتی تاثیر کے خلاف سب سے بڑا چیلنج، ان اسباب اور انکے ماننے والوں کی قوت کا مذاق اڑانے والا اور ان کی کمزوری اور غیر مفید ہونے کی سب سے بڑی دلیل ہے، گویا حضرت ابراہیمؑ مادیت اور اس کے حاملین کے استخفاف و استہزاء پر مامور ہو کر آئے تھے، جو اس کی تقدیس کرتے، اس کا کلمہ پڑھتے، اور اس پر ہر طرح بھروسہ کرتے تھے، ان کو حقیر سمجھنے، اور خدا کی مدد سے ان پر فتح پانے، اور ان کی تذلیل میں خاص لذت، قلبی تسکین اور روحانی غذا حاصل ہوتی تھی، اور گویا وہ

اپنے ایمان وتوحید کے طویل اور بابرکت سفر میں ہر قدم پر مادیت کو اپنے قدموں سے روندتے اپنے عزم سے اسے مسخر کرنے کا التزام کر کے شک پر ایمان کی، مادہ پرستی کی، نظام شرک پر توحید کی نئی فتح کا سروسامان کر رہے تھے۔

اپنی طویل زندگی میں انہوں نے اپنے ماحول کی قوت وبادشاہت، مادہ اور معدہ کی عبادت، باطل خداؤں اور دھمکانے والی طاقتوں کے خلاف ہمیشہ علم بغاوت بلند رکھا، اس کا راز یہ تھا کہ ان کے وقت کی دنیا مادی اسباب کی شدت سے قائل اور اس پر حد سے زیادہ اعتماد کرتی تھی کہ وہ اسے مستقل اور ذاتی طور پر مؤثر سمجھنے لگی تھی، اور اسے خدا کے ساتھ ایک خدا کی حیثیت دیدی تھی۔

مادیت کی پرستش، تقدس، اور اس پر اعتماد نے ان کی بت پرستی کے پہلو میں ایک نئی بت پرستی کی شکل اختیار کر لی تھی جس میں وہ پہلے سے ڈوبے ہوئے اور ان کی بندگی میں پھنسے ہوئے تھے۔ حضرت ابراہیمؑ کی زندگی دونوں بت پرستیوں کے خلاف بغاوت اور اعلان جنگ، خالص توحید کی دعوت، اور اللہ کی بسیط ومحیط قدرت کا اعلان اور اس بات کا ثبوت تھی کہ وہ عدم سے چیزوں کو وجود میں لاتا ہے، اور وہ اسباب کا خالق بھی ہے، اور ان کی زمام کار بھی اسی کے ہاتھ میں ہے، وہ اسباب سے تاثیر سلب کر سکتا، اور اشیاء کی خاصیت وافادیت کو روک سکتا، اور ان کا الٹا اثر پیدا کر سکتا اور ان کو جس کا چاہے تابع فرمان بنا سکتا ہے۔

لوگوں نے اس "بغاوت" کے جرم میں آگ کا الاؤ تیار کیا اور یہ تجویز پاس کی کہ۔

حرقوه وانصروا آلهتكم ان كنتم فاعلين.

اسے جلا دو اور اپنے معبودوں کی مدد کرو اگر تم کچھ کرنا چاہتے ہو۔

حضرت ابراہیمؑ کو یقین کامل تھا کہ آگ، اللہ کے ارادے کی تابع ہے، اور جلانا اس کی ایسی صفت نہیں جو اس سے الگ نہ ہو سکے، بلکہ یہ اس میں بطور امانت رکھی ہوئی ایک خاصیت ہے جس کی لگام کبھی ڈھیلی چھوڑ دی جاتی اور کبھی کھینچ لی جاتی ہے اور اسے ٹھنڈک اور سلامتی بنا دیا جاتا ہے، چنانچہ آپ اس نار نمرود میں مومنانہ شان کے ساتھ مطمئن اور پر اعتماد انداز میں کود پڑے اور نتیجہ آپ کے یقین کے تابع ہی رہا۔

قلنا يا نار كوني بردا وسلاما على ابراهيم و ارادوا به كيدا فجعلنهم

لاخسرين .

ہم نے حکم دیا اے آگ ابراہیم کے لئے ٹھنڈک اور سلامتی بن جا، اور وہ لوگ اسے نقصان پہنچانا چاہتے تھے تو ہم نے انہی کو ناکام کردیا۔

لوگوں کا یہ خیال بھی تھا کہ زندگی بغیر سرسبزی، خوشحالی اور پانی کی فراوانی کے ممکن نہیں، اس لئے وہ اپنی آل واولاد اور اپنے رہنے سہنے کے لئے ایسی زرخیز زمین حاصل کرتے تھے، جن میں پانی کی افراط اور شادابی کی فراوانی ہو اور جہاں صنعت وتجارت کی سہولتیں حاصل ہوں حضرت ابراہیم نے اس چلی ہوئی عادت اور عام رسم ورواج، اور اسباب پر تکیہ کرنے کے خلاف بھی قدم اٹھایا اور اپنے چھوٹے سے خاندان کے لئے۔ (جو ایک ماں اور بیٹے پر مشتمل تھا)۔ ایک بے آب وگیاہ وادی پسند کی جس میں نہ زراعت ممکن تھی نہ تجارت اور جو دنیا اور اس کی تجارتی منڈیوں سے بالکل کٹی ہوئی اور سرمایہ کے مرکزوں سے بہت دور تھی۔

آپ نے اللہ سے رزق میں وسعت کی دعا کی کہ وہ دلوں کو اس وادی کی طرف مائل کردے او ریہاں تک پھل اور میوے بغیر کسی معروف طریقے کے پہنچائے، آپ نے کہا۔

ربنا انى اسكنت من ذريتى بواد غير ذى زرع عند بيتك المحرم ربنا ليقيموا الصلاة فاجعل افئدة من الناس تهوى اليهم وارزقهم من الثمرات لعلهم يشكرون .

اے رب میں نے اپنے خاندان کو ایک ناقابل کاشت وادی میں تیرے معزز گھر کے قریب بسایا ہے، اے رب تاکہ وہ نماز قائم کریں تو لوگوں کے دلوں کو ان کی طرف مائل کر اور انہیں پھل میسر کر شاید وہ شکر ادا کریں۔

اللہ تعالیٰ نے آپ کی دعا قبول کی اور انہیں رزق، امن وعافیت کی ضمانت دی اور ان کے شہر کو ہر قسم کے پھلوں اور خیر وبرکت کے خزانوں کا مرکز بنادیا:۔

اولم نمكن لهم حرما آمنا يجبى اليه ثمرات كل شىء رزقا من لدنا ولكن اكثرهم لايعلمون.

کیا ہم نے ان کے لئے ایک پرامن حرم مہیا نہیں کردیا جس کی طرف ہر قسم کے پھل لائے جاتے ہیں اور جو ہماری طرف سے بطور رزق کے تھے اور لیکن اکثر لوگ نہیں جانتے۔

فلیعبد وارب هذا البیت الذی اطعمهم من جوع و آمنهم من خوف

تو انہیں اس گھر کے خدا کی عبادت کرنا چاہئے جس نے انہیں بھوک کے بعد کھانا کھلایا اور خوف کے بعد امن نصیب کیا۔

حضرت ابراہیمؑ نے انہیں ایسی خشک زمین پر اتارا تھا جہاں پیاس بجھانے اور حلق تر کرنے کے لئے پانی کا نام ونشان تک نہ تھا، لیکن ریت کے ذروں سے پانی کا چشمہ پھوٹ پڑا ، اور وہ اس وقت سے اب تک اس طرح جاری ہے کہ لوگ اسے جی بھر کر پیتے اور اپنے ملکوں کو لے جاتی ہیں، حصرت ابراہیمؑ نے اپنے گھر والوں چٹیل میدان میں لا چھوڑا تھا، مگر وہ ایسا مرکزی مقام بن گیا جس کے لئے اطراف عالم کے لوگ عزم سفر کرتے اور رخت سفر باندھ کر آتے ہیں دنیا کے گوشہ گوشہ سے منزلوں پر منزلیں طے کرتے ہوئے پہنچتے ہیں، اور دور دراز علاقوں سے آتے ہیں۔

اس طرح حضرت ابراہیمؑ کی زندگی اپنے زمانہ کی پھیلی ہوئی اور حد سے بڑھی ہوئی مادیت، اسباب کی عبادت، اور ان کی بندگی کے لئے چلینج اور اس کی قدرت مطلقہ اس کے غالب ارادے پر ایمان کی زندہ مثال تھی اور اللہ تعالی کا ان کے ساتھ بھی یہی معاملہ رہا کہ اس نے ان کے سامنے اسباب کو جھکا دیا اور ان پر حیرت انگیز نوازشیں کیں۔

حضرت موسیٰ کا واقعہ تنگ اور محدود مادی ذہنیت کے لئے چلینج:

قصہ ابراہیمؑ کے بعد حضرت موسیٰؑ کا قصہ بھی اس عقل مادی کے لئے ایک کھلے چلینج کی حیثیت رکھتا ہے جو اسباب وحوادث کو خود مختار ابدی اور جامد قانون سمجھتی ہے۔ اور ایسی قاہر طاقت خیال کرتی ہے جو حاکم ہیں محکوم نہیں۔

یہ قصہ ان لوگوں کو بڑی آزمائش میں ڈال دیتا ہے جن کی فکر ونظر ماورائے اسباب یا اسباب سے اوپر نہیں جاتی ، یہاں میں اپنے ایک سابق مقالے سے مدد لوں گا جس میں حضرت موسیٰؑ کے قرآنی قصے اور اس کی عبرت وبصیرت کا جائزہ لیا گیا تھا، اس میں کہا گیا تھا۔

حضرت موسیٰ مصر کے ایک تاریک اور گھٹنے ہوئے ماحول میں پیدا ہوتے ہیں، جو بنی اسرائیل کو پورے طور پر گھیر چکا اور ان کے لئے نجات کے تمام راستے بند کر چکا تھا۔ حال مایوس کن مستقبل تاریک، تعداد تھوڑی وسائل معدوم، قوم بے عزت دشمن بالا دست حکومت ظالم یہ

چیزیں ان کی راہ میں حائل تھیں نہ کوئی ان کا دفاع کرنے والا تھا نہ کوئی بچانے والا، بنی اسرائیل کی حیثیت اس قوم کی سی تھی جس کا انجام بد معلوم و طے شدہ ہو اور وہ بدبختی اور فنا کے لئے پیدا ہوئی ہو۔ ان حالات میں حضرت موسیٰؑ پیدا ہوتے ہیں اور ان کی ولادت و زندگی فلسفہ اسباب اور وقت کے نظام کے لئے سراپا چیلنج ثابت ہوتی ہے، فرعون نے چاہا کہ وہ پیدا نہ ہوں مگر وہ پیدا ہو کر رہے، اس نے خواہش کی کہ زندہ نہ رہیں، مگر وہ زندہ بھی رہے، اور لکڑی کے ایک صندوق میں، نیل کے گہرے پانی میں، معجزانہ طور پر زندہ رہے، آپؑ دشمن کی گود میں پرورش پاتے اور قاتل کی حفاظت میں پروان چڑھتے ہیں، آپؑ بھاگتے اور نجات پاتے اور ایک درخت کے سائے میں محزون و لاچار ہو کر جا بیٹھتے ہیں، اور پھر معزز مہمانی، اور پسند کی شادی سے متمتع ہوتے ہیں، اہل و عیال کے ساتھ روانہ ہوتے ہیں، راستے میں ناواقفیت اور رات کی تاریکی سے واسطہ پڑتا ہے، اس کے ساتھ ہی بیوی کو ولادت پیش آتی ہے، اور ان کے لئے [illegible] کی تلاش ہوتی ہے اور وہ ایسا نور پا لیتے ہیں، جس کے ذریعہ بنی اسرائیل کی قسمت چمک جاتی اور ایک عالم راہ یاب ہو جاتا ہے۔ نبی ایک عورت کی ضرورت اور مدد کا سامان ڈھونڈتا ہے تو وہ پوری انسانیت کی مدد اور ضرورت کا سامان پا لیتا ہے اور نبوت و پیمبری سے سرفراز کر دیا جاتا ہے۔

[illegible] فرعون کے خدم و حشم سے بھرے ہوئے دربار میں داخل ہوتے ہیں۔ حالانکہ وہ کل [illegible] مفرور ملزم کی حیثیت میں تھے جس پر فرد جرم لگ چکی اور مقدمہ دائر ہو چکا تھا، اور ان کی زبان میں لکنت اور ارادوں میں تذبذب تھا لیکن آج وہ فرعون اور فرعونیوں کو اپنی دعوت و [illegible] اور حجت و بیان سے مغلوب کر دیتے ہیں، اور فرعون ساحروں کی مدد سے اعجاز موسیٰ کو [illegible] ہے، جسے وہ ایک کرتب اور جادو سمجھتا ہے، لیکن ساحر عاجز اور قائل ہو جاتے ہیں اور [illegible] ہیں۔

امنا برب العلمین رب موسیٰ وھارون ۔

ہم رب العالمین رب موسیٰ وہارون پر ایمان لائے۔

[illegible] بنی اسرائیلیوں کو لے کر راتوں رات ظلم کی سرزمین سے نجات کی سرزمین کی طرف کوچ کا حکم [illegible] فرعون اپنے لاؤ لشکر کے ساتھ ان کا پیچھا کرتا ہے، صبح جب ہوتی ہے تو حضرت موسیٰ

سمندر کو اپنے سامنے ٹھاٹھیں مارتے دیکھتے اور دشمن کو اپنے پیچھے یلغار کرتے دیکھتے ہیں اور سمندر میں گھس پڑتے ہیں سمندر دو ٹکڑے ہو جاتا اور ٹکڑا ایک بڑے پہاڑ کی طرح ہو جاتا ہے، حضرت موسیٰ اور قوم سمندر پار کر لیتی ہے، ان کے دیکھا دیکھی فرعون بھی اپنی فوج کے ساتھ سمندر میں اترتا اور غضب ناک سمندر کا لقمہ بن جاتا ہے اس طرح فرعون اور اس کی قوی جماعت ہلاک ہوتی اور بنی اسرائیل کی محتاج اور کمزور قوم ان کی جگہ لیتی ہے۔

واورثنا القوم الذين كانوا يستضعفون مشارق الارض ومغاربها التى باركنا فيها وتمت كلمة ربك الحسنى علي بنى اسرائيل بما صبروا ودمرنا ما كان يصنع فرعون وقومه وما كانوا يعرشون.

اور ہم نے اس قوم کو زمین کے مشرق و مغرب کا جس میں ہم نے برکت دی ہے، مالک بنا دیا جو کمزور بنا دی گئی تھی اور آپ ﷺ کے رب کی بہترین بات بنی اسرائیل کے لئے پوری ہو کر رہی، ان کے صبر کے نتیجے میں، اور ہم نے فرعون اور اس کی قوم کی کارستانیوں کو مٹا کر رکھ دیا اور جو کچھ وہ انگور کی بیلیں چڑھاتے تھے۔

قصہ حضرت یوسفؑ اور معروف طریقوں سے اس کی دوری:

حضرت یوسفؑ کا قصہ بھی اپنی ندرت و غرابت اور حوادث سے متعین طبعی اسباب، قانون علت و معلول کے عام قانون کی کارفرمائی کے خلاف ایک تاریخی شہادت ہے، انہیں بھائیوں کے حسد اور فریب، کنویں کی اندھیاری میں ایک مدت تک قیام، قافلہ والوں کی غلامی سے سابقہ پڑا جس میں ہلاکت، تکلیف، اور بے عزتی قوی اندیشہ تھا، لیکن وہ ان سب سے صحیح سالم بچ نکلتے اور زندہ رہتے ہیں۔

انہیں عصمت و عفت، وفاداری اور شرافت کا ایک سخت امتحان دینا پڑتا ہے جس میں وہ قوی محرکات اور ہیجانات، حسن و شباب اور فریق ثانی کی طرف سے طلب و اصرار (جسے اقتدار بھی حاصل تھا، اور جس کا ان پر احسان بھی تھا) سے دوچار ہوتے اور سنگین الزام اور اخلاقی جرم میں اس زمانہ میں جیل میں داخل ہوتے ہیں جبکہ وہ جرم کی علامت تھی اور جہاں اخلاقی مجرم ہی رکھے جاتے تھے۔ وہ قیاس آرائی اور شہر میں پھیلی ہوئی افواہوں کا پسندیدہ موضوع بھی بن جاتے ہیں، اور سب سے بڑھ کر یہ کہ یہ سب اپنے شہر سے دور [illegible] ہوتا ہے، بلکہ ان کا اس

قوم سے تعلق ہے، جس سے مصری شدید نفرت وحقارت کا برتاؤ کرتے تھے، اور اسرائیلی ہونے کے معنی تھے کہ عزت واقتدار میں اس کا کوئی حصہ نہیں ان پر ایک ایسی نسل سے ہونے کا جنم داغ ہے، جس کے لئے غلامی مقدر ہوچکی ہے، یہ سب حادثات ان کی گم نامی وبدنامی اور ہر عزت و اعتماد سے محرومی، اور مصری معاشرے کے کسی بھی معزز ومحترم مقام (چہ جائیکہ حکومت وسیادت ومنصب جلیل جس کے حقدار صرف شرفاء ہی تھے) محرومی کا سبب ہوسکتے تھے، نہ کہ اس کے بعد وہ مصر کے بادشاہ ہوتے اور ان کے فیصلے نافذ ہوتے اور لوگوں پر ان کا رعب وداب ہوتا، لیکن اس کے برعکس لوگوں نے کھلی آنکھوں سے حضرت یوسف کو مصر کے تخت حکومت پر بیٹھتے اور اقتدار سنبھالتے دیکھا۔

وکذالک مکنا لیوسف فی الارض یتبوع منها حیث یشاء نصیب برحمتنا من نشاء ولا نضیع اجر المحسنین.

اور اس طرح ہم نے زمین پر یوسف کے قدم جمائے کہ وہ جہاں چاہے رہ سکے ہم جسے چاہتے ہیں، اپنی رحمت پہنچادیتے ہیں اور نیکوکاروں کا اجر ضائع نہیں کرتے۔

قصہ یوسفؑ اور سیرت نبویؐ میں مماثلت:

خاتم النبیینؐ اور قریش کے وہ افراد جوان پر ایمان لائے، اور جنہوں نے ان کے ہاتھ میں ہاتھ دیئے تھے، وہ بھی ایسے ہی تاریک حالات ومشکلات سے دوچار تھے، اور انہیں بھی، تعداد کی کمی، موقف کی کمزوری، اسباب کی نایابی، خاندان کی ملامت، اور قوم کی شدید مخالفت و مقاطعہ، گھراؤ، دباؤ اور راہ خدا سے بندش، اور مومنین کی مظلومیت (جنہیں وہ دبددین، اور احمق کہتے تھے) رسول ﷺ کے قتل کی سازش، مستقل خوف وخطرہ کا سامنا تھا جس کا قرآن سے زیادہ معنی خیز بیان اور اس سے بہتر تصویرکشی ممکن نہیں۔

واذکر واذانتم قلیل مستضعفو فی الارض تخافون ان یتخطفکم الناس.

وہ وقت یاد کرو جب بہت تھوڑے اور زمین میں کمزور وضعیف تھے اور تمہیں یہ ڈر لگا رہتا تھا کہ لوگ تمہیں کہیں اچک نہ لیں:

رسول اللہ ﷺ کو مدد غیبی اور عظیم مستقبل کی بشارت:

ان تاریک حالات میں جو نہ کوئی امید بندھاتے اور نہ کسی مستقبل کی بشارت دیتے ہیں، اور نہ جن میں روشنی کی کوئی کرن ہی دکھائی دیتی ہے..... اللہ تعالیٰ نے اپنے رسولؐ سے حضرت یوسفؑ کا قصہ بیان کیا، رسول اللہ کی سیرت قصہ یوسف سے بہت ہی مشابہ ہے قبیلہ قریش کے معاملات برادران یوسف کے معاملات کے ہم شکل نظر آتے ہیں یہاں بھی شروع میں حسد اور جنگ سے آغاز ہوتا ہے اور آخر میں اس کی انتہاء اعتراف تعظیم اور امت پر ہوتی ہے ابتدار دوری اور قطع تعلق سے اور جور و ستم سے ہوتی ہے اور انتہا تسلیم اور التجائے رحم پر ہوتی ہے۔

حضرت یوسف کے سلسلہ میں کنویں کی تاریکی اور ہجرت نبوی میں غار ثور کا مرحلہ اور ابن یعقوب کی داستان میں قید و بند کا باب ابن عبدالمطلب کی سیرت کے شعب ابی طالب والے باب ایک دوسرے کے بہت مشابہ ہیں۔ دونوں کے دشمنوں کی طرف سے یہ اعلان واظہار یکساں ہے کہ:

تا للہ لقد اثرک اللہ علینا وان کنا لخٰطئین .

بخدا اللہ نے آپ کو ہم پر فضیلت دی اور ہم ہی خطاوار تھے۔

اور دونوں سرداروں نے قوم کو یکساں اور نرم و شریفانہ جواب ہی دیئے۔

لاتثریب علیکم الیوم یغفر اللہ لکم وھو ارحم الرا حمین .

آج تم پر کوئی ملامت نہیں اللہ تمہیں معاف کرے اور وہ رحم کرنے والوں میں سب زیادہ رحم والا ہے۔

قرآن نے اس عظیم قصے کو اس طرح شروع کیا ہے۔

نحن نقص علیک احسن القصص بما اوحینا الیک ھذا لقرآن وان کنت من قبلہ لمن الغفلین .

ہم آپ سے ایک بہترین قصہ کہنے جا رہے ہیں اس سبب سے کہ ہم نے آپ پر قرآن اتارا ہے اور اگرچہ آپ اس اس سے پہلے غافلوں میں تھے۔

اور قصہ کو ختم اس طرح کیا گیا ہے:۔

لقد کان فی قصصهم عبرة لا ولی الالباب. ما کان حدیثا یفتری ولکن تصدیق الذی بین یدیه وتفصیل کل شیء وهدی و رحمة لقوم یومنون

ان کے قصہ میں اہل عقل کے لئے عبرت ہے یہ کوئی گڑھی ہوئی بات نہیں۔ بلکہ اپنے سے سابق قصہ کے تصدیق اور ہر چیز کی تفصیل اور مومن کے لئے ہدایت ورحمت ہے۔

اس طرح یہ سورہ مکہ کے بوجھل اور تاریک ماحول میں اتر کر رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے لئے ایک عظیم وتابناک اور شاندار مستقبل کی بشارت ثابت ہوئی گویا حضرت یوسف علیہ السلام کا قصہ آپ کا قصہ ہے، اور مخالف ماحول میں کنایہ، صراحت سے ہمیشہ بلیغ مانا گیا ہے۔

انبیاء کی کامیابی امت کی کامیابی:

پھر اللہ نے آنحضرت ﷺ سے حضرت موسیٰؑ اور فرعون اور اس کے ساتھیوں کا قصہ بیان کیا ہے، جو قصہ سورۂ قصص میں آیا اس میں حضرت موسیٰ کی کامیابی اور فرعون کی چالوں سے آگاہی اور سلامتی اور رسالت عظمیٰ اور نبوت سے سرفرازی (جبکہ وہ صرف اپنی زوجہ کے تاپنے کے لئے آگ کی تلاش میں تھے) دشمن کی ہلاکت اور بنی اسرائیل کی نجات کا بیان ہوا ہے، یہ حضرت یوسفؑ کے قصہ سے اس کے سوا بالکل مشابہ ہے کہ اس میں بنی اسرائیل کی نجات، ان کی کامیابی، اور سیادت کا قصہ زائد طور پر بیان ہوا ہے۔

اس قصہ کا افتتاح ایک بڑی معرکہ آرا تمہید کے ساتھ ہوا ہے جس میں قریشی مخالفین کے دل دہلا دینے اور اس کمزور مومن جماعت کے مستقبل کے تصور سے مرعوب کر دینے کے لئے کافی سامان ہے، جسے قریشی خاطر میں نہیں لاتے تھے، اور اسے نگل جانے کی فکر میں تھے، فرمایا گیا۔

طسم. تلک آیت الکتب المبین. نتلو علیک من نبا موسیٰ و فرعون بالحق لقوم یؤمنون ان فرعون علا فی الارض وجعل اهلها شیعا یستضعف طائفة منهم یذبح ابنا ء هم و نستحییٰ نساء هم انه کان من المفسدین ونرید ان نمن علی الذین استضعفوا فی الارض ونجعلهم ائمة و نجعلهم الوارثین ونمکن لهم فی الارض ونری فرعون وها مان و جنود هما منهم ما کانوا یحذرون.

یہ کھلی کتاب کی آیتیں ہیں، ہم آپ کو موسیٰ و فرعون کا ٹھیک ٹھیک قصہ مومن قوم کی خاطر بتا رہے ہیں، فرعون نے زمین (مصر) میں بڑا بننے کی کوشش کی اور اس کے باشندوں کو تقسیم کر دیا، اور ایک طبقہ کو اس نے کمزور کرنا شروع کر دیا، وہ ان کے لڑکوں کو قتل کر دیتا اور لڑکیوں کو چھوڑ دیتا تھا، وہ مفسدوں میں سے تھا ہم خاص طور پر ان لوگوں پر احسان کرنا چاہتے ہیں جو زمین میں کمزور بنا دیئے گئے ہیں اور انہیں امام اور وارث بنا دینا اور زمین پر ان کے قدم جما دینا چاہتے ہیں اور فرعون و ہامان اور ان کے لاؤ لشکر کو جس انجام بد سے وہ ڈرتے تھے اسے دکھا دینا چاہتے ہیں۔

داعیوں اور مومن وصالح کام کرنے والوں کے لئے قوت واعتماد کا سرچشمہ:

یہ بلیغ و موثر قصے قلب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تقویت و تسلی کے لئے ہوتے تھے، جیسا کہ فرمایا گیا:۔

و کلانقص علیک من انباء الرسل ماثبت به فؤادک وجاء ک فی هذه الحق وموعظة و ذکریٰ للمؤ منین .

اور رسولوں کی خبروں میں سے ہم ہر وہ خبر آپ کو دیتے ہیں جس سے آپ کے قلب کو تقویت دیں اور آپ کے پاس اس سلسلہ میں حق اور مومنین کے لئے نصیحت اور یاد دہانی آ چکی ہے۔

یہ سچے قصے داعیوں اور منہاج نبوت پر کام کرنے والوں، اور ایمان و عمل صالح اور تقوی کی طرف بلانے والوں مصیبت پر صبر کرنے والوں جہاد پر قائم رہنے والوں اور اللہ کے راستہ میں جاگنے والوں کے لئے ہمیشہ قوت و ثابت قدمی کا اور روشنی پیدا کرنے والی امید، فوز وفلاح اور مخالفوں کے مقابلہ پر فتح و ظفر کے قوی یقین کا سرچشمہ و خزانہ رہے ہیں۔

وتمت کلمة ربک الحسنیٰ علی بنی اسرائیل بماصبروا ودمرنا ماکان یصنع فرعون وقومه وما کانوا یعرشون .

اور بنی اسرائیل کے حق میں ان کے صبر کے نتیجہ میں آپ کے رب کی اچھی بات پوری

ہوئی اور جو فرعون اور اس کی قوم کر رہی تھی اور جو وہ بیلیں چڑھاتے تھے اسے ہم نے نیست و نابود کر دیا۔

اور یوسفؑ نے اللہ تعالیٰ کی عنایت کردہ نمایاں کامیابیوں کی توجیہ کرتے ہوئے فرمایا۔

قال انا یوسف وھذا اخی قدمن اللہ علینا انہ من یتق ویصبر فان اللہ لایضیع اجر المحسنین.

کہا میں یوسف ہوں اور یہ میرا بھائی ہے اللہ نے ہم پر احسان کیا جو بھی تقویٰ اور صبر اختیار کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ نیکوکاروں کا اجر ضائع نہیں کرتا۔

یہ جان لینا چاہئے کہ یہ اللہ کی وہ سنت ہے جس میں کبھی استثنا نہیں ہوتا اور انبیاء کے منہاج و طریقہ پر دعوت اور کوشش، ایمان و عمل صالح، صبر و طاعت اور اچھی و پاکیزہ سیرت ایسا مبارک درخت ہے، جو خدا کے حکم سے ہمیشہ سدا بہار اور ثمر دار رہتا ہے، اور ایک کمزور ترین فرد بھی ان صفات کے ذریعہ قوی ہو جاتا ہے، اور کوئی بھی اقلیت، اگر ان اخلاق فاضلہ کی حامل ہو تو وہ اکثریت ہے۔

کم من فئتہ قلیلة غلبت فئة کثیرة باذن اللہ واللہ مع الصابرین .

کتنی ہی چھوٹی جماعتیں بڑی جماعتوں پر اللہ کے حکم سے غالب آ گئیں اور اللہ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے:

ولا تھنوا ولا تحزنوا و انتم الاعلون ان کنتم مؤمنین .

نہ ہمت ہارو اور نہ غمگین ہو تمہیں سربلند ہوگے اگر تم مومن ہو۔

قصے نسل در نسل قوت و عبرت کا سرچشمہ، اپنے ایمانی طرز، اور اس کی دلیل ہونے کی وجہ سے بنے رہے کہ انبیاء کی دعوت ہی کو فتح و ظفر ملتی ہے، اور اللہ کی پسندیدہ سیرت و صفات ہی کے ساتھ فوز و فلاح وابستہ ہیں، خواہ اس کے اسباب کتنے ہی مخالف، اس کی مخالف قوتیں کتنی ہی نبرد آزما اور مادی طور پر اس دعوت کے حامل کتنے ہی کمزور کیوں نہ ہوں۔

قدکان لکم آیة فی فئتین التقتا فئة تقاتل فی سبیل اللہ واخریٰ کافرة یرونھم مثلھم رای العین، واللہ یؤید بنصرہ من یشآء ان فی ذلک لعبرة لاولی الابصار .

تمہارے لئے ان دو جماعتوں میں نشانی تھی ایک جماعت تو اللہ کے راستے میں جہاد کر رہی تھی اور دوسری کافر تھی اور وہ مسلمانوں کو چشم دید طور پر اپنے سے دوگنا دیکھ رہی تھی اور اللہ اپنی مدد سے جس کی چاہتا ہے تائید کرتا ہے، اس میں عقل والوں کے لئے بڑی عبرت ہے۔

انبیاء کی دعوت پر ایمان یا پھر ہلاکت وتباہی:

انبیاء کی سیرت جسے اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں کبھی تفصیل اور کبھی اجمال کے ساتھ بیان کیا ہے، اور بہ تکرار اس کا ذکر کیا ہے، اس کے درمیان ایک ایسا متفقہ نقطہ پایا جاتا ہے جس میں کبھی اختلاف نہیں ہوتا اور وہ ہے ان کا تمام رکاوٹوں کے باوجود کامیاب اپنے دشمنوں کے مقابلہ میں کامراں ہونا، اور اس کی دو صورتیں ہوتی ہیں یا تو یہ مخالفین ایمان لے آتے اور ان کی دعوت قبول کر لیتے اور اس کے مخلص فدائی بن جاتے ہیں یا پھر ہلاک اور تباہ و برباد کر دیئے جاتے ہیں۔

فقطع دابر القوم الذین ظلموا والحمدلله رب العلمین
پھر کٹ گئی جڑ ظالموں کی اور سب تعریف اللہ رب العالمین ہی کے لئے۔

انفرادی اور قومی مصالح کی کوئی قیمت نہیں:

جو دعوت، انسانیت کی سعادت و نجات کا مدار ہے، اس کی عند اللہ یہ قیمت ہے کہ اس کے لئے نوامیس فطرت اور قوانین قدرت بھی توڑ دیئے جاتے ہیں اور اس کے لئے وہ کچھ کیا جاتا ہے جس کا گمان بھی نہیں ہوتا، اور فردی یا اجتماعی مصلحتیں یا سیادت و غلبہ کی خواہش اور وہ بے معنی قیادتیں جو نہ خیر کو اٹھاتیں اور نہ شر کو گراتی ہیں اور ان سے اسلام و انسانیت کا کوئی فائدہ نہیں ہوتا، اور ان کا شر و فساد اور کفر و فسق کی طاقتوں سے کوئی جھگڑا نہیں ان کی ساری دوڑ دھوپ اور لڑائی اس کے لئے ہوتی ہے کہ ہونے والے تمام گناہ اور فساد ان کے نگرانی سرپرستی اور ان کے سایہ اقتدار میں جن کا فائدہ انہیں پہنچے تو ایسی انفرادی و اجتماعی کوششوں کی اللہ کے یہاں کوئی قیمت اور مچھر کے پر کے برابر بھی حیثیت نہیں، اور اللہ کو اس کی کچھ پروا نہیں کہ وہ کس وادی میں مرتی اور کون سا دشمن ان پر غلبہ پاتا ہے، اور ان کا خاتمہ کب ہوتا ہے۔

ایسی ہی کوششوں کے مقابلے میں سرکش و جابر اور بے رحم بغاوتیں اٹھ کھڑی ہوتی اور

ایسے مشکلات ومسائل سامنے آجاتے ہیں جن کی ابتداء وانتہا معلوم نہیں ہوتی۔

ایک پھیلا ہوا غلط خیال:

آج مسلم قوموں اور عالم اسلامی میں یہ خیال مقبول ومروج ہے اور اس پر سب کا ایمان راسخ ہے کہ سیرت واخلاق کے مقابلے میں مادی طاقت ہی فیصلہ کن میزان اور معیار ہے۔ بہت سے اچھے اچھے دینداروں حتیٰ کہ دین کے داعیوں کا بھی یہ نعرہ ہوگیا ہے کہ "مادی طاقت سب سے پہلے۔"

یہی وہ طریقۂ فکر ہے جس کا ابطال وتردید انبیاء ومرسلین کی سیرت ان کے سات پیش آنے والے حوادث اور ان کے ہاتھ سے ظاہر ہونے والے عجائب ومعجزات، ان پر اللہ کی نصرت فتح کے انعام اور ان کے دشمنوں سے انتقام میں موجود ہے۔

یہاں ایک بار پھر اپنے رسالہ "ثورة فى التفكير" سے ایک اقتباس مستعار لیتا ہوں۔

"ایک طویل مدت سے ہم اپنی ذات، اپنی قیمت وحیثیت کو (دنیا کے نقشہ میں) مادی طاقت صلاحیت، وسائل" خام مواد" ملکی پیداوار" عددی طاقت" جنگی پوزیشن" سے تولنے اور ناپنے کے عادی ہوگئے ہیں اور ہم کہیں اپنا پلڑا بھاری اور کہیں ہلکا پاتے ہیں' اور اس سے خوش یا افسردہ ہوتے ہیں۔"

ایک عرصہ سے مغرب کی قیادت وسیادت پر ہمارا ایمان سا ہوگیا ہے، اور گویا ہم نے مان لیا ہے کہ یہ تقدیر مبرم، امر محکم اور اٹل قانون ہے جس میں کوئی تبدیلی اور انقلاب نہیں آسکتا اور اس طرح وہ قدیم مثل پھر زندہ ہوگئی کہ اگر تم سے کہا جائے کہ تاتاریوں نے کہیں شکست کھائی تو کبھی اس کو باور نہ کرنا ہم اب مغربی اقتدار اور مغرب کی قائدانہ صلاحیت کو چیلنج کرنے کے بارے میں کبھی سوچتے بھی نہیں اور اگر کبھی علم وتحقیق سے آنکھ بچا کر اور عقل وفہم کو نظر انداز کر کے سوچتے بھی ہیں تو ہم اپنے وسائل وامکانات جنگی طاقت، اسلحہ کی پیداوار اور ایٹمی طاقت کی پوزیشن کا جائزہ لیتے ہیں، تو ہم کو ناامیدی اور بدفالی گھیر لیتی ہے اور ہمیں یقین ہو جاتا ہے کہ ہم محکومی وغلامی زندگی کے دھارے سے دور رہنے، مغرب کا دست نگر، اور دو بڑی طاقتوں میں سے کسی ایک سے وابستہ رہنے ہی کے لئے پیدا ہوئے ہیں۔

ایمان واطاعت، مومن کا ہتھیار اور کامیابی کی کنجی:

لیکن اللہ نے قرآن میں انبیاء کی سیرت اور ان کے دشمنوں کا جو انجام بتایا اور جس کی ہم نے اپنے مقابلے میں کچھ درخشندہ مثالیں پیش کی ہیں، وہ اس انداز فکر سے پوری طرح ٹکراتی ہیں اور ہم پر یہ واضح کرتی ہیں کہ انبیاء کی کامیابی کا راز اور جن کامیاب ہتھیاروں سے انہوں نے اپنے مخالفین کا مقابلہ کیا اور ان کی چھوٹی سی کمزور جماعت کامیاب اور دنیا کی امامت وہدایت کے منصب پر فائز ہوگئی وہ ''ایمان'' اطاعت'' دعوت الی اللہ'' تھی۔

وجعلنا منهم ائمة يهدون بامرنا لماصبروا وكانو اباياتنا يوقنون.

اور ہم نے ان میں سے امام بنائے جو ہمارے حکم کے مطابق ہدایت کرتے تھے، یہ ان کے صبر اور ہماری آیتوں پر یقین کے سبب ہوا۔

واوحيناً الى موسى واخيه ان تبوأ القومكما بمصر بيوتا واجعلوا بيوتكم قبلة واقيموا الصلوة وبشر المؤ منين.

اور ہم نے حضرت موسیٰ اور ان کے بھائی کو وحی کی کہ تم دونوں اپنی قوم کو مصر میں بساؤ اور اپنے گھروں کو مسجدوں کی شکل دو اور نماز قائم کرو اور مؤمنوں کو بشارت دے دیجئے۔

يايها الذين آمنوا ان تنصروا الله ينصركم ويثبت اقد امكم.

اے وہ جو ایمان لائے ہو اگر تم اللہ کی مدد کرو گے تو اللہ تمہاری مدد کرے گا، اور تمہارے قدم جمادے گا۔

فلا تهنوا وتد عوا الى السلم و انتم الا علون و الله معكم ولن يتركم اعما لكم.

تو کمزور نہ پڑو اور امن کی طرف بلاؤ تمہیں غالب رہو گے اور اللہ تمہارے ساتھ ہے اور تمہارے اعمال میں کٹوتی نہیں کرے گا۔

امت مسلمہ کا مستقبل انبیاءؑ کی سیرت سے وابستہ:

ان سچے حکیمانہ قصوں کا یہ پیغام اور سبق ہے، جو ہمیں انبیاء کی زندگی اور ان کی پاکیزہ سیرت سے ملتا ہے، یہی وہ سیدھا اور صحیح راستہ ہے، جس پر بلا استثناء تمام انبیاءؑ چلتے رہے، اور

قرآن نے جس کے نقوش محفوظ رکھے ہیں

کمزور قوموں کے لئے اگر کوئی امید کا راستہ ہوسکتا ہے تو یہی ہوسکتا ہے، اور صاحب دعوت وعقیدہ قوموں کا مستقبل اسی طور طریق سے وابستہ ہے، اور اللہ ہی حق کہتا اور وہی راستہ دکھاتا ہے۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اجتماعی ذہن اور قربانی وایثار کا جذبہ

نحمدہ ونصلی علیٰ رسولہ الکریم. امابعد

محترم سامعین! (کہنے کی باتیں بہت ہی ہیں لیکن اس وقت ہم یہ اہم اور ضروری بات کہیں گے کہ آپ اپنے) ذہن کو اجتماعی بنائیے، صرف اپنے مفاد کو سوچنا کہ ہمیں فائدہ ہو جائے دین پر کچھ گزر جائے، ملت پر جو کچھ گزر جائے ہم سب کی فکر کیا کر سکتے ہیں، اس ذہن نے بڑا نقصان پہونچایا ہے، دیکھئے تو قرآن شریف میں آتا ہے" ولا تلقوا بايد يكم الى التهلكة" اپنے ہاتھوں ہلاکت میں نہ پڑو۔ اس کو بہت سے لوگ ایسے پڑھ لیتے ہیں جیسے " ولا تقربوا الصلوة، ولاتقربوا الصلوة" نماز کے قریب نہ جانا" بعض بے حیا نا خدا ترس لوگ اس طرح پڑھتے ہیں اور کہتے ہیں صاحب! قرآن شریف میں تو ہے نماز کے قریب نہ جاؤ۔ "لاتقربوا لصلواة" اس طرح بدنیتی کے ساتھ تو نہیں لیکن بعض ناواقفیت کی وجہ سے سمجھتے ہیں کہ ان کو ہر خطرہ کے کام سے بچایا گیا ہے۔ ان کو جہاں کہئے ذرا تبلیغ میں چلئے کچھ خطرہ مول لیجئے اپنی تجارت کے لئے کہتے ہیں "ولاتلقوبايد يكم الى التهلكة" قرآن شریف میں ہے اپنے ہاتھوں ہلاکت میں نہ پڑو، کوئی کام ایسا نہ کرو، جان بوجھ کر جس میں تمہیں نقصان پہنچے، حالانکہ اس آیت سے اس کا کوئی تعلق ہی نہیں۔ بلکہ اس آیت کا تقاضا بالکل اس کے برخلاف ہے چنانچہ سیدنا ابوایوب انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ایک موقع پر ایسا ہی سنا تھا فرمایا ٹھہرو ٹھہرو تم نہیں جانتے یہ آیت تو ہم انصاریوں کے بارے میں نازل ہوئی تھی اس کی تفسیر تو ہم سے پوچھو، تم کیا جانو، قصہ یہ ہے کہ جب اسلام مدینہ میں آیا کمزور تھا کوئی اس کا ساتھ دینے والا نہ تھا تو ہم انصاریوں نے اس کا ساتھ دیا اور اپنی جان و مال سے ساتھ دیا اور اپنے تقاضوں سے آنکھیں بند کر لیں، بس ہر وقت اسلام کے لئے جان ہتھیلی پر لئے پھرتے

تھے میدان جنگ میں کہا جائے تو وہاں تبلیغ کے میدان میں کہا جائے تو وہاں اور مال خرچ کرنے کو کہا جائے تو ہم حاضر، غرض کہ ہم نے پھر مڑ کر نہ دیکھا کہ کیا ہو رہا ہے، ہمارے کھیتوں اور ہمارے باغوں کا کیا حال ہے، ہماری دوکانوں کا کیا حال ہے کچھ عرصہ گزرنے کے بعد جب ہم نے دیکھا کہ اب اللہ کے فضل سے مسلمانوں کی تعداد خاصی ہوگئی ہے اور اب اسلام ایسا گھر اہوا اور میدان میں نہتا اور بے یار و مددگار نہیں ہے اور دوسری طرف ہم نے دیکھا کہ ہمارے مالوں پر، ہماری جائدادوں پر بہت اثر پڑ گیا ہے اور تجارتیں ماند پڑ گئی ہیں، کساد بازاری میں ہم مبتلا ہو گئے ہیں، دوکانوں کے دیوالے نکلنے لگے ہیں، اور باغات خشک ہونے لگے ہیں، فرصت ہی نہیں ہم کو، تو ہم نے کہا اب ہم تھوڑے دن کی چھٹی لیں، مستقل آزادی یا مستقل چھٹی نہیں، بلکہ تھوڑے دن کی چھٹی لے لیں، سپاہی کو چھٹی ملتی ہے، طالب علم کو چھٹی ملتی ہے، استاد کو چھٹی ملتی ہے، ہم بھی چھٹی لے لیں۔ بس یہ خیال آنا تھا کہ یہ آیت نازل ہوئی، ابھی شاید کہنے کی نوبت بھی نہ آئی تھی کہ آیت نازل ہوئی، ارے کیا کرتے ہو؟ اس وقت جب دین کو تمہاری مدد، تمہاری خدمت کی اور تمہاری جاں نثاریوں کی ضرورت ہے تم چھٹی کا نام لیتے ہو، یہ چھٹی سم قاتل ہے، یہ چھٹی خودکشی کے مترادف ہے فرمایا گیا۔

وانفقوا فی سبیل اللہ ولا تلقوا باید یکم الی التھلکۃ و احسنوا ان اللہ یحب المحسنین۔ یہ پوری آیت ہے۔ اب لوگوں نے فتووں تک میں لکھنا شروع کردیا۔

حج ایک زمانہ میں ہندوستان میں مشکل ہوگیا تھا، دریائی سفر، بادبانی کشتیاں اور بدوؤں کی لوٹ مار دیکھ کر بعض علماء نے فتوی دیدیا کہ حج ہندوستانی مسلمانوں کے ذمہ سے ساقط ہے اور استدلال کیا اس آیت سے کہ ولا تلقوا بایدیکم التھلکۃ جان بوجھ کر ہلاکت میں نہیں پڑنا چاہئے۔ اللہ تعالی جزائے خیر دے اور درجے بلند فرمائے۔ حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے اور ان کے شاگردوں اور ان کے خلفاء کے، کہ انہوں نے اس کے خلاف مہم شروع کی اور فتوی لکھا اور پھر ان کے بعض خلفاء نے ان کے بھتیجے اور عزیزوں نے ایسی دھوم دھام سے حج کیا کہ پھر یہ خیال ہی لوگوں کے دلوں سے نکل گیا، ورنہ خدانخواستہ ہندوستان میں اس کی عادت پڑ جاتی کہ بھائی سمندر کا سفر خطرناک ہے اور حج ہمارے ذمہ سے ساقط ہے تو آج حج اور کل زکوۃ اور پرسوں روزہ صحت پر برا اثر ڈالتا ہے ولا تلقوا بایدیکم الی التھلکۃ

اور پھر اس کے بعد نماز کہ اس سردی میں ٹھٹھر جائیں اور ٹھنڈے پانی سے وضو کریں یا اس گھر میں میں، چھوٹی سی رات میں ہم نکلیں اور رات خراب کریں **ولا تلقوا بايديكم الى التهلكة** تو سارا دین ہی معطل ہو کے رہ جائے تو مسلمانوں کا ذہن انفرادی ہے اجتماعی ہونا چاہئے یعنی ملت کے تقاضوں کو دیکھنا چاہئے اگر ہر شخص صرف اپنے اپنے تقاضوں کو دیکھنے لگے تو دین کی خدمت کہاں سے ہوگی۔ میں اس ادارہ کے متعلق نہیں کہتا، الحمد للہ ادارہ کے متعلق کہنے کے لئے یہ جلسہ ہوا ہی نہیں اور جو مدرسہ کا کام ہو رہا ہے۔ تعارف اور دینی خدمات وہ الگ، لیکن یہاں یہ نہیں ہے کہ فلاں ادارہ اور فلاں چراغ بجھ رہا ہے ہم یہ کہتے ہیں کہ دین کا تقاضا ہے ہم یہ کہتے ہیں اپنے اپنے علاقہ کی خبر لیجئے، اپنی اپنی جگہ کی مسجدوں کی خبر لیجئے۔ مدرسوں کی خبر لیجئے اپنی اپنی جگہ کی دینی تعلیم کی خبر لیجئے، اپنی اپنی جگہ کے مسلمانوں کی عادتوں اور ان کے برے اخلاق کی خبر لیجئے، جن کی وجہ سے رحمت الٰہی رکی کھڑی ہے، گھنگھور گھٹا تلی کھڑی ہے لیکن برستی نہیں کہ مسلمانوں میں تو یہ یہ عیب ہیں، مسلمانوں میں تو یہ جرائم ہیں، ان ان چیزوں کے مرتکب ہو رہے ہیں، ان چیزوں کی خبر لیجئے یہ دین کا اجتماعی تقاضا اگر آپ پر طاری نہ ہوا تو ہندوستان جیسے ملک میں دین کا باقی رہنا مشکل ہے اور ہندوستان کا کیا ذکر ہے ہندوستان تو خدا کے فضل و کرم سے بہت بہتر ہے اور بھی ملکوں میں جہاں نام کی اسلامی حکومتیں ہیں، مسلمان حکومتیں ہیں وہاں کی نہ حکومت کچھ کر سکتی ہے نہ جامع ازہر جیسا ادارہ کچھ کر سکتا ہے جس کا اگر آپ کو بجٹ اور اس کی شان و شوکت معلوم ہو اور اس کے شیخ کے اختیارات اور ان کی تنخواہ آپ کو معلوم ہو تو آپ حیران رہ جائیں، کیا کسی ملک کے صدر جمہوریہ کی وہ شان ہوگی وہ تنخواہ ہوگی لیکن وہ کچھ نہیں کر سکتے، اگر اجتماعی ذہن نہ ہو تو کوئی کچھ نہیں کر سکتا، کسی کو کوئی دلچسپی ہی نہیں ہے، سب اپنے اپنے پیچھے پڑے ہوئے ہیں کہ ہماری اولاد پڑھ جائے، اور جلدی سے کام سے لگ جائے، اور جلدی سے بڑی آسامی اس کو مل جائے اس کے علاوہ کسی چیز سے کوئی دلچسپی ہی نہیں ہے، یہ بہت خطرناک ذہنیت ہے، اس ذہنیت نے قوموں کے چراغ گل کر دیئے ہیں، جہاں یہ ذہنیت طاری ہوئی وہاں کوئی سر پٹک کر رہ جائے کوئی بڑے سے بڑا مصلح اپنی پوری زندگی صرف کر دے کوئی اثر نہیں ہوتا، یہ ذہنیت ہمارے ملک میں پیدا ہو رہی ہے اور موجود ہے کسی کو کسی سے کوئی مطلب نہیں رہا، بس اپنا مفاد دیکھنا، اپنی خوشحالی کی، اپنے گھر کی، کاروبار کی،

ترقی اور کامیابی کے سوا کسی چیز سے دلچسپی نہیں ساری وقت اس وجہ سے پیش آرہی ہے کہ ذہن اجتماعی اور ملی نہیں ہے بلکہ ذہن انفرادی ہے، ذہن بالکل شخصی ہے ایک تو اس کی اصلاح ہونی چاہئے کہ ملت کے مسائل اور دین کے تقاضوں کا درد آپ اپنے دل میں پیدا کریں۔ اگر یہ نہیں ہے تو پھر بہت بڑا خطرہ ہے، نہ کوئی انجمن کچھ کرسکتی ہے نہ کوئی ادارہ کچھ کرسکتا ہے اور نہ کوئی اعلیٰ سے اعلیٰ مصنف اور واعظ اور مقرر کچھ کرسکتا ہے، خدا کرے آپ اتنی بات سے آگے کی بات سمجھ گئے ہوں۔

وما علینا الا البلاغ المبین

بسم اللہ الرحمن الرحیم

تبلیغ دین کے لئے ایک اصول

الحمد للہ و کفی وسلام علیٰ عبادہ الذین اصطفیٰ۔ اما بعد

حضرات سامعین! دین کا جو حصہ ہم تک پہنچا ہے اس کی دو قسمیں کی جا سکتی ہیں۔ ایک تو وہ حصہ ہے جو اپنی خاص ہیئت وشکل کے ساتھ ہم تک پہنچا ہے اور اس کی ہیئت وشکل مطلوب ہے۔ اس کو ہم ”منصوص بالوضع“ کہہ سکتے ہیں کہ یہ وہ دینی امور ہیں جو اپنی خاص ہیئت وصورت کے ساتھ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہیں۔ (مثلاً) ارکان دین اور بہت سے ایسے فرائض جن کو نہ صرف جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی زبان مبارک سے بتایا بلکہ ان کی شکلیں زبانی بھی بتائیں۔ اور خود کر کے بھی دکھلائیں۔ (مثلاً) نماز، حج، وضو وغیرہ۔ دین کا دوسرا حصہ وہ ہے جس میں نفس شئی مطلوب ہے، لیکن بہت سی حکمتوں اور مصلحتوں کی بناء پر (اور زمانہ کے تغیر اور امت کے لئے وسعت کا خیال کر کے آپ نے ان کی شکلیں متعین نہیں کیں، صرف شے بتلادی کہ یہ مقصود ہے، یہ چیزیں خود منصوص ہیں، لیکن ان کی کوئی خاص وضع وہیئت منصوص نہیں (مثلاً) جہاد فی سبیل اللہ، دعوت الی اللہ، علم ودین کے سلسلہ کو چلانا اور احکام کا امت تک پہنچانا، یہ سب امت سے مطلوب ہے اگر امت ان کو چھوڑ دے اور بالکل ترک کر دے تو وہ گنہ گار ہوگی، لیکن صرف یہ اعمال مقصود ہیں۔ ان کی کوئی خاص شکل اور طریقہ متعین نہیں کیا گیا بلکہ اس بارے میں امت کی عقل سلیم پر اعتماد کیا گیا ہے اور ان فرائض کی ادائیگی و اس کی صلاحیتوں پر چھوڑ دیا گیا ہے۔

غیر منصوص بالوضع کی واضح مثال لباس کا مسئلہ ہے۔ لباس ساتر ہو، ٹخنوں سے اونچا ہو، ٹخنوں سے نیچا ہو، تفاخر اور تکبر کا لباس نہ ہو، کوئی حرام وناجائز (مثلاً) مردوں کے لئے ریشم نہ ہو۔ پس لباس بھی منصوص اور اس کی یہ شرائط بھی منصوص ہیں۔ لیکن لباس کی شکل، لباس کا رنگ اور اس کی قطع وغیرہ غیر منصوص ہیں، اسی میں امت کے لئے بہت سی سہولتیں ہیں ان کو امت کی

تمیز اور عقل عام پر چھوڑ دیا گیا ہے۔

دوسری مثال مساجد کی ہے۔ مساجد بھی مطلوب ہیں اور مساجد کی نظافت بھی مطلوب ہے اور یہ بھی مطلوب ہے کہ ان میں ذکر اللہ ہو اور وہ دوسرے مقامات سے ممتاز ہوں۔ مگر ان کی کوئی خاص طرز تعمیر مطلوب نہیں۔ اسی کا نتیجہ ہے کہ عالم اسلام میں مساجد مختلف وضع کی پائی جاتی ہیں۔ یہاں تک کہ مینارے اور گنبد بھی مساجد کے لئے شرائط میں نہیں تھے۔

ہندوستان کی مسجدوں میں دو میناروں کا رواج ہے الجزائر و مراکش کی مساجد میں ایک مینار ہوتا ہے اور دنیا کی سب سے بڑی اور پہلی مسجد (بیت اللہ) کا کوئی مینار نہیں۔

اب دعوت الی اللہ کی مثال لیجئے اللہ کی طرف اور اس کے دین کی طرف بندوں کو بلانا فرض ہے۔ انفرادی ہو یا اجتماعی، تقریر سے ہو یا تحریر سے، علانیہ ہو یا خلوت میں، اس میں کوئی شکل متعین نہیں۔ نوح علیہ السلام کی زبان سے قرآن پاک میں واضح کر دیا گیا ہے کہ دعوت کی مختلف شکلیں ہو سکتی ہیں **قال رب انی دعوت قومی لیلا ونھارا** (حضرت نوحؑ نے اللہ کی بارگاہ میں عرض کیا اے میرے رب میں نے اپنی قوم کے سامنے رات میں بھی دین کی اور توحید کی دعوت رکھی اور دن میں بھی) **ثم انی اعلنت لھم واسررت لھم اسرارا** (پھر میں نے بالاعلان بھی آپ کا پیغام ان کو پہنچایا اور چھپ چھپ کر تنہائیوں میں بھی ان سے آپ کی بات کہی) لہٰذا دعوت دین کا کام کرنے والے ہر فرد و جماعت کو اختیار ہے کہ وہ جس ماحول میں اپنے لئے جو طریقہ صحیح جانے وہ مقرر کرے اور اپنی سعی و جہد کا جو طرز مناسب اور مفید سمجھے وہ اختیار کرے، اس میں کسی کو جائز اور ناجائز کہنے یا کوئی روک ٹوک لگانے کا حق حاصل نہیں ہے جب تک کہ اس میں کوئی ایسا عنصر شامل نہ ہو جائے، جو شرعی طور پر منکر یا مقاصد دینیہ کے لئے مضر ہو۔

بعض عوامی حلقوں میں اس وقت ان دونوں حصوں کو خلط ملط کر دیا جاتا ہے، منصوص کو غیر منصوص کا درجہ دے دیا جاتا ہے اور غیر منصوص کو منصوص کے مقام پر پہنچا دیا جاتا ہے۔ اس کے نتیجہ میں مشکلات پیدا ہو سکتی ہیں اور مختلف اداروں اور دعوتوں میں اکثر تنازعہ کی شکل پیدا ہو جاتی ہے۔ اگر ہم ان چیزوں میں فرق سمجھ لیں تو بہت سی مشکلات حل ہو جائیں گی، سینکڑوں تنازعوں کا سد باب ہو جائے گا اور بہت سی ذہنی الجھنیں ختم ہو جائیں گی۔

چیزوں کی اصلی ہیئت سمجھنے اور ان کو ان کے صحیح مقام پر رکھنے کا یہ پیمانہ ہمارے ہاتھ آ گیا۔ اس کے بعد صحیح اصول پر چلنے والی اور مخلصانہ دینی دعوتوں، دینی اداروں اور حلقوں کے درمیان تقابل، تصادم اور اختلاف کا کوئی موقع باقی نہیں رہتا۔ فرق جو رہ جاتا ہے وہ صرف اپنے اپنے تجربوں اور حالات کے مطالعہ کا ہے کہ کام کی کونسی شکل اور طریقہ زیادہ مؤثر اور نتیجہ خیز ہے اور کس سے وہ نتائج ومقاصد حاصل ہوتے ہیں جو اس کام سے مطلوب ہیں؟

دعوت الی اللہ کی مخصوص شکل اور طرز کی افادیت وتاثیر کی وضاحت کی جاسکتی ہے لیکن کسی کو اپنے تجربہ اور مطالعہ کا اس طرح پابند نہیں کیا جاسکتا، جیسے احکام قطعیہ اور نصوص قرآنیہ کا، دین کی خدمت کرنے والی کوئی جماعت اگر کسی خاص طریقہ کار کو اختیار کرتی ہے (بشرطیکہ وہ دین کے اصول اور سلف صالحین کے متفقہ مسلک اور طرز فکر کے مخالف نہ ہو) تو وہ اپنے فیصلہ میں حق بجانب ہے۔ ہم اپنے مخصوص طرز کار کو دوسری دعوتوں اور دین کی خدمت کرنے والے دوسرے حلقوں کے سامنے بہتر سے بہتر طریقہ پر پیش کرسکتے ہیں، لیکن اگر صرف طرز کار کے فرق کی وجہ سے ہم ان کو غلط کار سمجھیں یا ان کی دینی مساعی اور مشاغل کی نفی کریں جن کو انہوں نے اپنے تجربہ اور مطالعہ اور زمانہ کے تقاضوں کے پیش نظر اختیار کیا ہے اور ان کی افادیت واقعات اور برسوں کے تجربہ سے ان پر واضح ہو چکی ہے اور کتاب وسنت اور سیرت نبوی اور حکمت دینی کے وسیع دائرہ میں اس کے لئے ان کے پاس شواہد ودلائل پائے جاتے ہیں، تو یہ ہماری غلطی اور زیادتی ہوگی۔ ہم صرف اتنا کرسکتے ہیں کہ ان سے دوبارہ غور کرنے اور نتائج کو دیکھنے اور انکا موازنہ کرنے کی درخواست کریں لیکن ان کی تحقیر وتردید کرنا اور ان کو غلط کار اور گمراہ سمجھنا غلط ہے اور خدمت دین اور دعوت الی الخیر کے دروازے کو محدود اور تنگ بنانے اور امور دین کے رشتہ کو زمانہ اور ماحول سے منقطع کرنے کے مترادف ہوگا۔

دعوتوں اور طریق کار میں بعض چیزیں وہ ہوتی ہیں جن کی ہمیں شریعت نے سختی کے ساتھ تاکید کی ہے۔ بعض انتظامی امور ہوتے ہیں جو حدیث وقرآن سے استنباط کئے جاسکتے ہیں۔ وہ اصولی طور سے صحابہ کرامؓ کی زندگی میں ملیں گے لیکن خاص اس ہیئت میں نہیں ملیں گے۔ یہ سب چیزیں اجتہادی اور تجرباتی ہیں۔ ان چیزوں پر یا ان خاص شکلوں پر ہر جگہ اور ہر شخص سے منصوص چیزوں کی طرح اصرار کرنا صحیح نہیں ہے۔

سب سے مشکل چیز اعتدال ہے انبیا علیہم السلام میں اعتدال بدرجۂ اتم ہوتا ہے۔ یہ بالکل ممکن ہے کہ پچاس برس کے بعد اللہ کے کچھ بندے پیدا ہوں، جو صاحب نظر بھی ہوں اور اللہ کے ساتھ ان کا تعلق ہو اور دعوت کے طریقہ سے زمانہ کی ضرورت اور تقاضے کے لحاظ سے تبدیلیاں کریں۔

اس وقت اگر ایک جامد طبقہ اس کی مخالفت محض اس بناء پر کرے کہ ہمارے بزرگ ایسا کرتے تھے تو اس کا رویہ غلط ہوگا، اس کا اصرار ہٹ دھرمی ہوگا۔ کبھی کبھی ہمیں محسوس ہوتا ہے کہ ایک طبقہ یہ سمجھنے لگا ہے کہ یہی طریقہ کار اور یہی طرز، دین کی خدمت اور احیاء کے لئے ہمیشہ کے واسطے اور ہر جگہ کے لئے ضروری ہے اور اس کے علاوہ سب غلط ہے جب تک اس مخصوص طریقہ پر کام نہ ہو تو سمجھا جاتا ہے کہ ساری جدوجہد رائیگاں گئی اور جو کچھ ہوا سب فضول ہوا۔ یہ بے اعتدالی ہے اور یہ رویہ خطرناک ہے۔ اسی طرز فکر کے نتیجے میں مختلف مذاہب اور فرقے امت میں پیدا ہوئے۔ اصل حقیقت صرف اتنی ہے کہ اب تک غور اور تجربوں نے ہمیں یہاں تک پہنچایا اور ہم نے اس کو مفید پایا ہے، پس جب تک یہ چیزیں فائدہ مند معلوم ہوتی ہیں ہمیں اس وقت تک ان کو جاری رکھنا چاہئے لیکن اگر کوئی خاص طریقہ ایک رسم بن جائے تو یہ ایک مذہب بن جائے گا اور ایک بدعت قائم ہو جائے گی اور اس وقت کے ربانی مصلحین کا فرض ہوگا کہ اس کی اصلاح کے لئے جدوجہد کریں اور ان رسومات کو مٹائیں، بہت سی چیزیں صحیح مقاصد اور دینی مصلحتوں سے شروع ہوتی ہیں لیکن آگے چل کر غلط صورت اختیار کر لیتی ہیں ایسے موقع پر حقیقت و رسم، سنت و بدعت، فرض و مباح میں تمیز کرنا تفقہ فی الدین ہے اور کہنے والے نے کہا ہے کہ:

گر حفظ مراتب نکنی زندیقی!

انبیاء علیہم السلام کی دعوت وتربیت اور انکی مساعی جمیلہ کے لئے (جن کی پشت پر تائید ربانی اور ارادۂ الٰہی ہوتا ہے) جہاں مضر اور ایک طرح سے حریف و رقیب کفر، الحاد، غفلت و معصیت ہے جو ان کے پیروؤں کو ان کی دعوت کے برکات اور ان کی تعلیم وتربیت اور تبلیغ و دعوت کے اثرات سے محروم کرنے کا کام انجام دیتی ہے وہاں بے روح رسمیت بھی ہے۔ اول الذکر طاقتیں اگر بیرونی دشمن کی حیثیت رکھتی ہیں، جو باہر سے حملہ آور ہوتا ہے تو یہ اندرونی

بیماری ہے جو گھن کی طرح اس جماعت کو لگ جاتی ہے (جو ان کی تعلیم و دعوت سے پیدا ہوتی ہے) اور اس کو اندر اندر کھوکھلا کر دیتی ہے۔ اس کے نتیجہ میں عقائد بے اثر اور اعمال و عبادات بے روح اور بے نور بن جاتے ہیں، وہ ایک رسم کی طرح ادا کئے جاتے ہیں، ان میں نفس و ماحول کی ترغیبات اور شیطان کی تسویلات کا مقابلہ کرنے کی طاقت نہیں رہتی اور ان کی کیمیا اثری اور انقلاب انگیزی جاتی رہتی ہے، یا بہت کمزور ہو جاتی ہے۔ یہ عموماً نتیجہ ہوتا ہے مؤثر و صحیح دعوت و تربیت کے فقدان یا انقطاع کا، یا مؤثر اصلاحی و تربیتی شخصیتوں سے محرومی کا، یا ایسے مواقع اور میدانوں کے صدیوں تک پیش نہ آنے کا جن میں شرکت سے ایمان میں تحریک، پیدا ہوتی ہے، دلوں کے زنگ دور ہوتے ہیں اور نفس کی طاقت اور ایثار و قربانی کا جذبہ بیدار رہتا ہے۔ اسی وقت کوئی ایسی دعوت و تحریک (الہام ربانی اور انتظام خداوندی سے جو اس دین کا ہمیشہ سے رفیق رہا ہے) سامنے آتی ہے جو اس ''رسمیت'' پر ضرب لگاتی ہے، دلوں کا زنگ دور کرتی ہے، امت کو صورت سے حقیقت اور ''رسمیت'' سے ایمان و احتساب کی کیفیت کی طرف لاتی ہے، اسلام میں تجدید و اصلاح کی تاریخ اور مجددین، مصلحین کے مستند تذکروں کے مطالعہ سے اسی حقیقت کا انکشاف ہوتا ہے کہ ان کا نشانہ یہی ''رسمیت'' تھی جو مسلم معاشرہ میں سرایت کر چکی ہوتی ہے اور دیمک کی طرح اس کے سرسبز و شاداب درخت کو چاٹ چکی ہوتی ہے اور امت بعض اوقات:

واذا رایتهم تعجبک اجسامهم و ان یقولوا تسمع لقولهم کانهم خشب مسندة.

اور جب تم ان (کے تناسب اعضاء) کو دیکھتے ہو تو ان کے جسم تمہیں (کیا ہی) اچھے معلوم ہوتے ہیں اور جب وہ گفتگو کرتے ہیں تو تم ان کی تقریر توجہ سے سنتے ہو (مگر فہم و ادراک سے خالی) گویا لکڑیاں ہیں جو دیوار سے لگائی گئی ہیں کا ایک حد تک نمونہ بن جاتی ہیں۔ وہ ہدایت خداوندی اور کتاب و سنت کے عمیق و مخلصانہ مطالعہ کے اثر سے کوئی ایسی دعوت یا طریق کار پیش کرتے ہیں جس سے اس رسمیت کا پنجہ ڈھیلا ہو جاتا ہے، جسم امت میں ایک نئی روح ایک نئی ایمانی کیفیت، رضاء الٰہی کے حصول کا ایک زندہ و تازہ جذبہ پیدا ہوتا ہے، اس کی قوت عمل بڑھ جاتی ہے، اس کو بڑی سے بڑی قربانی آسان معلوم ہونے لگتی ہے اور بعض اوقات

قرونِ اولیٰ کی یاد تازہ کرنے والے واقعات سامنے آتے ہیں اور ایمان کی روح پرور یاد بہاری کے جھونکے آنے لگتے ہیں۔

لیکن یہ بھی تاریخ اصلاح و دعوت کا واقعہ والمیہ ہے اور فطرت انسانی کی کار فرمائی کہ خود اس اصلاح و دعوت اور اس طریق کار میں مرور زمانہ سے ''رسمیت'' دبے پاؤں داخل ہو جاتی ہے اور جو چیز رسم کو مٹانے اور دل و دماغ کو جگانے کو آئی تھی وہ بھی اپنی روح، اندرونی جذبہ اور تازگی کھو دیتی ہے اور ایک ''رسم'' ضابطہ اور routine بن کر رہ جاتی ہے اور اسی کو خود ایک نئی اصلاحی دعوت اور ایک طاقت ور شخصیت کی ضرورت پیش آ جاتی ہے جو اس خواب آلودہ اور لکیر کے فقیر کے نظام اور طریق کار کی اصلاح کرے اور اس میں جو بدعات، مفاسد، غلو اور جمود پیدا ہو گیا ہے اس کو توڑے اور اس معاشرہ میں کسی اور طریقہ سے جو کتاب و سنت سے ماخوذ اور اصول و مقاصد کے مطابق ہو معاشرہ کی رسمیت کو دور کرے اور ایمان و ایثار اور قوت عمل پیدا کرے۔

اس صورت حال کو سمجھنے کے لئے مثال پیش کی جاتی ہے جو ایک لطیفہ کی حیثیت رکھتی ہے لیکن اس سے بڑا سبق حاصل کیا جا سکتا ہے۔ بندہ کے ایک فاضل دوست نے بتایا کہ دریا کے کنارے پر واقع ہونے کی وجہ سے ان کے کتب خانہ میں جلد جلد دیمک لگ جاتی تھی اور قیمتی کتابیں تلف ہو جاتی تھیں، وہ پریشان تھے کہ اس کا کیا علاج کریں۔ ایک تجربہ کار دوست نے بتایا کہ اگر اونٹ کی ہڈی اس کتاب خانہ میں رکھ دی جائے تو دیمک نہیں لگے گی۔ انہوں نے بڑی مشکل سے اونٹ کی ہڈی حاصل کی لیکن ان کی حیرت و پریشانی کی کوئی حد نہ رہی جب انہوں نے ایک دن دیکھا کہ اونٹ کی اس ہڈی میں خود دیمک لگ گئی۔

یہاں ایک باریک بات سمجھ لیں وہ یہ کہ ایک نبی ہوتا ہے اور ایک مجدد، اور ایک مصلح ہوتا ہے۔ نبی کی شان یہ ہوتی ہے کہ اس کے بتائے ہوئے طریقہ کے بغیر نجات ہی نہیں ہو سکتی اور اس کی ہدایت حاصل کئے بغیر اللہ کی رضا اور کامیابی حاصل نہیں ہو سکتی۔ اس میں کسی قسم کی مداہنت یا تساہل کی گنجائش نہیں ہے۔ لیکن مجددین اور مصلحین کا معاملہ یہ نہیں ہے ہر مجدد اور ہر ربانی مصلح کی پیروی سے دین کو اور دین کے طالبوں کو نفع پہنچتا ہے مثلاً کسی مجدد کے طریقہ سے قربانی کے جذبات بڑھتے ہیں۔ لہذا اس کے طریقہ کی پیروی سے قربانی کے جذبات بڑھیں

گے اور ایک دوسرے مجدد کے طریقہ سے انفاق فی سبیل اللہ کے جذبات پیدا ہوتے ہیں لہٰذا اس کے اثر سے انفاق وایثار کے جذبات پیدا ہوں گے۔ ایک دوسرے مجدد کے طریقہ سے اخلاق کی اصلاح اور صفائی معاملات کا اہتمام پیدا ہوتا ہے تو اس سے تعلق ووابستگی خاص طور سے اس میں موثر ہوگی۔

بہر حال نبی کے طریقہ پر نجات کا انحصار ہوتا ہے اور بالکل اسی طریقہ پر چلنا لازم لیکن کسی مجدد و مصلح کا معاملہ یہ نہیں۔ خاص خاص ترقیاں تو ان کی اتباع اور وابستگی سے ہوتی ہیں، لیکن نجات اس پر منحصر نہیں ہوتی۔

ایک بات یہ بھی جاننی چاہئے کہ امت میں طبقات کا اتنا اختلاف ہے اور اذہان کا اتنا تفاوت ہے اور حالات ایسے مختلف ہیں کہ کوئی دعوت وتحریک اور کوئی اصلاحی جدوجہد یہ دعویٰ نہیں کرسکتی کہ وہ تمام طبقات کو متاثر کرسکتی ہے اور ان کی تسکین کا سامان کرسکتی ہے اور ان کی استعداد کے مطابق دینی غذا فراہم کرسکتی ہے۔ کوئی ذہن تقریر سے متاثر ہوتا ہے کسی پر لٹریچر اثر انداز ہوتا ہے اور کوئی کسی دوسرے ذریعہ سے متاثر کیا جاسکتا ہے اسی طرح واحد طریقہ کار سے ہر جگہ ماحول میں اور ہر حالت میں کامیابی مشکل ہے اس حقیقت کو نہ سمجھنے اور اس کے مطابق نہ چلنے سے لوگوں سے بڑی غلطیاں ہوتی ہیں، بہت سے لوگ قابل قدر اور بڑے مخلص ہیں لیکن ان لوگوں کا اس وقت تک دل خوش نہیں ہوتا جب تک کہ ہر شخص اسی مخصوص طرز پر کام نہ کرے جس کو اس نے اختیار کیا ہے حالانکہ عمومی اصلاحی وانقلابی تحریکوں اور دعوتوں کا معاملہ یہ نہیں ہوتا۔ وہاں ہر چیز اس کے صحیح مقام پر رکھی جاتی ہے اور ٹھیک چوکھٹے میں بٹھائی جاتی ہے ہر شخص سے وہی کام لیا جاتا ہے جس کا وہ زیادہ اہل ہو اور اس میں دوسروں سے ممتاز ہو اور جس کو دوسروں سے بہتر طریقہ پر انجام دے سکتا ہو۔

یہ اللہ کی طرف سے انتظام سمجھنا چاہئے کہ کچھ لوگ اس راستہ سے دین تک آجائیں اور کچھ اس راستہ سے آجائیں، اپنے طریق کار کو مناسب طریقہ سے ان کے سامنے اکثر بیشتر کرتے رہنا چاہئے لیکن اس طرح نہیں کہ اس میں دین کے دوسرے کاموں اور دینی واصلاحی مساعی کی نفی اور تحقیر ہو اور اخلاص سے کام کرنے والوں کی ہمت شکنی اور انہیں مایوسی اور بد دلی پیدا ہو اس طرح امت کے مختلف طبقات اور جماعتوں میں تعاون علی البر والتقویٰ کی روح

بیدار ہوگی جو عرصہ سے مفقود ہو چکی ہے اور جس کی اس زمانہ میں جبکہ باطل مختلف شکلوں میں اور نت نئے حربوں کے ساتھ حملہ آور ہے اور اہل باطل من کل حدب ینسلون (ہر ٹیلے اور ٹاپو سے ابلے چلے آرہے ہیں) سخت ضرورت ہے۔

وما علینا الا البلاغ المبین

میری علمی اور مطالعاتی زندگی

۱۹۴۵ء میں دارالعلوم ندوۃ العلماء، لکھنؤ کی ترجمان الندوہ نے برصغیر کے مشاہیر اہل علم و دانش کو دعوت دی تھی کہ وہ طلبہ اور اہل ذوق کے لئے ان کتابوں کی نشاندہی کریں جنہوں نے ان کی سوچ اور اخلاق و کردار کی تعمیر میں خاص حصہ لیا ہے۔ مولانا علی میاں نے بھی (جب ان کی عمر ۳۳ برس تھی) اپنے تاثرات و تجربات قلم بند کئے۔ یہ مضمون دوسرے مضامین کی ساتھ مولانا محمد عمران خان نے مشاہیر اہل علم کی محسن کتابیں (اعظم گڑھ مطبع معارف، س۔ن) میں شامل کر لیا تھا۔ بعد ازاں ۱۹۷۲ء میں ماہنامہ الحق (اکوڑہ خٹک) کے مدیر کی فرمائش پر مولانا علی میاں نے ۱۹۴۵ء میں لکھے گئے مضمون پر نظر ثانی کی اور اس میں جابجا اضافے کئے تاہم جن کتابوں کا تذکرہ پہلی بار کیا گیا تھا، کم و بیش وہی رہیں، بعد میں انہوں نے اپنی علمی و تصنیفی اور تدریسی زندگی میں بلاشبہ سینکڑوں کتابوں کا مطالعہ کیا جن پر تبصرہ کیا جانا مشکل تھا مضمون پر نظر ثانی کرتے ہوئے مولانا علی میاں نے بجا طور پر لکھا تھا اس کا طرز واقعاتی اور سوانحی ہے تنقیدی اور تحقیقی نہیں، اس لئے ذہن پر مطالعہ کے جو اثرات پڑے ان کو بے تکلفی اور بے سا ختگی کے ساتھ بیان کر دیا ہے مصنفین کے خیالات، مسلک اور طرز فکر کی پوری ذمہ داری نہیں لی گئی اور نہ کسی ایسی کتاب اور مصنف کا ذکر محض اس کے مفید یا بلند پایہ ہونے کی وجہ سے کیا گیا ہے جس کے مطالعہ کی نوبت نہیں آئی یا ذہن و شعور نے اس سے کوئی گہرا اور دیرپا تاثر قبول نہیں کیا، اس لئے اس فہرست میں سے کسی کتاب یا مصنف کے نظر انداز ہو جانے کے معنی اس کی عدم افادیت یا تنقیص نہیں ہے۔ مولانا نے نظر ثانی کرتے ہوئے جو چند حواشی لکھے تھے، وہ ان کے نام کے اظہار کے ساتھ باقی حواشی سے الگ کر دیے گئے ہیں۔ (مرتب)(۱)

خاکسار کا خاندان ایک خزاں رسیدہ دینی خانوادہ ہے ۲ جس کے بزرگوں نے کبھی فصل خزاں میں بھی دنیا کو پیام بہار سنایا تھا، ہندوستان میں جب دین کی بہار آخر ہوئی تو اس

---

(۱) حیات افکار کے چند پہلو، مصنفہ جناب سفیر اختر صاحب

خاندان پر بھی تنزل آیا، ہوش کی آنکھیں کھولیں تو دین داری جوانوں سے زیادہ بوڑھوں میں، اور مردوں سے زیادہ عورتوں میں تھی۔

میرے والد مرحوم مولانا حکیم سید عبدالحیؒ نے ۱۹۲۳ء کے شروع میں انتقال کیا، میری عمر اس وقت دس سال کی تھی، میرے بڑے بھائی صاحب ڈاکٹر حکیم مولوی سید عبدالعلی صاحب لکھنؤ میں میڈیکل کالج میں پڑھتے تھے اور میں اپنے وطن رائے بریلی میں اپنی والدہ صاحبہ کے ساتھ رہتا تھا، اور بھائی صاحب کی ہدایت کے مطابق خاندان کے بعض بزرگوں سے فارسی کتابیں پڑھتا تھا اور لکھنؤ بھائی صاحب کے پاس آتا جاتا رہتا تھا۔

خاندان میں دستور تھا کہ تقریباً روزانہ اور ان دنوں میں خاص طور پر جب کسی حادثہ کی وجہ سے تسکین و مشغلہ کی ضرورت ہوتی، ایک گھر کی تمام بیبیاں ایک جگہ جمع ہو جاتیں اور ہمارے ہی خاندان کے ایک بزرگ (سید عبدالرزاق صاحب کلامی، م ۱۳۳۴ھ۔۱۹۱۶ء) کی منظوم ”فتوح الشام“[۳] پڑھی جاتی۔

سید عبدالرزاق صاحب کلامی مرحوم، حضرت سید احمد شہیدؒ کے ہمشیر زادہ منشی سید حمید الدین صاحب کے پوتے اور ان کے حقیقی بھائی سید عبدالرحمٰن صاحب کے نواسے تھے۔ واقدی کی عربی ”فتوح الشام“ کو کلامی صاحب نے بڑی قادر الکلامی اور جوش و دلی جذبہ کے ساتھ پچیس ہزار شعروں میں اردو میں نظم کیا ہے چونکہ ان کو اس کا طبعی ذوق تھا، اور جہاد و حرارت ایمانی کی چنگاری اسی تنور سے منتقل ہوئی تھی جس نے ایک وقت میں سارے ہندوستان کو گرما دیا تھا اس لئے نظم میں جوش و اثر اور کلام میں آمد ہے۔ حضرت خالدؓ سے شاعر کو عشق تھا، اور خواب میں بار بار ان کی زیارتیں ہوئی تھیں، اس لئے خصوصیت کے ساتھ ان کا ذکر کرتے ہوئے وہ بے قابو ہو جاتے ہیں، اور اشعار میں خاص روح اور زور پیدا ہو جاتا ہے۔ میری بڑی خالہ سیدہ صالحہ مرحومہ جو قرآن مجید کی بھی حافظہ تھیں، یہ منظوم ”فتوح الشام“ بڑے پر اثر و دلکش لہجہ میں پڑھتی تھیں اور پڑھتے پڑھتے کتاب ان کو بہت رواں ہو گئی تھی۔ عموماً عصر کے بعد یہ مجلس ہوتی، بچے بھی کبھی اپنی ماؤں کے پاس کھیلتے کھیلتے یا کسی پیغام لئے آ جاتے، اور بے ارادہ کچھ دیر ٹھہر کر سنتے کبھی بارادہ بیٹھ جاتے اور کبھی مائیں اپنے پاس بٹھا کر سننے کا موقعہ دیتیں، پھر جب اس میں لطف آنے لگتا تو کھیل چھوڑ کر اس مجلس میں شریک ہوتے۔

میری خالہ مرحومہ جب سادہ و بے تکلف، لیکن پر اثر لہجہ میں یہ اشعار پڑھتیں تو جہاد کا ایک سماں بندھ جاتا، دل امنڈ آتے، حضرت خالدؓ، حضرت ضرارؓ اور ان کی بہن حضرت خولہؓ بنت الازور اور دوسرے صحابہ کرامؓ و مجاہدین شام کی جاں بازی اور شجاعت کا ذکر آتا تو مجلس پر ایک کیف و سرور اور نشہ سا طاری ہو جاتا، کسی سخت معرکہ میں مسلمانوں کے گھر جانے اور کسی بہادر کے شہید ہونے کا تذکرہ ہوتا تو آنسوؤں کی جھڑیاں لگ جاتیں، آنسوؤں کے یہ طوفان اٹھتے اور برستے تو ان کا چھینٹا ہمارے معصوم دلوں پر بھی پڑ جاتا، اور اس نرم مٹی کو تر کر جاتا ''فتوح الشام'' کی ان زندہ مجلسوں نے دل پر یہ اثر چھوڑا کہ مجاہدین کی محبت و عظمت اور اللہ کی راہ میں جان دینے کی قیمت کو کوئی نئی علمی تحقیق، اور جہاد کو مدافعانہ ثابت کرنے کی کوئی کوشش کم نہیں کر سکی۔ خون کے نقش کو سیاہی کے وہ نقوش کبھی نہیں مٹا سکے جو لیٹے لیٹے یا آرام سے بیٹھے بیٹھے کاغذ پر ثبت کیے جائیں، پھر وہ نقش جس کو بچپن کے پاک آنسوں نے پائیداری بخشی ہو۔

اتانی هو ا هاقبل ان اعرف الهویٰ
فصادف قلباً خالیاً فتمکنا

دوسرا اثر یہ ہوا کہ اس قوم و مذہب (عیسائیوں) کے خلاف جس کے مقدر میں قیامت تک کے لئے اسلام کا عالم گیر حریف و مد مقابل بننا لکھ دیا گیا ہے، اور جس کی قائم مقامی اور وراثت موجودہ یورپ کے حصہ میں آئی ہے، ایک حریفانہ جذبہ اور عناد پیدا ہو گیا جس پر کسی ملک کے مقامی مسائل و حالات کبھی غالب نہیں آ سکے۔

اس وقت شرفاء کے خاندانوں میں ''مسدس حالی'' کا عام رواج تھا۔ اس کے اشعار لوگوں کے نوک زبان تھے، تقریروں اور مواعظ میں جا بجا اس کے اشعار سے کام لیا جاتا، مضامین میں نقل کیے جاتے۔ میں نے بھی ''مسدس'' کو بڑے جوش و لطف سے بار بار پڑھا، اس کے اشعار اپنی تقریروں میں جو بچوں کے جلسوں میں کی جاتیں، اور ان انعامی مضامین میں جو مقابلہ کے لئے لکھے جاتے، بار بار نقل کیے۔ اس کا بہت سا حصہ زبانی یاد تھا۔ دل و دماغ پر ''مسدس'' کا اچھا خاصا اثر رہ چکا ہے، عام استعداد و معلومات میں اضافہ کے علاوہ اس کا ایک احسان یہ تھا کہ برسوں بعد مغربی مورخین و مصنفین کی یہ کوشش بالکل بے اثر رہی کہ جاہلیت عرب کی اتنی مدح سرائی کی جائے اور اس میں اگر خوبی کے کچھ ذرات تھے تو ان کو خورد بین سے

دیکھ کر پہاڑ بنا کر اس طرح پیش کیا جائے کہ معلوم ہو کہ عربوں میں اخلاقی انقلاب کی پوری تیاری تھی، اور کوہ آتش فشاں پھٹنے کو تھا کہ موقع شناسی سے بروقت اس کو چنگاری دکھادی گئی۔ اسلامی انقلاب کی پیغمبرانہ عظمت اور رسول اللہ ﷺ کے معجزہ کی اہمیت کو گھٹانے کی یہ علمی سازش مولانا حالی کے ان پراثر اور سادے چند بندوں پر غالب نہ آسکی جن میں انہوں نے جاہلیت کا نقشہ اور اس کی اخلاقی پستی کی تصویر کھینچی ہے۔ نہ بعض قوم پرست عربوں کے مضامین اور تالیفات متاثر کرسکیں جو اپنی قومیت کے جوش میں کبھی کبھی جاہلیت کی طرف سے مدافعت کرنے لگتے ہیں، اور اس کے روشن پہلو کے دکھانے میں مبالغہ سے کام لیتے ہیں۔

میرے گھر کا ماحول داداصاحب (مولوی سید فخر الدین صاحب خیالی) اور والد صاحب کی وجہ سے جو جید عالم اور عربی کے مصنف ہونے کے ساتھ ساتھ اردو کے ادیب ونقاد بھی تھے، دینی کے ساتھ ادبی بھی تھا۔ بہت بچپن ہی سے اردو نثر ونظم کی درسی وغیر درسی کتابیں ہم بھائی بہنوں کے مطالعہ میں رہتی تھیں، مولانا حالی، ڈپٹی نذیر احمد، راشد الخیری کی بہت سے کتابیں اس زمانہ میں پڑھ لیں، اس زمانہ میں عام طور پر مولوی اسماعیل صاحب میرٹھی کا اردو نصاب ''کمک اردو'' سواد اردو اور سفینہ اردو'' رائج تھا۔ ہندوستان کا سررشتہ تعلیم ان کتابوں سے بہتر کتابیں مرتب نہیں کرواسکا، ان میں سفینہ اردو کا اثر آج تک دل ودماغ پر باقی ہے۔ تقریبا نصف صدی گزر جانے کے بعد اور ذہنی بلوغ وارتقاء کی بہت سی منازل طے کر لینے کے باوجود اب بھی اگر وہ کتاب ہاتھ آجائے (جو افسوس ہے کہ اب بالکل نایاب ہے) تو شاید سب کام چھوڑ کر اسی کو پڑھنے لگوں اور بچپن کی یاد تازہ کروں اور کم سے کم اپنی چند پسندیدہ نظمیں اور مضامین، مولوی ظفر علی خاں بی۔ اے علیگ کی نظم راجہ دسرت کی کہانی'' اور حیدرآباد کے طوفان پر ان کی نظم ''او نامرادندی'' سید سجاد حیدر یلدرم کا مضمون ''مجھ کو میرے دوستوں سے بچاؤ'' کو ایک بار بڑھے بغیر کتاب ہاتھ سے رکھنی مشکل ہوجائے۔ اس غیر شعوری مطالعہ کا یہ فائدہ ہوا کہ زبان کا لطف اور ذوق زندگی کے ہر دور میں ساتھ رہا اور تحریر وانشاء میں کبھی مولویانہ خشکی پیدا نہ ہونے پائی۔ میرے خیال میں ابتدائے عمر میں سلیس وشگفتہ زبان اور اچھے مصنفین کی کتابوں کا پڑھنا جو سلیس وشیریں زبان میں اپنے خیالات ادا کرنے کے عادی ہیں، بہت مفید اور ایک حد تک ضروری ہے، ورنہ نئی نسل اور نئے عہد سے رشتہ منقطع ہوجاتا ہے اور دعوت وتلقین کا

پورا فائدہ نہیں اٹھایا جاسکتا۔

اردو کے ابتدائی مطالعہ اور طالب علمی کے اس ابتدائی دور میں جس کتاب کو اپنے شوق سے پڑھا اور جس نے سب سے زیادہ متاثر کیا وہ قاضی سلیمان صاحب منصور پوری مرحوم کی سیرت رحمتہ للعالمین کا پہلا حصہ ہے، مجھے یہ کبھی نہیں بھولے گا کہ جب اسکی دونوں جلدوں کا بعض دوسری کتابوں کے ساتھ وی۔ پی رائے بریلی آیا ہے اور اس کے چھڑانے کے لئے اس وقت روپیہ نہ تھا، تو میں نے بے اختیار رونا شروع کیا، یہاں تک کہ کسی نہ کسی طرح اس کا انتظام کیا گیا اور کتاب میرے ہاتھ میں آئی، بار بار پڑھی کئی جگہ اور کئی بار اپنے دل اور آنکھوں کو قابو میں نہ رکھ سکا۔ بعض خاص مقامات کا ہمیشہ خاص اثر پڑتا تھا۔ اسلام کے ابتدائی مبلغین کے واقعات حضرت مصعب بن عمیر کی مکی ومدنی زندگی کا مقابلہ، ان کی والہانہ کیفیت، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی مدینہ طیبہ میں تشریف آوری اور حضرات انصار کی مسرت استقبال اور جان نثاری، انصار کا ایثار اور مہاجرین کے ساتھ ان کی دینی محبت آنحضرت ﷺ کی وفات کے واقعات وحالات کا دل پر خاص اثر پڑتا تھا ٹہل ٹہل کر کر ان کو پڑھتا تھا، لوگوں کو سناتا تھا اور اسی زندگی کی تمنائیں دل میں پیدا ہوتی تھیں قاضی سلیمان صاحب کے درجات اللہ بلند فرمائے، اس عالم میں ہوتے تو کہتا کہ آپ کی کتاب کا مجھ پر بڑا احسان ہے، اس نے سب سے پہلے سرورکائنات ﷺ کی محبت کے اس مزہ سے آشنا کیا جس کے بغیر یہ زندگی اور عالم خس وخاشاک ہے۔

در خرمن کائنات کردیم نگاہ
یک دانہ محبت است باقی ہمہ کاہ

انہی دنوں کے کچھ بعد میرے ہاتھ میں مولانا شبلی مرحوم کی الفاروق آ گئی۔ مطبع نامی۔ کانپور کی چھپی ہوئی، سراپا تصویر پڑھی اور کئی بار پڑھی۔ عراق کی جنگوں بویب، جسر، قادسیہ وغیرہ کے میدان جنگ کی تصویر مولانا نے جن چھوٹے چھوٹے بے ساختہ وبرجستہ جملوں میں کھینچی ہے، شاید اس سے زیادہ فردوسی ”شاہنامہ“ میں مسلسل اشعار اور پرشکوہ الفاظ اور مبالغہ سے پیدا نہیں کرسکا ”الفاروق“ کے جاندار اور گرم جملے اور لفظ شمشیر وسناں کا کام کرتے ہیں۔ مولانا نے نظام خلافت پر جو کاوش کی ہے، اس کے سمجھنے کی اس وقت صلاحیت نہ تھی، اور اب اس سے کوئی

دلچسپی اور علمی تاثر نہیں ہے لیکن واقعات کے حصہ کا اثر اس وقت بھی تھا اور اب بھی ہے۔

مولانا کی دوسری کتاب جو اس دور میں پڑھی، سفرنامہ روم ومصر وشام تھی۔ اتفاق سے یہی دو کتابیں ہمارے گاؤں کے محدود ذخیرہ کتب میں تھیں۔ آخر الذکر کتاب سے معلومات میں بڑا اضافہ ہوا، ذہن میں وسعت پیدا ہوئی، اور کیا عجب ہے کہ اول اسی کتاب سے دنیائے اسلام کی سیاست کا شوق پیدا ہوا ہو جس کی نوبت برسوں بعد آئی۔ کچھ عرصہ بعد مولانا کی سوانحی تصنیفات ''الغزالی''، ''سوانح مولانا روم'' اور ''المامون'' پڑھیں۔ غالباً اسی وقت سے ذہن نے یہ اثر قبول کیا کہ سوانح حیات اور تذکرہ نگاری کے لئے اس سے بہتر اسلوب اور زبان جدید اردو میں پائی نہیں جاتی، اور غیر ارادی طریقہ پر ان تذکروں اور تاریخ دعوت وعزیمت کے سلسلہ میں جو راقم کے قلم سے نکلا، اس کو اختیار کیا گیا۔ افسوس ہے کہ شعر العجم کے پڑھنے کی نوبت بہت بعد میں آئی جس کو میں اپنے موضوع پر منفرد اور مولانا کا شاہکار سمجھتا ہوں۔ اس تاخیر میں غالباً میری فارسی کی کم لیاقتی کو دخل تھا۔

عم محترم مولانا سید طلحہ صاحب حسنی مرحوم ایم۔ اے، استاد اورینٹل کالج۔ لاہور کی صحبت اور مجلسوں میں ''آب حیات'' سے تعارف ہوا سنی اور بار بار پڑھی، یہاں تک کہ اس کے بہت سے مضامین مستحضر ہو گئے۔ اشخاص، شعراء، اور ان کا کلام دماغ پر اس طرح نقش ہو گیا جس طرح بچپن کی دیکھی ہوئی چیزیں اور سنی ہوئی باتیں ذہن پر مرتسم ہو جاتی ہیں، اور ان کا دماغ پر کوئی بار نہیں ہوتا۔ گل رعنا، گھر کی کتاب تھی، اس کو اتنی بار پڑھا کہ اردو شاعری کی تاریخ اور شعراء کے متعلق اتنی معلومات ہو گئی کہ اس موضوع پر مجلس میں گفتگو کرنے اور گفتگو میں حصہ لینے کی استعداد پیدا ہو گئی۔

میرے حقیقی ماموں زاد بھائی مولوی سید ابو الخیر صاحب برق لکھنؤ کی ٹکسالی زبان لکھتے اور بولتے تھے۔ لکھنؤ کے محاورات اور صحت وصفائی زبان میں وہ سند کا درجہ رکھتے تھی سخن شناس بھی تھے اور سخن سنج بھی، ابتداء میں شمس لکھنوی کو کلام دکھاتے تھے، پھر آغا ثاقب قزلباش لکھنوی کے حلقہ تلمذ میں شامل ہو گئے اور انہیں کے رنگ کی پیروی کی، ان کی صحبت میں زبان کا ذوق اور اچھے برے کی تمیز پیدا ہوئی۔ ان کے چھوٹے بھائی حافظ سید حبیب الرحمٰن جامعہ ملیہ میں پڑھتے تھے، ان کو اردو شعر وشاعری کا بڑا شوق تھا۔ ان کا ایک خاص ذوق یہ تھا کہ بچوں

سے اساتذہ کے اشعار کا مطلب پوچھتے اور اردو میں تقریر تحریر کے مقابلے کرواتے۔ اس سلسلہ میں خاص طور پر مومن غالب، ذوق اور لکھنؤ کے شعراء میں سے آتش اور امیر مینائی کے کلام سے ان کو خاص ذوق تھا، چنانچہ ان کے اشعار سننے اور ان کا مطلب بیان کرنے کے سلسلہ میں دماغ پر زور ڈالنے اور مشکل اشعار کے سمجھنے کی عادت پڑی۔ اس زمانہ میں اودھ میں مشاعروں کا بڑا زور تھا، ہمارے چھوٹے سے گاؤں میں کئی مشاعرے ہوئے، دیکھا دیکھی میں نے بھی کچھ موزوں کرنے کی کوشش کی، مگر اللہ تعالیٰ بڑے بھائی صاحب کو جزائے خیر دے کہ انہوں نے بہت سختی سے روک دیا، اور یہ شغل بے حاصل جاری نہ رہ سکا۔

رائے بریلی میں گھر میں بعض عزیزوں کا ذخیرہ کتب تھا جس میں مولوی محمد حسین آزاد کی نیرنگ خیال بھی تھی، عمر کے اس ابتدائی دور اور زبان وادب کے اس ابتدائی ذوق میں آزاد کی نثر کا جو نثر اردو کا ایک مرصع نمونہ ہے، بہت اثر پڑا۔ بہت دنوں تک نیرنگ خیال اور آب حیات" کی تقلید میں بہت سے صفحے سیاہ کیے، جو اپنی کم سوادی کے باوجود فائدہ سے خالی نہیں رہے، یہ زمانہ ہر چھپی ہوئی چیز کے پڑھنے کے مرض کا تھا ہر قسم کی چیزیں پڑھیں، شرر مرحوم اور رتن ناتھ سرشار کی بھی چند کتابیں پڑھیں کہتے ہیں کہ کوئی پڑھی ہوئی چیز خواہ بھلا دیجائے بے کار و بے اثر نہیں رہتی، اپنا اچھا برا اثر ضرور کرتی ہے، اس لئے اس کا دعویٰ نہیں کیا جا سکتا کہ وہ نقش آنکھوں سے آگے نہیں بڑھنے پائے، لیکن ان کا کوئی خاص اثر یاد نہیں آتا۔

اردو مضمون نویسی میں ابتدائی اثر والد مرحوم کی کتاب یاد ایام کا تھا جو سنجیدہ زبان کا ایک شگفتہ نمونہ ہے، اور جس میں تاریخ کی متانت کے ساتھ، زبان کا بانکپن بھی موجود ہے جو میرے علم میں مصنف" گل رعنا، اور نواب صدر یار جنگ مولانا حبیب الرحمٰن خاں شروانی کی تحریر کا مشترک جوہر ہے اس طرز پر میرا مضمون جواب یاد آتا ہے اندلس پر تھا۔

عربی تعلیم شروع ہوجانے کے بعد میرے استاد شیخ خلیل عرب بن محمد بن شیخ حسین یمنی (محدث بھوپال) نے ہمیشہ کے لئے دل پر توحید کا نقش قائم کردینے کے لئے سورۂ زمر بڑی توجہ اور ذوق وشوق سے پڑھائی، عربی ادب اور بالخصوص عربی شعر کا عرب صاحب مرحوم کو اللہ نے ایسا فطری ذوق بخشا تھا، جس کی نظیر ملنا مشکل ہے۔ وہ اس قوم کے فرد تھے جس کے متعلق زبان نبوت نے شہادت دی ہے کہ ایمان اس کے گھر کی دولت ہے (الایمان یمان) عجم کا

حسن طبیعت ننھیال سے اور عرب کا سوز دروں انہوں نے ددھیال سے پایا تھا۔ قرآن مجید پڑھتے تھے تو خود بھی روتے تھے اور دوسروں کو بھی رلاتے تھے، قصائد پڑھتے تھے، تو سوق عکاظ کا نقشہ کھینچ دیتے تھے۔ توحید ان کا ذوقی مضمون تھا، دل کھول کر پڑھایا اور دل کو توحید کے لئے کھول دیا وہ دن ہے اور آج کا دن، اللہ تعالیٰ کا ہزار ہزار شکر ہے۔ الا لله الدين الخالص (سورہ زمر) کا نقش قائم ہے، اور اس کے سامنے مانعبد هم الا ليقر بونا الى الله زلفا (زمر) (مشرکین کہتے ہیں کہ ہم اپنے معبودوں کی عبادت محض اس لئے کرتے ہیں کہ وہ ہم کو خدا کے قریب کردیں) کا حیلہ اور دعوی، جو ہمیشہ کے نظام شرک کا سب سے بڑا فلسفہ ہے، تارعنکبوت معلوم ہوتا ہے۔ ادب میں شیخ خلیل عرب کا ایک مجتہدانہ نصاب تھا، جو ہندوستان میں بالکل نیا تھا، ان کو اپنا ذوق تلامذہ کی طرف منتقل کرنے میں خاص کمال حاصل تھا، انہوں نے مبادی صرف اور تحریر وانشاء کی مشق کے ساتھ مصر و بیروت کے سلسلہ قرأت (ریڈرس) المطالعة العربیہ الطریقۃ المبتکرۃ (۱۵ اجزاء)، مدارج القراءۃ (ایک جزء) کے بعد ابن المقفع کی ”کلیلہ ودمنہ“، ”مجموعۃ من النظم والنثر“ حصہ نثر کا ایک حصہ حفظا اور حصہ نظم نہج البلاغہ حصہ کتب، اور نظم میں ”حماسہ“ اور معری کی ”سقط الزند“ اور ”دلائل الاعجاز للجرجانی“ بڑے ذوق وشوق سے نیز ”مختصر تاریخ ادب اللغۃ العربیۃ“ پڑھائی، عربی کے قواعد زبان کی مشق میں سب سے بڑا احسان اس گمنام کے نامور ہم نام ابوالحسن علی الضریر کے رسالہ ”الضریری“ کا ہے، جو چند اوراق کی کتاب ہے۔ عرب صاحب نے اس کی عملی مشق کرائی، اور یہی مشق اس وقت تک کام آرہی ہے۔ اس تعلیم کی ایک خصوصیت یہ تھی کہ اس میں ایک وقت میں مختلف علوم وفنون اور زبانوں کی تعلیم نہ تھی صرف عربی زبان وادب کی تعلیم تھی اور وہی اوڑھنا بچھونا، وہی مقصد حیات اور وہی ذوق طبع۔

عرب صاحب کی ایک خصوصیت یہ بھی تھی کہ اپنے محبوب ومنتخب مصنفین اور ان کی محبوب ومنتخب تصنیفات کو اس طرح طلبہ کے سامنے پیش کرتے تھے، گویا وہی زبان وادب اور طرز ادا کا واحد نمونہ اور ادب وذوق کا منتہی ہیں۔ نتیجہ یہ ہوتا تھا کہ وہ مصنفین طلبہ کے دماغ اور تخیل پر حاوی ہوجاتے تھے، اور طالب علم ان کا رنگ اتارنے لگتے تھے۔ ابن المقفع اور جاحظ نثر میں، عبدالقاہر جرجانی ذوق، نقد ادب اور سخن فہمی میں متنبی و بحتری شعر میں ان کے منتخب لوگ تھے، اس لئے ان کے طلبہ اپنی بڑی سعادت اور کمال سمجھتے تھے کہ ان میں ان کا رنگ اور انداز پیدا

ہو جائے۔ راقم الحروف نے ابن المقفع اور صاحب نہج البلاغہ نیز کبھی کبھی جرجانی کی تقلید میں لکھنے کی کوشش کی اور اس کا بڑا فائدہ ہوا۔ عرب صاحب کا ایک تعلیمی نکتہ یہ بھی تھا کہ وہ طلبہ کے دماغ پر یہ نقش قائم کر دیتے تھے کہ ادب ونثر کا ترکہ صاحب ذوق طلبہ کی میراث ہے جس کے استعمال کرنے اور اس سے فائدہ اٹھانے میں انہیں باک نہیں ہونی چاہیے، چنانچہ ان کی ہمت افزائی سے کبھی کبھی ان صاحب طرز انشاء پردازوں کے بعض بعض جملے اور تعبیریں اپنی تحریر میں نگینہ کی طرح جڑ کر انعام حاصل کیا۔

اس تعلیم کے انتہائی مرحلہ پر مصر کے مشہور صاحب طرز نثار سید مصطفی لطفی المنفلوطی کی کتاب ''النظرات'' عرب صاحب نے دیکھنے کو دی۔ نتیجہ یہ ہوا کہ اس صدی کا یہ ساحر ادیب دماغ اور تخیل پر چھا گیا اور دل میں سما گیا، اس کے عنوانوں پر اپنے مضامین لکھے اور تیز رفتار ہوا کے پیچھے دوڑ کر دور تک خاک اڑائی۔

میری مکرر خوش قسمتی تھی کہ حدیث میں مولانا حیدر حسن خاں صاحب جیسا متبحر استاد نصیب ہوا، جو مولانا غلام احمد صاحب لاہوری، مولانا لطف اللہ صاحب کوئلی، مولانا احمد حسن صاحب کانپوری اور شیخ الاسلام شیخ حسین یمنی کے شاگرد، اور حضرت حاجی امداد اللہ صاحب مہاجر مکی کے مجاز تھے۔ یہ بھی خوش قسمتی تھی کہ حدیث کی تعلیم شروع ہوئی تو کوئی دوسرا فن اور موضوع مزاحم نہ تھا، صرف حدیث کے اسباق تھے، مولانا کی صحبت تھی؛ دار العلوم ندوۃ العلماء کے طلبہ تھے، اور ندوۃ العلماء کا نادر علمی ذخیرہ اور مولانا کے علمی مآخذ تھے۔

مولانا کے یہاں تعلیم کی دوسری خصوصیتیں تھیں جن کی وجہ سے فن کا ذوق اور اس کا کچھ (بہ قدر استعداد وتوفیق) عملی ملکہ حاصل ہو جایا کرتا تھا ایک یہ کہ تعلیم بالکل ناقدانہ اور محدثانہ اصول پر تھی، مولانا کو مذہب حنفی پر کلیۃ اطمینان تھا اور وہ اس کے زبردست وکیل وترجمان تھے، لیکن ان کا درس حدیث محدثانہ طرز اور نقد حدیث اصول حدیث ورجال کے بحثوں پر مبنی تھا، اور اس میں ہندوستانی طرز تدریس حدیث سے زیادہ یمنی طرز حدیث، اور شوکانی کے طرز تالیف کا اثر تھا۔ شوکانی کی تالیف نیل الاوطار اس کا ایک نمونہ ہے۔ محدثین میں خصوصاً محمد بن ابراہیم الوزیر اور محمد بن اسمٰعیل الامیر اور علامہ مقبلی کی تالیف اور اصول حدیث کے بعض نوادر ان کے خاص مآخذ تھے جن میں تنقیح الانظار اور توضیح الافکار کے قلمی وشرح کے مسودات خاص طور پر

قابل ذکر ہیں۔ دوسری چیزوں کے مقابلہ میں علامہ ابن الترکمانی کی الجوہر النقی امام زیلعی کی نصب الرایہ سے بہت مدد لیتے تھے اور حدیث صحیح کا جواب حدیث صحیح سے اور نقد حدیث کے علم استاد کے ساتھ شریک عمل ہوتے تھے۔ مولانا طلبہ ہی سے کتابوں کے نقول مذاہب کے دلائل رجال پر نقد وجرح کی بحثیں نکلواتے تھے اس طرح تدریس وتالیف کا سلیقہ سکھاتے تھے۔

درس حدیث میں عملی طور پر سب سے زیادہ فائدہ امام نووی کی ''شرح مسلم'' سے ہوا، جو ایک مبتدی طالب علم کے لئے بڑا اچھا استاد ہے۔ شروح حدیث سے فائدہ اٹھانے اور ذہن پر زور ڈالنے کا ملکہ اسی سے پیدا ہوا فتح الباری سے استفادہ کی اصل نوبت تدریس کے زمانہ میں آئی، اس وقت حافظ ابن حجر کی وسعت نظر فن حدیث پر ان کی قدرت اور اس کے وسیع ذخیرہ پر ان کا احتواء دیکھ کر آنکھیں کھل گئیں۔ یہ کتاب مسلمانوں کا ایک علمی کارنامہ ہے جس کی نظیر سے دوسری ملکوں کا مذہبی ذخیرہ خالی ہے۔ اس کتاب کے مطالعہ سے کہیں وجد وسرور کی کیفیت پیدا ہوتی ہے، قلبی طور پر سب سے زیادہ اثر ابوداؤد کی ''کتاب الادعیہ'' اور ترمذی کی ''کتاب الزہد والرقاق'' نے ڈالا۔

اسی زمانہ میں احیاء العلوم دیکھنے کا شوق ہوا اور اس نے دل پر بجلی کا سا اثر کیا مگر یہ مطالعہ جاری نہیں رہ سکا۔ اس میں بڑے بھائی صاحب کی بصیرت کو دخل تھا جن کے نزدیک اس کے مطالعہ کے شغف سے بعض غیر معتدل رجحانات کے پیدا ہونے کا اندیشہ تھا۔

۱۹۳۰ء میں شیخ خلیل عرب کی تجویز اور بھائی صاحب کی دعوت پر دار العلوم ندوۃ العلماء میں تدریس ادب کے لئے ایک فاضل ومحقق صاحب زبان مراکشی عالم تشریف لائے، یہ علامہ شیخ تقی الدین ہلالی تھے، جن کو اگر نہ دیکھا ہوتا تو عربی زبان وادب کے بہت سے مبادی وبدیہیات، زبان کی تعلیم کے بہت سے حقائق واصول نظر سے ہمیشہ اوجھل رہتے، اور عجمیت وہندیت کے اثر سے کلیۃ آزادی نصیب نہ ہوتی۔ ان کو اگر نہ دیکھا ہوتا تو قرن ثانی وثالث کی زبان کو مردہ اور صرف کاغذ کے نقش ونگار سمجھتے، اس ایک شخص میں سلف کی احتیاط اور علمی تورع (عدم تحقیق کی حالت میں بے تکلف لا ادری کہہ دینا)، مغرب اقصیٰ خصوصا اہل شنقیط کا حفظ و استحضار اہل لغت کا اتقان، علمائے نحو کی پختگی اور اہل زبان کی شیریں نوائی اور خوش گفتاری جمع تھی بات کرتے تھے تو منہ سے پھول جھڑتے تھے، ہر جملہ ادب کی جان ہوتا تھا جس کو آدمی

جس ادب کی کتاب کے حاشیہ پر چاہے لکھ دے، میں نے "اغانی" اور جاحظ کی کتابوں کی زبان بولتے ہوئے ان کے سوا کسی کو نہیں سنا، جو لکھتے تھے، وہی بولتے تھے اور جو بولتے تھے وہی عربی زبان کا روزمرہ اور محاورہ ہے۔

بلالی صاحب سے عربی ادب وشعر کی کتابیں پڑھنے کی بھی سعادت حاصل ہوئی، لیکن اس سے زیادہ مفید ان کی صحبت اور مجالس وسفر کی رفاقت تھی، ان کی صحبت وافادات سے دو حقیقتیں پہلی بار منکشف ہوئیں، ایک تو یہ کہ زبان اور ادب میں فرق ہے۔ زبان وہ ہے جو ادب کی بنیاد ہے، ادب زبان کی بنیاد کے کاخ وایوان اور زبان کی دیوار کے نقش ونگار ہیں، ادب خیالات کے اظہار کا بلند اور فنی اور ترقی یافتہ ذریعہ ہے جو تمدن وتخیل کی ترقی سے پیدا ہوتا ہے۔ زبان کی تعلیم وتربیت ادب کی تعلیم پر مقدم ہے اگر زبان نہیں آتی تو ادب نہیں آسکتا اور اس کی قبل از وقت تعلیم ضیاع وقت ہے۔ ہندوستان میں زبان کے دھوکہ میں اور عربی زبان کے نام سے اعلیٰ عربی ادب کی تعلیم دی جارہی ہے، جو اکثر اوقات بے بنیاد اور بے نتیجہ ثابت ہوتی ہے۔ بلالی صاحب کہتے تھے کہ حریری اور متنبی وحماسہ ادب عربی کی اعلیٰ کتابیں ہیں جو بلادِ عربیہ میں زبان کی طویل اور مسلسل تعلیم اور زبان کی مشق کے بعد پڑھائی جاتی ہیں، اور عربی ادب کی تکمیل کرنے والے فضلاء ان کو پڑھتے ہیں، لیکن ہندوستان میں یہی کتابیں ادب کا کل سرمایہ اور جمع خرچ ہیں۔ ضرورت ہے کہ ان سے پہلے زبان کو ایک زندہ زبان کی طرح پڑھا جائے، ان کا یہ بھی اصرار تھا کہ زبان کو انسانی زبان کی طرح بغیر ترجمہ کی مدد کے پڑھنا چاہئے، اس پر شیخ نے دارالعلوم میں مسلسل تقریریں کیں، اور اپنے مدعا کو دلائل سے ثابت کیا۔

دوسری حقیقت یہ منکشف ہوئی کہ صرف ونحو کے قواعد زبان کی تشکیل کے اصول ہیں، جن کا درجہ زبان کے بعد ہے۔ زبان کا ذخیرہ اگر کچھ نہ ہو تو صرف ونحو کے قواعد بے کار ہیں۔ مفردات، الفاظ وجمل مکان کی اینٹیں ہیں، اور نحو کا علم اصول تعمیر کے قواعد اور انجینئری کا فن۔ اگر سرے سے اینٹیں نہ ہوں تو انجینیرنگ اور اصول تعمیر کا بڑے سے بڑا علم ناکارہ اور فضول ہے۔

بلالی صاحب سے یہ بات بھی معلوم ہوئی کہ زبان کا بہترین نمونہ تاریخ کی مستند کتابیں اور عہد عباسی کے ادباء کی غیر مصنوعی تصنیفات ہیں، اس کے لئے انہوں نے ابن قتیبہ کی

الامامۃ والسیاسۃ، ابن المقفع کی کلیلہ ودمنہ، ابوالفرج الاصبہانی کی کتاب الاغانی اور جاحظ کے رسائل کی سفارش کی۔

یہ زمانہ دارالعلوم ندوۃ العلماء میں عربی کی بہار کا تھا۔ ادھر ہلالی صاحب کا فیض عام تھا، ادھر ہمارے دوست مولانا مسعود عالم ندوی عربی کا رسالہ الضیاء نکال رہے تھے، عربی زبان و تحریر، نقد و تبصرہ گویا اوڑھنا بچھونا ہو رہا تھا۔ مصری، شامی، عراقی اور مغربی (الجزائری و مراکشی) رسائل و جرائد تبادلہ میں آتے تھے، پڑھے جاتے تھے، اور ان پر گفتگو رہتی تھی۔ یہ میری عربی اخبار بینی کی عمر کا بچپن تھا۔ عربی ادب کی کتابیں پڑھ لینے اور عرب اساتذہ کی صحبت میں رہنے کے باوجود اخبارات کا بڑا حصہ سمجھ میں نہ آتا تھا اس لئے نہیں کہ ہندوستانی علماء کے بقول (جو سراسر غلط فہمی ہے) یہ کسی جدید عربی میں ہوتے تھے، بلکہ طرز ادا اور اشتقاق کی ناواقفیت کی وجہ سے سمجھ میں نہیں آتے تھے۔ بھائی صاحب کی مدد سے میں نے اخبار پڑھنا شروع کیا اور اس سے جتنا فائدہ اور تعبیر اور اظہار خیال میں جتنی قدرت حاصل ہوئی، ادب و زبان کی کسی کتاب یا کتابوں سے نہیں ہوئی۔ مصری و شامی ادباء و فضلاء کے مضامین پڑھ کر ان کی فصاحت، زبان کی قدرت کا سکہ دل پر بیٹھا، اس میں کوئی شبہ نہیں کہ عربی زبان کے خزانہ عامرہ کے نوادر جو صدیوں سے سربمہر تھے، وہ اپنے اخبارات و رسائل کے صفحات میں روزانہ لٹاتے ہیں، اور امیر شکیب ارسلان کے بقول عہد عباسی کا ایک ادیب برسوں میں جتنا لکھتا تھا، وہ اس عصر کا ادیب و صحافی چند دنوں میں لکھ لیتا ہے لیکن معنوی و ذہنی حیثیت سے ذوق و دماغ پر ان مضامین کا کوئی اچھا اثر نہیں پڑا اور ہمارے ہندی ذوق نے جس نے ہندوستان کے زیادہ سنجیدہ زیادہ گہرے اور زیادہ طاقتور اسلامی ادبیات اور ماحول میں نشو و نما پائی تھی، عربوں کے قوم پرست اور وطنی افکار، مغرب سے ذہنی مرعوبیت اور خیالات کی سطحیت کے خلاف ہمیشہ احتجاج کیا اور ذہن نے اس کی پستی اور کمزوری صاف محسوس کی۔ ان مضامین کو میں نے ہمیشہ روحانی اذیت اور ذہنی کوفت کے ساتھ پڑھا۔ اس حیثیت سے امیر شکیب ارسلان کی تحریروں اور خیالات میں نسبتاً کچھ گہرائی اور پختگی اور اسلامیت معلوم ہوئی، لیکن امت اسلامیہ کے امراض کی تشخیص اور علاج کی تجویز میں اس وقت جس شخص کے خیالات و افکار میں نسبتاً زیادہ بلند نظری اور باریک بینی معلوم ہوئی، اور

جس کی فراست نے متاثر کیا، وہ سید عبدالرحمن الکواکبی کی تخیلی کتاب "ام القریٰ" ہے، جواب پرانی ہو چکی ہے، اور اس کے لائق مصنف کو لوگ بھولتے جارہے ہیں لیکن بعد میں یہ دیکھ کر کہ وہ قومیت عربیہ کے اولین نقیبوں میں ہیں، اور انہوں نے سب سے پہلے دولت عثمانیہ کے خلاف عربوں میں بیزاری پیدا کرنے کی کوشش کی، دل پھیکا ہو گیا اور عقیدت میں کمی آئی۔

۱۹۲۷ء یا ۱۹۲۸ء میں رسالہ توحید امرتسر میں جو مولانا داؤد غزنوی مرحوم کی ادارت میں نکلنا شروع ہوا تھا، تیرھویں صدی کا مجدد اعظم" کے عنوان سے حضرت سید احمد شہید کے متعلق مولوی محی الدین قصوری مرحوم کا ایک سلسلہ مضمون شائع ہوا۔ بھائی صاحب کے حکم سے ۱۹۲۹ء۔ ۱۹۳۰ء میں میں نے اس کا عربی میں آزاد ترجمہ کیا جو ہلالی صاحب کی اصلاح کے بعد علامہ سید رشید رضا مرحوم نے المنار میں بھی شائع کیا، اور ترجمۃ الامام السید احمد بن عرفان الشہید کے نام سے علیحدہ رسالہ کی شکل میں بھی چھاپ دیا، اس موضوع سے یہ میرا پہلا تعلق تھا۔

میری مدرسی تعلیم کا اختتام ہو چکا تھا، اور آزاد مطالعہ کا آغاز، حافظ ابن قیم کی "زادالمعاد" میرا کتب خانہ، میری رفیق سفر اور میری گویا اتالیق و معلم تھی۔ دینیات کے کتب خانہ کی اتنی جامع نمائندگی ایک کتاب میں ملنا مشکل ہے۔ اگر مجھے کبھی پورے ذخیرۂ علمی سے محروم کر دیا جائے، اور صرف دو کتابوں کی اجازت دی جائے تو میں کتاب اللہ اور "زادالمعاد" اپنے ساتھ رکھوں گا، اس نے مجھے نماز سکھائی، دعائیں اور اذکار یاد کرائے، سفر کے آداب بتائے، روزمرہ زندگی کے مسنون قواعد و احکام سکھائے، اور سنت کا ضروری علم بخشا۔

ابتدائے شباب میں جو کتابیں فرشتہ رحمت بن کر سامنے آئیں، ان میں سے زیادہ موثر اور محسن کتاب محمد بن نصر المروزی کی کتاب "قیام اللیل" ہے۔ اس کتاب کا خاص کام یہ ہے کہ عقلی اور استدلالی طریق سے نہیں، بلکہ قلبی اور ذوقی طور پر دلچسپی اور شوق کا رخ بدل دیتی ہے اور سارا کھیل دلچسپی اور انس ہی کا ہے، اس کتاب میں شب بیدار نوجوانوں کے ایسے موثر واقعات لکھے ہیں، اور قرآن مجید کی بعض آیات کی اتنی پر اثر تفسیر اور قیام لیل کے فضائل جمع کیے ہیں جو اگر کسی خوش قسمت نوجوان کو آغاز شباب میں مل جائیں، اور اپنا اثر کر جائیں تو ایک شیخ کامل کی بیعت سے کم نہیں۔

امام ابن تیمیہ کی تفسیر سورۃ النور نے بھی اس پر آشوب زمانہ میں دستگیری کی ہے اور حافظ

ابن قیم کی "الجواب الکافی" نوجوانی میں بہترین نگران اور اتالیق، اور اخلاقی محتسب و ناصح ہیں۔ زمانہ تعلیم کے بے شعور دور میں جس کتاب نے تعلیم سے اور معلمین سے نفع اٹھانے اور ان سے احترام اور طالب علمی کے آداب کا لحاظ کرنے کا خیال پیدا کیا وہ صاحب ہدایہ کے ایک شاگرد کی چھوٹی سی کتاب "تعلیم المتعلم" ہے۔ اسی طرح تحصیل علم میں علوئے ہمت، عزیمت اور ذوق علم پیدا کرنے میں نواب صدر یار جنگ مولانا حبیب الرحمٰن خان شروانی کی کتاب "علمائے سلف" نے مہمیز کا کام دیا اور دل و دماغ پر علمائے سلف کی عظمت و عزیمت کا نقش ثبت ہوگیا۔ میرے نزدیک ہر سچے طالب علم کو اس کتاب کا مطالعہ کرنا چاہیے اور اس کو حرز جان بنا کر رکھنا چاہیے۔

والد مرحوم مولانا حکیم سید عبدالحیٔ صاحب سابق ناظم ندوۃ العلماء کی تصنیفات کو الٹتے پلٹتے، ان کا ایک مسودہ ارمغان احباب؎ کے نام سے ہاتھ آگیا جو انہوں نے اپنی ۲۶ سال کی عمر میں لکھا ہے، اور ۱۳۱۲ھ کے طالب علمانہ سفروں کا روزنامچہ ہے، نہایت سادہ اور بے تکلف، لیکن اس نے میرے دل پر بڑا اثر کیا، مردان خدا کی محبت اور دین کی چاشنی محسوس ہوئی، حضرت سید احمد شہید سے اصل قلبی تعلق اسی رسالہ سے پیدا ہوا جہاں والد مرحوم حضرت سیدنا لکھتے ہیں، وہاں دل جھوم جاتا تھا، اور دل ایک خاص کیف محسوس کرتا تھا۔

دوسری چیز جس نے حضرات اہل اللہ کی محبت و عقیدت پیدا کی اور دین کا ایک خاص مزہ معلوم ہوا جس کو الفاظ میں ادا کرنا مشکل ہے، حضرت مولانا محمد علی بانی ندوۃ العلماء کا چھوٹا سا رسالہ ارشاد رحمانی ہے جس میں شیخ وقت مولانا فضل رحمٰن صاحب گنج مرادآبادی کے کچھ حالات، حکایات و ملفوظات اور سلوک و طریقت کے کچھ نکات ہیں۔ حضرت مولانا گنج مرادآبادی میرے والد مرحوم کے شیخ تھے اور بچپن سے گھر میں آپ کا ذکر خیر سنا تھا۔ اس روحانی تعلق اور ذہنی ربط سے کتاب ذوق و شوق سے پڑھی، محبت کے اشعار، اور عاشقانہ کلمات دل میں چبھ گئے اور تیر و نشتر کی طرح دل میں اتر گئے۔ اس سے کچھ پیشتر یا بعد والد مرحوم کا ایک مختصر سا رسالہ یا مقالہ جو استفادہ کے نام سے شائع ہوا تھا بار بار پڑھا تھا، اس میں انہوں نے اپنے گنج مرادآباد کی حاضری کے حالات، اور وہاں کے مشاہدات، اور مولانا کے الطاف و عنایات کے واقعات قلم بند کیے تھے، اس نے مولانا کی محبت و عقیدت، اور اہل اللہ

سے ملاقات اور استفادہ کے شوق میں اور اضافہ کیا۔

مشائخ و بزرگان دین کے ملفوظات کے مجموعے بھی نظر سے گزرے۔ ان مجموعوں میں حضرات چشتیہ کے ملفوظات میں سب سے زیادہ محبوب الٰہی حضرت خواجہ نظام الدین اولیاء کے ملفوظات فوائد الفواد اور حضرات نقشبندیہ کے ملفوظات میں حضرت شاہ غلام علی کے ملفوظات درالمعارف کا قلب پر اثر پڑا۔ اگرچہ ذہن نے حدیث کے اثر اور ایک خاص ذہنی تربیت و مطالعہ کی وجہ سے بعض باتوں کے قبول کرنے سے ادب کے ساتھ معافی چاہی، لیکن قلب نے واقعات، اور بے ساختہ گفتگو اور خلوص کی گرمی و نرمی محسوس کی۔

فلسفہ تصوف اور فلسفہ اخلاق کے نکات و مباحث سے جو متاخرین صوفیہ کی کتابوں میں بہ کثرت ملتے ہیں، کبھی متاثر نہیں ہوا، البتہ درد و محبت اور سوز و گداز کی باتیں بے اثر نہیں رہتی تھیں اور یہ تیر کم خطا جاتے تھے، درد و محبت میں ڈوبے ہوئے اشعار اور فقرے دل پر نقش اور حافظہ میں محفوظ ہو جاتے تھے۔

ہم نے اپنے آشیانہ کے لئے
جو چبھے دل میں وہی تنکے لئے

بزرگوں کی مجالس و ملفوظات کے سلسلہ میں تاریخی ترتیب کا لحاظ کئے بغیر یہ کہے بغیر آگے نہیں بڑھا جاتا کہ عرصہ کے بعد جب مولانا شاہ محمد یعقوب صاحب مجددی بھوپالی کی مجالس میں حاضری کا شرف حاصل ہوا اور ان کی التفات و عنایات سے سرفراز ہوا تو ان کی زبان سے دینی حقائق و نکات، اور سلوک و تصوف کی نادر تحقیقات سن کر عالم حیرت میں پڑ گیا، اللہ تعالیٰ نے ان کے ملفوظات و مجالس کے قلم بند کرنے کی توفیق بھی عطا فرمائی۔ اپنے علم و فہم کے مطابق یہ کہنے میں ذرا مبالغہ معلوم نہیں ہوتا کہ عرصہ دراز سے تزکیہ و احسان اور دینی حقائق کے سلسلہ میں ایسے بیش قیمت ملفوظات اور ایسے گہرے علوم و مضامین سننے میں نہیں آئے۔
والغیب عند اللہ (اور) وفوق کل ذی علم علیم۔

طالب علمی کے باقاعدہ اختتام کے قریب ضلع رائے بریلی کے ایک مردم خیز قصبہ سلون جانے کا اتفاق ہوا، اور دو کتب خانے دیکھے ایک زندہ و متکلم، ایک جامد و خاموش۔ زندہ کتب خانہ مولانا شاہ حلیم عطا صاحب ؒ، اور جامد کتب خانہ ان کا قیمتی علمی ذخیرہ۔ شاہ صاحب کے

واسطے سے حافظ ابن جوزی، حافظ ابن تیمیہ، حافظ ابن قیم، حافظ ابن رجب اور ابن عبدالہادی وغیرہ کی بعض کتابیں دیکھیں، پھر وطن واپس جا کر "احیاء العلوم مع تخریج عراقی"، "فضل علم السلف علی الخلف"، "دفائن الکنوز"، "تلبیس ابلیس"، "مختصر منہاج القاصدین" وغیرہ منگوائیں۔ "تلبیس ابلیس" کے مطالعہ سے ناقدانہ ذہنیت پیدا ہوئی۔

اب اس سے پہلے کہ میں اپنی آخری محسن و موثر کتابوں کا ذکر کروں، تاریخی ادوار کے لحاظ کے بغیر ان کتابوں اور تحریروں کا ذکر کرتا ہوں، جنہوں نے بعض خاص حیثیتوں سے دل و دماغ پر کوئی اثر کیا اور کوئی قابل ذکر علمی فائدہ یا ذہنی تغیر پیدا کیا۔

نظام و نصاب تعلیم کے متعلق اصلاحی و تجدیدی خیالات کا تخم شیخ خلیل عرب و شیخ تقی الدین الہلالی کی مجالس درس میں دماغ پر پڑا۔ دارالعلوم ندوۃ العلماء کے ماحول اور لٹریچر نے اس کا نشو و نما کیا، ندوۃ العلماء کا تخیل اور دین و دنیا کی باہم آمیزی، اور علماء و اہل دین کی قیادت و اقتدار کی ضرورت و اہمیت کا احساس نواب صدر یار جنگ مولانا حبیب الرحمٰن خاں صاحب شروانی کے اس خطبہ صدارت سے وضاحت و قوت کے ساتھ ہوا جو موصوف نے ندوۃ العلماء کے اجلاس ۱۹۲۴ء میں دارالعلوم ندوۃ العلماء۔ لکھنؤ میں پڑھا تھا، اور میں نے اس کو غور سے بعد میں چھپا ہوا پڑھا، پھر مزید مطالعہ سے اس پر یقین اور اطمینان بڑھتا رہا اور یہ دونوں چیزیں میرے علمی عقائد و نظریات کا جزو بن گئیں۔

مغربی تہذیب و نظام سے نفرت اصل میں بڑے بھائی صاحب ڈاکٹر حکیم سید عبدالعلی صاحب مرحوم بی۔ ایس۔ سی، ایم۔ بی۔ بی۔ ایس کی صحبتوں اور مجلسوں میں پیدا ہوئی، جو اس سے براہ راست واقفیت رکھتے تھے، اور اعلیٰ مغربی تعلیم کے باوجود اس کی سخت تنقید اور مذمت کرتے تھے۔ یوں بھی ان کی زندگی، اور ان کا سراپا قدیم اسلامی تہذیب و ثقافت کی فتح مندی اور مغربی ماحول کے اثرات کی شکست و ہزیمت کا اعلان کرتا تھا، اس نفرت کو جو زیادہ تر قلبی تھی مولانا عبدالماجد صاحب دریابادی کے "سچ اور صدق" کے پرچوں نے مستحکم اور دماغی بنا دیا۔

مغربی تہذیب کی تاریخ سمجھنے میں اور لادینیت و مادیت کے ارتقاء کی اس منزل کی توضیح میں ڈریپر کی پرانی کتاب "معرکہ مذہب و سائنس (مترجمہ مولانا ظفر علی خاں مرحوم) اور لیکی کی "تاریخ اخلاق یورپ (مترجمہ مولانا عبدالماجد صاحب دریابادی) نے بڑی مدد دی اور اس

سے بڑا مواد ملا جس سے اپنے مضامین واستدلال میں بہت کام لیا۔ مولانا سید ابوالاعلیٰ صاحب مودودی کے مضامین ترجمان القرآن اوران کی کتاب تنقیحات نے اور زیادہ وضاحت وتقویت پہنچائی۔ مولانا ابوالاعلیٰ کے ''ترجمان القرآن'' کے مضامین نے طرز استدلال اور طرز تحریر پر بھی اثر ڈالا، اوران کی تحریروں نے ذوق وفکر کو متاثر کیا۔

مغربی تہذیب کے مزاج اوراس کے حقیقی نقائص، اسلامی تہذیب سے اس کے بنیادی واصولی تضاد اور دونوں کے اتحاد کے عدم امکان کے متعلق سب سے زیادہ واضح اور پرمغز چیز محمد اسد صاحب کی کتاب معلوم ہوئی جس کا لفظ لفظ دل نشیں ہوا۔ عرصہ دراز کے بعد ان کی دوسری فکر انگیز لیکن دلچسپ کتاب شائع ہوئی جس کا عربی ترجمہ ''الطریق الی مکة'' انہوں نے ازراہ عنایت مجھے خود بھیجا، یہ اس اجمال کی تفصیل اوراس نظریہ کی عملی تطبیق تھی جو انہوں نے اپنی پہلی کتاب میں پیش کیا تھا۔ میں نے ان کی اجازت سے اس کا ترجمہ اور تلخیص ''طوفان سے ساحل تک'' کے نام سے شائع کیا، یہ کتاب ہر جویائے حق اور صاحب ذوق کے پڑھنے کی ہے۔

۳۹_۱۹۳۸ء میں مصر کے فاضل مؤلف ڈاکٹر احمد امین کی ''فجر الاسلام'' (جلد_۱) اور ''ضحی الاسلام'' (جلد_۳) کے مطالعہ کا موقعہ ملا، یہ عہد نبوی اور عہد اموی وعباسی کی فکری، ادبی، اخلاقی، سیاسی وعلمی تاریخ ہے جس میں واقعات سے نتائج اخذ کیے ہیں، جزئیات سے کلیات قائم کیے ہیں اور ہر دور اور حیات انسانی کے ان مختلف شعبوں پر مجموعی نگاہ ڈالی ہے۔ کتاب مصنف کی قوت ملاحظہ اور حسن استنتاج کا اچھا نمونہ ہے، اور اگرچہ موجودہ عصری ومغربی تاثرات سے کلیۃً پاک نہیں، اوراس کے مطالعہ سے ذخیرۂ حدیث پر اعتماد کسی حد تک متزلزل ہو جاتا ہے، اوراس کی بعض بنیادی شخصیتوں کے بارے میں وہ عظمت اور عقیدت قائم نہیں رہتی جو ایک مسلمان کے دل میں قائم رہنی چاہیے، مگر میری سادہ لوحی کہیے یا ناقدانہ نظر کی کمی کہ مجھے مصنف کی اس کمزوری کا پورا احساس اس وقت نہیں ہونے پایا، اس کا صحیح احساس وعلم اور اس سے اذیت اس وقت ہوئی جب میں نے ڈاکٹر الشیخ مصطفی السباعی کی فاضلانہ کتاب ''السنة ومکانتها فی التشریع الاسلامی'' پڑھی جس کے مطالعہ کی سفارش فن حدیث کے ہر طالب علم سے ہے۔ اس کے باوجود ڈاکٹر احمد امین سے خیالات میں بڑا توارد معلوم ہوا کئی جگہ حواشی پر اختلاف یا اظہار خیال کیا، یا مصنف کو بے اختیار داد دی، لیکن سب زیادہ فائدہ جو ان

کتابوں کے مطالعہ سے حاصل ہوا، وہ شگفتہ شیریں اور علمی طرزِ تحریر کا ہے جس میں احمد امین اپنے معاصرین میں خاص امتیاز رکھتے ہیں۔

مولانا ابوالکلام کے تذکرہ سے امام احمد بن حنبل اور محدثین کی عمومی عظمت دل و دماغ پر قائم ہوئی تذکرہ اور الہلال سے ادبی [illegible] مشہور ہیں۔ ترجمان القرآن کی دوسری جلد سے تفسیر اور فہم قرآن کے بعض نئے گوشے سامنے آئے، اور فکر میں وسعت پیدا ہوئی۔ سورہ یوسف پر جو کچھ انہوں نے لکھا ہے، وہ نہ صرف قرآنی نکتہ شناسی کی ایک مثال، بلکہ ادب عالی کا ایک زندہ و پایندہ نمونہ ہے۔

جب ترجمہ قرآن اور تفسیر کی تدریس کی خدمت دارالعلوم میں سپرد ہوئی تو مولانا شبیر احمد صاحب عثمانی کے حواشی کی قدر آئی، جن میں انہوں نے مفسرین کے اقوال کا عطر اور ان کی تحقیق کا جوہر منتقل کر دیا ہے، جس کو اس زمانہ کا تعلیم یافتہ ذہن آسانی کے ساتھ قبول کر لیتا ہے۔ اس میں مولانا کی سلامت فکر، حسن انتخاب اور تحریر کی شائستگی بخوبی نمایاں ہے۔ میں نے دیوبند کی ایک ملاقات میں مولانا سے اپنے اس تاثر کا اظہار کیا، مولانا کو بڑی مسرت ہوئی، اور بعض صاحبوں سے اس کو نقل کیا۔ جدید معلومات و تحقیقات نے تفسیر کے سلسلہ میں جو نئے سوالات پیدا کر دیے ہیں، ان کا حل تلاش کرنے میں اور قرآنی اعجاز کے بہت سے گوشوں کو بے نقاب کرنے میں ''تفسیر ماجدی'' اور اس کے مصنف مولانا عبدالماجد دریا آبادی کے تفسیری مضامین و تحقیقات سے بڑی مدد ملی، اور اپنے مطالعہ و معلومات میں تحقیقی اضافہ ہوا۔

مولانا سید سلیمان صاحب ندوی کی تمام تصنیفات نقد کامل عیار اور علم و انشاء کے لحاظ سے معیاری ہیں لیکن اس بے بضاعت کو جس چیز نے سب سے زیادہ متاثر کیا وہ خطبات مدراس ہے۔ اگر کسی مصنف کے حصہ میں صرف یہی تصنیف آئے تو اس کو زندہ جاوید بنا دے، اور اگر مقبول ہو (جیسا کہ آثار سے بھی ظاہر ہے) تو مغفرت کے لئے تنہا کافی ہے۔ بار بار مزے لے لے کر پڑھی، حدیث و سیرت کے نئے نئے پہلو سامنے آئے اور اس عہد انقلاب میں اہل علم اور تعلیم یافتہ غیر مسلموں کے سامنے حدیث و سیرت پیش کرنے کی راہ معلوم ہوئی۔

مولانا سید مناظر احسن گیلانی کی کتابوں میں بڑی معلومات اور مواد ہے، بہت سے لوگوں کا ان کے مخصوص طرزِ تحریر اور بات سے بات نکلنے کی وجہ سے جی نہیں لگتا، لیکن میرا ہمیشہ

ان کی کتابوں میں جی لگا اور اپنے علم میں اضافہ ہوا۔ خاص طور پر ان کی کتاب "النبی الخاتم" سیرت پر بڑی اچھی کتاب ہے۔ اسی طرح ان کی دوسری کتاب "ہندوستان میں مسلمانوں کا نظام تعلیم وتربیت" بڑی پر از معلومات اور موثر کتاب ہے۔ تیسری کتاب "تدوین حدیث" بڑی مبصرانہ اور نکتہ ورانہ تصنیف ہے۔ ان کا مضمون "مجدد الف ثانی کا تجدیدی کارنامہ" بھی بڑی بصیرت ومعلومات کا ذریعہ بنا، اور اس سے ان کے دوسرے مقالے جو "الفرقان" شاہ ولی اللہ نمبر میں شائع ہوا تھا، تاریخ ہند کے نئے گوشے سامنے آئے۔

"حیات جاوید"، "وقار حیات" اور "تہذیب الاخلاق" کے پرانے فائل سے ہندوستانی مسلمانوں کے موجودہ مزاج اور ان کے موجودہ تعلیمی وسیاسی رجحانات کے سمجھنے میں بڑی مدد ملی، جس کی تکمیل "حیات شبلی" سے ہوئی۔ مولوی سید طفیل احمد صاحب کی "حکومت خود اختیاری" اور "مسلمانوں کا روشن مستقبل" سے ہندوستان کی برطانوی سیاست اور مسلمانوں کے سیاسی تنزل اور ذہنی تغیر کی توجیہ ہوئی۔ ہندوستان کی اسلامی، دینی وعلمی تاریخ کا سب سے بڑا خزانہ جس میں موجود تھا کبھی خیال نہیں آیا تھا، حیدرآباد سے اشاعت کی تحریک ہوئی تو والد مرحوم کی تصنیف اور سرمایہ حیات "نزہۃ الخواطر" کی آٹھ جلدیں ایک سے زائد بار پڑھیں۔ ان کتابوں سے ہندوستان کی آٹھ سو برس کی جیتی جاگتی تاریخ آنکھوں کے سامنے آگئی، علماء ومشائخ، اہل درس واہل تصنیف، اہل ذوق واہل کمال، سلاطین ووزراء، امراء ورؤسا کے ایسے حالات اور ہندوستان کی علمی تاریخ کے ایسے قیمتی نوادر ونکات مفت میں مل گئے، جن کے لئے سینکڑوں کتابیں الٹنے اور ہزاروں صفحات کھنگالنے سے بھی کام نہ چلتا۔ یہ ایک بہت بڑی ثقافت اور معلومات کا خزانہ تھا، جس کو ہندوستان کا کوئی طالب علم جو علم سے اپنا انتساب کرتا ہو، نظر انداز نہیں کرسکتا، اور جس کے بغیر آدمی اپنے ملک ہی میں اندھیرے میں رہے گا۔ علمی طور پر کسی کتاب کے مواد اور علمی ذخیرہ سے اتنا کام نہیں لیا، جتنا "نزہۃ الخواطر" کی ان ضخیم آٹھ جلدوں کے تاریخی معلومات سے جن کی تلاش کے لئے تاریخ وتصوف کی کتابوں کے ہزاروں صفحات دیکھنے کی نہ توفیق تھی نہ فرصت اور نہ یہ اندازہ کہ ان کو کہاں تلاش کرنا چاہئے، اور کس جگہ سے وہ دستیاب ہوسکتے ہیں۔ میری محرومی کہ میں اپنی کم ہمتی کی وجہ سے اپنے والد سے کوئی استفادہ نہ کرسکا، لیکن اللہ ان کو کروٹ کروٹ جنت نصیب کرے، وہ ایسا علمی سرمایہ چھوڑ گئے

ہیں کہ ساری عمر اس سے استفادہ کا موقع ہے۔

زندگی کے طویل تر دور میں دماغ پر علامہ اقبال مرحوم کا بڑا غلبہ رہا ہے، اور یہ کہا جا سکتا ہے کہ کسی معاصر شخصیت کے افکار کا اتنا گہرا اثر دماغ پر نہیں پڑا جتنا علامہ اقبال کے کلام کا، غالباً اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ ان خیالات اور تمناؤں کی ترجمانی کرتے ہیں جو روح وجسم میں پیوست ہو چکی ہیں۔ اقبال اور ان کے کلام پر اردو میں اتنی کتابیں شائع ہوئی ہیں جو شاید کسی معاصر شخصیت اور اس کے فکر پر شائع نہیں ہوئیں، لیکن ان میں سب سے زیادہ پر مغز اور روح پرور کتاب ڈاکٹر یوسف حسین خاں کی ''روح اقبال'' معلوم ہوئی۔

علامہ مرحوم سے ۱۳۵۶ھ ۔۱۹۳۷ء میں دوسری ملاقات کی، اور کئی گھنٹے ان کے التفات و ارشادات سے محظوظ رہا، جس کا خلاصہ پنجاب کے ایک رسالہ میں ''عارف ہندی کی خدمت میں چند گھنٹے'' کے عنوان سے شائع ہوا۔ بلاد عربیہ کے مسلمانوں کی بے التفاتی اور ناشناسی پر دل کھول کر رہتا اور ٹیگور کی قدر افزائی پر غصہ آتا۔ علامہ مرحوم کی وفات کے بعد مصر میں پڑھے جانے کے لئے ایک مفصل وطویل مضمون علامہ مرحوم کی زندگی وخصوصیات پر لکھا اور بعد میں عالم عربی میں ان کے تعارف کی سب سے زیادہ کامیاب کوشش کی توفیق ''روائع اقبال'' کے ذریعہ ہوئی، جس نے بلاد عربیہ کے نوجوانوں میں بڑی مقبولیت حاصل کی۔ ابتدائی استغراق وانہماک کے دور میں تنبیہ ہوئی کہ کسی انسان کے کلام سے اس قدر انہماک اور شیفتگی اچھی نہیں۔ اصل شغف اور انہماک کی چیز اللہ تعالیٰ کا ابدی پیغام اور کلام ہے جو قرآن مجید کی شکل میں محفوظ ہے، اور جس کو جو کچھ ملا ہے، اسی سے ملا ہے، لیکن اب بھی ان کے اشعار خون میں تموج اور جذبات میں حرارت پیدا کر دیتے ہیں، اور عالم اسلام کے تعلیم یافتہ نوجوانوں کے لئے اب بھی اس کو طاقت وخود اعتمادی کا ایک بہت بڑا سرچشمہ سمجھتا ہوں۔

مطالعہ کے سلسلہ میں مولانا عبدالباری صاحب ندوی کی ایک چھوٹی سی کتاب ''مذہب و عقلیات'' پر نظر پڑی جو ''بقامت کہتر بقیمت بہتر'' کی صحیح مصداق ہے۔ ذوق وذہن نے اس کو پورے طور پر اپنا لیا۔ اس رسالہ سے عقل ونقل کے حدود اور تجربہ وعلم انسانی کی نارسائی اور وقتی وناپائیداری اور انبیاء علیہم السلام کے علم کی قطعیت کا ایک ابتدائی تخیل حاصل ہوا جو مطالعہ میں بہت کام آیا۔ اس کے بعد قدیم وجدید فلسفہ، اور اس کی تاریخ پر جو کچھ ہاتھ آیا،

پڑھا، مگر اس ابتدائی تخیل میں ذرا تزلزل واقع نہیں ہوا، بلکہ جس قدر پڑھا "ان ھم الا یخرصون" اور "بل کذبوا بما لم یحیطوا بعلمہ ولما یاتھم تاویلہ" کی تفسیر و توضیح ہوتی رہی۔ حافظ ابن تیمیہ کی "تفسیر سورہ اخلاص" اور "کتاب النبوات" کے اشارات سے مزید مدد ملی، لیکن اس نقش کو پختہ حضرت مجدد الف ثانی کے مکتوبات نے کیا۔

میرے معلم و مربی، میرے برادر معظم ڈاکٹر سید عبدالعلی مرحوم، جن کی اصابت رائے، خداداد سلامت فکر، استقامت اور گہرا علم زندگی کی ہر منزل اور ہر موڑ پر میرا دستگیر رہا، برابر حضرت مجدد الف ثانی کے مکتوبات اور حضرت شاہ ولی اللہ کی "ازالۃ الخفاء" کے مطالعہ کی تاکید فرماتے رہے، لیکن نوعمری کی سطحیت اور کم سنی کی عجلت کی وجہ سے میں بھی دو چار صفحے سے زیادہ نہ پڑھ سکا۔ دفتر اول کا پہلا مکتوب جو حضرت نے اپنے مرشد خواجہ باقی باللہ کو لکھا ہے، اور جس میں اپنے بہت سے واردات اور راہ سلوک کے تجربات لکھے ہیں، ہمیشہ ہمت شکن ثابت ہوا، اور جس طرح بدشوق بچے ہمیشہ قرآن کی تلاوت میں پہلا پارہ پڑھ کر چڑھا دیا کرتے ہیں، میں بھی اس مکتوب کے چند صفحات پڑھ کر کتاب ہاتھ سے رکھ دیا کرتا تھا، لیکن ایک بار اس کا عزم کر لیا کہ "مکتوبات" کا لفظ بہ لفظ مطالعہ کروں گا، چاہے بڑا حصہ سمجھ میں نہ آئے، چنانچہ اس کی چاروں "کذا، تینوں" دفتر پڑھے، لفظ بہ لفظ، دل لگا کر اور لطف لے لے کر پڑھے۔ بے استعدادی، قوت مطالعہ کی کمی اور علوم عقلیہ و آلیہ کی بے بضاعتی قدم قدم پر عناں گیر رہی، لیکن ایک عامی کے حصہ میں جو کچھ آیا، اس پر اللہ کا ہزار ہزار شکر ہے کہ:

آنچہ ساقی ما ریخت عین الطاف است

ایک عرصہ کے بعد حضرت شیخ شرف الدین یحییٰ منیری کے مکتوبات کے مطالعہ کی سعادت حاصل ہوئی، حضرت مجدد اور حضرت مخدوم بہاری کے مکتوبات کے مطالعہ سے علم کا ایک نیا عالم آنکھوں کے سامنے آ گیا، وحی و نبوت کی قطعیت، مقام نبوت، منصب رسالت کی بلندی و برتری اور خصائص نبوت و انبیاء، اور نبوت و ولایت کے لوازم و مابہ الامتیاز چیزوں کے متعلق جو نکتے اور حقائق لکھتے ہیں، ان پر دقت فکر کے لحاظ سے یونان و عجم کا پورا فلسفہ سو بار قربان اور وجد آفرینی اور کیف آوری کے لحاظ سے شعراء کے دواوین اور ادب کی بیاضیں ہزار بار نثار۔ مکتوبات مجددی کے تذکرہ کے آخر میں سنت و بدعت کے بارے میں جو مجددانہ

کلمات و تحقیقات قلم سے نکلی ہیں، ان سے بڑا شرح صدر اور یقین کا اضافہ ہوا، نیز دورِ اکبری، جہانگیری میں دین کی نصرت و حمایت کے سلسلہ کے مکتوبات سے دینی حمیت، غیرت و بیداری اور افسردہ قلب و جسم میں دین کی حرارت پیدا کی۔ انسانی تصانیف اور تحریروں میں جن پر زمانہ گزر چکا ہے، کم چیزوں میں ایسی زندگی اور قلب کی حرارت دیکھی جتنی ان دونوں حضرات کے مکتوبات میں پائی جن میں صدیاں گزر چکیں مگر وہی زندگی اور تاثیر موجود ہے جو موقع لکھتے وقت ہوتی ہے۔

میرے محترم دوست اور دینی کاموں میں رفیق کار مولانا محمد منظور صاحب نعمانی نے ''الفرقان'' کا شاہ ولی اللہ نمبر نکالنے کا ارادہ کیا تو اس سے مناسبت سے کچھ فرمائش کی، اس میں حصہ لے۔ میں نے ''شاہ ولی اللہ بحیثیت مصنف'' کا عنوان اپنے لئے منتخب کیا، اس کے لئے ضروری تھا کہ شاہ صاحب کی تصنیفات پر ایک نظر ڈالی جائے، کچھ پہلے دیکھی تھیں، کچھ نہیں دیکھی تھیں۔ اس سلسلہ میں ''ازالۃ الخفاء'' کی بالاستیعاب پڑھنے کی نوبت آئی۔ یہ اپنی نکتہ آفرینی کا دوسرا نمونہ تھا۔ انسانی تصنیفات میں کم کتابوں سے اتنا متاثر ہوا ہوں گا، جتنا مکتوبات اور ''ازالۃ الخفاء'' سے، علم کا چشمہ ابلتا نظر آتا ہے، آدمی ایک نکتہ کا لطف نہیں لینے پاتا کہ دوسرا نکتہ سامنے آجاتا ہے، اور دوسرے سے فارغ نہیں ہونے پاتا کہ تیسرا نکتہ سامنے آجاتا ہے۔ آیات کی تفسیر و تطبیق میں اور خلافت کے خصائص نیز دینی انحطاط و تغیر کی تدریجی تاریخ کی تدوین میں جو پختگی ہے وہ علمی پختگی کے ساتھ کیا لطف و لطافت میں ادب و شاعری سے کم ہے؟''

''حجۃ اللہ البالغہ'' میں نے مولانا عبید اللہ صاحب سندھی کے تلمیذ رشید اور پنجاب کے مشہور عالم و مصلح حضرت مولانا احمد علی لاہوری سے پڑھی تھی اور دماغ پر اس کی عقلیت، محکم استدلال اور شاہ صاحب کی باریک بینی کا اثر اسی سے قائم ہوا۔ ''حجۃ البالغہ'' سے علمی و اصولی مباحث اور متکلمانہ و فلسفہ آمیز دینی کتابوں کے سمجھنے کی استعداد پیدا ہوئی، اور اس حیثیت سے اس نے بڑا احسان کیا۔ یہ کہا جا سکتا ہے کہ پچھلی صدیوں کی کسی شخصیت سے ذہن اتنا متاثر اور اس کی تحقیقات سے اتنا متفق نہیں، جتنا شاہ ولی اللہ صاحب اور ان کی کتابوں سے۔ اگر اپنے فکر و مسلک کے لئے کسی مکتب خیال کا تعین ضروری ہے، تو میں انہیں کا نام لے سکتا ہوں، اور

درحقیقت ہمارا تعلیمی و فکری نسب وشجرہ انہیں پر ختم ہوتا ہے۔

شاہ صاحب کے نامور پوتے شاہ محمد اسمٰعیل صاحب شہید کی عقیدت خاندانی وراثت ہے، لیکن ان کی شہرہ آفاق اور مسلّم ذکاوت اور وفور علم کا اندازہ صرف "منصب امامت" سے ہوا، جو اس موضوع پر میرے محدود علم میں اپنی طرز کی منفرد تصنیف ہے۔

شاہ ولی اللہ صاحب کی مختصر تصنیف "الفوز الکبیر فی اصول التفسیر" (جس کو میں شاہ صاحب کی قلمی بیاض کہتا ہوں) کے بعض علمی اشاروں اور مختصر نکتوں نے قرآن مجید کے مطالعہ وتفسیر میں بڑی رہنمائی کی، اور شاہ صاحب کے بعض مختصر جملوں، اور تھوڑے لفظوں نے پورے پورے مضامین کے راستے، اور مطالعہ قرآن میں ذہن کی بہت سی گرہیں کھل گئیں۔

حضرت سید احمد شہید کے ملفوظات کے مجموعہ "صراط مستقیم" (مرتبہ مولانا اسمٰعیل شہید، مولانا عبدالحی) کو بہت دیر میں دیکھا، مگر تصوف کے اچھے ذخیرے اور ائمہ تصوف کے ملفوظات، خصوصاً حضرات چشت کے پورے سلسلہ ملفوظات کے مطالعہ کے بعد دیکھا اور معلوم ہوا کہ تصوف کے لٹریچر میں یہ بالکل ایک انقلابی کتاب ہے، سلوک راہ نبوت اور تقرب بالفرائض کے موضوع کے علاوہ جس کے سید صاحب امام تھے، اور جو اس عصر کے لئے تزکیہ نفس اور قرب الی اللہ کی سب سے آسان، بے خطر اور وسیع شاہراہ ہے، طریقت وحقیقت اور سلوک وتربیت کے متعلق جو نکتے اور حقائق لکھے ہیں، وہ خداداد ذکاوت، علوم نبوت سے فطری مناسبت، اعلیٰ روحانیت اور دقت نظر کی دلیل ہیں، اہل ظاہر اور اہل معرفت کے مختلف فیہ مسائل میں جو محاکمہ کیا ہے، اور جو فیصلہ کن باتیں کہی ہیں، وہ ان کی اعلیٰ سلامت طبع، دماغی توازن واعتدال اور میانہ روی کی شاہد ہیں۔ کاش! اس کتاب کی شایان شان خدمت ہوتی اور نئے طرز پر مرتب کر کے پیش کی جاتی۔

ان کتابوں کا ایک فیض یہ تھا کہ علوم نبوت سے وحشت اور اجنبیت جو وضعی اور صناعی علوم، اور تصنیفات سے پیدا ہو جاتی ہیں، دور ہوئی۔ اس کی بری بھلی تمیز پیدا ہوئی کہ علمی اصطلاحات اور زمانہ کی زبان کے بغیر بھی علوم وحقائق ادا کئے جا سکتے ہیں، اور کتابوں کے راستہ کے علاوہ کچھ اور بھی راستے ہیں، جن سے وہ علوم آتے ہیں جو کتابوں کے صفحات میں مقید نہیں کئے جا سکتے۔ ایسا بھی ممکن ہے کہ مغز ہو اور چھلکے نہ ہوں، معانی ہوں اور زیادہ الفاظ نہ ہوں، متن

ہو اور حواشی نہ ہوں۔

اس عصر کے عارف مولانا محمد الیاس صاحب کاندھلوی (م ۱۳۶۳ھ ۱۹۴۴ء) سے ملاقات ان کی باتیں اور ان کے معارف سمجھنے میں سہولت ہوئی۔ حسن الفاظ اور حسن ادا کا خیال زمانہ کی زبان اور علمی اصطلاحات کی تلاش مقصود کے سمجھنے میں حجاب نہ بن سکی۔ میں نے ایک موقع پر عرض کیا کہ اگر میں نے حضرت سید احمد شہید کے حالات نہ لکھے ہوتے، اور حضرت مجدد الف ثانی کے مکتوبات نہ پڑھے ہوتے تو مجھے آپ کی باتوں سے بڑی وحشت ہوتی، مولانا نے اس کو پسند فرمایا، اور دوسروں سے نقل کیا۔

میرے قرآن مجید کے مطالعہ میں مولانا احمد علی صاحب کی مجلس درس کا فیض اور برکت شامل ہے۔ درسی ومتداول اور غیر متداول ضخیم تفسیریں بعض لفظ بہ لفظ دیکھیں، لیکن اصل فائدہ متن قرآن کے سادہ اور بار بار پڑھنے سے ہوا۔ اس سلسلہ میں اس کا اظہار ضروری ہے کہ قرآن مجید سے اپنا حصہ لینے میں ضروری علمی ولسانی واقفیت کے بعد دو چیزیں سب سے زیادہ مفید ثابت ہوتی ہیں، ایک علوم نبوت ومزاج نبوت سے مناسبت رکھنے والے اشخاص کی صحبت جن کی معاشرت وزندگی کان خلقه القرآن کا پرتو ہو، اور جنھوں نے انا القرآن الناطق (حضرت علی کا مقولہ) کہنے والے کی قلبی وذوقی وراثت میں حصہ پایا ہو۔ ان حضرات کے علوم کی تازگی، شگفتگی، بے آمیزی اور نکھار اور علم کی وسعت وگہرائی سے قرآن مجید کے الفاظ کی وسعت وعمق کا ایک قیاسی اندازہ ہوتا ہے۔ کئی الفاظ جو ”لسان العرب“ اور ”مفردات غریب القرآن“ سے اور کئی آیات جو زمخشری کی ادبی تفسیر ”کشاف“، امام رازی کی عقلی تفسیر ”فتوح الغیب“ اور ابن کثیر کی نقلی تفسیر سے حل نہیں ہوتیں، وہاں باتوں باتوں میں حل ہو جاتی ہیں۔ الفاظ ومعانی میں نئی وسعت اور قوت نظر آتی ہے جو پہلے نظر سے اوجھل تھی۔

دوسری چیز یہ ہے کہ انبیا علیہم السلام جن راستوں پر چلے، ان پر چلنے سے قرآن مجید کھلتا ہے۔ انبیا علیہم السلام کی جو کیفیات بیان کی گئی ہیں، ان کا احساس ہوتا ہے۔ قوموں نے اپنے پیغمبروں کو جو جواب دیئے ہیں، کان وہی آوازیں سنتے ہیں، اور آنکھیں وہی منظر دیکھتی ہیں۔ جو اشکالات اور شبہات علم کلام کی کتابوں نے، اور کتابی مطالعہ نے فرضی طریقہ پر پیدا کر دیئے ہیں، وہ وہاں بے حقیقت ہو جاتے ہیں۔ قرآن مجید کے سمجھنے کے یہ دو طبعی طریقے ہیں۔

سنا ہے کہ جب قرآن مجید میں آدمی کا جی لگنے لگتا ہے، تو انسانی تصنیفات سے جی گھبرانے لگتا ہے۔ انسانی کتابیں، انسانی تحریریں، انسانی تقریریں پست اور بے مغز معلوم ہونے لگتی ہیں، ادباء اور حکماء اور مفکرین کی باتیں طفلانہ اور عامیانہ نظر آتی ہیں جن میں کوئی گہرائی اور پختگی نہیں معلوم ہوتی۔ سفید کاغذ پر چھپے ہوئے سیاہ نقش و نگار کاغذی پھول معلوم ہوتے ہیں جن کا رنگ ہے خوشبو نہیں۔ انسان کا علم اتھلا اور خالی معلوم ہونے لگتا ہے، اور اس کا دیر تک پڑھنا ذوق اور روح پر بار ہوتا ہے۔ ہر وہ چیز جو علوم نبوت کے سرچشمہ سے نہ آئی ہو، مشتبہ اور الفاظ کا طلسم معلوم ہوتی ہے۔ تسکین صرف وحی و نبوت کے راستے سے آئے ہوئے علم سے ہوتی ہے۔ جس کو رسول اللہ ﷺ نے دنیا تک پہنچایا اور جو عربی زبان میں قرآن مجید میں، اور عربی زبان میں حدیث میں محفوظ ہے۔

دادیم ترا از منزل مقصود نشان
گر ما نہ رسیدیم شاید تو رسی

* * *

(مولانا علی میاں ۱۶ اکتوبر ۱۹۷۷ء کو خدا بخش اورینٹل پبلک لائبریری پٹنہ تشریف لے گئے جہاں انہوں نے ''خدا بخش سالانہ خطبہ'' پیش کیا۔ ''علم دانش کے رابطہ کی ضرورت و افادیت'' کے موضوع پر خطبے کے آخر میں انہوں نے اپنے مطالعے کا ذکر کیا۔ یہی آخری حصہ پیش خدمت ہے۔ مولانا علی میاں نے اس میں اپنی علمی و مطالعاتی زندگی کی بعض محسن کتابوں کا تذکرہ دہرانے کے ساتھ مزید اضافے کئے ہیں۔ مرتب)

میں بجائے اس کے کہ ان کتابوں کا ذکر کروں جس سے معلومات حاصل ہوئی ہیں اور جن کا ممنون احسان ہوں اور جس کی وجہ سے محدود صلاحیت ہی سہی، لیکن اس درجہ کی صلاحیت پیدا ہوئی کہ لکھ پڑھ سکتا ہوں، عربی میں بھی اور اردو میں بھی، ان کے بجائے ان کتابوں کا ذکر کرنا چاہتا ہوں جنہوں نے گہرا اثر ڈالا اور ایک انقلاب انگیزی کا کام کیا، لوگوں نے ایسی کتابیں تو لکھی ہیں، جن میں کتابوں کی فہرست آگئی ہے کہ کیا کیا پڑھا، لیکن ضرورت تھی کہ ان کتابوں کے نام لئے جاتے، اور اچھے پڑھنے لکھنے والے دانشوران کتابوں کا ذکر کرتے جن کتابوں کے مطالعہ سے ان میں انقلاب پیدا ہوا۔

میں ان چند کتابوں کا ذکر کرتا ہوں جنہوں نے میرے محدود رقبۂ علم میں، رقبۂ عمل میں اور رقبۂ حیات میں میرے دائرہ فکر وانقلاب برپا کیا۔ شاید کم لوگوں کو مجھ جیسا شوق پیدا ہوا ہے پڑھنے، ان کے دیکھنے کا، ورنہ کتابیں اپنی تعداد کے لحاظ سے، صفحات کے لحاظ سے، اپنی ضخامت کے لحاظ سے ناقابل شمار ہیں۔

سب سے پہلے ''مسدس حالی'' کا اثر پڑا۔ ''مسدس حالی'' میں حضور ﷺ کے بارے میں جو لکھا گیا

وہ نبیوں میں رحمت لقب پانے والا
مرادیں غریبوں کی بر لانے والا
مصیبت میں غیروں کے کام آنے والا
وہ اپنے پرائے کا غم کھانے والا
فقیروں کا ملجا، ضعیفوں کا ماویٰ
یتیموں کا والی، غلاموں کا مولیٰ

اس کے بعد صحابہ کرامؓ کی تعریف بھی انہوں نے بڑے دلکش و دل نشیں انداز میں کی ہے۔ میرا خاندان ایک علمی خاندان تھا، میرے والد محترم مولانا حکیم عبدالحئی صاحب ہندوستان کے چیدہ ترین اور عظیم ترین مصنفین میں تھے جنہوں نے ایک کتاب آٹھ جلدوں میں ''نزہۃ الخواطر'' کے نام سے لکھی۔ جس میں ساڑھے چار ہزار شخصیتوں کا حال ہے، اور یہ بتادوں کہ جتنی کتابیں لکھی گئیں، وہ ایک ایک صدی پر لکھی گئیں، ان کے نام بھی میں لیا کرتا ہوں۔

بڑے بڑے فضلائے عرب اور بڑے بڑے مورخین اور سوانح نگاروں نے ایک ایک صدی کا انتخاب کیا، لیکن ایک ایسی کتاب جو پہلی صدی سے لے کر آخری صدی تک کے لوگوں کا حال بیان کردے، وہ خود بلاد عربیہ میں نہیں لکھی گئی، چنانچہ خود ڈاکٹر ذاکر حسین خاں صاحب مرحوم نے جو صدر جمہوریہ تھے، فرمایا کہ جب میں مصر کے دورہ پر گیا تو صرف آپ کے والد صاحب کی کتاب ''نزہۃ الخواطر'' لے گیا اور میں نے ڈیسک پر رکھ دی، جب کوئی مصری اسکالر آتا یا کوئی اخبار کا بڑا نمائندہ یا کسی جامعہ کا پروفیسر، وہ کہتا کہ کیا ہندوستان میں علم ہے؟ ہندوستان میں لوگ عربی جانتے ہیں؟ ہندوستان میں کوئی بڑا کام ہوا؟ کوئی بڑی خدمت

ہوئی؟ میں کہتا یہ کتاب دیکھ لیجئے۔ مصر بھی ایسی کتاب نہیں پیش کر سکتا، اور میں بتاتا ہوں عالم عربی کے ایک سیاح کی حیثیت سے بھی اور وہاں کی جامعات میں جانے والے اور وہاں خطاب کرنے والے کی حیثیت سے بھی کہ ایک کتاب بھی عالم عربی میں ایسی نہیں ملتی جو پہلی صدی سے چودہویں صدی پر محیط ہو، یا تو ایک صدی پر کتابیں ہیں یا پھر ایک ایک فن پر ہیں، مثلاً کوئی کتاب صرف ونحو پر ہے، کوئی شاعر پر ہے، کوئی طب پر ہے، لیکن انہوں نے ہندوستان کی تاریخ لکھی، پہلی صدی جب سے یہاں عرب آئے اور اسلام آیا، اس وقت سے لے کر اپنی وفات تک کے کارناموں کا اس میں ذکر ہے۔

دوسری کتاب لکھی جو ان کا بڑا کارنامہ ہے اور ہندوستان کے لئے ایک شاہکار چیز ہے، وہ ہے ہندوستان کے علماء کی تصنیفات کی ڈائریکٹری۔ پہلی صدی سے لے کر اس وقت تک کسی فن میں بھی کسی عالم نے کوئی کتاب لکھی ہے تو اس میں اس کا ذکر ہے۔ پوری ڈائریکٹری ہندوستان کی تیرہ سو برس چودہ سو برس کی جس میں سینکڑوں کتابوں کے نام ہیں، اس فن میں یہ کتاب ہے، اس کی یہ خصوصیت ہے۔ عالم عربی کی سب سے بڑی اکیڈمی، دمشق کی ''المجمع العلمی العربی'' جس کا نام تھا، اب ''مجمع اللغۃ العربیۃ'' ہوگیا ہے، اس نے اس کو شائع کیا، دو ایڈیشن وہاں سے شائع ہوئے ہیں، ہندوستان میں اس کا ترجمہ ہوا اور ''اسلامی علوم وفنون ہندوستان میں'' کے نام سے دارالمصنفین کی طرف سے شائع ہوا جو سب سے مقتدر ادارہ ہے۔ عام طور پر ہوا یہی ہے کہ لوگوں نے پورا احاطہ نہیں کیا، اب اس کی ضرورت ہے کہ ایسی کتابیں لکھی جائیں جن میں ان کتابوں کا تذکرہ ہو جو منفرد ہیں، ان کی مثال عالم اسلام اور عالم عربی میں نہیں ملتی اور ایسی بہت سی چیزیں ہیں، پھر اس کے بعد ضرورت ہے کہ جن چیزوں سے متاثر ہوئے اور انقلاب ہوا، ان کا بھی ذکر ہونا چاہئے۔

تو سب سے پہلے جو مجھے یاد ہے میری زندگی پر اثر ''مسدس حالی'' کا پڑا، انہوں نے صحابہ کرام کا جہاں تذکرہ کیا ہے، پھر اسلام کی خدمت اور اس کی انقلاب انگیزی کا جہاں ذکر کیا ہے، اس کا بڑا حصہ زبانی یاد تھا، اس زمانہ میں مسلمانوں کے اکثر گھروں میں ''مسدس حالی'' پڑھی جاتی تھی، اس کے بہت سے شعر خواتین، بچیوں اور لڑکیوں کی زبان پر بھی تھے۔

اس کے بعد پھر جس کتاب کا اثر پڑا، وہ ہمارے خاندان کے ایک بزرگ سید عبدالرزاق

صاحب کلامی کی کتاب ''صمصام الاسلام'' ہے۔ حضرت سید احمد شہیدؒ کم سے کم پٹنہ اور اس کے اطراف میں ضرور معروف ہیں اور محترم شخصیت ہیں، صادق پوران کا پیرو تھا اور اس نے ہندوستان کی آزادی میں انگریزوں کے مقابلہ میں وہ کردار ادا کیا جو (میں ایک تاریخ داں کی حیثیت سے بھی اور ایک محب وطن کی حیثیت سے بھی کہتا ہوں) ہندوستان میں شاید کسی علاقہ نے اتنا بڑا حق ادا نہیں کیا۔ سید عبدالرزاق صاحب کلامی سید احمد شہید کے نواسے ہوتے تھے اور میرے والد صاحب کے حقیقی پھوپھا تھے، انہوں نے ''صمصام الاسلام'' کے نام سے پچیس ہزار اشعار میں واقدی کی فتوح الشام کو منتقل کیا، وہ شاعرانہ حیثیت سے بھی بڑے بلند کلام ہیں۔ اس کتاب میں پچیس ہزار اشعار ہیں، خاندان میں یہ رواج تھا کہ جب کوئی حادثہ پیش آتا، کوئی غمی ہو جاتی تھی تو اس کے اثر کم کرنے کے لئے مستورات جمع ہوتی تھیں اور ''صمصام الاسلام'' پڑھی جاتی تھی۔ مجھے یاد ہے میں اس میں شریک ہوتا تھا، اپنی کم سنی کے باوجود، کیونکہ میری خالہ صاحبہ یا میری ہمشیرہ وغیرہ پڑھتی تھیں تو حالت یہ ہوتی تھی کہ آنسوؤں کی جھڑیاں لگ جاتی تھیں اور چہروں کا رنگ بدل جاتا تھا، اور بالکل معلوم ہوتا تھا کہ اپنا غم بھول گیا ہے اور کسی کی شہادت کا ذکر آتا (خاص طور سے خواتین کی شہادت اور قربانیوں کا ذکر آتا) تو اپنا غم بھول جاتی تھیں، یہ بہت اچھا رواج تھا، اس وقت اس حادثہ کا اثر کم ہو جاتا تھا اور کسی کا کوئی وعظ یا تلقین یا کوئی کتاب اتنی موثر نہیں ہوتی تھی جتنی کہ ''صمصام الاسلام'' ہوتی تھی۔

پھر ''صمصام الاسلام'' کے بعد مجھے جس چیز نے متاثر کیا، وہ اکبر الہ آبادی مرحوم کا کلام ہے۔ ملک میں مغربی تہذیب کا دور آیا اور میں چونکہ لکھنؤ شہر کا رہنے والا ہوں جو تحریک خلافت اور تحریک آزادی کا بڑا مرکز ہے، لیکن اس وقت انگریزی تہذیب کا اور انگریزی دانش کا، مغربی ثقافت کا اتنا اثر تھا کہ کوئی شخص اس سے بچا نہیں تھا، اس کے لئے اتنی بات کافی ہے کہ اس وقت ایک لفظ چلا ہوا تھا ''ولایت''، اس سے آپ سمجھ جائیے کہ یہ کس ذہن کی غمازی کرتا ہے، جب کسی چیز کی بڑائی بیان کرنا چاہتے تھے تو کہتے تھے، یہ ولایت سے آئی ہے، میں ولایت سے آیا ہوں، اس وقت دو چیزیں میرے بڑے کام آئیں، ایک اکبر الہ ابادی کا کلام، اس نے اس طلسم کو توڑا اور اس کی اصل کمزوریوں کو دکھایا اور وہ کام کیا جو بڑے بڑے دانش کدوں نے بڑی بڑی علمی، دقیق اور عمیق اور بلند مرتبہ کتابوں نے کیا ہوگا۔ ان کا کلام جب پھیلا تو ان سے

مغربی تہذیب کا تسلط، اس کی **sovereignty** کم ہوئی، ان کے چند شعر پڑھتا ہوں، جن سے آپ سمجھ جائیں گے کہ کتنی بڑی حقیقت بیان کی ہے، وہ کہتے ہیں:

لکھے گا کلکِ حسرت دنیا کی ہسٹری میں
اندھیر ہو رہا تھا بجلی کی روشنی میں

☆☆☆

علوم مغربی کے بحر میں غوطہ لگانے سے
زباں گو صاف ہو جاتی ہے دل طاہر نہ ہوتا

☆☆☆

بے پردہ کل جو آئیں نظر چند بیبیاں
اکبر زمیں میں غیرت قومی سے گڑ گیا
پوچھا جو ان سے آپ کا پردہ وہ کیا ہوا
کہنے لگیں کہ عقل پہ مردوں کی پڑ گیا

اکبر الہ آبادی کا بہت اثر ہوا، ایک اعتراف بالحق کے طور پر یہ بھی کہہ دوں کہ مولانا عبدالماجد صاحب دریابادی کا رسالہ ''سچ'' (جو بعد میں ''صدق'' کے نام سے نکلنے لگا) اکبر الہ آبادی کا بھی بڑا ترجمان تھا، میں جب تک رائے (بریلی) میں رہتا تھا، وہاں بھی ''سچ'' کا پرچہ آتا تھا، پھر وہ ''صدق'' کے نام سے نکلنے لگا اور میرا مولانا سے ذاتی تعلق اور رابطہ قائم ہوا۔ اس وقت لاہور سے ''زمیندار'' آتا تھا جس میں مولانا ظفر علی خاں کی نظمیں شائع ہوتی تھیں، وہ نظمیں ایسی زلزلہ انگیز ہوتی تھیں اور جذبات پر ایسی اثر انداز (زبان کے لحاظ سے بھی اور زور بیان کے لحاظ سے بھی) کہ اس کی مثال ملنی مشکل ہے۔

اس کے بعد اقبال کے کلام نے دل و دماغ کو متاثر کیا، یہ عرض کر دوں کہ اقبال کے کلام میں ''بانگ درا'' نے اتنا مجھ پر اثر نہیں ڈالا، اس وقت تو یہ چیز رائج تھی، اور آپ کو معلوم ہے اقبال کا کلام وقت کے فاصلہ سے شائع ہوتا رہتا تھا، مثلاً ابھی ''بانگ درا'' آئی ہے، پھر ''ضرب کلیم'' آئی ہے، ''بال جبریل'' آئی ہے اور دوسری کتابیں، لیکن مجھ پر سب سے زیادہ اثر ''بال جبریل'' کا پڑا ہے، ان کے اشعار پڑھتا تھا اور لطف لیتا تھا، پھر خدا نے ایسی توفیق دی کہ میں

نے ان کا عالم عربی سے تعارف کرایا، میں جب مصر گیا ۱۹۵۱ء میں تو میں نے دیکھا کہ مصر میں بہت زیادہ غیر ممتاز شخصیتوں پر لکھا گیا ہے اور لوگ ان سے واقف ہیں، میں وہاں کے چوٹی کے لکھنے والوں سے ملا، جن میں ڈاکٹر احمد امین، عباس محمود العقاد، احمد حسن الزیات اور سید قطب وغیرہ تھے، لیکن میں نے دیکھا کہ سارا مصر اقبال سے ناآشنا ہے اور عالم عربی بھی ناآشنا ہے، تو میں نے وہاں سے آنے کے بعد اس کا بیڑا اٹھایا، ہمت کی کہ میں اقبال کو عربی میں پیش کروں، چنانچہ پہلے میں نے مضامین کی شکل میں یہ کام کیا، پھر پوری کتاب ''روائع اقبال'' کے نام سے لکھی اور مصر ہی نہیں، عالم عربی میں پہلی مرتبہ ان کا تعارف ہوا اور مجھے حیرت ہوئی کہ بعض عرب ادیبوں، دانشوروں کو اس کے صفحے کے صفحے یاد ہیں، مجھے خوب یاد ہے کہ امیر حسن نے جو اردن کے ولی ہیں، وہاں ''موسسہ اہل البیت'' کے نام سے ایک اکیڈمی ہے، میں اس کا ممبر ہوں، انہوں نے ایک ڈنر کا انتظام کیا، اپنی طرف سے اعزاز کا، اس وقت میں تھا اور میرے بھانجے مولوی سید محمد واضح حسنی ندوی اور مفتی خلیلی صاحب تھے جو مسقط کے بہت بڑے عالم، بڑے مفتی ہیں تو مجھے حیرت ہوئی کہ انہوں نے ''روائع اقبال'' کے صفحے کے صفحے زبانی سنانا شروع کر دیئے اور پھر اس کے بعد وہاں بہت سے لوگوں کو اس سے بڑی دلچسپی ہوئی اور اس کتاب کا بڑا اثر پڑا اور اقبال سے لوگوں کا تعارف ہوا اور انہیں حیرت ہوئی کہ ایسے شاعر سے ہم ناواقف تھے جو اسلام کا صحیح ترجمان ہے اور اس نے طاقت کا پیغام، خود اعتمادی کا پیغام اور انقلاب انگیزی کا پیغام جو اب تک کسی شاعر نے نہیں دیا تھا، دنیائے اسلام کو دیا۔

پھر اس کے بعد سب سے زیادہ جس کا اثر مجھ پر پڑا، وہ سید احمد شہید کی تحریک کا تھا، وہ ہمارے گھر کی چیز تھی، خاندان کی چیز تھی، لیکن اس کا تذکرہ بہت کم ہو گیا تھا، کہیں کہیں مجلسوں میں اس کا تذکرہ ہوتا تھا، لیکن اسی زمانہ میں مولوی محی الدین صاحب قصوری نے جو مولانا آزاد کے خاص لوگوں میں تھے، امرتسر کے ایک پرچہ ''توحید'' میں جو مولانا داؤد صاحب غزنوی کی ادارت میں نکلتا تھا ''عصر حاضر کا عظیم مجاہد سید احمد شہید'' کے نام سے مقالہ لکھا، میرے بڑے بھائی ڈاکٹر سید عبد العلی صاحب نے کہا کہ تم اس کا ترجمہ عربی میں کرو، اس وقت میری عمر ۱۶۔۱۷ سال تھی، میں نے اس کا ترجمہ عربی میں کیا، اسی زمانہ میں عالم عربی کے بہت بڑے محقق، ادیب اور نقاد استاد علامہ تقی الدین الہلالی مراکشی، جن کا حال یہ تھا کہ جب دو بڑے

ادیبوں میں جو بڑے کہنہ مشق نامور لکھنے والوں میں تھے، کسی لفظ کے بارے میں اختلاف ہوتا تھا کہ لفظ صحیح ہے یا نہیں تو ان کی طرف رجوع کرتے تھے، چنانچہ امیر البیان امیر شکیب الارسلان جو ''حاضر العالم اسلامی'' کی چار جلدوں کے مصنف ہیں اور علامہ سید رشید رضا میں جو شیخ محمد عبدہ کے شاگرد ہیں اور وہ جمال الدین افغانی کے شاگرد و ترجمان تھے، جب ان کا آپس میں اختلاف ہوتا تھا تو ان کی طرف رجوع کرتے تھے، اور وہ جو فیصلہ کرتے تھے مان لیا جاتا تھا، اس کے شواہد موجود ہیں۔ امیر شکیب ارسلان کی خود نوشت کتاب ''السید رشید رضا اواخاء اربعین سنۃ'' میں لکھا ہے، کہیں لفظ میں ہمارا اختلاف ہوا، ہم نے شیخ تقی الدین کی طرف رجوع کیا، انہوں نے یہ فیصلہ کیا، وہ لکھنؤ آئے تھے اور ندوۃ العلماء میں اس کو تعلیم کا عہدہ دیا جانے والا تھا۔ انہوں نے جو یہ مضمون دیکھا تو کہا کہ اگر تم کہو تو اسے علامہ سید رشید رضا کے پاس مصر بھیج دوں، اب خیال کیجئے، ۱۶۔۱۷ سال کا نوجوان، اس کا مضمون علامہ سید رشید رضا جو شیخ محمد عبدہ کے شاگرد رشید ہیں، وہ ''المنار'' نکالتے تھے، انہوں نے اس مضمون کو رسالہ میں شائع کیا اور اس کے بعد انہوں نے لکھا کہ اگر مضمون نگار چاہیں تو ہم اس کو الگ رسالہ کی شکل میں بھی شائع کر سکتے ہیں، تو خدا کا شکر ادا کرنے کے سلسلہ میں کہتا ہوں کہ شاید ہندوستان میں بلاد عجمیہ میں کم ایسا ہوا ہو کہ ۱۶۔۱۷ سال کے نوجوانوں کی کتاب مصر میں شائع ہوئی ہو اور مستند سمجھی گئی ہو، چنانچہ ''ترجمۃ الامام السید احمد بن عرفان الشہید'' کے نام سے وہ رسالہ وہاں شائع ہوا اور پھر ہندوستان میں بھی پھیلا۔

مجھ پر سب سے زیادہ جس کا اثر پڑا وہ حضرت سید احمد شہید کے واقعات تھے، میں بلا کسی مبالغہ کے اور بغیر کسی خودستائی کے کہتا ہوں کہ کچھ خاندانی تعلق بھی ہے کہ جب ان کے حالات پڑھتا تھا، دار العلوم ندوۃ العلماء کے ایک گوشہ میں (جس زمانہ میں وہاں بجلی بھی نہیں آئی تھی چراغ جلا کر، لالٹین جلا کر میں کتاب پڑھتا تھا) ''وقائع احمدی''، جو ان کے حالات میں لکھی گئی ہے یا دوسری کتاب ''منظورۃ السعداء'' جو فارسی میں ہے مولانا سید جعفر علی صاحب بستوی کی، وہ جب پڑھتا تھا تو ایک دم سے مجھے معلوم ہوتا تھا کہ رحمت کی کوئی گھٹا آ گئی ہے اور دعا کرنے کا وقت ہے اور آنسو جاری ہو جاتے اور دعا کرتا، ویسا اثر میں نے سیرت نبوی ﷺ کے بعد کسی چیز میں نہیں دیکھا، مجھ پر سب سے زیادہ اثر پڑا ہے سید احمد شہید کا اور پھر اس کے بعد اس کے نتیجہ

میں، میں نے ''سیرت سید احمد شہید'' لکھی، پہلے ایک جلد تھی، اس پر علامہ سید سلیمان ندوی نے مقدمہ لکھا، بڑا طاقتور مقدمہ ہے، پھر دو جلدوں میں، میں نے کتاب لکھی اور اس وقت تک بحمد اللہ ۶، ۷ ایڈیشن نکل چکے ہوں گے اور پاکستان، ہندوستان میں بہت پھیلی، پھر اس کے بعد چودھری غلام رسول صاحب مہر (جو ایک بہت بڑے صحافی اور جرنلسٹ تھے) کہتے تھے کہ میں تیرہ چودہ سال سے یہی کام کر رہا ہوں اور کوئی دن ایسا نہیں گزرا کہ میں نے دو رکعت نماز پڑھ کر دعا نہ کی ہو، انہوں نے کتاب لکھی ''سیرت سید احمد شہید'' چار جلدوں میں، ان کی کتاب کافی مقبول ہوئی۔ اس کتاب نے ہزاروں انسانوں پر اثر ڈالا، ان کے عقائد میں بھی اصلاح ہوئی، ان کے جذبات میں بھی ایمانی طاقت پیدا ہوئی جو بہت کم چیزوں سے پیدا ہوتی ہے۔

ابھی تک بہت کم لوگوں نے اس پر کوئی کتاب لکھی ہے کہ کس کتاب نے ان کی زندگی میں انقلاب برپا کر دیا، اگر کسی کتاب کا ذکر آتا ہے تو وہ ''مثنوی مولانا رومؒ'' ہے۔ خود اقبال مرحوم اس سے بڑے متاثر ہیں، وہ کہتے ہیں:

پیر رومی مرشد روشن ضمیر
کاروانِ عشق و مستی را امیر

اور اردو میں کہتے ہیں:

صحبت پیر روم سے مجھ پہ ہوا یہ راز فاش
لاکھ حکیم سر بجیب، ایک کلیم سر بکف

مولانا روم کے کلام کا بہت سے آدمیوں کے ذہنوں پر بڑا اثر پڑا ہے، مگر ان لوگوں نے تحریری شکل میں کوئی شہادت نہیں دی، لیکن اگر پوچھا جائے تو آپ کو معلوم ہوگا کہ پورے اس برصغیر میں اور پھر ایران میں سینکڑوں، ہزاروں کی تعداد میں لوگ اس سے متاثر ہوئے ہیں، یہ تو عربی، فارسی، اردو کا ذکر کیا گیا۔

میں نے جب مغربی تہذیب کی تنقید کے مطالعہ کا ارادہ کیا، میرے بڑے بھائی صاحب نے جو بڑے مبصر تھے، مجھے انگریزی بھی پڑھوائی تھی، جہاں تک تاریخ، اخلاقیات اور دین کا تعلق ہے، اس میں، میں نے مسلمانوں کے انحطاط، مسلمانوں کے مسند قیادت سے دست کش ہو جانے یا پیچھے ہو جانے سے دنیا کو کیا نقصان پہنچا، اس کا بھی میں نے بالکل ایک

تاریخی، غیر جانبدارانہ، ایک مبصرانہ اور ناقدانہ تبصرہ کیا جو عربی زبان میں ''ماذا خسر العالم بانحطاط المسلمین'' کے نام سے چھپا، جس کا اردو ترجمہ ''انسانی دنیا پر مسلمانوں کے عروج وزوال کا اثر'' کے نام سے شائع ہوا۔ عالم عربی میں میری جو کتاب سب سے زیادہ پڑھی گئی اور مقبول ہوئی، وہ یہی کتاب ''ماذا خسر العالم بانحطاط المسلمین'' تھی، اس کے تقریبا پچیس ایڈیشن نکل چکے ہیں، قاہرہ اور دمشق اور کویت میں اور مختلف جگہوں پر اور اردو میں جس کے ترجمے بار بار شائع ہوئے ہیں، بعض ادیبوں نے اس کا ذکر کیا کہ جب مجھے کوئی زوردار چیز لکھنی پڑتی ہے اور خیال ہوتا ہے کہ تحریر میں جوش ہوتو پہلے ''ماذا خسر العالم بانحطاط المسلمین'' کے چند صفحے پڑھ لیتا ہوں، پھر قلم اٹھاتا ہوں، یہ استاد انور الجندی کا مقولہ ہے جو اس وقت مصر کے اچھے نامور کاتب ہیں، تو اس وقت مجھے اس بات کی ضرورت ہوئی کہ غیر جانبدارانہ طریقہ پر اور غیر جذباتی طریقہ پر میں مغربی تہذیب کی کمزوریوں کو سمجھوں اور کیا اس کا Donation ہے، اس نے کیا دنیا کو عطا کیا اور کیا نقصان پہنچایا، اخلاقیات کے پہلو سے، دینیات کے پہلو سے، انسانیت کے پہلو سے، تو میں نے اس وقت انگریزی کتابوں کا مطالعہ شروع کیا، اس میں مجھے سب سے زیادہ جن کتابوں سے فائدہ ہوا ان میں Coflict betweeen Religion- and Science ہے، یہ ڈراپر کی کتاب ہے، اسے میں نے غور سے پڑھا اور اس کے نوٹس لئے، اس میں (مصنف نے) بتایا کہ کلیسا اور دربار کی جو جنگ ہوئی، جو کشمکش اور تقابل ہوا، اس سے کیا فائدہ پہنچا، کیا نقصان پہنچا اور اس نے کیا اثرات ڈالے، مغرب معاشرہ، مغربی ذہن پر۔ پھر کتاب پڑھی History of European Morals، اس سے مجھے معلوم ہوا کہ یونان کا کیا اثر پڑا ہے یورپ پر، یونان نے کیا دیا اور اس میں کیا افراط وتفریط تھی، ان کے دو بہت بڑے Schools of thought تھے، ایک جسے رواقی کہتے ہیں اور ایک لذتی، بس جس میں آدمی کو مزا آئے وہی چیز لینی چاہئے، اسی کو اختیار کرنا چاہئے، یہ لذتی مکتب خیال ہے، مگر رواقی مکتب خیال ہے کہ نہیں، عقل سے کام لینا چاہئے۔ اس کتاب میں اس نے ثابت کیا ہے کہ لذتی اسکول نے یورپ پر زیادہ اثر ڈالا ہے، اس وقت یورپ فلسفہ لذتیت کا کاربند نہیں، بلکہ پابند ہے۔

امام ابن تیمیہ کی کتاب میں نے پہلے پڑھی تھی، اس لئے بہت چیزوں کی مجھے تصدیق

ہوئی، انہوں نے ایک بڑے کام کی بات کہی ہے، انہوں نے کہا ہے کہ ایک چیز ہے ''نفی'' اور ایک ہے ''اثبات''۔ امام ابن تیمیہ کہتے ہیں کہ یونان کی ایک بڑی کمزوری یہ تھی کہ ان کے یہاں نفی زیادہ ہے، اثبات کم ہے، حالانکہ سارا عمل، جوش عمل، طاقت اور انرجی سارے ذہنی و اعصابی محرکات، اعصابیت پیدا ہوتی ہے اثبات سے، نفی سے پیدا نہیں ہوتی، قرآن کیا کہتا ہے ''لیس کمثله شئی'' ''وهو السميع البصير'' اللہ تعالیٰ کی طرح کوئی چیز نہیں ہے اور وہ سمیع و بصیر ہے، لیکن جب اس کی صفت بیان کرتا ہے تو کہتا ہے **هو الخالق البارى المصور له الاسماء الحسنى يسبح له مافى السموات والارض وهو العزيز الحكيم**۔ اور پھر اس سے پہلے کی جو آیتیں ہیں ۵۔۱۰ صفتیں بیان کی ہیں کہ اللہ یہ ہے، اللہ یہ ہے اور ان صفتوں کا تعلق انسانی زندگی سے بھی ہے اور کائنات سے بھی ہے، اس سے آدمی میں ایک جذبہ عمل پیدا ہوتا ہے، جذبہ دعا پیدا ہوتا ہے، جذبہ عبادت بھی پیدا ہوتا ہے، ایک اطمینان اور سکون قلب پیدا ہوتا ہے کہ میں جس خدا کا پرستار ہوں، وہ بڑا رحمان و رحیم ہے، وہ بڑا حکیم و بصیر ہے، وہ خالق ہے کائنات کا اور قادر ہے ہر چیز پر۔

پھر جس سے فائدہ پہنچا، وہ گبن کی مشہور کتاب ہے Decline and Fall of the Roman Empire اس سے معلوم ہوا کہ رومۃ الکبریٰ کی سلطنت سے کیا غلطیاں ہوئیں، کیا اس میں ناہمواریاں پیش آئیں اور اس میں ضعف کے سرچشمے کیا تھے، کیوں اتنی بڑی رومۃ الکبریٰ جو دنیا کی سب سے بڑی شہنشاہی تھی، اس کو زوال ہوا، اور پھر اس کتاب **Makin of Humanity** پڑھی، اس میں انسانیت کی تعمیر اور تخریب کی تاریخ پر بحث کی گئی۔

آخر میں یہ عرض کرتا ہوں کہ اس وقت ضرورت اس کی ہے کہ لوگ ان کتابوں کی طرف توجہ کریں اور ان پر خامہ فرسائی کریں، جنہوں نے ان کے اندر انقلاب (پیدا) کیا اور کس طرح سے انقلاب (پیدا) کیا؟ اور پھر ایسی منتخب اور مفید کتابوں کے پڑھنے کا مشورہ دیں۔

* * * *

(ماہنامہ ''سیارہ'' (لاہور) نے مختلف ارباب علم وادب سے ان کے ذوق مطالعہ، تصنیف وتالیف اور ذہنی نشو وارتقاء کے حوالے سے ایک مفصل سوال نامے کے جواب حاصل کئے تھے، ذیل میں سوالنامہ، اور مولانا علی میاں کا جواب ماہنامہ مذکور کی اشاعت بابت ستمبر ۱۹۶۵ء سے نقل کیا جاتا ہے۔ مرتب (۱)

سوالنامہ

۱۔ آپ کے اندر ذوق مطالعہ کب نمایاں طور پر متحرک ہوا؟ آغاز کیسے ہوا؟ اس کا نشو نما کس طرح ہوا؟ کیسا ذہنی ماحول اس میں آپ کیلئے مدد ہوا؟ نظام تربیت کا اثر کہاں تک ہوا؟ کون سی شخصیتیں تھیں جنھوں نے آپ کے ذوق مطالعہ کو مہمیز کیا اور اس سفر میں رہنمائی؟ آپ کے مطالعہ کے مختلف دور؟ ذوق میں ارتقائی تبدیلیاں؟

۲۔ آپ کے پسندیدہ موضوعات مطالعہ کیا رہے؟

۳۔ آپ اردو کے علاوہ اور کن زبانوں میں مطالعہ کرتے ہیں (انگریزی؟ عربی؟ فارسی؟ بنگلہ؟ ہندی؟ پنجابی؟ سندھی؟ پشتو؟ بلوچی، دیگر زبانیں؟)

۴۔ اردو اور انگریزی کا تقابلاً سامنے رکھ کر فرمایئے کہ دونوں میں کس زبان میں آپ کا مطالعہ زیادہ وسیع ہے؟

۵۔ آپ کے پسندیدہ مصنفین؟ آپ کے پسندیدہ کتابیں؟ آپ کے پسندیدہ رسائل؟ پسندیدہ شعراء؟ پسندیدہ افسانہ نگار؟ پسندیدہ مزاح نویس اور طنز نگار؟

۶۔ آپ اپنی دنیائے مطالعہ میں کسی ایک مصنف کو بلند ترین مقام پر رکھتے ہیں جس کا آپ کی ذہنی نسو ونما پر سب سے زیادہ اثر پڑا ہو؟ (خصوصاً اردو لکھنے والوں سے)

۷۔ آپ کی نگاح میں وہ بہترین کتاب یا تحریر جس نے آپ پر بہت زیادہ اثر ڈالا ہو؟ (خصوصا اردو زبان میں)

---

(۱) حیات وافکار کے چند پہلو۔ مؤلفہ جناب سفیر اختر صاحب

۸۔ ایسے دو چار مقالات، نظموں یا افسانوں کا ذکر جن سے آپ کی فکری یا عملی زندگی متاثر ہوئی ہو؟

۹۔ اُردو رسائل کے اب تک جتنے خاص نمبر آپ کی نظر سے گزرے ہیں۔ آپ کو ان میں سے بہت زیادہ پسند کون سے رہے؟ خصوصاً اگر کسی ایک کو بہترین قرار دے سکیں تو اور بھی اچھا ہے۔

۱۰۔ یہ بھی فرمایئے کہ مطالعہ میں آپ کی پسند کے بالمقابل آپ کی ''ناپسند'' کیا ہے؟ کن چیزوں کے مطالعہ سے آپ کی طبیعت آبا کرتی ہے؟ آپ کوئی ایسی نگارش بتائیں جس سے آپ کو نفرت محسوس ہوئی ہو؟

۱۱۔ بالعموم آپ کے مطالعہ کے اوقات کیا ہوتے ہیں؟ پروگرام کس طرح چلتا ہے؟ مطالعہ کی نشست کس طرح کی آپ کو پسند ہے؟ رفتار مطالعہ کیا ہوتی ہے؟

۱۲۔ تنہائی اور خموشی آپ کے مطالعہ کے لئے ضروری ہے یا آپ ہجوم اور شور وشغب میں بھی پڑھ لیتے ہیں؟

۱۳۔ سفر میں آپ نے مطالعہ کا کیا تجربہ کیا؟

۱۴ کیا مطالعہ کے دوران آپ کتاب پر نشانات لگاتے ہیں؟ کیا آپ الگ نوٹ یا خلاصہ لکھتے ہیں؟

۱۵۔ آپ کا حافظہ آپ کی وسعت مطالعہ کا ساتھ کہاں تک دیتا ہے؟ کیا آپ کو پڑھی ہوئی کتابوں اور مضامین کے مطالب اور ان کے مصنفین کے نام پوری طرح یاد رہتے ہیں؟

۱۶۔ آپ اپنے مطالعہ، حاصل مطالعہ اور ذوق مطالعہ میں کیا اپنے گھر کے لوگوں، خصوصاً بچوں کو۔ (اگر وہ ہوں) بھی حصہ دار بناتے ہیں؟ بچوں کی تربیت ذوق کیلئے آپ کے تجربات کیا ہیں؟

۱۷۔ کیا آپ کی ذاتی لائبریری ہے؟ اس کا حدود اربعہ کیا ہے؟ اس میں اہم ترین کتابیں کون سی ہیں؟ خاص خاص کتابوں کو حاصل کرنے کیلئے اگر آپ کو کوئی خاص معرکہ سر کرنا پڑا ہو تو درج فرمایئے۔ نمایاں شخصیتوں کی طرف سے ہدیہ میں آئی

ہوئی کتابیں؟

۱۸۔ کتابیں مستعار دینے اور لینے کے متعلق آپ کے تجربات کیا ہیں اور اس معاملے میں نظریہ و مسلک کیا ہے؟ کیا کچھ واقعات ایسے ہیں کہ بعض اہم کتابوں سے آپ ہاتھ دھو بیٹھے ہوں؟

۱۹۔ آپ ایک اوسط درجہ کے عام تعلیم یافتہ آدمی کو مشورہ دیں کہ وہ موجودہ مصروف زندگی میں مطالعہ کا پروگرام کیسے بنائے اور کتابیں کیسے فراہم کرے؟

۲۰۔ خاص طور پر ادبی مطالعہ کی ضرورت و اہمیت کیا ہے؟ عام آدمی کے لئے؟ طلبہ کے لئے؟

۲۱۔ ادبی مطالعہ کیلئے نوجوانوں کو آپ کیا رہنمائی دیتے ہیں کہ وہ کن مصنفین اور کتابوں کو لازماً پڑھیں؟ نیز آپ اردو کے ایسے موجودہ رسائل کی نشاندہی کریں جن کا مطالعہ صحت مند فکر کی نشو ونما میں مدد ہو۔

۲۲۔ کیا آپ کسی بہتر اور موثر اسلوب سے لوگوں کو یہ بتا سکتے ہیں کہ صرف تفریحی مطالعہ کافی نہیں، اس کے ساتھ علمی، ادبی اور معلومات چیزوں کا مطالعہ ضروری ہے اور پروگرام میں توازن ہونا چاہئے؟

۲۳۔ ڈائجسٹوں کا جو دور ہمارے یہاں شروع ہوا ہے، اس کے متعلق آپ کا کیا خیال ہے؟ ایک رائے یہ ہے کہ اس طرز کے رسائل انگریزی رسائل کی جگہ لے کر اردو کے حق میں مفید پارٹ ادا کر رہے ہیں۔ دوسری رائے یہ ہے کہ یہ ادبی مطالعہ کے راستے میں حائل ہو رہے ہیں۔

۲۴۔ آپ کے سامنے ایک مسلمان معاشرہ ہے اور یہ واضح ہے کہ نوجوانوں کی بڑی بنیادی ضرورت ہے کہ وہ اسلام کے انقلاب آفریں نظریہ حیات، اس کے ضابطہ و نظام، اس کے تہذیب و تمدن اور اس کی شاندار تاریخ کو جانیں، اس سلسلے میں آپ کیا مشورہ دیتے ہیں؟ کن مصنفین اور کن کتابوں کی طرف رہنمائی دیتے ہیں؟

۲۵۔ کچھ لوگوں کی رائے میں قرآن ناظرہ پڑھنے کے بجائے سمجھ کر پڑھنا چاہئے، طوطے کی طرح رٹنے کا کیا فائدہ؟ آپ کی رائے اس بارے میں کیا ہے؟

جواب

اس وقت اس حال میں یہاں (نہیں) ہوں کہ دماغ پر زیادہ زور ڈال سکوں یا کوئی مضمون پوری توجہ سے لکھوا سکوں، زیادہ وقت بستر پر پڑے ہوئے گزرتا ہے۔ اس وقت اتفاقاً آپ کے سوال نامے کا کاغذ نکل آیا اور ایک عزیز نے پڑھ کر سنایا۔ سوالات بڑی ذہانت سے مرتبہ کیے گئے ہیں اور طبیعت کو اکساتے ہیں۔ دل میں ان کے جواب دینے کی تحریک پیدا ہوئی، طبیعت کے مشورہ کو جو پاسبان عقل ہے، ذرا ہٹا کر دل کو تنہا چھوڑ دینے پر عمل کرنے کو جی چاہا۔ آپ نے انتخاب کی آزادی دے دی ہے، اس لئے ہلکے پھلکے سوالات کا جواب دے دیتا ہوں وہ بھی مختصر۔

نمبر ۱۔ قدیم شرفاء اور علماء کے دستور کے مطابق اور بعض خاص اسباب کی بناء پر اس سے کچھ زیادہ ہمارے گھر میں وسیع موروثی کتب خانہ تھا۔ دادا صاحب اور والد صاحب رحمتہ اللہ علیہم (حکیم سید فخر الدین مصنف ''مہر جہاں تاب'' اور سید عبدالحئی مصنف ''گل رعنا'' و ''نزہتہ الخواطر'') دونوں بڑے مصنف تھے۔ یہ کتب خانہ کئی ہزار کتابوں پر مشتمل تھا جن میں عربی، فارسی، اردو تینوں زبانوں کی کتابیں تھیں۔ میرے بڑے بھائی صاحب (ڈاکٹر حکیم مولوی سید عبدالعلی صاحب مرحوم) بڑے اچھے مربی و ماہر نفسیات تھے، انہوں نے کتابوں سے مانوس کرنے کیلئے اور اس موروثی دولت کی قدر کرنے کیلئے کتابوں کو دھوپ دکھانے اور ان کی حفاظت و پرداخت کے کام میں پہلے شریک کیا، پھر اس کی ذمہ داری ڈالی۔ پرانی کہاوت ''کوئلوں کی دلالی میں ہاتھ کالے'' کے مطابق پہلے کتاب و مصنف کا نام پڑھنے، پھر اس کو کہیں کہیں سے دیکھنے اور مطالعہ کرنے کا شوق پیدا ہوا، اور اس سے کتاب بینی کا جو بہت حد تک موروثی اور فطری تھی، چسکا پڑ گیا اور یہ شوق لت اور بیماری کی حد تک پہنچ گیا۔

نمبر ۲۔ میرے لئے سب سے زیادہ ذوقی اور تفریحی موضوع جس میں کبھی طبیعت پر بار نہیں پڑتا اور جس سے سیری نہیں ہوتی، تذکرے، تراجم اور سوانح حیات کا موضوع ہے، غالباً اس کی وجہ یہ ہے کہ دادا صاحب اور والد صاحب بڑے

مؤرخ اور سوانح نگار تھے، اور ان کی زندگی کا بڑا حصہ اس مشغلے میں صرف ہوا۔ اس کے بعد دوسرے درجہ میں ادبیات، خاص طور پر وہ ادبی کتابیں جن میں تکلف، آورد اور ضائع وبدائع نہ ہوں، لیکن نظم سے زیادہ نثر کی کتابیں پڑھنے کا ذوق ہے، اور وہ عربی اردو دونوں میں یکساں ہے۔

نمبر۳۔ سب سے زیادہ عربی میں، دوسری نمبر پر اردو اور بضرورت انگریزی میں مطالعہ کا اتفاق ہوتا ہے۔ جب سے نظر کمزور ہوئی، انگریزی کا مطالعہ برائے نام رہ گیا۔

نمبر۴۔۵۔ پسندیدہ مصنفین، پسندیدہ تصانیف اور مضامین کے متعلق میرے مضمون ''میری محسن کتابوں'' میں خاصا مواد آ گیا ہے۔ مزاحیہ لکھنے والوں میں مجھے پرانے لکھنے والے مرزا فرحت اللہ بیگ دہلوی سب سے زیادہ پسند ہیں، پطرس کے بعض اور پروفیسر رشید احمد صدیقی کے وہ مضامین جن میں زیادہ علمیت اور تفلسف نہیں ہے، پسند آتے ہیں، نیز ان کے مضامین کے مجموعوں میں سے'' گنج ہائے گراں مایہ'' بہت کامیاب اور دل آویز ہے۔

طنز نگار میں مولانا عبدالماجد دریابادی خاص مرتبہ رکھتے ہیں۔ خاص طور پر جہاں زیادہ تلخی اور تیزی نہیں ہوتی۔ یہ احتیاط مولانا آزاد کے یہاں زیادہ ہے اور ان کے ادب کے وہ حصے اگرچہ کم ہیں، لیکن (ہیں) بہت لطیف اور سبک۔

نمبر۶۔ یہ کہہ سکتا ہوں کہ بچوں کی ابتداء میں ندوۃ العلماء کی تحریک سے تعلق رکھنے والوں کی تصنیفات اور تحریریں زیادہ پڑھیں، اس لئے ان کا اثر زیادہ ہے۔ اردو انشاء اور نثر نگاری میں شاید سب سے زیادہ اور اولین اثر خود اپنے والد صاحب کا پڑا، خصوصاً ان کی کتاب ''یاد ایام'' اور ''گل رعنا'' کا۔ دوسرے نمبر پر مولانا شبلی کا۔

نمبر۔۷۔۸۔ کے جوابات بھی میرے مذکورہ بالا مضمون سے مل سکتے ہیں۔

نمبر۹۔ اردو رسائل کے خاص نمبر نہ تو بہت زیادہ دیکھے اور نہ اس وقت ذہن میں محفوظ ہیں، لیکن اپنے ذوق اور حالات کے لحاظ سے ''الفرقان'' کا ''مجدد نمبر'' اور'' شاہ ولی اللہ نمبر'' زیادہ دلچسپی سے پڑھے۔

نمبر۱۰۔ وہ کتابیں جن کا پڑھنا بڑا مجاہدہ ہے اور شدید ضرورت کے بغیر ان کے چند صفحات

کا پڑھنا بھی میرے لیے دشوار ہے، وہ تین طرح کی چیزیں ہیں۔ ایک مناظرہ اور تردید کی کتابیں، دوسرے خشک فلسفیانہ مباحث یا وحدۃ الوجودہ وغیرہ اور فلسفۂ اخلاق کی متصوفانہ کتابیں، تیسرے قادیانی لٹریچر جو حسن انشاء، حلاوت تحریر اور عمق فکر سے یکسر خالی ہے۔

نمبر ۱۱۔ چوں کہ میری تحریر و تصنیف کا وقت صبح کو نماز فجر اور چائے کے بعد سے لے کر موسم گرما میں اس وقت تک کہ گرمی شدید نہ ہو اور موسم سرما میں ظہر کے وقت تک محدود ہے۔

اس کے علاوہ سالہا سال سے کسی دوسرے وقت میں تصنیفی کام نہیں کیا کرتا، اس لئے پڑھنے کا وقت ظہر سے عصر تک اور سفروں میں تقریباً دن بھر (کھانے اور آرام کرنے کے علاوہ)۔ رات کا پڑھنا نظر کی کمزوری کی وجہ سے تقریباً بیس پچیس سال سے بالکل بند ہے، سوائے اس زمانہ کے جس میں دار العلوم کے اندر حدیث کا کوئی درس اپنے ذمے لے لیتا تھا، اس کے لیے بہت مطالعہ کی ضرورت ہوتی تھی۔ لکھنے کا کام نہیں ہوتا یا لکھنے کیلئے مطالعہ کی ضرورت ہوتی ہے تو فجر و ظہر کے درمیان کا وقت بھی مطالعہ ہی میں صرف ہو جاتا ہے۔

میں میز کرسی پر یا ڈسک پر لکھنے کا کبھی عادی نہیں رہا۔ عام طور پر اس طرح لکھتا ہوں جس طرح آپ نے کاپی نویسوں کو لکھتے دیکھا ہوگا۔

رفتار مطالعہ عام طور پر سست ہے، طبیعت رواروی کے ساتھ پڑھنے پر قانع نہیں ہوتی، لیکن اس کا زیادہ انحصار موضوع اور مضمون کی نوعیت پر ہے، ادبی اور تاریخی چیزیں تیز رفتاری سے پڑھتا ہوں اور علمی مباحث آہستہ رفتاری اور دقت نظر کے ساتھ۔

نمبر: ۱۲۔ عام طور پر شور شغب اور لوگوں کی موجودگی سے میرے مطالعہ میں بعض اوقات لکھنے میں بھی کوئی خلل نہیں پڑتا اور شاید بعض لوگوں کیلئے یہ بات موجب تعجب ہو کہ بعض اوقات اس سے مدد ملتی ہے میں اپنے بعض اہم مضامین اور کتابیں تھرڈ کلاس کے مسافروں سے بھرے ہوئے ٹرین کے ڈبے میں لکھی ہیں جب

طبعیت میں روانی پیدا ہوجاتی ہے اور اپنے اندر لکھنے کا تقاضا اور مضامین وخیالات کی چونٹیاں رینگتی ہوئی محسوس ہوتی ہیں تو شور و ہنگامہ اس میں مخل نہیں ہوتا لیکن جب ایسی کیفیت نہ ہو اور طبع بند و کند معلوم ہوتی ہو تو تنہائی اور خاموشی کی تلاش ہوتی ہے۔

نمبر ۱۳- جب سے زمانہ قیام اور حضر کی مشغولیتیں اور ذمہ داریاں بڑھ گئی ہیں کسی نئی کتاب کے مطالعہ کا زیادہ تر موقع سفر ہی میں ملتا ہے جو بکثرت پیش آتے ہیں اور اس لحاظ سے سفر میں بڑے مفید ثابت ہوتے ہیں صدہا صفحات کی کتابیں اکثر سفر میں ہی ختم ہوتی ہیں۔

نمبر ۱۴- کتابوں پر نشان لگانے کی عادت بہت پرانی ہے اور میں نے اپنے استاد اور بزرگ مولانا طلحہ صاحب ایم اے سابق استاد اورینٹل کالج لاہور سے سیکھی ہے لیکن نشان بڑی احتیاط سے سرخ پنسل سے لگاتا ہوں اگر گاڑی کی رفتار زیادہ تیز ہوتی ہے تو اس کے ٹھہرنے کا انتظار کرتا ہوں تاکہ نشان کتاب میں بدنمائی پیدا نہ کرے۔ خاشیے میں اپنی رائے بہت خوش خط لکھنے کی کوشش کرتا ہوں۔ بعض اوقات ناواقف ایسے خواشی چھپے ہوئے نظر آتی ہیں ان نشآنوں اور حواشی سے کتاب کے دوبارہ پڑھنے میں مدد ملتی ہے۔ اور اس کے بہترین حصے تصویر کی طرح سامنے آجاتی ہیں۔

نمبر ۱۵- میرا حافظہ خاندانی طور پر کمزور ہے لیکن اپنے ذوقی مضامین میں حافظہ زیادہ رفاقت اور رواداری کا ثبوت دیتا ہے، غیر ذوقی مضامین میں سے بہت کم میرے خیال میں حافظہ کا کچھ تعلق ذوق پسندیدگی سے بھی ہے۔

نمبر ۱۶- اپنی پسندیدہ چیزوں میں ہم نشینوں اور عزیزوں کو شریک کرنا ایک فطری امر ہے اور شاید یہ میرے اندر بہت سے لوگوں سے بڑھی ہوئی ہوگی، مجھے اپنے بزرگوں کی اس عادت سے خود بھی فائدہ پہنچا اور میں سمجھتا ہوں کہ میرے عزیزوں اور اہل مجلس کے لئے بھی یہ بات اسی قدر مفید ہوگی۔

نمبر ۱۷- ہم دونوں بھائیوں کو ایک بڑا وسیع اور متنوع کتب خانہ وارثت میں ملا جو کئی

پشتوں اور ایک علمی خاندان کا اندوختہ اور ترکہ ہے۔ لیکن اسکی موجودگی میں بھی اپنے ذوق وضرورت کی کتابیں خریدنے کا شوق بچپن سے ہے۔ اور اس سلسلے میں بچپن کے واقعات کسی حد تک مضحک اور کسی حد تک سبق آموز ہیں۔ اس شوق کا آغاز اس عمر سے ہوگیا جس عمر میں عام طور پر بچوں کو کھلونوں اور مٹھائیوں کے خریدنے کا شوق ہوا کرتا ہے۔ ذوق اور نقاہت کے ارتقاء کے ساتھ ساتھ اس شوق میں بھی اصلاح وترقی ہوتی گئی چنانچہ خود اپنی خریدی ہوئی اور مصر وشام سے منگوائی ہوئی کتابوں کا ایک ذخیرہ جمع ہوگیا ہے جو اگرچہ زیادہ وسیع نہیں ہے مگر منتخب ہے۔ اس مین زیادہ تر وہ کتابیں ہیں جن کی حیثیت کسی موضوع پر چھوٹے سے دائرۃ المعارف (انسائیکلوپیڈیا) جو اپنے موضوع پر خود ایک چھوٹے سے کتب خانے کا کام دیتی ہے۔ چوں کہ شروع سے عربی ادب اور انشاء کا ذوق ہے اس لئے ان میں وہ کتابیں بھی شامل ہین جن کی کوئی علمی و فکری اہمیت نہیں ہے مثلاً اغانی کا خلاصہ اور ادباء کے مضامین کے مجموعے۔ اس منتخب ذخیرے میں ''دیوان غالب'' مثنوی، کی کلید ''مرائۃ المثنوی'' کلام اقبال اور ''گلستان بوستان بھی ہے۔

بعض دفعہ مصر وشام کی کسی نئی چھپی ہوئی کتاب کے حصول کیلئے اپنے عزیوں اور دوستوں کو لکھنا پڑتا ہے۔ بعض اوقات ایک کتاب جس کی قیمت آٹھ دس روپے سے زائد نہیں، کسی تصنیف کے سلسلے میں ہوائی ڈاک سے منگوائی جاتی ہے اور وہ پچاس ساٹھ روپے میں پڑی ہے۔

اسلامی فکر عرب مصنفین اکثر اپنی تصنفیات از راہ کرم ہدیہ بھیجتے ہیں اکثر سفروں میں علمی ہدایا اور مصنفین کی دستخطوں سے مزید ہوکر ملے ہیں جو اس ذاتی کتب خانہ کی زینت ہیں۔

نمبر ۱۸- کتابیں مستعار دینے میں بڑے تلخ تجربے ہوئے ہیں اس سلسلے میں اچھے اچھے اہل علم کی بے احتیاطی مشہور ومعروف ہے بعض مرتبہ مستعار لینے والے اپنی ذمہ داری محسوس نہیں کرتے اور مستعار دینے والا بھول جاتا ہے کہ کتاب کس کو دی

تھی، میرے ساتھ یہ المیہ بہت پیش آیا ہے اس سے کمتر المیہ یہ ہے کہ مستعار لینے والا کتاب بے احتیاطی کے ساتھ پڑھتے ہیں۔ کتاب پر دھبے اور نشان پڑ جاتے ہیں اور بعض اوقات ستم ظریف اس پر اپنے حواشی اور تأثرات ثبت کر دیتے ہیں اور کتاب جی سے اتر جاتی ہے، مجھے دو مرتبہ ایک کتاب سے اس لئے دستبردار ہونا پڑا کہ اس پر دھبے پڑ گئے تھے۔ یا حواشی نے اس کی رونق و رعنائی ختم کر دی تھی۔ اس سلسلے میں یہ بھی عرض کر دوں کہ میں شروع سے کتاب کے بارے میں کچھ زیادہ نفاست پسند اور ذکی الحس واقع ہوا ہوں کتاب پر پسینے کے دھبے یا کسی پڑھنے والے کا حاشیہ ارائی مجھے کتاب کے مطالعہ سے محروم کر دیتی ہے۔ اور بعض اوقات مستعار لینے والے ہی کو نذر کر دیتا ہوں کہ اب میرے کام کی نہیں رہی۔

نمبر ۱۹- میرے نزدیک ابتدا میں ادبی مطالعہ کی اہمیت بہت ہے خوش قسمتی سے جن لوگوں کو ابتدا میں اچھی ادبی کتابوں کے مطالعہ کا موقع مل جاتا ہے۔ اور ان کا ادبی ذوق کسی حد تک بن جاتا ہے۔ یا ان کے اندر ادبیت کے جراثیم پیدا ہو جاتے ہیں۔ وہ خواہ فلسفہ کا موضوع اختیار کریں یا دینیات کا میدان۔ ان کی تحریر میں شگفتگی اور شیرینی باقی رہتی ہے۔ اور وہ زیادہ کامیاب مصنف ثابت ہوتے ہیں میرے نزدیک ہر مرحلے میں کسی نہ کسی قدر ادبی مطالعے کا عنصر شامل رہنا چاہئے۔

نمبر ۲۰-۲۱- ادبی مطالعہ اور تحریروں کی مشق کیلئے اس وقت نوجوان کو مولانا شبلیؒ مولانا حالیؒ، مولانا سلیمان ندویؒ، مولانا آزادؒ، مولانا ابوالاعلیٰ مودودیؒ، مولانا عبدالماجد دریا آبادیؒ، ڈاکٹر سید عابد حسینؒ، چوہدری غلام رسول مہرؒ، مولانا شاہ معین الدین ندویؒ کی کتابوں کی تحریروں کو ضروری دیکھنا چاہئے۔ اس سے زیادہ ادبی ذوق اور زبان کی واقفیت پیدا کرنے کا شوق ہو تو پھر کچھ تحدید نہیں۔ مولوی محمد حسین آزاد، ڈپٹی نذیر احمد اور خالص ادیبوں کو بھی پڑھنا ہوگا۔ یہ نام تحریر کی پختگی، شگفتگی اور زبان کی صحت کے لحاظ سے پیش کئے گئے ہیں۔ کسی مخصوص خیالا

وافکار یہاں بحث نہیں ہے یہاں بحث نہیں۔

نمبر۲۲- محض تفریحی ادب کے مطالعہ سے ذہن میں سطحیت ،علم اورفکر میں بے مغزی اور معلومات میں تہی مائیگی پیدا ہوجاتی ہے۔ اور ایسا آدمی کوئی وقیع او اور موثر کام نہیں کرسکتا۔ تفریحی ادب کا وہی حصہ ہونا چاہئے جو نمکیات وفواکہ کا ہوتا ہے۔ اور بعض اوقات اس سے کہیں زیادہ فلسفیانہ اور فکر انگیز مباحث کا مطالعہ بھی ذہن میں تحریک پیدا کرتا ہے۔ اور اس کا کچھ نہ کچھ حصہ بھی شامل رہنا چاہئے۔

نمبر۲۳- اردو ڈائجسٹوں کا سلسلہ مفید اور ہمت افزائی کا مستحق ہے لیکن اس میں مزید محنت اور حسن انتخاب کی ضرورت ہے۔ اردو کی اشاعت وترقی کیلئے یہ سلسلہ یقینا مفید ثابت ہوتا۔ ان میں اگر ادبی عنصر کا اضافہ اور ادبی شخصیات اور کلاسیکل ادب کے تعارف کا سلسلہ بھی شروع کردیا جاتا ہے۔ اور وہ شوق انگریز اور مطالعہ کے لئے مہمیز ہوتو اس سے یہ خطرہ بھی باقی نہیں رہے گا۔ کہ لوگ قدیم مستند ادب سے بےتعلق ہوجائیں گے۔

نمبر۲۴- اس سلسلہ میں دارالمصنفین ،ندوۃ المصنفین اسلام پبلی کیشنز اقبال اکیڈمی ، شاہ ولی اللہ اکیڈمی ، مجلس تحقیقات ونشریات اسلام جیسے اداروں کی مطبوعات کا مطالعہ مفید ہوگا۔ اس سلسلہ میں تواضع اور انکسار کو برطرف رکھ کر ''تاریخ دعوت وعزیمت'' کے سلسلے کے مطالعہ کا مشورہ بھی دوں گا۔

نمبر۲۵- میرے نزدیک ابتدا میں ناظرہ قرآن مجید پڑھنا بہت ضروری ہے۔ یہ الگ بات ہے کہ بعض ماہرین تعلیم کی رائے کے مطابق تھوڑی سی اردو پڑھا کر قرآن شریف کا پڑھنا زیادہ بہتر ہوگا۔ عام دستور کے مطابق قرآن مجید ہی سے ابتدا کرانا زیادہ بہتر ہے۔ بہرحال مجھے اس رائے سے بالکل اتفاق نہیں ہے کہ سمجھ کر قرآن مجید کی استعداد پیدا ہونے کے انتظار میں ناظرہ پڑھانے کو بالکل موقوف رکھا جائے۔ ناظرہ قرآن شریف پڑھنا اور محض تلاوت خود ایک بڑھی عبادت اور ایک امر مقصود ہے۔ سمجھ کر پڑھنا یہ ایک الگ کام اور ضرورت ہے ان میں سے کوئی ایک دوسرے سے مستغنی نہیں ہے۔

مولانا فضل محمد (م ۱۹۸۱ء) مہتمم مدرسہ قاسم العلوم فقیر والی ضلع بہاول نگر دینی تعلیم کے مروجہ نصاب میں ترمیم کرتے ہوئے اپنے مدرسے کے لئے ایک نیا نصاب مرتب کرنا چاہتے تھے، اس سلسلے میں انہوں نے تقسیم ہند سے کچھ پہلے مشاہیر وقت کو ایک سوالنامہ ارسال کر کے ان کی رائے طلب کی تھی، مولانا علی میاںؒ نے مختصراً اپنی رائے کا اظہار خط کی صورت میں کیا، خط سے پہلے مرسلہ سوالنامے پر ایک نظر ڈال لینا مناسب ہوگا۔ مرتب [1]

سوال نامہ

سوال نمبر 1- ''علوم مقصودہ'' تفسیر حدیث فقہ میں کون کون سی کتابیں رکھی جائیں جن سے کم از کم وقت میں اچھا اور زیادہ کام لیا جا سکے۔

-2 ترجمہ قرآن شریف کے بعد تفسیر میں ''جلالین'' کے علاوہ کوئی دوسری معتدل تفسیر بھی تجویز کی جائے ''تفسیر مظہری'' یا '' تفسیر جوہری طنطاوی'' کے بارے میں آپ کی کیا رائے ہے ''؟

''دورۂ حدیث'' سے پہلے حدیث مشکوٰۃ شریف کے علاوہ ایسی اور کیا کتاب رکھی جائے جو حذف مکررات کے بعد صحاح ستہ کو حاوی ہو۔ جمع الفوائد اور تیسیر الاصول کے بارے میں آپ کی کیا رائے ہے۔ فقہ کی مجوزہ کتب میں فتویٰ نویسی کی رعایت سے بھی کتاب ضروری رکھی جائے۔

-3 اصول تفسیر، اصول حدیث ''الفوز الکبیر'' ''نخبۃ الفکر'' کے علاوہ اور کیا کتاب رکھی جائے خیر الاصول اور مولانا عبدالحق دہلوی کے رسالہ کے بارے میں آپ کی کیا رائے ہے۔

-4 ''علوم آلیہ'' ادب، کلام، معانی، مناظرہ، فلسفہ، ہیئت میراث، صرف، نحو،، میں کیا کیا کتابیں رکھی جائیں۔ جو بقدر ضرورت استعداد کو حاوی ہوں نیز وقت میں بحیثیت انفرادی ''علوم مقصودہ'' سے زائد نہ ہو۔ طریق مطالعہ وتعلیم کی وضاحت کی جائے۔ درستگی اخلاق وصالح باطنی وظاہری کا لحاظ بھی ضروری رکھا جائے۔

-5 فلسفۂ جدید، منطق جدید، سائنس جدید علم کلام، تاریخ، اخلاقیات، معاشیات، سیاسیات، علم النفسیات وغیرہ علوم عصریہ بھی آپ کے نزدیک قابل اضافہ ہیں یا نہیں؟۔ اگر ہیں تو

---

[1] [illegible]

کون کون سی ہیں اور کس حدتک کتابیں کیا کیا رکھی جائیں۔ طریق تعلیم و مطالعہ کیا ہوں حضرت شاہ ولی اللہ وغیرہ اکابر کی کی کتابوں کے بارے میں آپ کی کیا رائے ہے۔ مناظرہ کے بارے مین موجودہ ضروریات مثلاً مزائیت، خاکساریت، بدعات ورسومات کی تردیدو معلومات کیلئے مناسب کتب کی تجویز کی ضرورت ہے؟

6- فرضی مناظروں اور تقریروں کے بجائے اگر طلبہ کو عملی طور پر تبلیغ میں شرکت کا موقع دیا جائے۔ جس سے قوم کے صحیح امراض، احساسات ورجحانات کے اندازہ کا موقع بھی ملتا رہے گا اور دکھی ہوئی رگوں پر صحیح نشتر زنی مشتق بھی تدریجا بہم پہنچتی رہے گی۔ گویا طلبہ کیلئے علمی قسم کی ٹریننگ ہوگی۔ اس میں آپ کی کیا رائے ہے؟

7- ابتدائی تعلیم کیلئے نمبر وار ہدایات کی ضرورت ہے۔

☆۔ داخلہ کیلئے معیار عمر اوسطاً کیا رکھا جائے اور مدت تعلیم کتنی ہو

☆۔ اس کے علاوہ کسی دوسری چیز کو بھی معیار قرار دیا جائے یا بلا تخصیص سب کو ایک طرف داخل کرلیا جائے۔

☆۔ دینیات کی تعلیم کا قدیم مروجہ طریقہ زیادہ مفید ہے کہ مثلاً اول قرآن مجید کی تعلیم مکمل کرلی جائے بعد ازاں اردو، فارسی، وغیرہ شروع کرائی جائی یا جدید مخلوط طریقہ تعلیم زیادہ بہتر ہے مثلاً دینیات، اردو، فارسی قرآن شریف سب کے الگ الگ گھنٹے مقرر کردیئے جائیں۔ سب مضامین ایک ہی معلم کے متعلق ہوں۔ یا مختلف اساتذہ کے پاس ہونے چاہئیں۔ پہلی قدیم صورت میں وقت زیادہ صرف ہوتا ہے اور ثانی جدید صورت کے متعلقہ مضامین ناقص اور نامکمل رہ جاتے ہیں۔ آپ کے نزدیک اس کے ازالہ کی کیا صورت ہے۔

☆۔ قرآن شریف، ناظرہ، حفظ، اردو، حساب، جغرافیہ وغیرہ کے مضامین کی مدت تعلیم کیا رکھی جائے۔

☆اوران کا نصاب کیا مقرر کیا جائے۔

☆معلم کے اوصاف ضروریہ کی تشریح فرمائی جائے۔

جسمانی تربیت کیلئے کیا طریقہ تجویز کیا جائے۔ اور ورزش کے لئے کون کون سے کھیل رکھے جائیں۔

حضرت مولانا فضل محمد نور اللہ مرقدہ متوفی ۱۹۸۱ء سابق مہتمم مدرسہ قاسم العلوم فقیر والی، ضلع بہاول نگر نے دینی تعلیم کے مروجہ نصاب تعلیم میں ترمیم کرتے ہوئے اپنے مدرسے کے لئے ایک نیا نصاب تعلیم مرتب کرنے کے سلسلے میں جو خط مولانا علی میاںؒ کو ارسال کیا تھا، جس میں انہوں نے مولانا علی میاںؒ سے ان کی رائے طلب کی تھی تو مولانا علی میاںؒ نے مختصراً اپنی رائے کا اظہار اس خط کے ذریعے فرمایا تھا۔

دائرہ حضرت شاہ علم اللہ نقشبندی
رائے بریلی (ہندوستان)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

مکرم ومحترم! السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔

گرامی نامہ شرف صدور لایا۔ آپ کے مدرسہ اور آپ کی مساعی سے اجمالاً واقفیت تھی جن مقاصد وخصوصیات کے ساتھ آپ کو مدرسہ چلانا چاہئے۔ وہ وقت کی اہم ضرورت ہے مگر افسوس ہے کہ حضرات علما ہی اس میں سب سے زیادہ بے اعتنائی برت رہے ہیں۔ جس کی وجہ سے مجھے شدید خطرہ ہے۔ کہ مستقبل میں ہندوستان میں دینی تعلیم باقی رہ بھی سکے گی یا نہیں۔

میں نے رسالہ ''الفرقان'' اور ''الندوہ'' مرحوم میں ''اسلام کے قلعے'' کی عنوان سے ماتحت اپنے خیالات کا تفصیل سے ذکر کیا ہے۔ اگر کہیں سے آپ کو یہ پرچے مل سکیں تو ضرور ملاحظہ فرمائیں۔

آپ نے جو سوالات قائم ہیں ان کی جوابات کچھ تفصیل اور وقت چاہتے ہیں۔ اگر اس کا انتظار کیا جائے۔ تو معلوم نہیں کب اس کی نوبت آئے۔ اس لئے مختصراً عرض کر دیتا ہوں نیز بلا تکلف ہر سوال کے جواب کی بھی اہلیت نہیں رکھتا۔ جو میرا موضوع نہیں اور اس سلسلے میں میری کوئی نظر اور علمی تجربہ نہیں، اس کو اصحاب نظر پر محول کروں گا۔

جواب نمبر ۱۔ علوم مقصودہ کی تفسیر وحدیث وفقہ میں کتابوں میں اتنی تبدیلی اور اضافے کی ضرورت نہیں ہے جتنی طرز تعلیم، مطالعہ اور استعداد آفرینی کے لحاظ سے ضرورت ہے ہمارے مدارس میں ان فنون میں جو مستند قدیم کتابیں داخل ہیں ان سے استغنا مشکل ہے۔ اور ان کا بدل بھی آسان نہیں لیکن طرز تعلیم کی تبدیلی کی ضرورت ہے۔

اصل انحصار معلمین ان کی تربیت زمانہ کے فہم اور روحِ دعوت اور جدید علم سے واقفیت پر ہے اس میں ہر جز مستقل تفصیل طلب ہے۔ خط اس کا متحمل نہیں ہوسکتا۔ مختصراً اگر معلمین ان کے علوم کے مقاصد وکلیات کو گرفت میں لے آتے ہیں زمانہ کے رجحانات اور ذہن کے نئے راستوں سے واقف ہیں۔ مسائل دینیہ کو ذہن نشین کرنے کی قابلیت رکھتے ہیں اور دعوت کا جذبہ ہے تو ان کیلئے موجودہ کتب بھی کافی اور مفید ہیں اور اگر ایسا نہیں تو کتابوں کی تبدیلی بے کار ہوگی اور میرے نزدیک ان کتابوں کو ابھی بحالہ قائم رکھا جائے تو مضائقہ نہیں۔

جواب نمبر۲۔ ترجمہ قران شریف کے بعد "جلالین" کے علاوہ "مدارک" مناسب ہوسکتی ہے مگر اصل یہ ہے کہ کوئی ایک تفسیر ہی کافی نہیں طالب علم کو اس کا عادی بنانا چاہئے۔ کہ وہ چند تفسیروں کو سامنے رکھ کر مطالب حل کرے۔ اگر تھوڑے سے حصے میں بھی اس کی عادت پڑھ گئی تو بہت مفید ہوگی۔ تفسیر مظہری بھی کچھ طویل ہے، تفسیر طنطاوی، کسی طرح موزوں نہیں ہے۔

دورۂ حدیث سے پہلے سب سے زیادہ اس کی ضرورت ہے۔ کہ کوئی کتاب ایسی کتاب پڑھائی جائے جس سے طالب علم کو روحانی اور اخلاقی فائدہ ہو اور مسائل اور احکام کے بجائے فضائل اعمال اور اخلاق معلوم ہوں اخلاص، ایمان، واحتساب اور جذبہ عمل بیدار ہو۔ اس کیلئے سب سے زیادہ موثر وبابرکت کتاب امام نووی کی ریاض الصالحین" ہے اس کو ضرور رواج دینا چاہئے۔ کہ حدیث کا اصل موضوع یہی ہے اس کی طرف سب سے کم توجہ ہے۔ فتویٰ نویسی کے سلسلہ میں مولانا اعزاز علی اور جناب مفتی کفایت اللہ صاحب اور مولانا خیر محمد جالندھری سے استصواب کیا جائے۔

3- اصول تفسیر "الفوز الکبیر" نہایت ضروری ہے لیکن کوئی ایسے صاحب پڑھائیں جو قرآن مجید سے مناسبت اور قرآن مجید کا طبعی شوق رکھتے ہوں اور شاہ صاحب کی طرز سے آشنا ہوں۔ اصول حدیث کے سلسلہ میں شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب (مظاہر العلوم" مولانا ادریس صاحب (دارلعلوم) سے مشورہ کیا جائے۔

4- صرف ونحو طرز تعلیم بدلنے کی فوری شدید ضرورت ہے۔ سب سے ابتدا کتابیں اپنی

زبان میں مشق واستقرائی اصول پر ہوں مصر کا سلسلہ'' النحو الواضح'' اور اسکے اردو ترجمہ ''تمرین النحو'' ملاحظہ ہوً مدرسین صاحب استعداد واجتہاد ہوں جو اپنے فن کو دلچسپ اور سہل کر سکیں۔

ادب سے پہلے زبان کی تعلیم کی ضرورت ہے۔ ابتدائی درجوں کیلئے ''الطریقۃ الجدیدۃ'' (مولانا محمد ناظم صاحب ندوی، استاذ دارالعلوم ندوہ) ''قصص النبیین للاطفال'' ۱،۲،۳، از کاتب الحروف، القراءۃ الراشدہ (۱،۲،۳) زیر طبع اختیار کرنی چاہئیں عربی زبان کی تعلیم دراصل ہمارے مدارس میں نہیں ہورہی ہے اس کیلئے خود عربی عربی ممالک میں بھی شاید اس سے بہتر نصاب تیار نہ ہو۔

ادب کیلئے مختارات من ادب العرب (مطبوعہ دارالعلوم ندوۃ العلماء) موزوں کتاب ہے۔ مکتبہ التعاون دارالعلوم ندوۃ العلماء، لکھنو سے یہ کتابیں مل سکتی ہیں۔ الترجمہ العربیہ (مولفہ مسعود عالم ندوی ومولانا محمد ناظم) بھی قابل اضافہ ہیں۔

کلام کی تعلیم کیلئے قدیم کتابیں مثلاً شرح عقائد نسفی، وغیرہ نہ صرف ناکافی بلکہ مضر ہیں دراصل اس کی از سر نو تدوین وتربیت کی اشد ضرورت ہے۔ جب تک کوئی شایان شان کتاب نہ ہو۔ مضامین قرآن از راقم سطور،'' رسالہ اہل سنت'' از مولانا سلیمان ندوی سے فائدہ اٹھایا جاسکتا ہے۔ مطالعہ کیلئے ''مذہب وعقلیات'' از مولانا عبدالباری ندوی'' مذہب وتمدن'' از راقم السطور ''تنقیحات'' وتفہیمات'' از سید ابوالاعلیٰ مودودی کی سفارش کی جاسکتی ہے۔ یہ سب علم کلام سے متعلق ایک نظریہ پر مبنی ہیں جس کی تفصیل کی گنجائش نہیں کبھی ملاقات ہوتو عرض کیا جاسکتا ہے۔ نمبر ۵ کا بھی مجمل جواب اوپر آ گیا ہے۔ ان تمام عناوین کیلئے نئی کتابوں کی تربیت کی ضرورت ہے۔ اور اس کا سامان نہیں ہے۔ اگر ان میں عجلت سے کام نہ لیا جائے تو ایک متوسط مدرسہ کیلئے اس کی گنجائش نہیں ہے۔

شاہ صاحب کی کتابوں میں رسالہ ''انصاف'' اگر داخل درس ہوتو طلبہ حدیث کیلئے چشم کشا، بصیرت افروز واعتدال آفریں ہوگا۔ باقی '' ازالۃ الخفاء،، کے مطالعہ کے تشویش وترغیب ہو۔ ''حجۃ اللہ'' بلند (پایہ) کتاب ہے۔ اگر استعداد ہوتو اس کے منتخب ابواب پڑھانے چاہئیں۔

نمبر 6- مناظروں کے بارہ میں مجھے آپ کی رائے سے اتفاق ہے۔ اس سلسلہ میں مولانا الیاس صاحب کے طریقہ سے مطالعہ کی بھی ضرورت ہے۔ مولانا کی سوانح اور ''ایک اہم دینی دعوت'' ضرور ملاحظہ ہو۔

۷ نمبر کے استفسارات تجارب و انتظامی امور سے متعلق ہیں مدارس کے مہتمم حضرات سے اس سلسلہ میں مشورہ کیا جا سکتا ہے۔ کبھی ملنا ہو تو شاید کوئی مفید بات ہو سکے۔

امید ہے کہ فی الحال اسی قدر پر اکتفا کی اجازت دی جائے گی۔ اللہ تعالیٰ آپ واپنے مقاصد میں کامیاب و بامراد فرمائے۔ والسلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔

خاکسار
ابوالحسن علی

علوم اسلامیہ کے سوتے ایمانیات سے ملتے ہیں

مسلم یونیورسٹی علی گڑھ ہندوستان میں شعبہ اسلامک اسٹڈیز کے زیر اہتمام ایک چار روزہ سیمنار منعقدہ ۲۲ تا ۲۵ جنوری ۱۹۷۷ء میں کی گئی ایک اختتامی تقریر

الحمد لله نحمده ونستعينه ونستغفره ونعوذبالله من شرور انفسنا ومن سيّئات اعمالنا من يهد الله فلا مضل له ومن يضلله فلا هادى له ونشهد ان لا اله الا الله ونشهد ان محمد اعبده ورسوله الذى ارسله الله تعالى بالحق بشيرا ونذيرا وداعيا الى الله باذنه وسراجامنيرا

مہارت اور اختصاص ضروری ہے:

حضرات! میں آپ کی اس عزت افزائی کا شکر گزار ہوں کہ آپ نے مجھے اس علمی مجلس کے افتتاح کے موقع پر اپنے خیالات کے اظہار کا موقع دیا، اب اس کے آخری نشست کے اختتام پر بھی مجھے تقریر کا موقع دیا ہے، آغاز وانجام میں خاص مناسبت ہے میں آپ کے اس اعتماد و اعزاز کے لئے دل سے شکر گزار ہوں، مجھے بڑی مسرت ہے کہ علوم اسلامیہ اور دینی موضوعات سے کچھ عرصہ سے عصری دانش گاہوں کے فضلاء بھی دلچسپی لینے لگے ہیں، اور یہ سیمینار اس کی دلیل ہے، اب علوم اسلامیہ کے ایک خادم اور میدان تحقیق کے پرانے مسافر کو اقبال کے الفاظ میں یہ کہنے کا حق ہے کہ

گئے دن کہ تنہا تھا میں انجمن میں
یہاں اب میرے راز داں اور بھی ہیں

دماغی صلاحیتوں کا خزانہ کسی ایک طبقہ میں مرکوز نہیں ہے نہ کبھی مرکوز رہا ہے، اور نہ بھی مرکوز ہوسکتا ہے، اور ایسا ہونا کچھ اچھا بھی نہیں، اس طبقہ کے لئے خواہ بات کتنی ہی نازش وافتخار کی ہو، لیکن انسانیت کے حق میں یہ کوئی بہتر نہیں ہے کہ انسانی ذہانتوں کا خزانہ اور محنتوں کا ذخیرہ کسی ایک طبقہ میں مرکوز ہوکر رہ جائے، جہاں تک اسلام کا تعلق ہے آپ جانتے ہیں کہ اسلام میں

علماء دین کا کوئی مخصوص موروثی طبقہ ہے، کلرجی اور پریسٹ ہڈ کا تخیل مسیحی دنیا میں ملتا ہے، اس کا دنیائے اسلام میں کہیں وجود نہیں، اگر ہمارے بعض اہل قلم مصنفین کی تحریروں میں کچھ ایسی تعبیرات اور الفاظ آتے ہیں تو بے سوچے سمجھے یا مغرب کی تقلید میں، مثلاً اس وقت عرب مصنفین کے یہاں ''رجال الدین'' کا ایک لفظ استعمال ہوتا ہے، جو تقریباً اسی معنی میں ہے جو مسیحی دنیا میں پرسٹ ہوڈ کیلئے استعمال ہوتا تھا، اس محتاط مصنفین جو اسلام کی صحیح روح اور صحیح فکر کی ترجمانی کرنا چاہتے ہیں، ان لفظوں سے ہمیشہ احتراز کیا ہے، لیکن علوم اسلامیہ کی طرف عصری دانش گاہوں کے فضلاء کی توجہ خوشی کا اظہار کرتے ہوئے بھی میں یہ اضافہ کروں گا کہ کلرجی اور پریسٹ ہڈ اسلام میں نہیں ہے لیکن ایکسپرٹ اسپیشلسٹ ماہرین فن اور اصحاب اختصاص کا وجود ہمیشہ رہا ہے اور یہ ایک علمی حقیقت ہے، اس لئے کہ علوم اتنے پھیل گئے ہیں، اور ان میں اتنا تنوع اور وسعت پیدا ہوگئی ہے کہ ایک آدمی کے لئے ہمہ داں ہونا عملاً ناممکن ہے، یورپ میں بھی ترقی اس وقت شروع ہوئی جب وہاں تقسیم کار کے اصول پر عمل کیا گیا، اور علوم کے مختلف شعبے تقسیم ہوگئے، اور اس کی کوشش مغربی فضلاء نے چھوڑ دی کہ وہ تمام علوم میں اتھارٹی اور سند کا درجہ حاصل کریں، جہاں تک مجھے علم ہے یورپ میں اب بھی اس اصول کا احترام مشرق سے زیادہ کیا جاتا ہے، وہاں کہ علم کے فاضل بھی بعض اوقات اس علم کے بعید متعلقات کے متعلق بغیر کسی شرم وندامت کے محسوس کئے کہہ دیتے ہیں کہ یہ ہمارا موضوع نہیں، اس حقیقت کو تسلیم کرتے ہوئے، ہمیں اس کو اصول کے تحت تسلیم کرلینا چاہیے کہ ہماری آئندہ دلچسپیاں اور ہماری علمی اور تصنیفی سرگرمیاں کسی خاص موضوع یا فن کے ساتھ مخصوص ہوں گی۔

معیار کی طرف توجہ کی ضرورت ہے

مجھے خوشی اور فخر ہے کہ میں آپ کا ہم سفر ہوں ہم سفری کے اس حق سے فائدہ اٹھاتے ہوئے میں آپ کے سامنے چند باتیں عرض کردینا چاہتا ہوں، آپ اس کو کسی تعریض پر محمول نہ فرمائیں، پہلی بات جسے میں محسوس کررہا ہوں، اور آپ میں سے بہت لوگ محسوس کررہے ہوں گے، بہت سے سینئر اسکالرز یہاں موجود ہیں جن کے ۳۰-۴۰ برس اس صحرانوردی میں گزرے ہوں گے کہ علم وتحقیق کا معیار روز بروز گھٹتا جارہا ہے، مجھے یورپ کے سفروں میں بھی اس کا احساس ہوا اور میں نے بعض فضلاء سے بھی سنا وہاں بھی اورینٹل ازم کا جہاں تک تعلق ہے، یعنی

مشرقی مباحث لکھنے کا' اس کا معیار فروتر ہوگیا ہے' اور وہ بھی محسوس کرتے ہیں کہ جتنی محنت اور جیسا عشق اور لگن گزشتہ نسل کے فضلاء میں تھی' اس میں کمی ہے' اس کے پیچھے بہت سے عوامل کام کرتے ہیں' کچھ سیاسی ہیں کچھ معاشی ہیں۔

استشراق کی ترقی کا راز

ہر علم کے پیچھے بعض بہت طاقتور محرکات ہوتے ہیں' ان عوامل و محرکات نے اورینٹل ازم کو ایک زمانہ میں چوٹی پر پہونچادیا تھا' فزکس اور ٹکنالوجی یا اکنامکس کے چند دائروں کو چھوڑ کر جہاں تک علمی اور نظر مباحث کا تعلق ہے' اورینٹل ازم کو یورپ میں اعزاز حاصل تھا' مستشرقین اور ان کی کتابوں کی جس طرح قدر ہوتی تھی وہ کم علوم کو حاصل تھی' یہاں تک کہ ادبیات اور لسانیات کے علوم کو بھی شاید وہ درجہ نہیں دیا جاتا تھا' اس کے پیچھے ایک بہت بڑا عامل کام کررہا تھا' ہم کو خوشی ہونی چاہے کہ اب وہ باقی نہیں رہا' وہ تھا استعمار' مشرق کے سب سے زیادہ سرسبز و شاداب ممالک بدقسمتی یا خوشی سے مسلمانوں کے زیر اثر تھے' ان پر مغرب کی للچائی ہوئی نگائیں پڑ رہی تھیں۔

استعمار نئی نو آبادیاں قائم کرنا چاہتا تھا' اس لئے وہاں کے قومی مزاج اور خصوصیات اور ان کی خوبیوں سے زیادہ کمزوریوں سے واقف ہونے کی ضرورت تھی' اس کیلئے مستشرقین ایک ہراول دستہ کا کام کرتے تھے' ان کے پیچھے حکومتوں کی سرپرستی تھی' بڑے بڑے فنڈ اور بڑے بڑے ادارے تھے' اور ان کا اکرام بادشاہ اور صدر جمہوریہ کے دربار میں بھی ہوتا تھا' یہ عرصہ ہوا کمزور پڑ گیا ہے۔

دوسرا معاشی عامل تھا' اس پر بھی کچھ اثر پڑا ہے' معاشی دھانچہ میں ایسی تبدیلیاں ہوئیں ہیں کہ اب وہ انعام ملنا مشکل ہیں جو پہلے ملتا تھا۔

علم کا عشق

تیسری چیز جو زیادہ توجہ کے قابل ہے' اور اس کو میں اصل سمجھتا ہوں وہ ہے' علم کا عشق جو ہماری پہلی نسل میں تھا' ایک لگن اور خود فراموشی کی کیفیت جو اس عہد میں تصنیفی اور تحقیقی کام کرنے والوں پر طاری رہتی تھی۔

یہ بات کسی خاص دانش گاہ یا جامعہ کو سامنے رکھ کر نہیں کہہ رہا ہوں، یہ میرا عالم مطالعہ ہے، تقریبا سب جگہ یہ محسوس کیا جارہا ہے (اور یہ بدقسمتی کی بات ہے) کہ علم سے عشق جو ہمارے اسلاف میں پایا جاتا تھا، اسلاف سے مراد مسلمانوں ہی کے اسلاف نہیں بلکہ گزشتہ نسل میں پایا جاتا تھا، وہ اب بہت کم نظر آتا ہے۔

نواب صدر یار جنگ مولانا حبیب الرحمن خان شروانی کی کتاب “علمائے سلف” جو انہوں نے اسی علی گڑھ میں لکھی ہے اس کو پڑھنے سے اندازہ ہو سکتا ہے کہ علم کا عشق اس وقت کے مصنفین اور محققین کے دلوں میں کیسا موجزن تھا، اور آج اس مین کس قدر نمایاں انحطاط ہوا ہے، یہ انحطاط کیوں ہوا؟ اس کا تعلق سیاسیات، معاشیات، ادبیات اور اخلاقیات سب سے ہے، اس کے پورے اسباب کا تجزیہ کرنا اس وقت نہ ضروری ہے اور نہ اس کی گنجائش ہے، لیکن اتنی بات آپ تسلیم کریں گے اور ہمارے معزز شرکاء کار اور ہم سفر ضرور اس کو تسلیم کریں گے کہ علم سے عشق، شمع علم پر پروانگی کی کیفیت علم و تحقیق کا ایسا جنون کہ کھانے پینے، کپڑے کا ہوش نہ رہے، آج مفقود بلکہ معدوم نظر آتا ہے، علماء سلف کے واقعات کو چھوڑ دیجئے اسی علی گڑھ میں جو علماء پیدا ہوئے، مولانا لطف اللہ علی گڑھی ان کے اس عشق کو دیکھئے اور اس کو بھی آپ چھوڑ دیجئے، اس وقت کے مغربی مصنفین کے یہاں “لین”، جس کا عربی لغت انگریزی دانوں کیلئے ہی نہیں بلکہ عربی ادب کے ان فضلاء کے لئے بھی قابل استفادہ ہے، جو تفصیلات میں جانا چاہتے ہیں، اور وہ مواد یکجا دیکھنا چاہتے ہیں، جو بعض اوقات بہت سے عربی لغتوں میں بھی نہیں ملتا، میں نے سنا ہے کہ قاہرہ میں جب وہ اس لغت کا کچھ حصہ تیار کر رہا تھا تو مہینوں گزر گئے وہ کہیں نہیں گیا اس کو پتہ نہیں تھا کہ بازار کہاں ہے، بازاروں میں جانے اور اہرام مصر جیسے عجائبات عالم کو دیکھنے کی فرصت نہ تھی، اس کو آپ بدمذاقی یا مردہ دلی پر محمول کر سکتے ہیں، لیکن یہ واقعہ ہے، بہت سی لازوال اور لافانی تصانیف کی تاریخ اگر آپ دیکھیں گے تو آپ کو معلوم ہوگا کہ ان کے مصنفین پر خود فراموشی کا علم طاری تھا، یہ وہ چیز تھی جس نے مغرب و مشرق کے مصنفین کے قلم سے وہ زندہ جاوید تصانیف اور ایسی تحقیقات نکلوائیں (جن سے اختلاف کے باوجود) ان کی عملی قدر و قیمت کا قائل ہونا پڑتا ہے۔

ماضی قریب کی علمی شخصیتیں

میرا روئے سخن خاص اپنے ان دوستوں سے ہے، جو لکھنے پڑھنے کا کام کرتے ہیں، مثال کے طور پر عرض کرتا ہوں کہ مولانا شبلی نے کتب خانہ اسکندریہ پر قلم اٹھانے کی ضرورت محسوس کی، ایک زمانہ تھا، جب ہندوستان میں مشترک دانش گاہوں میں پڑھنے والے مسلمان طلباء کو چڑھانے کے لئے صرف یہ کہنا کافی تھا'' اچھا آپ اس نسل اس مذہب سے تعلق رکھتے ہیں، جس کے خلیفہ نے اسکندریہ کا کتب خانہ جلوادیا تھا'' ابھی وہ لوگ موجود ہیں جنہوں نے وہ زمانہ پایا ہے، وہ لوگ کہتے ہیں کہ ہم لوگ منہ چھپاتے تھے، بلکہ منہ چراتے تھے، اور آنکھیں نہیں ملا سکتے تھے کہ اس کا کیا جواب دیں، ایک چلی ہوئی کہانی تھی کہ حضرت عمرؓ کو لکھا گیا کہ یہاں ایک کتب خانہ ہے، جو ظہور اسلام سے پہلے کا ہے، اس میں فلاسفہ کی اور منطقیوں کی کتابیں ہیں تو انہوں نے کہا کہ اگر وہ قرآن کے مطابق ہیں تو اس کی ضرورت نہیں اگر خلاف ہیں تو اس کو آگ لگادینی چاہیے چنانچہ لوگوں نے فیصلہ کیا کہ وہ قرآن کے خلاف ہیں، اور بغیر پڑھے کتب خانے کو آگ لگادی، یہ ایک کہانی تھی جس کو ٹائن بی جیسا مؤرخ تک دہراتا ہے، ٹائن بی نے جب رسم الخط کی تبدیلی اور کمال اتاترک کی اصلاح پر تبصرہ کیا تو اس نے کہا اب کتب خانہ اسکندریہ کو جلانے کی ضرورت نہیں، صرف رسم الخط بدل دینا کافی ہے، علامہ شبلی نعمانیؒ نے اس پر قلم اٹھایا، اور اس افسانہ کو آخری طور پر ختم کردیا کہ اب کسی پڑھے لکھے کو یہ بات زیب نہیں دیتی کہ یہ کہے کہ کتب خانہ اسکندریہ حضرت عمرؓ کے زمانہ خلافت میں ان کے حکم سے جلادیا گیا، انہوں نے قدیم مورخین کی شہادتوں سے ثابت کردکھایا کہ کتب خانہ اسکندریہ حضرت عمرؓ کی خلافت سے پہلے ہی جل چکا تھا، اس کا کہیں وجود ہی باقی نہیں تھا، مثلاً انہوں نے جزیہ کے مسئلہ پر قلم اٹھایا تو اس بحث ہی کو ختم کردیا، یا انہوں نے ''شعر العجم'' لکھی تو اہل ذوق اور فارسی دانوں سے اپنا لوہا منوالیا، پروفیسر براؤن جن کی کتاب ''لٹریری ہسٹری آف پرشیا'' اپنے موضوع پر (Gospel) کا درجہ رکھتی ہے، اور دنیا کی اکثر یونیورسٹیوں کے کورس میں داخل تھی) نے کہا کہ مجھے اب اردو سیکھنے کی تمنا پیدا ہوتی ہے تو اس لئے کہ میں براہ راست ''شعر العجم'' کا مطالعہ کرسکوں، یہ سب اس علمی شغف اور علمی استغراق کا نتیجہ تھا جو ان لوگوں پر طاری تھا۔

مولانا سید سلیمان ندویؒ جن کا اصل موضوع قرآن مجید، سیرت نبوی ﷺ اور تاریخ اسلام

تھا انہوں نے ’’عمر خیام‘‘ پر ایک ایسی کتاب لکھی جس کی داد فضلائے ایران نے بھی دی، اسی طرح ان کی کتاب ’’عرب و ہند کے تعلقات‘‘ محنت و کاوش اور ریسرچ کا اعلیٰ نمونہ ہے۔

میں اس موقع پر ’’نزہۃ الخواطر‘‘ کا بھی ذکر کروں گا، جو میرے والد ماجد مولانا حکیم سید عبدالحی (سابق ناظم ندوۃ العلماء) کی تصنیف ہے، اور عربی میں آٹھ ضخیم جلدوں میں مکمل ہوئی، اس میں ہندوستان کے ساڑھے چار ہزار مشاہیر اور اہل کمال کے تذکرے ہیں، انہوں نے بیسویں صدی کے آغاز میں اس کام کا بیڑہ اٹھایا، جب عربی مطابع کا رواج اور اشاعت کی سہولتیں نہیں تھیں، تقریباً ۶۵ سال وہ اس کام میں مشغول رہے، اس وقت یورپ میں بھی یہ کتاب ہندوستانی علماء فضلاء کے حالات معلوم کرنے کا سب سے بڑا ماخذ ہے، اسی طرح ان کی دوسری کتاب ’’الثقافۃ الاسلامیہ فی الہند‘‘ جو ہندوستان میں علوم الاسلامیہ اور نصاب درس کی تاریخ اور ہندوستانی علماء کی تصنیفات کی مکمل ڈائرکٹری ہے، اس کتاب کو دمشق کی رائل اکیڈمی ’’المجمع العلمی العربی‘‘ نے ۱۹۵۷ء میں شائع کیا، میں نے وہاں کی علمی مجلسوں میں بڑے بڑے فضلاء کو اس کی تعریف اور مصنف کی محنت کا اعتراف کرتے ہوئے پایا۔

علم محنت بھی ہے اور انعام بھی

ایک آدمی اس وقت وہ کام کرتا تھا جو ایک اکیڈمی اس وقت انجام نہیں دیتی، یہ سب ایک آدمی کی محنت کا نمونہ، ایک آدمی کی محنت کا کرشمہ اور ایک آدمی کے علم سے عشق کا نتیجہ ہے، آج اکیڈیمیاں، بڑے بڑے ادارے اور شعبے موجود ہیں، لیکن سالہا سال میں وہ کوئی پیش کش نہیں کر پاتے جس کو دیکھ کر اس علم کے ماہر یہ کہیں کہ ہاں یہ اوریجنل چیز ہے، بعض کتابیں دیکھ کر غالب کا وہ مصرعہ پڑھنا پڑتا ہے

اب آبروئے شیوۂ اہل نظر گئی

محنت کے معیار کو بڑھانے کی ضرورت ہے، علم محنت بھی ہے، انعام بھی ہے، پیاس بھی ہے، پانی بھی، بھوک بھی ہے، اور غذا بھی۔

جب تک اپنے فن سے اتنا تعلق نہ ہو کہ آدمی کو کتاب لکھنے پر اتنی خوشی ہو کہ وہ کہے اب مجھے اس ڈیپارٹمنٹ کا چیرمین بنایا جائے یا نہ بنایا جائے، میں نے اپنا کام کر دیا، میری محنت وصول ہو گئی۔

آج کے فضلاء اپنی کتاب اور تحقیق کو مکمل نہیں کر سکتے کہ وہ اسکے انعام کے متوقع ہو جاتے ہیں، اور ان کی ذہانت وتوجہ کا بڑا حصہ اسی مقصد پر صرف ہوتا ہے کہ آپ بہت سے آئی ایس ایم ایس سے واقف ہے، ایک نئے آئی ایس ایم کا اضافہ کر لیجئے جو ہماری دانش گاہوں اور تعلیمی مرکزوں میں تیزی سے پھیل رہا ہے، اور وہ ہے (کیریرازم) یعنی Career کو بہتر بنانا اور تقرب اور علم کے ذریعے جاہ طلبی۔

دلچسپی اور شغف عارضی نہ ہو

دوسری چیز یہ کہ دلچسپی اور شغف عارضی نہ ہو مثلاً کسی سیمینار کیلیۓ ہم کسی موضوع کو اپنے اوپر تھوڑی دیر کیلیۓ طاری کر لیں پھر اس کے بعد جیسے جگالی کیجاتی ہے، پڑھ کر ہم اس کو اگل دیں اور نہ ہمیں اس موضوع سے محبت ہو اور نہ وفاداری ہو نہ فکر ہو کہ اس سلسلے میں کیا ہوا، نہ اس میں اضافہ کرنے کا شوق ہو، اس موقع پر اقبال سے مدد لیتا ہوں انہوں نے اس حقیقت کو خوب بیان کیا ہے۔

مقصود ہنر سوز حیات ابدی ہے
یہ ایک نفس یا دو نفس مثل شرر کیا

علم اور تحقیق بھی ایک ہنر ہے اور اس ہنر کو زندگی بھر کا ساتھ دینا چاہئے۔ اس میں مقصدیت پیدا ہونی چاہئے وہ مثل شرر نہیں کہ بھڑکا اور بجھ گیا۔

علوم اسلامیہ کے سوتے ایمانیات سے ملتے ہیں

جہاں تک علوم اسلامیہ کا تعلق ہے آپ بیشک اجتہاد کی ضرورت پر مقالے پڑھیں ہم سب اس کو تسلیم کرتے ہیں، یہ الگ بات ہے کہ اس کا دروازہ بند ہو جانے کے اسباب کیا تھے، اور کہاں تک جائز تھے؟ لیکن میں ایک بات کہوں گا جہاں تک علوم اسلامیہ کا تعلق ہے، اس کے کچھ سوتے ایمانیات سے ملتے ہیں، بلکہ ان کا اصل سرچشمہ وہی ہے۔ اس لئے ہمارا طرز عمل انکے بارے میں وہ نہ ہونا چاہئے جو ایک غیر مسلم مستشرق کا ہوتا ہے ہم صرف بحث کریں اور ہمیں نہ اس سے کوئی دلچسپی ہو، نہ اس سے اتفاق ہو، ایک حد تک اتفاق بھی ہونا چاہئے اور اگر وہ ایمانیات سے تعلق رکھتا ہے تو اس پر ایمان بھی ہونا چاہئے اور کسی حد تک عملی زندگی میں اس کی نمود بھی

ہونی چاہیے، میں اپنے بچپن میں ایک حکیمانہ مقولہ سنا کرتا تھا کہ "یک من علم را دہ من عقل باید" ایک من علم ہو تو دس من عقل ہونی چاہئے ورنہ آدمی اس کا صحیح استعمال نہ کر سکے گا، تو میں ترمیم کروں گا کہ تحقیق کی کسی بڑی سے بڑی مقدار کے ساتھ کسی تناسب سے تقویٰ بھی ہونا چاہئے اس لئے کہ یہ مسئلہ علوم اسلامیہ کا ہے جس کا تعلق ایمانیات سے ہے، اگر ہم اس پر اس طرح عمل جراحی کرتے ہیں، جیسا کسی مردہ لاش کا پوسٹ مارٹم کیا جاتا ہے، تو یہ مناسب نہیں، تنقید میں کسی قسم کی توہین یا تضحیک کی شان نہیں ہونی چاہئے کہ طنزیات وتضحیک کو خالص علمی مزاج سے کوئی مناسبت نہیں، آپ کا اپروچ خالص علمی خالص اکیڈیمک ہو۔

حضرات! جو لوگ علم کی ذمہ داریوں اور تحقیقات ونظریات کی تغیر پذیری سے واقف ہیں، وہ اپنے کسی علمی نظریے یا تحقیق کے پیش کرنے میں جزم ووثوق اور قطعیت کے الفاظ استعمال کرنے سے احتراز کرتے ہیں، وہ اپنی کسی نئے خیال کو اس طرح نہیں پیش کرتے کہ وہ گویا اس موضوع پر حرف آخر اور تمام پچھلی تحقیقات پر خط نسخ پھیر دینے والا ہے، وہ کہتے ہیں کہ میرے اس وقت کے مطالعہ اور تحقیق نے اس نتیجہ تک پہونچایا ہے، ممکن ہے کہ آئندہ اس میں تبدیلی کرنی پڑے یا کوئی نئی بات ثابت ہو، یا مجھے اندیشہ ہے کہ یہ بات اس طرح ہو، مجھے بدر الدین طیب جی کا یہ جملہ پسند آیا جو انہوں نے کل ایک نشست کی صدارت کرتے ہوئے ایک مقالہ نگار سے کہا مجھے اندیشہ ہے کہ آپ کا وقت ختم ہو گیا ہو، وہ یہ بھی کہہ سکتے تھے کہ حضرت آپ کا وقت ختم ہو گیا ہے، لیکن انہوں نے اس کو بڑے لطیف انداز سے ادا کیا، ہم اس سے سبق لے سکتے ہیں، قلم پکڑیں تو آپ کو اول سے آخر تک علم کا احترام اور اس شخص کا احترام بھی ملحوظ رکھنا چاہیے جس نے اپنا وقت صرف کیا، جس نے اپنی آنکھیں خراب کیں جس نے اتنا مواد فراہم کیا۔

عربی زبان کی اہمیت

عربی زبان کی اہمیت بنیادی چیز ہے، اگر آپ کو علوم اسلامیہ پر کوئی بھی کام کرنا ہے تو یہ بڑے کلیفکشن کی بات ہوگی آپ عربی سے ناآشنا ہوں، قرآن، حدیث اور اسلامیات پر لکھنے والے بہت سے مشرقی اور مغربی فضلاء سے عربی نہ جاننے کی وجہ سے نادانستہ ایسی غلطی ہو جاتی ہے جو بعض اوقات ان کے پورے علمی کارنامے پر پانی پھیر دیتی ہے۔

مجھے ایک دوست نے بتایا کہ دہلی میں کوئی سیمینار ہو رہا تھا' اس میں ایک صاحب جنہوں نے انگریزی میں قرآن مجید کا ترجمہ کیا تھا' تقریر کر رہے تھے تو مشہور عرب ادیبہ اور مورخہ ''عائشہ بنت الشاطی'' نے جو اس سیمینار میں شریک تھیں' ان سے عربی میں خطاب کیا تو انہوں نے بے تکلفی سے کہا کہ میں عربی نہیں سمجھتا تو عائشہ نے کہا کہ قرآن مجید کا ترجمہ پھر آپ کیسے کرتے ہیں'؟ اس کے بعد وطن جا کر انہوں نے مصر کے کثیر الاشاعت اخبار ''الاہرام'' میں اس پر کئی قسطوں میں مضمون لکھا کہ ''مین نے عجائبات عالم میں سے ایک عجیب چیز یہ دیکھی کہ ایک فاضل نے قرآن مجید کا ترجمہ کیا اور وہ عربی سے ناواقف تھا۔''

آپ حضرات آسانی کے ساتھ اس پر قابو پا سکتے ہیں' اور عربی زبان میں وہ دسترس حاصل کر سکتے ہیں' جس سے آپ غلطیوں سے بچ سکیں' اس سلسلے میں عربی مدارس آپ سے بھرپور تعاون کریں گے۔

انتشار انگیزی سے احتراز کیجئے

بعض فضلاء اپنے نظریات وتحقیقات کے اظہار میں بہت عجلت سے کام لیتے ہیں' ان کی اشاعت ہو جاتی ہے پھر وہ کچھ عرصہ بعد خود ہی ان سے رجوع کر لیتے ہیں' اس میں کوئی شک نہیں کہ وہ اپنا اخلاقی فرض انجام دیتے ہیں' لیکن جو لوگ اس عرصہ میں ان نظریات وتحقیقات کے ساتھ اس دنیا سے رخصت ہو جاتے ہیں ان کی ذمہ داری کس پر ہے؟ یہ مسئلہ اور زیادہ سنگین ہو جاتا ہے جب اس کا تعلق ایمانیات اور عقائد سے ہو' اس لئے ہمیں اپنی تحقیقات کی اشاعت و تبلیغ کے بارے میں (خاص طور پر جب ان کا تعلق عقائد اور دینیات سے ہو) عجلت اور بے خبری سے کام نہیں لینا چاہیے' ان پر بار بار غور کرنا چاہیے' ان کو شک شبہ کی نگاہ سے دیکھنا چاہیے ماہرین فن کے سامنے پیش کرنا چاہیے اور ان کی رائے اور مشورہ کا انتظار کرنا چاہیے' پھر اس کے بعد اس کی اشاعت کی اجازت دینی چاہیے' یہ دور انتشار ہے' اس وقت طبیعتیں انتشار انگیزی کے لئے ہر وقت آمادہ ہیں' انسان ہمیشہ سے سہولت پسند اور حیلہ جو واقع ہوا ہے' جدید تمدن نے سائنسی ترقی کی رفتار نے اور معیار زندگی کی بلندی نے اس کو زیادہ سہولت پسند اور انتشار پسند بنا دیا ہے' اس لئے ہم ایسی بات کہنے سے احتراز کریں' جس سے لوگوں میں انتشار پیدا ہو۔

[illegible] میں جب عربوں کو اسرائیل کے مقابلہ میں شکست فاش ہوئی تو میں نے اپنے ایک

انٹرویو میں کہا تھا کہ اس میں بہت بڑی ذمہ داری ان تشکیک پسند ادباء اور مصنفین پر ہے۔ جنہیں نے ہماری جدید عرب نسل کی بنیادوں کو ہلا کر رکھ دیا۔ تمام قدیم اقدار کو انہوں نے متزلزل کر دیا۔

میں شکر گذار ہوں وائس چانسلر صاحب پرو وائس چانسلر صاحب پروفیسر حقی صاحب اور ان سب حضرات کا جو اس سمینار سے تعلق رکھتے ہیں کہ انہوں نے مجھے عزت بخشی اور بڑے اعتماد کا اظہار کیا، میں پورے وثوق کے ساتھ کہتا ہوں کہ میں نے جو کچھ اس سمینار میں کہا مخلصانہ ہے۔ خدا کرے کہ میں بھی اسے فائدہ اٹھاؤں اور آپ بھی اپنے جواہر اور کمالات میں اضافہ کریں۔

ملک وملت کی نوجوانوں سے توقعات

> یہ تقریر مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندوی نوراللہ مرقدہ نے مورخہ ۲۶ مئی ۱۹۸۴ھ کو پاکستان کی عظیم درسگاہ جامعہ کراچی میں اساتذہ وطلبہ سے مخاطب ہوتے ہوئے فرمائی تھی اس باوقار جلسہ کی صدارت یونیورسٹی کے وائس چانسلر جناب ڈاکٹر جمیل جالبی صاحب فرمارہے تھے۔

الحمد لله نحمده ونستعينه ونستغفره ونعوذبا لله من شرور انفسنا ومن سيئات اعمالنا من يهد الله فلا مضل له ومن يضلله فلا هادى له ونشهد ان لا اله الا الله ونشهد ان محمد اعبده ورسوله الذى ارسله الله تعالى بالحق بشيرا ونذيرا وداعيا الى الله باذنه وسراجامنيرا

محترم وائس چانسلر صاحب، اساتذہ، عزیز طلباء اور معززین شہر!

میرے لئے بڑی مسرت اور عزت کی بات ہے کہ مجھے جامعہ کراچی کے اساتذہ اور طلباء اور شہر کے معززین سے خطاب کرنے کا موقع مل رہا ہے۔ میری حقیر ذات کا جناب وائس چانسلر صاحب نے بڑی فراخ دلی اور کریم النفسی کے ساتھ تعارف کرایا ہے۔ اور میری حقیر علمی کوششوں کو سراہا ہے، جس سے خود ان کے مطالعہ کی وسعت اور تنوع کا اندازہ ہوا، لیکن میرے تعارف کا ایک گوشہ رہ گیا جس سے اس وقت کے حاضرین مجلس کو خاص طور پر دلچسپی ہونی چاہئے وہ یہ کہ میری شعوری اور علمی زندگی کا آغاز معلّمی سے ہوا، میرے درجوں کے عزیز طلباء کو کتنا فائدہ پہنچا۔ ان کی کیا خدمت ہوئی؟ اس کے متعلق تو میں یقین کے ساتھ نہیں کہہ سکتا لیکن مجھے خود بہت فائدہ پہنچا ذہن کی ترقی اور وسعت، انسانی نفسیات کے سمجھنے اور زندگی کے مطالعہ کے سلسلہ میں مجھے اس سے بڑی مدد ملی میں نے سکھانے سے زیادہ سیکھا۔ مجھے اپنے طویل سفروں اور دوروں کی وجہ سے مختلف مجالس اور مختلف تقریبات میں بڑے بڑے مجمعوں سے خطاب کرنے کا موقع ملتا ہے۔ لیکن میرے لئے خوشگوار ترین موقع وہ ہوتا ہے جہاں مجھے

نوجوان اور اپنے ہم مشغلہ اساتذہ سے خطاب کرنے کا موقع ملتا ہے۔ آج اللہ نے ایسا ہی موقع مرحمت فرمایا ہے اور میں اس کے لئے جامعہ کے ذمہ داروں کا شکر گذار ہوں۔

حضرات! کسی ملک کی ترقی اور استحکام اور کسی معاشرہ کے تحفظ اور اس کے باعزت زندگی گذرانے کے بہت سے سرچشمے، بہت سی شرطیں اور بہت سی علامتیں ہیں۔ مثلاً کوئی ملک بڑی فوجی طاقت کا ملک ہے، کسی ملک کے پاس زندگی کے بڑے ذرائع ہیں، کسی کے پاس معدنی، حیوانی، زراعتی دولت کا بہت بڑا ذخیرہ ہے، کسی ملک میں جامعات کی بڑی کثرت ہے، کسی ملک کے تعلقات عظیم ترین سلطنتوں اور عظیم ترین ملکوں سے بڑے دوستانہ ہیں اور اس ملک و ان پر بڑا اعتماد ہے، کسی ملک میں انسانی ذہانت کا بڑا ذخیرہ ہے، وہاں بہت انسانی توانائی پائی جاتی ہے، وہاں کے لوگ جسمانی طور پر بہت صحت مند ہیں۔ یہ سب چیزیں کسی ملک کی طاقت واستحکام اور کسی ملک کی عزت اور اسکے احترام کی علامتیں سمجھی جاتی ھیں میں انکا انکار نہیں کرتا لیکن اگر میرے سامنے کسی ملک کی بڑائی کسی ملک کے استحکام اور کسی معاشرہ کے باعزت زندگی گزارنے کا ذکر آئے اور کسی ملک کی تعریف کی جارہی ہو تو میں ایک سوال کروں گا، وہ یہ کہ ”مجھے یہ بتائیے کہ وہاں کے اسکولوں اور کالجوں سے لے کر یونیورسٹیوں کے طلباء تک نئی نسل کے تعلیم یافتہ نوجوانوں میں کس درجہ کا احساس ذمہ داری پایا جاتا ہے۔ ان میں ضبط نفس کی کتنی طاقت ہے، ان میں اپنے تاثرات کو حد اعتدال میں رکھنے کی کتنی صلاحیت ہے، ان میں کسی ملک کے صالح نظام اور جائز قوانین کے احترام کی کتنی عادت ہے، اور ان میں احساس شہریت (CIVIC SENSE) کتنا پایا جاتا ہے؟“ میں تاریخ کے ایک طالبعلم کی حیثیت سے بھی (جس کی طرف وائس چانسلر صاحب نے متعدد اشارے کئے ہیں) اور تاریخ کے حدود سے نکل کر زندہ معاشروں میں چلنے پھرنے اور لوگوں کے ساتھ اٹھنے بیٹھنے والے ایک انسان کی حیثیت سے بھی اس نتیجہ پر پہنچا ہوں۔ میں صرف کتابوں کے صفحات اور گزشتہ تاریخ پر اس کی بنیاد نہیں رکھتا۔ بلکہ اکبر الہ آبادی مرحوم کے اس شعر پر عمل کرتا ہوں۔

نقشوں کو تم نہ جانچو، لوگوں سے مل کے دیکھو
کیا چیز جی رہی ہے، کیا چیز مر رہی ہے

اعداد وشمار کے فن یعنی شماریات نے ہمارے اس زمانہ میں جو اہمیت اختیار کر لی ہے، اس کے

لئے جو بڑے عظیم ادارے قائم ہوئے ہیں، ان کے لئے جو انسانی توانائیاں صرف ہورہی ہیں انکی اہمیت کو کم کئے بغیر یہ عرض کروں گا کہ میرے نزدیک کسی ملکی بقاء وارتقاء اور اس کی سالمیت اور اس کی عزت واحترام کے جانچنے کا معیار یہ نہیں ہے جو پختہ کار و پختہ سن نسل اس وقت موجود ہے، یا جس نے بڑھاپے کی منزل میں قدم رکھا ہے وہ بہتر سے بہتر ہے، اس میں سے ہر شخص ہماری قدیم سوانح کی اصطلاح میں ولی ہے اور علمی اصطلاح میں فاضل اجل علامہ ہے اور دوسری اصطلاحوں میں ان کی جو تعریف کیجئے۔ یہ بالکل کافی نہیں ہے، اس لئے کہ یہ نسل جلد ختم ہو جائے گی۔ اللہ اس کی عمر میں برکت دے لیکن الٰہی قانون اپنا کام کر رہا ہے، اس میں نہ پیغمبروں کا استثناء اور نہ ولیوں کا استثناء ہے اور نہ عالموں کا استثناء ہے۔ ''**وما محمد الا رسول قد خلت من قبله الرسل**'' (محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے ایک رسول ہیں۔ پہلے جتنے رسول آئے چلے گئے۔) یہ موت وحیات کا قانون سب پر حاوی ہے۔ یہ بات اطمینان کے لئے کافی نہیں کہ کسی ملک کی ادھیڑ یا بوڑھی نسل بڑی پاکباز ہے، بڑی زندہ دل ہے، بڑی صلاحیتوں کی مالک ہے، دیکھنے کی بات یہ ہے کہ جس نسل کو اس نسل کی جگہ لینی ہے ملک کی باگ ڈور سنبھالنا ہے اور جس سے اس ملک کی قسمت وابستہ ہے، جس سے اس ملک کا تاریخی تسلسل قائم رہے گا، وہ نسل کس درجہ کا اخلاقی معیار رکھتی ہے؟ کس درجہ اس کو اپنی طبیعتوں پر قابو اور کنٹرول ہے؟ کس درجہ اس کے اندر برائیوں سے بچنے کی طاقت ہے اور کس درجہ اس میں مخلصانہ ومردانہ جدوجہد پائی جاتی ہے؟

میرے نزدیک کسی ملک وقوم کی صلاحیت، عزت وطاقت کا یہ اصل معیار ہے، اگر کسی ملک کو سب کچھ حاصل ہے، لیکن اس ملک نوجوان اور خاص طور پر تعلیم یافتہ نسل صحیح اور ضروری نظام کا احترام کرنا نہیں جانتی، وہ ملک وملت کے مفاد پر اپنے ذاتی مفاد کو ترجیح دیتی ہے، اس میں اپنے ذاتی مفادات کو ملک کے وسیع تر مفادات کے لئے قربان کرنے کی صلاحیت نہیں ہے تو وہ ملک اور قوم سخت خطرہ میں ہے۔ اس لئے کہ اس کی نئی نسل میں قابل تحفظ وقابل احترام روایت کے (جن سے اس کی اس میں عادت نہیں ہے، وہ بارود اور پیٹرول کی طرح ہے، جو فوراً آگ پکڑ لیتے ہیں۔ میں ایک مرتبہ باہر سے یوپی کے مشہور شہر کانپور آ رہا تھا۔ میرے کار کے سامنے ایک ٹینکر چل رہا تھا، بہت دور تک اس کا ساتھ رہا، ہماری کار سے آگے نہیں نکل سکتی تھی، اس

ٹینکر کی پشت پر لکھا ہوا تھا۔ (Highly Inflammable) اس لئے کہ اس میں پیٹرول بھرا ہوا تھا۔ میں اس کو دیکھتا رہا۔ یہ بے بسی کی بات تھی کہ میری نظر بار بار اس پر پڑتی تھی۔ مجھے کانپور میں دانشوروں اور تعلیم یافتہ دوستوں سے خطاب کرنا تھا۔ میں نے اس سے یہ واقعہ بیان یا چھوٹے واقعات سے بڑے بڑے دانشوروں اور مصنفوں نے بڑے بڑے نتائج نکالے ہیں۔ میرا خیال ہے کہ ادب، فلسفہ اور عقلیات کا اتنا ہی حصہ قابل احترام نہیں ہے، جس میں بڑی بڑی علمی تحقیقات کی گئی ہوں بلکہ انسانی نفسیات اور ادبیات کا وہ حصہ بھی بڑا قیمتی ہے، جس میں چھوٹے چھوٹے واقعات سے بڑے بڑے نتائج نکالے گئے ہیں، میں نے اس مجمع سے (جس میں نوجوانوں کی تعداد خاصی تھی) کہا کہ (Highly Inflammable) پیٹرول کی تعریف ہو سکتی ہے اور جلد آگ پکڑنے والے مادوں کی تعریف ہو سکتی ہے، لیکن ملت اسلامیہ کی یہ تعریف نہیں ہو سکتی بلکہ مسلمانوں کے کسی طبقہ کی بھی حالت یہ ہو کہ کسی خلاف طبیعت چیز کو برداشت کرنا ان کے لئے ناممکن ہو اور وہ ہر مسئلہ کو وقار کا مسئلہ بنا لیں تو یہ بات بڑی خطرناک ہے۔

یہ واقعہ قوموں اور ملتوں کی زندگی میں صدیوں میں کبھی کبھی آنا چاہئے جب کسی ملت کی اجتماعی توہین ہو، یا شعار اللہ اور اصول دین کا مذاق اڑایا جائے یا ذات نبوی (علیہ الف الف سلام) کی شان میں معاذ اللہ گستاخی ہو، یا کسی مسلمان کی عزت و آبرو خطرے میں پڑ جائے۔ میں اس کی مثال دیتا ہوں۔ خلیفہ معتصم اپنے پورے جاہ وجلال کے ساتھ دربار میں بیٹھا ہوا ہے، بڑے بڑے فضلاء اور بڑے بڑے ارکان سلطنت موجود ہیں، ایک شخص آ کر کہتا ہے کہ امیر المومنین! میں عموریہ سے آ رہا ہوں (عموریہ اسلامی سلطنت سے باہر بازنطینی سلطنت کا ایک شہر تھا، جو ابھی اسلامی قلمرو میں داخل نہیں ہوا تھا) وہاں ایک مسلمان خاتون پر کسی عیسائی نے دست درازی کی، اس خاتون کی زبان سے بے اختیار جملہ نکلا! "وامعتصماہ" "معتصم کی دہائی ہے!" یہ سنتے ہی معتصم نے اس کے جواب میں کہا "لبیک" (میں حاضر ہوں) معتصم اسی وقت وصیت نامہ لکھواتا ہے، اسی وقت اپنی ذاتی چیزوں کے متعلق ہدایت دیتا ہے مجلس سے اٹھتا ہے۔ خود لشکر اسلامی کی قیادت کرتا ہے اور حاکم عموریہ کی گوشمالی مسلمان خاتون کی دادرسی اور عموریہ کو سلطنت اسلام میں شامل کر کے واپس آتا ہے۔ قوموں اور ملتوں کی تاریخ میں اس

صدیوں میں کبھی ایسا وقت آئے تو غیرت اسلامی کا فتویٰ اور فرمان ہے

اچھا ہے دل کے ساتھ رہے پاسبانِ عقل
لیکن کبھی کبھی اسے تنہا بھی چھوڑ دے

لیکن افراد کی زندگی میں اگر گروہوں میں ہر روز اور ہر گھڑی یہ وقت آئے اور وہ فوراً اشتعال میں آ جائیں اور جاہلیت عرب کے اس شعر پر عمل کریں۔

لایسئلون اخاهم حین یندبهم
فی النائبات علی ماقال برهانا

شاعر ایک قبیلہ کی تعریف کرتے ہوئے کہتا ہے کہ ان کا حال یہ ہے کہ جب کوئی آواز ان کے کان میں پڑتی ہے قبیلہ کے کسی فرد کی طرف سے، تو وہ دلیل نہیں پوچھتے اور وہ یہ پوچھتے کہ یہ مقدمہ جائز ہے، حق ہے یا غلط اور جس فریق کی مدد کے لئے بلایا جا رہا ہے وہ حق پر ہے یا باطل پر؟ وہ فوراً امداد کے لئے کھڑے ہو جاتے ہیں اور فریق ثانی پر ٹوٹ پڑتے ہیں لیکن اسلام کی یہ تعلیم نہیں ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مجلس میں فرمایا: ’’انصر اخاک ظالما او مظلوما‘‘ (اپنے بھائی کی مدد کرو چاہے ظالم ہو یا مظلوم) صحابہ کرام کی اپنی ذہنی تربیت ہوئی تھی کہ ان کے ذہن سے غلط چیز کو قبول کرنے کی صلاحیت جاتی رہی۔ ان کو ذات نبوی سے جو تعلق تھا، اس کی مثال ادبیات میں ملتی ہے، نہ نفسیات و اخلاقیات کی تاریخ میں، نہ سیاسیات میں۔ وہ یہ بھی جانتے تھے کہ ’’ماینطق عن الهوی ان هوالاوحی یوحی‘‘ (آپ کی زبان سے جو نکلتا ہے وہ وحی الٰہی ہے) لیکن خود آپ نے ان کی ایسی تربیت کی تھی کہ کسی ایسی چیز کو قبول کرنے کے لئے ان کا ذہن تیار نہیں تھا جس میں اسلام کی بنیادی تعلیمات کے خلاف کوئی بات کہی گئی ہو۔ انہوں نے کہا ’’یارسول اللّٰہ ننصره مظلوما فکیف ننصره ظالماً؟‘‘ (یا رسول اللہ اگر وہ مظلوم ہے تو ہم اس کی مدد کریں، اگر ظالم ہو تو کیسے مدد کریں؟) انہوں نے سوچا آج ہم کیا سن رہے ہیں؟ ہماری قوت سماعت دھوکہ دے رہی ہے۔ یا ہم معنی نہیں سمجھے؟ آپ اس پر بالکل ناراض نہیں ہوئے آپ نے فرمایا! تم نے ٹھیک پوچھا، لیکن ظالم کی بھی مدد ہوتی ہے ظالم کی مدد یہ ہے کہ اس کا ہاتھ پکڑ لو، اس کو ظلم نہ کرنے دو۔

اسلام کا اصول یہ ہے کہ مظلوم کی مدد اسے ظالم سے چھڑانا ہے، ظالم کی مدد مظلوم کی گردن سے اس کا ہاتھ ہٹانا ہے۔

قوموں اور ملکوں کے لئے جہاں بہت سی چیزیں ضروری اور زندگی کی شرطیں ہیں، وہاں یہ بھی ہے کہ ان کے نوجوانوں میں ضبط کا مادہ ہو، افسوس ہے کہ ہمارے ادب ہمارے افسانوں، شاعری (مجھے معاف کیا جائے) پھر ذرائع ابلاغ عامہ، سنسنی خیز صحافت اور خبروں کی گرما گرم سرخیوں اور مضامین نے جذبات میں جوش اور اشتعال کی ایسی کیفیت پیدا کردی ہے کہ آدمی ادنیٰ درجہ کی خلاف طبع چیز کو برداشت نہیں کرسکتا۔

میں ابھی چند دن پہلے پٹنہ سے دربھنگہ جا رہا تھا، ایک بڑے اجلاس میں شرکت کے لئے۔ کار جب آگے چلی، تو وہاں کے کچھ سمجھدار لوگ کار کے سامنے آگئے اور کہنے لگے، براہ کرم آپ اس راستہ سے نہ جائیے، میں نے کہا کیا بات ہے؟ جہاں پہنچنا تھا اس کو وہی راستہ تھا، انہوں نے کہا وہ ایک اسکول کا لڑکا ایک سرکاری بس کے سامنے آگیا، اسے چوٹ آگئی، اس وقت سے اس اسکول کے تمام لڑکے سرکاری بسوں کو جلا رہے ہیں۔ پرائیوٹ کاروں کو بھی نہیں چھوڑتے، کوئی امتیاز نہیں ہے۔ کوئی کار بھی اس سڑک سے گزرے گی اسے آگ لگا دیں گے، ہمارے ساتھیوں نے کہا کہ ہمارے منہ پر داڑھیاں ہیں، مولوی لوگ ہیں اور ظاہر ہے کہ ہم سرکاری لوگ نہیں ہیں، ہمیں کیا خطرہ؟ انہوں نے کہا کہ نہیں اس وقت بالکل ہراسانی کیفیت ہے، کوئی نہیں دیکھتا کہ کون جا رہا ہے، ہر موٹر جلائی ہے۔ ہم نے کہا بہت اچھا، ہمارے بہار کے ایک بڑے عالم تھے۔ انہوں نے کہا کہ نہیں مولانا، اس میں بالکل اصرار نہیں کرنا چاہئے۔ چنانچہ ہم تقریب تین گھنٹے لیٹ ہو گئے اور پہلا اجلاس ہمیں نہیں ملا، ہم دن رات دیکھتے ہیں۔ دو کاروں کی موٹر سائیکلوں کی ٹکر ہو جاتی ہے تو ایک ہنگامہ ہو جاتا ہے ایک فریق ادھر ہو جاتا ہے دوسرا فریق ادھر، قانون کو فوراً ہاتھ میں لے لیا جاتا ہے یہ قانون کو ہاتھ میں لینے کی عادت جو (مجھے معاف کیا جائے) سیاسی تحریکوں نے پیدا کردی ہے، یہ بھی ایک بڑا مرض ہے، جو وباء کی طرح پھیل گیا ہے۔

کسی ملک کے باقی رہنے کی اور اپنے مقاصد اور اپنی صحیح منزل تک پہنچنے کی ضمانت اس وقت تک نہیں دی جاسکتی ہے جب تک کہ وہاں کے نوجوانوں میں قوت برداشت اور معاملہ کو سمجھنے کی

صلاحیت نہ ہو، کچھ چیز خود اپنی مرضی کے خلاف دیکھنے اور گوارا کرلینے کی صلاحیت نہ ہو۔ جن قوموں نے دنیا میں عظیم سلطنتیں قائم کی ہیں (اس سلسلہ میں عربوں کا نام لوں گا صحابہ کرام کا اور آخیر میں سلطنت عثمانیہ کا) ان میں یہ وصف نمایاں طریقہ پر موجود تھا۔ میں ترکی گیا تو میں نے دیکھا کہ ترک قوم میں ہماری مشرقی قوموں کے مقابلہ میں قوت برداشت کہیں زیادہ ہے کہیں میں نے شور ہوتے نہیں دیکھا، نظام کا احترام عام ہے مشتعل ہوکر دنگا فساد کرنے کا کوئی واقعہ کم سے کم میرے سامنے نہیں آیا، یہ بے صبری، جلد بازی، فوراً جوش اور غصہ میں آجانا معاشرے کے مریض ہونے کی علامت ہے، اتفاق سے لندن میں مجھے ایک مرتبہ عمومی انتخاب (جنرل الیکشن) کے دیکھنے کا موقع ملا۔ میں نے دیکھا کہ ہر پارٹی کا جو جلوس نکلتا ہے، وہ خاموشی کے ساتھ بینر لگائے ہوئے تھا، جس میں اس کا منشور لکھا ہوا تھا، نہ کوئی نعرہ، نہ آواز، میں نے کہا کہ ہم نے ہندوستان میں جتنے الیکشن دیکھے ہیں تقسیم سے پہلے بھی، تقسیم کے بعد بھی ان میں کوئی سو نہیں سکتا تھا۔ نماز پڑھنا بھی مشکل تھا۔ ایک پارٹی کا آفس ادھر قائم ہے، دوسری کا آفس ادھر قائم ہے۔ اور آوازوں کی طاقت کا مقابلہ ہو رہا ہے کہ کون زیادہ زور سے کہہ سکتا ہے کس کی آواز بلند ہے میں نے کہا کہ یہ عجیب قسم کا الیکشن ہے میں پولنگ اسٹیشن گیا تو دیکھا کہ ایک صاحبزادی دروازہ پر کھڑی ہیں، انہوں نے ہمارے میزبان کو جو ووٹر تھے، تین پرچے دیئے۔ تو وہ تینوں پرچے لے کر اندر گئے، جہاں ووٹ ڈالے جاتے ہیں۔ انہوں نے ووٹ ڈالا اور آکر دو پرچے واپس کردیئے اور ایک پرچہ رکھ لیا، میں نے کہا یہ کیا بات ہے؟ انہوں نے کہا میں نے جس پارٹی کو ووٹ دیا ہے اس کا پرچہ میں نے رکھ لیا ہے اس لئے وہ سمجھ جائے گی کہ میں نے کس کو ووٹ دیا ہے نہ میں نے کچھ پوچھا نہ اس نے کچھ کہا۔ صبح کو میں اٹھا ٹی وی سے نتائج آنے شروع ہوگئے۔ تو معلوم ہوا کہ الیکشن ختم ہوگیا۔ فلاں پارٹی جیت گئی، ہم نے انہی لوگوں سے انتخابی سیاست کا سبق سیکھا تھا لیکن شاگرد استاد سے بڑھ گئے، ہم نے ان سے سکون تحمل ضبط و نظم کا سبق نہیں سیکھا۔

میں اس وقت آپ حضرات کی توجہ ایک تاریخی حقیقت کی طرف مبذول کرانا چاہتا ہوں۔ میں چاہتا ہوں کہ اس عظیم جامعہ میں اس مسئلہ پر کچھ ریسرچ کا کام ہو، میں نے جب برطانیہ کی تاریخ پڑھی تو معلوم ہوا کہ سترہویں صدی کے اختتام تک برطانیہ کی اخلاقی حالت بہت کمزور تھی،

دونوں علامتیں برطانوی معاشرہ میں ایسی نہیں پائی جاتی تھیں کہ برطانیہ ایک دن ایک عظیم امپیر طاقت قرار پائے گا اور ہندوستان جیسی عظیم مملکت پر اس کا قبضہ ہوگا اور بڑی کامیابی خوبی کے ساتھ (خواہ ہندوستانی نقطہ نظر سے وہ استبداد اور ظلم قرار دیا جائے) وہ پورے ملک کو اپنے کنٹرول میں رکھے گا، آپ اگر اس وقت کی شاعری اس وقت کے افسانے اس وقت کا لٹریچر پڑھیں اور اس وقت کے اخبارات کے فائل مل جائیں تو آپ کو معلوم ہوگا کہ اس سوسائٹی کے متعلق کوئی پیش گوئی نہیں کی جاسکتی تھی کہ یہ سوسائٹی اتنا عظیم کردار ادا کرے گی اور ایشیا میں سب سے بڑی طاقت بن جائے گی اور لوگ کہیں گے کہ برطانوی حکومت میں آفتاب غروب نہیں ہوتا لیکن ایسٹ انڈیا کمپنی کے ہندوستان میں قدم رکھنے کے بعد جب یہ نظر آنے لگا کہ ہندوستان برطانیہ کی تحویل میں جانے والا ہے اور برطانیہ کے قدم اس ملک میں جم جائیں گے اچانک برطانوی سوسائٹی میں ایک تبدیلی ہوئی۔ اس کے اندر یہ احساس پیدا ہوگیا کہ ہم ایک بہت بڑی شہنشاہیت کے مالک بننے والے ہیں، ہمیں رکیک اور اور پست حرکتوں سے، اپنے ملک سے بے وفائی کرنے سے، اپنی سلطنت کا نام بدنام کرنے سے احتراز کرنا چاہئے۔ اچانک یہ انقلاب رونما ہوا، میں چونکہ برطانوی تاریخ کا طالب علم نہیں ہوں، اس لئے پورے وثوق سے اس انقلاب کے سرچشمہ اور اس تبدیلی کے پیدا کرنے والے آدمیوں تعلیم وتربیت کا کام کرنے والوں اور ذرائع کا تعین نہیں کرسکتا، جو میدان میں آئے اور جنہوں نے برطانوی قوم میں ایک نئی روح پیدا کردی۔ میرے خیال میں چاہے اس کی کوئی دستاویز نہ ملے مگر اس میں خود اس احساس کو دخل تھا کہ خدا نے ہم کو اتنا بڑا ملک دے دیا ہے، اس لئے اب ہمیں اپنے کو اس کا اہل ثابت کرنا چاہئے۔ اس انگریزی دور میں، انگریزوں میں ایسا وقار، ایسی محنت اور ایسا رعب پیدا ہوگیا، جو آج خود انگلستان میں دیکھنے میں نہیں آتا۔ شہر کے کسی آدمی کی ہمت نہیں تھی کہ قانون کی حدود سے تجاوز کرے۔ اسٹیشنوں پر دیکھتے تھے کہ ہر کام وقت پر ہو رہا ہے۔ ہر شخص مستعد اور چست ہے، اسکولوں اور کالجوں کا تو کہنا ہی کیا۔ میں اتفاق سے لکھنؤ یونیورسٹی کا طالب علم بھی رہا ہوں۔ یہ ۲۷ء، ۲۹ء کا زمانہ تھا، یونیورسٹی میں (اس زمانہ میں وائس چانسلر عام طور پر انگریز ہوا کرتے تھے) ایک عجیب نظم وضبط نظر آتا تھا۔ نہ کہیں شور سنائی دیتا تھا نہ نعرہ بازی ومظاہرہ دیکھنے میں آیا۔

یہ بات اس سے زیادہ وسیع اور عمیق دائرہ میں عربوں کو پیش آئی کہ صحرا نشین جب جب صحرا سے نکلے اور دنیا کی عظیم ترین سلطنتوں رومۃ الکبریٰ اور سلطنت ساسانیہ کے وارث ہوئے۔ تو اچانک ان کا ذہن بلند ہو گیا اور جیسا کہ آپ کے پاکستان کے شاعر اور اسلام کے شاعر مولانا ظفر علی خان مرحوم نے کہا ہے۔

بات کیا تھی کہ نہ روما سے نہ ایراں سے دبے
چند بے تربیت اونٹوں کے چرانے والے
جن کو کافور پہ ہوتا تھا نمک کا دھوکا
بن گئے خاک کو اکسیر بنانے والے

عربوں کا ذہن ایک دم بلند ہو گیا کہ اب وہ عرب نہیں، داحس وغبراء کا زمانہ نہیں رہا کہ ایک گھوڑے کے آگے بڑھ جانے پر ایک گھوڑے کے پیچھے رہ جانے پر، پہلے پانی، بعد میں پانی پینے پر، لڑائی کا سلسلہ چالیس چالیس برس تک جاری رہتا۔ بات کیا تھی آغاز کہاں سے ہوا؟ ایک قبیلہ کے سردار کا گھوڑا پیچھے رہ گیا، ایک کا آگے بڑھ گیا، بس اس نے اپنی توہین سمجھی اور سیکڑوں آدمیوں کی جانیں چلی گئیں۔ انہیں عربوں کو آپ دیکھیں کہ سلطنت پانے کے بعد یعنی جب مسلم امپائر قائم ہوا تو ان کی حالت بالکل دوسری تھی، وہ نہایت متحمل، نہایت اصول پسند، نہایت وسیع النظر اور وسیع القلب بن گئے۔ یہی ہمارے آزاد ہونے والے ممالک میں ہونا چاہئے تھا، مصر میں، شام میں، عراق میں، الجزائر میں، اور مجھے کہنے کی اجازت دیجئے کہ پاکستان میں۔ ایک دم سے ذہن بدل جانا چاہئے تھا اور احساس ذمہ داری، احساس فرض اور احترام قانون کی کارفرمائی ہونی چاہئے تھی۔

الف لیلہ کا قصہ ہے کہ کسی شخص نے بغداد کے کسی معزز آدمی کے یہاں اشرفیوں کی ہانڈی امانت رکھی اور کہا کہ میں جہاد پر جا رہا ہوں، معلوم نہیں شہید ہو جاؤں یا زندہ بچ کر آ جاؤں۔ اگر آپ میری شہادت کی خبر سنیں تو فلاں خاندان کے حوالہ کر دیجئے گا۔ ہانڈی رکھ دی گئی، لیکن شہادت ان کے مقدر میں نہ تھی، وہاں سے صحیح سلامت واپس ہوئے تو ان صاحب کے پاس گئے اور کہا کہ ”آپ کو یاد ہوگا کہ فلاں موقع پر میں آیا تھا اور میں نے آپ کے پاس ایک ہانڈی امانت رکھی تھی، اس میں اشرفیاں تھیں، اب میں لینے آیا ہوں۔ انہوں نے کہا کہ آپ کون

ہیں؟۔ میں پہچانتا نہیں، کچھ اور یاد دلائیے، میرے یہاں تو ایسی کوئی چیز نہیں رکھی جاتیں، دیکھیے کہیں رکھی ہو تو اٹھا لیجیے۔" وہ بے چارے منہ دیکھتے رہ گئے کوئی تحریر ان کے پاس تھی نہیں۔ انہوں نے بہت یاد دلانے کی کوشش کی، کہا شہر میں آپ کی بڑی حیثیت ہے، آپ امانت حوالہ کردیجیے انہوں نے تجاہل عارفانہ برتا، وہ اپنا سا منہ لیکر چلے گئے۔

وہ قاضی صاحب کے پاس گئے، قاضی صاحب بہت ذہین اور نفسیات سے واقف تھے۔ انہوں نے کہا "تم خاموش رہو، میں ایک ترکیب کرتا ہوں، انہوں نے دو چار آدمیوں سے ذکر کیا کہ فلاں صاحب کو فلاں عہدہ ملنے والا ہے ان کو فلاں جگہ کا صوبہ دار بنایا جانے والا ہے، یا ان کو وزارت ملنے والی ہے، وہ چاہتے تھے کہ اس کا چرچا ہو، ایسی کوئی بات راز نہیں رہتی، رفتہ رفتہ صاحب معاملہ نے بھی سن لیا کہ مجھے فلاں عہدہ ملنے والا ہے یہ مرحلہ طے ہو گیا تو قاضی صاحب نے ان صاحب کو بلایا اور کہا کہ اب جا کر تم ان سے تقاضا کرو۔ یاد دلاؤ، ذرا تہذیب سے کہنا کہ شاید اب آپ کو یاد آ گیا ہو، وہ صاحب گئے جیسے ہی صاحب خانہ نے ان کو دور سے دیکھا کہا آیئے آیئے، اوہو اتنے دن کہاں رہے؟ آپ نے تو مجھے پتہ بھی نہیں بتایا میں آپ کو بلاتا۔ مجھے یاد آ گیا، وہ فلاں قسم کی فلاں رنگ کی ہانڈی تھی نا؟ وہ وہاں رکھی ہوئی ہے آپ لے لیجیے۔ وہ گئے جوں کی توں ہانڈی ان کو مل گئی۔ انہوں نے قاضی صاحب سے پوچھا، بات کیا ہوئی ان دونوں میں جوڑ کیا ہے؟ انہوں نے کہا کہ بات یہ ہے کہ آدمی کو جب کوئی بڑی چیز مل جاتی ہے تو چھوٹی چیز اس کی نظر سے گر جاتی ہے جب ان کو معلوم ہوا کہ مجھے اتنا بڑا عہدہ ملنے والا ہے (جاہ مال سے زیادہ حیثیت رکھتا ہے) تو انہوں نے کہا کہ کہاں کی ہانڈی کہاں کی اشرفیاں؟ اس میں میری بدنامی ہوگی ہو سکتا ہے کہ اس سے اس میں رکاوٹ پڑ جائے، کوئی صاحب خلیفہ سے جا کر کہہ دیں کہ امیر المومنین! آپ کس کو وزیر بنا رہے ہیں، کس کو آپ صوبہ دار بنا رہے ہیں؟ وہ تو خائن ہے! چور ہے! میری ہانڈی اس نے ہضم کرلی، تو انہوں نے یہی مناسب سمجھا کہ وہ ہانڈی ان کے حوالہ کردی جائے۔

دوستو اور عزیزو! آپ کو اللہ نے اتنی بڑی مملکت عطا کی ہے اتنا بڑا اعزاز بخشا ہے، خدمت و عزت کے ایسے زریں اور نایاب مواقع دیئے ہیں۔ آپ کو اب اس پستی یہ گراوٹ، اشتعال پذیری، خود غرضی تنگ نظری، تنگ دلی، قانون شکنی، ایذاء رسانی سے بلند ہونا چاہئے جس کو اللہ

اتنا بڑا موقع ہے، اتنا عظیم ملک اس کی تحویل میں آ جائے، وہ ایسی چھوٹی چھوٹی چیزوں میں پڑے؟ اللہ نے آپ کو انسانیت کی خدمت کا، اسلام کی ترقی اور نام اونچا کرنے کا موقع دیا اور آپ اتنے چھوٹے چھوٹے مسئلوں پر مشتعل ہو جاتے ہیں؟ لکھنؤ کے محاورہ میں "کچھ آؤ تاؤ نہیں دیکھتے" آپ کیلئے اقبال کا یہ شعر ہے۔

تو ہما کا ہے شکاری، ابھی ابتداء ہے تیری
نہیں مصلحت سے خالی یہ جہان مرغ و ماہی

آپ مرغ و ماہی کے شکاری نہیں ہیں، آپ ہما کے شکاری ہیں۔ آپ بڑی بڑی قوموں اور ملکوں کے مسئلوں کے حل کرنے کی کوشش کیجئے، ان کو حل کرنیکی صلاحیت پیدا کیجئے۔ آپ کا کام روزمرہ کے شہری معاملات میں الجھنا اور ان میں اپنی طاقت ضائع کرنا نہیں ہے، ذرا سی کوئی بات آپ کی مرضی اور معیار کے مطابق نہیں ہوئی کہ آپ بالکل آپے سے باہر ہو جاتے ہیں، یہ مسلم نوجوانوں تعلیم یافتہ نوجوانوں کے شایان شان نہیں۔

میں جناب وائس چانسلر صاحب اور یونیورسٹی کے ذمہ داروں کا شکریہ ادا کرتا ہوں کہ انہوں نے مجھے عزت بخشی اور اپنے عزیز نوجوانوں کو خطاب کرنے کا موقع دیا، اس اعتماد اور حسن ظن کیلئے آپ کا شکرگزار ہوں کہ آپ نے اس گرم (اور گرم میں ہر لحاظ سے کہتا ہوں) موسم میں میری ٹھنڈی باتیں ٹھنڈے دل اور سکون دماغ کے ساتھ سنیں۔

والسلام علیکم!

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اٹھو! کہ اب گردش جہاں کا انداز اور ہے

دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ (ہندوستان) کے جمعیۃ الاصلاح کے افتتاحی جلسے میں حضرت مولانا کی ایک یادگار اہم اور پرمغز تقریر۔

نحمده و نصلی علی رسوله الکریم

عزیزو! دارالعلوم کا ایک بڑا مقصد یہ تھا کہ یہاں سے طالب علم جس وقت فارغ ہوکر نکلے تو وہ باہر کی دنیا کے لئے اجنبی نہ ثابت ہو۔

ایسا نہ ہو کہ یہ مدت جو دارالعلوم کے اندر گزارتی ہے، وہ ان کی باہر کی دنیا سے بالکل علیحدہ ہو بلکہ یہاں رہتے ہوئے بھی باہر کے جھونکے اندر آتے رہیں، وہ روزن اور کھڑکیاں کھلی رہیں جن سے ہم باہر کی دنیا دیکھ سکیں۔

''الاصلاح'' کا قیام ایک جرأت مندانہ اقدام تھا:

جس وقت دارالعلوم قائم ہوا اس وقت ہمارے قدیم عربی مدارس میں تدریس کے لئے ایک خاص طرح کی زبان مستعمل تھی، اور اظہار خیال کے لئے بھی ایک مخصوص اسلوب اور طرز تحریر رائج تھا، یہ قدیم نصاب تعلیم کا قدرتی نتیجہ تھا، اس کے الفاظ اور اس کی تعبیرات، اس کے محاورے اور اظہار خیال کے طریقے تمام اس طرز تعلیم سے متاثر تھے، جو اس زمانے میں رائج تھا، اس زمانے کے مدارس میں اخبارات و رسائل پڑھنے کا بھی کچھ زیادہ رواج نہیں تھا، بلکہ شاید اخبارات اور رسائل کا مطالعہ کسی درجہ میں معیوب سمجھا جاتا تھا، جو لوگ اخبار و رسائل پڑھتے تھے وہ مطعون کئے جاتے تھے، اور ان کی انگشت نمائی ہوتی تھی کہ یہ تعلیم کا حرج کرکے اخبار و رسائل دیکھتے ہیں۔ اس وقت دارالعلوم میں طلباء کی ایک ایسی انجمن قائم کرنا جس کا ایک دارالمطالعہ ہو، اور دارالاخبار بھی، جس میں ہفتہ وار خطابت کے جلسے ہوتے ہوں اور اس کا نظم و نسق سب طلبہ کے ہاتھ میں ہو، ایک بڑا حقیقت پسندانہ اور جرأت مندانہ اقدام تھا، آج تو یہ

چیز ہماری زندگی میں ایسی گھل مل گئی ہے، اور ایک ایسے سکہ رائج الوقت کی طرح ہوگئی ہے، جس میں کسی قسم کی کوئی ندرت یا جدت نظر نہیں آتی لیکن آج سے ستر برس پہلے اس گزشتہ صدی کے بالکل آخر میں جب دارالعلوم قائم ہوا اور ہمارے ابنائے دارالعلوم نے جن کا نام اکثر کتابوں میں مل سکتا ہے، انجمن ''الاصلاح'' قائم کی، اس وقت اس اقدام کی بڑی اہمیت تھی، اور اس میں بڑی جدت تھی، اس کا اندازہ وہی لوگ کر سکتے ہیں جنہوں نے وہ زمانہ دیکھا ہو، اس زمانہ کے لحاظ سے یہ ایک بڑا مفید قدم تھا، اور کوئی شبہ نہیں کہ اس زمانہ میں انجمن الاصلاح نے بڑا مفید کام انجام دیا اور اس کے بعد سے لے کر اس وقت تک مفید کام انجام دیتی رہی اور اس میں بہت سے ایسے لوگوں کی تربیت ہوئی جنہوں نے یہاں سے نکل کر اپنی اس مشق اور مہارت سے بہت فائدہ اٹھایا، اس لحاظ سے دارالعلوم کے ان فرزندوں اور ''الاصلاح'' کے بانیوں کو جتنی بھی داد دی جائے، اور ان کی خدمات کو جتنا بھی سراہا جائے کم ہے۔

آج زمانہ بہت بدل چکا ہے:

لیکن میرے عزیزو! زمانہ میں ہر چیز کی قدر و قیمت اس زمانے کی ضروریات اور اس زمانے کے معیار کے لحاظ سے ہوتی ہے۔ جس زمانہ میں یہ قدم اٹھایا گیا تھا، اس زمانہ میں یہ علماء کی روشن خیالی کا ایک بہت بڑا ثبوت تھا اور اس میں کوئی شبہ نہیں کہ ہمارے ادارہ کو اس میں اولیت حاصل ہے۔ لیکن اس کے بعد سے زمانہ کا بڑا سرگرم سفر رہا ہے، وہ ایک منٹ کے لئے جامد و ساکت نہیں ہوا، اس نے کسی منزل پر قیام نہیں کیا، خیالات بدلتے رہے، ضروریات بدلتی رہیں، تقاضے بدلتے رہے، نئے نئے مسائل پیدا ہوتے رہے، نئے نئے میدان اور نئے نئے چیلنج سامنے آتے رہے اور علماء سے اپنے جوابات مانگتے رہے، اب اس زمانہ میں اخبارات و رسائل کا مطالعہ یا کسی بزم کا قیام ایک ایسی عام چیز ہوگئی ہے کہ اس سے کوئی چھوٹے سے چھوٹا مدرسہ بھی اس وقت مشکل سے خالی ہوگا۔ گاؤں گاؤں قصبے قصبے ایسی انجمنیں قائم ہیں جہاں تقریروں کی مشق کرائی جاتی ہے، لوگوں نے خاندان، برادری کی سطح پر بہت سی انجمنیں قائم کر رکھی ہیں، اور عربی مدارس میں بھی عام طور پر ایسی انجمنیں جمعیتیں پائی جاتی ہیں، بعض مدارس میں تو میرے خیال میں کئی درجن انجمنیں ہوں گی، یہاں تک کہ ضلع وار بھی انجمنیں قائم ہیں، اب زمانہ ان چیزوں سے بہت [illegible] سلجھی ہوئی تقریر کرنا، یا ان اخبارات

رسائل کا پڑھ لینا، اور اس بات سے واقف ہونا کہ کہاں کہاں سے یہ اخبارات و رسائل نکلتے ہیں، اور ان میں کیا لکھا جاتا ہے، یا ایک شستہ تقریر کر لینا، ایک رواں مضمون لکھ دینا، اپنے خیالات کو شائستہ انداز میں ادا کر لینا کافی نہیں رہا، اس میں کسی قسم کا امتیاز باقی نہیں رہا، اب یہ چیزیں دور ماضی کی ایک یادگار ہیں، اور اس توقع پر قائم ہیں، اور انکو قائم رکھا جاتا ہے، اور ہمت افزائی کی جاتی ہے کہ شاید ان میں وسعت پیدا ہو اور یہ زمانہ کے نئے تقاضوں کی تکمیل کر سکیں، ورنہ جہاں تک کسی بزم خطابت کا تعلق ہے، کسی دارالاخبار کا تعلق ہے، ان میں کوئی جدت اور کوئی فوقیت باقی نہیں رہی۔

متوسط درجہ کی لیاقت کافی نہیں:

ایک زمانہ تھا جب علماء کا شستہ اردو لکھ لینا اور اس زمانہ کے محاورہ اور اسلوب کے مطابق تصنیف وتالیف کر لینا بڑی قابل تعریف بات سمجھی جاتی تھی، بہت سے علماء اپنے خیالات کے ادا کرنے پر پوری قدرت نہیں رکھتے تھے، اور نئے خیالات کے لئے قدیم زبان ہی استعمال کرتے تھے، لیکن یہ چیزیں اب بہت عام ہو گئی ہیں، ندوۃ العلماء کا قیام جس زمانہ میں ہوا اس زمانہ میں کسی ندوی فاضل کا کسی تاریخ موضوع پر کچھ لکھ دینا یا اس میں قدیم ماخذ میں سے تمام ضروری اور متعلق مواد جمع کرنا اور سلیقہ کے ساتھ اس کو ترتیب دینا ایک بڑا علمی کارنامہ سمجھا جاتا تھا، اس وقت کسی فاضل کے لئے یہ بات بس تھی کہ اس نے مسلمانوں کی تہذیب کے کسی پہلو، مسلمانوں کے کسی علمی کارنامے، مسلمانوں کی کسی تہذیبی وتمدنی خدمت یا کسی دور حکومت یا کسی مسلمان حکمران خاندان پر ایک ایسی متوسط درجہ کی کتاب لکھ دی جس میں اگر چہ کوئی ریسرچ یا کوئی خاص قسم کا نظریہ ثابت نہ کیا گیا ہو، تاہم سلیقہ کے ساتھ اس کا مواد جمع کر دیا گیا ہو، یا پڑھنے والوں کو اس سے وحشت نہ ہوتی ہو، یہ بات کسی قدیم درسگاہ کے افتخار کے لئے اس وقت بہت کافی تھی۔

لیکن میرے عزیزو! اب حالات بہت مختلف ہو چکے ہیں، اگر ہماری انجمن کا مقصد یہی ہے کہ متوسط درجے کے خطیب اور مقرر پیدا کرے، ہمارے طلباء اخبارات و رسائل سے ناواقف نہ رہیں، اور ان کو یہ معلوم ہو کہ اس زمانے میں کیا رجحانات کام کر رہے ہیں، اس زمانے میں کون ادیب اور کون مصنف ہے، اور کون کون صاحب طرز اہل قلم، تو یہ بات بالکل

ناکافی ہے۔

زمانہ کا دامن سمٹتا اور پھیلتا رہتا ہے:

زمانہ اب اس سے بہت زیادہ کا طالب ہے، زمانہ کا دامن سمٹتا اور پھیلتا ہے، زمانہ کی جھولی اور اس کا کشکول گدائی ایک ناپ کا نہیں رہتا، وہ حالات کے مطابق لوگوں کی استعداد کے مطابق نئے سیاسی تغیرات اور تبدیلیوں کے مطابق ہر دور میں ہر جماعت سے اپنے زمانہ اور پیمانہ کے مطابق رہنمائی اور رہبری کا طالب ہوا کرتا ہے، اب یہ زمانہ اس بات کا بالکل متحمل نہیں ہے، اور محض اس پر دینی درسگاہ کے طالب علم کو کسی قسم کا کوئی تصدیق نامہ دینے کے لئے تیار نہیں ہے کہ اس میں کچھ اچھے بولنے والے پیدا ہو جائیں، کچھ متوسط درجے کے لکھنے والے پیدا ہو جائیں۔

آج پہلے سے کہیں زیادہ تیاری کی ضرورت ہے:

اس وقت جو ایک عام ذہنی انتشار اور ایک قسم کی مایوسی ملت پر پھیل رہی ہے، اور ملت کی صلاحیت کی طرف اور دین میں جو صلاحیت ودیعت کی گئی ہے، اس صلاحیت کی طرف سے یا دین کے مستقبل کی طرف سے جو بدگمانی اور بے اعتمادی پیدا ہو رہی ہے، نوجوانوں میں جدید تعلیم یافتہ طبقوں اور حاملین دین میں جو بے اعتمادی پھیل رہی ہے اس کو دور کرنے کے لئے بہت زیادہ تیاریوں کی ضرورت ہے، اس سے بہت زیادہ علمی فتوحات حاصل کرنے کی ضرورت ہے، اس سے بہت زیادہ بلند پروازیوں کی ضرورت ہے، اس سے بہت زیادہ کاوشوں، دلسوزیوں اور دماغ سوزیوں کی ضرورت ہے، جو ہمارے اسلاف نے کیں، اس میں کوئی شبہ نہیں کہ ہمارے ندوۃ العلماء کے صف اول کے مصنفین اور اہل قلم نے اس زمانے کی نسلوں کو بہت کچھ دیا، انہوں نے اس زمانے کی نسل کو بڑی حد تک مطمئن کرنے کی کوشش کی، جو مسائل اس عہد میں اہمیت رکھتے تھے، ان مسائل پر انہوں نے جو چیزیں پیش کیں، وہ اس زمانے کے لحاظ سے بہت طاقتور اور دل نشین تھیں، لیکن اگر آج ان چیزوں کو دہرایا جائے یا بالکل ان کی نقل کی جائے تو اس میں کوئی علمی استدلال نہیں ہوگا، اور لوگوں کو بڑی مایوسی ہوگی۔

تحقیق و مطالعہ کا میدان بہت وسیع ہے:

تحقیق اور مطالعہ کا میدان بہت وسیع ہو چکا ہے، قدیم ذخیرے بلکہ قدیم دفینے جو پہلے

علماء کے خواب وخیال میں بھی نہیں آتے تھے، اب عام ہو چکے ہیں، نشر واشاعت کے اداروں نے اور طباعت واشاعت کی تحریک نے زمین کے جگر چاک کر دیئے ہیں اور سمندروں کے اندر سے موتی نکالے ہیں، وہ چیزیں جن کا ہم صرف نام سنتے تھے، وہ آج بازاروں میں مل رہی ہیں، سوچنے کے طریقے اور مطمئن کرنے کی صلاحیت اتنی مختلف ہوگئی ہے کہ ان میں قدیم طرز کی بالکل تقلید نہیں کی جا سکتی۔

بہت سے قدیم مباحث آج اپنی اہمیت کھو چکے ہیں:

ایک زمانہ تھا کہ مولانا شبلی رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب ''الجزیۃ فی الاسلام'' معرکۃ الآرا کتاب سمجھی جاتی تھی ''اورنگزیب عالمگیر پر ایک نظر'' گویا علمی فتح تھی، اسی طریقے سے ان کا ''کتب خانہ اسکندریہ'' بڑی محققانہ کتاب یا یوں سمجھئے کہ اسلام کی طرف سے ایک حجت تھی، لیکن آج یہ مباحث اپنی اہمیت اتنی کھو چکے ہیں کہ اگر ان مباحث پر لکھا جائے تو اس میں لوگوں کے لئے کوئی نئی بات اور دلچسپی نہ ہوگی، اس زمانے میں اس سے بہت زیادہ وسیع علم اور اس سے بہت زیادہ محنت وکاوش کی ضرورت ہے۔

زمانہ آسانی کے ساتھ کسی کو تسلیم نہیں کرتا:

یہ علمی معیار بھی ہمارے لئے یقینا قابل احترام ہے، اس کے ساتھ بہت عزیز یادیں اور یادگاریں وابستہ ہیں، یہ ہماری تاریخ کا ایک جزء ہے، لیکن زمانہ بڑا بے رحم ہے اور بڑا بے مروت واقع ہوا ہے، وہ بڑی سے بڑی مقدس جماعت کے ساتھ بھی مروت نہیں کرتا، وہ کسی کے سامنے آسانی کے ساتھ سر تسلیم خم نہیں کرتا، زمانہ کی فطرت ہے کہ جب تک اس کو اعتراف پر مجبور نہ کر دیا جائے وہ کسی کا اعتراف نہیں کرتا، کسی چیز کا تسلسل زمانہ کے لئے بالکل کافی نہیں ہے، زمانہ ایسا حقیقت پسند، ایسا بے مروت، اتنا غیر جانبدار ہے کہ جب تک اس کے ہاتھ کوئی نئی چیز نہ دی جائے اور اس کی گردن کو کسی بوجھ سے ایسا بوجھل نہ کر دیا جائے کہ وہ جھکنے پر مجبور ہو جائے، اس وقت تک وہ جھکنے کے لئے تیار نہیں ہوتا، زمانہ سے کسی قسم کا اقرار کرا لینا، کسی قسم کی سند حاصل کرنا، کوئی تمغۂ امتیاز یا خراج عقیدت حاصل کرنا بچوں کا کھیل نہیں ہے اور محض روایت پرستی اس کے لئے کافی نہیں ہے، زمانہ کو اعتراف پر مجبور کرنے کے لئے، اپنی فوقیت کا

نقش قائم کرنے کے لئے، اپنے ادارے کا احترام دلوں اور دماغوں میں پیدا کرنے کے لئے، اپنے لئے مناسب اور شایان شان مقام حاصل کرنے کے لئے آپ کو بڑی جدوجہد کرنا پڑے گی، آپ کو اپنا معیار بلند کرنا پڑے گا، اس زمانہ میں اگرچہ علم نے بڑی ترقی کی ہے، اور اس میں بہت سے نئے میدان پیدا ہو گئے ہیں، اور اس کی اہمیت و وسعت میں برابر اضافہ ہو رہا ہے، لیکن اسی کے ساتھ علمی زندگی کی مشکلات کچھ ایسی ہیں، زمانے نے ایسی نئی کروٹ لی ہے اور ایسے انقلابات ملک میں پیش آ چکے ہیں کہ اب محض علم کی وسعت، تحریر کی شگفتگی، خیالات کی بلندی اور نظریات کی جدت کافی نہیں ہے، اب اس کے ساتھ بلند کردار کی اور دردمند و پرسوز دل کی بھی ضرورت ہے۔

آپ شاید میرے الفاظ کو بے محل سمجھیں گے اور کہیں گے کہ یہ زمانہ یا حقیقت کی ترجمانی نہیں ہے، اس لئے کہ زمانہ ان تمام قدروں سے باغی ہوتا چلا جا رہا ہے، جو ہم کو عزیز تھیں، جن کو مذہب نے پیش کیا ہے، لیکن اسی کے ساتھ آپ دیکھیں گے کہ بجائے اس کے کہ شخصیت سے، عمل سے، کردار سے، زمان کی مرعوبیت ختم ہو، بڑھتی چلی جا رہی ہے، ہر انقلاب کے پیچھے آپ کو کوئی ایسی شخصیت نظر آئے گی جس نے رفقاء کی بڑی تعداد کو متاثر کیا، ان کے افکار و خیالات پر اثر ڈالا اور ایک نئی ذہنی رو پیدا کی، اور اس کی وجہ سے واقعات اور تغیرات کا ایک نیا دھارا نمودار ہوا۔

یقین کی طاقت:

ہر انقلاب کے سرے پر جہاں سے اس انقلاب کا چشمہ پھوٹتا ہے، جہاں سے انقلاب کا سیل رواں آگے بڑھتا ہے، آپ کو ایسی شخصیت نظر آئے گی، جس کے اندر کسی چیز کا یقین و دل و دماغ کی تہہ میں پیوست ہے، اور تمام اعصاب پر پوری طرح حاوی ہے، جس کے اندر ایسی مقناطیسی برقی قوت موجود ہے جو سینکڑوں اور ہزاروں کو متاثر کرتی ہے، محض خطابت سے، وہ چیز اچھی تصنیفات سے، قلم کی روانی سے، خیالات کے سلجھاؤ سے، کسی نادر تحقیق سے محض کسی نئے طرز میں کسی پرانے خیال کو یا نئے جام میں کسی شراب کہن کو پیش کرنے سے زمانہ میں کوئی نیا انقلاب اور انقلاب تو بڑی چیز ہے، کوئی عمومی تبدیلی بھی پیدا نہیں ہو سکتی، اس زمانے میں ضرورت ہے کردار کی، قلب کی دردمندی اور اندرونی سوز کی، ایک ایسی حرارت کی جو اندر

اندر جلا رہی ہو، اعصاب کو پگھلا رہی ہو اور پھر یہ لاوا پھوٹ کر کوہ آتش فشاں کی طرح بڑھ رہا ہو، اور اس کی تپش سینکڑوں اور ہزاروں دلوں کو گرما رہی ہو۔

جہاں تک میرا مطالعہ ہے، کم از کم اسلامی تاریخ کے حدود میں شاید کوئی انقلاب خالص خطابت اور طاقت لسانی سے پیدا نہیں ہوا، اس زمانے کا بہت بڑا مسئلہ جس کی طرف آپ کو اجمالی طور پر متوجہ کرتا ہوں بلکہ زیادہ صحیح الفاظ میں اشارہ کرنا چاہتا ہوں، جس کو علامہ اقبال نے چھیڑا تھا۔

انہوں نے کہا کہ زمانہ کا مجدد کہلانے کا مستحق وہ ہوگا جو اسلامی شریعت کی برتری ثابت کرے اور زندگی سے اس کا پیوند لگائے، اور یہ ثابت کرے کہ اسلامی قانون وضع قانون اور انسانوں کے تمام خودساختہ قوانین سے آگے ہے، وہ زمانے کے آگے کی چیز ہے، وہ زمانہ اس سے آگے بڑھ نہیں سکا اور دنیا نے خواہ کتنی ہی ترقی کی ہو، لیکن اسلامی قوانین اس کی رہنمائی کی اب بھی صلاحیت رکھتے ہیں، اس کے تمام سوالات کے جوابات دیتے ہیں اور انسانی زندگی سے پیدا ہونے والے مسائل کا ان کے اندر حل ہے، ان میں ایک بالغ معاشرے کی تنظیم کی بہترین صلاحیت ہے، انہوں نے اس سوال کو اٹھایا تھا اور ان کی بڑی تمنا تھی کہ وہ اس کا جواب دیں وہ اس سلسلہ میں ہمارے مولانا سید سلیمان ندوی سے بڑی مدد کے طالب تھے جیسا کہ انہوں نے اپنے خط میں لکھا ہے، علوم اسلامیہ کی جوئے شیر کا فرہاد مولانا سید سلیمان ندوی کے علاوہ اور کون ہو سکتا ہے جو علامہ شبلی کے صحیح جانشین ہیں، آج بھی یہ سوال اسی طریقے سے زندہ ہے، اور جواب چاہتا ہے، اسلامی قانون کی برتری ثابت کرنے کے لئے علماء کو میدان میں آنا چاہئے۔

سب سے بڑا معرکہ افکار:

اسی طریقے سے اس وقت جو سب سے بڑا فیصلہ کن معرکہ عالم اسلام میں درپیش ہے، اور جس میں بہت سے ممالک آزمائش کے دور سے گزر کر اس غلط منزل پر جا پہنچے ہیں، جس کے تصور سے بھی ہمارے اسلاف کی نیند حرام ہوتی ہوگی، اور بہت سے ممالک اب اس منزل کی طرف بہت تیزی سے گامزن ہیں وہ ہے ”اسلامیت اور مغربیت کی کشمکش کا مسئلہ“ اس وقت اس طبقے کے درمیان جس کے ہاتھ میں زمام حکومت ہے اور سواد اعظم اور عامۃ المسلمین کے درمیان ایک بہت بڑی ذہنی کشمکش برپا ہے۔ اس وقت جس طبقے کے ہاتھ میں زمام کار آئی ہے، وہ مغربی

تہذیب کو مثالی اور انسانی تجربات کی آخری منزل اور حرفِ آخر سمجھتا ہے، وہ اس کی زندگی کی تنظیم کی آخری کوشش سمجھتا ہے، اور انسانی مسائل کے حل کا آخری کامیاب تجربہ سمجھتا ہے، اور اس کو اسلام کے نظام کا قائم مقام خیال کرتا ہے، وہ سمجھتا ہے کہ اسلام کا نظام اپنی ساری افادیت کھو چکا ہے، اب اس کو دوبارہ اس کارگاہ میں لانے کی زحمت دینا صحیح نہیں ہے، یہ سب سے زندہ سوال جو اس وقت ایک شعلہ کی طرح ایک بھڑکی ہوئی آگ کی طرح تمام اسلامی ممالک میں پھیل چکا ہے، اور اس کے اثر سے کوئی طبقہ اور کوئی پڑھا لکھا انسان پورے طور پر محفوظ نہیں ہے۔

آج کا تجدیدی کام:

اس وقت سب سے بڑا تجدیدی کارنامہ اور میں سمجھتا ہوں کہ دارالعلوم ندوۃ العلماء کا سب سے بڑا مقصد ہو یا اس کا وجہ جواز، اس کی افادیت کا سب سے بڑا ثبوت اور اس کے اسلاف کی کوششوں کا سب سے بڑا صلہ یہ ان کی محنتوں کا اور ان کی قربانیوں کا سب سے بڑا مطالبہ یہ ہے کہ ندوہ کے فضلاء اسلامی ممالک میں یا غیر اسلامی ممالک میں جہاں بھی ہوں، اس کا ایسا جواب دینے کی کوشش کریں جو لوگوں کو مطمئن کر سکے، اور مغربی فلسفہ کا وہ اثر کم کر سکے جو اس وقت پورے عالم اسلام پر اپنا سایہ ڈال چکا ہے۔ آج ان ملکوں میں اسلام کی اور مسلمانوں کی قسمت کا فیصلہ کیا جا رہا ہے، اور تمام اسلامی ملک کم و بیش اس مسئلہ سے دوچار ہیں۔

یہ چیلنج قبول کیجئے:

یہ وہ چیلنج ہے جسے آپ کو قبول کرنا ہے، اسی کے معیار کے مطابق اپنے آپ کو تیار کرنا ہے، اس وقت آپ کو اپنی ذہانت کا ثبوت دینا ہے اور علم کا وہ نمونہ اور معیار سامنے لے کر آنا ہے جو زبان کے اعتبار سے، اسلوب کے اعتبار سے، مواد کے اعتبار سے، مطالعہ مذاہب اور تقابل ادیان کے اعتبار سے متوجہ کرنے والا ہو، جس کو دیکھ کر زمانہ خود اس بات کا اعتراف کرے کہ آپ نے ایسی چیز سامنے رکھی ہے جو واجب الاعتراف ہے۔

آج زمانہ زیادہ اہم چیزوں کا طالب ہے:

میں اس بات کو پھر دہراؤں گا کہ زمانہ اب آپ سے بہت سی نئی چیزوں کا طالب ہے،

ان چیزوں میں بہت زیادہ نازک اور اہم چیزوں کا طالب ہے، جن کا وہ ہمارے اسلام سے طالب تھا۔ اقبال کا شعر ہے:

نگہ بلند سخن دلنواز، جاں پرسوز
یہی ہے رخت سفر میر کارواں کے لئے

اب اس سخن میں دلنوازی بھی نہیں رہی، لیکن سخن دلنواز بھی کافی نہیں، اس کے ساتھ جان پرسوز اور نگاہ بلند بھی ہونی چاہئے، آپ جن کی طرف اپنا انتساب کرتے ہیں اور جن کی اس عزیز میراث کے وارث ہیں، میں یہ نہیں کہتا کہ وہ آسمان سے ستارے توڑ لائے، لیکن اس زمانے کے مزاج اور معیار کے مطابق انہوں نے اپنی شان قائم رکھی، اور اس میں انہوں نے ایک مقام حاصل کیا، پھر اس مقام کو انہوں نے اپنی نسلوں کی طرف منتقل کیا، آپ کو اس کے لئے بہت زیادہ محنت کرنی پڑے گی، آپ تقریروں کا معیار بلند کیجئے، تحریروں کا معیار بلند کیجئے، مطالعہ وسیع کیجئے، اور اس کے لئے اساتذہ سے، خاص طور پر مربی ''الاصلاح'' سے اور ان اساتذہ سے جن سے آپ کا رابطہ ہے، ان سے مشورہ کیجئے، مطالعہ اتنا آسان نہیں ہے کہ جس کا جی چاہے بغیر کسی ترتیب کے پڑھنا شروع کردے، یہ دو دھاری تلوار ہے، اگر اس کا صحیح استعمال نہیں کیا جائے گا تو وہ نقصان بھی پہنچا سکتی ہے، یہ ایک پل صراط ہے، اس پر بہت سبک روی اور بہت احتیاط کے ساتھ چلنے کی ضرورت ہے، اس کے لئے اپنے اساتذہ سے مشورہ کیجئے، وقت بہت کم، کام بہت زیادہ، پڑھنے کا سامان بھی روز بروز بڑھتا چلا جا رہا ہے، نہ ہر لکھی ہوئی اور چھپی ہوئی چیز پڑھنے کے قابل، نہ ہر رسالہ آپ کی میز پر آنے کے لائق۔

یہ علم کا، تہذیب کا، خیالات کا اور مقاصد کا حرم ہے:

یہ علم کا، تہذیب کا، خیالات کا اور مقاصد کا ایک حرم ہے، اس حرم میں انہیں چیزوں کو آنا چاہئے اور ان چیزوں کو آنے کی اجازت دینی چاہئے جو آپ کے مقاصد سے مطابقت رکھتی ہوں، جو اس درسگاہ کے بانیوں کے مقاصد سے مطابقت رکھتی ہوں، جس طرح آپ یہاں کسی بدبودار چیز کو نہیں آنے دے سکتے، اسی طریقے سے آپ کی میز پر کوئی ایسا رسالہ بھی نہیں آنا چاہئے جو اس سے زیادہ متعفن اور مضر ہے، اور یہاں کی فضا کو اس سے زیادہ متاثر کرسکتا ہے۔

یہ میز کسی پبلک لائبریری کی میز نہیں ہے، یہ ایک درسگاہ کی میز ہے، یہ ایک معمل ہے،

ایک بہت بڑی کارگاہ ہے، جہاں ان دماغوں کو ڈھلنا ہے جو امت کی رہبری کریں گے، یہاں کی الماریوں میں کسی ایسی کتاب کو رہنے کا حق نہیں ہے، جس کی بدبو ان دیواروں کو توڑ کر باہر آتی ہو، جس کو ایک مرتبہ پڑھنے کے بعد انسان کئی کئی ہفتے ذہنی انتشار میں مبتلا رہے، اور ان خیالات، مقاصد اور ان تعلیمات سے اس کو کوئی اتفاق باقی نہ رہے، جو اس درسگاہ کے بنیادی مقاصد میں داخل ہیں، اس کے لئے آپ کے دل اور ضمیر کا احتساب کافی ہے۔

وہ ایک سجدہ جسے تو گراں سمجھتا ہے
ہزار سجدوں سے دیتا ہے آدمی کو نجات
(اقبال)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

بنگلہ زبان میں فاضلانہ مہارت پیدا کیجئے

۱۴ مارچ ۸۴ء کو جامعہ امدادیہ کشور گنج کے میدان میں علماء وطلباء کے ایک بڑے مجمع میں کی گئی ایک تاریخی اور اہم تقریر ہے۔

الحمد لله نحمده ونستعينه ونستغفره ونعوذ بالله من شرور انفسنا ومن سيئات اعمالنا من يهده الله فلا مضل له ومن يضلله فلا هادى له ونشهد ان لا اله الا الله ونشهد ان محمدا عبده ورسوله الذى ارسله الله تعالى بالحق بشيرا ونذيرا وداعيا الى الله باذنه وسراجا منيرا.

حضرات، اہلِ علم وفکر، مدرسین واساتذہ، طلبائے عزیز!

ملک کا رشتہ اسلام سے کمزور نہ ہونے پائے!

آپ کا پہلا فرض یہ ہے کہ ملک کا رشتہ اسلام سے کمزور نہ ہونے پائے۔ جس ملک کو اللہ نے آپ کے لئے انتخاب کیا ہے، اس کے بارے میں آپ کو خدا کے یہاں جواب دینا ہوگا، اگر اسلام سے اس کا رشتہ کمزور ہوگیا، اور ملک کے اندر خلاف اسلام رجحان پیدا ہوا تو رسول اللہ ﷺ کا ہاتھ ہوگا اور آپ کا گریبان ہوگا، سیاسی لوگوں سے پوچھا جائے گا یا نہیں؟ یہ بعد کی بات ہے، ہم نہیں کہہ سکتے، لیکن سب سے پہلے علماء سے سوال ہوگا کہ تمہارے ہوتے ہوئے ملک میں اسلام کیسے خطرہ میں پڑا؟ حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے تھے، میرے ہوتے ہوئے دین کمزور ہوجائے یہ کیسے ممکن ہے؟ آپ کو تمام جزوی وذیلی اختلافات کو ختم کر کے اس مقصد پر متحد ہونا چاہئے کہ آپ اس ملک کی رہنمائی کریں، آپ اس ملک کے اس طبقہ کو متاثر کریں، اپنے اخلاص سے، اور اپنے ایثار سے، جس کے ہاتھ میں زمام اختیار ہے یا آنے والی ہے، جنہوں نے اس کی تیاری کی ہے، جن کے پاس وہ وسائل واسلحہ ہیں، جن کے ذریعہ سے اس زمانہ میں آدمی کو اقتدار حاصل ہوا کرتا ہے، آپ کا یہ فرض ہے کہ اس طبقہ سے روابط پیدا

کریں، آپ ان کی زبان میں ان کو سمجھائیں، آپ کے متعلق ان کا یہ تجربہ ہو جائے کہ آپ بے غرض ہیں، آپ ان سے اپنے لئے کچھ نہیں چاہتے ہیں، آپ کو وہ بڑی سے بڑی رشوتیں دینا چاہیں، آپ کو بڑے سے بڑے مواقع دینا چاہئیں، آپ کہیں نہیں! ہمیں کچھ نہیں چاہئے، آپ دین کی خدمت کریں۔

مادری زبان میں مہارت حاصل کرنے کی ضرورت

دوسری بات یہ ہے (ماشاء اللہ پڑھے لکھے لوگوں کا مجمع ہے، اس لئے میں کہتا ہوں) کہ یہاں کی زبان (بنگلہ زبان) کو آپ اچھوت نہ سمجھئے، بنگلہ زبان کو آپ یہ نہ سمجھئے کہ اس کے پڑھنے لکھنے سے کوئی ثواب نہیں ہے، یا عربی میں ثواب ہے یا اردو میں ثواب ہے۔ آپ کو بنگلہ زبان میں مہارت پیدا کرنا چاہئے، بنگلہ زبان میں آپ اچھے لکھنے والے بنئے، آپ ادیب بنئے، مصنف بنئے، آپ کی زبان میں مٹھاس ہو، رس ہو، آپ کی زبان ایسی ہو کہ لوگ غیر مسلم ادیبوں کی تحریر پڑھنے کے بجائے آپ کی تحریر پڑھیں اور مست ہوں اور جھومیں۔ یہ بات لکھنؤ میں رہنے والے کی زبان سے سنئے، دلی کی زبان بولنے والے کی زبان سے سنئے اور عربی پر جان دینے والے کی زبان سے سنئے، اس وقت تک جو عمر گزری ہے، عربی زبان کی خدمت میں ان شاء اللہ بقیہ عمر بھی گزرے گی، عربی ہماری زبان ہے، ہم عربی کو اپنی مادری زبان سمجھتے ہیں، الحمد للہ ہم تو ہم ہمارے بعض عزیز بچے بھی ایسے ہیں جو کسی طرح عربوں سے کم نہیں ہیں، وہ شخص آپ سے کہہ رہا ہے جو عربی زبان کا کیڑا ہے اور اردو زبان جس کے گھر کی زبان ہے، وہ آپ سے کہہ رہا ہے کہ بنگلہ زبان کو غیر مسلموں کے رحم وکرم پر نہ چھوڑیئے، ان کے حوالہ نہ کیجئے کہ لکھیں وہ پڑھیں آپ۔ یاد رکھئے! قلم کے ساتھ اثر ہوتا ہے، لوگوں نے تو یہ کہا کہ کتاب اگر کسی صاحب ایمان کے قلم سے لکھی ہوئی ہے تو ایمان کا کرنٹ دوڑ جاتا ہے، حضرت تھانوی فرماتے تھے کہ خطوط کے ذریعہ سے بھی توجہ دی جاتی ہے، جب کوئی شیخ توجہ سے خط لکھتا ہے تو اس خط میں تاثیر ہوتی ہے، اور ہم نے اس کا تجربہ کیا ہے، اور آج ان مصنفین کی کتابیں موجود ہیں، جو ان کی کتاب پڑھ لے اس کی نمازوں کی کیفیت بدل جاتی ہے، کتاب کا نماز سے کوئی تعلق نہیں، کتاب کسی اور موضوع پر ہے، لیکن جب وہ صاحب لکھ رہے تھے یا بول رہے تھے تو قلب ان کا متوجہ تھا، آج ان کی کتابیں پڑھئے، ان کی تحریر پڑھئے تو آپ اس کے بعد نماز

پڑھیں گے، ذرا بھی آپ کا احساس اور قلب بیدار ہے تو آپ محسوس کریں گے اس کی کیفیت اور ہے، میں نے بارہا اس کو محسوس کیا ہے۔

آپ نے غیر مسلموں کی کتابیں پڑھیں، ان کے افسانے پڑھے، ان کی کہانیاں پڑھیں، ان کی تاریخ لکھی ہوئی پڑھیں، اور آپ پر اثر نہ پڑے؟ ضرور پڑے گا، یہ بہت بڑی کم ہمتی کی بات ہے۔ آپ لوگوں کے لئے ضروری ہے کہ جو مسلمان ادیب وشاعر گزرے ہیں، ان کو آپ نمایاں کریں، آپ نذر الاسلام کو نمایاں کیجئے، آپ ان کی چیزیں پڑھئے، اور ان کے ترجمے کیجئے، اللہ تعالی صلاحیت دے تو ان کا کلام عربی میں پیش کیجئے، یہاں کئی ادیب گزرے ہیں، مثلاً عبدالغفور نساخ ان کا نام بچپن میں اردو ادب کی تاریخ میں پڑھا تھا، اور کئی شاعر گزرے ہیں، ان لوگوں کے حالات لکھئے، دنیا کو بتائیے کہ یہاں کیسے کیسے شاعر گزرے ہیں، خدا کے فضل وکرم سے کوئی جوہر، کوئی کمال ایسا نہیں جو آپ کو نہ ملا ہو، ہمارے مدارس میں تو بعض بنگالی طالب علم اتنے ذہین تھے کہ رشک آتا تھا اور ہمارے یوپی اور بہار کے طالب علم ان کے سامنے مات تھے، عربی سپاس نامے میں، میں سنتا چلا آرہا ہوں، مجھے اندازہ ہی نہیں تھا کہ اتنی اچھی عربی لکھنے والے یہاں موجود ہیں، کبھی احساس کمتری میں مبتلا نہ ہوئیے گا، خدا نے آپ کو سب جوہر دئیے ہیں، مگر اس کا صحیح استعمال نہیں۔

میری بات یاد رکھئے کہ بنگلہ زبان کی قیادت اپنے ہاتھ میں لیجئے، دو قسموں سے، ایک غیر مسلموں سے، ایک غیر اسلامی سے، دو قسمیں ہیں، ایک غیر مسلم ہے، ایک غیر اسلامی ہے، غیر اسلامی مسلمانوں میں بھی ہوتے ہیں، غیر مسلم غیر مسلموں میں ہوتے ہیں، غیر مسلموں سے غیر اسلامیوں سے دونوں سے قیادت اپنے ہاتھ میں لیجئے، اور اس میں ایسا کمال پیدا کیجئے کہ لوگ اس سے مستغنی ہو جائیں، الحمد للہ ہمارے یہاں کے علماء نے اس کی طرف توجہ کی، ادب، تنقید، تاریخ، تصنیف میں ان کے سامنے کسی کا چراغ نہیں جلا، ایک مرتبہ انعامی مقابلہ تھا، ایک بڑے اردو رسالہ کی طرف سے کہ اردو کا سب سے بڑا نثر نگار کون ہے؟ سب سے بڑا انشاء پرداز کون ہے؟ انعام ان کو ملا جنہوں نے یہ ثابت کیا کہ مولانا شبلی نعمانی اردو کے سب سے بڑے انشاء پرداز تھے، جب کوئی بڑا منتخب جلسہ ہوتا تو مولانا سید سلیمان ندوی کو، مولانا عبدالسلام ندوی کو، نواب صدر یار جنگ مولانا حبیب الرحمن خان شروانی کو، صدارت تفویض کرتے، اردو

شاعری کی تاریخ پر دو کتابیں ہیں جو یونیورسٹیوں کے نصاب میں داخل ہیں۔ ایک ''آب حیات'' جو مولوی محمد حسین آزاد کی لکھی ہوئی ہے جو قدیم نصاب پڑھے ہوئے تھے، اور ایک ''گل رعنا'' جو ہمارے والد ماجد حکیم سید عبدالحئی کی لکھی ہوئی ہے۔ دارالمصنفین سے چھپی ہے۔ ہندوستان میں ہم نے اردو زبان کو دوسرے کے قبضہ میں نہیں جانے دیا، اور آج بھی خدا کا شکر ہے کہ کوئی وہاں یہ نہیں کہہ سکتا کہ مولویوں کو اردو نہیں آتی۔ مولوی ٹکسالی زبان میں میٹھی زبان میں، رسیلی زبان میں تقریر نہیں کر سکتے لکھ نہیں سکتے، کوئی آج بھی یہ دعویٰ نہیں کر سکتا، اب بھی ہمارے علماء میں ایسے ایسے بولنے والے موجود ہیں کہ ان کے سامنے وہ بولنے کی ہمت نہیں کر سکتے جن کو بڑے دعوے ہیں، ایسے ہی آپ کو کرنا چاہئے، دیکھئے (پیر دانا نہیں کہتا لیکن ایک جہاں دیدہ تجربہ کار کی یہ بات لکھ لیجئے) آپ بنگالی زبان سے اگر قطع تعلق اور پرہیز کریں گے تو یہ ایک طرح کی معنوی خودکشی ہوگی، زبانوں میں کوئی بیر نہیں ہوتا کہ ایک زبان آئے تو دوسری زبان نہیں آسکتی، یہ بات غلط ثابت ہو چکی ہے۔

''ہفت زبان'' کا ایک محاورہ چلا آرہا ہے کہ سات زبانیں آتی ہیں، لیکن ایسے تو خدا کے فضل و کرم سے تین چار زبان جاننے والے تو ہمارے یہاں بھی ہیں، خدا کے فضل سے ہمارے بعض نوجوان ایسے ہیں کہ عربی بولتے کو دیکھئے تو عرب سمجھیں گے کہ شاید عرب ہیں، یہ بات غلط ہے کہ ایک نئی زبان اچھی طرح آسکتی ہے نہیں بلکہ بعض اوقات ایک زبان دوسری زبان کو مدد پہنچاتی ہے۔

اس ملک کی حفاظت کی ذمہ داری آپ پر ہے

بھائیو! یہ دو باتیں یاد رکھو، میں زیادہ نہیں کہنا چاہتا کہ اس ملک کی حفاظت کی ذمہ داری تمہاری ہے، اس ملک کا رشتہ اسلام سے کمزور نہ ہونے پائے، ورنہ تمہارے سب مدرسے بیکار ہیں، میں صاف کہتا ہوں، میں مدرسہ کا آدمی ہوں، مدرسہ کے تالاب کی مچھلی ہوں، میں کہتا ہوں کہ اسلام اگر خدانخواستہ نہ رہا تو یہ سب مدرسے بیکار ہیں، یہ مدرسے کسی چیز کی دوا نہیں، پہلا کام ہے اسلام کو باقی رکھنا، اسلام کا رشتہ اس قوم سے جوڑے رکھنا، دوسری بات قیادت کا مقام حاصل کرنا، قیادت کا مقام حاصل نہیں ہو سکتا جب تک کہ آپ کو بنگلہ پر عبور نہ ہو، میں نے کل استقبالیہ جلسہ میں جس میں اسلامک فاؤنڈیشن نے استقبالیہ دیا تھا، کہا کہ مجھے افسوس ہے

اور شرم آرہی ہے کہ میں آپ سے بنگلہ میں بات نہیں کرسکتا، میں خوش ہوتا اگر میں آپ کے سامنے بنگلہ میں تقریر کرتا، ہمارے یہاں اسلام میں کوئی زبان غیر نہیں ہے، سب زبانیں خدا کی پیدا کی ہوئی ہیں اور ایک سے ایک زبان بڑھی ہوئی ہے، زبان کے خلاف تعصب بالکل جاہلانہ بات ہے، نہ کوئی زبان پرستش کے قابل ہے نہ کوئی زبان نفرت کے قابل ہے، یہ [illegible] پرستش کے قابل بھی نہیں ہے، اگر مقدس زبان کوئی ہوسکتی ہے تو عربی ہوسکتی ہے، باقی سب زبانیں یکساں ہیں، اللہ نے انسانوں میں بولنے کی صلاحیت پیدا کی اور سیکڑوں برس میں ان زبانوں میں ترقی ہوئی، اور اب وہ ہمارے پاس ترقی یافتہ شکل میں پہنچیں، ہم ان کی قدر کرتے ہیں اور ہمیں اظہار خیال کے لئے ان سے مدد ملتی ہے۔

رسول اللہ ﷺ نے حضرت زید بن ثابتؓ کو عبرانی زبان پڑھنے کا حکم دیا جو صرف یہودیوں کی زبان تھی، اگر ہم زبان و ادب کی طرف سے بے اعتنائی برتیں گے تو غیر اسلامی عناصر ان پر اپنی اجارہ داری قائم کرلیں گے اور ان سے بڑا نقصان پہنچے گا۔ کلکتہ سے کتابیں آتی ہیں، مسموم کمیونزم کی پرچار کرنے والی، قومی ولسانی تعصب کی پرچار کرنے والی، ہندو میتھالوجی کی پرچار کرنے والی اور بڑے شوق سے ہمارے نوجوان پڑھتے ہیں، بھائی! اگر آپ کو ترمذی کی شرح لکھنی ہو اور مشکوۃ کی شرح لکھنی ہو اور کسی فقہی مسئلہ پر بحث کرنا ہو، اس کو آپ اردو میں لکھئے، یا عربی میں لکھئے، اگر آپ کو عوام سے باتیں کرنی ہوں تو عوام کی سطح پر بات کیجئے، میں آپ سے صاف کہتا ہوں کہ ہندوستان پاکستان میں بہت کام ہو چکا ہے، کتب حدیث کی شرحیں لکھی جاچکی ہیں، مذہب حنفی کو حدیث کے مطابق ثابت کیا جاچکا ہے، اب اس کے بعد کسی نئی بڑی کوشش کی ضرورت نہیں ہے، حضرت مولانا انور شاہ صاحب اور حضرت مولانا ظہیر احسن شوق نیموی یہ سب کام کرچکے ہیں، انہوں نے ثابت کردیا کہ یہ دعویٰ کہ حنفی حدیث کے خلاف کہتے ہیں، غلط ہے، اور ان سے پہلے طحاوی ''معانی الآثار'' میں زیلعی نے احادیث ہدایہ کی تخریج ''نصب الرایہ'' میں اور دوسرے حضرات نے بھی یہ کام بڑے اعلیٰ پیمانہ پر کیا ہے، اب نیا میدان ہے جس کی طرف آپ کو توجہ کی ضرورت ہے، وہ یہ کہ عوام آپ کے اثر سے نکلنے نہ پائیں، وہ آپ کو یہ نہ سمجھیں کہ آپ اس ملک میں رہ کر کے بھی غیر ملکی ہیں، اس ملک میں رہ کر کے آپ پردیسی ہیں، آپ کو تو اس ملک کے ساتھ اپنے کو وابستہ کرنا چاہئے۔

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا

ان دمائکم واموالکم واعراضکم حرام علیکم کحرمة یومکم هذا فی بلدکم هذا فی شهرکم هذا الا فلیبلغ الشاهد الغائب (حدیث نبوی ﷺ)

اے مسلمانو! تمہارا خون، تمہارے مال، تمہاری عزت وآبرو ایک دوسرے پر حرام ہے، جیسے آج کا (عرفہ کا) دن اس شہر (مکہ) کے جوار میں اس مہینہ ذی الحجہ میں جو حرمت کا مہینہ ہے۔

زبان کے لئے کسی مسلمان کی توہین کرنا، مسلمان کے دل کو دکھانا، مسلمان کا خون بہانا ناجائز اور ظلم عظیم ہے۔ نہ زبان پرستش کے قابل ہے، نہ نفرت کے قابل "قد جعل الله لکل شیء قدرا" اللہ نے ہر چیز کا ایک پیمانہ بنایا ہے، اس کا بھی ایک پیمانہ ہے، محبت کرو، کمال پیدا کرو، زبان وشاعری کا لطف اٹھاؤ، اس کا ذائقہ لو، لیکن غلو نہ کرو، خدا کی کتاب کو بھی اگر کوئی پوجنے لگے تو مشرک، کافر ہو جائے گا، اگر قرآن کوئی سامنے رکھ کر (اس کو مسجود سمجھ کر) سجدہ کرے تو مشرک ہوگا، عبادت صرف خدا کی ہے، لیکن سب زبانوں سے محبت کرنا اور اس میں عبور حاصل کرنا اور سب کا حق دینا معقول ہے۔

میرے عزیزو! اگر یہ باتیں تمہیں یاد رہیں تو انشاء اللہ کسی دن یاد کرو گے کہ کوئی کیا کہہ گیا تھا

فستذکرون ما اقول لکم وافوض امری الی الله ان الله بصیر بالعباد

جو بات میں تم سے کہتا ہوں تم اسے آگے چل کر یاد کرو گے، اور میں اپنا کام خدا کے سپرد کرتا ہوں، بے شک خدا بندوں کو دیکھنے والا ہے۔

فرشتے بھی سن لیں اور کراماً کاتبین بھی سن لیں کہ ہم حجت پوری کر رہے ہیں، اس ملک کے رہنے والے مسلمانوں پر کہ اگر تمہیں اس ملک میں رہنا ہے، اسلام کو باقی رکھنا ہے تو یہ راستہ ہے، اللہ تعالیٰ آپ کی مدد کرے۔

وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین

بسم اللہ الرحمن الرحیم

علی گڑھ مسلم یونیورسٹی کا کام اور پیغام

الحمد لله رب العالمين والصلوة والسلام على سيد المرسلين محمد و آله وصحبه اجمعين ومن تبعهم ودعا بدعوتهم الى يوم الدين اما بعد فقد قال رسول الله صلى الله عليه وسلم الا ان فى الجسد مضغة، اذا صلحت، صلح الجسد كله، واذا فسدت فسد الجسد كله، الا وهى القلب

حضرات عالی مقام! مجھے تجربہ ہے کہ جس مسند پر کثیر تعداد میں ممتاز ترین شخصیتیں، نامورانِ قوم و ملک جمع ہوں، نام لے لے کر تقریر کا آغاز کرنا بعض اوقات بڑا خطرناک ہوتا ہے، ان میں سے کوئی ایک نام بھی رہ جائے تو بڑی کوتاہی اور ناانصافی پر محمول کیا جاتا ہے، اس لئے میں سب حضرات معززین کو جو اسٹیج پر رونق افروز ہیں، ان سب کا اجمالی طور پر شکریہ ادا کرتے ہوئے اپنی تقریر کا آغاز کرتا ہوں، حضرات! میں یونیورسٹی کی اصطلاح میں امتحان کا لفظ بولتا ہوں، میں نے بہت سے امتحانات دیئے ہیں، لیکن آج بہت بڑا امتحان ہے، مجھے اس امتحان کا بالکل اندازہ نہ تھا کہ میرا اس طرح خیر مقدم کیا جائے گا۔ میری حقیر ذات کو اس قدر نمایاں کیا جائے گا، میں درحقیقت ایک خلق کے احترام میں اور ایک نسبت گرامی کا لحاظ کرتے ہوئے یہاں حاضر ہوا تھا کہ نواب عبید الرحمٰن خان شیروانی مرحوم کے نام پر جو یادگار قائم کی جارہی ہے، جس عمارت کا افتتاح ہے، اس کا شرف حاصل کروں، کیونکہ یہ ایک دینی، ملی اور خاندانی فریضہ میرے دوشِ ناتواں پر ہے، اور میرے لئے یہی بات باعث اعزاز ہے، میں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ میرے وہم وخیال میں بھی یہ بات نہیں تھی کہ میرے استقبال میں میرے اعزاز میں یا اظہار تعلق کے لئے ایسی موقر مجلسیں ہوں گی اور ایسے ممتاز حضرات جمع ہوں گے، میرے وہم وگمان میں کہیں یہ بات نہیں تھی، اس میں ایک امتحان کی بات یہ بھی ہے کہ جن الفاظ میں، نظم ونثر میں اور جس خطیبانہ وادیبانہ انداز میں میری حقیر ذات کا ذکر کیا گیا، اس کا تقاضہ یہ ہے کہ میں صرف شکریہ پر اکتفا کروں، بلکہ میں آپ کی اور آپ کے موقر ادارہ

کی اور اس کے کارناموں کی اور اس کی خدمات کی تعریف کروں، اس کا ذکر کروں، اور اس سے جد ونی اور قدم آگے بڑھاؤں، میں اس کو ایک بہت بڑی ناسپاسی اور حقیقت میں ایک بڑی ناشکری سمجھوں گا کہ میں صرف شکریہ پر اکتفا کروں اور انسان کا قاعدہ ہے کہ جس سے اس کو محبت ہوتی ہے اور تعلق خاطر ہوتا ہے، جس کی جتنی اہمیت ہوتی ہے اور جس کے جتنے اثرات عمیق پڑ سکتے ہیں، اس کا لحاظ کرتے ہوئے اس کے ساتھ پیش آتا ہے کہ جیسے کہتے ہیں "عشق است و ہزار بدگمانی۔"

محبت کا تقاضہ یہ ہے کہ مخلصانہ طور پر صرف اس کی مدح وتوصیف پر اکتفا نہ کی جائے، بلکہ اس کے بارے میں جو امکانات ہیں اور لوگ اس کو جس نظر سے دیکھتے ہیں اس کا بھی اظہار کیا جائے، اس لئے میں اس کو شکر گذاری اور سپاس گذاری کا ایک فرض اور ایک تقاضہ سمجھتا ہوں کہ میں آپ کے سامنے اس نقطہ نظر اور اس احساس کو دیکھتے ہوئے جو احساس اس وقت پوری علمی دنیا میں اور پھر اس وقت ہندوستان کی ملت اسلامیہ میں اور پھر ہندوستان کی سرزمین میں مسلم یونیورسٹی علی گڑھ کے بارے میں پایا جاتا ہے، اور جو توقعات لوگ رکھتے ہیں۔

میں نے آپ کے سامنے ایک حدیث پڑھی ہے، آپ ﷺ ارشاد فرماتے ہیں کہ "یاد رکھو! سن لو! کہ انسان کے جسم میں ایک مضغۂ گوشت ہے، گوشت کا ایک ٹکڑا ہے کہ اگر وہ درست ہو جائے تو سارا جسم درست ہو جائے، وہ اگر بگڑ جائے تو سارا جسم بگڑ جائے، وہ کیا ہے، وہ قلب ہے، آپ سب لوگ جانتے ہیں کہ انسان کا جسم طویل و عریض بھی ہوتا ہے، انسان جسیم ہوتا ہے، مختلف اعضاء کا مجموعہ ہوتا ہے، لیکن طبیب حاذق اس کی نبض پر ہاتھ رکھتا ہے، نبض سے وہ پہچان جاتا ہے کہ اس جسم انسانی کو کیا عوارض درپیش ہیں، اس کی اندرونی حالت کیا ہے، وہ ہاتھ تو نبض پر رکھتا ہے، لیکن پورے جسم کا جائزہ لے لیتا ہے، میں مسلم یونیورسٹی جیسی عظیم الشان، عالمگیر شہرت کی حامل، جس پر ملت ہندیہ کی بہترین ذہانتیں، بہترین علمی عملی صلاحیتیں صرف ہوئی ہیں، جس کی آغوش میں ملت ہندیہ نے اپنے جگر پارے ڈال دیئے ہیں، میں تاریخ کے ایک طالب علم کی حیثیت سے آپ سے کہتا ہوں کہ ہندوستان کی ملت نے جگر کے ٹکڑوں کو اپنے قابل فخر فرزندوں کو کسی اور ادارہ کے اس طرح سپرد نہیں کیا، میں کسی ادارہ کی تحقیر نہیں کر رہا ہوں، ایک حقیقت بیان کر رہا ہوں، جس طرح ہندوستان کے مسلمانوں نے اور

یہاں کے شریف خاندانوں نے، اور یہاں کے ان خانوادوں نے ان انسانی مجموعوں نے جن کی ایک قابلِ فخر تاریخ رہی ہے اور جنہوں نے مختلف صدیوں میں، اور تاریخ کے مختلف دوروں میں افراد پیدا کئے ہیں، اور جنہوں نے ملک اور قوم پر بڑے گہرے اثرات ڈالے ہیں، اور بعض اوقات انقلاب پیدا کر دیا ہے۔ ان خاندانوں نے بہترین جگر پاروں کو اور دل کے ٹکڑوں کو، اور اپنی خاندانی خصوصیات کو جو بعض اوقات صدیوں پرانی تھیں، ہزاروں سال پرانی تھیں، اور بعض بعض تیرہ سو پرانی تھی، اپنے جگر پاروں کو اس کی آغوش میں ڈالا ہے، اعتماد کے ساتھ اور امیدوں کے ساتھ، توقعات کے ساتھ، وسیع امکانات کے ساتھ اور بہت گہرے اندازوں کے ساتھ، تو وہ مسلم یونیورسٹی علی گڑھ ہے۔

مسلم یونیورسٹی کی حیثیت

مسلم یونیورسٹی علی گڑھ کا معاملہ محض ایک یونیورسٹی کا معاملہ نہیں ہے، یہ ملت اسلامیہ ہندیہ کے نونہالوں کی امین، ایک ذمہ دار اور ایک بہت بڑے خواب کی تعبیر کے پورا کرنے والے ادارہ کی حیثیت ہے، اگر یہاں ان کی توقعات پوری ہوئیں، اور ان فرزندوں، ان خاندانوں کے جگر پاروں کی اچھی تربیت کی، ان کو پڑھا لکھا کر ہی نہیں، بلکہ بنا کر ان کو بہترین اخلاقی تربیت دے کر، جس کو میں نے اپنی صبح کی تقریر میں بار بار کردار کے لفظ سے ادا کیا ہے، ایک نمایاں اور امتیازی کریکٹر، اخلاقی استقامت، اخلاقی حوصلہ مندی اور بلندی اور اعتمادِ نفس، اپنے علم پر اعتماد، اپنی صلاحیتوں پر اعتماد کے حامل کی حیثیت سے یونیورسٹی نے نکالا، تو یونیورسٹی نے اس کا ایک شریفانہ جواب دیا اور ان خاندانوں ہی کو نہیں بلکہ ملت پر احسان کیا، اس یونیورسٹی کا معاملہ کسی اصطلاحی درسگاہ کا معاملہ نہیں ہے، بلکہ یہ ایک تاریخی امانت خانہ ہے، بلکہ کہنا چاہئے کہ ایک تاریخی اور ملی خزانہ ہے، جس کو اپنے ان جواہرات کی پوری حفاظت کرنی چاہئے، ان جواہرات کو آخری حد تک چمکا کر اور تاباں بنا کر ملت کو واپس کرنا چاہئے، یہاں سے صرف گریجویٹس کا نکلنا، صرف اسکالرز کا نکلنا، صرف ان لوگوں کا نکلنا جو ملازمتوں کے لئے فٹ پائے جائیں، موزوں پائے جائیں، اور جو صرف ملک کے انتظامیہ کو بہتر صلاحیتیں فراہم کریں، اپنے خاندانوں کی اچھی طرح پرورش کریں، یہ ہرگز کافی نہیں۔

میں ایک علمی تاریخ کے طالب علم کی حیثیت سے بھی اور ایک علمی درسگاہ اور ایک علمی

مکتب فکر کے نمائندہ کی حیثیت سے بھی اور تاریخ اسلام کا مطالعہ کرنے والے کی حیثیت سے بھی کہتا ہوں کہ ایک بہت بڑی ذمہ داری ہے، اور جو حدیث میں نے آپ کے سامنے پڑھی کہ جسم انسانی میں ایک ایسا گوشت کا ٹکڑا ہے جو اگر درست ہو جائے تو سارا جسم درست ہو جائے، اور وہ اگر بگڑ جائے تو سارا جسم بگڑ جائے، اس لئے یہاں کی جو سب سے بڑی ضرورت ہے، وہ یہ کہ آپ یہاں سے نئی نسل کے وہ افراد ملک کے سامنے پیش کریں جو ایمانی حقائق پر یقین رکھنے والے ہوں، اسلامی تعلیمات کے پورے طور پر حامل، اور اس کے نمائندہ ہوں، اخلاقی صوبوں کے پابند ہوں، ایک کردار رکھتے ہوں، وہ بلند نگاہی اور خودداری کے حامل ہوں، ابھی ہمارے بزرگ قاری شبیر صاحب نے ایک واقعہ سنایا۔ محبوب الٰہی کا، سردیوں کا زمانہ تھا، درس دے رہے تھے، پاؤں پھیلائے ہوئے تھے، ان سے کہا گیا کہ بادشاہ آرہے ہیں، پاؤں سمیٹ لیجئے، انہوں نے جواب دیا کہ جو پاؤں پھیلاتا ہے، وہ ہاتھ نہیں پھیلاتا، اسی طرح کا واقعہ عرب ملک کا سناتا ہوں کہ حلب میں شیخ سعد حلبیؒ تھے، ابھی سو برس پہلے کا قصہ ہوگا۔ جو دمشق کی ایک مسجد میں بیٹھے ہوئے درس دے رہے تھے، اتفاق سے اس دن ان کے پاؤں میں تکلیف تھی اور وہ پاؤں پھیلائے ہوئے بیٹھے تھے اور جیسا کہ قاعدہ ہے کہ استاذ پشت بہ قبلہ ہوتا ہے، اور اس کے شاگرد سامنے بیٹھے ہوتے ہیں اور دروازے سے داخل ہوتے ہیں اور بیٹھ جاتے ہیں تو ان کا چہرہ دروازے کی طرف تھا اور پشت قبلہ کی طرف تھی، اور پاؤں دروازے کی طرف پھیلائے ہوئے تھے۔ اس وقت ایک مشہور بانی سلطنت مصر خدیوی سلطنت، جو ابھی فاروق پر ختم ہوئی ہے، ابھی پندرہ بیس برس پہلے تک وہ موجود تھی محمد علی پاشا بیٹا تھا۔

ابراہیم پاشا اس زمانہ میں بڑا سفاک اور جلاد مشہور تھا، وہ شام کا گورنر تھا اور اس کی سفاکی کے قصے لوگوں کی زبانوں پر تھے، اس کو خیال ہوا کہ کہ حضرت کا درس جا کر سنوں اور ملاقات کروں، راستہ ایک ہی تھا، اس لئے وہ دروازے کی طرف سے آیا۔ سب کو خیال تھا کہ حضرت کو ہزار تکلیف ہو اس موقع پر اپنا پاؤں سمیٹ لیں گے، اتنی دیر میں کیا ہو جائے گا۔ لیکن انہوں نے بالکل جنبش نہیں کی، نہ درس موقوف کیا، نہ پاؤں سمیٹا، اسی طرح پاؤں پھیلائے رہے اور وہ پاؤں کی طرف آ کر کھڑا ہو گیا۔ اب ان کے شاگرد کہتے ہیں کہ ہم بالکل لرزاں و ترساں تھے کہ دیکھئے اب کیا ہوتا ہے۔ کیا ہمارے شیخ کی شہادت ہماری آنکھوں کے سامنے ہوگی، یا تذلیل

ہوگی۔ مشکیں باندھ لی جائیں گی اور کہا جائے گا لے چلو، وہ کھڑا رہا اور شیخ دیر تک درس دیتے رہے، التفات بھی نہیں کیا اور پاؤں بھی نہیں سمیٹا۔ مگر خدا جانے ان بزرگوں کا کیا اثر ہوتا ہے کہ اس نے کچھ نہیں کہا، کوئی سرزنش نہیں کی، کوئی شکایت نہیں کی اور چلا گیا۔

سننے والی جو بات ہے وہ یہ کہ وہ کچھ ایسا معتقد ہوا کہ اس نے جا کر اشرفیوں کا ایک توڑا غلام کے ہاتھ بھیجا اور کہا کہ شیخ کو میرا سلام کہنا اور کہنا کہ یہ حقیر نذرانہ قبول فرمائیں۔ آپ جانتے ہیں انہوں نے جواب میں کیا کہا؟ یہ آب زر سے لکھنے والا جملہ تھا جو علم کی تاریخ میں ہمیشہ روشن رہے گا۔ انہوں نے کہا۔ اپنے بادشاہ کو سلام کہنا اور کہنا جو پاؤں پھیلاتا ہے وہ ہاتھ نہیں پھیلاتا، یا پاؤں ہی پھیلا لے، یا ہاتھ ہی پھیلا لے، ایک ہی کام ہو سکتا ہے دنیا میں، جب میں نے پاؤں پھیلائے تھے اس وقت یہ طے کر لیا تھا کہ اب ہاتھ نہیں پھیلا سکتا۔ "ان الذی یمد رجله لایمدیده" ان ہی الفاظ کے ساتھ مؤرخ نے ان کو نقل کیا ہے:

سلم علی مولاک وقل له
ان الذی یمد رجله لایمدیده

بہر حال ہمیں اپنے طلباء کو اس طرح بنانا چاہئے کہ وہ ملک میں اپنے جوہر ذاتی اور اپنی قابلیت اور اپنی زبان دانی، اپنی صلاحیت انتظامی اور اپنی ذہانت اور اپنی کارکردگی سے پہچانے جائیں۔

حضرات! میں ان لوگوں میں نہیں ہوں کہ ان کی اہمیت کا انکار کروں، واقعات پر میری نظر ہے، میں جانتا ہوں کہ یہ سب چیزیں کتنی اثر انداز ہوتی ہیں، اس کے ساتھ ساتھ وہ اس بات کا بھی نمونہ بنیں گے کہ ہم ضمیر فروش نہیں ہیں، ہم کسی حالت میں ضمیر بیچ نہیں سکتے، اس موقع پر بے اختیار علامہ اقبال کے یہ اشعار یاد آ گئے وہ کہتے ہیں:

اپنے من میں ڈوب کر پا جا سراغ زندگی
تو اگر میرا نہیں بنتا نہ بن اپنا تو بن
من کی دنیا من کی دنیا سوز و مستی جذب و شوق
تن کی دنیا تن کی دنیا سود و سودا مکر و فن

من کی دولت ہاتھ آتی ہے تو پھر جاتی نہیں
تن کی دولت چھاؤں ہے آتا ہے دھن جاتا ہے دھن
من کی دنیا میں نہ دیکھا میں نے افرنگی کا راز
من کی دنیا میں نہ پائے میں نے شیخ و برہمن

یہ شعر جو حقیقت میں آب زر سے لکھنے کے قابل ہیں۔

پانی پانی کر گئی مجھ کو قلندر کی یہ بات
تو جھکا جب غیر کے آگے نہ من تیرا نہ تن

یہ تعلیم، یہ مسلم یونیورسٹی میں اپنے بہت قدیم تعلقات کی بنا پر عرض کرتا ہوں، آپ کو معلوم ہے کہ سید احمد خان رحمۃ اللہ کے خاندان کو سید احمد شہید رحمۃ اللہ کے خاندان سے تعلق تھا، علاوہ سیادت کے رشتہ کے میری معلومات یہ ہیں کہ ان کی والدہ بیعت تھیں سید احمد شہید سے، یہ سید احمد نام ان ہی نے رکھا اپنے پیر کے نام پر۔ ان کے والد شاہ غلام علی صاحب کے مرید تھے اور ان کی والدہ حضرت سید احمد شہید سے مرید تھیں، یہ میرے دل میں بچپن سے نقش ہو گیا۔

میں سمجھتا ہوں کہ ان کی نظر اور ان کی توقعات ان کے انداز سے اور ان کی اپنی محنتوں کو جو ثمر وہ سمجھتے تھے، وہ اس میں ہرگز محدود نہ تھا کہ یہ لوگ نکالے جائیں جو آسامیوں کے قابل ثابت ہوں اور ان کو عہدے دیئے جائیں اور وہ اپنے محدود خاندانوں کی پرورش کریں، اور اچھی طرح کھائیں پئیں اور زندگی گزاریں، وہ ایک ایسی نسل پیدا کرنا چاہتے تھے جو قیادت کرے، اور یہی وجہ تھی کہ آپ کی یونیورسٹی نے ملت اسلامیہ ہندیہ کو بلکہ برصغیر ہند کو وہ افراد دیئے جن کی مثال نہیں ملتی مولانا محمد علی جوہر اور ان کی قربانیاں، مولانا ظفر علی خان کی ذکاوت اور ان کی شاعری، اس کے بعد کچھ وہ لوگ جنہوں نے بعض سیاسی، انقلابی کام کئے ہیں، تفصیلات میں نہیں جاؤں گا۔ اس سے بدگمانیاں پیدا ہونے کا اندیشہ ہے، ان لوگوں نے اس وقت وہ کام کئے جو اس وقت ناممکن سمجھے جاتے تھے، اس کے علاوہ مفکرین، مصنفین، اہل قلم اور انگریزی پر قدرت رکھنے والے اور دانش گاہوں کے چلانے والے سب نکلے۔ آپ سے یہ عرض کروں گا۔ آپ ایک ایسے طبقے کو پیدا کریں، ہمارے اساتذہ کرام اور یونیورسٹی کے اساتذہ اور دانشوران سب موجود ہیں جو اس کا خاکہ بناتے ہیں، جو اس کے لئے نئے راستے پیدا کرتے ہیں۔

وہ موجود ہیں ان کی موجودگی سے فائدہ اٹھاتے ہوئے یہ عرض کرنا چاہتا ہوں کہ آپ ایسے طبقے کو پیدا کریں جس کی طرف نگاہیں اٹھائیں۔

یہ بات میں نے انگلستان میں بھی کہی ہے کہ اس طرح آپ کا رہنا کافی نہیں ہوگا، بلکہ آپ کو یہاں اس طرح رہنا چاہئے کہ انگلیاں اٹھیں کہ کون جا رہا ہے، یہ ہم سے مختلف معلوم ہوتا ہے، اس کی نگاہیں پاک ہیں اور اس کے خیالات پاک ہیں، انسانیت کا ہمدرد ہے اور یہ ملک کے لئے باعث زینت ہے۔ میں اس موقع پر سید احمد شہید کے ذکر کی رعایت کے ساتھ ذکر کرتا ہوں، جب انہوں نے پشاور فتح کیا تو وہاں کئی دن ٹھہرنا پڑا، ایک دن پشاور کے ایک پٹھان نے ہندوستانی مجاہدین میں سے کسی کا ہاتھ پکڑ کر کہا اور ہندوستانی بھائی! آپ سے ایک بات پوچھتے ہیں صحیح صحیح بتائیے گا کہ کیا ہندوستان کے لوگوں کی دور کی نگاہ کمزور ہوتی ہے؟ انہوں نے کہا نہیں! کمزور نہیں ہوتی ہے۔ کہا نہیں ضرور کمزور ہوتی ہیں، انہوں نے کہا خدا کا شکر ہے، کسی کی کمزور ہو تو ہو، لیکن عام طور سے کمزور نہیں ہوتی اور نہ کوئی خصوصیت ہے۔ لیکن میں پوچھتا ہوں کہ آپ یہ پوچھ کیوں رہے ہیں؟

اس پٹھان نے ہندوستانی مسلمان سے کہا، ہم آپ لوگوں کو جانتے ہیں کہ آپ میں سے کوئی دو برس کا نکلا ہوا ہے، کوئی چھ ماہ سے، اپنے گھر والوں، بیوی بچوں کو چھوڑ کر آیا ہے، اور آپ جوان بھی ہیں، اور ایسے مضبوط جوان کہ جہاد کے لئے نکلے ہیں، ہم نے آپ میں سے کسی کو نہیں دیکھا جو یہاں کسی عورت کو تاک رہا ہو، کسی نامحرم کو دیکھ رہا ہو، اور دوسری فطری بات تھی کہ اگر اس طرح لذت نہیں حاصل کر سکتے تو اس طرح لذت حاصل کر لیں۔ لیکن یہ بھی نہیں، تو ہم نے فیصلہ کیا کہ آپ لوگوں کو شاید دور کی چیز نظر ہی نہیں آتی۔ تو جواب میں کہا نہیں۔ ایسی بات نہیں ہے۔ بلکہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

قل للمؤمنین یغضوا من ابصارھم ویحفظوا فروجھم

ایمان والوں سے کہہ دو کہ وہ اپنی نگاہیں نیچی اور پاک رکھیں اور اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کریں اور ہمارے امام اور مرشد کی صحبت کا فیض ہے۔

میں آپ سے یہ عرض کروں گا، معلوم نہیں اس کے بعد موقع ملے نہ ملے، زندگی کا کوئی اعتبار نہیں، اور زندگی بھی رہے تو ایسے موقر اجتماعات ایسے چیدہ اور برگزیدہ اشخاص کا ایک جگہ

جمع ہونے کا اعتبار نہیں کیا جاسکتا، آپ ایسے طلبہ کو نکالیں جو اخلاقی اور ذہنی طور پر، علمی طور پر، ہر طرح سے ممتاز ہوں، یہ سمجھا جائے کہ علی گڑھ کا گریجویٹ اور علی گڑھ کا تعلیم یافتہ رشوت نہیں لیتا، وہ ناانصافی نہیں کرتا، وہ کسی خاندان کے درمیان، کسی قوم کے درمیان کوئی امتیاز نہیں برتتا، جب وہ انصاف کرتا ہے تو بے لاگ طریقہ پر انصاف کرتا ہے، اسی طریقہ سے ذہنی طور پر بھی آپ اپنا سکہ جمادیں، کوئی قوم خاص کر اس عہد ترقی میں اور عہد علم وفن میں، عہد صحافت، عہد ادبیات میں، عہد تحقیقات میں، کوئی قوم، کوئی ملت عزت حاصل نہیں کرسکتی جب تک کہ وہ اپنا ذہنی سکہ نہ جمادیں، اپنی ذہانت کا، علمی تفوق، علمی امتیاز کا، اپنی محنت وکاوش کا، قوت مطالعہ کا، اپنی وسیع النظری کا، جب تک کہ وہ اپنا سکہ نہ بٹھادے، اس وقت تک کا احترام نہیں ہوتا، یہاں سے ایسے لوگ نکلے جو ایک طرف تو انگریزی پر پوری قدرت رکھیں، اور ان کے اندر علمی وتحقیقی صلاحیت ہی نہیں بلکہ ان کے اندر اس کام کا جذبہ و جوش ہو، اخلاقی و دینی طور پر وہ ایک امتیاز رکھتے ہوں، فرائض کے پابند ہوں، میں صفائی سے کہتا ہوں کہ وہ صحیح العقیدہ مسلمان ہوں، فرائض کے پابند ہوں، لوگ کہیں کہ علی گڑھ کا ایک جج بیٹھا ہوا ہے، جب نماز کا وقت آئے گا تو وہ نماز پڑھے گا، اطمینان رکھو وہ نماز کے لئے ضرور اٹھیں گے ہم نے دیکھا ہے کہ کتنی بھی مصروفیت ہو جب نماز کا وقت آیا تو نماز کے لئے اٹھے۔

یہ بات لوگوں میں معروف و مسلم ہو اور پھر اس کے ساتھ ساتھ یہ بھی کہ غلط فیصلہ نہیں کریں گے، رشوت کا نام بھی ان کے سامنے نہ لینا ورنہ پھر تمہارا وہاں ٹھہرنا مشکل ہو جائے گا۔ یہ بات علی گڑھ کے گریجویٹس، علی گڑھ کے فضلاء کے لئے تمغۂ امتیاز ہو، ایک مثال ہو، جیسے آگے آگے ایک جلوس چلتا ہے، اسی طرح سے نیک نامی کا، بلند نگاہی کا، پاک دامنی کا اور عالی ظرفی کا، گویا ایک جلوس آگے آگے چلے، وہ جلوس انسانی شکل میں نہیں ہوگا، لیکن ان روایات کی شکل میں ہوگا، وہ ان تجربات کی شکل میں ہوگا جو اس کے بارے میں کئے جاچکے ہیں۔ ہمارے ان حضرات میں جن کے ہاتھ میں زمام کار ہے، وہ ہمارے لئے ہر طرح سے قابل احترام ہے اور ان سے ہر طرح کی توقع قائم کی جاسکتی ہے، انہوں نے اور قابل احترام اساتذہ نے، تربیت کرنے والوں نے اور ہاسٹلوں کی نگرانی کرنے والوں نے اور علمی مشورہ دینے والوں نے کام کرانے والوں نے اگر یہ فریضہ انجام دیا، یہ خدمت انجام دی، تو پھر علی گڑھ کا نام بلند

ہوگا، صرف یہی نہیں بلکہ پورے ایشیا، اور پوری دنیا میں اس کا حصہ، اور میں پورے یقین کے ساتھ کہتا ہوں سرسید علیہ الرحمہ کی نظر صرف اسی پر نہیں تھی کہ مسلمانوں کو آسامیاں نہیں مل رہی ہیں اس لئے انگریزی پڑھنی چاہئے، تاکہ ان کو نوکریاں ملیں اور اپنے گھر والوں کی پرورش کرسکیں۔ اگر آپ ''آثارالصنادید'' پڑھیں تو جس طرح انہوں نے شاہ اسماعیل شہید رحمۃ اللہ علیہ کا تذکرہ کیا ہے، جس عقیدت مندی کے ساتھ کیا ہے، معلوم ہوتا ہے کہ وہ قلم و روشنائی سے نہیں لکھ رہے ہیں بلکہ دل سے بات نکل رہی ہے۔ آپ اس سے ان کے جذبات کو، ان کے مسلک کو، طرز فکر کو معلوم کرسکتے ہیں۔

میں سمجھتا ہوں کہ ان کے ساتھ یہ ایک بہت بڑی ناسپاسی ہوگی، ناقدری ہوگی کہ ہم یونیورسٹی سے ان لوگوں کو نکالنا اپنا فرض سمجھیں جو ملازمت کرسکیں اور ملازمت کی اہلیت رکھ سکیں اور اچھی اچھی آسامیاں پاسکیں، اپنے محدود خاندانوں کی پرورش کرسکیں، اس سے قائدین کو نکلنا چاہئے کہ قیادت کریں اور جو اس وقت قوم پر ہسٹیریا کا دورہ پڑا ہوا ہے، یہ فرقہ وارانہ فسادات کا، مادہ پرستی کا، رشوت خوری کا، بے حسی کا اور فرقہ وارانہ منافرت کا، اس دورہ کو دور کرسکیں، اس کا علاج کرسکیں اور اس کے سامنے وہ سینہ سپر ہوکر کھڑے ہوجائیں، ملک کا رخ پھیرنے کی کوشش کریں، تخریب کے بجائے تعمیر کی طرف، فساد کے بجائے صلح و صفائی کی طرف، بدگمانی کے بجائے نیک گمانی کی طرف، بجائے ایک دوسرے سے ٹکرا کر رہنے کے ایک دوسرے سے مل کر تعاون کرکے، اس ملک کا نام روشن کرنے کے لئے اس ملک میں آئندہ نسلوں کو اطمینان کے ساتھ اپنی صلاحیتوں کا اظہار کرنے کے قابل بنانے کے لئے، اپنی ذہانتیں اور اپنی توانائیاں صرف کریں، اسی کے ساتھ میں آپ کی اس مہمان نوازی اور آپ کی اس ہمت افزائی کا بھی حق سمجھتا تھا اور اس کا فرض سمجھتا تھا کہ آپ کے سامنے اپنے ضمیر کے مطابق ہی نہیں بلکہ اس عظیم الشان درسگاہ کے بانی کی توقعات ان کی امیدوں، ان کے خیالات کی ترجمانی کا کسی درجہ میں فرض ادا کروں، اس طرح میں شکریہ ادا کرسکوں گا، اس سپاس نامہ کا اور اس نظم ونثر کا جو میری حقیر ذات کے بارے میں کہی گئیں اور پڑھی گئیں۔

اس کا شکریہ یہ ہے کہ میں آپ کو بتاؤں کہ یہاں سے ملت کے وہ جواہر پارے، ملت کے وہ لعل و گوہر نکلیں جو صرف اپنے محلوں کو، اپنے قصبات ہی کو نہیں بلکہ ہندوستان کو چمکا دیں،

جس کی روشنی باہر تک پہنچے، میں امید کرتا ہوں کہ میری اس حقیر گذارش کو اپنے بلند ذہن میں علمی اور تعمیری ذہن میں جگہ دیں گے اور اب یونیورسٹی کا رخ اس طرح ہوگا کہ اس ملک کو موجودہ امتحانات و مشکلات سے نکالنے کے لئے وہ افراد پیدا کرے جو اس ملک کو صحیح راستے پر لگائیں اور یہی وہ کردار ہے اور یہی وہ میدان ہے جس میں مولانا محمد علی جوہر نے تحریک خلافت کے علمبرداروں نے یہاں سے نکلنے والے فاضل اور گریجویٹس اور اساتذہ نے انجام دیئے۔

مجھے معاف کیا جائے کچھ عرصہ سے اس میں تھوڑا سا تعطل پیدا ہو گیا ہے، اس تعطل کو دور کرنے کی کوشش کرنی چاہئے۔ یہی یونیورسٹی کے موجودہ ذمہ داروں کی سب سے بڑی کامیابی اور کارنامہ ہوگا کہ یونیورسٹی کا رخ اب پھر اس طرف پھیر دیں جس رخ پر سرسید علیہ الرحمہ اس کو چلانا چاہتے تھے، جس ماحول میں وہ افراد نکلے جنہوں نے دنیا میں ہندوستان کا نام پیدا کیا، اور وہ تحریکیں چلائیں جنہوں نے ہندوستان کا نقشہ بدل دیا، سیاسی، ذہنی، شعوری نقشہ بدل دیا۔ ان ہی الفاظ کے ساتھ پھر میں آپ کا شکریہ ادا کرتا ہوں بالکل توقع نہیں تھی کہ مجھے اس امتحان سے بھی گذرنا پڑے گا، یونیورسٹی کی رعایت سے کہتا ہوں کہ یہ میرے لئے ایک امتحان ہے، یہ خیال کیا کہ خواہ میں آپ کے یہاں زیادہ نمبر پانے کا مستحق نہ ہوں لیکن خدا اور رسول کے یہاں مجھ سے یہ سوال نہ ہو کہ خدا نے تم کو ایک زریں موقع دیا تھا، تم نے وہاں کوتاہی کی، وہاں حق بات نہیں کہی، ساتھ ہی ساتھ آپ سے معافی بھی چاہتا ہوں اور آپ کا شکریہ بھی ادا کرتا ہوں۔

وما علینا الا البلاغ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

ذاتی تعلق، ذاتی محنت اور جذبہ خدا طلبی

۲۵ رجب ۱۳۸۵ھ مطابق ۲۰ نومبر ۱۹۶۵ء بعد نماز ظہر جمالیہ ہال میں طلباء دارالعلوم کی طرف سے فارغ ہونے والے طلبہ کے اعزاز میں الوداعی جلسہ منعقد ہوا، جس میں جانے والے طلبہ نے اپنے تأثرات پیش کئے، آخر میں مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی نے مختصر طور پر چند کلمات ارشاد فرمائے۔

الحمد لله نحمده ونستعينه ونستغفره ونعوذبالله من شرور انفسنا ومن سيئات اعمالنا من يهد الله فلا مضل له ومن يضلله فلا هادى له ونشهد ان لا اله الا الله ونشهد ان محمد اعبده ورسوله الذى ارسله الله تعالى بالحق بشيرا ونذيرا وداعيا الى الله باذنه وسراجامنيرا.

قدیم رسم:

عزیز طلباء! مشرقی تہذیب میں بہت قدیم زمانہ سے یہ رسم چلی آ رہی ہے کہ جب کوئی شخص کسی دور دراز سفر پر روانہ ہوتا ہے، یا ایک دوسرے سے جدا ہوتا ہے، تو اس وقت اپنے کسی بڑے مخلص یا تجربہ کار سے کچھ نصیحتیں اور کچھ وصیتیں سننا چاہتا ہے، جو اس نے اپنی زندگی کے تجربات سے حاصل کی ہیں، اس لحاظ سے اس وقت آپ کی یہ خواہش درست اور صحیح ہے۔ میں ہوتا یا میری جگہ پر کوئی اور شخص اور وہ آپ کو اس موقع پر کچھ ایسی باتیں بتاتا جن کو اپنا کر آپ کامیابی کی منزل کی طرف بڑھ سکتے اور آئندہ زندگی میں لائحہ عمل کے طور پر کام میں لاتے تو یہ عین مناسب بات تھی، لیکن میرے عزیزو! آج میں اپنی ان عزیزوں سے کیا کہوں اور کن کن چیزوں کی طرف توجہ دلاؤں، بہرحال اس وقت میں مختصر طور پر کچھ کہوں گا، اگرچہ اس کی مثال ایسی ہی ہے کہ "بسم اللہ " کو نکال کر سوئے ادب سے بچنے کے لئے شروع میں ۷۸۶ کا عدد لکھ دیا جائے لیکن ظاہر ہے کہ جو برکت بسم اللہ کے اندر ہی، وہ ۷۸۶ سے نہیں حاصل ہو سکتی،

اس کی مثال ایسی ہی ہے کہ پوری کتاب سے چند سطریں لکھ دی جائیں اور اس کو مختصر کر کے پیش کر دیا جائے، لیکن جس طرح سے میں نے ابھی عرض کیا کہ بسم اللہ کی جگہ ۷۸۶ کا عدد نہیں لے سکتا، اسی طرح سے کتاب اور مضمون کی جگہ اس کی چند سطریں نہیں لے سکتی ہیں، پھر بھی مختصراً میں تین باتیں کہوں گا کہ اگر آپ سننا چاہتے ہیں تو ان کو لوح دل پر ثبت کر لیں اور دل و دماغ کے امانت خانہ میں اچھی طرح محفوظ کر لیں، اس سلسلے میں انسان کے لئے جو سب سے زیادہ مفید اور سب سے زیادہ قابل اعتماد چیز ہو سکتی ہے، وہ اس کے ذاتی تجربات ہوتے ہیں جن میں کم سے کم شبہ کا امکان ہوتا ہے، اس لئے اس وقت میں خود اپنے ہی تجربات آپ کے سامنے پیش کروں گا۔

ذاتی تعلق:

پہلی چیز وہ ذاتی تعلق ہے، جو مجھے اپنے اساتذہ سے ہمیشہ رہا، وہ تعلق نہیں جو ضابطہ کی خانہ پری کے لئے ہو، بلکہ وہ تعلق جو شب و روز کا تھا، اس تعلق کو میرے مخلص اساتذہ بھی محسوس کرتے تھے اور میں بھی اس کو محسوس کرتا تھا، یہ وہ پہلی چیز ہے، جس نے مجھے بہت نفع پہنچایا اور میں نے جو کچھ حاصل کیا وہ اسی کا صلہ ہے، خوش قسمتی سے میری تعلیم کا نظام کچھ ایسا رہا کہ اساتذہ کی تعداد کم تھی، اور اس کی وجہ سے ان کی قدر کرنے اور ان سے خصوصی تعلق رکھنے کے مواقع زیادہ تھے۔

ایک طالب علم کے لئے یہ بہت ضروری ہے کہ اس کا رجحان جس فن کی طرف ہو، اس کے ماہر اور متخصص کے پاس رہ کر اس سے وہ اپنی صلاحیت کے مطابق استفادہ کرے، بغیر اس ربط کے وہ زیادہ فائدہ نہیں اٹھا سکتا، اگر آپ ادیب بننا چاہتے ہیں تو اس کی پیروی کریں، جس کا ادب آپ کے لئے زیادہ نفع بخش اور مفید ہو، اسی طریقہ سے اگر آپ کو تفسیر یا کسی اور فن سے لگاؤ ہے تو اس کے ماہر استاذ سے اپنا خصوصی ربط قائم رکھیں، اب آپ کے سامنے میں وہ چند باتیں پیش کرتا ہوں، جن کی رہنمائی اور روشنی میں آپ اپنے سفر زندگی کا آغاز کر سکتے ہیں۔

سب سے پہلی بات یہ ہے کہ آپ اپنے زندگی کے لئے ایک شخصیت کا انتخاب کر لیں، یہ حقیقت ہے کہ چراغ سے چراغ جلتا ہے، اس کے لئے یہ ضروری ہے کہ کوئی بھی مخلص بندہ آپ کو کہیں مل جائے تو آپ اس کو اپنا رہنما مان کر اپنی زندگی کی نئی تعمیر شروع کریں، اس میں

آپ کو پورا پورا اختیار ہے کہ جس کو چاہیں اور جہاں چاہیں ایشیا یا ایشیا سے باہر دنیا کے کسی گوشہ میں آپ اس کو دریافت کرلیں، بلکہ میں آگے بڑھ کر یہاں تک کہتا ہوں کہ زندوں میں آپ کو کوئی ایسا نظر نہ آئے تو ماضی کی شخصیتوں میں اس کی تلاش کیجئے اور جہاں کہیں یہ بندۂ خدا آپ کو ملے، اس کے ہاتھ میں اپنا ہاتھ دے دیجئے اور کچھ دنوں تک اس کی ہر چیز کو اپنے اندر منتقل کرنے کی کوشش کیجئے، انسان میں یہ صفت بہت نمایاں طور پر ہے کہ وہ جس چیز کو چاہتا ہے، اس کو نقل کرلیتا ہے، آپ اس کی ہر چیز کی نقل اتاریئے اس کے بعد آپ بڑے ہو سکتے ہیں، آپ اس سے آگے بھی نکل سکتے ہیں، اور ایسی جگہ بھی پہنچ سکتے ہیں، جہاں آپ کو اس تعلق کی ضرورت نہ ہوگی، اگرچہ یہ بات بہت کم لوگوں کو حاصل ہوتی ہے۔

ذاتی محنت:

دوسری بات جو آپ سے کہنی ہے، وہ یہ ہے کہ آپ تاریخ کی شخصیتوں میں سے جس کا بھی نام لیں، جب آپ اس کی سیرت کا مطالعہ کریں گے، اس کی زندگی کی تہہ تک جانے کی کوشش کریں گے تو آپ کو اندازہ ہوگا کہ اس کی شخصیت کو بنانے اور سنوارنے والی سب سے اہم اور بنیادی چیز اس کی ذاتی محنت، اس کی فکر ولگن، مقصد کی دھن اور اس کی تڑپ تھی، اس کے بغیر اگر اساتذہ چاہیں یا عظیم الشان ادارے اس کے لئے کوشش کریں، کسی کے بس میں کچھ نہیں ہے، جو بھی بنا ہے، وہ اپنی ذاتی محنت اور جدوجہد سے بنا ہے۔ یقیناً اللہ تعالیٰ کی توفیق اور اساتذہ کی رہنمائی بھی ضروری ہے، لیکن اگر اللہ کی توفیق شامل حال ہے تو پھر اپنی ذاتی محنت سے انسان اپنے آپ کو سب کچھ بنا سکتا ہے۔

جذبہ خدا طلبی:

تیسری بات جو آپ سے کہنی ہے، وہ یہ ہے کہ انسان کو ہر وقت اس چیز کی فکر کرنی چاہئے، جس کے لئے وہ پیدا کیا گیا ہے، اور جو چیز اس کو حقیقت میں کام آنے والی ہے، وہ آخرت کی فکر، خدا کی مرضی اور اس کی خوشنودی حاصل کرنے کا شوق اور جذبہ ہے۔ اگر انسان کے اندر یہ چیز نہیں ہے تو خواہ وہ بڑے سے بڑا ادیب ہو، بہت بڑا مقرر وخطیب ہو، یا بہت بڑا مفسر وفقیہ ہو، اس دولت سے محروم ہی رہے گا، یہ ممکن ہے تھوڑی دیر کے لئے کچھ واہ واہ اور کچھ

ناموری اور کچھ داد و تحسین حاصل کر لے مگر آگے اس کا کچھ حصہ نہیں، حقیقت میں جو چیز کام آنے والی ہے، وہ خشیت الٰہی ہے، وہ آخرت کی فکر ہے وہ اللہ کی مرضی کی تلاش ہے۔ ایک مرتبہ مولانا فضل رحمن گنج مرادآبادیؒ نے ایک طالب علم سے پوچھا تم کیا پڑھتے ہو؟

عرض کیا۔ "قاضی مبارک۔"

ارشاد ہوا۔ "استغفر اللہ۔" "نعوذ باللہ! قاضی مبارک پڑھتے ہو، اس سے حاصل؟ ہم نے فرض کیا کہ تم منطق پڑھ کر قاضی مبارک کے مثل ہو گئے، پھر کیا؟ قاضی مبارک کی قبر پر جا کر دیکھو کیا حال ہے، اور ایک بے علم کی قبر پر جاؤ جس کو خدا سے نسبت تھی اس پر کیسے انوار و برکات ہیں۔

میں نے مانا کہ آپ بڑے ادیب و انشاء پرداز بن جائیں (اگرچہ میں اس کا پرزور داعی ہوں اور میں نے اس سے بہت کام لیا ہے) لیکن یہ سب چیزیں اسی وقت کام آ سکتی ہے، جب ان سے مطلوب رضائے الٰہی ہو۔

لہٰذا میرے عزیزو! ہر چیز پر اس کو مقدم رکھیں اور اسی کو اپنا مقصد حیات بنائیں۔

(۲۲/نومبر ۶۵ء کو مولانا رحمۃ اللہ علیہ نے مدرسہ ثانویہ کے انعامی جلسہ میں بچوں کو جو نصیحت کی وہ بھی مختصراً درج ذیل ہے۔)

میرے عزیزو! آج تم کو دیکھ کر بڑی خوشی ہو رہی ہے، ایسی ہی جیسے کسی خاندان کے بڑے یا بزرگ کو اپنے چھوٹے بچوں کو دیکھ کر خوشی ہوتی ہے، میں تم کو مبارک باد دیتا ہوں، اور سب سے بڑی مبارک باد اس پر کہ تم نے محنت کر کے انعامات کا استحقاق پیدا کیا اور تمہارے اساتذہ اور تمہارے ہیڈ ماسٹر صاحب نے تم کو اس کا اہل سمجھا، ان انعامات کی قیمت بازار میں کچھ زیادہ نہیں ہے جو تم کو کتابوں اور دوسری چیزوں کی صورت میں ملے ہیں، بلکہ اس لحاظ سے انعامات بہت قیمتی ہیں کہ اس وقت جب کہ تمہارے اساتذہ موجود ہیں یہ کہہ کر دیئے جا رہے ہیں کہ ہمارے ان بچوں نے مختلف چیزوں میں نمایاں کامیابی حاصل کی ہے۔

آج مجھے افسوس ہوتا ہے کہ جو چیزیں ہم نے اپنے بچپن میں بطور انعام حاصل کیں وہ بچپن کی بے خیالی میں ضائع ہو گئیں، اب میں تم کو نصیحت بلکہ وصیت کرتا ہوں کہ ان کو بہت اچھی طرح اور حفاظت سے رکھنا، آج میں نے تمہاری تقریریں سنیں اور تمہاری تقریریں ریکارڈ

کی گئی ہیں، یہ تقریریں تمہاری عمر اور تمہاری استعداد کے لحاظ سے بڑی غنیمت اور بہت اچھی ہیں، اور ایک اچھے مستقبل کی پیشن گوئی کرتی ہیں، مگر جی یہ چاہتا ہے کہ یہ تقریریں اور زیادہ بے تکلف اور سادہ ہوں، کیونکہ اچھی تقریر وہی ہوتی ہے جو زیادہ سے زیادہ سادہ اور بے تکلف ہو، یقینا تمہاری تقریریں قابل مبارکباد ہیں، مجھے محسوس ہوتا ہے کہ تمہارے اساتذہ اپنے مقصد میں بہت حد تک کامیاب ہیں، اب چند باتیں تم سے کہنا چاہتا ہوں جو تمہارے کرنے کی ہیں۔

پہلی بات یہ ہے کہ انسان جو کچھ بچپن میں سوچتا ہے بعینہ ان چیزوں کو اللہ تعالیٰ کسی نہ کسی موقع پر پورا کر دیتا ہے، لہٰذا جو خیال کرو یا جو آرزو و تمنا کرو بہت سوچ سمجھ کر کرو، ایسا نہ ہو کہ بعد میں تمہیں افسوس کرنا پڑے، یہ بڑے تجربہ کی بات ہے۔ بچپن کا خیال حقیقت بن کر سامنے آتا ہے، ابھی سے تم یہ ارادہ کرو کہ تم اسلام کا نام روشن کرو گے، اللہ کا پیغام پہنچاؤ گے، اسلام کے سچے اور مخلص داعی بنو گے، ایسا نہ سوچو بعض بچے سوچتے ہیں کہ ہم ٹی ٹی آئی بنیں گے اور مفت سفر کیا کریں گے، یا ہم تھانیدار یا اسی طرح کی اور بہت سی باتیں، یہ بات بری نہیں ہیں، بلکہ تم کو اس سے بھی اونچا سوچنا چاہئے، اس کا یہ مطلب نہیں کہ تم ٹی ٹی آئی کے بجائے گارڈ بننے کے لئے سوچنے لگو یا تھانیدار کے بجائے ایس پی بلکہ اللہ تعالیٰ کو بچپن کی معصومیت اتنی پسند ہے کہ اس وقت بچہ جو سوچتا ہے، اللہ تعالیٰ اس کو پورا کرتا ہے، تم اونچے سے اونچا ارادہ کرو اور اچھی سے اچھی آرزو کرو کہ اللہ نے جو پیغمبروں سے کام لیا وہ ہم کریں گے، اللہ کے ولی اور دوست بنیں گے، ہم بہت بڑے عالم و فاضل بنیں گے اور اللہ کے بندوں کو زیادہ سے زیادہ فائدہ پہنچائیں گے، دیکھو انسان کے اندر اللہ تعالیٰ نے یہ صلاحیت رکھی ہے کہ وہ سب کچھ بن سکتا ہے، فرشتہ بلکہ فرشتہ سے بھی بڑھ سکتا ہے، اس لئے کہ انسان میں بہت سی وہ صلاحیتیں ہیں جو فرشتوں میں نہیں ہیں، جب معاملہ یہ ہے کہ آدمی بہت کچھ بن سکتا ہے اور بہت بڑا بن سکتا ہے تو تم چھوٹی اور گری پڑی آرزوئیں کیوں کرو، تم ہمیشہ یہ آرزو کرو کہ اللہ ہمیں اپنے دین کی خدمت کرنے کی توفیق عطا فرمائے، اور تم سے وہ کام لے جس کی زمانہ کو ضرورت ہے، ہماری آرزو اور ہماری تمنا اور خواہش تم سے یہی ہے۔

شوق ترا اگر نہ ہو، میری نماز کا امام
میرا قیام بھی حجاب، میرا سجود بھی حجاب

وما علینا الا البلاغ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

آج نبوت محمدی ﷺ پر الحاد و دہریت کا حملہ ہے
کوئی شاہین ہے جو اس کے مقابلہ کی سعادت حاصل کرے؟

۳ جولائی ۱۹۶۶ء کو سلیمانیہ ہال میں طلبائے دارالعلوم کے سامنے حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی نے ایک اہم تقریر کی جو مسلسل دو گھنٹے تک جاری رہی اور ریکارڈ بھی کی گئی۔ بعد میں شفیق رائے بریلوی نے اس کو قلم بند کیا۔

الحمد لله نحمده ونستعينه ونستغفره ونعوذ بالله من شرور انفسنا ومن سيئات اعمالنا من يهد الله فلا مضل له ومن يضلله فلا هادى له ونشهد ان لا اله الا الله ونشهد ان محمدا عبده ورسوله الذى ارسله الله تعالى بالحق بشيرا ونذيرا وداعيا الى الله باذنه وسراجا منيرا۔

طلبہ کی دو قسمیں:

میرے عزیزو! بغیر کسی تکلف و تمہید کے میں تمہارے سامنے چند باتیں رکھنا چاہتا ہوں، عزیزوں سے کسی تکلف کی ضرورت نہیں ہوا کرتی، خاندان میں تم نے کبھی نہ دیکھا ہوگا کہ بڑا بھائی چھوٹے بھائی سے تصنع برتتا ہو یا چھوٹا بھائی بڑے بھائی سے بات کرنے میں تکلف و تمہید اختیار کرتا ہو۔

جو لوگ یہاں آتے ہیں اور پڑھ رہے ہیں، ان کی دو قسمیں ہو سکتی ہیں، ایک قسم تو ان بھائیوں اور عزیزوں کی ہے جو ماں باپ کے اصرار اور تقاضہ سے یا اس تعلق سے مجبور ہو کر جو اس معاشرہ میں والدین کا اولاد سے ہوا کرتا ہے، یہاں آئے ہیں، یعنی یہ کہ ہمارا انکار جو تعلق ہے وہ اس بناء پر ہے کہ وہ ماں باپ کے حکم کی تعمیل میں یہاں آئے ہیں، ان کی یہاں آنے کی نہ تو خواہش تھی اور نہ ان کے نزدیک اس کا کوئی فائدہ تھا، چنانچہ یہاں آنے کے بعد بجائے اس کے یہاں ان کے دل میں اطمینان کی فضا قائم ہوتی، وہ اپنے والدین کے شکر گزار ہوتے اور

ان کی خیر خواہی کے قائل ہو جاتے کہ انہوں نے بہت تحقیق کے بعد اس جگہ کا انتخاب کیا اور ان کی زندگی کے لئے اچھا راستہ تجویز کیا، ان کے اندر مزید کشمکش پیدا ہوگئی ہے، اب یہ کسی وجہ سے بھی ہو، میں ان کے اسباب نہیں بیان کروں گا، یہاں ان تفصیلات کی ضرورت نہیں، ان کے علاج کی ضرورت ہے۔

ان کو یہاں آکر روز بروز یہ محسوس ہونے لگا کہ ان کو فائدہ یہاں حاصل نہیں ہو رہا ہے، ان کے والدین غالباً یہاں کے حالات سے واقف نہ تھے، اور یہاں کی افادیت کا پوری طرح اندازہ انہیں نہیں تھا، وہ یہ سمجھ رہے ہیں کہ جتنا زیادہ یہاں قیام رہے گا اتنا ہی ہمارا وقت گزرتا جائے گا، اور کچھ حاصل نہ ہوگا، کوئی خاص چیز یہاں سے ہم لے کر نہیں جائیں گے اور ہمیں برباد کیا جا رہا ہے، مجھے اس پر تعجب نہیں کہ عربی مدرسہ میں ایسے لوگوں کی بھی کوئی قسم ہو سکتی ہے، اس لئے کہ واقعات کی دنیا میں بہت سی ایسی باتیں ہوتی ہیں، جن کو ہم پسند نہیں کرتے، یہ بالکل ممکن ہے کہ اچھے لوگ بھی جو بہت سعید اور صالح ہوں، اور بعد میں جا کر بہت ترقی کریں، علمی ترقی کریں، دینی ترقی کریں، اولیاء اللہ بن جائیں، لیکن یہ ہو سکتا ہے کہ جب تک ان کے دل کو اطمینان حاصل نہیں ہے، وہ کشمکش میں مبتلا رہیں، اور اس قسم کی ذہنی کشمکش میں مبتلا رہیں جو ہر وقت ان کے ساتھ رہتی ہے، اور کسی وقت ان کا پیچھا نہیں چھوڑتی۔

ان سے مجھے یہ کہنا ہے کہ وہ اپنے فیصلہ میں بالکل آزاد ہیں، وہ اگر یہاں آکر بھی مطمئن نہیں ہوئے، اگر وہ یہاں کے نظام کے ساتھ، یہاں کے قواعد، قوانین، ضوابط اور یہاں کی فضا کے ساتھ اشتراک عمل نہیں کر سکتے، اور اس کے ساتھ خوشدلی کے ساتھ نہیں رہ سکتے، انہیں یہاں الجھن ہے، اور دن رات ان کو یہ الجھن ستاتی ہے، اور یہ ان کے لئے ایک مسئلہ بن گیا ہے تو میں ان سے بہت ہی آزادی کے ساتھ، خلوص اور صاف دلی کے ساتھ کہوں گا کہ وہ طلباء ہمت اور اخلاقی جرأت سے کام لیں۔ اخلاقی جرأت سے بہت مدد ملتی ہے، اس سے لوگوں نے بڑے بڑے کام کئے ہیں، اس سے بڑے بڑے فیصلے صادر ہو چکے ہیں، اور وہ اپنے فیصلہ میں آزاد ہیں، وہ اپنے والدین کو صاف صاف لکھ سکتے ہیں کہ یہاں آکر ہمیں اطمینان حاصل نہیں ہوا، ہم یہاں آکر کوئی فائدہ حاصل نہیں کر رہے ہیں اور ہمیں یہ محسوس ہو رہا ہے کہ ہمارا وقت ضائع ہو رہا ہے، آپ بڑے مغالطہ میں مبتلا ہیں اور خود کو دھوکہ میں رکھے ہوئے ہیں،

آپ سمجھ رہے ہیں کہ ہم یہاں بڑی محنت سے پڑھ رہے ہیں، لیکن واقعہ یہ نہیں ہے، کس وجہ سے؟ یہ ہم آ کر بیان کریں گے، یا پھر کسی موقعہ پر ذکر کریں گے۔ بہر حال حقیقت یہی ہے کہ یہاں ہمارا دل نہیں لگ رہا ہے، یہاں ہمیں کوئی فائدہ محسوس نہیں ہو رہا ہے، ان بھائیوں سے تو یہ کہنا تھا کہ وہ فیصلہ کریں، ہمیں انشاء اللہ ان سے نہ کوئی شکایت پیدا ہوگی، اور نہ آئندہ ہمارے ان کے تعلق میں انشاء اللہ کوئی فرق واقع ہوگا، اور نہ ہم ان کے لئے خدانخواستہ کوئی بات زبان سے نکالیں گے۔

ہماری طرف سے اجازت ہے کہ وہ بخوشی اپنے گھر جائیں، والدین کے سامنے ذرا جرأت و ہمت سے پوری بات رکھ دیں کہ آپ نے ہمیں جس دارالعلوم ندوۃ العلماء میں تعلیم پانے کے لئے بھیجا تھا، وہاں جا کر ہم مطمئن نہیں ہوئے، ہمارے لئے آپ کوئی دوسرا راستہ تجویز کیجئے۔

دوسری قسم:

اب دوسری قسم وہ ہے جو یہاں آنے کے بعد یا یہاں آنے سے پہلے یہاں سے مطمئن ہوگئی ہے، اور جو یہ سمجھتی ہے کہ ہم مدرسہ سے فائدہ اٹھا سکتے ہیں، اللہ تعالیٰ کا فضل ہے کہ اس نے ہمیں زریں موقع عطا کیا ہے، علوم دینی میں مہارت پیدا کرنے کے لئے دین کے مطالب کو اور اس کے مقاصد کو سمجھنے کے لئے، اس کے حقائق و معارف کو جاننے اور ان کے اندر تعمق پیدا کرنے کے لئے اللہ نے بہت اچھا موقعہ عنایت فرمایا، اس کے تمام سامان یہاں مہیا ہیں، تمام ضروری شرائط جو اس کے لئے ضروری ہیں، یہاں موجود ہیں، جن لوگوں کا کسی درجہ میں اس پر اعتقاد ہے اور وہ سمجھتے ہیں کہ ہم دارالعلوم کی تعلیم سے فائدہ اٹھا سکتے ہیں اور علوم دینیہ میں کمال حاصل کر سکتے ہیں اور یہاں ہم ان مضامین میں جو پڑھائے جاتے ہیں، اچھی سمجھ اور اعلیٰ دستگاہ پیدا کر سکتے ہیں، اور بہت سے پہلے اپنے لئے سوال ہے "**قوا انفسکم وھلیکم نارًا**" اور ہر شخص اپنا ذمہ دار ہے۔ "**لاتزروا زرۃ وزرا اخریٰ**" اس کے بعد اپنے اپنے والدین کے لئے خاندان کے لئے بستی کے لئے پھر اللہ اگر ہمت و توفیق دے تو اپنے صوبے کے لئے اور توفیق و صلاحیت مزید عطا کرے تو ملک کے لئے اور اگر اللہ تعالیٰ اس سے بڑا حوصلہ اور ظرف عطا فرمائے تو پوری انسانیت کے لئے مفید ہو سکتے ہیں، اور نہ صرف یہ کہ ہم کو

اللہ کا راستہ معلوم ہو جائے بلکہ ہم اس راستہ کی طرف دوسروں کو بلانے کی بھی صلاحیت اپنے اندر پیدا کر سکتے ہیں، جو یہ سمجھتے ہیں کہ یہ نبوت (ﷺ) کی نیابت ہے، جو یہ سمجھتے ہیں کہ یہ وہ دولت ہے جو اللہ تبارک وتعالیٰ کی طرف سے اس کے مخصوص بندوں کو جن سے وہ امامت اور ہدایت کا کام لیتا ہے، ملتی ہے۔ ارشاد ہے "وجعلنا هم ائمة يهدون بامرنا لما صبروا وكانوا بآياتنا يوقنون" (ہم نے ان کو پیشوا بنایا. امامت کا منصب عطا کیا کہ ہمارے حکم سے وہ دوسروں کو بھی ہدایت کرتے ہیں) جو یہ سمجھتے ہیں کہ صلاحیت وتوفیق جس کی کو نصیب ہو جاتی ہے، اس سے سو آدمی، ایک ہزار اور ایک لاکھ آدمی اور اللہ تعالیٰ کی فیاضی اور شان کریمی سے کچھ بعید نہیں کہ لاکھوں اور کروڑوں آدمی ہدایت پاتے ہیں اس کے نامہ اعمال میں لاکھوں اور کروڑوں آدمی لکھتے جاتے ہیں، جیسا کہ خواجہ معین الدین اجمیری رحمۃ اللہ علیہ کے حساب میں لکھے گئے ہیں، حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کے حساب میں لکھے گئے، حضرت سیدنا شیخ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ کے حساب میں لکھے گئے، امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے حساب میں لکھے گئے، آج ساری دنیائے اسلام میں جتنے مسلمان ہیں، ان میں سے بہت تھوڑی تعداد مستثنیٰ کر کے تمام مسلمان چار مسلکوں میں بٹے ہوئے ہیں، مسلک حنفی، مسلک شافعی، مسلک مالکی اور مسلک حنبلی!

اب آپ یہ دیکھئے کہ ایک ایک کے حساب میں کتنے لوگ آئے، کروڑوں انسان ایک ایک امام کے حساب میں لکھے گئے، اگر ان کے اس زمانہ سے جس وقت انہوں نے مسائل کا استنباط کیا، اور لوگوں نے اس سے فائدہ حاصل کرنا شروع کیا، اس وقت تک جائزہ لیں تو معلوم ہوگا کہ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے حساب میں کتنے کروڑ بلکہ کتنے ارب انسان لکھے گئے اور یہ بھی تو دیکھو کہ کس خانہ میں لکھے گئے؟ نماز کی فرد میں لکھے گئے، روزہ کی فرد میں لکھے گئے، زکوٰۃ کی فرد میں لکھے گئے، ارکان اربعہ کی فرد میں لکھے گئے۔ ائمہ اربعہ کی فہرست میں جو لوگ لکھے گئے، کس کس عنوان کے ماتحت ان کا اندراج ہوا، کتنی نمازیں ان کے حساب میں آئیں، اربوں انسانوں کے اعمال خیر ان کے نامہ اعمال میں لکھے گئے، آج ابھی ظہر کی نماز آپ پڑھیں گے، یقین کیجئے اس بات پر کہ اس کا ثواب امام ابوحنیفہؒ، امام شافعیؒ کی روح کو پہنچے گا، اس میں ذرا بھی کلام نہیں، قرآن اس پر شاہد! حدیث اس پر شاہد! فقہ اس پر شاہد! اور تمہارے سامنے یہ علماء،

بیٹھے ہوئے ہیں، ان سے پوچھو کہ کیا اس کا ثواب امام ابوحنیفہ، امام ابو یوسف، امام محمدؒ کو نہیں پہنچا؟ کیا اس کا ثواب امام شافعیؒ، امام مالکؒ امام احمد بن حنبلؒ کو نہیں پہنچا؟ جن کے مسلک کے مطابق تم نے اپنی نمازیں درست طریقہ پر ادا کیں، جن کی محنت واستنباط کے نتیجے میں تم میں سے کسی نے اپنی نماز میں دعائے قنوت پڑھی اور کسی نے چھوڑ دی، ان کو بھی ثواب ملا اور تم کو بھی ثواب ملا۔

کیا کوئی اندازہ بھی کیا جا سکتا ہے، ان کے اجر وثواب کا؟ آج کون ریاضی داں ہے، جو ان ائمہ اربعہ اور ان محدثین کرام اور ان فقہائے عظام اور ان مشائخ کبار کے ثواب کا حساب جوڑ سکے، اور اس کی کوئی میزان متعین کر سکے، کیا کسی کو بھی یہ قابلیت ہے کہ امام شافعیؒ، امام غزالی کے ثواب کا حساب جوڑ سکے؟ امام ابوحنیفہ کے ثواب، سیدنا عبدالقادر جیلانی، مجدد الف ثانی اور شاہ ولی اللہ کے ثواب کی میزان مرتب کر سکے؟ کسی میں ہمت نہیں! یہ وہ جگہ ہے جہاں یورپ کی ساری مشینیں عاجز ہیں، اور ساری دوربینیں عاجز ہیں اور یورپ کے سارے سائنٹسٹ اور ریاضی داں عاجز ہیں۔

عصر حاضر کے فتنے:

میرے عزیزو! خوش قسمتی سے تمہارا تعلق اسی قسم سے ہے جو یہ سمجھتی ہے کہ ہم عربی مدرسہ میں کیوں آئے؟ یہاں آنے کا کیا فائدہ ہے؟ جس کو یہ اطمینان ہے (خواہ کسی بھی درجہ میں سہی) کہ ہم یہاں رہ کر ان اماموں کی صف میں تو نہیں (کہ اس کی کوئی جرأت نہیں کر سکتا) ان کے خادموں اور کفش برداروں کی صف میں شامل ہو سکتے ہیں، لیکن اللہ کے احکام جود وسخا میں کوئی فرق نہیں، ان کا فرمان اور اعلان ہے (كلا نمد هؤلاء وهؤلاء من عطاء ربك وما كان عطاء ربك محظورا) وہ پھر کوئی نیا امام پیدا کر دے تو وہ اس پر قادر ہے، اور اگر پھر کسی کو ہدایت کا وہی ثواب عطا کرنے لگے اور وہی کام لے لے تو بالکل ممکن ہے!

آج کتنے بڑے بڑے فتنے ہیں، جو اس وقت جہنم کے شعلوں کی مانند بھڑک رہے ہیں اور پورے پورے اسلامی ملکوں کو جلا کر خاکستر کر دینا چاہتے ہیں، اور سب کرام کے کارناموں پر پانی پھیر دینا چاہتے ہیں۔

آج قسم قسم کے اسلام سوز، ایمان سوز، اخلاق سوز، انسانیت سوز فتنے ابھر رہے ہیں،

مادیت، الحاد، قوم پرستی، نبوت محمدی ﷺ سے آنکھیں ملانے کے لئے تیار ہے، آج مسیلمہ کذاب نئے نئے روپ میں آرہا ہے اور نبوت محمدی کو چیلنج کررہا ہے۔

آج رسول اللہ ﷺ کے سرمایہ پر ڈاکہ ڈالا جارہا ہے، آپ کے قلعہ میں شگاف پیدا کئے جارہے ہیں، آپ کے دارالسلطنت پر حملہ کیا جارہا ہے۔ اگر آج امام ابوحنیفہ، امام شافعی، امام مالک، امام احمد بن حنبل ہوتے تو یقین کرتا ہوں کہ شاید وہ فقہ کی تدوین بھی تھوڑی دیر کے لئے روک دیتے اور اس مسئلہ کی طرف توجہ کرتے، تم خوش قسمت ہو کہ فقہ حنفی، فقہ شافعی کی تدوین کی خدمت تمہارے ذمہ نہیں ہے، اللہ کی حکمت بالغہ اور اس کی قدرت کاملہ نے اس کے لئے پہلے ہی انتظام کردیا، اور امت کو امام شافعیؒ، امام ابوحنیفہ، امام مالکؒ اور امام احمدؒ جیسے ائمہ عطا کئے، جب کہ ایک لمحہ اور ایک منٹ کی تاخیر کی گنجائش نہیں تھی، تم خوش قسمت ہو، خدا کی رحمت سے مایوس نہ ہو، آج تمہارے لئے کام کے دوسرے میدان ہیں، آج تمہارے لئے الحاد سے پنجہ آزمائی کا موقعہ ہے۔

تمہارے لئے الحاد اور مادیت سے آنکھ ملانے کا موقع ہے، یقین مانو کہ اس سے امام حنیفہؒ، امام شافعیؒ، امام مالکؒ و امام احمدؒ کی روح نہیں۔ محمد عربی ﷺ کی روح خوش ہوگی، آج سب سے یہ صدائیں لگ رہی ہیں کہ:

گوئے توفیق و سعادت درمیان افگندہ اند
کس بہ میداں در نمی آید سواراں راچہ شد

تمہارا میدان:

آج عالم اسلام کی نگاہیں ان درسگاہوں کی طرف لگی ہوئی ہیں، جو ان باتوں کو سمجھنے کی اہلیت وصلاحیت رکھتی ہیں، جن کے بانیوں نے اپنے نصاب ونظام میں اس کی صلاحیت پیدا کرنے کی کوشش کی تھی کہ جب عصر حاضر کا کوئی نیا فتنہ پیدا ہو تو ہمارے فضلاء اس کو سمجھ سکیں اور اس کا مقابلہ کرسکیں۔

نبوت محمدی ﷺ پر الحاد و دہریت کا حملہ:

میرے عزیزو! تمہارے لئے کام کے کتنے وسیع میدان ہیں، اور ان میدانوں میں تھوڑی

سی محنت سے آج کیا کچھ مل سکتا ہے، اس لئے جن لوگوں کو یہاں کا قیام عزیز ہو، یہاں کا نظام عزیز ہو، نصاب عزیز ہو، جن کو یہاں کی تعلیم و تربیت اس لئے عزیز ہو کہ نئے خالدؓ اور نئے ابوعبیدہؓ پیدا ہوں، اللہ کی لاکھوں اور کروڑوں رحمتیں ہوں، ان کی پاک روحوں پر لیکن ان کی بے چین روحیں زبان حال سے کہہ رہی ہیں کہ وہ قیامت تک نہیں پیدا ہو سکتے، ہم نے تلوار چلانے اور گردن کٹانے میں ایک لمحہ کا تامل نہیں کیا، ہم نے اپنا کام ختم کرلیا، لیکن آج سر کٹانے اور کاٹنے کی ضرورت نہیں، آج تو باطل سے آنکھیں ملانے کی ضرورت ہے، آج نبوت محمدی ﷺ پر تلواروں کا حملہ نہیں، دلیلوں کا حملہ ہے، مادیت کا حملہ ہے، قوم پرستی کا حملہ ہے، ہمارے جو عزیز طلبہ یہ سمجھتے ہیں کہ یہاں رہ کر اس سلسلہ میں کچھ کیا جا سکتا ہے، ان کے لئے یہ سعادت مقدر ہے، وہ اس میں حصہ لے کر ان ابرار و اخیار اور ان شہداء و اتقیا کی صف میں جگہ پا سکتے ہیں، جو یہ سمجھتے ہیں کہ یہ دعوت کا ایک ایسا میدان ہے، کہ جس کو اللہ تعالیٰ نے محض اپنی اس حکمت کی بناء پر جس کا راز کوئی نہیں جانتا۔ اس زمانہ کے پست ہمتوں کے لئے مقدر کیا ہے کہ اس میں تھوڑی سی محنت سے تم بہت کچھ پا سکتے ہو (**من احی سنتی عند فساد امتی فله اجر ماۃ شهید**) کیا تم سمجھتے ہو کہ یہ سنت کونسی ہے، بے شک اگر کوئی ایک سنت زندہ کرے گا تو سو شہیدوں کا اجر پائے گا، لیکن میں سمجھتا ہوں کہ ''سنتی'' میں سنت کی اضافت جو آپ ﷺ نے اپنی طرف کی ہے، اس کے معنی ہیں میرا چلن، میرا طریقہ، میرا دین اور میرا مسلک، اب ذرا غور کرو کہ رسول اللہ ﷺ جو دین لے کر آئے اس کی دعوت پر جو آج حملے ہو رہے ہیں، ان کے مقابلہ کے لئے اگر کوئی سر بکف ہو کر میدان میں اتر آئے اور ان حملوں کے لئے سپر بن جائے تو اس کا مقام کیا ہوگا، یہ مدرسہ جس کو تم حقارت کی نظر سے دیکھتے ہو، یہاں کی ناتمام عمارتیں، یہاں کی متواضع اور خاکسار اساتذہ، یہاں کی بے سرو سامانیاں اور یہاں کی بہت سی خامیاں اور یہ کھانے کی خرابیاں ''واللہ العظیم'' اسی بناء پر ہو سکتا ہے کہ یہاں سے ایسے ایسے لوگ پیدا ہوں جو حق و باطل کے معرکہ کارزار کے لئے شہسوار ہوں، اور جانباز ہوں، اور رسول اللہ ﷺ کے جھنڈے کو پھر سے بلند کریں، اور ملحدانہ اور مادہ پرستانہ تحریکوں اور ایمان سوز فتنوں کا جرأت کے ساتھ مقابلہ کریں، جس کے لئے روح نبوی ﷺ بے چین و مضطرب ہے، اگر ایک ایسی جیتی جاگتی مثال بھی یہاں موجود ہے، اگر ایک دھڑکتا ہوا دل، ایک دیدہ بینا اور ایک گوش

شتوا یہاں حاضر ہے، اور ایک متنفس بھی ایسا ہے، جس کو اس بات کا احساس ہے کہ یہاں رہ کر یہ کام ہو سکتا ہے، جو یہ سمجھتا ہے کہ وہ دن ہماری عمر، ہمارے خاندان اور ہماری بستی کی زندگی میں بلکہ ہماری اس پوری آبادی کی زندگی میں بڑا مبارک تھا، جس دن ہمارے والدین نے ہم کو دارالعلوم بھیجا، ان سے ہم کہتے ہیں کہ آج وہ فیصلہ کر کے اٹھیں کہ یہاں وہ اپنے وقت کو صحیح طور سے صرف کریں گے، یہاں کے درخت سے وہ بہتر سے بہتر پھل توڑیں گے، جس کی توقع کی جا سکتی ہے، وہ یہاں کتاب وسنت کا گہرا اور عمیق علم حاصل کریں گے اور وہ زندگی گزاریں گے جو ایک داعی اور عالم ربانی کی زندگی سے مطابقت رکھتی ہے۔

یکسوئی کی ضرورت:

کتنا بڑا ظلم ہے کہ لوگ ساری دنیا کے راستے بند کر کے اور ساری کشتیاں جلا کر یہاں آ کر پڑ گئے ہوں، تم یہاں رہ کر یہ معاملہ کرو کہ تمہارا ایک پاؤں یہاں رہے، اور ایک پاؤں خدا کے دشمنوں کے ساتھ، دشمنان اسلام کے قلعہ میں! جسم یہاں رہے، اور تمہارا دل باہر! تم یہاں رہو، تمہاری آنکھیں باہر رہیں، اس کی کون اجازت دے سکتا ہے؟ کوئی چھاؤنی اس کی اجازت دے سکتی ہے؟ مدرسہ بھی ایک چھاؤنی ہے؟ کوئی درسگاہ اس کی اجازت دے سکتی ہے؟ کوئی نظام اس کی اجازت دے سکتا ہے؟ اشتراکی نظام؟ سرمایہ دارانہ نظام؟ کوئی نظام اس کی اجازت نہیں دے سکتا کہ آدمی روس میں رہے، اور امریکہ کا خواب دیکھے یا امریکہ میں رہے اور روس کی طرف دیکھے، تو جب ان آزاد لوگوں میں جن کے لئے دنیا میں کوئی قید و بند نہیں، شراب پیو، جوا کھیلو، بدمعاشیاں کرو، جب ان کے یہاں بھی اس بات کی اجازت نہیں ہے، اور اب تو اس کی بھی اجازت دینے کے لئے لوگ تیار نہیں ہیں کہ ہندوستان میں رہ کر آدمی پاکستان کی طرف دیکھے تو بتاؤ ہم تمہیں کیسے اجازت دیں کہ تم یہاں رہ کر کالج کی طرف دیکھو، یونیورسٹی کی طرف دیکھو، رہو یہاں اور تیاری کرو وہاں کے لئے یہ کہاں کی دیانت داری اور کیسی تقسیم ہے؟ کہ ہم تمہارے لئے ایک ایک دانہ مانگ کر لائیں (یہ یقیناً احسان نہیں ہمارا فرض ہے) اور تم اس سے ناجائز فائدہ اٹھاؤ۔

جو لوگ ہدایت ودعوت کا کام کریں گے ان کے متعلق قرآن کا ارشاد ہے:

”وامر اهلک بالصلوة واصطبر عليها لانسئلک رزقا نحن

نرزقک والعاقبة للتقوی"

بھلا بتائیے یہاں کیا موقع تھا "نحن نرزقک" کہنے کا؟ بڑے بڑے علماء موجود ہیں، ان سے پوچھو کہ فرمایا تو یہ جا رہا ہے کہ اپنے گھر والوں کو نماز کا حکم دو اور اس پر جمے رہو اور پھر "لانسئلک رزقا" ہم آپ سے رزق کے طالب نہیں!

یہ تو ظاہر ہے کہ اللہ تبارک وتعالی رزق کے طالب نہیں ہوتے، پھر اس کی کیا ضرورت تھی؟ اس کے وسیع معنی ہیں، یعنی ہم اس کے بھی طالب نہیں کہ آپ بھی رزق کے خود کفیل اور ذمہ دار بن جائیں "نحن نرزقک" ہم اس کے ذمہ دار ہیں! آپ اس کے ذمہ دار نہیں۔ معلوم ہوا کہ امر بالصلوٰۃ اور اس پر محافظت واستقامت سے اللہ کے یہاں رزق کا استحقاق پیدا ہو جاتا ہے، جس کا مطلب یہ نکلا کہ داعی کو اللہ تبارک وتعالی ان شاء اللہ بے یار ومددگار اور فاقہ کش کبھی نہیں رکھے گا، بلکہ اس کے طفیل میں ہزاروں آدمی کھائیں گے، ایک شیر شکار کرتا ہے، اس کے طفیل میں سینکڑوں جنگل کے جانور کھاتے ہیں، حضرت نظام الدین اولیاء کے دستر خوان کو دیکھو، اس عہد آخر میں مظاہر علوم میں حضرت شیخ الحدیث کے دستر خوان کو دیکھو! اور جن خوش قسمتوں نے حضرت مدنی رحمۃ اللہ علیہ کے دستر خوان کو دیکھا، ان سے پوچھو کہ ایک شیر شکار کرتا تھا اور کتنے جنگل کے اس کے ہم جنس کھاتے تھے۔

اللہ کی ضمانت ہے، کچھ دن تم محنت کر لو، سعید ہونہار، محنتی اور جفاکش طالب علم بن جاؤ اور اپنے اندر اخلاص پیدا کر لو، پھر اللہ کی قدرت ورحمت کا تماشا دیکھو!

ایک فیصلہ:

بس بھائی! سمجھنے والوں کے لئے اور جن کے لئے اللہ نے سعادت اور خوش بختی مقدر کی ہے، اتنا ہی بہت کافی ہے، بلکہ کافی سے بھی زیادہ ہے، لیکن آج جو کچھ آپ نے سنا ہے، اس سے فائدہ اٹھائیے اور فیصلہ کیجئے!" جانے کا فیصلہ   یا رہنے کا فیصلہ" جانے کا فیصلہ ہے تو شریفوں کی طرح اور انسانوں کی طرح! اور رہنے کا فیصلہ ہے تو وہ بھی شریفوں کی طرح اور جوانمردوں کی طرح، طالب علموں کی طرح، صاحب عزم اور صاحب ہمت نوجوانوں کی طرح!!

وما توفیقی الا باللہ علیہ توکلت والیہ انیب

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

پاکیزہ ذوق، علم ومطالعہ کی کنجی ہے

مولانا محمد اویس صاحب نگرامی ندوی، شیخ التفسیر دارالعلوم کی تحریک اور کوشش سے دارالعلوم میں توسیعی خطبات کا ایک سلسلہ شروع کیا گیا، اس سلسلے کا آغاز ۴ مئی ۱۹۶۷ء کو ہوا، جلسہ کی صدارت جناب مولانا شاہ معین الدین احمد صاحب ندوی نے فرمائی اور حضرت مولامحمد اویس صاحب ندوی کی تعارفی تقریر کے بعد مفکر اسلامؒ نے اس سلسلہ کا آغاز کرتے ہوئے حسب ذیل تقریر فرمائی۔

نصاب تعلیم کا دائرۂ عمل:

ہمارے نصاب تعلیم کا یہ ایک اہم مسئلہ ہے کہ یہ نصاب اپنی خوبیوں اور امتیازات کے باوجود دیگر ضروریات کو مکمل نہیں کرتا، کوئی ایسا شخص جو ذمہ دار اور حقیقت پسند ہو یہ نہیں کہہ سکتا کہ ہمارا نصاب تعلیم زندگی کی تمام ضروریات پر حاوی ہے، ہمارا نصاب تعلیم بھی اس کا مدعی اور ضامن نہیں، نصاب تو درحقیقت اس ملکہ خاص کا ضامن ہے جو انسان کی زندگی میں قدم قدم پر رہنمائی و قیادت کا کام انجام دے سکے، وہ انسان کے اندر اتنی استعداد پیدا کردے کہ وہ کتابوں سے فائدہ اٹھا کر نتائج اخذ کرسکے، وہ زندگی کے تمام تقاضوں اور ضروریات کی تکمیل کا ضامن نہیں ہوسکتا، قدیم نصاب تعلیم نے بھی یہ دعویٰ نہیں کیا، اگرچہ ہمارے نصاب میں ملکہ پیدا کرنے کی خصوصیت ہے، لیکن زندگی کے ہر مرحلے میں ہر انسان کی صحیح رہنمائی کرسکے اس کا وہ بھی مدعی نہیں، آج ماہرین تعلیم کے سامنے یہ مسئلہ بڑا اہم ہے کہ نصاب تعلیم کے علاوہ طلباء کے لئے ایسی کیا چیز مہیا کی جائے جو زندگی اور منصب و مرتبے کے تقاضوں کو پورا کرے، اور جس ماحول میں ان تقاضوں کی تکمیل ہوتی ہو اس ماحول سے صحیح رابطہ پیدا کرسکے، یہ مسئلہ مغرب کے دانشوروں سے لے کر مشرق کے عالموں تک سب کے لئے ایک اہم مسئلہ بن گیا ہے۔

ذوق کیسے پیدا کیا جائے؟

ایک صورت تو یہ ہوسکتی ہے کہ طلباء کے لئے کتب خانے مہیا کئے جائیں اور پھر اساتذہ

کتابوں کے مطالعہ میں طلباء کی رہنمائی کریں تاکہ طالب علم زندگی کے کارواں سے پیچھے نہ پڑ جائیں، اور جب وہ کسی کتاب کا مکمل مطالعہ کرلیں اور اس پر حاوی ہوجائیں تو ان کی زندگی سے اجنبیت محسوس نہ ہو، ایک راستہ یہ ہے کہ طلباء کو وقتاً فوقتاً ایسے ماہرین تعلیم اور علم وفن سے فضلاء مہیا کئے جائیں جو ان کے سامنے نئے زاویے اور نئے حقائق سے طلباء کو آشنا کریں، اس طریقے کو ہمارے ملک میں بھی آزمایا جارہا ہے، یہ سلسلہ مسلم یونیورسٹی علی گڑھ، جامعہ ملیہ اور مشرق وسطی کے علمی مرکزوں میں بھی رائج ہے، اور حقیقت میں یہ بات انتہائی لائق تحسین و توصیف ہے کہ مشاہیر علم وفن یہاں آکر اپنے خطبات ومقالات سے علم وتعلیم کا نچوڑ آپ کے سامنے پیش کردیں، اور آپ بھی اہل علم کی مجلسوں اور محفلوں میں شریک ہوں، کیونکہ علم وفن کا ذوق جب بھی بنتا ہے، جب اہل علم کی مجلسوں سے رابط قائم رکھا جائے، اس کے بعد انسان بہت تھوڑے مواد سے کام لے سکتا ہے، لیکن ایسا ملکہ جب ہی پیدا ہوگا جبکہ مختلف مجالس اور محافل میں شرکت کی جائے، یہ سب باتیں وہی سمجھ سکتا ہے، جو علامہ شبلی اور سید سلیمان ندوی کی محفلوں میں شریک ہوا ہو، مولانا سید سلیمان ندوی، علامہ شبلی کی مجلسوں میں شریک ہوتے رہے اور ان کے چشمہ علم سے سیراب ہوتے رہے اور اس کی وجہ سے ان میں وہ شعور اور ذوق اور ملکہ پیدا ہوگیا، جو بہت کم لوگوں کو حاصل ہوتا ہے۔

ذوق کا مطلب یہ ہے کہ اگر آپ کے سامنے کوئی شعر پڑھا جائے تو آپ اپنے ادبی ذوق سے یہ بتلادیں کہ یہ فلاں شعر ہے، ایسا نہ ہو کہ آپ کے سامنے انیس ودبیر کے اشعار پڑھے جارہے ہوں اور ان کو آپ غالب وذوق کی طرف منسوب کریں، یا مومن کا شعر ہو اور آپ اس کو کسی اور کا سمجھ رہے ہوں، لیکن یہ سب باتیں مختلف مجلسوں میں شرکت کے بعد پیدا ہوں گی۔

ہمارے لئے یہ بات افسوسناک ہوگی کہ ہم اس تیز رفتار دور میں طبعیات، سائنس وغیرہ کی ابتدائی معلومات سے بھی ناآشنا ہوں جو اس دور میں لازمی اور ضروری ہے، بلکہ اخبارات و رسائل کے سمجھنے کے لئے ان کا علم ناگزیر ہے۔ اس کے لئے بھی یہ ضروری ہے کہ ہم اس قسم کی محفلوں میں شریک ہوں اور معلومات حاصل کریں۔

ایک مثال:

انسان کے ذہن میں جب مراتب کا علم نہیں ہوتا اور وہ موٹی بات نہیں جانتا تو اس حیادار

آدمی کے لئے شرفا کی مجلس میں شریک ہونا بھی دوبھر ہوجاتا ہے۔ جب میں نوعمر تھا اور میں نے ”نزہۃ الخواطر“ میں مشاہیر ہند کے حالات نہیں پڑھے تھے، اس زمانے میں مولانا سلیمان اشرف صاحب کی مجلس میں شریک ہوا، اس مجلس میں مفتی یوسف صاحب کا ذکر آیا، تو اس تذکرے میں مجھ سے نہ رہا گیا، اور میں بول اٹھا کہ ”مفتی صاحب مولانا عبدالحئی صاحب کے داماد تھے“ تو مولانا سلیمان اشرف صاحب نے فوراً کہا مولوی صاحب! چپ رہو، اس وقت میری بہت سبکی ہوئی، لیکن اس سے عبرت حاصل کیجئے، کیونکہ ہوسکتا ہے اس تذکرے میں مفتی صاحب سے اور کوئی مراد ہوں، یہاں یہ سمجھئے کہ اگر آپ کے سامنے مولانا سلیمان صاحب کا تذکرہ ہو تو کون مراد ہوگا، کئی سلیمان ہیں جو علم وفضل میں بہت ممتاز مقام رکھتے ہیں۔ اسی طرح قاضی مبارک کا تذکرہ ہو، اور کسی کو نہ معلوم ہو کہ قاضی مبارک تین ہیں، اب وہ اس محفل میں بول اٹھے تو کتنی سبکی ہوگی، اور شرم وندامت کا سامنا کرنا پڑے گا۔

میں نے علماء کی چند ہی ایسی مجالس دیکھی ہیں، جہاں خالص علمی گفتگو ہوتی تھی، شروع سے آخر تک تذکرہ ہوتا تو علم ہی کا ہوتا تھا، مولانا سید سلیمان ندوی کی مجلس، شاہ حلیم عطا صاحب کی مجلس اور علامہ اقبال کی مجلس، اگرچہ علامہ اقبال کی مجلس میں صرف دو مرتبہ شریک ہونے کا اتفاق ہوا، مجھے بہت خوشی ہوگی کہ اہل کمال یہاں آئیں جو اپنے جگر کو آپ کے سامنے نکال کر رکھ دیں اور علم کا نچوڑ پیش کردیں لیکن اس کے بعد بھی اگر آپ میں کوئی تغیر نہ ہو اور آپ کی زندگی میں کوئی انقلاب نہ آئے تو یہ بہت بڑی بدنصیبی اور بدنامی کی بات ہے۔

اگر یہاں تاریخ اور علوم اسلامیہ کے ماہرین کو بلایا جائے تو میرا خیال یہ ہے کہ علوم جدیدہ کے ماہرین کو بھی دعوت دی جائے جو فزکس، طبیعات اور فلکیات وغیرہ پر آپ کے سامنے تقریر کریں۔ اسی طرح ادبی ذوق کی نشوونما کے لئے ادیبوں اور شاعروں کو بھی دعوت دی جائے۔

یہ زمانہ اختصاص کا ہے، آپ کو تمام ایسی معلومات ہونی چاہئیں کہ آپ یونیورسٹی کے طلبا تو کیا اگر وہاں کے پروفیسروں کے سامنے بیٹھیں تو بے تکلفی سے گفتگو کرسکیں، اور اس کے پاس بیٹھنے میں اجنبیت یا ہچکچاہٹ محسوس نہ کریں۔ ”الاصلاح“ بھی اسی لئے ہے کہ آپ کے اندر ذوق علم پیدا ہو اس ”الاصلاح“ کے فائدے کا بڑے بڑے لوگوں نے اقرار کیا کہ اس نے سب کچھ دیا، مولانا نے کتابوں کے مطالعے کے متعلق فرمایا کہ انتخاب بھی بہت بڑی چیز

ہے۔ مطالعہ کے لئے انتخاب کے ساتھ مولانا نے ان مجلسوں میں شرکت کے فائدے و بیان کرتے ہوئے شعر پڑھا کہ

ہر چند ہو مشاہدۂ حق کی گفتگو
بنتی نہیں ہے بادہ و ساغر کہے بغیر

پھر فرمایا کہ دینی ذوق بھی اسی طرح بنتا ہے کہ آپ اہل اللہ کے پاس بیٹھیں، مولانا نے فرمایا کہ ذوق کی تشریح نہیں کی جاسکتی یہ تو خدا جس کو دیتا ہے، وہی سمجھ سکتا ہے، ہر چیز کا ایک ذوق ہوتا ہے جو صرف اہل ذوق سے پیدا ہوتا ہے، ذوق ہر چیز کا بڑی مشکل سے پیدا ہوتا ہے، آج حیات انسانی کا ذوق مفقود ہے، صاف ستھری پاکیزہ زندگی گزارنے کا ذوق بھی مفقود ہے، امریکہ اور یورپ اپنی عروج و ترقی کی منزلوں کے باوجود انسانی زندگی کا ذوق پیدا نہیں کر سکے، آج بھی وہاں مشینوں کی کثرت کے باوجود انسان کی ضرورت محسوس کی جاتی ہے، اور اس کو مرکزی اہمیت حاصل ہے، خوب یاد رکھئے کہ یہاں جو آپ کے اساتذہ ہیں، انہیں سے آپ کا کام چلے گا، انہیں ٹمٹماتے ہوئے چراغوں سے آپ کا چراغ روشن ہوگا، انہیں سے آپ اپنے دل کا چراغ منور کریں گے، آپ یہ چاہیں کہ کسی اور طریقے سے یا دوسرے چراغوں سے اپنی زندگی اور دل کے چراغ روشن کرلیں تو یہ ناممکن ہے۔

اعتماد، اعتقاد اور اتحاد:

خوب سمجھ لیجئے کہ ان ہی اساتذہ کی محفلوں میں شرکت کر کے آپ صحیح ذوق و شوق پیدا کر سکتے ہیں، لیکن شرط یہ ہے کہ آپ اعتماد اور ایک حد تک اعتقاد اور اتحاد کے ساتھ بیٹھیں، یاد رکھئے کہ مخلص وغیرہ مخلص اچھے اور برے بلکہ انسان اور غیر انسان کا فرق سمجھنے کے لئے کہیں بھی اصول و ضوابط منضبط نہیں ہوتے بلکہ بات صرف ذوق ہی سے معلوم ہوتی ہے۔

آج تمام مدارس میں ایک خلا ہے اور وہ یہ کہ اساتذہ اور طلباء میں ربط نہیں ہے، بلکہ ان کے درمیان ایک خلیج حائل ہے، اور وہ صرف درس کے اساتذہ اور درس کے طلباء ہوکر رہ گئے ہیں۔ اس خلا کو پر کردینے کی اور اس خلیج کو پاٹنے کی ضرورت ہے، اس میں مدارس کی کامیابی و ترقی مضمر ہے۔

وما علینا الا البلاغ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

مدرسہ کیا ہے؟

یہ تقریر ۲۲ شوال ۱۳۹۶ھ ۱۷ اکتوبر ۱۹۷۶ء کو جامعہ ہدایت جے پور کے سنگ بنیاد کے موقع پر کی گئی تھی

الحمد لله نحمده ونستعينه ونستغفره ونومن بن ونتوكل عليه
وهو الذى ينزل الغبث من بعد ماقنطوا وينشر رحمته وهو الولى الحميد

راجستھان کا ایک یادگار دن:

جناب صدر، حضرت مولانا شاہ عبدالرحیم صاحب، مولانا عبدالحئی فائز، سید فاروق حسن صاحب وزیر اوقاف، علماء کرام، معززین راجستھان و حاضرین مجلس!

میں آپ حضرات کی اس عزت افزائی کا شکر گزار ہوں، اور اس سے محجوب اور شرمندہ بھی کہ آپ نے اس بڑے اعزاز کے لئے میری حقیر ذات کا انتخاب کیا، میں آپ کو کس طرح یقین دلاؤں کہ جب میں خطبہ استقبالیہ میں اپنے متعلق بلند الفاظ سن رہا تھا تو کس قدر پانی پانی ہو رہا تھا، ایاز قدر خود را بشناس، اگر آدمی اپنی حقیقت نہیں پہچانتا تو وہ کچھ نہیں پہچانتا، میں اس لحاظ سے اس نوخیز و نومولود جامعہ کی خدمت انجام دینے کی ضرور اہلیت رکھتا ہوں کہ میں ایک طالب علم ہوں، میرا ایک علمی خاندان سے تعلق ہے، اس میں کسی تواضع اور خاکساری کی ضرورت نہیں سمجھتا، اس راجستھان کے ایک مردم خیز علاقہ سے بھی۔ میرا قدیم تاریخی تعلق رہا ہے، یہ چیزیں میرے لئے ضرور سفارش کرتی ہیں، لیکن جتنا بڑا اعزاز مجھے عطا فرمایا ہے، وہ ایک بڑی قبا ہے، جو ایک حقیر جسم پر راست نہیں آتی اور جسم کی کوتاہ قامتی کا اعلان کرتی ہے اور اس کے لئے باعث شرمندگی ہے، لیکن:

بر کریماں کارہا دشوار نیست

میں اس سے زیادہ کچھ عرض کرنا نہیں چاہتا کہ شاید یہ بھی کسی تصنع اور بے جا خاکساری پر

محمول کیا جائے۔

خزاں رسیدہ انسانیت کے ساتھ اللہ تعالیٰ کا فیصلہ:

حضرات! میں نے بھی جو آپ کے سامنے آیت پڑھی ہے، اس کا انتخاب میں نے قاری صاحب کی قرأت سے کیا ہے اور اس نے میری رہنمائی کی ہے اور قرآن مجید اسی طرح ہمیشہ رہنمائی اور مشکل کشائی کرتا رہا ہے۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے هو الذی ینزل الغیث من بعد ما قنطوا وینشر رحمته وهو الولی الحمید (شوریٰ-۲۸) اللہ وہ ہے جو بارش و نزول فرماتا ہے، حقیقت میں غیث کا ترجمہ بارش پورا ترجمہ نہیں ہے، غیث اس چیز کو کہتے ہیں جو عین وقت پر مدد کرے، عین وقت پر مشکل کشائی کرے، فریاد رسی کرے، دستگیری کرے، تو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ جس طرح کسی جاں بلب مریض کے حلق میں آب حیات کے کچھ قطرے ٹپکا دیئے جائیں اس کو کوئی داروئے حیات مہیا کر دیا جائے، اسی طرح سے تپتی ہوئی، سلگتی ہوئی، جلتی ہوئی اور دم توڑتی ہوئی زمین پر اللہ تعالیٰ آب حیات کے قطرے برسایا کرتا ہے هو الذی ینزل الغیث من بعد ما قنطوا وہ فریادرسی فرماتا ہے، اور زندگی کا سامان مہیا کرتا ہے، انسانوں کے لئے اس کے بعد کہ وہ مایوس ہو چکے ہوتے ہیں، ان کی آنکھیں آسمان سے لگی ہوتی ہیں، وہ بڑے ارمان اور حسرت کے ساتھ آسمان کی طرف دیکھتے ہوتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ پانی برسا کر ہماری کھیتی کو ہرا کرے هو الذی ینزل الغیث من بعد ما قنطوا وینشر رحمته وهو الولی الحمید اور اپنی رحمت کا دامن پھیلا دیتا ہے اور اپنی رحمت کی ہوا میں چلاتا ہے اور وہ "الولی الحمید" ہے، یہاں پر جن صفات کا انتخاب کیا گیا ہے، وہ بڑی معنی خیز ہیں، اللہ کے سب نام اچھے ہیں وله الاسماء الحسنی اللہ کی سب صفات اعلیٰ اور بالا و برتر ہیں وله المثل الاعلی لیکن یہاں "الولی الحمید" کی صفات کا انتخاب اس لئے کیا گیا کہ اس مضمون سے اور انسانیت کی چارہ سازی اور مسیحائی سے اس کا خاص تعلق ہے۔ یہ انسانیت کس کی ہے؟ اللہ کی ہے! وہی اس کا والی اور وارث ہے، کوئی اپنی کھیتی کو سوکھا نہیں دیکھ سکتا، کوئی یہ برداشت نہیں کر سکتا کہ اس کی اگائی ہوئی کھیتی سوکھ جائے، وہ "الولی" ہے، وہی اس کا مالک بھی ہے "الحمید" بھی ہے، وہ حمد کا مستحق ہے، جس کی شان حمیدی ہے، جس کی صفت حمیدی ہے، اس کی شان سے یہ بات بعید ہے کہ وہ اپنی پیدا کی ہوئی مخلوق کو

اس طرح بے یار و مددگار چھوڑ دے۔

مرض اور مسیحائی کے درمیان اٹوٹ رشتہ:

حضرات! پیاس اور سیرابی، ضرورت اور اس کی تکمیل، مرض اور اس کی مسیحائی کے درمیان ایک ایسا رشتہ ہے جو کبھی ٹوٹ نہیں سکتا، یہ ازلی اور ابدی رشتہ ہے، جب تک پیاس ہے، سیرابی ضرورت ہے، جب تک ضرورت ہے، تکمیل ضرورت ہے، جب تک مرض ہے اس کے لئے دوا اور علاج کا سامان ضرور ہے، اسی طریقہ سے صحرا اور علم، صحرا اور ہدایت، ریگستان اور ہدایت کے درمیان بھی ایک ایسا مخفی، ایسا لطیف اور ایسا قدیم اور دائمی رشتہ ہے جس کی شہادت قرآن مجید سے بھی ملتی ہے، اور انسانی تجربات سے بھی ملتی ہے، آپ اس وقت کو یاد کیجئے جب ساری دنیا پر خزاں کا دور دورہ تھا، جب انسانیت کی پوری کھیتی، انبیاء کی اگائی ہوئی کھیتی اور انبیاء کی ہزاروں برس کی کوششوں پر پانی پھر رہا تھا، جب انسانیت کی یہ کھیتی سوکھ رہی تھی، جب انسانیت دم توڑ رہی تھی، اور دیکھنے والوں کو صاف نظر آ رہا تھا (اس کے لئے کسی خاص بصیرت کی بھی ضرورت نہیں تھی، معمولی بصارت بھی کافی تھی) کہ کوئی گھڑی ہے کہ ٹل رہی ہے، چند گھنٹوں، چند منٹوں میں یہ انسانیت دم توڑ دے گی اور یہ اس کا دم واپسیں ہے، اس وقت دنیا میں بڑے لہلہاتے ہوئے ملک تھے، گل و گلزار شہر تھے، وہ ملک بھی تھے جو ہزاروں برس سے تہذیب و تمدن کا مرکز چلے آ رہے تھے، جہاں علم کی ہوائیں چلتی تھیں، جہاں علم کی عطر بیزی تھی، جہاں کی زمین سے علم اگلتا تھا اور جہاں کا آسمان معلوم ہوتا ہے کہ علم برساتا تھا، لیکن سارے ممالک انسانیت کی چارہ سازی اور انسانیت کی مسیحائی سے قاصر ہی نہیں تھے بلکہ باغی تھے، منکر تھے، بلکہ وہ انسانیت کے درد میں اضافہ کرنے والے تھے، آپ اگر اس وقت تک کی تاریخ پڑھیں گے تو آپ کو معلوم ہوگا کہ انسانیت جس سے فریاد کر رہی تھی، انسانیت جس کے خلاف مدعی بنی ہوئی تھی، انسانیت جس کے گریباں گیر تھی، یہ وہی بگڑا ہوا تمدن تھا، یہی منحرف علم تھا، یہ وہی شاطر عقل تھی، وہی چالاکی تھی، وہی دانشمندی تھی، جس نے غلط رخ اختیار کر لیا تھا، جس نے تعمیر کے بجائے تخریب کا رخ اختیار کر لیا تھا، اس وقت یونان بھی تھا، ایران بھی تھا اور ہمارا ملک ہندوستان بھی تھا، چھٹی صدی مسیحی یا ساتویں صدی مسیحی میں یہ ملک تہذیب و تمدن کا بڑا مرکز تھا، ان لوگوں کی طرف انسانیت کی نگاہیں لگی ہوئی تھیں کہ ان کی طرف سے کوئی باد بہاری کا

جھونکا آئے، ان کی طرف سے کوئی جاں نوازی، مسیحا نفسی کی کوئی کوشش ہوئی، یونان کی طرف آنکھیں لگی ہوئی تھیں، اس نے فلسفہ دیا، لیکن وہ انسانیت کے درد کا درماں نہ تھا، ہندوستان کی طرف نگاہیں لگی ہوئی تھیں، اس نے حساب اور علم ریاضی دیا، مگر یہ انسان کے مرض کی دوا نہ تھی، ایران کی طرف اس کی نظر لگی ہوئی تھی، اس نے سپہ گری اور شاعری دی، مگر یہ بھی انسانیت کے درد کی دوا نہ تھی۔

صحرا بہار کا پیغام دیتا ہے:

اس وقت تقدیر الٰہی کا فیصلہ ہوا کہ صحرائے عرب سے اللہ کی رحمت کے وہ بادل اٹھے، اللہ کی رحمت کے بادل جوش میں آئے اور وہاں سے وہ موج نور چلے جو ساری دنیا کو زندہ کردے، صحرا کا انتخاب صرف اللہ تعالیٰ نے اس لئے نہیں کیا کہ وہ سب سے زیادہ محتاج تھا، اللہ تعالیٰ کو اپنی قدرت کا یہ تماشا دکھانا تھا کہ وہ صحرا جو ایک قطرہ پانی کو ترستا ہے، ساری دنیا کو سیراب کرسکتا ہے، وہاں خدا نے کسی دانشمند اور فلسفی کو بھی نہیں پیدا کیا، صحرا کا بھی انتخاب کیا، اور صحرا کے نبی کا بھی انتخاب کیا۔ اس صحرا میں اور صحرا کے نبی میں بھی ایک لطیف رشتہ تھا اور خاص مناسبت تھی، صحراعرب کا اور نبی امی! کوئی چیز بھی ایسی نہ تھی کہ دنیا کے دانشور اس کی تاویل کرسکیں، اور کوئی علت معمول کا ایسا مخفی رشتہ تلاش کرسکیں اور اس کی ایسی تشریح کرسکیں کہ جس کو علم وفلسفہ قبول کرسکے، آپ کہہ سکیں کہ ایک عالم نے دنیا کو علم دیا اور ایک گل وگلزار ملک نے دنیا کو بہار کا پیغام دیا۔ صحرا بہار کا پیغام دیتا ہے، اور نبی امی وہ علم عطا کرتا ہے جو علم ہی نہیں علم گر اور علماء گر ہے، وہ علم تنہا علم نہیں تھا بلکہ وہ تعلیم بھی تھا، اس میں معلم بنانے کی بھی طاقت تھی، کسی ایک شخص کو معلم نہیں پوری امت کو معلم بنانے کی اس میں صلاحیت تھی۔ صحراعرب کا سا صحرا اور پیغمبر نبی امی جیسا پیغمبر، اللہ تعالیٰ نے یہ دکھا دیا کہ ہماری قدرت اور ہماری کارسازی اسباب کی محتاج نہیں، وہ بلا سبب اور ساری دنیا کے تجربات اور ساری دنیا کے قیاسات کے خلاف کام کرسکتی ہے، پھر کیا ہوا، اقبال سے بہتر الفراظ میں اس کو ادا نہیں کیا جا سکتا۔

از دمِ سیراب آں امی لقب ﷺ
لالہ رست از ریگ صحرائے عرب

اس امی لقب کے نوشیں سے آب حیات کا وہ قطرہ ٹپکا جس نے صحرائے عرب کے جگر کو

پھاڑ کر وہ پھول کھلایا جس نے ساری دنیا کو معطر کر دیا۔

ہری ہوگئی ساری کھیتی خدا کی:

حضرات! اللہ تعالیٰ اپنی یہ نشانی ہمیشہ دکھاتا رہا ہے، اور جب سے علم کی دنیا میں پھیلنے کا اور سیرابی کا عام ہونے کا یہ سلسلہ صحرا سے شروع ہوا اس کے بعد سے صحرا اور گلزار کی کوئی قید نہیں رہی، نبی امی کا یہ معجزہ مختلف زمانوں میں، مختلف ملکوں میں، مختلف وقتوں میں، مختلف حالات میں برابر ظاہر ہوتا رہا، آپ اسی ہندوستان کو لے لیجیے، بلکہ اس صحرائے راجستھان کو لیجیے جس کو ہم پہلے راج پوتانہ کا صحرا یا ریگستان کہتے تھے، یہاں بھی جب مسلمان آئے تو انہوں نے علم کی دریا بہا دیئے۔

رہے اس سے محروم آبی نہ خاکی
ہری ہوگئی ساری کھیتی خدا کی

انہوں نے صرف دہلی کو، صرف لاہور کو، ملتان کو یا صرف لکھنؤ اور جون کو ہی شیراز کا ہمسر نہیں بنایا بلکہ ناگور اور آخر دور میں قریبی شہر ٹونک کو بھی انہوں نے علم کا ایک مرکز بنادیا، آپ اپنے اس راجستھان کو حقارت کی نظر سے نہ دیکھیں، ہماری تاریخی بے مائیگی اور ہمارے علم کی کوتاہی ہوگی اگر ہم یہ سمجھیں کہ راجپوتانہ کا ہندوستان کی علمی تحریک اور ہندوستان کے علمی کوششوں کی تاریخ میں کوئی حصہ نہیں ہے۔ اس نے ایک قائدانہ کردار ادا کیا ہے، دور اول میں ناگور اور دور آخر میں ٹونک نے اپنے امتیاز کا سکہ بٹھا دیا، اپنے علماء کی ذہانت اور تبحر کا اور ان کے علمی شغف کا لوہا منوالیا، ناگور کے متعلق مجھے کچھ زیادہ کہنے کی ضرورت نہیں کہ دربار اکبری کی زینت وہ فاضل نوجوان ہیں جن کو دنیا ابوالفضل اور ابوالفیضی کے نام سے جانتی ہے جو مبارک ناگوری کے بیٹے تھے اگرچہ ہمیں ان کے خیالات سے پورا اتفاق نہیں اور ان کی تاریخ پر تاریخ ہی میں بہت سے پردے پڑے ہوئے ہیں، ہم کچھ نہیں کہہ سکتے کہ اب وہ خدا کے یہاں پہنچ گئے ہیں، لیکن جہاں تک ان کے تبحر علمی، ان کے علمی تفنن اور ان کی ذہانت کا تعلق ہے، جہاں تک فیضی کی شاعری اور ابوالفضل کے زور قلم اور تاریخ نویسی کا تعلق ہے، اس سے انکار نہیں کیا جا سکتا، آخری دور میں جب ٹونک میں ایک چھوٹی سی ریاست قائم ہوئی تو ہمارا قریب کا یہ شہر جس کو شاید راجستھان کے باہر بہت کم لوگ جانتے ہیں، وہ بہت بڑا علمی مرکز بن

گیا اور وہاں ایسے علماء پیدا ہوئے کہ جن سے فیض حاصل کرنے کے لئے ہندوستان کے گوشہ گوشہ سے لوگ آتے تھے، علامہ حیدر علی ٹونکی اور پھر ان کے بعد مولانا حکیم برکات احمد صاحب کے علمی و تعلیمی فیوض و برکات ہندوستان اور ہندوستان کے حدود سے متجاوز ہیں، ان کے علاوہ ٹونک میں جو جید اور سرآمد روزگار علماء پیدا ہوئے اگر آپ ان کے حالات پڑھنا چاہتے ہیں تو اردو ہی میں بلکہ عربی کی کتابوں میں بھی ان کے حالات ملیں گے، جو اس وقت عالم اسلام کے تمام کتب خانوں میں موجود ہیں، آخری دور میں مولانا محمود حسن خان صاحب ٹونکی کا نام لیتا ہوں، جن کے ذکر سے ہمارا سر فخر سے اونچا ہو جاتا ہے جیسا کہ میرے تعارف میں کہا گیا ہے کہ میں مشرق وسطی کے عرب ملکوں سے قریبی تعلق رکھتا ہوں اور میں وہاں آتا جاتا رہتا ہوں، وہاں کی علمی مجلسوں اور وہاں کے جامعات کو بھی خطاب کرنے کا مجھے موقع ملا ہے، جب بھی مولانا محمود حسن خان ٹونکی کے علمی امتیاز اور علمی کارنامہ کا ذکر کیا گیا تو لوگوں کے چہرے پر ایک حیرت اور آنکھوں میں ایک تجسس کی کیفیت پیدا ہوگئی، ہندوستان کی سرزمین میں وہ ٹونک کو نہیں جانتے وہ راجستھان کو بھی نہیں جانتے، وہ ہندوستان کو جانتے ہیں (الہند) تحتی براعظم ہندوستان نے اتنا بڑا مصنف پیدا کیا، جس نے بہت سے مصنفین کو زندہ کردیا، مصنفین ہی نہیں بلکہ ان مصنفین کے کارناموں کو بھی زندہ کردیا۔ ''معجم المصنفین'' کے نام سے انہوں نے ایک کتاب لکھی، جہاں تک میری تحقیق اور میری معلومات ہے، بیس ہزار صفحات میں وہ کتاب لکھی گئی، کیا کوئی یقین کرسکتا ہے کہ یہ ایک تنہا شخص کا کارنامہ ہے، میں اکثر کہا کرتا ہوں کہ یورپ میں ایک اکیڈمی جو کام کیا کرتی ہے، ہمارے یہاں مسلمانوں میں ایک آدمی کام کیا کرتا تھا، اس ایک آدمی نے ایک اکیڈمی کا کام کیا، معجم المصنفین نے صرف ہندوستان ہی کے مصنفین کو زندہ نہیں کیا بلکہ تمام عالم اسلام کے مصنفین کو جن کا زمانی رقبہ پہلی صدی ہجری سے لے کر چودھویں صدی ہجری تک اور جن کا مکانی رقبہ مکہ اور مدینہ سے لے کر انڈونیشیا، بدخشاں، ختن اور تاشقند تک ہے، ان کے حالات پر سے پردہ اٹھایا، افسوس ہے کہ اس کی چند ہی جلدیں شائع ہوسکیں ہیں، لیکن پھر بھی اس کتاب کی کوئی نظیر نہیں ہے، یہ میں آپ کے اس راجستھان ہی نہیں بلکہ اسی جے پور جہاں آج جامعہ ہدایت کا سنگ بنیاد رکھا جائے گا، اس سے چند میل کے فاصلے پر جو ایک گمنام سا شہر ہے، میں اس کی ایک تنہا شخصیت کا کارنامہ بیان کررہا ہوں، تو

صحرا کا علم اور تصنیف سے اور تحقیق سے ایک خاص رشتہ ہے اور یہ رشتہ جو عرب کے ایک نبی امّی کے ذریعہ قائم ہوا ہے، یہ ہمیشہ قائم رہے گا اور آج بھی آپ اس جنگل میں جو منگل دیکھ رہے ہیں، آج آپ کو جو اتنی صورتیں یہاں نظر آ رہی ہیں، آج آپ کو اس اسٹیج پر معزز ین نظر آ رہے ہیں، یہ بھی درحقیقت اس نبی امّی کا فیض ہے، قیامت تک جو کچھ ہوگا اسی کے طفیل ہوگا، اس نے جو علم کی شمع روشن کی تھی۔

یک چراغیست دریں بزم پر تو آں
ہر کجا می نگری انجمنے ساختہ اند

جہاں بھی آپ کو کوئی علم کی شمع جلتی نظر آئے گی اس شمع، اس دیئے سے جلایا ہوا دیا ہوگا، یہاں جو شمع ہدایت آپ دیکھ رہے ہیں اور جس جامعہ ہدایت کے نام سے آپ یہاں جمع ہوئے ہیں، یہ اسی ہادی برحق اور اسی ہادی کامل کی شمع ہدایت کا پرتو ہے جو آپ کو نظر آ رہا ہے۔

علماء ہند کی علمی خدمات:

حضرات! یہ جامعہ ہدایت کن بنیادوں پر قائم ہو رہا ہے؟ اس کی کیا ضرورت ہے؟ اس کا کیا پیغام ہے؟ یہ کس ضرورت کی تکمیل کرے گا؟ یہ کس خلا کو پر کرے گا؟ اس کے متعلق میں عرض کرنا چاہتا ہوں کہ مدرسہ ہے کیا چیز! مدرسہ کی کیا ضرورت ہے؟ مدرسہ کی معنویت اور اس کی قدر و قیمت کیا ہے؟ کیا ان بلند و بالا جامعات کی موجودگی میں جن کا ایک نمونہ یہاں آپ کو راجستھان یونیورسٹی کی شکل میں بھی نظر آئے گا اور یہاں کالجوں کی شکل میں بھی نظر آئے گا، ان عصری جامعات کی موجودگی میں ایک جامعہ ہدایت کی ضرورت ہے، ایک عربی مدرسہ کی ضرورت ہے، اس کے متعلق نہایت موزوں طریقہ پر مولانا عبدالحئی صاحب فائز نے بلایا، عربی زبان کی اہمیت بتلائی، عربی زبان کی اہمیت اب سب کو تسلیم ہے، ایک زمانہ تھا کہ ندوۃ العلماء نے عربی زبان کی اہمیت کی آواز بلند کی اور آج سے ۸۵۔۹۰ سال پہلے یہ کہا کہ عربی زبان ایک زندہ زبان ہے، اس کو ایک زندہ زبان کی حیثیت سے سیکھنا چاہئے، اور اہل زبان کی طرح اس میں کمال پیدا کرنا چاہئے، یہ اس وقت اس طرح بلند کی گئی جیسے کوئی جنگل میں آواز لگائے اور اس کا کوئی سمجھنے والا نہ ہو، آج زمانہ نے، سیاسی انقلابات نے ثابت کر دیا اور دنیا کی ترقی نے اس بات کو سچ ثابت کر دیا ہے اور عربی زبان کی اہمیت پر جوان روشن ضمیر علماء نے آج سے

تقریباً ایک صدی پہلے کہی تھی، زمانہ نے مہر تصدیق ثبت کر دی، آج عربی زبان کے بغیر کام نہیں چلتی، آج عربی زبان کسی کو آتی ہے تو وہ ابن بطوطہ کی طرح دنیا کے ایک سرے سے دوسرے سرے تک سفر کرتا چلا جائے تو عربی زبان سے کام لے سکتا ہے۔ آپ کو سن کر تعجب ہوگا کہ جب میں کالی کٹ گیا تو میں مجبور تھا کہ وہاں عربی زبان کے ذریعہ تبادلہ خیال کروں، اردو وہ حضرات سمجھتے نہیں، اردو جس پر ہم کو آپ کو بڑا ناز ہے، اور جس میں آپ نے ایسا فصیح و بلیغ سپاس نامہ یا خطبہ استقبالیہ سنایا اردو کیرالہ کی حد تک بالکل نامانوس ہے۔ میں ہندوستان کا ایک شہری اپنے ہندوستانی بھائیوں سے اپنے اظہار مافی الضمیر کے لئے، اپنے خیالات ان کو پہنچانے کے لئے اس پر مجبور تھا، جدید تعلیم یافتہ لوگوں سے انگریزی میں گفتگو کروں اور وہاں کے دیندار لوگوں اور مسلمانوں سے عربی میں گفتگو کروں۔ خود اس ملک میں عربی زبان کا سکہ چل رہا ہے، اور اس عربی زبان میں یہاں ہندوستان میں جو کچھ کام ہوا، اس کے متعلق اس وقت کیا عرض کروں کہ اس وقت کا یہ موضوع نہیں ہے، اس پر مستقل تصنیفات ہیں کہ ہندوستان نے عربی زبان کو مالا مال کر دیا، اور بعض گوشے ایسے ہیں کہ جس پر تنہا ہندوستان کا کنٹری بیوشن ہے، ہندوستانی مسلمانوں نے اس موضوع کو شروع بھی کیا اور ختم بھی کیا۔

میں مثال کے طور پر کہتا ہوں علمی اصطلاحات نہایت نازک مسئلہ ہے۔ جس طریقہ سے کہ جہاز کا قطب نما یا جہاز کا درست کرنے والا آلہ ہوائی جہاز کا یا بحری جہاز کا ہوتا ہے اس میں اگر سوئی بال برابر بھی ہٹ جائے تو جہاز راستہ بھول جائے گا، غلط راستہ پر پڑ جائے گا، اس طرح علمی اصطلاحات کی نوک پلک اتنی نازک ہے کہ ان کی تشریح میں ذرا سی بھی غلطی ہو جائے تو پورا کا پورا فن آدمی کے لئے چیستان بن جائے گا، اس نازک فن کے موضوع پر دو بہترین کتابیں تیرہ سو برس میں دنیا میں لکھی گئی ہیں، وہ ہندوستانی عالموں کی ہے۔

(۱) ''کشاف اصطلاحات الفنون'' مولانا محمد اعلیٰ تھانوی کی جو بارہویں صدی کے ایک عالم تھے۔

(۲) ''دستور العلماء'' مولانا قاضی عبدالنبی احمد نگری کی جو غالباً گیارہویں صدی کے ایک عالم تھے۔

یہ دونوں کتابیں تنہا ہندوستانی عالموں کے قلم سے نکلی ہیں، اس طریقہ سے حدیث کے

مفردات کی شرح میں سب سے مستند، سب سے وسیع اور سب سے بڑی کتاب جو جامع ہے تمام کتابوں کی وہ ایک ہندوستانی عالم، فخر ہندوستان علامہ محمد طاہر پٹنی گجراتی کے قلم سے "مجمع بحار الانوار" کے نام سے نکلی ہے، جس کو سارا عرب جانتا ہے اور اس موضوع پر جتنی کتابیں لکھی گئی ہیں، سب سے اس نے مستغنی کر دیا ہے، اور میں بڑے فخر اور شکر کے ساتھ آپ کے سامنے اس حقیقت کا اظہار کرتا ہوں کہ خدا نے ہندوستانی مسلمانوں کو جو سعودی عرب میں ڈیڑھ سو دو سو برس سے رہتے ہیں، لیکن ہندوستان سے انہوں نے اپنا رشتہ توڑا نہیں ہے، نہ ہندوستان کی زبان سے، نہ ہندوستان کی تہذیب سے، خدا نے انہیں کو توفیق دی کہ پہلی بار خوبصورت عربی ٹائپ میں وہ اس کتاب کو شائع کریں، میرا اندازہ یہ ہے کہ پچاس ہزار سے ایک لاکھ کے درمیان رقم اس پر صرف ہوئی ہوگی، یہ آپ کے پٹنی تاجروں کا کارنامہ ہے کہ جن کا جدہ میں اور مکہ میں اور ریاض میں اور مدینہ میں بڑا تجارتی کاروبار ہے، اس کا سہرا خاص طور پر نورولی خاندان اور اس کے بزرگ الحاج عبد القادر نورولی صاحب کے سر ہے۔

مدرسہ کس درد کی دوا ہے؟

میں آپ سے یہ عرض کرنا چاہتا ہوں کہ مدرسہ کس درد کی دوا ہے، یہ مدرسہ جو قائم ہو رہا ہے، خدا اس پودے کو پروان چڑھائے اور اس کو ایک شاداب اور سایہ دار درخت بنائے، جس کے نیچے نسلیں آرام پائیں اور اس سے ہدایت حاصل کریں۔ یہ جامعہ کس خلا کو پر کرتا ہے، کس ضرورت کی تکمیل کرتا ہے؟

حضرات! صحیح دینی مدرسہ کے بارے میں میرا نقطہ نظر بہت سے بھائیوں سے اور ان پڑھے لکھے دوستوں سے مختلف ہے جو مدرسوں سے واقفیت کا دعوی رکھتے ہیں یا اس سے تعلقات رکھتے ہیں۔ میں مدرسہ کو پڑھنے پڑھانے اور پڑھا لکھا انسان بنانے کا کارخانہ نہیں کہتا، میں مدرسہ کی حیثیت کو تسلیم کرنے کے لئے تیار نہیں ہوں، میں اس سطح پر آنے کے لئے تیار نہیں ہوں کہ مدرسہ اسی طریقہ سے پڑھنا لکھنا سکھانے یا یوں کہنا چاہئے کہ پڑھنے لکھنے کا ہنر سکھانے کا ایک مرکز ہے، جیسے کہ دوسرے اسکول اور کالج ہیں، میں اس کو مدرسہ کے لئے ازالہ حیثیت عرفی کے مترادف سمجھتا ہوں، یعنی اگر میں مدرسہ کا وکیل ہوں یا میں خود مدرسہ بن جاؤں تو میں اس پر ازالہ حیثیت عرفی کا مقدمہ قائم کر سکتا ہوں۔ اگر کوئی مدرسہ کو صرف اتنا حق

دینے اور مدرسہ کو صرف اتنا ماننے کو تیار ہے کہ صاحب! جیسے پڑھنے لکھنے کا ہنر سکھانے کے لئے بہت سے کارخانے ہیں، بہت سے مرکز ہیں، کوئی اسکول کہلاتے ہیں، کوئی کالج کہلاتے ہیں، ان کے مختلف معیار اور مختلف سطح ہیں، اسی طریقہ سے مدرسہ بھی عربی زبان یا عربی علوم وفنون۔ فقہ اور دینیات تفسیر وحدیث سکھانے کا ایک مرکز یا کارخانہ ہے، میں مدرسہ کو نائبین رسول و خلافت الٰہی کا فرض انجام دینے والے اور انسانیت کو ہدایت کا پیغام دینے والے، تحفظ و بقاء کا راستہ دکھانے والے افراد پیدا کرنے والوں کا ایک مرکز سمجھتا ہوں، میں مدرسہ کو آدم گری اور مردم سازی کا ایک کارخانہ سمجھتا ہوں، جس طرح فیکٹریاں کرتی ہیں مختلف قسم کی۔ کوئی سن فیکٹری ہوتی ہے، کوئی شوگر فیکٹری ہوتی ہے، کوئی کسی اور قسم کی مشین ڈھالتی ہے، بیوی الیکٹرک کے سامان پیدا کرنے کے بہت سے کارخانے ہیں، ہم ان کی بہت قدر کرتے ہیں، ہم ان کی ملک میں ضرورت تسلیم کرتے ہیں، ہم ان کی تحقیر نہیں کرتے، لیکن چیزوں کے مختلف درجے ہوتے ہیں، مدرسہ اس طرح کے پڑھے لکھے آدمی پیدا کرنے کا مرکز نہیں، مدرسہ ایسے لوگوں کے پیدا کرنے کا مرکز ہے جن کا ابھی آپ کے سامنے ذکر کیا گیا ہے، یہ الگ بات ہے کہ مدرسہ ایسا کر رہا ہے یا نہیں اور ہر مدرسہ یہ کرنا چاہتا ہے یا نہیں؟ اس کا اس اصولی بحث سے کوئی تعلق نہیں، میں مدرسہ کے ایک خادم کی حیثیت سے اور مختلف مدارس سے تعلق رکھنے والے کی حیثیت سے اس بات کو تسلیم کرتا ہوں کہ بہت سے مدارس یہ فرض انجام دینے سے قاصر ہو گئے ہیں، پہلے یہ فرض انجام دیا کرتے تھے، اب یہ فرض وہ انجام نہیں دے رہے ہیں، کیوں؟ لیکن مدرسہ کو کیا فرض انجام دینا چاہئے؟ مدرسہ کا فرض کیا ہے؟ مدرسہ کے سپرد کونسا کام ہے؟

مدرسہ کا شجرۂ نسب:

حقیقی مدرسہ کی بنیاد اور پہلے مدرسہ کی بنیاد کہاں رکھی گئی ہے، پہلے مدرسہ کی بنیاد قرطبہ اور غرناطہ میں نہیں رکھی گئی تھی، قیروان اور قاہرہ میں نہیں رکھی گئی، دہلی اور لکھنؤ میں نہیں رکھی گئی، فرنگی محل، ندوۃ العلماء اور دار العلوم دیوبند میں نہیں رکھی گئی، پہلے مدرسہ کی بنیاد مسجد نبوی میں رکھی گئی، اور مدرسہ کا نام ”صفہ“ تھا، آپ مجھے معاف کریں میں مدرسوں میں صحیح النسب مدرسہ اور عالی نسب مدرسہ اسی کو سمجھتا ہوں جس کا شجرۂ نسب صفہ نبوی پر جا کر ختم ہو اور میں اسی مسجد کو صحیح النسب مسجد سمجھتا ہوں جس کا شجرۂ نسب کعبہ ابراہیمی پر جا کر ختم ہو اور مسجد نبوی پر ختم ہو۔ میں اس

کے مقابلہ میں دوسرے الفاظ بولنا نہیں چاہتا کہ وہ مسجد کہلائے گی، لیکن قرآن مجید نے بتادیا ہے ہمیں، اور آپ کو کوئی لقب ایجاد کرنے کی ضرورت نہیں۔ وہ مسجد، مسجد ضرار کہلائے گی جس کا شجرہ نسب ابراہیم ومحمد علیہما السلام کی بنائی ہوئی مسجد پر ختم نہیں ہوتا اور وہ مدرسہ، مدرسہ نہیں بلکہ انسانیت کی قتل گاہ کہلائے گا جس کا شجرہ نسب صفہ نبوی ﷺ پر ختم نہیں ہوتا۔ مسجد نبوی ﷺ پر ختم نہیں ہوتا اور ابوذرؓ وسلمانؓ پر ختم نہیں ہوتا۔ صدیقؓ وعلیؓ پر ختم نہیں ہوتا۔ زیدؓ اور سیدہ عائشہؓ پر ختم نہیں ہوتا۔ ان مبلغان دین، ان ہادیان انسانیت، ان پیشوایان عالم پر ختم نہیں ہوتا، جنہوں نے ہدایت کا پیغام دیا، جنہوں نے قربانی کا پیغام دیا، جنہوں نے خود نقصان اٹھا کر دوسروں کو نفع پہنچانے کا پیغام دیا کہ اپنا زیاں مقصود ہے اور اپنا زیاں گوارا ہے، لیکن دوسروں کا زیاں گوارہ نہیں، جنہوں نے یہ پیغام دیا کہ اپنے گھر میں اندھیرا رکھ کر دوسروں کے گھروں میں روشنی کا انتظام کرو، اپنے پیٹ پر پتھر باندھ کر (اس لئے ان کا سلسلہ انہیں پر ختم ہوتا ہے، جنہوں نے غزوۂ خندق میں پیٹ پر دو دو پتھر باندھے تھے) دوسرے کے بچوں کا پیٹ بھرنے اور ان کو کھلانے کا انتظام کرو۔ جنہوں نے یہ پیغام دیا کہ مدرسہ کا کام ملازمت دلانا نہیں، مدرسہ کا کام آسامیاں بانٹنا نہیں ہے، مدرسہ کا کام ایسا پڑھا لکھا انسان بنانا جو اپنی چرب زبانی سے لوگوں کو مسحور نہ کرے، مدرسہ کا کام قرآن سنانا ہے، جب کہ دنیا میں ہر حقیقت کا انکار کیا جارہا ہے، اور یہ کہا جارہا ہے کہ دنیا میں صرف ایک حقیقت زندہ ہے، اور سب حقیقتیں مرچکیں، اخلاقیات مرچکے، صداقت مرچکی، صرف ایک حقیقت باقی ہے، اور وہ نفع اٹھانا اور اپنا کام نکالنا ہے، وہ ہر قیمت پر، عزت بیچ کر، شرافت بیچ کر، ضمیر بیچ کر، اصول بیچ کر، خودداری بیچ کر صرف چڑھتے سورج کا پجاری بننا ہے۔ اس وقت مدرسہ اٹھتا ہے اور اعلان کرتا ہے کہ انسانیت مری نہیں ہے۔ اس وقت مدرسہ اعلان کرتا ہے کہ نقصان میں نفع ہے، ہار جانے میں جیت ہے، بھوک میں وہ لذت ہے جو کھانے میں نہیں، اس وقت مدرسہ یہ اعلان کرتا ہے کہ ذلت میں بعض مرتبہ وہ عزت ہے جو بڑی سے بڑی عزت میں نہیں، اس وقت مدرسہ اعلان کرتا ہے کہ سب سے بڑی طاقت خدا کی طاقت ہے، سب سے بڑی صداقت حق کی صداقت ہے، یہ ہے مدرسہ کا کام، اور اگر مدرسہ یہ کام اور دنیا کے سارے کام کرنے لگے تو وہ مدرسہ، مدرسہ کہلانے کا مستحق نہیں ہے۔ میں سمجھتا ہوں کہ جامعہ ہدایت کا صحیح سنگ بنیاد اسی پر رکھا جارہا ہے۔ میرے

گنہگار ہاتھوں سے نہیں رکھا جارہا ہے، محمد رسول اللہ ﷺ کے ہاتھوں سے رکھا جارہا ہے، اور رکھا جاچکا ہے۔ یہ کوئی نیا واقعہ نہیں، یہ واقعہ سینکڑوں بار پیش آچکا ہے، اور دنیا کے چپہ چپہ پر جامعہ ہدایت موجود ہے، جب تک یہ زندہ ہے، جب تک انسانیت کے اندر کوئی سانس اور رمق باقی ہے، اس کے اندر حقیقی انسانیت کی رمق باقی ہے، اس وقت تک دنیا کا کوئی گوشہ جامعہ ہدایت سے خالی نہیں، یہ جامعہ ہدایت درحقیقت ان حقیقی جامعات ہدایت کے خاندان کا ایک فرد ہے، یہ کسی چیز کا آغاز نہیں، ایک تسلسل ہے، وہ تسلسل جو دنیا میں کسی بڑی سے بڑی چنگیزی، بڑی سے بڑی کسریٰ قیصری، بڑی سے بڑی شہنشاہی اور زور شمشیر سے اس کی لائی ہوئی مصیبت کے زمانے میں کبھی بھی نہیں ٹوٹا، مدرسہ کا کام یہ ہے کہ وہ انسان پیدا کرے جو اس پست سطح سے بلند ہوں کہ قیمت لگائیے، ہم سب کچھ بیچنے کو تیار ہیں، آج دنیا نیلام کی منڈی کے سوا کچھ نہیں، کہاں کا مدرسہ اور کہاں کا کتب خانہ، کہاں کے اصول اور کہاں کے معیار، ہم تو یہ دیکھ رہے ہیں کہ دنیا ایک بازار ہے، اس میں ہر ایک اپنا جنس ہنر اور اپنا جنس کمال ہاتھ پر رکھے ہوئے بیچنے کے لئے آیا ہے۔ لیکن ہم اس نقطہ نظر کو تسلیم نہیں کرتے، ہم یہ تسلیم نہیں کرتے کہ دنیا محض ایک بازار ہے، ایک منڈی ہے، یہاں جو آئے مال لے کر جائے اور بیچے، صرف مسئلہ قیمت کا ہے، البتہ یہ ہوسکتا ہے کہ کسی کو بیچنے میں کچھ دیر لگ جائے، اس لئے نہیں کہ اس کو اپنا جنس کمال اور اپنا جنس مذہب اور اپنا جنس اخلاق زیادہ عزیز ہے، بلکہ اس کی اس کے منہ مانگے دام نہیں مل رہے ہیں، جب انسانیت پر زوال آیا، جب اخلاقیات پر زوال آیا اور جب لوگوں کو یہ نظر آنے لگا کہ یہ جو حق و باطل کی بات کہی جاتی تھی، یہ محض زیب داستان کے لئے کہی گئی ہے، اور اس کا کہیں وجود نہیں ہے، حق و باطل کوئی چیز نہیں ہے، حلال و حرام کوئی چیز نہیں ہے، کفر و ایمان کوئی چیز نہیں ہے، غلط، صحیح، صواب و ناصواب کوئی چیز نہیں۔ اصل چیز تو پیسہ ہے، اصل چیز تو طاقت ہے، اصل چیز تو عہدہ ہے، اصل چیز تو مواقع ہیں، اس وقت مدرسہ نے ایسے لوگ پیدا کئے، کوئی ایسا آدمی لا کھڑا کر دیا، ایسا بلند قامت انسان، ایسا کوہ پیکر انسان، جس نے کہا کچھ نہیں! ہم نہیں جاتے! اور اگر کسی کو اعتبار نہیں آتا تو ہمیں خرید کر دیکھ لے، اگر وہ ہمیں خرید سکتا ہے تو ہم مان لیں گے کہ دنیا میں اخلاقیات کوئی چیز نہیں، اور ان سب پر مکمل زوال آچکا ہے۔ مدرسہ نے ہمیشہ ایسے لوگ پیدا کئے ہیں میں آپ کو چند مثالیں دیتا ہوں کہ مدرسہ

کیسے آدمی پیدا کرتا ہے، اس تھوڑے سے وقت میں جبکہ آپ کو اس تقریب میں شرکت کرنا ہے، اور آپ دیر سے بیٹھے ہوئے ہیں، میں مدرسہ کی پوری کارگزاری آپ کو نہیں سنا سکتا، اگر اس کو آپ کو لکھنا ہو تو مدرسوں کی تاریخ پڑھو، کتابیں لکھی گئی ہیں، ایک ایک مدرسہ پر ضخیم جلدیں لکھی گئی ہیں، میں مراکش گیا تھا، رباط گیا تھا تو مجھے کئی جلدوں میں جامعۃ القرویین کی تاریخ دی گئی۔ نہایت اعلیٰ درجے کے آرٹ پیپر پر چھپی ہوئی اور تصویروں سے مزین۔ کئی ضخیم جلدوں میں صرف جامعۃ القرویین کی، ایسے ہی ازہر کی تاریخ آپ پڑھیں، ہمارے یہاں آپ دارالعلوم دیوبند کی تاریخ آپ پڑھنا چاہیں، ندوۃ العلماء کی تاریخ آپ پڑھنا چاہیں، فرنگی محل کی تاریخ آپ پڑھنا چاہیں تو موجود ہیں، میں آپ کے سامنے چند مثالیں دیتا ہوں۔

یہ ہے مدرسہ کی شان:

امام مالکؒ کا زمانہ ہے اور ساری دنیا میں علم کی دھوم مچی ہوئی ہے اور بڑے فخر کی بات سمجھی جاتی ہے، کوئی شخص یہ کہے کہ ”حدثنا مالک بن انس، حدثنا مالک“ یہ اس وقت کا سب سے بڑا اعزاز تھا۔ دنیا کے کسی گوشہ میں کوئی کہے ”حدثنا مالک“ سب کے کان کھڑے ہو جاتے تھے اور سب سر اٹھا کر دیکھنے لگتے تھے کہ وہ کونسا خوش نصیب انسان ہے، جس کو امام مالک سے تلمذ کا شرف حاصل ہے۔ یہ امام مالک آخری اموی اور ابتدائی عباسی خلافت کے زمانے میں اپنی مسند درس بچھائے بیٹھے تھے، مدینہ طیبہ کے محدود شہر میں، ان کے پاس پیام آتا ہے کہ آپ دربار میں زحمت فرمائیں اور خلیفہ کے صاحبزادوں کو سبق پڑھادیں۔ یعنی شہزادہ امین و مامون کو یہ سبق پڑھادیں۔ انہوں نے فرمایا کہ آپ کے گھر سے اس علم کی توقیر و عزت کا سلسلہ شروع ہوا ہے، آپ کے گھر سے لوگوں نے علم کی توقیر کا سبق سیکھا ہے اور آپ ہی کے ہاتھوں اس کی تذلیل ہو یہ آپ کے لئے مناسب نہیں ہے۔ علم کے پاس آیا جاتا ہے، علم کسی کے پاس نہیں جاتا، چنانچہ امین و مامون وہاں گئے اور انہوں نے امام مالک سے درس لیا، یہ ہے مدرسہ کی شان، یہ میں نے آپ کے سامنے ایک نمونہ رکھا۔

دوسرا نمونہ دیکھئے:

حضرت عطا کا یا طاؤس کا واقعہ ہے کہ انہوں نے منصور کو ایک مرتبہ نصیحت کی، اور لوگ

بھی وہاں مجلس میں بیٹھے تھے۔ وہ کہتے ہیں کہ ہم نے کپڑے سمیٹنے شروع کئے، اپنا دامن سمیٹنا شروع کیا کہ ابھی جلاد کو حکم ہوتا ہے اور ان کا سر قلم کر دیا جاتا ہے تو کم سے کم ان کے خون ناحق کی چھینٹیں ہمارے دامن پر تو نہ پڑیں۔ وہ کہتے تھے کہ ہم بس سہمے کھڑے ہوئے تھے کہ کیا حکم ہوتا ہے؟ منصور نے کہا ذرا یہ قلم دوات رکھا ہوا ہے وہ ان کے قریب تھا۔ انہوں نے کہا کہ میں نہیں اٹھا سکتا، کیوں؟ انہوں نے کہا مجھے یہ اطمینان نہیں ہے کہ آپ اس سے کیا لکھیں گے؟ ممکن ہے کہ آپ خدا کو ناخوش کرنے ای چیز لکھیں، میں اس میں شریک ہونا نہیں چاہتا، وہ کہتے ہیں کہ پھر ہم نے اپنا دامن سمیٹا کہ اب حکم ہوتا ہے جلاد کو، لیکن ہیبت حق کا یہ حال تھا کہ منصور نے کوئی حکم نہیں دیا، یہ میں نے آپ کو دوسرا واقعہ سنایا، اب میں آپ کو تیسرا اور آخری واقعہ سناتا ہوں۔ اس سے آپ سمجھیں گے کہ علم کی کیا شان ہے؟ ایک بزرگ تھے شیخ سعید حلبی ابھی سو برس پہلے کا قصہ ہوگا جو دمشق کی ایک مسجد میں بیٹھے ہوئے درس دے رہے تھے۔ اتفاق سے ایک دن ان کے پاؤں میں تکلیف تھی اور وہ پاؤں پھیلائے ہوئے بیٹھے تھے اور جیسا کہ قاعدہ ہے کہ استاذ پشت بہ قبلہ ہوتا ہے اور اس کے شاگرد سامنے بیٹھے ہوتے ہیں اور دروازہ سے داخل ہوتے ہیں اور بیٹھ جاتے ہیں تو ان کا چہرہ دروازے کی طرف تھا اور پشت قبلہ کی طرف تھا اور پاؤں دروازے کی طرف پھیلائے ہوئے تھے۔ اس وقت ایک مشہور بانی سلطنت مصر خدیوی سلطنت جو ابھی فاروق پر ختم ہوئی ہے۔ ابھی پندرہ بیس برس پہلے تک وہ موجود تھے وہ محمد علی پاشا کا بیٹا تھا، ابراہیم پاشا اس زمانے میں بڑا سفاک اور جلاد مشہور تھا۔ وہ شام کا گورنر تھا اور اس کی سفاکی کے قصے لوگوں کی زبانوں پر تھے۔ اس کو خیال ہوا کہ میں حضرت کا درس جا کر سنوں اور ملاقات کروں، راستہ ہی وہ تھا اس لئے پہلے دروازے کی طرف سے آیا۔ سب کو خیال تھا کہ حضرت کو ہزار تکلیف ہو، اس موقعہ پر اپنا پاؤں سمیٹ لیں گے۔ اتنی دیر میں کیا ہو جائے گا۔ انہوں نے بالکل کوئی جنبش نہیں کی، نہ درس موقوف کیا، نہ پاؤں سمیٹا، اسی طرح پاؤں پھیلائے رہے اور وہ پاؤں ہی کی طرف آ کر کھڑا ہو گیا۔ اب ان کے شاگرد کہتے ہیں کہ ہم بالکل لرزہ و ترساں تھے کہ دیکھئے اب کیا ہوتا ہے؟ کیا ہمارے شیخ کی شہادت ہماری آنکھوں کے سامنے ہوگی یا تذلیل ہوگی، مشکیں باندھ لیں جائیں گی اور کہا جائے گا لے چلو، وہ کھڑا رہا اور وہ دیر تک درس دیتے رہے۔ التفات بھی نہیں کیا اور پاؤں بھی نہیں سمیٹا، مگر خدا جانے ان لوگوں کا کیا اثر

ہوتا ہے کہ اس نے کچھ کہا نہیں، کوئی سرزنش نہیں کی، کوئی شکایت نہیں کی اور چلا گیا۔ سننے والی بات یہ ہے، وہ یہ کہ وہ کچھ ایسا معتقد ہوا کہ اس نے جا کر اشرفیوں کا ایک توڑا انعام کے ہاتھ بھیجا اور کہا کہ شیخؒ کو میرا سلام کہنا اور کہنا کہ یہ حقیر نذرانہ قبول فرمائیں۔ آپ جانتے ہیں انہوں نے جواب میں کہا۔ یہ آب زر سے لکھنے والا جملہ تھا جو علم کی تاریخ میں ہمیشہ روشن رہے گا۔ انہوں نے کہا اپنے بادشاہ کو سلام کہنا اور کہنا کہ جو پاؤں پھیلاتا ہے، وہ ہاتھ نہیں پھیلاتا۔ یا پاؤں ہی پھیلا لے یا ہاتھ ہی پھیلا لے۔ ایک ہی کام ہو سکتا ہے دنیا میں۔ جب میں نے پاؤں پھیلائے تھے، میں اسی وقت سمجھ گیا تھا کہ اب میں ہاتھ نہیں پھیلا سکتا۔ **(ان الذی یمدرحله لایمدیده)** انہی الفاظ کے ساتھ مورخ نے اس کو نقل کیا ہے۔

جامعہ ہدایت کے طلبہ اور فضلاء کو ہدایت:

میرے دوستو اور بھائیو! ہمیں ایسے مدرسہ کی ضرورت ہے، اور ہم توقع کرتے ہیں کہ جس مدرسہ کا نام ہی جامعہ ہدایت ہے، وہاں کے طلبہ اور فضلاء کو اس سے یہ ہدایت ملے گی کہ وہ غیرت اور خودداری سیکھیں، ان علماء ربانیین سے اور علماء حق سے جن کے واقعات سے تاریخ لبریز ہے، اس خودداری کا سبق سیکھیں کہ پاؤں پھیلا لیں یا ہاتھ پھیلا لیں۔

آج ہمیں ایسے آدمیوں کی ضرورت ہے جو چاہے پاؤں نہ پھیلائیں، میں نہیں کہتا کہ پاؤں پھیلائیں، میں نہیں کہتا کہ آج زمانہ اس جرأت کا متحمل ہے، میں نہیں کہتا کہ اس زمانہ کی تہذیب اس کو گوارا کرے گی یا اسلام نے یہ تعلیم دی ہے کہ بے ضرورت پاؤں پھیلائے جائیں، بے ضرورت پاؤں پھیلانے کی میں تبلیغ نہیں کرتا، مگر یہ ضرور کہوں گا کہ ہاتھ نہ پھیلائے۔ عالم وہ ہے کہ جو ہاتھ نہ پھیلائے، آج ہمارے مدرسوں کو ایسے آدمیوں کو پیدا کرنے کی ضرورت ہے، اور دنیا کو اور انسانیت کو ان عالموں کی ضرورت ہے جن کے متعلق تجربہ ہو جائے کہ یہ کسی کے سامنے ہاتھ پھیلانے والے نہیں ہیں اور آج جس بزرگ اور گرامی ذات سے اس جامعہ کا انتساب کیا جا رہا ہے، انہوں نے ہمیں اسی کی تعلیم دی ہے، وہ ہاتھ پھیلانے والے نہیں تھے اور ان کی روح جب ہی خوش ہوگی، جب اس جامعہ سے وہ لوگ نکلیں جو دنیا کے سامنے ہاتھ نہ پھیلائیں، آج ہمیں یہ منظر نظر آ رہا ہے کہ سب نے کسی نہ کسی شکل میں ہاتھ پھیلا رکھا ہے، کسی کے ہاتھ پھیلے نہیں ہیں، اس لئے کہ ہاتھ پھیلانے کا ان کو

موقع نہیں ملا، لیکن پھیلنے کے لئے تیار ہیں، مصیبت یہ ہے کہ جو ہاتھ پھیلے نہیں ہیں، وہ پھیلنے کے لئے بے چین و بے قرار ہیں، آج کونسا ہاتھ ہے جو تڑپ نہیں رہا ہے کہ مجھے پھیلنے کا موقع ملے۔ آج دنیا ذہینوں کو نہیں ترس رہی ہے، فلسفیوں کو نہیں ترس رہی ہے۔

میرے دیکھے ہوئے ہیں مشرق و مغرب کے میخانے

میں یورپ میں بھی دیکھ آیا ہوں اور مشرق وسطی کا کونہ کونہ میں نے چھانا ہے، آج بڑے بڑے عالموں کی، ادیبوں کی، مصنفوں کی، خطیبوں کی، شاعروں کی، دانشوروں اور فلسفیوں کی کوئی کمی نہیں ہے، آج کمی ہے ان اللہ کے بندوں کی، ان قدسی نفوس کی جو کسی شکل میں بھی ہاتھ پھیلانے کے لئے تیار نہیں، وہ موت کو ترجیح دیں گے، لیکن ہاتھ نہ پھیلائیں گے، وہ اپنے ضمیر کا سودا کرنے کے لئے تیار نہیں۔

دنیا میں سیاسی انقلابات آئیں اور گزر جائیں، حکومتیں قائم ہوں، اور نکل جائیں، ہوا چلے اور بند ہو جائے، کہیں بھی ملک میں ہو لیکن ان کا ہاتھ کسی کے سامنے نہیں پھیل سکتا، وہ ضمیر کا سودا کرنے کے لئے تیار نہیں اور آپ یقین جانئے کہ یہ زمین اور آسمان اس وقت تک صحیح طور پر قائم ہے، جب تک کسی نہ کسی شکل میں تھوڑی تھوڑی تعداد میں خواہ ان کو دیکھنے کے لئے دوربین کی یا خوردبین کی ضرورت پیش آئے، لیکن ان کا وجود تو ہو، خوردبین بھی تو اسی کو دیکھ سکتی ہے، جس کا وجود ہے، جس کا سرے سے وجود ہی نہیں، اس کو خوردبین کہاں سے دیکھے گی، آج اتنی چھوٹی شکل میں، ایسی غیر مرئی شکل میں سہی، ان لوگوں کا وجود کہیں تو ہوتا جن کو خوردبین سے دیکھا جا سکتا، خدا کا شکر ہے ایسا تو نہیں ہوا کہ دنیا ان کے وجود سے یکسر خالی ہو جائے لیکن یہ جنس بہت نایاب ہے، اگر نایاب نہیں تو کمیاب ضرور ہے۔

بس میرے بھائیو! میرے نزدیک مدرسہ کا صرف ایک کام ہے کہ وہ ایسے حقانی اور ربانی علماء پیدا کرے جو صرف یہی نہیں، یہ تو ان کی شان سے بہت بعید ہے کہ وہ اپنے ضمیر کا سودا کریں، بلکہ وہ دنیا کو جو ضمیر کا سودا کر رہی ہے، اس کو سرزنش کر سکیں، اس سے کہہ سکیں کہ انسان کا ضمیر اس سے بہت زیادہ قیمتی ہے کہ وہ روز بکے، روز نیلام پر چڑھے، ایک عہدے پر بک جائے، ایک عہدہ، ایک کرسی، ایک خوشنودی، ایک تبسم اس کو خرید لے۔

حضرات! آپ نے انہی ریاستوں میں، اپنے انہی مرکزوں میں ایسے قصے سنے ہوں

ہے کہ لوگوں نے اپنی شرافت پر آنچ نہیں آنے دی، اپنی عزت پر میل نہیں آنے دیا، بڑے سے بڑے نقصان کو گوارہ کرلیا لیکن اس کے لئے تیار نہیں کہ وہ اپنی اس عزت، اس سطح اور معیار سے نیچے اتر آئیں، میں صرف ہندوستان کو نہیں کہتا میری نگاہ ساری دنیا پر ہے، میں ساری دنیا کو اپنے سامنے دیکھ رہا ہوں اور یہ میں جو آپ کے سامنے کہہ رہا ہوں یہ میں ہر جگہ کہہ آیا ہوں، یہ نہیں کہ میں آج آپ کے سامنے پہلی مرتبہ کہہ رہا ہوں، میں نے عربوں کے سامنے یہی بات کہی، میں نے ان سے کہا کہ ہم نے، تم سے خودداری کا سبق سیکھا تھا، ہم نے تم سے ایمان کا سبق سیکھا تھا، ہم نے تم سے استقامت کا سبق سیکھا تھا، میں ناصر کے زمانہ میں جب عرب اپنے آپے میں نہیں تھے، سوچنے سمجھنے کی صلاحیت ان میں باقی نہیں رہی تھی، اس وقت میں نے ان کا گریبان پکڑ پکڑ کر ان سے کہا کہ یہ کیا ہو رہا ہے؟ آپ ایک چیز کو غلط سمجھتے ہیں، اور آپ اس کے پیچھے اس طرح دیوانہ وار دوڑ رہے ہیں۔

عالم ہر زمانہ میں قبلہ نما رہے:

مدرسہ کا کام یہ ہے کہ وہ ایسے باضمیر، باعقیدہ، ایسے باایمان، ایسے باحوصلہ اور ایسے باہمت فضلاء پیدا کرے جو اس ضمیر فروشی اور اصول فروشی اور اخلاق فروشی کے دور میں روشنی کی مینار کی طرح قائم رہیں کہ وہ کہیں نہیں جاتا، اپنی جگہ پر کھڑا ہے، راستہ بتاتا ہے، جیسے قبلہ نما کہ آپ کہیں ہوں وہ آپ کو قبلہ بتادے گا، ہندوستان میں بتائے گا، دوسرے ملک میں بتائے گا، پہاڑ پر رکھیں تو بتائے گا، پل پر رکھیں تو بتائے گا، یہ عالم کا کام ہے کہ ہر زمانہ میں ہر جگہ قبلہ نما رہے۔

یہ جامعہ ہدایت جہاں تک میں سمجھتا ہوں اور مجھے یقین ہے کہ ان مقاصد عالیہ پر اس کی بنیاد رکھی جارہی ہے اور حقیقت میں ہر دینی مدرسہ کی بنیاد اس پر رکھی گئی ہے اور یہی اس کی اصل قدر و قیمت ہے، ان کو آپ ان کی عمارتوں سے نہ پہچانئے، آپ ان کے بوریوں اور وہاں کے فرنیچر کی کمی اور وہاں کے پڑھنے والوں اور پڑھانے والوں کی تہی دامنی اور ان کی بے بضاعتی سے ان کا درجہ قائم نہ کیجئے جیسے کہ کہنے والوں نے کہا گدائے شاہی میں اور دلق فقیری میں وہ شاہانہ مزاج رکھتے ہیں، ان کا مزاج شاہانہ ہے اور ان کا لباس فقیرانہ ہے، یہ ہمارے علماء سلف تھے، اور آج انہیں علماء سلف کی اس وقت ضرورت ہے۔

مدرسوں نے ہوا کے رخ پر چلنا قبول نہیں کیا:

خدا کا شکر ہے کہ ہوا کے رخ پر چلنا مدرسہ کا اصول نہیں ہے، اگر مدرسہ کا یہ اصول ہوتا تو وہ سب کے انگریزی کے، عربی کے کالج بن چکے ہوتے، لیکن جو اس وقت چند گنے چنے مدرسے باقی ہیں، وہ اس بات کا ثبوت دیتے ہیں کہ مدرسوں نے ہوا کے رخ پر چلنے کو قبول نہیں کیا۔

حضرات! میں ان الفاظ کے ساتھ آپ حضرات کی عزت افزائی کا اور بانیان مدرسہ خاص طور پر حضرت مولانا شاہ عبدالرحیم صاحب اور مولانا عبدالحئی صاحب فائز کی ذرہ نوازی کا شکریہ ادا کرتا ہوں کہ انہوں نے اس اہم اور مقدس اور اس بابرکت اور عالی مرتبہ کام کے لئے مجھ جیسے طالب علم کا انتخاب کیا، جو کچھ میرے متعلق کہا میں اللہ سے دعا کرتا ہوں، آپ بھی کیجئے کہ اس دن مجھے رسوائی سے بچائے جس دن (یوم تبلی السرائر) کا ظہور ہوگا۔ اب میں ان الفاظ کے ساتھ اپنی گذارش کو ختم کرتا ہوں، اللہ تعالیٰ اس جامعہ کو ہمیشہ سرسبز وشاداب رکھے اور صحیح معنی میں اس کو مرکز بنائے۔ آمین۔

و آخر دعوانا ان الحمد لله رب العالمین

دارارقم جو مسلمانوں کی پناہ گاہ تھا

ذیل کا مضمون حضرت مولانا رحمۃ اللہ کی وہ اہم تقریر ہے جو ۳ جنوری ۱۹۹۴ء کو فتح پور میں ''مدرسہ دارارقم'' کی درسگاہ اور مسجد کے سنگ بنیاد کے موقع پر کی گئی۔

نحمده ونصلي على رسوله الكريم. اما بعد فاعوذ بالله من الشيطان الرجيم. واذكروا اذأنتم قليل مستضعفون فی الارض تخافون أن يتخطفكم الناس فاواكم وأيد كم بنصره ورزقكم من الطيبت لعلكم تشكرون.

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے مسلمانوں کو خطاب کر کے ''واذ کروا اذ اُنتم قلیل مستضعفون فی الارض'' یاد کرو جب تم تھوڑے تھے برائے نام تھے، انگلیوں پر گنے جا سکتے تھے اور بہت کمزور سمجھے جا رہے تھے جو کمزور کے ساتھ معاملہ کیا جاتا ہے وہ تمہارے ساتھ کیا جاتا تھا، تم کو جو چاہتا تکلیف دیتا اور جو چاہتا پریشان کرتا اور روئے زمین پر تم کو کمزور سمجھا جاتا تھا، ''فاٰواکم'' تو اللہ نے تم کو پناہ دی ''واَیدکم بنصرہ'' اور تمہاری مدد کی اپنی نصرت خاص سے، اور تمہاری حفاظت فرمائی اور دست گیری کی ''ورزقکم من الطیبات'' اور تم کو عطا کیں بڑی بڑی نعمتیں تا کہ تم شکر کرو۔

جب میں قرآن مجید کی اس آیت کو پڑھتا ہوں تو ذہن ''دارارقم'' اور شعب ابی طالب کی طرف جاتا ہے، وہ ''دارارقم'' کون سی جگہ تھی، ''دارارقم'' وہ گھر تھا جس میں مسلمان کفار کی اذیت سے اور ان کی سنگ دلی سے اور ان کے وحشت ناک معاملات سے بچنے کے لئے، اللہ کا نام اطمینان کے ساتھ لینے اور نماز ادا کرنے کیلئے پناہ لیتے تھے اور بہت بڑے بڑے جلیل القدر نامی گرامی صحابی وہیں جا کر اسلام لائے، جہاں تک مجھے یاد ہے حضرت سیدنا عمر بن خطابؓ بھی وہیں گئے اور انھوں نے بھی کلمہ پڑھا، یہ تھا ''دارارقم'' جو مسلمانوں کی پناہ گاہ تھا اور شعب ابی طالب وہ جگہ تھی جہاں حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام کو پناہ لینی پڑی اور ان کا مقاطعہ اور بائیکاٹ کیا گیا تا کہ کوئی سودا بیچنے والا ان کے پاس نہ پہنچے کوئی غذائی سامان نہ پہنچائے لیکن اس

میں بعض شریف انسان مکہ مکرمہ کے تھے جو کسی طرح سے کچھ غذا پہنچا دیتے جس سے ان کی زندگی قائم رہے ورنہ ان کی موت کا پورا سامان کیا گیا تھا اور چاروں طرف اپنے پہرے بٹھائے تھے اور ایسا حصار قائم کیا تھا کہ باہر کی دنیا سے ان کا کوئی رابطہ اور تعلق نہ پیدا ہو پائے۔

تو میں عرض کر رہا تھا کہ جب تک یہ آیت پڑھی جائے گی جو لوگ سیرت پاک سے واقف ہیں یا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت پاک پڑھیں گے اور جنھوں نے اسلام کی تاریخ پڑھی ہے اور ادیان کی بھی تاریخ پڑھی ہے، مذاہب اور انقلاب کی تاریخ پڑھی ہے، ان کو ”دارارقم“ ضرور یاد آئے گا، آج ساری دنیا میں شروع عہد صحابہ ہی سے اور اس کے بعد خلفائے راشدین کے زمانے میں اور پھر سلطنت امویہ اور پھر سلطنت عباسیہ کے زمانے میں بڑے بڑے محلات بنے خلفائے راشدین کے زمانہ میں تو قیصر وکسریٰ کے محلات تھے لیکن جب بنی امیہ خلافت کی کرسی پر آئے تو دمشق میں بڑے بڑے محلات بنائے، عباسیوں تک جب خلافت پہنچی تب بغداد میں بڑے شاندار محلات بنائے گئے اور بڑے بڑے علمی مراکز قائم کئے گئے اس کے بعد جب اسلام اسپین میں گیا اور اندلس میں گیا تو وہاں کے محلات کا اور قصور کا تو کہنا ہی کیا، میں ان خوش قسمت لوگوں میں سے ہوں کہ اللہ تعالیٰ نے اندلس مرحوم اور اسپین کو دیکھنے کا موقع عطا فرمایا، وہاں ہم نے قصر الحمراء دیکھا اور بہت بڑے مبصر اور مؤرخ نے بتایا کہ اس کے سامنے تاج محل وغیرہ کی بھی کوئی حقیقت نہیں ہے اور مغلوں کے محلات بھی اس کے سامنے کم درجے کے معلوم ہوتے ہیں، ہم نے قصر الحمراء بھی دیکھا ہے اور ”جامع بنی الزہراء“ کو بھی دیکھا قرطبہ اور پھر اس کے بڑے بڑے مدارس، آج بھی مصر کا جامعہ ازہر جو قاہرہ میں ہے اور جو عالم اسلام کا سب سے قدیم تر اور سب سے شاندار اور سب سے زیادہ کثیر التعداد طلبا کا مرکز ہے۔

میں تو مصر کا جامع الازہر اور پورے اعتماد کے ساتھ کہتا ہوں، معذرت کی ضرورت نہیں سمجھتا کہ دیوبند کا دارالعلوم، مظاہر العلوم اور ندوۃ العلماء، جس کا میں خادم اور ناظم ہوں سب اس دارارقم کے سامنے ہیچ ہیں، یہ ”دارارقم“ وہ تھا جہاں سے دنیا میں پھر سے ایمان کی روشنی پھیلی اور انسانوں کو معلوم ہوا کہ ہم کو کس نے پیدا کیا اور کس لیے پیدا کیا ہمارا خالق کون ہے اور غرض اور مقصد خلقت کیا ہے ”وما خلقت الجن والانس الالیعبدون“ میں نے جن

وانس کو صرف اس لئے پیدا کیا تا کہ یہ میری عبادت کریں اور اس دارارقم کا جو رقبہ تھا اور اس عمارت کی جو حیثیت تھی اور اس کی جو وسعت تھی وہ سب اہمیت نہیں رکھتیں بلکہ اہمیت تو اس کی ہے کہ وہاں سے کون سی تعلیم دی گئی اور وہاں سے کون سا نور اور روشنی پھیلی جس سے انسانوں کو اپنے پیدا کرنے والے کا علم ہوا۔

اس سے بڑھ کر غضب، ناشکری اور جہالت کی بات کون سی ہو سکتی یہ کہ انسان اپنے پیدا کرنے والے ہی کو نہ جانے، اگر یہ کوئی نہ جانے کہ اس مدرسہ میں انتظام کس نے کیا اور یہ جلسہ کس نے کیا اور اس میں اتنے دور دور سے لوگ آئے اور ہمارے دارالعلوم کے مدرسین بھی ہیں، جن کا جانا ہر جلسہ آسان نہیں ہوتا لیکن ان کو کس نے بلایا اور اگر کوئی شخص یہ سمجھے کہ یہاں کھانے پینے کی دعوت ہونے والی ہے یا نکاح ہونے والا ہے تو آپ سب یہ کہیں گے کہ اس کی عقل کو کیا ہو گیا ہے یہ اتنا نہیں جانتا کہ سنگ بنیادی پڑی ہے۔

لیکن انسان کھائے پئے بڑا ہو اور اس کی نسل چلے اور بعض اوقات علم میں آسمان کے تارے توڑ لائے اور بڑے بڑے سمندر و صحراء طے کر لے، لیکن اپنے پیدا کرنے والے ہی کو نہ پہچانے، اس سے بڑھ کر جہالت کیا ہو سکتی ہے لیکن دنیا میں یہی ہو رہا تھا، کروڑوں انسان اپنے پیدا کرنے والے کو نہیں جانتے تھے، باپ کو جانتے تھے لیکن باپ کو کس نے پیدا کیا پھر اس کے باپ کو کس نے پیدا کیا؟ پھر اس کو اور حضرت آدمؑ تک چلے جایئے یہ کوئی نسب نامہ نہیں ہے لیکن ہم کو کس نے پیدا کیا، کائنات کو کس نے بنایا، زمین و آسمان کی کس نے خلقت کی، پہاڑ کس نے کھڑے کئے؟ یہ باغ کس نے اگائے؟ اور روزی کون دیتا ہے؟ اور اچھی بری تقدیر کس نے بنائی ہے اور کون موت و زندگی کا مالک ہے؟ آج اگر کوئی شخص ہندی نہیں پڑھا ہے تو لوگ کہیں گے کہ ان پڑھ ہے اور اگر اردو نہیں پڑھا ہے تو مسلمان کے حلقہ میں ناخواندہ کہیں گے اور عربی نہیں پڑھا ہے تو عرب کہیں گے امی ہے جاہل ہے لیکن اس سے بڑھ کر کیا جہالت ہو سکتی ہے کہ اپنے پیدا کرنے والے ہی کو نہ جانے کہ وہی عبادت کا مستحق ہے دنیا اس سے بالکل ناآشنا تھی اور پھر اس کے بعد یہ حالت تھی کہ انسان کا خون ان کے نزدیک کوئی چیز نہیں، عربی میں ایک شعر ہے۔

اذا المهرة الشقراء ادرک ظهرها
فشب الاله الحرب بين القبائل

اس سے عربوں کا مزاج سمجھئے اور ان کے سوچنے کا طریقہ ایک شاعر اپنے وقت کا پڑھا لکھا ہوتا ہے کہتا ہے کہ جب میرا گھوڑا جو سرخ رنگ کا ہے اس کی پیٹھ سواری کی ہو جائے اور سخت ہو جائے تو اللہ کسی نہ کسی قبیلہ میں جنگ چھیڑ دے تو میں اپنے جوہر دکھاؤں اسے شرم نہیں آتی کہ صرف اپنے گھوڑے کی تیزی دکھانے اور اپنی تلوار کی کاٹ دکھانے اور اپنا نام چمکانے کے لئے چاہتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کسی نہ کسی بہانے سے ان قبائل میں لڑائی چھیڑ دے۔ بس پھر مزے آئیں، یہ ان کی عقل کا حال تھا اور اللہ کے علاوہ سینکڑوں چیزوں کی پوجا کی جارہی تھی، ہم نے ہندوستان کے آثار قدیمہ گجرات اور بڑے بڑے دور دراز علاقوں میں مہاراشٹر میں ہر جگہ دیکھے ہیں کہ دریا بھی پوجے جاتے تھے اور بعض جانور اور بلکہ ہم نے تو بعض آثار قدیمہ میں انسان کے اعضاء تناسل کی تصویر بھی دیکھی تو معلوم ہوا کہ کسی دور میں ان کی بھی پرستش ہوتی تھی اور انسانوں کے ساتھ ساتھ انسانوں کا کیا سلوک تھا، کہ کسی کی جان، جان نہیں سمجھی جاتی تھی اور کسی کی عزت، عزت نہیں سمجھی جاتی تھی عورتوں کے ساتھ کیا معاملہ ہوتا؟

" واذا الموؤدة سئلت" بچیوں کو زندہ دفن کر دیتے تھے کہ یہ بڑے جھگڑے کی چیز ہے کہ کہیں شادی ہوگی پھر ہماری نسبت کرنی پڑے گی کہ یہ داماد ہیں، ان کی یہ بیٹی ہے، اس لئے زندہ ہی درگور کر دیتے تھے، ہنستی بولتی بچی کو اپنے ہاتھوں سے زمین میں گڑھا کھود کر مٹی ڈال دیتے کہ کہیں رحم نہ آجائے اس وقت انسانیت اپنے زوال، اپنے تنزل، اپنی پستی کے بلکہ حیوانیت کے آخری درجے تک پہنچ چکی تھی تو اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب پیغمبر خاتم الرسل کی بعثت فرمائی، آپ حرم شریف میں نماز پڑھتے اور دعا کرتے تو آپ پر اوجھڑی ڈال دی جاتی اور نہ جانے کیا کیا چیزیں ڈالی جاتیں اور پتھر اور ڈھیلے بھی آپ پر پھینکے جاتے تھے، جب آپ راستے سے گذرتے تھے اس وقت دار ارقم ہی ایک جگہ تھی کہ جہاں پناہ لیتے تھے مسلمان اور ان کو کلمہ پڑھنا ہوتا تھا تو وہاں چلے جاتے تھے اور اسلام لاتے اور نمازیں پڑھتے یہ تھا اس وقت کا نقشہ کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے اس دین کے ذریعہ " من الظلمات الی النور" اندھیرے سے روشنی کی طرف نکالا یہاں یہ ظلمت کا لفظ نہیں کہا قرآن نے اس لئے کہ ظلمتیں ہزاروں ہو سکتی ہیں

لیکن نور ایک ہی ہوگا، عربی زبان کے جو عالم ہیں ان کو معلوم ہوگا کہ قرآن میں نور کی جمع کہیں نہیں آئی، یہاں تک کہ بعض لوگوں نے لکھا ہے کہ نور کی جمع بلاغت کے خلاف ہے نور کی جمع انوار ہو سکتی ہے، لیکن اس لئے نہیں آئی کہ نور ہے ہی ایک، جب کوئی چیز ایک ہو تو اس کی جمع ہو ہی نہیں سکتی اگر کہیں مثلاً ایک عالم ہو تو یہ نہیں کہیں گے کہ یہاں علماء ہیں، ایک حافظ ہے تو یہ نہیں کہیں گے کہ یہاں حفاظ ہیں اور اگر ایک مدرسہ ہو تو دار ارقم جیسا، ہمیں معلوم نہیں غالباً اس کے آس پاس کوئی بڑا مدرسہ نہیں ہوگا، تو سارے قرآن مجید میں ظلمت کو جمع کے لفظ سے لایا گیا ہے، '' یخرجکم من الظلمات '' اللہ تعالیٰ تم کو ظلمتوں سے نور کی طرف نکال لایا ہے تو نور ایک ہے اور وہ نور عرصہ کے بعد تقریباً ۵ اور ۶ سو سال کے بعد جب حضرت عیسیٰ کے آسمان پر تشریف لے جانے کے بعد اور وحی کا سلسلہ منقطع ہو جانے کے بعد تقریباً ۵ اور ۶ سو سال نکلتے ہیں کہ نور پہلی مرتبہ چمکا اور مکہ معظمہ سے چمکا اور دار ارقم اس کی پناہ گاہ بن گیا اور وہی مسلمانوں کا مرکز بن گیا پھر اس کے بعد یہ نور تمام دنیا میں پھیلا اور آج اس کو پھر پھیلانے کی ضرورت ہے، کہ آج بہت سے علاقوں میں بہت سی قوموں میں اور بہت سے ملکوں کی آبادی میں یہاں تک کہ بڑے بڑے ترقی یافتہ ممالک امریکہ اور برطانیہ جیسے ملکوں کو دیکھا ہے کہ جیسے نہ دنیا کا کوئی پیدا کرنے والا ہے نہ اسے مر کر کہیں جانا ہے اور نہ حساب دینا ہے، ہم نے واشنگٹن میں ایک تقریر میں کہا تھا جب قاری صاحب نے یہ آیت تلاوت کی '' ولولا اذدخلت جنتک قلت ماشاء اللہ لاقوۃ الا باللہ '' ایسا کیوں نہیں ہوا دو بھائی تھے دوست تھے، ایک کے پاس باغات تھے پھل کھیتی تھی ایک کچھ پیسے والا تھا وہ فخر کرنے لگا کہ میرے پاس یہ اور یہ ہے تو دوسرے نے کہا ارے تم جب اپنے باغ میں آتے تھے ایسے پھلتے پھولتے باغ میں گلزار میں آتے تھے تو اللہ کو یاد کرتے اور یوں کہتے '' لولا اذدخلت جنتک....... '' اللہ جو چاہے جس کو چاہے دے تو ہم نے کہا کہ آج امریکہ کا یہی حال ہے کہ اللہ نے سب نعمتیں دی ہیں لیکن کوئی ماشاء اللہ کہنے والا نہیں ہے یہ کوئی نہیں کہتا کہ یہ اللہ کا دین ہے، یہ اللہ نے دیا ہے ہم کو۔

آج بھی دنیا میں بہت سے ترقی یافتہ ممالک ہیں کہ وہاں نہ اپنے خالق کی پہچان ہے اور نہ پیدا کرنے والے کی، اگر ہے تو عیسائیوں میں کہ ہاں ہم کو اللہ نے پیدا کیا '' ہے '' لیکن یا اور پھر ہیں مختلف ملکوں میں الگ الگ نام ہیں لیکن ان کی ہدایت پر چلنا اس کو راضی کرنے

کوشش کرنا اس کے خلاف کرنے میں ڈرنا، اور بچنا اور اس کے پیدا کئے ہوئے انسانوں کو اپنا بھائی سمجھنا ان کی عزت کرنا اور ان کی مدد کرنا جب کوئی ایسا موقع آئے مدد کرنے کا، ان کی مدد کرنا، جب کوئی ایسا موقع آئے مدد کرنے کا، ان کی حفاظت کا، ان کو بلیات سے بچانے کا تو آگے بڑھنا یہ سب چیزیں پورے پورے ملک میں کسی جگہ نہیں پائی جاتیں، یہ سب فیض ہے نبوت محمدی کا اور نور محمدی کا اور مکی دار ارقم اور شعب ابی طالب کی قربانیوں کا، بدر، احد، حنین اور جو غزوات ہوئے ہیں ان سب کا کہ اللہ تعالیٰ نے آج اسلام کو سارا دنیا میں پھیلا دیا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے میدان بدر میں فرمایا تھا یا اللہ یہ مٹھی بھر لوگ ہیں ان میں مقابلہ کرنے کی طاقت نہیں ہے اگر گنتی پر فیصلہ ہو یا ہتھیاروں پر فیصلہ ہو یا جنگ کے تجربہ پر فیصلہ ہو تو یہ مقابلہ نہیں کر سکتے لیکن ایک بات حضورؐ نے فرمائی اور یہ آپ ہی فرما سکتے تھے ہر ایک کی جرأت نہیں ہے، '' وان تھلک ...... ''میں کہتا ہوں کہ اگر تو نے اس مٹھی بھر جماعت کو ہلاک کر دیا اور یہ فیصلہ ہوا کہ چھوڑ دو اسباب پر کہ اگر طاقتور ہیں تو کمزوروں کو ختم کر دیں، یہی دنیا میں اکثر ہوتا ہے'' وان تھلک ھذہ العصابۃ لن تعبد'' اگر تو نے اس مٹھی بھر جماعت کی ہلاکت کا فیصلہ فرمالیا تو ایک کی یعنی تیری عبادت نہیں ہوگی، یعنی عبادتیں تو ہوں گی لیکن تنہا تیری عبادت نہیں ہو سکے گی، یہ آپ ہی فرما سکتے تھے، یہ آپ ہی کا مقام تھا لیکن یہ واقعہ ہے تاریخ اس کی تصدیق کرتی ہے، کہ آج یہی خدائے واحد کا نام لینے والی امت جو کہتی ہے ''لا الہ الا اللہ'' خدا کے سوا کوئی معبود نہیں، کوئی خالق نہیں، کوئی نفع و ضرر کا مالک نہیں، کوئی قسمت بنانے بگاڑنے پر قادر نہیں، کوئی جلانے مارنے کی طاقت رکھنے والا نہیں کوئی رزق دینے والا نہیں یہ صرف یہی امت کہتی ہے اور آج ضرورت ہے دو چیزوں کی ایک تو اس کی کہ اپنے اندر اس ایمان کو تازہ کیا جائے اور اس نور کو پہلے اپنے قلب و دماغ میں بسایا جائے پھیلایا جائے اور اس کے بعد اس کو باہر نکالا جائے، وہ نور دوسروں تک پہنچے جہاں تک تعلق ہے نجات کا نجات کیلئے شاید کافی ہو جائے لیکن رفع درجات کیلئے کافی نہیں ہے اس کے لئے ضرورت ہے دوسروں میں کوشش کرنے کی کہ اپنے آس پاس کے گاؤں میں جو ہمارے غیر مسلم بھائی رہتے ہیں انسانیت کے لحاظ سے ہمارا ان سے رشتہ ہے اور ان کا ہم سے رشتہ ہے اور ہم ان کو بھی ایک خدائے واحد کی معرفت عطا کرنے کی اور ان کو یہ یقین دلانے کی کوشش کریں کہ اس کائنات کا زمین و آسمان کا اور ان سارے ملکوں کا، خالق

وتری کا اور پہاڑوں اور دریاؤں کا درختوں اور پھلوں کا یا جو کچھ بھی ہے جن کو اپنے اپنے وقت پر معبود بنایا گیا سب کا پیدا کرنے والا ہے ایک وہی جلاتا اور مارتا ہے۔ "یحیی ویمیت" وہی رزق دیتا ہے تو ان دو چیزوں کی ضرورت ہے، بڑی خوشی کی بات ہے کہ جب ہم نے دارارقم کا بورڈ (بینر) لگا ہوا دیکھا تو اس پر یہ مضمون ہمارے ذہن میں آیا کہ دارارقم کا کتنا بڑا احسان ہے کہ آج وہ کسی بڑے سے بڑے دارالعلوم اور جامعہ "اسلامک یونیورسٹی" کی دانشگاہ کا کسی تحقیقی مرکز کا کسی کا کوئی احسان کا کوئی نسبت نہیں ہے اور کوئی بھی نہیں ہے جو دارارقم سے اللہ تعالیٰ نے فیض پہونچایا یہ بہت مبارک نام ہے لیکن ضرورت ہے کہ ایک دارارقم کئی نہیں وہ تو ایک تھا لیکن یہ کہ معنوی حیثیت سے اور کام کی نوعیت کی حیثیت سے اور دعوت و مقصد کی حیثیت سے جا بجا دارارقم ہونے چاہئیں مدارس و مکاتب ہونے چاہئیں اس میں پہلا کام یہ ہے کہ مسلمان بچوں کو وہ ذریعہ حاصل ہو جائے جس سے وہ دینی کتابیں پڑھ سکیں اور اللہ ورسول سے واقف ہوسکیں ان کا زیادہ تر ذخیرہ اردو میں ہے جو عربی کے بعد سب سے زیادہ علمی ذخیرہ اور دینی ودعوتی ذخیرہ ہے، ہماری معلومات کے اعتبار سے وہ اردو میں ہے اردو فارسی سے بڑھ گئی اردو یا عربی نہیں ہے، یا پھر اس کے بعد اردو میں ہے اور اردو میں بھی بعض بعض ایسی چیزیں ہیں کہ عرب ترجمہ کرنے کے خواہشمند ہیں ہم سے بارہا کتنی کتابوں کے متعلق لوگوں نے کہا جب کہ سیرۃ النبی کے متعلق کہا اور خطبات مدراس کا ترجمہ تو ہو چکا ہے، بچوں کو وہ تعلیم دیجئے جس سے وہ بے تکلف اردو پڑھ سکیں، قرآن شریف کی تلاوت کر سکیں اور کفر وایمان کا، توحید وشرک کا فرق سمجھ سکیں اور معصیت وطاعت کا فرق سمجھ سکیں، اللہ کے محبوب پیغمبر حضور کے حالات پڑھ سکیں اور معلوم کر سکیں اور دوسروں کو بتا سکیں یہ رسم الخط یعنی "اسکرپٹ" یہ کنجی ہے یہ ایک بڑے مغربی مورخ فلسفی نے لکھا ہے کہ اب کسی کتب خانے کو چلانے کی ضرورت نہیں جیسا کہ بعض زمانوں میں ہوا ہے اور جیسا کہ لوگوں نے مسلمانوں پر بھی الزام لگایا ہے، اسکندریہ کتب خانہ کے متعلق اور وہ غلط ثابت ہوا، تو اب کسی کتب خانے کو چلانے کی ضرورت نہیں، اب صرف رسم الخط بدل دینا کافی ہے، ہم نے ترکی میں دیکھا ہے پوری نسل عربی رسم الخط سے عربی کتابوں کو براہ راست پڑھنے سے قاصر ومحروم ہے۔

ایک کام تو یہ کہ بچوں کو دینی تعلیم حاصل کرنے کا ذریعہ "کنجی" ان کو دی جائے، کنجی کیا

ہے؟ وہ ہے اردو کی تعلیم، اردو لکھنے پڑھنے کی قابلیت ہو پھر اس کے بعد اللہ توفیق دے تو عربی مدارس میں بھیجئے، اس طرح مکاتب قائم کیجئے اور جال پھیلا دیجئے، پھر اس کے بعد علم کی تکمیل کے لئے ایسے لوگوں کا انتخاب کیجئے، جو ذہین ہوں محنتی ہوں، سعید ہوں ان کو بھیجئے کسی بڑے مدرسے میں تاکہ وہ اس قابل ہوں کہ وہ آپ کو مسئلہ بتاسکیں اور آپ کو حلال وحرام کا فرق بتاسکیں کہیں آپ سے ناواقفیت میں کوئی غلطی نہ ہو جائے، روزہ نماز کے مسائل اور نماز کا سیکھنا سکھانا بھی ہوگا، اور پھر نکاح وطلاق کے مسائل ہیں اور عائلی زندگی کا قانون ہے، یہ سب اس میں رہنمائی کرسکیں اور پھر اس سے بڑھ کر یہ کہ اللہ و رسول کی باتیں بتاسکیں جس سے آپ کا ایمان تازہ ہو، اپنے آس پاس کے جو غیر مسلم بھائی ہیں، ان کو آپ اسلامی اخلاق کا نمونہ دکھائیں، ان کو یہ محسوس کرائیں کہ کیا مسلمان ایسے بھی ہوتے ہیں، اس موقع پر ہم نے انگلستان میں بھی سنایا تھا کہ حضرت سید احمد شہید ممکن ہے کہ کچھ لوگ ان کی جماعت میں ان کے اطراف بھی شامل ہوئے ہوں جب انھوں نے پشاور فتح کیا تو وہاں کئی دن ٹھہرنا پڑا۔ ایک دن ایک پشاور پٹھان نے ہندوستان کے ان قصبات کے کسی مسلمان کا ہاتھ پکڑ کر کہا کہ او ہندوستانی بھائی، آپ سے ایک بات پوچھتے ہیں، سچ سچ بتانے کا کہ کیا ہندوستان کے لوگوں کی دور کی نگاہ کمزور ہوتی ہے، انھوں نے کہا کہ نہیں کمزور نہیں ہوتی ہے، کہا نہیں ضرور کمزور ہوتی ہے، انھوں نے کہا کہ نہیں خدا کا شکر ہے کسی کی کمزور ہو تو ہو، لیکن عام طور پر کمزور تو نہیں ہوتی اور نہ خصوصیت ہے، لیکن میں پوچھتا ہوں کہ یہ آپ پوچھ کیوں رہے ہیں، تو کہا ہم آپ لوگوں کو جانتے ہیں کہ آپ میں سے کوئی دو برس کا نکلا ہوا ہے کوئی چھ ماہ سے اپنے گھر والوں، بیوی، بچوں کو چھوڑ کر آیا ہے اور آپ جوان بھی ہیں اور ایسے جوان ہیں مضبوط کہ لڑنے کیلئے جہاد کے لئے نکلے ہیں ہم نے آپ میں سے کسی کو نہیں دیکھا جو یہاں کسی عورت کو تاک رہا ہو کسی نامحرم کو دیکھ رہا ہو، اور دوسری فطری بات تھی کہ اگر اس طرح لذت نہیں حاصل کرسکتے اس طرح لذت حاصل کرلیں لیکن یہ بھی نہیں تو ہم نے فیصلہ کیا کہ آپ لوگوں کو شاید دور کی چیز نظر ہی نہیں آتی، تو جواب میں کہا کہ نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے'' قل للمؤمنين يغضوا من ابصارهم ''مومنوں سے ایمان والوں سے کہہ دو کہ وہ اپنی نگاہیں نیچی رکھیں اور یہ ہمارے جو امام اور مرشد ہیں ان کی صحبت کا فیض ہے۔

اس لئے آپ بھی اپنے اخلاق میں اتنا امتیاز پیدا کریں کہ آپ کو دیکھ کر سمجھ جائیں کہ مسلمان یہ نہیں کرے گا، اس سے کمینہ پن نہیں ہوگا، دوسری بات یہ ہے کہ یہ احساس دلائیں کہ وہ جانیں کہ ان کا پیدا کرنے والا ان سے [illegible] ہے۔

وہی نفع ونقصان پہنچا سکتا ہے، اس کا نام لینے سے فائدہ ہے یہ دوسرا فرض ہے، آپ کا یہ فریضہ بھی دارارقم سے ادا ہوا تھا، خدا کرے دارارقم اس ہدایت کا اس توفیق کا مرکز بن جائے اور جا بجا ایسے دارارقم بنیں چاہے نام مختلف ہوں لیکن مقصد ایک ہو اور کام ایک ہو کہ پہلے اپنے بچوں کو دین کی تعلیم دینا اور ان چیزوں سے بچنے کی ان کی صلاحیت پیدا کرنا جو خدا کے عذاب کے مستحق بناتی ہیں اور [illegible] ان چیزوں سے نہ صرف دور رہیں بلکہ ان سے ڈر ہو خوف ہو اور وہ طہارت کی، انسانیت کی اور شرافت کی اور پھر ایمان اور دین کی زندگی گذاریں اور پھر یہ روشنی ہمارے آس پاس پھیلے۔

وقت کا سب سے بڑا جہاد

ذیل کا مضمون حضرت مولانا رحمۃ اللہ کا وہ بصیرت افروز خطبہ صدارت ہے جو کل ہند دینی تعلیمی کونشن منعقدہ لکھنؤ مورخہ 2 نومبر 93ء کو دارالعلوم ندوۃ العلماء کی شبلی لائبریری کے وسیع ہال میں پڑھا گیا۔

الحمد للہ رب العالمین

والصلاۃ والسلام علی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

حضرات! ہمارا آپ کا ایمان ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انسانوں کی رہنمائی اور تعلیم کے لئے اور اپنی ذات کی معرفت عطا کرنے اور اس کا صحیح تعارف کرانے کے لیے (جو عقل و قیاس سے ماوراء ہے اور جس کی کوئی مثال اور نظیر اس دنیا میں موجود نہیں ہے) انبیاء علیہم السلام کے گروہ کو منتخب فرمایا، اپنے کلام اور پیغام کے ذریعہ پہلے ان کو پھر ان کے ذریعہ اپنی مخلوق کو اپنی ذات و صفات کا صحیح اور مستند علم عطا فرمایا اور اپنے منشا اور احکام اور زندگی گزارنے کے پسندیدہ طریقہ سے آشنا کیا، اللہ تعالیٰ قرآن شریف میں فرماتا ہے۔

وما كان الله ليطلعكم على الغيب ولكن الله يجتبي من رسله من يشاء

اللہ تعالیٰ کا یہ طریقہ نہیں کہ تم کو غیب پر مطلع کرے غیب کی باتیں بتانے لگے تو اپنے رسولوں میں سے جس کو چاہتا ہے منتخب کر لیتا ہے۔

اللہ کی ذات و صفات اس کی بندگی کے صحیح قاعدے اور زندگی گزارنے کے پسندیدہ طریقہ کو معلوم کرنے کا اوران پیغمبروں کی اطلاعات اور تعلیمات کے علاوہ اور کوئی ذریعہ نہیں یہ عقل و ذہانت، قیاس آرائی اور طبع آزمائی، خواہشات اور قومی رسم و رواج کا میدان نہیں ہے اس سے اس کے سوا کوئی طریقہ نہیں کہ اس دنیا کو پیدا کرنے والا خود اس کی خبر دے اور وہ اس کی خبر پیغمبروں کے ذریعہ ہی دیتا ہے اس لئے کہ اس علم و ہدایت کا ذریعہ صرف انبیاء علیہم السلام ہی ہیں قیامت تک کے انسانوں کی ہدایت، طریقہ زندگی کی صحت، اعمال کی قبولیت اور کامیاب انفرادی اجتماعی زندگی گزارنے کی صلاحیت اسی گروہ انبیاء علیہم السلام کی

تعلیمات کے ساتھ وابستہ کر دی گئی ہے انہیں کی تعلیم کئے ہوئے عقائد انہیں کے دیئے ہوئے حقائق، انہیں کا طریقۂ زندگی انہیں کی تعلیم کی ہوئی معاشرت اور اخلاق و اصول اقدار و ترجیحات، مقبولیت اور معاشروں (SOGIFTIES) اور ملکوں و معاشروں کی ملاقات اور امن و امان کی ضامن ہیں۔

اس زمانہ کا فتنہ یہ ہے کہ ایک امت کو اس کی جداگانہ تہذیب اس کی مخصوص معاشرت اس کے عائلی قانون اس کے وسائل معرفت اس سے ماننے والوں کی زبان و ادب رسم الخط اور اس کے پورے دینی و تہذیبی ورثہ سے الگ کر دیا جائے اور اسلام چند عبادات اور چند رسوم و تقریبات (جو بعض مذاہب کا شعار رہا اور بعض قوموں کا واحد مذہبی نشان ہے) اسی میں مذہبی و معاشرتی رسوم کا محدود مفہوم رہ جاتا ہے، مسلمانوں سے بھی اشارۃً کہا جاتا ہے اور کبھی صاف صاف بھی بتایا جاتا ہے کہ مسلمان اپنے رسم و عبادت سے اپنی جداگانہ تہذیب اور اس چیز سے بے تعلقی اختیار کریں جس سے ان میں الگ امت اور ایک مستقل تہذیب کا وارث ہونے کا احساس پیدا ہوتا ہے۔ وہ خود اس کا اعلان کریں کہ ہم کسی جداگانہ تہذیب کے حامل نہیں۔ وہ خود اپنے عائلی قانون (Personallaw) میں اصلاح و ترمیم کا مطالبہ کریں یا پیش کیا جائے تو اس کو قبول کریں، وہ اپنے تمام تعلیمی مرکزوں کو جو انہوں نے اپنی پسند اور ضرورت کے مطابق قائم کئے تھے حکومت کی تحویل یا انتظام میں دے دیں اور ان سے تمام تعلق سے دست بردار ہو جائیں تاکہ ان سے ایک ہی طرح کے نمونے (MODELS) تیار کئے جا سکیں اصل خطرہ لشکر کشی کا نہیں معنوی ارتداد اور ذہنی و تہذیبی تبدیلی کا ہے، اس خطرہ کو دیکھتے ہوئے اور اس کو محسوس کرتے ہوئے کسی بڑی فراست اور دور بینی کی ضرورت نہیں، یہ دیوار کا نوشتہ ہے جس کو ہر ایک پڑھ سکتا ہے اور اب تو بعض برسر اقتدار پارٹیوں اور علاقائی حکومتوں نے نصاب تعلیم کی تبدیلی، ہندی زبان کو لازمی قرار دینے اور اس کی جبری تعلیم اور ایک نئی تاریخ ترتیب دینے اور ان کے ذریعے اس کا فیصلہ اور پیش قدمی کے طور پر اعلان بھی کر دیا ہے۔

"یہ سلطانیٔ جمہور" کا زمانہ ہے، ہمارے اوپر پارلیمنٹ اور ریاستوں میں اسمبلیوں کی حکومت ہے اور ان کو آئین سازی کا پورا اختیار ہے، پھر حکومت کا دائرہ پچھلی صدی کی طرح امن قائم کرنے اور ٹیکس وصول کرنے کی حد تک محدود نہیں وہ زندگی کے تمام شعبوں اور تعلیم

تربیت کے تمام ذرائع پر حاوی ہے آپ کو معلوم ہے کہ پرانی حکومتیں پرائیویٹ معاملات میں دخل نہیں دیتی تھیں ذاتی ملکیتوں سے ان کا کوئی تعلق نہیں تھا آزاد درسگاہوں سے ان کو کوئی سروکار نہیں تھا پرسنل لاء سے ان کا کوئی علاقہ نہیں تھا تعلیم میں کسی خاص عقیدہ، کسی خاص فکر ومقصد ورجحان سے سروکار نہ تھا لیکن اب یہ صورت حال نہیں۔

ایک ایسے ملک کی جمہوری حکومت کیلئے جس کے باشندے اور اس کی آبادی کے مختلف عناصر نسلوں اور صدیوں سے مختلف مذاہب کے ماننے والے اور مختلف تہذیبوں اور ثقافتوں (Cultures) اور طرز معاشرت کے نہ صرف عادی بلکہ ان پر عقیدہ رکھتے ہوں اور وہ ان کو جان ومال سے عزیز رکھتے ہوں نیز وہ حکومت دانشمندانہ اور تجربہ کارانہ نقطہ نظر سے نامذہبیت (Sehularism) اور عدم تشدد (Non Violence) کے اصول کو تسلیم کر چکی ہو اور اسی ملک کے اتحاد و باہمی اعتماد، امن سکون اور ترقی وخوشحالی کے امکانات کے لئے ضرورت سمجھی ہو اور انہیں تینوں اصولوں (جمہوریت نامذہبیت اور عدم تشدد) کو ملک کی آزادی کیلئے جدوجہد کرنے والوں اور اس میں کامیاب ہونے والے دانشمند رہنماؤں نے اپنی وسیع مطالعہ عمیق فکر ونظر اور حقیقت پسندی اور حب الوطنی کی بنیاد پر اس ملک کے لئے ضروری سمجھا ہو اور اس کو بنیادی اصول کا درجہ دیا ہو جس کی صداقت اقوام متحدہ اور ملل کی وسیع تاریخ اور عملی تجربہ سے حاصل ہو چکی ہو اور اس کا کوئی متبادل طریقہ کار نہ ہو یہ ضروری ہے کہ ملک کے آئین عدالتوں کے فیصلے اور نظم ونسق (Administration) کی مساوات اور غیر جانبدارانہ طرز عمل کے ساتھ اس ملک کی تعلیم گاہوں پرائمری اور سیکنڈری (Primary and Secondary) ایجوکیشن سے لے کر کالجوں اور یونیورسٹیوں تک مروجہ نصاب تعلیم کسی ایک فرقہ کے (خواہ وہ عملی اکثریت میں ہوں) عقائد، روایات تہذیب وتمدن اور رسم ورواج کا ترجمان وکیل اور انہیں کا آئینہ دار نہ ہو اور نہ وہ ملک کی تاریخ کو اس طرح پیش کرے کہ کسی فرقہ اور مذہب کے ماننے والوں سے پڑھنے والوں میں نفرت اور کم سے کم ان کی حقارت دل ودماغ میں پیوست ہو کر اور اس سے بڑھ کر یہ کہ اکثریت کے مابعد الطبیعاتی (Metaphysical) خیالات وروایات بلکہ عقائد دیومالا (Mythology) کی تلقین ہوتی ہو اس طرز عمل سے ملک کی آبادی مختلف عناصر میں جن کو اپنا مذہب عزیز ہے یا تو شدید منافرت پیدا ہوگی یا بعض فرقوں میں احساس کمتری

(Ineferiority Complex) پیدا ہوتا ہے جو ملت کی ترقی، خوشحالی اور جوش و خروش سے کام کرنے اور ایک عام صف کے ساتھ قدم ملا کر چلنے میں مزاحم ہوتا اور اس کا بھی اندیشہ (اور اندیشہ ہی نہیں اس کا تجربہ بھی ہو چکا) ہے کہ اقلیتی فرقہ اور ملت کا ایک بڑا باصلاحیت اور مفید طبقہ میں اس کا شدید ردعمل (Reaction) پیدا ہو اور ملک کی ترقی اور اس کی شہرت اور ناموری میں مزاحم ہو اور بات یہاں تک پہنچے کہ وہ اپنا مذہب اپنی تہذیب بلکہ اپنی تاریخ بھی بھلا دینے پر مجبور ہو جائے، وہ اس نظام تعلیم سے متنفر ہو جائیں اور اپنی نئی نسل کی تعلیم کا متبادل تلاش کریں اور اس میں ان کی توانائیاں اور ان کی صلاحیت اور اس سے بڑھ کر ان کی توجہ اور ذہانت صرف اسی مسئلہ پر صرف ہو۔

اس سے بڑھ کر اس کا یہ خطرہ ہے کہ جمہوری ملک ہونے کی وجہ سے آج کل کوئی ایسا عنصر اقتدار میں آجائے جس کے مذہبی عقائد اور تہذیب و معاشرت سابق صاحب اقتدار جماعت سے اختلاف رکھتے ہوں تو وہ اس پورے نصاب کو تبدیل کرنے کا ارادہ کرلے اور اس میں ملت و قوم کی توجہ اور توانائی کا بڑا حصہ (جو دوسرے میدانوں میں صرف ہونا چاہئے تھا) اس پر صرف ہو اور اس طرح ملت کا نصاب تعلیم جدید تبدیلیوں اور تجربوں کا تختۂ مشق اور اختلاف کا مستقل میدان بن جائے بلکہ اس کا اندیشہ ہے کہ وہ کسی انتہا پسندانہ اور تنگ نظری اور جارحانہ ذہنیت کا آلۂ کار نہ ہو جائے۔

افسوس ہے کہ ملک کے آزاد ہونے کے بعد ہی اس ملک کے اقلیتی فرقوں، بالخصوص مسلمانوں کو (جو اس ملک میں اپنی تعداد، اپنے مذہبی، ثقافتی، تہذیبی، تاریخی اور سیاسی نقشہ میں موثر حصہ داری کی وجہ سے بڑی حیثیت کے مالک ہیں) اس افسوسناک صورت حال کا 47ء کے بعد ہی تجربہ ہوا، اس وقت خطرہ کے حد تک پہنچنے پر ایک ممتاز دانشمند اور دردمند قائد جناب قاضی محمد عدیل عباسی صاحب مرحوم کی دعوت و تحریک پر 1959ء میں دینی تعلیمی کونسل کا قیام عمل میں آیا اور اس کی پہلی صوبائی دینی کانفرنس 30/31 دسمبر 1959ء، یکم جنوری 1960 میں بستی میں منعقد ہوئی جس کے بعد اس تنظیم نے ایک بڑے مخلص اور لائق کارکن ظفر احمد صاحب صدیقی وکیل مرحوم نے اس وقت کے مروجہ نصاب کا حقیقت پسندانہ جائزہ لیا اور اس کے ان حصوں کو پیش کیا جو مسلمانوں کے عقائد و مسلمات اور ان کے دین و مذہب سے نہ صرف کھلا تضاد

رکھتے تھے اور جن کو قبول کر لینے کے بعد (ایسی حالت میں کہ تاریخ ایک بڑی حد تک ظنی رہتی ہے۔ اور جب کسی چیز کو حق بجانب ثابت کرنا ہوتا ہے تو اتنا کہدینا کافی ہوتا ہے کہ تاریخ میں لکھا ہوا ہے) طالب علم مسلمان نہیں رہ سکتا تھا یا اس سے مرعوبیت، ذہنی کشمکش اور اپنی قوم اور خاندان سے کٹ جانے پر مجبور ہوتا تھا۔ یہ وہ واقعات تھے جن کو پڑھ کر ہر انصاف پسند آدمی یہی فیصلہ کرے گا اور جو ریاضی کے نتائج کی طرح ظن و قیاس اور اختلاف رائے سے دور اور بیگانہ ہے اور جس کو سن کر اس بارہ میں دو رائیں نہیں ہو سکتیں کہ ان چیزوں سے مان لینے کے بعد طالب علم کا مسلمان رہنا بھی مشکوک ہو جاتا ہے اور اگر وہ نہیں مانتا اور اختلاف کرتا ہے تو اس نصاب تعلیم پر سے اعتماد اٹھ جاتا ہے اور وہ اپنے مقاصد میں ناکام ثابت ہوتا ہے جو کسی تعلیمی نصاب اور منصوبہ کے لئے کوئی خوش آئند اور قابل مبارکباد نہیں بلکہ اس کی ناکامی کی دلیل ہے۔

پورے نصاب تعلیم کی تبدیلی ایک نئی تاریخ کی وضع و تدوین تو بڑے وسیع اور انقلاب انگیز منصوبے ہیں۔ رسم الخط (SCRIPT) کی تبدیلی ہی قدیم تہذیبی، علمی اور مذہبی سرمایہ سے رشتہ ختم کر دینے اور ان سے بیگانہ بنا دینے کے لئے کافی ہے، آرنلڈ ٹوآئن بی (ARNOLD TOYIN BEE) جو اس زمانہ کا فلسفی مورخ ہے، نے لکھا ہے۔ (PHILOSOPHER HISTORIAN) کہ اب کسی کتب خانہ کو آگ لگانے کی ضرورت نہیں رسم الخط (SCRIPT) بدل دینا کافی ہے۔ اس سے اس قوم کا رشتہ اپنے ماضی سے بالکل ٹوٹ جائے گا اور اس کی پوری تہذیب اس کے لئے بے معنی ہو کر رہ جائے گی، پھر جس طرح چاہو اس کو لے جاؤ، جو چیز کسی ملت کو اس کے ماضی سے اس کے مذہب سے، اس کی تہذیب سے، اس کے کلچر سے ملاتی ہے، وہ رسم الخط ہے، رسم الخط بدلا نسل بدل گئی۔ آج ہندوستان میں یہی ہو رہا ہے، فرقہ وارانہ فسادات محض ملک کو بدنام کرتے ہیں، فائدہ ان کا کچھ نہیں ہے، تعلیم کا نظام کافی ہے، آج سے ۶۰، ۷۰ برس پہلے اکبر مرحوم نے کہا تھا۔

شیخ مرحوم کا قول اب مجھے یاد آتا ہے
دل بدل جائیں گے تعلیم بدل جانے سے

اس سے زیادہ لطیف انداز میں انھوں نے اس حقیقت کو اپنے مشہور شعر میں بیان کیا

ہے۔

یوں قتل سے بچوں کے وہ بدنام نہ ہوتا
افسوس کہ فرعون کو کالج کی نہ سوجھی

ان کے ذہن میں کالج کا وہ تصور رہا ہو گا جس میں صرف قبطی زبان پڑھائی جاتی ہو اور ایسی تاریخ جس میں فراعنہ کی اولیت ان کے غیر محدود و غیر مشروط اختیارات کا اور جس میں دوسری نسلوں اور قوموں (بنی اسرائیل اور بیرون مصر سے آئی ہوئی قوموں) کی تحقیر آمیز تصویر اور نفرت انگیز تاریخ پیش کی گئی ہو۔

حضرات! آج ہندوستان کے مسلمانوں کے مستقبل کا اہم ترین مسئلہ یہ ہے کہ مسلمانوں کی آئندہ نسل کو کیسے بچایا جائے۔ ہمیں مسلمان رہنا ہے، اس ملک کے باشندے کی حیثیت سے ہمیں یہاں آزادی و عزت سے رہنے کا پورا حق حاصل ہے، یہاں اس ملک کی جمہوریت و دستور آئین کا یہی فیصلہ ہے، لیکن یہ بات ہم کو منظور نہیں ہے کہ اپنی خصوصیات، اپنے عقائد و شعائر، اپنی زبان، تہذیب اور اپنی ان چیزوں کو چھوڑ کر جو ہم کو جان سے زیادہ عزیز ہیں اس ملک میں رہیں کہ اس طرح رہنے سے وطن وطن نہیں رہ جاتا بلکہ ایک جیل خانہ اور قفس بن جاتا ہے، جس میں گویا پوری قوم کو زندگی کی مسرتوں اور لذتوں سے محروم رہ کر گزاری جاتی ہے۔ ہمارا جسمانی خمیر اس ملک کی خاک سے تیار ہوا ہے اور یہ ملک ہم کو بہت عزیز ہے لیکن ہمارا خمیر اسلامی تعلیمات، اسوۂ رسول، کتاب و سنت اور اسلام کی اس معیاری، قابل فخر اور بے نظیر تاریخ کا ساختہ پرداختہ ہے، جو پوری انسانیت کا قابل فخر سرمایہ اور لائق تقلید نمونہ ہے۔ ہماری تہذیب ابراہیمی محمدی ہے، جس کی بنیاد توحید خالص، خوف خدا، عقیدۂ آخرت، انسانیت کے احترام اور خاندان و نام و نسب، نسل و وطن کے اختلاف سے آزاد ہو کر نسل انسانی کی مساوات پر ہے۔ مسلمان جس ملک میں بھی رہے گا، اس کی وطنیت خواہ کچھ ہو، اس کی تہذیب ابراہیمی محمدی ہو گی۔ ہم یہاں زندہ اور باعزت انسانوں کی طرح رہنا چاہتے ہیں، ہم اس ملک میں آزاد ہیں، اس کی تعمیر و ترقی میں شریک اور اس کی دستور سازی میں دخیل ہیں اس لئے اس کا کوئی سوال نہیں کہ ہم دوسرے درجہ کے شہریوں کی طرح زندگی بسر کریں۔ اپنے ملک میں آزادی کے ساتھ زندگی گزارنا ہر شخص کا فطری، انسانی، اخلاقی اور قانونی حق ہے، اور اس حق کو ہم کبھی

چھیننے کی کوشش کی گئی اس سے ہمیشہ سنگین نتائج نکلے۔

جہاں تک مسلمان کا تعلق ہے، اس کے لئے دینی تعلیم اور دین کی واقفیت کی وہی حیثیت ہے جو ایک انسان کیلئے ہوا، پانی کی ہے، ایک مسلمان کو مسلمان کی حیثیت سے زندہ رہنے کے لئے، مسلمان جانے کے لئے اور پھر آخرت میں خدا اور اس کے رسول کو منہ دکھانے اور نجات حاصل کرنے کے لئے بنیادی دینی عقائد کے جاننے کی ایسی ہی ضرورت ہے جیسے کہ ایک انسان کو زندہ رہنے کیلئے ہوا پانی کی، اس میں قطعاً کوئی مبالغہ نہیں، یہی وہ بات ہے جس کا حضرت یعقوب علیہ السلام دنیا سے کوچ کرتے وقت (حالت احتضار میں) اطمینان حاصل کرنا چاہتے تھے، انھوں نے اپنے سب فرزندوں، پوتوں، نواسوں کو جمع کر کے (اور وہ ماشاء اللہ کثیر الاولاد تھے) دریافت فرمایا کہ "ماتعبدون من بعدی" (میرے بعد تم کس کی عبادت کرو گے؟) یہ بات انھوں نے کس سے کہی تھی؟ ان سے کہی تھی جو نبی زادے تھے، نبی کے پوتے تھے، نبی کے پڑپوتے تھے، گویا انھوں نے زبان حال سے کہا کہ میری پیٹھ قبر کی زمین سے نہ لگے گی جب تک دنیا سے یہ اطمینان لے کر نہ جاؤں کہ تم خدائے واحد کی پرستش کرتے رہو گے۔

آج اہم ترین مسئلہ یہ ہے کہ اس نسل کو کیسے بچایا جائے، سرکاری تعلیم کی اصلاح کی کوشش کے ساتھ دینی تعلیم کا کوئی متوازی نظام بھی چلانا چاہئے۔ اسی بنیاد پر دینی تعلیمی کونسل قائم ہوئی اور اس کی دعوت جدوجہد سے ہزاروں مکاتب و مدارس قائم ہوئے ملک کی موجودہ سیاسی تبدیلیوں، اور انتخابی نتائج اور مذہبی عصبیت پیدا کرنے کی بعض مواقع کے بہم ہو جانے یا پیدا کر لینے کی وجہ سے اس دینی، ذہنی اور تہذیبی نسل کشی کا خطرہ کئی گنا بڑھ گیا ہے۔ اس وقت کا اہم ترین کام نظام تعلیم کی اصلاح کا مطالبہ اور اس کے لئے جدوجہد کے ساتھ آزاد دینی مکاتب و مدارس کے قیام اور مساجد اور گھروں میں ضروری دینی تعلیم اور مبادی دین کی تلقین، اردو پڑھنے لکھنے کی صلاحیت پیدا کرنے کے مراکز اور مواقع پیدا کرنے کی جدوجہد ہے اور اس کو مقبول ترین عبادت، رضائے الٰہی کا ذریعہ اور اس ملک میں حفاظت دین کا واحد طریقہ سمجھنے کی ضرورت ہے۔

آزاد مکاتب و مدارس، صباحی و شبینہ حلقہائے تعلیم اور گھر کی دینی تعلیمی تربیت، اسلامی

اصول اور اخلاق کی پابندی، راست گوئی و راست روی اور سیرت و تعلیمات نبوی سے واقفیت سے عمومی و مؤثر انتظامات سے صرف ملت ہی کو فائدہ نہیں پہنچے گا، بلکہ یہ پورے ملک اور جمہوریہ ہند کے مفاد میں بھی ہے، جو تیزی سے اخلاقی زوال، خود پرستی، دولت پرستی اور عمومی بد نظمی اور کرپشن کی طرف جا رہا ہے۔ اس اسلامی تعلیم و تربیت کے اثر سے خاصی تعداد میں وہ طبقہ پیدا ہوگا جو اس حد تک دولت کا پجاری نہیں ہوگا جو اس حد تک یہ وبا ملک میں پھیل گئی ہے۔ اس کو کسی نہ کسی درجہ میں خدا کا خوف اور خدا کے سامنے جوابدہ ہونے کا عقیدہ اس انتہا تک پہنچنے سے باز رکھے گا، جس انتہا تک خالص مادی تعلیم نے پہنچا دیا ہے۔ نبی رحمت کی امت کو اپنے ملک، ماحول اور سماج کے لئے امت رحمت اور اس کی ڈوبتی ہوئی کشتی کو بچانے کے لئے ایک فرض شناس، رحم دل اور ماہر ملاح (کشتی بان) کا کردار (PART) ادا کرنا ہے، جس کی موجودگی میں اس ملک کو تباہ ہونا اور اس کی کشتی کو ڈوبنا نہیں چاہیئے، اس لئے یہ کام تنہا مسلم فرقہ کے مفاد میں نہیں، ملک کے مفاد میں ہے اور اس کو انجام پانا چاہیئے۔

حضرات: آپ اس تعلیمی مسئلہ کو اپنے ایمان ویقین، اپنے عزم وفیصلہ، جوش ولولہ کار سے حل کرنے کی کوشش کریں، اگر آپ نے یہ شرطیں پوری کردیں تو یہ مشکل آسان اور یہ عقدہ حل شدہ ہے، اقبال نے سچ کہا ہے۔

نشان یہی ہے زمانہ میں زندہ قوموں کا
کہ صبح و شام بدلتی ہیں ان کی تقدیریں
کمال صدق و مروت ہے زندگی ان کی
معاف کرتی ہے فطرت بھی ان کی تقصیریں
خودی سے مرد خود آگاہ کا جمال و جلال
کہ یہ کتاب ہے باقی تمام تفسیریں
حکیم میری نواؤں کا راز کیا جانے
ورائے عقل ہیں اہل جنوں کی تدبیریں

چراغ زندگی اور دستور العمل

مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندوی رحمہ اللہ نے مدرسہ ضیاء العلوم تکیہ کلاں رائے بریلی میں مدرسہ کے طلباء و اساتذہ کرام کی موجودگی میں پر اثر تقریر فرمائی جو مدارس اسلامیہ کے طلباء کے لئے مشعل راہ اور دستور العمل ہے۔

نحمده ونصلى على رسوله الكريم اما بعد فاعوذ بالله من الشطين الرجيم بسم الله الرحمن الرحيم وان ليس للانسان الا ماسعى وان سعيه سوف يرى ثم يجزاه الجزاء الاوفى.”

میرے عزیزو! میں سوچتا رہا ہوں کہ آپ سے خطاب کرنا ہے اور بہت عرصہ کے بعد آپ سے بات کرنی ہے حق ادا کرنے کی کوشش کرنی ہے جو حق ہم پر عائد ہوتا ہے وطنیت کا بھی، جوار کا بھی اور علمی اشتراک کا بھی اور مقصد کے اتحاد کا بھی اور دعوت کے تقاضوں کا بھی کیا کہا جائے کہنے والی باتیں تو بہت ہیں وقت تھوڑا ہے اللہ تعالیٰ نے یہ آیت دل میں ڈالی جس میں پورا پیغام ہے آپ کی زندگی کا پورا نظام اس کے اندر ہے زندگی کس طرح گزارنی چاہیے زندگی کے لئے کیا سامان پیدا کرنا چاہیے زندگی دینی زندگی ہو علمی زندگی ہو دعوتی زندگی ہو اصلاحی زندگی ہو سب کے لئے کس طرح تیاری کرنی چاہیے اور اس تیاری کا کیا نتیجہ نکلے گا؟ اس لئے کہ انسان [illegible] ہے کہ اس کو فائدہ بھی معلوم ہونا چاہیے وہ کس چیز کا کیا فائدہ ہے فلاں [illegible] حاصل ہے؟ فلاں چیز کا کیا فائدہ ہے؟ اور فلاں میدان کا کیا تقاضا ہے؟ یہ انسان [illegible] ہے۔ اللہ تعالیٰ نے یہ آیت ذہن میں القاء کی اور دل میں ڈالی جس میں پوری زندگی کا نظام [illegible] ہے اور پورا قانون [illegible] ہے اور آپ اس آیت کو سمجھیں اس کو اپنا دستور العمل اپنا رہنما بنائیں اور اس آیت کی صداقت پر آپ ایمان لے آئیں اور یقین کر لیں اور دل میں اس کو اتار لیں اس لئے کہ یہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے اللہ تعالیٰ کا فرمایا ہوا ہے دنیا کے تمام حکماء اور

بڑے بڑے ذہین لوگ بھی کوئی بات کہتے ہیں کہ یہ ہوگا اور ایسا ہوگا اس کا یہ نتیجہ نکلے گا تو اس کا پورا سو فیصدی اعتبار نہیں کیا جا سکتا۔ یہ زندگی کا تجربہ ہے اور تاریخ کا مطالعہ ہے کہ کتنے آدمیوں کی پیشین گوئی غلط نکلی اور کیسے کیسے فائدے فلاں فلاں چیزوں کے بتائے گئے تھے ان میں سے کچھ بھی حاصل نہیں ہوا۔ پوری تاریخ اس سے بھری ہوئی ہے لیکن جب اللہ تعالیٰ فرمادے کہ اس کا یہ خاصا ہے یہ کروگے تو اس کا یہ نتیجہ نکلے گا۔ تو پھر اس کے خلاف ہو ہی نہیں سکتا پھر ایسی کیا بات ہے کہ کہی جائے کہ اس کو آپ اپنے دستور العمل بنالیں اس کو اپنا چراغ زندگی بنالیں اور اس کی روشنی میں آپ چلیں۔

کوشش کا نتیجہ ضرور نکلے گا

یہ آیت جو ہم نے پڑھی ہے یہ خاص طور پر ہماری تعلیم گاہوں کے لئے اور اصلاحی مراکز کے لئے اور خاص کر ان مرکزوں کے لئے جہاں پر نوجوان ہوں امت کے اور ملت کے بچے و فرزند ہوں جن کی اٹھتی ہوئی عمر ہے اور چلتی ہوئی کشتی ہے تو ان کے لئے اس آیت میں پورا دستور العمل ہے۔ اور ایک چراغ راہ ہے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے وان لیس للانسان الا ماسعی'' انسان کو وہی ملے گا جس کی اس نے کوشش کی ہے یہ اللہ تعالیٰ فرما رہے ہیں وہ جب کہہ رہا ہے کہ کوشش شرط ہے اور انسان کی کوشش ہی کا نتیجہ نکلے گا تو پھر دوسرا انسان کیا کہہ سکتا ہے۔ نہیں ہے انسان کے لئے مگر جس چیز کی اس نے کوشش کی ہے۔''وان سعیه سوف یری'' اور اس کی کوشش کا نتیجہ ظاہر ہوگا اس کی کوشش کا نتیجہ دکھائی دے گا' آنکھوں کو دکھائی دے گا کہ جو کوشش کی تھی اس کا نتیجہ یہ نکلا پھر اس کے بعد بڑی بشارت سناتا ہے۔

''ثم یجزاہ الجزاء الاوفی'' ''الاوفی''

اسم تفضیل کا صیغہ ہے اتنا آپ جانتے ہوں گے؟ پھر اس کو بدلہ دیا جائے گا بھرپور بدلہ زیادہ سے زیادہ بدلہ' ایک تو انسان کی کوشش کا نتیجہ اس کی توقع ہے اس کے استحقاق سے اس کی محنت کی مقدار سے بھی بڑھ کر نکل سکتا ہے اور اللہ تعالیٰ بشارت سناتا ہے کہ ہوگا ایسا! اور ساری تاریخ بتاتی ہے علم کی تاریخ بتاتی ہے' دعوت و اصلاح کی تاریخ بتاتی ہے کاموں سے اشتراک کی تاریخ بتاتی ہے۔ تحقیقات و تصنیفات کی تاریخ بتاتی ہے' اصلاحی کاموں کی تاریخ بتاتی ہے کہ کوشش کا نتیجہ نکلا بعض اوقات ہی نہیں بلکہ اکثر اوقات کوشش سے زیادہ نکلا کوشش کا جو پیمانہ تھا

اس کا جو سائز تھا اس سائز سے بہت بڑھ کر نتیجہ نکلا وہ نتیجہ کوشش کے سائز سے بہت بڑھا ہوا تھا اس سے بڑھ کر بشارت کیا ہو سکتی ہے؟ آپ اگر پکڑ لیں اس بات کو اور دل پر لکھ لیں کہ ہم کوشش کریں گے تو کوشش کا نتیجہ ضرور نکلے گا امید ہے کہ کوشش کی حیثیت سے بڑھ کر نکلے گا توقع سے بڑھ کر قیاس سے بڑھ کر نکلے گا اور اس کے لئے نہ کسی بہت بڑی جگہ کی ضرورت ہے نہ کسی بڑی دانش گاہ کی ضرورت ہے، نہ کسی بڑے اونچے خاندان کی ضرورت ہے نہ بہت اعلیٰ درجہ کے اساتذہ خاندان کی ضرورت ہے۔ نہ بہت وسیع کتب خانہ کی ضرورت ہے اس کے لئے کوشش کی ضرورت ہے نیت کی ضرورت ہے، سنجیدگی اور دیانت داری کی ضرورت ہے۔

درس نظامی اور ملا نظام الدین سہالوی

تاریخ اسلام تو بہت بڑی ہے، اس کی مثالیں دینے پر آئیں تو دن بھی کافی نہ ہوگا، ہندوستان ہی کو لیجئے کہ جن لوگوں کا آج دنیا میں نام ہے جن لوگوں کا اس وقت دنیا میں کارنامہ سمجھا جاتا ہے وہ ایک پورے کے پورے دور کے بانی ہیں اور ساری دنیا نے ان کے علم کے آگے سر جھکا دیا ہے، وہ کہاں کے رہنے والے تھے؟ کہاں پڑھا؟ آج ان بستیوں کا شاید بہت کم لوگ نام جانتے ہوں یہ درس نظامی جو ہندوستان میں کئی صدیوں تک چلا ہے اور یہی شرط اور معیار تھا قابلیت کا علمیت کا یہ ملا نظام الدین کا بنایا ہوا اور ترتیب دیا ہوا ہے اس کی پوری تاریخ ہے کبھی آپ پڑھئے گا ہمارے والد صاحب کی کتاب ''درس نظامی کی تاریخ'' لیکن جس کی طرف اس کی نسبت ہے وہ ملا نظام الدین ہیں، کہاں کے رہنے والے ہیں؟ سہالی کے رہنے والے تھے۔ سہالی کہاں ہے؟ شاید اس مجمع میں کوئی بھی نہ جانتا ہو یہ بارہ بنکی میں ایک چھوٹا سا قصبہ ہے وہاں کے رہنے والے ہیں پھر بعض بعض کتابیں درس نظامی کی ایسی ہیں کہ جن کی بلندی کو اور جن کے مضامین کی نزاکت کو مضامین کی سنجیدگی کو مضامین کی وقعت کو ساری دنیا نے مان لیا ہے وہ ایسے قصبات کے رہنے والوں نے لکھی ہیں کہ خیال بھی نہیں ہو سکتا۔ مثلاً درس نظامی میں سب سے اونچی کتاب جو سب سے زیادہ دقیق سمجھی جاتی ہے وہ ہے شمس بازغہ یہ شمس بازغہ گوپامئو کے ایک عالم کی لکھی ہوئی ہے لیکن بڑے بڑے استادوں نے سر جھکا دیا اس کو پڑھنا اس کو سمجھنا ایک معیار سمجھا جاتا تھا درس نظامی آپ نے پڑھا ہے؟ درس نظامی میں شمس بازغہ آپ نے پڑھ لی ہے؟ سمجھ گئے؟ اسی طرح سے ملا حسن کی کتابیں درس نظامی میں بڑی

اہمیت کی حامل ہیں، یہ سندیلہ کے آدمیوں اور فرنگی محل کے چند لوگوں کی لکھی ہوئی ہیں بات تو یہ ہے کہ محنت اور حسن نیت واخلاق یہ دو چیزیں جمع ہو جائیں تو پھر وہ ضائع نہیں ہوگا اللہ تعالی فرما رہا ہے جو کہ عالم الغیب اور قادر مطلق ہے دیکھئے ایک تو عالم الغیب ہونا یہی ایک بڑی بات ہے لیکن وہ قادر مطلق بھی ہے عالم الغیب بھی ہے مخبر صادق بھی ہے اور رب العالمین بھی ہے وہ جب فرماتا ہے اعلان کرتا ہے اور اس کی ذمہ داری لیتا ہے''**وان سعیه سوف یری**'' اور اس کی کوشش کا نتیجہ ظاہر ہو کر رہے گا تو پھر دنیا میں اس کے بعد کچھ کہنے کی ضرورت ہی نہیں رہی کچھ اس میں اضافہ ہو ہی نہیں سکتا۔

علم اور کمال

رب العالمین، ارحم الراحمین اقدر القادرین عالم الغیب والشہادہ رب الاولین والآخرین وہ جب کہتا ہے کہ انسان کی کوشش کا نتیجہ ظاہر ہو کر رہے گا بس آپ اس چیز کو پکڑ لیجئے پلو میں باندھ لیجئے دل پر لکھ لیجئے کہ آپ کو محنت کرنی ہے پھر ہم خانہ خدا میں بیٹھ کر کہہ رہے ہیں کہ اس کوشش کا نتیجہ ظاہر ہو کر رہے گا اور بڑے بڑے اہل کمال اس کو مانیں گے مثلاً صحیح عبارت پڑھنا کہ صرف ونحو کے قواعد آپ جانتے ہوں اور ان کی آپ کو مشق ہو، مرفوع کو مرفوع پڑھیں، منصوب کو منصوب پڑھیں اور مجرور کو مجرور پڑھیں اور جانیں کہ کہاں (الف لام) [illegible] [illegible] نہیں آنا چاہیے اگر آپ عبارت صحیح پڑھیں تو یہ بہت بڑا کمال ہے ہمارے [illegible] [illegible] ملکوں میں خاص طور پر یہ بڑی اہم چیز ہے سب کچھ آپ جانتے ہیں بڑا [illegible] [illegible] سب سمجھ سکتے ہیں اور سمجھا سکتے ہیں لیکن اگر عبارت پڑھنے لگیں [illegible] [illegible] علم کے مجمع میں تو بعض مرتبہ ایسی غلطی ہو جاتی ہے کہ سب [illegible] سب [illegible] جاتا ہے [illegible] تو ہم آپ سے کہتے ہیں [illegible]

51ء میں دمشق گئے عمر بہاء الدین سفیر پاکستان بھی تشریف لے گئے تھے [illegible] کی تقریر یونیورسٹی میں ہونا چاہیے یونیورسٹی سب سے بڑی دانش گاہ ہوتی ہے [illegible] مرکز ہوتا ہے ہم بھی ہندی یہاں رائے بریلی کے رہنے والے اور وہاں دمشق یونیورسٹی [illegible] ہماری تقریر ہوئی ہمیں معلوم ہوا کہ اس میں پارلیمنٹ کے ممبران بھی شامل ہوں گے اور یونیورسٹی کے پروفیسر صاحبان اور بڑے بڑے چوٹی کے علماء بھی شامل ہوں گے ہم چونکہ

عربوں کو دیکھے ہوئے تھے اور پڑھے ہوئے بھی تھے تو ہم نے یہ مناسب سمجھا کہ پہلے بہت بڑے عالم کو اپنا مضمون سنا دیں کہ خدانہ خواستہ کہیں ہم نے فتحہ کی جگہ پر کسرہ پڑھ دیا یا کسرہ کی جگہ پر فتحہ پڑھ دیا تو سب پر پانی پھر جائے گا لوگوں کا بیٹھنا اور سننا مشکل ہو جائے گا یہ آپ کو بتاتے ہیں کہ غلطی کا مزاج اور ماحول پر اثر پڑتا ہے جیسے ہوا کا اثر ہوتا ہے ایک دم سے گرم جھونکا آ گیا یا ایک دم سے ٹھنڈا جھونکا آ گیا یا پانی برسنے لگا تو آدمی کا بیٹھنا مشکل ہو جاتا ہے۔ ویسے ہی ایک غلطی آپ نے کی نحوی غلطی یا صرفی غلطی یا منصوب کو آپ نے مرفوع پڑھ دیا یا جہاں الف لام نہیں داخل ہونا چاہیے وہاں الف لام داخل ہو گیا تو چاہے جتنی ہی آپ کی تحقیقات ہوں کتنا ہی آپ کے متعلق کہا گیا ہو کہ ایسے فاضل ہیں' فلاں جامعہ کے ہیں' ندوۃ العلماء کے فاضل ہیں یا دیوبند کے فاضل ہیں سب بے کار ہو جاتا ہے۔ ہم نے مضمون لکھا وہاں کے حالات کے مطابق ''العوامل الاساسیۃ لکارثۃ فلسطین'' جو وہاں کے حسب حال تھا کہ جو المیہ پیش آیا فلسطین میں مسجد اقصیٰ اور قدس شہر عربوں کے ہاتھ سے نکل گیا اور یہودیوں کے پاس پہنچ گیا اس کے حقیقی اسباب کیا تھے؟ اس کے بنیادی اسباب کیا تھے؟ لوگ تو ایسے ہی سطحی سا باب سوچ لیتے ہیں تجویز کر لیتے ہیں لیکن اس میں حقیقی اسباب کیا ہیں؟ کیا چیز اللہ کو ناپسند ہوئی کہ جس کی وجہ سے اس نے نقشہ ہی بدل دیا' الٹ دیا بالکل اور وہ یہودی جو کئی ہزار برس سے حکومت کرنے سے محروم تھے ان کو حکومت مل گئی' ہمیں اس پر غور کرنا چاہیے قرآن کی روشنی میں حدیث کی روشنی میں ہم نے مضمون لکھا العوامل الاساسیہ لکارثۃ فلسطین کتابیں پڑھ کر تیار کیا اس کو کہ مسلمان اور غیر مسلم عیسائی بھی اگر ہوں تو وہ بھی متاثر ہوں اور قائل ہوں پھر ہم نے کہا اتنے بڑے فاضلوں کے سامنے اور بڑے بڑے اساتذہ کے سامنے پروفیسر صاحبان کے سامنے پارلیمنٹ کے ممبران کے سامنے اور ادیبوں کے سامنے مضمون پڑھیں گے ہم ہندوستانی ملک کا اثر پڑتا ہی ہے خدانخواستہ اگر ذرا سی غلطی ہو گئی تو پھر لوگوں کا بیٹھنا مشکل ہو جائے گا سننا مشکل ہو جائے گا اور احتراماً اگر بیٹھے رہے تو پھر اثر کچھ نہیں لیں گے تو ہم علامہ بہجۃ البیطار کے پاس گئے جو اس عہد کے چوٹی کے عالموں میں سے تھے شاید سب سے بڑے عالم ہوں علامہ رشید رضا مصری صاحب مجلّہ ''المنار'' کا جب انتقال ہوا ان کی تفسیر نامکمل رہ گئی تھی تو انہیں کا انتخاب ہوا تھا کہ یہ مکمل کریں البلاغ بھی ان کی ادارت میں دیا گیا ہم ان کے پاس گئے ہم نے کہا کہ شیخ ایک

مضمون پڑھنا ہے دمشق یونیورسٹی میں ہم چاہتے ہیں کہ پہلے کے آپ کو سنا لیں آپ کا انتخاب اس لئے کرتے ہیں کہ آپ ہمارے استاد ہمارے مخدوم اور ہمارے سرپرست علامہ سید سلیمان ندوی کے دوستوں میں ہیں (یہ ہمیں معلوم تھا) تو آپ کو سنانے میں کوئی شرم ہمیں نہیں آنی چاہیے انہوں نے کہا نہیں! نہیں! آپ کو سنانے کی کیا ضرورت؟ آپ کی کتاب ''ماذا خسر العالم'' ہم نے پڑھی ہے آپ تو مصنف ہیں (جیسے شریف آدمیوں اور منتظم لوگوں کو کہنا چاہیے) ہم نے کہا نہیں آپ سن لیجئے انہوں نے سنا اول سے آخر تک الحمدللہ کوئی غلطی نہیں نکلی پھر وہ ایک لطیفہ سنانے لگے کہ آپ تو الف لام کے استعمال میں بڑے محتاط ہیں ورنہ بہت سے لوگ یہ نہیں جانتے کہ کس ملک پر الف لام آتا ہے کس پر نہیں آتا ہے' یہ بالکل سماعی چیز ہے' قیاسی نہیں عربوں نے جس پر الف لام داخل کر دیا تو اس پر قیامت تک الف لام رہے گا اور جس پر داخل نہیں کیا اس پر کوئی داخل نہیں کر سکتا۔ مصر پر الف لام داخل نہیں ہو سکتا مصر کو مصر کہیں گے المصر نہیں کہیں گے لیکن عراق پر داخل ہوتا ہے تو العراق کہیں گے عراق نہیں کہیں گے۔ فارس پر نہیں داخل ہوتا ہے عرب پر داخل ہوتا ہے اس لئے العرب کہیں گے سندھ پر الف لام آتا ہے اس لئے السندھ کہیں گے لیکن ملتان پر نہیں آتا اس لئے ملتان ہی کہیں گے الملتان نہیں کہیں گے تو اس کا کوئی قاعدہ نہیں ہے صرف دیکھیں گے کہ کس طرح عربوں نے استعمال کیا ہے اور کس طرح کتابوں میں ہے بس اتنا ہی کافی ہے تو ہم کو ایک لطیفہ سنایا کہ آپ کے ہندوستان کے ایک عالم مکہ مکرمہ کے ایک طالب علم کے پاس گئے اور انہوں نے عربی میں کہا انا ذاہب یا انا اذہب من المکۃ الی مدینۃ میں المکۃ سے مدینہ جا رہا ہوں کوئی ضرورت ہے؟ مکہ پر الف لام نہیں آتا کیوں نہیں آتا یہ کوئی پوچھ نہیں سکتا یہ طے شدہ بات ہے اور مدینہ پر آتا ہے کہ ہر شہر کو مدین کہتے ہیں تو المدینہ معلوم ہونا چاہیے کہ کون سا مخصوص شہر ہے تو انہوں نے کہا بس ہمارا اتنا کام ہے کہ مکہ کے سر سے الف لام اٹھا کر مدینہ کے سر پر ڈال دیجئے انہوں نے اصل میں ان کی تنبیہ تہذیب کے ساتھ کی پھر جب آپ پوچھتے ہیں کیا کام ہے؟ تو اتنا کام ہے وہ سمجھ گئے کہ ہم سے غلطی ہو گئی۔

زبان کی حسیت اور خاصہ لسانی سے واقف ہونا ضروری ہے

زبان کا احساس زبان کی حسیت' خاصہ لسانی یہ بڑا نازک مسئلہ ہوتا ہے زبان ایسی چیز

ہے کہ وہ معاف نہیں کرتی اور زبان کی غلطی معاف نہیں کی جاتی اگر کہیں کوئی نقل میں غلطی ہو گئی ہو تو کہا جائے گا کہ یاد سے لکھ دیا لیکن اگر ایک لفظ بھی غلط آپ بول گئے تو پانی پھر جاتا ہے تقریر پر ہم سے خود عربوں نے کہا جدہ کے لوگوں نے کہا کہ آپ کے یہاں کے بعض لوگ آتے ہیں عالم ہوتے ہیں، مبلغ ہوتے ہیں، وہ کہتے ہیں کہ آج تقریر ہوگی سب لوگ بیٹھ جائیں سب بیٹھ جاتے ہیں لیکن چند جملے سن کر ہم نہیں بیٹھ سکتے، اٹھ کر چلے جاتے ہیں تو آپ سے ایک بات یہ کہتے ہیں کہ یہاں عبارت صحیح پڑھنا سیکھیں اور کس پر الف لام داخل ہوتا ہے اور کس پر نہیں ہوتا کس کو منصوب پڑھنا چاہیے کس کو مرفوع یہ سیکھیں اور اس کے ساتھ یہ کہ ‘‘ث’’ کو ‘‘ث’’ کس طرح پڑھیں اگر ‘‘ث’’ کو ‘‘س’’ کہہ دیا ‘‘ص’’ ‘‘ث’’ یا ‘‘س’’ کہہ دیا تو سب پر پانی پھر گیا عربی زبان مختلف المخارج بھی ہے مختلف الاصوات بھی ہے ث، س، ص یہ ملتی جلتی آوازیں ہیں لیکن ث ث کس طرح ادا ہوگا س، س س کس طرح اور ص، ص کس طرح ادا ہوگا مخارج عربی زبان کی خصوصیت ہے انگریزی یا کسی دوسری زبانوں یں یہ چیزیں نہیں ہیں تو اگر بڑی تحقیقات آپ نے کی ہیں بڑی نئی نئی باتیں آپ نے پیش کی ہیں لیکن آپ نے ث کو ص پڑھ دیا ص کو س پڑھ دیا تو عربوں کو سننا مشکل ہو جائے گا تو ایک تو یہ کہ آپ یہاں کوشش کریں کہ صحیح عبارت پڑھ سکیں صرف ونحو آپ کی مضبوط ہو آپ اعراب سے واقف ہوں اور آپ کا لہجہ درست ہو اور جو بھی حروف حلقی ہوں ان کو حروف حلقی کس طرح ادا کریں اور جو حروف حلقی نہیں ہیں ان کو اسی طرح ادا کریں یہ کام یہیں سے ہو سکتا ہے اس کی بنیاد یہیں پڑے گی اگر یہاں نہ پڑی تو پھر آپ دار العلوم ندوۃ العلماء چلے جائیں دار العلوم دیو بند جائیں کہیں جائیں پھر اس کا درست ہونا مشکل ہے یہیں کوشش کریں کہ آپ کو معلوم ہو کہ کس کو منصوب پڑھنا چاہیے کس کو مرفوع پڑھنا چاہیے اور کیوں پڑھنا چاہیے؟ سب عوامل اور ان کے جو اثرات ہیں ان سے واقف ہوں۔

مسائل کا استحضار

دوسری بات یہ کہ آپ دینیات میں، فقہ میں جو ابتدائی مسائل ہیں جو کتابیں آپ کے یہاں پڑھائی جاتی ہیں مثلاً شرح وقایہ یا دوسری فقہ کی کتاب دوری وغیرہ ان کے مسائل آپ کو مستحضر ہوں نماز کے مسائل آپ کو معلوم ہوں، زکوٰۃ کن پر فرض ہوتی ہے اس کا کیا نصاب ہے،

سب معلوم ہو اگر خدا حج کو لے جائے تو اس کے ارکان اور مسائل بھی پہلے سے مستحضر ہوں زکوۃ کے مسائل آپ کو معلوم ہوں اور اگر کوئی موٹا مسئلہ آپ کے خاندان میں کوئی پوچھے گاؤں میں کوئی پوچھے تو آپ بتا سکیں اس کو معلوم ہو کہ ہمارے گاؤں کے ایک صاحبزادہ کے جانے کا فائدہ یہ ہوا کہ وہ مسئلہ بتاتا ہے یہ بات آپ کو یہیں سے آنی چاہیے اس کی مشق کریں اور پھر اس کے ساتھ ساتھ جو دینی رنگ ہونا چاہیے جو دینی سطح ہونا چاہیے ایک دینی عربی مدرسہ کے طالب علم کی یعنی نمازوں کی پابندی وقت سے آنا بلکہ وقت سے پہلے آنا اور خشوع وخضوع کے ساتھ اور احترام کے ساتھ بیٹھنا دنیا کی باتیں نہ کرنا' قرآن مجید کی تلاوت کا جو معمول مقرر کیا ہے اس کو پورا کر لینا اذکار و تسبیحات جو آپ کو بتائی ہیں یا آپ کو معلوم ہیں اور آپ کا معمول ہے ان کو پورا کر لینا پھر استادوں کا ادب' تواضع' خاکساری' خدمت کا جذبہ یہ سب باتیں ہونی چاہئیں یہ چیزیں یہیں سے پیدا ہو سکتی ہیں اور یہاں نہ ہوئیں تو پھر آپ جامعہ ازہر چلے جائیے وہاں بھی یہ بات پیدا نہیں ہوں گی اور یہ تجربہ کی بات ہے کہ جب کسی طالب علم میں یہ بات شروع سے پیدا نہ ہوئی تو پھر بعد میں پیدا ہونی مشکل ہے ہم نے بڑی بڑی جامعات و دیکھا ہے کئی جگہ تقریر کرنے کا موقع بھی ملا ہے وہاں کے بڑے طالب علموں سے اور اساتذہ سے بے تکلف باتیں ہوئیں' صحبتیں رہیں' دمشق میں' قاہرہ میں' بغداد میں اور مراکش و رباط میں سب جگہ علمی حلقہ سے الحمد للہ واسطہ پڑا ہے لیکن دیکھا ہے کہ جن لوگوں کی تربیت ہوگئی اور طالب علمی کے زمانے میں ان کا سانچہ بن گیا وہ بڑے باکمال نکلے اور انہوں نے بڑے دینی کام کئے لیکن جن کا سانچہ وڈھانچہ طالب علمی کے زمانے میں نہیں بنا وہ کسی کام کے نہیں رہے تو یاد رکھئے سانچہ وڈھانچہ ان مدرسوں میں بن سکتا ہے اس کو بنائیے اور پھر اساتذہ سے رابطہ آپ کا رہے ان سے پوچھیں کہ ہم خارج اوقات میں کیا پڑھیں؟ یہ بہت اہم بات ہے ہم دعوے سے نہیں کہہ سکتے مگر اللہ کا شکر ہے کہ اللہ نے آپ کو ایسے اساتذہ دیئے ہیں اور پھر جواز بھی عطا فرمایا ہے کہ آپ ان سے پوچھ سکتے ہیں کہ ہمیں سیرت پر کونسی کتابیں پڑھنی چاہئیں؟ صحابہ کرام کے فضائل و خصائص پر کون کون سی کتابیں پڑھنی چاہئیں اپنی اصلاح کے لئے ہمیں کون کون سی کتاب پڑھنی چاہیے جو دستور العمل ہو اور پوری زندگی کے لئے اس میں رہنمائی ہو اور اسلاف کے حالات سے واقف ہونے کے لئے کون سی کتاب پڑھنی چاہیے۔

مادر علمی سے محبت

آپ سے یہ بات بھی کہنا چاہوں گا کہ آپ کو یہ بھی احساس ہونا چاہیے کہ آپ کہاں تعلیم پا رہے ہیں یہ کون سی جگہ ہے کیا جوار ہے؟ یہ ہر جگہ کے لئے ضروری ہے دیوبند میں اگر کوئی پڑھتا ہے تو اس کو معلوم ہونا چاہیے کہ دارالعلوم کس نے قائم کیا؟ حضرت مولانا قاسم نانوتوی جو کہ قاسم العلوم والخیرات کہلاتے ہیں اور ایک دور کے بانی ہیں ان کے حالات سے واقف ہونا چاہیے اور پھر ان کے بعد ان کے جانشینوں میں ان میں سب سے بڑھ کر مشہور و مبارک شیخ الہند مولانا محمود الحسن صاحب دیوبندی ہیں جو انگریزوں کی نظر میں کانٹے کی طرح کھٹکتے تھے انگریزوں نے ان کو گرفتار کیا پھر ان کو مالٹا بھیجا گیا ان کے ساتھ مولانا حسین احمد مدنی بھی تھے مولانا عزیز گل اور کوڑا جہان آباد کے جہاں ہماری قرابت بھی ہے۔ مولانا حکیم سید نصرت حسین صاحب بھی تھے ان کا وہیں انتقال ہو گیا اور یہ حضرات جیل سے رہائی کے بعد واپس آئے اسی طرح مولانا انور شاہ صاحب جیسا محدث اس کو ملا اور مولانا اشرف علی تھانوی جیسا حکیم الامت اور شیخ طریقت پیدا کیا۔ مولانا حسین مدنی صاحب شیخ العرب والعجم جو بڑے عالم مجاہد غازی اور اہل اللہ میں سے تھے اور سہارنپور کے رہنے والوں کو معلوم ہونا چاہیے کہ یہ مدرسہ کس نے قائم کیا ہے یہاں کے سب سے بڑے رہنما اور سرپرست مولانا خلیل احمد صاحب امیٹھوی پھر ان کے بعد حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب کاندھلوی اور دوسرے جو بڑے بڑے اہل اللہ پیدا ہوئے جیسے مولانا اسعد اللہ صاحب وغیرہ۔ اسی طرح جو ندوۃ العلماء میں پڑھے اس کو معلوم ہونا چاہیے کہ کس نے اس کی بنیاد ڈالی' مولانا محمد علی مونگیری' مولانا سید ظہور الاسلام فتح پوری پھر اسکے بعد علامہ شبلی نعمانی' مولانا عبدالحئی صاحب جو ہمارے والد اور یہیں کے رہنے والے تھے' پھر مولانا خلیل الرحمن صاحب سہارنپوری' مولانا مسیح الزماں صاحب' نواب صدر یار جنگ صاحب' مولانا حبیب الرحمان خاں شیروانی صاحب اور اس کے مایہ ناز فرزند علامہ سید سلیمان ندوی جن کو فخر ندوہ کہا جاتا ہے۔ مولانا عبدالسلام صاحب ندوی' مولانا عبدالباری صحب ندوی' اور اخیر مین مولانا محمد ادریس صاحب نگرامی ندوی جیسا ماہر قرآن اور عالم ربانی ان سب کے بارے میں معلوم ہونا چاہیے اسی طرح آپ کو یہ بھی معلوم ہونا چاہیے کہ آپ کہاں ہیں؟ آپ کس بستی میں ہیں یہ دائرہ شاہ علم اللہ ہے یہ وہ جگہ ہے جہاں

چوٹی کے علماء اور بڑے بڑے مشائخ آنا اپنی سعادت سمجھتے تھے اور فخر سمجھتے ہیں، مولانا حسین احمد مدنی تشریف لائے کسی نے پوچھا تو فرمایا کہ ہمارا تو یہاں چلہ گزارنے کا دل چاہتا ہے اور ایک رات تو ضرور یہاں گزارنے کو جی چاہتا ہے جیسا کہ میاں جی نور جھنجھانوی کے حجرہ میں اور مولانا الیاس صاحب یہاں آئے تو اپنی حیرت کا اظہار کیا اور شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب کے سامنے کہا کہ شاہ علم اللہ صاحب تو بہت بڑے آدمی تھے پھر شاہ عبدالقادر صاحب رائے پوری جو ہمارے شیخ و مربی اور مرشد تھے تشریف لائے اور بڑے ادب واحترام سے رہے اور بہت ہی خوش ہوئے مولانا اشرف علی تھانوی صاحب یہاں سے گذرے تو رائے بریلی کے اسٹیشن پر بڑے بلند الفاظ کہے مولانا عبدالغنی صاحب پھولپوری نے ہمیں خود سنایا کہ مولانا اشرف علی صاحب تھانوی کی گاڑی یہاں کھڑی تھی پتہ نہیں کیا بات ہوگئی تھی دیر تک ٹھہری تو اتر کر چلنے لگے میں ساتھ ہو گیا مجھ سے فرمایا کہ حضرات تکیہ کے انوار یہاں تک ہیں اور یہاں آنے کا ارادہ فرمایا مگر موقع نہیں ملا ایسے ہی حضرت شیخ الحدیث ایک سے زائد مرتبہ تشریف لائے اور شاہ محمد یعقوب صاحب مجددی بھوپالی تشریف لائے تو آپ کو واقف ہونا چاہیے کہ شاہ علم اللہ صاحب کون تھے؟ کب پیدا ہوئے؟ تعلیم وتربیت اور اصلاح کا تعلق ان کا کن سے تھا ان کے بارے میں ان کے معاصر کیا کہتے تھے؟ کیا ان سے پہنچا؟ کون سی اور اتباع سنت تھی یہی اس جگہ کا پیغام بھی ہے اور اس جگہ کا خاصا بھی ہے اور یہاں کی ہوا میں جو بات ہونی چاہیے خدا کرے وہ اب بھی ہو، وہ ہے توحید خالص الا للہ الدین الخالص۔

عقیدہ توحید اور اتباع سنت

دائرہ شاہ علم اللہ کا پیغام عقیدۂ توحید اور اتباع سنت کا پیغام ہے سارے عالم کے لئے اور خاص کر ہندوستان کے لئے۔ اتباع سنت میں تو شاہ علم اللہ صاحب اتنے بڑھے ہوئے تھے کہ ایک واقعہ تاریخ میں لکھا ہے کہ اورنگ زیب عالمگیر نے ایک دن خواب میں دیکھا کہ اچانک حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات ہوگئی تو بہت گھبرائے معلوم ہوتا کہ مغلیہ سلطنت کا زوال ہونے والا ہے گھبرا کے علماء سے پوچھا کہ آج میں نے یہ خواب دیکھا ہے اللہ خیر کرے انہوں نے کہا کہ آپ گھبرایئے نہیں تاریخ لکھ لیں اسی تاریخ کو شاہ علم اللہ صاحب کا رائے بریلی میں انتقال ہوا ہوگا اس لئے کہ ان سے بڑھ کر متبع سنت کوئی نہیں چنانچہ یہاں سے چٹھی گئی جو واقعات نگار رہا

کرتے تھے انہوں نے بادشاہ کو اطلاع دی کہ آج فلاں تاریخ کو شاہ علم اللہ صاحب کا انتقال ہو گیا۔

اسی طرح اللہ تعالیٰ نے یہاں ایسی ہستی کو پیدا کیا یعنی حضرت سید احمد شہیدؒ کو جن کا ڈنکا اب بھی بج رہا ہے خاص طور پر ہندوستان میں ہم تاریخ کے طالب علم بھی ہیں، مصنف بھی ہیں، ہمیں نہیں معلوم کہ کس ہستی سے اتنا بڑا انقلاب ہوا ہو اتنی بڑی اصلاح ہوئی ہو جتنی بڑی اصلاح سید صاحب سے ہوئی تیس لاکھ آدمی تو ان کے ہاتھ پر بیعت ہوئے بیعت کے معنی یہ تھے کہ ابھی ہاتھ پر ہاتھ رکھا شرک سے نفرت ہوگئی، بدعت کے روادار نہیں رہے، معاصی سے نفرت ہوگئی، تاریخ میں اس کے بیسیوں واقعات ہیں وقائع احمدی اور منظور السعداء میں اس طرح کے واقعات بھرے پڑے ہیں۔

بیعت کر لیجئے

لکھنؤ میں ٹیلہ والی مسجد میں قیام تھا لوگ کہنے لگے بھائی کہاں آ گئے؟ آپ نے فرمایا کیا بات ہے بولے بڑے بدنام ہیں، ڈاکو ہیں، رہزن ہیں، ان کا یہاں کیا کام ہے؟ آپ نے کہا کچھ کہنا نہیں چور آئے اور کہنے لگے ہم کو بیعت کر لیجئے فرمایا جلدی کیا ہے پھر کر لیں گے، کہا نہیں ابھی کر لیجئے، بیعت ہوئے اس کے بعد گھر گئے اسی دن یا ایک دو دن کے بعد ان کی پارٹی کے لوگ آئے کہا بہت دنوں سے ہم نے کام نہیں کیا ہے یعنی ڈاکہ نہیں ڈالا ہے آج کل تنگی ہوگئی ہے چلو کہیں کام کریں، انہوں نے کہا اب نہیں ہوگا یہ کام، پوچھا کیا بات ہے اب نہیں ہوگا یا کبھی نہیں ہوگا اب کبھی نہیں ہوگا، کہا کیا بات ہے بولے ایک بزرگ رائے بریلی سے آئے ہیں ان کے ہاتھ پر ہم نے بیعت کی ہے کہ ہم چوری نہیں کریں گے۔ انہوں نے بھی توبہ کی کہا ہم بھی بیعت ہو سکتے ہیں؟ کہا ہاں وہ بھی بیعت ہوئے۔

ہدایت اور انقلاب

ہدایت کا یہ معاملہ ہے کہ نواب بہادر یار جنگ صاحب نے جو مہدوی فرقہ کے مصنف ہی نہیں بلکہ مہدوی فرقہ کے بہت بڑے لیڈر اور قائد مقرر تھے وہ لکھنؤ آئے مولانا عبدالباری صاحب ندوی حیدرآباد میں رہ چکے تھے۔ ان سے واقف تھے بھائی صاحب سے کہا کہ ان کو

دار العلوم گھمانا چاہیے اور ان کا خطاب ہونا چاہیے ہم ان کو لائے انہوں نے مسجد کے صحن میں خطاب کیا تو انہوں نے بہت سی باتیں کہتے ہوئے کہا کہ مولانا کرامت علی صاحب سید صاحب کے بڑے خلفاء میں تھے مولانا کرامت علی صاحب کے ہاتھ پر میری معلومات کے مطابق دو کروڑ آدمیوں کو ہدایت ملی۔

جب ہم بنگلہ دیش گئے سفر میں ہمارے ساتھ عزیزان محمد رابع اور محمد واضح اور مولوی سعید الرحمن بھی تھے تو وہاں کے واقف عالموں نے کہا کہ دو کروڑ سے بھی زیادہ لوگوں کو مولانا کرامت علی صاحب کے ذریعہ ہدایت ملی اور چالیس ہزار سے اوپر آدمی مسلمان ہوئے اور یہ حالت تھی کہ جب رائے بریلی سے کلکتہ جانے لگے دریا سے سفر کیا گنگا کنارے کی بستی ڈلمئو اترے اور پھر ڈلمئو سے آگے جہاں جہاں جاتے وہاں بس بالکل انقلاب آجاتا تھا تعزیے کے چبوترے توڑ دیئے جاتے تھے تعزیئے توڑ دیئے جاتے تھے لوگ غیر مشروع مراسم سے تائب ہوتے تھے اور آپس میں حق کی لڑائیاں تھیں وہ اتحاد کر لیتے تھے بنارس گئے تو اور بھی زیادہ کلکتہ گئے تو ایک طوفان اٹھا معلوم ہوتا تھا کہ شہر ہل گیا شراب خانوں سے انگریزوں نے ٹیکس مانگا۔ انہوں نے کہا کہ ہم کہاں سے ٹیکس دیں؟ کوئی بھول کر بھی ہمارے شراب خانے کی طرف نہیں آتا۔ بولے کیا بات ہے۔ کہا جب سے رائے بریلی سے سید صاحب آئے ہیں اس وقت سے کوئی ہمارے شراب خانے کا رخ ہی نہیں کرتا۔ انہوں نے کہا اچھا اب یہی حالت رہے تو معاف کر دیں گے اور ان کے جانے کے بعد پھر آنے لگیں تو پھر ٹیکس دینا پڑے گا ایسے انقلاب کے واقعات تاریخ میں ہیں جو صدیوں میں نظر نہیں آتے تو یہ بھی آپ کو معلوم ہونا چاہیے کہ آپ کہاں ہیں؟ اور آپ کو اس پر خدا کا شکر ادا کرنا چاہیے فخر کرنا چاہیے کہ ہم ایسی جگہ پر پڑھ رہے ہیں جو بالکل اس کے جوار میں ہے وہاں کی ہوا کے جھونکے یہاں آتے ہوں گے اور انشاء اللہ اس میں کچھ نہ کچھ برکتیں بھی ہوتی ہوں گی اور اس کے بعد ہم آپ سے یہ کہتے ہیں کہ دو چیزیں ضرور پڑھنے کا موقع ہو تو یہیں پڑھ لیجئے ایک تو سیرت سید احمد شہیدؒ اور ایک تذکرہ سید شاہ علم اللہ تذکرہ شاہ علم اللہ بڑے بڑے ادیبوں نے پڑھی پروفیسر رشید احمد صدیقی تو بہت متاثر ہوئے تذکرہ سید شاہ علم اللہ سیرت سید احمد شہیدؒ اور حیات عبدالحئی اگر ہو سکے تو یہاں پڑھ لیجئے ورنہ نوٹ بک پر لکھ لیجئے کہ انشاء اللہ ہم یہاں سے جانے کے بعد ان کتابوں کو ضرور پڑھیں گے تو آپ کو معلوم ہوگا کہ یہاں کون لوگ پیدا ہوئے تھے۔

دعوت اور پیغام

میرے عزیزو! یہاں کا پیغام آپ لے کر جائیں صرف یہاں سے کتابی علم لے کر نہ جائیں شخصی علم لے کر نہ جائیں بلکہ یہاں کی دعوت بھی لے کر جائیں پیغام بھی لے کر جائیں اور آخری بات یہ کہ یہاں کا مزاج بھی لے کر جائیں ہر جگہ کا ایک مزاج ہوتا ہے ہر دعوت کا ہر ادارہ کا ہر مقام کا ایک مزاج ہوتا ہے اور یہاں کا مزاج ہے توحید خالص اتباع سنت فرائض کی پابندی اور تبلیغ کا جذبہ اصلاح کا جذبہ جہاد کا شوق اور اعلاء کلمۃ اللہ کا ارادہ اس کے لئے جو کچھ ہو سکے وہ ہم کریں گے۔ بس یہ سب باتیں ہیں ان کو ذہن میں رکھ لیں پھر آپ سے کہتے ہیں کہ پختہ استعداد پیدا کیجئے عبارت صحیح پڑھنا سیکھیں اور سمجھنا سیکھیں اس کے بعد فرائض میں پابندی نماز میں خشوع وخضوع ہو دعا ہو یہاں بیٹھ کر دعا کریں کہ یہ اولیاء اللہ کا جوار ہے انشاء اللہ دعا میں اثر رہے گا اور پھر اس کے بعد یہ کہ استادوں کی خدمت کریں قدر کریں ذہن میں کچھ چیزوں کو محفوظ کریں کہ یہاں سے جانے کے بعد یہ کام کرنا ہے جو کام یہاں نہیں ہو سکا وہ گھر جا کر یا دوسرے مدرسے میں جا کر کریں گے اور پھر اس کام کو جاری رکھیں گے اور یہ کہ دعوت وتبلیغ کا ارادہ کریں کہ یہاں سے یا کسی دوسرے مدرسے سے فارغ ہو کر دعوت و تبلیغ کا کام کرنا ہے مسلمانوں کی اصلاح کا کام کرنا ہے عقائد کی اصلاح کا اعمال [illegible] رواج کی اصلاح کا کام کرنا ہے۔ شادی بیاہ کی رسموں کی [illegible] سب کے خلاف آواز بلند کرنا ہے خودکشی [illegible] مسلم پرسنل [illegible] جو دست درازیاں ہوتی ہیں اور اس کے لئے جو خطرات [illegible] اور کوشش کرنی ہے کہ مسلمانوں کو ہندوستان میں شرعی [illegible] وراثت پر پرسنل لا پر عمل کرنے کی آزادی رہے اور جو تنظیمیں جو [illegible] رہی ہیں اس کا بیڑا جنہوں نے اٹھایا ہے [illegible] مسلم [illegible] مرکز پٹنہ میں ہے اور صدر [illegible] میں بنایا گیا ہے یا دینی [illegible] تنظیموں میں اور پھر تبلیغی جماعت جو ساری دنیا [illegible] کوشش کرنا ہے اور اسلام کی بقاء وتحفظ اور سربلندی کیلئے کام کرنا ہے۔

وما علینا الا البلاغ المبین

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نزول قرآن کا مقصد اور حاملین قرآن کی ذمہ داریاں

حضرات! حضرت مولانا نے ۱۹۶۰ء میں برما (میانمار) کا دورہ فرمایا اسی سفر میں برما کے مختلف مقامات پر حضرتؒ کی تقاریر ہوئیں۔ یہ تقریر بھی برما کے جمعیۃ الحفاظ کے ایک جلسہ میں کی گئی تھی جس میں نزول قرآن کا مقصد اور حاملین قرآن کی ذمہ داریوں کو اجاگر کیا گیا ہے اللہ تعالیٰ اس بیان کو نافع ثابت فرمائے۔

الحمد لله نحمده ونستعينه ونستغفره ونعوذ بالله من شرور انفسنا ومن سيئات اعمالنا من يهد الله فلا مضل له ومن يضلله فلا هادى له ونشهد ان لا اله الا الله ونشهد ان محمد اعبده ورسوله الذى ارسله الله تعالى بالحق بشيرا ونذيرا وداعيا الى الله باذنه وسراجامنيرا

حضرات! جمعیۃ الحفاظ کے اس جلسہ میں شریک ہونا میرے لئے عادت بھی ہے اور ایک طرح کی عبادت بھی، اللہ تعالیٰ کے کلام سے تعلق رکھنے والی ہر چیز خواہ وہ حفظ ہو یا تجوید، تفسیر ہو یا قرآن مجید کی تلاوت، بڑی معزز اور مکرم چیز ہے، اللہ تبارک وتعالیٰ نے رسول اللہ ﷺ اور ساتھ ہی آپ کے منصب نبوت کے فرائض، اور اس کی ذمہ داری کے سلسلہ میں فرمایا ہے، **هوا الذى بعث فى الا ميين رسولا منهم يتلوا عليهم آياته وزكيهم ويعلمهم الكتاب والحكمة وان كانوا من قبل لفى ضلل مبين .(الجمعة)** وہ پاک ذات ہے جس نے کہ ان پڑھوں میں ایک ایسا پیغمبر مبعوث فرمایا جو ان کو قرآن مجید کی آیات پڑھ کر سناتا ہے اور ان کی تربیت فرماتا ہے اور ان کو کتاب وحکمت کی تعلیم دیتا ہے اگرچہ وہ اس سے پہلی بڑی کھلی ہوئی گمراہی میں تھے۔

منصب نبوت اور اس کا کام:

رسول اللہ ﷺ کے منصب نبوت کے چار شعبے ہیں، جو گویا فرائض چہارگانہ ہیں۔

تلاوت آیات:

تلات آیات پہلا فریضہ اور پہلا شعبہ ہے، یہ بھی اتنی اہم چیز اور ایسا بلند فریضہ ہے کہ اللہ تعالی نے منصب نبوت کے شعبوں میں سب سے پہلے اسی کو ذکر فرمایا ہے۔

تزکیہ نفس:

دوسرا شعبہ ہے یزکیھم، نفوس کی تربیت کرنا، مہذب بنانا۔ اخلاق رذیلہ نکالنا اور اخلاق فاضلہ پیدا کرنا۔ اور وہ صفت پیدا کرنا جس کا قرآن مجید میں دوسری جگہ ذکر ہے۔

ولکن اللہ حبب الیکم الا یمان وزینہ فی قلوبکم و کرہ الیکم الکفر والفسوق والعصیان اولئک ھم الراشدون.

اور لیکن اللہ تعالی نے تم کو ایمان کی محبت دی اور اس کو تمہارے دلوں میں مرغوب کر دیا۔ اور کفر اور فسق اور عصیان سے تم کو نفرت دے دی ایسے لوگ راہ راست پر ہیں۔

نزول قرآن کا اہم ترین مقصد:

قرآن مجید کے نزول کا مطلب یہ نہیں ہے کہ وہ الفاظ اور حروف کی شکل میں کتابوں میں اور اس کے بعد سینوں میں محفوظ ہو جائے کہ لوگ اس کو پڑھ سکیں اور اس کو سنا کریں [illegible] اور پڑھتے رہیں، بلکہ نزول قرآن کا اہم ترین مقصد یہ ہے کہ عقائد کی اصلاح [illegible] اور نفوس کی اصلاح ہو، رسول اللہ ﷺ نے ان دونوں فریضوں کی تکمیل [illegible] تحفت کا زندہ ثبوت تھے، ان کے نفوس ایسے [illegible] تھے، ان کی [illegible] کی نفرت ان کے دلوں میں بیٹھ چکی تھی، اور ایمان کی محبت [illegible] پیوست ہو چکا تھا۔ عبادت کا ذوق ان پر غالب آ چکا تھا، خدمت [illegible] تھا، ان کے اندر سے نفسیات کا کانٹا نکل چکا تھا، حب دنیا ان کے اندر سے نکل چکی تھی، حب جاہ کا خاتمہ ہو چکا تھا، صحابہ کرام میں سے ایک ایک رسول اللہ ﷺ کے [illegible] تزکیہ کا زندہ ثبوت ہے۔

حضرت ضرار بن عمرو رضی اللہ عنہ ایک صحابی ہیں کہتے ہیں کہ میں شرک کی حالت میں اس

نیت سے نکلا کہ وہ کام کروں جو قریش نہیں کر سکے یعنی معاذ اللہ رسول اللہ ﷺ کے وجود گرامی پر دست درازی کروں، موقع اچھا تھا، آپ تنہا طواف کرر ہے تھے۔ میں نے بھی طواف کرنا شروع کر دیا اور اس فکر میں رہا کہ ذرا کچھ موقع ہو کہ آپ کا اور میرا سامنا ہو جائے، تو میں اپنا کام کروں۔ آپ نے مجھ کو دیکھ کر بلایا۔ میں حاضر ہوا۔ آپ نے فرمایا، ضرار تمہارا کیا ارادہ تھا؟ میں نے کہا کچھ نہیں طواف کر رہا تھا۔ آپ ہنسے، اور آپ نے میرے سینے پر ہاتھ رکھا۔ خدا کی قسم آپ نے ہاتھ نہیں اٹھایا تھا۔ کہ گویا سینے کے اندر کی ساری آلائش نکل گئی، اس کے بعد میں وہاں سے گھر چلا آیا، ایک عورت جس کے یہاں جلسہ ہوا کرتا تھا اور محفل گرم ہوا کرتی تھی اور اس میں داستان آرائی وقصہ گوئی ہوتی تھی، میں رند مشرب تھا، اس عورت نے مجھے دیکھا تو آواز دی، میں نے کہا اب کچھ نہیں ہوسکتا، اب میں مسلمان ہو گیا ہوں، ایسی فوری تبدیلی کے واقعات بھی بہت ہیں، حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ مجھ پر تین دور گزرے ہیں، ایک دور مجھ پر ایسا گذرا ہے کہ روئے زمین پر کوئی ہستی آپ سے بڑھ کر مبغوض نہ تھی، معاذ اللہ! اگر اس وقت مجھے موقع مل جاتا تو میں اپنی عاقبت خراب کر لیتا، اللہ نے فضل فرمایا، موقعہ ہی نہیں ملا، اس کے بعد دوسرا دور مجھ پر ایسا گذرا کہ روئے زمین پر کوئی ہستی آپ سے بڑھ کر محبوب نہیں تھی۔ خدا کی قسم میں آپ کو آنکھ بھر کر دیکھ بھی نہیں سکتا تھا۔ اگر مجھ سے کوئی حضور اکرم ﷺ کا حلیہ پوچھے تو میں بیان نہیں کر سکتا۔ اس لئے کہ میری نظر آپ کے چہرۂ مبارک پر جمتی ہی نہیں تھی۔ اور مجھ میں آپ کو دیکھنے کی تاب ہی نہیں تھی۔ جب میں نے آپ کے ہاتھ میں ہاتھ دیا، اور بیعت کی تو میں اپنا ہاتھ نکالتا ہی نہیں تھا، آپ ﷺ نے فرمایا کہ میرا ہاتھ کیوں نہیں چھوڑتے؟ میں نے کہا، یا رسول اللہ! فرمائیے کہ میرے گذشتہ گناہوں کا کیا ہوگا؟ میں تو بہت سیاہ کار انسان ہوں آپ ﷺ نے فرمایا۔ کہ تم کو معلوم نہیں کہ اسلام اپنے ماقبل کو بالکل ختم کر دیتا ہے۔

ایسے بہت سے واقعات ہیں، وحشی جنہوں نے حضرت حمزہؓ بن عبدالمطلب اللہ کے شیر کو خود شہید کیا تھا، اور ان کے ساتھ جو سلوک کیا گیا وہ آپ کو معلوم ہے، حضور ﷺ کے سامنے جب وہ آئے اور انہوں نے بیعت کا ارادہ کیا تو آپ ﷺ نے ان کی بیعت قبول کی، انہوں نے کلمہ پڑھا اور ایمان لائے، آپ ﷺ نے فرمایا وحشی! اگر تم میرے سامنے بار بار نہ آؤ

تو اچھا ہوگا۔ اس لئے کہ مجھے اپنے چچا یاد آ جاتے ہیں، یہ قدرتی بات بھی ہے، اور بہت لطیف جذبہ، احساس اور اعلیٰ درجہ کی انسانیت، لیکن انہوں نے جو کلمہ پڑھا اور آپ کے ہاتھ پر اسلام لائے۔ اس نے ان کے اندر ایسا انقلاب پیدا کر دیا، ایسی روحانیت پیدا کر دی، اور ایسی ایمانی طاقت پیدا کر دی جس پر آج بڑے بڑے اولیاء اللہ رشک کر رہے ہیں، یہی وحشی ہیں جنہوں نے مسلیمہ کذاب کو قتل کیا، میں جب اس واقعہ کو پڑھتا ہوں تو کہتا ہوں کہ حضرت وحشیؓ کی بھی نگاہ انتخاب کو داد دینی چاہئے کہ انہوں نے ایک ایسی ہستی سے اسلام اور مسلمانوں کو محروم کیا تھا جو اسلام کے لئے تقویت کا باعث تھی اور رسول اللہ ﷺ کو بہت محبوب تھی تو اس کی تلافی اور کفارہ کے لئے انہوں نے ایسی ہستی کا انتخاب کیا جو سب سے بڑھ کر حضور ﷺ کے نزدیک مبغوض تھی، ایک وہ شخص تھا جو نبوت کا بہت بڑا حامی اور مددگار تھا، پھر ایک وہ شخص تھا جو اس نبوت کے مقابلہ میں سینہ تان کر آیا تھا اور منصب نبوت کا گویا حریف اور رقیب تھا۔ انہوں نے گناہ کے کفارہ کے لئے جو بہترین انتخاب ہو سکتا تھا انتخاب کیا، یقیناً حضور ﷺ کی روح مبارک ان سے خوش ہوئی ہوگی، یہ سب ان کی ایمانی قوت کا نتیجہ ہے یہ تو فوری انقلاب کی چند مثالیں ہیں، باقی صحابہ کرامؓ کے اندر جو تبدیلی تربیت اور صحبت سے پیدا ہوئی اس سے وہ ایک جگہ سے دوسری جگہ پہنچ گئے اخلاقی پستی سے، اعمال کی پستی سے، عقائد کی تاریکی سے اور جاہلیت سے روحانیت اور ایمان و اخلاق اور تربیت و علم کے بلند مقام تک پہنچ گئے۔

تعلیم کتاب:

تیسرا شعبہ تعلیم کتاب وحکمت، یعنی کتاب کی تعلیم دینا ہے، پہلے قاری تلاوت کرتا ہے پھر اس کے تزکیہ کا عمل کرتا ہے اس میں قرآن مجید کی تفسیر، اس کے حقائق کا بیان، اس کے علوم کا اظہار اور مقاصد قرآن کی تشریح وتفصیل سب شامل ہے۔ یہ ہے **یعلمهم الکتاب والحکمة** ان کو سکھاتے ہیں کتاب اور حکمت۔

پھر اس کی بھی ضرورت ہے کہ قرآن مجید کے طالب علموں، اس کے حاملین اور سامعین میں تفقہ پیدا کیا جائے، یہ وہ چیز ہے جس کی طرف اشارہ ہے۔ **من یرد الله به خیراً یفقهه فی الدین** . اللہ تعالیٰ جس کے ساتھ خیر کا ارادہ کرتا ہے اس کو دین کی سمجھ عطا فرماتا ہے۔

یہ در حقیقت حامل قرآن کے فرائض چہارگانہ اور حامل قرآن کی ذمہ داریاں اور اس کے

کمالات اور اس کی سیرت ہے اس کے بعد صحابہ کرامؓ جو علماء تھے، اور جن کے علم کی خود رسول اللہ ﷺ نے تعریف کی اور جن حضرات کی طرف آپ ﷺ نے اشارے فرمائے، امت کو ان کی طرف رجوع ہونے کا مشورہ دیا، مثلاً حضرت ابی بن کعبؓ آپ ﷺ نے ان کی بہت تعریف کی ہے اور ان کی خصوصیت بیان کی ہے کہ قرآن مجید سے ان کو خاص مناسبت تھی۔ حضرت زید بن ثابتؓ کاتب وحی تھے، قرآن مجید کا بہت بڑا علم رکھتے تھے۔ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کے قرآن مجید پڑھنے کی تعریف آپ نے خود فرمائی تھی۔ حضرت علی بن ابی طالبؓ اور حضرت عبداللہ بن عباسؓ کے متعلق آپ ﷺ نے دعا فرمائی۔

اللّٰهم علمه الكتاب وفقهه في الدين ۔

اے اللہ ان کو کتاب کا علم عطا فرما۔ اور دین کی سمجھ دے۔

یہ حضرات بھی ان چاروں صفات کے جامع تھے، یعنی قرآن مجید کے ''قاری'' بھی تھے اور ''معلم الکتاب'' بھی تھے اور ''معلم حکمت'' بھی اور ''مزکی'' بھی تھے، یہ چاروں شے ان حضرات میں جمع تھے، پھر تابعین کا دور آیا، اس دور میں بھی کثرت سے ایسے لوگ تھے جو ان چاروں چیزوں کے جامع تھے مثال کے طور پر حضرت حسنؒ بصری کا نام لے سکتا ہوں کہ وہ ان چاروں شعبوں کے جامع تھے۔ اسی طرح حضرت سعید بن جبیر اور محمد بن سیرین اور حضرت سعید بن مسیب، یہ وہ فضلائے تابعین تھے جو ان چاروں کمالات کے مظہر اور ان چاروں شعبوں کے جامع تھے۔ تبع تابعین میں بھی اسی طرح کی بے شمار ہستیاں پیدا ہوئیں جو ان چاروں چیزوں کی جامع تھیں۔ جیسے ائمہ اربعہ، محدثین، فقہاء اور صوفیا، تابعین جیسے حضرت فضیل بن عیاضؒ، حضرت معروف کرخیؒ، اور امام احمد بن حنبلؒ اسی طرح سے جنید بغدادی، یہ سب حضرات ان چاروں چیزوں کے جامع تھے، پھر انحطاط کا دوسرا دور شروع ہوا، اور شعبوں کی تقسیم ہونے لگی نتیجہ یہ نکلا کہ امت میں مختلف گروہ بن گئے اور ایک شعبہ سنبھال لیا۔ بعض نے تلاوت آیات کو اپنا شعار بنالیا۔ انہوں نے قرآن مجید کو حفظ کیا اور اس کی تجوید اور مخارج کی تصحیح کی، اور اتقان کے ساتھ پڑھنا انہوں نے اپنا فرض سمجھا۔ اللہ تعالیٰ امت کی طرف سے ان کو جزائے خیر دے کہ بہت بڑا فرض کفایہ ادا کیا اور قرآن مجید کے لطف اور طریقہ ادا کو محفوظ کردیا۔ جس طرح اس کے حروف کو اللہ تبارک وتعالیٰ کے حکم سے حضور ﷺ اور حضرت ابوبکر صدیقؓ نے جمع کیا تھا اور

حضرت عثمان غنیؓ نے اس کی نقلیں کرا کے عالم اسلام میں بھیجی تھیں۔

بعض حضرات نے تعلیم کتاب وحکمت کو اپنا شعار بنایا۔ وہ علماء ظاہر کی جماعت ہے جنہوں نے قرآن وحدیث کے رموز کو بیان کیا، ان کے مضامین کی اشاعت کی، اور ان کے مشکالات کی تشریح کی۔

تربیت وتزکیہ:

بعض حضرات نے تزکیہ اپنے ذمہ لیا، وہ حضرات صوفیاء کرام ہیں، جنہوں نے اپنے مریدین کی اور جو لوگ ان کی طرف رجوع کرتے تھے ان کے نفوس کی اصلاح وتربیت کا کام اپنے ذمہ لیا اور اس کو تہذیب واخلاق اور اصلاح باطن کا ایک فن بنا دیا، ان حضرات کی تعداد خدا کے فضل سے اتنی بڑی ہے کہ ان کا ذکر کرنا مشکل ہے، مثال کے طور پر سیدنا حضرت عبدالقادر جیلانیؒ، خواجہ بہاؤ الدین نقشبندی اور خواجہ معین الدین چشتی اور حضرت شیخ شہاب الدین سہروردی رحمہم اللہ۔

تجدید سلوک:

پھر ان کے بعد جنہوں نے فن سلوک کا کام کیا اپنے زمانہ کی پھیلی ہوئی بدعتوں کو اور تحریفات کو انہوں نے دور کیا اور اپنے زمانہ کی طبیعتوں کا لحاظ کر کے انہوں نے طب نبوی ﷺ کی تجدید کی، ان میں سے خاص طور پر حضرت شیخ امام ربانی مجدد الف ثانی، شیخ احمد سرہندی ان کے بعد حضرت شاہ ولی اللہ دہلویؒ، حضرت سید احمد شہید، حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ اور مولانا اشرف علی تھانوی وہ حضرات ہیں جنہوں نے فن سلوک کی تجدید کا کام انجام دیا، اور اپنے زمانہ کے مطابق ان کو بنایا، اور ان کے فائدہ کو عام کیا۔

حامل قرآن کی ذمہ داریاں:

اصل میں حامل قرآن کا کام صرف تلاوت اس کو پڑھ کر سنا دینا، صحیح طور پر یاد کر لینا اور اس کو صحت کے ساتھ ادا کر دینا، اور کسی مجلس میں، کسی جلسہ میں قرآن مجید پڑھ دینا نہیں ہے بلکہ حامل قرآن کی بہت بڑی ذمہ داری ہے، حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا۔ اس شخص کو عذاب دیا

جائے گا، جس کو اللہ نے قرآن مجید کا علم دیا، وہ رات کو سویا اور سوتا رہا، یہاں تک کہ صبح کی نماز قضا ہوئی۔ قرآن مجید کی ذمہ داری بہت بڑی ذمہ داری ہے، اس کو یاد کرنے کی اور اس کو یاد رکھنے کی، اس پر عمل کرنے کی، یہی وجہ تھی کہ جب جنگ یمامہ پیش آئی جو اسلام کی شدید ترین جنگوں میں ایک جنگ ہے، جس میں زور کا رن پڑا، اور زور کی لڑائی ہوئی، اور کشتوں کے پشتے لگ گئے بس ایک موت کا بازار گرم تھا اور کسی طرح فیصلہ نہیں ہوتا تھا کہ میدان جنگ میں ایک صحابیؓ نے للکارا، اور کہا اے حاملین قرآن، اور وہ لوگ جن کے سینوں میں قرآن ہے، آج قرآن پر عمل کر کے دکھاؤ، اور قرآن پر قربان ہو جاؤ، اس کے لئے اگر یہ ارتداد کا فتنہ نہ ختم ہوا تو قرآن مجید کا باقی رہنا مشکل ہے، چنانچہ جو حفاظ تھے وہ آگے بڑھے اور فیصلہ کر لیا، بے جگری سے ساتھ لڑے، اور پروانوں کی طرح نثار ہوئے، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:۔

فی صحف مکرمة مرفوعة مطهرة بایدی سفرة کرام بررة.

قرآن مجید بڑی عزت والے صحیفوں میں سے ہے اونچے اور پاک کئے ہوئے ایسے سفیروں کے ہاتھوں میں جو بڑے شریف اور پاک باز ہیں۔

معلوم ہوا کہ حاملین قرآن کی یہ تصویر " کرام بررة" ہونا چاہئے، حاملین قرآن کو اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ فرشتوں کی صفت ہے، بلکہ معلوم ہوا کہ جو قرآن مجید کو اٹھانے اور سینے میں رکھنے کا حوصلہ کرے اس کو ایسا بننا چاہئے۔ لا یمسه الا المطهرون، اللہ تعالیٰ کا منشا یہ ہے کہ اس قرآن مجید کو مطہر ہی چھوئیں، صحابہ کرامؓ میں سے جو لوگ قرآن مجید کے حافظ ہوتے تھے اور جن میں قرآن مجید کا علم خاص ہوتا تھا، وہ ممتاز اور اپنے اخلاق وتقویٰ اور عبادت میں دوسروں سے بڑھے ہوئے ہوتے تھے، اس لئے حضور ﷺ جب میدان احد میں شہداء کی لاشوں کو دفن کرنے لگے تو قرآن مجید جس کو زیادہ یاد ہوتا اس کو پہلی صف میں رکھتے جاتے تھے، اور فرمایا کرتے تھے:۔

یؤمکم من أقراکم.

امامت وہ کرے جو زیادہ پڑھا ہوا ہوا

تو اس کے یہ معنی نہیں ہیں کہ خالی حافظ ہو، جس کو قرآن مجید کا علم زیادہ ہو میرے کہنے کا مطلب یہ ہے کہ حفاظ کی بہت بڑی ذمہ داری ہے۔

عبرت آموز واقعہ:

دیکھئے! جس شخص کو کوئی بڑی چیز ملتی ہے وہ چھوٹی چیزوں سے بلند ہو جاتا ہے، پھر چھوٹی چیزوں کی طرف اس کی نگاہ نہیں جاتی، میں نے ایک مرتبہ اپنے مدرسہ میں ایک قصہ سنایا، وہ قصہ آپ کو بھی سناتا ہوں۔ بڑا عبرتناک قصہ ہے، بڑے کام کی بات ہے۔

ایک شخص نے کہیں سفر پر جاتے ہوئے شہر کے کسی معزز آدمی کے یہاں اپنی امانت رکھوا دی، اچھی خاصی رقم تھی، کئی ہزار روپیہ کی، اور کہا کہ میں سفر پر جا رہا ہوں، وہاں سے آ کر لے لوں گا، انہوں نے کہا اچھا رکھ دو، اللہ مالک ہے، آنا تو پھر لے لینا۔ وہ بے چارہ سفر کر کے آیا، عرصہ کے بعد اس نے ان سے جا کر کہا کہ ہماری امانت دے دیجئے تو وہ بالکل انجان بن گئے، کہنے لگے کہ میں تم کو پہچانتا نہیں کہ تم کون ہو اور کب آئے تھے اور کب رکھوایا تھا؟ بے چارہ حیران ہو گیا، شریف سمجھ کر نہ اس نے کوئی لکھا پڑھی کی تھی، نہ دستاویز لکھوائی تھی۔ اب وہ جتنا یاد دلاتا، وہ بھولتے جاتے یہاں تک کہ ناراض ہو گئے، اور کہنے لگے کہ ایک شریف آدمی کو بدنام کرتے ہوئے تمہیں شرم نہیں آتی۔ تم مجھے چور بناتے ہو، اس کے پاس کوئی ثبوت نہیں تھا، اس نے جا کر قاضی سے شکایت کی۔ قاضی صاحب بہت ہی سمجھدار اور ماہر نفسیات تھے، انہوں نے کہا کہ اس کا علاج میں کروں گا۔ تم کسی سے ذکر نہ کرنا، تھوڑے دنوں کے بعد ایک شخص کو بھیجا اور کہلوایا کہ آپ قاضی بننے والے ہیں، وہ سن کر بہت خوش ہوئے، بڑا اعزاز تھا، اس دن کے بعد اس شخص سے کہا کہ جا کر اپنی امانت مانگو، وہ گیا اور اس نے کہا کہ شاید آپ کو یاد آ جائے کہ میں فلاں وقت آیا تھا۔ کہا۔ ہاں مجھے یاد آ گیا اور تمہارے جانے کے بعد ہی مجھے یاد آ گیا تھا اور میں تمہارا منتظر تھا، تمہارے گھر کا پتہ مجھے معلوم نہیں تھا بہت اچھا کیا کہ تم آ گئے تمہاری امانت وہاں رکھی ہوئی ہے جا کر لے لو، جیسے تم رکھ کر گئے تھے ویسے ہی رکھی ہوئی ہے وہ گیا اور لے آیا اس کو بڑا تعجب ہوا، اور ان دو باتوں میں تعلق سمجھ میں نہیں آیا، اس نے قاضی سے کہا جو قاضی القضاۃ تھے، خیر میری امانت مجھے مل گئی۔ مگر یہ انتظام آپ نے کیسے کیا؟ اور انہوں نے اقرار کیسے کیا؟ اور وہ انکار کے بعد اقرار! قاضی صاحب نے کہا۔ کہ بھائی بات یہ ہے کہ ان کو اس سے بڑی چیز ملنے والی تھی۔

اصل میں اس اعلیٰ چیز سے اس کا گراوٹ کا کوئی جوڑ نہ تھا جس کو قضاۃ مل رہی ہو یا

وزارت مل رہی ہو، تو وہ کسی کے پانچ سو یا دو سو روپئے کیا مارے گا، اب ان کے ذہن کی سطح ایک دم سے بلند ہوگئی، تو وہ سوچنے لگے کہ میں قاضی ہوں، اب قاضی کی حیثیت سے معاملہ کو سوچنے لگے، تو یہ حرکت ان کو بہت گری ہوئی معلوم ہونے لگی، اور انہوں نے سوچا کہ پانچ سو کی کیا حقیقت ہے۔

تو میں نے اپنے طلبہ سے کہا کہ تم یہ سمجھو کہ تم عالم ہونے والے ہو، وقت یہ چھوٹی چھوٹی باتیں تم کو اتنی گری ہوئی معلوم ہوں گی، کہ تمہیں ان کے تصور کرنے سے تکلیف ہوگی، کہ ہم عالم ہوکر ایسی بات کر سکتے ہیں، ہمارے سینے میں جو اللہ کا کلام ہے، حدیث ہے اور حضور ﷺ کا کلام ہے تو ہم ایسی اوچھی اور گری ہوئی بازاری باتیں کر سکتے ہیں۔

قرآن کی دولت سب سے بڑی دولت ہے:

یہی میں آپ سے کہتا ہوں کہ جب آپ یہ سوچ لیں کہ آپ کے سینہ میں اللہ کا کلام ہے تو پھر آپ میں جو کم درجہ کی باتیں ہیں، کوئی بھی گناہ، کوئی بھی گراوٹ کی بات، کوئی بھی سوقیانہ اور اوچھی حرکت، جیسے مال کی محبت، عہدہ کی محبت اور تراویح کا تھوڑا تھوڑا معاوضہ لینا یہ ساری چیزیں آپ کی نظر سے ایسی گر جائیں کہ اگر آپ اپنی حیثیت پہنچان لیں، جس طرح سے وہ شخص جس نے صاف کہہ دیا کہ میں تمہیں نہیں جانتا کہ تم نے کب امانت رکھوائی؟ پھر اقرار کرلیا۔ کہ ہاں! ہاں! تم نے امانت رکھوائی تھی اور پھر دے دیا، اسی طرح سے آپ یہ سمجھ لیں کہ آپ کے پاس کیا دولت ہے، تو پھر کبھی کسی گناہ کی طرف، کبھی کسی ادنیٰ کام کی طرف، کبھی کسی پست خیالی کی طرف آپ کا ذہن نہیں جا سکتا، بس آپ یہ سمجھ لیں کہ آپ کے سینہ میں کیا ہے۔

برخود نظر کشاز تہی دامنی مرنج
در سینہ تو ماہ تمامے نہادہ اند

شاعر نے تو چاند کو خطاب کر کے کہا، کہ ہلال جب باریک ہوتا ہے، تو بے چارہ حقیر معلوم ہوتا ہے، تب اپنے اوپر، اپنے مستقبل پر نظر ڈالو، اپنی تہی دامنی پر رنج نہ کرو کہ تو خالی ہے بالکل بال کی طرح۔

در سینہ تو ماہ تمامے نہادہ اند

تیرے سینہ میں چودھویں کا چاند سو رہا ہے، اور چودھویں کے چاند کی کیا حقیقت ہے، آپ کے سینہ میں اللہ کا کلام ہے، سر الٰہی ہے، علم الٰہی ہے، علم اعظم ہے، لوگ اسم اعظم کے پیچھے پڑتے ہیں، آپ کے سینہ میں علم اعظم ہے، اسی علم اعظم میں اسم اعظم بھی ہے، آپ تو حامل علم اعظم، حامل اسم اعظم ہیں، رسول اللہ نے قرآن کریم کی فضیلت میں فرمایا، ہر حرف کے بدلہ دس نیکیاں ملیں گی اور میں نہیں کہتا کہ الم ایک ایک حرف ہے بلکہ الف ایک حرف، لام ایک حرف ہے، میم ایک حرف ہے۔

دوسری جگہ ارشاد ہے:۔

خیر کم من تعلم القرآن وعلمہ'

دیکھ لیجئے قرآن مجید کے کیسے کیسے فضائل ہیں، اگر حافظ تیس پارے پڑھے اور رمضان المبارک جیسے مقدس مہینے میں پڑھے، اور مسجد میں رمضان کی راتوں میں پڑھے، اور اس کے بعد سو دو سو یا پانچ سو روپیہ معاوضہ لے، حیرت کی بات یہ ہے کہ کیسے ایک انسان اس پر تیار ہو سکتا ہے۔

ایک بزرگ کا واقعہ ہے ایک روز بہت جوش میں آ کر کہنے لگے، خدا کی قسم اگر کوئی پورا ایک ملک پیش کرے اور کہے کہ پوری سلطنت لے لو اور ایک مرتبہ اللہ کہنے کا ثواب مجھے دے دو، واللہ میں راضی نہ ہوں گا۔ اور قرآن تو اللہ کے ذکر سے بھرا ہوا ہے، ایک ایک حرف اللہ کا کلام ہے، اور اس عالم میں سب سے بڑی قیمتی چیز، جس کا براہ راست اللہ سے تعلق ہے وہ قرآن مجید ہے اور جو سب سے بڑی دولت اس آسمان کے نیچے ہے، وہ قرآن مجید ہے، اس لئے کہ یہ اللہ تعالیٰ کی نسبت ہے، اللہ کا کلام، اس کو کلام قدیم کہتے ہیں، یعنی اللہ تبارک وتعالیٰ متکلم ہے اور یہ اس سے بڑھ کر تو کوئی چیز ہو ہی نہیں سکتیں، اس لئے اپنی قدر خود کرنا چاہئے، اور سمجھنا چاہئے کہ آپ کے پاس کیا دولت ہے؟! اگر آپ کو پتہ چل جائے کہ آپ کے پاس کیا دولت ہے تو آپ کے قدم زمین پر نہ پڑیں، کسی امیر کی کسی دولت کی وقعت آپ کے دل میں نہیں ہو سکتی، اگر ہوتی تو ہزار بار استغفار کرتے، ارے میرے دل میں، میرے سینہ میں اللہ کا پورا کلام ہے اور میں اس تاجر کو اس وزیر کو معزز سمجھتا ہوں۔

حضرت حافظ ابن تیمیہؒ فرماتے تھے کہ میرے دشمن میرا کیا بگاڑیں گے، میری جنت تو

میرے سینہ میں ہے، وہ مجھ سے کیا چھین لیں گے، میں تو اپنی جنت لئے پھر رہا ہوں اللہ کا کلام، اللہ کا علم میرے سینہ میں ہے، میرا باغ تو میرے ساتھ ہے، وہ مجھے کیا قید کریں گے، میں تو بالکل آزاد ہوں، جہاں بھی رہوں گا آزاد رہوں گا۔

روحانیت پیدا کرنے کے لئے عظمت اور اکتساب ضروری ہے:

کیوں ایک شخص کے اندر اتنی روحانیت پیدا ہو جاتی ہے اور وہ اتنی ترقی کرتا ہے اور ایک شخص وہ ترقی نہیں کرتا، فرق صرف عظمت اور اکتساب کا ہے، کلام اپنی جگہ عظیم ہے، لیکن اس کی عظمت کا استحضار بھی ضروری ہے، شاہ محمد یعقوب صاحب مجددی مثالوں کے بادشاہ تھے، عجیب عجیب مثالیں دیتے تھے، وہ اس کی مثال دینے لگے، کہنے لگے کسی چیز کا ہونا اور چیز ہے، اور اس کا علم حضوری اور چیز ہے، نواب محبوب علی خاں جو شاہ دکن تھے، موجودہ نظام کے والد، ان کی یہ عادت تھی کہ کبھی کبھی وہ بھیس بدل کر شہر میں گشت کیا کرتے تھے، تو ایک دن یونہی بھیس بدل کر شہر میں گشت کر رہے تھے، ایک تانگہ میں بیٹھ گئے ان کے ساتھ دوسرے صاحب بھی تانگہ میں بیٹھے چلے جا رہے تھے، دونوں یہ بات کرنے لگے، کہو بھائی! آج کل کیا خبر ہے، دوسرے صاحب یہ جان نہ سکے کہ یہ کون صاحب ہیں انہوں نے کہا کہ آج کل گلی کوچہ میں محبوب علی خاں جو ہمارے نواب ہیں، کے منہ پر ہر شخص تھوک رہا ہے اور ان کو برا بھلا کہہ رہا ہے اور ایک قصہ جو اس زمانہ میں مشہور ہوا تھا وہ ذکر کر کے اس نے کہا کہ آج کل یہ مشہور ہو رہا ہے کہ وہ یہ کر رہے ہیں اور جو منہ میں آیا کہنا شروع کیا، محبوب علی خاں وہیں بیٹھے رہے، اس کے بعد انہوں نے بیڑی نکالی، اور کہا دیا سلائی ہے؟ اس نے کہا جی ہاں، ہے، رات کا اندھیرا تھا اس نے جو ماچس جلائی تو پہچان لیا کہ یہی محبوب علی ہیں، بس اس کی ہاتھ پاؤں پھول گئے اور رعشہ پیدا ہو گیا۔ انہوں نے کہا گھبراؤ نہیں۔

بزرگان دین چھوٹے چھوٹے واقعات سے بڑے بڑے نتائج نکالتے ہیں، انہوں نے کہا کہ محبوب علی خان تو وہی تھے جو آکر بیٹھے، اس وقت محبوب علی خاں صاحب تھے، جب پوچھا تب بھی محبوعلی خاں تھے، جب اس نے کہا تب بھی محبوب علی خاں تھے، اور اس وقت جب ماچس جلائی اور منہ دیکھا تو محبوب علی خاں بدل گئے، تو اس پر ہیبت کیوں طاری ہوئی، وجود پہلے سے تھا، علم اب حاصل ہوا، حالت ہی بدل گئی، تو وجود قرآن تو وہی ہے جو آج سے تیرہ سو سال

پہلے تھا، جو آپ نے بچپن میں پڑھا، آپ نے جوانی میں پڑھا، جو آپ بڑھاپے میں پڑھ رہے ہیں یا پڑھیں گے، جو آپ تہجد میں پڑھتے ہیں، جو آپ تلاوت کرتے ہیں وہی قرآن مجید ہے، اس میں ایک نقطہ کا اضافہ نہیں۔ لیکن جو آپ کے اندر یہ بات پیدا ہوگئی کہ یہ اللہ کا کلام ہے اور کسی اللہ کا کلام، جس کی صفت یہ ہے اور کون سا کلام جس کی یہ شان ہے، اب آپ کی کیفیت اور کیفیت ہوگئی۔

لو انزلنا هذا القرآن على جبل لرأيته خاشعا متصدعا من خشية الله.

الله نزل احسن الحديث كتبا متشابها مثانى تقشعر منه جلود الذين يخشون ربهم ثم تلين جلودهم وقلوبهم الىٰ ذكر الله.

اگر ہم اس قرآن کو کسی پہاڑ پر نازل کرتے تو آپ اس کو دیکھتے کہ اللہ کے خوف سے دب جاتا، پھٹ جاتا۔

اللہ نے بہترین کلام نازل کیا ہے ایک کتاب باہم ملتی جلتی ہوئی، اور بار بار دہرائی ہوئی، اس سے ان لوگوں کی جلد جو اپنے پروردگار سے ڈرتے ہیں کانپ اٹھتی ہے پھر ان کی جلد اور ان کے قلب اللہ کے ذکر کے لئے نرم ہو جاتے ہیں۔

تو معلوم ہوا کہ دو چیزیں پیدا کرنا ہیں۔ ایک کلام اور صاحب کلام کی عظمت، دوسرے ثواب کی نیت اور ثواب کا یقین کہ ثواب مل رہا ہے، بس یہ دو چیزیں ہیں جن کی وجہ سے ایک شخص اعلیٰ مقام ولایت تک پہنچ جاتا ہے۔

قرب الٰہی کا سب سے بڑا ذریعہ قرآن کریم ہے:

بعض حضرات نے یہ فرمایا ہے کہ سلوک کا آخری درجہ قرآن ہے، اور نوافل میں قرآن مجید پڑھنے سے حاصل ہوتا ہی، جب سالک تمام مقامات طے کر لیتا ہے جو ذکر سے طے ہوتے ہیں، اس کے بعد جو آخری درجہ ہے قرب الٰہی کا، وہ کلام الٰہی کی کثرت تلاوت سے حاصل ہوتا ہے، حضرت مولانا فضل الرحمٰن گنج مرادآبادی فرماتے ہیں کہ جو قرب قرأت کے ذریعہ سے حاصل ہوتا ہے اس قرب کو کوئی نہیں پہنچ سکتا، اور یہ قرب استحضار سے، عظمت سے اور ثواب کے یقین سے حاصل ہوتا ہے، پڑھتے جائیے اور یقین کرتے جائیے کہ ثواب مل رہا ہے، ہر حرف پر دس نیکیاں مل رہی ہیں، اس کا شوق آپ کے دل میں زیادہ ہونا چاہئے، جتنا

زیادہ پڑھیں گے، اتنی زیادہ نیکیاں ملیں گی، بس بھائیو! اگر اپنے اندر یہ صفت پیدا کرلیں تو قرآن مجید کی تلاوت میں روح پیدا ہوجائے۔

قرآن کو بطور پیشہ پڑھنا گناہ ہے:

اور اگر اس کو پیشہ بنائیں تو اس سے بہت اچھا ہے کہ دنیا کو آدمی ذریعہ بنائے کسب معاش کا، قیامت کے دن وہ لوگ جو حلال روزی حاصل کرتے تھے اور جائز طریقوں سے کاروبار کرتے تھے، ان دنیا دار قاریوں، حافظوں اور عالموں سے بدرجہا آگے ہوں گے، جنہوں نے دین کو ذریعہ بنالیا تھا اپنا پیٹ بھرنے کا اور دنیا کمانے کا، تاجروں میں بکثرت اولیاء اللہ نکلے ہیں جو سمجھتے تھے ہم دنیا دار ہیں، صرف بچوں کے پالنے اور اپنا پیٹ پالنے کے لئے ایک دھندہ کیا ہے، اور اس میں ذکر کرتے تھے، نماز پڑھتے تھے، ڈرتے رہتے تھے، استغفار کرتے رہتے تھے، وہ کئی عالموں اور حافظوں سے بڑھ کر نکلیں گے، جنہوں نے قرآن مجید اور علم حدیث کو صرف دنیا کمانے کا ذریعہ بنایا۔

قرآن سے فائدہ حاصل کرنے کے لئے صحبت اور محنت ضروری ہے:

اللہ تعالی نے جہاں آپ کو یہ دولت عطا فرمائی ہے، تو اس میں روح بھی، خشیت بھی اور تقویٰ بھی پیدا کرنے کی کوشش کریں، اور یہ بات بغیر صحبت کے اور بغیر محنت کے حاصل نہیں ہوتی، قرآن مجید کے یاد کرنے میں آپ نے جتنی محنت کی ہے، اب اس یاد میں جان ڈالنے اور موزونیت پیدا کرنے کے لئے بھی آپ کو محنت کرنی چاہئے، اگر آپ نے قرآن مجید کے یاد کرنے میں دو برس لگائے تو سچی بات یہ ہے کہ اس میں چار برس لگائیے، اس لئے کہ وہ تو الفاظ ہیں جس کو کافر و مومن سب پڑھ سکتے ہیں، اور بے شک کافر کو یاد ہونا مشکل ہے، لیکن یاد ہوتا ہے، اب بھی مصر و شام میں کتنے غیر مسلم ایسے ہیں، جن کو قرآن مجید یاد ہے، المنجد کا مصنف جو عیسائی تھا وہ حافظ تھا، تو معانی قرآن، علوم قرآن اور قرآن مجید کو دل میں راسخ کرنے کے لئے، اپنے اخلاق کو صحیح کرنے کے لئے، آپ کو وقت لگانے اور محنت کرنے کی ضرورت ہے۔

ایک مرتبہ حضرت مولانا محمد الیاسؒ کے ساتھ ایک گاڑی میں بیٹھا ہوا جا رہا تھا، میں نے عرض کیا کہ حضرت اس سفر میں قرآن مجید میں جو بات حاصل ہوتی ہے اور سمجھ میں آتی ہے وہ

گھر پر نہیں آتی، تو حضرت بہت خوش ہوئے، اور دوسروں کو مخاطب کیا کہ دیکھو مولانا کیا کہہ رہے ہیں؟ یہی سچی بات ہے۔ میدان جہاد میں جن لوگوں نے قرآن مجید کو سمجھا تھا، اور خدمت کے میدانوں میں جنہوں نے قرآن مجید کو سمجھا تھا اور محنت کے میدانوں میں جنہوں نے قرآن مجید کو سمجھا تھا، ان کی سمجھ تو ہمارے یہاں قرآن مجید پڑھنے سے حاصل نہیں ہو سکتی۔

قرآن مجید سے مناسبت پیدا کرنے کے لئے مجاہدہ کی ضرورت ہے۔ اللہ تبارک وتعالی آپ کو قرآن مجید کی تعظیم کرنے کی، اس پر عمل کرنے کی، اور اس کا لطف لینے کی، اور اس سے قرب حاصل کرنے کی توفیق عطا فرمائے، آمین۔

وما علینا الا البلاغ

متنوع اور گہرے مطالعہ کی ضرورت

ذیل کی مضمون حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی رحمۃ اللہ علیہ رحمۃ واسعۃ کی اس طویل تقریر کا دوسرا جزء ہے جس میں طلبہ کو مطالعہ پڑھانے اور حالات و زمانہ کی نبض پہچاننے اور اس کے مطابق دعوتی کام کرنے کی صلاحیت پیدا کرنے کی دعوت دی گئی۔

الحمد لله نحمده و نستعينه و نستغفره و نو من به و نتو كل عليه و نعوذ بالله من شرر انفسنا و من سيأت اعمالنا من يهده الله فلا مضل له و من يضل الله فلا هادى له ونشهد ان لا اله الا الله وحد ه لاشريک له و نشهد ان سيد نا ومولانا محمد ا عبده و رسوله صلى الله تعالىٰ عليه و علىٰ آله واصحابه اجمعين اما بعد .

عالم اسلام کی موجودہ صورتحال کا تقاضا

عزیز طلبہ: عالم اسلام کی جس صورتحال کی تصویر ہم نے پیش کی ہے، اس نے ہمارے لئے ایک زبردست چیلنج کھڑا کر دیا ہے، وہ چیلنج یہ ہے کہ ہم کیسے اس کا مقابلہ کریں اور ان چیلنجوں کا جواب کیسے دیں، ظاہر ہے اس کے لئے بڑی تیاری کی ضرورت ہوگی، اس سلسلہ میں ایک باخبر تعلیم وتدریس کا کام کرنے والے تجربہ کار کی حیثیت سے آپ کو علمی تیاری کے سلسلے میں مطالعہ کا مشورہ دوں گا۔

کورس کی کتابوں اور مطالعہ کی کتابوں میں فرق

عزیز دوستو: یہ بات یاد رکھئے کہ کورس کی کتابوں اور مطالعہ کی کتابوں کے درمیان ایک نازک فرق ہے وہ یہ کہ کورس کی کتابوں اور نصاب تعلیم پر ایک خاص قسم کی سرکاری مہر یا کسی خاص جماعت کی اور اس کے انتساب کی مہر لگی ہوتی ہے، اس لئے وہ ایک طرح سے حجاب بن جاتا ہے، لیکن مطالعہ کی کتابوں میں ایسا نہیں ہوتا، مطالعہ کی کتابیں اپنے شوق رغبت سے خریدی جاتی ہیں اور ان کا انتخاب مرضی کے مطابق کیا جاتا ہے اور آزادی کے ساتھ وہ پڑھی

جاتی ہیں، اس لئے ہم مطالعہ کی کتابوں اور ان کے مواد کے نتائج کو نظر انداز نہیں کر سکتے، کورس کی کتابوں کی تنقیص یا اس کی تحقیر کوئی کیسے کر سکتا ہے، کورس بہر حال کورس ہے، اس پر محنت کرنی چاہئے، وہی کامیابی وناکامی کا امتحان اور پیمانہ ہے۔

اسلام کے بارے میں موجودہ دانشور طبقے کے خیالات

غلط کتابوں کے مطالعہ سے جو ذہن تیار ہو رہے ہیں اور جو طبقہ اس وقت دانشور کہلاتا ہے، وہ اس بات کا قائل نہیں کہ اسلام ایک زندہ اور ابدی مذہب ہے اور وہ ہر زمانہ اور تغیر پذیر دنیا میں قیادت کی صلاحیت رکھتا ہے، بلکہ اس کا عقیدہ اور خیال یہ ہے کہ بانی اسلام ایک اچھا مذہب تھا، اس نے آج سے چودہ سو سال پہلے اچھا کام کیا تھا، اس نے زندہ درگور ہونے والی لڑکیوں کو مزید زندہ درگور ہونے سے بچایا تھا، علم کو اس نے عام کیا تھا، لیکن اس جدید دور اور سائنس وٹیکنالوجی کے اس عہد میں اس کا کوئی کام صحیح نہیں ہے اس زمانہ میں بار بار اسلام کا نام لینا اور شریعت پر عمل کرنے کی دہائی دینا صحیح نہیں ہے، اس طرح کی دعوت گویا زمانہ سے ناواقفیت کی بات ہے، ایسی کتابوں کے مطالعہ کے برعکس ایک صالح و مصلح اور ایک ایمان افروز اور یقین آفرین ادب اور انسانیت ساز اور اخلاق ساز ادب کا مطالہ اور اس کے نتائج کو دیکھئے کہ ایسے ادب کا مطالعہ اتنا ہی مؤثر اور مفید ہے جتنا وہ مضر اور نقصان دہ ہے، جس کی طرف ہم نے اشارہ کیا ہے۔

چنانچہ آپ دیکھیں گے کہ اللہ تعالیٰ جن سے کام لے رہا ہے اور جن سے اس نے کام لیا ہے، ان میں صلاحیت اور استعداد پیدا ہونے اور ان صلاحیتوں کو بروئے کار لانے میں بہت دخل اس صالح ادب کے مطالعہ کو تھا، جس نے ہمیشہ آڑے وقتوں میں ہلاکت کے آغاز میں گرنے سے بچایا ہے، اس کی میں چھوٹی سے مثال دیتا ہوں۔

جس زمانہ میں الندوہ، مولانا عبد السلام قدوائی اور ہماری ادارت میں نکل رہا تھا ہم نے مشاہیر اہل علم سے درخواست کی تھی کہ آپ حضرات ایک مضمون لکھ کر یہ بتائیں کہ آپ کی محسن کتابیں کون سی ہیں تا کہ ہمارے رسالہ کے پڑھنے والے اور طلبہ اس سے فائدہ اٹھائیں، چنانچہ مولانا سید سلیمان ندوی، مولانا حبیب الرحمان خاں شیروانی، مولانا مناظر احسن گیلانی،

مولانا عبید اللہ سندھی، مولانا اعزاز علی صاحب جیسے علماء ادباء کے ساتھ جدید طبقہ کے بعض اہل علم اور فضلاء کے مضامین اس موضوع پر آئے، یہ تمام مضامین بعد میں الگ سے بھی کتابی صورت میں شائع کردیئے گئے تھے۔

ان تمام مضامین میں ایک مضمون لاہور کے مشہور فاضل بشیر احمد (آکسن) کا بھی تھا، انھوں نے لکھا کہ جب میں آکسفورڈ میں پڑھتا تھا تو مجھ پر بار بار تشکیک اور الحاد کا حملہ ہوتا تھا، کبھی کمیونزم کا حملہ ہوتا تھا، ایسے موقع پر علامہ شبلی کی کتاب الفاروق ہمارے سامنے آکر کھڑی ہوجاتی تھی کہ وہ شخصیت جس کے بارے میں یہ کتاب لکھی گئی ہے، وہ گمراہ نہیں ہوسکتی۔ وہ شخصیت جس دین پر بھی اور جس کے قلم سے یہ لکھی گئی ہے، اس کو ہم گمراہ نہیں مان سکتے حق اس کے ساتھ ہے، ہم کو تو اس کی زندگی گذارنی چاہئے اور اس پر مرنا چاہئے، ایسے ہزاروں اور لاکھوں واقعات ملیں گے کہ صحیح مطالعہ بلکہ زبان وعلم افروز مطالعہ نے ان کی زندگی میں انقلاب برپا کردیا۔

کتاب کے اندر علمی وزن، طرز نگارش اور نفسیات شناسی بھی ضروری ہے

میں آپ کو یہ بتانا چاہتا ہوں کہ بعض اوقات تنہا ایمانی طاقت کو غذا پہنچانے والی اور ایمان کے نام سے اپیل اور مطالعہ کرنے والی چیزیں کافی نہیں ہوتیں اس کے ساتھ علمی وزن اور طرز نگارش اور نفسیات شناسی بھی چاہئے، جن کتابوں میں ان امور کا لحاظ رکھا گیا، انھوں نے زندگیوں کو بنادیا اور اپنی زندگیوں کے ذریعہ انھوں نے پورے معاشرے پر اثر ڈالا۔

میں دوسروں کے سنے سنائے واقعات کے بجائے خود اپنا واقعہ بیان کرتا ہوں کہ جب میں اردو پڑھنے کے قابل ہوگیا تو سب سے پہلے جس کتاب نے ہمیں متاثر کیا وہ سیرت خیر البشر تھی۔

مین چونکہ مکتبات کی فہرست دیکھنے کا عادی تھا، لکھنو میں شبلی بکڈپو اور بمبئی میں عربی کتب کا واحد مکتبہ قیمہ تھا میں نے فہرست اور رحمۃ للعالمین نامی کتاب کا اشتہار دیکھا جو قاضی سلیمان منصور پوریؒ کی قلم سے لکھی ہوئی تھی، میں نے اس کتاب کا آرڈر دیدیا جب وہاں سے کتاب کی وی پی آئی تو میرے پاس اس کے چھڑانے کے لئے پیسے نہیں تھا، والد صاحب کا

انتقال ہو چکا تھا، والدہ صاحبہ کے پاس اتنے پیسے نہیں تھے کہ وہ دیتیں، حالانکہ اس زمانہ میں کتابوں کی قیمت بہت کم ہوا کرتی تھی، والدہ صاحبہ نے قیمت دینے سے معذرت کردی، اب کیا کروں، اس نازک صورتحال دیکھ کر میں ابھی ان خورد سال صحابہ کرام کی طرح رونے لگا جو جہاد میں شامل نہ کئے جانے پر رورہے تھے، والدہ صاحبہ نے مجبور ہوکر کہیں سے اس کا انتظام کیا اور وہ وی پی ہم نے چھڑالی، ہم نے اس کتاب کو پڑھا، بلکہ ہم اس کتاب میں ڈوب گئے، اس زمانہ میں ہمارے ایک عزیز میڈیکل کالج میں داخل تھے، ہم وہاں رہتے تھے، ایک استغراق کا عالم تھا، کالج کی شاندار عمارت کے بیچ اور سڑکوں پر آنے جانے والوں کی ہمیں کوئی خبر نہیں ہوتی تھی، ہماری آنکھیں ان کے بجائے بدر واحد کے میدانوں کو زیادہ دیکھتی تھیں اور وہاں کی شہادت گاہوں کو دیکھتی تھیں، پروفیسروں اور طلبہ کو دیکھنے کے بجائے ہماری آنکھوں میں بدر واحد کے مجاہدین اور خلفائے راشدین اور صحابہ کرام کا تصور بسا ہوا تھا، ایک طرح سے اس میں اس کتاب میں فنا ہوگیا تھا۔

یہ بھی ایک معمہ ہے جو ابھی تک سمجھ نہیں سکے کہ کانپور میں ۱۹۲۶ء میں ندوۃ العلماء کا سالانہ جلسہ تھا اس میں مولانا سلیمانؒ منصور پوری بھی آئے تھے، انھوں نے ہمارے بھائی صاحب مرحوم سے پوچھا کہ ہم نے آپ کے چھوٹے بھائی ابوالحسن کو کتاب رحمت للعالمین بھیجی تھی وہ ملی یا نہیں ان کے دل میں یہ کیسے خیال کہ ان کا چھوٹا بھائی اس کتاب کو پڑھے گا اور اسے فائدہ ہوگا۔

ہمارے گھر پر اللہ تعالیٰ کا خاص فضل تھا کہ ہمارے چچا سید فاروق صاحب کے گھر میں مولانا شبلیؒ، مولانا سید سلیمانؒ ندوی اور مولانا حالی وغیرہ کی کتابیں تھیں، ان میں الفاروق اور الغزالی بھی تھی، اور حیات سعدی بھی، ایک اور کتاب تھی، ارشاد رحمانی جو مولانا سید محمد علی مونگیری بانی ندوۃ العلماء کی کتاب تھی، جس میں انھوں نے اولیں زمانہ مولانا فضل الرحمن گنج مرادآبادی کی خدمت میں اپنی حاضری، ان کی نگاہ شفقت اور ان کی تاثیر اور برکتوں کا ذکر کیا ہے، اس کتاب نے بھی پر بڑا اثر ڈالا پھر اور کتابیں دیکھنے میں آئیں، اس کے بعد زمانہ آیا جب ہم نے انگریزی اتنی پڑھ لی کہ جدید مغربی مصنفین کی کتابوں سے استفادہ کرسکیں۔

ہم یہاں آپ کو ایک حقیقت سے باخبر کرنا چاہتے ہیں، ایک چیز ہوتی ہے،

فیکٹر **FACTOR** اور دوسری چیز ہوتی ہے ایکٹر **ACTOR**، ہم نے اپنی کتاب ماذا خسر العالم بانحطاط المسلمین کے دیباچہ میں لکھا ہے کہ عام طور پر یہ سمجھ لیا گیا ہے کہ مسلمان خربوزہ کی طرح ہے، وہ چھری پر گرے تو اس کا نقصان اور چھری اس پر گرے تو خربوے کا نقصان یعنی مسلمانوں میں صرف اثر قبول کرنے کی صلاحیت ہے اثر ڈالنے کی نہیں، ہمارے گھر میں جو ماحول تھا وہ اعتدال اور توازن اور حقیقت پسندی کا تھا ایک طرف ہمارے بھائی صاحب تھے جو ندوہ کے فاضل، دیوبند کے فاضل، دوسری طرف سائنس کے بہترین طالب علم میڈیکل کالج میں امتیاز کے ساتھ انھوں نے امتحانات پاس کیۓ، اور انھیں سونے کا تمغہ بھی ملا تھا، دوسری شخصیت ہمارے پھوپھا مولانا سید طلحہ صاحب کی تھی جو ایک طرف ایم اے تھے تو دوسری طرف شرقی علوم کے فاضل ان دونوں کی گفتگو میں بڑا توازن اور حقیقت پسندی تھی۔

مغربی تہذیب کا سوفیصدی انکار صحیح نہیں ہے

یہ نکتہ آپ یاد رکھئے کہ محض مبالغہ اور رادعاے سے کام نہیں چلتا، یہ چیز اکثر مضر ہوتی ہے، مثلاً یہ کہہ دیا جائے کہ مغربی تہذیب کچھ نہیں، اس میں کوئی چیز قابل استفادہ نہیں، ٹھوکر مارنے کی چیز ہے، لیکن جب آدمی کو اس کے خلاف کوئی ثبوت ملے گا یا اس کو تجربہ ہوگا، سائنس کی ترقی اور اس کے فوائد کا تو وہ پھر منکر ہو جائے گا، اس لئے یہ حقیقت ان لوگوں کے سامنے رکھنی چاہئے جو دعوت تربیت کا کام کرتے ہیں، کہ انھیں توازن واعتدال اور حقیقت پسندی سے کام لینا چاہئے، نہ یہ کہ انکار پر آئے تو سوفیصدی انکار کہ اس مغربی علوم میں کوئی خوبی نہیں، مغربی علوم میں بہت سی چیزیں قابل استفادہ ہیں اور قابل قدر ہیں، ان کی ضرورت ہے، لیکن وہ انسانیت کی رہنمائی کے لئے کافی نہیں ہیں، ان کی اخلاقی عنصر اور ان کے اندر تربیتی صلاحیت، خوف خدا پیدا کرنے اور ضمیر کو بیدار کرنے کی صلاحیت نہیں ہے، یہ حقیقت بھی یاد رکھئے کہ عدم توازن بعض اوقات ارتداد تک پہونچا دیتا ہے، اور یہ آدمی کا رخ بدل دیتا ہے، ان دونوں حضرات کی محبت اور گفتگو سے حقیقت پسندی پیدا ہوئی، میں نے امریکی مصنف ڈریپر کی مشہور کتاب ''معرکہ مذہب وسائنس اور لیکی کی ''تاریخ اخلاق یورپ'' پڑھی ان دونوں کتابوں کے مطالعہ سے یورپ ذہن کو سمجھنے میں بڑی مدد ملی، مغربی تہذیب اور اس کے عوامل ومحرکات کو سمجھنے کے

لئے ان دونوں کتابوں کا مطالعہ بہت ضروری ہے، مذہب وسیاست کے درمیان کشمکش کے موضوع پر علامہ اقبال نے کہا ہے۔

خصومت تھی سلطانی وراہبی میں
کہ وہ سربلندی ہے یہ سر بزیری
سیاست نے مذہب سے پیچھا چھڑایا
چلی کچھ نہ پیر کلیا کہ پیری
ہوئی دین ودولت میں جس دم جدائی
ہوس کی امیری ہوس کی وزیری
یہ اعجاز ہے ایک صحرا نشین کا
بشیری ہے آئینہ دار نذیری
اسی میں حفاظت ہے انسانیت کی
کہ ہوں ایک جنیدی دارو شیریں

مسیحی مذہب اور اس کے اجارہ دار کلیسا کے اندر یہ صلاحیت ہی نہیں تھی کہ وہ زندگی کی رہنمائی کرتا اس کی وجہ سے کلیسا اور سیاست کے درمیان ایک رقابت بلکہ محاذ آرائی ہونے لگی، کلیسا میں کیا کمزوریاں تھی اور سیاست کیا چاہتی تھی اور اس دور میں سیاست تھی اس کتاب میں معرکہ مذہب وسائنس سے ہمیں بڑا فائدہ پہونچا۔

دوسری کتاب تاریخ اخلاق یورپ کے مطالعہ سے یہ معلوم ہوا کہ یورپ کے اخلاق اور اس کے معاشرہ کی تشکیل میں مادہ پرستی کا جو کردار رہا ہے، اس کے اسباب وعوامل کیا ہیں، وہ اس کتاب سے معلوم ہوا۔

پھر ایک تیسری کتاب لندن یونیوٹی میں شعبہ کے صدر کی کتاب **AGUIDTO MODERN WICKEDNESS** پڑھنے کو ملی جس میں اس نے بتایا ہے کہ اس وقت کی خباثت کیا ہے، دوسری کتاب **A NEW PHILOSPHY FOR OUR TIMES** پڑھنے کو ملی جس سے بڑا فائدہ ہوا۔

یہ دونوں کتابیں مولانا عبدالماجد دریابادی کے ذریعہ ملیں۔

یہ توجہ جملہ معترضہ تھا، بتانا آپ کو یہ ہے کہ ان کتابوں کے مطالعہ نے یہ صلاحیت ہی بلکہ داعیہ اور داعیہ ہی نہیں بلکہ ایک اضطرابی کیفیت پیدا کی ہم ایسی کتاب لکھیں جس میں یہ بتایا گیا ہو کہ مسلمانوں کا ارتقاء اور عروج کا اور مسلمانوں کا انحطاط دنیا کے اخلاقی، انسانی، معنوی، ذہنی، مذہبی، معاشرتی اجتماعی، اور سیاسی ہر طرح کے انحطاط کا سبب ہے، یہ موضوع بالکل نیا تھا، بلکہ میں تو یہ کہوں گا کہ یہ القاء تھا اللہ تبارک تعالیٰ کی طرف سے اس کو لکھا ہماری حقیر ذات سے کچھ کام لینا تھا، ممالک عربیہ میں، یہ کتاب اللہ تعالیٰ نے لکھوائی، عرب نوجوانوں اور دانشوروں اور مفکرین نے پڑھا، سید قطب جیسے چوٹی کے لوگ جو وہاں تھے، انھوں نے جس نظر سے دیکھا پھر اس کتاب سے نئے طبقہ پر جو اثر پڑا جس احساس کمتری میں عرب ممالک کے نوجوان ادیب اور اہل قلم مبتلا ہو رہے تھے، اس میں فرق پڑا اس کے بعد اور کتابوں کے لکھنے کی توفیق ہوئی۔

چند بنیادی کتب جن کا مطالعہ ضروری ہے

اب میں چند کتابوں کے نام لیتا ہوں، آپ ان کتابوں کا ضروری مطالعہ کریں، ایک تو آپ سیرت کے موضوع پر علامہ شبلی اور مولانا سید سلیمان ندوی کی کتابیں ہیں، اس کتاب ''سیرت النبیؐ'' کو اول درجہ کی کتاب عرب ممالک میں مانا گیا ہے، سید صاحب کی کتاب خطبات مدراس کا ضروری مطالعہ رکھیں، اس کے ساتھ صحابہ کرام، خلفائے راشدین کی سیرت پر جو کتابیں لکھی گئی ہیں، انہیں اپنے مطالعہ میں رکھیں، علامہ شبلی کی الفاروق، مولانا حبیب الرحمٰن خان شیروانی کی سیرۃ الصدیق اور ہماری حقیر تصنیفات میں المرتضیٰ، ماذا خسر العالم اور اس کا ترجمہ انسانی دنیا پر مسلمانوں کے عروج وزوال کا اثر مسلمان ممالک میں اسلامیت ومغربیت کی کشمکش ضرور پڑھیں، یہ وہ بنیادیں کتابیں ہیں، جو آپ کے ذہن سے اپنے نظام تعلیم، نظام فکر اور اس سے آگے بڑھ کے اسلامی تعلیمات اور اسلامی ہدایات کے بارے میں اگر احساس کمتری ہے اس کو دور کریں گے، تاریخ دعوت وعزیمت کے پانچوں حصے بھی آپ پڑھیں، میں بغیر کسی تواضع اور معذرت کے کہتا ہوں کہ یہ اپنے موضوع پر بالکل منفرد کتاب ہے، ابھی تک کسی اسلامی زبان میں اس طرح تاریخی تسلسل، دینی وتاریخی، نقطہ نظر اور بحث وتحقیق کے ذریعے پھر مؤثر طریقے سے مصلحین امت اور مجددین ملت کا تذکرہ نہیں لکھا گیا،

اس کا انگریزی، عربی، ترکی وفارسی میں بھی ترجمہ ہو چکا ہے۔

نقوش اقبال یا روائع اقبال بھی آپ پڑھیں ابھی جو نظم پڑھی گئی اس سے آپ کو اندازہ ہو گیا ہوگا کہ اقبال کو عشق رسول سے حصہ وافر ملا تھا، میں دو مرتبہ ان سے ملا ہوں اس وقت بہت کم لوگ زندہ ہوں گے جو اقبال سے ملے ہوں، اللہ تعالے نے مجھے موقع دیا، میں ان کی مجلس میں بیٹھا، ان کی باتیں سنیں، ان کے انتقال سے چند مہینے پہلے ان سے ملا تھا، مدینہ منورہ کا نام سن کر ان کی آنکھوں میں آنسو آ جاتے تھے۔

ایک بار مدینہ منورہ میں مجھے بعد نماز مغرب تقریر کے لئے مدعو کیا گیا، مجھے شرم آئی کہ میں اللہ کے محبوب رسول کے علاوہ اگر کسی اور شخصیت بارے میں یہاں تقریر کروں تو یہ زمین میں گڑ جانے کی بات ہے اور سخت شرمندگی اور تائب ہونے کی بات ہے، میں نے اپنی تقریری میں کہا کہ جوار رسول میں غیر رسول پر تقریر کرنے کا اگر جواز ہے تو یہ کہ جس شخصیت (اقبال) کے بارے میں میں تقریر کرنے جا رہا ہوں وہ عاشق رسول تھے، پھر میں نے دو شعر ان کے فارسی کے پڑھے۔

بایں پیری رہ یثرب گرفتم
نواخوں از سرور عاشقانہ
چو آں مرغے کہ در صحرا سر شام
کشاید پر بہ فکر آشیانہ

میں بڑھاپے میں مدینہ کی طرف چلا تو لوگوں نے کہا کہ یہ عمر اور مدینہ کا سفر، یہ عمر اور عرب کا سفر کہاں جا رہے ہو اور کیا سوچ رہے ہو، میں نے کہا کہ پرندہ دن بھر اڑتا رہتا ہے، مارا مارا پھرتا ہے، لیکن شام ہوتے ہی وہ تیزی کی طرح اپنے آشیانہ کی طرف جاتا ہے، میں بھی اپنے اشیانہ کی طرف جا رہا ہوں۔

مولانا مودودی نے لکھا ہے کہ مہاراجہ کپورتھلہ نے فارسی میں کسی قانونی دستاویز پر انگریزی میں ترجمہ کرانے کیلئے ڈاکٹر اقبال کو بلایا ان کی رہائش کے سارے انتظامات کئے، رات کو اچانک مہاراجہ کو خیال آیا کہ کہیں ڈاکٹر صاحب کو کوئی ضرورت نہ ہو یہ دیکھنے کیلئے جب گئے تو دیکھا کہ ڈاکٹر صاحب مسہری پر آرام کرنے کے بجائے زمین پر لیٹے ہوئے ہیں، مہاراجہ نے

کئی بار پوچھا تو انھوں نے کہا کہ مجھے خیال آیا کہ میرے آقا تو زمین پر لیٹتے تھے میں چارپائی پر لیٹوں، مجھ سے لیٹا نہیں گیا۔

کلیات اقبال ضرور پڑھئے

اس لئے آپ کو مشورہ دوں گا کہ کلام اقبال میں بال جبرئیل اور ضرب کلیم ضروری پڑھئے، فکر کا بھی فائدہ ہوگا، اور ادبی فائدہ بھی ہوگا، ہم نے بعض عرب فضلاء کو دیکھا ہے کہ وہ روائع اقبال کے صفحے کے صفحے زبانی پڑھتے تھے، ان میں عمان کے مفتی خلیلی بھی ہیں۔

حیاۃ الصحابہ کی افادیت

مولانا یوسفؒ صاحب کی مقبول ترین کتاب ''حیاۃ الصحابہ'' آپ ضروری پڑھیں، اس میں صحابہ کرام کے مؤثر اور طاقتور ترین واقعات ہیں اس کتاب کے پڑھنے سے احساس کمتری کے دور کرنے میں مدد ملے گی۔

ہمارا رسالہ اسلامی بیداری کی لہر یا عربی تحریر ترشیدہ الصحوۃ االاسلامیہ ضرور پڑھیں، اس وقت دینی جماعتوں میں کیا کمزوریاں ہیں، مسلمانوں کے کیا طبقات ہیں، اور ان کی ضرورتیں کیا ہیں، ان کے عقلی مدارک کیا ہیں اور کس زبان اور کس مواد کی روشنی میں ان سے بات کرنی چاہئے، اور کس لہجہ میں ان سے خطاب کرنا چاہئے، اس میں بتایا گیا ہے کہ بہت سی تحریکیں جمود توڑنے کے لئے پیدا ہوئی ہیں لیکن خود جمود کا شکار ہو جاتی ہیں، ان پر کائی جم جاتی ہے، جیسے ساحل پر کائی جم جاتی ہے، اس کائی کو کئی مرتبہ ہٹانا کافی نہیں ہوتا بلکہ بار بار دیکھنا چاہئے، آپ کو چونکہ دعوتی کام کرنا ہے، اس لئے ان کتابوں کو پڑھنے سے آپ کی ذہن سازی ہوگی، اور آپ کو فکری غذا فراہم ہوگی، دعوت کے موضوع اور مسلمانوں کی نشأۃ ثانیہ اور نشأۃ اسلامیہ پر ہمارے مقالات اور تقریروں کا مطالعہ کریں۔

واخر دعوانا ان الحمد وللہ رب العالمین

مدرسہ دینیہ سے فارغ ہونے والے طلبا کے نام

حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندوی نوراللہ مرقدہ نے دارالعلوم ندوۃ العلماء سے فارغ ہونے والے طلباء کے سامنے درد بھرے لہجے میں ناصحانہ اور عالمانہ انداز میں یہ فکر انگیز الوداعی تقریری ۸ دسمبر ۱۹۹۶ء میں فرمائی، جو افادۂ عام کی غرض سے ہدیہ ناظرین کی جارہی ہے

الحمد لله نحمده و نستعينه و نستغفره و نو من به و نتو كل عليه و نعوذ بالله من شرر انفسنا و من سيأت اعمالنا من يهده الله فلا مضل له و من يضل الله فلا هادى له و نشهد ان لا اله الا الله وحد ه لاشريک له و نشهد ان سيد نا ومولانا محمد ا عبده و رسوله صلى الله تعالىٰ عليه و علىٰ آله و اصحابه اجمعين اما بعد.

فرزندان عزیز! میں اس مجلس کے لئے اور یہاں سے فارغ ہوکر جانے والوں کے لئے اس سے بہتر پیغام اور اپنے مطالعہ و معلومات اور اپنے علمی ذوق و جستجو میں اس سے بڑھ کر کوئی وصیت نہیں پاتا جس میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے سفر پر جانیوالے صحابہؓ سے فرمایا تھا "**استودعک الله دینک و امانتک و خواتیم اعمالک**" میں اللہ کے حوالے کرتا ہوں تمہارا دین، تمہاری امانت اور تمہارے خواتیم اعمال۔ ان الفاظ میں لفظ امانت ایسا ہے جس کے مفہوم کو ایک مفرد لفظ سے تعبیر نہیں کیا جا سکتا۔ ضمیر کی بیداری، احساس فرض، فرائض کی ادائیگی، اللہ تعالیٰ کا خوف، انسانوں سے محبت، احکام الٰہی کا احترام اور ان پر عمل، یہ سب مفاہیم اس ایک لفظ میں شامل ہیں، قرآن مجید اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے، "**انّا عرضنا الامانته على السموات و الارض والجبال فابين ان يحملنها واشفقن منها وحملها الالنسان انه كان ظلوماً جهولا**"۔

ہم نے (بار) امانت آسمانوں اور زمین پر پیش کیا تو انہوں نے اس کے اٹھانے سے انکار کیا اور انسان نے اسے اٹھالیا بے شک وہ ظالم اور جاہل تھا (احزاب)

عزیزو میں آپ سے کہتا ہوں کہ آپ ان تینوں چیزوں کو کرہ میں باندھ لیجئے بلکہ لوح دل پر لکھ

لیجئے دین امانت اور حسن خاتمہ، ان میں خواتیم اعمال کی ذمہ داری آپ پر اس طرح نہیں ہے جس طرح دین وامانت کی ذمہ داری آپ پر ہے یہ اللہ تعالیٰ کے کرنے کی چیز ہے لیکن اس کے لئے بھی کچھ اسباب ہیں، کچھ صفات وخصوصیات ہیں جن کا آپ کے اندر ہونا ضروری ہے۔ وہ ہے آپ کا طرز عمل، آپ کا عقیدہ اور آپ کا عمل ہوگا تو اللہ کی طرف حسن خاتمہ کا فیصلہ ہوگا۔ وہی حسن خاتمہ نصیب کرے گا شرط یہ ہے کہ ان بنیادی صفات سے آپ متصف ہوں جن پر حسن خاتمہ کا انحصار ہے۔

اپنا وقار بلند کریں

عزیزو! میں صاف صاف آپ سے کہتا ہوں اور اس میں کسی اشارے کنائے سے کام نہیں لیتا، آپ نماز پنجگانہ کی پابندی کریں، نوافل تسبیحات، کو بھی ترک نہ کریں، تاکہ معلوم ہو کہ آپ کسی دینی درسگاہ سے پڑھ کر آئے ہیں مسجد کی طرف جانے میں، بلکہ تمام کاموں میں ثواب کی نیت سے کریں۔ یہ اس لئے کہہ رہا ہوں کہ جو منزلیں اور جو امتحان وآزمائشیں آپ کو پیش آنے والی ہیں۔ اور یہ ملک بلکہ ملت اسلامیہ جس راستہ سے گزر رہی ہے۔ پھر معاشی ذمہ داریاں، خاندان کی پرورش کا مسئلہ، پھر جو اخلاقی بیماریاں اور امراض ہیں وہ سب نماز کی ادائیگی میں فرق پیدا کر سکتے ہیں اور اس کی طرف سے توجہ ہٹا سکتے ہیں۔ مگر اس نماز سے بھی پہلے بنیادی اہمیت عقیدہ توحید کی ہے آپ کا عقیدہ خالص اور بے آمیز توحید کا عقیدہ ہو اس سلسلہ میں مسلک ولی اللہ آپ کا معیار اور شاہ اسماعیل شہید کی کتاب تقویۃ الایمان آپ کا دستور العمل ہو۔ اس عقیدہ پر ہماری جماعت کی بنیاد پڑی ہے۔ اس دور میں کم سے کم ہندوستان بلکہ میں سمجھتا ہوں کہ ایشیاء اور پورے مشرق میں جو فکر سب سے زائدہ عمیق اور علمی بنیادوں پر استوار اور اسلام کی کلی تعبیر اور صحیح تعبیر کے لحاظ سے، نیز سب سے زیادہ مفید، قابل عمل اور وقت کے اعتبار سے زندہ اور طاقتور بھی ہے شاہ ولی اللہ کے مسلک سے بہتر کوئی مسلک نہیں، آپ حجۃ اللہ البالغہ کا مطالعہ بھی کریں جس میں نظام عبادات کی مربوط تشریح کی گئی ہے ہمارے کتاب دعوت وعزیمت کا وہ حصہ خاص طور پر پڑھیں جو شاہ ولی اللہ دہلوی سے متعلق ہے اس سے آپ کو معلوم ہوگا کہ فکر ولی اللہ سے بڑھ کر ترقی یافتہ عالمانہ، محققانہ، حقیقت پسندانہ کوئی اور مکتب تجدید واصلاح اور مکتب دعوت نہ صرف ہندوستان بلکہ پورے عالم اسلام میں ان کی نظیر

نہیں آپ اس مسلک کو اپنائیں اور اس کو دستور العمل بنائیں۔

زہد و استغنا کی ایسی مثال قائم کریں کہ............!!

تیسری بات یہ ہے کہ آپ زہد و استغنا کی ایسی مثال قائم کریں کہ بڑی سے بڑی حکومت وسلطنت آپ کو خرید نہ سکے، اس دین کے اب تک باقی رہنے کا راز بھی یہ ہے کہ ربانی وحقانی علماء کو آج تک کوئی خرید نہیں سکا۔ شیخ سعید حلبی کا مشہور واقعہ ہے کہ وہ جامع اموی میں بیٹھے درس دے رہے تھے، ان کے پاؤں میں تکلیف تھی جس کی بناء پر پاؤں پھیلائے ہوئے تھے۔ کہ اتنے میں شام کا گورنر آیا جو بڑا سفاک اور جبار قسم کا حکمراں تھا اور معمولی بات پر گردن اڑا دیا کرتا تھا شیخ اسی حالت میں درسدے الگ رہے تھے کہ گورنر اپنے لاؤلشکر کے ساتھ آیا۔ وہ کچھ دیر تک حلقۂ درس کے پاس کھڑا دیکھتا رہا، شیخ بے نیازی سے اپنے کام میں مصروف تھے، یہ صورت دیکھ کر طلبا نے کپڑے سمیٹ لئے کہ کہیں اسی مجلس میں ہمارے شیخ صاحب کی گردن نہ اڑا دی جائے۔ جس کے خون کے چھینٹے ہمارے کپڑوں پر پڑ جائیں۔ گورنر تھوڑی دیر کھڑا رہ کر واپس چلا گیا۔ اس نے وہاں سے اشرفیوں کا توڑا شیخ کو بھیجا کہ یہ قبول کرلیں۔ شیخ صاحب نے وہ توڑا یہ کہتے ہوئے واپس کردیا کہ تم اپنے آقا سے سلام کہنا اور یہ کہنا کہ پاؤں پھیلاتا ہے وہ ہاتھ نہیں پھیلاتا''۔

"سلم علی مولاک وقل له من یمد رجله لایمد یده"

اسی طرح کا ایک قصہ خواجہ نظام الدین اولیا کا ہے کہ ان کو سردیوں میں دھوپ لینے کی ضرورت تھی۔ سڑک کے کنارے کی طرف رخ کرکے پاؤں پھیلائے ہوئے بیٹھے تھے۔ معلوم ہوا کہ بادشاہ کی سواری گزرنے والی ہے، لوگوں نے عرض کیا کہ ابھی بادشاہ کی سواری گزرنے والی ہے آپ پاؤں سمیٹ لیتے تو اچھا تھا آپ نے یہ سن کر بڑا بلیغ جملہ کہا" جو ہاتھ سمیٹ لیتا ہے اس کو پاؤں سمیٹنے کی ضرورت نہیں" یعنی بادشاہ کی مدد سے جو ہاتھ سمیٹ لے اس کی کوئی مدد قبول نہ کرے تو پھر اس کو پاؤں سمیٹنے کی ضرورت نہیں رہتی۔

آپ اپنے کو پوری طرح آزاد رکھئے۔ کسی حکومت کی سرپرستی، اور کسی مالی سرچشمہ اور سرپرستی سے آزاد رہئے۔ اس وقت یہ عام ہوا چلی ہوئی ہے عربی پڑھنے والے خلیجی ملکوں میں جاتے ہیں اور خاص طور پر سعودی عرب جاتے ہیں تا کہ بڑی نوکری تلاش کریں۔ میں بڑی

صفائی سے کہتا ہوں کہ اس ملت کا سب سے بڑا فریضہ اور وقت کا جہاد یہ ہے کہ جس کی اللہ تعالی کے یہاں بڑی قدر و قیمت ہوگی۔ آپ بلاد عربیہ دعوت دینے کیلئے جائیں، جہاں سے ہمیں ایمان کی دولت ملی، ان عربوں کو ان کا فریضہ یاد دلانے کیلئے جائیں، آپ کے عربی پڑھنے کی یہی قیمت ہے، الحمدللہ یہاں ایسا لٹریچر تیار ہوگیا ہے جس نے وہاں تک ہماری آواز پہنچائی۔ عرب قوم پرستی کے خلاف سب سے زیادہ مؤثر اور طاقتور آواز ندوۃ العلماء سے بلند ہوئی۔

اپنے ضمیر کو آزاد رکھیں

عزیزو! آپ اپنے ضمیر کو آزاد رکھیں اور اپنے جسم کو بھی آزاد رکھیں، اس وقت بہت بڑا خطرہ پیدا ہوگیا ہے وہ خطرہ یہ ہے اماموں اور مؤذنوں کی تنخواہوں کیلئے باقاعدہ تحریک چلائی جارہی ہے۔ کہ انہیں حکومت کے خزانے سے تنخواہیں اور تمام سہولتیں دی جائیں۔ اس کا مطلب یہی ہوگا کہ اماموں سے الیکشن کے موقع پر کام لیا جائے گا۔ مسلم پرسنل لاء بورڈ کے خلاف کام لیا جائے گا۔ اس لئے کہ جب مساجد محکمہ اوقاف کے ماتحت ہوں گی اور وہ سرکاری ملازم قرار پائیں گے تو ایسے ائمہ مساجد کے منبروں سے آزادی کے ساتھ دین کی بات نہیں کہہ سکیں گے۔ اس لئے آپ اپنے دین کی حفاظت کیجئے، عقائد کے لحاظ سے بھی اور اعمال کے لحاظ سے بھی، حقوق کے لحاظ سے بھی اور فرائض کے اعتبار سے بھی

امانتک: کا مطلب یہ ہے کہ ملت کی طرف سے، اللہ اور اس کے رسول کی طرف سے آپ پر کیا ذمہ داریاں ڈالی گئی ہیں ملت کن خطرات سے گزر رہی ہے، کس وادئ خار سے گزر رہی ہے۔ آج مسلم پرسنل لاء کو مٹانے کی کیسی کیسی کوششیں کی جارہی ہیں۔ مشرکانہ تعلیم کے ذریعہ، جبری طور پر نئی نسل کو کس طرح نئی سانچہ میں ڈھالنے کی سرتوڑ کوشش ہورہی ہے۔ اور یہ منصوبہ ہر جگہ تیار ہے کہ مسلمان صرف نام کے باقی رہیں باقی ان کی تمام خصوصیتیں ختم ہوجائیں۔ اس ملک کو اسپین بنانے کی زبردست سازش کی جارہی ہے۔ آپ کو اصلاح معاشرہ کا کام بھی کرنا ہے۔ کہ یہ بھی ونیکم میں شامل ہے۔ اس وقت جاہلی رسوم ورواج وبا کی طرح پھیلے ہوئے ہیں ہیں دولت پرستی اس حد تک بڑھ چکی ہے کہ معمولی چیز کی خاطر جانیں لی جارہی ہیں۔ آپ کو اس مہم کے خلاف بھی مہم چلانی ہے۔ بلکہ اس مہم کی پوری ذمہ داری آپ کو قبول کرنی ہے، پھر ثقافتی اور فکری لحاظ سے ہندوستان میں ملت اسلامیہ کی آپ کو حفاظت کرنی ہے،

رسم الخط اور کلچر کے لحاظ سے بھی اور زبان کے اعتبار سے بھی، اگر آپ قربانیاں دیں گے زہد واستغنا سے کام لیں گے تو اللہ تعالیٰ آپ کی مدد فرمائے گا۔ یہ ملت اپنے تشخصات کے ساتھ باقی رہے گی، اور یہ دین باقی رہنے کے لئے آیا ہے، اس وقت یہودیت، عیسائیت، ہندوازم، بودھ ازم، یہ تمام ادیان و مذاہب نہ صرف بدل گئے بلکہ ان کی اصل شکل ایسی بگڑ گئی کہ ان کو پہچاننا ناممکن ہوگیا ہے، پھر ان مذاہب وادیان میں طویل عرصہ سے اصلاح وتجدید کی کوئی تحریک بھی نہیں اٹھی ہے، اسی وجہ سے یہ سب مٹ گئے۔ صرف اسلام اپنی اصل شکل میں روح کے ساتھ باقی ہے، عائد سے لے کر فرائض تک، سنن سے لے کر مستجاب تک، اخلاق سے لے کر معاملت اور تہذیب تک سب باقی ہے قرآن باقی ہے اور اس کی زبان باقی ہے۔ اس کے ایک ایک حرف بلکہ حرکات وسکنات تک باقی ہیں، اس کی بنیادی وجہ ایک تو یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس کی بقاء کی ذمہ داری لی ہے اور فرمایا کہ اسلام ایک مکمل اور پسندیدہ دین ہے "**ان الدين عند الاسلام**" اور "**اليوم اكملت لكم دينكم و اتممت عليكم نعمتي ورضيت لكم اسلام دينا**" (دین تو خدا کے نزدیک اسلام ہے (آج ہم نے تمہارے لئے تمہارا دین کامل کردیا اور اپنی نعمتیں تم پر پوری کردیں۔

دوسری وجہ یہ ہے کہ مجددین اور مصلحین کا تسلسل ہے جو اس امت کی تاریخ میں کبھی ٹوٹنے نہیں پایا۔ یہ واحد دین ہے جس میں کوئی صدی اور کوئی ملک خالی نہیں رہا اگر چہ اس کا کا پورا استیعاب نہیں کیا گیا لیکن ہندوستان کی حد تک استیعاب سے کام لیا گیا ہے ہماری کتاب دعوت عزیمت میں دوسرے ملکوں کے مجددین کا بھی زکر ہے۔

اسی مادر علمی سے رشتہ نہ ٹوٹے۔

آخر میں آپ سے کہوں گا کہ اپنے ادارے سے تعلق رکھئے، بہت سے لوگ ہیں جو فارغ ہونے کے بعد یہاں آئے بھی نہیں، اسکا منہ نہیں دیکھا اور نہ معلوم کیا اس پر کیا گزری اور کیا گزر رہی ہے، اس کے ساتھ میں یہ بھی کہوں گا کہ اپنا مطالعہ جاری رکھئے کہ علم کا سفر کبھی ختم نہیں ہوگا، علم برابر تازہ ہوتا رہتا ہے، اس میں ترقی بھی ہے، تغیر بھی ہے، پھیلاؤ بھی ہے، یہاں کے ترجمان "البعث" "الرائد" اور تعمیر حیات کا مطالعہ کیجئے، دارالمصنفین اور مجلس تحقیقات و نشریات اسلام نے ماشاء اللہ اچھا خاصا لٹریچر تیار کر دیا ہے، آپ اس کو پڑھیں اور فائدہ

اٹھائیں۔ ندوۃ العلماء کے قیام میں وقت اور نبض شناسی اور ملت کی حاجت جیسے محرکات شامل ہیں، یہی محرکات تھے جنہوں نے عالم ربانی مولانا محمد علی مونگیریؒ کے دل میں تحریک پیدا کی، چونکہ وہ عیسائیت کے رد میں مناظرے بھی کرتے تھے۔ اس سے اندازہ ہوا کہ انگریزی زبان سے اور انگریزی مصنفین کے اسالیب سے واقفیت ضروری ہے۔ چونکہ مستشرقین ایک خاص مقصد کیلئے کام کررہے ہیں اور بڑی ذہانت اور ہوشیاری سے مسلمانوں کے تعلیم یافتہ طبقہ کو متاثر کررہے ہیں، اس لئے کہ وہی طبقہ اقتدار میں آتا ہے۔ بلاد عربیہ میں اس وقت وہی طبقہ برسر اقتدار ہے جو یورپ امریکہ کا تعلیم یافتہ ہے اس لئے ایسی صورت میں ہمیں اس کی خاص طور پر تیاری کرنی ہوگی کہ ایسا لٹریچر تیار کریں جو تعلیم یافتہ طبقہ کے ذہنوں کو متاثر کرے اور اسلام کی ہر دور میں انسانی قیادت کی صلاحیت پر ایمان ان کے دل و دماغ میں راسخ کرے، اس طبقہ کو مطمئن کرنے کی تیاری بھی آپ کے ذمہ ہے حالات اور رجحانات کا برابر محاسبہ کرتے رہنا بھی ندوی فضلاء کی ذمہ داری ہے آپ کو معلوم ہونا چاہئے کہ یہ طبقہ کون سی زبان سمجھتا ہے، کون سے دلائل اس کے سامنے پیش کرنے چاہئیں کس اسلوب میں اس سے گفتگو کرنی چاہئے، اس مجلس میں جن عزیزوں نے اپنے تاثرات مقالے عربی اور اردو میں پیش کئے اور تقریریں کی گئیں وہ ہماری توقع سے بڑھ کر تھیں، امید ہے کہ یہ استعداد نہ صرف قائم رہے گی بلکہ مزید ترقی کرے گی۔

وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین

علمائے حق نے وراثت نبوت کا حق کس طرح ادا کیا؟؟

الحمد لله نحمده و نستعينه و نستغفره و نو من به و نتو كل عليه و نعوذ بالله من شرور انفسنا و من سيأت اعمالنا من يهده الله فلا مضل له و من يضل الله فلا هادى له ونشهد ان لا اله الا الله وحد ه لاشريک له و نشهد ان سيد نا ومولانا محمد أ عبده و رسوله صلى الله تعالىٰ عليه و علىٰ آله واصحابه اجمعين اما بعد .

دین خالص

علمائے حق حضرات انبیاء اعلیہ الصلاۃ والسلام کے وارث وجانشین ہیں ''**العلماء ورثة الانبيا**'' اس کی وارثت اور نیابت اسی وقت صحیح اور مکمل ہوگی جب ان کے زندگی کا مقصد، اور ان کی کوششوں کا مرکز وہی ہوگا جو انبیا کرام کا تھا۔ وہ مقصد زندگی اور وہ مرکز سعی وعمل کیا ہے دو لفظوں میں ''دین خالص'' یا ایک لفظ میں ''توحید'' یعنی اللہ کی خالص عبادت اور کامل اطاعت جو تنہا اسی کا حق ہے اس کو اپنی ذات سے عمل میں لانا، اور دوسروں میں اس کیلئے جد وجہد کرنا۔

''الالله الدين الخالص'' ويكون الدين لله''

وما ارسلنا من قبلک من رسول الا نوحی اليه انه لااله انا فاعبدون

(انبیاء، رکوع ۲)

اور ہم نے آپ سے پہلے کوئی پیغمبر نہیں بھیجا کہ میرے سوا کسی کو بندگی نہیں، پس میری ہی بندگی کرو۔

دین خالص سے نفرت

دین الٰہی سے انحراف کا ایک عام سبب غفلت ہے اللہ سے بےتعلقی اور اس کے احکام وفرائض سے بے توجہی کا سبب ہمیشہ بغاوت وکفر ہی نہیں ہوتا، بلکہ اکثر اوقات دنیا پرستی اور مادیت ہوتی ہے عزت وجاہ کا سودا، دولت کا عشق اور معاش میں سرتاپا انہماک آدمی کا مادہ سے بالکل غافل کر دیتا ہے مادیت کا ایسا غلبہ ہوتا ہے کہ سرے سے نجات کا خیال، رضائے الٰہی

کے حصول کا شوق اور اس کے عذاب کا خوف دل سے بالکل نکل جاتا ہے، اور کھانے پینے اور پہننے کے سوا دنیا میں کوئی فکر باقی نہیں رہتی، خدا سے غافل لوگوں کی صحبت اور گناہوں اور عیش میں انہماک دل کو ایسا مردہ کردیتا ہے کہ دینی اور اخلاقی حس باطل ہوجاتی ہے، نیک وبد اور حلال وحرام کی تمیز جاتی رہتی ہے، ایسے غافل اپنے اخلاق واعمال، سیرت وکردار، معاشرت وآداب، اور وضع صورت میں کافروں اور اللہ کے باغیوں سے کچھ زیادہ مختلف نہیں رہتے۔ شراب کے بے تکلف دور چلتے ہیں، منہیات ومحرمات کا آزادی کے ساتھ ارتکاب کیا جاتا ہے۔ جرائم اور فسق وفجور میں نئی نئی ایجادات کی جاتی ہیں اور ان میں ایسی ذہانت اور ہنر مندی کا اظہار کیا جاتا ہے کہ پرانی امتیں ان کے سامنے مات ہوجاتی ہیں۔ شرع ودین کی کوئی حرمت باقی نہیں رہتی، ایسے خدا فراموشی اور خود فراموشی طاری ہوجاتی ہے کہ بھول کر بھی خدا یاد نہیں آتا اور اپنا بھی حقیقی ہوش نہیں رہتا۔

ولاتکونو کالذین نسوا اللہ فأ نساھم“

ان لوگوں کی طرح نہ ہو، جنہوں نے اللہ کو بھلادیا، اللہ نے ان کو خود فراموش بنادیا

(حشر ع۔۲)

یہی وہ لوگ ہیں جن کا حال اللہ نے اس آیت میں بیان کیا ہے۔

ان الذین لایرجون لقاء انا ورضوابالحیوۃ الدنیا و اطمانوا بھا والذین ھم عن آیاتنا غافلون (یونس ع۔۱)

بے شک جو لوگ ہم سے ملنے کی امید نہیں رکھتے اور دنیا کی زندگی میں مگن اور مطمئن ہیں جو لوگ ہمارے نشانیوں سے غافل ہیں۔

نتیجۃً وعملاً ایسے غفلت شعار اور آخرت فراموش، منکرین آخرت اور اللہ ورسول سے بغاوت کرنے والوں سے ممتاز نہیں ہوتے، پیغمبروں کی دعوت کے لئے بھی ان کا وجود بھی اسی قدر بے سود اور بعض اوقات سنگ راہ ہوتا ہے جس طرح مکذبین ومنکرین اور بعض اوقات یہ مدعیان اسلام، اسلام کے خلاف حجت اور تبلیغ اسلام کی راہ میں رکاوٹ بنتے ہیں۔ پھر اس سے زیادہ بدقسمتی کی بات یہ ہوتی ہے کہ یہ غافلین، یا منافقین اپنی کثرت یا دنیاوی لیاقت کو یا کوششوں یا محض وراثت سے مسلمانوں کی سند حکومت پر قابض ہوجاتے ہیں، اور مسلمانوں کی امامت ان کے ہاتھ میں آجاتی ہے یا مسلمانوں کی زندگی میں اتنا اثر و

رسوخ پیدا کر لیتے ہیں کہ ان کے اخلاق و اعمال عوام کیلئے نمونہ بن جاتے ہیں، اور ان کی عظمت اور وقعت دل و دماغ میں جاگزیں ہو جاتی ہے اس وقت ان ''اکابرین مجرمین'' کی وجہ سے غفلت و خدا فراموشی اور غیر اسلامی زندگی کا ایسا دور دورہ ہو جاتا ہے کہ مسلمانوں کی عملداری میں جاہلیت کی حکومت قائم ہو جاتی ہے اور بعض اوقات اس طرز زندگی کو کچھ زیادہ مدت گزر جاتی ہے، تو اسی کا نام اسلامی تہذیب و تمدن پڑ جاتا ہے، جس کی مخالفت غیر اسلامی تمدن سے زیادہ مشکل ہوتی ہے۔

علماء کی اصل ذمہ داریاں

ان تمام حالات میں پیغمبروں کے جانشینوں کو کام کرنا پڑتا ہے، شاید انسانوں کی کوئی جماعت اتنی مشغول، اور فرائض و ذمہ داریوں سے اتنی گراں بار نہیں، جتنی نائبان رسولؐ اور علماء و مصلحین اسلام کی جماعت ہے، جسمانی امراض کی طبیبوں کو بھی آرام اور فرصت کا موقع میسر آ جاتا ہوگا، لیکن ان اطباء روح کے لئے کوئی موسم اعتدال و صحت کا نہیں، بہت سی جماعتیں ایسی ہیں کہ جب ان کی اپنی حکومت قائم ہو جاتی ہیں، تو ان کی جدوجہد ختم ہو جاتی ہے اور ان کا مقصود حاصل ہو جاتا ہے، لیکن علماء حق اور ''قوامین لله شهد آء بالقسط'' (اللہ کی طرف سے منتظم اور انصاف کے گواہ) جماعت کا کام بعض مرتبہ مسلمانوں کی حکومت میں ختم ہونے کے بجائے کچھ بڑھ ہی جاتا ہے، کچھ چیزیں ہیں جو حکومت و طاقت اور دولت و فراغت ہی کے زمانہ میں پیدا ہوتی ہیں، اور علماء اسلام ہی کا فرض ہوتا ہے کہ ان کی نگرانی کریں، وہ اپنے فریضہ احتساب، نگرانی، اخلاق اور دینی رہنما کا منصب سے سبکدوش نہیں ہوتے، اس وقت بھی ان کا جہاد اور ان کی جدوجہد جاری رہتی ہے کہیں مسلمانوں کی مسرفانہ زندگی پر روک ٹوک کر رہے ہیں، کہیں سامان عیش و غفلت پر ان کی طرف سے قدغن ہے کہیں چوری کی شراب کو گرفتار کیا ہے، اور اس کو انڈیل رہے ہیں، کہیں باجوں اور موسیقی کے آلات کو توڑ رہے ہیں، کہیں مردوں کیلئے ریشم کے لباس اور سونے چاندی کے برتنوں کے استعمال پر چیں بجبیں ہیں، کہیں حجابی اور مردوں و عورتوں کے آزادانہ اختلاط پر معترض ہیں، کہیں حماموں کی بے قاعدگیوں اور بد اخلاقیوں کے خلاف آواز بلند کر رہے ہیں کہیں غیر مسلموں اور عجمیوں کے عادات اور خصوصیات اختیار کرنے پر ان کی طرف سے مخالفت ہے، کبھی مسجدوں کے صحن اور مدرسوں کے

ایوانوں میں حدیث کا درس دے رہے ہیں، اور ”قال اللہ اور قال الرسول“ کی صدا بلند کر رہے ہیں، کبھی خانقاہوں میں یا اپنے گھروں یا مسجدوں میں بیٹھے ہوئے دلوں کا زنگ دور کر رہے ہیں، اللہ کی محبت وطاعت کا شوق پیدا کر رہے ہیں، امراض قلب حسد، تکبر، حرص دنیا اور دوسری نفسانی اور روحانی امراض کا علاج کر رہے ہیں، کبھی منبر پر کھڑے ہوئے جہاد کا شوق دلا رہے ہیں، اور اسلامی سرحدوں کی حفاظت یا اسلامی فتوحات کے لئے آمادہ کر رہے ہیں، پوری اسلامی تاریخ میں آپ کو زندہ اور ربانی علماء، جو حکومت وقت کے دامن سے وابستہ نہیں تھے یا حقیر جھگڑوں میں مشغول نہیں تھے، انھیں مشاغل میں منہمک نظر آئیں گے اور مسلمانوں کا کوئی دور حکومت ان علمائے حق اور ان کی جدوجہد سے خالی نہیں رہا۔

ایک لمحۂ فکریہ

بنی امیہ کا دور مسلمانوں کا شاہانہ عہد ہے، بظاہر مسلمانوں کو تمام کاموں سے فرصت ہوگئی ہے، مگر علماء کو فرصت نہیں، حضرت حسن بصریؒ کی مجلس وعظ گرم ہے، جس میں اپنے زمانہ کے منکرات وبدعات کے خلاف تقریر ہو رہی ہے، اپنے زمانہ کی معاشرت، نظام اور اہل حکومت کی بے دینی پر تنقید ہے، نفاق کی علامات، اور منافقین کے اوصاف وسیع پیرایہ میں بیان ہو رہے ہیں اور موجودہ زندگی پر ان کو منطبق کیا جا رہا ہے، خشیت الٰہی اور آخرت کا بیان ہے، جس سے آنسوؤں کی جھڑیاں لگ گئی ہیں اور روتے روتے حاضرین کی ہچکیاں بندھ گئی ہیں، سورۂ فرقان کے آخری رکوع ”وعباد الرحمن الذین یمشون علی الارض ھونا“ کی تفسیر ہو رہی ہے اور صحابہ کرامؓ کے چشم دید حالات اور واقعات اس طرح بیان کئے جا رہے ہیں کہ اس مبارک دور کی تصویر کھنچ گئی ہے اور صحابہؓ چلتے پھرتے نظر آ رہے ہیں، لوگ مجلس سے توبہ کر کے اٹھتے ہیں، اور سینکڑوں آدمیوں کی اصلاح حال ہو رہی ہے۔

بنی عباس کا دور ہے اور امام احمد بن حنبلؒ شاہ وقت کے ذوق ورجحان اور مسلک کے خلاف مذہب اعتزال کی صاف صاف تردید کر رہے ہیں اور بدعات کا رد، اور سنت کا اعلان کرتے ہیں، علم کلام اور فلسفہ کے بڑھتے ہوئے رجحان کے مقابلہ میں، خالص سنت اور عقائد سلف کی تبلیغ فرما رہے ہیں اور یہ سب اس جرأت واطمینان کے ساتھ کہ گویا مامون ومعتصم کی

حکومت نہیں ہے بلکہ حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کی خلافت ہے۔

بغداد، اپنے اوج پر، اور بغداد کی تہذیب، دولت اور بے فکری اور آزادی عروج پر ہے، ہر طرف عیش وغفلت کا سمندر رواں ہے، کرخ اور رصافہ کے میدانوں اور مسجدوں کے سامنے میلے لگے ہوئے ہیں، بازاروں میں بڑی چہل پہل ہے، لیکن سینکڑوں آدمی، ان تمام دل چسپیوں اور تفریحات سے آنکھ بند کئے ایک طرف چلے آ رہے ہیں، آج جمعہ کا دن ہے، محدث ابن جوزیؒ کا وعظ ہے، وعظ ہو رہا ہے، سینکڑوں آدمی تائب اور بیسیوں غیر مسلم مسلمان ہو رہے ہیں، لوگ خلاف شرع امور سے توبہ کر رہے ہیں۔

ایک طرف اسی پرشور اور ہنگامہ زدہ بغداد میں نہایت سکون واطمینان کے ساتھ حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ کا درس، وعظ اور روحانی فیض جاری ہے، جس سے عرب وعجم کے لوگ فائدہ اٹھا رہے ہیں، بڑے بڑے امراء، اور شہزادے اپنے عیش ودولت کو خیر باد کہہ کر زہد وفقر کی زندگی اختیار کرتے ہیں، بڑے بڑے سرکش اور نشۂ دولت میں مخمور تائب ہوتے ہیں، خلافت عباسی کے عین دار الخلافہ میں، اور خلیفہ بغداد کی حکومت کے بالکل مقابل اس درویش کی روحانی اور دینی حکومت قائم ہے، جس کا سکہ عرب وعجم پر رواں ہے۔

بعد کے تمام عہدوں میں اور حکومت اسلامی کے تمام اطراف واکناف میں، سلاطین و امراء کے بالمقابل اور تمام دوسری دلچسپیوں دعوتوں اور تحریکوں اور مشاغل کے ساتھ علمائے حق کی یہ کوششیں اور ان کے مرکز، مساجد، مدارس، خانقاہیں، مجالس وعظ باضابطہ اور بے ضابطہ احتساب جاری رہا۔

علمائے حق کا یہی بدقسمت یا خوش قسمت گروہ ہے، جس کو مسلمان بادشاہوں اور ان کے کارکنان حکومت کے ہاتھوں (جبکہ دوسروں کو سیم وزر کی تھیلیاں اور عہدوں کے پروانے ملتے تھے) دار ورسن اور تازیانے کے انعامات ملے، اسی گروہ کے کتنے افراد کو، ایک مسلم، ان حاکم (حجاج) کے ہاتھوں شہادت کا سرخ، خلعت ملا، پھر اسی گروہ کے ایک مقتدر فرد (حضرت امام ابو حنیفہؒ) کو امیر المومنین منصور عباسی کے ہاتھوں زہر کا جام نوش کرنا پڑا، پھر اسی گروہ کے دوسرے امام (حضرت امام احمد بن حنبلؒ) کو سب سے بڑے روشن خیال مسلمان بادشاہ (مامون) کے زمانہ میں، پابہ جولان اور اسیر زندان ہونا پڑا، اور اس کے جانشین (معتصم) کے ہاتھوں

تازیانے کھانے پڑے۔

آخر زمانہ میں بھی کیسے کیسے عادل وداد گر مسلمان فرمانرواؤں کے ہاتھوں کیسے کیسے جلیل القدر علماء پر بیداد ہوئی، جہانگیر کی زنجیر عدل مشہور ہے، مگر حضرت شیخ احمد سرہندی مجدد الف ثانی کے پاؤں میں بھی زنجیر پڑی، اور ان کو اپنے اظہار حق کے صلہ میں گوالیار کے قلعہ میں محبوس ہونا پڑا۔

ان کارناموں اور خدمات کے علاوہ (جو حاملین دین اور محافظین شریعت کے فرائض منصبی ہیں) جن کو ہم اس حیثیت سے دفاعی کہہ سکتے ہیں، کہ وہ شرک وکفر، بدعت اور غفلت کے مقابلہ میں اسلام کی حفاظت کی کوششیں ہیں، اور دین کی مسلسل جدوجہد ہے، جو قیامت تک جاری رہے گی۔

لایزال طائفة من امتی ظاهرین علی الحق لایضر هم من خذلهم(او کمال قال) الجهاد ماض الی یوم القیامة، میری امت کا ایک گروہ ہمیشہ حق پر اعلانیہ قائم رہے گا، کسی کے مدد نہ کرنے سے اس کو کچھ نقصان نہ پہونچے گا، جہاد قیامت تک جاری رہے گا۔

لیکن ان کے علاوہ دو اور خدمتیں ہیں، جو ہر زمانہ کے علماء کے ذمہ ہیں، اور علماء ربانی ان کو انجام دیتے رہے ہیں۔

۱۔ اسلام فتوحات سے کمتر اور مبلغین، صلحاء، وصوفیہ اور بعض مسلمانوں کے خلاف اور محبت کے اثر سے بیشتر مسلمانوں کے مفتوحہ ممالک میں لاکھوں آدمیوں نے اسلام قبول کیا اور پوری پوری برادریاں اور بڑے بڑے خاندان اسلام میں داخل ہو گئے، لیکن ان کی تعلیم وتربیت کا کوئی انتظام نہ کیا جا سکا، اور ان پر اسلام کی تعلیمات کا کوئی اثر نہ پڑ سکا، یا ان پر کوئی اثر پڑا تو ان کے بعد کی نسلوں میں یہ اثر باقی نہ رہ سکا اور رفتہ رفتہ اس کے سوا ان کو کچھ یاد نہ رہا کہ ہمارے باپ دادا مسلمان تھے اور انھوں نے کس زمانہ میں اسلام قبول کیا تھا، اور سوائے اسلامی نام اور کلمہ طیبہ کے الفاظ کے ان کے پاس اسلام کا کوئی نشان باقی نہ رہا، کچھ دنوں کی اور بے توجہی کے بعد اسلامی نام بھی باقی نہ رہا اور کلمہ طیبہ بھی سینکڑوں میں سے چند کے سوا کسی کو یاد نہ رہا، مگر اپنے مسلمانوں ہونے کا اعتراف باقی رہا، پھر وہ بھی مٹنے لگا اور اس وقت باقاعدہ ان کا ارتداد عمل

میں آنے لگا۔

ہندوستان جیسے ملک میں جہاں خاص حلقہ کے باہر اسلام کی بنیادی ہمیشہ کمزور رہی اس کی بکثرت مثالیں ملتی ہیں، تقریباً ہر بڑے شہر سے کچھ فاصلہ پر اور ہندوستان کے تمام اطراف میں لاکھوں کی تعداد میں ایسی مسلمان قومیں اور برادریاں موجود ہیں، جن کو اسلام سے کچھ تعلق باقی نہیں رہا، دیہاتوں کی بڑی مسلمان آبادی ایسی ہے، جو نئے سرے سے تبلیغ اسلام کی محتاج ہے، ان میں سے بکثرت ایسے "مسلمان" ہیں، جو ہنوز عہد جاہلیت میں ہیں، اور ان کی بعثت نبویؐ کی خبر بھی نہیں، وہ اسلام سے اتنے بے خبر ہیں، جتنے دیہاتوں کے غیر مسلمان، فرائض واحکام اسلام کا ذکر چھوڑ کر بعض بڑے شہروں کے اطراف وانواح میں ایسے مسلمان ملتے ہیں، جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے نام نامی سے بھی واقف نہیں۔

بعض علمائے ربانی نے اپنے زمانہ میں، ان علاقوں اور دیہاتی رقبوں کی طرف توجہ کی اور بعض مسلمان قوموں اور برادریوں کو از سر نو مسلمان بنایا، ان میں تبلیغی دورے کئے، وعظ ونصیحت، اختلاط، آمد ورفت اور اپنے اخلاق وتالیف قلب سے ان کے دل مٹھی میں لئے، ان کو مرید کر کے ان کی توحید اور اتباع سنت کے راستہ پر لگایا، شرک وبدعت سے تائب کیا، جاہلانہ رسمیں، غیر مسلموں کی وضع وصورت اور کفر وجاہلیت کے شعار چھڑائے، ان میں اخلاق وانسانیت پیدا کی، پابند فرائض اور خوش اوقات بنایا، علم کا شوق دلایا، اور تعلیم کو رائج کیا اور ان میں سے لائق افراد کو چھانٹ کر اور اپنے پاس رکھ کر ان کی تربیت وتعلیم دی، پھر ان سے اپنی قوم اور دوسری جماعتوں کی تبلیغ واصلاح کا کام لیا، یہ تبلیغی کام، جو انبیاء علیہم الصلوۃ والسلام کا طریق کار ہے، سب سے زیادہ ظاہری مشابہت رکھتے ہیں، ان کے دوسرے کارناموں کے مقابلہ میں کسی طرح کم اہم نہیں۔

۲۔ قرآن وحدیث اسلام کی طاقت کا اصلی سرچشمہ ہیں، جن سے ہمیشہ طاقت اور روشنی حاصل کی جاسکتی ہے اور جن کے ذریعہ سے ہر زمانہ میں مسلمانوں کے کمزور سے کمزور ڈھانچہ میں روح پھونکی جاسکتی ہے، شرک وکفر بدعت وغفلت کے خلاف سب سے کارگر حربہ، قرآن وحدیث کا علم اور ان کی اشاعت ہے، ان کا صحیح علم اور ان کی روشنی جس قدر پھیلتی جائے گی، کفر وجہالت کی تاریکیاں دور ہوتی جائیں گی، اس لئے ہزار تبلیغوں کی ایک تبلیغ ان کی نشر واشاعت ہے۔

جانشین انبیاء کی خصوصیات

انبیاء کرام کی بڑی خصوصیت ان کی ہم آہنگی اور یک آہنگی ہے، یعنی وہ سب ایک بات کہتے ہیں، اور ایک ہی بات کہتے رہتے ہیں، وہ کیا؟ **یا قوم اعبدوا اللہ مالکم من الہ غیرہ۔** اے میری قوم اللہ کی بندگی کرو تمہارا معبود، اس کے سوا کوئی نہیں۔

ان کے جانشینوں کی بھی یہی خصوصیت ہوتی ہے کہ ان کی تمام کوششوں اور ان کی زندگی کے متنوع مشاغل کا ہدف بھی ایک ہوتا ہے وہ ''دعوت الی اللہ'' ہے درس و تدریس وعظ و تقریر تبلیغ و تذکیر تصنیف و تالیف، سلوک و تصوف، بیعت و ارشاد، سب سے، غرض خلق خدا کو اللہ کی طرف بلانا، اللہ سے ملانا، اور اللہ ہی کا بنانا ہوتا ہے، ان کے مشاغل متنوع اور مختلف ہو سکتے ہیں، مگر سب کا مرکز اور مقصد ایک ہوتا ہے، وہ سب کچھ کہتے ہیں مگر در حقیقت ایک ہی بات کہتے ہیں، اور بار بار کہتے ہیں۔

فطرت کا سرود ازلی اس کے شب و روز
آہنگ میں یکتا، صفت سورہ رحمان

حضرت نوحؑ کی طرح وہ بھی ان مشاغل، اور مختلف طریق تبلیغ کی طرف اشارہ کر کے کہتے ہیں

''رب انی دعوت قومی لیلاً و نہاراً۔''
اے رب میں بلاتا رہا اپنی قوم کو، رات اور دن
ثم انی دعوتھم جھارا
پھر میں نے ان کو بلایا برملا۔
ثم انی اعلنت لھم واسررت لھم اسرارا
پھر میں نے ان کو کھول کر اور چھپ کر کہا، چپکے سے۔

یہ وعظ، یہ درس اور انفرادی و اجتماعی کوششیں، یہ ظاہر و مخفی تدبیریں، یہ تذکیر و تزکیہ اور یہ جہالت اور انفاس قدسیہ (سب دین کی دعوت و تبلیغ کے) اعلان و اسرار ہی کی شکلیں ہیں۔

اللہ تعالیٰ ہم سبھوں کو اپنے دین سے لگائے رکھے اس پر آپ سے اجازت چاہوں گا!

و آخر دعوانا ان الحمدللہ رب العالمین

علمائے دین کا منصب

استقامت اور حقیقت پسندی کا جامع

حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندوی رحمۃ اللہ علیہ نے یہ تقریر مجلس علمی (حیدرآباد) کی اس نشست میں فرمائی تھی جو ۱۴؍ اکتوبر ۱۹۸۲ء کو جمیل الدین صاحب ایڈووکیٹ کے دولت خانہ پر شب میں ہوئی تھی، اور جس میں بڑی تعداد میں حیدرآباد کے علمائے کرام، فضلائے مدارس اور دینی اداروں اور تنظیموں کے سربراہ تشریف رکھتے تھے۔

الحمد لله رب العالمين والصلوة والسلام على سيد المرسلين محمد وعلى اله وصحبه اجمعين اعوذ بالله من الشيطن الرجيم بسم الله الرحمن الرحيم يآايها الذين امنوا كونوا قوّامين لله شهدآء بالقسط (المائدہ۔۸)

اے ایمان والو! کھڑے ہوجایا کرو، اللہ کے واسطے گواہی دینے کو انصاف کی۔

حضرات! علمائے کرام کی اس موقر مجلس میں کچھ عرض کرنا بڑی ذمہ داری کی بات ہے، پرانا حکیمانہ مقولہ ہے، "لکل مقام مقال" میں کوشش کروں گا کہ اس اہم اور باوقار مجلس اور موقع محل کے مطابق اپنے معروضات وخیالات پیش کروں۔

لوگوں نے چھوٹے چھوٹے واقعات اور روزمرہ کے مشاہدات سے بڑے بڑے نتائج نکالے ہیں اس میں شیخ سعدیؒ خاص طور پر بڑے ممتاز ہیں اسی طریقہ سے مولانا رومؒ مثالوں کے بادشاہ ہیں، دونوں روزہ مرہ کے واقعات سے بڑی حکیمانہ باتیں اور بڑے عمیق نتائج نکالتے ہیں، میں اپنا بھی اسی قسم کا ایک تاثر اور عبرت کا سبق پیش کرتا ہو، آپ کو معلوم ہے کہ میں ایک طویل سفر کر رہا ہوں دہلی سے چلا اور حیدرآباد پہونچا، خدا جانے گاڑی نے کیا کیا رخ بدلے، کن کن علاقوں سے گزری لیکن قبلہ نما نے ہمیشہ صحیح قبلہ بتایا، اس نے نہ گاڑی کے پھرنے کی پرواہ کی، نہ سمت کے تبدیل ہونے کی، مجھے بڑا رشک آیا کہ ایک ادنیٰ سا جماداتی چیز جو انسان کی صنعت ہے، وہ اتنی امین، ایسی ثابت قدم، ایسی خوددار، اور ایسی پابند اصول ہے، کہ اس نے نہ یہ دیکھا کہ گاڑی کس طرح رخ بدل رہی ہے، نہ یہ کہ انسان (جو اشرف المخلوقات ہے)

برابر اپنا رخ بدلتا ہے ہر جگہ اس نے صحیح طور پر قبلہ بتایا اور ہم نے اس پر اعتماد کیا اور نماز پڑھی اس سے مجھے غیرت بھی آئی اور عبرت بھی ہوئی کہ قبلہ نما تو کسی کی پروانہ کرے، اور ہمیشہ سمت قبلہ بتائے اس نے اپنا مقصد وجود تبدیل نہیں کیا اور نہ اپنے فرض منصبی کی ادائیگی میں فرق آنے دیا اس سے مجھے خیال ہوا کہ علمائے دین کو حقیقت میں ''قبلہ نما'' ہونا چاہئے، ان کے اندر قبلہ نما کی سی استقامت ہونی چاہئے کسی طرف کی ہوا چلے اور کہنے والے کتنا ہی کہیں کہ۔

چلو تم ادھر کو ہوا ہو جدھر کی

اور سمجھانے والے کتنا ہی سمجھائیں۔

زمانہ باتو نہ سازد تو با زمانہ بہ ساز

لیکن ان کا عقیدہ اقبالؔ (جو خود اعلیٰ انگریزی تعلیم یافتہ اور مفکر و فلسفی اور پھر شاعر تھے) کی اس تعلیم پر ہو۔

حدیث کم نظراں تو با زمانہ بساز
زمانہ باتو نہ سازد تو بازمانہ ستیز

بلکہ وہ یہاں تک کہتے ہیں

علماء امت کی شان

گفتند جہان ما آیا بتومی سازد
فتم کی نمی سازد گفتند کی برہم زن

حضرات: علماء کی شان یہی ہونی چاہئے امت مسلمہ، امتوں میں، اور جماعت علماء، حاملین علم میں الگ شان رکھتے ہیں، امت مسلمہ کو ایک قبلہ دیا گیا ہے، وہ جہاں کہیں ہو اسی قبلہ کی طرف اپنا رخ کرے، جس امت کو ایک معین قبلہ دیا ہے اس کو یہ اشارہ دیا گیا ہے کہ تمہارے دلوں کا قبلہ تمہارا قبلہ حاجات، تمہاری فکر اور سعی وجہد کا محور ایک ہی ہونا چاہئے، نمازوں میں خانہ کعبہ اور اعمال و مساعی و مقاصد میں اللہ تعالیٰ کی (جو معبود و مقصود حقیقی ہے) رضا، آپ حضرات خدا کے فضل سے نہ صرف اہل علم ہیں، بلکہ آپ کو اللہ تعالےٰ نے دینی

قیادت کا مقام عطا فرمایا ہے، خاص طور سے یہ مؤتمر مجلس علمی جہاں اس وقت ہم جمع ہیں اس موقع سے فائدہ اٹھا کر دو اہم حقیقتوں کے بارے میں اجمالی طور پر کچھ عرض کروں گا۔

ایک تو عقائد اور حدود شرعیہ کا مسئلہ ہے، اس میں جماعت علماء کو بالکل قطب نما کی طرح ہونا چاہئے، کوئی بڑے سے بڑا آدمی بھی اس کو سامنے رکھے گا تو وہ اس کی رعایت نہیں کرے گا وہ صحیح سمت بتائے گا، جہاں تک عقائد اور حدود شریعہ کا تعلق ہے، دین میں کسی قسم کی رعایت کی گنجائش نہیں، حکمت اور چیز ہے، مداہنت اور چیز، حکمت اور مداہنت میں بڑا فرق ہے، ہاں آدمی سچی اور صاف بات حکمت کے ساتھ کہہ سکتا ہے، اس کا اسلوب حکیمانہ ہو۔ ''ادع الی سبیل ربک بالحکمة والمواعظة الحسنة'' لیکن، منت نہ ہو، قرآن شریف میں آتا ہے'' ودوا لوتدھن فید ھنون۔

اللہ کے رسول کو صاف حکم ہے'' فاصدع بما تؤ مرو اعرض عن المشرکین'' یہ اعرض عن المشرکین'' کا تکملہ'' صدع بالامر'' کا محل متعین کر دیتا ہے، جہاں پر توحید اور شرک کی سرحدیں آتی ہوں، وہاں'' فاصدع بما تومر پر عمل کا حکم ہے، نرمی اور وسعت، کسی اور چیز میں ہو تو ہو، لیکن توحید وسنت کے بارے میں منصوصات، شریعہ اور قطعیات، دینیہ کے بارے میں'' فاصدع بما تؤمر '' کا حکم ہے، اگر'' فاصدع بما اومر'' مطلق آتا تو اس میں کچھ گنجائش تھی، لیکن'' واعرض عن المشرکین'' نے بالکل تفسیر کر دی کہ اس کا موقع ومحل کیا ہے، علماء حقائق کا فرض ہے کہ توحید کے بارے میں بالکل بے لوث اور صاف بات کہیں لیکن حکمت کے ساتھ کہیں،، بقول غالب ایسا نہ ہو۔

کہتے ہیں وہ بھلے کہ ولیکن بری طرح

شروع ہو تو علماء شروع میں اچھی سے اچھی نرم سے نرم زبان استعمال کریں، تدریج وحکمت سے کام لیں لیکن اس طرح کہ تاویل اور غلط فہمی کی گنجائش نہ ہو اسی طرز عمل کا نتیجہ ہے، کہ آج تک یہ دین قائم ہے، اور دودھ کا دودھ اور پانی کا پانی الگ ہے، جس کی ہلاکت کا شوق ہے وہ شوق سے ہلاکت میں پڑے، لیکن وہ شریعت اور شریعت کے حاملین الزام نہیں دے سکتا، تاریخ کا اگر عمیق ووسیع نظر سے مطالعہ کیا جائے تو معلوم ہوگا کہ اس امت کی تاریخ میں ایک سال بھی ایسا نہیں گزرا کہ یہ امت عمومی طور پر کسی ضلالت کا شکار ہو گئی ہو جو مقامی طور پر

ضلالتیں رہی ہیں لیکن پوری امت مسلمہ کسی سازش یا کسی عالمگیر ضلالت میں گرفتار نہیں ہوئی اور خود حدیث میں آیا ہے'' لا تجتمع امتی علیٰ ضلالة ''اس کے برعکس یہودیت بالکل شروع میں تحریف کا شکار ہوگئی، اور عیسائیت بالکل عہد طفلی اور آغاز کار میں ایک بالکل نئی پٹری پر پڑگئی جس پر وہ صدیوں سے چلتی آرہی ہے، اسی لئے قرآن مجید نصاریٰ کو ''ضآلین'' کے لفظ سے یاد کرتا ہے کہ وہ جیسے ہی چلے دوسرے راستہ پر پڑ گئے۔ لیکن الحمدللہ اسلام اس سے بالکل محفوظ ہے۔ اس وقت تک توحید وشرک کا فرق سنت وبدعت کا فرق اسلام اور جاہلیت کا فرق۔ غیر مسلمین کی معاشرت وتمدن اور اسلامی معاشرت وتمدن کا فرق بالکل واضح ہے، کوئی ملک کسی وجہ سے کسی خاص زمانہ میں کسی خارجی یا داخلی سبب کی بناء پر کسی سازش کا شکار نہ ہوجائے یا کسی فتنہ میں مبتلا ہوجائے یہ الگ بات ہے علما حق اس صورت حال سے بھی نبرد آزما اور اس کے مقابلہ میں صف آراء رہتے ہیں اور اصلاح حال کی کوشش جاری رہی ہے۔

امت مسلمہ کا فرض

پوری امت مسلمہ کو خطاب کر کے فرمایا گیا ہے۔'' یآیہا الذین امنو کونوا قومین للہ شہدآء بالقسط ''(یعنی تم اللہ کے لئے حق کے علمبردار بن جاؤ) ہماری زبان اور محاورے میں'' خدائی فوجدار'' ایک طنز کا لفظ ہے کہ آپ خدائی فوجدار ہیں؟ لیکن'' قوامین للہ'' کا مفہوم تقریباً خدائی فوجداری کا ہے، مبالغہ کے اس صیغہ (قوامین) سے'' خدائی فوجدار'' ہی کی شان ظاہر ہوتی ہے اگر قوامین للہ ہوتا تو شاید یہ بات نہ پیدا ہوتی کوئی پوچھے نہ پوچھے، کوئی بلائے نہ بلائے، کوئی کہے نہ کہے آپ اپنا فرض ادا کر رہے ہیں، آپ ہر جگہ پہنچ رہے ہیں، اس آیت میں خطاب اگرچہ پوری امت کو ہے، لیکن علماء کی اس بارے میں امتیازی شان ہونی چاہئے، ان کو'' شہدآء بالقسط'' حق وصداقت کا گواہ وعلم بردار ہونا چاہئے، اگر امت اسلامیہ کا فرض قوام عالم کا احتساب ہے تو علماء اسلام کا فرض مسلم معاشرہ کا احتساب کرتے رہنا چاہئے، کہ کہاں سے یہ معاشرہ صراط مستقیم کو چھوڑا ہے، اس بارے میں ان کا کام بالکل بیرومیٹر کا سا ہے، وہ ہر جگہ، ہر موسم میں ہوا کا دباؤ بتاتا ہے، وہ صحیح شہادت ادا کرتا ہے۔

حضرات! اسی طرح علماء کا دوسرا فرض یہ ہے کہ وہ مسلمانوں کو زندگی کے حقائق ملک کے

حالات، ماحول کے تغیرات اور تقاضوں سے باخبر اور روشناس رکھیں، ان کی کوشش رہنی چاہئے کہ مسلم معاشرہ کا رابطہ زندگی اور ماحول سے کٹنے نہ پائے، اس لئے کہ اگر دین اور مسلمانوں کا رابطہ زندگی سے کٹ گیا اور وہ خیالی دنیا میں زندگی گزارنے لگے تو پھر دین کی آواز بے اثر ہوگی، اور دعوت واصلاح ہی نہیں ہوگا، بلکہ اس دین کے حاملین کو اس ملک میں رہنا مشکل ہو جائے گا، تاریخ ہمیں بتاتی ہے کہ جہاں علماء نے سب کچھ کیا، لیکن زندگی کے حقائق سے امت کو روشناس نہیں کیا، اس ماحول میں اپنے فرائض کے انجام دینے کی انھوں نے تلقین نہیں کی، ایک اچھا شہری، ایک مفید عنصر بننے اور اس ملک کی قیادت حاصل کرنے کی اہلیت پیدا کرنے کی کوشش نہیں کی، وہاں اس ملک نے ان کو اس طرح اگل دیا جیسے لقمہ اگلا جاتا ہے اور ان کو اگل کر کے باہر پھینک دیا، اس لئے انھوں نے اپنی جگہ نہیں بنائی تھی، آج ہندوستان کے مسلمان ایک دانشمندانہ اور حقیقت پسندانہ دینی قیادت کے محتاج ہیں، آپ مسلمانوں کو سو فیصدی تہجد گزار بنا دیں، سب کو متقی و پرہیزگار بنا دیں لیکن ان کا ماحول سے کوئی تعلق نہ ہو، وہ یہ نہ جانتے ہوں کہ ملک کدھر جا رہا ہے، ملک ڈوب رہا ہے ملک میں بداخلاقی، طوفان اور وبا کی طرح پھیل رہی ہے، ملک میں مسلمانوں سے نفرت پیدا ہو رہی ہے، تو تاریخ کی شہادت ہے کہ پھر تہجد تو تہجد پانچ وقتوں کی نمازوں کا پڑھنا بھی مشکل ہو جائے گا، اگر آپ نے دین داروں کے لئے اس ماحول میں جگہ نہیں بنائی اور ان کو ملک کا بے لوث مخلص اور شائستہ شہری ثابت نہیں کیا، جو ملک کو بے راہ روی سے بچانے کیلئے ہاتھ پاؤں مارتا ہے، اور ایک بلند کردار پیش کرتا ہے، تو آپ یاد رکھئے کہ عبادات ونوافل اور دین کی علامتیں اور شعائر تو الگ رہے، وہ وقت بھی آ سکتا ہے کہ مسجدوں کا باقی رہنا بھی مشکل ہو جائے گا اگر آپ نے مسلمانوں کو اجنبی بنا کر اور ماحول سے کاٹ کر رکھا، زندگی کے حقائق سے انکی آنکھیں بند رہیں اور ملک میں ہونے والے انقلابات، نئے بننے والے قوانین، علوم کے دل ودماغ پر حکومت کرنے والے رجحانات سے وہ بے خبر رہے تو پھر قیادت تو الگ رہی (جو خیر امت کا فرض منصبی ہے) اپنے وجود کی حفاظت بھی مشکل ہو جائے گی، فاتح مصر صحابیٔ رسول حضرت عمرو بن العاصؓ نے جس وقت مصر فتح کیا تو اللہ تعالی نے ان کی بصیرت پر منکشف کیا ہوگا کہ انشاء اللہ مصر سینکڑوں نہیں بلکہ ہزاروں برس اسلام کا حلقہ بگوش رہے گا، مرکز اسلام زمین مقدس حجاز اس کے بالکل قریب ہے، رومی شہنشاہی

وہاں سے بے دخل ہو چکی ہے، قبطی مسیحی سلطنت دم توڑ چکی، لیکن انھوں نے عربوں اور مسلمانوں کو خطاب کر کے فرمایا "انتم فی رباط دائم" یاد رکھو تم ہمیشہ محاذ جنگ پر ہو، تم ہمیشہ سرحد پر پہرا دے رہے ہو، آنکھ جھپکی اور مارے گئے، ناکے پر کھڑے رہنے والے کو ہر وقت چوکنا اور بیدار رہنا چاہئے، اس کے لئے نہ غفلت کی گنجائش ہے نہ تغافل کی، نہ جہل کی نہ تجاہل عارفانہ کی۔

ملک کو تباہی سے بچانا ہماری ذمہ داری ہے!

حضرات: جس ملک میں اس وقت ہم زندگی گزار رہے ہیں، یہ ملک گردوپیش کے ممالک اور دنیا کی بڑی طاقتوں سے بے نیاز نہیں رہ سکتا، اس ملک میں بہت سے فلسفے، بہت سی سلبی طاقتیں، بہت سی تخریبی تحریکیں کام کر رہی ہیں اور بہت سرگرم اور فعال ہیں، نظام تعلیم برابر بدلتا رہتا ہے اور کبھی وہ شدت سے عقائد وحقائق دینی پر اثر انداز ہوتا ہے، جبری تعلیم نے اور قومی زبان نے بھی نئے نئے مسائل پیدا کر دیئے ہیں، اس حالت میں ہم کو حالات کا برابر جائزہ لیتے رہنا چاہئے، اور اپنے تحفظ کا سامنا کرتا رہنا چاہئے۔

اس کے ساتھ مسلمانوں کو بتانا چاہئے کہ دیکھو اس ملک کو تباہی سے بچانا تمہاری ذمہ داری ہے، تم باایمان، بااصول اور باکردار بن کر یہاں رہو، اگر تم یہاں حضرت یوسف کا نمونہ پیش کرو گے تو پھر وہ وقت آئے گا کہ اہم سے اہم اور نازک سے نازک تر، اور دشوار سے دشوار تر ذمہ داری تمہارے سپرد کی جا سکے گی، حضرت یوسف نے جن کو اللہ تعالیٰ نے حفیظ وعلیم کی صفت عطا فرمائی تھی، دیکھا کہ اس ملک میں اس وقت تک دین کی اشاعت نہ ہو سکے گی اور دین کے لئے مقام پیدا کیا نہ جا سکے گا جب تک وہاں اپنی اہلیت اپنی خیر خواہی انسان دوستی اور عدل کا ثبوت نہ دیں گے، اور اللہ کے بندوں کو اپنا گرویدہ نہ بنا لیں گے اس وقت تک اس ملک میں خدائے واحد کا نام لینا بھی مشکل ہوگا، ہم ہندوستانی مسلمانوں کو بھی یہ ثابت کرنا چاہئے کہ ہمارے بغیر یہ ملک چل نہیں سکتا ہم نہ رہے تو یہ ملک تباہ ہو جائے گا۔

میری بھائیوں اور دوستوں! یاد رکھئے، اگر ہم ملک کے حالات سے اپنے کو کاٹ لیں گے اور جو گرم وسرد ہوائیں چل رہی ہیں اس سے بے خبر ہو جائیں گے اور ہم کسی ملیف

(AIRCONDITIONED) مکان میں رہنا شروع کردیں گے، جہاں نہ گرم جھونکا پہنچ سکے نہ سرد، تو ہم اپنے ساتھ بھی بدخواہی کریں گے، اپنے دین کے ساتھ بھی، کوئی فرقہ ملک کی آبادی کا کوئی عنصر باقی عناصر سے کٹ کرنہیں رہ سکتا، ہاں اس کے شرائط اور حدود ہیں آپ ہرگز تحلیل نہ ہوں، آپ اپنے پیغام اور دعوت کے ساتھ رہیں، آپ اپنی تہذیبی ومعاشرتی خصوصیات کے ساتھ رہیں، آپ اپنے ملی تشخص کو پورے طور پر برقرار رکھیں اور اس کے کسی حصہ سے بھی آپ دستبردار ہونے کے لئے تیار نہ ہوں، لیکن زندگی کے دھارے سے الگ نہ ہوں، میں قومی دھارے کو نہیں کہتا (خدا نہ کرے کہ اس زندگی میں کبھی میری زبان سے یہ لفظ نکلے کہ قومی قومی دھارے میں جذب ہوجایئے) نہیں زندگی کے دھارے سے آپ الگ نہ ہوں، اس لئے کہ زندگی کے دھارے سے جو الگ ہوا وہ الگ ہی ہوگیا، اس کی جگہ زندہ انسانوں میں نہیں رہتی، میں اسلام کو ایسا محدود اور ناقص نہیں سمجھتا کہ اگر حالات اور زندگی کے مسائل کی طرف توجہ کی جائے تو فرائض چھوٹ جائیں گے، عقائد میں خلل آجائے گا، ہمارے اسلاف نے شہنشاہی کی اور امپائر بنائے ہیں لیکن ان کی تہجد بھی نہیں چھوٹی، معمولی سنت بھی ترک نہیں ہوئی، حضرت سلمان فارسیؓ کا واقعہ یہ عراق کے گورنر تھے، اور مدائن کے دارالحکومت میں رہتے تھے، ایک مرتبہ کھانے کی کوئی چیز زمین پر گرگئی تو اٹھا کر صاف کر کے کھانے لگے، کسی نے کہا کہ ارے آپ والی ہوکر ایسا کام کرتے ہیں، انھوں نے جواب دیا کہ کیا میں اپنے حبیبؐ کی سنت تم جیسے بیوقوف کی خاطر چھوڑ دوں گا،؟ یہ نہیں کہ آگ آئے تو پانی نہیں رہے گا، اور پانی آئے تو آگ بجھ جائے گی، یہ غلط تخیل ہے، آپ پوری عزیمت، شان وتقوی اور کثرت عبادت کے ساتھ اچھے اور کامیاب شہری بن سکتے ہیں، بلکہ میں سمجھتا ہوں کہ وہی اچھا شہری بن سکتا ہے جو خدا کا صحیح پرستار اور اپنے اصولوں کا پابند ہو آج ہندستان ہی نہیں تقریبا تمام خاص مسلم ممالک اور عرب ممالک کی بھی حالت یہ ہے کہ وہاں بھی یورپ، امریکہ کے گرم جھونکے آرہے ہیں، نئے نئے فتنے پیدا ہورہے ہیں، اسلام اور جاہلیت کی کشمکش برپا ہے، وقت کے نئے نئے تقاضے اور زندگی کے نئے نئے مسائل درپیش ہیں، ان سے آنکھیں بند کرلیں اور یہ کہنا کہ نہیں کچھ نہیں ہو رہا ہے، غلط ہے، اس حقیقت پسندی، وسیع النظری اور جامعیت کا ثبوت دینے کا حیدرآباد میں اور بھی اچھا موقع ہے، یہاں تعلیم بھی ہے اور قوت عمل بھی یہاں نئے نئے

ادارے، نئی نئی تنظیمیں اور تحریکیں پیدا ہورہی ہیں، لیکن مسلمانوں کو ایک اجتماعی قیادت اور صحیح مشورے کی ضرورت ہے، ایک طرف تو عقائد کے بارے میں، اصول کے بارے میں، شریعت کے منصوصات کے بارے میں پہاڑ کی سی استقامت اور فولاد کی سی صلابت ہو، دوسری طرف پوری دانشمندی، پوری باخبری اور پوری ہمدردی، یہ دونوں چیزیں ہوں گی تو انشاء اللہ ہم موجودہ حالات سے نہ صرف یہ کہ عہدہ برآ ہو جائیں گے بلکہ مجھے پوری امید ہے کہ قیادت آپ کے پاس خود آئے گی، مسلمانوں میں سیاسی شعور الوعی السیاسی (شہری شعور) الوعی انسانیت دوستی، حقیقت پسندی، ہوش مندی، ملک کے لئے فکرمندی، اس کو بچانے کیلئے خطر پسند اور مہم جوئی کی ضرورت ہے، اس کے لئے آپ خود نمونہ بنیں اور ہندوستان کے مسلمانوں کے ساتھ نمونہ پیش کریں۔

وصلی اللہ تبارک وتعالیٰ علی سیدنا ومولانا محمد وآلہ وصحبہ وسلم

بے مثال استاد...... بے مثال شاگرد

مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندوی رحمۃ اللہ علیہ نے شعبۂ عربی جامعہ کراچی (پاکستان) کے سیمینار ہال میں اپنے محبوب استاد اور مربی علامہ خلیل عرب بن محمد عرب سے منسوب لائبریری کے قیام کے موقع پر ۹ جولائی ۱۹۷۸ء کو یہ اہم تقریر فرمائی تھی، جس میں انھوں نے اپنے استاد کے احسانات کا تذکرہ بھی کیا تھا، اور ان کے کامیاب طرز تعلیم کا ذکر بھی، اور استاد اور شاگرد کے درمیان کیسا رابطہ و تعلق ہونا چاہئے، یہ بھی بتایا، اس لئے یہ تقریر اساتذہ اور طلبا دونوں ہی کے لئے بہت مفید ہے لہٰذا وہ اس تقریر کا ضرور مطالعہ کریں۔

الحمد لله نحمده و نستعينه و نستغفره و نو من به و نتو كل عليه و نعوذ بالله من شرور انفسنا و من سيأت اعمالنا من يهده الله فلا مضل له و من يضل الله فلا هادى له ونشهد ان لا اله الا الله وحد ه لاشريک له و نشهد ان سيد نا ومولانا محمد اً عبده و رسوله صلى الله تعالىٰ عليه و علىٰ آله واصحابه اجمعين اما بعد .

امابعد، صدر محترم جناب وائس چانسلر جامعہ، سید ہاشم رضا صاحب، خواہر عزیز عطیہ خلیل عرب

استاد اور شاگرد کا تعلق

اساتذہ، طلبہ و طالبات حاضرین کرام، مجھے خوشی ہے اور میں اپنی سعادت اور ایک طرح سے شرافت سمجھتا ہوں کہ اگر مجھے اس لفظ کی اجازت دی جائے کہ میں ایک ایسی جگہ پر حاضر ہوا ہو، جس کا انتساب میرے محبوب استاد اور مربی علامہ خلیل بن محمد عرب سے ہے۔

یہاں میں مہمان کی حیثیت سے نہیں آیا، اگرچہ آپ نے مجھے ازراہ کرام اپنی میزبانی سے نوازا ہے، لیکن میں اپنے کو مہمان نہیں سمجھتا بلکہ میں یہ سمجھتا ہوں کہ اپنے گھر آیا ہوں اور ایسے خاندان کو سلام کر رہا ہوں اور اس کے ان افراد سے مل رہا ہوں جو میرے جانے پہچانے ہیں۔

حضرات: اس موقع کا تقاضا ہے اور احسان کے جس بوجھ تلے میں منت و امتنان کے

ساتھ دبا ہوا ہوں اس کا تقاضا ہے کہ میں کچھ فصل گل کی داستان سناؤں۔

داستان فصل گل خوش می سراید عندلیب
زاغہا آشفتہ تر گفتند این افسانہ را

خوش نصیب طالب علم

وہ بہت خوش نصیب انسان یا طالب علم ہے، جسے ایسا استاد مل جائے جو حقیقی معنوں میں استاد ہو، حقیقی استاد کی بڑی تعریف یہ ہے کہ وہ اپنے طالب علم کو اپنے جیسا بنانے کے لئے حریص اور بے چین ہو اور اس کو خوشی ہو کہ اگر اس کا شاگرد اس کی صرف نیک نامی اور سرخروئی کے باعث نہ ہو بلکہ لوگ اس کا تعارف اس شاگرد کے ذریعہ کرانے لگیں، میرا مطلب یہ ہرگز نہیں کہ میں اس مقام پر فائز ہوں بلکہ میں کہنا چاہتا ہوں کہ جس استاد میں یہ جذبہ نہیں ہے کہ وہ طالب علم کو اپنے جیسا بنادے اور علم کو گھول کر پلادے، جیسے ہم سنا کرتے تھے اپنی مکتبی زندگی میں کہ بھئی،، کیا گھول کر پلادیا جائے؟ کوئی علم میں گھول کر پلا نہیں سکتا، لیکن میں یہ کہہ سکتا ہوں کہ سچا استاد، فطری استاد، پیدائشی استاد جسے انگریزی میں BORN TEACHER، یا عربی میں استاد موہوب کہیں گے، وہ ماں کے پیٹ سے استاد ہی پیدا ہوا، اس کا اصل جوہر یہی ہوتا ہے، کہ وہ علم گھول کر پلا دیتا ہے، پھر وہ صرف اپنا علم ہی منتقل نہیں کرتا بلکہ اپنا ذوق بھی منتقل کر دیتا ہے، یہی ایک استاد کی اصل تعریف ہے، ہم علامہ اقبال کے تذکرے میں کبھی اس بات کو نہیں بھول سکتے اور سوانح نگاروں نے کبھی اس کو نظر انداز نہیں کیا کہ اقبال نے جو بھی علمی ترقی کی اور دین سے جو ان کی رغبت یا مناسبت پیدا ہوئی اس میں ان کے استاد میر سید حسن سیالکوٹی کا بڑا حصہ ہے، میں بتانا یہ چاہتا ہوں، کہ وہ عرب صاحب کی طرح ان اساتذہ میں تھے جو گھول کر پلا دیا کرتے تھے، اور علم کو لباس مستعار کی طرح نہیں دے دیا کرتے تھے بلکہ علم کا گوشت پوست اور خون میں جاری کر دیا کرتے تھے، ہاں میں یہ ثابت کرسکتا ہوں، افسوس کہ اس وقت یہاں کوئی اس کا گواہ نہیں، ہماری فاضل بہن اپنی عربی دانی میں خواہ کتنی ہی آگے بڑھ جائیں، انھوں نے اپنے والد ماجد کا وہ زمانہ نہیں دیکھا، جب ان کا ذوق تدریس اپنے عروج شباب پر تھا، غالبا یہ اس وقت پیدا نہیں ہوئی ہوں گی، ہاں ان کے عم محترم حسین بن محمد عرب نے دیکھا ہے،

افسوس ہے کہ اپنی بعض معذوریوں کی بنا، پر وہ یہاں موجود نہیں ہیں، مجھے خوشی ہوتی ہے کہ اگر حسین عربی بھی یہاں موجود ہوتے، کل ہی میں ان سے مل کر آیا ہوں، تو عرب صاحب کی تعریف یہی ہے، آپ حضرات کو علم ہے، اور مجھے بھی کہنے میں کوئی حرج نہیں کہ میری آزمائش کہیئے یا میری خوش قسمتی کہ مجھے ہندوستان سے باہر جانے کا موقع ملا اور ممالک عربیہ تو کف دست کی طرح میرے سامنے رہے، کوئی ادارہ ایسا نہیں جس میں نہ گیا ہوں، مجھے یاد ہے کہ میں نے جب شیخ الازہر مرشد عبدالمجید حلیم جن سے بڑا قابل شخص ابھی تک شیخ الازہر کی مسند پر نہیں آیا، میں قاہرہ میں چند دن رہنے کے بعد ان سے ملا، اور میں نے جامعہ ازہر کے بارے میں کچھ طالب علمانہ تاثرات پیش کیئے چونکہ میں بھی مدرسے سے تعلق رکھتا ہوں اور اسی دنیا کا آدمی ہوں تو میں نے ان کے سامنے بلا تکلف اپنے کچھ تاثرات رکھے تو انھوں نے کہا یوں کام نہیں چلے گا، بلکہ آپ قلمبند کر کے دیجئے، تا کہ ہماری مجلس شوریٰ ہے اس میں یہ رکھا جائے، شیخ محمود شلتوت جو بعد میں جامعہ الازہر کے نامور شیخ ہوئے ان سے شیخ ان سے شیخ الازہر نے کہا کہ شیخ ابوالحسن آپ کو لکھ کر دیں گے، (میرا نام ممالک عربیہ میں شیخ ابوالحسن ندوی ہے) معاف کیجئے میں ہندوستان میں علی میاں کہلاتا ہوں مگر ممالک عربیہ میں اگر آپ کسی سے بات کریں اور میرا کسی سے ذکر کریں تو کبھی نہیں پہچان سکے گا، انھوں نے کہا کہ استاد ابوالحسن آپ کو یاداشت لکھ کر دیں گے، آپ مجلس میں پیش کر دیجئے گا۔

یہ ۱۹۱۵ء کا تذکرہ ہے میں نے اپنے تاثرات قلمبند کیئے، اور ان کے سامنے پیش کر دیئے، چند ہی سطریں پڑھیں تھیں کہ ورق پلٹ دیا، اور کہا خیر یہ تو میں بعد میں پڑھ لوں گا، آپ مجھے پہلے یہ بتایئے کہ اپ نے عربی کہاں پڑھی اور کس سے پڑھی، مجھے بتانا یہ تھا کہ شیخ محمود شلتوت جن کے علم کا شہرہ دنیا بھر میں تھا اور وہ اپنی ذہانت اور وسعت نظر میں ممتاز تھے، میری عربی میں لکھی ہوئی چند سطروں کے بعد وہ سلسلہ جاری نہ رکھ سکے اور ان کے ذہن پر اتنا بوجھ پڑا گویا وہ بالکل توقع نہیں رکھتے تھے کہ کوئی ہندوستانی اس طرح اپنے خیالات کا اظہار عربی میں کر سکتا ہے، جب ہی انھوں نے کہا کہ یہ میں پڑھ لوں گا پہلے یہ بتایئے کہ آپ نے عربی کہاں پڑھی اور کس سے پڑھی تو میں نے استاد اور مربی علامہ خلیل عرب کا ذکر کیا اور ان کے طریقہ تعلیم کے بارے میں بتایا کہ انھوں نے مجھے اس طرح عربی پڑھائی ہے، شیخ شلتوت نے میز پر ہاتھ

مار کر تین بار کہا، ’’یہی صحیح ترین طریقہ ہے‘‘ وہ خود بہت بڑے ماہر تعلیم بھی تھے۔

ہر چیز تقدیر الٰہی کے مطابق ہوتی ہے

حضرات: میں اتفاقات کی منطق کا قائل نہیں، نہ ہی یہ کوئی اتفاقی واقعہ تھا، میں سمجھتا ہوں کہ قضاء وقدر کا ایک نظام ہے، اور وہ مربوط ہے، علت ومعلول کا سلسلہ بالکل مربوط ہے، کوئی چیز اس کائنات میں اتفاقی طور پر پیش نہیں آتی‘‘ وکل شیئ خلقناه بقدر وما امرنا الا واحدة كلمح بالبصر ’’تو ہر چیز تقدیر الٰہی کے مطابق ہوتی ہے، کسی کو یہ خبر نہ تھی کہ آپ مجھے یہ کہنے کی اجازت دیں خواہ وہ خودستائی پر محمول کیا جائے یا اظہار واقعہ پر کسی کو خبر نہ تھی کہ عربی زبان سیکھنے اور پڑھانے کا میرے شفیق بھائی جو والد کے قائم مقام تھے ان کو بھی یہ خبر نہیں تھی کہ اتنا مہتمم بالشان انتظام عربی کے لئے کیوں کیا جارہا ہے، اور اس کی ضرورت کہاں ہے۔

مجھے ہندوستان میں رہنا ہے ہندوستان میں ہی پڑھنا ہے، اور اردو میں کام کرنا ہے، خدا کا شکر ہے کہ میں لکھنو میں ہی رہتا تھا، اور لکھنو گویا میرا گھر ہے تو مجھے اردو میں مہارت حاصل کرنا چاہئے تھی یا انگریزی میں کمال پیدا کرنا چاہئے تھا تا کہ میں یورپ اور امریکہ تک اسلام کی دعوت پہنچا سکوں، یا پھر ہندوستان میں کوئی بڑا مقام حاصل کر سکوں، بس یہ تقدیر کی بات تھی اور یہ ایسا نوشتہ تھا جسے آنکھوں سے پڑھا نہیں جا سکتا، اور ایسے بہت سے نوشتے، نوشتہ تقدیر ہوتے ہیں، جو آنکھوں سے پڑھے نہیں جاتے، میرے بھائی (ڈاکٹر عبدالعلی) کے دل میں اللہ نے یہ بات ڈال دی کہ ہندوستان میں رہ کر عربی کا جو بہتر سے بہتر انتظام ہو سکتا ہو اور اس پر عبور حاصل کرنے کے لئے جو بہترین اسباب ہو سکتے ہوں، وہ مہیا کئے جائیں، قدرت نے گویا پہلے ہی سے اس کا فیصلہ کر لیا تھا۔

شیخ خلیل عرب سے ہمارا تعلق

یہ دولت میرے گھر کی تھی اس معنیٰ میں کہ خلیل عرب صاحب ہمارے محلے میں رہتے تھے، اور ان کے والد (شیخ محمد بن حسین) میرے والد (شیخ عبدالحئی) کے ادب عربی میں استاد تھے، جبکہ ان کے دادا (شیخ حسین بن محسن الانصاری) میرے والد کے حدیث میں استاد تھے،

شیخ خلیل کے والد شیخ محمد بن حسین کا تعارف کم ہوا ہے جو عربی کے قادرالکلام شاعر تھے اور فن عروض کے تو وہ امام تھے، عربی نثر بھی بے تکلف لکھتے تھے، ان کی نشو ونماط اور ان کی جوانی سب بلاد یمن میں گذری تھی، تو وہ اہل زبان تھے، اور صاحب دیوان شاعر بھی، میرے والد نے عربی زبان اور ادب میں ان سے کسب فیض کیا، استفادہ کیا، اور حدیث میں میرے والد نے ان کے دادا شیخ حسین بن محسن انصاری الیمانی سے جن کو سہیل یمانی کہنا چاہئے جو سارے ہندوستان کے بلند پایہ محدثین کے استاد ہیں، نواب صدیق حسن خان کے استاد ہیں، اور ان کے علاوہ جو علماء بھی فن حدیث کے استاد ہے، اور ان کے علاوہ جو علماء بھی فن حدیث میں چوٹی کے علماء اور فن حدیث میں اپنی اپنی جگہ ایک ستون سمجھے جاتے تھے، اور انھیں کے شاگرد ہیں، تو میرے والد حدیث میں نہ صرف ان کے شاگرد بلکہ ممتاز ومحبوب شاگرد سمجھتے جاتے تھے، یہ ہمارے گھر کی دولت تھی میرے بھائی صاحب نے مجھے عرب کے حوالے کر دیا اور عرب صاحب نے ان شرطوں کے ساتھ لیا، جن شرطوں پر استاد اس زمانے میں لیا کرتے تھے، یعنی مجھے اس کے جسم پر اختیار ہوگا، دماغ پر بھی اختیار ہوگا، کوئی حدود نہیں ہوں گی، کہ آج کیوں مارا اور طمانچہ کہاں لگا، چوٹ آئی نہیں آئی، عرب صاحب اس زمانہ کی پیداوار تھے، جب شاگرد کو استاد اپنی محبت سے نوازتے تھے اور تنبیہ وتادیب کا بھی مستحق سمجھتے تھے تو اس طرح سے انھوں نے گویا میرا چارج لیا، میرے بھائی صاحب کا اور ان کا گھر قریب قریب تھا، تو عربی کا الف ب جس کو فعل فعلا فعلوا کہتے ہیں، اور جس سے آج کل آپ میں سے بہت سے لوگ گھبراتے ہوں گے، وہ پہلی مرتبہ میری کاپی پر انھوں نے ماضی کے گردان لکھی اور مجھ سے کہا کہ اسے یاد کرلو۔

ایسا تو بہت ہوتا ہے کہ مختلف اساتذہ سے انتساب ہوتا ہے اور فخر بھی ہوتا، استادوں کو اور طالب علموں کو بھی لیکن میں بڑا خوش نصیب ہوں اور میرے ساتھ یہ استثنائی معاملہ پیش آیا کہ وہ استاد میری عربی کی ابجد سے لے کر الف با، کہنا چاہئے یا عربی کی الف ب سے لے کر تائے تمت، تک وہی میرے استاد ہیں، ایسا تو اکثر ہوتا ہے کہ آدمی ایک خاص مرحلے تک کسی ایک کا شاگرد ہوتا ہے پھر آگے بڑھ کر کالج یونیورسٹی میں پڑھتا ہے، یا باہر کسی دانشگاہ میں چلا جاتا ہے، داخلہ لے کر مختلف پروفیسروں سے پڑھتا ہے۔

لیکن میرا معاملہ یہ ہے کہ میں عربی کی الف ب (المطالعة العربية) (یہ کتاب ہمارے

لئے عرب صاحب نے اپنے خاص اسلوب میں تیار کی تھی، جو طالب علم میں عربی بولنے اور لکھنے کی استعداد پیدا کر دیا کرتی تھی) چنانچہ المطالعۃ العربیۃ سے لے کر قرآن کریم میں ان کی منتخب سورتیں پھر صحیح بخاری بھی مکمل انھیں سے پڑھی، وہ توحید کا کھرا عقیدہ رکھتے تھے، اور قرآن کریم کے جلال و جمال سے خوب واقف تھے اور اس طرح انھوں نے ہمیں بھی اس کا ذوق وشوق ایسا عطا کیا، تھا کہ قرآن کی تلاوت اور ایمان کی حلاوت کا صحیح لطف ملا اور محسن انسانیت صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات پاک سے عشق ہو گیا تو میں بتا رہا تھا کہ ابتدائی کتاب المطالعۃ العربیہ سے جس کا میں بار بار تقریر وتحریر میں ذکر کر چکا ہوں وہ ان کے خود ساختہ نصاب کی مبادیات میں تھی، عربی ادب کی آخری کتابوں، نہج البلاغہ، دلائل الاعجاز، اور حماسہ ابی تمام، لامیۃ العرب اور رسائل ابی بکر خوارزمی، تک میں انھیں کا شاگرد ہوں، پھر میری ایک اور خوش نصیبی یہ بھی تھی کہ مجھے ان کی شفقت وتوجہ کا کوٹہ پچاس فیصد ملا، میں تو یہ انکسار سے کام لے رہا ہوں، میرا خیال ہے کہ ۸۰ فیصد سے زیادہ ملا، اس لئے کہ میرے شریک درس صرف ایک تھے میں یہ بات بڑی دانشگاہ (جامعہ کراچی) میں عرض کر رہا ہوں، اس لئے کہہ رہا ہوں کہ اس سے مفر نہیں اور میں کوئی تعلیمی مشورہ نہیں دے رہا ہوں۔

حضرات! جامعات وکالج کی سب سے بڑی کوتاہی

لیکن آج حالت یہ ہے کہ یونیورسٹی اور کالج کی کامیابی سمجھی جاتی ہے کہ کلاس میں کتنے طلبا ہیں اس کا مطلب یہ ہے کہ اگر ۱۰۰ طالب علم ہیں تو ان کا استاد کی توجہ کا ایک فیصد حصہ ملتا ہے، ہم صرف دو شاگرد تھے اور ایک استاد، ایک میں اور دوسرے عرب صاحب کے چھوٹے بھائی حسین بن عرب تو ہمارا کوٹہ محبت میں بہت بڑھا ہوا تھا، تو یہ ایک بات تھی، یہاں سے پڑھ کر جب میرے قدم ہندوستان سے باہر نکلے تو رباط سے لے کر جامعہ قروین سے مصر اور حجاز تک کوئی بڑی جامعہ تیونس کے سوا جہاں اتفاق سے میں جامعہ زیتونہ کو نہیں دیکھ سکا۔

دنیا کی تین بڑی جامعات

تین جامعات عالم اسلامی میں بڑی اور قدیم کہی جاتی ہیں، جامع کہی جاتی ہیں، جامعہ قروین، جامعہ زیتونہ اور جامعہ الازہر، جامعہ زیتونہ دیکھنے کا اتفاق نہیں ہوا لیکن جامعہ کے شیخ یا

وائس چانسلر ڈاکٹر الحبیب بن خوجہ کمیٹیوں میں میرے شریک کار رہے، جامعہ زیتونہ میں نے دیکھی نہیں وہاں کے حالات سے واقف ہوں، ڈاکٹر خوجہ جامعہ اسلامیہ مدینہ منورہ اور بہت سی کمیٹیوں میں ہم دونوں ساتھ تھے، اور اس کے علاوہ بھی محفلوں میں ملاقات رہتی، اسی طرح مصر کی مختلف انواع درسگاہوں کو دیکھا، دار العلوم کو دیکھا اور جامعہ فواد الاول جو جامعہ القاہرہ کہلاتی ہے، وہاں گیا اور جامعہ ازہر کو تو بہت خوب دیکھا اس طرح میں یہ کہہ سکتا ہوں، اس لئے کہ اس کی عظمت وافتخار میں شاگرد کی حیثیت سے حصہ مجھے بھی ملتا کہ میں نے عربی ادب کا ایسا صحیح ذوق رکھنے والا استاد بلکہ جامعہ میں ایک علمی شہادت کے طور پر عرض کر رہا ہوں کہ عربی ادب کا ایسا صحیح ذوق رکھنے والا استاد جس کے اندر ادبی ذوق رچ بس گیا ہو، ایک تو یہ ہوتا ہے کہ آدمی بوقت ضرورت اور بقدر ضرورت کام لے لے، ہم لوگ سب ہی یہ کرتے ہیں، میں بھی یہ کرتا ہوں اس لئے کہ استاد رہا ہوں، مثلاً ایک مضمون پڑھانا ہے تو میں نے تیاری کی بلکہ چلتے چلتے بھی ایک نظر دیکھ لیا کہ فلاں چیز ذہن سے نکل تو نہیں جائے گی مجھے یاد ہے کہ جب بخاری ترجمے پڑھانے کے لئے ملی تو میں اس کا مطالعہ کرتا تھا اور پھر چلتے چلتے جب تیار ہو کر جاتا تب بھی ایک نظر ڈال لیا کرتا تھا کہ کہیں راویوں کے نام ذہن سے نہ نکل جائیں، ابواب وتراجم کی باریکیاں نہ بھول جاؤں تو میں طالب علم کو مطمئن کر دیتا تھا، عرب صاحب کو اس کا اندازہ نہیں ہوتا تھا لیکن ایک چیز ہوتی ہے کہ وہ کس طرح انسان کی گھٹی میں پڑی ہو اور اس کے اندر رچ بس جاتی ہے اور خون کے اندر جاری وساری ہو جاتی ہے تو اس کی بات ہی کچھ اور ہوتی ہے، پھر وہ ابلتی ہے، چشمہ رواں کی طرح روئیں روئیں سے ابلتی ہے، عرب صاحب کا حال یہی تھا، کہ جب وہ پڑھانے بیٹھتے تو ان پر ایک کیفیت طاری ہو جاتی اور یہ معلوم ہوتا تھا کہ لکھنؤ کا یہ بازار جھاؤلال جو محمد علی لین کہلاتی ہے وہ گلی، اور امین آباد کا ایک حصہ جہاں ایک معمولی سا مکان تھا کسی کو خبر نہیں تھی کہ یہاں پر کون سا مدرسہ لگا ہے، اور اس مدرسہ سے عربی زبان وادب کی کون سی خدمت ہونے والی ہے، چٹائی پر صحیح معنی میں میں کوئی استعارہ نہیں بول رہا ہوں، وہ فرش ایسا تھا کہ اس موٹے موٹے بال تھے (نمدہ) کے ہم لوگوں کے نشان پڑ جاتے تھے، اگر نثر کی کوئی کتاب ہے تو عرب صاحب اس کے کسی جملے کا بڑا لطف لیتے، میں یہ عرض کرنا چاہتا ہوں کہ کاش عربی تعلیم کی کلاس ہوتی تو وہاں عرض کرتا کہ اچھا جملہ وہ پڑھتے تو ایسا معلوم ہوتا تھا کہ انھوں

نے کوئی لذیذ چیز کھائی ہو اور وہ اس کا مزہ لے رہے ہوں اور ان کے منھ میں پانی بھر آیا ہے۔

استاد اور طالب علم کے درمیان ربط

حضرات: یہ ایک حسی کیفیت ہوتی ہے، اسے صرف ذہنی کیفیت نہیں حالانکہ یہ ایک علمی اور ذہنی کیفیت بھی ضروری ہے اور مفید بھی ہے لیکن جب حسی طور پر یہ بات پیدا ہو جانے کہ معلوم ہوا کہ گم ہو گئے اور بس عرب صاحب بار بار فرماتے کہ ارے ظالم نے یہ کیا جملہ کیا کہہ دیا اور اتنی بار دہراتے کو معلوم ہوتا تھا کہ ان کو انتظار ہے کہ ہم اس خوبصورت جملے کو اپنے اندر اخذ کر لیں تا کہ وہ کرنٹ ہماری طرف منتقل نہیں ہوگا، تو طالب علم استاد کا ثنی نہیں بن سکتا، اگر عربی کا شعر ہے تو ان کی حالت ایسی ہوتی تھی اور اس قدر جوش وخروش کے ساتھ پڑھتے کہ پورا کمرہ گونج اٹھتا تھا بعض مرتبہ آدمی اچھل جاتے، مجھے آج تک یاد ہے اور میں یہ بات بتا سکتا ہوں کہ ان کو کون کون سے شعر پسند تھے، اور یہی تعریف ہے، ایک کامیاب استاد کی، آج کتنے طالب علم ہیں جو یہ بات بتا سکتے ہوں، خواہ اردو زبان کا معاملہ ہو یا عربی کا ان سے پوچھئے کہ آپ کے استاد کو کون کون شعر پسند ہیں، ہاں میں بتا سکتا ہوں یا لکھوا سکتا ہوں، جو میرے استاد کو پسند تھے، اور وہ مزے لے لے کر پڑھتے تھے اور یہ بھی عجیب بات ہے کہ عرب ہونے کے باوجود انھیں اردو شاعری کا بھی بڑا اچھا ذوق ملا تھا، ان کی زندگی کا بڑا حصہ لکھنؤ میں گذرا تھا جہاں انھوں نے بڑے بڑے اساتذہ سے پڑھا تھا اور ادب کا بھی ایک حاسد یعنی ایک SCENCE ہوتا ہے، جس طرح آپ حواس خمسہ سے واقف ہیں، ایک حاسہ اور ہوتا ہے، اسے آپ حاسہ سادسہ (چھٹی حس) کہئے اور وہ ہے حاسۂ ادبیہ جس کو حاسہ نہیں ملتا وہ جتنی ہی کوشش کرے کامیاب شاعر یا ادیب نہیں بن سکتا، ہاں ناقد یا مورخ ہو سکتا ہے، عروض داں ہو سکتا ہے، خامیاں نکال سکتا ہے، لیکن وہ صحیح معنوں میں ادیب نہیں ہو سکتا، اس لئے وہ حاسۂ ادبیہ سے محروم ہوتا ہے اور میرا خیال ہے کہ ابھی کئی حاسے اور ہوں گے جن کا ابھی انکشاف نہیں ہوا، ان میں سے ایک دینی حاسہ بھی ہوتا ہے بعض لوگوں میں دینی حاسہ نہیں ہوتا، ان کو مصیبت یہ ہوتی ہے کہ ہزار دلیلیں دیں مگر وہ دینی حاسہ ان کے اندر موجود نہیں ہوتا، جو وہ اس سے کام لیں، جیسے بعض لوگوں کے اندر موسیقی (SCENCE) نہیں ہوتا ان کا حال یہ ہوتا

ہے کہ اچھے شعر پڑھیئے، وہ ٹس سے مس نہیں ہوتے، میں ایک لطیفہ سناؤں، مجھے دو سال ہوئے میں رباط گیا تھا، وہاں مسلم یونیورسٹیز کا فیڈریشن کا مرکز ہے، وہ ندوۃ العلماء کے ناظم کی حیثیت سے اس کا رکن ہوں وہاں ایک بڑے علامہ اور دار الحدیث کے شیخ عمید (DEAN) تھے ان میں ساری خوبیاں تھیں لیکن یہ حاسہ کم ملتا تھا یا بالکل نہیں ملتا تھا، ایک شخص نے ان کی تعریف کی بڑے اچھے آدمی ہیں، لیکن صبح گدا گدایئے تو شام کو ہنسی آتی، ہنسی کے اس محرک کو اتنا لمبا سفر کرنا پڑتا ہے، پورا دن گزر جائے، (اد غدغه صباحا، فیضک مساء) یعنی بڑے اچھے، بڑے سنجیدہ، صاحب علم لیکن ان میں لطف اندوز ہونے یا انجوائے (ENJOY) کرنے کا حاسہ نہیں ہے، تو صبح کو گدگدایئے اور شام کو ہنسی آئے تو شام تک کھڑا رہے گا کہ ہنسی آئی کہ نہیں غرض یہ حاسہ عرب صاحب کو خوب ملا تھا، مثلاً مجھے یاد ہے کہ ایک بار وحشت کلکتوی کا شعر انھوں نے اس طرح سنایا کہ بس تصویر بن گئے شعر یہ تھا۔

نشان منزل جاناں ملے ملے نہ ملے
مزے کی بات ہے یہ شوق جستجو میرا

ایک عرب کو دیکھئے وہ کس طرح اس کا لطف لیتا ہے، اس شعر پر انھوں نے اس طرح پہلو بدل بدل کر داد دی، ایسے ہی ان کو عربی کے شعر بہت یاد تھے، بحتری ان کا پسندہ شاعر تھا، کہتے تھے، ان کے ایک شعر پر پورا دیوان قربان کیا جاسکتا ہے۔

و کالسیف ان جنته مستغیثا و کالجران جنته مستقیا ان لم یکن قصدی
زنبا فقد کفی ان لاراک عقابا

کہ اگر میرا آپ کی خدمت میں حاضر نہ ہونا جرم تھا تو اس سے بڑھ کر کوئی سزا نہیں ہوسکتی کہ میں آپ کے دیدار سے محروم رہا، اس پر انھوں نے کہا تھا کہ دیوان قربان کیا جا سکتا ہے۔

اس وقت کوئی نہیں جانتا تھا کہ یہ انتظام کیوں کیا جا رہا ہے، ایک متوسط درجے کا ایک لڑکا جس کے بھائی بے شک عربی کے عالم تھے، لیکن انھوں نے ڈاکٹری کا کورس (MBBS) بھی کیا تھا، اور مطب کر رہے ہیں، اس کے خاندان کے کئی افراد ہندوستان سے باہر گئے آئی سی ایس میں شریک ہوئے ان میں سے ایک صاحب یہاں بھی ہیں، حافظ محمد اسحاق آئی سی ایس وہ

میرے خاندان کے ہیں، وہ جس وقت وہاں گئے تو ایک دھوم مچی تھی، ہمارا ضلع رائے بریلی ہے، ہم لوگ نصیر آباد کے رہنے والے ہیں، دھوم یہ تھی کہ ولایت گئے ولایت گئے وہ آئے، جب بھی بڑی دھوم ہوئی، میرے حقیقی خالہ زاد بھائی اس سے پہلے بیرسٹری کرنے انگلینڈ گئے تھے اور ایک تیسرے بھائی بھی امریکا گئے تھے، حقیقی ماموں کے بیٹے تھے کہ ایک چھوٹا سا خاندان جس کے تین تین افراد باہر گئے ان کے ایک لڑکے کے لئے یہی سوچا جا سکتا تھا کہ اس کو انگریزی میں کمال پیدا کر لینا چاہئے یہی منصوبہ بنایا جا سکتا تھا لیکن کیا بات تھی کہ میرے بھائی کے ذہن میں یہ بات آئی کہ مجھے عربی پڑھائی جائے اور عربی پڑھنے کے لئے اس وقت بھی دیوبند تھا، ندوۃ العلماء تھا، مظاہر العلوم سہارن پور تھا، لیکن قبل اس کے کہ ندوۃ العلماء سے فیض حاصل کرتا مجھے ایک عرب استاد کے سپرد کر دیا گیا، اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ عربی زبان سے میرے لئے غیریت نہیں رہی مجھے یاد ہے کہ پندرہ سولہ سال کی عمر میں پہلی مرتبہ لاہور آیا تو حفیظ جالندھری سے میری ملاقات کرائی گئی اور تعارف میں کہا گیا کہ یہ لڑکا لکھنو سے آیا ہے، جو آب حیات اور ”گل رعنا“ کا حافظ ہے، گل رعنا میرے والدہ کی تھی، یعنی اپنے گھر کی دولت اور ”آب حیات“ میں نے اتنی پڑھی تھی کہ آپ ایک مصرعہ پڑھئے میں دوسرا پڑھ دوں گا، حفیظ جالندھری نے مجھ سے کہا کہ میاں ہماری مشکل یہ ہے کہ ہم پنجابی میں سوچتے اور اردو میں شعر کہتے ہیں، اس طرح انھوں نے یہ پوچھا کہ عربی میں سوچتے ہو اور عربی میں بولتے ہو، عرب صاحب کے پڑھانے میں یہی سب سے بڑی خوبی تھی کہ وہ طالب علموں میں یہ احساس پیدا کر دیتے تھے کہ عربی گویاں تمہاری زبان ہے، اور جو بھی الفاظ، محاورے ہیں، یہ کسی کی ملکیت نہیں تمہارے لئے بھی اسی طرح ہیں جیسے ان کے لئے جنہوں نے لکھے ہیں، البتہ صحیح جگہ استعمال کرنے کا سلیقہ چاہئے تم صحیح جگہ استعمال کرو تمہاری بن جائے گی یہ سمجھو یہ تصرف ہے، ایک بات مجھے یاد ہے کہ ایک مرتبہ میں نے ایک جملہ لکھا۔

فلما سل سيف الصبح من سيف الظلام -

ان کو معلوم تھا کہ یہ جملہ میں نے کہاں سے لیا ہے ابھی چند دن ہوئے تھے مجھے ان سے پڑھتے ہوئے لیکن اس قدر خوش ہوئے اتنا لپٹایا، اتنا چمٹایا اور اسی وقت مجھے ایک روپیہ انعام دیا، پھر ملائی کی برف بھی جو لکھنو میں بہت پسند کی جاتی ہے وہ بھی کھلائی یعنی وہ یہ احساس پیدا کر دیا کرتا تھے کہ یہ جو ورثہ یا ذخیرہ ہے وہ سربہ مہر نہیں ہے اور ایسا نہیں ہے کہ ختم ہو جائے یا بند کر کے

رکھ دیا گیا ہے بلکہ یہ ایک ایسی دولت مشترکہ ہے جس سے سب کو فائدہ چاہئے، البتہ اس شخص کا حق اس پر قائم ہوتا ہے جو اس کو صحیح جگہ پر اعتدال کے ساتھ استعمال کرے، اگر بے جا اور بے موقع محاورات استعمال کئے جائیں تو ان میں کوئی نہ کوئی طنز نکلتا ہے، اور ہمارے لکھنوں میں اس کا بہت لحاظ رکھتے ہیں، کہ یہ محاورہ یہاں نہیں بولنا چاہئے، یا ایسا نہ ہو کہ ابتذال کی حد تک پہنچ جائے، دوسری صفت ان کے پڑھانے کی یہ تھی کہ وہ احساس پیدا کر دیا کرتے تھے کہ سب کچھ تمہارے لئے ہے تم اس کی عبارتوں میں، تقریروں اور دلیلوں میں استعمال کرو، سچ تو یہ ہے اس سے مجھے بہت فائدہ ہوا، یہی نہیں بلکہ اہل زبان تھے، قرآن مجید کی تلاوت اس قدر خوش الحانی سے کرتے اور ان پر گریہ وزاری کے ساتھ ایسی وقت رقت طاری ہوتی تھی کہ محلہ کی مسجد سے باہر غیر مسلم تک سن کر رک جایا کرتے تھے۔

استاد ایسا ہو جو اپنا ذوق طالب علم میں منتقل کرنے کی صلاحیت رکھتا ہو

بہر حال وہ ان گنے چنے اساتذہ میں سے تھے جو اپنا ذوق منتقل کرنے کی صلاحیت رکھتے تھے، اس لئے کہ ان کا یہ ذوق ان میں خود ایک چشمے کی طرح ابلتا اور اس کے لئے ضروری تھا کہ اس چھلکتے ہوئے جام کو ٹپکنے کا موقع ملے ورنہ اگر کوئی جام لبریز ہو اور ٹپکنے کی اجازت نہ دی جائے تو پھر یہ ہوگا:

سقونی وقالو الاتغن وان سقواء
جبال سلیمی ماسقیت ، لغنت

شاعر کہتا ہے کہ انہوں نے مجھے شراب پلائی تو بہت، لیکن کہتے ہیں کہ گنگناؤ نہیں، حالانکہ اگر یہی جام سلیمی کے پہاڑوں کو پلا دیئے جائیں تو وہ بھی گنگنانے لگیں یا نغمہ سرا ہو جائیں اس کے صرف ایک آنچ کی ضرورت ہوتی ہے، عرب صاحب کے اندر ذوق وشاعری کی آگ بھری ہوئی تھی زبان کی بھی ایک آگ ہوتی ہے، اس کی چنگاریوں کو نکلنا چاہئے، اس موقع پر بغیر کسی ترتیب کے علامہ خلیل عرب اور ان کے کامیاب طریق تعلیم عربی کے بعض پہلو آپ کے سامنے رکھے ہیں اس کے لئے میری کتاب ''پرانے چراغ'' میں ان پر مستقل مضمون ہے

میں عربی میں کئی جگہ ان کا تذکرہ اور ان کی خصوصیات کا ذکر کر چکا ہوں، خدا کا شکر ادا کرتا ہوں کہ پہلی مرتبہ یہاں آیا جہاں عرب صاحب کے نام کی لائبریری قائم کی گئی ہے، یہ ۲۲ سال بعد میرا پاکستان کا دورہ ہے۔

اب جب آیا ہوں تو اب یہ لائبریری قائم ہوگئی ہے، انشاء اللہ پھر آیا تو ان کے نام سے کوئی عربی ادارہ بھی قائم کر دیا گیا ہوگا، تاکہ عرب صاحب کے کامیاب طریق تعلیم کے مطابق پاکستان میں عربی کا ذوق پیدا کیا جائے، **وما ذلک علی اللہ بعزیز**۔

میں جناب احسان رشید وائس چانسلر جامعہ کراچی کو مبارکباد دیتا ہوں اور مبارکباد سے زیادہ داد دیتا ہوں کہ آپ کی جامعہ پہلی جامعہ ہے جس کو یہ اعزاز حاصل ہوا کہ اس میں ایک عربی النسل خاندان کا ایک فرد نہیں بلکہ میری استاد زادی میری بہن پروفیسر عطیہ خلیل عرب اس کی سربراہ اور استاذ ہیں، میں ان الفاظ کے ساتھ اجازت چاہتا ہوں، دوسرا پروگرام بھی ہے اگرچہ۔

حق تو یہ ہے کہ حق ادا نہ ہوا
وما علینا الا البلاغ امبین۔
والسلام علیکم ورحمۃ اللہ علیہ

قرآنی مطالعہ اور اس کے آداب

یہ تقریر ۲۶ جولائی ۸۰ء کو قرآن اکیڈمی ماڈل ٹاؤن لاہور کے ایک منتخب جلسے میں کی گئی۔ اس جلسہ میں حلقہ تدبر قرآن سے تعلق رکھنے والے حضرات دور دراز کا سفر کر کے آئے تھے۔ مقرر خصوصی اور قرآن اکیڈمی کا تعارف اس کے مؤسس و صدر ڈاکٹر اسرار احمد صاحب نے کرایا۔

الحمد لله نحمده ونستعينه ونتوكل عليه ونعوذ بالله من شرور انفسنا ومن سيئات اعمالنا من يهده الله فلا مضل له ومن يضلله فلا هادى له ونشهد ان لا اله الا الله وحدهٗ لا شريک له ونشهد ان محمدا عبده ورسوله صلى الله تعالىٰ عليه وعلى آله واصحابه وسلم تسليما كثيرا كثيرا. اعوذ بالله من الشيطن الرجيم بسم الله الرحمن الرحيم. الله يجتبى اليه من يشاء ويهدى اليه من ينيب O

قرآن مجید ہر موقع پر مشکل کشائی اور دست گیری کرتا ہے:

برادران عزیز! قرآن مجید کے معجزات میں سے جن کا سلسلہ قیامت تک جاری رہے گا یہ بھی ہے کہ وہ ہر موقع پر مشکل کشائی اور دست گیری کرتا ہے، مجھے بارہا اس کا تجربہ ہوا کہ میں کسی تقریر کے موقع پر یہ طے نہ کر سکا کہ اپنی بات کہاں سے شروع کروں گا اور مجھے آج کیا کہنا ہے اور قاری نے قرآن مجید کی تلاوت کی اور مجھے معلوم ہوا کہ دوسرے لوگوں کے سننے سے پہلے وہ آیتیں مجھے سنائی جا رہی ہیں اور ان آیتوں کا انتخاب میرے لئے کیا گیا ہے، مجھے اپنے غیر ملکی دوروں میں بھی اس کا تجربہ ہوا کہ دن بھر کی مصروفیتوں اور نقل و حرکت میں اس پر غور کرنے کی نوبت ہی نہ آئی کہ کس موضوع پر تقریر ہوگی، کہیں تو موضوع کا تعین ہو جاتا ہے اور کہیں نہیں ہوتا تو میں نے اس کو خدا پر چھوڑ دیا کہ وہ وقت پر رہنمائی فرمائے گا، چونکہ جو چیز اس کی طرف سے آتی ہے، اس کو عارفین "وارد" کہتے ہیں، یعنی ایک عزیز مہمان جس کا ورود ہوا ہے، اس میں اپنے ارادہ اور انتخاب کو کوئی دخل نہیں، اس موقع پر بھی یہی پیش آیا، اللہ تعالیٰ جزائے خیر دے عزیز قاری کو جوانہوں نے آیتیں پڑھیں اس میں ہماری رہنمائی ہوئی۔ قبل

اس لئے کہ میں آیت کی تشریح میں کچھ عرض کروں اور قرآن مجید کے طالب علموں کے سامنے اپنے کچھ تجربے، کچھ مشورے پیش کروں کہ حقیقت میں وہی میرے مخاطب ہیں، کچھ اپنی حقیر ذات اور علمی سفر کے بارے میں عرض کرنا چاہتا ہوں۔

قرآن مجید کی حکمت دعوت:

ڈاکٹر صاحب نے بڑی خوبی سے میرا تعارف بھی کرایا لیکن میں کس قدر تعارف ضروری سمجھتا ہوں اور سنت یوسفی کے مطابق یہ فرض بھی خود ہی انجام دیتا ہوں۔ جب حضرت یوسف کے پاس تعبیر پوچھنے والے گئے تو انہوں نے فرمایا: **ذلکما مما علمنی ربی** سب سے پہلے سامعین کو یا جو کوئی استفسار لے کر جائے اس کو اس اطمینان کی ضرورت ہوتی ہے کہ وہ جس کے پاس گئے ہیں اس سے کچھ مدد بھی مل سکتی ہے یا نہیں، انتخاب میں انہوں نے کچھ غلطی تو نہیں کی تو انہوں نے ضروری سمجھا کہ کہہ دیں **دلکما مما علمنی ربی انی ترکت ملة قومه لا یؤمنون باللہ وھم بالاخرة ھم کفرون** O

یہ نبی کا کام تھا اور اس میں ایک طرح کی خودستائی کی بو تھی، اس میں اپنی تعریف کی بو نکلتی تھی اور یہ وہم ہوسکتا تھا، اس لئے انہوں نے فوراً فرمادیا کہ "**ذلکمامما علمنی ربی**" میں تمہاری اس موقع پر مدد تو کرسکتا ہوں، مجھے اللہ نے یہ علم عطا فرمایا ہے، لیکن یہ علم کیوں عطا کیا ہے؟ "**انی ترکت ملة قوم لا یؤمنون باللہ**" یہ میری ذہانت کا نتیجہ نہیں ہے، میری نجابت کا بھی یہ نتیجہ نہیں حالانکہ یہ دونوں چیزیں موجود تھیں اور بدرجہ کمال و جمال، لیکن انہوں نے فرمایا "**انی ترکت ملة قوم لایؤمنون باللہ وھم بالاخرة ھم کفرون**" اس علم کا افاضہ اس لئے ہوا کہ میں نے اس قوم کی ملت چھوڑ دی جو اللہ پر ایمان نہیں رکھتی اور آخرت کی منکر تھی۔ "**واتبعت ملة ابائی ابراھیم واسحاق ویعقوب**" اور اس کے بعد انہوں نے وہیں سے توحید کے وعظ کا مدخل پیدا کرلیا۔ عزیزو! تم جس کو بڑا مسئلہ سمجھ رہے ہو اور جو مشکل تم کو یہاں لے کر آئی ہے، اس سے بڑی مشکل درپیش ہے، وہ ہے عقیدہ، یہ خواب جو تم نے دیکھا، خواب تو خواب ہی ہوتا ہے، لیکن معاملہ بیداری کا ہے، معاملہ زندگی کے مستقبل کا ہے، معاملہ ابدی اور دائمی زندگی کا ہے، مان لو تم کو خواب کی تعبیر دینے والا دنیا میں کوئی بھی نہ ملے تب بھی کوئی بڑا نقصان نہیں، لیکن اس خواب ہستی کی تعبیر دینے والا اگر کوئی نہ ملا کہ دنیا میں آنے کا مقصد کیا

ہے؟ کائنات کا فاطر وخالق کون ہے؟ اگر اس کی صحیح معرفت نہ ملی تو اصل خطرہ یہ ہے، پھر انہوں نے اتنا ہی Dose یا جتنا Dose دینا چاہئے تھا، وہ جانتے تھے کہ یہ غرض لے کر آئے ہیں، ان کو ایک ذہنی پریشانی ہے، یہ اتنا صبر نہیں کر سکتے کہ ان کو ایک یا دو گھنٹے تبلیغ کروں، اس لئے انہوں نے بالکل صحیح احساس تناسب کے ساتھ جو ایک حاذق طبیب رکھتا ہے اور ایک داعی حکیم رکھتا ہے ایک ملہم رکھتا ہے، اتنا ہی ڈوز دیا جتنے ڈوز کے وہ متحمل تھے۔

دل کا دروازہ کبھی کبھی کھلتا ہے:

آپ اس تناسب کو دیکھئے، اس میں جمال یوسفی پورے طور پر عیاں ہے، اس میں نہ کمی ہے نہ زیادتی، ناپ تول کر جہاں رک جانا چاہئے وہاں رک گئے، یعنی توحید کی پوری بات کہی، لیکن اس کو اتنا دراز نہیں کیا کہ وہ لوگ یہ کہنے لگتے کہ آپ اگر خواب کی تعبیر دے سکتے ہیں تو دیجئے، ورنہ ہم فرصت سے آئیں گے۔ حضرت یوسف علیہ السلام نے دیکھا کہ ان کے دل و دماغ کا دروازہ کھلا ہے اور دل کا دروازہ کبھی کبھی کھلتا ہے۔ قسمت سے کھلتا ہے، کبھی کسی غرض سے کھلتا ہے، کبھی کسی پریشانی سے کھلتا ہے، اس دروازہ سے جو اصل پیغام ہے وہ داخل کر دینا چاہئے، لیکن وہ پیغام اس میں سبک روی کے ساتھ داخل ہو کر وہ دروازے بند نہ ہو جائیں اور احتجاجا بند نہ ہو جائیں، میں تو حیران رہ جاتا ہوں اور افسوس ہے کہ یہ پورا حصہ بائبل سے حذف ہے اور صاف معلوم ہوتا ہے کہ بائبل کس کی تصنیف ہے اور قرآن کس کا نازل کیا ہوا ہے، ان کو خوب اندازہ تھا کہ یہ کتنی بات کے متحمل ہو سکتے ہیں، اتنی ہی بات انہوں نے کہی۔ مریض چاہتا ہے کہ اس کو اس کے درد کا مداوا جلد مل جائے تو انہوں نے کہا قبل **ان یأتیکما طعام ترزقانه** تمہارا راشن جو مقرر ہے اس کے آنے سے پہلے تعبیر دے دوں گا۔ مخاطب کو یہی دو اطمینان چاہئیں، اس کی دوا مل سکتی ہے یا نہیں؟ اور جلد ملتی ہے یا نہیں؟ اس درمیان میں توحید کا وعظ کہہ دیا۔

مطالعہ قرآن مجید سے علمی زندگی کا آغاز:

میں اپنا تھوڑا سا تعارف کرانا مناسب سمجھتا ہوں کہ میں قرآن شریف کا ایک حقیر اور ادنیٰ طالب علم ہوں، میری علمی زندگی قرآن مجید ہی مطالعہ سے شروع ہوئی، میں نے کئی جگہ لکھا ہے

کہ مجھے اللہ نے ایک ایسا استاد عطا کیا جس کو ذوق ایمانی اور ذوق قرآنی ملا تھا۔ (۱) وہ قرآن پڑھتے تھے اور روتے تھے، پہلا نقش جو مجھ پر پڑا وہ ان کی آواز کا، جو درد میں ڈوبی ہوتی، یہ میری خوش نصیبی تھی، اور قرآن مجید کا اصل مزاج بھی یہی ہے۔

قرآن مجید کا مزاج صدیقی ہے:

قرآن مجید کا مزاج صدیقی ہے۔ جب حضرت ابوبکر صدیقؓ سے کہا گیا کہ نماز پڑھاؤ اور حضور ﷺ کے مصلی پر کھڑے ہو جاؤ تو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے عرض کیا کہ ابوبکرؓ کو اس سے معاف رکھا جائے کہ وہ "رجل بکاء" ہیں جب وہ قرآن شریف پڑھنے لگتے ہیں تو پڑھ نہیں سکتے، ان پر گریہ غالب ہو جاتا ہے اور لوگ سن نہیں سکتے ہیں اور یہی شکایت کی تھی مشرکین قریش نے جب حضرت ابوبکرؓ کو نماز پڑھانے کی اجازت دی گئی اور انہوں نے اپنے گھر کے سامنے ایک مسجد بنائی، جب تک وہ سری نماز پڑھتے رہے تو لوگ وہاں جمع نہیں ہوتے، لیکن جب وہ قرأت کرنے لگے تو مرد وعورتیں اور بچے وہاں جمع ہونے لگے۔ پھر وہ رقت کے ساتھ قرآن مجید پڑھنے لگے تو پتھر بھی موم ہونے لگے اور دلوں پر اثر ہونے لگا کہ قریش کو یہ فکر پڑ گئی کہ کہیں مکہ معظمہ کی زندگی میں تہلکہ نہ مچ جائے اور زمام کار ان کے ہاتھوں سے نہ نکل جائے۔ اصل میں قرآن کا مزاج ہی یہی ہے کہ درد کے ساتھ ایمانی حلاوت کے ساتھ پڑھا جائے۔ حدیث میں آتا ہے "الایمان یمان والفقه یمان والحکمة یمانیه" یہ میری خوش نصیبی کہ پہلا معلم جو مجھے عطا کیا گیا وہ رقیق القلب تھا، دل دردمند رکھتا تھا اور ہم لوگوں کو حسرت رہتی تھی کہ وہ دیر تک قرآن شریف پڑھیں اور ہم سنیں، وہ ہمارے محلہ کی مسجد میں فجر کی نماز پڑھاتے تھے۔ شاذ و نادر کبھی ایسی نوبت آئی تھی کہ وہ پوری سورہ پڑھ سکیں، پڑھنا شروع کیا کہ گریہ طاری ہوا، آواز بھرا گئی، ان کا روزانہ کا یہ معمول تھا۔ انہوں نے مجھے قرآن مجید کی کچھ سورتیں پڑھائیں، توحید کی سورتیں خاص طور پر انہوں نے مجھے پڑھانی شروع کیں۔ سورہ زمر سے شروع کیا، پھر وہ وقت آیا کہ زبان و ادب کی تعلیم غالب آ گئی اور اسی میں مشغول ہو گیا، لیکن قرآن مجید کا جو ذوق تھا وہ وقتاً فوقتاً سامنے آتا تھا اور اثر کرتا تھا۔ اس کے بعد جب میری

---

(۱) شیخ خلیل بن محمد یمانی (تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو "پرانے چراغ" مستقل مضمون)

تعلیم ختم ہوئی تو قرآن مجید کے مطالعہ کا شوق پیدا ہوا۔ مدارس کے نصاب میں جو کتابیں پڑھی جاتی ہیں، ان سے زیادہ پڑھیں پھر یہاں لاہور آکر مولانا احمد علیؒ سے قرآن مجید پورا پڑھا، یہاں بھی جس چیز نے متاثر کیا وہ ان کی قرآنی زندگی تھی جس کو قرآن ناطق کہا گیا ہے، اس سے قلب میں جلا محسوس ہوتی تھی، مولانا کی زاہدانہ زندگی، درویشانہ معاشرت اور عمل بالسنت کا مجھ پر وہ اثر پڑا جس کو "برکت" کے لفظ سے تعبیر کرتے ہیں، کچھ عرصہ دارالعلوم دیوبند میں بھی رہا۔ میں نے مولانا سید حسین احمد مدنیؒ سے وقت مانگا کہ خاص خاص آیات جن میں مجھے اشکال محسوس ہوتا ہے جو عام تفسیروں سے حل نہیں ہوتیں وہ میں آپ کے سامنے پیش کروں گا۔ مولانا مدنی اپنے زمانہ کے بلند ترین علماء میں تھے اور علوم وفنون اور حدیث کے علاوہ (جس کے وہ مانے ہوئے استاد اور شیخ تھے) ان کو قرآن مجید کا خاص ذوق تھا۔ اس کا رنگ ان کی زندگی اور مزاج پر چھا گیا تھا۔ انہوں نے مجھے جمعہ کا دن دیا، مجھے یاد ہے کہ ان آیات کو منتخب کر لیتا تھا جو حل نہیں ہوتی تھیں۔ مولانا کثرت سے سفر کرتے تھے اور وہ تحریک کا زمانہ تھا لیکن مجھے پھر بھی استفادہ کا کچھ موقع ملا۔

مولانا سید سلیمان ندوی اور علوم قرآن:

اس کے علاوہ مجھے مولانا سید سلیمان ندویؒ سے قرآن مجید کی بعض آیات کی تفسیر اور بعض آیتوں پر ان کی تقریر سننے کا موقع ملا اور میرا تاثر یہ ہے کہ میں نے قرآن مجید کے بارے میں کسی کا فہم اتنا عمیق نہیں پایا جتنا کہ مولانا سید سلیمان ندویؒ کا۔ یہ ایک تاریخی انکشاف ہے، لوگ سید صاحب کو مورخ اور سوانح نگار کی حیثیت سے جانتے ہیں، متکلم کی حیثیت سے جانتے ہیں، لیکن میرے نزدیک فہم قرآن میں ان کا پلہ اتنا بلند تھا کہ مجھے ہندوستان ہی نہیں بلکہ تحتی براعظم میں بھی کوئی ایسا شخص نہیں ملا جس کا مطالعہ قرآن اتنا وسیع اور عمیق ہو اور اس غائر مطالعہ کی وجہ یہ ہے کہ عربی زبان وادب اور بلاغت اور اعجاز قرآنی کا مطالعہ ان کا بہت وسیع وعمیق تھا، پھر مولانا حمید الدین فراہیؒ (جو اس فن کے گویا امام تھے) کی صحبت میں رہ کر انہوں نے ان کی گفتگو، ان کی تحقیقات اور ان کے مطالعہ قرآن سے پورا استفادہ کیا، مجھے یاد ہے کہ ایک بار ہم لوگ دارالمصنفین گئے ہوئے تھے تو انہوں نے سورۂ جمعہ پر تقریر کی، میں نے ایسی عالمانہ، ایسی محققانہ اور ایسی نکات سے بھری ہوئی تقریر ابھی تک نہیں سنی تھی، کاش کہ وہ محفوظ ہو جاتی۔ تو مجھے

سید صاحب سے مختصر استفادہ کا موقع ملا، پھر جب دار العلوم ندوۃ العلماء میں بحیثیت استاد میرا انتخاب ہوا تو خاص طور سے قرآن مجید کا درس میرے سپرد ہوا، وہاں قرآن کے درس کی دو صورتیں ہیں، ایک تو متن قرآن پڑھا جاتا ہے اور یہ سلسلہ غالباً دار العلوم ندوۃ العلماء ہی سے شروع ہوا، پھر اور مدارس میں اس کی تقلید کی جانے لگی اور یہی صحیح طریقہ ہے کہ ابتداء میں متن سامنے رکھ کر پڑھا جائے بغیر کسی تفسیر کی مداخلت کے استاد تیار ہو کر آئے اور وہ اپنا مطالعہ قرآن پیش کرے، تو مجھے کئی سال تک قرآن مجید کی خدمت کا موقع ملا، تفسیر بھی پڑھائی لیکن زیادہ متن قرآن پڑھایا، جو مضامین میرے سپرد ہوتے تھے ان میں سب سے زیادہ اہم تفسیر والا مضمون تھا، میں نے اپنا تعارف اس لئے کرادیا کہ آپ یہ سمجھیں کہ میں قرآن مجید کا ادنیٰ طالب علم ہوں، اس کے بعد جو کچھ بھی اللہ نے توفیق دی اس میں قرآن مجید کا سب سے بڑا حصہ ہے:

"آنچہ کردم ہمہ از دولتِ قرآں کردم"

جن لوگوں نے میری ناچیز تحریریں اور تصنیفات دیکھی ہیں ان کو اندازہ ہوگا کہ میری تحریروں کا تانا بانا قرآن مجید ہی سے تیار ہوتا ہے۔ میں نے سب سے زیادہ قرآن سے مدد لی ہے اور پھر تاریخ سے اور میں تاریخ کو قرآن مجید کی ہی تفسیر سمجھتا ہوں۔

اجتباءِ خاص، ہدایت عام:

اس وقت جو آیت پڑھی گئی، اس آیت میں دو چیزیں بیان ہوئی ہیں، ایک مقام اجتباء اور دوسرے ہدایت، اجتباء کے لئے اللہ تعالیٰ نے صاف صاف کہہ دیا "اللہ یجتبی من رسله من یشاء" سارا معاملہ اللہ کے ہاتھ میں ہے، جس کو چاہے وہ اجتباء سے سرفراز کرے اور اس کو قبولیت و اجتباء کا درجہ عطا کرے، لیکن ہدایت کی سب انسانوں کو ضرورت ہے۔ "یهدی الیه من ینیب" وہ ان کو ہدایت دیتا ہے جو اس کی طرف رجوع کرتے ہیں، ہدایت کے طالب ہوتے ہیں، اور جن میں انابت کی، تواضع کی اور بندگی کی اور اپنے کو کچھ نہ کچھ سمجھنے کی کیفیت پیدا ہو جائے تو اللہ تعالیٰ ان کو راستہ پر لگا دیتا ہے اور آخر تک پہنچا دیتا ہے، لیکن شرط یہ ہے کہ ان میں انابت کی صفت پائی جائے۔ "یهدی الیه من ینیب" میں اسی ٹکڑے پر عرض کرنا چاہتا ہوں۔

قرآن مجید کے دو پہلو ہیں، ایک اس کا تعلیمی اور تبلیغی پہلو ہے، یعنی وہ عقائد جن پر ہر

شخص کو ایمان لانا چاہئے اور سمجھنا چاہئے اور قرآن سے اخذ کرنا چاہئے، اس کے متعلق تو قرآن مجید کا اعلان ہے کہ ”بلسانٍ عربی مبین“ روشن اور واضح عربی میں ہے۔ اس سے زیادہ واضح الفاظ میں بتادیا ”ولقد یسرنا القران للذکر فھل من مدکر“ ہم نے قرآن کو نصیحت حاصل کرنے کے لئے آسان کردیا ہے۔ کوئی نصیحت حاصل کرنے والا ہے؟

قرآن مجید پڑھ کر انسان مشرک نہیں ہوسکتا:

کوئی شخص یہ معلوم کرنا چاہتا ہے کہ خدا اس سے کیا چاہتا ہے اور اس کی ہدایت کے لئے کیا شرائط ہیں اور توحید ورسالت اور معاد کا قرآنی تصور کیا ہے؟ قرآنی عقیدہ کیا ہے؟ اس کی حقیقت کیا ہے کہ دنیا میں ہدایت اور آخرت میں نجات مل سکے؟ اس کے لئے قران مجید آسان ہے اور کسی کو یہ کہنے کا یہ عذر نہیں کہ ہم قرآن مجید سے ان باتوں کو سمجھ نہیں سکے، اور قرآن ہمارے لئے حجت نہیں، توحید کے بارے میں واضح سے واضح، صریح سے صریح، طاقتور سے طاقتور، دو ٹوک بات جو کہی جاسکتی ہے قرآن مجید میں موجود ہے۔ قرآن مجید پڑھ کر آدمی سب کچھ ہوسکتا ہے لیکن مشرک نہیں ہوسکتا۔ میں یہ علی الاعلان کہتا ہوں کہ وہ ٹھوکریں کھا سکتا ہے، بے عمل ہوسکتا ہے، وہ فسق کی راہ اختیار کرسکتا ہے، لیکن جہاں تک توحید وشرک کا تعلق ہے تو قرآن مجید بالکل سورج کی طرح روشن اور سورج کیا ہے اس میں کسی قسم کے اشتباہ کی گنجائش نہیں، اور جہاں تک رسالت کے عقیدہ کا تعلق ہے کہ نبوت کیا چیز ہے؟ انبیاء کیا ہیں؟ ان کے ذمہ کونسی چیز سپرد کی گئی ہے؟ ان کو کیا حکم ہوتا ہے؟ وہ کیا تعلیم دیتے ہیں؟ ان کی سیرت کیسی ہوتی ہے؟ ان کی زندگی کیسی پاکبازانہ اور بلند ہوتی ہے؟ یہ قران مجید میں صاف طور سے بیان کردیا گیا ہے، وہ اپنا تعارف بھی کراتے ہیں، وہ شبہوں کو بھی دور کرتے ہیں۔ آپ سورۂ اعراف پڑھئے، سورۂ ہود پڑھئے، سورۂ شعراء پڑھئے، اس میں ایک ایک نبی کا نام لے کر تعارف کرایا گیا اور ثبوت دیا گیا ہے۔

عقل جج نہیں بلکہ وکیل ہے:

جہاں تک رسالت وانبیاء کا تعلق ہے، اس کے بارے میں بھی قرآن مجید میں کسی غلط فہمی کی گنجائش نہیں، لیکن اگر کوئی آدمی گمراہی کا ارادہ ہی کرلے تو گنجائش تو ہر چیز کی ہے، آپ

ہی میں سے کوئی صاحب جن کو اللہ تعالیٰ نے ذہانت عطا کی ہو کھڑے ہو جائیں اور کہیں کہ میں ثابت کر سکتا ہوں کہ اس وقت دن ہے، سورج روشن ہے اور ہمیں دھوپ کی تمازت محسوس ہو رہی ہے تو یہ ہو سکتا ہے کہ وہ ہم سب کو لا جواب کر دیں۔ اس کا تو زبان اور ذہانت سے تعلق ہے، مقدموں میں عدالتوں میں کیا ہوتا ہے؟ دن کو رات اور رات کو دن ثابت کر دیا جاتا ہے۔ ہمارے استاد مولانا عبد الباری صاحب ندوی فرمایا کرتے تھے کہ عقل جج نہیں بلکہ وکیل ہے۔ اس کو فیس ملنی چاہئے تو پھر یہ ہر مقدمہ کو ثابت کر سکتی ہے۔ جب کوئی فلسفہ آیا، عقل نے اس کی صداقت کو اس طرح ثابت کیا کہ وہ بالکل بدیہی حقیقت معلوم ہونے لگی۔ یہ الگ بات ہے کہ کوئی آدمی طے کر لے کہ قرآن مجید سے کوئی بات نکالنا ہے اور اس کی مثال میں آپ کے سامنے دیتا ہے، میں اسلامک اسٹڈیز کانفرنس کے ایک جلسہ میں شریک تھا، وہاں ایک صاحب نے مقالہ پڑھا، میں ان کا نام اور جگہ کا نام نہیں لوں گا۔ انہوں نے اپنے مقالہ میں یہ ثابت کیا کہ قرآن مجید میں جہاں صلوٰۃ کا لفظ آیا ہے اس سے مراد علاقائی حکومت ہے اور جہاں الصلوٰۃ الوسطیٰ آیا ہے اس سے مراد مرکزی حکومت ہے اور ثابت کیا کہ سارے قرآن میں یہ لفظ اس معنی میں استعمال ہوا ہے۔ مجھے اس وقت بڑی سختی سے اس کی تردید کرنی پڑی۔

ہدایت کے لئے قرآن آسان ہے:

ہدایت کے لئے قرآن مجید آسان ہے، اس میں کہیں کوئی شبہ نہیں، لیکن جہاں تک اس کے علوم کا تعلق ہے، اس کے رفیع و دقیق مضامین کا تعلق ہے، اس میں کسی چیز کے متعلق دعوے کے ساتھ یہ کہنا صحیح نہیں ہے کہ ہم جو کچھ سمجھتے ہیں، اس کے علاوہ سب غلط ہے، قرآن کے بارے میں سب سے الگ، منفرد و شاذ رائے قائم کرنا بڑی خطرہ کی بات ہے۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ کا قول ہے **"ای سماء تظلنی و ای ارض تعلنی اذا قلت فی کتاب اللہ مالا اعلم"** اے اللہ! کس آسمان کے نیچے پناہ لوں گا اور کس زمین پر چلوں گا اگر میں کتاب اللہ کی آیت کے متعلق کوئی ایسی بات کہہ دوں جس کی کوئی بنیاد، کوئی تحقیق نہیں۔ اور قرآن کے بارے میں صحابہ کرام کا یہ عام رویہ تھا۔ حضرت عمرؓ خود کسی کے لفظ کے بارے میں فرماتے کہ اس کے کیا معنی؟ اور پھر خود ہی کہہ دیتے کہ **ثکلتک امک یاعمر** عمر تیری ماں تجھ پر روئے، اگر تجھے اس ایک لفظ کے معنی نہیں معلوم تو کیا غضب ہوا۔ صحابہ کرامؓ کا انداز فکر بتاتا ہے کہ

پورے قرآن پڑھادی ہوتے وہ وہ نہ تو معنی سمجھتے تھے اور نہ عربی۔ میری یہ بات معاف کی جائے اور وہ یہ کہ قرآن کی جو اصل روح، اصل مدعا اور اصل مقصد ہے وہ حاصل ہونا چاہئے اور اس سے ساتھ معاملہ ہونا چاہئے۔ ادب، خشوع کا، ہمیں بہت سی چیزوں کی تحقیق معلوم نہ ہونے کے باوجود ان سے پورا پورا فائدہ پہنچتا ہے۔ اگر کسی شخص کو قرآن مجید کے حقائق و مطالب معلوم نہیں، یہاں تک کہ اس کے الفاظ کے معنی بھی معلوم نہیں، لیکن اس کے دل میں خدا کا خوف ہے، خشیت ہے، جب قرآن پڑھا جاتا ہے تو یہ حالت ہوتی ہے جو اللہ نے فرمائی "لو انزلنا هذا القرآن علی جبل لرأيته خاشعا متصدعا من خشية الله" اس کا حال یہ ہے کہ رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں، وہ لرز جاتا ہے اور اس کا رواں رواں لرز جاتا ہے۔ سمجھتا ہے کہ یہ اللہ کا کلام ہے، یہ میرے رب کا کلام ہے، تو ہو سکتا ہے کہ وہ ہدایت کے آخری مدارج تک پہنچ جائے اور اس کو قرب بالقرآن حاصل ہو، حدیث میں آتا ہے، کچھ لوگ ایسے پیدا ہوں گے کہ قرآن مجید پڑھیں گے اور بہت تکلف سے پڑھیں گے، مگر ان کے حلق سے نہیں اترے گا۔ تو جہاں تک مضامین کا تعلق ہے میں ایک طالب علم کی حیثیت سے عرض کرتا ہوں کہ وہ ایک ایسا سمندر ہے جس کی کوئی انتہا نہیں اور بڑے سے بڑا آدمی اس کی وسعت کے سامنے لرزہ براندام رہتا ہے اور سمجھتا تھا کہ اللہ کی ہدایت اور توفیق کے بغیر وہ ایک قدم نہیں چل سکتا۔

افادہ اللہ کی طرف سے:

پہلی بات تو یہ سمجھئے کہ افادہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہوتا ہے اور یہ افادہ ہوتا ہے ان قلوب پر جو اللہ کی خشیت اور کلام ربانی کی عظمت سے اور اس کے جلال سے معمور ہوتے ہیں، ان پر اللہ کی طرف سے [illegible] ہوتا ہے۔ دوسری بات یہ کہ قرآن مجید کو نوافل میں پڑھے اور یہ تصور کرے جیسے قلب پر [illegible] اور اس کا لطف لے اور اس میں گم ہو جانے کی [illegible] قرآن مجید [illegible] کی تحقیق کہ اپنا [illegible] مطالب قرآن مجید سے

[illegible]

[illegible] اور میں نے بارہا کہا اور لکھا کہ

ہے کہ اگر قرآن مجید اپنے کو تیرہ سو برس میں نہیں سمجھا سکا تو یہ قرآن مجید پر بہت بڑا الزام ہے۔ وہ تو کہتا ہے "لسان عربی مبین ان انزلناہ قرانا عربیا لعلکم تعقلون" اور آپ کہتے ہیں کہ ایک ہزار برس تک، بارہ سو برس تک قرآن مجید کے فلاں لفظ کی حقیقت آج تک کسی نے سمجھی نہیں، اس کا مطلب یہ ہے کہ قرآن مجید کا افادہ اتنے دنوں تک بند رہا۔ علی گڑھ مسلم یونیورسٹی کے ایک سیمینار میں اس کی اختتامی تقریر میں، میں نے کہا تھا کہ اہل علم اپنی کسی تحقیق کو یہ کہہ کر پیش کرتے ہیں کہ ہمیں مطالعہ کا جتنا موقع ملا، اس کے نتیجہ میں ہمارا خیال یہ ہے میں اس نتیجہ پر پہنچا ہوں لیکن یہ طریقہ کہ کوئی شخص اپنے نتائج فکر کو سو فیصد صحیح ثابت کرنے پر اصرار کرے اور اس کے علاوہ جو کچھ ہے سب کو غلط قرار دے صحیح نہیں۔ قرآن مجید کے سلسلہ میں آتا ہے کہ اس کا نیا پن، تازگی پرانی نہیں ہوگی اور اس کے عجائب کی کوئی انتہا، نہیں، تو اگر آپ کو عمر نوح بھی ملے اور وہ قرآن مجید کے تدبر میں صرف ہو تو ہر روز نئے نئے معانی کھلنے لگیں۔ ہماری عمر کا یہ محدود وقت، محدود قوت اور صلاحیت اور اس کے بعد ہمارا یہ دعویٰ کہ قرآن مجید اب تک سمجھا ہی نہیں گیا، یہ بہت بڑی غلطی ہے۔

میری ذاتی کتاب:

آخری بات یہ ہے کہ قرآن مجید سمجھا جائے، یہ کتاب ابدی ہے، کتاب آسمانی ہے، لیکن میری ذاتی کتاب بھی ہے، میری ذاتی ہدایت نامہ بھی ہے، اس میں میری ذاتی کمزوریاں بیان کی گئی ہیں، میرے ذاتی امراض کی نشاندہی کی گئی ہے۔

قرآن مجید میں ہر آدمی اپنے کو تلاش کر سکتا ہے۔ یہ جب ہوگا جبکہ آپ اس کو زندہ کتاب سمجھیں یا اپنی کتاب سمجھیں، اور آپ میں اپنی اصلاح کا جذبہ ہو، لوگوں کی اصلاح تو بعد میں ہوگی، پہلے اپنی اصلاح ہو جائے۔

انبیاء کا طریقہ یہ ہے کہ پہلے میری ہدایت ہو جائے پھر میں دوسروں سے کچھ کہوں، ہم میں سے بہت سے لوگ قرآن مجید کو اس لئے پڑھتے ہیں کہ یہ حجت بنے، دوسروں کو شرمندہ کیا جائے، دوسروں پر حجت قائم کی جائے۔ حالانکہ صحابہ کرام قرآن مجید پڑھتے تھے اپنی اصلاح کے لئے، ایک آیت پڑھی اس پر عمل کرنا شروع کیا۔ سورۂ بقرہ بعض اوقات مہینوں میں ختم ہوئی۔

یہ چند باتیں ایک طالب علم کی حیثیت سے میرے ذہن میں تھیں، وہ سب میں نے آپ کے سامنے رکھ دی۔ "یھدی الیه من ینیب" کے میدان میں جہاں تک ہم کوشش کر سکتے ہیں کریں، اللہ جس کو چاہے مقام اجتبا تک پہنچائے۔ ہم اس کے مکلف نہیں ہیں، ہم سیکھنا چاہیں، ہم ہدایت حاصل کرنا چاہیں، ہم بننا چاہیں اور اپنی زندگی میں انقلاب لانا چاہیں تو قرآن مجید موجود ہے جو ہماری رہنمائی بھی کرے گا اور منزل مقصود پر بھی پہنچائے گا۔ ہم میں ہدایت کی طلب، اپنی احتیاج کا احساس اور اپنی بے بضاعتی کا اعتراف ہونا چاہئے۔ اسی کے مجموعہ کا نام انابت ہے۔ میں دعا کرتا ہوں، آپ بھی دعا کریں۔

اھدنا الصراط المستقیم صراط الذین انعمت علیھم غیر المغضوب علیھم ولا الضالین O

عالم اسلام میں اعلیٰ تعلیم کا مقصد و منہج

یہ تقریر ۱۲ جولائی ۷۸ء، کو کراچی یونیورسٹی میں ہوئی، جلسہ میں یونیورسٹی کے اسٹاف اور طلبہ کے علاوہ ممتاز دینی، علمی، ادبی شخصیتیں، سیاسی رہنما، دینی اداروں کے ذمہ دار علماء اور ادب، صحافت سے تعلق رکھنے والے معروف اصحاب شریک تھے۔ کراچی یونیورسٹی کے آرٹس آڈیٹوریم کی وسعت کو سامعین کی کثرت نے ناکافی ثابت کر دیا تھا۔ بڑی تعداد کو گیلری میں کھڑے ہو کر تقریر سننی پڑی۔ استقبالیہ اور تعارفی کلمات ڈاکٹر احسان رشید صاحب وائس چانسلر اور اختتامی کلمات تشکر اسماعیل سعد صاحب رجسٹرار کراچی یونیورسٹی نے ادا کئے۔

الحمد للہ رب العالمین والصلوٰۃ والسلام علی رسولہ الامین

علم ایک صداقت ہے:

جناب وائس چانسلر، اساتذۂ جامعہ، طلبہ وطالبات اور برادران عزیز! اگر چہ میں علم میں تقسیم کا قائل نہیں ہوں اور میرا عقیدہ ہے کہ علم ایک اکائی ہے جو بٹ نہیں سکتی، اس کو قدیم وجدید، مشرقی ومغربی، نظری اور عملی میں تقسیم کرنا صحیح نہیں اور جیسا کہ علامہ اقبال نے کہا ہے کہ:

حدیث کم نظراں قصئہ قدیم و جدید

میں علم کی دینی و دنیوی تقسیم کا بھی قائل نہیں ہوں۔ میں علم کو ایک صداقت مانتا ہوں یا ایک انسانی تجربہ جو کسی ملک وقوم کی ملک نہیں اور نہ ہونی چاہئے، میں زندگی کے دوسرے سرچشموں کی بھی جغرافیائی، نسلی، تاریخی یا سیاسی حد بندیوں کا قائل نہیں، میں علم کو ایک ''وحدت'' مانتا ہوں اور جس کو کثرت کہا جاتا ہے اس کثرت میں بھی مجھے وحدت نظر آتی ہے، علم کی وہ وحدت سچائی ہے، سچ کی تلاش ہے، علمی ذوق ہے اور اس کو پانے کی خوشی ہے، اس کے باوجود میں جناب وائس چانسلر صاحب کا اور اس جامعہ کے ذمہ داروں کا شکر گذار ہوں کہ انہوں نے آج ان عزیز طالب علموں اور چمن اسلام کے ان شگوفوں کو خطاب کرنے کے لئے ایک

ایسے شخص کا انتخاب کیا ہے جس کا (صحیح یا غلط طریقہ پر حقیقتاً یا شہرت کی بناء پر) انتساب اور تعلق قدیم طرز تعلیم سے ہے، اس لئے میں وائس چانسلر صاحب کی وسیع النظری اور آپ کی جامعہ کی اس فراخ دامانی کا معترف ہوں کہ اسنے اس میں کوئی تفریق نہیں کی۔ میں علم، ادب، شاعری، فلسفہ، حکومت، کسی بھی اس اصول کا قائل نہیں ہوں کہ جو اس کی ''وردی'' پہن آئے وہی ''عالم'' اور ''دانشور'' ہے، اور یہ مان لیا گیا ہے کہ جس کے جسم پر وردی نہ ہو وہ نہ مستحق خطاب ہے نہ لائق سماعت۔ بدقسمتی سے ادب وشاعری میں بھی یہی حال ہے کہ جو ادب کی دکان نہ لگائے اور اس پر ادب کا سائن بورڈ آویزاں نہ کرے اور ادب کی وردی پہن کر کے مشاعرے میں یا کسی ادبی محفل میں نہ آئے وہ ''بے ادبی'' کا مرتکب ہے۔ لوگوں نے ان پیدائشی ادیبوں اور شاعروں کا قصور بھی معاف نہیں کیا ہے جن کے جسم پر وہ وردی دکھائی نہیں دیتی ہو یا جن کو بدقسمتی سے ان وردیوں کے گودام سے کوئی وردی نہ مل سکی ہو، اگرچہ میں علم کی آفاقیت اور علم کی تازگی کا قائل ہوں، جس میں خدا کی رہنمائی ہر دور میں شامل رہی ہے، اگر خلوص ہے اور سچی طلب ہے تو خدا کی طرف سے فیضان میں کمی نہیں، بہر حال یہ ایک جرأت مندانہ قدم ہے اور میں چاہتا ہوں کہ اس کی تقلید کی جائے۔ ہماری قدیم درسگاہوں میں جدید ماہرین کو دعوت دی جائے اور ہماری ان جامعات اور دانشگاہوں میں ان لوگوں کو یاد کیا جائے جنہوں نے خلوص کے ساتھ پڑھا ہے اور انسانوں کے پیدا کئے ہوئے علمی اور ادبی ذخیرے سے فائدہ اٹھایا ہے۔

تعلیم کا اصل مقصد:

حضرات میں شکر گذار ہوں کہ مجھے اس باوقار دانشگاہ میں ایک ایسے مجمع کے سامنے اپنے خیالات کے اظہار کا موقع دیا جا رہا ہے جو کل اسی ملک کی نہیں بلکہ شاید دوسرے اسلامی ملکوں میں بھی کوئی اہم کردار ادا کرسکیں یا جن کے ہاتھ میں زمام کار آئے، کم از کم تعلیم وتربیت کی رہنمائی اور سربراہی کا ان کو موقع ملے۔

میں نے تعلیم کی غرض وغایت اور اس کی فائدے ونتیجہ کے بارے میں بہت کچھ پڑھا ہے، لیکن میں یہاں صرف ایک حوالہ دوں گا۔

مشہور برطانوی ماہر تعلیم Sir Percy Neinn نے تعلیم کی بڑی جامع وبلیغ تعریف کی

ہے وہ کہتے ہیں کہ:

''تعلیم کا بنیادی خیال جو پورے نظام تعلیم پر حاوی ہونا چاہئے یہ ہے کہ تعلیم اس کوشش کا نام ہے جو بچوں کے والدین اور سرپرست اور نظریہ حیات پر (جس پر وہ عقیدہ رکھتے ہیں) اپنی نئی نسل کو تیار کرنے کے لئے کرتے ہیں۔ ''مدرسہ'' کا فریضہ یہ ہے کہ وہ ان روحانی طاقتوں کو جو اس نظریہ حیات سے وابستہ ہیں طالب علم پر اثر ڈالنے کا موقع دے اور وہ طالب علم کو ایسی تربیت دے جو اس قوم کی زندگی کی تسلسل و ترقی میں طالب علم کی دستگیری کرے اور اس کے ذریعہ وہ مستقبل کی طرف اپنا سفر جاری رکھ سکے۔

میں نے تعلیم کی تعریف کے سلسلہ میں جو کوششیں دیکھی ہیں اور جو عبارتیں میری نظر سے گزری ہیں ان میں میرے نزدیک یہ سب سے زیادہ جامع اور عملی تعریف ہے۔ تعلیم کیوں دی جاتی ہے؟ اور تعلیم پر اعلیٰ صلاحیتیں اور قوم کی توانائیاں فیاضی کے ساتھ اور ایسے منظم طریقے پر کیوں صرف کی جاتی ہیں؟ کیا اس لئے کہ وہ تعلیم ایک خلیج پیدا کردے اس قوم کے معتقدات، مقاصد اور علمی و تہذیبی سرمایہ اور ان چیزوں کے درمیان جو اس کو عزیز ہیں، جو خیالات اس کو عزیز ہیں، اور عزیز ہونے کے لئے شرط نہیں ہے، جو چیز جس کو عزیز ہو، یہاں یہ بحث نہیں اٹھائی جاسکتی کہ وہ چیزیں عزیز بنانے کے قابل ہیں یا نہیں، لیکن جو چیزیں اس کو عزیز ہیں، جو عقائد ان کو عزیز ہیں، جو خیالات اس کو عزیز ہیں، جو اقدار جو ویلیوز اور جو تصورات و معتقدات اور جو افکار اس کو عزیز ہیں، جو ذخیرہ اس کو اپنے اسلاف سے ملا ہے، تعلیم کا اصل فرض یہ ہے کہ وہ ان دونوں کے درمیان کوئی رشتہ پیدا کرے اور قوم کی نئی نسل کی طرف اس ذخیرہ کو منتقل کرے جو اس قوم کو عزیز ہے اور جس پر اس کے اسلاف کی بہترین طاقتیں اور طویل ترین مدت صرف ہوئی ہے اور جن کے لئے بعض اوقات وہ قوم نبرد آزما ہوئی اور اس نے اپنی جان کی، اپنی عزت کی، آبرو کی بازی لگادی ہے، یہاں یہ بحث بڑی بے موقع اور بڑی غیر ہمدردانہ بحث ہے کہ ان قوموں نے ان اقدار کے لئے کیوں جنگ کی، تعلیم یہ سرمایہ نہ صرف منتقل کرے اور طوطے کی طرح اس کو رٹا دے بلکہ اس کو اس کے قلب و دماغ میں جاگزیں کردے، اس کا ذہن، اس کا ذوق اس کو قبول کرلے اور جذب کرلے، وہ اس کے لئے خارجی اور اجنبی چیز نہ ہو بلکہ وہ اس کے لئے ایک داخلی چیز بن جائے اور یوں کہہ سکتے ہیں کہ اس کا مزاج بن جائے۔

خاص ہے ترکیب میں قومِ رسول ہاشمی:

میں سمجھتا ہوں کہ یہ تعریف بہت جامع ہے۔ لیکن جب ایک ملت کا معاملہ ہو کہ وہ عقائد اور وہ اقدار اس کے اپنے بنائے ہوئے اور پیدا کئے ہوئے نہ ہوں، بلکہ ان کا سرچشمہ وحی الٰہی ہو، ان کا سرچشمہ کلام الٰہی ہو، ان کا سرچشمہ نبوت ہو، ان کا سرچشمہ وہ علم غیب ہو اور وہ علم ازلی ہو جس میں کوئی تغیر نہیں ہوتا، تب ذمہ داری بڑھ جاتی ہے۔ اب اگر کوئی نظام تعلیم یہ خدمت انجام دیتا ہے، شعوری طور پر یا غیر شعوری طور پر، ارادی طریقے پر یا غیر ارادی طریقے پر، غفلت کی بناء پر یا کسی بڑی سازش کے ماتحت، وہ سازش اس ملک کے اندر ہوئی ہو یا اس ملک کے باہر ہوئی ہو کہ اس نظام تعلم کے ساختہ پرداختہ حضرات کا عقیدہ ان تمام عقائد اور اقدار سے اٹھ جائے یا متزلزل ہو جائے، اس کی چولیں ہل جائیں اور وہ دائمی شک میں، تردد میں مبتلا ہو جائیں، وہ ایک ذہنی کشمکش میں مبتلا ہو جائیں اور انفرادی زندگی کی حد تک نہیں بلکہ یہ کشمکش افراد کی حدود سے تجاوز کر کے اس ملت کے میدان زندگی میں کارفرما ہو، وہ اس کو متاثر کر رہی ہو اور ایک بڑی خونریز کشمکش، ایک بڑی خونریز جنگ برپا ہو جائے۔ اس تعلیم یافتہ نسل کے درمیان اور ان اقدار کے درمیان، ان مفاہیم کے درمیان اور ان عقائد کے اور خیالات کے درمیان، میں اسلام کو ایک ترکے (LEGACY) حیثیت سے نہیں مانتا اور اس کو اسلام کی بڑی تعریف نہیں سمجھتا۔ اس لئے Hertiage of Isam اور Legacy of Islam پر جو کتابیں پڑھی گئی ہیں ان کا زیادہ قائل نہیں ہوں، میں اسلام کو ایک پیغام حیات سمجھتا ہوں، میں اسلام کو زمانہ کے ساتھ چلنے والا نہیں بلکہ زمانہ سے آگے چلنے والا، زمانہ کا رہبر، زمان کا رفیق اور شریک کارواں ہی نہیں بلکہ اس کا محتسب اور اتالیق (GAURDIAN) سمجھتا ہوں، اس لئے جب غیر ارادی طریقے پر یا اتفاقاً یا کسی سازش کے ماتحت کوئی اعلیٰ تعلیم یافتہ یہ نتیجہ پیدا کرے کہ اس کی نسل ان تمام اقدار کے بارے میں، ان تمام عقائد و خیالات کے بارے میں شک میں مبتلا ہو جائے، اس کا یقین اس سے اٹھ جائے اور وہ اس کو ایک طفل تسلی یا ڈھکوسلا سمجھنے لگے یا کم سے کم اس کو ان اقدار پر اس طرح یقین نہ ہو کہ وہ ان کی حمایت کرے، سینہ سپر ہو، ان کے لئے کبھی نبرد آزما ہو جائے تو میں سمجھتا ہوں کہ وہ تعلیم صرف انتشار کا باعث ہے۔

اسلامی ملک کا معاملہ زیادہ اہم ہے:

جب میں یہاں آپ کے سامنے خطاب کر رہا ہوں تو میرے سامنے تمام اسلامی ممالک ہیں، میرے سامنے ترکی ہے، میرے سامنے مصر و شام و عراق ہیں اور میرے سامنے مملکت سعودیہ عربیہ بھی ہے جہاں ابھی چند ماہ پہلے ایک آل ورلڈ اسلامک ایجوکیشن کانفرنس (ALLWORLD ISLAMIC EDUCATION CONFERENCE) ہوئی تھی۔ جس میں یہاں سے احسان رشید صاحب اور اے کے بروہی صاحب بھی گئے تھے۔ میں ہندوستان کی طرف سے آیا تھا۔ وہاں میں نے جو پیپر (PAPER) پڑھا تھا، اس میں، میں نے اس چیز کا اظہار کیا تھا کہ معاملہ کہیں زیادہ سنگین اور نازک ہو جاتا ہے جب کسی اسلامی ملک کا معاملہ ہو۔ اسلامی ملک میں وہ مسلمان آبادی ہے جو اپنی ایک شخصیت رکھتی ہے، ایک (Personality) رکھتی ہے، اس کی ایک ملی شخصیت ہوتی ہے، اس کے پاس ایک پیغام ہے، اس کو دنیا میں ایک فرض انجام دینا ہے، اگر تعلیم وہاں اس نسل میں انتشار پیدا کر دیتی ہے اور صرف یہ خدمت انجام دیتی ہے کہ وہ نسل جب کسی جدید دانشگاہ سے پڑھ کر نکلتی ہے تو وہ اپنے معتقدات سے بیگانہ بن جاتی ہے، وہ ایک نئی قوم بن جاتی ہے جو کسی طریقے سے اس ملک میں فٹ نہیں ہو سکتی اور وہاں کے لئے وہ ایک اجنبی عنصر بن جاتی ہے۔ اس سے ایک نئی پیچیدگی پیدا ہو جاتی ہے، وہاں کی زندگی میں ایک نیا مسئلہ وجود میں آ جاتا ہے، ایک نئی گرہ وہاں کے رشتہ حیات میں پڑ جاتی ہے، وہ ملک یا وہ ملت جس کے معتقدات اور جس کے اقدار حیات اور نقطہ فکر کی بنیاد وحی الٰہی پر ہے، اگر وہاں کی تعلیم کا ثمرہ اور نتیجہ یہ نکل رہا ہے کہ ایک ذہنی انتشار، ایک خونریز جنگ اور ایک زبردست کشمکش اس نئی نسل کے درمیان اور اس کے خاندانوں کے درمیان، اس معاشرہ کے درمیان جس کا اس سے تعلق ہے، ان نونہالوں اور نوجوانوں کے درمیان، اس کی پوری تاریخ اور پورے کارنامہ، اس کے منصب و مقام کے درمیان جو خدا نے اس کو عطا کیا ہے اور مسلمان کا پیغام اور اس کے انجام دینے کا جو کام ہے، اس کے درمیان ایک کشمکش پیدا ہو جاتی ہے تو میں سمجھتا ہوں کہ یہ کوئی خدمت نہیں ہے، Service نہیں ہے بلکہ بدخدمتی (Disservice) ہے۔

کسی اسلامی ملک کی جامعہ کا اولین فریضہ:

آپ مجھے معاف کریں۔ میرا اشارہ کسی خاص جامعہ کی طرف اور کسی خاص جامعہ کے ذمہ داروں کی طرف نہیں ہے۔ میں بالکل اصولی حیثیت سے گفتگو کر رہا ہوں کہ ایک جامعہ جو کسی اسلامی ملک میں قائم ہو، اس کا سب سے بڑا فرض یہ ہے کہ وہ ان اقدار اور عقائد و خیالات پر، اس تہذیب پر، اس پیغام پر، ان امتیازات و تشخصات پر یقین پیدا کرے جس کی وہ قوم حامل ہے اور وہ یقین محض عامیانہ یقین نہ ہو، ایک ایسے لے مین (LAYMAN) یقین نہ ہو، ایک راستہ چلنے والے آدمی کا یقین نہ ہو، بلکہ ایک پڑھے لکھے انسان کا، ایک اسکالر کا یقین ہو، جس کا دل جتنا مطمئن ہو، اسی درجہ اس کا دماغ بھی مطمئن ہو، یہ نہیں کہ:... ع

"قلب او مؤمن دماغش کافر است"

جیسا کہ اقبال نے ایک مغربی فلسفی کے متعلق کہا، جس طرح فرد اور جماعت کے درمیان کشمکش جائز نہیں، اسی طرح فرد کی زندگی میں فرد کے قلب و دماغ کے درمیان بھی کشمکش درست نہیں، اور نہ اس کی اجازت دی جا سکتی ہے۔ یہ کشمکش اگر کوئی جامعہ یا جامعہ کا نصاب یا جامعہ کا کوئی طریقہ کار اور نظام پیدا کرتا ہے تو یہ کشمکش اس ملک کے لئے خوش قسمتی نہیں بلکہ بد قسمتی ہے۔

قلب اور دماغ دونوں کا اطمینان ضروری ہے:

آپ نے مجھے موضوع دیا ہے کہ اسلامی جامعات کا مقصد و منہاج کیا ہونا چاہئے؟ میں سمجھتا ہوں کہ ان کا سب سے بڑا مقصد و منہاج یہ ہے کہ وہ ان چیزوں پر یقین پیدا کرے، وہ یقین جو علم اور مطالعہ کے راستہ سے ہوتا ہے، وجدان کے راستہ سے ہوتا ہے، دماغ کے سکون کے راستہ سے ہوتا ہے، تقابلی مطالعہ کے راستہ سے ہوتا ہے۔ اگر یہ یقین کسی شخص کو قلبی طور پر حاصل ہو جاتا ہے، لیکن اس کا دماغ اس سے مطمئن نہیں ہوتا، وہ اپنے دماغ کو بہلاتا رہتا ہے، پھسلاتا رہتا ہے، وہ اپنے دماغ کو بیدار نہیں ہونے دیتا، جس طرح بعض غیر مسلم ملتوں کا حال ہے کہ وہ اپنے مذہب کی بقاء اور اپنے مذہب کی ترقی اس میں سمجھتی ہیں کہ علم کا شعور جاگنے نہ پائے، اس مذہب کے حاملین یا اس مذہب کے حلقہ بگوشوں کا شعور جاگنے نہ پائے، وہ اپنے

شعور کی زندگی و بیداری میں اپنے مذہب کی موت سمجھتے ہیں، اس لئے کلیسا اور علم میں وہ کشمکش پیش آئی جس کی خونریز کہانی اور دلدوز کہانی ڈریپر کی مشہور کتاب میں آپ پڑھتے ہیں۔ یہ کشمکش اس لئے پیدا ہوئی کہ کلیسا کی بنیاد اس پر تھی کہ انسانی شعور جتنا سوتا رہے اچھا ہے۔ اسے لوریاں دے کر اور سلانا چاہئے، اور انسان کا علم جتنا محدود ہے اچھا ہے بلکہ بہتر یہ ہے کہ وہ علم سے بالکل عاری اور محروم ہو۔ اس وقت تک مسیحیت کی زندگی ہے، اسی وقت تک بائبل پر ایمان راسخ ہوگا۔ عہد عتیق کی کتابیں بعض ایسی باتیں پیش کرتی ہیں کہ جن کی علم جدید تصدیق نہیں کرتا بلکہ اس کی نفی کرتا ہے، اس لئے کلیسا اپنی خیریت اسی میں سمجھتا تھا کہ مسیحی کا شعور بیدار نہ ہونے پائے اور علوم ترقی نہ کریں، اس لئے وہ علم کی راہ روک کر کھڑا ہوگیا، علم کے لئے وہ سنگ راہ ثابت ہوا بلکہ اہل کلیسا نے علم کو اپنے مدمقابل اور حریف سمجھ لیا۔ نتیجہ یہ نکلا کہ علم تو انسان کی فطرت کا ایک تقاضا تھا، علم تو انسان کے اندر ایک جذبہ تھا، علم تو خدا کی ایک نعمت تھی، علم تو دنیا کی ایک ضرورت تھی، علم تو خدا نے پھلنے پھولنے اور بڑھنے کے لئے پیدا کیا تھا۔ مٹنے اور مرجھانے کے لئے نہیں پیدا کیا تھا۔ صداقتیں مٹ نہیں سکتیں، نتیجہ یہ ہوا کہ کلیسا کو علوم کے مقابلہ میں اور لوگوں کے طلب علم اور شوق جستجو کے سامنے ہتھیار ڈالنے پڑے۔ یہ وہ منحوس واقعہ تھا جو اگرچہ مسیحی یورپ میں پیش آیا لیکن اس کا اثر تقریباً تمام دنیا اور تمام مذاہب پر پڑا اور بہت سے لوگوں نے اس سے یہ نتیجہ نکالا کہ علم و عقل اور علم و مذہب کی ترقی ساتھ نہیں چل سکتی، تاریخ کے ایک طالب علم کی حیثیت سے مجھے افسوس کے ساتھ اقرار کرنا پڑتا ہے کہ تھوڑے وقفے کے لئے بعض اسلامی ملکوں میں بھی یہ غلط خیال پیدا ہوا، لیکن اسلام چونکہ اس سے کوئی مطابقت نہیں رکھتا، اسلام کی روح اس سے منکر اور اس سے باغی ہے، اس لئے یہ چیز زیادہ عرصہ زندہ نہیں رہ سکی۔ اور یہ مصنوعی کشمکش عالم اسلام میں قائم نہ رہ سکی۔ مسیحی یورپ کے اثر سے پیدا تو ہوئی لیکن بہت جلد مغربی ممالک کا یہ سایہ دور ہوگیا۔

علم کی قسمت قلم سے وابستہ:

میں یہ سمجھتا ہوں کہ اسلامی یونیورسٹیوں اور ان اسلامی جامعات کا ایک فرض تو یہ ہے کہ علم و دین میں یہ خلیج پیدا نہ ہونے پائے جو مسیحی یورپ میں یا ان مذاہب میں جن کا علم و عقل کے

ساتھ کوئی رشتہ نہیں تھا بلکہ وہ علم وعقل سے بچ کر اور کترا کر اور بلکہ اس کی آنکھوں میں دھول ڈال کر پیدا ہوئے اور اسی حالت میں وہ پھلے پھولے، وہاں تو اس بات کی گنجائش ہو سکتی ہے، لیکن جس نے سب سے پہلے اپنے دین کا اور اپنی دعوت کا اور اپنے علم کا اعلان اس طرح کیا:

اقرأ باسم ربک الذی خلق خلق الانسان من علق اقرأ وربک الاکرم الذی علم بالقلم علم الانسان مالم یعلم

(اے محمد) اپنے پروردگار کا نام لے کر پڑھو جس نے پیدا کیا جس نے انسان کو خون کی پھٹکی سے بنایا، پڑھو اور تمہارا پروردگار بڑا کریم ہے جس نے قلم کے ذریعہ علم سکھایا اور انسان کو وہ باتیں سکھائیں جن کا اس کو علم نہ تھا۔

جس نے اپنی وحی کی پہلی قسط میں اور اس باران رحمت کے پہلے چھینٹے میں بھی اس قلم کو، اس حقیر قلم کو فراموش نہیں کیا جس نے اس حقیقت کو فراموش نہیں کیا کہ علم کی قسمت قلم سے وابستہ ہے۔ غار حرا کی اس تنہائی میں جہاں ایک نبی امی اللہ کی طرف سے دنیا کی ہدایت کے لئے پیغام لینے گیا تھا اور جس کا یہ حال تھا کہ اس نے قلم کو حرکت دینا خود نہیں سیکھا، جو قلم کے فن سے واقف نہیں تھا، آپ خیال کیجئے کہ دنیا میں، دنیا کی تاریخ میں اس کی نظیر کہیں مل سکتی ہے اور اس بلندی کا تصور ہو سکتا ہے کہ نبی امی پر، ایک امت امی کے درمیان ایک ایسے ملک کے درمیان کہ جہاں علم کا ہنر عام نہیں تھا، جامعات اور دانش گاہیں درسگاہیں تو بڑی چیز ہیں، جہاں حرف شناسی بھی نہیں تھی، وہاں اس نبی پر وحی نازل ہوتی ہے اور پہلی بار وحی نازل ہوتی ہے اور آسمان وزمین کا رابطہ صدیوں کے بعد قائم ہوتا ہے، اس کی ابتدا ''اعبد'' سے نہیں، اس کی ابتدا ''حصل'' سے نہیں بلکہ اس کی ابتدا ہوتی ہے ''اقرأ'' سے جو خود پڑھا ہوا نہ تھا اس پر جو وحی نازل ہوتی ہے اس میں اس کو خطاب کیا جاتا ہے کہ ''اقراء'' اس لئے کہ تمہیں جو امت دی جانے والی ہے وہ امت صرف علم کی ہی طالب نہ ہوگی بلکہ وہ علم آموز ہوگی، وہ علم کی اس دنیا میں اشاعت کرنے والی ہوگی، جو دور تمہیں دیا جاتا ہے اصلاح اور ہدایت کا، جو دور تمہارے حصے میں آیا ہے وہ دور امیت کا دور نہیں ہوگا، وہ دور وحشت کا دور نہیں ہوگا، وہ دور جہالت کا دور نہیں ہوگا، وہ دور علم دشمنی کا دور نہیں ہوگا، وہ دور تخریب کا دور نہیں ہوگا، وہ دور علم کا دور ہوگا، عقل کا دور ہوگا، حکمت کا دور ہوگا، تعمیر کا دور ہوگا، انسان دوستی کا دور ہوگا، وہ دور ترقی کا دور ہوگا، اس لئے پہلی بار

دنیا میں، مذاہب کی تاریخ میں پہلا تجربہ تھا (اگر اس کو تجربہ کہنا صحیح ہو) کہ اس نبی امی پر ایک امی قوم کے درمیان جو وحی نازل ہو رہی ہے اس کی ابتدا ہوتی ہے "اقراء" (پڑھو) سے **بسم ربک الذی خلق**۔ بڑی غلطی یہ تھی کہ علم کا رشتہ رب سے ٹوٹ گیا تھا، اس نے علم سیدھے راستے سے ہٹ گیا تھا، اس لئے اس ٹوٹے ہوئے رشتہ کو جہاں جوڑا گیا، جب علم کو دیا گیا، علم کو یہ عزت بخشی گئی تو اس کے ساتھ ساتھ یہ بھی متنبہ کیا گیا کہ اس علم کی ابتدا اسم رب سے ہونی چاہئے، اس لئے کہ یہ علم اس کا دیا ہوا ہے، اس کا پیدا کیا ہوا ہے اور اس کی رہنمائی میں یہ متوازن ترقی کر سکتا ہے۔ یہ جو جملے میں سنا رہا ہوں یہ دنیا کی سب سے بڑی انقلاب آفریں، انقلاب انگیز اور صاعقہ آسا آواز ہے، جو ہماری دنیا کے کانوں نے سنی تھی جس کا کوئی تصور نہیں کر سکتا تھا۔ اگر دنیا کے ادیبوں اور دانشوروں کو یہ دعوت دی جاتی کہ آپ لوگ قیاس کیجئے اور یہ بتائیے کہ جو وحی نازل ہونے والی ہے، اس کی ابتدا کس چیز سے ہوگی؟ اس میں کس چیز کو اولیت دی جائے گی؟ تو میں سمجھتا ہوں کہ اس میں ایک آدمی بھی جو اس امی قوم اور اس کے مزاج اور دماغ سے واقف تھا وہ سب کچھ کر سکتا تھا، لیکن یہ نہیں کہہ سکتا تھا کہ جو پہلی وحی نازل ہوگی وہ "اقراء" کے لفظ سے شروع ہوگی۔ پڑھو "اقراء" قرأت کا لفظ ہے، یہاں خالص علم کا بھی لفظ نہیں ہے، یعنی اس کا تعلق کاغذ سے بھی ہے، اس کا تعلق نقوش سے بھی ہے اور اس کا تعلق قلم سے بھی ہے، وہ علم نہیں جو لدنی طریقہ پر آتا ہے بلکہ وہ علم جو قلم کے ساتھ ہے، کاغذ کے ساتھ ہے، صحیفوں کے ساتھ ہے، کتب خانوں کے ساتھ ہے، تجربوں کے ساتھ ہے، ذہانتوں کے ساتھ ہے۔ "**اقراء بسم ربک الذی خلق.**"

یہ دین علم سے الگ نہیں ہو سکتا:

پہلی بات تو یہ ہے کہ اس دین کا مزاج بتا رہا ہے [illegible] نہیں ہو سکتا [illegible] پہلے [illegible] رہ سکتا ہے۔ وہ مسلمان حقیقی مسلمان نہیں [illegible] پہلی بات [illegible]

بہت طویل ہے، بہت پر پیچ ہے، پرخطر ہے، قدم قدم پر قافلے لوٹنے والے ہیں، قدم قدم پر بڑی بڑی کھائیاں ہیں۔ قدم قدم پر گہرے دریا ہیں، قدم قدم پر سمندر ہیں، قدم قدم پر سانپ اور بچھو ہیں، اس لئے اس میں ایک رہبر کامل کی رفاقت ہونی چاہئے اور وہ رہبر کامل حقیقتاً خدا کی ذات ہے، اس لئے **اقراء بسم ربک الذی خلق** پڑھو، لیکن وہ مجرد علم نہیں، وہ علم نہیں جو بیل بوٹے بنانے کا نام ہے، وہ علم نہیں جو محض کھلونوں کا نام ہے، وہ علم نہیں جو محض دل بہلانے کا نام ہے، وہ علم نہیں جو ایک کو دوسرے سے لڑانے کا نام ہے، وہ علم نہیں جو قوموں کو قوموں سے ٹکرانے کا نام ہے، وہ علم نہیں جو اپنے معدہ کے رقبہ کو بھرنے کا ذریعہ سکھانے کا نام ہے، وہ علم نہیں جو زبان کو صرف استعمال کرنا سکھاتا ہے بلکہ **اقراء بسم ربک الذی خلق، خلق الانسان من علق، اقراء وربک الاکرم الذی علم بالقلم علم الانسان مالم یعلم** پڑھو تمہارا رب بڑا کریم ہے، وہ تمہاری ضرورتوں سے تمہاری کمزوریوں سے کیسے ناآشنا ہوسکتا ہے؟ **اقراء وربک الاکرم الذی علم بالقلم**، آپ خیال کیجئے کہ قلم کا رتبہ اس سے زیادہ کس نے بڑھایا ہوگا کہ اس غار حرا کی پہلی وحی نے بھی وہ قلم جو شاید ڈھونڈنے سے بھی مکہ میں کسی گھر میں نہ ملتا، مجھے اس میں شک ہے کہ وہ قلم اگر آپ اسے تلاش کرنے کے لئے نکلتے تو معلوم نہیں کسی ورقہ بن نوفل کے گھر میں ملتا یا فلاں کاتب کے یہاں جو شام سے کوئی چیز سیکھ کر آیا ہو، اس کے گھر میں ملتا اور وہ قلم جس کا استعمال عربی شاعری میں بھی بہت کم ہے، آپ اگر عرب شعراء کے دیوان پڑھیں، پڑھتے ہی چلے جائیں تو اس میں قلم کا نام آپ بہت کم پائیں گے۔

سب کا خلاصہ، علم الانسان مالم یعلم:

اور پھر ایک بہت بڑی انقلاب انگیز اور لافانی حقیقت بیان کی کہ علم کی کوئی انتہا نہیں۔ ''**علم الانسان مالم یعلم**'' سائنس کیا ہے؟ ''**علم الانسان مالم یعلم**'' ٹیکنالوجی کیا ہے؟ ''**علم الانسان مالم یعلم**'' انسان چاند پر جارہا ہے یہ کیوں ہے؟ ''**علم الانسان مالم یعلم**'' یہ خلا کو ہم نے طے کرلیا ہے اور ہم نے دنیا کی وسعتیں سمیٹ لی ہیں اور دنیا کی طنابیں کھینچ لی ہیں اور سورج کی شعاعوں کو بقول اقبال گرفتار کرلیا ہے اور ستاروں کے درمیان

اپنی رہگذر پیدا کی ہے، یہ کیا ہے؟ ’’**علم الانسان مالم یعلم** ‘‘علم اشیاء کی جہانگیری۔

تو میں یہ عرض کر رہا تھا کہ جس امت کی اور جس پیغام کی بنیاد قرأت سے پڑی، فن قرأت سے پڑی اور قلم کے ذکر سے پڑی، اس ملت کا، اس قوم کا، اس امت کا ساتھ کبھی قلم سے نہیں چھوٹ سکتا، اس کا چولی دامن کا ساتھ ہے۔

دوسری بات یہ ہے کہ اب اس امت کے لئے جو دانش گاہ تعمیر کی جائے، جو نظام تعلیم مرتب کیا جائے اس میں جو بنیادی چیز ہو، جو اصل کار فرما اور رہنما اصول ہے، وہ یہ ہے کہ یہ علم، یہ نظام تعلیم ان اقدار پر، ان حقائق پر اور ان عقائد پر ایمان کو راسخ کرے اور یہ پختگی صرف دل کی راہ سے نہیں بلکہ دماغ کی راہ سے بھی ہو، یعنی دل و دماغ دونوں مطمئن ہونے چاہئیں، اگر دل و دماغ دونوں مطمئن نہیں ہیں تو فردی زندگی میں کشمکش پیدا ہوگی اور یہ کشمکش پھر وسیع ہوتی جائے گی۔ پہلے وہ اپنے اندر ایک دوسرے سے دست بگریباں پھر جماعت سے دست بگریباں ہوگا، نئی نسل اپنے معاشرہ سے دست بگریباں ہوگی، اپنے دین سے دست بگریباں ہوگی اور بہترین توانائیاں اس نسل کو اس ملبے کو مٹانے میں، اس کھنڈر کو دور کرنے میں صرف ہوں گی، پہلے اس ملبے کو ہٹاؤ پھر اس کے بعد تعمیر کرو اور تمام توانائیاں اس پر صرف ہو جائیں گی۔ ہماری بعض مسلم قوموں کے رہنماؤں نے اس طریقہ پر کام کرنا شروع کیا کہ پہلے ماضی کا ملبہ ہٹائیں، پہلے حقائق وعقائد کا ملبہ ہٹائیں پھر اپنی دعوت پیش کریں، اس میں ان کی عمر بیت گئی اور ان کو جو وقت دیا گیا تھا کام کرنے کا وہ ختم ہو گیا اور وہ اس میں کامیاب نہیں ہوئے، تو جامعات کا اصل مقصد یہ ہے کہ ان عقائد اور حقائق پر یقین کو استوار کریں اور صرف قلب کی راہ سے نہیں بلکہ دماغ کی راہ سے بھی کہ ایک طرف دل ان کا حلقہ بگوش ہو اور ان کو اپنی تہہ میں، اپنی گہرائی میں جگہ دے تو دوسری طرف دماغ کا کام یہ ہو کہ وہ ان کے لئے دلائل فراہم کرے اور وہ بھی اس طرح سے مطمئن ہو جس طرح سے دل مطمئن ہو، اس لئے اس نظام تعلیم کی سب سے بڑی کامیابی یہ سمجھتا ہوں، خاص طور سے مسلمانوں کے سلسلہ میں کہ وہ ان حقائق پر، ان اقدار پر، اس نسل کا، اس تعلیم یافتہ نسل کا، ان اسکالرز کا، ان یونیورسٹی گریجویٹس کا، فلاسفرس کا، مفکرین کا یقین مضبوط کر دے اور ان کو اس قابل بنا دے کہ وہ دماغ سے ان کے لئے دلائل فراہم کریں، دنیا میں جو علمی ذخیرہ پرانا یا نیا پھیلا ہوا ہے، وہ اس کو اپنے اس دعوے کے ثبوت

میں یا اپنے اس مقصد کی تکمیل میں استعمال کر سکے اور استعمال کرنے کا سلیقہ رکھے۔ میرے نزدیک ایک جامعہ کی بہترین تعریف یہ ہے۔

سیرت سازی:

جامعات کا دوسرا کام سیرت سازی ہے۔ یونیورسٹی ایک کیریکٹر بنائے جو اپنے ضمیر و بقول اقبال ایک نفس جو کے بدلے میں بیچنے کے لئے تیار نہ ہو، آج کل کے خلاف اسلام فلسفے اور نظام یہ سمجھتے ہیں کہ اس بازار میں سب کی قیمت مقرر ہے، وہ اگر کم قیمت پر نہیں خریدا جا سکتا تو زیادہ قیمت پر خرید لیا جائے گا، ایک جامعہ کی حقیقی کامیابی یہ ہے کہ وہ سیرت سازی کا کام کرے، وہ کیریکٹر بنائے، وہ ایسے طالب علم افراد پیدا کرے جو اپنے ضمیر کا سودا نہ کر سکیں، جس کو دنیا کی کوئی طاقت، کوئی تخریبی فلسفہ، کوئی غلط دعوت، کوئی حکومت ان کو کسی دام خرید نہ سکے اور جو یہ کہہ سکیں کہ

برو ایں دام بر مرغ دگر نہ
کہ عنقارا بلند است آشیانہ

اور اقبال نے کہا ہے:

دل کی آزادی شہنشاہی، شکم سامانِ موت
فیصلہ تیرا ترے ہاتھوں میں ہے دل یا شکم
اے طائر لاہوتی اس رزق سے موت اچھی
جس رزق سے آتی ہو پرواز میں کوتاہی

[illegible] فرض [illegible] جامعات سے ایسے نوجوان نکلیں جو اپنی زندگیاں وقف [illegible]

ملک، باعزت ملت، صاحب پیغام ملت بنانے میں صرف کرے، یہ دو چیزیں ہیں، ایک تو یہ کہ دل و دماغ کو وہ غذا دی جائے، وہ روشنی دی جائے کہ جس سے دل و دماغ دونوں مل کر باہمی تعاون کے ساتھ، ایک دوسرے کی رفاقت کے ساتھ ان حقائق اور عقائد پر ایمان کو پختہ کریں اور دوسروں کو سمجھنے، قائل ہونے کا موقع دیں اور انہیں مطمئن کریں۔

آپ یہ دیکھیں کہ آپ اعلیٰ صلاحیت کے لوگ کتنی تعداد میں پیدا کر رہے ہیں، میں صفائی سے کہتا ہوں کہ اب کسی ملک کی یہ تعریف نہیں کہ وہاں کتنی یونیورسٹیاں ہیں، یہ کوتاہ نظری اب بہت پرانی ہوگئی ہے بلکہ قابل قدر بات یہ ہے کہ علم کے شوق میں، ریسرچ کی راہ میں اور علم کو پھیلانے کے جذبہ سے کتنے آدمی اپنی زندگیاں وقف کرتے ہیں۔ اپنی قوم کو صاحب شعور، مہذب اور باضمیر قوم بنانے کے لئے کتنی تعداد میں وہ نوجوان موجود ہیں جو اپنی ذاتی سربلندی اور ترقی سے آنکھیں بند کرکے اس مقصد کے لئے اپنے کو وقف کرتے ہیں، اصل معیار یہ ہے اور یہی معیار ہونا چاہئے، کتنے نوجوان ایسے ہیں کہ جو دنیا کی تمام آسائشوں اور ترقیوں سے آنکھیں بند کرکے کسی گوشہ میں ٹھوس علمی کام کر رہے ہیں، ملت کی سربلندی کے لئے یا کسی نظریہ کی دریافت کے لئے یا کسی علمی تحقیق کے لئے اور اپنے ملک کو طاقتور بنانے کے لئے۔

یہی دو حقیقی مقصد ہیں، باقی صرف پڑھا لکھا دینا اور ملازمت کے قابل بنا دینا میں سمجھتا ہوں اب کسی جامعہ کے لئے قابل تعریف نہیں اور میں پورے یقین اور وثوق کے ساتھ کہہ سکتا ہوں کہ ہمارے وائس چانسلر اور جو اس جامعہ کی رہنمائی کرنے والے ہیں وہ اس پوزیشن کو قبول کرنے پر کبھی تیار نہ ہوں گے کہ ہماری جامعہ کا مقصد صرف یہ رہ جائے کہ پڑھے لکھے نوجوان ہزاروں کی تعداد میں پیدا ہو جائیں اور محکموں، کارخانوں اور دکانوں میں فٹ ہو جائیں اور پتہ نہ چلے کہ وہ کہاں گئے۔

مقصود ہنر سوزِ حیات ابدی ہے:

اس جامعہ کا مقصد جو ایک ایسے نازک ملک میں، ایسے نازک دور میں قائم ہوا ہے یہی ہونا چاہئے کہ وہ اس انتشار کو رفع کرے جو تمام ممالک اسلامیہ میں تقریباً سو برس سے نمایاں

ہے۔ جب مغربی تہذیب اور مغرب کی سیاسی یلغار شروع ہوئی تو اس وقت ہمارے عقائد اور حقائق کی بنیادیں ہل گئیں اور ایک ایسی ذہنی کشمکش پیدا ہوئی کہ اس پر بہترین توانائیاں داعیان مذہب کی صرف ہو رہی ہیں اور یہ ایک ایسی غیر فطری صورت حال ہے کہ جس کو جلد ختم ہونا چاہئے۔ اب توانائیاں خالص تعمیری مقاصد اور ملک کی حفاظت و ترقی پر صرف ہونی چاہئیں۔

حقیقت یہ ہے کہ ادب، شاعری، فنون لطیفہ، حکمت، فلسفہ، تصنیف و تالیف سب کا مقصد یہ ہے کہ آپ میں زندگی، نیا یقین پیدا ہو اور آپ کے ذریعہ سے ملت میں ایک نئی زندگی پیدا ہو۔

میں اس وقت شاعر اسلام ڈاکٹر محمد اقبال کے شعر پڑھوں گا جو انہوں نے اگرچہ کسی ادیب یا شاعر سے مخاطب ہو کر کہے لیکن یہ ہم پر پوری طرح صادق آتے ہیں:

اے اہل نظر ذوق نظر خوب ہے لیکن
جو شے کی حقیقت کو نہ سمجھے وہ نظر کیا
شاعر کی نوا ہو کہ مغنی کا نفس ہو
جس سے چمن افسردہ ہو وہ باد سحر کیا
مقصود ہنر سوز حیات ابدی ہے
یہ ایک نفس یا دو نفس مثل شرر کیا

آج ملت اسلامیہ پاکستان کو ایک ضرب کی ضرورت ہے اس لئے کہ قوموں کی کشتی اس کے بغیر ساحل تک نہیں پہنچ سکتی، جن حالات سے ہم گزر رہے ہیں وہ ایک معجزہ کے طالب ہیں، یہ معجزہ اسلام کے ابدی پیغام میں مضمر ہے:

بے معجزہ دنیا میں ابھرتی نہیں قومیں
جو ضرب کلیمی نہیں رکھتا وہ ہنر کیا؟

اس وقت پاکستان کو ایک ضرب کلیمی کی ضرورت ہے بلکہ تمام عرب اور اسلامی ملکوں میں بھی زندگی کی نئی روح پیدا کرنے کی ذمہ داری پاکستان پر ہے۔ اسلام کے عقائد و حقائق پر ایک نیا یقین، ایک نیا اعتماد، ایک نیا سرور، ایک نیا نشہ، ایک نیا ولولہ عمل، نئی جرأت اندیشہ، ایک نئی لذت کردار، ایک نیا جذب دروں پیدا کرے، جس سے ان اونگھتی سوتی قوموں، آمادۂ زوال

قوموں، ان مرتعش قوموں کو جن کے قدم بھی ڈگمگا رہے ہیں، دل بھی ڈگمگا رہے ہیں، ان کو نئی زندگی، نئے جوش سے آشنا کریں۔ آپ کی ذمہ داری صرف آپ تک محدود نہیں ہے، برصغیر کے مسلمان تعداد کے لحاظ سے تمام عالم اسلام پر فائق ہیں، آپ فکری طور پر عالم اسلام کی رہنمائی کے لئے آگے بڑھیں اور اسلام پر اعتماد پیدا کریں اور یہ ثابت کریں کہ سائنس اور ٹیکنالوجی کے دور میں اسلام چل سکتا ہے، پاکستان ایک معمل ایک تجربہ گاہ ہے جو یہ ثابت کرے گا کہ اسلامی نظریات اس دور میں چل سکتے ہیں اور کامیاب ہو سکتے ہیں۔

آخر میں، میں وائس چانسلر صاحب اور آپ سب کا شکریہ ادا کرتا ہوں کہ آپ نے پوری سنجیدگی اور توجہ کے ساتھ میری باتیں سنیں۔

زرخیز زمین مردم خیز خطہ

۲۳ جولائی ۱۹۷۸ء کو زرعی یونیورسٹی فیصل آباد میں یہ تقریر کی گئی۔ جلسہ میں یونیورسٹی کے اعلیٰ عہدہ دار، اساتذہ اور طلبہ کے علاوہ معززین شہر، علماء اور دانشوروں کی خاصی تعداد شریک تھی۔ اس یونیورسٹی میں زیر تعلیم عرب ممالک کے طلبہ کی فرمائش پر مقرر نے اسی موضوع پر عربی میں بھی خطاب فرمایا۔

نحمدہ ونصلی علیٰ رسولہ الکریم امابعد

ملک کی عظمت کا حقیقی معیار:

اساتذۂ جامعہ، بزرگان محترم اور طلبائے محترم!

مجھے بڑی مسرت اور خوشی حاصل ہو رہی ہے کہ میں آپ کی اس یونیورسٹی میں جو اپنا ایک خاص کام اور مقام رکھتی ہے، اپنے رفقاء کے ساتھ حاضر ہوا ہوں، میں اس عزت افزائی کے لئے یونیورسٹی کے ذمہ داروں کا شکر گذار ہوں۔

کسی ملک کی ترقی اور اس کی بڑائی کا معیار صرف یہ نہیں ہے کہ اس میں یونیورسٹیوں کی کتنی تعداد ہے، اس کی زمین میں زراعتی صلاحیت کتنی ہے، اس کے محاصل کتنے ہیں، اس میں کتنے سرمایہ دار پائے جاتے ہیں، اس کا معیار زندگی کتنا بلند ہے؟ بلکہ ملک کی عظمت کا حقیقی معیار یہ ہے کہ اس کے اہل علم میں بحث و تحقیق کرنے کا کتنا ذوق پایا جاتا ہے اور خالص فنی اور تحقیقی دانش گاہیں اور جامعات کتنی ہیں؟ اگر کوئی ملک سب کچھ رکھتا ہے، اس کے اندر قدرتی دولتوں کے بڑے بڑے ذخائر ہیں، فطری اور قدرتی وسائل بھی ہیں، لیکن اس میں ذوق تجسس نہیں ہے، تحقیق کا خالص علمی اور سنجیدہ ذوق نہیں پایا جاتا، ایسے لوگ کافی تعداد میں نہیں ہیں، جو اپنی زندگیاں وقف کر چکے ہوں، تعریف و تحسین سے بے نیاز ہو کر تحقیقی کام کرنے کے لئے اللہ تبارک وتعالیٰ کی رضا کے لئے جو اصل مقصود ہے اور اس کی ترقی اور بہبودی کے لئے وہ دن

رات کام میں لگے رہتے ہیں۔ ان کو حکومت یا کسی ادارے سے انعام کا کوئی لالچ نہیں ہے، وہ تھکتے ہوں اور تھکنے ہی سے ان کو راحت ملتی ہو، تعطل اور بیکاری اور آرام ان کے لئے سزا ہو، ان کے لئے اس سے بڑھ کر سزا نہ ہو کہ ان کو تحقیقی کام کرنے سے روک دیا جائے، کام ہی ان کی غذا ہو، دوا ہو، ان کا انعام ہو۔

یہاں آ کر خوشی حاصل ہوئی:

یہاں یہ دیکھ کر اس ملک میں ایک ترقی یافتہ زرعی یونیورسٹی پائی جاتی ہے اور یہاں بیرونی ممالک خاص طور سے عرب ممالک کے نوجوان اپنے ملکوں سے پڑھنے اور تحقیقات کرنے کے لئے آتے ہیں، بڑی مسرت ہوئی۔ اس سے ایک مسلمان اور ایک طالب علم کا دل ضرور خوش ہونا چاہئے۔ خدا کا شکر ہے کہ مسلمان بھی ہوں، طالب علم بھی ہوں، اس لئے مجھے یہاں آنے سے قدرتاً خوشی حاصل ہوئی۔

اگر میں کوئی بڑا میوزیم دیکھتا یا کسی بڑے سے بڑے ایوان میں میری ضیافت وعزت افزائی کی جاتی تو مجھے وہ خوشی نہ ہوتی جو آپ کے اس دانش گاہ میں آ کر ہوئی۔

اپنی بہترین صلاحیت اس ملک پر صرف کریں:

مجھے امید ہے کہ جو نوجوان یہاں تعلیم پا رہے ہیں وہ اپنی بہترین صلاحیتیں اس ملک کے مفاد پر صرف کریں گے، بجائے اس کے کہ وہ اونچی تنخواہوں کی خواہش میں امریکہ اور یورپ جائیں، جن کا عام طور پر رواج ہوگیا ہے۔ میں یورپ امریکہ میں اپنی آنکھوں سے دیکھ کر آیا ہوں کہ ہمارے مشرقی ممالک کے بہترین نوجوان، بڑے باصلاحیت افراد جو اپنے ملکوں کو بہت کچھ دے سکتے ہیں، اور یہ ملک ان کی ذرا سی کوشش سے اپنی زمین سے خزانے اگل سکتے تھے، انہوں نے اپنے اپنے ملکوں سے باہر میدان کا انتخاب کیا۔ اس سے ان افراد کا خواہ کتنا ہی بڑا فائدہ ہو، لیکن ان ملکوں کا بڑا نقصان ہوا کہ پڑھ لکھ کر جب کام کے آدمی بنے تو اغیار کی سرزمین میں پہنچ گئے، تاکہ اپنی جھولی بھریں، کیا ہی اچھا ہوتا کہ اپنے ملکوں کی جھولی اپنی محنتوں سے، ان کے نتائج سے بھرتے، لیکن افسوس ہے کہ ہماری دولت اغیار کے کام آ رہی ہے، اس

لئے میں اس ملک کے نوجوانوں سے اور عرب نوجوانوں سے بھی (مجھے امید ہے کہ وہ یہاں رہ کر اتنی اردو سمجھنے لگے ہوں گے کہ میری بات سمجھ لیں) یہ درخواست کرتا ہوں کہ وہ اپنی ذہانتیں، اپنی صلاحیتیں، اپنے مطالعے، اپنی تحقیقات کا اصل مستحق اپنے ملکوں کو سمجھیں، یہ بڑے افسوس کی بات ہے اور حب الوطنی اور غیرت اسلامی کے خلاف ہے کہ ہم اپنی صلاحیتوں سے ان ملکوں کو فائدہ پہنچائیں جنھوں نے تمام اسلامی ملکوں کو غلام بنا رکھا ہے، آج بالواسطہ یا بلاواسطہ سیاسی طور پر، اقتصادی طور پر، علمی اور فنی طور پر سب امریکہ اور روس کے دست نگر ہیں۔ ترقی یافتہ ممالک کے دست نگر ہیں، اگر ہمارے نوجوان اپنی صلاحیتیں اپنی سرزمین پر صرف کریں تو وہ بہت کچھ عطا کر سکتے ہیں اور اس راستہ سے خدا سے، اپنے خالق سے بھی بہت کچھ لے سکتے ہیں۔

نظریات، فلسفوں اور علمی تحقیقات ومسلمات کا غلبہ جاری ہے:

مجھے امید ہے کہ نوجوان ان ملکوں کا مقابلہ کریں گے جو علمی تحقیقات کے ذریعہ اسلام کے قلب ودماغ پر حملہ آور ہیں، وہ زمانہ گیا کہ کوئی ملک کسی ملک کو غلام بنانے اور اگر اب بھی کہیں کسی کو اس کا شوق ہے تو وہ ایک قصہ پارینہ کی تقلید ہے، لیکن علمی نظریات، علمی تحقیقات اور علمی مسلمات کے نام پر جو باتیں پیش کی جاتی ہیں ان کا حملہ اسلام پر ہمیشہ جاری رہا ہے اور جاری رہے گا۔ ایک زمانہ میں فلسفہ یونان کا حملہ تھا، اس زمانہ میں اسلام نے غزالی، باقلانی، شیخ الاسلام تیمیہ اور امام رازی پیدا کئے۔ اس کے بعد پھر مغربی استعمار نے تاریخ کی راہ سے مسلمانوں پر حملے شروع کئے۔ مثلاً یہ کہا جانے لگا کہ کتب خانہ اسکندریہ مسلمانوں نے جلایا ہے اور اس کو یورپ نے ایسی مسلمہ حقیقت کے طور پر پیش کیا کہ ہر پڑھا لکھا آدمی سن کر گردن جھکا لیتا تھا اور یہ سمجھتا تھا کہ اگر میں نے اس کو ماننے سے ذرا بھی پس وپیش کیا یا انکار کیا تو میں ناخواندہ اور غیر تعلیم یافتہ سمجھا جاؤں گا۔ پورے عالم اسلام پر اس کا جادو چل گیا تھا کہ مسلمان علم کی کیا سرپرستی کریں گے، علم کے سلسلے کو آگے بڑھائیں گے، وہ تو ایسے غیر روادار، ایسے علم دشمن ہیں کہ اپنے خلیفہ عمر فاروقؓ کے حکم سے کتب خانہ اسکندریہ کو آگ لگادی اور کہا کہ اگر یہ قرآن وحدیث کے مطابق ہے تو اس کی ضرورت نہیں ہے اور اگر مطابق نہیں ہے تو اس کا جل جانا ہی بہتر ہے۔ یورپ کے عیسائی مصنفین نے یہ بات کہی اور ہمارے تعلیم یافتہ نوجوانوں نے تسلیم

کرلیا اور یہ سمجھا جانے لگا کہ یہ تاریخی حقیقت ہے۔ برصغیر میں مولانا شبلی نعمانی پہلے مورخ وناقد تھے جنہوں نے اس مسئلہ پر قلم اٹھایا اور مستقل رسالہ لکھا اور ثابت کردیا کہ یہ محض افسانہ اور مسیحی تعصب وجہالت کا کرشمہ ہے جس طرح ریاضی کی حقیقت ہوتی ہے۔ دو دو چار، اسی طرح انہوں نے تاریخی دلائل سے ثابت کردیا کہ کتب خانہ اسکندریہ حضرت عمر فاروقؓ کی خلافت اور مسلمانوں کے داخلہ مصر سے پہلے جل چکا تھا اور یہ متعصب عیسائیوں کا کارنامہ تھا۔ اسی طریقہ سے تاریخ کے راستے سے جو خیالات پیدا ہوئے اور جنہوں نے مسلمانوں کے ایمان وعقیدہ کو متزلزل کرنا شروع کردیا جیسے اورنگزیب عالمگیر کے متعلق مشہور کیا گیا کہ وہ ستم گر تھا، ہندو کش تھا، ظالم تھا، جزیہ ظالمانہ ٹیکس ہے۔ اس کا جواب بھی مولانا شبلی نے دیا اور معترضین کا منہ بند کردیا۔

علم کسی منزل پر رکتا نہیں:

جب اسلام پر حملے سیاسیات کی راہ سے، اقتصادیات کی راہ سے شروع ہوئے تو اسی تحتی براعظم کے مسلمان فضلاء کے قلم چلے اور انہوں نے ان فلسفوں کا، ان نظریات کا علمی محاسبہ کیا، علم کی تعریف یہ ہے کہ وہ کبھی کسی منزل پر جا کر رکتا نہیں اور اس میں برابر ارتقاء کا عمل جاری رہتا ہے، اس لئے یہ کہنا کہ یہ حرف آخر ہے، یہ علم کی حیثیت ومنصب سے ناواقفیت کی دلیل ہے۔

اب آپ حضرات کا فرض ہے کہ علم نباتات کے ذریعہ جو غلط نظریات آرہے ہیں اور جو اسلام کے اور قرآن مجید کے عقائد، ان کی تعلیمات سے متصادم ہیں، آپ ان کا بطلان ثابت کریں یا قران شریف نے جن چیزوں کی نقاب کشائی کی ہے، مثلاً قرآن کہتا ہے کہ "ومن کل شیء خلقنا زوجین" اور کہتا ہے کہ نباتات میں بھی ازدواج ہے، اس میں بھی جوڑا ہے، نر اور مادہ نباتات میں بھی ہوتے ہیں، مجھے معلوم نہیں کہ قرآن سے پہلے بھی کسی نے اس کا دعویٰ کیا ہو اور یہ بات پیش کی ہو، اب آپ اس کی صداقت ثابت کریں اور بتائیں کہ اس کتاب کا، اور اس نبی امی کا بڑا معجزہ ہے کہ فن نباتات سے پہلے کسی نے یہ بات نہیں کہی کہ ہر چیز میں نر و مادہ ہوتے ہیں اور خاص طور سے نباتات کے متعلق تو سورۂ رعد کی ابتداء میں ایسی حقیقتوں کو بیان کیا گیا ہے، یہ حقیقتیں تو ایسی ہیں کہ ان پر مستقل ریسرچ کی جائے اور میں سمجھتا ہوں کہ آپ کی یہ جامعہ اس بات کی پورے طور پر مستحق ہے کہ اس پر کام کرے اور وہ کام لوگوں

کے سامنے اور پوری دنیا کے سامنے آئے۔

کاش یہ کام اسلامی ملکوں میں ہوتا:

ڈارون کے نظریہ ارتقاء نے جس طرح سے لوگوں کے دماغوں کو ماؤف کیا، نہ صرف یہ کہ علمی دنیا میں ہلچل پیدا کی بلکہ مذہبی دنیا کو بھی ہلا کر رکھ دیا۔ جن حضرات کا یہ موضوع ہے وہ بہتر جانتے ہیں۔ اس کی ضرورت تھی کہ عالم اسلام میں اس کے محاسبہ کا کام کیا جائے۔ اتفاق سے یورپ میں خود اس سلسلہ میں بڑا کام ہوا اور اس نظریہ کا انیسویں صدی کے آخر یا بیسویں صدی کے شروع میں جو دبدبہ قائم تھا، جو طمطراق تھا اور یہ سمجھا جاتا تھا کہ ڈارون کے نظریہ کی تنقید میں زبان کھولنا اپنی جہالت کا ثبوت دینا ہے، بہت سے لوگوں نے اس کے سامنے سپر ڈال دی تھی، اور کہنا شروع کر دیا کہ قرآن کے بیان اور اس نظریہ میں کوئی منافات نہیں۔ لوگوں نے دونوں میں تطبیق دینی شروع کر دی تھی، بلکہ نظریہ ارتقاء کو اصل مان کر منصوصات قرآنی کی تاویل کرنے لگے تھے، لیکن اب علمی طور پر اس نظریہ کی وہ حیثیت نہیں رہی جو انیسویں صدی کے اوائل میں تھی لیکن یہ کام یورپ میں ہوا۔ کاش کہ یہ کام اسلامی ملکوں میں ہوتا، مصر میں ہوتا، عراق میں ہوتا، ہندوستان میں ہوتا۔ مگر افسوس ہمارے ممالک عربیہ کے فضلاء کی کوشش کا میدان ادب تھا یا تاریخ، انہوں نے تطبیقی علوم یعنی سائنس، کیمسٹری، فزکس یا اس طرح کے میدان کی طرف کم توجہ دی، اسلامی ممالک کا ایک آدمی بھی ایسا پیدا نہیں ہوا جو کسی نظریہ کا اضافہ کرتا، یا علمی دنیا سے اپنی تحقیق کا لوہا منوالیتا، اور بین الاقوامی اعزاز کا مستحق قرار پاتا۔

آپ نوبل پرائز حاصل کریں:

عزیز طلبہ اور مسلم نوجوانو! آپ ایگریکلچر ہی کی فیلڈ میں کوئی ایسا نظریہ پیش کریں کہ آپ نوبل پرائز کے مستحق قرار پائیں۔ آپ کو اندازہ نہیں کہ جب کسی مسلمان کو کسی تحقیقی یا علمی کام میں نوبل پرائز ملے گا تو مسلمان نوجوانوں کا حوصلہ کتنا بلند ہوگا، وہ کتنا افتخار محسوس کریں گے، میں طبقہ علماء سے تعلق رکھنے کے باوجود اس روز سعید کا منتظر ہوں جب میں سنوں کہ کسی اسلامی ملک میں سے کسی نے نباتات یا زراعت کے میدان میں ایسا کام کیا ہے کہ وہ نوبل پرائز کا

مستحق ٹھہرا، آپ اندازہ نہیں کر سکتے کہ اس سے مسلمان نوجوان کتنا خوش ہوں گے اور یہ وہ خوشی ہے جس پر کسی کو ملامت نہیں کی جاسکتی اور جس کا سیاسیات سے کوئی تعلق نہیں، کوئی حکومت اس پر تنقید نہیں کر سکتی۔ میں نوجوانوں کو اور عرب ممالک کے نوجوانوں و توجہ دلاتا ہوں کہ وہ ایسا اور یہ جلیل تحقیقاتی بلکہ انقلابی کام کریں جس کی طرف ساری دنیا کی نگاہیں اٹھ جائیں اور وہ مان جائے کہ ہاں مسلمانوں میں بھی ایسی غیر معمولی دماغی صلاحیت اور عبقریت پائی جاتی ہے اور ان میں ایسے جینیئس (GENIUS) پائے جاتے ہیں۔

مسلم اقوام کے دل کی زرخیز زمین:

آپ مسلم قوم کے نونہال ہیں، آپ اس زمین کی تحقیق کرتے ہیں کہ اس میں کیا کیا صلاحیتیں ہیں، اس میں کیا چیزیں پیدا کی جاسکتی ہیں اور اس کی پیداوار کس طرح بڑھائی جاسکتی ہے، میں آپ کو ایک اور زمین کی طرف توجہ دلاتا ہوں، جس کی طرف ہمارے مسلم ممالک کی بہت تھوڑی توجہ ہوئی ہے، وہ ہے ہمارے مسلم اقوام کے دل کی زمین، ہمارے مسلم اقوام کے دل میں کیسے کیسے خزانے دفن ہیں، دل کی یہ زمین کن دولتوں، کن خزانوں اور کن طاقتوں سے مالا مال ہے، ان کو ابھارنا، ان کو پہچاننا، ان سے کام لینا چاہئے، ہمارے سیاسی قائدین اور قومی رہنماؤں نے ابھی تک اس کی طرف توجہ نہیں کی ہے کہ جو قومیں ہمارے حصہ میں آئی ہیں وہ قومیں کیسی ایمانی طاقت، کیسی قربانی کی طاقت، کیسا جذبہ، کیسی گرم جوشی، کیسی سادگی، کیسی محبت اپنے اندر رکھتی ہیں۔ کیا اس کے لئے ضرورت نہیں کہ ایک یونیورسٹی قائم کی جائے جو دلوں کی اس سرزمین، ان مسلم اقوام کی ان صلاحیتوں کے متعلق تحقیقات کرے، اور ان کے ابھارنے کے ذرائع معلوم کرے اور پھر ان کو کلٹی ویٹ (CULTIYATE) کرے، ان کی پرورش کرے، ان کی نشو ونما کرے، اگر یہ کام ہو گیا تو دنیا میں انقلاب عظیم برپا ہو جائے گا، آپ کسی تحقیق کے ذریعہ دنیا کے حالات و اخلاق میں انقلاب عظیم برپا نہیں کر سکتے، دنیا کو حقیقی فائدہ نہیں پہنچا سکتے، لیکن اس کام سے دنیا کے حالات و اخلاق میں انقلاب عظیم برپا کر سکتے ہیں، میں اقبال ہی کے الفاظ میں شکوہ سنج ہوں، نہ صرف ایران سے بلکہ اس تحتی براعظم بلکہ عالم اسلام سے کہنہ

نہ اٹھا پھر کوئی رومی عجم کے لالہ زاروں سے
وہی آب و گلِ ایراں وہی تبریز ہے ساقی

اور پھر اپنے دل کو تسلی دوں گا اور آپ کو مژدہ سناؤں گا کہ:

نہیں ہے نا امید اقبال اپنی کشت ویراں سے
ذرا نم ہو تو یہ مٹی بہت زرخیز ہے ساقی

زرخیز زمین میں مردم خیز خطہ:

خدا نے آپ کو پاکستان کی سرزمین دی، اس کی مٹی بھی زرخیز، اس کی قوم بھی زرخیز، اس کا دماغ بھی زرخیز، اس کا دل بھی زرخیز۔

اسی طرح ایشیاء کے سارے ممالک جہاں سے یہ طالب علم آئے ہیں، زرخیز ہیں، یہی عراق کا حال ہے جو دجلہ وفرات کی وادی ہے، یہی سوڈان کا حال ہے جو نیل کا منبع ہے، وہاں کی زمین کیسی زرخیز ہے، لیکن مردم خیز بھی ہے۔ آپ نے یہ تو سمجھا کہ زرخیز ہے، لیکن آپ نے یہ نہیں سمجھا کہ مردم خیز بھی ہے، زرخیزی کا کام تو ہو رہا ہے لیکن افسوس ہے کہ مردم خیزی کا کام ابھی شروع نہیں ہوا، ممکن ہے کہ کل ہم سنیں کہ آپ وزیر زراعت بن گئے، یہ عرب نوجوان ہیں، ہوسکتا ہے کہ ان میں کوئی وزیر زراعت ہو جائے، یہ زمانہ انقلاب کا زمانہ ہے، جمہوریت کا دور ہے، اس لئے اس کا پورا امکان ہے کہ آج آپ یہاں فیصل آباد یونیورسٹی کے طالب علم ہیں، لیکن کل آپ اپنے یہاں منسٹر ہوں یا لیڈر رہوں، کسی سیاسی پارٹی کے رہنما بن جائیں یا صدر جمہوریہ ہو جائیں تو میں آپ کو یہ پیغام دیتا ہوں کہ آپ زمینوں کی زرخیزی اور مردم خیزی دونوں کی طرف توجہ دیں اور اپنے ہم وطنوں کو بتائیں کہ اللہ نے ان مسلم وعرب اقوام کو جو باطنی صلاحیتیں عطا فرمائی ہیں، یورپ وامریکہ کی قومیں ان سے محروم ہیں، مسلمانوں کے اندر جو سادگی ہے، جو اخلاص ہے، اس کا ہزارواں حصہ بھی ان امریکن، یورپین اور ان غیر مسلم قوموں کو حاصل نہیں۔ آپ اس خلوص کا فائدہ اٹھائیں، مسلمان مسلمان سے کس خلوص سے ملتا ہے، ایمان کی کتنی بڑی طاقت اس کی اندر ہے اور اللہ اور اس کے رسول کے نام پر وہ کیا کر سکتا ہے، اس طاقت کو بھی نشو ونما دیں، اس کو بھی بڑھائیں، آپ کا ملک لالہ زار نہیں، بلکہ ایسا مردم خیز،

زرخیز، انقلاب خیز اور ایسی بہاروں کا پیغام دینے والا بن جائے گا کہ دنیا محو حیرت رہ جائے گی۔

ان الفاظ کے ساتھ اپنے ان داعیوں کا شکریہ ادا کرتا ہوں جنہوں نے مجھے یہ مسرت، عزت حاصل کرنے کا موقع فراہم کیا اور دعا کرتا ہوں کہ اللہ اس جامعہ کو نیک نام بلکہ نامور اور باعث عزت وافتخار بنائے۔ نہ صرف اس ملک کے لئے بلکہ عالم اسلام کے لئے۔

محبت مجھے ان جوانوں سے ہے
ستاروں پہ جو ڈالتے ہیں کمند

یہ تقریر مورخہ ۲۵ جوالائی ۱۹۷۸ء کو پنجاب یونیورسٹی لاہور میں اسلامی جمعیۃ الطلبہ کے کیمپ میں کی گئی۔ اس تربیتی کیمپ میں صوبہ پنجاب کے مختلف مقامات کے طلبہ اور طلبہ کی اس تنظیم کے عہدہ دار، ذمہ دار اور نمائندے موجود تھے۔

محبت مجھے ان جوانوں سے ہے:

میرے عزیز بھائیو! مجھے آپ کی اس مجلس میں آ کر وہ مسرت ہوئی جس کو کسی ایسی دعوت کے خادم سے یا مدرسہ کے ایسے استاد سے پوچھنا چاہئے جس کو نوجوانوں پر اور ملت کے نوبہاروں پر اپنا خونِ جگر صرف کرنے کی سعادت حاصل ہوئی ہو، اور جو ایسے نوجوانوں کو دیکھنے کی تمنا کرتا ہو جس کے متعلق اقبال نے کہا ہے:

محبت مجھے ان جوانوں سے ہے
ستاروں پہ جو ڈالتے ہیں کمند

خدا کے گھر میں ایک جگہ پر اتنے نوجوان، جنہوں نے اپنے مالک کے ساتھ عہد کیا ہو اور جنہوں نے ارادہ کیا ہو کہ وہ اسلام کی سربلندی کے لئے کام کریں گے اور صراط مستقیم پر چلتے رہیں گے۔

صراط مستقیم پل صراط ہے:

صراط مستقیم اصلاً تو صراط مستقیم ہے، لیکن کبھی پل صراط کی شکل اختیار کر لیتی ہے کہ بال سے زیادہ باریک، تلوار سے زیادہ تیز، خدا کا شکر ادا کرنا چاہئے کہ خدا نے ہم کو اس پل صراط کے لئے انتخاب کیا ہے اور اس راستہ سے وہ ہم کو انعام دینا چاہتا ہے۔ حدیث میں آتا ہے کہ جب مصائب پر انعامات ملنے لگیں گے قیامت میں تو وہ جنہوں نے اسلام کی راہ میں مصیبتیں اٹھائی

ہیں، اور بڑی بڑی مشکلات سے گزرے ہیں وہ تمنا کریں گے کہ کاش ان کی جماعتیں قینچیوں سے کتری گئی ہوتیں۔ اللہ کا شکر ادا کرنا چاہئے کہ اس نے ہمیں اس قابل سمجھا۔ اگر کوئی طالب علم محنتی ہے، اس نے واقعی پورے سال محنت کی ہے اور اپنا پورا کام کیا ہے، اگر امتحان میں پرچہ آسان آجائے تو اپنا سر پیٹ لیتا ہے کہ میں نے کس دن کے لئے محنت کی تھی، اور راتوں کی نیند حرام کی تھی۔ اگر یہی پرچہ آنا تھا تو پہلے سے بتادیا گیا ہوتا، اور اگر پرچہ مشکل آتا ہے تو محنتی طالب علم سمجھتا ہے کہ اس کی محنت ٹھکانے لگی۔

اگر آسانیاں ہوں زندگی دشوار ہوجائے:

یہ شکوہ کرنا کہ ہمیں بہت نازک زمانہ ملا ہے اور ہماری راہ کانٹوں سے بھری ہوئی ہے، کم ہمتی کی بات ہے، بلند ہمتی کی بات یہ ہے کہ اگر راستہ آسان ہو تو آدمی کو شبہ ہونے لگے اپنے بارے میں کہ مجھے اس قابل نہیں سمجھا گیا کہ میں کسی مشکل پر چلوں، اگر زندگی ساری کی ساری سہولتوں سے لبریز ہوتی تو زندگی میں لطف نہ رہتا۔ شاعر نے خوب کہا ہے:

چلا جاتا ہے ہنستا کھیلتا موج حوادث سے
اگر آسانیاں ہوں زندگی دشوار ہوجائے

میں نے آپ کے سامنے سورہ کہف کی آیت پڑھی ہے جو مجھے بے اختیار یاد آئی۔

آپ کا رب آپ سے مخاطب ہے:

"انهم فتية آمنوا بربهم" وہ ایسے نوجوان تھے جو اپنے رب پر ایمان لائے، یہاں فتية کا لفظ آیا ہے۔ فتية عربی میں فتیٰ کی جمع ہے (جمع قلت) اور فتیٰ نوجوان کو کہتے ہیں، یہاں بہت سے الفاظ ہوسکتے تھے لیکن فتية کا لفظ اختیار کیا گیا۔ انهم فتية آمنوا بربهم۔ وہ چند جو اپنے رب پر ایمان لائے، اپنے رب پر ان کا عقیدہ مستحکم ہوا، زدناهم هدى، اور جب انہوں نے پہلی منزل طے کرلی تو دوسری منزل ہم نے طے کی کہ زدناهم هدىٰ آپ کے کرنے کا اور ہمارے کرنے کا جو کام ہے وہ کریں۔ پھر اللہ تعالیٰ کی مدد آتی ہے، آپ قرآن شریف میں دیکھتے ہیں "ویزدکم قوة الیٰ قوتکم" وہ تمہاری قوت میں اپنی قوت کا اضافہ کرے گا،

تمہارے پاس جو ہے لاکر رکھ دو، ہم اس میں اضافہ کریں گے "ان تنصروا اللہ ینصرکم" تم اللہ کی مدد کرو گے تو اللہ تمہاری مدد کرے گا۔ چنانچہ بنی اسرائیل سے خطاب کیا گیا "یابنی اسرائیل اذکروا نعمتی التی انعمت علیکم واوفوا بعھدی اوف بعھدکم" اے یعقوب کی اولاد میری نعمت کو یاد کرو، اور میرے عہد کو تم وفا کرو تمہارے عہد کو میں وفا کروں گا۔

آنحضرت ﷺ سے ایک مرتبہ شکایت کی گئی کہ پانی نہیں ہے، آپ اللہ سے دعا کر سکتے تھے اور پانی آسمان سے برس سکتا تھا، لیکن آپ فرماتے ہیں کہ جو پانی باقی ہے لے آؤ۔ پانی جب آتا ہے تو اس میں انگشت مبارک ڈال دیتے ہیں تو وہ ابلنے لگتا ہے، آپ سے عرض کیا گیا کہ کھانے کو کچھ نہیں ہے۔ آپ نے فرمایا کہ جو کچھ ہے لے آؤ، سوکھی کھجوریں، خشک روٹیاں اور جو وغیرہ لوگ لائے تھوڑا سا ذخیرہ تھا۔ آپ (ﷺ) نے دعا کی، ہاتھ لگایا اور وہ بڑھ گیا اور سارے لشکر کے لئے کافی ہو گیا۔ اللہ کا رسول حضرت عیسیٰ کی طرح یہ دعا بھی کر سکتا تھا کہ "ربنا انزل علینا مائدۃ من السماء" مگر چونکہ آنحضرت ﷺ کی اس امت کو مختلف ادوار سے گزرنا تھا، اس امت کو اندرونی طاقت اور عزم و ارادہ سے کام لینا تھا، اس لئے اس کی تعلیم دی گئی۔ یہ عہد ہاتھ میں ہاتھ رکھنے کا نہیں ہے، یہ عہد عمل کا ہے، جدوجہد اور کوشش کا ہے، اس لئے امت سے کہا گیا کہ تمہارے پاس جو ہے اس کو پیش کرو، پھر ہم اس میں اضافہ کریں گے۔ آنحضرت ﷺ کے معجزات کو بھی اسی طرح پیش کیا گیا ہے، آپ نے تین سو تیرہ آدمیوں کو لے کر میدان بدر میں کھڑا کر دیا، آپ یہ بھی کر سکتے تھے کہ پھونک مار دیتے، کنکر پھینک دیتے، لیکن آپ ﷺ مدینہ سے چل کر آئے، مدینہ سے بدر کا فاصلہ ستر اسی میل کے قریب ہے، اس کو طے فرمایا، اس زمانہ کے طریقہ جنگ کے مطابق صفوں کی ترتیب کی، جیسے ایک فوجی قائد کرتا ہے، یہ ہے صحیح طریقہ سنت نبوی ﷺ۔

مسئلہ ربوبیت کا تھا:

میں نے آپ کے سامنے آیت پڑھی کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے "انھم فتیۃ" وہ گنتی کے چند نوجوان تھے، حکومت وقت نے غذائی سامان اور معاشی وسائل پر قبضہ کر رکھا تھا، وہ غلہ دے تو لوگوں کو غلہ ملے، وہ لوگوں کو ملازمتیں دے تو لوگوں کو ملازمتیں ملیں، تو وہ حکومت گویا ایک طرح

سے ''مصنوعی رب'' بن گئی تھی۔ ''امنوا بربھم'' لیکن وہ اپنے حقیقی رب پر ایمان لائے کہ ہمارا پالنے والا، ہمیں غذا دینے والا، ہماری زندگی کی ضروریات پوری کرنے والا، ہمیں عزت دینے والا وہ کوئی اور ہے، وہ مالک الملک ہے، وہ رب حقیقی ہے۔ جب انہوں نے یہ منزل طے کر لی تو ''زدناھم ھدیٰ''۔ ہم نے ان کی ہدایت میں اضافہ کیا۔ اس سے معلوم ہوا کہ ہدایت کا سرچشمہ اللہ تعالیٰ کی ذات ہے اور اس کی معرفت ہے، ہدایت وہاں سے ملتی ہے۔ اپنی دماغی صلاحیت، اپنی ذہانت سے، تحریروں سے، محض مطالعہ سے، کتب خانہ کے علمی ذخیرہ سے نہیں ملا کرتی، ہدایت کی نسبت اپنی طرف کی ہے، اور بادشاہوں کے انداز خطاب کی طرح جمع کا صیغہ استعمال کیا ہے۔ ''زدناھم ھدیٰ'' ہم نے ان کی ہدایت میں اضافہ کیا تو وہ کہیں سے کہیں پہنچ گئے۔ اللہ کے سامنے سر جھکایا، اس سے مانگنا شروع کیا، اس کی معرفت پر محنت کی، اس کی صفات عالیہ اور اسمائے حسنیٰ کی معرفت وفہم حاصل کرنے میں انہوں نے غور وفکر سے کام لیا تھا تو ہم نے ان کی ہدایت کو کہیں سے کہیں پہنچا دیا۔

نوجوانوں کا جذبۂ عمل:

اب مشکلات کا سامنا پڑا، یہ واقعہ اس وقت کا ہے جب عیسائیت نئی نئی جزیرہ نمائے سینا اور اپنے اصل مرز بوم سے نکل کر روما پہنچی تو وہاں کٹر قسم کی بت پرست حکومت تھی، جب یہ داعی وہاں پہنچے تو ان کی تبلیغ سے نوجوان بھی متاثر ہوئے، تاریخ کے بہت سے ادوار میں ایسا نظر آتا ہے کہ نوجوان پہلے متاثر ہوئے ہیں، اس لئے کہ زیادہ عمر رکھنے والے معمر لوگوں کے ساتھ بہت سے وزن بندھے ہوتے ہیں، جیسے تیرنے کے لئے آپ دریا میں جاتے ہیں، جتنے ہلکے ہوں گے، اتنی ہی آسانی سے تیر سکیں گے، لیکن اگر کسی کے ساتھ بوجھل پتھر بندھے ہوں، کچھ سامان بھی اس کے ساتھ ہو تو اس کے لئے دریا کو پار کرنا مشکل ہوگا، جو جتنا ہلاک ہوتا ہے وہ اتنی ہی جلدی منزل طے کرتا ہے:

سبک سار مردم سبک تر روند

خاندان، روایات، بادشاہ اور حکمرانوں سے تعلقات اور رسم ورواج کے پتھر معمر لوگوں کی راہ میں جیسے حائل ہوتے ہیں، نوجوانوں کے راستے میں حائل نہیں ہوتے، رکاوٹ نہیں بنتے،

نیا خون، نئی عمر، نیا جوش، نئی امنگیں، نئے حوصلے تھے، ایک آواز ان کے کان میں پڑی، نوجوان تھے قرآن مجید میں سورہ آل عمران میں آیا ہے "ربنا اننا سمعنا منادیا ینادی للایمان ان امنوا بربکم فامنا" ۔ پروردگار! ہمارے! قبول حق کی تاریخ بس اتنی ہے ہمارے کان میں ایک آواز پڑی، ایک منادی حق نے کہا اپنے رب پر ایمان لاؤ ہم ایمان لے آئے، تو یہ نوجوان جو تھے، ان کے پاؤں میں وہ بیڑیاں نہیں پڑی تھیں، جو اکثر پرانی نسل کے لوگوں کے پاؤں میں پڑی رہتی ہیں، اس لئے فخر کے ساتھ کہا گیا "فامنا" کہ ان کو کوئی دیر نہیں لگی ایمان لائے ہیں۔

ہم نے ان کے دلوں کو تھام لیا:

"وربطنا علی قلوبھم" ہم نے ان کے دلوں کو مضبوط کر دیا، ہم نے ان کے دلوں کو تھام لیا، باندھ لیا، اس لئے کہ جب کوئی چیز کھلی ہوتی ہے تو ہوا کے جھونکے سے اڑ جاتی ہے، کسی چیز سے بندھی ہو تو پھر وہ قائم رہتی ہے، تو ہم نے ان کے دلوں کو باندھ رکھا، وہ ادھر ادھر ہلنے جلنے نہ پائیں۔ "اذا قاموا فقالوا ربنا رب السموت والارض" وہ کھڑے ہوئے اور انہوں نے کہا کہ ہمارا رب وہی ہے جو آسمانوں اور زمین کا رب ہے۔ کھڑے ہونے کا مطلب یہ نہیں کہ وہ بیٹھے تھے، کھڑے ہو گئے، میدان کے اندر ایک عزم پیدا ہو گیا، انہوں نے اعلان کیا کہ ہمارا پروردگار وہ ہے جو آسمان و زمین کا پروردگار ہے۔

"لن ندعو من دونه الها لقد قلنا اذا شططا" ہم اس کے سوا کسی الٰہ، کسی معبود کی پرستش نہیں کریں گے، اگر ہم نے اپنی زبان سے یہ بات نکالی تو بڑی بے جا بات ہوگی، بڑی خلاف واقعہ بات ہوگی "ھؤلاء قومنا اتخذوا من دونه آلھة" یہ ہماری قوم کے لوگ بڑے اچھے، جید لوگ معلوم ہوتے ہیں، بڑے باوقار لوگ ہیں، تجربہ کار ہیں، اس کے باوجود انہوں نے اللہ کو چھوڑ کر دوسرے معبود بنا رکھے ہیں۔ لولا یاتون علیھم بسلطن بین اس پر کوئی دلیل کیوں نہیں لاتے اور کون ہے اس شخص سے بڑا ظالم کہ جس نے اللہ پر جھوٹ گڑھا۔

وادیٔ گلزار، وادیٔ پرخار:

اب وہ وادیاں آئیں جو دعوت کے میدان میں آتی ہیں اور وہ دو طرح کی ہوتی ہیں۔

ایک وادی پر خار اور ایک وادی گلزار۔ وادی پر خار تو یہ ہے کہ راستے میں کانٹے بچھے ہوں، [illegible] انگارے بچھے ہوں اور وادی گلزار یہ ہے کہ ترغیبات، ترقی کے مواقع، انعامات، بڑی بڑی آسامیاں، بڑے بڑے عہدے۔ یہ وادی گلزار ہے۔ وادی پر خار مشکل ہوتی ہے اور [illegible] وادی گلزار، لیکن بہت سے تجربہ کاروں کا کہنا ہے کہ وادی گلزار، وادی پر خار سے زیادہ دشوار گزار ہے۔ ترغیبات، ترہیبات اور تعزیرات کے مقابلہ میں زیادہ موثر ہوتی ہے۔ آپ کو شاید معلوم ہوگا کہ امام احمد بن حنبلؒ کو ایک منزل وہ پیش آئی کہ معتصم نے ان کو ڈرایا، دھمکایا، وہ نہیں مانے تو ان کو دربار میں بلایا اور کہا کہ احمد! اگر میری بات مان لو گے تو میرے ولی عہد کی طرح محبوب و مقرب بن جاؤ گے اور اسی جگہ بیٹھو گے۔ انہوں نے کہا امیر المومنین! کتاب و سنت سے کوئی دلیل لائیے تو میں اس کو مان لوں۔ وہ جھنجھلایا اور اس نے جلاد کو حکم دیا اور اس نے ایک کوڑا پوری طاقت کے ساتھ مارا۔ جلاد کہتا ہے واللہ وہ کوڑا اگر ہاتھی پر پڑتا تو وہ چنگھاڑ مار کر بھاگ جاتا، لیکن وہ برابر کوڑے کھاتے رہے۔

اس کے بعد ایک دوسرا دور آیا جب معتصم کا انتقال ہو گیا اور اس کا بیٹا متوکل تخت پر بیٹھا، اس نے امام احمد کو سر من رائی میں طلب کیا اور بڑی خاطر مدارات کی۔ وہ اپنے ساتھ کچھ زاد راہ لے گئے تھے، ستو یا اسی طرح کی کوئی اور چیز۔ جب کھانے کا وقت آتا وہی کھاتے تھے اور شاہی کھانوں کو ہاتھ نہیں لگاتے تھے۔ بعد میں متوکل نے اشرفیوں کے توڑے بھیجنے شروع کئے، تو ان کے صاحبزادے بیان کرتے ہیں کہ والد صاحب کہتے تھے کہ معتصم کے کوڑوں سے زیادہ متوکل کے توڑے میرے لئے امتحان کا سبب ہیں۔

[illegible] متیں کبھی یہ کرتی ہیں، کبھی وہ کرتی ہیں۔ [illegible] دیکھتے ہیں کہ لوگ [illegible] دکھاتی ہیں اور جب یہ معلوم ہوتا ہے [illegible] کا ہاتھ [illegible] پیش کرتی ہیں، یہ منزل بڑی سخت ہوتی ہے۔ [illegible] آدمی اس طرح نہیں [illegible] ماں باپ کے اصرار پر جھک جاتا ہے۔ ان کے والدین سے جو دور کے تعلق تھے، مختلف عہدوں پر فائز تھے، کہا گیا کہ اپنے لڑکے کو سمجھاؤ، وہ کس چکر میں آ گئے ہیں، ان کو سمجھاؤ، [illegible] بات مانیں، اپنا مستقبل بنائیں، تمہارے بعد آخر کون ہوگا؟ تمہارے [illegible] بیٹے ہوں [illegible] جب اس سے کام نہیں چلا تو ان کو دھمکانا شروع کیا، ان کو پٹوایا، ران کا چھپا [illegible] تو اس

وقت اللہ کی مدد کی ضرورت تھی۔

تین باتیں:

میرے عزیز بھائیو! یہ میں نے آپ کے سامنے سورہ کہف کی آیتیں پڑھی ہیں، اس کی تشریح کی ہے، اس میں ہم کو یہ سبق ملتا ہے کہ پہلے ایمان مستحکم ہونا چاہیے، بہت بصیرت کے ساتھ، قوت کے ساتھ ہمارا ایمان اللہ پر، اس کی صفات پر مستحکم ہونا چاہئے، اگر ہم طالب علم ہیں تو علمی انداز کے ساتھ، اور اگر ہم عوامی مسلمان ہیں تو بھی پوری صداقت کے ساتھ ہمارا ایمان خدا پر قائم ہونا چاہئے۔

دوسری بات یہ ہے کہ "زدناھم ھدی" اس سرچشمہ ہدایت سے ہمارا تعلق ہونا چاہئے جہاں سے ہدایت کا فیضان ہوتا ہے۔ کتاب وسنت کے مطالعہ، اسوۂ رسول اور صحابہ اور مجاہدین اسلام کے حالات سے ہمیں طاقت حاصل کرنا چاہئے، جس طرح کہ بیٹری چارج کی جاتی ہے۔ سیل جب ختم ہوجاتے ہیں تو بدلے جاتے ہیں، ہم اور آپ اس مادی دنیا میں چلتے پھرتے ہیں، ایسے اساتذہ سے بھی پڑھتے ہیں جن کو خود بھی پورے طور پر ان دینی وغیبی حقائق پر یقین حاصل نہیں ہوتا، ہمارا دور ایسی چیزوں سے بھرا ہوا ہے کہ قدم قدم پر ہم کو خدا سے غافل کرنے والی چیزیں ملتی ہیں اور ہمیں ان کا سامنا کرنا پڑتا ہے، ہر چیز خود فراموشی اور خدا فراموشی پیدا کرنے والی ہے، ٹیلی ویژن کو دیکھئے، ریڈیو سنئے، اخبارات پڑھئے، حتیٰ کہ خالص ادب، جس کو پاک، معصوم اور غیر جانبدار ہونا چاہئے، وہ بھی غیر جانبدار نہیں رہا، وہ فسق کا ایجنٹ بنا ہوا ہے اور بہت ہی سستا ایجنٹ باطل اقدار کا، ہمارا ادب اس وقت مشاطہ بنا ہوا ہے معصیت اور سفلی جذبات اور فحش اخلاق کا، یہ ساری چیزیں جو ہمارے چاروں طرف دریا کی طرح موجزن ہیں اور دریا میں ہم کو ڈال دیا گیا ہے، ہمارے حالات نے، ہمارے نظام تعلیم نے، ہم کو اس دریا کے حوالے کر دیا ہے، پھر اس کا کہنا یہ ہے کہ:

"دامن تر مکن ہشیار باش"

خبردار بیٹا، دامن تر نہ ہونے پائے، تو دامن بچانے کے لئے ضرورت ہے کہ "زدناھم ھدی" پر غور کریں، ایمان کا چراغ روشن کریں اور جرات ومحبت پیدا کریں۔ جس کے بغیر ہم ان

نفسانی خواہشات کا مقابلہ نہیں کر سکتے۔ ہم ان چیزوں کا مقابلہ خالی نظام جماعت اور ضابطہ اخلاق سے نہیں کر سکتے، تجربہ کی بات بتاتا ہوں کہ زمانہ اتنا جابر واقع ہوا ہے، اس کے تقاضے اتنے قاہر ہیں کہ اگر ان کے مقابلہ میں ایمان کی طاقت نہ ہو اور وہ نمونے آپ کے سامنے نہ ہوں جو سیرت کے اندر ہم کو ملتے ہیں تو ہم زمانہ کا مقابلہ نہیں کر سکتے۔

مسلح مادیت کا مقابلہ:

ہماری نمازیں درست ہوں، یہ طاقت نمازوں سے پیدا ہوتی ہے، دعا سے پیدا ہوتی ہے، تلاوت سے پیدا ہوتی ہے، سجدوں سے مانوس ہونے سے پیدا ہوتی ہے، بندگان خدا کے پاس بیٹھنے سے پیدا ہوتی ہے۔ اگر ہم یہ چاہتے ہیں کہ اس مسلح مادیت کا مقابلہ کریں جس کو یورپ اور امریکہ نے اپنے بہترین اسلحہ سے مسلح کر رکھا ہے، اس کی ہر چیز اتنی بھانے والی ہے کہ بڑے بڑے شیروں کے پاؤں اکھڑ جائیں تو اس کا مقابلہ ہم محض تنظیم سے، محض اپنے ضابطہ اخلاق سے نہیں کر سکتے، اس کے لئے ہمارے اندر ایمانی طاقت ہونی چاہئے، تعلق مع اللہ ہونا چاہئے، اللہ کے ساتھ ایسا تعلق ہونا چاہئے، ہم کو ایک سجدہ نصیب ہو جائے جس کی زمین بھی تاب نہ لاسکتی:

وہ سجدہ روحِ زمیں جس سے کانپ جاتی تھی
اسی کو آج ترستے ہیں منبر و محراب

روحِ زمین کانپے نہ کانپے، اپنا کلیجہ تو کانپ جائے، اپنا دل تو کانپ جائے، آنکھیں تو اشکبار ہو جائیں، یہ سجدہ جب آپ کو نصیب ہوگا تو آپ کو مادیت پر قابو ہوگا، اب جو دور ہے، اس کا مقابلہ کرنے کے لئے آپ کے اندر کی طاقت کی ضرورت ہے، آپ کے اندر وہ طاقت ہو، خدا کے نام سے محبت ہو، اس کے رسول ﷺ سے محبت ہو، سنتوں کا اہتمام اور اس کی عظمت آپ کے دل میں بیٹھی ہوئی ہو، سب کوتاہیاں ہوتی ہیں، لیکن اپنی کوتاہیوں کو آپ سمجھیں، ان پر اصرار کریں، ان کے لئے دلیلیں نہ دیں، بلکہ یہ آئیڈیل تو وہی ہے، اسوہ تو وہی ہے، کرنا تو ہم کو وہی ہے، خدا آپ کو توفیق دے گا اور یہ کوتاہیاں بھی معاف کر دے گا، بہت سی پیچیدہ اور نازک دور ہمارے اور آپ کے حصہ میں آیا ہے، اس میں اگر دین کے تقاضے پورے کئے اور

اسلام کے جھنڈے کو ہم نے سرنگوں ہونے نہیں دیا تو آپ کو جو بھی دنیا میں ملے گا وہ تو خیر ملے گا لیکن آخرت میں جو کچھ ملے گا، اس کا تصور بھی نہیں کر سکتے۔

اسلام کے ہاتھ میں رہنمائی:

یہ بڑی قابل قدر بات ہے کہ نوجوانوں میں ایک نئی **تحریک** پیدا ہو رہی ہے، اور یہ بات محض اتفاق نہیں ہے، اس وقت لاہور میں آپ ،، **دیکھ رہا ہوں کراچی** میں، میں نے دیکھا، مصر، شام میں دیکھا کہ نوجوانوں میں خاص طور سے یونیورسٹی کے طلبہ اور انجینئرنگ اور میڈیکل کالج وغیرہ کے طلبہ میں جو اسلامی جذبہ موجزن ہے، وہ افسوس کی بات ہے کہ بہت سی خالص دینی درسگاہوں کے طلبہ میں نہیں ہے، شام میں بالخصوص وہاں کی لڑکیوں میں جو یونیورسٹی اور کالجوں میں پڑھتی ہیں، خدا جانے کہاں سے یہ بات آگئی ہے کہ کھل کر اسلام کی حمایت اور اس کے لئے ہر طرح کی قربانی برداشت کرتی ہیں۔ انہوں نے اصرار کیا کہ ہم شرعی پردے کے ساتھ پڑھیں گے، اگر آپ کو منظور ہو تو ہم داخلہ لیں گے، ورنہ داخلہ نہیں لیں گے۔ یہ اتفاقی بات نہیں ہے، پاکستان کے مخصوص حالات نے نوجوانوں میں ایک نیا ردعمل پیدا کیا ہے، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ خدا کو بھی منظور ہے اور اس پردے کے پیچھے کوئی اور طاقت کام کر رہی ہے، ورنہ یونیورسٹی کے نوجوانوں میں ایک نئی تحریک، ایک نیا جذبہ، ایک نیا جوش کہاں سے آتا، اب اللہ تعالیٰ کو یہ منظور ہے کہ مسلمان نوجوان سامنے آئیں اور زمام کار ان کے ہاتھ میں رہے جو **انهم فتيه امنوا بربهم** کے مصداق ہیں۔

اپنے محدود تجربہ کی روشنی میں چند اور باتیں بھی عرض کرنا چاہتا ہوں، ایک بات تو یہ ہے کہ آپ سیرت سازی کی کوشش کریں، اس کے بغیر کام نہیں چلتا، ہماری دینی دعوتوں میں سب سے بڑا نقص یہ ہے کہ سیرت کی تعمیر نہیں ہوتی اور نوجوان اگلے مرحلہ پر جا کر پست ہو جاتے ہیں، سیرت کی تعمیر کتاب وسنت، اسوۂ رسول ﷺ کے ماتحت ہو تو پھر پائے ثبات میں لغزش نہیں آتی۔

اپنی فکر کیجئے:

دوسری بات یہ ہے کہ اپنی فکر کیجئے، اس زمانہ کا ایک عیب یہ بھی ہے کہ دوسروں کی فکر زیادہ

اپنی فکر کم ہوتی ہے، ہمارے اجتماعی فلسفہ اور سیاسیات نے یہ ذہن پیدا کیا ہے کہ آدمی کی نظر دوسروں کے عیوب پر پڑتی ہے، اس کا محاسبہ زیادہ تر دوسروں سے ہوتا ہے، فلاں پارٹی یہ کر رہی ہے، فلاں طبقہ یہ کر رہا ہے، فلاں شخص اپنی ذمہ داری پوری نہیں کر رہا ہے اور اس کو فرصت ہی نہیں ملتی کہ آدمی اپنا جائزہ لے اور دیکھے کہ ہم میں کیا نقص ہے؟

منفی حصہ مثبت حصہ سے بڑھنے نہ پائے:

تیسری بات یہ کہ منفی حصہ مثبت حصہ سے بڑھنے نہ پائے، تناسب سے دونوں چیزیں ہوں، آپ کا مزاج یہ نہ بن جائے کہ ہر چیز کو آپ ہمیشہ ناقدانہ دیکھیں، ہر طبقہ سے جہاں آپ دین پائیں، ان کے پاس بیٹھنے سے آپ کو محسوس ہو کہ ایمان بڑھتا ہے، ان کے پاس بیٹھ کر نمازوں کی طرف توجہ ہوتی ہے، نماز پڑھنے کا طریقہ آتا ہے، اس کو بھی بہت غنیمت سمجھئے بلکہ نعمت سمجھئے اور یہ نہ سمجھئے کہ پورے دین کو انہوں نے سمجھا ہی نہیں، پورا دین تو یہ لے کر چلے نہیں ہوئے تو پھر ان کے پاس بیٹھنے سے کیا فائدہ ہے۔ نماز بھی بہت بڑی چیز ہے، آپ کو اگر نماز پڑھنی آجائے، روزہ رکھنا آجائے تو یہ کوئی معمولی بات نہیں، اسی سے پوری زندگی کا تعلق ہے۔

اپنا مطالعہ وسیع کیجئے:

چوتھی بات یہ ہے کہ مطالعہ آپ وسیع بھی کیجئے اور عمیق بھی۔ آپ کے مطالعہ میں وسعت بھی ہونی چاہئے اور عمق بھی ہونا چاہئے۔ یعنی آپ اسلام کے اصل سرچشمہ سے واقفیت حاصل کرنے کی کوشش کیجئے۔ آپ کو عربی زبان سے واقفیت کے بغیر ہم وثوق کے ساتھ نہیں کہہ سکتے کہ یہ بات کس درجہ کی ہے، اس کے ساتھ ساتھ ہر قسم کا لٹریچر پڑھیں جس میں کوئی گمراہی کی بات نہ ہو، کوئی کجی نہ ہو، کسی ایک لٹریچر پر انحصار رکھنا صحیح نہیں ہے، ایک ماڈل جو مکمل ہے وہ صرف رسول اللہ ﷺ کا ماڈل ہے، کسی انسان کا ماڈل ایسا نہیں ہے جو سب سے مستغنی ہو، کسی کے متعلق یہ خیال نہیں ہونا چاہئے کہ یہ آخری ماڈل ہے، اس کے بعد کسی کی طرف توجہ کرنے کی ضرورت ہی نہیں ہے، کسی لٹریچر پڑھنے کی ضرورت نہیں، تنگ نظری سے کم سے کم آپ کو کام نہیں لینا چاہئے۔

میرا ہمیشہ یہ ذوق رہا اور میں کہتا بھی رہتا ہوں کہ کتابوں کا تنوع ہونا چاہئے اور جو چیزیں اچھی ہوں ان کو دیکھنا چاہئے، البتہ اپنے ذہن میں یہ صلاحیت پیدا ہو کہ درجہ کو پہچان سکیں اور اس کے اثرات ونتائج محسوس کر سکیں۔

میرے دل میں آپ کے لئے جگہ ہے

یہ بات پورے خلوص کے ساتھ میں نے آپ سے کہی ہے، یہ ایمان حاضر ہوتا ہے بات کی ہیٹی ہے کہ میرے دل میں آپ کے لئے کیا جگہ ہے؟ اور میں آپ کی قدر کرتا ہوں، حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا یہ کہنا مجھے اکثر یاد آتا ہے کہ ایک مرتبہ کئی جلیل القدر صحابی ایک جگہ جمع تھے تو حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ آج ہر شخص اپنی مرادیں مانگ لے، خدا سے دعا کرے، کسی صحابی نے کہا میرے پاس اتنا سونا ہو کہ میں خدا کی راہ میں صرف کروں، کسی نے کہا مجھے عبادت کی توفیق ہو، وغیرہ وغیرہ۔ حضرت عمرؓ کی باری آئی تو کہا بھائی میرا تو یہ جی چاہتا ہے کہ میرا گھر خالد اور ابوعبیدہ اور فلاں فلاں سے بھرا ہوا ہو اور میں ایک ایک کو ایک ایک محاذ پر بھیجوں اور ساری دنیا میں اسلام پھیلاؤں، تو اس کی کس سے امید کی جاسکتی ہے؟ آپ ہی جیسے نوجوانوں سے۔

میں اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرتا ہوں، آپ کا شکریہ کہ مجھے آپ کے پاس آنے، خطاب کرنے اور ایک جگہ دیکھنے کی مسرت حاصل ہوئی۔ اللہ تعالیٰ آپ کو نظر بد سے بچائے۔ نظر بد کا لفظ میں وسیع معنوں میں استعمال کر رہا ہوں۔ نظر بد کا بہت ہی وسیع مفہوم ہے۔ اللہ تعالیٰ آپ کو اپنی نظر بد سے بھی بچائے اور دوسروں کی نظر بد سے بھی اللہ تعالیٰ آپ کی حفاظت فرمائے اور آپ کو اپنی صلاحیتوں کو بہترین مصرف پر صرف کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

اخلاص، جذبۂ قربانی اور جوہر ذاتی

دارالعلوم ندوۃ العلماء میں [illegible] طالبان [illegible] کی تقریب ۲۵ [illegible] ۱۹۶۳ء کو [illegible] ہال میں منعقد ہوئی، اس میں [illegible] طلباء [illegible] کی تقریریں [illegible] اثرانگیز بیان سے [illegible]

[illegible]

نحمدہ و نصلی علی رسولہ الکریم اما بعد.

میرے عزیز طلبا، ایسے موقع پر اگر آپ رنجیدہ ہیں تو اس میں کوئی تعجب کی بات نہیں، یہ موقع ایسا ہے جو رنج و مسرت دونوں کا جامع ہے۔ لیکن وہ ماں قابل مبارکباد نہیں جو ہمیشہ اپنے بچے کو سینے سے لگائے رہے، اور آنکھوں سے اوجھل کرنے کے لئے تیار نہ ہو، بلکہ اس کا ایک وقت مقرر ہے، اس وقت تک وہ بچے کی پرورش کرتی ہے، پھر وہی ماں اس بچے کو اپنی آنکھوں سے اوجھل کر دیتی ہے، تاکہ وہ اس کی پیری کے لئے سہارا بن سکے، اسی طرح آپ نے ایک مدت یہاں گذاری، اس میں آپ کا ہم سے مانوس ہونا یا ہمیں آپ سے انس ہونا بالکل قدرتی چیز ہے، اللہ تعالیٰ نے تمام مخلوقات کے اندر انس پیدا کیا ہے، لیکن انسانوں کے اندر یہ جوہر بہت زیادہ نمایاں ہے، صرف لسانیت ہی نہیں لغویات کے بھی بعض بڑے بڑے ماہروں کا یہ کہنا ہے کہ انسان کا لفظ اسی انس سے مشتق ہے، اس موقع پر یقیناً ہمیں اس حیثیت سے تو رنج ہے کہ آپ ہم سے جدا ہو رہے ہیں، ہمارا آپ کا جو ایک ساتھ تھا، وہ چھوٹ رہا ہے، لیکن دوسری حیثیت سے ہمیں یہ مسرت ہے کہ آپ نے تعلیمی مدت حسن و خوبی کے ساتھ پوری کرلی، آپ نے اس زمانے میں جبکہ بالکل ہی مخالف ہیں، اور زمانے سے سکون و اطمینان رخصت ہو چکا ہے، دین کی تعلیم حاصل کی، اس حیثیت سے آپ قابل مبارکباد ہیں اور ہمیں اس پر دلی مسرت ہے۔

فراغت کا غلط تخیل:

لیکن ایسے موقع پر جب "فارغ" کا لفظ آتا ہے تو بعض وقت لوگ اس کا مفہوم سمجھنے میں ایک غلطی کرتے ہیں، دارالعلوم کی ایک ایسی تعلیمی مدت تو ختم ہو چکی، اس مدت کو آپ نے طے کیا اور اس مرحلے سے فارغ ہوئے لیکن اس موقع پر جو اہم بات آپ سے کہنی ہے وہ یہ ہے کہ اگر آپ نے اس کا مفہوم یہ سمجھ لیا کہ ہم تعلیم سے فارغ ہو گئے، اب ہمیں تعلیم و تربیت کی کوئی ضرورت نہیں، تو بلا کسی حجاب کے اور تردد کے میں یہ اعلان کرتا ہوں کہ آپ نے کچھ بھی نہیں سیکھا اور آپ کا ادارہ اپنے مقصد میں بالکل ناکام ہے اور ہم سب بالکل ناکام ہیں، لیکن جیسا کہ مجھے یقین ہے کہ آپ نے فارغ ہونے کا یہ مفہوم نہیں سمجھا ہے، ہمارے فارغ ہونے کا مفہوم آپ کے نزدیک بھی یہ ہے کہ آپ اس قابل ہوئے کہ کتابوں کو باقاعدہ سمجھیں اور مناسب صورت سے استفادہ کریں، بلکہ یوں کہا جائے کہ آپ کو اب علم کے حاصل کرنے کی کنجی دے دی گئی تو زیادہ صحیح ہوگا، آپ اس کنجی کے ذریعہ ہر قفل کھول سکتے ہیں اور علم کے خزانے اپنے پاس جمع کر سکتے ہیں، آپ اس کنجی کو جتنا ہی استعمال کریں اسی قدر وہ صیقل ہوتی چلی جائے گی۔

ہر نصاب کی ایک خصوصیت ہوتی ہے، اگر وہ نصاب اپنے فارغ شدہ طلباء کے اندر اس احساس کو پیدا کرے یعنی جہل کا اعتراف، شاید یہ لفظ بعض کانوں کو نامانوس معلوم ہو، لیکن مجھے اس لفظ پر اصرار ہے، جسے لوگ ذوق علمی سے تعبیر کرتے ہیں، اگر آپ کے اندر یہ احساس پیدا ہو گیا ہے تو آپ کامیاب اور قابل مبارکباد ہیں اور میں آپ کے ادارے کو مبارکباد پیش کرتا ہوں، اس کے بعد اس مختصر وقت میں اپنے جانے والے بھائیوں کو میں صرف تین باتوں کی طرف متوجہ کرتا ہوں۔

اخلاص:

پہلی چیز اخلاص ہے، آپ کسی بڑے سے بڑے بزرگ یا جس کا نام آپ دنیا میں روشن کرتے ہیں، اگر آپ اس کی زندگی کا مطالعہ کریں گے تو اس کی زندگی کی تعمیر میں اخلاص کو ایک اہم عامل پائیں گے، آپ دیکھیں گے کہ اس کی ہر چیز کو اخلاص نے دوام بخشا ہے، آپ ملا نظام الدین کو دیکھئے جس کے درس نظامی کا سکہ صرف ہندوستان ہی نہیں، اقصائے عالم میں

چل رہا ہے، اور جس کو باوجود کوششوں کے اپنی جگہ سے ہلایا ہی نہیں جا سکا، محض ان کی علمیت کی بنا پر ایسا نہیں ہوا بلکہ ان کے ساتھیوں اور ان کے معاصرین میں بہت سے ایسے اشخاص تھے جو علم و فضل اور ذہانت و ذکاوت میں اگر بڑھے ہوئے نہیں تو ان کے ہم پلہ ضرور رہے ہوں گے، لیکن کیا بات ہے کہ آج ملا نظام الدین تو زندہ جاوید ہیں، لیکن ان کے معاصرین کا تذکرہ اگر آتا ہے تو ان کے سلسلے ہی میں آتا ہے، اگر آپ غور کریں اور ان کی زندگی کا مطالعہ کریں تو اس کی پشت پر اخلاص کی وہ زبردست قوت کارفرما پائیں گے، جس نے ملا نظام الدین کو قیامت تک کے لئے زندہ جاوید بنادیا، بات صرف اتنی تھی کہ انہوں نے پڑھنے کے بعد یہ محسوس کرلیا کہ انہوں نے کچھ بھی نہیں سیکھا ہے، اور انہوں نے اپنے زمانے کے ایک ایسے امی شخص سے جو گوشۂ گمنامی میں اودھ کے ایک چھوٹے سے گمنام گاؤں "بانسہ" میں اخلاص کا سرمایہ لئے بیٹھا ہوا تھا، اپنے آپ کو متعلق کرلیا، اگر ملا نظام الدین چاہتے تو بہت سے ایسے متقی خدا کے بندے ان کو مل سکتے تھے جو اپنے وقت کے امام تصور کئے جاتے تھے، لیکن ملا نظام الدین نے اپنے آپ کو ایک ایسے شخص کے سپرد کیا جس کی شہرت اگر ہوئی تو ملا نظام الدین کے ذریعے سے ہوئی، بہرصورت اس کی اگر مثالیں دی جائیں تو سینکڑوں مثالیں ملیں گی۔

جذبۂ قربانی:

دوسری بات جو ہمیں آپ سے کہنی ہے، وہ ایثار و قربانی ہے، ایثار و قربانی اور عزم، یہ وہ طاقت ہے کہ اگر افراد میں ہوتی ہے تو انہیں ثریا تک پہنچا دیتی ہے اور اگر کسی ادارہ یا قوم کے اندر پیدا ہو جاتی ہے تو دنیا اس کے سامنے جھک جاتی ہے اور اس کی بالادستی کو تسلیم کرنے پر مجبور ہوتی ہے۔

جوہر ذاتی:

اس کے بعد جو تیسری بات ہے وہ جوہر ذاتی ہے، انسان کا ذاتی جوہر اور اس کی قابلیت ہی وہ چیز ہے، جو ہر وقت اور ہر زمانے میں اس کی ترقی کا واحد ذریعہ ہے، اگر آپ نے ان تینوں چیزوں یعنی اخلاص، جذبۂ قربانی اور جوہر ذاتی کو حاصل کرلیا ہے، تو آپ کے لئے زمانہ بالکل نہیں بدلا ہے، اور ہر وقت آپ کے لئے چشم براہ ہے، لیکن ان صفات سے اگر کوئی خالی

ہے تو وہ جہاں بھی جائے گا اور جس جگہ کی بھی سند یا ڈگری اس کے پاس ہوگی، حالات کو بدلا ہوا اور اپنے مخالف پائے گا، پھر میں کہتا ہوں کہ اگر آپ نے یہ صفات اپنے اندر پیدا کر لیں تو آپ کے لئے عالمگیر کا زمانہ، نظام الملک طوسی کا زمانہ اور امام غزالی، امام رازی، امام ابن قیم اور امام ابن تیمیہ کا زمانہ آج بھی منتظر ہے، اور وہ آپ کے لئے واپس ہو سکتا ہے، یہ غلط ہے کہ زمانے میں کوئی جگہ خالی رہتی ہے، کبھی زمانے میں ایسا نہیں ہوا کہ کوئی جگہ پہلے سے خالی ہو اور کسی کی منتظر ہو کہ جب وہ شخص فارغ ہوگا تو اس کو وہ جگہ مل جائے گی۔ زمانہ ''بقائے اصلح'' کا قائل ہے، وہ بہت ہی حساس اور نقاد ہے، وہ صالح کے بجائے اصلح اور نافع کے بجائے انفع کو ترجیح دیتا ہے۔ لہذا اگر آپ کے اندر یہ چیزیں ہیں تو ہر زمانہ آپ کا ہے، اور آپ کا منتظر ہے، زمانے کا شکوہ دراصل اپنی کمزوری چھپانے کی کوشش اور احساس کمتری کی علامت ہے، دنیا نہیں بدلی ہے ہم بدل گئے ہیں، زمانہ آج بھی وہی ہے، جو پہلے تھا، تبدیلی صرف ہمارے اندر پیدا ہوئی ہے۔

آخری بات:

اگر ہمارے سامنے یہ تصور اور یہ خیال نہ ہوتا تو یقینا ہمارے لئے اس زمانے میں قطعا یہ جائز نہ تھا کہ ہم کسی ایک مسلمان بچے کو اس کے ماں باپ سے الگ کر کے ایسی تعلیم دلاتے جس کی دنیا میں بظاہر کوئی قیمت نہیں، لیکن یہی تین باتیں ہیں، اخلاص، جذبہ قربانی اور جوہر ذاتی، جس کی وجہ سے ہم کو اس کا پورا پورا حق حاصل ہے، اور اس کا پورا پورا جواز بلکہ ضرورت ہے کہ صرف ایک دارالعلوم ندوۃ العلماء ہی نہیں ہندوستان میں دارالعلوم دیوبند، مظاہر العلوم سہارنپور، اور اس طرح کے جتنے بھی ادارے قائم ہیں، وہ قائم رہیں، اور ترقی کریں۔ ہمیں امید ہے کہ ہمارے وہ طلباء، جو ہم سے رخصت ہو رہے ہیں، وہ اپنی آنے والی زندگی میں ان اصولوں کو اپنائیں گے، اور وہ طلباء، جنہیں ابھی موقع حاصل ہے اور وہ کچھ سال یہاں گذاریں گے، زیادہ سے زیادہ ان اصولوں سے فائدہ اٹھائیں گے، اس کے ساتھ ہمیں اپنے رخصت ہونے والے بھائیوں سے یہ امید ہے کہ وہ اپنے دارالعلوم سے ہر حال میں تعلق رکھیں گے، اور اس کو اپنا نصب العین بنائیں گے۔

وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین

علماء اور تعلیم یافتہ طبقہ کی ذمہ داریاں

یہ تقریر جامع مسجد فیصل آباد میں ۲۲ جولائی ۱۹۷۸ء کو علماء، جدید تعلیمی اداروں کے اساتذہ، معززین شہر اور مختلف دینی، سیاسی، سماجی، علمی، ادبی اور ثقافتی حلقوں سے وابستہ حضرات سے ایک مخصوص و منتخب جلسہ میں کی گئی۔ مولانا مفتی سیاح الدین کاکاخیل (اسلامی نظریاتی کونسل) نے خیر مقدمی تقریر فرمائی۔

الحمد للہ و کفی وسلام علی عبادہ الذین اصطفی. اما بعد.

حضرات علماء کرام اور اساتذہ مدارس و جامعات!

قبل اس کے کہ آپ حضرات سے کوئی تفصیلی اور معین بات کہوں، ایک اصولی اور اجمالی بات کرنا چاہتا ہوں۔

علماء اور تعلیم یافتہ طبقہ کی ذمہ داریاں:

اس وقت علماء اور تعلیم یافتہ طبقہ کی ذمہ داری بہت بڑھ گئی ہے، جب کسی دعوت یا کوشش کے ساتھ اعلیٰ طبقہ کے وہ لوگ جو ذہین اور صاحب فکر سمجھے جاتے ہیں اور جو دین کا گہرا علم رکھتے ہیں تو اس میں سنجیدگی، گہرائی اور پختگی ہوتی ہے اور اس کے بارے میں یہ امید ہوتی ہے کہ وہ کسی غلط راستے پر نہیں پڑے گی۔ اس تحریک میں جذباتیت نہیں ہوگی، اس میں عامیانہ اور تبذل انداز نہیں ہوگا۔ اس وقت عالم اسلام میں علماء کی اور دینی جماعتوں اور قائدین کی ذمہ داری بہت بڑھ گئی ہے۔ یہ ذمہ داری ہر زمانے میں زیادہ رہی ہے۔ لیکن اس زمانے میں وہ خاص طور پر بہت عظیم بن گئی ہے کہ وہ صحیح رہنمائی کریں گے اور تحریک دعوت اور جدوجہد کو سطحیت سے بچائیں گے، اس کے متعلق یہ تصور اور یہ تاثر قائم ہونے نہ دیں گے کہ دریا کا حباب ہے، بلکہ اس کے متعلق یہ تاثر دیں گے کہ اس کی جڑیں گہری اور علم و دین کی زمین میں پیوست ہیں۔

مسلم حکومتوں میں علماء کا کارنامہ:

خلافت بنی امیہ، خلافت بنی عباس کی پشت پر اگر علماء ومجتہدین نہ ہوتے تو اسلام بہ حیثیت نظام حیات کے ایک مرتب ومدون قانون کی شکل میں موجود نہ ہوتا۔

تاریخ میں ان لوگوں کی خدمات کو سراہا جاتا ہے جو ملک فتح کرتے ہیں۔ ہمارے بڑے بڑے قائدین طارق بن زیاد محمد بن قاسم، عقبہ بن نافع، موسیٰ بن نصیر وغیرہ حضرات کی خدمات روز روشن کی طرح تابناک ہیں، لیکن جو لوگ مفتوحہ ممالک میں اللہ کے قانون کو رائج کرتے تھے اور وہاں کی مشکلات ومسائل حل کرتے تھے وہاں کی پیش آمدہ ضروریات کی تکمیل کرتے تھے، نئے نئے حالات جو پیدا ہوتے تھے ان میں رہنمائی کرتے تھے، ان کی خدمات کو بہت کم لوگ جانتے ہیں، حالانکہ اگر ائمہ مجتہدین، محدثین عظام، اس زمانہ میں نہ محنت کرتے اور ان کا دماغ اس تلوار کے پیچھے نہ ہوتا جو ملک کو فتح کرتی تھی اور اس حکومت کے پیچھے نہ ہوتا جو ملک میں نظم ونسق قائم کرتی تھی تو یہ سب کوششیں، فتوحات اور سلطنتیں بالکل کھوکھلی تھیں۔

مسلمانوں کے فاتح اسلام کے مفتوح:

مثال کے طور پر عرض کرتا ہوں کہ تاتاریوں نے عالم اسلام کو زیروزبر کرڈالا، عالم اسلام کی چولیں ہلا دیں، اس وقت مسلمانوں سے زیادہ ذلیل کوئی نہیں تھا۔ آپ اس زمانہ کی تصاویر دیکھیں جو آثار قدیمہ میں ملتی ہیں تو اس سے اندازہ ہوگا کہ کسی مسلمان کی داڑھی کسی گھوڑے کی دم سے بندھی ہے اور ایک تاتاری اسے کھینچے لئے جا رہا ہے، دنیا کی ہر قوم ان کی نگاہ میں عزت رکھتی ہے لیکن مسلمانوں سے زیادہ کوئی ذلیل نہ تھا اور خاص طور پر اس خطہ زمین کے مسلمان جو مسلمانوں کی تہذیب وثقافت کا مرکز رہ چکا تھا۔ یعنی ایران اور ماوراء النہر کا علاقہ جو آخر میں فقہ کا (خاص طور پر فقہ حنفی) کا مرکز رہا ہے، لیکن آپ حضرات اس سے واقف ہیں کہ وہی تاتاری جو مسلمانوں کے فاتح تھے، اسلام کے مفتوح بن گئے اور جن کو مسلمانوں کی تلوار شکست نہ دے سکی، ان کو مسلمانوں کی تہذیب نے، مسلمانوں کی ثقافت نے، مسلمان کے علم نے تسخیر کر لیا اور ان کو اپنے بے دام غلام بنا لیا۔ بات یہ تھی کہ تاتاریوں کے پاس کوئی علمی ذخیرہ، کوئی شائستہ تہذیب اور کوئی مرتب ووسیع قانون نہ تھا، ان کا ایک سیدھا سادھا روایتی قانون تھا جو قبائلی

زندگی میں رائج تھا اور کوہ قراقرم اور اس کے اطراف میں اس کا عمل دخل تھا۔ نیم وحشی اقوام میں جیسے "عرف" ہوتے ہیں، وہ ویسے تھے، ان کے پاس کوئی آئین، کوئی تہذیب، کوئی لٹریچر نہیں تھا، نتیجہ یہ ہوا کہ ان کو مسلمان علماء اور دانشوروں کی ضرورت پڑی۔ مسلمان علماء اور دانشور جب ان کے دربار میں پہنچے تو ان کی علمیت کا، ان کی ذہانت کا سکہ ان کے دلوں پر بیٹھ گیا۔ اسلامی تہذیب نے ان کو اپنا گرویدہ بنالیا، نتیجہ یہ ہوا کہ تاتاری من حیث القوم مسلمان ہوگئے۔ مسلمان چونکہ صاحب دماغ تھے، ان کے پاس ذہانت کے سرچشمے تھے، ترقی یافتہ تہذیب تھی، ایک وسیع ثقافت اور علمی ذخیرہ تھا، وہ آئین سازی کا تجربہ رکھتے تھے، تمدنی مشکلات و مسائل کو حل کر سکتے تھے، تاتاریوں کو ان کی ضرورت پیش آئی، ، فلسفہ تاریخ کا یہ ایک اہم اصول ہے کہ جنگی طاقت اس وقت تک کامیاب نہیں ہوسکتی جب تک اس کے پیچھے دماغ نہ ہو، آئین سازی کی طاقت نہ ہو اور کوئی منظم ادارہ نہ ہو۔

یہ دین جہالت سے نہیں بلکہ علم سے پیدا ہوا ہے:

عصر جدید میں عالم اسلام کے علماء، جامعات کے اساتذہ اور پروفیسر صاحبان اور ہمارے قانون دان اور ہمارے ادیب و دانشور طبقہ کی ایک ذمہ داری تو یہ ہے کہ وہ یہ ثابت کریں کہ یہ دین جہالت کے بطن سے اور فوجی طاقت سے نہیں پیدا ہوا ہے، معرفت سے پیدا ہوا ہے، اللہ کی رہنمائی سے پیدا ہوا ہے، وحی سے پیدا ہوا ہے، یہ زمانے کا ساتھ دے سکتا ہے، یہ تمدن کی رہنمائی کر سکتا ہے، اس کی نگرانی کر سکتا ہے کہ یہ تمدن بے راہ نہ ہونے پائے، فاسد نہ ہونے پائے، تخریبی راستہ اختیار نہ کرنے پائے، یہ تاثیر علماء دین اور اعلیٰ تعلیم یافتہ طبقہ ہی دے سکتا ہے اور یہ بڑی ذمہ داری ہے، اگر کسی دین یا کسی قوم کے متعلق یہ خیال قائم ہو جائے کہ اس کا علم کے ساتھ کوئی جوڑ نہیں ہے بلکہ علم سے اس کو نقصان پہنچتا ہے اور جہالت سے اس کو فائدہ تو خواہ تھوڑے عرصے کے لئے اپنے زور شمشیر، اپنے بازو سے وہ دعوت یا جماعت یا قوم دنیا کے کسی حصے پر قبضہ کر لے لیکن دماغوں پر اس کا قبضہ نہیں ہو سکتا، سب یہی خیال کریں گے کہ اس کو زندہ رہنے کے لئے جہالت کی تاریکی چاہئے، جب تک وہ تاریکی رہے گی، وہ زندہ رہے گا اور جب علم آئے گا وہ غائب ہو جائے گا، اس کا پردہ چاک ہو جائے گا اور جس طرح

بدلی آفتاب کی روشنی سے چھپ جاتی ہے۔ اسی طرح وہ چھپ جانے کا، عیسائیت کا معاملہ یہی ہوا، عیسائیت نے علم کا ساتھ نہیں دیا، عیسائیت ایک خالص روحانی تحریک اور ایک معاشرتی انقلاب کے طور پر آئی۔ حضرت مسیح علیہ السلام کا جب تک زمانہ رہا ان کی مقبولیت، ان کا تقدس، ان کی روحانی طاقت، تمدنی ترقی رہی۔ لیکن اس کے بعد پھر اس کو ایک زمانہ تک ذہین اور صاحب نظر لوگوں کا تعاون حاصل نہ ہوا، پھر جب مسیحیت یورپ میں پہنچی تو سمجھا گیا کہ یہ زندگی کا ساتھ نہیں دے سکتی، اس لئے زندگی سے اس کو علیحدہ کر لینا چاہئے۔

عیسائیت مستقل شریعت نہیں رکھتی تھی:

یورپ اس وقت ترقی کر رہا تھا، یورپ کے اندر ترقی کی طاقتیں اور ولولے جوش مار رہے تھے، یورپ میں تنازع للبقاء کے لئے سخت کشمکش تھی، ان کی پلک ذرا جھپک جاتی تو یہ قوم کی قوم بالکل مغلوب ہو جاتی، عیسائیت جو ابھی بالکل اپنے دور طفولیت میں تھی، جس کی ابھی نہ تدوین تھی نہ تشریح، نہ ان کے پاس آئین تھا، آئین میں وہ سارا انحصار یہودیت پر کرتی تھی۔ مسیحیت اپنے ساتھ کوئی مستقل شریعت نہیں رکھتی تھی، شریعت موسوی تھی، جس میں جزوی تبدیلی کی گئی تھی، ولاحل لکم بعض الذی حرم علیکم کہا گیا ہے، یہ نہیں کہا گیا ہے کہ میں تمہارے لئے مستقل شریعت لے کر آیا تو جو چیزیں یہودیت میں غلط طور پر داخل ہوگئی تھیں، مسیحیت ان کی اصلاح کرتی تھی، ان کے پاس مستقل کوئی آئین نہیں تھا اور ان کا زیادہ تر زور رحم پر، محبت پر، انسان دوستی پر، مظلوموں پر شفقت پر، اجارہ داری اور اس کے غرور کو ختم کرنے پر تھا، جب یورپ جیسے بے چین ملک اور وہاں کی بے چین قوموں میں جو زندگی کے لئے دوڑ رہی تھیں مچل رہی تھیں، عیسائیت پہنچی تو یہ حقیقت بہت جلد منکشف ہوگئی کہ عیسائیت بدلتے ہوئے زمانہ، دوڑتے ہوئے معاشرے اور ابلتے ہوئے علم کا ساتھ نہیں دے سکتی، اس وقت مسیحی علماء کی بہت بڑی ذمہ داری تھی کہ وہ مسیحیت کی افادیت کو ثابت کرتے اور رہنما اصول دیتے، زمانہ کے جائز تقاضوں اور فطرت انسانی کی جائز خواہشات کو قبول کرتے اور کہتے کہ یہ ٹھیک ہے، لیکن اس کے ساتھ مذہب کی ہدایت اور نگہبانی چاہئے، یہ انہوں نے نہیں کیا، وہ دو گروہوں میں بٹ گئے، حاکمانہ گروہ نے مسیحیت کو بس عقیدہ کے طور پر تسلیم کیا اور باقی

زندگی کو، آئین کو، آئین سازی کو کھلی چھوٹ دے دی، دوسرا طبقہ علماء کا تھا۔ انہوں نے مخالفت شروع کردی اور کہا ترقی ضروری نہیں ہے، بلکہ ترقی زندگی سے فرار میں ہے، کلیساؤں میں جانے میں، جنگلوں میں چھپ جانے میں، شادی نہ کرنے میں، ازدواجی زندگی سے منہ موڑ لینے میں، عورت کے سایہ سے بھاگنے میں ہے، اور اس میں روحانیت کا بچاؤ ہے، نتیجہ یہ ہوا کہ دونوں طبقوں نے عیسائیت کو فائدہ پہنچانے کے بجائے نقصان پہنچایا، جو حاکم طبقہ تھا، اس نے آزادی کے ساتھ اپنے تمدن کا ڈھانچہ بنانا شروع کیا، لوگوں کو غلام بنانا شروع کیا جو مسیحیت کی تعلیم کے خلاف تھا، اس نے مسیحیت کو بدنام کیا، سینٹ پال کے زمانہ سے یہ سلسلہ شروع ہوا اور یہ تقریباً چوتھی صدی عیسوی سے آج تک جاری ہے، یورپ اسی راستے پر گامزن ہے، نتیجہ یہ ہوا کہ لوگوں نے کلیسا سے رشتہ توڑ لیا، کلیسا اور ریاست میں ہمیشہ کے لئے جدائی ہوگئی اور عیسائیت سمٹتے سمٹتے ایک نقطہ ہوگئی۔

اسلام اور علم کا چولی دامن کا ساتھ ہے:

یہ غلطی عالم اسلام میں الحمد للہ نہیں ہونے پائی، اس لئے کہ شروع سے اسلام اور علم کا چولی دامن کا ساتھ تھا۔ میں نے کراچی یونیورسٹی میں تقریر کرتے ہوئے کہا تھا کہ جس کی پہلی وحی ''اقراء'' کے لفظ سے شروع ہوئی ہو اور جس کی پہلی وحی میں قلم کو فراموش نہ کیا گیا ہو وہ علم اور قلم کا ساتھ کیسے چھوڑ سکتا ہے؟ اسلام میں اس کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا ہے کہ دین وعلم میں کبھی بھی دوری ہوگی، اس لئے کہ اسلام اور علم کا شروع سے ساتھ رہا ہے، جب بدر کے قریشی قیدی مدینہ پہنچے تو ان میں کئی ایسے تھے کہ وہ فدیہ ادا کر کے رہائی نہیں حاصل کر سکتے تھے، ان کا فدیہ یہ مقرر کیا گیا کہ ہر شخص انصاریوں اور مہاجرین کے دس دس بچوں کو پڑھنا لکھنا سکھادے۔

اسلام زمانہ کا رفیق ہی نہیں بلکہ راہنما ہے:

اس وقت عالم اسلام میں اہل عرب کی سب سے بڑی ذمہ داری یہ تھی کہ یہ تاثر نوجوان طبقہ میں نہ آنے پائے کہ اسلام محض طاقت اور حکومت کے بل پر قائم رہ سکتا ہے، وہ زمانہ کی تبدیلیوں اور علم وفن کی ترقیوں کا ساتھ نہیں دے سکتا، وہ اس زمانہ مین چلنے والی چیز نہیں، وہ ابتدائی، سادہ اور محدود زمانہ کا ساتھ دے سکتا تھا، جب انسانیت عہد طفولیت میں تھی، لیکن اس

پہنچی ہوئی ترقی یافتہ اور وسیع تمدن کے دور میں اسلام زندگی کا ساتھ نہیں دے سکتا، سب سے بڑی خدمت علماء کی یہ تھی کہ اسلامی ملکوں میں اس چیلنج کو قبول کرتے اور اپنی ذہانت سے، کچھ اپنے تفقہ سے، اصول فقہ سے کام لیتے، اس صلاحیت سے، کتاب و سنت کے ان ازلی اور ابدی اصولوں کی مدد سے جو ہر زمانہ میں کام دے سکتے اور زندگی کی رہنمائی کر سکتے ہیں، اس تمدن اور اسلام کے اصولوں سے تطبیق دینے کی کوشش کرتے، اس میں اگر ان سے کہیں ذرا سی چوک بھی ہوتی تو اس کا نتیجہ صرف یہ ہو سکتا ہے وہ بے عملی اور شریعت سے خلاف زندگی ہے، اور بڑے سے بڑا نقصان جو ہو سکتا ہے وہ الحاد اور دین سے بغاوت ہے، کسی اسلامی ملک میں آپ دیکھتے ہیں کہ دوسرا نتیجہ ظاہر ہوا اور کسی اسلامی ملک میں دیکھتے ہیں کہ پہلا نتیجہ ظاہر ہوا، اس لئے دونوں نتیجے اسلامی ملکوں میں موجود ہیں، سب سے بڑا کام اس وقت یہ ہے کہ ہم یہ ثابت کریں کہ اسلام اپنی ان روح اور مقاصد کے ساتھ اپنے ان اصولوں کے ساتھ زندگی کا نہ صرف ساتھ دے سکتا ہے بلکہ زندگی کی رہنمائی کر سکتا ہے، ہم تو دین کو جیسے علامہ اقبال نے کہا، وہ تو بہت ہی معمولی بات ہے، یہ اسلام کی کوئی تعریف نہیں ہے کہ وہ زندگی کا ساتھ دے سکتا ہے، نہیں بلکہ وہ تو زندگی کی رہنمائی کر سکتا ہے، اس کو خطرات سے صرف وہی بچا سکتا ہے اور وہ تمدن صحیح انسانی تمدن نہیں اور وہ ریاست معتدل اور محفوظ ریاست نہیں جو اسلام کے اصولوں سے ہٹ جائے، یہ ثابت کرنا ہمارا سب سے بڑا فریضہ ہے۔

اسلام کو ہر مفاد پر ترجیح دیجئے:

علماء اور دانشوروں کا دوسرا فریضہ یہ ہے کہ اسلام کے مفاد کو ہر جماعت، ہر ادارہ، ہر مدرسہ اور ہر گروہ کے مفاد پر ترجیح دیں، میں آپ سے صاف کہتا ہوں کہ اگر ہمیں معلوم ہو کہ سب جماعتوں کو مٹا دینا پڑے گا، سارے نشانوں کو نکال دینا پڑے گا، سارے ناموں کو ختم کر دینا پڑے گا، سارے بورڈوں کو ہٹا دینا پڑے گا اور اسلام اس ملک میں غالب رہے گا تو ہمیں ایک منٹ بھی اس میں پس و پیش نہیں ہونا چاہئے۔ ہمیں دین و ملت کا مفاد ہر جماعت سے عزیز ہونا چاہئے، سہرا کسی کے سر بندھے، سہرا ہونا چاہئے۔ حضور ﷺ کا معجزہ یہ تھا کہ صحابہ کرامؓ کے دل سے یہ شوق نکل گیا تھا کہ ان کا کارنامہ سمجھا جائے۔

بخاری کی روایت ہے کہ حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ نے ایک مجلس میں واقعہ کے طور پر ذکر کیا

کہ ہم لوگ ایک غزوہ میں گئے تھے، وہاں ہمارے پاؤں میں چھالے پڑ گئے تھے، ہم نے چیتھڑے لپیٹ لئے، اسی وجہ سے وہ غزوہ ذات الرقاع کہلاتا ہے، یہ کہنے کے بعد ان کو ایک دم یہ احساس ہوا کہ میں نے یہ کیوں کہا، کہیں میرا یہ عمل باطل نہ ہو گیا ہو، کہیں اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ نہ کہہ دیا جائے کہ لوگوں نے سن لیا اور بڑا مجاہد سمجھا، یہ کافی ہے، اب ہم سے کیا لینے آئے ہو؟ تو بخاری شریف میں خاص طور سے ہے کہ انہوں نے کہا کاش میں یہ نہ کہتا، ان کو اس کا افسوس رہا۔ آج اس پر زیادہ زور ہے کہ یہ کارنامہ کس طرف منسوب ہوگا، ایک صاحب تھے غازی محمود دھرم پال، آپ ہی کے پنجاب کے، مجھے ان کا ایک لطیفہ یاد آ گیا، ایک تقریر میں کہنے لگے اخباروں میں چھپتا ہے کہ فلاں آدمی فلاں صاحب کے دست حق پرست پر اسلام لایا، بتا کہ اس کے اسلام قبول کرنے کے ساتھ ان کے دست حق پرست کی بھی شہرت ہو جائے، حالانکہ دست حق پرست کی شہرت زیادہ منظور ہے۔ قبول اسلام کی شہرت ہو یا نہ ہو، یہاں تک کہ بعض لوگوں کو میں نے دیکھا ہے کہ کسی بڑے آدمی کا جنازہ ہوتا ہے، لپک کر پہنچ جاتے ہیں جنازہ کی نماز پڑھانے کے لئے، اس لئے کہ اخبار میں کل یہ خبر چھپ جائے گی، یہ جذبہ بڑا نقصان پہنچاتا ہے، دیکھئے جب کسی کا عزیز جان بلب ہوتا ہے تو اس کے عزیزوں میں کسی کو یہ خیال نہیں ہوتا کہ تعریف کس کی ہو، سب کی یہ تمنا ہوتی ہے کہ ہمارا مریض بچ جائے، حکیم کے سر سہرا بندھے یا ڈاکٹر کے، تو اس وقت عالم اسلام بیمار ہے، آپ کا ملک بیمار ہے، آپ اس وقت بھول جائیے کہ کس کے حساب میں لکھا جائے گا اور تاریخ میں لکھنے والے کیا لکھیں گے کہ اس ملک کو سب سے زیادہ نفع فلاں ادارہ، فلاں جماعت سے پہنچا اور اس میں سب سے بڑا حصہ ان کا تھا۔ تاتاریوں کے بارے میں آج تک یہ ثابت نہ ہو سکا کہ ان کو مسلمان کرنے میں سب سے بڑا حصہ کس کا تھا، اس لئے کہ ان مخلصین نے جنھوں نے یہ خدمت انجام دی تھی اپنے کو اتنا چھپایا کہ تاریخ کی باریک بیں نگاہ بھی ان کو نہیں دیکھ سکی۔

اس وقت جو لڑائی لڑی جا رہی ہے، اس ملک کو اسلامی آئین دینے کی، اسلامی معاشرت و تمدن میں ڈھالنے کی اور یہاں سے ان خرابیوں کو دور کرنے کی جو مغربی تمدن نے اور ہمارے سیاستدانوں نے داخل کر دی ہیں، اس لڑائی میں فوج کے ادنیٰ سپاہی بن جائیں، خالص اللہ کی رضا کے لئے کام کیجئے، اللہ کے یہاں آپ کا نام اس کے نورانی دفتر میں لکھا جائے گا، یہاں ہوا

تو کیا اور نہ ہوا تو کیا، اس وقت لڑائی کسی مکتب خیال کی نہیں ہے، اس وقت لڑائی اسلام اور غیر اسلام کی ہے، اس طرح سمجھئے کہ ایک مسجد تعمیر ہو رہی ہے اس میں جو بھی شریک ہو جائے سب اجر میں شریک ہوں گے، اس میں یہ کس کا کتنا حصہ ہے اور کس کا نام پہلے ہے اور کس کا نام بعد میں ہے، یہ نہیں ہونا چاہئے، اس جذبہ کو جہاں تک ہو سکے مغلوب کرنا چاہئے، اپنے اپنے مسلک پر پورے طور پر قائم رہنا چاہیے، جسے ہم حق سمجھتے ہیں، اس کو حق سمجھنا چاہئے، اس سے ہٹنے کی ضرورت نہیں، سودا کرنے کی ضرورت نہیں ہے لیکن سب دعوت اسلامی کا محاذ اور اسلامی زندگی پیدا کرنے کا محاذ بنائیں، اس ملک میں اسلامی زندگی پیدا ہو اور وہ آنکھوں سے دیکھی جاسکے اور یہ ملک دوسروں کے لئے نمونہ بنے۔

ایثار و قربانی:

تیسری بات یہ ہے کہ ہم جتنا بھی ہو سکے ایثار سے کام لیں اور باہمی نزاع سے پرہیز کریں، ہماری زندگی جتنی سادہ ہوگی، ہماری زندگی میں جتنی قربانی ہوگی، اتنا ہی اثر پڑے گا، اتنا ہی بہتر نتیجہ نکلے گا، سب سے خطرناک بات آپس کی نزاع ہے، ہماری آپس کی دینی مباحث کا میدان اور ہے، اس کے کہنے کا موقع اور ہے، حضرت مجدد الف ثانی نے مکتوبات میں لکھا ہے کہ اکبر اس لئے دین سے متنفر ہوا کہ اس نے علماء کو مرغوں کی طرح لڑتے دیکھا، اگر کوئی مسئلہ چھیڑتا تو ان میں آپس میں اتنی تیز بحث ہوتی اور ہر ایک دوسرے پر اپنا تفوق اس طرح ظاہر کرنے کی کوشش کرتا جیسا کہ پکے دنیا والے اور جاہ طلب کرتے ہیں، اکبر نے سوچا کہ یہ کیسے لوگ ہیں، یہ ہمارے وزراء، ارکان سلطنت اور خالص دنیا دار لوگ بھی اس سطح پر نہیں آتے، جب حضرت مجدد صاحب کو یہ معلوم ہوا کہ جہانگیر کا ارادہ ہے کہ وہ چند علماء کو اپنے دربار میں مشورہ کرنے کے لئے رکھے تو انہوں نے نواب سید فرید کو خط لکھا کہ خبردار خبردار! بادشاہ کو رائے دو کہ مخلص اور حقانی عالم صرف ایک آدمی کو رکھے، یہ مجدد صاحب کی فراست ایمانی تھی جو انہوں نے اس بات کو سمجھا، میں نہیں کہتا کہ ہر موقع اور مجلس میں صرف ایک ہی عالم رہے، لیکن میں کہتا ہوں کہ علماء کے آپس کے نزاعات اور بحث اور نفی کرنے سے اور ایک دوسرے کی تذلیل کرنے سے یہ نتیجہ نکلتا ہے۔

خطرے کے اظہار کرنے کا بہر حال ہر شخص کو حق ہے، ایک بچہ بھی خطرہ کا اظہار کر سکتا

ہے کہ یہ دروازہ کھلا رہ گیا ہے، چور نہ آ جائے، اس طرح میں یہ دو تین چیزیں آپ سے کہتا ہوں کہ ایک تو آپ جدید تعلیم یافتہ طبقے کو یہ تاثر لینے دیں کہ کتاب وسنت اور اس کی تشریحات میں فقہ کا اصول اور فقہ کا جو ذخیرہ ہے وہ موجودہ تمدن کا ساتھ نہیں دے سکتا، موجودہ مسائل حل نہیں کرسکتا، یہ خیال بڑا خطرناک ہے، یہ الحاد تک پہنچا سکتا ہے، دوسری بات یہ ہے کہ آپ عمل سے عوام پر اور خواص پر جو حکومت میں ہیں یہ تاثر دیں کہ آپ کی سطح بلند ہے عوام کی سطح سے، آپ کی زندگی میں سادگی نظر آئے، وہ دیکھیں کہ آپ تھوڑی چیز پر قناعت کررہے ہیں یہ نہیں کہ آپ چاہیں کہ آپ کی بڑی بڑی تنخواہیں ہوں اور گریڈ ہوں اور جو تنخواہیں وزراء کو مل رہی ہیں اور ان کو جو فوائد اور مواقع حاصل ہیں وہ ہم کو بھی حاصل ہوں، ہماری کیڈلک کار ہو، ہمارے پاس بھی کوٹھی ہو اور وہ کسی وزیر کی کوٹھی سے کم نہ ہو، بلکہ صاف صاف میں یہ کہوں گا کوئی بوریہ نشین ہو تو زیادہ کام کرسکتا ہے، اس لئے کہ یہ طبقہ اسی کے سامنے جھکتا ہے، میں یہ نہیں کہتا کہ کوئی بے تکلف بوریہ نشین بنے، میں اس کی تعلیم نہیں دیتا، لیکن یہ واقعہ ہے، یہ طبقہ اسی کے سامنے آ کر جھکتا ہے اور مانتا ہے جس کو سب سے زیادہ بے نیاز دیکھتا ہے۔ حضرت مجدد کے سامنے وقت کے شہنشاہ کیوں جھکے؟ اس لئے کہ یہ اللہ کا بندہ نہ کبھی کسی کی سفارش کرتا ہے اور نہ کبھی دربار میں آتا ہے، بیٹھا اللہ اللہ کرتا ہے۔ بیٹھے بیٹھے مشورہ دیتا ہے، ہمارے تمام مشائخ نے یہی کیا، کبھی بادشاہوں کے قریب نہیں گئے مگر دور سے نگرانی کرتے رہے، حکومت کو اچھے آدمی دیتے رہے، دعا کرتے رہے، ان کے حق میں، مشورہ دیتے رہے، لیکن وہ کہتے تھے کہ آگ کو دور سے تاپو تب تو ٹھیک ہے، اگر ہاتھ ڈال دو گے تو جل جاؤ گے۔

یہ چند باتیں ہیں جو میں نے مختلف موقعوں پر عرض کی ہیں، سب کا ماحصل یہی ہے کہ اس وقت بڑا امتحان ہے ہمارا، پھر عالم اسلام کا امتحان ہے، ہمیں اپنی صلاحیت کا ثبوت دینا چاہئے، کہیں ہماری صلاحیت کی کمی سے اسلام کو نقصان نہ پہنچ جائے، کوئی یہ نہ کہے اور لکھے کہ علماء کی عدم صلاحیت سے یہ ہوا۔ میں اتنی باتیں بہت معذرت کے ساتھ آپ کی خدمت میں عرض کرتا ہوں۔ اللہ تعالیٰ مجھے اور آپ کو اس کی توفیق عطا فرمائے۔

اسلام اور علم کا دائمی رشتہ

۲۵ نومبر ۱۹۸۳ء کو مدرسہ مطلع العلوم امین (ہندوستان) کی جدید عمارت کے سنگ بنیاد کے
موقعہ پر کی گئی تقریر

نحمده ونصلی علی رسوله الكريم اما بعد وماكان المومنون لينفروا كافة ، فلولا نفر من كل فرقة منهم طائفة ليتفقهوا فى الدين ولينذروا قومهم اذا رجعوا اليهم لعلهم يحذرون.

اور یہ تو ہو نہیں سکتا کہ مومن سب کے سب نکل آئیں تو یوں کیوں نہ کیا کہ ہر ایک جماعت میں سے چند اشخاص نکل جاتے تاکہ دین (کا علم سیکھتے اور اس) میں سمجھ پیدا کرتے، اور جب اپنی قوم کی طرف واپس آتے تو ان کو ڈر سناتے، تاکہ وہ حذر کرتے۔

میرے عزیزو، بھائیو! اور دوستو! ابھی آپ نے مولانا برہان الدین صاحب استاذ تفسیر دارالعلوم ندوۃ العلماء کی بڑی جامع مانع تقریر سنی میں بھی اس سے استفادہ کر رہا تھا۔ علماء کا اصل منصب کیا ہے؟ وہ نائبین نبی ہیں،، اور نبوت کے فرائض یا اس کے منصبی کام اور اس کے شعبے کیا ہیں؟ وہ انہوں نے شرح وبسط کے ساتھ بیان کئے تلاوت کتاب، پھر تعلیم کتاب، تعلیم حکمت بعض حضرات نے اس کو الگ الگ شمار کیا اور پھر تزکیہ، اس پر انہوں نے بڑے مناسب طریقہ سے روشنی ڈالی۔

اسلام اور علم کا رابطہ

حقیقت یہ ہے کہ اسلام کا اور علم کا چولی دامن کا ساتھ ہے، اسلام علم کے بغیر نہیں رہ سکتا، واقعہ تو یہ ہے کہ علم بھی اسلام کے بغیر نہیں رہ سکتا لیکن یہ کسی اور مجلس میں شرح وبساط کے ساتھ کہنے کی بات ہے وہ علم علم ہی نہیں جو دین کی سرپرستی اور وحی کی رہنمائی بلکہ وحی اور علوم نبوت کی انگلی پکڑ کر کے نہ چلے اور جس پر دین کی مہر تصدیق ثبت نہ ہو، اور جو وحی اللہ تبارک وتعالیٰ کے بھیجے ہوئے اور اس کی نازل کی ہوئی کتابوں کی سرپرستی میں، اتالیقی میں، نگرانی میں، رہنمائی میں نہ ہو، وہ علم علم نہیں۔

ع علمے کہ رہ بحق نہ نماید جہالت است

اس وقت ہمارا آپ کا موضوع ہے کہ اسلام بغیر علم کے نہیں رہ سکتا، اس کی مثال بالکل ایسی ہے جیسے آپ مچھلی کو پانی سے نکال دیجئے تو اس کا دم گھٹنے لگتا ہے اور وہ مر جاتی ہے، تو اسی طریقہ سے اسلام کے لئے علم ضروری ہے، خدا کی صحیح معرفت ہو، اس کی ذات وصفات کی صحیح معرفت ہو، اس کا بندوں کے ساتھ کیا تعلق ہے، بندوں کا اس کے ساتھ کیا تعلق ہونا چاہئے، زندگی کا مقصد کیا ہے؟ آغاز کیا ہے انجام کیا ہے؟ ابتدا کیا ہے انتہا کیا ہے؟ انسان کہاں سے آیا کیوں آیا، کہاں اس کو جانا ہے اور پھر کیا ہونا ہے اس سب کا علم ہونا ضروری ہے، اسی لئے اسلام علم کو چاہتا ہے وہ علم کو ضروری قرار دیتا ہے۔

پہلی وحی میں علم وقلم کا تذکرہ

پہلی وحی جو رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر غار حرا میں نازل ہوئی اور سینکڑوں برس کے بعد آسمان وزمین کا پہلی مرتبہ جو رشتہ قائم ہوتا ہے، زمین کیسے کچھ لینے کیلئے اور آسمان کیلئے کچھ دینے کیلئے برسوں کے بعد وہ بچھڑے ہوئے ملتے ہیں وہ ایک دوسرے کو کیا کیا فغاں وفریاد، شکایتیں اور حکایتیں سناتے ہیں لیکن اس وقت جو یہ دو بچھڑے ہوئے ملے تو آسمان سے اس نبی کو جس کو زمین والوں کا رشتہ اللہ سے جوڑنا تھا سب سے پہلا پیغام ''اقراء'' کی شکل میں ملا، اس سے آپ علم وقلم کی اہمیت وعظمت سمجھئے جن کو اس پہلی وحی اور پیغام آسمانی میں عزت کا مقام دیا گیا۔

شیخ سعدی علیہ الرحمتہ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شان میں کہا تھا

کتب خانہ چند ملت بشست

لیکن آپ نے کتب خانے اتنے دھوئے نہیں جتنے کتب خانے بنا دیئے وہی کتب خانے دھوئے جن کو دھونا چاہئے تھا لیکن دھو کر کے پھر کیا دیا؟ نور دیا، یقین دیا، اللہ کی صحیح معرفت عطا فرمائی، انسان کو انسان بنا دیا اور جاہل انسان بلکہ حیوان صفت انسان کو دنیا کا معلم بنا دیا بقول اکبر۔

؎ جو نہ تھے خود راہ پر، غیروں کے ہادی بن گئے
کیا نظر تھی، جس نے مردوں کو مسیحا کر دیا

تعلیم وتعلم کی ضرورت اور اس کا انتظام

دنیا کی کوئی قوم علم سے مستغنی ہوسکتی ہے کہہ سکتی ہے کہ نہیں، ہمارا کوئی نقصان نہیں، ہم پر کوئی واجب نہیں، ضروری نہیں کہ ہم پڑھیں اور پڑھائیں، بچوں کی تعلیم کا انتظام کریں، لیکن روئے زمین پر قیامت تک مسلمان کہیں بھی آباد ہوں، وہ چاہے مقامات مقدسہ ہوں، چاہے جزیرۃ العرب ہو، چاہے یورپ وامریکہ ہو، چاہے ہندوستان کی سرزمین ہو، شہر ہو، قصبہ ہو، دیہات ہو جہاں مسلمانوں کے چار گھر بھی ہیں بلکہ جہاں چار مسلمان بھی پائے جاتے ہیں۔ وہاں ان کے لئے ضروری ہے کہ وہ ''اقرأ'' کا سامان کریں۔ وہ اس کی تعمیل کریں کہ یہ ہو یہ کام شفاخانوں کے قیام سے زیادہ ضروری ہے، اور آپ کی دکانوں سے زیادہ ضروری ہے، یہ کارخانوں سے زیادہ ضروری ہے، اس میں سے کسی چیز کے لئے اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کو مامور نہیں فرمایا، یہ نہیں فرمایا کہ تجارت کرو، کماؤ کہ یہ بھی بہت بڑی طاقت ہے، دین حق کو غالب کرنے کیلئے خوب پیسہ پیدا کرو، خوب دولت جمع کرو، اپنی امت کو یہ سبق سکھاؤ یہ کہیں نہیں فرمایا، فرمایا تو یہ فرمایا ''اقرأ'' (پڑھو) اب بتائیے کہ علم کا کیا مقام ہے؟

اچھا پھر وہ علم جو منجانب اللہ حاصل ہوتا ہے، ایک علم لدنی ہوتا ہے، اللہ تعالیٰ کسی کسی کا سینہ کھول دیتا اور اسے علوم کا گنجینہ بنا دیتا ہے، ان کی زبان سے حکمت ابلتی ہے، یہ سر آنکھوں پر ہم ان کو اپنے سے ہزار درجہ افضل مانتے ہیں ان کا سایہ پڑ جائے تو ہم سمجھیں کہ ہم آدمی بن جائیں گے لیکن ''اقرأ'' اپنی جگہ پر رہے گا۔ ان حضرات کو بھی ضرورت ہے کہ وہ مسئلہ پوچھیں عالموں سے بڑے بڑے صاحب ادراک صاحب کشف بھی نماز کا مسئلہ پوچھتے ہیں۔

یہ ''اقرأ'' کا سلسلہ ایسا ہے کہ نبی امی سے شروع ہو کر آخری امتی امی تک (یعنی جو لفظاً بے پڑھا ہے) جاری رہے گا، کتنے ہی دنیا میں انقلابات آئیں، سلطنتیں بدلیں، تہذیبیں بدلیں، اور انقلاب عظیم برپا ہوئے، زبان بدل جائے، تعلیم وتعلم کا سلسلہ جاری رہے گا۔

حفاظت قرآن کا مفہوم

اللہ تعالیٰ نے کسی زبان اور کسی کتاب کی حفاظت کی گارنٹی نہیں لی، قرآن کی حفاظت کا اللہ تعالیٰ نے ذمہ لیا ہے، تو حفاظت کا مطلب یہ تو نہیں ہوتا کہ بس کتاب رہے نہ کوئی اسے سمجھے نہ سمجھائے، اس کے لئے سمجھنے سمجھانے والے بھی ہونے چاہئے، اور وہ کتاب الفاظ میں ہے تو

زبان بھی ہونی چاہئے، الفاظ بغیر زبان کے نہیں رہتے اس لئے عربی زبان بھی رہے گی کتنی زبانیں مٹ گئیں لیکن شریعت الٰہی کی زبان عربی اپنی جگہ پر ہے، اور اس کا علم اپنی جگہ پر ہے، تو ہر جگہ کے مسلمانوں کا فرض ہے کہ وہ اپنے یہاں مقدور بھر دینی تعلیم کا انتظام کریں، ہر جگہ مسائل کے بتانے والے نہ صرف یہ کہ موجود ہوں بلکہ ان کا سلسلہ جاری رہے، یہ بھی مسلمانوں کے ذمہ فرض ہے، مدارس کا سلسلہ ضروری ہے، یہ کوئی شوقیہ تفریحی کام نہیں ہے، یہ خالص دینی ضرورت ہے میں پوری ذمہ داری کے ساتھ کہتا ہوں کہ مساجد کے بعد نمبر دو کی چیز یہی ہے اور سچ پوچھئے تو مساجد کے پشت پناہ بھی یہی مدارس ہیں، اگر مدارس نہ ہوتے تو آپ کو امام کہاں سے ملیں گے، اگر ایسے امام مل گئے جو بس نماز پڑھا دیں تو جمعہ پڑھانے کیلئے اس سے زیادہ چند شرائط ہیں اس کے کچھ اور احکام ہیں پھر اس کے بعد مسائل کیلئے آپ کہاں جائیں گے مسجدوں ہی میں تو جائیں گے امام صاحب سے پوچھنے، امام صاحب کو کوئی علم نہیں ہے بس تھوڑی سی صورتیں یاد کرلیں، اور نماز پڑھانا آگیا، تو یہ مدارس درحقیقت مساجد کے بھی محافظ ہیں اور مساجد کو بھی غذا پہنچاتے ہیں۔

فضلائے مدارس کا فرض

میں نے آپ کے سامنے شروع میں یہ آیت پڑھی تھی ''**وماكان المومنون لينفروا كافة**'' یہ تو نہیں ہوسکتا، یعنی ایک غیر ممکن سی چیز ہے غیر طبعی چیز ہے کہ سب مسلمان کام چھوڑ چھاڑ کر دین سیکھنے کیلئے نکل جائیں، نہ دکان پر کوئی بیٹھنے والا ہو، نہ کوئی خرید وفروخت کرنے والا ہو، نہ کوئی ضرورت پوری کرنے والا، معلوم ہوا سارا شہر چلا گیا، مدرسہ کا طالب علم بن کر یہ ہونے والی بات نہیں ہے، اللہ تعالیٰ ایسی بات نہیں کہتا، نہ اس کا مکلف قرار دیتا ہے، نہ اس کا مطالبہ کرتا ہے، فرماتا ہے کہ یہ تو نہیں ہوسکتا کہ تمام مومنین سب کے سب گھر چھوڑ کر باہر چلے جائیں، ''**فلولا نفر من كل فرقة منهم طائفة**'' پھر ایسا کیوں نہیں ہوتا کہ ہر جماعت میں سے کچھ لوگ اس کیلئے تیار ہوجائیں کہ وہ دین سیکھیں'' **ليتفقهوا في الدين** '' دین کی سمجھ حاصل کرلیں یعنی وہ دین کے احکام ومسائل کا علم حاصل کریں'' **ولينذروا قومهم اذا رجعوا اليهم** '' اور اتنا ہی نہیں کہ خود اپنی ہی ذات کیلئے سیکھ کر بیٹھ گئے، اپنا کام نکال لیا'' **ولينذروا قومهم اذا رجعوا اليهم** '' جاکر اپنی اپنی بستیوں میں ہدایت کا کام کریں واعظ

وارشاد کا کام کریں، اور ان کو خطرات سے مہلکات سے بچائیں، شرک کے مہلکات سے، کفر کے مہلکات سے، ان عقائد سے، ان رسوم سے ان اعمال سے جن سے آدمی بالکل اسلام سے خارج ہو جاتا ہے، اور بعض اوقات وہ اسلام کی سرحد پار کر جاتا ہے، اور مسلمانوں میں اس کا شمار نہیں رہتا، بعض چیزوں سے ایمان چلا جاتا ہے، بالکل آدمی نے کوئی ارتداد اختیار کر لیا " **ولينذروا قومهم اذا رجعوا اليهم** " عالم ہی بتا سکتا ہے، مسلمانوں کا کوئی بڑا شہر ہو، تجارتی مرکز بھی ہو، کھاتے پیتے مسلمان رہتے ہوں ایک مدرسہ بھی وہاں نہ ہو، دین کے موٹے موٹے احکام سکھانے کیلئے قرآن مجید پڑھانے کیلئے، تو پورا شہر گنہ گار ہوگا، بس یہی فرض کفایہ کے معنی ہوتے ہیں پورا شہر خطرے میں ہے، اور خدا کے یہاں سوال ہو سکتا ہے کہ تمہیں توفیق نہیں ہوئی کہ اتنے بڑے شہر میں مدرسہ قائم کرو، یہ بات ایسی نہیں جیسی تہجد پڑھنا، بہت سے لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ تہجد فرض تو ہے نہیں اللہ توفیق دے، کوئی پڑھے تو بڑی اچھی بات ہے، ایسے ہی ان لوگوں نے مدرسہ قائم کر دیا گویا تہجد پڑھ لی یا کوئی خیرات کر دی، یہ بنیادی کام ہے، یہ آپ کیلئے شہ رگ کی حیثیت رکھتا ہے کہ اپنے یہاں بقدر ضرورت کم سے کم دینی تعلیم کا انتظام کریں، آپ کے شہر میں ایسے لوگ ہوں جو وقت پر مسئلہ بتا سکیں اور مسلمانوں کیلئے کوئی خطرہ پیش آ جائے، حلال وحرام، کفر وایمان کا کوئی مسئلہ آ جائے تو اس میں وہ رہنمائی کر سکیں، بتا سکیں کہ یہاں سے یہاں تک تو اسلام ہے اس کے بعد کفر ہے اور اگر تم سمجھنا چاہتے ہو تو ہم تمہیں بتاتے ہیں " **قد تبين الرشد من الغي ، فمن يكفر بالطاغوت ويومن بالله فقد استمسک بالعروة الوثقىٰ** " (البقرة ۲۵۶) اور یہ غی ہے یہ اسلام ہے اور یہ جاہلت ہے یہ بتا سکیں اس کے بعد کرنا نہ کرنا آپ کا کام ہے۔

عوام کی ذمہ داری

بنیاد رکھنے کا مطلب یہ نہیں کہ ہم نے بنیاد رکھ دی ہماری ایک ذمہ داری ہو گئی آپ کی کوئی ذمہ داری نہیں ہے یہ بنیاد تو ہم آپ کی طرف سے رکھیں گے، گویا آپ کے ہاتھوں سے، آپ سب تو ہاتھ نہیں لگا سکتے، تو ہم آپ کی طرف سے آپ کی نیابت کریں گے، خدمت ہم کریں گے کہ وہ پتھر رکھ دیں، لیکن آپ کا کام ختم نہیں ہوتا بلکہ سچ پوچھئے تو اس سے شروع ہوتا ہے، اب آپ کی ذمہ داری ہے کہ اس مدرسہ کو ترقی دیں، باقی مشورہ کا معاملہ ہے استادوں کا مسئلہ

ہے، کتابوں کا مسئلہ ہے، نصاب کا مسئلہ ہے، کبھی جلسوں میں آنے جانے کا مسئلہ ہے، اس لئے ہم حاضر ہیں، آپ کو شکر گزار ہونا چاہئے کہ ایک بہت بڑی اجتماعی معصیت سے ایک قومی اور ملی کوتاہی سے اللہ تعالیٰ نے آپ کو بال بال بچالیا، اگر یہ مدرسہ نہ ہوتا تو خدا کے یہاں پرسش ہوتی۔

مدارس دینیہ کے قیام وبقاء کے شرائط

[26 نومبر 1983ء بروز جمعہ ریاض العلوم تجرانہ (اندور) کے دارالاقامہ کے سنگ بنیاد
کے موقع پر]

الحمدللہ نحمده ونستعينه ونستغفره ونعوذ بالله من شرور انفسنا ومن سيئات اعمالنا من يهده الله فلا مضل له ومن يضلله فلاهادى له ، واشهد ان لا اله الاالله وحده لاشريک له ، واشهد ان سيدنا محمدا عبده ورسوله. امابعد.

انسانی سعی وکوشش کے آثار ومظاہر

حضرات! میں یہاں آرہا تھا اور میری زبان پر ایک شعر خود بخود جاری ہو گیا کسی صاحب بصیرت شاعر کا ہے۔

عزم راسخ ہے نشان قیس و شان کوہ کن
عشق نے آباد کر ڈالے ہیں دہشت وکوہسار

یہ شاعر کی بات نہیں یہ اصل میں تو قرآن کی ترجمانی ہے۔

وان ليس للانسان الا ماسعىٰ، وان سعيه سوف يرىٰ ، ثم يجزاه الجزاء الاوفىٰ (النجم : ۳۹،۴۰،۴۱)

اور یہ کہ انسان کو وہی ملتا ہے جس کی وہ کوشش کرتا ہے اور یہ کہ اس کی کوشش دیکھی جائے گی، پھر اس کو اسکا پورا بدلہ دیا جائے گا۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ انسان کے لئے اتنا ہی ہے جس کی وہ کوشش کرے اور پھر اللہ تعالیٰ فرماتا ہے اور خاص طریقہ ادائے قرآنی کے ساتھ فرمایا گیا" وان سعيه سوف يرىٰ "(اور اس کی کوشش ایک مرتبہ نظر آ کر رہے گی) یہ بھی قرآن مجید کا اعجاز ہے کہ یہاں "سوف" کا لفظ استعمال ہوا ہے جو عام طور پر مستقبل بعید کیلئے استعمال ہوتا ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ اگر تمہیں جلدی نتائج نظر نہ آئیں تو مایوس نہ ہونا" سوف يرىٰ "وہ نظر آئے گا جو کچھ دنیا میں

دیکھ رہے ہیں سلطنتوں کا قیام، تہذیبوں کا عروج، علوم وفنون کی اشاعت، باکمال لوگوں کا پیدا ہونا سب انسانی سعی وجہد وجہد کے ظہور کے نتائج ہیں اور قرآن مجید اس آیت کی تفسیر ہے۔

مردم خیز شہر اور قصبے

کسی سرزمین میں کچھ لوگ پیدا ہو جاتے ہیں اور ان کو دھن لگ جاتی ہے کسی کام کی، کسی علم وفن میں امتیاز پیدا کرنے کی اور لوگوں تک اس دولت کے عام کرنے کی، پھر علم پانی کی طرح برستا ہے ہندوستان کی تاریخ اور یہاں کے خاندانوں کی تاریخ پڑھیے جس خطہ کا تذکرہ پڑھیے گا تو معلوم ہوگا کہ اولیا، اللہ اور باکمال لوگ زمین سے اگتے تھے یا آسمان سے برستے تھے معلوم ہوتا ہے کہ یہاں یا ولی اللہ پیدا ہوتے تھے یا امام فن پیدا ہوتے تھے اس پر اس وقت کے لوگوں کا تعجب کرنے کا حق ہے جب کسی چیز کا چلن ہو جاتا ہے تو ایسا ہی ہوتا ہے یہ تہذیب بھی جب اپنی عمر پوری کرے گی اور کوئی مورخ لکھے گا کہ اس زمانہ میں اس ملک میں ہزاروں لاکھوں کی تعداد میں گریجویٹ تھے، ڈاکٹر تھے، انجینئر تھے، ایل ایل بی تھے، پی ایچ ڈی تھے اور خدا جانے کیا کیا تھے لوگ کہیں گے کہ کتنا مبالغہ ہے بھلا ایک ملک میں کتنا ہی بڑا ملک ہو، ایک زمانہ میں ایک سو برس دوسو برس کے اندر اتنے باکمال وفاضل لوگ پیدا ہو گئے تھے معلوم ہوتا ہے کہ اس ملک میں کوئی آدمی رہتا ہی نہیں تھا سب ڈاکٹر، انجینئر اور اسکالر ہی رہتے تھے۔ حقیقت یہ ہے کہ جس چیز کی ہوا چل جاتی ہے اور اللہ تعالیٰ کو منظور ہوتا ہے (اصل تو ارادۂ الٰہی ہے اور اس کی طرف سے ہر طرح کی آسانی دی جاتی ہے) پھر لوگوں کی طبیعتوں میں ایسی صلاحیت پیدا ہو جاتی ہے کہ تھوڑی کوشش سے بڑے بڑے نتائج نکلنے لگتے ہیں بڑے بڑے کمالات حاصل ہونے لگتے ہیں۔

مالوہ کی قدیم تاریخ

مالوہ کی تاریخ آپ پڑھیں صرف شیخ محمد حسن مندوی کی “گلزار ابرار” ہی پڑھ لیجیے تو معلوم ہوتا ہے کہ اولیاء اللہ، مشائخ طریقت، اور اصحاب سلسلہ، اور اہل روحانیت بارش کے قطروں کی طرح مانڈو کی سرزمین پر نازل ہوئے تھے۔ آدمی کو حیرت ہوتی ہے کہ کیا اس وقت اور کوئی کام نہیں رہ گیا تھا۔ لیکن یہ حضرت اتنے نمایاں تھے کہ مورخ ان کو نظر انداز نہیں کر سکا کوئی بھی تاریخ ایسی نہیں ہے، جس کو یہ کہا جائے کہ یہ ایک طرح کی ڈائریکٹری ہے جس کا چاہئے

نام نکال لیجئے۔ یا ڈکشنری ہے جس کا چاہئے نام تلاش کر لیجئے، یہ بات نہیں ہے اگر انہوں نے سو کا ذکر کیا ہے تو ڈیڑھ سو دو سو آدمی چھوٹ بھی گئے یہ زمین سب کو اگانے کیلئے تیار ہے، آپ چاہیں تو یہ سبزی پیدا کرے، درخت پیدا کرے، اور آپ چاہیں تو اللہ کے حکم سے اولیاء اللہ پیدا کرے، اور کاملین فن پیدا کرے۔ زمین ہی کی طرف نسبت کرتے ہیں کہ اس سرزمین سے کتنے آدمی اٹھے۔

رضا کار وایثار پیشہ خادم دین، علماء اور نگران حکومت ومعاشرہ صوفی

بس ضرورت اس بات کی ہوتی ہے کہ پہلے کوئی بندہ دیوانہ بن جائے، تو اس کے بعد پھر تو دریا بہہ جاتے ہیں ایسے ہی یہ جنگل پڑا ہوا ہے ہم نے بہت کچھ بنا ہوا دیکھا۔ اور جن کی زندگی ہے وہ دس برس بعد آئیں گے اور بہت کچھ بنا ہوا دیکھیں گے۔ یہاں تک کہ ہوسکتا ہے کہ یہ میدان آپ کو گھروں کا اور اداروں کا ایک شہر نظر آئے، بہر حال یہ ایک مبارک بات ہے۔ اللہ تعالیٰ نے چند عزیزوں کو اس کی توفیق عطا فرمائی، اور انہوں نے یہاں پر ایک کوشش شروع کی ہے، بغیر کسی سلطنت کی سرپرستی کے، میں آپ کو یہ بھی بتلا دوں کہ پہلے بھی جو کوششیں ہوئی ہیں وہ ان سلطنتوں کی سرپرستی سے نہیں ہوئی ہیں، سلطنتیں اپنا کام کر رہی تھیں ان کا مذاق اور تھا، ان کی ضرورتیں اور تھیں، ان کے مصالح اور تھے یہ سب وہ لوگ کر رہے تھے جو پیٹ پر پتھر باندھے ہوئے تھے اور بہت سے دوسرے ملکوں سے آئے ہوئے تھے۔ یہاں آکر انہوں نے علم وروحانیت کا دریا بہا دیا، اور سلطنتوں سے تو وہ دور ہی دور رہے، سلسلہ چشتیہ نے خاص طور پر اس کا لحاظ رکھا کہ سلطنت سے دور رہے، ایک بزرگ کا قول ہے کہ سلطنت وقت، اور بادشاہ وقت آگ کی طرح ہے کہ دور بیٹھ کر تاپے، آدمی پاس نہ جائے، ورنہ جل جائے گا، ان لوگوں نے یہی طرز عمل رکھا، بہت سے لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ یہ لوگ تارک الدنیا تھے، ان کو خبر نہیں تھی کہ حکومتوں میں کیا ہو رہا ہے، اچھا برا سب ہو رہا تھا، یہ بیٹھے بیٹھے اللہ اللہ کر رہے تھے، اور وظیفہ پڑھ رہے تھے، اور ضربیں لگا رہے تھے، یہ غلط ہے، حضرت خواجہ نظام الدین اولیاء کی ایک مثال دیتا ہوں، کہ وہ غیاث پورہ کی خانقاہ میں بیٹھے ہوئے پورے ہندوستان کی نگرانی کر رہے تھے، کیسے لوگ آ رہے ہیں، کیسے آدمیوں کی ضرورت ہے اور جب ضرورت پڑتی تھی تو بادشاہ کو ایسے آدمی دے دیا کرتے تھے کہ نگینہ کی طرح حکومت میں اس طرح جڑ جاتے تھے، جیسے انگوٹھی میں

نگینہ جڑ دیا جائے، علاء الدین خلجی نے ایک مرتبہ کہلوایا کہ میں تو مل کر رہوں گا، چاہے جو کچھ ہو، فرمایا کہ میری خانقاہ کے دو دروازے ہیں، بادشاہ ایک دروازہ سے آئے گا، میں دوسرے دروازہ سے نکل جاؤں گا، چنانچہ جب بادشاہ آیا تو حضرت اجودھن چلے گئے، فرمایا، ملنے ملانے کی کوئی ضرورت نہیں، ملنے کا بالکل خیال نہ کریں، ہم دعا کر رہے ہیں ہمارا کام ہے دعا کرنا عام انسانوں کے لئے پھر مسلمانوں اور والئی سلطنت کے لئے کیوں نہیں، جس کی خوبی پر جس کی بہتری پر بہت کچھ موقوف ہے، اور یہی ان کا طرز عمل ساری عمر رہا۔

بات زبان پر آ گئی تو کہدوں کہ ایک وقت ایسا آیا کہ محمد تغلق کا ٹھٹھہ (سندھ) میں انتقال ہوا، وہاں دریائے سندھ کے اس پار مغل پڑے ہوئے تھے، وہ مغل جو وحشی مغل تھے، وہ نہیں جو بعد میں آئے، کئی لاکھ کا لشکر پڑا تھا، مسلمان لاوارث ہو گئے، اور کسی کے کچھ بنائے نہیں بنتی تھی، اور لوگ اس انتظار میں تھے کہ مغل دریا پار کر کے آئیں گے، اور جیسے کہ بکریوں کا شکار بھیڑیے کھیلتے ہیں، ایسے ہی مغل اس لاوارث فوج کی بوٹی بوٹی کر دیں گے، اس وقت کسی کے کچھ سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ کیا کرے، بادشاہ کا کوئی بیٹا اس قابل نہیں تھا، اس وقت حضرت سید نصیر الدین چراغ دہلی موجود تھے، ان کو بادشاہ نے ایک بہانہ سے بلا لیا تھا، لیکن اصل میں اللہ نے ان کو پہنچایا تھا، انھوں نے فیروز تغلق سے کہا (جو محمد تغلق کا چچازاد بھائی تھا) کہ دیکھو اگر تم سلطنت سنبھالتے ہو تو سنبھالو، ورنہ ہم کسی اور کے حوالہ کریں گے، اور اگر تم عدل اور حکومت کے خیال سے، رزم اور بزم کے خیال سے حکومت لیتے ہو تو میں اللہ سے تمہارے لئے تیس سال مانگ لوں گا، چنانچہ پورے تیس سال نہایت کامیابی کے ساتھ اس نے سلطنت کی، حضرت نصیر الدین چراغ دہلی کا بٹھایا ہوا فیروز تغلق بادشاہ تھا، جس کے متعلق بعض تاریخ دانوں کا خیال ہے کہ دہلی کے تخت سلطنت پر فیروز تغلق سے بہتر اور مکمل اور جامع آدمی کوئی نہیں آیا، بعض حیثیتوں سے عالمگیر مرحوم سے بھی وہ فائق تھا، اور بعض حیثیتوں سے وہ فائق تھے، لیکن مجموعی طور پر فیروز تغلق جیسا بادشاہ نہیں آیا، پورے ملک میں امن وامان ہو گیا، جرائم ختم ہو گئے، ظلم کرنا لوگوں نے چھوڑ دیا، بے ایمانی کا رواج کم ہو گیا یا ختم ہو گیا، اور یہ کیا تھا، یہ ایک فقیر درویش کی دعا اور سرپرستی۔

تو اللہ تعالے کو جب منظور ہوتا ہے، اور کسی کے دل سے لگ جاتی ہے تو جنگل میں منگل

ہو جاتا ہے، دل کے لگنے کی بات ہے، اور کچھ بھی نہیں، دل سے لگ گئی اللہ کے ایک بندہ کے تو دار العلوم دیو بند کھڑا ہو گیا، یہ کیا ہے؟ حضرت حاجی عابد حسین صاحب اور حضرت مولانا محمد قاسم صاحب نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ کے دل میں خیال پیدا ہوا، ایک نے اس کی ابتدا کر دی، دوسرے اس کی نگرانی کرتے رہے، اور ایسے ہی (جس کی طرف ان بھائیوں اور عزیزوں کا انتساب ہے) ندوۃ العلماء حضرت مولانا سید محمد علی مونگیری رحمۃ اللہ علیہ کے دل سے لگ گئی، اور دیکھئے کتنے ساتھی تیار کر لئے، اور آج ندوۃ العلماء کی کیا حیثیت ہے، اور ایسے ہی مدرسہ مظاہر علوم اپنے بانیوں کے عزم و اخلاق کا کرشمہ ہے، اور جو بھی بڑے بڑے جامعات ہیں، ازہر ہو یا اور کوئی جامعہ، سب کے پیچھے آپ کو کوئی شخصیت نظر آئے گی پھر وہ شخصیت اپنے ساتھی بنا لیتی ہے۔

اجتماعی کام کی شرطیں

اللہ کو جب کوئی کام منظور ہوتا ہے، تو اس کے بانی اور ذمہ دار شخصیت کی طبیعت میں صلاحیت پیدا کر دیتا ہے کہ وہ ہر ایک سے کام لے لے، سب کو ملا کر رکھے، اپنے کو جھکا کر رکھے، دوسرے کو بڑھا کر رکھے، یہ علامت ہوتی ہے کہ اللہ کو کچھ کام لینا ہے، اور جب اللہ کو کام لینا نہیں ہوتا شخصیت تو ہوتی ہے، لیکن روز جھگڑا، کوئی اس کے ساتھ کام نہیں کر سکتا، سمجھ لیجئے کہ کام ہونا منظور نہیں ہے، تو اللہ تعالیٰ شخصیت بھی پیدا کرتا ہے، اور اس کے ساتھی بھی پیدا کرتا ہے، اور اس شخصیت کے دل میں ان کی قدر، اور ان کے دل میں اس کی عزت اور اس کا اعتراف، اسی کے ساتھ اللہ تعالیٰ کچھ اہل استطاعت و اہل توفیق کو بھی کھڑا کر دیتا ہے، وہ اپنی سعادت سمجھتے ہیں، کہ آپ تو ایثار سے کام لے رہے ہیں، اور لیتے رہیں، لیکن ہمیں موقعہ دیجئے کہ ہم خدمت کریں، ہمارا بھی حصہ ہو جائے۔

عمارت کے تین پتھر

اس طرح کم سے کم تین پتھر ہوتے ہیں، ایک اصل کام شروع کرنے والا، ایک اس کے ساتھی، اور ایک کے ساتھ اس کے معاونین یہ تینوں جب پیدا ہو جاتے ہیں، تو چوتھی چیز مدرسہ کی شکل میں، جامعہ کی شکل میں نکل آتی ہے، اور دنیا دیکھتی ہے کہ کتنا بڑا دار العلوم قائم ہو گیا،

ہم اللہ سے دعا کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ توفیق دے، اور عمر میں برکت دے ان لوگوں کی جنہوں نے یہ کام شروع کیا، اور اسی طریقہ سے اللہ تعالیٰ تعاون کا جذبہ، اور لوگوں میں مل کر کام کرنے کی صلاحیت پیدا فرما دے، جو آج عمومی پیمانہ پر دنیا سے رخصت ہوتی جارہی ہے، اور خصوصیت سے مسلمانوں کے اندر سے رخصت ہوتی جارہی ہے۔

مسلمانوں میں تعاون کی کمی

مسلمان سے سب کچھ کرا لیجئے، مسلمان سے کہئے تو وہ سر کے بل کھڑا رہے گا، سر نیچے اور پاؤں اوپر رات بھر کھڑا رہے گا، اور اس سے کہئے تو پیٹ پر پتھر باندھنے کے لئے تیار ہے، اور کہئے تو کسی وقت خندق میں کودنے کے لئے بھی تیار ہے، مگر یہ کہئے کہ وہ دوسرے کسی آدمی کے ساتھ مل کر کام کرے تو مسلمان سے نہیں ہو سکتا، یہ انتظامی سب سے بڑا کام ہے، جو کامیابی انبیاء علیہم السلام سے لے کر ان کے جانشینوں تک ہوتی ہے، وہ اسی کا کرشمہ ہے، وہ وہی لوگ ہیں، کسی طریقہ سے اللہ نے جن کے دل جوڑ دیئے۔

پہلے دل جوڑنا پھر اینٹیں

پہلے دل جوڑنا پڑتا ہے، پھر اینٹیں جوڑنا، لوگ سمجھتے ہیں اینٹیں جوڑنا اصل کام ہے، نہیں دل جوڑنا اصل کام ہے، دل جڑ گئے تو اینٹیں سب جڑ جائیں گی، بڑی سے بڑی عمارت کھڑی ہو جائے گی، ہم پڑھتے ہیں بڑے بڑے مدرسوں کے بانیوں کے حالات، میں نے دیکھا کہ کیسے کیسے نازک موقع آئے، خود ندوہ کے بانیوں نے اور اس کے شروع کے ناظموں نے کیسے کیسے کڑوے گھونٹ پئے ہیں، اور کیسے کیسے لوگوں کو برداشت کیا، اس وقت ہمارے اس کام کا تقاضا یہ ہے کہ ہم سب کی سن لیں، اور سب سے فائدہ اٹھائیں، اور سب کو ہم سینہ سے لگائیں، تب جا کر اللہ تعالیٰ نے یہ دن دکھایا کہ ندوہ کے پڑھے ہوئے فرزند یہاں موجود ہیں، اللہ ان سے کام لے رہا ہے، کسر وانکساری ضروری ہے، تھوڑا سا توڑنا، تھوڑا سا ٹوٹنا، جب ہی کام چلتا ہے، اور توڑنا ہی توڑنا ہو، دوسرے کو توڑے اور خود نہ ٹوٹے تو اس طرح کام نہیں چلتا۔

جہاں بھی آپ دیکھ رہے ہیں کوئی انتشار ہے اس کا سبب یہ ہے کہ کارکن جھکنا نہیں جانتے، ماننا نہیں جانتے، کسی کی بات قبول کرنا نہیں جانتے، ایک ہی سبق پڑھا ہے کہ ہماری مانو، اسی کی وجہ سے آج آپ دیکھ رہے ہیں کہ بڑی بڑی جگہوں میں انتشار اور جھگڑا ہے، اللہ

تعالیٰ ہماری اپنے نفس کے آفات وشرور سے حفاظت فرمائے اور اس جنگل میں اپنے فضل سے، محض اپنی قدرت کاملہ سے صحیح علوم دینیہ کا ایک مرکز قائم کرے، جہاں سے علوم نبوت کے آفتاب کی شعاعیں پھیلیں، اور واقعی اس سرزمین کو مالا مال کردے، اور صحیح معنی میں مالوہ بنادے اور پھر یہاں سے دور دور فیض پہونچے۔

ربنا تقبل منا انک انت السمیع العلیم

فتح وغلبہ کے دو الٰہی نظام

یہ تقریر ۱۶ شعبان ۱۳۸۸ھ (۸ نومبر ۱۹۶۸ء) کو "مدرسۂ ثانویہ طیبہ" مدینہ منورہ کے وسیع ہال میں کی گئی۔ اس جلسے میں جامعہ اسلامیہ، مدارس اور کالجوں کے اساتذہ، اور طلبا اور سربرآوردہ حضرات کی کثیر تعداد شریک تھی۔

الحمدللہ و کفی وسلام علی عبادہ الذین اصطفی. امابعد

دو الٰہی نظام

اس کائنات میں دو نظام کارفرما ہیں، پہلا طبعی نظام جسے اللہ تعالیٰ نے اس کائنات کے لئے منتخب کیا ہے اور اسے پوری کائنات کے لئے دستور بنایا ہے۔ اس نظام کی خصوصیت یہ ہے کہ اس میں کثرت قلت پر امارت افلاس پر، اسباب وسائل کی فراوانی، قلت اسباب پر اور قوت ضعف پر غالب رہتی ہے۔ تنظیم، اتحاد، عزم، قوت ارادی، مستقل مزاجی، مستعدی یہ وہ صفات اور خصوصیات ہیں جو ہمیشہ اپنے اضداد پر غالب رہتے ہیں ہم سب اپنی روزمرہ زندگی میں اس نظام کے تجربات سے گزرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے تمام اشیاء میں کچھ خاصیتیں رکھی ہیں۔ جو ماہ وسال کی گردش زمانے کے الٹ پھیر اور صدیوں کی مدت دراز پر بھی ان سے جدا نہیں ہوتیں آگ میں جلانے کی خاصیت رکھی گئی، لہٰذا آگ ہمیں جلاتی ہے۔ پانی میں اپنی خاصیت ہے مٹی کے کچھ خواص ہیں غرض تمام اشیاء میں مخصوص خواص ہیں جو ان سے کبھی جدا نہیں ہوتے۔

منصفانہ قانون، میزان عدل

طبعی نظام کا قانون ایک ایسا منصفانہ قانون ہے کہ جو کسی کی رعایت نہیں کرتا یہ طبعی قانون ایک انسان دوسرے انسان یا ایک گروہ پر دوسرے گروہ کو افضل نہیں ٹھہراتا۔ حتیٰ کہ یہ قانون مومن و کافر، متقی اور فاجر نیک و بد، مصلح و مفسد تک میں امتیاز نہیں برتتا، آگ ہر اس شخص کو جلاتی ہے جو اس کی طرف بڑھتا ہے، وہ نہ کسی مصلحت کی رعایت کرتی ہے اور نہ انجام سے

خائف ہوتی ہے یہ وہ میزان عدل ہے جو اشیاء کا صحیح صحیح ناپ تول کرتی ہے، نہ مداہنت برتتی ہے نہ رعایت اور فرق وامتیاز سے ہمیشہ بالاتر رہتی ہے۔ یہ وہ قانون ہے جس کا تجربہ انسان نے اپنے وجود سے آج تک ہزاروں سال کی طویل مدت میں کیا ہے اس کے تجربات، واقعات اور مشاہدات کے تسلسل سے انسانیت کی تاریخ کے مختلف گوشے پر ہیں اور ان میں آپ کوئی استثناء نہیں پائیں گے۔

ایک حکومت دوسری حکومت پر غالب آتی ہے۔ طاقتور اپنے حریف کو زیر کرتا ہے، ایک توانائی دوسری توانائی کو ختم کرتی ہے۔ ایک تعداد اپنے مقابل تعداد کو مغلوب کرتی ہے۔ اور یہ سب اس قانون طبعی کے مطابق ہوتا ہے جس کی تخلیق اللہ تعالیٰ نے کی ہے۔

دلائل سے بے نیاز

قانون طبعی اپنے اثبات کے لئے نہ بحث ودلائل کا محتاج ہے نہ فکر وفلسفہ کا حاجت مند، یہ ایک بدیہی حقیقت تسلیم شدہ قانون، فطری امر، آزمودہ علم اور ہر ایک کا روزمرہ کا مشاہدہ ہے۔ چنانچہ آسمانی کتابوں اور انبیائے کرام کا یہ کبھی موضوع بحث نہیں رہا یہ قانون فطرت پوری قوت سے نافذ اور ہر طرح آزاد ہے اگر اسے اس کے فطری حال پر چھوڑ دیا جائے اور اسے مطلق فرماں روائی حاصل ہو تو اس کے عمل اور کارفرمائی میں کوئی چیز حائل نہیں ہو سکتی۔

دوسرا نظام

یہ وہ نظام ہے جو انبیاء کرام کا موضوع رہا ہے آسمانی صحیفوں نے اپنا موضوع بنایا ہے اس کی تشریح اور توضیح کی ہے اور وہ یہ کہ اللہ تعالیٰ نے چند مقاصد کو افضل اور ممتاز اور (خواص اشیاء کے حقیر مقاصد نتائج سے زیادہ) احترام اور اہتمام کا مستحق قرار دیا ہے۔

حقیر اس مفہوم میں کہ آگ جلاتی ہے، پانی ڈبوتا ہے، زہر ہلاک کرتا ہے، تریاق زہر کے اثر کو زائل کرتا ہے، طبیب علاج کرتا ہے، مرض لاغر اور کمزور کرتا ہے، دوا صحت اور آرام بخشتی ہے۔ یہ تمام نتائج اور مقاصد قابل قدر اور عقل کیلئے قابل تسلیم ہیں، مگر ان کے علاوہ چند اور اعلیٰ مقاصد ہیں، جو ان سے توجہ واہتمام کے مستحق ہیں اور وہ ہیں اللہ تعالیٰ کی معرفت، انسان کی ہدایت، مقصد تخلیق، انسانیت کی سعادت، عدل وانصاف، انصاف پرور حقوق آشنا اور صالح

زندگی اور ایک ایسے مثالی معاشرے کے قیام جس میں خوف خدا ہو، انسانیت کا احترام ہو، حقوق کی ادائیگی اور امانت کی حفاظت ہو، جس میں لوگوں کو اللہ کی معرفت کی سہل تر راہ میسر ہو اور ان کے قویٰ اور صلاحیتوں کا نشو ونما ایسے ماحول میں ہو سکے کہ ان کی رسائی اس مطلوب کمال اور اعلیٰ مقصد تک بآسانی ہو جائے جس کی خاطر اس کائنات کی تخلیق عمل میں آئی۔

طبعی نظام کی شکست

یہی وہ نظام ہے جس کی خاطر اللہ تعالیٰ نے انبیائے کرام کو مبعوث فرمایا۔ آسمانی کتابیں نازل فرمائیں، اسی نظام کے آگے طبعی قوانین سرنگوں ہوئے اور انہیں اپنی خاصیتوں کو بدلنا پڑا۔ جب دو مقاصد کا تصادم ہوتا ہے فطری نظام اور اس شرعی نظام کا جو عقل دین اور اخلاق کا تابع ہوتا ہے۔ اور یہی کائنات کا مقصد وجود اور انسان کا مقصد تخلیق بھی ہے۔ تو پلڑا شرعی نظام کا بھاری ہو جاتا ہے۔ جب سیدنا حضرت ابراہیمؑ کو آگ میں ڈالا گیا تو اللہ تعالیٰ کی سنت آگ میں جاری تھی طبعی عوامل کارفرما تھے، آگ ہزاروں سال سے جلا رہی تھی انسانی تاریخ نے اپنی دیانت، دقت نظر، تحقیق وجستجو کے باوجود ایک واقعہ بھی ایسا محفوظ نہیں کیا کہ آگ نے اپنے فطری عمل سے کسی بادشاہ یا عالم کے احترام میں پس وپیش کیا ہو۔ کیونکہ اس کا کام تو جلانا ہی ہے لیکن طبعی تصادم یعنی آگ کا ٹکراؤ، اس شرعی نظام سے ہوا جس کی خاطر اللہ تعالیٰ نے اس وسیع کائنات کی تخلیق کی ہے جس میں آگ، پانی، اجرام فلکی، ہزاروں زمینی اشیاء اور مختلف غذائیں ہیں اس سے جب آگ کی فطرت ہدایت کی فطرت سے متصادم ہوئی تو آگ کو حکم دیا گیا کہ وہ نہ جلائے، آگ سے جلانے کی وہ صلاحیت سلب کر لی گئی جو ابتدائے آفرینش سے اس میں موجود تھی، آگ نے شاید وہ غیبی آواز سنی ہو جسے نہ نمرود سن سکا اور نہ کوئی اور انسان کہ خبردار ابراہیمؑ کو نہ جلانا میں وہ ہستی ہوں جس نے تجھے جلانے کی خاصیت عطا کی ہے لیکن ابراہیمؑ کی جس مقصد کی خاطر تخلیق ہوئی ہے اور انہیں نبوت سے سرفراز کر کے تبلیغ وہدایت کے لئے مخلوق کے پاس بھیجا گیا ہے۔ یہ وہ اعلیٰ وارفع مقاصد ہیں کہ جن کے آگے تجھے اپنی خاصیتوں کے ساتھ ہزاروں بار سرنگوں ہو جانا چاہئے۔ ابراہیمؑ کے کپڑوں تک کو نہ چھونا چہ جائیکہ ان کا پاک ومقدس جسم اور مومنانہ قلب سلیم جو دعوت نبوت کا مسکن اور امین ہے۔

اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیمؑ کے متعلق فرمایا۔

ولقداتینا ابرھیم رشدہ من قبل و کنا بہ عالمین

اس سے بھی پہلے ہم نے ابراہیم کو اس کی ہوشمندی بخشی تھی اور ہم اس کو خوب جانتے تھے۔

اس امر الٰہی سے آگ نے سپر ڈال دی، دین فطرت کے مقابل آگ کی فطرت اور خاصیت کو سرنگوں ہونا پڑا۔ کیونکہ یہ دین فطرت ہی وہ اعلیٰ مقصد ہے جس کے بغیر اس کائنات کا وجود عبث اور بے معنی ہے اللہ تعالیٰ کا حکم آگ کو تسلیم کرنا پڑا۔ حضرت ابراہیم کو جلانے سے اس نے گریز کیا اور ایک جان فزا چمن میں تبدیل ہوگئی۔

قلنا ینارکونی برداوسلما علی ابرھیم۔ وارادوا بہ کیدا فجعلناھم الاخسرین

ہم نے کہا اے آگ ٹھنڈی ہو جا اور سلامتی بن جا ابراہیم پر، وہ چاہتے تھے کہ ابراہیم کے ساتھ برائی کریں مگر ہم نے ان کو بری طرح ناکام بنادیا۔

انبیاء کی بے سروسامانی اور بے اسبابی

آپ حضرات یہ بخوبی جانتے ہیں کہ انبیائے کرام کی بعثت جن قوموں میں ہوئی وہ قومیں اپنے سازوسامان کی کثرت اور مادی ترقی کو کامیابی کا معیار سمجھتی تھیں۔ نبی پر ایمان لانے والے غرباء ان کیلئے حجاب بن جاتے۔ اس معاملے میں ہر نبی اور اس کی قوم میں عظیم تفاوت تھا۔ یہ بدیہی حقیقت دلیل کی محتاج نہیں، قرآن اس قسم کے واقعات، دلائل اور شواہد سے پر ہے، جب نوح اپنی قوم کی طرف مبعوث ہوئے تو ان کی قوم نے کہا۔

قالوا انومن لک واتبعک الارذلون۔

انہوں نے جواب دیا ”کہ ہم تجھے مان لیں حالانکہ تیری پیروی رذیل ترین لوگوں نے اختیار کی ہے“

اور یہ بھی کہا کہ۔

وما نراک اتبعک الا الذین ھم اراذلنا بادی الرای ومانری لکم علینا من فضل بل نظنکم کذبین۔

اور ہم دیکھ رہے ہیں کہ ہماری قوم سے بس ان لوگوں نے جو ہمارے ہاں اراذل تھے

بے سوچے سمجھے تمہاری پیروی اختیار کر لی ہے، اور ہم کوئی چیز بھی ایسی نہیں پاتے جس میں تم لوگ ہم سے کچھ بڑھے ہوئے ہوں بلکہ ہم تو تمہیں جھوٹا سمجھتے ہیں۔

حضرت شعیب علیہ السلام اپنی قوم میں مبعوث ہوئے تو انہیں کہا گیا۔

قالو یٰشعیب ما نفقه کثیرا مما تقول وانا لنراک فیناضیعفا ولولا رهطک لرجمنک ومآ انت علینا بعزیز.

انہوں نے جواب دیا کہ اے شعیب تیری بہت سے باتیں تو ہماری سمجھ میں ہی نہیں آتیں۔ اور ہم دیکھتے ہیں کہ ہمارے درمیان بے زور آدمی ہے تیری برادری نہ ہوتی تو ہم کبھی کا تجھے سنگسار کر چکے ہوتے۔ تیرا بل بوتا تو اتنا نہیں ہے کہ تم پر بھاری ہو۔

حضرت موسیٰ اور ان کے کمزور رفقاء اور ان کے حریف فرعون اور ان کے لشکر کی کیا نسبت تھی۔

قرآن کہتا ہے:

ونادی فرعون فی قومه قال یاقوم الیس لی ملک مصر وهذه الانهٰر تجری من تحتی افلا تبصرون، ام انا خیرمن هذا الذی هومهین ولایکاد یبین فلولاالقی علیه اسورة من ذهب اوجآء معه الملئکة مقترنین ، فاستخف قومه فاطاعوه انهم کانوا قوماً فسقین.

ایک روز فرعون نے اپنی قوم کے درمیان پکار کر کہا لوگو! کیا مصر کی بادشاہی میری نہیں ہے اور یہ نہریں میرے نیچے نہیں بہہ رہیں کیا تم لوگوں کو نظر نہیں آتا؟ میں بہتر ہوں یا یہ شخص جو ذلیل وحقیر ہے اور اپنی بات بھی کھول کر بیان نہیں کر سکتا، کیوں نہ اس پر سونے کے کنگن اتارے گئے؟ یا فرشتوں کا ایک دستہ اس کی اردلی میں نہ آیا؟ اس نے اپنی قوم کو ہلکا سمجھا اور انہوں نے اس کی اطاعت کی درحقیقت تھے وہ بڑے فاسق لوگ۔

اور حضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے متعلق تو ہر شخص جانتا ہے کہ آپؐ اپنی قوم میں کس قدر بے سہارا اور آپ کے چند رفقاء کتنے بیکس اور مظلوم تھے، اللہ تعالے اس دور کو یاد دلاتے ہیں ارشاد فرماتا ہے:

واذ کروا اذ انتم قلیل مستضعفون فی الارض تخافون ان یتخطفکم

الناس.

یاد کرو وہ وقت جب تم تھوڑے تھے زمین میں تم کو بے زور سمجھا جاتا تھا تم ڈرتے تھے کہ کہیں لوگ تمہیں اچک نہ لے جائیں۔

حتیٰ کہ ان کی قوم نے ان چند نفوس کو اپنے وطن مکہ سے مدینہ کی طرف ہجرت پر مجبور کیا، جہاں آج ہم سب جمع ہیں۔

غیبی تائید اور اسباب

لیکن اللہ تعالےٰ نے تمام طبعی قوانین کو اس اعلیٰ اور افضل مقصد کے تابع کیا ہے، جس پر انسان کی سعادت کا انحصار اور نجات کا دارو مدار ہے، اگر اسباب اور وسائل کو ہر موقع پر اپنی کارکردگی کی پوری آزادی ہوتی، فطرت اپنی مقررہ اور طے کردہ رفتار سے ہر لمحہ سفر کرتی تو انبیاء کرام کی دعوت کی کامیابی مشکوک تھی، طبعی حالات کا غلام ماحول اور یہ مادی معاشرہ دعوت نبوت کو خدانخواستہ نگل جاتے۔

لیکن اللہ تعالےٰ نے اخلاق وصفات میں بھی چند خاصیتیں رکھی ہیں، اسی طرح قوی، توانا اور مؤثر جس طرح مادی اشیاء میں رکھی گئیں۔

سچ کی خصوصیت ہے، اور اس کا اپنا ایک قانون ہے، امانت، خوف خدا غرض ان سب کا اپنا ایک نظام ہے، اعلیٰ صفات، احترام انسانیت، عدل ومساوات، رواداری، مروت، احسان، ایثار قربانی، دنیا پر آخرت کو ترجیح یہ وہ امتیازات عادات اور اعمال ہیں، جنہیں اللہ تعالےٰ نے بڑی توانائی، پر اسرار طاقت، قوت تسخیر، روحانیت، نصرت اور کامرانی عطا کی ہے، کیونکہ وہ بڑا قادر اور علیم ہے۔

کامیابی کا رمز

جب اللہ تعالےٰ نے رسولوں کو مبعوث فرمایا انھیں رسالت سے سرفراز کیا اور اپنی کتابوں کو نازل فرمایا تو ان انبیاء نے عقائد اور ایمان کی دعوت دی، اچھے اخلاق سے مزین اچھی صفات سے آراستہ ہونے کا پیام دیا، اللہ نے انسانوں سے یہ وعدہ کیا کہ عقائد واعمال اور اخلاق وصفات میں اصلاح کے ذریعہ دنیا میں کامیابی غلبہ اور فتح کی میں ضمانت دیتا ہوں

تمہاری کامیابی اور قوت کا رمز یہی دعوت ہے جو انبیاء لے کر آئے اور یہی تمہاری سپاہ ہے۔

اللہ تعالےٰ فرماتا ہے:۔

انهم لهم المنصورون ، وان جندنا لهم الغلبون.

یقیناً ان کی مدد کی جائے گی اور ہمارا لشکر ہی غالب ہو کر رہے گا۔

انا لننصر رسلنا والذين امنوا فى الحيوة الدنيا ويوم يقوم الاشهاد.

یقین جانو کہ ہم اپنے رسولوں اور ایمان لانے والوں کی مدد اس دنیا کی زندگی میں بھی لازماً کرتے ہیں اور اس روز بھی کریں گے جب گواہ کھڑے ہوں گے۔

كتب الله لاغلبن انا ورسلى.

خدا کا حکم ناطق ہے کہ میں اور میرے پیغمبر ضرور غالب رہیں گے۔

انبیاء کرام عقلِ سلیم کا اعلیٰ نمونہ

انبیاء کرام ماؤف الدماغ، فاتر العقل نہیں تھے، وہ عقلِ سلیم کا اعلیٰ نمونہ، انتہائی ذکی، اشیاء کی طبعی خصوصیات اور ان کی توانائی سے بخوبی آشنا تھے، نہ وہ فریب خوردہ تھے، نہ لاعلم، انھیں بخوبی علم تھا کہ جب قوت قوت سے، فوج فوج سے، لوہا لوہے سے، تعداد تعداد سے متصادم ہوتی ہے تو ان میں کمزور کو شکست ہوتی ہے، اور قوی غالب آجاتا ہے۔

جب کسی معرکہ میں صرف مادی قوت پر اعتماد کیا جاتا ہے تو اس میں کمزوری کو ناکامی اور شکست کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔

مگر انبیاء کرام اس عرفان کے حامل تھے جو مخفی امور پالیتا ہے، اس ہلکی سی کرن کو ان کی دور بین نگاہ دیکھ لیتی ہے جو ان کے اور ان کے دشمنوں کے درمیان حائل رہتی ہے، جسے نصرت الٰہی سے تعبیر کیا جاتا ہے، یہ وہ صاحبِ بصیرت انسان ہوتے ہیں کہ جن کی کائنات پر گہری نظر ہوتی ہے، اور اللہ کی نصرت پر یہ کلی اعتماد رکھتے ہیں۔

فرعون اور حضرت موسیٰؑ کی کشمکش

آپ کو فرعون اور حضرت موسیٰؑ کا وہ واقعہ یاد ہوگا، جب موسیٰ نے اپنی قوم کو حکم دیا کہ وہ رات کی تاریکی میں جزیرہ نمائے سینا کی طرف روانہ ہوں (وہی جزیرہ نمائے سینا جس کی یاد

ہمارے سوزِ غم کو بڑھا دیتی ہے، اور ہمیں خون کے آنسو رلاتی ہے، ہم نے اپنے ایمان ویقین کو کھونے کی وجہ سے اسے بھی کھو دیا) جب حضرت موسیٰ اپنی قوم کے ساتھ ساحل سمندر پر پہونچے تو آپ کو قوم بنی اسرائیل سے خوف اور ہراسانی کی کوئی انتہا نہیں رہی، چونکہ سامنے سمندر کی غضبناک موجیں تھیں، اور پیچھے تعاقب کرتا ہوا فرعون اور اس کا لشکر، وہ چیخ اٹھے، "اے موسیٰ کیا اسی لئے تو ہمیں یہاں لایا، ہم تو پکڑے گئے"۔

قال اصحب موسیٰ انا لمدرکون.

موسیٰ کے ساتھی چیخ اٹھے، کہ "ہم تو پکڑے گئے"۔

ان کا یہ خوف واقعات اور تجربات کی روشنی میں صحیح تھا، اگر فرعون سے بچنے کے لئے وہ سمندر میں کود پڑتے تو ان کا انجام ظاہر تھا، سمندر بغیر کشتی اور جہاز کے پر عافیت گذرگاہ نہیں بنتا، غرق کرنے میں ظالم ومظلوم، حاکم ومحکوم کے درمیان امتیاز نہیں برتتا ہے۔

لیکن موسیٰ علیہ السلام اللہ تعالے کی جانب سے مامور تھے، انھیں اللہ تعالے کے وعدے پر پختہ یقین تھا، اور نور نبوت کے ذریعہ انہیں اس کا علم تھا کہ وہ جس اعلیٰ مقصد کے لئے مبعوث ہوئے ہیں، جس رسالت کا انھیں اعزاز بخشا گیا، وہ اللہ کے نزدیک سمندر کے عمل اور مقصد سے زیادہ اہم اور لائق احترام ہے، آپ نے پورے اعتماد ویقین سے فرمایا۔

کلا ان معی ربی سیھدین.

ہرگز نہیں میرے ساتھ میرا رب ہے وہ ضرور میری رہنمائی فرمائے گا۔

کیا یہ اعتماد اور یقین اس انسان میں پیدا ہو سکتا ہے جو صرف نیچر پر یقین رکھتا ہو؟ فطرت کے ان آہنی اصولوں پر ہی اس کی نظر ہو جو ظالم ومظلوم میں کوئی فرق نہیں کرتے؟ کیا کسی عام انسان سے یہ ایمانی جملہ ممکن تھا، وہ جملہ جس کی آواز آج تک کانوں میں گونج رہی اور تاریخ میں جس کی بازگشت آج تک سنائی دیتی ہے، سنئے، اللہ تعالے کا ارشاد ہے:

فاوحینآ الیٰ موسی ان اضرب بعصاک البحر، فانفلق فکان کل فرقٍ کا لطود العظیم، وازلفنا ثم الاٰ خرین، وانجینا موسیٰ ومن معه اجمعین، ثم اغرقنا الاخرین.

ہم نے موسیٰ کو وحی کے ذریعہ سے حکم دیا کہ "مار اپنا عصا سمندر پر" یکا یک سمندر پھٹ گیا

اور اس کا ہر ٹکڑا ایک عظیم الشان پہاڑ کی طرح ہو گیا، اسی جگہ ہم دوسرے گروہ کو بھی قریب لے آئے، موسیٰ اور ان سب لوگوں کو جو اس کے ساتھ تھے ہم نے بچالیا اور دوسروں کو غرق کر دیا۔

مشعل راہ

تمام انبیاء کرام اگرچہ اشرف ترین خاندان اور افضل ترین نسب رکھتے ہیں، مگر یہ جانتے ہیں کہ دشمن کے مقابلے میں اعلیٰ نسبی سود مند نہیں، انبیاء تنہا عقل و تجربہ، حواس ظاہری کی کارفرمائی، اپنی طاقت، تنظیم اور تعداد پر اعتماد نہیں کرتے چونکہ ان میں ان کا حریف ان سے بدرجہا فائق ہوتا ہے، بلکہ دونوں کی مادی طاقت میں زمین آسمان کا فرق ہوتا ہے، ان حالات میں انھوں نے اللہ تعالیٰ پر اعتماد کیا، ایمان کو مشعل راہ بنایا، اپنے پیام، اعلیٰ اخلاق وصفات کی وجہ سے وہ اپنے دشمنوں سے نمایاں اور ممتاز تھے، ان ہی صفات نے ان کے ساتھیوں کو حیرت انگیز درخشانی وتابانی بخشی تھی۔

وہ معرکہ کارزار میں اللہ پر اعتماد کے سہارے قدم رکھتے تھے، ان کی زبانوں پہ اللہ تعالے سے مدد و نصرت، حق کی فتح، باطل کی ناکامی کی دعائیں جاری رہیں۔

تاریخ ساز واقعہ

معرکہ بدر کو ذہن میں تازہ کیجئے، میدان بدر آپ سے زیادہ فاصلے پر نہیں، یوم بدر آپ کی تاریخ میں گمنام اور غیر معروف نہیں، غور کیجئے، جب رسول اللہ صلعم ۳۱۳ مہاجرین وانصار کی مختصر جماعت کے ساتھ اس دشمن کے مقابلے کے لئے نکلے تھے، جو تعداد، آلات حرب، اسباب و وسائل، شجاعت و بہادری میں کئی گنا زیادہ اور جوش غضب سے مغلوب تھا۔

آپ نے جب اپنے بے سروسامان ساتھیوں اور دشمنوں کے عظیم لشکر کو دیکھا تو ان دونوں میں کوئی نسبت اور تناسب نہ تھا، اس نازک موقع پر آپ کی سلامت فکر فراست نبوت اور تجربہ نے یہ محسوس کر لیا کہ ان لمحات میں مسلمانوں کو طبعی قوانین کے حوالے کرنے کے نتیجہ میں ان کی کامیابی تو درکنار مدینہ صحیح سلامت لوٹنے کی توقع تک نہیں کی جاسکتی۔

آپ اپنے رب کی طرف انابت اور دعا کے لئے متوجہ ہوئے آپ کو بخوبی علم تھا کہ فتح عطیہ الٰہی ہے، طبعی نظام اسی نے بنایا ہے، وہ اسے موقوف بھی کر سکتا ہے، آپ یہ جانتے تھے کہ

فیصلہ آسمان سے نازل ہوتا ہے، زمین سے پیدا نہیں ہوتا، حکم، قوت اور فتح کا سرچشمہ اللہ تعالےٰ کی ذات ہے، آپ نے اپنی جبین مبارک خاک پر رکھی، الحاح وزاری، عاجزی ودرماندگی سے اس طرح دعائیں مانگیں کہ حضرت ابوبکر صدیقؓ سے آپ کی یہ حالت نہ دیکھی گئی اور بے چین ہوکر انھوں نے فرمایا۔

حسبک یا رسول اللہ
بس بس اے اللہ کے رسول

دعاء کا پاسنگ

معرکۂ بدر تاریخ کا مشہور فیصلہ کن معرکہ ہے، جس کے سایہ میں ہم زندہ ہیں، ہماری حکومتیں، ہم میں مختلف رنگ ونسل کی مسلمان قومیں، یہ سب بدر کی پروردہ ہیں، اور بدر اس دعوت وپیام کا رہین منت ہے، جسے آنحضرت صلعم لائے تھے، بدر میں دو مقابل لشکر نہیں تھے، بلکہ دونوں عدد، اسباب ووسائل میں عدم تناسب کے اعتبار سے گویا دو مختلف پلڑے تھے، ایک پلڑا اپنے بوجھ سے زمین کو چھو رہا تھا یہ کفار ومشرکین کا پلڑا تھا، دوسرا بے وزنی کی وجہ سے فضا میں معلق تھا، یہ اہل ایمان کا پلڑا تھا۔ آنحضرت صلعم نے اپنی دعاؤں میں نصرت الٰہی کا پاسنگ مسلمانوں کے پلڑے میں ڈال دیا۔

آپ نے زمین پر اپنی پیشانی رکھی اور وہ جملہ فرمایا جو بلاشبہ مسلمانوں کی اس قلیل تعداد کی بقا بلکہ امت کی بقا کا حقیقی سبب تھا، آپ نے فرمایا:

اللھم ان تھلک ھذہ العصابة لن تعبد.

اے اللہ اگر یہ مختصر جماعت ہلاک ہوگئی تو تیری عبادت نہیں کی جائے گی۔

اللہ تعالےٰ نے اس جماعت کی نصرت فرماکر اس کی تصدیق کی۔

تاریخ میں آج بھی یہ واقعہ زندہ اور اس کے آثار اس دنیا میں تابندہ ہیں، انسانوں کی فلاح وبہبودی اسی جماعت سے منسلک ہے، جن کی بقا کی دعا میدان بدر میں ایک آزمائش کے موقع پر اتنے بلیغ انداز میں پیغمبر اسلام نے کی تھی، دین اخلاق فاضلہ، انصاف، احترام انسانیت کا وجود بدر کی اسی مختصر جماعت کا مرہون منت ہے۔

''فیصلہ تیرا تیرے ہاتھوں میں ہے، دل یا شکم''؟

اگر آپ چاہیں تو ان تمام حقائق کو ضائع کر دیں، اس تمام دولت وثروت کو تلف کر دیں تمام انبیاء [illegible] اور مصلحین کی کوششوں کو مٹا دیں تو انسان باقی رہے گا، مگر انسانیت فنا ہو جائے گی، جسم متحرک ہوگا، مگر روح پر موت طاری ہو [illegible]، اب یہ فیصلہ آپ کے ہاتھ میں ہے۔ اللہ تعالیٰ نے جنگ بدر میں مسلمانوں کو واضح فتح دی، دشمن اپنی قوت وکثرت کے باوجود ناکام رہا، اللہ تعالیٰ نے سچ فرمایا:

ولقد نصركم الله ببدر وانتم اذلة فاتقوا الله لعلكم تشكرون.

آخر اس سے پہلے جنگ بدر میں اللہ تمہاری مدد کر چکا تھا حالانکہ اس وقت تم بہت کمزور تھے لہٰذا تم کو چاہئے کہ اللہ کی ناشکری سے بچو، امید ہے کہ اب تم شکر گذار بنو گے۔

بحر و بر پر حکمرانی

میں آپ کے سامنے ایک دوسرا واقعہ بیان کرتا ہوں حالانکہ میں داستان گوئی کا شائق نہیں ہوں، یہ واقعہ میں آپ کو یاد دلانا چاہتا ہوں، اس میں ایک پیام ہے، اور نئے معانی پنہاں ہیں۔ جب سعد بن ابی وقاص مدائن کی فتح کے ارادہ سے روانہ ہوئے، تو دریائے دجلہ میں طغیانی تھی، موجیں اٹھ رہی تھیں، ایرانیوں نے تمام پل اور آبی گذرگاہوں کو توڑ دیا تھا، اور کشتیوں اور جہازوں کو دور کر دیا تھا، سعد بن ابی وقاصؓ اپنے ساتھیوں کے ساتھ دریا کے ساحل پر چند لمحے رکے غور کیا اور فرمایا ساتھیو: کیا خیال ہے، لوٹ جائیں یا دجلہ میں کود پڑیں اور پار ہو جائیں؟

مسلمان اس دور میں اس بات پر پختہ یقین رکھتے تھے کہ اللہ تعالیٰ نے انھیں ایک عظیم مقصد کے لئے پیدا کیا ہے، انسانیت کی نجات انھیں کے ذریعہ ممکن ہے، اللہ تعالیٰ انسانیت پر مہربان ہے، اور اس نے انسان کو بیکار نہیں پیدا کیا۔

افحسبتم انما خلقنا کم عبثاً وانکم الینا لاترجعون.

کیا تم نے یہ سمجھ رکھا تھا کہ ہم نے تمہیں فضول ہی پیدا کیا اور تمہیں ہماری طرف کبھی پلٹنا ہی نہیں ہے۔

مسلمان یہ جانتے تھے کہ وہ اسلام کے نمائندے، اس کی روشنی کے مینار اور اسلامی دعوت کے مشعل بردار ہیں، وہ دنیا کی تمام قوموں میں واحد جماعت تھی، جو اس مقصد کی خاطر تیار کی گئی تھی، رہا دجلہ تو اس طرح کے ہزاروں دریا ہیں، لہٰذا دجلہ کو یہ کیسے اجازت دی جاسکتی تھی کہ وہ اس لشکر کو غرق کرے جس کو کوئی مادی غرض نہیں، جو جزیرۂ عرب سے اس لئے نکلا کہ ایک تخت کے بجائے دوسرا تخت بچھائے، ایک حکومت کے بجائے دوسری حکومت کرے، ایک بادشاہت کو دوسری بادشاہت میں تبدیل کرے، ایرانیوں سے قیادت وسیادت چھین کر عربوں کو پیش کرے اور کسریٰ کا تاج لے کر اسے عمر (رضی اللہ عنہ) کے سر پر رکھے، یہ باتیں مسلمانوں کے لئے جائز نہیں۔

شہادت ہے مطلوب ومقصود مومن
نہ مال غنیمت نہ کشورکشائی

(اقبال)

ان کی مہم کی غرض یہ رہتی تھی جیسا کہ ان میں سے ایک نے کہا ہے "اللہ نے ہمیں بھیجا ہے تا کہ ہم انسانوں کو بندوں کی غلامی سے نکال کر عبادت کی طرف رجوع کریں، دنیا کی تنگی سے آخرت کی وسعت کی طرف لائیں، مذاہب کے ظلم وجبر سے اسلام کے عدل وانصاف کی طرف بلائیں"۔

یہ جان کر کہ اب سوائے اللہ پر اعتماد کے کوئی چارہ نہیں اگر اللہ تعالیٰ کو یہ منظور ہوگا، کہ یہ لشکر باقی رہے اپنے پیام کو پہنچائے اور اپنے دین کو پھیلائے اور لوگوں کو کفر کی تاریکیوں سے نکال کر ایمان کی روشنی کی طرف لے جائے اور ان پر پڑی ہوئی ظلم وستم کی زنجیروں کو دور کردے تو اللہ تعالیٰ یقیناً دریائے دجلہ کو اس پہ مامور کرے گا کہ وہ اسلامی لشکر کے لئے راستہ دے دے۔

مومنانہ فراست

حضرت سعدؓ نے اس موقع پر حضرت سلمان فارسیؓ سے مشورہ کیا، انھوں نے جواب دیا، "بیشک اسلام ایک تازہ پیام ہے" یہ جملہ میرے قلب وذہن کو بہت متاثر کرتا ہے، کیونکہ اس میں بڑے گہرے معانی مضمر ہیں، اس جواب میں مومن کی ذہانت کا نور جھلکتا ہے، میری مراد عقل عام نہیں بلکہ فراست مومن ہے، جس کا یہ جملہ بہترین نمونہ ہے۔

حضرت سلمانؓ نے فرمایا ”بخدا تری ان کے لئے ایسے ہی زیر کر دی جائے گی، جیسے خشکی مسخر کی گئی تھی، اس میں سے فوج در فوج لوگ نکلیں گے، جیسے فوج در فوج داخل ہوئے“۔ سلمانؓ کے قول کے معنی یہ ہیں کہ اللہ اس پر قادر ہے کہ اس دنیا کو تمام ادیان پر غالب کرے چونکہ اسلام نے ابھی تک اپنی مہم پوری نہیں کی، اس کے سامنے وسیع میدان ہے، بہت سی قومیں اور قبائل ہیں متمدن ممالک ہیں اور یہ پوری دنیا اس دعوت کی منتظر ہے، جس کے وہ حامل ہیں، ان اخلاق وصفات کی منتظر ہے، جن سے یہ آراستہ ہیں، دنیا اس نجات دہندہ سپاہ کی منتظر ہے۔ حضرت سلمانؓ نے سچ کہا کہ میری مومنانہ عقل اسے قبول نہیں کرتی کہ ہم غرق ہوں گے اور دجلہ ہمیں نگل لے گا، اللہ تعالیٰ اسے ضرور حکم دے گا اور مامور کرے گا کہ وہ ہمارے لئے راہ دے اور تاریخ اس سے گواہ ہے کہ ہوا بھی یہی۔

ایمان وعقیدہ کا نظام

یہ دو خدائی نظام ہیں، جیسا کہ میں کہہ چکا ہوں، ایک طبعی نظام اقلیت پر اکثریت کا غلبہ، ضعف پر طاقت کا غلبہ، انتشار پر اتحاد کا غلبہ، بدنظمی پر انتظام کا غلبہ، کمزور ارادے پر قوی ارادے کا غلبہ اور کاہلی وجہالت پر علم ومستعدی کا غلبہ، یہ ایک قدیم نظام ہے، جسے اللہ تعالیٰ نے پیدا فرمایا ہے، اور اس کا حکم اور قانون اس وسیع وعریض دنیا اور انسانیت کے بڑے حصے میں جاری وساری ہے۔

لیکن جیسا کہ عرض کر چکا ہوں ایک دوسرا نظام بھی ہے، وہ ایمان وعقیدے کا نظام، اخلاق وصفات اور دعوت وپیام کا نظام ہے، اور یہی وہ سلاح ہے، جس کے ذریعہ مومن جنگ کرتا ہے، اور کامیابی سے ہمکنار ہوتا ہے، یہی وہ ہتھیار ہے، جس کو لے کر عرب، جزیرۂ عرب سے نکلے تھے، پھٹے کپڑے، ٹوٹے جوتے، خالی پیٹ اور بغیر زین کے گھوڑوں کے ساتھ، لوگ انہیں حقارت سے دیکھتے اور مذاق اڑاتے اور کہتے ”انہیں ان کے جزیرہ سے بھوک اور برہنگی نے نکالا ہے، انہیں خوب کھلاؤ اور پلاؤ یہ اپنے وطن لوٹ جائیں گے۔

موجودہ عربوں کی دونوں نظاموں سے بغاوت

یہ دو خدائی نظام ہیں لیکن جب کوئی فرد یا جماعت ان دونوں نظاموں کو چھوڑ دیتی ہے اور

ان دونوں سے جماعت خالی ہے یعنی نہ نظامِ طبعی کے تقاضے پورا کرتی ہے اور نہ دینِ الٰہی کے دیے ہوئے نظام کو اپناتی ہے تو اس کا کیا انجام ہو سکتا ہے"

آج کے عربوں میں خواہشات کی پیروی، باہمی رزم آرائی، اپنی قومیت پر فخر اور صرف کھوکھلی دعوت اور بلند بانگ نعرے ہیں، بے معنی شور و غوغا ہے، بدنظمی و بے تدبیری ہے، کیا ایسے ملک اور ایسی فوج فتح کی مستحق ہو سکتی ہے؟

نسل و نسب

حق تعالیٰ اور انسان کے درمیان نسب کا کوئی رشتہ نہیں، اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل کو متنبہ کرتے ہوئے فرمایا تھا۔

وقالت اليهود والنصرى نحن ابناء الله واحبآؤه . قل فلم يعذبكم بذنوبكم . بل انتم بشر ممن خلق

یہود و نصاریٰ کہتے ہیں کہ ہم اللہ کے بیٹے ہیں اور اس کے چہیتے ہیں، ان سے پوچھو وہ تمہارے گناہوں پر کیوں سزا دیتا ہے، درحقیقت تم بھی ویسے ہی انسان ہو جیسے اور انسان خدا نے پیدا کئے۔

خدا کسی انسان کو دوسرے انسان پر، کسی فرد کو دوسرے فرد پر، ایک قوم کو دوسری قوم پر نسب، قومیت، ذات، برادری کی بنیاد پر فضیلت نہیں دیتا، وہ انسانوں کو ان کی دیانت و تقویٰ کی بنیاد پر فضیلت دیتا ہے۔

ان اكرمكم عند الله اتقكم

اور خدا کے نزدیک تم میں زیادہ عزت والا وہ ہے جو زیادہ پرہیزگار ہے۔

وہ حبش کے غلام بلالؓ کو قریش کے معزز سردار ابوجہل سے افضل قرار دیتا ہے۔

۵/ جون کی جنگ

جب ہم اس جنگ میں کودے تو گویا ہم تہی دامن تھے، نہ ہمارے پاس طبعی نظام تھا، جو ہم میں بیداری، احتیاط، اتحاد و باہمی محبت، ایثار و قربانی، سرفروشی اور شجاعت پیدا کرتا، ہمیں محنت و مشقت کا عادی بناتا اور دنیاوی چمک دمک کی حقارت ہمارے دلوں میں پیدا کرتا، ہم اس طبعی قانون کے بھی پوری طرح پابند نہیں تھے، نہ ہمارے پاس وہ مقدس نظام ہی تھا، جس کی

کامیابی کی ضمانت اللہ تعالےٰ نے کی ہے، اور فرمایا ہے:

وان جند نالھم الغلبون.

اور بیشک ہمارا لشکر ہی غالب ہوکر رہے گا۔

اگر اللہ تعالےٰ یہ فرماتا کہ "ان جند ناغالبون" تو کافی تھا، یہ فرماتا کہ "ان جند نا لغالبون" تب بھی کافی تھا، لیکن بات میں زور، یقین اور وزن پیدا کرنے کے لئے فرمایا گیا:

انہم لہم المنصورون، وان جندنا لہم الغلبون.

یقیناً ان کی مدد کی جائے گی اور بیشک ہمارا لشکر ہی غالب ہوکر رہے گا۔

انا لننصر رسلنا والذین امنوا فی الحیوۃ الدنیا ویوم یقوم الاشہاد

یقین جانو کہ ہم اپنے رسولوں اور ایمان لانے والوں کی مدد اس دنیا کی زندگی میں بھی لازماً کرتے ہیں اور اس روز بھی کریں گے جب گواہ کھڑے ہوں گے۔

جنگ کے زمانہ میں مصر کی اخلاقی ودینی حالت

ہم جب میدان جنگ میں پہونچے تو ہم نے ہوائی باتوں، سب سے بڑے دعووں پر اعتماد کیا، مدتوں سے عالم خیال میں معرکہ آرائی کرتے رہے، لذائذ و خواہشات کے غلام بنے رہے، ان قوموں کی طرح جن کی مثالیں اللہ تعالےٰ نے قرآن مجید میں بکثرت بیان فرمائی ہیں، نہ جانے ہم کس انجام کے منتظر تھے؟

میں آپ کے معاملہ میں صاف گوئی اور حق گوئی پر مجبور ہوں کیوں کہ میں جب دنیا کے کسی خطہ میں بھی جھوٹ سے پناہ مانگتا ہوں تو رسول اللہ کے جوار اور ان کی مسجد کے زیر سایہ غلط بیانی سے کیوں کام لوں؟ ہماری زندگی کا جو رخ تھا اور ہے اس کا اندازہ تو ہمارے ریڈیو اور ہماری صحافت سے بخوبی ہوجاتا ہے۔

صرف زمانہ جنگ اور اس سے چند دن قبل کے اخبارات و رسائل پڑھئے کیا یہ اخلاق اور یہ طریقہ زندگی اللہ اور اس کے رسول کی رضا کا موجب ہوسکتا ہے؟ کیا ام کلثوم (۱) کے گیت اللہ تعالےٰ و رسول کی رضا اور فتح و کامرانی کے نزول کا ذریعہ بن سکتے ہیں؟ کیا نائٹ کلب، عریانی و بے حیائی کے اڈے، جسے ہمارے بھائیوں نے اس ملک میں نئی زندگی بخشی ہے، مقدس اسلامی مقامات کے دفاع کی سب سے بڑی ذمہ داری عائد ہوتی ہے جنہیں رسوائی

وہزیمت سے بچا سکتے ہیں؟

ایک غیر عرب بادشاہ کا عمل

مسلمانوں پر تو یہ لازم تھا کہ وہ ہنگامی حالات میں رہتے، اور ہمیشہ مستعد اور تیار رہتے، اپنے آپ پر اللہ کی مباح کی ہوئی لذتیں تک حرام کر لیتے، اور ان پہ بے چینی اور ہمہ وقت بے کلی طاری رہتی، زندگی ان کے لئے تلخ ہو جاتی، یہ سانحہ اس کا متقاضی تھا، تاریخ میں ایک غیر عرب بادشاہ نے یہی کر کے دکھایا ہے، جب شہنشاہ بابر (اس سلطنت مغلیہ کا بانی جو ساڑھے تین سو سال تک ہندوستان میں رہی) کا مقابلہ اس کے دشمن رانا سانگا کے لشکر سے ہوا تو یہ دونوں لشکر تعداد و اسباب کے اعتبار سے بین فرق رکھتے تھے، بابر کے ساتھ صرف بیس ہزار سپاہی تھے، اور رانا کا لشکر ایک لاکھ سپاہیوں پر مشتمل تھا۔

بابر شراب کا رسیا تھا، تاریخ میں یہ مشہور بات ہے کہ وہ ہمہ وقت شراب میں مست رہتا مگر اس نازک اور آزمائشی موقع پر اس نے کامیابی کے لئے دعا کی اور شراب اور تمام شرعی محرمات اور منکرات سے توبہ کی اور میدان جنگ میں کود پڑا، دشمن سے زبردست جنگ کے بعد عظیم الشان فتح حاصل کی، اور اس وسیع مسلم حکومت کی بنیاد رکھنے میں کامیاب ہوا، جس کے لازوال اجتماعی وتمدنی آثار اب بھی باقی ہیں۔

حقیقت پسند فوجوں کا یہ طرز ہوتا ہے، اور حقیقت دوست لوگ ایسے ہوتے ہیں، رہا شکست خوروں کا حال تو ان کی داستانیں مشہور ہیں ــ انہیں مجھ سے زیادہ آپ جانتے ہیں۔

کیا یہ رزم و جنگ الف لیلہ کے ڈراموں میں سے کوئی ڈرامہ ہے کہ کوئی طائفہ کوئی تمثیل مزاحاً اور تفریحاً پیش کرے، یہ بادشاہ، وہ وزیر، یہ فوجی وغیرہ وغیرہ جب کوئی حقیقی مسلح لشکر آ جاتا ہے تو مسخروں کی فوج بھاگ کھڑی ہوتی ہے اور ڈرامہ ختم ہو جاتا ہے۔

نمائشوں، ڈراموں کا خاص موقع ہوتا ہے، یہ امن آسائش کا زمانہ اور اطمینان و فراغت کے ماحول میں کئے جاتے ہیں۔

شکست تعجب خیز نہیں

اب ایسی صورت میں ہم کیوں نہ اس نکبت و ذلت اور رسوائی کے مستحق ہوتے جو ۵ جون

کے سانحہ میں ہمارے حصہ میں آئے۔

اللہ تعالیٰ کی بے شمار صفات میں سے ایک صفت عدل بھی ہے ہم سب کا اس پر ایمان ہے، میں یہ سمجھتا ہوں کہ ہم واقعی اس شکست کے مستحق تھے، شکست کا ہونا تعجب خیز اور حیرت انگیز اور بعید از قیاس نہیں اس کے برعکس ہوتا تو حیرت اور تعجب کی بات تھی۔

کیا اللہ تعالیٰ ان نام نہاد مسلمانوں کی مدد کرتا جو اپنے بھائیوں کے دشمن اور اپنے دشمن کے بھائی ہیں، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

محمد رسول اللہ والذین معہ اشدآء علی الکفار رحمآء بینھم.

محمد خدا کے پیغمبر ہیں اور جو لوگ ان کے ساتھ ہیں وہ کافروں کے حق میں تو سخت ہیں اور آپس میں رحم دل۔

یمن کی داستان غم (۱)

مگر ہم دشمنوں کے بارے میں رحم دل اور آپس میں انتہائی سنگدل ہیں، اس غریب یمن کا کیا قصور تھا؟ اسے اپنی بہادری، جنگ آزمائی اور انتقام کا مرکز و میدان کیوں بنایا گیا؟ یہ شجاعت اپنے حقیقی دشمن کے خلاف کیوں استعمال نہیں کی گئی؟ مگر مصریوں کا حال تو اس شعر کے مصداق ہے۔

نہ شود نصیب دشمن کہ شود ہلاک تیغت　　سر دوستاں سلامت کہ تو خنجر آزمائی

ظلم و ستم کے شکار یمنی مسلمانوں کے خون ناحق کی پرسش جب اللہ تعالیٰ فرمائے گا، تو ان کے پاس کیا جواب ہوگا؟ وہ منصف حقیقی تو قرآن مجید میں فرماتا ہے:۔

واذا الموؤدۃ سئلت، بای ذنب قتلت.

---

(۱) مبصرین کا اندازہ ہے کہ اس بے مقصد اور بلاوجہ جنگ کے نتیجے میں جو مصر کی طرف سے یمن کے خلاف لڑی گئی دو لاکھ مسلمان شہید ہوئے، مصریوں نے اس جنگ میں وحشت و بربریت کے تمام ریکارڈ توڑ دیے، جنگ کے زمانے میں غاروں میں پناہ لینے والے غریب یمنی عرب مسلمانوں پر زہریلی گیس چھوڑی جاتی تھی، جس کا استعمال بین الاقوامی قانون جنگ کے خلاف اور اقوام متحدہ کے اصول حقوق انسانی کے منافی ہے، شدید سردی میں مصری جہاز یمن میں گرم سویٹر گراتے غریب یمنی اسے ایک نعمت سمجھ کر پہنتے مگر اس میں موت پوشیدہ ہوتی تھی، ان اونی سویٹروں میں ایسے بم پوشیدہ ہوتے جو پہننے والے کے جسم کے چیتھڑے اڑا دیتے۔

جب زندہ گاڑی ہوئی لڑکی سے پوچھا جائے گا کہ وہ کس گناہ پر قتل کی گئی۔

ایک نوزائیدہ بچی کے قتل ناحق پر جو عہد جاہلیت میں زندہ دفن کی جاتی تھی، اللہ تعالیٰ کے یہاں اس کے قاتل سے پرسش ہوگی تو قوم کی اتنی بڑی تعداد کے قاتل قیامت میں اپنا دامن کیسے چھڑا سکیں گے۔

قریب یار و ہے روز محشر، چھپے گا کشتوں کا خوں کیونکر
جو چپ رہے گی زبان خنجر لہو پکارے گا آستیں کا

وہ اہل یمن جن کے متعلق حضور اقدس صلے اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا تھا:

اتاکم اهل الیمن، ارق افئدة و الین قلوبا، الایمان یمان، والفته یمان، والحکمته یمانیة(صحیح بخاری)

تمہارے پاس یمن کے لوگ آتے ہیں، جن کے دل سب سے زیادہ نرم اور رقیق ہیں، ایمان یمن کا حصہ ہے، دین کی سمجھ یمن کی سوغات ہے اور حکمت یمن کا مال ہے۔

اس قوم کا کیا قصور تھا؟ کیوں یہ اس تباہی کا مستحق قرار دی گئی؟

”نغمہ ہندی ہے تو کیا، لے تو حجازی ہے مری“

یہ میری قسمت میں نہیں تھا کہ میری پیدائش اس مقدس مقام پر ہو، اللہ تعالیٰ کی حکمت اور مشیت کہ میں بہت دور پیدا ہوا، میری نشو ونما ایسے ملک میں ہوئی جہاں عربی زبان بولی نہیں جاتی، یہاں ہمارے استاد علامہ تقی الدین ہلالی(۱) مراکشی تشریف فرما ہیں، ان سے ہمارے ملک کے متعلق دریافت کیجئے، یہ عرصہ تک وہاں مقیم رہے، ایک ایسا ملک جو مرکز اسلام سے طویل فاصلے پر ہے، وہاں کے لوگ عربی زبان سے بہت کم واقف ہیں، مگر الحمد اللہ اپنے اسلامی عقیدے پر نازاں ہیں، ہمارا اس پر پختہ عقیدہ اور ایمان ہے کہ ہماری سعادت، کامیابی اور بقا کا راز حضرت محمد صلے اللہ علیہ وسلم کے اتباع ہی میں مضمر ہے، ہمارے شاعر نے کہا ہے:

---

(۱) علامہ ڈاکٹر تقی الدین ہلالی مراکشی عرصہ تک دارالعلوم ندوۃ العلماء میں مدرس رہے، موصوف سے شاگردوں میں اس کتاب کے مصنف کے علاوہ مولانا مسعود عالم صاحب ندوی مرحوم، مولانا محمد ناظم صاحب ندوی، مولانا ابواللیث صاحب ندوی، مولانا حافظ محمد عمران خان صاحب ندوی اور کئی حضرات ہیں، جنھوں نے علمی، دینی، سماجی اور تعلیمی میدان میں ممتاز مقام حاصل کیا۔

محمد عربی کابروئے ہر دوسرا است
کسے کہ خاک درش نیست خاک بر سر او

حضرت محمد صلعم کی قیادت کو تسلیم کیے بغیر ہم کبھی فوز وفلاح نہیں پا سکتے۔ اگر آپ نے اس سے انکار کیا جیسا کہ عرب قومیت کے رہنماؤں نے کیا ہے تو اس کے نتیجہ میں تائید غیبی، فتح ونصرت اور عزت وسربلندی سے ہم محروم ہو جائیں گے۔ اللہ تعالےٰ نے عربوں کی ترقی وسربلندی اور مستقبل کو حضرت محمد صلعم کے دامن سے وابستہ رکھا ہے، کسی اشتراکی لیڈر اور قومیت کے رہنما سے نہیں۔

کی محمدؐ سے وفا تو نے تو ہم تیرے ہیں
یہ جہاں چیز ہے کیا، لوح وقلم تیرے ہیں

نہ صرف عربوں کی بقاء، ترقی، عزت وسربلندی اور فتح وکامرانی کا انحصار محمد رسول اللہ کی غلامی اور پیروی میں ہے، بلکہ آپؐ کی بعثت کے لمحے سے قیامت تک تمام دنیا کے انسانوں کی فلاح وبہبود، سعادت ونجات آپؐ ہی کے نقش قدم کے اتباع اور دامن سے وابستگی میں ہے۔

عرب قومیت کے علم برداروں نے کیا دیا؟

حیوانات کی بڑی تعداد، واقعات اور تجربات سے فائدہ اٹھاتی ہے، سبق حاصل کرتی ہے، ہم کیوں نتیجہ نہیں نکالتے؟ نفع اور نقصان کا گوشوارہ نہیں تیار کرتے؟ ہمیں ان عرب قومیت کے زعماء اور انتہا پسند ملحد لیڈروں نے کیا دیا؟ کس برے انجام کے رخ کو انھوں نے موڑا؟ کون سی آفت ٹالنے میں یہ کامیاب رہے؟ کون سا کھویا ہوا اعتماد انھوں نے دوبارہ حاصل کیا؟ اقتصادی اور معاشی خوشحالی لانے میں یہ کب کامیاب رہے؟ صنعت وحرفت ایجاد واختراع میں عرب ممالک کی پسماندگی اور محتاجی کہاں ختم ہوئی؟ انھوں نے تو ہماری تابناک تاریخ پر سیاہی پھیر دی، ہمارے رعب واثر کا بڑا حصہ لوگوں کے دلوں سے زائل کر دیا، ہمیشہ اپنی اسلامی عربی تاریخ پر فخر کیا کرتے تھے،....... مگر آج...... عام مجلسوں میں اس کا حوالہ دینا دشوار ہو گیا ہے، جو عظمت رفتہ ہمیشہ حال ومستقبل میں حوصلہ دیتی رہی وہ ان لیڈروں کی بے دانشی کی نذر ہو گئی۔

عرب قومیت میں غیر عربوں کے لئے کوئی کشش نہیں

یہ کوئی دانش مندی کی بات اور عقل مندی کا تقاضا نہیں کہ ہندوستان، پاکستان، انڈونیشیا، ترکی، ملیشیا کا انسان تمہاری عرب قومیت کی وجہ سے تمہارا احترام کرے، وہ تو اسلام، ایمان اور انسانیت کی ہدایت کے لئے تمہاری تاریخی کوششوں کی بنا پر تمہارا احترام کرتا ہے۔ کمزوروں کی دستگیری، ظالموں کی سرکوبی یہ تمہارا شعار رہا، تمہارے اعلی اخلاق وصفات اور اسلامی دعوت سے تمہاری وابستگی نے مشرق ومغرب کے مسلمان کے دل میں تمہاری محبت جاگزیں کی اور ان ہی خصوصیات کی وجہ سے اسلامی دنیا نے تمہیں ہمیشہ اپنے سینے سے لگایا اور محبوب رکھا، صدیوں پہلے جزیرۃ العرب سے نکل کر تم نے اسلام کی روشنی وسط ہند تک پہونچائی۔ افغانستان، ایران، سمرقند، بخارا یہ سب تمہارے زیر نگیں ہو گئے، یہ وہ ممالک ہیں، جن کی تاریخ شکست سے ہمیشہ ناآشنا رہی، انھوں نے کبھی تلوار کی دھار کے آگے گردن نہیں ڈالی، انھیں اسلام نے شکست دی، اسلام کے اعجاز، اس کے پیام ودعوت کے آگے یہ جھک گئے، عربوں نے انھیں اپنا غلام نہیں بنایا بلکہ اسلام نے انھیں اپنا حلقہ بگوش کیا، یہ انصاف، مساوات اور انسانیت کی خیر خواہی کے ان مظاہر کے آگے سپر انداز ہوئے جنھیں تم لے کر پہونچے تھے، اس دعوت سے دنیا کی مختلف رنگ ونسل کی قومیں متاثر ہوئیں، جسے حضرت محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم لے کر آئے اور جس میں پوری انسانیت کی فلاح ونجات کا سامان تھا۔

قومیت عربیہ اور عالم انسانیت

مجھے بتلائیے کہ عالم انسانیت کے لئے قومیت عربیہ کے پاس کیا پیام اور کون سا فلاحی پروگرام ہے؟ تمام بنی نوع انسان کی کون سی بہتری کسی بھی قومیت کی دعوت میں ہے؟ قوم، جنس، رنگ ونسل کے حریف تو ہر جگہ ہیں، اگر تمہیں اپنی عرب قومیت پر فخر ہے تو دنیا میں سینکڑوں قومیں ہیں جنھیں اپنی اپنی قومیت پر فخر ہے، کسی قومیت کو دوسری قومیت یا کسی قدیم تہذیب وکلچر پر اپنی دوسری قدیم تہذیب کو کوئی افضلیت نہیں، افضلیت تو اس پیام کے لئے ہے، جسے حضرت محمد صلے اللہ علیہ وسلم پیش فرما گئے۔

دنیا تمہاری منتظر ہے

اے عربو! اسلامی دنیا تمہارا احترام کرتی ہے، اس کی قدر کرو، اسلامی غیرت اور انسانی ہمدردی کے باقی ماندہ اثاثے کو لے کر اٹھو، دنیا تمہاری منتظر ہے کہ تم اسے اس بیسویں صدی کی جہالت سے نکالو، جس نے اسے پامال اور مشرق و مغرب کو مسموم کر دیا ہے، قیادت اور ہدایت کے اپنے دیرینہ منصب و مقام کی طرف لوٹو، آفاق کی وسعتوں میں دعوت اسلامی کا فریضہ انجام دو، کامیاب اور کامرانی ہر معرکہ میں تمہارے ہم رکاب ہوگی۔

اپنے من میں ڈوب کر پا جا سراغ زندگی
تو اگر میرا نہیں بنتا نہ بن اپنا تو بن

''ان تنصروا اللّٰہ ینصرکم ویثبت اقد امکم''.

اجتہاد اور فقہی مذاہب کا ارتقاء

الحمد لله وكفى وسلام على عباده الذين اصطفى. اما بعد

اسلام کی دائمی حیثیت:

حضرات! یہ بنیادی حقیقت ہے کہ زندگی متحرک اور ترقی پذیر ہے، ہمیشہ جوان رہتی ہے، اس میں نشوونما کا عمل مسلسل جاری رہتا ہے، ایک حالت سے دوسری حالت میں تبدیل ہوتی رہتی ہے۔ نیز ایک رنگ سے دوسرے رنگ میں منتقل رہتی ہے۔ اسے جمود یا ٹھہراؤ لاحق نہیں ہوتا، نہ ہی یہ بڑھاپے اور تعطل کا شکار ہوتی ہے۔ اس کے طویل اور مسلسل سفر میں وہی حرکی دین اس کے ہم رکاب ہوسکتا ہے جو نہ زندگی کی دوڑ میں پیچھے رہے، نہ ہی اس سفر سے عاجز آئے۔ بلکہ اس کے قدم سے قدم ملا کر چلے۔ اور اس کا جوہر حیات اور ارتقاء ختم نہ ہو۔ اسلام ہی ایسا دین ہے۔ اگرچہ اس کا خمیر پختہ عقائد اور ابدی حقائق سے اٹھایا گیا، تاہم وہ زندگی سے لبریز اور ارتقاء پذیر ہے۔ اس کے ہاں ایسا جوہر حیات موجود ہے جو کبھی ختم نہیں ہوتا اور ایسا مواد ملتا ہے جو کم نہیں ہوتا۔ یہ دین ہر زمان و مکان کے لئے قابل عمل ہے۔ اس کے پاس ایسی روشنی ہے جو زندگی کے ہر نئے انداز کے لئے، نسل انسانی کے لئے تاریخ کے ہر دور میں، یکساں مفید ہے۔

اکثر مسلمانوں کے عقیدے کے برعکس اور بہت سے مستشرقین اور مغربی مورخین کی پیش کردہ تصویر کے برخلاف، اسلام کسی ایک دور کی تہذیب نہیں، نہ ہی کسی خاص تاریخی دور کی صنعت وحرفت سے عبارت ہے کہ وہ اسی دور کے آثار وقواعد کی نمائندگی کرے۔ پھر وہ رسومات اور قصوں میں زندہ رہے جبکہ حقیقی زندگی سے اسے کوئی تعلق نہ ہو، اور مسائل زیست کو اپنے پیغام کی روشنی میں حل کرنے کی صلاحیت سے محروم ہو جیسا کہ یونانی اور رومی تہذیبوں نیز ترکی اور مغلیہ صنعت وحرفت کے [illegible] کہا جاتا ہے۔

بلکہ وہ ایک زندہ دین ہے جس کا پیغام ابدی ہے، وہ زندگی کی طرح زندہ اور فطری حقائق

اور زندگی کے قوانین کی مانند ابدی اور دائمی ہے۔ کیونکہ اسے عطا کرنے والا طاقت والا، غالب اور جاننے والا ہے۔

صنع اللہ الذی اتقن کل شیء (سورۃ النمل آیت ۸۸)

(ترجمہ) اللہ کی کاریگری ہے جس نے ہر چیز کو خوب پختہ طور پر بنایا ہے۔

الیوم اکملت لکم دینکم واتممت علیکم نعمتی ورضیت لکم الاسلام دینا

(ترجمہ) اب ہم تمہارے دین کو تمہارے لئے کامل کر چکے اور ہم نے تم پر اپنا احسان پورا کر دیا اور ہم نے تمہارے لئے (اسی) دین اسلام کو پسند کیا۔

اس دین کو کاملیت حاصل ہے، اس کے بعد کسی اور دین کا انتظار نہیں ہوگا، اس کی موجودگی میں کسی نئے پیغام کی ضرورت نہیں۔ اس میں ایسا جوہر حیات موجود ہے جو کبھی ختم نہیں ہوتا اور اس میں نمو کی وہ کیفیت ہے، جس کی کوئی انتہا نہیں۔ اسی وجہ سے وہ ایک طرف زندگی کے دوش بدوش اور اس کے قدم سے قدم ملائے رواں دواں ہے، تو دوسری جانب اس کی اصلاح اور درستگی کے لئے اس کی نگرانی اور رہنمائی کرتا ہے، اور اس کی کجی اور گمراہی کو درست کر دیتا ہے۔ وہ بہت سے تحریف شدہ ادیان کی طرح ترقی کی راہ میں حائل نہیں، نہ ہی وہ بہت سے نظری فلسفوں کی طرح جامد نگراں ہے یہ زندہ انسانوں کے لئے زندہ اور کامل دین ہے جو انسانی شعور کا ادراک رکھتا اور اس کی ضروریات کا انتظام کرتا ہے، مشکلات میں اس کی رہنمائی کرتا اور برائی کی جانب جانے سے اسے روکتا ہے۔

امت مسلمہ، شریعت اسلامیہ، اور انسانی زندگی:

امت مسلمہ اس امر کی صلاحیت رکھتی ہے کہ وہ لاتعداد تغیرات، غیر محدود اور قیاس کی حد سے فزوں تر مسائل کا حل پیش کرے۔ چنانچہ وہ زمان و مکان کے خلاف اور لباس و ماحول کی بوقلمونی کا دوقوتوں سے مقابلہ کر سکتی ہے۔

دوسری اور تیسری صدی ہجری میں اجتہاد اور مجتہدین:

اسلام جزیرۃ العرب میں طلوع ہوا یہاں زندگی سادہ اور تہذیب اپنے ابتدائی دور میں

تھی۔ وہاں سے اسلام ایسے وسیع اور زرخیز علاقوں میں پھیلا جو قدیم تہذیبوں کے مراکز اور وسیع علاقوں پر مشتمل تھے جیسے شام، عراق، مصر اور ایران۔ یہاں سماجی زندگی وسیع ہو چکی تھی۔ تجارت، حکومت، زراعت، آبپاشی اور ٹیکسوں کے نظام رائج تھے۔ سب سے اہم جو مسئلہ درپیش تھا وہ یہ تھا کہ اسلامی اصولوں کو ان امور اور مسائل سے ہم آہنگ کیا جائے اور معاشرے کو اسلامی اصولوں کو ان امور اور مسائل سے ہم آہنگ کیا جائے اور معاشرے کو اسلامی روح اور اساسیات کا تابع بنایا جائے۔ یہ کام بلند پایہ ذہانت، باریک بینی اور ہم عصر معاشرے سے مسلمانوں کی گہری واقفیت کا متقاضی ہے اس کے ساتھ نفسیات اور انسانی فطرت سے کامل آگہی نیز قوم کے مختلف گروہوں اور زندگی کے زاویوں کے بارے میں وسیع تجربہ چاہتا ہے۔ مزید برآں وہ یہ بھی مطالبہ کرتا ہے کہ کتاب وسنت میں موجود دین کے فقہی سرمایہ کی وسیع معلومات حاصل ہوں، علم کے بنیادی مآخذ اور اسلامی قانون سازی کے اساسی قواعد میں ممارست نیز عربی زبان میں مہارت اور کمال حاصل ہو۔ کیونکہ یہی وہ زبان ہے جس میں قرآن حکیم نازل ہوا اور جس میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشادات فرمائے۔

اس امت پر اللہ تعالیٰ کا کرم ہے کہ اس نے اس اہم منصب کی سہولت کے لئے امت کو ایسے رجال کار عطا فرمائے جن کا شمار نابغہ روزگار میں ہوتا ہے اور ان کی نظیر نہیں ملتی۔ ان حضرات نے تفقہ، امانت اور خلوص میں منفرد مقام حاصل کیا ہے۔ انہیں حضرات میں سے یہ چار آئمہ بھی ہیں۔

الف۔ امام ابوحنیفہ متوفی ۱۵۰ھ
ب۔ امام مالک متوفی ۱۷۹ھ
ج۔ امام شافعی متوفی ۲۰۴ھ
د۔ امام احمد بن حنبل متوفی ۲۴۱ھ ان

فقہاء کا فقہی سرمایہ زندہ جاوید ہے اور عالم اسلام میں سے اکثریت اس پر عمل پیرا ہے۔ یہ چاروں فقہاء وسیع اور دقیق نکتہ فہمی میں ممتاز تھے۔ انہوں نے فقہی اور قانونی متاع کو تشکیل دینے کے لئے اپنی زندگیاں وقف کیں اور اپنی خداداد صلاحیتیں صرف کیں۔

اس فقہی متاع کا دنیا میں کوئی مقابلہ نہیں کرسکتا۔ یہ فقہ آج کے دور میں بھی قانون سازی

کے لئے بنیادی ماخذ کی حیثیت رکھتی ہے۔ ان آئمہ نے اپنے کو اس گراں قدر خدمت کے لئے وقف کیا اور آج امت مسلمہ ان کی پیروی کر رہی ہے۔ انہوں نے زندگی میں ہر آرام، راحت اور منصب ومرتبہ قربان کر دیا اور ان میں سے ہر ایک نے علمی متاع اور فقہی میراث یادگار چھوڑی جو آج کے علمی اداروں اور بڑی بڑی تنظیموں کے پاس موجود ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ان فقہا کو سعادت مند شاگرد عطا فرمائے تھے، جو نہ صرف ان کی علمی میراث کے وارث ہوئے بلکہ انہوں نے اس میں اضافے کئے۔ وہ اس کی چھان پھٹک کرنے اور اس کی نوک پلک سنوارنے میں مصروف رہے۔ یہاں تک کہ فقہا میں یہ صلاحیت پیدا ہو گئی کہ وہ ان کے بعد کے زمانوں اور ان کے ملکوں سے باہر نکل کر دوسرے علاقوں میں رائج ہو سکے۔

امت اسلامیہ کی زندگی میں اجتہاد کی فضیلت:

ان آئمہ مجتہدین اور فقہائے کرام کا وجود اسلام کی ابتدائی صدیوں میں روشنی کا مینار تھا۔ ان کی کوششوں اور دانائی کے سبب امت کے سماجی امور، باہمی معاملات اور مالی پالیسیوں میں وحدت عمل پیدا ہوئی۔ اور یہی وحدت عبادات، خاندانی نظام اور شخصی قانون میں بھی نظر آنے لگی۔ اسی اتحاد نے دینی اور فکری ہم آہنگی کے لئے اہم کردار ادا کیا۔ یہی وجہ ہے کہ یہ امت اس سماجی اور قانونی انتشار سے محفوظ رہی ہے جس انتشار کا دوسری قومیں اور ادیان اپنے ابتدائی ادوار میں شکار ہوئے اور یہی انتشار آہستہ انہیں غیر دینی زندگی کی طرف لے گیا اور اس طرح ایسا دینی نظام وجود میں آیا کہ اقوام اپنے دین کی مبادیات کے خلاف دیگر اقوام کی خوشہ چینی کرنے لگیں یا مسیحیت کی طرح دین سیاست سے جدا ہے کے مفروضے کے مطابق عمل کر دیں۔

اگر ابتدائی دور کے علمائے کرام اجتہاد اور مسائل کے استنباط میں سستی سے کام لیتے اور محنت ومشقت پر آرام وراحت کو ترجیح دیتے تو ان کے علمی نتائج اور کارنامے کمزور ہو جاتے اور ان کے اذہان پر جمود طاری ہو جاتا چنانچہ زندگی کی عملی مشکلات اور تقاضوں کے پیش نظر حکومتیں مجبور ہو جاتیں کہ وہ رومی اور ایرانی نظاموں کی خوشہ چینی کریں، اسلامی ریاست میں رومی اور ایرانی قانون نافذ کریں کیونکہ انتظامی ڈھانچہ کو چلنے سے کوئی نہیں روک سکتا اور قانون سازی کے انتظار میں زندگی کی حرکت کو کوئی معطل نہیں کر سکتا، اسی طرح تجارتی معاملات کی تکمیل اور

دینی فرائض کی ادائیگی میں تاخیر نہیں کی جا سکتی کہ علمائے کرام غور و خوض کر کے کسی حتمی نتیجہ تک پہنچ جائیں اور ان امور کی بجا آوری ممکن ہو۔ اگر ایسا ہوتا تو امت کی بہت بڑی بدبختی ہوتی یعنی وہ اسلامی قانون کی برکتوں، اسلامی معاشرے کی نعمتوں، اسلامی شریعت اور سنت نبوی کی رہنمائی سے محروم ہو جاتی۔ یہ امر اس کا مقدر ہوتا کہ وہ دیندار امت کی حیثیت سے نہ صرف مسجدوں میں وقتی طور پر زندہ رہتے۔ ان سے [illegible] بازاروں اور عدالتوں میں کبھی سے جاہلیت یا لادینیت کا دور دورہ ہوتا جیسا کہ ان ممالک اور ریاستوں میں ہے جن کا سرکاری مذہب عیسائیت ہے لیکن وہ عیسائی قانون سے محروم ہیں۔ افسوس اور ندامت سے ساتھ [illegible] پڑتا ہے کہ جیسا ان ممالک اور ریاستوں میں ہے جو عقیدہ اور عبادات میں تو اسلام پر یقین رکھتی ہیں لیکن اسلامی قانون اور شریعت ان سے [illegible] ہیں۔ عیسائیت والے اس آفت سے [illegible] وہ آئین [illegible] سے محروم [illegible] وہ پوری زندگی میں دین سے نفاذ پر اصرار نہیں [illegible] لیکن اسلام میں یہ تصور [illegible] چنانچہ [illegible] عقیدہ اور [illegible] عبادات اور [illegible] اپنی زندگی سے [illegible] اور [illegible] سے کام لینے سے ساتھ [illegible] اور تصادم [illegible] ایک بڑی کشمکش ہو رہی ہے، چنانچہ [illegible] اسلامی [illegible] زندگی [illegible] تحقیق [illegible] ہوتی ہیں جن کے نتیجہ میں آئندہ نسلوں کے لئے دین سے ساتھ اپنا تعلق قائم رکھنا برائے نام رہ جاتا ہے۔

یہی حال تفصیلی احکام کا ہے۔ جن امور کا تعلق عبادات سے ہے ان میں جو مسائل اور مشکلات درپیش ہوتی ہیں اور بتقاضائے بشری جو غلطیاں اور کمزوریاں سرزد ہوتی ہیں۔ بسا اوقات سہو، بھول، نسیان، غفلت وغیرہ کی بنیاد پر ہوتی ہیں جو التباس لاحق ہو جاتا ہے وہ کبھی جان بوجھ کر ہوتا ہے اور کبھی شریعت سے عدم واقفیت کی وجہ سے۔ ان میں جو کمی بیشی پائی جاتی ہے اس کے اسباب علم، دینی ثقافت اور اسلامی تربیت میں فرق ہے یا قبولیت اسلام میں تقدیم وتاخیر ہے۔ مکمل اسلامی ماحول، اسلام اور جدید معاشرتیں یا مخلوط ماحول بھی ان وجوہات کا حصہ ہیں۔ یہ تمام معاملات فیصلہ کن جواب اور فوری حل کا مطالبہ کرتے ہیں۔ ایک شخص جواب نہ ملنے کی وجہ سے نماز سے منہ موڑ کیا حالانکہ وہ اس کا احترام کرتا ہے اور یہ روزہ دار ہے جس نے اپنے کو کھانے سے روک لیا، اور یہ امر بھی فتویٰ چاہتا ہے کہ مسلمان پر کن مال میں زکوٰۃ فرض

ہوتی ہے؟ زکوٰۃ کی مقدار کیا ہے؟ اس کے مصارف کون سے ہیں؟ یہی حال حج کا ہے۔ جو ایک وسیع فریضہ ہے؟ جو لمبی مدت، طویل مسافت، ایک رکن سے دوسرے رکن نیز ایک جگہ سے دوسری جگہ نہایت احتیاط اور پیچیدگی سے منتقل ہونے پر مشتمل ہے۔ ان امور کی بجا آوری کے لئے رہنمائی، شرعی حکم، سنت نبوی اور اسوۂ رسول اللہ علیہ وسلم سے واقفیت کی اشد ضرورت ہوتی ہے۔ ان میں سے کوئی مسئلہ بھی ایسا نہیں ہے جس میں مہلت دینے کا امکان ہو۔ جس شخص کو یہ مسائل درپیش ہوتے ہیں اس کے لئے ممکن نہیں ہوتا کہ وہ انہیں سابقہ شریعتوں کے ماخذ سے تلاش کر لے یا غلطی کا شکار رہے۔ اس لئے لازمی ہے کہ ضروری احکام، ان کی جزئیات اور فقہی معلومات بآسانی میسر ہوں اور ایسے علمائے کرام بھی موجود ہوں، جو شرعی علوم میں مہارت رکھتے اور رہنمائی کے لئے مستعد ہوں۔ اسلامی معاشرے کی سلامتی اس امر میں پنہاں ہے کہ وہ دوسرے مذاہب کی طرح عبادات میں تحریف و تصرف نہ کرے۔ اسلام کے سوا دیگر مذاہب میں ماہوار یا سالانہ تقریبات میں شریک ہونے والوں میں کوئی رشتہ قائم نہیں ہوتا حالانکہ وہ سب ایک ہی مذہب کے پیرو اور ایک ہی عمل میں مشغول ہوتے ہیں۔ وہاں طمانیت قلب یا صبغۃ اللہ جیسی کسی چیز کا کوئی وجود نہیں ہوتا۔ اس کے برعکس مسلمانوں کی مسجدیں، حج اور دینی مراکز وحدت اسلامی کے رشتہ میں پروئے ہوئے ہوتے ہیں، ان میں یگانگت اور اتحاد ہے، عقیدہ اور عبادت کی وحدت نمایاں ہے اور وہ ایک ہی شریعت کے پیرو ہیں۔ اس وحدت کا سہرا دینی ہدایات کی صحت اور ان کی یگانگت کے سر ہے۔ پھر محدثین اور فقہا بھی لائق تحسین ہیں جو اس امت کے قانونی خزانے کی حفاظت کرتے رہے اور اس کا تعلق اپنے حقیقی سرچشمہ اور متحدہ دینی نظام سے جوڑے رکھا۔

یہ اجتہاد، فقہ کی تدوین اور شرعی احکام کا استنباط اپنے اپنے زمانے اور اپنے اپنے وقت پر ظہور میں آیا، اس میں نہ کچھ پہلے ہوا اور نہ بعد میں۔ اس فقہ کا یہ نمو طبائع الاشیاء اور امور کائنات کی نہج کے عین مطابق ہے۔ کیونکہ اس دین کی عالمگیریت اسی امر کی متقاضی ہے۔ یہ ویسا ہی طبعی اور منطقی تقاضا تھا جیسا کہ علم الصرف، نحو، عربی زبان کے قواعد، بلاغت اور بیان کے علوم کی نشوونما کا حال ہے۔ ان میں سے ہر ایک کی بنیاد سابقہ عربوں کے کلام، عربی زبان میں نازل شدہ قرآن حکیم اور شعر عرب پر استوار ہے۔ جب کہ عرب اور عجم کے اختلاط اور اسلام پر عمل کرنے

والوں کے لئے تمام عربی علوم کی تدوین کی نسبت فقہ کی تدوین زیادہ ضروری تھی۔ کیونکہ فقہ ہر مسلمان کی زندگی کا احاطہ کرتی ہے، عبادات اور عقیدہ سے اس کا مضبوط رشتہ ہے اخروی زندگی اور اس پر مرتب ہونے والے ثواب وعذاب، سعادت اور بدبختی نیز بخشش اور ہلاکت پر فقہ کے گہرے اثرات مرتب ہوتے ہیں۔

چوتھی صدی ہجری سے پہلے لوگوں کی حالت:

ہماری گفتگو سے یہ نہ سمجھا جائے کہ جو لوگ ان بلند پایہ مذاہب اور عالی مرتبہ عملی طریقوں کی نشو ونما کے وقت، ان فقہی مذاہب میں سے کسی ایک لڑی میں پروئے گئے تھے اور انہوں نے ایک ہی مذہب سے اپنا تعلق مضبوطی سے جوڑ لیا تھا اور اس سے بال برابر بھی انحراف نہیں کرتے تھے۔ مزید برآں اس وقت کا مسلم معاشرہ ان مذاہب میں تقسیم ہو گیا تھا۔ اور وہ سب ان مذاہب میں سے کسی ایک کے جھنڈے تلے جمع ہو گیا تھا۔ فقہ اور علم کی تاریخ سے ایسی کوئی گواہی نہیں ملتی نیز ایسا ہونا انسانی فطرت اور اس دور کے مسلمانوں کی حقیقی زندگی کے بھی منافی تھا۔ البتہ ایسا بعد کے ادوار میں ضرور ہوا۔ جب ہم اسلامی کلینڈر کی رو سے اس امر کی تجدید کرنا چاہیں تو ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ ایسا چوتھی صدی ہجری میں وقوع پذیر ہوا۔ جب یہ مذاہب پختہ اور مکمل ہو کر اپنے اپنے علاقوں میں پھیل چکے تھے۔ نیز سیاسی، حکومتی اور تربیتی عوامل بھی اس بارے میں معاون ثابت ہوئے، اور ان علاقوں کے مسلمانوں کی حقیقی زندگی بھی یہی تقاضا کرتی تھی۔

ہم موجودہ صدیوں میں آنے والے اسلام کے بطل جلیل کا ذکر کرتے ہیں جنہیں اللہ تعالیٰ نے انصاف، متوازن فکر، وسعت قلب ونظر نیز حدیث نبوی اور فقہ میں وقت نظر سے نوازا تھا۔ وہ حکیم الاسلام امام احمد بن عبد الرحیم دہلوی (متوفی ۱۱۷۶ھ) ہیں جو شیخ ولی اللہ دہلوی کے نام سے معروف اور شہرہ آفاق کتاب ''حجۃ اللہ البالغۃ'' کے مصنف ہیں، وہ چوتھی صدی ہجری سے پہلے کے مسلمانوں کی فقہی حالت کے بارے میں لکھتے ہیں کہ انہیں اس دور میں اپنی دینی زندگی میں جو مسائل اور مشکلات درپیش ہوتی تھیں تو اس کا وہ کیا حل تلاش کرتے تھے؟ وہ ''حجۃ اللہ البالغہ کے باب'' چوتھی صدی ہجری سے پہلے اور بعد کے لوگوں کا حال میں لکھتے ہیں۔

جان لیجئے کہ چوتھی صدی ہجری سے پہلے لوگ ایک ہی مذہب کی تقلید نہیں کیا کرتے تھے، ابو طالب مکی نے اپنی کتاب ''قوت القلوب'' میں لکھا ہے کہ بے شک کتابیں اور مسائل کے مجموعے وجود میں آتے رہتے تھے، علماء کے اقوال، ایک مذہب کے فتاوی ہر چیز کے بارے میں ایک شخص کا قول یا حکایت یا اس کے فقہی مذہب کو اپنانا، پہلی اور دوسری صدی ہجری تک کے لوگ اس کے پابند نہیں تھے۔

میں کہتا ہوں۔ دو صدیوں کے بعد ان میں تخریج مسائل کا عنصر پیدا ہوا حالانکہ چوتھی صدی ہجری کے باشندے ایک مذہب ایک فقہ اور کسی ایک شخص کے قول یا حکایت کی تقلید محض نہیں کیا کرتے تھے۔ جیسا کہ بعد میں ہوا۔ اس عمل میں عامۃ الناس اور علماء بھی شامل تھے۔

عوام الناس کا یہ حال تھا کہ اپنے اجتماعی مسائل، جن میں مسلمانوں یا جمہور مجتہدین کے مابین کوئی اختلاف نہیں ہوتا تھا۔ ان میں صرف صاحب شریعت کی تقلید کرتے، وضو، غسل، نماز اور زکوۃ وغیرہ کی تعلیم اپنے والدین یا اپنے شہر کے علماء سے حاصل کرتے اور اسی کے مطابق عمل کرتے تھے۔ جب انہیں کوئی مسئلہ درپیش ہوتا تو کسی مذہب کا فرق کئے بغیر، انہیں جو بھی مفتی میسر آتا اس سے مسئلہ کا حل دریافت کرتے۔

خواص کا یہ عالم تھا کہ وہ اہل حدیث تھے۔ اس لئے حدیث پر عمل کرتے تھے۔ اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث اور صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم کے آثار تک اپنے کو محدود رکھتے کسی مسئلہ کے بارے میں جب انہیں صحیح یا مستفیض حدیث مل جاتی تو اس کی موجودگی میں انہیں کسی اور چیز کی ضرورت نہیں ہوتی تھی۔ چنانچہ بعض فقہا بھی اسی پر عمل پیرا تھے۔ حدیث نبوی، جمہور صحابہ کے آثار اور تابعین کے اقوال پر عمل نہ کرنے والے کے پاس کوئی عذر نہیں ہوتا تھا اور نہ ہی وہ اس کی مخالفت کو پسند کرتے تھے۔ جب کسی حدیث میں تعارض ہوتا اور اس میں ترجیح کا پہلو معلوم نہ ہوتا نیز درپیش مسئلہ کا تسلی بخش حل میسر نہ آتا تو وہ لوگ ماضی کے بعض فقہاء کرام کی طرف رجوع کرتے۔ اگر انہیں ہم پلہ دو اقوال ملتے تو وہ کسی ایک یا ان میں سے ثقہ قول کو اپنا لیتے۔ وہ اہل مدینہ یا اہل کوفہ کے قول میں کوئی فرق نہیں کرتے تھے۔ ان میں کچھ اصحاب ایسے بھی ہوتے تھے کہ جب وہ کسی مسئلہ میں واضح احکام نہ پاتے تو وہ خود مسائل کا استنباط کیا کرتے تھے اور فقہی مذاہب میں اجتہاد کیا کرتے تھے۔ ایسے لوگ مروجہ فقہی مذاہب

کے بانیوں کی طرف منسوب ہوتے تھے۔ جیسے کہا جاتا ہے کہ فلاں شافعی ہے، فلاں حنفی ہے، اہل حدیث بھی ان مذاہب میں سے جس مذہب سے زیادہ متفق ہوتے اسی کی طرف منسوب ہوتے تھے، مجتہد کے علاوہ کوئی دوسرا شخص قاضی یا مفتی نہیں ہوتا تھا اور فقیہ کو مجتہد کے نام سے ہی موسوم کیا جاتا تھا۔ ان صدیوں کے بعد لوگ اپنی اپنی پسند کا مذہب اپنانے لگے۔

متبع رسول ﷺ کی اجتہادی فکر:

شاہ ولی اللہ محدث دہلوی ایسے مقلد کے بارے میں کیا انصاف کی بات کہتے ہیں۔ جو درحقیقت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع کا ارادہ رکھتا ہو لیکن وہ کتاب وسنت سے ثابت شدہ شرعی حکم تک براہ راست رسائی حاصل نہیں کر سکتا کیونکہ وہ ایک عام شخص ہے یا وہ دوسرے امور میں مشغول ہے یا (قرآنی) نصوص تک رہنمائی کرنے والے وسائل اسے میسر نہیں یا وہ ان نصوص سے مسائل کا استنباط نہیں کر سکتا۔ حضرت شاہ ولی اللہ علیہ الرحمتہ ابن حزم کا یہ قول نقل فرماتے ہیں تقلید حرام ہے۔ کسی کے لئے بھی یہ جائز نہیں ہے کہ دلیل کے بغیر وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے علاوہ کسی اور شخص کا قول اختیار کرے۔

اس کے بعد آپ فرماتے ہیں کہ ابن حزم کے اس قول میں کوئی شبہ نہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے قول کے علاوہ کسی اور کا قول دین نہیں ہوتا، اللہ اور اس کے رسول صلی علیہ وسلم کے حلال کردہ امور کو ہی حلال، اور اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے حرام کردہ امور کو ہی حرام جانو، لیکن جب کوئی شخص نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اقوال سے ناواقف ہو، احادیث کے اختلافات میں مطابقت پیدا نہ کر پائے اور نہ ہی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات سے مسائل کا استنباط کر سکے تو وہ ہدایت یافتہ عالم کی پیروی کرے۔ کیونکہ وہ عالم جو کچھ کہتا اور جو فتویٰ دیتا ہے اسے معلوم ہے کہ وہ اس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کا پیرو ہے۔ اگر اس کے خیال سے اختلاف ہو تو اس سے جھگڑا کئے بغیر اور اپنی رائے پر اصرار کئے بغیر بات ختم کر دے کیونکہ اس حقیقت کا کوئی کیسے انکار کر سکتا ہے کہ فتویٰ پوچھنا اور فتویٰ دینا مسلمانوں کے ہاں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے دور سے رائج رہا ہے۔ اس امر میں کوئی فرق نہیں کہ ہمیشہ ایک ہی فتویٰ پوچھا جائے یا کبھی کبھی فتویٰ دریافت کیا جائے۔ جبکہ ہم نے جو کچھ بیان کیا اس

پر اجماع امت ہے، ایسا کیوں نہ ہو؟ کیا ہم نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی فقہ پر ایمان نہیں رکھتے ؟ جو اللہ تعالی نے انہیں وحی کے ذریعے عطا کیا اور ان کی اتباع ہم پر فرض کی کیونکہ وہ معصوم ہیں اگر ہم مجتہدین میں سے کسی ایک کی تقلید کرتے ہیں تو یہ اس یقین کے ساتھ ہے کہ ہمیں معلوم ہے کہ ایسا شخص اللہ تعالی کی کتاب اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کا عالم ہے۔ اس کا قول یا تو کتاب وسنت کی صریح نص سے ثابت ہوگا یا ان سے مروجہ طریقے سے استنباط کیا گیا ہوگا، یا قرائن سے جانا گیا کہ ہماری مطلوبہ مشکل کا حل اس طرح سے ہے اس علم سے ایسے مجتہد کا دل مطمئن ہوگیا اور اس نے ان امور کو جن کے بارے میں کوئی نص نہیں، ایسے امور پر قیاس کیا جن کے بارے میں کوئی نص موجود ہے گویا وہ کہتا ہے میں نے گمان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب کبھی یہ علت موجود ہو تو اس کا حکم یوں ہوگا۔ قیاس کرنے والا اس عموم میں اضافہ کرسکتا ہے اور یہ بھی نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف منسوب ہوگا لیکن مجتہد کا طریق کار ظنی ہوگا۔ اگر ایسا نہ ہوتا تو مسلمان کسی مجتہد کی تقلید کیوں کرتے اگر ہمیں معصوم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جن کی اتباع ہم پر فرض کی گئی کی صحیح سند والی حدیث مل جائے جو کسی فقہی مذہب کے خلاف ہو اور پھر ہم نے حدیث کو چھوڑ دیا اور اس ظنی بات کی پیروی کی تو ہم سے بڑا کوئی ظالم نہیں ہوگا اور قیامت کے دن رب العلمین کے حضور ہمارے پاس کوئی عذر نہیں ہوگا۔

مذاہب اربعہ کی خصوصیات:

شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ اپنے بلند پایہ رسالہ عقد الجید فی احکام الاجتہاد والتقلید میں چاروں مذاہب کے بارے میں تحریر فرماتے ہیں۔

جان لیجئے۔ ان چاروں مذاہب کو اپنانے میں بہت بڑی مصلحت ہے ان سب کو چھوڑنے میں بڑا افساد ہے۔ ہم اس کے اسباب بیان کرتے ہیں۔ پہلا سبب یہ ہے کہ امت کا اس امر پر اجماع ہے کہ وہ شریعت کو جاننے کے لئے اپنے اسلاف پر اعتماد کرتی ہے۔ تابعین نے ان امور میں صحابہ کرام پر اعتماد کیا اور یہ عمل ہر طبقہ میں جاری رہا۔ علمائے کرام اپنے سے پہلوں پر بھروسہ کرتے ہیں۔ عقل بھی اس کی اچھائی کی طرف رہنمائی کرتی ہے کیونکہ شریعت، روایت اور استنباط سے ہی جانی جاتی ہے اور روایت اس وقت تک درست نہیں ہوتی جب تک

پہلے گروہ سے مل کر روایت نہ کی جائے۔ اسی طرح استنباط کے لئے متقدین کے مذاہب کا علم ہونا بھی ضروری ہے تا کہ ان کے اقوال سے الگ نہ ہو جائیں اور اس امر پر استوار اجماع ختم نہ ہو جائے اور پہلے افراد اس بارے میں معاون ثابت ہوتے ہیں کیونکہ تمام صنعتیں جیسے صرف، نحو، طب، شعر لوہے کا کام، تجارت اور کپڑے رنگنا اسی وقت حاصل ہوتی ہیں جب ان کے ماہرین سے تعلق استوار کیا جائے۔ ماہرین سے تعلق قائم کئے بغیر ان صنعتوں کا سیکھنا شاذ و نادر ہی ممکن ہوتا ہے اگر چہ عقلی طور پر ایسا ہونا ممکن ہے۔ جب اسلاف کے اقوال پر اعتماد قائم ہو گیا وہ صحیح اسناد کے ساتھ مروی ہوں یا مشہور کتابوں میں جمع ہوں اور وہ کتب تفصیلی ہوں تا کہ مختلف ممکنہ اقوال میں سے قابل ترجیح قول کی وضاحت کی جا سکے۔ بعض مقامات پر ہم عام کی تخصیص کریں بعض دوسرے مقامات پر مطلق کو مقید بنائیں، اختلافات کو جمع کریں اور احکام کی علتیں بیان کریں۔ بصورت دیگر ان پر اعتماد درست نہیں ہوگا۔ ان آخری ادوار میں مذکورہ بالا چاروں مذاہب کے علاوہ کوئی اور ایسا مذہب موجود نہیں ہے۔

اجتہاد کی ضرورت، جدید نسل کی کوتاہی:

اجتہاد کی ضرورت کے بارے میں آج کل بہت سی باتیں ہو رہی ہیں۔ یہاں تک کہ یہ ترقی اور جدت کے لئے نعرہ علامت بن گیا ہے۔ بلاشبہ یہ وقت کی اہم ضرورت ہے اور اس دین کی ضروریات میں سے ہے جو زندگی کو آگے بڑھاتا اور اس کی قیادت کرتا ہے۔ یقیناً تہذیب، صنعت اور تجارت اس حد تک ترقی کر چکی ہیں کہ اندازہ کرنا مشکل ہے، نئے اسلوب پیدا ہو چلے ہیں، معاہدات اور تجارتی امور ایسے فقہی حکم کا مطالبہ کر رہے ہیں جن کی بنیاد اسلامی شریعت کی روشنی میں اسلامی اصولوں اور اصول فقہ پر قائم ہو۔

لیکن جو لوگ شرعی مسائل اور آج کی ایجادات کے بارے میں صدائے اجتہاد بلند کر رہے ہیں۔ یعنی عالم اسلام کے فکری قائدین، سیاسی اور انتظامی رہنما، عرب ممالک میں بیرونی یونیورسٹیوں کے فارغ التحصیل نوجوان اور اپنے ممالک کی یونیورسٹیوں کے فارغ التحصیل نوجوان۔ ان کی عربی تہذیب کے لئے ایسی صلاحیت، ذہانت اور قوت ارادہ پایہ ثبوت کو نہیں پہنچی جس میں بہادری، دانائی شامل ہوتا کہ وہ عربی تہذیب کے طریقوں اس کی خامیوں اور

خوبیوں اور معاملات میں خام مال کی طرح اپنے راستے الگ کریں جن سے ایسی ثقافت وجود میں آئے جو دینی تعلیمات عصری ضرورتوں اور مشرقی مسلم اقوام کی طبیعت کے مطابق ہو جس سے وہ ایسا نظام ترتیب دیں جو اس امت کی بعثت کے مقاصد کی تکمیل کرے اور ان اقوام کو راہ دکھائے جو مادیت کے چنگل میں پھنسی ہوئی ہیں۔ جب مغرب سے کوئی چیز لیں تو پہلے اس گرد وغبار وصاف کریں جو تاریخ یورپ کے دور تاریک میں اس پر لگ چکی ہو۔ حالت یہ ہے کہ آج ہم یورپ سے جو کچھ لے رہے ہیں وہ ایک اعصابی کشمکش اور نفسیاتی الجھن کی کیفیت میں لے رہے ہیں، جبکہ واقعہ یہ ہے کہ یورپ کے ان علوم کی آج ہمیں سرے سے ضرورت ہی نہیں ہے۔ انہوں نے اپنے اختصاصی میدانوں میں ایسا کردار ادا نہیں کیا جو دونوں نظاموں کو مربوط کرتا اور تربیتی نظام میں آزادا اسلامی رنگ بھر دیتا، یہی عمل اجتہاد کے مشابہ ہے جو ان کے فکری اور قائدانہ کردار کی تکمیل کرتا۔ لیکن یہ قدیم سے انسانی طبیعت کا خاصہ ہے کہ وہ اپنے قول سے جلد ہی دست بردار ہو جاتی ہے اور دوسروں سے مطالبہ شروع کر دیتی ہے کہ وہ اس کا فریضہ ادا کریں۔

اس رائے کے علی الرغم جو قابل مواخذہ نہ سمجھی جائے۔ درحقیقت شرعی مسائل اور عصری ایجادات کی موجودگی میں اجتہاد کی ضرورت روز روشن کی طرح عیاں ہے اس میں اختلاف کی کوئی گنجائش نہیں۔ یہ شرعی علوم کے ماہرین کی ذمہ داری ہے کہ وہ اس میدان میں اپنا قائدانہ اور اساسی کردار ادا کریں اور اس قیمتی سرمایہ سے استفادہ کریں جو اصول فقہ کے نام سے موسوم ہے جس کی نظیر احکام و مسائل کے استنباط کے میدان میں دوسری کوئی قوم پیش نہیں کر سکتی۔ یہ واضح حقیقت ہے کہ زمانہ کی دوڑ کو نہ روکا جا سکتا ہے، نہ وہ معطل کیا جا سکتا اور نہ ہی ماضی کی طرف لوٹایا جا سکتا ہے۔ جبکہ اسلام آج اقوام اور معاشروں کا دین ہے جنہیں یہ مسائل درپیش ہیں اور جنہیں ان کا ہر روز سامنا ہوتا ہے۔

بعض علاقوں اور ادوار میں اجتہاد کے معطل ہونے کے اسباب:

مختلف ادوار اور مختلف علاقوں میں امت اجتہاد پر قائم رہی اور علمائے کرام بھی اس پر عمل پیرا رہے۔ جس کی مثالوں اور نمونوں سے چاروں مذاہب کی فقہی کتب پر ہیں۔ تاتاری حملوں

کے بعد یہ ادارہ (اپنے جدید معنوں میں) پژمردگی اور کمزوری کا شکار ہو گیا۔ تاتاری یلغار کی وجہ سے ذہانت اور ثقافت کے سوتے خشک ہو گئے اور جو اقوام تاتاری اور مغول حکومت کے زیر اثر آئیں وہ مسلح اور غیر مسلح فوج کشی کے سامنے ماند پڑ گئیں۔ چنانچہ مسلمان علماء خاص طور سے عالم اسلام کے مشرقی حصہ کے علماء نے اس دور میں اجتہاد کے ارتقاء میں رکاوٹ محسوس کی جس کے اسباب حکام کی سختی کا خوف، سیاسی اور انفرادی مصلحتیں نفع سے زیادہ نقصان۔ بعض اوقات اجتہاد دین میں تحریف اور اس امت کے جماعتی انحراف کا باعث بنا۔ یہ سب کچھ وقتی تھا اور ابتداء ہی سے اس اصول پر قائم تھا کہ فائدہ کے حصول کی بجائے نقصان کو دور کیا جائے۔

اب اس دروازے کا کھولنا لازم ہو چکا لیکن انہیں شرائط کے ساتھ یہ دروازہ کھل سکتا ہے جو اصول فقہ کی کتب میں مذکور ہیں اور مستحسن امر یہ ہے کہ (کسی خاص ضرورت کے علاوہ) اجتہاد انفرادی نہ ہو اور یہ جماعتی اور علمی اداروں کا کام ہوتا کہ ماہرین کے ساتھ تبادلہ افکار کیا غور و خوض کتاب و سنت کی روشنی میں مسئلہ کی چھان پھٹک ہوتا کہ فقہ اور اصول فقہ کے گرانقدر سرمایہ سے مکمل استفادہ کیا جا سکے اور اس میں سازشیں اور دسیسہ کاریاں داخل نہ ہوں اور کسی سیاسی طاقت یا خود مختار حکومت کو رسوائی کا سامنا نہ کرنا پڑے۔

اجتہاد کی حدود:

بعض مبلغین کی باتوں سے یہ عیاں ہوتا ہے کہ جدید تہذیب یافتہ طبقے، یونیورسٹی کے پر جوش طلبہ اور اسلامی ممالک کے بعض حکمرانوں کو اجتہاد کی ضرورت ہے۔ ہر مسئلہ میں مطلق اجتہاد کی دعوت اور بوسیدگی کے باوجود مغربی اقدار اور عصری طریقے اپنانا گویا ایسا ہے کہ زمانہ اس طرح چل رہا ہے جیسے پہلے دن اسلام آیا تھا، انسانی معاشرہ پیچھے کی طرف الٹی چال پڑا ہے اور فقہاء اور مجتہدین نے ماضی میں جو کچھ کیا تھا وہ سب کچھ ضائع ہو گیا، ان کی آراء اور حاصل مطالعہ کی کوئی قدر و قیمت نہیں رہی کیونکہ اس دور کی طبیعت اور حقیقی زندگی سے اسے کوئی موافقت نہیں رہی۔ یہ ایسا نکتہ نظر ہے جو سطحیت لاپرواہی اور اس پروپیگنڈے کے سامنے ہتھیار ڈالنے کا نتیجہ ہے۔ وقت حاضر کا ادب جس پروپیگنڈے کے ذریعے اگلی ترقی اور زمانے کے حالات کی ایسی تصویر پیش کرتا ہے جو نوجوانوں کو حیرت میں ڈال دیتی ہے وہ سوچتے ہیں کہ گویا

وہ آج ہی پیدا ہوئے ہیں اور دنیا میں کوئی بھی چیز ایسی موجود نہیں جو کل کی اشیاء سے مشابہت رکھتی ہو۔ یہ حقیقت سے زیادہ تخیلی تصویر ہے اور صورت حال کو منطقی اور حقیقی انداز سے بیان کرنے کی بجائے جذباتی انداز میں مبالغہ کے ساتھ پیش کیا جا رہا ہے۔

دین ہی زندگی کا محافظ ہے:

دین کا مطیع اور پیرو ہوتے ہوئے میرے لئے یہ بھی ممکن نہیں کہ میں کسی بھی ایسی تبدیل شدہ حالت کو تسلیم کر لوں جس کا دین حل پیش نہ کرتا ہو، آپ بھی ایسی کسی بات پہ متفق نہیں ہو سکتے، کیونکہ دین آلہ حرارت کا نام نہیں جو ایک حد کے بعد گرمی ریکارڈ کرنے سے قاصر ہے اور نہ ہی وہ قطب نما ہے کہ ہواؤں کا رخ متعین کر لے۔ ان الفاظ سے دین کی تعریف نہیں ہو سکتی اور یہ بھی ممکن نہیں کہ وہ مغربی اوزاروں کی طرح ہو، ہم میں سے کوئی بھی ایسا نہیں جو چاہتا ہو کہ دین وقتی تبدیلیوں کے ریکارڈ کے طور پر کام کرے۔ کسی خود ساختہ دین کے لئے بھی ممکن نہیں کہ وہ یہ صورت حال برداشت کرے چہ جائیکہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل کردہ دین ایسا ہو؟

بے شک دین واقعی حقیقت کی طرح تبدیلی کا اعتراف کرتا ہے اور درست تبدیلی کے تحت معاملات کو چلنے کے کامل مواقع مہیا کرتا ہے۔

دین زندگی کے دوش بدوش ترقی کرتا ہے اور ایک تابع کی حیثیت سے اس کا ساتھ نہیں دیتا۔ اور یہ امر دین کے فرائض میں سے ہے کہ وہ مفید اور غیر مفید کو تعمیری اور تخریبی تبدیلی کے مابین امتیاز کرے اور دین کے لئے ضروری ہے کہ وہ نشان دہی کرے کہ کون سی تبدیلی انسانیت یا کم از کم اس کے پیروکاروں کیلئے مفید یا مضر ہے۔

ایک طرف تو دین فعال زندگی کے دوش بدوش چلتا ہے تو دوسری طرف وہ محافظ اور نگران کا کام سر انجام دیتا ہے کیونکہ نگرانی اور حفاظت کی ذمہ داری بھی اسے ہی سونپی گئی ہے۔

وصی کی یہ ذمہ داری نہیں ہے کہ وہ اپنے زیر وصیت کمزور اور ناتواں کے ہر کام میں مدد کرے اور اسکی ہر نئی اچھی یا بری خواہش کی تائید کرے، یا ہر اس چیز پر مہر تصدیق ثبت کر دے جو اس کے سامنے پیش کر دی جائے۔ دین دراصل مہر ہے، اس کی حیثیت ایک روشنائی کی ہے، وہ ایک طرز تحریر ہے۔ اس کی یہ شان نہیں کہ وہ ہر وثیقہ اور ہر معاہدے سے اتفاق کر لیا کرے بلکہ ضروری ہے کہ وہ ان چیزوں میں تمیز کرے اور ان میں سے (مفید چیز کو) منتخب کرے۔

پہلے وہ (وثیقہ) کی چھان پھٹک کرے۔ پھر اس کے بارے میں کوئی حکم جاری کرے۔ اگر اس میں کوئی چیز غلط یا نقصان دہ ہو تو دین کی یہ کوشش ہوگی کہ اسے نرمی سے ترک کردے اور اگر ممکن ہو تو حالات کے مطابق طاقت سے اسے مسترد کردے جب اس کے سامنے کوئی ایسا وثیقہ پیش کیا جائے جو اس کی رائے میں انسانیت کے لئے ضرر رساں ہو تو وہ نہ صرف خود اس پر مہر تصدیق ثبت کرنے سے باز رہے گا۔ بلکہ اس کا پوری قوت سے مقابلہ کرے گا اور اسی مقام پر دین اور اخلاق کا فرق واضح ہو جاتا ہے۔ دین اپنا فرض اور ذمہ داری سمجھتا ہے کہ غلط رجحان کی نشاندہی کرے اور اس کا رد کرے۔ جبکہ اخلاق اس کی طرف اشارہ کرنے اور اس کے اظہار کو ہی کافی سمجھتا ہے۔

اس وقت غور اور گہرائی، امانت اور ذمہ داری کے احساس، اس دین کی طبیعت اور پیغام سے آگہی، اپنے زمانے کے تقاضے اور ان کا پیچیدہ تانا بانا، اختلاف اور تبدیلی نیز ترقی اور ترقی پذیری کے مابین مطابقت، حرکت اور ثبات نیز مفید قدیم ورثہ کی حفاظت کے پیش نظر ہمارے لئے ممکن نہیں کہ ہم وسیع تر مفہوم میں فقہ اسلامی کی ضرورت کی نفی کریں، اسے ترقی اور وسعت میں جو بلند مقام حاصل ہے وہ انتشار پھیلانے یا ٹکڑے ٹکڑے کرنے کے لئے نہیں۔ نیز اسلامی معاشرے کی یہ اہم ضرورت ہے کہ وہ اسلامی تعلیمات اور احکام پر اس دور میں عمل پیرا ہو، جو موجودہ دور کی طرح وسیع پیانے پر تہذیب یافتہ ہے۔ جس میں موجودہ زندگی قدرتی طور پر تیزی سے ترقی کر رہی ہے اور آگے بڑھ رہی ہے۔

وعلى الله قصد السبيل و منها جائر.

اور دین کے دو راستے ہیں ایک سیدھا راستہ جو خدا تک پہنچتا ہے۔ اور بعض ٹیڑھے راستے پر ہیں۔

مغربی تعلیم اور اس کے تباہ کن اثرات

الحمد لله نحمده و نستعينه و نستغفره و نعوذ بالله من شرور انفسنا و من سيئات اعمالنا من يهده الله فلا مضل له و من يضلله فلا هادى له و نشهد ان لااله الا الله وحده لاشريک له . و نشهد ان سيدنا محمدا عبده و رسوله . اما بعد.

ایک اہم مسئلہ:

حضرات! آپ کی اجازت سے میں اس موضوع پر کسی قدر تفصیل اور وضاحت و صراحت کے ساتھ گفتگو کرنا چاہتا ہوں۔ موضوع کی نزاکت اور اہمیت اس بات کی متقاضی ہے کہ کہانی بہت دور سے شروع کی جائے، اس لئے کہ یہ مسئلہ آج کا یا چند مہینوں اور سالوں کا نہیں ہے، یہ ایک بہت قدیم مسئلہ اور پرانی مشکل ہے جس کی جڑیں ملت کی زندگی اور تاریخ میں اندر تک پیوست اور دور تک پھیلی ہوئی ہیں۔

اس مسئلے میں پہلی نفسیاتی حقیقت جس سے صرف نظر کرنا ناممکن ہے، وہ اسلامی معاشرے میں ایسے اشخاص کا وجود ہے، جنکو اس عقیدے پر (جس پر اس معاشرے کی اساس ہے) قلبی طور پر انشراح نہیں ہوتا اور وہ ان حقائق و مبادی اور مقاصد و اقدار پر یقین نہیں رکھتے جن کے لئے یہ معاشرہ زندہ اور کوشاں ہے۔

انسانی معاشرے کا مزاج:

یہ دراصل ہر اس انسانی معاشرے کا مزاج اور خاصہ ہے جو کسی مخصوص عقیدہ اور متعین حدود و قیود کا پابند ہے اور جب اس معاشرہ اور جماعت کا کوئی فرد ان حدود کی خلاف ورزی کرتا ہے تو وہ اس کے دائرے سے خارج یا اس کا باغی قرار دیا جاتا ہے اور ان حقوق و امتیازات سے ہاتھ دھو بیٹھتا ہے جو اس کو اب تک حاصل تھے، برخلاف قومیتوں کے جن کا دروازہ ہر عقیدہ و مسلک اور ہر قسم کے صحیح اور غلط طرز زندگی اور کردار کے لئے کھلا رہتا ہے اور ان کی صرف ایک شرط ہوتی

ہے اور وہ یہ کہ یہ فرد اپنی قومیت تبدیل نہ کرے، حکومت یا ملک کے خلاف کوئی سازش نہ کرے اور کسی قومی غداری کے جرم کا مرتکب نہ ہو۔

یہ مشکل اس وقت اور بڑھ جاتی ہے اور جن لوگوں پر اس معاشرے کے اچھے برے کی ذمہ داری ہے، ان کے لئے سب سے سنگین مسئلہ اس وقت پیدا ہوتا ہے جب یہ عنصر (جس نے اس عقیدہ کو کبھی اخلاص کے ساتھ قبول نہیں کیا تھا یا کسی وجہ سے اس کو ہضم نہیں کر سکا تھا یا کسی خاص سبب سے ہضم کرنے کے بعد اسے پھر خارج کر دیا تھا) اس مومن و مسلم معاشرہ کے دائرہ اور فریم کے اندر اس کے ایک جزو کی حیثیت سے زندہ رہنا اور پھلنا پھولنا چاہتا ہے اور اپنے مستقبل کو کسی مصلحت یا مجبوری سے اس کے مستقبل کے ساتھ وابستہ کرتا ہے لیکن بایں ہمہ اپنے کو اس کے مطابق ڈھالنا اس کے رنگ میں رنگنا اس کو کسی حالت میں گوارا نہیں ہوتا۔ وہ اس معاشرے کے مسلمہ و بنیادی حقائق و تصورات اور صفات و خصوصیات پر یقین نہیں رکھتا اور نہ اس کے اندر اس کے لئے کوئی گرم جوشی اور اخلاص پایا جاتا ہے۔ غور سے دیکھا جائے تو یہ بات فتنہ ارتداد سے زیادہ خطرناک، فتنہ انگیز اور دور رس ہے جس کی سنگینی سے ہمارا مسلم معاشرہ واقف ہے۔

یہ مسئلہ اس وقت کچھ اور پیچیدہ بن جاتا ہے جب یہ عنصر اپنی ذہانت وہنرمندی سے عوامی اعتماد حاصل کرنے اور دوسروں پر چھا جانے کی وجہ سے زمام قیادت اپنے ہاتھ میں لے لیتا ہے اور پھر اس کے بعد پورے معاشرہ کو اس راستے پر لے جاتا ہے جو اس کے نزدیک الحاد و بے دینی اور اس کے طے شدہ اصولوں اور اخلاقی قدروں سے بغاوت کے راستے ہیں۔ بعض اوقات اس کو ان مقاصد کی طرف بھیڑ بکریوں کی طرح ہنکایا جاتا ہے جو اس کے دین و عقیدہ سے سراسر منافی یا اس کے متوازی ہوتے ہیں، وہ ایک ایسی عمیق نفسیاتی کشمکش سے دو چار ہوتا ہے جس سے زیادہ سخت کشمکش تاریخ انسانی، تاریخ اخلاق و نفسیات اور تاریخ مذاہب میں شاید ہی کبھی پیش آئی ہو۔ وہ موت و زیست کی درمیانی اور بحرانی کیفیت میں مبتلا ہوتا ہے جس سے اس کو کسی وقت چھٹکارا نہیں ملتا۔

اس قیادت کے اثر سے، جو اپنے معاشرہ اور قوم کے دین و عقیدہ پر ایمان نہیں رکھتی بلکہ اکثر اوقات اس سے برسرِ پیکار اور آمادہ فساد رہتی ہے، فکری و ذہنی ارتداد کو کھلی چھوٹ مل جاتی

ہے اور ان لوگوں کی ایک بڑی تعداد، جن کے پاس اخلاقی ونفسیاتی حفاظت کا کوئی سامان یا ایمانی و روحانی قوت کا کوئی ذخیرہ یا کوئی علمی وفکری حصار نہیں ہوتا، اس سمندر میں غرقاب ہوجاتی ہے۔ دولت کے پرستار، چڑھتے سورج کے پجاری، موقع پرست، ابن الوقت اس کا خصوصیت سے اور زیادہ آسانی سے شکار ہوتے ہیں یا پھر دوسری شکل میں نفاق پورے معاشرے میں عام ہوجاتا ہے۔ معاشرے کی داخلی قوت ختم ہوجاتی ہے اور اس کا پورا ڈھانچہ اندر ہی اندر سڑنے لگتا ہے، مکروفریب عام ہوتا ہے، سازشوں کی کثرت ہوتی ہے، غداری اور قومی خیانت کے واقعات بکثرت پیش آتے ہیں، ضمیر اور بڑی سے بڑی قابل احترام اور مقدس میراث کا سودا ارزاں اور آسان ہوتا ہے، ملک کے بڑے بڑے رقبے چند سکوں کے عوض فروخت کردیئے جاتے ہیں، جاسوسوں اور دشمنوں کے کارندوں اور ایجنٹوں کی بن آتی ہے اور ان کو اس خدمت کے لئے کوئی بھی طریقہ اور حربہ استعمال کرنے سے دریغ نہیں ہوتا۔ یہ وہ صورت ہے جس کی نظیر کسی اور انسانی معاشرے میں (جس کو یہ سخت آزمائش پیش نہیں آئی ہے یا جس کے عوام اور قیادت کے درمیان اتنی وسیع، گہری اور بنیادی ونظریاتی خلیج نہیں ہے) نہیں ملتی۔

معاشرہ میں کمزوری:

اس کے نتیجے میں یہ معاشرہ کسی بیرونی دشمن یا اندرونی خطرہ کا مقابلہ کرنے کے قابل نہیں رہتا اور اس کی اصل وجہ یہی ذہنی انتشار اور نفسیاتی کشمکش اور قیادت اور اس کے دیئے ہوئے اعلانات اور نعروں سے عوام کی بے تعلقی اور عدم دلچسپی ہے۔ یہ سب حالات و واقعات کا منطقی نتیجہ اور نفسیات انسانی کا طبعی خاصہ ہے اور ان تمام ملکوں کی قدیم وجدید تاریخ اس پر گواہ ہے جو اپنے قائدین وزعماء یا اپنے حکام وامراء کی محبت سے کبھی آشنا نہیں رہے اور جہاں جمہور قیادت میں جذباتی ہم آہنگی اور فکری یکسانیت کبھی پیدا نہیں ہوسکی۔

البتہ اس اسلامی سوسائٹی نے، جو خود دعوت اسلامی کی اساس پر قائم تھی اور جس نے نبوت محمد ﷺ کی آغوش تربیت میں پرورش پائی تھی، اس طبعی اور تاریخی حقیقت اور امر واقعی کا کامیابی سے مقابلہ کیا جس کا واسطہ قدرتی طور پر ہر اس جماعت کو پڑتا ہے جس کی تعمیر ایمان

وعقیدہ، ذہانت وتقوی اور دعوت و جہاد کی بنیادوں پر ہوئی ہو، نفاق کی بیماری تو صرف اس ماحول کو لگتی ہے جہاں دو حریف نظریات اور مقابل قیادتیں پائی جاتی ہوں، خواہ ان دونوں میں ضعف وقوت اور قلت وکثرت کے لحاظ سے کوئی تناسب نہ ہو۔ اس موقع پر وہ متردد عنصر سامنے آتا ہے جو ان دونوں مخالف کیمپوں کے درمیان گھومتا رہتا ہے اور متردد رہتا ہے کہ ان میں سے کس کا انتخاب کیا جائے اور کس کا دامن تھاما جائے؟ پھر کسی نہ کسی دعوت کی طرف مائل ہوکر اس میں شامل ہوجاتا ہے اور اس کو اپنی محبت وتعلق کا مرکز بنالیتا ہے۔ تاہم اس کی مادی مصلحتیں اور حریف کی قوت اور عروج واقبال اس کو اپنے موقف کے اعلان، اپنی رائے کے اظہار اور نئی دعوت کو بالکلیہ قبول کرنے سے باز رکھتا ہے اور مقابل دعوت سے اپنی راہ ورسم قطعی اور آخری طور پر ختم نہیں کرتا۔ قرآن مجید میں اسی کیفیت کو اس آیت میں بیان کیا گیا ہے۔

> ''بیچ میں پڑے لٹک رہے ہیں، نہ ان کی طرف (ہوتے ہیں) نہ ان کی طرف۔''
>
> (النسا، ۱۴۳)

دوسری جگہ ارشاد ہوتا ہے۔

> ''لوگوں میں بعض ایسے بھی ہیں جو کنارے پر (کھڑے ہوکر) خدا کی عبادت کرتے ہیں، اگر ان کو کوئی (دنیاوی) فائدہ پہنچے تو اس کے سبب مطمئن ہوجائیں اور اگر کوئی آفت پڑے تو منہ کے بل لوٹ جائیں (یعنی پھر کافر ہوجائیں)۔''

اسی لئے جیسا کہ اکثر مفسرین کا خیال ہے کہ مکہ میں نفاق کا وجود نہ تھا اور اس کی وجہ یہ تھی کہ اسلام وہاں مغلوب تھا، اس کے اندر نفع ونقصان پہنچانے اور تغیر وتبدل کی کوئی طاقت نہ تھی اور وہاں دو متوازی قوتیں نہ تھیں، مشرکین بڑے طاقتور اور غالب تھے اور مسلمان مظلوم، نہتے اور مغلوب تھے۔ جب اسلام مکہ سے مدینہ منتقل ہوا اور اسلامی سوسائٹی اپنے تمام لوازمات اور طبعی خاصیتوں کے ساتھ وجود میں آئی تو نفاق نے سر اٹھایا، یہ ایک ایسی قدرتی اور نفسیاتی صورت حال تھی جس سے کوئی مفر نہ تھا۔ لیکن رسول اللہ ﷺ کے تشریف فرما ہونے اور سلسلہ وحی کی وجہ سے یہ نوزائیدہ سوسائٹی ان منافقین کے ضرر سے محفوظ رہی۔ قرآن مجید نے متعدد جگہوں پر ان کو اچھی طرح بے نقاب کیا ہے۔ عام مسلمان بھی ان سے واقف، بیزار اور متنفر تھے، سوسائٹی نے بھی ان کو اپنے دائرے سے خارج کردیا تھا اور ان کے لئے اس کے اندر

چوری چھپے گھسنے اور خلل اندازی کرنے کا زیادہ موقع باقی نہیں رہا تھا، سوسائٹی کے اعتماد کو حاصل کرنے اور منصب و اقتدار تک پہنچنے کی بات تو بہت دور کی بات تھی، چنانچہ یہ اولین اسلامی سوسائٹی برابر صحت مند اور ان آلائشوں سے محفوظ رہی، نفاق اس کو کمزور نہ بنا سکا اور منافقین کو بھی اس کو نقصان پہنچانے کا موقع نہ مل سکا بلکہ ان کی کمزوری، شکست خوردگی اور بدحالی دیکھ کر بہت سے صحابہ رضی اللہ عنہم کو، جن میں بڑے جلیل القدر صحابی بھی شامل تھے، یہ خیال پیدا ہوا کہ شاید ان کی نسل ختم ہو چکی ہے اور عہد نبوی کے بعد اب نفاق کا کوئی وجود نہیں رہا لیکن نفاق پہلے بھی انسانی زندگی کا ایک خاصہ اور بہت سے لوگوں کی کمزوری تھا اور آج بھی ہے، اس نے کسی وقت قافلہ انسانی کا ساتھ نہیں چھوڑا ہے اور ہر موقع اور گنجائش سے پورا فائدہ اٹھایا ہے اور اپنی جگہ بنائی ہے۔ بہت سے اسباب و عوامل نے (جن کی تفصیل کا یہاں موقع نہیں) اس کی ہمت افزائی کی اور اس کو تخت سلطنت، حربی قوت اور انتظام حکومت کی منزل تک پہنچایا، نیز علم و ادب کی محفلوں میں اس کو باریابی کا موقع دیا اور یہ سب اس عہد میں ہوا جب اسلام پیش قدمی کر رہا تھا، فاتح و با اقتدار تھا اور اسلام قبول کرنے اور اسلامیت کا مظاہرہ کرنے میں بہت سے سیاسی اجتماعی اور اقتصادی فوائد بھی تھے، یہ وہ موقع تھا جب نفاق نے آگے بڑھ کر وسیع اسلامی سلطنت کے کلیدی اور اہم عہدوں پر قبضہ کر لیا اور اس میں ایسے لوگ پیدا ہوئے جنہوں نے کسی خاص فن یا صنعت میں اپنی مہارت کی وجہ سے یا غیر معمولی ذہانت یا علمی برتری کی وجہ سے نوزائیدہ اسلامی حکومت پر پورا تسلط حاصل کر لیا اور ان میں بڑے اعلیٰ درجے کی انتظامی صلاحیتوں کے لوگ، افواج کے سپہ سالار اور ادبا، و اہل قلم اور حکومت کے اہل کار پیدا ہوئے۔

ان حالات میں ایک مرتبہ سیدنا حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ سے نفاق اور منافقین کی موجودگی کے بارے میں سوال کیا گیا اور آنحالیکہ اقتدار اسلام اور مسلمانوں کے ہاتھ میں ہے۔ انہوں نے اثبات میں جواب دیا اور صرف ان کے وجود کی تصدیق ہی نہیں کی بلکہ اس کا اظہار کیا کہ وہ طاقت کی پوزیشن میں ہیں۔ ان سے ایک شخص نے پوچھا کہ حضرت! کیا آج بھی نفاق کا کہیں وجود ہے؟ انہوں نے جواب دیا کہ اگر منافقین بصرہ کی گلیوں کو چھوڑ دیں تو تم کو ویرانی کی وجہ سے وحشت ہونے لگے۔ ایک مرتبہ فرمایا کہ اگر وہ نکل جائیں تو تم اپنے دشمنوں سے عہدہ برآ نہ ہو سکو۔ ایک موقع پر کہا کہ خدا کی شان! اس امت کو منافقین نے کتنا نقصان

پہنچایا اور کس طرح اس پر قبضہ کرلیا۔

اس کے بعد غیر ملکی اقتدار اور مغرب کی فکری وتہذیبی یلغار کا دور شروع ہوتا ہے اور مشرق اپنے ارادے سے یا بلا ارادہ مغربی طرز تربیت، نظام تعلیم، و بستان فکر، مغربی تصور اور علوم وفنون کے مغربی زاویہ نگاہ کے سائے میں یا زیادہ بہتر الفاظ میں اس کی گود میں اس طرح آجاتا ہے جیسے کوئی شیر خوار بچہ کسی دیرینہ سال مربی واتالیق کی آغوش میں چلا جاتا ہے۔ وہ اس کے پورے نظام تعلیم یا مختصر الفاظ میں اس کے نظریہ تعلیم کو اس کی ساری خرابیوں اور خامیوں کے باوجود جوں کا توں قبول کرلیتا ہے، جو ایک ایسی سرزمین میں پیدا ہوا اور نافذ کیا گیا جس کے عقائد، بنیادی اصول، اخلاقی قدریں، اسلامی معاشرہ کی قدروں اور بنیادی ومسلمہ اصولوں سے ہر جگہ اور ہر سطح پر مختلف ہیں، جن پر وہ پورا ایمان رکھتا ہے یا ان پر ایمان لانا، ان کے لئے جدوجہد کرنا، ان کے لئے کچھ نہ کچھ قربانی دینا اپنے لئے ضروری سمجھتا ہے بلکہ مغرب کی اخلاقی قدروں کی تردید اور ان کی بیخ کنی اور تحقیر ہی پر اس کی بنیاد ہے، ایسی حالت میں اس کی مثال بعینہ اس شخص کی سی ہوتی ہے جو آب حیات کے شوق میں زہر کا پیالہ پینا چاہے یا کھاری اور نمکین پانی سے اپنی پیاس بجھانے کی کوشش کرے۔

انہوں نے اپنے تعلیمی منصوبوں اور علمی اداروں کی تشکیل میں بیرونی ملکوں کے تعلیمی مشیروں کو پورا اختیار دے رکھا ہے اور ان ملکوں سے صرف درسی کتابیں ہی درآمد نہیں کررہے ہیں بلکہ وہ ان ملکوں میں اپنے تعلیمی وفود بھیجتے ہیں تاکہ وہ مغربی ماہرین تعلیم اور اساتذہ کی تربیت میں نشوونما حاصل کریں۔ پھر ان کو ممالک اسلامیہ کی تعلیمی منصوبوں اور پالیسیوں کی تشکیل وتربیت کی پوری آزادی بھی دے دیتے ہیں کہ جس طرح چاہیں ان کا نقشہ بنائیں اور ان کا جورخ چاہیں متعین کریں۔ اس کے نتیجے میں ایک ایسا طبقہ پیدا ہوگیا جو اپنے عقائد وافکار اور اپنے اخلاق وسیرت میں ذہنی انتشار کا شکار ہے، فکر مغربی اور فکر اسلامی کے درمیان تذبذب کی حالت بھی بسا غنیمت تھی لیکن اس نے اکثر اوقات اپنے ملک وملت اور اپنے معاشرے کے سارے معتقدات ومسلمات اور اصول واقتدار سے کنارہ کشی اختیار کرلی۔

یہ ایک بالکل قدرتی بات تھی جس پر کوئی تعجب نہ کرنا چاہئے بلکہ اگر یہ بات نہ ہوتی تو مقام تعجب تھا۔ ہوسکتا ہے کہ یہ ماہرین اور مشیران تعلیم اور ان کے شاگرد اپنے کام میں مخلص

ہوں اور اس تعلیمی پالیسی اور منصوبہ بندی میں ان کے پیش نظر اسلامی ملکوں اور نئی نسلوں کی فلاح و ترقی ہو لیکن یہ فرض کر لینے سے بھی ان ملکوں میں پیدا ہونے والے فکری اضطراب اور بنیادی تضاد اور ناہمواری میں کوئی کمی واقع نہیں ہوتا اور تصویر اسی طرح تاریک رہتی ہے، ان میں سے اکثر لوگوں کی اس خاصیت کو اس پر بھی محمول کیا جا سکتا ہے کہ وہ دین سے اور اس کی بنیادوں اور اصولوں سے، مسلم اقوام کے مزاج و کردار، اور ان کی شخصیت و دعوت کے مطابق اور منافی دونوں چیزوں سے واقف نہیں ہوتے۔ ہو سکتا ہے کہ وہ خلوص اور نیک نیتی کے ساتھ ان ملکوں اور قوموں کو فائدہ پہنچانا چاہتے ہوں لیکن ان کو بچانے کی یہی کوشش ان کی ہلاکت کا ذریعہ بن جاتی ہے۔

عہد حاضر کے ماہرین تعلیم نے بالاتفاق اس کا اظہار کیا ہے کہ تعلیم کوئی ایسا تجارتی سامان نہیں ہے جو درآمد کیا جا سکے مثلاً مصنوعات، خام مال، وہ ایجادات و ضروریات جو کسی ملک اور علاقہ کے سات مخصوص نہیں، وہ ایسا لباس ہے جو ان اقوام کے قد و قامت اور جسامت کے ٹھیک ناپ کے مطابق تراشا اور سیا جاتا ہے اور پسندیدہ و محبوب علم و فن اور ان مقاصد کو سامنے رکھ کر تیار کیا جاتا ہے جن کے لئے وہ ہر طرح کی قربانی دے سکتی ہیں اور وہ ہے کہ تعلیم صرف اس عقیدہ کو مضبوط کرنے کا ایک مہذب اور شائستہ طریقہ ہے جس کا حامل یہ ملک یا قوم ہے۔ اس کا مقصد فکری طور پر اس کو غذا دینا، اس پر اعتماد پیدا کرنا اور اگر ضرورت ہو تو علمی دلائل سے اس کو مسلح کرنا ہے، وہ اس عقیدہ کے دوام و بقا کا وسیلہ اور بے کم و کاست آنے والی نسلوں تک منتقل کرنے کا ایک طریقہ ہے۔ نظام تعلیم کی بہترین تعریف یہ ہے کہ وہ والدین اور مربیوں اور نگرانوں کی اس سعی پیہم کا نام ہے جو وہ اپنی اولاد کو اپنے دین و مسلک پر قائم رکھنے کے لئے کرتے رہتے ہیں اور ان کی اس طرح تربیت کرنا چاہتے ہیں کہ وہ ان کے ورثے کے (جو انہوں نے اپنے آباؤ اجداد سے حاصل کیا تھا) اہل وارث اور امین ثابت ہوں اور ان کے اندر اس ثروت میں اضافہ اور توسیع اور اس کو ترقی دینے کی پوری صلاحیت ہو۔

برطانیہ کے ماہرین تعلیم کی ایک رپورٹ میں یہی بات کہی گئی ہے جس کا خلاصہ حسب ذیل ہے:

”ریاست کا مفاد اس میں ہے کہ وہ دیکھے کہ اسکولوں کے ذریعے قومی زندگی کے مکمل

اجزا نسلاً بعد نسل منتقل ہوتے ہیں۔ اس کا کام ہے کہ یہ دیکھے کہ طلبہ قومی مفاد کے مقررہ معیار کی کارکردگی کو قائم رکھتے ہیں اور اسے ترقی دیتے ہیں ریاست کی ظاہری تعلیمی سرگرمی کے پس پشت غیر مرتب لیکن معاشرہ کی سب سے اہم ضرورت یہ ہے کہ بچے قومی خصوصیات کے جانشین بنتے ہیں۔''

کارفورڈ نے اپنی ایک کتاب میں اس حقیقت پر روشنی ڈالتے ہوئے لکھا ہے کہ

''اولین طور پر تعلیم کے مقصد کو سماج کی روایات اور اس کے موجودہ اقدار پر رکھنا چاہئے کیونکہ یہی وہ بنیادیں ہیں جن پر اس کی خصوصیات اور بقا منحصر ہے، اور یہ بے حد ضروری ہے کہ ان دونوں کے درمیان دفعتاً کوئی بے ربطی نہ پیدا ہو۔ اس کے بجائے ہمیں یہ دیکھنا چاہئے کہ ترقی کی ہر کوشش سماج کے مسلم اقدار کی بنیاد پر ہو۔''

ایک اور ماہر تعلیم ورنن میلنسن کی شہادت میں اس سے زیادہ یقین اور صراحت سے کام لیا گیا ہے، وہ لکھتا ہے:

''ایک قسم کا ذہنی منشور جو پورے معاشرے کے مشترکہ مقصد اور مشترکہ کوششوں کا آئینہ دار ہوتا ہے۔ ایک طرح یہ بڑے پیمانہ پر قومی جذبہ کی عکاسی کرتا ہے اور ان خصوصیات کا مجموعہ ہوتا ہے جو معاشرے کے نصب العین کے لئے ضروری ہوتا ہے۔''

مغرب اپنے سیاسی نظاموں اور مکاتب خیال کے اختلاف نیز اپنے مشرقی و مغربی کیمپوں اور اپنی ساری قومی بیماریوں، نقائص اور خامیوں کے باوجود اس تعلیمی پالیسی پر پوری طرح کاربند ہے اور تعلیم و تربیت کے تمام شعبوں میں اس نے اس بہ تمام و کمال نافذ کر رکھا ہے اور اس کے تمام تعلیمی پروگرام اور تعلیمی پالیسیاں اسی مقرر کردہ اصول کی تابع ہیں۔

سوویت یونین بھی، جو انقلابی ذہن اور اپنی انتہا پسندی میں مشہور ہے، اس اصول کو نافذ اور جاری کرنے میں سرمایہ دارانہ جمہوری حکومتوں سے پیچھے نہیں رہا بلکہ شاید اپنے اشتراکی نظریہ کی حفاظت اور انقلابی روح کی بناء پر اس اصول کو عملی جامہ پہنانے میں وہ ان ممالک سے بھی آگے ہے۔ ایک سرکاری حکم نامہ مجریہ ۱۲/نومبر ۱۹۵۸ء میں یہ کہا گیا ہے کہ:

''ان خصوصیات کے حصول میں سماجی علوم کی تعلیم ایک اہم کردار ادا کرتی ہے مارکسزم، لینن ازم کے مبادیات کا علم ہر فن کے ماہرین کے لئے اشد ضروری ہے۔ ہمارے نوجوانوں کی

تربیت اس طرح ہونی چاہئے کہ ان میں نصب العین اور احیاء پرستی کے خلاف تعصب کی روح سرایت کر جائے۔"

یہی وہ چیز ہے کہ جس کی وجہ سے مغرب اس نقصان سے محفوظ رہا جس کا شکار مشرق کے اسلامی وغیرہ اسلامی ممالک ہیں، چنانچہ آج مغرب میں عوام اور قیادت یا جمہور اور حکومت میں کسی گہری اور وسیع نظریاتی، ذہنی وفکری خلیج کا سراغ نہیں ملتا، وہاں صرف ایک طرز، ایک آئیڈیل اور ایک قسم کے اصول ونظریات اور مقاصد ونصب العین پائے جاتے ہیں۔ وہاں مختلف طبقات اور سوسائٹی کے افراد کے درمیان کسی قسم کی ذہنی اور نفسیاتی رسہ کشی نہیں اور اسی وجہ سے یہ ممالک اندرونی سازشوں اور بغاوتوں سے محفوظ ہیں۔

مغرب کے بعد ان مشرقی ممالک کا نمبر آتا ہے جو مدت دراز سے اپنا کوئی عقیدہ نہیں رکھتے اور ان کو ان حقائق پر یقین نہیں جن کی ایمان بالغیب اور انبیاء کی تعلیمات وہدایت پر بنیاد ہے۔ ان کے پاس متعین آسمانی تعلیمات یا محفوظ آسمانی صحیفے بھی نہیں ہیں۔ وہ صرف ان قومی روایات اور جماعتی وشخصی مفادات کی حامل ہیں جن کو یہ تعلیمی نظام اور پروگرام چیلنج نہیں کرتی اور کسی جگہ اور دونوں کے مفادات کا ٹکراؤ نہیں ہوتا، چنانچہ یہ ممالک بھی اسی طرح اس تضاد سے محفوظ ہیں جو مغربی نظام تعلیم پیدا کرتا ہے بلکہ یوں کہنا چاہئے کہ انہوں نے اس نظام تعلیم سے صلح صفائی کر لی ہے اور دونوں میں پوری مفاہمت پائی جاتی ہے یا انہوں نے اپنے آپ کو ان تعلیمی وتربیتی نظریات کے مطابق ڈھال لیا ہے، اور اسی لئے انقلابات اور سازشوں کا تناسب یہاں بہت کم اور تضاد بھی بہت کم یا اتنا کمزور ہے کہ قومی زندگی پر اس کا کوئی اثر ظاہر نہیں ہوتا۔ ملک سے غداری اور قومی خیانت کے واقعات شاذ ونادر ہی رونما ہوتے ہیں اور یہاں بھی عوام اور رہنما طبقہ میں وہ وسیع خلیج حائل نہیں ہے جو ہمیں اسلامی ملکوں میں نظر آتی ہے۔ ان ممالک کے امراض اور ان کے عیوب دوسری نوع کے ہیں اور اس کے اسباب وعوامل بھی بالکل دوسرے ہیں جن کا تعلق ان کی تاریخ، ان کے قومی مزاج، مخصوص عقائد، دینی حاسہ کی کمزوری، شعور کی کمی اور نظام تعلیم وتربیت کی فساد سے ہے۔

جہاں تک اسلامی ممالک کا تعلق ہے، وہاں یہ کشمکش اور عجیب تضاد بڑے وسیع پیمانہ پر اور مختلف سطح پر پایا جاتا ہے۔ وہاں ایک طرف حکومت اور جمہور میں کشمکش ہے تو دوسری طرف

اعلیٰ تعلیم یافتہ اور کم پڑھے لکھے یا ناخواندہ لوگوں میں رسہ کشی ہے اور تیسری طرف دیندار، آزاد خیال اور ترقی پسند افراد دست گریباں ہیں اور یہ سب نتیجہ ہے اس نظام تعلیم کا جو مغربی ملکوں سے درآمد کیا جا رہا ہے یا مغربی ذہن اور نظام تعلیم کے خطوط پر خود ان ملکوں میں تیار کیا جا رہا ہے اور اس کے نتیجے میں ایک ایسی نسل پیدا ہو رہی ہے جو ان عقائد اور حقائق کو پوری طرح ہضم اور قبول نہیں کر پاتی جن پر اس کے معاشرہ اور اس امت کی بنیاد ہے، اس لئے کہ یہ نظام تعلیم جس طرح سے خیالات کی آبیاری اس کے دل و دماغ میں کرتا ہے وہ ان حقائق اور عقائد سے کھلے طور پر متصادم ہیں جو اس معاشرہ کے لئے ناگزیر ہیں، کبھی خارق عادت طریقہ پر یا کسی بیرونی اثر سے وہ اس کو قبول کرتی ہے تو لازماً اس کے نتیجے میں یہ نظام تعلیم ضرور کمزور پڑتا ہے لیکن ایسا شاذ و نادر ہی ہوتا ہے۔

جب یہ طبقہ اس نظام کی آغوش میں تربیت پا کر نکلتا ہے تو قوم کے عقیدے، خیالات اور جذبات سے اس کی کشمکش شروع ہو جاتی ہے۔ اگر وہ قوی الارادہ ہوتا ہے تو وہ رجعت پسندی کے ملبے کو (جیسا کہ اس طبقہ کے افراد یہ اصطلاح استعمال کرتے ہیں) راستے سے ہٹا کر اپنی قوم و ملک کو ماضی کے بار گراں سے رہائی بخشنا چاہتا ہے۔ اس موقع پر ایک ایسی طویل کشمکش برپا ہوتی ہے جس پر ملت کی ساری توانائیاں اور صلاحیتیں بے دریغ خرچ ہوتی ہیں اور اندرونی خانہ جنگیوں کا ایک ایسا سلسلہ شروع ہوتا ہے جو بیرونی جنگوں سے بھی بڑھ جاتا ہے۔ یہ ان ممالک کے قصے ہیں جہاں ایسی قیادتیں برسر اقتدار تھیں جو انقلابی، قوم پرستانہ اور لادینی فلسفوں پر یقین رکھتی تھیں۔

اگر اس طبقہ کی قوت ارادی کمزور ہوتی ہے اور وہ طاقتور شخصیت سے محروم ہوتا ہے تو وہ احساس کمتری کا شکار ہو جاتا ہے اور اس کے اندر عقائد اور مقاصد کی طرف سے دلی نفرت پیدا ہو جاتی ہے۔ وہ آئے دن اس کے خلاف سازشوں میں مصروف رہتا ہے، غیر ملکوں اور بیرونی طاقتوں سے ساز باز کر لیتا ہے اور عوام کے قومی جذبہ اور دباؤ اور علماء و دعوت دین کے علمبرداروں کے اثر و رسوخ سے پہلی فرصت میں چھٹکارا حاصل کر لینا چاہتا ہے، چنانچہ اس کے نتیجے میں غداری کے واقعات بار بار رونما ہوتے ہیں اور یہ ممالک مستقل طور پر بے یقینی، خوف و دہشت، ذہنی انتشار اور شبہ و بے اعتمادی کی فضا میں رہتے ہیں۔

اس غیر فطری اور غیر ضروری صورت حال سے چھٹکارا پانے کی اس کے سوا اور کوئی صورت نہیں ہے کہ اس پورے تعلیمی نظام کو یکسر تبدیل کر دیا جائے اور اس کو ختم کر کے نئے سرے سے ایک نیا نظام تعلیم تیار کیا جائے جو اس ملت اور امت کے قد و قامت پر راست آتا ہو اور اس کی دینی و دنیاوی ضروریات پوری کر سکتا ہو۔

یہ عالم اسلام کا سب سے بڑا مسئلہ، اس کی سب سے اہم اور ناگزیر ضرورت، وقت کی آواز اور اسلامیان عالم کا سب سے بڑا فرض ہے۔

اس مسئلے کا حل، خواہ وہ کتنا ہی دشوار نظر آ رہا ہو؟ اور صبر آزما اور دقت طلب ہو، اس کے سوا کچھ نہیں کہ اس نظام تعلیم کو از سر نو ڈھالا جائے اور اس کو امت مسلمہ کے عقائد، زندگی کے نصب العین، مقاصد اور ضروریات کے مطابق بنایا جائے اور اس کے تمام اجزاء سے مادیت، خدا سے سرکشی، اخلاقی و روحانی قدروں سے بغاوت اور جسم و خواہشات کی پرستش اور فکر اور پوری انسانیت پر شفقت کی روح اس میں جاری و ساری کر دی جائے۔ اس مقصد کے لئے زبان و ادب سے لے کر فلسفہ اور علم النفس تک اور علوم عمرانیہ سے لے کر اقتصادیات اور معاشیات تک صرف ایک روح پیدا کرنا ہوگی۔ مغرب کے ذہنی غلبہ اور تسلط کا خاتمہ کرنا ہوگا، اس کی قیادت و امامت کا انکار کرنا پڑے گا، اس کے علوم و نظریات و علمی تحلیل و تجزیہ اور بے لاگ تنقید کا مسلسل اور جرأت مندانہ ردعمل کرنا ہوگا اور یہ ثابت کرنا ہوگا کہ مغرب کی کامیابیوں اور پیش قدمیوں نے انسانیت اور تہذیب کو کتنا بڑا نقصان پہنچایا ہے۔

اس کے علوم کے ساتھ مواد خام کا سا معاملہ کرنا ہوگا اور اس سے وہ چیزیں تیار کرنا ہوں گی جو ان قوموں اور ملکوں کی اپنی ضروریات، رجحانات اور ان کے عقیدہ و تہذیب سے ہم آہنگ ہوں۔

اس راہ میں اگرچہ بہت سے سنگ گراں ہیں اور نتائج بھی بہت تاخیر سے ظاہر ہو سکتے ہیں لیکن تجدد پسندی، آزاد خیالی اور مغرب کی ذہنی غلامی کی اس طوفانی موج کو روکنے کا واحد طریقہ ہے جس نے عالم اسلام کو ایک سرے سے دوسرے سرے تک ہلا کر رکھ دیا ہے اور اسلام کے فکری و اجتماعی ڈھانچہ اور ملت ابراہیمی کے شیرازہ کے لئے ایک چیلنج بن گئی ہے، اور جس کے نتیجے میں مسلم اقوام کے پرجوش اسلامی جذبات، ان کی سادہ دلی اور گرم جوشی، ان کی قربانیاں

اور سرفروشیاں اور اخلاص و وفا کی قیمتی سوغات (جس کا ان حکومتوں کے قیام اور غیر ملکی اقتدار سے آزادی میں سب سے بڑا اور براہ راست دخل ہے) افرنگی اور مغربیت کے تنور کی حقیر ایندھن بن رہی ہے۔ سب لوح، بے زبان، سچے اور مخلص مسلم عوام خاموشی سکون کے ساتھ بکریوں کے ریوڑ کی طرح نامعلوم منزل کی طرف ہنکائے جا رہے ہیں اور یہ طبقہ ان کی قسمت کا مالک بن گیا ہے۔

کیا آج کوئی اسلامی ملک، کوئی اسلامی حکومت اور کوئی بڑی اسلامی یونیورسٹی اس آواز پر لبیک کہہ سکتی ہے؟ اور اپنی ساری کوششیں، توجیہات اور ذرائع و وسائل اس اہم تعمیری اور انقلابی آغاز پر مرکوز کر سکتی ہے؟ جو بالآخر عالم اسلام کو سب سے بڑے خطرہ اور چیلنج سے بلکہ مکمل تخریب کے اس عمل سے (جو جاری ہے اور جس سے عمومی، ہمہ گیر اور دور رس قومی تباہی و بربادی اقوام و مذاہب اور تہذیب و تمدن کی پوری تاریخ میں نہیں ملتی) بچا سکتی ہے؟

وما علینا الا البلاغ المبین

مولانا سید ابوالحسن علی ندوی کا پیغام
فیصل ایوارڈ کمیٹی کے نام

فیصل ایوارڈ کمیٹی سعودی عرب نے مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندویؒ کو ایوارڈ حاصل کرنے پر مبارک باد پیش کرنے کے ساتھ ۱۲ فروری کو تقسیم انعام کے جلسہ میں شرکت کی دعوت دی تھی، مگر مولانا رحمۃ اللہ علیہ اپنی غیر معمولی مصروفیتوں اور پہلے سے طے شدہ پروگرام کی وجہ سے تشریف نہ لیجا سکے تھے البتہ اپنی طرف سے ڈاکٹر عبداللہ عباس ندوی مدظلہ العالی کو مکلف فرمایا کہ وہ ان کی قائم مقامی کریں اور مندرجہ ذیل پیغام اس انعامی تقریب کے موقع پر حاضرین تک پہنچادیں۔ ذیل میں اس پیغام کا اردو ترجمہ نذر قارئین ہے۔

الحمد للہ رب العلمین والصلوۃ والسلام علی رسول اللہ سید نا محمد و آلہ وصحبہ اجمعین.

معزز صدر جلسہ اور حاضرین بزم! السلام علیکم ورحمۃ وبرکاتہ

ہم آپ کے اور عالمی فیصل ایوارڈ کی اس سلیکشن کمیٹی کے شکر گزار ہیں جس کے منتخب انعام یافتہ حضرات میں ہمارا بھی نام شامل ہے۔

آپ حضرات کا یہ انتخاب اگر کسی بات کی شہادت دیتا ہے تو وہ مکمل اور بھرپور اعتماد ہے جو اسلام کے اس خادم کے ساتھ ظاہر کیا گیا ہے جو حسب توفیق الٰہی اپنی مقدرت بھر دین کی خدمت میں مشغول ہے۔ مختلف میدانوں میں اسلام کی سر بلندی کے لئے کام کرنے والوں کی ہمت افزائی وسرپرستی کے لئے جس طرح یہ حکومت اور فیصل ایوارڈ کمیٹی کام انجام دے رہی ہے اس سے ہم سب خوب واقف ہیں، نیز اس ایوارڈ کی معنوی قدر و قیمت اور اس بلند و پاکیزہ جذبات سے بے خبر نہیں جو اس کی تہ میں کارفرما ہیں۔

دین کی خدمت کا تقاضا ہمیشہ یہی رہا ہے کہ محض اللہ تعالیٰ کی رضا کے حصول کی نیت سے یہ کام بغیر کسی اجرت اور معاوضہ کے تصور کے انجام دیا جائے، سلف صالحین، اور اللہ کے مخلص بندوں کا طرز عمل ہمیشہ اس معاملہ میں یہی رہا ہے کہ وہ اس دنیا میں دین کی کسی خدمت کا ادنیٰ

معاوضہ حاصل کرنے کا خیال بھی دل میں نہ لاتے تھے بلکہ اس بات سے چوکنا رہا کرتے کہ خدا نخواستہ ان کے دینی کاموں میں دنیاوی نفع کا شائبہ بھی آ سکے لیکن آج کے دور میں اسلام خود عالم اسلام میں اجنبی بن کر رہ گیا ہے اور جس اسلام نے پوری انسانیت پر احسانات کی بارش کی تھی اب اسی کے ساتھ احسان فراموشی اور بے مہری سے کام لیا جا رہا ہے اور اس کی راہ میں طرح طرح کی رکاوٹیں ڈالی جا رہی ہیں۔ اسی پر بس نہیں بلکہ اسلام کے خلاف سرگرم مخالف طاقتوں کی سرپرستی کی جا رہی ہے اور الحاد و بے دینی کو بڑھایا جا رہا ہے۔ ان اسباب ومحرکات کی بناء پر اسلام کا درد رکھنے والوں کی سرپرستی و ہمت افزائی کے لئے جو چند اقدامات کئے ہیں ان میں عالمی فیصل ایوارڈ کمیٹی کا قیام سرفہرست ہے، جس نے اس دین حنیف کی خدمت کرنے والوں کے لئے بطور ہمت افزائی ایک مخصوص سالانہ انعام دیئے جانے کا فیصلہ کیا، یہی احساسات مجھ پر اس وقت غالب تھے جب میں نے اس انعام کو قبول کرنے کا فیصلہ کیا جو میری ادنیٰ خواہش وطلب کے بغیر بالکل خلاف توقع تھا۔ اس ایوارڈ کا انتساب جس شہید ملک فیصل کے نام نامی سے ہے اور اس کی تہہ میں جو پاکیزہ جذبات کارفرما ہیں ان سب کا تقاضا تھا کہ میں شکر وسپاس کے جذبات کے ساتھ اس کی قدر کی توفیق عطا فرمائے۔

چند ناگزیر اسباب اور پہلے سے طے شدہ ضروری پروگرام کی وجہ سے خود اس انعام کو قبول کرنے اور ذاتی طور پر شکریہ ادا کرنے سے قاصر رہا۔ میری طرف سے ڈاکٹر عبداللہ عباس ندوی ریڈر ملک عبدالعزیز یونیورسٹی اس مبارک موقع پر آپ کی خدمت میں حاضر ہو رہے ہیں۔

اس انعام کی جو غیر معمولی معنوی قدر و قیمت ہے وہ اس کی مالی حیثیت کے مقابلہ میں بہت بلند ہے۔

---

(۱) اس پیغام کو سنانے کے بعد ڈاکٹر عبداللہ عباس ندوی نے کہا،

ولی عہد معظم! اب میں آپ سے اجازت چاہوں گا کہ مولانا ندوی کی طرف سے اس رقم کے مندرجہ ذیل طریقہ سے تقسیم کا اعلان کروں۔

روسی جارحیت کی وجہ سے ہمارے بے شمار افغانی بھائیوں کو گھر سے بے گھر ہونا پڑا۔ سعودی حکومت نے ان بے لغہ پناہ گزینوں کی امداد واعانت کے لئے بڑی فیاض امداد دی ہے اس لئے مولانا ندوی نے انعامی رقم کا نصف حصہ پناہ گزینوں کے فنڈ میں دینے کا فیصلہ کیا ہے۔

بقیہ نصف رقم میں سے ایک ربع مکہ مکرمہ میں حفظ قرآن کے مدارس کے لئے اور باقی چوتھائی رقم مکہ مکرمہ ہی کے مدرسہ صولتیہ کے لئے، تاکہ یہ دونوں ادارے دینی تعلیم کے کاموں کو سرگرمی سے انجام دیتے رہیں۔

جہاں تک اس ایوارڈ کی مادی قدر و قیمت کا تعلق ہے میں آپ کی اجازت سے اس انعام کو ملت کے ان کاموں پر صرف کرنا پسند کروں گا جن کا اعلان ڈاکٹر عبداللہ عباس ندوی! سے ایوارڈ لیتے وقت کریں گے۔ والسلام علیکم ورحمۃ اللہ۔

مرد وہ ہیں جو زمانہ کو بدل دیتے ہیں

نحمده ونصلی علی رسوله الكريم . امابعد .فاعوذ بالله من الشيطان الرجيم . بسم الله الرحمن الرحيم. انهم فتية آمنوا بربهم وزدنهم هدى وربطنا علىٰ قلوبهم اذ قاموا فقالوا ربنا رب السموت والارض لن ندعوا من دونه الها لقد قلنآ اذاً شططاً.

حضرات! یہ سورۂ کہف کی ایک آیت ہے اس کا عنوان اگر اس زمانہ کے اسلوب اور اسٹائل میں مقرر کروں تو کہوں گا ''قصہ سات جواں مردوں کا۔''(۱) اس قصہ میں نسل انسانی کے نوجوان عنصر کے لئے خصوصی پیغام اور ایک اعلیٰ نمونہ ہے، جو ہر زمانہ میں کام دے سکتا ہے اور جو صرف دماغ و دل پر نہیں، بلکہ صلاحیتوں، حوصلوں اور عزائم پر بھی ایک تازیانے کا کام دے سکتا ہے، وہ کبھی شبنم ٹپکاتا ہے، کبھی پھول کی جھڑیاں لگاتا ہے، مجھے بھی آج نوجوانوں کے سامنے نوجوانوں کا قصہ سنانا ہے، اور میں کیا سناؤں گا، قرآن مجید سناتا ہے، یہ وہ نوجوان ہیں جن کو قرآن نے ان کا تذکرہ کر کے لافانی بنادیا، اور ہر دور کے نوجوانوں کے لئے قابل تقلید نمونہ اور آئیڈیل۔ بات بڑی مختصر، بڑی سادہ، لیکن بڑی عمیق اور سبق آموز۔

قصہ یہ ہے کہ رومن امپائر کے ایک حصہ میں جو شام و فلسطین کہلاتا ہے، ایک دعوت پیدا ہوئی جس کو لانے والے سیدنا مسیح علی الصلوٰۃ والسلام تھے جو ہم مسلمانوں کے نزدیک بھی خدا کے پیغمبر برحق ہیں، انہوں نے توحید کی دعوت دی، اس وقت ساری دنیا میں شرک پھیلا ہوا تھا اور ہر طرف گھٹا ٹوپ تاریکی چھائی ہوئی تھی۔ اس اندھیرے میں ایک روشنی چمکی، حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے شرک، نسل پرستی، رسم پرستی، توہم پرستی، ظاہر پرستی اور انسانیت کے استحصال کے خلاف آواز بلند کی، جس کی اصل اساس توحید اور سچی خدا پرستی تھی، اس دعوت کو کچھ لوگوں نے تسلیم کیا اور وہ اس کے حامی و داعی بن گئے، انہوں نے اپنے قلمرو سے باہر قدم نکالا اور رومی

---

(۱) قرآن مجید میں آتا ہے کہ کسی نے کہا چار تھے پانچواں ان کا کتا تھا، کسی نے کہا چھ تھے، ساتواں ان کا کتا تھا، کسی نے کہا سات تھے، آٹھواں ان کا کتا تھا۔ اس کے بعد قرآن مجید نے آگے کوئی ہندسہ نہیں بتایا، اس سے مفسرین اس نتیجہ پر پہنچے ہیں کہ وہ تعداد میں سات ہی تھے۔

شہنشاہیت کے مرکز کے قریب جا کر دعوت پیش کی۔

اکثر دیکھا گیا ہے کہ سن رسیدہ اور پختہ کار لوگوں کے مقابلہ میں (جن کے پاؤں میں تجربات، مفادات، رسم ورواج اور خوف وامید کی بھاری بیڑیاں پڑی ہوتی ہیں، اور ان کو کسی نئے تجربے اور انقلابی اقدام سے باز رکھتی ہیں) نوخیز اور جواں سال (جن کے پاؤں میں یہ بیڑیاں نہیں ہوتیں) اور ان کی وابستگیاں، اور ان کا اٹیچمنٹ ان چیزوں کے ساتھ نہیں ہوتا جن کے ساتھ عموماً بڑی عمر والوں کا ہوا کرتا ہے، نئی اور صالح دعوت کو جلد قبول کر لیتے ہیں۔ قرآن مجید ان نوجوانوں کی عمر کا تعین نہیں کرتا اور یہی قرآن مجید کا طریقہ ہے۔

اگر وہ کہتا کہ ۱۸۔۲۰ سال کے نوجوان تھے، تو اس سے اوپر اور اس سے نیچے عمر والوں کو بہانہ مل جاتا کہ ہمارا قصہ نہیں ہے، قرآن کہتا ہے ''انھم فتیۃ'' وہ چند نوجوان تھے، جو حضرات عربی کا ذوق رکھتے تھے، وہ جانتے تھے کہ ''فتیۃ'' کے لفظ کے لفظ میں عمر کی جوانی کے ساتھ دل و دماغ اور حوصلوں اور عزم وارادہ کی جوانی کی طرف بھی اشارہ آ گیا ہے۔ اس لئے اس کے ترجمہ میں، میں نے ''جواں مرد'' کا لفظ اختیار کیا، ''فتیۃ'' ''فتی'' کی جمع ہے ''فتی'' کی جمع ''فتیان'' بھی آتی ہے، لیکن ''فتیۃ' جمع قلت کے لئے استعمال ہوتا ہے، اس طرح قرآن اشارہ دیتا ہے کہ وہ گنتی کے چند نوجوان تھے اور یہی ہمیشہ ہوا ہے کہ جب خدا پرستی اور اصلاح حال کی صحیح دعوت آئی ہے تو اس کے ماننے والے ابتداء میں تھوڑے ہوئے ہیں، جن کو خدا نے اس کی توفیق دی اور ان کو یہ ہمت ہوئی۔

اس موقع پر اللہ تعالیٰ نے اپنے اسمائے حسنیٰ اور صفات میں بھی ''رب'' کا لفظ استعمال فرمایا ہے۔ ''انھم فتیۃ امنوا بربھم'' یہ بات بہت معنی خیز ہے، اس لئے کہ حکومتوں کو اپنے یہاں کے باشندوں کے رازق ہونے کا بھی (کبھی زبان قال سے اور کبھی زبان حال سے) دعویٰ ہوتا ہے اور ان کے ساتھ اس طرح کے خیالات اور عقیدے وابستہ ہو جاتے ہیں کہ اگر اپنی پرورش کا سامان کرنا ہے اور عزت وراحت کی زندگی گذارنی ہے، تو ان حکومتوں سے اپنے کو متعلق کرنا پڑے گا۔ ان کا حاشیہ بردار ہو کر رہنا، اور ان کے رکاب میں چلنا پڑے گا۔ ان کی ہاں میں ہاں ملانا ہوگا۔ اس کے بغیر رزق اور خوشحال وفارغ البال زندگی کے دروازے یکسر بند ہیں، قرآن جو لفظ کہتا ہے، وہ اپنی جگہ پر انگوٹھی میں نگینہ کا کام دیتا ہے۔ پوری پوری کتابوں کا مضمون ایک

لفظ میں آجاتا ہے۔ یہ جواں مرد انسانوں کے اس جنگل میں کھڑے ہوگئے، جہاں اس رومن امپائر کا جھنڈا لہرا رہا تھا جو اس وقت دنیا کی سب سے منظم، سب سے متمدن، دنیا کو اس وقت کا سب سے ترقی یافتہ قانون دینے والی، دنیا کی سب سے وسیع خطہ پر حکومت کرنے والی شہنشاہی تھی۔

انگریزی محاورہ کے مطابق اس حکومت کی ناک کے نیچے اور بالکل آنکھوں کے سامنے چند نوجوان کھڑے ہوجاتے ہیں اور اس دعوت کو قبول کرکے اس کا اعلان کرتے ہیں، جو اس وقت کا صحیح مذہب اور اس عہد کا اسلام تھا۔ اس وقت تک مسیحیت میں تحریف نہیں ہوئی تھی۔ اس کے وہ داعی وہاں پہنچے تھے جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے پیغام کے صحیح علمبردار تھے۔ انہوں نے کہا کہ ہمارا رازق اور ہماری پرورش کا ذمہ دار حکومت نہیں ہے، ہمارا رازق اور پروردگار خدا ہے، اور وہی ہماری پرورش کا ذمہ دار ہے۔ ''ربنا رب السموت والارض''۔ ہماری پرورش کرنے والا وہ ہے جو آسمانوں اور زمین کا پروردگار ہے، یہ بات اس منظم سلطنت میں کہی گئی تھی، جس نے وسائل معیشت پر قبضہ کر رکھا تھا، گویا وہاں کے باشندوں کی قسمت و روزی کی مالک بن گئی تھی اور بظاہر نفع و ضرر کی ساری طاقتیں اس کے ہاتھ میں آگئی تھیں۔ اس وقت دانشمندی اور حقیقت پسندی کا ایک ہی ثبوت تھا کہ حکومت کے دامن سے وابستہ ہوکر حکومت کے عقیدہ کو اختیار کرکے کم سے کم اس عقیدہ پر سکوت اختیار کرکے اس قلمرو میں اچھی زندگی گذاری جائے، انہوں نے پوری یونانی دیومالا اور رومی دیومالا کا انکار کیا جو اس وقت کی رومی تہذیب و تمدن و معاشرت اور عقائد و اعمال میں سرایت کرچکی تھی اور پورا معاشرہ مشرک اور توہم پرست بن گیا تھا۔ یونان اور رومہ (اور قدیم ہندوستان میں بھی) صفات الٰہی کا تصور دیوتاؤں کی شکل میں کیا جاتا تھا اور ان کے نام پر بڑے بڑے معبد اور ہیکل بنے ہوئے تھے۔ یہ محبت کا دیوتا ہے، یہ شفقت کا، یہ روزی دینے کا، یہ جنگ کا، یہ ہیبت و جلال کا، یہ بارش کا، ان نوجوانوں نے بیک زبان ان سب کا انکار کیا اور کہا:

ربنا رب السموت والارض لن ندعوا من دونه الها لقد قلنآ اذا اشططا هؤلآء قوماتخذوا من دونه آلهة لولا يأتون عليهم بسلطن بين فمن اظلم ممن افترىٰ على الله كذباً O (الکہف ص ۱۴،۱۵)

ہمارا پروردگار آسمانوں اور زمین کا مالک ہے، ہم اس کے سوا کسی کو معبود سمجھ کر نہیں پکاریں گے۔ (اگر ایسا کیا) تو اس وقت ہم نے بعید از عقل بات کہی، ہماری قوم کے ان سب لوگوں نے اس کے سوا اور معبود بنا رکھے ہیں یہ (ان کے خدا ہونے پر) کوئی کھلی دلیل کیوں نہیں لاتے تو اس سے زیادہ کون ظالم ہے جو خدا پر جھوٹ افتراء کرے۔

یہاں قرآن مجید نے ایک اور حقیقت بیان کر دی وہ یہ کہ پہلا قدم آدمی کی طرف سے اٹھتا ہے، پہلے ہمت اس کی طرف سے ہونی چاہئے۔ اس کے بعد اللہ کی طرف سے مدد آتی ہے۔ "**امنوا بربهم وزدنهم هدى**" (وہ اپنے رب پر ایمان لائے اور ہم نے ان کی ہدایت میں اضافہ کیا) اگر آدمی اس کا منتظر رہے کہ کوئی چیز خود بخود دل میں نفوذ کر جائے، اس کے گلے منڈھ دی جائے تو یہ صحیح نہیں۔ پہلے خود فیصلہ اور ہمت کرنی ہوگی اس کے بعد خدا کی مدد آتی ہے۔ فرماتا ہے "**وربطنا على قلوبهم**" (ہم نے ان کے دلوں کو سہارا دیا) اس لئے کہ ان کا واسطہ اس زمانہ کی سب سے عظیم اور قہرمان سلطنت سے تھا۔ وہ سرکاری مذہب کو چھوڑ کر نیا مذہب اختیار کر رہے تھے۔

یہ اصحاب کہف کا واقعہ ہے، مجھے شرق اردن کے سفر ۱۹۷۳ء میں اس غار کو دیکھنے کا اتفاق ہوا، جہاں وہ محو خواب ہیں، اردن کے آثار قدیمہ کے ڈائریکٹر محقق فاضل رفیق وفا الدجانی صاحب نے ان کی زیارت کرائی اور علمی وفنی دلائل سے ثابت کیا کہ یہی اصحاب کہف کی جگہ ہے، تاریخ بتاتی ہے کہ اس واقعہ کو صدیوں تک نظم کیا جاتا رہا ہے، اور وہ وہاں کی ادبیات کا ایک جزء بنا رہا ہے، میں نے بہت تفصیل کے ساتھ اپنی کتاب "معرکہ ایمان و مادیت" میں تقابلی مطالعہ کی روشنی میں اس پر نظر ڈالی ہے۔ تاریخ سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ ان نوجوانوں میں سے اکثر اہل دربار کی اولاد تھے، یعنی سلطنت کے خاندانی نمک خوار تھے، کسی کے باپ، کسی کے چچا، کسی کے بڑے بھائی اس وقت رومن امپائر کے کسی بڑے عہدے پر فائز تھے۔ اس لئے یہ مسئلہ اور زیادہ پیچیدہ اور نازک بن گیا کہ بات صرف اتنی نہ تھی کہ چند بے تعلق اور سر پھرے نوجوان کھڑے ہو گئے۔ انہوں نے بغاوت کا نعرہ لگایا اور کہہ دیا کہ ہم سرکاری مذہب کو نہیں مانتے، ہم نے ایک نیا دین قبول کیا ہے۔

یہ وہ لوگ تھے، جن کے ساتھ پورے پورے خاندان اور خاندانوں کی قسمت اور عزت

وابستہ تھی۔ ان کے اس اقدام سے ان کے والدین، ان کے خاندان کے بزرگ اور ذمہ دار نازک پوزیشن میں مبتلا ہو گئے، ان سے براہِ راست سوال کیا جا سکتا تھا کہ تم نے اپنے فرزندوں اور خوردوں کو اس باغیانہ اقدام سے کیوں نہیں روکا؟ دوسری طرف خود ان کے بزرگانِ خاندان کے لئے ایک بڑی آزمائش تھی کہ وہ ان نوجوانوں کے متکفل تھے، وہ ان سے بڑی امیدیں رکھتے تھے اور ان کا مستقبل شاندار نظر آتا تھا۔ ایک جگہ قرآن مجید نے اس نفسیاتی کیفیت کو جو خاندان کے بزرگوں اور ذمہ داروں کو نوجوانوں کے اس طرح کے اقدام سے پیش آتی ہے بڑے بلیغ انداز میں بیان فرمایا ہے، جب حضرت صالح علیہ السلام نے قوم ثمود میں توحید اور دینِ حق کی دعوت پیش کی تو قوم کے سربرآوردہ لوگوں نے بڑے درد اور دل کی چوٹ کے ساتھ کہا کہ صالح! تم سے تو آئندہ کے لئے بڑی امیدیں اور توقعات وابستہ تھیں، خیال تھا کہ تم سیدھے سیدھے اس لائن پر چل کر (جس پر قوم چل رہی ہے) اس میں کچھ امتیاز پیدا کر کے اپنے خاندان کا نام روشن کرو گے اور اپنی قوم کے لئے عزت وافتخار باعث بنو گے۔

''قالو یصلح قد کنت فینا مرجوا قبل هذا'' (صالح تم ہماری امیدوں کا مرکز تھے) تم نے ہماری امیدوں پر پانی پھیر دیا، تم یہ نئی دعوت لے کر کھڑے ہو گئے اور پوری قوم کو مخالف بنایا۔ ''مرجوا'' کا تقریباً وہی مفہوم ہے جو انگریزی میں لفظ (Promising) کا ہے جو کسی ایسے ہونہار طالب علم، یا نوجوان کے لئے بولا جاتا ہے، جس کا مستقبل درخشاں نظر آتا ہے۔

یہ نوجوان گنتی میں بہت تھوڑے تھے، اور بعض قرائن و قیاسات کی بناء پر سات سے زیادہ ان کی تعداد نہیں تھی، لیکن واقعہ یہ ہے کہ ان کے ساتھ کئی سو آدمیوں کی قسمت وابستہ تھی، صرف ایک کے ساتھ پورا پورا خاندان اور برادری کا سلسلہ تھا اور وہ سب ان کے اس اقدام کی وجہ سے خطرہ میں پڑ گئے تھے اور شک کی نگاہوں سے دیکھے جانے لگے تھے۔ وہ کتنے خاندانوں کی امیدوں کا مرکز تھے اور کتنے گھروں کی ترقیاں وخوش حالیاں ان سے وابستہ تھیں؟ اس کی طرف لوگوں کی کم نظر جاتی ہے۔ بہت سے لوگ سمجھتے ہیں کہ سات آٹھ کا معاملہ کیا؟ پکڑے گئے تو پکڑے گئے اور مارے گئے تو مارے گئے!

اگر زندگی کے آسائشوں سے محروم ہوئے تو سات ہی آدمی تو محروم ہوئے، یہ نہیں

سوچتے کہ معاملہ کبھی ایک اکیلے آدمی کا نہیں ہوتا، متمدن زندگی میں فرد واحد (اکائی) کا تصور مشکل ہے۔ شعراء تو اس کا تصور کر سکتے ہیں لیکن واقعات کی دنیا میں اکثر فرد واحد کا وجود نہیں ہوتا۔ اس کے تعلقات وروابط کتنے لوگوں سے ہوتے ہیں، اس لئے فرد واحد فرد واحد نہیں ہوتا۔ اگر یہ سات بغاوت کرتے ہیں تو سمجھئے کہ ستر خاندان زد میں آجاتے ہیں۔ اس لئے مسئلہ بہت اہم تھا اور اسی لئے قرآن مجید نے اس کو بطور مثال پیش کیا ہے، اس وقت تاریخ کی کتابوں میں یہ تفصیل نہیں مل سکتی کہ کس طرح سے ان کو ذرا دھمکایا گیا اور کس کس طرح ان کو لالچیں دی گئیں اور سبز باغ دکھائے گئے۔

ایسے اقدامات سے روکنے کے لئے (خاص طور پر جبکہ مقابلہ میں نوخیز اور نوجوان ہوں) ترہیبات (ڈرانے والی چیزوں) کے ساتھ ترغیبات (راغب کرنے والی چیزیں) بھی ہوتی ہیں اور اکثر ترہیبات کے مقابلہ میں ترغیبات زیادہ موثر اور کامیاب ثابت ہوتی ہیں۔ ایک بزرگ نے جن کا دونوں چیزوں سے واسطہ پڑا تھا، فرمایا کہ توڑے کوڑوں سے زیادہ نازک ہوتے ہیں، طاقتیں اور حکومتیں کبھی کوڑے سامنے لاتی ہیں، اور کبھی توڑے (اشرفیوں کی تھیلیاں) ان نوجوانوں کے سامنے کوڑے بھی آئے ہوں گے اور توڑے بھی، انہوں نے کوڑوں کو بھی سہ لیا اور توڑوں کا بھی توڑ کر لیا اور یہ اس لئے ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں کو قوت وسکون اور صبر وتحمل اور قربانی وایثار کی دولت عطا فرمائی۔ وربطنا علیٰ قلوبھم۔

ہمیشہ ملک ومعاشرہ اس وقت بچا ہے جب کچھ لوگوں نے اپنے مستقبل کی طرف سے آنکھیں بند کر لیں، وہ ناسمجھدار اور غیر متوازن بھی نہیں تھے، ان کی گفتگو بتاتی ہے کہ وہ صحیح الحواس، صحیح الدماغ دانہ اور فرزانہ نوجوان تھے۔ لیکن بات یہ تھی کہ ان کی روح صرف اس بات سے تسکین نہیں پا سکتی تھی کہ ان کو روٹی کپڑا ملتا رہے، ان کے ذہن میں یہ تھا کہ یہ تو کسی امیر گھر کے کتے کا راتب ہے۔ اس کو بعض اوقات ایسا اچھا دودھ ملتا ہے جو بہت سے غریب گھرانوں کے بچوں کو بھی نصیب نہیں ہوتا اور وہ ایسے ناز ونعم سے رکھے جاتے ہیں جس کا بہت سے انسان (جو اشرف المخلوقات ہیں) خواب بھی نہیں دیکھ سکتے، لیکن ہزار ناز پروردہ کتے ایک ایسے فاقہ کش انسان پر قربان، جس کو معرفت الٰہی اور ایمان کی دولت حاصل ہے، اور اللہ نے اس کو اپنے ہم جنس انسانوں کی فکر اور درد نصیب کیا ہے وہ طے کر لیتے ہیں کہ ہمیں اپنی جگہ بنانی نہیں ہے

اور جانوروں کی طرح کھاپی کر دنیا سے رخصت نہیں ہو جانا ہے، ہمیں اپنے کو بھی اس خطرے اور بلاست سے بچانا ہے جو غلط عقائد، غلط مقاصد، غلط اعمال اور خراب اخلاق کی صورت میں ہمیں پیش آنے والا ہے اور اپنی قوم، ملک اور معاشرہ کو بھی ان مصیبتوں اور خطروں سے بچانا ہے جوان کے سر منڈلا رہے ہیں، انسانی تاریخ اس کی شہادتیں پیش کرتی ہیں کہ ایسے باہمت افراد کامیاب ہو جاتے ہیں اور پوری پوری قوم اور ملک وا پنی آسائش اور ملک کی قربانی دے کر بچالے جاتے ہیں۔ انسانیت کی آبرو انہیں کے دم سے ہے اور امن وامان صلاح وفلاح، حق و صداقت اور دعوت حق کا تسلسل انہیں سے قائم ہے۔

ہمارا ملک اخلاقی طور پر اس وقت احتضار کی کیفیت ”سکرات“ سے دوچار ہے، وہ کوہ آتش فشاں کے دہانے پر کھڑا ہے۔ پورے ملک میں کرپشن وبا کی طرح پھیلا ہوا ہے، کارکردگی، فرض شناسی، محنت کوشی، جفاکشی، اپنے ملک سے سچی محبت اور اپنے ہم وطنوں سے ساتھ ہمدردی عنقا ہے۔ انتظامیہ میں دیکھئے تو معلوم ہوتا ہے کہ ہر شخص اس لئے بیٹھا ہوا ہے کہ اپنی جیب بھرے۔ وہ قابل رشک انسان ہے جو جیب کے بجائے کاغذ کا پیٹ بھرنے (اپنا وقت پورا کرنے) کی فکر میں ہے، اگر کوئی سامنے آتا ہے تو غور سے دیکھا جاتا ہے کہ اس سے کتنی بڑی رشوت لی جاسکتی ہے۔ غور سے اس لئے نہیں دیکھا جاتا کہ اس کے چہرے پر کیا اتار چڑھاؤ ہے، وہ کس مصیبت میں مبتلا ہے؟ بلکہ اس لئے دیکھا جاتا ہے کہ چہرہ کیا بتارہا ہے کہ وہ کس (Standard of Living) سے تعلق رکھتا ہے، اس کا نتیجہ ہے کہ مدت کے بعد اپنے وطن آنے والے مسافر کو بجائے وطن پہنچنے کی خوشی کے بہم چڑھ جاتا ہے کہ معلوم نہیں اس کو کس ذلت اور کس مصیبت سے واسطہ پڑے اور کس کو کیا رشوت دینی پڑی۔

یہ کیوں نہیں ہوتا کہ ہندوستانی اپنے ملک کی سرحد پر (خواہ وہ ہوائی یا زمینی) آکر عزت و سکون محسوس کرے اور خوش ہو کہ ہم اپنے گھر آئے، میں آپ کو یہ دعوت نہیں دیتا کہ آپ کالج چھوڑ کر قوم وملک کی خدمت میں لگ جائیں، آپ ٹھوس خدمت جبھی کرسکیں گے جب آپ اچھی طرح پڑھیں گے، تعلیم میں امتیاز حاصل کریں گے اور یہاں سے نیک نام ہو کر نکلیں گے۔ میں یہ چاہتا ہوں کہ آپ اچھے کارگذار، فرض شناس، محبت وطن اور اگر مسلمان ہیں تو اچھے مسلمان بنیں، آپ کے اندر مدد کا جذبہ ہونا چاہئے۔ آپ کے اندر کام سے وہ خوشی ہونی

چاہئے جو آرام کرنے سے نہیں ہوتی۔ اس وقت پورے ملک کا نظام ڈھیلا ہو گیا ہے اور عام زندگی مشکل ہوگئی ہے، کس کس محکمہ، کس کس شعبہ زندگی کا رونا رویا جائے۔

میں اپنے مسلمان بچوں سے خاص طور پر کہتا ہوں کہ کسی کا یہ اخلاقی یا شہری فرض ہو، تمہارا تو یہ مذہبی فرض ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے "ویل للمطففین O الذین اذا اکتالو علی الناس یستوفون O واذا کالوھم اوزنو ھم یخسرون O" (ناپ اور تول میں کمی کرنے والے کے لئے خرابی ہے، جو لوگوں سے ناپ کرلیں تو پورا لیں، اور جب ان کو ناپ کر یا تول کر دیں تو کم دیں) کتنی بڑی حقیقت خدا نے بیان کی ہے، یہ صرف دودھ کی دوکان یا پرچون کی دوکان کا معاملہ نہیں۔ ''تطفیف'' (کم تولنا اور ڈنڈی مارنا) کا عمل پوری زندگی میں ہوسکتا ہے۔ آج ہمارا پورا انتظامی ڈھانچہ اور معاشرہ ''مطفف'' بن گیا ہے۔ سب کا مرض ''تطفیف'' ہے، اپنا حق پورا وصول کرنا، یا وصول کرنے کے لئے لڑنا، اور دوسروں کا فرض نہ ادا کرنا، یا ادھورا ادا کرنا، اگر آپ کو ہندوستان میں باعزت زندگی گذارنی اور اپنا مقام پیدا کرنا یا اپنا مقام محفوظ رکھنا ہے تو اس کا ذریعہ صحیح دینداری بلند و بے داغ کردار اور عملی نمونہ پیش کرنا ہے۔ اگر آپ اس ملک کی قیادت بھی حاصل کرنا چاہتے ہیں تو اس کا راستہ بھی یہی ہے کہ آپ اپنے دین کی تعلیمات، قرآن کی ہدایت، اپنے پیغمبر ﷺ اور صحابہ کرامؓ کے اسوہ و سیرت پر چلیں اور ان جواں مردوں کی تقلید کر کے (جن کا قصہ قرآن کی سورۂ کہف میں بیان کیا گیا ہے) اپنے مستقبل اور ترقی کے امکانات کو خطرہ میں ڈال کر ملک کو (اور اگر اللہ ہمت بلند اور وسیع نظر کرے) تو انسانیت کو خطرے سے بچانے کی کوشش کریں۔ اکبر نے صحیح کہا ہے:

ناز کیا اس پہ جو بدلا ہے زمانہ نے تمہیں
مرد وہ ہے جو زمانہ کو بدل دیتے ہیں

وماعلینا الاالبلاغ المبین

فقہ وقضا کی صلاحیت میں علماءِ گجرات کا امتیاز واختصاص

الحمد لله رب العالمين والصلاة و السلام على سيد المرسلين و خاتم النبيين محمد و آله وصحبه اجمعين ومس تبعهم باحسان و دعا بدعوتهم الىٰ يوم الدين.

حضرات علمائے کرام برادران اسلام وحاضرین جلسہ اہل عرب جب کسی عمل یا کسی کارروائی کے متعلق یہ تاثر دینا چاہتے ہیں کہ وہ برمحل اور برموقع ہوئی تو کہتے ہیں " جاء في مكانه وفي اوانه " یہ بات اپنے صحیح محل ومقام اور مناسب موقع اور وقت پر پیش آئی (یا پیش کی گئی)

اس حقیقت پسندانہ جملہ کی روشنی میں پہلے اس حقیقت اور واقعہ کا اعتراف واعلان کیا جاتا ہے کہ مسلم پرسنل لا بورڈ کا یہ بارہواں اجلاس اپنے صحیح محل ومقام پر ہو رہا ہے اور پھر عرض کیا جائے گا کہ وقت اور ضرورت کے تقاضہ کی بناء پر منعقد کیا جا رہا ہے اور وہ ایک فریضہ کی ادائیگی اور حقیقت پسندی اور فرض شناسی کا ثبوت ہے۔

جہاں تک اجلاس کے محل ومقام کی مناسبت اور اس اہم اجلاس کے یہاں منعقد کرنے کے جواز بلکہ معقولیت اور صحیح انتخاب کا سوال صوبہ گجرات (جو اس صوبہ کا قدیم تاریخی اور علمی دنیا میں معروف نام ہے) کے بارہ میں ہندوستان کے اسلامی عہد کے سب سے بڑے مؤرخ وسوانح نگار پدر بزرگوار مولانا حکیم سید عبدالحی صاحب حسنی سابق ناظم ندوۃ العلماء کی کتاب کے چند اقتباسات پیش کرنے پر قناعت کی جائے گی جو گجرات کے بارہ میں پائے جاتے ہیں۔

علوم وفنون میں اگر گجرات شیراز تھا تو حدیث کی خدمات کے لحاظ سے یمن میمون سے مماثلت رکھتا تھا، علم حدیث کی سرگرمی کے ساتھ ساتھ یہاں فقہ میں بھی شاندار کارنامے انجام پائے تھے ہندوستان کے کسی دوسرے علاقہ کی علمی اور تمدنی سرگرمیوں کی تاریخ اتنی مسلسل اور طویل نہیں ہے جتنی گجرات کی"۔

اس اجلاس وموضوع کی مناسبت سے کہا جاتا ہے کہ گجرات کا فقہ حنفی اور اصول فقہ میں بھی امتیازی حصہ ہے یہاں مفتی رکن الدین ناگوری نے جو نہر والہ کے مفتی تھے فقہ حنفی ن دو سو چار کتابوں کو پیش نظر رکھ کر فتاویٰ حمادیہ تصنیف کی جس کے حوالے فتاوے عالمگیری میں جا بجا ملتے ہیں۔

اسی طرح مفتی قطب الدین (م ۹۹۹ء) کا ذکر کئے بغیر بھی رہا نہیں جاتا جن کو حرم شریف میں درس دینے کا شرف حاصل ہوا، علامہ قاضی سوکانی صاحب نیل الاوطار نے اپنی کتاب البدر الطالع'' میں بڑے بلند الفاظ میں ان کا ذکر کیا ہے، یہ ایک تاریخی حقیقت ہے کہ حرمین شریفین اور دیار عرب میں جن کے فضل کمال کا سب سے زیادہ اعتراف کیا گیا اور جن سے استفادہ کو باعث فخر وشرف سمجھا کہ وہ زیادہ تر علمائے گجرات تھے وکفی به فخرا وشرفا.

اس سلسلہ میں وزیر آصف خاں کا نام لینا کافی ہوگا جن کو یہ شرف وخصوصیت حاصل ہے کہ علامہ ابن حجر مکی نے ان کے حالات پر مستقل رسالہ لکھا، جس میں وہ لکھتے ہیں جس زمانہ میں آصف خاں مکہ معظمہ میں آ کر رہے تھے عجب طرح کی رونق مکہ معظمہ میں پیدا ہوگئی تھی، علماء وفقہاء ان کی صحبت کو غنیمت سمجھتے تھے گھر گھر علم کا چرچا ہوگیا تھا مکہ والوں نے تحصیل علم میں پوری کوشش کی تھی انہوں نے اہل علم پر اپنے احسان وکرم کے دائرہ کو اس قدر وسیع کر دیا تھا جس کی نظیر ان کے معاصرین میں بلکہ ایک مدت سے مفقود تھی علامہ عز الدین عبد العزیز مکی نے آصف خاں کی مدح میں چھیاسی شعر کا قصیدہ لکھا۔

علوم دینیہ بالخصوص فقہ وقضاء وافتاء کی صلاحیت میں علمائے گجرات امتیاز واختصاص کا نتیجہ تھا کہ سلطنت دہلی نے بھی ان کے اس امتیاز واختصاص سے فائدہ اٹھایا، اور ان کو قاضی القضاۃ کے عہدہ پر فائز کیا قاضی شیخ الاسلام گجراتی دار الملک دہلی کے قاضی تھے ۱۰۸۶ھ میں عالمگیر نے ان کو مجبور کر کے قاضی القضاۃ کا عہدہ عنایت کیا اس عہدہ جلیلہ کے فرائض انہوں نے نہایت آزادی اور راست بازی کے ساتھ انجام دیئے اور حق بات کے ظاہر کرنے میں کسی بادشاہ کے سامنے بھی نہیں چوکے ان کے بعد ہی ان کے داماد قاضی ابوسعید ۱۰۹۴ھ میں ان کی جگہ اقضی القضاۃ کے عہدہ کے لئے گجرات ہی کے علماء کا منتخب ہونا اس کے علمی وفنی امتیاز کا کھلا ثبوت ہے۔

شخصی، خاندانی وموروثی سلطنت کے دور میں والیان سلطنت اوران کے وزراء کا نہ صرف متبع شریعت وسنت ہونا بلکہ صلاح وتقوی میں اورشرع ودین کی واقفیت میں ممتاز ہونا پوری قلمرو زیر حکومت علاقہ اورخواص وعوام کے طبقہ پراثر انداز ہوتا ہے اوراس سے پوری قلمرو میں دین کا احترام اورشریعت پرعمل کرنے کا جذبہ اوررجحان پیدا ہوجاتا ہے اس سلسلہ میں بھی گجرات کوایک محدود لیکن طویل مدت تک یہ امتیاز حاصل رہا ہے کہ یہاں بعض ایسے سلاطین صاحب اقتدار اورفرمانروائے ملک رہے ہیں جن کی نظیر کم سے کم ہندوستان کے صوبوں کی تاریخ اورسلاطین وقت کی سوانح (سلطان محی الدین اورنگ زیب کو مستثنی کر کے جن کو بعض فضلائے عرب نے سادس الخلفاء الراشدین کا لقب دیا ہے) میں مشکل سے ملتی ہے اس سلسلہ میں سب سے زیادہ نمایاں مظفر شاہ حلیم گجراتی (م۹۳۲ھ) کی ذات ہے مولانا سید عبدالحی صاحب ان کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:۔

فضل وکمال کے ساتھ تقوی وعزیمت کی دولت بھی اس نے خداداد پائی تھی تمام عمر نصوص احادیث پرعمل رہا، ہمیشہ باوضو رہتا نماز جماعت کے ساتھ پڑھتا روزے عمر بھر نہیں چھوٹے۔

ان سلاطین میں بعض ایسے سلاطین گزرے ہیں جن کی خدمت دین اشاعت علم اوراس کی سرپرستی کا دائرہ گجرات کے حدود سے نہیں بلکہ ہندوستان کے حدود سے بھی نکل کر مرکز و مصدر علم دین حجاز مقدس تک وسیع تھا وکفی بہ فخرا و شرفا مولانا سید عبدالحی صاحب لکھتے ہیں کہ:۔

محمود شاہ دوم (م۹۶۱ھ) کی توجہ وسرپرستی سے مکہ معظمہ میں ایک عظیم الشان مدرسہ باب عمرہ سے متصل قائم کیا گیا جس میں علامہ شہاب الدین ابن حجر مکی اورمعز الدین عبدالعزیز زمزمی وغیرہ علمائے مکہ تدریس کی خدمت انجام دیتے تھے علاوہ اس کے کئی رباط اورمکتب مکہ معظمہ میں تعمیر کئے گئے۔ محمود شاہ نے اس پرقناعت نہیں کی بلکہ اس نے خلیج کنبایہ (کھمبائیت) میں ایک بندرگاہ کی آمدنی محض حرمین محترمین میں رہنے والوں کے واسطے وقف کردی تھی یہاں سے ایک لاکھ اشرفیوں کی قیمت کا مال جدہ بھیجا جاتا تھا اوراس کے بھیجنے میں جو کچھ صرف ہوتا تھا وہ خزانہ شاہی سے دیا جاتا تھا اس مال کے فروخت سے جو کچھ آمدنی ہوتی تھی وہ سب اہل حرمین محترمین پرتقسیم کردی جاتی تھی۔

حضرات! ان قابل فخر تاریخی حقائق اور گجرات کے شاندار علمی و دینی دور کا تقاضا ہے کہ حفاظت وحمایت شریعت بلکہ غیرت دینی وحمیت اسلامی کا جو قدم ہندوستان بلکہ دنیا کے کسی بھی حصہ میں اٹھایا جائے، اور مسلمانوں کو پوری شریعت پر عمل کرنے جس میں وہ عائلی قانون (پرسنل لا) بھی داخل ہے، جس کی بنیاد کتاب وسنت کے نصوص آیات قرآنی اور احادیث صحیحہ پر ہے اور اپنے معاشرتی معاملات، ازدواجی و عائلی زندگی کے مختلف مراحل اور تقاضوں کے سلسلہ میں شرعی وقانونی طور پر خود کفیل ہونے اور اپنے تشخص کو برقرار رکھنے کی دعوت دی جائے تو اہل گجرات اس پر لبیک کہیں اور اس کے لئے اپنے صوبہ کی فضا کو موافق ومعاون بنائیں بلکہ اس کی کامیابی اور نفاذ کے لئے اگر ہندوستان کے کسی گوشہ سے بھی صدا لگائی گئی ہے اور اس کے لیے جدوجہد شروع کی گئی ہے تو اس کے ساتھ پورا تعاون واشتراک کریں۔

حضرات! اب جب اسلام کے عائلی قانون کا تذکرہ آ گیا ہے تو مناسب بلکہ ضروری معلوم ہوتا ہے کہ اس کے عائلی قانون کی بلندی وبرتری، اس کے انسانیت کے احترام، فطرت انسانی سے مطابقت، عورت کے اسلام میں مرتبہ اور اس کے حقوق کا اعتراف اس کے ساتھ انصاف بلکہ رعایت وفیاضی کے بارہ میں بھی کچھ عرض کیا جائے اور قوانین مروجہ، دنیا کے مختلف مذاہب وتہذیبوں اور معاشرتی وازدواجی زندگی کے رائج الوقت نمونوں اور مناظر کو سامنے رکھ کر تقابلی مطالعہ کی روشنی میں کچھ غیر مسلم مفکرین ماہرین قانون تمدن تہذیب علم کے مؤرخین اور فضلاء کے اقوال پیش کئے جائیں جنہوں نے اسلام کے عائلی قانون کی برتری انصاف پروری احترام انسانی نہیں بلکہ احترام نسوانی کا برملا اعتراف کیا ہے، اس کی ضرورت اس لئے بھی محسوس کی جاتی ہے کہ عام طور پر غیر اسلامی ذرائع ابلاغ پریس اور یک طرفہ ناقدین نے اس کے بارہ میں عام طور پر یہ تاثر دینے کی کوشش کی ہے کہ اسلام کا عائلی قانون طبقہ نسواں کے ساتھ انصاف پر مبنی نہیں ہے، وہ قدیم تہذیب ومعاشرت اور اس عہد کی یادگار ہے جب عورت کو وہ درجہ نہیں دیا جاتا تھا جس کی وہ مستحق ہے اور یہ قانون اب اس ترقی یافتہ دور میں باقی رہنے اور چلنے کے قابل نہیں ہے جب حقائق سے پردہ اٹھ گیا ہے قدیم رسم ورواج داستان پارینہ بن گئے ہیں عورت زندگی میں برابر کی شریک ہے اور اب ترقی یافتہ مغرب ہی اس سلسلہ میں قابل تقلید واستفادہ ہے۔

اس پروپیگنڈہ کا کچھ اثر مسلمان بالخصوص جدید تعلیم یافتہ طبقہ پر بھی ہوا ہے اور ایک طرح کے احساس کہتری میں مبتلا ہو گیا ہے اور اس میں اپنے عائلی قانون پر افتخار ہی نہیں اعتماد و اطمینان اور دفاع کا جذبہ بہت جگہ سرد پڑ گیا ہے ہم اس موقع پر چند مغرب ماہرین قانون مؤرخین تمدن وتہذیب اور مغربی دانشوروں کے اقوال پیش کرتے ہیں جنہوں نے صاف اس بات کا اعتراف کیا ہے کہ اسلام کا عائلی قانون دوسرے قوانین کے مقابلہ میں کہیں زیادہ منصفانہ حقیقت پسندانہ اور کہیں زیادہ طبقۂ نسواں کے احترام اور اسکے ساتھ انصاف ومراعات پر مبنی ہے یہ بیانات ہمارے مرعوب تعلیم یافتہ طبقہ کی آنکھوں سے پردہ اٹھا دینے کے لئے کافی ہیں جس نے آزاد تقابلی مطالعہ کی زحمت گوارا نہیں کی اور وہ یک طرفہ سطحی بیان سے متاثر ہے۔

اس سلسلہ میں ہم سب سے پہلے ایک مغربی فاضلہ کا بیان پیش کرتے ہیں اس لئے کہ اس سلسلہ میں خواتین زیادہ حساس جذباتی زود احساس اور رقیق الشعور واقع ہوتی ہیں، اس لئے کہ یہ ان کے طبقہ کا قضیہ ہے اور وہ اپنے طبقہ کی طرف سے دفاع اور اس کی حمایت اپنا فرض سمجھتی ہے۔

مسز اینی بسنٹ جو جنوبی ہند کی ایک ثقافتی ادارہ (تھیا سوفیکل سوسائٹی) کی صدر رہی ہیں، انہوں نے ہندوستان کی تحریک آزادی میں بھی حصہ لیا تھا وہ اپنی کتاب ''ہندوستان کے عظیم مذاہب'' مین لکھتی ہیں:

قرآن مجید کی آیت ہے، ومن یعمل من الصالحات من ذکر او انثی وھو مؤمن فاؤ لئک ید خلون الجنة ولا یظلمون نقیرا (النساء ۱۲۴۱)

(اور جو کوئی نیکیوں پر عمل کرے گا (خواہ) مرد ہو یا عورت اور وہ صاحب ایمان ہو تو ایسے سب لوگ جنت میں داخل ہوں گے اور ان پر ذرا بھی ظلم نہ ہوگا) پیغمبر محمد ﷺ کی تعلیمات عام اخلاقی ہدایات میں محدود نہیں بلکہ عورتوں کی وراثت کیلئے پورا قانون قرآن مجید میں موجود ہے اور وہ قانون اپنے عدل وانصاف اور آزادی کی وسعت اور کارفرمائی میں اس مسیحی وانگریزی قانون سے کہیں زیادہ فائق ہے جس پر اب سے بیس سال پہلے تک برطانیہ میں عمل ہوتا رہا ہے اسلام نے عورت کے لیے جو قانون بنایا ہے وہ ایک مثالی قانون کا درجہ رکھتا ہے اس نے عورتوں کے حقوق کی حفاظت اور امکانی حد تک ان کی مدد کا ذمہ لیا ہے، اور ان کے کسی ایسے حصہ پر (جو

وہ اپنے اعزاء و بھائیوں اور شوہروں سے پائیں) دست درازی کا سد باب کردیا ہے۔

ایک دوسری جگہ لکھتی ہیں:۔

یک زوجگی اور تعدد ازدواج کے الفاظ نے لوگوں کو مسحور کردیا ہے اور وہ مغرب میں عورت کی اس ذلت پر نظر ڈالنا نہیں چاہتے جسے اس کے اولین محافظ سڑکوں پر صرف اس لئے پھینک دیتے ہیں کہ اس سے ان کا دل بھر جاتا ہے اور پھر ان کی کوئی مدد نہیں کرتا، عظیم و نامور فرنچ مصنف و دانشور گستاؤلیبان اپنی شہرۂ آفاق کتاب تمدن عرب میں لکھتا ہے:

میراث کے وہ اصول جو قرآن میں صراحت کے ساتھ آئے ہیں وہ کتاب ہندوستان سے عظیم مذاہب عدل وانصاف کا ایک واضح مظہر ہیں ان کے اور ان حقوق وقوانین کے درمیان مقابلہ کرنے سے جو فرانس وانگلستان میں عورت کے بارہ میں ہیں صاف ظاہر ہوتا ہے کہ شریعت اسلامی نے شادی شدہ خواتین کو جن کے بارہ میں مغرب میں دعویٰ ہے وہ حقوق دیئے ہیں جن کی نظیر ہمارے قوانین میں نہیں ملتی اسلام کا اثر مشرق میں عورت کی پوزیشن پر بہت گہرا اور وسیع تھا اس نے عورت کی معاشرتی پوزیشن کو گھٹانے کے بجائے بہت بلند کردیا ان تمام دعاوی ومزعومات کے خلاف جو بغیر کسی دلیل ومطالعہ کے یورپ میں دہرائے جاتے ہیں قرآن نے عورت کو وہ وراثتی حقوق عطا کئے ہیں جو ہمارے مغربی قوانین سے کہیں بہتر ہیں اسلام میں عورتوں کے مرتبہ واہمیت پر اس سے بھی روشنی پڑتی ہے کہ عربوں کے تمدن کے عروج کے زمانہ میں ان میں کثرت سے ایسی خواتین نظر آتی ہیں جو بڑا بلند علمی وادبی مقام رکھتی تھیں۔

عہد عباسی میں ان کی ایک بڑی تعداد مشرق میں اور عہد اموی میں اسپین (اندلس) میں پائی جاتی تھی۔

والیٹر اپنے مضمون میں جو فلسفہ قرآن کے عنوان سے ہے ڈکشنری آف فلاسفی میں لکھتا ہے:۔

ہم اس سے ناواقف نہیں ہیں کہ قرآن عورت کا وہ امتیاز مانتا اور بیان کرتا ہے جو اس کو فطرت کی طرف سے ملا ہے لیکن قرآن اس بارہ میں تورات سے مختلف نظر آتا ہے کہ وہ عورت کی فطری کمزوری کو خدائی سزا نہیں مانتا جیسا کہ سفر التکوین الاصحاح الثالث نمبر ۱۶ میں ہے۔

یہ غلط بیانی اور تلبیس کی بات ہے کہ محمد ﷺ) جیسے عظیم شارع کی طرف عورتوں کے حق میں زیادتی و ناانصافی منسوب کی جائے حقیقت تو یہ ہے کہ قرآن کہتا ہے کہ:۔

فان کرھتمو ھن فعسی ان تکرھوا شیئا ویجعل اللہ فیہ خیرا کثیرا

اگر وہ تمہیں ناپسند ہوں تو عجب کیا کہ تم ایک شے کو ناپسند کرو اور اللہ اس کے اندر کوئی بڑی بھلائی رکھ دے۔

نیز:

ومن آیتہ ان خلق لکم من انفسکم ازواجا لتسکنوا الیھا وجعل بینکم مودۃ ورحمۃ ان فی ذلک لأیت لقوم یتفکرون (الروم ۔ ۲۱)

اور اسی کی نشانیوں میں ہے کہ اس نے تمہارے لئے تمہاری جنس کی بیویاں بنائیں تا کہ تم ان سے سکون حاصل کرو اور اس نے تمہارے (یعنی میاں بیوی کے) درمیان محبت و ہمدردی پیدا کردی بے شک اس میں ان لوگوں کے لئے نشانیاں ہیں جو فکر سے کام لیتے ہیں، ایک دوسرا مغربی مصنف اپنی کتاب میں لکھتا ہے: اگر معاشرتی نقطہ نظر سے یورپ میں عورت ایک بلند مرتبہ ومقام پر پہنچ گئی ہے تو اس میں شک نہیں کہ اس کی پوزیشن مذہبی وقانونی حیثیت سے چند سال پہلے تک (اور بعض مقامات پر اب تک) اپنے مرتبہ ومقام میں اس سے کم ہے جو مسلمان کو علم اسلامی میں حاصل ہے۔

مسٹر لکھتے ہیں:۔

بلا شبہ عورتوں کی حیثیت کے بارہ میں خاص طور پر شادی شدہ عورتوں کے معاملہ میں قرآنی قوانین افضیلت کا مقام رکھتے ہیں نکاح اور طلاق کے قوانین کثیر تعداد میں ہیں جن کا عمومی مقصد عورتوں کی حیثیت میں بہتری لانا ہے اور وہ عربوں کے قوانین میں انقلاب انگیز تبدیلی کے مظہر ہیں اسے قانونی شخصیت عطا کی گئی جو اس سے پہلے حاصل نہیں تھی طلاق کے قوانین میں قرآن نے سب سے بڑی تبدیلی جو کی ہے وہ عدت کو اس میں شامل کرنا ہے۔

حضرات! ان نقول واقتباسات سے جو اسلام کے عائلی قانون کی نہ صرف مقبولیت، انصاف پسندی بلکہ امتیاز و برتری کی شہادتوں پر مشتمل تھے پیش کرنے کے بعد اہل دین واہل دانش کے اس تاریخی اجتماع سے فائدہ اٹھاتے ہوئے یہ حقیقت بھی پیش کرنا ضروری سمجھتا ہوں

کہ فلسفہ اخلاق فلسفہ انفسیات اور فلسفہ مذاہب کا مطالعہ کرنے والے جانتے ہیں کہ مذہب کو اپنے مخصوص نظام معاشرت وتہذیب سے الگ نہیں کیا جا سکتا، دونوں کا ایسا فطری تعلق و رابطہ ہے کہ معاشرت مذہب کے بغیر صحیح نہیں رہ سکتی اور مذہب معاشرت کے بغیر متوثر و محفوظ نہیں رہ سکتا اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ آپ مسجد میں مسلمان ہیں (اور مسجد میں کتنی دیر مسلمان رہتا ہے، اپنے سارے شوق عبادت کے باوجود؟) اور گھر میں مسلمان نہیں اپنے معاملات میں مسلمان نہیں اپنے عائلی وخاندانی روابط وتعلقات میں مسلمان نہیں، حقوق کی ادائیگی اور ترکہ کی تقسیم میں مسلمان نہیں۔

اس لئے ہم اس کی بالکل اجازت نہیں دے سکتے کہ ہمارے اوپر کوئی دوسرا نظام معاشرت نظام تمدن اور عائلی قانون مسلط کیا جائے، ہم اسکو دعوت ارتداد سمجھتے ہیں اور ہم اس کا اس طرح مقابلہ کریں گے جیسے دعوت ارتداد کا کرنا چاہئے، اور یہ ہمارا شہری آئینی جمہوری اور دینی حق ہے اور ہندوستان کا دستور اور اس جمہوری ملک کا آئین اور مفاد نہ صرف اس کی اجازت دیتا ہے بلکہ اسکی ہمت افزائی کرتا ہے کہ جمہوریت کی بقا، اپنے حقوق کے تحفظ اور اظہار خیال کی آزادی ہر فرقہ اور اقلیت کے سکون واطمینان میں مضمر ہے۔

مگر ابھی آئینی اور حکومتی سطح پر کوئی ایسا اقدام یا خطرہ سامنے نہیں آیا تھا جس کا کھلے طور پر نوٹس لیا جائے اور اس خطرہ کو رفع کرنے یا اس سے محفوظ رہنے کی منظم اور جمہوری طریقے پر کوشش کی جائے کہ اچانک سپریم کورٹ کی طرف سے یکساں عائلی قانون کے نفاذ کا مطالبہ کیا گیا، اور حکومت کو توجہ دلائی گئی کہ وہ دستور ہند کے اس رہنما اصول کو نافذ کرے کہ اس سے ملک میں اتحاد معاشرت میں یکسانی اور وحدت پیدا ہوتی ہے اور اس سے ان بعض خطرات کا ازالہ ہوتا ہے جو بعض فرقوں (بلکہ صحیح معنی میں اکثریت) کو پیش آ رہے ہیں۔

سپریم کورٹ کے اس شگوفہ کو چھوڑنے نے جو دستور ہند کے بنیادی اصول اور دفعہ مذہب میں عدم مداخلت کے بالکل منافی اور اقلیت کے لئے ایک چیلنج ہے مسلمانوں کو خاص طور پر دین کا علم اور ملی غیرت رکھنے والوں اور ان میں بھی خصوصی طور پر مسلم پرسنل لا بورڈ کے ذمہ داروں کو چونکا بلکہ لرزا دیا جنھوں نے مطلقہ کو دائمی نفقہ دینے کے خلاف مہم چلائی تھی اور سپریم کورٹ کے اس فیصلہ کو منسوخ کرانے میں جو اس نے شاہ بانو کیس میں کیا تھا غیر معمولی اور تاریخی کامیابی

حاصل کی تھی۔

سپریم کورٹ کی حکومت کو اس توجہ دہانی اور پریس میں اس کے آجانے کے بعد سے مسلمانوں میں (بلا اختلاف فرقہ واریت، حلقہ خیال اور سیاسی تنظیم و پارٹی) ایک تحلبلی سی مچ گئی اور شاہ بانو کیس سے بھی زیادہ اس سے مذہب میں صریح مداخلت کے خطرات پیدا ہو گئے اس لئے کہ شاہ بانو کیس ایک جزئیہ سے تعلق رکھتا تھا اور وہ مطلقہ کو دائمی نفقہ دینے کا مسئلہ تھا جس کی شریعت اسلامی میں کوئی قید و شرط نہ تھی، لیکن یونیفارم سول کوڈ پوری شریعت اسلامی، نکاح و طلاق تعدد ازدواج کی اجازت نفقہ و میراث سب کے لئے ایک چیلنج اور ان کے ازالہ اور سد باب کے لئے دروازہ کھولتا تھا اور مسلمانوں کے لئے (جو ایک مکمل آسمانی شریعت منزل من اللہ کتاب اور عادلانہ و مطابق فطرت معاشرتی قانون رکھتے ہیں) خطرہ کی ایک گھنٹی بلکہ زندگی کی پوری چلتی ہوئی گاڑی کے لئے خطرہ کا اور روکنے کا ایک سگنل تھا۔

پھر سپریم کورٹ کی یہ توجہ دہانی بالکل ایک بے وقت بے ضرورت اور بے فائدہ کام تھا کہ اس سے ملک کے حالات میں کوئی بہتری باہمی اعتماد کی فضا اور ملک کی تعمیر و ترقی کے لئے کوئی جذبہ اور جوش نہیں پیدا ہوتا تھا، بلکہ ملک میں ایک نئے انتشار کا اندیشہ اور صف آرائی کا خطرہ تھا اس لئے کم سے کم مسلمان اپنے عائلی قانون کو بجا طور پر عقائد و فرائض کی طرح دین کا ایک جزء اور قرآن کا ایک حصہ سمجھتے ہیں اس عائلی قانون کی بنیادیں اس کے اہم اجزا قرآن مجید میں (نصوص کی صورت میں) صراحتہ موجود ہیں، پھر اس سے ملک کے مختلف فرقوں اور مذاہبوں میں کسی طرح بھی اتحاد اور وحدت نہیں پیدا ہو سکتی کہ اس کا اس سے دور کا بھی تعلق نہیں، اور دن رات اس کا مشاہدہ ہوتا رہتا ہے کہ ایک ہی عائلی قانون رکھنے والے ایک دوسرے سے برسر پیکار اور دست و گریباں ہیں۔

اس سلسلہ میں کچھ فیصلے اور اقدامات ضروری ہیں جو اس ملک میں جو آئینی حیثیت سے اور اعلان کی حد تک سیکولر ہے لیکن عملی اور واقعاتی طور پر وہ اکثریت کے مذہب تہذیب و معاشرت اور رجحانات کے تابع ہوتا جا رہا ہے اور یہاں تدریجی طور پر ملک کا رخ اکثریت کے ترجمان و پسندیدہ نظام تعلیم طرز عمل اور عائلی قوانین و رسوم کی طرف پھیرا جا رہا ہے۔

ا۔ پہلا ضروری اقدام و فیصلہ یہ ہے کہ اس ملک میں جا بجا شرعی دار القضاء قائم ہوں

جہاں سے عائلی اختلافات و تنازعات اور واقعات و حوادث کا شرعی فیصلہ معلوم کیا جائے اور اس پر عزم و خلوص اور دیانت داری کے ساتھ عمل کیا جائے اس سے مسلمان خاندان اس طوالت، مصارف کثیر اور سب سے بڑھ کر شریعت کی مخالفت کے امکان و خطرہ سے بچ جائیں گے جس کا عدالتی فیصلوں سے خطرہ ہے اور جس کے بار بار تجربے ہو چکے ہیں پھر یہ بھی دیکھا گیا ہے کہ شرعی فیصلہ پر فریقین اکثر راضی ہو گئے ہیں اور ایک دوسرے سے بغل گیر ہوتے ہیں اور وہ محاذ آرائی ختم ہو گئی ہے جو اس سے پہلے موجود تھی پھر اس سے ان کو وہ اجر و ثواب ملتا ہے جو حکم خداوندی کے سامنے سرِ تسلیم جھکا دینے سے حاصل ہوتا ہے اور وہ خدا کے حکم سے اس سرتابی اور بغاوت سے بچ جاتے ہیں جس کے بارہ میں قرآن مجید کے صاف الفاظ ہیں۔

و من لم یحکم بما انزل اللہ فاؤ لئلک ھم الفسقون (المائدہ - ۴۷)

اور جو کوئی اللہ کے نازل کئے ہوئے (احکام) کے مطابق فیصلہ نہ کرے تو ایسے ہی لوگ نافرمان ہیں۔

اس سلسلہ میں اسلام کے عائلی قانون پر کتاب کی تدوین مکمل ہو چکی ہے اور ضرورت ہے کہ وہ جلد زیورِ طبع سے آراستہ ہو اور اس کا انگریزی و ہندی میں ترجمہ بھی ہو جائے اور اسی کی روشنی میں ایسی عدالتوں ''اسلامی دارالقضاء'' میں فیصلے ہوں۔

۲۔ دوسرا کام اصلاح معاشرہ کا کام ہے۔

یہ ایک مسلم حقیقت ہے کہ اسلام صرف چند عقائد فرائض اور عبادات مفروضہ کی ادائیگی میں محدود نہیں وہ ایک پورا نظامِ حیات و معاشرہ ہے جس کا تعلق دونوں انسانی جنسوں (ذکور واناث) اور ہر عہد اور ہر ملک کے مسلمانوں سے ہے مسلمانوں کی زندگی اور معاشرت (اپنے تمام اقسام و مراحل کے ساتھ) شریعت کے اس سانچہ میں ڈھلی ہوئی ہونی چاہئے جو اللہ کے آخری رسول ﷺ قیامت تک کے لئے لے آئے اور جس کے بارہ میں واضح الفاظ میں اعلان کر دیا گیا کہ:۔

الیوم اکملت لکم دینکم و اتممت علیکم نعمتی و رضیت لکم الا سلام دیناً .

آج میں نے تمہارے لئے دین کو مکمل کر دیا اور تم پر اپنی نعمت مکمل کر دی اور تمہارے لئے

اسلام کو بطور دین پسند کر لیا۔ اور اس حکمت کی بناء پر اللہ تعالیٰ نے ہر دور میں ہر نبی کو انسانی لباس میں (بشر کی حیثیت سے) بھیجا تا کہ وہ اپنی امت متبعین اور اپنے ملک و معاشرہ اور اپنے عہد کے زندہ انسانوں اور مختلف الانواع طبقات کے لیے نمونہ اور مثال و قابل تقلید ہستی بنے خود سید المرسلین و خاتم النبیین ﷺ کو بھی نوع بشر کے لئے اسوۂ کامل بنا کر بھیجا اور آپ کو ان تمام مراحل اور زندگی کے شعبوں سے گذارا جو انسانی زندگی کے فطری و ضروری شعبے ہیں یعنی صحت و مرض شباب و کہولت فراغت و مجاہدہ صلح و جنگ ازدواجی زندگی اولاد کی پیدائش بھی اور ان میں بعض کی وفات بھی پھر بعض دختران خاندان نبوت کے فریضہ ازدواج کی ادائیگی، پھر ان سب مراحل و شعبوں کے بارہ میں (حدیث و سیرت کے ذریعہ) مستند ترین معلومات مہیا کرنے اور محفوظ رکھنے کا غیبی نظام فرمایا جس کی مثال صالحین و متقین مصلحین و معلمین کا ذکر گزشتہ انبیاء علیہم السلام کے بارہ میں بھی نہیں ملتی اور پھر اس سب کے بعد فرمایا:

لقد لکم فی رسول اللہ اسوۃ حسنۃ لمن کان یرجوا اللہ والیوم الآخر وذکر اللہ کثیرا (الاحزاب ۲۱)

رسول اللہ کا ایک عمدہ نمونہ موجود ہے تمہارے لئے یعنی اسکے لئے جو ڈرتا ہو اللہ اور روز آخرت سے اور ذکر کثرت سے کرتا ہو۔

پھر اس کے بعد آپ ہی کی حیات طیبہ مبارکہ میں دار الہجرہ مدینہ میں وہ اسلامی معاشرہ قائم ہوا جو زندگی قدرت، استطاعت، فراغت و عسرت شباب و کہولت خاندانی و قبائلی اختلافات ذوق و صلاحیت کے تنوع کے ساتھ ایک زندہ متحرک حساس عمل و امتیاز کی صلاحیتوں کے تنوع کے ساتھ آپ کی حیات طیبہ میں دس سال تک اور آپکی وفات کے بعد خلافت راشدہ کے عہد میں ایک مثالی معاشرہ تھا اس میں قدرۃ و فطرتاً شادیاں بھی ہوتی تھیں نکاح بھی ہوتے تھے اور طلاق بھی بیٹی کو نکاح کے بعد رخصت بھی کیا جاتا تھا اور بہو کو بیاہ کر گھر بھی لایا جاتا تھا مہر بھی متعین ہوتا تھا اور کسی نہ کسی شکل و مقدار میں جہیز بھی دیا جاتا تھا والدین کے انتقال کے بعد میراث بھی تقسیم ہوتی تھی اور املاک و جائداد میں حصہ بھی دیا جاتا تھا تجارت زراعت اور انواع معیشت میں مشارکت اور حصہ داری بھی ہوتی تھی غرض زندگی اپنے تنوع کے ساتھ موجود تھی اور مستند ترین تاریخی ذرائع تاریخ و مستند و متواتر روایات کے ذریعہ) اس کی ایسی تصویر محفوظ ہے

جس میں ان سب کے نمونے انواع والوان مظاہر ومناظر دیکھے جاسکتے ہیں۔

اس میں ہم دیکھتے ہیں کہ حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ جو عشرہ مبشرہ میں ہیں مہاجر ہیں اور قبیلہ قریش سے تعلق رکھتے ہیں اور اس کا پورا امکان ہے کہ اوپر ان کے خاندان کے اور بنی ہاشم (خاندان رسالت) کے رشتے بھی ہوئے ہوں ایک دن معمول کے مطابق آپ کی خدمت میں حاضر ہوتے ہیں تو آپ ان کے لباس میں عطر کی ایسی خوشبو پاتے ہیں جو عام طور پر اس سے پہلے نہیں ہوتی تھی آپ ﷺ سوال فرماتے ہیں کہ عبدالرحمٰن کیا بات ہے آج تمہارے کپڑوں میں بہت عطر لگا ہوا ہے وہ جواب دیتے ہیں یارسول اللہ میں نے نکاح کیا ہے، اس پر حدیث وروایات کی کسی کتاب میں یہ نہیں ملتا کہ آپ نے شکایت واستعجاب کا کوئی لفظ فرمایا ہو کہ عبدالرحمٰن! اتنی جلدی یہ بے تعلقی یا بے مروتی تم نے ہمیں خبر بھی نہیں کی اور نہ دعوت اور نہ حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ سے معذرت وشرمندگی کا کوئی جواب منقول ہے حالانکہ یہ مسلم ہے اور تاریخ کا ہر طالب علم جانتا ہے کہ یثرب (جو اب مدینہ طیبہ ہے) کوئی ایسا بڑا شہر نہیں تھا جہاں اطلاع دینے کے لئے کوئی بڑا فاصلہ طے کرنا پڑتا اور یہ بھی ایک تجربہ ومشاہدہ کی بات ہے کہ ایک شہر یا ایک نسل و پیشہ کے لوگ جب ترک وطن کر کے کسی دوسرے ملک یا شہر میں جاتے ہیں تو عام طور پر قریب ہی رہتے ہیں اس لئے کہ وہ ایک دوسرے کے مزاج اور روایات سے واقف ہوتے ہیں اور خواتین کو بھی ایک دوسرے سے ملنے جلنے میں آسانی ہوتی ہے، آپ یہ سننے کے بعد کہ عبدالرحمٰن ابن عوف نے نکاح کیا صرف یہ فرماتے ہیں کہ اولم ولو بشاۃ (دیکھو ولیمہ ضرور کرنا چاہے ایک بکری کا ہو)

یہ واقعہ اور روایت اس پر پوری روشنی ڈالتی ہے کہ عقد ونکاح کوئی ایسی ہنگامہ خیز اور زلزلہ انگیز تقریب یا واقعہ نہیں ہے کہ سارے شہر کو پوری برادری کو اور اہل تعلق کو اس کی خبر کی جائے اور ان کو مدعو کرنا ضروری سمجھا جائے ورنہ یہ سخت قابل شکایت بات ہوگی اور پھر اس میں ایسے اہتمام اور دھوم دھام سے کام لیا جائے جس سے نکاح کرنے والے یا اس کے سرپرست یا خاندان کی حیثیت عرفی کا اظہار وتعین ہو۔

میدنہ طیبہ کے اس مثالی اور معیاری معاشرہ اور طرز زندگی کے بعد عرصہ دراز تک (جب تک مسلمان بیرونی تمدنوں اور طرز معاشرت سے متاثر نہیں ہوئے اور ان میں اظہار شان و

شوکت کی بیماری نہیں آئی) یہی طرز نکاح وازدواج اور سن کی سادگی اور محدودیت قائم رہی، عام طور پر مساجد میں نکاح ہوتے تھے بعض مرتبہ کسی نماز کے بعد اچانک اعلان کر دیا جاتا تھا کہ نماز کے بعد حاضرین تشریف رکھیں، فلاں کا نکاح ہوگا اکثر خاندان کے تمام افراد کو بھی اس کی پہلے سے خبر نہیں ہوتی تھی۔

لیکن جب مسلمان ان ملکوں میں جا کر بسے جہاں دوسرا نظام معاشرت طریقہ شادی وغمی اور طرز زندگی رائج تھا جس میں عزت وافتخار شہرت وناموری اور حب جاہ کا جذبہ کام کر رہا تھا یا وہ اس ملک کے قدیم روایات کے مطابق تھا جس میں دین ومذہب کا کم اور رسم ورواج کا زیادہ دخل تھا اور جو وہاں کے مذاہب کے علمبرداروں اور اجارہ داروں کے تساہل وتغافل اور ایک حد تک تعاون کا نتیجہ تھا تو مسلمان بجائے اس کے کہ اس معاشرہ وماحول پر اثر ڈالنا چاہئے تھا اور اس کی اصلاح کرنی چاہئے تھی وہ الٹے اس معاشرہ وماحول اور طرز زندگی سے متاثر ہوئے اور انہوں نے نکاح کے اس مسنون فریضہ کو جو نہایت سادگی اور سہولت سے ادا کیا جا سکتا تھا ایک ہفت خواں سر کرنے کے مترادف بنا دیا جس کے لئے بعض اوقات سودی قرض لینے املاک کو فروخت کرنے یا رہن رکھنے کی نوبت بھی آ جاتی اور وہ تمام قبائح ومنکرات اس میں شامل ہو جاتے ہیں جن سے شریعت نے روکا ہے اور پیغمبر خدا ﷺ اور آپ کے دین وشریعت کے سچے ترجمانوں نے ان کی مذمت کی ہے۔

اس سلسلہ میں سب سے زیادہ قابل مذمت اور لائق توجہ مسئلہ زیادہ سے زیادہ جہیز دینے کے مطالبہ کا ہے جس کو خود مسلمانوں نے اختیار کر لیا ہے کہیں اس کا نام تلک ہے کہیں گھوڑا جوڑا اس سلسلہ میں وہ قابل مذمت اور لائق نفرت اقدامات بھی پیش آنے لگے ہیں اور بیاہی خاتون کے ساتھ احتجاج اور مقاطعہ کے وہ طریقے اختیار کئے جانے لگے ہیں جو نہ صرف شرعاً واخلاقاً مذموم ہیں بلکہ وحشت وجاہلیت کی یادگار ہیں جب دوست کی معبود کی طرح پرستش ہوتی تھی اور اس کے حصول کے لئے سب کچھ جائز سمجھا جاتا تھا۔

پھر اسی طرح طلاق کے بارہ میں ترکہ کی تقسیم اور میراث کے بارہ میں رفیقہ حیات کے حقوق کی ادائیگی اور معاشرت کے بارہ میں بہت سی کوتاہیاں مسلمانوں کے معاشرہ اور عائلی زندگی میں ایسی داخل ہوگئی ہیں جنہوں نے اسلامی معاشرہ کا امتیاز اور وقار کھو دیا ہے اور کثیر التعداد مشکلات پیدا کر دی ہیں جو محض اس شریعت سے روگردانی اور ناواقفیت کا نتیجہ ہے جو ایک

نعمت خداوندی کے طور پر انسان کو دی گئی تھی۔ ان حقائق کے پیش نظر جنہوں نے اسلام کی عمومیت ابدیت مطابق فطرت ہونے اور نعمت خداوندی ہونے پر پردہ ڈال دیا ہے اور مسلمان معاشرہ کو صدہا مشکلات میں اور قبائح میں مبتلا کر دیا ہے ایک عالمیہ تو نہیں لیکن ہندگیر مہم چلانے کی ضرورت ہے یہ کام اصلاح معاشرہ کے عنوان سے مسلم پرسنل لا بورڈ نے شروع سے اپنے پروگرام میں داخل اور اپنے فرائض میں شامل کیا تھا اس سلسلہ میں پٹنہ میں لکھنو میں میرٹھ میں بستی میں اور بعض دوسرے مقامات پر اصلاح معاشرہ کے نام سے کامیاب اور کثیر الازدحام کانفرنسیں ہوئیں جن میں پوری طاقت و تاثیر کے ساتھ عقائد و فرائض اسلام کی پابندی کے ساتھ اس کے معاشرتی نظام اور عائلی زندگی کے احکام قبول کرنے کی دعوت دی گئی اور صفائی کے ساتھ اس آیت کی روشنی میں مکمل اور مسلمانوں کو کامل اسلام قبول کرنے کی دعوت دی گئی۔

یاایھا الذین آمنو ادخلوا فی السلم کافة ولا تتبعوا خطوات الشیطن انه لکم عدو مبین (البقرة: ۲۰۸)

اے ایمان والو! سلام میں پورے پورے داخل ہو جاؤ اور شیطان کے پیچھے نہ چلو وہ تو تمہارا صریح دشمن ہے۔

ضرورت ہے کہ یہ کام ہندگیر پیمانہ پر ہو جا بجا اصلاح معاشرہ کے وسیع اور مؤثر جلسے ہوں اس میں صوبہ گجرت کے جس کی شاندار علمی و دینی تاریخ اور اس کے اس امتیاز و تفوق کا ذکر خطبہ کی ابتداء میں آچکا ہے جو اس کو صرف اس برصغیر میں نہیں بلکہ (ایک طویل عرصہ تک) عالم عربی و اسلام میں حاصل رہا ہے ہر طرح شایان شان قرین قیاس اور حسب توقع ہے **واللہ ھو الموفق والمعین۔**

آخر میں میں اس اعزاز کے لئے جو صدارت کی شکل میں ناچیز کو حاصل ہوا اور اس توجہ والتفات اور حسن استماع کے لئے جس کا مؤمر حاضرین جلسہ نے اظہار کیا اللہ تبارک وتعالیٰ کا شکر اور آپ کا شکریہ ادا کرتا ہوں۔

الحمد للہ الذی ھدانا لھذا وما کنا لنھتدی لو لا ان ھدانا اللہ لقد جاء ت رسل ربنا بالحق.

وما علینا الا البلاغ المبین

عالم اسلام میں احساس کہتری کا مرض اور اس کے اثرات ونتائج

۱۴۔ ذی قعدہ ۱۴۱۸ھ مطابق ۱۴۔ مارچ ۱۹۹۸ء کو المعہد العالی للدعوۃ والفکر الاسلامی دار العلوم ندوۃ العلماء کے طلباء اور حاضرین و شرکائے مجلس کے سامنے یہ تقریر کی گئی۔

الحمد لله نحمده ونستعينه ونستغفره ونؤمن به ونتوكل عليه ، ونعوذ بالله من شرور انفسنا ومن سيئات اعمالنا من يهده الله فلا مضل له ومن يضلله فلا هادي له ونشهد ان لا اله الا الله وحده لاشريك له ونشهد ان سيدنا محمدا عبده ورسوله. ارسله الله بالحق بشيرا ونذيرا . وداعياً الى الله باذنه وسراجا منيرا . اما بعد.

عزیز طلباء! المعہد العالی و دار العلوم ندوۃ العلماء و حاضرین۔

میں بے تکلفی کے ساتھ اس پر اپنی مسرت کا اظہار کرتا ہوں کہ مجھے اپنے عزیز طلباء سے خطاب کرنے اور اس وقت جن حقائق کا سامنا کرنا پڑ رہا ہے اور آئندہ جن حقائق کا سامنا کرنا ہے ان ہی کے لئے ان کے ذہن کو تیار کرنے کا موقع مل رہا ہے یہ نہ صرف ندوۃ العلماء کے مقاصد میں داخل ہے بلکہ اس وقت پوری ملت اسلامی کے صاحب فکر صاحب علم اور صاحب صلاحیت طبقہ کے فرائض میں ہے اور یہ صورت حال کا صحیح جائزہ بھی ہے اور اس کا پورا مقابلہ اور اس کا مداوا بھی ہے۔

اس سے پہلے تقریر اس موضوع پر تھی کہ امریکا و اسرائیل نے (اس میں خاص طور پر امریکہ جو قیادت و سیادت کی حیثیت رکھتا ہے) عالم اسلام کو بے کار بے اثر بنانے کے لیے بڑا عمیق لیکن بڑا وسیع اور بڑا منظّم منصوبہ بنایا ہے عالم اسلام امریکا و اسرائیل کے مقابلہ میں ایک حریف طاقت ہے اسرائیل امریکا کا وکیل اور ایجنٹ ہے اور اس کا ایک کارندہ ہے ان دونوں کی

طرف سے یہ منصوبہ بنایا جارہا ہے کہ ان کے مقابلہ میں کوئی محاذی طاقت کوئی آنکھ ملانے والی جمعیت باقی نہ رہے خاص طور پر جب سے کمیونزم کا زوال ہوا ہے (جو سرمایہ دار طاقتوں اور امریکا کا حریف تھا) اب اس کو جو کچھ خطرہ ہے وہ عالم اسلام سے ہے گزشتہ تقریر میں بتایا گیا تھا کہ وہ ایک حریف ہے اس نے ایک نقشہ بنایا ہے وہ اس وقت ایک سلبی حصہ تھا نشان دہی کا جائزہ کا مگر اب ہم ایجابی حصہ آپ کے سامنے پیش کرنا چاہتے ہیں کہ آپ اس کے لیے تیاری کریں اور اللہ سے دعا کریں کہ اللہ تعالیٰ آپ کے اندر اسلام کی خدمت کے لئے صلاحیت پیدا کرے پھر توفیق دے۔

صورت یہ ہے کہ اس حریف نے اسلامی ممالک بلکہ مرکز قیادت و مرکز توجہ میں سب سے زیادہ جو مؤثر دعوت اور مؤثر انقلاب انگیز چیز ہوسکتی ہے وہ عالم اسلام کے لیے تجویز کی ہے وہ یہ ہے کہ وہاں کے تعلیم یافتہ طبقہ میں احساس کمتری پیدا کیا جائے اس کو انگریزی میں (INFERIORITY COMPLEX) کہتے ہیں خاص طور پر اس طبقہ میں جو کہ ملک کی رہنمائی کرسکتا ہے (قیادت کی جگہ لینے والا نوجوان تعلیم یافتہ طبقہ ہی ہوتا ہے یونیورسیٹوں کے فضلاء کا یعنی انٹلکچول کلاس مثقف طبقہ) ان کی حقیقت شناسی کی داد دینی چاہئے کہ جو طبقہ کسی ملک کی زمام اختیار واقتدار لے سکتا ہے سیاسی طور پر بھی انتظامی طور پر بھی ذہنی وفکری طور پر بھی صحافی طور پر بھی وہ طبقہ ہے پڑھا لکھا طبقہ تعلیم یافتہ طبقہ یونیورسیٹوں کے فضلاء کا طبقہ یہی طبقہ زمام قیادت سنبھال سکتا ہے یہ طبقہ فکری قیادت بھی ہاتھ میں لے سکتا ہے اس میں جو چیز زیادہ موءثر ہوسکتی ہے عالم اسلام کو کمزور بنانے کے لئے اور مستقبل کی ضمانت کے لئے مستقبل میں مسلمانوں کے غیر مؤثر ہونے کے لئے اور حریف نہیں بلکہ حلیف بن جانے کے لئے اور ان مغربی تہذیب کے پوری طور پر (اگر بے ادبی نہ ہو تو کہا جائے) کلمہ پڑھنے والا بنانے کے لئے اور اس کے سامنے سر تسلیم خم کردینے کے لئے نہیں بلکہ اس کے داعی بن جانے اور اس کا مبلغ ہو جانے کے لئے جو چیز سب سے زیادہ موءثر ہے وہ احساس کہتری ہے کہ مسلمانوں کے تعلیم یافتہ طبقہ میں یہ خیال پیدا ہو جائے کہ اس ترقی یافتہ زمانہ میں اسلام کا کوئی مستقبل نہیں باقی عوام کا طبقہ تاجروں کا طبقہ کاشتکاروں کا طبقہ مزدوروں کا طبقہ جو جسمانی محنت سے کام لیتے ہیں ان طبقوں میں ایسی صلاحیت نہیں ہے جو اس کو حریف بنا کر میدان میں لے آئے اس تعلیم یافتہ طبقہ ہی

میں یہ صلاحیت ہے کہ وہ ملک کو بالکل ایک نئی فکر دے اور پورے ملک کو ایک نئے سانچے میں ڈھال کر لفٹ کر دے اور حریف کیمپ و حلیف و مددگار کیمپ بنا دے اس میں اپنے دین کے بارہ میں اپنے بارہ میں اپنے ماضی کے بارہ میں احساس کمتری اور مستقبل کے بارہ میں مایوسی پیدا ہو جائے اس کے دل میں یہ بات بیٹھ جائے بلکہ دماغ میں یہ بات تحلیل کر دی جائے کہ اب اسلام کا کوئی دور نہیں رہا اسلام کوئی ایسی منوثر طاقت نہیں وہ عالمی وقیادی طاقت نہیں ہے جس سے کسی حریف کو خطرہ ہو اسلام نے اچھا کام کیا تھا وہ شکریہ کے قابل ہے چھٹی صدی عیسوی میں اس نے بت پرستی کی کھلی مذمت اور اس کی تردید کی دختر کشی کی مذمت اور مخالفت کی بڑی ناانصافی تھی کہ لڑکیاں دفن کر دی جاتی تھیں بہت اچھا کام کیا اچھا اخلاقی تعلیم بھی دی۔

لیکن اب دنیا نے ترقی کی جو منزلیں طے کر لی ہیں اور تمدن کی جس منزل پر یہ دنیا پہنچ گئی ہے اور جو سائنس کی ایجادیں اور کسی چیز کو پھیلانے اور کسی چیز کو دل و دماغ میں اتارنے کے جو نئے وسائل پیدا ہو گئے ہیں صحافت کی ٹیلی وژن کے انٹرنیٹ کے اس کے بعد اب مسلمانوں میں کوئی ایسی طاقت نہیں ہے کوئی ایسا امکان و وسیلہ نہیں ہے جو دنیا کو نیا پیام دے سکے اور دنیا کو ایک متبادل چیز دے سکے اس مغربی تہذیب کے مقابلہ میں الادینیت کے مقابلہ میں روشن خیالی کے مقابلہ میں ترقی پسندی کے مقابلہ میں اور پھر جو عالمی وحدت پیدا کی جا رہی ہے اس کے مقابلہ میں بہت بڑی ذہانت کی اور دور بینی کی ضرورت ہے۔

ان مفکرین مغرب کا یہ انتخاب صحیح تھا کہ مسلمانوں میں احساس کمتری پیدا کیا جائے کہ ان کے اندر خود اپنے بارہ میں اپنے مستقبل کے بارہ میں اپنی صلاحیت کے بارہ میں شکوک و شبہات پیدا ہو جائیں دنیا میں صرف قیادت کرنے کی صلاحیت ہی نہیں بلکہ اپنے دین کے ساتھ باقی رہنے کی صلاحیت پر بھی ان کا یقین متزلزل ہو جائے ان کے اندر یہ خیال پیدا ہو جائے کہ اسلام کا دور ختم ہو چکا ہے ایک زمانہ تھا جب ترقی نہیں ہوئی تھی مسلمان فاتحین نے ملکوں کو تسخیر کر لیا حکومتیں قائم کیں، اسلامی تمدن بھی پھیل گیا اور بعض ملکوں کی زبان بھی بدل گئی یہاں تک کہ وہ اسپین تک پہنچ گئے مغرب اقصیٰ تک پہنچ گئے لیکن اب زمانہ بہت بدل گیا ہے بہت ترقی کر گیا ہے ان لوگوں کے پاس نہ قومی طاقت ہے اور نہ اس کے پاس سائنس کے وسائل میں ترقی ہے اور نہ ان کے پاس وہ وحدت ہے جو اس وقت عالم مسیحی میں ہے یہ بڑی

چالاکی کی بات تھی مسلمانوں میں کمتری پیدا ہو جائے وہ کہیں کہ ہم کو زندہ رہنے کی اجازت دی جائے اچھا بھائی نماز بھی پڑھ لیا کرو خاموشی کے ساتھ اپنے دینی فرائض ادا کرو حج کو بھی چلے جایا کرو لیکن عصر حاضر کے نقائص بتانے ان پر تنقید کرنے اور ان کی مذمت کرنے اور ان کے مقابلہ میں متبادل نظام پیش کرنے کی اجازت نہیں ہے مغربی تہذیب کو چیلنج کرنا یا ان ممالک کی پوزیشن پر ان کے اقدامات پر تنقید کرنا ان کے بجائے متبادل نظام قائم کرنا تاکہ مکمل شریعت کے ملک میں ان ہی کی قیادت ہو اور وہاں کے حکمراں وہی ہوں جو کہ دینی طور پر پورا یقین رکھتے ہوں خود شریعت کے پابند ہوں اور جن کے اندر اسلامی قانون کے نفاذ کا جذبہ ہو بالکل اس کا خیال نہیں کرنا چاہئے یہ کتنی بڑی چالاکی و ذہانت دوربینی اور نفسیات شناسی کی بات تھی آپ یقین مانئے کہ ہتھیار کے ذریعہ کسی ملک کو فتح کرنا اتنا کامیاب منصوبہ نہیں ہے جتنا کہ یہ آپ جانتے ہیں کہ جن ملکوں کو ہتھیار کے ذریعہ فوجی طاقت کے ذریعہ فتح کیا گیا وہ ملک آزاد ہو گئے خود ہندوستان ان ہی ملکوں میں ہے لیکن جب یہ خیال پیدا ہو جاتا ہے (خاص طور پر تعلیم یافتہ طبقہ کی دل و دماغ میں پیوست ہو جاتا ہے) کہ ہمارا دور ختم ہو گیا بس ہم اس کو غنیمت سمجھیں کہ ہمیں اپنے مذہبی فرائض ادا کرنے کی آزادی ہے بس یہی بہت کافی ہے یورپ بھی اس طریقہ میں شامل تھا لیکن امریکا کے مقابلہ میں اب ذرا پیچھے آ گیا ہے اس میں مغرب کو ایسی کامیابی حاصل ہوئی کہ ہمارا جدید تعلیم یافتہ طبقہ جو کسی ملک کی قیادت کا اہل ہوتا ہے مغربی زبان جانتا ہے یونیورسٹی کا فاضل ہوتا ہے اسکالر ہوتا ہے اور سیاسی نظاموں پر نظر رکھتا ہے اس سے اتنا متاثر ہے اور اس کی اندر گہرائی کے ساتھ یہ خیال پیدا ہو گیا کہ اور کسی تبدیلی کی ضرورت نہیں بس یہ غنیمت ہے کہ ہم نماز روزہ کر لیں اور ہمیں شرعی طریقہ پر نکاح وطلاق کی آزادی حاصل ہو اور ہمیں کوئی چھیڑے نہیں ہماری نسل کشی نہ ہو یہی غنیمت ہے۔

یہ نیا انقلاب تعلیم یافتہ طبقہ کے دل میں ایسا پیدا ہوا کہ اس کے سامنے اگر کوئی بات کہی جائے تو مسلمان خود اس کی تردید کرنے لگے اس وقت جو خلاء پیدا ہوا ہے جو دنیا کے لئے انسانیت کے لئے خودکشی ہے مسلمان قیادت سے ہٹ گئے اور یہ قیادت ان قوموں کے ہاتھ میں چلی گئی جن کے اندر نہ خدا پر ایمان ہے نہ خدا کا خوف ہے نہ انسانیت کا احترام ہے نہ انصاف ہے۔

یہ سمجھا جانے لگا کہ مسلمان کوئی فیکٹر نہیں ہیں، کوئی عامل نہیں ہیں، مؤثر نہیں ہیں، محض ایک شٹل ہیں، مسلمانوں کی صرف اتنی پوزیشن ہے کہ کوئی کام ان کے سپرد کر دیا جائے [illegible]، کوئی محاذ جو بہت پر امن ہو اور جو غیر خطرناک ہو، اس پر ان کو لگا دیا جائے تو وہ مطمئن ہو جائیں باقی یہ کہ دنیا کی تاریخ کا محاسبہ اس طرح کیا جائے اور یہ بتایا جائے کہ مسلمانوں کے منصب قیادت سے جانے یا محروم ہو جانے کی وجہ سے دنیا کو یہ نقصان پہنچا، اس پیمانہ سے محاسبہ کیا جائے تو دنیا کا نہیں بلکہ خود مسلمانوں کا جو ذہین اور اونچا طبقہ ہے اس کا ذہن اس کو قبول ہی نہیں کرتا۔

اس کے سمجھنے کے لئے ایک بات آپ کو بتاتا ہوں کہ جب میری کتاب ''ماذا خسر العالم بانحطاط المسلمین'' مصر میں چھپی، جس نقطۂ نظر سے لکھا گیا تھا کہ دنیا کو یہ فائدہ پہنچا تھا مسلمانوں کی ترقی سے، جب مسلمان دعوت وقیادت کے منصب پر فائز ہوئے اس میں دنیا کو ایمانی حیثیت سے اخلاقی حیثیت سے، انسانی حیثیت سے انتظامی و تنظیمی حیثیت سے آپس کے تعلقات کی حیثیت سے اور اپنے منصوبوں اور عزائم کے لحاظ کیا فائدہ پہنچا؟ اس لحاظ سے تاریخ کا مطالعہ بہت کم کیا گیا تھا اور معاف کیا جائے اس پر بہت کم لوگوں نے قلم اٹھانے کی ضرورت سمجھی تھی یا جراءت کی تھی، جب یہ کتاب مصر میں چھپی اور ۱۹۵۱ء کے شروع میں جنوری میں ہمارا قاہرہ جانا ہوا تو ہماری موجودگی میں ایک مقبول اور بڑے اخبار میں مضمون نکلا کہ ابھی ایک کتاب نکلی ہے جس کا نام **ماذا خسر العالم بانحطاط المسلمین** ''، یہ سمجھ میں نہیں آتا کہ یہ نام رکھا کیسے گیا مسلمانوں کے تنزل اور پستی سے دنیا کو کچھ نقصان پہنچ سکتا ہے کیا مسلمان اس پوزیشن میں ہیں کہ ان کے تنزل سے دنیا کو نقصان پہنچے یہ سمجھ میں نہیں آتا کہ استاذ ندوی نے کیسے اپنی کتاب کا نام **ماذا خسر العالم بانحطاط المسلمین** رکھا اس سے آپ اندازہ کیجئے کہ یہ چیز دماغ میں کتنی بیٹھ گئی تھی اور علمی حلقہ میں پھیل گئی تھی کہ مسلمانوں کو ایکٹر سمجھا جائے یا کوئی تمدنی ڈرامہ ہو رہا ہے سیاسی ڈرامہ ہو رہا ہے تو اس میں ایک ایکٹر یہ بھی ہے جو ڈیوٹی بتادی گئی ہے کہ آپ کو یہ کرنا ہے وہ کرتے رہیں گے لیکن یہ بجائے ایکٹر کے عامل و مؤثر ہوں یہ ہو نہیں سکتا۔

یہ علامہ اقبال ہی کی خصوصیت ہے ان کا بڑا امتیاز ہے کہ انہوں نے خود اپنے اشعار میں

اس کا اظہار کیا، وہ کہتے ہیں کہ ابلیس کی ایک مجلس شوریٰ ہوئی جس میں معاصر دنیا کا جائزہ لیا گیا کہ اس وقت ابلیسی نظام کے خلاف دنیا میں کیا خطرات ہیں یعنی ابلیسی نظام کو کیا چیز چیلنج کرتی ہے تاکہ اس مجلس (مجلس ابلیسی) کے ارکان اسکے مقابلہ کی تیاری کریں تو کسی نے خطرہ بتایا سرمایہ داری کا کسی نے اشتراکیت کا مجلس ابلیسی کا جو صدر مجلس تھا وہ سب کا جواب دیتا رہا کہ اس کا جواب سوچ لیا گیا ہے یہ علاج ہے جب یہ کہنے کا موقع آیا کہ اصل خطرہ کیا ہے؟ تو اس نے کہا۔ یہ اقبال کا کمال ہے کہ انہوں نے ابلیس کی زبان سے اس حقیقت کا اظہار کیا ہے۔

ہر نفس ڈرتا ہوں اس امت کی بیداری سے میں
ہے حقیقت جس کے دیں کی احتساب کائنات

یہ جو ذیلی اور وقتی خطرے ہیں ان سے ہم نہیں ڈرتے ہم نے سب کا علاج سوچ لیا ہے سرمایہ داری کے خلاف، اشتراکیت کے خلاف انتظام کرلیا ہے، لیکن ہمیں اصل ڈر یہ ہے کہ وہ قوم بیدار نہ ہوجائے جس کا کام احتساب کائنات ہے، جو پوچھتی ہے یہ کیوں ہو رہا ہے یہ حلال ہے، یہ حرام ہے یہ جائز ہے یہ ناجائز ہے، یہ شیطانی کام ہے یہ ملکوتی کام ہے، یہ خدا کے منشاء کے مطابق ہے، یہ خلاف ہے، میں اس سے ڈرتا ہوں، چنانچہ اس نے کہا کہ۔

مست رکھو ذکر و فکر صبح گاہی میں اسے
تابساط زندگی پر اسکے سب مہرے ہوں مات

تم اس کو اس میں لگادو کہ وہ عبادت کرتے رہیں اور ذکر بھی کرتے رہیں تصوف کا اس کے ذہن میں ناقص نقشہ تھا اس کے مطابق اس نے کہا کہ ذکر و فکر صبح گاہی میں رہیں نتیجہ یہ ہوگا کہ اسکے جتنے مہرے ہیں سب مات ہوجائیں گے اور ہم بالکل آزادی کے ساتھ اپنا کام کرسکیں گے۔

عزیزو! بات یہ ہے کہ دو چیزیں ہیں جن پر ہم کو توجہ دینی ہے ایک یہ کہ اس احساس کمتری کو دور کیا جائے اس کے لئے فکری طور پر بلند معیار فکر سے اور علمی طرز تحریر اور بلند معیار سے کتابیں لکھی جائیں اور تقریریں کی جائیں دورے کئے جائیں تعلیم یافتہ طبقہ سے ملا جائے کہ اس کے اندر سے دین کے بارہ میں اور امت اسلامیہ کے بارہ میں احساس کمتری نکل جائے اس کے دل میں جو مایوسی بیٹھ گئی ہے اور تحقیر کی نظر، شرمندگی کی نظر جو اس کے اندر آگئی ہے کہ

ہاں سب ٹھیک ہے لیکن اس وقت اس کے متعلق بلند باتیں کرنا اور یہ کہ مسلمانوں کے ہاتھ میں زمام اقتدار ہونا چاہئے مسلمانوں کے پاس طاقت ہونی چاہئے یہ منکر ہے یہ معروف ہے یہ جائز ہے یہ ناجائز ہے اس بحث کا موقع نہیں ہے یہ بات انہوں نے تعلیم یافتہ میں عام طور پر اور صاحب قلم صحیفہ نگار صحافتی طبقہ میں اور ملکوں کی جو لیڈرشپ ہے اس میں خاص طور پر یہ بات ایسی پیوست کردی ہے کہ ہم مسلمانوں کا کوئی مستقبل نہیں اس ترقی یافتہ دنیا میں اس سیاست وسائنس کے دور میں امریکا کی سربراہی وقیادت کے دور میں اب مسلمانوں کا جو اپنے دین کے داعی ہوں اپنے دین کی برتری اور صلاحیت کار اور صلاحیت بقاء کے پورے پورے قائل ہیں ان کا کوئی موقع نہیں۔

یہ ہے اصل مرض جو سب سے بڑی بیماری ہے اس عہد کی کہ ہمارے تعلیم یافتہ طبقہ میں اسلام کے مستقبل کی طرف سے بالکل مایوسی آگئی ہے اور وہ یہ سمجھنے لگا ہے کہ ہم نماز روزہ کرلیں یہ بھی غنیمت ہے لیکن بلند نگاہی، حوصلہ مندی اور احساس برتری اس کی کوئی گنجائش نہیں۔

خود ان ملکوں میں یہ حال ہے کہ وہ طبقہ حاوی ہوگیا ہے جو اسلام سے بالکل مایوس ہے اور مایوس ہی نہیں بلکہ اسلام کا نام لینے والوں کو سب سے بڑا خطرہ سمجھتا ہے، اس کے لئے الجزائر کی مثال لے لیجئے وہاں سول وار ہو رہی ہے موجودہ صاحب اقتدار طبقہ کے درمیان اور دین پسندوں کے درمیان اور بے رحمی کے ساتھ دین دار مسلمان مارے جاتے ہیں الجزائر کو عالموں نے آزاد کرایا شیخ عبدالحمید بن بادیس نے آزاد کرایا عبدالقادر الجزائری نے اسے آزاد کرایا، جہاں اللہ کے نام پر شہادت کے شوق میں مسلمانوں نے فرانس کو نکالا اور الجزائر کو آزاد کرایا وہاں اسلام آج سب سے بڑا خطرہ بن گیا ہے، حکومت کا حریف بن گیا ہے، جیسے کبھی فرانس تھا اس کے بعد میں آئیے مصر میں، اخوان المسلمین کی تحریک شروع ہوئی بڑی روح پرور حیات افروز اور حوصلہ آفریں تحریک تھی جو عرصہ کے بعد عالم عربی میں پیدا ہوئی تھی اس کا انجام یہ ہوا ہے کہ امام حسن البناء کو شہید کردیا گیا، سید قطب جو بڑے طاقتور لکھنے والے تھے بہت جری تھے اسلامی خیالات کے اظہار میں بڑے ادیب تھے ان کو شہید کیا گیا، یہ امریکا برطانیہ، اسرائیل نے نہیں کیا بلکہ خود مسلمان حکمرانوں نے کیا، جمال عبدالناصر اور انور السادات نے کیا۔

شام جو اس وقت دروزیوں کے قبضہ میں ہے حافظ الاسد دروزی عقیدہ کا ہے، وہ شام

جہاں یرموک ہے، جہاں صحابہ کرام اور شہداء کی اتنی بڑی تعداد میں قبریں ہیں کہ مدینہ منورہ کے علاوہ کہیں نہیں ہیں، جہاں خالد بن الولیدؓ آرام فرما ہیں جہاں ابو عبیدہؓ آرام فرما ہیں جہاں بلال حبشیؓ آرام فرما ہیں جہاں کیسے کیسے علماء اور ائمہ فن ہوئے، وہ شام بھی اب دروزیوں کے رحم وکرم پر ہے حافظ الاسد نے ایک موقع پر کہا تھا کہ "ہم کرسی توڑ سکتے ہیں چھوڑ نہیں سکتے"

ایک بات تو یہ ہے جس کی تیاری کرنی ہے، احساس کمتری کو دور کیا جائے آپ پڑھئے ان چیزوں کو جن سے حوصلہ پیدا ہوتا ہے اور اس ترقی یافتہ دنیا کی کمزوری سامنے آتی ہے اور اس سازش کا پتہ چلتا ہے جو صرف اسلام ہی نہیں بلکہ حقانیت کے خلاف صداقت کے خلاف انسانیت کے خلاف کی گئی ہے اس کا گہرا مطالعہ کرنے کی ضرورت اللہ تعالیٰ آپ کو موقع دے کہ اتنی انگریزی آجائے کہ آپ ان کتابوں کا مطالعہ کریں جو مغربی تہذیب اور مغربی اقدار کی تنقید میں لکھی گئی ہیں آپ کو معلوم ہو جائے کہ سب سے بڑا منصوبہ یہ ہے کہ اسلام کو بالکل زندگی سے بے دخل کر دیا جائے بے اثر بنا دیا جائے وہ بس ایک تاریخی چیز رہ جائے، ہاں اپنے وقت میں اس نے بڑا کام کیا لیکن اب زمانہ بڑا ترقی کر گیا ہے اس میں وہ اثر انداز نہیں ہو سکتا۔ دوسری بات یہ ہے مغربی تہذیب کی کمزوریاں آپ کو معلوم ہوں، علمی انداز میں معلوم ہوں اور تحقیقی و تحلیلی انداز میں معلوم ہوں کہ مغربی تہذیب میں کیا کمزوریاں ہیں اس وقت انگریزی میں بڑا لٹریچر ہے، قابل اعتراف اور قابل داد ہے خود یورپین مصنفین نے اس سلسلہ میں بڑی جرأت سے کام لیا ہے اور بہت صفائی کے ساتھ انہوں نے مغربی تہذیب کی کمزوریوں کا اعتراف کیا ہے ہم نے ایک کتاب دیکھی اس میں بتایا گیا ہے کہ مغربی تہذیب میں یہ خرابیاں ہیں اور صفائی کے ساتھ اس میں مغربی تہذیب پر تنقید کی گئی ہے، ایک واقعہ لکھا ہے کہ ایک مرتبہ پیرس یا لندن میں وہاں کے رہنے والے نے ایک ہندوستانی فلاسفر سے کہا کہ ہمارا ہوائی جہاز اتنے منٹ میں پیرس پہنچ گیا اور ہمارا بحری جہاز اتنے گھنٹے میں فلاں جگہ پہنچ گیا، ہم نے اتنی ترقی کی تو انہوں نے کہا کہ ہاں تم کو ہوا میں چڑیوں کی طرح اڑنا آ گیا اور مچھلیوں کی طرح پانی میں تیرنا آ گیا مگر آدمیوں کی طرح زمین پر چلنا نہ آیا ہمیں اس بات کا اعتراف کرنا چاہئے کہ انہوں نے اس تہذیب پر، اس ترقی پر جرأت مندانہ طریقہ پر تنقید بھی کی ہے، ان چیزوں کو پڑھنے کی ضرورت ہے۔ یہ صرف ندوۃ العلماء کا نہیں بلکہ عالم اسلام کا ایک بہت ہی اہم مفید

بلکہ انقلاب انگیز طرز عمل ہوگا مہم ہوگی کہ آپ ایک طرف تو تعلیم یافتہ طبقہ سے احساس کمتری دور کریں جو احساس کمتری ان کے اندر پیوست ہوگیا ہے وہ کہتے ہیں:

ارے صاحب شکر کیجئے، آپ کیا باتیں کرتے ہیں، مسجدیں تو موجود ہیں کوئی توڑتا نہیں، بابری مسجد کا قصہ تو الگ ہے مدرسے بھی اپنا کام کررہے ہیں عید کی نماز آزادی کے ساتھ ہوتی ہے، حج کو بھی جاتے ہیں، بس اسی پر قناعت کیجئے یہ سوچئے کہ آپ کو کوئی موقع ملے قانون سازی کا اور آپ کو نئے نظام تمدن کے پیش کرنے کا، کوئی اصلاحی مشورہ دینے کا اس کا بالکل موقع نہیں ہے، تو اس چیز کو دور کرنے کی ضرورت ہے، وقت کا سب سے اہم فریضہ ہوگا کہ تعلیم یافتہ طبقہ سے احساس کمتری کو دور کیا جائے مغربی تہذیب کا پول کھول دیا جائے مغربی تہذیب کی جو حقیقت ہے وہ سمجھائی جائے کہ وہ ایک نفس پرستی اور جاہ پسندی ہے وہ ایک سطحیت ہے اور کچھ نہیں، اس کے لئے تیاری کی ضرورت ہوگی، مطالعہ کی ضرورت ہوگی، اس میں آپ اسلام ایٹ دی کراس روڈس محمد اسد کی کتاب، مولانا سید ابوالاعلی مودودی کی کتابیں اور مضامین جو انہوں نے شروع میں لکھے تھے خود مجلس تحقیقات ونشریات، کی مطبوعہ کتابیں پڑھئے اور خود پہلے اپنے ذہن ودماغ کو آزاد کیجئے مغربی تہذیب کے نئے تمدن اور نئی تہذیب کے اثر سے اس کے جلال اس سے مرعوب ہونے کو دور کیجئے پھر اس کے بعد اپنے اندر صلاحیت پیدا کیجئے ذہنی طور پر، عملی طور پر کہ آپ جدید تعلیم یافتہ طبقہ کو بھی متاثر کرسکیں، مطمئن کرسکیں کہ اب اس کا بھی زمانہ نکلنے والا ہے، اس کی روح پرواز کرنے والی ہے وہ ناکامی کی طرف بڑھ رہی ہے، کوئی رومی تہذیب تھی کوئی یونانی تہذیب تھی، کوئی فرعونی تہذیب تھی جیسے ان سب کا خاتمہ ہوگیا اب اس کا بھی خاتمہ ہوگا یہ بہت بڑا کام ہے خاص طور سے اس شعبہ میں جو طلبہ ہیں جو اس سے تعلق رکھتے ہیں ان کے بنیادی فرائض میں ہے کہ ان دو چیزوں کی تیاری کریں ایک احساس کمتری کو دور کرنے کے لئے علمی وفکری مدلل انداز میں ایک مغربی تہذیب کے تسلط کو جو ذہنی مرعوبیت ہے اور دلوں میں مغربی تہذیب کی جو تقدیس بیٹھ گئی ہے اس کو دور کیا جائے، اس کے بغیر ہماری نئی نسل کے تعلیم یافتہ طبقہ کا فکری طور پر اسلام کا گرویدہ ہونا اور اسلام کے عروج کے لئے کوشش کرنا ناقابل قیاس ہے۔

آپ اس کے لئے اپنے اساتذہ سے جو الحمد للہ اس پر نظر رکھتے ہیں اور جب کبھی اہل علم

سے ملاقات ہو تو ان سے ان ماخذ ومصادر کا علم حاصل کریں کہ جن کو پڑھ کر آپ کے ذہن سے خود مغربی تہذیب کی برتری کا احساس اور اس سے مرعوبیت نکل جائے اور آپ دوسروں کو بھی متاثر کر سکیں اور یہ سمجھیں کہ جدید تعلیم یافتہ طبقہ میں جب تک اسلام کی پورے طور پر حقانیت، صداقت ووحدت (یعنی وہی واحد نجات دہندہ ہے وہی باعث سعادت وسلامتی ہے) کا خیال وعقیدہ پیدا نہیں ہوگا اس وقت تک یہی حال رہے گا کہ ایک بنا دوسرا آیا دوسرا بنا تو تیسرا آیا نتیجہ یہ ہوگا کہ کسی اسلامی ملک میں بھی اسلام کو پورے طور پر اپنی افادیت ثابت کرنے، اپنی ضرورت تسلیم کرانے اور اپنی برتری وصداقت کا کلمہ پڑھانے کی نوبت نہیں آئے گی، اللہ تعالیٰ آپ کو توفیق دے کہ آپ اس میدان کے لئے اپنے آپ کو تیار کریں کہ تعلیم یافتہ طبقہ سے احساس کمتری دور ہو اور اسلام سے جو ایک مایوسی دل میں بیٹھ گئی ہے کہ اب اس کا وقت نہیں رہا اب اس کا دور نہیں رہا اب تو ان ترقی یافتہ ممالک کا دور سیادت ہے جو سائنس میں بھی اور سیاست میں بھی ماہر ہیں، اسلامی ملکوں پر بھی انہیں کا قبضہ ہوگا جو مغربی تہذیب کے ترجمان بلکہ کارندہ اور ایجنٹ ہوں گے جیسا کہ اکثر ہو رہا ہے ہمارے اسلامی ملکوں میں وہی لوگ حکمرانی کر رہے ہیں جو امریکا ومغرب کے ایجنٹ ہیں، امریکا کے نمائندہ ہیں ان کے کارکن ہیں، مسلمانوں کے نام سے کام ہو رہا ہے لیکن نام ہو رہا ہے امریکا کا مغربی تہذیب کا اور اسلام سے اور زیادہ دوری بڑھتی جارہی ہے، اللہ تعالیٰ ہمیں توفیق دے۔

وآخر دعوانا نحمد لله رب العالمين.

علم کا بھی ایک قانون ہے

دوسری دفعہ بھٹکل آمد کے موقع پر اساتذہ وطلباء اور منتظمین جامعہ سے حضرت مولانا دامت برکاتہم کا خصوصی خطاب جو ہر مدرسے اور دینی ادارے سے تعلق رکھنے والے افراد کے لیے رہنما [illegible] حیثیت رکھتا ہے۔

نحمده ونصلي على رسوله الكريم. امابعد.

صحیح راہ کی ضرورت:

میرے عزیزو اور بھائیو! آپ کو شاید معلوم ہو یا معلوم نہ ہو جو لوگ تفسیر پڑھتے ہیں اور ان کی تفسیر کی کتاب شروع ہو چکی ہے یا کم سے کم سورہ بقرہ اور اس کا ترجمہ وتفسیر انہوں نے پڑھی ہے وہ جانتے ہیں کہ جاہلیت میں جو لوگ حج کو نکلتے تھے ان کا ایک عرف اور ضابطہ بن گیا تھا جو خود ساختہ تھا شریعت میں نہیں تھا لیکن انہوں نے اپنی طرف سے اپنے اوپر ایک پابندی عائد کر لی تھی کہ جب تک کہ حج سے فارغ نہ ہوں حج کے ارکان میں مشغول ہوں اور اس دوران اگر ضرورت ہو گھر آنے کی کوئی بات نکلتی تو گھر کے دروازے سے نہ آئیں کہ ابھی تو اللہ کے گھر سے ہو کر نہیں آئے تو اپنے گھر میں قاعدے سے کیسے داخل ہوں تو چھتوں پر سے یا دیواروں کی طرف سے من ظہورھا پشت سے وہ گھر میں آیا کرتے تھے اور اس کو وہ بڑی نیکی کا کام سمجھتے تھے کہ اس میں بیت اللہ کا ادب واحترام ہے۔ اللہ تعالی فرماتا ہے لیس البر ان تاتو البیوت من ظهورها یہ کوئی نیکی کا کام نہیں ہے کہ تم گھروں میں پشت کی طرف سے آؤ ولكن البر من اتقى وأتواا لبيوت من ابوابها گھروں میں گھروں کے دروازوں سے آؤ یہی قاعدہ ہے اور یہی عقل سلیم اور ذوق سلیم کی بات ہے اور قانون قدرت ہے کہ جس چیز کا جو مدخل ہے اس سے آدمی آئے قرآن مجید تو پوری زندگی کی کتاب اور پوری زندگی کے لئے کتاب ہدایت ہے ہر طبقہ کے لئے ہر مشغلہ ہر میدان اور ہر مرحلہ کے لئے وہ ایک دستور العمل

اور ایک ہدایت نامہ کا کام دیتا ہے قرآن نے یہ دو لفظ بڑے اہم و آتوا البیوت من ابوابھا یہ پوری زندگی پر حاوی ہے اس میں پوری زندگی کی حکمت بتادی گئی ہے یہ صرف گھر کا معاملہ نہیں ہر چیز کا معاملہ یہی ہے کہ جو اس کا دروازہ ہے اس دروازہ سے آنا چاہئے اگر کوئی شخص پیشہ سیکھنا چاہے کوئی صنعت دیکھنا چاہے لیکن صنعت کے استادوں سے نہ سیکھے اور صنعت کے آداب کا خیال نہ کرے اور صنعت کے اوزار مہیا نہ کرے اور تدریج کے ساتھ درجہ بدرجہ مرحلہ وار اس کو نہ سیکھے اور یہاں تک کہ ان کی وردی استعمال نہ کرے لوہاروں کی ایک وردی ہے اور سقاؤں کی ایک وردی ہے سپاہیوں کی ایک وردی ہے اور ڈاکٹروں کی ایک وردی ہے تو وردی تک بعض اوقات ضروری ہوتی ہے ورنہ وہ اپنے پیشہ میں کامیاب نہیں ہوگا اس کو پیشہ نہیں آئے گا فن نہیں آئے گا تو جب یہ معمولی چیزوں کا حال ہے اگر کوئی کہتا ہے کہ فضول باتیں ہیں ہمیں لوہاری کا فن سیکھنا ہے یا ہمیں فوج میں بھرتی ہونا ہے تو وردی کا جھگڑا ہم مول نہیں لیتے یہ پہنو یا نہ پہنو اور صاحب لیفٹ رائٹ فضول بات ہے ہم اپنی ذہانت سے کام لیں گے ہم دوسرا طرز اپنائیں گے وہ یوں ہی رہ جائیگا اچھا سپاہی بن نہیں سکتا ایسے ہی لوہار نہیں بن سکتا نجار (کار پینٹر) نہیں بن سکتا اس کے لئے بھی و آتوا البیوت من ابوابھا کی ضرورت ہے جو اس کا دروازہ ہے ادھر ہی سے آؤ۔

حروف تہجی کی اہمیت

یہ و آتوا البیوت من ابوابھا ساری زندگی، دین و دنیا سب پر حاوی ہے اللہ نے اور فطرت انسانی نے فطرت سلیم نے سالوں سال کے تجربے سے جو اصول مقرر کئے ہیں اور جو اس کے مداخل اور مخارج ہیں اگر کوئی شخص اس کا پابند نہ ہو ان کا کوئی احترام نہ کرے وہ کبھی کامیاب نہیں ہو سکتا اپنا مقصد حاصل نہیں کر سکتا۔ ایک شخص کہے کہ حروف تہجی کا جھگڑا عجیب ہے اب "ا" (الف) کا کون جھگڑا مول لے کہ پہلے الف ب ت پڑھے ہم براہ راست پڑھنا شروع کر دیتے ہیں تو وہ کتنا ہی ذہین ہو کبھی اس کو پڑھنا نہیں آئے گا جو ا، ب، ت نہیں پہچانتا یا نہیں پہچانا وہ کبھی ایک سیکنڈ نہیں بول سکتا آپ کسی وقت بھی تجربہ کر کے دیکھئے کہ آپ کے زمانے کا کوئی بقراط سقراط ہو جو پڑھا ہوا نہ ہو خواندہ نہ ہو، آپ اس کو ایک کتاب دیجئے اردو کی دیجئے یا انگریزی کی دیجئے یا عربی کی دیجئے یا یہیں کی کسی زبان کی دے دیجئے اور کہئے کہ رات

پھر نہیں آپ کو ایک مہینہ کی مہلت دی جاتی ہے آپ کے پاس کوئی دوسرا آدمی نہیں جائے گا۔ یہ کتاب ہے اور آپ ہیں ہم آپ کو کمرے میں بند کر دیتے ہیں تالہ لگا دیتے ہیں کھانے پینے کا سب سامان کھڑکی سے ہم پہنچاتے ہیں اور وہاں پہلے سے موجود اور زندگی کی سب ضروریات ہیں ایک مہینہ نہیں چھ مہینے آپ اس میں رہئے اور یہ صفحہ حل کر دیجئے اس صفحہ کو آپ پڑھ دیجئے اور اس نے حروف تہجی نہیں پڑھے ہوں تو آپ یقین مانئے کہ جب وہ نکلے گا تو ویسے ہی جاہل ہوگا جیسے وہ داخل ہوا تھا اسلئے کہ وأتوا البيوت من أبوابها پر اس نے عمل نہیں کیا حروف تہجی بڑے ننھے ہیں کیا حقیقت ہے ا ب ت بچوں کو پڑھایا جاتا ہے لیکن بڑے بڑے علامہ امام غزالی امام رازی بھی محتاج تھے کہ پہلے حروف تہجی پڑھیں پھر احیاء علوم الدین اور تفسیر رازی تک پہنچیں وہ احیاء علوم اور تفسیر رازی تک نہیں پہنچ سکتے اگر انہوں نے حروف تہجی نہ پڑھے ہوتے ایسے ہی ہر فن کا، ہر علم کا ہر شعبہ کا ایک قانون ہے اس قانون پر چلنا ہوگا۔ یہ ہمارا تمام انسانی تجربہ علم ہے کہ علم کا حال بھی یہی ہے کہ بہت سی چیزیں تو اس میں مشترک ہیں ہم کہتے ہیں کہ ہماری دنیا الگ ہے ان کی دنیا الگ لیکن آپ دیکھیں تو زیادہ حصہ دنیاوی اور دینی تعلیم میں مشترک ہے مثلاً درجہ بدرجہ پڑھنا استاد سے پڑھنا محنت کرنا استاد کا احترام کرنا۔

یورپ میں استاد و شاگرد:

میرے بھائیوں! بہت سے لوگ سمجھتے ہیں کہ یورپ وغیرہ میں استادوں کا کوئی احترام کرتا نہیں بھئی یہ آپ یہاں کی یونیورسٹیوں اور کالجوں پر قیاس نہ کیجئے کا یہ نہ مشرق کے ہیں اور نہ مغرب کے اور نہ دنیا کے اور نہ دین کے یہ تو پنچھی ہیں یہ تو خودرو ہیں جنگلی درخت ہیں، میں یورپ گیا ہوں میں نے وہاں کی یونیورسٹیاں دیکھیں مجھے تو حیرت ہوئی کہ میں کیمبرج آکسفورڈ گیا ضرورت کے لئے بتاتا ہوں آپ کو کہ وہاں معلوم ہوا کہ وہاں اب تک ٹیوٹریل سسٹم جاری ہے ایک استاد کو اتالیق بنا لینا۔ جب آپ کسی آفس میں چلے جائیں اور آپ داخلہ کرائیں بی اے اور ایم اے میں تو آپ سے پوچھا جائے گا کہ آپ کس استاد کا انتخاب کرتے ہیں آپ کا مشیر کون ہوگا۔ تو بتانا پڑتا ہے کہ فلاں استاد فلاں پروفیسر کی نگرانی میں اور اس کے مشورہ سے علم حاصل کرنا ہے۔ پھر اس پروفیسر سے بالکل ایسا تعلق ہو جاتا ہے جیسے مرید و پیر کا تعلق ہوتا ہے یعنی طالب علم اس کے مشورے سے کتابیں پڑھتا ہے کتابیں پڑھ کر نوٹس اسکو

دکھاتا ہے تاکہ معلوم ہو کہ طالب علم کتاب کی صحیح اہمیت سمجھتا ہے اور اس کا جو اصل مغز لب لباب ہے اس کو لے رہا ہے پھر اس کے بعد مضمون اس کو تیار کرنا پڑتا ہے وہ بالکل اس سے ایسا وابستہ ہو جاتا ہے جیسے پہلے ہمارے مدارس میں تھا کہ ہر استاد کے ساتھ چند طلباء ہوتے تھے کہ جو بالکل مربوط ہو جاتے تھے اساتذہ سے۔

اور شعراء تک کا یہ حال تھا کہ ان کے راویہ ہوتے تھے چنانچہ تاریخ ادب میں آتا ہے کہ فلاں فلاں کا راویہ تھا یعنی اس کے اشعار کو اخذ کرنے والا یاد کر لینے والا سنانے والا اس کے ساتھ ساتھ شامل کر لیتے تھے کہ یہ میرا راویہ ہے میں انہیں قصیدہ سناؤں گا اس سے کہہ دو وہ یہ ہی ہمارے زمانہ تک طالب علم تقسیم ہو جاتے تھے استادوں میں پڑھتا طالب علم ایک استاد کے ساتھ لگ گئے ہیں خادم بھی ہیں وہ اس کی خدمت بھی کرتے ہیں چاہے بیماری ہو تو پانی لا دیں گے اس کے آرام کا خیال کریں گے بازار سے اس کی چیزیں لا دیں گے اور ہمارے یہاں تو یہ بھی تھا کہ اس کا حساب کتاب بھی دے دیں گے وہ جو اس کے بعد جو پڑھوائے گا اس کو پڑھیں گے وہ جو مواد نکلوائے گا اس کو نکالیں گے۔ ہم سب لوگوں نے ایسا ہی پڑھا تو معلوم ہوا کہ یہ سسٹم آج تک وہاں کی اعلیٰ درجہ کی یونیورسٹیوں میں رائج ہے اس کے بغیر وہ طالب علموں کو گویا قبول نہیں کرتے پہلے بتانا پڑتا ہے کہ تمہارا گورو کون ہے یعنی تمہارا خاص استاد کون ہے جس کے ساتھ تم وابستہ ہو گے اور اس کے مشوروں پر چلو گے یہی ہمارے علم کا حال ہے۔

علم دین کا امتیاز:

کچھ چیزیں تو مشترک ہیں لیکن پھر اس کے بعد ایک سرحد ایسی آتی ہے ایک ایسی حد آتی ہے جہاں سے ہماری سرحد الگ ہو جاتی ہے وہ کیا مثلاً اللہ کی رضا کی طلب ہو اخلاص ہو دعا ہو خدا سے کہ اے اللہ ہم سے تو جو محنت ہو سکتی ہے ہم کریں گے اصل تو دینے والا ہے علم کا۔

حضرت امام شافعیؒ کا شعر یاد کیجیے:

شکوت إلی وکیع سوء حفظی
فأوصانی الی ترک المعاصی
فان العلم نور من الله
ونور الله لایعطی لعاصی

میں نے اپنے استاد وکیع سے شکایت کی کہ میرا حافظہ کمزور ہے تو انہوں نے کہا کہ گناہوں سے اجتناب کرو بہت زیادہ گناہوں سے دور رہو اس لئے کہ علم جو اللہ کا نور ہے اللہ کا نور نافرمان کو نہیں دیا جاتا۔ یہاں سے ہماری سرحد الگ ہو جاتی ہے وہ سینما جائیں اور کسی اخلاقی کمزوری یا کسی بے راہ روی کے شکار ہو جائیں تو بھی فرق نہیں پڑتا بلکہ میرا تو خیال ہے کہ فرق پڑتا ہے، لیکن خیر مان لیا نہیں فرق پڑتا ویسے ہی وہ فرسٹ ڈویژن سے پاس ہو جائیں فرسٹ آئیں ان کو نوکری مل جائے گی لیکن فرق اس میں بھی پڑتا ہے مگر مان لیجئے کہ نہیں فرق پڑتا لیکن ہمارے یہاں تو کھلا ہوا فرق ہے کہ وہ شخص جو استاد کا ادب کرتا ہے اس کی دعائیں لیتا ہے اور اس کے ساتھ بالکل گویا بندھ جاتا ہے اس کا گویا ملازم ہو۔ آپ تاریخ میں پڑھیں گے تو معلوم ہوگا کہ بعض اوقات ایک ہی آدمی ایک استاد کے ساتھ مخصوص ہو گیا وہ بس بالکل اس کا عاشق بن گیا اور بالکل اس سے علم کا ایسا جذب کر لیا جیسے اسپنج ہوتا ہے وہ پی لیتا ہے اس طرح پی لیا اس کے علم کو پھر نچوڑ دیا اپنے شاگردوں میں۔

علم کے آداب

تو عزیزو! یہ ہمارا علم ہو یہ جس علم کے طالب علم ہیں اس کے لئے یہ جامعہ قائم کیا گیا ہے یہ علم خاص آداب رکھتا ہے، یہ پہلوانی کا علم نہیں ہے کہ آدمی کہے کہ کون ہوتا ہے استاد کیا کتابوں کا ادب کیا پرانی دقیانوسی باتیں کرتے ہو، اللہ نے ہمیں ذہن دیا ہے حافظہ دیا ہے محنت ہماری اچھی ہے ہم سب کر کے دکھا دیں گے نہیں ایسا نہیں بعض لوگ کم صلاحیت کے ساتھ ایسے کامیاب ہو گئے ہیں کہ دنیا میں ان کا ڈنکا بج گیا مجھے یاد ہے کہ لاہور میں ایک صاحب تھے انہوں نے غلط لائن اختیار کی تھی اور کالج میں پڑھاتے تھے ان کی ذہانت اور معقولات میں ان کی مہارت مسلم تھی یہاں تک کہ ڈاکٹر اقبال بھی ان کو مانتے تھے لیکن جو فیض ان سے پہنچنا چاہئے تھا جو علوم وسنت کا اجرا ان سے ہونا چاہئے تھا اور جو اشاعت ہونی چاہئے تھی جو ان لوگوں میں بیٹھ کر خشیت پیدا ہونی چاہئے تھی وہ لوگوں میں پیدا نہیں ہوئی کہنے لگے کہ مولوی حسین احمد مدنی تو ہمارے ساتھ تھے تو ان کا شمار بھی طالب علموں میں تھا وہ کچھ وہاں نمایاں نہ تھے یہ بڑے نمایاں تھے ان سے کیا فیض پہنچا ذہانت کے باوجود۔ ایسے ہی ایک صاحب کہنے لگے ارے مولوی الیاس تو جب دیکھو نفلیں پڑھتے تھے پڑھنے کے زمانے میں نفلیں پڑھتے تھے

مولوی الیاس صاحب نے کیا کر دکھلایا دنیا کو ہلا کر رکھ دیا یہاں تک کہ امریکہ اور افریقہ میں بھی ان کی دعوت مقبول ہوئی تو بھائی بڑے تجربے کی بات بتاتا ہوں تھوڑی صلاحیت سے وہ طریقہ اختیار کر کے واتوا البیوت من ابوابها پر عمل کر کے آدمی وہاں پہنچ سکتا ہے جہاں وہ لوگ جن کو اپنی ذہانت پر ناز ہے اور اپنے قوت مطالعہ پر اور محنت پر وہ نہیں پہنچ سکتے ان کے پڑھنے پڑھانے میں برکت نہیں ہوگی کہ لوگوں کو نفع پہنچے علم کے ساتھ سنتوں کا اجرا ہو بدعات کا محو ہو معصیتوں سے نفرت پیدا ہو طاعت میں رغبت پیدا ہو نور آئے یہ بات پیدا نہیں ہوتی یہ بات جب پیدا ہوگی کہ آدمی اس طریقہ پر عمل کرے جو استاد بتائے۔ ایک صاحب تھے بہت بڑے عالم شام کے علامہ بیطار کہنے لگے کہ ایک مرتبہ ایسا ہوا کہ ہم لوگ اپنے استاد کے پاس نہیں جا سکے بڑی سخت سردی تھی، شام میں بڑی سردی پڑتی ہے، برف پڑتی ہے کہنے لگے ہم مجبور ہو گئے دوسرے وقت گئے تو کہنے لگے کیوں نہیں آئے ہم نے کہا سردی بہت تھی اوپر سے ایک گھڑا پانی اور ڈال دیا کہنے لگے کہ یہ سردی ہے کہنے لگے کہ ہم لوگوں نے برداشت کیا اور کوئی شکایت نہیں کی اور پھر جانے لگے اب وہ علامہ بیطار بن گئے انہوں نے خود سنایا ایسے ہی ایک صاحب نے ان کے ہم عصروں میں سے سنایا تو یہ اس زمانہ کا طریقہ تھا کہ استاد خدمت بھی لیتے تھے اور پڑھاتے بھی تھے اور پھر استاد استاد ہی نہیں ہوتا تھا ایک طرح کا پیر ہوتا تھا اس کے پاس رہتے کہ نماز کیسے پڑھتا ہے کیا خشوع و خضوع ہے سنتوں کا کہاں تک اہتمام کرتا ہے مسجد آتا ہے تو پہلا قدم کون رکھتا ہے نکلتا ہے تو کون سا قدم نکالتا ہے یہ باتیں بھی سیکھتے تھے استادوں سے۔ اور اب یہ باتیں کم ہو گئیں۔

قحط الرجال کا دور:

آج دیکھئے کوئی غیر معمولی شخص کوئی سطح سے بلند کوئی علامہ کوئی کوہ قامت کوہ پیکر ایسی کوئی ہستی نہیں پیدا ہو رہی ہے اس وقت کوئی امام مزنی، امام نووی، شیخ الاسلام ابن عبد السلام، حافظ ابن حجر عسقلانی نہیں بن سکتا تو کوئی حافظ ابن حجر ہیثمی بن جائے ان جیسا ان سے دوسرے تیسرے نمبر کا ادیب بنے لیکن نہیں بن رہے ہیں لوگ یہاں سے مصر تک اور اب تو مصر بھی خالی ہے اس زمانہ میں ازہر بڑے بڑے لوگ پیدا کرتا تھا بڑے فضل لوگ راسخ العلم لوگ پیدا کرتا تھا وہاں بھی خزاں کا دور آ گیا اور سیاسی اغراض اور سیاسی مقاصد نے اس کو بالکل بے اثر کر کے رکھ

دیا ہے اور وہاں بھی لوگ پیدا نہیں ہو رہے ہیں اور ہر ملک میں یہ احساس کیا جا رہا ہے کہ اب اس پایہ کے عالم پیدا نہیں ہو رہے ہیں تو اس کے لئے ضروری ہے درس کی پابندی استاذ کا احترام، مطالعہ کرنا مطالعہ دیکھے بغیر نہ پڑھنا اور مولانا اشرف علی تھانویؒ صاحب فرماتے ہیں کہ طالب علموں کا شعار دیکھے بغیر نہ پڑھنا اور مولانا اشرف علیؒ تھانوی صاحب فرماتے تھے کہ طالب علموں کا شعار یہ ہو گیا ہے نہ دیکھ کر پڑھنا نہ پڑھ کر دیکھنا، دیکھ کر پڑھنا یہ مطالعہ کر کے پڑھیں گے اور پڑھ کر کے اس کو دوہرا کریں دیکھیں بار بار پڑھیں دونوں چیزیں ختم ہو گئیں یہ چند باتیں ہیں جو قیمتی ہیں اگر ان پر عمل کیا جائے تو آج بھی اللہ کا قانون یہی ہے جو سینکڑوں ہزاروں برس پہلے تھا اس انقلاب کے ذہین لوگ پیدا ہو سکتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے جو قوت دے رکھی ہے پہلے لوگ کیا کرتے تھے اور اس سے کیا بات ان کی ترقی کرتی تھی بیچاروں کو بعض اوقات مہینوں نہ گھی ملے نہ چکنائی ملے نہ فروٹ ملے نہ گوشت یہ سوکھی روٹی کھا کے انہوں نے اتنے بڑے کام کئے کہ عقل حیران رہ جاتی ہے۔ بعض ایسے گذرے ہیں کہ کھڑے ہو کے نان بائی کی دکان پر اور روٹی توے پر ڈالنے کی جو خوشبو ہوتی ہے اس سے طاقت حاصل کی اور آگے پھر پڑھتے تھے بس وہی بات ہے کہ واتوا البیوت من ابوابھا کہ بیت علم میں باب علم سے داخل ہو، باب علم ایسے ہی قواعد ضوابط پر چلنا احترام کرنا نظام کے ساتھ رہنا محنت، یکسوئی، محنت کرنا اور بھائی اگر تم نے یہ کر لیا تو پھر ہوئے انشاء اللہ نام روشن کرو گے اپنے ملک کا بھی اور اپنی ملت کا بھی اور نہیں تو بس شد بد ہو جائے کی مشکل سے کوئی مسئلہ بتا سکو گے کوئی کتاب پڑھا سکو گے کوئی علمی کام کر سکو گے میں سمجھتا ہوں کہ بس یہ کافی ہے، ہم اللہ سے دعا کرتے ہیں کہ اللہ شر و آفت سے بچائے اخلاص عطا فرمائے اپنے کلام کا حاملین کلام کا اپنے رب کا احترام و ادب نصیب فرمائے۔ (آمین)

وآخر دعوانا الحمد للہ رب العالمین۔

اصل مسئلہ ترجیح کا ہے

دوسری دفعہ سرزمین بنگال آمد پر مورخہ ۲ جنوری ۱۹۸۳ء کو وہاں کی سب سے بڑی اور معروف دینی درس گاہ جامعہ اسلامیہ کے علماء، طلبہ میں حضرت مولانا قدس سرہ کا ایمان افروز بیان ہوا جو ہر مدرسے اور دینی ادارے سے تعلق رکھنے والے فرد کے لئے پیام راہ کی حیثیت رکھتا ہے

الحمد لله رب العالمين والصلوة والسلام على سيد المرسلين خاتم النبيين وعلىٰ اله واصحابه اجمعين اما بعد.

اول سلام:

عزیزو! جب کوئی کہیں سے آتا ہے تو پہلے سلام کرتا ہے، ہم آپ کے پاس دور سے آئے ہیں، ہمیں بھی چاہئے کہ آپ کو سلام کریں۔ اس وقت جو میں کہہ رہا ہوں اس کی حیثیت محض سلام کی ہے باقی سلام کے بعد کلام بھی ہوتا ہے وہ شاید بعد میں ہو میں تو اس وقت صرف ہدیہ سلام پیش کر رہا ہوں، جیسا کہ حکم ہے، اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے۔

فاذا دخلتم بيوتا فسلموا على انفسكم تحية من عند الله مباركة طيبة

(جب تم گھروں میں داخل ہونے لگو تو اپنے لوگوں کو جو لوگ وہاں موجود ہوں ان کو سلام کر لیا کرو جو دعا کے طور پر اللہ کی طرف سے مقرر ہوا ہے بابرکت اور عمدہ چیز ہے۔

موقعہ سے فائدہ اٹھایئے:

عزیزو! آج کل عام رواج ہے، جب ادارے ہوتے ہیں تو باہر کے لوگ آتے ہیں بلائے بھی جاتے ہیں، خود بھی آتے ہیں، لیکن بہت سے آنے والوں کو اس کا خیال بھی نہیں ہوتا کہ ہم کیوں آئے ہیں اور اس سے کیا فائدہ اٹھا سکتے ہیں، اسی طرح بہت سے رہنے والوں کو اس کا خیال بھی نہیں ہوتا کہ یہ آمد محض ایک رسمی و رواجی آمد ہے یا اس سے کوئی دینی علمی فائدہ بھی اٹھایا جا سکتا ہے اس کی طرف توجہ کرنے کی ضرورت ہے بلکہ ہماری حیثیت اور ہمارے

رفقاء کی حیثیت باہر سے آنے والے مہمانوں یا مشاہیر کی آمد یا لیڈروں کی آمد نہیں بلکہ اپنوں کی آمد ہے، اس جامعہ کا تعلق شروع سے ندوۃ العلماء اور وہاں کے کارکنوں سے رہا ہے بلکہ حقیقت میں اس کی بنیاد ایک ندوی فاضل مولانا عبدالحمید صاحب ندوی مرحوم نے ڈالی ہے، وہ یہاں آئے، انہوں نے کچھ تعلیمی خدمت شروع کی تو یہ خدمت برگ و بار لائی جو لوگ آج جامعہ کے روح رواں ہیں وہ زیادہ تر تو ان ہی کے فیض یافتہ ہیں تو گویا اس جامعہ کی بسم اللہ ہی ہوئی ندوہ کے تعلق سے، پھر اس کے بعد جب جامعہ کی بنیاد ڈالی گئی تو ندوہ ہی کے تعلق والوں کو بلایا گیا اور اس کے بعد برابر آمد و رفت کا سلسلہ جاری ہے، یہ میں اس لئے نہیں کہہ رہا ہوں کہ ندوہ اور غیر ندوہ میں کچھ فرق ہے بلکہ اس لئے کہہ رہا ہوں کہ کم سے کم اس وقت جو لوگ آئے ہیں یہ سب گھر ہی کے لوگ ہیں، ایسے ہی ہیں جیسے ایک خاندان کی شاخیں ہو جاتی ہیں کوئی قریب رہتا ہے کوئی دور رہتا ہے ایک شاخ کے لوگ دوسرے شاخ کے لوگوں سے ملنے جاتے ہیں، وہ ملنا خاندانی قسم کا ہوتا ہے، ویسے ہی خاندانی قسم کا سفر یہ بھی ہے اور اس میں اپنے ایک عزیز کی تقریب میں شریک کی نیت بھی شامل ہوگئی ہے، تو آپ ہم لوگوں کو باہر کے اجنبی یا تماشائی کی حیثیت سے نہ دیکھئے کہ آپ کہیں کہ فلاں بھی آیا فلاں بھی آیا، بلکہ ذہن میں یہ ہونا چاہئے کہ یہ لوگ دو چار دن رہیں گے ان سے کیا فائدہ اٹھا سکتے ہیں اور اس پر اللہ کا شکر ادا کرنا چاہئے کہ اب جامعہ اس درجہ کو پہنچا کہ دور دور سے لوگ آتے ہیں اور اسے دیکھ کر خوش ہوتے ہیں، اپنی چیز سمجھتے ہیں، اسی کے ساتھ نیت بھی درست کرنا بہت ضروری ہے اور ہماری بھی نیت یہ ہونی چاہئے کہ ہم اپنے عزیزوں سے اور اپنے خاندان کے بچوں سے ملنے آئے ہیں آپ کی بھی نیت یہ ہونی چاہئے کہ ہمارے خاندان میں کچھ بڑے کچھ ہمارے مشیر یا جن کو خدمت کا جذبہ ہے شوق ہے وہ آئے ہیں ان کے دوران قیام میں جلسے ہوں گے تقریریں ہوں گی، عمومی خطاب ہوں گے شاید ہمارے دوست منیری صاحب نے اس کا نظام بنایا ہو لیکن اس کے علاوہ ہمارے ساتھیوں سے آپ فائدہ اٹھانے کی کوشش کریں ان میں بعض دار العلوم کے استاذ ہیں اور وہ آپ سے عمر میں اور تعلیم میں قریب ہیں مناسبت رکھتے ہیں ان میں وہ تفاوت نہیں ہے جو ہمارے آپ کے درمیان ہے آپ ان کے ساتھ زیادہ بے تکلفی سے مل بھی سکتے ہیں بات بھی کر سکتے ہیں، ان کو بتلائیے کہ آپ نے اب تک کیا پڑھا پھر ان سے پوچھئے اور مشورہ کیجئے کہ

اس کے بعد کس طرح پڑھیں کس ترتیب سے پڑھیں وہ کتابوں کا انتخاب کردیں، ان سے کہئے کہ ہمارا فلاں مضمون کچھ کمزور ہے، کیا ہے یا فلاں مضمون سے زیادہ مناسبت نہیں کیسے مناسبت پیدا ہوسکے گی، اس کے مبادی کیا ہیں، کس طرح شروع کریں اس سے کس طرح مناسبت پیدا کریں، سب سے پہلے اور سب سے اہم تفسیر، حدیث، فقہ اور صرف ونحو وغیرہ کے مضامین ہیں اس کے بعد جس کو شوق ہو وہ ادب وانشاء کے بارے میں بھی مشورہ کرسکتا ہے، اس وقت جو لوگ ہمارے ساتھ ہیں، الحمد للہ وہ لکھتے پڑھتے ہیں، ان کے مضامین چھپتے ہیں، آپ لوگ بھی دیکھتے ہوں گے، ان لوگوں سے پورا فائدہ اٹھایئے، تین چار دن وہ لوگ یہاں قیام کریں گے ان دنوں میں ذہن وحاضر رکھئے اور اس وقت کو قیمتی سمجھئے کوشش بھی کیجئے دعا بھی کیجئے کہ اتنی دور سے جو سفر ہوا ہے یہ مفید اور کارآمد ہو، یہ نتیجہ خیز ہو اس لئے کہ یوں ہی کوئی اتنی دور کسی سے ملنے کے لئے نہیں جایا کرتا ہے، جب کوئی ملنے آتا ہے اتنی دور سے تو بہت غنیمت سمجھنا چاہئے، اس سے فائدہ اٹھانا چاہئے۔ آپ لوگوں کو اس سے خوش ہونا چاہئے جیسے سیاسی لوگ خوش ہوتے ہیں بڑے بڑے لیڈروں کے آنے پر۔ آپ کو خوش ہونا چاہئے اساتذہ اور ماہرین فن کی آمد پر، ایسے مواقع کم ملتے ہیں اور مل جائیں تو انہیں ضائع نہیں کرنا چاہئے۔

ہاتھی یا علم حدیث:

ایک لطیفہ سناتا ہوں ایک مرتبہ لکھنؤ سے بارہ بنکی گیا جو لکھنؤ سے پندرہ سولہ میل دور ہوگا، لکھنؤ سے میں وہاں گیا تو میرا وہاں خطاب پیام انسانیت کے سلسلہ میں تھا اور اسی روز وہاں سابق وزیر اعظم مسٹر گاندھی آئی ہوئی تھیں، لوگ منتشر تھے، تقسیم ہوگئے تھے، اکثر لوگ وہاں سے تماشا ہی دیکھنے کے لیے چلے گئے کیونکہ بارہ بنکی چھوٹی جگہ ہے چھوٹا ضلع ہے، اس میں وزیر اعظم مسز اندرا گاندھی آئیں تو بڑی بات تھی، جتنے مجمع کی توقع تھی اتنا مجمع ہمارے جلسہ میں نہیں تھا، پھر بھی بہت سے لوگ آئے وہ قابل داد تھے تو میں نے ان سے کہا کہ میں آپ کو ایک لطیفہ سناتا ہوں وہ حسب حال ہے، ایک مرتبہ امام مالک مؤطا کا درس دے رہے تھے، مدینہ میں ایک ہاتھی آگیا اور مدینہ میں ہاتھی ہوتا نہیں عرب ہی میں ہاتھی نہیں ہوتا، شور مچ گیا، ہاتھی آیا ہاتھی، جاء الفیل جاء الفیل وہ ہمیشہ پڑھ رہے تھے الم تر کیف فعل ربک باصحاب الفیل الم یجعل کیدھم فی تضلیل۔ انہوں نے اور جانور تو دیکھے تھے۔ گھوڑا

تو ان کے گھر کی چیز تھی، اونٹ بھی ان کے گھر کی چیز تھی ہاتھی نہیں دیکھا تھا، تو بے اختیاری اور غیر ارادی طریقہ پر لوگ ہاتھی دیکھنے چلے گئے، یہ امام مالکؒ کا حلقہ درس تھا، وہاں بہت منتخب لوگ تھے، پھر بھی لوگ ہاتھی دیکھنے چلے گئے، لیکن ان کے ایک شاگرد یحییٰ حلقہ درس سے نہیں اٹھے، وہ امام مالک کے خدمت ہی میں بیٹھے رہے۔

امام مالک نے کہا کہ اے یحییٰ تم نہیں گئے، تمہارے ملک میں بھی تو ہاتھی نہیں ہوتا کہا ہم ہاتھی دیکھنے نہیں آئے ہیں، ہم آپ کو دیکھنے آئے ہیں، انہوں نے غالباً دعا دی اس کا نتیجہ کہ ایسا دنیا میں کم پیش آیا ہے کہ یحییٰ بن یحییٰ مسعودی کی وجہ سے اس سارے شمالی افریقہ میں امام مالک کا مسلک پھیلا اور اس علاقہ کے سبھی لوگ مالکی ہیں، یہ موجودہ روایت مؤطا کی جو ہم تک پہنچی ہے یحییٰ بن یحییٰ مصمودی کی روایت ہے اور ایسا کم ہوتا ہے کہ علاقہ کا علاقہ ملک کے ملک ایک مسلک کے ہوں، لیکن آپ تصور کیجئے کہ لیبیا جس میں مالکیہ کی بڑی تعداد ہے، لیبیا سے شروع ہوکر جو شمالی پٹی چلی گئی ہے، مراکش پر بلکہ آبنائے جبل الطارق پر ختم ہوتی ہے، یہ پورا علاقہ سو فیصد مالکی ہے، بے شک اس میں ابن بادیس کا بھی بہت بڑا دخل ہے، جس نے مذہب مالکی کو سرکاری مذہب بنا دیا لیکن بیج لایا ہوا ہے یحییٰ بن یحییٰ کا، ایک بات تھی ذرا سی بات اللہ کو پسند آئی، ہاتھی دیکھنے نہیں گئے تو ان کے علم اور ان کی ذات سے اتنی برکت ہوئی، یہ اس وجہ سے کہ انہوں نے امام مالک کے درس حدیث کو ہاتھی کا تماشا دیکھنے پر ترجیح دی۔

ترجیح کی بات:

عزیزو! سارا معاملہ ترجیح کا ہے، تم کس کو کس پر ترجیح دیتے ہو؟ سارا قرآن اسی سے بھرا ہوا ہے، اللہ کے حکم کو ترجیح دیتے ہو یا خواہش کو ترجیح دیتے ہو، رسول کے کہنے کو ترجیح دیتے ہو یا رسم ورواج کو ترجیح دیتے ہو، مصلحت کو ترجیح دیتے ہو یا حکم الٰہی کو ترجیح دیتے ہو، اسلام کا معاملہ شریعت کا معاملہ ہے۔ یحییٰ بن یحییٰ نے ہاتھی پر امام مالکؒ کو ترجیح دی تو اللہ نے اور بہت سے داعیوں پر ناشرین علم پر ان کو ترجیح دی اور جس کتاب کے وہ حامل وشارح بنے اس کو اچھی اچھی کتابوں پر ترجیح دی گئی سب کتابیں اچھی ہیں، ہدایہ اگر وہاں پہنچتی یا وہاں مسند امام ابوحنیفہ ہوتی وہ بھی خیر سب سراپا نور، لیکن صرف اس ایک عمل کا اثر یہ ہوا کہ اس حامل علم کو ترجیح دی گئی دوسرے حاملین علم پر، اور اس عمل کو ترجیح دی گئی دوسرے معمولات پر دوسری جو علمی سوغاتیں

تھیں، علم کے تحائف تھے ان پر ان کو ترجیح دی، سارا معاملہ ترجیح کا ہے آج بھی اتفاق سے آپ کے شہر میں ایک بڑی شخصیت آئی ہوئی ہے، آج ہی اللہ نے آپ کو یہ ایک منظر دکھلایا، امتحان میں تو نہیں ڈالا کہ وہی وقت ہوتا ہمارے بھی آنے کا لیکن منظر آپ کو دکھایا کہ یہاں ہندوستان کی سب سے بڑی شخصیت آئی اور ہم طالب علم بھی آئے۔ اگر آپ کے دل میں ان طالب علموں کی عزت ہے، ہمارے آنے سے آپ کو زیادہ خوشی ہے تو اللہ تعالیٰ کے یہاں بھی یہ خوشی رنگ لائے گی یقین مانئے اگر آپ نے کہا الحمد للہ آج ہمارے کچھ بزرگ، ہمارے کچھ مشفق ہمارے کچھ خیر خواہ ہمارے لیے دعا کرنے والے لوگ آئے ہیں، ہم بڑے خوش نصیب ہیں تو یہ بات اللہ تعالیٰ کو پسند آئے گی اور کچھ تعجب نہیں کہ اللہ تعالیٰ آپ کے معاملہ میں علم نافع کا فیصلہ فرماوے۔

شعائر اللہ کا احترام:

یہ جو کچھ آپ شریعت کو دیکھتے ہیں، یہ سب احترام کی باتیں ہیں، کرنا کرانا تو بعد کا مرحلہ ہے اور ضروری ہے لیکن پہلا مرحلہ احترام کا معاملہ ہے اللہ اور رسول کو اللہ و رسول سے نسبت رکھنے والی چیزوں کو کس نظر سے دیکھا جائے، یہی حقیقت ہے شعائر اللہ کی، اللہ رب العزت کا ارشاد ہے **ومن يعظم شعائر الله فانها من تقوى القلوب** تو تعظیم شعائر اللہ دلیل ہے قلوب میں تقوی کی، قلب میں اللہ کی عزت ہے تو جو چیز اللہ کے لیے کہلاتی ہے اس کے لیے بھی عزت ہوگی ایسے ہی ہم لوگ کوئی چیز نہیں اور کون کیا چیز ہے، سوائے اللہ کے اور اللہ کے رسول کے صحابہ کے اور کبار اولیاء اللہ کے سب برابر ہیں، ایک طرح لوگ ہیں، لیکن سارا انحصار جو ہے وہ نظر پر ہے، طریقہ فکر پر ہے، نقطہ نظر پر ہے اور ذہنی کیفیت پر ہے **ومن يعظم شعائر الله** میں ذہنی کیفیت کو بیان کیا گیا ہے، ایک بزرگ کو بہت بڑے مدارج عالیہ ملے، مجھے اس وقت ان کا نام یاد نہیں، فضیل بن عیاض یا جنید بغدادی کا نام یاد آتا ہے، کسی نے پوچھا کہ حضرت اتنا بڑا درجہ اللہ نے نصیب فرمایا، کیا بات ہے کہنے لگے بات تو اتنی ہے کہ میں چلا جا رہا تھا ایک جگہ میں نے ایک کاغذ پڑا دیکھا، اس پر اللہ کا نام لکھا تھا میں نے اٹھایا، آنکھوں سے لگایا اس کو ایک جگہ عزت کے ساتھ کسی دیوار وغیرہ میں حفاظت سے رکھ دیا، اللہ کو یہ ادا پسند آئی اور اللہ نے مجھے یہ مرتبہ عطا کیا۔

اصل میں تعظیم جو ہے محبت وقعت کا اس پر انحصار ہے، اس کی دلیل ہے یہی علم کا حال ہے۔

بے حرمتی کا انجام:

ایک عجیب واقعہ جو بڑا عبرتناک ہے، شاید بہت کم لوگوں کو معلوم ہو۔ حضرت شاہ عبد العزیز کے شاگردوں میں ایک صاحب تھے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو محفوظ رکھے ہم سب کا خاتمہ ایمان پر فرمائے دہریہ ہوگئے تھے کلکتہ میں رہتے تھے کور ٹیپور کے رہنے والے تھے، شاہ اسمٰعیل شہید کے ساتھ پڑھے ہوئے تھے، بڑا عجیب وغریب واقعہ ہے جب حضرت شاہ اسمٰعیل صاحب حج کو جانے لگے تو ٹیپو سلطان، وہ ٹیپو سلطان جو آپ ہی کے علاقہ کے تھے، ان کے پوتوں کے وہ اتالیق تھے، جن کی وجہ سے ٹیپو سلطان کے پوتوں پر کچھ اثر ہو رہا تھا تو ٹیپو سلطان کی پوتی یا صاحبزادی نے حضرت سید احمد شہید سے کہلایا کہ ہمارا خاندان تو آپ ہی کے خاندان کا متوسل ہے۔

ہمارے اجداد مادری میں شاہ ابواللیث صاحب جو سید صاحب کے حقیقی ماموں تھے سفر حج سے واپسی پر ۱۲۰۸ھ میں ٹیپو سلطان (م ۱۲۱۴ھ ۱۷۹۹ء) کی حیات میں کوڑیا بندر پر (منگلور) میں اترے اور مختصر علالت کے بعد وہیں وفات پائی اور وہیں سپرد خاک ہوئے اس سے پتہ چلتا ہے کہ سلطان ٹیپو کے اس مجاہد خاندان کے حضرت شاہ علم اللہ صاحبؒ کی اس شاخ اور سید صاحبؒ کے اجداد مادری سے عقیدت وارادت کے مستحکم تعلقات تھے۔ تو صاحبزادی نے کہلایا کہ ہمارے بھائی صاحبان پر بڑا اثر پڑ گیا ہے، فلاں مولوی صاحب اور وہ ملحد ہو گئے ہیں، آپ ذرا توجہ فرمائیں اور ان کی اصلاح فرمائیں۔ الحمد للہ ان کی اصلاح ہوئی وہ سب بیعت ہو گئے تو ان مولوی صاحب کے الحاد کی طرف جانے کی وجہ بھی ایک عجیب وغریب معلوم ہوئی، زیادہ کرید کر پوچھا تو معلوم ہوا کہ ایک مرتبہ ایسا ہوا کہ حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب بخاری کا درس دے رہے تھے، بڑے زور کی ہوا چلی، بار بار ورق الٹتے تھے، آپ سب جانتے ہیں بخاری کے اوراق جو بڑے ہوتے ہیں تو اس کے ورق کی آواز سے سبق میں انتشار ہوا، شاہ صاحب نے کہا بھائی! اس پر ہاتھ رکھ لو یا کوئی چیز رکھ لو تو کسی نے ہاتھ رکھا کسی نے کوئی دینی کتاب رکھی، بس اس شخص نعوذ باللہ اس پر پاؤں رکھ دیا، یہ کرنا تھا کہ لائن بدل گئی تو سارا معاملہ عزت واحترام کا ہے، سب

وہیں سے ہوتا ہے وہیں سے ملتا ہے جس کو ملتا ہے۔ لیکن جو قلبی کیفیت ہے وہ بڑی چیز ہے چنانچہ یہی دیکھا کہ جن لوگوں میں استاد و کتاب کا احترام تھا تو اللہ تعالیٰ نے ان سے بہت نفع پہنچایا عالم کونسا بڑا ہے اس کو اللہ جانتا ہے بلکہ ہمیں بھی کچھ تھوڑا بہت معلوم ہوسکتا ہے، کم علموں کو بھی کہ بعض لوگ ان سے زیادہ ذی علم ہیں بہت زیادہ ذہین ہیں لیکن کچھ فائدہ نہیں ہوا، فائدہ ان سے ہوا جن کا علم اتنا نہیں تھا وجہ یہ تھی، وہی اساتذہ کا ادب واحترام اور ان کی دعائیں بعض کتابوں میں لکھا ہے کہ صاحب ہدایہ علامہ مرغینانی ایک مرتبہ دورے پر تھے تو سب شاگردوں نے کہا کہ مصنف ہدایہ آئے ہیں، مصنف ہدایہ آئے ہیں ایک شور مچ گیا، جو جہاں تھے سب کام چھوڑ کر ہر طرف سے طلباء ملنے آئے سلام کرنے آئے کہ ہمارے استاد آگئے ہیں، صرف ایک طالب علم جو اچھے ممتاز تھے وہ نہیں آئے تو انہوں نے کہا کہ بھئی فلاں آدمی نہیں آئے خیر اس کے بعد کسی موقعہ پر وہ ملے تو انہوں نے کہا ہم تو تمہارے دیار میں آئے تھے تم ملنے نہیں آئے؟ تو اس نے کہا حضرت! والدہ بیمار تھیں چھوڑ کر نہیں آسکے تو انہوں نے کہا انشاء اللہ تمہاری عمر دراز ہوگی، یہ بڑا اچھا فعل ہے برکت ہوگی تمہاری عمر میں، لیکن درس میں رونق نہیں آئے گی تم نے ایک اچھا کام کیا اس کا اثر عمر درازی میں ظاہر ہوا چونکہ وجود کا تعلق ماں سے ہے جب وجود ہے تو عمر بھی ہے تو وہ جو جسمانی تعلق ماں سے ہے تو جسمانی فیض تم کو پہنچے گا کہ تمہاری عمر دراز ہوگی لیکن وجود معنوی جس سے تھا، وجود روحانی جس سے تھا گویا اس پر تم نے ترجیح دی ہے ترجیح کا معاملہ ہے تو درس میں رونق نہ ہوگی، یہ زبان سے نکل گیا تو لکھا ہے لوگوں نے کہ ان کے درس میں سب کچھ تھا لیکن رونق نہیں تھی یعنی لوگ آئیں اور استفادہ کریں، تلامذہ کی کثرت ہو، بس بھائیو! میں نے سلام کے موقعہ پر یہ باتیں کیں۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو نیک عمل کی توفیق عنایت فرمائے آمین!

وصلی اللہ تعالیٰ علیٰ خیر خلقہ محمد وآلہ اجمعین

والسلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

ختم نبوت (۱)

الحمد لله نحمده ونستعينه ونستغفره ونعوذبالله من شرور انفسنا ومن سيّئات اعمالنا من يهد الله فلا مضل له ومن يضلله فلا هادى له ونشهد ان لا اله الا الله ونشهد ان محمد اعبده ورسوله الذى ارسله الله تعالى بالحق بشيرا ونذيرا وداعيا الى الله باذنه وسراجامنيرا

حضرت! اب جب کہ توفیق الٰہی سے منصب رسالت ونبوت ﷺ، اس کے عالی مرتبہ حاملیں اوران کے خاتم ومکمل محمد ﷺ کی نبوت ورسالت کے اہم پہلوؤں اور گوشوں پر قرآن عظیم کی رہبری ورہنمائی، اور تاریخ وسیرت کی روشنی میں اپنے معروضات اور فکر ومطالعہ کا خلاصہ اور نتیجہ پیش کرنے کی سعادت حاصل ہو چکی، ضروری اور مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ختم نبوت اور خاتم النبیین ہونے کے مسئلے پر قرآن مجید ہی کی رہبری ورہنمائی میں اور سیرت وحدیث تاریخ ادیان وملل، مذاہب کے تقابلی مطالعہ اور فلسفہ اجتماع وتمدن کے بدیہی اصولوں ، اور طویل تجربے کی روشنی میں گفتگو کی جائے کہ یہی ہماری اس علمی سفر کی آخری منزل، اور ہمارے اس قلمی طواف وسعی کا آخری نقطہ اور منتہی اوران کے خطبات کا ''حسن خاتمہ'' ہے چونکہ اس زمانے میں کچھ غلط اندیش لوگوں اور مفاد پرست لوگوں نے اس واضح اور متفق علیہ عقیدہ کو غبار آلود کرنے، اور اس کو ایک متنازعہ فیہ علمی مسئلہ کی شکل دینے کی کی کوشش کی ہے، اس لئے پچھلے خطابات کے مقابلے میں اس مسئلے پر ہم کو قدرے تفصیل اور نسبۃ درازنفسی کی ضرورت پیش آئی گی اور شاید اس کو دو حصوں اور مجلسوں میں تقسیم کرنا پڑے۔

دین کی تکمیل اورزامت کی نیابتِ انبیاء

خدائے علیم وکبیر کا ارادہ قاہر وغالب، دین اسلام کو نقطہ کمال پر پہنچانے اور اس کو ہر دور و

دیار کے تقاضوں کو پورا کرنے کے قابل بنانے میں پورا ہو کر رہا۔ محمد ﷺ نے خدا کا پیغام اور دین کی امانت کو بندوں تک پہنچانے اور اللہ کی راہ میں جہاد کا پورا حق ادا کیا اور ایک ایسی امت تیار کر دی جس نے نبوت کا منصب پائے بغیر کار نبوت کی ذمہ داریاں سنبھال لیں، اور اسے دعوت اسلام کو لے کر اٹھ کھڑے ہونے، دین کی تحریف و تبدیلی سے بچانے، دنیا کی خیر خواہی، اور ہر زمانے میں اور ہر مقام پر انسانیت کا احتساب کرنے پر مامور و متعین کر دیا گیا۔

کنتم خیر امۃ اخرجت للناس تامرون بالمعروف وتنہون عن المنکر وتومنون باللہ

تم بہترین امت ہو جو انسانوں کے لئے سامنے لائی گئی ہے، تم نیکی کا حکم دیتے ہو اور برائی سے روکتے اور اللہ پر ایمان لاتے ہو۔

خدائی علم ازلی میں یہ پہلے سے مقدر تھا کہ دنیا میں پیغمبروں کے جانشین علم و ہدایت سے روشن میں اور ثبات و استقامت کے کوہ وقار ہر دور میں موجود رہیں گے، جو اس دین کو ہر زمانے میں غلو اور زیادتی کرنے والوں کی تحریف، باطل پسندوں کے غلط انتساب، اور جاہلوں کی بے جا تاویل سے بچاتے رہیں گے۔ تقدیر الٰہی کے اس فیصلے کی خبر اور بشارت دیتے ہوئے زبان نبوت نے کہا:

لاتزال طائفۃ امتی ظاہرین علی الحق لایضرہم من خذلہم حتی یاتی امر اللہ وہم کذالک

میری امت میں سے ایک جماعت برابر حق پر قائم اور غالب رہے گی اور ان کے ساتھ نہ دینے والا ان کا کچھ بگاڑ نہ سکے گا، یہاں تک کہ اللہ کا آخری فیصلہ (قیامت) آجائے اور وہ اسی حال میں ہوں گے۔

محمد ﷺ پر سلسلہ نبوت کے خاتمہ اور ان کے بعد ان کے منقطع ہو جانے کا اعلان

جب عالم و تکوین و تشریع میں یہ طے ہو گیا تو اس کا اعلان کر دیا گیا کہ انسانوں کو ان حقائق و شریعت کی تعلیم (جس پر ان کی دینوی فلاح اور اخروی نجات کا مدار ہے) اب وحی ملائکہ کے ذریعے، اور کسی نئے نبی کے واسطے نہیں دی جائے گی اور نبوت اور نزول وحی کا آخری سلسلہ محمد

ﷺ پر ختم کیا جا رہا ہے۔

نبوت و وحی کے نزول، اور ملائکہ بالخصوص جبرئیل کے ذریعہ انبیاء سابقین اور محمد رسول ﷺ و خلق خدا کی تعلیم و ہدایت پر مامور کرنے کے تذکرے سے قرآن مجید میں بھرا ہوا ہے، یہاں پر چند آیات پیش کی جاتی ہیں۔

ینزل الملکة بالروح من امرہ علی من یشآء من عبادہ ان انذروا انه لا اله الا انا فاتقون

وہ فرشتوں کو پیغام دے کر اپنے حکم سے اپنے بندوں میں سے جس کے پاس چاہتا ہے بھیجتا ہے کہ تم یہ اعلان کر دو کہ میرے سوا کوئی اور معبود نہیں، تو مجھی سے ڈرو۔

وانه لتنزیل رب العلمین نزل به الروح الامین علیٰ قلبک لتکون من للنذرین بلسان عربی مبین

اور یہ قرآن رب العالمین کی طرف سے نازل ہوا ہے جسے امانت دار فرشتہ لے کر آپ ﷺ کے دل پر اترا ہے تا کہ آپ کھلی عربی زبان میں ڈرانے والوں میں سے ہوں۔

وما کان لبشر ان یکلمه الله الا وحیا اومن ورآء حجاب اویرسل رسولا فیوحی باذنه مایشآء انه علی حکیم.

کسی بشر کا یہ مرتبہ نہیں کہ اللہ براہ راست اس سے بات کرے مگر یہ کہ وہ بات وحی اور پردے کی اوٹ سے ہو، وہ فرشتہ بھیجے اور وہ رسول کو اس کے حسب اجازت اس کے منشاء سے آگاہ کرے، اللہ یقینا بلند اور حکمت والا ہے۔

قل نزله روح القدس من ربک بالحق لیثبت الذین امنوا وھدی وبشری للمسلمین.

آپ کہہ دیجئے کہ اس کتاب کو روح القدس فرشتہ آپ کے رب کے پاس سے ٹھیک ٹھیک لے کر اترا ہے کہ ایمان لانے والوں کو ثابت قدم رکھے اور مسلمانوں کے لئے ہدایت و بشارت کا سامان ہو۔

وما ینطق عن الھوی' ان ھوالا وحی یوحی' علمه شدید القوی' ذومرة فاستوی' وھو بالافق الاعلی ثم دنا فتدلی' فکان قاب قوسین اوادنی'

فاوحی الی عبده ماا وحی

اور نبی اپنی مرضی سے کچھ نہیں کہتا یہ صرف وحی ہے جو اس کی طرف بھیجی جاتی ہے اور اسے بھرپور طاقت اور قوت والے فرشتہ نے اسے سکھایا تو وہ پورے نظر آئے اور وہ بلند افق پر تھے پھر قریب ہوئے اور آگے بڑھے تو دو کمان کے فاصلے پر یا اس سے بھی کم، پھر خدا نے اپنے بندہ کی طرف جو بھیجا سو بھیجا۔

قل من کان عد و الجبریل فانه نزله علی قبلک باذن الله مصدقا لمابین یدیه وهدی و بشری للمومنین'

کہہ دو کہ جو شخص جبرائیل کا دشمن ہو (اس کو غصہ میں مر جانا چاہئے) اس نے تو (یہ کتاب) خدا کے حکم سے دل پر نازل کیا ہے، جو پہلی کتابوں کی تصدیق کرتی ہے اور ایمان والوں کیلئے ہدایت اور بشارت ہے۔

انه لقول رسول کریم ' ذی قوة عند ذی العرش مکین' مطاع ثم امین ' وما صاحبکم بمجنون' ولقد راه بالافق المبین' وما هو علی الغیب بضنین'

بیشک یہ (قرآن) فرشتہ عالی مقام کی زبان کا پیغام ہے، جو صاحب قوت، مالک عرش کے ہاں اونچے درجہ والا سردار (اور) امانت دار ہے اور (مکہ والو) تمہارے رفیق (یعنی محمد ﷺ) دیوانہ نہیں ہیں، بیشک انہوں نے اس (فرشتہ) کو (آسمان کے کھلے یعنی) مشرقی کنارہ پر دیکھا ہے اور وہ پوشیدہ باتوں (کے ظاہر کرنے) میں بخیل نہیں۔

لیکن جہاں تک وجدانی اور لدنی علوم اور حکم و سعادت اور ان اطلاعات کا سوال ہے، جو بعض پاکیزہ نفوس اور ریاضت و مجاہدہ اور علوم و حقائق کے سمندر میں غواصی کرنے والوں کو الہام کردی جاتی ہیں اور جو کچھ لوگوں کو "نوائے سروش" یا ندائے غیب کی صورت میں سنائی دیتی ہیں، اس کا نبوت سے تو دور کا بھی تعلق نہیں، بعض اوقات اس کیلئے ہدایت و حقانیت کی بھی شرط نہیں ہوتی۔

یہ اعلان اللہ تعالے کی طرف سے ہے کہ نبوت محمد ﷺ پر ختم کردی گئی اور یہ مضمون و مفہوم ایسے صریح اور واضح الفاظ میں بیان کیا گیا ہے، جس میں کسی شک و شبہ کی گنجائش نہیں، اور اس کے بارے میں کج بحثی اور شبہات پیدا کرنے کی کوشش وہی شخص کرے گا جس کے دل میں

چور ہو یا اس سے اس کا کوئی مفاد وابستہ ہو۔

وہ صفات جو دائمی نبی اور آخری رسول ہی کے ہو سکتے ہیں

قرآن مجید نے سلسلہ نبوت کے محمد رسول اللہ ﷺ کی ذات گرامی پر ختم ہونے اور آپ کے بعد کسی نبی کی بعثت کی عملاً ضرورت نہ ہونے کے اظہار کے لئے گوناگوں اور نہایت بلیغ اسالیب بیان اختیار کئے ہیں، جو بیک وقت قلب و دماغ کو پورے طور پر اپیل کرنے والے ہیں، اس کے لئے کبھی تو قرآن مجید نے رسول اللہ ﷺ کے خصائص و اوصاف ایسے انداز میں بیان کئے ہیں، جن سے عقل سلیم رکھنے والا ہر انسان بآسانی یہ نتیجہ نکال سکتا ہے کہ آپ ایک زندۂ جاوید پیغمبر اور قیامت تک کے لئے قابل تقلید نمونہ اور مثالی شخصیت ہیں، چنانچہ ارشاد ہوا۔

ماکان محمد ابا احد من رجالکم ولکن رسول اللہ وخاتم النبین، وکان اللہ بکل شئی علیما.

محمد ﷺ تمہارے مردوں میں سے کسی کے والد نہیں ہیں، بلکہ خدا کے پیغمبر اور نبیوں (کی نبوت) کی مہر (یعنی اس کو ختم کردینے والے) ہیں اور خدا ہر چیز سے واقف ہے۔

قرآن نے آپ کے آخری نبی ہونے کو ظاہر کرنے کیلئے اسی قوم کو زبان اور تعبیرات سے کام لیا ہے، جن کی زبان میں وہ اترا ہے، اور جو اس کے اولین مخاطب اور اس کے سمجھنے اور پھر دنیا کو سمجھانے اور بتانے پر مامور تھے، یہ زبان ان کے درمیان رابطے، بول چال، اور ادائے مطلب کی زبان تھی، لیکن اس زبان کی محیر العقول وسعت و صلاحیت کے باوجود یہ حقیقت ہے کہ اس میں کمال و انتہا بتانے والا کوئی لفظ ''خاتم'' سے بہتر موجود نہیں۔ اور اس مطلب کے لئے یہی گفتگوؤں اور شعر و ادب میں ان کی نوک زباں رکھتا تھا، اس لئے ان کی زبان میں خاتم، ختام اور ختم کے وہی معنی پائے جاتے ہیں، جو قرآن مراد لیتا ہے، یعنی یہ کہ رسول اللہ ﷺ آخری رسول اور خاتم الانبیاء ہیں، جن کے بعد کوئی دوسرا نبی آنے والا نہیں۔

قرآن نے آخری رسالت کے حامل رسول اللہ ﷺ کی ایسی صفتیں بیان کی ہیں جو آپ ﷺ کی رسالت کی ابدیت اور بلا استثنا ہر نسل، ہر زمانہ اور ہر طبقہ کے لئے مثالی نمونہ اور اسوۂ حسنہ بننے کی صلاحیت و اہلیت کی طرف واضح اشارے کرتی ہیں، جیسا کہ ارشاد ہوتا ہے۔

لقد کان لکم فی رسول اللہ اسوۃ حسنۃ من کان یرجو اللہ والیوم الاخر

وذکر اللہ کثیرا۔

تم کو پیغمبر خدا کی پیروی (کرنی) بہتر ہے (یعنی) اس شخص کو جسے خدا (سے ملنے) اور روز قیامت (کے آنے) کی امید ہو اور وہ خدا کا ذکر کثرت سے کرتا ہو۔

قل ان کنتم تحبون اللہ فاتبعونی یحببکم اللہ ویغفرلکم ذنوبکم واللہ غفور رحیم،

(اے پیغمبر لوگوں سے) کہدو کہ اگر تم خدا کو دوست رکھتے ہو تو میری پیروی کرو، خدا تمہیں دوست رکھے گا، اور تمہارے گناہوں کو معاف کردیگا، اور خدا بخشنے والا مہربان ہے۔

یاایھا النبی انا ارسلناک شاھدا ومبشرا ونذیرا وداعیا الی اللہ باذنہ وسراجا منیرا

اے پیغمبر ﷺ ہم نے تم کو گواہی دینے والا اور خوشخبری سنانے والا اور ڈرانیوالا بنا کر بھیجا ہے، اور خدا کی طرف بلانے والا، اور چراغ روشن۔

یہ بات سب جانتے ہیں کہ خدائے علام الغیوب کی ذات تو بہت اعلیٰ وارفع ہے، عقلمندوں اور بلیغ ادیبوں کا بھی یہ شیوہ نہیں کہ وہ کسی ایسے بادشاہ کی مدح وتوصیف میں سحر طرازی اور نفس درازی سے کام لیں جس کی سلطنت عارضی اور جس کا ستارۂ اقبال روبزوال ہے، اور اس کی جگہ کوئی دوسرا صاحب تاج وتخت لینے والا ہے، اسی طرح ان حکیموں اور دانشوروں کی جو انجام کار گہری نظر رکھتے اور خوب ناپ تول کر کوئی بات کہتے ہیں یہ طینت وافتاد طبیعت نہیں کہ وہ کسی ایسے بچے کی ولادت پر مبارکباد دینے میں فصاحت وبلاغت کے جوہر دکھائیں جس کے متعلق کسی قرینہ سے معلوم ہو گیا ہو کہ اس کی زندگی مختصر اور اس کی بہار چند روزہ ہے، وہ ایسی ہستی کی درازی عمر اور بلند اقبال کے گیت بلند آہنگی سے نہیں گاتے، جس کے متعلق بعد میں کہنا پڑتا ہے۔

خوش درخشید و لے دولت مستعجل بود

محمد رسول ﷺ اللہ کی سیرت وحیات قیامت تک کے انسانوں کیلئے قابل تقلید نمونہ واسوہ اور اس کے لئے غیبی انتظامات

جب محمد رسول اللہ ﷺ کی ذات گرامی، تمام انسانی طبقات اور ہر زمانے اور ہر مقام کی انسانی نسلوں کے لئے مثالی نمونہ اور نصب العین ٹھری تو اللہ کی رحمت وعنایت ان کے اخبار و آثار، احوال ووظائف اخلاق وخصائل اور عادات وشمائل کی حفاظت کی طرف متوجہ ہوئی اور مسلمانوں کے قلوب واذہان آپ کے اقوال وافعال، عادات وعبادات، نشست وبرخاست اور جلوت وخلوت کے حرکات وسکنات کے معلوم کرنے اور محفوظ کردینے کی طرف پوری طرح متوجہ ہوئے اور ان کو اس میں ایسی محویت وانہماک ہوا جس کی نظیر ملنی مشکل ہے، ایسا معلوم ہوتا تھا کہ کوئی غیبی طاقت ہے، جو ان کو اس منزل کے لئے سرگرم سفر اور اس مقصد کی تکمیل کے لئے ایسا رواں دواں رکھے ہوئے ہے کہ اس کے بغیر ان کو چین نہیں آتا، اور ان کی زبان حال کہتی تھی

رشتہ درگردنم افگندہ دوست
می برد ہر جا کہ خاطر خواہ اوست

اس توجہ اور اعتنا، باریک بینی اور دقیقہ رسی کا اندازہ حدیث وسیرت وشمائل کی کتابوں اور حلیہ وسراپائے نبوی ﷺ کی ان روایتوں سے ہوتا ہے، جو خاندان نبوت کے بعض افراد اور ہر وقت کے حاضر باش اصحاب کرام سے منقول ہیں۔

ادب تاریخ، سیر وانساب کے وسیع ذخیرہ میں اس سے زیادہ باریک بینی وانضباط واحتیاط کسی اور بشری پیکر کی مرقع نگاری اور اخلاق وعادات کی آئینہ داری کے سلسلہ میں دکھائی نہیں دیتی۔

مثال کے طور پر امام ابو عیسیٰ ترمذی (۲۰۹ـ۲۷۹ھ) کی کتاب شمائل پر ایک نظر ڈالنے ہی سے یہ یقین پیدا ہو جاتا ہے کہ خلقی وخُلقی اوصاف، عادات معمولات، مرغوبات ونامرغوبات کی باریک تفصیلات کو قلمبند کرنے کا یہ اعجازی اہتمام اور اس ذات گرامی سے ادنی تعلق رکھنے والی چیزوں سے تفصیلی احاطہ کی مثال انبیاء کی سیرتوں اور مشاہیر عالم کے تذکروں میں تلاش کرنا ایک سعی لاحاصل ہے، یہ کوشش محض اتفاقی واقعہ یا کسی شخصی رجحان کا نتیجہ نہیں قرار دی جاسکتی۔

اسی طرح جو شخص امام بخاریؒ (۱۹۴ـ۲۵۶ھ) کی "الادب المفرد" کو غور سے دیکھے گا، جسے اس عظیم المرتبت مصنف نے اسلامی آداب، مکارم اخلاق، حسن معاشرت، حقوق صحبت،

تہذیب وتربیت نفس زندگی کے اقدار واطوار کے موضوع پر تصنیف کیا ہے اور جو تمام تر اقوال و افعال، تعلیمات نبوی پر مبنی ہے تو اس سے یقین ہو جاتا ہے کہ یہ کوشش کوئی حادثہ اور اتفاقی واقعہ نہیں بلکہ خدائے عزیز وعلیم کی عین منشاء کے مطابق ہے اور یہ سب اس لئے کیا گیا ہے کہ ہر زمانے اور ہر نسل میں اللہ کے ان ارشادات پر عمل ہو سکے۔

لقد کان لکم فی رسول اللہ اسوۃ حسنۃ قل ان کنتم تحبون اللہ فاتبعونی یحببکم اللہ

تمہارے لئے رسول اللہ کی ذات میں اچھا نمونہ عمل ہے۔ کہہ دیجئے کہ اگر تمہیں خدا سے محبت ہے تو میری اتباع کرو خدا تم سے محبت کرے گا۔

اور تاکہ کسی بہانہ طبیعت کے لئے یہ کہنے کا موقع نہ رہے کہ وہ نقش قدم باقی نہیں جن پر ہم چلیں یا وہ واقعات وحالات محفوظ ہی نہیں کہ ہم اپنے لئے اسوہ ونمونہ بنا سکیں، جیسا کہ انبیاء کے سلسلہ میں ہوا کہ جن کا صرف نام اور کچھ ادھورے واقعات باقی رہ گئے جو تقلید وپیروی کے لئے کافی نہیں۔

حدیث نبوی کو ہم ایک طرح کا "روزنامچہ" اور اس تئیس سالہ زندگی کا بولتا ہوا مرقع کہہ سکتے ہیں جو آپ نے نبوت سے سرفراز ہونے کے بعد اس کرۂ ارضی پر گزاری۔ یہ محتاط ریکارڈ ہمیں یہ بتاتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ زندگی کس طرح گزارتے تھے اور آپ کے روز وشب کے معمولات کیا تھے اسی طرح ہم اس سے اخلاق نبوی کی باریکیاں، عادات ورجحانات، جذبات وخیالات، قول وعمل کی وہ تفصیلات جان سکتے ہیں جو ہم عہد ماضی بلکہ حال کی بھی بہت معاصر شخصیتوں کے متعلق نہیں جان سکتے۔ اس کے ذریعہ کوئی بھی انسان اپنے نبی کو اس طرح پہچان سکتا، آپ کی صحبت سے مستفید اور آپ کے انفاس قدسیہ سے فیضیاب ہو سکتا ہے کہ گویا وہ آپ کی مجلس میں حاضر ہے اور آپ کی باتیں سن رہا ہے اور آپ کے ساتھ رہ رہا ہے یہ طریقہ حفاظت و تعارف ان تمام خطرات اور مفاسد سے پاک ہے جو تصویر کشی اور مجسمہ سازی میں پائے جاتے ہیں اور جن کی وہ پچھلی امتیں بری طرح شکار ہوئیں، جنہوں نے اپنے پیغمبروں اور روحانی پیشواؤں کی یاد قائم رکھنے کے لئے تصویر کشی اور مجسمہ تراشی کا سہارا لیا اور بالآخر کھلی بت پرستی میں ملوث ہو گئیں۔

ناظرین وحدیث کی کتابوں میں سے حجۃ الوداع کا قصہ ہی اندازہ کرنے کیلئے کافی ہوگا، راویوں نے اس سفر کی وہ تمام جزئیات اور چھوٹی چھوٹی تفصیلات اور احوال وواقعات بھی نقل کئے ہیں اور جن کی طرف عام طور پر توجہ بھی نہیں ہوتی اور جن کی کوئی بڑی تاریخی قدر و قیمت نہیں سمجھی جاتی اور جن کا ذکر عام طور پر مشاہیر واکابر، بادشاہوں اور سربراہوں اور اہل فضل وکمال کے سفرناموں میں نہیں ہوتا۔

حدیث کے اس وافر ذخیرہ کی مدد سے ہر زمانہ اور ہر مقام کے فاضل و وسیع النظر مصنفین نے مسلمانوں کے لئے ایسی کتابیں مرتب کیں جو ان کی پوری زندگی کیلئے مکمل دستور العمل اور ہدایت نامہ کا کام دے سکیں اس لئے اگر آج کسی طبقہ اور مشغلہ سے تعلق رکھنے والا کوئی مسلمان یہ ارادہ کرے کہ وہ ہر قدم پر، ہر معاملہ میں اور زندگی کی ہر سرگرمی میں سیرت نبوی ﷺ کی اتباع کرے گا تو یہ چیز اس کیلئے ممکن ہے جو کتابیں اس موضوع پر لکھی گئیں ان کی تعداد بہت زیادہ ہے یہ کتابیں عالم اسلام کی بیشتر زبانوں میں ہیں، اور ان کی حجم اور ان کے موضوع کا دائرہ مختلف ہے، کوئی بہت مبسوط ہے، کوئی مختصر ان میں شیخ الاسلام ابن تیمیہ کے شاگرد رشید اور امت کے ایک ممتاز فرد علامہ ابن قیم (۶۹۱ - ۷۵۱ھ) کی کتاب ''زاد المعاد فی ہدی خیر العباد'' امتیازی شان رکھتی ہے۔

دوسرے انبیاء اور پہلے مذاہب کے رہنماؤں کے بارے میں یہی کہا جا سکتا ہے کہ ان کے واقعات اور نقوش حیات ماضی کے ملبے کے نیچے دفن ہو گئے ہیں اور ان کی وہ اہم کڑیاں (جن کے بغیر تاریخ مکمل ہی نہیں ہو سکتی اور جن کے بغیر اتباع واقتداء کا کوئی قدم ہی نہیں اٹھایا جا سکتا) اس طرح گم ہیں کہ انہیں پانا ممکن نہیں، اور یہ بات حکمت الٰہیہ کے عین مطابق اور نظام عالم کے قوانین کے بالکل موافق بھی معلوم ہوتی ہے، ہم دیکھتے ہیں کہ تاریخی کرداروں کی جو نمونہ ومثال اور آئیڈیل کا کام دیں، ایک محدود عمر ہوتی ہے، جس کے ختم ہو جانے پر ان اقدار کو نسل بہ نسل منتقل کرنے کی کوئی افادیت نہیں رہ جاتی لیکن جب ان کی ضرورت باقی اور دائمی ہوتی ہے تو وہ زمانہ ومکان کے انقلاب کے باوجود باقی رہتی ہیں، ان کا تسلسل قائم رہتا اور سدا بہار وزندہ جاوید بن جاتی ہیں، جن کو کبھی زوال نہیں ہوا۔

محمد ﷺ سے امت کا مضبوط دائمی رشتہ

جو شخص بھی نبی ﷺ کے بارہ میں وہ ہدایات وتعلیمات اور آداب واحکام پڑھے گا جن کا سورۃ الاحزاب، الحجرات، التحریم، المجادلہ میں ذکر ہے اور ان انعامات الٰہیہ، امتیازات ومعاملہ خصوصی کا تذکرہ دیکھے گا، جن کی طرف سورۃ الفتح، الضحیٰ، الانشراح میں اشارات آئے ہیں تو اس کی عقل اور اس کا ذوق سلیم اس کی شہادت دے گا کہ یہ صفات ان پیغمبر کی ہیں جو تمام نسلوں اور زمانوں کے لئے مبعوث ہوا ہے اور جس کے آفتاب اقبال کو کبھی گہن نہیں ہوتا اور جس کے عروج کا ستارہ کبھی ڈوبتا نہیں۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ اب کسی بھی نبی کی بعثت (خواہ کوئی جدید شریعت لے کر نہ آئے) محمد رسول اللہ ﷺ کے بارے میں خدا کی زبان سے اس طرح آیتیں تذکرے اور مسلسل پیہم مدح وثنا کے منافی ٹھہرتی ہے اور اس کے ساتھ ہی نبی کریم ﷺ کے امت سے مضبوط ابدی اور دائمی رشتہ کو کمزور کرتی ہے آپ کی تعلیمات واسوۂ حسنہ آپ کے اصحاب واہل بیت آپ کے مولد ومنشا (مکہ ومدینہ اور سرزمین عرب) کے ساتھ مسلمانوں کے تعلق کو نقصان پہونچاتی اور اس کو متاثر کرتی ہے اس لئے کہ جو نبی بھی آپ کے بعد مبعوث ہوتا اس کا امت اور نبی ﷺ کے درمیان (دانستہ ونادانستہ) حائل ہوجانا اور شعوری ولاشعوری طور پر رسول اللہ ﷺ کی ذات سے امت کے رشتہ اور تعلق کو کمزور بنا دینا ضروری تھا ایسا ہونا قانون قدرت اور انسانی فطرت کے عین مطابق ہے کہ

ماجعل اللہ لرجل قلبین فی جوفہ

اللہ نے کسی آدمی کے سینے میں دو دل نہیں بنائے۔

اس حقیقت کو سامنے رکھتے ہوئے کوئی صاحب عقل اور نفسیات انسانی کا رمز آشنا جس کی تاریخ ادیان وملل پر گہری نظر ہے یہ ضمانت نہیں دے سکتا کہ کسی امت میں نئے نبی کی بعثت پہلے نبی کے ساتھ امت کے تعلق اور محبت سے متصادم اور مزاحم نہیں ہوگی، اور اس کا وہ تعلق کمزور نہیں پڑے گا جو نبی اول کے وطن وقوم، رفقاء واصحاب اہل بیت ومتعلقین زبان وتہذیب اور حالات وتاریخ سے قائم تھا، یہ ٹکراؤ لازمی اور قوانین قدرت سے ہے جو کبھی نہیں بدلتے۔

قرآن وحدیث کا صریح مطالبہ ہے کہ محمد رسول اللہ ﷺ کی ذات ہر امتی کو دنیا ومافیہا کی ہر چیز سے زیادہ عزیز ومحبوب ہو اور وہ اس کو اپنی ذات اور متعلقین پر کلی ترجیح دے۔

حدیث صحیح میں آتا ہے۔

لا یؤمن احدکم حتی اکون احب الیہ من والدہ وولدہ والناس اجمعین

تم میں سے کوئی اس وقت تک مومن نہیں ہو سکتا جب تک کہ میں اس کے نزدیک اس کے باپ اس کے لڑکے اور تمام لوگوں سے زیادہ پیارا اور محبوب نہ ہو جاؤں۔

اور قرآن کہتا ہے:

النبی اولیٰ بالمومنین من انفسہم وازوجہ امہاتہم

ترجمہ

پیغمبر ﷺ مومنوں پر ان کی جانوں سے بھی زیادہ حق رکھتے ہیں اور پیغمبر کی بیویاں ان کی مائیں ہیں۔

لیکن ایک نئے نبی پر ایمان لانے کے بعد محبت و تعلق کی یہ وحدت پارہ پارہ ہو جاتی ہے اور اس محبوب ترین شخصیت کے رقیب بھی قدرتاً پیدا ہو جاتے ہیں، یہ فطرت انسانی کا عین تقاضا ہے اور فطرت انسانی ہمیشہ سے ایسی ہی پیش آتی ہے۔

بعثت محمدی کے وہ خصائص جو نئی نبوت کے متحمل نہیں

قرآنی اسالیب میں سے ایک اسلوب بیان وہ بھی ہے جو رسول اللہ ﷺ کی عالمگیر رسالت اور آپ کی شریعت کے تعارف میں استعمال ہے، یہ بلند آہنگ اعلانات و تصریحات ثابت کرتی ہیں کہ نبوتوں اور آسمانی رسالتوں کا سلسلہ محمد ﷺ پر تمام ہوگا، چنانچہ قرآن مجید نے واضح عربی زبان میں جس میں کوئی پیچیدگی اور الجھاؤ نہیں، یہ کہا کہ دین اپنے کمال، انسانی ضروریات کی تکمیل اور بقائے دوام کی ابدیت و صلاحیت کی ارتقائی منزل پر پہنچ گیا چنانچہ ارشاد ہوا۔

الیوم اکملت لکم دینکم واتممت علیکم نعمتی ورضیت لکم الاسلام دینا.

آج ہم نے تمہارے لئے تمہارا دین کامل کر دیا، اور اپنی نعمتیں تم پر پوری کر دیں اور تمہارے لئے اسلام کو دین پسند کیا۔

یہ آیت عرفہ کے دن حجۃ الوداع کے موقع پر ۱۰ ہجری میں نازل ہوئی تھی۔ جس کے بعد جیسا کہ اکثر احادیث و روایات سے معلوم ہوتا ہے، حلت و حرمت کا کوئی حکم نہیں نازل ہوا اور اس

اس کے بعد رسول اللہ ﷺ کل ۸۱ دن اس دنیا میں رہے اور اکابر صحابہ جو اس دین کے اسرار کو سب سے پہلے سمجھتے اور مقاصد شریعت کے جاننے والے اور حضور رسالت مآب ﷺ سے سب سے زیادہ قریب اور سب سے زیادہ محبت کرنے والے اور آپ کی زندگی کی آرزومند تھے اور جن کے سرخیل حضرت ابوبکر صدیقؓ اور حضرت عمر فاروقؓ تھے وہ اس آیت سے آنحضرت کے وقت مفارقت کے قرب اور رفیق اعلیٰ سے ملنے کا وقت آ جانے کو بھانپ گئے تھے اس لئے کہ آپ اللہ کا پیغام پہنچا چکے دین پایہ تکمیل کو پہنچ گیا تھا اور اللہ کی نعمت اس کے بندوں پر تمام ہو چکی تھی چنانچہ ان میں سے بعض حضرات رونے لگے اور بعض لوگوں نے قیامت کی اس گھڑی کے قریب آ جانے کی خبر دی اور بعض ذکی و فہیم علماء یہود نے (جن کی تاریخ و مذاہب پر نظر تھی) یہ بھانپ لیا کہ یہ آیت ایک امتیازی اعزاز ہے جس سے مسلمان سرفراز کئے گئے ہیں اور اس کے ساتھ ان کا دین سب سے ممتاز ہے جس میں کوئی دوسرا دین شریک نہیں اور انہوں نے یہ خیال ظاہر کیا کہ جس دن میں یہ آیت اتری ہے اسے یادگار دن بنا دینا چاہئے آنے والے زمانوں میں بھی اس کا جشن منانا اور مسلمانوں کی اس دن پر مسرت و تشکر کا اظہار کرنا چاہیے۔

اور رسول اللہ ﷺ نے بھی جن پر یہ آیت اتری تھی یہی سمجھا چنانچہ آپ نے حجۃ الوداع کے خطبہ میں (جسے ایک لاکھ انسان کان لگائے سن رہے اور یاد کر رہے تھے) فرمایا۔

> ایھا الناس ، انه لا نبی بعدی ، ولا امة بعدکم الا فاعبدوا ربکم ، وصلو
> احمسکم وصوموا شهرکم ، وادوا زکوة اموالکم طیبة بهاانفسکم ،
> واطیعوا اولا ة امرکم تدخلوا اجنة ربکم.

اے لوگو! نہ میرے بعد کوئی نبی مبعوث ہونے والا ہے اور نہ تمہارے بعد کوئی امت آنے والی ہے۔ خوب سن لو کہ اپنے رب کی عبادت کرنا، پانچوں نمازیں پڑھنا، ایک ماہ کے روزے رکھنا، اور خوشی سے اپنے مال کی زکوۃ دینا، اور اپنے حاکموں کی اطاعت کرنا، ایسا کرو گے تو اپنے رب کی جنت میں داخل ہو گے۔

اسی طرح قرآن نے اس کی صراحت کر دی کہ اس دین کے بقائے دوام، غلبہ و اقتدار، اور شہرت و مقبولیت طے کر دی گئی ہے، وہ عزت و حرمت کی بلند ترین چوٹی پر پہنچ کر اور اس کا کلمہ بلند ہو کر رہے گا، اس کی روشنی ضرور پھیلے گی اور اس کی صداقت یقیناً عالم آشکار ہو کر رہے گی،

ارشاد ہوا:

هوالذی ارسل رسوله بالهدیٰ ودین الحق لیظهره علی الدین کله وکفی بالله شهیداً

وہی تو ہے جس نے پیغمبر کو ہدایت (کتاب) اور دین حق دے کر بھیجا تاکہ اس کو تمام دینوں پر غالب کرے، اور حق ظاہر کرنے کے لئے خدا ہی کافی ہے۔

هو الذی ارسل رسوله بالهدیٰ ودین الحق لیظهره علی الدین کله ولو کره المشرکون

وہی تو ہے جس نے اپنے پیغمبر کو ہدایت اور دین حق دے کر بھیجا تاکہ اس (دین) کو (دنیا کے) تمام دینوں پر غالب کرے، اگرچہ کافر ناخوش ہی ہوں۔

یریدون لیطفئو انور الله بافواههم والله متم نوره ولو کره الکفرون

یہ چاہتے ہیں کہ خدا (کے چراغ) کی روشنی کو منہ سے (پھونک مار کر) بجھا دیں حالانکہ خدا اپنی روشنی کو پورا کر کے رہے گا، خواہ کافر ناخوش ہی ہوں۔

یہ سب کفالتیں اور ضمانتیں، خبریں اور اعلان اس کی خبر دے رہے ہیں کہ یہ دین خدا کا آخری دین اور ہر زمانہ اور ہر جگہ کے انسانوں کی ایک ضرورت ہے اور اللہ تعالیٰ اس کے بارے میں اپنا ارادہ پورا کر کے رہے گا خواہ لوگ اسے پسند کریں یا ناپسند اور اس کے دشمن اور حریف اس سے صلح کریں یا جنگ، جس دین کی یہ شان ہو، اور جس کے بارے میں اتنی سچی خبریں اور چیلنج اس کتاب میں آئے ہوں، جس میں کہیں سے باطل کی گنجائش نہیں تو عقل سلیم اس کے یہ ماننے پر کبھی تیار نہیں ہو سکتی کہ وہ کسی نسخ وتبدیلی کو قبول کرے گا، یا کسی نئے نبی اور رسول کی اس کو کبھی احتیاج پیش آئے گی۔

تمام اقوام وامم کے لئے رسالت محمدی کی عمومیت اور اصلاح وتبدیلی سے بے نیازی

اسلام سے پہلے مذاہب اور قدیم شریعتیں کبھی کسی جماعت کے ساتھ مخصوص ہوتی تھیں یا کسی مقام اور خاص مدت سے مختص ہوتی تھیں، یہودی مذہب کی دعوت کسی زمانے میں بھی تمام لوگوں کے لئے نہ تھی اور یہود سے ان کی کتابوں میں کہیں نہیں کہا گیا کہ وہ اپنے پیغام کو دنیا

کی تمام قوموں تک پہنچا نہیں بلکہ ایسے نصوص وارد ہوئے ہیں، جو اس سے روکتے اور ان کی تبلیغی سرگرمیوں کو ان کے قومی دائرے تک ہی محدود رکھتے ہیں۔ اس کا یہ طبعی اور فطری نتیجہ تھا کہ وہ بنی اسرائیل اور دوسری قوموں کے درمیان تفریق کریں اور خیر و شر، نیکی و بدی کے مختلف پیمانے بنائیں اور خاندانوں کے اختلافات سے بدلتے رہیں۔

نو مسلم فاضل خاتون مریم جمیلہ جو پہلے یہودیہ تھیں اپنی کتاب "اسلام اور اہل کتاب ماضی و حال" میں لکھتی ہیں: "عملاً ایسا نہیں کہ یہود دوسروں کو اپنے دین کی تبلیغ کرتے ہوں، وہ دوسروں کو اپنے دین میں آنے پر خوش آمدید نہیں کہتے۔ ان کی طویل تاریخ میں دو مثالوں کے علاوہ کوئی مثال معلوم نہیں جب غیر یہودی بڑی تعداد میں یہودی ہو گئے ہوں، ایسا ایک بار یمن میں بعثت محمدی سے چند صدی پہلے ہوا تھا اور دوسرے موقعے پر تاتاری الاصل مملکت خزر میں غیر یہودی ایک بڑی تعداد یہودی ہو گئی تھی جو روس میں پھیلتی رہی۔"

تورات کا اسلوب اور جو روح اس کی سطر سطر میں کارفرما ہے اس حقیقت کی واضح طور پر نقاب کشائی کرتی ہیں اس کتاب کے پڑھنے والے کو ایسا محسوس ہوتا ہے کہ وہ یہود کا "شاہنامہ" یہودی کتاب کی کتاب المناقب یا مخصوص کتاب الانساب پڑھ رہا ہے، اسے اس میں روحانی و اخلاقی تعلیمات، مکارم اخلاق کی ترغیب، مساوات انسانی اور احترام آدمیت کا تصور، تزکیہ و تہذیب نفس، دنیا کے مقابلہ میں دین اور جنت کی لذتوں کی کوئی ترغیب اور دوزخ کے عذاب کیلئے کوئی تخویف و ترہیب اور ڈراوا نہیں ملتا جس سے نفس کا تزکیہ ہو، قلب میں رقت اور گداز پیدا ہو اور غیر اسرائیلی قاری کے اندر اپنی شرافت و مسئولیت کا کوئی شعور بیدار ہو، یہ کتاب اپنے تمام قصوں، حکایتوں اور احکام سمیت یہودیوں کے گرد گھومتی ہے جنہیں ان کا دین اور ان کی کتاب "خدا کی برگزیدہ قوم" قرار دیتی ہے۔

اسی طرح مسیح کی دعوت بھی بنی اسرائیل کیلئے خاص تھی، انہوں نے اس کی خود صراحت کی تھی کہ "وہ بنی اسرائیل کی کھوئی ہوئی بھیڑوں کیلئے آئے ہیں" انہوں نے اپنے شاگردوں سے صاف کہا ہے۔

"میں اسرائیل کے گھرانے کی کھوئی ہوئی بھیڑوں کے سوا اور کسی کے پاس نہیں بھیجا گیا۔"

اور جب ان کی توجہ ان مریضوں کی شفایابی کی طرف منعطف کی گئی جو بنی اسرائیل سے

نسل ونسب کا تعلق نہیں رکھتے تھے تو انہوں نے معذرت کردی اور فرمایا۔

''لڑکوں کی روٹی لے کر کتوں کو ڈال دینا اچھا نہیں''

ان کی رسالت انکے زمانہ ان کے علاقہ اور انہیں کی آدمیوں تک موقوف ومحدود رہی انہوں نے جب اپنے بارہ حواریوں کو تبلیغ کیلئے بھیجا تو ان کو حکم دے کر کہا۔

''غیر قوموں کی طرف نہ جانا اور سامریوں کے کسی شہر میں داخل نہ ہونا' بلکہ اسرائیل کے گھرانہ کی کھوئی ہوئی بھیڑوں کے پاس جانا''

دوسرے مشرقی اور ایشیائی مذہب جیسے ہندومت وغیرہ کا معاملہ اور بھی حیرت انگیز ہے' جس کے یہاں غیر آریوں اور غیر برہمنوں کو نجس اور پلید سمجھا جاتا ہے' انہیں جانوروں کا درجہ دیا جاتا اور کبھی ان کے ساتھ کتوں کا معاملہ کیا جاتا۔

اس لئے خدا کی رحمت وحکمت کا تقاضہ تھا کہ کوئی نیا نبی آئے جو نئی تعلیمات اور شریعت و قانون میں نئی اصلاحات کا حامل ہو' جو بدلے ہوئے زمانے اور حالات کے تقاضوں کو پورا کرسکے اس لے ادیان سابقہ میں تو عیش پسند' تن آسان امراء وحکام کی خاطر شریعت میں ایسا لوچ اور ڈھیل پیدا کردی گئی تھی' جس کی وجہ سے مذہب رخصتوں کا مجموعہ اور ہوا وہوس کی تسکین کا سامان بن گیا تھا' کبھی تشدد پسند طبیعتوں اور غالی عابدوں اور زاہدوں کی سخت گیری اور دقت پسندی کی وجہ سے مذہب ایک ناقابل عمل ضابطہ زندگی' ایک ظالمانہ شکنجہ بن کر رہ گیا تھا' جس کی موجودگی میں زندگی کا جائز لذتوں اور آزادیوں سے بھی متمتع ہونے کا موقع باقی نہیں رہا تھا' اسی بناء پر وقتاً فوقتاً اس صورت حال کی اصلاح کیلئے انبیاء کو مبعوث ومامور کیا گیا چنانچہ حضرت عیسیٰ فرماتے ہیں۔

ومصدقا لما بين يدى من التوراة ولا حل لكم بعض الذى حرم عليكم
و جئتكم باية من ربكم فاتقوا الله واطيعون

اور مجھ سے پہلے جو تورات (نازل ہوئی) تھی اس کی تصدیق بھی کرتا ہوں' اور (میں) اس لئے بھی (آیا ہوں کہ) بعض چیزیں جو تم پر حرام تھیں ان کو تمہارے لئے حلال کردوں' اور میں تمہارے پروردگار کی طرف سے نشانی لے کر آیا ہوں' تم خدا سے ڈرو' اور میرا کہا مانو۔

قرآن نے نبوت جدیدہ کے ان دو اسباب کے خاتمہ کا اعلان کر دیا، اس نے ایک طرف اعلان کیا کہ رسالت محمدی ایک آفاقی اور عالمگیر پیغام اور دعوت ہے جس کے فیض سے نہ کوئی قوم و ملت محروم ہے، اور نہ اس کے خطاب سے کوئی طبقہ یا جماعت مستثنیٰ ہے۔

ارشاد ہے۔

قال یایہا الناس انی رسول اللہ الیکم جمیعا الذی لہ ملک السموات والارض لا الہ الا ہو یحی و یمیت

(اے محمد) کہہ دو کہ لوگو! میں تم سب کی طرف خدا کا بھیجا ہوا (یعنی اس کا رسول) ہوں (وہ) جو آسمانوں اور زمین کا بادشاہ ہے، اس کے سوا کوئی معبود نہیں، وہی زندگانی بخشتا اور وہی موت دیتا ہے۔

وما ارسلنک الا کافة للناس بشیرا ونذیر اولکن اکثرالناس لایعلمون

اور (اے محمد ﷺ) ہم نے تم کو تمام لوگوں کے لئے خوشخبری سنانے والا اور ڈرانے والا بنا کر بھیجا ہے، لیکن اکثر لوگ نہیں جانتے۔

وما ارسلناک الا رحمة للعلمیں.

اور (اے محمد ﷺ) ہم نے تم کو تمام جہان کیلئے رحمت ہی (بنا کر) بھیجا ہے۔

تبارک الذی نزل الفرقان علی عبدہ لیکون للعلمیں نذیرا.

وہ (خدائے عز و جل) بہت بابرکت ہے، جس نے اپنے بندہ پر قرآن نازل فرمایا، تا کہ اہل عالم کیلئے ڈرانیوالا ہو۔

ان ھوالاذکر للعلمین.

یہ قرآن تو اہل عالم کے لئے نصیحت ہے۔

اس سے معلوم ہوا کہ دین اسلام سب کا حق اور تمام اقوام و ملل، تمام قومیتوں اور نسلوں، تمام خاندانوں اور خانوادوں، تمام ملکوں اور خطوں کی دولت مشترکہ اور اجتماعی میراث ہے، اس میں یہودی، ہندو و برہمنوں جیسی کوئی درجہ بندی نہیں، اس میں کوئی قوم دوسری قوم سے نہیں، کوئی نسل دوسری نسل سے ممتاز و برتر نہیں، اس میں رنگ و نسل کا کوئی اعتبار نہیں، بلکہ یہاں شمار ذوق و شوق

حسن قبول وطلب، قدر دانی اور احسان شناسی، جہاد اور دین تقوی میں مسابقت ومقابلہ کا ہے، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

یاایہاالناس انا خلقنکم من ذکر وانثیٰ وجلنا کم شعوباً وقبائل لتعارفوا ان اکرمکم عند اللہ اتقاکم ان اللہ علیم خبیر.

لوگو! ہم نے تم کو ایک مرد اور ایک عورت سے پیدا کیا، اور تمہاری قوم اور قبیلے بنائے، تاکہ ایک دوسرے کو شناخت کرو، اور خدا کے نزدیک تم میں زیادہ عزت والا وہ ہے جو زیادہ پرہیزگار ہے، بے شک خدا سب کچھ جاننے والا (اور) سب سے خبردار ہے۔

اور نبی کریم ﷺ نے بھی فتح مکہ کے موقع پر اعلان فرمایا۔

الناس بنوا ادم وادم خلق من تراب، لا فضل لعربی علی عجمی الا بالتقوی.

سب لوگ آدم کے بیٹے ہیں اور آدم مٹی سے بنے تھے، کسی عربی کو عجمی پر فضیلت حاصل نہیں مگر تقوی کے سبب۔

امام احمد بن حنبل نے اپنی سند سے نبی ﷺ سے روایت کی ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا۔

لو کان العلم بالثریا لناله أناس من أبناء فارس.

اگر علم ثریا پر بھی ہوتو اسے ایران کے کچھ لوگ پالیں گے۔

دوسری طرف اس دین کے سہل ومطابق فطرت وقابل عمل ہونے کا جا بجا اعلان کیا گیا ہے۔

یرید اللہ بکم الیسرو لا یریدبکم العسر.

خدا تمہارے حق میں آسانی چاہتا ہے، اور سختی نہیں چاہتا۔

وما جعل علیکم فی الدین من حرجٍ

اور تم پر دین (کی کسی بات) میں تنگی نہیں کی۔

پچھلی امتوں اور ملتوں میں جو غالیانہ اور تشددانہ قوانین وضع کر لئے گئے تھے اور انتہا پسند زاہدوں، عابدوں اور محدود علم رکھنے والے قانون سازوں نے زندگی کا دائرہ تنگ کر دیا تھا اس کو آخری نبوت وشریعت نے ختم کر دیا، اور ان قوموں کو اس مصیبت سے نجات دی، قرآن مجید

میں اس نبی کی تعرف میں کہا گیا۔

یامرهم بالمعروف وینها هم عن المنکر ویحل لهم الطیبت ویحرم علیهم الخبئث ویضع عنهم اصرهم والا غلال التی کانت علیهم.

وہ انہیں نیک کام کا حکم دیتے ہیں' اور برے کام سے روکتے ہیں' اور پاک چیزوں کو ان کے لئے حلال کرتے ہیں' اور ناپاک چیزوں کو ان پر حرام ٹھہراتے ہیں اور ان پر سے بوجھ اور طوق جو ان (کے سر) پر (اور گلے میں) تھے اتارتے ہیں۔

قرآن مجید نے اس کی بھی وضاحت کردی کہ اگر بڑے سے بڑے عاقل اور قانون ساز لوگ بھی بشری ضروریات اور مختلف احوال کی رعایت رکھنا چاہتے تو بھی وہاں نہیں پہنچ سکتے جہاں تک اللہ کے علم محکم کی رسائی ہے' آیت میراث میں فرمایا گیا۔

ابائو کم وابنائو کم لاتدرون ایهم اقرب لکم نفعا' فریضة من الله ان الله کان علیماً حکیماً.

تم کو معلوم نہیں کہ تمہارے باپ دادوں اور بیٹوں پوتوں میں سے فائدہ کے لحاظ سے کون تم سے زیادہ قریب ہے' یہ حصے خدا کے مقرر کئے ہوئے ہیں' اور خدا سب کچھ جاننے والا اور حکمت والا ہے۔

یرید الله لیبین لکم ویهدیکم سنن الذین من قبلکم ویتوب علیکم' والله علیم حکیم' والله یرید ان یتوب علیکم ویرید الذین یتبعون الشهوت ان تمیلون میلا عظیما' یرید الله ان یخفف عنکم و خلق الانسان ضعیفا.

خدا چاہتا ہے کہ (اپنی آیتیں) تم سے کھول کھول کر بیان فرمائے اور تم کو اگلے لوگوں کے طریقے بتائے اور تم پر مہربانی کرے اور خدا جاننے والا (اور) حکمت والا ہے' اور خدا تو چاہتا ہے کہ تم پر مہربانی کرے اور جو لوگ اپنی خواہشوں کے پیچھے چلتے ہیں' وہ چاہتے ہیں کہ تم سیدھے راستے سے بھٹک کر دور جا پڑو' خدا چاہتا ہے کہ تم پر سے بوجھ ہلکا کرے اور انسان (طبعاً) کمزور پیدا ہوا ہے۔

ان خصوصیات کی بناء پر اب نہ کسی ایسی نبوت وشریعت کے آنے کی [illegible]

ادیان سابقہ کے خلاف) ہر زمان و مکان اور ملل واقوام کے لئے عمومی اور نوع انسانی کیلئے ہدایت کا پیغام ہو اور نہ ایسی نبوت و شریعت کی آمد کی ضرورت ہے جو گزشتہ مذاہب اور شریعتوں کے وقتی احکام وقوانین کو منسوخ اور اس تشدد وغلو مردم آزادی اور فطرت بیزاری کے رجحان کی اصلاح کرے جس نے مذہب کو ایک شکنجہ اور زندگی کو ایک عذاب بنا دیا تھا اور دنیا میں ایک سہل الفہم اور سہل العمل دین پیش کرے جو صحیح معنی دین فطرت ہے اس لئے کہ یہ دونوں خصوصیتیں خدا کے دین اسلام اور اس کی شریعت میں بدرجہ اتم پائی جاتی ہیں۔

گزشتہ آسمانی صحیفے اور قرآن علم وتاریخ کی میزان میں

قرآن سے پہلے کے آسمانی صحیفے ہمیشہ تحریف وتبدیلی کا نشانہ اور تلف وتباہی کا تختہ مشق بنتے رہے ہیں اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو حفظ وبقا کی کوئی ذمہ داری خود نہیں لی تھی بلکہ اسے ان کے علماء وحاملین کے سپرد کر دیا تھا اس کے علاوہ بشریت اور ان کی مخاطب امتوں کو ان کی ضرورت ایک عرصہ ہی کیلئے رہی جیسا کہ کہا گیا۔

> انا انزلنا التوراة فيها هدى و نور يحكم بها النبيون الذين اسلموا للذين هادو والربانيون والاحبار بما استحفظو من كتب الله وكانو عليه شهداء.

> بے شک ہم نے تورات نازل فرمائی جس میں ہدایت اور روشنی ہے اسی کے مطابق انبیاء جو (خدا کے) فرمان بردار تھے یہودیوں کو حکم دیتے رہے ہیں اور مشائخ اور علماء بھی کیونکہ وہ کتاب خدا کے نگہبان مقرر کئے گئے تھے اور اس پر گواہ تھے (یعنی حکم الٰہی کا یقین رکھتے تھے)۔

اور تاریخی طور پر ثابت اور ایک علمی حقیقت ہے جس کا اعتراف خود ان امتوں اور فرقوں نے کیا ہے جن کے پاس صحیفے آئے تھے عہد عتیق کے صحیفے برابر غارت گری اور آتش زدگی کا کھلے طور پر نشانہ بنتے رہے ہیں اور خود یہودی مورخین کا اس پر اتفاق ہے کہ تاریخ میں تین بار ایسے مواقع پیش آئے ہیں پہلی دفعہ جب بخت نصر (۵-۶-۶۴ ق م) بابل کے بادشاہ نے یہودیوں پر ۵۸۶ ق م میں حملہ کیا اور بیت المقدس کو آگ لگا دی جس میں حضرت سلیمان نے توریت کو تختیاں اور آل موسیٰ وآل ہارون کے تبرکات محفوظ کر دیئے تھے اور جو یہودی قتل سے

فتح کر کے انہیں وہ قید کر کے بابل لے گیا، جہاں وہ پچاس سال تک رہے، اور عزرا نبی نے پانچ پہلے صحیفوں کو جو "تورہ" کہلاتے ہیں، اپنے حافظہ سے دوبارہ لکھوایا اور واقعات کو تاریخی اسلوب میں لکھا، پھر نحمیا نے کتابوں کے دوسرے سلسلہ کا اضافہ کیا اور داؤد کی زبور کو بھی ملحق کیا۔

دوسری بار جب انطیوخوس چہارم نے جس کا لقب ایپیفانس تھا، جو یونانی انطاکیہ کا بادشاہ تھا، بیت المقدس ۱۶۸ ق م میں حملہ کیا اور صحف مقدس کو جلا دیا اور توراۃ کی تلاوت اور یہودی شعائر و روایات کو حکماً روک دیا، یہودا مقابی نے مقدس صحیفوں کو پھر سے جمع اور مرتب کرنا شروع کیا اور عہد عتیق میں صحیفوں کے تیسرے سلسلہ کا اضافہ کیا۔

تیسری بار ٹائٹس (۴۰۔۸۱ء) رومن بادشاہ نے بیت المقدس پر ستمبر ۷۰ء میں حملہ کیا اور اس نے ہیکل سلیمان سمیت برباد کر کے اس کو ویرانے اور ملبہ میں تبدیل کر دیا اور مقدس صحیفوں پر قبضہ کر کے فتح کی یادگار کے طور پر اپنے دارالحکومت لے گیا، اور یہود کو جلاوطن کر کے شہر سے دور دوسروں کو بسا دیا۔

پیغمبروں کے ان صحیفوں اور آسمانی کتابوں کی صحت و حفاظت اور مطابق اصل ہونے کے بارے میں یہودیوں کا معیار اور نقطہ نظر اس معیار اور نقطہ نظر سے قطعاً مختلف ہے جو مسلمانوں کا قرآن مجید کے بارے میں ہے، مسلمان قرآن مجید کے ہر لفظ کلام الٰہی، منزل من اللہ اور اپنے زمانہ نزول سے لے کر اس وقت تک محفوظ مانتے ہیں، یہودیوں کے نزدیک ان کتابوں میں ترمیم و کمی بیشی ان کی آسمانی کتابیں ہونے کے منافی نہیں، وہ انبیاء کو ان کا مصنف کہنے میں بھی کوئی حرج نہیں سمجھتے ہیں، مندرجہ ذیل اقتباسات سے یہودیوں کے عقیدہ اور طرز فکر اور اپنی کتب مقدسہ کے بارے میں نقطہ نظر کا کسی قدر اندازہ ہو سکتا ہے، ممتاز ترین یہودی فضلاء اور ماہرین فن کی تیار کی ہوئی یہودی انسائیکلوپیڈیا میں ہے۔

"یہودی روایات اگرچہ اس پر مصر ہیں کہ عہد نامہ قدیم انہیں کرداروں کی تصنیف ہے جو ان میں مذکور ہیں، اور یہ قطعاً غیر مناسب بھی نہیں ہے، مگر انہیں یہ ماننے میں کوئی تامل نہیں ہے کہ ان میں سے بعض کتابوں میں بعد میں ترمیم و اضافہ کیا گیا ہے۔"

"قدیم یہودی روایات کے مطابق توریت کی پہلی پانچ کتابیں (آخر آٹھ آیات کو چھوڑ کر جن میں موسیٰ کی موت کا ذکر ہے) موسیٰ کی تصنیف ہیں، لیکن ان صحیفوں کے متعدد تناقض اور

اختلافات کی جانب ربّی برابر توجہ دیتے اور اپنی خوش تدبیری سے انہیں درست کرتے رہے ہیں۔

> ''اسپنوزا کا کہنا ہے کہ عہد نامہ قدیم کی پہلی پانچ کتابیں موسیٰ کی نہیں عذرا کی تصنیف ہیں۔''

> ''جدید ترین تحقیق نے آخر کار یہ قطعی طور پر ثابت کردیا ہے کہ عہد نامہ قدیم کی پہلی پانچ کتابیں کم از کم ۲۸ مختلف سرچشموں سے ماخوذ ہیں۔''

جہاں تک اناجیل اربعہ کا سوال ہے (جو عہد جدید کہی جاتی ہیں) تو ان کا معاملہ عہد عتیق سے بھی گیا گزرا ہے، اس کی تدوین اور اس کے مؤلفین کے بارے میں بڑی پیچیدگیاں اور دشواریاں اور شک وشبہ پایا جاتا ہے، اور ان کے اور حضرت مسیح کے درمیان ایک بڑی خلیج حائل ہیں، جس کا پاٹنا اور جسے عبور کرنا کسی بھی محقق اور مورخ کے امکان میں نہیں رہ گیا ہے، یہ انجیلیں دینی کونسلوں اور مختلف زمانوں میں برابر تغیر وتبدیلی اور اصلاح وترمیم کا نشانہ بنتی رہی ہیں، اس کے علاوہ وہ آسمانی کتابیں اور وحی والہام پر مبنی ہونے کے بجائے سیر وسوانح اور واقعات و حکایات کی کتابیں زیادہ معلوم ہوتی ہیں، اور اس کی شہادت ہر وہ شخص دے گا، جس کی ان کی تاریخ وادوار پر وسیع اور گہری نظر ہوگی، جن سے یہ کتابیں گزرتی رہی ہیں۔

یہ انجیلیں مسلمانوں کے دوسرے اور تیسرے درجے کے مجموعہ ہائے حدیث وسنن کا استناد اور اعتماد و اعتبار بھی نہیں رکھتیں، چہ جائیکہ وہ صحاح ستہ کے برابر ہوں اس لئے کہ یہ کتابیں اپنے مولفین سے رسول اللہ ﷺ تک مسلسل اور متصل سند اور سلسلہ رکھتی ہیں، مسلمانوں کے نزدیک حدیث صحیح وہ ہے جو معتبر راویوں کی پوری احتیاط ودیانتداری کے ساتھ، سند متصل کے ساتھ نقل ہوئی ہو، اور جس کے راویوں اور خود اس روایت میں کوئی عیب اور نقص (علت وشذوذ) نہ ہو، اس کے برخلاف تمام اناجیل، سند کی تمام قسموں سے خالی ہیں، ان کی انکے مولفین تک کوئی سند متصل نہیں اور نہ ان کے مولفین سے حضرت عیسیٰ تک کوئی سند موجود ہے۔

اس کے علاوہ ہمارے ہاتھوں میں جو صحیفے ہیں، وہ اب اس زبان میں نہیں ہیں، جس میں وہ نازل ہوئے تھے، اور جسے حضرت مسیح اور ان کی قوم بولتی تھی بلکہ وہ ایک زبان سے دوسری زبان میں برابر ترجمہ ہوتے چلے آرہے ہیں، اور مختلف مترجموں کے ہاتھوں ہم تک پہنچے ہیں، اس

لئے یہ درحقیقت سیرت وتاریخ کی کتابیں اور قصص ومواعظ کے مجموعے ہیں اگر انہیں احتمالاً! مسلمان عوام میں پھیلے ہوئے میلاد ناموں سے یاد نہ کریں تو انہیں زیادہ سے زیادہ چوتھے نمبر کی کتب حدیث کا درجہ دیا جا سکتا ہے، جن میں صحت وتحقیق کا بلند معیار قائم نہیں رہا، انہیں سب حقائق کے پیش نظر ان صحیفوں اور قرآن کا موازنہ ہی سرے سے غلط ہے، اور ناواقفیت پر مبنی ہے کیونکہ موازنہ اور مقابلہ ایک درجے کی چیزوں میں ہوتا ہے۔

نومسلم فرانسیسی مستشرق موسیو اتیین دینیہ نے ان اناجیل کے تعارف اور ان کے علمی وتاریخی مقام کی تعیین کرتے ہوئے خوب لکھا ہے کہ۔

> "اللہ نے جو انجیل حضرت عیسیٰ کو اور ان کی قوم کی زبان میں دی تھی وہ تو کوئی شک نہیں کہ ضائع ہو چکی ہے، اور اب اس کا کوئی نام ونشان بھی نہیں رہ گیا ہے، یا وہ خود تلف ہو گئیں یا عمداً تلف کر دی گئیں، اسی وجہ سے عیسائیوں نے اس کی جگہ چار "تالیفات" کو اپنا لیا جن کی صحت اور تاریخی حیثیت مشکوک ہے، کیونکہ یہ یونانی زبان میں ملتی ہیں، جس کا مزاج حضرت عیسیٰ کی اصل سامی زبان سے کوئی مطابقت نہیں رکھتا، اسی لئے ان یونانی انجیلوں کا اپنے اتارنے والے سے رشتہ اور رابطہ یہود کی توراۃ اور عربوں کے قرآن سے کہیں کمزور ہے۔

بائبل کی داخلی شہادتیں بھی اس کی صریح تاریخی غلطیوں، واضح تضادات، اور عقلاً محال چیزوں کی طرف اشارہ کرتی ہیں، جیسے اس میں اللہ کی طرف ان چیزوں کا انتساب کیا گیا ہے، جو اس کے جلال وکمال کے کسی طرح شایان شان نہیں، اور نہ اس کی ان صفات ہی کے مطابق ہیں، جو آسمانی مذاہب میں متفق علیہ ہیں، اور جنہیں عقل سلیم تسلیم کرتی ہیں، اس میں انبیاء پر ایسے اتہام والزام ہیں جن سے معمولی انسان بھی بری اور برتر ہوتے ہیں، ان کے علاوہ بھی بہت سے داخلی شواہد توراۃ وانجیل میں (جنہیں مجموعی طور پر بائبل یا کتاب مقدس کہا جاتا ہے) الحاق واضافہ اور تبدیلی کی نشان دہی کرتے ہیں۔

یہ ان صحیفوں کا حال ہے، جن کو ان کے ماننے والے ہزاروں برس سے سینوں سے لگائے ہوئے ہیں، اور دنیا کی دو متمدن ترین قومیں (یہودی اور عیسائی) ان کی حلقہ بگوش اور علمبردار ہیں اور اسلام اور مسلمانوں نے بھی ان کو اس حد تک تسلیم کیا ہے کہ ان دونوں کو "اہل کتاب" کا

لقب اور امتیاز دیا، باقی رہے ہندوستان کے "وید" اور ایران کی "اوستا" تو ان کا زمانہ اتنا قدیم، ان کے بارے میں تاریخی معلومات اس قدر کم، اور ان کے اصل مطالب اور حقیقی مقاصد تک پہنچنا اس قدر دشوار ہے، ان کے ساتھ بھی ایسے تاریخی حوادث پیش آئے کہ ان کی صحت اور بھی مشکوک، ان کا زمانہ کا تعین اور بھی دشوار، اور ان کے متعلق کچھ کہنا اور بھی مشکل ہو گیا ہے۔

اے بارتھ ممبر رائل سوسائٹی برائے ایشیا پیرس اپنی کتاب "ہندوستانی مذاہب" میں لکھتا ہے۔

> "اگر ہم کچھ الحاقی مواد الگ کر دیں جسے تنقید کے ذریعہ جدا کرنا مشکل نہیں ہے تو پھر اس صحیفہ کی بحیثیت مجموعی اصل عبادت باقی رہ جاتی ہے جیسا کہ کچھ یہ ہے بلکہ اس کا دعوی بھی کرتا ہے، یعنی نہ تو یہ منجانب خدا ہونے کا مدعی ہے اور نہ کسی مصنوعی طریقہ پر اپنی عمر ہی پوشیدہ رکھتا ہے اس کی عبارت میں بہت سے اضافے اور تحریفات کی گئی ہیں، لیکن یہ سب نیک نیتی کے ساتھ کیا گیا ہے، پھر بھی ان صحیفوں کی عمر کا تعین کرنا یا اندازہ لگانا بہت مشکل ہے، برہمناوہ حصے جو سب سے بعد میں تحریر کئے گئے ہیں، وہ ہمارے عہد کی ابتدا سے پانچ سو سال سے زیادہ پرانے ہیں، ویدوں کا بقیہ مواد اس سے بھی قدیم ہے، اس قدر قدیم کہ متعین طور پر اس کے متعلق کچھ نہیں کہا جا سکتا، اور اس کی قدیم ترین کے بارے میں تو کچھ کہنا بالکل ناممکن ہے"۔

خود ممتاز ہندو فضلاء اور ہندوستانی ماہرین فن محققین اس صحیفوں کے متعلق کیا رائے رکھتے ہیں اور ان کی بے لاگ تحقیق اور فکر و نظر نے ان کو کس نتیجہ تک پہونچایا ہے اس کا اندازہ ذیل سے دو اقتباسات سے ہوگا۔

مشہور فاضل سریش چند چکرورتی لکچرر کلکتہ یونیورسٹی اپنی کتاب میں لکھتے ہیں۔

> "اس سلسلہ میں دو مختلف نظریات پیش کئے گئے ہیں، ان میں ایک کی نمائندگی بال گنگادھر تلک کرتے ہیں اور دوسرے کی مکس ملر، تلک کا خیال ہے کہ ویدوں کے مناجا ۴۵۰۰ سال قبل مسیح وجود میں آئے، جبکہ مکس ملر رگ وید کو ۲۲۰۰ سال قبل مسیح سے زیادہ قدیم نہیں سمجھتا حالانکہ وہ اس پر متفق ہے کہ رگ وید آریائی فکر و خیال کی قدیم ترین دستاویز ہے رگ وید کی عمر کا تعین کئے بغیر یہ اعتماد کے ساتھ کہا جا سکتا ہے کہ اگر چہ رگ وید

کے مناجات ایک مجموعہ میں منضبط کر دیئے گئے ہیں، لیکن اس کے مختلف حصے ایک ہی زمانے میں تحریر نہیں کئے گئے تھے اور اس لئے ان کی تاریخ تحریر کا تعین کر کے رگ وید کی عمر کا اندازہ نہیں لگایا جا سکتا، یہ ماننا پڑے گا کہ رگ وید کے اول سے آخر تک تمام مناجات کئی صدیوں میں تصنیف کئے گئے تھے۔

ویدوں کے بنیادی فکر پر روشنی ڈالتے ہوئے نامور ہندوستانی عالم ڈاکٹر رادھا کرشنن (ہندوستان کے سابق صدر جمہوریہ) اپنی مشہور کتاب "انڈین فلاسفی" جلد دوم میں لکھتے ہیں۔

> "ویدوں کا پیش کردہ مجموعی فکری تصور نہ تو معین ہے اور نہ واضح اور اس وجہ سے مختلف مکاتب فکر اسے مختلف طریقوں سے استعمال کر سکتے ہیں، علاوہ ازیں ویدوں کی وسعت میں بذات خود اس امر کی پوری گنجائش موجود ہے کہ مفسرین پوری آزادی کے ساتھ اپنی اعتقاد کے مطابق اس سے اپنے حسب منشا سند اخذ کر سکتے ہیں۔"

رہا ایرانی قدیم مذہبی صحیفہ (اوستا) جس کو پارسی مقدس آسمانی کتاب مانتے ہیں تو اس سے متعلق ایک ایسے مغربی فاضل کی شہادت پیش کی جاتی ہے جس کے مطالعہ کا یہ خاص موضوع رہا ہے۔

رابرٹ ایچ پفائفر (سابق) صدر شعبہ سامی لسانیات ہارورڈ یونیورسٹی 'این انسائیکلو پیڈیا آف ریلیجن' میں لکھتے ہیں۔

> "اصل اوستا (بلحاظ روایات) تمام علوم کا مجموعہ تھا، اس کا زیادہ حصہ سکندر نے برباد کر دیا اور پھر بچے کھچے اجزاء سے ۲۱ حصوں یا نسک پر مشتمل ایک کتاب تیسری صدی عیسوی میں ترتیب دی گئی، لیکن اس میں سے کل ایک جزء یا نسک جس کا نام وندیداد ہے پوری طرح باقی بچا ہے، نویں صدی عیسوی کے بعد صرف عبادات سے متعلق کچھ حصہ ہندوستان لے جایا گیا، اور وہاں پانچ حصوں میں پایا جاتا ہے، جن کے نام "یاسنا" بشمول گاتھا، ویسپر، وندیداد اور خورداوستا ہیں۔"

لیکن قرآن مجید جو اللہ کی نازل کردہ کتابوں میں سے آخری کتاب اور سب کا مصدق و مہیمن ہے، اور جس پر انسانیت کی ہدایت، مخلوق کا خالق سے رابطہ اور بعثت محمدی سے قیامت تک دعوت الی اللہ کی ذمہ داری ہے، تو اس کی شان دوسری آسمانی کتابوں سے بالکل مختلف ہے

اور اس کی بات ہی کچھ اور ہے اللہ تعالیٰ نے خود اس کی حفاظت اور ہر قسم کی تحریف و تبدیلی اور زیادتی سے دور رکھنے کا ذمہ لیا، اور فرمایا۔

وانه لكتب عزيز لايأتيه الباطل من بين يديه ولا من خلفه تنزيل من حكيم حميد

اور یہ تو ایک عالی مرتبہ کتاب ہے، اس پر جھوٹ کا دخل نہ آگے سے ہو سکتا ہے اور نہ پیچھے سے (اور) دانا (اور) خوبیوں والے (خدا) کی اتاری ہوئی ہے۔

اسی طرح سے مسخ ہونے اور کسی بد ذوقی کا نشانہ بننے، حافظہ سے نکل جانے اور سینوں سے محو ہو جانے اور یا کسی حادثہ میں معدوم ہو جانے سے بھی محفوظ کر دیا گیا ہے، جیسا کہ توراۃ کے بارے میں بار بار پیش آیا، اسی لئے فرمایا۔

انا نحن نزلنا الذكر واناله لحفظون

بے شک یہ (کتاب) نصیحت ہم ہی نے اتاری ہے اور ہم ہی اس کے نگہبان ہیں۔

اس وعدہ حفاظت میں قرآن کے حفظ و بقا، اشاعت و فروغ، تلاوت کئے جانے، پڑھے اور سمجھے جانے، متروک و ازکار رفتہ و ناقابل عمل، ناقابل فہم اور نقش طاق نسیان ہو جانے کی پوری نفی موجود ہے، اس لئے کہ عربی کا بلیغ لفظ "حفظ" بڑے وسیع آفاق اور عمیق معانی رکھتا ہے۔

جب اللہ تعالیٰ نے اس کتاب کو اس کی اصلیت اور اس کے تمام لوازمات کے ساتھ (جیسا کہ وہ رسول اللہ ﷺ پر نازل ہوئی تھی) باقی رکھنے کا فیصلہ کر لیا تو اس نے نفوس بشری کی فطری اور خارجی اسباب، اور حوادث عالم کو اس مقصد جلیل کی تکمیل میں لگا دیا، چنانچہ جیسے ہی قرآن کی کوئی آیت زبان نبوت سے نکلتی اور کانوں میں اس کی آواز پڑتی، مسلمان اسے حرز جان بنانے اور دل پر نقش اور حافظہ میں محفوظ کرنے کے لئے پروانہ وار دوڑتے، اس مسابقت میں اس فطری محبت کو بھی دخل تھا، جو قرآن کی طرف سے ان کے دلوں میں رکھی گئی تھی، اور خود قرآن کے اعجاز و بلاغت اور اس کے الفاظ و تلفظ کی نزاکت و محاورات سے علاوہ حفاظ و معلمین قرآن کے فضائل کی آیات و متواتر احادیث کو بھی دخل تھا، اس کے علاوہ مسلمانوں کو قرآن سے نماز و عبادت، قانون و احکام، تمدن و معاشرت اور علم و ادب کے مختلف پہلوؤں سے ذریعہ متعلق کر دیا گیا تھا، اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ قرآن سے مسلمانوں کا قلبی تعلق، عشق و والہانہ پن کی حد تک پہنچ گیا اور آغاز اسلام سے

ہی سے اس میں حفاظ کی حیرت انگیز کثرت ہوگئی، چنانچہ واقعہ بیر معونہ میں جو ۳ھ میں پیش آیا مسلمانوں میں سے ایسے ستر آدمی شہید ہوئے جو قاری حافظ و عالم کہلاتے تھے۔

اور اسی طرح حفاظ کی تعداد مسلمانوں کی تعداد میں اضافہ کے تناسب اور حفظ کی رغبت سے سب بڑھتی ہی رہی ہے، اور یہ تعجب خیز سلسلہ ہر چھوٹے بڑے شہر اور مسلم معاشرے میں جاری ہے۔ مسلمان قرآن کو ایک سینہ سے دوسرے سینہ اور ایک زبان سے دوسری زبان کی طرف منتقل کرتے رہتے ہیں، اور وہ اس کے حفظ میں وہ مہارت و کمال اس کی قرأت اور صحیح پڑھنے اور ایک دوسرے سے بڑھ جانے، اس کی تلاوت اور اس کی ذریعہ عبادت کا وہ شوق و شغف رکھتے ہیں۔ عام غیر مسلموں کو اس کا یقین نہیں ہوگا، البتہ وہ غیر مسلم جو کسی اسلامی ماحول میں رہتے اور مسلمانوں سے تعلق رکھتے ہیں، اس کا کسی قدر اندازہ کر سکتے ہیں، ان حفاظ کی تعداد ہر زمانہ میں حد شمار سے باہر رہی ہے اور اس زمانہ میں تو ان کی تعداد لاکھوں سے متجاوز ہے۔

اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ ﷺ کے سچے جانشینوں اور مسلمانوں کے معاملات کے ذمہ دار لوگوں کو اس طرف الہامی طور پر متوجہ کیا تھا، جنگ یمامہ میں جب کثرت سے حفاظ قرآن شہید ہوگئے تو انہیں اندیشہ ہوا کہ حفاظ کی شہادت قرآن کی بقا کو (اگر اس کا دارومدار حافظہ پر ہی رہا) خطرہ لاحق ہو سکتا ہے، یہ خیال سب سے پہلے حضرت عمرؓ کو ہوا جو صحابہ میں مسلمانوں کی مصلحت و ضرورت سمجھنے میں اولیت رکھتے تھے اور جن کے دل کی آواز اکثر مقاصد شریعت سے ہم آہنگ ہوتی تھی، چنانچہ آپ نے حضرت ابوبکرؓ کے سامنے جو خلیفہ وقت تھے، قرآن کو جمع اور قید تحریر میں لانے کی تجویز رکھی جو اس وقت تک چمڑے کے ٹکڑوں، کھجور کی چھالوں اور سنگ سفید کی پتھر کی تختیوں پر لکھا ہوا اور لوگوں کے سینوں میں محفوظ تھا، اللہ تعالیٰ نے اس کام کیلئے حضرت ابوبکرؓ کو شرح صدر عطا فرمایا اور انہوں نے اس کام کی ذمہ داری حضرت زید بن ثابتؓ کے سپرد کر دی جنہوں نے اسے پورے اہتمام سے نبھایا اور قرآن کو حافظوں کے سینوں اور کاتبین وحی کی تحریروں اور سفینوں سے جمع کیا، اور اس طرح یہ قرآنی صحیفے وجود میں آئے جو لوگوں کے رجوع اعتماد کا محور رہے، جب خلیفہ سوم حضرت عثمان کا زمانہ آیا اور فتوحات کی کثرت کے سبب قرآن کے حافظ و قاری مختلف ممالک میں پھیل گئے، اور وہاں کے لوگوں نے آنے والے قاریوں اور حافظوں کی قرأت قبول کر لی اور اس طرح قرأت کے مختلف طریقے سامنے آنے لگے، نیز اہل

عجم کے کثرت سے مسلمان ہونے سے لب ولہجہ میں فرق ہونے لگا اور جب اس سے قرآن میں تحریف وتبدیلی کا اندیشہ ہونے لگا تو حضرت عثمان نے عہد صدیقی کے مختلف صحیفوں کو ماخذ بنا کر قرآن کو قرأت متواترہ کے مطابق لکھنے کا حکم دیدیا اور ہر اسلامی آبادی میں قرآن کا ایک نسخہ فراہم کردیا اور ایک نسخہ مدینہ منورہ میں رہا جس کا نام ”الامام“ تھا، قرآن کے انہیں نسخوں کو مشرق اور مغرب کے مسلمانوں نے قبول کیا اور اسی پر ان کی نسلیں قائم اور ان کی زبانیں اس کی عادی رہیں انہوں نے قرآن حفظ کیا اس کی ذریعہ اللہ کی عبادت کی اور آج بھی عالم اسلام کے ایک کنارے سے دوسرے کنارے تک اسی مصحف عثمانی پر اعتماد کیا جاتا ہے اور ۲۵ھ سے جب یہ آخری ترتیب قائم ہوئی اب تک اس سے اسلامی معاشرہ میں کوئی نہ اختلاف اور نہ کسی آثار قدیمہ کے میوزیم اور لائبریری میں کوئی نئی دریافت ہوئی، مسلمانوں کا اس جمع وتدوین سے کام کے ختم ہونے کے بعد سے اب تک اس قرآن پر اجماع ومکمل اتفاق رہا ہے اور اب تو قرآن تحریف اور حسب مطلب تبدیلی کرنے والوں کی دست برد سے علماء وحفاظ کی کثرت اور لوگوں کے درمیان اشاعت اور کثرت طبع کے سبب بالکل محفوظ ہوگیا ہے، انسائیکلو پیڈیا برٹانیکا میں یہ اعتراف موجود ہے کہ۔

”قرآن روئے زمین پر سب کتابوں سے زیادہ پڑھی جانے والی کتاب ہے۔“

مستشرقین اور یورپی محققین جو قرآن کو الہامی کتاب نہیں مانتے نہ بذریعہ وحی محمد ﷺ پر نازل کیا گیا ہو، وہ بھی مذکورہ بالا خیال سے متفق ہیں چنانچہ ہم یہاں چند مسیحی محققین کے اقوال درج کرتے ہیں، سرولیم میور جو اسلام اور پیغمبر اسلام ﷺ کے متعلق اپنے تعصب کے لئے مشہور ہے جس کے سبب سے ہندوستانی مسلمانوں کی نئی تعلیم کے علمبردار سرسید احمد خان بانی مسلم یونیورسٹی علی گڑھ کو ان کی کتاب ”لائف آف محمد“ کے جواب میں ”خطبات احمدیہ“ لکھنی پڑی تھی، وہ مذکورہ کتاب میں لکھتا ہے۔

”حضرت محمد (ﷺ) کی وفات کے ربع صدی بعد کے اندر ہی ایسے شدید مناقشات اور فرقہ بندیاں پیدا ہوگئیں جن کے نتیجے میں حضرت عثمان شہید کردیئے گئے اور یہ اختلافات آج بھی باقی ہیں لیکن ان سب فرقوں میں قرآن ایک ہی ہے ہر زمانہ میں [illegible] تمام فرقوں کا ایک ہی قرآن پڑھنا اس بات کا ناقابل تردید ثبوت ہے کہ آج ہمارے سامنے [illegible]

جو اس بد قسمت خلیفہ کے حکم سے تیار کیا گیا تھا شاید پوری دنیا میں کوئی دوسری ایسی کتاب نہیں جس کی عبارت بارہ صدیوں تک اس طرح بغیر تبدیلی کے باقی رہی ہو قرآن میں قرأت کے اختلافات بھی حیرت انگیز طور پر بہت کم تعداد میں ہیں اور یہ بھی ان اعراب کی وجہ سے ہیں جو بہت بعد کے زمانہ میں لگائے گئے تھے۔"

ویری اپنی تفسیر قرآن میں لکھتا ہے کہ "تمام قدیم صحیفوں میں قرآن سب سے زیادہ غیر مخلوط اور خالص ہے۔"

قرآن کا معروف انگریزی مترجم پامر لکھتا ہے۔

"حضرت عثمانؓ کا ترتیب دیا ہوا متن اس وقت سے آج تک طے شدہ اور مسلمہ صحیفہ رہا ہے۔"

لین پول لکھتا ہے۔

"قرآن کی بڑی خوبی یہ ہے کہ اس کی اصلیت میں کوئی شبہ نہیں ہے، ہر حرف جو ہم آج پڑھتے ہیں اس پر یہ اعتماد کر سکتے ہیں کہ تقریباً تیرہ صدیوں سے غیر مبذول رہا ہے۔"

اس حقیقت کے ہوتے ہوئے اسلام میں کسی نئی نبوت کی ضرورت نہیں پڑتی جو شک و شبہ ختم، حق و باطل کی تمیز اور کسی دروغ گو کے جھوٹ کا پردہ چاک کرے، اور نہ کسی اور کتاب کی ضرورت واقع ہوئی جو منسوخ کی جگہ لے، جو تحریفات اور زیادتی کا نشانہ بن چکی تھیں۔

کسی نئے نبی کی آمد سے متعلق قرآن خاموش ہے

یہ ابدی کتاب، جو حق کو باطل سے الگ کرنے والی اور بذات خود حقیقت کی میزان اور لوگوں کے لئے واضح اعلان و بیان ہے، اور جس نے اصول دین سے کسی اصل کو نظر انداز نہیں کیا ہے، اور جس پر دین و دنیا کی فلاح، اور سعادت و نجات موقوف ہے، کسی نئے نبی کی آمد کی اطلاع سے بالکل خاموش ہے، جب کہ ایک ایسا معاملہ تھا کہ سکوت تو درکنار کسی گول مول اور مبہم بات کا بھی کوئی موقع نہ تھا، جو کتاب علامات قیامت کی بہت سی جزئیات اور اخیر زمانہ کے حوادث جیسے دخان، دابہ، یاجوج و ماجوج کا ذکر کرتی ہے، وہ اس نبی کا ذکر کیوں نہ کرتی جو اس امت یا کسی امت میں مبعوث ہونے والا تھا، اور اس کے لئے عقول و اذہان کو مانوس اور آمادہ کرنے کی کوشش کیوں نہ کرتی (جو ہر نئی چیز سے بھاگتے اور بدکتے اور فرائض و ذمہ داریوں سے پیچھا چھڑاتے ہیں)

تا کہ وہ اسے خوش آمدید کہیں، اس کی دعوت قبول کریں اور اس کے جھنڈے تلے جمع ہو جائیں اس کے علاوہ قرآن وسنت کا دنیا و آخرت کے نفع کی طرف انتہائی توجہ و اہتمام کرنا اور نقصان رساں اور اللہ کے غضب کو بلانے والی چیزوں سے سختی سے روکنا اور اس کی شدید خواہش کہ مسلمان راہ راست پر رہیں اور اپنے دین کو پیش آنے والے چیلنج (جو عقیدہ کو فاسد اور ان کے ایمان کو غارت کرے) مقابلہ کرنے کے لئے تیار ہیں، چنانچہ مسیح دجال کے بارے میں روایتوں اور اس آزمائش کے بیان سے احادیث کے مجموعے بھرے ہوئے ہیں، تو کیا خدائے عزوجل کی نازل کردہ کتاب اور اس نبی سے جس کے بارہ میں قرآن کہتا ہے کہ

عزیز علیه ماعنتم حریص علیکم بالمئومنین رئوف رحیم.

تمہاری تکلیف ان کو گراں معلوم ہوتی ہے اور تمہاری بھلائی کے بہت خواہشمند ہیں، اور مومنوں پر نہایت شفقت کرنے والے (اور) مہربان ہیں۔

اس کی توقع ہو سکتی ہے کہ وہ اپنی امت کو تاریکی اور دھند لکے اور تباہ کن جہالت و حیرت کی حالت میں چھوڑ دے اور اس بڑے حادثہ اور عظیم واقعہ (نبوت جدیدہ) کی خبر نہ دے جو ان چیزوں سے کہیں مہتم بالشان تھی، جنہیں زبان نبوت نے ذکر کیا، اور سنت کے ذخیرے جن کی تفصیلات سے پر ہیں۔

ختم نبوت کے بارے میں صریح وصحیح اور متواتر احادیث

پھر نبی ﷺ نے صرف قرآن کے بیانات ہی پر اکتفا نہیں کیا جو اس دین کے مکمل ہونے اور آپ پر سلسلہ نبوت کے ختم ہونے کے بارہ میں اس طرح آئے ہیں کہ عربی سے واقف شخص کے لئے کسی شبہ کی گنجائش نہیں چھوڑتے، جو فساد ذوق، بدنیتی اور فتنہ پردازی کا شکار نہ ہو، بلکہ آپ ﷺ نے امت کے لئے اس حقیقت کی وضاحت اس طرح فرمائی کہ کسی غلط فہمی کی گنجائش نہیں چھوڑی، اور نہ اس سے زیادہ شرح و تفصیل کا تصور ہو سکتا ہے، اس کے لئے آپ نے نہایت بلیغ اور دلنشین مثالیں دیں، حدیث کی کتابیں ان روایات (جن کا مفہوم یہ ہے رسول اللہ ﷺ آخری رسول اور آخری نبی) بھری پڑی ہیں، ہم یہاں صرف پانچ حدیثوں پر اکتفا کرتے ہیں، جو صحاح میں وارد ہوئی ہیں تا کہ دیدۂ بینا رکھنے والوں کے سامنے یہ حقیقت جلوۂ صبح کی طرف روشن ہو جائے، نبی کریم ﷺ نے فرمایا۔

كانت بنو اسرائيل تسوسهم الا نبيا كلما هلك نبى خلفه نبى وانه لانبى بعدى و سيكون خلفاء

بنی اسرائیل کے نبی ان کے حاکم بھی ہوتے تھے اور جب کوئی نبی وفات پاتا تو اس کی جگہ دوسرا نبی لے لیتا، مگر میرے بعد کوئی نبی نہیں بلکہ میرے خلفاء ہوں گے۔

قال النبى ﷺ ان مثلى أنبياء من قبلى كمثل رجل بنى بيتا فاحسنه وأحمله الا موضع لبنة من راوية فجعل الناس يطوفون به ويعجبون له ويقولون : هلا وضعت هذه اللبنة فأنا اللبنة وأنا خاتم النبيين.

نبی ﷺ نے فرمایا کہ میری اور میرے پہلے کے انبیاء کی مثال اس شخص کی ہے جس نے ایک خوبصورت گھر بنایا لیکن اس کے ایک کونے کی ایک اینٹ چھوڑ دی اور لوگ اسے گھوم گھوم کر دیکھتے، تعجب کرتے اور کہتے ہیں کہ یہاں پر یہ اینٹ کیوں چھوڑ دی گئی؟ تو میں وہی اینٹ اور خاتم النبیین ہوں۔

ان رسول الله ﷺ قال: فضلت على الانبياء بست أعطيت جوامع الكلم، ونصرت بالرعب، واحلت لى الغنائم، و جعلت لى الارض مسجدا وطهورا، وأرسلت الى الخلق كافة، وختم بى النبيون.

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: مجھے اور انبیاء پر چھ چیزوں کے ذریعہ فضیلت دی گئی ہے، مجھے جوامع الکلم عطا ہوئے ہیں، رعب و ہیبت سے میری مدد کی گئی ہے، مال غنیمت میرے لئے حلال کیا گیا ہے، اور زمین میرے لئے عبادت گاہ اور پاک کرنے والی چیز بنایا گیا ہے، میں تمام مخلوقات کی طرف بھیجا گیا ہوں اور مجھ پر سلسلہ انبیاء کو مکمل کر دیا گیا۔

قال رسول الله ﷺ : ان الرسالة والنبوة قد انقطعت فلا رسول بعدى ولا نبى.

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: رسالت و نبوت منقطع ہوگئی میرے بعد نہ کوئی رسول ہوگا نہ کوئی نبی۔

عن جبير بن مطعم أن النبى ﷺ قال أنا محمد أنا احمد وأنا الماحى الذى يمحو الله به الكفر وانا الحاشر الذى يحشر الناس على عقبى

و انا العاقب الذی لیس بعدہ نبی.

ترجمہ: جبیر بن مطعمؓ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا: میں محمد ہوں، میں احمد ہوں، اور میں محو کرنے والا ہوں جس کے ذریعہ اللہ تعالیٰ کفر کو محو کرے گا اور میں حاشر ہوں کہ اللہ تعالیٰ کو میرے بعد حشر کے موقع پر اٹھائے گا اور میں عاقب (بعد والا) ہوں جس کے بعد کوئی نبی نہیں۔

صحابہ کرام اور ملت اسلامیہ کا محمد ﷺ کے بعد ختم نبوت پر اجماع اور دعوی نبوت سے ان کی نفرت

ان واضح اور محکم آیات اور صحیح وصریح متواتر حدیثوں کے پیش نظر صحابہؓ کا اس پر اجماع ہے، اور ان کا اجماع قوی ترین شرعی دلائل میں سے ہے، کہ نبی ﷺ کے بعد نبوت ختم ہوگئی، اور اب کوئی نبی (نبوت کے کسی بھی مفہوم میں) آنے والا نہیں، صحابہؓ اس لفظ کے مفہوم کو سب سے بہتر طور پر سمجھتے تھے، اسی لئے مسیلمہ کذاب کے خلاف قتال کرنے اور اسے کافر ومرتدہ قرار دینے پر بلا استثناء ان کا ہر فرد متفق تھا، حالانکہ مسیلمہ بھی نبوت محمد کا اقرار کرتا تھا، اور اذان اشہدان محمدا رسول اللہ کہتا اور کہلواتا تھا، اسی طرح قرآن پر ایمان رکھتے ہوئی اس پر عمل کو فرض کہتا تھا، لیکن اس کے ساتھ ہی قرآن کی من مانی تفسیر، اور الہام کا دعوی بھی کرتا تھا، اور کہتا تھا کہ نبوت محمدی میں اسے بھی شریک بنایا گیا ہے، اس طرح اس ضمنی نبوت کا دروازہ کھولنے والا تھا، جو شریعت محمدی کی تابع ہے، اور بعد کے زمانوں کے مدعیان نبوت گویا اسی کے متبع تھے، وہ یمامہ جنگ میں مارا گیا جس میں بارہ سو منتخب مسلمان شہید ہوئے، جیسا کہ حضرت خالد بن ولید کے نام حضرت ابوبکر صدیقؓ کے خط میں ذکر ہے، اسی طرح اسود عنسی بھی جس نے عہد نبوی میں نبوت کا دعویٰ کیا تھا، اسی زمانہ میں قتل کیا گیا۔

پھر ہر عہد میں رسول اللہ ﷺ کے بعد انقطاع نبوت پر اجماع رہا، اور یہ کہ مدعی نبوت دین سے خروج کرنے والا اور مسلمانوں سے الگ راستہ بنانے والا ہے، یہ عقیدہ عالم اسلام میں ہر دور میں معروف ومشہور رہا اور مسلمانوں کے ان دینی عقائد کا ایک جزء بن گیا جنہیں وہ دل و جان سے عزیز رکھتے ہیں، اور نسلاً منتقل ہوتے آئے ہیں، اور اس کے اثر سے مسلمانوں کی ذہنیت وطبیعت دعوائے نبوت کے سننے کی بھی روادار نہ تھی، اس لئے مسلم معاشرہ میں نبیوں کی

تعداد، عالم اسلامی کی وسعت، دین کے فہم اور دین کے قلیل علم اور مسلمانوں کی بھاری تعداد کو دیکھتے ہوئے کچھ زیادہ نہیں، پھر جب یہ بات بھی پیش نظر رکھی جائے کہ تاریخ اسلام بہت سے دور ذہنی، سیاسی اور اخلاقی اعتبار سے بڑے انتشار اور اضطراب کے گزرے ہیں، ذاتی اور سیاسی مقاصد کے حصول کے لئے (مسلمانوں کی دینی افتاد طبع کو دیکھتے ہوئے) دعویٰ نبوت کا ایک مختصر راستہ اور جادو کا اثر رکھنے والا نعرہ تھا، تعداد کی اس قلت پر اور بھی تعجب ہوتا ہے، اس کے برخلاف امم سابقہ کی تاریخ میں جغرافیائی رقبہ کے محدود ہونے اور پیروان مذہب کی قلیل تعداد کے باوجود مدعیان نبوت کی بڑی تعداد نظر آتی ہے۔

پھر جن لوگوں نے مسلمانوں میں نبوت کا دعوی کیا انہوں نے کوئی خاص کامیابی نہیں حاصل کی اور نہ اپنے پیرووں کی کوئی معتد بہ تعداد بنا سکے، جس کا مسلمانوں کی جہالت اور مدعیان نبوت کی چالاکی و ذہانت کی وجہ سے قوی اندیشہ تھا، صحیح احادیث میں قیامت تک پیدا ہونے والے مدعیان نبوت کی تعداد ستر سے زیادہ بیان کی گئی۔

یہ تعداد بھی امتداد زمانہ، امت کی وسعت، جہالت کی کثرت اور عقائد کے اختلاف کو دیکھتے ہوئے بہت کم ہے، اور یہ مسلمانوں کے ذہن میں ختم نبوت کے عقیدہ کے راسخ ہونے اور ان کے رگ و ریشہ میں سما جانے کا اور ان واضح آیات اور صریح و متواتر و مشہور احادیث کا نتیجہ ہے، جو ختم نبوت کا اعلان کرتی ہیں۔

ختم نبوت (۲)

ختم نبوت انسانیت کے لئے عزت ورحمت ہے

جب انسانیت سن بلوغ کو پہنچ گئی تو حکمت الٰہی نے ختم نبوت کا اشارہ دیدیا، اب انسانیت اپنے اس تنگ دائرہ سے نکل چکی تھی، جس میں وہ متعدد تاریخی اسباب کی بنا پر صدیوں سے رہ رہی تھی، اب وہ علم وتمدن، باہمی تعارف، عالمی وحدت اور تسخیر کائنات کے مرحلہ میں داخل ہو رہی تھی، اور اس کی امید پیدا ہو گئی تھی کہ وہ جغرافی تقسیم اور سیاسی اختلافات پر قابو حاصل کر لے گی، قبیلہ اور خاندان، قوم وطن کے بجائے اب وہ کائنات، وسیع انسانیت، عالمگیر ہدایت اور مشترک علم وفن کے مفہوم سے آشنا ہو رہی تھی، سارے قرائن وشواہد بتا رہے تھے کہ اب انسانیت کی سعادت وفلاح اس بات پر موقوف ہے کہ وہ اپنی زندگی کی بنیاد اس وحی پر رکھے جو خدا کے آخری پیغمبر محمد ﷺ پر نازل ہو چکی، اور اس عقیدہ اور شریعت پر کاربند ہو، ان اصول وکلیات اور ان احکام وحدود کی پابند ہو جو اس آسمانی صحیفے نے عطا کیے ہیں، جو صحف سابقہ کا مہیمن ونگراں اور اللہ کی آخری کتاب ہے، اب اسی کتاب اللہ کی روشنی اور رہنمائی مین چلنے، زندگی کا گاڑی کو آگے بڑھانے، اور زندگی کے میدان عمل مین، طبعی قوتوں، قدرتی وسائل، عقل مومن وقلب سلیم اور بامقصد جدوجہد سے کام لینے پر منحصر ہے۔

زمانہ ماضی میں، انسانوں کو ان مدعیان نبوت کے ہاتھوں جو الہامات اور بشارتوں یا کشف وکرامات کے نام سے خدا کا فرستادہ ہونے کا دعوی کرتے تھے، اور لوگوں کو اپنے اوپر ایمان لانے کی دعوت دیتے تھے، بڑی زحمتوں کا سامنا، اور بڑے انتشار وتشتت کا شکار ہونا پڑا تھا، ان کے دعوی کی جانچ اور ان کے فتنہ سے اپنے آپ کو محفوظ رکھنے اور دوسروں کو بچانے میں ان کا بڑا قیمتی وقت، اور بڑی کارآمد قوتیں اور صلاحیتیں ضائع ہوئی تھیں۔

یہ بھی یاد رہے کہ کسی نبی برحق کی آمد دنیا کا کوئی معمولی واقعہ نہیں، پیغمبر کی بعثت ودعوت، کسی سیاسی قائد یا قومی رہنما، بانی سلطنت یا مصلح اور رہنمائے عظیم کے ہم مرادف نہیں، جس کا [illegible]

مخالفت یا بے تعلقی اور غیر جانبداری سنگین نتائج اور عذاب الٰہی کی موجب نہیں ہوتی۔ دنیا میں ایسے قائد و رہنما اور داعی و مصلح پیدا ہوتے ہیں اور ان کا انکار کرنے یا ان سے مستفید نہ ہونے سے غیرت الٰہی کو حرکت اور نظام عالم میں کوئی برہمی نہیں پیدا ہوتی۔ انبیاء کا معاملہ اس سے بالکل مختلف ہے، نبوت حق و باطل کا فیصلہ کرنیوالی امت پر اللہ کی حجت قائم اور تمام کرنے والی ہوتی ہے، قرآن پر نظر رکھنے والے لوگ جانتے ہیں کہ سابق امتوں کی ہلاکت محض کفر اور عقائد و اعمال و اخلاق کے فساد کے سبب نہ تھی بلکہ نبی مبعوث کی تکذیب اس کا مذاق اڑانے اور اس کی اہانت کرنے کے سبب سے ہوئی، قرآن نے ان قوموں کی اپنے نبی کے خلاف جرأت و جسارت استہزاء و اہانت اور ایذا و شقاوت کے قصے بڑی تفصیل اور تکرار کے ساتھ سنائے ہیں۔

اس سلسلہ کی آیات کا استقصاء و احاطہ دشوار ہے ہم یہاں چند آیتوں پر اکتفا کرتے ہیں۔

وھمت کل امة برسولھم لیاخذوہ وجادلو ابالباطل لید حضوبه الحق فاخذتھم فکیف کان عقاب

اور ہر امت نے اپنے پیغمبر کے بارے میں یہی قصد کیا کہ اس کو پکڑ لیں اور بیہودہ (شبہات سے) جھگڑتے رہے کہ اس کے حق کو زائل کر دیں تو میں نے ان کو پکڑ لیا (سو دیکھ لو) میرا عذاب کیسا ہوا۔

کلما جآء امة رسولها کذبوہ فاتبعنا بعضھم بعضا و جعلنھم احادیث فبعدا لقوم یومنون.

جب کسی امت کے پاس اس کا پیغمبر آتا تھا تو وہ اسے جھٹلا دیتے تھے تو ہم بھی بعض و بعض کے پیچھے (ہلاک کرتے اور ان پر عذاب) لاتے رہے اور ان کے افسانے بناتے رہے، پس جو لوگ ایمان نہیں لاتے ان پر لعنت۔

قال رب انصرنی بما کذبون' قال عما قلیل لیصبحن ندمین' فاخذتھم الصیحة بالحق فجعلنھم غثاء' افبعدا اللقوم الظلمین'

پیغمبر نے کہا کہ اے پروردگار انہوں نے مجھے جھوٹا سمجھا ہے، تو میری مدد کر فرمایا کہ تھوڑے ہی عرصہ میں پشیمان ہو کر رہ جائیں گے، تو ان کو (وعدہ) برحق کے مطابق زور

ن آواز نے آن پکڑا تو ہم نے ان کو کوڑا کر دیا، پس ظالم لوگوں پر لعنت ہے۔

ولقد استہزی برسل من قبلک فحاق بالذین سخرو منہم ما کانو بہ یستہزئون۔

اور تم سے پہلے بھی پیغمبروں کے ساتھ تمسخر ہوتے رہے ہیں، سو جو لوگ ان میں سے تمسخر کیا کرتے تھے، ان کو تمسخر کی سزا نے آ گھیرا۔

ولقد استہزی برسلٍ من قبلک فاملیت للذین کفرو ثم اخذتہم فکیف کان عقاب۔

اور تم سے پہلے بھی رسولوں کے ساتھ تمسخر ہوتے رہے ہیں، تو ہم نے کافروں کو مہلت دی پھر پکڑ لیا سو (دیکھ لو کہ) ہمارا عذاب کیسا تھا۔

ان کل الا کذب الرسل فحق عقاب

(ان) سب نے پیغمبروں کو جھٹلایا تو میرا عذاب (ان پر) آ واقع ہوا۔

ومآ اہلکنا من قریۃٍ الا لہا منذرون۔

ترجمہ:

اور ہم نے کوئی بستی ہلاک نہیں کی مگر اس کیلئے نصیحت کرنیوالے (پہلے بھیج دیتے) تھے۔

سلسلہ نبوت کے خاتمہ سے انسانی صلاحیتیں اور قوتیں اس خطرہ سے محفوظ ہو گئیں کہ تھوڑے تھوڑے وقفہ اور دور کے فاصلہ پر کسی نئے نبی یا دعوت کا ظہور ہوا اور وہ سارے ضروری کام چھوڑ کر اس کی حقیقت معلوم کرنے اور اس کی تصدیق و تکذیب کا فیصلہ کرنے میں لگ جائیں، اس طرح محدود انسانی قوت کو اس روز روز کی مشغولیت اور آزمائش سے بچا لیا گیا، اگر سلسلہ نبوت قائم اور مزید قوانین اور جدید تعلیمات وہدایات کے حصول کے لئے زمین کا آسمان سے رشتہ باقی رہتا اور تھوڑے عرصہ کے بعد کوئی نبی یہ دعوی لے کر اٹھتا رہتا کہ خدا اس سے خطاب کرتا ہے، اس کی طرف وحی آتی ہے، اور وہ تبلیغ رسالت پر مامور کیا گیا ہے، وہ اپنے منکرین کو کافر قرار دیتا اور ان سے خوفناک جنگیں کرتا، جس میں مطلق کسی رعایت اور فرق و استثناء کی گنجائش نہ ہوتی، اور دنیا میں پھیلی ہوئی امت میں سے کاٹ کر سینکڑوں، یا ہزاروں یا چند لاکھ افراد پر مشتمل ایک چھوٹی سی امت بنا لیا کرتا اس طرح ہر تھوڑی مدت بعد اس وسیع دنیا کے کسی نہ

کسی مقام پر پیدا ہونے والے مدعیان نبوت کے بارے میں لوگ فیصلوں ہی میں الجھ کر رہ جاتے‘ ان مدعیان نبوت میں کچھ دماغی مریض اور مخبوط الحواس ہوتے‘ کچھ پیشہ ور اور دکاندار قسم کے‘ کچھ ہوشیار لوگو اور حکومتوں کے اغراض کے آلۂ کار‘ کچھ علم کی کمی اور عبادت و مجاہدہ کی کثرت کے سبب سے تلبیسات شیطانی اور فریب نفس کے شکار‘ یہ سب قسمیں ان مدعیوں میں پائی گئی ہیں‘ جن کا زمانہ سابقہ میں ظہور ہوا‘ اور عقل انسانی زندگی کا وسیع تجربہ‘ نفسیات انسانی کا وسیع مطالعہ‘ سیاسیات اور حکومتوں کے وسیع مقاصد کا علم اب بھی ان کو بعید از قیاس اور ناممکن قرار نہیں دیتا‘ بلکہ علم جدید اور وسیع تجربہ کی روشنی میں ان کو سمجھنا اور آسان ہو گیا ہے۔

اگلے مذاہب مین مدعیان نبوت کی کثرت‘ عقیدہ کی سلامتی اور دین کی وحدت کے لئے خطرہ شدید

عہد عتیق (توراۃ) کا مطالعہ یہ واضح طور پر بتاتا ہے کہ بہت سے طالع آزما‘ جاہ پرست‘ اور دینی قیادت کے حریص لوگوں نے نبوت والہام اور عالم غیب سے براہ راست ربط واتصال کے دعوے کئے اور اس سلسلہ میں جھوٹے سچے خوابوں کو بطور دلیل پیش کیا‘ جس نے یہودی معاشرہ میں شدید انتشار پیدا کر دیا‘ چنانچہ خود بنی اسرائیل کے صحیفوں میں اس کے خلاف بار بار آگاہی دی گئی‘ اور ان مدعیان کاذب کی طرف سے ہوشیار خبردار کیا گیا‘ ہم یہاں چند اقتباسات پر اکتفا کریں گے۔

''خداوند فرماتا ہے‘ دیکھ میں ان کا مخالف ہوں‘ جو جھوٹے خوابوں کو نبوت کہتے ہیں‘ اور بیان کرتے ہیں‘ اور انہی جھوٹی باتوں سے اور لاف زنی سے میرے لوگوں کو گمراہ کرتے ہیں لیکن نہ میں نے ان کو بھیجا نہ حکم دیا‘ اس لئے ان لوگوں کو ان سے ہرگز فائدہ نہ ہوگا۔

''پس تم اپنے نبیوں اور غیب والوں اور خواب بینوں اور شگونیوں اور جادوگروں کی نہ سنو جو تم سے کہتے ہیں کہ تم شاہ بابل کی خدمت گزاری کرو گے کیونکہ وہ تم سے جھوٹی نبوت کرتے ہیں‘ تاکہ تم کو تمہارے ملک سے آوارہ کریں اور میں تم کو خارج کر دوں اور تم ہلاک ہو جاؤ۔''

''اور میں نے معلوم کر لیا کہ خدا نے اس کو نہیں بھیجا تھا‘ لیکن اس نے میرے خلاف پیشگوئی کی بلکہ سمبلط اور طوبیاہ نے اسے اجرت پر رکھا تھا‘ اور اس کو اس لئے اجرت پر

> رکھا تھا تاکہ میں ڈر جاؤں اور ایسا کام کر کے خطا کروں۔"
>
> "اور خداوند کا کلام مجھ پر نازل ہوا' کہ اے آدم زاد' اسرائیل کے نبی جو نبوت کرتے ہیں' ان کے خلاف نبوت کر' اور جو اپنے دل سے بات بنا کر نبوت کرتے ہیں' ان سے کہہ خداوند کا کلام سنو' خداوند خدا یوں فرماتا ہے کہ احمق نبیوں پر افسوس جو اپنی ہی روح کی پیروی کرتے ہیں' اور انہوں نے کچھ نہیں دیکھا۔"
>
> "ملک میں ایک حیرت افزا اور ہولناک بات ہوئی' نبی جھوٹی نبوت کرتے ہیں' اور کاہن ان کے وسیلہ سے حکم رانی کرتے ہیں' اور میرے لوگ ایسی حالت کو پسند کرتے ہیں تم لوگ آخر میں کیا کرو گے"۔
>
> "کیونکہ رب الافواج اسرائیل کا خدا یوں فرماتا ہے کہ وہ نبی جو تمہارے درمیان ہیں' اور تمہارے غیب داں تم کو گمراہ نہ کریں' اور اپنے خواب بینوں کو جو تمہارے ہی کہنے سے خواب دیکھتے ہیں نہ مانو کیونکہ وہ میرا نام لے کر تم سے جھوٹی نبوت کرتے ہیں' میں نے ان کو نہیں بھیجا۔

یہود کی تاریخی مآخذ سے پتہ چلتا ہے کہ ان "متنبیوں کا سلسلہ" عہد نامہ قدیم" کی تدوین کے بعد بھی جاری رہا' اور خاص طور پر اس کی کثرت اس معاشرے میں ہوئی' جس میں یہودی مظلومیت اور جبر و تعدی کا شکار رہے' چنانچہ یہودی معاشرہ ایسے "نجات دہندہ" کے انتظار میں رہنے لگا' جو اسے اس شرمناک حالت سے نکالے' اس کے دشمن سے بدلہ لے' اور اس کا کھویا ہوا وقار و اعتبار بحال کرے' معاشرہ کے زخمی اور ٹوٹے ہوئے دل اور غم و غصہ کے جذبات سے ذہین و ناخدا ترس اور بے دین لوگوں نے ناجائز فائدہ اٹھایا اور ان کو اپنے ذاتی مفاد اور سیاسی اغراض کو حاصل کرنے کیلئے استعمال کیا' وہ اپنی ملت کے سامنے بشارتوں اور غیب دانی کے دعوؤں کے ساتھ آ گئے' اور نئی نبوت کا جھنڈا بلند کیا' اس نے ان مایوس طبیعتوں پر جادو کا کام کیا' جو ایک طویل عرصہ سے قائم رہنے والے حالات سے تنگ آ چکی تھیں' اور اس طرح ان کے ماننے والوں کی ایک بڑی تعداد پیدا ہوگئی' عقائد کا اختلاف بڑھ گیا' بدعتوں کی کثرت ہوگئی' اور نئے نئے فرقے پیدا ہونے لگے' اس صورت حال نے اصل یہودی تعلیمات کیلئے ایک بڑا خطرہ پیدا کر دیا اور غیرت و حمیت رکھنے والوں کو چونکا دیا' البرٹ ایم ہائمسن امریکی برطانی جیوش

ہسٹاریکل سوسائٹی کا ممبر ’’انسائیکلوپیڈیا مذہب واخلاق‘‘ میں لکھتا ہے۔

’’یہودی حکومت کی آزادی سلب ہوجانے کے بعد پچھلی چند نسلوں تک بہت سے خود ساختہ مسیحاؤں کا ذکر یہود کی تاریخ میں ملتا ہے، جلاوطنی کے تاریک ترین زمانوں میں امیدوار خوشخبری کے یہ پیغامبر، خود ساختہ قائدین کی حیثیت سے یہود کو ان کے وطن، جہاں سے ان کے آباء واجداد نکال باہر کئے گئے تھے، واپس لے جانے کی امیدیں دلاتے رہتے تھے، اکثر اوقات اور خصوصاً قدیم زمانہ میں ایسے مسیح ان مقامات پر اور ایسے زمانہ میں پیدا ہوجاتے تھے، اس قسم کی تحریکیں عموماً سیاسی نوعیت کی حامل ہوا کرتی تھیں، خصوصاً بعد کے زمانہ میں تو تقریباً ہر تحریک کا یہی رنگ تھا، اگرچہ یہ تحریکیں مذہبی عنصر سے کم ہی عاری ہوا کرتی تھیں، لیکن اکثر ان کے بانی بدعات کو فروغ دے کر اپنی سیادت کا دائرہ اور اثر ورسوخ بڑھانے کی کوشش کرتے تھے، جس کے نتیجہ میں یہودیت کی اصل تعلیمات کو بہت نقصان پہنچتا تھا، نئے نئے فرقے جنم لیتے اور پھر بالآخر عیسائیت یا اسلام میں ضم ہوجاتے تھے‘‘۔

جھوٹی نبوتوں کا یہ سلسلہ شخصی، جماعتی، اقتصادی اور سیاسی مصالح اور محرکات کے ساتھ حضرت مسیحؑ کے بعد تک جاری رہا، یہاں عہد نامہ جدید کی چند شہادتیں پیش کی جاتی ہیں، جو مدعیان نبوت کی کثرت اور ان کے مقاصد کی نشاندہی کرتی ہیں۔

’’انہی دنوں میں چند نبی یروشلم سے انطاکیہ میں آئے، ان میں ایک نے جس کا نام آگبس تھا، کھڑے ہوکر روح کی ہدایت سے ظاہر کیا کہ تمام دنیا میں بڑا کال پڑے گا اور کلودیس کے عہد میں واقع ہوگا۔‘‘

’’جب ہم وہاں بہت روز رہے تو آگبس نامی ایک نبی یہودیہ سے آیا، اس نے ہمارے پاس آکر پولس کا کمربند لیا اور اپنے ہاتھ پاؤں باندھ کر کہا روح القدس یوں فرماتا ہے کہ جس شخص کا یہ کمربند ہے اس کو یہودی یروشلم میں اسی طرح باندھیں گے اور غیر قوموں کے ہاتھ میں حوالہ کریں گے۔‘‘

’’جھوٹے نبیوں سے خبردار ہو، جو تمہارے پاس بھیڑوں کے بھیس میں آتے ہیں، مگر باطن میں پھاڑنے والے بھیڑیئے ہیں۔‘‘

"لیکن جو کرتا ہوں وہی کرتا رہوں گا، تاکہ موقع ڈھونڈنے والوں کو موقع نہ دوں بلکہ جس بات پر وہ فخر کرتے ہیں، اس میں ہم ہی جیسے نکلیں، کیونکہ ایسے لوگ جھوٹے رسول اور دغا بازی سے کام کرنے والے ہیں، اور اپنے آپ کو مسیح کے رسولوں کے ہم شکل بنا لیتے ہیں۔"

"اے عزیزو! ہر ایک روح کا یقین نہ کرو بلکہ روحوں کو آزماؤ، کہ وہ خدا کی طرف سے ہیں یا نہیں، کیونکہ بہت سے جھوٹے نبی دنیا میں نکل کھڑے ہوئے ہیں"

"اس سے پہلے شمعون نام کا ایک شخص شہر میں جادوگری کرتا تھا، اور سامریہ کے لوگوں کو حیران رکھتا، اور یہ کہتا تھا کہ میں بھی کوئی بڑا شخص ہوں، اور چھوٹے سے بڑے تک سب اس کی طرف متوجہ ہوتے اور کہتے تھے کہ یہ شخص خدا کی وہ قدرت ہے جسے بڑی کہتے ہیں۔"

"اور اس تمام ٹاپو میں ہوتے ہوئے پافس تک پہنچے، وہاں انہیں ایک یہودی جادوگر اور جھوٹا نبی بریسوع نام ملا"۔

"خبردار کوئی تم گمراہ نہ کردے، کیونکہ بہتیرے میرے نام سے آئیں گے، اور کہیں گے میں مسیح ہوں اور بہت سے لوگوں کو گمراہ کریں گے۔"

باب ۷ کے مذکورہ ارشاد کے ساتھ یہ بھی فرمایا۔

"کیونکہ ایسے لوگ جھوٹے رسول اور دغا بازی سے کام کرنے والے ہیں، اور اپنے کو مسیح کے رسولوں کے ہم شکل بنا لیتے ہیں اور کچھ عجب نہیں، کیونکہ شیطان بھی اپنے آپ کو نورانی فرشتہ کا ہم شکل بنا لیتا ہے۔"

عہد مسیح میں مدعیان نبوت کاہنوں اور ہدایت ربانی کے براہ راست حاصل ہونے کے دعویداروں کے بارے میں ہم یہاں اور موضوع کے ایک ماہر خصوصی مسیحی فاضل کی شہادت نقل کریں گے، جس سے مسیحی علماء کی (اخیر دور میں ان مدعیان نبوت کی کثرت پر) تشویش اور سلامتی عقیدہ، وحدت دین اور پرامن زندگی کی خاطر فکرمندی ظاہر ہوتی ہے۔

ایڈون ناکس مٹکل، ہارٹ فورڈ کے مدرسہ دینیات میں یونانی، رومی اور مشرقی کلیسا کی تاریخ کے پروفیسر لکھتے ہیں۔

''ان جھوٹے نبیوں کے ظہور نے جو ماورائی حکمت کے مدعی ہوتے تھے، بہت جلد بے اعتمادی پیدا کردی اور کلیساؤں اور ان کے رہنماؤں کو اس خطرہ کا احساس دلایا جو ان کی فلاح و بہبود کے گرد منڈلا رہا تھا۔ تاہم ابھی کوئی ایسا تادیبی طریقہ وجود میں نہیں آیا تھا، جو جانا پہچانا بھی ہو، اور ان مکاروں کا زور بھی ختم کرنے کی صلاحیت رکھتا ہو، جنہیں دعویٰ تھا کہ خدا ان سے کلام کرتا ہے، اور ان پر بذریعہ وحی اپنے رازہائے سربستہ منکشف کرتا ہے، ابھی تک کوئی ایسا معیار نہیں دریافت ہو پایا تھا، جس کے ذریعہ ان مدعیان روحانیت کی صداقت کا امتحان لیا جا سکتا، ایسے معیار کا دریافت ہونا قطعاً ضروری تھا، اور اگر یہ دریافت نہ بھی ہو تو بھی کلیسا اس کی تخلیق کرکے رہتا تاکہ اس کے ذریعہ مذہب کو بنیادی اصولوں میں انتشار اور زندگی کو الحاد کے راستہ پر جا پڑنے سے بچا سکے، اور اس طرح خود اپنی حفاظت کا انتظام کر سکے۔''

برمو پاسٹر کی تصنیف اور اگنیشس کی تصانیف جھوٹے نبیوں اور معلموں کے خلاف انتباہات سے مملو ہیں، ڈائی ڈک کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ کہانت کو ابھی تک آزادی حاصل تھی بلکہ شام یا مصر میں تو اسے خاصی شہرت بھی حاصل تھی، اگرچہ وہ اکثر جعلی ہوتی تھے اور مردود و مسترد قرار پائی تھی، بہرحال اب اس کی زندگی کے آخری دن تھے، کیونکہ جلد ہی اس کے نصیب میں بھی وہی عمومی بد اعتمادی اور مخالفت آنے والی تھی جس سے ان تمام اشخاص کو سابقہ پڑا تھا، جو اپنے حق میں ماورائی حکمت سے سرفراز ہونے کے دعوی میں نہایت غلو سے کام لے رہے تھے، عارفین اور مارسین کے متبعین کے اپنے اپنے نبی اور اپنے اپنے کلیسا تھے، بعض اوقات ان میں امتیاز کرنا ناممکن ہو جاتا تھا، مونٹانزم کی تحریک بعض پہلوؤں سے پیغمبریت کو ہوا دینے والی تھی (ایسا معلوم ہوتا تھا کہ دعوی نبوت کا سیلاب پھٹ پڑا ہے) یہ ایک ایسی سعی کے مرادف تھا، جس کا مقصد عیسائیت سے متعلق ان ابتدائی حالات کا احیاء تھا، جن میں ہر مومن اپنی باطنی صلاحیتوں کے عطیہ خداوندی کے اجاگر کرنے میں آزاد تھا۔

رفتہ رفتہ کلیساؤں نے دفاعی پوزیشن اختیار کر لی اور جلد ہی اس نتیجہ پر پہنچے کہ حواریین کے ورثہ کو برقرار رکھنے کیلئے تعاون کیا جائے، اس طرح کہانت پر تحذیری ریکارڈ کے

ذریعہ پابندی لگائی گئی' الغرض تمام ناپائدار اور بے ضابطہ روحانی صلاحیتوں کا وہی انجام ہوتا ہے جو کہانت کا ہوا' الاف و گزاف' معجزات و شفائے امراض کا زور کم ہوتا گیا اور دوسری صدی عیسوی کے اختتام تک ان سب (بشمول کہانت) کی عنان کلیسا کے باضابطہ عہدہ داروں کے ہاتھ میں آ گئی۔"

ختم نبوت دین کامل کا لازمی نتیجہ ہے

ختم نبوت اس دین کامل کا لازمی نتیجہ اور تقاضا تھا' جسے محمد رسول اللہ ﷺ لائے تھے' اور جو عقائد و قوانین' اخلاقی و اجتماعی تعلیمات کے لحاظ سے ہر طرح مکمل' اور ان صالح اور صحیح بنیادوں پر قائم تھا' جن پر ہر زمانہ اور ہر مقام پر صالح معاشرہ اور صحت مند تہذیب قائم ہوتی ہے' اور فرد اپنی مطلوبہ تکمیل اور معاشرہ معراج ترقی و کمال پر پہنچتا ہے' اور اس فطری رفتار میں بغیر کسی قسم کی دقت و طوالت کے اپنے اعلیٰ مقاصد' کمال انسانی اور دین و دنیا کی جامعیت تک پہنچ جاتا ہے' اس کے ساتھ ہی قانون شریعت میں وہ کسی کمی' زندگی کے کاروں سے بچھڑ جانے اور فطرت کے جائز مطالبات کی تکمیل میں ناکامی کا شائبہ بھی نہیں پاتا' بلکہ شریعت اسلامی کو ہر زمانہ سے آگے اور صنعت الٰہی اور حکمت خداوندی کا ایک محیر العقول نمونہ پاتا ہے۔

کائنات کا مطالعہ اور اس وسیع دنیا میں سنت اللہ کا علم اور قوموں کے ماضی و حال کا جائزہ یہ بتاتا ہے کہ اللہ کے یہاں نہ اسراف ہے' نہ کوتاہی' بلکہ اس کے یہاں ہر چیز ایک خاص مقدار سے بنی ہے' اور وہ اشیائے کائنات کو بھی ایک اندازے کے مطابق پیدا کرتا ہے' ہم کسی گوشہ میں جو کمی بیشی اور افراط و تفریط دیکھتے ہیں' وہ ہماری نظر کا قصور' ہمارے ناکافی علم کی دلیل ہے' کائنات اور عالم طبعی کے مقابلہ میں' عالم امر و تشریع باریک بینی و نزاکت اور تناسب و توازن کا زیادہ مستحق ہے' اس لئے وہ غایت و مقصود ہے اور کائنات اور عالم خلق وسیلہ اور ذریعہ۔ اگر محمد ﷺ پر نبوت کے اختتام کی کوئی نقلی دلیل نہ ہوتی' جب بھی نبوت محمدی کے بعد کسی نبوت جدیدہ کے ذریعہ انسانوں کی آزمائش بالکل ایک غیر ضروری چیز اور ہماری جانی پہچانی ہوئی سنت اللہ کے خلاف ہوتی' جو مخلوقات اور اس کائنات کے ہر گوشہ روز اول سے کارفرما رہی ہے۔

دین اسلام کی زندگی و تازگی اور اس کی مردم خیزی کی صلاحیت

امت یا انسانوں کے کسی فرد کے لئے کسی بھی زمانہ میں یہ عذر نہیں ہو سکتا کہ وہ مراتب یقین، قرب، حصول رضا و مقبولیت، رجوع و انابت، تزکیہ نفس اور تہذیب اخلاق کی بلندیوں تک نہیں پہنچ سکتا، البتہ اس کے اسباب دوسرے ہو سکتے ہیں، جیسے ضعف ارادہ و کم ہمتی، مادیت اور خواہشات کی پیروی، یا قرآن و حدیث سے ناواقفیت وغیرہ، ورنہ یہ دین تو زندگی، قوت و جدت سے پر اور تمام دینوی و اخروی سعادتوں کا جامع ہے، جس پر محنت و عزم و اخلاص کے ساتھ عمل کے ذریعہ کوئی بھی انسان قرب و بلندی اور کمال کے ان اعلیٰ درجات تک پہنچ سکتا ہے جن کے اوپر صرف نبوت کا مقام ہے۔

ہمارے سامنے اس کی عملی دلیل خدا کی یہ معجزانہ اور ابدی کتاب ہے جو قوت و حیات سے لبریز ہے، اور جس کی تازگی و شگفتگی میں نہ کوئی فرق پڑتا ہے نہ اس کی عجائبات اور کرشمہ جات کی کوئی انتہا ہے، اور "نماز" بھی جو قوت و حیات سے بھرپور ہے، ایسی ہر چیز ہے، جو اللہ سے تعلق اور اس تک وصول اور ولایت و محبوبیت کے منازل تک پہنچانے میں دین کے شعبوں میں بھی اپنی کوئی نظیر نہیں رکھتی، اور ان دونوں چیزوں کے ذریعہ ہر زمانہ میں اس امت کے مخلص اور صاحب عزیمت افراد ایمان و یقین، علم و معرفت، ربانیت و روحانیت، قرب و ولایت کے اس مقام تک پہنچتے رہے ہیں، جہاں اذکیاء کی ذکاوت و ذہانت اور عقلاء و حکماء کے قیاس کی بھی رسائی نہیں، اور ایسے لوگوں کی تعداد حد شمار سے باہر ہی ہے۔

دین کے یہ دونوں سرچشمے اس امت کے افراد اور اس کی نسلوں کو برابر قوت نمو، حیات و نشاط، اخلاص و روحانیت سے سیراب و شاداب کرتے رہتے ہیں، اور ان کے ذریعہ یہ امت کسی نئی نبوت و بعثت سے بے نیاز ہو کر اپنی زندگی کے ہر دور اور تاریخ کے ہر مرحلہ میں خدا پرستانہ زندگی گذارتی اور قرآن و نماز سے قلب و روح کی تقویت پاتی رہتی اور اپنے زمانہ کی طرف ہدایت و رہنمائی کا ہاتھ بڑھاتی ہے، اسی لئے اللہ سبحانہ فرماتا ہے۔

> وجاهدو في الله حق جهاده هو اجتباكم وما جعل عليكم في الدين من حرج ملة ابيكم ابراهيم هو سماكم المسلمين من قبل وفي هذا ليكون الرسول شهيدا عليكم وتكونو شهداء على الناس فاقيمو الصلوة واتو الزكوة واعتصمو بالله هو مولكم فنعم المولى ونعم

النصير.

اور خدا (کی راہ) میں جہاد کرو جیسا کہ جہاد کرنے کا حق ہے اس نے تم کو برگزیدہ کیا ہے اور تم پر دین (کی کسی بات) میں تنگی نہیں کی (اور تمہارے لئے) تمہارے باپ ابراہیم علیہ السلام کا دین (پسند کیا) اسی نے پہلے (یعنی پہلی کتابوں میں) تمہارا نام مسلمان رکھا تھا اور اس کتاب میں بھی (وہی نام رکھا ہے تو جہاد کرو) تاکہ پیغمبر تمہارے بارے میں شاہد ہوں اور تم لوگوں کے مقابلہ میں شاہد ہو اور نماز پڑھو اور زکوۃ دو اور خدا کے (دین کی رسی) کو پکڑے رہو وہی تمہارا دوست ہے اور خوب دوست اور خوب مددگار ہے۔

پھر خود اس دین میں ہر مخالفت دین چیز کے خلاف ابھارنے والی ایک عجیب قوت پوشیدہ ہے، جو ہر بے راہ روی اور انسانیت اور باقی ماندہ خیر و صلاح کو ضائع اور تلف کرنے والی قوت کے خلاف بغاوت برپا کرتی ہے، باطل کے چیلنج کا جواب دینے اور شر و فساد کی قوتوں اور فساد والحاد کے داعیوں سے لڑنے، دینی معیار کو برقرار رکھنے اخلاقی نظام کو کنٹرول کرنے، جابر بادشاہوں کے سامنے جان کا خطرہ مول لے کر کلمۂ حق کہنے، منفعتوں اور لذتوں کے ہم رنگ زمین دام سے بچنے، بدعات و خرافات، فتنوں اور گمراہیوں پر نکیر کرنے پر آمادہ کرتی ہے، خواہ اس میں جان و مال کا کتنا ہی خسارہ اور جسمانی تکلیف و اذیت کا کیسا ہی خطرہ کیوں نہ ہو، چنانچہ یہ کتاب مسلمانوں کو برابر عدل پر قائم رہنے اور اپنے والدین و اقرب کے خلاف صحیح گواہی دینے اور انہیں نیکی و تقوی سے تعاون اور گناہ و سرکشی سے عدم تعاون، جہاد فی سبیل اللہ، ملامت کروں کی ملامت سے بے پروائی، معروف کا حکم دینے اور منکر سے روکنے، اللہ اور اللہ والوں کا دوست بننے، شیطان اور اس کے اتباع و انصار سے لڑنے، دین کو دنیا کے بدلہ نہ فروخت کرنے، اور دنیا کو آخرت پر ترجیح نہ دینے کی تلقین کرتی رہی ہے، اسی طرح صریح، صحیح اور قطعی حدیثیں نیکی کا حکم دینے اور برائی سے روکنے اور حسب استطاعت ہاتھ، زبان اور قلب سے جہاد کو واجب قرار دیتی ہیں، اور نیکی کا حکم دینے اور برائی سے روکنے کو ترک کرنے والے اور خدا کے دشمنوں، دین میں تحریف کرنے والوں اور بدعتیوں سے موالات اور مصالحت کرنے والوں کو وعید سناتی ہیں، اور اس قسم کی حدیثیں تواتر اور شہرت عام کے درجہ کو پہنچ چکی ہیں، اللہ کی کتاب دنیا کے ہر مقام اور تاریخ کے ہر موڑ پر ایسے لوگ پیدا کرتی رہی ہے، جو جہاد و اجتہاد کا علم بلند کئے

رہے اور دعوت واصلاح کی تحریکوں کی قیادت کرتے اور نتائج وانجام کی پروا کئے بغیر حق وباطل کے معرکوں میں اترتے رہے ہیں۔

فمنهم من قضى نحبه ومنهم من ينتظر وما بدلو اتبديلا

تو ان میں بعض ایسے ہیں جو اپنی نذر سے فارغ ہو گئے اور بعض ایسے ہیں کہ انتظار کر رہے ہیں اور انہوں نے (اپنے قول کو) ذرا بھی نہیں بدلا۔

یہی وہ کتاب ہے، جس نے مسلمانوں کو فساد وضلالت کے دھاروں میں بہنے اور جاہلیت و بے اعتدالی کا ساتھ دینے سے روکے رکھا' کمزوروں میں نئی روح پھونک دی اور سوئی ہوئی ہمتوں اور بجھے ہوئے دلوں میں بھی ایمان اور غیرت وحمیت کے شعلے بھڑکا دیئے۔

تاریخ اسلام میں اصلاح وتجدید کی تحریکوں کا تسلسل اور اس کا راز

اس حقیقت سے کوئی انکار نہیں کرسکتا کہ اسلام کی اس طویل اور پرآشوب تاریخ میں کوئی قلیل سے قلیل مدت ایسی نہیں پائی جاتی جب اسلام کی حقیقی دعوت بالکل بند ہو گئی ہو' حقیقت اسلام بالکل پردہ میں چھپ گئی ہو' امت اسلامیہ کا ضمیر بالکل بے حس ہو گیا ہو' اور تمام عالم اسلام پر بالکل اندھیرا چھا گیا ہو' یہ تاریخی واقعہ ہے کہ جب کبھی اسلام کیلئے فتنہ نمودار ہوا' اس کی تحریف اور اس کی مسخ کرنے کی کوشش کی گئی یا اس کو غلط طریقہ پر پیش کیا گیا' مادیت کا کوئی سخت حملہ ہوا' کوئی طاقتور شخصیت ایسی ضرور میدان میں آ گئی جس نے اس فتنہ کا پوری طاقت سے مقابلہ کیا' اور اس میدان سے ہٹا دیا' بہت سی دعوتیں اور تحریکیں ایسی ہیں' جو اپنے وقت میں بڑی طاقتور تھیں' لیکن آج ان کا وجود صرف کتابوں میں رہ گیا ہے' ان کی حقیقت کا سمجھنا بھی آج مشکل ہے' کتنے آدمی ہیں' جو قدریت' جہمیت' اعتزال' خلق قرآن' وحدۃ الوجود اور اکبر کے دین الٰہی کی حقیقت اور تفصیلات سے واقف ہیں؟ حالانکہ یہ اپنے اپنے وقت کے بڑے اہم عقائد ومذاہب تھے' ان میں سے بعض کی پشت پر بڑی بڑی سلطنتیں تھیں' اور اپنے زمانہ کے بعض بڑے ذہین اور لائق اشخاص ان کے داعی اور علمبردار تھے' لیکن بالآخر حقیقت اسلام نے ان پر فتح پائی اور کچھ عرصہ کے بعد یہ زندہ تحریکیں اور ''سرکاری مذہب'' علمی مباحث بن کر رہ گئے جو صرف علم کلام اور تاریخ وعقائد کی کتابوں میں محفوظ ہیں' دین کی حفاظت کی یہ جدوجہد تجدید وانقلاب کی کوشش اور دعوت واصلاح کا یہ سلسلہ اتنا ہی پرانا ہے' جتنی اسلام کی تاریخ اور

ایسا ہی مسلسل ہے، جیسی مسلمانوں کی زندگی۔

احساس ذمہ داری اور باطل کا مقابلہ کرنے کے عزم و قوت پر عقیدہ بقائے نبوت کا اثر

اس میں کوئی شک نہیں کہ تاریخ اسلام میں جہاد و تجدید و اجتہادِ صحیح اقدار و معیار کو بازیافت کرنے، دین کو اس کے صحیح رخ پر ڈالنے، ظالم کا ہاتھ پکڑنے اور مظلوم کا ساتھ دینے کی روایت کے تسلسل میں امت اور خاص طور پر علماء کا اپنے آپ کو، حق و انصاف کی بحالی کا ذمہ دار سمجھنے، عدل کے معیاروں کو برقرار رکھنے، معروف کا حکم دینے اور منکر سے روکنے اور دین خالص کی دعوت دینے کو بڑا دخل ہے، امت اس کام کیلئے کسی نئے نبی کے مبعوث ہونے اور آسمان سے براہ راست رابطہ رکھنے والی کسی غیبی قوت کی نہ کبھی منتظر رہی اور نہ اس سلسلہ میں اس نے کسی پر اسرار شخصیت کے ظہور یا ماوراء عقل و قیاس واقعہ کے انتظار میں سعی و عمل کو ترک کیا۔

لیکن جن اسلامی اور غیر اسلامی قوموں اور جماعتوں کا عقیدہ دوسرا تھا انہوں نے اپنے آپ کو باطل اور شر کی طاقتوں سے لڑنے، حق و انصاف کو قائم کرنے کا ذمہ دار اور مکلّف ہی نہیں سمجھا اور وہ صدیوں تک خواب و خیال اور آرزوؤں اور تمناؤں کی دنیا میں پڑی رہیں، اور اس کے نتیجہ میں ان کی تاریخ میں تجدید و اصلاح کی تحریک بہت کمزور پڑ گئی اور نیکی کا حکم دینے اور برائی سے روکنے کی آوازیں بہت پست ہوگئیں، ان اقوام کی تاریخ کا جاننے والا، اس خلا کو راز کو سمجھنے سے قاصر رہتا ہی (جو محض کوئی اتفاقی واقعہ نہیں) لیکن اس کی وجہ اس طبقہ کے کسی پر اسرار اور مقدس شخصیت پر اس حد سے بڑھے ہوئے اعتماد میں مضمر ہے، جو ان کے خیال میں، علم اسرار و رموز، کسی پوشیدہ امانت کی حامل اور خالق کائنات و جناب رسالت مآب ﷺ سے وہ ربط نہاں رکھتی ہے، جو کوئی دوسرا نہیں رکھتا، وہ شخصیت ایک مناسب وقت پر اور ہنگامی حالات میں دنیا کے سامنے آجائے گے۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ ایک نئے نبی یا متعدد جدید انبیاء کا قضیہ بقائے نبوت، نزول وحی اور خدا سے ہم کلامی و مخاطبت کے باقی رہنے کا عقیدہ جس پر بعض مدعیان نبوت نے اپنی نبوت کی بنیاد رکھی، اور اپنے دعوی کی صداقت کے سلسلہ میں انہوں نے جس سے استدلال کیا، بڑی باریکیوں اور نزاکتوں کا حامل ہے، اس کا عقل و دماغ پر گہرا اثر پڑنا قدرتی ہے، یہ عقیدہ دین

شریعت کی دائمی صلاحیت اور اس کی ابدیت پر سے اعتماد اٹھا دیتا ہے اور اپنی ذاتی صلاحیت و طاقت اور محنت و جانفشانی سے کام لینے کے جذبہ کو کمزور کر دیتا ہے اس کے ماسوا اس عقیدہ سے یہ عظیم فتنہ پیدا ہوتا ہے کہ امت دجالوں، جعل سازوں اور شعبدہ بازوں کا تختۂ مشق اور ان کے ہاتھ میں کھلونا بن کر رہ جاتی ہے۔

''ختم نبوت'' ملت اسلامیہ کے لئے اللہ کی رحمت اور احسان وعنایت ہے

اس امت پر اللہ کا عظیم احسان وانعام اور اس کی خصوصیت رسول اللہ ﷺ کے اس دنیا سے رحلت فرمانے سے پہلے ہی یہ کھلا اور برملا اعلان کر دینا تھا' کہ نبوت محمد ﷺ پر اختتام ہو گیا' اور دین اور خدا کی نعمت عظیم کو پایہ تکمیل تک پہنچا دیا گیا' اب نہ محمد ﷺ کے بعد کوئی نبی آئے گا اور نہ ملت اسلامیہ کے بعد کوئی ملت ہوگی' یہ وہ نعمت تھی' جس پر یہود کے علماء وعقلا کو رشک ہوا تھا' جو یہودیوں میں مدعیان نبوت کی لائی ہوئی مصیبت' فکری انتشار' عقائد کے اختلاف' مذہبی کشمکش اور جماعتی افتراق کی تاریخ سے بخوبی واقف تھے' چنانچہ حدیث صحیح یہ ہے کہ:

> ''ایک یہودی عالم نے حضرت عمرؓ سے کہا کہ اے امیر المومنین! آپ لوگ اپنی کتاب میں ایک ایسی آیت پڑھتے ہیں' جو اگر ہم یہودیوں پر نازل ہوئی ہوتی' تو ہم اس دن کو ایک مستقل تہوار اور جشن کا دن بنا لیتے' حضرت عمرؓ نے دریافت کیا کہ وہ کون سی آیت ہے؟ یہودی نے کہا'' الیوم اکملت لکم دینکم واتممت علیکم نعمتی ''اس پر حضرت عمرؓ نے کہا'' مجھے وہ دن بھی خوب معلوم ہے' اور وہ گھڑی بھی اچھی طرح یاد ہے' جب یہ آیت رسول اللہ ﷺ پر نازل ہوئی تھی' وہ جمعہ کا دن اور یوم عرفہ کی شام تھی۔

یہ روایت اس نعمت کی عظمت وجلالت کو بتاتی ہے' جس پر یہود کے علماء کو بھی رشک آیا اور مسلمانوں کو انہوں نے حسد کی نگاہ سے دیکھا' اس کے ساتھ اس سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ ادیان سابقہ اس اعلان وضمانت سے خالی ہیں' اور ان کو اس اعزاز واعتماد کی وہ دولت حاصل نہیں جس سے اللہ تعالیٰ نے امت اسلامیہ کو سرفراز کیا' جو ایک فطری امر تھا' اس لئے کہ وہ مذاہب نشو ونما کے ابتدائی مراحل سے گزر رہے تھے' اور اس کے ساتھ نسل انسانی بھی انقلاب وتغیر کی منزلوں کو طے کر رہی تھی' اور آخری رسالت کی خلعت فاخرہ (جو کسی بلند و بالا شخصیت کے لئے

اور بڑے محتاط اندازے اور ناپ سے بنی تھی) ابھی اتری نہ تھی، اس خلعت سے اللہ تعالیٰ نے بالآخر رسول اللہ ﷺ اور خاتم الانبیاء محمد ﷺ کو نوازا، اور اس کے ذریعہ اس امت کو عزت دی جو آخری اور بہترین امت ہے۔

ختم نبوت، فکری انارکی سے نجات

عقیدہ ختم نبوت نے اس دین کو مبتدعین کے غلو متنبیوں اور مدعیوں کے فتنے اور اس امت کو فکری و دینی انتشار اور اس انارکی سے برابر بچایا ہے، جس کا اقوام و مذاہب شکار رہے، اسی عقیدہ کی بدولت یہ دین اور امت اس قابل ہوسکی کہ خفیہ سازشوں کا مقابلہ کر سکے، سخت ترین جھٹکوں کو سہ سکے، اور دین عقیدہ کے سلسلہ میں ایک وحدت بن کر صدیوں برقرار رہے، ورنہ یہ "امت واحدہ" مختلف و متعدد امتوں میں بٹ کر رہ جاتی جس میں سے ہر ایک نقطہ نظر مختلف، روحانی مرکز اور علمی و ثقافتی مآخذ جدا، اور ہر ایک کی تاریخ جداگانہ ہوتی۔

عقیدہ ختم نبوت کا تمدن پر احسان

اس عقیدہ نے جہاں انسان میں اپنے سن بلوغ کو پہنچنے کا احساس و شعور پیدا کیا وہیں اس نے اسے تمدن کی دوڑ میں آگے بڑھنے اور روزمرہ کی زندگی میں علم و تجربہ پر اعتماد کرنا بھی سکھایا، اس لئے کہ آج دنیا کو اس کی فرصت و ضرورت نہیں کہ اب وہ پھر کسی نئی آسمانی وحی کیلئے آسمان کی طرف سر اٹھا کر دیکھتی رہے، اب اس کی ضرورت یہ ہے کہ کائنات کے ذخیروں اور صلاحیتوں کے بارے میں سوچے جنہیں اللہ نے اس لئے پیدا کیا تھا کہ انسان انہیں اپنے کام میں لائے، اور ان سے اپنی ضرورتیں پوری کرے، اسی طرح اسے آج اس کی ضرورت ہے کہ وہ اپنے بارہ میں سوچے اور ایک اچھی زندگی کی تعمیر کیلئے زمین کی طرف دیکھے جو دین و اخلاق کی بنیادوں پر قائم ہو، ختم نبوت کا عقیدہ انسان میں مہم جوئی اور ترقی کا جذبہ پیدا کرتا، اسے اپنی صلاحیتوں سے کام لینا سکھاتا، اور اس کی محنت اور جدوجہد کی جولانگاہ بھی فراہم کرتا ہے۔

اگر ختم نبوت کا عقیدہ نہ ہوتو انسان اپنے اوپر اعتماد کھو بیٹھتا اور ایک مسلسل تذبذب کا شکار رہتا، اور بجائے زمین کی طرف دیکھنے کے اپنی نگاہیں آسمان سے لگائے رہتا، اسی کے ساتھ وہ اپنے مستقبل کی طرف سے بھی مسلسل تذبذب اور بے یقینی کی حالت میں رہتا، اس کے گرد شک

وشبہ کی فضا قائم رہتی اور وہ برابر مدعیان نبوت کی ابلہ فریبی کا شکار ہوتا رہتا، اور جب کبھی مدعی نبوت اس سے یہ کہتا کہ انسانیت کا چمن اب تک نامکمل اور غیر آراستہ تھا، میں نے آ کر اس کی چمن بندی اور آراستگی کی، تو وہ یہ سمجھنے پر مجبور ہو جاتا کہ جب یہ چمن اب تک نامکمل تھا، تو مستقبل میں بھی اس کی تکمیل کی کیا ضمانت دی جا سکتی ہے؟

اور اس طرح ہر مرحلہ پر انسان اس شخصیت کا انتظار کرتا جو گلشن انسانیت کی تکمیل وتزئین کرتی، اور اس انتظار کے سبب نہ وہ اس کے پھولوں اور پھلوں سے لطف اندوز ہو سکتا اور نہ اسے سیراب وشاداب کرنے کی فکر کرتا۔

علامہ اقبال نے اپنی کتاب ”تشکیل جدید الٰہیات اسلامیہ“ میں بہت صحیح فرمایا ہے:

”اسلام میں نبوت چونکہ اپنے معراج کمال کو پہنچ گئی لہٰذا اس کا خاتمہ ضروری ہو گیا اسلام نے خوب سمجھ لیا تھا کہ انسان ہمیشہ سہاروں پر زندگی بسر نہیں کر سکتا، اس کے شعور ذات کی تکمیل ہوئی، تو یونہی کہ وہ خود اپنے وسائل سے کام لینا سیکھے یہی وجہ ہے کہ اسلام نے اگر دینی پیشوائی کو تسلیم نہیں کیا یا موروثی بادشاہت کو جائز نہیں رکھا یا بار بار عقل وتجربہ پر زور دیا، عالم فطرت اور عالم تاریخ کو علم انسانی کا سرچشمہ ٹھہرایا تو اس لئے کہ ان سب کے اندر یہی نکتہ مضمر ہے کیونکہ یہ سب تصور خاتمیت ہی کے مختلف پہلو ہیں“۔

مدعیان نبوت کا فتنۂ عظیم

تاریخ اسلام میں اسلام اور مسلمان مدعیان نبوت کے فتنہ سے زیادہ کسی بڑے اور نازک فتنہ سے دوچار نہیں ہوئے لیکن اکثر ایسے مدعیوں کو کوئی قابل ذکر کامیابی حاصل نہیں ہوئی، وہ حباب کی طرح اٹھے اور بیٹھ گئے لیکن برصغیر ہند میں انیسویں صدی کے اواخر اور بیسویں صدی کے اوائل میں دعویٔ نبوت کرنے والے مرزا غلام قادیانی (۱۸۴۰۔۱۹۰۰ء) کا معاملہ بعض سیاسی وجوہ سے مختلف ہے۔

دنیا میں مکالمت ومخاطبت الٰہی اور رویت باری کا فتنہ

اسلامی اور غیر اسلامی فلسفہ تصوف کی تاریخ پر جن لوگوں کی گہری نظر ہے وہ جانتے ہیں کہ عالم غیب سے ریاضت ومجاہدہ کے ذریعہ تعلق قائم کرنے کی کوشش اور نامعلوم آوازوں وندائے

غیب والہام سمجھنا اور ان کی بناء پر دعوے اور دعوت کی بنیاد رکھنا، ہمیشہ سے اوہام و مغالطہ اور انتشار و تضاد کا دروازہ کھولتا رہا ہے، جس کے ذریعہ آزادی یا غیر ارادی طور پر بڑی بڑی گمراہیاں راہ پاتی رہی ہیں، ان آوازوں کا سرچشمہ کبھی نفس انسانی، کبھی وسوسہ شیطانی ہوتا ہے، ان میں کبھی خود اپنی خواہشات وتخیلات، کبھی عادت و مالوفات تعلیم وتربیت، رسم ورواج اور گردو پیش میں پھیلے ہوئے مشہورات و مسلمات، اور عقائد وخیالات کی کارفرمائی اور جلوہ گری ہوتی ہے، جن کے ماحول میں اور جن کے زیر اثر اس صاحب الہام یا صاحب کشف کا نشو ونما ہوا تھا، اور وہ اس کے تحت الشعور میں جاگزیں ہو گئے تھے، جو لوگ اس راہ کے نشیب وفراز سے واقف ہیں، اور جن کو اس کا عملی تجربہ ہے، ان کا کہنا ہے کہ الہام وکشف میں عادات ومعتقدات کے اثر سے بالکلیہ آزاد ہونا اور ان کا اثر مطلق قبول نہ کرنا اور ان غیبی چیزوں کے اخذ کے وقت ماحول سے متاثر نہ ہونا تقریباً ناممکن ہے۔

جو شخص بھی ہدایت ونجات وکمال ایمان کیلئے ان مکالمات الٰہیہ اور مخاطب ربانیہ، یا رویت باری کو شرط بتاتا اور اس پر کسی نبوت یا دعوت کی بنیاد رکھتا ہے، وہ ایک غیر لازم چیز کو لازم قرار دیتا اور اس دین پر جو (تمام انسانوں کیلئے عام ہے) بڑا ظلم کرتا اور دین کی سہولت وسادگی اور عالمگیری وآفاقیت کو مجروح کرتا اور فساد وکشمکش اور انارکی کا ایک بڑا دروازہ کھول دیتا ہے، جیسا کہ مرزا غلام احمد قادیانی نے کہا، انہوں نے ’’مکالمات ومخاطبات الٰہیہ‘‘ کو مذہب کی صداقت کی شرط اور اتباع ومجاہدات کا قدرتی نتیجہ قرار دیا، اور یہ کہا کہ جس مذہب میں مکالمات و مخاطبات الٰہیہ کا سلسلہ جاری نہ ہو، وہ مذہب مردہ اور باطل ہے، بلکہ شیطانی مذہب ہے، اور جہنم کی طرف لے جاتا ہے، اور جس مذہب کے پیرو زہد ومجاہدہ کے باوجود اس دولت سے سرفراز نہ ہوں، وہ گمراہ محروم اور نابینا ہیں۔

یہ دعویٰ علمی اور عقلی حیثیت سے اتنا کمزور اور بے بنیاد ہے کہ اس پر زیادہ شرح وبسط سے کلام کرنے کی ضرورت معلوم نہیں ہوتی، ناظرین کے لئے یہی کافی ہے کہ صحابہ کرامؓ نے جو نبوت محمدی کا اولین کارنامہ اور قرآن کے فیض وتربیت کا شاہکار اور تاریخ انسانی کی مثالی نسل تھے، اور جن کی کوششوں سے اسلام دنیا میں پھیلا ہوا انہوں نے ان ’’مکالمات ومخاطبات‘‘ اور چشم ودل سے رویت باری کا کوئی دعویٰ نہیں کیا اور نہ تاریخ نے ان کی طرف کسی ایسے دعویٰ کا انتساب

کیا اور نہ اس کا پتہ چلتا ہے کہ اس دولت کے حصول کے لئے ان کے اندر کسی مسابقت یا مقابلہ کا جذبہ تھا اور نہ اس کا ذکر آتا ہے کہ ان کو دولت سے محروم رہنے پر کوئی تاسف یا حسرت تھی تو پھر وہ لوگ کس شمار وقطار میں ہیں جو ان کے بعد کے ہیں اور دین وعلم میں ان کی گرد پا کو بھی نہیں پہنچتے۔

تاریخ میں بار بار دیکھا گیا ہے کہ ہر وہ غالی تحریک جو ان جیسے دعوؤں اور مفروضات اور شخصی تجربات کی بنیادوں پر قائم ہوئی اس نے ایک غالی اور متشدد جماعت پیدا کر دی جو رفتہ رفتہ سواد اعظم سے کٹ گئی اور مسلمانوں کی تضلیل وتکفیر اس کا شعار بن گیا بالآخر اس نے ایک اور نئے مذہب کی شکل اختیار کر لی اور مسلمانوں کے لئے ایک نیا مسئلہ سامنے آ گیا جس کے عقدہ کشائی میں بڑے بڑے مسلمان دانشوروں عالموں اور رہنماؤں کی بہترین ذہانت اور قوت صرف ہوئی اس کے بعد بھی اس انتشار کا پورے طور پر خاتمہ نہیں ہو سکا۔

اسلام اور مسلمانوں کے مفاد میں اجتماعی الہام اور جماعتی ہدایت

اللہ تعالی نے اس امت کو اجتماعی الہام کی دولت سے نوازا ہے جو ہر قسم کے خطرہ اور ضرر اور انفرادی کمزوریوں اور غلط فہمیوں سے پاک اور محفوظ ہے۔

اس اجمال کی تفصیل یہ ہے کہ جب اسلام اور مسلمانوں کے سامنے کوئی نازک اور اہم مسئلہ آتا ہے اور اس کے بارے میں فیصلہ کرنا اور کسی نتیجہ پر پہنچنا مشکل ہو جاتا ہے یا زمانہ کے تغیر اور حالات کے تقاضہ سے کوئی ضرورت سامنے آتی ہے تو اللہ تعالی نے علماء ومخلصین کے ایک معتدبہ گروہ کے دل میں جو نفس زکی اور ارادہ قوی کے مالک ہوتے ہیں اس ضرورت کی تکمیل کا شدت سے خیال پیدا کر دیتا ہے اور ہمہ تن ان کو اس کی طرف اس طرح متوجہ کر دیتا ہے کہ وہ اپنے کو اس کام کیلئے مامور اور عند اللہ مسئول سمجھنے لگتے ہیں ان کو اس کام کی تکمیل میں کھلے طور پر تائید الٰہی اور نصرت غیبی نظر آتی ہے اور وہ دل کی گہرائی سے یہ محسوس کرتے ہیں کہ وہ اس کی طرف کشاں کشاں لے جائے جا رہے ہیں یہ وہ حقیقت ہے جس کو ہم نے اجتماعی الہام یا جماعتی ہدایت سے تعبیر کیا ہے اور تاریخ اسلام اس کی مثالوں سے پر ہے۔

کبھی یہ الہام معدودے چند اصحاب کو ہوتا ہے جیسا کہ اذان کے واقعہ میں عبداللہ بن زید اور حضرت عمر بن خطاب کے ساتھ پیش آیا کہ دونوں کے خواب یکساں نکلے اور دونوں کو خواب

میں کلمات اذان کی تلقین کی گئی' اور رسول اللہ ﷺ نے اس کی تصویب فرمائی اور اذان کی شرعی حیثیت دیدی' جو آج تمام عالم اسلام میں رائج ہے' اور جیسا کہ لیلۃ القدر کے بارے میں پیش آیا جس کے بارے میں شیخین نے حضرت عبداللہ بن زیدؓ سے روایت ہے کہ "چند اصحاب حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے' جنہیں خواب میں لیلۃ القدر رمضان المبارک کی اخیر سات راتوں میں دکھایا گیا تھا' تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: کہ میں دیکھتا ہوں کہ تمہارے خواب سات آخری راتوں کے بارے میں یکساں ہیں' تو جو اسے تلاش کرنا چاہتا ہے' وہ انہیں سات راتوں میں تلاش کرے"۔

اور اسی کے قریب صلوٰۃ تراویح کا معاملہ ہے' جس کی اصل نبی ﷺ سے ثابت ہے' جسے آپ ﷺ نے تین دن کے بعد اس خیال سے چھوڑ دیا تھا کہ یہ امت پر فرض نہ ہو جائے اور اس طرح مشقت کا سبب بن جائے' مسلمان اسے اکیلے اکیلے پڑھنے لگے' حضرت عمرؓ نے اس کی جماعت قائم کردی' حضرت عمرؓ کا یہ فعل الہام الٰہی پر مبنی اور آسمانی رہنمائی کا نتیجہ تھا' اور اس میں بڑا ہی خیر پوشیدہ تھا' اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں میں سے اس نماز کو باجماعت ادا کرنے کا خیال اور اس میں ختم قرآن کا شوق پیدا کردیا' جو حفظ و حفاظت قرآن کا ایک بڑا ذریعہ ثابت ہوا' اور اس کی وجہ سے مسابقت اور رمضان کی راتوں میں بیدار رہنے کا بڑا داعیہ پیدا ہو گیا اس سلسلہ میں اہل سنت جنہوں نے سنت تراویح کو اپنایا اور ان جماعتوں کے درمیان جنہوں نے اس کا انکار کیا اس کھلے فرق کو دیکھا جا سکتا ہے' جو حفظ قرآن کی کثرت اور اس کے مطالعہ و اہتمام کے سلسلہ میں پایا جاتا ہے۔

اور کبھی یہ الہام مسلمانوں کی ایک بڑی تعداد اور جم غفیر کو ہوتا ہے' جس کا کسی امر پر متفق یا کسی ضرورت کی طرف متوجہ ہو جانا محض اتفاقی واقعہ یا کسی سازش کا نتیجہ نہیں کہا جا سکتا' ان کی اس کوشش سے اسلام اور مسلمانوں کو نفع عظیم پہنچتا ہے' یا اس سے مسلمانوں کی زندگی کا کوئی خلا پر ہوتا ہے' یا کسی مہیب فتنہ یا رخنہ کا سد باب ہوتا ہے یا دین کے عظیم مقاصد میں سے کوئی مقصد پورا ہوتا ہے۔

اس طرح کے مبارک اجتماعی الہام کی مثال (جو بے شمار راسخ العلم علماء اور مخلص و باعمل لوگوں کو ہوا) حضرت ابوبکرؓ کے زمانہ میں قرآن کی مصاحف میں جمع کرنا اور قرن اول و ثانی اور اس

کے بعد کی ابتدائی صدیوں میں حدیث کے جمع و تدوین کا کام مجتہدین کا استنباط احکام اور جزئیات فقہ کی تفریع، علم نحو وقرأت، اصول فقہ اور قرآن اور اس کی زبان کو محفوظ کرنے والے تمام مفید علوم کی تدوین اور مدارس کی تعمیر، کتابوں کی نشر واشاعت، وغیرہ اس اجتماعی الہام کی بہترین مثالیں ہیں، جس کے ذریعہ دین اور امت کی یہ اہم ترین ضرورتیں پوری کی گئیں اور آنے والے خطرات کا سدباب کیا گیا۔

تزکیہ نفس وتہذیب اخلاق کا وسیع و مستحکم نظام جس نے بعد کی صدیوں میں ایک مستقل علم اور فن کی شکل اختیار کرلی، نفس و شیطان کے مکاید کی نشاندہی، نفسانی اور اخلاقی بیماریوں کا علاج، تعلق مع اللہ اور نسب باطنی کے حصول کے ذرائع وطرق کی تشریح وترتیب، جس کی اصل حقیقت تزکیہ واحسان کے ماثور وشرعی الفاظ میں پہلے سے موجود تھی، اور جس کا عرفی واصلاحی نام بعد کی صدیوں میں تصوف پڑ گیا، اسی اجتماعی الہام کی ایک درخشاں مثال ہے، رفتہ رفتہ اس فن کو اس کے ماہرین نے اجتہاد کے درجہ پر پہنچا دیا، اور اس کو ایک بڑی عبادت اور وقت کا جہاد قرار دیا، جس کے ذریعہ اللہ تعالیٰ نے قلوب نفوس کی مردہ کھیتیوں کو زندہ کیا اور روح کے مریضوں کو شفا دی، ان مخلصین علماء ربانیین اور ان کی تربیت یافتہ اشخاص کے ذریعہ دنیا کے دور دراز گوشوں اور طویل وعریض ممالک (جیسے ہندوستان، جزائر شرق الہند، اور براعظم افریقہ) میں وسیع پیمانہ پر اسلام کی اشاعت ہوئی، اور لاکھوں انسانوں نے ہدایت پائی، ان کی تربیت سے ایسے مردان کار پیدا ہوئے جنہوں نے اپنے اپنے عہد میں مسلم معاشرہ میں ایمان ویقین اور عمل صالح کی روح پھونکی اور بارہا میدان جہاد میں قائدانہ کردار ادا کیا، اس گروہ کی افادیت اور اس کی خدمات سے انکار یا تو وہ شخص کرے گا، جس کی تاریخ اسلام پر نظر نہیں، یا جس کی آنکھوں پر تعصب کی پٹی بندھی ہوئی ہے۔

اسی اجتماعی الہام کی ایک مثال گمراہ فرقوں، ملحدین و مشککین، تعطل اور بے عملی کی دعوت دینے والے فلسفوں، اور تخریب پسند تحریکوں کی تردید وابطال کا کام بھی ہے، جس کے لئے مسلمانوں میں سے علم وذہانت، فکری صلاحیت اور ایمانی قوت میں امتیاز وتفوق رکھنے والے افراد میدان میں آئے اور انہوں نے ان دعوتوں اور فلسفوں کو بے نقاب کردیا، مسلمانوں کو انکے برے اثرات سے بچالیا، یہ سب کارنامہ الہام ربانی کا کرشمہ ہیں، جس سے تاریخ اسلام کے ہر مرحلہ

اور علم وتہذیب کے ہر مرکز میں مسلمانوں کی ایک بڑی جماعت مشرف وسرفراز ہوگئی، اور جو اس امت پر جو آخری امت اور انسانیت کا مرکز امید ہے، خدا کی عنایت اور اللہ کے نزدیک اس کے بلندی مرتبہ کی دلیل ہے، اور یہ غیر منقطع الہام اور مسلسل مدد الٰہی اور ختم نبوت اور محمد ﷺ کے بعد اس کے منقطع ہونے کی روشن دلیل ہے، جس کی اگلی امتوں میں کوئی واضح اور مسلسل نظیر نہیں ملتی، اس لئے انہیں اس کی ضرورت بھی نہ تھی، کیونکہ سلسلہ نبوت قائم اور کار نبوت باقی تھا۔

مسلمانوں کے درمیان تفرقہ اندازی

جو فکری انتشار اور بے چینی ان فرضی نبوتوں سے پیدا ہوتا اور ان سے جس طرح مسلمانوں میں تفریق پیدا ہوتی اور وحدت اسلامی پارہ پارہ ہوتی ہے، وہ ہر مسلمان کے لئے باعث تشویش واضطراب ہے، اس زمانہ میں جو لادینیت والحاد کا دور کہلاتا ہے، لوگ ''انا الحق'' کہنے کے عادی نہیں رہے، لیکن اگر کہیں عالم اسلام میں مرزا غلام احمد قادیانی اور ان کے پرجوش وکیلوں کے اثر سے نبوت کا شوق پیدا ہو جائے اور عالم اسلام کے مختلف حصوں میں ''علم نبوت'' کے بلند کرنے والے افراد پیدا ہونے لگیں اور وہ اپنی دعوت کے منکروں کی تکفیر کرنے لگیں تو اس کا نتیجہ سوائے فکری اضطراب وانتشار، دینی انارکی اور خیالات کے ٹکراؤ اور عالم اسلام کے مختلف چھاونیوں اور بلاکوں میں تقسیم کے سوا کیا نکلے گا؟ اور کیا یہ امت جو رنگ ونسب اور قدیم وطن کی ہر عصبیت مٹا کر اسلامی اخوت کو زندہ کرنے کیلئے آئی تھی، تفریق وتکفیر اور چھوٹی چھوٹی دینی عصبیتوں کا شکار نہیں ہو جائے گی۔۔

قادیانیت کے اس خطرہ کو مولوی محمد علی لاہوری امیر جماعت احمدیہ اشاعت اسلام لاہوری نے بھی محسوس کر لیا اور پوری شدت ووضاحت کے ساتھ اپنے ایک مضمون میں اس کا اظہار بھی کیا تھا، لیکن وہ یہ نہیں سوچ سکے کہ اس دروازہ کو کھولنے والے ان کے امام مرزا غلام احمد ہی ہیں، جن کو وہ مجدد ومصلح اور مہدی ومسیح موعود تسلیم کرتے ہیں، وہ پہلے شخص ہیں، جنہوں نے بقائے نبوت کے خیال کو تحریک ودعوت کی شکل دیدی، محمد علی لاہوری اہل بصیرت وانصاف کو آواز دیتے ہوئے کہتے ہیں۔

''خدارا غور کرو کہ اگر یہ عقیدہ میاں صاحب کا درست ہے کہ نبی آتے رہیں گے۔''

اور ہزاروں نبی آئیں گے، جیسا کہ انہوں نے بالصراحت ''انوار خلافت'' میں لکھ دیا ہے،

> تو یہ ہزاروں گروہ ایک دوسرے کو کافر کہنے والے ہوں گے یا نہیں؟ اور اسلامی وحدت کہاں ہوگی؟ یہ بھی لو کہ وہ سارے نبی احمدی جماعت میں ہی ہوں گے، پھر احمدی جماعت کے کتنے ٹکڑے ہوں گے؟ آخر گزشتہ سنتوں سے تم اتنے ناواقف نہیں ہو کہ کس طرح نبی کے آنے پر ایک گروہ اس کے ساتھ اور ایک خلاف ہوتا ہے، وہ خدا جو محمد ﷺ کے ہاتھ پر کل دنیا کی قوموں کو ایک کرنے کا ارادہ ظاہر کر چکا ہے، کیا اب وہ مسلمانوں کو اس طرح ٹکڑے ٹکڑے کر دے گا کہ ایک دوسرے کو کافر کہہ رہے ہوں، اور آپس میں کوئی تعلقات اخوت اسلامی کے نہ رہ گئے ہوں، یاد رکھو کہ اگر اسلام کو کل ادیان غالب کرنے کا وعدہ سچا ہے تو یہ مصیبت کا دن اسلام پر کبھی نہیں آسکتا کہ ہزاروں نبی اپنی ٹولیاں علیحدہ علیحدہ لئے پھرتے ہوں اور ہزار ہا ڈیڑھ اینٹ کی مسجدیں ہوں جن کے پجاری اپنی اپنی جگہ ایمان اور نجات کے ٹھیکیدار بنے ہوئے ہوں، اور دوسرے تمام مسلمانوں کو کافر اور بے ایمان قرار دے رہے ہوں۔“

حاصل یہ ہے کہ سلسلہ نبوت اور انسان کی بذریعہ وحی ملائکہ و جبرئیل انسانوں کو عقائد و شرائع کی تعلیم کے سلسلہ میں محمد ﷺ پر اختتام اور آپ کے خاتم الرسل، دانائے سبل اور مولائے کل ہونے کا یقین اللہ تعالیٰ کی اس امت پر بڑی نعمتوں اور عطیوں میں سے ایک نعمت اور عطیہ، خانوں میں بٹی ہوئی انسانیت کے لئے ایک رحمت ہے، جس کے ذریعہ اس کی کوشش اور طاقت کو صحیح مصرف میں لگانے کا انتظام کیا گیا ہے، اسی کے ساتھ یہ عقیدہ امت محمدیہ کی شیرازہ بندی کرنے والا اور اس کی وحدت و اصلیت اور قوت کی حفاظت کرنیوالا، اسے اپنے اور اپنے دین کی ابدیت و صلاحیت پر اعتماد پیدا کرنے، احتساب کائنات کی دائمی ذمہ داری عائد کرنے، اصلاح و تجدید اور ہر جگہ اور ہر زمانہ میں اللہ کے راستہ میں جدوجہد جاری رکھنے کا ضامن ہے، اور یہی وہ ٹھوس بنیاد ہے، جس پر اسلام کی عمارت کھڑی ہوتی ہے۔

اسلام کے بدترین دشمن

جو کسی نبی نبوت کا (اس کے کسی بھی مفہوم میں) مدعی یا داعی، اور علم بردار ہو، وہ اسلام اور مسلمانوں کا بدترین دشمن اور اسلام کے بدخواہوں اور مخالفین کا بہترین معاون اور آلہ کار ہے، تاریخ اسلام اس کے جرم کو کبھی معاف نہیں کر سکتی، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

و من اظلم ممن افترى على الله كذبا اوقال اوحى الى ولم يوح اليه شى ومن قال سانزل مثل مآانزل الله ولوترى اذا الظلمون فى غمرات الموت والملئكة باسطوا ايديهم احرجو انفسكم اليوم تجزون عذاب الهون بما كنتم تقولون على الله عير الحق وكنتم عن آيته تستكبرون ولقد جئتمونا فرادىٰ كما خلقنكم اول مرة وتركتم ماخولنا كم ورآء ظهور كم وما نرى معكم شفعآء كم الذين زعمتم انهم فيكم شركوء لقد تقطع بينكم وضل عنكم ماكنتم تذعمون۔

ترجمہ اور اس شخص سے زیادہ کون ظالم ہوگا جو اللہ پر جھوٹ تہمت لگائے یا یوں کہے کہ مجھ پر وحی آتی ہے حالانکہ اس کے پاس کسی بات کی بھی وحی نہیں آئی اور جو شخص یوں کہے کہ جیسا کلام اللہ تعالیٰ نے نازل کیا ہے، اسی طرح کا میں بھی لاتا ہوں، اور اگر آپ اس وقت دیکھیں جبکہ یہ ظالم موت کی سختیوں میں ہوں گے اور فرشتے اپنے ہاتھ بڑھا رہے ہوں گے ہاں اپنی جانیں نکالو، آج تم کو ذلت کی سزا دی جاوے گی، اس سبب کہ تم اللہ کے ذمہ جھوٹی باتیں بکتے تھے، اور تم اللہ تعالیٰ کی آیات سے تکبر کرتے تھے، اور تم ہمارے پاس تنہا تنہا آ گئے، جس طرح ہم نے اول بار تم کو پیدا کیا تھا، اور جو کچھ ہم نے تم کو دیا تھا، اس کو اپنے پیچھے ہی چھوڑ آئے، اور ہم تمہارے ہمراہ ان شفاعت کرنے والوں کو نہیں دیکھتے جن کی نسبت تم دعوی رکھتے تھے کہ وہ تمہارے معاملہ میں شریک ہیں، واقعی تمہارے آپس میں تو قطع تعلق ہو گیا اور وہ تمہارا دعوی سب تم سے گیا گزرا ہوا۔

امت کی بقاء اور عقیدۂ ختم نبوت

یہ حضرت مولانا کی وہ تقریر ہے جو ختم نبوت کانفرنس کانپور منعقدہ ۹،۱۰/۱۱/۱۱ اکتوبر ۱۹۹۸ء کے جلسہ عام میں کی گئی تھی۔

الحمد لله نحمده و نستعينه ونستغفره ونؤمن به ونتوكل عليه ونعوذ بالله من شرور انفسنا ومن سيئات اعمالنا من يهده الله فلا مضل له ومن يضلله فلا هادي له، ونشهد ان لا اله الا الله وحده لا شريك له، ونشهد ان سيدنا ونبينا مولانا محمدا عبده ورسوله صلى الله عليه وعلى اله واصحابه وذرياته واهل بيته اجمعين ومن تبعهم باحسان الى يوم الدين وسلم تسليماً كثيرا كثيرا. اما بعد! أعوذ بالله من الشيطان الرجيم، اليوم اكملت لكم دينكم واتممت عليكم نعمتي ورضيت لكم الاسلام دينا. ما كان محمد ابا احد من رجالكم ولكن رسول الله وخاتم النبيين.

میرے عزیز بھائیو اور دوستو! اس موضوع پر آپ نے فاضلانہ، مفکرانہ، متکلمانہ اور تحلیل و تجزیہ کے ساتھ بہت سی تقریریں سنی ہوں گے، میں ان تفصیلات میں نہیں جا سکتا، وقت کی کمی کی وجہ سے بھی اور موضوع کے تقاضے سے بھی، اور اس لئے بھی کہ اس کی ضرورت بھی نہیں سمجھتا، لیکن تاریخ کے نہ صرف ایک طالب علم بلکہ ایک مصنف اور تاریخ عالم کے ایک واقف کار کی حیثیت سے بھی اور پھر اس کے ساتھ دنیا کے مختلف ممالک اور دنیا کے ایک بڑے حصہ کی سیر و سیاحت کرنے والے ایک داعی کی حیثیت سے بھی آپ کے سامنے کچھ خصوصی باتیں رکھنا چاہتا ہوں، ایسی باتیں جو اس موضوع پر فیصلہ کن ثابت ہوں گی۔

ایک تو یہ کہ جو ہم یہ آیتیں قرآن مجید میں پڑھتے ہیں، اور اللہ کی توفیق سے ایک دو بار نہیں سینکڑوں ہزاروں بار پڑھی ہوں گی۔ اللہ توفیق دے کہ ہم ساری عمر پڑھتے رہیں، لیکن افسوس کی بات ہے کہ ان آیات سے جو نتیجہ نکلتا ہے، اور ان آیات سے جو عقیدت ظاہر ہوتی

ہے، اور حقیقت تک پہنچنے کی جو توفیق ہوتی ہے، اس کی اہمیت پر بہت کم لوگوں نے غور کیا، پہلی آیت جو ہم نے آپ لوگوں کے سامنے تلاوت کی، ''**الیوم اکملت لکم الخ**'' کہ آج کے دن میں نے تمہارے لئے تمہارا دین مکمل کر دیا، اپنی نعمت کو تمہارے لئے مکمل کر دیا، اور تمہارے لئے اسلام کو بحیثیت دین کے پسند کر چکا، انتخاب کر چکا۔

اور دوسری آیت کریمہ جو تلاوت کی '' **ماکان محمد ابا احد من رجالکم الخ**'' کہ ارشاد خداوندی ہے محمد ﷺ تم مردوں میں سے کسی کے باپ نہیں بلکہ وہ اللہ کے رسول ہیں، اور آخری نبی ﷺ ہیں۔

ان آیات سے اس امت کو نہیں بلکہ عالم کو جو دولت ملی ہے، جو نعمت ملی ہے، جو خصوصیت ملی ہے، اس پر بہت کم لوگوں نے غور کیا، ایک بات تو یہ ہے کہ ان آیتوں سے حضور اقدس ﷺ کی نبوت کے اختتام کا اعلان کیا، کہ آپ ﷺ خاتم النبیین ہیں، اور اس اعلان سے وحدت عقائدی اور وحدت ارکانی کی دعوت ملی، وحدت زمانی اور وحدت مکانی کی دعوت ملی، پہلی بات تو یہ ہے کہ قیامت تک کے لئے اس امت اسلامیہ امت محمدیہ کے عقائد بھی ایک ہوں گے، ارکان بھی ایک ہوں گے، اور دوسری بات یہ کہ ہر زمان و مکان میں، ہر عہد اور ہر دور میں اور ہر اس جگہ جہاں مسلمان آباد ہیں، وہاں پر ایک وحدت پائی جائے گی، دینی وحدت اعتقادی وحدت، علمی وحدت۔

پہلی بات تو یہ ہے کہ اس امت کو جو اپنے کو مسلمان کہتی ہے، قرآن کا کلمہ پڑھتی ہے، اسلام کا دعویٰ کرتی ہے، اس کے عقائد بھی آپ ﷺ کی بعثت سے لے کر قیامت تک ایک رہیں گے، نماز وہی پانچ وقتوں کی، روزے وہی رمضان کے مبارک مہینے کے، زکوٰۃ وہی اپنے نظام اور انصاب کے مطابق جو بتایا گیا ہے۔ حج وہی بیت اللہ شریف کا اپنے تمام مناسک کے ساتھ، اس کے تمام مناسب ہمیشہ ایک ہی رہیں گے، یہ جو وحدت ہے وہ وحدت ارکانی ہے۔ ''وحدت عقائدی'' یہ ہے کہ توحید کامل رہے گی، پیغمبروں کی رسالت اور انبیاء کی نبوت پر ایمان، جنہیں اللہ نے اپنے اپنے وقت اور اپنی اپنی جگہ اس نازک اور عظیم کام کے لئے انتخاب کیا، اور پھر آخری پیغمبر اور آخری نبی ﷺ کہ جن کے بعد اب کوئی نبی نہیں آئے گا، پچھلے پیغمبروں کی رسالت پر بھی ایمان اور آپ ﷺ کی رسالت اس کی خاتمیت پر بھی ایمان، آپ ﷺ کی

رسالت و نبوت پر اس طرح ایمان کہ نبوت و رسالت آپ ﷺ پر ختم ہے، نبوت کے ساتھ نبوت کی خاتمیت پر بھی ایمان، یہ کوئی معمولی اور ہلکی بات نہیں ہے، دنیا میں کسی بھی امت کو یہ فضیلت نہیں ملی۔

ہم معذرت کے ساتھ کہتے ہیں کہ کسی بھی نبی اور رسول ﷺ کی امت کو (اور یہ ہم ہر نبی و رسول کی رسالت و نبوت کے اقرار اور ان کے شرف و مراتب کے اعتراف کے ساتھ کہتے ہیں کہ وہ سب اللہ کے پیغمبر تھے اور رسول برحق تھے) یہ خصوصیت حاصل نہیں کہ یہ وحدتیں وحدت عقائد بھی ہو، وحدت ارکانی بھی ہو، انہیں ملی ہوں، یہ امتیاز اللہ رب العالمین نے صرف امت محمدی ﷺ کو ہی عطا کیا۔

آپ تاریخ کا مطالعہ کریں، ہم نے تاریخ کا الحمدللہ خوب مطالعہ کیا ہے، اور ہمیں اس کی اپنے علمی کاموں اور تصنیفی کاموں میں برابر ضرورت بھی پڑتی رہتی ہے، ہم نے یہودیت و عیسائیت کی مستند کتابیں بھی پڑھی ہیں آپ دیکھیں گے کہ امت کی پوری تاریخ مد و جزر کی تاریخ ہے نشیب و فراز کی تاریخ ہے۔ مشرق و مغرب کی تاریخ ہے، محبت و اختلاف کی تاریخ ہے۔ عقائد میں اختلاف، ارکان کے ادا کرنے میں اختلاف، یہ جو میں آپ سے کہہ رہا ہوں محض امت کے ایک فرد ہونے کے ناطے نہیں، تاریخ و مذاہب کا مطالعہ رکھنے والے کی حیثیت سے، آپ بھی مطالعہ کیجئے، فرنچ کی کتابیں پڑھئے، جرمن کتابیں پڑھئے انگلش کتابیں پڑھئے، مذاہب کی جو تاریخ لکھی گئی ہے، تو ان مورخوں کو اس کا اقرار کرنے نہیں بلکہ شرم سے گویا منہ پر ہاتھ رکھتے ہوئے بلکہ ایسے احساس مندی کے ساتھ اس حقیقت کو بیان کرتے ہوئے آپ دیکھیں گے، کہ کوئی مذہب بھی اسلام سے پہلے کے مذاہب میں سے کوئی مذہب ایسا نہیں ہے کہ اس کے پیغمبر نے، جس طرح اعلان کیا جو باتیں بتائیں وہ مذہب ان کی بتائی ہوئی تعلیمات کے مطابق صدیوں چلتا رہا ہو، صدیوں کیا بلکہ بعض مرتبہ تو نصف صدی اور دہائیوں تک چلنا مشکل ہو گیا۔

ان مذاہب کی تاریخ بتاتی ہے کہ وہاں اتمام نبوت کا اور ختم نبوت کا اعلان نہیں کیا گیا تھا یہ کہیں نہیں ملتا کہ ان مذاہب کو جو لوگ برحق مانتے ہیں اور ان پر پورا یقین رکھتے ہیں اور فخر کرتے ہیں، وہ بھی جہاں تک ہماری معلومات ہیں ان میں سے کسی نے یہ دعویٰ نہیں کیا کہ نبی

ورسول ﷺ نے اپنی خاتمیت خاتم الرسل وخاتم الانبیاء ہونے کا دعویٰ کیا ہو، کسی نے بھی ایسا نہیں کہا، نہ ہی اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایسا اعلان ہوا۔

آپ ان تمام مذاہب کی تاریخ میں پڑھیں گے، ذرا کشادہ نظری کے ساتھ اور کشادہ ذہنی کے ساتھ آپ دیکھیں تو آپ کو صاف نظر آئے گا کہ ان میں صرف اختلاف بلکہ تضاد پایا جاتا ہے، یہ مذہب شروع میں کہتا تھا، اور اب یہ کہتا ہے، اس مذہب کے پیشوا اگر یہ نہیں تو کم از کم احتیاط کے لئے یہ کہتے ہیں، اس مذہب کے پیشوا اور ترجمان اور اس کے مستند عالم پہلے یہ کہتے تھے، اب ان کی رائے وہ نہیں رہی وہ اب یہ کہتے ہیں، یہ صحیح عقیدہ ہے، اب ان کا کہنا یہ ہے کہ صحیح عقیدہ وہ نہیں یہ ہے، عبادت یہ ہے، نہیں یہ عبادت نہیں تھی بدعت ہے، یہ ثابت ہے، نہیں یہ ثابت نہیں مفروضہ ہے، آپ دیکھیں گے کہ ان مذاہب میں عقائد کا اختلاف ملے گا، ارکان کا اختلاف ملے گا، زمانہ کے ساتھ وہ بدلتے رہیں گے، اختلاف زمانی بھی ہے، اختلاف مکانی بھی، اس لئے آپ کو صاف صاف نمونے ملیں گے، ایسے نمونے کہ اس مذہب کی اشاعت کا جو دائرہ ہے اور علاقہ ہے جو اس کی دنیا ہے، مذہبی دنیا، اس کے کسی حصہ میں پیچھے ہو رہا ہے، کسی حصہ میں پیچھے یہ سب اس کا نتیجہ تھا کہ وہاں ختم نبوت کا اعلان نہیں ہوا تھا، ان لوگوں کے لئے اس کا موقع تھا، اور گنجائش تھی، جائز و ناجائز کی امکانی گنجائش تھی کہ وہ جو چاہیں دعویٰ کریں، آج یہ بات کیوں ہے کہ ساری دنیا کے انقلابوں کے باوجود، سیاسی انقلابات بھی، اجتماعی انقلابات بھی اور اخلاقی انقلابات بھی، یہ بعثت نبوی بعثت محمدی ﷺ سے پہلے نہیں پیش آئے، یہ تاریخی شہادت ہے، اس کا کوئی انکار نہیں کر سکتا، علمی انقلابات کے ساتھ، علمی ترقیات کے ساتھ علمی تحقیقات کے ساتھ اور نئے نئے انکشافات کے ساتھ، اور نئے نئے مطالبات اور ضرورتوں کے ساتھ اور نئے نئے تقاضوں کے پیدا ہونے کے ساتھ، اور نئے نئے فوائد حاصل ہونے کی امید کے ساتھ جو اس میں تغیر وتبدل کرنے سے اور نیا دین اور نیا عقیدہ پیش کرنے سے پیدا ہو سکتے ہیں، یہ جو بعثت نبوی کے بعد ہوا ہے اس سے پہلے کبھی نہیں ہوا، میں ایک تاریخ داں کی حیثیت سے کہتا ہوں کہ اس کی کوئی مثال نہیں ملے گی، لیکن اس کے باوجود یہ دین اب تک ایک چلا آرہا ہے، انبیاء اور رسل جو گذر گئے ہیں ان پر ایمان باقی ہے، ابھی بھی اللہ تعالیٰ کی برتری اور قدرت کاملہ کہ " انما امرہ اذا راد شیئا ان یقول لہ کن فیکون" اور

اس کی ذات کی وحدت کو پورے عالم کو چلانے والا وہی ہے، وہی ہے جو اس کائنات کو جو کائنات اس کے قبضہ اور دست قدرت میں ہے، اور " **انما امرہٗ اذا اراد شیئاً ان یقول لہٗ کن فیکون.** " ان سب کے باوجود یہی ایک چیز جو ابھی تک بنیادی اور اساسی عقائد پر، میں ان چیزوں کو نہیں کہتا جو کسی نے جیسے کہ ابھی آپ نے نظم سنی اپنے کسی دنیاوی مفاد کے خاطر یا کسی رشوت کے نتیجہ میں یا کسی مفاد کے سلسلہ، میں عزت وجاہ کے سلسلہ میں پیدا کر دیا، دین میں وہ چیز بالکل نہیں چلنے پائی، آج تک دین بالکل صاف اور منقی مجلی موجود ہے، اور سب جانتے ہیں کہ اگر نیت خراب نہیں ہے، اور خدا کا اگر خوف کسی بھی درجہ میں باقی ہے، تو وہ بدعت وسنت کو سمجھتا ہے، کہ یہ سنت ہے اور یہ بدعت ہے، بدعت کو کوئی بھی سنت ثابت نہیں کر سکتا، معصیت کو کوئی بھی طاعت ثابت نہیں کر سکتا، شرک کو کوئی توحید ثابت نہیں کر سکتا، کوئی اللہ کی رضا کا ایسا طریقہ جس میں رسم ورواج کی بو آتی ہو، دنیوی مفاد ہو نہیں جانا جا سکتا، یہ کس بات کا نتیجہ ہے، یہ نتیجہ ہے اتمام نبوت اور ختم نبوت کے اعلان کا۔

آج آپ یورپ وامریکہ کے آخری سرے تک چلے جائیے، معذرت کے ساتھ کہتا ہوں، کم لوگوں کو اتنی سیر وسیاحت کا اتفاق ہوا ہوگا جتنا ہمیں ہوا، اس میں ہماری قابلیت اور لیاقت کو دخل نہیں، اللہ کا فضل وانعام ہے کہ کم سے کم عالم اسلام کو لے لیجئے، عالم غیر اسلامی کی بھی ہم نے خوب سیر کی ہے، یورپ وامریکہ اور افریقہ سب ہم نے دیکھے ہیں، لیکن عالم اسلام کا کوئی کونہ شاید ہی ہم سے بچا ہو، لیکن ہم یہاں سے مراکش تک جس کو عربی میں "مغرب اقصیٰ" کہتے ہیں (انتہائی مغربی کونہ) اور صرف مغرب اقصیٰ مراکش تک ہی نہیں وہاں کے آخری حصہ آخری سرا تک وجدہ تک میں گیا ہوں، اور پھر اس کے بعد ادھر تاشقند، بخارا اور سمر قند بھی جانا ہوا ہے، وہاں نمازیں بھی پڑھی ہیں، بزرگوں کے مزارات کی زیارت بھی کی ہے، وہاں خطابات بھی ہوئے ہیں، اس کے علاوہ عالم عربی کا کوئی ملک نہیں، جہاں میں نہیں گیا، عراق، شام، مصر، لیبیا، شرق اردن، ترکی، خلیج کا علاقہ، اور صرف یہ ملک ہی نہیں شہر شہر گیا ہوں، لیکن کوئی جگہ ایسی نہ پائی جہاں دین کی بنیادی باتوں میں فرق ہے، یہاں دین کے ارکان کچھ ہوں وہاں کچھ ہوں نمازیں پڑھیں بھی اور اللہ کی فضل سے پڑھائیں بھی، لیکن اس کے لئے ہمیں کوئی گائڈ بک نہیں دی گئی کہ آپ نمازیں پڑھانے جارہے ہیں، یہاں آپ کے ملک کی

طرح نماز نہیں ہوتی، یہاں وضو کے بعد یہ بھی پڑھنا ہوتا ہے، یہاں کھڑے ہو کر ایک دعا پڑھنی ہوتی ہے، یہاں دیوار پر یوں ہاتھ لگانا ہوتا ہے، یہاں نماز شروع کرنے سے پہلے یہ الفاظ کہنے پڑتے ہیں، یہ عبارت سنانی پڑتی ہے، کچھ کہنا پڑتا ہے، خاص تعظیم دینی پڑتی ہے، اگر قبر ہے تو اس کے آگے جھکنا پڑتا ہے، بے جان سے حاجت براری کرنی پڑتی ہے، یہ کتنی وسیع دنیا ہے، لیکن ایک طرح کی نماز ہر طرف ہو رہی ہے، جا کر کہیں دیکھ لیجیے، افغانستان، ترکستان، انگلستان، مراکش، مصر، اندلس کہیں چلے جائیے، ادھر لیبیا سوڈان چلے جائیے، آپ اطمینان سے نماز پڑھ سکتے ہیں، اور پڑھا بھی سکتے ہیں، خدا کے فضل سے یہ شرف وعزت بھی حاصل ہوئی، مگر کسی نے پوچھنے کی ضرورت نہ سمجھی، اور نہ ہم نے کچھ پوچھنے کی، وقت ہوا، کہا گیا کہ آگے بڑھیے، آگے بڑھ گیا، بعد میں بھی کسی کو کوئی اشکال واعتراض نہیں ہوا، اور نہ کوئی کی گئی۔

آخر یہ کس بات کا نتیجہ ہے، یہ نتیجہ ہے ختم نبوت کا، اتمام نبوت کا، اگر یہ ختم نبوت کی دولت نہ ہوتی، تو اس امت کو یہ اعزاز اور یہ امتیاز نہ ملتا، میں آپ سے صاف کہتا ہوں کہ یہ جو آپ کانپور میں بیٹھے اتنے وسیع میدان میں کثیر تعداد میں اکٹھا ہو کے دین کی باتیں سن رہے ہیں، یہی نماز، یہی روزہ، یہی زکوۃ، یہی حج، سارے ارکان اسی طرح باقی ہیں، کتنے سیاسی انقلابات آئے، اور کتنے موانع پیدا ہوئے، سمندر کا سفر کتنا خطرناک بن گیا لیکن حج کا سفر اسی طرح چلا آ رہا ہے، کوئی اس کو روک نہ سکا، پھر بڑے واقعات رونما ہوئے، کچھ فرق نہیں پڑا، کیسے کیسے انقلابات آئے، حکومتیں بٹ گئیں، ماحول بدل گیا، لیکن حج جیسا کل فرض تھا، آج بھی فرض ہے، آج ویسے ہی لوگ بیت اللہ شریف جا رہے ہیں، جیسے پہلے جاتے تھے، بلکہ اب تو بہت بڑی تعداد میں جا رہے ہیں، کوئی اس کو روک نہ سکا، سیاسی انقلاب آئے، حجاز مقدس میں سیاسی نظام میں ٹھہراؤ نہ رہا، پہلے ترکیوں کی حکومت تھی، پھر شریف مکہ آئے، وہ گئے تو اب آل سعود حکمراں ہیں، انتظامی وسیاسی تغیرات جو ہوں لیکن ارکان دین میں کوئی تغیر وانقلاب نہیں، حج کی ادائیگی میں کوئی فرق نہیں واقع ہوا، کوئی رکاوٹ پیش نہیں آئی، اللہ کے فضل سے حرمین شریفین سے عمرہ کر کے ابھی چند روز ہوئے آ رہا ہوں، وہی بیت اللہ شریف، وہی مطاف وہی حرم شریف، وہی طواف اور اشواط، اشواط تک میں اضافہ نہیں، یا زمانہ کے فرق کے ساتھ طواف میں کمی یا زیادتی کی جاتی یا اس کا مشورہ دیا جاتا، یا ترتیب میں فرق لایا جاتا، کچھ نہیں۔

جیسا آنحضور ﷺ کر گئے اور بتا گئے، ویسا ہی آج جاری ہے، خدا معاف کرے، کہ جرأت کی بات ہے آج اگر دنیا میں صحابی بھی اٹھ کر آ ئیں، خدا کو یہ منظور ہو اور ایسا پیش آ جائے، صحابی اگر نہیں تو کوئی بڑا ولی اور بزرگ آ ئے، سیدنا شیخ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ آ ئیں، اور امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ آ ئیں، اور شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ آ ئیں، اور تابعین میں حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ امام علی زین العابدین، حضرت سعید بن المسیب اور حضرت اویس قرنی تک آ جائیں، یا پھر ہندوستان کے بزرگوں اور اقطاب میں خواجہ معین الدین چشتی قبر سے اٹھ کر آ جائیں بابا فرید الدین گنج شکر اور حضرت مجدد الف ثانی آ جائیں، دنیا کو بدلا ہوا نہیں دیکھیں گے، دین کو ویسا ہی پائیں گے، جیسا قرن اول میں تھا، جیسا سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اور سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کے دور میں تھا، اور اگر بعض چیزوں کو بدلا ہوا دیکھیں گے بھی یا نئی چیزیں پائیں گے تو یہ نتیجہ ہے جہالت کا، غفلت کا، نفس پرستی کا خواہش پرستی کا، دعویٰ کوئی نہیں کر سکتا کہ یہی صحیح ہے، قرآن میں نہ کوئی تحریف کر سکتا ہے، نہ کرتا ہے، اور نہ کر سکتا اور دیکھ سکتا ہے، اللہ تعالیٰ نے فرما دیا ہے، انا نحن نزلنا الذکر وانا له لحافظون. ہمیں اس نعمت کی قدر کرنی چاہئے اور اس پر اللہ کا شکر ادا کرنا چاہئے، فخر کرنا چاہئے، اور امت اسلامیہ کو اس پر فخر کا پورا کا پورا حق ہے، کہ اس کا دین مکمل ہو چکا ہے، پوری شریعت اب ہمارے سامنے ہے، اب اس شریعت میں کوئی اضافہ نہیں ہوتا ہے، اور اگر کوئی ایسا کرنے کی جسارت کرتا ہے تو وہ گستاخ رسول ﷺ ہے، ہم کسی بھی یورپین، انگریز اور کسی دوسرے مذہب کے ماننے والے سے پوچھنے کا حق رکھتے ہیں کہ کسی مشرق، پچھم میں چلے جائیے، یہی شریعت ملے گی جو یہاں ہے، یہی احکام ملیں گے جو یہاں ہیں یہی ارکان ملیں گے جو آپ یہاں دیکھ رہے ہیں، نماز کے جو اوقات یہاں ہیں وہی دوسری جگہ، وہی اذان ملے گی وہی تکبیر ملے گی [illegible]

[illegible]

اس کے بعد اب میں آپ سے ایک بات اور کہتا ہوں ایک مورخ کی حیثیت سے کہ اس عالمگیری دین اور اس دائمی وابدی دین کے خلاف دنیا میں خاص طور سے غیر اسلامی حلقوں میں، غیر دینی مملکتوں میں،، اور غیر اسلامی معاشرتوں میں یہ بڑی تشویش رہی، کہ اس دین میں کس طرح تبدیلی کی جائے، کوئی کمی آ جائے، اس کے لئے ان لوگوں نے جتن بھی کئے، خاص طور سے مسیحی قوم جو زیادہ بیدار مغز اور تعلیم یافتہ بھی ہے، اور اسلام اور مسلمانوں سے اس کا واسطہ بھی زیادہ پڑا ہے، اس کے لئے بڑی کوشش کی، کہ اس دین کی وحدت اور جامعیت اس کی عالمیت اور ابدیت ختم ہو، تاریخ میں بہت سی ایسی چیزیں دبی ہوئی ہیں، دفن ہیں، کھوئی ہوئی ہیں، ان کا پتہ نہیں چلا ورنہ یہ ثابت کر دیا جاتا کہ مسیلمہ کذاب کے پیچھے مسیحی دماغ، عیسائی سازش کام کر رہی تھی، اسود عنسی کے پیچھے کوئی غیر اسلامی طاقت کام کر رہی تھی، طلیحہ وسجاح کے دعوائے نبوت کے پیچھے ایسا ہی تھا، اور یہ قادیانی مذہب تو خالص برطانیہ زادہ ہے، میں اس کو سیدھے لفظوں میں کہوں گا کہ برطانیہ ساختہ ہے، مرزا صاحب نے صاف صاف خود لکھا ہے کہ میں اور میرا خاندان حکومت برطانیہ کا ''خود کاشتہ پودا'' ہے یعنی ساختہ نہیں خود کاشتہ پودا ہوں، ہاتھ سے لگایا ہوا پودا ہوں، اور وہ کہتے ہیں:

''کہ میں نے جہاد کے خلاف اور حمیت دین کے خلاف اور برطانیہ کی مخالفت کے خلاف اتنی کتابیں اور رسالے لکھے ہیں، اگر انہیں جمع کر دیا جائے تو پچاس الماریاں بھر جائیں۔''

یہ سب ہماری اور ہمارے ان بزرگوں جو اس میدان کے شریک اور رفیق ہیں، ان کی کتابوں میں جو آپ کے اہل علم کے اجتماع میں دی گئی ہیں، اس میں آپ ملاحظہ کیجئے سب کچھ ملے گا۔

اور ہماری تو یہاں تک تحقیق ہے افسوس ہے کہ اس کے ثبوت کے لئے پورا سامان نہیں مل سکا اور یہ کہ جب سر سید مرحوم نے جو کہ سنی العقیدہ تھے ختم نبوت کے قائل اور توحید کے قائل تھے ان کی والدہ حضرت سید احمد شہیدؒ کی مرید تھیں اور ان کا نام سید احمد حضرت سید احمد شہیدؒ کے نام نامی ہی پر رکھا تھا۔ جب وہ تفسیر لکھ رہے تھے تو انہوں نے کہیں کہیں قادیانیت پر جرح کی تنقید کی تو اس پر ان کے پاس اس وقت کے گورنر کا خط آیا اور وہ خط بہت دنوں تک علی گڑھ کے

میوزیم میں اس خاص حصے میں جس میں سرسید مرحوم کی ذات کے متعلق ان کے کاغذات، نوادرات اور قلمی چیزیں تھیں یہ موجود تھا، اس میں یہ صاف صاف تحریر تھا کہ آپ قادیانیوں کے خلاف کچھ نہ کہئے، یہ تحریک ہمارے مفاد میں ہے۔ یہ صاف صاف کہا انہوں نے، اور یہ بات بالکل ثابت ہو چکی ہے کہ قادیانیوں نے اس جذبہ کو جو مسلمانوں میں پیدا ہو گیا تھا حکومت برطانیہ کی مخالفت کا اور یہ میں تاریخ کے اور اس موضوع کے ایک طالب علم کی حیثیت سے بیان کرتا ہوں کہ جب انگریزوں کے قدم ہندوستان میں آ گئے اور ان کا قبضہ شروع ہوا تو سب سے پہلے مسلمانوں میں ایک جذبہ اور ایک عزم پیدا ہوا۔ انگریزوں سے مقابلے کا اور انہیں نے سب سے پہلے خطرہ محسوس کیا اور مقابلہ شروع کیا، یہ ایک تاریخی حقیقت ہے کہ سب سے پہلے جو خاندان میدان میں آئے اور جو طاقت میدان میں آئی وہ ٹیپو سلطان تھے اور ان کا خاندان، اور یہ بھی ثابت ہو چکا ہے کہ ٹیپو سلطان اور ان کا خاندان حضرت سید احمد شہید اور ان کے ماموں اور نانا کا دامن گیر تھا اور بیعت تھا۔ اور یہ بات کلکتہ میں جب حضرت سید احمد شہید ہو گئے تو ٹیپو سلطان شہید کے بیٹوں وغیرہ نے کہا کہ ہمارا خاندان تو آپ کے خاندان کا دست گرفتہ ہے تو جاننا چاہئے کہ سب سے پہلے ٹیپو سلطان شہید نے مقابلہ کیا اور شہید ہوئے، یہی نہیں بلکہ جس وقت وہ شہید ہو گئے۔ تو انگریزوں کو یقین نہیں آتا تھا جب انہوں نے دیکھ لیا کہ شہادت پا چکے ہیں تو جنرل حارس ان کی نعش مبارک کے پاس آیا اور کھڑے ہو کر کہا کہ آج سے ہندوستان ہمارا ہے اور ٹھیک کہا اس نے۔

اب اس کے بعد میں آپ سے کہتا ہوں کہ سب سے پہلے انگریزی حکومت کے خطرے کا احساس ٹیپو سلطان کو ہوا، انہوں نے اسلام، مسلمانوں اور ملک کے لئے اسے پر خطر سمجھا۔ اور حمیت دینی غیرت اسلامی پیدا کی اور غیرت وطنی بھی۔ پھر اللہ تعالیٰ نے حضرت سید احمد شہید کو کھڑا کیا اور ۱۸۳۱ء میں حضرت سید صاحب کی شہادت ہوگئی۔ اس سے پہلے آپ نے مہاراجہ گوالیار کو خط لکھا، یہ دیکھئے کہ زمانہ کون ہے، لکھنے والا کون ہے، اور لکھا کسے جا رہا ہے۔

دیکھئے رائے بریلی کے ایک دیہات کا رہنے والا اور ایک بوریہ نشین۔ اور ایک فقیر گوالیار کے تخت نشین اور راجہ کو خط لکھ رہا ہے کہ ''این بے گانگان بعید الوطن و ایں تاجران متاع فروش الخ'' کہ یہ خونچہ بیچنے والے یہ خارجی عناصر یہ پردیسی ہماری آپ کی زمین پر قبضہ کرتے

جارہے ہیں۔ آئیے ہم آپ مل کر ان کا مقابلہ کریں بعد میں پھر یہ فیصلہ ہوگا کہ کون سی ذمہ داری کس کے سپرد کی جائے۔ اسی طرح ۵۷ء میں جو جوش و ولولہ تھا وہ بھی انہیں کا پیدا کیا ہوا تھا۔ سر ولیم ہنٹر نے صاف لکھا ہے "کہ ۱۸۵۷ء کے غدر میں اصل ذمہ دار مسلمان تھے اور انہیں کا پیدا کیا ہوا جوش تھا" اور یہ بھی لکھا ہے کہ دہلی سے مراد آباد تک کوئی سفر کرتا تو درختوں پر مسلمانوں کی لاشیں لٹکی نظر آتیں۔ اور ان میں بھی زیادہ تر وہ لوگ تھے جن کا تعلق حضرت سید احمد شہید صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی جماعت سے تھا۔

اب انگریزوں کو اس کی ضرورت تھی کہ کوئی ایسا آدمی پیدا ہو جو ان کی دینی حمیت کو ختم نہ کر سکے تو کم از کم ٹھنڈا کر دے، ختم نہ کر سکے مگر کمزور کر دے اس کے لئے انہوں نے قادیان کے رہنے والے مرزا صاحب کا انتخاب کیا۔ اور بہت صحیح انتخاب کیا۔ اور بہت صحیح انتخاب کیا کیونکہ ان کا خاندان ان کا بہت دنوں سے وفادار چلا آرہا تھا، خود ان لوگوں نے اپنی کتابوں میں لکھا ہے۔ اور وہی لوگ ان کے بہترین داعی، مبلغ بن سکتے تھے۔

خود انہوں نے لکھا ہے:

"... میں نے انگریزوں کی حمایت اور جذبہ جہاد و حمیت دینی کی تردید میں اتنی کتابیں لکھی ہیں کہ پچاس الماریاں بھر جائیں۔"

اس پر کم لوگوں کی نظر ہے کہ حقیقت میں یہ انگریزوں کی ایک سازش تھی جو اس لئے رچی گئی تھی کہ مسلمانوں کے اندر سے جذبہ جہاد کم ہو، حمیت و غیرت اسلامی ختم ہو۔ ادھر ترکی سلطنت کا بھی اثر تھا۔ ادھر مسلمان بالکل کمربستہ اور نبرد آزما تھی۔ انگریزی حکومت سے ان [illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

[illegible]

مرزا غلام احمد کو قادیان سے کھڑا کیا اور ان کی پوری سرپرستی وحمایت کی۔

تو ایک بات تو یہ یاد رکھئے! کہ یہ جو دین صحیح شکل میں آج تک موجود ہے کہ آج آپ عشاء کی نماز پڑھ کر آئے ہیں امید ہے کل بھی اسی وقت نماز پڑھیں گے۔ آج جو آپ نے عشاء کی نماز پڑھی ہے جو صحابہ کرامؓ نے مدینہ طیبہ میں پڑھی ہے پھر مکہ معظمہ میں پڑھی اور آج پڑھی جا رہی ہے یہ کس بات کا نتیجہ ہے یہ کسی ذہانت کا، یہ کسی منصوبہ بندی کا یہ کسی اجتہاد کا اور کسی عبقریت؟ اور مافوق البشر اور مافوق الفطرت لیاقتوں وصلاحیتوں کا نتیجہ نہیں، یہ نتیجہ ہے اور احسان ہے اور صرف اعلان ختم نبوت کا اور تمام نبوت کا وہ نبوت ختم ہوگئی۔ اب کسی کو ضرورت نہیں کہ کہے کہ اب بہت دن ہوگئے ایک زمانہ بیت گیا۔ اس لئے اب عشاء کا وقت تبدیل ہو، کسی اور وقت نماز ہونی چاہئے۔ اور چار رکعت زیادہ ہیں۔ کیونکہ یہ دور بڑی مصروفیت کا دور ہے۔ اور لوگوں کے اعضاء وجوارح بھی اب ویسے نہیں رہے، جیسے پہلے لوگوں کے تھے۔ اب دو رکعت پڑھی جانی چاہئے۔ کوئی کہے کہ اب وتر کی ضرورت نہیں ہے کیونکہ یہ توحید راسخ کرنے کے لئے تھی اب یہ کام ہو چکا، یاد رکھئے۔ عالم اسلام کا بڑے سے بڑا مجتہد اور عالم، مصلح اور ریفارمر کوئی یہ نہیں کہہ سکتا کہ ایسا ہونا چاہئے۔ یہ سب نتیجہ ہے ختم نبوت کا اس لئے ہم کو اس کو مضبوطی سے پکڑنا اور دانتوں سے دابنا چاہئے "عروۃ الوثقیٰ" بنا کر کے ہم اس پر قائم ہی نہ رہیں بلکہ ہمارے اندر اس سلسلے میں شدید غیرت پائی جاتی ہے، ختم نبوت کا دعویٰ کرنے کا کسی کو موقع نہ دیا جائے، کسی کے لئے کوئی گنجائش باقی نہ رہے۔ اس سلسلے میں ایسا رد عمل اور ری ایکشن ہو تو پھر کسی کی جرأت میں ہی نہ ہو، افسوس ہے کہ جب انہوں نے یہ دعویٰ کیا تو اس وقت دینی حمیت وغیرت ہمارے اندر ویسی نہ رہی تھی جیسی ہونی چاہئے تھی۔ ایسے لوگ بھی اٹھتے جا رہے تھے جو اس وقت اس کی زبان منہ سے کھینچ لیتے۔ بنیادی بات یہ کہ انگریزوں کی انہیں سرپرستی حاصل تھی۔ اور جو کچھ وہ کہہ رہے تھے اور کر رہے تھے وہ سب انگریزوں کے سایہ تلے۔

اب میں زیادہ آپ کا وقت لینا نہیں چاہتا۔ اور بات کو طول دینا نہیں چاہتا۔ بس یہ کہتا ہوں کہ آپ اس کو اسلام کے لئے پھر سے سب سے بڑا خطرہ سمجھیں۔ یہ حقیقت ہے کہ ختم نبوت کے عقیدے میں ایک اطمینان ہے، ختم نبوت کا اعلان نہ ہوتا تو آدمی آسمان کی طرف

دیکھتا رہتا کہ شاید پھر کوئی وحی آ رہی ہو۔ کوئی روشنی ظاہر ہو رہی ہو۔ پھر کوئی نبی آنے والا ہو۔ اور جلد جلد لوگ نبی کے منتظر ہوتے۔ اور لوگوں کو دعویٰ کرنے کا موقع ملتا۔ لیکن ایسا اس لئے نہ ہو سکا کہ مسلمانوں کا اجتماعی طور سے ایمان اور عقیدہ تھا۔

"الیوم اکملت لکم دینکم الخ"

علامہ اقبال علیہ الرحمہ نے بڑے پتہ کی بات کہی ہے جو بڑے سے بڑا متکلم اور فلسفی کہتا تو اس کو زیب دیتی، بہت خوب بات کہی ایسی بات کہ اس کی شرح میں ایک پوری کتاب لکھی جا سکتی ہے۔ "انہوں نے کہا ہے کہ دین و شریعت تو قائم ہے کتاب و سنت سے دین و شریعت کی بقا اور دین و شریعت کا استمرار اور وجود مربوط ہے۔ کتاب و سنت سے، جب تک کتاب و سنت ہی دین باقی ہے، دین و شریعت باقی ہے۔ لیکن امت کی بقا ختم نبوت کے عقیدے سے ہے" امت امت اس وقت تک ہے جب تک کہ ختم نبوت کا عقیدہ موجود ہے۔ ختم نبوت کا عقیدہ نہیں رہا تو یہ امت امت نہیں۔ پھر امت نہیں امتیں جنم لیں گی۔ امتیں بھی یا گروہ جماعتیں بنیں گی۔ اور کھیل تماشہ ہو جائے گا۔ آج کوئی اس کونہ میں نبوت کا دعویٰ کر رہا ہے، کوئی یہ کہہ رہا ہے کہ میرے پاس اردو میں وحی آ رہی ہے، کوئی باور کرا رہا ہے۔ میرے پاس ہندی اور انگریزی میں باری باری وحی آتی ہے یہاں تک کہ ایک شہر سے کئی کئی نبوت کے دعویدار ہو سکتے ہیں۔ اس میں منافست چل جائے گی، کس کا دعویٰ زیادہ مؤثر ہوتا ہے کسی کے دعوی پر کتنے زیادہ لوگ لبیک کہتے ہیں اس کے نتیجے میں ہماری توانائیاں، ہماری طاقت و زور۔ ہمارا ذہن و دماغ، ہماری ذہنی غیرت و حمیت ہمارا دینی فکر و عمل بجائے تعمیر کے بجائے دین کی دعوت دینے کے اور اسلامی تعلیمات کی نشر و اشاعت میں لگنے کے اپنی خود ساختہ تعلیمات کی اشاعت اور اپنے بنائے ہوئے دین کی دعوت میں لگیں گی۔

امت محمدیہ کی بقا ختم نبوت پر ہے

الحمد لله نحمده و نستعينه ونستغفره ونؤمن به ونتوكل عليه ونعوذ بالله من شرور انفسنا ومن سيئات اعمالنا من يهده الله فلا مضل له ومن يضلله فلا هادى له، ونشهد ان لا اله الا الله وحده لا شريك له، ونشهد ان سيدنا ونبينا مولانا محمدا عبده ورسوله صلى الله عليه وعلىٰ اله واصحابه وذرياته واهل بيته اجمعين ومن تبعهم باحسان الى يوم الدين وسلم تسليماً كثيراً كثيراً. اما بعد!

تقریر کو جاری رکھتے ہوئے حضرت مولاناؒ نے فرمایا، یہ جلسہ جس میں اتنے مختلف قسم کے مؤقر عناصر اور ایسی عظیم شخصیتیں اور مختلف عالم اسلامی کی نمائندے شریک ہوئے ہیں، یہ جلسہ بروقت بھی ہو رہا ہے اور برموقع بھی ہو رہا ہے۔ حقیقت میں دین کے لئے جو سب سے بڑا خطرہ ہو سکتا ہے وہ دعوائے نبوت ہے اور حضور ﷺ نے فرمایا ہے يحمل هذا العلم من كل خلف عدوله ينفون عنه ' انتهال المبطلين و تاويل الجاهلين، وتحريف الغالين یہ معجزانہ الفاظ ایک نبی ہی کہہ سکتا تھا، اللہ تعالیٰ اس دین کو ہمیشہ بچائے۔ ''انتحال المبطلین'' اہل باطل کے دعوے سنیئے کہ ہم نبی ہیں، ہم مہدی ہیں، ہم مبعوث ہیں اور تاویل الجاہلین اور جاہلوں کی تاویل سے اور ''تحریف الغالین'' غلو پسندوں کی تحریف سے یہ الفاظ نبی کے سوا کوئی نہیں کہہ سکتا، نہ کوئی بڑے سے بڑا مورخ کہہ سکتا ہے نہ کوئی بڑے سے بڑا دین کا مبصر کہہ سکتا ہے، یہی پوری مذاہب کی تاریخ بتاتی ہے کہ تمام مذاہب کو ایسے فتنے پیش آئے اور ایسی آزمائشیں پیش آئی ہیں، یا تو ''انتحال المبطین'' ہے کہ اہل باطل نے دعویٰ کیا کہ ہم نبی ہیں، ہم مبعوث ہیں، ہم خدا کی طرف سے مامور ہیں، یا پھر جاہلوں کی تاویل اور غلو پسندوں کی تحریف ہے۔

اس موقع پر مولانا نے علامہ اقبال کا ایک مقولہ سنایا جو حیرت ہوتی ہے کہ ان کی زبان سے کیسے نکلا، یہ تو بڑے سے بڑا متکلم اسلام کی زبان سے نکلنے والی چیز تھی، امام ابوالحسن اشعری

یا ابو منصور ماتریدی کہتے یا شیخ الاسلام ابن تیمیہ یا حافظ ابن قیم کہتے تو کوئی تعجب نہ ہوتا، انہوں نے پوری بات کہہ دی کہ دین کی بقاء دین کا اپنی شکل پر قائم رہنا دین وشریعت کا باقی رہنا، کتاب وسنت کے ساتھ مربوط ہے مگر امت کی بقا کا دارومدار ختم نبوت پر ہے، ختم نبوت کا عقیدہ نہیں تو امت باقی نہیں، دین تو باقی رہے گا، کتاب وسنت میں اب کوئی تحریف نہیں ہوسکتی، کتاب وسنت ازلی ہے اور دائم ہے دین کے لئے اسلام کے لئے، اب کوئی خطرہ باقی نہیں، دار العلوم ندوۃ العلماء کا یہ کتنا بڑا کتب خانہ ہے " کتب خانہ شبلی" اس کو دیکھئے اس میں ایک لاکھ بیس ۲۰ ہزار کتابیں ہیں، اور پھر ممالک عربیہ کا کیا کہنا، دمشق کے کتب خانہ ظاہریہ کا کیا کہنا اور پھر استنبول کے اسلامی کتب خانہ کا کیا کہنا، تو جہاں تک دین کے اپنی اصلی شکل میں باقی رہنے کا سوال ہے اس کے لئے کوئی خطرہ نہیں ہے اس لئے کہ کتاب وسنت محفوظ ہے، کوئی تاویل نہیں تحریف نہیں، کتاب اللہ میں آج تک نہ تحریف ہوئی ہے اور نہ ہوسکتی ہے، نہ اس کی کامیابی میں کوئی اندیشہ ہے، اور اسی طریقہ سے سنت کو دیکھئے صحاح ستہ کو دیکھئے پھر حدیث کی کتابوں کو دیکھئے، ایک پورا شعبہ صرف حدیث کا ہوگا۔

لیکن جو خطرہ امت کے لئے بحیثیت امت کے ہے، امت کے صاحب پیغام امت کے اور نجات دہندہ رہنما کے، وہ ہے ختم نبوت، امت کی حیثیت سے باقی رہنا مربوط ہے، وابستہ بلکہ مشروطی ہے عقیدہ ختم نبوت کے ساتھ، اگر ختم نبوت کا عقیدہ موجود ہے، تو پھر یہ امت اپنی شکل میں موجود ہے، اپنی عالمیت کے ساتھ آفاقیت کے ساتھ اپنے دوام کے ساتھ، اور اپنے تحفظ کے ساتھ، اور اپنے پیغام کے ساتھ، لیکن خدانخواستہ ختم نبوت کا عقیدہ نہیں تو پھر جگہ جگہ مدعیان نبوت کھڑے ہوں گے میں نے براہ راست انگریزی کتابیں پڑھی ہیں جن کو پادریوں نے لکھی ہیں مسیحیت کے بڑے فاضلوں نے اور مؤرخوں نے لکھیں کہ قرون وسطی اور عہد رسالت سے پہلے کے مسیحی علماء پادری سر پکڑ کر رو رہے ہیں کہ ہم کیا کریں، جگہ جگہ نبوت کے مدعی پیدا ہو رہے ہیں یہاں ایک کھڑا ہوتا ہے کہتا ہے کہ ہم مسیح ہیں ایک وہاں کھڑا ہوتا ہے اور کہتا ہے کہ ہم مسیح ہیں کس کس کا مقابلکہ کریں، کہاں کہاں دوڑیں، کس طرح ہم اس عالم آشوب فتنہ کا مقابلہ کریں۔

امت کا باقی رہنا مشروط ہے ختم نبوت کے عقیدے سے ورنہ یہ اذان، اذان نہ رہے

گی۔ نماز میں یہ الفاظ بڑی معذرت کے ساتھ کہہ رہا ہوں، تب یہ پانچ وقت کی نمازیں رہنے کا اطمینان ہے نہ قرآن مجید کا اپنے اصلی حروف ونقطے کے ساتھ باقی رہنے کا پورا اطمینان ہے، نہ دینی تعلیمات کے باقی رہنے کا اطمینان ہے، پھر امت پچاس امتوں میں سینکڑوں امتوں میں بٹ سکتی ہے، اس کا جو تحفظ ہے عقیدہ ختم نبوت سے ہے۔

اس اجتماع میں ایسی مؤقر شخصیتیں ایسی مختلف العناصر اور مختلف القومیات، مختلف اللغات، مختلف الجہات علماء اور رہنما شریک ہیں، یہ بالکل بروقت ہو رہا ہے اس وقت اس کی ضرورت ہے کہ یہ فتنہ سر نہ اٹھانے پائے اور اگر سر اٹھائے تو اسلام کی خاتمیت کے سامنے سر اٹھائے ان کا سر جھکا دیا جائے۔ اس لحاظ سے یہ بالکل برموقع ہو رہا ہے۔

اب مجھے چند لفظ کہہ لینے دیجئے کہ یہ برمحل اپنی صحیح جگہ پر ہو رہا ہے کہ بہت کم لوگوں کو معلوم ہے کہ مجھے قادیانیت کے مطالعہ کا تفصیل سے موقع ملا۔ اور عربی میں ”القادیانی و القادیانیہ“ کے نام سے مستقل کتاب لکھنے کا موقع ملا۔ الحمدللہ مختلف عربی ممالک میں اس کے کئی ایڈیشن شائع ہو چکے ہیں اور کئی ایڈیشن نکل چکے ہیں اردو میں بھی آگئی ہے اور انگریزی میں بھی آگئی ہے، میں نے اس کتاب کے سلسلے میں مطالعہ کیا تو معلوم ہوا کہ مرزا صاحب نے سب سے زیادہ صراحت کے ساتھ اپنی نبوت کا دعویٰ جس کتاب میں کیا ہے، وہ اس عربی رسالہ میں کیا ہے، (معلوم نہیں کہ انہوں نے خود اس کو لکھا ہے یا کسی سے لکھوایا ہے) اس میں عربی غلطیاں بھی ہیں، اور کمزوریاں بھی، ہم نے اس کو پڑھا ہے۔ اس میں انہوں نے اتنی صفائی کے ساتھ دعویٰ کیا کہ خدا کا نبی ہوں، میں صاحب رسالت ہوں، میں صاحب نبوت ہوں اس کا نام ”تحفۃ الندوۃ“ رکھا اس لئے کہ ندوہ کا اجلاس امرتسر میں ہو رہا تھا، بڑے بڑے چوٹی کے علماء وہاں موجود تھے تو انہوں نے موقع سے فائدہ اٹھایا۔ اور رسالہ لکھا کہ ندوہ کے علماء اور قائدین کے سامنے پیش کیا جائے تو انہوں نے اس کا نام ”تحفۃ الندوۃ“ رکھا تو ہم آج ایک نیا ”تحفۃ الندوۃ“ پیش کر رہے ہیں ہم اس جلسہ کے ذریعہ سے اس جلسہ کی شکل وصورت میں ایک مخلصانہ ”تحفۃ الندوۃ“ پیش کر رہے ہیں، اور یہ جلسہ اس حیثیت سے بھی یہاں مناسب ہے کہ ندوہ ایک عالمی اور ایک نمائندہ مرکز ہے، علوم اسلامیہ کا عربی زبان کا، فکر اسلامی کا اور خود ہمارا شہر بھی بڑا ایک علمی ادبی مرکز رہا ہے پھر ہندوستان علمی اور سیاسی طور پر بڑا مرکز ہے۔

اس طرح سے یہ بر موقع بھی ہو رہا ہے وقت کی ایک ضرورت بھی ہے میں نے جب ''القادیانی والقادیانیہ'' لکھی تو اس وقت میں عرض کرتا ہوں کہ اس وقت مرزا صاحب موجود نہیں تھے، ان کا انتقال ہو چکا تھا۔ ان کے بیٹے۔ مرزا بشیر الدین محمود موجود تھے، ان کو میں نے یہ کتاب لاہور سے بھیجی اور اس پر لکھا کہ ''تحفۃ الندوۃ'' کے جواب میں، تاخیر کی معذرت کے ساتھ کہ وہ بہت پہلے کی بات ہے اتنے دنوں کے بعد میں جواب دے رہا ہوں، الحمد للہ وہ کتاب بہت مقبول ہوئی، بہر حال میں آپ کو مبارک باد دیتا ہوں، اپنے سامعین کرام کو کہ آج آپ نے ایک وقت میں ایک جگہ پر اتنی مبارک شکلیں دیکھیں، عالم اسلام کے اتنے نمائندے دیکھے اور میں صفائی سے عرض کرتا ہوں کہ حرم کا تحفہ بھی یہاں آ گیا ہے، آپ کے شہر میں خود حرم کا تحفہ آ گیا کہ وہاں کے شیخ الحرم وہاں کے سب سے بڑے امام شیخ محمد بن عبداللہ السبیل، اللہ تعالیٰ ان کی عمر میں برکت عطا فرمائے، وہ اس وقت تشریف رکھتے ہیں۔ اور حقیقت میں وہی صدر ہیں میں نے عرض کر دیا تھا کہ ان کی موجودگی میں کسی کو صدارت کا استحقاق نہیں لیکن اس کا اعلان ہو گیا بہر حال وہ معنوی طور پر اور فکری طور پر اور احترام کے لحاظ سے وہی صدر ہیں۔

اسی طرح مسجد اقصیٰ (بیت المقدس) کے امام شیخ محمد اصیام بھی تشریف رکھتے ہیں۔ یہ بھی اس اجلاس کی ایک خصوصیت ہے کہ بیت اللہ الحرام اور مسجد اقصیٰ کے امام دونوں ایک جگہ جمع ہیں وللہ الحمد.

ختم نبوت انعام خداوندی اور امت اسلامیہ کا امتیاز ہے

الحمد لله رب العالمين والصلوة والسلام على سيدالمرسلين خاتم النبيين محمد وآله وصحبه اجمعين

ختم نبوت انعام خداوندی اور ملت اسلامیہ کا امتیاز ہے:

یہ عقیدہ کہ دین مکمل ہو چکا ہے اور محمد رسول اللہ ﷺ خدا کے آخری پیغمبر اور خاتم النبیین ہیں اور یہ کہ اسلام خدا کا آخری پیغام اور زندگی کا مکمل نظام ہے، ایک انعام خداوندی اور موہبت الٰہی ہے، جس کو خدا نے اس امت کے ساتھ مخصوص کیا ہے۔

اس سلسلہ میں ایک واضح اور صریح اعلان قرآن مجید کی حسب ذیل آیت ہے:

ما کان محمد ابآ احد من رجالکم ولکن رسول الله وخاتم النبيين

''محمد تمہارے مردوں میں سے کسی کے باپ نہیں ہیں، البتہ اللہ کے رسول ہیں اور (سب) نبیوں کے ختم پر ہیں۔''

خاتم اور خاتم دونوں کے معنی لغت میں آخر کے ہیں:

خاتمهم وخاتمهم ای اخرهم (لسان العرب)

خاتم النبيين ای آخرهم (تاج العروس فى شرح القاموس)

خاتم النبيين وخاتم النبيين لانه ختم النبوة ای تمها بمجيئه (مفردات راغب اصفهانی)

هو الذى ختم النبوة بمجيئه (تاج العروس)

خاتم النبيين أی آخر الانبياء (كشاف)

والمعنى أنه لانبى أحد بعده (بحر)

خاتم النبين بفتح التاء ای آخرهم (معالم التنزيل)

هذه الآية نص فى أنه لانبى بعده وبذلک وردت الأحاديث المواترة

عن رسول الله عن جماعة من الصحابة (تفسير ابن كثير)

ختم نبوت یعنی ذات محمدی پر ہر قسم کی نبوت کا ختم ہو جانا امت کا اجماعی عقیدہ ہے، اور جو اجراء نبوت کا اب بھی قائل ہے، اہل تحقیق نے تصریح کر دی ہے کہ اجماع امت سے زندیق بلکہ مرتد ہے۔

لفظ خاتم میں دو قرأتیں ہیں۔ امام حسن اور عاصم کی قرأت خاتم بفتح التاء ہے اور دوسرے ائمہ قرأت خاتم بکسر التاء پڑھتے ہیں۔ حاصل معنی دونوں کا ایک ہی ہے۔ یعنی انبیاء کو ختم کرنے والے، کیونکہ خاتم خواہ بکسر التاء ہو یا بفتح التاء، دونوں کے معنی آخر کے بھی آتے ہیں اور مہر کے معنی میں بھی یہ دونوں لفظ استعمال ہوتے ہیں اور نتیجہ دوسرے معنی کا بھی وہی آخر کے معنی ہوتے ہیں۔ مہر کیونکہ کسی چیز پر بند کرنے کے لئے آخری ہی میں کی جاتی ہے۔

رسول اللہ ﷺ کا خاتم النبیین ہونا اور آپ ﷺ کا آخری پیغمبر ہونا، آپ ﷺ کے بعد کسی نبی کا دنیا میں مبعوث نہ ہونا اور ہر مدعی نبوت کا کافر و کاذب ہونا ایسا مسئلہ ہے جس پر صحابہ کرام سے لے کر آج تک ہر دور کے مسلمانوں کا اجماع و اتفاق رہا ہے۔

ایک یہودی عالم نے حضرت عمرؓ کے سامنے اس پر بڑے رشک حسرت کا اظہار کیا اور کہا کہ قرآن کی ایک آیت ہے جس کو آپ ﷺ لوگ پڑھتے رہتے ہیں، اگر وہ ہم یہودیوں کی کتاب میں نازل ہوئی ہوتی اور ہم سے متعلق ہوتی تو ہم اس دن کو جس میں یہ آیت نازل ہوئی ہے، اپنا قومی تہوار اور یوم جشن بنا لیتے، اس کی مراد سورہ مائدہ کی اس آیت:

الیوم اکملت لکم دینکم واتممت علیکم نعمتی ورضیت لکم الاسلام دینا

آج میں نے تمہارے لئے تمہارے دین کو مکمل کر دیا اور اپنی نعمت تم پر پوری کر دی اور تمہارے لئے دین صرف اسلام کو منظور فرما کر راضی ہو چکا ہوں۔

سے تھی جس میں ختم نبوت اور تکمیل نعمت کا اعلان کیا گیا ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس نعمت کی جلالت و عظمت اور اس اعلان کی اہمیت سے انکار نہیں کیا۔ صرف اتنا فرمایا کہ ہمیں کسی نئے یوم مسرت اور تہوار کی ضرورت نہیں۔ یہ آیت خود ایسے موقع پر نازل ہوئی ہے جو اسلام میں ایک عظیم الشان اجتماع اور عبادت کا دن ہے۔ اس موقع پر دو عیدیں جمع تھیں۔ یوم

عرفہ (۹ ذی الحجہ) اور روز جمعہ۔

ذہنی انتشار سے حفاظت:

اس عقیدہ نے اسلام کو انتشار پیدا کرنے والی اور امت کی وحدت کو پارہ پارہ کرنے والی ان تحریکات اور دعوتوں کا شکار ہونے سے بچایا جو تاریخ اسلام کی طویل مدت اور عالم اسلام کے وسیع ترین رقبہ میں وقتاً فوقتاً اٹھتی رہی ہیں۔ اسی عقیدہ کا فیض تھا کہ عالم اسلام ان مدعیان نبوت اور محرفین دین کا بازیچہ اطفال بننے سے محفوظ رہا، جو تاریخ کے مختلف وقفوں اور عالم اسلام کے مختلف گوشوں میں پیدا ہوتے رہے۔ "ختم نبوت" کے اسی حصار کے اندر یہ امت ان مدعیوں کی دست برد اور یورش سے محفوظ رہی جو اس ڈھانچہ کو بدل کر ایک نیا ڈھانچہ بنانا چاہتے تھے اور وہ ان تمام سازشوں اور خطرناک حملوں کا مقابلہ کر سکی جن سے کسی پیغمبر کی امت اس سے پہلے محفوظ نہیں رہی۔ اور اتنے طویل عرصے تک اس کی دینی اور اعتقادی وحدت اور یکسانی قائم رہی۔ اگر یہ عقیدہ اور یہ حصار نہ ہوتا تو یہ امت واحدہ ایک صد با امتوں میں تقسیم ہو جاتی جن میں سے ہر امت کا روحانی مرکز الگ ہوتا، علمی و تہذیبی سرچشمہ الگ ہوتا، ہر ایک کی الگ تاریخ ہوتی۔ ہر ایک کے الگ اسلاف اور مذہبی پیشوا اور مقتدا ہوتے، ہر ایک کا الگ ماضی ہوتا۔

ختم نبوت کا زندگی اور تمدن پر احسان:

عقیدۂ ختم نبوت درحقیقت نوع انسانی کے لئے ایک شرف و امتیاز ہے۔ وہ اس بات کا اعلان ہے کہ نوع انسانی سن بلوغ کو پہنچ گئی ہے اور اس میں یہ لیاقت پیدا ہو گئی ہے کہ وہ خدا کے آخری پیغام کو قبول کرے۔ اب انسانی معاشرہ کو کسی نئی وحی کی، کسی نئے آسمانی پیغام کی ضرورت نہیں۔ اس عقیدہ سے انسان کے اندر خود اعتمادی کی روح پیدا ہوتی ہے، اس کو یہ معلوم ہوتا ہے کہ دین اپنے نقطۂ عروج تک پہنچ چکا ہے، اب دنیا کو اس سے پیچھے جانے کی ضرورت نہیں، اب [illegible] سے [illegible] طرف دیکھنے کے بجائے خدا کی پیدا کی ہوئی طاقتوں سے فائدہ اٹھانے اور خدا [illegible] اخلاق کے بنیادی اصولوں پر زندگی کی تنظیم کے لئے زمین کی طرف اور انفس کی طرف دیکھنے کی ضرورت ہے۔

عقیدہ ختم نبوت انسان کو پیچھے کی طرف لے جانے کے بجائے آگے کی طرف لے جاتا

ہے، جو انسان کے سامنے اپنی طاقتوں کو صرف کرنے کا جذبہ پیدا کرتا ہے، وہ انسان کو اپنی جدوجہد کا حقیقی میدان اور رخ بتاتا ہے۔ اگر ختم نبوت کا عقیدہ نہ ہو تو انسان ہمیشہ تذبذب و بے اعتمادی کے عالم میں رہے گا۔ وہ ہمیشہ زمین کی طرف دیکھنے کے بجائے آسمان کی طرف دیکھے گا۔ وہ ہمیشہ اپنے مستقبل کی طرف سے غیر مطمئن اور متشکک رہے گا۔ اس کو ہر مرتبہ ہر نیا شخص یہ بتلائے گا کہ گلشن انسانیت اور روضہ آدم ابھی تک نامکمل ہے۔ اب وہ برگ و بار سے مکمل ہوا۔ اور وہ یہ سمجھنے پر مجبور ہوگا کہ جب اس وقت تک نامکمل رہا تو آئندہ کی کیا ضمانت ہے؟ اسی طرح وہ بجائے اس کی آبیاری اور اس کے پھلوں اور پھولوں سے متمتع ہونے کے نئے باغبان کا منتظر رہے گا۔ جو اس کو برگ و بار سے مکمل کرے۔

علامہ اقبال نے یہ حکیمانہ و مبصرانہ بات کہی ہے کہ ''دین و شریعت کی بقا تو کتاب و سنت سے ہے۔ لیکن امت کی بقاء ختم نبوت کے عقیدہ سے وابستہ ہے اور یہ امت جب ہی ایک امت ہے جب تک وہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو خاتم النبین مانتی ہے اور یہ عقیدہ رکھتی ہے کہ آپ کے بعد کوئی نبی ہونے والا نہیں۔

قادیانیت کی جسارت اور جدت:

اسلام کے خلاف وقتاً فوقتاً جو تحریکیں اٹھیں، ان میں قادیانیت کو خاص امتیاز حاصل ہے، وہ تحریکیں یا تو اسلام کے نظام حکومت کے خلاف تھیں یا شریعت اسلامی کے خلاف۔ لیکن قادیانیت درحقیقت نبوت محمدی کے خلاف ایک سازش ہے۔ وہ اسلام کی ابدیت اور امت کی وحدت کو چیلنج ہے۔ اس نے ختم نبوت سے انکار کر کے اس سرحدی خط کو بھی عبور کر لیا جو اس امت کو دوسری امتوں سے ممتاز و منفصل کرتا ہے اور جو کسی مملکت کے حدود کو حجاز اور حد فاصل بنانے کے لئے قائم کیا جاتا ہے۔

ڈاکٹر سر محمد اقبال نے اپنے ایک انگریزی مضمون میں جو ہندوستان کے مشہور اخبار اسٹیٹس مین میں شائع ہوا تھا، بڑی خوبی سے قادیانیت کی اس جسارت اور جدت کو واضح کیا ہے، وہ فرماتے ہیں:

''اسلام لازماً ایک دینی جماعت ہے، جس کے حدود مقرر ہیں، یعنی وحدت الوہیت پر ایمان، انبیاء پر ایمان اور رسول کریم ﷺ کی ختم رسالت پر ایمان دراصل یہ آخری یقین ہی وہ

حقیقت ہے جو مسلم اور غیر مسلم کے درمیان وجہ امتیاز ہے، اور اس امر کے لئے فیصلہ کن ہے کہ فرد یا گروہ ملت اسلامیہ میں شامل ہے یا نہیں؟ مثلاً برہموسماج والے خدا پر یقین رکھتے ہیں اور رسول کریم ﷺ کو خدا کا پیغمبر مانتے ہیں لیکن انہیں ملت اسلامیہ شمار نہیں کیا جا سکتا۔ کیونکہ قادیانیوں کی طرح وہ انبیاء کے ذریعہ وحی کے تسلسل پر ایمان رکھتے ہیں اور رسول کریم ﷺ کی ختم نبوت کو نہیں مانتے، جہاں تک مجھے معلوم ہے کوئی اسلامی فرق اس حد فاصل کو عبور کرنے کی جسارت نہیں کر سکا، ایران میں بہائیوں نے ختم نبوت کے اصول کو صریحاً جھٹلایا۔ لیکن ساتھ ہی انہوں نے یہ بھی تسلیم کیا کہ وہ الگ جماعت ہے اور مسلمانوں میں شامل نہیں ہے۔ ہمارا ایمان ہے کہ اسلام بحیثیت دین کے خدا کی طرف سے ظاہر ہوا لیکن اسلام بحیثیت سوسائٹی یا ملت کے رسول کریم ﷺ کی شخصیت کا مرہون منت ہے، میری رائے میں قادیانیوں کے سامنے صرف دو راہیں ہیں، یا وہ بہائیوں کی تقلید کریں، یا ختم نبوت کی تاویلوں کو چھوڑ کر اس اصول کو پورے مفہوم کے ساتھ قبول کر لیں، ان کی جدید تاویل محض اس غرض سے ہیں کہ ان کا شمار حلقۂ اسلام میں ہو کہ انہیں سیاسی فوائد پہنچ سکیں۔

یہ دین چونکہ آخری عالمگیر دین ہے اور یہ امت آخری اور عالمگیر امت ہے، اس لئے یہ بالکل قدرتی بات ہے کہ دنیا کے مختلف انسانوں اور مختلف زمانوں سے اس امت کا واسطہ رہے گا۔ اور ایسی کشمکش کا اس کو مقابلہ کرنا ہوگا جو کسی دوسری امت کو دنیا کی تاریخ میں پیش نہیں آئی، اس امت کو جو زمانہ دیا گیا ہے وہ سب سے زیادہ پر از تغیرات اور پر از انقلابات ہے اور اس کے حالات میں جتنا تنوع ہے وہ تاریخ کے کسی گذشتہ دور میں نظر نہیں آتا۔

اسلام کی بقاء اور تسلسل کے لئے غیبی انتظامات:

ماحول کے اثرات کا مقابلہ کرنے کے لئے اور مکان و زمان کی تبدیلیوں سے عہدہ بر آ ہونے کے لئے اللہ تعالیٰ نے اس امت کے لئے دو انتظامات فرمائے ہیں ایک تو یہ کہ اس نے جناب رسول اللہ ﷺ کو ایسی کامل و مکمل اور زندہ تعلیمات عطا فرمائی ہیں جو ہر کشمکش اور ہر تبدیلی کا بآسانی مقابلہ کر سکتی ہیں، اور ان میں ہر زمانہ کے مسائل و مشکلات کو حل کرنے کی پوری صلاحیت موجود ہے، دوسرے اس نے اس کا ذمہ لیا ہے (اور اس وقت تک کی تاریخ اس کو شہادت دیتی ہے) کہ وہ اس دین کو ہر دور میں ایسے زندہ اشخاص عطا فرماتا رہے گا جو ان

تعلیمات کو زندگی میں منتقل کرتے رہیں گے۔ اور مجموعاً یا انفراداً اس دین کو تازہ اور اس امت کو سرگرم عمل رکھیں گے۔ اس دین میں ایسے اشخاص کے پیدا کرنے کی جو صلاحیت اور طاقت ہے اس کا اس سے پہلے کسی دین سے اظہار نہیں ہوا۔ اور یہ امت تاریخ عالم میں جیسی مردم خیز ثابت ہوئی ہے، دنیا کی قوموں اور امتوں میں اس کی کوئی نظیر نہیں ملتی، یہ محض اتفاقی بات نہیں ہے بلکہ انتظام خداوندی ہے کہ جس دور میں جس صلاحیت وقوت کے آدمی کی ضرورت، اور زہر کو جس تریاق کی حاجت تھی وہ اس امت کو عطا ہوا۔(۱)

ادیان سابقہ میں دعویداران نبوت کی کثرت:

یہودی اور مسیحی تاریخ کو پڑھنے والا اس بات کو صاف طریقہ پر دیکھتا ہے، کہ مدعیان نبوت کا کثرت سے پیدا ہونا یہودی دنیا کے لئے اپنے حلقہ اثر میں اور مسیحی دنیا کے لئے اپنے حلقہ اثر میں ایک عظیم الشان آزمائش اور فتنہ بنا ہوا تھا۔ یہ ان کے لئے ایک زبردست بحران (CRISIS) اور ایک اہم مسئلہ (PROBLEM) کی حیثیت رکھتا ہے۔ بندہ کو سب سے پہلے اس کی طرف توجہ علامہ اقبال (اللہ تعالیٰ ان کے درجے بلند فرمائے) کی تحریر سے منعطف ہوئی، کہ انہوں نے یہ بصیرت افروز اور عمیق نکتہ لکھا ہے کہ ختم نبوت اس امت کا طرۂ امتیاز اور اس کے حق میں نعمت عظمیٰ ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس امت کو یہ عظیم الشان نعمت عطا فرمائی ہے کہ ختم نبوت کا مختتم اعلان کر دیا، دنیا انسانوں کو یہ بتایا کہ اب تمہیں بار بار وحی کے انتظار میں آسمان کی طرف دیکھنا نہیں ہے، اب زمین کی طرف دیکھو، اپنی توانائیاں اور صلاحیتیں زمین پر (جس میں تم خلیفۃ اللہ فی الارض) بنا کے بھیجے گئے ہو، آباد کرنے اور اپنی صلاحیتوں سے انسانو [illegible]

[illegible]

ختم نبوت ایک ایسی نعمت ہے جس نے اس امت کو انتظار [illegible]

جعل سازوں کی سازشوں کا شکار ہونے سے بچالیا۔

بندہ نے اسی روشنی میں یہودیت اور مسیحیت کی تاریخ براہ راست پڑھنی شروع کی تو اس نے دیکھا کہ یہودی اور مسیحی علماء سر پکڑ کر (اور اس میں مبالغہ یا غلط بیانی نہیں) رو رہے ہیں، اور اس پریشانی کا اظہار کر رہے ہیں، کہ ہم کیا کریں؟ عجیب مصیبت ہے روز ایک نیا مدعی نبوت پیدا ہوتا ہے اس کو صادق و کاذب ثابت کرنے کے لئے کوئی پیمانہ چاہئے اور وہ بھی ایسا ہونا چاہئے کہ جو سب کی سمجھ میں آئے، ہماری طاقت اور ذہانت اس میں صرف ہو رہی ہے کہ ہم یہ ثابت کریں کہ فلاں جعلی مدعی نبوت ہے، فلاں دجال و کذاب ہے، صدیوں تک یہودی اور مسیحی دنیا اس آزمائش میں مبتلا رہی ہے۔

یہاں معتبر یہودی و عیسائی مآخذ کے صرف دو اقتباس پیش کئے جاتے ہیں، امریکی برطانی جیوش ہسٹاریکل سوسائٹی کا ایک فاضل رکن (ALBERT M. SAYMSON) البرٹ ایم سائمسن انسائیکلو پیڈیا مذاہب واخلاق'' میں لکھتا ہے۔

''یہودی حکومت کی آزادی سلب ہوجانے کے بعد پچھلی چند نسلوں تک بہت سے خود ساختہ مسیحاؤں کا ذکر یہود کی تاریخ میں ملتا ہے، جلاوطنی کے تاریک ترین زمانوں میں امید اور خوشخبری کے یہ پیغام بر، خود ساختہ قائدین کی حیثیت سے یہود کو ان کے وطن (جہاں سے ان کے آباء واجداد نکال باہر کئے گئے تھے) واپس لے جانے کی امیدیں دلاتے رہتے تھے، اکثر اوقات اور خصوصاً قدیم زمانہ میں ایسے ''مسیح'' ان مقامات پر اور ایسے) زمانہ میں پیدا ہوتے تھے، جہاں یہود پر ظلم وستم انتہا کو پہنچ جاتا تھا، اور اس کے خلاف بغاوت کے آثار پیدا ہوجاتے تھے، اس قسم کی تحریکیں عموماً سیاسی نوعیت کی حامل ہوا کرتی تھیں خصوصاً بعد کے زمانہ میں تو تقریباً ہر تحریک کا یہی رنگ تھا۔ اگرچہ یہ تحریکیں مذہبی عنصر سے کم عاری ہوا کرتی تھیں لیکن اکثر ان کے بانی بدعات کو فروغ دے کر اپنی سیادت کا دائرہ اور اثر ورسوخ بڑھانے کی کوشش کرتے تھے، جس کے نتیجہ میں یہودیت کی اصل تعلیمات کو بہت نقصان پہنچتا تھا نئے نئے فرقے جنم لیتے اور پھر بالآخر عیسائیت یا اسلام میں ضم ہوجاتے تھے۔''

''ان جھوٹے نبیوں کے ظہور نے جو ماورائی حکمت (SUPERIOR WISDOM) کے مدعی ہوتے تھے بہت جلد بے اعتمادی پیدا کردی اور کلیساؤں اور ان کے رہنماؤں کو اس

خطرہ کا احساس دلایا جوان کی فلاح و بہبود کے گرد منڈلا رہا تھا۔ تاہم ابھی کوئی ایسا تادیبی طریقہ وجود میں نہیں آیا تھا جو جانا پہچانا بھی ہوتا، اور ان مکاروں کا زور بھی ختم کرنے کی صلاحیت رکھتا ہو۔ جنہیں یہ دعویٰ تھا کہ خدا ان سے کلام کرتا ہے اور ان پر بذریعہ وحی اپنی راز ہائے سربستہ منکشف کرتا ہے، ابھی تک ایسا کوئی معیار نہیں دریافت ہو پایا تھا جس کے ذریعہ ان مدعیان روحانیت کی صداقت کا امتحان لیا جا سکتا۔

”والو الدات.. عموماً فی سائر الا مهات مطلقات كن أ و غير مطلقات. وان كانت مطلقة فنفقة الرضا ع أ يضا مستحقة بظاهر الآية “(۱)

شریعت اسلامی کے یہ قوانین کوئی ڈھکے چھپے نہیں ہیں، بلکہ قوانین شریعت سے تھوڑی سی واقفیت رکھنے والا بھی انہیں جانتا ہے، پھر معلوم نہیں کیوں اور کن اسباب و مصالح کی بناء پر عدالت کے موجودہ فیصلہ کو ”شریعت کی شکست“ اور ”یکساں سول کوڈ کے نفاذ کی طرف ایک قدم“ قرار دیا جا رہا ہے، ایسا کہنے یا سمجھنے والے اسلامی شریعت سے جہالت یا عداوت کا ثبوت دینے کے علاوہ اور کچھ نہیں کر رہے ہیں۔

پھر ایسا بھی نہیں ہے کہ یہ قوانین صرف فقہ کی عربی کتابوں میں ملتے ہوں، اردو، ہندی، یا مقامی اور علاقائی دیگر زبانوں میں نہ ہوں، کیونکہ مسلم پرسنل لا بورڈ کے قیام کے بعد سے تو اردو، ہندی میں بھی مختلف مسلم حلقوں و اداروں، خاص طور سے بورڈ کی طرف سے مختلف زبانوں کے اندر بالخصوص شاہ بانو کیس کے بعد ”پرسنل لا“ (اسلام کے عائلی نظام) پر اتنا تعارفی لٹریچر شائع ہو چکا ہے کہ۔ کم از کم کسی جویائے حقیقت کے لئے ناواقف رہنے کا کوئی معقول عذر باقی نہیں رہ گیا ہے، خود بندہ کے قلم سے اس درمیان ایک مفصل کتاب ”معاشرتی مسائل“ (جس کے نصف درجن سے زیادہ ایڈیشن شائع ہو چکے) ہیں) اور کئی کتابچے جن میں ”مسلم پرسنل لا اور عورت کے حقوق“ بھی ہے، نیز تقریباً نصف درجن مضامین، ملک کے مختلف مؤقر جرائد و رسائل میں اس موضوع پر شائع ہو چکے ہیں جن میں لکھنؤ کا مشہور و مؤقر اخبار ”قومی آواز“ بھی شامل ہے۔ قومی آواز ۱۱، ۱۲ جولائی ۱۹۹۵ء کی اشاعت میں ایڈیٹوریل والے صفحہ پر بندہ کا ”یونیفارم سول کوڈ اور مسلم پرسنل لا“ کے عنوان سے ایک تفصیلی مضمون شائع ہو چکا ہے، اس کا

---

(۱) (احکام القرآن للجصاص ص ۴۰۳_۴۰۴ جلد اول)

ایک اقتباس ملاحظہ ہو۔

”شوہر سے علاحدگی کے بعد بھی، اگر وہ طلاق کے ذریعہ ہوئی ہے، تو کچھ عرصہ تک (عدت کے دوران) نفقہ شوہر پر ہی رہتا ہے، اگر طلاق دینے والے شوہر سے مطلقہ کے بچے بھی ہیں تو جب تک وہ دودھ پینے یا پرورش ونگرانی کے لئے ماں کے محتاج رہیں گے اس وقت تک نہ صرف ان بچوں کا بلکہ انہیں دودھ پلانے (اور نگرانی کی غرض سے پابند رہنے) والی اس مطلقہ کا پورا خرچ بھی اسی (طلاق دینے والے) پر رہے گا یہیں سے اس پروپیگنڈے کی تردید بھی نکل آتی ہے کہ ”مطلقہ عورت بچوں کو لئے ماری ماری پھرتی ہے۔ ہاں قانون شریعت سے ناواقفیت یا بے عملی کی وجہ سے یہ صورت پیدا ہو جائے تو اس میں قانون شریعت کو الزام دینا زیادتی ہوگی۔“

یہ مضمون اضافہ کے ساتھ ”تعمیر حیات“ میں بھی شائع ہوا اور ملک کے دیگر رسائل و اخبارات میں نقل ہوا (مثلاً رسالہ ”بانی“ نئی دہلی میں) اور ”سالار“ بنگلور ”نقیب“ پھلواری شریف پٹنہ ’بلال اذان‘ آگرہ وغیرہ میں شائع ہوا اور اسے پمفلٹ کی شکل میں شائع کرکے مختلف مجالس واجتماعات میں تقسیم کیا گیا (جن میں دارالعلوم ندوۃ العلماء کے اندر ہونے والے بعض اہم اجتماعات مثلاً دارالعلوم ندوۃ العماء کی ”مجلس منتظمہ۔“ پرسنل لا کی ”مجلس عاملہ“ وغیرہ بھی شائع ہیں۔) نیز بہت سے لوگوں کو ڈاک سے بھیجا گیا۔

علاوہ ازیں تقریباً ہر دینی حلقہ سے (جس میں امارت شرعیہ بہار واڑیسہ کا نمایاں حصہ ہے۔) مسلم پرسنل لا، یعنی شریعت کے عائلی قوانی کے خلاف پروپیگنڈے کا بازار گرم ہونے کے بعد سے۔ اسلامی عائلی قوانی کے تعارف اور اس پروپیگنڈے کے توڑ کے لئے برابر تحریری، تقریری کوششیں ہو رہی ہیں۔ ان کے باوجود علماء کو یہ الزام دینا کہ ”انہوں نے عوام کو ناواقف رکھا“ یا تو ناواقفیت پر مبنی ہے یا پھر علماء کو الزام دینے کے ”فیشن“ کی پیروی ہے، جو آج کل۔ دلچسپ مشغلہ کے طور پر۔ بعض حلقوں میں رائج ہے۔

''قادیانیت'' کا وجود اور اس کا اصل محرک و سرپرست

الحمدلله رب العالمین والصلوٰة والسلام علی سیدالانبیاء والمرسلین
وعلیٰ آله واصحابه اجمعین. اما بعد.

علمی اور تاریخی حیثیت سے یہ بات پایہ ثبوت کو پہنچ چکی ہے کہ قادیانیت فرنگی سیاست کے بطن سے وجود میں آئی ہے صورت یہ ہے کہ انیسویں صدی کے ربع اول میں ہندوستان کے مشہور و معروف مجاہد حضرت سید احمد شہیدؒ (۱۲۴۶ھ ۱۸۳۰ء) نے جہاد کی تحریک چلائی اس سے مسلمانوں میں جہاد اور قربانی کی آگ بھڑک اٹھی، ان کے سینوں میں اسلامی شجاعت اور حوصلہ مندی موجزن ہونے لگی اور وہ ہزاروں کی تعداد میں سر ہتھیلیوں پر لئے ہوئے اس تحریک کے جھنڈے کے نیچے جمع ہوگئے، جس کی سرگرمیاں برطانوی حکومت کے لئے پریشانی اور تشویش کا باعث تھیں۔

معتبر تاریخی روایات اور معاصر باخبر شخصیتوں کی شہادت ہے کہ سید احمد شہیدؒ کے ہاتھ پر بیعت و توبہ کرنے والوں کی تعداد ۳۰ لاکھ تھی اور ان کے ہاتھ پر اسلام قبول کرنے والوں کی تعداد ۴۰ ہزار پہنچتی ہے، یہ بھی ایک تاریخی حقیقت ہے کہ ہندوستان میں برطانوی اقتدار قائم ہونے کے خطرہ کا سب سے پہلے احساس (سلطان ٹیپو شہیدؒ ۱۲۱۳ھ ۱۷۹۹ء کے بعد) انہیں کو اور ان کی جماعت کو ہوا ۱۸۵۷ء کے ہنگامہ سے (جس کو غدر سے تعبیر کیا جاتا ہے) بہت پہلے ان کو اس خطرہ کا مقابلہ کرنے اور ملک کو اس سے بچانے کی ضرورت کا احساس ہوا۔ انہوں نے اس وقت کے مہاراجہ گوالیار دولت راؤ سندھیا اور ان کی وزیر ہندو راؤ کو جو خط لکھا اس میں صاف طور پر تحریر فرمایا:۔

''یہ بیگانگان، بعید الوطن و تاجران متاع فروش'' ہمارے ملک پر قابض ہوئے جارہے ہیں، آئیے ہم آپ مل کر ان کا مقابلہ کریں اور ملک کو اس خطرہ سے محفوظ کریں پھر بعد میں دیکھا جائے گا کہ کون سی ذمہ داری کس کے سپرد کی جائے، اور کس کو کیا اختیار دیا جائے۔''

انگریزی اقتدار کا مقابلہ کرنے میں بھی بہت بڑا ہاتھ ان کی جماعت کے مجاہدین کا تھا۔

واقفین جانتے ہیں کہ اس بیعت سے عقیدہ کی صحیح، توحید خالص، اتباع سنت عمل بالشریعت اور تزکیۂ نفس کے ساتھ جہاد فی سبیل اللہ کا جذبہ اور عزم بھی واضح اور طاقت وطریقہ پر پیدا ہوتا تھا۔

اس کی ایک مثال اور ثبوت یہ ہے کہ بہادر شاہ ظفر کے افواج کے کمانڈر جنرل بخت خان جن کے سپرد خاص طور پر انگریزی افواج سے جنگ اور مقابلہ کی ذمہ داری تھی، کہتے ہیں کہ میں جب سید صاحبؒ کے مشہور اور جلیل القدر خلیفہ مولانا کرامت علی جونپوری سے بیعت ہوا تو انہوں نے بیعت کے دوران مجھ سے یہ وعدہ بھی لیا کہ میں افواج سے جنگ بھی کروں گا۔

ہندوستان میں نوخیز انگریزی اقتدار کے اس جماعت کے مجاہدین سے خوف وخطرہ کا اندازہ اس سے ہوسکتا ہے کہ ۲ مئی ۱۸۶۴ء کو انبالہ عدالت میں انگریز جج ایڈورڈس نے مولانا یحییٰ علی عظیم آبادی مولانا احمد اللہ عظیم آبادی، مولوی محمد جعفر تھانیسری اور مولانا عبدالرحیم صادق پوری کو حکومت انگریز کے خلاف سازش اور جدوجہد کی بناء پر پھانسی دیئے جانے) کا حکم سنایا، لیکن یہ حکم سن کر ان کے چہرے پر ایسی مسرت ظاہر ہوئی کہ مجمع دیکھ کر حیران رہ گیا، جب ایک انگریز افسر نے اس کی وجہ دریافت کی اور کہا کہ ”میں نے آج تک ایسا منظر نہیں دیکھا کہ پھانسی کا حکم سنایا جائے اور پھانسی پانے والے ایسے خوش اور مطمئن ہوں۔“ اس پر مولوی محمد جعفر صاحب نے جواب دیا کہ ہمیں اس کی خوشی کیوں نہ ہو، اللہ تعالیٰ نے ہمیں شہادت کی نعمت نصیب فرمائی، تم بے چاروں کو اس کا مزا کیا معلوم؟ دوسرے دونوں ملزموں نے بھی اسی مسرت کا اظہار کیا پھانسی گھر میں بھی ان چاروں ملزموں کے مسرت وبشاشت کا یہی حال تھا۔

انگریز ان قیدیوں کے سرور ونشاط کو دیکھ کر حیرت میں پڑ جاتے، اور ان سے پوچھتے کہ تم موت کے دروازہ پر ہو، اور کچھ دن میں تم کو پھانسی ہونے والی ہے، لیکن تمہارے اوپر اس کا کوئی اثر ظاہر نہیں ہوتا، وہ جواب دیتے ہیں کہ اس شہادت کی وجہ سے جس کے برابر کوئی نعمت و سعادت نہیں، یہ حضرات کچھ عرصہ پھانسی گھر میں رہے اور انگریز حکام کے لئے یہ مسئلہ ایک معمہ بن گیا، بالآخر ایک دن انبالہ کا حاکم ضلع (ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ) جیل میں آیا اور اس نے ان تینوں کو خطاب کر کے کہا:۔

''اے باغیو! چونکہ تم پھانسی کے خواہش مند ہو اور اس کو راہ خدا میں شہادت سمجھتے ہو اور ہم یہ نہیں چاہتے کہ تم اپنی دلی مراد کو پہنچو اور خوشی سے ہم کنار ہو، اس لئے ہم پھانسی کا حکم تبدیلی کر کے تم کو جزائر انڈمان میں عمر قید (حبس دوام بعبور دریائے شور) کی سزا دیتے ہیں۔''

مولانا یحییٰ علی نے چار سال کے بعد جزائر انڈمان کے پورٹ بلیر میں وفات پائی، مولوی محمد جعفر تھانیسری ۱۸ سال قید بامشقت کے بعد رہا ہوئے، مولانا احمد اللہ صاحب رہا ہو کر ہندوستان آئے۔

اور کچھ عرصہ کے بعد سوڈان میں شیخ محمد احمد سوڈانی نے جہاد اور مہدویت کا نعرہ بلند کیا جس سے سوڈان میں برطانیہ کا اقتدار تزلزل میں آ گیا۔ اس کو معلوم تھا کہ یہ چنگاری اگر بھڑک اٹھی تو قابو میں نہیں آئے گی اور پھر سید جمال الدین افغانی کی تحریک اتحاد اسلامی کو اس نے پھیلتے اور مسلمانوں میں مقبول ہوتے دیکھا، انگریزی حکومت نے ان سب خطرات کو محسوس کیا، اس نے مسلمانوں کے مزاج و طبیعت کا گہرا مطالعہ کیا تھا۔ اس کو معلوم تھا کہ ان کا مزاج دینی مزاج ہے، دین ہی انہیں گرماتا ہے اور دین ہی انہیں ٹھنڈا کر سکتا ہے، لہٰذا مسلمانوں پر قابو پانے کی واحد شکل یہ ہے کہ ان کے عقائد پر اور ان کی دینی میلان اور نفسیات پر قابو پا جائے۔ مسلمانوں کے مزاج میں درخور حاصل کرنے کے لئے دین کے سوا کوئی ذریعہ نہیں۔

اس مقصد کے لئے برطانوی حکومت نے یہ طے کیا کہ مسلمانوں ہی میں سے کسی شخص کو ایک بہت اونچے دینی منصب کے نام سے ابھارا جائے کہ مسلمان عقیدت کے ساتھ اس کے گرد جمع ہو جائیں اور وہ انہیں حکومت کی وفاداری اور خیر خواہی کا ایسا سبق پڑھائے کہ پھر انگریزوں کو مسلمانوں سے کوئی خطرہ نہ رہے، یہ حربہ تھا جو برطانوی حکومت نے اختیار کیا کیوں کہ مسلمانوں کا مزاج بدلنے کے لئے کوئی حربہ اس سے زیادہ کارگر نہیں ہو سکتا تھا۔

مرزا غلام احمد قادیانی، جو ذہنی انتشار کے مریض تھے (۱) اور بڑی شدت سے اپنے دل

---

(۱) اس شخص میں تین ایسی چیزیں بیک وقت جمع تھیں جنہیں دیکھ کر ایک مؤرخ یہ فیصلہ نہیں کر پاتا کہ ان میں اہم ترین اور حقیقی سبب کسے قرار دیا جائے، جس نے ان سے یہ ساری حرکات سرزد کروائیں، (۱) دینی رہنمائی کے منصب پر پہنچا جائے اور نبوت کے نام سے پورے عالم اسلامی پر چھایا جائے (۲) وہ مالیخولیا جس کے بار بار تذکرہ سے ان کی ان سے متعلق اس کے ماننے والوں کی کتابیں بھری ہوئی ہیں (۳) مبہم اور غیر واضح قسم کے سیاسی اغراض و مفادات اور سرکار انگریزی کی خدمت گزاری اور نمک حلالی۔

میں یہ خواہش رکھتے تھے کہ وہ ایک نئے دین کے بانی بنیں، ان کے کچھ متبعین اور موافقین ہوں اور تاریخ میں ان کا ویسا ہی نام اور مقام ہو جیسا جناب رسول اللہ ﷺ کا ہے، انگریز کو اس کام کے لئے موزوں شخص نظر آئے اور گویا انہیں ان کی شخصیت میں ایک ایجنٹ مل گیا جو ان کے اغراض کے لئے مسلمانوں میں کام کرے۔ چنانچہ انہوں نے بڑی تیزی سے کام لینا شروع کیا۔ پہلے منصب تجدید کا دعویٰ کیا پھر ترقی کر کے امام مہدی بن گئے کچھ دن اور گذرے تو مسیح موعود ہونے کی شہادت دی اور آخر کار نبوت کا تخت بچھا دیا، اور انگریز نے جو چاہا تھا وہ پورا ہو گیا۔

ان بزرگ نے اپنا پارٹ بڑی خوبی سے ادا کیا۔ اور انگریز نے بھی اس تحریک کی سرپرستی میں کوئی کمی نہیں کی، اس کی حفاظت بھی کی، اور ہر طرح کی سہولتیں اس کام میں بہم پہنچائیں مرزا صاحب نے بھی گورنمنٹ کے ان احسانات کو فراموش نہیں کیا، اور ہمیشہ وہ اس بات کے معترف رہے کہ ان کا نمود برطانیہ عظمیٰ کا رہین منت ہے، چنانچہ اپنی ایک تحریر میں خود کو حکومت برطانیہ کا ''خود کاشتہ'' پودا قرار دیا ہے، وہ اپنی اس درخواست میں جو لفٹنٹ گورنر پنجاب کو ۲۴ فروری ۱۸۹۸ء میں پیش کی تھی لکھتے ہیں:۔

''یہ التماس ہے کہ سرکار دولت مدار ایسے خاندان کی نسبت جس کو پچاس ۵۰ سال کے متواتر تجربہ سے ایک وفادار، جاںنثار خاندان ثابت کر چکی اور جس کی نسبت گورنمنٹ عالیہ کے معزز حکام نے ہمیشہ مستحکم رائے سے اپنی چٹھیات میں یہ گواہی دی ہے کہ وہ قدیم سرکار انگریزی کی خیر خواہ اور خدمت گزار ہے۔ اس خود کاشتہ پودہ کی نسبت نہایت حزم واحتیاط اور تحقیق وتوجہ سے کام لے۔ اور اپنے ماتحت حکام کو اشارہ فرمائیے کہ وہ بھی اس خاندان کی ثابت شدہ وفاداری اور اخلاص کا لحاظ رکھ کر مجھے اور میری جماعت کو عنایت اور مہربانی کی نظر سے دیکھیں۔''

اور ایک جگہ اپنی وفاداریوں اور خدمت گذاریوں کو گناتے ہوئے لکھتے ہیں:۔

''میری عمر کا اکثر حصہ اس سلطنت انگریزی کی تائید اور حمایت میں گزرا ہے، اور میں نے ممانعت جہاد اور انگریز کی اطاعت کے بارے میں اس قدر کتابیں لکھی ہیں اور اشتہار شائع کئے ہیں کہ اگر وہ رسائل اور کتابیں اکٹھا کی جائیں تو پچاس الماریاں ان سے بھر سکتی ہیں میں نے

ایسی کتابوں کو تمام عرب اور مصر اور شام اور کابل اور روم تک پہنچا دیا ہے۔‘‘

ایک دوسری جگہ لکھتے ہیں:۔

’’میں ابتدائی عمر سے اس وقت تک جو تقریباً ساٹھ برس کی عمر تک پہنچا ہوں اپنی زبان اور قلم سے اس اہم کام میں مشغول ہوں، تاکہ مسلمانوں کے دلوں کو گورنمنٹ انگلشیہ کی سچی محبت اور خیر خواہی اور ہمدردی کی طرف پھیر دوں، اور ان کے بعض کم فہموں کے دلوں سے غلط خیال ’’جہاد‘‘ وغیرہ کو دور کر دوں، جو ان کی دلی صفائی اور مخلصانہ تعلقات سے روکتے ہیں۔‘‘

اور اسی کتاب میں آگے چل کر لکھتے ہیں کہ:۔

’’میں یقین رکھتا ہوں کہ جیسے جیسے میرے مرید بڑھتے جائیں گے، ویسے مسئلہ جہاد کے معتقد کم ہوتے جائیں گے کیونکہ مجھے مسیح اور مہدی مان لینا ہی جہاد کا انکار کرنا ہے۔‘‘

’’میں نے بیسیوں کتابیں عربی فارسی اور اردو میں اس غرض سے تالیف کی ہیں کہ اس گورنمنٹ محسنہ سے ہرگز جہاد درست نہیں بلکہ سچے دل سے اطاعت کرنا ہر ایک مسلمان کا فرض ہے، چنانچہ میں نے یہ کتابیں بصرف زر کثیر چھاپ کر بلاد اسلام میں پہنچائی ہیں اور میں جانتا ہوں کہ ان کتابوں کا بہت سا اثر اس ملک (ہندوستان) پر بھی پڑا ہے: اور جو لوگ میرے ساتھ مریدی کا تعلق رکھتے ہیں وہ ایک ایسی جماعت تیار ہوجاتی ہے کہ جن کے دل اس گورنمنٹ کی سچی خیر خواہی سے لبالب ہیں۔ ان کی اخلاقی حالت اعلیٰ درجہ پر ہے، اور میں خیال کرتا ہوں کہ وہ تمام ملک کے لئے بڑی برکت ہیں۔ اور گورنمنٹ کے لیے دلی جاں نثار۔‘‘

مرزا غلام احمد صاحب کی اس تحریک ان کی اس جماعت نے انگریزی حکومت کے لئے بہترین جاسوس اور بڑے سچے دوست اور جاں نثار فراہم کئے، اس گروہ کے بعض چیدہ اشخاص نے ہند اور بیرون ہند میں انگریزی حکومت کی بیش قیمت خدمات انجام دیں اور اس سلسلہ میں جانی قربانی تک سے دریغ نہیں کیا۔ جیسے عبد اللطیف صاحب قادیانی جو افغانستان میں مذہب قادیانی کی تبلیغ اور جہاد کی مخالفت کرتے تھے، ان کو حکومت افغانستان نے قتل کیا کیونکہ ان کی دعوت سے اس بات کا خطرہ تھا کہ افغان قوم کا وہ جذبہ جہاد اور حوصلہ جنگ فنا ہو جائے جس کے لئے وہ دنیا بھر میں مشہور ہے، ایسی ہی ملا عبد الحلیم قادیانی اور ملا نور علی قادیانی اسی انگریزی حکومت کے لئے افغانستان میں فنا کے گھاٹ اترے، کیونکہ ان کے پاس سے حکومت

افغانستان کو کچھ ایسے خطوط اور کاغذات دستیاب ہوئے جن سے صاف معلوم ہوتا تھا کہ یہ دونوں برطانوی حکومت کے ایجنٹ ہیں، اور حکومت افغانستان کے خلاف سازش میں مشغول ہیں جیسا کہ افغانستان کے وزیر داخلہ کے ۱۹۲۵ء کے ایک بیان سے معلوم ہوتا ہے اور قادیانیوں کے سرکاری اخبار ''الفضل' نے اپنی ۳ مارچ ۱۹۲۵ء کی اشاعت میں اس بیان کو نقل کیا ، اور اس قربانی پر بڑے فخریہ انداز میں تبصرہ کیا۔

علیٰ ہذا یہ قادیانی جماعت اپنے دور آغاز سے اب تک برابر تمام قوم پرور و وطن دوست تحریکات سے کنارہ کش رہی، ہندوستان کی آزادی کی تحریک میں نہ مرزا غلام احمد قادیانی کی زندگی میں اس نے کوئی حصہ لیا، نہ ان کے بعد، اور صرف یہی نہیں بلکہ انگریزوں کی چودھراہٹ میں یورپی قزاقوں کی ٹولی (مستعمرین) کے ہاتھوں عالم اسلام پر جو مصائب ٹوٹ رہے تھے، یہ ان کے لئے موجب غم نہیں، باعث مسرت تھے، انہیں کبھی عام زندگی سے اسلامی مسائل سے یا ان اسلامی تحریکات سے جو اسلامی حمیت یا سیاسی شعور کا نتیجہ تھیں اور ان کی دلچسپیوں کا دائرہ صرف وفات مسیح، حیات مسیح، نزول مسیح، اور نبوت مرزا غلام احمد پر مباحثوں اور مناظروں تک محدود رہا۔

مرزا صاحب کا خاندان انگریزی حکومت سے جو پنجاب میں نئی نئی قائم ہوئی تھی، شروع سے فرمانبردارانہ ومخلصانہ تعلق رکھتا تھا۔ اس خاندان کے متعدد افراد نے اس نئی حکومت کی ترقی، اور اس کے استحکام میں جانبازی اور جاں نثاری سے کام لیا تھا۔ اور بعض نازک موقعوں پر اس کی مدد کی تھی، مرزا صاحب کتاب البریہ کے شروع میں ''اشتہار واجب الاظہار'' میں لکھتے ہیں:۔

''میں ایک ایسے خاندان سے ہوں جو اس گورنمنٹ کا پکا خیر خواہ ہے، میرا والد مرزا مرتضیٰ گورنمنٹ کی نظر میں وفادار و خیر خواہ آدمی تھا جن کو دربار گورنری میں کرسی ملتی تھی، اور جن کا ذکر مسٹر گرانفن صاحب کی تاریخ رئیسان پنجاب میں ہے اور ۱۸۵۷ء میں انہوں نے اپنی طاقت سے بڑھ کر سرکار انگریزی کو مدد دی تھی، یعنی پچاس سوار اور گھوڑے بہم پہنچا کر عین زمانہ غدر کے وقت سرکار انگریزی کی امداد میں دیئے تھے، ان خدمات کی وجہ سے جو چٹھیات خوشنودی حکام ان کو ملی تھی، مجھے افسوس ہے کہ بہت سی ان میں سے گم ہوگئیں، مگر تین چٹھیات جو مدت سے چھپ چکی ہیں، ان کی نقلیں حاشیہ میں درج کی گئی ہیں، میرے دادا صاحب کی وفات کے بعد پر میرا بڑا بھائی مرزا غلام قادر خدمات سرکاری میں مصروف رہا اور جب تموں کے گزر پر مفسدوں کا سرکار

انگریزی کی فوج سے مقابلہ ہوا، تو وہ سرکار انگریزی کی طرف سے لڑائی میں شریک تھا۔"

وفات:

مرزا غلام احمد صاحب نے جب ۱۸۹۱ء میں مسیح موعود ہونے کا دعویٰ کیا، پھر ۱۹۰۱ء میں نبوت کا دعویٰ کیا تو علمائے اسلام نے ان کی تردید اور مخالفت شروع کی، تردید اور مخالفت کرنے والوں میں مشہور عالم مولانا ثناء اللہ صاحب امرتسری مدیر "اہل حدیث" پیش پیش اور نمایاں تھے، مرزا صاحب نے ۱۵ اپریل ۱۹۰۷ء میں ایک اشتہار جاری کیا جس میں مولانا کو مخاطب کرتے ہوئے تحریر فرمایا۔

"اگر میں ایسا ہی کذاب و مفتری ہوں جیسا کہ اکثر اوقات آپ اپنے ہر ایک پرچہ میں مجھے یاد کرتے ہیں تو میں آپ کی زندگی میں ہی ہلاک ہو جاؤں گا کیوں کہ میں جانتا ہوں کہ مفسد اور کذاب کی بہت عمر نہیں ہوتی اور آخر وہ ذلت اور حسرت کے ساتھ اپنے اشد دشمنوں کی زندگی میں ہی ناکام و ہلاک ہو جاتا ہے اور اس کا ہلاک ہونا ہی بہتر ہوتا ہے تا کہ خدا کے بندوں کو تباہ نہ کرے۔

اور اگر میں کذاب و مفتری نہیں ہوں اور خدا کے مکالمہ و مخاطبہ سے مشرف ہوں اور مسیح موعود ہوں تو میں خدا کے فضل سے امید رکھتا ہوں کہ سنت اللہ کے موافق آپ مکذبین کی سزا سے نہیں بچیں گے، پس اگر وہ سزا جو انسان کے ہاتھوں سے نہیں بلکہ خدا کے ہاتھوں سے ہے یعنی طاعون، ہیضہ وغیرہ مہلک بیماریاں آپ پر میری زندگی میں وارد نہ ہوئیں تو میں خدا کی طرف سے نہیں۔"

اس اشتہار کے ایک سال بعد ۲۵ مئی ۱۹۰۸ء کو مرزا صاحب بمقام لاہور بعد عشاء اسہال میں مبتلا ہوئے۔ اسہال کے ساتھ استفراغ بھی تھا۔ رات ہی کو علاج کی تدبیر کی گئی لیکن ضعف بڑھتا گیا اور حالت دگرگوں ہوگئی بالآخر ۲۶ مئی ۱۹۰۸ء سہ شنبہ کو دن چڑھے آپ نے انتقال کیا،

مرزا صاحب کے خسر میر ناصر نواب صاحب کا بیان ہے:۔

حضرت مرزا صاحب جس رات کو بیمار ہوئے اس رات کو میں اپنے مقام پر جا کر سو چکا تھا، جب آپ کو بہت تکلیف ہوئی تو مجھے جگایا گیا تھا، جب میں حضرت عباس صاحب کے پاس پہنچا تو آپ نے مجھے خطاب کر کے فرمایا:۔

میر صاحب مجھے وبائی ہیضہ ہو گیا ہے، اس کے بعد آپ نے کوئی ایسی صاف بات میرے خیال میں نہیں فرمائی۔ یہاں تک کہ دوسرے دن ۱۰ بجے کے بعد آپ کا انتقال ہو گیا۔"

جب کہ مولانا ثناء اللہ صاحب نے مرزا صاحب کی وفات کے پورے چالیس برس بعد ۱۵ مارچ ۱۹۴۸ء میں ۸۰ برس کی عمر میں وفات پائی۔

آنحضرت ﷺ کی نبوت ایک نئے دور کا آغاز تھی جس نے خفتہ ایران کو بیدار کر دیا

(یہ اس عربی تقریر کا ترجمہ ہے جو ۱۲ جمادی الاولی ۱۳۹۳ھ ۱۵ جون ۱۹۷۳ء کو اس جلسہ استقبالیہ میں کی گئی تھی جو آیت اللہ العظمی مرزا احمد خلیل کمرائی نے دولت کدہ واقع زرین نعل تہران میں منعقد کیا گیا تھا)

حضرات! ابھی آپ کے سامنے قاری نے سورۂ آل عمران کی مشہور آیت کی تلاوت کی۔

واعتصموا بحبل الله جميعا ولا تفرقوا واذ كروانعمة الله عليكم اذ كنتم اعداء فالف بين قلوبكم فصبحتم بنعمته اخوانا وكنتم على شفا حفرةمن النار فانقذ كم منها كذا الک یبین الله لكم اياته لعلكم تهتدون (آل عمران. ۱۰۳)

اور مضبوط پکڑے رہو اللہ تعالیٰ کے سلسلہ کو اس طور پر کہ باہم سب متفق بھی رہو اور باہم نا اتفاقی مت کرو اور تم پر جو اللہ تعالیٰ کا انعام ہے اس کو یاد کرو جب کہ تم دشمن تھے پس اللہ تعالیٰ نے تمہارے قلوب میں الفت ڈال دی سو تم اللہ تعالیٰ کے انعام سے آپس میں بھائی بھائی ہو گئے اور تم لوگ دوزخ کے گڑھے کے کنارے پر تھے سو اس سے خدا تعالیٰ نے تمہاری جان بچائی اسی طرح اللہ تعالیٰ تم لوگوں کو اپنے احکام بیان کر کے بتاتے رہتے ہیں تاکہ تم لوگ راہ پر رہو۔

ہمارے فاضل دوست استاد احمد محمد جمال نے اس آیت کے پہلے حصہ کے بحث کی ہے میں اس کے دوسرے حصہ یعنی:۔

وكنتم على شفاحفرة من النار فانقذ كم منها كذالک یبین الله لكم اياته لعلكم تهتدون (آل عمران. ۱۰۲)

اور تم لوگ دوزخ کے گڑھے کے کنارے پر تھے سو اس سے خدا تعالیٰ نے تمہاری جان

بچائی اسی طرح اللہ تعالیٰ تم لوگوں کو اپنے احکام بیان کرکے بتاتے رہتے ہیں تاکہ تم لوگ راہ پر رہو۔

پر گفتگو کرنا چاہتا ہوں نیز اس پر غور وفکر کی دعوت دوں گا۔

حضرات یہ آیت کریمہ ہر وقت ہماری نگاہوں کے سامنے اور ہمارے دلوں پر نقش رہنی چاہئے اس آیت میں اس عظیم نعمت کا ذکر ہے جس سے اللہ تعالیٰ نے امت اسلامیہ کو سرفراز فرمایا ہے اور اے باشندگان ایران آپ ہی تنہا اس نعمت کے مالک نہیں ہیں بلکہ ہم برصغیر کے رہنے والے بلکہ اس روئے زمین پر رہنے والے تمام مسلمان بلکہ اس جزیرۃ العرب کے باشندہ بھی جہاں سے اسلام کی کرنیں پھوٹیں اور ساری کائنات پر چھا گئیں اس عظیم نعمت میں آپ کے ساتھ شریک ہیں۔

ہم سب جاہلیت کی تاریکیوں میں بھٹک رہے تھے نہ توحید ونبوت سے واقف تھے نہ خدشناسی کی خبر تھی اخلاقی قدروں سے یکسر ناآشنا اور صحیح مذہبی تعلیمات قطعاً بے بہرہ تھے، اوہام و خرافات میں گرفتار تھے، ظالم وجابر حکومتوں کے جور واستبداد کا شکار تھے، انسانیت ہر طرف پامال ہورہی تھی۔

ایک طرف مطلق العنان حکمراں، دوسری طرف علم ومذہب کے اجارہ دار علماء معبود بنے بیٹھے تھے، عوام ان کی پرستش اور اندھی اطاعت پر مجبور تھے، جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:۔

اتخذوا احبارھم ورھبانھم ارباباً من دون اللہ. (التوبہ. ۳۱)

انہوں نے خدا کو چھوڑ کر اپنے علماء ومشائخ کو (باعتبار طاعت کے) رب بنا رکھا ہے۔

اسلام آیا اور اس کی مینا پاشیوں نے روئے زمین کے گوشہ گوشہ کو منور کیا، اسلام کی نعمت ساری انسانیت کے لئے عام تھی، وہ اس بارش کی طرح تھی، جو سپید وسیاہ اور بندۂ وآقا کے درمیان امتیاز نہیں کرتی، وہ تو بادل تھا، جو پست وبلند، گلشن وصحرا سب کو سیراب کر گیا، اور حق تو یہ تھا، کہ اسے عربی شاعر کے اس قول سے مخاطب کیا جائے۔

فاذہب کما ذہبت غوادی مزنۃ
اثنی علیہا السہل والا وعار

ایک فارسی شاعر کا قول ہے، جو زیادہ بلیغ ہے۔

پرتو مہر بویرانہ و آباد یکسیت
حسن چون تیغ کشد بندہ و آزاد یکیست

اس نعمت سے عظیم تر کوئی نعمت نہیں، یہاں تک کہ زندگی بھی جو ہر لذت سرور کا سرچشمہ ہے اگر اسلام توحید خالص اور ایمان کی نعمت نہ ہوتی تو یہ زندگی ایک عذاب مسلسل ہوتی اور اس کی حیثیت جہنم تک پہونچنے کے لئے ایک پل سے زیادہ نہ ہوتی۔ اللہ تعالیٰ نے اسلام کی نعمت سے ہمیں نوازا، اس کا لاکھ لاکھ شکر ہے اور اس نعمت کے حصول میں ہم پر نبی ﷺ کی ذات گرامی اور آپ کی بعثت ورسالت اور دعوت وجہاد کا ناقابل فراموش احسان ہے۔

اقبال کا یہ کہنا کسی طرح بے جا نہیں ہے کہ اگر نبی ﷺ (علیہ الف الف تحیۃ) نہ ہوتے اگر آپ کے اصحاب اور اہل بیت نہ ہوتے اگر دعوت اسلامی کے وہ اولین داعی اور اس کے راہ میں جان کی بازی لگا دینے والے مجاہدین نہ ہوتے تو نہ اسلامی ایران ہوتا نہ اسلامی ہند نہ اسلامی مصر نہ اسلامی شام کسی بھی اسلامی ملک کا وجود نہ ہوتا یہاں تک وہ جزیرۃ العرب بھی جو ہماری محبت وعقیدت کا مرکز ہے اور جس کی طرف ہم رخ کرتے ہیں موجود نہ ہوتا ہمارے اور آپ کے درمیان بھی کوئی رشتہ نہ ہوتا خصوصا جبکہ ہم مشرق اقصیٰ کی باشندے ہیں اور آپ ایران کے حضور ہی کے ذریعہ اللہ تعالیٰ کا موقعہ نصیب ہوا افکار وخیالات کا اختلاط ہوا نت نئے علوم ومعارف نے جنم لیا علم کا ایک چشمہ ہندوستان میں بہہ رہا تھا تو دوسرا ایران میں دونوں میں ایک طویل فاصلہ تھا اسی طرح اور بھی نہ جانے کتنے چشمے ہزاروں سال پہلے اپنی تنگ راہوں میں رواں تھے اسلام آیا تو اس نے ان بکھرے ہوئے بے شمار سوتوں کو ایک عظیم چشمہ صافی میں بدل دیا اسے ایک بلند اور مشترکہ مقصد کی خاطر استعمال کیا اور انسانیت کے لئے مفید اور نتیجہ خیز بنایا اس طرح ہندوستانی وایرانی اور عربی وعجمی افکار کا ایسا نفع بخش اور خیر وبرکت سے معمور استزاج وجود میں آیا جس کی نظیر تمدن وثقافت کی تاریخ میں ملنا مشکل ہے ایرانیوں کے ذوق جمال وسعت خیال لطافت احساس اور عرب کی سلامتی طبع بلند حوصلگی حقیقت پسندی اور اسلامی عقائد واعمال کا ایسا تکلم چشم فلک نے کاہے کو دیکھا ہوگا۔

ایران اپنے خواب گراں سے بیدار ہوا اس کی صلاحیتوں کو ابھرنے کا موقعہ ملا اس کی دبی ہوئی چنگاریاں بھڑکنے لگیں تو ایسا معلوم ہوا گویا یہ سرزمین جینیس اور یکتائے روزگار شخصیتوں

ہی کے لئے پیدا کی گئی ہے گویا علم وادب اس کے ضمیر میں داخل ہے ذوق جمال اس کی آب وہوا میں بسا ہوا ہے گویا اس میں عالم ادیب شاعر فن کار یا صوفی عربی مدرس اور مصنف کے سوا کوئی پیدا ہی نہیں ہوتا اگر کوئی فقہ وحدیث شعر وادب اور تصنیف وتالیف کے میدان میں چوٹی کی شخصیات کو بھی شمار کرنا چاہے تو شمار نہیں کر سکتا تذکرہ وتاریخ کی کتابیں ان کے حالات اور کارناموں سے بھری پڑی ہیں خدا معلوم کتنے ممالک نے ہندوستان کی طرح ایران کے اس علمی وادبی خوان یغما سے خوشہ چینی کی ہے ہم سب ان کے علم وفضل کے بحر بیکراں سے اپنی تشنگی بجھاتے ہیں ان کے شعر وادب سے لطف اندوز ہوتے ہیں ان کے سامنے زانوئے تلمذ تہہ کرتے ہیں اور ان کی تقلید واتباع پر فخر کرتے ہیں۔

لیکن یہ تمام عبقری اور یکتائے روزگار شخصیات جن کے زبردست علمی کمالات وادبی معجز طرازیوں نے ساری دنیا کو محو حیرت کر دیا اسلام ہی کے نونہال اور دعوت اسلام ہی کے پیدا وار تھے ان سب کو اس نئے دین نے جنم دیا تھا جس کو لے کر حضرت محمد ﷺ اس دنیا میں تشریف لائے تھے۔

میں اسے اپنی خوش قسمتی سمجھتا ہوں کہ اسلام اور اخوت اسلامی کے سایہ میں آپ سے اس مبارک ملاقات کا شرف حاصل ہوا میں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ مشرق ومغرب کے سارے مسلمان اسی عالمگیر اسلامی اخوت کے لئے بے قرار ہیں لیکن یاد رکھئے دنیا وآخرت کی ہر سعادت کا سرچشمہ اسلام اور محمد ﷺ کی ذات گرامی ہے جن کے ذریعہ اللہ تعالی نے ہمیں گمراہی کے بعد ہدایت ذلت کے بعد عزت اور تنگ دستی کے بعد وسعت سے نوازا اور جہل کے بعد علم اور اختلاف وانتشار کے بعد اتحاد کی دولت سے مالا مال کیا اسلامی تہذیب کے سوا کوئی ہماری تہذیب نہیں اسلامی تاریخ کے سوا کوئی ہماری تاریخ نہیں اسلام کے عطا کردہ عزت وسربلندی کے علاوہ ہمارے لئے کوئی عزت وسربلندی نہیں ہم تمام محمد ﷺ کے طفیل جی رہے ہیں۔

آپ کی نبوت ایک نئے دور کا آغاز تھی بنی آدم میں سے جس کو بھی سعادت وخیر کا کوئی ذرہ ملا وہ خواہ امیر المومنین علی بن ابی طالب ہی کے مرتبہ کا کوئی شخص کیوں نہ ہو سیدنا محمد بن عبد اللہ ﷺ کے واسطے ہی سے نصیب ہوا۔

اگر آپ ﷺ نہ ہوتے تو کسی کو نہ دین میں کوئی فضیلت حاصل ہوتی نہ ایمان ویقین کا

کوئی حصہ کسی کو نصیب ہوتا اور نہ کسی کے یہ حیرت انگیز کارنامے سامنے آتے جو تاریخ کے لئے سرمایہ افتخار ہیں اور جن پر مسلمانوں کو بجا طور پر ناز ہے۔

اور آج بھی کسی شخص کو اگر اس سعادت کا کوئی حصہ ملا ہے تو وہ بھی اسی ذات گرامی کے طفیل۔

حضرات: ہر طرف ناکہ بندی ہے ساری راہیں مسدود اور سارے دریچے بند ہیں صرف اسلام کا راستہ ہے اور صرف ایک دریچہ ہے جسے اللہ تعالیٰ نے نبی کریم ﷺ کے ذریعہ کھول رکھا ہے، ارشاد ہے۔

ان الدين عند الله الاسلام (آل عمران ۔ ۱۹)

بلا شبہ دین (حق اور مقصود) اللہ تعالیٰ کے نزدیک صرف اسلام اللہ تعالیٰ کا شکر ہے کہ ہم عرب و عجم سب سیدنا محمد ﷺ کے احسان کا اعتراف کرتے ہیں اور اپنا علمی عقلی فکری تہذیبی اور اعتقادی سلسلہ آپ ﷺ ہی سے جوڑتے ہیں ہر شخص نے آپ ﷺ ہی کی شمع ہدایت سے کسب نور کیا ہے اور ہر شخص آپ ﷺ کی دانش گاہ کا فیض یافتہ ہے شاعر نے خوب کہا ہے۔

ع یک چراغیست دریں بزم کہ از پرتو آن
ہر کجامی نگرم انجمنے ساختہ اند

امت اسلامیہ کے اندر جب تک اس حقیقت کا عرفان رہیگا اور جب تک اس اصول کو وہ مضبوطی سے تھامے رہے گی بے راہ نہیں ہوسکتی اور نہ مصائب و مشکلات کا شکار ہوسکتی ہے۔

اخیر میں آپ کے پر خلوص اعزاز اور آپ کی عنایتوں کا شکریہ ادا کرتا ہوں اور اللہ تعالیٰ سے دعا کرتا ہوں کہ وہ ہمارے لئے ایمان کی تکمیل اور اس کی حفاظت فرمائے خاتمہ بالخیر ہو اور قیامت کے روز ہمارا نام ان خوش قسمت لوگوں کی فہرست میں ہو جن کے چہرے دمکتے ہوں گے۔

وما علينا الا البلاغ المبين

نبوت

انسانیت کو اس کی ضرورت اور تمدن پر اس کا احسان

الحمد لله نحمده ونستعينه ونستغفره ونعوذ بالله من شرور انفسنا ومن سيئات اعمالنا من يهده الله فلا مضل له ومن يضلله فلا هادى له ونشهد ان لا اله الا الله ونشهد ان محمدا عبده ورسوله الذى ارسله الله تعالى الى الخلق بشيرا ونذيرا وداعيا الى الله باذنه وسراجا منيرا ٥

مقام کی موزونیت:

حضرات! اس جگہ جہاں اس وقت ہم آپ جمع ہیں موزوں ترین گفتگو، انسانیت کو نبوت کی ضرورت اور تمدن پر اس کے احسان سے متعلق ہو سکتی ہے، جس میں ان برگزیدہ نبیوں کا ذکر ہو جنہیں اللہ تعالےٰ نے نبوت کا اعزاز بخشا اور ان کی عنداللہ مقبولیت، ان کا مرتبہ و مقام، مخلوق پر عظیم احسان، اور زندگی پر ان کے عمیق اثر کا تذکرہ ہو، اور پھر امام المرسلین، خاتم النبیین کا ذکر خیر ہو جن کو اللہ تعالیٰ نے آخری رسالت اور ابدی و عالمگیر نبوت سے سرفراز و ممتاز کیا، اور جنہیں دائمی قیادت و امامت ابدی و عالمی شریعت اور محفوظ و زندہ کتاب عطا کی گئی اور ساری انسانیت کی سعادت و نجات (طبقاتی اور زبانی اختلاف کے باوجود) ان پر ایمان اور ان کی اتباع پر موقوف کر دی گئی اور جن کی ہجرت اور آخری قیام گاہ کے لئے اس پاکیزہ شہر کو انتخاب کیا گیا جہاں پر وحی و رسالت کے سلسلہ سے آسمان کا زمین سے آخری بار اتصال ہوا۔

چنانچہ جس شخص کو یہاں کچھ فرصت گفتگو ملے اور جسے یہ اعزاز عطا ہوا اس کو اپنی اس عظیم اور نازک ذمہ داری کا پورا احساس ہونا چاہئے کہ وہ کس مقام سے خطاب کر رہا ہے کیا اس کے لئے جائز ہے کہ وہ اس مقام محمود کے تقاضوں سے صرف نظر کر کے اپنی گفتگو کے لئے کسی اور موضوع کا انتخاب کرے؟ یہ ایمان اور شعور حسن و احسان کا بھی تقاضا ہے، عرب شاعر نے شاید

اسی موقع کے لئے کہا تھا:

ولما نزلنا منزلا طله الندى
انيقا و بستا نامن النور حاليا
اجد لنا طيب المكان وحسنه
منى، فتمنينا، فكنت الأمانيا

(اور جب ہم ایک شبنم سے شاداب اور خوش منظر مقام اور کلیوں سے آراستہ باغ میں اترے تو مقام کے حسن و پاکیزگی نے ہمارے دل میں کچھ تمنائیں بیدار کر دیں، ہمارے ان تمناؤں کی جان تمہیں تھے)

جامعہ کی پہلی ذمہ داری:

عالم اسلام میں کسی بھی درسگاہ کی خواہ وہ مدینۃ الرسول صلے اللہ علیہ وسلم ہی میں کیوں نہ قائم ہو، یہ پہلی ذمہ داری ہے کہ سب سے پہلے وہ نعمت نبوت کے سمجھنے کی طرف توجہ کرے۔ جس سے بڑھ کر اللہ تعالیٰ نے کوئی نعمت نہیں اتاری، اور اس نعمت کی قدر اور شکر کے ساتھ، اس کے سرگرم حامیوں اور داعیوں میں ہو، اور وہ زندگی کی رزم گاہ میں جہاں جاہلیت، ارتداد، اور انقلاب کے پرچم ہر طرف لہرا رہے ہیں وہ لوائے محمدی اور خیمہ مصطفوی کے سایہ میں آ جائے، اور زندگی کے ہر محاذ پر خواہ وہ فکری و اعتقادی ہو، یا عملی و انتظامی، اخلاقی و اجتماعی ہو یا تمدنی و سیاسی، اسلام کی سربلندی کے لئے اپنے کو وقف کر دے۔

کسی بھی اسلامی دانش گاہ کے فارغین و متوسلین کا دائمی شعار اور ان کا سب سے گرانقدر مقصد، نبوت اور اس کے طریقہ کار کا ہر فکر و فلسفہ، مذہب و مسلک فکر کے ہر ڈھنگ، زندگی کے ہر رنگ اور انسانیت و تمدن کے ہر آہنگ پر ترجیح دینا اور اسے برتر سمجھنا چاہئے۔

جن کی طرف مسلم دانشگاہیں، اور جامعات توجہ کرتی ہیں، اور جن امتیازات و خصوصیات کا وہ دم بھرتی ہیں، کیونکہ اگر کوئی نہ ختم ہونے والی اور حقیقی فیصلہ کن جنگ ہے تو وہ نبوت و جاہلیت کی جنگ ہے وہ جاہلیت جس کی نمائندگی مغرب کر رہا ہے اور وہ اسلام (دین حق) جس کا علمبردار تنہا مسلمان رہ گیا ہے، اس جنگ کے سوا تمام جنگیں نقلی اور خانہ جنگیاں ہیں جن میں

ایک ہی خاندان کے لوگ کسی معمولی سی چیز پر لڑ پڑتے ہیں۔ یا جیسے بچے اپنی کم عقلی سے جھگڑ بیٹھتے ہیں، لیکن فکر و نظر کی دائمی جنگ جاہلیت نبوت کے درمیان ہی ہے۔

ان پہلوؤں سے بھی یہاں کی موقر مجلسوں کا آغاز (جس کا آج پہلا دن ہے) اسی گفتگو سے ہونا چاہئے، جو رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کا شہر، اسلام کا گہوارہ، ایمان کا مرجع وحی کا مہبط و ماویٰ اور نبوت کے طویل سفر اور عظیم تاریخ کی آخری منزل ہے۔

زمانہ کو اس موضوع کی ضرورت:

آج ہر علمی ادارہ، ہر بڑی دانشگاہ، یورپ کی یونیورسٹیوں، علمی انجمنوں، اقوام متحدہ، اور اس کے عالمی ثقافتی ادارہ یونیسکو اور ہر جگہ اس موضوع کی ضرورت ہے، اس لئے کہ خوش بختی اور امن و خوش عیشی کی تمام سہولتوں کے باوجود انسانیت کی بدقسمتی اور موجودہ تمدن کی تیرہ بختی، یہ ہے کہ اس کے سربراہ نبوت و انبیاء کی تعلیمات کے باغی ہیں، اور زندگی و تمدن کی داغ بیل غیر نبوی خطوط پر ڈال رہے ہیں، اور اعزاز خداوندی سے بے نیازی و بے پروائی برت رہے ہیں، جو نبی امی کو عطا ہوا تھا اور زبان حال و قال سے گذشتہ جاہلی قوموں کے اس متکبرانہ قول کو دہرا رہے ہیں، جو قرآن مجید نے نقل کیا ہے ابشر یهدوننا (کیا ہمارے ہی جیسے انسان ہم کو ہدایت دینے چلے ہیں)۔ ایک امی ہمیں علم سکھائے گا، ایک فقیر بے نوا ہمیں خوشحال کرے گا، اور ایک بادیہ نشین ہمیں مہذب بنائے گا؟

لیکن جب بدقسمتی سے یا ناسازگار حالات کے سبب اگر ہم یہ باتیں یورپ، امریکہ اور ایشیا کی پرشکوہ یونیورسٹیوں میں نہیں کر سکتے تو یہ کسی طرح جائز نہیں کہ ہم مدینہ کی اسلامی یونیورسٹی میں اسے موضوع بحث نہ بنائیں اور کیوں نہ ہو، یہ مدینہ منورہ ہی تھا، جو ہمیشہ معنوی اور گرانقدر قدار کی تخم ریزی کی زمین اور وہ مبارک خطہ رہا ہے، جو ان کے حق میں ہمیشہ زرخیز، ثابت ہوا ہے، اور جو اس فرمان خداوندی کا صحیح مصداق ہے۔

البلد الطيب يخرج نباته باذن ربه.

اور (دیکھو) اچھی زمین اپنے پروردگار کے حکم سے اچھی پیداوار ہی نکالتی ہے یہاں جو بات کہی گئی ہے، پوری دنیا میں اس کی صدائے بازگشت سنی گئی ہے۔

نبوت اور انبیاء قرآن کی روشنی میں:

متکلمین کی روح سے معافی چاہتے ہوئے میں کہوں گا کہ علم کلام و کتب عقائد کی نظر نبوت و انبیاء کے بارہ میں کوتاہ اور محدود تھی، اس نے نبوت کو ایک طرح سے ایسا جامد و محدود عقیدہ سمجھا جس کا عقائد کے محدود دائرہ کے علاوہ زندگی سے کوئی تعلق نہ تھا، لیکن علم کلام کی مجبوری اس کا محدود علمی دائرہ، ایک مخصوص تعلیمی ضرورت بھی تھی، اس لئے ہمیں نبوت و انبیاء کو قرآن کی روشنی میں اور قرآن کی نظر سے دیکھنا چاہئے۔

اور اس کتاب حکیم کے واسطے سے نبوت کے امکانات و مضمرات اس کے وسیع افق اس کی گہرائیوں اور زندگی کے اندر اس کی اتری ہوئی جڑوں، قلب و نظر، اخلاق و رجحانات پر اس کے اثر و سیرت سازی، معاشروں اور تمدنوں کی تشکیل و قیادت، بلکہ ایک مخصوص و ممتاز اور جاہلیت کے مقابل و متوازی تہذیب کی بنیاد رکھنے کے سلسلے میں اس کے بنیادی کردار پر غور کرنا چاہئے۔

شوق انگیز اور محبوب موضوع:

ہم جب اس مقصد سے قرآن کی تلاوت کرتے ہیں تو ہمارے سامنے ادب و حکمت اور فن و ہنر اور شخصیات کی ایسی تصویریں اور ایسے شاہکار نمونے آتے ہیں، جن سے زیادہ خوبصورت تخلیق شاید اس کائنات میں کوئی نہیں۔

انبیاء کے ذکر میں قرآن کا اسلوب زندگی سے لبریز، بشارت و مسرت سے بھرپور اور محبت سے سرشار نظر آتا ہے گویا، وہ ایک محبوب کی داستان شوق اور ذکر جمیل ہے، جس میں جتنا بھی طول، وسعت، تنوع اور شاخ در شاخ کی کیفیت ہو کم معلوم ہوتی ہے، گویا:

لذیذ بود حکایت دراز تر گفتم

میرا یقین ہے کہ جسے بھی مذاق سلیم، ذوق جمال اور جذبہ محبت کا کوئی حصہ ملا ہے، وہ اس تذکرہ سے لطف اٹھائے گا، اور اس اسلوب کا مزا محسوس کرے گا، سنئے حضرت ابراہیم کا ذکر کس محبت وتلاوت کے ساتھ لیا جا رہا ہے۔

ان ابراهیم کان امة قانتا لله حنیفا ولم یک من المشرکین ○ شاکر الا نعمه اجتباه وهداه الی صراط مستقیم . وآتیناه فی الدنیا حسنة و انه فی

الاخرة لمن الصلحين ثم اوحينا اليک ان اتبع ملة ابراهيم حنيفا وما كان من المشركين.

بے شک ابراہیم (لوگوں کے) امام اور خدا کے فرماں بردار تھے مشرکوں میں سے نہ تھے اس کی نعمتوں کے شکر گزار تھے، خدا نے ان کو برگزیدہ کیا تھا، اور اپنی سیدھی راہ پر چلایا تھا اور ہم نے ان کو دنیا میں بھی خوبی دی تھی، اور وہ آخرت میں بھی نیک لوگوں میں ہوں گے، پھر ہم نے تمہاری طرف وحی بھیجی کہ دین ابراہیم کی پیروی اختیار کرو جو ایک طرف کے ہو رہے تھے اور مشرکوں میں سے نہ تھے۔

اسی طرح اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد کو ملاحظہ فرمائیں۔

وتلک حجتنا اتيناهاابراهيم على قومه نر فع درجات من نشاء ان ربک حکيم عليم وو هبنا له اسحاق ويعقوب كلا هدينا ونو حا هدينا من قبل ومن ذريته داؤد و سليمان وايوب و يوسف و موسى وها رون وكذالک نجزى المحسنين وزكر يا ويحيى وعيسىٰ والياس كل من الصالحين و اسمعيل واليسع ويونس ولوطاو كلا فضلنا على العلمين ومن آباء هم و زريا تهم واخوانهم وا جتبينا هم وهد ينهم الى صراط مستقيم . ذالک هدى الله يهدى به من يستاء من عباده ولو اشر كوالحبط عنهم ما كونو يعملون اولئک الذين آتينهم الكتاب والحكم والنبوة فان يكفربها هوء لاء فقد و كلنا بها قوما ليسوا بها بكفرين.

اور یہ ہماری دلیل تھی جو ہم نے ابراہیم کو ان کی قوم کے مقابلے میں عطا کی تھی ہم جس کو چاہتے ہیں درجے بلند کر دیتے ہیں، بے شک تمہارا پروردگار دانا اور خبردار ہے اور ہم نے ان کو اسحاق و یعقوب علیہ سلام بخشے اور سب کو ہدایت دی اور پہلے نوح علیہ السلام کو بھی ہدایت دی تھی اور ان کی اولاد میں سے داؤد اور سلیمان علیہ السلام اور ایوب علیہ السلام اور یوسف علیہ السلام اور موسیٰ علیہ السلام اور ہارون علیہ السلام کو بھی اور ہم نیک لوگوں کو ایسا ہی بدلہ دیا کرتے ہیں اور زکر علیہ السلام یحییٰ اور عیسیٰ اور الیاس علیہما السلام کو بھی، یہ سب نیکوکار تھے اور اسماعیل اور الیسع علیہما السلام اور یونس علیہ السلام اور لوط کو بھی اور ان سب کو جہاں کے لوگوں پر فضیلت بخشی تھی۔ اور

بعض بعض کو ان کے باپ دادا اور اولاد اور بھائیوں میں سے بھی اور ان کو برگزیدہ بھی کیا تھا اور سیدھا راستہ بھی دکھایا تھا۔ یہ خدا کی ہدایت ہے اس پر اپنے بندوں میں سے جسے چاہے چلائے اور اگر وہ لوگ شرک کرتے تو جو عمل وہ کرتے تھے سب ضائع ہو جاتا یہ وہ لوگ تھے جن کو ہم نے کتاب اور حکم شریعت اور نبوت عطا فرمائی تھی اگر یہ کفار ان باتوں سے انکار کریں تو ہم نے ان پر ایمان لانے کے لئے ایسے لوگ مقرر کر دیئے ہیں کہ وہ ان سے کبھی انکار کرنے والے نہیں۔

برگزیدہ مخلوق اور انسانیت کے کامل نمونے:

قرآن کبھی انبیاء کا ذکر اصطفاء، واجتبا (برگزیدگی) اور محبت ورضا کے الفاظ سے کرتا ہے۔ اور کبھی بہترین تعریفوں اور عقلی اخلاقی اور عملی صلاحیتوں کا انھیں حامل قرار دیتا ہے، یہ سب ظاہر کرتی ہیں کہ انبیاء خلاصہ مخلوقات اور انسانیت کے کامل نمونے اور خدا کی پیامبری اور دعوت دین کے لحاظ سے سب سے زیادہ باصلاحیت اور باہمت افراد ہوتے ہیں۔

الله اعلم حيث يجعل رسالته.

اس کو خدا ہی خوب جانتا ہے کہ رسالت کا کون سا محل ہے اور وہ اپنی پیغمبری کسے عنایت فرمائے۔

حضرت ابراہیم علیہ سلام کے بارے میں ارشاد ہوتا ہے۔

ولقد آتينا ابراهيم رشده من قبل و كنا به عالمين .

اور ہم نے ابراہیم علیہ السلام کو پہلے ہی سے ہدایت دی تھی اور ہم ان کے حال سے واقف تھے۔

اور ارشاد ہوتا ہے۔

واتخذا لله ابراهيم خليلا.

اور خدا نے ابراہیم کو اپنا دوست بنایا تھا۔

اور ارشاد ہے۔

وتركنا عليه فى الا خرين سلام علىٰ ابراهيم كذالك نجزى

المحسنین انه من عبادنا المو منین.

اور پیچھے آنے والوں میں ابراہیم کا ذکر خیر باقی چھوڑ دیا کہ ابراہیم پر سلام ہو نیکو کاروں کو ہم ایسا ہی بدلہ دیا کرتے ہیں، وہ ہمارے مومن بندوں میں سے تھے۔

اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بارے میں فرمایا گیا۔

ان ابراهیم لحلیم اواه منیب.

بے شک ابراہیم بڑے تحمل والے نرم دل اور رجوع کرنے والے تھے۔

اور حضرت اسمٰعیل علیہ سلام کے لئے ارشاد ہوا۔

و کان عند ربه مر ضیا.

اپنے پروردگار کے نزدیک پسندیدہ و برگزیدہ تھے۔

اور حضرت موسیٰ علیہ سلام کے سلسلہ میں فرمایا گیا۔

واسطنعتک لنفسی.

اور میں نے تم کو اپنے کام کے لئے بنایا ہے۔

اور کہا گیا۔

والقیت علیک محبته منی ولتصنع علیٰ عینی.

اور موسیٰ میں نے تم پر اپنی طرف سے محبت ڈال دی (اس لئے کہ تم پر مہربانی کی جائے) اور اس لئے کہ تم میرے سامنے پرورش پاؤ۔

مزید ارشاد ہوا۔

انی اصطفیتک علی الناس برسلتی وبکلامی.

میں نے تم کو اپنے پیغام اور اپنے کلام سے لوگوں سے ممتاز کیا ہے۔

حضرت داؤد کے بارے میں کہا گیا۔

واذکر عبدنا داؤد ذالا ید انه اواب

اور ہمارے بندے داؤد کو یاد کرو جو صاحب قوت تھے، اور بے شک وہ رجوع کرنے والے تھے۔

اور ان کے صاحبزادے سلیمان علیہ السلام کے لئے ارشاد ہوا۔

نعم العبد انه اواب.

بہت خوب بندے تھے، اور رجوع کرنے والے تھے۔

اسی طرح حضرت ایوب علیہ السلام اور انبیا کی آبرومند جماعت کا خصوصی انداز محبت و اکرام اور صفات علیہ کے ساتھ ذکر کرتے ہوئے فرمایا گیا۔

واذكر عبادنا ابراهيم واسحاق ويعقوب اولی الايدی والابصار انا اخلصناهم بخالصة ذكری الدار وانهم عندنا لمن المصطفين الاخيار

اور ہمارے بندوں ابراہیم علیہ سلام و اسحاق ویعقوب علیہ وسلام کو یاد کرو، جو طاقت وبصیرت والے تھے ہم نے ان کو ایک صفت خاص آخرت کے گھر کی یاد سے ممتاز کیا تھا اور وہ ہمارے نزدیک منتخب اور نیک لوگوں میں سے تھے۔

میں نے اس عزیز ولذیذ گفتگو میں (اس علم کے باوجود کہ آپ حضرات قرآن کا تحقیقی مطالعہ کرتے ہیں، اور میری معروضات آپ کے لئے نئی اور انوکھی چیز نہیں) درازنفسی سے اس لئے کام لیا تاکہ آپ کے ذہنوں میں اللہ کے نزدیک انبیاء کی بلند مقامی اور قدر و منزلت اور ان کے سلسلہ میں قرآن کی اعلیٰ ترین تعریف وتوصیف کو مستحضر کردوں، جس میں قرآن نے انہیں مکارم اخلاق، محاسن وفضائل اور بہترین صلاحیتوں کا حامل بتایا ہے۔

قدرتی سوال:

اس دنیاوی زندگی میں، جہاں معلومات حاصل کرنے اور اغراض اور ضروریات کو پورا کرنے کا دارومدار انسان کے ظاہری حواس اور عقلی صلاحیتوں پر ہے، اور جو زندگی اسی پر اعتماد کرتی ہے، سلسلہ نبوت اور انبیائے کرام کا کیا مقام ہے؟ اور دوسرے علماء وعقلاء سے انبیاء کس بنا پر ممتاز ہوتے ہیں اور کیوں صرف انہیں کو حق پہنچتا ہے کہ ایسے حقائق سے متعلق گفتگو کریں، اور ایسی خبریں سنائیں جن تک نہ تیز ترین احساسات پہنچ سکتے ہیں، نہ ذکی ترین عقلوں کی رسائی ہے حالانکہ سب ایک ہی ماحول میں پلے پڑھے ہیں، اور ایک ہی سرزمین پر زندگی گزارتے ہیں، کیا وجہ ہے کہ یہ لوگ ایسی چیزیں دیکھ لیتے ہیں جو ان کے زمانے کے عبقری اور فوق العادۃ صلاحیتوں والے کبھی نہیں دیکھ سکتے اور یہ ان دیکھی چیزیں صبح کے اجالے کی طرح واضح اور روشن ہوجاتی ہیں اور ان کی پیشین گوئی پوری اترتی ہے؟

یہ ایک قدرتی سوال ہے، جو ہر نئی بعثت پر لوگوں کے ذہنوں میں پیدا ہوا، اور دل و دماغ پر چھا گیا، نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کو جب شرف نبوت سے سرفراز کیا گیا، اور تبلیغ و اصلاح کی ذمہ داری سونپی گئی تو آپ کو بھی اس سوال کا سامنا کرنا ضروری تھا اور رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے اس موقعہ پر جو موقف اختیار کیا اور جس حکیمانہ انداز سے اس مسئلہ کو حل کیا وہ آپ کے لافانی معجزات میں سے ایک ہے۔

قوم اور بالخصوص وادی مکہ کے بسنے والے ایک مدت سے دقیق مسائل علمی اصطلاحات اور فلسفیانہ مباحث سے الگ تھلگ زندگی گزار رہے تھے، لیکن ذہن کی تیزی، سلامت فہم، صداقت کے اعتراف اور اس کے سامنے سر تسلیم خم کرنے میں ممتاز اور فائق تھے، رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے اس زندگی میں انبیاء کا مقام کیا ہے؟ ان کو دوسروں کے مقابلہ میں جو حواس ظاہری کے علاوہ کسی اور ذریعہ علم کے مالک نہیں، ان دیکھی حقیقتوں کے اظہار کا حق کیوں حاصل ہے، اس کی تشریح آپ نے اس انداز میں فرمائی جس میں عربوں کے اس ممتاز وصف کا پورا لحاظ ہے، آپ کا یہ حکیمانہ انداز ائمہ کلام اور علمائے فلسفہ کی ہزاروں دلیلوں سے کہیں زیادہ موثر اور دلنشین تھا، آپ نے اس کے لئے جو ترتیب اور طریقہ کار اختیار کیا اور جن مقدمات سے کام لیا وہ مخاطبین کی فطرت سلیم، ان کی عقلی و علمی سطح اور موقع و محل سے پوری مطابقت رکھتے تھے، انبیائے کرام علیہم السلام کا بھی یہی طریقہ ہے، کہ وہ اپنی نبوت کے احقاق و اثبات میں بناوٹ، تکلف اور استعارہ و کنایہ کا راستہ نہیں اختیار کرتے، بلکہ چھوٹی اور معمولی چیزوں سے گرانقدر اور اہم نتائج پیدا کرتے ہیں۔ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں نہ تو صحافت کا وجود تھا نہ لاسلکی کی طاقت انسانوں کے قابو میں آئی تھی، اور نہ آواز کو بلند کرنے اور پھیلانے والے آلات ایجاد ہوئے تھے، ایسے وقت میں وادی مکہ کے بسنے والوں کو ایک جگہ متعین وقت میں جمع کرنے کا کیا ذریعہ ہو سکتا تھا؟ کس طرح ان کے دل و دماغ پر اتنا اثر ڈالا جا سکتا تھا کہ وہ اپنی دلچسپیوں سے ہاتھ کھینچ لیتے اور بھاگتے ہوئے سب کے سب آپ کی طرف چلے آتے؟

رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم عرب قوم ہی کے ایک فرد تھے، آپ عربوں کی عادتوں اور ان کے رسم و رواج سے خوب واقف تھے، آپ یہ بھی جانتے تھے کہ ان رسوم کا ان کی طبیعتوں اور ان کے معاشرہ میں کتنا گہرا اثر ہے؟ اس دشوار اور نازک کام میں بھی آپ نے اس سے مدد لی۔

عربوں کی عادت تھی کہ جب ان کا کوئی فرد کوئی خطرہ محسوس کرتا اچانک قوم پر کسی دشمن کے حملہ کا خوف ہوتا یا کوئی دشمن گھات میں لگا ہوتا اور شہر والے اس سے غافل ہوتے تو وہ کسی پہاڑی کی چوٹی یا کسی ٹیلہ پر چڑھ جاتا اور بلند آواز سے پکارتا یا صباحاہ" (خطرہ خطرہ) یا صباحاہ (دشمن دشمن) پوری قوم یہ آواز سنتے ہی جمع ہو جاتی اسلحہ سنبھالتی اور خطرہ یا دشمن کا مقابلہ کرنے دوڑ پڑتی۔ لیکن۔ وہ کونسا خطرہ تھا، جو عام طور پر ان کو پریشان کر دیتا، اور ان کے آرام و راحت کو سلب کر لیتا؟ وہ صرف ایک تھا۔ دشمن۔ جس کا لشکر ان کی ایک کثیر تعداد کو موت کے گھاٹ اتار دیتا ان کا مال و اسباب لوٹ لیتا، اونٹوں اور دوسرے جانوروں کو ہنکا لے جاتا، اور ان کو نقصان پہنچاتا۔ قبائلی و صحرائی زندگی میں کسی ایک خطرہ سے وہ آشنا تھے، اور جب یہ الفاظ بولے جاتے ان سے وہی ایک معنی سمجھتے تھے۔

یہ خطرات اور نقصانات، اپنی واقعیت اور اہمیت کے باوجود انبیائے کرام کی نظروں میں ہیچ ہیں، جو اس کائنات کے پیدا کرنے والے اور اس کو چلانے والے کی ذات اس کی صفات اور اس کے حقوق سے جہالت کے خطرہ کی اہمیت سے آگاہ ہوتے ہیں، اور اس جاہلی زندگی کی زہرناکی سے بھی باخبر ہوتے ہیں، جو اس زمانہ میں مکہ والوں کی تھی اور اس جاہلی معاشرہ میں پھیلے ہوئے گناہوں اور فاسد اخلاق کے نقصانات سے بھی واقف ہوتے ہیں، اس زمانہ کے لوگ بت پوجتے، مردار کھاتے، فواحش کا ارتکاب کرتے، قطع رحمی کرتے، پڑوسیوں کو پریشان کرتے، اور طاقت والے کمزوروں کو پامال کر دیتے۔۔۔(۱)

رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے دیکھا کہ دشمن کہیں باہر نہیں وہ ان کے دل و دماغ، ان کے عقائد و اخلاق میں پرورش پا رہا ہے، وہ باہر کے تمام دشمنوں سے زیادہ مضرت رساں اور خطرناک ہے، خطرہ کا یہ سرچشمہ جو ان کی اپنی ذات اور ان کے ''اندرون'' سے نکلا ہے، ان تمام خطرات سے بڑا اور اہم ہے جن سے ان کو جاہلیت کی طویل زندگی میں سابقہ پڑا تھا، یا جن سے وہ عرب کی قبائلی زندگی میں دوچار ہوئے تھے۔ ان کی نفسوں کی دشمنی ہر دشمن قبیلہ یا جنگ

---

(۱) رسول اللہ ﷺ کی بعثت کے زمانہ میں جاہلی معاشرہ کی یہ صحیح ترین تصویر حضرت جعفر بن ابی طالب کی تقریر سے ماخوذ ہے، جو انہوں نے شاہ حبش نجاشی کے دربار میں کی تھی۔

آزمالشکر کی دشمنی سے زیادہ سخت تھی، ان کی زندگی کے اطوار قدرت وغلبہ والے خدا کی آتش غضب کو بھڑکانے والے تھے، جو نہ اپنے بندوں کے لئے کفر کو پسند کرتا ہے، نہ روئے زمین پر فساد چاہتا ہے۔

کوہ صفا پر:

رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم ایک صبح کو کوہ صفا پر تشریف لے گئے جو مکہ کی قریبی پہاڑی تھی، اور بلند آواز سے ندا دی ''یا صباحاہ، یا صباحاہ'' اس وادی کے بسنے والوں کے دلوں میں یہ بات بیٹھی ہوئی تھی کہ انتہائی سنجیدہ اور خطرناک موقع ہی پر یہ آواز بلند کی جاتی ہے اور عام طور پر اس میں غلط بیانی۔ فریب دہی یا مذاق سے کام نہیں کیا جاتا، مکہ والوں نے یہ مشہور و معروف آواز سنی، جو ان کے شہر کے سب سے سچے آدمی کے منہ سے نکل رہی تھی، جس کا انہوں نے ''صادق'' اور ''امین'' نام ہی رکھ دیا تھا۔ وہ اس آواز کا مطلب خوب سمجھتے تھے، ان کے سامنے تجربات اور حادثات کا طویل سلسلہ تھا، انہوں نے اس آواز کی طرف بڑھنے میں ذرا بھی تاخیر نہیں کی اور لوگ جمع ہوگئے، کچھ خود آئے، کچھ نے اپنے نمائندے بھیج دیئے۔(۱)

جب لوگ جمع ہوگئے تو رسول اللہ ﷺ نے ان کو مخاطب فرمایا، اے بنی عبدالمطلب، اے بنی فہر، اے بنی کعب! تمہارا کیا خیال ہے، اگر میں تم کو خبر دوں کہ اس پہاڑ کے دامن میں سواروں کا ایک لشکر چھپا ہوا ہے، اور تم پر بے خبری پر حملہ کرنا چاہتا ہے، تو کیا تم میری اس بات کو باور کرو گے؟

رسول عربی ﷺ نے جن لوگوں کو مخاطب کیا تھا، اور جن سے یہ سوال کیا تھا، وہ ''ناخواندہ'' اور ''غیر ترقی یافتہ'' تھے، انہوں نے فلسفہ ومنطق نہیں پڑھا تھا، نہ بال کی کھال نکالنے کے عادی تھے، بلکہ (جیسا کہ میں پہلے کہہ چکا ہوں) حقیقت پسند اور عملی لوگ تھے، ان کو اللہ نے سلامت فہم اور عقل عام کا وافر حصہ عنایت فرمایا تھا، انہوں نے موقع ومحل کا جائزہ لیا اور جس مقام پر یہ خطیب کھڑا تھا، اس کی طبعی ساخت کو دیکھا۔

انہوں نے دیکھا کہ ایک شخص جس کی سچائی، امانت، اخلاص اور خیر خواہی کا بارہا تجربہ

---

(۱) البدایہ والنہایہ ج ۳ ص ۳۸

کر چکے تھے، ایک پہاڑی پر کھڑا ہے، وہ سامنے بھی دیکھ رہا ہے، جس میں اس کے مخاطبین بھی اس کے ساتھ ہیں، اور ساتھ ہی وہ پہاڑ کے عقب کی جانب دوسری طرف بھی دیکھ رہا ہے، جہاں سامنے پہاڑ کے دامن میں کھڑے ہونے والوں کی نظر نہیں پہنچتی، لوگ بغیر شک اور ادنی تامل کے سمجھ گئے کہ جو شخص اس پوزیشن میں ہے، اس کو حق حاصل ہے کہ پہاڑ کے دوسری طرف چھپے ہوئے دشمن یا خطرہ کی خبر دے، اور جن لوگوں کے سامنے پہاڑ حائل ہے، ان کو یہ حق نہیں کہ اسے جھٹلا دیں اور اس کی خبر کو صرف اس بنیاد پر رد کر دیں کہ اس مشاہدہ میں وہ لوگ خطیب کے ساتھ شامل نہیں ہیں، کیونکہ بیچ میں حائل ہونے والے پہاڑ نے ان کی حالت اور خطیب کی حالت میں فرق کر دیا ہے، اور پہاڑ کی چوٹی پر کھڑے ہوئے خطیب کو دوسری طرف دیکھنے اور گواہی دینے کا موقع دیا ہے، جو ان لوگوں کو حاصل نہیں۔

عرب منصف تھے، بہادر اور سچے تھے، انہوں نے کہہ دیا “ہاں ہم ایسی اطلاع کی تردید نہیں کر سکتے، ہمیں اس کو باور کرنا ہوگا۔”

نبوت کی حکیمانہ تمثیل:

نبوت کی اس عدم المثال وہبی حکمت کے ذریعہ اور اس عربی فصاحت و بلاغت کی مدد سے جس کا آپ کو حصہ وافر عطا ہوا تھا۔ آپ ﷺ نے ان کے سامنے نبوت اور انبیاء کے بے مثل اور نازک مقام کی تصویر کھینچ دی اور ان کی ممتاز حیثیت کو واضح کر دیا، جس وجہ سے وہ ایسے عالم کا مشاہدہ کرتے ہیں، جس کا مشاہدہ ان کی زمانہ کے ان ہی جیسے دوسرے انسان نہیں کر سکتے، اور ایسے امور و حوادث کی خبر دیتے ہیں، جس کی شہادت دوسرے مصلحین اور زعماء نہیں دے سکتے، کیونکہ وہ نبوت کے بلند پہاڑ کی چوٹی پر کھڑے ہوتے ہیں، انسان ہونے کی حیثیت سے اور احساسات کو پاکیزگی اور فطرت کی سلامتی کی وجہ سے وہ محسوس دنیا کو اسی طرح دیکھتے ہیں، جیسے سب صحیح (حواس اور صحیح الدماغ انسان) لیکن اس سے ایک قدم آگے بڑھ کر وہ اللہ کی عطا کی ہوئی نبوت (اور اللہ کی مرضی کی مطابق)، عالم غیب سے تعلق کی وجہ سے عالم نبوت اور غیبی حقائق کا بھی مشاہدہ کرتے ہیں۔

قل انمآ انا بشر مثلکم یوحیٰ الی

کہہ دو کہ میں تمہاری طرح کا ایک بشر ہوں، البتہ میری طرف وحی آتی ہے۔

کسی ذہین سے ذہین انسان بہت بڑے عالم، یا بہت بڑے عقلمند کے لئے یہ ممکن ہی نہیں کہ اس کو جھٹلا دے، اور ان کے مشاہدات کا انکار کر دے، کیونکہ وہ انبیاء کے ساتھ ان کے اس مشاہدہ میں شریک نہیں، جن چیزوں کو انبیاء دیکھتے ہیں، وہ نہیں دیکھتا، جس طرح پہاڑ کے دامن میں کھڑے ہونے والے انسان کے لئے کسی صورت میں یہ جائز نہیں ہو سکتا کہ پہاڑ کی چوٹی پر کھڑے ہوئے انسان کو جھٹلا دے اور پہاڑ کے پیچھے کی خبروں اور چوٹی کے اوٹ کے حادثات کا انکار کر دے۔

یہی وجہ ہے کہ جب کوئی حواس ظاہری کی طلسمات کا گرفتار ان سے جھگڑتا اور حجت بازی کرتا ہے تو وہ تعجب کا ظہار کرتے ہیں اور پوری قوت و اعتماد سے کہتے ہیں۔

اتحاجه ی فی الله وقد هدان

تم مجھ سے خدا کے بارے میں کیا بحث کرتے ہو اس نے تو مجھے سیدھا راستہ دکھایا ہے۔

عرب کے جاہل اس ابتدائی مرحلہ میں فلاسفہ اور حکماء سے زیادہ عقلمند ثابت ہوئے جنہوں نے صرف اس بناء پر انبیاء و رسل کی خبروں کو جھٹلا دیا، اور حقائق کا انکار کر دیا کہ خود انہوں نے ان امور کا مشاہدہ نہیں کیا تھا اور ان کو یہ باتیں معلوم نہیں تھیں۔

بل كذبوا بمالم يحيطوا بعلمه ولما ياتهم تاريله

حقیقت یہ ہے کہ جس چیز کے علم پر یہ قابو نہیں پا سکے اس کو نادانی سے جھٹلا دیا اور ابھی اس کی حقیقت ان پر کھلی ہی نہیں۔

اور جب یہ فطری، عقلی اور ضروری مرحلہ طے ہو گیا تو رسول اللہ ﷺ نے پورے عزم و یقین کے ساتھ قدم آگے بڑھایا اور دوسرے اور آخری مرحلہ میں داخل ہوئے اور فرمایا۔ ''**فانی نذير لكم بين يدی عذاب شديد**'' (میں تم کو ایک آنے والے سخت عذاب سے ڈرا رہا ہوں) آپ نے ان کو اس حقیقی اور مستقل خطرہ سے ڈرایا جو ان کے طریق حیات کا، جس کے مطابق وہ زندگی گزار رہے تھے، ان عقائد کا، جن کا وہ اعتقاد رکھتے تھے، ان بتوں کا جن کے وہ شیدائی تھے، جاہلی اور فاسد اخلاق و عادات کا، جن کو وہ دانتوں سے پکڑے ہوئے تھے، اور مختصر الفاظ میں انتہائی جہالت کا، جس میں وہ زندگی گزار رہے تھے، طبعی تقاضا تھا، جن میں نہ ایمان

تھا نہ علم، نہ انصاف تھا نہ خدا ترسی اور اس زندگی کا فطری انجام ہے، معاشرہ میں ہمہ گیر فساد، زندگی میں تنگی اور پریشانی، قلبی اضطراب اور داخلی عذاب۔

ظهر الفساد فی البر والبحر بما کسبت ایدی الناس لیذیقهم بعض الذی عملوا لعلهم یرجعون

خشکی اور تری میں لوگوں کے اعمال کے سبب فساد پھیل گیا ہے تاکہ خدا ان کو ان کے بعض عملوں کا مزہ چکھائے، عجب نہیں کہ وہ باز آجائیں۔

ولنذیقنهم من العذاب الأدنی دون العذاب الاکبر لعلهم یرجعون

اور ہم ان کو قیامت کے بڑے عذاب کے سوا عذاب دنیا کا بھی مزہ چکھائیں گے، شاید ہماری طرف لوٹ آئیں۔

اور اس زندگی کے بعد ہمیشہ کا عذاب ہے، جس کے سامنے سارے عذاب اور ہر قسم کی تکلیفات ہیچ و بے قیمت ہیں۔

ولعذاب الأخرة اشق

اور آخرت کا عذاب تو بہت ہی سخت ہے۔

ولعذاب الأخرة اشد وابقیٰ

اور آخرت کا عذاب بہت سخت اور بہت دیر ہونے والا ہے۔

ولعذاب الاخرة اخزی

اور آخرت کا عذاب تو بہت ہی ذلیل کرنے والا ہے۔

علماء اور محققین نے دواؤں کے خواص دریافت کئے ہیں، مختلف اشیاء کی طبائع اور ہر چیز میں چھپی ہوئی قوت کو معلوم کر کے معلومات کا قیمتی خزانہ جمع کر دیا ہے، لوگوں نے اس سے فائدہ اٹھایا اور جمع کرنے والوں کی محنت و سعی اور فضل و کمال کا اعتراف کیا اور ان کو خراج تحسین ادا کیا، لیکن اللہ کی ذات، اس کی صفات، اس کے احکام، اس کی مرضیات اور عقائد و اعمال کی خصوصیات اور صحیح و غلط، اچھے اور برے اخلاق کے نتائج کا علم، آخرت میں نیک و بد، ثواب و عذاب اور جنت و جہنم کی معرفت کا انبیائے کرام واحد سرچشمہ اور واحد ذریعہ علم ہیں، اس زندگی کے بعد کے حالات اور اس عالم میں ہونے والے حشر و نشر، انعام و عذاب اور نعمت و نقمت کے

علم کے لئے اللہ نے اپنی مرضی کے مطابق انبیائے کرام کو مخصوص فرمایا ہے۔

عالم الغیب فلا یظہر علی غیبہ احدا الا من ارتضی من رسول

وہی غیب کی بات جاننے والا ہے اور کسی پر اپنے غیب کو ظاہر نہیں کرتا۔ ہاں جس پیغمبر کو پسند فرمائے۔

انبیائے کرام (علیہم الصلوٰۃ والتسلیم) نبوت کے پہاڑ پر کھڑے ہوتے ہیں اور اس عالم کو بھی دیکھتے ہیں، اور عالم غیب کو بھی اور انسانیت اور اس کی تہذیب وتمدن پر مستقبل قریب یا مستقبل بعید میں شب خون مارنے والوں کی خبر دیتے ہیں، چھپے ہوئے خطرات ونقصانات سے آگاہ کرتے ہیں، اور شفقت، محبت، مہربانی اور اخلاص کے ساتھ اپنی قوم کو ڈراتے ہیں، اور جب کوئی ان کے اس فطری اور عقلی حق کا انکار کرتا ہے، اس بدیہی چیز میں شک کرتا ہے، یا ان کی بلند حیثیت اور اعتماد کو چیلنج کرتا ہے، تو وہ نصیحت واخلاص اور رنج والم کے ساتھ کہتے ہیں۔

قل انمآ اعظکم بواحدۃٍ ان تقوموا للہ مثنی وفرادی ثم تتفکروا مابصاحبکم من جنۃ ان ھوا الا نذیر لکم بین یدی عذاب شدید (سبا ٤٦)

کہہ دو کہ میں تمہیں صرف ایک بات کی نصیحت کرتا ہوں کہ تم خدا کے لئے دو دو اور اکیلے اکیلے کھڑے ہو جاؤ، پھر غور کرو، تمہارے رفیق کو سودا نہیں، وہ تم کو عذاب سخت کے آنے سے پہلے صرف ڈرانے والے ہیں۔

ہدایت کا واحد ذریعہ:

اور اسی وجہ سے قرآن بار بار زور دیتا ہے کہ اللہ کی ذات اور اس کی حقیقی صفات کی نشاندہی کرنے والے صرف انبیائے کرام ہی ہیں، اور وہی اللہ کی صحیح معرفت کا، جس میں نہ جہالت وگمراہی کا شائبہ ہو، نہ غلط فہمی یا غیر مہذب انداز بیان کا شبہ، واحد وسیلہ ہیں، اور ان کے بتائے ہوئے طریقوں کے علاوہ اور کسی ذریعہ سے وہ معرفت حاصل ہو ہی نہیں سکتی، نہ تنہا عقل رہنمائی کر سکتی ہے، نہ ذہن کی تیزی وذکاوت کافی ہو سکتی ہی، نہ فطرت کی سلامتی اس کا ذریعہ بن سکتی ہے، نہ ذہن کی بلند پروازی کی وہاں گزر ہے، نہ عقل وخرد کی کاوشیں اس تک پہنچا سکتی ہیں، نہ تجربات کا خزانہ ہی مددگار ثابت ہو سکتا ہے، اللہ نے اسی حقیقت کا اظہار اہل جنت کی زبانی کیا ہے، جو سچے بھی ہیں اور صاحب تجربہ بھی، اور یہ موقعہ بھی ایسا ہے کہ وہاں غلط بیانی اور

مبالغہ آمیزی کا کوئی گزر نہیں۔

الحمد لله الذی هدانا لهذا وما كنا لنهتدی لو لآ ان هدانا الله

خدا کا شکر ہے کہ جس نے ہم کو یہاں کا راستہ دکھایا اور اگر خدا ہم کو راستہ نہ دکھاتا تو ہم راستہ نہ پا سکتے۔

اور اس اعتراف و اقرار کے ساتھ ہی وہ انبیاء کا تذکرہ کرتے ہیں کہ وہی معرفت صحیح کا ذریعہ اور اس راستہ کے رہنما تھے، جو اس منزل تک پہنچاتا ہے۔

لقد جآء ت رسل ربنا بالحق

بے شک ہمارے پروردگار کے رسول حق بات لے کر آئے تھے۔

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ انبیائے کرام (علیہم الصلوٰۃ والسلام) کی بعثت ہی کی وجہ سے ان کے لئے یہ ممکن ہو سکا کہ وہ اللہ کی معرفت حاصل کریں اور اس کی مرضی اور اس کے احکام معلوم کریں اور ان پر عمل پیرا ہوں اور اسی کے نتیجہ میں جنت میں داخلہ ممکن ہوا۔

ماورائے عقل و حواس حقائق کی دریافت کے بارے میں انسانوں کی عقلی و باطنی قوتیں جتنی بے بس، کمزور اور محدود اور ناقابل اعتماد ہیں، نامناسب نہ ہوگا کہ اس سلسلے میں ہم ان عارفین و محققین کی شہادتیں اور تجربات بھی سنتے جائیں، جو عقل و قلب دونوں کوچوں سے نہ صرف آشنا بلکہ دونوں کے محرم اسرار تھے۔

حضرت شیخ احمد سرہندی معروف بہ مجدد الف ثانی (متوفی ۱۰۳۴ھ) نے اپنے محققانہ مکاتب میں اس مضمون کو بار بار دہرایا ہے کہ عقل انسانی انبیاء علیہم السلام کی مدد و رہنمائی کے بغیر صانع عالم کا اثبات تو کر سکتی ہے، اور اس کے وجود کو ضروری قرار دے سکتی ہے، لیکن اس کی ذات و صفات کی صحیح معرفت اور تقدیس و تنزیہ اور توحید صحیح کے مقام تک نہیں پہنچ سکتی وہ ایک مکتوب میں تحریر فرماتے ہیں۔

ترجمہ:۔ خلاصہ یہ ہے کہ عقل اس دولت عظمیٰ کے ثابت کرنے سے قاصر اور ان حضرات انبیاء کی ہدایت کے بغیر اس دولت سرا کا راستہ پانے سے عاجز ہے۔

فلسفہ، اشراق اور مذاہب کی تاریخ بھی اس کی پوری طور پر تائید کرتی ہے کہ محض عقل و استدلال یا فلسفہ یا اشراق یا تکیہ کرنے والوں نے خدا کی معرفت۔ اور اس کے لئے صحیح

صفات ثابت کرنے اور صحیح افعال کی نسبت کرنے میں کیسی کیسی ٹھوکریں کھائی ہیں، اور کن کن گمراہیوں اور نادانیوں میں مبتلا ہوتے ہیں۔ (۱) مجدد صاحبؒ اپنے مکتوبات میں ثابت کرتے ہیں کہ جس طرح عقل کا مرتبہ حواس سے ماوراء ہے، اسی طرح نبوت کا مرتبہ عقل سے ماوراء ہے، اور کسی چیز کے مخالف عقل اور ماورائے عقل ہونے میں بڑا فرق ہے۔ خدا کی تنزیہ کا طریقہ معلوم کرنا نبوت پر منحصر اور انبیاء کی اطلاع و تعلیم پر موقوف ہے، انہوں نے معرفت الٰہی میں عقلاء یونان کی بے عقلیوں کے نمونے پیش کئے ہیں، جن پر عمل بھی انگشت بدندان ہے، اسی طرح اہل اشراق اور صفائی نفس کے مدعیوں کی بوالعجبیوں کا بھی عبرتناک نقشہ کھینچا ہے۔ (۲)

اسی طرح انہوں نے دوسرے مکتوب ۲۶۶/۱ بنام خواجہ عبداللہ اور خواجہ عبیداللہ فرزندان حضرت خواجہ باقی باللہؒ میں بڑی تفصیل سے وضاحت کے ساتھ ثابت کیا ہے کہ پیغمبروں کی بعثت اللہ کی ذات وصفات اور احکام کی معرفت کا واحد ذریعہ ہے، اور یہ کہ عقل وکشف دونوں کا خالص اور بے آمیز ہونا ممکن نہیں، وہ جسم عنصری کے اثرات، قوت واہمہ کے تخیلات، رذائل اخلاق اور بشری کمزوریاں سے کلیۃ مبرا اور آزاد نہیں ہوسکتے، اس کے فیصلے اور اس کے اخذ کئے ہوئے نتائج واحکام اور "علوم ومعارف" ان کمزوریوں کے رنگ میں رنگ کر اور ان کا اثر قبول کرکے ظاہر ہوتے ہیں، ان میں اکثر ان مقدمات کی کارفرمائی ہوتی ہے، جو اس کے نزدیک مسلم اور بدیہی اور حقیقتاً خلاف واقعہ اور فرضی ہوتے ہیں، ان صحیح اور غیر صحیح مقدمات میں تمیز کرنا، اس کے اپنے ذاتی رجحان کی بناء پر ناممکن ہوتا ہے، اس کے مکاتیب اس طرح کے معارف وحقائق سے پر ہیں اور اس سلسلہ میں ان کا مطالعہ نہایت مفید اور ایمان افروز ہے۔

اللہ نے قرآن کی ایک عظیم الشان سورہ "سورہ الصّٰفّٰت" کو (جس میں مشرکین کی گمرا کی بداعتقادی اور اللہ کی طرف ان امور کی نسبت کی تردید کی ہے، جو ذات باری کے شایان شان نہیں ہیں) ان الفاظ پر ختم کیا ہے۔

---

(۱) تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو مصنف کی کتاب "مذہب وتمدن"

(۲) تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو ان کا طویل مکتوب ۳/۲۳ بنام خواجہ ابراہیم قبادیانی۔

سبحان ربک رب العزۃ عما یصفون وسلام علی المرسلین O
والحمد للہ رب العلمین O

یہ جو کچھ بیان کرتے ہیں تمہارا پروردگار جو صاحب عزت ہے اس سے پاک ہے اور پیغمبروں پر سلام اور سب طرح کی تعریف خدائے رب العالمین کو سزاوار ہے۔

یہ تینوں آیتیں ایک طلائی زنجیر کی کڑیاں ہیں، جو ایک دوسرے سے پیوست ہیں۔ کیونکہ جب اللہ نے اپنی ذات کو مشرکین کی لغو اور بے ہودہ باتوں سے منزہ فرمایا تو انبیائے کرام کا بھی ذکر کیا، جنہوں نے خدا کی کامل تنزیہ و تقدیس کو اجاگر کیا اور اللہ کے صحیح اوصاف بیان کئے، اللہ نے ان پر سلام بھیجا اور ان کی تعریف کی، کیونکہ مخلوق سے خالق کے صحیح تعارف اور خالق کے صحیح صفات سے روشناس کرانے کا سہرا انہیں کے سر ہے، اور ان کی بعثت مخلوق پر احسان، انسانوں کے لئے نعمت اور اللہ کی ربوبیت، رحمت اور حکمت کا تقاضا ہے، اس لئے اس سلسلہ کو ختم کرتے ہوئے فرمایا:

والحمد للہ رب العلمین O

اور ساری تعریفیں اللہ ہی کو سزاوار ہیں جو سارے جہاں کا رب ہے۔

حضرت مجدد الف ثانیؒ اس حقیقت کی ترجمانی کرتے ہوئے اپنے ایک مکتوب میں تحریر فرماتے ہیں کہ ''انبیاء بہترین موجودات ہیں، اور بہترین دولت ان کے سپرد کی گئی، اولیاء کی انتہا انبیاء کی ابتداء ہے نہ کہ عکس، نبوت کی پیروی میں قرب بالفرائض حاصل ہوتا ہے، کمالات ولایت کمالات نبوت کے مقابلہ میں کوئی حیثیت نہیں رکھتے، وہ نسبت بھی نہیں جو قطرہ کو سمندر سے ہوتی ہے۔ (۱)

انبیاء اور نبوت کی فضیلت کے بارے میں انہوں نے اور ان کے ایک پیش رو محقق و عارف مخدوم الملک شیخ شرف الدین یحییٰ منیری نے اپنے مکاتیب میں بڑے بلند معارف و حقائق کا اظہار فرمایا ہے۔ مجدد صاحب لکھتے ہیں کہ ''ولایت میں سینہ کی تنگی کی وجہ سے مخلوق کی طرف پوری توجہ نہیں ہو سکتی (اس لئے ان سے وہ ہدایت اور نفع عام نہیں ہوتا جو انبیاء سے ہوتا ہے) اور نبوت میں سینہ کی انتہائی فراخی اور کشائش کی وجہ سے نہ توجہ حق، توجہ خلق سے مانع ہوتی

---

(۱) مکتوبات صفحہ نمبر ۸۷۔۸۸ جلد اول اور صفحہ ۱۲۳ جلد اول۔

ہے، اور نہ توجہ خلق، توجہ حق میں حائل ہوتی ہے۔"(۱)

مخدوم صاحب فرماتے ہیں کہ "انبیاء کی ایک سانس تمام اولیاء کی پوری زندگی سے افضل ہے، انبیاء کا جسم خاکی اپنی صفائی و پاکیزگی اور قرب خداوندی میں اولیائے کرام کے دل اور ان کے سِر اور راز و نیاز کے برابر ہے، ان کے جسم کو وہاں لے جاتے ہیں، جہاں دوسرے کا راز و نیاز پہنچ سکتا ہے۔"(۲)

فلسفۂ یونان کی ناکامی کا راز:

یہی وجہ ہے کہ جو بھی انبیاء کے بتائے ہوئے طریقوں کے علاوہ اللہ کی ذات و صفات اور اسمائے حسنی کی معرفت حاصل کرنا چاہتا ہے، اور اس دنیا سے اللہ کے تعلق اور اسی تعلق کی کیفیت، اللہ کی قدرت، اس کے احکام، اور اس دنیا میں، ان احکام کے اثرات کے مسائل کو حل کرنے کی کوشش کرتا ہے، اور اس کے لئے اپنی عقل، اپنے علم، اپنی ذہانت و ذکاوت، کسی علم و ہنر سے واقفیت بعض کوششوں میں کامیابی اور علمی میدان میں معمولی یا عظیم الشان کارناموں پر اعتماد کرتا ہے، اس کی ساری محنت ضائع ہو جاتی ہے، اور سوائے سرگردانی اور گمراہی کے کچھ ہاتھ نہیں آتا اور ان پر اللہ کا یہ فرمان صادق آتا ہے۔

ھآنتم ھولآء حاججتم فیما لکم بہ علم فلم تحآجون فیما لیس لکم بہ علم واللہ یعلم وانتم لاتعلمون .

تم لوگ جھگڑ چکے جس میں تم کو کچھ خبر تھی، اب کیوں جھگڑتے ہو، جس بات میں تم کو کچھ خبر نہیں، اللہ جانتا ہے، اور تم نہیں جانتے ہو۔

یونان کے قدیم الٰہیاتی فلسفہ اور اس کے مفکرین اور ماہرین کی ناکامی اور گمراہی کا یہی راز ہے، ان کی بے نظیر ذکاوت و فطانت، ان کے علمی و ادبی شاہکار، ان کی باکمال اور سحر انگیز شاعری بڑے بڑے رزم ناموں اور ریاضی، ہندسہ، اقلیدس، طبیعات، نجوم اور فلکیات کی مہارت نے ان کو دھوکہ میں ڈال دیا، اور انہوں نے سمجھا کہ مابعد الطبیعیات اور الٰہیات میں بھی

---

(۱) مکتوبات صفحہ ۱۱۲ جلد اول

(۲) مکتوب بستم۔

وہ اسی طرح کامیاب رہیں گے۔ چنانچہ انہوں نے الٰہیات کے مسائل اور خدا کی ذات اور اس کی صفات کے موضوع پر بھی طبع آزمائی کی۔

لیکن اس دماغ سوزی کا جو نتیجہ انہوں نے دنیا کے سامنے پیش کیا ہے، وہ بوالعجبیوں کا ایک مرقع، داناؤں کی نادانی کا ایک شاہکار اور باہم متضاد و مختلف اقوال و آراء اور قیاسات اور دعاوی کا مجموعہ ہے، حجۃ الاسلام امام غزالی نے اس پر بالکل صحیح تبصرہ فرمایا ہے۔

''تہ بہ تہ تاریکیاں ہی تاریکیاں، اگر کوئی انسان اس طرح کا اپنا خواب بیان کرے تو اس کو سوء مزاج کا نتیجہ قرار دیا جائے۔''(۱)

دوسری جگہ لکھتے ہیں۔

''میری سمجھ میں نہیں آتا کہ اس طرح کی چیزوں سے ایک دیوانہ بھی کیسے مطمئن ہو سکتا ہے، اور کہاں یہ عقلا، جو بزعم خود بال کی کھال نکالتے ہیں۔''(۲)

اسی طرح شیخ الاسلام ابن تیمیہ فلاسفہ اور حکماء کے اقوال پر تبصرہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔

''ارباب عقل ان لوگوں کے کلام پر غور کریں، جن کو اپنی عقل اور تحقیق کا اتنا غرہ ہے کہ انبیائے کرام کی بتائی ہوئی باتوں کو ٹھکرا دیتے ہیں، اپنی حکمت کی افادیت، فلسفہ کے اعلیٰ معیار پر بھی دیوانوں جیسی باتیں کرتے ہیں، اور ثابت شدہ و متعین حق کو اپنی پرفریب اور شکوک میں مبتلا کرنے والی باتوں سے رد کر دیتے ہیں اور واضح اور مشہور باطل کو قبول کر لیتے ہیں۔(۳)

ایک دوسری جگہ لکھتے ہیں:

''الٰہیات کے بارے میں جب معلم اول (ارسطو) کے کلام پر نظر ڈالی جاتی ہے اور ایک پڑھا لکھا آدمی اس کو غور سے دیکھتا ہے تو وہ اضطراراً اس نتیجہ پر پہنچتا ہے کہ ان فلاسفہ یونان سے بڑھ کر رب العالمین کی معرفت سے کوئی بے بہرہ اور نا آشنا نہیں تھا، وہ دریائے حیرت میں غرق ہو جاتا ہے، جب دیکھتا ہے کہ کچھ لوگ، یونان کی الٰہیات کا پیغمبروں کے علوم و تعلیمات سے مقابلہ کرنے لگتے ہیں، اس کو یہ بات ایسی ہی نظر آتی ہے، جیسے کوئی لوہاروں کا فرشتوں سے یا گاؤں کے زمینداروں کا شاہان عالم سے مقابلہ کرنے لگے۔''(۴)

---

(۱) تہافت الفلاسفہ صفحہ ۳۰ (۲) تہافت الفلاسفہ صفحہ ۳۲ (۳) موافقہ صریح المعقول (۴) الرد علی المنطقیین صفحہ ۳۹۵

مجدد الف ثانیؒ حضرت شیخ احمد فاروقی ایک مکتوب میں لکھتے ہیں۔

"عقل اگر اس مسئلہ میں کافی ہوتی تو فلاسفہ یونان جنہوں نے عقل کو اپنا مقتدی بنایا تھا، گمراہی کے بیابان میں نہ بھٹکتے اور حق تعالیٰ کو اور دوسروں کے مقابلہ میں زیادہ پہچانتے، اللہ تعالیٰ کی ذات وصفات کے معاملہ میں جاہل ترین شخص یہی لوگ ہیں کہ انہوں نے حق سبحانہ کو بیکار اور معطل سمجھ لیا ہے۔"

"عجیب بات یہ ہے کہ ایک گروہ ان احمقوں (حکماء یونان) کو حکماء کے لقب سے یاد کرتا ہے، اور حکمت کی طرف ان کو منسوب کرتا ہے، ان (فلاسفہ) کے اکثر مسائل خصوصاً الٰہیات میں (جو مقصد اعلیٰ ہے) غلط ہیں، اور کتاب وسنت کے مخالف، حکماء کا ان کو لقب دینا، جن کا سرمایہ جہل مرکب ہے، آخر کس لحاظ سے ہے؟ ہاں طنز ومذاق کے طور پر ہو سکتا ہے، یا اس طرح جس طرح نابینا کو بینا کہا جائے۔"(۱)

اشهد واخلقهم ستكتب شهادتهم ويسئلون (۲)

کیا یہ ان کی پیدائش کے وقت حاضر تھے، عنقریب ان کی شہادت لکھ لی جائے گی اور ان سے باز پرس کی جائے گی۔

مااشهدتهم خلق السموات والارض ولا خلق انفسهم وما كنت متخذا المضلين عضدا. (۳)

میں نے ان کو نہ تو آسمانوں اور زمین کے پیدا کرنے کے وقت بلایا تھا اور نہ خود ان کے پیدا کرنے کے وقت اور میں ایسا نہ تھا کہ گمراہ کرنے والوں کو مددگار بناتا۔

عہد اسلامی کے فلسفہ کی لغزش:

افسوس کہ ہمارا اسلامی فلسفہ (علم کلام) جو یونان کے ملحدانہ فلسفہ کا مقابلہ کرنے کے لئے عالم وجود میں آیا تھا، وہ بھی اسی رجحان سے متاثر ہو گیا، اور اپنے مسائل میں تفصیلی بحثیں کی گئیں، جن کے نہ تو اصول ومبادی انسانوں کو معلوم تھے، نہ وہ ان کے مقدمات کا صحیح علم رکھتے تھے، اس میں بھی وہی بے قابو فلسفیانہ روح سرایت کی گئی جو اپنی قدر وقیمت نہیں پہچانتی اور

---

(۱) مکتوب ۲۳/۳، (۲) الزخرف ۱۹، (۳) الکہف ۵۱

حدود سے تجاوز کر جاتی ہے، یہاں بھی ذات باری سے متعلق مسائل اور اس کی صفات کی تاویل میں وہی باریکیاں اور بال کی کھال نکالنے کی کوشش نظر آتی ہے، اور لوگوں نے ان مسائل میں اتنی تفصیل سے کام لیا، اور ایسا تجزیہ اور ایسی تشریح کی ہے، جیسے وہ کسی سائنسی تجربہ گاہ میں کھڑے ہوں اور تمام اجزاء کو اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے ہوں۔ تعالی اللہ عن ذالک۔

انبیائے کرام کا امتیاز:

انبیائے کرام (صلوات اللہ علیہم) کا اس حیات بخش علم میں کوئی سہیم و شریک نہیں، جس کے بغیر نہ انسانوں کو سعادت حاصل ہو سکتی ہے، نہ نجات مل سکتی ہے، وہ علم جس کی روشنی میں انسان اپنی خالق اور اس کائنات کو وجود بخشنے والی ذات، اس کی اعلیٰ صفات اور اس کے اور بندوں کے باہمی تعلق کی نوعیت معلوم کرتا ہے، اسی کی روشنی میں انسان کی ابتداء اور اس کی انتہاء معلوم ہوتی ہے، اور اس دنیا میں اس کا مقام اور رب کے مقابلہ میں انسان کا موقف متعین ہوتا ہے اور اللہ کو راضی کرنے، غصہ دلانے اور آخرت میں انسان کو خوش نصیب و کامران یا ناکام و نامراد بنانے والے امور و اعمال اور انسان کے عقائد، اعمال اور اخلاق و عادات کے خواص، ان کی جزاء و سزا اور انسانوں سے صادر ہونے والے اقوال، اعمال اور اعتقادات کے نتیجہ میں ملنے والے ثواب یا عذاب اور طویل مدت تک اثر انداز ہونے والے اہم نتائج کی نشاندہی ہوتی ہے، اور یہی وہ علم ہے جس کو ''علم النجاۃ'' کہا جا سکتا ہے۔

انبیائے کرام ارفع و اعلیٰ صلاحیتوں، احساس کی لطافت و نزاکت اور فطری ذہانت و ذکاوت کے مالک ہونے کے باوجود اپنے زمانہ کے مروجہ اور عام علوم میں دخل نہیں دیتے، نہ ان علوم و فنون میں اپنے کمال یا اپنی مہارت کا دعویٰ کرتے ہیں، بلکہ وہ تمام چیزوں سے بالکل الگ صرف اس فریضہ کی ادائیگی اور اسی کی خدمت انجام دینے میں مشغول رہتے ہیں، جن کے لئے وہ مبعوث کئے گئے ہیں، جن کے مامور بنائے گئے ہیں اور جن پر انسان کی شقاوت و سعادت کا دارومدار ہے، وہ انہیں علوم کو دوسروں تک پہنچانے کی دھن میں لگے رہتے ہیں۔

انبیاء کی تعلیمات سے بے نیازی کا انجام:

مہذب اور ترقی یافتہ قومیں جو اپنے اپنے زمانہ میں تہذیب و ثقافت، ذہانت اور علمی

ایجادات میں بلند ترین معیار پر پہنچی ہوئی تھیں، وہ بھی انبیاء کرام کی لائی ہوئی تعلیمات اور ان کے مخصوص علم کی اتنی ہی ضرورت مند تھیں جتنا کہ دریا میں ڈوبنے والا سہارے کے لئے کسی کشتی کا محتاج ہوتا ہے، یا زندگی سے مایوس مریض کو اکسیر دوا کی ضرورت ہوتی ہے، ان ترقی یافتہ قوموں کے افراد اس مخصوص اور ضروری علم کے اعتبار سے (دوسرے علوم یا تہذیب وتمدن میں جتنے بھی آگے رہے ہوں) طفل شیر خوار، جاہل محض اور تہی دست و بے بضاعت تھے، اور انہوں نے اپنی علمی کامیابیوں اور تمدنی ترقیات کے باوجود، جب اس علم کو رد کر دیا اور اس کا مذاق اڑایا تو انہوں نے اپنے لئے اور اپنی قوم و معاشرہ کے لئے تباہی و ہلاکت کو دعوت دی، متعدد ترقی یافتہ اور متمدن قومیں جو علم و ادب کے بیش بہا خزانوں سے مالا مال تھیں اور ذکاوت و عبقریت میں جن کی مثال دی جاتی تھی، اس انکار، تکبر، غرور، خود پرستی اور اپنے علوم اور صنعتوں پر فخر کا شکار ہو چکی ہیں، اپنے زمانہ کے نبی کی لائی ہوئی تعلیمات کو انہوں نے حقارت اور نفرت کی نظر سے دیکھا، اس سے بے نیازی برتی، اس کو بے کار اور بے قیمت سمجھا، تو وہ اسی غرور کی کی نذر ہو گئیں اور وہ حماقت جو اعلیٰ ذہانت نظر آتی تھی، وہ تنگ نظری جس کو اس وقت دور اندیشی اور حقیقت شناسی کہا جاتا تھا، ان کو لے ڈوبی اور انہوں نے اپنے کئے کا مزہ چکھ لیا۔

انبیاء کے علم اور دوسرے علوم اور صنعتوں کا تقابل:

انبیائے کرام (علیہم السلام) کے علم اور دوسرے علماء اور حکماء کے علوم وفنون کا واضح فرق ایک کہانی سے بالکل ظاہر ہو جاتا ہے، آپ لوگوں نے اسے سنا تو ضرور ہوگا، لیکن شاید اس طرح اس فرق پر منطبق نہ کیا ہوگا، نہ یہ بلیغ حکمت معلوم کی ہوگی اور معاف کیجئے گا کہ یہ کہانی آپ ہی لوگوں یعنی طلبہ ہی کے طبقہ سے تعلق رکھتی ہے۔

''راوی صادق البیان کہتا ہے کہ ایک بار چند طلبہ تفریح کے لئے ایک کشتی پر سوار ہوئے، طبیعت موج پر تھی، وقت سہانا تھا، ہوا نشاط انگیز اور کیف آور تھی اور کام کچھ نہ تھا، یہ نوعمر طلبہ خاموش کیسے بیٹھ سکتے تھے، جاہل ملاح دلچسپی کا اچھا ذریعہ، اور فقرے بازی، مذاق وتفریح طبع کے لئے نہایت موزوں تھا، چنانچہ ایک تیز وطرار صاحبزادہ نے اس سے مخاطب ہو کر کہا: ''چچا میاں آپ نے کون سے علوم پڑھے ہیں؟''

ملاح نے جواب دیا۔ ”میاں میں کچھ پڑھا لکھا نہیں۔“

صاحبزادہ نے ٹھنڈی سانس بھر کر کہا۔ ”ارے آپ نے سائنس نہیں پڑھی۔؟“

ملاح نے کہا۔ ”میں نے تو اس کا نام بھی نہیں سنا۔“

دوسرے صاحبزادے بولے۔ ”اقلیدس اور الجبرا تو آپ ضرور جانتے ہوں گے؟“

ملاح نے کہا۔ ”حضور یہ نام میرے لئے بالکل نئے ہیں۔“

اب تیسرے صاحبزادے نے شوشہ چھوڑا۔ ”مگر آپ نے جغرافیہ اور تاریخ تو پڑھی ہی ہوگی؟“

ملاح نے جواب دیا۔ ”سرکار یہ شہر کے نام ہیں یا آدمی کے؟“

ملاح کے اس جواب پر لڑکے اپنی ہنسی نہ ضبط کر سکے اور انہوں نے قہقہہ لگایا۔

پھر انہوں نے پوچھا۔ ”چچا میاں تمہاری عمر کیا ہوگی؟“

ملاح نے بتلایا۔ ”یہی کوئی چالیس سال۔“

لڑکوں نے کہا۔ ”آپ نے اپنی آدھی عمر برباد کی اور کچھ پڑھا لکھا نہیں۔“ ملاح بے چارہ خفیف ہو کر رہ گیا اور چپ سادھ لی۔

قدرت کا تماشہ دیکھئے کہ کشتی کچھ ہی دور گئی تھی کہ دریا میں طوفان آ گیا، موجیں منہ پھیلائے ہوئے بڑھ رہی تھیں اور کشتی ہچکولے لے رہی تھی۔ معلوم ہوتا تھا کہ اب ڈوبی تب ڈوبی۔ دریا کے سفر کا لڑکوں کا پہلا تجربہ تھا، ان کے اوسان خطا ہو گئے۔ چہرہ پر ہوائیاں اڑنے لگیں۔ اب جاہل ملاح کی باری آئی، اس نے بڑی سنجیدگی سے منہ بنا کر پوچھا۔ ”بھیا تم نے کون کون سے علم پڑھے ہیں؟“

لڑکے اس بھولے بھالے جاہل ملاح کا مقصد نہیں سمجھ سکے اور کالج یا مدرسہ میں پڑھے ہوئے علوم کی لمبی فہرست گنانی شروع کر دی اور جب بھاری بھرکم اور مرعوب کن نام گنا چکے تو اس نے مسکراتے ہوئے پوچھا۔ ”ٹھیک ہے، یہ سب تو پڑھا، لیکن کیا پیراکی بھی سیکھی ہے؟“ اگر خدانخواستہ کشتی الٹ جائے تو کنارہ کیسے پہنچ سکو گے؟“

لڑکوں میں کوئی بھی پیرنا نہیں جانتا تھا، انہوں نے بہت افسوس کے ساتھ جواب دیا۔ ”چچا جاں! یہی ایک علم ہم سے رہ گیا ہے، ہم اسے نہیں دیکھ سکے۔“

لڑکوں کا جواب سن کر ملاح زور سے ہنسا اور کہا۔ ''میں نے تو اپنی آدھی عمر کھوئی مگر تم نے تو پوری عمر ڈبوئی، اس لئے کہ اس طوفان میں تمہارا پڑھا لکھا کچھ کام نہ آئے گا، آج پیراکی ہی تمہاری جان بچا سکتی ہے اور وہ تم جانتے ہی نہیں۔''

ترقی کے اعلیٰ مدارج طے کرنے اور تہذیب وتمدن کے بلند معیار پر پہنچنے والی تمام قوموں کی یہی حالت ہے، خواہ وہ علم وادب کے دائرہ المعارف (انسائیکلو پیڈیا) ہی کیوں نہ رہی ہوں، یا انسانوں کے تمام علوم، حکمتوں، ایجادات اور وسیع دنیا میں چھپے ہوئے خزانوں کے انکشافات میں پوری دنیا کی امام ہی کیوں نہ رہی ہوں، لیکن وہ علم سے ناواقف تھیں، جس سے اللہ کی معرفت حاصل ہوتی ہے، جس کے ذریعہ خالق تک پہنچا جا سکتا ہے، جس کے سہارے ساحل مقصود تک رسائی اور طوفان سے نجات کا حصول ممکن ہے، جو اعمال اور میلانات کو درست رکھتا، خواہشات اور شہوات کو قابو کرتا ہے، اخلاق کو صالح اور نفس کو مہذب بناتا ہے، برائیوں سے روکتا اور بھلائیوں پر ابھارتا ہے، دل میں اللہ کا خوف اور خشیت پیدا کرتا ہے، اور جس کے بغیر نہ معاشرہ کی اصلاح ہو سکتی ہے، نہ تہذیب وتمدن کی حفاظت، جو انسان کو انجام کی فکر اور آخرت کے لئے تیاری پر آمادہ کرتا ہے، انانیت اور خود پرستی کے جذبات فرو کرتا ہے، دنیا کی حقیر چیزوں کی حرص وہوس سے آزادی دلاتا ہے، احتیاط اور توازن کا راستہ دکھاتا ہے اور غیر مفید اور بے نتیجہ کوششوں سے باز رکھتا ہے۔

اللہ نے ان قوموں کا قصہ قرآن میں بیان کرتے ہوئے فرمایا ہے، جو غرور وتکبر کے نشہ میں مست تھیں اور انہوں نے اپنے اپنے معاصر انبیاء کرام کو ذلیل وحقیر سمجھا جو اس زمانہ کی رائج علوم میں امتیازی شہرت نہیں رکھتے تھے۔

فلما جآءتهم رسلهم بالبينت فرحوا بما عندهم من العلم وحاق بهم ما كانوا به يستهزؤن

اور جب ان کے پیغمبران کے پاس کھلی نشانیاں لے کر آئے تو جو علم ان کے خیال میں ان کے پاس تھا اس پر اترانے لگے اور جس چیز سے تمسخر کیا کرتے تھے، اس نے ان کو آن گھیرا۔

رسول کی بعثت کے بعد انکار کی گنجائش نہیں:

خاتم النبیین ﷺ کی بعثت کے بعد بھی ہر اس قوم کی یہی حالت ہے جو علم، حکمت، صنعت اور تمدن کے بلند مدارج طے کر چکی اور اس کے تکبر وغرور اور اپنے علوم، ترقیات اور ماہر فن باکمالوں پر ضرورت سے زیادہ اعتماد نے رسول اللہ ﷺ کے لائے ہوئے بہترین اور ضروری علم سے اس کو روکے رکھا، رسول اللہ ﷺ کے طریقے اختیار کرنے اور آپ کے نقش قدم پر چلنے کی اجازت نہ دی۔

ہمارے زمانہ کی ترقی یافتہ قوموں کی مثال بھی یہی ہے، جو اس قیامت تک باقی رہنے والے دین سے فائدہ اٹھا سکتی ہے اور اس مرکز انوار سے روشنی کی کرنیں اپنے دامن میں سمیٹ سکتی ہیں، جلد ہی ان قوموں کے انکار، تکبر اور استغنا کا نتیجہ ظاہر ہو جائے گا، ان کی جاں بلب تہذیب کی لاش کا تعفن پھیل جانے کا اور ان کے تمدن کی عمارت زمین پر آ رہے گی۔

اسلامی ممالک کے لئے خطرہ عظیم:

مسلم اور عرب ممالک کا رویہ اور تعجب خیز ہے کہ وہ اس حیات بخش اور قیمتی علم سے اعراض اور اس سے استفادہ سے پہلوتہی کر رہے ہیں، اور اس کے بجائے مغربی تہذیب، مادی قدروں، جاہلی زندگی اور قومی یا اشتراکی فلسفوں پر ٹوٹے پڑ رہے ہیں، یہ ان کے لئے عظیم ترین خطرہ ہے، جس کا کوئی مداوا نہیں، اسی اعراض کی سزا میں وہ افتراق واختلاف میں مبتلا ہیں، ہنگامے اور آئے دن کے انقلابات ان کو تباہ کر رہے ہیں، ان میں بغض وحسد جیسے مہلک امراض پیدا ہو گئے ہیں، ان کی ہوا اکھڑ گئی اور وہ دشمنوں کی نظر میں ذلیل ہو گئے ہیں۔

علماء ومحققین اور انبیاء کرام کا فرق ایک تمثیل میں:

انبیائے کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کے مقابلہ میں دوسرے علماء ومحققین اور ارباب فضل وکمال کی مثال ایسی ہے، جیسے کسی بہت بڑے آباد ترقی یافتہ اور منظم شہر میں مختلف ذوق اور

مناسبت رکھنے والے ارباب علم وحکمت داخل ہوں۔

ایک جماعت آتی ہے، جس کی دلچسپیوں کا مرکز علم تاریخ ہے، تو وہ اس قدیم شہر کی تاریخ دریافت کرے گی کہ کس نے یہ شہر آباد کیا، کب اس کی بنیاد پڑی، اس میں ترقی کب کب ہوئی، کن حادثات سے اسے دوچار ہونا پڑا، اور کون کونسی حکومتیں کن کن اوقات میں آتی رہیں؟

ایک اور جماعت اسی شہر میں آتی ہے، اس کی تلاش وتحقیق کا موضوع آثار قدیمہ ہیں تو وہ قدیم آثار تلاش کرے گی، شہر کے تاریخی حصوں کی کھدائی کرے گی، اور ان سے نکلی ہوئی چیزوں اور کتبات کا مطالعہ کرکے ان کے زمانوں کو متعین کرے گی، قدیم برباد شدہ تہذیبوں اور پرانے عادات واطوار کا پتہ لگائے گی۔

کچھ اور لوگ اسی شہر کا رخ کرتے ہیں، جن کا خاص فن جغرافیہ ہے، ان کی دلچسپیاں جغرافیہ ہی تک محدود رہتی ہیں، وہ لوگ دیکھتے ہیں کہ اس شہر کے حدود اربعہ کیا ہیں، ان کا رقبہ کتنا ہے، شہر کا جغرافیائی محل وقوع کیا ہے، اس کے گرد وپیش کے پہاڑ اور اس پر سایہ فگن چوٹیاں کیسی ہیں؟ شہر کا سینہ چیرنے والی نہریں کون کونسی ہیں اور وہ کہاں سے گزرتی ہوئی اس شہر تک پہنچتی ہیں؟

ایک اور طبقہ داخل ہوتا ہے، جس کی جولانگاہ میدان شعر وادب ہے، اور اس مزین ومنظم شہر کا حسن وجمال، اس کے دلکش مناظر، صبح وشام، دل ودماغ کو معطر کرنے والی نازک خرام ہوائیں اور باغات میں لہلہاتے ہوئے رنگ برنگے گل بوٹے اس کو متاثر کرتے ہیں، اس کے دل کی کلی کھل جاتی ہے، اور اس کی صلاحیتیں اور شاعرانہ کمالات، نازک خیالات، بلند معانی سے مزین اور فصاحت وبلاغت سے آراستہ اشعار کا ایک دیوان مرتب کردیتے ہیں۔

کچھ اور لوگ اس شہر کا رخ کرتے ہیں، ان کی تلاش وتحقیق کا رخ زبان اور فلسفہ زبان کی طرف ہوتا ہے، وہ لوگ اہل شہر کی زبان کو اپنا موضوع بناتے ہیں، اور اس زبان کی ابتداء اس کی نشو ونما، اس کی ترقی کے مدارج اور دوسری زبانوں سے اس کے تعلق کا مطالعہ کرتے ہیں، اس زبان کی اصل کا پتہ لگاتے ہیں، درمیان کی گمشدہ کڑیاں تلاش کرتے ہیں، الفاظ کا ذخیرہ جمع کرتے ہیں، زبان کے قواعد مرتب کرتے ہیں اور رسم الخط کا مطالعہ کرتے ہیں، اور اس کے بارے میں تحقیقات عمل میں لاتے ہیں۔

اہل علم وفن کی یہ ساری جماعتیں انتہائی ضروری اور قابل قدر ہیں، ان میں سے کسی کی تنقیص یا کسی کی جانب سے بے توجہی نہیں کی جاسکتی، ہر ایک کا اپنا رجحان، ذوق اور اس کے مطالعہ کا موضوع رہتا ہے، اسی کے مطابق اس کی صلاحیتیں اپنا عمل کرتی ہیں، لیکن یہ تمام طبقے اپنی قدر و قیمت اور اپنی اہمیت کے باوجود اس وقت تک خطرے سے نہیں نکل سکتے ہیں، جب تک کہ اس شہر کے متعلق چند انتہائی ضروری امور نہ معلوم کرلیں کہ اس کا حاکم کون ہے، اس کا نظام حکومت کیسا ہے، اور وہ قوانین کون سے ہیں، جن کے سامنے تمام لوگوں کو (رجحانات اور صلاحیتوں کے اختلاف کے باوجود) سر تسلیم خم کرنا پڑتا ہے، اس شہر یا ملک کی شہریت حاصل کرنے کے کیا اصول ہیں، اس کے بسنے والوں پر کتنے ٹیکس واجب الادا ہیں، اس پر آباد ہونے کے قواعد کیا ہیں، یہاں کیا کیا چیزیں ممنوع اور خلاف قانون ہیں، جن کا ارتکاب ان کو مصیبت میں مبتلا کرسکتا ہے، اور اس طرح کی اور بہت سی چیزیں جو اس منظم اور ترقی یافتہ شہر میں باعزت اور پرسکون زندگی گزارنے کے لئے ضروری ہیں۔

مثالی شہر میں انبیاء کا خاص فریضہ:

اسی مثالی اور ترقی یافتہ شہر میں ایک اور جماعت داخل ہوتی ہے، صلاحیتوں میں کامل، حق اور نفع بخش قوتوں کی مالک، نازک احساس اور لطیف و پاکیزہ ذوق سے مزین، انسانی خوبیوں میں سے کسی چیز کی کمی نہیں، لیکن اس کے عزائم بالکل الگ ہیں، اس کی دعوت اور اس کا طریقہ کار ان لوگوں کی دعوت اور طریق کار سے بالکل جدا ہے، وہ براہ راست اس منظم شہر کے مرکز اور اس کی قوت، زندگی اور تنظیم کے اصل سرچشمہ تک پہنچتی ہے، بلکہ اس شہر کا مختار کل خود اس جماعت کی انگلی پکڑ کر اصل مرکز تک لے جاتا ہے، اور یہ مقدس جماعت براہ راست اس سے احکام و فرامین حاصل کرتی ہے، اور اسے شہر کے تمام لوگوں تک پہنچاتی ہے، وہ اس شہر کی تنظیمی قوت یا تنظیمی ادارہ اور اس کے شہریوں کی درمیانی اور اہم کڑی بن جاتی ہے۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ شہر کے تمام لوگ اور علماء و فضلاء کے تمام طبقے اپنی زندگی کے تمام شعبوں اور امن وسکون کے ساتھ علمی وتحقیقی مشاغل کے انہماک میں اس مقدس جماعت کے احسان مند ہیں، کیونکہ یہ سارے علوم وفنون اس خاص علم ومعرفت کے زیر سایہ پرورش

پاتے اور نشوونما کے مراحل طے کرتے ہیں، جس کی تعلیم یہ مقدس جماعت دیتی ہے، جس کی تبلیغ تمام لوگوں میں کرتی ہے، دن رات اسی کی فکر رہتی ہے، اور اسی کے زیر سایہ زندگی گزارتی ہے، اگر یہ معلومات نہ ہوں اور یہ مبارک جماعت نہ ہو تو دوسری ساری جماعتیں لاعلمی اور جہالت کا شکار ہو جائیں گی، ان سے خلاف قانون حرکتیں سرزد ہوں گی، انہیں گرفتار کیا جائے گا، اور جیل خانوں میں بھرا جائے گا اور ان کے تمام علوم، تمام حکمتیں، ساری کدوکاوش اور ایجادات ان کے کچھ کام نہ آئیں گی، کیونکہ ان تمام علوم وتحقیقات اور اس نظام کی (جو ان تمام وحدتوں کو ایک سلسلہ میں پروتا ہے) بنیاد ہے، اس وسیع وعریض شہر کے انتظام کرنے، اسے چلانے والے اور مختار کل کی ذات کی معرفت اور اس اصل مرکز کی معرفت، جس کے گرد اس شہر کی زندگی گردش کرتی ہے، یہی وہ معرفت ہے، جس کے لئے انبیاء کرام مخصوص کئے گئے، جو انہیں کی ذات سے وابستہ ہے۔

وکذلک نری ابراهیم ملکوت السموت والارض ولیکون من الموقنین

اور اسی طرح ابراہیمؑ کو آسمانوں اور زمین کے عجائبات دکھانے لگے تاکہ وہ خوب یقین کرنے والوں میں ہو جائیں۔

مقدس ترین فریضہ:

اس معرفت کی اہمیت کہیں زیادہ ہو جاتی ہے، اگر یہ بھی ملحوظ رہے کہ میری بیان کی ہوئی مثال میں معاملہ صرف حاکم اور منتظم ہی کا نہیں بلکہ شہر کا حاکم اور منتظم، اس کا خالق بھی ہے، جس نے اس کو وجود بخشا ہے، اس پر زندگی کی لہریں دوڑائی ہیں، اس کی ضرورت کی تمام چیزیں اور آسانیاں فراہم کی ہیں، وہ روزی رساں ہے، سخی ہے، رحمت ومغفرت والا ہے، اپنی مخلوقات سے اس سے زیادہ محبت رکھتا ہے جو ماں کو اپنے بچے سے ہوتی ہے۔ ذیل کی آیت قرآنی سے معلوم ہوگا کہ اس کا تعلق اس کائنات اور مخلوق سے کتنا وسیع، عمیق اور محیط ہے، اور وہ کن صفات اور اسمائے حسنیٰ سے موصوف ہے، جن کی تجلی اس عالم کے ذرہ ذرہ میں جلوہ گر ہے۔

هو الله الذی لآاله الا هو عالم الغیب والشهادة هوالرحمن الرحیم O
هوالله الذی لآاله الا هوالملک القدوس السلام المؤمن المهیمن العزیز

الجبار المتکبر، سبحان اللہ عما یشرکون O ھو اللہ الخالق الباری المصور، لہ الاسماء الحسنی لہ مافی السموت والارض وھو العزیز الحکیم O

وہی خدا ہے جس کے سوا کوئی معبود نہیں، پوشیدہ اور ظاہر کا جاننے والا وہ بڑا مہربان، نہایت رحم والا ہے، وہی خدا ہے جس کے سوا کوئی لائق عبادت نہیں، بادشاہ حقیقی، پاک ذات، ہر عیب سے سالم، امن دینے والا نگہبان، غالب، زبردست، بڑائی والا خدا ان لوگوں کے شریک مقرر کرنے سے پاک ہے، وہی خدا تمام مخلوقات کا خالق، ایجاد و اختراع کرنے والا، صورتیں بنانے والا اور اس کے سب اچھے سے اچھے نام ہیں۔ جتنی چیزیں آسمانوں اور زمین میں ہیں، سب اس کی تسبیح کرتی ہیں اور وہ غالب حکمت والا ہے۔

لہذا انسان کو ودیعت کی ہوئی عقل کی ساری صلاحیتیں صرف کر کے اس کی معرفت کی تحصیل، دل کی گہرائیوں میں اس کی محبت، تمام اعضاء و جوارح سے اس کی اطاعت اور اس کی رضامندی، اس کا قرب اور اس کی رحمت و توجہ کی تحصیل میں انتہائی محنت و مشقت ہی سب سے اہم فریضہ ہے، سب سے مقدس کام، انسانیت اور شرافت کا تقاضا ہے، عقل سلیم اور صالح فطرت کا صحیح مطالبہ ہے۔

انسانوں کو مختلف طبقات، ان کی سرگرمیوں اور ان کی دعوتوں کے مقابلہ میں، یہ ہے انبیائے کرام علیہم السلام، ان کی سرگرمیوں اور ان کی دعوت کا مقام بلند، یہ مقدس طبقہ انسانیت کے لئے اتنا ہی ضروری ہے، جس قدر جسم کے لئے روح، کام کے لئے عقل اور انسان کے لئے روشن آنکھیں اور دنیا ان کے بغیر (اپنے تمام علوم، ادبیات، تہذیب، ثقافت، صنعت اور حرفت کے باوجود) کلیۃً تیرہ و تار اور مکمل بحر ظلمات ہے۔

ظلمت بعضھا فوق بعض اذا اخرج یدہ لم یکد یراھا ومن لم یجعل اللہ لہ نوراً فمالہ من نورٍ

غرض اندھیرے ہی اندھیرے ہوں، ایک پر ایک چھایا ہوا جب اپنا ہاتھ نکالے تو کچھ نہ دیکھ سکے اور جس کو خدا روشنی نہ دے اس کو کہیں بھی روشنی نہیں مل سکتی۔

انسانیت کی خیر و برکت اور تمدن کے ارتقاء کا بنیادی سبب:

انبیائے کرام صرف معرفت صحیحہ اور علم الیقین ہی کے مرکز و منبع نہیں ہیں، بلکہ اس کے

ساتھ ہی وہ انسانی معاشرہ کو ایک اور بے بہا دولت بھی عطا کرتے ہیں، جس پر انسانیت کی خیر و برکت اور تمدن کی تعمیر وترقی کا پورا پورا دارومدار ہے، اور وہ قیمتی سرمایہ ہے، بھلائی سے محبت اور برائی سے نفرت کا مقدس ترین جذبہ، اور شرک کی قوتوں اور اس کے مرکز کو پاش پاش کرنے اور خیر کی توسیع وترقی کے لئے قربانیاں دینے کا مبارک عزم، اور انسان کی تمام ترقیات سربلندیوں اور ناقابل فراموش کارناموں کا اصل اور اساسی سبب یہی مقدس جذبہ مبارک عزم ہی ہے، کیونکہ تمام اسباب ووسائل، ساز وسامان اور تجربہ وتحقیق کے ادارے انسان کے عزم وارادہ کے تابع ہیں، تمام کارناموں کی اساس یہ ہے کہ انسان ارادہ کرے، اور اس بھلائی کا اصل ماخذ ومنبع ہمیشہ انبیائے کرام علیہم السلام کی تعلیمات رہی ہیں، انہوں نے اپنی بعثت کے زمانہ میں اپنی قوم وامت اور اپنے پورے معاشرہ میں خیر کی محبت اور شر سے نفرت کے جذبہ کو پروان چڑھایا، حق کی حمایت اور باطل کی مخالفت ان کی طبیعت اور فطرت میں داخل کرنے کی کوشش کی اور طویل انسانی تاریخ میں جب بھی یہ جذبہ کمزور پڑا، انسانوں کی فطرت میں تغیر رونما ہوا، اور ان میں بہیمیت اور درندگی کے آثار ظاہر ہوئے، جیسا کہ ہم قرآن میں بیان کئے ہوئے مختلف قوموں کے حالات میں مشاہدہ کرتے ہیں، انبیائے کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام نے فوراً اس کا علاج کیا، اور قساوت وبہیمیت کو رحمت ورافت اور شرافت وانسانیت میں بدل دیا، انہوں نے اپنی اعلیٰ تعلیمات کی اشاعت کی، اس کے لئے مسلسل ومتواتر جدوجہد کی، عیش وآرام کی پروانہ کی، عزت ووقار کا خیال نہیں کیا، حتیٰ کہ اپنے جسم وجان کی فکر نہیں کی، اور اسی مسلسل وجانکاہ محنت و مشقت کے نتیجہ میں انسانیت سے عاری حیوانوں اور پھاڑ کھانے والے درندوں میں ایسے نیک نفس لوگ پیدا ہوئے جن کے انفاس سے دنیا معطر ہوگئی، جن کے حسن و جمال سے انسانیت کی تاریخ میں دل کشی ورعنائی آ گئی، جو رفعت ومنزلت میں فرشتوں سے بھی آگے نکل گئے، اور انہیں برگزیدہ مثالی اور قابل تقلید نفوس کی برکت سے تباہ وبرباد ہونے والی انسانیت کو نئی زندگی مل گئی، عدل وانصاف کا دوردورہ ہوگیا، کمزوروں میں طاقت والوں سے اپنا حق وصول کرنے کی ہمت وطاقت پیدا ہوئی، بھیڑیوں نے بکریوں کی گلہ بانی کی، فضاؤں میں رحم وکرم کی خنکی چھا گئی، الفت ومحبت کی خوشبو پھیل گئی، سعادت کا بازار گرم ہوگیا، دنیا میں جنت کی دکانیں سج گئیں، ایمان ویقین کی عطر بیز ہوائیں چلنے لگیں، انسانی نفوس ہوا وہوس کی گرفت

سے آزاد ہو گئے۔ قلوب بھلائیوں کی طرف ایسے کھنچنے لگے جیسے مقناطیس کی طرف لوہے کے ٹکڑے۔ انسانوں کی تہذیب و تمدن اور ان کی ارتقاء پر اس مبارک و مقدس طبقہ کے جس قدر احسانات ہیں، کسی اور طبقہ کے نہیں ہیں، الطاف و عنایات کا خنک سایہ، انسانوں کی عزت، ان کی شرافت، ان کے اعتدال، ان کے توازن ان کی پوری زندگی پر چھایا ہوا ہے، انہی الطاف و عنایات کی زیر سایہ حیات انسانی کے بقا کا امکان ہے، اگر انبیائے کرام علیہم السلام نہ ہوتے تو انسانیت کا سفینہ اپنے علم، فلسفہ، حکمت اور تہذیب و تمدن سمیت طوفان کی نذر ہو جاتا، اور روئے زمین پر انسانوں کے بجائے جنگلی جانوروں اور درندوں کے ریوڑ کلیلیں کرتے ہوئے نظر آتے، جو نہ اپنے خالق اور رب کو پہچانتے نہ دین و اخلاق سے آشنا ہوتے، نہ رحمت و محبت کا احساس رکھتے اور نہ آب و دانہ یا گھاس چارہ سے بلند کوئی بات ان کے ذہن میں آتی۔

آج دنیا میں جتنے بھی بلند انسانی اقدار لطیف و نازک احساسات، بہترین و بلند اخلاقی تعلیمات، صحیح و نفع بخش علوم، یا باطل سے ٹکرانے کے عزائم پائے جاتے ہیں، ان تمام کی تاریخ کا سلسلہ، وحی آسمانی، انبیاء کی تعلیمات، ان کی دعوت و تبلیغ، ان کے مجاہدات اور ان کے پر خلوص اصحاب و تبعین ہی پر ختم ہوتا ہے، اور دنیا (ازل سے ابد تک) ان کے دسترخوان کی ریزہ چینی پر مجبور رہی ہے، انہی کی پھیلائی ہوئی روشنی میں قدم بڑھاتی رہی ہے، اور انہی کی تعمیر کی ہوئی محکم عمارت کے سایہ میں سر چھپاتی اور زندگی گزارتی رہی ہے، اور رہے گی، ان مقدس نفوس پر ہزاروں ہزار درود اور سلام ؎

بہار اب جو دنیا میں آئی ہوئی ہے
یہ سب پودا انہیں کی لگائی ہوئی ہے

انبیائے کرام کی امتیازی خصوصیات

مزاج ومنہاج

الحمد لله نحمده ونستعينه ونستغفره ونعوذ بالله من شرور انفسنا ومن سيئات اعمالنا من يهده الله فلا مضلل له ومن يضلله فلا هادى له ونشهد ان لا اله الا الله ونشهد ان محمدا عبده ورسوله الذى ارسله الله تعالىٰ من الحق الى الخلق بشيرا ونذيرا وداعيا الى الله باذنه وسراجا منيرا O

عزیزان گرامی! پہلے خطبہ میں میری گفتگو کا موضوع تھا، نبوت کی ضرورت اور اس کی قدر و قیمت، کہ دنیائے انسانیت کو اس کی کتنی شدید ضرورت ہے، تہذیب وتمدن پر اس کے احسانات کس قدر ہیں، انبیائے کرام کی سرگرمیاں کس نوعیت کی ہیں اور دنیا میں ان کا پیغام کیا ہے؟ اور آج کے اس مبارک موقع پر میں نبوت کے طبعی خصائص اس کے خاص مزاج اور انبیاء کی بنیادی خصوصیات اور امتیازات پر گفتگو کرنا چاہتا ہوں، نیز یہ کہ انبیائے کرام کا یہ مقدس طبقہ کن امور میں انسانی طبقات کے دوسرے مفکرین اور مصلحین سے ممتاز ہوتا ہے۔

مقام نبوت کو سمجھنے پر خودساختہ اصطلاحات کا ظلم:

مصنوعی اور خودساختہ انداز واسلوب، سیاسی طور طریقوں، قیادت و تنظیم نئی راہوں اور تعلیم وتربیت کے جدید اصولوں نے مقام نبوت کے فہم وادراک پر بہت بڑا ظلم کیا ہے، یہ انداز فکر اور طریق کار بجائے خود قابل قدر ہے انہوں نے جاہلوں میں تعلیم کی اشاعت معیار زندگی کو بلند کرنے، مفاسد کا مقابلہ کرنے اور غلام ملکوں کو آزادی کی دولت عطا کرنے میں گراں بہا خدمات انجام دی ہین، اور یہ تمام کے تمام لائق سپاس وستائش ہیں، لیکن یہ اسالیب وانداز فکر لوگوں کے دل ودماغ پر اس طرح چھا گئے ہیں، ان کی طبیعت اور ان کی سیرت وکردار میں اس حد تک رچ بس گئے ہیں، اور ان کے عزم وارادہ اور طاقت وقوت کے سرچشموں، اعمالی اور محنت ومشقت پر ابھارنے والے جذبوں، غور وفکر اور کامیابی وکامرانی کے پیمانوں کی صورت

میں اس طرح ڈھل گئے ہیں، کہ وہ لوگ اس پہلو کے علاوہ منصب نبوت اور انبیائے کرام علیہم السلام کا تصور ہی نہیں کرتے، نہ اس عینک کے بغیر ان کی طرف دیکھتے ہیں، اس زمانہ میں بعض اسلام پسند مصنفین، اہل قلم اور مسلمانوں کی نشأۃ ثانیہ کے داعی اور علمبردار بھی انہیں خیالات و اثرات کے سامنے سپر انداز ہو گئے ہیں، اور انہوں نے انبیائے کرام علیہم السلام کی دعوت اور ان کی سیرت کی تفسیر وتعبیر، جدید سیاسی اور معاشرتی اصطلاحات کی زبان میں شروع کر دی ہے. جو اہل زمانہ کے لئے نبوت کا حقیقی منصب، انبیائے کرام کے مزاج، ان کے پیغامات کی حقیقت اور ان کے اعمال کے صحیح رخ کو سمجھنے میں رکاوٹ بن رہی ہے، اور ان کی اتباع اور ان کی صحیح عظمت و مقام پہچاننے میں مانع ہو رہی ہے، اور ذہن کو ایسے راستے کی جانب موڑ رہی ہے، جو نبوت کے مزاج و منہاج سے کوئی مناسبت نہیں رکھتا۔

سیاسی طرز فکر، جدید سیاسی اصطلاحات، اور موجودہ زمانہ میں سیاست و ریاست کی اہمیت کا، ذہن و فکر، طرز ادا، اور تقریر و تحریر پر ایسا گہرا اثر پڑا ہے، کہ دعوت اسلامی کے بعض داعی اور قائد، اور بلند پایہ اہل قلم بھی اپنی تحریروں میں بے تکلف وہ سیاسی اصطلاحات اور تعبیرات استعمال کرنے لگے ہیں، جن کے ساتھ خاص مفاہیم و افکار اپیوست، اور ایک خاص تاریخ وابستہ ہے، اور جن کا ایک خاص پس منظر ہے، مزید برآں وہ اپنا ایک مخصوص ومحدود مفہوم رکھتی ہیں، اور انبیاء علیہم السلام کی دعوت کی روح اور مزاج کی صحیح ترجمانی کرنے سے نہ صرف قاصر ہیں، بلکہ مختلف قسم کی غلط فہمیاں شکوک و بدگمانیاں پیدا ہونے کی بھی باعث ہوتی ہیں، مثلاً ''انقلاب''''بغاوت''''جمہوریت''''اشتراکیت''اور''نظام''کے الفاظ کہ ان میں سے ہر ایک کا خاص مفہوم ہے، جس نے خاص حالات، ماحول اور حوادث و واقعات کی سایہ میں نشو ونما حاصل کیا ہے، اور ارتقاء کی منزلیں طے کی ہیں، اور ان سے ایک خاص طرح کے تجربات و تاثرات وابستہ ہیں، جن کو ان سے جدا نہیں کیا جا سکتا، واقعہ یہ ہے کہ اسلام کی دعوت بعثت نبوی اور اس کے اثرات و برکات کے ذکر کے سلسلے میں قرآن مجید اور شرع و دین کی زبان نے جو تعبیر اور طرز ادا اختیار کیا ہے، اسی کا اختیار کرنا مناسب ہے، اس لئے کہ وہ ہر طرح کی غلط فہمیوں اور کوتاہ اندیشیوں سے مبرا ہے، اور اسی سے دین کی صحیح روح اور اس کے اصل مزاج سے آشنائی پیدا ہوتی ہے۔

قرآن کے مخلصانہ وعمیق مطالعہ کی ضرورت:

اس بات کی شدید ضرورت ہے کہ اس موضوع پر قرآن کا مخلصانہ اور گہرا مطالعہ کیا جائے، جو خارجی اثرات اور "غیروں" کے تصورات سے بالکل آزاد ہو۔ اسی طرح اس پر ہمارے ذاتی رجحانات اور خواہشات سایہ فگن نہ ہوں، ممکن ہے کہ ہماری خواہشات معیوب نہ ہوں، بلکہ مستحسن ہوں، یہ بھی ممکن ہے کہ وہ فطری اور طبعی ہوں، لیکن یہ قطعاً ضروری نہیں کہ قرآن سے ہر مستحسن چیز کے لئے دلیل وسند کا کام لیا جائے، یا انبیائے کرام علیہم السلام کی سیرتیں ہر اچھی دعوت اور جدو جہد کا ساتھ دیں، قرآن کے مطالعہ اور تفہیم کو زمانہ کے محدود پیمانوں کا پابند نہیں بنانا چاہئے کیونکہ زمانے آتے جاتے رہتے ہیں، غور وفکر کے انداز بھی بدلتے رہتے ہیں، اشیاء کی قدر و قیمت کو بھی بھی قرار نہیں، یہ چڑھتی اترتی رہتی ہے، ایک زمانہ میں جو نظریہ پیدا ہو یا جو اصطلاح وضع کی جائے، جائز نہیں کہ اس نظریہ یا اصطلاح کو اگلے زمانہ یا اگلے ماحول پر بھی جوں کا توں منطبق کر دیا جائے قرآن ایک آسمانی کتاب ہے، مستقبل ہے، اپنی منفرد شخصیت رکھتی ہے، علوم انسانی کا پورا خزانہ اور اس کے سارے نظریات ریت کے پھیلتے ہوئے تیلے کی مانند ہیں، جو بکھرتا بھی ہے، اور پھیلتا بھی، سمٹتا بھی ہے اور بڑھتا بھی، اس پر کسی چیز کی بنیاد رکھنا درست نہیں، پھر یہ کیسے صحیح ہو سکتا ہے کہ قرآن اپنے بلند آسمانی مقام، اور اپنی مستقل، مضبوط اور ابدی بنیادوں سے گر کر ریت کے اس بے ثبات ٹیلے پر آ رہے!!؟

انبیاء اور دوسرے رہنماؤں کا بنیادی فرق:

پہلی اور اہم ترین خصوصیت، جس میں انبیائے کرام علیہم السلام دوسروں سے ممتاز ہوتے ہیں، یہ ہے کہ جس علم کی وہ لوگوں میں نشر و اشاعت کرتے ہیں، جس عقیدہ کی طرف لوگوں کو دعوت دیتے ہیں، اور جس پیغام کی تبلیغ کی ذمہ داری، ان کے سپرد کی جاتی ہے، وہ نہ تو ان کی ذہانت کی پیداوار ہے، نہ اس فاسد اور تکلیف دہ صورت حال کا ردعمل ہے، جس میں وہ زندگی گزارتے ہیں، نہ ان کے لطیف و نازک شعور یا ذکی وحساس قلب کا ساختہ پرداختہ، نہ ان کے وسیع اور حکیمانہ تجربات کا نتیجہ، بلکہ اس کا منبع و ماخذ وحی آسمانی اور الٰہی پیغامات ہیں، جن کے لئے وہ منتخب کئے گئے ہیں، اور جس کا ان کو شرف بخشا گیا ہے، لہذا کبھی بھی دوسرے حکماء،

زعماء، مصلحین اور ان تمام رہنماؤں پر ان کو قیاس نہیں کیا جاسکتا، جن کا انسانیت اور اصلاح و عزیمت کی طویل تاریخ نے تجربہ کیا ہے، جو یا تو معاشرہ کی پیداوار ہوتے ہیں یا اپنی حکمت و ذہانت کا نتیجہ یا ماحول کی صدائے بازگشت یا اپنے اردگرد ابلتے ہوئے فساد اور انارکی کے لاوہ کا ردعمل اور اس کے خلاف ایک صدائے احتجاج۔

اس ردعمل کی اثرات (جو بعض اوقات خوردبین کے بغیر نہیں دیکھے جاسکتے) بہت سے ان اسلام پسند مصنفین اور داعیوں کی تحریروں میں نظر آتے ہیں، جن کو موجودہ مادی فلسفوں مغربی سیاست واقتدار کی کامیابی، اور اپنے ملک کے مسلمانوں کی غیر منظم زندگی یا غلامی نے اسلام کے مطالعہ، صورت حال کا مقابلہ کرنے، اور ان فلسفوں اور نظامہائے حیات کے متوازی اسلامی فلسفہ اور نظام حیات کے پیش کرنے پر آمادہ کیا، ان کی تحریروں اور تعبیروں اور ان کے طریق فکر میں اس "ردعمل" کے عکس اور سائے اس شخص کو آسانی کے ساتھ نظر آسکتے ہیں، جس کو ماحول کے اثرات اور عمل وردعمل کی سلسلہ سے آزاد ہو کر کتاب وسنت کے براہ راست مطالعہ کا موقعہ ملا ہے، پھر وہ ان جدید فلسفوں اور نظامہائے حیات کی آہنی گرفت اور جسم و جان میں پیوست ہوجانے والے اثرات سے بھی واقف ہے۔

ان جدید تحریروں اور اسلام ومسلمانوں کی جدید نشاۃ ثانیہ کی کوششوں میں اور نائبین انبیاء اور مجددین و مصلحین کی دعوت وفکر میں جن کو علمی ودینی رسوخ کی دولت یا ایمانی صحبت وتربیت کی سعادت حاصل ہوئی تھی، ایک واضح فرق محرکات عمل اور مقاصد کا ہے، پہلے گروہ کی کوشش و فکر کا بڑا محرک حصول قوت واقتدار یا غلبہ وعزت، اسلامی ریاست کا قیام، اور حیات انسانی کا نظم وسکون اور ثانی الذکر کا اصل محرک رضائے الٰہی کا حصول، آخرت کی کامیابی، ایمان واحتساب کا جزبہ اور اتباع نبوی واعلائے کلمۃ اللہ کا شوق ہے، اور انہیں جیسے لوگوں کے لئے کہا گیا ہے۔

تلک الدار الاخرة نجعلها للذین لا یریدون علواً فی الارض ولا فسادا والعاقبة للمتقین O (القصص ۸۳)

وہ (جو) آخرت کا گھر (ہے) ہم نے اسے ان لوگوں کے لئے (تیار) کر رکھا ہے، جو ملک میں فساد کا ارادہ نہیں کرتے اور انجام (نیک) تو پرہیزگاروں ہی کا ہے۔ اس سلسلہ میں فیصلہ کن بات قرآن کی ہے، جو سید المرسلین ﷺ کی زبان سے ادا کی گئی ہے۔

قل لو شآء الله ما تلوته' عليكم ولآ ادركم به فقد لبثت فيكم عمراً من قبله فلا تعقلون O

یہ بھی کہہ دو کہ اگر خدا چاہتا تو نہ تو میں ہی یہ کتاب تم کو پڑھ کر سناتا اور نہ تمہیں اس سے واقف کرتا میں اس سے پہلے تم میں ایک عمر رہا ہوں بھلا تم سمجھتے نہیں۔

اور اسی طرح اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے۔

وكذلك اوحينا اليك روحاً من امرنا ما كنت تدرى ما الكتب ولا الايمان ولكن جعلناه نوراً نهدى به من نشآء من عبادنا وانك لتهدى الى صراط مستقيم O

اور اسی طرح ہم نے اپنے حکم سے تمہاری طرف روح القدس کے ذریعے سے قرآن بھیجا ہے تم نہ تو کتاب کو جانتے تھے، اور نہ ایمان کو لیکن ہم نے اس کو نور بنایا ہے کہ اس سے ہم اپنے بندوں میں سے جس کو چاہتے ہیں ہدایت کرتے ہیں اور بیشک اے محمد ﷺ تم سیدھا راستہ دکھاتے ہو۔

اور اسی طرح ارشاد ہے۔

وما كنت ترجوا ان تلقى اليك الكتب الا رحمة من ربك فلا تكونن ظهيراً للكفرين O

اور تمہیں امید نہ تھی کہ تم پر یہ کتاب نازل کی جائے گی مگر تمہارے پروردگار کی مہربانی سے نازل ہوئی تو تم ہرگز کافروں کے مددگار نہ ہوتا۔

اور اسی طرح اس مقام سے آپ ﷺ کی عدم موجودگی کے ذکر کے بعد جہاں ان حادثات و واقعات کا ظہور ہوا تھا، جن کو آپ اپنی قوم کی سامنے بیان فرما رہے تھے فرمایا گیا۔

وما كنت بجانب الطور اذ نادينا ولكن رحمة من ربك لتنذر قوماً مآ اتهم من نذير من قبلك لعلهم يتذكرون O

اور نہ تم اس وقت جب کہ ہم نے موسیٰ کو آواز دی طور کے کنارے تھے بلکہ تمہارا بھیجا جانا تمہارے پروردگار کی رحمت ہے تا کہ تم ان لوگوں کو جن کے پاس تم سے پہلے کوئی ہدایت کرنے والا نہیں آیا ہدایت کرو تا کہ وہ نصیحت پکڑیں۔

قرآن رسالت ونبوت کے مزاج اور اس کے اصول اور اس کے منبع ومصدر کو ظاہر کرتے ہوئے کہتا ہے۔

ینزل الملئکة بالروح من امره علیٰ من یشآء من عباده ان انذروا انه لا اله الا انا فاتقون O

وہی فرشتوں کو پیغام دے کر اپنے حکم سے بندوں میں سے جس کے پاس چاہتا ہے بھیجتا ہے کہ لوگوں کو بتادو کہ میرے سوا کوئی معبود نہیں تو مجھی سے ڈرو۔

اسی وجہ سے رسول نہ تو داخلی نفسیاتی عوامل کے سامنے جھکتا ہے، نہ خارجی وقتی حادثات کے سامنے، اور اپنی رسالت کو اس رخ پر موڑتا ہے، جدھر ماحول یا حالات مڑتے ہیں، یا معاشرہ چاہتا ہے، اللہ تعالیٰ اپنے رسول کریم کے بارہ میں فرماتا ہے۔

وما ینطق عن الھوی ان ھو الا وحی یوحی O

اور نہ خواہش نفس سے منہ سے بات نکالتے ہیں یہ قرآن تو حکم خدا ہے، جو ان کی طرف بھیجا جاتا ہے۔

اسی طرح رسول ﷺ اس کی بھی استطاعت نہیں رکھتا کہ اپنے پیغامات اور اللہ کے احکام میں تغیر یا تبدیلی پیدا کر سکے، یا کچھ کمی وزیادتی کر سکے، اللہ اپنے رسول کی طرف سے کہتا ہے۔

قل ما یکون لی ان ابدله من تلقاء نفسی ان اتبع الا مایوحی الیٰ انی اخاف ان عصیت ربی عذاب یوم عظیم O

کہہ دو کہ مجھ کو اختیار نہیں ہے کہ اسے اپنی طرف سے بدل دوں میں تو اسی حکم کا تابع ہوں جو میری طرف آتا ہے اگر میں اپنے پروردگار کی نافرمانی کروں تو مجھے بڑے سخت دن کے عذاب سے خوف آتا ہے۔

اللہ نے آپ سے مداہنت کی بھی نفی کی ہے، اور آپ کو اس سے محفوظ رکھا، چنانچہ فرماتا ہے۔

ودوالو تدھن فیدھنون O

یہ لوگ چاہتے ہیں کہ تم نرمی اختیار کرو تو یہ بھی نرم ہو جائیں۔

اور اللہ کی طرف کسی غلط بات کی نسبت کرنے، ایسی باتیں بیان کرنے، جن کو اللہ نے نہ کہا ہو، یا

اس کی وحی وفرمان میں کمی یا زیاتی رسول کو دردناک اور رسوا کن عذاب کی دھمکی دی ہے۔

تنزیل من رب العلمینO ولو تقول علینا بعض الا قاویلO لا خذنا منه بالیمینO ثم لقطعنا منه' الوتینO فما منکم من احد عنه'حاجزینO

اور یہ تو پروردگار عالم کا اتارا ہوا ہے اگر یہ پیغمبر ہماری نسبت کوئی جھوٹی بات بنالاتے تو ہم ان کا داہنا ہاتھ پکڑ لیتے پھر ان کی رگ گردن کاٹ ڈالتے، پھر تم میں سے کوئی ہمیں اس سے روکنے والا نہ ہوتا۔

اور لفظ ومعنی، ہر اعتبار سے رسالت کی کامل ومکمل تبلیغ کا حکم دیا، چنانچہ فرماتا ہے۔

یآیھاالرسول بلغ مآ انزل الیک من ربک وان لم تفعل فما بلعت رسالته' والله یعصمک من الناس ان الله لا یھدی القوم الکفرینO

اے پیغمبر جو ارشادات خدا کی طرف سے تم پر نازل ہوئے ہیں، سب لوگوں کو پہنچادو اور اگر ایسا نہ کیا تو تم خدا کا پیغام پہنچانے میں قاصر رہے (یعنی پیغمبری کا فرض ادا نہ کیا) اور خدا تم کو لوگوں سے بچائے رکھے گا بے شک خدا منکروں کو ہدایت نہیں دیتا۔

یہی ہے انبیائے کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام اور دوسرے مصلحین اور رہنماؤں کے مابین فرق وامتیاز کو واضح کرنے والا بنیادی وصف، وہ رہنما جن کے پیغامات اور جن کی جدوجہد، ان کے ماحول، تہذیب وتمدن اور ان کے احساس وشعور کی پیدا کردہ ہوتی ہے، اور پورے ماحول یا باشعور ذہنوں پر چھائی ہوئی بے اطمینانی واضطراب کا ردعمل، یہ رہنما ہمیشہ مصلحت اور ضرورت وقت کا لحاظ رکھتے ہیں، اکثر حالات کے سامنے جھک بھی جاتے ہیں، جس کے نتیجہ میں بعض اصولوں کو ترک کرنا پڑتا ہے، اور کبھی دوسری جماعتوں سے معاملہ بھی کرتے ہیں "لین دین" کا طریقہ اپناتے ہیں، اور ان میں سے اکثر کا اصول یہ ہوتا ہے۔ ع

چلو تم ادھر کو ہوا ہو جدھر کی

انبیاء کی دعوت میں حکمت وتیسیر:

اس کا یہ مطلب نہیں کہ انبیائے کرام (علیہم الصلوٰۃ والسلام) اپنی دعوت وتبلیغ میں حکمت ومصلحت کا مطلق لحاظ نہیں رکھتے نہ لوگوں کی طبیعتوں اور ان کی توجہ کا خیال رکھتے ہیں نہ مناسب جگہ، مناسب حالات، طبیعت میں نشاط اور دلوں کی توجہ کی فکر کرتے ہیں، نہ دعوت میں

آسانی اور تدریج کو ملحوظ رکھتے ہیں، نہیں بلکہ یہ تمام امور تو دین کی سہل وسادہ فطرت اللہ کی حکمت بلیغہ اور انبیائے کرام کی حکیمانہ طبیعتوں کا تقاضا ہیں، جن کو دلائل و آثار پکار پکار کر کہہ رہے ہیں، واقعات شہادت دے رہے ہیں، اور دعوت و تبلیغ کی تاریخ اور رسول اللہ ﷺ کی سیرت مبارکہ اس کی مثالوں سے بھری ہوئی ہے۔

قرآن کہتا ہے۔

وقراناً فرقناه لتقرأه على الناس على مكث ونزلناه تنزيلاً.

اور ہم نے قرآن کو جزء جزء کر کے اتارا ہے تاکہ تم لوگوں کو ٹھہر ٹھہر کر پڑھ کر سناؤ اور ہم نے اس کو آہستہ آہستہ اتارا ہے۔

يريد الله بكم اليسر ولا يريد بكم العسر.

ارادہ کرتا ہے اللہ تمہارے ساتھ آسانی کا اور نہیں ارادہ کرتا ہے سختی کا۔

وقال الذين كفروا لو لا نزل عليه القران جملة واحدةً كذلك لنثبت به فوادک ورتلناه ترتيلاً.

اور کافر کہتے ہیں کہ اس قرآن کو ایک ہی دفعہ کیوں نہ اتارا گیا؟ اس طرح آہستہ آہستہ اس لئے اتارا گیا کہ اس سے تمہارے دل کو قائم رکھیں اور اسی واسطے ہم اس کو ٹھہر ٹھہر کر پڑھتے ہیں۔

وما جعل عليكم في الدين من حرج.

اور نہیں رکھی تم پر دین میں کچھ مشکل۔

رسول اللہ ﷺ صحابہ کرام (رضوان اللہ علیہم اجمعین) کو آسانی برتنے اور خوشخبری سنانے کا حکم دیا کرتے تھے، چنانچہ حضرت معاذ بن جبلؓ، اور ابوموسیٰ اشعریؓ سے یمن بھیجتے وقت فرمایا۔

يسرا ولا تعسرا، بشرا ولا تنفرا.

یعنی دین کو آسان بنا کر پیش کرنا، سخت بنا کر نہیں اور لوگوں کو خوشخبری سنانا، نفرت نہ دلانا۔

اسی طرح آپ نے اصحاب کو مخاطب کر کے فرمایا۔

انما بعثتم ميسرين ولم تبعثوا معسرين.

تم آسانی برتنے والے بنا کر بھیجے گئے ہو سختی کرنے والے نہیں۔

کبھی کبھی آپ بڑی اہم اور ہمہ گیر مصلحتوں کے پیش نظر جزئی مصلحت والے کاموں کو

مؤخر کر دیتے تھے، مثلاً ایک بار آپ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا۔

لولا حداثة قومک بالکفر لنقضت البیت ثم لبنیته علی اساس ابراهیم علیه السلام.

اگر تمہاری قوم (اہل مکہ) نئی نئی کفر سے نہ نکلی ہوتی تو میں بیت اللہ کو توڑ کر پھر سے ابراہیم علیہ السلام کی بنیاد کے مطابق بنا دیتا۔

ابن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ”ہم لوگوں کے اکتا جانے کا خیال کر کے رسول اللہ ﷺ بعض دن وعظ میں ناغہ کر دیا کرتے تھے“، حضرت جابر رضی اللہ عنہ، بیان کرتے ہیں کہ ”معاذؓ بن جبل نبی کریم ﷺ کے ساتھ نماز پڑھتے تھے، اور یہاں سے لوٹ کر جاتے تو اپنے محلّہ والوں کی امامت کرتے، ایک دن عشا کی نماز پڑھائی اور اس میں سورۂ بقرہ پڑھی، جس سے ایک آدمی نماز سے الگ ہو گیا، حضرت معاذؓ اس سے کھنچے کھنچے رہتے تھے، رسول اللہ ﷺ کو اس کی خبر ہوئی تو فرمایا۔ ”فتان، فتان، فتان“ فتنہ انگیز فتنہ انگیز، فتنہ انگیز۔ (تین بار) ابن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں، ”ایک شخص نے رسول اللہ ﷺ سے بیان کیا“ میں نماز فجر میں اس وجہ سے پیچھے رہ جاتا ہوں (جماعت میں شریک نہیں ہوتا) کہ فلاں صاحب اس کو بہت لمبی کر دیتے ہیں تو رسول اللہ ﷺ بہت غضبناک ہو گئے، اس سے زیادہ غضبناک میں نے آپ کو کسی وعظ میں کبھی نہیں دیکھا اور آپ نے فرمایا۔

یا ایها الناس ان منکم منفرین فمن أم منکم الناس فلیتجوز، فان خلفه الضعیف والکبیر وذو الحاجة.

لوگو! تم میں سے بعض لوگ، لوگوں کو دین سے متوحش اور دور کر دیتے ہیں، تم میں جو شخص لوگوں کی امامت کرے اس کو چاہئے کہ اختصار کرے کیونکہ اس کے پیچھے کمزور، بوڑھی اور ضرورت مند بھی ہیں۔

اس طرح کے دلائل و شواہد بے شمار ہیں، اور محمد رسول اللہ ﷺ کی سیرت میں تو یہ تمام روایات مشہور ہیں، اور تواتر کے ساتھ منقول ہیں، اور انبیائے سابقین کے بارے میں بھی یہی ماننا ضروری ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ان تمام کو حکمت کے ساتھ متصف فرمایا ہے۔

اتیناه الحکمة وفصل الخطاب.

اور دی ہم نے اس کو (داؤدؑ کو) حکمت اور فیصلہ کن بات۔

اولئک الذین اتیناهم الکتاب والحکم والنبوۃ.

یہی لوگ ہیں جن کو ہم نے دی کتاب اور حکمت اور نبوت۔

لیکن اس آسانی، تدریج اور حکمت و مصلحت کا لحاظ اور طبیعتوں کی توجہ اور آمادگی کا خیال صرف تعلیم و تربیت اور جزوی مسائل میں ہے، جن کا عقائد یا دین کے بنیادی اصولوں سے کوئی تعلق نہ ہو مگر جن امور کا تعلق عقائد بنیادی اصولوں، فرائض اور منصوصات سے ہے جو کفر و ایمان اور توحید و شرک کے مابین فارق اور ممیز کی حیثیت رکھتے ہیں، اور جن کا تعلق اسلامی شعائر اور حدود اللہ سے ہے ان تمام میں انبیائے کرامؑ (وہ کسی زمانہ میں بھی رہے ہوں) فولاد سے زیادہ سخت اور پہاڑ سے زیادہ مضبوط ہوتے ہیں، ان میں نہ تو وہ کمزوری دکھا سکتے ہیں، نہ نرمی برت سکتے، اور نہ کسی قسم کا معاملہ اور سمجھوتہ کر سکتے ہیں۔

دعوت انبیاء کا سب سے اہم رکن:

انبیاء کی دوسری خصوصیت توحید کی دعوت ہے، اللہ تعالیٰ کے بارے میں عقیدہ اور عبد و معبود کے باہمی تعلق کی تصحیح اور صرف ایک ہی بندگی کی دعوت، ہر زمانہ اور ہر ماحول میں انبیائے کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کی پہلی دعوت اور ان کا سب سے بڑا اور اہم مقصد رہا ہے، ہمیشہ ان کی تعلیم یہی رہی ہے کہ اللہ ہی نفع و نقصان پہنچانے کی طاقت رکھتا ہے، اور صرف وہی عبادت، دعا، توجہ، اور قربانی کا مستحق ہے، ان کے بھرپور حملہ کا رخ اپنے زمانہ میں جاری و ساری ''وثنیت'' کی طرف متوجہ رہا ہے، جو مورتیوں اور مقدس و صالح زندہ مردہ شخصیتوں کی پرستش کی صورت میں جلوہ گر تھی، ان ہستیوں کے بارے میں اہل جاہلیت کا اعتقاد تھا کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو عزت و عظمت اور معبودیت کی خلعت سے سرفراز فرمایا ہے، ان کو خاص خاص امور میں تصرف کا اختیار بھی دے رکھا ہے، اور انسانوں کے بارے میں ان کی سفارشوں کو علی الاطلاق قبول فرماتا ہے، جیسے شہنشاہ اعظم ہر علاقہ کے لئے ایک حاکم بھیج دیتا ہے، اور (بعض بڑے اور اہم امور کے علاوہ) علاقہ کے انتظام کی ساری ذمہ داری انہیں کے سر ڈال دیتا ہے۔

جس شخص کو قرآن سے کچھ بھی تعلق ہے (جو تمام پچھلی کتابوں کی تعلیمات کا جامع ہے) اس کو یقینی اور بدیہی طور پر یہ بات معلوم ہوگی کہ اس شرک و بت پرستی کے خلاف صف آرائی،

اس سے جنگ کرنا، اس کو نیست و نابود کرنے کی کوشش کرنا، اور لوگوں کو اس کے چنگل سے نجات دلانا، نبوت کا بنیادی مقصد تھا، انبیاء کی بعثت کی اصل غرض، ان کی دعوت کی اساس، ان کے اعمال کا منتہیٰ اور ان کی جدوجہد کی غایت اصلی تھی، اور یہی ان کی زندگی اور ان کی دعوت کا اصل مرکز تھا، ان کی سرگرمیاں اسی کے گرد گھومتی تھیں، وہ یہیں سے آگے بڑھتے تھے، اور یہیں واپس لوٹتے تھے، یہیں سے شروع کرتے تھے، اور پھر یہیں آ کر ختم کرتے تھے، قرآن کبھی تو ان کے بارے میں اجمالاً کہتا ہے۔

وما ارسلنا من قبلک من رسول الا نوحی الیه انه لا اله لا انا فاعبدون O

اور جو پیغمبر ہم نے تم سے پہلے بھیجے ان کی طرف یہی وحی بھیجی کہ میرے سوا کوئی معبود نہیں تو میری ہی عبادت کرو۔

اور کبھی تفصیل کے ساتھ ایک ایک نبی کا نام لیتا ہے، اور بتلاتا ہے، کہ اس کی دعوت کی ابتدا اسی توحید کی دعوت سے ہوئی تھی، چنانچہ کہتا ہے۔

ولقد ارسلنا نوحاً الیٰ قومه انی لکم نذیر مبین O ان لا تعبدوا الا الله انی اخاف علیکم عذاب یوم الیم O

اور ہم نے نوحؑ کو ان کی قوم کی طرف بھیجا (تو انہوں نے ان سے کہا) کہ میں تم کو کھول کھول کر ڈر سنانے اور یہ پیغام پہنچانے آیا ہوں کہ خدا کے سوا کسی کی عبادت نہ کرو مجھے تمہاری نسبت عذاب الیم کا خوف ہے۔

والیٰ عادا خاهم هوداً قال یا قوم اعبدوا الله ما لکم من اله غیره ان انتم مفترون O (هود ۵۰)

اور ہم نے عاد کی طرف ان کے بھائی ہود کو بھیجا انہوں نے کہا کہ میری قوم! خدا ہی کی عبادت کرو اس کے سوا تمہارا کوئی معبود نہیں تم شرک کر کے خدا پر محض بہتان باندھتے ہو۔

والی ثمود اخاهم صالحاً، قال یا قوم اعبدوا الله مالکم من اله غیره، هو انشأکم من الارض واستعمر کم فیها فاستغفروه ثم توبوا الیه ان ربی قریب مجیب O

اور ثمود کی طرف ان کے بھائی صالح کو بھیجا تو انہوں نے کہا کہ قوم! خدا ہی کی عبادت کرو اس کی سوا تمہارا کوئی معبود نہیں اسی نے تم کو زمین سے پیدا کیا اور اس میں آباد کیا تو اس سے مغفرت مانگو اور اس کے آگے توبہ کرو بے شک میرا پروردگار نزدیک بھی ہے اور دعا کا قبول کرنے والا بھی۔

والیٰ مدین اخاهم شعیباً قال یا قوم اعبدو الله مالکم من اله غیره' ولا تنقصو المکیال والمیزان انی ارکم بخیر وانی اخاف علیکم عذاب یوم محیطO

اور مدین کی طرف ان کے بھائی شعیبؑ کو بھیجا تو انہوں نے کہا کہ اے قوم خدا ہی کی عبادت کرو اس کے سوا تمہارا کوئی معبود نہیں اور ناپ تول میں کمی نہ کیا کرو میں تو تم کو آسودہ حال دیکھتا ہوں اور مجھے تمہارے بارے میں ایک ایسے دن کے عذاب کا خوف ہے جو تم کو گھیر کر رہے گا۔

اور ابراہیم علیہ السلام کی توحید الوہیت اور بتوں اور مورتیوں کی پرستش سے اجتناب کی دعوت تو بہت ہی صریح اور واضح ہے۔

ولقد اتینا ابراهیم رشده من قبل وکنابه علمین O اذ قال لابیه وقومه ماهذه التماثیل التی انتم لها عکفونO قالوا وجدنا آبآءنا لهاعبدینO قال لقد کنتم انتم وابآءکم فی ضلال مبینO

اور ہم نے ابراہیم کو پہلے ہی سے ہدایت دی تھی اور ہم ان کے حال سے واقف تھے، جب انہوں نے اپنے باپ اور اپنی قوم سے کہا کہ یہ کیا مورتیں ہیں جن کی پرستش پر تم معتکف و قائم ہو وہ کہنے لگے کہ ہم نے اپنے باپ دادا کو ان کی پرستش کرتے دیکھا ہے، ابراہیم نے کہا کہ تم بھی گمراہ ہو اور تمہارے باپ دادا بھی صریح گمراہی میں پڑے رہے۔

واتل علیهم نبأ ابراهیمO اذ قال لابیه وقومه ما تعبدونO قالوا نعبد اصناما فنظل لها عاکفینO قال هل یسمعونکم اذ تدعون، او ینفعونکم او یضرون، قالوا بل وجدنا ابآءنا کذالک یفعلون، قال افرأیتم ما کنتم تعبدونO انتم وابآءکم الاقدمونO فانهم عدولی الا رب العلمینO الذی خلقنی فهو یهدینO والذی هو یطعمنی ویسقینO واذا مرضت فهو یشفینO والذی یمیتنی ثم یحیینO والذی اطمع ان یغفرلی خطیئتی یوم الدین.

اور ان کو ابراہیم کا حال پڑھا کر سنا دو جب انہوں نے اپنے باپ اور اپنی قوم کے لوگوں سے کہا کہ تم کس چیز کو پوجتے ہو وہ کہنے لگے ہم بتوں کو پوجتے ہیں اور ان کی پوجا پر قائم ہیں ابراہیم نے کہا کہ جب تم ان کو پکارتے ہو تو کیا وہ تمہاری آواز کو سنتے ہیں؟ یا تمہیں کچھ فائدہ دے سکتے یا نقصان پہنچا سکتے ہیں انہوں نے کہا نہیں بلکہ ہم نے اپنے باپ دادا کو اسی طرح کرتے

دیکھا ہے۔ ابراہیم نے کہا کہ تم نے دیکھا کہ جن کو تم پوجتے رہے ہو تم بھی اور تمہارے اگلے باپ دادا بھی وہ میرے دشمن ہیں، لیکن خدائے رب العالمین میرا دوست ہے جس نے مجھے پیدا کیا اور وہی مجھے راستہ دکھاتا ہے اور وہ مجھے کھلاتا اور پلاتا ہے اور جب میں بیمار پڑتا ہوں تو مجھے شفا بخشتا ہے اور وہ جس سے میں امید رکھتا ہوں کہ قیامت کے دن میرے گناہ بخشے گا۔

واذکر فی الکتاب ابراھیم، انه کان صدیقاً نبیاًO اذ قال لا بیه یا ابت لما تعبد ما لا یسمع ولا یبصر و لا یغنی عنک شیئاًO

اور کتاب میں ابراہیم کو یاد کرو بے شک وہ نہایت سچے پیغمبر تھے جب انہوں نے اپنے باپ سے کہا کہ ابا آپ ایسی چیزوں کو کیوں پوجتے ہیں جو نہ سنیں اور نہ دیکھیں اور نہ آپ کے کچھ کام آسکیں۔

وابراھیم اذ قال لقومه اعبدوا الله واتقوه ذلکم خیرا لکم ان کنتم تعلمونO انما تعبدون من دون الله اوثاناً وتخلقون افکاً، ان الذین تعبدون من دون الله لا یملکون لکم رزقاً ، فابتغوا عند الله الرزق واعبدوه واشکر واله الیه ترجعونO

اور ابراہیم کو یاد کرو جب انہوں نے اپنی قوم سے کہا کہ خدا کی عبادت کرو اس سے ڈرو اگر تم سمجھ رکھتے ہو تو یہ تمہارے حق میں بہتر ہے تو تم خدا کو چھوڑ کر بتوں کو پوجتے اور طوفان باندھتے ہو تو جن لوگوں کو تم خدا کے سوا پوجتے ہو وہ تم کو رزق دینے کا اختیار نہیں رکھتے پس خدا ہی کے ہاں سے رزق طلب کرو اور اسی کی عبادت کرو اور اسی کا شکر کرو، اسی کی طرف تم لوٹ کر جاؤ گے۔

وقال انما اتخذ تم من دون الله او ثاناً مودة بینکم فی الحیوة الدنیا ثم یوم القیمة یکفر بعضکم بعیض ویلعن بعضکم بعضاً وما وکم النار وما لکم من ناصرینO

اور ابرہیم نے کہا کہ تم جو خدا کو چھوڑ کر بتوں کو لے بیٹھے ہو تو دنیا کی زندگی میں باہم دوستی کے لئے مگر پھر قیامت کے دن تم ایک دوسرے کی دوستی سے انکار کرو گے اور ایک دوسرے پر لعنت بھیجو گے اور تمہارا ٹھکانا دوزخ ہوگا اور کوئی تمہارا مددگار نہ ہوگا۔

اور اسی طرح حضرت یوسف علیہ السلام کی دعوت میں بھی توحید کو امتیازی مقام حاصل ہے، چنانچہ قید میں ان کے بلیغ اور حکمت آمیز وعظ کے ذکر میں قرآن میں ہے۔

قال لا یأتیکما طعام ترزقانه الا نبأ تکما بتأ ویله قبل ان یأ تیکما ذلکما مما علمنی ربی، انی ترکت ملة قوم لا یومنون بالله وهم بالا خرة هم کافرون، واتبعت ملة ابآئی ابراهیم واسحاق ویعقوب ماکان لنا ان شرک بالله من شئی ذالک من فضل الله علینا وعلی الناس ولکن اکثر الناس لا یشکرون، یصا حبی السجن أ ارباب متفرقون اخیرا م الله الواحد القهار ما تعبدون من دونه لا اسمآء سمیتمو هآ نتم وابآ ؤکم ما انزل الله بها من سلطان، ان الحکم الا لله امر ان لا تعبدوا الا ایاه ذالک الدین القیم ولکن اکثر الناس لا یعلمون.

یوسفؑ نے کہا جو کھانا تم کو ملنے والا ہے وہ آنے نہیں پائے گا کہ میں اس سے پہلے تم کو ان کی تعبیر بتادوں گا، یہ ان باتوں میں سے ہے جو میرے پروردگار نے مجھے سکھائی ہے جو لوگ خدا پر ایمان نہیں لاتے اور روز آخرت کا انکار کرتے ہیں میں ان کا مذہب چھوڑے ہوئے ہوں اور اپنے باپ دادا ابراہیمؑ اور اسحاقؑ اور یعقوبؑ کے مذہب پر چلتا ہوں ہمیں شایاں نہیں ہے کہ کسی چیز کو خدا کے ساتھ شریک بنائیں۔ یہ خدا کا فضل ہے ہم پر بھی اور لوگوں پر بھی لیکن اکثر لوگ شکر نہیں کرتے، میرے جیل خانے کے رفیقو! بھلا کئی جدا جدا آقا اچھے یا ایک خدائے یکتا وغالب؟ جن چیزوں کی تم خدا کے سوا پرستش کرتے ہو وہ صرف نام ہی نام ہیں جو تم نے اور تمہارے باپ دادا نے رکھ لئے ہیں، خدا نے ان کی کوئی سند نازل نہیں کی، سن رکھو کہ خدا کے سوا کسی کی حکومت نہیں ہے اس نے ارشاد فرمایا ہے کہ اس کے سوا کسی کی عبادت نہ کرو، یہی سیدھا دین ہے لیکن اکثر لوگ نہیں جانتے۔

اور فرعون کے لئے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی دعوت بھی یہی تھی، جس کا دعویٰ تھا کہ وہ (قدیم مصریوں کے عقیدہ میں) سب سے بڑے معبود سورج کا مظہر ہے، وہ کہتا تھا، "انا ربکم الا علی"، (میں ہوں تمہارا سب سے بڑا رب) اور جب اس نے موسیٰ علیہ السلام کی دعوت سنی تو کہا۔

یآ ایها الملا ما علمت لکم من اله غیری.

اے اہل دربار میں تمہارا اپنے سوا کسی کو خدا نہیں جانتا۔

اور ساتھ ہی دھمکی بھی دی۔

لئن اتخذت الٰھا غیری لا جعلنک من المسجونینO

اور اگر تم نے میرے سوا کسی اور کو معبود بنایا تو میں تمہیں قید کردوں گا۔

اور قرآن نے ''بت پرستی'' کو ''شرک اکبر''، ''گندگی'' اور ''جھوٹی بات'' کا نام دیا ہے، اور بہت زوروں سے اس کے معائب بیان کئے ہیں، چنانچہ سورہ حج میں ہے۔

ذلک ومن یعظم حرمات اللہ فھو خیر لہ عند ربہ واحلت لکم الا نعام الا ما یتلی علیکم فاجتنبوا الرجس من الاوثان واجتنبوا قول الزورO حنفآء للہ غیر مشرکین بہ ومن یشرک باللہ فکا نما خر من السمآء فتخطفہ‘ الطیر او تھوی بہ الریح فی مکان سحیق.

اور ہمارا حکم ہے اور جو شخص ادب کی چیزوں کی جو خدا نے مقرر کی ہیں عظمت رکھے تو یہ پروردگار کے نزدیک اس کے حق میں بہتر ہے، اور تمہارے لئے مویشی حلال کردیئے گئے ہیں سوا ان کے جو تمہیں پڑھ کر سنائے جاتے ہیں، تو بتوں کی ناپاکی سے بچو اور جھوٹی بات سے اجتناب کرو، صرف ایک خدا کے ہو کر اور اس کے ساتھ شریک نہ ٹھہرا کر، اور جو شخص کسی کو خدا کے ساتھ شریک مقرر کرے تو وہ گویا ایسا ہی جیسے آسمان سے گر پڑے، پھر اس کو پرندے اچک لے جائیں یا ہوا کسی دور جگہ اڑا کر پھینک دے۔

ازل سے تا امروز:

یہی بت پرستی اور شرک (یعنی خدا کے علاوہ دوسروں کو معبود بنانا اور ان کے سامنے انتہائی ذلت اور مسکنت کا اظہار، ان کے سامنے سجدہ ریزی، ان سے دعا، اور مدد کی طلب اور ان کے لئے نذر و نیاز) عالمگیر اور ابدی جاہلیت ہے، اور یہی نوع انسانی کی پرانی کمزوری اور قدیم ترین مرض ہے، جو زندگی کے تمام مراحل، تغیرات اور انقلابات میں نوع انسانی کے پیچھے لگا رہتا ہے، اللہ کی غیرت اور اس کے غضب کو بھڑکاتا ہے، بندوں کی روحانی اخلاقی اور تمدنی ترقی کی راہ کا روڑا بنتا ہے، اور ان کو بلند درجات سے گرا کر عمیق گڑھوں میں ڈال دیتا ہے۔

لقد خلقنا الا نسان فی احسن تقویمO ثم رددنا ہ اسفل سافلین(۲)

ہم نے انسان کو بہت اچھی صورت میں پیدا کیا ہے پھر رفتہ رفتہ اس کی حالت کو بدل کر پست سے پست کردیا۔

اور یہی جہالت انسانوں کو مسجود ملائک کے بلند و بالا مقام سے گرا کر ضعیف مخلوقات اور ذلیل و بے حقیقت اشیاء کے سامنے سجدہ ریز کر دیتی ہے، اور انسان کی قوتوں کا گلا گھونٹ دیتی ہے۔ ان کی صلاحیتوں کا خون کر دیتی ہے، قادر مطلق پر، اس کے یقین، اس کی خود اعتمادی، اور خود شناسی کا خاتمہ کر دیتی ہے، اور سمیع و بصیر، صاحب قدرت و قلم، صاحب جود و عطاء اور مغفرت و محبت والے خدا کی محفوظ و مستحکم پناہ سے نکال کر اور اس کی لامحدود صفات اور نہ ختم ہونے والے خزانوں کے فوائد سے محروم کر کے کمزور، عاجز، فقیر اور حقیر مخلوقات کے زیر سایہ پناہ لینے پر مجبور کر دیتی ہے، جن کی جھولی میں کچھ نہیں۔

یولج اللیل فی النہار ویولج النہار فی اللیل وسخر الشمس والقمر کل یجری لا جل مسمی ذلکم اللہ ربکم لہ الملک، والذین تدعون من دونہ ما یملکون من قطمیرO ان تد عو ہم لا یسمعواد عاء کم ولو سمعوا ما استجابو لکم ، ویوم القیمۃ یکفرون بشر ککم ولا ینبئک مثل خبیرO یآ یہا الناس انتم الفقراء الی اللہ واللہ ہو الغنی الحمیدO(فاطر ۔۱۵)

وہی رات کو دن میں داخل کرتا اور وہی دن کو رات میں داخل کرتا ہے اور اسی نے سورج اور چاند کو کام میں لگا دیا ہے ہر ایک وقت مقرر تک چل رہا ہے یہی تمہارا پروردگار ہے، اسی کی بادشاہی ہے اور جن لوگوں کو تم اس کے سوا پکارتے ہو وہ کھجور کی گٹھلی کے چھلکے کے برابر بھی تو کسی چیز کے مالک نہیں اگر تم ان کو پکارو تو وہ تمہاری پکار نہ سنیں اور اگر سن بھی لیں تو تمہاری بات کو قبول نہ کر سکیں اور قیامت کے روز تمہارے شرک سے انکار کر دیں گے اور خدائے باخبر کی طرح تم کو کوئی خبر نہیں دے گا لوگو تم سب خدا کے محتاج ہو اور خدا بے پرواہ سزاوار حمد وثنا ہے۔

قرآنی اصطلاحات صحابہ کی نظر میں:

یہی شرک و بت پرستی (مابعد الطبیعیاتی حدود کی اندر ہی) اپنی تمام واضح اور غیر واضح شکلوں کے ساتھ، ہر زمانہ، ہر ماحول اور ہر معاشرہ میں انبیائے کرام علیہم السلام کے جہاد کا موضوع رہی ہے، اور اسی نے اہل جاہلیت کی آتش غضب کو بھڑکا دیا اور وہ چیخ پڑے۔

اجعل الا لہۃ الہا واحداً ، ان ہذا لشیئی عجابO وانطلق الملامنہم ان امشوا واصبرو ا علیٰ الہتکم ان ہذا الشئی یرادO ما سمعنا بہذا فی الملۃ

الا اختلاق ان هذا الا اختلاق.

کیا اس نے اتنے معبودوں کی جگہ ایک ہی معبود بنا دیا یہ تو بڑی عجیب بات ہے، تو ان میں جو معزز تھے وہ چل کھڑے ہوئے اور بولے کہ چلو اور اپنے معبودوں کی پوجا پر قائم رہو بے شک یہ ایسی بات ہے جس سے تم پر شرف وفضیلت مقصود ہے یہ پچھلے مذہب میں ہم نے کبھی سنی ہی نہیں یہ بالکل بنائی ہوئی بات ہے۔

اور جس صاحب عقل وفہم نے بھی عہد نبوی کی تاریخ کا مطالعہ کیا ہو اور صحابہ کرام کے حالات سے باخبر ہو، اس کو اس امر میں ذرا بھی شبہ نہ ہوگا کہ ہماری پیش کی ہوئی آیتوں سے صحابہ کرامؓ یہی عریاں وثنیت، مورتیوں اور بتوں کی کھلی پرستش، گزرے ہوئے یا موجود اشخاص کی تقدیس وتعظیم، ان کے سامنے سجدہ ریزی، ان کے لئے نذر ونیاز، ان کے ناموں کی قسمیں، ان کی عبادت سے اللہ کے قرب کا حصول، ان کی شفاعت پر یقین کامل۔ اور ان سے نفع ونقصان اور مصائب کے ازالہ کی درخواست وغیرہ ہی سمجھتے رہے ہیں، اور اسی طرح ''الہ'' ''رب'' ''عبادت'' اور ''دین'' سے بھی ان کلمات کا صرف دینی مفہوم ہی سمجھا ہے، اور ان کی اسالیب کلام سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ ان کے اقوال وآثار میں بے شمار مقامات پر یہی مفہوم مراد ہے، اور اس میں کسی کا بھی اختلاف نہیں۔

دینی دعوت وتحریک کا بنیادی رکن کیا ہونا چاہئے:

اور یہی قیامت تک کے لئے دینی دعوتوں اور اصلاحی تحریکوں کا بنیادی رکن اور نبوت کی ابدی میراث ہے۔

وجعلها كلمة باقيةً فی عقبه لعلهم يرجعون.

اور یہی بات اپنی اولاد میں پیچھے چھوڑ گئے تا کہ وہ خدا کی طرف رجوع کریں۔

اور یہی تمام مصلحین، مجاہدین اور اللہ کی طرف دعوت دینے والوں کا شعار ہے، رہے جاہلیت کے دوسرے مظاہر، جیسے غیر اللہ کی اطاعت، ان کی قوت حاکمہ کو تسلیم کرنا غیر الٰہی قوانین کو قبول کرنا اور ایسی حکومت تسلیم کرنا، اور اس کے احکام وقوانین کے سامنے سر تسلیم خم کرنا جو خلافت الٰہیہ کی بنیادوں پر قائم نہ ہوئی ہو، تو یہ سب اسی بت پرستی اور شرک کے تابع ہیں، اور ان کا درجہ اس کے بعد ہے، اور یہ ہرگز جائز نہیں کہ سابق الذکر شرک جلی کی اہمیت کو کم کر دیا جائے اور دعوت وتبلیغ

کے بنیادی اصولوں میں اس کو ضمنی حیثیت دی جائے، یا سیاسی اطاعت وحکومت کو اور اس کو ایک درجہ میں رکھا جائے اور دونوں پر ایک ہی حکم لگایا جائے، یا یہ سمجھا جائے کہ وہ گذشتہ قدیم جاہلیت کی خصوصیات میں سے ہے، جس کا زمانہ گزر چکا اور اب اس کا دور بھی ختم ہو چکا، کیونکہ یہ انبیائے کرام کی دعوت، ان کی جدوجہد اور ان کی مقدس کوششوں کے حق میں بداندیشی ہوگی، اور قرآن (جو آخری اور ابدی کتاب ہدایت ہے) کی ابدیت میں شک وشبہ کے مترادف ہوگا، اور اس ایمان واعتقاد میں بے یقینی کے ہم معنی ہوگا کہ انبیائے کرام کا طریق کار ہی بہترین طریق کار ہے، جس کو اللہ نے پسند فرمایا ہے، اور اس کے لئے اس قدر تائید وتوفیق، کامیابی وکامرانی اور بارآوری مقدر فرمائی ہے، جتنی کسی بھی دوسرے اصلاحی طریق کار کے لئے نہیں۔

نوجوان داعیوں اور انشاپردازوں سے:

عزیز نوجوانو! تم اپنی دانشگاہ سے انشاء اللہ داعی اور مصلح، انشاپرداز اور مصنف اور قائد ورہنما بن کر نکلو گے، میں چاہتا ہوں کہ یہاں تم کو ایک نصیحت کرتا چلوں جو طویل مطالعہ کا حاصل اور تجربات کا نچوڑ ہے، اور تم اس کی صحیح اہمیت اور اس کی قدر وقیمت، طویل تجربات کے بغیر نہیں سمجھ سکو گے۔

خبردار! تمہاری تحریریں، اور اسلام، اس کے حقائق اور اس کے اصولوں کے پیش کرنے کا تمہارا انداز ہرگز قاری کو یہ تاثر نہ دینے پائے کہ مسلمان اس طول وطویل مدت میں مستقل جہالت کی تاریکیوں میں بھٹکتے رہے، اور دین صحیح طور پر نہ سمجھ سکے، جو کہ ہر زمانہ اور ہر ماحول کا دین ہے اور اسی طرح قرآن کی بنیادی اصطلاحات اور تعبیروں کو سمجھنے سے بھی قاصر رہے، کیونکہ اس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ اس طویل مدت میں یہ کتاب غفلت اور جہالت کی نذر رہی، اس کے حقائق کو سمجھا نہیں جا سکا، اور نزول کے تھوڑی ہی مدت کے بعد اس سے استفادہ کا سلسلہ منقطع ہو گیا، یہ تصور قرآن کی آیت مبارکہ ”انا نحن نزلنا الذکر وانا لہ لحافظون“ (ہمیں نے اتاری ہے یہ نصیحت یعنی قرآن اور ہم ہی اس کی حفاظت کرنے والے ہیں) کے بالکل خلاف ہے، کیونکہ فضل واحسان کے موقع پر حفاظت کے وعدہ میں اس کے مطالب کا فہم، ان کی تشریح، اس کی تعلیمات پر عمل اور زندگی میں ان کا انطباق بھی شامل ہوتا ہے، اور ایسی کتاب کی کیا قدر ومنزلت ہو سکتی ہے، جو طویل مدت تک معطل پڑی رہے، نہ کبھی

جائے نہ اس پر عمل کیا جائے نیز اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول اللہ ﷺ سے فرمایا۔

ان علینا جمعه وقرانه O فاذا قراناه فاتبع قرانه O ثم ان علینا بیانه

اس کا جمع کرنا اور پڑھوانا ہمارے ذمہ ہے جب ہم وحی پڑھا کریں تو تم اس کو سنا کرو اور پھر اسی طرح پڑھا کرو، پھر اس کے معانی کا بیان بھی ہمارے ذمہ ہے۔

غور وفکر کا یہ انداز، جسے دور حاضر کے بعض مفکرین اور انشاپرداز اختیار کر رہے ہیں، اس ابدی اور انقلاب آفریں صلاحیتوں اور کارناموں سے بھرپور امت پر ایک طویل المیعاد فکری قحط اور ذہنی و علمی تعطل کا الزام عائد کرتا ہے، جو درخت اپنی زندگی کی بہترین مدت میں برگ و بار نہ لائے اور بے حاصل اور بے ثمر پڑا رہے، اس کی افادیت اور فطری صلاحیت مستقل طور پر مشکوک ہو جاتی ہے، اور اس سے مستقبل میں بھی کسی بڑی بھلائی کی امید کرنی مشکل ہے۔(۱)

یہ نتیجہ اگرچہ بادی النظر میں کچھ زیادہ اہم اور سنگین نہ معلوم ہو، لیکن اس کے اثرات ذہن و دماغ اور طرز فکر پر بڑے گہرے اور دوررس ہیں، اس لئے کہ یہ اس امت کی صلاحیت ہی میں

---

(۱) نمونہ کے طور پر یہاں مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی بانی جماعت اسلامی کی مشہور ومقبول کتاب "قرآن کی چار بنیادی اصطلاحات" کے چند اقتباسات پیش کئے جاتے ہیں، مصنف "الٰہ" "رب" "دین" "عبادت" کے قرآنی کلمات اور اسلامی اصطلاحات کا ذکر کرنے اور یہ ثابت کرنے کے بعد کہ نزول قرآن کے وقت اس کا ہر مخاطب جس کی زبان عربی تھی، ان چاروں بنیادی اور قرآنی اصطلاحوں کے صحیح معنی اور مفہوم سے آشنا تھا لکھتے ہیں

"لیکن بعد کی صدیوں میں رفتہ رفتہ ان سب الفاظ کے وہ اصلی معنی جو نزول قرآن کے وقت سمجھے جاتے تھے بدلتے چلے گئے، یہاں تک کہ ہر ایک اپنی پوری وسعتوں سے ہٹ کر نہایت محدود بلکہ مبہم مفہومات کے لئے خاص ہوگیا" (قرآن کی چار بنیادی اصطلاحیں" ص ۴)

"پھر اس کے وجوہ اسباب بیان کرنے کے بعد لکھتے ہیں نتیجہ یہ ہوا کہ قرآن کے اصل مدعا کا سمجھنا لوگوں کے لئے مشکل ہوگیا" (ص ۵)

پھر اس غلط فہمی کے نتائج بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

"پس یہ حقیقت ہے کہ محض ان چار بنیادی اصطلاحوں کے مفہوم پر پردہ پڑ جانے کی بدولت قرآن کی تین چوتھائی سے زیادہ تعلیم بلکہ اس کی حقیقی روح نگاہوں سے مستور ہوگئی ہے، اور اسلام قبول کرنے کے باوجود لوگوں کے عقائد واعمال میں جو نقائص نظر آرہے ہیں، ان کا ایک بڑا سبب یہی ہے۔" (ص ۶) ان عبارتوں کا پڑھنے والا، جس کا مطالعہ گہرا اور وسیع نہیں ہے اور جو اس حقیقت سے واقف نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس امت کو عام گمراہی اور دین سے ایسی ناآشنائی سے محفوظ رکھا ہے جو زمان ومکان کے حدود سے بے نیاز ہو کر ساری امت پر سایہ فگن ہو، یہ نتیجہ نکال سکتا ہے کہ قرآن مجید کی حقیقت اس طویل مدت تک امت کی (یا زیادہ محتاط الفاظ میں امت کے اکثر افراد کی) نگاہ سے اوجھل رہی اور امت بحیثیت مجموعی ان بنیادی الفاظ کی حقیقت ہی سے بے خبر رہی، جن کے گرد اس کتاب کا پورا نظام گردش کرتا ہے، اور جن پر اس کی تعلیمات اور دعوت کی عمارت قائم ہے، اور یہ پردہ اس صدی کے وسط ہی میں اٹھ سکا۔

شک و شبہ پیدا کر دیتا ہے، جو نہ صرف اس دین و پیغام کی حامل ہے بلکہ اس کو دنیا میں پھیلانے اس کی تشریح کرنے، اور اس کی حفاظت کی بھی ذمہ دار ہے، اور اس سے اس امت کی گذشتہ تاریخ، اس کے مجددین، مصلحین اور مجتہدین کے علمی و عملی کارنامے بھی مشکوک اور کم قیمت ہو جاتے ہیں، اور آئندہ کے لئے بھی یہ بات بڑی مشتبہ ہو جاتی ہے کہ جو کچھ کہا اور سمجھا گیا ہے وہ صحیح ہے، اور جو کچھ کہا اور سمجھا جائے گا وہ ہر شک و شبہ سے بالاتر ہے، اس سے ''ظاہر و باطن'' اور ''مغز و پوست'' کے اس فلسفہ اور دینی حقائق کو ایک نہایت عسیر الفہم معمہ اور چیستان قرار دینے کی کوشش ملتی ہے، جس سے باطنیوں کے مختلف فرقوں نے مختلف زمانوں میں فائدہ اٹھایا۔

یہ اس علمی حقیقت اور عقیدہ کے بھی خلاف ہے کہ یہ دین اس نسل کو صرف کتابی شکل ہی میں نہیں ملا، بلکہ ایک نسل نے دوسری نسل تک اس کے الفاظ و مفاہیم بلکہ طریق عمل تک منتقل کیا، اور توارث کا یہ سلسلہ لفظ و معنی دونوں میں جاری رہا، نیز اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید و جا بجا ''الکتاب المبین'' اور ''عربی مبین'' کے الفاظ سے یاد کیا ہے،(۱) اور ایک جگہ اس کی آیات کے محکم اور مفصل ہونے کا ذکر کیا ہے(۲) یہ صفات اور تعریفیں بھی اس خیال کے منافی ہیں کہ قرآن مجید کے متعدد بنیادی حقائق طویل عرصہ تک پردۂ خفا میں رہے۔

اس طرز تحقیق اور طرز کلام سے ضمنی طور پر یہ نتیجہ بھی نکالا جا سکتا ہے، کہ امت پر ایک ایسا طویل دور گذرا ہے، جب وہ قرآن مجید کے ایسی اہم بنیادی اصطلاحات کے صحیح مفہوم اور مضمرات سے ناآشنا رہی ہے جن پر اس کے صحت فکر، اور صحت عمل کا دار و مدار ہے، اور جس کو صریح جہالت و غفلت، بلکہ ایک قدم آگے بڑھ کر ضلالت سے تعبیر کیا جا سکتا ہے، حالانکہ کتاب، سنت اور احادیث کی ذخیرہ سے قطعی اور اصولی طور پر یہ ثابت ہوتا ہے کہ امم سابقہ کے برخلاف یہ امت کسی دور میں بھی مجموعی و اجتماعی ضلالت میں مبتلا نہیں ہوگی، جلیل القدر محدثین و علماء نے اس کی تصریح کی ہے کہ اگرچہ مشہور روایت " لا تجتمع أمتی علی ضلالۃ" لفظاً و سنداً ثابت نہیں ہے، لیکن وہ اپنے مفہوم کے اعتبار سے صحیح ہے، مشہور اندلسی محدث و ناقد علامہ ابو محمد علی بن حزم (م ۴۵۶ھ) اپنی کتاب " الاحکام فی اصول الاحکام "میں لکھتے ہیں۔

---

(۱) ملاحظہ ہو سورہ یوسف آیت ۱-۲، الشعراء: ۱۹۲-۱۹۵۔

(۲) ہود: ۱۔

"محدثین کہتے ہیں کہ یہ بات بالکل درست ہے کہ امت محمدی ﷺ کبھی بھی غیر حق پر متفق نہیں ہو سکتی، اس لئے کہ آپ نے اس کی خبر دی ہے کہ ہر دور میں حق کے علمبردار رہیں گے، بیان کیا گیا کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ "لا تجتمع امتی علی ضلالة" اگر چہ اس کے الفاظ و سند درجہ صحت کو نہیں پہنچے،(۱) لیکن اس کا مفہوم اور نتیجہ ان احادیث کی بناء پر جن میں ہر دور میں حق پر قائم رہنے والوں کی خبر دی گئی ہے صحیح اور ثابت ہے۔"

حافظ ابن قیم کہتے ہیں کہ خدا کا شکر ہے کہ امت ایک سنت پر عمل کرنے کے ترک پر بھی کبھی مجتمع نہیں ہوئی سوائے اس سنت کے کہ جس کا نسخ ظاہر و ثابت ہے۔(۲)

حافظ ابن کثیر اپنی مشہور تفسیر میں سورۂ نساء کی آیت " ومن يشاقق الرسول من بعد ما تبين له الهدى ويتبع غير سبيل المومنين " کی تفسیر کرتے ہوئے لکھتے ہیں: "اس امت کے لئے اس بات کی ضمانت کی گئی ہے کہ وہ کسی غلط چیز پر متفق ہو جانے سے محفوظ کر دی گئی ہے۔"(۳)

شیخ الاسلام ابن تیمیہ اجماع کی بحث کرتے ہوئے ایک مقام پر لکھتے ہیں۔

"امت کا اجماع اپنی جگہ پر حق ہے، اس لئے کہ امت الحمد للہ کسی ضلالت پر مجتمع نہیں ہو سکتی! جیسا کہ کتاب و سنت میں اس کی صفت میں بیان کیا گیا ہے، ارشاد ہے کہ " كنتم خير امة " نیز " الذی يجدونه مكتوبا عندهم فى التوراة والانجيل يأمرهم بالمعروف وينهاهم عن المنكر " نیز " والمؤمنون بعضهم اولياء بعض يامرون بالمعروف وينهون عن المنكر " تو اگر امت دین کے بارے میں کسی ضلالت کی معتقد ہو جائے تو گویا امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا فریضہ انجام نہیں دیا، اسی طرح ارشاد ہے: "وكذلك جعلنا كم امة وسطا......"(۴)

---

(۱) یہ امام ابن حزم کی رائے ہے، ورنہ مشہور محدث و ناقد حدیث علامہ سخاویؒ کی رائے یہ ہے کہ یہ ایک ایسی حدیث ہے جس کا متن مشہور ہے اور اس کی اسانید کثیر اور اس کے شواہد متعدد ہیں۔ (المقاصد الحسنة)

(۲) اعلام الموقعین، ج ۲ ص ۳۲۰۔

(۳) تفسیر ابن کثیر ج ۲ مطبع دار الاندلس ص ۳۹۳۔

(۴) فتاویٰ ابن تیمیہ ج ۱۹ ص ۱۷۶۔

اس میں کوئی شبہ نہیں کہ اس اندازِ فکر میں اس اہمیت و مقبولیت کو بھی بڑا دخل ہے، جو ہمارے زمانہ میں سیاسی اقدار، سیاسی اداروں اور تنظیموں نے حاصل کر لی ہے، اسلامی نظام کا اجرا، حکومتِ الٰہیہ کا قیام اپنی جگہ پر نہایت صحیح اور ضروری مقاصد ہیں، جن میں دو رائیں نہیں ہو سکتیں، مسلمان اہلِ فکر اور اہلِ قلم کا فرض ہے کہ اپنی تمام توانائیاں اور پوری صلاحیتیں اس عظیم مقصد کے حصول میں لگا دیں، لیکن اس مقصد کے لئے قرآن مجید کی آیات و اصطلاحات سے بہ تکلف اپنے مدعا کو ثابت کرنے اور سارے قرآن کو اسی رنگ میں دیکھنے کی ضرورت نہیں، ان کی ترغیب و تاکید اور ان کی اہمیت و عظمت کے ثبوت کے لئے کتاب و سنت کے ذخیرہ میں واضح دلائل و نصوص موجود ہیں، (اور انہیں کی روشنی و رہنمائی میں ہر دور میں صحیح الفہم اور عالی ہمت مسلمان مصلحین اور داعیوں نے کوشش کی) ان کی موجودگی میں ان تکلفات کی کوئی حاجت نہیں۔ (۱)

دعوتِ انبیاء میں عقیدۂ آخرت کا اہتمام:

نبوت کے خدوخال نمایاں کرنے والی صفات اور اس کی علامتوں اور خصوصیات کی دوسری اہم چیز ہے، عقیدۂ آخرت کا اہتمام، اس سے دلچسپی اور شیفتگی کا اظہار، اس کی تبلیغ و تشہیر اور اس کی اہمیت پر اتنا زور کہ انبیائے کرام کی دعوت کا بنیادی نقطہ بن جائے جو لوگ انبیائے کرام کے اقوال و احوال کے مطالعہ میں زندگی گزارتے ہیں اور ان کے کلام کا صحیح ذوق رکھتے ہیں، وہ صاف محسوس کرتے ہیں کہ جیسے آخرت ہمیشہ ان کی نظروں کے سامنے ہوتی ہے، اور اس کی تصویر، نعمت و مصیبت اور سعادت و شقاوت کی تمام تفصیلات کے ساتھ ان کی آنکھوں کے سامنے کھڑی رہتی ہے، اور وہ ہمہ وقت جنت کے شدید اشتیاق اور جہنم سے شدید خوف کے عالم میں رہتے ہیں، اور یہ فطری بات ہے، یہ بات ان کے لئے بالکل مشاہدہ اور ایک واقعہ کی حیثیت رکھتی ہی، جو ان کے شعور و احساس، اعصاب اور قوتِ فکریہ پر غالب آجاتا ہے،

---

(۱) حال میں راقم سطور کو ایک مسلمان فاضل کے مقالہ کے سننے کا موقع ملا، جس میں انہوں نے ثابت کیا ہے کہ قرآن مجید میں جہاں جہاں لفظ ''صلوٰۃ'' آیا ہے اس سے مراد اسلامی حکومت اور اقتدار ہے، جہاں ''صلوٰۃ'' کا مطلق لفظ آیا ہے اس سے مراد علاقائی حکومت ہے، اور جہاں ''الصلوٰۃ الوسطیٰ'' کا لفظ آیا ہے اس سے مراد مرکزی حکومت ہے، یہ اس طرزِ فکر کا ایک نمونہ ہے، جو ایک مقصد اور مرکزی فکر کو سامنے رکھ کر سارے قرآن مجید کو، یا دینی ذخیرہ کو اس کے مطابق بنانے اور اس سے اپنے مدعا کو ثابت کرنے کی کوشش سے پیدا ہوتا ہے۔

ہمارے لئے کافی ہے کہ ہم ابراہیم علیہ السلام کے اس قول کا مطالعہ کریں جس کو قرآن نے نقل کیا ہے، جس وقت آپ نے آخرت کا ذکر کیا ہے، اور اس کی ہیبت وخوف کا تصور ذہن میں آیا ہے، قلبی جوش اور جذبات کا سیلاب رواں ہو گیا ہے، وہ فرماتے ہیں۔

والذی اطمع ان یغفرلی خطیئتی یوم الدین O رب ھب لی حکما والحقنی بالصلحین O واجعل لی لسان صدق فی الا خرین O واجعلنی من ورثة جنة النعیم O واغفر لا بی انه' کان من الضلین O ولا تخزنی یوم یبعثون O یوم لا ینفع مال ولابنون الا من اتی اللہ بقلب سلیم O وازلفت الجنة للمتقین O وبرزت الجحیم للغاوین.

اور وہ جس سے میں امید رکھتا ہوں کہ قیامت کے دن میرے گناہ بخشے گا اے پروردگار مجھے علم و دانش عطا فرما اور نکوکاروں میں شامل کر اور پچھلے لوگوں میں میرا ذکر نیک جاری کر اور مجھے نعمت کی بہشت کے وارثوں میں کر اور میرے باپ کو بخش دے کہ وہ گمراہوں میں سے ہے اور جس دن لوگ اٹھا کھڑے کئے جائیں گے مجھے رسوا نہ کیجئے جس دن نہ مال ہی کچھ فائدہ دے سکے گا اور نہ بیٹے ہاں جو شخص خدا کے پاس پاک دل لے کر آیا وہ بچ جائے گا اور بہشت پرہیز گاروں کے قریب کردی جائے گی اور دوزخ گمراہوں کے سامنے لائی جائے گی۔

اسی طرح عزیز مصر حضرت یوسف علیہ السلام بھی آخرت کو اسی نقطۂ نظر سے دیکھتے ہیں، حالانکہ وہ اس وقت عظمت وسیادت کی انتہائی بلندی پر متمکن تھے اس وقت کا سب سے زیادہ ترقی یافتہ اور سرسبز وشاداب ملک مصر ان کے تابع فرمان تھا، اس میں انہیں کا سکہ چلتا تھا، بوڑھے باپ اور عزیز خاندان سے ملا کر اللہ تعالی نے ان کی آنکھوں کو ٹھنڈک اور قلب کو مسرت سے معمور کر دیا تھا، اسی طرح حضرت یوسف علیہ السلام کا اقبال اور جاہ وجلال دیکھ کر ان کے خاندان والوں میں بھی مسرت وشادمانی کی لہر دوڑ گئی تھی، یہ نعمتیں اور احسانات کسی عالی ہمت، حوصلہ مند شخص کو خوش اور مطمئن کرنے کے لئے کافی تھی، لیکن اس وقت بھی یوسف علیہ السلام کے دل ودماغ پر آخرت اور حسن انجام کی فکر چھائی ہوئی تھی، جس نے ان کی نظروں میں اس رفعت وعظمت کو بالکل بے حقیقت بنا دیا تھا، ان کی نظروں میں اس کی کوئی اہمیت ہی نہیں تھی، چنانچہ وہ شکر، دعا، رضا اور خوف کے ملے جلے جذبات کے ساتھ کہتے ہیں۔

رب قد آتيتني من الملك وعلمتني من تاويل الاحاديث فاطر السموت والارض انت ولي في الدنيا والاخرة توفني مسلما والحقني بالصلحين.

اے میرے پروردگار تو نے مجھے حکومت سے بہرہ دیا اور خوابوں کی تعبیر کا علم بخشا اے آسمانوں اور زمین کے پیدا کرنے والے تو ہی دنیا اور آخرت میں میرا کارساز ہے تو مجھے دنیا سے اپنی اطاعت کی حالت میں اٹھا اور آخرت میں اپنے نیک بندوں میں داخل کر۔

نصیحت اور موعظت کا اصل محرک:

آخرت پر ایمان اور وہاں ملنے والی ابدی سعادت اور لازوال شقاوت اور ان تمام انعامات (جنہیں اللہ نے اپنے نیک بندوں کے لئے مہیا کر رکھا ہے) اور تمام عذابوں (جو نافرمان کافروں کے لئے تیار کئے گئے ہیں) کا ہر وقت نگاہوں کے سامنے ہونا ہی انبیائے کرام کی دعوت اور ان کی پند ونصیحت کا اصل محرک ہے، یہی ان کو پریشان کرتا رہتا ہے، ان کی آنکھوں سے نیند اڑا دیتا ہے، ان کی پرسکون و پاکیزہ زندگی کو مکدر کر دیتا ہے، اور ان کو کسی حالت میں سکون اور کسی پہلو قرار نہیں ملتا، ان کی نگاہوں کے سامنے پھیلے ہوئے شر وفساد، حالات کی ابتری اور ماحول میں خرابیوں کے پیدا ہونے کی صورت میں ان کے دل ودماغ پر سب سے زیادہ اثر انداز اور ان کے لئے سب سے بڑا قوی محرک یہی فکر آخرت ہے، اور وہ ان کی دعوت وتبلیغ کی اصل روح ہے اور خوف واضطراب کا اصلی سبب قرار دیتے ہیں، چنانچہ حضرت نوح علیہ السلام (سب سے پہلے رسول جن کا قرآن تفصیل سے تذکرہ کرتا ہے) کے بارے میں ہے۔

ولقد ارسلنا نوحا الى قومه انى لكم نذير مبين ○ ان لا تعبدوا الا الله انى اخاف عليكم عذاب يوم اليم.

اور ہم نے نوح کو ان کی قوم کی طرف بھیجا تو انہوں نے ان سے کہا کہ میں تم کو کھول کھول کر ڈر سنانے اور یہ پیغام پہنچانے آیا ہوں کہ خدا کے سوا کسی کی عبادت نہ کرو مجھے تمہاری نسبت عذاب الیم کا خوف ہے۔

اسی طرح حضرت ہود علیہ السلام کے متعلق بھی جو پرانے انبیائے کرام میں سے ہیں اور

ایک ایسی قوم کی طرف مبعوث کئے گئے تھے، جن کو زندگی کی ساری سہولتیں میسر تھیں، جن کی دنیا بہت وسیع تھی، اور وہ بہت ہی خوشگوار زندگی گزار رہے تھے۔

واتقوا الذی امدکم بما تعلمون امدکم بانعام وبنین ○ وجنت وعیون ○ انی اخاف علیکم عذاب یوم عظیم.

اور اس سے جس نے تم کو ان چیزوں سے مدد دی جن کو تم جانتے ہو ڈرو اس نے تمہیں چار پایوں اور بیٹیوں سے مدد دی اور باغوں اور چشموں سے مجھے کو تمہارے بارے میں بڑے سخت دن کی عذاب کا خوف ہی۔

اسی طرح حضرت شعیب علیہ السلام کے بارے میں ہے، یہ ایسی قوم میں مبعوث کئے گئے تھے، جن کی زندگی لطف وسعادت سے بھرپور تھی، اوران کی سرزمین سرسبزی وشادابی سے لہلہارہی تھی۔

انی اراکم بخیر وانی اخاف علیکم عذاب یوم محیط.

میں تو تم کو آسودہ حال دیکھتا ہوں اور اگر تم ایمان نہ لاؤ گے تو مجھے تمہارے بارے میں ایک ایسے دن کے عذاب کا خوف ہے جو تم کو گھیر کر رہے گا۔

عقیدۂ آخرت کا اثر انبیاء کے متبعین پر:

یہ اندازِ نظر صرف انبیاء ہی تک محدود نہیں رہا، بلکہ ان کی قوت تاثیر اور فیض صحبت سے ان کے متبعین اوران پر ایمان لانے والوں پر بھی اس کا اثر پڑا، اوران پر بھی اس زندگی کی کم مائیگی، بے حقیقتی اور ناپائیداری اور اخروی زندگی کی عظمت وابدیت واضح ہوگئی اور یہ کہ آخرت ہی وہ اہم اور عظیم حقیقت ہے، جس کے لئے مجاہدین جہاد کرتے ہیں، کام کرنے والے آگے بڑھتے ہیں، اور مقابلہ کرنے والے ایک دوسرے پر سبقت لے جانے کی کوشش کرتے ہیں، چنانچہ'' مومن آل فرعون کہتا ہے۔

یا قوم انما ھذہ الحیوۃ الدنیا متاع وان الاٰخرۃ ھی دار القرار ○ من عمل سیۃ فلا یجزی الا مثلھا ومن عمل صالحا من ذکر اوانثی وھو مومن فاولئک یدخلون الجنۃ یرزقون فیھا بغیر حساب.

بھائیو یہ دنیا کی زندگی چندروز فائدہ اٹھانے کی چیز ہے اور جو آخرت ہے وہی ہمیشہ رہنے

کالکھ ہے، جو برے کام کرے گا اس کو بدلہ بھی ویسا ہی ملے گا، اور جو نیک کام کرے گا مرد ہو یا عورت، اور وہ صاحب ایمان بھی ہوگا تو ایسے لوگ بہشت میں داخل ہوں گے وہاں ان کو بے شمار رزق ملے گا۔

اور فرعون کے جادوگروں کے موسیٰ علیہ السلام پر ایمان لانے کے چند ہی لمحے کے بعد جب فرعون نے ان کو دردناک سزا کی دھمکی دی اور آپ کو معلوم ہے کہ وہ سزا کیا تھی، ان کی سزا تجویز ہوئی تھی ان کے ہاتھ اور پیر کو مخالف سمتوں سے کاٹنا، (یعنی دایاں ہاتھ تو بایاں پیر اور بایاں ہاتھ تو دایاں پیر) اور درختوں پر سولی دینا تو انہوں نے برجستہ جواب دیا۔

قالوالن نو ترک علی ما جآء نا من البینت والذی فطرنا فاقض ما انت قاض انما تقضی هذه الحیواة الدنیاO انا امنا بر بنا لیغفرلنا خطا یا نا وما اکرهتنا علیه من السحر والله خیر وابقیOانه من یات ربه مجرما فان له جهنم لا یموت فیها ولا یحییO ومن یاته مومنا قد عمل الصلحت فا ولنک لهم الدرجات العلی جنت عدن تجری من تحتها الا نهار خالدین فیها وذلک جزآء من تزکی.

انہوں نے کہا جو دلائل ہمارے پاس آ گئے ہیں ان پر اور جس نے ہم کو پیدا کیا ہے اس پر ہم آپ کو ہرگز ترجیح نہیں دیں گے تو آپ کو جو حکم دینا ہو دے دیجئے اور آپ جو حکم دے سکتے ہیں وہ صرف اس دنیا کی زندگی میں دے سکتے ہیں ہم اپنے پروردگار پر ایمان لے آئے تاکہ وہ ہمارے گناہوں کو معاف کرے اور اسے بھی جو آپ نے ہم سے زبردستی جادو کرایا اور خدا بہتر اور باقی رہنے والا ہے، جو شخص اپنے پروردگار کے پاس گنہگار ہو کر آئے گا تو اس کے لئے جہنم ہے جس میں نہ مرے گا نہ جئے گا اور جو اس کے روبرو ایماندار ہو کر آئے گا اور عمل بھی نیک کئے ہوں گے تو ایسے لوگوں کے لئے اونچے اونچے درجے ہیں یعنی ہمیشہ رہنے کے باغ جن کے نیچے نہریں بہہ رہی ہیں، ہمیشہ ان میں رہیں گے اور یہ اس شخص کا بدلہ ہے جو پاک ہے۔

اعمال کی غایت، آخرت میں سزا یا جزا:

انبیاء کرام علیہم السلام سے بعید بلکہ ناممکن ہے کہ وہ (معاذ اللہ) اپنی امت اور ماننے والوں کو سیاست وحکومت یا دنیاوی منفعت کا لالچ دلائیں اور ان منافع کو ان کے ایمان کی

قیمت اور اپنی دعوت قبول کرنے کا معاوضہ بتائیں، بلکہ اس کے خلاف حب جاہ، شخصی یا قومی بلندی اور حوصلہ مندی کے تحت سر بلندی اور لوگوں پر غلبہ واستیلاء کی پرزور مخالفت کرتے ہیں۔ قرآن بانگ دہل اعلان کرتا ہے۔

تلک الدار الاخرة نجعلها للذین لا یریدون علوا فی الارض ولا فسادا والعاقبة للمتقین.

وہ جو آخرت کا گھر ہے ہم نے اسے ان لوگوں کے لئے تیار کر رکھا ہے جو ملک میں ذاتی سر بلندی اور فساد کا ارادہ نہیں کرتے اور انجام نیک تو پرہیزگاروں ہی کا ہے۔

انبیاء اپنے متبعین میں اللہ کی رحمت کی امید اور طلب پیدا کرتے ہیں، اللہ تعالیٰ کے عذاب سے ڈراتے ہیں، اعمال کا تعلق آخرت کی جزاوسزا سے جوڑتے ہیں، اور بیان کرتے ہیں کہ یہ ایمان، اطاعت اور استغفار، اللہ کی رحمت کو جوش میں لاتے ہیں، روزی کھینچتے ہیں، اور بارش لاتے ہیں، لوگوں کو قحط اور عسرت سے نجات دلاتے ہیں، حضرت نوح علیہ السلام اللہ سے اپنی قوم کی شقاوت وبدبختی بیان کرتے ہوئے کہتے ہیں۔

فقلت استغفروا ربکم انهٗ کان غفارا O یرسل السمآء علیکم مدرارا O ویمددکم باموال وبنین ویجعل لکم جنت ویجعل لکم انهارا O

اور میں نے کہا اپنے پروردگار سے معافی مانگو کہ وہ بڑا معاف کرنے والا ہے وہ تم پر آسمان سے برابر مینہ برسائے گا اور مال اور بیٹوں سے تمہاری مدد فرمائے گا اور تمہیں باغ عطا کرے گا اور ان میں تمہارے لئے نہریں بہادے گا۔

اسی طرح ہود علیہ السلام اپنی قوم کو رب سے طلب مغفرت کی فہمائش کرتے ہیں، اور اس کی منافع بیان کرتے ہوئے کہتے ہیں۔

ویاقوم استغفروا ربکم ثم توبوا الیه یرسل السمآء علیکم مدرارا ویزدکم قوةً الیٰ قوتکم ولا تتولوا مجرمین.

اور اے قوم اپنے پروردگار سے بخشش مانگو پھر اس کے آگے توبہ کرو وہ تم پر آسمان سے موسلا دھار مینہ برسائے گا اور تمہاری طاقت بڑھائے گا، اور دیکھو گنہگار بن کر روگردانی نہ کرو۔

یہ ایمان اور استغفار کی فطرت اور اس کی طبعی خاصیت ہے، جو اس سے کبھی الگ نہیں،

ہوسکتی، جیسے اور اشیاء کی فطرت نہیں بدل سکتی، دواؤں کی خاصیات ختم نہیں ہوسکتیں، اور فطرت کے قوانین اپنی جگہ سے ٹل نہیں سکتے۔

انبیاء اور ان کی متبعین کی سیرتوں میں آخرت کا مقام:

آخرت کی اہمیت، دنیا پر آخرت کی ترجیح اور دنیا اور اس کے مال ومتاع کو بے قیمت سمجھنے کی دعوت محض زبانی دعوت نہ تھی، نہ صرف امتوں کے لئے تھی بلکہ یہی ان کی زندگی کا بنیادی اصول اور ان کا طرز عمل تھا، وہ اس پر سب سے پہلے خود ایمان لاتے تھے، اور اپنے خاص لوگوں میں، اپنے خاندان میں، اور اپنی پوری زندگی میں، اسی راہ پر گامزن رہتے تھے، حضرت شعیب علیہ السلام اپنی پوری جماعت کی ترجمانی کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔

ومآ اريد ان اخالفكم الى مآ انهاكم عنه.

اور میں نہیں چاہتا کہ جس امر سے میں تمہیں منع کروں خود اس کو کرنے لگوں۔

وہ دنیا کی طرف سے بے فکر اور آخرت کی طرف ہمہ تن متوجہ رہتے تھے، انہوں نے بلند مراتب اور اہم مناصب سے بے توجہی برتی، اور اپنی دعوت کی راہ میں ان کو قربان کر دیا، اور ''قیمتی مواقع'' ضائع کر دیئے، حالانکہ ان میں اکثر ایسے تھے کہ جن کا مستقبل روشن اور درخشاں تھا، اور وہ اپنی ذہانت، ذکاوت، مہارت، خاندانی شرافت، ونجابت اور حاکم خاندان یا شاہی دربار سے تعلق کی بناپر اپنے ماحول کے ممتاز اور ''درخشندہ'' لوگوں میں سے تھے، حضرت صالح علیہ السلام کی قوم نے اس طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا تھا۔

یاصالح قد کنت فینا مرجواً.

اے صالح تم تو ہماری امیدوں کا مرکز تھے۔

اور انبیاء کے اہل بیت اور اہل خاندان نے بھی یہی روش اختیار کی جیسا کہ سرور انبیاء ﷺ سے کہا گیا۔

يآيها النبى قل لازواجك ان كنتن تردن الحيوة الدنيا وزينتها فتعالين امتعكن واسرحكن سراحاً جميلاً O وان كنتن تردن الله ورسوله والدار لاخرة فان الله اعد للمحسنٰت منكن اجرًا عظيماً

اے پیغمبر اپنی بیویوں سے کہہ دو کہ اگر تم دنیا کی زندگی اور اس کی زینت وآرائش کی

خواستگار ہو تو آؤ میں تمہیں کچھ مال دوں اور اچھی طرح سے رخصت کردوں اور اگر تم خدا اور اس کے پیغمبر اور عاقبت کے گھر یعنی بہشت کی طلبگار ہو تو تم میں جو نیکوکاری کرنے والی ہیں، ان کے لئے خدا نے اجر عظیم تیار کر رکھا ہے۔

اور آپ کی صحبت کی تاثیر تھی کہ تمام ازواج مطہرات (رضی اللہ عنہن) نے اللہ اور اس کے رسول ﷺ ہی کو ترجیح دی اور دوسروں کے ساتھ خوشحالی اور عیش و آرام کی زندگی سے منہ موڑ کر رسول اللہ ﷺ کے ساتھ فقر اور قناعت کی زندگی کو پسند کیا، رسول اللہ ﷺ کی زندگی اور آپ کے اہل بیت کے طرز معیشت سے کون ناواقف ہے، وہ سیرت و تاریخ کا ایک روشن باب ہے، جو تعجب خیز بھی ہے اور حیرت انگیز بھی، وہ قلوب کو عظمت و ہیبت سے معمور کر دیتا ہے، منہاج نبوت پر چلنے والوں اور دین حق کے داعیوں کے لئے روشنی کا مینار قائم کرتا ہے، اس زندگی کا ہمیشہ کا شعار تھا: اللهم لاعيش الاعيش الاخرة (۱) (اے اللہ زندگی تو بس آخرت کی زندگی ہے) اور جس کی مقبول دعا تھی: اللهم اجعل رزق آل محمد قوتا (۲) (اے اللہ آل محمد کے رزق کو صرف گزر بسر کے لائق رکھ)۔

نبوی اور اصلاحی دعوتوں کا فرق:

انبیاء کی آخرت پر ایمان کی دعوت اور اس کی اہمیت کی تبلیغ و تشہیر صرف اخلاقی یا اصلاحی ضرورت کے تحت نہیں تھی، جس کے بغیر اسلامی معاشرہ کیا، کوئی بھی معاشرہ وجود میں نہیں آ سکتا، نہ پاکیزہ تمدن کی بنیاد پڑ سکتی ہے، یہ طرز فکر اگرچہ قابل تعریف ہے، لیکن انبیاء کے طریق کار ان کی سیرت اور ان کے خلفاء کے طریق کار سے بالکل مختلف ہے، ان دونوں کے درمیان فرق یہ ہے کہ پہلے (انبیاء کے) طریقہ میں یہ ایمان، وجدان، قلبی جذبہ و احساس اور ایسا عقیدہ ہے کہ جو انسان کے احساسات، خیالات، افکار اور اعمال پر پوری طرح قابو حاصل کر لیتا ہے، اور دوسرے طریقہ میں صرف اعتراف، اقرار اور ضابطہ کی حیثیت رکھتا ہے، اول الذکر حضرات آخرت کے متعلق گفتگو کرتے ہیں تو تڑپ، وارفتگی اور لذت کے ساتھ، اور اس کی طرف دعوت دیتے ہیں تو جوش و قوت کے ساتھ اور دوسرے لوگ اس کے بارے میں گفتگو کرتے ہیں تو

---

(۱) بخاری

(۲) ایضاً

اخلاقی یا معاشرتی ضرورت کی حد تک اور اصلاح یا اخلاقی تنظیم کے جذبہ سے، اور داخلی جذبہ وجدان اور شعور کے تقاضوں اور اجتماعی مصالح اور منطقی ضرورتوں کو تسلیم کرنے کے درمیان زمین و آسمان کا فرق ہے۔

ایمان بالغیب کا مطالبہ:

حضرات! انبیاء کی دعوتوں اور ان کی کتابوں کی خصوصیات اور نبوت کی ممتاز اور واضح خطوط میں سے ایک چیز یہ بھی ہے کہ وہ ایمان بالغیب پر بہت زور دیتے ہیں، اور ہدایت اور دین سے فائدہ حاصل کرنے کی بنیادی شرط ہدایت یافتہ لوگوں کا شعار اور ارباب صلاح وتقویٰ کی اہم پہچان قرار دیتے ہیں اور بہت زوردار قوت کے ساتھ اس کا مطالبہ کرتے ہیں، چنانچہ قرآن کہتا ہے:

الم O ذالک الکتاب لاریب فیه هدی للمتقین O الذین یومنون بالغیب ویقیمون الصلوٰة ومما رزقناهم ینفقون O والذین یومنون بمآ انزل الیک ومآ انزل من قبلک وبالاخرة هم یوقنون O اولئک علیٰ هدی من ربهم اولئک هم المفلحون

یہ کتاب (قرآن مجید) اس میں کوئی شک نہیں کہ کلام خدا ہے، خدا سے ڈرنے والوں کی رہنما ہے، جو غیب پر ایمان لاتے ہیں اور آداب کے ساتھ نماز پڑھتے اور جو کچھ ہم نے ان کو عطا فرمایا ہے، اس میں سے خرچ کرتے ہیں اور جو کتاب (اے محمد) تم پر نازل ہوئی اور جو کتابیں تم سے پہلے پیغمبروں پر نازل ہوئیں سب پر ایمان لاتے اور آخرت کا یقین رکھتے ہیں، یہی لوگ اپنے پروردگار کی طرف سے ہدایت پر ہیں اور یہی نجات پانے والے ہیں۔

اور جو لوگ اللہ پر ایمان لاتے ہیں، اور اسلام (جو تمام انبیاء کا دین ہے) پر ایمان لاتے ہیں، ان سے مطالبہ کرتے ہیں کہ اللہ کی بلند و برتر صفات، اس کی لامحدود قدرت اور اس کے محیر العقول افعال کی دل سے تصدیق کریں، جو بسا اوقات ناقص تجربات، محدود علم اور کمزور عقل کو چیلنج کرتے ہیں اور رسولوں کی لائی ہوئی اور آسمانی کتابوں میں ذکر کی ہوئی تمام باتوں پر صدق دل سے ایمان لائیں اور ان خبروں پر جن کا نہ کبھی انسان نے تجربہ کیا نہ حواس ظاہرہ نے ان کی

تصدیق کی، نہ عقل نے ان کو قبول کیا، یقین کریں اور صرف رسولوں کی خبروں اور ان کی بیان کی ہوئی اور اللہ کی طرف منسوب کی ہوئی، باتوں میں ان کی سچائی کے اعتماد پر اور اس اعتماد پر کہ اللہ ہر چیز پر قادر ہے، جس کو چاہتا ہے، پیدا کرتا ہے، جو چاہتا ہے کرتا ہے، وہ بہت بڑا خالق ہے، بے مثل اشیاء کا بنانے والا اور اپنے ارادوں میں آزاد و خود مختار ہے، اسے اپنے پیدا کئے ہوئے اسباب اور ذرائع کی بھی ضرورت نہیں اور نہ وہ خود اپنے متعین کئے ہوئے طریقوں کا پابند ہے، بلکہ وہ ہمیشہ سے ان کا خالق و مالک ہے، ان میں تصرف کا اختیار رکھتا ہے، ان کا حاکم ہے، ان کی ڈور اللہ کے ہاتھ سے نہیں چھوٹی ہے، نہ وہ اپنے وجود و ارادہ میں آزاد و مختار ہوتے ہیں، اس طرح اس کے احکام، مقدمات اور وسائل و ذرائع پر موقوف بھی نہیں ہیں۔

انما امره اذا اراد شيئا ان يقول له كن فيكون

اس کا حکم یہی ہے کہ جب وہ کسی چیز کو کرنا چاہے تو اس کو "ہو" کہے اور وہ اسی وقت ہو جائے۔

قرآن مجید اور دوسری آسمانی کتابیں اللہ تعالیٰ کے ایسے عجیب صنائع، معجزات اور خارق عادات افعال سے بھری ہوئی ہیں کہ ایمان بالغیب، اللہ کی بے مثل قدرت اور مشیت قاہرہ پر یقین اور ان کتابوں کی صحت اور ان رسولوں کی سچائی (جن پر یہ کتابیں نازل کی گئیں، اور انہوں نے لوگوں کو ان سے باخبر کیا) پر کامل اعتماد ہی ان کا متحمل ہو سکتا ہے، اور ان کی تصدیق و تائید کر سکتا ہے، لیکن وہ ایمان جس کی بنیاد محسوسات، مانوس حوادث، ظاہری عقل کی مطابقت اور کتابی علوم پر استوار ہوتی ہے، وہ یا تو ان کو قبول کرنے اور ان کی تصدیق کرنے سے بالکل انکار کر دے گا یا ان پر یقین کرنے میں تذبذب کا شکار ہوگا، اور ٹھوکر کھائے گا، یا ان کی ایسی تاویل کرے گا، جس سے وہ اس کی معلومات و محسوسات کے مطابق ہو جائیں، اسی لئے اللہ نے فرمایا:

بل ادارک علمهم فی الاخرة بل هم فی شک منها، بل هم منها عمون

بلکہ تھک کر گر گیا ان کا علم آخرت کے بارے میں بلکہ ان کو شبہ ہے اس میں، بلکہ وہ اس سے اندھے ہیں۔

قرآن نے دونوں فریقوں کا فرق واضح کر دیا ہے، ایک فریق وہ ہے جس کو اللہ نے ایمان کامل سے نوازا ہے، اور اسلام کے لئے ان کا سینہ کھول دیا ہے، دوسرا فریق وہ ہے جن کی

عقلوں اور دلوں کا دروازہ اللہ کی جانب سے آئی ہوئی اکثر چیزوں کے لئے بند کر دیا گیا ہے، چنانچہ اس فرق کی بہترین تصویر کشی کرتے ہوئے کہتا ہے۔

فمن یرد اللہ ان یهدیه یشرح صدره للاسلام ومن یرد ان یضله یجعل صدره ضیقا حرجا کانما یصعد فی السمآء کدلک یجعل الله الرحس علی الذین لایومنون.

توجس شخص کو خدا چاہتا ہے کہ ہدایت بخشے اس کا سینہ اسلام کے لئے کھول دیتا ہے، اور جسے چاہتا ہے گمراہ کرے اور اس کا سینہ تنگ اور گھٹا ہوا کر دیتا ہے۔ گویا وہ آسمان پر چڑھ رہا ہے۔ اس طرح خدا ان لوگوں پر جو ایمان نہیں لاتے عذاب بھیجتا ہے۔

قرآن نے اللہ کی ایسی صفات اور ایسے افعال ذکر کئے ہیں، جن کا اقرار اور ان کی تصدیق ایمان بالغیب کے بغیر ممکن ہی نہیں، اسی لئے وہ ایسے حوادث، واقعات، خدا کے انعامات اور اس کی سزاؤں، رسول کے حالات، ان کے ہاتھوں صادر ہونے والے معجزات اور ان کی تائید میں ظاہر ہونے والی نشانیوں کا تذکرہ کرتا ہے، جس پر یقین ایمان بالغیب کے علاوہ کسی کے بس کا ہے، نہ کوئی دوسری تعلیم یا طاقت ان کی متحمل ہو سکتی ہے اور نہ انتہائی مضحکہ خیز تکلفات عربی زبان کے قوانین کی خلاف ورزی، زبان واہل زبان پر ظلم ماللہ تعالیٰ پر زیادتی اور انتہائی بے شرمی کے بغیر ان کی عقلی توجیہ ہی ممکن ہے، نہ طبعی قوانین سے مطابقت کی کوئی صورت۔ جیسے موسیٰ علیہ السلام اور ان کے ساتھیوں کے لئے سمندر کا پھٹ جانا، پتھر پر موسیٰ علیہ السلام کی ضرب سے بارہ چشموں کا جاری ہونا، بنی اسرائیل کی جماعت پر پہاڑ کا سایہ کی طرح بلند ہونا اور ان ہی کی ایک جماعت کا موت کے بعد زندہ ہونا، انہی کے کچھ لوگوں کے چہروں کا مسخ ہو کر ذلیل بندروں کی طرح ہو جانا، ذبح کی ہوئی گائے کے ایک ٹکڑے کے مس کرنے سے اس مقتول کا زندہ ہونا، جس کا قاتل معلوم نہیں تھا۔ ابراہیم علیہ السلام کے لئے آگ میں مناسب ٹھنڈک آجانا، سلیمان علیہ السلام کے سدھائے ہوئے پرند کی گفتگو، خود ان کا چیونٹیوں کی گفتگو کو سمجھنا، ہواؤں کے دوش پر صبح وشام میں ایک ماہ کی مسافت طے کرنا، پلک جھپکتے میں ملکہ سبا کے تخت کا منتقل ہونا، مچھلی والے نبی کا قصہ، ان کا مچھلی کے پیٹ سے زندہ سلامت نکلنا، خلاف عادت حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی پیدائش، پتھر کے ریزوں سے اصحاب

فیل کی ہلاکت، رسول اللہ ﷺ کا مسجد حرام سے مسجد اقصیٰ تک، پھر وہاں سے آسمان کا سفر، اور اس طرح بے شمار واقعات جن سے قرآن اور دوسری آسمانی کتابیں بھری پڑی ہیں، ان سب کو ایمان بالغیب ہی قبول کر سکتا ہے، ایسا ایمان جس نے ایسے اللہ پر یقین کر لیا ہو، جس کی قدرت تمام چیزوں پر محیط اور حاوی ہے۔

ایمان بالغیب اور ایمان بالظاہر:

کیونکہ جس ایمان کی بنیادیں صرف محسوسات اور تجربات پر استوار ہوئی ہوں، جو مشہور اور مانوس چیزوں کا ہی ساتھ دے سکتا ہو، جو تکوینی طریقوں، طبعی اصولوں اور محسوسات کے دامن میں پناہ لیتا ہو، وہ ایمان محبوس اور مقید ایمان ہے، محدود اور مشروط ایمان ہے، وہ اعتماد کے قابل نہیں ہو سکتا، نہ ادیان کا ساتھ دے سکتا ہے، نہ انبیاء کرام کی دعوت، ان کی مطلوبہ تصدیق مطلق، دائمی اعتماد، فوری اطاعت واتباع اور جہاد وقربانی کی راہ میں فنائیت سے کوئی مناسبت رکھتا ہے، درحقیقت اس کا نام ایمان رکھنا ہی درست نہیں، وہ تو صرف علم و تحقیق ہے، منطقی قوانین کے سامنے سپر اندازی ہے، حواس و تجربات کی بے قید اطاعت ہے، اس میں کوئی فضیلت و امتیاز نہیں، اور نہ وہ دین کے ساتھ مخصوص ہے، کیونکہ ہر عقلمند انسان اپنی زندگی میں اپنے تجربات، اپنی معلومات کے نتائج، اپنی محسوسات اور اپنی عقل کے اشاروں پر اعتماد و یقین رکھتا ہے۔

اور اس ''طبیعیاتی'' یا ''منطقی'' ایمان والے شخص کو آسمانی کتابوں اور الٰہی مذاہب کے سامنے قدم قدم پہ دقتوں اور مشکلات کا سامنا کرنا پڑتا ہے، وہ دین کی روح اور اس کے حقائق کے بارے میں مستقل کشمکش میں گرفتار رہتا ہے، جیسا کہ ایک عارف نے کہا ہے:

پائے استدلالیاں چوبیں بود
پائے چوبیں سخت بے تمکیں بود

اور ''پائے چوبیں'' تیز چلنے، آزادی کے ساتھ قدم اٹھانے اور ادھر ادھر مڑنے میں انسان کا ساتھ نہیں دے سکتا، یہی وجہ ہے کہ خالص استدلالی ذہن کا انسان رسولوں کی لائی ہوئی اور آسمانی کتابوں کے بیان کئے ہوئے حقائق اور اس علم جدید، اپنی یقین کی ہوئی محسوسات، مادیات اور محدود معلومات پر مبنی اصولوں کے درمیان حائل وسیع خلیج کی وجہ سے یا تو تحریفات اور

دوراز کار تاویلات کا سہارا لیتا ہے، یا الحاد پر مجبور ہو جاتا ہے۔

بل کذبوٓا بما لم یحیطوا بعلمه ولما یاتهم تاویله

حقیقت یہ ہے کہ جس چیز کے علم پہ یہ قابو نہیں پا سکے اس کو نادانی سے جھٹلا دیا اور ابھی اس کی حقیقت ان پر کھلی ہی نہیں۔

لیکن ایمان بالغیب سے بہرہ ور اور اللہ کی قدرت کاملہ اور اس کی آزاد و خود مختار مشیت پر یقین رکھنے والا، رسولوں کی لائی ہوئی، ان کی بیان کی ہوئی خبروں اور اللہ کے متعلق ان کی بتائی ہوئی باتوں پر یقین اور ان کی تصدیق کرنے والا، کشمکش اور تذبذب کا شکار نہیں ہوتا بلکہ وہ آرام وسکون محسوس کرتا ہے، مذاہب کی روح اور ان کی خبروں سے ایک طرح کی انسیت اور تعلق محسوس کرتا ہے، اس نے ایک بار محنت کی اور غور وفکر کیا، پھر اس کو اطمینان وسکون حاصل ہو گیا، غور وفکر کیا، اللہ پر ایمان کے بارے میں، رسول کی سچائی کے بارے میں اور رسول کی بتائی ہوئی باتوں میں اس کی عصمت کے بارے میں۔

نہیں بولتا ہے اپنی خواہش سے، یہ تو وحی ہے بھیجی ہوئی۔

وما ینطق عن الهوی ان هو الا وحی یوحی

پھر ایمان لے آیا اور مطمئن ہو گیا اور وہ نہایت آسانی اور سہولت کی ساتھ ان تمام چیزوں پر یقین کر لیتا ہے جنہیں اللہ کے رسول ﷺ نے بیان کی ہوں اور صحیح طریقہ سے نقل کی گئی ہوں، جیسے پہلے ہی وہ ان سے آشنا تھا۔

اللہ تعالیٰ نے قرآن میں ان دونوں نفسیات کا فرق بیان کر دیا ہے، ایک اس شخص کی نفسیات جس نے اپنی عقل کو صحیح نقل شدہ اور رسول سے ثابت شدہ امور کے سامنے سرنگوں کر دیا، دوسرے اس شخص کی نفسیات جو اس کوشش میں لگا رہتا ہے کہ کتاب اللہ اور رسول ﷺ کی لائی ہوئی باتوں کو اپنی عاجز عقل اور محدود علم کے تابع بنانے اور ان پر اپنی دوراز کار تاویلات کو مسلط کر دے، چنانچہ کہتا ہے:

هو الذی انزل علیک الکتاب، منه آیات محکمات هن ام الکتاب واخر متشابهات فاما الذین فی قلوبهم زیغ فیتبعون ماتشابه منه ابتغآء الفتنة وابتغاء تاویله ومایعلم تاویله الا الله والراسخون فی العلم یقولون امنا به کل من عند

ربنا وما يذكر الا اولاالباب O ربنا لاتزغ قلوبنا بعد اذهديتنا وهب لنا من لدنك رحمة انك انت الوهاب

وہی تو ہے جس نے تم پر کتاب نازل کی، جس کی بعض آیتیں محکم ہیں اور وہی اصل کتاب ہیں اور بعض متشابہ ہیں تو جن لوگوں کے دلوں میں کجی ہے، وہ متشابہات کا اتباع کرتے ہیں، تاکہ فتنہ برپا کریں اور مراد اصلی کا پتہ لگائیں، حالانکہ مراد اصلی خدا کے سوا کوئی نہیں جانتا، اور جو لوگ علم میں دستگاہ کامل رکھتے ہیں وہ یہ کہتے ہیں کہ ہم اس پر ایمان لائے، یہ سب ہمارے پروردگار کی طرف سے ہے اور نصیحت تو عقلمند ہی قبول کرتے ہیں، اے پروردگار! جب تو نے ہمیں ہدایت بخشی ہے تو اس کے بعد ہمارے دلوں میں کجی نہ پیدا کرو اور ہمیں اپنے ہاں سے نعمت عطا فرما تو تو بڑا عطا فرمانے والا ہے۔

اسی طرح اس شخص کی نفسیاتی کیفیت بیان کرتے ہوئے کہتا ہے، جو اپنی مصالح خواہشات اور ظاہر بیں اور سطحی عقل کے مناسب مشہور اور مانوس چیزوں ہی میں زندگی گزار سکتا ہے، انہیں کو قبول کرتا ہے، اور انہیں پر ایمان لاتا ہے۔

ومن الناس من يعبدالله علىٰ حرف فان اصابه خيرا طمأن به وان اصابته فتنة انقلب على وجهه خسر الدنيا والاخرة ذلك هوالخسران المبين O

اور لوگوں میں بعض وہ ہیں جو عبادت کرتے ہیں اللہ کی کنارے پر پھر اگر پہنچتی ہے اس کو بھلائی تو مطمئن ہو جاتا ہے اس عبادت پر اور اگر پہنچتی ہے اس کو کوئی تکلیف تو وہ پھر جاتا ہے الٹا، گنوادی اس نے دنیا اور آخرت، یہی صریح نقصان ہے۔

افسوس کہ ہمارے اسلامی ادب اور ہمارے مذہبی تعلیم اور دعوت دین کے انداز نے یقین اور جوش کے ساتھ ایمان بالغیب کی طرف دعوت دینے میں بڑی کوتاہی کی ہے اور اس کو تقویت دینے کے لئے ادبی وفکری غذا مہیا کرنے اور اس پر زور دینے میں تساہل سے کام لیا ہے، اور بعض ہمارے معاصر انشاء پرداز (محاسن اسلام کو پیش کرنے اور جدید ذہن سے ان کو قریب کرنے میں ان کے فضل وکمال کی اعتراف کے ساتھ) دین کو جدید عقلی انداز میں ڈھالنے کی طرف متوجہ ہیں، اور دین کی ایسی تشریح کر رہے ہیں، جو جدید علم اور جدید عقل سے میل کھاتی ہو، لیکن اس نے ایک حد تک غیر ارادی طور سے ایمان بالغیب کی روح کو نقصان

پہنچایا ہے، اور تعلیم یافتہ مسلم نوجوان اسی کے عادی ہوتے جارہے ہیں، وہ انہیں چیزوں کی طرف لپکتے ہیں، جو مانوس ہوں، مقررہ اصولوں کے مطابق ہوں اور طبیعیاتی زندگی میں بار بار سامنے آرہی ہوں، لیکن جو واقعات ان اصولوں سے الگ یا ان کے خلاف واقع ہوتے ہوں اور جن کی تصدیق میں گہرے اور ہمہ گیر یقین و ایمان کی اور مخبر کی سچائی پر اعتماد کی ضرورت ہو، ان کو بہت تذبذب کے بعد اور بڑی مشکل سے قبول کرتے ہیں، نہ ان کی طرف لپکتے ہیں، نہ انہیں خوش آمدید کہتے ہیں، اور ان کو ان حادثات کی تصدیق میں اپنی بار بار کی ہوئی اور ایمان لائی ہوئی اس بات کی مخالفت نظر آتی ہے کہ اسلام ایک عقلی اور علمی مذہب ہے، اس میں کوئی شک نہیں کہ اسلام کی یہ تعریف بالکل صحیح ہے، اور یہ صحیح ہے کہ معقولات و منقولات میں کوئی تضاد نہیں، جیسا کہ شیخ الاسلام ابن تیمیہ کہتے ہیں، لیکن عقل انسانی کے درجہ اور معیار مختلف ہوتے ہیں، ہمارے زمانہ کے بڑے شہروں اور حکومتوں کے مراکز میں پائی جانی والی عجیب و غریب مصنوعات اور تمدن کی سہولتیں ایک دہقانی کے وہم وگمان میں بھی نہیں آسکتی ہیں، اسی طرح ایک عام انسان کی عقل عصر حاضر میں انسانوں کی ایجادات واختراعات مثلاً ایٹمی طاقت کی تسخیر اور مصنوعی چاند وغیرہ کو نہیں قبول کرسکتی، پھر جتنی بھی بلند پرواز اور عقل رسا کا تصور کیا جائے، بہرحال اس کے بھی حدود ہوں گے، اور اس کا دائرہ انہیں حدود تک محدود رہے گا، اور اسی کے مطابق اس کی ذمہ داریاں بھی ہوں گی، اور وہ انہیں ذمہ داریوں کی ادائیگی کا مکلّف ہوگا، اس پر اس کی طاقت سے زیادہ بوجھ نہیں ڈالا جاسکتا۔

اس سلسلہ میں تاریخ اسلام کی عظیم شخصیت بلکہ فلسفہ تاریخ اور علوم عمرانیات کے امام علامہ عبدالرحمن ابن خلدون کی بات آب زر سے لکھنے کے قابل ہے، وہ کہتے ہیں:

”تم فکر کی اس خام خیالی پر ہرگز اعتماد نہ کرو کہ وہ کائنات اور اس کے اسباب وعوامل کا احاطہ کرسکتی ہے اور اس کے وجود کی ساری تفصیلات سے واقف ہوسکتی ہے، اس معاملہ میں فکر کی خودرائی کو حماقت پر مبنی سمجھو اور یہ سمجھ لو کہ ہر صاحب ادراک انسان ابتداء میں یہی سمجھتا ہے کہ سارے موجودات اس علم وادراک کے احاطہ میں آگئے ہیں، کوئی چیز اس سے باہر نہیں رہی، لیکن حقیقت اس کے خلاف ہے، تم بہرے کو دیکھتے ہو کہ اس کے نزدیک موجودات صرف چار محسوسات پر منحصر ہیں، مسموعات کی قسم سرے سے اس کے دائرہ سے خارج ہے، اسی طرح اندھا، اس کے شمار سے مرئیات کی قسم بالکل خارج ہوجاتی ہے اور غیر محسوس اشیاء میں اگر ان

کے آباء واجداد اور ان کے زمانہ کے بزرگوں اور دوسرے تمام لوگوں کا تقلیدی عمل نہ ہو تو ان سے تسلیم کرنے سے بھی انکار کردیں، لیکن وہ ان غیر محسوس اصناف کی اثبات میں عام لوگوں کی اتباع کرتے ہیں، اور ان کو اپنی فطرت اور طبیعت اور ادراکیہ کی مدد سے قبول نہیں کرتے، اگر اب زبان بولنے لگیں اور ان سے پوچھا جائے تو ہم ان کو معقولات کا منکر ہی پائیں گے، اور ان کے نزدیک معقولات کا پورا خزانہ ساقط الاعتبار ہوگا اور جب یہ بات واضح ہوگئی تو بہت ممکن ہیں ایسے مدرکات بھی عالم میں موجود ہوں جو ہمارے ادراک سے باہر ہوں، کیونکہ ہمارے ادراکات مخلوق اور حادث ہیں اور اللہ کی مخلوقات انسان کی معلومات سے کہیں زیادہ ہیں، اور موجودات کا حصر ممکن ہی نہیں اس کا دائرہ بہت وسیع ہے۔ اللہ ہی ان کا احاطہ کرسکتا ہے، لہذا موجودات کے احاطہ کے بارے میں اپنی ادراک اور اپنی مدرکات کی تردید کرو اور شارع علیہ السلام کے بتائے ہوئے عقیدہ اور عمل پر قائم رہو، کیونکہ وہ تمہاری بھلائی کے حریص ہیں اور تمہارے لئے نفع بخش چیزوں کو وہ تم سے زیادہ جانتے ہیں، اور ان کے ادراکات تمہارے ادراکات سے بلند ہیں، اور ان کی عقل کا دائرہ تمہاری عقل کے دائرہ سے وسیع ہے۔

اور یہ عقل اور اس کے ادراکات کے لئے کوئی عیب کی بات نہیں کیونکہ عقل ایک صحیح ترازو کی طرح ہے اور اس کے احکام قطعی اور یقینی ہیں، ان میں غلطی یا جھوٹ کا شائبہ نہیں، لیکن تم کو یہ امید نہیں کرنا چاہئے کہ اسی ترازو سے امور توحید وآخرت اور صفات الٰہیہ کی حقیقت بھی تول سکو گے، کیونکہ یہ امید محال ہے اور اس کی مثال ایسی ہے، جیسے ایک شخص سونا تولنے والا کانٹا دیکھے تو یہ امید وابستہ کرلے کہ اسی سے پہاڑ بھی تول سکتا ہے، لیکن اس سے یہ بات تو ثابت نہیں ہوئی کہ کانٹا اپنی تول میں سچا نہیں، اسی طرح عقل کے بھی حدود ہیں، جہاں اس کو ٹھہرنا پڑتا ہے، ان سے وہ آگے نہیں بڑھ سکتی کہ وہ اللہ کی ذات وصفات کو بھی اپنی ادراکات کے دائرہ میں داخل کرلے بلکہ وہ اس کے پیدا کئے ہوئے بےشمار ذرات میں سے ایک حقیر ذرہ ہے۔ (۱)

تکلفات سے پرہیز اور فطرت سلیمہ پر اعتماد:

حضرات گرامی! انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کی خصوصیات اور امتیازات اور ان کی خاص علامتوں میں سے ایک یہ بھی ہے کہ وہ خودساختہ انداز واطوار اور تکلف وتصنع سے بالعموم

---

(۱) مقدمہ ابن خلدون۔ علم کلام ۳۲۲۔

اپنی پوری زندگی میں اور بالخصوص اپنی دعوت، گفتگو اور دلائل میں بہت دور رہتے ہیں اور خاتم النبیین ﷺ کا قول:

مآ اسئلکم من اجر ومآ انا من المتکلفین O ان ھو الا ذکر للعلمین O

میں تم سے اس کا صلہ نہیں مانگتا اور نہ میں بناوٹ کرنے والوں میں ہوں۔ یہ قرآن تو اہل عالم کے لئے نصیحت ہے۔

تمام انبیائے سابقین کی حالت کی تصویر کشی کر رہا ہے، وہ سب کے سب ہمیشہ فطرت سلیم اور عقل عام کو فطری، سادہ اور پیچیدگیوں سے پاک انداز سے مخاطب کرتے ہیں، جس کا سمجھنا نہ تو نادر ذہانت پر موقوف ہوتا ہے، نہ امتیازی علم پر، نہ مختلف علوم وفنون کے ہمہ گیر اور گہرے مطالعہ پر، نہ علمی اصطلاحات کی واقفیت پر نہ منطق وفلسفہ ریاضی، فلکیات اور سائنسی علوم کی معرفت پر بلکہ جس طرح خواص اس سے دلچسپی لیتے ہیں، اسی طرح عوام بھی اس کو سمجھتے ہیں، اور جس طرح علماء اس سے استفادہ کرتے ہیں، اسی طرح کم علم بھی اس سے فائدہ اٹھاتے ہیں، ہر ایک اپنے علم وفہم کے مطابق اس سے فائدہ اٹھاتا ہے۔

انبیاء کی تعلیمات جس طرح سادہ اور بے تکلف زندگی گزارنے والی قوموں کے حالات سے مطابقت رکھتی ہیں، اسی طرح بلند تہذیب وتمدن رکھنے والی قوموں کی حالت کے بھی موافق ہوتی ہیں، وہ نہ دقیق اور پیچیدہ سوالوں کو اٹھاتے ہیں، نہ انہیں ضروری قرار دیتے ہیں، ان کا کلام میٹھے اور خوشگوار پانی کی طرح ہوتا ہے، ہر شخص اس کو استعمال کرتا ہے اور اس کا ضرورت مند بھی رہتا ہے، حکیم الاسلام شاہ ولی اللہ صاحب دہلوی نے اپنی بے نظیر کتاب ''حجۃ اللہ البالغۃ'' میں اسی نکتہ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کیا خوب فرمایا ہے۔

''انبیائے کرام کی سیرت میں یہ بھی نظر آتا ہے کہ وہ لوگوں سے ان کی عقل کے اس معیار کے مطابق جس پر وہ پیدا کئے گئے ہیں، اور انہیں علوم کے مطابق جو انہیں اصل خلقت کے اعتبار سے حاصل ہیں گفتگو کرتے ہیں اور یہ اس وجہ سے کہ انسان جہاں بھی ہو کا اصل خلقت میں اس کے ادراک کی ایک حد ہوگی جو اور تمام حیوانات سے آگے ہوگی، سوائے اس کے کہ مادہ بالکل ناقص ہو، اور کچھ علوم ایسے بھی ہیں، جن تک خرق عادت کے بغیر کوئی نہیں پہنچ سکتا، جیسے انبیاء واولیاء کے نفوس قدسیہ یا سخت محنت وریاضت کے ذریعہ اس تک رسائی ممکن ہے، جو اس

کے نفس کو اپنی دسترس سے باہر کے علوم حاصل کرنے کے لائق بنادے یا طویل مدت تک حکمت اور اصول فقہ وغیرہ کی مشق وممارست کے ذریعہ ان علوم کی تحصیل ممکن ہے۔

اور انبیاء کرام لوگوں کو اسی سادہ ادراک کے مطابق مخاطب کرتے ہیں، جو ان کو اصل خلقت کے اعتبار سے ودیعت کی گئی ہے، اور وہ نادر اور قلیل الوجود چیزوں کی طرف متوجہ نہیں ہوتے، یہی وجہ ہے کہ وہ لوگوں کو اس بات کا مکلف نہیں بناتے کہ اپنے رب کو تجلیات اور مشاہدات کے ذریعہ پہچانیں، یا دلائل وقیاسات کے ذریعہ، اور نہ اس کا مکلف کرتے ہیں کہ اس کو تمام جہات سے منزہ سمجھیں، کیونکہ ریاضیت میں مشغول رہنے والے سے تقریبا ناممکن ہے، جو طویل مدت کے معقولیوں کے ساتھ نہ رہا ہو، اور انہوں نے اسے استنباط واستدلال کے طریقے اور استحسان کے وجوہ، دقیق اور ناقابل فہم مقدمات کے ذریعہ اشباہ ونظائر کا فرق اچھی طرح سمجھا نہ دیا ہو، اور وہ تمام چیزیں ذہن نشین نہ کرادی ہوں جن پر اصحاب الرائے اصحاب الحدیث پر فخر کیا کرتے ہیں۔

اور ان لوگوں کی ایک عادت یہ بھی ہے کہ وہ ایسی چیزوں میں مشغول نہیں ہوتے، جو تہذیب نفس یا سیاست امت سے متعلق نہ ہوں، جیسے فضا کے حادثات کے اسباب کا بیان مثلاً بارش، گرہن، ہالہ وغیرہ یا عجیب وغریب حیوانات اور نباتات یا چاند سورج کی رفتار، اسی طرح روزانہ کے حادثات، انبیاء، بادشاہوں اور شہروں کے قصے وغیرہ کے علاوہ الا ماشاء اللہ، چند معمولی باتوں کے جن سے ان کے کان پہلے ہی سے آشنا رہے ہوں، اور یہ چیزیں بھی اللہ کی نعمتوں اور مصیبتوں کے ذریعہ تذکیر کے ضمن میں برسبیل تذکرہ اجمالی طریقہ سے بیان کی جاتی ہیں اور ان جیسی چیزوں میں استعارات اور مجازات کا استعمال بھی جائز ہوتا ہے۔

اور اسی اصول کی بناء پر جب لوگوں نے نبی ﷺ سے چاند کے گھٹنے بڑھنے کی وجہ دریافت کی تو اللہ نے اس سے اعراض کیا اور مہینوں کے فوائد بیان فرمائے، چنانچہ اللہ فرماتا ہے۔

یسئلونک عن الاھلة قل ھی مواقیت للناس والحج

لوگ آپ سے سوال کرتے ہیں چاند کے بارے میں، آپ کہہ دیجئے کہ یہ لوگوں اور حج کے لئے وقت معلوم کرنے کا ذریعہ ہے۔

تم بہت سے لوگوں کو دیکھتے ہو کہ ان فنون اور ان کے علاوہ اسباب وعلل سے الفت وتعلق کی وجہ سے ان کا ذوق فاسد ہو گیا ہے، اور وہ لوگ رسولوں کے کلام کو اس کے موقع ومحل کے خلاف استعمال کرتے ہیں، واللہ اعلم بالصواب۔ (۱)

اور اسی کتاب میں دین کی آسانی اور سہولت کے اسباب بیان کرتے ہوئے کہتے ہیں:

''اور انہی میں سے ایک یہ بھی ہے کہ شارع علیہ السلام نے لوگوں کو حکمت وکلام اور اصول کے دقائق معلوم کرنے سے قبل، اصل خلقت کے اعتبار سے عطا کئے ہوئے معیارِ عقل کے مطابق مخاطب کیا ہے، چنانچہ اللہ نے اپنے لئے جہت بھی ثابت کیا اور فرمایا ''الرحمن علی العرش استوی'' اور نبی ﷺ نے ایک حبشیہ سے کہا، اللہ کہاں ہے؟ اور اس نے آسمان کی طرف اشارہ کیا تو آپ ﷺ نے فرمایا، یہ مومنہ ہے، اسی طرح استقبال قبلہ اور نمازوں اور عیدین کے اوقات معلوم کرنے کے لئے ہیئت اور ہندسہ کے مسائل حفظ کرنے پر مجبور نہیں کیا۔ اور آپ ﷺ نے فرمایا ''القبلة مابين المشرق والمغرب'' اور ''الحج يوم تجمعون والفطر يوم تفطرون'' واللہ اعلم بالصواب۔ (۲)

اور شاہ صاحب سے پہلے ہی حجۃ الاسلام امام غزالی (متوفی ۵۰۵ھ) کلام پر اسلوب قرآن کی فوقیت اور دونوں کا فرق واضح کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

''قرآن کے دلائل غذا کی طرح ہیں، ان سے ہر انسان فائدہ اٹھاتا ہے، اور متکلمین کے دلائل دوا کی طرح، ان سے چند لوگ فائدہ اٹھاتے ہیں، اور اکثر لوگ نقصان، بلکہ قرآن کے دلائل پانی کی طرح ہیں، جس سے شیر خوار بچے بھی فائدہ اٹھاتے ہیں، اور قوی انسان بھی، اور دوسری تمام دلیلیں غذا کی طرح ہیں، جن سے قوی کبھی فائدہ اٹھاتے ہیں، کبھی بیمار ہو جاتے ہیں اور بچوں کو بھی کبھی فائدہ نہیں پہنچتا۔'' (۳)

امام فخر الدین رازی (متوفی ۶۰۶ھ) کہتے ہیں (جیسا کہ شیخ الاسلام علامہ ابن تیمیہ اپنی کتابوں میں بار بار نقل کرتے ہیں) میں نے کلامی طریقوں اور فلسفیانہ اصولوں میں بہت غور کیا، لیکن میں نے نہیں دیکھا کہ وہ کسی بیمار کو شفا دیتے ہیں، یا کسی پیاسے کی پیاس بجھاتے

---

(۱) حجۃ اللہ البالغہ ص ۸۶، ج ۱ مطبوعہ مصر

(۲) حجۃ اللہ البالغہ ص ۸۶، ج ۱ مطبوعہ مصر

(۳) الجام العوام عن علم الکلام صفحہ ۲۰

ہیں، اور (انسانی ذہن سے) قریب ترین انداز میں قرآن کے انداز کو پایا، اور جو کوئی بھی میری طرح تجربہ کرے گا، اس کو یہی بات نظر آئے گی۔

نبوت کی طبعی خصوصیات، ان کی علامتوں، انبیائے کرام کے اندر اور دعوت و تبلیغ میں یا نجی زندگی اور لوگوں کے ساتھ معاشرتی زندگی میں، ان کی سیرتوں سے، اس زمانہ کے لوگوں، عقلوں اور طبائع کی دوری اور ناواقفیت کی وجہ سے میں نے اس مضمون کو بہت پھیلا کے بیان کیا ہے اور یہ واضح کرنے کی کوشش کی ہے کہ مصنوعی انداز کلام، طرز استدلال اور دعوت و تنظیم کے جدید اصولوں نے بڑی زیادتی کی ہے، یہاں تک کہ لوگ انبیاء کے طریقوں اور ان کی سیرتوں سے غافل ہو گئے، بلکہ ان کے استخفاف تک پہنچ گئے، اور فہم قرآن ان کے لئے بہت مشکل اور پیچیدہ ہو گیا، اب حال یہ ہے کہ وہ اس کے حکیمانہ اسلوب سے لطف اندوز ہونے کی استطاعت ہی نہیں رکھتے اور تاویلات و تکلفات کا سہارا لینے لگے ہیں، حالانکہ آج دعوت و تبلیغ میں انبیاء کی سیرت ہی مثالی سیرت ہے اور قرآن کا اسلوب ہی فطری، بلیغ اور حکیمانہ اسلوب ہے، جس پر ہر زمانہ کی عقلیں مطمئن ہوتی ہیں، دلوں کے دروازے کھل جاتے ہیں، اور ہر گروہ اور ہر طبقہ اس میں کافی وضاحت اور شافی علاج پاتا ہے۔ ”تنزیل من حکیم حمید“ صاحب حکمت اور قابل تعریف کی طرف سے اتارا ہوا ہے۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

مدح صحابہؓ کے جلسے
اور
کرنے کے کام

یہ تقریر ۱۱ محرم الحرام ۱۴۱۰ھ مطابق ۱۳ اگست ۱۹۹۰ء کو امام اہل سنت مولانا عبدالشکور ہال واقع احاطہ شوکت علی، کاب گنج لکھنو میں کی گئی تھی۔

الحمد لله نحمده ونستعينه ونستغفره ونومن به ونتوكل عليه ونعوذ بالله من شرور انفسنا ومن سيآت اعمالنا من يهده الله فلا مضل له ومن يضلله فلا هادى له ونشهد ان لااله الاالله وحده لاشريك له ونشهد ان سيدنا ومولانا محمدا عبده ورسوله صلى الله عليه وآله وصحبه وذريته وازواجه واهل بيته وبارك وسلم تسليماً كثيراً كثيرا اما بعد!

حضرات! اللہ تعالیٰ نے صحابہ کرامؓ، آغوش نبوت کے پروردہ، اور دبستان نبوت کے تعلیم وتربیت یافتہ حضرات کے حالات وخصوصیات معلوم کرنے کے لئے حضرت امام اہل سنت مولانا عبدالشکور صاحب فاروقی رحمۃ اللہ علیہ کی ذات سے، اور پھر ان کی دعوت سے، ان کے ادارہ سے اور سلسلہ ہدایت ومواعظ کے ذریعہ سے آپ کے لئے جو مواقع فراہم فرمائے، بہت کم شہروں میں بلکہ کہنا چاہئے بہت سے ملکوں میں دور دور اس کی مثال نہیں ملتی، آپ کو اس کا شکر ادا کرنا چاہئے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کے لئے یہ مواقع میسر فرمائے، آسان کئے، فراہم کئے اور قابل استفادہ بنائے، میں بھی اپنی سعادت سمجھ کر، خون لگا کر شہیدوں میں، شریک ہونا جس کو کہتے ہیں، اس ذہن کے ساتھ حاضر ہوا ہوں اور سمجھتا ہوں کہ شاید یہ میرے لئے بھی مغفرت اور قبولیت کا ذریعہ بنے، میں آپ سے بنیادی باتیں کہنا چاہتا ہوں۔

حضرات! آج گیارہواں دن ہے کہ آپ برابر خلفائے راشدین اور صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کے بارے میں سن رہے ہیں، آپ کی معلومات میں اضافہ ہو رہا ہے اور ہندوستان کے بہت منتخب اور ممتاز علمائے کرام، مقررین عظام تشریف لائے اور آپ نے ان کے مواعظ سنے، آپ یہاں سے کیا نتیجہ لے کر جائیں گے، اس کا آپ پر کیا اثر ہوگا، آپ ان مواعظ کا شکریہ کس طرح سے ادا کریں گے؟ یاد رکھئے! نعمت کا شکر اس نعمت کی جنس سے ہوتا ہے اور اسی نعمت کے مطابق ہوتا ہے، کھانے کا شکریہ کھانے کے مطابق ہوتا ہے، مہمان نوازی اور خاطر داری کا شکریہ اس کے مطابق ہوتا ہے اور قصیدہ خوان کا شکریہ اس کے مطابق ہوتا ہے. اسی طریقہ سے جب تفریح کی چیزوں کا سامان مہیا کیا جائے تو ان کا شکریہ ان کے مطابق ہوتا ہے وہ ان کی جنس سے تعلق رکھتا ہے، آپ حضرات خلفائے راشدینؓ کے بارے میں، صحابہ کرامؓ کے بارے میں سن کر جاتے ہیں، جواہرات اور موتی بکھیرے جاتے ہیں اور آپ کے جیب و دامن میں آتے ہیں، ان کا شکریہ کیا ہے؟ اللہ تبارک وتعالیٰ کی نعمتوں کا شکریہ اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کے شایان شان اللہ کے پیغمبروں کے احسانات کا شکریہ اللہ کے پیغمبروں کے شایان شان، مصلحین اور داعیان دین اور مشائخ کرام اور مرشدین اور دین کے محسنین کا شکریہ ان کے شایان شان ہوتا ہے، تو اسی طریقہ سے ہر دعوت کا، ہر تحریک، ہر محفل کا شکریہ اور اس کا اثر ان کے مطابق ہونا چاہئے، اور آپ کے اندر صلاحیت پیدا ہونی چاہئے، اگر آپ علمی مذاکروں میں جاتے ہیں، جن کا آج کل بڑا رواج ہے، جگہ جگہ علمی سیمینار ہو رہے ہیں، کنونشن ہو رہے ہیں، تو اس موضوع کے مطابق آپ استفادہ کرتے ہیں، اسی موضوع کے تقاضہ سے آپ وہاں سے نتیجہ لے کر جاتے ہیں، اثر لے کر جاتے ہیں اور اسی سے فائدہ اٹھاتے ہیں، اسی طرح آپ سیاسی جلسوں میں شریک ہوتے ہیں تو سیاسی شعور سیاسی بیداری پیدا ہونی چاہئے، جس پارٹی کا جلسہ ہے اس پارٹی کے متعلق ذہن بننا چاہئے یا بدلنا چاہئے، تو اگر خلفائے راشدین کے مناقب وفضائل کی مجلس ہو، بار بار ہو آپ بار بار شریک ہوں تو اس کا شکریہ کس طرح ادا ہوسکتا ہے، اور اس کے شایان شان کیا ہے اور اس سے آپ کی زندگی میں کیا اثر پڑنا چاہئے، کیا تبدیلی اور اصلاح آنی چاہئے۔

میں ان چیزوں کی طرف اشارہ کروں گا جو ان مجالس کے مزاج کے مطابق ہیں اور ان کا

طبعی تقاضہ ہے، عقلی تقاضہ ہے، منطقی تقاضہ ہے، شرعی تقاضہ ہے، اخلاقی تقاضہ ہے، انسانی تقاضہ ہے، اور سب سے بڑھ کر دینی تقاضہ ہے۔

اس سلسلہ کی ایک بات تو یہ ہے کہ آپ کے ذہن میں حضرات خلفائے راشدین کی عقیدت پیدا ہو، ان کے بارے میں آپ کے اندر جو اعتماد ہو، آپ کے ذہن میں یہ خیال راسخ ہو جائے کہ وہ نسل انسانی کے (انبیائے کرام کے بعد) بہترین افراد اور اللہ تبارک وتعالیٰ کے فضل واحسان، اس کی خلاقی، رزاقی اور تربیت کا بہترین نمونہ ہیں۔

پہلی بات یہ ہونی چاہئے کہ آپ اس محفل سے یہ اثر اور نتیجہ لے کر جائیں، اگر ہم کسی حکیم کی تعریف کرتے ہیں تو اس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ اس کے ذریعہ بہت سے مریضوں نے شفا پائی، وہ حکیم ہی کیا ہے، طبیب ہی کیا ہے جس کے ہاتھ ایک بھی شفا نہ ہوئی ہو، یا مشکل سے دو چار آدمیوں کو فائدہ پہنچا ہو، اگر ہم کسی عالم ومدرس کی تعریف کرتے ہیں تو اس کا مطلب یہ ہے کہ اس کے حلقہ درس سے بہت سے فضلاء تیار ہوئے اور وہ علم وفضل میں امتیازی درجہ رکھتے تھے، ورنہ پھر مدرس کا فائدہ ہی کیا، اور اس مدرس کی کامیابی کا معیار کیا؟! اگر ہم کسی کارخانہ کی تعریف کرتے ہیں، تو اس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ وہ بہترین مصنوعات پیدا کرتا ہے، ایک مرتبہ ہم نے یہیں کے ایک جلسہ میں کہا تھا کہ اگر ہم سے کوئی کہے (لکھنؤ کے بھائیوں کو سنا رہا تھا) کہ وہاں صاحب! احمد حسین دلدار حسین کا کارخانہ بہت اچھا ہے، مگر شروع میں تمباکو کے کچھ ڈبے وہاں سے بنے تھے پھر جو دیکھا تو ہر ڈبہ خراب تھا، تو یہ ایسی بات ہوگی کہ اس کارخانہ والے کو آپ کے خلاف ازالہ حیثیت عرفی کا مقدمہ دائر کرنے کا حق ہوگا کہ آپ نے اس کارکانہ کو بدنام کیا، وہاں کی شہرت کو خراب کیا، میں مدرسہ کے ایک خادم کی حیثیت سے کہتا ہوں کہ ہندوستان ہی نہیں بلکہ عالم اسلامی کی ایک نامور اور مسلم درسگاہ ندوۃ العلماء کا خادم ہوں اگر ندوۃ العلماء کے متعلق کوئی یہ کہے ہاں صاحب! شروع میں اس کے دار العلوم نے اچھے فاضل پیدا کئے، علامہ سید سلیمان، مولانا عبد السلام ندوی، مولانا عبد الباری ندوی، اس کے بعد پھر کوئی نہیں نکلا اور کسی میں کوئی استعداد پیدا نہیں ہوئی، تو سب سے پہلے میں اس کا دامن پکڑنے کو تیار ہوں، ندوۃ العلماء کے ذمہ دار ندوۃ العلماء کی کارکن اور اس سے نسبت رکھنے والے دامن پکڑنے کو تیار ہیں، آپ سے کہا جائے گا کہ پہلے آپ اس کا ثبوت دیجئے کہ آپ اس ادارہ کی

تاریخ سے کہاں تک واقف ہیں، اس کے فضلا سے آپ کہاں تک آشنا ہیں، ان کے کارناموں سے آپ کہاں تک واقف ہیں، اسی طریقہ سے میں نے مختلف مدرسوں، مختلف کارخانوں کا نام لیا، اصغر علی محمد علی ہندوستان میں عطر سازی کا شہرۂ آفاق کارخانہ تھا، دور دور اس کی شہرت تھی، اگر کہا جاتا بابا صاحب! شروع میں دو چار مہینے ان کے یہاں اچھی عطر کی شیشیاں تیار ہوتی تھیں، اس کے بعد یہ بھی معلوم نہیں دیتا تھا کہ شیشی میں عطر ہے، پانی ہے، یا تیل ہے، تو کارخانہ کے مالکان کو حق ہے کہ اس کے خلاف کارروائی کریں۔

میں کہتا ہوں کہ اللہ تبارک وتعالیٰ کے سب سے بڑے پیغمبر سید المرسلین خاتم النبین سید اولین والآخرین حضور اکرم ﷺ کے بارے میں معاذ اللہ یہ کہا جائے کہ براہ راست جن لوگوں نے آپ ﷺ کی زیارت کی، جو لوگ آپ ﷺ کے دامن تربیت سے وابستہ تھے، جو آغوش نبوت میں پلے تھے، جنہوں نے آپ ﷺ کے سایہ عاطفت میں زندگی گذاری اور جن پر آپ ﷺ کی تربیت کے معجزانہ اثرات پڑے تھے، جن کو دنیا میں نمونہ بننا تھا، ان میں دو ایک، یا تین چار آدمی بس دین پر قائم رہے، عہد میں قائم رہے، بقیہ سب دین سے نکل گئے تو اس سے بڑھ کر حضور ﷺ کے بارے میں کوئی توہین آمیز بات اور اس سے بڑھ کر آپ کے مقام نبوت اور آپ کی شان رسالت کی بلکہ اللہ تبارک وتعالیٰ کے ان انعامات کی جو آپ ﷺ کے ساتھ مخصوص تھے ناقدری نہیں ہو سکتی۔

ایک بات تو یہ ہے کہ یہ عقیدت اور اعتماد آپ اپنے اندر لے کر جائیں کہ صحابہ کرام نسل انسانی میں اور یہ میں تاریخ کی ایک طالب علم کی حیثیت سے کہہ رہا ہوں اور کسی چیز کا دعویٰ کروں یا نہ کروں یہ کوئی ایسا دعویٰ نہیں ہے کہ جس میں معذرت کی ضرورت ہو کہ میں تاریخ کی کتابوں کا کیڑا ہوں، تاریخ کا مطالعہ کرنے والوں اور تاریخی موضوعات پر لکھنے والوں کی اس عہد میں اگر اس کی کوئی فہرست بنائی جائے تو اس فہرست کے آخر میں میرا نام آنا چاہئے، میں تاریخی بصیرت، تاریخی مطالعہ کی روشنی میں بہ بانگ دہل کہتا ہوں کہ خلق آدم سے لے کر تا قیام قیامت انبیائے کرام علیہم السلام کے گروہ کو چھوڑ کر کمالات انسانی کے لحاظ سے، فیض انسانی کے لحاظ سے، مکارم اخلاق کے لحاظ سے، تقدس کے لحاظ سے، پاکیزگی کے لحاظ سے، بے غرضی کے لحاظ سے اور رحمت و برکت کے لحاظ سے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے بڑھ کر پوری نوع انسانی

میں کوئی پیدا نہیں ہوا اور یہی ہونا چاہئے تھا، یہ بالکل منطقی اور طبعی بات ہے، اگر کسی کو مانتے ہیں اور اس کے اندر کوئی اثر تسلیم کرتے ہیں، خواہ وہ کسی درجہ، کسی نوع کا ہو، زندگی کے شعبوں میں سے کوئی شعبہ ہو، اس کو لے لیجئے، سیاست کو لے لیجئے، تعلیم کو لے لیجئے، قانون کو لے لیجئے، معاملہ کو لے لیجئے، تصنیف و تالیف کو لے لیجئے، شاعری کو لے لیجئے، ادبیات کو لے لیجئے، اگر آپ اس میں کسی کا کوئی امتیاز مانتے ہیں تو آپ کو ماننا پڑے گا کہ وہ متعدی ہے، وہ زبان ہی کیا جو سمجھی نہ جائے، وہ چراغ ہی کیا جس کی روشنی نہ پھیلے، وہ خوشبو کیا جس کا سونگھنے والے کو لطف نہ آئے، وہ آفتاب کیا جس کی دھوپ نہ ہو، روشنی نہ ہو، وہ چاند کیا جس کی چاندنی نہ ہو، وہ بارش کیا جس سے تراوٹ اور آبیاری نہ ہو، جس سے فصلیں پیدا نہ ہوں، جس سے باغات سرسبز و شاداب نہ ہوں۔

شیخ الاسلام امام ابن تیمیہؒ نے امام شعبی کا ایک بلیغ ارشاد نقل کیا ہے کہ یہودیوں سے پوچھا گیا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی امت میں سب سے بہتر لوگ کون ہوئے؟ انہوں نے کہا کہ جنہوں نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے دامن تربیت میں پرورش پائی، جنہوں نے ان کو دیکھا، وہ ان حالات میں [illegible] سب سے بہتر انسان تھے، عیسائیوں سے پوچھا گیا کہ امت عیسوی میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے ماننے والوں میں سب سے بہتر لوگ کون ہیں؟ انہوں نے کہا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے حواری۔ شیعوں سے پوچھا گیا کہ اس امت میں (امت محمدی ﷺ) سب سے بدترین لوگ کون ہیں؟ تو انہوں نے ان کا نام لیا جو اولین اور اہم ترین صحابہ رسول تھے، خلفائے راشدین (حضرت علیؓ کو مستثنیٰ کر کے) عشرہ مبشرہ اور جلیل القدر صحابہؓ۔

یہ ایک تضاد ہے، ایک پہیلی ہے جو بوجھنے والی نہیں ہے کہ سب پیغمبروں کے سب سے بہتر لوگ تو وہ تھے جو ان کے دامن تربیت میں پلے بڑھے اور جنہوں نے ایک بار زیارت کر لی کچھ سے کچھ ہو گئے، تحت الثریٰ سے ثریا تک پہنچ گئے، چہ جائیکہ وہ لوگ جنہوں نے برسوں پیغمبر کی صحبت پائی اور براہ راست ان سے فیض یافتہ تھے، تو یہودیوں کا جواب ٹھیک تھا، مسیحیوں کا جواب ٹھیک تھا، ان کے شایان شان تھا، پیغمبر پر ایمان رکھنے والی امت کو یہی کہنا چاہئے تھا، لیکن ہمارے ان بھائیوں اور ہم وطنوں کو جو اسلام کا دعویٰ کرتے ہیں، ان کا یہ جواب عجیب و

غریب ہے، یہ ایک پہیلی ہے، جو بجھائی نہیں جا سکتی، آج بھی پوچھنے والے کو یہ جواب مل سکتا ہے خدا اس کی نوبت نہ لائے، کسی کو پوچھنے کی ضرورت پیش نہ ہو، لیکن وہ گویا زبان حال سے اپنے طرز عمل سے یہ کہتے ہیں، ان کی تصنیفات اس بات کا اظہار کرتی ہیں کہ امت محمدی ﷺ میں سب سے زیادہ نا قابل اعتبار بہت ہی کچے اور خام لوگ یہی تھے، جو اپنے نبی ﷺ کی آنکھ بند ہوتے ہی دین سے نکل گئے، جو اشخاص آپ ﷺ کی صحبت میں رہے، آغوش نبوت میں تربیت پائی، جن کی ہر وقت نگرانی ہوتی تھی، جو آپ کو دیکھ کر نماز پڑھتے تھے، آپ ﷺ پر اللہ تبارک وتعالیٰ کا جو کلام آتا تھا وہ براہ راست آپ ﷺ کی زبان مبارک سے سنتے تھے اور پھر اس کی تشریح بھی سنتے تھے اور اس پر عمل ہوتے بھی دیکھتے تھے، اور جن کے اخلاق اعمال و کردار، ہر چیز کی نگرانی ہوتی تھی، نگاہ نبوت خود ان چیزوں کا جائزہ لیتی تھی، وہی سب سے ناکام نکلے، خام نکلے، یہ ایک تضاد ہے، ایک شخص کا تضاد نہیں ہے، دینی امتوں کو سامنے رکھنے اور اس کا ایک تضاد ہے، دوسرے انبیاء کے ماننے والے یہ کہیں، حضور ﷺ کے ماننے والے یہ کہیں۔

مجھے یورپ وامریکہ جانے کا اتفاق ہوتا ہے۔ کئی بار میں نے کہا کہ اسلامک سینٹر واشنگٹن ڈی سی میں یا لندن کے ہائیڈ پارک میں اگر اسلام کی دعوت دی جا رہی ہو اور بڑی سحر انگیز تقریر کی جا رہی ہو، لوگ مست ہو رہے ہوں اور ایک جادو سا معلوم ہو رہا ہو اور قریب ہو کہ لوگ اسلام لے آئیں، اسلام کا اعلان کر دیں۔

ہمیں توبہ کرائیے، اسلام میں داخل کیجئے۔ اچانک ایک شخص کھڑا ہوتا ہے اور کہتا ہے، ٹھیک ہے آپ نے بہت اچھی بات کہی۔ لیکن آپ ہم سے کیا امید رکھتے ہیں۔ آپ کو ہم پر امید رکھنے کا حق کیا ہے۔ اگر آج ہم اسلام لے آئیں تو اسلام پر قائم بھی رہیں گے؟ جو لوگ براہ راست اللہ تبارک وتعالیٰ کے رسول حضرت محمد ﷺ کے ہاتھ پر اسلام لائے اور مشرف بہ اسلام ہوئے اور آپ کے سایہ میں تربیت پائی، ایک دن نہیں، دو دن نہیں، چند مہینے نہیں، چند سال نہیں، تیرہ سال مکہ معظمہ اور دس سال مدینہ منورہ کے گزارے، وہ آپ ﷺ کی آنکھ بند ہوتے ہی اسلام سے نکل گئے، صرف دو چار، سات آدمی رہ گئے، تو آپ ہم سے کیا امید رکھتے ہیں؟ اور آپ اپنے کو کیا سمجھتے ہیں؟ کہ آپ کا مقام پیغمبر خدا سے بلند ہے، ہم آپ کے ہاتھ پر اسلام لائیں تو اسلام پر قائم رہیں گے اور اسلامی تعلیمات پر عمل کریں گے؟ ہم نے کہا اس کا

کوئی جواب نہیں، دنیا کے بڑے بڑے ذکی اور بڑے سے بڑے حاضر جواب کے پاس بھی اس کا جواب نہیں۔ یہ کیا تضاد ہے، ایک طرف تو آپ یہ کہتے ہیں کہ نبی کے ہاتھ پر براہ راست اسلام لانے والے وہ ہیں جن کے بارے میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے

لقد رضی اللہ عن المومنین اذیبا یعونک تحت الشجرۃ فعلم مافی قلوبھم فانزل السکینۃ علیھم (فتح . ۱۸)

(اے پیغمبر) جب مومن تم سے درخت کے نیچے بیعت کر رہے تھے، تو خدا ان سے خوش ہوا اور جو (صدق وخلوص) ان کے دلوں میں تھا وہ اس نے معلوم کرلیا تو ان پر تسلی نازل فرمائی، دوسری طرف انہوں نے نبی ﷺ کی آنکھ بند ہوتے ہی اسلام کو خیر باد کہہ دیا۔ این چہ بوالعجبیست!

دوسری بات یہ کہنی ہے کہ آپ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی جہاں اور دوسری خصوصیات سنیں، اس خصوصیت کو بھی آپ ذہن نشین کرلیں، دماغ میں بٹھائیں، یہاں سے لے کر جائیں کہ وہ دین کے پورے متبع تھے، وہ دین کے سانچے میں ڈھل گئے تھے، ان کے عقائد، ان کی عبادات، ان کے معاملات؟ ان کے اخلاق، ان کے رسومات، ان کی تقریبات، ان کی فتوحات، ان کی حکومت و نظام سلطنت، سب چیزیں اور زندگی کے سب شعبے شریعت کے مطابق تھے، اللہ تبارک وتعالیٰ خواجہ الطاف حسین حالی کے درجات بلند فرمائے، کیا بات کہی ہے انہوں نے:

رہ حق میں تھی دوڑ اور بھاگ ان کی
فقط حق پہ تھی جس سے تھی لاگ ان کی
بھڑکتی نہ تھی خودبخود آگ ان کی
شریعت کے قبضہ میں تھی باگ ان کی
جہاں کردیا نرم نرما گئے وہ!
جہاں کردیا گرم گرما گئے وہ!

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم صرف عقائد وعبادت میں مسلمان نہیں تھے، معاملات اور اخلاق میں بھی مسلمان تھے، رسوم اور زنگی کے جو فطری تقاضے اور فطری ضرورتیں ہیں ان میں بھی۔ ہم

مسلمانوں کا حال کیا ہے؟ کچھ لوگ تو ایسے ہیں جو عقائد میں دین کے پابند ہیں، الحمد للہ توحید کے بارے میں ان کا ذہن صاف ہے، رسالت کے بارے میں، معاد کے بارے میں اور جو بنیادی عقائد ہیں لیکن عبادات میں کچے ہیں اور بہت سے وہ ہیں جو عقائد وعبادات میں تو پختہ ہیں، عقائد بھی صحیح، عبادات کے بھی پابند، لیکن معاملات اور اخلاق کو نہ پوچھئے، معاملات اور اخلاق میں سخت ناقابل اعتبار، کسی سے معاملہ پڑے گا تو خیانت سے نہ چوکیں گے، معاملہ پڑے تو "تطفیف" (تطفیف یعنی) سے کام لیں گے، ناپ تول میں کمی کریں گے، تجارت کریں گے اور اس میں مشارکت ہوئی تو اس میں ناانصافی اور خیانت کے مرتکب ہوں گے، کا پڑوس ہوا تو اس سے اذیت پہنچے گی، حدیث میں آتا ہے:۔

المسلم من سلم المسلمون من لسانه ويده.

"مسلمان وہ ہے جس کی زبان اور ہاتھ (کی اذیت) سے مسلمان محفوظ و مامون رہیں۔"

لايؤمن احدكم حتى يامن جاره بوائقه.

"تم میں سے کوئی مومن نہیں ہو سکتا جب تک اس کا پڑوسی اس کی اذیت سے، اس کی زد سے محفوظ نہ ہو جائے۔"

تو ایک ایسا طبقہ ہے کہ نہ پوچھئے، اس نے معاملات و اخلاق کو بالکل دین سے خارج کر رکھا ہے کہ بس عقائد و عبادات ہی ضروری ہیں، باقی اخلاق و معاملات میں بسا اوقات ہم مسلمانوں سے کتنی شکایتیں [illegible] ہیں، نہ معاملات کی صفائی، نہ وعدوں کی پابندی، نہ امانت کا خیال، نہ انصاف کے ساتھ تقسیم، کوئی چیز نہیں، حقوق العباد نہیں، [illegible] والے حقوق کے بارے میں بالکل آزاد ہیں، جن لوگوں سے واسطہ ان کا معاملہ پڑتا ہے ان کے ساتھ بالکل آزاد، تجارت میں بھی، زندگی کے دوسرے شعبوں میں بھی من مانی کارروائی کرتے ہیں۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا حال ایسا نہیں تھا۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم عقائد سے لے کر اخلاق و معاملات تک بالکل ترازو کی طرح ہوتے، کسی کی رعایت نہیں کرتے، کسی کو ترجیح نہیں دیتے، وہ سب میزان عدل تھے، وہ سب معیار حق تھے، ان کی کوئی چیز شریعت کے راستہ سے ہٹی ہوئی نہیں تھی۔ ان کا کوئی عمل شریعت کے راستہ سے ہٹا ہوا نہیں تھا۔

غور کرنے کی بات ہے کہ نبی کریم ﷺ ۱۳ سال مکہ معظمہ میں رہے اور دس سال مدینہ منورہ کو منور فرمایا، لیکن اس کثرت سے مسلمان اسلام میں داخل نہیں ہوئے جتنے صلح حدیبیہ اور فتح مکہ کے درمیان دو سال کے عرصہ میں۔

امام زہری جو سید التابعین ہیں، سینکڑوں ہزاروں حدیثیں ان سے مروی ہوں گی، وہ فرماتے ہیں کہ:

''صلح حدیبیہ سے لے کر فتح مکہ تک جو دو سال کا عرصہ ہے اس میں جس کثرت سے مسلمان ہوئے ہیں اتنی تعداد میں بیس سال میں مشرکین اسلام میں داخل نہیں ہوئے۔''

وجہ کیا تھی؟ وہ دیوار (جنگ اور خوف) کی جو صلح حدیبیہ سے پہلے حائل تھی، ہٹ گئی، صلح و امان ہونے کی وجہ سے آنے جانے کا راستہ صاف ہوا اور کوئی خطرہ نہیں رہ گیا، کیونکہ صلح ہوگئی تھی اور عہد ہوگیا تھا کہ کوئی مسلم غیر مسلم پر حملہ آور نہ ہوگا، اب وہ عزیز یاد آئے، اور عزیز اپنے عزیز سے ملنے مدینہ طیبہ آنے لگے، ماموں بھانجوں سے ملنے آرہے تھے، بھانجے ماموں سے، چچا بھتیجوں سے، بھتیجے چچا سے ملنے آرہے ہیں۔ بہنوئی اور آپس کے جو رشتہ دار ہیں وہ ایک دوسرے سے ملنے آرہے ہیں۔ پہلے جو آپس کے رشتہ دار ملنے کو ترس گئے تھے، خون کا رشتہ تھا، قرابتیں تھیں، مگر مدینہ جانا خطرہ سے خالی نہ تھا، اب یہ ڈر نہیں وہ باطمینان مدینہ آئے، انہوں نے یہاں دیکھا کہ دنیا ہی بدلی ہوئی ہے، نہ یہاں جھوٹ ہے، نہ گالی گلوچ، نہ غصہ آتا ہے، نہ یہاں ناپ تول میں کمی، نہ یہاں کسی کی حق تلفی ہوتی ہے، نہ دنیا طلبی ہے، نہ دنیا پرستی، اللہ کے علاوہ نہ یہاں کسی کا خوف ہے، نہ یہاں کسی کی لالچ ہے، دنیا بدلی ہوئی ہے۔ انہوں نے دیکھا کہ بچوں کو سلا کر ان کے سامنے کھانا رکھ دیا جاتا ہے، ابوطلحہ انصاری رضی اللہ عنہ کا قصہ ہے جس کی طرف قرآن شریف کا اشارہ ہے:

ویوثرون علیٰ انفسهم ولو کان بهم خصاصة

اور ان کو اپنی جانوں سے مقدم رکھتے ہیں خواہ ان کو خود احتیاج بھی ہو۔

حضور ﷺ کے یہاں مہمان آئے، یہ کاشانۂ نبوت تھا، دوسروں کو کھلانا اور خود فاقہ سے رہنا۔ آپ ﷺ نے پوچھا کوئی ہے جو ان مہمانوں کو اپنے گھر لے جائے اور کھانا کھلائے۔ حضرت ابوطلحہ انصاری رضی اللہ عنہ نے اس کو قبول کیا اور گھر لے گئے، ان کی اہلیہ صاحبہ نے کہا

مہمانوں کو لے تو آئے ہو، اللہ تبارک وتعالیٰ آپ پر رحم کرے، یہاں تو کھانے کو اتنا ہے کہ بچے کھائیں، انصاری صحابی (رضی اللہ عنہ) نے کہا، پہلے تو بچوں کو سلا دینا اور کھانا لے جا کر رکھ دینا، چراغ جل رہا ہوگا، اس کو کسی بہانہ سے ہاتھ لگانا کہ بجھ جائے پھر ہم اپنا کام کریں گے، یہی ہوا کہ اس اندھیرے میں حضرت ابوطلحہؓ! ہاتھ بڑھاتے رہے اور خالی ہاتھ منہ تک لاتے رہے، مہمانوں نے کھالیا اور حضرت ابوطلحہ بھوکے رہے، اللہ تعالیٰ نے اس پر وہ آیت نازل فرمائی جو میں نے پڑھی۔

حضرات!

قرآن مجید کی آیت ہے۔

یاایھا الذین آمنوا ادخلوا فی السلم کافة (بقرہ ۲۰۶)

اے ایمان والو! اسلام میں صلح میں پورے کے پورے داخل ہو جاؤ۔

ریزرویشن کے ساتھ نہیں کہ اتنا دھڑ ہم آگے کرتے ہیں مسجد میں، اور اتنا پیچھے رہے گا، ہاتھ بڑھاتے ہیں، دایاں بائیاں پیچھے رہے گا، یہ نہیں، یہ کوئی طریقہ نہیں ہے، اللہ جل شانہ مطالبہ کرتا ہے، اسلام مطالبہ کرتا ہے کہ پورے کے پورے داخل ہو جاؤ، میں صفائی سے کہتا ہوں اور اپنا فرض سمجھتا ہوں کہ صاف کہوں کہ ہم مسلمانوں کی معاشرت، ہم مسلمانوں کے شادی بیاہ کے طریقے، ہم مسلمانوں کے وراثت کے طریقے، ہم مسلمانوں کے معاملات شریعت سے دور ہیں، اور بہت دور ہیں، اس میں ہم بالکل آزاد ہیں، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی زندگی کیا تھی؟

میں ایک واقعہ سناتا ہوں، آپ کے یہاں شادی کس دھوم دھڑاکے کے ساتھ ہوتی ہے، ہمیں بھی لوگ یاد کرتے ہیں، نیوتے جو آتے ہیں انہیں دیکھ لیجئے، اسی میں سینکڑوں اور بسا اوقات ہزاروں ہزار روپے خرچ ہوتے ہوں گے، اور اب تو انگریزی میں آنے لگے ہیں، بڑے شاندار، لوگ ایک دوسرے سے آگے بڑھنے کی کوشش کرتے ہیں، یہ ہم نے کہاں سے دیکھا؟ ہم صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے نسبت کا دعویٰ کرتے ہیں، ان کے لئے مجلسیں منعقد کرتے ہیں، ان کے مناقب وفضائل سناتے ہیں، ان کے لئے لڑنے مرنے کے لئے تیار ہیں، لیکن ہم ان کی اقتدا نہیں کرتے، ہمارا معاشرہ، ہماری سماجی زندگی، ہمارے شادی بیاہ،

ہماری تقریبات، ہمارا عائلی قانون (Persanal Law) بالکل آزاد ہے۔

دیکھئے! حضرات عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ جو عشرہ مبشرہ میں سے ہیں، ایک مرتبہ حضور اکرم ﷺ کے پاس آتے ہیں، میں بتادوں آپ کو، مدینہ طیبہ میں اس وقت مردم شماری ہوتی تھی، گنتی ہوتی تھی تو اس وقت مدینہ طیبہ میں دو ڈھائی ہزار مسلمان تھے اور شروع کا واقعہ ہے (ہجرت کے وقت کا) ۱۰۔۱۲ سو مسلمان ہوں گے تو قاعدہ ہے کہ جب ایک جگہ کے آدمی نہیں جاتے ہیں تو بالعموم ایک ساتھ رہتے ہیں، ہندوستان سے جو لوگ پاکستان گئے وہ زیادہ تر کراچی میں رہے اور اکثر ایک محلّہ میں رہے یا لاہور میں رہے تو زیادہ تر ایک محلہ میں رہے۔ وہ مرتبہ کو پہچانتے ہیں، مقام کو پہچانتے ہیں کہ کس حیثیت کا آدمی ہے اور تھا، مہاجرین کے بارے میں یقین ہے، سب قریب قریب ٹھہرے ہوئے تھے۔ حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ آپ ﷺ کی خدمت میں آتے ہیں، حضور ﷺ کو خاص طور سے محسوس ہوا کہ آج خوشبو بہت زیادہ لگی ہوئی ہے۔ عطر لگا کے آئے ہیں۔ آپ ﷺ نے پوچھا عبدالرحمٰن خیریت ہے؟ کیا بات ہے؟ انہوں نے عرض کیا، یا رسول اللہ ﷺ میں نے شادی کی ہے۔ نکاح کیا ہے۔ آپ ﷺ نے ایک لفظ نہیں فرمایا۔ میں حدیث کا طالب علم ہوں، حدیث کے دفتر میں ایک ایک چیز، حرکات و سکنات سب محفوظ ہیں، اس حدیث کے ذخیرہ میں کہیں یہ نہیں ہے کہ حضور ﷺ نے ایک لفظ بھی شکوہ کا فرمایا ہو، عبدالرحمٰن یہ بے مروتی، اتنی جلدی بھول گئے، شادی کے موقعہ پر ہمیں یاد بھی نہیں کیا؟

اور یہ بھی سمجھ لیجئے کہ یہ مہاجرین آپس میں بہت قریب تھے۔ حضرت عبدالرحمٰن بن عوف بھی قبیلہ قریش کے فرد تھے اور معلوم نہیں کتنے رشتے رہے ہوں گے۔ آپ ﷺ نے ایک حرف بھی نہیں کہا۔ عبدالرحمٰن اتنی جلدی بھول گئے، یہاں فاصلہ ہی کیا تھا، ہمیں خبر بھی نہیں کی۔ اور پھر دیکھئے اللہ تعالیٰ کا رسول اللہ ﷺ موجود ہو، کسی شہر اور بستی میں کون گیا گزرا مسلمان ہے، نبی تو نبی ہے، وہ تو اللہ تعالیٰ کے بعد آخری درجہ کی چیز، کوئی بزرگ ہو تو چاہتے ہیں کہ وہ ضرور نکاح پڑھائے، نکاح نہ پڑھائے تو نکاح کی مجلس ہی میں شریک ہو، ان کے قدم ہی ہمارے یہاں آجائیں، آپ ﷺ نے پوچھا بھی نہیں، فرماتے کہ میں یہاں موجود تھا، تم نے بلایا بھی نہیں، مجھے دعوت بھی نہیں دی، مجھے اطلاع نہیں دی۔

لیکن حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ کو جو تربیت حاصل ہوئی تھی اس کا تقاضا تھا کہ ایسے کاموں کے لئے اللہ کے رسول ﷺ کا وقت نہیں لینا چاہئے۔ اتنی دیر میں معلوم نہیں کتنے لوگ مشرف بہ اسلام ہوں گے، کتنے لوگ ہدایت یافتہ ہوں گے اور آپ ﷺ کو بلا کر تکلیف دوں اور کتنوں کو محروم کروں۔

آپ ﷺ نے صرف یہ فرمایا: اولم ولو بشاة (دیکھو ولیمہ ضرور کرنا چاہئے، ایک بکری ہی کیوں نہ ہو) یہ بھی نہیں فرمایا کہ ہمیں بلانا، یہ یا فرماتے۔ آپ ﷺ کے کہنے کی بات ہی نہیں تھی، جو بات شکایت کرنے کی تھی وہ تو کی نہیں۔

آج لکھنؤ جو اتنا بڑا شہر ہے، اس کے اس حصہ پر بالکل آخری کنارہ پر کوئی شادی ہو، تو اس کنارے کے آدمی کو اور اب تو ہمارے پاس پاکستان سے نیوتے آتے ہیں اور یہاں سے وہاں جاتے ہیں اور دوسرے شہروں سے آتے ہیں، نہ بلایا جائے تو شکایت کرتے ہیں، ایسی بے مروتی! بالکل ہمیں بھول گئے تم، فہرست ہی میں نہیں تھے تمہاری۔

یہ تھی زندگی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی، یہ زندگی ہم نے چھوڑ دی، میں یہ کہنا چاہتا ہوں آپ سے کہ صحابہ کرامؓ کی محبت کا، عقیدت کا اور ان کے تذکروں کا، ان کے نام لینے کا، ان کی طرف نسبت کرنے کا حق ہے کہ آپ ان کی پوری زندگی اپنے لئے نمونہ بنائیں، یہ نہیں کہ صرف ان کی حمایت میں جوش میں آجائیں اور مدح صحابہ کا جلوس نکالیں، ان کے نام پر بڑے بڑے جلسہ کریں، لیکن عمل کا جہاں تعلق ہے، زندگی کا تعلق ہے، وہ بالکل اس سے علیحدہ، شادی بالکل اپنے طرز پر اور اس سے بڑھ کر جہیز کی لعنت، یہ جہیز کے مطالبے اور اس پر بے گناہ عورتوں کو بیاہی ہوئی دلہنوں کو مار ڈالنا، معاف کیجئے گا میں اخبار پڑھتا ہوں، مسلمانوں کے واقعات آتے ہیں تو لرز جاتا ہوں، اللہ اپنے عذاب اور غضب سے بچائے، محض پیسے کی محبت میں کہ تم اسکوٹر لے کر نہیں آئیں، تم موٹر لے کر نہیں آئیں، تم فلاں چیز لے کر نہیں آئیں، بہت کم زیور لے کر آئیں۔

چند ہفتے پہلے "قومی آواز" میں لکھنؤ کا واقعہ چھپا تھا، آپ کے کسی قریبی محلہ کا اور دوسرے شہروں کا تو چھپتا ہی رہتا ہے، ہماری ہمسایہ قوم کو تو پوچھئے نہیں کہ بس اللہ تبارک وتعالیٰ ان کو اور ہم سب کو ہدایت دی، ان کے پیشواؤں کو یہ سمجھ دے کہ مسلمانوں کو نصیحت کرنے کے

بجائے اور رام جنم بھومی کے لئے جان دینے کے بجائے اپنے فرقہ کے آدمیوں کو بنائیں، اپنے فرقہ کو دولت کی پرستش (پوجا) سے نکالیں، ہمارے یہاں بھی ایسے واقعات پیش آتے ہیں وہ چیزیں جن کا اس سے پہلے تصور بھی نہ تھا وہ پیش آرہے ہیں، یہ سب پیسے کی بدولت اور اس سے حد سے بڑھی ہوئی محبت کا نتیجہ ہے، حدیث شریف میں آتا ہے "حب الدنیا راس کل خطیئة" (دنیا کی محبت ہر گناہ ہر عیب کی جڑ ہے) آپ نے بالکل اس مرض پر انگلی رکھ دی۔

سامعین کرام! یہاں کا تحفہ، یہاں کا حق اور یہاں کا تقاضہ ہے، آپ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی عقیدت کو اپنے دل میں جاگزیں کریں، اور یہ سمجھیں کہ کوئی آدمی دنیا اسلام میں، انبیاء کرام علیہم السلام کے بعد کوئی ان کے درجہ کا نہیں ہو سکتا، اور نہ ہوا ہے، دوسری بات یہ ہے کہ ان کی اقتدا کرنے کی کوشش کریں ساری چیزوں میں، عقائد و عبادات میں، اخلاق، معاشرت میں، معاملات وتعلقات میں زندگی بھی ویسی ہی سادہ ہو، ویسے ہی ہمسایوں کا حق پہچانیں، قرآن کریم، حدیث شریف اور اسلامی تعلیمات پر عمومی طریقہ پر عمل کریں۔ کسی صحابی کے یہاں کبھی کوئی چیز تیار ہوتی تو اسے قریب کے گھر میں بھیجا جاتا، وہ گھر اپنے قریبی گھر میں بھیجتا، آخر میں وہ تحفہ اسی کے گھر میں آجاتا جہاں سے چلا تھا، اس سے بڑھ کر کیا کہ میدان جنگ میں بالکل جاں بلب پڑے ہوئے ہیں، بھائی اپنے سسکتے ہوئے بھائی کے لئے پانی لاتا ہے کہ گرمی کا زمانہ ہے، گرم ملک ہے، جس کی فضا بھی گرم، ان کی خدمت میں پیالہ پیش کیا، وہ کہتے ہیں میں نے ابھی ایک آواز سنی ہے اپنے بھائی کی ان کو دو، ان کے پاس لے جایا جاتا ہے وہ کہتے ہیں میں نے ابھی آواز سنی ہے اپنے پاس کے ایک زخمی کی، ان کو دو، پھر ان کے پاس آتا ہے وہ اشارہ کرتے رہے تو جب ان کے پاس آتا ہے تو وہ دم توڑ چکے پھر واپس جب دوسرے کے پاس آتا ہے تو وہ بھی دم توڑ چکے ہوتے ہیں اور پانی کسی کے حصہ میں نہیں آتا۔

یہ ساری چیزیں ہمارے لئے قابل تقلید ہیں، بلکہ واجب التقلید ہیں، کم سے کم زندگی کو سادہ بنائیے، یہ شادی بیاہ کی رسمیں جو ہم نے اپنے غیر مسلم ہم وطنوں سے ہندوستان میں آکر سیکھی ہیں وہ واپس کیجئے اور اسلامی معاشرت اختیار کیجئے، اسراف سے بچئے، دھوم دھام سے بچئے اور شان وشوکت اور تعریف سے کہ کیسے دھوم سے شادی ہوئی ہے، کیسے دھوم سے ولیمہ ہوا ہے، کیسا جہیز ملا ہے، ان سب چیزوں سے اسی طریقہ سے آپ اپنی افادیت ثابت کیجئے، اپنا

امتیاز ثابت کیجئے، ملے جلے محلہ میں، مشترک محلہ میں ہمارے غیر مسلم بھائی پہنچیں، انگلی اٹھائیں، یہ ہمارے مسلم بھائی ہیں، کم سے کم ایک محلہ میں ایک مسلمان ہو اور سب کو اطمینان ہو، اس محلہ میں آفت نہیں آئے گی، یہاں بلا نہیں آئے گی، یہاں کوئی چوری کی ہمت نہیں کرے گا، وہ اپنی عورتوں اور بچوں کے بارے میں، وہ اپنے مال و دولت، اپنی پونجی کے بارے میں، وہ اپنی عزت کے بارے میں مطمئن ہوں کہ یہاں مسلمان رہتا ہے، یہ ہمیں ہندوستان میں نمونہ دکھانا چاہئے، تب جا کر یہاں اسلام پھیلے گا، آپ کو وہ مقام ملے گا، آپ کو عزت کی نگاہ سے دیکھا جائے گا اور آپ کی وجہ سے لوگوں میں اسلام کے بارے میں اچھا خیال اور اچھا تصور پیدا ہوگا۔

میں آپ کو یہ پیغام دے کر جا رہا ہوں اور یہ امانت آپ کے سپرد کر رہا ہوں اور آپ کے ذمہ ایک ذمہ داری سپرد کر کے جا رہا ہوں کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے نام لینے کا تقاضہ اور ان کا حق ہے، کیا معلوم کہ کہیں ہمارے بزرگ اور اسلاف کرام قیامت کے دن ہمارا دامن نہ پکڑیں کہ تم نام ہمارا لیتے تھے اور کام دوسری طرح کے کرتے تھے، تمہاری شادیاں کس طرح ہوتی تھیں، تمہارے گھر کی زندگی کیسی تھی، تم حقوق العباد کا کتنا خیال رکھتے تھے، تم کس قدر امانت دار تھے، تم کس درجہ خوش معاملہ تھے، تم کس درجہ شیریں زبان تھے، تم کس درجہ بلند اخلاق تھے؟ یہ ان کو پوچھنے کا حق ہوگا، خدا کرے اس کی نوبت نہ آئے، ہمیں اور آپ کو اور سب کو اپنی اصلاح کرنی چاہئے اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے نقش قدم پر چلنے کی کوشش کرنی چاہئے، وہ ہے تو بہت اونچا مقام لیکن جس درجہ ہو سکے ان کو اپنے لئے نمونہ بنانا چاہئے اور پوری زندگی اس سانچہ میں ڈھالنے کی کوشش کرنی چاہئے۔

عقائد و عبادات، اخلاق و معاملات، سیرت، معاشرہ، عائلی قانون، گھر والوں کے ساتھ تعلقات، پڑوسیوں کے حقوق، شہر میں رہنے کا طریقہ، شہری زندگی، شہری زندگی گزارنے کا طریقہ، اور ملک کے ساتھ تعلق یہ ساری چیزیں ہمیں اسلام کی تعلیمات اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے نمونے کے مطابق کرنے کی کوشش کرنی چاہئے، اللہ جل شانہ ہمیں آپ کو اس کی توفیق دے۔ امین۔

وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین

بسم اللہ الرحمن الرحیم

نسل نو کے ایمان وعقیدہ کی فکر کیجئے!

یہ تقریر مدرسہ مظہر الاسلام بلوچ پورہ لکھنؤ کے جنوری ۱۹۹۴ء میں منعقدہ سالانہ جلسہ میں کی گئی تھی

اعوذ باللہ من الشیطن الرجیم بسم اللہ الرحمن الرحمن ام کنتم شہداء اذ حضر یعقوب الموت اذ قال لبنیہ ماتعبدون من بعدی قالوا نعبد الٰہک والہ ابائک ابراھیم واسمعیل اسحق الٰہا واحدا.

میرے محترم بھائیو، جو آیت میں نے آپ کے سامنے پڑھی ہے اگر آپ یہی یہاں سے لے کر جائیں بغیر کسی ناقدری اور کسی تحقیر کے اور اہمیت کم کئے بغیر کہہ رہا ہوں کہ اگر یہی پیغام لے کر آپ یہاں سے جائیں، اس کو اپنے دل پر لکھ لیں تو عمر بھر کے لئے صرف آپ ہی کے لئے نہیں بلکہ آپ کی آئندہ نسلوں کے لئے اور آئندہ آنے والے عہد کے لئے بھی اور آپ کے ماحول کے لئے بھی اور ماحول کو جن چیزوں کی ضرورت ہے اور جو خطرات درپیش ہیں ان کو سامنے رکھتے ہوئے یہ کافی ہوگی۔

تسلسل ایک قانون قدرت ہے:

دیکھئے تسلسل ایک قانون قدرت ہے اور بڑی حد تک ضروری ہے، جو صالح اقدار ہیں، مقاصد ہیں، عقائد ہیں، زندگی کا طرز ہے، مسلک زندگی ہے ان کا تسلسل جاری رہنا چاہئے اور اس دنیا میں جو کچھ چیزیں ہوئیں جن کی آپ تاریخ پڑھتے ہیں، سلطنتوں کی تاریخ میں بھی، قوموں کی تاریخ میں بھی، تہذیبوں کی تاریخ میں بھی اور جنگ آزادی کی تاریخ میں بھی، وہ ساری جد وجہد تسلسل ہی کو قائم رکھنے کے لئے کی گئی ہے۔ کوئی قومی تسلسل چاہتا ہے، نسلی تسلسل چاہتا ہے کہ ہماری نسل حکمران رہے اور ہمارا خاندان حکمران رہے، کوئی اپنا خاندانی تسلسل چاہتا ہے کہ خاندان چلتا رہے اور پشتوں کے بعد پشتیں پیدا ہوتی رہیں، کوئی اخلاقی تسلسل چاہتا ہے

کے جو روایات ہیں اور زندگی کے معیار ہیں جن کو ہم نے پسند کیا ہے وہ اقدار باقی رہیں اور ایک پشت سے دوسری پشت میں منتقل ہوتی رہیں، کوئی اقتصادی تسلسل چاہتا ہے کہ جس طرح خوشحالی، فراغت اور عزت کی زندگی ہم گزار رہے ہیں وہ ہمارے بعد ہماری آئندہ نسلوں میں باقی رہے۔ اس طرح آپ ذرا عمیق نظر ڈالیں گے تو دیکھیں گے اور آپ کو معلوم ہوگا کہ اس دنیا میں جو جد وجہد ہوئی ہے اور اب ہو رہی ہے اس میں زیادہ تر تسلسل کو باقی رکھنے کا جذبہ کام کر رہا ہے۔ جو چیز جس کو عزیز اور محبوب ہے اور جس کی قدر و قیمت سے جو واقف ہے وہ اس کے تسلسل کے لئے کوشش کرتا ہے۔ بعض مرتبہ اس کے لئے وہ اپنی جان کو، اپنے خاندان کو اور اپنی نسل کو اور بعض اوقات اپنی پوری قوم کی زندگی خطرے میں ڈالتا ہے۔

لیکن سب سے زیادہ جو ضروری تسلسل ہے وہ ایمانی اور اعتقادی تسلسل ہے جو قرآن مجید سے ثابت ہوتا ہے اور جس کے لئے اللہ تعالیٰ نے انبیاء کرام علیہ السلام کے واقعات سنائے ہیں، ان کی وصیتیں سنائی ہیں، اس کے لئے حضرت ابراہیم علیہ السلام اور حضرت یعقوب علیہ السلام کی وصیت اور ان کی نصیحت اور ان کا اپنی نسل کا ذمہ دار بنانا اور اس کے سپرد یہ فریضہ کرنا اور اس کو یہ تعلیم دینا، حضرت ابراہیم علیہ السلام اور حضرت یعقوب علیہ السلام کا، انہی آیتوں میں بیان کیا گیا ہے جو آپ کے سامنے قرأت قرآن کے طور پر پڑھی گئی ہیں۔

اعتقادی تسلسل کے لئے حضرت ابراہیمؑ کی دعا:

حضرت ابراہیم علیہ السلام کا جہاں تک تعلق ہے تو وہ فرماتے ہیں:

واجعلنا مسلمین لک ومن ذریتنا امة مسلمة لک

”اے ہمارے پروردگار ہم کو یعنی اسماعیل و ابراہیم کو مسلمان رکھ، اپنا فرماں بردار رکھ۔“

مسلم کے معنی ہیں فرمانبردار، سپر ڈال دینے والا، اپنے اختیارات سے دستبردار ہو جانے والا، اپنے تشخص سے، اپنے مقاصد سے، اپنے فوائد سے اور اللہ کو سب کچھ حوالے کر دینے والا، اللہ کی مرضی کو اپنی مرضی پر اور اللہ کی رضا کو اپنی خوشنودی پر اور اپنی عزت پر اور اپنی منفعت پر اور اپنی لذت پر سب پر ترجیح دینے والا، تو حضرت ابراہیم علیہ السلام کہتے ہیں **ربنا واجعلنا مسلمین لک** اے اللہ! مجھ کو اور میرے بیٹے اسماعیل کو اپنا فرماں بردار رکھ اور **ومن ذریتنا امة مسلمة لک**۔

جو میں تسلسل بیان کر رہا تھا اس کی شہادت ہے کہ ابراہیم علیہ السلام جیسا کہ دنیا کی تمام چیزوں سے غنی بے پرواہ صرف اللہ تبارک وتعالیٰ کی عبودیت میں اس کی توحید کے اعلان میں اور اس کی تبلیغ میں غرق، وہ فرماتے ہیں "واجعلنا مسلمین لک ومن ذریتنا امة مسلمة لک" اور ہماری آئندہ نسل کو بھی اپنا فرماں بردار اور اپنے سامنے سر جھکا دینے والا بنا "امة مسلمة لک" ایک نسل، ایک قوم جو تیری تابع اور تیری فرماں بردار ہو اور جو تیری فرماں برداری کے سامنے پھر کسی کی فرماں برداری کی پرواہ نہ کرے۔

ایمانی تسلسل کی خاطر یعقوبؑ کی فکر

پھر حضرت یعقوب علیہ السلام کا واقعہ ذرا تفصیل سے سنایا۔ ہم قرآن مجید پڑھتے ہیں، بہت سے بھائی عربی بھی سمجھتے ہیں، عالم بھی ہیں، میں بغیر کسی گستاخی کے کہہ رہا ہوں کہ جو چیز کثرت سے پڑھی جائے، روزمرہ پڑھی جائے، اکثر اس پر غور کرنے کی توفیق نہیں ملتا، ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہ تو ہمیں معلوم ہے ہم تو پڑھتے ہی رہتے ہیں، یہ حضرت یعقوب کا مکالمہ اللہ تعالیٰ نے بیان کیا ہے، جو واقعہ سنایا ہے، انہوں نے اپنے بیٹوں سے کیا پوچھا اور انہوں نے کیا جواب دیا؟ اس کو ہم نے پڑھا اور بہت سے بھائیوں نے قرآن مجید میں سینکڑوں مرتبہ پڑھا ہوگا، مگر ہم آدمیوں نے غور کیا ہوگا کہ آخر اس کی ضرورت کیا پیش آئی اور یعقوب علیہ السلام کو خطرہ کیا تھا اور کس بات سے کیا ثابت ہوتا ہے، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ کیا چیز قابل فکر ہے، کیا چیز تشویش کے قابل اور تلقین و وصیت کے قابل ہے، کوشش کے قابل ہے اور اطمینان حاصل کرنے کے قابل ہے؟

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

اعوذ باللہ من الشیطٰن الرجیم ام کنتم شھداء اذ حضر یعقوب الموت اذ قال لبنیہ ماتعبدون من بعدی

کیا تم اس وقت موجود تھے جب حضرت یعقوبؑ کا آخری وقت آیا، یا آنے کے قریب تھا تو انہوں نے اپنے بیٹوں، پوتوں، نواسوں کو (بنیہ میں سب آتے ہیں) اپنے خاندان کے چھوٹے افراد کو اور نئی نسل کے سب لوگوں کو جمع کیا اور یہ کہا کہ "ماتعبدون من بعدی" بچو میرے عزیزو اور پیارو! یہ بتادو کہ میرے بعد تم کس کی عبادت کرو گے، اب آپ خیال کیجئے کہ

یعقوب علیہ السلام، باپ ان کے پیغمبر حضرت اسحاق علیہ السلام، چچا ان کے پیغمبر حضرت اسماعیل علیہ السلام، دادا ان کے پیغمبر حضرت ابراہیم علیہ السلام جن سے یہ بات کر رہے ہیں اور جن سے یہ مکالمہ ہو رہا ہے ان کی رگوں میں ایک ہی کا نہیں چار چار نبیوں کا خون ہے اور جنہوں نے اس گھر میں سنا کیا اور دیکھا کیا سوائے توحید کے اعلان کے کچھ سنا نہیں، اور سوائے خدائے واحد کے سامنے سجدہ کرتے ہوئے اور اس کے سامنے سر جھکاتے ہوئے اور اس سے مانگتے ہوئے اور اس کے سامنے گڑگڑاتے ہوئے انہوں نے کچھ دیکھا بھی نہیں۔ یہاں اس گھر میں تو بالکل اللہ کی حکومت اور فرماں برداری کا سایہ چھایا ہوا ہے، شامیانہ تنا ہوا ہے اور ہوا میں اس کی خوشبو ہے، بلکہ یہاں کے افراد کی سانسوں میں بھی اس کی خوشبو اور اس کی برکت ہے اور یہاں نہ تو اس کے سوا کوئی تذکرہ ہے نہ کوئی مسئلہ ہے اور نہ کوئی فکر کی چیز سمجھی جاتی ہے۔

آپ کو یہ پوچھنے کی ضرورت کیوں پیش آئی، اس میں دو چیزیں ہیں ایک ''عشق است و ہزار بدگمانی'' جب آدمی کو کسی چیز سے محبت ہوتی ہے تو اس میں اس کو فکر اس کی پیدا ہوتی ہے اور اس کے اندر کبھی کبھی تشویش بھی پیدا ہو جاتی ہے۔ یہ علامت ہے محبت کی، کسی کا مال کہیں رکھا ہوا ہو تو بار بار اس کے دل میں خیال آئے گا کسی نے دیکھا تو نہیں۔ میں نے جب رکھا تھا کوئی دیکھ تو نہیں رہا تھا۔ اب تو کسی کو پتہ نہیں چل جائے گا کہ میں نے کہاں رکھ دیا، کوئی بتا تو نہیں دے گا، دس باتیں آئیں گی اگر اس مال کی قدر و قیمت ہے اور اس کی وہ حیثیت ہے کہ اس کی فکر کی جائے، اسی طرح بہت سے لوگوں کو عزت و عصمت کی فکر ہوتی ہے، بہت سے لوگوں کو آپس کے تعلقات کی فکر ہوتی ہے کہ اتحاد کے ساتھ رہیں۔

ایک باپ کا واقعہ ہے کہ آخری وقت میں انہوں نے اپنے لڑکوں کو بلایا اور کہا، ایک لکڑی لاؤ، اس کو توڑ دیا، انہوں نے کہا دوسری لاؤ اس کو بھی توڑ دیا اور اس کے بعد کئی لکڑیاں جمع کیں اور ان سب کا مجموعہ بنایا اور کہا ان کو توڑ دو، نہیں ٹوٹا تو کہا بیٹو اگر تم مل کر رہو گے، اتحاد کے ساتھ رہو گے تو تمہیں کوئی نقصان نہیں پہنچا سکے گا، تمہارا کوئی بال بیکا نہیں کر سکے گا، ایسے ہی اگر وصیتوں پر کوئی کتاب ہو اور آپ وصیتیں پڑھیں تو آپ کو معلوم ہوگا، کس کس چیز کی کس کس نسل نے کس کس زمانہ کس کس طبقہ میں کتنی فکر رہی ہے اور وہ اس کے لئے کیا کیا انتظام کرتا تھا۔ یہاں تک کہ مرنے کے قریب جب بولنا بھی مشکل ہوتا ہے اس وقت بھی کوئی نہ کوئی وصیت

مرتے جاتا ہے کہ دیکھو ہم نے وہاں پر اتنا پیسہ جمع کر رکھا ہے، وہاں پر خزانہ ہے اور وہاں ایک دفینہ ہے اس کو مت بھولنا اور دیکھو مجھ پر فلاں کا قرض تھا اس کو ادا کر دینا اور ہمارا فلاں پر مطالبہ ہے، ہمارا فلاں پر قرض ہے تم اس کو وصول کر لینا۔

کسی کو اگر فرصت ہو وصیت ناموں پر کوئی کتاب لکھے تو اس کو سینکڑوں نہیں ہزاروں قسم کی وصیتیں ملیں گی اور سب کے اندر جو چیز مشترک نظر آئے گی وہ ہے محبت اور فکر کسی چیز کی اہمیت کو سمجھنا، جس کے نزدیک جس چیز کی اہمیت ہوتی ہے وہ اسی کی وصیت کرتا ہے اور اس کے متعلق اطمینان حاصل کرنا چاہتا ہے۔ اس سے آپ سمجھ جائیں گے کہ حضرت یعقوب علیہ السلام کے پوچھنے کی وجہ کیا ہے۔ ایک تو یہ ہے کہ ان کو سب سے زیادہ فکر ایمان کی تھی کہ ہماری اولاد اور ہماری نسل بھی اسی ایمان پر قائم رہے۔ توحید خالص کا عقیدہ، ایمان بالآخرت کا عقیدہ، اللہ تعالیٰ کے علیم وخبیر ہونے کا عقیدہ اور اس کے جزا وسزا کے اختیار رکھنے کا عقیدہ اور نیک کاموں سے جو اجر وثواب ملتا ہے، برکت حاصل ہوتی ہے اس پر یقین اور گناہوں سے جو وبال آتا ہے اور جو بے برکتی ہوتی ہے، پھر اس سے اللہ کی ناراضگی ہوتی ہے اور اس پر عقیدہ اور یہ کہ زندگی کے بعد ایک زندگی ہے، آخرت کے اس عقیدہ کو گویا کہ آنکھوں سے دیکھ لیا، تو آپ ان وصیتوں میں دیکھیں گے کہ جن پر جو چیز مسلط تھی، جس پر جو چیز حاوی تھی، اس کے ذہن و دماغ پر، اور جس کی قدر و قیمت سے زیادہ واقفیت تھی اسی کی اس نے وصیت کی اور اسی کی فکر کی، تو یعقوب علیہ السلام پر جو سب سے زیافہ فکر غالب تھی کہ یہ ایمان جو ہم کو حضرت ابراہیم علیہ السلام کی نبوت کے بعد مسلسل ہمارے خاندان میں چلا آ رہا ہے۔ یہ جاری رہے، یہ ہے تسلسل، ایمانی تسلسل، حضرت یعقوب علیہ السلام ایک پیر فرزانہ تھے، جہاندیدہ بزرگ تھے اور بڑے صاحب نظر تھے، ان کے سامنے خاندانوں کا انجام بھی تھا، نسلوں کا انجام بھی تھا، ان کی تاریخ بھی تھی، بڑے بڑے اولیاء اللہ کے خاندانوں کی تاریخ بھی تھی۔ انبیاء علیہم السلام کے خاندانوں کی تاریخ بھی تھی، اس وجہ سے یہ فکر تھی کہ میں اپنے سامنے اطمینان کر لوں اور جتنا ان کے دل میں بٹھا سکوں اور دماغ میں اتار سکوں اور ان کے دل پر نقش کر سکوں جیسے گھٹی میں کوئی چیز ڈالی جاتی ہے، پلا سکوں تو میں ان کو پلا جاؤں، انہوں نے کہا: **ماتعبدون من بعدی** یہ بتادو کہ میرے بعد تم کس کی عبادت کرو گے؟

عبادت میں صرف سر جھکانا، سجدہ کرنا، نماز پڑھنا ہی نہیں بلکہ عبادت کے معنی ہیں اطاعت مطلقہ خدائی وحدہ لاشریک لہ کے حکم پر چلانا اور اس کے اشارے کو دیکھنا اور اس کے قانون کو ماننا اور اس کی شریعت میں پیروی کرنا۔ حضرت یعقوب علیہ السلام کے سوال میں کم از کم یہ سب چیزیں آجاتی ہیں کہ کسی معمولی عربی خواں آدمی کے ذہن میں یہ سوال آئے یا نہ آئے۔ کسی غیر عالم کے ذہن میں ہو نہ ہو، لیکن یعقوب علیہ السلام جو پیغمبر زادے تھے، پیغمبر کے بیٹے، پیغمبر کے بھتیجے اور پیغمبر کے پوتے، وہ خوب سمجھتے تھے کہ اب یہ سلسلہ چلے گا، خوب دیکھ رہے تھے سلسلے تھے جو نہیں چلے۔ انہوں نے کہا کہ میرے بیٹو! اطمینان دلا دو اور یہ بتادو کہ تم میرے بعد کس کی عبادت کرو گے؟ کس طور پر اور سو فیصدی کس کی بات مانو گے، کوئی استثناء نہیں کیا ہے حکم خداوندی ہے۔ اللہ کا حکم ہے، سر جھکا دیا، اگر کچھ چھوڑنا پڑا تو چھوڑ دیا ہے۔ سب کچھ چھوڑ دیا، کچھ ایثار کرنا پڑا قربانی دینی پڑی تو ہر چیز کے لئے تیار ہیں، ماتعبدون میں سب آتا ہے اور سب سے بڑھ کر یہ کہ تم کس کے سامنے جھکاؤ گے، بتوں کے سامنے تو نہیں جھکاؤ گے، درختوں کے سامنے تو نہیں جھکاؤ گے، دریاؤں کے سامنے تو نہیں جھکاؤ گے۔ جو دیومالائی تہذیب چلی آرہی ہے (اور میتھالوجی تمام دنیا کی قوموں میں اور ہمارے ہندوستان میں تو اس کا بہت بڑا مرکز تھا، اور یہاں کا مذہب، مجھے معاف کیا جائے کہ میں تاریخ کے طالب علم کی حیثیت سے کہتا ہوں کہ یہاں تو اصل دیومالائی مذہب تھا، یہاں تو نبوت کا پتہ ہی نہیں چلتا ہے کہ کب یہاں کوئی پیغمبر آیا تھا، آئے ہوں گے لیکن کوئی تعین کے ساتھ یقین کے ساتھ نہیں کہہ سکتا) تو انہوں نے کہا کہ صرف اللہ کے سامنے جھکانا، نہ کسی فانی کے سامنے جھکانا، نہ کسی دولت و ثروت کے سامنے جھکانا، نہ کسی جابر کے سامنے جھکانا، نہ کسی جھکانا، نہ کسی مزار پر جھکانا۔ سب اس میں آجاتا ہے ماتعبدون من بعدی، تم میرے بعد عبادت کس کی کرو گے؟ کس کے لئے سر جھکاؤ گے اور کس کے حکم پر چلو گے۔ آنکھ بند کر کے اور بالکل بے چوں چرا۔

انہوں نے کہا: نعبد الٰهک واله ابائک ابراهیم واسمعیل واسحق الٰها واحدا ابا جان، دادا جان، نانا جان سبھی تھے کہ ہم آپ کے پروردگار اور آپ کے معبود کی عبادت کریں گے جو آپ کے آباؤ اجداد کا بھی الٰہ ہے، آپ کے والد، آپ کے چچا اور آپ

کے دادا حضرت ابراہیم کا بھی الٰہ ہے **ونحن له مسلمون** اور ہم اسی کے فرمانبردار ہیں، حالانکہ اگر بے ادبی نہ ہو تو کہوں کہ وہ کہہ سکتے تھے کہ ابا جان، دادا جان، نانا جان! اس کے پوچھنے کی کیا ضرورت پیش آئی؟ آپ ہمارے بارے میں ہم سے خائف ہیں، ہمارے بارے میں شک وشبہ ہے، ہم نے یہاں دیکھا کیا ہے، سنا کیا ہے اور آپ نے ہمیں سکھایا اور پڑھایا کیا ہے، لیکن انہوں نے اس میں کوئی بحث نہیں کی، انہوں نے کہا کہ کس کی عبادت کرو گے۔ انہوں نے کہا کہ ہم آپ کے معبود کی عبادت کریں گے، آپ کے والد، آپ کے چچا، آپ کے دادا حضرت ابراہیم علیہ السلام کے معبود کی عبادت کریں گے، اور ہم پورے فرمانبردار ہوں گے، اور اپنی تمام خواہشات سے، اپنے تمام اختیارات سے اور رسم ورواج سے، اور فوائد سے، مفادات سے اور ہر قسم کے خوف واندیشہ سے ہم بالکل خالی الذہن ہوں گے، ہم کسی چیز کی فکر نہیں کریں گے، جس کو انگریزی میں **Surrender** کرنا کہتے ہیں، اپنے حوالہ کر دینا اور اپنے کو بالکل سپرد کر دینا۔

تو یہ سب میں اس لئے سنا رہا ہوں کہ حضرت یعقوب علیہ السلام جیسے نبی، نبی زادے، نبی کے پوتے، نبی کے بھتیجے، وہ اپنے بیٹوں سے، پوتوں سے، نواسوں سے اس کے پوچھنے کی ضرورت سمجھتے ہیں، یہ کیا ہے جو میں نے کہا عشق است ہزار بدگمانی، جب عشق ہوتا ہے تو ہزار طرح کی بدگمانیاں ہوتی ہیں، جب کوئی چیز عزیز ہوتی ہے تو فکر ہوتی ہے کہ یہ قائم رہے اس پر کوئی آنچ نہ آئے، اس پر کوئی آنچ نہ آئے، اس پر کوئی غبار نہ پہنچے، اس کو کوئی خطرہ نہ پیش آئے، یہ تو سب محبت کی بات ہے اور اہمیت سمجھنے کی بات ہے۔

نئی نسل کے ایمان وعقیدے کی فکر کیجئے:

آج ہم مسلمانوں کو سب سے زیادہ اسی کی ضرورت ہے کہ ہم اپنی آئندہ نسل کے متعلق یہ اطمینان کرلیں کہ یہ صراط مستقیم پر رہے گی، اور جس دین کا نام اسلام ہے۔ **ان الذین عندالله الاسلام**، اللہ کے نزدیک دین صرف اسلام ہے، اس کے متعلق آپ اطمینان کرلیں اور پھر اس کے ذرائع بھی سوچیں، اور ان خطرات کو بھی دور کریں، اور یہ چونکہ مدرسہ میں تقریب ہو رہی ہے اس لئے خاص طور پر اس کی طرف توجہ دلاتا ہوں کہ مدارس ومکاتب کا قیام درحقیقت اس دینی، ایمانی، اعتقادی، اخلاقی، تہذیبی اور معاشرتی تسلسل کے قائم رکھنے

کے لئے ہے اگر مدارس کے سامنے یہ مقصد نہیں ہے تو انہوں نے اپنی افادیت واہمیت سمجھی ہی نہیں، اپنا کام ہی نہیں سمجھا۔ یہ مدارس اس لئے ہیں کہ جو اس میں پڑھیں وہ اعتقادی طور پر توحید خالص پر ہوں، کسی کے سامنے سر جھکانا نہیں، میں بالکل صاف کہتا ہوں کہ نہ کسی مزار کے سامنے سر جھکانا اور نہ چادر چڑھانا، نہ کسی کو عالم الغیب سمجھنا نہ کسی کو متصرف فی الکائنات سمجھنا، فلاں بیٹے دیتے ہیں، اگر بیٹے کی ضرورت ہے تو فلاں سے مانگئے، روزی فلاں سے مانگئے، اگر بیمار کو شفاء چاہتے ہیں تو فلاں مزار اور فلاں بزرگ سے مانگئے۔ قطعاً نہیں ان الدین عنداللہ الاسلام، الالہ الخلق و الامر، یادرکھو اسی کا کام ہے پیدا کرنا اور اسی کا کام ہے حکم چلانا، وہ پیدا کر کے فارغ نہیں ہو جاتا، شاہ جہاں تاج محل بنا کر چلے گئے، اب تاج محل ہمارے آپ کے رحم وکرم پر ہے، ہندوستان کے باشندوں پر، کوئی توڑے نہیں، کوئی سیاہی نہیں لگائے، دنیا تاج محل نہیں ہے الا لہ الخلق و الامر یادرکھو اسی کا کام ہے پیدا کرنا اور اسی کا کام ہے حکم چلانا، اور حکم دینا، ایڈمنسٹریشن خالصتاً اسی کے ہاتھ میں ہے، یہ توحید کا عقیدہ ہو، پھر فرائض کی پابندی ہو، شریعت کا احترام ہی نہیں شریعت کا علم ہو، اور شریعت کو دوسروں تک پہنچانے کا جذبہ ہو، اور شریعت پر چلانے کا جوش ہو اور ولولہ ہو اور جو اس کے مسائل ہیں اس سے واقف ہوں، اگر کوئی ضرورت پیش آئے تو مسئلہ بتاسکیں اور خود بھی عمل کر سکیں، اس کے لئے مدارس قائم کئے جاتے ہیں۔

یہی وہ بات ہے جسے اللہ تبارک وتعالیٰ نے اس تفصیل کے ساتھ بیان فرمایا گویا کہ بالکل سامنے کوئی چیز ہو جسے ہم دیکھ رہے ہیں اور سن رہے ہیں کہ حضرت یعقوب علیہ السلام کا دولت خانہ ہے اور ان کے بیٹے اور پوتے اور نواسے سب موجود ہیں، مجلس ہے اور ماشاء اللہ وہ کثیر الاولاد تھے، اور اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیمؑ کی نسل میں بڑی برکت عطا فرمائی تھی، معلوم نہیں کتنی تعداد میں ہوں سب مل ملا کر، اور آپ ان کا امتحان لیتے ہیں اور پوچھتے ہیں ان سے کہ بتادو مجھے اس کا اطمینان دلا دو اور یہ کہا جا سکتا ہے یہاں کے محاورے میں کہ ہماری پیٹھ قبر سے نہیں لگے گی، زمین سے نہیں لگے گی جب تک میں یہ اطمینان کر لوں کہ میرے بعد میرے بیٹے، میرے پوتے، میرے نواسے کس کی عبادت کر رہے ہیں اور کس کی عبادت کرنے کا فیصلہ ہے ان کا، اور عزم ہے اور استقلال واستحکام ہے، تو بات ساری محبت کی ہے اور اہمیت سمجھنے کی

ہے، آپ اپنی اولاد کے بارے میں (اللہ تعالیٰ ان کو زندگی عطا فرمائے عمر میں برکت عطا فرمائے) اپنے بیٹوں کے بارے میں یہاں تک کہ بیٹوں کے بارے میں، لڑکیوں کے بارے میں بھی، پوتیوں کے بارے میں اور نواسیوں کے بارے میں بھی، یہاں تک کہ جہاں آدمی کی بات احترام سے سنی جاتی ہے اور مانی جاتی ہے۔ پورا خاندان سب کی آئندہ نسل کے بارے میں آپ کو فکر مند ہونا چاہئے اور آپ کو اطمینان کر لینا چاہئے اور اس کے جو اسباب و ذرائع ہیں ان کو اختیار کرنا چاہئے۔ اگر مکاتب قائم کرنے کی ضرورت ہے تو جا بجا قائم ہوں اور اس کے بعد اپنے لڑکوں کے بارے میں آپ بڑی سے بڑی دنیاوی منفعت کو اور شاندار مستقبل کو اور بڑی بڑی ملازمتوں کو اور ترقیوں کو اور بڑی شہرت و تعریف، سب کو نظر انداز کر کے، پس پشت ڈال کر پہلے ان کے ایمان کی فکر کریں کہ اول تو ایمان ان کے دل میں پیدا ہو اور پھر ایمان کے جو تقاضے ہیں اور ایمان کے جو لوازمات ہیں اور مطالبات ہیں وہ بھی پورے کریں، یہ نماز کے پابند ہوں، یہ محرمات سے دور ہوں، نظر کی حفاظت کرنے والے ہوں، اعضاء کی حفاظت کرنے والے ہوں، جھوٹ نہ بولیں، بدمعاملگی نہ کریں اور رشوت نہ لیں اور بداخلاقی نہ کریں، ظلم نہ کریں اور نفس پرستی نہ کریں۔

اس فکر کو عام کیجئے:

ان ساری چیزوں میں ہمارا فریضہ ہے کہ اپنی آئندہ نسل کے بارے میں پورا اطمینان حاصل کر لیں اور جب تک یہ بات عام مسلمانوں میں نہیں پیدا ہوگی، محض دعوتی مراکز اور محض کتب خانے اور محض دار التصنیف اور محض بڑے بڑے مدارس اور دار العلوم کافی نہیں، یہ محلہ محلہ نہیں گھر گھر یہ بات ہونی چاہئے کہ آپ کو فکر ہو کہ ہماری اولاد، ہمارے بیٹے، پوتے، نواسے کس دین پر رہیں گے اور ان میں صحیح عقیدہ قائم رہے گا یا نہیں اور پھر فرائض کی پابندی ہوگی کہ نہیں؟ خدا کا خوف ہوگا کہ نہیں اور مرنے کے بعد زندگی پر یقین ہوگا کہ نہیں؟ اور اس کے لئے تیاری ہوگی کہ نہیں؟ وہ بڑی سے بڑی دولت اور عزت کو قربان کرنے کے لئے تیار ہوں۔

بس آپ سب اس کو اپنے دل میں بٹھا لیجئے، آپ کو ان کی کھانے پینے سے زیادہ، ان کی صحت سے زیادہ، ان کی دنیوی تعلیم سے زیادہ، ان کی عزت سے زیادہ اور ان کے عہدے سے زیادہ، ان کے ایمان کی فکر ہوگی، ان کے فرائض کے پابند ہونے کی فکر ہوگی اور اپنی ذات سے

عامل ہوں گے اور دوسروں کے لئے داعی و مبلغ ہوں گے۔

و آخر دعوانا ان الحمد لله رب العالمين

وہ قوم ہی قائد ہے اور فاتح ہے جہاں میں
جس قوم کے اخلاق کی چلتی رہے تلوار
اس قوم کو دنیا میں نہیں کچھ بھی حقیقت
جس قوم کے کردار کا گھٹ جاتا ہے معیار

(طارق بن ثاقب)

دین وایمان کو بچانے کے لئے
جان تک قربان کردی جائے

یہ تقریر مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندوی رحمہ اللہ نے لکھنؤ شہر کے مصافات (دوبگا) میں واقع جامعۃ المومنات کامپلکس میں مسجد کے افتتاح کے موقع پر علماء کرام اور قرب وجوار لکھنؤ شہر کے ایک بڑے مجمع کے سامنے کی

مولانا رحمۃ اللہ نے اپنی مختصر جامع اور مؤثر تقریر کے لئے حدیث نبویؐ ''تم میں سے ہر شخص ذمہ دار ہے اور تم میں سے ہر شخص اپنے ماتحتوں کے متعلق جوابدہ ہے'' کو عنوان بناتے ہوئے فرمایا، آپ نے فرمایا یہ مختصر سی حدیث، انفرادی زندگی، گھریلو زندگی اور اجتماعی زندگی کی اصلاح کیلئے کافی ہے، بلکہ ملکوں کی صلاح کیلئے بھی یہ حدیث کافی ہے کہ ہر شخص کے ماتحت کچھ لوگ ہوتے ہیں، بال بچے کام کرنے والے، ہر شخص اپنے ان ماتحتوں کا پورا خیال رکھا کرے، لوگ ساری ضرورتوں کا تو خیال رکھتے ہیں لیکن روحانی اور دینی ضرورتوں کا تو خیال رکھتے ہیں طور پر خیال کم رکھا جاتا ہے، اس کی تو ہمیں فکر رہتی ہے اولاد کی ایسی تعلیم ہو جو اسے اچھی ملازمت دلوادے اس کے لئے وسعت سے بھی زیادہ خرچ کرتے ہیں اس میں اگر بچوں سے کوتاہی ہوتی ہے تو باپ لاڈ و پیار سے سمجھاتا بھی ہے اور سختی سے بھی کام لیتا ہے، باپ کی یہ آرزو ہوتی ہے کہ اولاد اچھے سے اچھے عہدوں پر فائز ہو، معاشرہ میں ایک مقام ہو، لوگ جب سنیں کہ بڑا لڑکا امریکا میں ہے، دوسرا کسی یونیورسٹی میں پروفیسر ہے، تو مبارکباد دیں، کہ ماشاء اللہ آپ کے صاحبزادگان بڑے بڑے عہدوں پر ہیں، لیکن ہم اپنے ماتحتوں کی ان ضرورتوں کی طرف توجہ کم کرتے ہیں، جو دنیاوی ضرورتوں سے زیادہ اہم ہیں، ہم اس کی فکر نہیں کرتے کہ میرے بچوں کے عقائد درست ہیں یا نہیں، دین پر چلتے ہیں یا نہیں، دین کا احترام کرتے ہیں یا نہیں، ان کے اندر دین یا شعائر دین کی بے وقعتی تو پیدا نہیں ہو رہی ہے، اس کی

طرف توجہ بہت کم ہوتی ہے، انبیاء علیہم السلام کی نظر اصلاً آخرت پر ہوتی ہے، ان کی بعثت آخرت کی بنانے کیلئے ہوتی ہے، دنیا کی خوشی ومسرت اور یہاں کی پریشانی وتکالیف کووہ کامیابی اور ناکافی کا معیار نہیں سمجھتے ان کے نزدیک کامیاب وہ ہے جو آخرت میں کامیاب ہو، اور ناکام وہ ہے جو آخرت میں ناکام ہو۔

شرپسند فرقہ پرست تنظیمیں اور پارٹیاں کوشاں ہیں کہ ملک میں ایک ہی طرح کا دماغ، ایک ہی طرح کا دل، ایک ہی تہذیب اور ایک ہی کلچر رہے، تعلیم وتبلیغ سے ایسا ماحول بنایئے کہ نئی نسل دین پر فخر کے ساتھ قائم رہے، کفر وشرک سے اس کے اندر نفرت پیدا کردیجئے، ایملن کی حفاظت کے لئے وہ اپنی جان تک کی قربانی پیش کرنے کے لئے تیار رہے، گھر کے ماحول کو دینی اور پاکیزہ بنایئے تاکہ باہر کی مسموم ہوا سے بچوں کی حفاظت ہوسکے۔

خوشی کی بات یہ ہے کہ یہاں دوبگا میں بچیوں کی دینی تعلیم وتربیت کے لئے ادارہ قائم کیا گیا ہے، بچیوں کی صحیح تعلیم وتربیت سے ماحول کوسدھارنا آسان ہوجائے گا۔

نماز جمع سے پہلے بانی جامعہ جناب مولانا محمد رضوان صاحب ندوی نے حضرت مولانا علی میاں صاحب ندوی اور دوسری حاضرین کی تشریف آوری پر خوشی کا اظہار کرتے ہوئے کہا کہ آج معاشرہ کو برائیوں سے پاک کرنے کی ہماری کوششیں اس لئے بارآور نہیں ہورہی ہیں کہ گھر کا ماحول فاسد ہوگیا ہے، ہمارے اس مدرسہ کا نظام تعلیم وتربیت بگڑ گیا ہے، جہاں بچہ آنکھ کھولتا ہے اور وہ مدرسہ ہے ماں کی گود اور گھر کا ماحول، ہم پر پہلی ذمہ داری عائد ہوتی ہے کہ دینی تعلیم وتربیت کے ذریعے اس صورتحال کو بدلیں اور بچیوں کی صحیح دینی تعلیم وتربیت کے ذریعے گھر کے ماحول کوایسا بنانے کی فکر کریں جس میں پلنے بڑھنے والا ہمارا ہر بچہ اور بچی دینی سانچہ میں اس طرح ڈھل جائے۔

معاشرہ کی تعمیر کے عناصر

الحمد للہ و کفیٰ و سلامہ علی عبادہ الذین اصطفی

محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت و تعلیم کے مقاصد و نتائج جہاں قرآن مجید میں بیان کئے گئے ہیں وہاں صراحتہ ان چار چیزوں کا تذکرہ کیا گیا ہے۔ ۱۔ تلاوت۔ ۲۔ تعلیم کتاب۔ ۳۔ تعلیم حکمت۔ ۴۔ تزکیہ نفوس۔

ھوالدی بعث فی الامیین رسولاً منھم یتلوا علیھم ایتہ ویزکیھم ویعلمھم الکتاب والحکمۃ وان کانوا من قبل لفی ضلل مبینo

ترجمہ: وہی ہے جس نے ان پڑھوں میں ایک رسول انہیں میں سے مبعوث فرمایا جو ان پر اس کی آیتیں پڑھتا ہے اور انہیں پاک کرتا ہے اور انہیں کتاب و حکمت سکھاتا ہے اور بیشک وہ اس سے پہلے صریح گمراہی میں تھے۔

کما ارسلنا فیکم رسولاً منکم یتلوا علھیم ایتہ ایتنا ویزکیکم ویعلمھم الکتاب والحکمۃ ویعلمکم مالم تکونوا تعلمونo (بالقرہ ع ۱۸)

ترجمہ: جیسا کہ ہم نے تم میں ایک رسول تم ہی میں سے بھیجا جو تم پر ہماری آیتیں پڑھتا ہے۔ اور تمہیں پاک کرتا ہے اور تمہیں کتاب اور دانائی سکھاتا ہے اور تمہیں سکھاتا ہے جو تم نہیں جانتے تھے۔

درحقیقت بعثت محمدیؐ ان چاروں شعبوں پر مشتمل تھی۔ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جس طرح دنیا کو نیا آسمانی صحیفہ عطا کیا نیا علم و حکمت عطا کیا۔ اسی طرح نئے اخلاق، نئے جذبات و کیفیات نیا یقین و ایمان نیا ذوق و شوق نئی بلند نظری، نیا جذبہ ایثار نیا شوق آخرت، نیا جذبہ زہد و قناعت دنیا کی متاع حقیر اور دولت فانی کی تحقیر، نئی محبت و الفت حسن سلوک و ہمدردی بر و مواسات (نیکی و ہمدردی) مکارم اخلاق، اسی طرح سے نیا ذوق عبادت، خوف و خشیت، توبہ و انابت دعا و تضرع کی دولت عطا فرمائی اور انہیں خصوصیتوں کی بنیاد پر وہ نیا اسلامی معاشرہ اور دینی ماحول قائم ہوا۔ جس کو عہد رسالت اور عہد صحابہؓ کے لفظ سے عام طور پر تعبیر کیا جاتا ہے

صحابہ کرامؓ ان مقاصد ونتائج بعثت کے کامل ترین نمائندہ اور بہترین نمونہ تھے۔ اگر ان شعبہ ہائے نبوت کو عام زندگی میں جلوہ گر دیکھنا ہو تو صحابہ کرام کی جماعت کو دیکھ لیا جائے۔

یوں تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت ورسالت اور تعلیم ان تمام سعادتوں کا سرچشمہ تھی اور اسی سے یہ پوری زندگی اور قرن اول کا اسلامی معاشرہ وجود میں آیا لیکن اگر اس کے طریق عمل کی تفصیل اور اس کے ذرائع ووسائل کی تحلیل کی جائے تو معلوم ہوگا کہ اس محیر العقول انقلاب کا ذریعہ اور اس نئے معاشرہ اور نئی امت کی تشکیل کے عناصر اور ارکان یہ تین چیزیں تھیں۔

۱۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات گرامی
آپ کی زندگی، سیرت واخلاق۔
۲۔ قرآن مجید
۳۔ آپؐ کے ارشادات وہدایات، مواعظ ونصائح اور تعلیم وتلقین۔

اگر غور کیا جائے گا تو معلوم ہوگا کہ بعثت نبویؐ کے مقاصد ونتائج کے کامل ظہور میں اور جدید امت کی تعمیر وتشکیل میں ان تینوں عناصر وارکان کا دخل ہے اور واقعہ بھی یہی ہے کہ ان تینوں کے بغیر ایک مکمل معاشرہ مکمل زندگی اور ایک ایسی ہیئت اجتماعی جس میں عقائد اعمال اخلاق، جذبات، اذواق، رجحانات، تعلقات، سب ہی ہوں وجود میں نہیں آسکتی۔ زندگی کے لئے زندگی شرط ہے۔ یہاں دیئے سے دیا جلتا ہے صحابہ کرام اور ان کے صحیح جانشینوں کی زندگی میں ہمیں عقائد واعمال کے ساتھ جو خالص اسلامی اخلاق اور اس سب کے ساتھ جو اعلیٰ ذوق اور گہرے دینی جذبات اور دینی کیفیات نظر آتی ہیں۔ وہ تنہا تلاوت کتاب کا نتیجہ نہیں بلکہ اس کامل ترین، مؤثر ترین زندگی کا بھی اثر ہے جو شب وروز ان کے سامنے رہتی تھی۔ اس سیرت و اخلاق کا بھی نتیجہ ہے جو ان کی آنکھوں کے سامنے تھے۔ اور ان مجالس اور صحبتوں کا بھی فیض ہے اور ان ارشادات ونصائح وتلقین کا بھی جس سے وہ حیات طیبہ میں برابر مستفید رہتے تھے۔ اس کے مجموعہ سے اسلام کا وہ مزاج خاص وجود میں آگیا جس میں صرف قواعد وضوابط اور ان کی قانونی پابندی نہ تھی بلکہ ان پر عمل کرنے کے محرکات وترغیبات اور عمل کی صحیح کیفیات اور روح بھی تھی حدود کی پابندی اور حقوق کی ادائیگی کے ساتھ لطیف احساسات اور مکارم اخلاق کے

دقائق بھی تھے۔

انہوں نے قرآن مجید سے ''اقامت صلوۃ'' کا حکم پایا تھا اور **الذین هم فی صلواتهم خاشعون** کی تعریف بھی سنی تھی انہوں نے اس کی صحیح کیفیت معلوم کی جب آپ کے ساتھ نمازیں پڑھیں اور آپ کے رکوع وسجود کی کیفیت دیکھی جس کو انہوں نے **نسمع له ازیزا کازیز المرجل** (ہم آپ کے سینہ کی آواز اس طرح سنتے تھے جیسے ہانڈی میں ابال آتا ہے) کے لفظوں سے تعبیر کیا ہے۔ انہوں نے قرآن مجید سے سمجھا تھا کہ نماز مومن کا ایک محبوب فعل ہے لیکن جب تک انہوں نے زبان نبوی سے۔ قرۃ عینی فی الصلوۃ (میری آنکھوں کی ٹھنڈک نماز میں ہے) اور بے قراری اور انتہائے شوق واضطراب کے ساتھ ارحنی یا بلال (بلال اذان دے کر مجھے آرام پہنچاؤ) نہیں سنا ان کو نماز کے ساتھ اس عشق وشغف کا اندازہ نہیں ہوا۔ اسی طرح جب تک انہوں نے خاصان امت کے سلسلہ میں **وقلبه معلق فی المسجد حتی یعود الیه** (ان کا دل مسجد میں اٹکا رہتا ہے، مسجد سے نکل کر جب تک دوبارہ مسجد نہیں آتے ان کو چین نہیں آتا) کے الفاظ نہیں سنے ان کو مسجد اور قلب مومن کا باہمی تعلق معلوم نہیں ہو سکا۔ انہوں نے قرآن مجید میں بار بار دعا کی ترغیب دیکھی تھی۔ دعا نہ کرنے والوں پر عتاب بھی سنا تھا اور تضرع وابتہال (گریہ وزاری اور الحاح واصرار) کے الفاظ ومفہوم سے بھی وہ آشنا تھے لیکن اس کی حقیقت انہوں نے اس وقت جانی جب انہوں نے میدان بدر میں آپ کو خاک سر پر رکھے یہ الفاظ کہتے سنا کہ۔

اللّٰهم انشدک و وعدک اللّٰهم ان شئت لم تعبد

(اے اللہ میں تجھے تیرے عہد اور وعدہ کا واسطہ دیتا ہوں۔ اے اللہ اگر تو چاہے (اس مٹھی بھر جماعت کو ہلاک کرنا) تو تیری عبادت نہ ہو) اور بے قراری کی وہ کیفیت دیکھی جو ابوبکرؓ سے نہ دیکھی جا سکی یہاں تک کہ انہوں نے عرض کیا۔ حسبک (یا رسول اللہ کافی ہے) ان کو معلوم تھا کہ دعا کی روح، بندگی اور اپنی عجز ودرماندگی کا اظہار ہے اور جس دعا میں یہ جوہر جس قدر زیادہ ہو اسی قدر وہ دعا قیمتی ہے لیکن بندگی اور عجز ودرماندگی کی حقیقت ان کو جب معلوم ہوئی جب انہوں نے عرفات میں آپ کو یہ کہتے سنا:

اللّٰهم انک تسمع کلامی و تری مکانی و تعلم سری وعلانیتی

لایخفی علیک شی من امری وانا البائس الفقیر المستغیث المستجیر الرجل المشفق المقرا المعترف بذنبی اسائلک مسالة المسکین وابتهل الیک ابتهال المذنب الذلیل وادعوک دعا الخائف الضریر و دعاء من خضعت لک رقبة وفاضت لک عبرته و ذل لک جسمه ورغمه لک انفسه اللّٰهم لاتجعلنی بدعائک شقیا و کن لی رئوفا رحیما یاخیر المسئولین ویا خیر المعطین

ترجمہ: اے اللہ تو میری بات سنتا ہے اور میری جگہ دیکھتا ہے اور میرے پوشیدہ اور ظاہر کو جانتا ہے۔ تجھ سے میری کوئی بات چھپی نہیں رہ سکتی، میں مصیبت زدہ ہوں محتاج ہوں فریادی ہوں پناہ جو ہوں پریشان ہوں ہراساں ہوں اپنے گناہوں کا اقرار کرنے والا ہوں اعتراف کرنے والا ہوں۔ تیرے آگے سوال کرتا ہوں۔ جیسے بیکس سوال کرتے ہیں۔ تیرے آگے گڑگڑاتا ہوں جیسے گنہگار وذلیل وخوار گڑگڑاتا ہے اور تجھ سے طلب کرتا ہے اور جیسے وہ شخص طلب کرتا ہے جس کی گردن تیرے سامنے جھکی ہو۔ اور اس کے آنسو بہہ رہے ہوں اور تن بدن سے وہ تیرے آگے فروتنی کئے ہوئے ہو اور اپنی ناک تیرے سامنے رگڑ رہا ہو۔ اے اللہ تو مجھے اپنے سے دعا مانگنے سے محتاج نہ رکھ اور میرے حق میں بڑا مہربان، نہایت رحم والا ہوجا، اے سب مانگے جانے والوں سے بہتر اے سب دینے والوں سے اچھے۔

انہوں نے قرآن مجید میں دنیا کی بے حقیقی اور آخرت کی پائیداری کا ذکر پڑھا تھا اور مالحیوة الدنیا الا لهو ولعب وان الدار الآخر لهی الحیوان (دنیا کی زندگی محض کھیل تماشا ہے اور آخرت کا گھر ہی اصل زندگی ہے) کے الفاظ ان کو یاد تھے، مگر اس کی حقیقت اور عملی تفسیر ان کو آپ ﷺ کی زندگی ہی سے معلوم ہوئی اور آپ کی طرز زندگی اور گھر کے نقشہ کو دیکھ کر ہی وہ سمجھے کہ آخرت کو اصل زندگی سمجھنے کا کیا مطلب ہوتا ہے اور آخرت کو اصل زندگی سمجھنے والوں اور اللهم لاعیش الا عیش الآخرة پر ایمان رکھنے والوں کی خانگی زندگی اور معیشت کیا ہوتی ہے۔ اس عملی نقشہ اور اجمالی ترغیب کے ساتھ جب ان کے سامنے ارشادات نبویؐ میں جہنم کے شدائد ومصائب اور جنت کے انعامات ولذائذ کی تفصیل اور تصویر آتی تو ان کے اندر خوف اور شوق کی ملی جلی کیفیت پیدا ہوتی ہے اور ان دونوں کا نقشہ ان کی آنکھوں کے سامنے ہروقت کھنچا رہتا۔ اسی طرح وہ رحمت، تواضع، خلق، رفق جیسے اخلاق وتعلیمات کے مفہوم

سے آشنا تھے صاحب زبان بھی تھے اور قرآن مجید میں صاحب نظر بھی تھے لیکن ان الفاظ کی وسعت عملی زندگی میں ان کی تطبیق، نیز صحیح عمل ان کو صرف اس وقت معلوم ہوا جب انہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا کمزور دل، عورتوں، بچوں، یتیموں، غریبوں، بوڑھوں اور اپنے تمام رفقاء و اصحاب، اہل خانہ اور خدام کے ساتھ برتاؤ دیکھا اور آپ کی اس بارے میں ہدایات، وصیتیں اور ارشادات سنے ان کو عامۃ المسلمین کے حقوق کے ادا کرنے کی اجمالی ہدایت قرآن سے مل چکی تھی مگر اس کی بہت سی صورتیں (مثلاً عیادت مریض، اتباع جنائز، تشمیت عاطس وغیرہ وغیرہ) ایسی تھیں جو شاید لاکھوں انسانوں کے ذہن میں خود نہ آتیں اور اگر آتیں تو ان کی اہمیت نہ معلومہوتی اسی طرح والدین و اہل حقوق کے ساتھ حسن سلوک کی تعلیم قرآن مجید میں پورے شد و مد کے ساتھ ہے مگر کتنے معلمین اخلاق ہیں جن کا ذہن والدین کے ساتھ حسن سلوک و ادائے حقوق کے اس رفیع و بدیع مقام پر پہنچتا جس کا اظہار حدیث نبویؐ **ان من ابر البر بر الرجل اهل ودابيه بعد ان يولی** (لڑکے کا باپ کے ساتھ حسن سلوک و وفاداری کا بہترین درجہ یہ ہے کہ اپنے والد کے انتقال کے، بعد ان کے دوستوں اور اہل محبت کے ساتھ سلوک کرے) اور کتنے ذہن ہیں جو وفاداری اور شرافت کے اس مقام بلند تک پہنچ سکتے جس کا اظہار اس روایت سے ہوتا ہے۔

وربما ذبح الشاة ثمه يقطعها اعضاء ثمه يبعثها فی صدائق خديجة

(اور بکثرت ایسا ہوتا ہے کہ آپ کے یہاں بکری ذبح ہوتی تو آپ اس کے پارچے الگ الگ کراتے پھر دو ٹکڑے اپنی مرحومہ بیوی خدیجہ سے میل محبت رکھنے والیوں کے یہاں بھیجتے)

حدیث کے شعبہ معاشرت و اخلاق کی یہ دو تین مثالیں ہیں جن سے اندازہ ہوتا ہے کہ حدیث زندگی کے مختلف شعبوں میں کیسی رہنمائی کرتی ہے اور کیسا نیا علم عطا کرتی ہے اور وہ انسانیت کے لئے کیسا بیش بہا خزانہ ہے۔

دوسری طرف مذاہب و ادیان کی تاریخ کا یہ طویل و مسلسل تجربہ ہے کہ محض ایک اجمالی اور قانونی حکم اور ضابطہ کسی عمل کو اپنی صحیح روح اور کیفیات کے ساتھ وجود میں لانے کے لئے کافی نہیں ہوتا۔ اور وہ فضا پیدا نہیں کرتا جو اس عمل کو مؤثر اور منتج بنانے کے لئے درکار ہے۔ مثال کے طور پر اقامت صلوٰۃ کا اجمالی حکم وہ ذہنیت ماحول اور فضا نہیں پیدا کرسکتا جو نماز کی روح و

جسم کی حفاظت، اس کی پابندی اور اس سے صحیح روحانی، ذہنی، قلبی، اجتماعی اور اخلاقی نتائج واثرات کے بروئے کار آنے کے لئے معاون ومددگار ہے۔ اس کے لئے ان مبادی، مقدمات، آداب و ہدایات کی ضرورت ہے جو اس عمل کو مہتم بالشان، وقیع ومؤثر بنائیں۔ اسی بناء پر نماز کیلئے خود قرآن مجید میں وضو، طہارت، شعور وتفصیل، خشوع وخضوع، سکوت وقنوت اور جماعت کا حکم دیا گیا ہے لیکن اہل نظر سے مخفی نہیں کہ اس میں ضروری وقابل عمل حد تک جس قدر آداب وفضائل اور خارجی انتظامات کا اضافہ ہوگا۔ وہ فضا اور ماحول تیار ہوگا جس میں نماز اپنے پورے ثمرات اور روحانی واجتماعی واخلاقی اثرات ظاہر کرے گی۔ اور حدیث وسیرت کا مطالعہ کرنے والے اور ان پر نظر رکھنے والے جانتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے عمل اور آپ کے ارشادات ہدایت نے اس میں وہ معقول اضافہ کیا ہے جس سے نماز تزکیہ نفس، تربیت اخلاق اور توجہ الی اللہ وانقطاع عن الخلق نیز امت کی تعلیم وتربیت اور نظم ووحدت کا مؤثر ترین ذریعہ بن گئی ہے۔ مثلاً وضو کی نیت وفضیلت اور اس کا استحضار، مساجد کی طرف جانے اور اس کے راستے میں پڑنے والے قدموں کی فضیلت، راستہ کی دعا، مسجد میں داخل ہونے کا ادب اور ذکر تحیۃ المسجد یا سنن راتبہ، نماز کے انتظار کی فضیل اور بیٹھنے کا ادب، جماعت کا ثواب، اذان واقامت کا ثواب، اقامت کی فضیلت ومنصب اور اس کے احکام، امام کے اتباع کی تاکید، صفوں کی ترتیب اور صفوں میں کھڑے ہونے والے آدمیوں کی ترتیب مساجد میں تعلیم کے حلقوں کی فضیلت، ذکر کے حلقوں کی فضیلت، مسجد سے نکلنے کا ادب اور اس کا ذکر وغیرہ وغیرہ۔ ظاہر ہے کہ ان فضائل نیز ان آداب وہدایات کے علم وعمل سے نماز کتنی مہتم بالشان چیز اور تزکیہ واصلاح، تعلیم وتربیت اور انابت وتوجہ الی اللہ کا کیسا مؤثر ذریعہ بن جاتی ہے پھر اس کے ساتھ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نمازوں کی کیفیت نوافل کے ذوق قرآن مجید کے پڑھنے میں رقت ومحویت کے واقعات کا (جو احادیث میں اہتمام کے ساتھ بیان کئے گئے ہیں) اضافہ کیجئے اس مجموعہ سے امت کی نماز کس مقام تک پہنچ جاتی ہے اور اس کے لئے کیسا ذہنی اور روحانی ماحول تیار ہوتا ہے صوم وزکوۃ وحج کو بھی اسی پر قیاس کرنا چاہئے اور حدیث سے ان کے آداب وفضائل معمولات نبوت اور واقعات زندگی کو جمع کر کے غور کرنا چاہیے کہ اگر ان عبادات کو ان آداب وفضائل اور واقعات سے مجرد ومنقطع کرلیا جائے اور ان کو اس ماحول سے جدا کرلیا جائے جو حدیث ان کے

لئے مہیا کرتی ہے اور جواب حدیث کی بناء پر ان کے ساتھ لازم ہوگیا ہے تو ان کی تاثیر کہاں تک جاتی رہتی ہے اور ان میں جذبات کو ابھارنے ذوق وشوق و پیدا کرنے استقامت عطا کرنے اور قلب ودماغ کو غذا اور جلا عطا کرنے اور ایک ایسے نئے معاشرہ کی تعمیر کی (جس کے اندر عبادت وتقویٰ وانابت کی روح سرایت کئے ہوئے ہو) کہاں تک صلاحیت باقی رہ جاتی ہے۔

درحقیقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات طیبہ اور ارشادات وہدایات (جن کے مجموعہ کا معروف نام حدیث وسنت ہے) دین کے لئے وہ فضا اور ماحول مہیا کرتے ہیں جس میں دین کا پودہ سرسبز وبارآور ہوتا ہے دین کسی خشک اخلاقی ضابطہ یا قانونی مجموعہ کا نام نہیں وہ جذبات، واقعات اور عملی مثالوں کے بغیر زندہ نہیں رہ سکتا۔ ان جذبات وواقعات اور عملی مثالوں کا سب سے بہتر اور مستند مجموعہ وہ ہے جو خود پیغمبر کی ذات سے متعلق اور اس کے حالات زندگی سے ماخوذ ہو۔ یہودی اور عیسائی نیز ایشیا کے دوسرے مذاہب اس لئے بہت جلد مفلوج ہوکر رہ گئے کہ ان کے پاس اپنے پیغمبروں کی زندگی کے مستند واقعات اور ایمان آفریں کلام کا مجموعہ محفوظ نہیں تھا۔ اور ان مذاہب کو وہ ذہنی ماحول اور فضا میسر نہیں تھی جس میں پیروان مذاہب دینی نشو ونما وترقی حاصل کرتے اور مادیت والحاد کے حملوں سے محفوظ رہتے۔ انہوں نے بالآخر اس کی ضرورت تسلیم کرکے اس خلا کو پیروان مذاہب پیروان طریقت کے واقعات وملفوظات سے پر کیا مگر اس خانہ پری نے رفتہ رفتہ مذاہب کو بدعات ورسوم اور نئی نئی تفسیروں کا ایسا مجموعہ بنا دیا جس میں اصل مذہب کی تعلیم گم ہوکر رہ گئی ان مذاہب [illegible] نے اپنے پیغمبروں کی سیرت اور مستند واقعات زندگی کے بارے میں بے بضاعتی وتہی دامنی اب ایک مسلمہ حقیقت بن گئی ہے اور اس پر بہت کچھ لکھا جاچکا ہے۔ اسلام کے آخری اور دائمی مذہب ہونے کا ایک ثبوت یہ بھی ہے کہ یہ حادثہ اس کو پیش نہیں آیا جس ذہنی وروحانی ماحول میں اور جن ذہنی کیفیات کے ساتھ صحابہ کرامؓ نے زندگی گزاری۔ حدیث کے ذریعہ اس پورے ماحول کو قیامت تک کے لئے محفوظ کردیا گیا۔ بعد کی نسلوں اور صدیوں کے ایک آدمی کے لئے بالکل ممکن ہے کہ حدیث کے ذریعہ وہ اپنے ماحول سے اپنا رشتہ منقطع کرکے دفعتہً اس ماحول میں پہنچ جاتے جہاں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بنفس نفیس موجود ہیں جہاں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مصروف تکلم اور صحابہ

کرامؓ گوش برآواز ہیں جہاں اس کا بھی اندازہ ہوسکتا ہے کہ ایمان کس طرح اعمال واخلاق اور یقین آخرت کس طرح کی زندگی پیدا کرتا ہے۔ یہ ایک دریچہ ہے جس سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خانگی زندگی۔ آپ کے گھر کا نقشہ آپ کے رات کے معمولات آپ کے گھر والوں کی معاشرت اپنی آنکھوں سے اور آپ کی دعاومناجات کا زمزمہ کانوں سے سنا جا سکتا ہے پھر جو آنکھیں آپ کی آنکھوں کو اشکبار اور قدم مبارک کو متورم دیکھیں اور جو کان پوچھنے اور سوال کرنے پر یہ آواز سنیں کہ افلا اکون عبدا شکورا (کیا میں خدا کا شکرگزار بندہ نہ بنوں؟) وہ غفلت کا کس طرح شکار ہو سکتے ہیں، جن کی آنکھوں نے کاشانہ نبوت میں دو دو مہینے چولہا گرم ہوتے نہیں دیکھا۔ جنہوں نے پیٹ پر پتھر باندھا ہوا اور پشت مبارک پر چٹائی کے نشانات پڑے ہوئے دیکھے جس نے سونے سے بے زاری کے ساتھ صدقہ کا بچا ہوا سونا راہ خدا میں خرچ ہوتے دیکھا۔ جس نے مرض وفات میں چراغ کا تیل پڑوسی کے گھر سے قرض آتے دیکھا۔ اس پر دنیا کی حقیقت کیسے چھپ سکتی ہے اور زہد کا جذبہ اس کے اندر کیسے ابھر نہیں سکتا؟ جس نے آپ کو اپنے گھر والوں کی خدمت اپنے بچوں کے ساتھ محبت اپنے خادموں کے ساتھ رعایت اور اپنے رفقاء کے ساتھ عنایت اور اپنے دشمنوں کے ساتھ تحمل فرماتے ہوئے دیکھا وہ مکارم اخلاق اور انسانیت کاملہ کا درس اس در کو چھوڑ کر اور کہاں سے لینے جائے گا۔

پھر اس ماحول میں صرف کاشانہ نبوت ہی کا دروازہ نہیں کھلا ہوا ہے جس سے دیکھنے والوں کو یہ سب نظر آتا ہے بلکہ صحابہ کرامؓ کے گھروں کے دروازے بھی کھلے ہوتے ہیں اور ان کے گھروں کی زندگی و معاشرت ان کے دلوں کی تپش ان کی شبوں کا گداز ان کی بازاروں کی مصروفیت اور مسجدوں کی فراغت ان کی بے نفسی وللّہیت اور ان پر نفس انسانی کے حملے ان کا انقیاد کامل اور ان کی بشری لغزشیں سب عیاں ہیں یہاں ابوطلحہ انصاریؓ کے ایثار کا واقعہ بھی آنکھوں کے سامنے گزرتا ہے۔ اور حضرت کعب بن مالکؓ کے غزوۂ تبوک سے بچھڑ جانے کا قصہ بھی پیش آتا ہے غرض یہ ایک ایسا قدرتی ماحول ہے جس میں زندگی اپنے پورے تنوعات، حقائق اور انسانی فطرت اپنے تمام خصائص کے ساتھ موجود ہے اور حدیث نے اس کا پورا عکس لے کر قیامت تک کے لئے دور نبوی کو محفوظ کر دیا ہے۔

قرآن مجید کے ساتھ عہد نبوی کی اس تصویر کا باقی رہنا اور نبوت کے کلام اور ماحول کا محفوظ رہنا اسلام کا اعجاز اور اس کا ایسا امتیاز ہے جس میں کوئی امت اس کی شریک و سہیم نہیں۔ ایک ایسا مذہب جس کو قیامت تک باقی رہنا اور تمام آنے والی نسلوں کو عملی نمونہ اور عمل کے جذبات و محرکات اور قلب و دماغ کی غذا فراہم کرنا ہے۔ ماحول کے بغیر نہیں رہ سکتا یہ ماحول حدیث کے ذریعہ محفوظ ہے۔ تدوین حدیث کی تاریخ پڑھ کر صاف معلوم ہوتا ہے کہ یہ ایک اتفاقی امر اور دور متاخر کی کوئی جدت نہیں ہے۔ صحابہ کرامؓ کا عہد نبوی ہی میں کتاب حدیث کی طرف متوجہ ہونا اور بہت بڑی تعداد میں احادیث کا محفوظ کر لینا پھر انہی کے آخر دور میں تابعین کا تدوین و ترتیب کی طرف توجہ کرنا پھر ایران و خراسان و ترکستان کے طالبین علم کے سمندر کا امنڈ آنا اس کا جمع و حفظ حدیث سے عشق و شغف ان کا غیر معمولی۔ افطہ ان کا عزم و عالی ہمتی پھر اسماء رجال و فن روایت مجتہدین کا پیدا ہونا جن کو اس کا ملکہ راسخہ اور بصیرت کاملہ حاصل تھی۔ پھر ان کا انہماک و خود فراموشی، پھر امت کی حدیث کی طرف توجہ اور اس کی عالم اسلام میں مقبولیت اور اشاعت یہ سب واقعات اس بات کا ثبوت ہیں کہ جمع قرآن کی طرح اللہ تعالیٰ کو اس صحیفہ زندگی کو محفوظ کرنا مقصود تھا۔ اسی کی بدولت حیات طیبہ کا امتداد اور تسلسل باقی رہا اور امت کو اپنے ہر دور میں وہ روحانی، ذوقی، علمی و ایمانی میراث ملتی رہی جو صحابہ کرامؓ کو براہ راست حاصل ہوئی تھی اس طرح صرف عقائد و احکام ہی میں ''توارث'' کا سلسلہ جاری رہا۔ حدیث کے اثر سے عہد صحابہ کا مزاج و مذاق ایک نسل سے دوسری نسل اور ایک طبقہ سے دوسرے طبقہ تک منتقل ہوتا رہا۔ اور امت کی طویل تاریخ میں کوئی مختصر سے مختصر عہد ایسا نہیں آنے پایا جب وہ مزاج و مذاق یکسر ناپید اور معدوم ہو گیا ہو۔ ہر دور میں ایسے افراد رہے ہیں جو صحابہ کرام کے مزاج و مذاق کے حامل کہے جا سکتے ہیں۔ وہی عبادت کا ذوق وہی تقویٰ و خشیت وہی استقامت و عزیمت وہی تواضع و احتساب نفس وہی شوق آخرت وہی دنیا سے بے رغبتی وہی جذبہ امر بالمعروف و نہی عن المنکر وہی بدعات سے نفرت اور جذبہ اتباع سنت جو حدیث کے مطالعہ و شغف کا نتیجہ ہے یا ان لوگوں کی صحبت و تربیت کا فیض ہے جنہوں نے اس مشکوٰۃ نبوت سے حصہ پایا ہو امت کا یہ ذہنی و مزاجی توارث قرن اول سے اس چودہویں صدی ہجری کے عہد انحطاط و مادیت تک برابر قائم ہے۔ حضرت [illegible] سفیان ثوری، عبداللہ بن مبارک اور امام احمد بن حنبل سے

لے کر مولانا فضل الرحمن گنج مرادآبادی، مولانا رشید احمد گنگوہی اور مولانا عبداللہ غزنوی رحمۃ اللہ علیہم تک کی زندگی اور سیرت واخلاق میں ان کا پرتو صاف نظر آتا ہے۔ اور جب تک حدیث کا یہ ذخیرہ باقی اس سے استفادہ کا سلسلہ جاری، اور اس کے ذریعہ سے عہد صحابہ کا ماحول محفوظ ہے دین کا یہ صحیح مزاج ومذاق جس میں آخرت کا خیال دنیا پر سنت کا اثر رسم ورواج پر روحانیت کا اثر مادیت پر غالب ہے باقی رہے گا اور کبھی اس امت پر دنیا پرستی سرتاپا مادیت انکار آخرت اور بدعات وتحریفات کا پورے طور پر تسلط نہیں ہوسکے گا بلکہ اس کے اثر سے ہمیشہ اس امت میں اصلاحی وتجدیدی تحریکیں اور دعوتیں اٹھتی رہیں گی اور کوئی نہ کوئی جماعت حق کی علمبردار اور سنت وشریعت کے فروغ کے لئے کفن بردوش رہے گی جو لوگ امت کو زندگی ہدایت اور قوت کے اس سرچشمہ سے محروم کرنا چاہتے ہیں اور اس میں اس ذخیرہ کی طرف سے بے اعتمادی اور شک وارتیاب پیدا کرنا چاہتے ہیں وہ نہیں جانتے کہ وہ امت کو کیا نقصان پہنچا رہے ہیں اور اس کو کس عظیم سرمایہ اور کتنی بڑی دولت سے محروم کر رہے ہیں وہ نہیں جانتے کہ وہ اس امت کو اسی طرح سے محروم الارث منقطع الاصل اور آوارہ کر دینا چاہتے ہیں جس طرح یہودیت اور عیسائیت کے دشمنوں یا حوادث روزگار نے ان عظیم مذاہب کو کر دیا اگر وہ سوچ سمجھ کر ایسا کر رہے ہیں تو ان سے بڑھ کر اس امت اور اس دین کا دشمن کوئی نہیں ہوسکتا۔ اس لئے کہ پھر اس مزاج ومذاق کو دوبارہ پیدا کرنے کا کوئی ذریعہ نہیں جو صحابہ کرام کا امتیاز تھا اور جو یا تو کامل طور پر براہ راست صحبت نبوی سے پیدا ہوسکتا ہے یا بواسطہ حدیث کے ذریعہ جو اس عہد کا جیتا جاگتا مرقع اور حیات نبوی کا بولتا چالتا روزنامچہ ہے اور جس میں عہد نبوی کی کیفیات بسی ہوئی ہے۔

عید رمضان کا انعام اور ثمرہ ہے

الحمد لله نحمده و ستعينه و ستغفره و نو من به و نتو كل عليه و نعوذ بالله من شرر انفسنا و من سيأت اعمالنا من يهده الله فلا مضل له و من يضلل الله فلا هادى له ونشهد ان لا اله الا الله وحد ه لاشريک له و نشهد ان سيد نا ومولانا محمد ا عبده و رسوله صلى الله تعالىٰ عليه و علىٰ آله واصحابه اجمعين اما بعد فاعوذ بالله من الشيطان الرجيم بسم الله الرحمن الرحيم. يايها الذين آمنو كتب عليكم الصم كما كتب على الذين من قبلكم لعلم تتقون صدق الله العظيم

جسے عید کہتے ہیں

اس مہینے کا اختتام جو مجاہدہ کا مہینہ تھا زہد و عبادت کا مہینہ تھا اور اپنی خواہشات پر غلبہ اور قابو پانے کا مہینہ تھا اور نفس کی عنان روکنے کا مہینہ تھا اور اللہ کی خوشی کے لئے اپنی خوشیوں اور خواہشوں کو قربان کرنے کا مہینہ تھا اس مہینہ کا اختتام اللہ نے اس خوشی کے دن پر کیا جسے عید کرتے ہیں۔ یہ عید رمضان المبارک کے اختتام کا اعلان اور اس میں اللہ تعالیٰ نے دوسرے مذاہب و قوموں کے برخلاف جن میں یہ دن کھیل کھیلنے مزے لوٹنے اور نفس کو آزاد چھوڑ دینے کی علامت ہوتا ہے اس میں اُن کے پہلے جو ناروا ہوتے ہیں وہ روا ہو جاتے ہیں اور حدود و قیود سب پھلانگ دیئے جاتے ہیں۔ اور کسی چیز کہ پرواہ نہ کرے اس کے برخلاف اللہ تعالیٰ نے جیسا کہ دین کا مزاج ہے ملت کا مزاج ہے اللہ تعالیٰ نے اس دن کو عید کی خوشی کا دن تھا تیس دن کے مجاہدہ کے بعد آیا تھا بجائے اس کہ اجازت دی جاتی اس میں آزادی ہے کہ جو چاہو کرو، اس میں ایک زائد عبادت اللہ تعالیٰ نے شروع فرمائی، یعنی اس دن مسلمان نہا دھو کر آتا ہے اور خدا کے حضور میں دو رکعت پڑھتا ہے یہ شکرانہ ہے رمضان المبارک کا، روزے رکھنے کی توفیق

حاصل ہوگا، تو عید کا تعلق رمضان سے ہے کہ عید کو رمضان سے الگ کیا ہی نہیں جا سکتا، عید درحقیقت ایک قدرتی پھل ہے، رمضان کے درخت کا، اگر رمضان کا درخت نہیں ہے اور اس کی تمام خصوصیات ساتھ نہیں ہیں وہ درخت شاداب نہیں ہے اور اس درخت کی تمام جڑیں محفوظ نہیں ہیں۔ تو اس درخت سے کبھی پھل پیدا نہیں ہوسکتا ہے اور اسے پھل کا کوئی استحقاق نہیں ہوسکتا، وہ شخص جو کوئی درخت نہ لگائے اس درخت پر ریاض نہ کرے، محنت نہ کرے، اور اس کو پانی نہ دے، اس کو اس درخت کا پھل کھانے کا کوئی استحقاق نہیں ہے اور یہ اس کی خام خیالی ہے کہ بے درخت کے اس کو پھل مل جائیں گے۔

عید تو رمضان المبارک کا صلہ ہے

اسی قانون پر ہم چل رہے ہیں آم کا درخت لگائیے اور آم کا پھل کھائیے، خرید کر کھانا اور چیز ہے، آم کا درخت لگائے بغیر آپ آم نہیں کھا سکتے، آپ انگور کی کاشت کئے بغیر انگور نہیں پا سکتے، ویسے ہی رمضان کے بغیر عید کا کوئی استحقاق نہیں، بالکل یہ ایک غیر قدرتی، غیر اخلاقی، غیر قانونی چیز ہے، عید ہے، رمضان کا ثمرہ، عید ہے رمضان کا انعام، عید ہے رمضان کے درخت کا آخری شگوفہ، درخت نہیں تو شگوفہ کیا، اور پھل کیا اور پھول کیا، اس طریقے سے رمضان اور عید ایک دوسرے سے جڑے ہوئے ہیں جیسے کہ جسم اور روح ایک دوسرے سے جڑی ہوتی ہیں، جس طرح سے کہ پھل اور درخت جو اس کا قدرتی نمودار ارتقا ہے، درخت کیا ہے؟ اور اس کا پھل کیا ہے؟ درخت کی کا خلاصہ پھل کیا ہے؟ درخت کی زندگی کا مظاہرہ، پھل کیا ہے؟ درخت کا نقطہ عروف اور اس کا نقطہ ارتقاء، اگر درخت نہیں اور درخت کی شادابی نہیں اور درخت کی قوت نمو نہیں اور درخت میں فیض اور فائدہ پہونچانے اور کسی کا پیٹ بھرنے اور کسی کو خوش کرنے کی صلاحیت نہیں تو پھل بھی نہیں پیدا ہوگا، تو عید بغیر رمضان بالکل غیر معقول اور غیر قدرتی چیز ہے، یعنی دین کی فطرت کے خلاف ہے، رمضان کی طرف کے خلاف ہے اور انسان کی فطرت سلیم کے خلاف ہے، عید تو رمضان کا صلہ ہے، رمضان کا انعام ہے، رمضان کی عیدی ہے، جیسے آپ بچوں کو عیدی دیتے ہیں، اسی طرح اللہ تعالیٰ نے ہم کو اور آپ کو یہ عیدی دی ہے اس عید کی شکل میں۔

عید مختلف ادوار سے گذری

یہ عید کئی دوروں سے گذری ہے، ایک عید وہ تھی، اصلی عید، جو ہر معنیٰ سے عید تھی، وہ تھی جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں تھی، آپ کی موجودگی سے بڑھ کر عید کا کوئی تحفہ نہیں، اس وقت صحابہ کرامؓ زبان حال سے کہتے ہوں گے، کہ

انبساط عید دیدن روئے تو
عید گاہ ماغریبان کوئے تو

پھر حقیقی عید وہ تھی جب صبح وشام فتوحات کی خبریں آتی تھیں اور اسلام کے قلمرو میں برابر اضافہ ہو رہا تھا اور ہر روز روز عید اور ہر شب شب برأت کا مصداق کوئی دن خالی نہ جاتا تھا کہ مسلمانوں کا ستارہ اقبال کسی نئے افق سے طلوع نہ ہو اس وقت کی عید کیا تھی؟

عید آزاداں شکوہ ملک ودیں

وہ بھی عید تھی اور حقیقی عید تھی، عید کی نماز پڑھنے کیلئے جب مسلمان جاتے تھے تو ایک رمضان ۲۹ یا ۳۰ روزوں ہی کا شکریہ نہیں ادا کرتے تھے بلکہ ان کا دل اللہ تعالیٰ کی حمد اور اس کا ترانہ شکر سے لبریز ہوتا تھا، ان کے ہر بن مو سے الحمد کی صدا آتی تھی، اور جس وقت وہ الحمد للہ کہتے تھے یا عید کا ترانہ اور عید کی تکبیرات پڑھتے تھے یا عید کی حمد وتحلیل بیان کرتے تھے تو اس وقت ان کا دائرہ صرف رمضان تک ہی محدود نہیں ہوتا تھا بلکہ پوری زندگی کو حاوی تھا، زندگی کے ہر شعبے میں ان کو نئی نئی کامیابیاں نظر آتی تھیں، دل مسرتوں سے لبریز، دماغ اعتماد اور بلندی کے احساس سے مخمور، مخمور نہیں تو معمور کم سے کم سینہ ان تمام تمناؤں سے، حوصلہ مندیوں سے، مسرتوں سے، احساسات سے معمور تھا، جو چپ وراست چاروں طرف انہیں گھیرے ہوئے، وہ حقیقی عید تھی، اس کے بعد صدیوں تک عید اسی طرح رہی، اسلام کا قافلہ برابر آگے بڑھ رہا تھا، پہاڑوں کو بھی، ملکوں کو بھی، میدانوں کو بھی، وادیوں کو بھی اور مرغزاروں کو بھی اور بڑے بڑے متمدن ملکوں کو بھی اور اسلام برابر اقدام کی حالت میں تھا، پیش قدمی کی حالت میں تھا اس وقت بھی یہی حالت تھی، کہ عید ازاداں شکوہ ملک ودیں، وہ بغداد کی عید ہو یا دمشق کی عید ہو یا لاہور ودہلی کی عید ہو اس وقت کی عید ان مسرتوں سے بھی ہوئی تھی، اور وہ عید کی نقل نہیں تھی بلکہ

وہ حقیقی عید تھی، اس کے بعد رفتہ رفتہ وہ عید آئی جس کو کہہ سکتے ہیں کہ ''عید محکوماں ہجوم مومنین'' یعنی اب عید کا حاصل یہ رہ گیا ہے کہ مسلمان جتنی تعداد میں عام طور پر نہیں جمع ہوتے اتنی تعداد میں جمع ہو جائیں تو سمجھئے کہ وہ مسلمان کی عید ہے اور زیادہ غلام زیادہ مظلوم، بڑی تعداد میں غلام اور مظلوم اور دکھے ہوئے دل والے، چوٹ کھائے ہوئے، دماغ والے، بیتاب و بے چین روح والے اور صدموں کو اٹھانے والے، ذلتوں کو سہنے والے، اور لوگوں کے طعنے سننے والے، زیادہ تعداد میں جمع ہو جائیں یعنی وہ اگر جمعہ کی نماز میں ہیں تو اس سے کم تعداد میں جمع ہوں گے اور پانچ وقت کی نماز ہے تو اس سے بھی کم تعداد میں جمع ہوں گے، یہ دکھے دل والے جہاں زیادہ تعداد میں جمع ہوں گے، اس کو عید کہہ لیجئے اور جس جگہ پر جمع ہو جائیں اس کو عید گاہ کہہ لیجئے، یہ مظلوم اور یہ ذلت برداشت کرنے والے زیادہ بہتر لباس میں اور زیادہ دھوم دھام کے ساتھ آئیں اس کو عید کا دن سمجھ لیجئے، تو آج ہماری عید وہی ہے عید کی حقیقی خوشی ناپید ہے، لیکن بہرحال ایک چیز تو قیامت تک رہے گی، مسلمان نشیب وفراز سے گذرتے رہیں گے، اس ملت کے لئے اللہ کی طرف سے مقدر رہی ہے، وہ ایک زندہ جاوید ملت ہے، اس کو قیامت تک رہنا ہے، زندگی تبدیلیوں سے بھری ہوئی ہے، اس میں نشیب وفراز آتے رہتے ہیں۔

زندگی تبدیلیوں کا نام ہے

زندگی نام ہی تبدیلیوں کا ہے، تو زندہ رہنے کیلئے تو تبدیلیوں سے گذرنا ناگزیر، وہ زندہ نہیں جو تبدیلیوں سے نہ گذرے، نشیب وفراز سے نہ گذرے، وہ درخت شادات درخت نہیں، جس میں بہار وخزاں نہ آئے، جس میں پت جھڑ نہ ہو جس کی شاخیں نہ چھانٹی جائیں، اس کو کوئی دیوار کا نقش اس کو فن تعمیر کا کوئی نمونہ کہہ لیجئے، اس کو آثار قدیمہ کی کوئی چیز کہہ لیجئے، لیکن درخت اسی کو کہیں گے، کہ جوان تمام مرحلوں سے گذرتا رہے، کبھی بہار آئے تو ایسی بہار آئے کہ اس کی پتی پتی مسکرا رہی ہو، اس کی رگ رگ ہنس رہی ہو اور اس کے چاروں طرف مسرتیں برس رہی ہوں اور خزاں آئے، تو ایسی آئے کہ وہ پورا درخت نوحہ کناں اور مرثیہ خواں ہو، اور اس کو دیکھ کر لوگوں کے آنسو نکل آئیں مگر درخت وہی ہے جو بہار سے بھی گذرے، یہ امت ایک سدا بہار درخت ہے یہ امت کوئی فن تعمیر کا نمونہ نہیں، یہ امت کوئی تاج محل نہیں، یہ امت کوئی قطب

مینار نہیں جو کھڑا ہے تو کھڑا ہے، تاج محل بن گیا تو بن گیا، نہیں یہ ایک درخت ہے اور درخت میں شادابی بھی آتی ہے، اور خشکی بھی آتی ہے، تو امت کے لئے ان تبدیلیوں سے گذرنا ناگزیر ہے، لیکن ایک چیز ہے جو ناقابل تبدیل ہے وہ اس امت کا خدا کے ساتھ تعلق اس امت کا شریعت سے تعلق ہے، فاتح ہو جب بھی روزہ رکھے گی، مفتوح ہو جب بھی روزہ رکھے گی، قلیل ہو جب بھی روزہ رکھے گی، کثیر ہو جب بھی روزہ رکھے گی، اور اگر اس کو فتح ملے گی تو اسی نماز روزہ کے راستہ سے ملے گی، اور اگر ذلت اس کے نصیب میں آئے گی تو اس میں کوتاہی کرنے کے سبب آئے گی، اس لئے یہ تبدیلیاں اس کی خارج میں ہیں لیکن اس کے اندرون میں، ملت کے اندرون میں کوئی تبدیلی نہیں، اس کا تعلق خدا کے ساتھ ہمیشہ قائم رہے گا، جہاں کہیں اور جس خطہ زمین میں ہو نماز پڑھتی ہوئی نظر آئے گی، روزہ رکھتی ہوئی نظر آئے گی، سب نہیں لیکن اس کی اتنی بڑی تعداد جو یہ ثابت کرتی ہے، کہ ابھی دین زندہ ہے اور ابھی قیامت نہیں آئی اور امت نے مجموعی انحراف اور ارتداد کا راستہ اختیار نہیں کیا ہے، آج ہم مرکز اسلام سے اتنی دور جگہ پر بیٹھ کر یہاں جو لوگ ہیں کم سے کم ان کے بارے میں یہی خیال کیا جا سکتا ہے اور کرنا چاہئے کہ ان سب نے روزہ رکھا ہے اور آج وہ عید کا انعام لینے یہاں آئے ہیں۔

باغی اور سرکش نہیں بلکہ گنہگار اور قصوروار

اپنے مالک کے سامنے سر جھکا کر، اپنی کوتاہیوں کا اعتراف کر کے، دوگانہ شکر ادا کر کے وہ زبان ہال اور زبان حال دونوں سے یہ کہہ رہے ہیں، مالک جیسا روزہ رکھنا چاہئے ہم نے ہرگز نہیں رکھا، جیسی نمازیں پڑھنی چاہئیں ہم نے ہرگز نہیں پڑھیں، قبل اس کے کہ ہمارے خلاف گواہیاں گذریں، ہم گواہی دینے کیلئے تیار ہیں اور قسم کھا کھا کر کہنے کے لئے تیار ہیں، ماعبدناک حق عبادتک، ہم سے ہرگز روزہ نہیں رکھا گیا اور قبل اس کے کہ روزہ ہمارے خلاف گواہی دے ہم خود اقراری مجرم ہیں، ہم کہہ رہے ہیں کہ ہم سے کوئی حق ادا نہیں ہو سکا، لیکن تیرا حکم تھا ہم نے کم سے کم اس قانون کو باقی رکھا کم سے کم اس سے بغاوت نہیں کی، ہم مقصر ہیں، ہم گنہگار ہیں، قصوروار ہیں لیکن باغی اور سرکش نہیں، وہ جو کسی نے مثال دی کہ ایک شخص ایک پھٹا، میلا کچیلا اور جگہ جگہ سے پھاڑ دیا گیا ہو، ایسا پھٹا ہوا نوٹ لے کر جاتا ہے، ایک بینک

کاؤنٹر پر جہاں نوٹ بنتے ہیں اور کہتا ہے یہ نوٹ ہمارا خراب ہو گیا ہے، اسے بدل دو، کلرک یہ نہیں پوچھتا کہ تم نے نوٹ کی یہ گت کیوں بنائی بلکہ فوراً نیا نوٹ دے دیتا ہے، لیکن ایک شخص جاتا ہے اور وہ جا کر کھڑے نوٹ لے کر کہتا کہ لیجئے آپ کے نوٹ کی یہ اوقات ہے میری نگاہ میں اور پھاڑ دیتا ہے تو فوراً اسے پکڑ لیا جاتا ہے اور وہ باغی قرار پاتا ہے اور کہا جاتا ہے کہ تم نے حکومت کی توہین کی۔

تو خدایا ہم نوٹ کو پھاڑنے والے نہیں ہم میلا کچیلا نوٹ لے کر آئے ہیں تیرے حضور میں، ہم اس کے متمنی ہیں کہ تو اس میلے کچیلے پھٹے ہوئے نوٹ کی جگہ پر ہمیں ایک صاف نوٹ عطا فرمادے جس سے کہ تیرے بازار آخرت میں ہم سودا خرید سکیں اور وہاں ہم کاروبار کر سکیں اور وہاں سے ہم پار ہو سکیں ''**اولئک یبدل الله سیا تهم حسناتٍ**'' کا کیا مطلب ہے اللہ تعالیٰ یہ نہیں فرماتا کہ ہم تمہارے گناہ معاف فرمادیں گے بلکہ سیات کو حسنات سے بدل دیں گے یہ نہیں کہ سو روپیہ کا نوٹ تم لائے تھے پھٹا ہوا تو کہہ دیا کہ کوئی مواخذہ نہیں، بلکہ ایک نوٹ چھپا ہوا جو ابھی ٹکسال سے نکلا ہے، وہ اس کے ہاتھ میں رکھ دیا جائے گا کہ اب یہ نوٹ ہے اس نوٹ کی جگہ پر **فاولئک یبدل الله الخ**، خدایا ہم ایسا ہی پھٹا ہوا نوٹ کیا نامہ اعمال لے کر آئے ہیں، تو کریم ہے،، تو نکتہ نواز ہے، تو غفور الرحیم ہے ہمارے روزے اور ان کی حقیقت ہم کو بھی معلوم ہے، دنیا کو معلوم ہو یا نہ معلوم ہو، کراما کاتبین کو معلوم ہے، تیرے فرشتوں کو معلوم ہے اور ان کو بھی معلوم ہو نہ ہو، میاں عاشق و معشوق رمزیست، کراماً کاتبین را ہم خبر نیست، ہم گواہی دیتے ہیں کہ ہمارے اعمال ہرگز تیرے سامنے پیش کرنے کے قابل نہیں ہیں، وہ تراویح جس کا ڈنکا بجتا تھا جس کی ہم نے دھوم مچائی تھی اس تراویح کا حال ہم کو معلوم ہے کہ امام شروع کرنے کے بعد اس برابر ہم اس مراقبہ میں رہتے تھے کب ختم کرتا ہے، آج کتنا پڑھے گا اور اللہ کو توفیق دے کہ جلدی ختم کرے، گھنٹہ پر ہمارے کان لگے ہوئے، قرآن کی آواز سے زیادہ گھڑی پر ہمارے کان اور ہماری نگاہیں لگی ہوئیں ہیں کہ جلد ختم ہو یہ تراویح، ہم تیرے حضور میں کیا پیش کریں، اس کے بعد کی جو نمازیں ہیں تو ان کا وجود ہی کتنا ہوا اور اگر ان کا وجود ہوا تو وہ وجود گفتہ ناگفتہ بہ ہیں، وہ وجود عدم وجود سے بدتر، ہم تو کوئی چیز تیرے سامنے پیش نہیں کر سکتے، مگر ہاں ہم وہی قصوروار ہیں، وہی ہم مفلس ہیں، وہی ہم غریب ہیں، جو پھٹا ہوا نوٹ

لے کر اور نوٹ بھی سو کا نہیں بلکہ ایک روپے کا اور اگر اس سے بھی کم کا کوئی سکہ ہوتا تو وہ نوٹ لے کر تیرے حضور آئے ہیں، اب تیرے کریم دربار سے امید ہے کہ تو ہم کو اس کے بجائے ایک اجلا اور ایک چمکدار محمدی ٹکسال سے نکلا ہوا نوٹ اپنی کریم درگاہ سے نکلا ہوا نوٹ تو ہمارے ہاتھ میں رکھ دے گا اور کہے گا کہ آج سے یہ تمہارا نوٹ ہے اس نوٹ کو بھول جاؤ ہم نے بھی محو کر دیا اس کو اور تم بھی اپنے حافظہ سے اس کو یاد محو کر دو، شرمندگی کی بالکل ضرورت نہیں، بس یہی عید کا مطلب ہے تم خدا کے سامنے وہی اپنی نمازیں اور روزے لے کر آئے اور آج ہمیں یہ جرأت ہوئی کہ ہم اس کے سامنے آئیں اور شکر ادا کریں، شکر کس بات کا شکر ہوتا ہے، نعمت کا کیا ہم نے اس نعمت کی قدر کی نہیں اس نے یہ کہا کہ جیسے بھی تم روزے رکھو ہمارا قانون پورا کر دو تم ہے کہ تم عید کے دن آؤ اور پھر وہی حق نہیں بلکہ تم اچھے کپڑے پہن کر آؤ، غسل کر کے آؤ یعنی چاہئے تو یہ تھا کہ غلاموں کی علامتیں لگا کر کے اور سیاہ پوش ہو کر کے ہم آتے کہ ہمارے روزے سیاہ پوش تھے، ہماری نمازیں سیاہ پوش تھیں، ہمارا نامہ اعمال سیاہ پوش تھا تو ہم سیاہ پوش ہو کر آتے۔

کریم کا احسان

لیکن اس کریم نے ہم کو اجازت دی کہ نہیں اچھے کپڑے پہن کر آؤ، عطر و خوشبو لگا کر آؤ، ایک دوسرے کو مبارکباد دو اور آ کر دوگانہ شکر ادا کرو کہ دنیا یہ سمجھے کہ تم سے بہتر کسی نے روزے نہیں رکھے، اور تم سے بہتر نمازیں کسی نے نہیں پڑھیں تو یہ اس کا کرم ہے، محض، ہم تو اس کی چیز کو بگاڑتے ہیں اور وہ ہمیں بناتا ہے، ہم اس کو عیب دار کرتے ہیں، اور وہ ہمیں سنوارتا ہے، ہمارا معاملہ اس کی ہر نعمت کے ساتھ یہی ہے، پھل کھاتے ہیں خراب کر دیتے ہیں کپڑا پہنتے ہیں اور میلا کر دیتے ہیں، لطیف غذائیں ہم کھاتے ہیں اور وہ دیکھنے کے قابل نہیں رہتیں کہ آدمی اس کے پاس سے نہیں گذر سکتا اور اسی سے ملتا جلتا معاملہ ہمارے اس کے احکام اور فرائض اور عبادت کے ساتھ بھی ہے، اس کے باوجود وہ ہمیں رزق دے رہا ہے، وہ ہم پر عنایت کی نگاہیں کر رہا ہے، تو ہم اسی کے حکم سے اور اسی کے دیئے ہوئے حوصلہ سے یہاں آئے ہیں ورنہ ہم کیا اور ہمارا حوصلہ کیا، ہم نے کیا روزے رکھے، کیا نمازیں پڑھیں، لیکن ہم وہی نمازیں لے کر اس کے حضور آئے ہیں اور دو رکعات کا اضافہ کرتے ہیں، اگر ہمیں یہ جواب ملتا غیب سے آواز آتی کہ۔

تو کار زمیں را نکو ساختی
کہ برآسماں نیز پر واختی

تم نے فرض ہی کون سے اچھے پڑھے تھے کہ دوگانہ شکر ادا کرنے آئے ہو، لیکن وہ کریم کہتا ہے فاؤلئک یبدل اللہ سیاتھم حسنات و کان اللہ غفورا رحیما۔

اللہ اکبر اللہ اکبر لاالہ الہ اللہ واللہ اکبر اللہ اکبر وللہ الحمد۔

وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین

دوروزے

جمعۃ الوداع کے موقع پر حضرت مولانا سید ابوالحسن میاں ندوی رحمۃ اللہ کی وہ اہم تقریر جو ۲۳ رمضان المبارک ۱۵ھ کو بعد نماز جمعہ مسجد شاہ علم اللہ تکیہ رائے بریلی ہندوستان میں مجمع کثیر کے سامنے جو مختلف شہروں اور آس پاس کے گاؤں وقصبات سے اکٹھا ہوا تھا فرمائی۔

نحمده ونصلي على رسوله الكريم، اما بعد اليوم اكملت لكم دينكم واتممت عليكم نعمتي ورضيت لكم الاسلام دينا.

روزہ معمولی نعمت نہیں

میرے بھائیو! سب سے پہلے تو آپ کو رمضان المبارک کی سعادت ملنے اور رمضان المبارک میں روزے رکھنے اور اس کام کے لئے توفیق الٰہی پر مبارکباد دیتا ہوں، یہ معمولی نعمت نہیں ہے اس کے لئے اللہ تعالیٰ نے بڑے وعدے فرمائے ہیں اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ سلم نے بڑی بشارتیں سنائی ہیں، آپؐ نے فرمایا'' **من صام رمضان ايماناً واحتساباً غفر له ماتقدم من ذنبه**'' کہ جس نے رمضان کے روزے رکھے اللہ کے وعدوں پر یقین کرتے ہوئے اور اس کے اجر وثواب کی لالچ میں تو اس کے سب پچھلے گناہ و معاف ہو گئے، اور یہ بظاہر آخری جمعہ ہے، جمعۃ الوداع ہے، اس کے بعد جو روزے باقی ہیں، اللہ تعالیٰ ان کو رکھنے کی توفیق مرحمت فرمائے اور شب قدر کی دولت ونعمت بھی عطا فرمائے، ہماری اور آپ کی عاجزانہ دعاؤں کو اللہ تعالیٰ قبول فرمائے جو اس مہینہ میں کی گئیں۔

اب میں آپ کے سامنے بظاہر ایک نئی بات کہنے والا ہوں لیکن وہ نئی بات نہیں ہے، وہ اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم سے ماخوذ ہے، اور قرآن مجید پر مبنی ہے لیکن بہت سے بھائیوں کے لئے نئی ہوگی، اور نئی چیز کی ذرا قدر ہوتی ہے اور اس سے آدمی کا ذہن ذرا تازہ، بیدار اور متوجہ ہو جاتا ہے، وہ یہ کہ'' روزے دو طرح کے ہیں، ایک چھوٹا روزہ اور ایک بڑا روزہ''۔

چھوٹے روزے کی تحقیر نہیں بلکہ صرف زمانی اور وقتی لحاظ سے کہہ رہا ہوں، کہ چھوٹا روزہ کتنا ہی بڑا ہو، ۱۳، ۱۴ گھنٹہ کا روزہ ہوگا، بعض ملکوں میں جہاں دن اس زمانہ میں بڑا ہوتا ہے اس سے کچھ زیادہ، یہ وہ روزہ ہے جو بلوغ پر مسلمان پر فرض ہو جاتا ہے، وہ صبح صادق سے شروع ہوتا ہے اور غروب آفتاب تک قائم رہتا ہے، اس روزہ کا ایک قانونی ضابطہ اور اس کے کچھ شرعی احکام ہیں جو آپ کو معلوم ہیں، آپ جانتے ہیں کہ روزہ میں آدمی کھا پی نہیں سکتا، اور ان تعلقات و معاملات کا لطف نہیں حاصل کر سکتا، جن کی اور دنوں میں اجازت ہے یہ روزہ ۲۹ دن کا ہو یا ۳۰ دن کا ہو اس میں محدود پابندیاں ہیں، رمضان کے اس روزے سے لوگ واقف اور اس کے قوانین واحکام پر عامل ہیں۔ میں چاہتا ہوں کہ آپ غور کریں کہ اس روزے کے علاوہ اور کونسا روزہ ہے جو اپنے وقت اور رقبہ میں اس سے بڑا ہے، گرمی کے روزے اور بڑے ہوتے ہیں اور اس روزے کے علاوہ اور کونسا بڑا روزہ ہوگا، کیا شش عید روزہ بتانے والا ہوں، یا پندرہویں شعبان کا؟ کونسان روز بتانے والا ہوں۔

اسلام خود ایک روزہ ہے

بڑا روزہ ہے اسلام کا روزہ، اسلام خود ایک روزہ ہے اور یہ سب روزے اور عیدین بھی بلکہ روزہ، نماز یہاں تک جنت بھی جو اللہ تعالی عطا فرمائے گا وہ سب اس کے طفیل ہی ہے، اصل بڑا روزہ اسلام کا روزہ ہے، وہ کب ختم ہوتا ہے، کب شروع ہوتا ہے، یہ بھی سن لیجئے۔

جو خوش قسمت انسان مسلمان گھر میں پیدا ہوا، اور وہ شروع سے کلمہ گو ہے، اس پر بلوغ کے بعد ہی یہ طویل و مسلسل روزہ فرض ہو جاتا ہے اور جو اسلام لائے کلمہ پڑھے یہ روزہ اس پر اسلام قبول کرنے کے وقت سے شروع ہوتا ہے۔

اور یہ روزہ کب ختم ہوگا، یہ بھی سن لیجئے، رمضان کا روزہ اور نفلی روزہ تو غروب آفتاب پر ختم ہو جاتا ہے، مگر اسلام کا یہ روزہ تو آفتاب عمر کے غروب ہونے پر ختم ہوتا ہے۔

رمضان کا روزہ و نفلی روزہ کا افطار کیا ہے، آپ عمدہ سے عمدہ مشروب اور لذیذ سے لذیذ غذا سے افطار کر سکتے ہیں اور، زیادہ مشروبات اور ماکولات کا نام سن کر آپ کے منہ میں پانی آ جائے گا اور شوق پیدا ہو جائے گا اس لئے میں ان کا نام نہیں لیتا، وہ روزہ زمزم سے کھلتا ہے، یا دوسرے

مشروبات سے یا کھجور وغیرہ سے کھلتا ہے، اور زندگی کا یہ طویل و مسلسل روزہ کس سے کھلے گا، حضرت محمد رسول اللہ ﷺ محبوب رب العالمین شفیع المذنبین سید المرسلین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دست مبارک سے جام طہور، جام کوثر سے کھلے گا، اگر وہ روزہ پکا ہے اور اگر اس روزے کے آپ نے شرائط پورے کر دیئے ہیں اور محض اللہ تعالی کی توفیق اور اس کے فضل سے ہم دنیا سے کلمہ پڑھتے گئے، ہماری روح اس حال میں نکلی کہ ہماری زبان پر کلمہ تھا اور ہم'' **لا الہ الااللہ محمد رسول اللہ** '' کہہ رہے تھے اور ہمارے دل میں نور ایمان تھا ہمارے دماغ میں اللہ سے ملاقات اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کا شرف حاصل کرنے کا شوق تھا، تو وہ روزہ اس وقت ختم ہوتا ہے، اس کا افطار کیا ہے، اس کی ضیافت کیا ہے؟ وہ ہے جس ضیافت پر آدمی اپنی جان دے دے اور اللہ کے بندوں نے جان دی ہے، اللہ کے سینکڑوں اور ہزاروں لاکھوں آدمیوں نے اس شوق میں جان دی ہے، کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا دیدار نصیب ہو، اللہ کے رسولؐ کے سامنے ہم جب ہوں تو وہ ہم سے خوش ہوں، راضی ہوں، جہاد کے واقعات، غزوات اور جنگوں کے واقعات پڑھیے، لوگوں نے خوشی خوشی جانیں دیں، بلکہ ایسا شوق تھا کہ ایک بچہ احد کی جنگ کے موقع پر آیا اس نے کہا کہ یا رسول اللہ مجھے بھی جہاد کرنے کی اجازت دیجیے، حضور صلی اللہ علیہ سلم نے فرمایا، ابھی تم چھوٹے ہو، اس نے کہا نہیں چھوٹا نہیں، میں لڑ سکتا ہوں، اس نے بڑی خوشامد کی، کسی نے سفارش بھی کی، تو آپ نے اجازت دے دی، دوسرے صاحبزادے آئے جو ذرا چھوٹے تھے، کہنے لگے آپ نے انھیں اجازت دی تھی، مجھے بھی اجازت دے دیجیے، آپؐ نے فرمایا تم ابھی بچے ہو، اس نے عرض کیا، کہ آپ ہماری کشتی کرا کر دیکھ لیجیے میں اس کو پچھاڑ دوں تو مجھ کو اجازت دے دیجیے، یہ بچوں کا شوق تھا، کشتی ہوئی، اس نے واقعی پچھاڑ دیا، اور آپؐ نے ان کو بھی اجازت دین دی، اور وہ شہید بھی ہوئے، اور ابو جہل کو دیکھ کر دونوں بھائیوں نے حضرت عبد الرحمان بن عوف سے کہا کہ ہمیں ابو جہل کو دکھائیے، ہم نے سنا ہے کہ اس نے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں گستاخی کی ہے، میں یہ شرف حاصل کرنا چاہتا ہوں، ابو جہل کے بتانے پر دونوں لپک پڑے اور اس کا کام تمام کر دیا۔

اس چھوٹے روزہ کا حکم اور اس کی پابندیاں سب کو معلوم ہیں، سب روزہ دار کھانے پینے سے اور ان تمام چیزوں سے بچتے ہیں، جو ممنوع ہیں، لیکن اس بڑے روزہ کا خیال بہت کم لوگوں کو

ہے، حالانکہ یہ روز ہم لوگوں کو اس بڑے روزہ کے طفیل ہی ملا ہے، اس بڑے روزہ کی برکت سے ملا ہے، یوں سمجھئے کہ اس بڑے روزہ کے انعام میں ملا ہے اور عید بھی اسی روزے کے طفیل میں ملی ہے اگر اسلام نہ ہوتا تو نہ نماز ہوتی، نہ روزہ ہوتا، اور دیکھئے جہاں اسلام نہیں وہاں نہ نماز ہے نہ روزہ، نہ کلمہ ہے نہ اللہ پر یقین ہے نہ اس کے واحد ہونے کا یقین ہے، نہ حشر کا، کا روز قیامت کا، نہ مرنے کے بعد دوبارہ زندہ ہونے کا، یہ سب دولت ایمان ہم کو اسلام کے طفیل ملی ہے، ہم گنا بھی نہیں سکتے کہ کیا کیا دولتیں ہم کو ملی ہیں، یہ سب اسلام کے طفیل میں ملی ہے، عزت ملی ہے طاقت ملی ہے، روحانیت ملی ہے، اور مرنے کے بعد قیامت میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے جنت ملے گی، اس کا پوچھنا ہی کیا'' **ومالا عين رأت ولا اذن سمعت ولا خطر على قلب بشر** '' نہ کسی آنکھ نے دیکھا، نہ کسی کان نے سنا اور نہ کسی دل میں اس کا خیال گزرا، تو اس (طویل ومسلسل) روزے کا لوگوں کو کم خیال آتا ہے، اب ہم آپ کو بتاتے ہیں معلوم نہیں پھر کبھی ہماری آپ کی ملاقات ہو یا نہ ہو اور ہمیں کچھ کہنے سننے کا موقع ملے یا نہ ملے، بڑے کام کی بات آپ سے کہہ رہا ہوں، کہ اس روزہ (رمضان کے روزہ یا نفلی) میں پانی پینے سے روزہ ٹوٹ جاتا ہے، کھانا کھانے سے روزہ ٹوٹ جاتا ہے، یہ روزہ ٹوٹ جائے تو ساٹھ روزے رکھنے چاہئیں، تب ان کی قضا ہوگی، لیکن وہ روزہ جو اسلام کا روزہ ہے، اس کا بہت کم لوگوں کو خیال ہے، ہم بتاتے ہیں کہ اس میں کیا کیا چیزیں منع ہیں، اس میں کھانے پینے کی محدود چیزیں جو حرام ہیں منع ہیں، اس میں شرک منع ہے، سب سے بدتر چیز جو اللہ کو ناپسند ہے وہ یہ ہے، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے، '' **ان الله يغفر أن يشرك به ويغفر مادون ذلك لمن يشاء** '' قرآن مجید میں صاف آتا ہے کہ اللہ تعالیٰ شرک کو معاف نہیں فرمائے گا۔ باقی جس کو چاہے گا معاف کردے گا۔

شرک کیا ہے آپ سن لیجئے، اس کو سب برا سمجھتے ہیں آپ بھی برا سمجھتے ہوں گے عقیدہ یہ جو ہے کہ یہ خیال کرے کہ کارخانہ عالم اللہ کا بنایا ہوا ہے اور وہی چلا رہا ہے، '' **الاله الخلق والامر** '' اسی کا کام ہے پیدا کرنا، اسی کا کام ہے چلانا، اس کو مانتے ہیں کہ خالق ارض وسموات اور کائنات چلانے والا تو اللہ تعالیٰ ہی ہے لیکن چلانے کے بارے میں بہت سے بھائی ایسے ہیں جن کے دل میں کبھی ان کے دماغ میں یہ بات پورے طور سے جذب نہیں ہوتی ہے، اس نے اپنی جگہ نہیں بنائی ہے، وہ ایسا سمجھتے ہیں کہ کارخانہ عالم تو اللہ نے بنایا، **کن فیکون**، کہہ دیا

بس بن گئی، لیکن چلانے میں دوسری ہستیاں شریک ہیں، جیسے کوئی بادشاہ اپنی مرضی سے کوئی کام کسی کے سپرد کردے کوئی بات کسی کے ذمہ کردے، بھائی تم خیرات بانٹا کرو، تم دیکھو کھانے پینے کا خیال رکھنا، غلہ پہنچادو، کچھ پہنچادو جس کی ضرورت ہو، کوئی بیمار ہو اس کو شفا دے دو، کسی کے اولاد نہیں ہے، اس کو اولاد عطا کردو، کوئی کسی مصیبت میں گرفتار ہے، اس کی خلاصی کردو کسی کا مقدمہ جتادو وغیرہ وغیرہ۔

اگر اللہ تعالیٰ نے اپنے مقبول بندوں کے ذمہ کچھ کارخانہ کردیئے ہیں تو اس میں اللہ کی شان کے خلاف کوئی بات نہ ہوگی، ان کی قبولیت اور بزرگی کی وجہ سے اور اپنے ارادہ سے سپرد کیا ہے اور جب چاہے گا لے لے گا۔

لیکن ایسا نہیں، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے، میرا ہی کام ہے پیدا کرنا، اور میرا ہی کام ہے چلانا اور حکم دینا ”**الا الہ الخلق والامر**“۔

یہ دنیا تاج محل نہیں

یہ دنیا تاج محل نہیں ہے کہ شاہجہان بنا کر چلے گئے، اب اس کے بعد کوئی چاہے دیوار پر کچھ لکھ دے، دھبہ لگادے، کھونچا لگادے، کوئی حصہ توڑ دے، وہ کچھ نہیں کر سکتے، ان کے بس میں کچھ نہیں اور شاہجہان کیا خواہ بڑے سے بڑا بادشاہ اور حکمران ہو۔

لیکن وہ کارخانہ یعنی کارخانہ عالم پورے طور سے اسی کے قبضہ اور اختیار میں ہے، وہی خلاق کائنات ہے، ہر چیز کا پیدا کرنے والا اور وجود بخشنے والا ہے، اور وہی حکمراں، سیاہ سپید کرنے والا، جلانے مارنے والا، روزی اور اولاد دینے کے والا” ” انما أمرہ اذا أراد شیأ أن یقول لہ کن فیکون “ اولاد دینا، روزی دینا، قسمت اچھی بری کرنا، ہرانا جتانا اور کسی کو عزت دینا، کسی آئی ہوئی بلا کو ٹال دینا، یہ سب اللہ کے قبضہ میں ہے اور ہمیشہ سے ہمیشہ رہے گا، اس دنیا کا ایک پتہ بھی اور ایک ذرہ بھی اس کے حکم کے بغیر ہل نہیں سکتا، پوری باگ دوڑ عنان حکومت اور کنجی اس کے ہاتھ میں ہے۔

ایک بات تو یہ ہے کہ توحید کامل ہونی چاہئے، اولاد وہی دے سکتا ہے، روزی وہی دے سکتا ہے، عزت وہی دے سکتا ہے، جلانا مارنا اسی کا کام ہے، یہ نہ کسی ولی کے قبضہ میں ہے نہ کسی

قطب کے قبضہ میں ہے، نہ کسی غوث کے قبضہ میں ہے، نہ کسی ابدال کے قبضہ میں میں، ایک بات یہاں سے یہ لے کر جایئے اور یہ وہ جگہ ہے[1]، جہاں خاص طور پر اس چیز کی دعوت دی گئی اور پورے ہندوستان میں پہونچی، پہلے عقیدۂ توحید ہو جانچئے کہ آپ اللہ ہی کو مسبب الاسباب سمجھتے ہیں اور خالق و رزاق سمجھتے ہیں۔

ایک بات تو یہ اور اس کے بعد دوسری بات قیامت کا یقین و آخرت کا یقین ہے اور اس کے بعد حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو آخری پیغمبر ماننا، خاتم النبیین، سید المرسلین، شفیع المذنبین محبوب رب العالمین ماننا، اور یہ ماننا کہ شریعت انہی کی چل رہی ہے اور قیامت تک چلے گی، اور آخرت میں کام آئے گی، قیامت تک اور کسی کی شریعت نہیں چلے گی، اگر کوئی آپؐ کے بعد نئی شریعت لے کر آئے تو وہ کذاب اور دجال ہے، ملحد ہے، دین کا باغی ہے، اور واجب القتل ہے، شریعت شریعت محمدی ہے اور وہی قیامت تک چلے گی اور ہر جگہ چلے گی اور اس پر جو چلے گا وہی فلاح یاب ہوگا اور سرخرو ہوگا۔

آپؐ حبیب خدا ہیں، جو آپؐ سے محبت کرے خدا اس سے محبت کرتا ہے اور آپؐ نے فرمایا ''لایومن احد کم حتی أکون احب الیہ من والدہ وولدہ والناس اجمعین'' یہ مرتبہ اور کسی بزرگ، ولی کیا چیز، کسی نبی اور رسول کو بھی نہیں ملا، یہ مرتبہ خدا نے آپ کے لئے رکھا تھا، ایک تو یہ کہ آپ پر ایمان بھی ہو، عقیدہ بھی ہو، محبت بھی، اور شفاعت کا شوق بھی ہو اور اہتمام کے ساتھ ساتھ یہ کہ آپ میں شریعت پر چلنے کا اہتمام بھی ہو، کہ آپ پوچھیں آپ کے اندر جذبہ اور جستجو اس بات کی پیدا ہو۔

کہ مسئلہ بتائے اور اہل علم وفضل کے پاس جایئے، لیکن افسوس ہے کہ مسلمان میں یہ بات پورے طور پر نہیں ہے، شادی بیاہ کس طریقہ پر ہو، حضور صلعم اور صحابہؓ کا کیا طریقہ کار تھا، خوشی کا اظہار اور غم کا اظہار بھی شریعت وسنت کے مطابق ہونا چاہئے ماتم گانا، بجانا، یہ تزک واحتشام دھوم دھام اور شادیوں میں وہ سب کام کرنا، چاہے سود لے کر اور زمینیں بیچ کر، رشوت لے کر ہو، بس جس سے نام ہو، ہماری حیثیت عرفی بلند ہو، لوگوں میں اونچے سمجھے جائیں اور یہ

---

(۱) دائرہ شاہ علم اللہ کی مسجد جو حضرت سید احمد شہید کی دعوت توحید وجہاد کا سب سے پہلے مرکز بنی، اور وہیں سے سارے ہندوستان میں یہ دعوت پھیلی۔

جہیز کا مطالبہ اور نہ دینے پر نازیبا سلوک، کہ گردن شرم سے جھک جائے، کیسی بری بات ہے یہ سب شریعت کے خلاف ہے، اللہ کو ناپسند ہے، سب میں ہم پابند ہیں نہیں شریعت کے، صرف نماز وروزہ میں ہی پابند نہیں، ہیں بلکہ زندگی کے تمام شعبوں میں پابند ہیں، ہر چیز میں ہمارے لئے نمونہ اسوۂ رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہے، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے "قل ان کنتم تحبون اللہ فاتبعونی یحببکم اللہ"۔

(اے پیغمبر لوگوں سے) کہہ دو کہ اگر تم خدا کو دوست رکھتے ہو تو میری پیروی کرو، خدا بھی تمہیں دوست رکھے گا۔

اپنی زندگی پر شریعت نافذ کیجئے

تو ایک بات یہ ہے کہ شریعت اسلامی پر عمل ہو اور شریعت کو آپ سمجھیں، کہ وہ پوری زندگی میں نافذ ہے، پوری زندگی پر اس کا سایہ ہے، پوری زندگی اس کے ماتحت ہونی چاہئے، یہ نہیں کہ بس نماز وروزہ شریعت کے مطابق ہوں، اس کے لئے مسئلہ پوچھیں، اور نکاح وطلاق تجارت اور کاروبار میں آزاد ہیں، لاٹری بھی چل رہی ہے، جوا بھی چل رہا ہے، ٹیلی ویژن بھی دن رات چل رہا ہے (جو لہو الحدیث کی بہتر تشریح ہے) اسراف اور فضول خرچی بھی چل رہی ہے، نمود ونمائش بھی جاری ہے، ہمسایہ قوم کی نقالی بھی چل رہی ہے۔

ایک بات تو یہ ہے کہ اس کے بعد روزہ میں جیسے غیبت منع ہے ایسے ہی اس روزہ میں بھی غیبت منع ہے، اسی طرح جھوٹ بولنا، فحش بکنا، رشوت لینا اور رشوت دینا، سودخوری اسراف اور فضول خرچی ممنوع ہے، تو آپ یہ سمجھ کر جائیں کہ یہ روزہ تو انشاء اللہ اب ۵۔۶ دن باقی ہیں اگلے جمعہ کو شاید عید ہو جائے یا اس کے بعد ہو، اگر ۳۰ کا رمضان ہوا، اس کے بعد ہم آزاد ہیں ہرگز نہیں، ہم آزاد نہیں ہیں، وہ روزہ برابر چلتا رہے گا، وہ روزہ ابھی بھی ہے، بلکہ وہ اس روزہ پر بھی سایہ فگن ہے، اور یہ روزہ اس روزہ کا جزو ہے، جو آپ رکھ رہے ہیں، وہ روزہ چلتا رہے گا، یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ محض اپنے فضل وکرم سے ہمارا خاتمہ ایمان پر فرمائے۔

سب سے بڑی چیز اور تمنا کرنے کی ہے بلکہ جس کے لئے جان کی بازی لگا دینا اور جس کے لیے جان فدا کر دینا جسے کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ سب کچھ ہے، ہماری آزادی، غریبی، مفلسی، دوستی، دشمنی، کامیابی اور ناکامی، یہ سب گذر جائے گی، بس خاتمہ ایمان پر فرمائے، اولیاء اللہ کو

اس کی بڑی فکر تھی، ان کے حالات پڑھئے، جن کا نام لینے سے ایمان تازہ ہوتا ہے، ان کو یہ فکر ہوتی تھی بلکہ دوسروں سے دعا کراتے تھے، کہ خاتمہ بخیر ہو، سب کے دل سے یہ لگی ہوئی تھی، اور اللہ تعالیٰ نے خاتمہ بخیر فرمایا ان کا ذکر خیر باقی رکھا۔

ایک بات یہ بھی ہے کہ یہاں سے رمضان ختم ہونے کے بعد آپ یہ نہ سمجھیں کہ چھٹی ہو گئی اب ہم آزاد ہیں جو چاہیں کریں ہرگز ایسا نہیں، آپ آزاد بالکل نہیں ہیں، آپ کے گلے میں اسلام کا طوق پڑا ہوا ہے، آپ کی تختی آپ کے شناختی کارڈ پر لکھا ہے کہ آپ مسلمان ہیں اللہ تعالیٰ کے یہاں اس روزہ کا حساب ہوگا، اور اس روزہ کا بھی حساب وکتاب ہوگا، ہم نے آپ کے سامنے آیت پڑھی، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے، "**الیوم اکملت لکھم دینکم واتممت علیکم نعمتی ورضیت لکم الاسلام دینا**" میں نے تمھارے لیے تمھارا دین مکمل کردیا، چاہے کوئی تبدیلی لانا چاہے، سلطنت کہے، بادشاہ کہے، کہ ایسا کرو اور وہ کرنا چاہے، بڑے سے بڑا مسلمان اور علم کا دعوا کرنے والا کہے، چھوٹے کو نہیں جو چیز حرام ہے قیامت تک حرام رہے گی، دنیا میں کسی کو اجازت یہ نہیں اور نہ اس کے لئے مجال ہے کہ اس میں ترمیم کرے، شریعت میں اب کوئی ترمیم نہیں ہوسکتی، وہ چیزیں جو حرام ہیں حرام ہی رہیں گی۔

یہاں سے آپ ارادہ کر کے جایئے کہ اگر کسی کی جائیداد آپ کے قبضہ میں ہے اور آپ کی نہیں ہے تو اس روزہ کا تقاضا ہے کہ آپ اس جائداد کو چھوڑ دیں، اللہ تعالیٰ اس پر بڑا خوش ہوگا، آپ اللہ کے خوف سے ایسا کریں اور کہیں کہ لو اپنی جائداد، اپنا ترکہ یہ تمھیں مبارک ہو، اب ہم نے توبہ کی ہے تم جھوٹ بولنا، جھوٹی گواہی دینا، دل آزاری کرنا، گالی بکنا، ناجائز، حرام ذرائع آمدنی، رشوت وغیرہ جن سے پیسے ملتے ہیں، حرام ہیں، اور قیامت تک ناجائز ہی رہیں گی، اسی طرح سود ہے کہ بعض لوگ اس دور پرفتن میں اس کے جواز کی شکلیں نکال رہے ہیں کس قدر افسوسناک بات ہے جس چیز کو شریعت ودین نے حرام قرار دے دیا، قیامت تک حرام رہی رہے گی۔

کوشش یہ کیجئے کہ آپ کا روزہ صحیح طریقہ پر اس کا افطار ہو، شاہ غلام علی صاحب مجددی دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نقشبندیہ مجددیہ سلسلہ کے کبار مشائخ میں تھے، نواب میر خاں نے جوان کے مرید تھے، ارادہ کیا، جب انھوں نے سنا کہ حضرت کے یہاں پانچ پانچ سو آدمی رہتے ہیں اور کھانا کھاتے ہیں اور آپ ہی کو ان کی ضروریات پوری کرنا پڑتی ہیں، کوئی آمدنی نہیں، کوئی

جاندادنہیں تو انھوں نے ایک بڑی رقم پیش کرنی چاہی اور کہا کہ حضرت اس کو قبول فرمائیں، فرمایا کہ فقیر نے روزہ رکھا تھا اور جب آفتاب ڈوبنے لگے تو کوئی روزہ نہیں توڑتا، اب میرا آفتاب عمر ڈوبنے کے قریب ہے، اب کوئی جتنا کہے کہ یہ چیزیں لے لو، یہ دوا کھالو، میں روزہ نہیں کھولوں گا، کہ تمام دن روزہ رکھا اور اب جب افطار کا وقت قریب ہے تو توڑ دوں۔

ہر شخص کو یہ سمجھنا چاہئے کہ یہ اسلام کا روزہ ہے، ساری عمر کا روزہ ہے، کبھی نہیں ٹوٹ سکتا، جو چیزیں حرام ہیں، حرام ہیں، غلط ہیں، عقیدہ خالص ہونا چاہئے، سمجھ لیجئے، نہ کوئی قسمت بری بھلی بنا سکتا ہے، نہ کوئی آئی ہوئی بلا کو ٹال سکتا ہے، نہ اولاد دے سکتا ہے، نہ نوکری دلا سکتا ہے کہ آپ کسی اور سے مانگیں جو کچھ مانگنا ہو، اسی سے مانگیں جو سمیع ومجیب ہے، وہ فرماتا ہے۔ ''**واذا سئالک عبادی عنی فانی قریب اجیب دعوۃ الداع اذادعان فلیس تجیبوالی ولیؤ منوابی لعلهم یرشدون**'' خداتعالی فرماتا ہے اپنے رسول صلعم سے کہ بندہ تجھ سے میرے بارے میں پوچھے، تو کہہ دیجئے کہ میں قریب ہوں دعا کرنے والے کی دعا قبول کرتا ہوں، جب وہ دعا کرے۔

بس آپ یہاں سے بڑے روزے کا خیال لے کر جائیے، خوش ہوئیے، اللہ کا شکر ادا کیجئے، یہ روزہ تو ختم ہو رہا ہے، اللہ تبارک وتعالی اور رمضان نصیب کرے، مگر زندگی کا کوئی اعتبار نہیں، صحت کا اعتبار نہیں، ہاں وہ مسلسل وطویل روزہ رہے گا، وہ روزہ مبارک ہو، اس روزہ کا خیال رکھئے وہ روزہ نہ توڑیئے گا، وہ روزہ اگر ٹوٹا تو سب کچھ ٹوٹ گیا، سب کچھ بگڑ گیا، بس یہی دو روزے ہیں، ایک روزہ ہے قریب المعیاد، وہ ہے رمضان کا روزہ اور دن بھر کا روزہ ہے، ایک روزہ وہ ہے، جو زندگی کے ساتھ رہے گا، اور مسلمان کے لئے جب سے وہ بالغ ہوا، اس دن تک جب تک سانس اور جان میں جان ہے اور وہ شخص جس نے اسلام قبول کیا اس کا بھی جب تک بدن مین اس کے جان اور روح ہے، اس وقت تک باقی ہے۔

اللہ تعالی ہمیں اور آپ کو توفیق دے کہ ہم اس روزے کو برقرار رکھیں اور اس روزے پر جئیں اور مریں۔

رب توفنا مسلمین والحقنا بالصالحین
واخر دعوانا أن الحمد لله رب العالمین۔

معاشرہ پر روزہ کے اثرات

الحمد لله نحمده و نستعينه و نستغفره و نو من به و نتوكل عليه و نعوذ بالله من شرر انفسنا و من سيأت اعمالنا من يهده الله فلا مضل له و من يضل الله فلا هادى له ونشهد ان لا اله الا الله وحده لاشريک له و نشهد ان سيد نا ومولانا محمدا عبده و رسوله صلى الله تعالى عليه و على آله واصحابه اجمعين اما بعد فاعوذ بالله من الشيطان الرجيم بسم الله الرحمن الرحيم۔

روزہ کی خصوصیات اور اس کے فضائل و احکام

اسلام نے روزہ کا جو نقشہ پیش کیا ہے، وہ قوانین و مقاصد دونوں کے لحاظ سے مکمل ہے، فائدہ کا سب سے زیادہ ضامن ہے وہ اس عزیز و علیم اور حکیم و خبیر خدا کی حکمت و مشیت پوری طرح جلوہ فگن ہے۔

الایعلم من خلق وھو اللطیف الخبیرہ

کیا وہی آگاہ نہ ہوگا جس نے پیدا کیا ہے؟ وہ تو (بڑا ہی) باریک بیں اور (پورا) باخبر ہے۔

اس نے پورا مہینہ (اور یہ رمضان کا وہ مہینہ جس میں قرآن نازل ہوا، مسلسل مہینہ بھر کے روزوں کے لئے مخصوص کیا ہے، جس ایک دنوں میں روزہ رکھنے کا حکم ہے اور راتوں کو کھانے پینے کی اجازت ہے اس وقت عربوں میں روزہ کا مفہوم یہی تھا، اور اسلام کی عالمی شریعت میں بھی اسی کا اعتبار اور اسی پر عمل ہے۔

حضرت شاہ ولی اللہ صاحب لکھتے ہیں:

"(روزہ میں) دن کا دائرہ طلوع صبح صادق سے لے کر غروب آفتاب تک ہے، اس لئے کہ عربوں کا حساب اور ان کے دن کی مقدار اسی بنیاد پر ہے اور عاشورا کے روزہ میں ان کے یہاں یہی بات معروف و مسلم تھی، مہینہ کا آغاز رویت ہلال سے ہے کہ اور رویت ہلال

تک ہے، اس لئے کہ عربوں کا حساب شمسی مہینوں پر نہیں چلتا''۔

رمضان کو روزہ کے ساتھ کیوں مخصوص کیا گیا؟

اللہ تعالیٰ نے روزے رمضان میں فرض کئے ہیں اور دونوں کو ایک دوسرے کے ساتھ لازم ملزوم قرار دیا ہے اور حقیقت یہ ہے کہ ان دو برکتوں میں سعادتوں کا اجتماع بڑی حکمت اور اہمیت کا حامل ہے اور اس کی سب سے بڑی وجہ یہ ہے کہ رمضان ہی وہ مہینہ ہے جس میں قرآن مجید نازل ہوا، اور گم کردہ راہ انسانیت کو صبح صادق نصیب ہوئی اس لئے یہ عین مناسب تھا کہ جس طرح طلوع صبح صادق روز کے آغاز کے ساتھ مربوط کردی گئی ہے، اسی طرح اس مہینہ کو بھی جس میں ایک طویل اور تاریک رات کے بعد پوری انسانیت کی صبح ہوئی، پورے مہینہ کے روزوں کے ساتھ مخصوص کردیا جائے، خاص طور پر اس وقت جب کہ اپنی رحمت و برکت، روحانیت اور نسبت باطنی کے لحاظ سے بھی یہ مہینہ تمام مہینوں سے افضل تھا اور بجا طور پر اس کا مستحق تھا کہ اس کے دنوں کو روزے سے اور راتوں کو عبادت سے آراستہ کیا جائے۔

روزہ اور قرآن کے درمیان بہت گہرا تعلق اور خصوصی مناسبت ہے اور اسی لئے حضور صلی اللہ علیہ وعلیہ وسلم رمضان میں تلاوت کا زیادہ سے زیادہ اہتمام فرماتے تھے، ابن عباسؓ راوی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سب سے زیادہ سخی تھے، لیکن رمضان میں جب جبرئیل آپ سے ملنے آتے ہیں اس زمانہ میں سخاوت کا معمول اور بڑھ جاتا، جبرئیل رمضان کی ہر رات میں آپ کے پاس آتے اور قرآن مجید کا دور کرتے، اس وقت جب جبرئیل آپ سے ملتے، آپ سخاوت، داد و دہش اور نیکی کے کاموں میں تیز ہوا سے بھی تیز نظر آتے۔

حضرت مجدد الف ثانی اپنے ایک مکتوب میں تحریر فرماتے ہیں:

''اس مہینہ کو قرآن مجید کے ساتھ بہت خاص مناسبت ہے اور اسی مناسب کی وجہ سے قرآن مجید اسی مہینہ میں نازل کیا گیا ہے۔ یہ مہینہ ہر قسم کی خیر و برکت کا جامع ہے آدمی کو سال بھر میں مجموعی طور پر جتنی برکتیں حاصل ہوتی ہیں وہ اس مہینہ کے سامنے اس طرح ہیں جس طرح سمندر کے مقابلہ میں ایک قطرہ اس مہینہ میں جمعیت باطنی کا حصول پورے سال جمعیت باطنی کے لئے کافی ہوتا ہے اور اس میں انتشار اور پریشان خاطری بقیہ تمام

دنوں بلکہ پورے سال کو اپنی لپیٹ میں لے لیتی ہے، قابل مبارک باد ہیں، وہ لوگ جن سے یہ مہینہ راضی ہو کر گیا اور ناکام و بدنصیب ہیں وہ جو اس کو ناراض کر کے ہر قسم کی خیر و برکت سے محروم ہو گئے"۔

ایک دوسرے مکتوب میں فرماتے ہیں:

"اگر اس مہینہ میں کسی آدمی کو اعمال صالحہ کی توفیق مل جائے تو پورے سال یہ توفیق اس کے شامل حال رہے گی اور اگر یہ مہینہ بے دلی فکر و تردد اور انتشار کے ساتھ گزرے تو پورا سال اسی حال میں گزرنے کا اندیشہ ہے"۔

حضرت ابو ہریرۃؓ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا کہ جب رمضان آتا ہے تو جنت کے دروازے کھول دیئے جاتے ہیں، جہنم کے دروازے بند کر دیئے جاتے ہیں اور شیاطین کو پابہ زنجیر کر دیا جاتا ہے، اس سلسلہ کی احادیث بکثرت وارد ہوئی ہیں۔

عبادات کا عالمی موسم اور اعمال صالحہ کا جشن عام

ان تمام چیزوں نے رمضان کو عبادت، ذکر تلاوت اور زہد و تقویٰ کا ایک ایسا عالمی موسم اور جشن عام کا زمانہ بنا دیا ہے، جس میں مشرق و مغرب کے تمام مسلمان عالم و جاہل، امیر و فقیر، کم ہمت اور عالی حوصلہ ہر قسم اور ہر گروہ کے لوگ ایک دوسرے کے شریک و رفیق اور ہمدم و دمساز نظر آتے ہیں، یہ رمضان ایک ہی وقت میں ہر شہر ہر گاؤں اور ہر دیہات میں ہوتا ہے، امیر کے محل اور غریب کی جھونپڑی دونوں میں اس کا جلوہ نظر آتا ہے، اس کا نتیجہ یہ ہے کہ نہ کوئی شخص خود سری اور خود آرائی کرتا ہے نہ روزے کے لئے دونوں کے انتخاب میں کوئی انتشار اور جھگڑا پیدا ہوتا ہے، ہر وہ شخص جس کو اللہ تعالیٰ نے دو آنکھیں عطا کی ہیں، عالم اسلام کے طویل و عریض رقبہ میں ہر جگہ اس کے جلال و جمال کا مشاہدہ خود کر سکتا ہے، ایسا معلوم ہوتا ہے کہ پورے اسلامی معاشرہ پر نورانیت اور سکینت کا ایک وسیع شاہانہ سایہ فگن ہے جو لوگ روزہ کے معاملہ میں ذرا سست اور کاہل ہیں وہ بھی عامۃ المسلمین سے علیحدگی کے ڈر سے روزہ رکھنے پر مجبور ہوتے ہیں، اور اگر کسی وجہ سے روزہ نہیں رکھتے تو چھپ کر اور شرم کے ساتھ کھاتے ہیں، سوائے ان چند ملحد اور فساق کے جن کو علانیہ بھی اس بے شرمی میں کوئی عار نہیں ہوتا، یا ان

بیماروں اور مسافروں کے جو شرعاً معذور ہیں، یہ ایک اجتماعی اور عالمی روزہ ہے، جس سے خود بخود ایک ایسی سازگار اور خوشگوار فضا پیدا ہوتی ہے، جس میں روزہ آسان معلوم ہوتا ہے، دل نرم پڑ جاتے ہیں اور لوگ عبادتوں میں طاعتوں اور ہمدردی و غمخواری کے مختلف کاموں کی طرف متوجہ ہو جاتے ہیں۔

عالمی فضا اور سوسائٹی پر اس کے اثرات

حضرت شاہ ولی اللہ صاحب کی چشم بصیرت نے اس کیفیت کو اچھی طرح محسوس کیا تھا وہ حدیث "اذا دخل رمضان فتحت ابواب الجنة الخ" کی تشریح کرتے ہوتے ہیں۔

''روزہ چونکہ ایک عمومی اور اجتماعی شکل کی حیثیت رکھتا ہے، اس لئے وہ رسوم کی دسترس سے محفوظ ہے، اگر کوئی جماعت اور قوم اس کی پابندی کرتی ہے، اس کے لئے تو شیاطین قید کر دیئے جاتے ہیں، جنتوں کے دروازے کھول دیئے جاتے ہیں اور جہنم کے دروازے بند کر دیئے جاتے ہیں''، اسی جگہ لکھتے ہیں:

> ''مسلمانوں کی مختلف صفوں اور مختلف جماعتوں کا ایک وقت میں ایک چیز پر اجتماع اور اجتماع میں سب کا ایک دوسرے کو دیکھنا روزہ کو ان کے لئے آسان بنا دیتا ہے اور اس سے ان کی بہت ہمت افزائی ہوتی ہے''۔
>
> ''اسی طرح ان کی یہ اجتماعیت خواص و عوام دونوں کیلئے ملکوتی برکتوں کے نزول کا باعث ہے، اس میں اس کا امکان بھی بڑھ جاتا ہے کہ ان کے کاملین و صالحین پر جو انوار نازل ہوں وہ ان سے نیچے والوں کو بھی فیض یاب کرتے جائیں اور ان کی دعائیں ان پیچھے والوں تک پہونچتی رہیں''۔

فضائل اور اس کی قوت و تاثیر

زندگی نفس کی خواہشات اور عقل کے تقاضوں کی مستقل کشمکش کا نام ہے، لیکن اس کشمکش میں ہمیشہ خواہشات کی ہی فتح نہیں ہوتی، جیسا کہ بعض لوگ سمجھتے ہیں، ایسا خیال درحقیقت فطرت انسانی سے بدگمانی اور حقیقت سے روگردانی ہے۔

جو طاقت زندگی کے پہیہ کو تیزی کے ساتھ حرکت دیتی ہے اور جس کے دم سے دنیا کا

بازار گرم اور اس کی رونق قائم ہے، وہ نفع پر یقین ہے، یہی وہ یقین ہے جو کسان کو سخت سردی کے موسم میں اپنے بستر سے اٹھا دیتا ہے، اور اندھیرے منہ کھیت میں پہونچا دیتا ہے، اور لو کے تھپیڑوں اور سورج کی تپش میں کھیت جوتنے اور اپنے پسینہ بہانے کی قوت بخشتا ہے، یہی یقین ایک تاجر کو گھر بار اور راحت و آرام چھوڑ کر اپنے کاروبار میں مشغول ہونے پر آمادہ کرتا ہے، یہی یقین فوجی کے لئے موت کو آسان اور زندگی کو دشوار بنا دیتا ہے، جو چیز اس کو اپنی محبوب اولاد کو چھوڑ کر بے تکلف میدان جنگ میں چلے جانے پر آمادہ کرتی ہے، وہ نفع کا یقین اور مستقبل میں کسی فائدہ کی توقع ہے اور یہی وہ محور ہے جس کے گرد زندگی کی چکی گھومتی ہے۔

لیکن اس یقین کے سوا ایک یقین اور ہے جو اپنی انقلاب آفرینی اور قوت و تاثیر میں اس یقین سے کہیں بڑھ کر ہے، جس کی مثالیں اور پیش گوئی کی گئی ہیں، یہ ان منافع کے حصول کا یقین ہے، جس کی خبر انبیاء کرام اس دنیا میں لے کر آئے اور وحی اور تمام آسمانی صحیفوں نے اس کی تصدیق اور تلقین کی، اس کو ہم خدا کی خوشنودی اور دنیا و آخرت میں اعمال کے بدلہ سے تعبیر کر سکتے ہیں۔

سب جانتے ہیں کہ روزہ صحت کے لئے بھی مفید ہے اور خالص طبی نقطہ نظر سے بھی ہر شخص کے لئے مناسب اور بہتر ہے، کہ وہ سال میں کچھ دن ضرور روزہ رکھے اس لئے کہ زیادہ کھانے اور پینے ہر وقت انواع و اقسام کھانوں کی فکر میں مبتلا رہنے کا نتیجہ یہ ہے کہ طرح طرح کے جسمانی اور اخلاقی عوارض پیدا ہو گئے ہیں اور تقریباً ہر شخص ان سے عاجز اور پریشان ہے اور یہ ماننے پر مجبور ہے، کہ طب و صحت کے نقطہ نظر سے بھی روزہ کے بہت فوائد ہیں۔

لیکن اگر یہ تحقیق کی جائے کہ ان لوگوں کی تعداد اس سال کیا تھی، جنہوں نے رمضان کا روزہ محض اپنی صحت ٹھیک کرنے کے لئے یا اقتصادی مصالح کی بنا پر رکھا؟ اور کتنے ایسے روزے تھے جو صرف معدہ کی اصلاح، صحت کے اصول یا کفایت شعاری کے جذبہ سے رکھے تو ہم کو بخوبی اندازہ ہو جائے گا کہ ایسے لوگوں اور اس قسم کے روزوں کی تعداد نہ ہونے کے برابر تھی، یہاں تک کہ جاڑے کے روزوں میں بھی جب اس میں کوئی خاص دشواری نہیں ہوتی، ان کی تعداد میں کوئی خاص اضافہ نہ ہو سکا، حالانکہ طبی اور اقتصادی روزہ شرعی روزہ کی بہ نسبت زیادہ آسان اور سہل ہے اور اس میں اتنی نازک پابندیوں کی بھی ضرورت نہیں۔

اس کے برعکس اگر ان روزہ داروں کی مردم شماری کی جائے جو روزہ محض ایک دینی فریضہ سمجھ کر اور اللہ تعالیٰ کے وعدہ اور آخرت کے بدلہ کی بنیاد پر رکھتے ہیں تو ہمیں نظر آئے گا کہ مادیت کے غلبہ اور دینی جذبہ کی ضعف اور افسردگی کے باوجود ان کی تعداد الکھوں سے کسی طرح کم نہیں ہے، یہ وہ لوگ ہیں جو شدید ترین گرمی اور پیاس کی تکلیف کے باوجود محض دینی احساس کی بنا پر خوشدلی سے روزہ رکھتے ہیں اور راتوں کو عبادت بھی کرتے ہیں، اس کی وجہ یہ ہے کہ اہل ایمان کی نظر میں ان دینی منافع اور فوائد کی قیمت (جن کا علم ہم کو انبیاء کرام کے ذریعہ حاصل ہوا) ان معاشی طبعی فوائد سے کہیں زیادہ ہے، جن کا علم اطباء ڈاکٹروں اور اقتصادیات کے ماہروں سے ہم کو حاصل ہوتا ہے، روزہ کے متعلق ایسی ایسی بشارتیں اور وعدے ان کے علم میں ہوتے ہیں، جن کے سامنے روزہ کی معمولی تکلیفات اور وقتی بھوک پیاس بالکل ہیچ اور ناقابل ذکر ہے۔

حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ "ابن آدم کا ہر عمل کئی گنا بڑھا دیا جاتا ہے اور نیکی دس گنا سے لے کر ساتھ سو تک بڑھا دی جاتی ہے، اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ سوائے روزہ کے اس لئے کہ بیشک وہ خاص میرے لئے ہے اور میں ہی اس کا بدلہ دوں گا، میری خاطر اپنا کھانا اور اپنی خواہش نفس سب چھوڑ دیتا ہے، روزہ دار کے لئے دو خوشیاں ہیں، ایک افطار کے وقت اور ایک رب سے ملاقات کے وقت اور بیشک روزہ دار کے منہ کی بو اللہ تعالیٰ کے نزدیک مشک سے زیادہ اچھی اور پاکیزہ ہے۔

سہل بن سعید حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ "جنت میں ایک دروازہ ہے جس کا نام "ریان" ہے اس میں صرف روزہ دار بلائے جائیں گے جو روزہ داروں میں سے ہوگا وہی اس میں داخل ہوگا اور جو اس میں داخل ہو جائے گا وہ کبھی پیاسا نہ ہوگا"۔

روزہ کی روح اور حقیقت کی حفاظت اور ایجابیت وسلبیت کا امتزاج

رمضان کی اجتماعی نوعیت اور معاشرہ میں اس کے رواج و عمومیت کی وجہ سے اس کا اندیشہ تھا کہ عادت اور تقلید اور رسم و رواج کا عنصر اس پر رفتہ رفتہ غالب آ جائے گا اور بہت سے لوگ محض اپنی سوسائٹی اور ماحول کا ساتھ دینے اور طنز و ملامت سے بچنے کے لئے اور اس ڈر سے کہ

ان پر انگلیاں نہ اٹھائی جائیں، روزہ رکھنے پر مجبور ہوں گے، ایمان اور نیت روزہ کی اہمیت اور اللہ تعالیٰ کی نگاہ میں اس کی قیمت کے یقین اور استحضار سے ان کے دل خالی ہوں گے، بہت سے لوگ مادی اغراض ومقاصد یا طبی اور ظاہری کے حصول کے لئے روزہ رکھنے لگیں گے اور اس طرح اس کا اصل مقصد ہی فوت ہوجائے گا۔

نبوت کی دوررس نگاہ نے اس کمزوری کا علاج اور اس فتنہ کا سد باب سب سے پہلے کیا اور یہ شرط لگادی کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک صرف وہ روزہ مقبول ہے جو ایمان واحتساب کے جذبہ کے ساتھ رکھا جائے، حدیث نبوی ہے۔

من صام رمضان ایمانا واحتسابا غفر له ماتقدم من ذنبه۔

جو شخص انسانی کمزوریوں اور خامیوں اور انسانوں کی مختلف اقسام سے واقف نہیں وہ کہہ سکتا ہے کہ اس قید اور شرط کی کیا ضرورت تھی رمضان کے روزے صرف مسلمان ہی رکھتے ہیں اور خدا کی خوشنودی اور اجر وثواب ہی کے لئے رکھتے ہیں، اس لئے ایمان واحتساب کی شرط لگانا، ایک بالکل زائد چیز اور تحصیل حاصل ہے لیکن جو شخص انسانی احساسات ونفسیات اور اخلاقی واجتماعی محرکات سے گہری واقفیت رکھتا ہے، اور اس کی زندگی کا مطالعہ زیادہ وسیع ہے اور اس دوررس انتظام اور اس دقیق وعمیق علم کے سامنے سر تسلیم عجز کے ساتھ خم کردے گا جو خواہش نفس پر نہیں وحی الٰہی پر مبنی ہے:

وما ینطق عن الھوی ان ھو الا وحی یوحیٰ

ایمان واحتساب کی تشریح ایک دوسری حدیث میں یہ آئی ہے کہ "انسان تمام اعمال ثواب کی امید رکھتے ہوئے، اور اللہ تعالیٰ کی مغفرت وخوشنودی کے وعدہ پر یقین کرتے ہوئے انجام دے"

عبداللہ بن عمرو بن العاص روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا "چالیس خصلتیں ہیں جن میں سب سے اعلیٰ بکری کا عطیہ ہے ان میں سے کسی ایک خصلت پر بھی ثواب کی امید پر اور اس پر جو اثر وثواب مقصود ہے، اس کے یقین کے ساتھ عمل کیا جائے تو اس کے ذریعہ اللہ تعالیٰ آدمی کو جنت میں داخل کردے گا، شریعت اسلامی نے روزہ کو ہیئت اور ظاہری شکل پر اکتفا نہیں کی بلکہ اس کی حقیقت اور اس کی روح کی طرف بھی پوری توجہ

دی ہے، اس نے صرف کھانے پینے اور جنسی تعلقات ہی کو حرام نہیں کیا بلکہ ہر اس چیز کو حرام اور ممنوع قرار دیا ہے، جو روزہ کے مقاصد کے منافی اور اس کی حکمتوں اور روحانی و اخلاقی فوائد کے لئے مضر ہے، اس نے روزہ کو ادب تقویٰ، دل اور زبان کی عفت و طہارت کے حصار میں گھیر دیا ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد مبارک ہے کہ کوئی روزہ سے ہو تو نہ بدکلامی اور فضول گوئی کرے نہ شور و شر کرے، اگر کوئی اس کو گالی دے اور لڑنے جھگڑنے پر آمادہ ہو تو یہ کہہ دے کہ میں روزہ میں ہوں، یہ بھی ارشاد فرمایا کہ جس نے جھوٹ بولنا اور اس پر عمل کرنا نہ چھوڑا تو اللہ تعالیٰ کو اس کی کوئی حاجت نہیں کہ وہ اپنا کھانا پینا چھوڑے، وہ روزہ جو تقویٰ اور عفاف کی روح سے خالی اور محروم ہو کر وہ ایک ایسی صورت ہے جس کی حقیقت نہیں ایسا جسم ہے جس کی روح نہیں، حدیث میں آتا ہے، آپ نے فرمایا کہ کتنے روزہ دار ہیں جن کو ان کے روزہ سے سوائے پیاس کے کچھ ہاتھ نہیں لگتا اور کتنے ایسے عبادت گزار ہیں جن کو اپنے قیام میں شب بیدار کے سوا کچھ نہیں ملتا"۔

حضرت ابو عبیدہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ "روزہ ڈھال ہے جب تک اس کو پھاڑ نہ ڈالا جائے"۔

اسلامی روزہ صرف قلبی امور و احکام کا نام نہیں جس میں صرف کھانے پینے، غیبت، چغل خوری، لڑائی، جھگڑے اور گالی گلوچ کی ممانعت ہو، وہ بہت سے ایجابی امور و احکام کا بھی مجموعہ ہے، یہ عبادت و تلاوت ذکر و تسبیح، ہمدردی و خیر خواہی اور غریب پروری کا زمانہ ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے، اس میں جو کسی ایک خصلت اور ایک عمل سے خدا کا تقرب حاصل کرنا چاہے گا وہ دوسرے دنوں کے ادائیگی فرض کے برابر سمجھا جائے گا اور اس میں فرض ادا کرے گا وہ اس کی طرح ہوگا جو غیر دنوں میں ستر فرض ادا کرے، یہ صبر کا مہینہ ہے اور صبر کا بدلہ جنت ہے اور غمخواری کا مہینہ ہے"۔

زید بن خالد الجہنیؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ "جو روزہ دار کو افطار کرائے تو اس کو روزہ دار کے برابر اجر ملے گا اور روزہ دار کے اجر میں کوئی کمی نہ کی جائے گی"۔

اللہ تعالیٰ نے اس امت میں تراویح کی حفاظت اور اس کے اہتمام کا جذبہ بھی پیدا کیا فرمایا ہے، تراویح کی نماز حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے لیکن آپ نے تین دن پڑھ کر اس

کو چھوڑ دیا تھا، کہ کہیں یہ امت پر فرض نہ ہو جائیں اور مشقت کا باعث ہو، ابن شہاب روایت کرتے ہیں کہ مجھے عروہ نے بتایا وہ کہتے ہیں کہ مجھے حضرت عائشہؓ نے خبر کی رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم ایک بار دیر سے رات میں اپنے حجرے سے نکلے اور مسجد میں نماز پڑھی اور آپ کے ساتھ کچھ اور لوگوں نے بھی نماز پڑھی، جب صبح ہوئی تو لوگوں نے اس کے متعلق گفتگو شروع کی اور بہت سے لوگ جمع ہو گئے (دوسرے روز) جب آپ نے نماز پڑھی تو سب نے آپ کے ساتھ نماز پڑھی، پھر صبح ہوئی اور اس کا چرچا ہوا، تیسری رات نمازیوں کی تعداد بہت بڑھ گئی، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم باہر تشریف لائے اور نماز پڑھی اور سب نے آپ کے ساتھ نماز ادا کی، جب چوتھی رات آئی نمازیوں کی کثرت سے مسجد میں جگہ نہ رہی، یہاں تک کہ فجر کی نماز کے لئے آپ باہر تشریف لائے اور نماز پڑھنے کے بعد لوگوں کی طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا کہ تم لوگوں کی موجودگی مجھ سے پوشیدہ نہ تھی لیکن مجھے ڈر ہوا کہ یہ نماز تم پر فرض نہ کر دی جائے پھر تم اس سے عاجز ہو جاؤ، پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس پر عمل پیرا رہے اور اس امت نے مختلف ملکوں اور مختلف زمانوں میں اس کی پوری پوری حفاظت کی، یہاں تک کہ تراویح کی یہ نماز تم اہل سنت اور صالحین امت کی علامت بن گئی اور اس کے علاوہ اس سے حفظ قرآن میں بڑی مدد ملی اور اس کو بہت رواج اور عمومیت حاصل ہوئی، نہ جانے کتنے سینوں میں وہ محفوظ ہو گیا، مزید براں اس کا ایک بہت بڑا فائدہ یہ ہے کہ اس سے عامۃ الناس کے ایک بہت بڑے طبقہ کو محض تراویح کے ذریعے قیام لیل اور عبادت کی سعادت نصیب ہوئی ہے۔

اب سب چیزوں نے رمضان کو عبادت کا جشن عام، تلاوت کا موسم اور ابرار و متقیین اور عباد صالحین کے حق میں فصل بہار بنا دیا ہے، اس میں اس امت کا دینی جذبہ، دین کا احترام اور عبادت کا شوق پوری طرح جلوہ گر ہو کر سامنے آ جاتا ہے اور اسی کی توبہ و انابت قلوب کی نرمی، خدا کی طرف رجوع، احساس ندامت اور کار خیر میں جذبہ مسابقت، اس نقطہ عروج پر ہوتا ہے جس کے عشر عشیر تک دنیا کی کوئی قوم اور انسانوں کا کوئی گروہ نہیں پہونچ سکتا۔ **ذالک فضل اللہ یوتیہ من یشاء واللہ ذو الفضل العظیم۔**

وماعلینا الا البلاغ المبین.

پوری زندگی عبادت ہے

الحمد لله نحمده ونستعينه ونستغفره ونؤمن به ونتوكل عليه ونعوذ بالله من شرور انفسنا ومن سيآت اعمالنا من يهده الله فلا مضل له ومن يضلله فلا هادی له ونشهد ان لااله الاالله وحده لاشريک له ونشهد ان سيدنا ومولانا محمدا عبده ورسوله صلى الله عليه وآله وصحبه وذريته وازواجه واهل بيته وبارک وسلم تسليما كثيرا كثيرا اما بعد! قل ان صلاتی ونسكی ومحيای ومماتی لله رب العالمين لاشريک له وبذالک امرت و انااول المسلمين ۔

(اے محمدؐ! یہ بھی) کہہ دو کہ میری نماز اور میری عبادت، میری قربانی اور میرا جینا اور مرنا سب خدائے رب العالمین ہی کے لئے ہے، جس کا کوئی شریک نہیں اور مجھ کو اسی بات کا حکم ملا ہے اور میں سب سے اول فرماں بردار ہوں۔

عبادت کا مفہوم:

حضرات گرامی! اول تو عبادت کا مفہوم سمجھ لیں عبادت کا مفہوم کیا ہے، عبادت کا مفہوم ہے کہ کسی کام کو اللہ کی خوشی کے لئے اللہ کے حکم کے مطابق اجر وثواب کے لالچ میں کرنا، ہر وہ عمل جو اللہ کی خوشی کے لئے اور اتنا ہی کافی نہیں بلکہ اللہ کے حکم اور شریعت کے مطابق اور اگر اسمیں کوئی سنت ثابت ہے تو اس سنت کے مطابق ادا کرنا، اجر وثواب کی امید پر، اور اس پر جو وعدے ہیں، ان پر یقین کے ساتھ انجام دینا عبادت ہے،، اور یہ بات ہر عادت کو عبادت بنادیتی ہے اور یہ روح نکل جائے تو عبادت خالی عادت اور محض رسم، اور نفس کی پیروی رہ جاتی ہے۔

اللہ ایک جامع چیز ارشاد فرماتا ہے کہ کہہ دیجئے (اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم)

ان صلاتی ونسكی و محيای و مماتی لله رب العالمين

بے شک میری نماز، میری عبادت، میری قربانی، میرا جینا مرنا، سب اللہ کے لئے ہے جو

رب العالمین ہے۔

پہلے مذاہب کی تقسیم یہ تھی (اللہ کی طرف سے تو نہ تھی) کہ مذاہب والوں نے اپنے انحطاط وتنزل اور انحراف زمانہ، جب مذاہب میں تحریف ہوئی اور خارجہ اثرات غالب آگئے وہ ماحول جن قوموں سے یہ منتقل ہوکر آئے تھے۔ جنہوں نے اس دین کو قبول کیا، ان کی تہذیب کی صنمیات، جس کو دیومالا کہتے ہیں، (Athology) اور نسلی اثرات مذہب پر غالب آئے تو انہوں نے مذہب میں تقسیم کی کہ عبادت تو اللہ کے لئے اور باقی زندگی آزاد، اس میں جیسی مصلحت ہو ویسا کیا جائے گا جیسا قانون ہو اس پر چلا جائے گا اور اس میں ہم آزاد رہیں گے اور اس میں ہماری نیت کوئی اللہ کو راضی اور خوش کرنے کیلئے نہیں ہے بلکہ ضرورت پورا کرنے کی ہے۔

یہاں تک کہ پھر یہ تقسیم ہوئی (جس کو مسیحی تاریخ کا یہ پرانا فقرہ ادا کرتا ہے) جو اللہ کا ہے وہ اللہ کو دے دو اور جو قیصر کا ہے وہ قیصر کو دے دو، انہوں نے مذہب میں گویا رسمی تقسیم کی۔ اور ظاہر ہے کہ "تلک اذ اقسمة ضیزی" کہ جب ایسی تقسیم ہوئی تو اللہ کا حصہ کم نکلے گا، قیصر کا حصہ زیادہ نکلے گا، اس لئے کہ اس سے واسطہ ظاہری طور پر پڑتا ہے اور اس کا ڈر بھی رہتا ہے معرفت صحیح نہ ہونے کی بناء پر اور اس کے جو مظاہر ہیں، طاقت کے، اور سلطنت کے اور وہ سامنے ہوتے اور اس کو راضی رکھنے کیلئے فائدہ بھی زیادہ محسوس ہوتا ہے مادی نگاہوں سے۔

نتیجہ یہ ہوا کہ خاص طور پر عیسائیت (جو اسلام سے پہلے کا سب سے آخری دین ہے وہ) عقائد و عبادات کے بہت تھوڑے حصے میں محدود ہوکر رہ گئی، اور ساری زندگی وہ دنیاداری بن گئی مادہ پرستی کی، دولت پرستی کی، طاقت پرستی کی زندگی ہوکر رہ گئی۔ اور عیسائی بالکل اپنے معاشرہ میں اپنے حدود عیسائیت میں، (وہاں مذہب تو عیسائی تھا مگر وہ) شتر بے مہار ہوکر رہ گئے۔ جس سے فائدہ دیکھتے چار پیسے کا وہ کرتے چاہے مذہب کے بالکل خلاف ہو مذہب ایک نقطہ بن گیا سمٹتا سمٹتا جیسے صفحہ پر ایک نقطہ ہو، وہ نقطہ بن کر رہ گیا چرچ میں جائیں تو وہ عیسائی تھے جائیں تو صرف اتوار کے دن اور کتنی دیر کیلئے جائیں؟ اور وہاں بھی رسوم زیادہ تر ہوتی ہیں یوں کرو، اس طرح بیٹھو اور اس طرح اقرار کرو گناہوں کا، پادریوں کے سامنے اس طرح بیٹھو اور گانا بجانا بھی ہورہا ہے پتھ پڑھا جارہا ہے، بس۔ اور اس کے بعد وہ بالکل آزاد۔

لیکن اسلام نے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو بالکل پلٹ دیا، اور پوری زندگی کو اللہ کی اطاعت اور اللہ کی عبودیت میں ڈھال دیا، اور اللہ کی عبودیت میں پوری زندگی کو تحلیل کر دیا کہ اب سب کچھ اللہ کا ہے، غیر اللہ کا نہیں، بے شک تمہیں کھانے پینے کی آزادی حدود کے اندر کہ "قل من حرم زينة الله التى اخرج لعباده والطيبت من الرزق" کھاؤ پیو حلال و پاک چیزیں، لیکن جو کام کرو اول تو اللہ کے احکام دیکھ کر کے کرو، پھر اللہ کی رضامندی کی نیت کر کے کرو، اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ ساری زندگی عبادت بن جائے گی۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بہت صاف لفظوں میں کہا "ان صلاتی ونسکی ومحیای ومماتی للہ رب العالمین" کہ میری "صلوۃ" (جو عبادت کا سب سے بڑا نمونہ ہے) میری بندگی، میرا زہد، میری قربانی، میری زندگی اور موت سب اللہ کے لئے ہے۔

یہ بڑی چیز ہے پوری زندگی کیلئے کافی ہے کہ جس کی زندگی کو اللہ نے اپنی عبودیت میں اور اپنی محبوبیت میں ڈھال دیا تھا۔ بالکل اس کو خالص عبادت ہی بنایا تھا۔ وہ اللہ ایک برگزیدہ بندہ کہہ رہا ہے پھر اس کی زبان سے کہلوایا گیا قرآن مجید میں تاکہ قیادت تک مسلمان اس کو پڑھیں اور اس کو اپنے لئے مشعل ہدایت بنائیں۔

کہہ دیجئے (اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم) "ان صلاتی" میری نماز، میری عبادت "ونسکی" میری قربانی۔

"نسک" کا لفظ بھی بہت وسیع ہے میرا زہد، میرا تقوی، میرا کسی کو چھوڑ دینا اور نہ کرنا اور میری قربانی "ومحیای ومماتی" جینا اور مرنا "للہ رب العالمین" سب اللہ کے لئے ہے۔

کون سا اللہ؟ اور میں یہ کیوں کرتا ہوں؟ "لاشریک لہ" کوئی شریک نہیں اس کا تو کسی عبادت میں کوئی شریک نہ ہونا چاہئے "لاشریک لہ" یہاں ایک نگینہ کی طرح آگیا ہے کہ نماز، روزہ، اور کھانے پینے کو کیوں اللہ کے سپرد کرتا ہوں اس لئے کہ اس کا کوئی شریک ہی نہیں، اگر کوئی شریک ہوتا تو میں کہتا کہ نماز اللہ کی اور کھانا دوسرے کا، لیکن جب اس کا کوئی شریک ہی نہیں ہے، حقیقت میں اس کا وجود ہی نہیں ہے۔ تو اپنی کوئی چیز دوسرے کو کیوں دوں، سب اللہ کا ہے پھر جب وہ وحدہ لاشریک ہے تو میری زندگی بھی ایک اکائی ہونی چاہئے میری زندگی بھی اکائیوں میں تقسیم نہ ہونی چاہئے۔ اور اگر زندگی سب رضائے الٰہی کے لئے ہو جائے تو وہ ایک

اکائی بن جاتی ہے اور وہ ایک اکائی ہے بندگی!

"لاشریک له وبذالک امرت وانا اول المسلمیں" فرماتے ہیں کہ مجھے اسی کا حکم دیا گیا، اور میں پہلا اس کا ماننے والا ہوں اور پہلا سر جھکا دینے والا ہوں۔

یہ آیات بہت جامع اور اپنی زندگی کے اندر پورا دستور العمل رکھتی ہے اور قیامت تک کے مسلمانوں کیلئے مشتعل ہدایت ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اسکی توفیق بخشے آمین۔

وما علینا الا البلاغ المین

رمضان المبارک کا مبارک تحفہ

ہر سال رمضان المبارک میں حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندوی رحمۃ اللہ کا یہ معمول ہوتا ہے کہ تکیہ کلاں رائے بریلی کی مسجد میں بعد نماز جمعہ حاضرین سے خطاب فرماتے ہیں ان تقریروں کا مرکزعنوان اگرچہ روزہ ہوتا ہے، لیکن زندگی کے تمام پہلوؤں سے ان کا تعلق ہوتا ہے، اس ماہ مبارک کے آغاز میں ہی تشویشناک حد تک حضرت مولانا رحمۃ اللہ کی طبیعت ناساز ہوگئی تھی، اندیشہ ہو رہا تھا کہ خدانخواستہ اس معمول میں فرق نہ آجائے لیکن اللہ تعالیٰ نے خاص فضل وکرم کا معاملہ فرمایا، آپ نے رمضان ۱۴۱۹ھ کے پہلے جمعہ کو اگرچہ مختصر تقریر فرمائی مگر وہ انسانی زندگی کے تمام پہلوؤں پر حاوی ہے۔

اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے۔

"یا ایھا الذین آمنوا کتب علیکم الصیام کما کتب علی الذین من قبلکم لعلکم تتقون".

اے ایمان والو، تم پر روزے فرض کئے گئے جیسے کہ تم سے پہلے لوگوں پر فرض کئے گئے تاکہ تم تقویٰ اختیار کرو۔

یہ رمضان المبارک چونکہ ہر سال آتا ہے اور جن کو اللہ نے زندگی عطا فرمائی ہے ان کے لئے ایک امتحان بھی ہے، امتحان یہ کہ جو چیز بار بار آتی ہے، اس میں آدمی کے اندر اخلاص پیدا ہونا اور صرف رضائے الٰہی کا طالب ہونا ایک امتحان بن جاتا ہے، بہت سے لوگ عادتاً کرتے ہیں تو ان کے اندر عظمت ووقعت پیدا نہیں ہو پاتی اور جو اللہ تعالیٰ کے وعدے ہیں ان پر یقین نہیں جم پاتا ہے، اس لئے کہ بہت سی چیزیں طبعی وفطری ہوتی ہیں۔

حدیث میں آتا ہے۔

"من صام رمضان ایماناً واحتساباً غفر لہ ماتقدم من ذنبہ".

یہ بڑے سوچنے کی بات ہے اور یہاں سے آپ یہ سیکھ جایئے اور پورے رمضان بھر اس کو ذہن میں محفوظ کیجئے، یہ اللہ کا رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) ہی فرما سکتا تھا، دنیا کا بڑے سے بڑا

مبصر اور ماہر نفسیات بڑے سے بڑا نبض شناس اور حکیم بھی یہ نہیں کہہ سکتا تھا، کہ جس نے رمضان کے روزے رکھے اللہ پر یقین کرتے ہوئے اور اس کو اجر وثواب کی امید میں تو اس کے سب گناہ معاف ہوجائیں گے۔

یہ سوچنے کی بات ہے کہ آدمی پوچھ سکتا ہے کہ آدمی روزہ اور کس کے لئے رکھے گا، وہ کھانا چھوڑ دیتا ہے، گرمی میں پانی پینا چھوڑ دیتا ہے اور بہت بڑا خطرہ مول لے لیتا ہے اور سخت مشقت کی زندگی گذارتا ہے تو اجر وثواب ہی کی نیت سے تو کرتا ہے لیکن جو لوگ انسانی نفسیات اور سائیکالوجی اور انسانی کمزوری سے واقف ہیں وہ جانتے ہیں کہ جب کوئی کمزوری عمومی طور پر رائج ہوتی ہے تو وہ بے شعوری اور غفلت سے ہوتی ہے۔

رمضان المبارک کا تقاضا

ہر چیز کا ایک موسم ہوتا ہے، گرمی کا موسم، سردی کا موسم، بارش کا موسم، ایسے ہی رمضان کا موسم بھی ہوتا ہے، اس موسم کا تقاضا یہ ہے کہ روزے رکھے جائیں اور عبادات وحاجات میں اور اضافہ کیا جائے، اس موسم سے کبھی متاثر ہوتے ہیں لیکن انہیں اس کا دھیان نہیں رہ پاتا کہ وہ روزہ کیوں رکھ رہے ہیں، اللہ کی خوشنودی کے لئے کھانا پینا چھوڑ رہے ہیں صرف اللہ کی رضا چاہتے اور اس کی کچھ پرواہ نہیں ہے کہ لوگ کیا کہیں گے، روزہ رکھنے پر لوگ تعریف کریں گے اور نہ رکھنے پر لوگ برائی کریں گے اور تنقید کریں گے، بہت سے لوگ اس کا خیال نہیں کرتے تو ضروری چیز اس میں یہ ہے کہ نیت کا استحضار رہے، آدمی اپنے کو ٹٹولے محاسبہ کرے، ادھر ذہن ہی نہیں جاتا دھیان ہی نہیں جاتا، کہ روزہ کیوں رکھ رہے ہیں کھانا پینا کیوں چھوڑ رہے ہیں، جب کہ اللہ نے ہم کو سب کچھ دیا ہے، روزے کے سلسلے میں جو فضائل وارد ہوئے ہیں اور جو بشارتیں ارشاد فرمائی گئیں ہیں اور اس سلسلے میں جو وعدے مذکور ہیں ایک تو یہی ہے جو اسی آیت کے آخر میں فرمایا'' لعلکم تتقون '' باقی معیشت میں برکت حاصل ہوتی ہے، قلب منور ہوتا ہے، گناہوں سے بچنا آسان ہوتا ہے، اللہ تعالی کا قرب حاصل ہوتا ہے اور یہ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اس کا کتنا اہتمام فرماتے تھے، اس سے اللہ تعالیٰ کی اطاعت کا ایک مظاہرہ ہوتا ہے، کہ ہم کھا پی سکتے ہیں مگر محض اللہ کی خوشنودی کے لئے یہ سب چھوڑ رہے ہیں، ایک ایک لمحہ کا ہم و

ثواب ملتا ہے، ہمارا بھوکا رہنا، اللہ کو پیارا لگتا ہے، اللہ خوش ہوتا ہے کہ اس بندے نے ہمارے حکم کی تعمیل کی اور محض ہمارے خوشی کے لئے وہ بھوکا پیاسا ہے، اس سے اللہ تعالیٰ کو بڑی خوشی ہوتی ہے، مگر افسوس کہ اکثروں کا ادھر خیال جاتا ہی نہیں ہے، کہ یہ جو روزہ رکھا ہے اس کی یہ عظمت ہے، اللہ کا اس پر کیا انعام ہے، اللہ کو اس پر کتنا پیار آتا ہے، ادھر ذہن جاتا ہی نہیں، اس میں نیت کو حاضر کرنے کی ضرورت ہے، اس لئے کہ ہر چیز تو اپنے وقت پر ہوتی رہتی ہے، اور اپنے موقع پر انجام پاتی ہے، سب شریک ہوتے ہیں، یہ ضروری نہیں کہ آدمی کے ذہن میں اس کا اصل مقصد اور نیت بھی ہو، ایک ہوا چلتی ہے، موسم ہوتا ہے جو اپنا اثر چھوڑتا ہے، سب اس سے متاثر ہوتے ہیں۔

لطیفے کے طور پر عرض کرتا ہوں کہ لکھنؤ میں پہلی مرتبہ جب ریڈیو اسٹیشن قائم ہوا مجھ سے یہ فرمائش کی گئی کہ رمضان قریب آرہا ہے، رمضان کے لئے میں کوئی ٹاک لکھ دوں اور وہ براڈ کاسٹ ہو، ٹاک ہم نے لکھ دی لیکن اس کے بعد ہی فوراً ہمیں کوئٹہ کا ایک سفر درپیش ہو گیا، اور آگے افغانستان کی سرحد کا ایک دینی و دعوتی ضرورت سے یہ سفر تھا تو جب رمضان کی شب آئی اور جس رات کو چاند ہوا تو ہمارے عزیز بھائی مولوی ابوبکر صاحب حسنی (جو اس وقت یہاں موجود بھی ہیں) انھوں نے وہ مضمون پڑھا، ہم چونکہ کوئٹہ میں تھے، وہاں ایک فوجی افسر مسلمان تھے، یہاں ہماری دعوت تھی، مولانا منظور صاحب نعمانی بھی مدعو تھے اور یہ دعوت انھوں نے احتراما اور تعلق کے اظہار کے لئے کی تھی، اس دعوت میں اور بھی فوجی افسران شامل ہوئے تو ایک فوجی افسر صاحب آئے اور کہنے لگے مولانا آپ کی تقریر لکھنؤ سے ہو رہی تھی، ہم نے بھی سنی بڑی اچھی باتیں آپ نے فرمائیں، لیکن مولانا صاحب آپ نے یہ نہیں فرمایا کہ جو مزہ روزہ میں آتا ہے، وہ اور کسی چیز میں نہیں آتا، ہم تو روزہ رکھتے ہی اسی لئے ہیں کہ افطار میں بڑا مزہ آتا ہے۔

تو آج جب نماز روزہ میں ہمارا یہ حال ہو گیا ہے تو دوسرے امور میں جیسے دینی رشتہ، میں آپ سے کہتا ہوں کہ دین کے سارے ہی اعمال اور امور طبعیہ شادی بیاہ، لین دین، کھانا اور کھلانا کسی سے ملنے جانا، کسی کی مدد کرنا، کسی سے محبت کے ساتھ ملنا، ان سب میں نیت کی ضرورت ہے نیت تازہ کرے تو وہ عمل عبادت بن جاتا ہے، ورنہ کچھ بھی نہیں جیسے سب غیر مسلم کر

رہے ہیں اسی طرح ہم بھی کر رہے ہیں، ہم یہ نہیں کہتے کہ مسلم اور غیر مسلم کے عمل میں بالکل کوئی فرق نہیں لیکن ایسا ہوتا ہے کہ نہ وہ کوئی نیت کرتے ہیں اور نہ ہم کوئی نیت کرتے ہیں۔

اس وقت امت میں جو بیماری زیادہ پھیلی ہوئی ہے، وہ بے نیتی ہے، آج بدنیتی کم ہے، بے نیتی زیادہ ہے، اور یہ نتیجہ ہے بے شعور اور غفلت کا۔

بڑے سے بڑے کام بے نیتی سے کر لیتے ہیں اور اب تو اس کا بھی تجربہ ہوا اور مشاہدہ بھی کہ حج بھی قرب الٰہی کی نیت سے نہیں کرتے اور اس کی عظمت کی وجہ سے نہیں بلکہ اس میں بھی کچھ ماتا ملاتا ہے، شہرت ہوتی ہے کہ فلاں نے دسواں حج کیا، فلاں نے پندرہواں حج کیا، بعضوں کی زبان سے اس کا اظہار بھی ہوا تو حج میں بھی یہ بات پیدا ہوتی ہے، یہ رمضان کے روزے ہیں اس کے مقابلے میں جو اللہ کے مقبول بندے ہیں، ان کا حال یہ ہے کہ ان کا کوئی فعل نیت کے بغیر نہیں ہوتا، آپ چونکہ یہاں بیٹھے ہوئے ہیں اس کی مناسبت سے عرض کرتا ہوں، آپ نے نام سنا ہوگا حضرت سید احمد شہید کا وہ یہیں پیدا ہوئے، ان کے نام سے یہیں مدرسہ ہے اور بالاکوٹ میں وہ شہید ہوئے، انھوں نے ایک مرتبہ فرمایا، جب سے ہوش آیا اور شعور بیدار ہوا، اس وقت سے اس وقت تک کوئی روزمرہ کا کام بھی رضائے الٰہی کے بغیر نہیں کیا، استنجا کیا ہوں تو اس میں رضائے الٰہی کی نیت کی کہ میں پاک ہوں، کسی سے ہنس رہا ہوں تو اسی نیت سے، کسی کو ہنسایا ہو تو اسی نیت سے، کھانا کھایا ہو تو اسی نیت سے، انھوں نے اتنے وثوق سے فرمایا کہ شعور کے پیدا ہونے کے بعد سے اس وقت تک کوئی عمل رضائے الٰہی کے بغیر نہیں کیا، اب ہم اپنے کو ٹٹولیں تو معلوم ہوتا ہے کہ کوئی عمل بھی ہم نے اللہ کی رضا کے لئے کیا ہو اور یہ کہ آخرت میں ہم کو اس کا ثواب ملے گا اور اللہ راضی ہوگا، عبادات کا یہ حال ہو گیا ہے کہ وہ عادات بن گئی ہیں، بے شعوری دل و دماغ اور اعصاب پر چھا گئی ہے، بھوک لگی کھانا کھا لیا لیکن اس پر جو اللہ کے یہاں اجر کا وعدہ ہے اس کو ذہن میں نہیں رکھا، کوئی عمل جو اللہ کا پسندیدہ ہے اس کا شعور نہیں، کھانا کھانے پر بھی اجر وثواب کی نیت نہیں ہوتی، اس میں ریا اور شہرت طلبی ہوتی ہے اور ریا اور شہرت طلبی بہت بہت بری چیز ہے، ہم سب کو الزام نہیں دے سکتے، لیکن یہ بے شعوری کی بات ہے، بدشعوری کم بے شعوری زیادہ ہے، تو یہ ہنسنا بولنا، کھانا، پینا، کھلانا پلانا، آنا جانا، یہ سب شعور اور استحضار نیت سے کرنا چاہئے اور بہت سی چیزیں چھوڑ دینا

جو ہم کر سکتے ہیں مگر وہ دین کے خلاف ہیں اس لئے اب نہیں کریں گے۔ تو سب میں رضائے الٰہی کی نیت ہونی چاہئے یہ ایک آسان کام بھی ہے اور وسیع کام بھی ہے اور وسیع کام بھی ہے، اتنا وسیع کہ اس سے وسیع دوسرا کام مشکل سے ملے گا، کچھ کرنا نہیں، بس اللہ تعالیٰ راضی ہو جائے ہم ان سے ہنس کر صرف اس لئے بول رہے ہیں کہ اللہ راضی ہو جائے۔ جب اس شعور کے ساتھ کام ہوتا ہے تو زندگی شریعت کے سانچے میں ڈھل جاتی ہے، ورنہ نشیب و فراز کی زندگی رہتی ہے، کہ نماز تو اللہ کے لئے پڑھیں اور ادھر کسی سے ملنے چلے گئے تو بس ایسے ہی چلے گئے، کسی سے تعلق و محبت ہے تو ایسے ہی ہو گیا، جب یہ شعور ہوتا ہے تو پوری زندگی شریعت کے سانچے میں ڈھل جاتی ہے۔

بس یہاں سے آپ یہ چیز لے کر جائیں کہ جو کام کرنا ہے، اللہ کی رضا کے لئے کرنا ہے، سب کام میں رضا الٰہی کی نیت ہونی چاہئے، ہم تھکے ہیں پریشان ہیں، اتنے میں مہمان آ گئے، اب بشاشت سے ان سے ملنا ہے، موڈ نہیں ہو رہا ہے، جی نہیں چاہ رہا ہے، لیکن ان کی خاطر تواضع کرنی ہے، اس لئے کہ اللہ کی رضا اس میں ہے، اس لئے کہ اللہ کو یہ عمل پسند ہے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ سنت ہے، جب یہ بات پیدا ہو جاتی ہے تو پوری زندگی پر نور کی چادر چھا جاتی ہے اور رحمت الٰہی کا سایہ ہوتا ہے اور اس کا اصل فائدہ قیامت میں معلوم ہوگا، جب اللہ کے سامنے جائیں گے، تب قدر آئے گی کہ یہ چھوٹا سا عمل آج کتنا بڑا بن کر سامنے ہے کہ فلاں کا کام کر دیا تھا اور فلاں سے ہنس کر بولے تھے۔

یہ تحفہ ہے رمضان المبارک کا پہلا اور عظیم تحفہ ہے، بس یہ کہ آپ کی نیت رضائے الٰہی کی ہونی چاہئے، ایک دوسری حدیث میں ''**من قام ليلة القدر ايماناً واحتسابا غفر له ما تقدم من ذنبه**'' وارد ہوا ہے یہ پیغمبر ہی کہہ سکتا ہے اور کس کے بس کی بات ہے؟ پیغمبر کو اللہ نے یہ علم بخشا اور یہ اطلاع دی کہ کبھی دینی کام بھی آدمی اپنی خواہشات سے کر لیتے ہیں اپنے بعض فوائد اور اغراض و منافع سے کر لیتے ہیں اور کوئی نہیں سمجھ سکتا تھا، پیغمبر کو ہی اللہ نے یہ بصیرت عطا فرمائی ہے اور ان کے ذریعہ سے اسکی حقیقت کو واضح کیا ہے، بس یہی رمضان المبارک کا تحفہ ہے، آپ کے لئے اور یہی اس مبارک مہینہ کا پیغام ہے آپ کی زندگی کے لئے۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

دینی سرحدوں کی حفاظت

الحمد لله و كفى و سلام على عباده الذين اصطفى. امابعد. فاعوذ بالله من الشيطان الرجيم بسم الله الرحمن الرحيم. يايها الذين آمنوا اصبروا وصابروا ورابطوا و اتقوا الله لعلكم تفلحون.

اے وہ لوگ جو ایمان لائے ہو، صبر سے کام اور صبر کی فضا اور اس کا ماحول پیدا کرو، ایک دوسرے کو صبر کی ترغیب اور تلقین کرو، اور سرحدوں کی حفاظت پر جمے رہو، اور اللہ کو حاضر و ناظر سمجھ کر کام کرو تاکہ تم کامیاب ہو۔ اس آیت میں جو پہلا حکم اور اولین خطاب ہے وہ یہ کہ ایمان والو، صبر سے کام لو۔

ایک زبان سے کوئی لفظ جب دوسری زبان میں جاتا ہے اور وہ بہت لمبا سفر کرتا ہے تو وہ سفر مکانی بھی ہوتا ہے اور زمانی بھی، یعنی وہ لفظ بہت دور سے آتا اور بہت دور تک جاتا اور لوگوں میں پہونچتا ہے تو اس کے معنی میں کچھ فرق آجاتا ہے یا معنی محدود ہو جاتے ہیں پہلے وہ لفظ بہت وسیع رقبہ پر محیط اور زندگی کے تمام شعبوں پر حاوی تھا، لیکن بعد میں وہ محدود ہو کر رہ جاتا ہے ان الفاظ میں صبر کا لفظ بھی ہے جس کے ساتھ تھوڑی سی حق تلفی ہوئی لیکن اس نے صبر سے کام لیا وہ یہ کہ صبر کے معنی یہ ہوں گے کہ اگر کچھ صدمہ پڑ جائے اور کوئی حادثہ پیش آجائے یا کوئی تکلیف ہو تو ضبط کرو زیادہ روؤ دھوؤ نہیں اور اپنی شکایت نہ کرو، لیکن عربی میں صبر کے معنی اس سے کہیں زیادہ وسیع ہیں، صبر کے معنی ہیں۔ جم جانا، پختہ رہنا اور مقابلہ کرنا اور اپنی جگہ سے نہ ہٹنا، اپنے اصولوں کو نہ چھوڑنا۔ پھر اس کے بعد اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے وصابروا’’ اور ایک دوسرے کو صبر کی تلقین کرو، صبر کا ماحول، اس کی فضاء اور کیفیت پیدا کرو، جیسے کوئی بہت بڑا شامیانہ ہوتا ہے۔ اگر تھوڑے آدمی ہوں گے چھوٹا شامیانہ ہوگا، اگر کئی سو اور کئی ہزار ہوں گے تو بڑا شامیانہ ہوگا۔ اللہ تعالیٰ تلقین فرماتا ہے کہ صبر کا اتنا بڑا شامیانہ بناؤ کہ سب کے سروں پر وہ تنا ہوا

ہو۔ پھر آخر میں فرماتا ہے "ورابطوا" اپنے عقیدہ کی سرحدوں پر ڈٹے رہو کچھ ہو جائے دنیا بدل جائے حکومتیں بدل جائیں، سکہ اور زبان بدل جائے، طاقت بدل جائے، ہم اپنے عقیدے سے، جو اللہ کے رسول نے اور سب پیغمبروں نے ہمیں عطا فرمایا ہے۔ اس سے ہم سر مو انحراف نہ کریں گے اور عقیدۂ توحید سے ذرہ برابر نہ ہٹیں گے کہ اس دنیا کا بنانے اور اس کا چلانے والا دونوں ایک ہے۔ الاله الخلق والامر "تخلیق اسی کا کام ہے، حکم دینا اور انتظام کرنا اسی کا کام ہے، بہت سے مذاہب اور فرقوں کا یہ عقیدہ ہے کہ دنیا تو اللہ میاں نے بنائی ہے، لیکن اس کو بہت سی طاقتیں چلا رہی ہیں، کوئی جلاتا ہے، کوئی مارتا ہے، کوئی بیمار کو اچھا کرتا ہے اور کوئی اچھے کو بیمار۔ نہیں اللہ تعالیٰ ہی نے اس دنیا کو پیدا کیا اور وہی اس کا نظم ونسق چلاتا ہے۔ تو ورابطوا کے معنی یہ ہے کہ اپنے عقیدے کی سرحد پر بیٹھ جاؤ اور اس سے ہرگز ہٹنے نہ پاؤ چاہے کتنے بڑے بڑے امتحان آزمائشیں پیش آئیں، مصیبتیں آئیں، آندھیاں آئیں، زلزلے آئیں، بجلیاں گریں ہم اپنی سرحد سے ہٹنے والے نہیں ہیں، کوئی بڑی سے بڑی طاقت ہم کو وہاں سے ہٹانے ہم گھر اور بال بچوں کو چھوڑ دیں گے، اپنے عقیدے اور اپنے دین سے ہرگز نہیں ہٹیں گے۔ یہ آیت اگر ہم اپنے دل پر لکھ لیں اور ہمارا ذہن اس کو قبول کرلے اور اللہ توفیق دے تو ہر زمانے کے لئے پورا پیغام رکھتی ہے اس زمانے کے لئے تو خاص طور سے یہ آیت معجزہ ہے جیسے اس زمانے میں یہ آیت اتری ہو اور اس زمانے کے لوگوں سے خطاب ہو۔

یہ دین جو اللہ تعالیٰ نے آپ کو عطا کیا ہے اس کے لیے جہاں اور چیزیں ہیں وہیں تھوڑی سی سمجھ اور تھوڑی سی کوشش کی ضرورت ہے اور اللہ تعالیٰ کی توفیق شرط ہے ان سب کے ساتھ تھوڑا سا ارادہ اور تھوڑی سی نہیں بلکہ بہت زیادہ ہمت چاہئے۔ وہ یہ کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہم کو جو پیغام ملا ہے اس کو ہم سینے سے لگالیں گے اور اس کو اپنی زندگی کا مسئلہ بنالیں گے، جان جائے چلی جائے لیکن ہم دین سے ہٹنے والے نہیں، اس نے پیغمبروں کے ذریعہ ہم کو جو نعمت عطا فرمائی ہے اس کے سامنے دنیا کی تمام دولتیں اور تمام حکومتیں گرد ہیں، اس نعمت کو دانتوں سے پکڑ لو اور آنکھوں میں اس کو بٹھاؤ اور دل میں جگہ دو، جس نے اس دین کی قدر کی تو اس نے گویا مضبوط کڑی کو تھام لیا" **فقد استمسک بالعروة الوثقى**" ہر زمانے کا اور خاص طور سے اس کے تقاضے بدلتے رہتے ہیں، زمانہ کے امتحانات اور اس کی آزمائشیں بدلتی رہتی ہیں

اس کی ترغیبات، الجھیں اس کی زبان، اس کا قانون حتیٰ کہ نظام حکومت وسیاست میں تبدیلی ہوتی رہتی ہے۔ میں کسی ایک ملک اور کسی ایک زمانہ کو بھی نہیں کہتا میرے سامنے تو پوری تاریخ ہے کبھی ایسا بھی وقت آتا ہے جب اپنے دین پر قائم رہنا مشکل ہوجاتا ہے دوسری طاقتیں اس کو اپنے سیاسی اغراض ومقاصد کے حصول کے لئے اور اپنی طاقت میں آنے اور اپنا سکہ چلانے اور ملک پر حکومت کرنے کے لیے یہ کوشش کرتی ہیں کہ مسلمان اپنے دین سے ہٹ جائیں، ان سے مطالبہ کیا جاتا ہے کہ ہماری دیومالائی قبول کرلو اور کفر اور شرک کے متعلق اپنے رویہ میں تبدیلی کرلو، لیکن دین کا مطالبہ یہ ہے کہ جان چلی جائے مگر دین میں کتربیونت قبول نہ کریں۔ دین کی حفاظت میں اگر سیکڑوں اور ہزاروں نہیں لاکھوں جانیں چلی جائیں اور عزتیں قربان ہوجائیں تب بھی کوئی پرواہ نہیں کہ اصل چیز جس سے قبر اور قیامت میں واسطہ پڑنے والا ہے وہ یہی دین ہے وہاں تو یہ پوچھا جائے گا کہ تمہارا رب کون ہے، تمہارا دین کیا ہے اور یہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کون ہیں قبر میں یہ کام نہیں آئے گا کہ آپ فلاں کے بیٹے ہیں اور ایم اے پاس ہیں کسی میونسپلٹی یا ریاست وحکومت کے گورنر اور حاکم ہیں، جس طرح آپ ٹرین میں بغیر ٹکٹ سوار ہوجائیں اور ٹکٹ کلکٹر ٹکٹ مانگے تو آپ یہ کہیں گے کہ ہمارے پاس اچھی گھڑی اور اچھا ساز وسامان ہے ہم فلاں کے بیٹے اور فلاں کے پوتے ہیں لیکن آپ کے اس جواب سے کوئی فائدہ نہ ہوگا وہاں تو ٹکٹ کا سوال ہوگا یہی حال اس طالب علم کا ہوتا ہے جو امتحان میں پرچہ کا صحیح صحیح جواب دیتا ہے تو کامیاب ہوجاتا ہے، قبر کا بھی یہی حال ہے، جہاں اپنا دین اور اپنا ایمان کام آتا ہے اس دنیا کا بھی یہی حال ہے، اللہ تعالیٰ یہ دیکھتا ہے کہ یہ ہمارے دین پر کتنا قائم ہے اور اس کے لیے کس نے کتنی قربانیاں دی ہیں اور کتنی مضبوطی اور استقلال کا ثبوت دیا ہے۔

تو سب سے پہلا مطالبہ یہ ہے کہ صبر وضبط سے کام لو، دین پر مضبوطی سے جمے رہے، دوسروں کو بھی تھامے اور جمائے رکھو اور ان کو صبر کی تلقین وترغیب دو۔ یہ اس طرح حاصل ہوگا کہ پہلے خود علم دین حاصل کریں اور اپنی اولاد کو بھی دین کا علم دیں اور اس کی فکر کریں کہ ان کا دینی عقیدہ ٹھیک ہے یا نہیں یہ اللہ اور اس کے رسول کو پہچانتے ہیں کہ نہیں، یہ نہیں کہ بچوں کی ترقی وخوش حالی اور دولت مند گھرانوں میں ان کی شادی کردی جائے اس کی اللہ کے یہاں کوئی قیمت نہیں، اگر آپ نے اپنے بچوں کو دین کی تعلیم نہیں دی۔ اسلئے بنیادی کام یہ ہے کہ اپنے

بچوں کی دینی تعلیم و تربیت کا اہتمام کریں اور اس کی راہ میں کچھ قربانی دینی پڑے، کچھ خطرہ مول لینا پڑے لیکن ہمت سے کام لو اور اپنے بچوں، گھر والوں پھر محلہ والوں اور اس سے بڑھ کر گاؤں والوں اور قرب و جوار کے لوگوں کو گھوم پھر کر دین کی تعلیم دو اس لیے تبلیغی جماعت ہے، اس کا گشت کرایا جاتا ہے کہ جو نعمت اور دولت اللہ تعالیٰ نے آپ کو عطا کی ہے اور جتنا دین آپ جانتے ہیں وہ دوسروں کو بھی بتائیے، اس وقت سب سے زیادہ ضرورت اس بات کی ہے کہ قرآن مجید اور اردو پڑھے بغیر بچوں کو رہنے نہ دیجیے چاہے لوگ آپ کو دھمکائیں اور کہیں کہ یہ پڑھائیں گے، کیا کام آئیں گے، ان کو آج کل کی زبان پڑھائیے، آج کل کا کورس پڑھائیے اسکول بھیجیے، لیکن نہیں خدا کے یہاں آپ کا دامن ہوگا اور ان کا ہاتھ ہوگا اور ہمیں تو ڈر ہے کہ کہیں خدا کا دست قدرت اور دست غضب نہ ہو اور آپ کا دامن نہ ہو کہ کیا پڑھایا تھا اپنے بچوں کو اور کیا سکھایا تھا ان کو۔

آپ یاد رکھیے کہ دینی تعلیم کے بغیر ہندوستان میں مسلمانوں کا رہنا ممکن نہیں ہے، دنیا میں جو چیزیں اثر ڈالتی ہیں اور ان کے نتائج ہوتے ہیں، تعلیمی طاقت، لسانی طاقت، ادبی طاقت، قانونی طاقت اور حکومتی طاقت کے اثرات اور نتائج ہم نے دیکھے ہیں لیکن دینی تعلیم کے بغیر ملت اسلامیہ، امت اسلامیہ بن کر ہندوستان میں نہیں رہ سکتی اس لیے ہر قیمت پر اپنے بچوں کو جغرافیہ پڑھائیے، تاریخ اور ادب پڑھائیے، سائنس اور حساب پڑھائیے لیکن پہلی اور بنیادی شرط یہ ہے کہ اس کے ساتھ ساتھ دین کی بھی تعلیم دیجیے، مسجد مسجد اور گھر گھر اس کا انتظام ہونا چاہیے، اس تعلیم کو خوب چلائیے، اگر دین کی تعلیم کو آپ پھیلائیے گا نہیں اس کو دبا کر بکس میں بند کر کے رکھیے گا تو پھر اس کے لیے خطرہ پیدا ہو جائے گا کہ کہیں سے کوئی ڈاکو آکر اس پر ڈاکہ ڈال دے لیکن اگر آپ نے اپنے آس پاس کے ماحول کو صحیح رکھا دوسروں کو بھی اس دولت میں شریک کریں گے تو دوسرے بھی اس کو عزیز رکھیں گے اور اس کی سرحدوں کی حفاظت کریں گے۔

اب جو زمانہ آرہا ہے کہ وہ نیا زمانہ ہے، اس میں نئے انتخابات ہوں گے نئی حکومت بنے گی اور جو لوگ حکومت بنا سکتے ہیں وہ قانون بھی نیا بنا سکتے ہیں اس لیے مسلمانوں کو نئے خطرات اور نئے چیلنج کا مقابلہ کرنے کے لیے تیار رہنا ہوگا اور دوسروں کو بھی صبر و استقامت کی

تلقین اور ترغیب دینی ہوگی اگر ہم نے اخلاص و استقامت کا ثبوت دیا اور خدا کو حاضر و ناظر سمجھ کر سارے کام کیے تو کامیابی ہمارے قدم چومے گی لیکن اگر مسلمانوں نے دینی تعلیم کے معاملے میں کوتاہی کی تو مسلمان سے مسلمان بن کر اس ملک میں نہیں رہ سکتے، کسی اور چیز کا خطرہ ہم نہیں بتاتے کھانے کو بھی ملتا رہے گا، جانوروں کو بھی ملتا ہے، غیر مسلم بھی آپ سے اچھا کھاتے ہیں لیکن اللہ اور اس کے رسول کے یہاں آپ مسلمان نہیں سمجھے جائیں گے اور اسلام اور مسلمانوں کے دفتر میں آپ کا نام نہیں لکھا جائے گا۔

وما علینا الا البلاغ المبین

بسم اللہ الرحمن الرحیم

ان باتوں کا خیال رکھیں تو پوری زندگی عبادت میں ڈھل جائے گی

نحمدہ ونصلی علی رسولہ الکریم اما بعد ○ فاعوذ باللہ من الشیطان الرجیم ○ بسم اللہ الرحمن الرحیم ○

حضرت نے فرمایا۔

چند باتیں جو تقریر کے طور پر ہیں یہ نہ کوئی خاص تحقیق ہے، نہ علمی مضمون ہے، بلکہ ایک عملی ضابطہ کے طور پر ان بھائیوں کے کہنے پر جو آئے ہوئے ہیں، ترجمان اور نمائندہ ہیں بھائی عبدالواحد اجزائری نے کہا اپنے رفقاء کے لیے، کہ کچھ ان سے کہہ دیجئے جس پہ یہ عمل کریں، جس سے روحانی ترقی کریں۔ اللہ سے تعلق بڑی چیز ہے، دین سے تعلق پیدا ہو، اس میں دو تین اہم باتیں ہیں جو عملی ہیں، روزمرہ کی ہیں، بتاتے ہیں۔

ایک چیز جس سے لوگ بہت غافل ہیں وہ تصحیح نیت ہے۔ اچھے کام کرتے ہیں اور اس میں اللہ کی رضا کی نیت اور استحضار نہیں ہوتا۔ ذہن اس کے لیے تیار نہیں ہوتا کہ ہم یہ کام کیوں کر رہے ہیں عادتاً کر رہے ہیں یا عبادۃً کر رہے ہیں، اس کو حدیث کی اصطلاح میں ایمان اور احتساب کہتے ہیں، جیسا حدیث میں آتا ہے "من صام رمضان ایمانا واحتسابا غفر لہ ما تقدم و من ذنبہ" جو رمضان کے روزے رکھے اللہ کے وعدوں پر یقین رکھتے ہوئے اور اس کے اجر وثواب کی لالچ میں، یہ ترجمہ حضرت مولانا محمد الیاس صاحب کا کیا ہوا ہے۔ ہم حدیث پڑھاتے ہیں، الحمدللہ ہم نے حدیث پڑھائی، بخاری شریف بھی پڑھائی، مگر اتنا اچھا ترجمہ نہیں کر سکتے تھے۔ مولانا الیاس صاحب کی زبان سے سنا کہ جس نے رمضان کے روزے رکھے، اللہ کے وعدوں پر یقین کرتے ہوئے اور اس کے اجر وثواب کی لالچ میں تو سب

گناہ معاف ہو گئے حالانکہ رمضان کے روزے جو ہیں وہ ہیں ہی اللہ کی رضا کے لیے، اور مسلمان اس کے حکم کی تعمیل میں رکھتا ہے۔

كتب عليكم الصيام كما كتب على الذين من قبلكم

سے صاف صاف معلوم ہوتا ہے اور سب جانتے ہیں کہ رمضان کے روزے فرض ہیں تو فرض سمجھ کر رکھتے ہیں لیکن اس میں ذہن تیار ہو کہ ہم اللہ کے وعدوں پر یقین کرتے ہوئے کہ اللہ نے وعدہ کیا ہے روزے کا اجر میں دوں گا اور اس کے جو فضائل حدیث میں آئے ہیں وہ بہت زیادہ ہیں یہ عمل ابن آدم کا ہے اور یہ روزہ میرے لئے ہے اس کا بدلہ میں دوں گا، خیال میں بھی نہیں کہ روزہ کس اور کے لیے رکھا جائے گا۔ ایک لطیفہ ذہن میں آگیا اتفاق سے۔ یہاں پر ابوبکر بھی موجود ہیں جو ہمارے بھائی ہیں لکھنو ریڈیو اسٹیشن سے نشر ہونے سے پہلے ہماری تقریر ریکارڈ ہوئی اس رمضان کے فضائل کے متعلق نیا نیا ریڈیو اسٹیشن قائم ہوا تھا۔ ہم نے تقریر ریکارڈ کرادی اور ہم بلوچستان کے سفر پر چلے گئے اتوار کو اور ہم وہیں تھے۔ وہاں کے ایک بڑے فوجی افسر جو مسلمان تھے۔ شاید بانس بریلی کی طرف کے تھے۔ انہوں نے افطار کی دعوت کی۔ ہم تھے اور مولانا منظور صاحب تھے اور روزے کا پہلا دن تھا۔ اتفاق سے اسی دن ریڈیو سے ہماری تقریر نشر ہوئی تھی اور انہی بھائی ابوبکر صاحب نے پڑھی تھی۔ ہم چونکہ چلے گئے تھے اس لیے ان سے پڑھوائی انہوں نے پڑھی، وہ فوجی افسر جو مسلمان تھے کہنے لگے ہم آپ کی تقریر سن کر آئے ہیں، بڑی اچھی تقریر کیا آپ نے کی، بڑی اچھی اچھی کام کی باتیں آپ نے کہیں ایک بات اس میں رہ گئی کہ روزہ کھولتے میں جو مزا آتا ہے اس کا آپ نے ذکر نہیں کیا اور میں روزہ رکھتا ہی اس لئے ہوں کیونکہ افطار میں جو مزہ آتا ہے، وہ نہ کسی دعوت میں نہ کسی کھانے میں مزا آتا ہے (معلوم ہوا کہ وہ ٹھیٹ ہیں دین پر پورا یقین نہیں رکھتے ہیں) مسلمان ہیں روزہ رکھتے ہیں تو انہوں نے اپنی زبان سے کہہ دیا کہ ہم روزہ اس لیے رکھتے ہیں کہ روزہ کھولنے میں مزا آتا ہے۔ وہ اور کسی چیز میں نہیں آتا۔

تو ایک چیز تو یہ ہے اس سے بہت غفلت ہے اور اس سے غفلت کی وجہ سے ہم بہت بڑے ثواب سے محروم ہیں اور روحانی ترقی سے بھی کہ ہم جو بھی کام کریں اللہ کی رضا کے لئے کریں اس پر اللہ تعالیٰ نے اس ثواب کا وعدہ کیا ہے۔ یہاں تک کہ وہ بھی غفلت میں ہو جاتا

ہے، حالانکہ حدیث میں آتا ہے، جب آدمی وضو کرتا ہے، ہاتھ دھوتا ہے تو اس کے سب گناہ جو ہاتھ سے کیے ہوں وہ سب کے سب اس کے ساتھ یا پانی کے آخری قطرہ کے ساتھ دھل جاتے ہیں اور جب کلی کرتا ہے تو زبان سے جو گناہ ہوئے ہیں وہ سب معاف ہو جاتے ہیں اس کے ساتھ پانی کے آخری قطرہ کے ساتھ

حضرت مولانا الیاس صاحب فرمایا کرتے تھے، ہر عضو دھوتے وقت یہ یقین ہو کہ ان کے اعضاء کے دھلنے کے ساتھ ان سے جو جو گناہ ہوئے ہیں وہ سب دھل گئے۔

مسجد میں جانا، نماز کے انتظار میں بیٹھنا یہ سب عبادتیں ہیں ان کے علاوہ کسی مسلمان بھائی سے خوش ہو کر بولنا اس کے ساتھ اخلاق برتنا یہاں تک کہ کھانا کھانا کہ اس میں بھی یہ نیت ہو کہ ہم کھانا کھا رہے ہیں، اس لئے کھا رہے ہیں کہ ہم میں قوت آئے نماز پڑھیں، حضرت سید احمد شہید کی ایک بات کتاب میں ہم نے دیکھی بڑی حیرت انگیز ہے کبار اولیاء اللہ کی بات ہے، فرمانے لگے جب سے ہوش سنبھالا ہے (جب سے سمجھ بوجھ ہوئی ہے) اس وقت تک پتہ نہیں کس عمر میں بات کہی تھی۔ تیس ۳۰ برس کی عمر میں یا چالیس ۴۰ برس کی عمر میں اور چھیالیس ۴۶ برس کی عمر میں ہوئی (شہادت ہوئی) کوئی کام امور طبیعہ میں بھی ایسا نہیں کیا، مثلاً سونا چاندی، کپڑا پہننا، کھانا کھانا، کسی سے ملنا، کہیں جانا جس میں اللہ تعالیٰ کے اجر وثواب کی نیت نہ رہی ہو۔

تو ایک یہ ولایت کا راستہ ہے جس کو ہم بتا رہے ہیں۔ اللہ ہمیں بھی توفیق دے کہ جو کام ہم کریں اس پر ذہن کا استحضار رکھیں اور اکثر چیزوں پر اجر وثواب کا وعدہ ہے، مسلمان بھائی سے ہنس کر بولنا، خوش ہو کر بولنا، محبت سے بات کرنا، کسی کی مدد کر دینا، راستہ سے کانٹا یا کوئی تکلیف والی چیز کو ہٹا دینا، کسی کو راستہ بتا دینا، کسی کے یہاں عیادت کے لئے جانا ان میں اجر وثواب کی امید ہو، ایمان واحتساب ہو، یعنی خدا کے وعدوں پر یقین اور ثواب کی امید ہو، اگر یہ کریں گے تو پوری زندگی عبادت میں ڈھل جائے گی، پوری زندگی عادت نہیں عبادت بن جائے گی، اور یہ بات ذہن کو تازہ کرنے اور کچھ کچھ عرصہ بعد ذرا سا اس سبق کو یاد کر لینے، دہرا لینے کی ضرورت ہے اور اس میں کوئی مشکل نہیں ہے، اب تو حال یہ ہو گیا ہے، وضو کرنا، نماز کے انتظار میں بیٹھنا سب اور یہ عید ملنے لوگ جا رہے ہیں۔ سب عادتاً رسماً جا رہے ہیں کہ وہ کہیں گے کہ ہمارے یہاں نہیں آئے، ہم سے ناراض ہیں یہ سب کیا ہے۔ اگر یہ نیت کر لیں کہ عید ملنے اس لیے وہاں جا رہے ہیں کہ ہمارے مسلمان بھائی خوش ہوں گے، فلاں صاحب

فلاں دوست خوش ہوں گے کچھ بیٹھ کر اللہ کی یاد کریں گے۔ ویسے بھی مسلمان سے ملنا اور سلام کرنا ثواب ہے تو کھانے میں بھی، ملنے میں بھی، ملاقات، تعلقات سب میں نیت ہو۔

دوسری بات یہ ہے کہ کسی کتاب کا مطالعہ، سب سے بہتر کتاب ان میں ہے "زاد المعاد فی هدی خیر العباد" ابن قیم کی یعنی آخرت کی زادراہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے طریقہ کے مطابق، اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا طریقہ کیا تھا۔ کس طرح آپ نماز پڑھتے تھے، کس طرح روزہ رکھتے تھے، کس طرح عبادات، معاملات، فرائض اور کس طرح آپ کھانا کھاتے تھے، شروع میں اللہ کا نام لیتے تھے، شکر کرتے تھے، اور کس طرح بیٹھتے تھے کیا آداب ہیں۔ اس کے علاوہ اور بھی کتابیں قاضی ثناء اللہ صاحب پانی پتی کی، حضرت مولانا اشرف علی تھانوی کی کتابیں ہیں، حضرت شیخ الحدیث کی کتابیں ہیں، ہماری کتاب "دستور حیات" ہے تو انہیں دیکھا جائے، پڑھا جائے۔ ہم دیکھیں کہ کون سا کام کس طرح حضور صلی اللہ علیہ وسلم کرتے تھے اسی طرح کرنے کی کوشش کی جائے۔

ایک بات تو یہ ہوئی اور باتیں تو چند ہی کہنا ہیں تیسری بات یہ ہے کہ کچھ سحر سے پہلے اٹھنے کی کوشش کی جائے۔ چار ہی ۴ رکعت ہوں، دو دو رکعت کر کے پڑھیں۔ وہ وقت اللہ تعالیٰ کی رحمت متوجہ ہونے کا ہے، بلکہ کبھی دو دو رکعت پڑھے۔ اللہ توفیق دے تو آٹھ رکعت جو مسنون ہیں ورنہ چار ہی رکعت پڑھ لے اور اس کے بعد کچھ ذکر و استغفار کریں۔ اس پر تمام اولیاء اللہ کا اتفاق ہے۔

اور تمام طرق جو تصوف کے طریقے ہیں، اور صالحین کا اور جتنی نسلیں امت کی گذری ہیں، سب کا اس پر اتفاق ہے کہ وہ وقت بڑا قیمتی ہے۔ اللہ تعالیٰ کی رحمت کے نزول کا وقت ہے، دعاؤں کی قبولیت کا وقت ہے۔ تھوڑی سی اس کی عادت ڈال لیں تھوڑا سا فرق پڑتا ہے۔ زیادہ فرق نہیں فرض کر لیجئے کہ صبح صادق تین بج کر پینتیس منٹ پر ہو رہی ہے۔ اب لوگ ہیں۔ ساڑھے تین بجے اٹھ جاتے ہیں، چار پونے چار بجے اٹھ جاتے ہیں تو تین بجے اٹھ جائیں۔ تین بج کر دس منٹ پر اٹھ جائیں، اور جلدی جلدی وضو کر کے دو دو رکعت کر کے نماز پڑھ لیں اور پھر دعا کریں اپنے لیے تمام مسلمانوں کے لئے اسلام کے غلبہ کے لیے، حسن خاتمہ کے لیے اور جو بھی یاد ہو اور ایک تسبیح درود شریف کی، ایک تسبیح تیسرے کلمہ کی، ایک تسبیح استغفار کی ہو

جائے تو اور ہی اچھا ہے۔

یہ تین چیزیں ہیں اور باقی یہ کہ بزرگوں کے حالات پڑھے جائیں، اس کا بڑا اثر پڑتا ہے۔ صحابہ کرامؓ تابعین عظامؒ اور پھر بڑے بڑے مشائخؒ اور بڑے بڑے اولیا، جو ہیں، شیخ عبدالقادر جیلانی، امام غزالی، خواجہ معین الدین چشتی، خواجہ نظام الدین اولیا، حضرت مجدد الف ثانی پھر حضرت شاہ ولی اللہ صاحبؒ پھر حضرت سید احمد شہیدؒ صاحب شاہ اسمٰعیل شہیدؒ، حضرت مولانا شاہ فضل الرحمن گنج مرادآبادی وغیرہ، اور کتابیں جو اردو میں بھی ہیں، عربی میں بھی ہیں ان کا مطالعہ کریں۔ اور دینی چیزوں کا احترام یہ بہت بڑی چیز ہے۔ اور یہ بہت ضروری ہے۔ اس میں کمی ہوئی ہے یعنی مساجد کا احترام، قرآن مجید کا احترام علماء کا احترام اور مسلمانوں کا احترام، اسلام کا احترام، حدیث کا احترام، یہ ختم ہو گیا ہے، عبادات بھی بڑھ گئیں، دعوت و تبلیغ بھی بڑھ گئی۔ مگر احترام کم ہو گیا ہے اس احترام کا بھی خیال کریں، اس سے اللہ تعالیٰ کی رحمت متوجہ ہوتی ہے۔

ومن يعظم شعائر الله فانها من تقوى القلوب.

جو اللہ کی نشانیوں کا احترام کرے گا وہ قلوب کے تقویٰ کی بات ہے۔

یہ دو چار باتیں ہیں، ایک تو یہ کہ تصحیح نیت کا خیال کریں جو کام عادۃً کرتے ہیں اب ذرا ذہن حاضر کر کے کریں کہ صرف عادت نہیں بلکہ اس میں ثواب ہے، کوئی آئے اس سے ہنس کر مل رہے ہیں، خوش ہو کر بات کر رہے ہیں، دونوں حالتوں میں ایسا ہی کریں گے مگر یہ سوچ کر کریں کہ اس میں ثواب ہے، مسلمان ہے۔ ملنے آیا ہے، ہنس کے ملنے سے خوش ہوا۔ اگر یہ خوش ہو کر گیا تو اس میں اللہ کی بھی خوشی ہے عزیزوں سے ملنا، گھر والوں کے جو تعلقات ہیں، ان کا استحضار کر کے ملنا، معاملہ کرنا کہ عید کے دن ملنے جانا ہے۔ پچاس جگہیں جانا ہے مگر یہ خیال کر کے کہ ان کا یہ حق ہے مشروع نہیں ہے۔ مگر ذہن کو تھوڑی دیر کے لیے حاضر کر کے کہ ایک مسلمان کو اس سے خوشی ہوگی، مسلمان کا دل خوش ہونے سے اللہ خوش ہوتا ہے۔

اور جو کام ہم کرتے ہیں ان میں کتاب کے ذریعہ یا اگر ایسے علماء میسر ہوں ان سے پوچھ کر کام کو کرنا کہ سنت کے مطابق کس طرح کام کیا جاتا ہے۔ سنت کے مطابق کرنے کی کوشش کریں اس سے اللہ تعالیٰ ولایت تک پہنچا دیتا ہے، اللہ تعالیٰ ہم سب کو توفیق عطا فرمائے۔ (آمین)

وما علينا الا البلاغ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

مسلمانوں پر ایک نظر قلب پر تین اثر

الحمد للہ وسلام علیٰ عبادہ الذین اصطفیٰ

اس وقت کہیں مسلمانوں کی تعداد سن کر، اور ایک جگہ ان کا کوئی مجمع دیکھ کر دل پر تین قسم کے نہایت مختلف اثر ہوتے ہیں۔

۱۔ مسرت ۔۲۔ حیرت ۔۳۔ حسرت

مسرت:

اس کی کہ الحمد اللہ ! ایک وقت تھا کہ روئے زمین پر کلمہ گو انگلیوں پر گنے جاتے تھے، اور یہ وہ تھے جو ساری دنیا کی اصلاح کو نکلے تھے اور پوری امت کہلاتے ہیں۔

کنتم خیر امۃٍ اخرجت للناس تامرون بالمعروف و تنھون عن المنکر وتومنون باللہ .

تم وہ بہتر سا متوں سے جو بھیجی گئیں عالم میں اچھے کاموں کا حکم کرتے ہو اور برے کاموں سے روکتے ہو اور اللہ پر ایمان لاتے ہو اور جن کو قریبی زمانہ میں زمین کا نقشہ اور قوموں کی تقدیریں بدلنی تھیں اور جنہوں نے اس تعداد پر خشکی اور تری سے دشمنی مول لے لی تھی۔ مدینہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حکم سے تین مرتبہ مسلمانوں کو شمار کیا گیا پہلی مردم شماری میں مسلمانوں کی تعداد ۵۰۰ دوسری میں ۶۰۰ اور ۷۰۰ کے درمیان تھی اور تیسری مرتبہ شمار میں مسلمان ڈیڑھ ہزار تھے تو پھر اس تعداد پر مسلمانوں نے اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کیا اور اطمینان کی سانس لی، کہ اب ہم ڈیڑھ ہزار ہو گئے ہیں، اب ہمیں کیا ڈر ہے؟ ہم نے تو وہ زمانہ دیکھا ہے جب ہم اکیلے نماز پڑھتے تھے اور پھر بھی ہر طرف سے دشمنوں کا خوف لگا رہتا تھا۔

بہرحال شکر کا مقام ہے، اور اللہ کا احسان ہے اور یہ احسان اس نے ایک جگہ جتایا ہے۔

واذکر واذا انتم قلیل مستضعفون فی الارض تخافون ان یتخطفکم الناس فاواکم وایدکم بنصرہ ورز قکم من الطیبت لعللکم تشکرون .

اور یاد کرو جس وقت تم تھوڑے تھے مغلوب پڑے ہوئے ملک میں ڈرتے تھے کہ اچک لیں تم کو لوگ پھر اس نے تم کو ٹھکانہ دیا اور قوت دی تم کو اپنی مدد سے اور عطا کیں تم کو پاک چیزیں تا کہ تم شکر کرو۔

ایک نبی نے اپنی قوم کو اللہ تعالیٰ کا یہ احسان اس طرح یاد دلایا:

واذکر واذ کنتم قلیلا فکثر کم

اور یاد کرو جب تم تھوڑے سے تھے تو تمہیں زیادہ کر دیا۔

آج صرف ایک جگہ اسلام کے مرکز سے ہزاروں میل دور مسلمان کہلانے والوں کی اتنی صورتیں نظر آ سکتی ہیں جن سے بہت کم کو دیکھنے کے لئے آنکھیں ترستی تھیں اور خواب میں بھی نظر نہیں آتی تھیں۔ او ان کے زرق برق لباس اور بیش قیمت پوشاک کی وجہ سے نظر نہیں ٹھہرتی۔

ایک وہ وقت تھا کہ مکہ کا نازوں کا پلا امیر زادہ مصعب بن عمیر کہ وہ جس وقت مکہ کی گلیوں میں نکلتا تھا تو دو دو سو روپیہ سے کم کی پوشاک جسم پر نہ ہوتی تھی، اور آگے پیچھے غلام ہوتے تھے اور جس سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بہت ہی محبت تھی اور جس کے ہاتھ میں جنگ احد میں مسلمانوں کا جھنڈا تھا۔ جب احد میں شہید ہوتا ہے تو اس کے ترکہ میں اور مسلمانوں کے پاس اتنا نہیں ہوتا کہ اس کو فراغت سے کفن دے سکیں، صرف ایک کمبل ہوتا ہے کہ جب اس سے سر چھپاتے ہیں تو پیر کھل جاتے ہیں، اور پیر چھپاتے ہیں تو سر کھل جاتا ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں کہ سر چھپا دو اور پیر پر گھاس ڈال دو۔

حیرت:

اور ایسی حیرت ہے کہ عقل کام نہیں کرتی اور سکتہ طاری ہو جاتا ہے کہ ان شتر بانوں اور خانہ بدوشوں کی کیا کایہ پلٹ ہوئی کہ پلک جھپکاتے میں شتربان سے جہاں بان بن گئے، قیصر و کسریٰ کے تاج پیروں سے روندے، زمین کا جغرافیہ بدل دیا، دنیا کی تاریخ بدل دی، دنیا

بدل دی پھر دیکھتے دیکھتے ایسی کایا پلٹ ہوئی کہ جہاں سے پہلے تھے اس سے بھی پیچھے ہٹ گئے وہ کیا چیز تھی جو آئی اور گئی! حیرت اس کی ہے کہ جب وہ مٹھی بھر تھے، ایک گھر بھر بھی نہیں تھے تو بحر و بر پر چھائے ہوئے تھے، ہوا کی طرح کوئی جگہ ان سے خالی نہیں تھی اور جب مور و ملخ کی طرح ہوئے تو ان کا نشان نہیں ملتا، سب سے بڑھ کر حیرت اس کی ہے کہ وہ بھی زیادہ سے زیادہ مسلمان کہلاتے تھے، اور یہ بھی کم سے کم مسلمان کہلاتے ہیں، حیرت ہے کہ کیا یہ معمہ جو دنیا میں سب سے زیادہ بے فکر و مطمئن نظر آتا ہے فکر و تردد اس سے کوسوں دور معلوم ہوتا ہے جس کو بظاہر دنیا کے ہر کام سے فراغت ہو چکی ہے یہی حقیقتاً دنیا کی سب سے بڑی گراں بار، ذمہ دار اور مصروف دار قوم ہے جو روئے زمین سے برائی اور بد اخلاقی دور کرنے اور گناہ اور ظلم مٹانے کے لئے نیکی کی اشاعت، مظلوموں کی حمایت امن کی حفاظت کے لئے بھیجی گئی ہے کیا یہ اپنا کام ختم کر چکے کیا دنیا سے برائیاں اور بد اخلاقیاں دور ہو چکیں، کیا اب کسی پر اور خود اس پر ظلم نہیں ہوتا۔ کیا جن کے چہروں پر فاتحانہ مسرت، لبوں پر کامرانی کی مسکراہٹ آنکھوں میں شادمانی کی چمک ہے، دنیا کی وہی سب سے بڑی مصیبت زدہ اور بد بخت قوم ہے جس پر روز بروز زمین تنگ ہوتی جا رہی ہے اور جس کے وہ ملک ہاتھ سے نکل گئے جو دل کے ٹکڑوں اور اولاد سے بڑھ کر تھے، جن کے ایک ایک بالشت کی قیمت مسلمانوں نے خالد اور ابوعبیدہ، سعد و معاذ طارق و محمد بن قاسم، نور الدین و صلاح الدین کی جان اور خون سے ادا کی تھی جن میں کا ہر ایک اس وقت کل مسلمانوں سے زیادہ قیمتی ہے کاش کہ ان میں کا ایک ہی ہوتا، اور ان میں کا ایک بھی نہ ہوتا۔ کیا یہ وہی قوم ہے جن کی عزتیں، جن کی آبرو، جن کے نبی کا ناموس اور جن کے شعائر دینی کسی وقت محفوظ نہیں۔ اور جن کی زندگی اور موت جن کے قلب اور دماغ اور جن کی اولاد بھی دوسرں کے ہاتھوں میں رہ چکی ہو یا ہو۔

کیا یہ وجیہ چہرے، یہ شاندار و باوقار صورتیں، یہ بارعب جسم وہ ہیں جو تجربہ کار دشمن و دست کی نظر میں حقیر، بے وقار بے رعب ہیں۔

واذ رايتهم تعجبك اجسامهم وان يقلو اتسمع لقولهم كانهم خشب مسندة يحسبون كل صيحة عليهم .

اور جب تم ان کو دیکھو گے ان کے جسم بڑے بھلے معلوم ہوں گے اور جب یہ کچھ کہنے

لگیں گے تو کان لگا کر سننے لگو گے لیکن ان کے حقیقت کیا ہے، گویا کہ یہ ٹیک لگائی ہوئی لکڑیاں ہیں ہر آواز کو اپنے خلاف ہی سمجھتے ہیں۔

اور یہ جو کاندھے سے کاندھا ملائے پہلو بہ پہلو کھڑے ہیں، یہاں اور یہاں سے باہم عدالتوں میں اور عدالتوں سے باہر دشمنوں کی طرح لڑ چکے ہیں اور لڑتے رہتے ہیں۔ یہ کاندھے سے کاندھا پہلو سے پہلو ملائے ہوئے ہیں لیکن ان کے دل بالکل الگ الگ ہیں۔

تحسبهم جميعا و قلوبهم شتىٰ.

تم ان کو اکٹھا سمجھتے ہو حالانکہ ان کے دل علیحدہ ہیں۔

کیا وہ قوم قیامت تک بھی کبھی مسرور و مطمئن ہو سکتی ہے جس کی تاریخ میں ایک مرتبہ بھی اسپین کا واقعہ ہو چکا ہو اور جس کے بعض اور دوسرے ممالک بھی اسپین بن چکے ہیں۔

کیا وہ قوم اطمینان کی سانس لے سکتی ہے جو اپنے نبی کی وصیت،

اخرجوا الیهود و النصاری من جزیرة العرب

(یہودیوں اور عیسائیوں کو جزیرہ عرب سے نکال دو۔) پوری نہ کر سکتی ہو۔

کیا وہ قوم جس کے اوقاف و املاک مساجد اور مآثر و مشاہ خانقاہوں، اور دوسری دینی اور قومی یادگاروں پر دوسروں کا قبضہ ہو، اپنے کو کچھ با اختیار سمجھ سکتی ہے۔

حسرت:

جتنا علم ہوتا ہے اتنے ہی انکھوں سے پردے اٹھتے جاتے ہیں اور دل کی حالت بدلتی جاتی ہے، اکثر اطمینان کے بجائے حیرت اور مسرت کے بجائے حسرت ہوتی ہے، اسی لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے تھے:

لو تعلمون ما اعلم لضحكتم قليلا ولبكيتم كثيراً

اگر تم وہ جانتے جو میں جانتا ہوں تو تھوڑا ہنستے اور زیادہ روتے۔

آپ جب دیکھتے ہیں کہ ایک ضعیف پیر مرد کے جوان توانا و تندرست بیٹے اور پوتے ہیں تو آپ سمجھتے ہیں کہ یہ بوڑھاپے میں اس کا سہارا اور آنکھوں کی ٹھنڈک ہیں، ان کو دیکھ کر اس کا دل باغ باغ ہو جاتا ہوگا کہ جو باغ میں نے اپنے ہاتھ سے لگایا تھا وہ میری زندگی میں پھل پھول رہا

ہے، ایسے اقبال مند تھوڑے ہوتے ہیں، اس کی مٹی ٹھکانے لگی ہوگی، مگر جب وہ پیر مرد ان کو دیکھتا ہے، تو دل پکڑ کر رہ جاتا ہے کہ ان میں سے ایک بھی مرتے ہوئے میرے حلق میں پانی ٹپکانے کا روادار نہیں، وہ کہتا ہے کہ کاش کہ یہ نہ ہوتے تو یہ حسرت تو نہ ہوتی کہ ہو کر کے بھی میرے نہیں۔

یہی حالت اس وقت ہماری ہے، اسلام جب اپنی اولاد پر نظر ڈالتا ہے تو کہتا، بہت ہیں اگر کام کے ہوتے تو ان سے بہت کم بھی کافی تھے، یہ سب میرے ہی نام سے پکارے جاتے ہیں، اور میرے ہی کہلاتے ہیں، لیکن ان میں سے میرے کام کے تھوڑے ہیں، خدا کا شکر ہے کہ آنکھوں پر پردہ پڑا ہوا ہے، عیب چھپے ہوئے ہیں اگر پردہ اٹھ جائے تو آنکھیں دیکھیں کہ کمزوریوں کا، نقائص کا عیوب کا اور گناہوں کا بازار اور میلہ لگا ہوا ہے، اور ان زرق برق لباسوں میں بہت جانور اور درندے ہیں لیکن اگر ہماری آنکھوں پر پردہ پڑا ہوا ہے تو عالم الغیب تو دیکھ رہا ہے وہ صورتیں نہیں دیکھتا، نام نہیں پوچھتا، وہ دل اور عمل دیکھتا ہے۔

وہ دیکھ رہا ہے کہ یہ انسان نہیں انسانوں کا کوڑا کرکٹ ہیں، جن میں دانے اور کام کے موتی بہت تھوڑے ہیں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا تھا کہ تم پر قومیں اس طرح اکٹھا ہو جائیں گی جس طرح کھانے والے لگن پر، لوگوں نے پوچھا یارسول اللہ ہماری تعداد کی کمی کی وجہ سے، فرمایا نہیں۔ تم بہت ہوگے، لیکن تمہارا رعب ان کے دلوں سے اٹھ جائے گا، تم سیلاب کے کوڑے کرکٹ کی طرح ہو جاؤ گے۔

یہ تو اللہ دیکھتا ہے، لیکن ہم جو کچھ دیکھتے ہیں وہ یہ ہے کہ:

۱۔ ان میں سے بیسیوں وہ لوگ ہیں، جو کلمہ کے معنی نہیں جانتے اور شرک وتوحید و رسالت کے متعلق سرے سے ان کا کوئی عقیدہ ہی نہیں، ایسے کثرت سے ہیں جن کے دل میں توحید پوری طرح سے نہیں اتری نہ شرک سے ان کو کوئی نفرت ہے ایسے بھی کچھ کم نہیں کہ قرآن مجید کے مطابق صریح شرک وبت پرستی میں مبتلا ہیں۔

۲۔ ایسے سینکڑوں ہیں جو اسلام کو بالکل نہیں سمجھتے نہ کبھی سمجھنے کی کوشش کرتے ہیں۔

ان کو اسلام یا اسلامی نام گھر کے سامان اور روایات کے ساتھ باپ دادا کے ترکہ میں ملا ہے اس کے متعلق ان کو اور کوئی علم نہیں وہ نہیں جانتے اللہ ان سے کیا چاہتا ہے، اسلام کے کیا

حقوق اور شرائط ہیں اسلام نے ان کی زندگی میں کوئی درستی یا فرق پیدا نہیں۔

۳۔ ایسے بہت ہیں جن کی زندگی اور موت کسی طرح اسلامی نہیں، اور ان کے رسم ورواج شادی، غمی، تمدن ومعاشرت، وضع قطع نشست وبرخاست، معاملات وتعلقات کسی سے بھی کوئی ان کو مسلمان نہیں سمجھ سکتا۔

۴۔ ایسے اکثر ہیں جو کسی معنی میں اسلام اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ آلہ وسلم کی امت کے لئے مفید نہیں اور ان کا ہونا نہ ہونا برابر ہے۔

۵۔ ایسے بہت ہیں کہ ان سے اسلام کے نام اور اس کی شہرت وعزت وکامیابی کو نقصان پہنچ رہا ہے ان کو دیکھ کر اور ان کے ساتھ رہ کر لوگ اسلام سے بدعقیدہ اور کبھی مرتد ہوجاتے ہیں۔

۶۔ بہت سے ایسے ہیں جن کو اسلام کے خلاف اور مسلمانوں کو نقصان پہنچانے کے لئے اسلامی شعائر اور مقاماتِ مقدسہ کی بے حرمتی کے لئے مفت اور بہت تھوڑی قیمت پر ہر وقت استعمال کیا جاسکتا ہے۔

۷۔ ایسے بہت زیادہ ہیں جن کو اسلام کے ساتھ کوئی محبت وہمدردی نہیں، انکو ان کی مشکلات وضرورت کا کوئی غم نہیں وہ یہ بھی نہیں جانتے کہ مسلمان کہاں کہاں بستے ہیں اور وہ ان کے لئے کیا کرسکتے ہیں۔

۸۔ ایسے بھی ہیں جو مسلمانوں کو حقیر سمجھتے ہیں مسلمان کہلانے سے شرماتے ہیں اور مذہب پر ہنستے ہیں۔

۹۔ ایسے بہت ہیں جو اپنی اور مسلمانوں کی حالت پر قانع ہیں۔ انہیں اسلام اور مسلمانوں کی عزت اور ترقی کے دیکھنے کا کہیں کوئی شوق اور ارمان نہیں ہوتا اور نہ ذلت سے کوئی تکلیف ہوتی ہے ان کو یہ چیز کوئی غیر معمولی نہیں معلوم ہوتی۔ بہت ایسے ہیں کہ خود اپنی نظر میں ان کی کوئی عزت نہیں، وہ اپنی قیمت نہیں جانتے، اپنی تاریخ اپنے ماضی اپنے اسلاف اور بزرگوں سے بالکل ناواقف ہیں وہ کسی وقت ان پر فخر اور اپنے اسلام پر شکر نہیں کرتے اور نہ ان کو ان کی پیروی کا شوق اور نہ کھوئی ہوئی چیزوں کا افسوس، ان کے سامنے اسلام کا کوئی اصلی نمونہ اور اس کا کوئی بلند تخیل نہیں، اس لئے وہ سست، دل شکستہ اور مایوس ہیں۔

۱۰۔ اکثر ایسے ہیں جو محض دیکھا دیکھی اور رسمی مسلمان ہیں۔ اس لئے نہ ان کو اسلام کا علم

ہے۔ نہ اس پر فخر و شکر ہے نہ اس میں ان کو کوئی لطف ہے اور نہ ان کے اخلاق و اعمال پر اس کا نور و برکت و اثر ہے۔

بتایئے کہ ایسے مجمع کو دیکھ کر کیا خوشی ہو، حقیقت میں آج کل جہاں مسلمان جمع ہو جائیں وہاں عقائد و مذہب کا عجائب خانہ دینی اور روحانی امراض کا بیمار خانہ، عیوب کا بازار لگ جاتا ہے مگر ع:

یہ رونے کی جا ہے تماشہ نہیں ہے

عبرت:

اب مسرت و حیرت و حسرت کے بعد عبرت ہی کا درجہ ہے مبارک ہیں وہ لوگ جو اس درجہ کو بھی طے کر لیں۔

ان فی ذلک لعبرۃ لاولی الابصار

آیئے! ہم اپنا مقابلہ اسلام کے پہلے نمونوں سے کریں۔

۱۔ صحابہ گنتی کے تھے اور تمام دنیا پر بھاری تھے

۱۔ ہم لاتعداد ہیں اور زمین پر بھاری ہو رہے ہیں۔

۲۔ صحابہ بادشاہوں پر سلطنت کرتے تھے۔

۲۔ ہمیں غلاموں اور غلاموں کی غلامی بھی بہزار دقت سے نصیب ہوتی ہے۔

۲۔ صحابہ کچھ نہ تھے اور سب کچھ ہو گئے۔

۲۔ ہم سب کچھ تھے اور کچھ نہ رہے۔

۴۔ صحابہ کی دنیا عزت اور اطمینان سے بسر ہوتی تھی اور آخرت اس سے کہیں بہتر۔

۴۔ ہماری زندگی سخت ذلت فکر و پریشانی سے گزرتی ہے اور اخرت کی بھی بظاہر امید اچھی نہیں۔

اب ہمیں غور کرنا چاہئے کہ یہ کس چیز کی نحوست اور وہ کس چیز کی برکت تھی صحابہ کے پاس کونسا کیمیا کا نسخہ تھا کیا کرامت تھی۔ ان کی زندگی میں۔ بیٹھے بیٹھائے کیا انقلاب ہوا۔ جس نے دنیا میں انقلاب بپا کر دیا۔ ان کی پوری زندگی کا بغور مطالعہ کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کے سوا کوئی قابل ذکر غیر معمولی واقعہ نہیں ہوا کہ انہوں نے اپنی زندگی و موت، عقل و رائے، دل

ودماغ مرضی واختیار اور یہ پوری مشین کی کنجی ایک ایسے انسان کو سپرد کردی تھی جو معصوم تھا، خود دنیا کا سب سے بڑا حکیم تھا اور جو خدا کے مشورہ حکم سے کام کرتا تھا جس سے غلطی ہونی ممکن نہیں۔ اسی کی وحی سے بات کرتا تھا۔ اسی کی روشنی میں چلتا تھا۔

ان هو الا وحی یوحیٰ

رسول اپنی خواہشات سے بات نہیں کرتا اس کی گفتگو محض وحی ہے جو بھیجی جاتی ہے وہی ان کو اٹھاتا تھا، بیٹھاتا تھا، چلاتا تھا، پھراتا تھا، جدا کرتا تھا، ملاتا تھا۔

بھڑکتی نہ تھی خودبخود آگ ان کی
شریعت کے قبضہ میں تھی باگ ان کی
جہاں کردیا نرم نرما گئے وہ
جہاں کردیا گرم گرما گئے وہ

پھر دنیا میں کونسی قوت کون سی عقل تھی جو ان کا مقابلہ کرتی وہ خدا کی تقدیر اور قضاء مبرم بن گئے تھے، جو ٹل نہیں سکتی تھی۔ وہ خود کیا کر رہے تھے اللہ اور اس کا رسول کر رہا تھا۔

جس وقت اس نادان کمسن بچے (امت) نے اس اتالیق اعظم اس مربی اکبر اس دانا جہادیدہ، کی انگلی چھوڑ دی، وہ پیچدار گلیوں میں، بھیڑ میں پڑ گیا، وہ جتنا چلتا ہے، اپنے گھر سے دور ہوتا جاتا ہے، چلاتا ہے، اور روتا ہے مگر کوئی اس کا ہاتھ نہیں پکڑتا وہ بھوکا ہے اور پیاسا ہے، مگر کسی کو اس پر ترس نہیں آتا۔

وہ اتالیق اب بھی ان تمام لوگوں سے اس بچے سے زیادہ قریب ہے، لہذا زیادہ شفیق ہے، جن کی صورت یہ تکتا ہے مگر وہ منہ پھیر لیتے ہیں جن کا ہاتھ یہ پکڑنا چاہتا ہے مگر وہ چھڑا لیتے ہیں، لیکن وہ بچہ اس کی طرف کسی طرح متوجہ نہیں ہوتا۔

معلوم ہوا کہ ہم میں اور ان میں جو فرق ہے وہ اتباع کا ہے وہ نسخہ کیمیا (قرآن) اب بھی موجود ہے، استعمال کرنے کی دیر ہے نسخہ استعمال کرنے والا اور نسخہ پڑھنے والا برابر نہیں ہو سکتے۔

قرآن مجید پڑھو یا پڑھوا کر سنو، فرائض واحکام کی فہرست دیکھو، جو کمی ہو، پوری کرو، اپنی اپنی اصلاح کرو، کہ قوم کی اصلاح اسی طرح ہوگی۔

وما علینا الا البلاغ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

علم اسلام سے اور جہالت جاہلیت سے جڑی ہے

الحمد للہ و کفی وسلام علی عبادہ الذین اصطفیٰ اما بعدO فاعوذ باللہ من الشیطان الرجیمO بسم اللہ الرحمن الرحیم O

حضرات! پڑھے لکھے لوگوں نے دو لفظ سنے ہوں گے ایک اسلام اور دوسرے جاہلیت، یہ قرآنی اصطلاحت ہیں اور کثرت سے یہ الفاظ استعمال ہوتے ہیں، لیکن جاہلیت کا لفظ جب بولا جاتا ہے تو ذہن عہد رسالتؐ کے قبل کے زمانہ کی طرف منتقل ہوتا ہے، رسالت سے قبل ساری دنیا میں جہالت پھیلی ہوئی تھی لوگ خدا کو بھول گئے تھے اور زندگی کے مقصد کو بالکل فراموش کر چکے تھے اور انسانیت کے منصب اور خدا سے اس کا جو تعلق ہونا چاہئیے تھا اس کو بھول گئے تھے عام طور سے لوگ اس کو ایک تاریخی عہد سمجھتے ہیں اور اسلام کے پہلے کے زمانے کو عہد جاہلیت کہتے ہیں اس کے بعد کا دور اسلامی کہلاتا ہے۔

اسلام کے معنیٰ اپنے آپ کو اللہ کے حوالے کر دینا ہے اپنی تمام چیزوں، اپنی خواہشات، اپنے ماضی اپنے فوائد، اپنے اغراض، اور اپنے ان مقدسات سے جو اس کے دل ودماغ پر حاوی ہیں ان کے قابو سے نکل جانا اور ان سے دست بردار ہو جانا ہے جسے انگریزی میں **surrnder** کرنا کہتے ہیں، اللہ ورسول کے احکام پر چلنا یعنی خدا چاہی زندگی گذارنا اسلام ہے اور جاہلیت کے معنی ہیں من مانی زندگی گذارنا جو دل میں آئے وہ کرنا، جیسا ہو رہا ہے ویسا کرنا، جو لوگ چاہتے ہیں اس کے مطابق کرنا، جس میں آدمی فائدہ دیکھے وہ کرنا، جس میں شہرت ملے، عزت ملے، نام ونمود ملے وہ کرنا، جو جی میں آئے وہ کرنا، جس میں مزہ آئے اور جس میں فائدہ معلوم ہو، جس میں چرچا ہو، تزکرہ ہو، لوگ تعریفیں کریں جس میں لذت ملے اور عزت ملے وہ کرنا لیکن جاہلیت کے متعلق آپ کے ذہن میں ایک بات یاد رہنا چاہئے کہ جاہلیت جہالت کے لفظ سے ہے، اور جہالت جاہلیت پیدا کر دیتی ہے، اسلام قبول کرنے کے

بعد مسلمان گھرانے میں پیدا ہونے کے بعد، اپنے کو مسلمان کہلانے کے بعد اگر آدمی نے دین کی ضروری اور بنیادی معلومات حاصل نہیں کیں، قرآن مجید کا مطالعہ نہیں کیا، ترجمہ کے ذریعہ، عالموں کے ذریعہ، دینی کتابوں کے ذریعہ اس کو اللہ ورسول کا منشا نہیں معلوم ہوا اور اس نے اس کی کچھ پرواہ نہیں کی تو وہ جاہلیت پھر آجائے گی، یعنی وہ جاہلیت جو گذر گئی اس کے متعلق یہ ہرگز نہ سمجھنا چاہئے کہ وہ واپس نہیں آسکتی ہے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے، بار بار فرمایا'' اجاهلية بعد الاسلام'' کیا اسلام کے بعد جاہلیت چاہتے ہو؟ اور ایک صحابی جن سے ایسی ہی غلطی ہوئی تھی، ان کے متعلق آپ نے فرمایا: ''إنک امرء فیک جاهلية'' (تم ایسے آدمی ہو جس کے اندر جاہلیت کی بو باقی ہے)، تو معلوم ہوا کہ جاہلیت کوئی گذرا ہوا زمانہ نہیں ہے جو گذرے ہوئے وقت کی طرح واپس نہ آسکتی ہو، بلکہ جاہلیت ایک طرز زندگی کا نام ہے اور اس طرز زندگی کو بنیادی طور سے جو چیز جاہلیت بناتی ہے وہ جہالت ہے تو اسلام کا جہالت کے ساتھ کوئی جوڑ نہیں ہے، اسلام کے لئے ضروری ہے کہ بنیادی معلومات حاصل ہوں، اور آدمی کو معلوم ہو کہ کیا چیز اللہ تعالیٰ کو پسند ہے اور کیا اللہ تعالیٰ کو ناپسند ہے کیا چیز اللہ ورسول کے منشا کے مطابق ہے کیا چیز آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی پسندیدہ ہے، کیا چیز مسلمان، ایمان، اور عقیدہ کے مطابق ہے اور کیا چیز مطابق نہیں ہے۔ تو اس کا علم حاصل کرنا اپنے لئے بھی اپنے بچوں کے لئے بھی، آئندہ نسلوں کے لئے بھی اور اس کا انتظام کرنا ضروری ہے، اگر ہم قرآن مجید کی زبان سمجھنے اور اللہ تعالےٰ کے کلام کی سطح اور شان سے واقف ہوں اور یہ معلوم ہو کہ اس کلام کا ایک ایک لفظ کتنی، گہرائی رکھتا ہے، اور کتنی بلندی رکھتی ہے، اور اس کی کتنی اہمیت اور قدر وقیمت ہے تو کانپ جائیں، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

''إنما يخشى الله من عباده العلماء.'' انما

کلمہ حصر ہے یعنی اس کے سوا کچھ نہیں، اللہ سے وہی ڈرتے ہیں، اللہ سے وہی ڈر سکتے ہیں وہی ڈریں گے جو علم رکھنے والے ہیں۔ اردو زبان میں علماء سے مولوی صاحبان مدرس کے فضلاء۔ اللہ تعالیٰ ان کی تعداد میں اضافہ کرے، اور ان کے علم سے فائدہ پہونچائے۔ مراد لئے جاتے ہیں، لیکن کلام الٰہی اور کلام نبوت میں ان کا علم محدود نہیں ہے۔ ''العلماء'' جب کہیں گے تو ہمارے سامنے بڑے بڑے علماء آئیں گے حکیم الاسلام حضرت تھانوی کا نام آئے گا، حضرت

مدنی کا نام آئے گا، حضرت شیخ الحدیث زکریا کا نام آئے گا، مولانا سید سلیمان ندوی کا نام آئے گا۔ العلماء کے معنی ہیں۔ جاننے والے کے جب اللہ نے یہ فرمایا کہ اللہ سے علماء ڈریں گے اللہ سے وہی ڈر سکتے ہیں جو علم رکھتے ہیں تو معلوم ہوا کہ یہ دین جو ہم کو اسلام کے نام سے ملا ہے یہ علم سے جڑا ہوا ہے اس کا علم کے ساتھ ایسا رشتہ ہے جو ٹوٹ نہیں سکتا، ہم اسلام کا ایک ضروری اور بنیادی عنصر ہے، اس میں صحیح عقائد کا علم ہو جائے، فرائض کا علم ہو جائے اللہ تعالیٰ کی ضروری تعلیمات کا علم ہو جائے، کیا چیزیں لی کے منشا وفرمان کا علم ہو جائے، کیا چیزیں ہم پر فرض اور واجب ہیں، کیا اسلام ہے اور کیا کفر ہے اس کا فرق معلوم ہو توحید اور شرک کا فرق معلوم ہو، بدعت وسنت کا فرق معلوم ہو، طاعت اور معصیت کا فرق معلوم ہو، حرام وحلال کا فرق معلوم ہو، جائز وناجائز کا فرق معلوم ہو، اللہ تعالیٰ کی مرضیات اور نامرضیات کا فرق معلوم ہو۔

وہ علم جو اسلام کے لئے ضروری ہے وہ مواعظ کے ذریعہ، صحبت کے ذریعہ، تبلیغی جماعت میں شامل ہو کر، یا کوئی اور ایسا ماحول اور صحبت اختیار کر کے ضروری علم حاصل کرے، علم کے وسائل بہت ہیں اور الحمدللہ آسان ہو گئے ہیں اور مدرسوں کی وجہ سے اور بھی سہولتیں پیدا ہو گئیں ہیں کتابوں کی کثرت ہے مدارس کا فیض عام ہے، یہ مدارس کوئی معمولی چیز نہیں ہیں اللہ تعالیٰ ان کو قائم رکھے، ان کی وجہ سے ہندوستان کی ملت اسلامیہ اپنی خصوصیات کی وجہ سے باقی ہے آزادی سے قبل کا زمانہ مجھے یاد ہے جب انگریزوں کا اقتدار شباب پر تھا اس وقت خلیفہ شجاع الدین نے ایک رسالہ میں مضمون لکھا کہ اب ان مدرسوں کی کیا ضرورت ہے اب زمانہ بدل گیا، ہے ان مدرسوں کو اسکولوں میں تبدیل کر دینا جائے۔ جیسا کہ آج کل بعض لوگ مطالبہ کرتے ہی، علامہ اقبال نے کیمبرج اور جرمنی سے قانون، اقتصاد اور فلسفہ میں ڈاکٹریٹ کیا تھا، انہوں نے اس کا جواب دیا کہ خدا کے لئے تم یہ نہ کہو اگر دینی مدارس نہ رہے تو ہندوستان اسپین بن جائے گا، اسپین میں کیسے کیسے ولی اللہ مدفون ہیں، شیخ اکبر محی الدین ابن عربی وہاں مدفون ہیں فقہ مالکی میں ایک اصولی مسئلہ ہے کہ ان کے ہاں اہل مدینہ کا عمل حجت ہے اس میں کسی سے پوچھنے کی ضرورت نہیں ہے ویسے ایک زمانہ میں یہ مسئلہ بن گیا تھا کہ عمل قرطبہ حجت ہے، وہاں علماء کے فیض اور عربی علوم کے اثر سے اور محققین کے پیدا ہونے سے اور گھر گھر عالموں کے ہونے کی وجہ سے ان کی زندگی اسلام کے ڈھانچہ میں ڈھل گئی تھی کہ اتنا کہہ دینا کافی تھا کہ

قرطبہ میں، ایسا ہوتا تھا جس ملک کا ایسا حال ہو وہاں کا عمل حجت ہوا اور پوری شمالی افریقہ کی پٹی جو لیبیا اور سوڈان سے شروع ہوتی ہے اور مراقش تک جاتی ہے، اور پھر اسپین تک جاتی تھی یہ سارے علاقے سو فی صد مالکی ہیں ایسا کوئی ملک نہیں جو سو فیصد حنفی ہو، وہ ملک مسلمانوں سے خالی ہو جائے۔

علم ہمارے لئے اس لئے ضروری ہے کہ ہمارا اسلام کے ساتھ وابستہ رہنا اور اسلام پر پورے طور پر چلنا اس کے بغیر ممکن نہیں بلکہ ناممکن ہو سکتا ہے اور کم سے کم (ہمارا ہندوستان) جیسا ملک ہے۔ جس کے چاروں طرف جہالت کی جو فضا ہے اور جو کفر و شرک اور دوسرے مزاہب تیالوجی (دیومالائی) جو پھیلی ہوئی ہے اور اب آج کل ریڈیو، ٹی وی کے ذریعہ، پریس کے ذریعہ اور تاریخ کے ذریعہ اور ہر طرح سے وہ چیزیں پھیلائی جارہی ہیں جو کبھی ہندوستان میں تھیں وہ بھی سامنے لائی جارہی ہیں اس صورت میں دین کی تعلیم کی سخت ضرورت ہے گویا اس وقت اسلام کے باقی رہنے کا دارومدار اس پر ہے کہ آپ کے گھر والوں کو، آپ کے بچوں کو ضروری دینی معلومات حاصل ہوں، اس کا انتظام ہونا چاہئے، بار بار کہا اور لکھا ہے کہ بچوں کی صحت، اور بچوں کے کپڑے بنوانے، بچوں کے دوا علاج کرنے، بچوں کو، بیماریوں سے تحفظ فراہم کرنے سے کہیں زیادہ ضرورت ہے کہ ان کو اللہ و رسول سے واقف کرائیں اور ان کو کفر وایمان کا فرق بتائیں، انہیں شرک و توحید کا فرق بتائیں، اور شرک و بت پرستی کا فرق بتائیں، ہماری ماؤں اور بہنوں پر فرض ہے اور گھر کے لوگوں پر فرض ہے کہ ان کے دل میں ان، سے گھن پیدا کریں، ایسی گھن جو گندی و پاخانہ، پیشاب سے ہوتی ہے) جب تک ہماری نئی نسل کی دل میں بت پرستی چاہے وہ کسی قسم کی بت پرستی ہو اس کائنات میں کسی کو متصرف ماننے، کسی کو کارساز ماننے کارفرما ماننے، اور اپنی قسمت کا بنانے والا اور بگاڑنے والا جاننے، اس سے جب تک گھن نہ آئے جیسے پاخانہ اور پیشاب اور گندی چیزوں سے ہوتا ہے اس وقت تک اس کے ایمان کا اطمینان نہیں ہے کہ وہ اپنے ایمان پر قائم رہے۔

کفر و شرک سے مسلمانوں کو ایسی نفرت ہونی چاہئے جیسے آگ میں ڈالے جانے سے نفرت ہو کفر و شرک کی تمام شکلوں سے جب تک اس، کے دل میں نفرت نہ ہو، ہندوستان میں جو دیومالائی چیزیں ہیں اور بت پرستی کی جو چیزیں ہیں اور یہاں کے دیوتاؤں کے بارے میں

جو خیالات ہیں اس سے نہ صرف بچا رہے، یہ ایک بڑی نعمت ہے، بلکہ اس سے نفرت ہو، اور اس کے نام سے اس کا ذائقہ خراب ہو جائے، اور اس کے دل ودماغ اور احساسات پر ایسا اثر پڑے جیسے کوئی گندی چیز کھالی ہو۔

بچوں کو دینی تعلیم دینا اور ایسی دینی تعلم کا انتظام کرنا جس سے اس دین کا ضروری علم حاصل ہو جائے، بلکہ کفر اور شرک سے ایک قسم کی، نفرت وحشت نہ پیدا ہو اس وقت تک اطمینان نہیں کہ وہ کفر وشرک کا کوئی کام کر گذرے مائیں ایسے قصے سنائیں جس سے کفر وشرک کا فرق معلوم ہو حضرت ابراہیم علیہ السلام کا قصہ سنائیں، حضرت ابراہیم علیہ السلام آذر کے گھر میں پیدا ہوئے جہاں صرف حکومت بت پرستوں کی نہیں بلکہ ان کا، معاش بھی اس سے وابستہ تھا یعنی اعتقادی اور اقتصادی دونوں طور سے بت سازی ان کے گھر میں تھی، لیکن اللہ تعالی نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو داعی کبیر بنایا تھا بلکہ موحد امت کا بانی بنایا تھا۔ اللہ تعالی نے اپنے حکم سے کفر وشرک کے فرق کو یانار کونی بردا و سلاما ،،(اے آگ تو ٹھنڈی اور سلامتی والی ہوجا) سے عیاں کر دیا ایسے قصوں، سے ایسے واقعات سے بچوں میں، گھروں میں اور ماحول میں کفر وشرک کا امتیاز پیدا ہوگا اور اسلام کا صحیح علم حاصل کرنے کی رغبت پیدا ہوگی اسی لئے علم کو اسلام کے ساتھ مربوط رکھا گیا ہے تاکہ مسلمان اسلامی تعلیمات کے ساتھ مسلمان رہے ایمان وعقیدہ کے ساتھ مسلمان رہے۔

وما علینا الا البلاغ المبین

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اللہ اکبر

نحمدہ ونصلی علی رسولہ الکریم اما بعد o فاعوذ باللہ من الشیطان الرجیم o بسم اللہ الرحمن الرحیم o

تکبیر اور اس کے آفاق:

حضرات سامعین! نماز کو تکبیر یعنی اس متعین ماثور کلمہ سے شروع کرنے کا حکم ہے جس کو "اللہ اکبر" کہا جاتا ہے، یہ وہ بلیغ، واضح، فیصلہ کن اور ہر عہد، ہر ملک اور ہر معاشرہ کے لئے قابل فہم کلمہ ہے جس کے سامنے بڑے بڑے ظالم حکمراں، دیو پیکر انسان اور خود انسانوں کے تراشے ہوئے بت خاک کا ڈھیر بن جاتے ہیں اور ان کی جھوٹی خدائی کا طلسم پاش پاش ہو جاتا ہے، شرط یہ ہے کہ کہنے والے نے اس کو فہم و شعور اور یقین و اعتماد کے ساتھ ادا کیا ہو اور خدائی عظمت کے مدعی اس کے معنی سمجھتے ہوں اور جانتے ہوں کہ اس کی چوٹ کہاں اور کس کس پر پڑتی ہے، دراصل یہ پتھر کے بت جن کی عبادت کی جاتی ہے، یہ ہستیاں جن کو دیوتا سمجھا جاتا ہے، ان اشیا، کو جن کو مقدس قرار دیا جاتا ہے اور کائنات کی ان قوتوں کی جن کے سامنے انسان اپنا سر جھکانے لگتا ہے اور وہ حکام اور سیاسی رہنما جن کی آنکھ بند کرکے اطاعت کی جاتی ہے اور جن کے حکم کو بے چوں و چرا تسلیم کرنا ضروری قرار دیا جاتا ہے ان سب کے درمیان قدر مشترک عظمت و کبریائی، تفوق و ترفع اور استعلاء و استیلاء کا جذبہ ہے، یہ بلیغ مختصر لیکن انقلاب آفریں کلمہ جس کا قرآن مجید میں "وربک فکبر" (اپنے رب کی بڑائی بیان کرو) کے ذریعہ حکم دیا گیا ہے ان تمام دعووں اور دعوتوں، خود فریبیوں اور فریبوں، اوہام و خرافات اور مظاہر و جہالتوں کے طلسم کو پاش پاش کر دیتا ہے، اس کے ایک ایک جز کی نفی کرتا ہے اور ظلم و فساد کے ایک ایک مرکز کو بیخ و بن سے اکھاڑ پھینکتا ہے۔

اس شہادت کی اہمیت اور تاریخ میں اس کے کارنامے:

جب آدمی صدق دل سے اس کلمہ پر ایمان لاتا ہے اور اللہ تعالیٰ کی عظمت و کبریائی کی شہادت دیتے ہوئے ''اللہ اکبر'' کہتا ہے اور یہ عقیدہ اس کے دل کی گہرائیوں میں اتر جاتا اور رگ و ریشہ میں سما جاتا ہے تو اس وقت اس کی نظر میں بڑے بڑے بادشاہوں، ملکوں کے سربراہوں اور مطلق العنان حکمرانوں کی ساری عظمت و شوکت ہیچ ہو جاتی ہے بلکہ خاک میں مل جاتی ہے، ان کا رعب اس کے دل سے بالکل نکل جاتا ہے اور وہ اس کی نگاہ میں حقیر جانوروں یا انسانی تصویروں اور معمولی گڑیوں اور کھلونوں سے زیادہ وقعت نہیں رکھتے، وہ ان کی دولت و سطوت کے مظاہر سے وہ معاملہ کرتا ہے جو کوئی بلند قامت انسان بونوں کے ساتھ یا کوئی بزرگ و مربی اپنے شاگردوں اور چھوٹے بچوں کے ساتھ کرتا ہے۔

صحابہ کرامؓ نے جاہ و اقتدار اور دولت و ثروت کے مظاہر اور نمائش کے خلاف جو طرزِ عمل اختیار کیا اور جس سے ان چیزوں کی بے وقعتی کھل کر ظاہر ہوئی اس کی بکثرت مثالیں اور واقعات تاریخ کے ذخیرہ میں محفوظ ہیں۔

مورخ ابن کثیر لکھتے ہیں۔

''حضرت سعدؓ نے ربعی بن عامر کو ایرانی افواج کے سپہ سالار رستم کی طرف قادسیہ میں قاصد بنا کر بھیجا'' رستم کا دربار اس سے پہلے خوب آراستہ کیا گیا، ریشمی پردوں اور گدوں، ہیرے یاقوت اور دوسرے قیمتی ہیروں اور موتیوں کی خوب نمائش کی گئی تھی، رستم کے سر پر تاج اور بہت قیمتی پوشاکیں تھی، وہ ایک سونے کے تخت پر بیٹھا ہوا تھا، ربعی بن عامر اپنے پرانے کپڑوں اور تلوار و ڈھال کے ساتھ ایک پستہ قد گھوڑے پر سوار دربار میں داخل ہوئے اور فرش اور قالین کے ایک حصہ کو روندتے ہوئے آگے بڑھ گئے، پھر اترے اور انہیں گاؤ تکیوں میں سے ایک میں گھوڑے کو بے تکلف باندھ دیا، پھر ہتھیار لگائے زرہ پہنے اور سر پر خود لگائے ہوئے رستم کی طرف بڑھے، ان سے کہا گیا کہ ہتھیار رکھ دیں، انہوں نے جواب دیا کہ میں خود سے تمہارے پاس نہیں آیا ہوں، تمہارے بلانے پر آیا ہوں، مجھ کو اسی طرح چھوڑتے ہو تو خیر ورنہ میں واپس جاتا ہوں، رستم نے کہا کہ ''اجازت است'' وہ اسی قالین پر اپنا نیزہ ٹیکتے ہوئے آگے

بڑھے جس کی وجہ سے اس کا بڑا حصہ پھٹ گیا۔"

اس طاقتور عقیدہ اور ایمان ویقین کی بدولت اسلامی تاریخ کے ہر دور میں ایسے محیر العقول واقعات پیش آئے، اور ان لوگوں میں ایسی غیر معمولی اور خارق عادت قوتیں پیدا ہوگئیں کہ وہ سلاطین وامراء سے اس طرح کا معاملہ کرنے لگے جو بہت سے لوگ فقراء اور ضعفاء سے بھی نہیں کر سکتے، سلطنت کی جاہ وحشمت ان کے سامنے حباب کی طرح تحلیل ہوگئی اور ان کی نظر میں اس کی کوئی قوت باقی نہ رہی، شیخ الاسلام عز الدین بن عبدالسلام کے ایک رفیق "الباجی" نے ایمان کی اس قوت اور اخلاقی جرأت کا ایک واقعہ اپنی کتاب میں قلم بند کیا ہے وہ کہتے ہیں۔

ہمارے شیخ عز الدین ایک مرتبہ سلطان کے پاس قلعہ گئے، عید کا دن تھا انہوں نے دیکھا کہ دربار لگا ہوا ہے اور لشکر بادشاہ کے سامنے ایستادہ ہے، سلطان اپنی پوری شوکت وعظمت اور زینت کے ساتھ موجود ہے، امراء سلطان کے سامنے تعظیماً زمیں بوس ہیں، شیخ سلطان کی طرف متوجہ ہوئے اور ان کا نام لے کر پکارا "ایوب" اللہ کے سامنے تم کیا جواب دو گے اگر اس نے یہ پوچھا کہ ہم نے تجھ کو مصر کی فرمانروائی عطا کی اور تو شراب جائز کرتا ہے، سلطان نے کہا کیا ایسا ہوا ہے، شیخ نے کہا کہ ہاں فلاں دکان پر شراب فروخت کی جاتی ہے اور دوسرے منکرات ہوتے ہیں اور تم اپنے عیش وآرام میں پڑے ہو، یہ سب باتیں بہت بلند آواز سے کہتے رہے اور لشکری اسی طرح مودب کھڑے رہے اس نے جواب میں کہا کہ یہ میرا کیا ہوا نہیں ہے یہ سلسلہ تو میرے والد کے زمانہ سے قائم ہے، شیخ نے جواب دیا کہ کیا آپ ان لوگوں میں ہیں جو کہتے ہیں۔ "انا وجدنا آباء نا علی امة" کہ ہم نے اپنے باپ دادا کو اسی طریقہ پر پایا۔ یہ سنتے ہی سلطان نے اس دکان کو بند کر دینے کا فرمان جاری کر دیا جب شیخ سلطان کے پاس سے واپس آئے اور یہ خبر مشہور ہوئی تو میں نے شیخ سے ماجرا پوچھا انہوں نے جواب دیا کہ میرے عزیز جب میں نے اس کو شوکت وعظمت میں دیکھا تو مجھے خیال آیا کہ اس کی بھلائی اسی میں ہے کہ اس کی تھوڑی سی تذلیل کی جائے ورنہ اس کا نفس موٹا اور سرکش ہو کر اس کو نقصان پہونچا دے گا میں نے کہا کہ آپ کو کچھ ڈر نہیں لگا، فرمایا خدا کی قسم جب میں نے اس کے سامنے اللہ تعالیٰ کی ہیبت وشان کا استحضار کیا تو مجھے ایسا معلوم ہوا کہ میرے سامنے کوئی بلا بیٹھا ہو۔

ایمان وعقیدہ اور دعوت وعزیمت کی تاریخ اپنے آپ کو ہر ملک اور ہر دور میں برابر دہراتی رہی، شیخ محمد بن مبارک کرمانی (م ۷۷۰ھ) اسی قسم کا واقعہ بیان کرتے ہوئے اپنی کتاب "سیر الاولیاء" میں لکھتے ہیں۔

ایک مرتبہ سلطان محمد تغلق نے شیخ قطب الدین منور کو دہلی طلب کیا، انہوں نے بادشاہ کو تعظیمی سلام نہیں کیا تھا اس پر سرزنش اور عتاب مقصود تھا، جب وہ دربار میں داخل ہوئے اور ایوان شاہی میں پہونچے تو دیکھا تمام امراء وزراء اور حکام اور درباری ہتھیار لگائے ہوئے مودب اور باوقار انداز میں کھڑے ہیں اور شوکت سلطانی سے لرزہ براندام ہیں، ان کے ساتھ ان کے صاحبزادے نور الدین بھی تھے جو اس وقت کمسن تھے اور انہوں نے ایسا منظر کبھی نہیں دیکھا تھا وہ دیکھ کر ڈر گئے اور مرعوب ہوئے، شیخ قطب الدین نے یہ دیکھ کر بہت بلند آواز کے ساتھ ان سے کہا بابا نور الدین العظمۃ للہ! نور الدین بیان کرتے ہیں کہ یہ آواز سنتے ہی میں نے اپنے اندر ایک عجیب قوت محسوس کی، ساری ہیبت یک لخت کافور ہوگئی اور مجھے ایسا محسوس ہوا کہ یہ انسان نہیں بلکہ بھیڑ بکری ہیں۔

وما علینا الا البلاغ المبین

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

قصہ دو باغ والے کا

الحمد لله وكفىٰ وسلام على عباده الذين اصطفىٰ ○ اما بعد
فاعوذ بالله من الشيطان الرجيم ○بسم الله الرحمن الرحيم ○

حضرات گرامی قدر! سورۂ کہف میں دو باغ والے کا قصہ بیان کیا گیا ہے یہ وہ واقعہ ہے جس سے ہم کو روزمرہ کی زندگی میں پہلے قصہ سے زیادہ واسطہ پڑتا ہے، اگر اصحاب کہف کا صدیوں اور برسوں میں پیش آتا ہے تو یہ قصہ تقریباً ہر جگہ اور ہر وقت ہمارے سامنے آتا ہے اور بار بار دہرایا جاتا ہے، یہ ایک ایسے شخص کی کہانی ہے جو ہر اعتبار سے خوش نصیب اور اقبال مند تھا، آسائش وخوشحالی کے سارے سامان اس کے لئے مہیا تھے، اس کے پاس انگور جیسے لطیف ومرغوب پھل کے دو باغ تھے۔ ان کے چاروں طرف کھجور کے دلنواز درخت تھے جنہوں نے ان کو اپنے گھیرے میں لے لیا تھا۔ درمیان میں کاشت کے قطعے بھی تھے یہ ایک متوسط درجہ کی زندگی کے لئے سعادت ومسرت کی آخری منزل تھی، اور متوسط طبقہ اور درمیانی معیار زندگی ہی اکثر دنیاوی معاملات میں معیار و پیمانہ ہے، لیکن اس دولت مند اور خوشحال کی سعادت اور کامیابی کا سارا انحصار محض ان باغات کے وجود تک محدود نہ تھا بلکہ سارے اسباب ووسائل اس کے لئے مسخر تھے، اور یہ دونوں باغ اپنی بہترین پیداوار دے رہے تھے۔

كلتا الجنتين آتت اكلها ولم تظلم منه شيئا وفجرنا خلالهما نهرًا.

پس ایسا ہوا کہ دونوں باغ پھلوں سے لد گئے پیداوار میں کسی طرح کی کمی نہ ہوئی ہم نے ان کے درمیان (آب پاشی کے لئے) ایک نہر جاری کر دی تھی۔

غرض اس طرح سعادت وکامرانی کی پوری تکمیل ہو چکی تھی۔ اور آرام وراحت کے سارے اسباب نہ صرف موجود بلکہ ارزاں وفراواں تھے اس موقع پر اس شخص کے اندر وہ مادی

مزاج اپنا رنگ دکھاتا ہے جو ہمیشہ اہل حکومت، جاگیرداروں، قومی لیڈروں، صنعت کاروں کارخانہ داروں اور فوجی طاقت رکھنے والوں میں ظاہر ہوتا رہا ہے، اس کے اندر وہ شدید مادی رجحان پیدا ہوتا ہے جو ایمان معرفت صحیحہ اور تربیت کا پابند نہیں، وہ اپنی ساری خوشحالی اور خوش بختی کو اپنے علم ولیاقت اور اپنی ذہانت ومحنت کی طرف منسوب کرتا ہے جس طرح اس سے پہلے قارون نے کیا تھا اور کہا تھا **انمآ اوتيته على علم عندى** یہ سب کچھ تو مجھے اس علم کی بناء پر دیا گیا ہے جو مجھ کو حاصل ہے۔

وہ اپنے اس دوست پر فخر کرتا ہے جس کو یہ مراتب حاصل نہ تھیں اور بڑی صراحت بلکہ ناروا جسارت سے کہتا ہے۔ **انا اكثر منك مالا واعز نفرا.** دیکھو تم میں سے میں زیادہ مالدار ہوں اور میرا جتھا بھی بڑا طاقتور جتھا ہے۔

وہ اپنے اقتدار وقوت کے سرچشمہ میں اور دولت وخوشحالی کے اس مرکز میں اس طرح داخل ہوتا ہے کہ نہ اس کو اپنی خبر ہوتی ہے نہ اپنے رب کی نہ غیبی اسباب اور ارادۂ الٰہی کی جو سات آسمان سے اپنا فیصلہ صادر کرتا ہے اور انسان اور اس کی ملکیت بلکہ انسان اور اس کے قلب کے درمیان حائل ہو جاتا ہے، وہ اپنے نفس پر علمی وعملی اخلاقی اور عقلی ہر لحاظ سے ظلم کرتا ہے، یہ کورچشم مادی ذہنیت اس کی زبان سے اعلان کرواتی ہے کہ اب نہ اس کو زوال ہے، نہ اس کے باغات کو وہ حشر ونشر کا انکار کرتا ہے، اور بڑے پھوہڑپن اور غایت درجہ حماقت کے ساتھ یہ کہتا ہے کہ یہ کامیابی وخوشحالی ابدی ولافانی ہے، دنیا وآخرت (اگر آخرت ہو) کسی جگہ ختم ہونے والی نہیں۔

ودخل جنته وهو ظالم لنفسه قال ما اظن ان تبيد هذه ابدا ومآ اظن الاساعة قائمة.

پھر وہ (یہ باتیں کرتے ہوئے) اپنے باغ میں گیا اور وہ اپنے ہاتھوں اپنا نقصان کر رہا تھا۔ اس نے کہا میں نہیں سمجھتا کہ ایسا شاداب باغ کبھی ویران ہو سکتا ہے، مجھے توقع نہیں کہ (قیامت کی) گھڑی برپا ہو۔

وہ سمجھتا ہے کہ اس کا شمار ان معدودے چند خوش نصیب وکامراں افراد انسانوں میں ہے جن سے اقبال کبھی منہ نہیں موڑتا اور قسمت کبھی بے وفائی نہیں کرتی اور جو ہمیشہ اور ہر جگہ

سعادت اور عزت کے بام عروج پر نظر آتے ہیں۔

ولئن رددت الی ربی لا جدن خیرا منها منقلبا.

اور اگر ایسا ہوا بھی کہ میں اپنے پروردگار کی طرف لوٹا گیا تو (میرے لئے کھٹکا ہے؟) مجھے ضرور وہاں بھی اس سے بہتر ٹھکانا ملے گا۔

اس طرح کے لوگ ہمیشہ یہ سمجھتے ہیں کہ ایمان، عمل صالح، اور محنت وکاوش کی کیا ضرورت ہے، یہ ان کی فطری اور وہبی سعادت ہے جو ہر وقت ان کو شادکام وبامراد رکھ سکتی ہے۔

اس کے دوست کی چشم بصیرت اللہ تعالیٰ نے حق وایمان کے لئے کھول دی ہے، اس کو معرفت الٰہی اور اس کے صفات وافعال کے علم کی لازوال دولت حاصل تھی وہ جانتا تھا کہ صرف وہی اس کائنات۔ میں تصرفات کرنے والا ہے، اور اسباب کا خالق ہے، اور جب چاہے حالات کو پلٹ سکتا ہے، اس نے اس کی اس بات پر اعتراض کیا اور اس کے اس مادہ پرستانہ طرز فکر کی کھل کر مخالفت کی، اس کو اصل وحقیقت اور آغاز سے آگاہ کیا، یہ وہ سخت اور سنگین حقیقت ہے، جس کو یہ ظاہر پرست اور اپنے کو خوش نصیب سمجھنے والے ہمیشہ فراموش کرنا چاہتے ہیں اور اس کے تذکرہ سے دور بھاگتے ہیں۔

قال له صاحبه وهو یحاوره اکفرت باالذی خلقک من تراب ثم من نطفه ثم سواک رجلا.

یہ سن کر اس کے دوست نے کہا، اور باہم گفتگو کا سلسلہ جاری تھا، کیا تم اس ہستی کا انکار کرتے ہو جس نے تمہیں پہلے مٹی سے اور پھر نطفہ سے پیدا، اور پھر آدمی بنا کر نمودار کر دیا؟

متکبر اور مغرور اشخاص کے لئے اس بات کا سننا کتنا شاق وناگوار ہے، اس کا اندازہ ہم کر سکتے ہیں، اس نے کہا کہ وہ اس کے بالکل دوسرے رخ پر ہے اور دوسرے رجحان کا حامل ہے، اور وہ ہے اللہ تعالیٰ پر ایمان۔

لکنا هو الله ربی ولا اشرک بربی احدا. لیکن میں تو یقین رکھتا ہوں کہ وہی اللہ میرا پروردگار ہے، اور میں اپنے پروردگار کے ساتھ کسی کو شریک نہیں کرتا۔

پھر اس نے اس کو وہ بنیادی اور اصولی حقیقت یاد دلائی جس کے گرد پوری سورۂ کہف گردش کر رہی ہے اور اس جگہ انگلی رکھی جو اس طرح کے لوگوں کی کمزوری دکھتی رگ ہوتی ہے،

اس نے کہا کہ دیکھنے کی چیز اسباب ظاہری نہیں بلکہ وہ خالق و مالک ہے جس کے ہاتھ میں ان سارے اسباب و وسائل کی ڈور ہے، اور یہ سامان راحت اور اسباب عیش جن پر وہ خوش اور نازاں ہیں، نہ اسباب کی کارگذاری ہے، اور نہ خود اس کی دستکاری یا عقل وذہانت کی کارفرمائی وہ اللہ تعالی کی حکمت وقدرت کا نتیجہ ہے، جس نے ہر چیز کو بہترین طریقہ پر بنایا ہے، وہ بڑی نعمت اور نرمی کے ساتھ اس کو خدا کی قدرت کے اعتراف اور اس کی نعمت کے شکر کی طرف متوجہ کرتا ہے۔

ولو لااذدخلت جنتک قلت ما شاء الله لا قوۃ الا با لله. اور پھر جب تم اپنے باغ میں آتے (اور اس کی شادابیاں دیکھیں) تو کیوں تم نے یہ نہ کہا کہ وہی ہوتا ہے جو اللہ چاہتا ہے اس کی مدد کے بغیر کوئی کچھ نہیں کر سکتا۔

ماشاء الله لا قوۃ الا بالله ''دراصل اس سورۃ کی روح اور سارے قصہ کی جان ہے چنانچہ خدائے تعالی نے اپنے نبی کو اور آپ کے ساتھ قرآن شریف پڑھنے والے کو اس کی ترغیب دی ہے کہ وہ اپنا سارا معاملہ اور ساری طاقت وصلاحیت کو اللہ تعالی کے حوالے کر دے اور مستقبل کے ہر ارادہ اور نیت کو اس اس کے سپرد اور اس کی مشیت کے ساتھ مشروط اور وابستہ رکھے۔

ولا تقولن لشیٔ انی فاعل ذلک غدا الا ان یشاء الله واذ کر ربک اذا نسیت وقل عسیٰ ان یھدین ربی لاقرب من ھذا رشدا ۔ اور کوئی بات ہو، مگر کبھی ایسا نہ کہو میں کل اسے ضرور کر کے رہوں گا!!! یہ سمجھ لو ہوگا وہی جو اللہ تعالی چاہے گا، اور جب کبھی بھول جاؤ تو اپنے پروردگار کی یاد تازہ کر لو، تم کہو امید ہے میرا پروردگار اس سے بھی زیادہ کامیابی کی راہ مجھ پر کھول دے گا۔ اور ہر موقع پر دل سے انشا اللہ اور ماشاء اللہ کہتا ہو۔

جو شخص ہر فضل وکمال کو اللہ تعالی کی طرف منسوب کرتا ہو اور ہر نیت میں خدا تعالی پر بھروسہ کرتا ہو اور اس کے فضل وکرم کا امیدوار ہو، وہ اسباب ظاہری مادیت اور مادہ پرستوں کے سامنے اپنا سر کیسے جھکا سکتا ہے، اور نفس اور نفسانی ارادہ کے ہاتھ میں اپنی زمام کار کیسے دے سکتا ہے؟

''ماشاء اللہ اور انشاء اللہ'' بظاہر دو بڑے ہلکے پھلکے لفظ ہیں اور اکثر ان کا استعمال بغیر

سوچے سمجھے کیا جاتا ہے اور اس کے پیچھے کوئی احساس اور شعور نہیں ہوتا لیکن درحقیقت یہ دونوں بڑے وزنی، بڑے گہرے اور معانی وحقائق سے لبریز بول ہیں، اور اندھی مادیت نفس اور ارادۂ انسانی پر بھروسہ اور اعتماد پر کاری ضرب لگاتے ہیں۔

مادی تہذیب اپنے وسائل اور ذرائع قوت پر حد سے بڑھے ہوئے اعتماد میں ممتاز ہیں، یہ مادی حکومتیں اپنے ان عمرانی واقتصادی منصوبوں کا برابر اعلان کرتی رہتی ہیں جو قدرت کی ہم آہنگی اور موسموں کے تغیرات سے تعلق رکھتی ہیں، وہ بڑی قطعیت کے ساتھ اس کی مدت اور اس کا حجم متعین کرتی ہیں اور یہ طے کرتی ہیں کہ وہ اتنے سال کے اندر اتنی پیداوار ضرور پیدا کرنے لگیں گی اور ان کے ملک خود کفیل ہو جائیں گے اور بیرونی امداد پر ان کا انحصار ختم ہو جائے گا لیکن ارادۂ الٰہی ان کے منصوبوں کو خاک میں ملا دیتا ہے کبھی قحط سے واسطہ پڑتا ہے کبھی سیلابوں سے، کبھی بارش بہت تاخیر سے ہوتی ہے، کبھی اس قدر مسلسل کہ کھڑی کھیتیاں غرقاب ہو جاتی ہیں، ایسے قدرتی حوادث اور جان ومال کے مصائب سامنے آتے ہیں، جو حاشیہ خیال میں نہ آسکتے تھے، غرض کہ ان کے سارے اندازے غلط اور منصوبے ناکام ہو جاتے ہیں۔

یہ انشاء اللہ دراصل ہماری انفرادی زندگی کے چھوٹے اور حقیر کاموں، سرسری ملاقاتوں اور سفروں یا محض تاریخ کے تعین کے لئے نہیں ہے، بلکہ ان تمام اجتماعی کاموں اور عظیم منصوبوں پر حاوی ہے جو پوری قوم کی زندگی پر اثر انداز ہوتے ہیں، اس لئے ان سب چیزوں کو (بشمول جدوجہد) اسباب ووسائل کی اہمیت اور قرآن وسنت، اسوۂ اور عمل صحابہؓ، اسوۂ نبوی ﷺ اور عمل صحابہؓ کی روشنی میں تدابیر اختیار کرنے کی ضرورت کے) اس یقین کے ماتحت ہونا چاہئے کہ فیصلہ کن اور بالاتر اور اول وآخر چیز بہرصورت ارادۂ الٰہی ہے اس آیت میں ولا تقولن لشیء انی فاعل ذالک غدا الا ان یشاء اللہ. اور کوئی بات ہو، مگر کبھی ایسا نہ ہو’’ میں کل اسے ضرور کر کے رہوں گا‘‘ الا یہ سمجھ لو گا وہی جو اللہ چاہے گا۔‘‘

صرف ایک فرد مخاطب نہیں ہے بلکہ ہر زمانہ کا معاشرہ تمام حکومتیں ادارے اور جماعتیں اور تحریکیں مخاطب ہیں اور ان سب سے اس کے اہتمام والتزام کا مطالبہ ہے، یہ ہر اس اسلامی معاشرہ کی روح ہے جس میں ایمان اچھی طرح سرایت کر چکا ہو اور اس تہذیب کی روح اور

جوہر حیات ہے جو ایمان بالغیب کی بنیاد پر قائم ہوا اور یہی وہ خط فاصل ہے جو مادی تمدن اور ایمانی تمدن کو ایک دوسرے سے جدا کرتا ہے۔

یہ صاحب ایمان ساتھی اس کو متنبہ کرتا ہے کہ قسمتوں کا الٹ پھیر اور خوش نصیبی اور بد نصیبی کی یہ تقسیم، ابدی اور نا قابل شکست نہیں۔ زمام کار اور تصرف واقتدار کا اختیار خالق کائنات کے ہاتھ سے چھوٹ نہیں سکا وہ اب بھی اس کا مالک ہے خوش نصیب بد قسمت ہو جاتا ہے، اور بد قسمت خوش نصیب مالدار غریب بھی ہو سکتا ہے، اور غریب مالدار بھی، اس لئے حالات پلٹ جائیں تو اس میں تعجب نہ ہونا چاہئے۔

ان ترن انا اقل منک مالا و ولدا فعسیٰ ربی ان یوء تینی خیرا من جنتک ویرسل علیها حسبانا من السماء فتصبح صعیدا زلقا او تصبح ماء ها غورا فلن تستطیع له طلبا

اگر تو مجھے مال اور اولاد میں اپنے سے کمتر پارہا ہے تو بعید نہیں کہ میرا رب مجھے تیری جنت سے بہتر عطا فرما دے، اور تیری جنت پر آسمان سے کوئی آفت بھیج دے جس وہ صاف میدان بن کر رہ جائے یا اس کا پانی زمین میں اتر جائے اور پھر تو اسے کسی طرح نہ نکال سکے اور آخر کار یہی ہوا، خدا کی بھیجی ہوئی ایک آندھی آئی اور دیکھتے دیکھتے یہ لہلہاتا ہوا گلزار چٹیل میدان بن گیا اب اس مست و بے خود شخص کو ہوش آیا۔

واحیط بثمرہ فاصبح یقلب کفیه علیٰ ما انفق فیها وهی خاویة علیٰ عروشها ویقول یلیتنی لم اشرک بربی احدا ولم تکن له فئة ینصرونه من دون الله وما کان منتصرا هنالک الولایة لله الحق هو خیرا ثوابا وخیر عقبا.

اور پھر دیکھو ایسا ہی ہوا کہ اس کی دولت (بربادی کے) گھیرے میں آ گئی۔ وہ ہاتھ مل کر افسوس کرنے لگا کہ ان باغوں کی درستی پر میں نے کیا کچھ خرچ کیا تھا (وہ سب برباد ہو گیا) اور باغوں کا یہ حال ہوا کہ ٹٹیاں گر کے زمین کے برابر ہو گئیں اب وہ کہتا ہے، اے کاش میں اپنے پروردگار کے ساتھ کسی کو شریک نہ کرتا اور دیکھو کوئی جتھا نہ ہوا کہ اللہ کے سوا اس کی مدد کرتا اور نہ خود اس نے یہ طاقت پائی کہ بربادی سے جیت سکتا! یہاں سے معلوم ہو گیا کہ فی الحقیقت سارا اختیار اللہ ہی کے لئے ہے وہی ہے جو بہتر ثواب دینے والا ہے اور اسی کے ہاتھ بہتر انجام ہے۔

یہ باغ والا اس طرح مشرک نہ تھا، جس طرح عام مشرکین ہوتے ہیں۔ قرآن کے کسی نص یا اشارہ سے اس کا ثبوت نہیں ملتا، اس کے برعکس قرآن کے اسلوب اور انداز کلام سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ وہ اللہ پر ایمان رکھتا تھا۔

ولئن رددت الی ربی لا جدن خیرا منها منقلبا.

اور اگر ایسا ہوا ہو بھی کہ میں اپنے پروردگار کی طرف لوٹایا گیا تو (میرے لئے کیا کھٹکا ہے؟ مجھے ضرور) وہاں بھی اس سے بہتر ٹھکانہ ملے گا۔ پھر اس کا وہ شرک کیا تھا جس پر اس نے کف افسوس ملا اور ندامت کا اظہار کیا۔

یلیتنی لم اشرک بربی احد ا اے کاش! میں اپنے پروردگار کے ساتھ کسی کو شریک نہ کرتا۔ وہ ظاہری بات جس میں اشکال کی کوئی وجہ نہیں یہ ہے کہ اس نے اسباب میں شرک اختیار کیا تھا اور یہ سمجھتا تھا کہ اس کی ساری خوشحالی و دولت کا سرچشمہ یہی اسباب ظاہر ہیں اور یہ انہیں کا ثمرہ اور احسان ہے اس نے اللہ تعالیٰ کو فراموش کر دیا اور اس کے تصرف اور تاثیر کا منکر ہو گیا۔

یہی وہ شرک ہے جس میں موجودہ مادی تہذیب مبتلا ہے، اس نے طبعی مادی اور فنی اسباب اور ماہرین فن (specialist) کو خدا کا درجہ دے رکھا ہے عہد حاضر کے انسان نے اپنی پوری زندگی ان کے رحم و کرم پر چھوڑ دی ہے، وہ سمجھتا ہے کہ زندگی اور موت، کامیابی و ناکامی، اقبال و ادبار، خوش نصیبی و بد نصیبی سب ان کے ہاتھ میں ہے، اسباب مادی، کائناتی قوتوں اور نیچر کی یہ پرستش و تقدیس اور اہل اختصاص اور ماہرین فن پر اعتماد کلی اور ان کو خدا کے درجہ پر رکھنا ایک نئی وثنیت اور نیا شرک ہے، اس نے قدیم بت پرستی کے ذخیرہ میں جس کا ترکہ اس کے پاس اب بھی محفوظ ہے اور جس کے ماننے والے اور چاہنے والے اب بھی بکثرت موجود ہیں، ایک نئی قسم کی بت پرستی کا اضافہ کیا ہے، جو ایمان اور عبدیت کی حریف ہے اور یہ وہی وثنیت ہے، جس کو سورۂ کہف نے چیلنج کیا ہے، اور جس سے وہ پوری طرح برسر پیکار ہے۔

قرآن مجید اس دنیا کی زندگی کو اس کھیتی سے تعبیر کرتا ہے جو جلد ہی ٹلنے والی اور خاک میں مل جانے والی ہے:

واضرب لهم مثل الحیاة الدنیا کماء انزلنا ہ من السماء فاختلط به

نبات الارض فاصبح هشيما تذروه الرياح و كان الله على كل شى مقتدرا.

اور (اے پیغمبر انہیں دنیا کی زندگی کی مثال سناؤ، اس کی مثال ایسی ہے جیسے (زمین کی روئیدگی کا معاملہ) آسمان سے ہم نے پانی برسایا اور زمین کی روئیدگی اس سے مل جل کر ابھر آئی (اور خوب پھلی پھولی) پھر کیا ہوا یہ کہ سب پتے سوکھ کر چورا چورا ہوگئے، ہوا کے جھونکے اسے اڑا اڑا کر منتشر کر رہے ہیں! اور کونسی بات ہے، جس کے کرنے پر اللہ قادر نہیں؟

لا اله الا الله وحده لا شريك له له الملك وله الحمد يحيي و يميت وهو على كل شئ قدير

وما علينا الا البلاغ المبين

بسم اللہ الرحمن الرحیم

زندگی کے کرشمے

۲۵ جنوری ۱۹۷۰ء کو دمشق میں ندوی صاحب نے رمضان [illegible] خواتین سے ایک
جلسے میں یہ مختصر تقریر فرمائی تھی۔

نحمدہ ونصلی علی رسولہ الکریم ○ امابعد ○ فاعوذ باللہ
من الشیطان الرجیم ○ بسم اللہ الرحمن الرحیم ○

حیات طیبہ کیا ہے؟

حمد و ثنا کے بعد مولانا نے قرآن پاک کی یہ آیت تلاوت فرمائی من عمل صالحا من ذکر و انثی جو کوئی نیک عمل کرے گا مرد ہو یا عورت بشرطیکہ وہ مومن ہو ہم اس کو اچھی زندگی گذروائیں گے، ہم اس کو حیات طیبہ عطا کریں گے اور بہترین اجر آخرت میں دیں گے۔ یہ خدا کا ایک بڑا اعلان ہے، بہت بڑا چونکا دینے والا وعدہ ہے، بڑی ضمانت ہے، مرد اور عورت کی تخصیص نہیں۔ یہ اس لئے کہ ہر مرد کو اچھی زندگی کی خواہش ہے، زندگی سب سے زیادہ محبوب چیز ہے، زندگی کی ہر چیز میں مزہ ہے، کھانے میں مزہ ہے تو زندگی کی بدولت، صحت کا مزہ ہے تو زندگی کی بدولت، اولاد کا مزہ ہے تو زندگی کی بدولت، یہ سب زندگی کے کرشمے، زندگی کے کھیل ہیں، اگر ہم نہیں ہیں تو ہماری بلا سے ہمیں ان کا کیا فائدہ۔

زندگی کی بے ثباتی!

اس دنیا میں نعمتیں لٹ رہی ہیں، لذتیں برس رہی ہیں، آسمان سے برکتیں اتر رہی ہیں۔ زمین سونا اگل رہی ہے، اولاد سے گھر بھرا ہوا ہے، ہر وقت گھر میں محلہ میں شہر میں جشن ہو اور ہماری آنکھ بند ہوگئی تو عید ہو یا بارات، رنج ہو یا خوشی، ہمارے گھروں میں محلہ میں دستر خوان

مچے ہوں تو ہمیں کیا حاصل، تمام خوشیاں و مسرتیں تو زندگی کے دم سے ہیں۔ جہاں آنکھ بند ہوئی تمام چیزیں بے کار و بے معنی ہیں زندگی تمام دلچسپیوں کا مرکز ہے۔ ہر چیز میں شیرینی زندگی کی بدولت ہے لیکن ہم ناقص العقل، کم فہم، کم علم، بے تجربہ نہیں، جانتے کہ اچھی زندگی کیا ہے؟ ہماری مثال تو بچہ کی سی ہے، کہ مٹھائی کھانے کو ملے اور من مانی کرنے کی اجازت دی جائے، پڑھنے نہ دیا جائے، اگر وہ گھر کی چھت سے گرنے کو کہے تو کوئی نہ روکے، کوئی ناز بردار باپ ایسا نہ ہوگا کہ وہ ایسا کرنے دے ہمارے نقشہ پر تو زندگی ایسی ہے کہ بچے سے جوان ہوئے تو بڑھیا کپڑے ملیں، کھیلنے کو ملے، امیر گھرانوں میں گڈے کی شادیاں بڑے دھوم دھام سے ہوتی ہیں تمام متعلقین کو دعوت دی جاتی ہے۔

[illegible] عقل کا فرق:

یہ تو بچوں کا کھیل ہے، یہ چند الفاظ ہیں، بچوں کو آپ سمجھائیں لیکن ان کی سمجھ میں نہیں آئے گا [illegible] عمر کا فرق ہوتا ہے، اسی طرح عقل کا فرق ہوتا ہے۔ ایمانی عقل دوسری ہی چیز ہے، جس زندگی [illegible] سے وہ حماقت معلوم ہوتی ہے۔ ایک بگڑنا دوسرے کو سنورنا معلوم ہوتا ہے۔ یہ [illegible] سے پوچھئے یہ ان کے نزدیک خواب و خیال ہے بچوں کا کھیل ہے۔ جن کو اللہ چشم بصیرت عطا فرما دیتا ہے۔ اصل زندگی کی بہار جن کو نظر آجاتی ہے۔ ان کو یہ بچوں کا کھیل ہی نظر آتا ہے۔ حیات طیبہ اگر کوئی کہے یہ آخرت کی زندگی سے متعلق ہے تو یہ کہیں گے وہ تو ابدی زندگی ہے۔ مگر یہ بات کہاں ہے کہ دنیا میں ٹھوکریں کھلوائیں گے میرے نزدیک مطلب یہ ہے کہ دنیا و آخرت کی زندگی سدھار دیں گے۔ آخرت میں تو بے شک ان کو آرام ملے گا۔ دنیا میں بھی اچھی زندگی اور آخرت میں بھی حیات طیبہ عطا فرمائیں گے۔ ارشاد ربانی ہے۔ جن لوگوں نے معصیت کی ان کو اس کا مزہ یہیں چکھا دیں گے۔

دل کو ہلا دینے والا اعلان:

دوسری جگہ ارشاد ہے:

فلا تعجبک اموالھم واولادھم.

جن لوگوں نے اللہ کو بھلا دیا آخرت کو فراموش کر دیا، ان کے لئے یہ سخت ترین نوٹس ہے۔ سخت ترین اعلان ہے بدن کے رونگٹے اس اعلان سے کھڑے ہو جانا چاہئیں۔ خدا فرماتا ہے کہ اسی دنیا کی زندگی میں ہم ان کو مزہ چکھا دیں گے۔ ہم ان کو چپیں چپیں کر ماردیں گے، ایسے ماریں گے کہ تمام نشہ اتر جائے گا۔ اسی اولاد سے جو بڑی ارمانوں سے ملی، خون جگر پلا پلا کر، لخت جگر کھلا کھلا کر پالا گیا۔ جس اولاد کے لئے ناکردنی کی، خدا کو بھلا دیا تو یہ اولاد تمہارے گلے کا طوق بن جائے گی۔

ماں کیا ہے اور کیا ہوگئی:

عورتوں کو بچے پالنے میں جن مصائب سے گزرنا پڑتا ہے۔ اس کا تھوڑا حصہ اگر کوئی برداشت کرے تو اس کی ولایت کی قسم کھاتا ہوں۔ بچہ کی بیماری میں جو ماں کے دل پر گزرتی ہے، مائیں روتی ہیں۔ بلکتی ہیں، تڑپتی ہیں، اس کو عورتوں سے زیادہ کون جانتا ہے۔ یہ لاڈوں سے پالی ہوئی اولاد جب بڑی ہوئی تو ماں باپ نے اچھا انتخاب کیا، شادی کی، مال وزر خرچ کیا، نذرانے پیش کئے، اس کے بعد لڑکے کا دل ماں سے پھر گیا۔ بیوی کے تمام عزیزوں سے ملاقات اور تعلقات قائم لیکن وہ ماں جس نے بڑے نازوں سے پالا تھا، وہ ڈائن، قاتل، دشمن پھوہڑ ہو جاتی ہے۔ یہ ذلت کتنی بڑی ہے کہ دل پر آرے چلتے ہیں اور یہ بیٹے چلاتے ہیں۔ شادی کے بعد معلوم ہوتا ہے رشک جنت گھر جہنم کا نمونہ بن گیا۔

ماں اور بیوی کا فرق:

بعض زن مریدی میں ایسے دیوانے ہوئے کہ بیوی کی خاطر شہر چھوڑ دیا، شہر ہی نہیں ہندوستان ہی چھوڑ دیا۔ یہ سب دنیا میں ہوتا ہے اور گھر گھر میں ہو رہا ہے اولاد اور دکھ، یہ ایسی بات ہوئی کہ ٹھنڈک میں گرمی، آگ میں پانی، پانی میں آگ، اندھیرے میں اجالا، ماں بیٹے کو کیسے بھول سکتی ہے نہ تعلق رکھ سکتی ہے اور اگر وہ گھر میں داخل ہوا تو بحث وتکرار شروع ہوگئی، ماں کا کام ہے خاموش سنتی رہے، اپنی زبان میں قفل ڈالے۔ اس کو بولنے کا حق نہیں اور بیوی کو پیغمبر کی طرح بے قصور سمجھ لیا۔ اس کے متعلق کوئی سنی نہیں جا سکتی۔ یہ وہی اولاد ہے جس کی

خاطر ماں اپنی رات آنکھوں میں کاٹ دیتی ہے۔ ذرا اس بچہ کو تکلیف ہو جائے تو بے کل ہو جاتی ہے، کہاں کا آرام کہاں کا سکون سراپا اضطراب بن جاتی ہے۔ یہ ہوا اولاد سے سخت ترین عذاب۔

مال ایک عذاب:

مال آیا تو قانون کی مصیبت آئی۔ طرح طرح کی مصیبتیں لاحق ہوئیں کچھ نہیں تو ۹۹ کے پھیر میں پڑ گئے۔ کوٹھی، موٹر کا روگ لگ گیا۔ میں تو کہتا ہوں کہ تپ دق لگ گیا۔ اولاد، مال تو سکھ کے لئے ہیں نہ کہ دکھ کے لئے۔ مال میں کوئی کمی نہیں۔ لیکن بیماری لگ گئی۔ ڈاکٹروں کی فیس میں پیسے لگ رہے ہیں۔ آب وہوا کی تبدیلی میں پیسے لگ رہے ہیں یہ دوائیں کس نے تجویز کی تھیں کہ مال ان چیزوں میں پھنس رہا ہے اور مہلک بیماریاں لگ رہی ہیں۔ امیروں کی بیماریاں بھی امیرانہ ہوتی ہیں۔ بیماریوں کی وجہ سے نہ دن کو آرام نہ رات کو۔ حقیقی آرام ان کو حاصل ہی نہیں ویسے مال بھی ہے اور بنگلہ بھی۔ چوبیس گھنٹے جان ہتھیلی پر رہتی ہے۔ نہ تعلیم سے چین ہوتا ہے نہ دولت سے سکھ کا تعلق کسی اور چیز سے ہے، حقیقی مسرت کسی اور چیز میں ہے۔

فیشن ایبل بیوی:

ہمارے دوستوں نے ہمیں بتایا کہ آج کل تعلیم یافتہ لڑکیوں میں شادی نہ کرنے کا رجحان عام ہو رہا ہے۔ شوہر دن بھر کا تھکا ہارا گھر آئے تو سیاست پر بحث شروع ہوتی کہ آپ نے آج ٹائمز آف انڈیا میں فلاں خبر پڑھی ہوں۔ سنڈے ٹائمز سے میں اس لئے گھبراتی ہوں۔ شوہر نے کوئی بات کہی تو بیوی نے کہا کہ آپ ٹھیک نہیں کہہ رہے ہیں۔ میں نے تو فلاں کتاب میں پڑھا تھا۔ اللہ تعالیٰ اس قسم کے تمام شرور وفتن سے ہم سبھوں کی حفاظت فرمائے، اس پر اکتفا کرتے ہوئے آپ سے اجازت چاہوں گا۔ والسلام علیکم۔

وما علينا الا البلاغ المبين .

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

قرآن مجید میں آپ کا تذکرہ

الحمد لله و كفىٰ وسلام على عباده الذين الصطفىٰ امابعد o فاعوذ بالله من الشيطان الرجيم o بسم الله الرحمن الرحيم o

سورۃ الانبیاء کی آیت ہے:

(ترجمہ) ”ہم نے تمہاری طرف ایک ایسی کتاب نازل کی ہے جس میں تمہارا تذکرہ ہے تم غور کیوں نہیں کرتے۔“ (الانبیاء۔ آیت ۱۰)

یہ آیت ہمیں بتاتی ہے کہ قرآن ایک صاف، شفاف سچا، وفادار اور دیانتدار آئینہ ہے جس میں ہر شخص اپنے خدوخال دیکھ سکتا ہے، معاشرہ میں اپنا مقام پہچان سکتا ہے، کیونکہ قرآن انسانوں کے اخلاق وصفات بیان کرتا ہے اور اس میں انسانیت کے اعلیٰ اور ادنیٰ ہر طرح کے نمونے کی تصویریں موجود ہیں **فیہ ذکرکم** یعنی اس کتاب میں تمہارا بیان ہے تمہارے حالات اور اوصاف مذکور ہیں۔ جیسا کہ بہت سے علماء نے سمجھا ہے۔

سلف قرآن کو ایک زندہ، بولنے والی اور زندگی سے لبریز کتاب تصور کرتے تھے ان کے نزدیک قرآن کوئی تاریخی اور آثار قدیمہ کی چیز نہیں ہے۔ جو صرف ماضی اور اگلے وقتوں کے لوگوں سے بحث کرتی ہو اور جس کا زندہ لوگوں سے بدلتی ہوئی انسانی زندگی انسانیت کے ان بے شمار و لامحدود نمونوں سے جو ہر زمان و مکان میں موجود رہتے ہیں کوئی تعلق نہ ہو۔

ہمارے اسلاف اپنے اخلاق و اوصاف اور اپنے اندرون کو بخوبی جانتے تھے ہر چیز ان کے سامنے روشن اور عیاں ہوتی تھی۔ وہ اسی قرآن سے رہنمائی حاصل کرتے تھے اسی عجیب و غریب کتاب میں اپنے چہرے ڈھونڈتے اور اپنے اخلاق و اطوار کی سچی اور صحیح تصویر تلاش کرتے تھے اور بہت آسانی سے خود کو اس کتاب میں پا جاتے تھے اور پہچان لیتے تھے اگر ذکر خیر ہوتا تو خدا کا شکر ادا کرتے اور کچھ اور ہوتا تو استغفار کرتے اور اپنی اصلاح کی کوشش کرتے

تھے۔

اس آیت کی تلاوت پر مجھے سیدنا احنف بن قیس کا ایک واقعہ یاد آیا۔ حضرت احنف بن قیس کبار تابعین میں سے ہیں سیدنا علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کے مخصوص ترین اصحاب میں انکا شمار ہوتا ہے حلم میں ضرب المثل تھے مگر اس کے باوجود جب غصہ میں ہوجاتے تو ان کی غیرت وحمیت میں جوش آجاتا تھا۔ لوگ کہتے تھے کہ جب احنف کو غصہ آتا ہے تو ان کے ساتھ ایک لاکھ تلواریں غضب ناک ہوجاتی ہیں۔

یہ واقعہ میں نے ابوعبداللہ محمد بن النصر المروزی، متوفی ۲۷۵ھ کی تصنیف ''قیام اللیل'' میں پڑھا ہے مصنف امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ کے ارشاد تلامذہ میں سے تھے۔ اور گمان غالب ہے کہ اس کتاب کی تصنیف آپ کے شہر بغداد میں ہوئی ہے۔

واقعہ یہ ہے کہ ایک روز حضرت احنف بن قیس تشریف فرما تھے کہ انہوں نے کسی کو یہ آیت پڑھتے ہوئے سنا تو چونک پڑے اور فرمایا ذرا قرآن مجید لانا میں اپنا ذکر تلاش کروں اور معلوم کروں کہ میں کس کے ساتھ ہوں اور کس سے مشابہ ہوں'' قرآن مجید کھولا تو اس آیت پر نظر پڑی جس میں کچھ لوگوں کے متعلق ارشاد ہے۔

(ترجمہ) رات کے تھوڑے حصے میں سوتے تھے اور اوقات سحر میں بخشش X مانگا کرتے تھے اور ان کے مال میں مانگنے والے اور نہ مانگنے والے دونوں کا حق ہوتا تھا۔ (الذاریات ۱۷۔۱۹)

پھر یہ آیت گذری.

(ترجمہ) ان کے پہلو بچھونوں سے الگ رہتے ہیں (اور) وہ اپنے پروردگار کو خوف اور امید کے ساتھ پکارتے ہیں اور جو مال ہم نے انکو دیا ہے اس میں سے خرچ کرتے ہیں۔ (السجدۃ، آیت ۱۶)

پھر ان کے سامنے ایک گروہ آیا جس کی تعریف اس طرح کی گئی۔

(ترجمہ) ''اور جو اپنے پروردگار کے آگے سجدہ کر کے عجز وادب سے کھڑے رہ کر راتیں بسر کرتے ہیں۔'' (الفرقان۔۶۴)

پھر ان کا گذر ایسے لوگوں کے پاس سے ہوا جن کا قرآن مجید میں اس طرح ذکر ہے۔

(ترجمہ) جو آسودگی اور تنگی میں (اپنا مال خدا کی راہ میں) خرچ کرتے ہیں اور غصہ کو روکتے ہیں اور لوگوں کے قصور معاف کرتے ہیں اور خدا نیکوکاروں کو دوست رکھتا ہے۔''

پھر ان کے سامنے چند اور نمونے آئے جن کا تعارف اس طرح کیا گیا۔

(ترجمہ) اور دوسروں کو اپنی جانوں سے مقدم رکھتے ہیں خواہ ان کو خود احتیاج ہو اور جو شخص حرص نفس سے بچا لیا گیا تو ایسے ہی لوگ مراد پانے والے ہیں۔'' (الحشر۔۹)

پھر یہ آیت سامنے آئی:

(ترجمہ) ''اور جو بڑے بڑے گناہوں اور بے حیائی کی باتوں سے پرہیز کرتے ہیں اور جب غصہ آتا ہے تو معاف کر دیتے ہیں اور جو اپنے پروردگار کا فرمان قبول کرتے ہیں اور نماز پڑھتے ہیں اور اپنے کام آپس کے مشورے سے کرتے ہیں اور جو مال ہم نے ان کو عطا فرمایا ہے اس میں سے خرچ کرتے ہیں۔'' (الشوریٰ ۳۷، ۳۸)

پھر رک گئے اور فرمایا یا اللہ یہاں تو میں اپنے آپ کو نہیں پاتا ہوں اور دوسری جگہ تلاش کرنا شروع کیا تو ایک جماعت کا تذکرہ اس طرح دیکھا:

(ترجمہ) ''ان کا یہ حال تھا کہ جب ان سے کہا جاتا تھا کہ خدا کے سوا کوئی معبود نہیں تو غرور کرتے تھے اور کہتے تھے کہ بھلا ہم ایک دیوانہ شاعر کے کہنے سے کہیں اپنے معبودوں کو چھوڑ دینے والے ہیں۔'' (الصّٰفّٰت ۳۵، ۳۶)

پھر یہ منظر نظر آیا:

(ترجمہ) ''اور جب تنہا خدا کا ذکر کیا جاتا ہے تو جو لوگ آخرت پر ایمان نہیں رکھتے ان کے دل منقبض ہو جاتے ہیں اور جب اس کے سوا اوروں کا ذکر کیا جاتا ہے تو خوش ہو جاتے ہیں۔

پھر ان حضرات کا تذکرہ سامنے آیا جن سے سوال کیا جائے گا کہ:

(ترجمہ) ''(سوال ہوگا) تم دوزخ میں کیوں پڑے وہ جواب دیں گے کہ ہم نماز نہیں پڑھتے تھے اور نہ فقیروں کو کھانا کھلاتے تھے، اور اہل باطل کی ہاں میں ہاں ملاتے تھے اور روز جزا کو جھٹلاتے تھے یہاں تک کہ ہمیں موت آ گئی۔'' (المدثر ۴۲۔۴۷)

پھر ٹھہر گئے اور فرمایا۔ اے اللہ میں تیری بارگاہ میں ان لوگوں سے برأت ظاہر کرتا ہوں۔ اس کے بعد ورق الٹتے رہے اور تلاش کرتے رہے آخر کار جب اس آیت پر نظر پڑی:

(ترجمہ) ''اور کچھ اور لوگ ہیں جو اپنے گناہوں کا اقرار کرتے ہیں انہوں نے اچھے اور برے عملوں کو ملا دیا تھا۔ قریب ہے کہ خدا ان پر مہربانی سے توجہ فرمائے بے شک اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔'' (التوبہ:۱۰۲)

تو فرمانے لگے اے خداوندا! میں انہی لوگوں میں سے ہوں، آیئے ہم بھی اپنا زمرہ اور اپنی تصویر پوری دیانت داری اور سنجیدگی سے قرآن میں تلاش کریں قرآن بشیر بھی ہے اور نذیر بھی ہے صالحین کے ساتھ کفار و مشرکین کا بھی تذکرہ اس میں موجود ہے قرآن افراد اور جماعتوں دونوں کی تصویر کشی کرتا ہے ارشاد ہے:

(ترجمہ) اور کوئی شخص تو ایسا ہے جس کی گفتگو دنیا کی زندگی میں تم کو دلکش معلوم ہوتی ہے اور وہ اپنے مافی الضمیر پر خدا کو گواہ بناتا ہے حالانکہ وہ سخت جھگڑالو ہے اور جب پیٹھ پھیر کر چلا جاتا ہے تو زمین میں دوڑتا پھرتا ہے تاکہ اس میں فتنہ انگریزی کرے اور کھیتی کو (برباد) اور (انسانوں اور حیوانوں کی) نسل کو نابود کردے، اور خدا فتنہ انگیزی کو پسند نہیں کرتا، اور جب اس سے کہا جاتا ہے کہ خدا سے خوف کرو تو غرور اس کو گناہ میں پھنسا دیتا ہے سو ایسے کو جہنم سزاوار ہے اور وہ بہت برا ٹھکانہ ہے، (البقرۃ:۲۰۴-۲۰۶)

پھر اس کے بعد ارشاد ہے:

(ترجمہ) اور کوئی ایسا شخص ہے کہ خدا کی خوشنودی حاصل کرنے کے لئے اپنی جان بیچ ڈالتا ہے اور خدا بندوں پر بہت مہربان ہے۔ (البقرہ، ۲۰۷)

ایک جماعت کا ذکر اس طرح ہے:

(ترجمہ) ''اے ایمان والو! اگر تم میں سے کوئی اپنے دین سے پھر جائے گا تو خدا ایسے لوگ پیدا کردے گا جن کو وہ دوست رکھے اور جسے وہ دوست رکھیں، اور جو مومنوں کے حق میں نرمی کریں اور کافروں سے سختی سے پیش آئیں، خدا کی راہ میں جہاد کریں اور کسی ملامت کرنے والے سے نہ ڈریں، یہ خدا کا فضل ہے وہ جسے چاہتا ہے دیتا ہے اور خدا بڑی کشائش والا اور جاننے والا ہے۔'' (المائدہ:۵۴)

ایک دوسری جماعت کا تذکرہ اس طرح ہے:

(ترجمہ) مومنوں میں کتنے ہی ایسے شخص ہیں جو اقرار انہوں نے خدا سے کیا تھا اس کو سچ

کو دکھایا تو ان میں بعض ایسے ہیں جو اپنی نذر سے فارغ ہو گئے اور بعض ایسے ہیں جو انتظار کر رہے ہیں اور انہوں نے (اپنے قول کو) ذرا بھی نہیں بدلا۔'' (الاحزاب۔۲۳)

شکر اور احسان شناسی کی ترغیب دلاتے ہوئے قرآن کریم انبیاء علیہم السلام اور ان کے متبعین کا ذکر کرتا ہے اور ناشکری، اور احسان فراموشی، غرور اور حسن سلوک کا جواب بدسلوکی سے دینے کی مذمت کرتے ہوئے اور اس کے انجام بد سے ڈراتے ہوئے فرماتا ہے۔

(ترجمہ) کیا تم نے ان لوگوں کو نہیں دیکھا جنہوں نے خدا کے احسان کو ناشکری سے بدل دیا اور اپنی قوم کو تباہی کے گھر میں اتارا۔'' (ابراہیم۔۲۸)

اور اس کی مثال ایک بستی سے دیتا ہے جس نے خدا کی نعمتوں کو فراموش کر دیا اور جس کے افراد اپنی خوشحالی پر اترانے لگے ارشاد ہے:

(ترجمہ) ''اور خدا ایک بستی کی مثال بیان فرماتا ہے کہ (ہر طرح) امن چین سے بستی تھی، ہر طرف سے رزق بافراغت چلا آتا تھا مگر ان لوگوں نے خدا کی نعمتوں کی ناشکری کی تو خدا نے ان کے اعمال کے سبب ان کو بھوک اور خوف کا لباس پہنا کر (ناشکری کا) مزہ چکھا دیا۔''

یہ انسانی اور اخلاقی نمونے جو قرآن نے مختلف ناموں سے پیش کئے ہیں کہیں کسی مطلق العنان فرمانروا کے نام سے مثلاً فرعون، کہیں کسی سرکش وزیر یا امیر کے نام سے مثلاً ہامان کہیں کسی متکبر اور بخیل سرمایہ دار کے نام سے مثلاً قارون، کہیں کسی ظالم و جابر قوم کے نام سے مثلاً ثمود۔ یہ تمام لازوال انسانی نمونے ہیں جو کسی زمان و مکان کے ساتھ مخصوص نہیں ہیں۔ اور یہ تمام نمونے انسانی فطرت کے مختلف کمزور پہلوؤں اور گوشوں کی نمائندگی کرتے ہیں۔

قرآن کریم نے ان افراد اور جماعتوں کی انجام پر بھی روشنی ڈالی ہے اور صفائی کے ساتھ کہا ہے کہ جو بھی ان کے نقش قدم پر چلے گا اور ان کو اپنا رہنما اور قائد تسلیم کرے گا اس کا انجام بھی وہی ہوگا۔

جو ان افراد اور جماعتوں کا ہوا۔

(ترجمہ) ''جو لوگ پہلے گزر چکے ہیں ان میں بھی خدا کا یہی دستور رہا ہے اور خدا کا حکم مقرر ہو چکا ہے۔''

وما علینا الا البلاغ المبین .

بسم اللہ الرحمن الرحیم

علم حدیث ایک بیش بہا خزانہ

نحمده ونصلی علی رسوله الکریم اما بعد o فاعوذ بالله من الشیطان الرجیم o بسم الله الرحمن الرحیم o

حضرات! حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے بعثت و تعلیم کے مقاصد و نتائج جہاں قرآن مجید میں بیان کئے گئے ہیں وہاں صراحۃً ان چار چیزوں کا تذکرہ کیا گیا ہے، ۱۔ تلاوت، ۲۔ تعلیم کتاب، ۳۔ تعلیم حکمت، ۴۔ اور تزکیہ نفوس۔

هو الذی بعث فی الامیین رسولا منهم یتلوا علیهم آیته ویزکیهم ویعلمهم الکتاب والحکمة و ان کانوا من قبل لفی ضلل مبین

(ترجمہ) ”وہی ہے جس نے ان پڑھوں میں ایک رسول انہیں میں سے مبعوث فرمایا جو ان پر اس کی آیتیں پڑھتا ہے اور انہیں پاک کرتا ہے اور کتاب و حکمت سکھاتا ہے اور بیشک وہ اس سے پہلے صریح گمراہی میں تھے۔“

کما ارسلنا فیکم رسولا منکم یتلوا علیکم آیتنا ویزکیکم و یعلمکم الکتاب والحکمة ویعلمکم مالم تکونوا تعلمون. (البقره ع ۱۸)

(ترجمہ) جیسا کہ ہم نے تم میں ایک رسول تم ہی میں سے بھیجا، جو تم پر ہماری آیتیں پڑھتا ہے اور تمہیں پاک کرتا ہے۔ اور تمہیں کتاب اور دانائی سکھاتا ہے۔
اور تمہیں سکھاتا ہے جو تم نہیں جانتے تھے“

درحقیقت بعثت نبوی ان چاروں شعبوں پر مشتمل تھی۔ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جس طرح دنیا میں نیا آسمانی صحیفہ عطا کیا، اس طرح نئے اخلاق نئے جذبات و کیفیات، نیا شوق آخرت، نیا جذبہ زہد و قناعت، دنیا کی متاع حقیر اور دولت فانی کی تحقیر نئی محبت و الفت حسن سلوک و ہمدردی، بر و مواسات، مکارم اخلاق، اسی طرح نیا ذوق عبادت، خوف و خشیت،

توبہ وانابت دعاوتضرع کی دولت عطافرمائی۔

اور انہی خصوصیات کی بنیاد پر وہ نیا اسلامی معاشرہ اور دینی ماحول قائم ہوا جس کو عہد رسالت اور عہد صحابہ کے لفظ سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ صحابہ کرامؓ ان مقاصد ونتائج بعثت کے کامل ترین نمائندہ اور بہترین نمونہ تھے اگر ان شعبہ ہائے نبوت کو عام زندگی میں جلوہ گر دیکھنا ہو تو صحابہ کرام کی جماعت کو دیکھ لیا جائے۔

یوں تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت ورسالت وتعلیم ان سعادتوں کا سرچشمہ تھی اور اسی سے پوری زندگی اور قرآن اول کا اسلامی معاشرہ وجود میں آیا۔ لیکن اگر اس کے طریق عمل کی تفصیل اور اس کے ذرائع ووسائل کی تحلیل کی جائے تو معلوم ہوگا کہ اس محیر العقول انقلاب کا ذریعہ اور اس نئے معاشرے اور نئی امت کی تشکیل کے عناصر وارکان یہ تین چیزیں تھیں۔

(۱) رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی ذات گرامی، آپ کی زندگی اور سیرت واخلاق۔

(۲) قرآن مجید۔

(۳) آپ کے ارشاد وہدایات، مواعظ ونصائح اور تعلیم وتلقین اگر غور کیا جائے تو معلوم ہوگا کہ بعثت نبوی کے مقاصد اور نتائج کے کامل ظہور میں اور جدید امت کی تعمیر وتشکیل میں ان تینوں عناصر وارکان کا دخل ہے۔ اور واقعہ یہی ہے کہ ان تینوں کے بغیر ایک مکمل معاشرہ، مکمل زندگی اور ایک ایسی ہیئت اجتماعی جس میں عقائد واعمال، خلاق، جذبات، ذوق، رجحانات، تعلقات سب ہی ہوں وجود میں نہیں آسکتی۔ زندگی کے لئے زندگی شرط ہے یہاں دیئے سے دیا جلتا ہے صحابہ کرام اور ان کے صحیح جانشینوں کی زندگی میں ہمیں عقائد واعمال کے ساتھ، جو خالص اسلامی اخلاق اور اس کے سب سے اعلیٰ اذواق اور گہرے دینی جذبات اور دینی کیفیات نظر آتی ہیں۔

یہ تنہا تلاوت کتاب کا نتیجہ نہیں بلکہ اس کامل ترین موثر ترین زندگی کا بھی اثر ہے جو شب وروز ان کے سامنے رہتی تھی۔ اس سیرت واخلاق کا نتیجہ ہے کہ جو انکی انکھوں کے سامنے تھی۔ اور ان مجالس اور صحبتوں کا بھی فیض ہے اور ان ارشادات ونصائح وتلقین کا بھی جس سے وہ حیات طیبہ میں برابر مستفید ہوتے رہتے تھے۔

اس کے مجموعہ سے اسلام کا وہ مزاج خاص وجود میں آیا جس میں صرف قواعد وضوابط اور

ان کی قانونی پابندی نہ تھی بلکہ ان پر عمل کرنے کے محرکات وترغیبات اور عمل کی صحیح کیفیات اور روح بھی تھی۔ حدود کی پابندی اور حقوق کی ادائیگی کے ساتھ لطیف احساسات اور مکارم اخلاق کے وقائق بھی تھے۔

انہوں نے قرآن مجید سے اقامت صلوٰۃ کا حکم بھی پایا تھا اور **الذین هم فی صلا تهم خاشعون** کی تعریف بھی سنی تھی مگر انہوں نے اس کی صحیح کیفیت معلوم کی جب آپ ﷺ کے ساتھ نمازیں پڑھیں اور آپ کے رکوع وجود کی کیفیت دیکھی جس کو انہوں نے **سمع له اذیزًا کازیز الموحل** (ہم آپ کے سینے کی آواز اس طرح سنتے تھے ہانڈی میں ابال آتا ہے) کے لفظوں سے تعبیر کیا ہے۔ انہوں نے قرآن مجید سے سمجھا تھا کہ نماز مومن کا ایک محبوب فعل ہے۔

لیکن جب تک انہوں نے زبان نبوی سے **قوة عینی فی الصلوٰة** (میری آنکھوں کی ٹھنڈک نمازیں ہے) اور بے قراری اور انتہائے شوق واضطراب کے ساتھ **ارحنی یا بلال** (بلال! اذان دے کر مجھے آرام پہنچاؤ) نہیں سنا۔ ان کو نماز کے ساتھ اس عشق وشغف کا اندازہ نہیں ہوا۔

اس طرح جب تک انہوں نے خاصان امت کے سلسلہ میں **وقلب معلق فی المسجد حتی یعود الیه** (ان کا دل مسجد میں ٹکا رہتا ہے مسجد سے نکل کر جب تک دوبارہ مسجد میں نہیں آتے ان کو چین نہیں آتا) کے الفاظ نہیں سنے ان کو مسجد اور قلب مومن کا باہمی تعلق معلوم نہیں ہوسکا۔ انہوں نے قرآن مجید میں بار بار دعا کی ترغیب دیکھی تھی دعا نہ کرنے والوں پر عتاب بھی سنا تھا اور تضرع وابتہال گریہ وزاری اور الحاح واصرار کے الفاظ ومفہوم سے بھی وہ آشنا تھے لیکن اس حقیقت کو انہوں نے اس وقت جانا جب انہوں نے میدان بدر میں آپ کو خاک پر سر رکھے یہ الفاظ کہتے سنا کہ:

للهم انشدک عهدک ووعدک اللهم ان شئت لم تعبد

''اے اللہ میں تجھے تیرے عہد اور وعدہ کا واسطہ دیتا ہوں۔ اے اللہ! اگر تو چاہے اس مٹھی بھر جماعت کو ہلاک کرنا تو تیری عبادت نہ ہو''۔

اور بیقراری کی وہ کیفیت دیکھی جو حضرت ابوبکرؓ سے نہ دیکھی جاسکی یہاں تک کہ انہوں

نے عرض کیا : **حسبک یارسول اللّٰہ** کافی ہے ان کو معلوم تھا کہ دعا کی روح، بندگی اور اپنی عجز و درماندگی کا اظہار ہے اور جس دعا میں یہ جوہر جس قدر زیادہ ہو اسی قدر وہ دعا قیمتی ہے لیکن بندگی اور عجز و درماندگی کا اظہار ہے اس کے حقیقت جب ان کو معلوم ہوئی جب انہوں نے عرفات میں آپ کو یہ کہتے سنا:

اللهم انک تسمع کلامی و تری مکانی وتعلم سری وعلا نیتی لا یخفی علیک شئ من امری وأنا البائس الفقیر المستغیث المستجیر الرجل المشفق المقر المعترف بذ بنی اسئلک مسالة المسکین و ابتهل الیک ابتهال المذ نب الز لیل و اد عوک دعا ء الخا ئف الضریر و دعا من حضعت لک رقبة وفا ضت لک عبرته وذل لک جسمه ورغم لک انفه. اللهم لا تجعلنی بدعائک شقیقا وکن لی رؤ فار حیما یا خیر المسولین ویا خیر المعطین۔"

(ترجمہ) ''اے اللہ! تو میری بات کو سنتا ہے اور میری جگہ کو دیکھتا ہے اور میرے پوشیدہ اور ظاہر کو جانتا ہے تجھ سے میری کوئی بات چھپی نہیں رہ سکتی میں مصیبت زدہ ہوں محتاج ہوں، فریادی ہوں، پناہ جو ہوں، پریشان ہوں، حراساں ہوں، اپنے گناہوں کا اقرار کرنے والا ہوں اعتراف کرنے والا ہوں، تیرے گے سوال کرتا ہوں جیسے بے کس سوال کرتے ہیں تیرے آگے گڑگڑاتا ہوں جیسے گناہ گار ذلیل وخوار گڑگڑاتا ہے اور تجھ سے طلب کرتا ہوں جیسے خوف زدہ آفت رسیدہ طلب کرتا ہے اور جیسے وہ شخص طلب کرتا ہے جس کی گردن تیرے سامنے جھکی ہو اور اس کے آنسو بہہ رہے ہوں اور تن بدن سے وہ تیرے آگے فروتنی کئے ہوئے ہو اور اپنی ناک تیرے سامنے رگڑ رہا ہو۔ اے اللہ! تو مجھے اپنے سے دعا مانگنے میں ناکام نہ رکھ اور میرے حق میں بڑا مہربان نہایت رحم کرنے والا ہو جا اے سب مانگے جانے والوں سے بہتر، اور اے سب دینے والوں سے اچھے۔''

انہوں نے قرآن مجید میں دنیا کی بے حقیقی اور آخرت کی پائیداری کا ذکر پڑھا تھا اور:

ماالحیوۃ الدنیا الا لهوولعب وان الدار الاخرة لهی الحیوان.

(ترجمہ) ''دنیا کی زندگی محض کھیل تماشا ہے اور آخرت کا گھر ہی اصل زندگی ہے۔''

کے الفاظ ان کو یاد تھے مگر اس کی حقیقت اور عملی تفسیر ان کو آپ کی زندگی سے ہی معلوم ہوئی اور آپ کے طرز زندگی اور گھر کے نقشہ کو دیکھ کر ہی سمجھے کہ آخرت کو اصل زندگی سمجھنے کا کیا مطلب ہوتا ہے اور آخرت کو اصل زندگی سمجھنے والوں اور اللھم لا عیش الا عیش الآخرۃ پر ایمان رکھنے والوں کی خانگی زندگی اور معیشت کیا ہوتی ہے۔

اس عملی نقشہ اور اجمالی ترغیب کے ساتھ جب ان کے سامنے ارشادات نبوی میں جہنم کے شدائد، مصائب اور جنت کے انعامات ولذائذ کی تفصیل اور تصویر آتی تو ان کے اندر خوف اور شوق کی ملی جلی کیفیت پیدا ہوتی اور ان دونوں کا نقشہ ان کی آنکھوں کے سامنے ہر وقت کھنچا رہتا۔

اسی طرح وہ رحمت، تواضع، خلق، رفق جیسے اخلاقی وتعلیمات کے مفہوم سے نا آشنا تھے، صاحب زبان بھی تھے اور قرآن مجید میں صاحب نظر بھی تھے لیکن ان الفاظ کی وسعت عملی زندگی میں انکی تطبیق نیز صحیح عمل انکو صرف اس وقت معلوم ہوا جب انہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا کمزوروں، عورتوں، بچوں، یتیموں، غریبوں، بوڑھوں اور اپنے عام رفقاء واصحاب واہل خانہ اور خدام کے ساتھ برتاؤ دیکھا۔ اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی اس بارے میں ہدایات، وصیتیں اور ارشادات سنے۔

ان کو عامۃ المسلمین کے حقوق ادا کرنے کی اجمالی ہدایات قرآن سے مل چکی تھیں، مگر اس کی بہت سی صورتیں مثلاً عیادت مریض اتباع جنائز تشمیت عاطس وغیرہ وغیرہ ایسی تھیں جو شاید لاکھوں انسانوں کے ذہن میں خود نہ آتیں اور اگر آتیں تو ان کی اہمیت وافادیت ان کو معلوم نہ ہوتی۔

اس طرح والدین واہل حقوق کے ساتھ حسن سلوک کی تعلیم قرآن مجید میں پورے شد ومد کے ساتھ ہے مگر کتنے معلمین اخلاق ہیں جن کا ذہن والدین کے ساتھ حسن سلوک وادائے حقوق کے اس رفیع وبدیع مقام پر پہنچتا جس کا اظہار حدیث نبوی میں اس طرح کیا گیا ہے۔

(ترجمہ) ''لڑکے کا باپ کے ساتھ حسن سلوک ووفاداری کا بہترین درجہ یہ ہے کہ اپنے والد کے انتقال کے بعد ان کے دوستوں اور اہل محبت کے ساتھ اچھا سلوک کرے۔''

اور کتنے ذہن ہیں جو وفاداری اور شرافت کے اس بلند مقام تک پہنچ سکتے جس کا اظہار

اس روایت سے ہوتا ہے!

وربما ذبح الشاة ثم يقطعها اعضاء ثم يبعثها فی صدائق خديجه

''اور بکثرت ایسا ہوتا کہ آپ کے یہاں بکری ذبح ہوتی تو آپ اس کے پارچے الگ الگ کراتے پھر وہ ٹکڑے اپنی مرحومہ بیوی خدیجہ سے میل محبت رکھنے والیوں کے یہاں بھیجتے۔''

حدیث کے شعبہ معاشرت کی یہ دو تین مثالیں ہیں جن سے اندازہ ہوسکتا ہے کہ حدیث زندگی کے مختلف شعبوں میں کیسی رہنمائی کرتی ہے اور کیسا نیا علم عطا کرتی ہے اور وہ انسانیت کے لئے کیا بیش بہا خزانہ ہے۔

دوسری طرف مذاہب و ادیان کی تاریخ کا یہ طویل و مسلسل تجربہ ہے کہ محض ایک اجمالی اور قانونی حکم اور ضابطہ کسی عمل کو اپنی صحیح روح اور کیفیات کے ساتھ وجود میں لانے کے لئے کافی نہیں ہوتا اور وہ فضا پیدا نہیں کرتا جو اس عمل کو موثر اور منتج بنانے کیلئے درکار ہے۔

مثال کے طور پر اقامت صلوٰۃ کا اجمالی حکم وہ ذہنیت ماحول اور فضا پیدا نہیں کرتا، جو نماز کی روح و جسم کی حفاظت اس کی پابندی اور اس کے صحیح روحانی، ذہنی قلبی اجتماعی اور اخلاقی نتائج واثرات کے بروئے کار آنے کے لئے معاون و مددگار ہے اس کے لئے ان مبادی و مقدمات، آداب و ہدایات کی ضرورت ہے جو اس عمل کو مہتم بالشان، وقیع و موثر بنائیں اسی بنا پر نماز کے لئے خود قرآن مجید میں وضو، طہارت، شعور، تعقل خشوع و خضوع سکوت و قنوت اور جماعت کا حکم دیا گیا ہے۔

لیکن اہل نظر سے مخفی نہیں کہ اس میں ضروری و قابل عمل حد تک جس قدر آداب و فضائل اور خارجی انتظامات کا اضافہ ہوگا وہ فضا اور ماحول تیار ہوگا جس میں نماز اپنے پورے ثمرات اور روحانی و اجتماعی و اخلاقی اثرات ظاہر کرے گی اور حدیث و سیرت کا مطالعہ کرنے والے اور ان پر نظر رکھنے والے جانتے ہیں کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے عمل اور آپ کے ارشادات و ہدایات نے اس میں وہ معقول اضافہ کیا ہے جس سے نماز تزکیۂ نفس، تربیت اخلاق، تعمیر سیرت و انقطاع عن الخلق نیز امت کے تعلیم و تربیت اور نظم و وحدت کا موثر ترین ذریعہ بن گئی ہے مثلاً:

وضو کی نیت وفضیلت اور اس کا استحضار، مساجد کی طرف جانے اور اس کے راستے میں پڑنے والے قدموں کی فضیلت، راستہ کی دعا، مسجد میں داخل ہونے کا ادب اور ذکر تحیۃ المسجد، سنن راتبہ، نماز کے انتظار کی فضیلت اور بیٹھنے کا ادب، جماعت کا ثواب اذان واقامت کا ثواب، امامت کی فضیلت ومنصب اور اس کے احکام، امام کے اتباع کی تاکید، صفوں کی ترتیب اور صفوں میں کھڑے ہونے والے آدمیوں کی ترتیب مساجد میں تعلیم وتعلم کے حلقوں کی فضیلت ذکر کے حلقوں کی فضیلت، مسجد سے نکلنے کی دعا اور اس کا ذکر وغیرہ وغیرہ۔

ظاہر ہے کہ ان فضائل نیز ان آداب وہدایات کے علم وعمل سے نماز کتنی مہتم بالشان چیز اور تزکیہ واصلاح، تعلیم وتربیت اور انابت وتوجہ الی اللہ کا کیسا موثر ذریعہ بن جاتی ہے پھر اس کے ساتھ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی نمازوں کی کیفیت، نوافل کے ذوق، قرآن مجید پڑھنے میں رقت ومحویت کے واقعات کا جو احادیث میں اہتمام کے ساتھ بیان کئے گئے ہیں اضافہ کیجئے۔

اس مجموعہ سے امت کی نماز کس مقام تک پہنچ جاتی ہے اور اس کے لئیے کیسا ذہنی اور روحانی ماحول تیار ہوتا ہے صوم وصلوٰۃ وحج کو بھی اسی پر قیاس کرنا چاہئیے اور حدیث سے ان کے آداب وفضائل، معمولات نبوی، اور واقعات زندگی کو جمع کر کے غور کرنا چاہئے کہ اگر ان عبادات کو ان آداب وفضائل اور واقعات سے مجرد و منقطع کر لیا جائے اور اس ماحول سے جدا کر لیا جائے جو حدیث ان کے لئے مہیا کرتی ہے اور جو اب حدیث کی بناء پر ان کے ساتھ لازم ہو گیا ہے تو ان کی تاثیر کہاں باقی رہتی ہے اور ان میں جذبات کو ابھارنے، ذوق وشوق کو پیدا کرنے، استقامت عطا کرنے اور قلب ودماغ کو غذا اور جلا عطا کرنے اور ایک ایسے نئے معاشرے کی تعمیر کی جس کے اندر عبادت تقویٰ وانابت کی روح سرایت کئے ہوئے ہو کہاں تک صلاحیت باقی رہ جاتی ہے؟

درحقیقت رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی حیات طیبہ اور ارشادات وہدایات (جن کے مجموعہ کا معروف نام حدیث وسنت ہے) دین کے لئے وہ فضا اور ماحول کہ مہیا کرتے ہیں جس میں دین کا پودا سرسبز وبار آور ہوتا ہے۔

دین کسی خشک اخلاقی ضابطہ، یا قانونی مجموعہ کا نام نہیں وہ جذبات، وواقعات اور عملی مثا

لوں کا سب سے بہتر اور مستند مجموعہ وہ ہے جو خود پیغمبر علیہ السلام کی ذات سے متعلق اور ان کے حالات زندگی سے ماخوذ ہو۔ یہودی اور عیسائی نیز ایشیا کے دوسرے مذاہب اس لئے بہت جلد مفلوج ہو کر رہ گئے کہ ان کے پاس اس اپنے پیغمبروں کی زندگی کے مستند واقعات اور ایمان آفریں کلام کا مجموعہ نہیں تھا۔

اور ان مذاہب کو وہ ذہنی ماحول اور فضا میسر نہیں تھی جس میں پیروان مذاہب، دینی نشو ونما اور ترقی حاصل کرتے اور مادیت والحاد کے حملوں سے محفوظ رہتے۔ انہوں نے بالآخر اس کی ضرورت کو تسلیم کر کے اس خلا کو پیروان مذاہب پیروان طریقت'' کے واقعات وملفوظات سے پر کیا مگر اس خانہ پری نے رفتہ رفتہ مذاہب کو بدعات ورسوم اور نئی نئی تفسیروں کا ایسا مجموعہ بنا دیا جس میں اصل مذہب کی تعلیم گم ہو کر رہ گئی۔ ان مذاہب اقوام کی اپنے پیغمبروں کی سیرت اور مستند واقعات زندگی کے بارے میں بے اعتنائی و تہی دامنی اب ایک مسلمہ حقیقت بن گئی ہے اور اس پر بہت کچھ لکھا جا چکا ہے۔

اسلام کے آخری اور دائمی مذہب ہونے کا ایک ثبوت یہ بھی ہے کہ یہ حادثہ اس کو پیش نہیں آیا۔ جس ذہنی اور روحانی ماحول میں اور جن ذہنی کیفیات کے ساتھ صحابہ کرامؓ نے زندگی گذاری حدیث کے ذریعہ سے پورے ماحول کو قیامت تک کے لئے محفوظ کر دیا گیا۔ بعد کی [illegible] صدیوں کے ایک آدمی کے لئے بالکل ممکن ہے کہ حدیث کے ذریعہ وہ اپنے [illegible] سے اپنا رشتہ منقطع کر کے دفعتہ اس ماحول میں پہنچ جائے جہاں رسول اکرم صلی اللہ علیہ [illegible] وسلم موجود ہیں، جہاں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مصروف تعلیم اور صحابہ کرام گوش بر آواز ہیں، جہاں [illegible] اندازہ ہو سکتا ہے کہ ایمان کس طرح کے اعمال واخلاق اور یقین آخرت کی کس طرح کی زندگی پیدا کرتا ہے۔

یہ ایک دریچہ ہے جس سے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی خانگی زندگی، آپ کے گھر کا نقشہ، آپ کے رات کے معمولات، آپ کے گھر والوں کی معاشرت اپنی آنکھوں سے دیکھی جا سکتی ہے آپ کے رکوع وسجود کی کیفیت آنکھوں سے اور آپ کی دعا ومناجات کا زمزمہ کانوں سے سنا جا سکتا ہے۔ پھر جو آنکھیں آپ کی آنکھوں کو اشک بار اور قدم مبارک کو متورم دیکھیں اور جو کان پوچھنے اور سوال کرنے پر یہ آواز سنیں کہ:

افلا اکون عبدا شکورًا

’’کیا میں خدا کا شکر گزار بندہ نہ بنوں۔‘‘

وہ غفلت کا کس طرح شکار ہو سکتے ہیں؟ جن کی آنکھوں نے کاشانہ نبوت میں دو دو مہینے چولھا گرم ہوتے نہیں دیکھا، جنہوں نے شکم نبوت پر پتھر بندھا ہوا اور پشت مبارک پر نشانات پڑے ہوئے دیکھے۔ جس نے سونے کی بیقراری کے ساتھ صدقہ کا بچا ہوا سونا راہ خدا میں خرچ ہوتے دیکھا، جس نے مرض وفات میں چراغ کا تیل پڑوسی کے گھر سے قرض آتے دیکھا اس پر دنیا کی حقیقت کیسے چھپ سکتی ہے؟ اور زہد کا جذبہ اس کے اندر کیسے نہیں ابھر سکتا؟

جس نے آپ کو اپنے گھر والوں کی خدمت اپنے بچوں کے ساتھ محبت، اپنے خادموں کے ساتھ رعایت اور اپنے رفقاء کے ساتھ عنایت اور اپنے دشمنوں کے ساتھ تحمل فرماتے ہوئے دیکھا وہ مکارم اخلاق اور انسانیت کا درس اس در کو چھوڑ کر اور کہاں سے لینے جائے گا؟

پھر اس ماحول میں کاشانہ نبوت ہی کا دروازہ نہیں کھلا ہوا جس سے دیکھنے والوں کو یہ سب نظر آتا ہے بلکہ صحابہ کرام کے گھروں کے دروازے بھی کھلے ہوئے ہیں۔ اور ان کے گھروں کی زندگی ومعاشرت ان کے دلوں کی تپش ان کے شبوں کا گداز، ان کے بازاروں کی مصروفیات اور مسجدوں کی فراغت، ان کی بے نفسی وللّٰہیت اور ان پر نفس انسانی کے حملے ان کا انقیاد کامل اور ان کی بشری لغزشیں بھی سب پر عیاں ہیں یہاں ابوطلحہ انصاری کے ایثار کا واقعہ بھی آنکھوں کے سامنے گذرتا ہے اور حضرت کعب بن مالک کے غزوۂ تبوک سے پیچھے رہ جانے کا قصہ بھی پیش آتا ہے غرض یہ ایک ایسا طبعی، قدرتی ماحول ہے جس میں زندگی اپنے پورے تنوعات وحقائق اور انسانی فطرت اپنے تمام خصائص کے ساتھ موجود ہے اور حدیث نے اس کا پورا عکس لے کر قیامت تک کے لئے دورِ نبوی کو محفوظ کرلیا ہے۔

قرآن مجید کے ساتھ عہد نبوی کی اس تصویر کا باقی رہنا اسلام کا اعجاز اور اس کا ایسا امتیاز ہے جس میں کوئی مذہب اور کوئی امت اس کی شریک وسہیم نہیں۔ ایک ایسا مذہب جس کو قیامت تک باقی رہنا اور تمام آنے والی نسلوں کو عملی نمونہ اور عمل کے جذبات ومحرکات اور قلب ودماغ کی غذا فراہم کرنا ہے، ماحول کے بغیر نہیں رہ سکتا یہ ماحول حدیث کے ذریعہ محفوظ ہے۔

تدوین حدیث کی تاریخ پڑھ کر صاف معلوم ہوتا ہے کہ یہ ایک اتفاقی امر اور دور متاخر کی

کوئی جدت نہیں ہے صحابہ کرام کا عہد نبوی ہی میں کتابت حدیث کے طرف متوجہ ہونا اور بہت بڑی تعداد میں احادیث کا محفوظ کر لینا پھر انہی کے آخر دور میں تابعین کا تدوین و ترتیب کی طرف توجہ کرنا، پھر ایران و خراسان و ترکستان کے طالبین علم کے سمندر کا امنڈ آنا، اس کا جمع و حفظ، حدیث سے عشق و شغف ان کا غیر معمولی حافظہ ان کا عزم و عالی ہمتی، پھر اسماء الرجال اور فن روایت مجتہدین کا پیدا ہونا جن کو انکا ملکہ راسخہ اور بصیرت کاملہ حاصل تھی پھر ان کا انہماک اور خود فراموشی پھر امت کی حدیث کی طرف توجہ اور اس کی عالم اسلام میں مقبولیت و اشاعت۔

یہ سب واقعات اس بات کا ثبوت ہیں کہ جمع قرآن کے طرح اللہ تعالیٰ کو اس ''صحیفہ زندگی'' کو بھی محفوظ کرنا مقصود تھا اس کی بدولت حیات طیبہ کا امتداد و تسلسل باقی رہا اور امت کو اپنے ہر دور میں وہ روحانی ذوق، علمی و ایمانی میراث ملتی رہی جو صحابہ کرام کو براہ راست حاصل ہوئی تھی۔ اس طرح صرف عقائد و احکام ہی میں توارث کا ایک سلسلہ جاری رہا۔ حدیث کے اثر سے عہد صحابہ کا مزاج و مذاق ایک نسل سے دوسری نسل اور ایک طبقہ سیدوسرے طبقہ تک منتقل ہوتا رہا اور امت کی طویل تاریخ میں کوئی مختصر سے مختصر عہد بھی ایسا نہیں آنے پایا جب وہ مزاج و مذاق یکسر ناپید اور معدوم ہو گیا ہو۔ ہر دور میں ایسے افراد رہے جو صحابہ کرام کے مزاج و مذاق کے حامل کہے جا سکتے ہیں وہی عبادت کا ذوق وہی تقویٰ و خشیت وہی استقامت و عزیمت وہی تواضع و احتساب وہی شوق آخرت وہی دنیا سے بے رغبتی، وہی جذبہ امر بالمعروف و نہی عن المنکر، وہی بدعات سے نفرت اور جذبہ اتباع سنت جو حدیث کے مطالعہ و شغف کا نتیجہ ہے یا ان لوگوں کی صحبت و تربیت کا فیض ہے جنہوں نے اس مشکوٰۃ نبوت سے روشنی حاصل کی اور اس میراث نبوی سے حصہ پایا امت کا یہ ذہنی و مزاجی توارث قرن اول سے اس چودھویں صدی ہجری کے عہد انحطاط و مادیت تک برابر قائم ہے۔

سفیان ثوری، عبد اللہ بن مبارک اور امام احمد بن حنبل سے لے کر مولانا فضل الرحمٰن گنج مراد آبادی مولانا رشید احمد گنگوہی اور مولانا سید عبد اللہ غزنوی رحمۃ اللہ علیہ تک کی زندگی اور سیرت و اخلاق میں ان کا پرتو صاف نظر آتا ہے؟

جب تک حدیث کا یہ ذخیرہ باقی، اس سے استفادہ کا سلسلہ جاری اور اس کے ذریعہ عہد صحابہ کا ماحول محفوظ ہے دین کا یہ صحیح مزاج و مذاق جس میں آخرت کا خیال دنیا پر، سنت کا اثر رسم

ورواج پر، روحانیت کا اثر مادیت پر غالب ہے باقی رہے گا اور کبھی اس امت کو دنیا پرستی، سرتاپا مادیت انکار آخرت اور بدعات وتحریفات کا پورے طور پر شکار نہیں ہونے دیگا بلکہ اس کے اثر سے ہمیشہ اس امت میں اصلاحی وتجدیدی تحریکیں اور دعوتیں اٹھتی رہیں گی اور کوئی نہ کوئی جماعت حق کی علمبردار اور سنت وشریعت کے فروغ کے لئے کفن بردوش رہے گی جو لوگ امت کو زندگی، ہدایت اور قوت کے اس سرچشمہ سے محروم کرنا چاہتے ہیں اور اس میں اس ذخیرہ کی طرف سے بے اعتمادی اور شک وارتیاب پیدا کرنا چاہتے ہیں وہ نہیں جانتے کہ وہ امت کو کیا نقصان پہنچا رہے ہیں اور اس کو کس عظیم سرمایہ اور کتنی بڑی دولت سے محروم کرنے کی سازش کا شکار ہیں۔

اگر وہ سوچ سمجھ کر ایسا کر رہے ہیں تو ان سے بڑھ کر اس امت اور اس دین کا دشمن کوئی نہیں ہوسکتا اس لئے کہ پھر اس مزاج ومذاق کو دوبارہ پیدا کرنے کا کوئی ذریعہ نہیں جو صحابہ کرام کا امتیاز تھا، اور جو یا تو کامل طور پر براہ راست صحبت نبوی سے پیدا ہوسکتا ہے یا بالواسطہ حدیث کے ذریعہ جو اس عہد کا جیتا جاگتا مرقع اور حیات نبوی کا بولتا چالتا روزنامچہ ہے اور جس میں عہد نبوی کی کیفیات بسی ہوتی ہیں۔

وما علينا الا البلاغ المبين

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

ابدی کتاب

نحمدہ ونصلی علی رسولہ الکریم ○اما بعد○ فاعوذ باللہ من الشیطان الرجیم○ بسم اللہ الرحمن الرحیم ○

انسان کی ہدایت کے لئے بہت سے قانون ہدایت اللہ تعالیٰ نے نازل کئے مگر ان کے پیروکاروں اور ماننے والوں نے ان میں تبدیلی کر ڈالی اور اپنی طرف سے بہت سی کمی بیشی کی آج کوئی کتاب بھی اپنی اصلی حالت میں نہیں۔ ایک قرآن کریم وہ ابدی کتاب ہے جس کا ایک ایک لفظ اور ایک ایک حرف تک جوں کا توں محفوظ ہے جس کا اعتراف خود اس کے مخالفین نے بھی کیا ہے۔

حضرات! قرآن سے پہلے کے آسمانی صحیفے ہمیشہ تحریف وتبدیلی کا نشانہ اور تلف وتباہی کا تختہ مشق بنتے رہے ہیں، اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے حفظ وبقا کی کوئی ذمہ داری خود نہیں لی تھی بلکہ اسے ان کے علماء وحاملین کے سپرد کر دیا تھا، اس کے علاوہ بشریت اور انکی مخاطب امتوں کو ان کی ضرورت ایک عرصہ ہی کے لئے رہی۔

''بیشک ہم نے تورات نازل فرمائی جس میں ہدایت اور روشنی ہے۔ اسی کے مطابق انبیا، جو (خدا کے) فرمان بردار تھے یہودیوں کو حکم دیتے رہے ہیں۔ اور مشائخ اور علماء بھی، کیونکہ وہ کتاب خدا کے نگہبان مقرر کئے گئے تھے۔ اور اس پر گواہ تھے۔'' (یعنی الٰہی کا یقین رکھتے تھے)

اور یہ تاریخی طور پر ثابت اور ایک علمی حقیقت ہے جس کا اعتراف خود ان امتوں اور فرقوں نے کیا ہے جن کے پاس یہ صحیفے آئے تھے عہد عتیق کے صحیفے برابر غارت گری اور آتش زدگی کا کھلے طور پر نشانہ بنتے رہے ہیں۔ اور خود یہودی مورخین کا اس پر اتفاق ہے کہ تاریخ میں تین بار ایسے مواقع پیش آئے ہیں پہلی بار جب بخت نصر (٦٠٥-٥٦٤ ق م) بابل کے بادشاہ نے یہودیوں پر ٥٨٦ ق م میں حملہ کیا اور بیت المقدس کو آگ لگا دی جس میں حضرت سلیمان نے

تورات کی تختیاں اور آلِ موسیٰ وآلِ ہارون کے تبرکات محفوظ کردیئے تھے اور جو یہودی قتل سے بچ گئے انہیں وہ قید کر کے بابل لے گیا۔ جہاں وہ پچاس سال تک رہے اور عزرائی نے پانچ پہلے صحیفوں کو جو ''تورہ'' کہلاتے ہیں اپنے حافظہ سے دوبارہ لکھوایا اور واقعات کو تاریخی اسلوب میں لکھا پھر نحمیا نے کتابوں کے دوسرے سلسلے کا اضافہ کیا اور داؤدؑ کی زبور کو بھی ملحق کیا۔

دوسری بار جب انطیوخوس چہارم نے جس کا لقب ہیقانس تھا۔ اور جو یونانی انطاکیہ کا بادشاہ تھا بیت المقدس پر ۱۶۸ ق م میں حملہ کیا اور صحف مقدسہ کو جلادیا اور تورات کی تلاوت اور یہودی شعائر وروایات کو حکماً روک دیا یہودا مقابی نے مقدس صیحفوں کو پھر سے جمع اور مرتب کرنا شروع کیا۔ اور عہدِ عتیق میں صحیفوں کے تیسرے سلسلہ کا اضافہ کیا۔

تیسری بار ٹائیٹس (۴۰۔۸۱) رومن بادشاہ نے بیت المقدس پر ۷۰ء کو حملہ کیا اور اس کو ہیکل سلیمان سمیت برباد کر کے اس کو ویرانے اور ملبہ میں تبدیل کردیا اور مقدس صحیفوں پر قبضہ کر کے فتح کی یادگار کے طور پر اپنے رومی دارالحکومت لیتا گیا۔ اور یہود کو جلاوطن کر کے شہر کے گرد دوسروں کو بسادیا۔

تفصیل کے لئے مقدس صحیفوں کی تاریخ کی کتابیں اور جیوش انسائیکلو پیڈیا ملاحظہ ہوں۔

پیغمبروں کے ان صحیفوں اور آسمانی کتابوں کی صحت وحفاظت، اور مطابق اصل ہونے کے بارے میں یہودیوں کا معیار اور نقطہ نظر، اس معیار اور نقطہ نظر سے قطعاً مختلف ہے، جو مسلمانوں کا قرآن مجید کے بارے میں ہے، مسلمان قرآن مجید کے ہر لفظ کو کلام الٰہی، منزل من اللہ اور اپنے زمانہ نزول سے لے کر اس وقت تک محفوظ مانتے ہیں یہودیوں کے نزدیک ان کتابوں میں ترمیم وکمی بیشی ان کی آسمانی کتابیں ہونے کے منافی نہیں۔ وہ انبیاء کو ان کا مصنف لینے میں بھی کوئی حرج نہیں سمجھتے ہیں۔ مندرجہ ذیل اقتباسات سے یہودیوں کے عقیدہ اور طرزِ فکر اور اپنی کتب مقدس کے بارے میں نقطہ نظر کا کسی قدر اندازہ ہوسکتا ہے۔ ممتاز ترین یہودی فضلاء اور ماہرین کی تیار کی ہوئی یہودی انسائیکلو پیڈیا میں ہے:۔

یہودی روایات اگرچہ اس پر مصر ہیں کہ عہد نامہ قدیم انہیں کرداروں کی تصنیف ہے۔ جو ان میں مذکور ہیں اور یہ قطعاً غیر مناسب بھی نہیں ہے۔ مگر انہیں یہ ماننے میں کوئی تامل نہیں ہے کہ ان میں سے بعض کتابوں میں بعد ترمیم واضافہ کیا گیا ہے (جیوش انسائیکلو پیڈیا ۹۳) ''قدیم

یہودی روایات کے مطابق تورات کی پہلی پانچ کتابیں (آخری آٹھ آیات کو چھوڑ کر جن میں موسیٰ کی موت کا ذکر ہے) موسیٰ کی تصنیف ہیں۔ لیکن ان صحیفوں کے متعدد تناقص اور اختلافات کی جانب ربی برابر توجہ دیتے اور اپنی خوش تدبیری سے انہیں درست کرتے رہے ہیں۔ (جیوش انسائکلو پیڈیا ج۹۔ ۵۸۹)

'' اسپنوزا کا کہنا ہے کہ عہد نامہ قدیم کی پہلی پانچ کتابیں موسیٰ کی نہیں عذرا کی تصنیف۔ جدید ترین تحقیق نے آخر کار یہ قطعی طور پر ثابت کر دیا ہے کہ عہد نامہ قدیم کی پہلی پانچ کتابیں کم از کم ۲۸ مختلف سرچشموں سے ماخوذ ہیں۔ (ایضاً)

جہاں تک اناجیل اربعہ کا سوال ہے (جو عہد جدید کہی جاتی ہیں) تو ان کا معاملہ عہد عتیق سے بھی گیا گزرا ہے۔ اس کی تدوین اور اس کے مولفین کے بارے میں بڑی پیچیدگیاں اور دشواریاں اور شک وشبہ پایا جاتا ہے اور ان کے اور حضرت مسیح علیہ الصلوٰۃ والسلام کے درمیان ایک بڑی خلیج حائل ہے جسکا پاٹنا اور جسے عبور کرنا کسی بھی محقق اور مورخ کے امکان میں نہیں رہ گیا ہے یہ انجیلیں دینی کونسلوں اور مختلف زمانوں میں برابر تغیر وتبدیلی اور اصلاح وترمیم کا نشانہ بنتی رہی ہیں اس کے علاوہ آسمانی کتابیں اور وحی والہام پر مبنی ہونے کے بجائے سیر وسوانح اور واقعات وحکایات کی کتابیں زیادہ معلوم ہوتی ہیں اور اس کی شہادت ہر وہ شخص دے گا جس کی ان کی تاریخ وادوار پر وسیع اور گہری نظر ہوگی۔ جن سے یہ کتابیں گزرتی رہی ہیں۔

یہ انجیلیں مسلمانوں کے دوسرے اور تیسرے درجہ کے مجموعہ ہائے حدیث وسنن کا استناد اور اعتماد واعتبار بھی نہیں رکھتیں چہ جائیکہ وہ صحاح ستہ کے برابر ہوں اس لئے کہ یہ کتابیں اپنے مولفین سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تک مسلسل اور متصل سند اور سلسلہ رکھتی ہیں مسلمانوں کے نزدیک حدیث صحیح وہ ہے جو معتبر راویوں کی پوری احتیاط ودیانتداری کے ساتھ سند متصل کے ساتھ نقل ہوئی ہو اور جس کے راویوں اور خود اس روایت میں کوئی عیب اور نقص (علت وشذوذ) نہ ہو اس کے برخلاف تمام اناجیل، سند کی تمام قسموں سے خالی ہیں۔ اس کے مولفین تک کوئی سند متصل نہیں اور نہ ان کے مولفین سے حضرت عیسیٰؑ تک کوئی سند موجود ہے۔

اس کے علاوہ ہمارے ہاتھوں میں جو صحیفے ہیں۔ وہ اب اس زبان میں نہیں ہیں جن میں

وہ نازل ہوئے تھے اور جسے حضرت مسیحؑ اور ان کی قوم بولتی تھی۔ بلکہ وہ ایک زبان سے دوسری زبان میں برابر ترجمہ ہوتے چلے آرہے ہیں اور مختلف مترجموں کے ہاتھوں ہم تک پہنچے ہیں اس لئے یہ درحقیقت سیرت وتاریخ کی کتابیں اور قصص مواعظ کے مجموعے ہیں اگر انہیں احتراماً مسلمان عوام میں پھیلے ہوئے میلاد ناموں سے یاد نہ کریں تو انہیں زیادہ سے زیادہ چوتھے نمبر کی کتب حدیث کا درجہ دیا جا سکتا ہے۔ جن میں صحت وتحقیق کا بلند معیار قائم نہیں رہا انہیں سب حقائق کے پیش نظر ان صحیفوں اور قرآن کا موازنہ اور مقابلہ ہے یہی نہیں اور مقابلہ تو ایک درجے کی چیزوں میں ہوتا ہے۔

نومسلم فرانسیسی مستشرق موسیو اتین دینیہ نے ان اناجیل کے تعارف اور ان کے علمی وتاریخی مقام کی تعیین کرتے ہوئے خوب لکھا ہے کہ:

اللہ نے جو انجیل حضرت عیسیٰؑ کو ان کی اور ان کی قوم کی زبان میں دی تھی وہ تو کوئی شک نہیں کہ ضائع ہو چکی ہے اور اب اس کا کوئی نام ونشان بھی نہیں رہ گیا ہے یا وہ خود تلف ہو گئیں یا عمداً تلف کر دی گئیں اسی وجہ عیسائیوں نے اس کی جگہ چار تالیفات کو اپنا لیا جن کی صحت اور تاریخی حیثیت مشکوک کی ہے کیونکہ یہ یونانی زبان میں ملتی ہیں جس کا مزاج حضرت عیسیٰؑ کی اصل سامی زبان سے کوئی مطابقت نہیں رکھتا اسی لئے ان یونانی انجیلوں کا اپنے اتارنے والے سے رشتہ اور رابطہ یہود کی تورات اور عربوں کے قرآن سے کہیں کمزور ہے۔

بائبل کی داخلی شہادتیں بھی اس کی صریح تاریخی غلطیوں، واضح تضادات اور عقلاً محال چیزوں کی طرف اشارے کرتی ہیں جیسے اس میں اللہ کی طرف ان چیزوں کا انتساب کیا گیا ہے جو اس کے جلال وکمال کے کسی طرح شایان شان نہیں، اور نہ اس کی ان صفات ہی کے مطابق ہیں جو آسمانی مذاہب میں متفق علیہ ہیں اور جنہیں عقل سلیم تسلیم کرتی ہے اس میں انبیاء پر ایسے اتہام والزام ہیں جن سے معمولی انسان بھی بری اور برتر ہوتے ہیں۔ ان کے علاوہ بھی بہت سے داخلی شواہد توراۃ وانجیل میں (جنہیں مجموعی طور پر بائبل یا کتاب مقدس کہا جاتا ہے) الحاق واضافہ اور تبدیلی کی نشاندہی کرتے ہیں۔

اپنے موضوع پر منفرد کتاب اظہار الحق جو مولانا رحمت اللہ کیرانوی (م ۱۳۰۸ھ مدفون مکہ مکرمہ) کے قلم سے ہے، ملاحظہ ہو، مصنف نے کتاب مقدس کے ۱۲۳ لفظی اختلافات کی

نشاندہی کی ہے اور ۱۰۸ ایسی غلطیاں شمار کی ہیں جن کی کوئی تاویل نہیں ہوسکتی۔

"اظہار الحق" اصلاً عربی زبان میں ہے ہمارے فاضل دوست مولانا محمد تقی عثمانی نے اس کا ترجمہ کروایا اور اس پر ایک فاضلانہ مقدمہ لکھا، یہ کتاب کراچی سے بائبل سے قرآن تک کے نام سے تین جلدوں میں شائع ہوگئی۔

یہ ان صحیفوں کا حال ہے جن کو ان کے ماننے والے ہزاروں برس سے سینوں سے لگائے ہوئے ہیں۔ اور دنیا کی دو متمدن ترین قومیں (یہودی اور عیسائی) ان کی حلقہ بگوش اور علمبردار ہیں اور اسلام اور مسلمانوں نے بھی ان کو اس حد تک تسلیم کیا ہے کہ ان دونوں کو اہل کتاب کا لقب اور امتیاز دیا باقی رہے ہندوستان کے دید اور ایران کی اوستا تو ان کا زمانہ اتنا قدیم ان کے بارے میں تاریخ معلومات اس قدر کم، اور ان کے اصل مطالب اور حقیقی قاصد تک پہنچنا اس قدر دشوار ہے۔ اور ان کے ساتھ بھی ایسے تاریخی حوادث پیش آئے کہ ان کی صحت اور بھی مشکوک اور ان کے زمانہ کا تعین اور بھی دشوار اور ان کے متعلق کچھ کہنا اور بھی مشکل ہوگیا ہے۔

اے بارتھ ممبر رائل سوسائٹی برائے ایشیا پریس "ہندوستانی مذاہب" میں لکھتا ہے:۔

اگر ہم کچھ الحاقی مواد الگ کردیں جسے تنقید کے ذریعہ جدا کرنا مشکل نہیں ہے تو پھر اس صحیفہ کی بحیثیت مجموعی صرف اصل عبارت باقی رہ جاتی ہے جیسا کچھ یہ ہے بس اسی کا دعویٰ بھی کرتا ہے یعنی نہ تو یہ منجانب خدا ہونے کا مدعی ہے اور نہ کسی مصنوعی طریقہ پر اپنی عمر ہی پوشیدہ رکھتا ہے اس کی عبارت میں بہ کثرت اضافے اور تحریفات کی گئی ہیں لیکن یہ سب نیک نیتی کے ساتھ کیا گیا ہے پھر بھی ان صحیفوں کی عمر کا تعین کرنا یا اندازہ لگانا بہت مشکل ہے برہمناوہ حصے جو سب سے بعد میں تحریر کئے گئے ہیں وہ ہمارے عہد کی ابتدا سے پانچ سو سال سے زیادہ پرانے نہیں ہیں دیدوں کا بقیہ مواد اس سے بھی قدیم ہے اس قدر قدیم کہ متعین طور پر اس کے متعلق کچھ نہیں کہا جاسکتا اور اس کی قدیم ترین تحریروں کے بارے میں تو کچھ کہنا بالکل ناممکن ہے خود ممتاز ہندو فضلا اور ہندوستانی ماہرین فن و محققین ان صحیفوں کے متعلق کیا رائے رکھتے ہیں، اور ان کی بے لاگ تحقیق اور فکر و نظر نے انکو کس نتیجہ تک پہنچایا ہے اس کا اندازہ ذیل کے دو اقتبارسات سے ہوگا۔

مشہور فاضل سریش چندر چکرورتی لکچرر کلکتہ یونیورسٹی اپنی کتاب Philosophy of the upanianshads لکھتے ہیں۔

اس سلسلہ میں دو مختلف نظریات پیش کئے گئے ہیں ان میں سے ایک کی نمائندگی بال گنگا دھر تلک کرتے ہیں اور دوسرے کی مکس ملر تلک کا خیال ہے کہ ویدوں کے مناجات ۴۵۰۰ سال قبل مسیح وجود میں آئے جب کہ مکس ملر Mex muller رگ وید کو ۲۲۰۰ سال قبل مسیح سے زیادہ قدیم نہیں سمجھتا حالاں کہ وہ اس پر متفق ہے کہ رگ وید آریائی فکر وخیال کی قدیم ترین دستاویز ہے رگ وید کی عمر کا تعین کئے بغیر یہ اعتماد کے ساتھ کہا جا سکتا ہے کہ اگرچہ رگ وید کے مناجات ایک مجموعہ میں منضبط کر دیئے گئے ہیں لیکن اس کے مختلف حصے ایک ہی زمانے میں تحریر نہیں کئے گئے تھے اور اس لئے ان کی تاریخ تحریر کا تعین کر کے رگ وید کی عمر کا اندازہ نہیں لگایا جا سکتا، یہ ماننا پڑے گا کہ رگ وید کے اول سے آخر تک تمام مناجات کئی صدیوں میں تصنیف کئے گئے تھے۔ (۲۴_۲۹)

ویدوں کے بنیادی فکر پر روشنی ڈالتے ہوئے نامور ہندوستانی عالم ڈاکٹر رادھا کرشنن (ہندوستان کے سابق صدر جمہوریہ) اپنی مشہور کتاب انڈین فلاسفی جلد دوم میں لکھتے ہیں:۔

ویدوں کا پیش کردہ مجموعی فکری تصور نہ تو معین ہے اور نہ واضح، اور اس وجہ سے مختلف مکاتب فکر اسے مختلف طریقوں سے استعمال کر سکتے ہیں علاوہ ازیں، ویدوں کی وسعت میں بذات خود اس امر کی پوری گنجائش موجود ہے کہ مصنفین پوری آزادی کے ساتھ اپنے اعتقاد کے مطابق اس سے اپنے حسب منشا سند اخذ کر سکتے ہیں۔ (۲۱_۲۲)

رہا ایران قدیم کا مذہبی صحیفہ (اوبستا) جس کو پارسی مقدس آسمانی کتاب مانتے ہیں، تو اس کے متعلق ایک ایسے مغربی فاضل کی شہادت پیش کی جاتی ہے جس کے مطالعہ کا یہ خاص موضوع رہا ہے۔

رابٹ ایچ پفائفر (سابق) صدر شعبہ سامی لسانیات ہارڈ ورڈ یونیورسٹی اپنی انسائیکلو پیڈیا آف ریلیجن میں لکھتے ہیں:

''اہلِ اوستا (بلحاظ روایات) تمام علوم کا مجموعہ تھا اس کا زیادہ حصہ سکندر نے برباد کر دیا اور پھر بچے کھچے اجزاء سے ۲۱ حصوں یا نسک پر مشتمل ایک کتاب تیسری صدی عیسوی میں ترتیب دی گئی لیکن اس میں سے کل ایک جز یا نسک جس کا نام ونیدیداد ہے پوری طرح باقی بچا

ہے، نویں صدی عیسوی کے بعد صرف عبادات سے متعلق کچھ حصہ ہندوستان لے جایا گیا اور وہاں پانچ حصوں میں پایا جاتا ہے جنکے نام سنا بشمول گاتھا ویسپر د (vespered) وینديد (venod) اور خورداوستا (khordaavasta) ہیں''۔

لیکن قرآن مجید جو اللہ کی نازل کردہ کتابوں میں سب سے آخری کتاب اور سب کا مصداق ونگراں ہے، اور جس پر انسانیت کی ہدایت مخلوق کا خالق سے رابطہ اور بعثت محمدی سے قیامت تک دعوت الی اللہ کی ذمہ داری ہے۔ تو اس کی شان دوسری آسمانی کتابوں سے بالکل مختلف ہے اور اس کی بات ہی کچھ اور ہے اللہ تعالیٰ نے خود اس کی حفاظت اور ہر قسم کی تحریف وتبدیلی کمی اور زیادتی سے دور رکھنے کا ذمہ لیا اور فرمایا ہے۔

اور یہ تو ایک عالی مرتبہ کتاب ہے اس پر جھوٹ کا دخل نہ آگے سے ہوسکتا ہے اور نہ پیچھے سے (اور دانا (اور) خوبیوں والے ''خدا'' کی اتاری ہوئی ہے (حم السجدہ)

اسی طرح سے مسخ ہونے اور کسی ہرزہ کاری کا نشانہ بننے حافظہ سے نکل جانے اور سینوں سے محو ہوجانے یا کسی حادثہ میں معدوم ہوجانے سے بھی محفوظ کردیا گیا ہے۔ جیسا کہ توراۃ کے بارے میں بارہا پیش آیا۔ اسی لئے فرمایا بے شک یہ (کتاب) نصیحت ہم ہی نے آتاری ہے۔ اور ہم ہی اس کے نگہبان ہیں۔

اس وعدہ حفاظت میں قرآن کے حفظ وبقا اشاعت وفروغ تلاوت کئے جانے پڑھے اور سمجھے جانے متروک واز کار رفتہ وناقابل عمل ناقابل فہم اور نقش طاق نسیان ہوجانے کی پوری نفی موجود ہے اس لئے کہ عربی کا بلیغ لفظ حفظ بڑے وسیع آفاق اور عمیق معانی رکھتا ہے۔

جب اللہ تعالیٰ نے اس کتاب کو اس کی اصلیت اور اس کے تمام لوازمات کے ساتھ (جیسا کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوئی تھی) باقی رکھنے کا فیصلہ کرلیا تو اس کے لئے اللہ نے نفوس بشری فطری اور خارجی اسباب اور حوادث عالم کو اس مقصد جلیل کی تکمیل میں لگا دیا۔ چنانچہ جیسے ہی قرآن کی کوئی آیت زبان نبوت سے نکلتی اور کانوں میں اس کی آواز پڑتی مسلمان اسے حرز جان بنانے اور دل پر نقش اور حافظہ میں محفوظ کرنے کے لئے پروانہ وار کرتے، اس مسابقت میں اس فطری محبت کو بھی دخل تھا، جو قرآن کی طرف سے ان کے دلوں میں رکھی گئی اور خود قرآن کے اعجاز وبلاغت اور اس کے الفاظ وتلفظ کی نرمی وحلاوت کے علاوہ حفاظ و

حاملین قرآن کے فضائل کی آیات ومتواتر احادیث کو دخل تھا اس کے علاوہ مسلمانوں کو قرآن سے نماز وعبادت قانون واحکام تمدن ومعاشرت اور علم وادب کے مختلف پہلوؤں کے ذریعہ متعلق کردیا گیا تھا اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ قرآن سے مسلمانوں کا قلبی تعلق عشق ووارفتگی کی حد کو پہنچ گیا۔ اور آغاز اسلام ہی سے ان میں حفاظ کی حیرت انگیز کثرت ہوئی۔ چنانچہ واقعہ بیر معونہ میں جو ۴ھ میں پیش آیا مسلمانوں میں سے ایسے ستر (۷۰) آدمی شہید ہوئے جو قاری یعنی حافظ وعالم کہلاتے تھے اور اسی طرح حفاظ کی تعداد، مسلمانوں کی تعداد میں اضافہ کے تناسب اور حفظ کی رغبت کے سبب بڑھتی ہی رہی ہے۔ مسلمان قرآن کو ایک سینہ سے دوسرے سینہ اور ایک زبان سے دوسری زبان میں منتقل کرتے رہتے ہیں اور وہ اس کے حفظ میں وہ مہارت وکمال، اس کی قرأت اور صحیح پڑھنے اور ایک دوسرے سے بڑھ جانے اس کی تلاوت اور اس کے ذریعہ عبادت کا وہ شوق وشغف رکھتے ہیں کہ عام غیر مسلموں کو اس کا یقین نہیں ہوگا۔ البتہ وہ غیر مسلم جو کسی اسلامی ماحول میں رہتے، اور مسلمانوں سے تعلق رکھتے ہیں، اس کا کسی قدر اندازہ کرسکتے ہیں، ان حفاظ کی تعداد ہر زمانہ میں حد شمار سے باہر رہی ہے اور اس زمانہ میں تو ان کی تعداد لاکھوں سے تجاوز ہے۔

اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سچے جانشینوں اور مسلمانوں کے معاملات کے ذمہ دار لوگوں کو اس طرف الہامی طور پر متوجہ کیا تھا جنگ یمامہ میں جب کثرت سے حافظ قرآن شہید ہوگئے، تو انہیں اندیشہ ہوا کہ حفاظ کی شہادت سے قرآن کی بقاء کو (اگر اس کا دارومدار حافظ پر ہی رہا) خطرہ لاحق ہوسکتا ہے۔ یہ خیال سب سے پہلے حضرت عمرؓ کو ہوا جو صحابہ میں مسلمانوں کی مصلحت وضرورت کو سمجھنے میں اولیت رکھتے تھے، اور جن کے دل کی آواز اکثر مقاصد شریعت سے ہم آہنگ ہوتی تھی چنانچہ آپ نے حضرت ابوبکرؓ کے سامنے جو خلیفہ وقت تھے، قرآن کو جمع اور قید تحریر میں لانے کی تجویز رکھی جو اس وقت تک چمڑے کے ٹکڑوں، کھجور کی چھالوں اور سنگ سفید کی پتھر کی تختیوں پر لکھا ہوا اور لوگوں کے سینوں میں محفوظ تھا۔ اللہ تعالیٰ نے اس کام کے لئے حضرت ابوبکرؓ کو شرح صدر عطا فرمایا اور انہوں نے اس کام کی ذمہ داری حضرت زید بن ثابتؓ کے سپرد کردی جنہوں نے اسے پورے اہتمام سے نبھایا اور قرآن کو حافظوں کے سینوں اور کاتبان وحی کی تحریروں اور سفینوں سے جمع کیا، اور اس طرح یہ قرآنی

صحیفے وجود میں آئے جو لوگوں کے رجوع و اعتماد کا محور رہے۔ جب خلیفہ سوم حضرت عثمانؓ کا زمانہ آیا اور فتوحات کی کثرت کے سبب قرآن کے حافظ قاری مختلف ممالک میں پھیل گئے اور وہاں کے لوگوں نے آنے والے قاریوں اور حافظوں کی قرآت قبول کرلی اور اس طرح قراءت کے مختلف طریقے سامنے آنے لگے نیز اہل عجم کے کثرت سے مسلمان کرنے لب ولہجہ میں فرق ہونے لگا اور صحابہ کو اس سے قرآن میں تحریف وتبدیلی کا اندیشہ ہونے لگا تو حضرت عثمانؓ نے عہد صدیقی کے مختلف صحیفوں و ماخذ بنا کر قرآن کو قراءت متواترہ کے مطابق لکھنے کا حکم دیدیا اور ہر اسلامی آبادی میں قرآن کا ایک ایک نسخہ فراہم کردیا۔ اور ایک نسخہ مدینہ منورہ میں رکھا، جس کا نام ''الامام'' تھا قرآن کے انہیں نسخوں کو مشرق و مغرب کے مسلمانوں نے قبول کیا اور اسی پر ان کی نسلیں قائم اور ان کی زبانیں اس کی عادی رہیں انہوں نے قرآن حفظ کیا اس کے ذریعہ اللہ کی عبادت کی اور آج بھی عالم اسلام کے ایک کنارے سے دوسرے کنارے تک اسی مصحف عثمانی پر اعتماد کیا جاتا ہے اور ۲۵ھ سے جب یہ آخری ترتیب قائم ہوئی اب تک اس سے اسلامی معاشرہ میں کسی کو نہ اختلاف ہوا اور نہ کسی آثار قدیمہ کے میوزیم اور لائبریری میں کوئی نئی دریافت ہوئی مسٹر ای منگا تا سابق استاذ مانچسٹر یونیورسٹی کہتے ہیں یورپ کی لائبریریوں میں قرآن کے بہت سے قلمی نسخے ہیں۔ ان میں سب سے پرانا دوسری صدی ہجری کا ہے۔ لیکن ان میں کوئی لفظی اختلاف نہیں البتہ کتابت کا تھوڑا سا اختلاف ہے جو قدیم عربی خط کے عیب کے سبب سے ہے ایسا ہی خیال نولدیک (no eldeke) نے انسائیکلو پیڈیا آف ریلجن اتھکس ج ۱۔ ۵۴۸ و ۵۴۹ میں ظاہر کیا ہے۔

مسلمانوں کا اس جمع وتدوین کے کام کے ختم ہونے کے بعد سے اب تک اس قرآن پر اجماع و مکمل اتفاق رہا ہے۔ اور اب تو قرآن تحریف اور حسب مطلب تبدیلی کرنے والوں کی دست برد سے علماء وحفاظ کی کثرت اور لوگوں کے درمیان اشاعت اور کثرت طبع کے سبب بالکل محفوظ ہوگیا ہے، انسائکلو پیڈیا برٹانیکا میں یہ اعتراف موجود ہے کہ:

''قرآن روئے زمین پر سب کتابوں سے زیادہ پڑھی جانے والی کتاب ہے۔'' (انسائیکلو پیڈیا)

مستشرقین اور یورپی محققین جو قرآن کو الہامی کتاب نہیں مانتے جسے بذریعہ وحی محمد صلی

اللہ علیہ وسلم پر نازل کیا گیا ہو وہ بھی مذکورہ بالا خیال سے متفق ہیں چنانچہ ہم یہاں کچھ مسیحی محققین کے اقوال درج کرتے ہیں۔ سرولیم میور جو اسلام اور پیغمبر اسلام کے متعلق اپنے تعصب کے لئے مشہور ہیں جس کے سبب سے ہندوستانی مسلمانوں کی نئی تعلیم کے علمبردار سر سید احمد خان بانی مسلم یونیورسٹی علی گڑھ کو ان کی کتاب لائف آف محمد کے جواب میں خطبات احمدیہ لکھنی پڑی تھی، وہ مذکورہ کتاب میں لکھتے ہیں۔

''حضرت محمد ﷺ کی وفات کے ربع صدی بعد کے اندر ہی ایسے شدید مناقشات اور فرقہ بندیاں پیدا ہو گئیں جن کے نتیجے میں حضرت عثمانؓ شہید کر دیئے اور یہ اختلافات آج بھی باقی ہیں، لیکن ان سب فرقوں میں قرآن ایک ہی ہے، ہر زمانہ میں تواتر کے ساتھ ان سبھی فرقوں کا ایک ہی قرآن پڑھنا اس بات کا ناقابل تردید ثبوت ہے کہ آج ہمارے سامنے وہی صحیفہ ہے، جو اس بدقسمت خلیفہ کے حکم سے تیار کیا گیا تھا، شاید پوری دنیا میں کوئی دوسری ایسی کتاب نہیں، جس کی عبارت بارہ صدیوں تک اس طرح بغیر تبدیلی کے باقی رہی ہو۔ قرآن میں قرأت کے اختلافات بھی حیرت انگیز طور پر بہت کم تعداد میں ہیں اور یہ بھی ان اعراب کی وجہ سے ہیں، جو بہت بعد کے زمانہ میں لگائے گئے تھے۔''

وھیری اپنی تفسیر قرآن میں لکھتا ہے کہ ''تمام قدیم صحیفوں میں قرآن سب سے زیادہ غیر مخلوط اور خالص ہے۔''

قرآن کا معروف انگریزی مترجم پامر کہتا ہے:

''حضرت عثمانؓ کا ترتیب دیا ہوا متن اس وقت سے آج تک طے شدہ اور مسلمہ صحیفہ رہا ہے۔''

لین پول کہتا ہے: ''قرآن کی بڑی خوبی یہ ہے کہ اس کی اصلیت میں کوئی شبہ نہیں ہے۔ ہر حرف جو ہم آج پڑھتے ہیں۔ اس پر یہ اعتماد کر سکتے ہیں کہ تقریباً تیرہ صدیوں سے غیر مبدل رہا ہے۔''

(یہ شہادتیں اور اقتباسات مولانا عبدالماجد دریا آبادی کی انگریزی تفسیر سے لئے گئے ہیں۔)

ایک سبق

رسول اللہ ﷺ کی دعوت کا ایک اہم سبق یہ ہے کہ اخلاق راہبوں کے گوشہ عزلت کے لئے نہیں، درویشوں کی خانقاہوں کے لئے نہیں ہے، بلکہ دنیا کی زندگی کے ہر شعبے میں برتنے کے لئے ہے۔ جس روحانی اور اخلاقی بلندی کو دنیا فقیروں اور درویشوں میں تلاش کرتی ہے۔ رسول اللہ ﷺ اسے حکومت، مسند اور عدالت کی کرسی پر اٹھا لائے۔ آپ نے تجارت کے کاروبار میں خدا ترسی اور دیانت سے کام لینا سکھایا۔ آپ نے بتایا کہ ولایت یہ ہے کہ ایک آدمی، ایک حاکم، ایک قاضی، ایک سپہ سالار، ایک تھانیدار، ایک تاجر وصنعت کار اور دوسری تمام ممکن حیثیتوں سے ایک پورا دنیادار بن کر بھی ہر اس موقعہ پر اپنا خدا ترس اور دیانت دار ہونا ثابت کردے، جہاں اس کے ایمان کو آزمائش سے سابقہ پیش آئے، اس طرح آپ اخلاق اور روحانیت کو رہبانیت کے گوشوں سے نکال کر معیشت ومعاشرت، سیاست وعدالت، صلح اور جنگ کے میدانوں میں لے آئے اور یہاں پاکیزہ اخلاق کی حکمرانی قائم کی۔

یہ اسی رہنمائی کا فیض تھا کہ اپنی نبوت کے آغاز میں جن لوگوں کو آپ ﷺ نے ڈاکو پایا ان کو اس حالت میں چھوڑا کہ وہ امانت دار اور خلق خدا کی جان ومال اور آبرو کے محافظ بن چکے تھے، جن لوگوں کو حق مارنے والا پایا تھا، انہیں حق ادا کرنے والا، حقوق کی حفاظت اور حقوق دلانے والا بنا کر چھوڑا۔ آپ سے پہلے دنیا ان حاکموں سے واقف تھی جو ظلم وجور سے رعیت کو دبا کر رکھتے تھے اور اونچے اونچے محلوں میں رہ کر اپنی خدائی کا سکہ جماتے تھے۔

آپ ﷺ نے اسی دنیا کو ایسے حاکموں سے روشناس کرایا جو بازاروں میں عام انسانوں کی طرح چلتے تھے اور عدل وانصاف سے دلوں پر حکومت کرتے تھے۔ آپ سے پہلے دنیا ان نوجوانوں سے واقف تھی جو کسی ملک میں گھستے تو ہر طرف قتل عام برپا کرتے بستیوں کو آگ لگاتے اور مفتوح قوم کی عورتوں کو بے آبرو کرتے پھرتے تھے۔

آپ نے اس دنیا کو ایسی فوجوں سے متعارف کرایا جو کسی شہر میں فاتحانہ داخل ہوتیں تو دشمن کی فوج کے سوا کسی پر دست درازی نہ کرتی تھیں اور فتح کئے ہوئے شہر سے واپس ہوتیں تو اہل شہر سے وصول کئے ہوئے ٹیکس تک واپس کردیتی تھیں۔ انسانی تاریخ ملکوں اور شہروں کی فتح

کے قصوں سے بھری پڑی ہے۔ مگر فتح مکہ کی کوئی نظیر آپ کو تاریخ میں نہ ملے گی جس شہر کے لوگوں نے تیرہ برس تک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر ظلم اور ستم ڈھایا تھا اسی شہر میں آپ ﷺ کا فاتحانہ داخلہ اس شان سے ہوا تھا کہ آپ ﷺ کا سر خدا کے آگے جھکا جا رہا تھا آپ ﷺ کی پیشانی اونٹ کے کجاوے سے لگی جا رہی تھی اور آپ کے طرز عمل میں غرور وتکبر کا شائبہ تک نہ تھا۔

وہی لوگ جو تیرہ برس تک آپ ﷺ پر ظلم وستم کرتے رہے تھے جنہوں نے آپ ﷺ کو ہجرت پر مجبور کر دیا تھا اور ہجرت کے بعد بھی آٹھ برس تک آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے برسر جنگ رہے تھے۔ جب مغلوب ہو کر آپ ﷺ کے سامنے پیش ہوئے تو انہوں نے آپ سے رحم وکرم کی التجا کی اور آپ ﷺ نے انتقام لینے کی بجائے فرمایا:

''آج تم پر کوئی گرفت نہیں، جاؤ تم چھوڑ دیئے گئے۔'' (سیرت سرور عالم ﷺ)

قارئین! یہ تقریر بندہ کو یہیں تک مل سکی پوری تقریر نہ ملنے پر آپ حضرات سے معذرت چاہوں گا۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

زکوٰۃ کا صحیح مصرف

نحمده ونصلی علی رسوله الكريم اما بعد O فاعوذ بالله من الشيطان الرجيمO بسم الله الرحمن الرحيم O

حضرات! حضرت شاہ ولی اللہ صاحب نے زکوٰۃ کے مناسب محل اور اس کے اوقات کی حکمت و مصلحت کی بڑی اچھی وضاحت کی ہے وہ لکھتے ہیں:۔

''وہ دروازے جو صالح سلاطین نے بلا کسی تکلیف و مشقت کے زکوٰۃ کے لئے کھولے تھے اور جن کو عقل بھی قبول کرتی ہے چار ہیں اول یہ کہ اموال نامیہ سے زکوٰۃ لی جائے اس لئے کہ اس کی حفاظت کی سب سے زیادہ ضرورت ہوتی ہے اور نمو ملک کے باہر آنے جانے کے بغیر پورا نہیں ہوتا۔''

اموال نامیہ کی تین قسمیں ہیں۔ مویشی، کاشت، تجارت دوسرے یہ کہ خزانہ کے مالکوں اور سرمایہ داروں سے لی جائے اس لئے کہ انکو چوروں اور ڈاکوؤں سے اپنے ابل کی حفاظت کی سب سے زیادہ ضرورت ہوتی ہے اور ان کی آمدنی کی مدیں اتنی زیادہ ہیں کہ اس نئے خرچ سے ان کو کوئی دشواری نہیں ہوگی۔ تیسرے یہ کہ ان کے اموال سے لی جائے جو بغیر کسی محنت و سعی کے ہاتھ لگ جاتے ہیں مثلاً عہد جاہلیت کے خزانے، اور قدماء کے دفینے اس لئے کہ ان کی حیثیت بالکل مفت کی سی ہے اور اس میں سے خرچ کرنا بہت آسان ہے۔

چوتھے یہ کہ عام تجارت پیشہ لوگوں سے لی جائے۔ اگر سب سے تھوڑا تھوڑا لیا جائے گا تو ان پر زیادہ بار بھی نہ ہوگا اور مجموعہ کافی ہو جائے گا۔

تجارت۔ (مع درآمد برآمد) غلہ اور پھل زکوٰۃ کی سب سے اہم قسمیں ہیں جن میں برابر اضافہ ہوتا رہتا ہے اس لئے اس کیلئے ایک سال رکھا گیا ہے۔ وجہ یہ ہے کہ درمیان میں مختلف فصلیں، اور حالتیں پیش آتی ہیں جن میں پیداوار میں اضافہ کا امکان بہت رہتا ہے او

راس کا اندازہ کرنے کے لئے ایک سال بالکل کافی ہے آسان اور مطابق مصلحت یہی ہے کہ زکوۃ انہی اموال کا ایک جزو ہو مثلاً اونٹ کے گلے سے ایک اونٹنی گائے کے ریوڑ سے ایک گائے، بکری کے ریوڑ سے ایک بکری۔

زکوۃ کے مصارف اور اس کے اجتماعی نظام کا قیام

زکوۃ کے مصارف اللہ تعالیٰ نے سورہ برأت کی آیت میں بیان فرمائے ہیں۔ ارشاد ہے۔

انما الصدقات للفقرء والمساكين والعاملين عليها والمو لفة قلوبهم وفى الرقاب والغارمين وفى سبيل الله وابن السبيل فريضة من الله والله عليم حكيم.

صدقات واجبہ تو صرف غریبوں اور محتاجوں اور کارکنوں کا حق ہیں جو ان پر مقرر ہیں نیز انکا جن کی دلجوئی منظور ہے اور (صدقات کو صرف کیا جائے) گردنوں (کے چھڑانے) میں اور قرضداروں (کے قرضہ ادا کرنے) میں اور اللہ کی راہ میں اور مسافروں (کی امداد میں) یہ (سب) فرض ہے اللہ کیطرف سے، اور اللہ بڑا علم والا ہے بڑا حکمت والا ہے۔ (سورۃ البرأۃ)

سورۃ برأۃ فتح مکہ کے بعد نازل ہوئی۔ اس وقت اسلام کی بنیادیں مستحکم ہوگئی تھیں اور لوگ بڑی تعداد میں اسلام قبول کررہے تھے۔ اسکے بعد زکوۃ کا اجتماعی نظام قائم کیا گیا۔ رسول اللہ ﷺ نے مختلف جگہوں پر اپنے عمال اور محصلین بھیجے اور ان کو اس کی تحصیل کے احکام اور آداب بھی بتائے اور بہت سی ایسی وصیتیں کیں جن میں شفقت، حکمت اور انفرادی مصلحت کے ساتھ اجتماعی منفاد بھی وابستہ تھا۔

چنانچہ آپ نے معاذ بن جبلؓ کو ۱۰ھ میں یمن روانہ کرنے سے پہلے ہدایات دیں وہ زکوۃ کے قانون کی اساس اور گویا اسکا سرکاری منشور ہیں۔ آپ ﷺ نے اشاد فرمایا۔

تم ایک ایسی قوم کے پاس جارہے ہو جو اہل کتاب ہیں پس دعوت دو انکو اس بات کی کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور میں اللہ کا رسول ہوں۔ اگر وہ یہ بات قبول کرلیں تو انکو یہ بتاؤ کہ اللہ نے ان پر ایک صدقہ فرض کیا ہے جو ان کے اغنیاء سے لیا جائے گا اور ان کے فقراء کو دے دیا جائے گا۔ اگر وہ یہ بات بھی منظور کرلیں تو پس تم کو چاہئے کہ انکے بہترین مال پر ہاتھ ڈالنے سے احتراز کرو۔ اور مظلوم کی دعا اور پکار سے ڈرو اس لئے کہ اللہ اور اس کے درمیان کوئی حجاب

نہیں ہوتا۔

حضرت شاہ ولی اللہ صاحب زکوۃ کے بنیادی مصالح اور اس کے اسرار اور حکمتوں کا ذکر کرتے ہوئی حجۃ اللہ البالغہ میں لکھتے ہیں:۔

''جاننا چاہئے کہ زکوۃ میں سب سے زیادہ اہم دو مصالح ہیں پہلی مصلحت تہذیب نفس ہے۔ اس لئے کہ نفس اور حرص وبخل کا چولی دامن کا ساتھ ہے جو معاد میں انسان کو سخت ہلاکت میں ڈال سکتی ہے۔ جو حریص ہوگا مرتے وقت بھی اس کا دل مال میں اٹکا رہے گا اور اس کی وجہ سے عذاب میں مبتلا کیا جائے گا۔ اگر زکوۃ کی مشق اسکو ہوئی تو یہ حرص اس سے ختم ہوچکی ہوگی جو بالآخر اسکو نفع پہنچائے گی۔

انابت اور رجوع الی اللہ کی بعد معاد میں سب سے علی اخلاق سخاوت نفس ہے جس طرح رجوع الی اللہ، انابت وعبودیت دعا اور تضرع سے عالم جبروت سے مناسبت اور قرب پیدا ہوتا ہے۔ اس طرح سخاوت، خسیس اور پست دنیاوی صورتوں اور شکلوں کو توڑتی ہے اس لئے کہ وہ بہیمیت کی ضد ہے۔

اور اس کی اصل یہ ہے کہ ملکوتی (فرشتوں والی صفات) غالب ہوں اور بہیمانہ صفات ان سے دب جائیں بلکہ ان کے رنگ مین رنگ جائیں۔ اور ان پر بھی اس حکم کا اطلاق ہونے لگے جو ملکوتی صفات پر ہوتا ہے۔ اس کا راستہ یہی ہے کہ مال کو باوجود ضرورت واحتیاج کے راہ خدا میں خرچ کیا جائے ظالم کو معاف کیا جائے۔ مصائب پر صبر کیا جائے اور دنیاوی تکالیف ومشکلات آخرت کے یقین کی وجہ سے آسان وخوشگوار ہوجائیں۔

نبی کریم ﷺ نے ان سب چیزوں کا حکم دیا ہے اور ان کی حدود مقرر فرمائے ہیں، تمہیں مال کا خرچ کرنا بھی ہے جو بہت سے حدود وقیود کے ساتھ وابستہ ہے اور اس کی اہمیت اتنی ہے کہ ایمان اور نماز کے ساتھ قرآن مجید میں جگہ جگہ اس کا ذکر ہے اللہ تعالی اہل نار کے بارے میں فرماتا ہے:۔

قالوا لم نک من المصلین ولم نک نطعم المسکین و کنا نخوض مع الخائضین

(ترجمہ) ''وہ کہیں گے کہ ہم تو نہ نماز پڑھا کرتے تھے اور نہ ہم غریب کو کھانا کھلایا کرتے

تھے اور مشغلہ میں رہنے والوں کے ساتھ ہم بھی مشغلہ میں پڑے رہتے تھے"۔

دوسری مصلحت کا تعلق شہر سے ہے اس لئے کہ ضعفاء اور اہل حاجت جمع ہوں گے اگر ان کی ہمدردی واعانت کی یہ سنت نہ ہوتو وہ سب بھوک سے ہلاک ہوجائیں۔ اس کے علاوہ شہروں کا نظام مال پر قائم ہوتا ہے اور ان شہروں کی حفاظت کے ذمہ دار اور وہاں کے مدبرین ومنتظمین اپنی ان مشغولیات اور ذمہ داریوں کی وجہ سے کوئی باقاعدہ ذریعہ معاش اختیار نہیں کر سکتے ان کی معیشت کا انحصار بھی اسی پر ہوتا ہے مشترکہ اخراجات یا چندے نہ سب کی لئے آسان ہیں نہ ممکن اس لئے رعیت سے ان مصالح کے لئے مقرر رقم وصول کرنا مناسب دستور ہے۔

اور چونکہ مصلحت کا تقاضا یہ تھا کہ یہ دو مصالح باہم لازم وملزوم رہیں اس لئے شریعت نے بھی اس کو ایک دوسرے کے ساتھ ہم آہنگ رکھا ہے علامہ بحر العلوم فرنگی محلی لکھتے ہیں کہ زکوۃ ٹیکس نہیں بلکہ دوسری عبادتوں کی طرح خالص اللہ کی عبادت ہے وہ کہتے ہیں:

ادائیگی زکوۃ کے وقت نیت کی درستی بہت ضروری ہے۔ اس لئے کہ زکوۃ بہت بڑی عبادت ہے جس طرح نماز کا مقصد سوائے حصول عبادت کے کچھ نہیں چنانچہ نیت اس کے لئے فرض ہے اگر بلا نیت ادا کریگا تو جس طرح نماز بلا نیت کی نہیں ہوتی زکوۃ بھی ادا نہیں ہوگی۔ البتہ نماز بلا نیت کے باطل ہوجاتی ہے بخلاف زکوۃ کے جو بلا نیت کے ہدیہ ہوجاتی ہے چنانچہ ہدیہ کا ثواب اس کو ضرور حاصل ہوگا اس لئے کہ اللہ تعالی نیکو کار لوگوں کے عمل کو ضائع نہیں کرتا۔

زکوۃ کی نمایاں خصوصیات

حضرات قارئین! زکوۃ کی بہت سی ایسی نمایاں خصوصیات ہیں جو انسان کے خود ساختہ قوانین اور حکومت کے عائد کردہ ٹیکسوں سے بہت مختلف ہیں۔ ان مابہ الامتیاز خصوصیات نے زکوۃ کو ایک خاص رنگ اور مزاج بخشا ہے اس کو دینی تقدس اور پاکیزگی عطا کی ہے اور اس کے اندر زندگی واخلاق پر اثر انداز ہونے اور خدا و بندہ کے تعلق کو استوار اور مستحکم کرنے کی ایسی قوت وصلاحیت پیدا کردی ہے جو کسی دوسرے دنیاوی ٹیکس میں (خواہ اس میں انصاف واعانت کو زیادہ سے زیادہ ملحوظ رکھا گیا ہو) نہیں ہے اور نہ ممکن ہے۔

تبشیر و انداز

حضرات! ان خصوصیات میں سب سے زیادہ بنیادی اور موثر چیز ایمان واحتساب کی وہ روح ہے جو اس فریضہ میں جان ڈال دیتی ہے اس روح یا اسپرٹ سے رسمی ٹیکس، سرکاری قوانین اور معاشی حد بندیاں قدرتی طور پر بالکل محروم ہیں بلکہ اس کے برعکس ان میں ناراضگی گرانی اور بددلی کا عنصر بہت نمایاں ہوتا ہے۔

اس کی وجہ یہ ہے کہ ٹیکس دینے والا یہ عقیدہ نہیں رکھتا کہ یہ ٹیکس اللہ تعالیٰ کے طرف سے مقرر کیا گیا ہے اور اس پر اجر وثواب ملے گا۔ بلکہ وہ جانتا ہے کہ یہ ٹیکس لگانے والے خود اس جیسے انسان ہیں اور شاید اس سے بھی پست تر ہیں اور اس ٹیکس سے ہونے والی آمدنی زیادہ تر تعیشات، اپنے اقتدار کو محفوظ رکھنے یا چند اشخاص اور مخصوص پارٹیوں کے مفاد پر خرچ ہوتی ہے۔

اس کے علاوہ ان ٹیکسوں کے ساتھ دینی ترغیب کی کوئی قوت نہیں ہوتی بلکہ اس کے بجائے جرمانے، دھمکیاں، سزائیں اور خشک سخت ترین قوانین ہوتے ہیں جن سے عوامی ناراضگی بی اطمینانی اور بے چینی میں برابر اضافہ ہوتا رہتا ہے۔

ان حکومتوں کی وجہ سے جن کو اللہ تعالیٰ کے سوا اور کوئی نہیں جانتا قرآن وحدیث اور نبوی تعلیمات میں زکوٰۃ کا ذکر ہمیشہ فضائل، دنیا وآخرت میں اس کے نتائج ثمرات، اجر وثواب، مال ودولت میں برکت یا زکوٰۃ نہ ادا کرنے والوں کو عذاب الیم کی وعید اور بے برکتی کے ساتھ کیا گیا ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:۔

مثل الذين ينفقون اموالهم فى سبيل الله كمثل حبة انبتت سبع سنابل فى كل سنبلة مائة حبة والله يضاعف لمن يشاء والله واسع عليم الذين ينفقون اموالهم فى سبيل الله ثم لا يتبعون ما انفقوا منا ولا اذى لهم اجرهم عند ربهم ولا خوف عليهم ولا هم يحزنون .

(ترجمہ) جو لوگ اپنے مال کو اللہ کی راہ میں خرچ کرتے ہیں ان کے مال کی مثال ایسی ہے جیسے کہ ایک دانہ ہے کہ اس سے سات بالیاں اگیں، ہر ہر بالی کے اندر سو دانے ہوں اور

اللہ جسے چاہے افزونی دیتا رہتا ہے۔ اللہ بڑا وسعت والا ہے بڑا علم والا ہے۔

جو لوگ اپنا مال اللہ کی راہ میں خرچ کرتے اور جو کچھ خرچ کر چکے ہیں اس کے عقب میں احسان واذیت سے کام نہیں لیتے انکے لئے انکا اجر ان کے پروردگار کے پاس ہے اور ان پر نہ کوئی خوف واقع ہوگا اور نہ غمگین ہوں گے۔

حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی نے اسلامی شریعت میں ان فضائل کے مقام واہمیت پر روشنی ڈالتے ہوئے خوب لکھا ہے:۔

''انفاق کی ترغیب وفضیلت پر جو احادیث آئی ہیں انکا ایک مقصد یہ بھی ہے کہ یہ عملی سخاوت کے ساتھ ہو جو زکوۃ کی روح ہے اور تہذیب نفس کا کام بہت حد تک اس سے انجام پا سکتا ہے۔ بخل کی برائی بار بار اس لئے بیان کی گئی کہ حرص ایسی چیز ہے جو مانع زکوۃ ونقصان پہنچا سکتی ہے اور جس کا اشارہ اس حدیث میں ہے کہ:۔

اللهم اعط منفقا خلفا و اللهم اعط ممسكا تلفا ۔ رسول ﷺ کا ارشاد ہے کہ حرص سے بچو اس لئے کہ حرص ہی نے تو سے پہلے والوں کو ہلاک کیا ہے۔ دوسرے موقع پر ارشاد ہے:۔

ان الصدقة لتطفى غضب الرب .

بیشک صدقہ اللہ تعالیٰ کے غضب کی آگ کو ٹھنڈا کر دیتا ہے۔

ان الصد قته لتطفى الخطية .

بے شک صدقہ گناہوں کو اس طرح بجھا دیتا ہے جس طرح پانی آگ کو بجھا دیتا ہے۔ ایک اور حدیث ہے کہ ''اللہ تعالی صدقہ کو اپنے داہنے ہاتھ میں لے لیتا ہے اور اس کو بڑھاتا رہتا ہے''

مالداروں سے لیا جائے اور غرباء میں تقسیم کیا جائے

زکوۃ اور ان ٹیکسوں کے درمیان جو شخصی سلطنتوں میں یا نئے زمانے کی جمہوری اور عوامی حکومتوں میں نظر آتے ہیں ایک نمایاں اور بنیادی فرق جو اس کے اثرات ونتائج پر پورے طور پر اثر انداز ہے وہ اس کی شرعی ساخت اور حیثیت ہے جس کو رسول ﷺ نے اپنے بلیغ ومعجزانہ

الفاظ میں اس طرح بیان فرمایا:۔

توخذمن اغنیا ئھم وتر د علی فقرائھم .

ان کے دولت مندوں سے لیا جائے اور ان کے غرباء میں تقسیم کیا جائے۔

یہ زکوۃ کی وہ شرعی حیثیت ہے جو عہد اول میں نظر آتی ہے۔ اور جو قیامت تک برقرار رہنی چاہئے وہ ان اغنیاء (جو اس کے شرائط فرضیت پر پورے اترتے ہیں اور زکوۃ کا منصوص اور معین نصاب ان کے پاس موجود ہے) سے لے کر ان مصارف میں صرف کی جائے جو اللہ تعالی نے قرآن مجید میں بیان فرمائے ہیں اور کسی مقنن اور قانون ساز ادارے یا شخصیت کو اس کا حق نہیں دیا کہ وہ اس میں اپنی طرف سے کچھ ترمیم کر سکے۔ اللہ تعالی کا ارشاد ہے۔ انما الصدقات للفقر آء (الآیۃ) صدقات (واجبہ) تو صرف غریبوں کا حق ہے۔

شریعت اور احادیث نبوی ﷺ کا جائزہ لینے سے معلوم ہوتا ہے کہ اس سے مراد شہر کے فقراء اور اہل حاجت ہیں۔ زکوۃ کا یہ نظام ان حکومتوں میں بھی قائم رہا جو اسلامی قوانین کی تطبیق پر سو فیصدی عامل نہ تھیں۔ چنانچہ فقراء و مستحقین ان حکومتوں کے سائے میں کبھی اپنے حقوق سے کلیۃ محروم نہیں رہے اور حدود اللہ کبھی پوری طرح معطل نہیں ہوئے۔ یہ وہ حکومتیں ہیں جنکی مدت میں بہت سے غرض مند مورخ اور مستشرق پیش پیش نظر آتے ہیں بلکہ ان کے خلاف علم بغاوت بلند کرنے کے داعی ہیں۔

تقویٰ، تواضع اور اخلاص کی اسپرٹ

زکوۃ کا تیسرا امتیازی پہلو اخلاص، تواضع اور ممنونیت کی وہ روح ہے جو ہر لمحہ اس میں جاری و ساری رہتی ہے اس سے مراد زکوۃ کے آداب، اعلی اخلاق اور دینی جذبات ہیں جن کا ذکر قرآن مجید میں بہت اہتمام سے بار بار کیا گیا ہے اور زکوۃ دینے والوں کو ان صفات سے بہرہ ور ہونے کی ترغیب دی گئی ہے اس نے اہل خیر کو اس کی تلقین کی ہے کہ وہ احسان جتانے سے پرہیز کریں اور اپنے صدقہ وخیرات کو اس سے ملوث کر کے بے قیمت نہ بنائیں اس نے اہل خیر کی مدح کی ہے۔ جنکے اندر تواضع واخلاص کی یہ روح پائی جاتی ہے اور زکوۃ ادا کرتے وقت یہ سب کیفیات ان پر طاری ہوتی ہیں۔ ارشاد ہے:۔

والذین یو تون ما اتوا و قلو بھم و جلة انھم الی ربھم راجعون .

(ترجمہ) اور جولوگ دیتے رہتے ہیں جو کچھ دیتے رہتے ہیں اور انکے دل اس سے ڈرتے رہتے ہیں کہ انہیں پروردگار کے پاس واپس جانا ہے۔

دوسری جگہ ارشاد ہے:۔

انما ولیکم اللہ و رسولہ والزین آمنو الذین یقیمون الصلوة ویوتون الزکوٰة وھم راکعون .

(ترجمہ) تمہارے دوست تو بس اللہ اور اس کا رسول اور ایمان والے ہیں جو نماز کی پابندی رکھتے ہیں اور زکوٰۃ دیتے رہتے ہیں اس حال میں کہ وہ خشوع بھی رکھتے ہیں۔''

ان اہل خیر کی تعریف کرتے ہوئے وہ انکو اخلاص کامل اور ہر قسم کی اغراض سے آزادی سے متصف قرار دیتا ہے۔

وما علینا الا البلاغ المبین

رمضان المبارک مومن صادق کی حیات نو

الحمد لله رب العالمين والصلوة والسلام على سيدالمرسلين
وعلىٰ آله وصحبه اجمعين.

میرے دوستو اور بھائیو!

سب سے پہلے تو آپ کو اور خود اپنے کو بھی مبارکباد دیتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ نے پھر رمضان کا چاند دکھایا اور پھر رمضان نصیب فرمایا کتنے ہمارے دوست اور احباب ہیں جو شاید ہم سے بھی افضل ہوں گے اور اللہ کے یہاں کس کا کیا مرتبہ ہے اللہ ہی جانتا ہے) رمضان سے قبل رخصت ہو گئے۔ اگر انکو قبر میں اس کا استحضار ہوا (اللہ کو منظور ہوا) تو وہ اس پر افسوس کرتے ہوں گے کہ ان کو رمضان نہیں ملا۔

رمضان کا کوئی بدل نہیں:

رمضان کا کوئی بدل نہیں سب مہینے اللہ کے ہیں اللہ ہی نے دنیا پیدا کی زمانہ پیدا کیا اور زمانے میں تبدیلی آتی رہتی ہے لیکن رمضان کی خصوصیت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

شهر رمضان الذى انزل فيه القرآن هدى للناس و بينا ت من الهدى والفرقان. (سوره بقره .۱۸۵)

رمضان کا مہینہ وہ ہے کہ جس میں قرآن مجید نازل ہوا جو لوگوں کا رہنما ہے اور (جس میں) ہدایت کی کھلی نشانیاں ہیں اور جو (حق و باطل کو) الگ الگ کرنے والا ہے۔

رمضان کی فضیلت وعظمت:

یہ معمولی بات نہیں ہے ہم برابر جو چیز دیکھتے رہتے ہیں اکثر جس راستہ سے گزرتے رہتے ہیں مثلاً اس پر توجہ نہیں ہوتی جو چیز برابر سنتے رہتے ہیں اس پر توجہ نہیں ہوتی یہاں تک کہ اذان کے معنیٰ کی طرف ہر مرتبہ توجہ نہیں ہوتی یہ معمولی بات نہیں جو اللہ تعالیٰ نے فرمائی کہ

رمضان کا مہینہ ہے جس میں قرآن مجید نازل کیا گیا۔ جو سب سے بڑی عزت دی جا سکتی تھی کسی وقت کو کسی جگہ کو وہ یہ کہ اس میں اللہ کا کلام نازل ہوا جہاں تک زمانوں کا تعلق ہے مہینوں اور مقامات کا تعلق ہے اس سے بڑھ کر کوئی فضیلت کی بات نہیں ہو سکتی جس میں قرآن مجید اللہ کا کلام نازل ہوا۔

نادر موقع:

ایک تو اس پر مبارکباد قبول کیجئے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو پھر رمضان نصیب فرمایا اور جو وہ تاہیاں ہم سے ہوئیں یا جو ہمارے خیال میں آ سکتی ہیں خود اپنا حساب لینے سے جو کمی رہ گئی ہے پچھلے رمضانوں میں وہ اس میں پوری کی جا سکتی ہے۔

بیشک موسم سخت ہے لیکن اس کے بقدر اجر بھی ہے۔ اس سخت موسم میں کوئی تعجب نہیں کہ اللہ تبارک وتعالیٰ روزے کا اجر کچھ زیادہ دیں اس میں روزہ رکھنے کا اور سردی برداشت کرنے کا اور پھر اس کے ساتھ رمضان کے معمولات پورے کرنے کا کہ اجر بقدر مشقت ہوتا ہے۔

اللہ پر یقین اور ثواب کی لالچ:

اس میں پہلی بات جو یاد رکھنے کی اور دل پر نقش کر لینے کی ہے وہ یہ کہ اللہ کے رسول نے خاص عبادتوں کے متعلق فرمایا ہے کہ:

من قام لیلة القدر ایمانا و احتسابا غفر له ماتقدم من ذنبه و من صام رمضان ایمانا و احتسابا غفر له ما تقدم من ذنبه.

یعنی جس نے شب بیداری کی شب قدر میں اللہ کے وعدوں پر یقین کرتے ہوئے اور اس کے اجر وثواب کی لالچ میں اور اس کے خیال سے اس کے سب پچھلے گناہ معاف ہیں اور جس نے رمضان کے روزے رکھے اللہ کے وعدوں پر یقین رکھتے ہوئے کہ اس مہینہ کی یہ فضیلت ہے اور اس مہینہ عمل کرنے کا یہ اجر ہے اور اللہ کے یہاں اس مہینہ کا یہ درجہ ہے اور اللہ اور اللہ کے رسول کے لئے یہ مہینہ اس درجہ محبوب ہے، اور اللہ کے اجر وثواب کی لالچ میں روزہ رکھا اور اسی شوق میں کہ اللہ اجر دے اور کوئی جذبہ نہیں کہ مثلاً رمضان کی گنتی پوری ہو جائے، لوگ یہ

نہ کہیں کہ روزے نہیں رکھے اور ہمارا دل بھی مطمئن ہو کہ روزے رکھ لئے لیکن ثواب کا رمضان کی عظمت وفضیلت کا اور رمضان کے اجر وثواب کا استحضار نہیں کہ وہ ہمارے لئے محرک اور مشوق ہو بہت سے لوگ ایسے ہیں جو عادتاً یا رواجاً یا ماحول کے اثر سے یا خاندانی روایات کی بنا پر روزے رکھتے ہیں۔

روزہ برائے افطار:

اس سلسلہ میں ایک تجربہ ہوا کہ ایک مرتبہ آج سے کوئی بیس پچیس تیس برس پہلے کی بات ہے کہ لکھنؤ ریڈیو اسٹیشن نے ہم سے ایک تقریر لکھوائی کہ وہ رمضان کی پہلی تاریخ کو نشر کی جائے گی وہ ہم نے لکھ کر دے دی اس کے بعد مجھے ایک طویل سفر پیش آ گیا جس میں پشاور کوئٹہ اور قندھار کے راستہ میں افغانستان کے قریب تک کا سفر تھا، جو ایک دینی ضرورت سے کیا گیا تھا تو ہم کوئٹہ میں تھے کہ رمضان کا چاند نظر آیا ایک فوجی افسر نے یا کسی رئیس نے دعوت کی تو اس میں ایک فوجی افسر بھی شامل ہوئے جو ادھر ہندوستان کی طرف کے تھے وہ ریڈیو سے تقریر سن کر آئے تھے (ہمیں تو اس کا موقع نہیں تھا) انہوں نے کہا مولانا ہم نے لکھنؤ ریڈیو اسٹیشن سے آپ کی تقریر سنی تو اس میں آپ نے رمضان کے بہت سے فضائل بیان کئے اور اس کی خصوصیات کا ذکر کیا لیکن آپ نے ایک بات کا ذکر نہیں کیا، روزہ کھولنے میں جو مزہ آتا ہے وہ کسی چیز میں نہیں آتا۔ گرمی کا زمانہ ہے تو پانی پینے میں اور دوسرا موسم ہے تو افطار کرنے میں جو مزہ آتا ہے وہ دنیا کی کسی نعمت میں نہیں آتا اور میں تو روزہ اسی لئے رکھتا ہوں انہوں نے صاف کہہ دیا کہ میں تو روزہ اسی لئے رکھتا ہوں اسی مزے کی بناء پر کہ روزہ رکھ کر جب افطار کرو تو وہ مزہ آتا ہے جو دنیا کی کسی نعمت میں کسی بڑی سے بڑی خوراک میں، کھانے میں، پھل اور میوہ میں نہیں آتا۔

روزہ عادت یا عبادت:

یہ بات بڑی آزمائش کی ہے ساری دنیا کے لئے اور مسلمانوں کے لئے بھی بحیثیت انسان ہونے کے کہ عادت اور عبادت ان دونوں چیزوں میں اختلاط ہے۔ ان میں باہم تمیز

نہیں ہو پاتی تو اکثر ایسا ہوتا ہے کہ عبادت عادت بن جاتی ہے۔ اور اس میں استحضار نہیں ہوتا کہ ہم کس کے لئے کر رہے ہیں۔ یہاں تک کہ نمازیں بعض مرتبہ بالکل عادت بن جاتی ہیں نماز پڑھنے کی عادت پڑ گئی وقت ہوا تو گئے مگر کوئی استحضار نہیں کہ ہمارے ایک ایک قدم کا کیا ثواب مل رہا ہے، اور کتنی دور جا رہے ہیں اور مسجد پہونچ رہے ہیں، پھر مسجد میں اس نیت سے پاؤں رکھیں اور کہیں اللهم افتح لی ابواب رحمتک اور خیال کریں کہ ہم اللہ تعالیٰ کے گھر آ گئے رحمت و برکت کی جگہ میں آ گئے ہیں وہ جیسے ایک ڈھلی ہوئی چیز ہوتی ہے اسی طرح مذہبی زندگی بھی ڈھل جاتی ہے کہ ہر چیز اپنی جگہ پر اپنے وقت پر ہوتی ہے لیکن شعور نہیں ہوتا استحضار نہیں ہوتا۔

روزہ رضائے الٰہی کا ذریعہ:

پہلی بات تو پہلے آپ اس میں اپنے ذہن کو حاضر رکھیں کہ روزہ آپ اللہ کی خوشی کے لئے رکھ رہے ہیں نہ دکھانے کے لئے نہ رواج اور نہ کسی شرم سے کہ لوگ کہیں گے یہ کیسے روزہ خور ہیں اور روزہ نہیں رکھتے ہیں بلکہ اس کا استحضار ہونا چاہئے اور ایسے ہی شب قدر تک کے متعلق آتا ہے:

من قام لیلة القدر ایمانا و احتسابا غفر له ماتقدم من ذنبه.

جو شب قدر میں عبادت کرے اللہ پر یقین کرتے ہوئے اس کے وعدوں پر یقین کرتے ہوئے اور اس کے اجر و ثواب کی لالچ میں تو اس کے سب پچھلے گناہ معاف ہو جائیں گے۔

تو ایک بات تو یہ ہے کہ پورا استحضار ہو اور ذرا ذہن کو تازہ کر لیا جائے کہ ہم نے یہ روزہ اللہ کی خوشی کے لئے رکھا ہے اس لئے کہ روزہ فرض ہے۔

رحمت باری کا مظہر:

اللہ تعالیٰ نے رمضان میں بڑی خصوصیات رکھی ہیں اس میں بڑی برکتیں ہیں اس میں اللہ تعالیٰ کی رحمت جوش میں آ جاتی ہے پھیل جاتی ہے اس میں بڑے بڑے گنہگاروں کے گناہ معاف ہو جاتے ہیں۔

اس لئے نیت کا استحضار ہو شعور بیدار ہو جائے ذہن کو ذرا تھوڑا سا اس میں حاضر کر لیجئے اور ذہن سے یہ بات کہلوا لیجئے کہ یہ روزہ اللہ کو خوشی کے لئے رکھ رہے ہیں رسماً رواجاً مصلحتاً یا کسی اور وجہ سے نہیں۔

تلاوت کا موسم:

پھر اس کے بعد اس روزہ میں آپ اپنے وقت کو جتنا عبادت میں مشغول رکھ سکیں رکھیں نوافل میں اور اس سے بڑھ کر اس میں قرآن مجید کی تلاوت آپ کی طاقت وصحت کے مطابق اور فرصت کے مطابق اور دنوں کے مقابلہ میں زیادہ ہونی چاہئے۔ اللہ کے ایسے بھی بندے ہوتے ہیں جو ایک ایک قرآن مجید روز پڑھ لیتے ہیں حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب رحمۃ اللہ علیہ غالباً ایک قرآن مجید روز ختم کر لیتے تھے ہم نے بھی کئی رمضان ان کے ساتھ گذارے ہیں ہم کئی بار رمضان میں حاضر ہوئے ہیں اور باقی یہ کہ اس سے کم تو لوگ کرتے ہی تھی اور پھر ادب وخشوع کے ساتھ اور اللہ کی نعمت سمجھ کر کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم کی تلاوت کرنے کی رمضان میں ہمیں توفیق دی۔ رمضان جو اس کا محبوب مہینہ ہے اس مہینہ میں قرآن مجید پڑھنے کا جو اجر ہے وہ عام وقتوں میں نہیں ہے۔

عبادت وطاعت کا مہینہ:

دوسری بات یہ کہ اس میں ہمارا زیادہ تر وقت عبادت در یاضت ذکر واذکار توبہ واستغفار دعا ومناجات اور تلاوت قرآن میں گذرے لیکن زیادہ بات چیت نہ کریں چاہے اس میں غیبت نہ ہو، اور غیبت سے تو بہت بچنا چاہئے عام طور پر اور رمضان میں خاص طور پر جیسے دوستوں کی باتیں ہوتی ہیں اپنے گھر میں شہر کا حال بیان کر رہے ہیں موسم کا ذکر کر رہے ہیں یا اپنی زندگی کے کچھ حالات بیان کر رہے ہیں یا پوچھ رہے ہیں یا اور کوئی ایسی تفریحی باتیں کر رہے ہیں وقت گذاری کے لئے نہیں جہاں تک ہو سکے یا تو قرآن مجید کی تلاوت میں وقت گذارا جائے یا پھر آرام کرنے میں وقت گذارا جائے یا مسجد میں اعتکاف کی نیت سے رہا جائے ایک اعتکاف تو ہے اخیر عشرہ کا لیکن یہ اعتکاف ہر وقت ہو سکتا ہے اس وقت سے لے کر عصر تک کے

لئے معتکف ہیں اور عصر سے لے کر مغرب تک لئے معتکف ہیں یہ جزوی اور مختصر اعتکاف ہوتا ہے یہ بھی ہوسکتا ہے۔

حقوق العباد کی فکر:

اور پھر اسکے بعد رمضان میں ایک بات کرنے کی یہ ہے کہ جو حقوق العباد ہمارے ذمہ ہیں انکو سوچ کر لے اور ارادہ کر لے کہ اب انکو ادا کریں گے جس کا جو حق ہے اسے دیں گے اور ہم سے جو کوتاہیاں ہوئی ہیں ان سے بچیں گے اور توبہ واستغفار کریں گے۔

رمضان حیات نو کا آغاز:

اس رمضان سے آئندہ زندگی کا نیا نقشہ بنائیں گے کہ ایک زندگی شروع ہوتی ہے ولادت سے ایک زندگی شروع ہوتی ہے بلوغ سے ایک زندگی شروع ہوتی ہے کسی مدرسہ سے فراغت حاصل کر کے ایک زندگی شروع ہوتی ہے حج سے اور ایک زندگی شروع ہوتی ہے رمضان سے بھی آپ یہ ارادہ کریں کہ اب اس رمضان سے نمازوں کی پابندی اس سے زیادہ کریں گے جتنی کرتے تھے، اس سے پہلے تو جماعت کبھی چھوٹ جاتی تھی کبھی تاخیر ہوجاتی تھی کبھی سوجاتے تھے اب جماعت کا اور اہتمام والتزام کریں گے۔ یہ ارادہ آپ اسی رمضان میں کیجئے۔

حقوق کی رعایت وادائیگی:

اور ایسے میں جو شرعی حقوق آپ پر واجب ہوتے ہیں میراث کے ہیں، ترکے کے ہیں جائداد کے ہیں، اور ساجھے کی تجارت کے ہیں ان کا بھی ارادہ اسی رمضان میں کیجئے کہ ہم انشاء اللہ وہ اپنے ذمہ نہیں رکھیں گے۔ ان کو ادا کریں گے۔

طلب علم اور علماء وصالحین کی ہم نشینی:

اور یہ ارادہ بھی کیجئے کہ ہم اس رمضان کے بعد زیادہ سے زیادہ معلومات حاصل کریں گے، دینی کتابیں پڑھیں گے دینی صحبتوں میں بیٹھیں گے تبلیغ میں جائیں گے، یا علماء کی مجلس میں بیٹھیں گے یا اللہ کے نیک بندوں کی زیارت کے لئے جائیں گے۔

رمضان انقلاب انگیز مہینہ:

یہ سب ارادے اس رمضان میں کیجئے تب یہ رمضان آپ کی زندگی میں انقلابی رمضان ہوگا انقلاب انگیز عہد آفریں اس سے ایک نئی زندگی شروع ہوئی، اور رمضان سے نئی زندگی شروع ہونی چاہئے۔

تصحیح نیت اور اخلاص عمل:

اور اتنا ہی ضروری ہے کہ آپ اپنی نیت صحیح کر لیں اور ایمانا واحتسابا جو کہا گیا ہے کہ اللہ کے وعدوں پر یقین کرتے ہوئے اور اس کے اجر وثواب کی لالچ میں ہم روزے رکھ رہے ہیں اس کو ذرا ذہن میں تازہ کر لیجئے تو اس کا ثواب بہت ہوگا۔

آٹومیٹک وضو اور خودکار نمازیں:

حضرت مولانا محمد الیاس صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے لوگ وضو کرتے ہیں اور ان کو خیال نہیں ہوتا حالانکہ حدیث میں آیا ہے کہ جب بندہ ہاتھ دھوتا ہے تو ہاتھ سے جو کچھ گناہ ہوئے ہیں اور جو کوتاہیاں ہوئیں ہیں اور جو سیئات ہوئے ہیں اور جو صغائر ہوئے ہیں سب معاف ہو جاتے ہیں، منہ پر پانی ڈالتا ہے تو آنکھوں سے جو کچھ کوتاہیاں ہوئی ہیں اور جو زبان سے ہوئی ہیں وہ سب معاف ہو جاتی ہیں اس کا کسی کا خیال ہی نہیں ہوتا، بس وہ بالکل جیسے کسی چیز کا مشینی آٹومیٹک طریقہ ہوتا ہے تو ہمارا وضو بھی مشینی ہو گیا ہے اور اللہ معاف کرے بہت سے لوگوں کی نمازیں بھی مشینی ہو گئی ہیں آئے اور کھڑے ہوئے اور اللہ اکبر کہا کچھ خیال نہیں کہ ہم کس کے سامنے کھڑے ہیں؟ یہ کون سی نماز ہے؟

اس کا کیا ثواب ہے؟ کیا اجر ہے؟ پھر اس میں جو پڑھا جاتا ہے اگر تنہا پڑھ رہا ہے تو اس پر غور کرے اگر کسی جہری نماز میں امام کے پیچھے ہے تو قرأت پر غور کرے۔

یہ سب چیزیں سانچے میں ڈھل کر بالکل طبعی، عادتی اور خودکار ہو گئی ہیں۔ ان سب چیزوں میں اس رمضان سے آپ کی زندگی میں کوئی اچھی تبدیلی وترقی آنی چاہئے۔

دائرہ شاہ علم اللہ کا پیغام:

اور پھر آپ جس جگہ ہیں وہاں کا تو پیغام بھی یہی تھا۔ اللہ تعالیٰ نے یہاں اپنے ایسے بندے پیدا کئے جنہوں نے سارے ہندوستان میں دین کا احساس پیدا کر دیا اور اللہ کی محبت، عشق الٰہی اور قربانی کا جذبہ اور شرک و بدعت سے نفرت اور اس سے وحشت طبعی طور پر پیدا ہوئی۔ حضرت سید احمد شہید کے ہاتھ میں جس نے ہاتھ دے دیا تو یہ حال تھا کہ ابھی ہاتھ پھیرا اور ابھی سے اس کو شرک و بدعت سے نفرت ہوئی اور اسی وقت سے نماز کا پابند بن گیا اور اللہ کا ذکر کرنے لگا۔ اور پھر جہاد کا بھی اس کو شوق ہو گیا۔

تو آپ اس کا بھی خیال رکھیں کہ آپ ایسی جگہ ہیں جہاں سے پیغام سارے ہندوستان میں ملا اور اس کی ایک ہوا چل گئی۔ اور اس کا ایک ذوق پیدا ہو گیا۔

شہر خموشاں کا حق:

اور آخری بات یہ ہے اور یہ کوئی فرض یا واجب نہیں مگر اس میں آپ کا بھی فائدہ ہے اور یہاں کا بھی فائدہ ہے کہ آپ کچھ قرآن مجید پڑھ کے یہاں کے جو مدفونین ہیں جو بزرگ یہاں مدفون ہیں بلکہ جتنے اللہ کے بندے اور خاندان کے لوگ، یا باہر سے آ کر جو لوگ مقبرے میں دفن ہیں ان کو ایصال ثواب بھی کر دیا کریں چاہے سورہ فاتحہ ہی پڑھ کر کریں۔ یہ حق ہے جوار کا حق ہے۔ پڑوس کا حق ہوتا ہے تو یہ پڑوس کا حق ہے۔

ایصال ثواب کی برکت:

ماشاء اللہ اتنے آدمی روزے رکھ رہے ہیں اور قرآن شریف پڑھ رہے ہیں اور تہجد پڑھ رہے ہیں لیکن یہاں کے لوگوں کا اس میں کوئی حصہ نہیں؟! ایسا نہیں ہونا چاہئے کچھ حصہ ان کا بھی ہونا چاہئے اس سے اللہ تعالیٰ ان کو اجر عطا فرمائے گا آپ کو بھی ترقی و مزید توفیق عطا فرمائے گا۔ اس سے آپ کی زندگی میں برکت ہوگی انشاء اللہ۔ اس لئے کہ وہ اللہ کے بڑے صادق اور مخلص بندے تھے اور ان کی وجہ سے دین کا بڑا فروغ ہوا۔

کیا خبر یہ آخری رمضان ہو:

اللہ تعالیٰ ہمیں اور آپ کو توفیق دے کہ اس رمضان کی قدر کریں۔ اللہ اس کے بعد آپ کو بہت سے رمضان نصیب فرمائے لیکن آپ کے ذہن میں یہ ہونا چاہئے کہ اس رمضان میں کوئی کوتاہی نہ ہو اس خیال سے کہ رمضان تو ابھی بہت کرنے ہیں نہیں! بلکہ اس رمضان میں ایسا کریں کہ جیسے معلوم نہیں اس کے بعد موقع ملے یا نہ ملے یا ہو۔ صرف عمر ہی کا مسئلہ نہیں صحت کا مسئلہ بھی ہوتا ہے اور بعض حوادث کا مسئلہ بھی ہوتا ہے۔ ان سب سے اللہ آپ کو بچائے۔ اور آپ کو بہت سے رمضان نصیب فرمائے۔ مگر اس رمضان کی قدر کریں اور اس میں جو زیادہ سے زیادہ ہو سکے وہ کر لیں۔

درود پاک کی کثرت:

اللہ سے دعائیں مانگ لیں، استغفار کر لیں، قرآن شریف پڑھیں، ایصال ثواب کریں اور درود شریف کا اہتمام رکھیں۔ یہاں سے قیام میں نمازوں کے بعد قرآن مجید کی تلاوت کے بعد سب سے زیادہ اہتمام درود شریف کا ہونا چاہئے۔ کم سے کم ایک بار تو درود شریف جو مسنون ہے۔ اللھم صل علی محمد وعلی آل محمد کما صلیت علی ابراھیم وعلی آل ابراھیم انک حمید مجید الھم بارک علی محمد وعلی ال محمد کما بارکت علی ابرھیم وعلی آل ابراھیم انک حمید مجید .

ایسے ہی اہل ایمان کے لئے دعا:

ربنا اغفر لنا ولا خواننا الذین سبقونا بالایمان ولا تجعل فی قلوبنا غلا للذین امنوا ربنا انک روف رحیم ۔ کا اہتمام کریں۔ اور پھر اللھما اغفر للمومنین والمومنات الاحیاء منھم والاموات اس کا ورد رکھیں۔

اللہ تعالیٰ ہمیں اور آپ کو توفیق دے۔ اور یہ رمضان ہماری زندگی میں ایک انقلاب انگیز رمضان ثابت ہو۔ وصلی اللہ وسلم علی نبینا محمد وعلی آلہ وصحبہ اجمعین

بسم اللہ الرحمن الرحیم

دو انسانی چہرے قرآنی مرقع میں
ثبات واستقامت تردد وتذبذب

۵ صفر ۱۳۹۲ھ مطابق ۲۴ مارچ ۱۹۷۲ء بعد جمعہ مسجد ندوہ میں کی گئی حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی کی وہ تقریر جو سورۂ کہف کی روشنی میں موجودہ حالات کے فتنوں میں ثبات واستقامت اور تردد وتذبذب کی کیفیت کی تصویر کشی کرکے مخالف ماحول کے مقابلہ میں صبر وثبات اور باطل کے سامنے ڈٹے رہنے کی دعوت دیتی ہے۔

نحمده ونصلي على رسوله الكريم اما بعد o فاعوذ بالله من الشيطان الرجيم o بسم الله الرحمن الرحيم o

نحن نقص عليک نبأهم بلحق انهم فتية امنو ابربهم وزدنا هم هدى ور بطنا على قلوبهم اذ قاموا فقالوا ربنا رب السموت والا رض لن ندعومن دونه الها لقد قلنا اذا شططا هولاء قومنا اتخذوامن دونه الهة لولا يا تون عليهم بسلطان بين فمن اظلم ممن افترىٰ على الله كذبا. (سورۃ الکہف ۱۳ تا ۱۵)

(اے پیغمبر (ہم ان لوگوں کی خبر ٹھیک ٹھیک تیرے آگے بیان کردیتے ہیں وہ چند نوجوان تھے کہ اپنے پروردگار پر ایمان لائے تھے۔ ہم نے انہیں ہدایت میں زیادہ مضبوط کردیا اور ان کے دلوں کی (صبر واستقامت میں) بندش کردی وہ جب راہ حق میں کھڑے ہوئے تو انہوں نے صاف صاف کہہ دیا ہمارا پروردگار تو وہی ہے جو آسمان وزمین کا پروردگار ہے۔ ہم اس کے سوا کسی اور معبود کو پکارنے والے نہیں۔ اگر ہم ایسا کریں تو یہ بڑی ہی بے جا بات ہوگی، یہ ہماری قوم کے لوگ ہیں، جو اللہ کے سوا دوسرے معبودوں کو پکڑے بیٹھے ہیں۔ وہ اگر معبود ہیں تو

یہ اس کے لئے کوئی دلیل پیش نہیں کرتے (ان کے پاس کوئی دلیل نہیں) پھر اس سے بڑھ کر ظالم کون شخص ہوسکتا ہے، جو اللہ پر جھوٹ کہہ کر بہتان باندھے۔

حضرات!

میں نے آپ کے سامنے سورۂ کہف کی ابتدائی تین آیتیں پڑھی ہیں۔ جمعہ کے دن سورۂ کہف کے پڑھنے کی بڑی فضیلت آئی ہے۔ صحیح حدیثوں میں آیا ہے کہ جو شخص جمعہ کے دن سورۂ کہف کی ابتدائی دس آیتیں (اور بعض حدیثوں میں آخری آیتوں کا ذکر آیا ہے اور بعض حدیثوں میں مطلق سورۂ کہف کا تذکرہ ہے) پڑھے گا وہ دجال کے فتنے سے محفوظ رہے گا۔

دجال قرب قیامت اور آخر زمانے کی وہ سب سے بڑی جادوگر اور فتنہ ساماں شخصیت ہے جس سے آنحضرت ﷺ نے سب سے زیادہ پناہ مانگی ہے اور اپنی امت کو اس سے ڈرایا اور ہوشیار کیا ہے۔ آج بھی جمعہ کا دن ہے۔ اس موقعہ پر ان آیات کا پڑھنا اور ان کے مضامین و مطالب پر غور کرنا اور ان کا مذاکرہ نہایت مناسب اور مفید ہوگا۔ آیئے تھوڑی دیر ان آیات کے معانی و مطالب پر غور کریں اور دیکھیں کہ اس سورۃ کے مضامین اور دجال کے فتنے میں کیا مناسبت ہے اور اس سے حفاظت کا کیا راز پوشیدہ ہے؟

دجال کی دو بڑی خصوصیتیں ہیں، ایک تو یہ کہ وہ اپنے زمانے میں قوت و دولت کی پرستش کا سب سے بڑا داعی ہوگا، اور وہ اس کی علامت بن جائے گا۔ دوسرے یہ کہ وہ چیزوں کو اس طرح دکھائے گا کہ ان کی حقیقت کچھ ہوگی اور وہ نظر آئیں گی کچھ، ان کے ظاہر و باطن اور ان کی صورت و حقیقت میں زمین آسمان کا فرق ہوگا، عربی میں دجل و تدجیل کے معنی ملمع سازی اور نظر فریبی کے ہیں۔ رانگے پر ملمع کر دیا جائے اور وہ چاندی نظر آئے تانبے پر سونے کا پانی چڑھا دیا اور وہ کھرا سونا معلوم ہونے لگے یہی تدجیل ہے۔ سورۃ کہف میں ایک واقعہ ان لوگوں کا بیان کیا ہے جنہوں نے وقت کے اقتدار، دولت و طاقت شان و شوکت اور عزت و عظمت کے سامنے جھکنے سے انکار کر دیا اور اصول و مفادات پر ضمیر و نفس پر دل کی آواز و ماحول کی دعوت و ترغیبات پر اور ایمان کی حفاظت کو جان کی حفاظت پر ترجیح دی اور اپنے عقیدے و مسلک پر آخر دم تک ثابت قدم رہے، یہ اصحاب کہف کا واقعہ ہے دوسرا واقعہ حضرت موسیٰ و خضر کا ہے

جس میں اشیاء کے ظاہر و باطن اور واقعات کے آغاز و انجام میں زمین آسمان کا فرق تھا۔ ظاہر کا فیصلہ کچھ تھا اور باطن کا فیصلہ کچھ واقعات کا آغاز کس طرح ہوتا تھا اور ان کا انجام کسی اور طرح اس طرح یہ سورۃ اپنے اہم ترین مضامین و واقعات کے ذریعہ دجالیت کی روح اور اس کی بنیادوں پر ضرب کاری لگاتی ہے آیئے اس وقت اصحاب کہف کے قصے پر غور کریں اور دیکھیں کہ ہمیں اس سے اس زمانے میں کیا پیغام ملتا ہے۔

رومیوں کی حکومت کا دور تھا اور ان کی حکومت رومۃ الکبریٰ قلب یورپ سے ایشیائے کوچک اور شام کے آخری حدود تک تھی، اس عظیم سلطنت میں جو آدھی دنیا پر حکومت کرتی تھی اور جس کا ڈنکا یورپ سے لے کر ایشیا تک بجتا تھا۔ بت پرستی اور مشرکانہ عقیدہ اپنے نقطۂ عروج پر پہنچ گیا تھا۔ زندگی اور تمدن کا کوئی شعبہ اس کے اثر سے آزاد نہ تھا ساری زندگی بت پرستی اور اصنام پرستی کے رنگ میں ڈھلی ہوئی تھی۔ تمدن و تہذیب، حکمت و فلسفہ، ادب و شاعری، فن تعمیر اور فنون لطیفہ سب پر اس کی گہری چھاپ تھی۔ جن لوگوں کی تاریخ پر نظر ہے وہ جانتے ہیں کہ اس زمانے میں بت تراشی اور مجسمہ سازی کی صنعت بہت ترقی کر گئی تھی اور رومیوں نے اس میں بڑا نام پیدا کیا تھا۔ رومی جیسے بت تراش اور مجسمہ ساز دنیا میں کم پیدا ہوئے ہوں گے انہوں نے ایسے ایسے مجسمے بنائے ہیں کہ ان پر زندہ انسانوں کا دھوکہ ہوتا ہے، اور معلوم ہوتا ہے کہ اب بولے تب بولے، جنہوں نے روم کی سیر کی ہے وہ ان مجسموں کے سامنے تصویر حیرت بن کر رہ جاتے ہیں۔ ان کی اتنی کثرت ہے کہ ایک سلیم الفطرت انسان کو متلی آنے لگتی ہے۔ بعینہ یہی حالت میری ٹیکسلا کے ان تاریخی شہروں کی سیر میں ہوئی جو ایک ایک ہزار دو دو ہزار سال قبل مسیح کے بتائے جاتے ہیں، اور ان کو کھدائی کر کے ملبے کے نیچے سے برآمد کیا گیا ہے، وہاں بھی گوتم بدھ کے مجسمے اتنی کثرت سے پائے جاتے ہیں۔

اس عظیم سلطنت کے مشرقی حصے میں اب جہاں ترکی کا ملک ہے ایک شہر افسس نامی تھا جو اپنے دیانا دیوی کے مندر کی وجہ سے ساری دنیا میں شہرت رکھتا تھا۔ اور مندر اب بھی دنیا کے سات عجائبات میں شمار ہوتا ہے۔ اس شہر میں بت پرستی اور نفس پرستی اپنے آخری حدود تک پہنچ گئی تھی ایک طرف تو عریاں طور پر بت پرستی ہوتی تھی۔ دوسری طرف کھلے طور پر نفس پرستی اور شہوانیت کا دور دورہ تھا۔ تاریخ بتاتی ہے کہ ان دونوں کا چولی دامن کا ساتھ رہا ہے۔ اکثر نفس

پرستی اور شہوانیت نے بت پرستی کے سائے میں ترقی کی ہے۔ اس کے لئے بت پرستی کا فلسفہ جو ایک محدود جگہ اور محدود وقت میں اپنے جذبۂ عبودیت اور فروتنی کے اظہار کے بعد ہر ضابطے اور قانون سے آزاد کردیتا ہے اور جس میں خدا کے حاضر وناظر ہونے کا کوئی عقیدہ نہیں پایا جاتا۔ آزاد نفس پرستی اور شتر بے مہار کی جیسی زندگی گذارنے کے لئے بہت سازگار ثابت ہوا ہے۔ یہی نقشہ ہم کو قدیم ہندوستان میں نظر آتا ہے۔ اور یہی علم وحکمت کے مرکز یونان میں اسی زمانے میں ملک شام میں جو رومی سلطنت کا ایک مشرقی صوبہ تھا خدا کے پیغمبر حضرت مسیح پیدا ہوئے اور انہوں نے توحید خالص اور سچی خداپرستی کی دعوت دی۔ ان کی دعوت نے بڑا اثر کیا یہ اثر ان کے حواریوں اور مبلغوں میں بھی آیا۔ اور وہ شام سے نکل کر یورپ تک پہنچے۔ جو لوگ ان کی باتیں سنتے تھے۔ وہ انہیں کا کلمہ پڑھنے لگتے تھے، اور ان کے دل کی دنیا بدل جاتی تھی افیس شہر کے سات نوجوانوں نے بھی ان کی دعوت قبول کی یہ امرائے دربار اور ارا کین سلطنت کے بیٹے تھے اور بڑے معزز اور دولتمند گھرانوں کے چشم و چراغ انہوں نے بت پرستی اور نفس پرستی کی راہ چھوڑ کر خداپرستی کا راستہ اختیار کیا اور ان کو کچھ اور ہی دھن لگ گئی، اب ان کو بت پرستی اور نفس پرستی ایسی مکروہ معلوم ہونے لگی کہ اس سے ان کو گھن آنے لگی قرآن کہتا ہے۔ **انہم فتیة آمنو ابربہم وزدناہم ہدی وربطنا علی قلوبہم** (وہ چند نوجوان مرد تھے جو اپنے پروردگار پر ایمان لائے اور ہم نے ان کی ہدایت میں اضافہ کیا اور ان کے دلوں کو مضبوط کردیا) اور یہی سنت اللہ ہے کہ پہلے آدمی اپنے عزم وفیصلے سے کام لے پھر اللہ تعالی کی مدد آتی ہے، پہلا قدم آدمی کو اٹھانا پڑتا ہے اور یہ قدم اکثر جان پر کھیل کر اٹھایا جاتا ہے یہیں عزم وہمت اور دل وجگر کا امتحان ہے جو اس امتحان میں کامیاب ہوا آگے کے سب امتحانات اس کے لئے آسان کردیئے جاتے ہیں۔

اب ان کے سامنے وہ مرحلہ آیا جو ایمانی دعوت قبول کرنے والوں کو ہمیشہ پیش آتا رہا ہے ان کے سرپرستوں اور ان کے ہمدردوں، ان کے بزرگوں اور ان کے دوستوں نے اور ان کے رفقاء اور ان کے احباب نے حق نصیحت ادا کردیا اور ان کو زمانے کے نشیب وفراز سمجھائے اور دنیا کے تمام عقلاء اور دانشمندوں کی طرح نرمی وسختی ترغیب وترہیب سے کام لیا، انہوں نے کہا کہ تم نے بڑا خطرناک کھیل شروع کیا ہے، تم بڑے ہونہار نوجوان ہو تم سے تمہارے خاندان کی

تمہارے بہی خواہوں کی بڑی امیدیں وابستہ ہیں کہ تم اپنے اپنے خاندان کا نام روشن کرو گے۔ سرکاری دربار میں اونچی سے اونچی کرسی تم کو مل سکتی ہے حکومت کا بڑے سے بڑا اعزاز تمہارا منتظر ہے۔ تم اپنے پاؤں پر کلہاڑی مار رہے ہو اور جس شاخ پر تمہارا نشیمن ہے اس پر آری چلا رہے ہو عزیزو! تم اپنا مستقبل کیوں تاریک بنا رہے ہو اور اپنی قسمت پر اپنے ہاتھوں سے کیوں مہر لگا رہے ہو۔

اس موقعہ پر بے اختیار حضرت صالحؑ اور ان کی قوم (ثمود) کا مکالمہ یاد آ گیا۔ ماضی و حال میں ہمیشہ مناسبت رہی ہے اور انسان کی فطرت ہمیشہ سے ایک ہی ہے۔ حضرت صالحؑ نے جب توحید اور ایمان وعمل صالح کی دعوت شروع کی تو ان کو قوم کے بزرگوں اور فرزانوں نے ان ہی ہمدردی اور دلسوزی کے ساتھ سمجھایا، انہوں نے کیسی معصومیت اور درد سے کہا

یاصالح قد کنت فینا مر جواقبل هذا (سوره هود . ٦٢)

اے صالحؑ تم تو بڑے ہونہار تھے اور تم سے ہماری بڑی توقعات وابستہ تھیں۔ ہمیں یقین تھا کہ تمہاری وجہ سے تمہارے خاندان کے دن پھریں گے اور اس کو سربلندی اور عزت حاصل ہوگی۔ تم یہ کیا قصہ لے کر بیٹھ گئے اور تم نے یہ کیسا جھگڑا شروع کر دیا یہ توحید ہے اور یہ شرک یہ کفر ہے اور یہ ایمان، یہ خبیث ہے اور یہ طیب، یہ حلال ہے اور یہ حرام، یہ جائز ہے اور یہ ناجائز تمہیں ہمارے عقائد اور ہمارے اعمال سے کیا مطلب۔

اتنهانا ان نعبد ما یعبد اباء نا و انا لفی شک مما تدعو نا الیه مریب

(سوره هود. ٦٢)

کیا تم ہمیں ان معبودوں کی پرستش سے منع کرتے ہو جن کی پرستش ہمارے باپ دادا کے وقت سے چلی آ رہی ہے۔ اور ہم تو تمہاری دعوت کی طرف سے بڑے شکوک و شبہات میں مبتلا ہو گئے ہیں۔

جب ان موحد نوجوانوں پر جن کی تعداد قرآن مجید کے طرز بیان سے سات معلوم ہوتی ہے ان ناصحانہ اور دانشمندانہ گفتگو کا کوئی اثر نہیں ہوا تو ان ناصحوں اور دانشمندوں نے دوسرا لہجہ اختیار کیا۔ اور کہا کہ اب تمہارے سامنے دو ہی راستے ہیں۔ اگر اپنا عقیدہ عزیز ہے تو زندگی سے ہاتھ دھولو اور اگر زندگی عزیز ہے تو اس عقیدے سے دستبردار ہو جاؤ۔ انہوں نے کہا کہ ہم زندگی

سے سو بار ہاتھ دھو لینے کے لئے تیار ہیں لیکن اس عقیدے سے توبہ کرنے کے لئے ایک بار بھی تیار نہیں۔ انہوں نے اس موقعہ پر جو الفاظ استعمال کئے وہ بڑے معنی خیز عمیق اور وسیع ہیں۔ ان کے شہر اور زمانے کے فرزانوں نے ہر بات میں زندگی کی ضروریات مستقبل کی توقعات کامیابی کے امکانات پرورش کے سامان منصب وعہدہ اور روزی اور معاش کا حوالہ دیا تھا۔ یہ عقیدہ نہ چھوڑو گے اور بہتے ہوئے دھارے کے ساتھ نہ بہو گے تو نوکری نہ ملے گی عہدہ نہیں ملے گا۔ نوکری نہ ملے گی تو کھاؤ گے کیا؟ کھاؤ گے نہیں تو زندہ کیسے رہو گے؟ گویا سب پرورش اور پروردگار کا مسئلہ تھا۔ پرورش کہاں سے ہوگی؟ پالنے والا رزق دینے والا کون۔ انہوں نے اپنے اعلان میں اس کا فیصلہ کر دیا۔ اذقامو افقالوا ربنا رب السموت والارض۔ (جبکہ وہ کھڑے ہوئے اور انہوں نے اعلان کیا کہ ہمارا پروردگار وہی ہے جو آسمانوں اور زمینوں کا پروردگار ہے) گویا انہوں نے اعلان کیا کہ ہم نے پروردگار کو پہچان لیا اور پا لیا۔ اب سامان پرورش اور پروردگار کی کوئی پریشانی نہیں پھر ہم نے جس کو اپنا پروردگار مانا ہے وہ آسمانوں اور زمین کا پروردگار ہے سامان پرورش کا تعلق انہیں دونوں چیزوں سے ہے۔ یا آسمان سے یا زمین سے اور جس کے قبضہ قدرت میں یہ دونوں ہیں اس کے یہاں سامان پرورش کی کیا کمی؟ اور جو سات آسمانوں کو اور زمین کو تھامے ہوئے ہے اور ان کو ان کا رزق پہنچا رہا ہے کیا وہ سات انسانوں کو پالنے سے عاجز ہے۔

حضرات! سارا جھگڑا ربوبیت کا ہے الوہیت کا نہیں خدا کی الوہیت بڑی سے بڑے سے بڑے منکروں اور مشرکوں کو تسلیم ہے۔ ولئن سالتهم من خلق السموت والارض ليقولن الله۔ ساری کشمکش، انتخاب کا معرکہ اور ترجیح واختیار کا امتحان ربوبیت ہی کے بارے میں ہے اور اسی کا زندگی کے ہر مرحلے سے تعلق ہے جس نے اس کے بارے میں صحیح فیصلہ اور ایک مرتبہ اپنے پالنے والے کو پہچان لیا پھر اس کے لئے کوئی امتحان اور کوئی معرکہ نہیں۔ اسی لئے فرمایا گیا ہے۔ ان الزين قالوا ربنا الله ثم استقاموا تتنزل عليهم الملائكة الا تخافوا ولا تحزنوا وابشروا بالجنة التي كنتم توعدون۔ (سورہ حم سجدہ آیت ۳۰) جن لوگوں نے کہا کہ ہمارا پروردگار خدا ہے پھر وہ اس پر قائم رہے۔ ان پر فرشتے اتریں گے اور کہیں گے کہ نہ خوف کرو اور نہ غمناک ہو اور بہشت کی جس کا تم سے وعدہ کیا جاتا تھا خوشی مناؤ۔

اور شاید اسی لئے ان سات نوجوانوں کے تعارف میں سب سے پہلے اپنی اسی صفت ربوبیت پر ایمان لانے کا تذکرہ کیا فرمایا۔ انهم فتية امنوا بربهم امنوا بالهتهم۔ نہیں کہا گیا۔

اب جب ہمدردوں کی یہ منطق ناکام رہی تو انہوں نے ایک دوسری منطق اپنائی انہوں نے کہا کہ کسی مسئلہ کی صداقت کے لئے کوئی نہ کوئی معیار ہونا چاہئے۔ بڑا معیار یہ ہے کہ جو حکومت کی کرسیوں پر فائز ہیں جن کا ملک میں حکم چلتا ہے اور ایسے اقبال مند اور قسمت کے دھنی ہیں کہ مٹی پر ہاتھ رکھ دیں تو سونا ہو جائے اور جو ان کے دامن سے وابستہ ہو جائے اس کی قسمت جاگ اٹھے ان کی اس مسئلہ کے بارے میں کیا رائے ہے۔ اب تم دیکھو کہ روما الکبریٰ کے شہنشاہ اعظم اور اس کے وزیروں اور نائبوں اور جو ان کی طرف سے اس شہر میں حکومت کر رہے ہیں۔ ان کا مذہب وعقیدہ کیا ہے؟ ہم دیکھتے ہیں کہ وہ سب ان دیوتاؤں اور دیوی کے پرستار ہیں جن کے تم منکر ہو اب ہم ان کامیاب اور اقبال مند انسانوں کے عقیدے اور مذہب کو تسلیم کریں یا تم چند خفیف العقل خام عمر اور جذباتی انسانوں کے مذہب وعقیدے کو جو ہر عزت و طاقت سے محروم ہیں۔ یہی وہ پرانی منطق ہے جس سے بہت سی گزشتہ قوموں نے کام لیا اور اپنے پیغمبروں کے مقابلہ میں استعمال کیا۔ حضرت نوح علیہ السلام کی قوم نے ان سے کہا

انو من لک و اتبعک الارذلون (سورہ شعراء ۱۱۱)

(کیا ہم تمہاری بات مانیں حالانکہ ہم دیکھتے ہیں کہ تمہارے سب ماننے والے پست خاندانوں سے تعلق رکھتے ہیں۔)

دوسرے الفاظ میں انہوں نے کہا:

وما نر اک اتبعک الا الزین هم ار اذلنا بادی الرای (سورہ هود ۲۷)

ہم یہ بھی دیکھتے ہیں کہ تمہارے پیرو وہ لوگ ہیں جو ہم میں ادنی درجہ کے ہیں اور انہوں نے بے سوچے سمجھے تمہاری پیروی اختیار کر لی۔

ان عقل مندوں کا ایک فلسفہ یہ بھی تھا کہ کسی چیز کے خیر ہونے کا معیار یہ ہے کہ وہ عمائد شہر اور معززین کے یہاں پہلے نظر آئے انہوں نے کہا:

قال الزين كفر و اللذين امنو الو كان خيرا ما سبقونا اليه و اذلم

يهتدوا به فسيقولون هذا افك قديم .(سوره احقاف ۱۱)

اور منکروں نے مومنوں سے کہا کہ اگر یہ دین کچھ بہتر ہوتا تو یہ غریب مومن اس میں ہم سے بازی نہ لے جاتے اور جب وہ اس سے ہدایت یاب نہ ہوئے تو اب کہیں گے کہ یہ پرانا جھوٹ ہے۔

ان کی دلیل یہ تھی کہ موسم کا پہلا پھل اور بازار کا سب سے اچھا میوہ کپڑے کی سب سے اچھی چیز اور نئی ایجادات و سامان کا سب سے آخری ماڈل پہلے اسی طبقے کے پاس آتا ہے اور کبھی انہوں نے اس طرح اپنے تعجب کا اظہار کیا۔

اهولا ء من الله عليهم من بيننا

کیا اللہ کو اپنی ہدایت اور انعام کے لئے ہم لوگوں میں یہی گدائے بینوا اور فقیر بے سرو سامان ملے تھے۔

افیس کے موحد نوجوانوں نے اس منطق کی صداقت کو قبول کرنے سے انکار کر دیا انہوں نے کہا کہ ہم ان حکام اور امراء کو اور ان درباری بالانشینوں کو معیار ماننے کے لئے تیار ہیں مگر کس چیز میں؟ کھانے کے ذوق میں لباس کی تراش خراش میں فرنیچر میں ہم ان کی خوش مذاقی اور صحیح الدماغی کو تسلیم کرتے ہیں۔ ان چیزوں میں وہ جس کو اچھا کہتے ہیں اچھا ہے اور یہ جس چیز کو ناپسند کریں ناپسندیدہ ہے، لیکن ہم یہ تسلیم کرنے کے لئے تیار نہیں کہ عقیدہ اور مذہب میں اخلاق و اصول اور صواب و ناصواب کے بارے میں یہ سند کی حیثیت رکھتے ہیں۔ ہم نے اخلاق اور انسانیت کے میدان میں ان کو بہت پست پایا ہے انہوں نے اپنی ایک ادنیٰ خواہش اور نفس کے معمولی تقاضے کی تکمیل کے لئے بستیوں کی بستیاں اجاڑ دی ہیں اور شہر کے شہر بے چراغ کر دیئے ہیں۔ ان کو ایک بیوہ کے سر کا دوپٹہ اور [illegible] مفلس کے گھر کا توا اور ایک یتیم کے ہاتھ سے روٹی کا ٹکڑا چھین لینے میں عار نہیں آتا ہے یہ [illegible] جب حکومت کا نام لے کر ہم کو ڈراتے ہیں اور بار بار حکومت کی کرسی اور سلطنت کے تخت کی طرف اشارہ کرتے ہیں تو ہم نے اس کی بے ثباتی اور بے وفائی کا خوب تماشہ دیکھا ہے۔ ایسی فانی چیز کو دائمی صداقت کا جس کو زوال نہیں معیار نہیں قرار دیا جا سکتا جو خدا حکومت دیتا ہے وہی جب چاہے چھین بھی سکتا ہے۔ اگر کوئی بزرگ بچے کو کھلونا دیتا ہے تو اس سے لے بھی سکتا ہے۔ بچے کو یہ گھمنڈ نہیں ہونا چاہئے

کہ یہ کھلونا ہمیشہ اس کے ہاتھ میں رہے گا اور اس سے لے کر کسی کو نہیں دیا جا سکے گا۔ یہی وہ حقیقت ہے جو قرآن شریف کی اس آیت میں بیان کی گئی ہے۔

قل اللھم مالک الملک تؤتی الملک من تشاء و تنزع الملک ممن تشاء و تعز من تشاء و تذل من تشاء بیدک الخیر انک علی کل شئی قدیر. (سورہ آل عمران ۲۶)

کہہ کہ اے خدا (اے) بادشاہی کے مالک تو جس کو چاہے بادشاہی بخشدے اور جس سے چاہے بادشاہی چھین لے اور جس کو چاہے عزت دے اور جسے چاہے ذلیل کرے ہر طرح کی بھلائی تیرے ہی ہاتھ میں ہے اور بیشک تو ہر چیز پر قادر ہے۔

آخر ان دانشمندوں کی ساری دلیلیں ناکام ہو گئیں اور وہ جوانمرد اپنے عقیدے پر قائم رہے اس زمانے میں شہنشاہ روم کا دورہ ہوا اور اس کو معلوم ہوا کہ شہر میں سات سر پھرے نوجوان ہیں جو ہمارے ہی نمک خواروں اور درباریوں کے نور نظر ہیں انہوں نے اپنے بزرگوں کی بھی بات نہیں مانی ہے اس نے حکم دیا کہ ان نوجوانوں کو فلاں مندر میں چڑھاوا چڑھانے پر مجبور کیا جائے اور اگر وہ اسکو قبول نہ کریں تو ان کو سزائے موت دے دی جائے ان نوجوانوں نے اس سے انکار کر دیا اور مشورہ کر کے قریب کے پہاڑ کے ایک غار میں پناہ لی اور اپنا ایمان بچانے کا سامان کر لیا۔ بادشاہ کو جب اس کا علم ہوا تو اس نے غار کا منہ بند کر دیا وہ گھٹ گھٹ کر مر جائیں۔ لیکن خدا نے ان کو میٹھی نیند سلا دیا اور تین سو نو سال تک ان پر نیند طاری رہی۔

اس عرصے میں ملک روم میں انقلاب عظیم آ گیا رومی شہنشاہ نے عیسائیت قبول کی اور وہ اس کا سرپرست وحامی اور پرجوش مبلغ وداعی بن گیا پھر خدا نے اپنی قدرکاملہ سے ان کو بیدار کیا ان کا ایک فرستادہ شہر میں آیا تو دیکھا کہ دنیا بدل چکی ہے، عیسائیت اب سرکاری مذہب ہے اور جو جرم گردن زدنی اور کشتنی تھا اب وہ بڑی عزت اور فخر کی چیز بن گئی کل کے معتوب آج کے محبوب اور کل کے مجرم آج کے ہیرو ہیں چنانچہ اس طرح ان کی فراست صحیح نکلی اور ان دانشمندوں کی ذہانت جو تصویر کے اوپر کا رخ دیکھتی تھی ناکام ثابت ہوئی۔

حضرات! قرآن شریف نے یہ قصہ محض تاریخی واقعہ یا دلچسپ داستان کے طور پر نہیں

سنایا ہے بلکہ اس لئے اس کو قرآن مجید میں جگہ دی گئی ہے کہ یہ واقعہ تاریخ میں بار بار پیش آیا ہے اور ہر وقت اور ہر جگہ پیش آ سکتا ہے۔ ہمارے مسلمان بھی اس تجربے سے گذرے۔ دنیا کے دوسرے ممالک کے مسلمان بھی اس تجربے سے گذر سکتے ہیں صرف ایمان و یقین صبر و استقامت اور ایثار و قربانی شرط ہے۔

انه من يتق و يصبر فان الله لا يضيع اجر المحسنين (سوره يوسف ٩٠)

جو شخص خدا سے ڈرتا اور صبر کرتا ہے۔ خدا نیکوکاروں کا اجر ضائع نہیں کرتا۔ قرآن ایک زندہ جاوید اور عالمگیر کتاب ہے اس میں ہر عہد اور ہر نسل اور ہر حالت کے لئے رہنمائی ہے انسانی سیرت اور انسانی نفسیات کا ایک نمونہ وہ تھا جو اوپر گذرا اب دوسرا نمونہ بھی قرآن حکیم میں دیکھئے یہ اس کے بالکل بالمقابل دوسرا کردار ہے۔ قرآن شریف کی زبان سے سنئے۔

ومن الناس من يعبد الله على حرف فان اصابه خير اطمان به وان اصابته فتنة انقلب على وجهه خسر الدنيا و الاخرة ذلك هو الخسران المبين. (سوره الحج ١١)

اور لوگوں میں بعض ایسے بھی ہیں جو کنارے پر (کھڑے) ہو کر خدا کی عبادت کرتے ہیں اگر ان کو کوئی دنیوی فائدہ پہنچے تو اس کے سبب مطمئن ہو جائیں اور اگر کوئی آفت پڑے تو منہ کے بل لوٹ جائیں (یعنی پھر کافر ہو جائیں) انہوں نے دنیا میں بھی نقصان اٹھایا اور آخرت میں بھی یہی تو نقصان صریح ہے۔

یہ قرآن مجید کے اعجاز اور اس کی تصویر کشی کا اعلیٰ نمونہ ہے یہ آیت کیا ہے؟ ایک مستقل مجسمہ ہے یہ فرد کی بھی تصویر ہے اور جماعتوں کی بھی، قوموں اور ملتوں کی بھی عربی میں "من" کا اطلاق فرد اور جماعت سب پر ہوتا ہے۔ لوگوں میں سے ایسے لوگ بھی ہیں جو خدا کی بندگی کرتے ہیں بالکل کنارے پر کھڑے ہو کر بندگی کرتے ہیں کا مطلب یہ نہیں ہے کہ وہ خالی نماز پڑھتے ہیں اور عبادت کرتے ہیں۔ اس کے مفہوم میں یہ بھی شامل ہے کہ وہ خدا کی فرمانبرداری اور اسلامی احکام کی پابندی عین سرحدی لکیر پر کھڑے ہو کر کرتے ہیں جو اسلام و جاہلیت اور کفر و ایمان کے درمیان کھینچی گئی ہے "علی حرف" کی بلاغت ملاحظہ ہو اس صورت حال کی اگر کیمرے سے بھی تصویر لی جائے اور بڑے سے بڑا مصور اور نقاش بھی اس کی تصویر کشی کرے تو

ایسی بولتی ہوئی تصویر نہیں کھینچ سکتا ان کی دوربینی اور احتیاط کی پوری تصویر اس چھوٹے سے جملے میں آ گئی وہ ایسی جگہ کھڑے ہوتے ہیں جہاں سے ان کے لئے دوسرے محاذ پر منتقل ہو جانا ایک منطقہ سے دوسرے منطقہ پر پہنچ جانا ہر وقت ممکن رہے اور اس میں ذرا بھی دیر نہ لگے وہ جم کر پاؤں بھی نہ رکھتے کہ اٹھانے میں پچھڑ جائیں گے وہ پھول کی طرح پاؤں رکھتے ہیں کہ ہوا ایک جھونکے میں اور حالات میں ادنیٰ سی تبدیلی واقع ہونے پر وہ دوسری جگہ کھڑے نظر آئیں ان کا ہاتھ زمانے کی نبض پر رہتا ہے اور ان کی دوربین نگاہیں حکومت سوسائٹی اور وقت کے اقتدار کے چشم و ابرو کے اشارے کو دیکھتی رہتی ہیں۔ ان کا دماغ سود و زیاں اور نفع و نقصان کے موازنے سے ایک لمحہ کے لئے بھی غافل نہیں ہوتا اگر زمانہ ان کے موقف و مسلک اور ان کے مقام و عمل کے مطابق ہوتا ہے تو ان سے بڑھ کر اپنے مسلک کا پرجوش وکیل اور اس کی خدمت میں منہمک کوئی نظر نہیں آتا اور وہ پورے سکون قلب اور اعتماد نفس کے ساتھ اپنا کام کرتے رہتے ہیں۔ فان اصابه خير اطمان به۔ اور وہ حکومت کے سوسائٹی اور عوام کے تیور بدلے ہوئے دیکھتے ہیں تو وہ فوراً اپنا مسلک بدل دیتے ہیں اور پہلے مسلک کی تہمت سے بھی بچتے ہیں۔ ان کو اپنی وضع قطع اپنے عقائد و خیالات اپنی تہذیب و معاشرت اور اپنی زبان و کلچر بلکہ قومیت کو بھی تبدیل کرنے میں کوئی دقت پیش نہیں آتی اس ابن الوقت گروہ کو دیکھ کر یہ آیت جس طرح سمجھ میں آتی ہے اور اس کی بلاغت و اعجاز جس طرح نمایاں ہوتا ہے وہ بڑی سی بڑی تفسیر سے اس طرح نمایاں نہیں ہوتا خطرے اور شبہ سے بچنے کے لئے اس ابن الوقت گروہ کے انتظامات اور اس کے احتیاط دیکھنے سے تعلق رکھتی ہیں۔ جب شعائر اسلامی کے اظہار سے کوئی مادی فائدہ حاصل ہوتا ہے یا وہ دولت و وجاہت کے حصول کے ذریعہ ہوتا ہے۔ یا حکومت و اقتدار اس کے بغیر نہیں مل سکتا تو شعائر اسلامی کا ان سے زیادہ اظہار کرنے والا کوئی نہیں اور اگر ان کے اظہار میں ادنیٰ درجہ کا خطرہ متوقع ہوتا ہے یا اس کی وجہ سے کم سے کم ادنیٰ درجہ کی قربانی دینی پڑتی ہے تو پھر ان شعائر اسلامی کو بلکہ بنیادی عقائد تک کو وہ سلام کرتے ہیں اور ان سے اپنا رشتہ ناطہ توڑ لیتے ہیں۔

ومن الناس من يقول آمنا بالله فاذا اوذى فى الله جعل فتنة الناس كعذاب الله ولئن جاء نصر من ربك ليقولن انا كنا معكم اوليس الله باعلم بما

فی صدور العالمین۔

اور بعض لوگ ایسے ہیں جو کہتے ہیں کہ ہم خدا پر ایمان لے آئے جب ان کو خدا کے راستے میں کوئی ایذا پہنچتی ہے تو لوگوں کی ایذا کو یوں سمجھتے ہیں جیسے خدا کا عذاب اور اگر تمہارے پروردگار کی طرف سے مدد پہنچے تو کہتے ہیں کہ ہم تو تمہارے ساتھ تھے کیا جو اہل عالم کے سینے میں ہے، خدا اس سے واقف نہیں۔

اگر وہ نسبت سرخروئی اور سرفرازی کا باعث ہوتی ہے تو اپنی قدیم تاریخ اپنے اسلاف اور اپنے بزرگوں سے وابستہ رہتے ہیں اور جہاں نہیں ہے وہاں تعلق کاٹ لیتے ہیں اولیس اللہ باعلم بما فی صدور العلمین۔ مطلب پرست زمانہ سازوں کا انجام برا ہوتا ہے اور کسی گروہ میں ان کی وقعت نہیں ہوتی اسی لئے فرمایا گیا ہے خسر الدنیا والاخرۃ ذلک ھو الخسران المبین۔ شاعر نے شاید اسی موقع کے لئے کہا نہ خدا ہی ملا نہ وصال صنم نہ ادھر کے رہے نہ ادھر کے رہے مجھے معلوم ہے کہ ۴۷ء کے مارکاٹ کے زمانے میں کتنے آدمیوں نے اپنی اسلامی وضع قطع اس خطرے سے تبدیل کر دی کہ اس میں مسلمان سمجھ کر مارے جانے کا خطرہ ہے اس کے مقابلہ میں قوت ایمانی کا ایک پرانا واقعہ سنیئے نصیر خان بلوچی اور پنجاب کی سکھ حکومت کی درمیان ایک مرتبہ جنگ ہوئی ایک موقع پر اس جنگ میں نصیر خان زخمی ہو کر گھوڑے سے گر پڑے دو سکھ سپاہی پاس سے گذرے ایک نے چاہا کہ کام تمام کر دیں اس زمانہ کے بلوچی بڑے بڑے بال رکھتے تھے نصیر خان کی بھی لٹیں تھیں دوسرے سکھ نے کہا کہ نہیں نہیں یہ ہمارا بھائی ہے اس کو نہ مارو جب جنگ ختم ہوئی اور نصیر خان بلوچی اپنے دارالحکومت میں پہونچے تو اس نے خود بھی اپنے بال ترشوائے اور پوری قوم کا بال ترشوانے کا حکم دیا۔ اس نے کہا کہ ان منحوس بالوں نے میری مسلمان ہونے کے بارے میں شبہ پیدا کر دیا اور میں شہادت سے محروم رہا۔ دیکھئے دونوں ذہنیتوں میں کتنا بڑا فرق ہے۔

ببیں تفاوت رہ از کجاست تا بکجا۔

حضرات! جب حالات سازگار ہوں اور ہوا موافق چل رہی ہو جب کسی مسلک پر قائم رہنے پر انعام ملتا ہو اور پھول برسائے جاتے ہوں جب کسی قوم و جماعت کا ستارہ اقبال بلند ہو

اور اس کا بخت یاور جب کسی جماعت میں شرکت باعث اعزاز ہو اور سرمایہ افتخار تو اس وقت اس مسلک پر قائم رہنا اور اس عقیدے کا اظہار کرنا کوئی بہادری اور مردانگی نہیں لیکن جب حالات ناسازگار ہوں اور باد مخالف تیز تند چل رہی ہو جب بڑے بڑے جوانمردوں کے قدم اکھڑ رہے ہوں جب کسی اصول اور عقیدے کو اختیار کرنا دار و رسن کو دعوت دینے کے مرادف ہو جب کسی قوم کے تنزل کا زمانہ ہو اقبال نے اس سے منہ موڑ لیا ہو اور زمانہ کی نگاہیں اس سے پھری ہوئی ہوں اس وقت اس مسلک پر ثبات و استقامت اور اس جماعت سے انتساب و نسبت بڑے شیر مردوں اور بڑی وفاداری اور نمک حلالی کی بات ہے ہر بادشاہ اور حکومت والے سپاہی کی بڑی قدر ہوتی ہے جو اس وقت میدان جنگ میں کھڑا رہے جب فوج کے پاؤں اکھڑ جاتے ہیں اور بھگدڑ مچ جاتی ہے ہر رئیس اور امیر کو انہیں لوگوں کی قدر ہوتی ہے جو برے میں ان کا ساتھ دیتے ہیں اور جب ان کے پروردہ اور نمک خوار نگاہیں پھیر لیتے ہیں اور اس سے کترانے لگتے ہیں تو وہ اسی طرح ان کے دامن سے وابستہ اور ان کے دروازہ پر ایستادہ رہتے ہیں اور وہ اس طرح ان کی تعظیم و تکریم کرتے ہیں اور آداب بجالاتے ہیں۔ ایک پرانے رئیس ایک صاحب کا بڑا خیال کرتے تھے اور ان کو بہت سے مصاحبین اور جی حضور لوگوں پر ترجیح دیتے تھے کسی نے اس کا سبب پوچھا تو کہا جب ہمارا علاقہ کورٹ ہو گیا تھا تو تنہا یہی شخص تھے جنہوں نے ہمارا ساتھ نہ چھوڑا، حقیقت میں محبت و وفاداری اور وابستگی کا ثبوت اس حالت میں نہیں ہوتا جب تقرب حاصل ہو اس وقت ملتا ہے جب کسمپرسی اور بے التفاتی کا معاملہ کیا جائے اسی سے حضرت کعب بن مالک کے سچے اور عاشقانہ تعلق کا اظہار ہوتا ہے کہ عین اس حالت میں جب رسول ﷺ نے مدینہ کے سارے مسلمانوں کو ان سے ملنے اور بات کرنے کی مخالفت کر دی تھی اور کوئی ان کی بات کا جواب دینے کا بھی روادار نہیں تھا حد یہ ہے کہ رفیقہ حیات کو بھی ان سے الگ رہنے کا حکم دیا گیا بقول ان کے دنیا ان کی آنکھوں میں اندھیری تھی شہر شہر نہیں قبرستان معلوم ہوتا تھا اور قرآن کے الفاظ میں دنیا اپنی ساری وسعتوں کی باوجود ان پر تنگ ہو گئی اور ان کا دم گھٹنے لگا تھا اس وقت غسان کے بادشاہ (جس کے انعام و اکرام اور سرفرازی کے سارے عرب میں چرچے تھے) کا دعوت نامہ آتا ہے کہ تمہیں اس کسمپرسی میں پڑا رہنے کی ضرورت نہیں تم میرے پاس آجاؤ میں تم کو نہال کر دوں گا وہ بجائے اس خط کا استقبال کرنے کے اور

اس موقع کو غنیمت سمجھنے کے اس کو قاصد کے سامنے جلتے تندور میں ڈال دیتے ہیں اور اپنے محبوب کی طرف سے یہ امتحان برداشت کرتے رہتے ہیں۔ یہاں تک کہ ان کی مصیبت کے یہ بادل چھٹتے ہیں اور ان کی اصلاح و تکمیل کے سلسلہ میں جتنا وقت ضروری تھا وہ پورا ہو جاتا ہے۔

اس طرح جب شوال ۵ھ میں مدینہ پر قریش نے چڑھائی کی اور چاروں طرف سے مخالفین کی فوجوں کا نرغہ ہوا اور مسلمان مدینہ میں محصور ہو کر رہ گئے۔ حالت یہ تھی کہ نہ کھانے کا سامان تھا نہ کہیں سے کمک آنے کی امید تھی۔ سردی، خوف اور ہر مصیبت کا سامنا تھا قرآن مجید سے بہتر اس کی کوئی تصویر نہیں کھینچ سکتا۔

اذ جاوکم من فوقکم ومن اسفل منکم واذ زاغت الابصار و بلغت القلوب الحناجر وتظنون بالله الظنونا. (سورہ احزاب ۱۰)

جب وہ تمہارے اوپر اور نیچے کی طرف سے تم پر چڑھ آئے اور جب آنکھیں پھر گئیں اور دل (مارے وحشت) کے گلوں تک پہنچ گئے اور تم خدا کی نسبت طرح طرح کے گمان کرنے لگے۔

جب آنکھیں پتھرا گئیں اور کلیجے منہ کو آ گئے تھے اس وقت ان لوگوں نے جن کو خدا نے ایمان کی دولت سے مالا مال فرمایا تھا اور جن کا خدا کے وعدوں پر یقین تھا ان کا ایمان اور قوی ہو گیا اور انہوں نے اس صورت حال سے بالکل الٹا نتیجہ نکالا اور اس بے کسی اور بے بسی و شکست اور نامرادی کی نہیں بلکہ فتح اور کامرانی کی دلیل بنا لیا:

ولما رای المومنون الاحزاب قالوا هذاما وعدنا الله ورسوله وصدق الله ورسوله ومازادهم الا ایمانا و تسلیما . (سورہ احزاب ۲۲)

اور جب مومنوں نے کافروں کے لشکر کو دیکھا تو کہنے لگے یہ وہی ہے جس کا خدا اور اس کے پیغمبر نے ہم سے وعدہ کیا تھا اور خدا اور اس کے پیغمبر نے سچ کہا تھا اور اس سے ان کا ایمان اور اطاعت اور زیادہ ہو گیا۔

ان کی دلیل اور منطق یہ تھی کہ غیر معمولی حالات میں غیر معمولی واقعات کا ظہور ہوتا ہے رات کے اندھیرے ہی سے آفتاب طلوع ہوتا ہے اور جب زمین بہت پیاسی ہوتی ہے تو باران رحمت کا نزول ہوتا ہے۔ بعینہ یہی دلیل حضرت یعقوب علیہ السلام نے اس وقت پیش کی اور

اس سے تسکین حاصل کی جب یوسف کے فراق کا واقعہ پیش آیا۔ اس وقت انہوں نے فرمایا:

عسی اللہ ان یاتینی بہم جمیعا انہ ھو العلیم الحکیم (سورہ یوسف ۸۳)

”عجب نہیں کہ خدا ان سب کو میرے پاس لے آئے بیشک وہ دانا اور حکمت والا ہے۔“

اور فرمایا:

یا بنی اذھبوا فتحسسوا من یوسف واخیہ ولا تایئسوا من روح اللہ انہ لا یایئس من روح اللہ الا القوم الکافرون (سورہ یوسف ۸۷)

میرے بچو جاؤ یوسف اور اس کے بھائی کو ڈھونڈو اور اللہ کی رحمت سے مایوس نہ ہو اس کی رحمت سے تو بس کافر ہی مایوس ہوا کرتے ہیں۔

حضرات! اسلام پر قائم رہنا اس سے اپنی نسبت کرنا اور علانیہ اس کے شعائر کا اظہار اس وقت بھی سعادت وفخر کی بات ہے اور اس میں اس وقت بھی مزا ہے جب حالات اس کے سازگار رہے ہوں اور جب مسلمانوں کی کامیابی کا دور اور دنیا میں اسلام کا دور دورہ ہو اور کسی معاملہ میں ان کو ناکامی کا منہ نہ دیکھنا پڑتا ہو لیکن امتحان و آزمائش کے موقع پر وفاداری اور جاں نثاری میں جو لذت ہے وہ لذت کسی چیز میں نہیں ہے یہ وہ وقت ہے جب حق پر قائم رہنے والوں، حق وصداقت کی تبلیغ کرنے والوں اور اپنے عقیدے، ضمیر کے خاطر مفادات اور اعزازات کی قربانی کرنے والوں کو اس دنیا ہی میں جنت کا مزا آنے لگتا ہے۔ اور ان کے بدن کے روئیں روئیں سے خدا کی حمد و شکر کا ترانہ بلند ہوتا ہے۔ اقبال نے شاید اسی موقع کے لئے کہا تھا۔

بہشتے بہر پاکان حرام ہست
بہشتے بہر پاکان ہم ہست
بگو ہندی مسلماں را کہ خوش باش
بہشتے فی سبیل اللہ ہم ہست

وما علینا الا البلاغ المبین

بسم اللہ الرحمن الرحیم

عالم نو

وہ یادگار تقریر جو ماہ ربیع الاول کی مناسبت سے ریڈیو لکھنؤ سے نشر ہوئی تھی

نحمدہ ونصلی علی رسولہ الکریم ○ اما بعد ○ فاعوذ باللہ من الشیطان الرجیم ○ بسم اللہ الرحمن الرحیم ○

دنیا کی عمر:

یوں تو اس دنیا کی عمر بہت بتائی جاتی ہے، مگر یہ دنیا کئی بار سو سو کر جاگی ہے اور مر مر کر زندہ ہوئی ہے۔ آخری بار جب یہ موت کی نیند سے بیدار ہوئی تو اس نے عقل و ہوش کی آنکھیں کھولیں، وہ، وہ دن تھا جب مکہ کے سردار عبدالمطلب کے گھر پوتا پیدا ہوا، وہ پیدا ہوا تو یتیم تھا، مگر اس نے پوری انسانیت کی سرپرستی کی اور دنیا کو نئی زندگی بخشی۔ سوتے میں جو عمر کٹی وہ کیا عمر ہے؟ خودکشی میں جو وقت گزرا وہ کیا زندگی ہے؟ اس لئے سچ پوچھئے تو موجودہ دنیا کی کام کی عمر چودہ سو برس سے زائد نہیں۔

بعثت نبوی ﷺ سے پہلے دنیا کے حالات:

چھٹی صدی مسیح میں انسانیت کی گاڑی ایک ڈھلوان راستے پر پڑ گئی تھی، اندھیرا پھیلتا جا رہا تھا، راستے کا نشیب بڑھتا جا رہا تھا اور رفتار تیز ہوتی جا رہی تھی۔ اس گاڑی پر انسانیت کا پورا قافلہ اور آدم کا سارا کنبہ سوار تھا۔ ہزاروں برس کی تہذیبیں اور لاکھوں انسانوں کی محنتیں تھیں۔ گاڑی کے سوار میٹھی نیند سو رہے تھے یا زیادہ اور اچھی جگہ حاصل کرنے کے لئے آپس میں دست و گریباں تھے۔ کچھ تنک مزاج تھے، جب ساتھیوں سے روٹھتے تو ایک طرف سے

دوسری طرف منہ پھیر کر بیٹھ جاتے، کچھ ایسے جو اپنے جیسے لوگوں پر حکم چلاتے، کچھ کھانے پکانے میں مشغول تھے، کچھ گانے بجانے میں مصروف، مگر کوئی یہ نہ دیکھتا کہ گاڑی کس غار کی طرف جا رہی ہے اور اب وہ کتنا قریب رہ گیا ہے۔

انسانیت کا جسم تر و تازہ تھا، مگر یہ دل نڈھال، دماغ تھکا ہوا، ضمیر بے حس و مردہ، نبضیں ڈوب رہی تھیں اور آنکھیں پتھرانے والی تھیں۔ ایمان و یقین کی دولت سے عرصہ ہوا یہ انسانیت محروم ہو چکی تھی، پورے پورے ملک میں ڈھونڈنے سے ایک صاحب یقین نہ ملتا، توہمات کا ساری دنیا پر قبضہ تھا۔ انسانیت نے اپنے کو خود ذلیل کیا تھا، انسان نے اپنے غلاموں اور چاکروں کے سامنے سر جھکایا تھا، ایک خدا کے سوا سب کے سامنے اس کو جھکنا منظور تھا۔ حرام اس کے منہ کو لگ گیا تھا:

شراب اس کی گھٹی میں گویا پڑی تھی
جو اس کی دن رات کی دل لگی تھی

بادشاہ دوسروں کے خون پر پلتے تھے اور بستیاں اجاڑ کر بستے تھے، ان کے کتے موج کرتے اور انسان دانے دانے کو ترستے، زندگی کا معیار اتنا بلند ہو گیا تھا کہ جینا دوبھر تھا، جو اس معیار پر پورا نہ اترے وہ جانور سمجھا جاتا تھا، نئے نئے ٹیکسوں سے کسانوں اور دستکاروں کی کمر جھکی اور ٹوٹی جاتی تھی، لڑائی اور بات کی بات میں ملکوں کی صفائی اور قوموں کی تباہی ان کے بائیں ہاتھ کا کھیل تھا، سب زندگی کی فکروں میں گرفتار اور ظلم و زیادتی سے زار و نزار تھی، پورے ملک میں ایک اللہ کا بندہ ایسا نہ تھا جس کو اپنے پیدا کرنے والے کی رضامندی کی فکر ہو، یا راستے کی سچی تلاش ہو، غرض یہ نام کی زندگی تھی مگر حقیقت میں ایک وسیع اور طویل خودکشی۔

دنیا کی اصلاح انسانوں کے بس سے باہر تھی، پانی سر سے اونچا ہو گیا تھا، معاملہ ایک ملک کی آزادی اور ایک قوم کی ترقی کا نہ تھا۔ انسانیت کا بدن داغ داغ تھا، دامن تار تار، اصلاح کے لئے جو لوگ آگے بڑھے وہ یہ کہہ کر پیچھے ہٹ گئے:

تیرے دل میں تو بہت کام رفو کا نکلا

فلسفی اور حکیم، شاعر اور ادیب، کوئی اس میدان کا مرد نہ نکلا، سب اس وبا کے شکار تھے، مریض مریض کا علاج کس طرح کرے؟ جو خود یقین سے خالی ہو، وہ دوسروں کو کس طرح یقین

سے بھر دے؟ جو خود پیاسا ہو، دوسروں کی پیاس کس طرح بجھائے؟ انسانیت کی قسمت پر بھاری قفل پڑا تھا اور کنجی گم تھی، زندگی کی ڈور الجھ گئی تھی اور سرا نہ ملتا تھا!

اس دنیا کے مالک کو اپنے گھر کا یہ نقشہ پسند نہ تھا، آخرکار اس نے عرب کی آزاد اور سادہ قوم میں جو فطرت سے قریب تھی، ایک پیغمبر بھیجا، کہ پیغمبر کے سوا اب اس بگڑی دنیا کو کوئی بنا نہیں سکتا تھا، اس پیغمبر کا نام نامی محمد بن عبداللہ ہے، اللہ کے لاکھوں سلام و درود ہوں ان پر:

زباں پہ بار خدایا یہ کس کا نام آیا
کہ میرے نطق نے بوسے میری زبان کیلئے

اس زندگی کی ہر چیز سلامت مگر بے جگہ و بے قرینہ، زندگی کا پہیہ گھوم رہا ہے، مگر غلط رخ پر، اصل خرابی یہ تھی کہ زندگی کی چول کھسک گئی تھی اور ساری خرابی اسی کی تھی۔ یہ چول کیا تھی؟ اپنے اور اس دنیا کے بنانے والے کا صحیح علم، اسی کی بندگی اور تابعداری کا فیصلہ، اس کے پیغمبروں کو ماننا اور ان کی ہدایت و تعلیم کے مطابق زندگی بسر کرنا اور دوسری زندگی کا یقین۔

امت کے لئے حضور ﷺ کی قربانیاں:

انہوں نے زندگی کی چول بٹھا دی، مگر اپنی زندگی اور اپنے خاندان کی زندگی کو خطرے میں ڈال کر، اور اپنا سب کچھ قربان کر کے، انہوں نے اس مقصد کی خاطر بادشاہی کا تاج ٹھکرا دیا، دولت اور عیش کی بڑی سے بڑی پیش کش کو نامنظور کیا، محبوب وطن کو چھوڑا، ساری عمر بے آرام رہے، پیٹ پر پتھر باندھے، کبھی پیٹ بھر کر نہ کھایا، گھر والوں کو فقر و فاقہ میں شریک رکھا، دنیا کی ہر قربانی میں ہر خطرے میں پیش پیش، اور ہر فائدہ اور ہر لذت سے دور دور، لیکن دنیا سے اس وقت تک تشریف نہ لے گئے جب تک کہ دنیا کو صحیح رخ پہ نہ ڈال دیا اور تاریخ کا دھارا نہ بدل دیا۔

حضور ﷺ کی محنت سے زمانہ میں ایک انقلاب برپا ہوا:

تئیس برس میں دنیا کا رخ پلٹ گیا، دنیا کا ضمیر جاگ گیا، نیکی کا رجحان پیدا ہو گیا۔ اچھے برے کی تمیز ہونے لگی، خدا کی بندگی کا راستہ کھل گیا، انسان کو انسان کے سامنے اور اپنے خادموں کے سامنے جھکنے میں شرم محسوس ہونے لگی، اونچ نیچ دور ہوئی۔ قومی و نسلی غرور ٹوٹا،

عورتوں کو حقوق ملے، کمزوروں و بے بسوں کی ڈھارس بندھی، غرض دیکھتے دیکھتے دنیا بدل گئی۔ جہاں پورے پورے ملک میں ایک خدا سے ڈرنے والا نظر نہ آتا، وہاں لاکھوں کی تعداد میں ایسے انسان پیدا ہو گئے، جو اندھیرے اجالے میں خدا سے ڈرنے والے تھے، جو یقین کی دولت سے مالا مال تھے، جو دشمن کے ساتھ انصاف کرتے تھے، جو حق کے معاملے میں اپنی اولاد کی پرواہ نہ کرتے تھے، جو اپنے خلاف گواہی دینے کو تیار رہتے، جو دوسروں کے آرام کی خاطر مصیبت برداشت کرتے، جو کمزوروں کو طاقتور پر ترجیح دیتے، رات کے عبادت گزار، دن کے شہسوار، دولت، حکومت، طاقت، خواہشات، سب پر حاکم، سب پر غالب، صرف ایک اللہ کے محکوم، صرف ایک اللہ کے غلام، انہوں نے اس دنیا کو علم، یقین، امن، تہذیب، روحانیت اور خدا کے ڈر سے بھر دیا۔

زمانے کی رات بدل گئی، انسان کیا بدلا، جہاں بدل گیا، زمین و آسمان بدل گئے، یہ سارا انقلاب اسی پیغمبر کی کوشش اور تعلیم کا نتیجہ ہے۔ آدم کی اولاد پر آدم کے کسی فرزند کا احسان نہیں، جیسا محمد رسول اللہ ﷺ کا دنیا کے انسانوں پر ہے۔ اگر اس دنیا سے وہ سب لے لیا جائے جو محمد رسول اللہ ﷺ نے اس کو عطا کیا ہے تو انسانی تہذیب ہزاروں برس پیچھے چلی جائے گی اور اس کو اپنی زندگی کی عزیز ترین چیزوں سے محروم ہونا پڑے گا۔

رسول اللہ ﷺ کی پیدائش کا دن مبارک کیوں نہ ہو کہ اس دنیا کا سب سے مبارک انسان پیدا ہوا، جس نے اس دنیا کو نیا ایمان اور نئی زندگی عطا کی:

بہار اب جو دنیا میں آئی ہوئی ہے
وہ سب پود انہیں کی لگائی ہوئی ہے

وآخر دعوانا ان الحمد لله رب العالمين

عید الفطر کا پیغام

حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندوی رحمۃ اللہ رحمۃ واسعۃ کا ہر سال رمضان المبارک میں معمول رہا ہے کہ وہ اپنے وطن رائے بریلی (ہندوستان) میں مقام تکیہ پر رمضان گذارتے تھے جہاں ان کے معتقدین اور متعلقین پہنچتے اور عبادات طلب رضا، الٰہی کا ماحول بنانے کا انتظام کیا جاتا دین میں کئی کئی دینی موضوعات کی تعلیم اور ذکر الٰہی اور نوافل میں مشغولیت کی ترغیب دی جائے زیرنظر تقریر حضرت کا وہ خصوصی خطاب ہے جو یکم رمضان ۱۴۱۹ھ کو روحانی مرکز تکیہ شاہ علم اللہ رائے بریلی (ہندوستان) میں کیا گیا تھا جس میں آنے والوں کے لئے ہدایات بھی ہیں اور مشورے بھی ہیں اور مستقل معتکفین کے لئے نظام العمل بھی ہے اور حقوق واجبات کی یاد روحانی بھی، جائے قیام سے پیغام حق کی تجدید وتذکیر بھی ہے اور محسنین واہل فضل کے ساتھ وفاداری کی وصیت بھی ہے۔

الحمد لله نحمده ونستعينه ونستغفره ونتوكل عليه ونعوذ بالله من شرور انفسنا ومن سيئات اعمالنا من يهده الله فلا مضل له ومن يضلله فلا هادى له ونشهد ان لا اله الا الله ونشهد ان سيدنا ونبينا ومولانا محمداً عبده ورسوله صلى الله عليه وعلى آله واصحابه وذرياته وازواجه وبارک وسلم تسليماً كثيراً كثيرا. اما بعد.

يريد الله بكم اليسر ولا يريد بكم العسر ولتكملوا العددة ولتكبرو والله على ما هدكم ولعلكم تشكرن O واذا سالک عبادى عنى فانى قريبا اجيب دعوة الداع اذا دعان فليستجيبولى وليؤمنوا بى لعلهم يرشدون.

ترجمہ: اللہ تمہارے حق میں سہولت چاہتا ہے، اور تمہارے حق میں دشواری نہیں چاہتا اور یہ (چاہتا ہے) کہ تم شمار کی تکمیل کر لیا کرو اور یہ کہ تم اللہ کی بڑائی کیا کرو اس پر کہ تمہیں راہ بتا دی عجب نہیں کہ تم شکر گزار بن جاؤ۔ اور جب آپ سے میرے بندے میرے بارے میں دریافت کریں تو میں تو قریب ہی ہوں دعا کرنے والے کی دعا قبول کرتا ہوں جو وہ مجھ سے دعا

کرتا ہے پس لوگوں کو چاہئے کہ میرے احکام قبول کریں اور مجھ پر ایمان لائیں عجیب نہیں کہ ہدایت پاجائیں!

میرے بھائیو! دوستو، عزیزو اور بزرگو میں نے آپ کے سامنے قرآن شریف کی سورۂ بقرہ کی وہ آیتیں تلاوت کیں جن کا تعلق رمضان المبارک سے ہے اور جن کی ابتداء ہوتی ہے۔ **یا ایھا الذین آمنوا کتب علیکم الصیام کما کتب علی الذین من قبلکم لعلکم تتقون** اور اسی میں یہ آیت بھی ہے۔

شھر رمضان الذی انزل فیه القرآن ھدی ولناس وبینات من الھدی والفرقان.

اس میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے اے مسلمانو! اللہ تعالیٰ تمہارے ساتھ آسانی چاہتا ہے، اس کا منشا اور ارادہ تمہارے ساتھ آسانی کا ہے۔ "**ولا یرید بکم العسر**" وہ تم کو مشکل میں ڈالنا نہیں چاہتا یہ ۳۰ تیس یا ۲۹ انتیس دن کے روزے کوئی پہاڑ نہیں ہیں یہ مسلسل چلتے ہیں اور جلد ختم ہو جاتے ہیں اس کے بعد اللہ تعالیٰ فرماتا ہے **ولتکبروا اللہ علی ما ھدکم** اور تاکہ تم اللہ تبارک وتعالیٰ کی بڑائی بیان کرو اس پر کہ اللہ نے تم کو ہدایت دی اللہ نے ہدایت کی جو نعمت تم کو عطا فرمائی ہے اس پر اللہ کی بڑائی بیان کرو **ولعلکم تشکرون** اور تاکہ تم شکر کرو!

عید کا ذکر:

حضرات!:۔ اللہ جل شانہ نے اس آیت مبارکہ میں عید سعید کا بھی ذکر کر دیا، عید کا نام تو نہیں آیا لیکن عید کا منشا، عید کا مقصد اور عید کا وظیفہ، عید میں کرنے کے کام یہ سب اس میں آ گئے کہ جب اللہ تعالیٰ رمضان المبارک میں روزہ کی توفیق دے کہ رمضان رلمبارک آئے اور خیریت کی ساتھ، توفیق الٰہی کی ساتھ دن کے روزوں کے ساتھ رات کی عبادتوں کے ساتھ گزر جائے۔ **ولتکبروا اللہ علی ماھدکم** اللہ تعالیٰ کی بڑائی بیان کرو اس بات پر کہ اللہ تعالیٰ نے تمہیں ہدایت دی ایمان واسلام کی دولت سے نوازا اور پھر توفیق دی اگر ان میں سے ایک چیز بھی نہ ہوتی تو کہاں کا رمضان اور کہاں کا روزہ دنیا میں پچاسوں قومیں ہیں، سینکڑوں قومیں ہیں وہ اتنا جانتی ہیں کہ رمضان کا مہینہ مسلمانوں میں آتا ہے جیسے ہمارے یہاں مہینہ آتا ہے انہیں

پتہ بھی نہیں چلتا کہ کہ رمضان آیا اور کب ختم ہو گیا ان کے مہینوں اور رمضان میں کیا فرق ہے۔ تو یہاں چیز تو یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں ہدایت دی، ہم کو اسلام کی دولت سے نوازا جس نے ہمیں صحت دی، ایسی صحت جس سے روزہ رکھ سکیں اور اس کے بعد سب سے بڑی چیز یہ ہے کہ توفیق دی سب کا انحصار توفیق پر ہے ہی ساری چیزیں جمع میں مگر توفیق نہیں تو کچھ بھی نہیں یعنی روزہ رکھنے کے لئے جن جن چیزوں کی ضرورت ہے، عمر! تو اللہ کے فضل سے زندگی ہے، جوانی چاہئے، بلوغ چاہئے تو وہ بھی موجود ہے صحت چاہئے تو وہ بھی موجود ہے، اور روزے کے مسائل معلوم ہونے چاہئیں تو وہ بھی معلوم ہیں حکومت روکتی، قانون روکتا یا ڈاکٹر ہی نے کہا ہوتا کہ تمہارے لئے روزہ رکھنا نامناسب ہے نقصان دہ ہے تو یہ بھی نہیں ہے پھر روزہ کیوں نہیں ہو رہا ہے، توفیق نہیں۔

توفیق کا مطلب:

توفیق وہ چیز ہے جس کا ترجمہ کسی زبان میں نہیں ہو سکتا، توفیق کا مطلب یہ ہے کہ اللہ کا رحمت کا ارادہ کرنا، اور اللہ تعالیٰ کا اس کے دل میں خیال اور جذبہ ڈال دینا کہ یہ کام کرنا ہے، تمہارے رکاوٹوں اور موانع کو ہٹا دینا ہے، اور پھر اللہ تبارک وتعالیٰ کا یہ فیصلہ کرنا کہ یہ کام ہو، یہ شخص روزہ رکھے، نماز پڑھے ان سب کے مجموعے کا نام توفیق ہے، اتنی لمبی جو ہم نے عبارت بیان کی ہے وہ عربی کے قرآن مجید کے ایک لفظ میں آ گیا ہے، اس کا نام ہے "توفیق"۔

آپ دیکھیں گے، اپنے محلہ میں دیکھیں گے، کہ ماحول موجود، سارے اسباب موجود، شرائط موجود، فضا موجود، لیکن روزہ نہیں اس لئے کہ توفیق نہیں، اب اللہ نے تم کو ساری چیزیں، اور ساتھ میں توفیق بھی عطا فرمائی، اس پر اللہ کی بڑائی بیان کرو "**ولتکبروا اللہ علی ما ھداکم**"

اس کو چھٹی نہ ملی جس کو سبق یاد ہوا:

چنانچہ مسنون بھی یہ ہے کہ عید آئے عید الفطر ہو تو آہستہ آہستہ تکبیر کہتا ہوا آئے، اور عید الاضحیٰ ہو تو ذرا بلند آواز سے "**اللہ اکبر اللہ اکبر لا الہ الا اللہ واللہ اکبر اللہ اکبر وللہ الحمد**" پکارتا ہوا آئے، اور مسنون یہ ہے کہ ایک راستہ سے آئے، اور دوسرے راستہ سے

جائے، تاکہ ساری فضا اس سے معمور ہو جائے، اور وہاں کے رہنے والوں کے کانوں میں یہ فضا پڑ جائے، اور وہ زمین گواہی دے، اور جب تک عید کی نماز کے انتظار میں بیٹھا رہے یہ کہتا رہے" ولتکبرو اللہ علیٰ ما ھداکم ولعلکم تشکرون. "تاکہ تم شکر کرو، کہ اللہ نے ہمیں توفیق دی، اللہ نے ہم سے روزے رکھوا دیئے، کوئی بیماری وغیرہ کے باعث چھوٹ گیا تو اس کے لئے بھی نیت اچھی کی، اور دنیا میں جتنے بھی خوشی کے تہوار ہیں۔ سب میں خوشی ہوتی ہے، یعنی اس میں جو فرائض ہوتے ہیں، روزہ مرہ کا جو معمول ہے، وہ بھی معاف ہو جاتا ہے۔ لیکن اسلام تنہا مذہب ہے، کہ اس میں خوشی کے دن کام بڑھا دیا جاتا ہے، کام ایسا بھاری نہیں ہوتا کہ آدمی کہے کہ کام نہیں ہوتا، نہیں بلکہ کام ایسا مبارک ہوتا ہے، ترقی دینے والا ہوتا ہے اور معقول ہوتا ہے، اور انسانیت و شرافت کا ہوتا ہے، جو دو رکعتیں آپ نے پڑھیں وہ روزہ کی نہیں ہوتیں، ہاں کوئی اشراق و چاشت پڑھے، جو فرض و واجب نہیں ہیں، لیکن عید کی نماز بڑھا دی گئی، اور تہوار آپ دیکھیں گے تو اس میں عبادات معاف ہو جاتے ہیں، کوئی پوجا کرے یا نہ کرے چرچ جائے نہ جائے، کرسمس ہے چھٹی کا دن ہے اور یہاں تو کام بڑھا دیا گیا کہ فجر کی نماز پھر ظہر کی نماز درمیان میں دوگانہ اور بڑھائیں، یہ ہے اسلام میں شکر کا طریقہ چھٹی نہیں ہے، بلکہ بات یہ ہے

اس کو چھٹی نہ ملی جس کو سبق یاد ہوا

اس امت کو سبق یاد ہو گیا ہے۔ الحمد للہ! ساری امتیں سبق بھلا بیٹھیں، بات یہ ہے کہ روئے زمین میں کوئی امت ایسی نہیں جس کو سباق سبق یاد ہو تنہا یہ امت ہے جس کو سبق یاد ہے، کچا پکا جیسا بھی ہو، تو جب اسکو سبق یاد ہوا چھٹی نہیں ملی، سبق یاد کرنے والے لڑکے کو، مکتب میں پڑھنے والے کو چھٹی نہیں ہے، بلکہ اس کی ذمہ داریاں ہیں اور اس کو اپنی اس نعمت کا شکر ادا کرنا چاہئے، اس سے اس میں اضافہ ہوگا کمی نہیں ہوگا۔

تو دو رکعت یہ، اور فطرہ الگ دینا پڑتا ہے، ہر وقت کی بات نہیں دوسرے ادیان کے تہواروں میں یہ نہیں بلکہ وہاں تو کھاؤ پیو، وہاں معاملہ یک طرفہ ہے اور یہاں لینے سے زیادہ دینا ہے، غریبوں کو فطرہ دو اللہ کی سامنے دو رکعت شکرانہ کی نماز پڑھو، اور پھر تکبیر پڑھو اور اللہ کا شکر ادا کرو" ولتکبروا اللہ علیٰ ما ھداکم ولعلکم تشکرون."

دنیا حقیقی عید سے محروم ہے:

یہ ایسا تہوار ہے کہ امت کو اس میں چھٹی نہیں ملتی، اور اب ضرورت ہے کہ ہم مسلمان اپنے دین پر از سر نو قائم اور پختہ ہوں، اس دین کا ایسا مظاہرہ کریں اور دین کا ایسا نمونہ پیش کریں دنیا کے سامنے لائیں کہ دنیا کی بھی عید ہو جائے بہت دن سے دنیا کی عید نہیں ہوئی ہے، دنیا عید سے محروم ہے، دنیا حقیقی عید سے محروم ہے، یہ سب جعلی باتیں ہیں، کہاں کا کرسمس، اور کہاں کی ہولی دیوالی، لیکن دنیا کی حقیقی عید صدیوں سے نہیں ہوئی، اور پھر مسلمان مسلمان بن جائیں، دنیا کی عید ہو سکتی ہے، دنیا حقیقی عید کو ترس رہی ہے، نہ امن ہیں نہ اخلاق ہیں، نہ انسانیت ہے، نہ شرافت ہے، نہ قدر شناسی ہے، نہ خدمت کا جذبہ ہے، نہ خدا کی یاد ہے، نہ خدا کی شناخت ہے اور نہ پہچان ہے، کچھ نہیں ہے، کہاں کا تہوار، سارے تہوار جو ہیں، یہ بچوں کے سے کھیل ہیں۔ جیسے بچوں کی کوئی ذمہ داری نہیں، کھیلیں، کودیں، کھائیں، پئیں اور خوش وخرم رہیں۔ کچھ فکر نہیں، ایسی ہی دنیا کی قومیں بچوں کی طرح خوشیاں منا رہی ہیں، لیکن حقیقی خوشی نصیب نہیں، آج دنیا کو عالمی سطح پر ایک عید کی ضرورت ہے، وہ عید مسلمانوں کی کوشش سے ہی آ سکتی ہے، لیکن افسوس ہے کہ مسلمان خود اپنی عید کا شکر صحیح طریقہ سے ادا نہیں کر پاتے اور اس کے معنی صحیح طور پر نہیں سمجھتے، آپ جہاں رہیں ثابت کریں کہ آپ کوئی اور قوم ہیں، افسوس کہ اس کو آنکھ ترس رہی ہے، سب ایک جیسے، وہ بھی رشوت لیتے ہیں، ہم بھی رشوت لیتے ہیں، وہ بھی سود کھاتے ہیں، ہم بھی سود کھاتے ہیں، وہ بھی پیسہ کا پجاری ہے، بھوکا اور شائق ہے، یہ بھی پیسہ کا بھوکا ہے، یہ بھی آرام طلب ہے، وہ بھی آرام طلب اس کو بھی کسی کی فکر نہیں کہ دنیا میں کیا گذر رہی ہے، محلہ پڑوس میں کیا گذر رہی ہے۔ یہ بھی ایسا ہی، مسلمان ایسا نہیں ہو سکتا اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ " **ویجعل لکم فرقاناً**"، تم حقیقی مسلمان بنو گے اللہ سے ڈرو گے تو اللہ تمہیں شان امتیازی عطا فرمائے گا، دور سے پہنچانے جاؤ گے۔

دیکھو مسلمان آ رہا ہے، یہ حالت تھی قرون اولی میں، کہ ملک کے ملک مسلمان ہوئے، مسلمانوں کو دیکھ کر، سمجھانے بجھانے میں، دلیل لانے مطمئن کرنے میں تو برسوں لگ جاتے ہیں، تو کیا بات ہے، مصر پورا کا پورا مسلمان ہو گیا، تہذیب بدل گئی، رسم الخط بدل گیا، طور و

طریق بدل گیا، اور اسی طرح گیا عراق پورا کا پورا مسلمان تھا، گیا شام پورا کا پورا مسلمان تھا سب دوسرے ادیان کے ماننے والے تھے، عیسائی تھے، یہودی تھے، اور بت پرست، زبانیں جداگانہ تھیں، اور کلچر بھی الگ، تو گویا کہ سانچہ میں ڈھال دیا گیا ہو مشین سے ڈھلا ڈھلایا نکلا ہو، ہندوستان میں یہ نہیں ہوا، جو لوگ آئے ان کے اندر یہ روح نہیں تھی، جو عربوں میں تھی کہ وہ جہاں جاتے تھے، پورا کا پورا ملک مسلمان بنا دیتے تھے، ساتھ کھانا، ساتھ پینا، اونچ نیچ سب ختم، سب انسان ہیں، کوئی فرق نہیں، حدیث شریف میں آتا ہے۔

"ان اباکم واحد وان ربکم واحد کلکم من آدم، وآدم من تراب لا فضل لعربی علی عجمی ولا لعجمی علی عربی الا بالتقوی۔"

تمہارے باپ بھی ایک تھے، تمہارا رب بھی ایک، اب باپ بھی ایک، رب بھی ایک، الخ۔

چنانچہ جہاں عرب گئے، وہاں دین بدل گیا، تہذیب بدل گئی، رسم الخط بدل گیا، لباس بدل گیا، زبان بدل گئی لیکن افسوس کہ مسلمانوں نے یہاں ہندوستان میں ۸ سو سال حکومت کی مگر کوئی فرق نہیں ہوا، کوئی تبدیلی نہیں آئی، کیونکہ ہم میں مساوات نہیں، ہم میں اخوت نہیں، یہاں حاکم ومحکوم کا فرق، اور وہاں حاکم ومحکوم کا فرق نہیں رہا، اللہ ہمیں آپ کو توفیق دے کہ ہم جہاں جائیں اسلام کا نمونہ پیش کریں، سچ تو اسلام کا نمونہ پیش کریں، ہماری نگاہیں نیچی ہوں، نامحرم پر نظر نہ پڑے، اور اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:۔

"وعباد الرحمن الذین یمشون علی الارض ہونا واذا خاطبہم الجاہلون قالوا، سلاماً"

ہم اس طرح چلیں کہ کسی کو تکلیف نہ ہو، ہم راستہ کے کانٹے ہٹائیں، ہم پانی کو ضائع ہونے سے بچائیں، ہم ہمسایہ کیا، شہر میں کسی بھی رہنے والے کو تکلیف نہ ہونے دیں، ہم ضرورت پر مدد کرنے کو تیار رہیں، لوگ دیکھیں کہ پیسہ روپیہ ان کے نزدیک فیصلہ کن نہیں ہے، فیصلہ کن ارادہ الٰہی ہے، فیصلہ کن حکم الٰہی ہے، یہ بڑی سے بڑی رقم چھوڑ سکتے ہیں، لاکھوں کی رقم پر لات مار سکتے ہیں، ٹھوکر مار سکتے ہیں۔ مگر اصول کی خلاف، شریعت کے خلاف نہیں جا سکتے، یہ نمونہ آج دکھانے کی ضرورت ہے، اللہ جل شانہ ہمیں اپنی جگہ پر بھی مسلمان بنائے، اور دوسروں کے لئے بھی ایسا پرکشش، جاذب نظر، قابل احترام مسلمان بنائے کہ لوگوں کے دل

اسلام کی طرف کھنچیں اور بڑھیں۔ اخیر میں اللہ تعالی سے دعا ہے کہ وہ ذات ہمیں دین اسلام جیسی متاع بیش بہا کی قدردانی نصیب فرمائے۔

وآخر دعونا ان الحمد لله رب العالمين.

اللہ کی سب سے بڑی نعمت ایمان ہے

الحمد لله رب العالمين والصلاة والسلام على سيدنا محمد وعلىٰ آله وصحبه اجمعين ومن دعا بدعوتهم الى يوم الدين .

حضرات:۔ یہ موقع بار بار نہیں آتا، میں آپ سے کیا کہوں۔ اللہ نے اہل جنت کی زبان سے کہلوایا ہے۔ الحمد لله الذى هدانا لهذا وما كنا لنهتدى لولا ان هدانا الله، سب شکر اور سب احسان ہے اس پروردگار کا جس نے ہم کو یہاں تک پہنچایا، ہم یہاں تک نہیں پہنچ سکتے تھے اگر اللہ ہماری دستگیری اور رہنمائی نہ فرماتا، پھر اللہ تعالیٰ ان کی زبان سے بڑے کام کی بات ادا کروا رہا ہے۔ کہ کوئی یہ نہ سمجھے کہ ہم اپنی ذہانت، اپنے علم، اپنی محنت اور نسبی شرافت سے، اپنی دولت اور بلندی کے ذریعہ یہاں تک پہنچے ہیں۔ لقد جاءت رسل ربنا بالحق ۔ یہ سب فیض اور صدقہ ہے ان پیغمبروں کا جنھوں نے ہمیں یہ راستہ دکھایا اور پھر اللہ نے توفیق دی کہ ہم اس راستے پر پڑے۔

بھائیو اور بزرگو! اللہ تعالیٰ کے ہم پر آپ پر بہت سارے انعامات ہیں۔ پہلی بات تو یہ ہے کہ جو انعامات اور احسانات کی جڑ ہے، وہ زندگی ہے کہ اللہ نے ہم کو اس دنیا میں بھیجا، اگر وہ نہ بھیجتا اور ہم اس دنیا میں نہ آتے تو کچھ بھی نہ ہوتا۔ نہ ہدایت ہوتی نہ اللہ کے رسول کی اطاعت ہوتی، نہ مدرسے قائم ہوتے، نہ قرآن مجید حفظ کیا جاتا ہے نہ دین کی تعلیم حاصل کرتے، نہ اللہ کا قرب حاصل کرتے، نہ حج کرتے، نہ زکوۃ دیتے، دیکھئے جب آدمی کسی جگہ پہنچ جاتا ہے تو اس کو خیال آتا ہے کہ یہ ہمارا کمال ہے اور یہ ہماری محنت، ہماری بصیرت ہے، ہماری ذہانت ہے، اور ہماری جفاکشی ہے، ہماری خوش قسمتی ہے، یہ سب خیالات آدمی کو آتے ہیں لیکن لوگ جنت میں پہنچیں گے تو کہیں گے الحمد لله الذى هدانا، بہت شکر ہے اللہ کا، یہاں اپنی ذہانتوں، اپنی عبادتوں اور ریاضتوں اور اپنے مطالعے سے نہیں پہنچے اس لئے کہ دنیا کو ہم دیکھ رہے ہیں،

دنیا والوں کے پاس سب چیزیں موجود ہیں۔ روس اور امریکہ والوں کے پاس کیا کچھ نہیں ہے، علم نہیں ہے، ذہانت نہیں ہے، کمالات نہیں ہیں، ایجادات نہیں ہیں، تجربے نہیں ہیں، بڑے بڑے ماہرین فن نہیں ہیں؟ لیکن ہدایت سب کو نصیب نہیں، ہدایت بھی ان ہی لوگوں کو نصیب ہوتی ہے، جن کو کوئی ایسا ہدایت والا مل جاتا ہے، اور اللہ ہی ان کو ہدایت دینا چاہتا ہے، تو یہ پورا جملہ بالکل ایک معجزہ ہے، جو اللہ نے کہلوایا ہے، اللہ نے اس کو قرآن مجید میں اس لئے جگہ دی ہے، جو بات اہل جنت، جنت میں پہنچ کر کہیں گے اللہ نے وہ بھی اپنے کلام میں داخل کر دیا۔ اسے سکھانے کے لئے۔

پہلی بات یہ ہے کہ ہم اسے سمجھیں، یہ سب اللہ کا احسان ہے، یہ دیکھئے کہ جس علاقے میں آپ ہیں، سارا ہندوستان، جیسے آپ کا ضلع غازی پور اور پھر پورا یوپی، پھر اور بڑھ کر ایشیا اور پھر بڑھ کر دنیا کتنے آدمی ہیں جن کو ہدایت ملی، کتنے آدمی ہیں جو کلمہ پڑھتے ہیں، کتنے آدمی ہیں جو خدا کو پہچانتے ہیں، اور اس کو پیدا کرنے والا سمجھتے ہیں۔ الا لہ الخلق والامر رب العالمین سمجھتے ہیں، کیا ذہانت، علم اور مطالعہ کی کمی ہے، محنت کی کمی ہے، کس چیز کی کمی ہے، کمی ہے تو صرف توفیق الٰہی کی، پہلے تو آپ یہ شکر کریں کہ اللہ نے آپ کو زندگی عطا کی، انسانوں کا یہ جنگل ہے، یہ انسانوں کی آبادی ہے، جس میں کیسے کیسے پڑھے لکھے لوگ ہیں، بڑے بڑے اسکالر اور اسپیشلسٹ ہیں، بڑے بڑے ذہین ہیں، لیکن ہدایت سے محروم، کلمہ بھی نصیب نہیں، دنیا کے پیدا کرنے والے کی پہچان و معرفت بھی نہیں کہ دنیا کو کس نے پیدا کیا، اور کون چلا رہا ہے، سب کر رہے ہیں مگر یہی نہیں معلوم، اگر ہم یہ نہیں جانتے کہ یہ کونسی جگہ ہے، یہ مدرسہ ہے یا ایسے ہی کسی کا گھر ہے، ہم تھوڑی ہی دیر ٹھہرے ہیں اور کون ہمیں ٹھہرا رہا ہے اور کون ہمیں آرام پہنچا رہا ہے اور کون ضرورت کی چیزیں مہیا کر رہا ہے، اور کون ہمارا استقبال کر رہا ہے، تو آپ کیا کہیں گے، سوچئے تو لوگ اس دنیا میں ساٹھ ساٹھ برس، ستر ستر برس گزار رہے ہیں، کتب خانے کے کتب خانے موجود ہیں، سائنس کی بڑی سے بڑی تجربہ گاہیں موجود ہیں، لیکن کسی کو خبر نہیں کہ دنیا کو بنانے والا کون ہے، چلانے والا کون ہے، اور ہدایت کیا چیز ہے۔ کونسا عقیدہ صحیح ہے، کونسا غلط ہے، اس دنیا کا پیدا کرنے والا کون ہے، اس کی کیا صفات ہیں، اس کا ہم پر کیا حق ہے، یہی نہیں جانتے، ہم آپ کو مبارکباد دیتے ہیں کہ اللہ نے آپ سب پر اتنا بڑا انعام

فرمایا کہ اس جنگل اور اس علاقہ میں اللہ نے اپنے نیک بندوں کو بھیجا، انہوں نے آپ کو دین کی دعوت دی اور رشتے قائم کئے تھوڑا سا ہمارا بھی رشتہ ہے کہ آپ کے یہاں جو بزرگ آئے جن کا نام بار بار لیا گیا ہے، شیخ صلاح الدین صاحب کڑا مانک پور سے آئے اور کڑا مانک پور ہمارا وطن ہے، ہمارا جدی وطن ہے، قطب الدین چشتیہ جو مدینہ طیبہ سے آئے تھے، جو قطب مدنی کہلاتے ہیں، ہم سب لوگ ان کی اولاد میں ہیں، ہمارا یہ رائے بریلی، فتح پور ہنسوا، مانک پور، الہ آباد، پھر پاکستانیوں میں بیسوں نہیں بلکہ سینکڑوں ہوں گے، ہمارے خاندان کے، یہ سب قطب الدین کی اولاد میں ہیں۔

کوئی اپنے کو قطبی، کوئی حسنی اور کوئی مدنی لکھتا ہے تو ہمارا آپ کا ایک رشتہ بھی نکلا۔ آپ کے بزرگ محسن اور مربی صلاح الدین صدیقی صاحب کڑا مانک پور سے آئے اور ہم لوگ پہلے کڑا مانک پور ہی میں بسے، وہیں قطب الدین رحمۃ اللہ علیہ کا مزار ہے، ان کی اولاد میں بڑے چوٹی کے عالم اور بڑے بڑے مجاہد پیدا ہوئے۔ بڑے بڑے مصلح پیدا ہوئے، جن میں سید احمد شہید رحمۃ اللہ علیہ سب سے زیادہ مشہور ہیں، جن کی وجہ سے ایک نیا دور شروع ہوا، اس سے اندازہ کیجئے کہ تیس لاکھ تو ان لوگوں کی تعداد ہے جنہوں نے ان کے ہاتھ پر بیعت کی اور شرک وکفر سے توبہ کی اور چالیس ہزار ان کے ہاتھ پر مسلمان ہوئے یہ معتبر اعداد وشمار ہیں جو کتابوں میں لکھے ہوئے ہیں۔ حد تو یہ تھی کہ جس نے ان کے ہاتھ میں ہاتھ دیا اسی وقت اس کو شرک سے نفرت ہو جاتی، بدعت اور بداخلاقیوں سے نفرت ہو جاتی تھی۔ کچھ کہنے کی ضرورت نہیں تھی۔ اس کی زندگی نئے سانچے میں ڈھل جاتی تھی۔

یہ بات تو تسلسل سے سنی گئی ہے اور لکھی گئی ہے اور ہم نے کتابوں میں پڑھا ہے اور بزرگوں سے سنا ہے اور جتنے محقق اور انصاف پسند لوگ ہیں سب اس کو مانتے ہیں، سب سے اہم چیز یہ ہے کہ آپ اس دولت کی حفاظت کریں، اس دولت ہدایت کی حفاظت کریں، **الحمد للہ الذی ھدانا لھذا** شکر ہے اس خدا کا جس نے ہم کو یہاں تک پہنچایا اور ہمیں ہدایت دی، آپ کا یہاں آنا مبارک، آپ کے مکانات مبارک، آپ کی کھیتیاں مبارک، اولاد بھی مبارک، بیٹے، پوتے، نواسے سب مبارک۔ اللہ ان کی زندگیوں میں برکت دے اور ان کو توفیق دے، لیکن سب سے جو بڑی نعمت آپ کے پاس ہے وہ کلمہ کی نعمت ہے۔ آپ اس کو

خوب اچھی طرح سے لکھ لیجئے کہ یہ سب چیزیں کام آنے والی نہیں تھیں اور یہ زندگی کتنی ہے، اسی نوے برس کی عمر ہوئی، اس کے بعد کچھ نہیں وہاں یہی کلمہ کام آئے گا۔ یہی نمازیں کام آئیں گی، نہ شہرت نہ عزت کام آئے گی، کوئی چیز کام نہیں آئے گی، اس وقت ہم جو کچھ آپ سے تھوڑے سے وقت میں کہہ سکتے ہیں وہ یہ کہ اپنے ایمانوں کی خوب حفاظت کیجئے اور اپنی اولاد کے ایمان کی بھی حفاظت کیجئے اور اس کی فکر رکھئے، ہم نے کئی بار اپنی تقریروں میں کہا کہ حضرت یعقوب علیہ السلام خود پیغمبر، باپ پیغمبر، دادا پیغمبر اور ان کے اوالد پیغمبر کی چوتھی پشت تھی، جیسے ہی انہوں نے آنکھ کھولی اور ہوش سنبھالا ان کے کان میں جو آواز پہنچی وہ یہ کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں، کوئی اس کارخانے کو چلانے والا نہیں، کوئی روزی دینے والا نہیں اور کوئی جلانے اور مارنے والا نہیں۔ بچپن سے دین گھٹی میں پڑا تھا، لیکن یعقوب علیہ السلام کی نبوت کی شان تھی اور دین سے محبت تھی اور اولاد سے بھی محبت کا تقاضا تھا، انہوں نے کہا جب وہ سمجھ گئے کہ اب زیادہ رہنا نہیں بالکل آخری وقت ہے، سب بچوں کو جمع کیا۔ بیٹے بھی ہوں گے، پوتے بھی ہوں گے، نواسے بھی ہوں گے، انہوں نے اچھی عمر پائی۔ انہوں نے کہا "ما تعبدون من بعدی" بیٹو، پوتو، نواسو، یہ بتادو کہ میرے بعد تم عبادت کس کی کروگے؟ اگر کوئی پوچھتا کہ حضرت یہ بات پوچھنے کی ہے، یہ کس کے بیٹے ہیں، کس کے پوتے ہیں، کس کے پرپوتے، کس کی اولاد ہیں، آپ کے گھر میں سوائے اللہ کی عبادت کے دیکھا کیا، کیا بت کبھی گھسنے بھی پائے تھے، اس کو ٹھوکر مار کر ایک گندگی کی طرح نکال دیتے، اللہ کے علاوہ کسی کا نام لیتے تو طمانچے مارتے اور اس کو گھر سے نکال دیتے، تم ہمارے گھر میں اللہ کے علاوہ غیر اللہ کا نام لیتے ہو! اس گھر میں دیکھا کیا ہے، سنا کیا ہے، اس گھر میں کسی سے پوچھنے کی ضرورت کیا، جب محبت ہوتی ہے تو فکر ہوتی ہے:

عشق است و ہزار بدگمانی

عشق ہے اور ہزار بدگمانیاں، تو اب ہم مسلمانوں کو دین سے وہ محبت نہیں رہی، سب کچھ کریں گے اپنی اولاد کے لئے، کہاں سے کھائیں گے، کیا ان کو پڑھانا چاہئے، اور ذرا سا بیمار ہو تو حکیم، ڈاکٹر اور سب کچھ لائیں گے، لیکن اس فکر نہیں کہ اس کا ایمان باقی رہے گا یا نہیں، ہمارے بعد اس راستے پر رہیں گے یا کسی اور راستے پر چلے جائیں گے، اب مسلمانوں کو اس کی

فکر بہت کم ہوگئی ہے، اس کا نتیجہ ہے کہ آئندہ نسل کی کوئی ضمانت نہیں، اطمینان نہیں کہ یہ بھی توحید کی قائل ہوگی، خدا کے علاوہ کسی کو خالق، رازق نہیں سمجھے گی، ہماری اولاد اسی سے مانگے گی، اسی کے سامنے ہاتھ پھیلائے گی، اسی سے ڈرے گی، پھر دین اسلام پر فخر کرے گی، اور سب کچھ دینے کے لئے تیار ہوجائیگی، جائیداد تک، لیکن دین وایمان کا سودا کرنے کے لئے تیار نہیں ہوگی، سر کاٹ دیا جائے گا مگر اللہ کے سوا کسی کے سامنے سر جھکانے کو تیار نہ ہوگی۔ اس وقت ہندوستان میں خطرہ پیدا ہوگیا ہے کہ ''ماتعبدون من بعدی'' کوئی کہنے والا نہیں رہ گیا ہے، اپنی اولاد سے پوچھے کہ ہمارے بعد تم کس راستہ پر چلو گے، کس دین میں رہو گے، یہ سب ضروری ہے، یہ تو زندگی میں کرنے کا کام ہے، ایسا نظام بنا کر جائیں کہ آپ کی اولاد اس دین پر قائم رہے، صرف قائم ہی نہ رہے، بلکہ دین کی غیرت اور دین کا جوش ہو اس کے اندر، اور اس کو دین پر فخر ہو، خدا کا شکر ہے کہ دیکھ کر اطمینان ہوا کہ انشاء اللہ یہاں سے یہی چیز پھیلیں اور پیدا ہونگی، اللہ تعالیٰ مبارک فرمائے، اب کچھ زیادہ کہنا نہیں چاہتا، بہت دیر سے پروگرام چل رہا ہے، اپنے عقیدے کی حفاظت کریں، اور اپنی آئندہ نسل کے متعلق اطمینان حاصل کرلیں، اللہ نے حضرت یعقوب علیہ السلام کو موقع دیا، ہر ایک کو یہ موقع نہیں ملتا، معلوم نہیں آپ کہاں ہوں، آپ کی اولاد کہاں ہو، یہیں رہ کر اور ابھی سے اس کا اطمینان کریں۔ اللہ نے حضرت یعقوب علیہ السلام کا قصہ سنا کر ہمیں غیرت دلائی اور احساس دلایا کہ دیکھو، یہ ہوتی ہے محبت دین کے ساتھ، حضرت یعقوب علیہ السلام نے کہا دیکھو بیٹو، پوتو، نواسو، میری پیٹھ قبر سے لگے گی نہیں، جب تک میں یہ نہ سن لوں، اور یہ سن کر نہ جاؤں کہ تم لوگ صحیح دین، اللہ کے دین اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کے دین پر قائم رہو گے، یہ بتادو، پھر ہم قبر میں چین سے سوئیں گے۔

ان سب نے کہا نعبد الٰھک والہ آباء ک ابراھیم واسحق الٰھا واحدا ہم عبادت کریں گے آپ کے معبود کی، آپ کے باپ کی اور چچا اور دادا کے معبود کی، تب ان کو اطمینان ہوا۔

بس اسی پر اکتفا کرتا ہوں، اپنے دین کو قائم رکھنے کی کوشش کریں، اس پر ذرا آنچ نہ آنے پائے، اپنے عقیدہ توحید پر، عقیدہ آخرت پر دھبہ نہ آنے پائے، پھر اچھے اخلاق پر، جو غیر

مسلموں کے لئے باعث کشش ہو اور وہ اسلام کے مطالعہ کے لئے آمادہ ہوں کہ یہ کونسا دین ہے، جس کی وجہ سے ان لوگوں میں یہ بات ہے، آپ کی نگاہیں نیچی ہوں، آپ کے اخلاق درست ہوں، آپ کے اندر انسانی ہمدردی ہو، آپ کے اندر اس فساد سے نفرت ہو جو اس وقت ہندوستان میں پھیلا ہوا ہے، کیا ہو رہا ہے۔ روپیہ پوجا جا رہا ہے، دلہنیں ماری اور جلائی جا رہی ہیں، کم جہیز لے کر آئی، ابھی ایک مسلمان نے اپنی بہو کو جلا دیا کہ وہ کم جہیز لے کر آئی تھی۔ حالانکہ خبر میں لکھا ہے کہ جتنا زیادہ سے زیادہ جہیز دیا جا سکتا تھا، لے کر آئی تھی۔

ان چیزوں سے آپ کو نفرت ہو، آپ کا نمونہ ہندو بھائی کے سامنے ایسا آئے کہ وہ کہیں کہ تم نے یہ کہاں سے سیکھا، تم کو یہ کس نے بتایا، مجھے بھی بتاؤ، تمہاری نگاہیں نیچی رہتی ہیں، تم میں خدا کا ڈر ہے، تمہارے اخلاق درست ہیں، تم کسی اور کے پجاری نہیں ہو، تم اللہ کے پجاری ہو، اگر آپ یہ کریں گے تو اسلام پھیلے گا اور آپ کے دائرہ سے نکل کر دوسرے لوگوں کے دائرہ تک پہنچے گا۔ اور اس دائرہ میں پہنچنے سے آپ کے دائرہ کی بھی حفاظت ہوگی، اور آپ کی اولاد کے متعلق اطمینان ہوگا، ان کے چاروں طرف سے دین کا احترام اور دین کی قدر ہے، سب مسلمان نہ ہوں، لیکن سب اسلام کا احترام کریں اور دین کی قدر کریں، اللہ ہم سب کو توفیق دے۔

وما علینا الا البلاغ المبین

افغانی قوم کے انقلاب اور ان کی قوت کا سرچشمہ

یہ تقریر کابل یونیورسٹی کے ہال میں اساتذہ اور طلبہ کی ایک بڑی تعداد اور سعودی سفیر کی موجودگی میں کی گئی ہال حاضرین سے بھرا ہوا تھا

محترم سفیر صاحب سعودی عرب وائس چانسلر سربراہان شعبہ جات اساتذہ کرام اور عزیز طلبہ!

اس وقت میرا دل مسرت کے جذبات سے لبریز ہے کہ ان روشن اور تابناک چہروں اور معزز و محترم حضرات کے سامنے کھڑے ہونے کا زریں موقع نصیب ہوا عرصہ سے میرے دل میں یہ تمنا کروٹیں لے رہی تھی کہ اس عزیز و محبوب ملک کو قریب سے دیکھنے کی سعادت حاصل کروں جس کے بارے میں میں نے بہت کچھ سن رکھا تھا بہت کچھ پڑھ چکا تھا اور میں کہہ سکتا ہوں جیسا کہ بعض مواقع پر کہا بھی کہ اس کی تاریخ میں اس کے غزوات اور اس کی فتوحات کی داستانوں میں میں نے زندگی گذاری ہے اس کی جینیس اور مجتہد شخصیتوں کی فتح و ظفر سے بہرہ مند سورماؤں اور غیر معمولی افراد کے حالات وتراجم میں اپنی عمر کا بڑا حصہ صرف کیا ہے جنہوں نے علم اور اسلام کے نور سے ان سربفلک پہاڑوں کے اس پار ہندوستان اور اس کے پڑوسی ملکوں کو منور کیا اس لئے سعادت و مسرت کا احساس نہ غیر فطری ہے نہ اس میں کوئی تعجب کی بات ہے یہ ایک مسلمان کے دلی جذبات ہیں جو ان پہاڑوں کے دامن میں بسنے والے مسلمان بھائیوں سے ملاقات کے وقت ابل رہے ہیں مچل رہے ہیں دوگونہ مسرت اس پر ہے کہ آپ حضرات نے اس مجلس میں شرکت اور خطاب کا موقع عنایت فرمایا میں اپنے دورہ افغانستان اس ملاقات اور اس مجلس میں شرکت کا موقع دینے پر صمیم قلب سے آپ حضرات کا شکر گذار ہوں۔

محترم حاضرین۔ آپ حضرات اور خاص طور سے ادب اور تاریخ کا ذوق رکھنے والے اس بات سے بخوبی واقف ہیں کہ افغانی قوم ان قدیم اقوام میں سے ہے، جو سیکڑوں اور ہزاروں

سال سے آزادی اور عزت و سربلندی کی زندگی گذار رہی ہے اللہ تعالیٰ نے قدیم زمانہ ہی سے اسے غیر معمولی انسانی قوتوں اور صلاحیتوں سے نوازا ہے، دوستو! میرا ذوق تاریخی رہا ہے اور میں اس کے اظہار میں کوئی تکلف محسوس نہیں کرتا کہ تاریخ کے مطالعہ وتحقیق میں میری عمر گذری ہے یہی میرا محبوب ترین موضوع رہا ہے میں اپنے تاریخی ذوق سے مجبور ہو کر آپ حضرات کے سامنے یہ سوال رکھنا چاہتا ہوں کہ کیا وجہ ہے کہ صدیوں تک افغانی قوم دنیا سے بالکل الگ تھلگ رہی دنیا میں گذرنے والے خیر وشر نیک وبد فتح وشکست اور ظلم وستم سے اس کو کوئی تعلق نہیں تھا اس جسد وغیور قیادت کی مستحق زندگی سے بھرپور دست وبازو کی طاقت اور جذبہ کی فراوانی سے بہرہ ور باصلاحیت اور باعزت قوم کے طویل عرصہ تک دنیا سے کنارہ کش رہنے اپنے خول میں بند رہنے اور ایک گوشہ میں محدود رہنے کا راز کیا ہے؟ کیا اس عزلت اور گوشہ نشینی کی وجہ یہ تھی کہ افغانستان اور دنیا کے دوسرے ممالک کے درمیان بلند اور دشوار گذار پہاڑوں کی ناقابل عبور دیوار حائل تھی؟ نہیں میرے دوستو! تاریخ کی شہادت تو یہ ہے کہ آسمان سے باتیں کرتے ہوئے برف پوش اور دشوار گذار پہاڑ کبھی بھی غازیوں اور اولوالعزم فاتحین کی راہ کی رکاوٹ نہیں بن سکے، آپ حضرات واقف ہیں کہ یہ ناقابل عبور اور پیچ در پیچ راستے جن میں انسان کی عقل جواب دے جاتی ہے جو افغانستان کو ہندوستان اور پاکستان سے الگ کرتے ہیں جب اللہ نے اس امت میں سلطان محمود غزنوی شہاب الدین محمد غوری اور احمد شاہ ابدالی جیسے صاحب عزم وہمت پیدا کئے تو یہ اونچی اونچی چوٹیاں یہ خطرناک گھاٹیاں اور یہ دشوار راستے اسلام کے سیل رواں کے سامنے حقیر تنکے ثابت ہوئے پھر کیا یہ قوم قید وبند کی زندگی گذار رہی تھی اور اس کے ہاتھ پاؤں بندھے ہوئے تھے؟ نہیں ہرگز نہیں بار بار یہ قوم اپنی شجاعت کے جوہر دکھا چکی تھی، اپنی صلاحیتوں کا مظاہرہ کر چکی تھی لیکن اس کے باوجود سرسبز وشاداب چراگاہوں مویشیوں اور زرخیز کھیتیوں جیسے محدود وسائل زندگی پر قانع کیوں تھی؟ اس کا جواب آپ کے ذمہ ہے۔

پھر اس کی کیا وجہ ہے کہ تاریخ میں ہم پڑھتے ہیں کہ جب اسلام اس علاقہ میں آیا تو اچانک یہ قوم ہزاروں سال کی نیند سے بیدار ہوئی اور اتنی لمبی چھلانگ لگائی جسکی دوسری قوموں میں مثال نہیں ملتی اسلام کے زیر سایہ آتے ہی یہ لوگ سب سے زیادہ طاقتور سب سے زیادہ

بہادر سب سے زیادہ بلند ہمت دور بیں اور فولادی عزائم کے مالک نظر آنے لگے، یہ قوم بزم کائنات میں شامل ہوئی تو ایسا معلوم ہوا جیسے کوئی مدفون خزانہ یا کوئی سربستہ راز تھا جو اچانک منکشف ہو گیا، یا ان کے جسموں سے بجلی کا کرنٹ چھو گیا تھا یا کوئی جادو کی چھڑی تھی جس نے آن کی آن میں اس قناعت شعار ٹھہری ہوئی پرسکون اور عزلت گزیں قوم کو غیور وجسور ظفر مند اور رواں دواں قوم میں بدل دیا کیا اس طوفانی ندی کے دہانے پر کوئی بڑی سی چٹان پڑی ہوئی تھی جو اس کے زور اور روانی کو روکے ہوئے تھی؟

افغانیوں کی زندگی کے انقلاب کا حقیقی سبب اور اسکی شاہ کلید یہ ہے کہ اللہ تبارک وتعالی نے ان کو اسلام کی برکت سے تین بنیادی اور اہم جوہروں سے نوازا۔

۱۔ طاقتور پیغام اور اس کے اغراض ومقاصد۔

۲۔ نوع انسان خارجی دنیا اور حقائق اشیاء کے بارہ میں وسیع نقطہ نظر۔

۳۔ اللہ کی مدد وتائید پر کامل اعتماد اور جدوجہد کے نتائج پر یقین۔ یہ وہ تین عناصر ہیں جن سے قوم کے کردار کی جدید تشکیل ہوتی ہے اس کو نئی زندگی ملتی ہے اور وہ نئی تاریخ بناتی ہے اور اپنی مخفی طاقتوں اور نامعلوم وسعتوں سے دنیا کو حیران وششدر کر دیتی ہے۔

پہلے اس قوم کے پاس کوئی پیغام یا کوئی بلند مقصد نہیں تھا ایک چھوٹے سے علاقہ تک محدود تھی اپنے جانوروں اور مویشیوں میں مگن رہتی تھی اکثر آپس ہی میں برسر پیکار رہتی تھی اور جیسا کہ ایک عرب شاعر نے کہا ہے۔ ع

واحیانا علی بکرا خینا
اذا مالم بخد الا اخانا.

(اور جب جنگجو فطرت کو جوہر دکھانے کیلئے کوئی دشمن نہیں ملتا تو ہم اپنے بھائی بندوں ہی کو تاکتے ہیں)

اور جنگوں اور آویزشوں کا انجام اخلاقی اور روحانی بے مائگی کی شکل میں ظاہر ہوتا ہے زمانہ جاہلیت میں عرب خانہ جنگی میں مصروف رہتے تھے ایک قبیلہ دوسرے قبیلہ کو تاخت وتاراج کرتا ایک شاخ دوسری شاخ پر دھاوا بولتی اور ایک خاندان دوسرے خاندان کی تاک میں رہتا اسی طرح افغانیوں کے سامنے بھی اپنی خون آشام فطرت کی تسکین اپنی جنگ کی پیاس

بجھانے اور خطر پسند طبیعت کو مطمئن کرنے کے لئے خانہ جنگیوں چراگاہوں اور جانوروں کے لئے لڑائیوں قبائلی یا انفرادی غیرت ونخوت کے اظہار یا نام نہاد اور خیالی اہانتوں کا بدلہ لینے کے لئے برسرپیکار ہونے کے علاوہ اور کوئی میدان نہیں ملتا تھا ایک عرب شاعر نے حقیقت کی صحیح ترجمانی کی ہے۔ ع

النار تاكل نفسها
ان لم تجد ماتأ كله

(آگ کو جلانے کے لئے کچھ نہیں ملتا تو خود اپنے آپ کو جلا ڈالتی ہے)

لیکن جب اسلام آیا تو عربوں کے سامنے ایک بلند مقصد اور انسانیت کے لئے ایک طاقتور پیغام آ گیا یہی حال افغانیوں کا ہوا اسلام سے پہلے یہ صرف اپنے لئے زندگی گذارتے تھے اور اب اللہ کا یہ فرمان ان کے کانوں کی راہ سے دل میں اتر رہا تھا۔

كنتم خير امة اخرجت للناس تامرون بالمعروف و تنهون عن المنكر و توئمنون بالله. (آل عمران . ١١٠)

تم بہترین امت ہو انسانوں کے لئے خاص طور پر بنائے گئے ہو بھلائیوں کا حکم دیتے ہو برائیوں سے روکتے ہو اور اللہ پر ایمان رکھتے ہو۔

اور ان کے ذہن ودماغ میں یہ بات جاگزیں ہوگئی کہ وہ باغوں اور کھیتوں میں آپ سے آپ اگ جانے والے خودرو گھاس پھوس نہیں ہیں بلکہ بجائے خود مقصود ومطلوب ہیں ان کے ساتھ بلند مقاصد ہیں ان کی ذمہ داریاں ہیں جدوجہد اور کارکردگی کے نشانے متعین ہیں ان کے دلوں میں یہ بات جم گئی کہ وہ ایسی امت ہیں جو انسانوں کے لئے خاص طور سے بنائی گئی ہی جو لوٹ مار اور خونخواری کے جذبہ کو تسکین دینے کے لئے آپ سے آپ نہیں پیدا ہوئی ہے تو ان کی زندگی ان کے خیالات اور رجحانات میں زبردست انقلاب آ گیا اب وہ اپنا مقصود وجود اور اپنی زندگی کی غرض وغایت یہ سمجھنے لگے کہ دنیا کو فتنہ وفساد سے پاک کرنے کے لئے جدوجہد کریں اور اس راہ میں قربانیاں دیں یہاں تک کہ عبادت صرف اللہ ہی کے لئے مخصوص ہو جائے اور انسانوں کو تاریکیوں سے نکال کر اجالے میں لائیں بندوں کی غلامی سے نجات دلائیں اور خدائے واحد کے آستانہ عالی پر پہنچائیں دنیا کی تنگی سے نکال کر دنیا وآخرت کی

وسعت سے روشناس کرائیں اور دوسرے مذاہب کی زیادتیوں سے آزاد کرا کے اسلامی عدل و مساوات کے زیر سایہ لائیں۔

حضرات! اس قوم کے پاس کوئی پیغام نہیں تھا اسلام آیا تو ایک بلند پیغام اور زندگی کا بلند مقصد اس کے سامنے آ گیا اس نے اسلام کے ابدی پیغام کو اپنے سینے سے لگایا اور اسی سے ان میں نئی روح پھونک دی وبدترین جہالت اور گھنگھور تاریکی زندگی گذار رہی تھی خرافات اور تماقتوں میں بھٹک رہی تھی ایک انسان دوسرے انسان پر ظلم وستم کے پہاڑ توڑتا تھا طاقتور کمزور کو نگل جانے کی کوشش کرتا تھا حقوق پامال ہو رہے تھے عزتیں لٹ رہی تھیں اور ہر طرح کے جذبات وخواہشات پوری کی جارہی تھیں کہ اچانک ان کے جسم میں ایک نئی روح دوڑ گئی ان کے افکار وخیالات احساسات اور اعصاب پر چھا گئی اور اب وہ نئی قوم تھے نئے انسان تھے ان کی زمین وہی تھی آب ہوا وہی تھی دست وبازو وہی تھے لیکن اس جدید پیغام نے انہیں جدید امت بنادیا۔ دوسرا عنصر یہ ہے کہ افغانی بہت تنگ اور محدود زندگی گذار رہے تھے کائنات اور انسان کے بارہ میں ان کا نقطہ نظر بہت محدود تھا انسان کون ہے؟ افغانی انسان ہیں جو اس علاقہ میں رہتے ہیں! یہاں کی زبان بولتے ہیں اس ملک کا لباس پہنتے ہیں اس کی محبت کے گیت گاتے ہیں اسی تنگ نقطہ نظر نے انہیں اس تنگ دائرہ میں محدود کر رکھا تھا۔

اسی طرح زندگی کیا ہے؟ کھانا پینا، عیش آرام قوت وشوکت حکومت وریاست وہ اسی طرح زندگی گذارتے تھے جیسے مچھلیاں یا مینڈک تالابوں میں جیتے ہیں اسلام سے پہلے عرب ترک اور ایرانی سب کا یہی حال تھا اسلام ہی نے ان سب کو اس تنگ وتاریک قید خانہ سے نکالا! جیسا کہ ایک عرب قاصد نے شاہ ایران سے کہا تھا:

لنخرج من شاء الله من صق الدبیه الی سعته الدنیا و الا خره.

جس کو اللہ توفیق دے اسے ہم دنیا کی تنگی سے نکال کر دنیا وآخرت کی وسعت میں پہنچا دیں۔

حضرات آپ کے آباء واجداد انسان کے بارہ میں بہت تنگ نقطہ نظر رکھتے تھے اس میں اعلی ظرفی نہیں تھی بلند نگاہی نہیں تھی اس میں گہرائی نہیں تھی اسلام نے ان کو وسیع نقطہ نظر عطا کیا تو ان کی نگاہوں میں تمام انسان ایک خاندان اور پوری دنیا ایک گھر ہو گئی اور رسول اللہ ﷺ

کا یہ فرمان ان کا عقیدہ بن گیا:۔

کلکم من آدم و آدم من تراب لا فضل لعربی علی عجمی و لا عجمی علی عربی الا بالتقوی.

تم میں کا ہر ایک آدم کی اولاد ہے اور آدم مٹی سے بنے ہیں تو کسی عربی کو کسی عجمی پر فضیلت ہے نہ عجمی کو کسی عربی پر مگر تقوی کے اعتبار سے۔

پھر ان کا نقطہ نظر اتنا وسیع ہو گیا کہ وہ نہ جغرافیائی حدود کو تسلیم کرتے تھے نہ خود ساختہ اور بے دلیل تقسیمات کو مسلمان ان حدود سے نکل کر وسیع کائنات میں آ گئے اور اگر یہ وسیع نقطہ نظر نہ ہوتا تو وہ بھی اپنے آباؤ اجداد کی طرح صدیوں تاریکیوں میں بھٹکتے رہتے۔

تیسرا عنصر ہے مضبوط و مستحکم اعتماد جب وہ خدائے واحد پر ایمان لے آئے اس کے رسول اور آخرت پر ایمان لے آئے قضا و قدر پر ایمان لے آئے اور یہ سمجھ گئے کہ موت کا ایک وقت مقرر ہے اس سے نہ ایک لحظہ پہلے آ سکتی ہے نہ موخر ہو سکتی ہے اور انہوں نے اللہ کا فرمان سنا اور اس کو دل میں بسا لیا کہ:۔

اینما تکونو ایدر ککم الموت ولو کنتم فی بروج مشیدہ (النساء ۷۸)

تم چاہے کہیں بھی ہو وہاں ہی تم کو موت آ دباوے گی اگر چہ تم قلعی چونہ کے قلعوں ہی میں ہو۔

ازا جاء اجلھم فلا یستاخرون ساعۃً.

جب ان کا وہ متعین وقت آ پہنچتا ہے تو (اس وقت) ایک ساعت نہ پیچھے ہٹ سکتے ہیں

ولا یستقدع مون (یونس . ۴۹)

اور نہ آگے سرک سکتے ہیں۔

اس ایمان نے ان کو خود شناسی اور خود اعتمادی عطا کی وہ یہ سمجھ گئے کہ انسان کی موت اسی وقت آ سکتی ہے جو اللہ نے مقرر کر رکھا ہے تو انہوں نے اس کا بھی یقین کر لیا کہ دنیا میں ہر ایک کی موت کا وقت مقرر ہے اور ہر چیز اللہ ہی کے دست قدرت و اختیار میں ہے۔

انہوں نے مزید خود اعتمادی اس آسمانی پیغام سے حاصل کی کہ ان کی حیثیت خدائی فوج کی ہے اور وہ اللہ اور اس کے دین کے معین و مددگار ہیں انہوں نے اللہ کا یہ فرمان سنا:۔

انهم لهم المنصورون وان جند نالهم الغالبون (الصفت . ۱۷۲ . ۱۷۳)

بے شک وہی غالب کئے جاویں گے اور (ہمارا تو قاعدہ عام ہے کہ) ہمارا ہی لشکر غالب رہتا ہے۔

الا ان حزب الله هم المفلحون (المجادلہ . ۲۲)

خوب سن لو کہ اللہ ہی کا گروہ فلاح پانے والا ہے۔

انا لننصر رسلنا والذين آمنوا في الحياة الدنيا و يوم يقوم الا شهاد

ہم اپنے پیغمبروں کی اور ایمان والوں کی دنیوی زندگانی میں بھی مدد کرتے ہیں اور اس روز میں بھی گواہی دینے والے (یعنی فرشتے جو کہ اعمالنامے لکھتے تھے) کھڑے ہوں گے۔

ولله العزة ولرسوله المؤمنين (المنافقون . ۸)

(بلکہ) اللہ کی ہے عزت (بالذات) اور اسکے رسول ﷺ کی (بواسطہ تعلق مع اللہ کے) اور مسلمانوں کی تبواسطہ تعلق مع اللہ والرسول کے)

ولا تهنوا ولا تحزنوا وانتم الاعلون ان كنتم مؤمنين .

اور تم ہمت مت ہارو اور رنج مت کرو اور غالب تم ہی رہو گے اگر تم پورے مومن رہے اور اسی طرح کی دوسری آیتیں ان کے کانوں میں پڑیں تو اس سے ان کے یقین واعتماد میں مزید قوت واستحکام پیدا ہو گیا۔

اس موقع پر میں یاد دلانا چاہتا ہوں کہ حضرت سعد بن ابی وقاصؓ اسلامی لشکر کے ساتھ موجیں مارتے ہوئے دجلہ کے سامنے پہنچے تو ایک لمحہ کے لئے رکے موج بداماں اور طوفان درآغوش دریا کا جائزہ لیا گردوپیش پر نظر ڈالی پھر حضرت سلمان فارسیؓ کی طرف متوجہ ہوئے اور ان سے مشورہ کیا کہ بپھرے ہوئے دریا میں گھس پڑیں یا لوئیں اور اسے عبور کرنے کے لئے پل کا انتظام کریں؟ حضرت سلمان فارسیؓ نے اس وقت جوالافانی جملہ کہا تاریخ نے اسے محفوظ کر لیا ہے، انہوں نے کہا:۔

یہ دین تازہ اور نیا ہے اور مجھے پورا یقین ہے کہ اللہ اس دین کو ضرور غالب کرے گا اور ابھی اس حد تک نہیں پہنچا ہے جہاں تک پہنچنا اس کے لئے مقدر کیا گیا ہے پھر میں کیسے یہ سمجھ لوں کہ اس پیغام کے حامل غرق ہو جائیں گے۔ حضرت سلمان فارسیؓ کا یہ جملہ اپنے اندر بڑے

گہرے معانی وحقائق رکھتا ہے کہ جب یہ دین بالکل نیا اور تازہ ہے تو یہ ضروری ہے کہ دنیا کی تعمیر کائنات کی قیادت اور انسانیت کی ہدایت ورہنمائی میں اپنا کردار ادا کرے چنانچہ امیر لشکر حضرت سعد بن ابی وقاصؓ نے فوج کو حکم دیا کہ اپنے گھوڑے دریا میں ڈال دیں اور دریا پار کر جائیں مورخ طبری کی روایت ہے کہ ایرانیوں نے ان کو دیکھا تو چیخ پڑے دیواں آمدند دیواں آمدند کہ یہ انسان نہیں جن اور بھوت ہیں یہ اعتماد اور یقین تھا جو ان کے دلوں میں رچ بس گیا تھا۔ اور ان میں نئی روح ڈال دی تھی۔

افغانی نوجوانو اور دوستو! آؤ اور اپنی تاریخ پر نظر ڈالو سلطان محمود غزنوی کس طرح وسیع وعریض ممالک کو فتح کرتا چلا گیا، تاریخ بتلاتی ہے کہ اس نے ہندوستان پر سترہ حملے کئے اور اندرون ملک گھستا چلا گیا یہاں تک کہ مشرق اور جنوب کی آخری سرحدوں تک پہنچ گیا حالاں کہ اس کے پاس نہ رسد کا انتظام تھا نہ کمک کا امکان اس کا مرکز بہت دور تھا درمیان میں سربفلک پہاڑ دشوار گذار راستے اور تنگ گھاٹیاں حائل تھیں وجہ یہ ہے کہ ان جنگوں اور حملوں کی اس کے نزدیک اتنی ہی اہمیت تھی جتنی اہمیت ایک ماہر اور مضبوط کھلاڑی میچ یا کھیل کے میدان کو دیتا ہے وہ اللہ پر کامل اعتماد رکھتا تھا پھر یہ سمجھتا تھا کہ جہاد عبادت ہے اور اس راہ میں موت شہادت اور شہدا مرتے نہیں بلکہ انہیں حیات جاودانی حاصل ہوجاتی ہے اور ان کے رب کی جانب سے ان کو روزی ملتی رہتی ہے وہ اس پر سچا اور پختہ ایمان رکھتا تھا کہ وہ اللہ کے پیغام کا حامل اور امین ہے اور ہندوستان میں اسلام کی اشاعت کرے گا۔

حضرات جن عناصر کا میں نے تذکرہ کیا ہے وہ افراد ہی کی تعمیر میں نہیں بلکہ قوموں کی تشکیل میں بھی زبردست رول ادا کرتے ہیں شخصیت کی تعمیر کا مسئلہ بھی بڑا اہم ہے اور نفسیات اور تعلیم وتربیت کے ماہرین نے اسے اپنا موضوع بحث بنایا ہے لیکن میں اس وقت قوموں کے کردار سے متعلق گفتگو کر رہا ہوں انہیں عناصر نے افغانی قوم کو بلند بالا حیثیت دی جس کا مقابلہ نہیں کیا جاسکتا جسے شکست نہیں دی جاسکتی اور جب قومیں شخصیت کی تعمیر کرنے والے ان عناصر سے محروم اور ان قوتوں سے خالی ہوجاتی ہیں تو انجام شکست وناکامی کی صورت میں ظاہر ہوتا ہے اور مجھے اندیشہ ہے کہ تاریخ کے اس نازک موڑ پر افغانی اپنی ان طاقتور اور قائدانہ خصوصیات سے محروم نہ ہوجائے اور خدانخواستہ وہ دور پھر واپس نہ آجائے جب وہ اسلام سے نا

آشنا اور اسلامی دعوت سے بے بہرہ تھی میں نوجوانوں سے خاص طور سے کہنا چاہتا ہوں کہ اپنی قوم کے دلوں میں ان عناصر کی جوت جگا دو اور ان کو پروان چڑھاؤ ان کی حفاظت کرو ضائع نہ ہونے دو کیوں کہ قدیم ترین زمانہ سے قوم وہی ہے پہاڑیاں اور گھاٹیاں وہی ہیں آسمان وہی دریائے کابل ہزاروں سال سے اپنی گذرگاہ پر بہہ رہا ہے یہاں کی سرزمین جسے اللہ نے بے بہا نعمتوں سے نوازا ہے وہ بھی وہی ہے خوش ذائقہ پھل لذیذ میوہ جات شیریں پانی یہ ساری نعمتیں اور نوازشیں ہزاروں سال سے بدستور ہیں لیکن اصل مسئلہ قوم کی تعمیر کے عناصر کا ہے پیغام مقصد زندگی خود اعتمادی اور کارگزاری کے نشانہ کا ہے تاکہ زندگی کا مقصد متعین ہو صلاحیتوں کے ظہور کے لئے میدان میسر آسکے حسن وخوبی کا کوئی قابل تقلید نمونہ مل جائے علامہ اقبال نے اس حقیقت کو پالیا تھا اور خدا کے حضور میں مسلمانوں کی بے کسی جمود مصیبت اور بدحالی کی شکایت کی تھی تو جواب ملا کہ یہ لوگ بغیر کسی مقصد اور پیغام کے زندگی گذار رہے ہیں ان کے سامنے کوئی اسوہ کوئی نمونہ کامل اور کوئی محبوب نہیں جس کے عشق سے اپنے دلوں کو آباد کریں جس کے حسن وخوبی کے گیت گائیں جس کے نقش قدم کو اپنا نشان راہ بنائیں۔

شبے پیش خدا بگریستم زار
مسلماناں چرازارند وخورند
آمد نمی دانی کہ ایں قوم
دلے دارند ومحبوبے ندارند

افغانی نوجوانو! خدا نے تمہارے اوپر بڑا فضل فرمایا تمہارے لئے کسی چیز کی کمی نہیں اور اللہ تعالیٰ فرماتا ہے

ان الله لا يغير ما بقوم حتى يغير واما بانفسهم .(الرعد . ۱۱)

اللہ تعالیٰ کسی قوم کی حالت نہیں بدلتا تا آنکہ وہ خود اپنے آپ کو بدل ڈالیں۔

اللہ اس سے بہت بلند ہے کہ کسی قوم کو عطا کردہ نعمتیں اس سے چھین لے سوائے اس کے کہ قوم ناشکری کی مرتکب ہو۔

الم تر الى الذين بدلوا نعمته الله كفرا واحلوا قومهم دار البوار (ابراهيم . ۲۸)

تو نے نہ دیکھا؟ جنہوں نے بدلا کیا اللہ کے احسان کا ناشکری اور اتارا اپنی قوم کو تباہی کے گھر میں۔

یہ ایک تاریخی حقیقت ہے جس میں شک و شبہ کی گنجائش نہیں کہ اصل مسئلہ خودشناسی کا ہے اپنی قدر و قیمت پہچاننے کا ہے آپ اپنی قدر و قیمت پہچان لیجئے علامہ اقبال کہتے ہیں۔

اپنے من میں ڈوب کر پا جا سراغ زندگی
تو اگر میرا نہیں بنتا نہ بن اپنا تو بن۔

قوموں کی زندگی شخصیت اور پیغام کی رہین منت ہے

(یہ وہ تقریر ہے جو سعودی سفارت خانہ کے استقبالیہ جلسہ منعقدہ کابل (افغانستان)
۹۔ جون ۱۹۷۳ء کی شب میں کی گئی تھی)

الحمد لله وكفى وسلام على عباده الذين اصطفى اما بعد فاعوذ بالله من الشيطان الرجيم بسم الله الرحمن الرحيم.

معزز حضرات آج کے اس اجتماع اور اس قیمتی موقعہ سے فائدہ اٹھاتے ہوئے چند ضروری باتیں عرض کرنا چاہتا ہوں سب سے پہلے میں رابطہ عالم اسلامی کی جانب سے اور اس عزیز و محبوب ملک کا دورہ کرنے والے رابطہ کے وفد کی جانب سے اس پاکیزہ بہترین اور منتخب ترین مجمع کو خوش آمدید کہتا ہوں اور یہاں کی حکومت اور عوام کا شکر گزار ہوں کہ انہوں نے ہمارا پرخلوص اور شاندار استقبال کیا اور ہمارے ساتھ اعزاز و اکرام اور خوش اخلاق سے پیش آئے اور اس میں کوئی ندرت یا حیرت و استعجاب کی بات بھی نہیں کیونکہ شرافت اور حسن اخلاق ان کا پرانا جوہر ہے اور عربوں کا بہت پرانا مقولہ ہے ۔ الشئى من معدنه لا يستغرب (کوئی چیز اپنے منبع و مخرج میں تعجب خیز نہیں سمجھی جاتی) اور یہ پائندہ روح اپنے وسیع و عمیق مفہوم کے ساتھ اس قوم کے قابل فخر کارناموں اس کی سرفروشی و جانبازی اور اس کی سلطنت و حکومت ہر چیز میں جلوہ گر رہی ہے اور اسی نے ان کو اپنے ملک کے حدود سے باہر نکلنے سر بفلک پہاڑوں کا سینہ چیرنے پر آمادہ کیا اور یہ اسلام کی مشعل اور تہذیب و ثقافت اور حسن انتظام کی صلاحیتیں لئے ہندوستان تک پہنچی میں نے اس قوم کی تاریخ میں اسکی عظمت کی داستانوں میں طویل مدت گذاری ہے افغانستان کے پڑوسی ملک ہندوستان کا شہری ہونے کی وجہ سے ممکن تھا کہ اس سے بہت پہلے میں اس ملک کا دورہ کرتا لیکن مشیت ایزدی نے اسے تا حال موقوف و مؤخر رکھا شاید اس میں خدا کی کوئی حکمت و مصلحت پوشیدہ ہو محترم حاضرین زمانہ قدیم میں عرب اس ملک کو بہت دور دراز کا ملک سمجھتے تھے اسے مسافت کی دوری اور راستوں کی دشوار گزاری کے

لئے بطور مثال پیش کرتے تھے اور اس سارے علاقہ کو خراسان کہتے تھے ایک عرب شاعر کہتا ہے۔ ؎

قالو اخراسان اقصی مایرادبنا
ثم القفول فقد جئنا خراسانا

(لوگوں نے کہا خراسان ہماری آخری منزل ہے پھر اس کے بعد واپس ہوں گے تو یہ لو ہم خراسان پہنچ گئے)

لیجئے ہم لوگ بھی خراسان پہنچ گئے افغانستان میں داخل ہوئے اس کی سرسبز و شاداب سر زمین اپنی آنکھوں سے دیکھا جسے خدا نے فطری حسن صحت افزا آب وہوا اور دوسری بہت سی خوبیوں سے نوازا ہے ایک عربی شاعر کہتا ہے۔

ولما نزلنا منزلا طله الندى
أنيقا وبستانا من النور حاليا
اجد لنا طيب المكان وحسنه
منى فتمنينا فكنت الا مانيا .

یعنی ہم جب کسی شاداب اور خوب صورت جگہ پہنچے جسے شبنم نے تر کر رکھا ہو اور کلیوں نے آراستہ کر رکھا ہو اور اس مقام کی دلکشی و رعنائی نے ہماری خوابیدہ تمنائیں بیدار کر دیں تو ماحصل تم ہی نکلے۔

اس ملک میں داخل ہوتے وقت ہمارا بھی یہی حال تھا ہم بھی اسی کیفیت سے دوچار تھے بات سے بات نکلتی ہے اور ایک چیز سے دوسری چیزیں یاد آتی جاتی ہیں چنانچہ اس خطہ ارض اور خدا کے عطا کردہ اس کے حسن وجمال نے اس ذات والا صفات کی یاد تازہ کر دی نئی زندگی جس کی رہین منت ہے وہ ذات جس نے ہماری زندگی کی کایا پلٹ دی پرانی دنیا سے نئی دنیا میں پہنچا دیا اور ہماری زندگی کا نقشہ ہی بدل دیا۔ یاد رکھئے وہ ذات گرامی ہمارے آقا محمد ﷺ کی ذات تھی آپ سے پہلے ہمارے جسم تھے روح نہیں تھی محض نام ہی نام تھا مگر اس نام کا کوئی مصداق نہیں تھا صرف صورت تھی حقیقت نہیں تھی اور قومیں تھیں لیکن ان کی زندگی کا کوئی مقصد اور ان کے پاس نوع انسانی کے لئے کوئی پیغام نہیں تھا اس محبوب ومحترم ذات نے ان قوموں اور امتوں کو

جدید تشخص و امتیازات سے متصف کیا اور نیا پیغام عطا کیا وہ مضبوط و محبوب اسلامی تشخص جو طاقت و قوت جوانمردی اور حسن اخلاق کے عناصر اور تمام انسانی صفات و کمالات کا جامع ہے اور پیغام کی بہترین تعبیر و تشریح عرب مسلمانوں کے ایک قاصد نے شہنشاہ ایران یزدگرد کے دربار میں کی شہنشاہ نے قاصد سے سوال کیا تم یہاں کس غرض سے آئے ہو؟ تو انہوں نے جواب دیا۔ اللہ نے ہمیں اسلئے بھیجا ہے کہ ہم اس کی مرضی کے مطابق انسانوں کو انسانوں کی عبادت سے نکال کر خدائے وحدہ لاشریک کے دربار میں سجدہ ریز کر دیں اور دوسرے ادیان ملل کے ظلم و ستم سے نجات دلا کر اسلام کے عدل و انصاف کی نعمتوں سے ان کا دامن بھر دیں۔

محترم مندوبین اور معزز وزراء۔

آپ جن اقوام و ممالک کی نمائندگی کر رہے ہیں آپ کو ان کا حقیقی اور دیانت دار نمائندہ سمجھتا ہوں اور میری خواہش ہے کہ آپ اس سے بھی بہتر اور بلند تر ثابت ہوں ساتھ یہ بھی سمجھتا ہوں کہ آپ کی ذمہ داریوں اور آپ کے فرائض کا تقاضا ہے کہ آپ ضابطے کے کام اور متعین ڈھرے کی کارروائی تک محدود ہو کر نہ رہ جائیں۔

مشرق آپ سے کارکردگی کے اس سے وسیع میدان اور اس سے زیادہ اہم کام کا مطالبہ کر رہا ہے آج مشرق کو کتاب زندگی کے حاشیہ پر اور قافلہ حیات میں سب سے پیچھے جگہ ملی ہے مغرب احکام صادر کرتا ہے اور یہ اطاعت کرتا ہے وہ کہتا ہے اور یہ سننے پر مجبور وہ قیادت کرتا ہے اور وہ اس کے پیچھے چلتا ہے وہ استاد ہے اور یہ شاگرد اس لئے کہ مشرق مغرب کے دسترخوان کی ریزہ چینی پر زندگی گذار رہا ہے اس کے پاس نہ کوئی شخصیت ہے نہ پیغام اور قومیں اور تہذیبیں شخصیتوں اور پیغاموں ہی سے زندہ رہتی ہیں لہذا مشرق کیلئے شخصیت اور پیغام تلاش کرنا ضروری ہے ایسی شخصیت جس میں قوت ہو اعتماد ہو جس کے اندر ثبات و استقامت کا جوہر ہو جس میں جدت طرازی اور ندرت آفرینی کی صلاحیت ہو جس میں خود اعتمادی و خود شناسی ہو اسی طرح ایسا پیغام جس میں اخلاص پاکیزگی لطف و رحمت عدل و مساوات اور امن پسندی اور اخوت ہو آپ کو دور کی کوڑی لانے اور بال کی کھال نکالنے کی کوئی ضرورت نہیں پیغام آپ کے سامنے ہے وہ اسلام کا پیغام ہے جس سے اللہ نے آپ کو سرفراز فرمایا ہے اور جس کا حامل بنایا ہے ہمیں کسی نئے دین کی ضرورت نہیں بلکہ اس دین پر نئے ایمان کی ضرورت ہے ہمیں کوئی نیا

پیغام درکار نہیں بلکہ اسی پیغام کے لئے جوش اور ولولہ کی ضرورت ہے اسلامی تشخص کو قوت پہنچانے اور اسے مزید ترقی دینے کی ضرورت ہے تا کہ گردش ایام پیچھے پلٹ جائے اور پرانی تاریخ پھر دہرائی جائے۔

وما علینا الا البلاغ المبین

خلیج کی جنگ...... کیا کھویا کیا پایا

وہ اہم مقالہ جو قاہرہ، مصر میں منعقد ہونے والی اس کانفرس کے لئے لکھا گیا جو شئونِ اسلامیہ کی مجلس اعلی اور وزارتِ اوقاف حکومت مصر نے اپریل ۱۹۹۱ء کی ۲۵/۲۶/۲۷ تاریخوں میں بلائی تھی اور جس میں خلیج کی جنگ اور اس سے پیدا شدہ حالات ونتائج کا حقیقت پسندانہ اور منصفانہ جائزہ لیا گیا ہے اور مسلم قیادتوں اور ذمہ داروں کو دیانتدارانہ وجرأت مندانہ مشورہ دیا گیا ہے

الحمد لله نحمده ونستعينه ونستغفره ونعوذبالله من شرور انفسنا ومن سيئات اعمالنا من يهد الله فلا مضل له ومن يضلله فلا هادى له ونشهد ان لا اله الا الله ونشهد ان محمد اعبده ورسوله الذى ارسله الله تعالى بالحق بشيرا ونذيرا وداعيا الى الله باذنه وسراجامنيرا O

چند سبق جن سے فائدہ اٹھایا جا سکتا ہے، چند خامیاں جن کا دور کرنا ضروری ہے۔

حضرات! ''خلیجی جنگ کے بعد امت اسلامیہ کا مستقبل'' کے موضع پر منعقد ہونے والا یہ اجتماع بروقت بھی ہے اور برمحل بھی، بروقت اس لئے کہ یہ بے سبب اور لاحاصل جنگ ابھی ختم ہوئی ہے، اس کے اسرار کھل رہے ہیں اور نتائج سامنے آرہے ہیں نہ تو اس کا کوئی جائز اور معقول سبب تھا نہ اس کے ممکنہ نتائج وعواقب کو سامنے رکھا گیا تھا اس کو ایک مجنونانہ جست حصول قیادت وعظمت کا جنون یا جنگی دماغی دورہ (Hysteria) ہی قرار دیا جا سکتا ہے، اور شخصی وانفرادی قیادتوں، سطوت واقتدار کے جذبے، بڑے ہوئے شوق اور نخوت وغرور کے مظاہروں کی تاریخ میں ایسی مثالوں کی کمی نہیں، اس طرح کے قائدین کی فہرست پیش کر کے اور ان کے زمان ومکان کی تفصیلات بیان کر کے اس محترم وموثر مجلس پر چھائی ہوئی سنجیدگی اور شائستگی کو نہ مجروح کرنا چاہتا ہوں اور نہ معزز حاضرین کی کبیدگی خاطر کا سبب بننا چاہتا ہوں اور

جن میں عالمِ عربی و اسلامی کے قابلِ احترام علماء اور اصحابِ فکر و نظر، سیاست و انتظامیہ کے ممتاز ترین افراد شامل ہیں بڑے افسوس اور معذرت کے ساتھ یہ کہنا پڑتا ہے کہ اسلام کی شاندار اور طویل تاریخ بھی اس طرح کے مہم جو افراد سے بلکہ زیادہ صحیح الفاظ میں اس طرح کے سیاسی قمار بازوں سے خالی نہیں رہی۔ حالانکہ اسلام کے پاکیزہ پیغام، اس کی حکیمانہ تعلیمات اس کے عظیم مقاصد اور بلند معیار کی روشنی میں بجا طور پر توقع کی جا سکتی تھی کہ اسلامی تاریخ اس طرح کی نامناسب مثالوں اور فاسد نمونوں سے خالی ہو، لیکن انسانی فطرت اپنا کام کرتی ہے، وہ ظاہر ہو کر رہتی ہے، خاص طور سے ایسی صورت میں جہاں صحیح طاقتور اور مؤثر تربیت کا فقدان ہو، یا اجتماعی و دینی احتساب کا شعور و احساس نہ ہو، یا ''ربّ العالمین'' و ''ارحم الراحمین'' خالقِ کائنات پر ایمان رکھنے والا قلب و ضمیر موجود نہ ہو اور آخرت کا خوف نہ ہو، جہاں ہر انسان سے اس کے اعمال کا حساب لیا جائے گا خواہ اس کا مرتبہ کتنا ہی بلند کیوں نہ ہو اور اس کا دائرہ اثر و نفوذ کتنا ہی وسیع کیوں نہ ہو۔

اسلام سب سے عظیم نمایا دین

بہر حال اب جنگ کے بادل چھٹ گئے ہیں اور ہیجانی و ہنگامہ خیز مرحلہ ختم ہو چکا ہے جس میں زیادہ دنوں تک باقی رہنے کی صلاحیت بھی نہیں تھی، نہ دینی اعتبار سے، نہ اصولی حیثیت سے اور نہ عقل اور حقیقت پسندی کی رو سے اور اب اگرچہ حالات اپنی راہ پر آ گئے ہیں اور حقدار کو حق مل گیا ہے لیکن دعوتِ اسلامی اور تحریک ''پیامِ انسانیت'' کے ایک کارکن کی حیثیت سے وہ بھی ہندوستان جیسے حساس ملک اور نازک و پیچیدہ حالات میں جہاں اکثر فرقہ وارانہ فسادات ہوتے رہتے ہیں اور انسانی جانیں ضائع ہوتی رہتی ہیں، یہ لکھتے ہوئے میرا دل رنج و غم سے مجروح ہوا ہے اور کلیجہ پھٹ جا رہا ہے کہ اس جنگ نے اسلام کی شہرت کو سخت نقصان پہنچایا ہے اسلام ہی سب سے عظیم و نمایاں دین ہے جو انسانیت کے احترام اور جان و مال اور عزت و آبرو کی حفاظت کی دعوت دیتا ہے، ایسے معبود پر ایمان رکھتا ہے، جو ''ربُّ العالمین'' ہے اور ایسے نبی کا پیرو اور امتی ہے جو ''رحمۃ للعالمین'' ہیں، ایسے دین کی شہرت و عظمت کو اس جنگ نے اتنا نقصان پہنچایا ہے کہ تاریخ میں ایک مدت سے اس کی مثال نہیں ملتی تاریخ کے ایک طالب علم

اور مصنف کی حیثیت سے اور ہندوستان میں ’’تحریک پیام انسانیت‘‘ کے ایک داعی کی حیثیت سے یہ بات میں پورے اعتماد کے ساتھ کہہ رہا ہوں، پیام انسانیت کی تحریک کو اللہ کا شکر ہے، ہندوستان میں توقع سے زیادہ کامیابی ملی ہے، وہ غیر مسلم اکثریت کے تعلیم یافتہ اور صاحب فکر و دانش رہنماؤں کی تائید اور ان کا اعتراف کرنے میں کامیاب رہی ہے اس تحریک کے رہنماؤں نے غیر مسلم دانشوروں اور قائدین کے تعاون کے ساتھ جو اجتماعات منعقد کئے ہیں وہ بہت کامیاب رہے ہیں اور ملک کے مختلف طبقات کے ممتاز ترین لوگ ان میں شریک ہوئے اور متاثر ہوئے ہیں اور لیکن عراق کے ظالمانہ اقدام نے اس تحریک کی راہ میں مشکلات پیدا کردیئں، کویت پر عراق کا حملہ قزاقی کے علاوہ کچھ نہیں تھا، اس میں دینی وحدت واشتراک کا ذرا بھی خیال نہیں رکھا گیا، مال و دولت کے علاوہ بے شمار جانیں ضائع ہوئیں، عزتیں پامال کی گئیں، احسانات کی ناشکری ہوئی اور ذلت و بدکرداری کی آخری حدیں پار کرلی گئیں، جس سے برصغیر کے مسلمانوں کے سر شرم سے جھک گئے، پیشانی عرق آلود ہوگئی اور برادران وطن کو امن و آشتی کی دعوت کے لئے اب زبان کھولنی مشکل ہے، اگر ہمارے غیر مسلم برادران وطن خلیجی جنگ اور کویت جیسے اسلامی اور امن پسند ملک کے ساتھ عراق کے طرز عمل کی طرف اشارہ کریں یا مسلمان کردوں کے ساتھ عراقی حکام کے رویہ کا تذکرہ کریں، جنہوں نے کسی زمانہ میں سلطان سلاح الدین ایوبی جیسے بطل جلیل کو پیدا کیا اور وہ کہیں کہ جناب ہمیں احترام انسانیت کی دعوت دینے سے پہلے ذرا اپنے گھر کی، اپنے ہم مذہب لوگوں کی خبر لیں، اور مسلمانوں کی ’’مثالی قوم‘‘ کو دیکھیں تو ہمارے پاس اس کا کوئی جواب نہیں۔

محترم حضرات! جنگ کے بادل اگرچہ چھٹ چکے ہیں اور یہ منحوس مرحلہ اگرچہ ختم ہو چکا ہے، پھر بھی امت اسلامیہ کے حال و مستقبل کی فکر رکھنے والے مصلحین و مفکرین کو یہ جنگ اور اس کے دوران پیش آنے والے واقعات و حالات، چند حقائق کی طرف پوری قوت کے ساتھ متوجہ کر رہے ہیں، جو اس مدت میں واضح ہو کر سامنے آگئے ہیں بلکہ ان احوال و کوائف نے ہر سنجیدہ و باشعور، اس امت کی فکر رکھنے والے اور تجربات سے فائدہ اٹھانے والے مسلمانوں کی انگلی، اس امت میں موجود کمزوریوں اور اس کی صفوں میں موجود شگافوں (Gaps) پر رکھ دی ہے، بلکہ اس جنگ نے اس سے بھی زیادہ خطرناک دور رس اور امت کے مستقبل پر اثر انداز

ہونے والی خامیوں کو آئینہ کردیا ہے، جو نوجوانوں صحافت، ودیگر ذرائع ابلاغ، اور بہت سی اسلامی تحریکات کے طرز فکر اور ان کے ذہن وشعور میں گھر کر گئی ہیں، ان کا........ خاص طور سے اس مؤثر مجلس ہیں........ اخلاقی جرأت کے ساتھ جائزہ لینا، قوت ووضاحت کے ساتھ بیان کرنا اور مکمل غیر جانبداری کے ساتھ اپنا اور دینی بھائیوں کا محاسبہ کرنا ضروری ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

یایھاالذین امنو کونوا قوامین بالقسط شھداء للہ و لو علی انفسکم او الوالدین والا قربین (النساء۔۱۳۵)

اے ایمان والو! انصاف پر خوب قائم رہنے والے اور اللہ کے لئے گواہی دینے والے بنے رہو چاہے وہ تمہارے یا تمہارے والدین اور عزیزوں کے خلاف ہی ہو۔

لیکن ہم ان غیر خوش کن حقائق اور امت اسلامیہ کی (جس میں عرب مسلمان بھی شامل ہیں) موجودہ زندگی میں موجود قابل تشویش خلا پر گفتگو سے پہلے اس امر پر قدرے روشنی ڈالنا چاہتے ہیں کہ یہ کانفرنس جس طرح بروقت ہورہی ہے اسی طرح صحیح اور مناسب ترین جگہ میں منعقد ہورہی ہے، اللہ نے مصر کیلئے یہ مقدر کردیا ہے اور اس کو یہ شرف بخشا ہے کہ انتہائی نازک اور خطرناک گھڑی میں اور جیسا کہ قرآن میں آیا ہے:۔

اذا بلغت التراقیo وقیل من راق o

اور جب جان حلق میں جا اٹکے اور جھاڑ پھونک کرنے والوں کی تلاش ہونے لگے۔

ایسے وقت میں اسلام کی عزت وشرف اور مقدسات اسلامیہ کی حفاظت کے لئے فیصلہ کن اور قائدانہ کردار ادا کرے، کم از کم تاریخ میں دوبار ضرور ایسا ہوا ہے جن کی طرف مختصراً اشارہ کرنا ضروری ہے۔

پہلا موقع تو وہ ہے جب کہ یورپ کے صلیبی عیسائی اپنے بادشاہوں، فوجی سرداروں اور پرجوش اور سرفروش سپاہیوں کے ساتھ اور بے نظیر عزم وارادہ کے ساتھ عالم اسلام پر ٹوٹ پڑے، ان کے عزائم یہ تھے کہ جزیرۂ عرب اور حرمین شریفین پر قبضہ کرلیں، وہاں سے اسلام کے آثار ونشانات مٹادیں، اور ان مقدسات کی توہین کے مرتکب ہوں جن پر مسلمان اپنی جان، اپنا مال، اپنی عزت اور اپنے خون کا آخری قطرہ تک قربان کرنے پر تیار رہتے ہیں اس

حملہ اور اس کی وجہ سے عالم اسلام کو لاحق خطرات کے سلسلہ میں ہم ایک صاحب اختصاص مغربی مصنف اسٹینلے لین پول، (STANLEY LANEPOOLE) کی شہادت پیش کرنا کافی سمجھتے ہیں، وہ اپنی مشہور کتاب "صلاح الدین" (SALADIN) میں لکھتا ہے:۔

"صلیبی سپاہی ملک میں اس طرح گھسے، جیسے کوئی پرانی لکڑی میں پچر ٹھونکے تھوڑی دیر کو یہی معلم ہونے لگا کہ درخت اسلام کے تنے کو چیر کر اس کی چھپٹیاں اڑا دیں گے۔

اس موقع پر علیم و قدیر کارساز عالم کا یہ فیصلہ سامنے آیا کہ مسلمانوں کو قبلۂ اول "بیت المقدس" نوے سال صلیبیوں کے قبضہ میں رہنے کے بعد سلطان صلاح الدین ایوبی کے ہاتھوں رجب ۵۸۳ھ (۱۱۸۷ء) میں اسلام اور مسلمانوں کو واپس ملے۔

صلاح الدین، الملک العادل نور الدین زنگی کے سپہ سالار اور ان کی طرف سے مصر کے حاکم تھے اس طرح اس عظیم کارنامہ اور شاندار فتح کے ساتھ مصر کا نام ہمیشہ کے لئے وابستہ ہوگیا اور یہ فضیلت صلاح الدین کی صورت میں مصری قیادت کے حصہ میں آئی ظاہر ہے کہ اس نے اللہ کی مدد کے ساتھ مصر کے بہادر مسلمان مجاہدین کے ذریعہ یہ کارنامہ انجام دیا، لین پول لکھتا ہے:۔

"نور الدین سلطان شام کے سپہ سالار (صلاح الدین) کا رود نیل پر قابض ہوجانا یہ معنی رکھتا تھا کہ یروشلم کی مسیحی سلطنت ایک چری ہوئی لکڑی کے بیچ میں آ گئی تھی، وہ دونوں طرف سے دب رہی تھی، اور دونوں طرف جو چیز اسے بھینچ رہی تھی، وہ ایک ہی طاقت کے دو لشکر تھے، دمیاط اور اسکندریہ کی بندرگاہوں پر قابض ہوجانے سے مسلمانوں کا قبضہ ایک بحری بیڑے پر بھی ہوگیا اور انہوں نے مصر کے صلیبیوں کا تعلق یورپ سے منقطع کر دیا۔

سلطان سلاح الدین خود اس کا اعتراف کرتے تھے کہ اس کارنامہ میں مصر کا اہم حصہ ہے، ایک مرتبہ انہوں نے کہا:۔

"جب خدا نے مجھے مصر دیا تو میں سمجھا کہ فلسطین بھی اللہ کو مجھے دینا منظور ہے۔

ایک تاریخی المیہ

دوسرا موقع ساتویں صدی ہجری میں عالم اسلام پر تاتاری یورش کا ہے، یہ یورش عالم اسلام

کے لئے ایک بلائے عظیم تھی جس سے دنیائے اسلام کی چولیں ہل گئیں، مسلمان مبہوت و ششدر تھے، ایک سرے سے دوسرے سرے تک ایک ہراس اور یاس کا عالم طاری تھا، تاتاریوں کو ایک بلائے بے درماں سمجھا جاتا تھا، ان کا مقابلہ ناممکن اور ان کی شکست ناقابل قیاس سمجھی جاتی تھی، یہاں تک کہ ضرب المثل کے طور پر یہ فقرہ مشہور تھا۔ ''اذا قیل لک ان التتر انھزموا فلا تصدق'' (اگر تم سے کہا جائے کہ تاتاریوں کو شکست ہوئی ہے تو یقین نہ کرنا۔)

میرے بھائیوں، دوستوں اس نازک موقع پر جو صلیبی حملوں سے بھی زیادہ خطرناک تھا، مسلمان بادشاہ، حکومتیں، اور قیادتیں تاتاریوں کا مقابلہ کرنے کے لئے سامنے نہیں آئیں، انہوں نے تاتاریوں غلبہ واستیلاء کو تقدیر کا فیصلہ اور عذاب الٰہی سمجھ رکھا تھا اس موقع پر ایک بار پھر مصر سامنے آیا اور تاتاریوں کے مقابلہ اور شکست دینے میں سبقت حاصل کی مصر کے حاکم الملک المظفر سیف الدین قطز اور اس کی بہادر مصری مسلمان فوجوں کو یہ شرف حاصل ہوا کہ تاتاریوں کے شکست نہ کھانے کا مقولہ غلط ثابت کردیں مؤرخین لکھتے ہیں:۔

''شام کے قبضہ کے بعد تاتاریوں کا رخ قدرتی طور پر مصر کی طرف تھا۔ اور وہی تنہا اسلامی ملک تھا جو ان کی غارتگری سے بچا ہوا تھا، سلطان مصر الملک المظفر سیف الدین قطز کو معلوم تھا کہ اب مصر کی باری ہے اور تاتاریوں کی چڑھائی کے بعد ملک کی حفاظت مشکل ہے، اس لئے مناسب سمجھا کہ وہ مصر میں مدافعت کرنے کے بجائے آگے بڑھ کر شام میں تاتاریوں پر خود حملہ کرے چنانچہ ۲۵ رمضان المبارک ۶۵۸ھ کو عین جالوت کے مقام پر تاتاریوں اور مصر کی اسلامی فوج میں مقابلہ ہوا اور سابق تجربوں کے بالکل خلاف تاتاریوں کو شکست فاش ہوئی وہ بری طرح بھاگے، مصریوں نے ان کا تعاقب کیا اور بڑی تعداد میں گرفتار کیا۔

علامہ سیوطی ''تاریخ الخلفاء'' میں لکھتے ہیں:۔

''تاتاریوں کو شرمناک ہزیمت ہوئی اور خدا کے فضل وکرم سے مسلمانوں نے ان پر فتح پائی، تاتاریوں کا قتل عام ہوا اور وہ اس طرح سراسیمہ ہو کر بھاگے کہ لوگوں کی ہمتیں بڑھ گئیں، وہ آسانی سے ان کو پکڑ لیتے تھے، اور لوٹتے تھے

عین جالوت کے معرکہ کے بعد سلطان الملک الظاہر بیبرس نے متعدد بار تاتاریوں کو شکست

دی اور سارے ملک شام سے ان کو بے دخل کر دیا اور اس طرح وہ کہاوت غلط ثابت ہوئی کہ تا تاریوں کی شکست ممکن نہیں۔

ان دو غیر معمولی مثالوں کی روشنی میں مصر کو اسلامی تاریخ میں اپنے کارناموں اور خدمات پر فخر کا حق حاصل ہے اس کو اللہ کی تائید و نصرت اور مقدس و نازک فریضہ کے لئے انتخاب پر بارگاہ الٰہی میں شکر گذار ہونا چاہئے، اسلام اور مقدسات اسلامیہ کے تحفظ میں مصر کی شاندار اور قابل فخر تاریخ کا تقاضا ہے کہ اس دور میں بھی اس فریضہ کی ادائیگی کے لئے سامنے آئے، قائدانہ کردار ادا کرے۔ اور اپنے ترکش کے تیروں۔ مثبت اور تعمیری تیروں کو سامنے لائے مصر کو قدیم زمانہ سے ''کنانۃ الاسلام'' اسلام کا ترکش کہا گیا ہے، اور اسلام کے ترکش کے تیر نہ کبھی ختم ہوتے ہیں نہ نشانہ خطا کرتے ہیں، آج کے نازک دور میں ''کنانۃ الاسلام'' سے جو تیر مطلوب ہے، اور اس ملک سے جس کردار و عمل کا انتظار ہے وہ ہے نئے حقائق کا شعور و ادارک اور ان کا اعتراف و اظہار، کویت پر عراق کے ظالمانہ حملہ، صدام حسین کے غیر عاقلانہ اور مغرورانہ طرز عمل اور عرب اور دیگر مسلمان اقوام کے ردعمل کے نتیجہ میں بہت سے نئے حقائق سامنے آئے ہیں، امت اسلامیہ، اسلامی تنظیموں اور مسلم صحافت کے ذہن اور طرز فکر میں بہت سی خامیوں اور دراڑوں سے پردہ ہٹ گیا ہے۔

محترم حضرات! یہاں میں عام مسلمانوں کے طرز فکر، ملک کی صحافت و ذرائع ابلاغ یا زیادہ وسیع اور واضح الفاظ میں ان کی زندگی میں موجود خامیوں اور ان کے علاج، امت کی صفوں میں پڑنے والی دراڑ اور ان کے پر کرنے اور قرآن و حدیث اور تاریخ انسانی کی شہادتوں کی روشنی میں امت کے مستقبل پر مرتب ہونے والے خراب و خطرناک نتائج و عواقب سے محفوظ رکھنے کے اصولوں کی طرف امت کا ذہن بنانے والے تعلیم و تربیت کے ذمہ داروں صحافیوں دعوت اسلامی اور ''صحوۂ اسلامیہ'' کی خدمت انجام دینے والوں کی توجہ مبذول کرانا چاہتا ہوں۔

۱۔ عام مسلمانوں، خاص طور سے نوجوانوں کی ایک اہم کمزوری جو اس جنگ کے دوران بہت نمایاں ہو کر سامنے آئی ہے وہ ہے پر جوش نعروں، بلند بانگ دعووں اور سحر انگیز وعدوں سے فریب کھانے کا مزاج یا مستقل صلاحیت ہے، اس سلسلہ میں عام مسلمان نہ تو نعرہ لگانے

والوں کے افکار وعقائد دیکھتے ہیں، نہ ان کے ماضی کا جائزہ لیتے ہیں، نہ ان سے سیاسی وفکری تحریکات اوران کے فکر وفلسفہ اور مقاصد واعمال کو دیکھتے ہیں جن سے یہ نعرہ لگانے والے پوری طرح مربوط وہم آہنگ ہوتے ہیں خاص طور سے اگر یہ نعرے اور ڈینگیں کسی بڑی طاقت کو چیلنج کرتی ہوں اور ڈینگیں مارنے والے جرأت وحوصلہ مندی کا مظاہرہ کریں تو عام مسلمان اور خاص طور سے نوجوان شدید تأثر، جذباتی ابال اور ایک طرح کے دماغی دورہ (HYSTERIA) کا شکار ہوجاتے ہیں جس کو کسی طرح قابو میں نہیں لایا جاسکتا ایسی صورت میں نہ دینی احکام و مصالح کا پاس ولحاظ ہوتا ہے، نہ علمی تنقید وتحلیل اور نہ حالات وحقائق کا اور نہ حالات وحقائق کا دیانتدارانہ اور غیر جانبدارانہ تجزیہ ہی کچھ مفید ثابت ہوتا ہے، بلکہ کھولتی ہوئی ہانڈی کی طرح جذبات میں ابال آجاتا ہے جو اکثر دین، عقائد اور شعائر اسلام سے اعراض بلکہ ان کی اہانت تک پہنچادیتا ہے اور دین کے نمائندہ علماء اور اصحاب اختصاص تو سب سے پہلے زد میں آتے ہیں، اس طرح کے جذبات کی رو میں بے سوچے سمجھے بہہ جانے والوں کی بلیغ ترین صفت سیدنا علی بن ابی طالبؓ نے ایک جملہ میں بیان فرمائی ہے، جن کو اس صورت حال کا بار بار سامنا کرنا پڑتا تھا اور جنہیں دوسرے ائمۂ اسلام کے مقابلہ میں اس طرح کے حالات سے زیادہ سابقہ پڑا تھا، آپ نے اہل عراق کے بارے میں فرمایا تھا ''اتباع کلّ ناعقٍ'' (ہر زور سے بولنے والے کے پیچھے بھاگنے والے ہیں۔)

لہٰذا امت کے مختلف طبقوں میں یہاں تک کہ دیندار اور تعلیم یافتہ طبقہ میں بھی ضرورت اس بات کی ہے صحیح دینی، سماجی اور سیاسی شعور پیدا کیا جائے، نیک وبد کو سمجھنے کی صلاحیت کو تقویت پہونچائی جائے، نئے مسائل پر غور کرنے، ان کی گہرائیوں تک اترنے اور ان کے نتائج و عواقب کا صحیح اندازہ لگانے کی قوت میں جلا پیدا کرنے کی کوشش کی جائے اوران کو صفائی اور صراحت کے ساتھ بتلایا جائے کہ عقائد وافکار کے اصل اور صحیح ماخذ کون سے ہیں اور قوت ونشاط کے حقیقی چشمے کہاں ہیں۔

مسلم عوام کو اس بات کی طرف دعوت دینے کی ضرورت ہے کہ وہ اپنے زمانہ کو سمجھیں، زمانہ کے مشکلات ومسائل اس میں جاری وساری رجحانات، تحریکوں، اسلام کے بارے میں ان کے رویہ زندگی پر مرتب ہونے والے ان کے اثرات، دین کے مستقبل کے لئے ان سے لاحق

خطرات اور نئی مسلم نسل کے ذہن پر پڑنے والے سایوں کو ذہن میں رکھنا سیکھیں، ان قیادتوں کے مطمع نظر اور ان کے اغراض ومقاصد سے ناواقف نہ رہیں، جوملکوں پر اور سماج پر اپنا تسلط قائم کرنے کے لئے کوشاں ہیں جو سماج کو اپنے عقائد اپنے افکار ونظریات اور اپنے آدرشوں کے سانچے میں ڈھالنا چاہتے ہیں، جو زندگی کو نئی راہ اور نیا رخ دینا چاہتے ہیں، ان طاقتوں، رجحانات، افکار اور قیادتوں کو نظر انداز کرنا اور دینی جماعتوں کا اپنے خول میں بند رہنا خود ان تحریکوں کے لئے خطرہ بن سکتا ہے، ان تحریکوں کی دینی دعوت ان کی سرگرمیاں اگر فرائض وواجبات، طہارت وعفت کی زندگی اور نوافل کے اہتمام تک محدود رہیں تو خطرہ اس بات کا ہے کہ کچھ مدت گذرنے کے بعد دین پر عمل اور شرعی احکام کے نفاذ کی آزادی سلب کر لی جائے اور حالات ان کے لئے اس قدر دشوار ہو جائیں جس کی تصویر کشی قرآن نے اپنے بلیغ اور معجزانہ اسلوب میں کی ہے کہ:۔

ضاقت عليهم الارض بما رحبت و ضاقت عليهم انفسهم

زمین ان پر باوجود اپنی فراخی کے تنگ ہوگئی اور وہ خود اپنی جانوں سے تنگ آ گئے۔

جذباتی نعروں، دعووں، وعدوں اور کھوکھلی شجاعت کے مظاہروں سے فریب کھانے کے لئے ہمہ وقت تیار رہنا زبردست خطرہ ہے (خاص طور پر اس امت کے لئے اپنے عقیدہ پر اور اپنے پیغام پر قائم رہنے کے لئے اور نوع انسانی کی ہدایت ورہنمائی کا فریضہ کی انجام دہی کے لئے بلکہ اس سے بھی بڑھ کر آسمانی شریعت اور اس آخری دین پر قائم رہنے کیلئے اس طرح مسلمانوں کا یہ رویہ قرنِ اوّل سے لے کر اس وقت تک کے ان کے مصلحین ومجدّدین، مجاہدین اور دعوت اسلامی کی راہ میں اپنی جان قربان کرنے والے شہداء کی تمام کوششوں پر پانی پھیر سکتا ہے، اس سے خطرہ اس بات کا پیدا ہو گیا ہے کہ اس امت میں اور قدیم ترین اسلامی ممالک میں بھی مغربی عیسائیوں کا یہ تصور کارفرما نظر آنے لگے کہ: ”دین ایک ذاتی معاملہ ہے، جو اللہ اور بندہ کے درمیان محدود ہے، قانون سازی، سیاست اور زندگی کے دوسرے میدانوں میں اس کا عمل دخل نہیں۔“

امت اسلامیہ کو صحیح قیادت کی ضرورت

اس امت میں عرصہ سے ایسی طاقتور اور جرأتمند قیادت کا فقدان ہے جس کے اندر جہاد کی روح کارفرما ہو، جسے اپنے عقیدہ پر فخر ہو، دنیا کی رہنمائی کے منصب اور اس کی ذمہ داریوں کا شعور ہو اور بڑی حد تک مغربی یا مشرقی بڑی طاقتوں کے سہارے سے بے نیاز ہو، یہ بڑی طاقتیں ہی اسلامی کوششوں اور وسیع تر حلقہ واثر رکھنے والی اسلامی تحریکوں کو ناکام بنانے اور اسلامی ممالک کو ایسی عظیم، موثر اور قومی شخصیتوں سے جن پر دینی فکر غالب ہو، جو اپنے ملک میں شریعت اسلامی کا نفاذ چاہتی ہوں، جو اسلام کی عظمت اور مسلمانوں کی قوت وشوکت سے عزائم رکھتی ہوں، محروم کرنے کی ہر طرح کی سازشیں کرتی رہتی ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ پورا عالم اسلام ماضی قریب میں بہترین رہنماؤں سے محروم ہوتا رہا۔

پھر بھی یہ لحاظ رہے کہ قوت وشوکت اور کبھی کبھی خطر پسندی سے متاثر ومرعوب ہونا فطری بات ہے جن صفات سے انسان خود محروم ہوتا ہے، ان سے متاثر ہوتا ہے اور اسلام کی تاریخ شجاعت وشہامت اور بڑے سے بڑے خطرہ کو خاطر میں نہ لانے کے واقعات سے بھری ہوئی ہے۔ لیکن اس دور کے باضمیر اور غیرتمند مسلمان کمزور حکومتوں اور آرام طلب قیادتوں سے تنگ آگئے ہیں، یہ بھی حقیقت ہے کہ اکثر مسلمان اور خاص طور سے نوجوان بڑی طاقتوں کی سرگرمیوں اور ان کی سازشوں سے واقف ہیں اور ان سے نفرت کرتے ہیں۔

لہذا ضرورت اس بات کی ہے کہ ایسی قیادت کو سامنے لانے پر توجہ دی جائے جو طاقتور ہو، جرأتمند ہو، صاحب ایمان اور ہوش مند ہو، اللہ نے ان کے ملک کو جو طاقت وثروت عطا فرمائی ہے، ان پر اعتماد رکھے، ان میں اضافہ کی کوشش کرے، ٹیکنالوجی صنعتوں اور فوجی قوت پر توجہ دے ممکن حد تک غیروں سے بے نیاز ہو، ایمانی قوت، قوم وملت کے اخلاص اور ایمان و عقیدت کے دفاع کے لئے قربانی کے جذبہ پر اعتماد کرتے ہوئے اسلامی مصالح اور صحیح ومخلص قیادت کے خلاف کسی بھی سازش کے مقابلہ میں یا اسلامی مسائل وممالک میں کسی بھی دخل اندازی کے سامنے جم کر کھڑی ہو جائے۔

۳۔ اسلامی ممالک میں مثبت اقوال اور متحرک اور طاقتور دینی تحریک کے قیام واستحکام پر توجہ

دینا بھی ضروری ہے اور اگر کوئی ایسی تحریک موجود ہو تو اس سے خطرہ محسوس کرنے اور اس کو ختم یا کمزور کرنے کی کوشش کے بجائے اس کی قدر اور ہمت افزائی کرنی چاہئے، اسلامی معاشرہ کی تشکیل و تکمیل اور اس کے استحکام و بقاء کے لئے ایک ایسی اسلامی دعوتی تحریک بڑی مفید ثابت ہو سکتی ہے جو مردانگی جرأت و ہمت، بلند ہمتی اور پیش بینی کی صفات سے متصف ہو، جو ایسی طاقتوں اور قیادتوں کا مقابلہ کرنے کی طاقت و صلاحیت رکھتی ہو، جنہوں نے بلا کسی استحقاق و جواز کے نوع انسانی کی زمام قیادت اپنے ہاتھ میں لے رکھی ہے اور جو اسلامی ممالک و اقوام کی قسمتوں کی مالک بن بیٹھی ہیں۔

اس میں کوئی شبہ نہیں کہ قوم مسلم اپنی بیماریوں اور کمزوریوں کے باوجود جن میں بعض کی طرف ابھی اشارہ کیا گیا۔ مشرقی و مغربی تمام اقوام کے مقابلہ میں بعض صفات کے اندر بہت ممتاز ہے۔

اپنی ملت کو قیاس اقوام مغرب پر نہ کر
خاص ہے ترکیب میں قوم رسول ہاشمی

یہ صفات ہیں اللہ اور آخرت پر ایمان، زندگی کی بے حقیقتی کا شعور، جہاد فی سبیل اللہ کے لئے زندگی کی لذتوں اور آسائشوں کی قربانی شہادت کا شوق جنت اور رضائے الٰہی کی امید، اللہ کے وعدہ کئے ہوئے اجر و ثواب کا یقین اور اس کے لئے جان و مال سب کچھ لٹا دینے کی تڑپ، بے مثال صلاحیتوں کی یہ چنگاریاں منتظر ہیں کسی طاقتور مخلص داعی کی، جو ان کے اسلامی جوش کو ابھار دے، اشرارۂ ایمان کو شعلۂ جوالہ بنا دے اور ابھی ماضی قریب تک بعض مخلص اللہ والوں نے یہ کارنمایاں کر دکھایا ہے قرآن کریم نے بھی مسلمانوں کی اس خصوصیت کی طرف اشارہ کیا ہے، جو انہیں دیگر مادی اقوام وملل کے سورماؤں اور بہادروں سے جن کا رابطہ آسمانی پیغام اور ایمانی سرچشموں سے منقطع ہو گیا ہے کے مقابلہ میں ممتاز کرتی ہے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

ولا تہنوا فی ابتغآء القوم ط ان تکو نوا تالمون فانھم یالمون کماتا لمون و ترجون من اللہ مال یرجون

اور مخالف قوم کے تعاقب میں ہمت نہ ہارو اگر تمہیں (جسمانی) دکھ پہنچتا ہے تو ان کو بھی دکھ

پہونچتا ہے (لیکن) تم اللہ سے (اجر وثواب کی) وہ امیدیں رکھتے ہو جو وہ نہیں رکھتے۔

یہ ایسی دولت ہے جس کی کوئی مثال نہیں، ایسی طاقت ہے جس کا کوئی جواب نہیں اور مسلمان ملکوں اور قوموں پر زیادتی ہوگی بلکہ ان ملکوں اور قوموں میں قائم حکومتوں اور قیادتوں کے حق میں بھی یہ زیادتی ہوگی کہ وہ اس سے گھبرائیں اور اپنی قیادت وحکومت کے لئے ان سے خطرہ محسوس کریں، ان کو اپنا حریف سمجھیں اور بات یہاں تک پہنچ جائے کہ ان کو ختم کرنے اور ان کے اثر ونفوذ سے نجات حاصل کرنے کے لئے ساری طاقتیں اور سارے وسائل جن میں صحافت، دیگر ذرائع ابلاغ اور نظام تعلیم وتربیت وغیرہ بھی شامل ہیں، وقف کردی جائیں، یہ ایک بے محل جدوجہد ہے اور قوم وملک کے ان عزیز ترین فرزندوں کے خلاف جنگ کی ایک شکل ہے، جو نازک گھڑی میں ان کے کام آسکیں۔

ان مسلمان اقوام کا ایک نمایاں اور معروف وصف اللہ اور اللہ کے دین کے ساتھ اخلاص بھی ہے، شرط یہ ہے کہ اس کے اظہار کا صحیح موقعہ ومحل فراہم ہو، کوئی اللہ کے نام پر اور اسلام کے نام پر آواز لگاتا ہے تو مسلمان اس کی طرف ایسے جوش اور جذبہ کے ساتھ لپکتے ہیں جس کی اس زمانہ میں نظیر نہیں ملتی۔ مسلمان حکومتوں اور قیادتوں کی کمزوری ہے کہ وہ حقائق کو نظرانداز کرتی ہیں اور اس قیمتی سرمایہ اور زبردست طاقت سے فائدہ اٹھانے کے بجائے اس کو دبانے اور ہٹانے کے لئے ساری طاقت، ذہانت ووسائل صرف کرتی ہیں۔

اسلام ہی عرب قومیت کی اساس وبنیاد ہے اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم عالم عربی کی روح ہیں، اس کے قائد اور امام ہیں اور ایمان کی طاقت ہی عربوں کی اصل طاقت ہے، عربوں نے جب اس طاقت سے فائدہ اٹھایا تو پوری دنیا پر چھا گئے، آج بھی اس کے اندر وہی قوت وصلاحیت موجود ہے عرب اقوام آج بھی اس کی مدد سے اپنے دشمنوں کو شکست دے سکتی ہیں اور اپنا تحفظ کرسکتی ہیں۔ اسلام اور ایمانی قوت کے بغیر عربوں کا نہ کوئی امتیاز ہے نہ وقار واعتبار، نہ کوئی تشخص اور جیسا کہ علامہ اقبال نے کہا ہے۔......

نہیں وجود حدود و ثغور سے اس کا
محمد عربی سے ہے عالم عربی

محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم نے ہی عربوں کو دنیا کے سامنے ایک حقیقت اور ایک ممتاز ومشخص قوم

کی حیثیت سے پیش کیا، یہ ایک ناقابل تردید حقیقت ہے اور قومیت اور وطنیت کے مقابلہ میں اس حقیقت کو تسلیم کرنا، اس کو اپنانا اور اس کا پرجوش داعی بننا چاہئے۔ عالم عربی کو پورے عالم اسلامی سے مربوط کرنے کا یہی سب سے مضبوط و مستحکم ذریعہ ہے اور اسی وجہ سے پوری دنیا کا مسلمان عالم عرب سے محبت و ہمدردی رکھتا ہے، اس کی مدافعت اور اس کے لئے قربانیوں کو تقرب الی اللہ کا ذریعہ سمجھتا ہے یہ سب سے بڑی حقیقت ہے جو عالم عربی کو مغربی اور غیر اسلامی قوموں کی نظر میں بھی ممتاز مقام عطا کرتی ہے۔

ممکن حد تک ناز و نعمت اور عیش و عشرت کی زندگی سے دور رہنا چاہئے، ترقی و تمدن کے مظاہر میں مبالغہ، بے ضرورت کے اخراجات، لذت و شہوت اور شان و شوکت کے اظہار کے لئے اللہ کی نعمتوں کی ناقدری کوئی پسندیدہ بات نہیں، ایسے اعمال و اخلاق سے پرہیز لازم ہے جو اللہ اور اس کے رسول کو پسند نہ ہو اور تائید و نصرت الٰہی سے مانع بن سکتے ہوں۔

چھٹی صدی عیسوی کا رومی اور ایرانی تمدن جو زینت، دولت و ثروت اور پرتکلف زندگی کی آخری حدوں تک پہنچ رہا تھا اس کے مقابلہ میں قدیم عرب مسلمانوں نے اپنے اسلامی اخلاق، سادگی فضول خرچی سے اجتناب، محبت و مشقت کی زندگی اور شہسواری کی خصوصیات کو باقی رکھا تھا آج بھی اس زندگی کو اپنانے کی ضرورت ہے اور اگر تمدن کو اختیار کرنا کسی حد تک ضروری ہو تو اسے ان تعلیمات کے سانچہ میں ڈھال دینا ان اخلاق و آداب کے رنگ میں رنگ دینا اور ان مقاصد اور نشانوں کے تابع بنا دینا چاہئے۔ جن سے اسلام کے ذریعہ اللہ نے اس امت کو نوازا ہے۔

تاریخ شاہد ہے کہ جو قوم بھی عیش و عشرت، آسائش حیات کی کثرت اور ناز و نعمت میں ڈوب گئی، اس میں جاہلیت کی عادتیں پھیل گئیں اور اخلاقی خرابیاں پیدا ہو گئیں، وہ دوسروں کے ظالمانہ حملوں کا نشانہ بن گئیں۔

سنة اللہ فی الذین خلوا من قبلؕ و کان امر اللہ قدرامقدورا ○

یہی اللہ کا معمول رہا ہے ان لوگوں کے بارے میں جو پہلے گذر چکے ہیں اور اللہ کا حکم خوب تجویز کیا ہوا ہوتا ہے۔

حضرات! ساتویں صدی ہجری میں اسلامی معاشرہ میں عام طور سے یہی اخلاقی خرابیاں پیدا

ہوگئی تھیں جب تاتاریوں کا سیلاب عالم اسلام پر امنڈ پڑا، جس نے نسلی اور دینی قتل عام کی شکل اختیار کرلی، تاتاری حملہ سے پہلے بغداد کے مسلم معاشرہ کے حالات کا اندازہ لگانے کے لئے ہم یہاں؟ صرف ایک بڑے مؤرخ کی شہادت پر اکتفا کرتے ہیں، اس زمانہ میں دوسرے مسلم ممالک اور شہروں کے حالات اس سے زیادہ مختلف نہیں تھے، مفتی قطب الدین نہروالی اپنی کتاب ''الاعلام باعلام بیت اللہ الحرام'' میں لکھتے ہیں۔

مرفهون بلين المهاد، ساكنون على شط بغداد في ظل ثخين وماء معين، وفاكهة و شراب واجتماع احباب واصحاب، ماكابدوا حرباولا دافعوا طعنا ولا ضربا.

عیش وعشرت کے مزے لوٹ رہے تھے، بغداد میں (دجلہ کے) ساحل پر آباد تھے، جہاں گھنا سایہ تھا، بافراط میٹھا پانی تھا میوے اور مشروبات کی کثرت تھی، دوست احباب کی مجلسیں تھیں، جنگ کی مصیبتوں سے سابقہ نہیں تھا، نہ نیزے اور تلواریں اٹھانے کی نوبت آتی تھی۔

مسلمانوں کی طویل تاریخ کے اندر بہت سے مسلم معاشروں مسلمانوں قوموں اور وسیع اور ترقی یافتہ حکومتوں میں خوش عیشی اور فارغ البالی کی یہی کہانی دہرائی گئی اور اسکا نتیجہ وہی نکلا ہے جو بغداد میں ظاہر ہوا شدت و وسعت میں اگر کچھ فرق رہا ہو تو ان معاشروں کے قد و قامت یا ان حکومتوں کی قوت و حیثیت اس کا سبب بنی ہے۔

اس مرحلہ پر اس امر کی ضرورت واضح ہو کر سامنے آگئی ہے کہ عرب اور اسلامی حکومتوں اور قوموں کی اپنی ایک موثر اور فعال تنظیم ہونی چاہئے جو اسلامی ممالک .... اور ان میں عرب ممالک سرفہرست ہیں .. کی بین الاقوامی سیاسی دفاعی ضرورتوں کی دیکھ ریکھ میں اقوام متحدہ (UNITED NATIONS) کی جگہ لے سکے، آزادی اور عزت و وقار کے تحفظ میں ان کی ہمت افزائی کرے، اگر کوئی بڑا ملک کسی چھوٹے ملک پر حملہ آور ہو تو اس کی مدافعت کا فریضہ انجام دے، اس طرح کے معاملات میں اقوام متحدہ یا کسی بڑی طاقت کی جگہ اس کی طرف رجوع کیا جاسکے اور اس سے مدد لی جاسکے، ایسی کسی تنظیم کو اتنا احترام اور وقار اور اتنی طاقت حاصل ہونی چاہئے کہ وہ اسکی بھی اسلامی ملک پر جارحیت کا مناسب جواب دے سکے۔

اور انانیت پسند استبدادی قیادتیں اور دنیا کی بڑی طاقتیں اسے نظر انداز کر سکیں۔

اس طرح کی کسی تنظیم کی سب سے پہلی ذمہ داری یہ ہونی چاہئے کہ وہ حجاز مقدس اور حرمین شریفین کی خاص طور پر اور پورے جزیرۃ العرب کے تحفظ و دفاع کی عام طور پر ذمہ داری سنبھالے کیونکہ یہی اسلام کا اصل مرکز اور دعوت اسلامی کا اصل سرمایہ ہے مسلمان کسی زمانہ میں بھی ہوں اور کسی جگہ بھی ہوں، ان کا عز و شرف حجاز مقدس کی عزت و عظمت کے ساتھ وابستہ ہے، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

جعل الله الكعبة البيت الحرام قيما للناس والشهر الحرام (المائدہ ۹۷)

اللہ نے کعبہ مقدس گھر کو انسانوں کے باقی رہنے کا مدار ٹھہرایا ہے نیز حرمت والے مہینہ کو۔

یہ آیت اس حقیقت کی طرف اشارہ کرتی ہے کہ نظام عالم درحقیقت بیت اللہ الحرام کے ساتھ وابستہ ہے، بالکل اسی طرح جیسے کہ عقائد و اعمال و اخلاق کا نظام اس دعوت سے وابستہ ہے جس کے لئے اس حرم کی تعمیر ہوئی ہے، مسلمان دنیا کے کسی بھی حصہ میں ہوں، ان کے لئے مرکز اسلام۔ جہاں اللہ کی آخری وحی نازل ہوئی اور جہاں نوع انسانی کے لئے نئی صبح صادق طلوع ہوئی کے بارے میں انتہائی حساس اور غیرت مند ہونا اسلامی فریضہ ہے اور جیسا کہ علامہ اقبال نے کہا ہے۔

ایک ہوں مسلم حرم کی پاسبانی کے لئے
نیل کے ساحل سے لے کر تا بخاک کاشغر

آخیر میں اسلامی ممالک کے ذمہ داروں اور سربراہوں کی خدمت میں بھی ایک بات عرض کرنا چاہتا ہوں:۔

محترم حضرات! قرآن، وسنت، دعوتوں اور دنیا کی تبدیلیوں اور انقلابات کی تاریخ کی روشنی میں سب سے بڑی اور مفید چیز ہے اللہ کے ساتھ صدق و اخلاق، اس کی طرف رجوع و انابت، ساتھ ہی فرد اور سماج کی زندگی میں ہر ممکن اصلاح، سماج سے منکرات، اللہ کی تائید و نصرت سے محروم کرنے والے اخلاق اعمال کا ازالہ اور سماجی، سیاسی اور انتظامی اور انفرادی زندگی سے سستی و کاہلی اور تضادات سے اجتناب، قرآن و حدیث اس پر شاہد ہیں، سیرت مبارکہ، خلفائے راشدین اور صالح بادشاہوں کی زندگی میں اس کے بے شمار نمونے موجود ہیں ان کی تفصیل اور

واقعات و اسماء کے تذکرہ تعیین کی یہاں ضرورت نہیں۔ خلاصہ یہ کہ انابت الی اللہ اور اصلاح امت و ازالہ منکرات کی جدوجہد میں اللہ کی رحمت کو متوجہ کرنے مصیبتوں اور دشواریوں کے وقت قوموں اور معاشروں کو برے نتائج سے محفوظ رکھنے کی موثر ترین قوت ہے اور عام ذرائع و اسباب فوجی طاقت یا بڑی طاقتوں کی تائید وحمایت یہ ساری چیزیں اس کا مقابلہ نہیں کرسکتیں۔

وما علینا الا البلاغ المبین

والسلام علیکم

یورپ امریکہ اور اسرائیل

ایک اظہار حقیقت، انکشاف اور تنبیہ

ذیل کا مضمون حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی رحمۃ اللہ کی وہ اہم و چشم کشا تقریر ہے جو کلیۃ اللغۃ دار العلوم ندوۃ العلماء کے ہال میں المعہد العالی کے طلبہ کے سامنے فرمائی اس علمی تقریر میں جس خطرے سے آگاہ کیا گیا ہے اور ہر صاحب علم و فکر بندۂ مومن کو خصوصاً علماء کرام اور طلباء مدارس کو اس سے واقف ہونا ضروری ہے

الحمد للہ و سلام علیٰ عبادہ الدین اصطفی اما بعد!

عزیزو اور بھائیو! یہ معلوم کر کے کہ یہاں ''معہد الدعوۃ'' کے نام سے دعوت دینی، دعوت نصرت دین اور اعتزاز بالدین کے لئے ایک شعبہ قائم کیا جا رہا ہے اس کے مستفیدین خود بھی مطمئن ہوں ان کو پورا ذہنی اعتماد حاصل ہو اور دوسروں کو بھی مطمئن کر سکیں جو اس وقت کا خطرہ اور اس وقت کا چیلنج ہے اس کو سمجھیں اور اس وقت کی جو سازش ہے اور جس کا مرکز مغرب ہے اس کو سمجھیں خصوصی الفاظ میں امریکہ اور اسرائیل دونوں اس نتیجہ پر متحد ہو گئے ہیں کہ ان کے نظام سیاست کو ان کے نظام فکر کو ان کے عالمی استیلاء کے امکان کو کوئی چیز چیلنج نہیں کرتی سوائے مسلمانوں کے متحد و موثر وجود کے اس وقت اس شعبہ کا قائم ہونا ندوۃ العلماء کے بنیادی مقاصد میں ہے اس لئے کہ اس کے بانی اول مولانا سید محمد علی صاحب مونگیری رحمۃ اللہ علیہ کو عیسائی مشنریوں سے واسطہ پڑتا تھا، وہ ان سے مناظرے کرتے تھے، ان کو اس سے مناظرہ کرنے میں یہ محسوس ہوا کہ اب ہمارے فضلائے مدارس کو اور علماء کو جدید خطرات سے واقف ہونا چاہیے اور ان میں تقابلی مطالعہ (COMPARATIVE STUDY) ہونا چاہیے ان کے اندر اس جدید تعلیم یافتہ طبقہ کے اندر سے (جو عام طور پر فکری، علمی اور سیاسی قیادت پر فائز ہوا کرتا ہے) اسلام کے بارے میں احساس کہتری کو دور کرنے کی صلاحیت ہونی چاہیے اور

اسلام کی ابدیت، اس کے خلود اور ہر زمانہ اور ہر دور میں اس کی طرف لوگوں کی احتیاج اور اس کے نجات کا، کامیابی کا، ترقی انسانیت کا واحد اور ابدی راستہ ثابت کرنے پر یقین اور اس کی تفہیم کی صلاحیت ہو اس لئے اگرچہ یہ شعبہ (اس شعبہ کے مستقل نام سے) تاخیر سے قائم ہوا لیکن ایک بڑی ضرورت اور ندوۃ العلماء کے بانیوں کے منشاء کی تکمیل ہوئی۔

اصل بات سمجھنے کی یہ ہے کہ اللہ کا دین ابدی ہے۔ ”ان الدین [illegible]“ یہ زمانہ کا اعلان ہے اور یہ ایک حقیقت ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ کی ربوبیت و انسانیت بھی دائمی ہیں یہ تینوں حقائق دائم ہیں، اس کے علاوہ یہ کہ ہدایت کا راستہ ابدی راستہ ہے، دین ایک ابدی حقیقت ہے لیکن زمانہ متغیر ہے، زمانہ اگر متغیر نہیں تو پھر زمانہ ہی نہیں، زمانہ کوئی جامد چیز نہیں ہے، زمانہ بدلنے والا ہے، رجحانات بدلنے والے ہیں، مطالبات بھی بدلنے والے ہیں، تاثرات کے جو سرچشمے ہیں وہ بھی بدلنے والے ہیں اور اس کے علاوہ تحریکیں بھی بدلنے والی ہیں، مختلف زمانوں میں مختلف تحریکیں پیدا ہوتی ہیں اور دین کے خلاف صف آرائیاں ہوتی ہیں، سازشیں ہوتی ہیں منصوبے تیار ہوتے ہیں، نئی نئی سلطنتیں قائم ہوتی ہیں ان کے مصالح ومفادات کا تقاضا بدلتا رہتا ہے، اس میں سیاسی مصلحتیں بھی ہیں، جنگی مصلحتیں بھی ہیں اور معاشرتی مصلحتیں بھی ہیں اور یہ بھی ہے کہ جو نظام سلطنت قائم ہوا طبعی بات ہے کہ اس نظام کو تقویت پہنچانے کے لئے فضا پیدا کی جائے یعنی جو اس کے محکوم ہیں وہ اس نظام سلطنت کو اور اس صاحب اقتدار طبقہ اور اس کی حکومت کو اور اس کی تہذیب کو یہاں تک کہ اس کے فردوں کی معاشرت تک کو بھی آئیڈیل اور قابل تقلید سمجھیں۔ اس کے لئے نئی نئی تدبیریں کی جاتی ہیں اور ہمیشہ کی جاتی رہیں گی اور خاص طور پر اس زمانہ میں۔

تاریخ بتاتی ہے کہ اسلام کے خلاف جو قسم قسم کی سازشیں اور منصوبے جو پہلے تیار کئے گئے تھے وہ ناکام بنا دیئے گئے۔ تاریخ کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے اسلام اور عالم اسلام کے لئے وسیع اور عمیق اور فیصلہ کن حیثیت سے تاریخ میں دو خطرے پیش آئے ہیں جن سے اندیشہ تھا کہ اسلام بحیثیت عالمگیر دعوت سیاسی قوت اور مذہبی آزادی کے اتنا کمزور ہو جانے کا کہ وہ محدود رقبہ میں اور خاص نسل اور قومیتوں کے دائرہ کے اندر ہی نافذ اور کارفرما رہے۔ لیکن عالمی پیمانہ پر اس کا وجود اور نفوذ ختم ہو جائے ایک صلیبی حملہ جو پانچویں صدی ہجری اور گیارہویں صدی

عیسوی میں پیش آیا، دوسرا تاتاری حملہ جو ساتویں صدی ہجری اور تیرہویں صدی عیسوی میں چنگیز خان اور ہلاکو کی قیادت میں ہوا۔

صلیبیوں کا شام پر حملہ ہوا اور وہ بیت المقدس پر قابض ہو گئے ان کے ذہن اور ان کے منصوبہ میں حرمین شریفین بھی شامل تھے لیکن اللہ تعالیٰ نے صلاح الدین ایوبی کو کھڑا کیا۔ جس کی نظیر اخلاص للّٰہیت جذبہ جہاد، سرفروشی، غیرت وحمیت دینی اور طہارت وتقویٰ میں امتیاز خاص رکھتی تھی اور اس کی نظیر اگر نایاب نہیں تو کمیاب ضرور ہے، انہوں نے صلیبیوں کو ناکام بنایا، مسلمانوں کا ان کے جھنڈے کے نیچے اتحاد ہوا اور وہ خطرہ ٹل گیا۔

یہ بھی ذہن میں رہے کہ اس وقت تک اور صلیبی حملہ آوروں کے ملک میں نہ اتنی تمدنی و تہذیبی ترقی ہوئی تھی اور نہ سائنس اور تجربی علوم کو وہ فروغ ہوا تھا جو بعد کی صدیوں میں ہوا نہ ان کے سامنے دنیا کی تشکیل نو اور ذہنی وتہذیبی انقلاب کا وہ نقشہ تھا جو بعد میں مغرب کی فاتحانہ اور استعماری طاقتوں کے سامنے آیا اور ان کے پروگرام میں شامل ہوا، یہ محض ایک فوجی یلغار اور مقامات مقدسہ پر قبضہ کرنے کی ایک کوشش اور عزم تھا اس لئے اس سے وہ خطرات نہیں تھے جو چند صدیوں کے بعد یورپ اور امریکہ کی سیاسی، علمی وتمدنی بالادستی اور مشرقی ملکوں کے یورپ اور امریکہ کے غلام بن جانے اور زیر اثر آ جانے سے پیدا ہوئے۔ (۱)

ریجنالڈ حاکم کرک نے حرمین شریفین پر بھی چڑھائی کرنے کا ارادہ کیا تھا اس وقت بقول لین پول، عماد الدین زنگی نے اس خطرہ کے مقابلہ کا ارادہ کیا جس کی تکمیل اس کے فرزند الملک العادل نور الدین زندگی نے کی لیکن اس میں پوری کامیابی نور الدین سلطان شام کے فوجی جنرل صلاح الدین ایوبی نے حاصل کی، (جو مصر کی حکومت واقتدار پر قابض ہو گئے تھے) اور

۱۔ پہلی صلیبی یلغار شام پر 490ھ میں ہوئی 492ھ (1099ء) یعنی گیارہویں صدی عیسوی کے آخر میں صلیبیوں نے بیت المقدس پر قبضہ کیا۔ "انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا" کی جلد 6 میں صلیبیوں کی تعدیات اور مظالم اور خونریزیوں کی تفصیل دیکھی جا سکتی ہے۔ بندہ کا رسالہ "صلاح الدین الایوبی البطل الناصر للدین" مطبوعہ دار عرفات (رائے بریلی) کا مطالعہ بھی مفید ہوگا۔ اردو میں بندہ کی تصنیف "تاریخ دعوت وعزیمت" کی جلد اول میں ص 303 سے 334 تک تاتاری حملے ان کے وحشت ناک مظالم، عالم اسلام کے مرکزی شہروں اور بغداد کی تباہی کی لرزہ خیز تصویر اور تاتاریوں میں اسلام کی اشاعت کی معلومات وتفصیلات دیکھی جا سکتی ہیں۔ اردو دائرۂ معارف اسلامیہ شائع کردہ دانش گاہ پنجاب لاہور کی جلد 7 میں بھی "چنگیز خان" کے عنوان کے ماتحت تاتاری حملہ کی تباہیوں اور وحشت گردیوں کی تفصیلات دیکھی جا سکتی ہیں۔ (ص 691-734)

انہوں نے بیت المقدس کو صلیبیوں کے قبضہ سے نکالا' ان پر جذبہ جہاد' حمیت دینی اور غیرت اسلامی کا پورا استیلا اور غلبہ تھا۔ 583ھ (1187ء) میں حطین کے معرکہ میں انہوں نے کامل فتح حاصل کی اور صلیبیوں کے عزائم کو ناکام نا دیا۔ (۱) معرکہ حطین کے بعد بیت المقدس کی مسلمانوں کے ہاتھوں میں بازیابی ہوئی اور صلیبیوں کا منصوبہ اور نقشہ کارنا کام اور بے اثر ہو گیا سلطان صلاحالدین کی وفات 28 صفر 589ھ کو ہوئی۔

بارہویں صدی عیسوی میں مسیحی یورپ علوم سائنسی تحقیقات و انکشافات' اسلحہ کی تیاری استعماری عزائم اور اپنے مادی اور لادینی منصوبوں کی ترویج وتنقید میں اس مقام تک نہیں پہنچا تھا جس مقام پر وہ اٹھارویں اور انیسویں صدی میں پہنچا اس لئے اس کے غلبہ سے سوائے مسیحیت کی اشاعت مقامات مقدسہ پر غلبہ اور مسلمانوں کی سیاسی ہزیمت وذلت کے دوسرا خطرہ نہیں تھا جو انیسویں اور بیسویں صدی میں یورپ اور (بالخصوص برطانیہ اور فرانس کے) ان مسلم وعرب ممالک پر اپنی تہذیب وفلسفہ حیات کو غالب کرنے اور ان کو قابل تقلید اور علامت ترقی بنا دینے سے پیش آیا۔

تاتاریوں کا حملہ اگرچہ فوجی تھا لیکن تجربہ ہے کہ کامیاب حملہ آور اور فوجی فاتح فوجی حدود کے اندر محدود نہیں رہتا' بلکہ اس کا طرز عمل اس کے افکار' اس کے عقائد' اس کا طرز معاشرت اثر انداز ہوتے ہیں۔ تاتاریوں کی کامیابی سے صرف اتنا ہی خطرہ تھا کہ مسلمان غلام بن جائیں گے۔ انہوں نے بڑے بڑے مظالم کئے کبھی کبھی تو دجلہ کا پانی سرخ ہو جاتا تھا جب مسلمان بڑی تعداد میں شہید کئے جاتے تھے اور ان کو دجلہ میں ڈال دیا جاتا تھا تو ان کی خون آلود لاشوں سے پانی سرخ ہو جاتا تھا اور کبھی اس کا پانی سیاہ ہو جاتا تھا کہ وہاں جو بڑے بڑے کتب خانے تھے (اور بغداد اس میں سب سے زیادہ امتیاز رکھتا تھا) ان کی کتابوں کے انبار اس میں ڈال دیئے جاتے تھے تو پانی سیاہ ہو جاتا تھا۔ مسلمان شہیدوں کے سروں کے مینارے بنائے گئے یہ مینارے دور سے دکھائے دیتے تھے سر پر سر رکھا ہوا' ایک نہیں ہوتا تھا ایک رکھتے تو گر جاتا وہ سروں کا ایک چبوترہ ہوتا تھا ایک چبوترہ پر دوسرا چبوترہ یہاں تک کہ بہت دور سے نظر آتے تھے

۲۔ تفصیل کے لئے مطالعہ کی جائے لین پول کی کتاب ''سلطان صلاح الدین'' (ص 155)

ان کے تمدنی دہشت کا یہ حال تھا کہ تاریخ میں عام مقولہ رہا ہے۔ **اذا قیل لک ان التتر انھزموا فلا تصدق** "یعنی ہر بات مان لینا کہ ممکن الوقوع ہے لیکن یہ بات کبھی نہ ماننا کہ تاتاریوں نے کہیں شکست کھائی۔

لیکن اس تاتاری حملہ میں خاص بات یہ تھی کہ تاتاریوں کے پاس کوئی تہذیب نہیں تھی، کوئی ثقافت (CULTURE) نہیں تھی۔ کوئی دعوت نہیں تھی، اور کوئی متوازی نظام عقائد بھی نہیں تھا اس لئے ان کا حملہ اگر کامیاب بھی ہو جاتا تو وہ بہت دنوں تک کامیاب نہیں رہ سکتا تھا لیکن اللہ تعالیٰ نے اس کے لئے اپنی رحمت وقدرت سے خارق عادت طریقہ پر سامان کیا کہ ایک طرف مسلم فضلاء اور شریعت کے ماہرین نے تاتاریوں کے اندر گھس کر اسلامی تہذیب اور اسلامی قانون کا تعارف کرایا اور جو خلاء ان کی زندگی میں ان کے علم وواقفیت اور تہذیب وتمدن اور دعوت میں تھا اس کو اسلام نے پر کر دیا یہ ایک طبعی اور فطری بات بھی تھی کہ ایسی فتوحات و انقلاب میں خلاء بہت دنوں تک باقی نہیں رہ سکتا۔ اہل علم جانتے ہیں کہ قانون الٰہی یہ ہے کہ خلاء کا پر ہونا ضروری ہے، قانون کا خلاء تھا۔ تہذیب کا خلاء تھا، علم کا خلاء تھا، دنیا کے لئے ان کے پاس کوئی دعوت نہیں تھی۔ اس خلاء سے مسلمان اہل فکر نے اور مبصرین نے فائدہ اٹھایا۔ اور انہوں نے تاتاریوں کو ایک طرف اسلام کی دعوت دی اور ایک طرف بتایا کہ اس خلاء کو پر کرنے کے لئے ہمارے پاس پورا سامان موجود ہے نظام معاشرہ موجود ہے اور عام دنیا کے لئے دعوت بھی موجود ہے۔ اس سلسلہ میں اہل دل مخلصین اور اہل اللہ کا بڑا حصہ ہے ایک واقعہ جو بار بار بیان کیا جا چکا ہے لیکن بڑا موثر ہے وہ نقل کیا جاتا ہے۔

آرنالڈ نے پریچنگ آف اسلام (PREACHING OF ISLAM) میں لکھا ہے کہ ایران وترکستان کی طرف کی جو شاخ تاتاریوں کے قبضہ میں آئی اس میں تاتاریوں کے سو فیصد مسلمان ہو جانے کی تقریب یہ ہوئی کہ تغلق تیمور جو ولی عہد سلطنت تھا وہ شکار پر نکلا اور آپ کو معلوم ہے اور ہمیں بھی اس سے واسطہ پڑا ہے ہم نے نشانہ کی بھی مشق کی ہے اور شکار بھی کھیلے ہیں کہ شکاریوں میں کچھ روایات ہیں نحوست کی اور کامیابی وناکامی کی مثلاً بچپن میں سنا کرتے تھے کہ جمعرات کو شکار کامیاب نہیں ہوتا، اگر شکار کے لئے چلنے کے وقت کسی نے کہہ دیا چاقو ہے؟ تو اب شکار نہیں ملے گا، چاقو کا نام نہیں لینا چاہئے اسی طرح تاتاریوں میں ایران اور

اس کے باشندوں سے متعلق نحوست کا تخیل تھا کہ ایرانی منحوس ہوتے ہیں (اور مخصوص قوموں کے بارے میں ہمیشہ اس طرح کے تاثرات و روایات رہی ہیں) تغلق تیمور نے اس کا پورا انتظام کیا کہ کوئی ایرانی نہ آنے پائے جا بجا پہرے بٹھا دیئے جو ساحلی جگہیں تھیں اور جو مدخل تھے ان سب پر آدمی بٹھا دیئے تا کہ کوئی ایرانی نہ آنے پائے۔ لیکن اللہ تعالیٰ کو کچھ اور ہی منظور تھا۔ اللہ تعالیٰ کو تاتاریوں جیسی جنگ آزما طاقتور اور بلند حوصلہ قوم کو شرف باسلام کرنا اور اس سے دین کی حفاظت کا کام لینا تھا یہ ایک خدائی انتظام تھا شیخ جمال الدین ایرانی ایک صاحب دل بزرگ تھے ان کو نہیں جانا تھا اور راستہ وہی تھا اس جگہ وہ پہنچے تو اتفاق سے وہاں کوئی پہرہ دار کھڑا نہیں تھا۔ یہ سب غیبی انتظامات ہوتے ہیں وہ آگے بڑھ گئے کسی پہرہ دار نے دیکھ لیا اس نے ان کو پکڑ لیا اور تغلق اور تیمور کے پاس پکڑ کر لے گیا وہ دیکھ کر آگ بگولہ ہو گیا اور اس نے سمجھ لیا کہ انہوں نے شکار کے سارے انتظامات پر پانی پھیر دیا اب شکار نہیں ملے گا اس نے غصہ میں آکر کہا کہ تم ایرانی اچھے ہو کہ یہ کتا اچھا ہے کون افضل ہے؟ آرنلڈ نے تو یہ لکھا ہے کہ انہوں نے کہا کہ اگر اللہ تعالیٰ نے ان کو اور ان کی قوم کو ایمان کی دولت نصیب نہ کی ہوتی تو یہ کتا افضل تھا لیکن اللہ تعالیٰ نے ہم ایرانیوں کو اسلام نصیب کیا تو ہم افضل ہیں اس نے کہا اسلام کیا ہوتا ہے؟ وہ صاحب دل بھی تھے اور صاحب علم بھی تھے۔ انہوں نے اسلام کا مختصر مگر بلیغ و مؤثر تعارف کرایا وہ متاثر ہوا اور اس کے دل و دماغ پر اثر پڑا۔ اس نے کہا کہ اگر ابھی میں اپنے اسلام لانے کا اعلان کر دیتا ہوں تو کوئی فائدہ نہ ہوگا جب میری تاج پوشی ہو جائے تو مجھ سے آکر ملیں میں اسلام کا اعلان کروں گا۔

یہ تو آرنلڈ کی تاریخ میں ہے لیکن ترکی و فارسی ماخذ جو (ORIGINAL) ہیں ان میں زیادہ مؤثر انداز میں اس واقعہ کو پیش کیا گیا ہے اس میں ہے کہ اس نے پوچھا کہ آپ افضل ہیں کہ یہ کتا افضل ہے؟ انہوں نے کہا کہ ابھی اس کا فیصلہ نہیں ہو سکتا یہ تو [illegible] کہ یہ کتا افضل ہے یا یہ کہ میں افضل ہوں انہوں نے کہا کہ اگر میں دنیا سے کلمہ پڑھتے ہوئے رخصت ہوا ایمان پر میرا خاتمہ ہوا تو میں افضل ہوں ورنہ یہ کتا افضل اس سے اس کے دماغ اور اس کے دل پر چوٹ پڑی اس نے کہا کہ جب آپ سنیں کہ میری تاج پوشی ہوئی ہے تو مجھ سے ملیں یہ برابر دن گنتے رہے اور کان ان کے لگے رہے کہ خبر آئے لیکن ان کا وقت آخر آ گیا انہوں نے اپنے بیٹے کو

بلایا اور کہا کہ عزیز فرزند! شاید یہ سعادت تمہاری قسمت میں لکھی ہوئی ہے تم جب سنو کہ تغلق تیمور کی تاج پوشی ہوگئی ہے تو اس سے ملنا اور یہ واقعہ یاد دلانا' چنانچہ جب انہوں نے تاج پوشی کی خبر سنی تو یہ گئے اور یہ اپنا سجادہ ڈال دیا۔ ان کو کون اندر جانے دیتا؟ وہ باہر نماز پڑھتے رہتے اذان دیتے رہتے اور وقت تو اذان کی آواز محل میں نہیں پہنچی لیکن فجر کے وقت اذان کی آواز پہنچی تو اس نے کہا کہ یہ صدائے بے ہنگام کیسی ہے؟ کون اس وقت چلاتا ہے اور نیند خراب کرتا ہے کہا گیا کہ ایک شخص ہے جو اٹھتا ہے بیٹھتا ہے اور یہ آواز لگاتا ہے اس نے کہا کہ جاؤ اسے پکڑ لاؤ' لوگ ان کو لے گئے تو انہوں نے کہا کہ میں ان کا (شیخ جمال الدین کا) فرزند ہوں جو آپ سے ملے تھے آپ نے سوال کیا تھا اور یہ کہا کہ آپ افضل ہیں یا یہ کتا؟ انہوں نے کہا تھا کہ اگر میرا خاتمہ ایمان پر ہوا تو میں افضل ہوں ورنہ کتا افضل ہے میں یہ اطلاع دینے آیا ہوں کہ ان کا خاتمہ ایمان پر ہوا اور وہ کلمہ پڑھتے ہوئے دنیا سے رخصت ہوئے تغلق تیمور نے کلمہ شہادت پڑھا اور اپنے اسلام کا اعلان کیا۔ اس نے اپنے وزیر اعظم کو بلایا اس نے کہا کہ میں تو بہت دنوں سے مسلمان ہوں میں ایران گیا تھا وہیں اسلام قبول کیا تھا آپ کے ڈر سے بتاتا نہ تھا اس کے بعد پوری ایرانی تاتاری شاخ مسلمان ہوگئی پھر دوسری شاخوں میں بھی اسلام عمومیت کے ساتھ پھیل گیا۔

ایک باخبر تاریخ داں نے بتایا کہ دو قومیں ایسی ہیں جو سو فیصد مسلمان ہوئیں ایک عرب اور ایک ترک یہ بھی سو فیصد مسلمان ہوئے ضرورت یہ ہے کہ ہر زمانہ میں ضرورت ہے داعیوں کی اور مدعوین کی نفسیات کو سمجھنے کی اور حکمت کے ساتھ بات کرنے کی خود قرآن مجید میں ہے۔

"ادع الی سبیل ربک بالحکمة والموعظة الحسنة وجادلهم بالتی هی احسن." (۱)

لیکن اس وقت کا سب سے بڑا فتنہ چیلنج اور خطرہ یہ ہے کہ پورے مغرب اور عیسائی دنیا اور اس کے ساتھ خاص طور پر یہودی عنصر کی (جو ان مغربی ممالک کی شانہ بشانہ ہے) کوشش ہے کہ تمام اسلامی ممالک میں دین کی حمیت ختم ہوجائے دین سے انتساب پر جو فخر ہے وہ ختم ہو

۱۔ سورۃ النحل آیت ۱۲۵ (ترجمہ) آپ اپنے رب کی راہ کی طرف علم کی باتوں اور اچھی نصیحتوں کے ذریعے سے بلایئے اور ان کے ساتھ اچھے طریقے سے بحث کیجئے۔

جائے دین کا جو سرچشمہ ہے (یعنی ایمان) ختم ہو جائے اور اس کے اندر اس کے متبادل طریقہ پر احساس کہتری (INFERIORTY COMPLEX) پیدا ہو۔

ہم نے دارالمصنفین میں استشراق اور مستشرقین کے بارے میں جو مجلس مذاکرہ سیمینار (SEMINAR) ہوئی تھی اس میں کہا تھا کہ مغربی طاقتوں نے اپنی ذہانت سے بالکل صحیح سمجھا کہ محض فوجی برتری واقتدار اور محض سیاسی تنظیم واستحکام اور نئے اور موثر اسلحہ طریق جنگ کافی نہیں کسی ملک کو مستقل طور پر غلام رکھنے کے لئے ضروری ہے کہ وہاں کا تعلیم یافتہ اور مثقف طبقہ (INTELLECTUAL CLASS) قوت حاکمہ سے ذہنی طور پر مرعوب ہو اس کے لئے انہوں نے مستشرقین (ORIENTALISTS) کو تیار کیا، بہت کم لوگوں نے اس راز کو سمجھا ہے کہ مستشرقین محض اپنے علمی ذوق کی بنا پر تحقیق وتصنیف کا کام نہیں کرتے۔

علمی ذوق تو محدود ہوتا ہے لیکن استشراق کے پیچھے سیاسی واستعماری مقاصد اور [illegible] کام کرتی ہے۔ یہ اس زمانہ کا بڑا خطرہ ہے اور اس خطرہ کا جو مرکز ہے اس کو اور اس کے ہتھیار اور سلاح کار کو سمجھنے کی ضرورت ہے۔ مستشرقین کا یورپ وامریکہ میں ایک پورا لشکر تھا اور اس کو ہر طرح کی پشت پناہی حاصل تھی۔ انہوں نے اپنی پوری ذہانت صرف کر دی ایسی کتابوں کے لکھنے میں جس میں صاف صاف اسلام پر حملہ نہ کیا جائے ان کی ذہانت اور سمجھنے کی بات تھی کہ اسلام پر حملہ اگر ہوگا تو مقابل طاقت پیدا ہو جانے کی اس میں ایسا ہو کہ لوگ پڑھ کر دلائل کی روشنی میں (جو چالاکی کے ساتھ کتاب میں شامل کئے گئے ہیں) کتاب الٰہی کے بارے میں حدیث کے بارے میں، علم فقہ کے بارے میں، علم کلام کے بارے میں پھر آخری درجہ میں اپنی تہذیب ومعاشرت کے بارے میں احساس کمتری کا شکار ہوں جو شخص یہ کتابیں پڑھے گا وہ سمجھے گا کہ ہم تو بہت نیچی سطح پر زندگی گزار رہے تھے ہمارے علماء نے ہمارے مربیوں نے اور ہمارے مصنفین نے ان کمزوریوں کا اظہار نہیں کیا۔ واقعہ یہ ہے کہ بہت تاخیر سے حدیث کی تدوین شروع ہوئی، بہت تاخیر سے اسلامی قانون بنایا گیا، یہ سب ان سبھوں نے دکھایا ہے۔ حالانکہ اس تاخیر میں بھی حکمتیں تھیں، حدیث کی تدوین جب شروع ہوئی تو صاف معلوم ہوتا ہے کہ اس میں تائید الٰہی شامل تھی۔ بلکہ وہ ایک معجزہ تھا معجزہ آسمانی تھا کہ بخارا کے اور ترکستان کے ایسے ذہین ترین اور قوی الحافظہ افراد نے اس کام کو اپنے ہاتھ میں لیا جن کی مثال دور دور اور

دیر دیر تک تاریخ میں نہیں ملتی۔ اس کی شہادت کے لئے صرف ایک واقعہ نقل کیا جاتا ہے۔ امام بخاریؒ کے تذکرہ میں آتا ہے:

''امام بخاری جب بغداد آئے تو علمائے بغداد نے ان کے امتحان کا یہ طریقہ تجویز کیا کہ سو حدیثوں کی سند اور ان کے متن (مضمون حدیث) کو الٹ دیا۔ ایک حدیث کی سند دوسرے متن کے ساتھ اور ایک حدیث کا متن دوسری سند کے ساتھ لگا دیا اور دس دس حدیثوں کو ایک ایک شخص کے حوالے کیا کہ وہ ان سے سوال کرے امام بخاریؒ جب مجلس میں آئے تو ایک ایک شخص نے دس دس حدیثیں سنائیں اور ان کی رائے دریافت کیں۔ وہ سنتے اور فرماتے کہ میں ان حدیثوں سے واقف نہیں اہل علم اس راز کو سمجھے اور ناواقف اشخاص ان کی لاعلمی پر مسکرائے جب سب نے اپنے اپنے حصہ کی حدیثیں سنالیں تو امام نے باری باری ایک ایک کی طرف توجہ فرمائی اور کہا کہ آپ نے جو دس حدیثیں سنائیں تھیں ان کا متن یہ ہے اور ان کی سند یہ ہے پھر دوسرے تیسرے کی طرف توجہ کی یہاں تک کہ سب کی احادیث تصحیح کردی اور جس سند کا جو متن تھا اور جس متن کی جو سند تھی وہ بیان کی' لوگ ان کی وسعت نظر' حاضر دماغی اور حافظہ پر انگشت بدنداں رہ گئے۔

اسی طرح جب فقہ کی تدوین شروع ہوئی تو خدا نے ائمہ اربعہ اور ان کے بلند مقام اور نادرۂ روزگار خلفاء وتلامذہ اور مجتہدین کی شکل میں ایسے افراد پیدا کئے اور ان کو توفیق دی جن کی مثال دنیا کی قانون سازی اور مسائل حیات کے حل کرنے کی کوششوں میں نہیں ملتی۔

اسی طرح جب یونانی فلسفہ اسلامی مملکت بالخصوص عراق اور دارالخلافہ بغداد میں سامنے آیا اور اس نے ذہین اور صاحب فکر طبقہ پر اثر ڈالا اور اپنی علمی برتری اور باریک بینی کا سکہ جمایا اور اس سے ایک سطحی الفکر طبقہ کے عقائد میں تزلزل پیدا ہوا تو اللہ تعالیٰ نے امام ابوالحسن اشعری امام ابومنصور ماتریدی' امام غزالی اور شیخ الاسلام حافظ ابن تیمیہؒ کو پیدا کیا جنہوں نے ان کے اثرات اور مرعوبیت کو زائل کر دیا۔

اسی طرح غلط عقائد' جاہلی رسوم وعادات شرک وبدعات اور رسوم قبیحہ کو دور کرنے کیلئے اور دین صحیح اور عقائد صحیح اور سنت وشریعت کے احیاء وترویج کے لئے اللہ تعالیٰ نے ہر دور اور ہر ملک میں مصلحین ومجددین اور ایسے آئمہ دین اور داعیان مخلصین پیدا کئے جنہوں نے عود الی الجاہلیۃ

اعمالی اور دین کے مسخ و تحریف کے خطرہ کو دور کر دیا اور دین صحیح کو سکہ رائج الوقت کی طرح عام کر دیا۔

مستشرقین اور ان کی تحقیقات، دعاوی اور مباحث سے مغربی استعمار WESTERN IMPOERIALIM نے جو کام لیا اور وہ ان کے لئے مفید ثابت ہوا اس کی ایک دلیل یہ بھی ہے کہ جب سے استعمار مشرقی ممالک سے بے دخل ہوا یا بعض جگہ بالکل کمزور ہو گیا اس مدت سے مستشرقین کا کام بھی ڈھیلا پڑ گیا ہے۔ یہ محض اتفاقی بات نہیں ہے، نہ ثقافت کا انحطاط ہوا ہے اور نہ ریڈیو اور جو طریقے ہیں خیالات دوسروں تک پہنچانے کے ان میں صرف انحطاط ہی نہیں بہت اضافہ ہوا لیکن ہم دیکھ رہے ہیں کہ مستشرقین کا کام بالکل ڈھیلا پڑ گیا ہے۔ کبھی کوئی کتاب آ جاتی ہے اس میں وہ طاقت نہیں ہوتی وہ قوت استدلال نہیں ہوتی جو پہلے ہوتا تھا۔ مستشرقین کا مجموعی عالم اسلامی کے علمی مذہبی طبقے کا اعتماد کمزور و متزلزل کرنے کے اور ان کے اندر اپنے دین کے بارے میں، دین کی تاریخ کے بارے میں، سیرت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں اور قرآن مجید کے بارے میں اور فقہ کے کام کے بارے میں اعتماد کو متزلزل کر دیتا تھا۔

اس وقت کا سب سے بڑا خطرہ یہ ہے کہ ہمارا جو نوجوان تعلیم یافتہ طبقہ ہے اس کے اندر احساس کمتری پیدا ہو رہا ہے وہ جو کتابیں پڑھتے ہیں فرنچ میں انگریزی میں، یہاں تو اس کا رواج ہے بعض دوسرے ملکوں میں خاص طور پر فرانس کے مقبوضات میں (مغربی شمالی افریقہ کا علاقہ یہ فرانس کے ماتحت رہا ہے، مراکش الجزائر بھی فرانس کے ماتحت رہے ہیں، یہاں تک کہ لیبیا طرابلس تک فرانس کے ماتحت رہا ہے) تو یہاں فرنچ لٹریچر اور دوسرے ملکوں میں انگلش لٹریچر پھیلا ہوا ہے اور اس میں یہ سب اثرات تھے۔

سب سے زیادہ قابل تشویش اور حزن و فکر کی بات یہ ہے کہ ممالک عربیہ اس وقت امریکہ اور اسرائیل کا نشانہ ہیں اور ان کا یہ حملہ بہت حد تک کامیاب رہا ہے وہاں کا اعلیٰ تعلیم یافتہ طبقہ (جو قیادت کے منصب پر عام طور سے فائز ہوتا ہے) احساس کمتری میں مبتلا ہو گیا ہے وہ اسلام کے مستقبل سے گویا مایوس ہوتا جا رہا ہے۔ خاص کر الجزائر اور مصر پیش پیش ہیں وہاں کی قیادتیں اور حکومتیں دینی دعوت اور تحریک سے بہت زیادہ خائف ہیں، وہاں اصل ٹکراؤ دینی نشاۃ ثانیہ کی تحریک دعوت سے حکومتوں اور دین پسند اسلام پسند طبقوں کے درمیان محاذ قائم ہے۔

حالانکہ الجزائر طرابلس المغرب مصر یہ وہ ملک ہیں جن میں تحریک آزادی کی قیادت علماء نے کی لیکن آج یہ ممالک سب سے زیادہ خطرہ دین کے داعیوں اور اسلامی قائدین اور تحریکوں سے سمجھتے ہیں، مصر میں شیخ حسن البناء کو خطرہ سمجھا گیا اور وہ شہید ہوئے، عبدالناصر کا زمانہ آیا تو سید قطب کو شہید کیا گیا۔ اور کتنی جانیں شہید ہوئیں مصر و الجزائر کی حکومتیں خاص طور پر دین کے جذبہ کے بیدار ہونے دینی حمیت کا اور یہ کہنے کو کہ "یہ حکم شریعت کے خلاف ہے" یہ حکومت کیوں گوارا کرتی ہے اس کو اپنے لئے سب سے بڑا خطرہ سمجھتے ہیں ان کو خطرہ اب نہ اسرائیل سے ہے اور نہ کسی اور غیر مسلم طاقت سے ہے بلکہ اگر خطرہ ہے تو صرف دینی جذبہ سے ہے یہ بڑا المیہ ہے ایسا المیہ جہاں جامع ازہر ہے جہاں افریقہ کے جگر پارے افریقہ اور اسلامی ممالک کے لخت جگر ہزاروں کی تعداد میں پڑھتے ہیں اور عالم اسلام میں جامع ازہر کو سب سے بڑا دینی و علمی ادارہ اور جامعہ سمجھا جاتا ہے۔

اس وقت کا جو چیلنج ہے اور تشویشناک حقیقت ہے کہ وہ یہ کہ آج عرب ممالک اسلامی دعوت سے خائف ہیں کوئی طاقتور تحریک نہیں ہے اور کشش رکھنے والی جماعت اور داعیوں سے یہ ممالک محروم ہیں۔

عرب ممالک جن سے ہم کو ایمان کی دولت ملی اور انسانیت کی حقیقت ملی اور جو ہمارے لئے ہدایت کا سبب بنے جن کا ساری دنیا پر وہ احسان ہے جو کسی بڑے سے بڑے فرمانروا قوم کی بڑی سے بڑی عالی مرتبہ تہذیب کسی بڑے سے بڑے کلچر و ثقافت کا وہ احسان نہیں جو عربوں کا احسان ہے ان ہی کی وجہ سے ہم صاحب ایمان ہیں، حساس و فرض شناس انسان ہیں۔ ان عربوں میں اس وقت دعوت کی آواز صرف یہ کہ دب گئی ہے پست ہو گئی ہے بلکہ کم ہو گئی ہے اور تحریک اخوان المسلمین سے [illegible] معلوم ہوتا ہے سنا ہے کہ پچھلے دنوں یہ سب یہاں جو مظالم ہوئے اس کی بنا پر وہاں جو لوگ اس کے اہل تھے وہ لوگ ملک چھوڑ چھوڑ کر چلے گئے اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ خود مصر میں ایک ایسا دور گزرا ہے کہ ان کے ذہن میں یہ نہیں آتا تھا کہ مسلمان دنیا میں اثر انداز ہو سکتے ہیں چنانچہ جب ہماری کتاب "ماذا خسر العالم بانحطاط المسلمین" قاہرہ سے شائع ہوئی (جس پر ڈاکٹر احمد امین نے ایک کمزور مقدمہ بھی لکھا تھا پھر دوسرا ایڈیشن قوی مقدمہ سید قطب نے لکھا تھا اور ڈاکٹر محمد یوسف موسیٰ کا مقدمہ بھی تھا) جب ہم مصر گئے تو ایک

اخبار نے لکھا کہ کیا مسلمانوں کے عروج وزوال سے دنیا پر اثر پڑ سکتا ہے؟ کیا نام رکھا ہے اس کتاب کا؟ اس نے انگلی اٹھائی اور تعجب کیا حالانکہ میں نے اقبال کے شعر سے کام لیا ہے اور بالکل یہ شعر اس کا جواب ہے جو انہوں نے ابلیس کی طرف سے نقل کیا ہے۔

ہر نفس ڈرتا ہوں اس امت کی بیداری سے
ہے حقیقت جس کے دیں کی احتساب کائنات

مسلمان اس پوزیشن میں کہاں ہیں کہ اس تعداد میں کہاں ہیں کہ دنیا پر اثر انداز ہو سکیں یہ ہے ممالک عربیہ کا اس وقت سب سے بڑا مرض، بڑا خطرہ کہ اسلام کے مستقبل سے وہ مایوس ہوتے جا رہے ہیں ان کی سمجھ میں یہ نہیں آتا کہ اسلام ہی دنیا کے لئے ذریعہ نجات ہے۔ مذہبی طور پر اخلاقی طور پر، دنیوی طور پر بھی معاشرتی طور پر بھی اور سیاسی طور پر بھی یہ وہ کام ہے جو اس وقت قدر و قیمت کے لحاظ سے اور اہمیت کے لحاظ سے اہم ترین اور مؤثر ترین کام ہے۔

آپ اپنے اندر وہ قابلیت پیدا کریں کہ آپ عربوں کو متاثر کر سکیں اس کے لئے ضرورت ہے کہ آپ کی زبان و تحریر میں وہ اثر ہو اور وہ شگفتگی، جاذبیت و ادبیت ہو کہ عرب کہیں کہ کیا خوب لکھا ہے، چنانچہ الحمدللہ یہاں سے ندوۃ العلماء کی ''مجلس تحقیقات و نشریات اسلام'' سے وہ لٹریچر عرب ممالک میں جاتا ہے جسے عرب میں جھوم جھوم کر پڑھتے ہیں اور سناتے ہیں۔ ہم نے یہ بھی دیکھا کہ مولوی عبداللہ عباس ندوی صاحب کے مکان پر مکہ معظمہ میں ہم بیٹھے ہوئے تھے استاد عبدالحلیم عابدین ایک رسالہ پڑھنے لگے ہم کو ضرورت پڑی ہم نے کہا کہ ہم ابھی آتے ہیں واپس آئے تو دیکھا کہ وہ پڑھ رہے ہیں اور رو رہے ہیں۔ یہ امام حسن البناء کے بہنوئی تھے اور بڑے خطیب و تعلیم یافتہ جب ہم آئے تو ہمارا نام لے کر کہا کہ یہ کس کی لکھی ہوئی کتاب ہے؟ ہم نے کہا کہ ہمارے برادر زادہ محمد الحسنی کی تو انہوں نے کہا کہ ان کو میرا سلام کہنا یہ کتاب ''**الاسلام بین لا و نعم**'' تھی۔

آخرت میں بھی اور دنیا میں بھی یہاں کے وسائل کے اعتبار سے یہ عظیم کارنامہ ہوگا کہ آپ عربوں میں دین کی دعوت کو پہنچانے کی صلاحیت پیدا کریں اللہ تعالیٰ نے اس کے اسباب مہیا فرمائے ہیں۔ ایک ہدف و نشانہ بنائیں کہ ہم اپنے اندر قابلیت و صلاحیت پیدا کریں جس سے ہم عربوں کو دین پر زیادہ جمنے کی دعوت دے سکیں۔ ہماری کتابوں میں سے ''**الی الاسلام**

من جدید" **اجاهلية بعد الاسلام ايها العرب؟ الى الراية محمديه ايها العرب**"(۱) یہ سب وہ کتابیں ہیں جو عربوں کو چونکا دینے والی اور جھنجھوڑنے والی ہیں، وہ کہیں گے کہ ایک عجمی ایک ہندی الثقافۃ ہمیں خطاب کر رہا ہے اس کے اندر اسلام کا اتنا اعتماد ہے جو اعتماد ہمارے اندر اب نہیں رہا ہے اللہ تعالیٰ اگر نفع پہنچا دے تو اس سے بڑھ کر تقرب الی اللہ کا کوئی ذریعہ نہیں ہو سکتا کہ آپ کے ذریعہ سے اس امت کے افراد میں دین پر اعتماد پیدا ہو جن کے ذریعہ سے یہ نعمت اور یہ دولت ساری دنیا میں پھیلی ہمارے مدارس عربیہ کے فضلاء میں یہ جذبہ دوسروں سے زیادہ ہونا چاہیے کہ ہم جن کی زبان کے ذریعہ سے دین کو سمجھ رہے ہیں جن سے ہم کو یہ دولت علم ملی ہے اور مل رہی ہے ان کا حق ہے کہ ہم اس کو پھر ان کے پاس لے جائیں ان کے اندر اس کا احساس پیدا ہو اور ان کے اندر یہ غیرت پیدا ہو وہ استاد ہیں ہم شاگرد وہ پیر ہیں ہم مرید اور وہ ہمارے ہادی ہیں اور ہم مہتدی تو اس لئے "کلیۃ الدعوۃ قائم ہوا ہے وہ ایک بڑے نیک شگون کی بات ہے اور مبارکباد دینے کے لائق ہے اللہ تعالیٰ ہمارے عزیزوں اور رفقائے کار کو جزائے خیر دے۔

اپنے اس عہد میں، اپنے اس ملک میں اپنے ماحول میں آپ یہ کیجئے کہ تعلیم یافتہ طبقہ کو خاص طور پر اور عام مسلمانوں کو عام طور پر سامنے رکھ کر اس حقیقت کو ذہن نشین کریں کہ زمانہ کتنا ہی بدل گیا ہے لیکن دین ابدی ہے اور آج بھی وہ دین صحیح و کامل اور زندہ ہے اور دین ہی اس زمانہ کی رہبری کر سکتا ہے اور اس دین کے ذریعہ ہی سے ہم اس زمانہ میں کامیاب ہو سکتے ہیں۔ فتحیاب ہو سکتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کی نصرت و حمایت کے مستحق ہو سکتے ہیں۔

یہ تو کام آپ کا ہر جگہ ہے، مقامی طور پر بھی ہے شہر میں بھی ہے، تعلیم یافتہ طبقہ میں خاص طور پر جو پہلے انگریزی تہذیب سے متاثر ہونے لگا ہے اور خطرہ ہے کہ وہ ہند دیومالا اور تہذیب سے متاثر ہو اس کو بھی آپ ذہن میں رکھیں، عربی زبان کی تعلیم حاصل کرنے سے یہ فائدہ ذہن میں نہ رکھیں کہ ہم بلاد عربیہ میں جائیں گے۔ اور کہیں جگہ مل گئی تو نوکری کر لیں گے، نہیں تو مؤذن بن جائیں گے۔ امام بن جائیں گے۔

۱۔ ان عربی دعوتی رسائل و کتب کی فہرست مجلس تحقیقات و نشریات سے طلب کی جا سکتی ہے۔

یہ قیمت نہیں ہے آپ کی اور نہ یہ مولانا محمد علی مونگیری صاحب رحمۃ اللہ علیہ و مولانا سید ظہور الاسلام فتح پوری رحمۃ اللہ علیہ مولانا حکیم سید عبدالحئی رحمۃ اللہ علیہ اور دار العلوم کا منصوبہ بنانے والوں اور اس کو ترقی دینے والوں میں علامہ شبلی نعمانی اور مولانا سید سلیمان ندوی اور ان سے اہل اللہ و عارف باللہ رفقاء و معاونین نے مقاصد متعین اور قائم بانیوں کی ہے اس ذریعہ نظریہ یہ ہے کہ آپ ذاتی نظریہ مخالف اسلام تحریکوں سے [illegible] مغربی مصنفین کی کتابیں پڑھنے سے پیدا ہورہی ہے اور دوسری طرف آپ عربوں سے

بضاعتنا ردت [illegible] الینا

اللہ تعالیٰ آپ سب [illegible] توفیق [illegible] اللہ [illegible] تعالیٰ [illegible] مولانا [illegible]

صدر ناصر کی مخالفت کیوں؟

۵ جون ۶۷ء کی جنگ اور عربوں کی شکست کے سلسلے میں مصنف نے پیہم جو تنقیدی مضامین لکھے اور عالم عربی کے مختلف شہروں میں جو تقریریں کیں ان میں قدرتاً صدر ناصر کی قیادت اور ان کے رویے اور کردار پر بھی تنقید تھی، اس سے ہندوستان کے بعض دینی حلقوں اور مسلم اخبارات میں یہ سوال اٹھایا گیا کہ صدر ناصر کی اتنی سخت اور پیہم مخالفت کیوں؟ یہ تقریر اس کے جواب میں کی گئی۔

الحمد لله رب العالمين والصلوٰة والسلام على سيد الانبياء والمرسلين ومن تبعهم باحسان ودعىٰ بدعوتهم الى يوم الدين. اما بعد.

مجھے اس کا اقرار ہے

میں ہندوستان میں صدر ناصر کا بہت بڑا مخالف سمجھا جاتا ہوں اور تعجب نہیں اگر بہت سے لوگ مجھے اس ملک میں ان کا سب سے بڑا مخالف سمجھتے ہوں، مجھے بھی اس کا اقرار ہے کہ میں دس بارہ برس سے ان کا شدید مخالف اور ناقد رہا ہوں، اور عربی، اردو دونوں زبانوں میں، نیز تقریر تحریر کے ذریعہ ان پر شدید تنقید کرتا رہا ہوں، میں اپنے اس طرز عمل کے بارے میں کسی معذرت اور تاویل کی ضرورت نہیں سمجھتا، البتہ بعض غلط فہمیوں کے ازالہ کے لئے کسی قدرت وضاحت وتفصیل کی ضرورت محسوس ہوتی ہے۔ اس سلسلہ میں اگر اپنی حقیر ذات سے متعلق بھی کچھ عرض کرنا پڑے اور ''جگ بیتی'' میں تھوڑی سی ''آپ بیتی'' بھی آجائے تو امید ہے کہ اس کو ایک ضرورت ومجبوری سمجھ کر گوارا کیا جائے گا۔

نہ غلط فہمی نہ خام خیالی

صدر ناصر سے میری مخالفت کی بنیاد عام طور پر یہ سمجھی جاتی ہے کہ وہ قومیت عربیہ کے اس وقت سب سے بڑے علمبردار ہیں، اور میں اس کا شدید مخالف، اس کا کوئی شبہ نہیں کہ میں قومیت عربیہ کو اس کے اعتقادی اور فلسفیانہ تصور کے ساتھ، جو مغربی ''نیشنلزم'' کا حقیقی

مفہوم اور مزاج ہے، میں اس کو اخوت اسلامی اور "جامعہ اسلامیہ" کا رقیب اور حریف سمجھتا ہوں، اور اس بارہ میں تاریخ وسیاست کے ایک طالب علم اور دنیا کے تجربات وواقعات سے سبق لینے والے ایک انسان کی حیثیت سے کسی غلط فہمی اور خام خیالی میں مبتلا نہیں ہوں، اور نہ کسی جماعتی تعصب اور فقیہانہ تشدد کا شکار ہوں، اس اندیشہ کی تصدیق کے لئے عرب قوم پرست رہنماؤں کی تحریروں، تقریروں اور ان کے اعلانات وبیانات کی شہادت کافی ہے، جس کا ایک حصہ میں نے اپنے اس رسالہ میں بھی نقل کیا ہے جو "عرب قوم پرستی اسلامی نقطۂ نظر سے غلط ہے کیوں؟" کے نام سے ۶۲ء میں شائع ہوا تھا، اور میں نے اس کی چند عدد یہاں حال ہی میں مخصوص اہل علم اور ممتاز اصحاب کے پاس بھجوائی ہیں، اس قوم پرستی کی تخریبی صلاحیت اس کی ہلاکت آفرینی، اس کی انانیت پروری، اور اس کی جارحانہ فطرت کے متعلق جدید سیاسی لٹریچر میں اتنا لکھا جا چکا ہے کہ اس پر اب کسی اضافہ کی گنجائش نہیں، ہمارے اس دور میں خود مغرب میں اس کو رجعت پسندی اور فرسودہ خیالی کی علامت سمجھا گیا ہے، ایک مسلمان کی حیثیت سے جس کا عقیدہ "ان هذا امتكم امة واحدة وانا ربكم فاعبدون" کا قائل ہے۔

یہ فرض ہے کہ دنیا کے کسی گوشے اور خصوصیت کے ساتھ وسیع دنیائے اسلام کے کسی دور دراز حصے میں بھی قومیت کا نعرہ بلند کیا جائے تو وہ اس سے نبرد آزما اور برسرپیکار ہو جائے، اس بنا پر ان قائدین نے جن کو اسلامی جمعیت اور ایمانی فراست سے حصہ وافر ملا تھا، ترک قوم پرستی، ایرانی قوم پرستی، افغانی قوم پرستی، یہاں تک کہ ہندوستانی نیشنلزم تک کی مخالفت کی۔

چو کفر از کعبہ برخیزد

لیکن یہ نعرہ جب اس سرزمین سے بلند کیا جاتا ہے، جہاں دنیا کے بتکدوں کے بجائے خدا کا گھر بنایا گیا تھا، اور جس کو اس دعوت اخوت وپیغام انسانیت کا آخری اور سب سے مضبوط حصار قرار دیا گیا تھا تو ایک ایسے شخص کے لئے جس کا اس کو یقین ہے کہ اسلام خدا کا آخری دین اور عرب اس کے حامل وامین ہیں، یہ بات برداشت سے باہر ہو جاتی ہے کہ وہ اس کو کسی بڑے سے بڑے سیاسی یا مادی مفاد کی خاطر نظر انداز کر دے، اور وہ ایک ذہنی وروحانی کرب کے ساتھ بے اختیار پکار اٹھتا ہے کہ۔ ؎

چو کفر از کعبہ برخیزد کجا ماند مسلمانی؟

اخوت اسلامی کی حریف نبوت محمدیؐ کی رقیب

اس قوم پرستی میں جب قدیم تہذیب کے احیاء کی سرمستی، اور آباء پرستی کا عنصر بھی شامل ہو جاتا ہے تو وہ نہ صرف اخوت اسلامی کی حریف، بلکہ نبوت محمدی کی رقیب بھی بنتی نظر آتی ہے، وہ جس رفتار سے ترقی کرتی ہے، اس رفتار سے محمد رسول اللہ کی سیادت وامامت کا عقیدہ، اور ان کے ''دانائے سبل'' اور ''مولائے کل'' ہونے کا اعتقاد بھی کمزور ہوتا چلا جاتا ہے۔ یہ سب اندیشہ ہائے دور دراز اور تخیل پرور ذہانت کے کرشمے نہیں ہیں، وہ حقائق ہیں، جن کا غالی عرب قوم پرستوں کے مضامین پر جوش عرب نوجوانوں کی مجلسوں اور مصر وشام کی ادبی اور سیاسی مجلسوں میں ہر وقت مشاہدہ کیا جا سکتا ہے، اور ہمارے محدود علمی ذخیرے میں اس کا خاصہ حصہ محفوظ ہے۔ صدر ناصر کی ذات سے اس عرب قوم پرستی کو جو قوت وتازگی اور جو بین الاقوامی اہمیت حاصل ہوئی اس سے کوئی انصاف پسند انکار نہیں کر سکتا، اس بنا پر کوئی ایسا شخص جو عربوں کو اسلام کا راس المال، اور ان کی مقدس سرزمین کو دنیائے اسلام کا روحانی دار السلطنت، اور محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کا قلعہ سمجھتا ہے، بے چینی محسوس کرے، اور اس کے قلب وقلم سے کچھ آہ وفغاں نکل جائے تو تعجب کی کوئی بات نہیں کہ۔

دل ہی تو ہے نہ سنگ وخشت، درد سے بھر نہ آئے کیوں؟

ایک بڑی دینی سعادت

میرے لئے اس عرب قوم پرستی کی بنیاد پر صدر ناصر کی مخالفت ایک بڑی دینی سعادت تھی اور ہے، اور میں اس پر کوئی شرمندگی محسوس نہیں کرتا، لیکن میری مخالفت کی بنیاد تنہا یہ بات نہیں، انصاف کی بات یہ ہے کہ شام کے بعثی لیڈر اور عراق کے متعدد قوم پرست مفکر اور صاحب قلم، اس بارے میں صدر ناصر سے زیادہ غلو رکھتے ہیں، انھوں نے اس کو ایک فلسفہ کے طور پر اور اسلام کے متوازی ایک نظام کی حیثیت سے پیش کیا، اس کے متعدد نمونے میری کتاب، مسلم ممالک میں اسلامیت اور مغربیت کی کشمکش میں آچکے ہیں، لیکن میں ان میں سے

کسی کو عالم عربی کی روح، اور دنیائے عرب کی آئندہ نسلوں کے لئے خطرناک نہیں سمجھتا کہ ان کو اپنی مخالفت وتنقید کا مستقل موضوع بناؤں، اور ان پر بار بار توجہ کروں۔

لامذہبیت، مادیت اور کمیونزم کا نقیب اور داعی

صدر ناصر سے میری مخالفت کی بنیاد اس سے کہیں زیادہ گہری، وسیع اور معنی خیز ہے، وہ تنہا قومیت عربیہ کے علمبردار نہیں، وہ عالم عربی میں ایک بنیادی، ہمہ گیر اور نہایت دوررس تبدیلی کے داعی اور علمبردار ہیں، وہ عالم عربی کا رخ اس مرکزی نقطہ سے ہٹا کر، جو اس کے فکر، عمل، شوق وتمنا اور جذبہ وجوش کا قبلہ رہا ہے، ہمہ گیر مادیت اور لامذہبیت کی طرف پھیرنا چاہتے ہیں، اور اس مقصد کے حصول کے لئے وہ ایسے دوررس اور وسیع انتظامات اور تبدیلیاں کر رہے ہیں، جن کا اثر (اگر کوئی عظیم انقلاب اور غیر معمولی واقعہ پیش نہ آیا تو) نسلوں اور صدیوں تک قائم رہے گا، ان کو اس مقصد کے حصول کے لئے وہ وسائل ومواقع اور وہ اثر ورسوخ بھی حاصل ہوگیا ہے، جو اس وقت تک کمال اتاترک کی ترکی میں قیادت کے مختصر دور کو مستثنیٰ کر کے ابھی تک کسی اسلامی ملک کے قائد یا سربراہ کو حاصل نہیں ہوا تھا، اور وہ پورے عزم وتنظیم اور ایک سوچی سمجھی اسکیم کے ساتھ اس منزل کی طرف رواں دواں ہیں، وہ نہ صرف مصر بلکہ پورے مشرق وسطی میں کمیونزم کے سب سے بڑے نقیب اور سب سے موثر داعی ہیں، وہ اگرچہ ہمیشہ ''اشتراکیت عربیہ'' اور اب کچھ عرصے سے ''اشتراکیت عامیہ'' کا نام لیتے ہیں، لیکن درحقیقت ان کی منزل مقصود اور ان کا منتہائے نظر، اشتمالیت یا کمیونزم ہے۔

ہندوستان کے طبقۂ علماء سے گلہ

افسوس ہے کہ ہمارے ہندوستان کے بہت سے اہل علم، ممالک عربیہ کے جدید تغیرات اور تازہ واقعات سے پورے طور پر واقف نہیں، ان کو اندازہ نہیں کہ اس مدت میں وہاں کیا فکری، اور ذہنی انقلاب رونما ہوگیا، اور معاملہ کہاں سے کہاں پہنچ گیا ہے، ان کا ذریعہ معلومات زیادہ سے زیادہ مصر وشام کے چند مذہبی رسالے اور علمی وفقہی تصنیفات، یا وہ معلومات ہیں، جن کی ان ملکوں کے سفارت خانے اشاعت کرتے رہتے ہیں، وہ سمجھ رہے ہیں کہ وہاں جو کچھ ہو رہا

ہے، وہ صرف سرمایہ دار طبقے کی چند ناانصافیوں کا خاتمہ، مصری معاشرہ کی اصلاح اور معاشی زندگی کی تنظیم ہے، ان میں سے بہت سے لوگ اب بھی اس طرز عمل کے لئے قرآن مجید کی آیات سے استدلال اور حضرت ابوذر غفاریؓ کی زندگی سے مثال پیش کرتے ہیں۔

مصر کی اشتراکیت کو روس کی سند قبولیت

حالانکہ اب مصر کی ''اشتراکیت'' کو خود سوویت دیس کے ذمہ دار اور سربراہ سند دے چکے ہیں، اور وہ اس کی پیش رفت و ترقی اور حکمت عملی سے بالکل مطمئن ہیں، میں یہاں پر روسی ذمہ داروں اور کمیونزم کے سرکاری نمائندوں کے چند بیانات پیش کرتا ہوں۔

''متحدہ عرب جمہوریہ نے اپنے جن اہم اور بنیادی منصوبوں کا اعلان کیا ہے، اور جن میں سوشلسٹ سماج کی تعمیر بھی شامل ہے، ان کو سوویت عوام کی مکمل تائید و حمایت حاصل ہے اور وہ اس کی پوری طرح قدر کرتے ہیں''۔

آگے لکھتا ہے:

''واقعہ یہ ہے کہ متحدہ عرب جمہوریہ اور سوویت یونین کے تعلقات عام تعاون کے دائرے سے بلند ہیں، وہ سیاست خارجہ میں لینن کے اصولوں کی بنیاد پر قائم ہیں''۔

مصر کے قومی منشور ''المیثاق الوطنی'' پر تبصرہ کرتے ہوئے کوسی گن نے اپنی جو رائے ظاہر کی تھی، اس کو مصر کے مشہور اخبار ''الاہرام'' (یاد رہے کہ مصر میں تمام اخبار قومیائے جا چکے ہیں) نے ان الفاظ میں نقل کیا ہے۔

''میثاق وطنی کی ایک اہم اور اصولی دستاویز کی حیثیت سے ہماری نظر میں بڑی اہمیت ہے''۔

(الاہرام ۱۲/ مئی ۶۶ء)

''سوویت نیوز'' یہ بھی شائع ہو چکا ہے کہ انقلاب مصر کے چودہویں جشن کے موقع پر صدر برزنیف اور وزیر اعظم کوسی گن نے جو تہنیتی پیغام بھیجے ان میں کہا گیا ہے کہ

''روس، مصری قوم اور حکومت مصر کی ان کامیابیوں پر دلی مسرت کا اظہار کرتے ہیں، جو انھوں نے ایک اشتراکی اور جمہوری سماج کی تعمیر میں اپنی انتھک اور پیہم کوششوں کے ذریعہ حاصل کی ہیں''۔

مساجد اور مدارس دینیہ اشتراکی سماج کی معمار

ان کوششوں کی تفصیل کے لئے، جو خالص مذہبی اداروں (مساجد و مدارس دینیہ) سے لے کر، ادب، صحافت، وسیاست کے حلقوں اور میدانوں تک پھیلی ہوئی ہیں، اور یہ معلوم کرنے کے لئے موجودہ نسل کو نئے قالب میں ڈھالنے اور آنے والی نسلوں کو اسی معیار کے مطابق پیدا کرنے کے لئے کیسی پرعزم اور منظم کوشش ہو رہی ہے، اس کی ضرورت تھی کہ کم سے کم اس دس برس کے عرصہ کے مصری اخبارات ورسائل کے فائلوں اور سرکاری منشورات و مطبوعات پر نظر ڈالی جائے، لیکن یہ بات چونکہ ہندوستان میں آسانی سے ممکن نہیں اس لئے یہاں صرف چند نمونے پیش کئے جاتے ہیں۔

مصر کے سرکاری اخبار ''الجمہوریہ'' میں ۱۵ جولائی ۶۶ء کے شمارہ کے مذہبی ضمیمہ (الملحق الدینی) میں وزارت اوقاف کے ترجمان کا حسب ذیل بیان شائع ہوا:

''وزارت اوقاف قدرتی طور پر ایک ایسی یونیورسٹی میں تبدیل ہوگئی ہے جس کا مقصد اور جس کا مشن، عرب سماج میں سوشلسٹ اصولوں کا نفاذ ہے''۔

وہ آگے کہتے ہیں:

''جدید انقلاب کا مقصد یہ ہے کہ مساجد کو ایسا کر دیا جائے کہ، وہ سوشلسٹ سماج میں اپنا کردار ادا کر سکیں، اور ایسا فرد صالح تیار کر سکیں جو جدید ترقی پسندانہ اور اشتراکی سماج میں حصہ لے سکے''۔

ڈاکٹر احمد کمال، مصر کے سرکاری مذہبی رسالہ ''منبر الاسلام'' میں لکھتے ہیں:

''ہر مسجد ادارے کے ماتحت ہوگی، اور اس ادارے کی نگرانی عرب سوشلسٹ یونین کی مقامی شاخ کے سپرد ہوگی، اور یہ شاخیں ایک عمومی تنظیم کے ساتھ مربوط ہوں گی، جن کا کام یہ ہوگا کہ وہ اپنے حلقوں میں سوشلسٹ ثقافت کے پروگراموں اور منصوبوں کو روشناس کرا سکیں۔

کمیونزم کا عربی ایڈیشن

ان اقتباسات میں اگرچہ ہر جگہ اشتراکیت کی اصطلاح آئی ہے اور بظاہر کمیونزم سے ایک مختلف نظریہ نظر آتا ہے، جس میں کمیونزم کی انتہا پسندی اور غلو نہیں ہے، لیکن یہ درحقیقت اشتمالیت اور کمیونزم کی پہلی منزل اور اس کا عربی ایڈیشن ہے، جس کو حالات کی مجبوری کی بنا پر اختیار کیا گیا ہے، اگر ایسا نہ ہوتا تو اس کے ذمہ دار اور راسخ العقیدہ رہنما کبھی اس پر اظہار اطمینان وخوشنودی نہ کرتے۔

اشتراکیت اور نامذہبیت کی ہمہ گیر کوشش کا نتیجہ

اشتراکیت اور نامذہبیت کی اس بھرپور ہمہ گیر اور منظم کوشش کا نتیجہ یہ ہے کہ اس دس بارہ برس کے عرصہ میں مصر اور شام اور عراق میں خصوصیت کے ساتھ اور دوسرے عرب ممالک میں عمومیت کے ساتھ نوجوان اور تعلیم یافتہ طبقہ، اندر سے اتنا بدل چکا ہے اور اس تیزی کے ساتھ بدلتا چلا جا رہا ہے کہ اس کا اندازہ یہاں بیٹھ کر کرنا مشکل ہے اگر ہمارے علماء دین ان کی بے تکلف مجلسوں میں شریک ہو کر ان کے اصلی خیالات اور اندرونی جذبات سنیں تو شاید وہ سر پکڑ کر بیٹھ جائیں کہ اس عرصہ میں اسلام کے اس بنیادی مرکز میں اتنا عظیم انقلاب رونما ہو چکا ہے، وہ انقلاب جس کو بعض اوقات صرف ذہنی وتہذیبی ارتداد نہیں بلکہ (سخت قلبی اذیت کے ساتھ) اعتقادی ارتداد بھی کہنا پڑے گا۔

اولاد ابراہیمؑ کی آذری وبت تراشی

یہ انقلاب جہاں کبھی رونما ہوا، اور جہاں کبھی اس کے رونما ہونے کا خطرہ محسوس ہو، افسوسناک وتشویش انگیز ہے، لیکن جب یہ انقلاب ایک ایسے میدان میں رونما ہونے لگتا ہے، جس پر رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم اور صحابہ کرامؓ کی اولین وبہترین کوششیں صرف ہوئیں، اور جو ان کی تمناؤں کا مرکز اور قیامت تک آنے والی مسلمان نسلوں کی امیدگاہ ہے، تو معاملے کی سنگینی اور تشویش کا پہلو بہت بڑھ جاتا ہے، جب ایک مسلمان، اولاد ابراہیمؑ کو آذری وبت تراشی کرتے ہوئے دیکھتا ہے، اور جن کو خدا نے دنیا کا مرکز اور جن کے شہر کو عالم اسلام کا قبلہ

بنایا تھا، وہ کعبہ کا طواف کرنے کے بجائے بار بار ماسکو کا احرام باندھتے، اور کریملن کا طواف کرتے ہوئے دیکھے جاتے ہیں، تو دنیا نگاہوں میں اندھیر ہو جاتی ہے، اور بے اختیار زبان وقلم سے فریاد نکل جاتی ہے۔

دل عبث لب پہ شکوہ وا نہ کند
شیشہ تا نہ شکند صدا نہ کند

عالم عربی سے میرے گہرے روابط

میں اس کو اپنی بدقسمتی سمجھوں یا خوش قسمتی کہ مجھے عالم عربی کی کمزوریوں اور بیماریوں اور اس کے سر پر منڈلانے والے خطرات سے واقفیت کے وہ مواقع حاصل ہوئے جو (خاص اسباب وحالات کی بنا پر) ہندوستان میں میرے محدود علم میں بہت کم لوگوں کو حاصل ہوئے ہوں گے، میری تعلیم وتربیت شروع سے عرب اساتذہ کے ماتحت ہوئی اور بدو شعور ہی سے اس سرزمین سے اپنے وطن کا سا انس اور واقفیت پیدا ہوئی، ۴۷ء سے پہلے مجھے ہندوستان سے باہر جانے کا اتفاق نہیں ہوا، لیکن عرب کی کسی سرزمین پر قدم رکھنے سے پہلے میں وہاں کی تحریکات، رجحانات، مکاتب خیال اور شخصیتوں سے اتنا واقف ہو گیا تھا کہ مجھے کسی عرب ملک میں کبھی اجنبیت اور بیگانگی کا احساس نہیں ہوا، اس کے بعد بار بار مجھے مشرق وسطی کے دورے کا موقع ملا، اور تقریباً پوری عرب دنیا کی سیاحت کی، سیاحت بھی سرسرانہ نہیں محرمانہ، میں عربی دنیا کے تمام اہم مرکزوں میں مہینوں اور ہفتوں رہا ہوں، اور ایک فرد خاندان کی حیثیت سے ان کی زندگی کے مطالعے اور ان کے حقیقی خیالات وجذبات سے واقفیت کا موقع ملا ہے، معذرت اور احساس ندامت کے ساتھ عرض کرنا پڑتا ہے کہ مجھے ان کے فطری محاسن ان کے قومی خصائص، ان کے خداداد کمالات، ان کی حسن طبیعت، ان کے سوز دروں، اس کے ساتھ ان کی مشکلات، ان آزمائشوں، ان کے مسائل اور ان کے مصائب کا جیسا علم ہے، قدرتی طور پر بہت سے ان اصحاب کو نہیں ہے، جو اپنے علم وفضل، دین وتقویٰ، علمی کمالات یا سیاسی خدمات میں مجھ سے بدرجہا فائق اور میرے لئے لائق صد عزت واحترام ہیں، یہ کوئی کمال نہیں، حکمت الٰہی کی کرشمہ سازی ہے، محض انعام نہیں، امتحان وآزمائش بھی ہے، عربوں کی عالی ظرفی، طبعی شرافت کریم

النفسی، اور اخوت اسلامی کا کرشمہ تھا کہ انھوں نے مجھے ایک فرد خاندان کی طرح اپنے حالات پر تبصرہ و تنقید کرنے، اپنے مسائل پر بحث کرنے، اور ان کا حل پیش کرنے کی اجازت دی، اور اس کو نہ صرف خندہ پیشانی اور بشاشت کے ساتھ۔ بلکہ ان خیالات کی اشاعت اور توسیع کی مخلصانہ کوششیں کیں۔

عربوں کی کمزوریوں، خامیوں اور کوتاہیوں پر آزادانہ تنقید

۲۳ جولائی ۱۹۵۱ء کو میں نے دمشق یونیورسٹی کے ہال میں ممبران پارلیمنٹ، اساتذہ، جامعہ علما، اور عمائد شہر کے جلسہ میں جس کی صدارت یونیورسٹی کے عیسائی وائس چانسلر مشہور عرب فاضل قسطنطین زریق کر رہے تھے، فلسطین کے مسئلہ اور اس کے حل پر اپنا مقالہ پڑھا جو "فلسطین کے المیے کے بنیادی اسباب" کے نام سے دمشق، بیروت اور بغداد میں بار بار چھپا ہے، میں نے اس مقالہ میں موجودہ عربوں کی بنیادی کمزوریوں، ان کے رہنما کی خامیوں اور کوتاہیوں پر آزادانہ تنقید کرتے ہوئے مسئلہ فلسطین کا حل پیش کیا تھا، عربوں نے اس مشورے کو جو ایک مسافر اور غیر ملکی کی زبان سے پیش ہوا تھا، اور جس میں تنقید کی تلخی بھی تھی، نہ یہ کہہ کر رد کر دیا کہ "یہ ہمارے گھر کا معاملہ ہے، باہر کے کسی آدمی کو مشورہ دینے کا کیا حق ہے؟" اور نہ وہ اس صاف گوئی اور احتساب پر چیں بہ جبیں ہوئے۔ اسی طرح ۵۶ء میں موتمر اسلامی دمشق کے جلسے میں "مسئلہ فلسطین کا تعلق اسلام کے دینی شعور کی بیداری سے" کے عنوان سے میں نے پھر ایک مقالہ پڑھا اور اس کی اسی طرح پذیرائی ہوئی۔ اسی طرح دمشق، بیروت، عمان، بغداد اور مکہ معظمہ میں عرب دوستوں کے سامنے اپنے ناقدانہ خیالات اپنے مخلصانہ مشورے اور اپنے تاثرات و جذبات پیش کرنے کا بار بار اتفاق ہوا اور انھوں نے ہمیشہ فراخ دلی اور عالی ظرفی دیتے ہوئے ان کا پرجوش خیر مقدم کیا۔

"نوا مری عربی رہی"

یہ ذاتی داستان جس کا سنانا میرے لئے کچھ زیادہ خوشگوار و آسان کام نہیں ہے، اس لئے پیش کی گئی کہ ناظرین کو معلوم ہو جائے کہ میں نہ عربی دنیا سے بیگانہ اور اجنبی ہوں نہ میری

معلومات سکنڈ ہینڈ ہیں، اور نہ میں نے عرب رہنماؤں پر تنقید کا کام اور عربوں کی زندگی سے احتساب کا فریضہ، ان کے مصائب اور ان کی ناکامیوں کے اسباب پر بحث کا سلسلہ صرف عرب واسرائیل کی اس جنگ کے موقع پر شروع کیا ہے، اور نہ میں اچانک اور بے وقت اس میدان میں آ گیا ہوں، میں اپنے کو (ایک مسلمان کے رشتے سے بھی اور عربی ثقافت کے ناطے سے بھی) اس وسیع وعظیم عرب خاندان کا جو مراکش سے بغداد تک پھیلا ہوا ہے، ایک فرد سمجھتا ہوں، ان کے دکھ سکھ میں شریک ہوں، میری قسمت ان کی قسمت سے وابستہ ہے، ان کی عزت سے میری عزت اور ان کی ذلت سے میری ذلت ہے، میرے تخیلات کی دنیا، میری تمناؤں کا مرکز، میرے طائر روح کا حقیقی نشیمن، عرب کی محبوب سرزمین، اس کی زبان وادب اور اس کی تہذیب وثقافت رہتی ہے، عربی دنیا کے اس پورے اثاثہ اور سرمایہ پر (جس کی حفاظت اور سربلندی کے لئے قومیت عربیہ کا نعرہ بلند کیا جاتا ہے) میرا حق، کسی طٰہٰ حسین، کسی عقاد، کسی احمد امین یا کسی کرد علی سے کم نہیں، میرا خمیر اور میرا آب وگل ہندوستان کی سرزمین سے ہے، مجھے اس کا اعتراف بھی ہے اس پر فخر بھی، لیکن میں نے اردو سے زیادہ عربی زبان کو اپنے اظہار خیال کا ذریعہ بنایا، اور مجھے اقبال کے الفاظ میں یہ دعویٰ کرنے کا حق ہے کہ

میرا ساز گرچہ ستم رسیدۂ زخمہائے عجم رہا
وہ شہید ذوق وفا ہوں میں کہ نوا مری عربی رہی

عرب دنیا ایک فیصلہ کن دوراہے پر

مجھے بار بار جو چیز ہندوستان میں اس فغاں سنجی اور تلخ نوائی پر مجبور کرتی ہے، اور جس کی وجہ سے میں عالم عربی کی ان شخصیتوں پر بھی تنقید سے باز نہیں رہ سکتا، جن کو عربی دنیا اور بیرونی ممالک میں بھی بڑی مقبولیت حاصل ہے، وہ میری یہ مجبوری ہے کہ میں ان خطرات سے آنکھیں نہیں بند کر سکتا، جو موجودہ عالم عربی میں اسلام کو بحیثیت مکمل اور آخری دین کے اور عربوں کو اس کے پرجوش داعی، اور وفادار سپاہی کے درپیش ہیں، آج عالم عربی (ان انقلابی رہنماؤں اور فوجی ڈکٹیٹروں کی بدولت جو مصر وشام، عراق اور الجزائر پر قابض ہیں، افسوس کہ اب اس فہرست میں لیبیا اور سوڈان کا بھی اضافہ ہو گیا) ایک ایسے ذہنی بحران سے دوچار ہے،

جس کی مثال ظہور اسلام کے بعد سے اس وقت تک نہیں ملتی، آج عرب دنیا ایک فیصلہ کن دوراہے پر کھڑی ہے، اگر موجودہ انقلابی قیادتیں، جو صرف ماسکو کی خیمہ بردار ہیں، کامیاب ہو گئیں تو خدانخواستہ عرب دنیا اسلام سے اتنی دور ہو جائے گی کہ پھر اس کو اسلام کی طرف لانے کے لئے کسی معجزے کے ظہور اور کسی مسیح نفس داعی اور مجدد کے پیدا ہونے کی ضرورت ہوگی، صرف اتنا ہی نہیں بلکہ اس کی خداداد صلاحیتیں اور اس کی بے نظیر قوت عمل، اسلامی اثرات کے ازالہ میں صرف ہوں گی، جس کے آثار اس وقت بھی ان ممالک میں دیکھے جا سکتے ہیں، آج وہاں دین کے داعیوں کی ''سرکوبی'' اور دینی شعائر کے مٹانے کے لئے اس عزم و صلاحیت کا اظہار کیا جا رہا ہے، جس کی نظیر غیر اسلامی ملکوں میں ملنی مشکل ہے، میں اس حقیقت کے اظہار کے لئے دل سے معذرت خواہ ہوں۔

علماء کی اکثریت سطحیت کی شکار

ہمارے ملک کے بہت سے علماء کی سطحی قسم کی سیاسی دلچسپیاں ترکی کے پچھلے دور کے علماء کی طرح اتنی بڑھ گئی ہیں کہ ان کو فکر و مطالعہ اور روز مرہ کے واقعات و حقائق کے ساتھ اپنے کو ہم آہنگ رکھنے کا موقع نہیں ملتا، اس کا نتیجہ ہے کہ ان کو بہت سے انقلابات کی اس وقت خبر ہوتی ہے، جب وہ اپنے نقطۂ عروج پر پہونچ جاتے ہیں، اور ان کے فطری نتائج ظاہر ہونے لگتے ہیں، یہی معاملہ ترکی کے انقلاب کے موقع پر پیش آیا کہ ہمارے علماء عرصہ تک (اور شاید بعض اب بھی) کمال اتاترک کو اسلام کا بطل اعظم اور مجدد سمجھتے رہے اور ان کو اس کے دورس اقدامات اور ترکی کو معروف سانچے میں ڈھالنے کی کوششوں کا علم اس وقت ہوا، جب وہ اپنی آخری شکل کو پہونچ گئیں اور اس کا خطرہ محسوس ہونے لگا کہ ترکی کا رشتہ عالمگیر اسلامی برادری، یہاں تک کہ اپنے ماضی اور اپنی قدیم ثقافت سے بالکل منقطع ہو جائے گا۔

اس طبقہ کی دوسری کمزوری

علماء کے اس طبقہ کی، جو سیاسی مزاج رکھتا ہے، دوسری کمزوری یہ ہے کہ وہ جب کسی مسلمان قائد کو کسی مغربی طاقت کو چیلنج کرتے ہوئے اور اس سے آنکھیں ملاتے ہوئے دیکھتا

ہے، یا وہ کسی موقع پر کسی مغربی طاقت بالخصوص برطانیہ کو زک پہونچا دیتا ہے، تو پھر وہ اس کارنامہ کو اس کی عظمت کے لئے کافی سمجھ لیتا ہے، اور پھر وہ نہ صرف اس کی دینی کوتاہیوں اور نافہمیوں سے چشم پوشی ضروری سمجھتا ہے، بلکہ بعض اوقات اس کی اسلام دشمنی بھی اس کی نظر میں کچھ زیادہ قابل لحاظ و لائق التفات نہیں ٹھہرتی، اور وہ اس پر ادنیٰ سی تنقید بھی گوارا نہیں کرتا۔ بلکہ بعض اوقات تنقید کرنے والے کو پوری ناخداترسی کے ساتھ ضمیر فروش اور برطانیہ نواز یا امریکہ سے زرخرید کا خطاب دینے لگتا ہے۔

اصل معیار اسلام سے وابستگی اور ناوابستگی

کسی حقیقت پسند و متوازن انسان کے لئے بھی یہ رویہ مناسب اور درست نہیں چہ جائے کہ ان لوگوں کے لئے جن کو محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے جانشین اور ان کے دین و شریعت کے وارث و امین ہونے کا دعویٰ ہے، جو چاہتے ہیں کہ دنیا ان کو اس نگاہ سے دیکھے جس کا اس طبقہ سے انتساب اور تعلق ہے، جس کی پسندیدگی و ناپسندیدگی حمایت و مخالفت کا اصل معیار، ایمان و عقیدہ کا مسئلہ اور اسلام سے وابستگی و ناوابستگی کا سوال تھا۔ ان کے سامنے تو حضرت عمرؓ و حضرت علیؓ کا اسوہ ہونا چاہئے جن کے نزدیک حدود و شریعت کی حفاظت کے لئے ایک قیمتی سے قیمتی شخص کا ضائع کر دینا اور آئی ہوئی سلطنت کو کھو دینا جائز اور معقول تھا۔

”یہ تو آباء تھے تمہارے“

اور صحابہ اور ائمہ اسلام کے اس عمومی نمونے کے علاوہ خود ان کے اکابر کا اسوہ ان کے سامنے ہونا چاہئے۔ انھوں نے اپنی زندگی کے آخری لمحے تک، اصول و عقائد تو الگ رہے، بدعات و رسوم کے ساتھ بھی رواداری نہیں برتی، اور بہت سے اصلاحی و تبلیغی فوائد کے باوجود، جو ان کے اختیار میں متوقع تھے، ان سے اختلاف ہی کرتے رہے، اور عوام کی ایک بڑی تعداد کی ملامت و اعتراض کا نشانہ بننا گوارا کیا، انھوں نے کسی شخص کی ظاہری ترقی، مادی کامیابی اور اس کی سیاسی فتوحات کی بنا پر اس کے دینی انحراف یا عملی تحریف کو معاف نہیں کیا، اور اس کا پوری اخلاقی جرأت کے ساتھ احتساب کیا اور بعض اوقات ان کو یہ فرض، عوام کے جذبات اور زمانے

کے سیلاب کے خلاف ادا کرنا پڑتا، اور وہ ''كلمة حق عند سلطان جائر'' کے ثواب کے مستحق ہوئے۔

صدر ناصر ناکام ترین لیڈر

جہاں تک صدر ناصر کی ذات اور قیادت کا تعلق ہے، ان کو اتاترک کی طرح کوئی ایک ''فتح مبین'' بھی حاصل نہیں ہوئی جس کی وجہ سے کسی وقتی فیصلہ میں مشکل ہو جاتی، بلکہ معاملہ بالکل برعکس ہے، اس پندرہ سولہ برس کی مسلسل تیشہ زنی اور ''کوہ کنی'' کا ماحصل اور خلاصہ ''کوہ کندن وکاہ برآوردن'' کے سوا کچھ نہیں نکلا، یہ ممالک جو ان ڈکٹیٹروں کے اقتدار میں ہیں، اپنے بہترین فرزندوں اور منتخب مردان کار سے محروم ہو گئے ہیں، دینی اخلاقی، علمی اور حد یہ ہے کہ سیاسی اور معاشی حیثیت سے بھی یہ دیوالیہ اور کھوکھلے ہیں، عام زندگی پورے طور پر مفلوج ہو کر رہ گئی ہے، جمہوری زندگی کی کوئی نشان وعلامت اور اظہار خیال کی کوئی آزادی پائی نہیں جاتی، معاشی حیثیت سے سخت تباہ حال وخستہ ہیں، ملک کی آمدنی کے تمام وسائل وذخائر ایک ذات کے پروپیگنڈے اور اس کی پارٹی کی تشہیر اور حفاظت میں صرف ہو رہے ہیں، ایک عام شہری اس سے زیادہ تباہ حال ہے، جتنا استعمار کے منحوس دور یا شخصی سلطنت کے معتوب عہد میں تھا، زندگی، ضمیر، روح کسی کو بھی کوئی آسودگی اور لذت حاصل نہیں، چشم دید گواہوں کا بیان ہے کہ ایک فاروق کے بجائے اب ہر بڑا فوجی افسر اور پارٹی کا لیڈر فاروق بنا ہوا ہے، یہ وہ سب حقائق ہیں جو اب دنیا کے سامنے آ چکے ہیں، ان پر پردہ نہیں [illegible]

امید کی ایک کرن تھی مگر.........

امید کی صرف ایک کرن تھی، جو ان ساری تاریکیوں پر حاوی وغالب ہو سکتی تھی، وہ یہ کہ فلسطین کو آزاد کرا لیا جائے گا، اسرائیل کو اگر پورے طور پر تباہ نہ کر دیا جائے گا تو کم سے کم اس کو اس کے جرائم کی ایسی سزا دی جائے گی کہ وہ برسوں تک عربوں کی طرف نظر اٹھا کر نہ دیکھ سکے گا، اس پندرہ برس کے عرصہ میں سب سے زیادہ اسی کی امید دلائی جاتی رہی، اسی نام پر عربوں کو اتحاد کی دعوت اور قومیت عربیہ کے جھنڈے کے نیچے آنے کا پیام دیا گیا، اسی کی خاطر ماسکو اور

کمیونسٹ ممالک سے روابط پیدا کئے گئے اور عربی خودداری، اسلامی غیرت اور کمیونسٹ ممالک سے تعلقات کے نتائج کو نظر انداز کر کے اسلحہ جنگی وسائل و حربی ذخائر کی دریوزہ گری میں کوئی دقیقہ نہیں اٹھا رکھا گیا، مصر کی قیادت میں اخیر دنوں میں بانگ دہل یہ اعلان کرنا شروع کر دیا کہ ہم اسرائیل کو صفحۂ ہستی سے مٹا کر رکھ دیں گے، اور ایسا ہونا ان تیاریوں کے پیش نظر اور ان تقریروں اور اعلانات کی روشنی میں جن سے زمین و آسمان بھر گئے تھے قرین قیاس تھا، اس میں تو کسی کو بھی شبہ نہ تھا کہ اسرائیل کو اس مقابلہ میں ایسی زک اٹھانی پڑے گی کہ وہ برسوں جنگ کا خواب بھی نہ دیکھ سکے گا، بات صرف یہیں تک محدود نہیں رہی بلکہ مصر نے آبنائے تیران اور خلیج عقبہ کی ناکہ بندی کر دی اور اسرائیل کے جہازوں کو گزرنے کی اجازت منسوخ کر دی، اقوام متحدہ کے فوجی حفاظتی دستہ کو ہٹ جانا پڑا۔

شرمناک ہزیمت

مصر میں جنگ کا بادل برسنے کو تلا کھڑا تھا اور ساری دنیا کی نگاہیں اس کی افق پر لگی ہوئی تھیں کہ اسرائیل نے حملہ کر دیا، لوگ ان ۱۵ برسوں کی تیاری کے نتیجے دیکھنے کے لئے سراپا اشتیاق تھے کہ اچانک مصری فوجوں کی پسپائی کی خبریں آنے لگیں، اسرائیل کے ہوائی حملے نے چند گھنٹوں میں مصر کی فضائی طاقت کا خاتمہ کر دیا، یہودی (جن کی بزدلی کم سے کم عالم اسلام میں ضرب المثل تھی) یلغار کرتے ہوئے چلے آئے اور ان کو کہیں بھی روکا نہ جا سکا، جزیرہ نمائے سینا پر یہود کا قبضہ ہو گیا، تیران و عقبہ سے مصری فوجیں بے دخل ہو گئیں، نہر سوئز کو بند کر دینا پڑا اور اس پر یہودیوں نے اپنے حق کا دعویٰ کرنا شروع کر دیا، اس طرح صدر ناصر کے اس سب سے بڑے کارنامہ پر بھی پانی پھر گیا، اردنی علاقہ میں الخلیل کا محبوب اسلامی شہر جس کو مدفن خلیل ہونے کا شرف حاصل ہے، اور نابلس کا گلزار و پر رونق شہر یہودیوں کے قبضے میں چلے گئے، سوئز کے پورے مشرقی ساحل پر اسرائیل کا اس طرح قبضہ ہو گیا کہ سوئز کا مغربی ساحل اور اس کے مصری شہر ہر وقت اسرائیل کی زد میں آ گئے ہیں اور پورا ملک خطرہ میں۔

اندوہناک بات

سب سے زیادہ اندوہناک بات یہ ہوئی کہ مسجد اقصیٰ آٹھ سو برس تک مسلمانوں کی تولیت میں رہنے کے بعد یہودیوں کے قبضے میں چلی گئی اور پورے دو ہزار برس کے بعد یہودی اس پر قابض و متصرف ہوئے دو ہزار برس سے یہودی بیت المقدس کی دیوار گریہ کے نیچے کھڑے ہو کر اپنی بداعمالیوں اور نامرادیوں کا ماتم کرتے تھے، اور یہ ان کی ایک دینی سنت اور موروثی فریضہ تھا، اس فتح کے بعد ان کے سب سے بڑے عالم اور مذہبی پیشوا خاخام نے اس رسم کو موقوف کیا کہ اب اس کی ضرورت نہیں۔

بدترین خود پرستی اور بے دانشی

جنگوں میں بہت سی خلاف قیاس باتیں پیش آتی ہیں اور ملکوں اور سلطنتوں کی شکست تاریخ کا کوئی غیر معمولی واقعہ نہیں، لیکن ایک صاحب عقیدہ اور صاحب کردار قوم کی قوت مدافعت، اس کی معنوی طاقت، اس کا اپنے عقائد کی صحت، اپنے مقاصد کی عظمت پر یقین، نیز قائد کی قائدانہ صلاحیت، برسوں ایک اقلیت کو ایک اکثریت کے سامنے، ایک چھوٹے ملک کو بڑے ملک کے سامنے صف آرا اور نبرد آزما رکھتی ہے، اور بعض اوقات اس سے جنگ کا پانسہ پلٹ جاتا ہے۔ یہاں تو ایک وسیع عرب دنیا کا مقابلہ چھوٹی سی اسرائیلی ریاست سے تھا، جو عرب ملکوں سے گھری ہوئی تھی، لیکن دنیا نے بڑے استعجاب اور مسلمانوں نے بڑے کرب والم کے ساتھ پانچویں دن یہ سن لیا کہ عربوں کی مرکزی قیادت (مصر) نے جنگ بندی منظور کر لی، عالم اسلام کی آنکھیں کھلی کی کھلی رہ گئیں اور مسلمانوں کا سر ندامت وذلت سے جھک گیا، میں اپنے محدود مطالعہ تاریخ کی بنا پر یہ عرض کر سکتا ہوں کہ سقوط بغداد کے بعد سے پوری دنیائے اسلام میں مسلمانوں کو اتنی بڑی ذلت کا کبھی اور کہیں سامنا نہیں ہوا، اس لحاظ سے یہ بات اور بھی سنگین تھی کہ نیم وحشی صحرا نشین تاتاریوں کے برخلاف یہودی اپنی بزدلی، زندگی اور دولت کی محبت اور اپنی طویل وعالمگیر غلامی کے لئے ساری دنیا میں بدنام وذلیل تھے، مسلمانوں کی گھٹی میں یہ بات پڑی ہوئی تھی کہ یہودی ہمیشہ غلام اور ذلیل رہیں گے، اور وہ مرد میدان

واہل شمشیر وتفنگ نہیں، اس واقعہ سے مسلمانوں کے قلب ودماغ اور ان کے تاریخی حالات اور تجربہ کو جو صدمہ پہونچا اس کا اندازہ نہیں کیا جا سکتا ان کے اعتماد علی النفس اور احساس عزت پر (جس پر صلاحیت کار اور عزم وولولہ کا انحصار ہے) اس واقعہ سے جو چوٹ پڑی اس کے بیان کرنے کے لئے الفاظ نہیں، مصر میں اس سے جو دل شکستگی، احساس کہتری اور افسردگی پیدا ہوئی اور جس طرح مصریوں کے قدم مختلف محاذوں سے اکھڑنے لگے، اسماعیلیہ کے مشہور شہر کی آبادی جس طرح عظیم تعداد میں تخلیہ کرتی نظر آئی، عام زندگی پر مایوسی کی جو تاریکی چھائی، اس کا اندازہ کرنا مشکل نہیں، یقین کے ساتھ کہا جا سکتا ہے کہ صدیوں سے عالم اسلامی میں کسی ایک شخص کی خود پرستی وبے دانشی سے اتنا نقصان نہیں پہونچا اور اس سے اتنا بڑا رقبہ زمین اور اتنا وسیع حلقہ متاثر نہیں ہوا، جتنا کہ صدر ناصر کی خود پرستی اور بے دانشی سے۔

احتساب قوم کی زندگی کی علامت

قومیں اپنے اور اپنے قائدین کے احتساب سے زندہ اور باقی رہتی ہیں، بعض جمہوری مزاج قوموں نے تو جنگ کے جیتنے والوں اور اپنے ملک کی عزت بچا لینے والوں تک کا احتساب کیا ہے، اور ان کو اپنا کام ختم کر لینے کے بعد ریٹائر کر دیا ہے، قومیں بڑی بڑی شکستیں کھانے کے بعد سنبھل گئی ہیں، جرمن قوم ایک تباہ شدہ ملک کے ملبہ کے نیچے سے زندہ وتوانا نمودار ہوئی، جاپان نے ہیروشیما اور ناگاساکی کے المیے کے بعد اپنی زندگی کا نیا سفر شروع کیا، یہ سب بے لاگ احتساب، بے لوث اعتراف اور قیادت کی صالح تبدیلی سے عمل میں آیا، ہم کو امید ہے کہ احتساب کا یہ فرض خلوص اور جرأت کے ساتھ ادا کیا جائے گا، ایک غیر جانبدار نقاد، اور ایک بے لاگ مؤرخ کی طرح ان غلطیوں اور کمزوریوں کی نشاندہی کی جائے گی، جن کی وجہ سے سنت اللہ کے مطابق یہ شکست برداشت کرنی پڑتی، اور پھر زندگی کی تبدیلی، ایمانی قوت، حقیقت پسند، اور اس ابدی آئین کی پابندی کے ساتھ جو قوموں اور جماعتوں کی فتح اور ارجمندی کے لئے خدا کی طرف سے مقرر ہوا ہے، اور جس کا تعلق عالم غیب سے بھی ہے، اور عالم اسباب سے بھی، زندگی کا نیا سفر شروع کیا جائے گا، اور پھر یہ سب واقعات داستان پارینہ اور کہن بن کر رہ جائیں گے۔

ولا تهنوا ولا تحزنوا وانتم الاعلون ان كنتم مومنين، ان يمسسكم قرح فقد مس القوم قرح مثله وتلك الايام نداولها بين الناس وليعلم الله الذين آمنو ويتخذ منكم شهدآء والله لايحب الظلمين.

(آل عمران. ١٣٩. ١٤٠)

دل شکستہ نہ ہو، غم نہ کرو، تم ہی غالب رہو گے، اگر تم مومن ہو، اس وقت اگر تمہیں چوٹ لگی ہے تو اس سے پہلے ایسی ہی چوٹ تمہارے مخالف فریق کو بھی لگ چکی ہے، یہ تو زمانہ کے نشیب وفراز ہیں، جنھیں ہم لوگوں کے درمیان گردش دیتے رہتے ہیں تم پر یہ وقت اس لئے لایا گیا ہے کہ اللہ دیکھنا چاہتا تھا کہ تم میں سچے مومن کون ہیں اور ان لوگوں کو چھانٹ لینا چاہتا تھا جو واقعی (راستی کے) گواہ ہوں، کیونکہ ظالم لوگ اللہ کو پسند نہیں ہیں۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

ترکی کی مجاہد ملت اسلامی

۱۲ اگست ۱۹۸۹ء تا ۱۸ اگست کے دوران ترکی کے دارالسلطنت، استنبول کے ایک نواحی محلہ کی ایک وسیع و عریض مسجد و مدرسہ میں کی گئی ایک شاہکار تقریر

الحمد لله نحمده ونستعينه ونستغفره ونعوذبالله من شرور انفسنا ومن سيئات اعمالنا من يهد الله فلا مضل له ومن يضلله فلا هادی له ونشهد ان لا اله الا الله ونشهد ان محمدا عبده ورسوله الذی ارسله الله تعالى بالحق بشيرا ونذيرا وداعيا الى الله باذنه وسراجامنيرا

ترکی کی تاریخی حیثیت

میرے دینی بھائیوں اور دوستو!

میرے لئے بڑی مسرت اور عزت کی بات ہے کہ میں فاتحین اور شہداء کے شہر میں ہوں، حرمین شریفین کی زیارت کے بعد میری سب سے بڑی آرزو شام و ترکی کو دیکھنے کی تھی، اللہ تعالیٰ نے کئی بار مجھے اس کا موقع عطا فرمایا اس ملک کے لئے سب سے بڑے شرف کی بات یہ ہے کہ اس سے میزبان رسولؐ (اور عصر حاضر کے عظیم سیرت نگار نبویؐ علامہ شبلی نعمانی کے الفاظ میں ''میزبان عالم کے میزبان، سیدنا ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہ کی آرام گاہ ہونے کا فخر حاصل ہے یہ میزبانی اتنا بڑا شرف تھا کہ یہ تنہا ان کی عزت و جلالت شان کے لئے کافی ہو سکتا تھا اس کے بعد صرف فرائض اور واجبات کی ادائیگی کافی ہوتی، لیکن آپ کی ہمت بلند نے (جو صحبت نبویؐ اور قرب خاص کا ثمرہ تھا) اس پر قناعت نہیں کی، آپ عہد نبویؐ کے تقریباً تمام اہم غزوات اور خلفائے راشدین کے زمانہ کی اہم بری اور بعض بحری جنگوں میں شریک

ہوئے اور یہ روح جہاد مرتے دم تک باقی رہی، حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں جب قسطنطنیہ فتح کرنے کے لئے مہم بھیجی گئی، تو آپ اس مہم میں شریک ہوئے، اس وقت آپ کی عمر شریف پچھتر سال کے قریب تھی، اس وقت قسطنطنیہ کے فتح کی نوبت نہیں آئی، آپ اسی حالت حصار میں بیمار ہوئے، مسلمانوں کے لشکر کی فرودگاہ میں جب آپ کے انتقال کا وقت قریب آیا، تو امیر جیش (یزید) عیادت کے لئے آئے، اور آپ سے دریافت کیا کہ **ماحاجتک**؟ (آپ کی کیا خواہش ہے؟) آپ نے جواب میں فرمایا:

حاجتی اذا انا مت فارکب ثم اسع فی ارج العدو، وما وجدت مساغا فادفنی ثم ارجع۔ میرے دل کا تقاضہ اور خواہش یہ ہے کہ جب میرا انتقال ہو جائے تو مجھے گھوڑے پر سوار کر کے لے جایا جائے اور دشمن کی سرزمین میں جتنی دور لے جایا جا سکے لے جایا جائے، پھر اگر اس کے آگے جانے کا موقع نہ ہو تو مجھے وہیں دفن کر دیا جائے، اور واپس آ جایا جائے۔

چنانچہ آپ کو موجودہ شہر قسطنطنیہ کی فصیل کے سامنے دفن کر دیا گیا۔ یہ بات پورے ملک کی آبادی کے لئے عزت و افتخار کی بات ہے کہ اس کو میزبان رسول ﷺ کی آرام گاہ ہونے کا شرف حاصل ہے، لیکن اسی کے ساتھ بڑی ذمہ داری اور امتحان کی بھی، جس شہر کے دروازہ پر میزبان رسول کی قبر مبارک ہو، اس شہر کے اندر کفر والحاد اور فسق و فجور کو داخل ہونے کی اجازت نہیں ہونی چاہئے۔

اس شہر قسطنطنیہ (اور موجودہ عرف و رواج کے مطابق استنبول) کے لئے دوسرے شرف و امتیاز کی بات یہ ہے کہ تنہا اس شہر و دار السطنت کیلئے آنحضرت ﷺ نے نام لے کر فتح کی پیش گوئی فرمایا اور اس کی بشارت دی، اور اس کے امیر لشکر کی تعریف کی۔ حدیث ہے۔ **لتفتحن القسطنطنية ، فنعم الامير امير ها ولنعم الجيش ذالک الجيش**۔ تم ضرور قسطنطنیہ فتح کروگے، اس مہم کا امیر بہترین امیر ہے اور یہ لشکر بہترین لشکر۔

قسطنطنیہ عہد نبویؐ میں اور اس کے عرصہ بعد تک قیاصرہ کی عظیم الشان سلطنت رومۃ الکبری (THE GREAT ROMAN EMPIRE) کی جانشین مشرقی شاخ بازنطینیہ (BYZANTINE EMPIRE) کا دار السلطنت تھا، جس کی مملکت اور نوآبادیات (ماتحت صوبوں) میں شام،

فلسطین۔ مصر وحبشہ وغیرہ مشرقی ممالک بھی تھے، اسی کے حکمران شہنشاہ، ہرقل اول (HERACLIUS THE FIRST) کے نام وہ فرمان نبوی ؐ گیا تھا، اور اس کو اسلام کی دعوت دی گئی تھی، جس کا ذکر احادیث وسیر کی مستند کتابوں میں آتا ہے، اور جس پر اس کا ابوسفیانؓ کے ساتھ (جو اس وقت تک اسلام نہیں لائے تھے) مفصل مکالمہ ہوا، اس نے اپنی معلومات کیلئے کچھ سوالات کئے اور ابوسفیانؓ نے ان کا صحیح جواب دیا، صحیح بخاری کی کتاب الوحی میں اس کا تفصیل کے ساتھ ذکر ہے۔

اسی بازنطینی سلطنت کے ساتھ حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ کے زمانے میں جنگیں ہوئی، جن کے نتیجہ میں پورا ملک شام اور مصر وحبشہ فتح ہو کر اسلام سلطنت اور خلافت راشدہ کے قلمرو میں شامل ہوئے بعد کی صدیوں میں بازنطینہ کی وسعت وقوت بہت گھٹ گئی، لیکن اس حالت میں بھی اس کے درالسلطنت قسطنطنیہ (استنبول) کا وجود بجائے خود نہایت اہم تھا، اس سے مسیحی یورپ اور ایشیا، بلکہ پوری مسیحی دنیا کی عزت وآبرو قائم اور اس کو اس کے دینی وسیاسی مرکز ہونے کی حیثیت حاصل تھی، مسیحیت کے قصر سلطنت کی یہ پہلی اور آخری اینٹ اپنی جگہ قائم تھی، عربوں اور مسلمان فاتحین نے گیارہ بار اس کو فتح کرنے کی کوشش کی لیکن وہ ناکام رہے۔ اللہ تعالی نے یہ بے نظیر اور قابل صد فخر وموجب ہزار شکر سعادت وعزت جواں سال عثمانی سلطان، محمد الثانی الفاتح ابن مراد الثانی (۸۳۳ھ-۸۸۶ھ ۱۴۲۹ء-۱۴۸۱ء) کے حصہ میں رکھی تھی، انتظامی، سیاسی وحربی مصالح وضروریات کے علاوہ جن کا تقاضہ تھا کہ ایشیائے کوچک اور یورپ میں نوزائید عثمانی سلطنت کے بقاء واستحکام کے لئے قسطنطنیہ کو عثمانی سلطنت کے زیر نگیں لایا جائے کہ وہ اس کا فوجی اور سیاسی لحاظ سے موزوں ترین اور ضروری حد تک دارالسلطنت بن سکتا ہے، بلکہ نپولین کے بقول ''اگر دنیا کبھی ایک متحدہ سلطنت کی حیثیت اختیار کرلے گی، تو قسطنطنیہ اس کا (اپنی قدرتی قلعہ بندی اور جائے وقوع کی بناء پر) بہترین دارالسلطنت ہوگا'' سلطان محمد کے لئے جس کی عمر ابھی تئیس چوبیس سال ہی کی تھی قسطنطنیہ فتح کرنے کا سب سے بڑا محرک اور قلبی ایمانی داعیہ) جو بعض اوقات سیاسی مصالح ومنافع پر بھی فوقیت رکھتا ہے) اس بشارت اور پیشین گوئی کا مصداق بنتا تھا، جس میں کہا گیا تھا کہ قسطنطنیہ کو فتح کرنے والے لشکر کا امیر بہترین امیر ہوگا، اور وہ لشکر بہترین لشکر ہوگا، اس نے ۱۱/ ربیع الثانی

۸۵۷ھ (اپریل ۱۴۵۳ء) میں قسطنطنیہ پر اپنے اس وقت کے دار السلطنت ادرنہ (اڈریہ نوبل) سے چل کر حملہ کیا اور اس کے لئے وہ پوری حربی وانتظامی تیاری کی جو اتنی بڑی حربی مہم کیلئے کرنی چاہئے تھے اور اس وقت جدید ترین آلات حربی استعمال کئے، اور خاص طور پر سب سے بڑی دور مار اور طاقت ور توپ جو اس وقت تک ایجاد ہوئی تھی اور یہی قرآن مجید کی تعلیمات اور ایک حقیقت پسند اور تجربہ کار مجاہد کا شیوہ ہے۔

"واعدو لهم ما ستطعتم من قوة" (سورۃ الانفال ۶۰)

اور جہاں تک ہو سکے (فوج کی جمعیت کے) زور سے اور گھوڑوں کے تیار رکھنے سے ان کے (مقابلہ) کے لئے مستعد رہو۔

محمد الثانی کے اس دینی جذبہ، بشارت نبویؐ پر اعتماد اور اس کا مصداق بننے کے شوق کا اندازہ اس کے طرز عمل اور جذبات سے ہوتا ہے جو اس جنگ میں ظاہر ہوئے۔

مؤرخ لکھتا ہے کہ! "فاتح اپنے خیمہ میں آیا فوج کے سپہ سالاروں اور لشکر کو جمع کیا اور ایک تقریر کی جس کا خلاصہ یہ تھا کہ اگر قسطنطنیہ کی فتح ہمارے ہاتھوں تکمیل پائی تو رسول اللہ ﷺ کی پیشین گوئی پوری ہوگئی، آپؐ کے ایک معجزہ کا ظہور ہوگا، اور ہمارے حصہ میں یہ عزت وشرف آئے گا، ہمارے فرزندوں (اہل لشکر) کو فرداً فرداً سنادیجئے، اور تاکید کیجئے کہ شریعت غراء کی تعلیمات کو ہر شخص مد نظر رکھے اور کوئی کاروائی اس کے خلاف نہ ہو، گرجوں اور عبادت کاہوں کے ساتھ کوئی اہانت آمیز سلوک نہ ہو، پادریوں، کمزوروں اور معذور لوگوں سے جو جنگ نہیں کر رہے ہیں تعرض نہ کیا جائے۔"

محمد فاتح جب قسطنطنیہ میں فاتحانہ داخل ہوا اور اس نے وہاں کے تاریخی اور مقدس مرکز طوپ قابوسی (TOP KOPI) پر ترکی جھنڈا لہراتے ہوئے دیکھا تو اپنے گھوڑے سے اتر آیا، زمین پر سر رکھ کر سجدۂ شکرانہ ادا کیا، اور اپنے ہاتھوں رسول ﷺ کی پیشن گوئی کی تکمیل پر اللہ کی حمد وثناء کی، بعض مؤرخین نے لکھا ہے کہ فاتح نے زمین پر سجدہ کیا اور اپنے سر پر اس شکر میں مٹی ڈالی کہ اللہ نے یہ شرف اس کو نصیب فرمایا۔

محمد الفاتح ظہر کے قریب اپنے وزراء وامرائے سلطنت کے ساتھ شہر میں داخل ہوا تھا، سینٹ صوفیا کے گرجے کے پاس پہنچ کر وہ گھوڑے سے اترا، اس عالی شان معبد میں داخل ہو کر، جس

میں گیارہ سو برس سے تین خداؤں کی پرستش ہوتی تھی، خدائے واحد کی تقدیس کے لئے سر بہ سجود ہوا، اس نے ایک عالم کو جو اس وقت اس کی رفاقت میں تھے، حکم دیا کہ وہ بلند آواز سے اذان دیں، نماز عصر پڑھی گئی اور اعلان ہوا کہ جمعہ کی پہلی نماز جامع ایا صوفیا میں پڑھی جائے گی۔

حاضرین اور ترک نژاد بھائیوں کو یہ بتانے کی ضرورت نہیں کہ محمد الفاتح مرحوم کا قسطنطنیہ میں فاتحانہ داخلہ کس طرح ہوا لیکن اس کو پھر یاد دلانے کی ضرورت ہے کہ خلیج کو زنجیروں سے ناقابل عبور بنا دیا گیا تھا، اب جو حصہ غلطہ کہلاتا ہے، اس پر اہل وینس کا قبضہ تھا، قدیم قسطنطنیہ پر بیزنطینیوں کا ادھر حصار سخت تھا، محمد الفاتح کا بحری بیڑا بحر اسود کی طرف سے بحیرہ مرمرہ (MARMARA) سے آرہا تھا، خلیج القرن الذہبی کے دہانہ کو بیزنطینیوں نے اس ڈر سے لوہے کی زنجیروں سے بند کردیا تھا کہ ان کو بحیرۂ مرمرہ کی طرف سے محمد الفاتح کی فوجوں کے آنے کا ڈر تھا، محمد الفاتح نے غلطہ کی خشکی پر پچاس کشتیوں کو پھسلا کر قاسم پاشا کی طرف سے خلیج القرن الذہبی GOLDEN HORN میں اتار دیا۔ اور اس طرح ایک ناممکن عمل کو ممکن کر کے دکھادیا، صبح بیزنطینیوں کو اچانک معلوم ہوا، کہ محمد الفاتح کی کشتیاں خلیج میں موجود ہیں، لیکن یہ بات قسطنطنہ کی فتح کے لئے کافی نہ تھی، محمد الفاتح سخت مزاحمت کر کے تقریباً ایک ہفتہ میں اپنی فوجوں کے ذریعہ سیدنا ابوایوبؓ کی طرف سے قسطنطنیہ میں داخل ہونے میں کامیاب ہوگیا، شہنشاہ قسطنطین خود معرکہ کی قیادت کررہا تھا، اس نے اپنی سرخ عبا جو قیاصرہ کی امتیازی پوشاک تھی، اتار کر پھینک دی، اور ترکی فوج کے بڑھتے ہوئے طوفان میں گھس کر لڑتا ہوا مارا گیا۔

حضرات! مجھے بڑی خوشی ہے کہ ابھی ترکی میں محمد فاتح کا نام زندہ ہے اور شاید کسی ترکی سلطان اور ترک شخصیت کا وہ احترام اور اس سے وہ محبت نہیں جو سلطان محمد فاتح سے ہے، میں جب بچوں کا نام پوچھا تو اکثر ''محمد فاتح'' سننے میں آیا، میں آپ کو مشورہ دیتا ہوں کہ آپ اس نام کو زندہ رکھیں اور اپنے بچوں کا نام تیمنا وتبرکا محمد فاتح رکھا کریں، شاید کسی سعید بچہ اور نوجوان کے دل میں وہ جذبہ پھر انگڑائی لے اور فوجی وسیاسی حیثیت سے نہ سہی اور دینی ودعوتی اور فکری اور اصلاحی راستہ سے پھر وہ اس ملک کا محمد فاتح ثابت ہو۔ ایک فرانسیسی مؤرخ حبیہ GIYAH نے سلطان محمد فاتح کے دوسو سال بعد اس کی حکومت کی تاریخ پر کتاب لکھی ہے، اس

میں لکھا ہے کہ ”دنیا کی تمام مسیحی اقوام کو یہ تمنا اور دعا کرنی چاہئے کہ دوبارہ روئے زمین پر سلطان محمد فاتح جیسا حکمران اور فاتح نہ پیدا ہو“ محمد الفاتح کتاب کے مصنف ڈاکٹر سالم الرشید اس پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ ”اس کے مقابلہ میں ہر مسلمان کو یہ تمنا اور دعا کرنی چاہئے کہ اللہ تعالیٰ مسلمانوں کو دوبارہ سلطان محمد فاتح جیسا طاقتور اور عبقری شخص نصیب فرمائے“۔

دوستو اور بزرگو!

محمد فتح کی اس تاریخ ساز اور عہد آفرین کامیابی اور فتح کے بعد پھر وہ دور آیا کہ اس ملک نے پورے عالم اسلام کی تولیت کی ذمہ داری اٹھائی، تاتاریوں کے حملہ (ساتویں صدی ہجری، تیرھویں صدی عیسوی) سے عالم اسلام پامال ہو گیا تھا، اس وقت تاتاری خود مسلمان ہو گئے، وسط ایشیا کی تاتاری النسل قوم کی ایک شاخ نے ترکی میں اسلامی حکومت قائم کی، یورپ کے ایک بڑے رقبہ پر آل عثمان نے قبضہ کر لیا، سلطان سلیم اول (۹۱۸ھ-۹۲۶ھ ۱۵۱۲-۱۵۲۰ء) کے زمانہ میں مصر کی فتح کے بعد ترکوں کا حجاز پر بھی قبضہ ہو گیا، اور اس نے خادم الحرمین الشریفین کا لقب حاصل کیا، یہ شرف سلیم کے بعد اس کے جانشینوں کو چار سو برس تک حاصل رہا، حرمین شریفین کی خدمت کا شرف جب سلیم کو حاصل ہو گیا تو آخری عباسی خلیفہ المتوکل نے جو قاہرہ میں مملوک سلاطین کے زیر سایہ ظاہری شان و شوکت کے ساتھ مگر حقیقتاً بغیر کسی اختیار و اقتدار کے زندگی بسر کر رہا تھا، خلافت کے تمام حقوق و امتیازات بھی اسے تفویض کر دئیے اور مقامات مقدسہ، و حرمین شریفین کی کنجیاں، نیز آثار نبویہ (تلوار، علم اور چادر) کو بطور سند خلافت اس کے حوالہ کر دئیے، اس تاریخ سے سلاطین عثمانی ”خلیفہ“ کے لقب سے دنیا میں مشہور ہوئے اور خطبوں میں ان کا ذکر بہ حیثیت امیر المومنین کے ہونے لگا۔

ڈاکٹر عزیز صاحب مصنف ”دولت عثمانیہ“ لکھتے ہیں کہ! ”اس میں شبہ نہیں کہ اس وقت دنیائے اسلام کی خلافت کا حق بھی ترکوں کو پہونچتا تھا، کوئی دوسری اسلامی سلطنت طاقت و وسعت میں دولت عثمانیہ کے برابر نہیں تھی، یہی سلطنت تمام دوسری سلطنتوں سے زیادہ شرع و ملت کی حفاظت کی طاقت رکھتی تھی، اور تقریباً ڈیڑھ صدی سے جہاد کا فرض ادا کرتی آ رہی تھی چنانچہ یہی وجہ تھی کہ جب سلطان سلیم کی خلافت کا اعلان کیا گیا، تو دنیائے اسلام کے کسی گوشہ

سے اس کی مخالفت نہیں ہوئی۔"

اس وقت سے مصر وشام، فلسطین، حجاز، ویمن اور عراق سب خلافت عثمانیہ کے دائرہ میں داخل ہوگئے، اس چار سو پانچ سو برس میں ساری دنیا میں اس کی دھاک بیٹھی ہوئی تھی، سلطان عبدالحمید ثانی کے وقت تک کوئی مقامات مقدسہ پر نظر اٹھانے کی جرأت نہ کرسکتا تھا، ترکوں نے حجاز مقدس کی بھی خدمت اور تولیت کا فرض انجام دیا، مکہ مکرمہ میں بیت اللہ شریف کی موجودہ عمارات سلطان مراد کی بنائی ہوئی، اور مسجد نبوی کی تعمیر وتزئین سلطان عبدالحمید اول کا کارنامہ ہے جو ۱۲۶۵ھ-۱۲۷۱ھ میں انجام پایا۔

حرمین شریفین کے ساتھ ترکوں نے مسجد اقصی اور بیت المقدس کی بھی حفاظت کا فرض انجام دیا، میں نے الحاج سید امین الحسینی مفتی اعظم فلسطین سے خود سنا ہے کہ ایک مرتبہ یہودیوں کا ایک وفد سلطان عبدالحمید خان سے ملا، اور اس نے کہا کہ اگر آپ قدس اور فلسطین میں ہمیں اپنا مرکز ووطن بنانے کی اجازت دے دیں تو ہم ترکی سلطنت کا سارا قرضہ ادا کردیں گے۔ سلطان عبدالحمید خان نے زمین سے مٹی کی ایک چٹکی اٹھائی اور کہا ہم فلسطین کی خاک میں سے اتنا بھی تم کو دینے کے لئے تیار نہیں، پھر اپنے محافظ افسر پر عتاب آمیز نظر ڈالی اور کہا اس کتے کو کس نے میرے پاس آنے کی اجازت دی؟

آپ یاد رکھیں کہ یورپ نے ترکی کو کبھی قبول نہیں کیا، یہ وہ نوالہ ہے جو اس سے نہ نگلا گیا، نہ اگلا گیا، پہلے اس نے بلقان کی ریاستوں کو بغاوت اور اس سے جنگ پر آمادہ کیا، اور ترکی کے بہت سے علاقے یورپ کے قبضہ میں چلے گئے، پھر جنگ عظیم اول (۱۹۱۴ء-۱۹۱۸ء) میں اتحادیوں نے ترکی کو اپنے ساتھ شامل نہیں ہونے دیا، وہ مجبوراً جرمنی کے ساتھ شامل ہوا، اتحادیوں نے اس کے حصے بخرے کرلینے اور اس کے بیرونی مقبوضات پر قبضہ کرلینے کا پورا منصوبہ بنایا، جس کے نتیجہ میں شام، فلسطین، لبنان، اردن (جو سب شام کا جز تھے) اور عراق پر اس کا اقتدار قائم ہوگیا، لیکن ترکی کا مرکز براہ راست یورپ کے قبضہ میں کبھی نہیں گیا۔

لیکن اب یورپ نے اپنا نقشہ جنگ بدل دیا ہے اب اس نے حملہ اسلحۂ جنگ اور فوجی طاقت کے ذریعہ سے نہیں، کلچر، ذرائع ابلاغ۔ (PUBLIC MEDIA) نظام تعلیم اور افکار ونظریات کے ذریعہ شروع کیا ہے یورپ، ترکی کو مسلمان نہیں دیکھنا چاہتا، اس نے زیر زمین

سرنگ بچھا رکھی ہے، جو کام وہ اپنی فوجوں اور توپوں کے ذریعہ نہیں کر سکا وہ اندرونی ذرائع سے کر رہا ہے، عصر حاضر کے مشہور فلسفی مورخ (ARNOLD TOYNBE) نے لکھا ہے کہ عربوں کے کتب خانہ اسکندریہ جلانے کی روایت تاریخی طور پر صحیح ہو یا بے بنیاد، اب کسی کو کتابی ذخیرہ کو جلانے یا کسی زبان و ثقافت کے مٹانے کی ضرورت نہیں، رسم الخط کا بدل دینا کافی ہے، اس طرح ملک و قوم کا رشتہ ماضی سے کلی طور پر منقطع کیا جا سکتا ہے، یورپ و امریکہ اور اس کے ایجنٹوں کی کوشش ہے کہ ترکی کو دوسرا اسپین بنا دیا جائے، اس لئے بہت ہوشیار رہنے کی ضرورت ہے، فاتح مصر صحابی رسول سیدنا عمرو بن العاصؓ کی اس حکیمانہ وصیت اور تلقین کو ہمیشہ ہر زمانہ اور ہر اسلامی ملک میں یاد رکھنے کی ضرورت ہے جو انہوں نے مصر کو کلیۃً فتح کر لینے کے بعد ایسی حالت میں کی کہ مصر کے قدیم باشندے جوق در جوق اسلام قبول کر رہے تھے اور "یدخلون فی دین الله افواجا" کا منظر آنکھوں کے سامنے تھا، ملک کی زبان، تہذیب اور بالآخر رسم الخط بھی بدل رہا تھا، مساجد تعمیر ہو رہی تھیں اور شعائر اسلام بلند، جزیرۃ العرب سے قریب ہونے و اسلامی فتوحات کے سیلاب اور اس کی پے در پے کامیابیوں کے پیش نظر بظاہر اس کا کوئی اندیشہ نہیں تھا کہ مصر اسلامی اقتدار کے دائرہ سے خارج ہو جائے گا، لیکن انہوں نے اپنی اپنی ذہانت، دور بینی اور اس فراست کی بنا پر جو صحبت نبوی کی برکت سے ان کو حاصل ہوئی تھی، مسلمانوں اور عرب فاتحین سے کہا "انتم فی رباط دائم" "تم دائمی طور پر سرحد و محاذ جنگ پر کھڑے ہوئے ہو اور دائمی ناکہ بندی کی حالت میں ہو، اس لئے کہ براعظم افریقہ کی ساری قوموں، غیر مسلم حکومتوں اور آبادی کی نگاہیں تمہارے اوپر ہیں، ان کے دل میں اس طرف لگے ہوئے ہیں کہ ملک کو پھر قدیم حالت میں لے آیا جائے۔

اب سوال یہ ہے کہ اس ملک و ملت کو اسلام سے وابستہ پیوستہ رکھنے کی ترکیب کیا ہے اس کے لئے دعوت کے میدان کے تجربہ، قرآن کے تدبر اور تاریخ کے وسیع و عمیق مطالعہ کی بنا پر تین باتیں عرض کرتا ہوں، ان کو غور سے سنئے۔

ترکی کے مسلم عوام میں ایمان و عقیدہ کی طاقت کو طاقت پہونچایئے (جس کی چنگاریاں اس کے خاکستر میں بہرحال موجود ہیں) ان کے دینی شعور کو بیدار اور متحرک بنانے کی ضرورت ہے ان مسلم عوام کی اسلام کے ساتھ وابستگی اور اس کے لئے گرم جوشی ایک ایسی بلند اور مستحکم فصیل

اور اسلام کا آہنی حصار ہے، جس کی بدولت بہت سی مسلم (یا مدعی اسلام) قیادتوں اور حکومتوں کو کھل کر کفر کا راستہ اختیار کرنے اور اپنے ملکوں اور ماتحت مسلم قوموں کو فکر و الحاد کے آغوش میں ڈال دینے کی ہمت نہیں ہوسکتی، خدانخواستہ اگر کسی دن یہ حصار ٹوٹ گیا اور مسلم عوام کا رشتہ اور ان کی روحانی وابستگی اسلام سے ختم ہوئی تو پھر ان ملکوں میں اسلام کے بقا اور تحفظ کی کوئی ضمانت نہیں، اور ان ملکوں کو اسپین اور روسی ترکستان بنادینے سے کوئی چیز روک نہیں سکتی، یہ خام مال ہے جس سے بہترین انسانی مصنوعات تیار کی جاسکتی ہیں (RAWMATERIAL) ہے، جس سے بہترین انسانیری کام لیا جاسکتا ہے، صدہا خامیوں اور قابل اصلاح پہلوؤں کے باوجود یہ وہ انسانی مجموعہ ہے جس پر پیغمبرانہ توجہات اور اہل قلوب اور اہل خلوص کی محنتیں صرف ہوئیں ہیں، اور وہ آج بھی اپنے خلوص قلب، اپنی محبت، گرم جوشی اور ایثار وقربانی کے جذبہ اور صلاحیت میں دوسری انسانی جماعتوں اور مذہبی قوموں سے فائق وممتاز ہے۔

اسی کے ساتھ ضروری ہے کہ ان عوام کی زندگی میں اسلام پورے طور پر کارفرما اور حکمران ہو، اللہ تعالی فرماتا ہے:

یا ایھا الذین امنو ا ادخلوا فی السلم کافۃ ولا تتبعوا خطوات الشیطان
انہ لکم عدو مبین (سورۃ بقرہ ۲۰۸)

مومنو! اسلام میں پورے پورے داخل ہوجاؤ اور شیطان کے پیچھے نہ چلو، وہ تو تمہارا صریح دشمن ہے۔

کامل ایمان مطلوب ہے

اس کا مطلب یہ ہے کہ مسلمانوں کو اپنی زندگی میں سوفیصد مسلمان ہونا چاہئے، دس فیصدی بیس فی صدی اسلام پر عمل کرنے سے کام نہیں چلے گا، یہ نسبت تعلیم میں، ملازمتوں میں اور زندگی کے دوسرے شعبوں میں چل سکتی ہے، عقائد پر مضبوطی سے قائم رہنا، فرائض وعبادات کا پابند ہونا، اور بعض اسلامی شعائر وعلامتوں کا حامل ہونا کافی نہیں، ضروری ہے کہ معاشرت بھی اسلامی وتمدن بھی اسلامی ہو عائلی قانون (PERSONAL LAW) میں بھی شریعت کے احکام پر عمل ہو، حقوق اللہ کے ساتھ حقوق العباد بھی ادا کئے جائیں، پھر اسکے ساتھ دین کی محبت کے

ساتھ دین کی حمیت بھی ہونی چاہیے۔

ایمان عوام کا بڑا محافظ اور فصیل ہے، یہ وہ قلعہ ہے جو آسانی سے فتح نہیں ہوسکتا، اس لئے پہلا کام یہ ہے کہ پوری قوم کو پوری طرح مسلمان بنانے کی کوشش کیجئے، اس کے لئے دعوت عام کا راستہ اختیار کیجئے۔ نقل و حرکت، خطاب و دعوت اور سفر وان کی صعوبت برداشت کیجئے۔ اور حضرت ابوایوب انصاریؓ کے عمل سے سبق لیجئے کہ انہوں نے (جیسا کہ میں نے عرض کیا ہے) آنحضرت ﷺ کی میزبانی کا شرف حاصل ہونے اور ہمہ وقت صحبت اور عبادات جلیلہ کے ساتھ (جن کی اللہ نے ان کو توفیق دی) اعلاء کلمۃ اللہ اور دین کی اشاعت کے لئے بڑی عمر میں بھی باہر نکلنا ضروری سمجھا اور مدینہ سے چل کر (جس میں ہر مسلمان کو مرنے اور اس کی خاک پاک میں جگہ پانے کی آرزو ہوتی ہے)۔ بحر و بر طے کر کے قسطنطنیہ جیسے دور دراز مقام پر تشریف لائے اور اس کو اپنا آخری مرقد بنایا۔

آئندہ نسل کی فکر کیجئے

دوسرا کام یہ ہے کہ اپنی آئندہ نسل کو مسلمان رکھنے کی کوشش کیجئے، ایسا نہ ہو کہ آپ کی آئندہ نسل صرف ترکی زبان جانے، صرف سرکاری اسکولوں میں اس نے تعلیم پائی ہو، دین کے بارے میں اس کی کچھ معلومات نہ ہوں، اگر آپ سب کے سب ولی اللہ اور تہجد گذار بن جائیں (اور خدا ایسا کر دے) لیکن اگر آپ نے اپنے بچوں کی دینی تعلیم سے غفلت برتی تو خطرہ موجود ہے، آپ کے بعد مسجدوں کو کون آباد کرے گا، اسلامیت کا یہ تسلسل جو کو من جانب اللہ اور حقانی داعیوں اور مبلغوں، علمائے ربانیین اور مخلص و سرفروش مجاہدین اور فاتحین کے ذریعہ حاصل ہوا، کیسے قائم رہے گا؟ آپ دیکھئے کہ حضرت یعقوب علیہ السلام جو خود انبیاء کی تیسری پشت میں تھے، ان کے والد ماجد حضرت اسحاق پیغمبر، ان کے عم نامدار حضرت اسماعیل پیغمبر اور ان کے جد بزرگوار حضرت ابراہیم (علیہ وعلی نبینا السلام) عالی مرتبت پیغمبر اور ابوالانبیاء تھے، ان کے گھر میں سوائے توحید خالص اور عبادت الٰہی کے اور کسی چیز کی فضا اور ہوا نہ تھی، شرک اور بت پرستی کا سایہ بھی اس گھر پر ایک صدی سے نہ پڑا ہوا گا، لیکن بقول شاعر

عشق است و ہزار بدگمانی

انہوں نے اس کو کافی نہ سمجھا اپنے فرزندوں نواسوں اور پوتوں کو جمع کیا اور ان سے کہا،

ماتعبدون من بعدی

(تم میرے بعد کس کی عبادت کروگے)

گویا زبان حال سے کہا، میرے پیاروں! میری پیٹھ قبر سے نہ لگے گی، جب تک میں یہاں سے یہ اطمینان لے کر نہ جاؤں کہ تم میرے بعد کس کی بندگی کروگے؟

مجھے یقین ہے کہ ان کے ان سب فرزندوں اور فرزندوں کے فرزندوں نے یہی کہا ہوگا کہ والد صاحب! داداجان! ناناجان! یہ بھی کوئی پوچھنے کی بات ہے؟ آپ نے ہمیں تعلیم کیا دی؟ اور ہم نے ساری عمر کیا دیکھا اور کیا کیا؟

نعبدالھک واله ابائک ابراهیم و اسماعیل و اسحاق الها واحدا ونهن له مسلمون"

(ہم آپ کے معبود، آپ کے چچا اور والد اسماعیل واسحاق اور آپ کے داداجان حضرات ابراہیم کے معبود کی پرستش کریں گے، جو اکیلا پرستش کے قابل ہے اور ہم اس کے آگے سر جھکانے والے اور فرماں بردار ہوں گے۔

حضرت یعقوب علیہ السلام نے اپنی اولاد سے اس نازک وقت میں کوئی ایسی بات نہیں کہی جو عام طور پر بزرگ خاندان اپنے وارثوں سے سکرات کے ایسے نازک وقت میں کہا کرتے ہیں، ذاتی، واتفاق کی بات، نہ کسی دفینہ اور خزانہ کی خبر، نہ قرض ومطالبات کے بارے میں ہدایت، نہ شریفانہ زندگی گذارنے کی تلقین، بس ایک بات "ماتعبدون من بعدی؟" انہیں صرف ایک بات کی فکر تھی کہ ان کے بعد ان کی اولاد وایمان اور دین صحیح پر قائم رہے، اور خدائے واحد کی بندگی کرنے اور انہیں اس وقت تک اطمینان نہیں ہوا۔ جب تک کہ انہوں نے اپنی اولاد سے اس پر قائم رہنے کا اقرار نہیں کروالیا۔ ہر ملک کی موجودہ مسلمان نسل کے لئے یہی اسوۂ نبویؐ، سنت انبیاء اور دین وایمان کا تقاضہ ہے۔

تیسری بات جو مجھے کہنی ہے وہ یہ ہے کہ آپ کا دین پر عمل کرنا مبارک، یہ نقل وحرکت، دعوت وتبلیغ مبارک، دینی مدارس میں فقہ وحدیث اور عربی کی تعلیم پانا اور قرآن مجید کا حفظ وتجوید مبارک اور اپنے بچوں کے دین وایمان کی حفاظت کی فکر کرنا بھی مبارک لیکن ایک بات اور ہے

جو کچھ کم اہم نہیں، اس بات کو اچھی طرح سمجھ لیجیے کہ جو طبقہ کالجوں اور یونیورسٹیوں میں تعلیم پا رہا ہے، (اور وہی تعداد میں زیادہ اور اثر و رسوخ میں بڑھا ہوا ہے) اور جو نوجوان یورپ سے اعلیٰ تعلیم حاصل کر کے واپس آ رہے ہیں، یہی طبقہ ہر ملک میں ملک پر حاوی اور بااثر ہوتا ہے وہی قیادت کرتا ہے وہی پلاننگ (منصوبہ بندی) کرتا ہے وہی ملک کا رخ متعین کرتا ہے اسی کا طرز زندگی ملک کا عوامی فیشن بنتا ہے ملک کا نظام تعلیم ذرائع ابلاغ اسی کے قبضہ میں ہوتا ہے وہی خوب کو ناخوب اور ''ناخوب'' کو خوب بنا دیتا ہے اور آخر میں ملک کے نظم و نسق پر حاوی ہو کر آئین سازی اور یقینی LEGISLATION منصب پر فائز ہو کر وہ جس چیز کو چاہتا ہے اس کی اجازت دیتا ہے اور جس چیز کو چاہتا ہے اس کو ممنوع اور خلاف قانون قرار دے دیتا ہے اس طرح پوری قوم اور اس کی معاشرت و تمدن اس کی نسل کا مستقبل، یہاں تک کہ (اللہ محفوظ رکھے) دینی فرائض کی ادائیگی، شعائر اسلامی اور مدارس و مساجد اور اس کا عائلی قانون (PERSONAL LAW) اس کے رحم و کرم پر رہ جاتا ہے، یہ بہت سے آزاد مسلم ممالک کا تجربہ ہے جن کی اکثریت مسلمان ہے، بلکہ وہ ملک تقریب کلیۃ پشتینی مسلمان ہے اور کبھی وہ ممالک علم دین اور دعوت اسلامی کا عظیم ترین مرکز رہ چکے ہیں، اور اب بھی وہاں بڑی بڑی جامعات قائم ہیں، ان کے نام لینے کی ضرورت نہیں آپ خود ان کو سمجھ سکتے ہیں۔

مسلمانان ترکی کی اہم ذمہ داری

اس لئے آخر میں یہ عرض کرتا ہوں کہ آپ اس طبقہ کو ہرگز ہرگز نظر انداز نہ کیجیے علمی و فکری غذا کے ذریعہ مؤثر لٹریچر اور ان کی نفسیات اور علمی درجہ کے مطابق اسلام کی تفہیم اور اس کی ضرورت و عظمت کو ان کے ذہن نشین کرنے کی کوشش کیجیے۔ اور ان کے دلوں اور دماغوں کو ایمانی و شعوری طریقہ پر اسلام کی ابدیت اور اس کی تعلیمات کی صداقت اور اس کے ہر زمانہ میں قیادت کی صلاحیت پر مطمئن کیجیے، یاد رکھئے یہ زمانہ نظریات و افکار اور بین الاقوامی تعلقات کا زمانہ ہے، اس لئے علمی و فکری سطح پر کام کرنے اور جدید طبقہ کو (جو برسر قیادت ہونے کو ہے) اس بات پر مطمئن اور اس کا قائل کرنے کی ضرورت ہے کہ اسلام ہی دنیا کا نجات دہندہ اسلام ہی صحیح زندگی گذارنے کا واحد راستہ ہے ورنہ یہ دنیا خدا فراموشی کے راستہ پر چل کر خود فراموشی اور بالآخر

خودکشی کی منزل کی طرف جارہی ہے۔

وصدق اللہ العظیم

ولا تکونوا کالذین نسوا اللہ فانسھم انفسھم ط اولئک ھم الفاسقون"

اور ان لوگوں جیسے نہ ہونا، جنہوں نے خدا کو بھلادیا تو خدا نے ایسا کردیا کہ خود اپنے تئیں بھول گئے یہ بدکردار لوگ ہیں۔ اسی پر اکتفا کرتے ہوئے اجازت چاہتا ہوں

وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین

المیہ فلسطین سے تین سبق

یہ تقریر شعبان [illegible] کو مدینہ منورہ میں مدرسہ ثانویہ طیبہ کے ہال میں کی گئی، اس جلسے میں رابطہ عالم اسلامی کے بعض مقتدر ارکان، جامعہ اسلامیہ کے اساتذہ اور شہر کے تعلیم یافتہ اصحاب تھے، ہال حاضرین سے بھرا تھا۔

الحمدللہ و کفی وسلام علی عبادہ الذین اصطفی. امابعد.

حقیقی خیر خواہی

میں چاہتا ہوں کہ اس مجلس میں آپ سے کچھ صاف باتیں کروں جو بات کہوں پوری قوت، پورے یقین اور پورے اعتماد سے کہوں، آپ حضرات نے مجھ سے جس حسن ظن اور مجھ پر جس اعتماد کا مظاہرہ کیا ہے، آپ کا یہ اعتماد، میری طرف اٹھی ہوئی آپ کی نگاہیں، میری آواز پر لگے ہوئے آپ کے کان اس کے متقاضی ہیں کہ میں صاف گوئی سے کام لوں، "مجاملت" اور مداہنت نہ کروں بلکہ [illegible] گھر کی باتیں کروں اور اپنے گھر اور خاندان کے افراد کے ساتھ "مجاملت" [illegible] ہر انسان اپنے بھائی بندوں اور اپنے خاندان والوں سے سچی محبت رکھتا ہے یہ محبت اس کو صاف گوئی پر مجبور کرتی ہے، خاندان کا سربراہ افراد خاندان سے غلط بیانی نہیں کرسکتا۔

مجھے اجازت دیجئے کہ آپ سے کچھ صاف صاف باتیں کروں اور اپنا دردِ دل آپ حضرات کے سامنے کھول کر رکھ دوں۔

حادثات سے عبرت پذیری

اللہ تعالیٰ نے انسانوں کو جن اوصاف اور صلاحیتوں سے آراستہ فرمایا ہے، ان میں سے سب سے اہم حادثات سے عبرت پذیری اور زندگی کے تجربات سے نفع حاصل کرنا ہے، یہ

صلاحیت اللہ تعالیٰ کی عطا کی ہوئی بہت بڑی اور بہت اہم دولت ہے، اس نے تہذیب وتمدن، علوم وفنون اور صنعت وتجارت تمام میدانوں میں آگے بڑھنے کا راستہ کھولا ہے، اسی نے حفاظت اور دفاع کی راہیں دکھائی ہیں اور عزت وحرمت کی حفاظت کے طریقے سکھائے ہیں اور انسان تو روزمرہ کے معمولی واقعات سے سبق حاصل کرتا ہے، اور نتائج اخذ کرتا ہے، اور پورے طور پر اپنے فرائض کو ادائیگی اور اپنے عزت وشرف اور اپنے دین وایمان کی مناسب اور مکمل حفاظت بھی وہی انسان بہتر طریقے پر کرسکتا ہے، جو زندگی کے حادثات وواقعات سے صحیح نتیجہ اخذ کرے، ان سے سبق حاصل کرے، اور زندگی کے میدان میں ان سے فائدہ اٹھائے۔ یہ وصف تو انسان کی فطرت اور اس کے خمیر میں شامل ہے، ایک بچہ اگر زندگی کا بالکل ابتدائی مرحلہ طے کرچکا ہے اور عقل وشعور کی ابتدا ہوچکی ہے، وہ بھی اگر آگ کی طرف ہاتھ بڑھاتا ہے، اور اس کی انگلی جل جاتی ہے تو وہ ہمیشہ کے لئے سبق حاصل کرتا ہے، اس کے دل ودماغ میں یہ بات بیٹھ جاتی ہے کہ اگر کبھی آگ کی طرف ہاتھ گیا تو انگلی ضرور جل جائے گی اور اس کو خطرہ پیش آئے گا، اسی کو علم استقراء کہا جاتا ہے، جزئیات سے کلیات کی طرف انتقال اسی کا نام ہے اور یہی علم ہے جس نے انسانیت پر بے شمار احسانات کئے ہیں، اور علم وحکمت اور ایجاد واختراع کے میدانوں میں بہت فائدہ پہونچایا ہے، آپ حضرات تاریخ کا علمی اور تحقیقی مطالعہ کرنے والے ہیں، آپ اچھی طرح جانتے ہیں کہ یورپ نے صنعت وحرفت اور علوم وفنون میں جو طویل مسافت طے کیا ہے، وہ ظن وتخمین اور اندازوں سے نہیں بلکہ اسی علم واستقراء کی بدولت کی ہے۔

مومن، انسانیت کا اعلیٰ معیار

ایک مومن تو انسانیت کا اعلیٰ معیار اور مثالی نمونہ ہے، اس کے لئے ضروری ہے کہ عقل سلیم میں سب سے فائق ہو اور زندگی میں پیش آنے والے اور اپنے جھیلے ہوئے یا جانے ہوئے واقعات وحوادث سے دوسروں کے مقابلہ میں زیادہ سرعت کے ساتھ اس کا ذہن صحیح نتائج اخذ کرے اور اپنے آپ بار بار ایک ہی خطرہ کی زد پر نہ آنے دے، اسی وجہ سے حدیث شریف مین آیا ہے" لایلدغ المومن من جحر مرتین "(مومن ایک سوراخ سے دو بار

نہیں ڈسا جاتا' عقل وہوش والے کسی بھی انسان سے اس کی توقع نہیں کی جاسکتی کہ ایک ہی سوراخ میں دوبارہ یا سہ بارہ ہاتھ ڈالے، لیکن مومن جو انسانیت کا اعلیٰ معیار ہے، جس میں انسانی صفات کے بہترین مظاہر نظر آتے ہیں، تمام انسانی خوبیوں کے جلوے نظر آتے ہیں، اس سے بدرجہ اولیٰ اس کی توقع کی جانی چاہئے کہ وہ ایک دھوکہ کا بار بار شکار نہ ہو۔

منافق کی نفسیات

اور چونکہ ایک منافق کی نفسیات ایک مومن کی نفسیات کے بالکل خلاف اور اس کی ضد ہوتی ہے، اسی وجہ سے وہ حادثات اور اہم اور نتیجہ خیز واقعات سے بہت کم فائدہ اٹھاتا ہے، چنانچہ اللہ کا فرمان ہے" اولا یرون انھم یفتنون فی کل عام مرۃ او مرتین ثم لایتوبون ولا ھم یذکرون" (کیا وہ دیکھتے نہیں کہ وہ لوگ سال میں ایک بار یا دو بار آزمائے جاتے ہیں، پھر بھی وہ توجہ نہیں کرتے اور نہ وہ سبق حاصل کرتے ہیں) دوسری جگہ ہے" کلما ردوا الی الفتنۃ ارکسوا فیھا"۔

منافق کی فطرت اور اس کی نفسیات مومن کی صحیح، سلیم اور بے داغ فطرت سے متضاد ہوتی ہے، ایمانی فطرت کا تقاضا ہے کہ حادثات سے عبرت حاصل کر کے ایک ہی خطرہ کا دوبارہ شکار نہ ہو، لیکن منافقین کی فطرت، فطرت سلیم کے برعکس ہوتی ہے، اسی وجہ سے اللہ تعالےٰ نے ان کی صفت بیان کی ہے کہ وہ مصائب، المیوں، جھڑکیوں اور سخت سرزنش سے بھی متنبہ نہیں ہوتے، نہ اس سے سبق حاصل کرتے ہیں، اور نہ ان بڑی بڑی غلطیوں سے ہی کچھ عبرت حاصل کرتے ہیں، جن کے نتیجہ میں بہت دنوں تک تلخ گھونٹ پینے پر مجبور ہوتے ہیں، اور پوری زندگی ان کی بڑی مہنگی قیمت ادا کرتے رہتے ہیں۔

فطرت سلیم کی خلاف ورزی

ایک فرد اگر اس فطرت سلیم کی خلاف ورزی کرتا رہے، اور تجربات کو ہمیشہ پس پشت ڈالتا رہے تو اس سے صرف ایک فرد کو نقصان پہونچے گا، لیکن وہی فرد جتنا ممتاز مقام رکھتا ہے، اور اس کو اپنے ساتھیوں دوستوں اور اپنے معاشرہ کا جتنا اعتماد حاصل ہے، اسی قدر اس کو نقصان ہو

گا، اور قوم اور نسل کو نقصان پوری قوم یا پوری نسل کو محیط ہو گا۔

حالیہ واقعات کا روشن پہلو

حالیہ واقعات جو کسی توضیح و تشریح یا کسی حاشیہ آرائی کے محتاج نہیں، ہم میں سے ہر ایک اس کو اچھی طرح جانتا ہے، اس کی تلخی کو محسوس کرتا ہے، اور ایک مسلمان کی حیثیت سے میں بھی آپ لوگوں کے تمام مصائب و تکلیفات میں شریک ہوں، ان حادثات کی بڑی قیمت ادا کی ہے تو کیوں نہ ہم ان سے سبق حاصل کریں اور ان سے حقیقت تک پہنچیں، انصاف اور بے غرضی سے۔

اب یہ المناک حادثہ جس کی ہم نے اپنی عزت و وقار اور اپنے علاقے سے بڑی بھاری قیمت ادا کی ہے، اس کا کوئی فائدہ ہو سکتا ہے اور اس میں کوئی روشن پہلو نکل سکتا ہے تو یہ کہ اس سے عبرت و نصیحت اور سبق حاصل کریں، میں اس کے اسباب کی تفصیل میں نہیں جانا چاہتا، نہ اس موضوع پر کوئی تلخ بات کرنا چاہتا ہوں، یہ بات یہاں کا مشہور و معروف موضوع ہے، ممکن ہے اس سے اکتاہٹ پیدا ہو جائے۔

ان المناک حادثات کا سب سے پہلا نتیجہ جس کو اچھی طرح ذہن نشین کر لینا ضروری ہے، یہ ہے کہ لادینی اور ملحدانہ قیادتیں ناکام ہو چکی ہیں۔

لادینی اور ملحدانہ قیادتیں ناکام

ان حادثات نے روز روشن کی طرح واضح کر دیا ہے جس میں شبہ کی کوئی گنجائش نہیں رہ گئی ہے کہ لادینی قیادتیں جو عرب اور مسلم اقوام کی قیادت پر مسلط ہو گئی تھیں، اپنے مقصد میں ناکام رہیں، اگرچہ میں اس کو تجربہ نہیں سمجھتا بلکہ یہ طے شدہ پروگرام تھا، یہ نتیجہ تھا، دانستہ اور ارادی کارستانیوں اور سازشوں کا نتیجہ ہے۔

یہ قیادت صرف فلسطین کا مسئلہ حل کرنے ہی میں ناکام نہیں ہوئی ہے بلکہ اپنی قوم کی سلامتی کی حفاظت اور ملک کی عزت و وقار اور ان کے حدود کی حفاظت میں بھی ناکام رہی۔

کہا جاتا ہے کہ ان ترقی پسندانہ نظریات پر مبنی قیادتوں کو جمہوریت کی حمایت حاصل ہے، جو ترقی یافتہ، متمدن اور انقلابی عہد کے تقاضوں کے ساتھ ہم آہنگی کی کوشش کر رہی ہیں، اور غیر مرئی

اور غیبی عوامل کو تسلیم نہیں کرتیں، بلکہ صرف موجود اور مرئی حقائق پر یقین واعتماد رکھتی ہیں، ان کو اس کا موقع ملنا چاہئے کہ وہ درپیش مسائل اور عرب قوم کی قیادت کے میدان میں اپنا کردار ادا کریں، تو یہ بھی ہو چکا، اللہ نے ان کو میدان میں آنے اور اپنی صلاحیتوں کو آزمانے کا پورا پورا موقعہ دیا، دانا وبینا پروردگار کی اس میں بھی ایک حکمت ہے کہ یہ قیادتیں اپنے ترکش کا آخری بہترین، تیز ترین اور قوی ترین تیر بھی استعمال کر کے دیکھ لیں، تاریخ کے کسی زمانہ میں بھی ملتا ہے، یا جن تک فکر انسانی کی رسائی ہو سکتی ہے، اور جن کا وجود روئے زمین پر ممکن ہے اور ان تمام اسلحے سے مسلح ہوں جن سے روئے زمین کی کوئی بھی طاقت بہرہ ور رہی ہے، قدرت نے کسی چیز میں بخل نہیں کیا، ان کی آرزوؤں میں رکاوٹ نہیں ڈالی، رائے عامہ کی تشکیل، ادب وصحافت کے استعمال، اداروں کی تنظیم اور نظریات وخیالات کی ترویج واشاعت کے لئے ان کو جدید بہتر اور موثر ذرائع ووسائل مہیا کئے گئے، اللہ کی حکمت بالغہ، جس کی گہرائی اور گیرائی کا کوئی اندازہ نہیں لگا سکتا، کا تقاضہ یہی تھا کہ وہ طاقتیں جو اپنے کو اس عہد کی قیادت کا اہل سمجھتی تھیں اور قوم کی رہنمائی کی دعویدار تھیں اس زمانہ کی بہترین ایجادات واختراعات ان کی دسترس میں ہوں اور وہ ان کو استعمال کر کے بھی دیکھ لیں، قیادت کا میدان ان کے لئے خالی ہو اور بغیر کسی خطرہ یا رکاوٹ کے پورے ساز وسامان ذہن ودماغ اور اعلیٰ صلاحیتوں کے ساتھ ان کو اپنے جوہر دکھانے کا موقع ملے لیکن اس کے باوجود ان کو انتہائی شرمناک شکست سے دوچار ہونا پڑا، اس کی مثال، اگر انسانی تاریخ نہ کہا جائے تو بھی کم از کم مسلم تاریخ میں نہیں ملتی۔

عرب قوم اور مسلمانوں کے دامن پر بدنما داغ

آج کے وہ قائدین جنھوں نے عرب اقوام کے مسائل اور خاص طور پر مسئلہ فلسطین کو حل کرنے کا دعویٰ کیا تھا، یہ انسانی تاریخ کے ناکام ترین قائدین میں ہیں، مشیت الٰہی نے انھیں سنہرا موقع دیا تھا، جو شاذ ونادر ہی کسی قائد کو ملتا ہے، ان کے لئے میدان بالکل خالی تھا، راہ کی ساری رکاوٹیں ختم ہو چکی تھیں، جن سے یہ گھبراتے تھے، وہ بھی میدان چھوڑ چکے تھے، لیکن نتیجہ کیا ہوا؟

انھوں نے عرب قوم کے دامن پر ایسا بدنما داغ لگا دیا ہے، جسے سات سمندروں کا پانی بھی

نہیں دھوسکتا، یہ صرف عرب ہی نہیں بلکہ تمام مسلمانوں کے دامن پر بدنما داغ ہے۔

اس حادثہ کا یہ سب سے پہلا اور اہم سبق ہے، اسے فراموش نہیں کرنا چاہئے

عربوں کی فطرت کے خلاف بغاوت

عرب قوم پر اللہ کی عنایت اور خاص رحمت یہ ثابت ہوئی کہ خلاف اسلام رجحانات ونظریات رکھنے والے قائدین کو اس کا موقع ملا کہ وہ اپنے عزائم کو بروئے کار لاسکیں اور اپنے بنائے ہوئے پروگرام اور نقشوں کے مطابق عمل کرسکیں، اور پھر ناکام رہیں، عرب قوم کے لئے یہ مقدر ہو چکا ہے کہ وہ ہمیشہ اسلام کے پیغام کے ساتھ مربوط رہیں، اور اسی کی زیر سایہ ترقی کریں، حیرت انگیز طریقہ سے عرب کے سیاسی اسٹیج پر یہ رہنما نمودار ہوئے جنھوں نے عربوں کی فطرت کے خلاف بغاوت کی اور اسلام اور مسلمانوں کو پردہ کے پیچھے دھکیل دیا اور طویل مدت میں یہ بھی ممکن تھا کہ قدرت کی طرح ان کے راستہ میں رکاوٹیں ڈالی جاتیں اور یہ اپنے منصوبوں کے مطابق کام نہ کرسکتے، لیکن ایسا نہیں ہوا، بلکہ ان کو پوری آزادی ملی اور جو جی میں آیا کرتے رہے، یہاں تک کہ عربوں کی نگاہوں میں روز روشن کی طرح یہ بات روشن ہوگئی کہ عرب کی بھلائی ان کے بس کی بات نہیں، اور یہ قیادت بدتوفیق، منحوس، بے نتیجہ اور بانجھ ہے۔

رسول اللہؐ کے حریفوں کا عبرت ناک انجام

محمد صلے اللہ علیہ وسلم کے پیغام کی مخالفت کرنے والوں، آپ کی عالمی اور ابدی قیادت کو چیلنج کرنے والوں اور نبوت کا دعویٰ کرنے والوں کا ہمیشہ یہی انجام ہوا ہے، قرآن کی آیت کریمہ: **ان شانئک هو الابتر** (بیشک آپ کا دشمن ہی بے نام ونشان ہونے والا ہے) کو میں رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم سے بغض وحسد رکھنے والے اور آپ کی قیادت سے اختلاف کرنے والے قریش کے کسی اجڈ اور اکھڑ شخص کے لئے مخصوص نہیں مانتا، اسی طرح ''ابتر'' میرے خیال میں صرف نسلی اور نسبی انقطاع ہی کا نام نہیں، بلکہ اس کا مفہوم اس سے بہت وسیع ہے، اس کا پورا مفہوم یہ ہے کہ:

"اے محمد (صلے اللہ علیہ وسلم) جو بھی آپ کا مخالف ہو، آپ سے دشمنی رکھے آپ کی عالمگیر قیادت کو چیلنج کرے، آپ کی قیادت سے قوم کا تعلق منقطع کر کے ان کی گردنوں پر خود مسلط ہو جانے اور قوم کے ذہن ودماغ سے روحانیت کے مبارک عنصر کو خارج کرنا چاہے، اس کا انجام ہے بدتوفیقی، ناکامی، ذلت گمنامی، اور بے نشانی"۔

یہی انجام ہوا مسلمہ کذاب کا، اسود عنسی کا، طلیحہ اسدی کا، سجاح کا، ابوطاہر جنابی کا، عبید بن میمون کا، حسن بن صباح کا، بہاء اللہ ایرانی اور غلام احمد قادیانی کا، اور اسلام سے بغض وعداوت رکھنے والے انتہا پسند قوم پرست لیڈروں کا بھی ہر زمانہ میں یہی انجام ہوا ہے، اور جو شخص بھی اس امت پر ناجائز طور پر اور زبردستی غلبہ حاصل کرے گا اور امت کو محمد صلے اللہ علیہ وسلم کی ابدی قیادت سے الگ کرنے کی کوشش کرے گا، اس کا انجام بھی وہی ہوگا، قرآن نے جس کی خبر دی، اور تاریخ سے جس کی ابدیت ثابت ہے۔

مفسرین کو اللہ تعالی جزائے خیر دے، انھوں نے اس آیت کی تشریح میں جو کچھ لکھا ہے، اس کے اعتراف واحترام کے ساتھ میں اس آیت کے مفہوم کو اس قدر محدود نہیں سمجھتا، میرے نزدیک اس کا مفہوم وسیع ہے، اور یہ آیت اعلان کرتی ہے کہ "محمد صلے اللہ علیہ وسلم کے ہر حریف ورقیب اور آپ کی قیادت کو چیلنج کرنے والے ہر بدنصیب کا یہی انجام ہوگا"۔ تاریخ، عقل سلیم اور حوادث سے صحیح نتائج اخذ کرنے والا باشعور ذہن ان رہنماؤں کو اس ناکام تجربہ کو دوبارہ دہرانے کی اجازت اور اس کا موقع ہرگز نہیں دے سکتا، انسان کی انفرادی زندگی میں بھی ناکام تجربات کا دہرانا خطرناک ثابت ہوا کرتا ہے، اور قوم کے قائدین کی غلطیوں کا اعادہ تو قوم کے مستقبل اور اس کے انجام کے لئے انفرادی زندگی کے محدود نقصان سے کہیں زیادہ مضرت رساں اور تکلیف دہ ہوگا۔

دوسرا سبق، خود غرض اور مفاد پرست رہنما

خود غرض اور مفاد پرست رہنماؤں کا یہ طریقہ جو اپنے نفس کی پرستش اور اقتدار کی اونچی کرسیوں کے سامنے سجدہ ریزی کو اپنا شعار بنائے ہوئے ہیں جو اپنے اغراض اور اپنی خواہشات کی تکمیل میں کسی چیز کو معیوب نہیں سمجھتے، جنھیں نہ دین ومذہب کا خیال ہے، نہ

انسانیت کا پاس، نہ افراد کی آزادی کا لحاظ نہ دین ومذہب اور نہ آخرت پر یقین، نہ اپنے ذاتی فوائد کے سامنے کسی قومی وملکی مصلحت کی فکر، نہ دوسروں کے خیالات ونظریات اور اصول وضوابط پر اعتماد، نہ ان کا لحاظ، جو خود ''اہلِ اقتدار'' اور افکار ونظریات کے بت تراشتے ہیں، پھر انھیں کے سامنے سربسجود ہو جاتے ہیں اور ان کے سامنے کسی کی رائے، کسی نظریہ کو خاطر میں نہیں لاتے، اس قسم کے رہنما اور سربراہ اپنی قوم کے گناہوں کا نتیجہ ہیں، اور اسی کے پاداش میں ان پر مسلط کردیئے گئے ہیں، قرآن ان کی صحیح اور سچی تصویر کشی کرتا ہے:۔

ومن الناس من یعجبک قوله فی الحیواة الدنیا ویشهد الله علیٰ مافی قلبه، وهو الدالخصام، واذ ا تولی سعی فی الارض لیفسد فیها ویهلک الحرث والنسل والله لا یحب الفساد. واذا قیل له اتق الله اخذته العزة بالاثم فحسبه جهنم، ولبئس المهاد. (بقره ۲۰۴ ۲۰۶)

بعض انسان ایسے ہیں جن کی بات دنیا کی زندگی میں بڑی بھلی لگتی ہے، وہ اپنے دل کی باتوں پر اللہ کو گواہ بناتے ہیں، حالانکہ وہ سخت جھگڑالو ہیں اور جب وہ قابو پاتے ہیں تو زمین میں ان کی سرگرمیاں اس لئے ہوتی ہیں کہ اس میں فساد پھیلائیں اور جانوں اور کھیتوں کو برباد کر دیں، اور اللہ فساد پسند نہیں کرتا، اور جب ان سے کہا جاتا ہے کہ اللہ سے ڈرو تو غرور ان کو گناہ پر آمادہ کرتا ہے ان کے لئے تو بس جہنم ہی کافی ہے اور وہ بہت ہی بری جگہ ہے۔

ان لیڈروں کی اس سے بہتر اور سچی تصویر اور کیا ہوسکتی ہے؟ اس کا ایک ایک جزو ان پر منطبق ہو رہا ہے، ان کی چکنی چپڑی باتیں، سنئے، انسانیت، آزادی، جمہوریت، اشتراکیت، انسانی حقوق اور معاشرتی انصاف جیسے موضوعات پر ان کی ان کے حواریین اور ان کے گرگوں کی رواں اور فصیح وبلیغ عبارتیں پڑھئے، عرب ممالک کے کسی بھی مرکز سے بہترین اور دل نواز نشریات سنئے، اخبارات میں شائع ہونے والی ان کی وجیہہ وشکیل تصویریں دیکھئے، آپ تعجب کریں گے کہ یہ وجیہہ اور بارعب سورما کیا اسرائیل سے شکست کھا سکتے ہیں؟۔

اگر آپ قرآن کی تصدیق اور اس کی عملی تفسیر چاہتے ہیں تو ذرا اخبارات میں گزشتہ واقعات کی تفصیل پر ایک نظر ڈال لیجئے اور ان حادثات سے ان رہنماؤں کے دل ودماغ پر جو اثرات مرتب ہوئے ہیں، ان پر غور کیجئے اور اسی طرح قرآن کی یہ آیت پڑھئے۔

واذا رایتهم تعجبک اجسامهم وان یقولوا تسمع لقولهم ، کانهم خشب مسندة یحسبون کل صیحة علیهم هم العدو فاحذرهم.

(منافقون ۴)

اگر تم ان کو دیکھو تو ان کے جسم تم کو اچھے لگیں گے اور وہ کچھ کہیں تو تم ان کی باتیں سنو گے جیسے وہ ٹیک لگائی ہوئی لکڑیاں ہیں، وہ سمجھتے ہیں کہ ہر آواز انہی کے خلاف ہے، وہی دشمن ہیں ان سے محتاط رہو۔

قرآن کی اس آیت میں ان کی صحیح اور حقیقی تصویر پوری طرح اور مجسم شکل میں آجاتی ہے وہ قرآن کا ابدی معجزہ ہے۔

حالیہ واقعات سے ملنے والا یہ دوسرا سبق ہے۔

قرآن کہتا ہے کہ ''جب یہ قابو پاتے ہیں تو ان کی ساری سرگرمیاں زمین میں فساد پھیلنے اور جان و مال برباد کرنے کے لئے ہوتی ہیں'' ذرا ان ملکوں میں جان و مال کی بربادی پر نظر ڈالئے جہاں یہ خودسر اور خوف خدا سے آزاد حکمراں مسلط ہو گئے ہیں، جو جدید فلسفوں اور شیطانی نظریات کا پرچار کر رہے ہیں، انھوں نے اپنے ملکوں کو بالکل خالی کر دیا ہے، جیسے موسم خزاں میں سرسبز و شاداب درخت پھولوں اور پتیوں سے بالکل خالی ہو جاتے ہیں، مصیبت کے مارے یہ ممالک بالکل ویران ہو گئے ہیں، تمام دینی و دنیاوی نعمتوں سے خالی، ان میں نہ بڑے علماء رہ گئے ہیں، نہ وہ ماہرین جن پر علاقہ فخر کرتا تھا، ان ممالک میں نہ آزادی ہے نہ خود اعتمادی۔

ناقابل تلافی نقصان

خود اعتمادی جو انسان کی بہترین دولت ہے اور ہر زمانہ میں انسان سے متمتع ہوتا رہا ہے، یہاں تک کہ قدیم فرمانرواؤں اور ظالموں نے بھی ان سے یہ دولت چھینی، لیکن نام نہاد ''جمہوریتوں'' اور ''ترقی پسند قیادتوں'' نے مسلم اور عرب اقوام کو اس دولت سے بھی محروم کر دیا، ان کی خود اعتماد جاتی رہی، ان کو اپنی صلاحیتوں پر اعتماد نہ اپنی عقل پر نہ اپنی کارگزاریوں پر، طالب علم میں اگر خود اعتمادی نہ ہو تو کتنا ہی ذہین ہو امتحان میں کامیاب نہیں ہو سکتا، فوج کا ایک ایسا

سپاہی اگر تلوار نہ رکھتا ہو تو کوئی زیادہ فکر کی بات نہیں بندوق نہ ہو، کوئی حرج نہیں، گولیاں ختم ہو جائیں، جب بھی کوئی پریشانی کی بات نہیں لیکن اگر اسے اپنے اوپر اعتماد نہ ہو، اپنے اصول ونظریات پر اعتماد نہ ہو، اپنے دین پر اعتماد نہ ہو تو اس کے پاس کچھ بھی نہیں۔

اس قوم کو پہونچنے والا سب سے بڑا نقصان یہی ہے، جس کی تلافی نہیں ہو سکتی۔

اقوام وملل کی مثال رواں دواں نہروں جیسی ہے، اس میں جھاگ اٹھتا ہے، پتھر آتے رہتے ہیں لکڑیاں بھی بہتی رہتی ہیں، اور نہر کی روانی میں کوئی فرق نہیں آتا۔

فاما الزبد فیذ هب جفآءً واما ماینفع الناس فیمکث فی الارض

(الرعد۔۱۷)

جھاگ خشک ہو کر اڑ جاتا ہے اور جو انسانوں کے لئے نفع بخش ہوتا ہے وہ زمین پر ٹھہر جاتا ہے۔

زندگی میں نہ مصائب وآلام کی چنداں اہمیت ہے نہ شکست وناکامی کی اہمیت ہے قوم کی خود شناسی اور خود اعتمادی کی، ضمیر کی بیداری کی اور گردوپیش کے صحیح شعور وادراک کی۔

لیکن جب قوم کا احساس اتنا مردہ ہو جائے کہ اسے فتح وشکست کا فرق ہی نہ محسوس ہو، اس کا شعور اتنا خام ہو کہ دوست ودشمن میں تمیز نہ کر سکے، اسے دشمن سے عداوت ہو، نہ دوست سے محبت، تو ایسی قوم خود ہی اپنے لئے خطرہ اور اپنے آپ کی دشمن بن جاتی ہے۔

ہماری موجودہ قیادت نے ہم کو صلاحیت اور قوت کے خزانہ سے عاری اور بے بہرہ کر دیا ہے، حالانکہ اسی کی بدولت ہم نے تاریخ کے ہر دور میں ایسے حملوں اور مصیبتوں کا سامنا کیا ہے کہ کسی دوسری قوم کو ان سے سابقہ پڑتا تو وہ تاریخ کے صفحات کی زینت بن کر رہ جاتی، لیکن اس امت نے پختہ ایمان، زندہ شعور، اور اسی خود اعتمادی کی وجہ سے تاریخ کے ہر موڑ پر بڑے بڑے مہیب اور مہلک حملوں کا مقابلہ کیا ہے، ایک شکست خوردہ فوج بھی اگر ایمان، اور ایمانی اور نبوی تربیت کے پیدا کردہ اسلحہ سے عاری نہ ہو تو اس کی ہمت پست نہ ہو سکتی، اور بالآخر کامیابی اس کے قدم چومے گی، کیا آپ نے غزوۂ حمراء الاسد کا واقعہ نہیں پڑھا؟ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم اور آپ کے اصحاب (رضوان اللہ علیہم اجمعین) زخموں سے چور غزوۂ احد سے واپس ہوتے ہیں، انھوں نے ابھی میدان جنگ کے گرد بھی نہیں جھاڑی ہے، اسی کٹھن موقع پر رسول اللہ صلے

اللہ علیہ وسلم آگے بڑھ کر قریش سے دوبدو ہونے کا حکم دیتے ہیں، کامیابی کے نشہ میں جن کے دماغ آسمان پر پہونچ رہے تھے۔

دنیا کی کسی بھی فوج کو اتنے زخم لگے ہوئے ہوں تو وہ دوبارہ حملہ کرنے کی جرأت نہیں کر سکتی تھی، لیکن وہ لوگ دوبارہ مقابلہ کے لئے بڑھے، اگرچہ مقابلہ نہیں ہوا، کیونکہ قریشی الٹے پیروں واپس ہو گئے۔

تیسرا سبق

ان حوادث سے ہمیں اندازہ ہوتا ہے کہ ہماری زندگی غلط پٹری پر پڑ گئی ہے، اور ضرورت اس کی ہے کہ ہم پہلی فرصت میں اس کی تلافی کریں، جب تک یہ غلطی باقی ہے، جب تک کشتی میں کوئی سوراخ ہے، جس سے پانی ابل رہا ہے، زندگی کی کشتی خطرہ سے باہر نہیں آسکتی، آج عرب اقوام اور ان کی قیادتوں کی مثال اسی کشتی کے سواروں جیسی ہے، جسے کے پیندے میں سوراخ تھا، اور پانی آرہا تھا، لیکن کشتی کے سوار خیالی بحری قزاقوں سے بچنے کی فکر میں تو پریشان رہے لیکن اس سوراخ سے غافل رہے، ایسی کشتی اور ایسے سواروں کا انجام کیا ہو سکتا ہے؟۔

”شمشیر وسناں اول طاؤس ورباب آخر“

حکومتوں اور انسانی معاشرہ کی تاریخ کا مطالعہ کیجئے، ایک قوم اٹھتی ہے، اور ایک طاقتور اور شان وشوکت کی حکومت قائم کرتی ہے، ابتدا میں ان کی طبائع پر جرأت بہادری، استقلال اور متانت کا اثر غالب رہتا ہے، وہ دھن کے پکے اور محنت ومشقت کے عادی ہوتے ہیں، پھر ان میں کمزوری پیدا ہونے لگتی ہے، ان کی ہمتوں اور ان کے عزائم میں گھن لگ جاتا ہے، رفتہ رفتہ یہ روگ رگ رگ میں سرایت کر جاتا ہے، پھر یہ قومیں ہوا وہوس اور خواہشات نفسانی کو چھوٹ دے دیتی ہیں، عیش وتنعم اور تفریحات کے وسائل واسباب بہت زیادہ ہو جاتے ہیں، موسیقی، ورقص وسرور، تصویریں اور... جذبہ کو تسکین دینے والے دوسری اشیاء کی کثرت ہو جاتی ہے، یہاں کی حکومت اور قومی عزت وشرف کا آخری وقت ہوتا ہے، اقبال نے اسی تاریخی حقیقت کو ان الفاظ میں ادا کیا ہے۔

آ تجھ کو بتاؤں میں تقدیر امم کیا ہے
شمشیر و سناں اول طاؤس و رباب آخر

جب پورا معاشرہ، پوری قوم اور حاکم طبقہ اس فساد کا شکار ہو جائے، وہ لہو ولعب رقص وسرود اور عیش وعشرت میں ڈوب جائے، ہنسی مذاق کو سنجیدگی اور متانت، اور دل بہلانے والے کاموں کو بہادری، مردانگی، عزیمت اور استقلال پر ترجیح دینے لگے تو اس کا نتیجہ سوائے تباہی کے اور کیا ہو سکتا ہے۔

تاریخ کا ایک ورق

عباسی حکومت اور تاتاریوں کے حملہ کی تاریخ دیکھئے، بغداد کے رہنے والے محلات وقصور میں ایک دوسرے پر سبقت لے جانے میں لگے رہے، انواع واقسام کے کھانوں اور مشروبات کی ایجاد پر اپنی ذہانت صرف کرتے رہے، لہو ولعب میں منہمک رہے، نمازوں اور دوسری شرعی پابندیوں کا خیال ولحاظ دماغ میں رہا نہیں، مغنیات اور رقاصاؤں کے رقص وسرور میں ہمہ دم مشغول رہے، اس کا نتیجہ کیا ہوا؟

مشرق اقصیٰ کے قراقرم سے تاتاری نکلے اور بغداد کے ساتھ جو کچھ کیا وہ سب کو معلوم ہے۔

مغلوں کا زوال

ہندوستان میں مغل حکومت کی کہانی بھی ویسی ہی ہے، مغلوں نے ہندوستان میں چار صدیوں تک اس شان وشوکت اور رعب وقوت سے حکومت کی ہے کہ ہندوستان کی تاریخ میں اس کی نظیر نہیں ملتی، اس نے پورے برصغیر کو ایک سرے سے دوسرے سرے تک اپنے زیرنگیں کرلیا، یہاں تمام طاقتیں حکومت کے سامنے جھک گئیں، لیکن جب اس مضبوط حکومت میں ضعف وپیری کے آثار ظاہر ہونے لگے تو امراء اور ذمہ داران حکومت کی حالت یہ ہوگئی کہ انھیں تفریحات اور دل بہلانے والے کاموں سے فرصت ہی نہیں ملتی تھی، وہ ہر وقت ظاہری شان وشوکت اور عیش وتنعم میں مشغول رہتے تھے، نادر شاہ جس نے ایران میں نئی اور جوان

جمت حکومت قائم کی تھی، اس نے ہندوستان پر بہت چھوٹے اور محدود لشکر کے ساتھ حملہ کیا، اس کو کہیں سے کسی قسم کی امداد یا کمک کی امید نہیں تھی، اور چاروں طرف سے ہندوستانی اور مقامی طاقتوں اور فوجوں سے گھرا ہوا تھا، لیکن وہ سخت جان اور محنت ومشقت کا عادی تھا، اس کے مقابلہ میں ہندوستان کے مغل بادشاہ محمد شاہ جو تفریحات اور عیش وعشرت میں انہماک کی وجہ سے "رنگیلا" کے نام سے مشہور تھا، جب اس کا نادر شاہ سے سامنا ہوا تو [illegible] گیا اور حسرت بھرے لہجہ میں کہا

شامت اعمال ما صورت نادر گرفت

اپنی غلطی تلاش کیجئے

ہمیں بھی اپنی غلطی کی اسی طرح جستجو [illegible] زندگی میں تلاش کرنی چاہئے، جس زندگی کا دور دورہ ان [illegible] وہاں تھی، [illegible] نہیں [illegible] اپنے مقدرہ [illegible] اور [illegible] میں [illegible] اخلاقی اقدار سے خود زندگی اور [illegible] کے ساتھ اور مسلسل محنت [illegible] اخلاقی [illegible] سب سے بڑا خطرہ ہے، رومیوں اور ایرانیوں کے خلاف [illegible] ان کے ایمان کی رہین منت رہی ہے، میں اسے مانتا ہوں اور سب سے پہلے مانتا ہوں، لیکن ان کی فتح اور غلبہ کے اسباب میں ایک اہم سبب ان عربوں کی سخت کوشی بھی تھی۔

نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کے بعد اس امت کے سب سے بڑے مربی حضرت عمر بن خطاب کی تاکید تھی "سخت ہو جاؤ، گھوڑوں کی ننگی پیٹھ پر سوار ہو اور اچھل کر سوار ہو" لیکن آج ہماری زندگی میں سخت کوشی کہاں؟

عرب نوجوان کا ماضی اور حال

عرب نوجوانو! مشرقی اقوام وقبائل نے زندگی میں سخت وقت اور محنت ومشقت برداشت

کرنا سکھایا تھا، عیش وعشرت سے بے نیازی، شدائد کی برداشت اور بہادری وشہسواری میں تمہاری زندگی مثالی سمجھی جاتی تھی، ہم ہندوستان سے آتے ہیں تو ہماری آنکھیں ان اصیل اور برق رفتار گھوڑوں کو تلاش کرتی رہتی ہیں، جن کا ذکر بار بار اور کثرت کے ساتھ دیوان حماسہ، عربوں کے اشعار اور ان کی قدیم داستانوں اور حدیث اور سیرت کی کتابوں میں پڑھ چکے ہیں، لیکن کہاں ہیں، آج وہ شوخ وشنگ گھوڑے اور وہ ماہر اور جری شہسوار؟ آج ہماری حکومت یہ ہے کہ ہم چند قدم پیدل نہیں چل سکتے، دھوپ میں چلنا ہمیں شاق گذرتا ہے، کسی قسم کی سختی یا تکلیف برداشت کرنا ہمارے لیے ممکن نہیں۔

ذرا یہودی نوجوانوں کو دیکھئے اور اپنی حالت سے ان کی حالت کا مقابلہ کیجئے، محترم مفتی امین الحسینی (مفتی اعظم فلسطین) یہاں موجود ہیں، ان سے یہود کی حالت معلوم کیجئے وہاں یونیورسٹی کے ہر طالب علم کے سالانہ چھٹیوں میں ایک متعین مسافت پیدل دھوپ میں طے کرنا ضروری ہے، یہ یہودی پہلے سستی، کاہلی اور نزاکت میں مشہور ہوا کرتے تھے لیکن آج دنیا بدل گئی۔

تفریحات اور لہو ولعب کی طبعی خصوصیات

ان تفریحات اور لہو ولعب کی طبعی خاصیت ہے، سستی، کاہلی، پست ہمت، سہل پسندی، اس لغویات بھری زندگی کا طبعی انجام ہے، شکست وناکامی۔

ہمیں چاہئے کہ فتح وشکست کے ان اسباب کو تلاش کریں جو قرآن نے بیان کئے ہیں، رسول اللہ نے بیان کئے ہیں، اور جن کو مسلم قائدین نے ہمیشہ حرز جاں بنایا ہے۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

۱

عالم عربی، اہل مغرب کی آماجگاہ کیوں؟

> عالم عربی دنیائے انسانیت کا دھڑکتا ہوا دل ہے جو اب بدقسمتی سے اہل مغرب کی نظروں کا مرکز، ان کی خواہشات کی آماجگاہ اور قیادت و لیڈرشپ کے لئے مقابلہ کا میدان بنا دیا گیا ہے، موجودہ حالات میں اس کی حفاظت، امن و استحکام تمام عالم اسلام کا بنیادی فریضہ ہے، ذیل میں مولانا سید ابو الحسن علی ندوی رحمہ اللہ عالم عربی کے معروضی حالات کا جائزہ پیش فرماتے ہیں۔ اگر عرب سنبھل جائیں تو تمام عالم کی قیادت اور دنیائے انسانیت کی باگ ڈور ان کے ہاتھ میں ہوگی

الحمد للہ و کفی و سلام علیٰ عبادہ الذین اصطفیٰ. امابعد.

عالم عربی کی اہمیت:

دنیا کے سیاسی نقشہ میں عالم عربی بہت اہمیت رکھتا ہے، وہ ان قوموں کا گہوارہ ہے جنہوں نے انسانی تاریخ میں سب سے اہم پارٹ ادا کیا۔ اس کے سینہ میں دولت و طاقت کے عظیم الشان خزانے محفوظ ہیں، اس کے پاس پٹرول ہے جو آج جنگی اور صنعتی جسم کے لیے خون کا درجہ رکھتا ہے اور یورپ و امریکہ اور مشرق بعید کے درمیان رابطہ کا کام کرتا ہے۔

وہ عالم اسلام کا دھڑکتا ہوا دل ہے جس کی طرف روحانی اور دینی طور پر پورے عالم اسلامی کا رخ ہے جو ہر وقت اس کا دم بھرتا ہے اور اس کی محبت و وفاداری میں سرشار رہتا ہے۔

اس کی اہمیت اس لیے اور بڑھ جاتی ہے کہ اس کا امکان ہے کہ خدانخواستہ اس کو تیسری وعالمی) جنگ کا میدان بننا پڑے۔ وہاں طاقتور بازو ہیں، سوچنے سمجھنے والی عقلیں ہیں اور جنگجو جسم ہیں، وہاں بڑی بڑی تجارتی منڈیاں ہیں اور قابل کاشت زمینیں ہیں۔

مصر وہیں واقع ہے جو اپنی پیداوار مدنی، زرخیزی و شادابی، دولت و ترقی تہذیب و تمدن میں خاص درجہ رکھتا ہے، جس کی گود میں دریائے نیل رواں دواں ہے۔ یہاں فلسطین ہے اور

اس سے ہمسایہ ممالک ہیں جو اپنی آب و ہوا کی لطافت و حسن و خوبصورتی اور فوجی اہمیت میں ممتاز ہیں۔

اس کے پاس عراق ہے جو اپنی بہادری، سخت جانی، شجاعت، عزم اور پٹرول کے ذخیروں کی وجہ سے مشہور ہے۔

یہاں جزیرۃ العرب ہے جو اپنے روحانی مرکز، دینی اثر میں سب سے ممتاز ہے، جس کے تیل سے سالانہ جتنی زر خیز دنیا میں نہیں جہاں تیل کے چشمے سب سے زیادہ تیل پیدا کرتے ہیں۔

یہ سب چیزیں ہیں جنھوں نے عالم عربی کو اہل مغرب کی نظر کا مرکز، ان کی خواہشات کی آماجگاہ اور قیادت سیادت کے لیے مقابلہ کا میدان بنا دیا اور جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ان ممالک میں عربی قومیت اور وطن پرستی کا شدید احساس پیدا ہو گیا ہے۔

محمد رسول اللہ عالم عربی کی روح ہیں:

ایک مسلمان عالم عربی کو جس نظر سے دیکھتا ہے اس میں اور ایک یورپین کی نظر میں آسمان و زمین کا فرق ہے۔ یورپ کا ایک وطن پرست عالم عربی کو جس نگاہ سے دیکھتا ہے وہ ایک مسلمان کی نگاہ سے بالکل مختلف ہے۔

ایک مسلمان عالم عربی کو اس حیثیت سے دیکھتا ہے کہ وہ عالم کا گہوارہ ہے، انسانیت کی پناہ گاہ ہے، عالمی قیادت کا مرکز ہے، روشنی کا مینار ہے۔ اس کا عقیدہ ہے کہ محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم عالم عربی کی جان، اس کے عزت افتخار کا عنوان اور اس کا سنگ بنیاد ہیں۔ اگر اس سے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو جدا کر دیا جائے تو اپنے تمام قوت، ذخیروں اور دولت کے چشموں کے باوجود اس کی حیثیت ایک بے جان لاشہ اور ایک نقش بے رنگ سے زیادہ نہ ہوگی۔ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہی کی ذات ہے جس کی وجہ سے عالم عربی عالم وجود میں آیا۔ اس سے پہلے یہ دنیا منقسم اور منتشر اکائیوں، باہم دست و گریباں قبیلوں، غلام قوموں اور بے مصرف صلاحیتوں کا دوسرا نام تھی۔ اس پر جہل و گمراہی کے بادل چھائے ہوئے تھے۔ عرب رومی شہنشاہی سے جنگ مول لینے کا خواب بھی نہیں دیکھ سکتے تھے، اس کا تصور کرنا بھی ان کے لیے مشکل تھا۔ شام جو بعد میں عالم عربی کا بہت اہم حصہ قرار پایا ایک رومی نوآبادی تھی جو مطلق العنان حکومت اور سخت ترین

ڈکٹیٹر شپ کے رحم وکرم پر تھی، اس نے ابھی تک آزادی وانصاف کا مفہوم ہی نہیں سمجھا تھا۔

عراق کیانی حکومت کی اغراض وخواہشات کا شکار تھا، نئے نئے محاصل اور بھاری ٹیکسوں کی وجہ سے اس کی کمر جھک گئی تھی۔ رومی مصر کے ساتھ ایک گائے کا سا برتاؤ کرتے تھے جس کو دودھ دینے اور فائدہ اٹھانے میں وہ کمی نہ کرتے لیکن چارہ دیتے وقت حق تلفی اور بخل سے کام لیتے۔ پھر وہاں سیاسی استبداد کے ساتھ مذہبی استبداد کا سلسلہ بھی جاری تھا۔ دفعتاً اس متفرق منتشر مظلوم دنیا پر اسلام کی بادِ بہاری کا ایک جھونکا چلا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے، اس وقت یہ عربی دنیا ہلاکت کے قریب تک پہنچ چکی تھی، آپ ﷺ نے اس کی مسیحائی فرمائی، اس کی نبضیں ڈوب رہی تھیں آپ ﷺ نے اس کو زندگی بخشی روشنی عطا کی کتاب وحکمت کی تعلیم دی تزکیہ کا سبق پڑھایا آپ ﷺ کی بعثت کے بعد اس دنیا کی نوعیت بدل گئی، اب وہ اسلام کی سفیر تھی، امن وسلامتی کی پیامبر تھی، تہذیب وتمدن کی علمبردار تھی، قوموں کے لیے رحمت کا پیغام تھی۔ اب ہم شام کا نام بھی لے سکتے ہیں، عراق کا ذکر بھی کر سکتے ہیں ہم مصر پر بھی فخر کر سکتے ہیں۔ اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کی دعوت نہ ہوتی تو آج نہ شام کا کہیں پتہ ہوتا نہ عراق کا کہیں ذکر ملتا نہ مصر کا وجود ہوتا اور عالم عربی، عالم عربی ہی نہ ہوتا اور یہیں تک نہیں دنیا بھی تمدن وشائستگی، علم وفن تہذیب وترقی کی اس سطح پر نہ ہوتی اب اگر عرب قوموں اور حکومتوں میں کوئی دین اسلام سے مستغنی ہونا چاہتا ہے سیاست وحکومت میں مغربی دستور اور مغربی قوانین کی پیروی کرتا ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنا قائد، امام، رہبر اور اسوہ ومعیار نہیں سمجھتا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی عطا کی ہوئی نعمت کو فوراً واپس کر دے اور اپنے پیچھے دور جاہلیت کی طرف واپس چلا جائے جہاں رومیوں اور ایرانیوں کا سکہ چلتا تھا، جہاں ظلم واستبداد کا بازار گرم تھا، جہاں سامراج کی فرمانروائی تھی، جہاں جہل وگمراہی تھی، جہاں غفلت اور بیکاری تھی، جہاں دنیا سے الگ تھلگ انسانی گوشہ میں ایک گمنام زندگی گذاری جا رہی تھی، اس لیے کہ یہ شاندار اور روشن تاریخ، یہ تابناک تہذیب، یہ بازار ادب، یہ عرب سلطنتیں اور حکومتیں صرف محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم کی مبارک بعثت کا فیض اور آپ کی آمد کا نتیجہ ہیں۔

ایمان، عالم عربی کی طاقت ہے

اسلام عالم عربی کی قومیت ہے، محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس کے امام اور قائد ہیں۔ ایمان اس کی قوت کا خزانہ ہے جس کے بھروسہ پر اس نے دوسری قوموں کا مقابلہ کیا اور فتحیاب ہوا، اس کی طاقت کا راز اور اس کا کارگر ہتھیار جو کل تھا وہی آج ہے جس کے ساتھ وہ دشمنوں سے جنگ کر سکتا ہے، اپنی ہستی کی حفاظت کر سکتا ہے اور دوسروں تک اپنا پیغام پہنچا سکتا ہے۔

عالم عربی کو اگر صیہونزم یا یہودیت سے جنگ کرنی ہے یا کسی دوسرے دشمن کا مقابلہ کرنا ہے تو اس دولت کے بل بوتے پر جنگ نہیں کر سکتا جو برطانیہ اس کو عطا کرتا ہے یا امریکہ اس کو خیرات دیتا ہے یا پٹرول کی قیمت کے طور اس کو حاصل ہوتی ہے، وہ اپنے دشمن کا مقابلہ صرف اس ایمان، معنوی قوت، اس روح اور اسپرٹ کے ساتھ کر سکتا ہے جس اسپرٹ کے ساتھ کبھی اس نے بیک وقت رومی و ایرانی حکومتوں کو جنگ کی دعوت دی تھی اور فتح حاصل کی تھی۔ وہ اس دل کے ساتھ جنگ نہیں کر سکتا جس کو زندگی سے عشق اور موت سے نفرت ہو، اس جسم سے مقابلہ نہیں کر سکتا جو عیش و عشرت کا دلدادہ ہو، اس عقل کے ساتھ مقابلہ نہیں کر سکتا جس کو شک وشبہ کا گھن لگ چکا ہو اور افکار و خواہشات باہم دست وگریباں ہوں، اس کو یاد رکھنا چاہیے کہ ضعیف الایمان اور متشکک قلب اور میدان میں ساتھ چھوڑ دینے والی قوت کے ساتھ میدان جنگ کبھی نہیں جیتا جا سکتا۔

عرب کے قائدین اور عرب لیگ کے ذمہ داروں کے لیے سب سے اہم کام یہ ہے کہ وہ عربی فوج، کسانوں، تاجروں اور جمہور کے ہر طبقہ میں ایمان کی تخم ریزی کریں۔ ان میں جہاد کا جذبہ، جنت کا شوق اور ظاہری آرائشوں کی تحقیر و اہانت کا احساس پیدا کریں، ان کو خواہشات نفس اور زندگی کی مرغوبات پر قابو حاصل کرنے، خدا کے راستہ میں مصائب اور تکلیفیں برداشت کرنے، مسکراتے چہروں کے ساتھ موت کے استقبال اور اس پر پروانوں کی طرح گرنے کا سبق دیں۔

شہسواری اور فوجی زندگی کی اہمیت:

یہ ایک تکلیف دہ حقیقت ہے کہ عربی اقوام نے اپنی بہت سی فوجی خصوصیات کو ضائع کر دیا، خاص طور پر شہسواری ان کی زندگی سے بالکل خارج ہوگئی، جو ایک بہت بڑا نقصان اور میدان جنگ میں ہزیمت اور کمزوری کا بہت اہم سبب ہے، جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ان قوموں کی فوجی اسپرٹ جو ان کا طغرائے امتیاز تھی ختم ہوگئی، جسم کمزور ہوگئے، لوگ نازونعم میں زندگی گذارنے لگے، موٹروں نے گھوڑوں کی جگہ لے لی اور قریب ہے کہ عربی گھوڑے جن کی دنیا میں دھوم ہے جزیرۂ عرب سے نیست ونابود ہو جائیں گی۔ لوگوں نے کشتی، شہسواری، جنگی مشقوں اور دوسری جسمانی ورزشوں کو فراموش کر دیا اور ان کھیلوں کو اختیار کیا جن کا کوئی فائدہ نہیں۔ اس لیے تعلیم و تربیت کے راہنماؤں کے لیے ضروری ہے کہ عرب نوجوانوں میں شہسواری، فوجی زندگی، سادگی، استقلال، عزیمت اور مصائب پر صبر واستقامت کی اہلیت پیدا کریں۔

امیر المومنین عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ عجمی ممالک میں اپنے عرب عمال کو لکھتے ہیں:۔

ایاکم و التنعم وزی العجم وعلیکم بالشمس فانها حمام العرب و تمعددوا واخشوشنوا واخلولقوا واعطوا الراکب اسنتها و انزوا نزوا وارموا الاغراض (بغوی)

تن آسانی وراحت طلبی کی زندگی اور عجمی لباسوں سے ہمیشہ دور رہنا، دھوپ میں بیٹھنے اور چلنے کی عادت برقرار رکھنا کہ وہ عربوں کا حمام ہے، جفاکشی، سادہ زندگی، صبر وتحمل، موٹے جھوٹے پہننے کے عادی رہو، گھوڑے پر جست لگا کر بے تکلف بیٹھنے کی مشق کرنی چاہیے، نشانے درست ہوں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:۔

ارموا بنی اسمعیل فان ابا کم کان رامیا (بخاری)

اے اہل عرب تیر اندازی کی مشق رکھو اس لیے کہ تمہارے جد امجد (حضرت) اسمٰعیل تیر انداز تھے۔

ایک جگہ ارشاد ہے:۔

الا ان القوة الرمی، الا ان القوة الرّمی (مسلم)

یاد رکھو جس قوت کے تیار رکھنے کی قرآن مجید میں تاکید ہے وہ تیر اندازی ہے... تیر اندازی ہے۔

تعلیم وتربیت کے ذمہ داروں کا یہ بھی فرض ہے کہ وہ ہر ایسی چیز کا مقابلہ کریں جو مردانگی، شجاعت کی روح کو کمزور کر رہی ہو اور عجز و تخنث پیدا کرتی ہو، عورت [illegible] نقالی، تخنث اور [illegible] کی روک تھام کریں جو نوجوانوں میں نزاکت، جمال پسندی، فیشن [illegible] اور شہوت پرستی کی ترغیب [illegible] ہیں، ان پیشہ وروں کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نبوی کیمپ میں داخل [illegible] جو [illegible] اسلامی معاشرے کے قلب و اخلاق میں فساد پیدا کرنا چاہتے اور فسق و معصیت اور فحش [illegible] کو چند پیسوں کے لیے خوبصورت اور مزین بنا کر پیش کرتے ہیں۔

تاریخ شاہد ہے کہ جب کسی قوم میں مردانگی اور غیرت انسانی کو زوال ہوا اور [illegible] نے اپنی نسوانیت اور فطرت مادری کے خلاف [illegible] اور آزادی و بے نیازی کی راہ اختیار کی، ہر چیز میں مردوں کی مسابقت کی کوشش کی، خانگی زندگی سے نفرت و [illegible] پیدا ہوئی اور ضبط [illegible] رغبت پیدا ہوئی، اس کا ستارہ اقبال غروب ہو گیا، رفتہ رفتہ اس کے نشانات بھی مٹ گئے، یونانی، رومی اور ایرانی اقوام کا انجام یہی ہوا [illegible] راہ پر مغرب جا رہا ہے اس کا انجام [illegible] جاتی ہے۔ عالم عربی کو ڈرنا چاہیے کہ کہیں اس کا انجام بھی ایسا نہ ہو؟

طبقاتی تفاوت اور اسراف کا مقابلہ:

عربوں کو مغربی تہذیب کے اثر سے اور بہت سے دوسرے اسباب کی بنا پر عیش [illegible] غیر ضروری لوازم زندگی کے شدید اہتمام، اسراف، لذت و خواہش اور فخر و آرائش [illegible] خرچ کی عادت پڑ چکی ہے۔ اس عیش و تنعم اور بیدردی کے ساتھ خرچ کے پہلو بہ پہلو فقر و فاقہ اور عریانی بھی موجود ہے، جب ایک شخص بڑے بڑے عرب شہروں پر نظر ڈالتا ہے تو اس کی آنکھوں میں آنسو بھر آتے ہیں اور سر شرم سے جھک جاتا ہے۔ وہ دیکھتا ہے کہ ایک طرف وہ آدمی ہے جس کو اپنی ضرورت سے زائد غذا، لباس کا مصرف نظر نہیں آتا دوسری طرف اس کی نگاہ ایسے بدوی پر پڑتی ہے جس کو ایک روز کا کھانا اور ستر پوشی کے لیے کپڑا بھی نصیب نہیں جبکہ

عرب کے امراء واصحاب ثروت ہوا سے باتیں کرنے والی موٹروں پر سرگرم سفر ہوتے ہیں، اسی وقت چیتھڑوں میں لپٹے ہوئے بچوں اور بچیوں کی ایک فوج سامنے آتی ہے جن کا لباس تار تار ہوتا ہے جو ایک پیسہ کے لیے ان کی موٹروں کے ساتھ دوڑنے لگتی ہے۔

جب تک عرب ملکوں میں فلک بوس محلوں بہترین کاروں کے ساتھ ساتھ حقیر جھونپڑیاں تنگ وتاریک مکانات نظر آئیں گے، جب تک تخمہ وفاقہ ایک شہر میں شباب پر ہوگا اس وقت تک میوزم کے لیے دروازے کھلے ہوئے ہیں، ہنگامے جھگڑے ہونا لازمی ہیں، کوئی پروپیگنڈا اور طاقت اس کو روک نہیں سکتی۔ وہاں اگر اسلامی نظام اپنے جمال واعتدال کے ساتھ قائم نہیں ہوگا تو تعزیر خداوندی کے طور پر اور ردعمل کے طریقہ پر اس کی جگہ کا ظالم وجابر نظام کا قائم ہونا ضروری ہے۔

تجارت اور مالی نظام میں خودمختاری:

عالم اسلامی کی طرح عالم عربی کے لیے ضروری ہے کہ وہ اپنی تجارت، مالیات، صنعت وحرفت اور تعلیم میں پورے طور پر آزاد اور خود کفیل ہو، وہاں کے رہنے والے انہیں چیزوں کا استعمال کریں جو ان کی زمین کی پیداوار اور ان کی صنعت ومحنت کا نتیجہ ہوں، زندگی کے ہر شعبہ میں وہ مغرب سے مستغنی ہوں۔ اپنی تمام ضروریات، مصنوعات، غذا، لباس ہتھیار، مشینیں، آلات حرب کسی چیز میں وہ غیر کے دست نگر اور مغرب کے پروردہ رحمت اور نمک خوار نہ ہوں۔

اس وقت صورتحال یہ ہے کہ عالم عربی اگر بعض ناگزیر حالات کی بنا پر مغرب سے جنگ کرنا چاہے تو وہ اس لیے جنگ نہیں کرسکتا کہ وہ اس کا مقروض اور اس کی امداد کا محتاج ہے۔ جس قلم سے وہ مغرب کے ساتھ معاہدہ پر دستخط کرتا ہے وہ قلم بھی مغرب ہی کا بنا ہوا ہے اگر وہ مقابلہ کرتا ہے تو میدان جنگ میں اسی گولی کو استعمال کرتا ہے جو مغرب کے کارخانہ کی تیار شدہ ہے۔ عالم عربی کے لیے یہ ایک بڑی ٹریجڈی ہے کہ وہ اپنے دولت کے ذخیروں اور قوت کے سرچشموں سے خود فائدہ نہ اٹھا سکے زندگی کا خون اسکو فائدہ پہنچانے کے بجائے اسی کی رگوں سے دوسروں کے جسم میں پہنچتا ہو، اس کی فوجوں کی ٹریننگ مغرب کے ایجنٹ اور فوجی افسران کے ہاتھ میں ہو اور حکومت کے دوسرے شعبے بھی انہیں کے سپرد ہوں۔ عالم عربی کے لیے

ضروری ہے کہ وہ اپنی ضروریات کا خود کفیل ہو، تجارت، مالیات کی تنظیم اور آمد برآمد، قومی صنعت فوج کی ٹریننگ اور مشینوں اور آلات حرب کی تیاری پر اس کا مکمل قبضہ ہو۔ ایسے اشخاص کی تربیت کی جائے جو حکومت کی ذمہ داریوں کو سنبھال سکیں اور سرکاری فرائض پوری واقفیت فنی مہارت دیانت اور خیر خواہی کے ساتھ انجام دیں۔

انسانیت کی سعادت کے لئے عربوں کی ذاتی قربانی:

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت اس وقت ہوئی جب کہ انسانیت کی شقاوت و بدبختی انتہائی حد کو پہنچ چکی تھی اس وقت انسانیت کی اصلاح کا مسئلہ ان افراد کی دسترس سے باہر تھا جنکی زندگی ناز و نعمت میں بسر ہو رہی تھی اور جو محنت و مشقت کے برداشت کرنے اور مالی و جانی نقصانات کو جھیلنے کی صلاحیت نہیں رکھتے تھے اور جن کے لیے ہمہ وقت عیش و نشاط کا سامان موجود تھا اس وقت انسانیت کو ایسے افراد درکار تھے جو انسانیت کی خدمت میں اپنے مستقبل کو قربان کر سکتے تھے اور منافع سے دستبردار ہو کر اپنے جان و مال عیش و آرام اور اپنے تمام دنیاوی مفاد کو خطرات و مشکلات کے مقابلہ میں پیش کر سکتے تھے، ان کو اپنے پیشہ و تجارت کی کساد بازاری اور کسی طرح کے مالی نقصان و خطرات کی پرواہ نہ تھی، جن کو اپنے آباؤ اجداد اپنے اپنے دوستوں اور قرابتمندوں کی قائم کی ہوئی امیدوں پر پانی پھیر دینے میں تامل نہ تھا صالح علیہ السلام کی قوم نے جو پھان سے کہا تھا وہی ان تعلق والوں کی زبان پر بھی جاری ہوتا۔

قالوا یصلح قد کنت فینا مر جوا قبل هذا

اے صالح تم سے تو ہماری بڑی بڑی امیدیں وابستہ تھیں۔

جب تک دنیا میں ایسے مجاہد تیار نہ ہوں اس وقت تک انسانیت کا بقاء استحکام اور کسی اہم دعوت کا کامیاب ہونا ناممکن ہے یہ کردار رکھنے والے گنتی کے چند افراد جو دنیا کی اصلاح میں محروم اور کوتاہ قسمت سمجھے جاتے ہیں انہیں کی بلند ہمتی اور جذبہ قربانی پر انسانیت کی فلاح و کامرانی اور عیش و شادمانی کا دارومدار ہے وہ چند افراد جو اپنی جان کو مصائب میں ڈال کر ہزاروں بندگان خدا کے ابدی مصائب سے نپٹنے کا سبب بنتے ہیں اور دنیا کے ایک بڑے گروہ کو شر سے خیر کی طرف لاتے ہیں۔ اگر چند افراد کی محرومی و ہلاکت ایک پوری ملت کے لیے خوشحالی

اور سرفرازی کا باعث ہو اور اگرچہ مال وزر اور تجارت وحرفت کے نقصان اور گھاٹے سے بے شمار اور لاتعداد انسانوں کے لیے دینی ودنیوی فلاح کا دروازہ کھلتا ہو تو یہ سودا ہر طرح سستا ہے۔

جب اللہ تعالیٰ نے حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو مبعوث فرمایا تو وہ جانتا تھا کہ روم وفارس اور دنیا کی متمدن قومیں جن کے ہاتھ میں اس وقت عالم کی باگ ڈور ہے ہرگز اپنے عیش ونشاط کو نہیں چھوڑ سکتیں، وہ اپنی ناز پروردہ زندگی کو خطرہ میں نہیں ڈال سکتیں، وہ سب یار و مددگار انسانیت کی خدمت دعوت وجہاد کے لیے مصائب وآلام کے برداشت کرنے کی قوت نہیں رکھتیں۔ ان کے اندر اتنی استطاعت ہرگز نہیں کہ اپنی پرتکلف زندگی اور زیب وزینت کا ایک معمولی سا جز بھی قربان کریں۔ ان میں ایسے لوگ بالکل مفقود تھے جو اپنے خواہشات پر قابو رکھتے ہوں اپنی حرص وطمع کو روک سکیں، اور جو تمدن کے لوازم اور فیشن کی پابندی سے بے نیاز ہوکر واجبی گذران پر اکتفا کرسکیں۔ اس لیے اللہ تعالیٰ نے اسلام کے پیغام اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت کے لیے ایسی قوم کا انتخاب فرمایا جو دعوت وجہاد کے بوجھ کو اٹھا سکتی تھی اور ایثار وقربانی کے جذبے سے بھرپور تھی یہ وہی عربی قوم تھی جو طاقتور سادہ منش اور جفاکش تھی، جس پر مصنوعی تمدن کا کوئی وار کارگر نہ ہوا اور دنیا کی رنگینیوں کا کوئی جادو نہ چل سکا، یہی لوگ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب ہیں جو دل کے غنی علم سے بھرپور اور تکلفات سے کوسوں دور تھے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اس عظیم الشان دعوت کو لے کر اٹھے اور آپ نے جدوجہد وجانفشانی کا حق پوری طرح ادا کر دیا۔ اس دعوت کو ہر اس چیز پر ترجیح دی جو آپ کے لیے رکاوٹ کا سبب بن سکتی تھی، آپ ﷺ خواہشات سے بالکل کنارہ کش تھے، دنیا کی دلفریبیوں کا آپ پر کوئی جادو نہ چل سکا یہی وہ چیز تھی جو دنیا کے لیے اسوہ حسنہ اور راہنمائی۔

جب قریش کے وفد نے آپ ﷺ سے اس سلسلہ میں گفتگو کی اور آپ کے لیے وہ تمام چیزیں پیش کیں جو ایک نوجوان کے دل کو فریفتہ اور نفسیات رکھنے والے انسان کو خوش کرسکتی تھیں۔ مثلاً حکومت وریاست، عیش وعشرت، دولت وثروت، تو آپ ﷺ نے ان تمام چیزوں کو بے تامل ٹھکرا دیا اسی طرح جب آپ کے چچا نے گفتگو کی اور چاہا کہ آپ ﷺ کو اس دعوت کے پھیلانے اور اس میں حصہ لینے سے روک دیں تو آپ نے صاف صاف فرما دیا کہ ”اے

چچا خدا کی قسم اگر یہ لوگ میرے داہنے ہاتھ میں سورج اور میرے بائیں ہاتھ میں چاند لاکر رکھ دیں جب بھی میں اس کام سے باز نہیں آسکتا اور اس وقت تک کوشش کرتا رہوں گا جب تک اللہ تعالیٰ اس دعوت کو غالب نہ کردے یا میں خود اسی سلسلہ میں کام نہ آجاؤں۔" یہی جد وجہد اور قربانی، دنیا کی نفع اندوز ذہنیت سے بے تعلقی اور پر مسرت زندگی کے مقابلہ میں تکلیف ومشقت کی زندگی کی ترجیح اہل دعوت کے لیے ہمیشہ ہمیشہ کے لیے ایک نمونہ اور اسوہ بن گیا آپ ﷺ نے اس سلسلہ میں اپنے اوپر تمام عیش وآرام اور راحت وآسائش کے دروازے بند کر دیے۔ خود اپنے ہی اوپر نہیں بلکہ اپنے پورے خاندان اہل بیت اور تمام عزیزوں کو بھی عیش و عشرت کے مواقع سے مستفید ہونے کا موقع نہیں دیا۔ وہی لوگ جو آپ سے زیادہ قریب و عزیز تھے زندگی کے عیش وراحت میں انہیں کا حصہ سب سے کم تھا اور جہاد وقربانی میں وہ سب سے آگے رکھے گئے تھے۔ جب آپ کسی چیز کی حرمت کا ارادہ کرتے تو اس کی ابتدا اپنے قبیلہ اور اپنے ہی لوگوں سے کرتے اور جب کسی حق کی باری آتی یا کوئی نفع پہنچانا ہوتا تو دوسرے لوگوں سے شروع کرتے اور بسا اوقات آپ کے قرابت دار اور قبیلہ والے اس سے محروم ہی رہ جاتے۔

آپ نے جب سودی کاروبار ختم کرنے کا ارادہ فرمایا تو سب سے پہلے اپنے چچا عباس بن عبدالمطلب کے کاروبار کو مٹایا اور ان کے تمام سودی منافع کو ختم کر دیا۔ اسی طرح جب جاہلیت کے انتقامات ومطالبات کو باطل کرنے اٹھے تو ربیعہ بن حارث ابن عبدالمطلب کے خون کو پہلے باطل کیا۔ اور جب آپ نے زکوٰۃ کا قانون جاری فرمایا، (جو درحقیقت ایک بہت بڑی مالی منفعت ہے اور تا قیامت باقی رہنے والی چیز ہے) تو آپ نے اپنے قبیلہ بنی ہاشم کے لیے اس کو قیامت تک کے لیے حرام کر دیا۔ فتح مکہ کے دن جب حضرت علی ابن ابی طالب رضی اللہ عنہ نے آپ ﷺ سے بنی ہاشم کے لیے سقایت زمزم کے ساتھ ساتھ خانہ کعبہ کی کلید برداری کا مطالبہ کیا تو آپ نے شدت سے انکار فرمادیا اور عثمان بن طلحہ کو بلا کر خانہ کعبہ کی کنجی ان کے سامنے رکھ دی اور فرمایا کہ اے عثمان دیکھو یہ تمہاری کنجی ہے تم اس کو لے لو آج احسان اور وفا کا دن ہے اور اب یہ تمہارے خاندان میں ہمیشہ رہے گی، کوئی اس کو تم سے نہیں لے سکتا، الا یہ کہ کوئی ظالم اس کی جرأت کرے۔ آپ نے ازواج مطہرات کو زہد وقناعت اور روکھی پھیکی

زندگی گذارنے کی ترغیب دی اور صاف صاف فرمایا کہ اگر تم فقر و فاقہ کی زندگی گذارنے کے لیے آمادہ ہو تو میری رفاقت اختیار کر سکتی ہو ورنہ ناز و نعمت و راحت کے ساتھ تم میرے ساتھ نہیں رہ سکتیں، اور اس وقت آپ نے اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد پڑھ کر سنایا:

یآیها النبی قل لازواجک ان کنتن تردن الحیوة الدنیا و زینتها فتعالین امتعکن و اسرحکن سراحا جمیلا وان کنتن تردن الله ورسوله والدار الاخرة فان الله اعد للمحسنت منکن اجرا عظیما۔

اے نبی آپ اپنی بیویوں سے فرما دیجئے کہ تم اگر دنیوی زندگی اور اس کی بہار چاہتی ہو تو آؤ میں تم کو کچھ متاع دے دوں اور تم کو خوبی کے ساتھ رخصت کر دوں اور اگر تم اللہ کو چاہتی ہو اور اس کے رسول کو اور عالم آخرت کو، تو تم میں سے نیک کرداروں کے لیے اللہ تعالیٰ نے اجر عظیم مہیا کر رکھا ہے۔

لیکن اس انتخاب میں آپ کے گھر والوں نے اللہ اور رسول ہی کو اختیار کیا اسی طرح حضرت فاطمۃ الزہرا رضی اللہ عنہا نے جب سنا کہ آپ کے پاس کچھ غلام و خادم آئے ہیں اور جب کہ ان کے ہاتھوں میں چکی چلانے سے گٹے پڑ گئے تھے، آپ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس پہنچیں کہ یا رسول اللہ مجھے بھی ایک خادم عنایت فرما دیجئے تاکہ میں کچھ آرام حاصل کر سکوں تو آپ ﷺ نے ان کو تسبیح و تحمید کی وصیت فرمائی اور کہا کہ تمہارے لئے یہ چیز خادم سے کہیں زیادہ بہتر ہے۔ یہی معاملہ آپ کا اپنے تمام قریبی رشتہ داروں اور عزیزوں کے ساتھ تھا اور جو جتنا ہی قریب ہوتا جاتا اسی قدر اس کی ذمہ داری بڑھتی جاتی۔

مکہ کے لوگ جب ایمان لائے تو ان کی اقتصادی زندگی کا نظام درہم برہم ہو گیا، ان کی تجارت کساد بازاری کا شکار ہوگئی اور بعض اپنے راس المال سے بھی محروم ہو گئے تھے جس کو انہوں نے اپنی زندگی میں جمع کیا تھا، ان میں ایسے بھی ایمان لانے والے تھے راحت و آرام کے سامان اور آرائش و زینت کے اسباب بھی ختم کر چکے تھے حالانکہ پہلے ان کی امتیازی شان یہی تھی کہ وہ زینت و آرائش کے دلدادہ تھی اسی طرح اس دعوت کے پھیلانے اور اس راہ کی رکاوٹوں کو دور کرنے کے سلسلہ میں بہتوں کی تجارت برباد ہوگئی اور کتنے اپنے آبائی دولت کے حصوں سے محروم ہو گئے۔

اسی طرح جب آپ نے مدینہ منورہ ہجرت فرمائی اور انصار نے آپ ﷺ کا ساتھ دیا تو اس کا اثر ان کے کھیتوں اور ان کے باغات پر پڑا، یہاں تک کہ جب انہوں نے اپنا کچھ تھوڑا سا وقت ان کی نگہداشت کے لیے چاہا تو اس کی اجازت نہیں ملی اور اللہ تعالیٰ کی جانب سے ان کو متنبہ کیا گیا۔ ارشاد ہوا۔

انفقوا فی سبیل الله ولا تلقوا بایدیکم الی التہلکة.

اللہ کی راہ میں خرچ کرو اور اپنے آپ کو ہلاکت میں نہ ڈالو۔

یہی حال عرب اور ان تمام قوموں کا تھا جو اس دعوت سے متاثر ہوا اور اس پر عمل پیرا ہوئے۔ چنانچہ جہاد کی مشقت اور جان و مال کے خطرہ میں ان کا اتنا زیادہ حصہ تھا جو دنیا کی کسی قوم کے حصہ میں نہیں آیا۔ اللہ تعالیٰ ان سے مخاطب ہو کر فرماتا ہے۔

قل ان کان آباؤکم و ابناؤکم و اخوانکم وازواجکم وعشیرتکم و اموال ن اقترفتموها وتجارة تخشون کسادها ومساکن ترضونها احب الیکم من الله و رسوله وجهاد فی سبیله فتربصوا حتی یاتی الله بامره والله لایهدی القوم الفسقین

آپ کہہ دیجئے کہ اگر تمہارے باپ اور تمہارے بیٹے اور تمہارے بھائی اور تمہاری بیبیاں اور تمہارا کنبہ اور وہ مال جو تم نے کمائے ہیں اور وہ تجارت جس میں نکاسی نہ ہونے کا تم کو اندیشہ ہو اور وہ گھر جس کو تم پسند کرتے ہو تم کو اللہ اور اس کے رسول سے اور اس کی راہ میں جہاد کرنے سے زیادہ پیارے ہوں تو تم منتظر رہو یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ اپنا حکم بھیج دے اور اللہ تعالیٰ بے حکمی کرنے والوں کو ان کے مقصود تک نہیں پہنچاتا۔

دوسری جگہ فرمایا:

ماکان لاهل المدینة ومن حولهم من الاعراب ان یتخلفوا عن رسول الله ولایزغبوا بانفسهم عن نفسه (التوبة رکوع ۱۵)

مدینہ کے باشندوں کو اور ان اعرابیوں کو جو اس کے اطراف میں بستے ہیں لائق نہ تھا کہ اللہ کے رسول کا ساتھ نہ دیں اور پیچھے رہ جائیں اور نہ یہ بات لائق تھی کہ اس کی جان کی پرواہ نہ کر کے محض اپنی جانوں کی فکر میں پڑ جائیں۔

اس لیے کہ انسانی سعادت کی عمارت انہیں لوگوں کی قربانیوں کے ستونوں پر قائم ہونے والی تھی اور حالات کی تبدیلی میں صرف اس بات کا انتظار تھا کہ یہ مہاجرین وانصار اپنے ومنا ر انسانیت کی سرسبزی اور قوموں کی ہدایت وفلاح کا فیصلہ حاصل کریں۔ اللہ تعالی فرماتا ہے۔

ولنبلونكم بشيء من الخوف والجوع و نقص من الاموال والانفس والثمرات (البقرہ ۱۵۵)

ہم تمہیں ضرور آزمائیں گے کچھ نہ کچھ خوف، بھوک، مالوں، جانوں اور پھلوں کی کمی اور نقصان کے ساتھ۔

اور دوسری جگہ ارشاد ہے:۔

احسب الناس ان يتركوا ان يقولوا آمنا وهم لا يفتنون.

کیا لوگ اتنا کہہ کر چھوٹ جائیں گے کہ ہم ایمان لائے اور ان کی آزمائش نہ کی جائے گی۔

اگر عرب اس سرفرازی کو قبول کرنے سے ہچکچاتے اور انسانیت کی اس عظیم خدمت میں تردد سے کام لیتے تو بدبختی اور عالم کے فساد کی مدت اور بڑھ جاتی اور جاہلیت کی تاریکی بدستور دنیا پر چھائی رہتی۔ اس لیے اللہ تعالی نے فرمایا:۔

الاتفعلوه فتنة في الارض وفساد كبير. (الانفال ع ۱۰)

اگر تم ایسا نہ کرو گے تو زمین میں بڑا فتنہ پیدا ہوگا بڑی ہی خرابی پھیلے گی۔

چھٹی صدی عیسوی میں دنیا ایک دوراہہ پر کھڑی تھی۔ اس وقت دو ہی راستے تھے، یا تو عرب کے لوگ اپنی جان و مال، آل اولاد اور تمام محبوب چیزوں کو خطرہ میں ڈال کر آگے بڑھ جاتے اور دنیا کی ترغیبات سے کنارہ کش ہوکر اجتماعی مصلحت کی راہ میں اپنا سارا سرمایہ قربان کر دیتے جب دنیا کی سعادت نصیب ہوتی اور انسانیت کی قسمت بدلتی، جنت کا شوق ابھرتا اور ایمان کی ہوائیں چلتیں، یا پھر وہ اپنی خواہشات ومرغوبات اور اپنی انفرادی لذت وعیش و انسانیت کی سعادت وفلاح پر ترجیح دیتے تو ایسی صورت میں دنیا گمراہی وبدبختی کے دلدل میں پھنسی رہ جاتی اور غفلت ومدہوشی کے عالم میں پڑی رہتی لیکن اللہ تعالی کو انسانیت کی بھلائی منظور تھی اس لیے عربوں میں اس نے ولولہ پیدا کیا، آنحضرت ﷺ نے اس کے اندر ایمان و

ایثار کی روح پھونک دی اور ان کو آخرت اور اس کے بے پایاں ثواب کی ترغیب دی تو انہوں نے اپنے آپ کو انسانیت پر قربان کرنے کے لیے پیش کر دیا اور اللہ کے ثواب اور نوع انسانی کی سعادت کی امید میں انہوں نے دنیا کے تمام عیش و آرام سے آنکھیں بند کر کے اپنی جان و مال و اللہ کے راستے میں جھونک دیا اور ان تمام چیزوں کو تج دیا جن پر لوگ حریصانہ نظریں اٹھاتے ہیں، انہوں نے پورے خلوص اور صداقت کے ساتھ راہ خدا میں جانیں دیں اور محسنین ہیں تو اللہ نے انکو دنیا اور آخرت کے بہتر اجر سے نوازا۔ واللہ یحب المحسنین (اور اللہ محسنین سے محبت رکھتا ہے۔)

آج دنیا بہت بنا کر پھر اسی نقطہ پر پہنچ گئی ہے جس پر وہ چھٹی صدی عیسوی میں تھی، یہ عالم پھر اسی دوراہہ پر نظر آ رہا ہے جس دوراہہ پر رسول اللہ ﷺ کی بعثت کے وقت تھا، آج اس کی ضرورت ہے کہ عرب قوم (جس کو رسول ﷺ سے تعلق خاص ہے) میدان میں نکل آئے اور پھر دنیا کی قسمت بدلنے کے لیے جان کی بازی لگائے اور اپنی تمام آسائش و ثروت، دنیا کی نعمتوں ترقی و خوشحالی کے امکانات اور اپنے سامان راحت کو خطرہ میں ڈال دے تا کہ دنیا اس مصیبت سے نجات پائے جس میں وہ مبتلا ہے اور زمین کا نقشہ بدل جائے۔

دوسری صورت یہ ہے کہ عرب بدستور اپنے حقیر اغراض اور ذاتی سربلندی و ترقی، عہدہ و منصب، تنخواہوں کی بیشی، آمدنی کے اضافہ اور کاروباری ترقی کی فکر میں رہیں اور سامان عیش اور اسباب راحت کی فراہمی میں مشغول رہیں، اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ دنیا اسی زہریلے تالاب میں غوطہ زن رہے گی جس میں وہ صدیوں سے ہلاک ہو رہی ہے اگر اچھے اچھے ذہن عرب نوجوان بڑے بڑے شہروں میں خواہشات کے غلام بن کر بیٹھے رہیں، اور اگر ان کی زندگی کا محور صرف مادہ اور معدہ ہو اس کے علاوہ ان کی کوئی اور فکر نہ ہو، اور ان کی تمام جد و جہد صرف اپنی ذاتی زندگی اور اپنی مرفہ الحالی کے گرد چکر لگا رہی ہو تو ایسی صورت میں انسانی سعادت کا تصور بھی مشکل ہے۔ بعض جاہلی قوموں کے نوجوان ان سے زیادہ حوصلہ مند تھے اور ان کا ذہن ان سے کہیں زیادہ بلند تھا، جبکہ انہوں نے اپنے پسندیدہ مقاصد کی راہ میں اپنی تمام راحت و آرام اور اپنے مستقبل تک کو قربان کر دیا۔ جاہلی شاعر امراء القیس ان سے کہیں زیادہ باہمت تھا کہ کہتا ہے:

ولو انني اسعى لادنى معيشة
كفاني ولم اطلب قليل من المال
ولكنما اسعى لمجد مؤثل
وقد يدرک المجد المؤثل امثالي

(ترجمہ) ''اگر میری کوشش ادنیٰ زندگی کے لیے [illegible] مال بھی کافی ہوتا اور اس کے لیے ایسی جدوجہد کی ضرورت نہ ہوتی۔

لیکن میں تو ایسی عظمت کا طالب ہوں [illegible] مجھ جیسے آدمی ہی ایسی عظمت کو حاصل کر لیتے ہیں۔''

دنیا کی سعادت و کامرانی کی منزل تک پہنچنے کے لیے ضروری ہے کہ مسلمان نوجوان اپنی قربانیوں سے ایک ایسا ماحول تیار کریں [illegible] منزل تک پہنچ سکتی ہے۔ زمین ہماری محتاج ہوتی ہے لیکن [illegible] انفرادی خواہش [illegible] اور اس زمین میں امن و سلامتی پھیلانے کے لیے [illegible] ہے۔ یہ [illegible] اسباب ہیں [illegible] مسلمان بالخصوص عرب [illegible] جہد اور ان کی قربانیوں سے [illegible] سستا سودا ہے۔ اس لیے کہ جو قیمت [illegible] ہے جو قربان کرنا ہے [illegible]

اے دل تمام نفع ہے سودائے عشق میں
اک جان کا زیاں ہے سو ایسا زیاں نہیں

عالم اسلامی کی توقع عالم عربی سے:

عالم عربی اپنی خصوصیات، محل وقوع اور اپنی سیاسی اہمیت کی بنا پر اسلام کی دعوت کی ذمہ داری اٹھانے کا حقدار ہے، وہ یہ کر سکتا ہے کہ عالم اسلامی کی قیادت کا بیڑا اٹھائے اور مکمل تیاری

کے بعد یورپ سے آنکھیں ملا سکے اور اپنے ایمان، دعوت کی طاقت اور خدا کی نصرت سے اس پر غالب آجائے اور دنیا کو شر سے خیر کی طرف، تباہی و بربادی سے امن و سلامتی کی طرف لے آئے یا جس طرح مسلمانوں کے قاصد نے یزدگرد کی مجلس میں کہا تھا۔

"انسانوں کی پرستش سے نکال کر خدائے واحد کی پرستش میں، دنیا کی تنگی سے اس کی کشادگی میں اور مذاہب کی ناانصافی سے نکال کر اسلام کی عدل گستری میں داخل کرے۔"

عالم انسانی عالم اسلامی کی طرف اپنے نجات دہندہ کی حیثیت سے دیکھ رہا ہے اور عالم اسلامی عالم عربی کی طرف اپنے لیڈر اور رہبر کی حیثیت سے نظریں اٹھائے ہوئے ہے۔ کیا عالم اسلامی عالم انسانی کی توقع کو پورا کر سکتا ہے، اور کیا عالم عربی عالم اسلامی کے سوالوں کا جواب دے سکتا ہے! عرصہ سے مظلوم انسانیت اور برباد شدہ دنیا اقبالؒ کے پردرد الفاظ میں مسلمانوں سے فریاد کر رہی ہے، ہم کو اب بھی یقین ہے کہ جن مخلص ہاتھوں نے پہلی تعمیر کی تھی وہی دنیا کی تعمیر نو کا فرض انجام دے سکتے ہیں:

ناموس ازل را تو امینی تو امینی
دارائے جہاں را تو یساری تو یمینی!
اے بندہ خاکی تو زمانی تو زمینی
صہبائے یقین درکش و از دیر گماں خیز
ازخواب گراں، خواب گراں، خواب گراں خیز
از خواب گراں خیز
فریاد از افرنگ و دل آویزی افرنگ
فریاد ز شیرینی و پرویزی افرنگ
عالم ہمہ ویرانہ ز چنگیزی افرنگ
معمار حرم باز بہ تعمیر جہاں خیز!
ازخواب گراں، خواب گراں، خواب گراں خیز

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

جہاد افغانستان کا تاریخی پس منظر

فتح و شکست کے اسباب اور قوت کا سرچشمہ

افغان علماء، مشائخ، فضلاء، طلباء اور عامۃ المسلمین سے داعی کبیر مولانا سید ابوالحسن علی ندوی کا فکر انگیز خطاب جس میں افغانستان کے حالیہ بدترین انقلاب کی پیش گوئی، پس منظر، عوامل و محرکات کی نشاندہی تدارک اور اسلامی انقلاب کے لائحہ عمل، اور خالص اسلامی و مستحکم افغانستان کی تعمیر و تشکیل کی دعوت دی گئی ہے افغان مجاہدین ان مراحل سے گذرے ہیں۔ نو سال کے طویل ترین اور صبر آزما جہاد کے بعد اب فتح و نصرت کے نازک اور حساس ترین مرحلے میں داخل ہو رہے ہیں۔

ادھر پاکستان میں ان تمام اسباب و محرکات کو حیلے بہانوں اپنایا جا رہا ہے جو افغانستان کی موجودہ حالت و تباہی کا ذریعہ بنے ایسے حالات میں حضرت کا یہ گرانقدر خطاب افغانیوں سمیت برصغیر کے تمام مسلمانوں بلکہ پوری امت مسلمہ بالخصوص اہل پاکستان کی دینی حمیت وحدت اور خالص اسلامی انقلاب کی انگیخت کا ذریعہ بن سکتا ہے۔ حضرت نے یہ تقریر ۱۹۷۳ء میں کابل یونیورسٹی ہال میں کی تھی۔

الحمد للہ و کفیٰ و سلام علی عبادہ الذین اصطفیٰ اما بعد ٥فاعوذ باللہ من الشیطان الرجیم ٥بسم اللہ الرحمن الرحیم ٥ .

محترم حاضرین!

آپ حضرات اور خاص طور سے ادب اور تاریخ کا ذوق رکھنے والے اس بات سے بخوبی واقف ہیں کہ افغانی قوم ان قدیم اقوام میں سے ہے جو سینکڑوں اور ہزاروں سال سے آزادی اور عزت و سربلندی کی زندگی گذار رہی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے قدیم زمانہ ہی سے اسے غیر معمولی انسانی قوتوں اور صلاحیتوں سے نوازا ہے۔

دوستو! میرا ذوق تاریخی رہا ہے اور میں اس کے اظہار میں کوئی تکلف محسوس نہیں کرتا کہ تاریخ ہی کے مطالعہ و تحقیق میں میری عمر گذری ہے یہی میرا محبوب ترین موضوع رہا ہے۔

میں اپنے تاریخی ذوق سے مجبور ہو کر آپ حضرات کے سامنے یہ سوال رکھنا چاہتا ہوں کہ کیا وجہ ہے کہ صدیوں تک افغانی قوم دنیا سے بالکل الگ تھلگ رہی، دنیا میں گذرنے والے خیر و شر، نیک و بد، فتح و شکست اور ظلم و ستم سے اس کا کوئی تعلق نہیں تھا۔

اس جسور و غیور، قیادت کی مستحق، زندگی سے بھرپور، دست و بازو کی طاقت، اور جذبۂ ایمانی سے بہرہ ور، باصلاحیت اور باعزت قوم کے طویل عرصہ تک دنیا سے کنارہ کشی کرنے اپنے خول میں بند رہنے اور ایک گوشہ میں محدود رہنے کا راز کیا ہے؟

کیا اس عزلت اور گوشہ نشینی کی وجہ یہ تھی کہ افغانستان اور دنیا کے دوسرے ملکوں کے درمیان بلند اور دشوار گذار پہاڑوں کی ناقابل عبور دیوار حائل تھی؟ نہیں یہ سبب نہ تھا!

تاریخ کی شہادت یہ ہے کہ آسمان سے باتیں کرتے ہوئے برف پوش اور دشوار گذار پہاڑ، تنگ گھاٹیوں اور اولوالعزم فاتحین کی راہ کی رکاوٹ نہیں بن سکے۔ آپ حضرات واقف ہیں کہ یہ ناقابل عبور اور پیچ دار راستے جن میں انسان کی عقل گم ہو جاتی ہے، باقی ہیں جو افغانستان کو ہندوستان اور پاکستان سے الگ کرتے ہیں۔ جب اللہ نے اس امت میں سلطان محمود غزنوی، شہاب الدین محمد غوری اور احمد شاہ ابدالی جیسے صاحب عزم و ہمت پیدا کئے تو یہ اونچی چوٹیاں، یہ خطرناک گھاٹیاں اور یہ دشوار راستے اسلام کے سیل رواں کے سامنے حقیر تنکے ثابت ہوئے۔

کیا یہ قوم قید و بند کی زندگی گذار رہی تھی اور اس کے ہاتھ پاؤں بندھے ہوئے تھے؟ نہیں، ہرگز نہیں، بارہا یہ قوم اپنی شجاعت کے جوہر دکھا چکی تھی، اپنی صلاحیتوں کا مظاہرہ کر چکی تھی، لیکن اس کے باوجود سرسبز و شاداب چراگاہوں، مویشیوں اور زراعت جیسے محدود وسائل زندگی پر قانع کیوں تھی؟! اس کا جواب آپ کے ذمہ ہے۔

پھر اس کی کیا وجہ ہے کہ تاریخ میں ہم پڑھتے ہیں کہ جب اسلام اس علاقہ میں آیا تو اچانک یہ قوم ہزاروں سال کی نیند سے بیدار ہو گئی اور اتنی تیزی سے نکلی کہ جس کی دوسری قوموں میں مثال نہیں ملتی، اسلام کے زیر سایہ آتے ہی یہ قوم سب سے زیادہ طاقتور، سب سے زیادہ بہادر، سب سے زیادہ بلند ہمت، دوربین اور فولادی عزم کی مالک ہو گئی۔

یہ قوم جب بزم کائنات میں شامل ہوئی تو ایسا معلوم ہوا جیسے کوئی مدفون خزانہ یا کوئی

بستہ راز تھا جو اچانک منکشف ہوگیا۔ کیا ان کے جسموں سے بجلی کرنٹ چھوگیا تھا یا کوئی جادو کی چھڑی تھی جس نے آن کی آن میں ان قناعت شعار، ٹھہری ہوئی پرسکون اور عزلت گزیں قوم کو غیور و جسور، ظفر مند اور رواں دواں قوم میں بدل دیا۔ کیا اس طوفانی ندی کے دہانے پر کوئی بڑی سی چٹان پڑی ہوئی تھی جو اس کے زور اور روانی کو روکے ہوئے تھی؟

افغانیوں کی زندگی کے انقلاب کا حقیقی سبب اور اس کی شاہ کلید یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو اسلام کی برکت سے تین بنیادی اور اہم جوہروں سے نوازا تھا۔

(۱) طاقتور پیغام اور اس کے اغراض و مقاصد۔

(۲) نوع انسانی خارجی دنیا اور حقائق اشیاء کے بارے میں وسیع نقطۂ نظر۔

(۳) اللہ کی مدد تائید پر کامل اعتماد اور جد وجہد کے نتائج پر یقین۔

یہ وہ تین عناصر ہیں جن سے قوم کے کردار کی جدید تشکیل ہوتی ہے اس کو نئی زندگی ملتی ہے اور وہ نئی تاریخ بناتی ہے اور اپنی مخفی طاقتوں اور نامعلوم وسعتوں سے دنیا کو حیران و ششدر کر دیتی ہے۔

پہلے اس قوم کے پاس کوئی پیغام یا کوئی بلند مقصد نہیں تھا ایک چھوٹے سے علاقے تک محدود تھی۔ اپنے جانوروں اور مویشیوں میں مگن رہتی تھی اکثر آپس میں برسرپیکار رہتی تھی اور جیسا کہ ایک عرب شاعر نے کہا ہے:

واحیانا علیٰ بکر اخینا
اذا مالم نجد الا اخانا

(اور جب جنگجو فطرت کو جوہر دکھانے کیلئے کوئی دشمن نہیں ملتا تو ہم اپنے ہی بھائی بندوں کو تاکتے ہیں۔) اور جنگوں اور آویزشوں کا انجام اخلاقی اور روحانی بے مائیگی کی شکل میں ظاہر ہوتا ہے زمانہ جاہلیت میں عرب خانہ جنگی میں مصروف رہتے تھے ایک قبیلہ دوسرے قبیلے کو تاخت و تاراج کرتا۔ ایک شاخ دوسری شاخ پر دھاوا بولتی اور ایک خاندان دوسرے خاندان کی تاک میں رہتا۔

اسی طرح افغانیوں کے سامنے بھی اپنی خون آشام فطرت کی تسکین اپنی جنگ کی پیاس بجھانے اور خطر پسند طبیعت کو مطمئن کرنے کے لئے خانہ جنگیوں، چراگاہوں اور جانوروں کے

لئے لڑائیوں، قبائل یا انفرادی غیرت ونخوت کے اظہار یا نام نہاد اور خیالی اہانتوں کا بدلہ لینے کے لئے برسرِ پیکار ہونے کے علاوہ اور کوئی میدان نہیں ملتا تھا ایک عرب شاعر نے حقیقت کی صحیح ترجمانی کی ہے:

النارتا کل نفسها
ان لم تجد ماتا کله

(آگ کو جلانے کے لئے کچھ نہیں ملتا تو خود اپنے آپ کو جلا ڈالتی ہے)

لیکن جب اسلام آیا تو عربوں کے سامنے ایک بلند مقصد اور انسانیت کی لئے ایک حاقتور پیغام آ گیا یہی حال افغانیوں کا ہوا۔ اسلام سے پہلے یہ صرف اپنے لئے زندگی گزار رہے تھے اور اب اللہ کا یہ فرمان ان کے کانوں کی راہ سے دل میں اتر رہا تھا۔

کنتم خیر امة اخرجت للناس تامرون بالمعروف وتنهون المنكرو تومنون با لله

تم بہترین امت ہو، انسانوں کے لئے خاص طور پر بنائے گئے ہو بھلائیوں کا حکم دیتے ہو برائیوں سے روکتے ہو اللہ پر ایمان رکھتے ہو۔،، اور ان کے ذہن و دماغ میں یہ بات جاگزیں ہو گئی کہ وہ باغوں اور کھیتوں میں آپ سے آپ اگ جانے والے خودرو گھاس پھوس نہیں ہیں بلکہ بجائے خود مطلوب و مقصود ہیں، ان کے ساتھ بلند مقاصد میں ان کی ذمہ داریاں ہیں، جدوجہد اور کارکردگی کے نشانے متعین ہیں۔ ان کے دلوں میں یہ بات جم گئی کہ وہ ایسی امت ہیں جو انسانوں کے لئے خاص طور سے بنائی گئی ہے جو لوٹ مار اور خونخواری کے جذبے کو تسکین دینے کے لئے آپ سے آپ نہیں پیدا ہوئی۔

تو ان کی زندگی ان کے خیالات اور رجحانات میں زبردست انقلاب آ گیا۔ اب وہ اپنا مقصد وجود اور اپنی زندگی کی غرض وغایت یہ سمجھنے لگے کہ دنیا کو فتنہ وفساد سے پاک کرنے کے لئے جدوجہد کریں اور اس راہ میں قربانیاں دیں۔ یہاں تک کہ عبادت صرف اللہ ہی کے لئے مخصوص ہو جائے۔ اور انسانوں کو تاریکیوں سے نکال کر اجالے میں لائیں بندوں کی غلامی سے نجات دلائیں اور خدائے واحد کے آستانہ، عالی پر پہنچائیں، دنیا کی تنگی سے نکال کر دنیا و آخرت کی وسعت سے روشناس کرائیں۔ اور دوسرے مذاہب کی زیادتیوں سے آزاد کرائے

اسلام عدل ومساوات کے زیر سایہ لائیں۔

حضرات!

اس قوم کے پاس کوئی پیغام نہیں تھا۔ اسلام آیا تو ایک بلند پیغام اور زندگی کا بلند مقصد اس کے سامنے آ گیا اس نے اسلام کے ابدی پیغام کو اپنے سینے سے لگایا۔ اور اسی نے ان میں نئی روح پھونک دی۔ وہ بدترین جہالت اور گھنگھور تاریکی میں زندگی گذار رہی تھی، خرافات اور حماقتوں میں بھٹک رہی تھی۔ ایک انسان دوسرے انسان پر ظلم وستم کے پہاڑ توڑتا تھا۔ طاقتور کمزور کو نگل جانے کی کوشش کرتا تھا، حقوق پامال ہورہے تھے عزتیں لٹ رہی تھیں اور ہر طرح کے جذبات وخواہشات پوری کی جارہی تھیں کہ:

اچانک ان کے جسم میں ایک نئی روح دوڑ گئی۔ ان کے افکار وخیالات، احساسات اور اعصاب پر چھا گئی اور اب وہ نئی قوم تھے نئے انسان تھے انکی زمین وہی تھی، آب وہوا وہی تھی دست وبازو وہی تھے لیکن اس جدید پیغام نے انہیں جدید امت بنا دیا۔

دوسرا عنصر یہ ہے کہ افغانی بہت تنگ اور محدود زندگی گذار رہے تھے کائنات اور انسان کے بارے میں انکا نقطۂ نظر بہت محدود تھا۔ انسان کون ہے؟ افغانی انسان ہیں جو اس علاقہ میں رہتے ہیں یہاں کی زبان بولتے ہیں اس ملک کا لباس پہنتے ہیں اس کی محبت کے گیت گاتے ہیں اسی تنگ نقطۂ نظر نے انہیں اس تنگ دائرہ میں محدود کر رکھا تھا۔

اسی طرح زندگی کیا ہے؟ کھانا پینا عیش وآرام قوت وشوکت حکومت وریاست، وہ اسی طرح زندگی گذارتے تھے جیسے مچھلیاں یا مینڈک تالابوں میں جیتے ہیں۔ اسلام سے پہلے عرب ترک اور ایرانی سب کا یہی حال تھا اسلام نے ان سب کو اس تنگ وتاریک قید خانے سے نکالا جیسا کہ ایک عرب قاصد نے شاہ ایران سے کہا تھا:۔

"لنخرج من شاء الله من ضيق الدنيا الى سعة الدنيا والا خرة."

"جسے اللہ توفیق دے اسے ہم دنیا کی تنگی سے نکال کر دنیا وآخرت کی وسعت میں پہنچا دیں۔"

حضرات! آپ کے آباؤ اجداد انسان کے بارے میں بہت تنگ نقطۂ نظر رکھتے تھے۔ اس میں اعلیٰ ظرفی نہیں تھی۔ بلند نگاہی نہیں تھی اس میں گہرائی نہیں تھی اسلام نے ان کو وسیع نقطۂ

نظر عطا کیا تو ان کی نگاہوں میں تمام انسان ایک خاندان اور پوری دنیا ایک گھر ہو گئی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان انکا عقیدہ بن گیا۔

كلكم من آدم و آدم من تراب لا فضل لعربى على عجمى ولا لعجمى علىٰ عربى الابالتقوى.

تم میں کا ہر ایک آدم کی اولاد ہے اور آدم مٹی سے بنے ہیں نہ تو کسی عربی کو کسی عجمی پر فضیلت ہے نہ کسی عجمی کو کسی عربی پر مگر تقویٰ کے اعتبار سے۔

پھر ان کا نقطۂ نظر اتنا وسیع ہو گیا کہ وہ نہ جغرافیائی حدود کو تسلیم کرتے تھے نہ خود ساختہ اور بے دلیل تقسیمات کو مسلمان ان حدود سے نکل کر وسیع کائنات میں آ گئے۔ اور اگر یہ وسیع نقطہ نظر نہ ہوتا تو وہ بھی اپنے آباؤ اجداد کے طرح صدیوں تاریکیوں میں بھٹکتے رہتے۔

تیسرا عنصر ہے مضبوط مستحکم اعتماد۔

جب وہ خدائے واحد پر ایمان لے آئے، اس کے رسول اور آخرت پر ایمان لے آئے اور یہ سمجھ گئے کہ موت کا ایک وقت مقرر ہے اس سے نہ ایک لحظہ پہلے آ سکتی ہے نہ مؤخر ہو سکتی ہے، رانہوں نے اللہ کا فرمان سنا اور اس کو دل میں بسالیا کہ.

اين ما كنتم يدرككم الموت ولو كنتم فى بروج مشيدة

''تم جہاں کہیں بھی ہو وہاں ہی تم کو موت آ دبائے گی اگرچہ تم قلعی چونا کے قلعوں ہی میں ہو۔

اذا جاء اجلهم فلا يستا خرون ساعة ولا يستقد مون.

''جب انکا وہ معین وقت آ پہنچتا ہے تو (اس وقت) ایک ساعت نہ پیچھے ہٹ سکتے ہیں اور نہ آگے بڑھ سکتے ہیں۔''

اس ایمان نے ان کو خود شناسی اور خود اعتمادی عطا کی۔ وہ یہ سمجھ گئے کہ انسان کی موت اسی وقت آ سکتی ہے جو اللہ نے مقرر کر رکھا ہے تو انہوں نے اس کا بھی یقین کر لیا کہ دنیا میں ہر ایک کی موت کا وقت مقرر ہے اور ہر چیز اللہ ہی کے دست قدرت واختیار میں ہے۔ پھر انہوں نے مزید خود اعتمادی اس آسمانی پیغام سے حاصل کی کہ ان کی حیثیت خدا کی فوج کی ہے اور وہ اللہ اور اس کے دین کے معین ومددگار ہیں۔

انہوں نے اللہ کا یہ فرمان سنا:۔

انهم لهم المنصورون وان جند نا لهم الغالبون (الصّٰفّٰت، آیت ۱۷۲، ۱۷۳)

’’بے شک وہی غالب کئے جائیں گے اور (ہمارا تو قاعدہ عام ہے کہ) ہمارا ہی لشکر غالب رہتا ہے۔‘‘

الا ان حزب الله هم المفلحون (المجادله آيت ۲۲)

’’خوب سن لو کہ اللہ ہی کا گروہ فلاح پانے والا ہے‘‘

انا لننصر رسلنا والذين آمنو افي الحيوة الدنيا ويوم يقوم الا شها د (المو من آيت ۵۱)

ہم اپنے پیغمبروں کی اور ایمان والوں کی دنیوی زندگانی میں بھی مدد کرتے ہیں اور اس روز بھی جس میں گواہی دینے والے کھڑے ہوں گے۔

ولله العزة ولرسوله وللمو منين (المنا فقون آيت ۸)

(بلکہ اللہ کی ہے عزت (بالذات) اور اس کے رسول کی (بواسطہ تعلق مع اللہ والرسول کے) اور مسلمانوں کی (بواسطہ تعلق مع اللہ والرسول کے)۔

ولاتهنوا ولاتحزنوا وانتم الاعلون ان كنتم مومنين. (آل عمران آيت ۱۳۹)

اور تم ہمت مت ہارو اور رنج مت کرو اور غالب تم ہی رہو گے اگر تم پورے مومن رہے۔

اور اس طرح کی دوسری آیتیں ان کے کانوں میں پڑیں تو اس سے ان کے یقین و اعتماد میں مزید قوت و استحکام پیدا ہو گیا۔

اس موقع پر میں یاد دلانا چاہتا ہوں کہ حضرت سعد بن ابی وقاصؓ اسلامی لشکر کے ساتھ موجیں مارتے ہوئے دجلہ کے سامنے پہنچے تو ایک لمحہ کے لئے رکے، موج بداماں اور طوفان در آغوش دریا کا جائزہ لیا۔ گردوپیش پر نظر ڈالی پھر حضرت سلیمان فارسیؓ کی طرف متوجہ ہوئے اور ان سے مشورہ کیا کہ بپھرے ہوئے دریا میں گھس پڑیں! یا لوٹیں اور اسے عبور کرنے کے لئے پل کا انتظام کریں؟ حضرت سلمان فارسیؓ نے اس وقت جو لافانی جملہ کہا تاریخ نے اسے محفوظ کر لیا انہوں نے کہا:۔

''یہ دین تازہ اور نیا ہے اور مجھے پورا یقین ہے کہ اللہ اس دین کو ضرور غالب کرے گا، اور ابھی اس حد تک نہیں پہنچا ہے کہ جہاں تک پہنچنا اس کے لئے مقدر کیا گیا ہے۔ پھر میں کیسے یہ سمجھ لوں کہ اس پیغام کے حامل غرق ہو جائیں گے۔''

حضرت سلمان فارسی کا یہ جملہ اپنے اندر بڑے گہرے معانی وحقائق رکھتا ہے کہ جب یہ دین بالکل نیا اور تازہ ہے تو یہ ضروری ہے کہ دنیا کی تعمیر، کائنات کی قیادت اور انسانیت کی ہدایت ورہنمائی میں اپنا کردار ادا کرے۔

چنانچہ امیر لشکر حضرت سعد بن ابی وقاص نے فوج کو حکم دیا کہ اپنے گھوڑے دریا میں ڈال دیں اور دریا پار کر جائیں۔ مورخ طبری کی روایت ہے کہ ایرانیوں نے ان کو دیکھا تو چیخ پڑے ''دیو آمدن دیواں آمدن دیواں آمدند'' کہ یہ انسان نہیں جن اور بھوت ہیں یہ اعتماد اور یقین تھا جو ان کے دلوں میں رچ بس گیا تھا اور ان میں ایک نئی روح ڈال دی تھی۔

افغانی نوجوانو اور دوستو!

آؤ اپنی تاریخ پر نظر ڈالو، سلطان محمود غزنوی کس طرح وسیع وعریض ممالک کو فتح کرتا چلا گیا۔ تاریخ بتلاتی ہے کہ اس نے ہندوستان پر سترہ حملے کئے اور اندرون ملک گھستا چلا گیا یہاں تک کہ مشرق اور جنوب کی آخری سرحدوں تک پہنچ گیا حالانکہ اس کے پاس نہ رسد کا انتظام تھا نہ کمک کا امکان، اس کا مرکز بہت دور تھا درمیان میں سر بفلک پہاڑ، دشوار گذار راستے اور تنگ گھاٹیاں حائل تھیں۔

وجہ یہ ہے کہ ان جنگوں اور حملوں کی اس کے نزدیک اتنی ہی اہمیت تھی جتنی اہمیت ایک ماہر اور مضبوط کھلاڑی میچ یا کھیل کے میدان کو دیتا ہے وہ اللہ پر کامل بھروسہ رکھتا تھا پھر یہ سمجھتا تھا کہ جہاد عبادت ہے اور اس راہ میں موت شہادت ہے اور شہداء مرتے نہیں بلکہ انہیں حیات جاودانی عطا ہوتی ہے اور انکے رب کی جانب سے ان کو روزی ملتی ہے وہ اس پر سچا اور پختہ ایمان رکھتا تھا کہ وہ اللہ کے پیغام کا حامل اور امین ہے اور ہندوستان میں اسلام کی اشاعت کرے گا۔

حضرات! جن عناصر کا میں نے تذکرہ کیا ہے وہ افراد ہی کی تعمیر میں نہیں بلکہ قوموں کی تشکیل میں بھی زبردست رول ادا کرتے ہیں شخصیت کی تعمیر کا مسئلہ بھی بڑا اہم ہے اور نفسیات اور تعلیم وتربیت کے ماہرین نے اسے اپنا موضوع بحث بنایا ہے لیکن میں اس وقت قوموں کے

گردار کے متعلق گفتگو کر رہا ہوں انہی عناصر نے افغانی قوم کو بلند و بالا حیثیت دی جسکا مقابلہ نہیں کیا جاسکتا اور جسے شکست نہیں دی جاسکتی۔

اور جب قومیں شخصیت کی تعمیر کرنے والے ان عناصر سے محروم اور ان قوتوں سے محروم ہو جاتی ہیں تو انجام شکست و ناکامی کی صورت میں ظاہر ہوتا ہے اور مجھے اندیشہ ہے کہ تاریخ کے اس نازک موڑ پر افغانی قوم اپنی ان طاقتور اور قائدانہ خصوصیات سے محروم نہ ہو جائے اور خدا نخواستہ وہ دور پھر واپس نہ آجائے جب وہ اسلام سے ناآشنا اور اسلامی دعوت سے بے بہرہ تھی۔

میں نوجوانوں سے خاص طور سے کہنا چاہتا ہوں کہ اپنی قوم کے دلوں میں ان عناصر کی جوت جگادو اور ان کو پروان چڑھاؤ اور انکی حفاظت کرو، ضائع نہ ہونے دو، کیونکہ قدیم ترین زمانے سے قوم وہی ہے پہاڑیاں اور گھاٹیاں وہی ہیں، آسمان وہی دریائے کابل ہزاروں سال سے اپنی گذرگاہ پر بہ رہا ہے یہاں کی سرزمین جسے اللہ نے بے بہا نعمتوں سے نوازا ہے وہ بھی وہی ہے خوش ذائقہ پھل، لذیز میوہ جات، شیریں پانی، یہ ساری نعمتیں اور نوازشیں ہزاروں سال سے بدستور ہیں لیکن اصل مسئلہ قوم کی تعمیر کے عناصر کا ہے پیغام مقصد زندگی، خود اعتمادی اور کارگذاری کے نشانے کا ہے تاکہ زندگی کا مقصد متعین ہو، صلاحیتوں کے ظہور کے لئے میدان میسر آسکے حسن وخوبی کا کوئی قابل تقلید نمونہ مل جائے۔

علامہ اقبال نے اس حقیقت کو پالیا تھا اور خدا کے حضور میں مسلمانوں کی بے حسی، جمود، مصیبت اور بدحالی کی شکایت کی تھی تو جواب ملا کر یہ لوگ بغیر کسی مقصد اور پیغام کے زندگی گذار رہے ہیں ان کے سامنے کوئی اسوہ کوئی نمونہ، کامل اور کوئی محبوب نہیں جس کے عشق سے اپنے دلوں کو آباد کریں جس کے حسن وخوبی کے گیت گائیں جس کے نقش قدم کو اپنا نشان راہ بنائیں:

شبے پیش خدا بگریستم زاد
مسلماناں چراز ارند وخوارند
ندا آمد نمی دانی کہ ایں قوم
دلے دارندو محبوب ندارند

افغانی نوجوانو! خدا نے تمہارے اوپر بڑا فضل فرمایا۔ تمہارے لئے کسی چیز کی کمی نہیں اور

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:۔

ان اللہ لا یغیر بقوم حتی یغیر و اما بانفسہم (الرعد آیت ۱ ۱)

''اللہ تعالیٰ کسی قوم کی حالت نہیں بدلتا تا آنکہ وہ خود اپنے آپ کو بدل ڈالیں۔''

اللہ اس سے بہت بلند ہے کہ کسی قوم کو عطا کردہ نعمتیں اس سے چھین لے۔

الم تر الی الذین بدلوا نعمۃ اللہ کفرا و احلوا قومھم وار البوار.

تونے نہ دیکھا؟ جنہوں نے بدلہ دیا اللہ کے احسان کا، ناشکری اور اتارا اپنی قوم کو تباہی کے گھر میں۔

یہ ایک تاریخی حقیقت ہے جس میں شک وشبہ کی گنجائش نہیں کہ اصل مسئلہ خود شناسی کا ہے اپنی قدر و قیمت پہچاننے کا ہے آپ اپنی قدر و قیمت پہچان لیجئے۔ علامہ اقبال کہتے ہیں.

اپنے من میں ڈوب کر پاجا سراغ زندگی
تو اگر میرا نہیں بنتا اپنا تو بن

وما علینا الا البلاغ

مسلمان کی اصل طاقت وقیمت، ایمان وسیرت ہے۔

رانی پورہ مین روڈ اندور کے جلسۂ عام میں ۲۶ نومبر ۱۹۸۳ء بروز جمعہ بعد نماز عشاء

الحمد لله و كفى و سلام على عباده الذين اصطفى. اما بعد. فاعوذ بالله
من الشيطان الرجيم بسم الله الرحمن الرحيم. يا ايها الذين آمنو ان
تتقو الله يجعل لكم فرقاناً ويكفر عنكم سيئاتكم ويغفر لكم ذنوبكم.
والله ذوالفضل العظيم.

مومنو اگر تم خدا سے ڈرو گے، تو وہ تمھارے لئے امر فارق پیدا کر دے گا، (یعنی تم کو ممتاز کر دیگا) اور تمھارے گناہ مٹا دے گا، اور تمھیں بخش دے گا، اور خدا بڑے فضل والا ہے۔

بھائیو اور دوستو: آپ حضرات جانتے ہیں کہ مسلمان کی دو حیثیتیں ہیں، ایک حیثیت عام انسان کی ہے، جس قانون اور اللہ تعالےٰ کے مقرر کئے ہوئے ضابطہ کے مطابق سب انسان دنیا میں آتے ہیں، وہ بھی دنیا میں آیا ہے، وہی اعضائے انسانی، وہی جسم اور جسم کے تقاضے، جسم کی کمزوریاں، جسم کی بیماریاں لے کر کے آیا ہے، جو انسانوں میں مشترک ہیں، قانون فطرت اس کے ساتھ بھی لگا ہوا ہے، وہ بچہ سے جوان ہوگا، جوان سے بوڑھا ہوگا، پھر ایک وقت عمر طبعی کو پہونچنے کے بعد (اگر اللہ کو منظور ہوا) اس کا اخیر وقت بھی آئے گا، اور وہ کیسا ہی عبادت گذار، خداترس، کیسا ہی زبردست عالم فاضل ہو، مصنف ہو، مفکر ہو، فلسفی ہو، دانشور ہو، شیخ طریقت ہو، صاحب کشف وکرامات ہو، اس کو دنیا سے جانا ہے، ” انک میت وانهم میتون “ اللہ تعالیٰ نے یہ صاف فرمایا ہے، تو پھر مسلمان کا استثناء کیسے ہوسکتا ہے۔

مسلمان کے دو وجود

ایک وجود مسلمان کا انسانی وجود ہے، فطری وجود ہے، جسمانی وجود ہے، اس کے لحاظ

ہے وہ عام انسانوں کی طرح ہے، اس کو کھانے کی بھی ضرورت ہے، کمانے کی بھی ضرورت ہے، کھانے کے لئے کمانے کی ضرورت، کمانے کے لئے کھانے کی ضرورت ہے، سونے کی، صحت کا خیال رکھنے کی، حفظانِ صحت کے اصولوں پر چلنے کی ضرورت ہے، بیمار ہو جائے تو دوا علاج کی ضرورت ہے، کمزور ہو جائے تو اچھی غذا اور طاقتوں دواؤں کی ضرورت ہے، سردی میں سردی کا لباس پہننے کی ضرورت ہے، گرمی میں گرمی کا لباس رکھنے کی ضرورت ہے، مکان کی ضرورت اور سینکڑوں ضرورتیں ہیں، جو اس کے ساتھ لگی ہوئی ہیں، یہ اس کا انسانی وجود ہے، اس میں وہ قانون قدرت کے ماتحت ہے، اسی طرح سے وہ قانون قدرت کا غلام ہے، جیسے دنیا کے تمام انسانی وجود اور نوع انسانی کے تمام افراد، آدم کی ساری اولاد ہے، کوئی استثناء اس میں نہیں ہے، یہاں تک کہ خدا کے پیغمبر بھی کھاتے پیتے تھے، اور یہ طعنہ دیا گیا تھا "ما لهذا الرسول يا كل الطعام ويمشى فى الاسواق" (یہ کیسا رسول ہے، کھاتا پیتا ہے، اور بازار میں چلتا پھرتا ہے) اس لحاظ سے مسلمان میں کوئی ایسی غیر معمولی طاقت اور کوئی ایسا امتیاز نہیں ہے کہ دنیا میں دوسرے ذلت کے ساتھ رہیں اور وہ عزت کے ساتھ رہے، دوسرے ناکام ہوں اور وہ ہمیشہ کامیاب ہو، دوسرے مفتوح بنیں اور وہ ان سب کا فاتح ہو، دوسرے محکوم ہوں وہ ان کا حاکم ہو، اور زمین، آسمان اور کائنات ساری اس کے ارادے اور اس کی منشا کا احترام کرے، اسکے لئے راستہ صاف کرے، سمندر اس کے لئے پایاب ہو جائیں، دریاؤں میں سے راستہ اس کے لئے نکال دیا جائے، پہاڑ اس کا راستہ روکنے سے ہٹ جائیں، اس مسلمان کے (جیسا ہمارے یہاں کہتے ہیں) کچھ سرخاب کے پر نہیں لگے ہیں، قانون قدرت اس پر ویسے ہی جاری وساری ہوگا، جیسے تمام انسانوں، وجودوں اور تمام انسانی اجسام پر جاری ہوا کرتا ہے، غلطی کرے گا، سزا پائے گا، بد پرہیزی کرے گا، بیمار ہو جائے گا، کمزوری دکھائے گا، مار کھائے گا، آنکھ جھپکے گی پٹ جائے گا، ہاتھ پاؤں نہیں چلائے گا، محنت نہیں کرے گا، تو بھوکوں مرنے لگے گا، اس میں اس کے اور انسانی کنبہ کے دوسرے افراد میں کوئی فرق نہیں۔

لیکن ایک دوسری حیثیت ہے، وہ حیثیت اگر اس کے ساتھ قائم ہو جائے گی تو پھر وہ انسان رہتے ہوئے بھی کچھ اور چیز بن جاتا ہے، پھر اس کا معاملہ براہ راست اللہ تعالےٰ کے ساتھ ہو جاتا ہے، پھر وہ اللہ تعالےٰ کی تقدیر بن جاتا ہے، اس کے لئے اللہ تبارک وتعالیٰ اپنے

قانون کو جو ہزاروں لاکھوں برس سے چلے آ رہے ہیں، بعض اوقات معطل، بعض اوقات مؤخر کر دیتا ہے، اور اس کو غالب کرتا ہے، اس کو عزت دیتا ہے، اس کو فتح عطا فرماتا ہے، اس کو نیک نامی بخشتا ہے، اس کو فتح اور منصور بناتا ہے، یہ حیثیت ارادی اور اضافی ہے، یعنی اس کے لئے فیصلہ اور اضافہ کی ضرورت ہے، کوئی اپنے ساتھ لے کر کے نہیں آتا اس کو، ماں کے پیٹ سے، جہاں سے جسمانی اعضاء لایا ہے، ایسے ہی ایمان اور شریعت کی پابندی بھی لایا ہے، اس کو کسی ارادہ کی، فیصلہ کی ضرورت نہیں، وہ تو اس کے ساتھ گویا جسم کا ایک حصہ ہے، اب اسے کچھ کرنے کی ضرورت نہیں، یہ بھی ایک موروثی اور پیدائشی چیز ہے، ایسا نہیں ہے۔

ٹارچ کی قیمت اس کے سیلز سے ہے

اس کی موٹی سے مثال میں آپ کو دیتا ہوں، یہ ٹارچ ہے، اس میں سیلز رکھے جاتے ہیں، اگر قسمت سے سیلز رکھ دیئے گئے، اور مسالہ بھر دیا گیا تو اس ٹارچ میں اور اس ٹارچ میں جو خالی ہے، زمین و آسمان کا فرق ہوگا، یہ ٹارچ کہلائے گی، یہ اندھیرے میں اجالا کر دے گی، روشنی کا ایک تیز دھارا اس میں سے نکلے گا، یہ ہاتھ میں ہوگی، تو آدمی ٹھوکر کھانے سے بچے گا، دیوار سے ٹکرا جانے سے بچے گا، کسی سوتے ہوئے بچہ پر پاؤں رکھ کر چلے جانے سے بچے گا، اور معلوم ہوگا کہ اس کے ساتھ ایک بڑی طاقت ہے۔

او من کان میتاً فاحیینہ وجعلنا لہ نوراً یمشی بہ فی الناس کمن مثلہ فی الظلمٰت لیس بخارج منھا.

بھلا جو (پہلے) مردہ تھا پھر ہم نے اس کو زندہ کیا اور اس کے لئے روشنی کر دی، جس کے ذریعہ سے وہ لوگوں میں چلتا پھرتا ہے، کہیں اس شخص جیسا ہو سکتا ہے، جو اندھیرے میں پڑا ہوا ہو، اس سے نکل ہی نہ سکے؟ (الانعام۔۱۲۲)

اللہ تعالیٰ نے (جیسے کوئی ہجے کر کے بتاتا ہے) ہجے کر کے بتایا ہے، اور دو اور دو چار اس طریقہ سے سمجھایا ہے، بھلا وہ جو مردہ تھا'' **او من کان میتاً فاحیینہ** ''ہم نے اس کو زندہ کیا، اور اتنا ہی نہیں ''**وجعلنا لہ نوراً یمشی بہ فی الناس**'' ہم نے اس کو ایک روشنی عطا کی، جس سہارے سے وہ لوگوں کے درمیان چلتا پھرتا ہے، ''**کمن مثلہ فی الظلمات لیس**

بخارج منہا'' یا وہ اس کی طرح ہو سکتا ہے کہ جو اندھیروں میں بھٹکتا پھرتا ہے، نکلنے کا اس کو کوئی راستہ ہی نہیں ملتا۔

مسلمان پر بھی فطری واخلاقی قانون نافذ ہے

مسلمان بحیثیت انسان کے عام انسانوں کی طرح ہے، اس کی کوئی ضمانت نہیں ہے، کوئی ٹھیکہ نہیں ہے، خدا کی طرف سے کوئی ذمہ نہیں ہے، کہ وہ غلطی کرے جب بھی ٹھیک، اس کی چت بھی چت اور پٹ بھی چت، خدا کے یہاں اندھا قانون نہیں ہے، جیسے انسانوں کے یہاں کا ہوتا ہے، کہ برہمن کے یہاں پیدا ہو گیا تو برہمن ہے، کوئی اس کو شرف وعزت سے محروم نہیں کر سکتا، وہ الٹا کرے تو سیدھا اور سیدھا کرے تو سیدھا، بس اس کی ہر بات برہمن کی بات ہے، برہمن کی بات ہی اور ہوتی ہے، میں سیدوں کا، شیوخ کا نام بھی لے سکتا ہوں، آپ سید صاحب ہیں، سید کے گھر پیدا ہوئے ہیں، اب ان کے ستر خون معاف ہیں، اب جو چاہیں کریں، ظلم کریں تو ظلم نہیں، جرم کریں تو جرم نہیں، غلطی کریں تو غلطی نہیں، دو دو چار کہنے کی بجائے پانچ کہیں تو ماننا چاہئے، اس لئے کہ سید صاحب نے کہا ہے کہ دو دو مل کر پانچ ہوتے ہیں، یہ کسی معمولی آدمی نے نہیں کہا، ان کے اندر سارے اخلاق رذیلہ پائے جائیں، ان کے اندر قساوت ہو، سنگدلی، ظلم کا مادہ ہو، کوئی حرج نہیں، میں سب پر ایک حکم نہیں لگاتا، میں یہ کہتا ہوں کہ یہ تصور جو کسی اونچے خاندان میں پیدا ہو جائے تو پھر وہ دنیا سے الگ ہے، اور اس پر خدا کا قانون اور عقل کا قانون نہیں چلتا، وہ قانون سے بالاتر ہے، جیسے شاہان ایران جن کے یہاں سینکڑوں برس سے موروثی سلطنت چلی آ رہی تھی، کیانی خاندان تھا، ساسانی خاندان تھا، رومن ایمپائر کے جو تاجدار ہوا کرتے تھے، وہ ماں کے پیٹ سے شہزادے ہی ہو کر پیدا ہوا کرتے تھے۔

اسلام کا معاملہ، اور خدا کے دین کا معاملہ یہ نہیں ہے، ایمان اور تقویٰ ایک لازمی واضافی چیز ہے جو بالارادہ ہوتا ہے، اور اس کا اضافہ کیا جاتا ہے۔

پاور ہاؤس سے کنکشن ضروری ہے

دیکھئے یہ بلب ہے، یہ وائرنگ ہے، وائرنگ بالکل صحیح ہے، لیکن اس کا پاور ہاؤس سے کنکشن نہیں ہے، اور وہ کرنٹ اس میں نہیں آتا تو اگر اس کی وائرنگ آپ ریشم کی کریں، اور سونے کے تار لگائیں لیکن کنکشن نہیں ہے، بجلی کی رو اس میں نہیں آرہی ہے تو سب بیکار ہے، روشنی نہ ہوگی، نہ کوئی فائدہ، معاملہ ٹارچ میں سیلز اور مسالہ رکھنے کا ہے، یہ مسالہ بارگاہِ نبوت سے ملتا ہے، اس کے لئے ایک ہی جگہ، ایک ہی ٹھکانہ ہے، حضور صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بعثت کے بعد اب وہ سیلز اور کہیں نہیں مل سکتے، نہ امریکہ میں، نہ روس میں، نہ دنیا کے کسی کارخانہ میں، وہ ایمانی سیلز رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم لے کر آئے ہیں، وہ اگر آپ ٹارچ میں رکھتے ہیں، فٹ کر دیتے ہیں، تو ذرا سا بٹن دبائیے، ذرا سا ہاتھ کا اشارہ کیجئے اور روشنی کی ایک تیز رو نکلے گی، جس سے آپ کو بھی راستہ نظر آئے گا، دوسروں کو بھی راستہ نظر آئے گا، اور اس کی یہی قیمت ہے کہ یہی اسلام کی شان ہے کہ جب وہ سیلز بھر دیئے جاتے ہیں، تو صرف اس مسافر ہی کو جس کے ہاتھ میں وہ ہے جو اس کا مالک ہے، اسی کو راستہ نظر نہیں آئے گا، بلکہ بیسیوں جو بالکل اندھوں کی طرح راستہ چل رہے تھے، ان کو بھی راستہ نظر آنے لگےگا، یہ ہے مسلمان کی شان۔

یاایھا الذین امنوا ان تتقوا اللہ یجعل لکم فرقانا (الانفال ۲۹)

اے ایمان والو اگر تم اللہ سے ڈرو گے اور اس سے شرم کرو گے اس کا لحاظ کرو گے اور اس کے احکام کا احترام کرو گے اس کی شریعت کو قبول کرو گے، اس پر چلنے کا فیصلہ کرو گے، اس پر اعتماد کرنا شروع کرو گے، تو تمہارے لئے امر فارق پیدا کردے گا (یعنی تم کو ممتاز کردے گا)

مابہ الامتیاز صفت

فرمایا "یجعل لکم فرقانا" اللہ تم کو ایک مابہ الامتیاز چیز عطا کرے گا، تمہاری سطح ایک دم سے بلند ہو جائے گی، تم اس پستی سے، ماحول کی خرابی سے نکل جاؤ گے، جب انسان اپنے کو اللہ کی روشنی سے محروم کر لیتا ہے، تو پھر اس کا کیا حال ہوتا ہے؟ وہ اس ٹارچ کی طرح ہو جاتا ہے جس کے سیلز ختم ہو چکے یا اس میں رکھے ہی نہیں گئے، اب اس سے تو یہ لکڑی اچھی کہ اس سے

ہم کتے کو مار سکتے ہیں، اس سے اپنا دفاع کر سکتے ہیں، اپنی حفاظت کر سکتے ہیں، اس ٹارچ سے تو یہ کام بھی نہیں کر سکتے، ٹارچ کی ساری قیمت اس کے سیلز ہیں، اس کو نکال دیجئے تو اس سے لاٹھی اچھی، بندوق کے اندر کارتوس ہے، تو وہ بندوق، بندوق ہے، اس کی بڑی قیمت ہے، آپ شیر کا شکار کر سکتے ہیں لیکن اگر اس کے اندر کارتوس نہیں رکھا جا سکتا، یا کارتوس ہی خالی ہے، تو اس سے لاٹھی اچھی، جب مسلمان کے سیلز ختم ہو جائیں، جب اس کے اندر سیلز رکھے ہی نہ جائیں، یا وہ اپنی ناقدری سے، کفران نعمت سے ان سیلز کو بیکار کر دے تو پھر مسلمان میں اور غیر مسلم میں کیا فرق؟ پھر تو وہ غیر مسلم جو اس سے زیادہ مضبوط ہے، اچھا ہے، اس سے زیادہ پیسے والا ہے، وہ اچھا ہے، اس سے بڑی کوٹھی رکھنے والا ہے، وہ اچھا ہے، جس کی موٹر اس سے اچھی ہے، وہ اچھا اور بعض اوقات تو ایسا ہو سکتا ہے کہ اس کے گھر کا کتا بھی اس سے اچھا کھاتا ہے، جیسے بہت سے انگریزوں کے یہاں کتے پلے ہوئے ہوتے ہیں، جن کو وہ ملتا ہے، جو اچھے اچھے انسانوں کو نہیں ملتا، بات صرف ہاتھ پاؤں، کان، ناک، آنکھ اور صورت کی، اور انسان کے نام کی نہیں، جس میں جسمانی طاقت زیادہ ہوگی، وہ اس سے بڑا، جس کے پیسے زیادہ ہوں گے، وہ اس سے بڑھا اور جس کے پاس اونچی کوٹھی ہوگی وہ اس سے چڑھا، پھر تو سارا معاملہ اس پر آ گیا کہ کس کے پاس پیسے زیادہ ہیں، کس کے پاس طاقت ہے؟

مسلمانوں کی اصل طاقت

ہم مسلمانوں کی جو اصل خصوصیت، ہمارا مابہ الامتیاز، ہمارا سرمایہ، ہمارا فخر، ہماری طاقت ہے، وہ سیلز تھے، جو رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کے یہاں سے لے کر آئے ہیں، اور انسانوں کے دماغ اور انسانوں کے دل کے اندر رکھے، دماغ میں بھی سیلز رکھے ہیں، اور دل میں بھی، ایمان کا پہلا تعلق انسان کے ضمیر اور قلب سے ہے، پھر انسان کے دماغ اور فکر سے ہے، اس سے خاص طرح کے اخلاق پیدا ہوتے ہیں، خاص طرح کا طرز عمل، زندگی کا رویہ اور مسلک پیدا ہوتا ہے، خاص طرح کے بندگی کرنے کا طریقہ آتا ہے، خالق کی معرفت ہوتی ہے، مخلوق سے محبت ہوتی ہے، خدا کا خوف ہوتا ہے، بندوں کی شرم ہوتی ہے، اللہ کا ڈر اور اس کی محبت ہوتی ہے، اور انسانوں کے ساتھ ہمدردی ہوتی ہے، غریبوں پر آدمی رحم کھاتا ہے، بے

ایمانی سے بچتا ہے، چوری سے پناہ مانگتا ہے، اس کو جرائم سے ظلم سے گھن آتی ہے، بالکل سیرت ہی بدل جاتی ہے، یہ کس کا کرشمہ ہے، یہ ان سیلز کا کرشمہ ہے۔

معنوی خودکشی

مسلمان اپنے کو ان سیلز سے محروم کر دے تو یہ معنوی خودکشی ہے، جیسے کوئی زہر کھا کر مر جائے، یا کوئی گلے میں پھندا ڈال کر کے اپنا گلا گھونٹ لے، مسلمان ہے، لیکن اس کے اندر ایمان کے وہ سیلز نہیں ہیں، عقیدہ کے وہ سیلز نہیں ہیں وہ ''فرقان'' نہیں ہے جس کو اللہ تعالے فرماتا ہے۔

یآ یھا الذین آمو ان تتقوا اللہ یجعل لکم فرقانا (الانفال ۲۹)

مومنو اگر تم خدا سے ڈرو گے تو وہ تمہارے لئے امر فارق پیدا کر دے گا

اے ایمانو والو! اگر تم اللہ سے ڈرنے لگو گے، اور احتیاط کی زندگی گذارو گے، آپ کی لائی ہوئی تعلیمات پر عمل کرو گے، ادھر چلو، ادھر مت چلو، اس راستہ چلو، اس راستہ نہ چلو، اس لکیر کو نہ چھوڑو، یہ سرحد پار نہ ہونے پائے، اس کا نام تقویٰ ہے، تقویٰ کے معنی بہت سے لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ جو نماز ہی نماز پڑھتا چلا جائے، رات کو پلک سے پلک نہ لگے، اس کو لوگ متقی کہتے ہیں، تقویٰ کے معنی یہ ہیں کہ جن چیزوں سے اللہ اور رسولؐ نے منع کیا ہے اس سے بچیں اس کے تصور سے خیال بھی آجائے تو خدا کی پناہ مانگیں اور جن چیزوں کا حکم دیا ہے، ان کی پابندی کریں ہفت اقلیم کی سلطنت مسلمانوں کو مل جائے، ان کے قدموں پر بادشاہوں کے تاج رکھ دیئے جائیں، اور قارون کا خزانہ ان کو مل جائے لیکن ان کے اندر وہ سیلز نہ ہوں، نبوت کی لائی ہوئی روشنی نہ ہو، وہ فرقان نہ ہو، جو اللہ تعالے دین پر چلنے والوں کو عطا کرتا ہے، تو وہ کوڑی کی قیمت نہیں، مسئلہ بہت صاف اور بہت ہی واضح ہے، میں کوئی پہیلی نہیں بجھا رہا ہوں، ہماری آپ کی ساری طاقت، سارا امتیاز، اللہ کے یہاں بھی جو مرتبہ اور مقام ہے، اور مخلوق کی نگاہ میں بھی جو وزن اور طاقت ہے، وہ سب ان سیلز کے صدقہ میں ہے، سیلز سلامت سب کچھ سلامت، یہ دل سلامت سب سلامت یہ دماغ سلامت سب سلامت، عقیدہ سلامت، اخلاق سلامت، مسلمان مسلمان ہے، نہ پہاڑ اس کا راستہ روک سکتے ہیں اور نہ سمندر۔

ایمان وسیرت کی کرامت

میرے بھائیو: بات یہ ہے کہ یہ سب سیرت کی کرامت ہے، یہ مسالہ جو اس کے اندر بھرا ہوا ہے، ایمان کا مسالہ، عقیدہ کا مسالہ، اخلاق کا مسالہ، مقاصد کا مسالہ، ہمارا عقیدہ الگ، ہمارا ایمان الگ، ہمارے اخلاق الگ ہونے چاہئیں، پھر کیا ہوگا "**یجعل لکم فرقانا**" اللہ تم کو ایسی مابہ الامتیاز چیز بخشے گا کہ دور سے پہچانے جاؤ گے، جہاں جاؤ گے، تمھاری عزت ہوگی۔ مسلمان کا کیا حال تھا، آبادیوں کی آبادیاں بلاتی تھیں، آج کتنے ملک فتح ہوئے ہیں، جہاں کی آبادی نے بلایا تھا، مسلمانوں کو تاریخ والوں نے پوری حقیقت لکھی نہیں، بیان نہیں کی، اب بہت سی حقیقتیں سامنے آ رہی ہیں، مصر کے لوگوں نے بلایا تھا، دعوت دی تھی، عربوں کو کہ آؤ ہمیں اس مصیبت سے نجات دو کہ ذرا سا اختلاف ہے عقائد کا، ہمارا اور رومیوں کا تو ہم سے وہ جانوروں سے بھی بدتر سلوک کرتے ہیں، الفرڈ بٹلر ALFRED BUTLER کی کتاب ہے "عربوں کا مصر فتح کرنا" اس نے لکھا ہے کہ بوروں میں بھر بھر کر رومی ان قبطیوں کو سمندر میں ڈال دیتے تھے، کیوں؟ محض اس لئے کہ ان میں اور رومیوں میں حضرت عیسیٰ کے بارے میں کچھ اختلاف تھا، کہ بالکل خدا کی طرح ہیں، بالکل وہ خدا کا جزء ہیں، یا انسان ہیں، اور ان میں تھوڑی سی خدائی بھی ہے، اس میں اختلاف تھا تو اتنا بڑا ظلم ہوتا تھا کہ کوئی حد نہیں، وہ یہ کہتے ہیں کہ ان قبطیوں نے دعوت دی تھی، اور کہا تھا کہ خدا کے لئے آؤ اور ہمیں بچاؤ، ایسے معلوم نہیں کتنے ملک تھے اور جب کہیں کی فوجی مصلحت سے کسی صوبہ کو، کسی شہر کو چھوڑتے تھے تو لوگ دھاڑیں مار مار کر روتے تھے اور کہتے تھے کہ تم کیوں ہمیں چھوڑ کر جا رہے ہو، اور ان ظالموں کے حوالے کر رہے ہو، اور جب وہ کہتے تھے کہ نہیں ہم پھر آئیں گے تو کہتے تھے کہ اللہ تم کو جلد لائے، اور دعائیں کرتے تھے۔

ہندوستان پر ہمارا حق اور اس کی ذمہ داری

میرے مسلمان بھائیو: تم کو اس ملک میں رہنا ہے، تمھارا حق اس سرزمین پر ہے، تم نے اس ملک کو بنایا، سنوارا، تم نے اس ملک کو تہذیب سے تمدن سے اور ترقیوں سے مالا مال کر دیا،

تمھارے اوپر بھی اس ملک کا احسان ہے، اس نے تمھیں ایسے آڑے وقت میں پناہ دی، اور یہ فیاض ملک ثابت ہوا، جب پناہ نہیں مل رہی تھی، جب تاتاری ایران اور ترکستان کے باغ بہار شہروں پر حملہ کر رہے تھے، اور شہر کے شہر بے چراغ ہو رہے تھے، اس وقت بڑے بڑے مسلمان خاندان یہاں آئے اور اس ملک نے اپنے بازو پھیلا دیئے، اپنی گود خالی کر لی تو ہمارے اوپر اس ملک کا حق ہے، اور اس ملک پر ہمارا حق ہے، دنیا کی کوئی طاقت ایسی نہیں ہے، جو بیچ میں کھڑی ہو جائے، اور کہے کہ نہیں تمھارا اس ملک پر حق نہیں ہے، مگر آپ کو اپنے اندر ایمان وسیرت اور دعوت وہدایت کا امتیاز پیدا کرنا ہوگا، جب آپ اس ملک میں عزت کے ساتھ رہ سکیں گے، توحید کی طاقت آپ کے اندر ہو، اس سے بڑھ کر دنیا میں کسی طاقت کا تجربہ ابھی تک نہیں کیا گیا، ایک آدمی جس کے اندر توحید کا عقیدہ ہو کہ خدا کے سوا نفع وضرر کی طاقت کسی میں نہیں ''لا نافع ولا ضار الا اللہ لا الہ الا اللہ ''وہی نافع وہی ضار'' وان یمسسک اللہ بضر فلا کاشف لہ الاھو وان یردک بخیر فلا راد لفضلہ '' اے محمد (رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم) اگر اللہ تعالےٰ تمھارے ساتھ ضرر کا ارادہ کر لے تو کوئی روک نہیں سکتا، نفع کا ارادہ کر لے تو کوئی آڑے نہیں آ سکتا۔ (سورۂ یونس۔۱۰۷)

مسلمان کے امتیازات

پھر اس کے ساتھ تمھارے اندر شریعت کی پابندی ہو، تم شریعت کے احکام پر چلتے ہو، جب ساری دنیا کی قومیں اپنے اپنے مذہب کے احکام کو چھوڑ چکیں، اب صرف رسم ورواج رہ گئے، صرف تہوار رہ گئے، صرف میلے ٹھیلے رہ گئے، صرف سوشل چیزیں رہ گئیں، تو اس حالت میں تم نمازوں کے پابند ہو، تم شریعت کے احکام پر چلنے والے ہو، تم حلال وحرام میں فرق کرنے والے ہو، اور اس کے ساتھ پھر تمھارے اخلاق اعلیٰ ہوں، دنیا دودھ میں پانی ملائے، تم حرام سمجھو، دنیا کے درزی کپڑا چرائیں، تمھارے درزی اس کو حرام سمجھیں، دنیا ڈنڈی مارے اور کم تولے تم اس کو حرام سمجھو، اس راستہ سے آئے ہوئے پیسے کو تم نجس وناپاک سمجھو، مرجانا دس مرتبہ اچھا ہے لیکن رشوت لینا اچھا نہیں، اگر کوئی غیر مسلم چار گھنٹے کام کرتا ہو تو تم چھ گھنٹے اپنے آفس میں بیٹھ کر کام کرو کہ نہیں ہم جب اس کی تنخواہ پاتے ہیں تو پھر ہمیں خدمت کرنی چاہئے،

اور اس ملک نے ہم پر احسان کیا، ہم نے اس ملک میں صدیاں گذاریں، ہم پھلے پھولے، ہم نے ہر طرح کا لطف اٹھایا، یہاں کی تمام نعمتوں سے فائدہ اٹھایا، ہم اس ملک کے ساتھ غداری نہیں کر سکتے، ہم اس ملک میں کام چوری کی عادت نہیں اختیار کریں گے، گپ کرتے رہے اور ایک دو فائلیں دیکھیں جیسے آج کل رواج ہے، اور پھر لنچ کا وقت آ گیا، لنچ کھایا، اس سے بچے، پھر کچھ گپ کی، کچھ چائے پی، کوئی دوست آ گیا تو اس سے بات کرنے لگے، نہیں، ڈیوٹی پر وقت پر جانا، وقت پر آنا، پورا کام کرنا، ہر آدمی کے ساتھ خیر خواہی کرنا، کوئی انسان کسی مذہب وملت کا ہو، وہ اگر تمہاری مدد کا محتاج ہو، تو تم بالکل نہ دیکھو کہ یہ کلمہ گو ہے یا نہیں، تمہیں اس کی مدد کرنی چاہئے، کوئی اگر ظلم کر رہا ہو تو اس کا ہاتھ پکڑنا چاہئے، ظلم کو روکنا چاہئے، مظلوم کی حمایت کرنی چاہئے، سچی بات کوئی کہے اس کی قدر کرنی چاہئے۔

ملک کے حالات میں تبدیلی

یہ اخلاق اگر ہمارے ہوں گے تو وہی بات ہوگی "ان تتقوا اللہ یجعل لکم فرقانا" اگر تم اللہ سے ڈرو گے اللہ تمہارے لئے فرقان پیدا کر دیگا، ہندوستان ہی میں دنیا دیکھے گی کہ مسلمان کا کیا احترام ہوتا ہے، مسلمان کو کس طرح لوگ آنکھوں میں جگہ دیتے ہیں، کس طرح مسلمان کی قدر کرتے ہیں، اگر مسلمان نہ رہے گا تو اس ملک کا رہنا مشکل ہے، مسلمان ہی اس ملک کو تباہی سے بچا سکتے ہیں، اپنے اندر یہ اعتماد پیدا کرو، اپنے اندر یہ قوت پیدا کرو، جب آپ کے یہ اخلاق ہوں گے، تو ان شاء اللہ پھر آپ کے لئے راستہ صاف ہے، آپ اپنے کو بھی بچائیں گے، اپنی عزت وناموس کو بھی بچائیں گے، اور اس ملک کو بھی تباہی سے بچائیں گے۔

ملک تباہی کے کنارے کھڑا ہے اور مسلمان اس کو بچا سکتے ہیں

میں صاف کہتا ہوں کہ یہ ملک تباہی کے کنارے کھڑا ہے، کیوں کھڑا ہے؟ پیسے کی لالچ کی وجہ سے، بے ایمانی کی وجہ سے، رشوت کی وجہ سے، کام چوری کی وجہ سے، فرض ناشناسی کی وجہ سے، اور یہ بھاؤ بھید جو ہیں، ذاتوں اور برادریوں کے اس کی وجہ سے، آپ اس پورے کے ظلمات میں روشنی کا مینار ہیں، روشنی کا مینار ادھر ادھر نہیں جاتا، کھڑا رہتا ہے، سب کو راستہ دکھاتا

ہے۔ آپ ہمت سے کام لیں اور اپنے اندر فرقان پیدا کرنے کی کوشش کریں۔

ایمانی صفات، اسلامی اخلاق اور دعوت و ہدایت اور ہمدردی خلائق کے جذبہ کے ساتھ آپ کو یہاں کی زندگی سے کٹنا بھی نہیں چاہئے، آپ یہ نہ کہیں کہ صاحب ہماری بلا سے یہ ملک ڈوبے یا بچے ہم نہیں جانتے، ہم تو بس اپنی عاقبت کی فکر میں ہیں، نہیں یہ بات ٹھیک نہیں ہے، مسلمان کا منصب نہیں ہے کہ آپ کے ہوتے ہوئے ملک تباہ ہو جائے، خدا آپ سے پوچھے گا، آپ جس کشتی پر سوار ہیں، وہ کشتی ڈوبے، پھر آپ کی کیا خصوصیت رہی، آپ ڈوبتی ہوئی کشتی کو ہاتھ لگا دیں تو وہ ساحل تک پہونچ جائے گی، یہ آپ کی شان ہے۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

محسن عالم

رحمۃ للعالمین ﷺ

الحمد لله وكفى وسلام على عباده الذين اصطفى . اما بعد فاعوذ بالله من الشيطان الرجيم○ بسم الله الرحمن الرحيم "وما ارسلناک الا رحمة للعالمين"

حضرات! میں نے آپ کے سامنے سورہ انبیاء کی ایک آیت پڑھی ہے اللہ تعالیٰ محمد رسول اللہ ﷺ کو خطاب کر کے ارشاد فرماتا ہے کہ اے محمد رسول اللہ ﷺ "ہم نے آپ کو سارے جہان اور جہان والوں کے لئے محض رحمت بنا کے بھیجا ہے" یہ خدا کی طرف سے ایک حیرت انگیز (اور اگر رحمت کی روح اور مفہوم کے منافی نہ ہوتا تو میں کہتا کہ) ایک تہلکہ خیز اعلان ہے، یہ اعلان اس صحیفہ میں کیا گیا ہے، جس کے لئے تقدیر الٰہی کا فیصلہ تھا کہ وہ دنیا کے ہر حصہ میں (اور اپنے نزول کے بعد) تاریخ انسانی کے ہر دور میں پڑھا جائے گا۔ اس کے پڑھنے والے بھی لاکھوں کروڑوں انسان ہوں گے، اس پر غور کرنے والے، اس کی تشریح کرنے والے، اس کے اسرار اور رموز بیان کرنے والے، اس کے ایک ایک لفظ، بلکہ ایک ایک حرف کی تحقیق کرنے والے، اس کو تنقید اور شک وشبہ کی نگاہ سے دیکھنے والے، اور اس کو علم وتحقیق کی ترازو میں تولنے اور اس کو واقعات کی کسوٹی پر کسنے والے انسانوں کا سلسلہ بھی قیامت تک ختم نہیں ہوگا، ایک شخص ایک بیان جاری کرتا ہے، کوئی مضمون نگار کسی اخبار یا رسالہ میں (جس کی زندگی عام طور پر مختصر اور پڑھنے والوں کا حلقہ اکثر محدود ہوتا ہے) کوئی مضمون لکھتا ہے، تو

اس کو اس اندیشہ سے کئی کئی بار غور کرنا پڑتا ہے، اور وہ ترازو میں تول تول کر کوئی دعوی کرتا ہے کہ کوئی اس کی تردید نہ کر دے، اور اس کی صداقت کو چیلنج نہ کرے، کتابوں کا معاملہ اس سے بھی مختلف ہے کہ ان کی عمریں عام طور پر اخبارات و رسائل سے زیادہ طویل ہوتی ہیں، اور بعض اوقات سالہا سال تک وہ لوگوں کے مطالعہ میں رہتی ہیں، اور کوئی کوئی کتاب صدیوں تک بھی زندہ رہتی ہے، اس میں کسی بات کو درج یا کسی چیز کا دعوی کرتے ہوئے مصنف کو اپنی ذمہ داری کا زیادہ احساس ہوتا ہے، وہ لکھنے کے لئے قلم اٹھاتا ہے تو اس کو پہلے سوچنا پڑتا ہے، اور دیکھنا ہے کہ اس دعوی یا اعلان کا پڑھنے اور سننے والوں پر کیا ردعمل ہوگا، اس کے بعد غور کیجئے کہ خدائے علام الغیوب ایک ایسی کتاب میں یہ اعلان کرتا ہے جس کے متعلق وہ خود ہی کہتا ہے کہ ''لا یاتیه الباطل من بین یدیه و لا من خلفه تنزیل من حکیم حمید (اس پر جھوٹ کا دخل نہ آگے سے ہو سکتا ہے نہ پیچھے سے (اور) دانا (اور) خوبیوں والے خدا کی اتاری ہوئی ہے) اور جس کے متعلق اس کا اعلان ہے کہ ''انا نحن نزلنا الذکر و انا له لحافظون'' (بے شک یہ (کتاب) نصیحت ہمیں نے اتاری ہے اور ہم ہی اس کے نگہبان ہیں) اس اعلان کی وسعت و عظمت اس کے زمانی و مکانی رقبہ کا طول و عرض دونوں ایسی غیر معمولی باتیں ہیں جن سے سرسری طور پر گزرا نہیں جا سکتا۔ زمانی رقبہ سے مراد یہ ہے کہ بعثت محمدی سے لے کر قیامت تک جتنی نسلیں دنیا میں آئیں گی اور تاریخ کے جتنے دور گزریں گے یہ اعلان ان سب پر حاوی ہے، اور یہ آیت اس پورے زمانی رقبہ کو جو ہزاروں سال پر پھیلا ہوا ہے، گھیرتی) کرتی ہے۔

مکانی رقبہ کی وسعت کا یہ عالم ہے کہ دنیا کا کوئی گوشہ بھی اس سے مستثنی نہیں کیا گیا، یہ نہیں کہا گیا کہ ہم نے آپ کو جزیرۃ العرب کے لئے رحمت بنا کر بھیجا ہے، یا مشرق کے لئے یا کسی براعظم مثلاً ایشیاء کے لئے پیام رحمت بنایا ہے، اس کے برخلاف یہ کہا گیا ہے کہ یہ رحمت ساری دنیا پر محیط ہے گویا اردو کے شاعر حالی کی زبان میں۔

رہے اس سے محروم آبی نہ خاکی
ہری ہوگئی ساری کھیتی خدا کی

واقعہ یہ ہے کہ اس اعلان کی وسعت، عمومیت، عظمت اور لامحدودیت کے سامنے دنیا کے سارے مورخین، فلاسفہ، مفکرین، مصنفین بلکہ پورے فکر انسانی کو انگشت بدنداں، حیرت

زدہ اور ششدر ہو کر کھڑا ہو جانا چاہئے، اور ایک بار سب کام چھوڑ کر اس واقعہ کی تصدیق، اور اس اعلان کی صداقت کی تحقیق میں مصروف ہو جانا چاہئے، مذاہب ہی کی تاریخ میں نہیں، تمدنوں اور فلسفوں ہی کی تاریخ میں نہیں، اصلاحی اور انقلابی تحریکوں اور کوششوں ہی کی تاریخ میں نہیں، بلکہ پوری تاریخ انسانی، اور پورے انسانی لٹریچر میں ایسا پر از اعتماد، ایسا واضح اور بے لاگ، ایسا عمومی و عالمگیر اعلان، کسی شخصیت یا کسی مذہب و دعوت کے متعلق نہیں ملتا مذاہب عالم کی تاریخیں، انبیا علیہم السلام کی زندگیوں، اور تعلیمات کا جو ریکارڈ دنیا میں محفوظ ہے، وہ بھی اس کی نظیر پیش کرنے سے قاصر ہے۔

دنیا کا ایک مشہور اور قدیم مذہب یہودیت ہے، اس کا حال یہ ہے کہ وہ خدا کا تصور بھی جو کائنات اور تمام مخلوقات کا خدا ہے، زیادہ تر بنی اسرائیل کے خدا کی حیثیت ہی سے کرتی ہے، عہد عتیق کے اکثر صحیفے، اور یہودیوں کا مذہبی لٹریچر، خدا کے رب کائنات اور رب العالمین کے تصور سے خالی ہے۔ اس لئے ان کی تاریخ اور ان کے صحیفوں میں کسی پیغمبر کے متعلق وہ چاہے، موسیٰ و ہارون جیسے باعظمت، یا داؤد اور سلیمان جیسے صاحب سلطنت پیغمبر ہوں، کسی ایسے اعلان کو تلاش کرنا فعل عبث اور اضاعت وقت کے مرادف ہے۔ یہ مذہب کبھی بھی نسل انسانی کا عمومی اور ان کے لئے بلاتفریق نسل و نسب ہدایت و رحمت کا پیغام نہیں رہا، اور نہ اس میں کبھی غیر اسرائیلی قوموں اور افراد کو یہودیت کی دعوت و تبلیغ کی ہمت افزائی کی گئی۔

عیسائی مذہب جو اپنے تبلیغی جوش و ہمدردی بنی نوع انسان کے لئے مشہور ہے، اس کے پیغمبر (حضرت مسیح علیہ السلام) بار بار اس بات کا اعلان کرتے ہیں کہ ”وہ بنی اسرائیل کی کھوئی ہوئی بھیڑوں کے لئے آئے ہیں“۔ انہوں نے اپنے شاگردوں سے صفائی سے کہا۔ ”میں اسرائیل کے گھرانے کی کھوئی ہوئی بھیڑوں کے سوا اور کسی کے پاس نہیں بھیجا گیا۔“ جب ان کی توجہ ان مریضوں کی مسیحائی کی طرف منعطف کی گئی، جو بنی اسرائیل سے نسل و نسب کا کوئی تعلق نہیں رکھتے تھے تو انہوں نے معذرت کر دی اور فرمایا کہ ”لڑکوں کی روٹی لے کر کتوں کو ڈال دینا اچھا نہیں ہے“۔ انہوں نے جب اپنے بارہ حواریوں کو تبلیغ کے لئے بھیجا تو انہوں نے ان کو حکم دے کر کہا۔ ”غیر قوموں کی طرف نہ جانا اور سامریوں کے کسی شہر میں داخل نہ ہونا بلکہ اسرائیل کے گھرانے کی کھوئی ہوئی بھیڑوں کے پاس جانا۔“

دوسرے مشرقی وایشیائی مذاہب ہندومت وغیرہ کا معاملہ اس سے زیادہ کچھ مختلف نہیں، بلکہ نسل ونسب کی تقدیس اور بے لوث اور بے رحم انسانی تقسیم میں وہ کچھ آگے ہی بڑھے ہوئے نظر آتے ہیں، قدیم ہندوستانی سماج میں شودر ہر قسم کی عزت ومساوات بلکہ اکثر اوقات عام انسانی حقوق اور عام انسانی ہمدردی سے بھی محروم تھے، ان کو علم حاصل کرنے، دوسروں کو تعلیم دینے، اور روحانی ترقی کے مدارج طے کرنے کی اجازت نہ تھی، وید کی تعلیم اپنے لئے اور دوسروں کے لئے دیوتاؤں کے چڑھاوے چڑھانا، اور دان دینا برہمنوں کا حق قرار دیا گیا تھا، وید کی تعلیم حاصل کرنے اور پڑھنے کی اجازت صرف چھتریوں اور ویش وغیرہ کو دی گئی تھی، اور منوساستر کی تصریح کے مطابق ''شودر کے لئے قادر مطلق نے صرف ایک ہی فرض بنایا اور وہ ان تینوں کی خدمت کرنا ہے۔'' ہندوستان کے قدیم باشندے عام طور پر ہمالیہ پہاڑ کے پیچھے دنیا کا تصور نہیں کرتے تھے، ان کو باہر کی دنیا اور عام انسانوں سے کوئی دلچسپی نہ تھی، اس لئے یہاں کسی مصلح، کسی رشی بلکہ کسی پیغمبر کے متعلق بھی (جن کا اس ملک میں پیدا ہونا قرآن مجید کے نصوص کے مطابق ممکن اور ہر طرح قرین قیاس ہے) اس قسم کے کسی اعلان کا تلاش کرنا بیکار ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ جن مذاہب میں رب العالمین ہی کا تصور نہیں، ان میں اپنے کسی پیغمبر کے متعلق رحمۃ للعالمین ہونے کا تصور یا اعلان پایا جانا غیر منطقی اور غیر فطری بات ہے۔ حضرات! کسی چیز کی اہمیت وعظمت اور قدر وقیمت کا تعین کرنے کے لئے عام طور پر دو پیمانے ہوتے ہیں، ایک اس کی تعداد اور مقدار جس کو ہم جدید علمی اصطلاح میں ''کمیت'' QUANTITY کے لفظ سے ادا کرتے ہیں، اور ایک کسی شی کا جوہر یا صفت ہے، جس کو اصطلاحاً ''کیفیت'' QUALITY کے لفظ سے تعبیر کیا جاتا ہے، یہ قرآنی اعلان جو محمد رسول اللہ ﷺ کے متعلق کیا گیا ہے، ان دونوں پہلوؤں پر مشتمل ہے، یعنی آپ کی بعثت ونبوت، آپ کے وجود گرامی، اور آپ کی تعلیمات سے انسانیت کو جو فیض پہنچا، اس کو حیات نو کا جو پیغام ملا، اور اس کی بیماریوں کا جو مداوا، اس کے مصائب کا جو خاتمہ ہوا، اس پر رحمتوں اور برکتوں کا جو دروازہ کھلا وہ اپنی وسعت وکثرت اپنی مقدار وکمیت (QUANTITY) کے اعتبار سے بھی اور اپنی نوعیت وافادیت، اپنے جوہر وکیفیت (QUALITY) کے اعتبار سے بھی بے نظیر وبے مثال ہے، ''رحمت'' ہماری روز مرہ زندگی کا ایک کثیر الاستعمال لفظ ہے، اس کے انواع واقسام اور اس کے مراتب ودرجات کا

کوئی ٹھکانہ نہیں، اگر کوئی کسی کو پانی پلا دیتا ہے تو وہ بھی ایک طرح کی "رحمت" ہے، اگر گرمی میں کوئی کسی کو پنکھا جھل دیتا ہے تو وہ بھی ایک طرح کی "رحمت" ماں اپنے بچہ کو پیار کرتی ہے، باپ اپنے لڑکے کی تعلیم و تربیت کا اہتمام کرتا ہے، اور اس کے لئے زندگی کا ضروری سامان مہیا کرتا ہے، وہ اس سے بھی بڑی ایک "رحمت" ہے، استاذ طالب علم کو پڑھاتا، اس کو علم کی نعمت بخشتا ہے، یہ بھی ایک بڑی قابل قدر "رحمت" ہے بھوکے کو کھانا کھلانا، ننگے کو کپڑا پہنانا سب "رحمت" کے مظاہر ہیں اور سب کا اعتراف ضروری اور شکریہ واجب ہے۔

لیکن "رحمت کا" سب سے بڑا مظہر یہ ہے کہ کسی جاں بلب مریض کی جان بچالی جائے ایک بچہ دم توڑ رہا ہے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ عنقریب آخری ہچکی لے گا، ماں رو رہی ہے کہ میرا لال دنیا سے رخصت ہو رہا ہے کہ اس سے کچھ نہیں ہوسکتا، باپ مارا مارا پھر رہا ہے، اور سر پھوڑ رہا ہے، سب بے بس معلوم ہوتے ہیں، کہ اچانک ایک طبیب حاذق فرشتہ رحمت بن کر پہنچتا ہے، اور کہتا ہے، گھبرانے کی کوئی بات نہیں! وہ دوا کا ایک قطرہ بچہ کے حلق میں ٹپکاتا ہے، وہ آنکھیں کھول دیتا ہے، سب اس کو خدا کا بھیجا ہوا فرشتہ کہیں گے اور وہ ساری رحمتیں جن کا میں نے نام لیا۔ اس "رحمت" کے سامنے مات ہو جائیں گی، اس لئے کہ یہ اس مریض ہی پر نہیں، بلکہ اس کے چھوٹے سے کنبہ اور اس سے محبت کرنے والوں پر بھی احسان عظیم ہے کہ اس کی جان بچالی گئی، کوئی نابینا چلا جا رہا ہے، راستہ میں کوئی خندق یا کوئی کنواں پڑ گیا قریب ہے کہ اس کا اگلا قدم اسی خندق یا کنویں میں ہو، اللہ کا ایک بندہ عین وقت پر پہونچتا ہے، اور وہ اس کی کمر پکڑ لیتا ہے، اور اس کو اس خندق میں گرنے سے بچالیتا ہے تو وہ اس کے حق میں فرشتہ رحمت کہلائے گا، ایک نوجوان جو اپنے ماں باپ کی آنکھ کا تارا اور اپنے کنبہ کا سہارا ہے، دریا میں ڈوبنے لگا، وہ غوطے کھا رہا ہے، کوئی گھڑی ہے کہ وہ تہہ نشین ہو جائے، ایسے میں اللہ کا بندہ اپنی جان پر کھیل کر کود پڑتا ہے، اور اس کی جان بچالیتا ہے، اس کے ماں باپ اور بھائی فرط مسرت اور احسان مندی کے جذبہ سے اس سے لپٹ جاتے ہیں، اور ساری عمر اس کا احسان نہیں بھولتے۔

لیکن "رحمت" کا آخری مظہر یہ ہے کہ پوری انسانیت کو ہلاکت سے بچایا جائے، پھر ہلاکت ہلاکت اور خطرہ خطرہ میں بھی زمین آسمان کا فرق ہے، ایک عارضی ہلاکت اور تھوڑی

دریا کا خطرہ ہے، ایک ابدی ہلاکت اور دائمی خطرہ ہے، خدا کے پیغمبر انسانوں کے ساتھ "رحمت" کا جو معاملہ کرتے ہیں، وہ ان رحمتوں پر قیاس نہیں کیا جا سکتا، یہ زندگی کا مواج سمندر، یہ زندگی کا طوفانی دریا، جو انسانوں اور افراد ہی کو نہیں، قوموں اور ملکوں کو غرق کر چکا ہے، تہذیبوں اور تمدنوں کو لقمہ اجل بنا چکا ہے، جس کی موجیں مگرمچھ کی طرح منہ پھیلا کر بڑھتی اور بپھرے ہوئے شیر کی طرح انسانوں پر حملہ کرتی ہیں، مسئلہ یہ ہے کہ اس بے رحم دریا سے کس طرح پار اترا جائے اور انسانی قافلہ کو ساحل مراد بلکہ ساحل نجات پر پہنچایا جائے، نوع انسانی کا سب سے بڑا محسن اور اس کا نجات دہندہ وہ قرار پائے گا جس انسانی کشتی کو جو ڈانوا ڈول ہو رہی ہے، جس کے سوار موجود ہیں، لیکن ملاح مفقود، ساحل تک پہنچا دے۔ نوع انسانی ان کی بھی شکر گزار ہے، جو اس کو علم و فن کا تحفہ دیتے ہیں، وہ ان کی بھی شکر گزار ہے، جو اس کی معلومات میں اضافہ کرتے ہیں، وہ ان کی بھی شکر گزار ہے، جنھوں نے اس کی زندگی کو پر راحت بنایا اور اس کی زندگی کے مشکلات کو ختم یا کم کیا، وہ کسی کے احسان کی ناقدری نہیں کرتی لیکن اس کا سب سے بڑا مسئلہ یہ ہے کہ اس کو ان دشمنوں سے بچایا جائے، جو اس کی جان کے دشمن ہیں، اور اس کی کشتی پار لگائی جائے۔

اس زندگی کی بے رحم موجیں اور اس دریا کے ظالم و خونخوار نہنگ کیا ہیں؟ اس کائنات کے پیدا کرنے والے کی ہستی، اس کی حقیقی صفات اور مقاصد سے بے خبری، شرک، اصنام و اوہام پرستی میں مبتلا ہونا ہے، انسانیت کی بے شعوری اور خود فراموشی، خدا ناشناسی اور نفس پرستی، اپنے حدود سے تجاوز کر جانا، اخلاق کا بگاڑ، جذبات کی سرکشی، اپنا فرض ادا کرنے سے انکار، اپنا حق وصول کرنے پر اصرار ہے، زندگی کے لئے سب سے بڑا خطرہ یہ ہے کہ زندگی کی چول اپنی جگہ سے ہٹ جائے، انسان اپنے مقام و مرتبہ اور اپنے مقصد زندگی سے غافل ہو جائے، وہ اپنے کو ایک بھیڑیا سمجھنے لگے یا سانپ و اژدہا، انسان جب ان حقیقتوں کو بھول جاتا ہے، تو زندگی کا یہ دریا، آگ کا دریا بن جاتا ہے، پھر انسان، انسان کو کھانے لگتا ہے، پھر سانپوں بچھوؤں، بھیڑیوں، اور چیتوں کی ضرورت نہیں رہتی، انسان سب سے بڑا بھیڑیا بن جاتا ہے، جس کے سامنے بھیڑیئے کان پکڑیں، وہ ایسا شیطان بن جاتا ہے، جس کے سامنے شیطان ناک رگڑے، اس وقت انسان اپنی لگائی ہوئی آگ میں خود سلگتے اور جلتے ہیں، باہر کی کسی آگ کی ضرورت نہیں۔

یہ وقت ہوتا ہے، جب خدا کی غیرت حرکت میں آتی ہے، اس کی رحمت کا ظہور ہوتا ہے اس وقت باد بہاری کا ایک جھونکا آتا ہے، اور مردہ انسانیت کو تازہ ہوا اور انسانیت کے خزاں رسیدہ چمن کو پر بہار بنا جاتا ہے، انسانیت کو اس وقت ایسے ملاحوں کی ضرورت ہوتی ہے، جو اس کی کشتی کو پار لگائیں۔

اس حقیقت کو ذہن نشین کرنے کے لئے میں ایک تمثیل سے کام لوں گا، جو خدا کے پیغمبر کے منصب و مقام اور اس کے کام کی نوعیت و حیثیت کے سمجھنے میں وہ خدمت انجام دے سکتی ہے، جو بہت سی دقیق علمی اور فلسفیانہ دلائل نہیں دے سکتے۔

کہتے ہیں کہ زندہ دل نوجوانوں کی ایک پارٹی ''پکنک'' کے لئے روانہ ہوئی، انہوں نے ایک ملاح سے طے کیا کہ وہ ان کو دریا کی سیر کرائے گا، اور اس تفریح گاہ تک پہنچا دے گا جو دریا کے دوسرے کنارے پر واقع ہے، صبح کا سہانا وقت تھا، طبیعت موج پر تھی، کام کچھ نہ تھا، وہ آپس میں تو باتیں کیا ہی کرتے تھے، اس مرتبہ انہوں نے ملاح کو تفریح کا ذریعہ بنایا، اور اس سے دل بہلانے لگے، ان میں سے ایک صاحبزادے نے کہا کہ چچا! آپ نے کچھ تعلیم بھی حاصل کی ہے؟ اس ملاح نے سر جھکا کے کہا نہیں، بھیا میں تو کچھ پڑھا لکھا نہیں ہوں، میرے یہاں تو پرکھوں سے یہی ناؤ کھینے کا پیشہ چلا آ رہا ہے، ناؤ چلاتا ہوں، چار پیسے کما لیتا ہوں، اپنا اور اپنے بچوں کا پیٹ بھر لیتا ہوں، دوسرے صاحبزادے بولے، چچا جان! آپ نے گرامر تو پڑھی ہوگی، انگلش لٹریچر کا تو مطالعہ کیا ہوگا؟ ملاح نے کہا میں تو آج پہلی مرتبہ یہ بھاری بھرکم نام سن رہا ہوں تیسرے صاحب بولے کہ آپ نے جامیٹری تو ضرور پڑھی ہوگی، اس کے بغیر تو کشتی چلائی نہیں جا سکتی؟ زاویہ (ANGLE) سے چلائی جائے، کس زاویہ سے نہ چلائی جائے؟ اس نے کہا میں کچھ نہیں سمجھا، اسی طرح انہوں نے اپنے ان سب مضامین کا باری باری سے نام لیا، جو وہ کالج میں پڑھتے تھے، اور آخر میں پوچھا کہ آپ نے الجبرا تو پڑھا ہی ہوگا، وہ بڑا ضروری علم ہے؟ ملاح بیچارے نے شرما کر کہا کہ بھیا، یہ شہر کا نام ہے یا آدمی کا؟ لڑکوں نے ایک قہقہہ لگایا، پھر ملاح سے پوچھا تمہاری عمر کیا ہے؟ ملاح نے کہا یہی کوئی چالیس برس ہوگی، لڑکے کہنے لگے کہ جاؤ تم نے اپنی آدھی عمر کھوئی، ملاح خاموش ہو گیا، اللہ کو اس کی غریبی اور جہالت پر رحم آیا، اب اس کی باری آئی، دریا ابھی تک پرسکون تھا، لیکن تھوڑی دیر کے بعد اس

میں طوفان آیا، بڑی بڑی لہریں اٹھنی شروع ہوئیں، ان لہروں نے اس کشتی سے ایسی شوخیاں کرنی شروع کیں جیسی یہ لڑکے ملاح سے کر رہے تھے، کشتی کبھی اس طرف جھکتی کبھی اس طرف، لڑکوں کا یہ حال تھا کہ اوپر کی سانس اوپر نیچے کی سانس نیچے، ملاح تھوڑی دیر تک تو خاموش یہ تماشا دیکھتا رہا، پھر بڑی سنجیدگی کے ساتھ منہ بنا کر کہا، بھیا! تم نے کچھ پیرنا بھی سیکھا ہے؟ ایک تو حقیقت حال نے ان کو سنجیدہ بنا دیا تھا، اور وہ ساری شوخی اور طباعی بھول گئے تھے، موت ان کو سامنے کھڑی نظر آ رہی تھی، انہوں نے ٹھنڈی سانس لے کر کہا کہ چچا جان! پیرنا تو نہیں سیکھا۔ لڑکوں نے تو یہ کہا تھا کہ جاؤ تم نے آدھی عمر کھوئی، ملاح نے بڑے بلیغ اور ادبی انداز میں کہا (بعض مرتبہ بے پڑھے لوگوں کی زبان سے ایسے فقرے نکل جاتے ہیں کہ بڑے بڑے شاعر اور ادیب ان پر سر دھنتے ہیں) کہ جاؤ میں نے تو اپنی آدھی عمر کھوئی تھی تم نے اپنی ساری عمر ڈبوئی، اگر یہ کشتی ڈبو دی تو تم جو نام لے رہے تھے (بھاری بھاری لفظ بیچارے ملاح کو کہاں یاد رہ سکتے تھے) وہ تمہارے کیا کام آئیں گے، تم کچھ نہ پڑھتے مگر پیرنا سیکھ لیتے تو کہیں اچھے رہتے، تم سے تو میں دو ٹکے کا ملاح اچھا کہ میں پیرنا جانتا ہوں، اپنی جان بچا لوں گا۔

تاریخ انسانی ہمیں بتلاتی ہے، اور اس کا ریکارڈ موجود ہے کہ جب زندگی کی کشتی انسانوں کی بداعمالی سے الٹی یا ڈوبی تو کوئی چیز نہیں بچی، تہذیبوں نے ہزاروں برس میں جو سرمایہ پیدا کیا تھا، ہزاروں لاکھوں انسانوں کے دماغ کا نچوڑ، ان کی ذہانت کا جوہر، ادب، شاعری، فلسفہ کا انمول خزانہ وہ سب اس کشتی، اور اس کشتی کے سواروں کے ساتھ ڈوب گیا، زندگی کی یہ کشتی شاعری کے انحطاط، ادب کے زوال، تعلیم گاہوں کی کمی اور اعلیٰ تعلیم کے فقدان دولت و سرمایہ کی کمی یا معیار زندگی کے پست ہو جانے سے نہیں ڈوبی، وہ اس وجہ سے ڈوبی کہ انسان خودکشی پر آمادہ ہو گیا تھا، اس نے جس شاخ پر اپنا نشیمن بنایا تھا، اور جس شاخ پر اس کا سارا کنبہ اور اس کی متاع تھی، اس شاخ پر وہ تیشہ چلانے لگا، تاریخ بتاتی ہے کہ انسانوں کے دماغوں پر ایسے دورے پڑتے رہے ہیں، کہ انسان تعمیر کے بجائے تخریب پر اتر آیا ہے۔ ہم نے بار بار حیرت کی آنکھوں سے دیکھا ہے، یقین نہیں آتا تھا، لیکن یقین کرنا پڑا کہ انسانوں نے اسی شاخ کو پورے جوش کے ساتھ کاٹنا شروع کر دیا، جس پر ان کا آشیانہ تھا، گویا کہ یہ ایک نہایت عظیم الشان کارنامہ اور کوئی زبردست تعمیری کام ہے، انسان ہلاکت کی خندق میں چھلانگ لگانے پر اصرار کر رہا ہے،

زندگی سے بیزار اور ہلاکت کے لئے بے قرار ہے، گویا زندگی کوئی عذاب اور ہلاکت کوئی عظیم نعمت اور عظیم ترین لذت ہے۔

چھٹی صدی مسیحی میں عالمگیری پیانہ پر یہی کیفیت نظر آتی ہے، اس وقت پوری نوع انسانی خودکشی پر آمادہ نہیں کمربستہ تھی، جیسے خودکشی کرنے کی اس نے قسم کھالی تھی، ساری دنیا میں خودکشی کی تیاری ہو رہی تھی، اللہ تعالیٰ نے قرآن شریف میں اس منظر اور صورت حال کی جو تصویر کھینچی ہے، اس سے بہتر کوئی بڑے سے بڑا مصور، ادیب و مؤرخ تصویر نہیں کھینچ سکتا، وہ فرماتا ہے: "واذكروا نعمة الله عليكم اذ كنتم اعداء فالف بين قلوبكم فاصبحتم بنعمته اخوانا و كنتم على شفا حفرة من النار فانقذكم منها" (اور خدا کی اس مہربانی کو یاد کرو جب تم ایک دوسرے کے دشمن تھے، تو اس نے تمہارے دلوں میں الفت ڈال دی اور تم اس کی مہربانی سے بھائی بھائی ہو گئے، اور تم آگ کے گڑھے کے کنارے تک پہنچ چکے تھے، تو خدا نے تم کو اس سے بچا لیا) ہمارے مؤرخوں اور سیرت نگاروں کا خدا بھلا کرے، ان سے جاہلیت کی تصویر پورے طور پر نہ کھینچ سکی، وہ نہ صرف قابل معافی بلکہ ہمارے شکریہ کے مستحق ہیں کہ ادب اور زبان کا ذخیرہ ساتھ نہیں دیتا، واقعہ اور صورت حال اتنی سنگین، اتنی نازک اتنی مہیب اور اتنی پیچیدہ اور دقیق تھی کہ موئے قلم سے اس کی تصویر اور زبان و ادب کی بڑی سے بڑی قدرت و صلاحیت سے اس کی تعبیر ممکن نہیں، مؤرخ اس کا حق کیسے ادا کر سکتا ہے؟ دور جاہلیت جس میں رسول اللہ ﷺ کی بعثت ہوئی، کیا وہ ایک یا دو قوموں کے انحطاط یا اخلاقی بگاڑ کا مسئلہ تھا، خالی بت پرستی کا مسئلہ تھا، اخلاقی جرائم و ذمائم کا مسئلہ تھا، شراب نوشی، قمار بازی عیش پرستی، ہوس رانی، حقوق کی پامالی، ظلم و استبداد، معاشی استحصال، جابر اور بیداد حکومتوں، ظالمانہ نظاموں اور غیر منصفانہ قوانین کا مسئلہ تھا؟ کیا مسئلہ یہ تھا کہ کسی ملک میں باپ اپنی نوزائیدہ بچی کو زندہ درگور کر رہا تھا؟ مسئلہ یہ تھا کہ انسان انسانیت کو خاک میں ملا رہا تھا، مسئلہ یہ نہیں تھا کہ عرب کے کچھ سنگ دل اور قسی القلب لوگ اپنی اپنی معصوم بچیوں کو جھوٹی شرم، اور خیالی ننگ و عار سے بچنے کے لئے ایک خودساختہ تخیل اور ایک ظالمانہ روایت کی بناء پر اپنے ہاتھوں زمین میں زندہ دفن کر دینا چاہتے تھے، مسئلہ یہ تھا کہ مادر گیتی اپنی پوری نسل کو زندہ دفن کرنا چاہتی تھی، وہ دور ختم ہو چکا اب اس کو کیسے لا کر سامنے کھڑا کر دیا جائے، وہ دور جن لوگوں نے

دیا گیا تھا، وہی اس کی حقیقت کو سمجھتے اور جانتے تھے۔

مسئلہ کسی ایک ملک وقوم کا بھی نہیں تھا، نہ کسی ایک مغالطہ اور فریب کا تھا، مسئلہ انسانیت کی قسمت کا تھا، مسئلہ نوع انسانی کے مستقبل کا تھا، اگر کوئی مصور ایسی تصویر پیش کرے جس میں دکھایا گیا ہو کہ نوع انسانی کی نمائندگی ایک انسان کر رہا ہے، ایک حسین وجمیل پیکر، ایک فربہ وتوانا جسم، جو خدا کی صنعت کا بہترین نمونہ ہے، جس سے آدم کا نام زندہ اور اس کا سلسلہ قائم ہے، جو مسجود ملائکہ ہے، اور مقصود آفرینش، جس کے سر پر خدا نے خلافت کا تاج رکھا ہے، اور جس کی محبت میں یہ کرۂ ارضی ایک خرابہ اور ویرانہ نہیں ایک آباد اور گلزار جگہ ہے، اس انسان کے سامنے آگ کا ایک سمندر ہے، ایک نہایت مہیب خندق ہے، جس کی کوئی تہ نہیں، وہ انسان اس میں چھلانگ لگانے کے لئے تیار کھڑا ہے، اس کے پاؤں اٹھ چکے ہیں، اور وہ مائل بہ پرواز ہے، ایسا نظر آرہا ہے کہ چند لمحوں میں وہ اس کی اندھیروں میں غائب ہو جائے گا، اگر اس دور کی ایسی تصویر کھینچی جائے تو کسی حد تک اس صورت حال کا اندازہ ہو سکتا ہے، جو بعثت کے وقت پائی جاتی تھی، اور اسی حقیقت کو بیان کرنے کے لئے فرمایا گیا ہے کہ "وکنتم علی شفا حفرۃ من النار فانقذکم منہا" اور تم آگ کے گڑھے کے کنارے تک پہنچ چکے تھے تو خدا نے تم کو اس سے بچا لیا۔

اور اسی بات کو نبوت نے ایک تمثیل میں بیان کیا ہے، آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ "میری اس دعوت وہدایت کی مثال جس کے ساتھ مجھے دنیا میں بھیجا گیا ہے، ایسی ہے جیسے ایک شخص نے آگ روشن کی، جب اس کی روشنی گردوپیش میں پھیلی تو وہ پروانے اور کیڑے جو آگ پر گرا کرتے ہیں، ہر طرف سے امنڈ کر اس میں کودنے لگے، اسی طرح سے تم آگ میں گرنا اور کودنا چاہتے ہو، اور میں تمہاری کمر پکڑ پکڑ کر تم کو اس سے بچاتا اور علیحدہ کرتا ہوں۔"

حقیقت میں اصل مسئلہ یہی تھا کہ انسانیت کی کشتی کو ساحل کے ساتھ لگا دیا جائے، جب انسان اپنے صحیح "مدار" میں آجائے گا، جب زندگی میں اعتدال اور توازن پیدا ہو جائے گا تو ان سب قسم کی اخلاقی، علمی، ادبی اور تخلیقی کوششوں اور منصوبوں کا دور آئے گا جن کی صلاحیت مختلف انسانوں اور انسانیت کے نہاں خانوں میں پائی جاتی ہے، حقیقتاً ساری دنیا پیغمبروں کی احسان مند ہے کہ انہوں نے نوع انسانی کو ان خطرات سے بچایا جو اس کے سر پر ننگی تلوار کی

طرح تنگ رہے تھے، دنیا کا کوئی علمی، تعمیری، اصلاحی کام، کوئی فلسفہ کوئی دبستان فکر، ان کے احسان سے سبک دوش نہیں، سچ پوچھئے تو موجودہ دنیا اپنی بقا اور ترقی اور زندگی کے استحقاق میں پیغمبروں ہی کی رہین منت ہے، انسانوں نے زبان حال سے کئی مرتبہ یہ اعلان کیا کہ اب ان کی افادیت ختم ہوگئی اور اب وہ دنیا کے لئے اور اپنے لئے کوئی نافعیت، برکت و رحمت اور کوئی پیغام اور دعوت نہیں رکھتے، انہوں نے اپنے خلاف خدا کی عدالت میں خود نالش کی اور گواہی دی، ان کی مسل تیار تھی، اور وہ اپنے کو بڑی سے بڑی سزا بلکہ سزائے موت کا مستحق ثابت کر چکے تھے۔

جب تمدن اپنے حدود سے تجاوز کر جاتا ہے، جب وہ اخلاقیات کو یکسر فراموش کر دیتا ہے، جب انسان اپنی نفسی خواہشات اور نفس کے حیوانی تقاضوں کی تکمیل کے سوا ہر مقصد اور ہر حقیقت کو فراموش کر دیتا ہے، جب اس کے پہلو میں انسان کے دل کے بجائے بھیڑیے اور چیتے کا دل پیدا ہو جاتا ہے، جب اس کے ذہن میں ایک نفسی معبود اور ایک الٰہ معبود نفس امارہ جنم لیتا ہے، جب دنیا پر جنون کا دورہ پڑتا ہے تو قدرت خداوندی اس کو سزا دینے یا اس کے جنون کے نشہ کو اتارنے کے لئے نئے نئے نشتر اور نئے نئے جراح پیدا کرتی ہے؎

کرتی ہے ملوکیت انداز جنوں پیدا
اللہ کے نشتر ہیں تیمور یا چنگیز

آپ ملوکیت کے لفظ کو تمدن سے بدل دیجئے کہ تمدن کا بگاڑ اور تمدنی جنون ملوکیت کے جنون سے زیادہ خطرناک اور زیادہ وسیع ہوتا ہے، ایک آدمی یا ایک خاندان اگر پاگل ہو جاتا ہے تو محلہ کی نیند حرام کر دیتا ہے، اور سارا محلہ عذاب میں مبتلا ہو جاتا ہے، آپ تصور کیجئے کہ جب نوع انسانی پاگل ہو جائے اور جب تمدن کا قوام بگڑ جائے، جب انسانیت کا مزاج خراب ہو جائے تو اس کا کوئی علاج نہیں۔

جاہلیت میں تمدن صرف بگڑا ہی نہیں تھا، متعفن ہو گیا تھا، اس میں کیڑے پڑ گئے تھے انسان، نوع انسانی کا شکاری بن گیا تھا، اس کو کسی انسان کی جانکنی، کسی زخمی کی تڑپ اور کسی مصیبت زدہ کی کراہ میں وہ مزا آنے لگا تھا، جو جام و سبو میں، اور دنیا کے لذیذ سے لذیذ کھانے اور خوشنما سے خوشنما منظر میں نہیں آتا تھا، آپ روما کی تاریخ پڑھیں جس کی فتوحات، نظم و نسق اور قانون سازی اور تہذیب کے، دنیا میں ڈنکے بجے، یورپین مؤرخ اس کے متعلق لکھتے ہیں کہ ''

اہل روما کے لئے سب سے زیادہ دلچسپ فرحت افزا اور مست کر دینے والا نظارہ وہ ہوتا تھا، جب باہم شمشیر زنی یا خونخوار جانوروں کی لڑائی میں ہزیمت خوردہ اور مجروح شمشیر زن (GLADIATOR) جانکنی کی تکلیف میں مبتلا ہوتا، اور موت کے کرب میں آخری ہچکی لیتا اس وقت روما کے خوش باش اور زندہ دل تماشائی اس خوش کن منظر کو دیکھنے کے لئے ایک دوسرے پر گرے پڑتے اور پولیس کو بھی ان کو کنٹرول میں رکھنا ممکن نہ ہوتا۔"

رومی عہد کے سیافی جس میں انسان میں جانوروں سے لڑنے پر مجبور کیا جاتا تھا، انسانی شقاوت وسنگدلی کی بدترین مثال پیش کرتی ہے، لیکن یہ صرف اعلیٰ طبقہ سے تعلق رکھنے والوں کا محبوب مشغلہ تھا۔ "تاریخ اخلاق یورپ" کے مصنف لیکی ان کھیلوں کی ہر دلعزیزی بیان کرتے ہوئے لکھتا ہے۔

"سیافی کی یہ مقبولیت ودل فریبی اس لحاظ سے مطلق حیرت انگیز نہیں کہ دلکشی کے جتنے مناظر اس میں آ کر مجتمع ہو گئے تھے اتنے کسی دوسرے ملعبہ میں نہ تھے، لق ودق اکھاڑہ، امراء واعیان، دولت کی زرق برق پوشاکیں، تماشائیوں کا انبوہ کثیر ان کے ذوق شوق کا اثر متعدی، اتنے بڑے مجمع میں ایک متوقع سکون وخاموشی، اسی ہزار زبانوں سے ایک بارگی صدائے تحسین بلند ہوتا، اس کی آواز سے شہر کیا معنی مضافات شہر تک گونج اٹھتا، جنگ کا گھڑی گھڑی رنگ بدلتے رہنا عدیم المثال جرأت وبے جگری کا اظہار، ان میں سے ہر شئی کو متاثر کرنے کے لئے کافی ہے، اوران کی مجموعی طاقت قدرتی طور پر بہت قوی ہے۔

ان ظالمانہ تفریحات کو روکنے کے لئے احکام جاری کئے گئے۔ لیکن یہ سیلاب اتنا پرزور تھا کہ کوئی بند اسے روک نہیں سکتا تھا۔"

پس جاہلیت کا اصل مسئلہ یہ تھا کہ پوری زندگی کی چول اپنی جگہ سے ہٹ گئی تھی، بلکہ ٹوٹ گئی تھی، انسان انسان نہیں رہا تھا، انسانیت کا مقدمہ اپنے آخری مرحلہ میں خدا کی عدالت میں پیش تھا، انسان اپنے خلاف گواہی دے چکا تھا، اس حالت میں خدا نے محمد رسول ﷺ کو مبعوث فرمایا، اور ارشاد ہوا: "وما ارسلناک الا رحمة للعالمین" (اور "اے محمد" ہم نے تم کو تمام جہاں کے لئے رحمت ہی بنا کر بھیجا ہے۔)

حقیقت یہ ہے کہ ہمارا یہ دور بلکہ قیامت تک کا پورا دور محمد رسول اللہ ﷺ کی بعثت، دعوت

اور مساعی جمیلہ کے حساب میں ہے، آپ ﷺ کا پہلا کام یہ تھا کہ آپ ﷺ نے اس تلوار کو جو نوعِ انسانی کے سر پر لٹک رہی تھی، اور کوئی گھڑی تھی کہ اس کے سر پر گر کر اس کا کام تمام کر دے، اس تلوار کو ہٹا لیا، اور اس کو وہ تحفے عطا کیے، جنہوں نے اس کو نئی زندگی، نیا حوصلہ، نئی طاقت، نئی عزت اور نئی منزلِ سفر عطا کی اور ان کی برکت سے انسانیت تہذیب و تمدن، علم و فن، روحانیت و اخلاق اور تعمیرِ انسانیت کا ایک نیا دور شروع ہوا ہم یہاں پر آپ کے ان چند عطیوں کا ذکر کرتے ہیں، جنہوں نے نوعِ انسانی کی ہدایت و اصلاح اور انسانیت کی تعمیر و ترقی میں بنیادی و رقائدانہ کردار ادا کیا، اور جن کی بدولت ایک نئی دنیا وجود میں آئی۔

آپ کا سب سے بڑا احسان یہ ہے کہ آپ نے دنیا کو عقیدۂ توحید کی نعمت عطا فرمائی اس سے زیادہ انقلاب انگیز، حیات بخش، عہد آفریں اور معجز نما عقیدہ، دنیا کو نہ پہلے کبھی ملا ہے اور نہ قیامت تک کبھی مل سکتا ہے، یہ انسان جس کو شاعری، فلسفہ، اور سیاست میں بڑے بڑے دعوے ہیں، اور جس نے قوموں، ملکوں کو بارہا غلام بنایا، عناصر اربعہ پر اپنی حکومت چلائی، پتھر میں پھول کھلائے، اور پہاڑوں کا جگر کاٹ کر دریا بہائے اور جس نے کبھی کبھی خدائی کا بھی دعویٰ کیا، یہ اپنے سے کہیں زیادہ مجبور و ذلیل، بے حس و حرکت، بے جان و مردہ اور بعض اوقات خود اپنی ساختہ پرداختہ چیزوں کے سامنے جھکتا تھا، ان سے ڈرتا اور ان کی خوشامد کرتا تھا، یہ پہاڑوں، دریاؤں، درختوں، جانوروں، ارواح و شیاطین اور مظاہرِ قدرت ہی کے سامنے نہیں، بلکہ کیڑوں، مکوڑوں تک کے سامنے سجدہ ریز ہوتا تھا، اور اس کی پوری زندگی انہیں سے خوف و امید اور انہیں خطرات میں بسر ہوتی تھی، جس کا نتیجہ بزدلی، ذہنی انتشار، وہم پرستی اور بے اعتمادی تھا، آپ نے اس کو ایسے خالص بے آمیز، سہل الفہم حیات بخش عقیدۂ توحید کی تعلیم دی جس سے وہ خدا کے سوا جو خالق کائنات ہے، ہر ایک سے آزاد، نڈر اور بے فکر ہو گیا، اس میں ایک نئی قوت، نیا حوصلہ، نئی شجاعت اور نئی وحدت پیدا ہوئی، اس نے صرف خدا کو کارسازِ حقیقی، حاجت روائے مطلق، اور نافع و ضار (نفع پہنچانے والا اور نقصان پہنچانے والا) سمجھنا شروع کیا، اس نئی دریافت اور یافت سے اس کی دنیا بدل گئی، وہ ہر قسم کی غلامی و عبودیت اور ہر طرح کے بے جا خوف و رجا اور ہر طرح کے تشتت و انتشار سے محفوظ ہو گیا، اس کو کثرت میں وحدت نظر آنے لگی، وہ اپنے کو ساری مخلوقات سے افضل، ساری دنیا کا سردار و منتظم اور صرف خدا کا

محکوم اور فرمانبردار سمجھنے لگا، اس کا لازمی نتیجہ انسانی عظمت و شرف کا قیام تھا، جس سے پوری دنیا محروم ہو چکی تھی۔

بعثت محمدی کے بعد ہر طرف سے اس عقیدۂ توحید کی (جس سے زیادہ مظلوم و مجہول کوئی عقیدہ نہ تھا) صدائے بازگشت آنے لگی، دنیا کے سارے فلسفوں اور افکار و خیالات پر اس کا کم و بیش اثر پڑا، وہ بڑے بڑے مذاہب جن کے رگ و ریشہ میں شرک اور تعدد آلہہ (متعدد خداؤں اور معبودوں) کا عقیدہ رچ بس گیا تھا، کسی نہ کسی نے میں یہ اعلان کرنے پر مجبور ہونے کہ خدا ایک ہے، وہ اپنے مشرکانہ عقیدوں کی تاویل پر مجبور ہوئے، اور ان کی ایسی فلسفیانہ تشریح کرنے لگے، جس سے ان پر شرک و بدعت پرستی کا الزام نہ آئے، اور وہ اسلامی عقیدۂ توحید سے کچھ نہ کچھ ملتا ہوا نظر آئے ان کو شرک کا اقرار کرنے میں شرم اور جھجک محسوس ہونے لگی اور سارے مشرکانہ نظام، فکر و اعتقاد، احساس کمتری (INFERIORITY COMPLEX) میں مبتلا ہوئے، اس محسن اعظم کا احسان اعظم یہ ہے کہ اس نے توحید کی نعمت دنیا کو عطا کی۔

آپ ﷺ کا دوسرا انقلاب آفریں اور عظیم احسان وحدت انسانی کا وہ تصور ہے، جو آپ نے دنیا کو عطا کیا، انسان قوموں اور برادریوں، ذات جاتی اور اعلیٰ ادنیٰ طبقوں میں بٹا ہوا تھا، اور ان کے درمیان انسانوں اور جانوروں، آقاؤں اور غلاموں اور عبد و معبود کا سا فرق تھا، وحدت و مساوات کا کوئی تصور نہ تھا، آپ نے صدیوں کے بعد پہلی مرتبہ یہ انقلاب انگیز اور حیرت خیز اعلان فرمایا۔ "**ایها الناس ان ربکم واحد وان اباکم واحد کلکم لآدم وادم من تراب، ان اکرمکم عند الله اتقاکم، ولیس لعربی علی عجمی فضل الا بالتقوی**" لوگو! تمہارا پروردگار ایک ہے اور تمہارا باپ بھی ایک ہے تم سب اولاد آدم ہو اور آدم مٹی سے بنے تھے، اللہ کے نزدیک تم میں سب سے زیادہ معزز وہ ہے جو تم میں سب سے زیادہ پاک باز ہے، کسی عربی کو عجمی پر فضیلت نہیں، مگر تقویٰ کی بنا پر۔"

یہ وہ الفاظ ہیں، جو رسول اللہ ﷺ نے اپنے آخری حج میں ایک لاکھ چوبیس ہزار کے عظیم مجمع میں فرمائے تھے، ان میں، دو وحدتوں کا اعلان کیا گیا ہے، اور یہی وہ دو فطری مستحکم اور دائمی بنیادیں ہیں، جن پر نسل انسانی کی حقیقی وحدت کا قصر تعمیر کیا جا سکتا ہے، اور جس کے سایہ کے نیچے انسان کو امن و سلون حاصل ہو سکتا ہے، اور وہ اشتراک عمل اور تعاون کے اصول پر انسانیت

کی تعمیر نو کا کام انجام دے سکتا ہے، یہ دو وحدتیں کیا ہیں؟ ایک نوع انسانی کی خالق وصانع کی وحدت، اور ایک نسل انسانی کے بانی اور مورث کی وحدت، اس طرح ہر انسان دوسرے انسان سے دوہرا رشتہ رکھتا ہے، ایک روحانی اور حقیقی طور پر، وہ یہ کہ سب انسانوں اور جہانوں کا رب ایک ہے، دوسرا جسمانی اور ثانوی طور پر، وہ یہ کہ سب انسان ایک باپ کی اولاد ہیں، دوسرے الفاظ میں توحید "رب" اور توحید "اب" کی تعلیم دی، جس کو مختصر الفاظ میں یوں کہا جا سکتا ہے "الرب واحد والاب واحد" رب (پروردگار) بھی ایک ہے، اور اب (والد بزرگوار) بھی ایک۔

جس وقت یہ اعلان کیا گیا تھا، اس وقت دنیا اس کے سننے کے حال (موڈ) میں نہ تھی، یہ اعلان اس وقت کی دنیا میں ایک زلزلہ سے کم نہ تھا بعض چیزیں ایسی ہوتی ہیں، جو تدریجی طور پر قابل برداشت ہو جاتی ہیں، بجلی کا یہی حال ہے کہ اس کو پردوں میں رکھ کر چھو لیتے ہیں، لیکن بجلی کی عریاں لہر کو اگر کوئی چھولے تو جسم میں اس کا کرنٹ دوڑ جاتا، اور اس کا کام تمام کر دیتا ہے آج علم وفہم اور فکر انسانی کے ارتقاء کی ان منزلوں نے جو اسلام کی دعوت، اسلامی معاشرہ کے قیام، مصلحین اور داعیان اسلام کی کوششوں سے طے ہوئیں، اس انقلاب انگیز اور زلزلہ فگن اعلان کو روزمرہ کی حقیقت بنا دیا ہے، اقوام متحدہ کے اسٹیج سے لے کر جس نے حقوق انسانی کا منشور **(HUMAN RIGHTS CHARTER)** شائع کیا، ہر جمہوریہ اور ہر ادارہ کی طرف سے انسانی حقوق اور مساوات انسانی کا اعلان کیا جا رہا ہے، اور کوئی اس کو سن کر متعجب نہیں ہوتا، لیکن ایک زمانہ تھا، جب مختلف قوموں اور خاندانوں کے مافوق البشر ہونے کا عقیدہ قائم تھا، اور بہت سی نسلوں اور خاندانوں کا نسب نامہ خدا سے اور سورج چاند سے ملایا جا رہا تھا، قرآن شریف نے یہودیوں اور عیسائیوں کا قول نقل کیا ہے کہ ہم خدا کی لاڈلی اور چہیتی اولاد کی طرح ہیں " **وقالت اليهود والنصارى نحن ابناء الله واحبانه** " فراعنہ مصر اپنے کو سورج دیوتا کا اوتار کہتے تھے، ہندوستان میں سورج بنسی اور چندر بنسی خاندان موجود تھے، شاہان ایران کو جس کا لقب کسریٰ (خسرو) ہوا کرتا تھا، اس کا دعویٰ تھا کہ ان کی رگوں میں خدائی خون ہے، اہل ایران انہیں اسی نظر سے دیکھتے تھے، ان کا اعتقاد تھا کہ ان پیدائشی بادشاہوں کے خمیر میں کوئی مقدس آسمانی چیز شامل ہے، کیانی سلسلہ کے آخری ایرانی شہنشاہ یزدگرد کا نام بتاتا ہے کہ وہ اور

ایرانی ان کو خدا کا کس درجہ مقرب اور ہم نشین سمجھتے تھے۔

چینی اپنے شہنشاہ کو آسمان کا بیٹا تصور کرتے تھے، ان کا عقیدہ تھا کہ آسمان نر اور زمین مادہ ہے، ان دونوں کے اتصال سے کائنات کی تخلیق عمل میں آئی ہے اور شہنشاہ ختا اس جوڑے کا پہلوٹھا بیٹا ہے، عرب اپنے سوا ساری دنیا کو گونگا اور بے زبان (عجم) کہتے تھے، ان کا سب سے ممتاز قبیلہ قریش، عام عربوں سے بھی اپنے کو بالا و برتر سمجھتا تھا [illegible] برتری میں حج کے ایسے مذہبی اجتماع میں بھی اپنی انفرادیت قائم رکھتا تھا۔

قرآن نے اس فضا اور اس ماحول میں اعلان کیا: "یا ایها الناس انا خلقنا کم من ذکر و انثی وجعلنا کم شعوبا و قبائل لتعارفوا ان اکرمکم عند الله اتقاکم" لوگو! ہم نے تم کو ایک مرد اور ایک عورت سے پیدا کیا اور تمہاری قومیں اور قبیلے بنائے تاکہ ایک دوسرے کو شناخت کرو (اور) خدا کے نزدیک تم میں عزت والا وہ ہے جو زیادہ پرہیزگار ہے۔

اور قرآن کی ایک ایسی سورہ میں جو قرآن [illegible] (فاتحہ) اور سب سے زیادہ پڑھی جانے والی سورہ ہے، کہا گیا ہے۔ "الحمد لله رب العالمين" سب تعریف اللہ کی ہے جو سارے جہانوں کا پروردگار ہے۔

آپ کی رحمۃ للعالمین کا تیسرا مظہر اور نوع انسانی پر تیسرا احسان عظیم احترام انسانیت اور انسان کی قدر و قیمت کا وہ اسلامی تصور ہے جو آپ کا عطیہ اور اسلام کا تحفہ ہے، اسلام کا ظہور جس زمانہ میں ہوا اس زمانہ میں انسان سے زیادہ ذلیل کوئی نہیں تھا، انسانی وجود بالکل بے قیمت اور بے حقیقت ہو کر رہ گیا تھا، بعض اوقات پالتو جانور، بعض "مقدس" حیوانات، بعض درخت جن کے ساتھ بعض عقائد و روایات وابستہ ہوتی تھیں، انسانوں سے کہیں زیادہ قیمتی، لائق احترام اور قابل حفاظت تھے ان کے لئے بے تکلف انسانوں کی جانیں لی جا سکتی تھیں، اور انسانوں کے خون اور گوشت کے چڑھاوے چڑھائے جا سکتے تھے، آج بھی بعض بڑے بڑے ترقی یافتہ ممالک میں اس کے نمونے دیکھے جا سکتے ہیں، محمد رسول اللہ ﷺ نے انسانوں کے دل و دماغ پر یہ نقش بٹھا دیا کہ انسان اس کائنات کا سب سے زیادہ قیمتی، قابل احترام، لائق محبت اور مستحق حفاظت وجود ہے، آپ نے انسان کا پایہ اتنا بلند کیا کہ اس سے اوپر صرف خالق کائنات کی ہستی رہ جاتی ہے، قرآن نے اعلان کیا کہ خلیفۃ اللہ (خدا کا نائب) ہے، ساری دنیا

اور یہ سارا کارخانہ عالم، اسی کے لئے پیدا کیا گیا ہے۔ "هو الذی خلق لکم مافی الارض جمیعا" وہی ہے جس نے تمہارے لئے وہ سب کچھ پیدا کیا جو اس زمین پر ہے۔

وہ اشرف المخلوقات ہے اور اس بزم عالم کا صدر نشین ہے۔ "ولقد کرمنا بنی آدم وحملناهم فی البرّ والبحر ورزقناهم من الطیبات وفضلناهم علی کثیر ممن خلقنا تفضیلا" اور ہم نے بنی آدم کو عزت بخشی اور ان کو جنگل اور دریا میں سواری دی اور پاکیزہ روزی عطا کی اور اپنی بہت سی مخلوقات پر فضیلت دی۔

اس سے زیادہ اس کی عزت افزائی اور اس کی اہمیت کا اعتراف کیا ہو سکتا ہے کہ صاف کہہ دیا گیا کہ انسان خدا کا کنبہ ہیں، اور خدا کو اپنے بندوں میں سب سے زیادہ محبوب وہ ہے جو اس کے کنبہ کے ساتھ اچھا سلوک کرے اور اس کو آرام پہنچائے۔ "الخلق عیال الله فاحب الخلق الی الله من احسن الیٰ عیاله"۔

انسانیت کی بلندی اور خدا سے اس کے قرب واختصاص کا اظہار اس سے زیادہ کیا ہو سکتا ہے، جو ایک حدیث قدسی میں کیا گیا ہے، فرمایا گیا کہ اللہ تعالیٰ قیامت کے دن کہے گا، "اے فرزند آدم میں بیمار ہوا تو مجھے دیکھنے نہیں آیا بندہ کہے گا، پروردگار میں تیری عیادت کیا کر سکتا ہوں، تو تو رب العالمین ہے، ارشاد ہوگا، کیا تجھے معلوم نہیں ہوا، میرا فلاں بندہ بیمار پڑ گیا تھا، تو اس کی عیادت کو نہیں گیا، تجھے معلوم نہیں تھا کہ اگر تو اس کی عیادت کرتا تو مجھے اس کے پاس پاتا، پھر ارشاد ہوگا، اے فرزند آدم میں نے تجھ سے کھانا مانگا تھا، تو نے مجھے کھانا نہیں دیا، بندہ عرض کرے گا، پروردگار! میں تجھے کیسے کھانا کھلا سکتا ہوں، تو رب العالمین ہے، ارشاد ہوگا کیا تجھے اس کا علم نہیں ہوا کہ میرے فلاں بندہ نے تجھ سے کھانا مانگا تو نے اسے نہیں کھلایا، کیا تجھے اس کی خبر نہ تھی کہ اگر تو اسے کھانا کھلاتا تو تو اس کو میرے پاس پاتا، اے فرزند آدم، میں نے تجھ سے پانی مانگا تو نے مجھے پانی نہیں پلایا، بندہ عرض کرے گا، اے رب! میں تجھے کیسے پانی پلا سکتا ہوں، تو تو رب العالمین ہے، ارشاد ہوگا، تجھ سے میرے فلاں بندہ نے پانی طلب کیا تھا، تو نے اسے پانی نہیں دیا، تجھے اس کا پتہ نہیں چلا کہ اگر تو اس کو پانی پلاتا تو اس کو میرے پاس پاتا۔" ایک سراپا توحید مذہب میں، کیا انسانیت کی بلندی، اور انسان کی رفعت ومحبوبیت کا اس سے بڑھ کر اعتراف واعلان پایا جا سکتا ہے، اور کیا دنیا کے کسی مذہب وفلسفہ میں انسان کو یہ مقام

دیا گیا ہے؟ آپ نے خدا کی رحمت وشفقت کے لئے انسانوں پر رحم وشفقت کو شرط اور اس کا سب سے بڑا ذریعہ بتایا اور فرمایا" **الراحمون یرحمهم الرحمن ارحموا من فی الارض یرحمکم من فی السماء**" رحم کرنے والوں پر رحمن کی رحمت ہوتی ہے، اگر تم اہل زمین پر رحم کھاؤ گے تو وہ جو آسمان پر ہے وہ تم پر رحمت نازل کرے گا۔

آپ غور کیجئے کہ وحدت انسانی کا نقش دلوں پر بٹھانے اور احترام انسانیت کا یقین دلوں میں پیدا کرنے کے لئے جب یہ سعی بلیغ نہیں کی گئی تھی، اس وقت انسان کا کیا حال رہا ہوگا ایک انسان کی ادنیٰ خواہش کی قیمت ہزاروں انسانوں سے زیادہ تھی، بادشاہ اٹھتے تھے، اور ملکوں کے ملکوں کا صفایا کر دیتے تھے، سکندر اٹھا اور جیسے کوئی گیند کھیلتا ہے، ہندوستان تک چلا آیا، اور قوموں اور تہذیبوں کے چراغ گل کر دیئے، سیزر اٹھا اور انسانوں کا اس طرح شکار کھیلنا شروع کیا جیسے جنگلی جانوروں کا شکار کھیلا جاتا ہے، آج ہمارے زمانہ میں بھی دو دو عالمگیر جنگیں ہوگئیں، جنہوں نے لاکھوں انسانوں کو موت کے گھاٹ اتار دیا اور صرف قومی تکبر، سیاسی انانیت، اقتدار کی ہوس، یا تجارتی منڈیوں پر قبضہ کرنے کے جذبہ کا نتیجہ تھا، اقبال نے سچ کہا

ابھی تک آدمی صید زبون شہر یاری ہے
قیامت ہے کہ انسان نوع انساں کا شکار ہے

چوتھا انقلابی کارنامہ یہ ہے کہ بعثت محمدی کے وقت نوع انسانی کے اشرافِ اور فطرت انسانی سے بدگمانی اور خدا کی رحمت سے مایوسی کی ایک عام فضا چھائی ہوئی تھی، اس ذہنی کیفیت کے پیدا کرنے میں ایشیا کے بعض قدیم مذاہب اور مشرق وسطیٰ اور یورپ کی تبدیل شدہ عیسائیت نے یکساں کردار ادا کیا تھا، ہندوستان کے قدیم مذاہب نے تناسخ" آواگون" کے فلسفہ کے ذریعہ جس میں انسان کے ارادہ واختیار کو مطلق دخل نہیں ہے، اور جس کی رو سے ہر انسان کو اپنے پہلے جنم کے اعمال اور غلطیوں کی سزا بھگتنی ضروری ہے، اور عیسائیت نے انسان کے پیدائشی گنہگار ہونے اور اس کے لئے حضرت مسیح کے کفارہ بننے کی ضرورت کے عقیدہ کے نتیجہ میں اس وقت کے متمدن دنیا کے لاکھوں کروڑوں افراد کو جو ان مذاہب کے پیرو تھے، اپنی ذات سے بدگمانی اور اپنے مستقبل اور خدا کی رحمت سے مایوسی میں مبتلا کر دیا تھا۔

محمد رسول اللہ ﷺ نے پوری طاقت وصفائی سے اعلان کیا کہ انسان کی فطرت ایک سادہ

تختی کے مانند ہے جس پر پہلے سے کوئی تحریر لکھی نہیں ہے، اس پر بہتر سے بہتر تحریر لکھی جا سکتی ہے انسان اپنی زندگی کا خود آغاز کرتا ہے، اور اپنے اچھے یا برے عمل سے اپنی دنیا و عاقبت بناتا یا بگاڑتا ہے، وہ کسی دوسرے کے عمل کا ذمہ دار یا جواب دہ نہیں ہے، قرآن مجید نے بار بار اعلان کیا کہ آخرت میں کوئی کسی کا بوجھ نہیں اٹھا سکے گا، اور یہ اس کے حصہ میں اسی کی کوشش اور اس کے نتائج آنے والے ہیں، انسان کی کوشش کا نتیجہ ضروری ظاہر ہوگا، اور اس کو اس کا بھرپور بدلہ ملے گا۔ " لا تزر وازرة وزر اخری وان لیس للانسان الا ماسعی وان سعیه سوف یری ثم یجزاه الجزاء الاوفی " یہ کہ کوئی شخص دوسرے (کے گناہ) کا بوجھ نہیں اٹھائے گا، اور یہ کہ انسان کو وہی ملتا ہے جس کی وہ کوشش کرتا ہے اور یہ کہ اس کی کوشش دیکھی جائے گی، پھر اس کو اس کا پورا پورا بدلہ دیا جائے گا۔

اس اعلان سے انسان کا اپنی فطرت، اور اپنی فطری صلاحیتوں پر وہ اعتماد بحال ہوگیا جو بالکل متزلزل ہوگیا تھا، وہ نئے عزم و یقین اور نئے جوش و ولولہ کے ساتھ اپنی اور انسانیت کی تقدیر چمکانے اور اپنی قسمت اور قوت آزمانے کے لئے سرگرم سفر ہوگیا۔

محمد رسول اللہ ﷺ نے گناہوں، لغزشوں اور غلطیوں کو ایک عارضی حالت قرار دیا جس میں انسان کبھی کبھی اپنی نادانی، کوتاہ نظری اور نفس و شیطان کی ترغیب سے مبتلا ہو جاتا ہے، صلاحیت، خیر پسندی اور اعتراف قصور و ندامت، اس کی فطرت کا اصل تقاضہ، اور انسانیت کا جوہر ہے، اپنی غلطی کا اعتراف کرنا، اس پر نادم ہونا، خدا کے سامنے رو دھو کر اپنے قصور کو معاف کرا لینا، اور آئندہ ایسی غلطی کے نہ کرنے کا عزم کرنا انسان کی شرافت اور آدم کی میراث ہے، آپ نے دنیا کے مایوس و دل شکستہ اور گناہوں کے دلدل میں گلے گلے ڈوبے ہوئے انسانوں پر توبہ کا ایسا دروازہ کھولا اور اس کی اس زور و شور سے تبلیغ فرمائی کہ آپ کو اس شعبہ کا دوبارہ زندہ کرنے والا کہنا صحیح ہوگا، اسی بنا پر آپ کے ناموں میں ایک نام "نبی التوبہ" (توبہ کا پیغمبر اور پیغامبر) بھی ہے، آپ نے توبہ کو ایک مجبوری کی بات اور تلافی مافات کے طور پر پیش نہیں کیا، بلکہ آپ نے اس کے ایسے فضائل بیان کئے اور اس کا مرتبہ اتنا بلند کیا کہ وہ اعلیٰ درجہ کی عبادت اور خدا کے قرب اور اس کی محبوبیت کا ایسا ذریعہ بن گیا کہ اس پر بڑے بڑے معصوم صفت اور ناکردہ گناہ عابدوں اور زاہدوں کو رشک آنے لگا۔

قرآن مجید نے اس طرح رحمت کی وسعت پر گنہگار کے توبہ کر سکنے اور بڑے سے بڑے گناہ سے پاک وصاف ہو جانے کے امکان کو اس دلکش اور دلنواز انداز میں بیان کیا اور گنہگار بندوں اور نفس وشیطان کے زخم خوردہ انسانوں کو اس طرح خدا کے دامن رحمت میں پناہ لینے کی منادی کی، اور اس کے دریائے رحمت کے جوش وتلاطم کو اس انداز میں بیان کیا کہ یہ محسوس ہونے لگا کہ وہ مطلوب سے زیادہ طالب اور گنہگار بندوں کے حق میں نہ صرف حلیم ورحیم اور فیاض وکریم ہے، بلکہ (اگر یہ کہنا صحیح ہو) ان کا منتظر ومشتاق اور ان کا سچا قدرداں ہے، قرآن مجید کے ان الفاظ کو پڑھئے، اور اس لطف وشفقت کا اندازہ کیجئے جو اس کے لفظ لفظ سے ٹپکتی ہے ۔ "قل یا عبادی الذین اسرفوا علی انفسھم لا تقنطوا من رحمۃ اللہ ان اللہ یغفر الذنوب جمیعا ط انہ ھو الغفور الرحیم۔" کہہ دیجئے! اے میرے وہ بندو! جنہوں نے اپنے حق میں زیادتی کی ہے اللہ کی رحمت سے مایوس نہ ہو، بے شک اللہ تعالی تمام گناہ معاف کر دیتا ہے، بے شک وہ بڑا بخشنے والا اور بڑا رحم کرنے والا ہے۔

ایک دوسری آیت میں گنہگار اور خطاکار انسانوں کے تذکرے اور سیاق وسباق میں نہیں، بلکہ بلند ہمت، نیکو سیرت اور جنتی انسانوں کے سلسلہ اور سیاق وسباق میں گناہوں سے توبہ کرنے والوں کا تذکرہ کرتے ہوئے فرمایا گیا ہے۔" وسارعوا الی مغفرۃ من ربکم وجنۃ عرضھا السموات والارض اعدت للمتقین الذین ینفقون فی السراء والضراء والکاظمین الغیظ والعافین عن الناس واللہ یحب المحسنین والذین اذا فعلوا فاحشۃ او ظلموا انفسھم ذکروا اللہ فاستغفروا الذنو بھم ومن یغفر الذنوب الا اللہ ولم یصروا علی ما فعلوا وھم یعلمون اولئک جزآءھم مغفرۃ من ربھم وجنات تجری من تحتھا الانھار خالدین فیھا ونعم اجر العاملین (۱)" اور اپنے پروردگار کی بخشش اور بہشت کی طرف لپکو جس کا عرض آسمان اور زمین کے برابر ہے اور جو (خدا سے) ڈرنے والوں کے لئے تیار کی گئی ہے، جو آسودگی اور تنگی میں (اپنا مال خدا کی راہ) خرچ کرتے ہیں، اور غصے کو روکتے اور لوگوں کے قصور معاف کرتے ہیں، اور خدا نیکوکاروں کو دوست رکھتا ہے، اور وہ کہ جب کوئی کھلا گناہ یا اپنے حق میں کوئی اور برائی کر بیٹھتے ہیں تو خدا کو یاد کرتے اور اپنے گناہوں کی بخشش مانگتے ہیں، اور خدا کے سوا گناہ بخش بھی

کون سکتا ہے؟ اور جان بوجھ کر اپنے افعال پر اڑے نہیں رہتے، ایسے لوگوں کا صلہ پروردگار کی طرف سے بخشش اور باغ ہیں جن کے نیچے نہریں بہہ رہی ہیں (اور) وہ اس میں ہمیشہ بستے رہیں گے اور (اچھے) کام کرنے والوں کا بدلہ بہت اچھا ہے۔

اس سے بھی آگے بڑھ کر باعمل اور نیک سیرت بندوں کے مختلف طبقوں کا ذکر کرتے ہوئے، اس نورانی فہرست کا افتتاح عابدوں زاہدوں کے بجائے ”تائبوں“ سے فرمایا گیا، قرآن مجید کی اس سورہ کی جس کا نام ہی سورہ توبہ ہے، آیت ہے۔ ”التائبون العابدون الحامدون السائحون الراکعون الساجدون الآمرون بالمعروف والناھون عن المنکر والحافظون لحدود اللہ وبشر المؤمنین“ توبہ کرنے والے عبادت کرنے والے حمد کرنے والے، بے تعلق رہنے والے رکوع کرنے والے سجدہ کرنے والے، نیک کاموں کا امر کرنے والے اور بری باتوں سے منع کرنے والے خدا کی حدوں کی حفاظت کرنے والے (یہی مومن لوگ ہیں) اور (اے پیغمبر) مومنوں و (بہشت کی) خوشخبری سنادو۔

اس اعزاز اور اظہار اعتماد کی ایک روشن مثال یہ ہے کہ جب قرآن مجید کی زبان سے ان تین صحابیوں کی توبہ کی قبولیت کا اعلان کیا گیا جو غزوہ تبوک کے نازک اور اہم موقع پر (جس میں شرکت نہایت ضروری تھی) بغیر کسی معقول عذر کے مدینہ میں رہ کر شدید کوتاہی کے مرتکب ہوئے تھے، تو اس کا ذکر کرنے سے پہلے خود پیغمبر اور ان مہاجرین و انصار کا ذکر کیا گیا جن سے اس موقع پر کسی کوتاہی کا صدور نہیں ہوا تھا، تاکہ ان تین پیچھے رہ جانے والوں کو اپنی تنہائی اور پسماندگی کا احساس نہ ہو، اور وہ احساس کہتری، اور انگشت نمائی کے ہر داغ سے بری ہو جائیں، اور ان پر اور قیامت تک قرآن مجید کے پڑھنے والوں پر یہ بات واضح ہو جائے کہ ان کی اصل جگہ اور اصل گروہ یہی صادقین اولین اور مہاجرین اور انصار کے صف اول کے لوگ ہیں، توبہ کی قبولیت، تائب کی مقبولیت، اور نفسیاتی طور پر دلنوازی اور چارہ سازی کی اس سے زیادہ لطیف اور دقیق مثال ادیان و مذاہب اور علم الاخلاق اور علم النفس کی تاریخ میں ملنی مشکل ہے، اسی سورۂ توبہ میں ارشاد ہوا ہے۔ ”لقد تاب اللہ علی النبی والمهاجرين والانصار الذين اتبعوه فی ساعة العسرة من بعد ما كاد يزيغ قلوب فريق منهم ثم تاب عليهم انه بهم رؤوف رحيم وعلى الثلاثة الذين خلفوا، حتى اذا ضاقت عليهم الارض بما

رحبت وضاقت عليهم انفسهم وظنوا ان لا ملجأ من الله الا اليه ثم تاب عليهم ليتوبوا ان الله هو التواب الرحيم" بے شک خدا نے پیغمبر پر مہربانی کی اور مہاجرین و انصار پر، جو باوجود اس کے کہ ان میں سے بعضوں کے دل پھر جانے کو تھے مشکل کی گھڑی میں پیغمبر کے ساتھ رہے، پھر خدا نے ان پر مہربانی فرمائی، بے شک وہ ان پر نہایت شفقت کرنے والا (اور) مہربان ہے اور ان تینوں پر بھی جن کا معاملہ ملتوی کیا گیا تھا، یہاں تک کہ جب زمین باوجود فراخی کے ان پر تنگ ہو گئی، اور ان کی جانیں بھی ان پر دوبھر ہو گئیں اور انہوں نے جان لیا کہ خدا (کے ہاتھ) سے خود اس کی سوا کوئی پناہ نہیں ہے پھر خدا نے ان پر مہربانی کی تاکہ توبہ کریں، بے شک خدا توبہ قبول کرنے والا مہربان ہے۔

اس کے علاوہ ایک اصول کے طور پر اس کا اعلان کیا کہ رحمت الٰہی ہر چیز پر حاوی اور غضب وجلال پر غالب ہے، قرآن مجید میں "ورحمتي وسعت كل شئ" میری رحمت ہر چیز پر حاوی اور محیط ہے۔ اور حدیث قدسی میں ہے: "ان رحمتي سبقت غضبي" میری رحمت میرے غضب پر غالب ہے۔ پھر اس نے مایوسی کو بھی کفر کا، اور جہالت و گمراہی کا مرادف قرار دیا ہے۔ قرآن مجید میں ایک جگہ ایک پیغمبر برحق (حضرت یعقوب) کی زبان سے کہلوایا گیا ہے۔ "انه لاييئس من روح الله الا القوم الكافرون" اللہ کی رحمت سے وہی لوگ مایوس ہو سکتے ہیں جو خدا کے منکر اور اس کی ذات وصفات سے ناآشنا ہیں۔ دوسری جگہ ایک دوسرے جلیل القدر پیغمبر حضرت ابراہیم کا قول نقل کیا گیا ہے۔ "ومن يقنط من رحمة ربه الا الضالون" اپنے رب کی رحمت سے گمراہوں کے سوا کون مایوس ہو سکتا ہے۔

اس طرح محمد رسول اللہ ﷺ نے توبہ کی فضیلت وترغیب اور خدا کی رحمت کی وسعت وشمولیت کا اعلان وتبلیغ کر کے یاس وقنوط کی ماری ہوئی، اور غضب وجلال کے اعلانات وتفصیلات سے (جن میں یہودی علماء اور شارحین کتب مقدسہ اور قرون وسطیٰ کے غالی فطرت دشمن، عیسائی زاہدوں، اور پادریوں نے اہم کردار ادا کیا تھا) ڈری اور سہمی ہوئی انسانیت کو نئی زندگی کا پیغام دیا، اس کے تن مردہ اور دل افسردہ میں نئی روح پھونکی، اس کے زخموں پر مرہم رکھا، اور اس کو خاک مذلت سے اٹھا کر عزت وشرف، خود اعتمادی، اور خدا اعتمادی کے بام عروج پر پہنچا دیا۔

نبوت محمدی کا پانچواں عظیم اور ناقابل فراموش احسان، اور ایک گراں قدر تحفہ، دین و دنیا کی وحدت کا تصور اور یہ انقلاب انگیز تلقین ہے کہ یہ کوئی حقیقی اختلاف نہیں، محض اصطلاح کا اختلاف ہے، اور قدیم درسی زبان میں ''نزاع لفظی'' ہے، انسان کے اعمال واخلاق اور ان سے پیدا ہونے والے نتائج کا اصل انحصار، انسان کی ذہنی کیفیت، عمل کے محرکات اور اس کے مقصد پر ہے، جس کو اسلام کے دین و شریعت کی زبان میں ''نیت'' کے ایک مفرد سادہ، لیکن نہایت بلیغ و عمیق لفظ میں ادا کیا گیا ہے، اس کے نزدیک نہ کوئی چیز ''دنیا'' ہے اور نہ کوئی چیز ''دین'' اس کے نزدیک خدا کے رضا کی طلب' اخلاص' اور اس کے حکم کی تعمیل کے جذبہ و ارادہ سے بڑے سے بڑا دنیاوی عمل، یہاں تک کہ حکومت، جنگ، دنیاوی نعمتوں سے تمتع، نفس کے تقاضوں کی تکمیل، حصول معاش کی جدوجہد، جائز تفریح طبع کا سامان، ازدواجی و عائلی زندگی، سب اعلیٰ درجہ کی عبادت، تقرب الی اللہ کا ذریعہ، اعلیٰ سے اعلیٰ مراتب ولایت تک پہنچنے کا وسیلہ، اور خالص دین بن جاتی ہے، اس کے برخلاف بڑی سے بڑی عبادت، اور دینی کام جو رضا الٰہی کے مقصد اور اطاعت کے جذبہ سے خالی ہو (حتیٰ کہ فرض عبادتیں، ہجرت و جہاد، قربانی و سرفروشی اور ذکر و تسبیح) خالص دنیا اور ایسا عمل شمار ہوگا جس پر کوئی ثواب اور اجر نہیں ہے۔

قدیم مذاہب نے زندگی کو دو خانوں میں (دین و دنیا) میں تقسیم اور دنیا کو دو کیمپوں اہل دین اور اہل دنیا میں بانٹ دیا تھا، جو نہ صرف یہ کہ ایک دوسرے سے جدا تھے، اور ان کے درمیان ایک موٹی سرحدی لکیر اور ایک وسیع خلیج حائل تھی، بلکہ یہ دونوں خانے ایک دوسرے سے متصادم اور یہ دونوں کیمپ باہم متحارب تھے، ان کے نزدیک دین و دنیا میں کھلا تضاد اور شدید رقابت تھی، جس کو ان میں سے کسی ایک سے رسم و راہ پیدا کرنی ہو، اس کو دوسرے سے قطع تعلق اور اعلان جنگ کرنا ضروری تھا، کوئی انسان ایک وقت میں ان دونوں کشتیوں پر سوار نہیں ہوسکتا تھا، معاشی جدوجہد، غفلت و خدا فراموشی کے بغیر، حکومت و سلطنت دینی و اخلاقی تعلیمات کو نظر انداز کئے اور خوف خدا سے خالی ہوئے بغیر، اور دیندار بننا، تارک الدنیا ہوئے بغیر متصور ہی نہیں تھا، ظاہر ہے کہ انسان عام طور پر سہولت پسند اور لذت پرست واقع ہوا ہے، دین کا ایسا تصور جس میں دنیا کی کسی جائز تمتع، ترقی اور سربلندی، طاقت و حکومت کے حصول کی گنجائش نہ ہو، انسانوں کی اکثریت کے لئے قابل قبول اور قابل برداشت نہیں، نتیجہ یہ ہوا کہ دنیا

کے متمدن، ذہین، صاحب صلاحیت، اور باعمل انسانوں کی بڑی تعداد نے اپنے لئے ''دین'' کے بجائے ''دنیا'' کا انتخاب کیا، اور اس نے اس پر اپنے کو مطمئن و راضی کرلیا، وہ ہر قسم کی دینی ترقی سے مایوس ہو کر دنیا کے حصول اور اس کی ترقی میں مشغول ہوگئی، دین و دنیا کے اس تضاد کو ایک مذہبی اور مسلم حقیقت سمجھ کر انسانوں کے مختلف طبقوں اور انسانی اداروں نے عام طور پر مذہب کو خیرباد کہا، سیاست و ریاست نے مذہب کے نمائندوں سے بغاوت کی اور اپنے کو اس کی ہر پابندی سے آزاد کرلیا، انسان ''پیل بے زنجیر'' اور معاشرہ ''شتر بے مہار'' ہو کر رہ گیا، دین و دنیا کی اس دوئی اور اہل دین اور اہل دنیا کی اس رقابت نے نہ صرف یہ کہ مذہب و اخلاق کے اثر کو محدود و کمزور اور انسانی زندگی اور انسانی معاشرہ کو اس کی برکت و رحمت سے محروم کردیا، بلکہ اس الحاد و لادینیت کا دروازہ کھولا، جس کا سب سے پہلے یورپ شکار ہوا، پھر دنیا کی دوسری قومیں یورپ کے فکری، علمی، یا سیاسی اقتدار کے زیر اثر آئیں، اس سے کم و بیش متاثر ہوئیں، موجودہ دنیا کی صورت حال جس میں مذہب و اخلاق کا زوال، اور نفس پرستی (اپنے وسیع معنی میں) اپنے آخری نقطہ پر پہنچ گئی، اسی دین و دنیا کی تفریق کا نتیجہ ہے۔

محمد رسول اللہ ﷺ کا یہ عظیم ترین معجزہ اور انسانیت کے لئے عظیم ترین تحفہ اور آپ کی رحمۃ للعالمین کا مظہر ہے کہ آپ کامل طور پر رسول وحدت ہیں، اور بیک وقت ''بشیر'' ''نذیر'' ہیں، آپ نے دین و دنیا کے تضاد کے نظریہ کو ختم کرکے پوری زندگی کو عبادت میں اور پورے روئے زمین کو ایک وسیع عبادت گاہ میں تبدیل کردیا، دنیا کے انسانوں کو متحارب کیمپوں سے نکال کر حسن عمل، خدمت خلق اور حصول رضاء الٰہی کے ایک ہی محاذ پر کھڑا کردیا، یہاں لباس دنیا میں درویش، قبائے شاہی میں فقیر و زاہد، سیف و تسبیح کے جامع، رات کے عبادت گذار اور دن کے شہسوار نظر آئیں گے، اور ان کو اس میں کسی قسم کا تضاد محسوس نہیں ہوگا۔

چھٹا انقلاب یہ ہے کہ بعثت محمدی سے پہلے انسان اپنی منزل مقصود سے بے خبر تھا، اس کو یاد نہیں رہا تھا کہ اس کو کہاں جانا ہے؟ اس کی صلاحیتوں کا اصل میدان اور اس کی کوششوں کا اصل نشانہ کیا ہے؟ انسان نے کچھ موہوم منزلیں اور اپنی کوششوں کے لئے کچھ چھوٹے چھوٹے دائرے بنا لئے تھے، ان میں انسانوں کی ذہانت اور قوت عمل صرف ہو رہی تھی، کامیاب اور بڑا انسان بننے کا مطلب صرف یہ تھا کہ میں دولت مند بن جاؤں، طاقتور اور حاکم بننے کا مطلب

صرف یہ تھا کہ میں دولت مند بن جاؤں، طاقتور اور حاکم بن جاؤں، وسیع سے وسیع رقبۂ زمین اور کثیر سے کثیر انسانی نفوس پر میری حکمرانی اور فرماں روائی ہو، بڑے سے بڑے حوصلے آدمی ایسے تھے جن کی پروازِ تخیل نقش ونگار، رنگ وآہنگ، لذت وذائقہ، حسن وعشق یا پیر یا پیرو دیوان کی تقلید سے بلند نہیں ہوتا تھا، ہزاروں انسان ایسے تھے جن کی ساری ذہانت اپنے زمانے کے دولت مندوں اور طاقت وروں اور سرکار دربار کی خدمت وخوشامد یا جب مقصد ادب وشاعری سے دل خوش کرنے میں صرف ہو رہی تھی، محمد رسول اللہ ﷺ نے نسل انسانی کے سامنے اس کی حقیقی منزل لاکر کھڑی کر دی، آپ نے یہ بات ذہن نشین کر دی کہ خالق کائنات کی صحیح معرفت، اس کی ذات وصفات اور اس کی قدرت وحکمت کا صحیح علم، ملکوت السماوات والارض کی وسعت وعظمت اور لامحدودیت کی دریافت، ایمان ویقین کا حصول، خدا کی محبت ومحبوبیت، اس کو راضی کرنا اور اس سے راضی ہو جانا، اس کثرت میں وحدت کی تلاش اور یافت، انسان کی حقیقی سعادت اور کمال آدمیت ہے، اپنی باطنی قوتوں کو ترقی دینا، ایمان ویقین کی دولت سے مالا مال ہونا، انسانوں کی خدمت اور ایثار وقربانی کے ذریعہ خدا کی خوشنودی کا حاصل کرنا، اور کمال وترقی کے ان اعلیٰ مدارج تک پہنچ جانا، جہاں فرشتے بھی نہیں پہنچ سکتے، انسان کی کوششوں کا حقیقی میدان ہے۔

آپ کی بعثت کے بعد دنیا کی رت بدل گئی، انسانوں کے مزاج بدل گئے، دلوں میں خدا کی محبت کا شعلہ بھڑکا، خدا طلبی کا ذوق عام ہوا، انسانوں کو ایک نئی دھن (خدا کو راضی کرنے اور خدا کی مخلوق کو خدا سے ملانے اور اس کو نفع پہنچانے کی) لگ گئی، جس طرح بہار یا برسات کے موسم میں زمین میں روئیدگی، سوکھی ٹہنیوں اور پتیوں میں شادابی اور ہریالی پیدا ہو جاتی ہے، نئی نئی کونپلیں نکلنے لگتی ہیں، اور در و دیوار پر سبزہ اگنے لگتا ہے، اسی طرح بعثت محمدی بعض قلوب میں نئی حرارت، دماغوں میں نیا جذبہ اور سروں میں نیا سودا سما گیا، کروڑوں انسان اپنی حقیقی منزل مقصود کی تلاش اور اس پر پہنچنے کے لئے نکل کھڑے ہوئے، ہر ملک اور قوم میں طبیعتوں میں یہی نشہ اور ہر طبقہ میں اس میدان میں ایک دوسرے سے بازی لے جانے کا یہی جذبہ موجزن نظر آتا ہے، عرب وعجم، مصر وشام ترکستان اور ایران، عراق وخراسان، شمالی افریقہ اور اسپین اور بالآخر ہمارا ملک ہندوستان اور جزائر شرق الہند سب اسی صہبائے محبت کے متوالے

اور اسی مقصد کے دیوانے نظر آتے ہیں، ایسا معلوم ہوتا ہے کہ جیسے انسانیت صدیوں کی نیند سوتے سوتے بیدار ہوئی، آپ تاریخ و تذکرے کی کتابیں پڑھئے تو آپ کو نظر آئے گا کہ خدا طلبی، اور خدا شناسی کے سوا کوئی کام ہی نہ تھا، شہر، شہر، قصبہ قصبہ، گاؤں، گاؤں بڑی تعداد میں ایسے خدامست، عالی ہمت، عارف کامل، داعی حق اور خادم خلق، انسان دوست، ایثار پیشہ انسان نظر آتے ہیں، جن پر فرشتے بھی رشک کریں، انہوں نے دلوں کی سرد انگیٹھیاں گرما دیں، عشق الٰہی کا شعلہ بھڑکا دیا، علوم وفنون کے دریا بہا دیئے، علم ومعرفت کی محبت کی جوت جگا دی اور جہالت ووحشت، ظلم وعداوت سے نفرت پیدا کردی، مساوات کا سبق پڑھایا، دکھوں کے مارے اور سماج کے ستائے ہوئے، انسانوں کو گلے لگایا، ایسا معلوم ہوتا ہے کہ بارش کے قطروں کی طرح ہر چپہ زمین پر ان کا نزول ہوا ہے، اور ان کا شمار ناممکن ہے۔

آپ ان کی شرافت (میت) کے علاوہ ان کی کیفیت کو دیکھئے، ان کی ذہنی پرواز، ان کی روح کی لطافت اور ان کے ذوق سلیم کے واقعات پڑھئے، انسانوں کے لئے کس طرح ان کا دل روتا، اور ان کے غم میں گھلتا، کس طرح ان کی روح سلگتی تھی، انسانوں کو مصیبت سے نجات دینے کے لئے وہ کس طرح اپنے کو خطرہ میں ڈالتے اور اپنی اولاد اور متعلقین کو آزمائش میں مبتلا کرتے تھے ان کے حاکموں کو اپنی ذمہ داری کا کس قدر احساس اور محکوموں میں اطاعت وتعاون کا کس قدر جذبہ تھا، ان کے ذوق عبادت، ان کی قوت دعا، ان کے زہد وفقر، جذبہ خدمت، اور مکارم اور ایک نئی حکومت دنیا میں پیدا کردی۔

چند راتیں آپ کی آنکھیں بے خواب رہیں، لیکن اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ آپ کے صحرانشین اور شتر سوار پیرو تخت خسروی پر آرام کرنے کے قابل ہوگئے۔

جنگ کے وقت آپ کی تلوار میں وہ حرارت ہوتی تھی کہ لوہا اس سے پگھلتا تھا، اور نماز میں آپ کے قلب مبارک میں وہ رقت اور محبت ہوتی تھی کہ آنکھیں اشکبار ہوتیں۔

فتح ونصرت کی دعا میں آپ کا آمین کہنا تلوار کا کام کرتا تھا، اور جنگ میں آپ کی تلوار سلاطین (پیدائشی بادشاہوں) کی نسل کا خاتمہ کرنے والی تھی۔

دنیا میں آپ نے آئین نو کا آغاز کیا اور گذشتہ قوموں کی مسندیں الٹ دیں۔

دین ومذہب کی کنجی سے آپ نے دنیا کا دروازہ کھولا، مادر گیتی نے آپ جیسا فرزند

پیدا نہیں کیا۔

آپ کی نگاہ میں اعلیٰ وادنیٰ سب ایک تھے، آپ اپنے غلام کے ساتھ ایک ہی دستر خوان پر بیٹھ کر کھاتے تھے۔

آپ نے نسل ونسب کے امتیازات کو یکسر ختم کر دیا، آپ کی پیدا کی ہوئی حرارت ایمانی نے اس خس وخاشاک کو جلا کر رکھ دیا۔

حالی نے اسی مضمون کو اپنے اس سادہ سے شعر میں ادا کیا ہے:

بہار اب جو دنیا میں آئی ہوئی ہے
یہ سب پود انہیں کی لگائی ہوئی ہے

صدق اللہ العظیم ”وما ارسلناک الا رحمۃ للعالمین“

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

سیرت نبوی ﷺ

اور عصر حاضر میں اس کی معنویت وافادیت

یہ تقریر ۲۱/ جون ۱۹۸۰ء کو بعد نماز عصر بمبئی کی ایک قدیم وکارگزار انجمن ''انجمن اسلام'' کے ایک وسیع وعریض ہال میں عام دوست احباب کے ایک عظیم مجمع کے سامنے عصر حاضر میں سیرت نبوی کی اہمیت ومعنویت اور منصب نبوت کے عنوان پر کی گئی جس سے سیرت نبوی کا ہر پہلو کھل کر سامنے آجاتا؟

حضرات !: عام مسلمانوں کے لئے مجموعی طور پر اور اہل بمبئی کے لئے خصوصی طور پر یہ بڑی مسرت، شکر اور فخر کا موقع ہے کہ سیرت نبوی ﷺ پر خطبات کا آغاز ہو رہا ہے میں اپنی محدود واقفیت اور مطالعہ کی بنا پر کہہ سکتا ہوں کہ سیرت نبوی ﷺ پر سب سے زیادہ ٹھوس، سنجیدہ فکر انگیز اور معیاری کام ہمارے ملک ہندوستان میں انجام پایا ہے، ہم ہندوستانی مسلمانوں کو اس بات پر شکر آمیز فخر کا حق ہے کہ وہ نبی رحمت ﷺ جس کے متعلق قرآن شریف اعلان کرتا ہے۔ ''قل یاایھا الناس انی رسول اللہ الیکم جمیعا'' جو مکانی حیثیت سے پورے کرۂ ارض اور زمانی حیثیت سے بعثت کے بعد سے پوری انسانی تاریخ کا نبی ہے، اس کی سیرت کے مختلف پہلوؤں کو عصر جدید کے اسلوب او رتقاضوں کے مطابق روشن کرنے کی سب سے بڑی سعادت ہندوستانی مسلمانوں کو حاصل ہوئی، قاضی محمد سلیمان صاحب منصور پوری کی ''رحمۃ للعالمین''، علامہ شبلی نعمانیؒ کی کتاب ''سیرۃ النبی'' مولانا عبدالرؤف دانا پوری کی کتاب ''اصح السیر'' سیرت کے عالمگیر کتب خانے میں امتیازی شان رکھتی ہیں، لیکن اہمیت اور افادیت کے لحاظ سے شاید سب سے فائق، استاد محترم مولانا سید سلیمان ندویؒ کی ''خطبات مدراس'' ہے، دنیا کے مسلمان جو زبان بولتے ہیں، ان میں ان کتابوں کی کوئی نظیر نہیں، مختلف اسلامی

زبانوں اور متعدد مغربی زبانوں میں ان کے ترجمے ہوئے ہیں۔

بہت سے حضرات یہ خیال کرتے ہوں گے کہ سیرت النبی ﷺ کی خدمت کا شرف جس ادارے کو حاصل ہوا، اس سے انتساب رکھنے والے افراد کے لئے اور خاص طور پر اگر اس کے قلم سے بھی کوئی کتاب سیرت پر نکلی ہو، بہت آسان ہے کہ وہ سیرت پر گفتگو کرے اور سیرت نبوی ﷺ کو پیش کرے، لیکن ایک مصنف کے تجربے کی روشنی میں، میں یہ کہتا ہوں کہ یہ بات سہولت کی باعث نہیں، بلکہ دشواری کی باعث ہے، اس لئے کہ جس کو سیرت پر قلم اٹھانے کی سعادت حاصل ہوئی وہ کسی ایسے ادارے سے تعلق رکھتا ہے، جس سے سیرت پر بلند ترین اور منتخب ترین لٹریچر شائع ہوا، اس کا معاملہ سیرت نبوی ﷺ کے بارے میں وہی ہے جس کو فارسی شاعر نے اپنے مشہور شعر میں بیان کیا ہے:

داماں نگہ تنگ و گل حسن تو بسیار
گلچین بہار تو، زداماں گلہ دارو

وہ سوچتا ہے کہ وہ مقدس داستان کو کہاں سے شروع کرے اور کہاں ختم کرے، اور کس چیز کو لے اور کس چیز کو چھوڑ دے، جس طرح کہ گلچیں کے لئے دشواری ہے کہ وہ کس پھول کو لے اور کس پھول کو چھوڑ دے، اور پھر اس دامن کو جو بہت محدود اور تنگ ہے، اس چمن کے پھولوں سے کس طرح سجائے، بالکل اسی طرح کی آزمائش آج میرے لئے بھی ہے، میں یہ کوشش نہیں کروں گا کہ آپ کے سامنے سیرت نبوی ﷺ کو اول سے آخر تک سبق کی طرح سناؤں، آپ حضرات اہل علم ہیں، اور آپ کی نظر سے سیرت کی کتابیں گزر چکی ہیں، اور گزرتی رہتی ہیں، میں اپنی سب سے بڑی سعادت یہ سمجھوں گا کہ آپ کے دلوں میں سیرت کے مطالعے کا نیا شوق پیدا ہو جائے، اور یہ احساس پیدا ہو جائے کہ ابھی آپ کو بہت کچھ پڑھنا ہے، ابھی آپ نے اس گلستاں کی سیر ہی نہیں کی ہے، اور یہ کہ آپ اس مکتب حسن، اس مکتب عشق، اس مکتب عقل وعلم، اس مکتب انسانیت آموزی کے طالب علم ہیں، میں اپنے کو بہت خوش نصیب سمجھوں گا اور آپ کو مبارک باد دوں گا کہ سیرت کے مکتب میں ہمارا اور آپ کا نام لکھ لیا جائے، اس سے بڑھ کر میں ایک مسلمان کے لئے کوئی فخر کی بات نہیں سمجھتا کہ اس کو اس مکتب عشق میں طالب علم بننے کے لئے قبول کر لیا جائے، ہم آج سے سیرت کا مطالعہ کریں

گے اور یقین ہے کہ یہ سلسلہ بڑا مبارک ہوگا، اور اس کے بانی صد ہزار مبارک باد کے مستحق ہوں گے، اگر آپ کے اندر یہ جذبہ بیدار ہو جائے کہ اب ہم سیرت کا مطالعہ کریں گے اور ہم یہ سمجھیں گے کہ ابھی ہم نے کچھ نہیں پڑھا ہے۔

میں سب سے پہلے آپ کے سامنے یہ عرض کرنا چاہتا ہوں کہ نبی کیا کام کرتا ہے کہ جس کی وجہ سے اس کو یہ مقام بلند حاصل ہے، جو ذمہ داری اس کے سپرد کی جاتی ہے، اس کی نوعیت کیا ہے؟ اور وہ نوع انسانی کے لئے اتنا کیوں ضروری ہے؟ رواں دواں قافلہ انسانیت کے سفر کے لئے یہ بات کیوں خطرے کی ہے کہ اس کو اس سفر میں ایک پیغامبر کی رہنمائی حاصل نہیں، میں سب سے پہلے اس پر مختصر روشنی ڈالوں گا پھر یہ بتانے کی کوشش کروں گا کہ نبی کے کام کی نوعیت کیا ہے؟ نبوت کی حقیقت اور اس کا امتیاز کیا ہے اور اس اہم اور مقدس کام کے لئے کس طرح کی شخصیت درکار ہے؟ آنحضرت کو انبیاء کرام کی صف میں اللہ تعالیٰ نے کیا امتیاز عطا فرمایا اور کیا کامیابی آپ کے حصے میں رکھی، میں یہ بتانے کے لئے کہ نبوت کا کام ضروری ہے کہ اس کے بغیر انسانیت کے سفینے کے لئے خطرہ ہے کہ وہ کس وقت ڈوب جائے، وہ کونسی مہم ہے، جو نبی ہی انجام دیتا ہے، اور وہ کون سا خلاء ہے جو وہ تنہا پُر کرتا ہے اس کے لئے میں ایک کہانی کا سہارا لوں گا، اور آپ جانتے ہیں کہ بعض اوقات کہانیوں سے بہت سے عقدے اور ایسی گتھیاں سلجھ جاتی ہیں جو بڑی بڑی فلسفیانہ بحثوں سے نہیں سلجھتیں، خاص طور پر جب وقت کم ہو اور آدمی زیادہ گہرائی میں نہ جانا چاہے۔

آپ نے یہ کہانی سنی ہوگی کہ کچھ نوجوانوں کو سیر کا خیال آیا، وہ دریا کے قریب کسی بستی کے رہنے والے تھے، برسات کا موسم تھا، سہانا وقت تھا، ٹھنڈی ہوا چل رہی تھی، اور فرصت کے دن تھے، ان کو شوق ہوا کہ وہ دریا کی سیر کریں اور موسم کا لطف اٹھائیں، ایک کشتی انہوں نے کرائے پر لی، اس پر سوار ہوئے، دریا بھی روانی پر تھا، اور ان کی طبیعت بھی موج پر تھی، وہ بے تکلفی سے آپس میں باتیں کرتے تھے، مگر اس وقت انہوں نے ملاح کو اپنا مخاطب بنایا اس سے پوچھا (چچا یا دادا کہہ کر مخاطب کیا) آپ کی عمر کیا ہے؟ وہ بے چارہ بے پڑھا آدمی تھا، اس نے اپنی عمر بتائی ۶۰ سال کی عمر، ان میں سے ایک نوجوان نے کہا کہ چچا آپ نے کیا کیا پڑھا ہے؟ اس نے کہا کہ میری اوقات کیا؟ میں نے شروع ہی سے کشتی چلانے کا پیشہ اختیار کر لیا، اور مجھے

پڑھنے کا موقع نہیں ملا، دوسرے تیز طرار صاحب زادے بولے کہ چچا آپ نے جغرافیہ تو ضرور پڑھا ہوگا، بچارے ملاح نے کہا کہ میں نے اس کا نام ہی نہیں سنا. پہلے تو اس کو یہی سمجھنا مشکل ہوا کہ جغرافیہ کسی آدمی کا نام ہے، یا کیسی علم کا؟ لوگوں نے کہا کہ اچھا آپ نے ہسٹری تو پڑھی ہوگی؟ پھر اس نے کانوں پر ہاتھ رکھا، پھر ان لوگوں نے جیومیٹری کو پوچھا اور اس کے کالج اور یونیورسٹی میں جو مضامین داخل تھے، ان تمام مضامین کا (**subjects**) انہوں نے باری باری سے نام لیا، اور اس بیچارے نے سب پر سر جھکا دیا، وہ پشیمان اور شرمندہ ہوا، اس نے کہا کہ صاحب میں نے تو آج تک ایسے نام بھی نہیں سنے تھے، عمر تو پہلے پوچھ لی تھی، کہنے لگے کہ آپ نے اپنی آدھی عمر کھودی ہے، آپ نے کچھ کام کیا ہی نہیں، خیر دریا اس وقت مزے میں تھا، موجیں اٹھ رہی تھیں، اور کہیں بارش بھی ہوئی تھی، اب دریا کی موجیں اس کشتی کے ساتھ اٹھکھیلیاں کرنے لگیں، اور کشتی ڈانواڈول ہونے لگی، کبھی ادھر جھکتی تھی، کبھی ادھر جھکتی تھی، اب اس ملاح کی بن آئی خدا کو اس کی عاجزی اور اس کی بے زبانی پر رحم آیا، اب ملاح کی باری آئی، اس نے کہا کہ صاحبزادو! ایک بات میں بھی پوچھتا ہوں کہ تم نے یہ سب کچھ پڑھا ہے، پیرنا بھی سیکھا ہے؟ اگر یہ کشتی الٹ گئی تو تم دریا کے پار کس طرح پہونچو گے؟ انہوں نے کہا کہ پیرنا تو ہم نے نہیں سیکھا ہے! ملاح نے کہا جاؤ تم نے اپنی پوری عمر ڈبوئی۔

انہوں نے تو یہ کہا تھا کہ تم نے اپنے آدھی عمر کھوئی، اوداس ملاح نے کہا کہ تم نے اپنی پوری عمر ڈبوئی، اگر کہیں کشتی الٹ گئی تو میں ہاتھ پیر مار کر کنارے پہنچ جاؤں گا یہ ندی دریا تو میرا گھر ہے، میں اس کی مچھلی ہوں، مگر تم نے جو بڑے بڑے ڈراؤنے نام لئے تھے (اتنی جلدی جاہل آدمی کو نام یاد نہیں ہو سکتے تھے) وہ آپ کے کیا کام آئیں گے؟ آپ اگر ڈوبیں گے تو ان میں سے کوئی چیز آپ کو نہیں بچا پائے گی، یہاں تو سیدھا سادھا پیرنا کام آئے گا، جس کو پیرنا آتا ہے یا آپ یو کہہ لیں کہ جس کو پیرنے کی سائنس آتی ہے وہ کچھ نہ جانتے ہوئے بھی اپنی جان بچالے گا اور دریا پار کر لے گا، یا کشتی چلانا جس کو آتا ہے، وہ کشتی کنارے لگا دے گا، لیکن اگر سب کچھ آتا ہے اور پیرنا ہی نہیں آتا ہے، زندگی کے اس طوفانی دریا کو جس نے عبور کرنا نہیں سیکھا اور جس نے اسکی موجوں سے جو منہ پھیلائے ہوئے بڑھتی ہیں، بچنے کا فن نہیں معلوم کیا تو اس نے یہ جو کچھ پڑھا ہے کچھ کام نہیں آئے گا۔

حضرات! ہماری اس پوری زندگی کی مثال یہی ہے، ہمارے تمام محسن، انسانی علوم کے بانی بڑی بڑی کتابوں کے مصنف، دنیا کے دانشور، فلسفی، حکیم ریاض داں اور سائنس داں یہ سب ہمارے شکریہ کے مستحق ہیں، یہاں انجمن اسلام اور اس کے اسکول کے بالکل سایے کے نیچے بیٹھ کر یہ گذارش کر رہا ہوں، ہم ان میں کسی کی تحقیر نہیں کرتے ہیں، خاص طور پر میرے جیسے طالب علم کی گردن ان کے احسانات کے بوجھ سے دبی جارہی ہے۔ اور میں جو آپ کے سامنے یہ دو حرف کہہ رہا ہوں اس کو بھی ان کا احسان سمجھتا ہوں، لیکن واقعہ اپنی جگہ پر واقعہ ہے، یہ وہ حقیقت ہے، جس کا اعلان امریکہ کی کسی بڑی یونیورسٹی کی لائبریری میں بھی، لیبارٹری میں بھی، بڑے سے بڑے دانش کدے اور بڑے سے بڑے ایوان علم میں بھی کیا جا سکتا ہے، اور رسول اللہ ﷺ کے ادنیٰ غلاموں نے بار بار اس حقیقت کا اعلان کیا ہے اور بانگ دہل کہا کہ اے دانشورو! علم کو وسعت اور ترقی دینے والو! اے انسانی عقل کے کمالات دکھانے والو! اے زمین کے خزانے کو اگلوا دینے والو آسمان سے تارے توڑ کر لانے والو! اور اے چاند کی سطح پر جانے والو! تم سب خطرے میں ہو، جب تک تم کو شناوری کا یہ علم نہیں آتا اور وہ حقائق اولین جن پر زندگی کی بنیاد ہے، اور یہ انسانی شیرازہ جس کی وجہ سے مجتمع ہے، اور وہ بڑے مقاصد جن کی وجہ سے اس زندگی اور اس دنیا میں معنویت پائی جاتی ہے، اگر ان پر نظر نہیں اور اگر تم نے زندگی گزارنے کا سلیقہ نہیں سیکھا جو تنہا پیغامبر سکھاتے ہیں، وہ بغیر کسی تواضع اور انکساری کے اور بغیر کسی ادنیٰ خوف اور لحاظ کے صاف صاف کہتے ہیں "انما انا بشر مثلکم یوحی الی" (میں تمہاری طرح ایک انسان ہوں، فرق مجھ میں اور تم میں یہ ہے کہ میری طرف وحی آتی ہے) زندگی کا سلیقہ کسی نے اگر نہیں سیکھا ہے، اور سب کچھ سیکھ لیا ہے، وہ اگر فرد ہے تو خطرے میں ہے، اگر قوم ہے تو خطرے میں ہے، اگر تمدن ہے تو خطرے میں ہے، تہذیب ہے تو خطرے میں ہے، علمی مرکز ہے تو خطرے میں ہے، میں نے ایک سیدھی سادی کہانی کا (جو نبوت اور نبی کے مقام سے کوئی مناسبت نہیں رکھتی) سہارا لیا ہے، آج بھی دنیا کا حال یہ ہے کہ ہمیں اپنی حقیقت کا علم نہیں ہمیں معلوم نہیں کہ زندگی کیا ہے، کتنی وسیع کتنی عمیق، کتنی نازک، کتنی لطیف ہے، زندگی گزارنا کتنی بڑی ذمہ داری ہے، اس زندگی کے دریا کو عبور کرنے کے لئے اور اپنی کشتی کو پار لگانے کے لئے کن بنیادی حقیقتوں پر ایمان لانے اور ان پر مضبوطی کے ساتھ قائم رہنے، ان کی

حفاظت کرنے اور ان کو زندہ رکھنے کیلئے ایک دوسرے کے ساتھ کیسے تعاون کی ضرورت ہے؟ آج ہمارے اس متمدن اور ترقی یافتہ دور کی سب سے بڑی بدقسمتی یہ ہے کہ اس کو زندہ رہنے کا فن معلوم نہیں بلکہ معلوم کرنے کی کوئی خواہش بھی اس کے اندر نہیں، پیغمبر خاص انکشافات کے مدعی نہیں ہوتے، وہ ادب اور شاعری کے دعوے دار نہیں ہوتے، وہ بہت بڑی ذہانت، موشگافی، بال کی کھال نکالنے کے مدعی نہیں ہوتے، وہ کہتے ہیں کہ زندگی کے دریا کو پار کرنے کا فن ہم سے سیکھا جا سکتا ہے، اگر تمہیں اپنی زندگی کے مقصد کو پورا کرنا ہو، اگر تمہیں خالق کائنات کو صحیح طور پر سمجھنا، اس کا علم حاصل کرنا، اس کو راضی کرنا اور اس کی مرضی کے مطابق زندگی گزارنا ہو تو ہم اس کے لئے حاضر ہیں، ہمیں خدا نے اس خدمت کے لئے مامور کیا ہے، نہ اس سے کم نہ اس سے زیادہ، نہ اس میں وہ کسی معذرت سے کام لیتے ہیں، نہ کسی فخر وتعلی سے، بالکل حقیقت پسندانہ اور عملی انداز میں وہ یہ کہتے ہیں کہ ہم کسی چیز کے مدعی نہیں، ہم تم سے یہ کہتے ہیں کہ زندگی گزارنے اور انسانوں کی طرح زندہ رہنے کا فن ہم سے سیکھو، سب سے پہلے یہ معلوم کرو کہ اس دنیا کو کس نے بنایا اور کس لئے بنایا، تم کہاں سے آئے تھے کہاں جاؤ گے؟ ہم نے مانا کہ تم کو سب کچھ آتا ہے مگر اپنے پیدا کرنے والے اور مقصد زندگی سے غافل ہو تو ان کمالات وترقیات، اور تسخیر کائنات سے کیا حاصل؟ بقول اقبال۔

جس نے سورج کی شعاعوں کو گرفتار کیا
زندگی کی شب تاریک سحر کر نہ سکا
ڈھونڈنے والا ستاروں کی گزرگاہوں کا
اپنے افکار کی دنیا میں سفر کر نہ سکا

ہم مانتے ہیں کہ تم سورج کی شعاعوں کو گرفتار کر سکتے ہو، چاند پر پہنچ سکتے ہو، تم سمندر کی تہ سے موتی نکال کر لا سکتے ہو، مگر سوال یہ ہے کہ تم کو آدمیوں کی طرح اس سطح زمین پر چلنا بھی آتا ہے؟ کسی مغربی فلسفی نے ایک مشرقی دانشور سے بہت فخر وناز سے کہا کہ آپ کو معلوم ہے ہماری مغربی تہذیب نے کیا کیا کمالات دکھائے ہیں، ہم نے بلند پروازی اور تیز رفتاری کے کیسے کیسے رکارڈ قائم کئے ہیں؟ مشرقی فلسفی نے جواب دیا کہ ہاں تمہیں فضائے آسمانی میں چڑیوں کی طرح اڑنا آ گیا اور تمہیں دریا میں مچھلیوں کی طرح تیرنا آ گیا، لیکن یہ بتاؤ کہ کیا

تمہیں زمین پر آدمیوں کی طرح چلنا بھی آیا؟ تو پیغمبر بغیر کسی کسر و انکسار کے یہ کہتے ہیں کہ ہم یہ بتاتے ہیں کہ خدا کے بنائے اور پیدا کئے ہوئے انسان کی طرح ایک دوسرے کے ساتھ کس طرح رہا جاتا ہے، دنیا کے اس سفر کو کامیاب طریقے پر طے کر کے کس طرح اپنے مالک کے پاس انعام لینے کیلئے جایا جاتا ہے، ہم یہ فن بتاتے ہیں، ہم مبشر ہیں یہ ہے نبوت کا وہ کار خاص جو نبوت اور انبیاء انجام دیتے ہیں اور رسول اللہ ﷺ کی عظمت اور آپ کی انفرادیت سمجھنے کے لئے سب سے پہلے اسے سمجھنے کی ضرورت ہے کہ آپ کے کام کی نوعیت کیا ہے؟ آپ اور آپ کے مقدس رفقاء جن کو انبیاء کے نام سے ہم جانتے ہیں، (اللہ کا درود و سلام ان سب پر) وہ کیا کام انجام دیتے آئے ہیں، اس کے لئے میں نے ایک حقیر سی کہانی آپ کے سامنے رکھی ہے کہ وہ ملاح تھا تو دو ٹکے کا آدمی، لیکن ان نوجوانوں کے مقابلے میں جنہوں نے اپنے دماغ میں لائبریریوں کی لائبریریاں اتار لی تھیں، اور جنہوں نے فلسفے کے سمندر پی لئے تھے، جن کو دنیا کی تاریخ پوری یاد تھی، وہ اس کم سواد بلکہ بے سواد ملاح کے سامنے بے حقیقت انسان تھے، ان کی زندگی خطرے میں تھی، وہ کشتی پر سوار تھے، ان کی قسمت کشتی سے وابستہ تھی، اور کشتی کی قسمت اس فن ملاحی سے وابستہ تھی، اور وہ اس سے ناآشنا تھے، یہ ہے نبوت کا کار خاص جو نبوت ہی انجام دیتی ہے۔

اب میں عرض کرنا چاہتا ہوں کہ نبی کو دوسروں کے مقابلے میں کیا امتیاز حاصل ہوتا ہے، ان کو یہ کہنے کا حق کیوں حاصل ہے کہ اس زندگی کے بعد ایک زندگی ہے اور محسوسات اور مشاہدات کا جو عالم ہمارے اور آپ کے سامنے ہے، ان کے پیچھے اور کون سی طاقتیں کام کر رہی ہیں، ہم ان کو دیکھتے نہیں ہیں، اس قانون تکوینی (Naturlalws) کے پیچھے کوئی اور طاقت اور ارادہ ہے جو اس کائنات کو سنبھالے ہوئے ہے، اور اس کے متضاد عناصر کو ایک دوسرے سے ٹکرانے سے بچا رہا ہے، سورج کی حرارت کو اس سے زیادہ بڑھنے نہیں دیتا جو کہ اس زمین و خاک سیاہ کر دے، زمین کی پرت کو اس سے زیادہ موٹا ہونے نہیں دیتا کہ یہ زمین ڈوب جائے، سمندر اور خشکی کے درمیان جو تناسب ہے، اس تناسب میں ذرا سا فرق آنے نہیں دیتا، اگر آپ کریسی کی کتاب (Man does not standalone) انسان اکیلا کھڑا نہیں ہے) کا مطالعہ کریں، (اور آپ میں سے بہت سے لوگوں نے اس موضوع پر مجھ سے زیادہ

پڑھا ہوگا) آپ کو معلوم ہو جائے گا کہ اس دنیا کو کس تناسب کے ساتھ بنایا گیا ہے اور اس میں کتنے متضاد عناصر ہیں، آگ اور پانی کا مجموعہ کس طرح چل رہا ہے، سلبی اور ایجابی Positve and ne gative) مثبت اور منفی طاقتیں کس طرح ایک دوسرے کے ساتھ مصالحت اور توازن کے ساتھ کام کر رہی ہیں، ان میں کس وقت ٹکراؤ نہیں ہوتا ہے، ان میں کسی وقت بغاوت نہیں ہوتی، ان میں کہیں بڑھتی، ناہمواری نہیں پیدا ہوتی، نشیب و فراز نہیں پیدا ہوتے۔ کوئی حقیقت کے جاننے کا نبی کے پاس کیا ذریعہ ہے، اور یہ کہنے کا اس کو کیوں حق حاصل ہے کہ ہم یہ دیکھتے ہیں، اور یہ جانتے ہیں، اور تم نہیں دیکھتے اور نہیں جانتے؟ اس کے لئے میں پھر ایک واقعے کا سہارا لوں گا مگر اس مرتبہ واقعہ ہندوستانی کہانیوں اور ہماری نصابی کتابوں کا واقعہ نہیں ہوگا بلکہ سیرت نبوی کا واقعہ ہوگا۔

واقعہ یہ ہے کہ جب یہ آیت وانذر عشیرتک الاقربین (اے محمد ﷺ آپ قریبی لوگوں اور اپنے سے قریبی تعلق رکھنے والوں کو ڈرایئے) نازل ہوئی، مکہ معظمہ کی اس سادہ اور محدود زندگی میں جس میں ابلاغ واطلاع کے ذرائع مفقود یا بہت محدود تھے، وقت کم اور مکہ کی آبادی پھیلی ہوئی اور کوئی ایسا ذریعہ نہیں جس سے پوری آبادی کو جو کہ مکہ کی وادی میں مکہ کے آگے پیچھے بکھری ہوئی تھی، سب کو کیسے جمع کیا جائے؟ صدیوں سے جس کے آباء واجداد نبوت کے مفہوم اور غیبی حقائق سے ناآشنا تھے، ان کو کیسے ان غیبی حقائق سے مانوس کیا جائے، یہ وہ ایک عظیم امتحان تھا، جو بڑے سے بڑے دماغوں کو بھی شل کر سکتا تھا، اس کا حل کرنا آسان نہیں تھا، لیکن یہ بھی الہام کی بات تھی، اور اللہ کی تائید تھی کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو صحیح راستہ بتایا، آپ صفا کی پہاڑی پر چلے گئے آپ میں بہت سے بھائی حج کی سعادت سے مشرف ہو چکے ہوں گے، انہوں نے صفا کو دیکھا ہوگا، آج سے ۱۳۰۰ سال پہلے اس کی حالت دوسری تھی، آج سے پچاس سال پہلے بھی وہ کچھ اور تھا، کوہ صفا پر آپ چلے گئے، وہاں آپ ﷺ نے ایک آواز بلند کی ''یا صباحاہ'' یہ ایک جملہ تھا جو اپنے اندر معانی کا ایک دفتر رکھتا تھا، اس جملے میں عرب کے لوگوں کے لئے ایک نوٹس تھا، اور وہ خطرے کی گھنٹی تھی، یہ ایک ایسا جملہ تھا، جس سے عرب کی پوری تاریخ وابستہ تھی، وہ تاریخ یہ تھی کہ جب عرب کے کسی قبیلے کا حملہ ہوتا تھا، جو ان کا دن رات کا مشغلہ تھا، ایک شاعر کہتا ہے کہ ''میرا گھوڑا جب جوان ہو جائے تو اللہ کرے کہ کہیں نہ کہیں

لڑائی چھڑ جائے تاکہ میں اپنے گھوڑے کے جوہر دکھا سکوں" ان کا تو یہ کھیل تھا، اس موقع پر کوئی مخلص کسی بلند جگہ پر چلا جاتا تھا، اور کہتا تھا کہ "یاصباحاہ (خطرہ ہے!) لوگ جمع ہو جاتے تھے، چنانچہ یہی ہوا کہ جن لوگوں نے آپ کی آواز پہچانی انہوں نے کہا کہ "الصادق الامین" (یہ اس دنیا کے صادق ترین انسان کی آواز ہے) بھیڑیا آیا، بھیڑیا آیا! کی کہانی ہم لوگوں نے کتابوں میں پڑھی ہے، اور آخر میں اعتبار جاتا رہا اور سچ مچ بھیڑیا آیا اور کھا گیا، عرب کے لوگوں میں سب خرابیاں تھیں، لیکن یہ چالاکی ان کے اندر نہیں تھی" وہ سیاسی پروپیگنڈے سے ناآشنا تھے، تو کوئی شخص بھی چلا جاتا اور کہتا "یاصباحاہ" عربوں کی اصل فطرت دروغ بیانی سے بہت دور ہے۔ اسی بنا پر مفسرین نے کہا ہے کہ نفاق عربوں کا مرض نہیں، عربوں کی نفسیات سے اس کو مناسبت نہیں، یہ مرض وہاں پیدا ہوا جہاں غیر عرب عناصر (یہودی وغیرہ) معاشرے میں تھے، اس آواز کے سننے کے بعد کسی کو کوئی شک نہیں رہتا تھا، بہرحال آپ نے آواز لگائی "یاصباحاہ" اور سارا مکہ دوڑ کر کوہ صفا کے دامن میں جمع ہو گیا اور آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر دیکھنے لگا، کون ہے؟ پہچان تو لیا انہوں نے فوراً اور یہ بھی یقین ہو گیا کہ یہ واقعہ بالکل صحیح ہے کوئی لشکر ہے جو ہم پر حملہ کرنے والا ہے، اب وہ منتظر تھے کہ وہ لشکر کہاں سے آنے والا ہے، کدھر سے حملہ کرنے والا ہے؟ آپ نے عجلت سے کام نہیں لیا، فرمایا لوگو! تم نے مجھے آج تک کیسا پایا، لوگوں نے کہا کہ "الصادق الامین" (سچ بولنے والا اور امانت دار) یہ پہلا اسٹیج تھا جو نبوت ہی کی تاریخ میں نہیں بلکہ ہر اصلاح کی تاریخ میں ضروری مرحلہ ہے کہ سب سے پہلے جو شخص اصلاح کا جھنڈا لے کر کھڑا ہو، وہ کسی قوم کی اصلاح اور نجات کا صحیح راستہ دکھانے کے لئے کھڑا ہو تو پہلے اس کے متعلق یہ اطمینان کر لینا چاہئے کہ وہ کیسا ہے، بے غرض ہے، مخلص ہے، اسی لئے فرمایا کہ تم نے آج تک مجھ کو کیسا پایا؟ لوگوں نے کہا کہ سچا اور امین، فرمایا کہ میں اگر تم سے یہ کہوں کہ اس پہاڑ کے عقب سے ایک لشکر جورات کے اندھیرے میں یہاں آکر چھپ گیا ہے، تم پر اچانک حملہ کرنے والا ہے تو تم باور کرو گے؟ عرب کے لوگ زیادہ تر ناخواندہ تھے، اور فلسفے وغیرہ علوم سے ناآشنا، لیکن اللہ نے ان کو ایک دولت دی تھی، جس میں وہ دنیا کی قوموں میں (جو تمدن کی بیماریوں میں مبتلا ہو چکی تھیں اور جنہوں نے فلسفہ، شاعری اور ادب میں بڑی ترقی کی تھی) عربوں کو امتیاز حاصل تھا، وہ یہ تھا کہ وہ فطرت سلیم رکھتے تھے، اور فطرت سلیم یا عقل سلیم اللہ کی بڑی نعمت ہے، ذہانت

سے بڑھ کر عقلِ سلیم (Commonsense) چاہئے، انہوں نے فوراً صورت حال کا جائزہ لیا، انہوں نے دیکھا کہ ہم پہاڑ کے نیچے ہیں، اور ایک شخص پہاڑ کے اوپر چڑھا ہوا ہے، پہاڑ کے نیچے کے لوگ بھی دیکھ رہے ہیں، سامنے کے لوگ بھی دیکھ رہے ہیں، تو اگر وہ یہ کہتا ہے کہ پہاڑ کے عقب (پیچھے) میں ایک لشکر چھپا ہوا ہے تو اس بنا پر اس کے جھٹلانے کی کوئی وجہ اور کوئی جواز نہیں ہے کہ ہم یہ کہیں کہ ہم تو نہیں دیکھتے ہمیں دکھلائیے! اس لئے ہم پہاڑ کے نیچے ہیں اور وہ پہاڑ کے اوپر، ان کی عقلِ سلیم نے فوراً ان کی رہنمائی کی کہ اس شخص کو یہ حق حاصل ہے کہ یہ دعویٰ کرے کہ پہاڑ کے پیچھے ایک لشکر ہے، ہمیں یہ ماننے کی کوئی مضائقہ نہیں۔ جب یہ مرحلہ طے ہو گیا تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ پھر میں تمہیں بتاتا ہوں کہ تم جو زندگی گزار رہے ہو، جو تمہارے عقائد ہیں تمہارے، جو اخلاق ہیں تمہارا جو ایک دوسرے کے ساتھ سلوک ہے، تمہاری زندگی کے جو مقاصد بن گئے ہیں تمہارا جو طرزِ زندگی ہے وہ حقیقی خطرہ ہے، اور ہزار دشمنوں اور ہزار لشکروں سے بھی زیادہ خطرناک ہے، تم کس دشمن سے ڈر رہے ہو؟ اس دشمن سے جو آئے گا اور سو دو سو آدمیوں کو ہلاک کر کے چلا جائے گا، میں تمہیں اس دشمن سے ڈرا رہا ہوں جو تمہارے دلوں کے اندر چھپا ہوا ہے، تمہارے دماغوں کے اندر اس نے اپنی چھاؤنیاں قائم کر لی ہیں، وہ تمہارے گھروں کے اندر موجود ہے، اس حقیقی اور جان لیوا دشمن سے ڈرو، یہ تمہارے غلط عقائد تمہاری خطرناک جہالت، تمہارا قہرِ خداوندی کو بھڑکانے والا اور دنیا کو دوزخ کا نمونہ بنانے والا طرزِ زندگی ہے، یہ تمہاری نفس پرستی، ہوا و ہوس اور کھانے و نوش اور "عیش کوش" کے فلسفے والی زندگی ہے، یہ وہ زندگی ہے جسے خدا کی رہنمائی اور آسمانی تعلیمات منظم نہیں کرتیں، بلکہ خود ساختہ قوانین اور ذاتی معاملات چلا رہے ہیں، یہ نبوت کی حقیقت ہے، آپ نے چند لفظوں میں اور ایک عملی مظاہرہ کر کے ثابت کر دیا کہ نبی کو یہ حق حاصل ہے کہ وہ اعلان کرے کہ اس عالمِ شہود اور اس عالمِ محسوسات سے پرے بھی دنیا ہے، اس کے پیچھے حقائق کی ایک دنیا ہے، موجدِ کائنات ہے، خالقِ کائنات ہے، اس کی ذات ہے، اس کی صفات ہیں، اس کا طریقہ کار ہے، اس کے افعال ہیں، اس کا انسانوں کے ساتھ معاملہ ہے، اس کے مرضیات و نامرضیات کا ایک سلسلہ اور نظام ہے، اس تفہیم کے لئے اس سے بہتر اور کوئی عام فہم اور دل نشین طریقہ نہیں ہو سکتا تھا، نہ صرف عرب کی اس محدود زندگی اور معاشرے میں بلکہ میں سمجھتا ہوں کہ آج کے

ترقی یافتہ دور میں بھی نبوت کی حقیقت کو سمجھانے کے لئے اس سے بڑھ کر کوئی چیز نہیں ہو سکتی۔

حضرات! وقت کم ہے اس لئے میں یہ عرض کروں گا کہ یہ مسئلہ کہ انسانوں کی زندگی تبدیل ہو، انسانوں کے عقائد تبدیل ہوں انسانوں کے مسلمات (جن چیزوں کو انہوں نے سمجھ لیا کہ زندگی کے لئے ناگزیر ہیں) خواہ وہ معیار زندگی ہوں، خواہ وہ مقاصد زندگی ہوں، خواہ وہ دولت ہو، خواہ وہ طاقت ہو یا اقتدار کا حصول ہو، خواہ وہ نفس کے تقاضوں کی تکمیل ہو، خواہ وہ اپنی برتری کا اظہار ہو، ان چیزوں کو یکسر بدل دینا انسان کی قلب ماہیت کر دینا، انسان کو اندر سے اتنا تبدیل کر دینا کہ وہ بھی بدل جائے، اور دنیا کو بھی بدل کر رکھ دے، یہ کھیل نہیں ہے۔ یہ ارادۂ الٰہی، خدائی فیصلے، خدا کی تائید اور نبوت کے منصب و مقام اور اس کے ساتھ جو خدا کی مدد ہوتی ہے اور نبی کی شخصیت کے بغیر نہیں ہو سکتا، ہندوستان کی عظیم ترین اور طاقتور ترین شخصیتوں نے چاہا کہ چھوت چھات دور ہو جائے، نابرابری دور ہو جائے، اور مساوات و اشتراکیت کا دور دورہ ہو، یہ بھی نہ ہو سکا اور جہاں ہوا وہاں جبرا وقہرا ہوا ہے، اگر اس معاشرے کو اپنے حال پر چھوڑ دیا جائے تو ابھی بغاوت کرنے کے لئے تیار ہے کل آپ سن سکتے ہیں کہ وہ نظام الٹ کر رہ گیا اور پورے ملک میں انقلاب آ گیا اور آتا رہتا ہے، چھوت چھات آج تک دور نہیں ہوئی ملک کی رسم میں نہیں جانتا کہ آپ کے یہاں اس کے لئے کیا اصطلاح ہے اور میری دعا ہے کہ آپ کے یہاں یہ بیماری نہ ہو۔ یہیں ہمارے ہندوستان میں کئی ریاستیں ہیں جہاں یہ بیماری اپنے پورے شباب پر ہے کہ لڑکیاں بیٹھی ہیں اور ان کو اس لئے بر نہیں مل رہے ہیں، جوڑا رشتہ نہیں مل رہا ہے کہ صاحبزادے اور صاحبزادے سے زیادہ ان کے والدین ماجدین "مطالبہ" کرتے ہیں کہ اس کے لئے یورپ جانے کا انتظام کیا جائے۔ امریکہ جا کر تعلیم حاصل کرنے کا انتظام کیا جائے، اس کے لئے بینک میں اتنا حساب جمع کر دیا جائے اس کے لئے کار، کم سے کم اس کے لئے اسکوٹر کا انتظام کر دیا جائے آج قانون بھی اس کے خلاف ہے، عقل بھی اس کے خلاف ہے، ہم اس کے نہایت عیب اور نہایت نحوس نتائج دیکھ رہے ہیں، بڑے بڑے شریف لوگ خودکشیاں کر رہے ہیں، اور گھروں کی زندگی جہنم بن گئی ہے، ماں باپ کو میٹھی نیند نصیب نہیں لیکن یہ رسم ہے کہ پورے طور پر موجود ہے۔

اسی طریقے سے امریکہ جیسے ملک نے شراب کو ختم کرنا چاہا، اس نے کوشش کی کہ شراب

نوشی کی عادت ختم ہو، یہ مسٹر ہور (Hoovr) کے زمانے کا واقعہ ہے، اب تفصیلات دیکھ لیجئے کہ امریکہ نے گھٹنے ٹیک دیے اور اپنے پورے وسائل اس کے لئے استعمال کئے، لیکن شراب نوشی حد جنون تک پہنچ گئی، یعنی جو لوگ صرف شراب نوش تھے، ان لوگوں نے شراب نوشی پر کمر کس لی اور حکومت کو شکست تسلیم کرنی پڑی، حکومت نے مات کھالی لیکن شراب پینا لوگوں نے نہ چھوڑا، وقت کم ہے، اس لئے اختصار سے کام لیتا ہوں، عہد جاہلیت کی چند رسمیں آپ کے سامنے مثال کے طور پر رکھتا ہوں، اس وقت دختر کشی کی رسم تھی، اور ایسی رسم تھی کہ اس کی جڑیں عربوں کے مزاج میں عربوں کی تاریخ، عربوں کے معاشرے میں اتنی گہری تھیں کہ تصور نہیں کیا جا سکتا تھا کہ عرب دختر کشی سے باز آ سکتے ہیں، لیکن چند برسوں میں ایسا انقلاب ہوا کہ جب رسول اللہ ﷺ ۷ھ میں عمرۃ القضاء کے لئے مکہ تشریف لے گئے، حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کی بچی امامہ گھر سے دوڑی دوڑی آئی اور بھائی بھائی کہہ کر آپ سے لپٹ گئی، اس وقت صحابہ کرام میں یہ مقابلہ شروع ہو گیا کہ یہ بچی پرورش کے لئے ہم کو دی جائے، یعنی جو مائیں بچیوں سے اپنی گودیں خالی کرتی تھیں اور جو باپ شقی اور سنگدل بچیوں کو اٹھا کر لے جاتے تھے، ایسے واقعات ہیں کہ آپ سنیں تو آپ تڑپ جائیں، حضرت علیؓ نے کہا کہ بچی مجھے ملنی چاہئے میری بہن ہے، حضرت جعفرؓ نے کہا کہ مجھے عطا ہو کہ میں بھائی بھی ہوں اور اس کی خالہ میرے گھر میں ہے، حضرت زید نے کہا کہ میرا حق ہے کہ مسلمان ہونے کے رشتے سے ان دونوں سے کم نہیں، آپ نے حضرت جعفرؓ کے حوالے کیا کہ بچی کی خالہ ان کے گھر میں ہے، اس کو وہاں زیادہ آرام ملے گا، اسی طرح شراب جو عرب کی گھٹی میں پڑی تھی، جب اس کی حرمت کا اعلان ہوا تو ہونٹوں سے لگائے ہوئے جام ہٹا دیے گئے شراب کے ظرف اس طرح لنڈھا دیے گئے کہ وہ مدینے کی نالیوں میں بہتی تھی۔

سیرت محمدی ﷺ کا اصل پیغام یہی ہے، آپ کو ایک کام کے لئے مامور کیا گیا، آپ کے ساتھ اللہ کی تائید تھی، اس کا نتیجہ یہ ہے کہ وہ انقلاب عظیم دنیا میں رونما ہوا کہ اس کی مثال نہ اس سے پہلے کی تاریخ میں ملتی ہے، اور نہ اس وقت کی تاریخ میں ملتی ہے، آج لوگوں کو مطمئن کرنے کے ذرائع وافر مقدار میں موجود ہیں، لیکن ہم انسانوں کو مطمئن نہیں کر سکتے، معاشرے میں کوئی بڑی تبدیلی نہیں لا سکتے۔

جہاں تک عام انسانی جذبات کا تعلق ہے، خلوص کا تعلق ہے، قربانی کا تعلق ہے، ان کی مثالیں دور تک نہیں ملیں گی، مگر ان کو کوئی ایسی بڑی کامیابی حاصل نہیں ہوئی، وہی نابرابری ہے، وہی طبقاتی تفریق ہے، وہی انسانی آبرو و عزت کی بے قیمتی ہے وہی انسان انسان کا بھکاری ہے، وہی انسان انسان کا شکاری ہے، وہی دولت کی حد سے بڑھی ہوئی محبت ہے، وہی چھوت، چھات ہے، وہی شراب نوشی کا جنون ہے، اور ہزاروں آدمیوں کی جانیں زہریلی شراب میں جاتی ہیں۔

میں آپ کو دعوت دیتا ہوں کہ آپ سنجیدگی کے ساتھ سیرت کا مطالعہ کریں، اور ہمارے ہندوستان میں اردو کا جو لٹریچر تیار ہو گیا ہے، اس کا بغور مطالعہ کریں، اگر اس مجلس سے اس کی ادنیٰ سے ادنیٰ تحریک پیدا ہو جاتی ہے تو یہ مجلس اور یہ اہتمام جو اس مبارک موقع کے لئے کیا گیا پورے طور پر وصول ہوا۔

وما التوفيق الامن عندالله

بسم اللہ الرحمن الرحیم

خلفائے راشدین رضوان اللہ علیہم

الحمد للہ وکفی وسلام علی عبادہ الذین اصطفی. امابعد.

صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کی جماعت ایک ایسا انسانی مجموعہ تھی جس میں نبوت کے اعجاز نے متضاد انسانی کمالات پیدا کر دیئے تھے۔ علامہ اقبال کے الفاظ میں

''خاکی و نوری نہاد بندۂ مولیٰ صفات
ہر دو جہاں سے غنی اس کا دل بے نیاز
اس کی امیدیں قلیل اس کے مقاصد جلیل
اس کے ادا دل فریب اس کی نگہ دل نواز
نرم دم گفتگو، گرم دم جستجو
رزم ہو یا بزم ہو، پاک دل و پاکباز
اس کے زمانے عجیب، اس کے فسانے غریب
عہد کہن کو دیا اس نے پیام رحیل
ساقی ارباب ذوق، فارس میدان شوق
بادہ ہے اس کا رحیق، تیغ ہے اس کی اصیل

اب ہم اس کے بارے میں کچھ تاریخی شہادتیں اور بیانات نقل کرتے ہیں تاکہ یہ معلوم ہو کہ یہ محض عقیدت مندی پر مبنی یکطرفہ بیان نہیں ہے۔

سیدنا علی مرتضیٰؓ اور صحابہ کرامؓ:

ہم اس سلسلہ کا آغاز سیدنا علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ کے خطبات کے دو اقتباسات سے

کرتے ہیں کہ صحابہ کرامؓ کے بارے میں (جن کی ذات بعض مکاتب خیال اور فرقوں کے یہاں موضوع بحث بن گئی ہے) ان کی شہادت شہادت عینی کے مصداق اور ان کا بیان، اہل بیت کرام کی صداقت اور بلاغت وفصاحت علوی کا مظہر ہے، یہ ملحوظ رہے کہ یہ بیان اپنے ان رفقاء کے متعلق ہے جو ان کی زندگی میں سفر آخرت اختیار کر چکے ہیں اور اس وقت دنیا میں موجود نہیں ہیں۔ یہ بیان صرف چار جلیل القدر صحابہ اور رفقاء (سلمان فارسیؓ، ابوذر غفاریؓ، مقداد بن الاسود، عمار بن یاسرؓ) کے متعلق نہیں ہوسکتا، جن میں سے متعدد ان کی زندگی میں موجود اور ان کے ہم رکاب ہیں۔(۱) یہ اقتباسات آپ کے خطبات اور رسائل وفرامین کے (حضرات شیعہ کے نزدیک) معتبر اور متفق علیہ مجموعہ ''نہج البلاغہ'' سے ماخوذ ہے جو شہرہ آفاق ہاشمی شیعی ادیب وشاعر ''الشریف الرضی'' (۳۵۹-۴۰۴ھ) کا جمع کیا ہوا ہے۔ جو اپنے عہد سے لے کر اس عہد تک مستند، متداول اور متبرک ہے اور جس کی شرح مشہور شیعہ عالم ومتکلم ابن ابی الحدید (۵۸۶-۶۵۵ھ) نے بڑے شرح وبسط کے ساتھ لکھی ہے، خطابت وبلاغت کے اس شکوہ اور کمال کی بناء پر جو حضرت امیر المومنین کا حصہ ہے اور قارئین کو ہر طرح کے شک وشبہ سے دور رکھنے کے لئے ہم ایک طرف اصل عبارت نقل کرتے ہیں، دوسری طرف اس کا ترجمہ دیتے ہیں۔ امیر المومنین فرماتے ہیں:

لقد رأیت اصحاب محمد رسول الله صلی الله علیه وسلم فماأری احدا یشبههم منکم لقد کانوا یصبحون شعثا غبراً وقد باتوا سجدا وقیاما، یراوحون بین جباههم وخدودهم، ویقفون علی مثل الجمرمن ذکر معادهم کان بین أعینهم رکب المعزی من هول سجودهم اذا ذکر الله هملت اعینهم حتی تبلی جیوبهم وما دوا کما یمید الشجر یوم الریح العاصف، خوفاً من العقاب ورجاءً للثواب

میں نے رسول اللہ ﷺ کے اصحاب کی ایسی شان دیکھی ہے کہ میں تم میں سے کسی کو ان کا مشابہ نہیں، وہ صبح اس حال میں نظر آتے تھے کہ ان کے بال بکھرے ہوئے غبار آلود ہیں۔ رات انہوں نے سجدے اور قیام میں گذاری ہوتی۔ کبھی اپنی پیشانیوں پر جھکے ہوتے تھے، کبھی

---

(۱) حضرت عمارؓ بن یاسر نے خلافت مرتضوی میں ۳۷ھ میں اور سلمان فارسیؓ نے ۳۶ھ میں وفات پائی۔ حضرت علیؓ کی شہادت ۴۰ھ کا واقعہ ہے۔

اپنے رخساروں پر قیامت کی یاد سے ایسے بے چین نظر آتے تھے، جیسے انگاروں پر کھڑے ہوں۔ ان کی پیشانی (کثرت وطول سجود سے ایسی سخت وخشک معلوم ہوتی تھی جیسے بکری کی ٹانگ، اللہ کا نام لیا جاتا تو ان کی آنکھیں ایسی اشکبار ہوجاتیں) کہ ان کی گریبان اور دامن تر ہوجاتے اور وہ اس طرح لرزتے ہوئے نظر آتے جیسے تیز آندھی کے وقت درخت سزا کے خوف اور ثواب کی امید میں۔

دوسرے خطبہ میں فرماتے ہیں:

این القوم الذین دعوا الی الاسلام نقبلوه وقرار القرآن فاحکموا وهیجوا او القتال فولهوا وله اللقام الی اولادها وسلوم الیسوف اغمادها، واخذوا باطراف الارض زحفا زحفا وصماً و صفاً بعض هلک وبعض بجاء لایبشرون بالاحیاء ولا یعزون بالموتی مره العیون عن البکاء خمعی البطون من الصیام، ذبل الشفاه من الدعاء صمرا لامواللہ من المهر علی وجوههم غیرة الخاشعین

وہ لوگ کہاں ہیں جن کو اسلام کی دعوت دی گئی تو انہوں نے اس کو قبول کیا۔ قرآن پڑھا تو اس پر اچھی طرح سے عمل کیا۔ جہاد کے لئے ان کو جوش دلایا گیا تو اس طرح اس کی طرف بڑھے جیسے اونٹنیاں اپنے بچوں کی طرف دوڑ کر جاتی ہیں۔ انہوں نے تلواریں بے نیام کرلیں اور اطراف زمین میں گروہ در گروہ ہوکر پروانہ وار بڑھے۔ کوئی شہید ہوگیا، کوئی بچا نہ ان کو اپنے ساتھیوں کی زندگیوں کی مبارکباد دی جاسکتی ہے، (اس لئے کہ وہ شہادت کو نعمت سمجھتے ہیں) نہ دنیا سے رخصت ہونے والے ساتھیوں پر ان سے تعزیت کی جاسکتی ہے (کیونکہ وہ ان پر رشک کرتے ہیں اور ان کو کامیاب سمجھتے ہیں) ان کی آنکھیں فرط گریہ سے سفید ہوگئیں۔ ان کے پیٹ روزوں کی وجہ سے پیٹھ سے لگے ہوئے ہیں، ان کے ہونٹ دعا سے خشک ہورہے ہیں، ان کے رنگ بے خوابی وشب بیداری سے زرد ہیں۔ ان کے چہروں پر اہل خشیت کی اداسی ہے۔

اولئک اخوان الزاهبون! فحق لنا ان نطماً الیهم وبعض الایدی علی فراقهم.

یہ میرے وہ بھائی ہیں جو دنیا سے چلے گئے۔ ہم کو حق ہے کہ ہم میں ان سے ملنے کی پیاس پیدا ہو اور ہم ان کی جدائی پر ہاتھ ملیں۔

صحابہ کرامؓ و شیخینؓ کے بارے میں غیر مسلم فضلاء اور مستند مغربی مورخین کی شہادتیں:

اس مبارک آغاز کے بعد ہم چند غیر مسلم فضلاء، اور مستند مورخوں کی شہادتیں نقل کرتے ہیں۔ مغربی فاضل کائناتی اپنی کتاب ''سنین الاسلام'' میں کہتا ہے۔

''یہ لوگ رسول اللہ ﷺ کی اخلاقی وراثت کے سچے نمائندے مستقبل میں اسلام کے مبلغ اور محمد (ﷺ) نے خدارسیدہ لوگوں تک جو تعلیمات پہنچائی تھیں، اس کے امین تھے۔ رسول اللہ ﷺ کی مسلسل قربت اور ان سے محبت نے ان لوگوں کو فکر و جذبات کے ایک ایسے عالم میں پہنچادیا تھا جس سے اعلیٰ اور متمدن ماحول کسی نے دیکھا نہیں تھا۔

درحقیقت ان لوگوں میں ہر لحاظ سے بہترین تغیر ہوا تھا اور بعد میں انہوں نے جنگ کے مواقع پر مشکل ترین حالات میں اس بات کی شہادت پیش کی کہ محمد (ﷺ) کے اصول و افکار کی تخم ریزی زرخیز زمین میں کی گئی تھی جس سے بہترین صلاحیتوں کے انسان وجود میں آئے۔ یہ لوگ مقدس صحیفہ کے امین اور اس کے ماخذ تھے اور رسول اللہ ﷺ سے جو لفظ یا حکم انہیں پہنچا تھا اس کے زبردست محافظ تھے۔

یہ تھے اسلام کے قابل احترام پیشرو جنہوں نے مسلم سوسائٹی کے اولین فقہاء، علماء اور محدثین کو جنم دیا۔

مشہور فرانسیسی مصنف ڈاکٹر لیبان اپنی شہرۂ آفاق کتاب ''تمدن عرب'' میں لکھتا ہے:

''غرض یہ ہے کہ اس نئے دین کو بہتر سے مواقع درپیش تھے اور بے شک وہ اصحاب نبی ﷺ کی خوش تدبیری تھی جس نے انہیں ان مواقع پر کامیاب کیا، انہوں نے خلافت کے لئے ایسے ہی اشخاص کا انتخاب کیا جن کی ساری غرض اشاعت دین محمدی تھی۔ (۱)

مشہور انگریز مصنف گبن خلفائے راشدین کے متعلق اپنی کتاب ''زوال و سقوط روما'' میں لکھتا ہے:

---

(۱) تمدن عرب صفحہ ۱۲۴، ترجمہ شمس العلماء ڈاکٹر سید علی بلگرامی، مطبع آگرہ

''پہلے چار خلفاء کے اطوار صاف اور ضرب المثل تھے، ان کی سرگرمی، دلدہی اخلاص کے ساتھ تھی اور ثروت و اختیار پا کر بھی انہوں نے اپنی عمریں ادائی فرائض اخلاقی اور مذہبی میں صرف کیں۔(۱)

ڈاکٹر فلپ ہٹی اپنی مشہور کتاب ''مختصر تاریخ عرب'' میں لکھتا ہے:

''ابوبکرؓ مرتدین کو مغلوب کرنے والے اور جزیرۃ العرب کو اسلام کے جھنڈہ کے نیچے متحد کرنے والی ایک سیدھی سادی زندگی گزارتے تھے جو متانت و وقار سے بھری ہوئی تھی۔ وہ اپنی خلافت کی مختصر مدت کے پہلے چھ مہینے میں روزانہ اپنی قیام گاہ ''سخ'' سے جہاں وہ اپنے مختصر خاندان کے ساتھ ایک معمولی سے مکان میں رہتے تھے، صبح اپنے دارالحکومت مدینہ کی طرف آتے تھے۔ وہ حکومت سے کوئی تنخواہ نہیں لیتے تھے، اس لئے کہ اس وقت حکومت کی کوئی آمدنی نہیں تھی جو قابل ذکر ہو۔ وہ حکومت کے تمام کام مسجد نبوی ﷺ کے صحن میں بیٹھ کر انجام دیتے تھے۔

ان کے باصلاحیت جانشین عمرؓ (۶۳۴_۴۴ء) سادہ زندگی بسر کرنے والے اور بہت فعال تھے۔ دراز قد، مضبوط جسم اور سر کے بال گر گئے تھے۔ خلیفہ ہونے کے بعد کچھ عرصہ تجارت ان کا ذریعہ معاش تھی اور بالکل بدو سرداروں کی طرح ان کی زندگی شان و شوکت اور لڑائی کے مظاہرے سے دور تھی۔ ان کا بے داغ کردار ان کے جانشینوں کے لئے ایک مثال تھا، بتلایا جاتا ہے کہ ان کے پاس صرف ایک قمیص اور ایک لبادہ تھا جس میں پیوند لگے ہوئے تھے۔ کھجور کی چھال بھرے ہوئے بستر پر سوتے تھے اور انہیں دین کی پاسداری، انصاف اور حکومت کو اسلام اور عربوں کے لئے محفوظ رکھنے کے علاوہ اور کسی بات کی فکر نہیں تھی۔'' (۲)

سر ولیم میور اپنی مشہور کتاب ''تاریخ خلافت اولیٰ'' میں لکھتا ہے:

''ابوبکرؓ کے دربار کی سادگی کا وہی عالم تھا جو محمد ﷺ کی زندگی میں تھا۔ نہ خدام تھے اور نہ محافظ اور نہ حکومت کی شان و شوکت ظاہر کرنے والی کوئی اور شے۔ ابوبکرؓ محنت کے عادی تھے اور ایسے بہت سے واقعات ملتے ہیں جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ معاملات کی جزئیات پر بھی نظر

---

(۱) تمدن عرب صفحہ ۳۸۴_۸۵، جلد نمبر ۵ مطبوعہ لندن ۱۹۱۱ء

(۲) ہسٹری آف دی عربس، لندن ۱۹۵۲ء صفحہ ۷۶

رکھتے تھے۔ راتوں کو وہ مصیبت زدہ اور غرباء کی تلاش میں گھومتے رہتے۔ حکومت کے عمال اور اعلیٰ حکام کو تعینات کرنے میں کنبہ پروری یا طرفداری سے بالاتر اور ان کی کردار سے عقل و دانش کا اظہار ہوتا ہے۔‘‘ (۱)

مزید لکھتے ہیں:

’’رسول اللہ ﷺ کے بعد سے سلطنت اسلام میں سب سے بڑے شخص عمرؓ تھے، کیونکہ انہیں کی دانائی، استقلال کا ثمرہ تھا کہ اس دس سال کی مدت میں شام، مصر، فارس کے علاقے جن پر اس وقت اسلام کا قبضہ رہا ہے، تسخیر ہوگئے۔ مگر باوجود ایسی عظیم الشان سلطنت کے فرمانروا ہونے آپ کو کبھی اپنے فیصلہ فراست اور متانت کی میزان میں پاسنگ رکھنے کی ضرورت نہیں ہوئی۔ آپ نے سردار عرب کے سادہ اور معمولی لقب سے کسی زیادہ عظیم الشان لقب کے ساتھ اپنے آپ کو ملقب نہ کیا۔ دور دراز صوبوں سے لوگ آتے اور مسجد نبوی ﷺ کے صحن کے چاروں طرف نظر دوڑا کر استفسار کرتے کہ خلیفہ کہاں ہیں؟ حالانکہ شہنشاہ یعنی خلیفہ سادہ لباس میں ان کے سامنے بیٹھے ہوتے تھے۔ (۲)

جسٹس سید امیر علی کے بیانات:

سنی فضلاء اور مصنفین کے بجائے ہم چند اقتباسات رائٹ آنریبل جسٹس سید امیر علی (۳) کی کتاب (A short History of the Saracens) سے پیش کرتے ہیں، وہ لکھتے ہیں:

---

(۱) The Annal of Early Caliphte Lonoon 1892. p 122

(۲) ترجمہ ماخوذ از ’’آیات بینات‘‘ از نواب محسن الملک صفحہ ۲۰۔۲۱ (مطبع مصطفائی، ۱۳۱۵ھ)

(۳) سید امیر علی (۱۸۴۹ء۔۱۹۲۸ء) سادات کے ایک شیعہ خاندان سے تعلق رکھتے تھے جو خراساں سے نادر شاہ کے ساتھ آیا۔ محسنیہ ہگلی کالج کلکتہ میں انگریزی اور عربی کی تعلیم حاصل کی اور قانون کا مطالعہ کیا۔ ۱۸۷۳ء میں بیرسٹری کی سند حاصل کی۔ ۱۹۰۴ء میں بنگال ہائی کورٹ سے سبکدوش ہوئے اور انگلستان میں مستقل سکونت اختیار کرلی۔ ۱۹۰۹ء میں لندن کی پریوی کونسل کی قانونی کمیٹی کے پہلے ہندوستانی رکن منتخب ہوئے۔ ۱۹۲۸ء میں انتقال کیا۔ اسلامیات پر لکھنے والے شاید کسی ہندوستانی مصنف کے پاس ایسا پرزور علم اور اس کو اہل زبان کی طرح انگریزی پر ایسی قدرت ہو جتنی کہ سید امیر علی کو تھی بقول مستشرق ’’ہم ایسے اہل زبان ہوں گے جو مصنف کے اسلوب کا مقابلہ کرسکیں۔‘‘

''خلفاء راشدین کے زمانے میں مسلمانوں کی جو سیاسی حالت تھی، اگر اس کا جائزہ لیا جائے تو جو منظر آنکھوں کے سامنے آتا ہے وہ ایک عوامی حکومت کا ہے جس کا سربراہ ایک منتخب شدہ امیر تھا جو محدود اختیار کا مالک تھا، رئیس مملکت کے خصوصی اختیارات انتظامی اہتمامی امور کے دائرہ کے اندر محصور تھے۔ قانون سب کے لئے ایک تھا۔ امیر کے لئے بھی اور غریب کے لئے بھی، صاحب اقتدار کے لئے بھی اور کھیت پر محنت ومشقت کرنے والے کے لئے بھی۔ (۱)

آگے لکھتے ہیں:

''خلفائے راشدین نے جس سخت گیری سے اپنے آپ کو عوام کی بہبود کے لئے وقت کر رکھا تھا اور جس انتہائی سادگی سے وہ زندگی بسر کرتے تھے وہ ہادی اسلام کی مثال کی پوری پوری تقلید تھی۔ انہوں نے خدم وحشم اور ظاہری شان وشوکت کے بغیر محض اپنے حسن کردار اور سیرت کی مدد سے لوگوں کے دلوں پر حکومت کی۔ (۲)

جہاں تک شیخین (خلیفہ اول حضرت ابوبکر صدیقؓ اور خلیفہ دوم حضرت عمرؓ) کا تعلق ہے، سید امیر علی نے ان کے زاہدانہ طرز زندگی، ان کی معدلت شعاری اور ان کی خدمات اور احسانات کا پوری فراخ دلی اور زور قلم کے ساتھ اعتراف کیا ہے۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے متعلق لکھتے ہیں:

''عربوں میں کسی قبیلہ کی سرداری اور سربراہی موروثی نہیں ہوتی۔ اس کا انحصار انتخاب پر ہوتا ہے۔ عمومی حق رائے دہندگی کے اصول پر شدت سے عمل کیا جاتا ہے۔ قبیلہ کے تمام افراد کی سردار کے انتخاب میں آواز ہوتی ہے۔ انتخاب متوفی کے پسماندگی کے افراد نرینہ میں سن و سال، بزرگی وتقدم کے اصول پر ہوتا ہے۔

اس قدیم قانون وروایت کی پیغمبر صاحب کے جانشین کے انتخاب میں بھی پابندی کی گئی، چونکہ حالات کی نزاکت کسی تاخیر کی اجازت نہیں دیتی تھی، اس لئے ابوبکرؓ جو اپنی عمر اور اس حیثیت ومرتبہ کی بناء پر جو ان کو مکہ میں حاصل تھا اور وہ عربوں کے حساب وانداز ہ میں بڑا

---

(۱) ماخوذ از روح اسلام ترجمہ "Sprit of Islam" مطبوعہ ادارہ ثقافت، لاہور، صفحہ ۴۲۰-۴۲۱

(۲) روح اسلام صفحہ ۴۲۳

مرتبہ رکھتے تھے بغیر کسی تاخیر کے خلیفہ یا پیغمبر کے جانشین منتخب ہوئے۔

ابوبکرؓ اپنی دانشمندی اور اعتدال کی وجہ سے امتیاز خاص کے مالک تھے۔ ان کے انتخاب کو حضرت علیؓ اور خاندان نبوت نے اپنی روایتی خلوص اور اسلام کے ساتھ وفاداری وار دلی وابستگی کی بناء پر تسلیم کیا۔"(۱)

آگے چل کر حضرت عمرؓ کے متعلق لکھتے ہیں:

"حضرت ابوبکرؓ کا مختصر دور خلافت ریگستانی قبیلوں میں امن وامان کرنے ہی میں صرف ہوگیا۔ انہیں صوبوں کی باقاعدہ تنظیم کی مہلت نہ ملی، لیکن جب حضرت عمرؓ جو صحیح معنوں میں ایک عظیم انسان تھے، مسند خلافت پر بیٹھے تو اس وقت محکوم قوموں کی فلاح و بہبود میں انتھک کوششوں کا وہ سلسلہ شروع ہوا جو ابتدائی مسلم حکومتوں کا طرۂ امتیاز ہے۔"(۲)

حضرت عمرؓ کے متعلق اظہار خیال کرتے ہوئے دوسری جگہ لکھتے ہیں:

"حضرت عمرؓ کی جانشینی اسلام کے لئے بڑی قدر و قیمت کی حامل تھی۔ وہ اخلاقی طور پر ایک مضبوط طبیعت وسیرت کے آدمی، انصاف کے بارے میں بڑے بااصول اور حساس، بڑی قوت عمل اور سیرت کی پختگی کے آدمی تھے۔(۳)

حضرت عمرؓ کی وفات اسلام کے لئے ایک بڑا سانحہ اور خسارہ تھا۔ سخت لیکن منصف، دوربین، اپنی قوم کی سیرت ومزاج کا بڑا وسیع تجربہ رکھنے والے، ایک ایسی قیادت کے لئے بڑے موزوں تھے جو بے آئینی کی خوگر تھی۔ اپنے مضبوط ہاتھ میں تازیانہ رکھتے ہوئے خانہ بدوش قبائل اور ان نیم وحشی لوگوں کے رجحانات کو انہوں نے قابو میں رکھا اور ان کو اس وقت اخلاقی گراوٹ سے بچالیا جب ترقی پسند شہروں کے عیش وعشرت اور وسائل راحت اور مفتوحہ ملکوں کی دولت سے ان کا سابقہ پڑ رہا تھا۔ وہ اپنی رعیت کے ادنیٰ سے ادنیٰ آدمی کے دسترس میں تھے۔ رات میں لوگوں کی حالت معلوم کرنے کے لئے بغیر کسی محافظ یا مصاحب کے گشت کرتے۔ یہ اس شخص کی حالت تھی جو اپنے عہد کا سب سے طاقتور حکمران تھا۔(۴)

---

(۱) A Short History of the Sarcens P-21 (۲) روح اسلام صفحہ ۴۳۰

(۳) A Short History of the Sarcens P-27

(۴) A Short History of the Sarcens P-43

حضرت عثمان غنیؓ:

مستند تاریخ کی شہادت ہے کہ خیلفہ سوم حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی زندگی میں سادہ اور زاہدانہ تھی۔ وہ باہر سے آنے والے وفود اور خلافت کے مہمانوں کو پرتکلف کھانا کھلاتے تھے، لیکن ان کو گھر میں روغن وزیتون یا سرکہ کے ساتھ روٹی کھاتے دیکھا گیا ہے۔ (۱) صائم الدہر تھے۔ خدام کے باوجود اپنا کام اپنے ہاتھ سے کرتے تھے۔ رات کو کسی ملازم کو جگاتے نہیں تھے۔ فرماتے تھے کہ رات ان کی ہے۔ (۲)

ان کا ایک غلام تھا۔ انہوں نے اس کے کبھی کان کھینچے تھے، اپنے عہد خلافت میں اس سے کہا کہ تم مجھ سے قصاص لے لو، اس نے ان کے ساتھ ایسا ہی معاملہ کیا۔ حضرت عثمانؓ نے کہا اچھی طرح سے بدلہ لے لو، دنیا میں بدلہ ہو جائے، آخرت میں حساب باقی نہ رہے۔ (۳)

عبدالملک بن شداد کہتے ہیں کہ میں نے حضرت عثمانؓ کو اپنے عہد خلافت میں جمعہ کے دن منبر پر دیکھا، ان کے جسم پر ایک موٹی عدنی چادر تھی جس کی قیمت چار پانچ درہم ہوتی تھی۔ (۴) حسن بصری راوی ہیں کہ میں نے حضرت عثمانؓ کو دیکھا کہ وہ مسجد میں دوپہر کو آرام کر رہے ہیں، کھڑے ہوتے ہیں تو ان کے پہلو پر کنکریوں کا نشان نظر آتا ہے اور لوگوں میں چرچا ہے کہ یہ امیر المؤمنین ہیں۔ (۵) منبر پر بیٹھ کر بازار کے نرخ وغیرہ دریافت کرتے ہیں۔ مسلمانوں کے معاملات کا ان کو بڑا اہتمام تھا۔ موسیٰ بن طلحہ راوی ہیں کہ میں نے حضرت عثمانؓ کو دیکھا۔ منبر پر بیٹھے ہوئے ہیں۔ مؤذن اقامت کہہ رہا ہے اور وہ لوگوں سے ان کے حالات اور سفر کے بارے میں دریافت کر رہے ہیں۔ ان کے ایثار و قربانی کا سب سے بڑا ثبوت یہ ہے کہ انہوں نے ان باغیوں سے جو مصر سے آکر ان پر حملہ آور ہوئے تھے، طاقت موجود ہونے کے باوجود لڑنا اور کسی مسلمان کا خون بہانا پسند نہیں کیا اور اسی حال میں قرآن مجید پڑھتے ہوئے جان

---

(۱) روایت شرجیل بن مسلم بسند صحیح "حلیۃ الاولیاء" ابی نعیم ج ۱ صفحہ ۶۰

(۲) طبقات ابن سعد ج ۳ صفحہ ۶۰

(۳) طبقات ابن سعد ج ۳ صفحہ ۶۰

(۴) الریاض النضرۃ فی فضائل العشرۃ للمحب الطبری ورق ۲۰۵ (ب) نمبر مخطوطہ ۸۴/۱۷ کتب خانہ ندوۃ العلماء

(۵) حلیۃ الاولیاء (ابی نعیم) ج ص صفحہ ۵۰

دی۔ اسی کے ساتھ خلافت سے دستبردار ہونا بھی گوارا نہیں کیا جس کو وہ مسلمانوں کی امانت اور احادیث اور ارشادات نبوی ﷺ کی بناء پر رسول اللہ ﷺ کی منشاء سمجھتے تھے۔ (۱)

بقول سید امیر علیؒ "ان کی سب سے بڑی خوبی خدا ترسی تھی۔" جبکہ ولیم میور کے مطابق وہ بہت نرم دل تھے اور اگر انہیں امن و امان کا زمانہ ملتا تو وہ عوام میں بہتر مقبول ہوتے۔" (۲) شارٹر انسائیکلو پیڈیا آف اسلام میں لیوی ڈیلا ویڈ رقم طراز ہیں کہ "ولیماؤسن" نے ذکر کیا ہے اور کٹیانی نے زیادہ تفصیل سے بیان کیا ہے۔ عثمانؓ نے عمرؓ کی پالیسی پر ہی عمل کیا اور اسے اور ترقی دی۔ (۳)

خلافت عثمانی میں جو ۱۲ سال کے عرصہ پر محیط ہے، ایسی عظیم الشان فتوحات حیرت انگیز سرعت کے ساتھ ہوئیں جن کی نظیر اس سے پیشتر کی تاریخ میں نہیں ملتی۔ اس زمانہ میں اسلامی مملکت کے دائرہ میں بڑی وسعت ہوئی۔ اس کے حدود سندھ سے لے کر اندلس (اسپین) تک جا پہنچے۔ اسلامی افواج نے اس عہد میں بڑی جنگوں کے علاوہ بحری قوت کا بھی مظاہرہ کیا اور قبرص، روڈس کے جزائر فتح کئے۔ ایک عظیم الشان بحری بیڑا تیار کیا گیا، حالانکہ اس سے پیشتر ان کے پاس ایک کشتی بھی نہ تھی۔ اسلامی فوج ۳۲ھ میں ابنائے قسطنطنیہ (باس فورس) تک جا پہنچی۔ ۳۵ھ میں طرابلس الغرب (لیبیا) پر فوج کشی ہوئی اور دو ہی سال بعد تیونس، الجزائر اور مراکش کے علاقوں کو فتح کرلیا گیا۔ اس سال عبداللہ بن نافع نے سمندر پار کر کے اندلس کا محاصرہ کیا۔ مسلمانوں کی فوجیں قفقس (رک بآل) اور بحیرۂ اسود کے کناروں تک جا پہنچیں۔ ۴۰ھ میں خراسان اور طبرستان کی طرف پیش قدمی ہوئی۔ جرجان، خراسان اور طبرستان فتح ہوا۔ عبداللہ بن عامر نے مزید آگے جا کر سوات، کابل، سجستان، نیشاپور اور ارد گرد کے علاقوں کو مطیع بنایا۔ طخارستان اور کرمان فتح ہوئے اور یوں کوہ قاف اور بحر خزر (قزدین) تک اسلامی حکومت وسیع ہوگئی۔ ان کے مبارک عہد میں مسلمانوں نے ہندوستان کی طرف بھی توجہ دی اور گجرات

---

(۱) ایضاً صفحہ ۶۰

(۲) ماخوذ از کتاب تاریخ الخلفاء (سیوطی) البدایۃ اوالنہایۃ بیروت مکتبۃ المعارف (ابن کثیر طبع ۱۹۶۶ء، وغیرہ و مطبعۃ السعادۃ مصر ۱۹۵۳ء

(۳) A Short History of the Sarcens P-48

کے ساحلی علاقوں تک ان کے قدم جا پہنچے۔(۱)ان کے عہد خلافت میں تہذیب وتمدن، صنعت وحرفت، تجارت وعلوم وفنون کو بھی ترقی ہوئی۔ دولت وثروت اور فارغ البالی کا دور دورہ ہوا۔

ان کی ایک اہم خدمت مسجد الحرام کی توسیع ہے جو ۲۶ھ میں کی گئی۔ ۲۹ھ میں انہوں نے مسجد نبوی ﷺ کی تعمیر وتوسیع کرائی، بحری فتوحات کے سلسلہ میں بھی حکم دیا کہ مفتوحہ علاقوں میں مسجدیں تعمیر کی جائیں اور پرانی مساجد مزید وسیع کی جائیں۔ ان کا سب سے بڑا اور عظیم الشان کارنامہ عالم اسلام کو ایک مصحف اور ایک ہی قرأت پر جمع کرنا تھا۔ قرآن مجید کو لکھوا کر تمام ممالک اسلامیہ میں شائع کرنا اور ایک ہی قرأت پر سارے ممالک اسلامیہ کو متحدہ کر دینا خلافت عثمانیہ کا مہتم بالشان واقع ہے۔(۲)

حضرت علی مرتضیٰ:

جہاں تک خلیفہ چہارم سیدنا علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ کی ذات گرامی کا تعلق ہے، ان کے بارے میں سوائے خوارج کے کسی کو کوئی اختلاف نہیں۔ ہم یہاں ان کے ایک رفیق ضرار بن ضمرہ کا ایک بیان پیش کرنے پر اکتفا کرتے ہیں جس میں انہوں نے حضرت معاویہؓ کی فرمائش واصرار پر امیر المومنین کے بارے میں اپنی معلومات، مشاہدات وتاثرات پیش کئے اور الفاظ میں تصویر کشی کی، اس سے یہ بھی اندازہ ہوگا کہ خلافت وحکومت میں بھی اس قدسی جماعت کی کیا حالت تھی جو درسگاہ نبوت اور مدرسہ ایمانی وقرآنی سے تیار ہو کر نکلی تھی۔

''ان کو دنیا اور اس کی بہار اور رونق سے وحشت ہوتی تھی اور رات اور اس کی تاریکی میں دل بہلتا تھا، آنکھیں پر اشک رہا کرتی تھیں، ایک لمبے فکر اور سوچ میں رہا کرتے تھے۔ لباس

---

(۱) ان وسیع اور عظیم فتوحات کے نتیجہ میں جس وسیع پیمانہ پر اسلام کی اشاعت ہوئی اور ملک کے ملک اور قوموں کے قومیں دائرہ اسلام میں داخل ہوئیں اس کا آسانی سے اندازہ کیا جا سکتا ہے اور تاریخ میں اس کی شہادتیں ملتی ہیں۔

(۲) تلخیص از اردو دائرہ معارف اسلامیہ ج ۱۲ پنجاب یونیورسٹی لاہور ۱۹۷۳ء۔ یہاں ان کا ذکر دلچسپی سے خالی نہ ہوگا کہ حضرت علیؓ سے کوفہ کے کچھ لوگوں نے اس بات کی شکایت کی کہ ان کے پیشرو نے قرآن مجید کی ایک قرأت پر لوگوں کو جمع کر دیا ہے تو حضرت علیؓ نے انتہائی برہمی کے ساتھ جواب دیا۔
''خاموش! عثمانؓ نے ہم میں سے سربرآوردہ صحابہؓ کی رائے سے ہی یہ قدم اٹھایا تھا، اور اگر اس وقت ان کے بجائے میں خلیفہ ہوتا تو میں بھی یہی کرتا۔''

وہ پسند آتا جو موٹا ہو، کھانا وہ دل کو بھاتا جو معمولی اور سادہ ہو، بالکل معمولی آدمی کی طرح رہتے، ہم میں اور ان میں کوئی فرق معلوم نہ ہوتا۔ جب ہم کچھ پوچھتے تو جواب دیتے۔ جب ہم آتے تو وہ سلام میں پہل کرتے، جب ہم بلاتے تو بے تکلف آجاتے، لیکن ان کے یہاں اس تقرب اور ہمارے قرب کے باوجود رعب اتنا تھا کہ ہم گفتگو نہ کر سکتے اور خود چھیڑ کر بات نہ کر سکتے۔ دین داروں کی تعظیم کرتے تھے اور مسکینوں سے محبت رکھتے تھے۔ طاقتور کو ان سے کسی غلط چیز کی امید نہ ہوتی اور کمزور ان کے انصاف سے ناامید نہ ہوتا۔ بخدا میں نے ان کو بعض مواقع پر اس وقت دیکھا ہے کہ رات نے اپنے پردے ڈال دیئے تھے اور تارے ڈھل گئے تھے۔ وہ اپنی محراب میں کھڑے تھے، داڑھی پکڑے ہوئے، مارگزیدہ کی طرح تڑپتے تھے اور اس طرح روتے تھے کہ جیسے دل پر چوٹ لگی ہو، گویا میں سن رہا ہوں اور وہ کہہ رہے ہیں۔ اے دنیا! کیا مجھ سے چھیڑ کرنے چلی ہے، اور مجھ پر تیری نظر ہے؟ اس کی امید نہ کرنا، کسی اور کو فریب دے، میں نے تجھ کو ایسا چھوڑا ہے کہ کبھی تیرا نام بھی نہ لوں گا۔ تیری عمر مختصر، تیری زندگی بے وقعت اور تیرا خطرہ بہت ہے۔ ہائے سامان سفر کس قدر کم ہے، سفر کتنے دور کا ہے۔ راستہ کتنا وحشت ناک ہے۔''

خلفاء کی زاہدانہ زندگی اور خاندان میں سے کسی کو جانشین نہ بنانا:

ان خلفاء کے اخلاص، للّٰہیت، ان کی عظمت وانفرادیت کی کھلی ہوئی ایک دلیل یہ تھی کہ انہوں نے موسسین سلطنت اور دور اندیش بلند حوصلہ حکمرانوں کی طرح نہ تو اس بے پایاں دولت اور صدیوں کے اندوختہ سے جو سیلاب کی طرح فارس وروما سے امنڈتا ہوا چلا آرہا تھا، کوئی فائدہ حاصل کیا اور عیش عشرت کی نہ سہی، فراغت وراحت کی زندگی گذاری، بلکہ اپنے مقتدیٰ اور محبوب کے نقش قدم پر چل کر عسرت وتنگی اور زہد وایثار کی زندگی گذاری بلکہ وہ خلافت کی منصب پر متمکن ہونے سے پہلے زیادہ فارغ البال ومطمئن تھے۔

جس طرح ان خلفاء نے زندگی بسر کی، اس کے متعلق گبن لکھتا ہے:

''ابوبکرؓ، عمرؓ اور عثمانؓ کی ہمت وجرأت کی آزمائش رسول اللہ ﷺ کے زمانے کے سخت حالات اور جنگوں کے ذریعے ہوچکی تھی اور جنت کی بشارت نے انہیں دنیاوی لذات اور

خطرات سے لاپرواہ بنادیا تھا۔ لیکن انہوں نے حکومت کی باگ ڈور اس وقت سنبھالی جب وہ سن رسیدہ ہو چکے تھے اور دین اور انصاف ان کی نظروں میں حکومت سے زیادہ اہمیت حاصل کر چکا تھا۔ ان کی انتہائی سادہ زندگی ان کی طبیعت ثانیہ بن چکی تھی جو روئے زمین کے بادشاہوں کی شان وشوکت کے لئے تازیانہ کا حکم رکھتی تھی۔''

دوسرے یہ کہ ان میں سے کسی نے اختیار کے باوجود اپنے بیٹے یا قریب ترین فرد خاندان کو اپنا جانشین نہیں بنایا بلکہ بالعکس انہوں نے ان کو خلافت کی ذمہ داری سے الگ رہنے کی ہدایت اور مسلمانوں کو ان کو منتخب نہ کرنے کی وصیت کی، جس کی بناء پر (فطرت، جذبہ انسانی اور صدیوں نہیں ہزاروں برسوں کی حکومتوں، حکمرانوں کی روایات اور تجربوں کو سامنے رکھ کر) اس کے سوا کوئی نتیجہ نہیں نکالا جا سکتا کہ وہ سرتاپا اخلاص، للّٰہیت ظاہرا و باطنا بے غرض و بے لوث تھے اور ان کا خلافت کی ذمہ داری قبول کرنا محض رضائے الٰہی کی خاطر، دین کی اشاعت و استحکام اور فتنوں اور خطرات کے دروازے بند کرنے کے سوا کچھ نہ تھا ورنہ (جیسا کہ بعض مکاتب کا خیال اور قول ہے) اگر انہوں نے خلافت اپنے ذاتی اغراض، جاہ طلبی اور مقصد براری کے لئے قبول کی تھی تو دنیا کا فائدہ اٹھائے بغیر اپنی عاقبت خراب کرنا ''گناہ بےلذت'' کے سوا کچھ قرار نہیں پاتا اور یہ کسی ذی ہوش آدمی کا کام نہیں ہوسکتا کہ وہ ''کوہ کندن کاہ برآوردن'' کے مترادف ہے۔

حضرت ابوبکرؓ کا زہد وایثار اور احتیاط:

ہم اس موقع پر ایک مثال حضرت ابوبکرؓ کی سیرت کی اور ایک حضرت عمرؓ کے واقعہ کی نے پر اکتفا کریں گے۔ جس کے بعد ہر ایسا شخص جس کی عقل وضمیر کو تعصب نے مغلوب نہیں کیا ہے، وہ خود ہی فیصلہ کرسکتا ہے۔

عہد صدیقی کا مورخ لکھتا ہے:

''ایک روز حضرت ابوبکر صدیقؓ کی بیوی نے شیرینی کی فرمائش کی، جواب دیا میرے پاس کچھ نہیں۔ انہوں نے کہا کہ اجازت ہو تو میں خرچ روزمرہ میں سے کچھ درہم بچا کر جمع کرلوں۔ فرمایا جمع کرو۔ کچھ روز میں چند پیسے جمع ہو گئے تو حضرت ابوبکرؓ کو دیئے کہ شیرینی

لادو۔ پیسے لے کر کہا۔ معلوم ہوا کہ یہ خرچ ضرورت سے زیادہ ہیں۔ لہذا بیت المال کا حق ہے۔ چنانچہ وہ پیسے خزانہ میں جمع کر دیئے اور اسی قدر اپنا وظیفہ کم کر دیا۔‘‘ (۱)

حضرت حسنؓ راوی ہیں کہ ’’حضرت ابوبکرؓ کا آخری وقت ہوا تو فرمایا ’’عائشہؓ وہ اونٹنی جس کا ہم دودھ پیتے تھے اور وہ لگن جس میں ہم کھانا کھاتے تھے، اور وہ چادر جو ہم استعمال کرتے تھے، یہ اس وقت کی بات ہے جب ہم مسلمانوں کا کام کرتے تھے۔ جب میرا انتقال ہو جائے تو ان سب کو عمرؓ کے پاس پہنچا دینا۔ جب حضرت ابوبکرؓ کا انتقال ہوا تو انہوں نے وہ چیزیں حضرت عمرؓ کے پاس بھیج دیں۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا۔ ابوبکرؓ! تم پر خدا کی رحمت ہو۔ تم نے اپنے بعد والے پر بڑا بوجھ ڈال دیا۔‘‘ (۲) یہ بھی آتا ہے کہ جب آخر وقت ہوا تو فرمایا کہ ’’میری فلاں زمین اس رقم کے معاوضہ میں بیت المال کی طرف منتقل کر دی جائے جو میں اپنی خلافت میں بیت المال سے وصول کر چکا ہوں۔‘‘ (۳) ایک دوسری راویت میں ہے کہ آپ نے فرمایا کہ ’’میرے مال میں سے آٹھ ہزار درہم لے کر بیت المال میں داخل کر دینا۔ اس لئے کہ اسی قدر مجھ پر صرف ہوئے تھے۔‘‘

انتقال کے وقت فرمایا کہ ’’یہ دونوں کپڑے جو میرے جسم پر ہیں ان کو دھو ڈالنا اور اسی میں مجھے کفن دینا، نئے کپڑے کی مرنے والے کے مقابلہ میں زندہ رہنے والے کو زیادہ ضرورت ہے۔‘‘ (۴)

حضرت عمرؓ کا سرکاری دودھ اور سفرِ شام:

اب دوسری مثال حضرت عمرؓ کی پیش کی جاتی ہے۔ آپ نے بہت سی مملکتوں کے بادشاہوں اور بہت سی جمہوریتوں کے سربراہوں کے سرکاری دوروں کی روداد سنی ہوگی اور ان کے شاہانہ تزک و احتشام اور کروفر کا تماشاہ دیکھا ہوگا۔ چھٹی صدی مسیحی کے سب سے بڑے طاقتور فرمانروا حضرت عمرؓ کا سرکاری دورہ (سفرِ شام) کی روداد مؤرخ کی زبان سے سنئے۔

---

(۱) کامل ابن اثیر ج ۲ صفحہ ۴۲۳ (لیڈن ۷۴۔۱۸۵۷)

(۲) تاریخ الخلفاء صفحہ ۷۸، مطبعۃ السعادۃ مصر۔ ۱۹۵۲

(۳) ایضاً صفحہ ۸۴

(۴) طبقات جلد ۳ صفحہ ۱۳۱

مولانا شبلیؒ اپنی شہرہ آفاق تصنیف ''الفاروق'' میں ۱۶ھ کے سفر بیت المقدس کا حال بیان کرتے ہوئے مستند عربی تاریخوں کے حوالہ سے لکھتے ہیں:

''ناظرین کو انتظار ہوگا کہ فاروق اعظمؓ کا سفر اور سفر بھی وہ جس سے دشمنوں پر اسلامی جلال کا رعب بٹھانا مقصود تھا کس سروسامان سے ہوگا؟ لیکن یہاں نقارہ ونوبت، خدم وحشم، لاؤ لشکر ایک طرف، معمولی ڈیرہ اور خیمہ تک نہ تھا۔ سواری میں گھوڑا تھا اور چند مہاجرین وانصار ساتھ تھے۔ تاہم جہاں یہ آواز پہنچتی تھی کہ فاروق اعظمؓ نے مدینہ سے شام کا ارادہ کیا ہے، زمین دہل جاتی تھی۔

جابیہ میں دیر تک قیام رہا اور بیت المقدس کا معاہدہ بھی نہیں لکھا گیا۔ معاہدہ کی تکمیل کے بعد حضرت عمرؓ نے بیت المقدس کا ارادہ کیا۔ گھوڑا جو سواری میں تھا اس کے سم گھس کر تمام ہو گئے تھے اور رک رک کر قدم رکھتا تھا۔ حضرت عمرؓ دیکھ کر اتر پڑے۔ لوگوں نے ترکی نسل کا ایک عمدہ گھوڑا حاضر کیا۔ گھوڑا شوخ اور چالاک تھے۔ حضرت عمرؓ سوار ہوئے تو الیل کرنے لگا۔ فرمایا کم بخت! یہ غرور کی چال تو نے کہاں سے سیکھی؟ یہ کہہ کر اتر پڑے اور پیادہ پا چلے۔ بیت المقدس قریب آیا تو حضرت ابوعبیدہؓ اور سرداران فوج استقبال کو آئے۔ حضرت عمرؓ کا لباس اور سروسامان جس معمولی حیثیت کا تھا اس کو دیکھ کر مسلمانوں کو شرم آتی تھی کہ عیسائی اپنے دل میں کیا کہیں گے۔ چنانچہ لوگوں نے ترکی گھوڑا اور عمدہ قیمتی پوشاک حاضر کیا۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ خدا نے ہم کو جو عزت دی ہے وہ اسلام کی عزت ہے اور ہمارے لئے یہی بس ہے۔''

دوسرے سفر شام ۱۸ھ کا حال بھی سن لیجئے:

''حضرت عمرؓ نے شام کا قصد کیا۔ حضرت علیؓ کو مدینہ کی حکومت دی اور خود ایلہ کو روانہ ہوئے۔ یرفا ان کا غلام اور بہت سے صحابہؓ ساتھ تھے۔ ایلہ کے قریب پہنچے تو کسی مصلحت سے اپنی سواری غلام کو دی اور خود اس کے اونٹ پر سوار ہوئے۔ راہ میں جو لوگ دیکھتے تھے، پوچھتے تھے کہ امیر المومنین کہاں ہیں؟ فرماتے تمہارے آگے۔ اسی حیثیت سے ایلہ آئے۔ یہاں دو ایک روز قیام کیا، گزی کا کرتہ جو زیب تن تھا، کجاوہ کی رگڑ کھا کر پیچھے سے پھٹ گیا تھا، مرمت کے لئے ایلہ کے پادری کے حوالہ کیا۔ اس نے خود اپنے ہاتھ سے پیوند لگائے اور اس کے ساتھ ایک نیا تیار

کر کے پیش کیا۔ حضرت عمرؓ نے اپنا کرتہ پہن لیا اور کہا اس میں پسینہ خوب جذب ہوتا ہے۔"(۱)

خلفائے ثلاثہؓ کے ساتھ سیدنا علی مرتضیٰؓ کا تعاون:

جیسا کہ سید امیر علی نے لکھا ہے۔ "رسول اللہ ﷺ کی وفات کے بعد خلافت کے لئے حضرت ابوبکرؓ کے انتخاب کو حضرت علیؓ اور رسول ﷺ کے خاندان کے افراد نے بخوشی قبول کر لیا۔(۲) ولیم میور نے بھی اگرچہ حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ کے درمیان رسول اللہ ﷺ کے ذاتی ترکہ کے متعلق غلط فہمی کا ذکر کیا ہے، لیکن یہ بھی لکھا ہے کہ حضرت علیؓ، حضرت ابوبکرؓ کی خدمت میں اسی طرح حاضر ہوتے تھے، جس طرح دوسرے صحابہؓ اور وہ قاضی القضاۃ کی خدمت بھی انجام دیتے رہے۔(۳) ولیم میور یہ بھی لکھتا ہے کہ حضرت ابوبکرؓ کے خطوط عام طور پر حضرت علیؓ ہی لکھا کرتے تھے۔(۴)

"نہج البلاغۃ" کا انگریزی ترجمہ جسے عالمی شعبہ مسلم انجمن نے طبع کیا ہے، اس کے مترجم عسکری جعفری نے اپنے مقدمہ میں اس کا ذکر کیا ہے کہ حضرت عمرؓ، حضرت علیؓ سے مشورہ کیا کرتے تھے اور انہیں قبول بھی کرتے تھے۔ جب حضرت عمرؓ نے سلطنت روما سے جنگ کے موقع پر حضرت علیؓ کی رائے لی تو انہوں نے کہا کہ آپ یہیں موجود رہیں اور کسی تجربہ کار کو کمانڈر بنا کر بھیجیں۔"(۵) اسی طرح فارس سے جنگ کے موقعہ پر حضرت علیؓ نے حضرت عمرؓ کو میدان جنگ پر جانے سے منع کیا۔(۶) حضرت علیؓ نے حضرت عمرؓ کو جو صلاح دی تھی اس کی تصدیق "نہج البلاغۃ" میں شامل ہے۔ حضرت علیؓ کے خطبہ نمبر ۱۳۷ اور ۱۴۹ سے بھی تصدیق ہوتی ہے۔(۷)

---

(۱) الفاروق ج ۱ صفحہ ۱۴۲۔۱۴۵ معارف پریس اعظم گڑھ ۱۹۵۶ء۔ واقعہ تفصیل سے علامہ ابن کثیر کی مستند تاریخ "البدایۃ والنہایۃ" ج ۷، صفحہ ۵۵۔۶۰ اور تاریخ طبری میں ملاحظہ ہو۔

(۲) A Short History of the Sarcens P-21

(۳) A Short History of the Sarcens P-65

(۴) ایضاً صفحہ ۱۲۳

(۵) ایضاً

(۶) ایضاً صفحہ ۵۷

(۷) ایضاً ۲۶۰۔۲۷۰

سید حسین نصر ایرانی کی شہادت:

مغربی زبانوں میں اسلامیات پر متعدد کتابوں کے مصنف اور ممتاز دانشور سید حسین نصر جو ایرانی النسل شیعہ اور مستند علمی مقام رکھتے ہیں، خلفائے راشدینؓ اور صحابہ کرامؓ کے خلوص اور خدمت اسلام کا اعتراف کرتے ہوئے لکھتے ہیں

اسلامی تاریخ کے اس عدیم المثال دور کے بعد چار خلفاء (جنہیں سنی خلفائے راشدین کے نام یاد کرتے ہیں) اور چوتھے خلیفہ حضرت علیؓ (جنہیں شیعہ پہلا امام مانتے ہیں) حاکم ہوئے۔ اس زمانے میں قرآنی تعلیمات اور اسوۂ رسول ﷺ کو صرف انہیں حالات سے متعلق نہیں سمجھا گیا جو رسول اللہ ﷺ کے زمانہ میں پیش آنے والے تھے بلکہ سرعت کے ساتھ بیرون عرب اسلام کی اشاعت سے پیش آنے والے نئے کوائف و حالات پر بھی نافذ کیا گیا۔ بازنطینی حکومت کے کچھ حصوں پر اسلامی قبضہ اور ساسانی حکومت کے زوال کے باعث بہت سے نئے مسائل سامنے آئے جنہیں حل کرنے کے لئے پہلے سے طے شدہ اصولوں سے کام لیا گیا۔ جن لوگوں نے یہ کام انجام دیا وہ اصحاب رسول ﷺ تھے۔ اور جن کا مقصد دنیوی مفاد کے بجائے اسلام کی خدمت تھی۔ (۱)

سیدنا علی مرتضیٰؓ نے خلفائے ثلاثہ بالخصوص شیخین کو اپنا پورا تعاون دیا۔ بہت نازک موقعوں پر ان کے صائب مشورے بڑے مفید اور قیمتی ثابت ہوئے۔ ان حضرات نے بھی آپ کے علم وفہم اور اصابت رائے کا بلند الفاظ میں اعتراف کیا ہے۔ حضرت ابوبکرؓ کی وفات اور حضرت عمرؓ کی شہادت پر آپ نے اپنے جذبات وتاثرات کا جس طرح اظہار کیا ہے اس سے ان مخلصانہ تعلقات کا پورا اظہار ہوتا ہے۔ یہ دونوں خطبے جن میں ان کا اسلوب بیان، ان کی زبان اور ان کے ادبی وبلاغتی خصوصیات پوری طرح نمایاں ہیں، کتب تاریخ میں دیکھے جا سکتے ہیں۔ یہاں طوالت کے خوف سے ان کو نقل نہیں کیا جاتا۔ (۲)

---

(۱) سید حسین نصر، آئیڈیلز اینڈ ریالیٹیز آف اسلام، بوسٹن، ۱۹۷۲ء، صفحہ ۱۰۲۔۱۰۱

(۲) ملاحظہ ہو "الریاض الاغرۃ فی فضائل العشرۃ" تالیف محب الدین طبری (م ۶۹۴ھ) مخطوطہ کتب خانہ ندوۃ العلماء نمبر ۱۰۸۴، ورق ۱۲۶، ۲۱۷ نیز ۱۸۷، ۱۸۸، سیرۃ الصدیق، اردو میں حضرت ابوبکرؓ کے متعلق حضرت علیؓ کا پورا خطبہ ترجمے کے ساتھ دیکھا جا سکتا ہے، صفحہ ۱۴۵ تا ۱۵۱ نیز "طبقات ابن سعد" ج ۳ صفحہ ۳۷۰ (دار صادر بیروت)

حضرت عثمانؓ کے محاصرہ کے دوران پانی روک دیا گیا تھا، حضرت علیؓ کو اس کی اطلاع ہوئی تو پانی کی تین مشکیں بھیج دیں۔ ان کے لے جانے کے سلسلہ میں بنی ہاشم کے کئی تعلق والے زخمی ہوئے۔ حضرت علیؓ نے حضرت حسنؓ اور حضرت حسینؓ سے کہا کہ اپنی تلواریں لے کر عثمانؓ کے دروازے پر کھڑے ہو جاؤ اور کسی کو ان تک پہنچنے نہ دو۔

جب حضرت عثمانؓ پر باغیوں نے نرغہ کیا اور ان کے مکان کا محاصرہ کر لیا تو حضرت علیؓ نے حضرت حسنؓ اور اپنے آزاد کردہ غلام قنبر کو حضرت عثمانؓ کی حفاظت پر مامور کیا۔ اس مدافعت میں حضرت حسنؓ زخمی بھی ہوئے۔ سارا بدن خون سے رنگین ہو گیا۔ قنبر کے سر پر چوٹیں آئیں، لیکن باغی اس دروازہ سے داخل نہ ہو سکے جہاں حضرت حسنؓ کا پہرہ تھا۔ وہ دوسری دیوار پھاند کر اندر پہنچ گئے اور حضرت عثمانؓ کو بحالت تلاوت شہید کر دیا۔ (۱)

---

(۱) ملاحظہ ہو "تاریخ الخلفاء" سیوطی صفحہ ۱۶۰، نیز مقدمہ انگریزی ترجمہ "نہج البلاغۃ" از مسٹر عسکری جعفری بمبئی نمبر ۱۹۷۱ء، صفحہ ۶۱

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

انسانیت کے محسن اعظم
اور شریف ومتمدن دنیا کا اخلاقی فرض

حضرت مولانا رحمہ اللہ کا یہ مقالہ اردو میں ۲۲ اگست ۱۹۷۹ء کو اسلامک اسٹڈیز سنٹر آکسفورڈ یونیورسٹی انگلینڈ میں پڑھا گیا اور ۲۶ اگست کو لندن کے بین الاقوامی اسلامک سنٹر پارک روڈ میں مختلف ملکوں اور زبانوں سے تعلق رکھنے والے ایک عظیم مجمع کے سامنے عربی، اردو تقریروں اور تشریح وترجمانی کے ساتھ پیش کیا گیا

الحمدللہ رب العالمین والصلوٰۃ والسلام علیٰ سید الانبیاء والمرسلین، وعلیٰ آلہ واصحابہ اجمعین، ومن تبعهم باحسان ودعی بدعوتهم الی یوم الدین. اما بعد.

حضرات: یہ دنیا جس میں ہم آپ رہ بس رہے ہیں اور آزادی کے ساتھ اپنے عقیدہ ذوق صلاحیت اور وسائل وامکانات کے ساتھ اپنے فرائض منصبی ادا کر رہے ہیں اور اپنے ہم وطنوں (اور اس سے آگے بڑھ کر) اپنے ہمعصروں کے ساتھ مہذب اور شریفانہ اور پرسکون اور خوشگوار زندگی گزار رہے ہیں، اسی کے ساتھ تعلیمی وتدریسی تصنیفی وتحقیقی، تجرباتی واکتشافاتی میدان میں بھی اپنے اپنے درجہ اور حوصلہ کے مطابق حصہ لیتے ہیں، اور اس زندگی اور اس کے ماحول کو اس سے بہتر، اس سے زیادہ محفوظ وپرامن، اس سے زیادہ خوشگوار وپرسکون، اور اس سے زیادہ ترقی یافتہ ومعیاری بنانے کی امنگ اور خواہش رکھتے ہیں، یہ دنیا اور یہ کرۂ ارض جس پر ہم رہتے بستے ہیں، ہمیشہ سے ایسا معتدل، پرسکون، سنجیدہ باقار، متحمل وروادار، فکری وتعمیری خدمات انجام دینے، اپنے اپنے عقیدہ ومسلک کے مطابق زندگی گزارنے ایک دوسرے

احترام واعتراف کرنے اور بقائے باہم کے لئے ہمیشہ تیار نہیں تھا۔

اس زمین پر بسنے والی نسل انسانی کئی بار خودکشی اور خودسوزی کے لئے تیار اور کمربستہ پائی گئی، اس دنیا کی تاریخ میں کئی دور ایسے گزرے ہیں کہ اس نسل انسانی نے زندہ اور باقی رہنے کا استحقاق کھو دیا، اور اس نے باشعور اور باضمیر انسانوں کے بجائے غیر ذی عقل جانوروں اور خونخوار وآدم خور درندوں کی شکل اختیار کرلی، تہذیب وتمدن علم وہنر، اخلاق واقدار نظام وقانون اصول وضوابط سب پر ایک احتضار (عالم سکرات) کی کیفیت طاری ہوگئی۔

سب جانتے ہیں کہ تاریخ کی تدوین کا کام بہت دیر سے شروع ہوا، اور ماقبل تاریخ کا دور مابعد تاریخ کے دور سے کہیں زیادہ طویل اور وسیع گزرا ہے پھر زوال آدمیت اور دور وحشت کی داستان کچھ ایسی خوشگوار اور قابل فخر بھی نہیں تھی کہ اس کو پیش کرنے میں مصنفین ومؤرخین اپنی صلاحیتیں صرف کریں، اس لئے ہمیں بڑے بڑے طویل وقفوں کے بعد انسانی معاشرہ تہذیب وتمدن، اور حکومتوں اور نظامہائے مملکت کے زوال کے بارے میں تاریخی شہادتیں تاریخ عالم کے صفحات پر بکھری ہوئی ملتی ہیں اور ان کا سلسلہ زیادہ تر پانچویں صدی عیسوی سے شروع ہوتا ہے انمیں سے چند یہاں درج کی جاتی ہیں۔

مشہور انگریز مصنف hgwells ساسانی اور بازنطینی حکومتوں کے ذکر میں اس عہد کی تصویر کھینچتے ہوئے لکھتا ہے:۔

سائنس اور سیاست دونوں ان برسر پیکار اور زوال پذیر حکومتوں میں موت کی نیند سوچکے تھے ایتھنس Athens کے متاخرین فلسفیوں نے اپنی تباہی تک (جو اس پر مسلط کردی گئی تھی) عہد قدیم کے ادبی سرمایہ کو اگرچہ بغیر سوچے سمجھے مگر بے انتہا عقیدت کے ساتھ محفوظ رکھا تھا، لیکن اب دنیا میں انسانوں کا کوئی طبقہ ایسا باقی نہیں رہا تھا جو عہد قدیم کے شرفاء کی طرح جری اور آزاد خیالی کا حامی ہوتا اور قدماء کی تحریروں کی طرح تلاش وتحقیق یا جرأت مندانہ اظہار خیال کا داعی ہوتا۔

اس طبقہ کے ختم ہونے کی خاص وجہ سیاسی وسماجی افراتفری تھی، لیکن ایک وجہ اور بھی تھی جس کے باعث اس عہد میں ذہن انسانی کند اور بنجر ہوچکا تھا ایران اور بازنطینہ دونوں ملکوں میں عدم رواداری کا دور دورہ تھا، دونوں حکومتیں ایک نئے انداز کی مذہبی حکومتیں تھیں جس میں

آزادانہ اظہار خیال پر کڑے پہرے بٹھا دیئے گئے تھے۔(۱)

بازنطینی شہنشاہی پر ایرانی شہنشاہی کے حملے اور بازنطینیوں کی فتح کا کسی قدر تفصیل سے ذکر کرنے کے بعد چھٹی صدی عیسوی میں سماجی واخلاقی پستی پر روشنی ڈالتے ہوئے مصنف لکھتا ہے:۔

’’اگر کوئی سیاسی پیش گو ساتویں صدی کے آغاز میں دنیا کا جائزہ لیتا تو اس نتیجہ پر پہنچتا کہ صرف چند صدیوں کی بات ہے کہ پورا یورپ اور ایشیا منگولوں کے زیر اقتدار آجائے گا مغربی یورپ میں نہ کوئی نظم تھا نہ اتحاد بازنطینی اور ایرانی حکومتیں ایک دوسرے کو تباہ کرنے پر تلی ہوئی تھیں ہندوستان بھی منقسم اور تباہ حال تھا۔

رابرٹ بری فالٹ robert bri ffult لکھتا ہے:۔

پانچویں صدی سے لے کر دسویں صدی تک یورپ پر گہری تاریکی چھائی ہوئی تھی اور یہ تاریکی تدریجاً زیادہ گہری اور بھیانک ہوتی جارہی تھی اس دور کی وحشت وبربریت زمانہ قدیم کی وحشت وبربریت سے کئی درجہ زیادہ بڑھی چڑھی تھی کیونکہ اس کی مثال ایک بڑے تمدن کی لاش کی تھی جو سڑ گئی ہو اس تمدن کے نشانات مٹ رہے تھے اور اس پر زوال کی مہر لگ چکی تھی وہ ممالک جہاں یہ تمدن برگ وبار لایا اور گزشتہ زمانہ میں اپنی انتہائی ترقی کو پہنچ گیا تھا جیسے اٹلی، فرانس، وہاں تباہی طوائف الملوکی اور ویرانی کا دور دورہ تھا۔

قدیم مذاہب نے جس تہذیب کو پروان چڑھایا تھا اسکے زوال کے بارے میں جے ایچ ڈینی سن J h de ni son لکھتا ہے:۔

پانچویں اور چھٹی صدی عیسوی میں مہذب دنیا افراتفری کے دہانہ پر کھڑی تھی ایسا معلوم ہوتا تھا کہ چار ہزار ۴۰۰۰ سال کی مدت میں جس تہذیب نے بال وپر نکالے تھے وہ منتشر ہونے والی ہے اور انسان پھر اسی بربریت کی جانب لوٹنے والا ہے جس میں ہر قبیلہ اور فرقہ ایک دوسرے کے خلاف برسر پیکار ہو جائے اور امن وامان معدوم ہو جائے پرانے قبائلی نظام کی توانائی ختم ہو چکی تھی۔ عیسائیت نے جو رایات قائم کی تھیں وہ اتحاد اور نظم کے بجائے تفرقہ اور تباہی کی جانب لے جارہی تھیں یہ زمانہ المناک تھا تہذیب جو ایک تناور درخت کی طرح ساری دنیا کو اپنے سایہ میں لئے ہوئی تھی اور جس کی شاخیں علم وفن اور ادب کے زریں پھل دے چکی

تھیں بربادی کے قریب تھی اسے گھن لگ چکا تھا۔

نسل انسانی اور تہذیب وتمدن کی اس جان کنی کے عالم میں جزیرۃ العرب میں خدا نے ایک انسان کو پیدا کیا اور نوع انسانی کو نہ صرف بچانے بلکہ انسانیت کے اس اعلیٰ سے اعلیٰ مقام تک پہنچانے کا دشوار ترین اور نازک ترین کام سپرد کیا جو مؤرخوں کے وسیع تجربے اور شاعروں کے بلند تخیل سے بھی فزوں تر تھا اور اگر اس کے لئے ناقابل انکار تاریخی شہادتیں اور تواتر نہ ہوتا تو اس کا یقین کرنا بھی مشکل تھا یہ محمد رسول ﷺ کی ذات تھی جو چھٹی صدی مسیحی میں ظہور میں آئی آپ ﷺ کا پہلا کام یہ تھا کہ آپ ﷺ نے اس تلوار کو جو نوع انسانی کے سر پر لٹک رہی تھی اور کوئی گھڑی تھی کہ اسکے سر پر گر کر اس کا کام تمام کردے ہٹالیا اور اس کو وہ تحفے عطا کئے جنہوں نے اسکو نئی زندگی نیا حوصلہ نئی طاقت نئی عزت اور نئی منزل سفر عطا کی اور ان کی برکت سے انسانیت تہذیب وتمدن علم وفن روحانیت واخلاص اور تعمیر انسانیت کا ایک نیا دور شروع ہوا انہوں نے انسانی معاشرہ کو ایک بے بہا دولت عطا کی جس پر انسانیت کی خیر وبرکت اور تمدن کی تعمیر وترقی کا دارومدار ہے وہ قیمتی سرمایہ ہے بھلائی سے محبت اور برائی سے نفرت کا مقدس ترین جذبہ اور شرک کی قوتوں اور اس کے مرکز کو پاش پاش کرنے اور خیر کی توسیع وترقی کے لئے قربانیاں دینے کا مبارک عزم انسان کی تمام ترقیات سربلندیوں اور ناقابل فراموش کارناموں کا اصل اور اسی سبب یہی مقدس جذبہ اور مبارک عزم ہے کیونکہ تمام اسباب ووسائل ساز و سامان اور تجربہ وتحقیق کے ادارے انسان کے عزم وارادہ کے تابع ہیں انہوں نے قساوت و بہیمیت کو رحمت وراءفت اور شرافت وانسانیت میں بدل دیا انہوں نے اپنی اعلیٰ تعلیمات کی اشاعت کی اس کے لئے مسلسل ومتواتر جدوجہد جاری رکھی عیش وآرام کی پرواہ نہیں کی عزت ووقار کا خیال نہیں کیا حتیٰ کہ اپنے جسم وجان کی بھی فکر نہیں کی اس مسلسل وجاں کاہ محنت ومشقت کے نتیجہ میں انسانیت سے عاری حیوانوں اور پھاڑ کھانے والے درندوں میں ایسے نیک نفس لوگ پیدا ہوئے جن کے انفاس سے دنیا معطر ہوگئی جن کے حسن وجمال سے انسانیت کی تاریخ میں دلکشی ورعنائی آگئی جو رفعت ومنزلت میں فرشتوں سے بھی آگے نکل گئے تباہ وبرباد ہونے والی انسانیت کو نئی زندگی مل گئی عدل وانصاف کا دور دورہ ہوگیا کمزوروں میں طاقت والوں سے اپنا حق وصول کرنے کی ہمت وطاقت پیدا ہوئی بھیڑیوں نے بکریوں کی گلہ بانی کی

فضاؤں میں رحم وکرم کی خنکی چھا گئی الفت ومحبت کی خوشبو پھیل گئی سعادت کا بازار گرم ہو گیا دنیا میں جنت کی دکانیں سج گیئں ایمان ویقین کی عطر بیز ہوائیں چلنے لگیں انسانی نفوس ہوا وہوس کی گرفت سے آزاد ہو گئے قلوب بھلائیوں کی طرف ایسے کھنچنے لگے جیسے مقناطیس کی طرف لوہے کے ٹکڑے۔

ہم اختصار اور انتخاب کے طور پر ان چند بنیادی اور قیمتی عطیوں کا ذکر کریں گے جنکا نوع انسانی کی رہنمائی صلاح وفلاح اور تعمیر وترقی میں نمایاں کردار رہا ہے اور جنہوں نے ایک زندہ اور درخشندہ دنیا کی تخلیق وتشکیل کی ہے، جو کہنہ اور زوال پذیر دنیا سے کوئی مشابہت نہیں رکھتی۔

وہ عطیات Gifts درج ذیل ہیں:۔

۱۔ صاف اور واضح عقیدہ توحید۔

۲۔ انسانی وحدت ومساوات کا تصور۔

۳۔ انسانیت کے شرف اور انسان کی عزت وبلندی کا اعلان۔

۴۔ عورت کی حیثیت عرفی کی بحالی اور اس کے حقوق کی بازیابی۔

۵۔ ناامیدی اور بد فالی کی تردید اور نفسیات انسانی میں حوصلہ مندی اور اعتماد وافتخار کی آفرینش۔

۶۔ دین ودنیا کا اجتماع اور حریف وبرسر جنگ انسانی طبقات کی وحدت۔

۷۔ دین وعلم کے درمیان مقدس دائمی رشتہ کا قیام واستحکام اور ایک کی قسمت کو دوسرے کی قسمت سے وابستہ کر دینا علم کی تکریم وتعظیم اور اسے باقصد مفید اور خدارسی کا ذریعہ بنانے کی سعی محمود۔

۸۔ عقل سے دینی معاملات میں بھی کام لینے فائدہ اٹھانے اور انفس وآفاق میں غور وفکر کی ترغیب۔

۹۔ امت اسلامیہ کو دنیا کی نگرانی ورہنمائی، انفرادی واجتماعی اخلاق ورجحانات کے احتساب دنیا میں انصاف کے قیام اور شہادت حق کی ذمہ داری قبول کرنے پر آمادہ کرنا۔

۱۰۔ عالم گیر اعتقادی وتہذیبی وحدت کا قیام۔

اب ہم اپنی طرف سے زیادہ کہنے اور تشریح کرنے کے بجائے چند مستند مغربی مفکرین

ومصنفین اور ادباء ومؤرخین کے تاثرات واعترافات پیش کرتے ہیں، اس مہذب دنیا کی جن چند چیزوں سے آبرو قائم ہے اور جن کی بدولت تہذیب تاریخ اخلاقیات اور ادب وشاعری تک کی قدر وقیمت باقی ہے وہ ناقابل انکار حقائق وواقعات کا ظہار واعتراف جوہر وکمال کی قدر دانی اور محسنوں کا تشکر اور احسان مندی ہے اور جس دن ہماری یہ دنیا ہماری ادبیات ہمارا اخلاقی نظام اور ہماری ادبی صلاحیت اور اظہار خیال کی آزادی اس شریفانہ عنصر سے محروم اور عاری ہو جائے گی اس دنیا میں رہنے اور بسنے کی لذت وعزت جاتی رہے گی اور دنیا چوپایوں اور درندوں کی ایک بستی بن جائے گی جہاں سوائے پی بھر لینے اپنی سفلی خواہشات کی تکمیل اور ہواوہوس کے سوا کوئی محرک طاقت نہیں ہوگی اور جہاں استاد وشاگرد لینے والے اور دینے والے معالج ومریض (حتی کہ مادر وپدر فرزند) کے درمیان رفتہ اور محافظ ورہزن کے فرق کا احساس بھی جاتا رہے گا اسی فطری جذبہ احسان مندی کے بارے میں انسائیکلو پیڈیا آف ریلجن اینڈ اتھکس کے مقالہ نگار ولیم ایچ ڈیوڈسن Wissiam h davidson کا ایک اقتباس پیش کیا جاتا ہے جس سے اندازہ ہے کہ یہ ایک فطری اور عالم گیر انسانی جوہر ہے جس کو ہر زمانہ میں زندہ رہنا چاہئے۔

مقالہ نگار لکھتا ہے:۔

بقول تھامس براؤن Thomas brown جذبہ تشکر محبت کے اس فرحت بخش جذبہ کا نام ہے جو ہم کسی دوسرے سے فائدہ پہنچنے پر محسوس کرتے ہیں یہ احساس بذات خود اس منفعت کا ایک جزء ہے جس سے ہم مستفید ہوتے ہیں۔

احسان مندی کسی مہربانی کا ردعمل ہے جو پورے خلوص اور انبساط کے ساتھ واقع ہوتا ہے یہ ردعمل فوری اور فطری ہوتا ہے اس کے معنی یہ ہیں کہ فطرت انسانی کی تشکیل کچھ اس طرح کی گئی ہے کہ انسانوں کے درمیان محبت ویگانگت اس کی بنیادی صفت ہے اور نفرت ودشمنی (اپنی تمام علامتوں کے ساتھ) غیر فطری اور مخرب اخلاق ہے۔

اس اخلاقی پستی ودنائت طبع ضمیر کے مردہ ومفلوج ہونے اور شرافت انسانی کے آخری اثر سے محروم ہوجانے کا سب سے بڑا مظہر مذہبی پیشواؤں معماران انسانیت اور محسنین عالم کی

نہ صرف احسان فراموشی بلکہ ان کے بارے میں وہ زبان اسلوب اختیار کرنا ہے جو پست سے پست انسانوں کے بارے میں بھی روا نہیں ہے اور جس سے نہ صرف ان کے کروڑوں ماننے والوں اور ان پر جان قربان کرنے والوں کے دل و دماغ مجروح ہوتے ہیں بلکہ حقائق بھی خون ہوتا ہے اور دیکھنے والی آنکھوں میں خاک جھونکی جاتی ہے کسی شریف معاشرہ اور کسی مہذب ملک کو بھی ایسے دنی الطبع ضمیر فروش احسان فراموش اور غیر مہذب انسانوں کو برداشت نہیں کرنا چاہئے اس کے مقابلہ میں ہم اس مغربی دنیا کے (جہاں ہم اپنے خیالات پیش کر رہے ہیں) چند ترقی یافتہ اور مثالی ملکوں کے منصف مزاج حقیقت پسند اور بلند پایہ مصنفین اور ادیبوں کے تأثرات اور خیالات پیش کرتے ہیں۔

فرانس کا مشہور ادیب لیمر ٹائن Lamartine نبوت محمدی ﷺ کو خراج تحسین پیش کرتے ہوئے لکھتا ہے:

کسی بھی انسان نے کبھی بھی شعوری یا غیر شعوری طور پر اپنے لئے اتنا رفیع الشان مقصد منتخب نہیں کیا اس لئے کہ یہ مقصد انسان کی طاقت سے باہر تھا توہمات اور خوش اعتقادیوں کو جو انسان اور اس کے خالق کے درمیان حجاب بن گئی تھیں زیر و زبر کرنا انسان کو خدا کے حوالہ کرنا اور خدا کی چوکھٹ پر انسان کو لانا اس زمانہ کی اصنام پرستی کے مادی خداؤں کی جگہ خدائے واحد کے پاکیزہ اور عقلی تصور کو از سر نو بحال کرنا یہ تھا وہ عظیم مقصد کسی انسان نے کبھی بھی ایسے عظیم الشان کام کا جو کسی صورت سے انسانی طاقتوں کے بس کا نہ تھا اتنے کمزور ذرائع کیساتھ بیڑا نہیں اٹھایا

خدا کی توحید کا ایسے دور میں اعلان کرنا جب کہ دنیا لا تعداد ضمنی خداؤں کی پرستش کے بوجھ سے دبی ہوئی تھی بذات خود ایک قوی معجزہ تھا محمد ﷺ کی زبان سے جیسے ہی اس عقیدہ کا اعلان ہوا بتوں کے تمام قدیم معبدوں میں خاک اڑنے لگی اور ایک تہائی دنیا ایمانی حرارت سے لبریز ہوگئی۔

جان ولیم ڈریپر John willam draper یورپ کی ذہنی و علمی تاریخ کے ضمن میں لکھتا ہے:

۵۶۹ء میں جسٹی نین Justinian کی موت کے چار سال بعد سرزمین عرب کے شہر مکہ میں وہ شخص پیدا ہوا جس نے نسل انسانی پر سب سے زیادہ اثر ڈالا۔

وہ مزید لکھتا ہے:

محمد ﷺ میں وہ صفات جمع ہوگئی تھیں جنہوں نے ایک سے زائد بار سلطنتوں کی قسمت کا فیصلہ کیا ہے انہوں نے مابعد الطبیعیات کے بیکار مباحث میں پڑنے کے بجائے الافانی صداقتوں پر زور دیا، اور اپنے آپ کو صفائی ستھرائی سنجیدگی روزے اور نماز کے ذریعہ لوگوں کی سماجی ترقی کے لئے وقف کر دیا۔

اس صدی کا عظیم مفکر و مؤرخ ٹائن بی Toynbee لکھتا ہے:۔

مسلمانوں میں نسلی امتیاز کا مکمل خاتمہ اسلام کا ایک عظیم کارنامہ ہے موجودہ دنیا کی جو حالت ہے اس میں اسلام کی اس خصوصیت کی تبلیغ و اشاعت وقت کی اہم ترین ضرورت ہے۔

یہ عجیب اتفاق ہے کہ دو سو سال قبل تھامس کارلائل (Thomas carlyl) نے تمام پیغمبروں میں محمد ﷺ کو اپنا ہیرو منتخب کیا تھا اور اب بیسویں صدی کے اخیر میں امریکہ کے مائکل ایچ ہارٹ (Michqel h hart) نے ان لوگوں کی فہرست میں جو تاریخ عالم میں انسانیت پر سب سے زیادہ اثر انداز ہوئے ہیں آپ ﷺ کا ہی نام سرفہرست رکھا ہے۔

محمد رسول ﷺ کے متبعین اور آپ ﷺ کی پیدا اور تربیت کی ہوئی امت کے پوری نسل انسانی پر جو ناقابل فراموش احسانات ہیں اور اس تہذیب و تمدن کے بقا و ارتقاء کے عمل میں اس کا جو عظیم الشان کردار رہا ہے اس کو مختصراً اہم دو ناقابل انکار تاریخی واقعات کی شکل میں پیش کرتے ہیں۔

تاریخ کے طالب علم جانتے ہیں کہ ساتویں صدی ہجری۔ (تیرہویں صدی عیسوی) میں اچانک دنیا کے متمدن ممالک تہذیب تمدن علم و ثقافت اخلاق و انسانیت اور وسیع ترین اور عمیق ترین اثرات رکھنے والے دو مذہبوں اسلام اور عیسائیت ان کے پیروؤں اور انکی قائم کی ہوئی وسیع ترقی یافتہ اور زرخیز سلطنتوں اور خود انسانیت کے مستقبل کو ایک ایسی صورت حال کا سامنا کرنا پڑا جو ماضی کی سب کوششوں پر پانی پھیر دینے والی حال کے حسن و جمال اور

فضل وکمال پر۔

خط نسخ پھیر دینے والی اور مستقبل کے تمام روشن امکانات کو مشکوک ومدہم بنا دینے والی تھی یہ نیم وحشی تاتاریوں اور منگولوں کا اپنے غیر معمولی اور عبقری Genirs قائد چنگیز خاں (تموچن) کی قیادت میں متمدن مغربی وشمالی دنیا پر اچانک حملہ تھا جو ۶۱۶ھ ۱۲۱۹ء سے شروع ہوا اس حملہ کی ہولناکی ہوش ربا، اور اس کے دنیا کے پورے تہذیبی وتمدنی دینی وعلمی عقلی وفکری تعمیری وصنعتی ورثہ کو برباد کردینے کی صلاحیت اور اس کے آثار وامکانات کے ظاہر ہوجانے کا اندازہ ان چند اقتباسات سے ہوگا جو ہم چنگیز خاں کے مستند مورخ ہیرلڈ لیمب Harold lamb کی کتاب Genghiskhan سے پیش کرتے ہیں:-

اس کے راستہ میں جو شہر آتے اکثر حرف غلط کی طرح مٹ جاتے دریاؤں کے رخ بدل جاتے صحراء کے صحراء سراسیمہ اور لب مرگ پناہ گزینوں سے بھر جاتے اور اس کے گزر جانے کے بعد ان علاقوں میں جو کبھی آباد تھے بھیڑیوں اور گرگسوں کے سوا کوئی زندہ مخلوق باقی نہ بچتی۔

عیسائی دنیا بھی چنگیز خاں کی موت کے بعد منگولوں کی اگلی پشت کے مقابلہ میں اتنی ہی سراسیمہ وحیران تھی جب کہ خونخوار مغل شہسوار مغربی یورپ کو روندتے پھرتے تھے پولینڈ کا شاہ بولسااس اور ہنگری کا بادشاہ بیلا ہزیمت کھا کے جنگ کے میدانوں سے بھاگے تھے اور سائی لیسیا کا ڈیوک ہنری اپنے تیوتانی شہسواروں کے ساتھ لڑتا ہوا لیگنز liegnitz میں مارا گیا تھا۔

یہ ایک ایسی جنگ تھی جو ہر حد سے متجاوز تھی اس حد تک جیسی دوسری عالم گیر جنگ یہ بغیر منافرت کے بنی نوع انسان کا قتل عام تھا جس کا مقصد محض انسانوں کو فنا کرنا تھا۔

انسان کی طاقت سے باہر تھا کہ منگولوں کو روک سکیں وشت وصحراء کے تمام خطروں پر وہ غالب آئے پہاڑ سمندر موسمی سختیاں قحط وبائیں کوئی بھی انکی راہ میں مزاحم نہ ہو۔ کا کسی قسم کے خطروں کا انہیں خوف نہ تھا کوئی قلعہ ان کے حملہ کی تاب نہ لاسکتا تھا اور رحم کے لئے کسی مظلوم کی فریاد ان پر اثر نہ کرتی تھی۔

اس کی فتوحات کا زیادہ تر اس کے دشمن مؤرخوں نے ذکر کیا ہے تہذیب وتمدن پر اس کا حملہ اس قدر ہولناک اور تباہ کن تھا کہ نصف کرۂ ارض میں پھر نئے سرے سے ابتداء کرنی پڑی

، پریسٹر جان کی حکومت اور ختا قرا ختائی خوارزم اور اس کے مرنے کے بعد بغداد روس اور پولینڈ کی سلطنتیں نیست و نابود ہوگئیں۔ جب یہ ناقابل شکست وحشی قوم فتح کرتا تو اور سب لڑائیاں خود بخود ختم ہو جاتیں حالات کی پوری رفتار چاہے وہ پہلے اچھی ہوتی یا بری بالکل بدل جاتی اور مغلوں کی فتح کے بعد جو لوگ باقی بچتے ان کے درمیان عرصہ تک امن قائم رہتا۔

کیمبرج کی تاریخ عہد وسطی کے مصنفوں نے منگلوں کے اس لرزہ خیز حملہ کو ان الفاظ میں بیان کیا ہے:۔

تاریخ عالم میں اس نئی قوت کا ظہور یعنی ایک شخص واحد کی یہ قابلیت کہ بنی نوع انسان کے تمدن کو بدل دے چنگیز خاں سے شروع ہوا اور اس کے پوتے قوبیلائی خاں پر ختم ہوگیا، جس کے زمانہ میں مغلوں کی سالم اور بسیط سلطنت نے تقسیم و تفریق کے آثار ظاہر کرنے شروع کر دیئے ایسی طاقت پھر کبھی دنیا کے پردہ پر ظاہر نہیں ہوئی۔

یہ حملہ اور اس کی دہشت ترکستان و ایران و عراق تک محدود نہ تھی یورپ کے دور دراز ملکوں تک پھیل چکی تھی جہاں ان نیم وحشی تاتاریوں کا پہنچنا ایک بعید از قیاس بات تھی گبن Gibbon اپنی مشہور کتاب تاریخ انحطاط وسقوط روما (The decline and fall of) میں لکھتا ہے:۔

سویڈن کے باشندوں نے روس کے ذریعہ تاتاری طوفان کی خبر سنی ان پر اتنی دہشت طاری ہوئی کہ وہ ان کے خوف سے اپنے معمول کے مطابق انگلستان سواحل پر شکار کھیلنے کے لئے نہیں نکلے۔

تاتاریوں نے پہلے بخارا کی اینٹ سے اینٹ بجادی اور اسکو ایک ذرہ خاک بنادیا شہر کی آبادی میں سے کوئی زندہ نہیں بچا، پھر سمرقند کو خاک سیاہ کردیا اور ساری آبادی کو فنا کے گھاٹ اتار دیا یہی حشر عالم اسلام کے نامی گرامی شہروں کا ہوا، اس کا پورا امکان تھا اور یورپ کی اخلاقی حالت سیاسی انتشار و ابتری اور معاشرہ کی وہ خرابی (جس کا ہم نے حقیقت پسند اور حقیقت نگار مغربی مصنفین کے حوالہ سے اوپر ذکر کیا ہے) اس کی دعوت دیتے تھے اور اسکے لئے فضا ہموار کرتے تھے کہ عالم اسلام کی آخری متحدہ طاقت خوارزم شاہی سلطنت کو نیست و نابود کرنے اور عالم اسلام کے مرکزی آباد اور گلزار شہروں کو کھنڈر بنانے کے بعد تاتاری مسیحی مغرب کا رخ

کریں اور اس کا بھی وہی حشر ہو جو اسلامی مشرق کا ہوا۔ ایچ جیولز (H gwells) کا قول ہم نقل کر چکے ہیں کہ:۔

اگر کوئی سیاسی پیشین گو ساتویں صدی کے آغاز میں دنیا کا جائزہ لیتا تو اس نتیجہ پر پہنچتا کہ صرف چند صدیوں کی بات ہے کہ پورا یورپ اور ایشیا منگولوں کے زیر اقتدار آ جائے گا۔

ہیرالڈ لیمب (Harold lamb) لکھتا ہے:۔

(چنگیز خاں) کی جہاں آشوبی و غارتگری نے تمدن کو ایسا سخت صدمہ پہنچایا کہ نصف دنیا میں تہذیب و شائستگی کو مرکراز سر نو جنم لینا پڑا خوارزم کی سلطنت، بغداد کی خلافت روس کی مملکت اور کچھ دنوں کے لئے پولینڈ (پولار) کی حکومتیں مٹ گئیں۔

وہ مزید لکھتا ہے:۔

جس وقت مغلوں نے دھاوا کیا تو جرمن فوجیں اور پولینڈ کی فوجیں مغلوں کے حملہ کی تاب نہ لاسکیں اور مغلوں نے ان کو تقریباً نیست نابود کر دیا۔

لیکن دفعتاً معجزہ کی طرح ایک واقعہ ایسا پیش آیا جس نے تاریخ کا رخ ہی بدل دیا اور متمدن دنیا کو اطمینان کا سانس لینے ہی کا نہیں بلکہ تمدن و تہذیب قوت و استحکام اور ترقی و خوشحالی اور علم و فکر کی خدمت کا نیا سفر شروع کرنے کا موقع دیا وہ یہ کہ یہ ناقابل تسخیر فاتح قوم اپنے مفتوح اور بے دست و پا مسلمانوں کے دین کی حلقہ بگوش بن گئی جو اپنی ہر قسم کی مادی و سیاسی طاقت کھو چکا تھا۔ اور جس کے پیروؤں کو تاتاری سخت ذلت و حقارت کی نظر سے دیکھتے تھے، پروفیسر ٹی ڈبلو آرنالڈ (T w arnold) اپنی مشہور کتاب دعوت اسلام Preachingof islam میں استعجاب کا اظہار کرتے ہوئے لکھتا ہے:۔

”لیکن اسلام اپنی گزشتہ شان و شوکت کی خاکستر سے پھر اٹھا اور واعظین اسلام نے انہیں وحشی مغلوں کو جنہوں نے مسلمانوں پر کوئی ظلم باقی نہ رکھا تھا مسلمان کر لیا۔

جن مخلصین نے اس خون آشام تاتاری قوم کو اسلام کا حلقہ بگوش بنایا ان بہت کم لوگوں کے نام دنیا کو معلوم ہیں، مگر ان کا یہ کارنامہ تاریخ عالم کے کسی تعمیری اصلاح یا انقلابی کارنامہ سے کم نہیں ان کا احسان نہ صرف مسلمانوں پر نہ صرف مسیحی مغرب پر بلکہ پوری انسانیت پر قیامت

تک رہے گا کہ انہوں نے دنیا کو وحشت بربریت اور ایک بے یقینی اور سراسیمگی کی عالمگیر کیفیت سے نکال کر نظم وانضباط علم دوستی وعلم پروری جوہر شناسی اور فضل وکمال کی قدر دانی کی فضا میں منتقل کر دیا اور علم وفکر تصنیف وتالیف تدریس وتعلیم فن وادب نے ایک معتدل فضا اور فضل وکمال اور محنت وجگر کاوی کی قدر کرنے والوں کے سایہ میں نئے سرے سے اپنا سفر شروع کیا۔

چنگیز خاں کی سلطنت اس کے انتقال کے بعد اس کے چار بیٹوں کی چار شاخوں میں بٹ گئی تھی ان چاروں شاخوں میں اسلام کی اشاعت تیزی کے ساتھ شروع ہوئی اور تاتاری خاقان اور ان کی دعوت وتبلیغ واثر سے تاتاری قوم مسلمان ہونا شروع ہوگئی یہاں تک کہ ایک صدی کے اندر اندر تقریباً ساری تاتاری قوم مسلمان ہوگئی۔

اسلام کی اس اشاعت کا فرض انجام دینے والوں اور ان بزرگوں اور کارپردازان حکومت کے واقعات کا جن کی اخلاقی بلندی دل آویزی ذاتی کردار اور خلوص وروحانیت کے اثر سے یہ خون آشام اور جنگجو تاتاری اسلام قبول کرنے پر آمادہ ہوئے آج بھی دلوں کو تڑپاتے اور روحوں کو گرمادیتے ہیں۔

تاتاری من حیث القوم نہ صرف مسلمان ہوئے بلکہ ان میں بڑے بڑے مجاہد بڑے بڑے عالم اور فقیہ اور بڑے بڑے باخدا درویش پیدا ہوئے ان میں متعدد مصنف اور دانشور اور ادیب وشاعر بھی ہوئے۔

تاتاریوں کا قبول اسلام جس سے ان کا مزاج ذوق ورجحان اور انسانیت وتمدن کے بارے میں نقطۂ نظر بدلا صرف اسلامی مشرق پر ہی احسان نہیں ہے بلکہ مسیحی مغرب اور ہندوستان کے تحتی براعظم **Subcontinent** پر بھی احسان عظیم ہے جس پر اسی ساتویں صدی ہجری۔ (تیرہویں صدی عیسوی) میں انہوں نے بیس تیس بار حملے کئے مگر ترکی النسل مسلمان سلاطین نے جن میں سلطان علاء الدین خلجی (م ۷۱۶ھ۔ ۱۳۱۶ء) اور اس کا فوجی قائد الملک الغازی غیاث الدین تغلق شاہ (م ۷۲۵ھ۔ ۱۳۲۴ء) خاص طور پر قابل ذکر ہیں ہر بار ان کو پسپا کر دیا اور اس طرح یہ قدیم زرخیز ملک اور اس کا تہذیبی وعلمی ورثہ اور خود وہاں کے دو بڑے مذاہب اسلام اور ہندو مذہب (اپنی شاخوں کے ساتھ) تاتاریوں کی غارت گری سے محفوظ رہے۔

عالم انسانیت اور بالخصوص مغرب پر (جس کو مستقبل قریب میں اہم اور انقلاب انگیز علمی اکتشافات ایجادات واختراعات اور زندگی اور باہمی واقفیت کو سہل بنانے والے وسائل وآلات کا دریافت کرنے والا اور دنیا کے دسترس میں دینے والا ملک بنتا تھا) امت مسلمہ کا یہ کارنامہ (تاتاری قوم کی نفسیاتی تبدیلی) ایک حفاظتی اور انتظامی نوعیت کا کارنامہ اور احسان تھا۔

اس کے بالمقابل اس کا ایک دوسرا کارنامہ یورپ کو علم وفکر کے نئے سرچشموں سے نہ صرف متعارف کرنا بلکہ ان سے مستفید کرنا تھا جس نے یورپ کی قرون مظلمہ Dark age میں اس کوئی روشنی دکھائی اور اس نشاۃ ثانیہ (Rena is sance) کے لئے راہ ہموار کی جس نے نہ صرف یورپ کی دنیا بدل دی بلکہ پوری دنیا کو نئے حقائق ومعلومات سے آشنا کیا اور تجربی علم Scienc کا وہ دور شروع ہوا جس نے اس دنیا کی کایا پلٹ دی یہ اندلس (Muslimspain) جس کے راستہ سے یورپ میں قدیم علمی ترکہ (فلسفہ وحکمت ریاضی وطب) منتقل ہوا اس نے مغرب کو جو سب سے بڑا علمی تحفہ دیا وہ حقیقت پسندی اور منطق استقرائی (Inductive LogIc) کا تحفہ تھا اور جس نے قیاس واتخراج (Deductuve Loguc) کی جگہ لی جس نے مغرب کے طریق فکر ہی کو بدل دیا اور اس کے نتیجہ میں سائنس اور ٹیکنالوجی کو نہ صرف ترقی کرنے کا موقع ملا بلکہ حقیقت میں ان کا وجود عمل میں آیا مغرب کی ساری مفید تحقیقات سائنس کے تجربات اور تسخیر کائنات کی جزئی ومحدود کامیابیاں اور زندگی کے سفر کی مشکلات کا کسی حد تک ازالہ اسی منطق استقرائی کا نتیجہ ہے جس سے یورپ ناآشنا تھا اور جو اس کو آزاد خیال اور جرءت مند محققین کی تحقیق کے مطابق مسلمان اسپین کے ذریعہ حاصل ہوا مشہور فرانسیسی فاضل اور مؤرخ Gustve Lebon لکھتا ہے:۔

لوگ تجربہ اور معائنہ (منطق استقرائی) کو جدید علمی تحقیقات میں بنیاد کا درجہ دیتے ہیں Francis Bacon کی طرف منسوب کرتے ہیں لیکن ضروری معلوم ہوتا ہے کہ اب اس کا اعتراف کیا جائے کہ یہ پورا طریقہ اور نظام فکر عربوں کی دین ہے۔

رابرٹ بری فالٹ (Robert Briffault) اپنی کتاب تعمیر انسانیت (The making OfHumanity میں لکھتا ہے:۔

یورپ کی ترقی کا کوئی شعبہ اور کوئی گوشہ ایسا نہیں ہے جس میں اسلامی تمدن کا دخل نہ ہو

اور اس کی ایسی نمایاں یادگاریں نہ ہوں جنہوں نے زندگی پر بڑا اثر ڈالا ہے۔

دوسر جگہ لکھتا ہے:۔

صرف طبعی علوم ہی (جن میں اندلسی عربوں کا احسان مسلم ہے) یورپ میں زندگی پیدا کرنے کے ذمہ دار نہیں ہیں بلکہ اسلامی تمدن نے یورپ کی زندگی پر بہت عظیم الشان اور مختلف النوع اثرات ڈالے ہیں اور اس کی ابتداء اسی وقت سے ہو جاتی ہے جب اسلامی تہذیب وتمدن کی پہلی کرنیں یورپ پر پڑنی شروع ہوتی ہیں۔

یورپ کی دینی تاریخ اور عیسائی کی تاریخ کا مطالعہ کرنے والے پاپائی نظام کے مصلحین اور اس کے بانیوں پر اسلام کے ذہنی وفکری اثرات کا کچھ اندازہ کر سکتے ہیں سولھویں صدی مسیحی میں برپا ہونے والی لوتھر (Lutnr) کی تحریک اصلاح میں بھی اسلامی تعلیمات کا انعکاس ملتا ہے جیسے کسی شیشہ میں دور کی روشنی کی شعاعیں نظر آتی ہیں اسی طرح قرون متوسطہ کی قدامت پرستی اور کلیسائی جبر کے خلاف تحریکوں سے یہ روشنی چھن چھن کر نظر آتی ہے۔

حضرات! ان دونوں انقلاب انگیز احسانات کا اخلاقی اور انسانی تقاضہ ہے کہ ان کے حقیقی سرچشمہ کی عظمت اور احسان کا اعتراف کیا جائے اور اس کے بارے میں کسی تقریب وعنوان سے جب کبھی اظہار خیال کیا جائے یا اس کا علمی وتاریخی جائزہ لیا جائے تو اس میں ہم ان اخلاقی قدروں کی پابندی کریں جو ہزاروں برس سے دنیا کی مختلف قوموں تہذیبوں اور فلسفوں میں قابل احترام چلی آرہی ہیں اور اس میں ہم کبھی ثقاہت ومتانت توازن واعتدال اور انصاف وحق پسندی کا دامن ہاتھ سے نہ جانے دیں اس کی تعلیم تمام مذہبی صحیفوں اخلاقی تعلیمات اور بلند مرتبہ مؤرخین وناقدین کے کردار وعمل نے دی ہے اور اس پر مذاہب اقوام ہی نہیں بلکہ علم و دانش کے تبادلہ اور باہم استفادہ کا عمل قائم ہے اور جس کے بغیر علمی وادبی کاوشیں اور تنقید وتبصرہ کا باوقار کام ایک سنجیدہ اور تعمیری عمل کے بجائے فحش ناول نویسی ہزلیات اور دشنام طرازی میں تبدیل ہو جائے گا اور اس سے وہ منفی انتشار انگیز اور نفرت خیز نتائج رونما ہوں کہ جن سے علم وادب ہزار بار پناہ مانگتے ہیں اور ان سے قوموں ملکوں کے باہمی تعلقات پر بھی اثر پڑ سکتا ہے۔

یہ ایک سطحی اور عامیانہ خیال ہے کہ اظہار خیال کی آزادی پر کسی قسم کی پابندی عائد کرنا فرد

کی آزادی کو سلب کر لینے اور جبر واستبداد (Coercion) کے عمل کے مرادف ہے اور وہ کسی آزاد ملک کے آئین ودستور کو معطل کر دینے یا نا قابل عمل بنا دینے کے ہم معنی ہے اظہار خیال کی ایسی آزادی جو تمام اخلاقی حدود کو پار کر جائے انسانیت کے جلیل القدر محسنین ومعماروں اور پیشوایان مذاہب کے بارے میں وہ مبتذل اور سوقیانہ Obscene زبان واسلوب اختیار کرنے پر آمادہ کرے جو ہزلیات وطنزیات اور ناول نگاری کے لئے کسی حد تک جائز قرار دیا جا سکتا ہے جس سے تاریخی حقائق ومسلمات کا خون ہو اور ان قابل صد احترام مذہبی پیشواؤں اور پیغمبروں کے کروڑوں ماننے والوں کے دل زخمی ہوں اور ملکوں اور معاشروں کے مختلف عناصر اور اجزائے ترکیبی کے تعلقات پر اثر پڑے ایک ایسا مجرمانہ فعل ہے جس کی کسی مہذب امن پسند اور بقائے باہم (Coexistence) کے اصول پر عمل کرنے والے ملک میں اجازت نہیں دی جا سکتی خود متعدد مغربی مفکرین اور بلند مرتبہ دانشوروں نے اظہار خیال کی آزادی کو غیر محدود اور غیر محدود اور غیر مقید ماننے سے انکار کیا ہے اور ایسی غیر محدود آزادی اظہار خیال کے ان سنگین نتائج کی طرف اشارہ کیا ہے جو اظہار خیال کی آزادی کو سلب کر لینے سے بھی زیادہ مضر اور خطرناک ہیں یہاں پر صرف دو بیانات پر اکتفا کیا جاتا ہے کہ ایسے اقتباسات اور شہادتیں ایک مقالہ سے زیادہ ایک مستقل کتاب کی طالب ہیں:۔

سنسر شپ یا شخصی اخلاقیات کے متعلق قوانین کو شخصی آزادی پر نا قابل برداشت پابندی سمجھ کر احتجاج کرنے کا مطلب یہ ہے کہ ہم پہلے سے یہ تصور کر لیتے ہیں کہ جن آزادیوں پر یہ قوانین پابندی عائد کرتے ہیں وہ ایک بہتر (یا کسی بھی) معاشرہ میں انسان کی بنیادی ضرورتوں میں سے ہیں اس کے برعکس ان قوانین کے دفاع کا مطلب یہ ہے کہ یہ ضرورتیں لازمی نہیں ہیں یا یہ کہ ان ضرورتوں کا حصول ان اقدار کو قربان کئے بغیر ممکن نہیں ہے جو شخصی آزادی سے اعلی تر اور انسان کی عمیق ترین ضرورتوں کو پورا کرتی ہیں۔ یہ وہ اعلیٰ اقدار ہیں جو محض داخلی نہیں بلکہ معروضی حیثیت رکھتی ہیں کسی شخص یا کچھ لوگوں کی آزادی کی حد کیا ہونا چاہئے اس موازنہ پر منحصر ہے کہ وہ کس حد تک آزادانہ زندگی بسر کرنا چاہتے ہیں اور دوسرے اقدار مثلاً برابری انصاف مسرت تحفظ یا امن عامہ کے تقاضے کیا ہیں یہی وجہ ہے کہ یہ غیر محدود نہیں ہوسکتی۔

سینیٹر بلیک اسٹون Blackstoni کی وہ تقریر جو امریکہ میں آزادی اظہار خیال کے

قانون کی بنیاد تصور کی جاتی ہے اس میں اس نے کہا تھا کہ:۔

ہر آزاد شخص کو بلا شبہ یہ قانونی حق حاصل ہے کہ وہ عوام کے سامنے اپنے جذبات کا اظہار کر سکے اس پر پابندی لگانا پریس کی آزادی کو ختم کرنا ہے لیکن اگر وہ ایسی بات چھاپتا ہے جو نا مناسب شرانگیز یا غیر قانونی ہو تو اسے اپنی اس جسارت کی ذمہ داری قبول کرنی ہوگی پریس کو محتسب کی قدغن کی ماتحت کرنا آزادی ضمیر کو ایک ایسے شخص کے ذاتی رجحان پر چھوڑنا ہوگا جسے علم مذہب اور حکومت کے اختلافی مسائل میں فیصلہ کن اور غلطی سے مبرا مان لیا گیا ہو لیکن خطرناک اور مجرمانہ تحریریں جنہیں غیر جانبدارانہ اور منصفانہ مقدمہ کے بعد نقصان دہ سمجھا جائے اس پر سزا دینا امن وامان حکومت اور مذہب کی بقا کے لئے ضروری ہے، کیونکہ انہیں پر شہری آزادی کی بنیادیں قائم ہیں اس طرح افراد کا ضمیر تو آزاد ہے لیکن اس کے غلط استعمال پر سزا دینا تعزیراتی قانون کا مقصد ہے۔

حضرات! ہم اس مضمون کو علامہ اقبال کی ایک نظم پر ختم کرتے ہیں، جس سے نہ صرف کانوں کا بلکہ دلوں اور روحوں کا ذائقہ بھی تبدیل ہوگا بلکہ ان احسانات اور فتوحات کا استحضار بھی ہو جائیگا جو بعثت محمدی اور ذات رسالت پناہ سے وجود میں آئیں اور جن کی مثال مذاہب و اصلاحات کی تاریخ اور ناموران عالم کی زندگی میں نہیں ملتی۔

اقبال کہتے ہیں:

ازدم سیراب آں امی لقب
لالہ رست ازریگ صحرائے عرب
حریت پروردہ آغوش اوست
یعنی امرو زامم ازدوش اوست
او دلے در پیکر آدم نہاد
او نقاب از طلعت آدم کشاد
ہر خدا وند کہن را او شکست
ہرکہن شاخ از نم او غنچہ بست
گرمی ہنگامہ بدر و حنین

حیدرؓ وصدیقؓ و فاروقؓ وحسینؓ
سطوت بانگ صلوٰت اندر نبرد
قرأت الصافات اندر نبرد
تیغ ایوبی نگاہ بایز ید
گنجا ہائے ہر دوعالم راکلید
عقل ودل رامستی از یک جام مے
اختلاط ذکر و فکر روم ورے
علم و حکمت، شرع و دیں نظم امور
اندرون سینہ دل ہانا صبور
حسن علام سوزالحمرا و تاج
آنکہ از قد وسیاں گیر و خراج
ایں ہمہ یک لحظہ ازاو رقاتِ اوست
یک تجلی از تجلیات اوست
ظاہرش ایں جلوہ ہائے۔ دل فروز
باطنش از عارفان پنہاں ہنوز

اس امی لقب نبی ﷺ کی خوش انفاسی کے فیض سے صحرائے عرب کے ریگزاروں میں گل ولالہ کی بہار آ گئی۔

آزادی کا جذبہ آپ ہی کی آغوش مبارک کا پرودہ ہے اور اس طرح گویا اقوام عالم کی موجودہ ترقیاں آپ ﷺ کے عظیم الشان ماضی کا ثمر اور نتیجہ ہیں۔

انسان کے پیکر خاکی میں آپ ﷺ نے دھڑکتا ہوا دل رکھ دیا اور صحیح معنوں میں انسان کی صلاحیتوں سے پردہ اٹھایا اور اس کے جوہر ذاتی کو آشکار کیا۔ آپ ﷺ نے تمام ہی خدایان کہن کو شکست فاش دی اور آپ ﷺ کے فیض سے مرجھائی ہوئی شاخوں پر برگ دبار آنے لگے۔

بدر وحنین کی گرمی ہنگامہ آپ ہی کے جوش وخروش کے دم سے تھی اور حضرت صدیقؓ و

فاروق حیدر کرار اور شہید عالی مقام حضرت حسینؓ کی انقلابی شخصیتیں آپ ﷺ ہی کی ہمہ صفت ذات کی تجلیاں تھیں۔

حالت جنگ میں بلند ہونے والی افواج کی سطوت وہیبت اور تلاوت الصافات کی لذت وحلاوت آپ ﷺ ہی کی دی ہوئی ہے۔

صلاح الدین ایوبی کی شمشیر آبدار اور بایزید بسطامی کی نگاہ حقیقت میں دو عالم کے خزانوں کی کلید ثابت ہوئیں۔

ساقیٔ کوثر کے ایک جام سے عقل ودل دونوں ہی مست وسرشار ہوگئے اور آپ ﷺ کی تربیت گاہ میں رومی کا ذکر اور رازی کی فکر فلک پیما ہم آہنگ ہوگئی۔

علم وحکمت دین وشریعت انتظام سلطنت اور دنیا کے اندر پھیلی ہوئی روحانی طلب وتلاش اور سینوں میں دلوں کی بے قراری۔

الحمراء اور تاج محل کا وہ حسن عالم سوز ودل افروز جو فرشتوں سے بھی عقیدت لے لیتا ہے۔

یہ سب کارنامے آپ ﷺ کے اوقات عزیز وگراں مایہ کے ایک مختصر لمحے اور آپ ﷺ کی بیشمار تجلیات میں سے ایک تجلی اور ایک جھلک کی حیثیت رکھتے ہیں۔

آپ ﷺ کے فیض ظاہری کے اثرات ان جلوہ ہائے دل فروز کی شکل میں تو ظاہر ہوگئے لیکن آپ ﷺ کے وجود مبارک کا باطنی پہلو عارفان کامل کی نگاہ سے اب بھی پوشیدہ ہے۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

حضرت محمد ﷺ کی کامل پیروی

طبیعت پر شریعت، رسم ورواج اور خواہشات پر اسوہ نبوی اور تعلیمات نبوی ﷺ کی ترجیح

جمعۃ الوداع کی تقریر جو ۲۴ رمضان المبارک ۱۴۱۲ھ کو مسجد حضرت سید شاہ علم اللہ رائے بریلی میں کی گئی۔

الحمد للہ الذی کفی و سلام علی عبادہ الذین اصطفی امابعد!

میرے عزیز بھائیو، دوستو اور بزرگوں سب سے پہلے ہم آپ کو اس بات کی مبارک باد دیتے ہیں کہ اللہ تبارک تعالیٰ نے رمضان المبارک کا یہ مہینہ نصیب فرمایا اور ہم کو، آپ کو اس وقت تک زندہ رکھا کہ ہماری زندگی میں ایک بار پھر یہ مبارک مہینہ آ گیا، آپ یاد کیجئے ان لوگوں کو جو رمضان سے پہلے دنیا سے چلے گئے، یہ اللہ تبارک تعالیٰ کا بہت بڑا انعام ہوا، اور اس کے بعد پھر یہ کہ آج جمعۃ الوداع جو اس مہینہ کا بظاہر آخری جمعہ معلوم ہوتا ہے) اللہ نصیب فرما رہا ہے، اور اس کی بعد انشاء اللہ عید کا مبارک دن بھی آئے گا، ہم اور آپ اللہ کا شکر ادا کریں گے روزے کی توفیق پر اور اللہ کی نعمتوں پر۔ اس وقت دور دور سے بھائی جمعہ ادا کرنے آئیں ہیں۔ مختلف ذہن کے مختلف حالات کے مختلف طبیعتوں کے، مختلف ماحول کی اور مختلف مجبوریوں اور دشواریوں کی، اس وقت ایسی بات کہنا ضروری معلوم ہوتی ہے کہ جو ساری عمر کام آئے، ہر جگہ کام آئے اور ہر ایک کے کام آئے، اور یہ اللہ کی توفیق پر منحصر ہے اور یہ بات اس لئے ممکن ہے کہ اللہ کے رسول نے کوئی بات اٹھا نہیں رکھی، اور انسان کی نجات پانے کے لئے، اللہ کی خوشنودی حاصل کرنے کے لئے، اللہ کی مرضی کے مطابق زندگی گذرنے کے لئے، یہاں بھی اللہ کے فصل اور اس کے انعام کے مستحق بننے کے لئے اور اٹھائے جانے آنکھ بند ہونے کے

بعد بھی، اللہ کی نعمتوں کو پانے کے لئے اور جنت میں جانے کے لئے آپ ﷺ نے کوئی بات اٹھا نہیں رکھی۔ آپ کا کلام، آپ کے ارشادات ایسے ہیں کہ ان میں ایک ایک ارشاد ایسا ہے کہ اگر اللہ ہمیں توفیق دے، اور ہماری قسمت اچھی ہو اور اللہ کو منظور ہو تو ساری عمر کے لئے کافی ہے اور تمام حالات کے لئے کافی ہے۔

کوئی ہم سے فرمائش کرے کہ کوئی بات ایسی کہہ دیجئے کہ ہم اس کو پکڑیں، ہم اس کو دل پر لکھ لیں، پلو میں باندھ لیں اور پھر ہم اس کی روشنی میں، اسی کے سایہ میں پوری زندگی گذار دیں اور ہر بات کے لئے ہمیں بار بار پوچھنے کی ضررت نہ پڑے، مسئلہ پوچھنے کی ضرورت پڑتی ہے۔ راستہ پوچھنے کی ضرورت پڑتی ہے اور بہت سی چیزیں، لیکن اللہ کی رضا حاصل کرنے اور جیسی زندگی وہ چاہتا ہے اور اس کے رسول ﷺ جس زندگی گذارنے کا طریقہ بتلانے کے لئے دنیا میں تشریف لائے تھے، اس کے لئے بار بار پوچھنے کی ضرورت نہ پڑے، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

یاایها الرسول بلغ ما انزل الیک من ربک و ان لم تفعل فما بلغت رسالته (سوره المائدة)

ترجمہ: اے اللہ کے نبی جو کچھ آپ پر اتارا گیا ہے سب پہونچا دیجئے اگر آپ نے ایسا نہ کیا تو رسالت اور نبوت کا حق نہیں ادا ہوا۔

تو آپ ﷺ نے کوئی کسر اٹھا نہیں رکھی آپ کے ارشادات تو بہت ہیں، اور صحابہ کرام جن سے بڑھ کر کوئی قدر دان نہیں ہو سکتا، عاشق رسول ﷺ نہیں ہو سکتا، شمع کے پروانے کی چیز ہیں وہ شمع رسالت کے لئے پروانوں سے بڑھ کر پروانے تھے، ان کو دین کی باتوں سے سیری نہیں ہوتی تھی، لیکن کسی صحابی نے ایک مرتبہ عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ آپ کوئی ایسی بات بتا دیجئے جس کو میں پکڑ لوں دامن میں باندھ لوں، دین کی باتیں بہت ہوتی ہیں، احکام و مسائل بہت ہیں، اور پورا اللہ کا کلام ہے، قرآن مجید ہے، لیکن کوئی ایسی بات بتا دیجئے جسے میں اپنا دستور العمل بنا لوں اور ہمارے لئے کافی ہو جائے، آپ ﷺ نے فرمایا آپ ﷺ نے بتایا **قل ربی اللہ ثم استقم** (ایک مرتبہ دل سے کہہ دو میرا پروردگار اللہ ہے، پھر اس پر جم جاؤ)۔

اب اس وقت میں آپ کو ایک حدیث سناؤں گا، اگر آپ اس کو اپنے ساتھ لے گئے، یہاں چھوڑ نہیں گئے، یہ پختہ ارادہ کر کے گئے کہ اس حدیث پر عمل کرنا ہے تو یہ زندگی بھر کے لئے

کافی ہے اور وہ حدیث ایسی ہے جو چونکا دینے والی ہے وہ پوری زندگی کا دستور العمل اور مکمل ہدایت نامہ ہے اور دین و دنیا کی کامیابی کی ضامن ہے، آپ ﷺ نے فرمایا:

لا یومن احد کم حتی یکون ھوا ہ تبعا لما جئت بہ.

(تم میں سے کوئی شخص صاحب ایمان نہیں ہوسکتا جب تک اس کی خواہشات اس کے تابع نہ ہو جائیں جس کو میں لے کر آیا ہوں)۔

حضور ﷺ سے بڑھ کر تواضع دنیا میں کسی کے اندر ہو ہی نہیں سکتی لیکن اس موقعہ پر آپ نے جو لفظ استعمال کیے ہیں ان میں پیغمبرانہ غیرت بھی جھلکتی ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ نے کتنی زور سے بات کہی اور آپ نے اس وقت مقام رسالت کا خیال کیا اپنی بشریت کا او . بہت سی چیزیں جو مشترک ہیں ان میں سے کسی کا خیال نہیں کیا اس میں تواضع سے کام نہیں لیا، بلکہ اپنے منصب اور مقام کو سامنے رکھا، بہت جوش کے ساتھ جیسی کوئی بات کہی جاتی ہے اور للکار کر کہی جاتی ہے، سوئے ہوئے کو جگا کر کے اور جاگتے ہونے کو بلا کر کے اس کو متوجہ کر کے بات کہی جاتی ہے اس طرح فرمائی کہ کوئی صاحب ایمان نہیں ہوسکتا جب تک اس کی خواہش نفسانی اس کی خواہشات، اس کے عادات و اطوار اس کے مصالح و منافع اس کے ماحول کے رسم و رواج ذلت و عزت کی پیمانے اس کے مطابق نہ بنیں، اور اس کے تابع نہ ہو جائیں جس کو میں لے کر آیا ہوں، تبعاً لما جئت بہ اور اس میں آپ نے بالکل تواضع سے کام نہیں لیا واحد متکلم کا صیغہ استعمال کیا جو عربی جانتے ہیں وہ اس کو سمجھتے ہیں پھر عربی میں ھوی کا لفظ جو ہے اس میں خواہشات، لذات فوائد و منافع مصلحتیں، خوف اور لالچ کے اسباب سب آجاتے ہیں، یعنی زندگی کا پورا نقشہ اندر کا بھی باہر کا بھی، اندر کا کیا اندر کی خواہشات، باہر کا کیا، باہر کی عادتیں باہر کا ماحول اس کے تقاضے اور لوگوں کی امیدیں کسی چیز کا ڈر کہ ہم نے یہ نہیں کیا تو یہ نقصان ہو جائے گا یا ہماری طرف انگلیاں اٹھ جائیں گی اور ہمیں لوگ بدنام کریں گے ہمیں ذلت و حقارت کی نگاہ سے دیکھیں گی ہمارا اتنا زبردست مالی نقصان ہو جائے گا ہم منہ دکھانے کے قابل نہیں رہیں گی، ہم سر اٹھا کر چل نہیں سکیں گے ہم گھر میں جائیں گے تو ہمیں اس کا بھی ڈر ہے کہ گھر میں انگلیاں اٹھیں اور گھر والے شکایت کریں کہ ہمارے خاندان میں یہ ہوتا آیا ہے ہماری برادری میں یہ ہوتا آیا ہے ہماری ماحول میں یہ ہوتا آیا ہے، یہ کیسی شادی کر دی لڑکی کی یہ

کیسے لڑکے کا نکاح کر دیا اور اس طرح رخصت کر دیا وہ ساری دھوم کہاں گئی؟ اس کے جو لوازمات تھے اور اس میں شان وشوکت کے جو مظاہرے تھے اور جو حیثیت عرفی ہماری ہے اور ہماری جو سوشل پوزیشن ہے اور ہمیں جس نظر سے دیکھا جاتا ہے اور ہماری جو عزت ہے محلہ میں اور خاندان میں اس سب کے مطابق آپ نے کچھ نہیں کیا سب پہ پانی پھر گیا اور سب پر دھول پڑ گئی انگلیاں اٹھنے لگیں دیکھو یہ جا رہے ان کی پاس پیشہ نہیں رہا انہوں نے ایسی شادی کر دی دیکھو یہ اپنے ہونہار فرزند کو دینیات پڑھوا رہے ہیں، کوئی اچھی نوکری نہیں ملے گی یہ بچہ کیا کمائے گا، کیا پہنے گا، اور کیا کھلائے گا اور فلاں صاحب نے سود چھوڑ دیا نہیں لیا، اور فلاں نے بہن کو حصہ دے دیا ایسی پچاس باتیں ہیں۔

تم میں سے کوئی شخص اس وقت تک مومن نہیں ہو سکتا جب اسکے دل کی چاہت اور جو عادتیں رسمیں ہیں اور جس کی جو حیثیت ہے اس کے لئے یہ قانون بن جاتا ہے کہ اپنے لڑکے کی شادی کرے گا تو اس معیار سے دعوت کرے گا تو اس معیار سے کپڑے پہنے باہر نکلے گا تو ایسی سواری ہوگی ایسا لباس ہوگا اور فلاں سے ملے گا فلاں سے نہیں ملے گا ملنے نہ ملنے کے لئے بھی کوئی فیصلہ کن بات نہیں ہے کہ اس کا حق ہے جو اس کا عزیز ہوتا ہے اس کا یہ رشتہ ہے اس پر اللہ کے یہ عائد کردہ حقوق ہوتے ہیں کس سے ملنے میں عزت ہے کس سے ملنے میں بے عزتی ہے کس سے ملنے میں فائدہ ہے، کس سے ملنے میں نہیں۔ کہاں بیٹھنے کہ لوگ دیکھیں اور اشارے کریں کہ دیکھو کیسے معزز آدمی کے ساتھ بیٹھا ہے اور کہاں بیٹھنا عیب کی بات سمجھی جائے گی، یہ بھی ملاؤں میں ہو گیا، دیکھو کہاں بیٹھا ہے مسجد جانے لگا ہے اس کو بھی کسی کی ہوا لگ گئی، یہ سارے معیار ہیں اور یہ ساری شرطیں حضور فرماتے ہیں یہ سب میری لائی ہوئی تعلیم میں جو شریعت مبین لے کر آیا ہوں، یہ حلال یہ حرام، یہ جائز ہے یا ناجائز یہ مکروہ یہ مستحب ہے، دنیاداری ہے یہ دین داری، یہ خدا کی مرضی ہے یہ اس کی نافرمانی، یہ شریعت ہے یہ شریعت کیخلاف، جو شخص جب تک یہ طے نہ کرے گا کہ اچھی بات وہ ہے جو اللہ اور اس کے رسول ﷺ نے کہی چاہے اس سے عزت ملتی ہو چاہے بے عزتی ہوتی ہو چاہے گھر لٹ جاتا ہو، کھانے کو کچھ نہ رہتا ہو یہ باتیں کچھ نہیں رہیں، فیصلہ کن بات یہ ہے کہ یہ شریعت کے مطابق ہے، یہ شریعت کے خلاف، ہم علم رکھنے والے سے پوچھیں گے اس کے بارے میں شریعت کا کیا حکم

ہے۔ حضور ﷺ کے زمانہ میں تقریبات کیسی ہوتی تھیں۔

ایک بڑے صحابی جو عشرہ مبشرہ میں ہیں یعنی وہ ان دس خوش قسمت صحابہ میں شامل ہیں جن کو حضور ﷺ نے ان کی زندگی ہی میں نام لے لے کر کہہ دیا کہ یہ جنتی ہیں۔ حضور ﷺ کو بتا دیا گیا کہ یہ جنت میں جائیں گے ان ہی میں ایک حضرت عبدالرحمن بن عوف بھی تھے، پھر مہاجر بھی تھے مکہ مکرمہ سے ہجرت کر کے آئے تھے، قریشی تھے آپ ﷺ ہی کے قبیلہ کے تھے اور ممکن ہے اوپر جا کر کئی رشتے نکلتے ہوں، آپس میں برادری میں شادیاں ہوتی ہیں، اور بڑی بات یہ کہ تھوڑے سے آدمی مکہ معظمہ سے آئے تھے، اور جب کوئی کسی ملک سے کسی دوسرے ملک کو جاتا ہے تو عام طور سے قریب قریب رہتا ہے ذرا آسانی ہوتی ہے، ایک دوسرے کی ضرورتوں کو سمجھتا ہے، ایک دوسرے کی ضرورتوں کو جانتا ہے اور ایک دوسرے کے ساتھ ہمدردی کرتا ہے معیار کو سمجھتا ہے، چنانچہ بمبئی کے لوگ جو تاجر تھے سب کراچی جا کر ٹھہرے یہ کاروباری شہر ہے تجارتی مرکز ہے میمن لوگ اور جو پنجابی کہلاتے تھے جنکا کاروبار بمبئی میں دہلی میں ہر جگہ تجارت کا تھا وہ لاہور میں رہے یا کراچی میں اکثر لوگ کراچی میں مقیم ہوئے، اس لئے کہ ہر ایک دوسرے کی زبان سمجھتا ہے اور ایک دوسرے کو سمجھتے ہیں آپس میں ہمدردی ہوتی ہے رشتہ داریاں بھی ہوتی ہیں۔

اس سے معلوم ہوتا ہے حضرت عبدالرحمن بن عوف حضور ﷺ کے قریب ہی رہے ہوں گے اور مدینہ طیبہ اس وقت کوئی بہت بڑا شہر بھی نہیں تھا تعجب ہے حدیث کی روایت ہے ماننا پڑتا ہے کہ حضرت عبدالرحمن بن عوف ایک مرتبہ حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے، لباس کچھ زیادہ اچھا تھا خوشبو آرہی تھی، عطر لگا ہوا تھا، آپ ﷺ نے فرمایا عبدالرحمن خیریت ہے کیا بات ہے۔ بے تکلفی میں آپ نے پوچھ لیا، انہوں نے عرض کیا یارسول اللہ میں نے شادی کی ہے اس لئے یہ عطر وغیرہ ہے، ہم نے بڑے مجمعوں میں کہا، علماء کے سامنے کہا کہ آج تک کسی حدیث یا سیرت و تاریخ کی کتابوں سے پتہ نہیں چلتا کہ آپ نے ایک حرف بھی زبان سے شکایت کا فرمایا ہو کسی شہر یا قصبہ میں کوئی تقریب ہو کسی بہت جاننے والے کی تو کہا جاتا ہے کہ خبر تو کی ہوتی چاہے ہم نہ آسکتے، دعا کر دیتے اور پھر حضور ﷺ سے بڑھ کر دعا کس کی ہوسکتی ہے کچھ نہیں کچھ نہیں دعا کے لئے تو خبر کرتے کہ یارسول اللہ ﷺ میں شادی کرنے جارہا ہوں، دعا

فرمائیے، اللہ مبارک فرمائے اور آپس میں الفت دے۔

یہ حضرت عبدالرحمٰن بن عوف کی عقل ایمانی تھی کہ ہم جتنی دیر کے لئے آپ کو تشریف رکھنے کی دعوت دیں گے اتنی دیر میں معلوم نہیں وحی کا کتنا حصہ نازل ہو جائے گا، اور کیا معلوم کوئی روزنامچہ ہوتا کہ کل کون سا حصہ نازل ہوا، آج کون سا حصہ نازل ہوا تو ہم یقین کے ساتھ کہتے ہیں کہ جو وقت حضرت عبدالرحمٰن بن عوف کے یہاں شادی کا تھا اس وقت بھی قرآن مجید کی کوئی سورۃ یا اس کا کوئی حصہ نازل ہو رہا تھا وہ جگہ اس کے لئے مناسب نہیں تھی، پھر ہو سکتا ہے کہ اس وقت میں کئی آدمیوں نے اسلام قبول کیا ہو آپ نے حرف شکایت کا نہیں کہا، انہوں نے ایک حرف معذرت کا نہیں کہا کہ یا رسول اللہ ﷺ آپ کو زحمت ہوتی یہ مجبوری تھی، وہ دشواری تھی کچھ نہیں کہا، خود انہوں نے معذرت کی ضرورت سمجھی نہ آپ کے دل میں شکایت پیدا ہوئی اس طرح شادیاں ہوتی تھیں۔

اس طریقہ سے اور باتیں ہیں پانچ وقت کی نماز ہے سب سے پہلے عقیدہ کی بات ہے، معلوم کیجئے کیا توحید ہے کیا شرک ہے اور کیا ایمان ہے کیا کفر ہے اور پھر اس کے بعد احکام ہیں، فرائض ہیں پانچ وقت کی نمازیں ہیں آپ کچھ کر لیجئے، مگر ان پانچوں نمازوں کا اپنے اپنے وقت پر پڑھنا لازمی ہے، یہ جمعۃ الوداع ہے چاہے وہ چار آدمیوں کے ساتھ ہے اور جمعۃ الوداع پانچ سو آدمیوں کے ساتھ ادا ہوتا ہے اور عید کی نماز اس سے بڑی دھوم دھام سے ہوگی، لیکن نماز نماز ہی ہے چاہے جانماز بچھا کر پڑھنا پڑے وہ جمعۃ الوداع کی نماز سے جو اچھی پڑھی گئی ہے اس سے بھی وہ کم نہیں ہے یعنی اللہ کا حکم ہونے میں اور اس پر عمل کرنے میں سب برابر ہیں اب جو نمازیں آئیں گی ان کا مرتبہ یہی ہوگا، انکے پڑھے بغیر فرض ادا نہیں ہوگا آپ نے فجر کی نماز چھوڑ دی چاہے آپ اپنا گھر لٹا دیجئے آپ سے یہ نہیں پوچھا جائے گا کہ گھر کیوں لٹا دیا، آپ سے پوچھا جائے گا کہ فجر کی نماز کیوں نہیں پڑھی۔

سب سے پہلے عقیدہ کا درجہ اس میں بھی سب سے پہلے توحید، پھر رسالت حضور ﷺ کی کہ اس کے مانے بغیر کوئی نجات نہیں پا سکتا چاہے کوئی ہو جب تک آپ کو آخری پیغمبر، آپ کی شریعت کو آخری شریعت نہ مان لے اور اس پر چلنے نہ لگے۔ نماز کے بعد پھر زکوۃ کا درجہ ہے، معلوم نہیں کتنے بھائی ایسے ہیں جن پر زکوۃ فرض ہے، کسی سے پوچھتے ہی نہیں کب زکوۃ فرض

ہوتی ہے کتنی مقدار میں زکوۃ فرض ہوتی ہے عالموں سے پوچھنا چاہئے اور نئی بھائی ہوں گے حج ان پر فرض ہو چکا ہے مگر کسی سے پوچھتے نہیں کیسے حج فرض ہوتا ہے اس کی کیا صورت ہے بس ایک رسم ورواج پر زندگی چل رہی ہے عید کی بقر عید کی نماز بڑی دھوم دھام سے پڑھ لیں گے اور کسی سے کچھ پوچھنا معلوم کرنا نہیں اور پھر شادی اور یہ رسم ورواج نہیں ہے سب شریعت کے کام ہیں، بیٹے کی شادی کرنا اور بیٹی کو رخصت کرنا، یہ سب شریعت کا حکم ہے اور شریعت کی طرف سے ہدایات ہیں، دین کا کام ہے، مگر اسے ویسا ہونا چاہئے جیسا اللہ اور اس کے رسول ﷺ نے بتایا ہے۔

پھر اس کے بعد یہ فضول خرچیاں ہیں، سودی قرض ہے، اسراف ہے، نام ونمود کے لئے شہرت کے لئے بڑی بڑی دعوتیں کرنا، حکام کی خوشامد کرنا، ان سے تعلقات پیدا کرنا کچھ کام نہیں آئے گا۔

حتیٰ تکون هواه تبعا لما جئت به

ھویٰ کا لفظ ایسا کہہ دیا جو سب پر صادق آتا ہے، جس کو دل چاہتا ہے، جس سے دل خوش ہوتا ہے، جس سے تعریف ہوتی ہے، جس سے دل کو اطمینان ہوتا ہے، یہ سب معیار اس کے تابع اس کے پیرو نہ ہوجائیں اس کے قدموں کے نیچے نہ آجائیں جس کو میں لے کر کے آیا ہوں، حضور ﷺ فرماتے ہیں۔ تبعا لما جئت به، جو حدیث سے اشتغال رکھتے ہیں، سیرت نبوی ﷺ کا مطالعہ کرتے ہیں وہ سمجھیں گے۔

آخری بات یہ ہے کہ اپنی آئندہ نسل کی حفاظت کیجئے، مکتب قائم کیجئے، دینی تعلیم کو رواج دیجئے، قریب مدرسہ ہے وہاں اپنے بچوں کو بھیجئے کہ محلہ ہے محلہ کے بچے برادری ہے برادری کے بچے اور وہ اس قابل ہوجائیں کہ قرآن کو پڑھنے لگیں، دینی کتابوں کو سمجھنے لگیں گے، عقائد و فرائض اور احکام سے واقف ہوجائیں گے تب ہی مسلمان رہ سکیں گے یہ آپ کو بتا دیتا ہوں اسوقت بڑا خطرہ پیدا ہو گیا ہے۔ لوگوں کے ذہنوں میں یہ بات ہے کتابوں میں بھی یہ آگئی ہے تحریروں میں بھی آگئی ہے اخباروں میں بھی آگئی ہے کہ اس ملک میں بس ہندوستانی بن کر رہنا چاہئے، یہ ہندو مسلمان کا فرق جو ہے صحیح نہیں بات بات میں کہنا کہ ہم مسلمان ہیں اس کے لئے ہم قرآن شریف پڑھ سکیں، دینی مذہبی کتابیں پڑھ سکیں اردو پڑھ سکیں، یہ سب کچھ نہیں

یہاں بس ہندوستانی بن کر رہنا چاہئے اور صرف کھانے پینے کی فکر کرنی چاہئے کہ ہم اس قابل ہوں اور ہم یہاں کی زندگی میں کھپ جائیں اور کوئی چیز ضروری نہیں۔

تو اس وقت بہت خطرناک منصوبہ چل رہا ہے، مسلمانوں کے ذہنوں سے جن کو اللہ نے اولاد دی ہے یا جن کے زیر اثر ایک نئی نسل ہے انہیں بالکل اس کی فکر نہ رہے، ان کا عقیدہ کیا ہوگا، کس شریعت کو مانیں گے، پیغمبر کو مانیں گے اس کے حکموں کو مانیں گے اس کی پیروی کریں گے دیندار بنیں گے، اللہ کو راضی کرنے اور ناراض کرنے کا فرق پہچانیں گے یا نہیں تو آپ کے لئے فرض ہے اور ساری چیزوں سے زیادہ ضروری ہے کہ آپ مکتب قائم کریں مدرسہ قائم کریں اور گھر میں بھی ایسا ماحول بنائیں بیبیوں سے کہہ دیجئے خواتین مستورات سے کہہ دیجئے کہ گھر میں دینی باتیں کیا کریں بچوں کو انبیاء کے قصے، صحابہ کے واقعات، صلحاء کی حکایات بیان کیا کریں حضرت ابراہیم علیہ السلام کا قصہ سنائیں کہ انہوں نے توحید کا کیا نمونہ پیش کیا اور کس طرح سے بتادیا کہ جن کو آپ لوگ پوجتے ہیں ان کے قبضہ میں کچھ نہیں ہے، جن کی آپ پرستش کرتے ہیں وہ کچھ نہیں کر سکتے، میں نے ان کے ساتھ کیا کیا وہ اپنے کو بھی نہیں بچا سکے تو آپ کو وہ کیا بچائیں گے، انبیاء علیہم السلام کے قصے سیدنا ابراہیم علیہ السلام، سیدنا موسیٰ اور پھر سرور کائنات حضور ﷺ کے قصے سنانا اور ان سے واقف کرانا اور محبت پیدا کرنا۔

یہ سب چیزیں ضروری ہیں، یہ چیزیں آپ اپنے ساتھ لے کر کے جائیے، عید میں لوگوں کو جلدی ہوتی ہے ملنا ملانا ہوتا ہے، اس لئے اس وقت ہم نے ذرا اطمینان سے بات کہہ دی کہ نہ کھانا ہے اور نہ کوئی اور کام درپیش ہے، بس ان چیزوں کو یاد رکھئے، اور میں پھر اس حدیث کو دہراتا ہوں، تم میں سے کوئی صاحب ایمان نہیں ہو سکتا جب تک کہ اس کی چاہتی چیز اس کی پسندیدہ چیز اس کے تابع اس کے پیرو نہ بن جائے اس کی خادم نہ بن جائے، اس کا چاکر نہ بن جائے، جس کو میں لے کر کے آیا ہوں جو شریعت لے کر کے آیا ہوں۔

وما علینا الا البلاغ المبین

اس دنیا کی فلاح، سعادت اور تباہی و ہلاکت انسانیت کے ساتھ وابستہ ہے

الحمد لله نحمدة ونستعينه ونستغفره ونومن به ونتوكل عليه ونعوذ بالله من شرور انفسنا ومن سيئات اعمالنا من يهدى الله فلامضل له ومن يضلله فلا هادى له ونشهد ان لا اله الا الله ونشهد ان محمدا عبده ورسوله .

دوستو اور بھائیو! اس وقت تمام دنیا میں سخت اختلاف ہے۔ روزمرہ کی جو حقیقتیں سورج کی طرح روشن ہیں اور جن میں اختلاف کی کوئی گنجائش نہیں، ان میں بھی اختلاف پایا جاتا ہے، کوئی دعویٰ ایسا نہیں جس کی ہر جگہ سے ہر ادارہ سے اور مکتب خیال سے تائید ہو۔ ایسی کوئی حقیقت نہیں جس پر سب کے سب متفق ہوں، لیکن ایک بات ایسی ہے جس کی تائید آپ ہر طرف سے سنیں گے، اور جہاں جائیں گی اس کی صدائے بازگشت پائیں گے، وہ یہ ہے کہ اس وقت دنیا میں ایک عالمگیر فساد برپا ہے، اور ایسا بگاڑ ہے جس سے دنیا کا کوئی گوشہ خالی نہیں ہے یہاں تک کہ جو آپ اپنی مادی ترقی کے نقطہ عروج پر پہنچ گئے ہیں، وہاں بھی اگر آپ جائیں گے تو اسی کا رونا پائیں گے۔

کوئی جلسہ، کوئی کتاب، کوئی مباحثہ، کوئی مذاکرہ، کوئی غور و فکر کا حلقہ اس سے خالی نہیں، دنیا کے ایک سرے سے دوسرے سرے تک سفر کر جائیے ہر جگہ اپ اسی کا شکوہ پائیں گے کہ بگاڑ بہت پھیل گیا ہے، اور دنیا میں ایک عالمگیر فساد برپا ہے، یہ وہ حقیقت ہے جس پر قریب قریب اس وقت دنیا کے تمام سوچنے اور سمجھنے والے یہاں تک کہ جو سوچنے سمجھنے کی صلاحیت نہیں رکھتے، وہ بھی متفق ہیں جو کتابوں کے پڑھنے والے ہیں وہ کتابوں کے واسطے سے جانتے ہیں جن لوگوں کو اس کا اتفاق نہیں ہوتا یا اس کی فرصت نہیں ملتی، ان کے کانوں میں بھی یہ بات

پڑتی رہتی ہے۔ ہمارا ملک ہو یا کوئی باہر کا ملک، یورپ ہو یا امریکہ افریقہ ہو یا ایشیا، اور یہاں تک کہ وہ سرزمین جو خیر و برکت کی سرزمین ہے، وہاں بھی اگر آپ جائیں گے تو اس کا احساس عام پائیں گے۔

یہ ایک ایسی الجھی ہوئی ڈور ہے جس کا سرا کسی کو نہیں ملتا، بگاڑ تو ضرور ہے لیکن بگاڑ کا سبب کیا ہے اور جس قدر اس ڈور کو سلجھانے کی کوشش کی جاتی ہے، وہ الجھتی ہی چلی جارہی ہے۔ اس لئے کہ سرا ہاتھ میں لینے اور سرا تلاش کرنے کا جو فطری طریقہ ہے اور جو خدا نے پیدا کیا وہ کھو گیا ہے اور اس کی کسی کو خبر نہیں۔

حقیقت یہ ہے کہ ہم مسلمانوں کے عقیدہ کے مطابق اور ان سب لوگوں کے عقیدہ کے مطابق جو خدا کے وجود پر یقین رکھتے ہیں اور خدا کی صفات کا کوئی نہ کوئی تصور ان کے اندر پایا جاتا ہے، وہ سب جانتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اس دنیا کی اصلاح اور اس دنیا کا فساد، اس دنیا کی سعادت اور اس دنیا کی شقاوت اور اس کا بناؤ بگاڑ، اس کی خوش حالی اور اس کی بربادی، سب کو انسان کے ساتھ وابستہ کیا ہے۔ انسان اگر اچھا ہے تو یہ دنیا اچھی ہے، اگر انسان بگڑا ہوا ہے، راستہ چھوڑ چکا ہے، خودکشی پر آمادہ ہے، تباہی و بربادی پر کمربستہ ہے، اس کو اپنی قیمت معلوم نہیں، وہ خدا کو بھول چکا ہے اس کے نتیجہ میں اپنے کو بھی بھول چکا ہے۔ اس کو اپنے آغاز وانجام کی خبر نہیں یا فکر نہیں تو پھر اس دنیا کے بگاڑ کو کوئی روک نہیں سکتا اور اس بگڑی ہوئی دنیا کو بنا نہیں سکتا۔

اللہ تعالیٰ کی ذات غنی ہے۔ وہ انسان کا محتاج نہیں لیکن اس نے ایک قانون مقرر کر دیا ہے۔ یہ سنت الٰہی ہے اور سنت الٰہی کبھی تبدیل نہیں ہوتی۔

"ولن تجد لسنة الله تبديلا ولن تجد لسنة الله تحويلا"

قرآن شریف میں بار بار، یہ مضمون بیان کیا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جو قانون جس کے لئے بنادیا جس میں جو خواص رکھ دیئے ہزاروں لاکھوں برس گذر جانے کے بعد بھی وہ خواص ان کے اندر پائے جاتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کا قانون اسی طرح سے جاری وساری اور کارفرما ہے، جیسے ہزاروں برس پہلے تھا۔

اللہ تعالیٰ نے اپنے حکمت بالغہ سے، اپنے ارادہ واختیار سے، اپنی قدرت سے دنیا کی

سعادت وشقاوت کو انسان کے ساتھ وابستہ فرمادیا ہے۔ خدا کا یہ قانون ہے کہ یہ دنیا انسان کے دم سے ہے۔ انسان اچھا ہے تو یہ دنیا اچھی ہے، انسان اگر برا ہے تو یہ دنیا فساد کا گہوارہ ہے۔ آپ اگر تاریخ میں اس کا سراغ لگائیں گے اور تاریخ کی تاریکیوں میں دور تک جائیں گے تو آپ کو معلوم ہوگا کہ دنیا کا بگاڑ انسان کی وجہ سے ہے۔ انسان سرچشمہ ہے دنیا کی فلاح وسعادت کا اور انسان سرچشمہ ہے دنیا کی تباہی وبلاکت کا۔ اس لئے اصل چیز جس پر محنت صرف کرنے اور توجہ کرنے کی ضرورت ہے، وہ انسان ہے۔

اللہ تعالیٰ نے انبیاء علیہم السلام کی صحیح تربیت فرمائی اور ان کو مامور فرمایا۔ ان کو اللہ تعالیٰ نے جو عقل سلیم اور نبوت کا نور عطا فرمایا تھا اس کی روشنی میں انہوں نے اس حقیقت کو پایا کہ اس دنیا میں جو کچھ ان کے کرنے کا کام ہے وہ انسان کی درستگی ہے اور انسان کی ہدایت ہے۔ راستے کو سمجھ لینا اور اس پر اپنی طاقت اور صلاحیتوں کو لگا دینا ہے۔

انبیاء علیہم السلام نے اس حقیقت کو سمجھا۔ اللہ تعالیٰ کی نصرت ان کے شامل حال تھی اور ارادہ الٰہی ان کی پشت پر تھا۔ اللہ تبارک وتعالیٰ کا فیصلہ تھا کہ ان کے ذریعہ سے اس گم کردہ راہ انسانیت کو اور اس تباہ شدہ دنیا کو ایسا امن وسکون اور راحت عطا فرمائے گا کہ اس دنیا میں بھی انسان کو جنت کا مزہ آجائے اور اپنی زندگی ہی میں وہ جنت کا مشتاق ہوجائے، اور اس دنیا میں اس کو انسان بن کر رہنے کا سلیقہ آجائے۔ اسی لئے انبیاء علیہم السلام نے ایک لمحہ تردد کئے بغیر اور ایک دن بھی تجربے کی ضرورت سمجھے بغیر جس وقت وحی کا پہلا حصہ ان پر نازل ہوا، انہوں نے ساری طاقتیں ایک موضوع پر صرف کردیں، اور وہ انسان تھا۔

لیکن خود انسان ایک عالم ہے۔ انسان کسی طرح سے اپنی وسعت میں، اپنی گہرائی میں اپنی پیچیدگی میں، اپنے تنوع میں، اپنے رازہائے سربستہ میں، اپنے تہ بہ تہ پردوں میں کس طرح اس کائنات سے، سیاروں سے نظام شمسی سے، نظام فلکی سے اور ہماری اس لمبی چوڑی زمین سے کم نہیں۔ انسان تو اتنی وسیع مخلوق ہے جس کی تہہ تک پہنچنا ہی ناممکن ہے جس طریقے سے آپ سمندر میں ایک چٹکی ڈالیں اور پتہ نہ چلے کہ وہ کہاں گئی، انسان کی گہرائی اس سے بھی کہیں زیادہ ہے۔ اس کی تہہ کو اس کے پیدا کرنے والا ہی جانتا ہے۔

”الا یعلم من خلق وھو اللطیف الخبیر۔“

یہ انسان خود ایک عالم ہے۔ اس کو اللہ نے دماغ دیا ہے، اس کو اللہ نے دل دیا ہے، اس کو اللہ نے اعضاء و جوارح دیئے ہیں، اس کو اللہ نے مقاصد عطا فرمائیں ہیں۔ بڑے دور دراز، ہمہ بلند۔ اس کی کیا کیا خواہشات ہیں، کیا کیا ضرورتیں ہیں، کیا کیا ارادے ہیں۔ اس کی کیا کیا تمنائیں اور آرزوئیں ہیں، غرض کہ اتنا بڑا جنگل ہے کہ بڑے سے بڑے محقق اس میں گم ہوجائیں۔

انبیاء علیہم السلام کے سامنے جب انسان آیا اور ان کو معلوم ہوا کہ اس انسان پر ان کو محنت صرف کرنی ہے اور اس کو بنانا ہے تو اب ان کے لئے بڑا امتحان تھا۔ اگر اس موقع پر انسانی نفسیات کے ماہر ہوتے، بڑے بڑے مصلح و معلم ہوتے، بڑے بڑے مفکر و فلسفی ہوتے تو ہزاروں ٹھوکریں کھاتے وہ انسان کی انسانیت کا سراغ لگانے کے لئے نکلتے اور اس کا سرا ڈھونڈنے کے لئے وہ سفر شروع کرتے تو عمر گذر جاتی بلکہ نسلیں گذر جاتیں اور ان کو اس کا سرا نہیں ملتا۔ یہ انسان ایک ایسی پہیلی ہے جس کا بوجھنا ہی مشکل ہے خود انسان اپنی حقیقت سے واقف نہیں اس کے سینکڑوں شعبے ہیں، کتنے شعبے ہیں جو معلوم ہو چکے ہیں اور کتنے شعبے ہیں جو ابھی تک نامعلوم ہیں۔

انبیاء علیہم السلام کے ساتھ اگر اللہ کی رہنمائی نہ ہوتی اور اللہ کی نصرت شامل حال نہ ہوتی اور تقدیر الٰہی کا فیصلہ نہ ہوتا کہ اللہ کے آخری نبی ہی سے قیامت تک ہدایت کا کام لینا ہے اور اس دنیا کا بگاڑ ان سے دور کرانا ہے اور انسان کو اس کے خالق سے ملانا ہے اور انسان کا مقصد زندگی سے آگاہ کرنا ہے تو انسان کی ہدایت کا کام آسان نہ تھا۔

انسانیت کے محققین کی نسلیں گذر گئیں جو دماغ ہی کے اندر سرگرداں رہیں اور دماغ ہی کا سفر پورا نہیں کرسکیں، لیکن اللہ تعالیٰ نے انبیاء علیہم السلام کی رہنمائی فرمائی کہ دنیا کی اصلاح و تبدیلی کا مرکز انسان ہے اور انسان کی اصلاح میں تبدیلی کا مرکز اس کا دل ہے۔

دل کہنے کو تو ایک لفظ ہے لیکن اس کا بھی کوئی اور چھور نہیں، اس کی وسعت کا کوئی اندازہ کرسکتا ہے، یہ سارا عالم اس کا لقمہ بن سکتا ہے، یہ سارا عالم اس کے دل کی وسعتوں میں ایسا گم ہوسکتا ہے کہ پتہ ہی نہ چلے۔

اللہ تعالیٰ نے ان کی ہدایت و رہنمائی فرمائی کہ انسان کے اندر خیر کا ارادہ پیدا ہوجانا اپنی

ہستی سے واقف ہو جانا اور ایثار کا مادہ اس کے اندر پیدا ہو جانا اور اغراض سے اس کا پاک ہو جانا اپنی اور دوسروں کی زندگی کو خدا کے رضا کے راستے پر ڈالنے کی کوشش کرنا تا کہ سب کے سب خدا کی رضا کے جویا بن جائیں۔ اپنی شہوتوں اور خواہشات کی بندگی سے آزاد ہو جائیں اور ایک خدائے واحد کی بندگی میں لگ جائیں اور ان پر ان کے معدے کی حکومت نہ ہو، ان کے خواہشات کی حکومت نہ ہو، ان کے سفلی مقاصد کی حکومت نہ ہو، وہ صرف اپنا اور اپنے بچوں کا پیٹ بھرنے کے لئے ہاتھ پاؤں نہ ماریں اور اس دنیا کو صرف اپنے گھر کے اندر محدود نہ سمجھیں۔ اپنے چار بچوں والی، آٹھ بچوں والی، دس بارہ افراد خاندان والی دنیا نہ سمجھیں کہ ساری دنیا اسی ایک گھر کی اندر آ گئی اور یہی میری دنیا ہے، یہیں مجھے مرنا اور جینا ہے۔ وہ اس قفس سے جس کی تیلیاں کہیں سونے کی ہیں، کہیں لوہے کی، مگر بہر حال یہ ایک پنجرہ ہے، اس پنجرہ سے وہ آزاد ہو جائے اور آفاق کی وسعتوں سے آشنا ہو جائے۔

”وكذالك نرى ابراهيم ملكوت السموات والارض وليكون من المؤقنين“

اس کو معلوم ہو جائے کہ میرا خالق کیا ہے؟ اس کی کیا کیا صفات ہیں؟ اس کے پاس کیا ہے؟ اس سے کیا چیز مانگنی چاہئے؟ اس کے خزانے میں کیا کچھ ہیں؟ اس کے خزانے سے مجھے کیا مل سکتا ہے؟ وہ کون سے اعمال ہیں؟ کون سے اخلاق ہیں؟ کون سے عقائد ہیں؟ کون سا طرز زندگی ہے؟ جس سے میں خالق سے وہ نعمتیں حاصل کر سکتا ہوں جن کا کوئی تصور بھی نہیں کر سکتا۔

”مالا عين رأت ولا اذن سمعت ولا خطر على قلب بشر“

نہ کسی آنکھ نے اس کو دیکھا نہ کسی کان نے اس کو سنا اور نہ کوئی دل میں اس کا خیال گزرا۔

انسان ایک جنگل ہے۔ اس میں ہر طرح کے شیر، چیتے اور تیندوے موجود ہیں۔ یہ نہ سمجھئے گا کہ یہ اس کے باہر کی دنیا میں موجود ہیں بلکہ درحقیقت یہ انسان کے اندر موجود ہیں اور باہر ان کا ظہور ہے۔ انسان کے اندر کے شیر اور تیندوے، انسان کے اندر کے چیتے اور بھیڑیئے، انسان کے اندر کے کتے اور سور، باہر کے کتے اور سوروں سے کہیں زیادہ خطرناک، کہیں زیادہ زہریلے، کہیں زیادہ خونخوار اور کہیں زیادہ انسان کے خون کے پیاسے ہیں۔ اور ان

کے اندر ان سے کہیں زیادہ خباثت ہے، یہ انسان کے اندر کے سانپ اور بچھو جب سے باہر نکل آئے ہیں، تب سے دنیا تباہ ہوئی ہے۔

باہر کے سانپ اور بچھوؤں نے دنیا کو کبھی تنگ نہیں کیا۔ آپ نے یہ کبھی تاریخ میں نہیں پڑھا ہوگا کہ سانپوں اور بچھوؤں نے اپنی تنظیم کی اور اپنے دشمنوں کے خلاف لشکر کشی کی۔ کبھی آپ نے یہ نہیں سنا ہوگا کہ ساری دنیا کے شیر اکٹھا ہو گئے اور شیروں نے دنیا پر حملہ کر دیا، یہاں پر تاریخ کے بہت سے ☆ بھیڑیئے بھیڑیوں سے لڑے ہوں۔ چھوڑ دیجئے انسان کو، لیکن کتنی بار آپ نے پڑھا اور پڑھتے پڑھتے آپ تنگ آ گئے اور پڑھنا تو بڑی دور کی بات ہے ہماری اور آپ کی زندگی میں دو دو جنگیں پیش آئی ہیں۔ ہم میں سے بہت بڑی تعداد ان لوگوں کی ہے جنہوں نے پہلی جنگ عظیم بھی دیکھی ہوگی۔ خواہ وہ اس وقت کے بچے رہے ہوں۔ یہ دونوں جنگیں کس نے کس کے خلاف لڑیں؟ خدا کے لئے یہ بتائیے کہ یہ سانپوں اور بچھوؤں کی لڑائی تھی انسان سے یا سانپوں اور بچھوؤں سے، بچھو بچھو سے لڑتا ہے، سانپ سانپ سے لڑتا ہے، بھیڑیا بھیڑیئے کو کھاتا ہے مگر بھیڑیوں نے کبھی اپنی تنظیم نہیں کی بھیڑیوں نے کبھی اپنی صفت آرائی نہیں کی۔

بھیڑیوں میں کبھی کوئی عصبیت پیدا نہیں ہوئی کہ ایک ملک کے بھیڑیئے دوسرے ملک کے بھیڑیئے سے لڑیں لیکن انسانیت کی تاریخ میں ایک دن بھی آپ بتا سکتے ہیں کہ انسان انسان کے خلاف لڑتے ہیں، محلے، محلے کے خلاف لڑتے ہیں لیکن جانوروں کے متعلق کبھی ایسا نہیں سنا گیا۔

انسان کے اندر کے یہ خونخوار جانور کب باہر نکلتے ہیں؟ خدا کے پیغمبروں نے جو حصار تعمیر کیا ہے اور جس کے اندر ''یاجوج ماجوج'' کی طرح وہ بند ہیں۔ انسان کے اندر خونخوار جانوروں کو لگام دینے کے لئے بلکہ ان کو انسانوں میں تبدیل کرنے کے لئے اللہ کے پیغمبروں کے پاس ایک نسخہ تھا۔ جب انسان اس سے سرکشی کرتا ہے یا اس نعمت کی ناقدری کرتا ہے تو انسانوں کے اندر جو درندے ہیں، یہ باہر نکل آتے ہیں اور پوری دنیا میں فساد برپا ہو جاتا ہے۔

جب انسان، انسان کا شکار کھیلنے لگتا ہے جب انسان، انسان کے خون کا پیاسا ہو جاتا ہے تو کیا ہوتا ہے؟ یہ آپ کے سامنے ہے۔

اللہ تعالیٰ کی دوسری توفیق یہ تھی کہ اس نے ان کو یہ سمجھ عطا فرمائی کہ انسان کے دل پر اپنی ساری طاقتیں لگادیں، حدیث شریف میں آتا ہے۔

"ان فی الجسد مضغة اذ صلحت صلح الجسد کله واذ فسدت فسدت کله الا وهی القلب"

انسان کے اندر ایک مضغہ گوشت ہے، ایک حقیر سا ٹکڑا ہے انسانی گوشت کا۔ اگر وہ درست ہوجائے تو سارا جسم درست ہوجائے۔ یاد رکھو۔ یہ دل ہے اس لئے انہوں نے دل پر اپنی طاقت صرف کی انہوں نے اس حقیقت کو پالیا کہ وسائل اور ارادے، ذہانتیں، طاقتیں، کائنات کے سارے خزانے، روپیہ پیسہ اور دنیا کے اندر اللہ تعالیٰ نے جتنی بھی نعمتیں پیدا کی ہیں اور جتنے بھی فائدہ پہنچانے اور نقصان پہنچانے والے ذرائع پیدا کئے ہیں، وہ سب انسان کے ارادے کے تابع ہیں۔ انسان کے اندر خیر کا ارادہ پیدا ہوجائے تو اگر وسائل نہ ہوں گے تو وہ وسائل پیدا کرلے گا اور اللہ اس کے لئے وسائل پیدا فرمادے گا۔

اگر انسان کی طبیعت کا رخ صحیح ہوجائے، اگر انسان خیر کا طالب، اگر انسان انسان کی فلاح چاہنے والا ہو، اگر انسان انسان کو نفع پہنچانے کا خواہش مند ہو، اگر انسان اپنی ہستی کو دوسروں کے لئے مٹانا چاہے، دوسرے کے زندہ رہنے کے لئے اپنی زندگی کو خطرے میں ڈالنے کی ہمت رکھتا ہو، اور اس دنیا سے بدامنی کو دور کرنا چاہے، اس دنیا سے نفرت کو دور کرنا چاہے، اس دنیا کو امن سے خوش حالی سے، اللہ کی محبت سے، انسان کے قدر سے، انسانی جان کی قیمت کی احساس سے بھر دینا چاہے تو پھر وسائل نہ ہوں گے تو بھی وہ اتنا بڑا کام انجام دے گا جو بڑے سے بڑے وسائل کے ساتھ آج تک نہ انجام پایا ہے نہ انجام پاسکتا ہے۔ اصل چیز ہے انسان کا ارادہ ہے اگر ارادہ صحیح ہوجائے اور اس کا سرچشمہ صحیح ہوجائے، جہاں سے وہ ارادہ نکلتا ہے تو سب کچھ درست ہوجائے۔

ہمارے اس ہاتھ میں اللہ نے بڑی طاقت رکھی ہے۔ لیکن یہ ہاتھ خود کوئی چیز نہیں، اس کی کوئی ہستی نہیں۔ یہ ہاتھ مظلوم پر ظلم کے لئے اٹھ سکتا ہے، ظالم کی مدد کے لئے اٹھ رہا ہے، آج ساری انسانی توانائیاں اور اس کی ساری طاقتیں ظلم کے لئے وقف ہیں اور یہ کوئی انہونی اور بعید از قیاس بات نہیں جب انسان کا دل بدل جائے، انسان کے دل میں اور اس کی نیت میں فتور

آ جائے اور اس کے دل کے اندر انسان کی دشمنی گھر کر جائے۔ اس کو انسان کے خون کی چاٹ لگ جائے تو اس کا ہاتھ یتیم کا سر قلم کرنے کے لئے، بیوہ کے سر سے آخری دوپٹہ یا جو آخری سہارا رہ گیا ہے، اس کو چھین لینے کے لئے غریب، مفلس کے فاقہ زدہ گھر سے جس کو ہفتوں کے بعد چند دانے پکانے کے لئے اپنا اور اپنے یتیم بچوں کا پیٹ بھرنے کے لئے ملے ہیں۔ یہ چند دانے اور اس کے چولھے کو اٹھا لینے اور اس کی آگ کو گل کر دینے کے لئے اس وقت تیار رہتا ہے۔ لیکن مسئلہ صرف ہاتھ کا نہیں بلکہ اس کا اور اس طرح کی ساری خرابیوں کا انحصار اس پر ہے کہ انسان کے دل میں کیا ہے اس کا ارادہ کیا ہے؟

کیا انسان کے اندر خیر کی طلب پیدا ہوئی؟ کیا اس کے اندر خوف پیدا ہو گیا؟ کیا انسانیت کی حقیقت اس پر کھل گئی؟ کیا انسان کو ہستی کا آغاز و انجام معلوم ہو گیا؟

انسان کے دل میں اللہ تعالی نے جتنی زرخیزی رکھی ہے اور اس کے دل کی اندر سونا اگلنے کی جو صلاحیت رکھی ہے اس کے سامنے سائبریا کے میدان اور ہندوستان کی سرسبزی و زرخیز زمین ہیچ ہے۔ اگر اس کے اندر نیک ارادوں کے اگنے، پھیلنے پھولنے اور پرورش پانے کی صلاحیت پیدا ہو گئی اور انسان کے سفلی اغراض و مقاصد اور اس کی سفلی خواہشات کھاد بننے کے لئے تیار رہے تو انسان ان کو کھاد بنا کر اپنے دل کی سرزمین سے نیک ارادوں کی کھیتی پیدا کر سکتا ہے اور یہ کھیتی پھل دے سکتی ہے، پک سکتی ہے، اور کاٹی جا سکتی ہے۔

لیکن اگر یہ دل کی سرزمین بنجر ہو گئی ہے تو اس کے اندر کانٹے تو پیدا ہو سکتے ہیں، پھول پیدا نہیں ہو سکتے۔ اس کے اندر تلواریں تو اگ سکتی ہیں لیکن امن دینے والی چھاؤں نہیں پیدا ہو سکتی۔ زہر تو پیدا ہو سکتا ہے لیکن تریاق پیدا نہیں ہو سکتا، بدامنی پیدا ہو سکتی ہے امن پیدا نہیں ہو سکتا، نفرت تو پیدا ہو سکتی ہے محبت پیدا نہیں ہو سکتی۔ اپنے بچوں کو پالنے کے لئے یتیموں کا پیٹ پھاڑنے کا جذبہ پیدا ہو سکتا ہے لیکن کسی بے کس کسی مظلوم اور کسی مصیبت زدہ کی حفاظت اور یتیم کے سر پر شفقت کا ہاتھ رکھنے کا جذبہ نہیں پیدا ہو سکتا۔

اگر انسان کی فطرت ہی کچھ ایسی ہو گئی ہے کہ اس کی پیاس شربت سے نہیں بجھتی، دودھ سے نہیں بجھتی۔ جس کو اللہ نے " لبنا خالصا سائغا للشاربین" کہا ہے۔ اس کی پیاس ٹھنڈے میٹھے پانی سے نہیں بجھتی جس کو قرآن " ماء افراتا " کہتا ہے۔ اس کی پیاس دجلہ و

فرات کے پانی سے نہیں بجھتی بلکہ اس کی پیاس انسان کے خون سے بجھتی ہے۔ ایسی حالت میں اگر یہ چاند اور دوسرے سیارے جن تک پہنچنے اور وہاں کی آب و ہوا کو اپنے مناسب بنانے میں انسان اپنی ساری توانائیاں صرف کر رہا ہے۔ یہ چاند مریخ اور دوسرے سیارے زمین پر اتر آئیں، انسان کے قدموں کے نیچے آ جائیں اور یہ ساری دنیا جنت کا نمونہ بنائی جائے لیکن انسان کے دل کی کھیتی خراب رہے اور اس سے خیر پیدا کرنے کی صلاحیت جاتی رہی ہے تو یاد رکھو انسان کی تقدیر میں تباہی لکھی ہوئی ہے۔ اس کی حالت کبھی سدھر نہیں سکتی اور یہ دنیا انسانوں ہی کے ہاتھوں پھر جہنم کدہ بن جائے گی۔

حضرات! دنیا میں ہر طرف پھیلے ہوئے فساد کو، بدامنی کو، سروں پر منڈلاتے ہوئے مہیب جنگ کے خطرہ کو دور کرنے کے لئے اور انسان کو امن و سکون اور باہمی اعتماد و محبت کے ساتھ زندگی گزارنے کے لئے ضروری ہے کہ انسان کے دل کی کھیتی میں ہل چلایا جائے، آج کسانوں کو دیکھتے ہیں خدا کے بنائے ہوئے صحیح اور فطری قانون کے مطابق کسان زمین میں ہل چلاتا ہے تو زمین کتنا خزانہ اگل دیتی ہے۔ اسی طرح اگر دل کی کھیتی میں ہل چلایا جائے اور خدا کے پیغمبروں کے بتائے ہوئے طریقے کے مطابق چلایا جائے اور اس میں تھوڑی سی محنت صرف کی جائے اور یہ دل کی کھیتی لہلہا اٹھے اور پھلنے پھولنے لگے تو آپ سمجھ سکتے ہیں کہ اس وقت دنیا کا نقشہ کیا ہوگا؟ یہ حقیر زمین جو آپ کے قدموں تلے روندی جاتی ہے، اس سے آپ نے اتنا بڑا فیض پایا، اگر آپ دل کی کھیتی میں خدا کے پیغمبروں کے دیئے ہوئے ہل چلاتے اور ان کے بتائے ہوئے قانون کے مطابق آپ اس کی خدمت کرتے اور اس میں ریاضت کرتے اور وہ کھیتی برگ و بار لاتی تو پھر آپ دیکھتے کہ دنیا میں کیسی بہار آئی ہے اور جب دل کی کھیتی خزانہ اگلتی تو دنیا کا دامن کیسے کیسے موتیوں سے بھر جاتا، کیسے کیسے ولی کامل، کیسے، کیسے خادم انسانیت، کیسے کیسے بے لوث و بے غرض انسان اور انسانوں کے لئے اپنا خون پانی ایک کرنے والے سامنے آتے کہ جن کے کارناموں کا تصور کرنا بھی مشکل ہے۔

کوئی باور نہیں کر سکتا کہ کیا انسان کے اندر اتنی بے غرضی پیدا ہو سکتی ہے؟ کیا انسان دوسروں کی خاطر اپنی اولاد قربان کر سکتا ہے؟ کیا انسان وعدہ وفا کرنے کے لئے اپنا گھر لٹا سکتا ہے؟ ایک مظلوم کو بچانے کے لئے اپنے سارے کنبے کو موت کے گھاٹ اتار سکتا ہے، ایک

انسان خود زخمی ہے اور پیاس سے حلق میں کانٹے پڑ گئے ہیں، مر رہا ہے، پھر بھی دوسرے زخمی کی پیاس بجھانے کے لئے اپنا پانی پیش کر سکتا ہے، دنیا کی عقل اس کا تصور کرنے سے بھی عاجز ہے۔ یہ سب کرشمہ تھا خدا کے پیغمبر کی محنتوں کا، انہوں نے دل کی کھیتی پر صحیح طریقے سے محنت کی اور اس کے اندر اللہ کے رکھے ہوئے مخفی خزانوں اور دفینوں کو نکالا اور عام انسانیت کو اس سے مالا مال کر دیا۔

خدا کے پیغمبروں نے اس زمین کو چھوڑا، بڑے بڑی ماہرین کو چھوڑا کہ وہ صنعتوں کو ترقی دیں، نہ ان کو روکا نہ ان کی رہنمائی کا دعویٰ کیا بلکہ انہوں نے صاف کہہ دیا" **انتم اعلم بامور دنیا کم**" صنعت والے صنعت کے میدان میں ترقی کریں، زراعت والے زراعت کے میدان میں اور علم والے علم کے میدان میں۔ اللہ نے ہم کو ایک اور میدان دیا ہے۔ وہ انسانیت کا میدان ہے انہوں نے اس میدان میں محنت صرف کی تو دنیا کا نقشہ کیا سے کیا ہو گیا۔ صرف ایک دور کی تاریخ پڑھئے صحابہ کرام کے دور کی، جب حضور ﷺ کو اللہ نے یہ موقع دیا کہ وہ دل کی سرزمین میں کھیتی کریں تو آپ دیکھئے کہ اس دنیا میں کیسی بہار آئی۔

اس وقت ہزاروں مشکلات تھیں، تمدن اپنے بالکل ابتدائی دور میں تھا۔ انسانیت نے بہت سے میدانوں کا انکشاف ہی نہیں کیا تھا، سائنس نے گویا اپنا سفر ہی شروع نہیں کیا تھا، قدم قدم رکاوٹ تھی، سفر کی دشواریاں تھیں، ایک جگہ سے دوسری جگہ آدمی کے پہنچنے کے لئے سخت مشکلات در پیش تھیں۔ لیکن جب نیک ارادہ پیدا ہوا اور ان کے اندر انسانوں کو خدا کا پیغام پہنچانے کا انسانوں کو تاریکی سے نکالنے کا اور ترحم کا سچا جذبہ پیدا ہوا کہ انسان اپنی ہستی کو کس طرح خاک میں ملا رہا ہے اور ان کو اپنی آنکھوں سے صاف نظر آیا کہ جہنم کے شعلے بھڑک رہے ہیں، اور انسان اس میں چھلانگ مارنا چاہتے ہیں۔ جیسے کہ حدیث شریف میں آتا ہے کہ میری اور تمہاری مثال ایسی ہے کہ جیسے کسی شخص نے آگ روشن کی اور پروانے اس میں گرنے لگے۔ وہ ہٹاتا ہے مگر ہٹا نہیں پاتا، پروانوں کی طرح لوگ اس میں کودنے اور چھلانگ مارنے کے لئے تیار ہیں اور میں تمہاری کمر پکڑ پکڑ کر تمہیں اس سے ہٹانا چاہتا ہوں۔

جب صحابہ کرامؓ پر یہ حقیقت منکشف ہو گئی تو پھر نہ سفر کی صعوبتیں اور اس کی دشواریاں ان کی راہ میں حائل ہوئیں اور نہ اس وقت کی دقتیں اور سفر کی طوالت، راستوں کے خطرات، ان

میں سے کوئی چیز بھی ان کے عزم کے سامنے نہیں ٹک سکی۔ اس لئے کہ ایک تو نیک ارادہ پیدا ہوا دوسرے یہ کہ ارادہ ان پر مستولی ہوگیا، ان کے اعصاب پر اور ان کے دل دماغ پر چھا گیا۔ اب ان کو کھانا پینا مشکل ہوگیا۔ وہ لقمہ توڑتے تھے اور کہتے تھے کہ میں لقمہ توڑتا ہوں اور اللہ کے ہزاروں بندے بالکل "شفا حفرۃ من النار" جہنم کے کنارے کھڑے ہوئے ہیں جتنی دیر میں لقمہ منہ میں رکھوں گا اور اتاروں گا اتنی دیر میں کتنے خدا کے بندے جہنم کے گڑھے میں گر پڑیں گے۔ عبادت اور ذکر و ورد کا تو خیال ہوتا ہے لیکن دوسروں کو حتیٰ کہ اپنی اولاد کو بھی گناہوں سے نہیں روکتے اور امید رکھتے ہیں کہ مصیبت رفع ہوجائے۔ بڑے تہجد گذار ہیں لمبے لمبے نوافل پڑھتے ہیں خانقاہ والے مرشد ہیں لیکن لڑکے خانقاہ میں داڑھی مونڈ رہے ہیں لڑکیاں بے پردہ ہو کر کالج جارہی ہیں لیکن ابا جان ہے کہ اپنی نیکی کی گھمنڈ میں مبتلا ہیں کبھی حرف غلط کی طرح بھی برائیوں پر روک ٹوک نہیں کرتے۔

ایک بستی کو الٹنے کا حکم:

ایک حدیث میں ارشاد ہے اللہ جل شانہ نے حضرت جبرائیل علیہ السلام کو حکم فرمایا کہ فلاں فلاں بستی کو اس کے رہنے والوں کے ساتھ تختہ الٹ دو۔ حضرت جبرائیل علیہ السلام نے عرض کیا اے پروردگار ان میں آپ کا فلاں بندہ بھی ہے جس نے پلک جھپکنے کی بقدر بھی آپ کی نافرمانی نہیں کی کیا اس کو اس عذاب میں شریک کرلیا جائے اللہ جل شانہ کا ارشاد ہوا کہ اس بستی کو اس شخص پر اور باقی رہنے والوں پر الٹ دو کیونکہ یہ شخص خود تو نیکیاں کرتا رہا اور نافرمانیوں سے بچتا رہا لیکن اس کی چہرے پر میرے احکام کے بارے میں کبھی کسی وقت شکن نہیں پڑی۔ (مشکوٰۃ شریف)

امر بالمعروف نہی عن المنکر کی فریضہ کی انجام دہی میں کوتاہی کرنے کا وبال کس قدر ہے اس حدیث سے ظاہر ہے۔

اس دنیا کی فلاح، سعادت اور تباہی وہلاکت

محترم حضرات! آج ساری دنیا یہی کہہ رہی ہے، حقیقت گم ہوئی تھی ہمارے دل کے اندر، ہمارے وجود کے اندر ہمارے ارادوں کے اندر، ہمارے یقین کا جو سرچشمہ ہے اس کے اندر۔ لیکن چونکہ اس میں تاریکی ہے اور تاریکی ہے ایمان نہ ہونے کی وجہ سے، تاریکی نے اس وجہ سے کہ نبوت کا دامن ہمارے ہاتھ سے چھوٹ گیا، لیکن ملے گی وہ چیز وہیں، باہر بیس کے ہنڈے کی روشنی سہی لیکن جو چیز جہاں گری ہے وہ چیز وہیں ملے گی۔ تم نے جس چیز کو جس کے اندر کھویا ہے، اس کو گھر کے باہر مت ڈھونڈو، گھر کے اندر آؤ چراغ جلاؤ ایمان کی مشعل مانگ کر کے لاؤ، لیکن خدا کے لئے گھر میں آؤ اور تلاش کرو، جو عمل کری ہے، قانون خداوندی ہے، عقل کا فیصلہ ہے وہ چیز وہیں ملے گی۔

تم نے دل کی دنیا میں یقین کھویا، تم نے دل کی دنیا میں انسان کی محبت کھوئی، تم نے دل میں ایمان کھویا، تم نے دل کی دنیا میں انسان پر اعتماد کھویا، تم نے دل کی دنیا میں خدا کی محبت کھوئی اب تم اس کو باہر تلاش کر رہے ہو، تم اس کو اقوام متحدہ کے پلیٹ فارم پر تلاش کر رہے ہو، تم سیاسی کانفرنسوں میں تلاش کر رہے ہو، تم اس کو سیاسی پارٹیوں میں تلاش کر رہے ہو، تم اس کو بادشاہوں کے ایوانوں میں تلاش کر رہے ہو، تم اس کو کتب خانوں کے گوشوں میں تلاش کر رہے ہو اس کا قانون ہے خدا کی غیرت کا فیصلہ ہے کہ جو چیز جہاں کھوئی ہے وہیں ملے گی۔

یہ کھوئی ہوئی چیز جسے تم نے دل میں کھویا ہے اور تم جانتے ہو کہ تم نے کھویا ہے، چیز جب گری تھی، اس کی آواز آئی تھی۔ شیشہ گرتا ہے تو اس کی جھنک پیدا ہوتی ہے، وہ کوئی ایسی چیز نہ تھی کہ ریت میں گر کر کھو گئی ہو اور آواز نہ آئی ہو، اس کی رسید آئی، اس نے اعلان کیا کہ میں جارہی ہوں۔

ایمان جب کھویا تم کو معلوم ہے۔ اس کی صدائے بازگشت تمہارے کانوں میں آئی محبت جب کھوئی تو اس کی آواز آئی، اس نے پکارا، اس نے تم کو دہائی دی کہ میں جارہی ہوں۔ نبوت کا دامن ہاتھ سے چھوٹا تو تم کو احساس ہوا اور بتانے والوں نے بتایا، تم نے سنی ان سنی کر دی۔

یورپ کے داناؤ! تم نے اس وقت ایسا شور مچا رکھا تھا، ایسی گھنٹیاں بجا رہے تھے کہ جب

حضرت مسیح علیہ السلام کی عطا کی ہوئی چیز کھوئی تھی اور زمین پر پکار کر اس نے آواز دی تھی تو تم اس کی آواز نہیں سنی، لیکن مسلمان تم کو بتاتا ہے کہ وہ چیز تم نے کہاں کھوئی، ڈھونڈنے والوں کو وہیں ملے گی آب حیوان کا چشمہ وہیں ملتا ہے، جہاں وہ ہوتا ہے۔ ہزاروں دریا سہی، سمندر سہی، راوی و چناب سہی، گنگا و جمنا سہی لیکن آب حیوان کا چشمہ تاریکیوں میں ملے گا، انہی تاریکیوں میں جانا پڑے گا، پہلے تاریکیاں پڑیں گی، پھر آب حیوان کا چشمہ ملے گا۔

اب دنیا کا کوئی علاج نہیں ہے۔ سننے والے سن لیں لکھنے والے لکھ لیں، یاد کرنے والے یاد کر لیں، کہ اب دنیا کا کوئی علاج نہیں ہے، صرف یہی ہے کہ رسول اللہ ﷺ کا دامن پکڑا جائے اور پھر چراغ بھی روشن کیا جائے جس سے دل کی کھوئی ہوئی چیز ملے۔ دل کا سرا گم ہو چکا۔ دل تک پہنچنے کا راستہ کسی کے پاس نہیں، افسوس یہ ہے کہ راستہ نہیں، دل تک پہنچنے کا رستہ بہت نازک ہے، یہ بہت پتلی گلی ہے مگر راستہ وہی ہے۔

سن لو کہ دماغ ہفت زبان ہے۔ لیکن دل یک زبان۔ دماغ انگریزی جانتا ہے، دماغ فرانسیسی جانتا ہے، دماغ عربی جانتا ہے۔ اعلیٰ سے اعلیٰ تقریریں کرو، لطیف نکتے پیدا کرو، بلند سے بلند فلسفیانہ بحث کرو، لیکن دل ایک زبان جانتا ہے۔ دل انصاف کی زبان جانتا ہے، دل محبت کی زبان جانتا ہے، دل فلسفوں سے نہیں سمجھے گا، باریکیوں سے نہیں سمجھے گا، سائنس سے نہیں سمجھے گا، دل تو ایک ایمان کی زبان جانتا ہے۔ خدا کا نام لو تو دل جاگ اٹھے گا، خدا کے نام سے پکارو، دل دوڑ پڑے گا، خدا کے یہاں کسی چیز کی کمی نہیں، طاقت کی کمی نہیں، تنظیم کی کمی نہیں، دولت کی کمی نہیں دانائی کی کمی نہیں، سب قدموں کے نیچے ہیں۔ لیکن دل کو جگاؤ اور دل کو ایک مرتبہ خیر کے راستے پر ڈال دو اور دل میں انسان کی محبت پیدا کر دو، دل کی اس بنجر زمین میں پھر صلاحیت پیدا کرو اور وہ صلاحیت پیدا نہیں ہوگی جب کہ اپنے سفلی اغراض و مقاصد کی کھاد اس میں نہ ڈالو۔

یہ تمہاری دولت پرستی، یہ تمہاری جاہ پرستی، یہ تمہاری غرض پرستی یہ تمہاری حکومت پرستی یہ کھاد ہے دل کی، جب اس کو کھاد بنا کر زمین پر ڈالو گے تو دل کی کھیتی خزانہ اگلے گی پھر خلوص پیدا ہوگا، کھاد ہوگی۔ تم نے دیکھا ہے کہ کھاد ہمیشہ گندی ہوتی ہے، مگر کھاد سے جو چیز پیدا ہوتی ہے، وہ کیسی لطیف و نفیس ہوتی ہے۔ جب اغراض کی غلط مقاصد کی کھاد انسانیت دشمنی کی، جاہ پرستی

کی، حکومت پرستی کی، کھاد ڈالو گے تو اس سے خلوص برآمد ہوگا، اس سے صداقت برآمد ہوگی، اس سے انصاف برآمد ہوگا، اس سے انسانیت کی فلاح کی طلب برآمد ہوگی اور پھر دنیا میں بہار آئے گی اور یہ دنیا جنت کا راستہ بن جائے گی۔

وماعلینا الا البلاغ المبین

صورِ زندگی

الحمد للہ وکفی وسلام علی عبادہ الذین اصطفی اما بعد o فاعوذ بالله من الشیطان الرجیم o بسم الله الرحمن الرحیم o

بعثت سے پہلے دنیا کے حالات

حضرات! ذرا چودہ سو برس پہلے کی دنیا پر نظر ڈالئے، اونچی اونچی عمارتوں، سونے چاندی کے ڈھیروں اور زرق برق لباسوں کو چھوڑ دیجئے، یہ تو آپ کو پرانی تصویروں کے مرقع اور مردہ عجائب خانہ میں بھی نظر آجائیں گے، یہ دیکھئے کہ انسانیت بھی کہیں جیتی جاگتی تھی، مشرق سے مغرب اور شمال سے جنوب تک پھر کر دیکھ لیجئے اور سانس روک کر آہٹ لیجئے، کہیں اس کی نبض چلتی ہوئی اور اس کا دل دھڑکتا ہوا معلوم ہوتا ہے؟

زندگی کے سمندر میں بڑی مچھلی چھوٹی مچھلی کو کھائے جارہی تھی، انسانیت کے جنگل میں شیر اور چیتے، سوار اور بھیڑیئے بکریوں اور بھیڑیوں کو کھا رہے تھے، بدی نیکی پر، رزالت شرافت پر، خواہشات عقل پر، پیٹ کے تقاضے روح کے تقاضوں پر غالب آچکے تھے، لیکن اس صورت حال کے خلاف اتنی لمبی چوڑی زمین پر کہیں احتجاج نہ تھا، انسانیت کی چوڑی پیشانی پر غصہ کی کوئی شکن نظر نہیں آتی تھی، ساری دنیا نیلام کی ایک منڈی بن چکی تھی، بادشاہ و وزیر، امیر و غریب، اس منڈی میں سب کے دام لگ رہے تھے اور سب کوڑیوں میں بک رہے تھے، کوئی ایسا نہ تھا جس کا جوہر انسانیت خریداروں کے حوصلے سے بلند ہو اور جو پکار کر کہے کہ یہ ساری فضا میری ایک اڑان کے لئے کافی نہیں، یہ ساری دنیا اور یہ پوری زندگی میرے حوصلہ سے کم تھی، اس لئے ایک دوسری ابدی زندگی میرے لئے پیدا کی گئی، میں اس فانی زندگی اور اس محدود دنیا کی ایک چھوٹی سی کسر پر اپنی روح کو کس طرح فروخت کرسکتا ہوں؟

قوموں اور ملکوں کے اور ان سے گزر کر قبیلوں اور برادریوں کے اور ان سے آگے بڑھ

درختوں اور چٹانوں کے چھوٹے سے چھوٹے گھروندے بن گئے تھے اور بڑے بڑے بلند ہمت انسان جن کو اپنی سرفرازی و سربلندی کے بڑے اونچے ہوئے تھے، ہاتھیوں کی طرح ان گھروندوں میں رہنے کے عادی بن چکے تھے، کسی کو ان میں تنگی اور گھٹن محسوس نہیں ہوتی تھی اور کسی کو اس سے زیادہ وسیع تر انسانیت کا تصور باقی نہیں رہا تھا، زندگی ساری سود و سودا اور مکر و فن میں گم ہو کر رہ گئی تھی۔

انسانیت ایک سرد لاشہ تھی، جس میں نہیں روح کی تپش، دل کا سوز اور عشق کی حرارت باقی نہیں رہی تھی، انسانیت کی سطح پر خودرو جنگل اُگ آیا تھا، ہر طرف جھاڑیاں تھیں جن میں خونخوار درندے اور زہریلے کیڑے تھے، یا دلدلیں تھیں جن میں [illegible] پر بسنے والی اور خون چوسنے والی جونکیں تھیں، اس جنگل میں ہر طرح کا خوفناک جانور، شکاری پرندہ اور دلدلوں میں ہر قسم کی جونک پائی جاتی تھی، لیکن آدم زادوں کی اس بستی میں کوئی آدمی نظر نہیں آتا تھا، جو آدمی تھے وہ غاروں کے اندر، پہاڑوں کے اوپر اور خانقاہوں اور عبادت گاہوں کی خلوتوں میں چھپے ہوئے تھے اور اپنی خیر منا رہے تھے، یا زندگی میں رہتے ہوئے زندگی سے آنکھیں بند کر کے فلسفہ سے اپنا دل بہلا رہے تھے، یا شاعری سے اپنا غم غلط کر رہے تھے اور زندگی کے میدان میں کوئی مردِ میدان نہ تھا۔

حضور ﷺ کی بعثت:

دفعتاً انسانیت کے اس سرد جسم میں گرم خون کی ایک رو دوڑی نبض میں حرکت اور جسم میں جنبش پیدا ہوئی۔ جن پرندوں نے اس کو مردہ سمجھ کر اس کے بے حس جسم کے ساکن سطح پر بسیرا کر رکھا تھا، ان کو اپنے گھر ہلتے ہوئے اور جسم لرزتے ہوئے محسوس ہوئے۔ قدیم سیرت نگار اس کو اپنی خاص زبان میں یوں بیان کرتے ہیں کہ کسریٰ شاہ ایران کے محل کے کنگرے گرے اور آتش پارس ایک دم بجھ گئی۔ زمانہ حال کا مورخ اس کو اس طرح بیان کرے گا کہ انسانیت کی اس اندرونی حرکت سے اس کی بیرونی سطح پر اضطراب پیدا ہوا۔ اس کی اس ساکن و بے حرکت سطح پر جتنے کمزور اور بودے قلعے بنے ہوئے تھے ان میں زلزلہ آیا۔ مکڑی کا ہر جالا ٹوٹتا اور تنکوں کا ہر گھونسلہ بکھرتا نظر آیا۔ زمین کی اندرونی حرکت سے اگر سنگین عمارتیں اور آہنی برج خزاں کے

پتوں کی طرح جھڑ سکتے ہیں تو پیغمبر کی آمد سے کسریٰ وقیصر کے خودساختہ نظاموں میں تزلزل کیوں نہ ہوگا؟! زندگی کا یہ گرم خون جو انسانیت کے سر جسم میں دوڑا محمد رسول اللہ ﷺ کی بعثت کا واقعہ ہے جو متمدن دنیا کے قلب مکہ معظمہ میں پیش آیا۔

حضور ﷺ کا امت کو پیغام:

آپ نے دنیا کو جو پیغام دیا، اس کے مختصر لفظ زندگی کی تمام وسعتوں پر حاوی ہیں۔ تاریخ گواہ ہے کہ انسانی زندگی کی جڑیں اور اس کے جھوٹے قصر زندگی کی بنیادیں بھی اس زور سے نہیں ہلائی گئیں اور دنیا کے گندذہن پر بھی ایسی چوٹ نہیں پڑی تھی، جیسے ان لفظوں سے پڑی۔ وہ غصہ سے تلملا گیا اور اس نے جھنجلا کر کہا اجعل الالهة الها واحدا ان هذا الشیء عجاب (کیا ان سب کو جن کی ہم پرستش کرتے تھے اور جن کے ہم بندے بنے ہوئے تھے اڑا کر ایک ہی معبود مقصود مقرر کر رہا ہے؟ یہ تو بڑے اچنبھے کی بات ہے) اس ذہن کے نمائندوں نے فیصلہ کیا کہ یہ ہمارے نظام زندگی کے خلاف ایک گہری اور منظم سازش ہے اور ہم کو اس کا مقابلہ کرنا ہے۔ وانطلق الملأ منهم ان امشوا واصبروا علی الهتکم ان هذا الشیئ یراد (ان کے سردار اور ذمہ دار ایک دوسرے کے پاس گئے کہ چلو اور اپنے معبودوں پر جمے رہو۔ یہ تو کوئی طے کی ہوئی بات معلوم ہوتی ہے۔)

لا الہ الا اللہ کے پیغام کا مطلب:

یہ نعرہ زندگی اور انسانیت کے پورے تصور پر ایک کاری ضرب تھی جو ذہن کے پورے سانچہ اور زندگی کے پورے ڈھانچہ کو متاثر کرتی تھی۔ اس کا مطلب تھا جیسا کہ آج تک سمجھا جاتا رہا، یہ دنیا کوئی خودرو جنگل نہیں بلکہ یہ مالی کا اگایا ہوا آراستہ باغ ہے اور انسان اس باغ کا سب سے اعلیٰ پھول ہے، یہ پھول جو ہزاروں بہاروں کا سرمایہ ہے، بے مقصد نہیں کہ مل دل کر رہ جائے۔ اس کے اندر وہ لامحدود طلب، وہ بلند ہمت، وہ بلند پرواز روح اور وہ مضطرب دل ہے کہ ساری دنیا مل کر اس کی تسکین نہیں کر سکتی اور یہ سست عناصر دنیا اس کے ساتھ نہیں چل سکتی، اس کے لئے غیر فانی زندگی اور ایک لامحدود دنیا درکار ہے، جس کے سامنے یہ زندگی ایک قطرہ اور یہ

دنیا بازیچہ اطفال ہے، وہاں کی راحت کے سامنے یہاں کی راحت اور وہاں کی تکلیف کے سامنے یہاں کی کوئی تکلیف حقیقت نہیں رکھتی، اس لئے انسان کا فطری تقاضا خدائے واحد کی عبادت، اس کی خودشناسی، رضائے الٰہی کی طلب، اور اس کی زندگی اس کے لئے جدوجہد ہے۔ انسان کو کسی روح، کسی مخفی و فرضی طاقت، کسی درخت اور پتھر، کسی قسم کی دھات اور جمادات، کسی مال و دولت، کسی جاہ و عزت، کسی طاقت و قوت اور کسی روحانیت و عظمت کے سامنے بندوں کی طرح جھکنے اور سبزہ کی طرح پامال ہونے کی ضرورت نہیں، وہ صرف ایک بلندی کے سامنے سب سے زیادہ پست اور سب پستیوں کے مقابلہ میں سب سے زیادہ بلند ہے، وہ سارے عالم کا مخدوم اور ایک ذات کا خادم ہے، اس کے سامنے فرشتوں کو سجدہ کرا کر اور اس کو اللہ کے سوا ہر ایک کے سجدہ سے منع کر کے ثابت کر دیا کہ کائنات کی طاقتیں جن کے فرشتے امین ہیں ان کے سامنے سرنگوں اور سربسجود ہیں اور اس کا سر اس کے جواب میں اللہ کے سامنے جھکا ہوا ہے۔

کفار مکہ کی حضور ﷺ کو پیشکش:

دنیا کا ذہن اتنا شل ہو چکا تھا کہ وہ مادیات و محسوسات اور جسم اور پیٹ کے حدود سے باہر آسانی سے کام نہیں کر سکتا تھا۔ لوگوں کا ذہن اتنا اتھلا ہو چکا تھا کہ وہ کسی انسان سے متعلق گہرا اور بلند تصور قائم ہی نہیں کر سکتا تھا، انہوں نے کچھ پیمانے بنا رکھے تھے، ہر شخص کو اس پیمانے سے ناپتے تھے، زندگی کی جو چھوٹی چھوٹی بلندیاں بن چکی تھیں، ہر بلند انسان کو انہیں کے سامنے لا کر دیکھتے تھے، انہوں نے بڑے غور و فکر اور ذہانت سے کام لیا اور وہ رسول اللہ ﷺ کے لئے اس کے آگے نہ سوچ سکے کہ یا تو وہ مال و دولت کے یا سرمایہ داری و بادشاہی کے یا عیش و عشرت کے طالب ہیں، انصاف کیجئے تو اس وقت تک دنیا کا تجربہ اس سے زیادہ اور کیا تھا اور اس نے اپنے زمانے کے حوصلہ مندوں اور شہبازوں کی اس سے بلند پرواز کب دیکھی تھی؟ انہوں نے آپ کی خدمت میں ایک وفد بھیجا، یہ دراصل اس عصر کے ذہن و دماغ اور نفسیات کی سچی نمائندگی اور اس نے جو کچھ کہا، وہ زمانہ کے احساسات کی صحیح ترجمانی تھی۔ رسول اللہ ﷺ نے جو اس کا جواب دیا، وہ نبوت کی صحیح نمائندگی اور امت مسلمہ کی حقیقت کا اصلی اظہار تھا، آپ نے ثابت کر دیا کہ آپ ان میں سے کسی چیز کے طالب نہیں، آپ جس چیز کے داعی ہیں وہ ان کی ان بلند چیزوں سے

اس سے بھی زیادہ اونچی ہے جتنا آسمان اس زمین سے، آپ اپنی ذاتی راحت اور ترقی کے لئے فکرمند نہیں بلکہ نوع انسانی کی نجات اور اس کی راحت کے لئے بے چین ہیں، آپ اس دنیا میں اپنے لئے کوئی مصنوعی جنت بنانے کے خواہشمند نہیں بلکہ جنت سے نکالے ہوئے انسان کو حقیقی جنت میں ہمیشہ کے لئے داخل کرنا چاہتے ہیں۔ آپ اپنی سرداری کے لئے کوشاں نہیں بلکہ تمام انسانوں کو انسان کی غلامی سے نکال کر بادشاہ حقیقی کی غلامی میں داخل کرنا چاہتے ہیں۔ اسی بنیاد پر یہ امت بنی اور یہی پیغام لے کر تمام دنیا میں پھیل گئی۔ ان کے سفیروں نے جو اپنے اندر دعوت کی سچی روح اور اسلام کی صحیح زندگی رکھتے تھے، کسریٰ اور قیصر کے بھرے دربار میں صاف کہہ دیا کہ ہم کو اللہ نے اس کام کے لئے مقرر کیا ہے کہ ہم اس کے بندں کو بندوں کی بندگی سے نکال کر اللہ کی غلامی میں، دنیا کی تنگی سے نکال کر آخرت کی وسعت میں اور مذاہب کی ناانصافی سے نکال کر اسلام کے انصاف میں داخل کریں، ان کو جب اپنے اصولوں پر حکومت قائم کرنے اور چلانے کا موقع ملا تو وہ جو کچھ کہتے تھے اور جس کی دوسروں کو دعوت دیتے تھے، اس کو جاری کر کے دکھادیا، ان کی معیاری حکومت کے زمانے میں کسی انسان کی بندگی نہیں ہوتی تھی، بلکہ اللہ کی بندگی ہوتی تھی، کسی انسان یا جماعت کا حکم نہیں چلتا تھا بلکہ اللہ کا حکم چلتا تھا، ان کا حاکم جس کو وہ خلیفہ کہتے تھے معمولی سی انسانی تحقیر پر کہہ اٹھتا تھا کہ لوگ ماں کے پیٹ سے آزاد پیدا ہوئے تھے۔ تم نے ان کو کب سے غلام بنالیا؟ ان کا بڑے سے بڑا حاکم بڑی بڑی بادشاہتوں کے دارالسلطنت میں شان سے رہتا تھا کہ لوگ اس کو مزدور سمجھ کر اس کے سر پر بوجھ رکھ دیتے تھے اور وہ اس کو ان کے گھر پہنچا آتا تھا۔ ان کا دولت مند سے دولت مند انسان اس طرح زندگی گزارتا تھا کہ معلوم ہوتا تھا کہ وہ اس زندگی کو زندگی اور اس کی راحت کو راحت ہی نہیں سمجھتا۔ اس کی نظر کسی اور زندگی پر ہے اور اس کو طلب کسی اور راحت کی ہے۔

دنیا میں مادی ضرورتوں کے علاوہ ایک دوسری روشن حقیقت بھی ہے

اس امت کا وجود دنیا کے ہر گوشہ میں مادی حقیقتوں اور جسمانی لذتوں کے علاوہ ایک بالکل دوسری حقیقت کے وجود کا اعلان ہے۔ اس کا ہر فرد پیدا ہو کر اور مر کر بھی اس حقیقت کا اعلان کرتا ہے کہ دنیا کی طاقتوں سے بڑی اور ایک دوسری طاقت ہے اور اس زندگی سے زیادہ

حقیقی دوسری زندگی ہے۔ وہ دنیا میں آتا ہے تو اس کے کان میں اسی حق کی اذان دی جاتی ہے، مرتا ہے تو اسی شہادت و مظاہرہ کے ساتھ اس کو رخصت کیا جاتا ہے، جب اس دنیا پر بے حسی اور موت کا سکوت طاری ہوجاتا ہے اور شہر کی ساری آبادی معاش کی جدوجہد میں سرتاپا غرق ہوجاتی ہے اور دنیا میں مادی ضرورتوں کے علاوہ کوئی اور ضرورت اور محسوس حقیقتوں کے علاوہ کوئی اور حقیقت جیتی جاگتی نظر نہیں آتی، اس وقت اذان اس طلسم کو توڑ دیتی اور اس کا اعلان کرتی ہے کہ نہیں جسم اور پیٹ سے زیادہ ایک دوسری روشن حقیقت ہے اور وہی کامیابی کی راہ ہے۔ حی علی الصلوٰۃ حی علی الفلاح بازار کا شور اس نعرۂ حق کے سامنے دب جاتا ہے اور سب حقیقتیں اس حقیقت کے سامنے ماند پڑ جاتی ہیں اور اللہ کے بندے اس آواز پر دیوانہ وار دوڑ پڑتے ہیں، جب رات کو پورا شہر میٹھی نیند سوتا ہے اور یہ جیتی جاگتی دنیا ایک وسیع قبرستان ہوتی ہے، دفعتاً موت کی اس بستی میں زندگی کا سرچشمہ اس طرح ابلتا ہے جس طرح رات کی سیاہی میں صبح کی سپیدی نمودار ہو۔ الصلوٰۃ خیر من النوم سے اونگھتی سوتی انسانیت کو تازگی اور زندگی کا پیغام ملتا ہے، جب کسی طاقت و سلطنت کا کوئی فریب خوردہ انا ربکم الاعلیٰ (میں تمہارا سب سے اونچا پروردگار ہوں) اور ما لکم من الٰہ غیری (میرے سوا تمہارا کوئی معبود نہیں) کا نعرہ لگاتا ہے تو ایک غریب مؤذن اسی مملکت کی بلندیوں سے اللہ اکبر کہہ کر اس کے دعویٔ خدائی کا تمسخر اڑاتا ہے اور اشہد ان لا الٰہ الا اللہ کہہ کر حقیقی بادشاہت کا اعلان کرتا ہے۔ اس طرح دنیا کا مزاج بے اعتدالی سے اور اس کا دماغ بہکنے سے محفوظ رہتا ہے۔

اس عرفان، ایمان اور اعلان کا چشمہ محمد رسول اللہ ﷺ کی بعثت اور آپ کی تعلیم و دعوت اور اب یہی عرفان ایمان اور اعلان دنیا کی حیات نو کا سرچشمہ اور صحیح و صالح انقلاب کا واحد ذریعہ ہے:

یہ سحر جو کبھی فردا ہے کبھی امروز
نہیں معلوم کہ ہوتی ہے کہاں سے پیدا
وہ سحر جس سے لرزتا ہے شبستان وجود
ہوتی ہے بندۂ مؤمن کی اذاں سے پیدا

وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین

توحید خالص اور اتباع سنت کی دعوت

ذیل کا مضمون حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی رحمۃ اللہ علیہ کی وہ اہم تقریر ہے جو مدرسہ فلاح المسلمین تیندوا امین نگر رائے بریلی میں ۲۷ شوال المکرم ۱۴۱۹ھ کو نئے تعلیمی سال کے موقع پر وہاں کے عوام اور اساتذہ کے سامنے کی تھی یہ مدرسہ نصیر آباد کے قریب واقع ہے جو حضرت مولانا رحمۃ اللہ کے خاندان کا مسکن رہ چکا ہے اور یہیں سے حضرت شاہ علم اللہ رحمۃ اللہ علیہ تکیہ کلاں رائے بریلی تشریف لائے تھے، بعد ازیں نصیر آباد کے اسی خاندان سے دو بزرگوں مولانا خواجہ احمد صاحب نصیر آبادی اور مولانا سید امین صاحب نصیر آبادی نے اس علاقہ میں اور قرب اضلاع اعظم گڑھ، جونپور، سلطان پور، پرتاپ گڑھ وغیرہ میں توحید وسنت کی دعوت کا بڑا کام کیا، جس کے اثرات اب تک نمایاں ہیں۔

الحمد لله نحمده و نستعينه و نستغفره و نو من به و نتو كل عليه و نعوذ بالله من شرر انفسنا و من سيات اعمالنا من يهده الله فلا مضل له و من يضل الله فلا هادى له و نشهد ان لا اله الا الله وحده لاشريك له و نشهد ان سيدنا و مولانا محمدا عبده و رسوله صلى الله تعالىٰ عليه و علىٰ آله و اصحابه اجمعين اما بعد فاعوذ بالله من الشيطان الرجيم بسم الله الرحمن الرحيم.

میرے عزیز دوستو اور بھائیو:

میں آپ کو مبارکباد دیتا ہوں، خاص طور پر اپنے عزیز طلبہ کو جو اس علاقہ سے یا علاقہ کے آس پاس سے آتے ہیں، ان کو مبارکباد دیتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ نے بڑا انعام فرمایا ان پر بلکہ ان کے والدین پر کہ جنھوں نے اپنے بچوں کو ایسے مدرسہ میں دینی تعلیم کے لئے بھیجا جو ایک ایسی جگہ پر واقع ہے، اور ایسے بزرگوں کی دعاؤں کا نتیجہ ہے، جو صحیح عقیدہ پر تھے، توحید خالص کے عقیدہ پر تھے اور اتباع سنت ان کا دستور تھا، اتباع سنت پر عمل تھا اور شرک و بدعت سے ان کو سخت نفرت تھی، کسی کو گندگی سے اتنی نفرت نہیں ہو سکتی، نجاست سے اتنی نفرت نہیں ہو سکتی، بیماریوں سے اتنی نفرت نہیں ہو سکتی، اور جسمانی تکلیف سے اتنی وحشت اور پریشانی نہیں ہو

سکتی جتنی ان کو شرک وبدعت کی باتوں سے نفرت تھی، اس علاقہ کا فیض بہت دور دور تک پہنچا، اس میں ایسی ہستیاں پیدا ہوئیں جن کی مثال تاریخ میں ملنا مشکل ہے تاریخ میرا موضوع ہے، تاریخ پڑھتا ہی نہیں، بلکہ لکھتا بھی ہوں آپ سے کہتا ہوں، پورے وثوق کے ساتھ اور مطالعہ کی روشنی میں کہتا ہوں کہ یہاں ایسی ہستیاں پیدا ہوئیں، کہ ہندوستان میں بھی بہت کم ایسے مرتبہ کی ہستیاں پیدا ہوئیں، ان کو سارے ہندوستان نے مانا اور ان کو سر پر بٹھایا اور آنکھوں میں جگہ دی، اور جب ذکر کرتے ہیں، تو ایسے ادب کے ساتھ اور ایسے عقیدت کے ساتھ کرتے ہیں کہ تعجب ہوتا ہے، اس میں حضرت شاہ علم اللہ جو اس علاقہ سے رائے بریلی چلے گئے اور وہاں قیام اختیار کرلیا، اور مسجد بنائی اور وہاں اللہ کا نام سکھانا شروع کیا، اللہ رسول کے نام سے لوگوں کو واقف کرانا شروع کیا، توحید وسنت کی تعلیم دی اور شرک وبدعت کی خباثت سے احتیاط کرنے اور شریعت پر عمل کرنے کا پورا عادی بنایا، ان کے حالات میں کتابیں بھی ہیں، اور ان کا تذکرہ دور دور پھیلا، ان کے بعد انھیں کے پوتے حضرت سید احمد شہیدؒ نے بہت بڑا کارنامہ انجام دیا، لوگ جنھیں امام المسلمین اور تیرہویں صدی کا مجدد مانتے ہیں اور ہم نے اپنے بزرگوں اور دیوبند کے بزرگوں کو اور اس کے آس پاس دہلی کے بزرگوں کو دیکھا ہے، ان کا نام بڑے ادب سے لیتے تھے، مولانا حسین احمد مدنیؒ فرماتے تھے کہ حضرت سید احمد شہیدؒ وہ بزرگ تھے جن کی وجہ سے ہم لوگ مسلمان ہیں اور اسلام پر پورا عمل کر رہے ہیں، سید صاحب کی تحریک سے سارا ہندوستان متاثر ہوا، انھوں نے اللہ کے راستہ میں شہادت پائی، ان کا یہ حال تھا کہ وہ جدھر سے گذر جاتے تھے، کسی شہر میں تھوڑی دیر کیلئے ٹھہر جاتے تھے، تو وہاں سے شرک وبدعت کافور ہو جاتی تھی، اور اس کا نام مٹ جاتا تھا اور لوگ حرام پیشہ چھوڑ دیا کرتے تھے، اخلاق ان کے سدھر جایا کرتے تھے، پاکیزگی ان میں پیدا ہو جاتی تھی اللہ کا ڈر پیدا ہو جاتا تھا مخلوق خدا کا خیال پیدا ہو جاتا، بڑی بڑی کتابیں ان کے حالات پر لکھی گئی ہیں، انگریزی میں بھی اور عربی میں بھی، اردو اور فارسی میں بھی۔

ان کا ذکر کسی پڑھے لکھے آدمی کے سامنے کر کے دیکھئے یہاں سے لے کر افغانستان تک سب ان سے واقف ہیں، ان کے بعد حضرت خواجہ احمد صاحب نصیر آبادی کی وجہ سے بہت دور تک اتباع سنت کا رواج پھیلا اور شرکت وبدعت سے نفرت ہوئی اور پھر آخر میں حضرت

مولانا سید محمد امین صاحب نصیر آبادیؒ جن کے دیکھنے والے ابھی زندہ ہوں گے، وہ بھی اس خاندان کی وجہ سے یہاں سے جونپور تک اور اعظم گڑھ تک اور آس پاس کے جتنے اضلاع ہیں ان میں سنت کا نور پھیلا اور توحید کا عقیدہ پھیلا، شرک وبدعت سے نفرت پیدا ہوئی، جب ہم ندوۃ العلماء میں پڑھتے تھے، وہاں ایک بڑے عالم تھے، مولانا شبلی فقیہ، ان سے ہم فقہ کی کتابیں پڑھتے تھے وہ کہنے لگے کہ دیکھو ہمارے اعظم گڑھ میں کوئی شرک وبدعت کو نہیں جانتا، نہ امام باڑے ہیں، نہ شرک ہے، نہ بدعت، ہم نے کہا الحمدللہ خوشی کی بات ہے، فرمایا جانتے ہو کیوں؟ ہم نے کہا فرمایئے، فرمایا کہ حضرت خواجہ احمد صاحب نصیر آبادیؒ اور مولانا محمد امین صاحبؒ کی وجہ سے، ان کی آواز وہاں تک پہونچی، یا قدم مبارک پہونچے تو کبھی کبھی شہر کا شہر صاف ہوگیا۔

ہم آپ کو مبارکباد دیتے ہیں، آپ ایسی جگہ کے رہنے والے ہیں، یہ مدرسہ ان کی دعاؤں کی مقبولیت کا نتیجہ ہے، کہ اتنے دنوں کے بعد اللہ تعالیٰ نے یہاں اس کی توفیق عطا فرمائی کہ اتنا بڑا مدرسہ بنا، کہ کم جگہ ایسے مدرسے ہیں، اس مرتبہ ہم بہت دنوں کے بعد آئے مدرسہ دیکھ کر بہت خوشی ہوئی کہ یہاں اتنی بڑی بڑی عمارتیں ہیں، کئی سو طلباء رہتے ہیں اور اچھے اچھے استاد ہیں، میں آپ سے کہتا ہوں اور یہ بات ذہن میں تازہ کرلیں ذہن میں جب چیز تازہ نہیں ہوتی تو وہ رسمی بن جاتی ہے تو اس کا اثر نہیں پڑتا، کبھی کبھی اس کا شکر ادا کیا کریں، نمازوں کے بعد شکر ادا کریں، کہ اے اللہ تیرا شکر ہے کہ تو نے ہمیں ایسی بستی میں پیدا کیا اور ہم کو ایسے مدرسہ میں بھیجا اور ایسے مدرسہ کا ہمارے لئے انتخاب کیا، جو صحیح عقیدے پر قائم ہے، توحید وسنت پر قائم ہے، یہی بنیاد ہے۔

اگر توحید وسنت نہیں ہے تو چاہے ہوا میں اڑے، چاہے پانی پر چلے، چاہے سارے دن ساری رات نماز پڑھے، تو کوئی فائدہ نہیں ہے، اصل چیز توحید وسنت یہی دین کی بنیاد ہے، یہ دین اللہ کے رسولؐ لے کر آئے، اس دین کو مضبوطی کے ساتھ پکڑنا ہے، دین کے ایک ایک حکم کا پابند ہونا ہے، اس کا ادب کرنا ہے، شرک وبدعت کے سایہ سے دور رہنا ہے، اور دل سے اس سے نفرت کرنا ہے، یہ دین کی بنیاد ہے، اللہ تعالیٰ سے دعا کریں کے اے اللہ ہمیں اس کی توفیق دے۔

قدیم مذاہب جو ناکام ہوئے وہ اس لئے کہ اخیر میں جا کر بے اصل ہو گئے کہ ان میں وہ غلط عقائد شامل ہو گئے، رسم ورواج شامل ہو گئے، وہ مذہب، مذہب نہیں رہا بلکہ ایک رواج بن گیا، ان کے بزرگ یوں کیا کرتے ہیں اور ہمارے بزرگ یوں کیا کرتے تھے. اس طرح عبادتیں کرنی چاہئیں، اس طرح بلانا چاہئے، اس طرح پہننا چاہئے. اس طرح تعظیم کرنی چاہئے، اس طرح بزرگوں کے مزار پر سر جھکانا چاہئے اور دعا کرنا چاہئے، کیسے کیسے رواج وفضول خرچی شادی بیاہ میں کیسی کیسی رسمیں شامل ہو گئیں کہ کلیجہ منہ کو آتا ہے۔

ہندو مذہب کو دیکھ لیجئے، جین مذہب کو دیکھئے، سب رواجوں کا نام ہے، ہمارے خاندان میں بھی اس طرح ہوتا آیا ہے، اور یہ ہمارے یہاں کا دستور ہے، ہم تو یہ کریں گے، اللہ کا حکم کیا ہے، اس کے رسول کا حکم کیا ہے، دین کیا کہتا ہے، کتابیں اور آسمانی صحیفے کیا کہتے ہیں، حضور کی سنت کیا کہتی ہے، اس سے بحث نہیں، ایسا ہوتا آیا ہے۔

" انا وجدنآ آباءنا علی امۃٍ وانا علی اثارھم مقتدون

ہم نے اپنے باپ دادکو ایسے ہی کرتے پایا ہے

ہم تو وہی کریں گے، اس پر اللہ کا شکر ادا کرنا چاہئے اور اس مضمون کو اپنے ذہن میں تازہ رکھنا چاہئے، جب چیز بھولی بسری ہو جاتی ہے تو اس کا اثر نہیں رہتا، کبھی کبھی اس بات کو تازہ کر لینا چاہئے، سوچنا چاہئے، اپنے ذہن کو بیدار کرنا چاہئے کہ ہم کہاں ہیں، کس جگہ ہیں. یہاں کیسے کیسے لوگ تھے، کیا ان کی دعوت تھی، کس چیز کے لئے انھوں نے قربانیاں دیں، جان ومال عزت وآبرو سب اس پر لگادی وہ یہ کہ صرف ایک خدائے واحد کی عبادت کرو، اس کے سوا کسی کو کارساز، کسی کو مددگار اور کسی کو مشکل کشا، اور کسی کو حاجت روا نہ سمجھا جائے، وہی ہے جو دیتا ہے، وہی ہے جو عزت دیتا ہے، وہی ہے جو روزی دیتا ہے، وہی ہے جو اولاد دیتا ہے، وہی ہے جو صحت دیتا ہے، وہی ہے جو زندگی بڑھاتا ہے، "الالہ الخلق والامر"، ان کا کام ہے پیدا کرنا، حکومت چلانا، انتظام کرنا۔

میرے عزیزو! پہلی بات تو یہ ہے کہ آپ اللہ کا شکر ادا کریں، اللہ آپ کے والدین کو جزائے خیر دے گا، اور اللہ ان کا سایہ قائم رکھے، اگر زندہ ہیں اور اگر دنیا سے چلے گئے تو اللہ تعالیٰ ان کو مغفرت فرمائے کہ انھوں نے آپ کو کسی انگریزی اسکول میں نہیں بھیجا، ورنہ آپ بھی نہ

جانتے کہ آپ کون ہیں اور کس نے یہ دنیا بنائی ہے اور کس لئے بنائی ہے، کس طرح اس کو راضی کرنا چاہئے اور کیا اس کی رضا وخوشی کے کام ہیں، کیا ناپسندیدگی کے کام ہیں، کیا حرام ہے، کیا حلال ہے، کیا صحیح عقیدہ ہے، کیا غلط عقیدہ ہے، کیا گمراہی ہے کچھ نہیں جانتے، وہاں یہ چیزیں بتائی ہی نہیں جاتیں، وہاں تو بس یہ ہے کہ فارغ ہو جائیں، کوئی چھوٹی موٹی نوکری مل جائے، جس سے اپنا پیٹ بھر سکیں اور اپنا گھر چلا سکیں، باقی نہ عقیدہ نہ اخلاق نہ تربیت اور نہ صحیح انسانیت، کچھ نہیں، اس پر شکر ادا کریں، کہ اللہ نے آپ کی حفاظت فرمائی، جب چیز کی اہمیت دل میں نہیں ہوتی تو آدمی کا شکر ادا نہیں کرتا، تو یہ بہت بڑی دولت ہے، محرومی ہوگی۔

”لئن شکرتم لازید نکم“ ”قرآن شریف میں آیا ہے کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ میرے بندے اگر تم شکر کرو گے تو اور زیادہ تم کو دونگا، تو قرآن مجید میں شکر ادا کرنے کی اس کے جاننے کی اور محسن کو پہچاننے کی بڑی تاکید آئی ہے، تو آپ شکر کریں کہ اللہ نے والدین کو ہمارے سرپرستوں کو توفیق دی جنھوں ہمیں یہاں بھیجا، تاکہ ایسی درسگاہوں میں تعلیم حاصل کریں، جہاں صحیح عقیدہ بتایا جاتا ہے اور جہاں دین سکھایا جاتا ہے، اخلاق بتایا جاتا ہے، اور پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت کی تعلیم اور سنتوں پر چلنے کی ترغیب دی جاتی یہ، اگر شکر کریں گے تو اللہ تعالیٰ کا وعدہ پورا ہوگا“ لئن شکرتم لازید نکم ”اگر تم شکر کرو گے تو اور زیادہ دیں گے، اور یہ کچھ نہ خیال کیا، بس درجہ میں گئے پڑھ لیا، کھانا کھا لیا، نماز کا وقت آیا نماز پڑھ لی، لیکن یہ پتہ نہیں کہ ہم کہاں ہیں، یہاں کی کیا خصوصیت ہے، یہاں کی کیا تعلیم ہے، یہ کس بنیاد پر قائم ہے، تو یہ اچھی بات نہیں ہے، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے،” لمسجد أسِّسَ علیٰ التقویٰ من اول یوم احق ان تقوم فیہ“ وہ مسجد جو خدا کے خوف پر قائم کی گئی، اس کی بنیاد رکھی گئی، وہ زیادہ اس کی مستحق ہے کہ تم خدا کی عبادت کرو، ہم آپ کو مبارکباد دیتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو مقدر فرمایا کہ آپ اس مدرسہ میں آئے جو صحیح عقیدہ کا مرکز ہے، صحیح العقیدہ قصبے کے قریب واقع ہے، اللہ تعالےٰ اس کے بانی اول مولانا محمد ثانی حسنی رحمتہ اللہ علیہ کے درجات بلند فرمائے، انھوں نے اسی جذبہ سے اسے قائم کیا کہ یہاں صحیح دین سکھایا جائے، طالبعلموں کو داعی بنایا جائے، نہ صرف خاندان کے لئے بلکہ قصبات کے لئے بھی، بلکہ اس سے بڑھ کر سارے عالم کے لئے ان کو تیار کیا جائے دوسری بات یہ ہے کہ آپ تعلیم حاصل کرنے کی پوری

کوشش کریں، اللہ تعالیٰ نے اس امت کی قسمت دین سے وابستہ کی ہے، ہم جو چیز بار بار پڑھتے ہیں، تو خیال نہیں آتا، بڑے غور کرنے کی بات ہے، کہ جب پہلی وحی نازل ہوئی، حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے تقریباً پانچ چھ سو برس بعد یہ عزت انسانیت کو ملی ہے، صحیح نسل کو ملی ہے، ایک ہستی کو، ایک مخلوق کو جن کا نام محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہے جو مکہ کے رہنے والے تھے، نبوت کے لئے ان کا انتخاب فرمایا، وہ پڑھے ہوئے نہیں تھے، وہ امی تھے اور قرآن مجید میں بھی یہ لفظ بار بار آتا ہے اور اس کے معنی ہیں ان پڑھ، آپ نے تعلیم حاصل ہی نہیں کی، مکہ میں تعلیم کا رواج ہی نہیں تھا یا آپ کو موقع نہیں ملا، اور ایسے حالات تھے کہ نہ وہاں مدرسے تھے نہ مکاتب تھے تو آپ بنی امی ہیں اور یہ قوم بھی امی کہلاتی ہے، کیونکہ وہ قوم بھی ان پڑھ تھی، بلکہ وہ کہا کرتے تھے "نحن امہ امیون" فخر کے طور پر کہتے تھے ہم ان پڑھ لوگ ہیں اس کو بے عزتی کی بات نہیں سمجھتے تھے، ایسے انداز سے کہتے تھے کہ اس پر فخر ہو، ہم لوگ پڑھے لکھے لوگ نہیں ہیں، کہ پڑھے لکھے لوگ معلوم نہیں کیا کیا کرتے ہیں، کیسی کیسی چالاکی کرتے ہیں، اس لئے وہ کہتے تھے کہ ہم ان پڑھ لوگ ہیں، یہودی بھی کہتے تھے ان کو تکلیف پہونچانا یا ان کی کسی چیز پر قبضہ کر لینا گناہ نہیں ہے، یہ امی لوگ ہیں، ان کو تکلیف دینے سے ان کی چیز پر قبضہ کر لینے سے کوئی گناہ نہیں ہوا کرتا، جیسے آدمی جانوروں سے کہے، کہ اس کے مارنے ہنکا لینے یا تکلیف دینے یا کام لینے میں کوئی حرج نہیں۔

ایسے بنی امی پر ایسی امت امیہ پر اور ایسے امی مقام و شہر میں پہلی وحی نازل ہو رہی ہے اور آسمان سے رشتہ قائم ہو رہا ہے اور کس چیز سے رشتہ قائم ہو رہا ہے اور چھ سو برس کے بعد قائم ہو رہا ہے، اس کے پہلے پیغام میں کیا کہا جاتا۔ پتہ نہیں کیا کیا چیزیں ہیں، کہنے کی، پورا قرآن شریف بھرا ہوا ہے اور آپ پڑھیں گے اور عربی سمجھتے ہیں کے، کہ معلوم نہیں کیا کیا علوم اور اعلیٰ درجہ کے حقائق اور کیا کیا خرابیاں ان کے اندر تھیں، وہ ایسی تھیں کہ ان میں سے کسی ایک کو نشانہ بنایا جا سکتا تھا کہ غیر اللہ کی پرستش نہ کرنا، جو چیز اللہ کو سب سے زیادہ ناپسند ہے اس کو مت کرنا، اور ایسے ہی بہت سی بداخلاقیاں تھیں، لڑکیوں کو زندہ دفن کر دیا کرتے تھے، اس وحی کے ذریعہ و پہلی تعلیم دی جا رہی ہے کہ پڑھو کتنے ایسے لوگ ہیں جو کتابوں کے مصنف ہیں لیکن ان کو ظلم کرنے میں، جھوٹ بولنے میں، لوگوں کو غلام بنانے میں، اپنی خواہش پوری کرنے میں کوئی

عار نہیں ہوتا، ایک ہندوستانی فلسفی لندن گئے، وہاں کسی نے کہا کہ دیکھئے، چند گھنٹہ میں ہم ہوائی جہاز کے ذریعہ پیرس پہونچ سکتے ہیں، سمندر پار کر سکتے ہیں، تو ہمیں اڑنا بھی آتا ہے اور تیرنا بھی آتا ہے، انھوں نے کہا لیکن زمین پر چلنا نہیں آتا، زمین پر آدمی کی طرح چلنا نہیں سیکھا، متکبروں کی طرح چلتے ہو، ظالموں کی طرح چلتے ہو، بس خالی علم کافی نہیں ہے، بلکہ وہ علم جو اللہ کے نام سے شروع ہو، صرف یہ نہیں کہ بسم اللہ الرحمن الرحیم پڑھ لی جائے بلکہ اللہ کی محبت سے شروع ہو، اللہ کے خوف سے شروع ہو، اللہ کے احکامات وہدایات معلوم کرنے سے شروع ہو، ادب وتعظیم کے ساتھ شروع ہو، اللہ تعالی نے آپ کو توفیق دی اور آپ کے لئے یہ جگہ بھی انتخاب کی اور آپ کو توفیق دی کہ قرآن وحدیث کا علم پڑھیں، جس سے عقائد صحیح ہوں کہ آپ گناہوں سے بچیں، گناہوں کی قباحت، گناہوں کی خرابی اور اللہ تعالی کی نافرمانی سے بچیں، اس پر شکر ادا کرنا چاہئے، شکر ادا کرنے سے اضافہ ہوتا ہے، ''**لئن شکر تم لازید نکم**'' اس پر شکر کیا کیجئے کہ اللہ تعالی نے آپ کے لئے اس جگہ کا اور اس مدرسہ کا انتخاب کیا، آپ کی عمر کے لوگ، ، کنبہ وخاندان کے بچے ایسے اسکولوں اور کالجوں میں پڑھتے ہیں جہاں ہندی دیومالائی تعلیم دی جاتی ہے، اور وندے ماترم پڑھا جاتا تھا، لیکن اللہ نے آپ کو بچایا، آپ شکر ادا کریں، استعداد پیدا کریں، اعتراف کریں، انشاء اللہ عمر میں برکت ہوگی، علم میں برکت ہوگی، یہی مقصد ہے کہ آپ کو صحیح عقائد معلوم ہونا چاہئے، کہ اس کائنات کو پیدا کرنے والی صرف ایک خدا کی ذات ہے، وہی پیدا کرنے والا ہے، وہی جلانے والا ہے، **الا لـه الخلق والامر** ''وہ جب کسی چیز کا ارادہ کرتا ہے تو کہتا ہے کہ ہو جا تو وہ چیز ہو جاتی ہے، ''**انـه اذا اراد شيئا ان يقول له كن فيكون**'' اس میں نہ کسی نبی کا دخل ہے نہ کسی ولی وابدال کا دخل ہے، نہ کسی فرشتہ کا دخل ہے، وہی اولاد دیتا ہے، وہی روزی دیتا ہے، وہی مارتا ہے، وہی جلاتا ہے، یاد رکھیئے اسی کا کام ہے، پیدا کرنا اور اسی کا کام ہے اس کو چلانا، اور انتظام کرنا''۔

آپ ایسی جگہ ہیں جہاں صحیح عقیدہ کی تعلیم دی جاتی ہے، کتاب وسنت کی تعلیم دی جاتی ہے، نمازوں کی پابندی کی جاتی ہے، یہاں مسجد بنی ہوئی ہے، پانچوں وقت کی نماز پڑھتے ہیں، دین کی تعلیم ہوتی ہے، قرآن کی تعلیم دی جاتی ہے، جو دینی مسائل آپ کو حلال وحرام کے، جائز وناجائز کے، یہاں بتائے جائیں، ان کو آپ گھروں میں پہنچائیں، خاندانوں میں

پہنچائیں اور نیت کریں کہ آپ ایسے علاقہ کے رہنے والے ہیں کہ جہاں کی آواز افغانستان اور غزنی تک سید احمد شہید رحمۃ اللہ علیہ کے ذریعہ پہونچی، جو اسی علاقہ کے رہنے والے تھے، ان کے بعد مولانا خواجہ احمد صاحب پیدا ہوئے جو بہت بڑے بزرگ تھے، بہت سے لوگ ان سے فیضیاب ہوئے، اور ولایت پائی، اس کے بعد مولانا محمد امین صاحب جو دین کے داعی اور مبلغ اور شرک وبدعت کے سخت مخالف، جس نے ان کے ہاتھ میں ہاتھ دے دیا شرک وبدعت سے نفرت کرنے لگا، یہ باتیں ذہن میں تازہ رکھیے اور اساتذہ کو بھی چاہئے کہ وہ بھی یاد رکھیں اور طلباء کو شوق دلائیں۔

اللہ تعالیٰ مولانا محمد ثانی حسنی رحمۃ اللہ علیہ ے درجات بلند فرمائے، ان کو اجر عطا فرمائے، ان کے اعمال میں اس کو شامل فرمائے، اور جو لوگ مدرسہ کو چلا رہے ہیں اللہ ان کی عمروں میں برکت عطا فرمائے، اور مدرسہ کو ترقی عطا فرمائے۔

(آمین)

وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین

مسئلہ صرف دین و لادینیت کا ہے

الحمد للہ و کفی وسلام علی عبادہ الذین اصطفیٰ اما بعد o
فاعوذ باللہ من الشیطان الرجیم o بسم اللہ الرحمن الرحیم o

حضرات: ابھی ایک فاضل مقرر نے اپنی خیر مقدمی تقریر میں جن خیالات کا اظہار کیا ہے، وہ مشہور اور تسلیم شدہ حقائق ہیں اور اس میں کسی بحث و مباحثہ کی گنجائش نہیں بلکہ حقیقت تو یہ ہے کہ انتشار و افتراق سے بچنے اور اختلافات کو ختم کرنے کے لئے یہ ضروری ہے کہ اصل سرچشمہ اور مرکز کی طرف رجوع کیا جائے، اس لئے کہ جب بھیڑوں کا ریوڑ انتشار و پراگندگی کا شکار ہو جاتا ہے تو ان کو ایک طرف جمع کرنے کے لئے ضروری ہے کہ مرکز کی طرف رجوع کیا جائے، جیسا کہ حدیث میں آتا ہے کہ بھیڑیا اس بکری کو اپنا لقمہ بناتا ہے جو اپنے ریوڑ سے علیحدہ ہو، اس لئے جنگل میں منتشر بھیڑیوں کا لقمہ بننے سے بچانے کے لئے ان کے داعی و محافظ کی طرف رجوع کرنا پڑے گا اور ان کی سرکردگی و نگرانی میں اس بکھرے ہوئے شیرازہ کو یکجا کرنا ہوگا۔

حضرات! ہم ایک امت سے تعلق رکھتے ہیں، ہمارے نبی ایک ہیں اور ہماری کتاب اور ہمارا قبلہ بھی ایک ہی ہے۔ رسول اکرم ﷺ جب اپنے معاصرین اور بادشاہوں کو دعوتی خطوط تحریر فرماتے تھے تو قرآن مجید کی یہ آسمانی تبلیغ اور حکیمانہ آیت تحریر فرماتے تھے.

قل یاھل الکتاب تعاولوا الی کلمة سوآء بیننا وبینکم ان لاتعبد الا اللہ و لا نشرک بہ شیئا و لا یتخذ بعضنا بعضاً اربابا من دون اللہ فان تولوا فقولوا شھدو بانا مسلمون. (آلم عمران ٦٤)

کہ اے اہل کتاب! آؤ ایک ایسی بات کی طرف جو ہمارے اور تمہارے درمیان مشترک ہے، یہ کہ بجز اللہ تعالیٰ کے ہم کسی اور کی عبادت نہ کریں اور اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہرائیں

اور ہم میں سے کوئی کسی دوسرے کو رب نہ قرار دے، اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر پھر اگر وہ لوگ اعراض کریں تو تم لوگ کہہ دو کہ تم گواہ رہو کہ ہم تو ماننے والے ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے تفرقہ و انتشار، اختلاف و کمزوری اور ذلت و نکبت سے بچنے کے لئے اتحاد و اتفاق، طاقت و قوت اور عزت و سربلندی کا راستہ بتلایا ہے اور اس کو انبیاء و رسول اور ان کے نائبین علماء کی ذمہ داری قرار دی ہے اور اس آیت میں اس کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔

ما كان لبشر ان يوتيه الله الكتاب والحكم والنبوة، ثم يقول للناس كونوا عبادا لي من دون الله، ولكن كونو ربانيين بما كنتم تعلمون الكتاب وبما كنتم تدرسون ولا يامركم ان تتخذو الملائكة والنبيين اربابا أيامركم بالكفر بعد اذا انتم مسلمون (آل عمران ۷۹. ۸۰)

کسی بشر سے یہ بات نہیں ہو سکتی کہ اللہ تعالیٰ اس کو کتاب اور فہم اور نبوت عطا فرما دیں، پھر وہ لوگوں سے کہنے لگے کہ میرے بندے بن جاؤ۔ خدا تعالیٰ کو چھوڑ کر، لیکن کہے گا کہ تم لوگ اللہ والے بن جاؤ، بوجہ اس کے کہ تم کتاب سکھاتے ہو، اور بوجہ اس کے کہ پڑھتے ہو، اور نہ یہ بات بتلائے گا کہ تم فرشتوں کو اور نبیوں کو رب قرار دے لو، کیا وہ تم کو کفر کی بات بتلا دے گا۔ بعد اس کے تم مسلمان ہو۔

میں اس بات سے مکمل اتفاق رائے کرتا ہوں کہ ”دشمن کسی دین و مذہب، گروہ اور جماعت اور قومیت کے درمیان امتیاز نہیں کرتا۔“ اس پر مزید اضافہ کرتے ہوئے میں یہ عرض کروں گا کہ آج مذہب کا مقابلہ مذہب سے نہیں بلکہ اصل معاملہ یہ ہے کہ اس وقت دین و لادینیت کے درمیان ایک فیصلہ کن معرکہ درپیش ہے۔ اس وقت مسئلہ یہ ہے کہ یا تو انسان خدا و رسول، آخرت، غیبی حقائق اور رسول کے لائے ہوئے پیغام پر یقین رکھے اور نجات کو اسی دین پر منحصر سمجھے جو اللہ تعالیٰ کے نزدیک معتبر ہے یا پھر ان تمام غیبی حقائق کا یکسر انکار کر دے اور تمام مذاہب سے اعراض کرے۔

حضرات! اس وقت صرف دین و لادینیت کا مسئلہ ہے۔ اگر آپ چاہیں تو اس کو کمیونزم کا نام دے سکتے ہیں، ورنہ لادینیت تو کمیونزم سے زیادہ وسیع مفہوم پر حاوی ہے۔ اس لئے کہ وہ تمام ادیان و مذاہب، غیبی حقائق، انبیاء کی تعلیمات اور تمام دینی و اخلاقی قدروں کی منکر و

مخالف بلکہ ان کے خلاف صف آرا ہے، دوسری طرف انبیاء اور ان کے نائبین کا کیمپ ہے، جس کے ہم ادنیٰ خادم اور رضا کار ہیں اور اللہ تبارک وتعالی نے محض اپنے فضل وکرم اور بے پایاں احسان سے ہمیں اس خدمت کے لئے نامور فرمایا ہے۔ اس میں ہماری کسی صلاحیت اور استحقاق کو دخل نہیں ہے، ہمارا فرض ہے کہ جو پرچم محمدی ہمارے ہاتھ میں ہے، ہم اس کو ہمیشہ سر بلند رکھیں اور اس کے تلے جمع ہو کر اتحاد واتفاق سے اس دین کو تمام دنیا میں پھیلانے اور اس کو سر بلند رکھنے کے لئے اپنی تمام صلاحیتوں، کوششوں اور جد وجہد کو بروئے کار لائیں۔

وما علینا الا البلاغ المبین

ایمان کی سلامتی

الحمد لله وحده والصلاة والسلام علی من لا نبی بعده . اما بعد فاعوذ بالله من الشيطان الرجيم .بسم الله الرحمن الرحيم.

حضرات: میں اپنے خطبہ کا آغاز قرآن شریف کی ایک چونکا دینے والی آیت سے کروں گا۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:۔

ام كنتم شهداء اذ حضر يعقوب الموت اذ قال لبنيه ماتعبدون من بعدی قلوا الهک واله ابائک ابراهيم اسمعيل و اسحاق الها واحدا و نحن له مسلمون(سورة البقره.۱۳۳)

بھلا جس وقت یعقوب علیہ السلام وفات پانے لگے تو تم اس وقت موجود تھے جب انہوں نے اپنے بیٹوں سے پوچھا کہ میرے بعد تم کس کی عبادت کرو گے؟ تو انہوں نے کہا کہ آپکے معبود اور آپ کے باپ دادا ابراہیم اور اسماعیل اور اسحاق کے معبود کی عبادت کریں گے، جو معبود یکتا ہے اور ہم اسی کے حکم بردار ہیں۔

باوجود اس کے کہ یہ پیغمبروں اور پیغمبر زادوں کا گھرانہ تھا، جس میں توحید اور اللہ تعالیٰ کی خالص عبادت کے سوا نہ کوئی اور تعلیم تھی نہ عمل نہ ماحول اور فضا پھر بھی عقیدہ اور عمل اور توحید خالص کی اہمیت اور فکر اور اپنی نسل کے اس عقیدہ و عمل سے دائمی وابستگی کے خیال سے کہ۔

عشق است و ہزار بدگمانی

حضرت یعقوب علیہ السلام نے اپنے بیٹوں پوتوں اور نواسوں کو جمع کرکے دریافت کیا کہ عزیزو میرے بعد تم کس کی عبادت کرو گے؟ ان فرزندوں اور نبی زادوں نے اسکے جواب میں یقیناً یہ کہا ہوگا کہ تایا جان دادا جان نانا جان آپ نے ابھی تک ہم کو تعلیم ہی کیا دی؟ اور کس

چیز کا پابند بنایا؟ یہی توحید خالص اور عبادت الہ واحد پھر آپ کو ہمارے مستقبل کے بارے میں کیوں شک ہے کہ ہم آپ کی آنکھ بند ہوتے ہی دوسرے راستہ پر پڑ جائیں گے؟ حضرت یعقوب علیہ السلام نیز زبان حال سے یہی کہا ہوگا کہ فرزندو۔ میری پیٹھ قبر سے نہیں لگے گی جب تک دنیا سے یہ اطمینان لے کر نہ جاؤں گا کہ میرے بعد تم سب خدائے واحد کے پرستار اور دین ابراہیمی کے علمبردار ہوگے۔

حضرات: آپ سلسلۂ ابراہیمی سے تعلق رکھتے ہیں، اس خاندان کا شیوہ اور شعار یہ رہا ہے کہ دنیا سے جانے سے پہلے اپنی نسل کے بقائے ایمان اور تعلق باللہ کا اطمینان اور ضمانت کر لی جائے، اور دنیا سے جانے سے پہلے اولاد سے یہی عہد و پیمان لے لیا جائے کہ دنیا میں جب تک رہنا ہے مسلمان بن کر رہنا ہے، اور جب جانا ہے تو مسلمان کی حیثیت سے جانا ہے۔

ووصی بہا ابراھیم بنیہ و یعقوب یابنی ان اللہ اصطفی لکم الدین فلا تموتن الاو انتم مسلمون (سورۃ البقرہ ۱۳۲)

اور یہی وصیت کر گئے ابراہیم اپنے بیٹوں کو اور یعقوب، اے بیٹو، اللہ نے چن کر دیا ہے تم کو دین پس نہ مرنا مگر مسلمان۔

نہ صرف یہ عہد و پیمان ضروری ہے، بلکہ اس کے لئے وسائل کا مہیا کرنا اس کو ممکن اور آسان بنانے کی تدبیریں اختیار کرنا اور اس کا اطمینان حاصل کر لینا بھی ضروری ہے، اسی لئے حضرت یعقوب علیہ السلام نے اپنی اولاد کا امتحان لیا، اور اپنا پڑھایا ہوا سبق سنا۔

حضرات! بحیثیت اس مذہب کے متبع اور داعی کے ہم پر اور ہر مسلمان پر یہ فرض ہے کہ ملک کی تعلیمی تبدیلیوں کا بغور جائزہ لیتے رہیں، اور ہر وقت ان پر نظر رکھیں اور یہ دیکھتے رہیں کہ ان کا اثر ہمارے مذہب، ہماری نسلوں کے دل و دماغ اور ان کے دینی و اخلاقی مستقبل پر کیا پڑے گا، میں یہ صاف کہہ دینا چاہتا ہوں کہ ہمارا مذہب بہت سے دوسرے مذاہب کے برخلاف بہت جلد متاثر ہوتا ہے اور بہت زیادہ متاثر کرتا ہے اور یہ اس کا نتیجہ ہے کہ وہ ایک زندہ اور ذی شعور مذہب ہے زندہ ہستی متاثر بھی ہوتی ہے اور موثر بھی جو وجود زندگی کھو چکا ہوتا ہے یا زندگی کے میدان سے کنارہ کش ہو جاتا ہے وہ نہ متاثر ہوتا ہے اور نہ موثر، ہم اپنے مذہب کے

لئے یہ پوزیشن قبول کرنے کے لئے تیار نہیں کہ دنیا چاہے جتنی ہی بدل جائے زندگی کے چاہے کیسے ہی نقشے بنیں؟ نسلوں کو ڈھالنے کے لئے کیسے ہی سانچے تیار ہوں ہمارے مذہب پر کوئی اثر نہیں پڑے ہم بدستور مذہبی فرائض ادا کرتے رہیں گے، اور انسان اور خدا کا رشتہ اسی طرح قائم رہے گا ہمارا مذہب ایک پورا نظام حیات ہے وہ زندگی کے ہر شعبہ کیلئے متعین ہدایات اور احکام دیتا ہے، اس لئے ہمیں ہر ملک اور ہر دور میں چوکنا رہنا چاہئے اور یہ دیکھتے رہنا چاہئے کہ کیا ہمیں اپنے ذہنی اخلاقی اور روحانی نشو ونما کیلئے مناسب فضا اور سازگار ماحول میسر ہے یا نہیں اور ہماری آئندہ نسلیں صحیح معنوں میں مسلمان رہ سکیں گی یا نہیں؟

پھر یہ بھی یاد رکھئے کہ اسلام صرف چند رسوم اور تقریبات کا نام نہیں چند عبادات تک بھی محدود نہیں بلکہ یہ مکمل زندگی گزارنے کا طریقہ اور کامل دین ہے ایک مختصر جملہ میں ہم کہہ سکتے ہیں کہ یہ مستقل تہذیب بعض لوگ یہ سمجھتے ہیں اسلام کا کوئی مخصوص طرز زندگی اور اس کی کوئی مستقل تہذیب نہیں، لہٰذا دوسری قومیں اور دوسرے ممالک کے لوگ اسلام قبول کریں تو اسلامی عقائد کو لے لینا ہی کافی ہے تہذیبی اقدار کو لینے اور اختیار کرنے کی ضرورت نہیں، میں بڑی صراحت کے ساتھ یہ واضح کر دینا چاہتا ہوں کہ یہ غیر اسلامی طرز فکر ہے، اسلام کو اصرار ہے کہ عقائد و اعمال کے ساتھ اس کا مخصوص طرز زندگی بھی اپنایا جائے قرآن و سنت سے منصوص طریقہ سے معلوم ہوتا ہے کہ اسلام ایک خاص طرح کی زندگی، اور خاص طرح کی معاشرت چاہتا ہے اسلام میں سونے جاگنے کھانے پینے سے لے کر عائلی قانون نکاح وطلاق اور وراثت تک کے متعین ضوابط و احکام ہیں اور اسلام کا مطالبہ ہے کہ انہیں کے مطابق زندگی گزاری جائے اسکے خلاف ورزی نہ ہو نبی کریم ﷺ نے بڑی باتوں سے لے کر انتہائی معمولی اور چھوٹی چھوٹی باتوں تک کی تعلیم دی اور صحابہ کرامؓ نے انہیں سیکھا اور برتا۔

پورے نصاب تعلیم کی تبدیلی اور ایک نئی تاریخ کی وضع وتدوین تو بڑے وسیع اور انقلاب انگیز منصوبے ہیں، رسم الخط کی تبدیلی ہی قدیم علمی اور مذہبی سرمایہ سے رشتہ ختم کر دینے اور ان سے بے گانہ بنا دینے کے لئے کافی ہے آرنلڈ ٹوآئن بی نے جو اس زمانہ کا بڑا فلسفی اور مؤرخ ہے لکھا ہے کہ اب کسی کتب خانہ کو آگ لگانے کی ضرورت نہیں رسم الخط بدل دینا کافی ہے رسم الخط کی تبدیلی سے قوم کا رشتہ اپنے ماضی سے بالکل ٹوٹ جائے گا اور اس کی پوری تہذیب اس

کے لئے بے معنی ہو کر رہ جائے گی پھر جس طرف چاہو اس کو لے جاؤ جو چیز کسی ملت کو اس کے ماضی سے اس کے مذہب سے اس کی تہذیب سے اس کے کلچر سے ملاتی ہے وہ رسم الخط ہے رسم الخط بدلا نسل بدل گئی آج ہندوستان میں یہی ہو رہا ہے، فرقہ وارانہ فسادات محض ملک کو بدنام کرتے ہیں فائدہ ان کا کچھ نہیں ہے، تعلیم کا نظام بدلنا کافی ہے، آج سے چھ سات سال پہلے لسان العصر اکبر الہ آبادی مرحوم نے کہا تھا۔ شیخ مرحوم کا قول

اب مجھے یاد آتا ہے
دل بدل جائیں گے تعلیم بدل جانے سے

اور اس سے زیادہ لطیف انداز میں انہوں نے اس حقیقت کو اپنے مشہور شعر میں بیان کیا ہے۔

یوں قتل سے بچوں کے وہ بدنام نہ ہوتا
افسوس کہ فرعون کو کالج کی نہ سوجھی

ان کے ذہن میں کالج کا وہ تصور رہا ہوگا جس میں صرف قبطی زبان پڑھائی جاتی ہو اور ایسی تاریخ جس میں فراعنہ کی الوہیت، ان کے غیر محدود و غیر مشروط اختیارات اور مصر کی دوسری نسلوں اور قوموں (بنی اسرائیل اور بیرون مصر سے آئی ہوئی قوموں) کی تحقیر آمیز تصویر اور نفرت انگیز تاریخ پیش کی گئی ہو۔

زبان اور رسم الخط کے بدل جانے اور ثقافتی و تعلیمی انقلاب سے کسی ملک میں جو عظیم و عمیق انقلاب آ سکتا ہے اور وہ ملک اگر اپنے عقائد، تہذیب و تمدن، علمی اشتغال و کمال، مساجد و مدارس کی کثرت و شان و شوکت کے لحاظ سے کسی خالص اسلامی ملک سے کم نہیں تھا لیکن وہاں زبان اور رسم الخط کے بدل جانے اور دینی تعلیم موقوف کئے جانے کی وجہ سے وہ عقیدہ عمل زبان اور تمدن و ثقافت سب کے لحاظ سے بالکل خالص غیر اسلامی ملک بن گیا تو وہ اندلس (اسپین) [illegible] کے انقلاب حال کے لئے علامہ اقبال کا یہ مصرعہ کافی ہے۔

بے اذان اس کی زمین بے سجود اس کی فضا اسپین میں ایسے روحانی پیشوا علوم اسلامیہ اور عربی زبان میں کمال رکھنے والے اور علوم اسلامیہ میں ایسی مجتہدانہ تصنیفات مستند و معیاری کتب حدیث کی شرحیں لکھنے والے پیدا ہوئے جن کی نظیر ہر عربی اللسان اور پیرو اسلام ملک

میں بھی نہیں مل سکتی۔

مذہب مالکی جو اندلس کا عمومی اور اکثریتی طبقہ کا فقہی مذہب تھا اس کی پیروی اس ملک ایسی تھی کہ اس دور میں مذہب مالکی کا یہ فتوی اور فیصلہ تھا عمل اہل قرطبة حجتہ (اہل قرطبہ کا عمل بھی ایک شرعی) دلیل ہے اہل علم جانتے ہیں کہ مذہب مالکی کا یہ حکم اور فتوٰی اصلاً مدینہ طیبہ کیلئے تھا اور اس کا یہ درجہ تھا کہ فقہ مالکی کا یہ فیصلہ ہے کہ عمل اہل المدینہ حجتہ (اہل مدینہ کا عمل ایک شرعی دلیل اور معیار ہے) صدیوں سے یہ سرزمین اور پورا ملک جو دین کا نہ صرف پیرو بلکہ علمبردار علوم اسلامیہ کا نہ صرف حامل بلکہ اس میں مجتہدانہ درجہ رکھنے والا تھا اور جس کی سرکاری اور عوامی زبان عربی تھی اس کی فضا یکسر بے اذان ہے اور اس کی مساجد تک (جن کی نظیر بڑے بڑے اسلامی ممالک میں بھی مشکل سے ملے گی رکوع وسجود سے محروم ہیں۔

حضرات۔ اب اس داستان کو جس میں شکوہ وشکایت کا حصہ زیادہ ہے مختصر کرتے ہوئے کہوں گا کہ ایک آزاد جمہوری حکومت کا جس کی بنیاد خالص حب الوطنی رضا کارانہ جذبہ ء خدمت اور اس مشترک جنگ آزادی پر پڑی ہو جس میں ملک کے تمام شہری، اور اکثریت واقلیت کے افراد دوش بدوش شریک رہے ہوں سب سے عظیم ومقدس فرض یہ ہے کہ اس کی آبادی کے تمام عنصر اور اس کے مختلف فرقوں اور اقلیتوں کو اس ملک میں اپنے اور اپنی نسل کے تحفظ کا پورا احساس اور مکمل اطمینان ہو کسی حکومت کی ناکامی اور دستور کی خامی کی اس سے بڑھ کر مثال نہیں ہوسکتی کہ اس ملک کا کوئی شہری تحفظ کے احساس سے محروم ہو اور واضح رہے کہ ایک حقیقت پسند انسان کی حیثیت سے میں جب تحفظ کا لفظ بولتا ہوں تو اس سے مراد جسمانی ومعنوی نسلی واعتقادی ہر طرح کا تحفظ ہوتا ہے کہ محض جسمانی تحفظ جسم وجان کی سلامتی اور قتل وغارت گری سے حفاظت پر کوئی باشعور باضمیر صاحب عقیدہ اور صاحب تہذیب جماعت قانع اور مطمئن نہیں ہوسکتی، ایسا تحفظ تو جنگل کے بعض جانوروں اور پرندوں کیلئے بھی کیا جاتا ہے اور وقتاً فوقتاً انکی نسل ونوع کی حفاظت کے لئے سخت قوانین بنائے جاتے ہیں، مجھے معاف کیا جائے مسلمانوں کا معیار اس بارے میں اور زیادہ بلند اور انکی حس اس سلسلہ میں اور زیادہ تیز ہے اس کا تعلق ان کے مذہبی معتقدات ان کے اصول زندگی اور ان کے اس فہم وفکر اور نقطہ نظر سے ہے جو دین ودنیا فوز وفلاح فرد وجماعت کی کامیابی وسعادت کے بارے میں وہ رکھتے

ہیں اس کا تقاضا ہے کہ ایک طرف اس ملک کے مسلمان آئینی جدوجہد کے تمام طریقوں سے کام لے کر، اور اجتماعی عزم وفیصلہ کی پوری طاقت سے اس ملک میں اپنے لئے حقیقی اور کامل تحفظ کی فضا پیدا کریں جس کے بغیر مجھے کہنے کی اجازت دی جائے) وطن وطن نہیں غربت ومسافرت ہے آزادی آزدی نہیں غلامی ہے اور گھر چمن نہیں قید خانہ اور قفس ہے اس سلسلہ میں ایثار وقربانی اور خطر پسندی کی بھی ضرورت ہے کہ حکومت کی امداد سے جو ان مطالبات اور تغیرات کے ساتھ مشروط ہے پورے استغناء اور توکل اور اعتماد علی اللہ کیساتھ معذرت کردی جائے اور اسکو قبول نہ کیا جائے۔

دوسری طرف حکومت کو بھی اپنے رویہ اور اس رجحان پر نظر ثانی کرنی چاہئے جونجی تعلیمی اداروں کو ختم کرنے، اور مختلف فرقوں اور اقلیتوں کو ان کی آزادی اور بنیادی شہری حقوق سے محروم کرنے کی شکل میں جو دستور ہند نے ان کو دیئے ہیں نمایاں ہو رہا ہے بلکہ اس سے ایک قدم آگے دستور ہند میں تبدیلیوں کا خطرناک قدم بھی اٹھایا جا چکا ہے اور اس طرح اقلیتوں کے لئے وہ آخری پناہ گاہ بھی ختم ہو رہی ہے جو کسی دستوری اور جمہوری ملک میں پائی جاتی ہے یہاں تک کہ ملک کے آزاد و اقلیتی اداروں بلکہ مذہبی تعلیم گاہوں کو بھی سرکاری تعلیمی پالیسی اور اکثریت کے اعتقادات وروایات اور مذہبی نشانات کا پابند بنانے کے عزائم واعلانات کا اظہار ہو چکا ہے سرکاری اداروں کالجوں اور اسکولوں میں ہندو دیو مالا پر مبنی کتابیں بھی نصاب میں داخل کی جارہی ہیں اس سے بڑھ کر یہ کہ ان تعلیم گاہوں میں جن میں مسلمان بچے بڑی تعداد میں تعلیم پاتے ہیں بندے ماترم کا گیت پڑھنا ضروری قرار دیا جا رہا ہے جو اسلامی نقطۂ نظر بلکہ متانت کے لحاظ سے واضح اور طاقتور مشرکانہ گیت ہے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو ایمان اعمال پر مضبوط رہنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین۔

رسالت محمدی کی عظمت

الحمد لله و کفیٰ وسلام علی عباده الذین اصطفیٰ امابعد o

فاعوذ بالله من الشیطان الرجیم o بسم الله الرحمن الرحیم o

عصر جاہلی کا المیہ:

محترم سامعین! اس جاہلی عصر کا المیہ جس کے انحطاط وزوال پر مورخین کا اتفاق ہے۔ کفر وفجور، معاصی اور گناہ، ظلم وسرکشی، انسان کی حیثیت عرفی کا ازالہ اور اس کے حقوق کی پامالی، جابر حکومتوں اور ظالم بادشاہوں کا غلبہ نہ تھا اسی طرح یہ المیہ خدا کی عبادت کرنے والے صالح بندوں کی کمی اور ان کی کمزوری بھی نہ تھی اگر چہ یہ سب چیزیں قابل افسوس ہیں، لیکن یہ سب انسانیت کی طویل تاریخ میں بارہا ہو چکا، اور اس کے خلاف دعوت واصلاح کے مرد میداں، بیدار ضمیر اور قوی عزائم والے افراد اپنے اپنے زمانوں میں کام بھی کرتے رہے ہیں۔

دراصل جاہلیت کا وہ المیہ جس کے نتائج بد سے انسانیت کو نجات دینے' اور انسان کی حیثیت عرفی بحال کرنے کے لئے بعثت محمدی ہوئی' وہ المیہ یہ تھا کہ علم صحیح' نیک ارادے اور حق کے لئے سینہ سپر ہونے والی اور باطل سے پنجہ آزمائی کرنے والی جماعت اس وقت کی وسیع دنیا میں کہیں پائی نہیں جاتی تھی' یہ المیہ اس حقانی گروہ کی یا کا تھا جو شر کی طاقتوں سے نبرد آزما ہو کر خیر کی بنیادوں پر ایک عالم نو کی تعمیر کر سکے۔

علم صحیح کا فقدان:

عصر جاہلیت میں وہ علم صحیح گم ہو گیا تھا جس کے ذریعے انسان اپنے رب کو اچھی طرح پہچانتا اور اس تک پہنچتا ہے' اور جس کے ذریعہ صحیح' خالص' اور پسندیدہ عبادت کر سکتا ہے' ایسے زمانے میں اگر صحیح اور قوی ارادہ اور طلب صادق کسی شخص میں پائے بھی جائیں تو اس کے لئے ماحول کی خرابی کے سبب کچھ زیادہ مفید نہیں ہو سکتے ایسے زمانے میں جو علم بھی پایا جاتا ہے' وہ

جہالت و خرافات کی آمیزش لئے ہوئے اور اصل سے ہٹا ہوتا ہے، اس میں صحت کم، غلطی زیادہ نفع تھوڑا اور نقصان بہت ہوتا ہے۔

قوی ارادہ خیر کی کمی:

اور اگر یہ علم صحیح اپنی کمیابی کے باوجود کسی عالم کے سینے یا کسی حکیم کے گنجینے میں یا قدیم زمانے میں نازل شدہ کسی علم کی باقیات کے طور پر کہیں پایا بھی جاتا ہے تو اپنے حق میں وہ ارادہ خیر نہیں پاتا جو اسے اس کی جگہ سے چن لے اور اسے متاع جان بنالے اور اس کے ذریعہ اپنی نفسانی خواہشات اور معاشرے کا مقابلہ کر سکے۔

چنانچہ اس عہد میں خدا طلبی اور تلاش حق کا جذبہ مفقود ہو گیا تھا قوتیں، اور عزیمتیں اس کی طلب کے سلسلے میں درماندہ ہو چکی تھیں وہ طلب معاش ہوس دانی نفس کے مطالبات کی تکمیل، بادشاہوں کی اندھی اطاعت اور ان کے لئے جاں سپاری میں لگ گئی تھیں، محبت کے شعلے بجھ چکے تھے، دلوں کی انگیٹھیاں سرد پڑ گئی تھیں، اور ان پر حب دنیا کی برف جم گئی تھی دین کے مظاہر و آثار میں سے صرف خرافاتی بت پرستی اور سطحی قسم کے رسم و رواج باقی رہ گئے تھے۔

حق کی حامی و ناصر جماعت کا فقدان:

اگر بفرض محال ایسے ماحول میں کہیں علم صحیح اور ارادہ خیر کا وجود بھی تھا تو کوئی ایسی پشت پناہ جماعت اور طاقت نہ تھی جس کا وہ سہارا لیتے اور کمزور پڑنے پر اس سے طاقت حاصل کرتے، چنانچہ یہ دونوں چیزیں انفرادی کوششوں اور شخصی اصلاحات ہی میں ضائع ہو گئیں اور یہ افراد جو کلیساؤں، مندروں، یا غاروں، اور پہاڑ کی چوٹیوں میں گوشہ گیر تھے۔ ایسے چراغ کی مانند تھے جس کا فتیلہ جل چکا جس کا تیل ختم ہو چکا، اور اس کا نور ہلکا پڑ چکا ہو، ان کی مثال ایسے جگنوؤں کی تھی جو سرما کی بارش زدہ اور تاریک راتوں میں ادھر ادھر اڑتے اور چمکتے ہیں لیکن ان سے نہ کوئی بھولا بھٹکا مسافر راستہ پا سکتا ہے اور نہ کوئی سردی سے کپکپایا ہوا غریب گرمی پا سکتا ہے۔

ایک آفتاب تازہ کی ضرورت:

وہ علم صحیح جو لوگوں کو اس کائنات کے خالق و مالک کی ذات و صفات و برگزیدہ ناموں کی

صحیح پہچان عطا کرے، انہیں اس سے ایک مضبوط اور نئے رشتے میں جوڑ دے عقلوں اور دماغوں کو نئے ایمان ویقین سے بھر دے دلوں کو محبت سے پر کر دے غلو کرنے والوں کی تحریف اور باطل پسندوں کے غلط الحاق وانتساب کو دور کر کے لوگوں کو اندھیرے سے اجالے اور شک سے یقین تک پہنچا دے وہ علم صرف نبوت محمدی کی شکل میں دنیا کو ملا' وہی ان اوہام وخیالات اور مغالطوں کا پردہ چاک کر سکتا تھا جن میں دنیا کی بت پرست اور خدا ناآشنا قومیں عرصہ سے مبتلا تھیں، وہی یہود ونصاریٰ اور اہل کتاب کا صحیح احتساب کر سکتا تھا اور ان میں اگر خوف خدا اور انصاف ہوتا تو وہ اعتراف کرتے کہ ستارے ماند پڑ چکے بطن گیتی سے آفتاب تازہ پیدا ہو چکا ہے' اور صبح کی روشنی چراغوں سے بے نیاز کر چکی ہے۔

لم یکن الذین کفروا من اهل الکتب والمشرکین منفکین حتیٰ تاتیهم البینة رسول من الله یتلو صحفا مطهرة O فیها کتب قیمة.

اہل کتاب میں سے کافر لوگ اور مشرکین چھوڑنے والے نہ تھے جب تک کہ ان کے پاس کھلی دلیل یعنی اللہ کی طرف سے رسول نہ آ جاتا جو پاکیزہ اوراق کی تلاوت کرتا جن میں قیمتی کتابیں ہیں۔

فلسفہ اور شرک کی' ایمان کو کمزور اور انسان کو گمراہ کرنے کے لئے سازش:

ارادۂ خیر ہمیشہ علم صحیح اور ایمان قوی کے تابع ہوتا ہے' جب انسان چند حقائق پر ایمان لاتا اور منافع اور مضرتوں کو سمجھتا ہے' اور اس میں امید وبیم، خوب وطمع کے جذبات پیدا ہوتے ہیں تو اس کے ارادے بھی اس کا ساتھ دیتے اور اس کے اعضاء بھی مدد کرتے ہیں' لیکن عصر جاہلی میں ایمان قوی مفقود ہو گیا اور انسان خدا کے اور جنت ودوزخ کے وجود اور آخرت اور اپنے اعمال کی جواب دہی کے عقیدہ سے محروم ہو گیا تھا' فلسفہ وشرک نے بھی اس ایمان اور خدا و بندہ کے باہمی ربط کو کمزور کرنے میں خاصا حصہ لیا۔' فلسفہ نے صفات کی نفی میں غلو سے کام لیا' اور شرک نے ان صفات میں مخلوق کو شامل کر دیا، اس طرح دونوں نے عبد ومعبود کے رابطہ کو نقصان پہنچایا، چنانچہ جس شخص کا تعلق فلسفہ سے ہوا اسے صفات قدرت وحکمت اور رحمت ومحبت سے مجرد خدا

سے رجوع کرنے اس سے ڈرنے یا اس سے پرامید ہونے کی کوئی ضرورت ہی نہیں محسوس ہوئی اور جو شرک میں مبتلا ہوا وہ مخلوقات ہی سے التجاء والتماس میں مشغول رہا اور اسے آنکھوں سے غائب مگر بندوں کے معاملات میں دخیل، خدا سے التجاء کی نہ ضرورت پیش آتی تھی، اور نہ اس کی فرصت ملتی تھی۔

اس طرح دنیا دو کیمپوں میں تقسیم ہوگئی تھی ایک کیمپ تو اپنے اندر آخرت کے لئے کسی کوشش کا کوئی داعیہ اور جذبہ نہیں پاتا تھا، اور دوسرے کیمپ کو رب الارباب سے سوال کی فرصت ہی میسر نہیں، ان دونوں نظریات نے جاہلیت کی پوری دنیا اور طویل عہد کو خدا سے کاٹ کر رکھ دیا اور انسانی دل کے اندر محبت اور خدا طلبی کا شعلہ فروزاں بجھ کر رہ گیا اسی طرح انسانی فطرت میں ودیعت کی ہوئی صلاحتیں اور قوتیں جمود و خمود شرک و خرافات نفس اور بادشاہوں کی غلامی، طاغوت اور شیطان کے فریب کا شکار ہوگئیں اور مشرق سے لے کر مغرب تک کی تمام انسانی دنیا ان اصنام اور معبودوں کی عبادت میں مبتلا تھی جنہیں اس کے تخیل نے جنم دیا تھا جو موروثی طور پر رسم و رواج کا جز بن چکے تھے، یا ان مقاصد نصب العین اور اقدار حیات کی ماتحت ہو کر رہ گئی تھی جنہیں اس نے خود ہی گڑھا اور اپنے لئے لازم کرلیا تھا اور ان سب پر حضرت ابراہیم کا یہ قول صادق آگیا تھا۔

اتعبدون ما تنحتون

کیا تم ان کی عبادت کرتے ہو جنہیں تم اپنے ہی ہاتھوں سے گڑھتے ہو؟

جاہلی ماحول میں تبدیلی نبی کی لائی ہوئی عالمگیر دعوت ایمانی ہی سے ممکن ہے:

حضرات! قوت قدسیہ کے مؤید من اللہ انسان کے سوا کسی کے کے لئے صدیوں سے گم شدہ ایمان کو دلوں میں پھر سے تازہ کرنا اور ایک نئی لگن اور عشق پیدا کردینا ممکن نہ تھا کہ اس کے قوی ارادوں کو پرفریب اور لذیذ دنیوی زندگی کی طلب اور نفس کے عزیز و لذیذ تقاضوں کی تکمیل سے باز رکھا جاسکے، اور انہیں عظیم الشان بادشاہوں کی خوشامد سے ہٹا کر ان دیکھے خدا کی طلب

پر مائل اور اسے خدا کی مرضی پر راضی، اور اس کے راستہ میں جان و مال اور ہر عزیز شے کی ثواب آخرت کی امید پر قربانی کرنے پر آمادہ کیا جا سکے۔

اس اہم کام بلکہ کارنامے کے لئے تو اس آہنی ارادے کی ضرورت ہوتی ہے جسے سر بفلک پہاڑ بھی نہ ہلا سکیں، اور جنہیں جن و انس کی مجموعی مخالفت بھی نہ کمزور کر سکے، اسی حقیقت کی ترجمانی زبان نبوت سے نکلے ہوئی اس فقرہ نے کی تھی۔

لو وضعت الشمس في يميني و القمر في يساري ما تركت هذا الامر حتى يظهره الله او اهلك في طلبه .

اگر قریش میرے دائیں ہاتھ میں سورج اور بائیں میں چاند بھی رکھ دیں تو میں تبلیغ کے اس کام کو ترک نہیں کر سکتا یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ اسے غالب کر دے یا میں اس کی طلب میں ہلاک ہو جاؤں۔

اس کام کے لئے اس قوی ایمان کی ضرورت تھی جو اگر تمام دنیا اور دنیا والوں پر تقسیم کر دیا جائے تو سب کے لئے کافی ہو جائے اور سب کے شک کو یقین اور ضعف کو قوت سے بدل دے، وہ ایمان، صاحب ایمان کی زبان سے اس وقت بھی بولتا ہے، جب زبانیں گنگ ہو جاتی اور نگاہیں چوندھیا جاتی ہیں، چنانچہ دنیا نے دیکھا کہ غار کے دہانے پر جانی دشمن کھڑے ہیں مگر نبی ﷺ اپنے ساتھی کو تسلی دے رہا ہے۔

لاتحزن ان الله معنا .

غم نہ کرو اللہ ہمارے ساتھ ہے۔

نبی کی نگاہیں بعد مکانی و زمانی اور مختلف پردوں کے حائل ہونے کے باوجود عرب کے ایک فقیر بدوی سراقہ کی ہاتھوں میں شہنشاہ ایران کسریٰ کے کنگن اور بھوک کی شدت اور محاصرے کی طوالت کے باوجود خندق کے ایک پتھر کی چنگاری میں قیصر روم کا سفید محل دیکھ لیتی ہیں سفر ہجرت کے موقع پر سراقہ بن جعشم جب تعاقب کرتا ہوا پہنچا اور اس کے گھوڑے کے پاؤں زمین میں دھنس گئے اس نے اپنی گستاخی کی معافی چاہی تو آپ نے فرمایا سراقہ وہ کیا وقت ہو گا جب شاہ ایران کسریٰ کے کنگن تمہارے ہاتھ میں ہوں گے مدائن فتح ہونے پر کسریٰ کے جب طلائی کنگن مال غنیمت میں آئے تو حضرت عمرؓ نے سراقہ کو پہنایا اور ناقابل قیاس پیشن گوئی

حرف بہ حرف پوری ہوئی اسی طرح غزوہ خندق میں جب آپ نے ایک پتھر پر کدال ماری اس سے ایک شعلہ نکلا تو آپ نے فرمایا کہ اس روشنی میں میں نے قیصر کا سفید محل دیکھا نبوت کی یہ دور بینی بھی حرف بہ حرف صحیح ثابت ہوئی اور مسلمان قیصر کے محل پر قابض ہوئے۔

عالمگیر جاہلیت کا خاتمہ اور اس کی جگہ زندگی و یقین اور دینی جوش کا اعادہ ایسے ہی طاقتور اور پیغمبرانہ ایمان کے ذریعہ ممکن ہوتا ہے، اور انسان کے حق میں خدا کی رحمت کے تحت ظہور میں آتا ہے۔

هو الذی بعث فی الامیین رسولا منهم یتلوا علیهم آیاته و یزکیهم ویعلمهم الکتب والحکمة وان کانوا من قبل لفی ضلال مبین

وہ ذات جس نے ان پڑھ لوگوں میں انہیں میں سے ایک رسول بھیجا جو انہیں اللہ کی آیات سناتا، ان کی سیرت کو سدھارتا اور انہیں کتاب و حکمت کی تعلیم دیتا ہے، اگرچہ وہ اس سے پہلے کھلی گمراہی میں تھے۔

هو الذی ارسل رسوله بالهدیٰ ودین الحق لیظهره علی الذین کله ولو کره المشرکون

وہ ذات جس نے اپنے رسول کو ہدایت اور دین حق کے ساتھ بھیجا تا کہ اسے وہ تمام دینوں پر غالب کردے خواہ اسے مشرکین کتنا ہی ناپسند کریں۔

دائمی اصلاح وجد و جہد والی قوم کی ضرورت:

جاہلیت کا یہ فساد چند مصلح افراد یا کسی مضبوط جماعت یا کسی بڑے ادارے کے بس سے باہر تھا اس لئے کہ یہ فساد اپنی آخری شکل کو پہنچ گیا اور نا قابل علاج بن چکا تھا اس لئے ایک مستقل امت کی ضرورت تھی جو اس کے لئے متحدہ اور مسلسل جد و جہد کرتی رہے، اور خدا کی زمین میں پھیل کر باطل جہاں بھی ہو اس کا مقابلہ کرے، شر کی طاقت جہاں بھی ہو اسے اکھاڑ پھینکے اور خدا کی سرزمین کو عدل و انصاف سے بھر دے جیسے کہ وہ ظلم و جور سے بھری جا چکی تھی، اس طرح دنیا کو ایک پیغمبر اولوالعزم کی ضرورت تھی جس کی امت ایک عظیم امت ہو چنانچہ ایسا ہی ہوا۔

كنتم خير امة اخرجت للناس تامرن بالمعروف وتنهون عن
المنكر وتومنون بالله

تم بہترین امت ہو جو لوگوں کے لئے برپا کی گئی ہے تم نیکی کا حکم دیتے ہو اور برائی سے روکتے ہو اور اللہ پر ایمان لاتے ہو۔

صاحبو! محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بعثت ٹھیک اس وقت ہوئی جب انسانیت اس کے لئے اسی طرح چشم براہ اور گوش برآواز تھی جیسے گرمی سے جھلسی ہوئی فضا اور تپتی ہوئی زمین موسم کی پہلی بارش کے لئے ہوتی ہے۔

وترى الارض هامدة فآذا انزلنا عليها الماء اهتزت وربت
وانبتت من كل ذوج بهيج ذالک بان الله هوا لحق وانه يحيى
الموتى وانه علىٰ كل شيء قدير

اور تم زمین کو مرجھائی ہوئی دیکھتے ہو اور جب ہم اس پر پانی برساتے ہیں تو لہلہا اٹھتی، نمو پذیر ہونے اور ہر قسم کے دلفریب پھل پھول اگانے لگتی ہے یہ ثبوت ہے کہ اللہ ہی معبود برحق ہے اور وہی مردے کو جلاتا ہے اور وہ ہر چیز پر قادر ہے۔

بعثت محمدی کی انقلابی تاثیر:

یکا یک اس مردہ انسانی جسم میں جسے نسل انسانی کہا جاتا ہے روح حیات دوڑنے لگتی ہے اور اچانک یہ مردہ انگڑائی لینے لگتا ہے، جو سڑنے گلنے کے قریب ہو گیا تھا، اس حقیقت مؤرخین اپنی محدود زبان میں ایوان کسریٰ کے لرزنے اور آتش فارس کے بجھنے سے تعبیر کرتے ہیں، آپ نے دیکھا ہوگا کہ پختہ اور مضبوط عمارتیں اور فلک بوس محلات زمین کے زلزلے کی ایک حرکت سے خزاں زدہ پتوں کی طرح زمین پر آرہتے ہیں، تو قیصر وکسریٰ کے نظام اور فراعنہ عصر کے کارنامے نبی اعظم صلے اللہ علیہ وسلم کی بعثت اور دنیا میں صبح سعادت کے طلوع سے کیوں زوال پذیر نہیں ہو سکتے۔

ایک نئی دنیا کا ظہور:

حضرات محترم! رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی ولادت و بعثت صرف ایک نبی کی یا صرف ایک امت کی، یا ایک عصر ہی کی پیدائش نہیں بلکہ ایک نئی دنیا کی پیدائش تھی، جو آپ کی بدولت ظہور میں آئی اور آپ ﷺ کی یہ دنیا تا قیامت باقی رہے گی، جب میراث عالم کا آخری وارث خدائے تعالیٰ ہوگا، آپ ﷺ کی بعثت مبارکہ کے آثار اس دنیا کے چپے چپے پر موجود اور اس کے ذرے ذرے میں سرایت کئے ہوئے ہیں، اور دنیا اپنے عقیدے انداز فکر تہذیب و تمدن. اخلاق و معاشرات اور علم و ثقافت کے سلسلے میں بعثت محمدی سے متاثر ہی نہیں بلکہ اس کے اثرات اس میں اس طرح پیوست ہو چکے ہیں کہ کسی طرح اس کا ان سے جدا ہونا ممکن نہیں، اور اگر وہ اس سے الگ کردیئے جائیں تو وہ اپنے بہترین سرمائے اور اثاثہ سے محروم ہو جائے گی، دنیا دراصل اپنی زندگی کے لئے بھی بعثت محمدی کی ممنون ہے. اس لئے کہ اسی نے اسے زندگی کا استحقاق بخشا اور اس کی عمر میں اضافہ کردیا، اور خیر کو شر پر غالب کر کے خدائی غضب کی مار اور اللہ کی لعنت اور بدبختی سے اسے بچالیا جس کی وہ مستحق ہو چکی تھی، دنیا، بعثت محمدی سے پہلے اس کی بالکل سزاوار تھی کہ اس کی بساط الٹ دی جائے اور اس کی بنیاد و کھود ڈالی جائے۔

ظهر الفساد فی البر و البحر بما کسبت ایدی الناس لیذیقهم بعض الذی عملوا لعلهم یرجعون

لوگوں کے کرتوتوں کے سبب خشکی اور تری میں فساد پھیل گیا تا کہ وہ انہیں ان کے کئے کا کچھ مزہ چکھائے شاید وہ اپنے کئے سے باز آئیں۔

حدیث شریف میں اس سلسلے میں آیا ہے۔

ان الله نظر الیٰ أهل الارض فمقتهم عربهم و عجمهم الا بقایا من اهل الکتاب.

اللہ نے اہل زمین کی طرف نظر کی اور عرب و عجم دونوں کو ناپسند کیا سوا تھوڑے سے اہل کتاب کے۔

عصر جاہلی کی تصویر:

خدا نے جو خبیر و علیم بھی تھا، زمین پر کیا دیکھا؟ اس نے یا تو کسی کو بت کے آگے سجدہ ریز دیکھا یا کسی کو پیٹ کا پجاری یا کسی کو سلطان اور شیطان کا بندہ پایا جہاں تک دین خالص، طلب صادق، علم صحیح اور عمل صالح اللہ سے رجوع، آخرت کی سعی کا سوال تھا تو یہ چیزیں نایاب اور کیمیا کی طرح عزیز الوجود ہوگئی تھیں، حکیم الاسلام حضرت شاہ ولی اللہ دہلویؒ نے اپنی معرکۃ الآرا تصنیف ''حجۃ اللہ البالغۃ'' میں، اس دور جاہلیت کی جو تصویر پیش کی ہے، میں نے اس سے بہتر تصویر کسی مصنف کے قلم سے نہیں دیکھی، فرماتے ہیں۔

''صدیوں سے آزادانہ حکومت کرتے کرتے اور دنیا کی لذتوں میں منہمک رہنے آخرت کو یکسر بھول جانے اور شیطان کے پورے اثر میں آجانے کی وجہ سے ایرانیوں اور رومیوں نے زندگی کی آسانیوں اور سامان آرائش میں بڑی موشگافی اور نازک خیالی پیدا کرلی تھی اور اس میں ہر قسم کی ترقی اور نفاست میں ایک دوسرے سے سبقت لے جانے اور فخر کرنے کی کوشش کرتے تھے، دنیا کے مختلف گوشوں سے ان مرکزوں میں بڑے بڑے اہل ہنر اور اہل کمال جمع ہوگئے تھے، جو اس سامان آرائش اور راحت میں نزاکتیں پیدا کرتے تھے، اور نئی نئی تراش خراش نکالتے تھے ان پر عمل فورا شروع ہوجاتا تھا اور اس میں برابر اضافے اور جدتیں ہوتی رہتی تھیں اور ان باتوں پر فخر کیا جاتا تھا۔ زندگی کا معیار اتنا بلند ہوگیا تھا کہ امراء میں سے کسی کا ایک لاکھ درہم سے کم کا پٹکا باندھنا اور تاج پہننا سخت معیوب تھا، اگر کسی کے پاس عالی شان محل، فوارہ حمام باغات خوش خوراک اور تیار جانور، خوش رو جوان اور غلام نہ ہوتے، کھانے میں تکلفات، اور لباس و پوشاک میں تجمل نہ ہوتا تو ہم چشموں میں اس کی کوئی عزت نہ ہوتی اس کی تفصیل بہت طویل ہے، اپنے ملک کے بادشاہوں کا جو حال دیکھتے اور جانتے ہو، اس سے قیاس کرسکتے ہو۔ یہ تمام تکلفات، ان کی زندگی اور معاشرت کا جزء، بن گئے تھے، اور ان کے دلوں میں اس طرح رچ بس گئے تھے کہ کسی طرح نکل نہیں سکتے تھے، اس کی وجہ سے ایک ایسا لاعلاج مرض پیدا ہوگیا تھا، جو ان کی پوری شہری زندگی، اور انکے پورے نظام تمدن میں سرایت کرگیا تھا، یہ ایک مصیبت عظمیٰ تھی، جس سے عام و خاص، اور امیر و غریب میں سے کوئی محفوظ نہیں رہا تھا، ہر شہری

پر یہ تکلف اور امیرانہ زندگی ایسی مسلط ہو چکی تھی، جس نے اس کو زندگی سے عاجز کر دیا تھا اور اس کے سر پر غم و افکار کا ایک پہاڑ ہر وقت رکھا رہتا تھا، بات یہ تھی کہ یہ تکلفات بیش قرار رقمیں صرف کئے بغیر حاصل نہیں ہو سکتے تھے، اور یہ رقمیں، اور بے پایاں دولت کاشتکاروں، تاجروں، اور دوسرے پیشہ وروں پر محصول اور ٹیکس بڑھانے اور ان پر تنگی کئے بغیر دستیاب نہیں ہو سکتی تھیں، اگر وہ ان مطالبات کے ادا کرنے سے انکار کرتے تو ان سے جنگ کی جاتی اور ان کو سزائیں دی جاتیں، اور اگر وہ تعمیل کرتے تو ان کو گدھے اور بیلوں کی طرح بنا لیتے جن سے آبپاشی، اور کاشتکاری میں کام لیا جاتا، اور صرف خدمت کرنے کے لئے ان کو پالا جاتا ہے، اور محنت و مشقت سے ان کو کسی وقت چھٹی نہیں ملتی اس پر مشقت اور حیوانی زندگی کا نتیجہ یہ ہوا کہ ان کو کسی وقت سر اٹھانے اور سعادت اخروی کا خیال بھی کرنے کا موقع اور مہلت نہیں ملتی تھی، بسا اوقات پورے پورے ملک میں ایک فرد بشر بھی ایسا نہ ملتا جس کو اپنے دین کی فکر اور اہمیت ہوتی۔

نیا عالمی رجحان:

حضرات محترم! بعثت محمدی نے اس جاہلی ماحول کو یکسر بدل دیا اور متمدن دنیا میں ایمان و خدا طلبی جہاد و سعی آخرت انسانیت کو اس کے دشمنوں سے بچانے، قوموں کو زوال کے بعد عروج اور لوگوں کو لوگوں کی بندگی سے نکال کر خدا کی بندگی میں اور دنیا کی تنگنانے سے آخرت کی وسعت بیکراں، اور مذاہب کے ظلم سے اسلام کے عدل کی طرف لانے کی طاقتیں اٹھ کھڑی ہوئیں اور اس مقصد عظیم کی طرف اہل عزیمت افراد کی ہمتیں، اصحاب صلاحیت کی صلاحیتیں اذکیا، کی ذہانتیں ادیبوں کا علم و فضل اور شعراء کے ذوق و وجدان سورماؤں کی تلواریں اہل علم کے قلم، ممتاز افراد کی عبقریتیں متوجہ ہو گئیں اور اس دنیا میں جو صرف ایک قسم اور ایک طرز کی نفس کی غلام شہوت کی اسیر، اور ہوس کی پرستار انسانیت ہی کو جانتی تھی، اب ہر زمانے میں اور ہر جگہ خدا کے مخلص بندے ربانی و حقانی علماء، عادل حکمراں زاہد بادشاہ مجاہد مرد اتنی کثرت سے پائے جانے لگے کہ شاید ریت کے ذروں اور صحرا کی کنکریوں سے بھی ان کی تعداد بڑھ گئی، ان پر خدا کو فخر تھا، اور تاریخ للن کے احترام پر مجبور اور دشمن بھی ان کے آگے سرنگوں تھے، اور بالآخر صحیح اور مفید علم. اور صالح اور برگزیدہ عمل خیر پسندی کا قوی جذبہ، اور مومن و مجاہد جماعت کے افراد ہر طرف

پھیل گئے جو نیکی کا حکم دیتے اور برائی سے روکتے اللہ پر ایمان لاتے اور اسکے راستے میں جہاد کرتے اور اس سلسلہ میں کسی ملامت کی پروانہیں کرتے تھے اور اس طرح جہاد و اصلاح دعوت وارشاد کی ایک مسلسل تاریخ بن گئی جس میں کوئی خلل اور وقفہ نہیں۔

لاتزال طائفة من امتی ظاهرین علی الحق لا یضرهم من خذلهم حتیٰ یاتی أمر الله.

میری امت کا ایک طبقہ ہمیشہ حق کے ساتھ غالب رہے گا اور ان کا مخالف انہیں کوئی نقصان نہیں پہنچا سکے گا یہاں تک کہ قیامت آجائے گی۔

امت محمدی محمد رسول اللہ ﷺ کا معجزہ عظیم ہے:

شیخ الاسلام ابن تمیمیہؒ نے اپنی کتاب الجواب الصحیح میں بعثت محمدی ﷺ لانے ہونے، انقلابی اثر، اس کی اہمیت اور نتائج کی بڑی اچھی تصویر کشی کی ہے، وہ فرماتے ہیں کہ، رسول اللہ ﷺ کی سیرت واخلاق، اقوال وافعال اور ان کی شریعت خدا کی آیات میں سے ہے، اور ان کی امت اور امت کا علم ودین اور اس امت کے صالحین کی کہ امت بھی اللہ کی نشانیوں میں سے ہیں۔

رسول اکرم ﷺ، اللہ کے حکم پر پوری طرح قائم رہے، اور اس میں پوری صداقت عدل اور وفاداری برتتے رہے، کبھی کوئی جھوٹ، کسی پر ظلم کسی سے بے وفائی، ثابت نہیں بلکہ آپ ﷺ لوگوں میں سب سے زیادہ سچے، اعتدال پسند اور وفا شعار تھے، اگرچہ آپ ﷺ جنگ وصلح، امن وخوف، فقر وخوشحالی قلت وکثرت کامیابی وناکامی کے مختلف حالات سے برابر گزرتے رہے، لیکن ان تمام حالات میں اچھے اور پسندیدہ رستے سے آپ کبھی نہیں ہٹے، حتیٰ کہ دعوت اسلام عرب کی اس سرزمین میں پھیل گئی ہو اس سے پہلے بت پرستی کو اکب پرستی کفر وشرک قتل و سفاکی اور قطع رحمی سے بھری تھی اور جو لوگ آخرت اور معاد کو جانتے تک نہ تھے اب وہ روئے زمین پر سب سے زیادہ علم والے، دین والے انصاف اور فضیلت والے بن گئے حتیٰ کہ شام کے نصاریٰ بھی ان کو دیکھ کر یہ کہنے پر مجبور ہو گئے کہ مسیح کے ساتھ اور حواری ان سے بہتر نہ تھے، اور روئے زمین پر آج بھی مسلمانوں اور غیر مسلموں کے علم وعمل کے آثار پھیلے ہوئے ہیں اور

اہل فہم دونوں کا فرق کھلے طور پر محسوس کرتے ہیں اسی طرح آپ ﷺ کی امت تمام امتوں سے ہر معاملہ میں برتر و بہتر ہے اگر ان کے علم کا مقابلہ دوسری قوموں کے علم سے اور ان کے دین اور طاعت و عبادت کا دوسروں کے دین، طاعت و عبادت سے کیا جائے تو معلوم ہوگا کہ وہ علم و عبادت میں دوسروں سے بہت آگے ہیں، اور اگر ان کی شجاعت اور اللہ کے راستے میں جہاد اور اللہ کے لئے مصائب کی برداشت کا جائزہ لیا جائے تو ظاہر ہوگا کہ وہ اس باب میں بھی سب سے بڑھ کر ہیں اور اگر ان کی سخاوت و فیاضی اور دوسروں کے لئے ایثار و خوش اخلاق پر نظر کی جائے تو معلوم ہوگا کہ وہ دوسروں کے مقابلہ میں زیادہ فیاض و شریف ہیں اور یہ تمام فضائل اخلاق اس امت کو رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم ہی سے حاصل ہوئے تھے اور آپ ﷺ ہی نے ان باتوں کی تعلیم و تلقین کی تھی۔

آپ ﷺ کی امت کے افراد کسی کتاب کے متبع نہیں تھے جس کی تکمیل کے لئے آپ ﷺ آئے ہوں جیسا کہ مسیح شریعت تورات کی تکمیل کے لئے آئے تھے اور مسیحی لوگوں کے فضائل اخلاق، اور ان کے علوم و فنون کا کچھ حصہ توریت سے کچھ زبور سے کچھ دوسرے انبیاء کی تعلیمات سے، کچھ حضرت مسیح سے اور کچھ آپ کے بعد کے لوگوں جیسے حواریوں اور ان کے حواریوں سے ماخوذ ہیں، اس کے علاوہ انہوں نے فلاسفہ وغیرہ کے کلام سے بھی مدد لی اور دین مسیحی میں تبدیلی کے وقت اس میں ایسے امور داخل کر لئے جو مسیحیت کی ضد اور کفر سے تعلق رکھتے تھے۔

لیکن رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی امت آپ کے آنے سے پہلے کسی کتاب سے، واقف نہ تھی، بلکہ ان کی بڑی تعداد موسیٰ و عیسیٰ و داؤد علیہم السلام اور تورات و انجیل و زبور پر ایمان بھی آپ ہی کے کہنے سے لائی آپ ہی نے انہیں حکم دیا کہ وہ تمام انبیاء پر ایمان لائیں اور اللہ کی طرف سے اتاری ہوئی ہر کتاب کا اقرار کریں،

اور کسی رسول کے خلاف تفریق و امتیاز نہ برتیں، چنانچہ اللہ تعالیٰ فرمایا۔

وقولوا آمنا باللہ

وماعلينا الا البلاغ

نبوت محمدی کا کارنامہ

نحمده ونصلی علی رسوله الكريم اما بعد o فاعوذ بالله من الشيطان الرجيم oبسم الله الرحمن الرحيم o

انسان کی اہمیت:

حضرات سامعین! دنیا کا مقدر انسان کے مقدر سے برابر وابستہ رہا ہے، اور رہے گا، اس کی سعادت وشقاوت، بلند اقبالی اور نحوست کا تعلق انسان ہی کی ذات سے رہا ہے، چنانچہ اگر حقیقی انسان کا وجود رہے اور دنیا کی ہر قابل فخر چیز مال ودولت، اور زیب وزینت ختم ہوجائے تب بھی کوئی ایسی بڑی مصیبت نہیں آجائے گی اور نہ دنیا کا کوئی بہت بڑا خسارہ ہوجائے گا بلکہ حقیقی انسان کا وجود ہر گم شدہ چیز کا نعم البدل، ہر محرومی کی تلافی، اور ہر بیچارگی کا درماں ثابت ہوگا، اور انسان اپنے نشاط کار جوش عمل قوت کارکردگی اور محنت وہمت سے دنیا کو وہ تمام چیزیں دوبارہ مہیا کردے گا جو دنیا نے کھودی ہوں گی اور صرف یہی نہیں بلکہ پہلے سے بہتر اور بڑھ کر فراہم کردے گا، اور اگر دنیا یا دنیا کے کسی ذمہ دار کو یہ اختیار دیا جائے کہ وہ انسان بغیر دنیا یا دنیا بغیر انسان میں سے کسی ایک کا انتخاب کرلے (اور وہ اس انتخاب میں عقل سلیم اور خدا کی دی ہوئی قوت تمیز سے کام لے) تو اس کا انتخاب یقیناً انسان ہی ہوگا، اور اس میں اسے کسی تردد وتذبذب کا سامنا نہیں کرنا پڑے گا، اس لئے کہ دنیا انسان ہی کے لئے بنائی گئی ہے اور اس کی عزت وقدر وقیمت اسی کے سبب سے ہے۔

اس دنیا کی بدبختی وبدنصیبی آلات ووسائل اور ساز وسامان کا فقدان نہیں بلکہ ان آلات ووسائل کا غلط اور بے محل استعمال ہے، اس دنیا کی طویل اور حادثات سے بھری ہوئی تاریخ میں دنیا کو جو کچھ مصیبت پیش آئی اس کا سبب انسان کی گمراہی، راہ راست اور اپنی فطرت سلیمہ سے انحراف ہے۔ یہ وسائل وذرائع تو انسان کے لئے ہاتھ میں خاموش اور معصوم آلات ہیں جو اس کا حکم

مانتے اور اس کی مرضی پوری کرتے ہیں، ان آلات کا اگر کوئی قصور ہوسکتا ہے تو یہی ہوسکتا ہے کہ وہ اس مصیبت میں سرعت وتندی اور اس کی کمیت وکیفیت میں وسعت پیدا کردیتے ہیں۔

انسان فطرت کے اسرار وعجائبات:

حضرات! یہ وسیع کائنات اسرار ورموز اور عجائب وغرائب سے اس طرح بھری ہوئی ہے کہ اس کا حسن وجمال عقلوں کو مبہوت بنادیتا اور دہشت وحیرت میں مبتلا کردیتا ہے۔

لیکن اگر انسانی فطرت کے اسرار عجائب، اس کے امکانات اور مخفی صلاحیتوں، قلب انسانی کی گہرائی اور گیرائی، فکر انسانی کی بلند پروازی اور ذہنی افق کی وسعت، روح انسانی کے سوز وگداز، اس کی لامتناہی امیدوں اور آرزوں، اس کی بلند ہمتی وعالی ظرفی (جس کی کوئی انتہا نہیں اور جو فتوحات، لذتوں اور مسرتوں، ملک وحکومت اور خوشحالی وآسودگی کی کسی مقدار پر قانع نہیں ہوتی) اس کی تنوع اور تناقض، بے شمار اور لامحدود صلاحیتوں کا دنیا کے اسرار وعجائب سے مقابلہ کیا جائے تو یہ وسیع کائنات اس کے سامنے سمندر کے آگے ایک قطرہ یا صحرا کے مقابل ایک ذرہ کی طرح معلوم ہوگی اور اپنی پوری وسعت کے ساتھ قلب انسانی کی وسعت اور گہرائی میں اس طرح گم ہوجائے گی جیسے ایک چھوٹی سی کنکری ایک بحر بیکراں میں گم ہوجاتی ہے، اس کے مضبوط اور غیر متزلزل ایمان کے آگے پہاڑ ہیچ ہوجائیں اس کی محبت کے بھڑکتے ہوئے جذبات کے تند شعلوں کے سامنے آگ سرد اور خاکستر نظر آئے اور خوف خدا، یا کسی ناتواں پر ترس کھانے یا گناہوں سے ندامت پر نکلے ہوئے، آنسو کے ایک قطرہ کو دیکھ کر سمندر پانی پانی ہوجائے اور اپنی تنگ ظرفی کا ماتم کرے، انسانی سیرت کا جمال اس کے اخلاق کا حسن اور اس کے جذبات کی لطافت اگر آشکار ہوجائے تو اس عالم کی تمام رنگینیوں اور دلفریبیوں پر پانی پھیر دے اور حسن کائنات کو مات دیدے، انسان کی ذات اس کائنات میں گوہر مقصود اور بیت الغزل کی حیثیت رکھتی ہے اور خلاق عالم کی نشانیوں میں سے سب سے بڑی نشانی ہے جسے اس نے بہترین صورت مکمل سیرت اور عمدہ ترین ساخت عطا کی ہے۔

انسان ہر پیمانے سے بلند ہے:

دنیا اپنے تمام خزینوں اور دفینوں اور دولت وحکومت کے ساتھ بھی اس انسانی عقیدے کا بدل نہیں بن سکتی جو شک اور کمزوریوں سے بالاتر ہوتا ہے، اور نہ اس محبت کی قیمت بن سکتی ہے، جو مادی فوائد ومصالح سے بے نیاز ہوتی ہے، اور نہ اس جذبے کی قائم مقامی کر سکتی ہے، جو حدود وقیود سے آشنا نہیں، نہ اس اخلاص کی جگہ لے سکتی ہے جو اغراض ومنافع سے بے نیاز ہوتا ہے، اور نہ اس کے اس اخلاق کی قیمت بن سکتی ہے، جو سودے بازی اور انتقام سے بلند ہوتا ہے، اور نہ اس مخلصانہ خدمت کے برابر ہو سکتی ہے جو بدلے اور شکریے سے بھی مستغنی ہوتی ہے۔

انسان اگر اپنے آپ کو پہچان لے اور اپنی قیمت طلب کرے تو یہ دنیا اس کے دام لگانے سے عاجز ہو جائے، اور اگر اس کی ذات وسعت اختیار کر لے اور اپنے عزم وہمت کی عنان ڈھیلی چھوڑ دے اور اپنی فطرت کو اس کے بہاؤ پر ڈال دے تو یہ دنیا اس کے لئے تنگ ہو جائے، اور سمٹ کر اس کے لئے ایک بے روشنی اور ہوا کا پنجرا ثابت ہو۔

گھٹے اگر تو بس ایک مشتِ خاک ہے انسان
بڑھے تو وسعت کونین میں سما نہ سکے

فطرت انسانی کی گہرائیوں کو نہ ناپا جا سکتا ہے نہ اس کی تہ تک پہنچا جا سکتا ہے، نہ اس کے اسرار کا احاطہ ہو سکتا ہے، نہ اس کے اسرار کا احاطہ ہو سکتا ہے، نہ اس کی ماہیت وحقیقت کا پتہ لگایا جا سکتا ہے اس کی حیرت انگیز اور اعجاز نما صلاحیتیں، اس کا علم وحلم، اس کی شرافت وکریم النفسی، اس کی شفقت ومحبت، اس کا رحم وکرم، اس کے شعور کی لطافت اس کے احساس کی نزاکت اس کا زہد وایثار، اس کی خودداری وانکسار، معرفت الٰہی کی اس تعداد اور فنافی اللہ ہونے کا ذوق، بنی نوع انسان کی خدمت کا شوق اور پیچیدہ، مشکل اور نئے علوم وفنون کی لگن، یہ سب ایسی چیزیں ہیں جن کو دیکھ کر عقل حیران رہ جاتی اور ذہین ترین لوگوں کا دماغ چکرا جاتا ہے۔

نبوت محمدیہ کا کارنامہ:

انسان کا وجود ہر خیر وبرکت اور اقبال وسعادت کی کنجی اور ہر مشکل اور ہر مسئلہ کا حل ہے

اور جب اس کی ساخت میں کجی آجاتی اور اس کی تہذیب فاسد ہو جاتی ہے حقیقی انسان نادر و نایاب ہو جاتے ہیں، اور جب اچھے انسان بنانے کا رواج اٹھ جاتا ہے تو یہی چیز تمام نبوتوں کا موضوع بنی ہے اور ہر نبی اپنے زمانے میں اسی مہم کو لے کر اٹھا ہے، اور ایسے انسانوں کا ایسی کمیت و کیفیت میں اٹھ کھڑا ہونا جس کا منظر تاریخ کی آنکھوں نے کبھی نہ دیکھا ہو، نہ ایسا نظارہ چشم فلک کے سامنے آیا ہو، وہ ایک سلک گہر ایک سیسہ پلائی دیوار، اور مضبوط ملت و جماعت بن گئے ہوں، اور ایک مشترک مقصد و عقیدہ کے لئے باہمی تعاون کرنے لگے ہوں، یہ نبوت محمدی کا کارنامہ اور عظیم معجزہ ہے۔

محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مردم سازی اور آدم گری کا کام اس سطح سے شروع کیا، جہاں سے کسی نبی یا مصلح کو نہیں کرنا پڑا تھا، اور نہ وہ اس کا مکلف بنایا گیا تھا، اس لئے کہ عام طور پر دیگر انبیا کی قوموں کی معاشرتی سطح، زمانہ جاہلیت سے بہت بلند تھی اس کے باوجود آنحضرت ﷺ نے اپنے اس عظیم کام کو اس سطح تک پہنچا دیا جہاں تک کسی نبی کا عمل نہیں پہنچا تھا۔

آپ ﷺ نے اس سطح سے کام شروع کیا جہاں حیوانیت کی انتہا اور انسانیت کی ابتدا ہوتی تھی اور اس اعلیٰ سطح تک پہنچا دیا جو انسانیت کی انتہائی منزل ہے اور جس کے بعد نبوت کے سوا کوئی اور درجہ نہیں اور جسے محمد ﷺ کے ذریعہ ختم کر دیا گیا۔

واقعہ جو خیال و تصور سے زیادہ دلکش ہے:

امت محمدیہ کا ہر فرد اپنی ذات سے ایک مستقل معجزہ، نبوت کی نشانیوں سے ایک نشانی، اس کے ابدی کارناموں میں سے ایک کارنامہ نوع انسانی کی اشرف و افضل ہونے کی ایک روشن دلیل ہے، کسی مصور نے اپنے فن کار موئے قلم اور صناع ذہن سے اس سے بہتر تصویر نہیں بنائی ہوگی، جیسے کہ حقیقت واقعہ، اور تاریخ کی شہادت کی روشنی میں وہ افراد موجود تھے۔

کسی شاعر نے بھی اپنے تاب تخیل، مواج طبیعت اور شعری صلاحیت سے کام لے کر ایسے اوصاف جمیلہ، ایسی پاکیزہ سیرتوں اور ایسے برگزیدہ محاسن کا خیالی پیکر نہیں تیار کیا ہوگا جس کا نمونہ ان کی ذات میں موجود تھا، دنیا کے اگر تمام ادیب جمع ہو کر انسانیت کا کوئی بلند ترین نمونہ پیش کرنے کی کوشش کریں تو ان کا تخیل اس بلندی تک نہیں پہنچ سکتا جہاں اجتماعی زندگی میں وہ

لوگ موجود تھے جو آغوش نبوت کے پروردہ اور تربیت یافتہ تھے، اور جو درسگاہ محمدی سے فارغ ہو کر نکلے تھے، ان کا قوی ایمان، ان کا عمیق علم، ان کا خیر پسند دل ان کی بے تکلف اور ریاء و نفاق سے پاک زندگی، انانیت سے ان کی دوری ان کا خوف خدا ان کی عفت و پاکیزگی اور انسان نوازی ان کے احساسات کی نزاکت و لطافت ان کی مردانگی و شجاعت ان کا ذوق عبادت اور شوق شہادت ان کی دن کی شہسواری اور راتوں کی عبادت گزاری، متاع دنیا اور آرائش زندگی سے بے نیازی ان کی عدل گستری، رعایا پروری اور راتوں کی خبر گیری اور اپنی راحت پر ان کی راحت کو ترجیح ایسی چیزیں ہیں کہ اگلی امتوں اور تاریخ میں ان کی کوئی نظیر نہیں ملتی۔

فرد صالح مختلف پہلوؤں اور زندگی کے میدانوں میں:

رسول اللہ ﷺ نے اپنی دعوت و رسالت کے ذریعہ ایسا صالح فرد پیدا کیا جو خدا پر ایمان رکھنے والا، اللہ کی پکڑ سے ڈرنے والا، دیندار و امانت دار دنیا پر آخرت کو ترجیح دینے والا، مادیت کے مظاہر کو نظر حقارت سے دیکھنے والا اور ان مادی طاقتوں پر اپنے ایمان اور روحانی قوت سے فتح پانے والا تھا جس کا ایمان اس پر تھا کہ دنیا اس کے لئے پیدا کی گئی ہے اور وہ آخرت کے لئے بنایا گیا ہے، چنانچہ جب یہ فرد تجارت کے میدان میں آتا تو راست باز اور امانت دار تاجر ہوتا، اور اگر اس کو فقر و فاقہ سے واسطہ پڑتا تو وہ ایک شریف و محنتی انسان نظر آتا وہ جب کبھی کسی علاقے کا حاکم ہوتا تو ایک محنتی اور بہی خواہ عامل ہوتا وہ جب مالدار ہوتا تو فیاض اور غمخوار مالدار ہوتا، جب وہ مسند قضا اور عدالتی کرسی پر بیٹھتا تو انصاف دوست اور معاملہ فہم قاضی ثابت ہوتا، وہ حاکم ہوتا تو مخلص اور امانت دار حاکم ہوتا اسے سیادت و ریاست ملتی تو وہ متواضع اور شفیق و غمخوار حاکم اور سردار ہوتا، اور جب وہ عوام کے مال کا امانت دار بنتا تو محافظ اور صاحب فہم خازن ہوتا۔

بنیادیں، جن پر اسلامی معاشرہ قائم ہوا:

انہی اینٹوں سے اسلامی معاشرت کی عمارت بنی تھی اور اسلامی حکومت انہی بنیادوں پر قائم ہوئی تھی یہ معاشرت و حکومت اپنی فطرت میں ان افراد کے اخلاق و نفسیات کی بڑی صورتیں اور تصویریں تھیں، اور ان افراد ہی کی طرح ان سے بنا ہوا معاشرہ بھی صالح امانت دار

دنیا پر آخرت کو ترجیح دینے والا، اور مادی اسباب پر حاکم نہ کہ اس کا محکوم تھا، اس معاشرے کے اقتدار میں تاجر کی صداقت وامانت ایک محتاج کی سادگی ومشقت، ایک عامل کی محنت وخیر خواہی، ایک غنی ومالدار کی سخاوت وہمدردی، ایک قاضی کا انصاف اور معاملہ فہمی ایک والی ملک کا اخلاص وامانتداری ایک رئیس وسرداری کی تواضع ورحمدلی، ایک وفادار خادم کی قوت کار اور ایک امانت دار محافظ کی نگرانی ونگہبانی جمع تھی اور یہ حکومت دعوت وہدایت کی علمبردار حکومت تھی جو تنقید کو منفعت ومصلحت اور ارشاد وہدایت کو مالگزاری اور ٹیکس وصولی پر ترجیح دیتی تھی۔ اس معاشرے کے اثر ونفوذ اور اس حکومت کے اقتدار کے تحت، عوامی زندگی میں ہر طرف ایمان و عمل صالح، صدق واخلاص، جہاد واجتہاد، دین میں عدل واعتدال اور اپنے اور دوسروں کے ساتھ انصاف نظر آنے لگا۔

آزمائشوں اور تجربہ کے وقت فرد صالح کی کامیابی:

حضرات! یہ فرد صالح ہر اس امتحان اور آزمائش میں پورا اترا جو کمزور پہلوؤں کو ظاہر کر دیتی اور مخفی صلاحیتوں کو جانچتی ہے، یہ فرد آزمائش کی ان بھٹیوں سے کھرے اور خالص سونے کی طرح نکلا جس میں کوئی کھوٹ اور ملاوٹ نہ تھی، اس نے ہر نازک موقع پر قوت ایمانی قوت ارادی نبوی تربیت کی تاثیر پاک نفسی واحساس ذمہ داری اور امانت وبے نیازی اور ایثار کا وہ بلند نمونہ پیش کیا جس کی ماہرین نفسیات وعلمائے اخلاقیات اور مورخین وماہرین بشریات توقع بھی نہیں کر سکتے۔

ان نازک موقعوں میں سب سے نازک آزمائش اس امیر وحاکم کی ہے، جو کسی کے آگے جواب دہ نہیں، نہ اسے کوئی متجسس آنکھ دیکھتی ہے اور نہ اسے کسی کمیٹی اور عدالت کا سامنا کرنا ہے ... ایسا حاکم اپنے لئے جائز چیزوں اور اپنے ذاتی مال کی طرف سے بھی بے رغبتی دکھاتا اور اس معمولی مال کا بھی روادار نہیں ہوتا جس کی شریعت اجازت دیتی اور جو عرف عام میں رائج ہے، اور جسے کسی زمانے کے لوگوں نے اہمیت نہیں دی۔

حکمرانوں کا زہد اوران کی سادگی:

اس کی بہترین مثال یہ ہے کہ خلیفۃ المسلمین ابوبکر صدیقؓ کی زوجہ محترمہ کو ایک بار کوئی میٹھی چیز کھانے کی خواہش ہوئی اور اس کے لئے انہوں نے اپنے روزانہ کے خرچ سے کچھ پس انداز کرلیا، جب حضرت صدیق اکبرؓ کو اس کا علم ہوا تو انہوں نے وہ رقم بیت المال کو واپس کر دی اور اپنے روزانہ کے وظیفہ سے بقدر اس رقم کے کم کرادیا، انہوں نے کہا کہ تجربہ سے یہ ثابت ہوگیا کہ اتنی رقم زائد تھی، اور اس سے کم میں ابوبکرؓ کے گھرانے کا گذارا ہوسکتا ہے مسلمانوں کا بیت المال اس لئے نہیں کہ اس سے حاکم کا خاندان عیش کی زندگی بسر کرے اور کھانے پینے میں توسع سے کام لے۔

یہاں ایک دوسری سچی تصویر جلوس خلافت کی ہے، اور اپنے وقت کی سب سے بڑی مملکت کے طاقتور حاکم کے اس سرکاری دورے کی تفصیل پر مبنی ہے، جو سرکاری کام ہی کے لئے ہوا تھا۔

یہ ایسے باجبروت حاکم کا سفر تھا جس کا نام سن کر لوگوں کے دل لرز جاتے اور وہ تھرا اٹھتے تھے، ہم ایک مؤرخ کا بیان نقل کرتے ہیں، جو اس عجیب سفر کا راوی ہے، اور اس پر بلیغ انداز میں روشنی ڈالی ہے، ابن کثیر کا بیان ہے۔

حضرت عمر بن الخطابؓ بیت المقدس جاتے ہوئے ایک خاکستری رنگ کی اونٹنی پر سوار تھے، دھوپ میں آپ کے سر پر کوئی ٹوپی اور عمامہ نہ تھا، کجاوہ کے دونوں طرف آپ پاؤں لٹکائے ہوئے تھے اس میں رکاب بھی نہ تھی، اونٹ پر ایک موٹا اونی کپڑا تھا، جسے آپ اتر کر بچھاتے تھے، آپ کی گٹھری جو چمڑے یا اون کی تھی جس میں پتے بھرے ہوئے تھے سواری کی حالت میں اسی پر ٹیک لگاتے اور اترنے کے بعد اسی کا تکیہ بناتے تھے، آپ کی قمیص ایک پرانے گزی کے کپڑے کی تھی، جو بغل کی طرف پھٹی ہوئی تھی۔

آپ نے وہاں کے سردار کو بلایا چنانچہ لوگ جلوس کو بلانے گئے اس کے بعد حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ میرا کرتا دھودو اور اس کے پھٹے ہوئے حصے میں پیوند لگادو اور میرے لئے عاریۃ کوئی کپڑا یا کرتا فراہم کرو چنانچہ ایک ریشمی کرتا حاضر کیا گیا آپ نے اسے دیکھ کر حیرت سے

پوچھا یہ کیا ہے؟ لوگوں نے عرض کیا ریشم ہے آپ نے پھر فرمایا ریشم کیا ہوتا ہے لوگوں کے بتانے پر آپ نے اپنا کرتا اتار کر غسل فرمایا اور آپ کا پیوند لگا کرتا حاضر کیا گیا تو آپ نے ان کا ریشمی کرتا اتار کر اپنا وہی کرتا پہن لیا۔

جلوس نے ان سے مشورۃً کہا کہ آپ بادشاہ عرب ہیں، اور یہاں کے لوگوں میں اونٹ کی کوئی اہمیت نہیں اس لئے آپ اگر کوئی اچھا کپڑا پہن لیں اور گھوڑے پر سوار ہوں تو یہ اہل روم کو متاثر کر سکے گا، اس کے جواب میں آپ نے فرمایا ہم وہ قوم ہیں جسے اللہ نے اسلام کے ذریعہ عزت دی تو اب اللہ کے بدلے ہم کسی اور چیز کو نہیں اپنائیں گے، ایک گھوڑا لایا گیا، جس پر آپ نے اپنی چادر ڈال دی اس پر نہ لگام استعمال کی اور نہ رکاب باندھی بلکہ یونہی سوار ہو گئے لیکن تھوڑی ہی دیر بعد فرمایا روکو روکو، میں نے اس سے پہلے لوگوں کو شیطان پر سوار ہوتے نہیں دیکھا تھا، چنانچہ آپ کا اونٹ لایا گیا اور آپ اس پر سوار ہوئے۔

اسی طرح مؤرخ طبری نے آپ کے ایک سفر کا حال لکھا ہے۔

''ایک بار حضرت عمرؓ، حضرت علیؓ کو مدینہ میں اپنا جانشین بنا کر سفر پر نکلے آپ کے ساتھ کچھ صحابہؓ بھی تھے آپ مقام ایلہ کے مقابل جا رہے تھے (جو بحر احمر کے ساحل پر ہے) جب اس کے قریب پہنچے تو راستے کے کنارے ہو گئے اور اپنے غلام کو پیچھے کر لیا، آپ نے اس مقام پر پہنچ کر استنجا کیا، اور لوٹ کر اپنے غلام کی سواری پر سوار ہو گئے (جس پر ایک الٹی فرد پڑی ہوئی تھی) اور اپنی سواری غلام کو دیدی چنانچہ جب لوگوں کا پہلا گروہ آپ سے ملا تو اس نے آپ سے دریافت کیا کہ امیر المومنین کہاں ہیں؟ آپ نے فرمایا کہ تمہارے سامنے ہیں، چنانچہ وہ آپ کو چھوڑ کر آگے بڑھ گئے، جب ایلہ پہنچے تو ان ملنے والوں سے جب کہا کہ امیر المومنین ایلہ پہنچ گئے تو لوگوں نے آپ کو پہچانا اور آپ کی طرف لپکے۔

انسانیت کا مثالی نمونہ:

زہد و تواضع، ایثار و ہمدردی' عدالت و شجاعت' حکمت و صداقت کے یہ بہترین اور مثالی نمونے خلفائے راشدینؓ اور صحابہ کرامؓ کے حالات میں اس کثرت سے ملتے ہیں کہ اگر انہیں کوئی مورخ و ادیب یا نفسیات و اخلاق کا کوئی عالم جمع کرے اور ان سے ایک جامع اور منفرد

شخصیت تیار کرے تو انسانی سیرتوں میں ایک ممتاز ترین سیرت و شخصیت تیار ہو جائے اور انسانیت کے عظیم مرقع اور انسانیت کی عالمی تاریخ کی جلوہ گاہ میں ایک حسین ترین پیکر کا اضافہ ہو جائے لیکن افسوس ہے کہ ہم اس برگزیدہ جماعت کی مکمل اور جامع تعریف و تصویر کتابوں میں نہیں پاتے جو رسول ﷺ کی صحبت و تربیت کا ثمرہ اور نمونہ تھی پھر بھی بعض شخصیتوں کے کچھ جلوے ادیبانہ بلاغت پیکر نگاری اور مرقع کشی کے ساتھ کتابوں میں محفوظ ہو گئے ہیں اس لئے کہ عرب قدیم زمانے سے اپنی زباں دانی جادو بیانی منظر نگاری اور صداقت تعبیر کے لئے مشہور رہ چکے ہیں ان کی اس خاکہ نگاری کی مدد سے ہم تربیت نبوی کے اثرات و آثار اور اس کی کامیابی و نادرہ کاری کا کچھ اندازہ لگا سکتے اور اس معاشرے کے بلند نمونے دیکھ سکتے ہیں جس کی وساطت سے رسول اللہ کا اعجاز اپنی دلکش ترین شکل میں ظہور میں آیا تھا‘ ان تصویروں میں ایک تصویر سیدنا علی مرتضیٰؓ کی ہے یہ تصویر اپنی تاثیر و تعبیر کے اعتبار سے عالمی اور غیر فانی ادب کے بہترین نمونوں میں شامل ہونے کی مستحق ہے۔

ایک موقع پر امیر معاویہؓ نے حضرت علی کے رفیق قدیم ضرار بن ضمرہ سے (جنھیں ان کی صحبت سے فیضیاب ہونے اور انھیں قریب سے دیکھنے کا موقع ملا تھا) حضرت علیؓ کے اوصاف و محاسن بیان کرنے کی فرمائش کی تو انھوں نے کہا۔ واللہ وہ بڑے بلند ہمت اور مضبوط اعصاب کے مالک تھے‘ آپ کی بات قول فصیل اور آپ کا فیصلہ انصاف پر مبنی ہوتا‘ آپ کے ہر پہلو سے علم کا چشمہ ابلتا تھا‘ آپ کو دنیا اور اس کے زیب و زینت سے وحشت رہتی تھی‘ رات کی تنہائی اور تاریکی سے آپ بہت مانوس تھے‘ خدا کی قسم آپ بہت ہی رونے والے طویل غور و فکر میں رہنے والے تھے آپ اپنی ہتھیلی کو پلٹ کر اپنے آپ سے مخاطب ہوتے اور اپنا محاسبہ کرتے آپ کو موٹا جھوٹا لباس اور روکھا پھیکا کھانا پسند تھا‘ وہ ہم میں ہمارے ہی طرح رہتے تھے‘ جب ہم کوئی بات پوچھتے تو بشاشت سے جواب دیتے اور جب ہم ان کے پاس آتے تو خیریت طلبی میں پہل کرتے آپ ہماری دعوت پر ہمارے یہاں تشریف لاتے لیکن ان کی شفقت اور اپنی نیاز مندی اور بے تکلفی کے باوجود ہم رعب کے مارے زیادہ گفتگو نہ کرتے اور نہ گفتگو کا سلسلہ شروع کرتے‘ مسکراتے تو اور ان کے دانت موتیوں کی لڑی معلوم ہوتے‘ وہ دینداروں کی تعظیم کرتے اور مسکینوں سے محبت رکھتے تھے‘ کوئی بااثر شخص ان سے کسی غلط کام کی امید بھی نہیں کر سکتا

تھا، اور نہ کمزور آدمی ان کے عدل سے محروم و مایوس ہو سکتا تھا۔

میں خدا کو گواہ بنا کر کہتا ہوں کہ میں نے انہیں کبھی کبھی اس حال میں دیکھا ہے کہ رات ڈھل چکی ہے، اور ستارے ڈوبنے لگے ہیں اور آپ اس وقت اپنی محراب میں اپنے محاسن شریف پکڑے ہوئے سانپ کاٹے ہوئے شخص کی طرح بے چین ہیں، اور کسی غمزدہ کی طرح رو رہے ہیں، اور میں انھیں یہ کہتے سن رہا ہوں کہ اے دنیا کیا تو مجھے نشانہ بنانا چاہتی ہے اور میرے لئے بن سنور کر آئی ہے؟

دور ہو! دور ہو! اور میرے علاوہ کسی اور کو دھوکہ دے میں نے بغیر رجعت کے تجھے تین طلاقیں دیں تیری عمر مختصر، تیرا عیش حقیر اور تیرا خطرہ بہت بھاری ہے آہ! زاد سفر کم، سفر لمبا، اور راستہ وحشتناک ہے۔

پہلا اسلامی معاشرہ:

حضرات! رسول اللہ ﷺ کی دعوت کے نتیجے میں قائم ہونے والا یہ معاشرہ جسے آپ کی تربیت نے کندن بنا دیا تھا، وہ انسانیت کی پوری تاریخ میں بہترین انسانی معاشرہ ثابت ہوا، جو بلکل کامل اور تمام انسانی محاسن کا جامع تھا، اس معاشرے کا تعارف اس کے ایک فرد حضرت عبداللہ بن مسعود نے بڑی بلاغت، مختصر لیکن ہمہ گیر اور معنی خیز اور وسیع امکانات رکھنے والے الفاظ میں اس طرح کرایا ہے وہ لوگ تمام لوگوں میں پاکیزہ ترین دل، عمیق ترین علم، اور کم سے کم تکلف والے تھے، جنہیں اللہ نے اپنے نبی کی صحبت بابرکت اور دین کی سربلندی و نصرت کے لئے انتخاب فرمایا تھا۔ جب اس معاشرے کا کسی اور معاشرے سے مقابلہ کیا جائے گا تو بحیثیت مجموعی اس کا پلہ بھاری نکلے گا، اور اس کی کمزوریوں کا پہلو (جس سے کوئی بشر خالی نہیں) اس کے محاسن، اور اس کے عظیم بشری نمونوں کے مقابلہ میں بہت ہی حقیر دکھائی دے گا اور اس کے اخلاقی کمالات کے ایسے نادر شاہکار نظر آئیں گے جن سے تاریخ انسانی خالی ہے، شیخ الاسلام ابن تیمیہ نے بڑی بلاغت اور دقیقہ رسی کے ساتھ فرمایا ہے۔

''اس امت کے بہترین لوگ صحابہ کرام ہیں، اس لئے کہ امت میں ان سے بڑھ کر ہدایت اور دین حق پر جمع ہونے والا، اور تفرقہ و اختلاف سے ان سے بڑھ کر دور رہنے والا کوئی اور

نہیں ان کی طرف جو تھوڑی سی کوتاہیاں منسوب کی جاتی ہیں اگر ان کا امت کے دیگر افراد سے مقابلہ کیا جائے تو وہ بہت ہی کم دکھائی دیں گی اسی طرح جب امت کی کوتاہیاں دوسری قوموں کی کوتاہیوں کے مقابلے میں رکھیں تو ان کا پلہ بھی ہلکا نظر آئے گا، اور جو یہ غلط بیانی کرتا ہے وہ گویا ایک سفید کپڑے کے ایک کالے دھبے کو بڑا کر کے دکھاتا ہے، وہ دوسری قوموں کے جامہ سیاہ کو نہیں دیکھتا جس میں سفیدی چند نقطوں کے برابر ہے، اور اس طرح فیصلہ کر دینا بڑا ظلم اور جہالت ہے۔

رسالت محمدیہ کا اثر بعد کی نسلوں پر:

دعوت نبوی، تعلیمات محمدی اور ان بلند پایہ نمونوں کی تاثیر (جنھیں آپ نے اپنی اور اپنے اصحاب کی سیرت کی شکل میں پیش کیا اور بعد کے آنے والوں کو جن کی اتباع کی تلقین کی تھی) اور آپ ﷺ کی عظیم شخصیت (جو تمام احوال اور تمام ادوار کے لئے کامل مثال، روشن چراغ اور دائمی رہنما رہی ہے) کا اثر اسی عہد تک موقوف نہ تھا جس میں آپ ﷺ مبعوث ہوئے تھے اور نہ اس معاشرے تک محدود تھا، جس نے آپ ﷺ کا مبارک زمانہ پایا اور آپ ﷺ کی صحبت سے استفادہ کیا تھا وہ تو اس نیر اعظم کی طرح تھا جس کی روشنی و گرمی میں کھیتیاں اور پھل ہر زمانے اور ہر جگہ میں پکتے ہیں اور جو اپنی بلندی سے اپنی حسین سنہری اور قوت و حیات سے بھری ہوئی کرنیں دنیا کی طرف بکھیرتا رہتا ہے، جن سے ہر دور و نزدیک کی چیز مستفید ہوتی ہے اللہ تعالیٰ اور آخرت پر ایمان کے لئے آپ کی دعوت اللہ کی نگرانی کا استحضار اس کے غیظ و غضب کا خوف اس کے اجر و ثواب کی طمع جہنم کا ڈر اور جنت کا شوق رسول اللہ ﷺ کی متاع دنیا سے بے رغبتی اور آخرت کی طلب زندگی میں سادگی لوگوں کو اپنے اور اپنی اولاد پر ترجیح بیگانہ کے ساتھ ایثار اور خویش و اقارب پر اس کو مقدم رکھنا اور قریبی اعزاء کو جہاد و مشقت اور قربانی کے موقعوں پر آگے بڑھانا مکارم اخلاق اور ایسے نازک و لطیف احساسات کو فروغ دینا (جنھیں ذکی و ذہین لوگ سوچ بھی سکیں) یہ سب چیزیں ایک عالمگیر ابدی اور ہمہ گیر مدرسہ کی طرح تھیں جس سے یکے بعد دیگرے نئی نسلیں فیض یاب ہوتی رہیں اور علماء و قائدین بادشاہ اور حکام عابد و زاہد اس سے مستفید ہو ہو کر نکلتے رہے سب نے اسی مثالی مدرسہ میں اخلاق انسانیت کے پہلے سبق لئے اور پھر سب پر فائق ہو گئے اور اپنے اخلاق فاضلہ کی بلندی، لطافت

حسن شعور کی ذہانت امانت داری عیش و طرب کا سامان خزانوں کی کنجیاں حکومتوں کی باگ ڈور اور قوموں کا مستقبل اپنے ہاتھ میں رکھنے کے باوجود زہد و کثرت عبادت میں تمام قوموں سے بڑھے ہوئے نظر آتے ہیں۔

اس نبوی تاثیر سے فیض یاب ہونے والوں میں زمان و مکان کے بہت سے فاصلے ہیں لیکن وہ بہر حال ایمان کی کھیتی نبوت کی فصل دعوت اسلامی کا ثمرہ اور رسالت محمدیہ کا کارنامہ ہیں اور ان کی سیرت و اخلاق میں جو چیز حسن نظر آتا ہے وہ نبوت محمدی کی جلوہ سامانیوں کا پرتو ہے اس عقیدہ و سیرت اور اس اخلاق کے حصول میں ان کے والدین ماحول اور ان کی ذہانت کا اس میں کوئی دخل نہیں اس لئے کہ اگر رسول اللہ ﷺ کی دعوت اور تعلیمات اور ان افراد کی رسول اللہ ﷺ سے محبت اور سیرت نبوی کی اتباع کا ذوق اور اسلام کا احسان نہ ہوتا تو وہ عقیدے میں بتوں کے پجاری اور اخلاق میں درندوں اور چوپایوں کی طرح ہوتے نہ توحید ہوتی نہ تقوی ہوتا نہ زہد و ایثار ہوتے نہ عفو و عالی ظرفی نہ لطافت جذبات ہوتی اور نہ حسن اخلاق۔

عالمگیر اور ابدی درسگاہ محمدی کے بعض تلامذہ اور ان کے اخلاق و زندگی کے چند نمونے:

اس مدرسہ کے تلامذہ و فضلاء میں سے ایک شخص کو لیجئے جسے نبوت محمدی نے گہوارۂ اسلام جزیرۃ العرب عہد رسالت سے بہت دور تیار کیا تھا اور نسل و نسب کے اعتبار سے جس کی رگیں عربی خون سے خالی تھیں، وہ سلطان صلاح الدین کردی عجمی ہیں، جن کو صلاح الدین ایوبی کے نام سے تاریخ اسلام جانتی ہے، جو چھٹی صدی ہجری میں ہوئے ہیں۔ (۱) ان کے بارے میں ان کے رفیق اور معتمد خاص (secretry) ابن شداد کہتے ہیں۔

ان کی حکومت میں کیا کچھ نہیں آیا لیکن مرتے وقت ان کے پاس چاندی کے کل ۴۷ ناصری درہم اور ایک سونے کا سکہ نکلا جس کا وزن مجھے نہیں معلوم ہو سکا۔ میں نے انہیں ایک بار بیت المقدس میں وفود کے درمیان دیکھا اور وہ دمشق جانے کی تیاری میں تھے لیکن ان کے خزانے میں ان وفود کو دینے کے لئے کچھ نہ تھا، میں اس سلسلے میں گفتگو کرتا رہا آخر انہوں نے بیت المال کی کچھ چیزیں فروخت کیں اور ان وفود کو دے دیا اور ایک درہم بھی باقی نہیں بچا۔

وہ تنگی کے حال میں بھی اسی طرح داد و دہش سے کام لیتے جس طرح خوش حالی کے وقت فیاضی برتتے تھے، اسی لئے ان کے خزانہ داران سے کچھ چیزیں چھپا کر اہم فوری ضرورتوں کے لئے رکھ لیتے تھے، اس لئے کہ انہیں جب بھی کسی شے کا علم ہو جاتا تو اسے باہر منگا لیتے، ایک گفتگو کے دوران میں نے انہیں یہ کہتے سنا کہ لوگوں میں بعض لوگ ایسے بھی ہو سکتے ہیں، جو مال کو مٹی سمجھتے ہیں؟ گویا یہ ان کا اپنی ہی ذات کی طرف اشارہ تھا، وہ سائل کی توقع سے زیادہ ہی دیتے تھے۔

جب یہ عظیم بادشاہ جو شام کے شمالی حدود سے جنوب میں صحرائے نوبہ تک حکومت کرتا تھا دنیا سے رخصت ہوا تو اس کے خزانے میں اس کے کفن دفن تک کا پیسہ نہ تھا، ابن شداد کا بیان ہے کہ:

''پھر ان کے غسل اور کفن کی تیاری ہونے لگی تو ہمیں اس کا انتظام اس طرح کرنا پڑا کہ معمولی چیزیں بھی قرض سے لینا پڑیں حتیٰ کہ گھاس کے پولے جو قبر میں رکھے جاتے ہیں۔ قرض ہی سے لئے گئے نماز ظہر کے بعد ایک معمولی کپڑے سے ڈھکے ہوئے تابوت میں آپ کا جنازہ لایا گیا، کفن کے تمام کپڑے قاضی فاضل نے مہیا کئے تھے۔

صلاح الدین کا یورپین سیرت نگار لین پول (Stanely Lanpool) اپنی مشہور کتاب صلاح الدین میں لکھتا ہے۔

اگر دنیا کو صلاح الدین کی شرافت و عالی حوصلگی کے اس معاملہ کے سوا اور کچھ نہ معلوم ہو جو اس نے بیت المقدس کی فتح اور اسلام کے لئے اس کی بازیابی کے وقت اپنے مسیحی دشمنوں کے ساتھ کیا تھا تب بھی یہ ثابت کرنے کے لئے بہت کافی ہے کہ اس کے زمانے میں عالی ہمتی، عظمت و شجاعت، اور مردانگی و بسالت میں کوئی آدمی اس سے بڑھا ہوا نہیں تھا، بلکہ اس معاملے میں تو وہ ہر زمانے کے لوگوں میں بھی عظیم تھا۔

یہ محمدی تاثیر، قوت و فیضان اور امکانات سے بھرپور، اور وسعت و ہمہ گیری کے ساتھ تاریخ کے ہر دور میں کارفرما رہی اور ان ملکوں میں جو عالم اسلامی کے دور دراز کناروں پر واقع ہیں، اور نو مسلم قوموں اور افراد میں جو اسلام کے اولین داعیوں سے نسل و زبان اور ثقافت کا کوئی تعلق نہیں رکھتے تھے، اپنے عجائب و غرائب ظاہر کرتی رہی چنانچہ ایسا اکثر ہوا ہے کہ ایسے لوگ

کسی داعی اسلام یا روحانی مرشد کے ہاتھ پر مسلمان ہوئے، اور پھر ان کی اولاد میں بادشاہ یا بادشاہ کی صورت میں زاہد مرتاض اور ولی کامل پیدا ہوئے جن میں خشیت وتقویٰ، عدل وتوازن، ہمدردی وغمخواری، رحم وکرم، احتساب واخلاص نیت، اور صدق وصفا کے وہ نمونے پائے گئے کہ دوسری قوموں کے احبار ورھبان اور پوپ پادریوں میں بھی ایسے نمونے نہیں پائے گئے، ان کے ملوک وسلاطین کا تو سوال ہی نہیں۔

میں یہاں ہندوستان کی طویل اسلامی تاریخ سے (جو ایسے بلند نمونوں سے بھری ہوئی ہے) ایک ہی نمونے پر اکتفاء کروں گا، جس کی جدت وندرت اور تازگی وطرفگی مرور ایام اور اعادۂ تکرار کے باوجود اب تک مدھم نہیں ہوئی ہے، گجرات کے بادشاہ مظفر حلیم (م ۹۳۲ھ) اور اس کے معاصر سلطان محمود خلجی والی مانڈو کے درمیان پرانی رنجش تھی، سلطان خلجی برابر جارحیت سے کام لیکر گجرات پر حملہ آور ہوا کرتا تھا جس کے نتیجے میں سلطان مظفر حلیم کو اپنے ملک کا دفاع اور جوابی حملہ کرنا ہوتا تھا قسمت کی بات کہ محمود پر زوال آیا اور اپنی قوت وشوکت پر ناز کرنے والے اس بادشاہ کو ایک پناہ گزیں کی حیثیت سے اپنے کریم النفس پرانے دشمن سے فریاد رسی اور امداد طلبی کرنی پڑی اس لئے کہ اس کے ملک پر اس کے وزیر منڈلی رائے نے قبضہ کر لیا تھا، سلطان محمود کو سلطان مظفر کے دامن عاطفت اور اسلامی غیرت کے سوا کہیں جائے پناہ نظر نہیں آئی چنانچہ حسب توقع وہ سلطان مظفر کے لطف وکرم، مدد وتعاون کا سزاوار ٹھہرا، یہ معاملہ وہ شخص کبھی نہیں کر سکتا تھا، جو جاہلی عصبیت کا شکار اور مادیت وموقع پرستی کے فلسفہ میں گرفتار ہوتا، سلطان مظفر نے اس موقع سے فائدہ اٹھانے کی کوئی کوشش نہیں کی اور نہ اپنی لاچار اور نہتے دشمن کو کوئی طعنہ دیا بلکہ صرف اللہ کی رضا کے لئے اور نفس وشیطان کے علی الرغم اس موقع کو غنیمت سمجھا، اور اپنے لشکر جرار کے ساتھ مانڈو کی طرف بڑھا اس نے اس حریف سلطنت کے معاملے کو اپنی سلطنت کے معاملے کی طرح، بلکہ اس سے بھی بڑھ کر اہمیت دی اور ایک اسلامی مملکت کی آزادی کی حفاظت اور شوکت اسلام کے اعادہ کے لئے اپنی حکومت اور اس کی حریت وسالمیت کو داؤ پر لگا دیا، ادھر سے کافر فوجیں اور بت پرست طاقتیں بھی اپنے حلیف ملک مانڈو کی مدد کے لئے میدان میں آ گئیں اور ایک خونی وجنونی لڑائی چھڑ گئی جس میں کشتوں کے پشتے لگ گئے اور گلی کوچوں میں خون کی ندیاں بہہ گئیں، بالآخر سلطان مظفر کو فتح اور دشمن کو شکست فاش ہوئی، راجپوت

بادشاہوں کے پرانے طریقے کے مطابق ہندو رانیوں اور بادشاہ کی بیگمات نے جوہر کی پرانی رسم ادا کی اور بالآخر یہ ملک پھر مسلم حکمرانی میں آ گیا۔

یہاں انسانی شرافت اور اسلامی اخلاق کا ایک اور بہترین نمونہ سامنے آتا ہے سلطان مظفر کے بعض فوجی مشیروں نے اسے یہ مشورہ دیا کہ بادشاہ اس زرخیز اور خوبصورت ملک پر قبضہ کر لے، جس کے خوشنما محلات، مضبوط قلعوں، اور بھرے ہوئے خزانوں کی (جو کمزور و مغرور بادشاہ کی حماقت سے خطرہ میں پڑ گئے تھے) ہندوستان میں کوئی مثال نہ تھی، ان کی منطق یہ تھی کہ اب بادشاہ نے اسے از سر نو فتح کیا ہے، اس لئے اب وہ اس کا حقدار ہے، ملک تو قوت و غلبہ کا نتیجہ ہوتے اور شہر فاتح کی ملکیت سمجھے جاتے ہیں۔

سلطان کو جب اس رائے اور فوجیوں کی خواہش کا علم ہوا تو سلطان محمود کو حکم دیا کہ اس کے فوجیوں میں سے کسی کو شہر میں نہ جانے دے، سلطان محمود نے اس سے قلعہ میں چھ ٹھہرنے اور غسل وغیرہ کی دعوت دی لیکن سلطان مظفر نے یہ دعوت شکریہ کے ساتھ نامنظور کر دی اور اپنی فوجوں کو احمد آباد اور اپنے ٹھکانوں پر واپسی کا حکم دیدیا اور محمود خلجی سے کہا کہ میں تو اس ملک میں صرف اللہ کی رضا، اس کے ثواب کی طمع اور اس کے اس حکم پر عمل کرنے آیا تھا کہ.

وان استنصروکم فی الدین فعلیکم النصر

اگر وہ تم سے دین کے بارے میں مدد چاہیں تو تم پر مدد لازم ہے۔

والمسلم اخوالمسلم لایسلمه ولا یخذله

مسلمان مسلمان کا بھائی ہوتا ہے جسے نہ دشمن کے سپرد کرتا ہے اور نہ اسے رسوا کرتا ہے۔

اب میرا یہ مقصد پورا ہو گیا، اور اللہ نے مجھے، آپ کو، اور اسلام کو سرخرو کیا میں نے اپنے ساتھیوں سے ایسی باتیں سنیں جن پر میں عمل کرتا تو میرا عمل رایگاں اور میرا جہاد ضائع ہو جاتا اور اس معاملے میں میرا نہیں بلکہ آپ کا احسان ہے کہ آپ نے اس سعادت کا مجھے موقع دیا، اور اس کا سبب بنے، اب میں اپنے ملک واپس جا رہا ہوں، اس لئے کہ اپنے عمل کو بے قسمت نہیں بنانا چاہتا، اور نہ نیکی کے ساتھ بدی کو ملانا چاہتا ہوں، بادشاہ کے یہ کہتے ہی اس کی فوج ظفر موج حرکت میں آ گئی شہسواروں نے احمد آباد کی طرف عنان عزیمت موڑ دی، اور ایک مثال قائم کرتے ہوئے اپنے ملک کو لوٹ گئے۔

مظفر کے "مانڈو" فتح کرنے اور فاتحانہ اور باعزت داخلہ کے وقت محمود نے اپنے دوست مظفر کو سیر کرانے اور اس ملک کے خزانوں اور عجائبات دکھانے کے لئے ساتھ لے لیا، یہاں کی ہر چیز تعجب خیز اور حیرت انگیز تھی، شہر مانڈو حسن و سرسبزی، ثروت و امارت، خوش جمال باندیوں اور عورتوں کا ایک مینا بازار تھا لیکن سلطان مظفر سر جھکائے نظریں نیچی کئے ہوئے اور اس مال و جمال کی طرف سے اپنی آنکھیں بند کئے ہوئے تھا محمود نے اپنے اس شرمیلے دوست سے چشم و خدم اور جواری اور کنیزوں کے درمیان سے گزرتے ہوئے (جو فاتح کے استقبال کے لئے کھڑی مسکرا رہی تھیں) کہا کہ جناب عالی کیا بات ہے؟ آپ نہ نظر اٹھاتے ہیں نہ اس منظر کو دیکھتے ہیں؟ سلطان مظفر نے کہا کہ محمود!

میرے لئے یہ جائز نہیں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

قل للمؤمنين يغضوا من ابصارهم

مومنوں سے کہئے کہ اپنی نگاہیں نیچی رکھیں۔

محمود نے کہا کہ وہ میری باندیاں ہیں، اور میں آپ کا غلام ہوں جسے آپ نے اپنے احسان سے بندۂ بے دام بنالیا ہے، اس لئے وہ دوسرے طریقہ پر بھی آپ کی باندی اور غلام ہیں لیکن مظفر کو یہ نکتہ مطمئن نہیں کر سکا، اس کا یقین تھا کہ اللہ نے جسے حرام کیا ہے اسے کوئی حلال نہیں کر سکتا۔

اس طرح زاہد و متقی بادشاہ نے اپنی شرافت اپنے باطن اور روح کی عفت، اسلام سے شدت تاثر، اور بلند اسلامی اخلاق کا نمونہ قائم کر دیا جن کی محبت اس کی گھٹی میں پڑی تھی اور جن پر وہ زندگی بھر کار بند رہا، بادشاہ کا اسلامی نسب دو تین واسطوں کے بعد ہندی نژاد غیر مسلم خاندانوں، اور ٹانک برادری کے پشتوں میں کھو جاتا ہے، جن کا ایک فرد مشرف بہ اسلام ہو کر اس عظیم سلطنت کا بانی ہوا تھا، اور اسلامی مورخ کو اس کے دادا کے بعد اسلامی نام نہیں ملتے جو فیروز تغلق کے وقت میں آٹھویں صدی ہجری میں مسلمان ہوا تھا اور اس کے بعد ہندوستانی نام آنے لگتے ہیں جن کی اصلیت و مفہوم کا پتہ نہیں چلتا، سلطان مظفر نے یہ شرافت اور تقوی، درسگاہ محمدی ہی سے سیکھا تھا جس کا وہ مخلص و مخلص شاگرد تھا، اور جو اسلام کی نعمت اور محمد رسول اللہ ﷺ کے فضل و احسان کا قدرداں اور اس دین سے پوری دلچسپی اور احترام کے ساتھ متعلق تھا۔

اس دائمی ومبارک مدرسہ کی ہر زمانے اور ہر قوم میں کارگزاری:

حضرات سامعین! اس بابرکت اور مردم خیز مدرسے نے کتنے فرزند شرق وغرب اور عرب وعجم قرون اولیٰ ووسطیٰ اور عہد حاضر میں پھیلے ہوئے، اور ان عظیم فرزندوں کے کتنے کارنامے اور فتوحات، اور فضائل ومحاسن، انسانی زندگی کے ہر گوشے میں بکھرے ہوئے ہیں۔

اس مدرسہ کی تربیت کی تاثیر اور اس کے بانی کا فیض کبھی طارق کی شجاعت، محمد بن قاسم کی بسالت اور موسیٰ بن نصیر کی ہمت کے پردے میں چمکا، کبھی امام ابوحنیفہ وامام شافعی کی ذکاوت وذہانت کی شکل میں ظاہر ہوا، کبھی امام مالک وامام احمد بن حنبل کی صلابت واستقامت کے پیکر میں آشکارا ہوا کبھی نورالدین زنگی کے لطف وکرم میں جلوہ گر ہوا کبھی صلاح الدین کے عزم محکم اور سعی پیہم سے ہویدا ہوا کبھی امام غزالی کا جوہر کمال بن کر سامنے آیا، اور کبھی شیخ عبدالقادر جیلانی کا تقدس وروحانیت بن کر دلوں کا مداوا بنا، کبھی ابن جوزی کی تاثیر بنا کبھی محمد فاتح کی شمشیر بنا کبھی محمود غزنوی کی مہم جوئی اور کبھی حضرت نظام الدین اولیاء کی رقت وشفقت ثابت ہوا، کبھی فیروز شاہ خلجی کی بلند طبعی میں صورت پذیر ہوا کبھی ابن تیمیہ کے تبحر علمی میں، کبھی شیر شاہ سوری کے حسن تدبیر کی شکل میں سامنے آیا اور کبھی اورنگزیب عالمگیر کے آہنی عزم کی ہیئت میں، کبھی شرف الدین یحییٰ منیریؒ کے معارف وحکم میں نمایاں ہوا، اور کبھی مجدد الف ثانی کے آثار قلم وقدم میں، کبھی شیخ محمد بن عبدالوہاب کی دعوت بن کر ابھرا اور کبھی شاہ ولی اللہ کی حکمت بن کر، اور کبھی ان کے بعد کے آنے والے داعی ومصلحین اور علمائے ربانی کی خدمات بن کر۔

ان تمام عبقریتوں، اور ان کی علمی وعملی خدمات کا سلسلہ نسب ونسبت اس مدرسہ اور اس کی تربیت اور اس نئے اور خوش آئند عہد پر منتہی ہوتا ہے، جو محمد ﷺ کی بعثت سے شروع ہوا جس میں انسانیت کے افضل ترین امکانات کو ابھرنے اور سرگرم ہونے کا موقع ملا اور جس میں ان صلاحیتوں سے فائدہ اٹھانے اور کام لینے والے افراد ملنے لگے، یہ مدرسہ زمانے کی چیرہ دستی اور لوگوں کی نا آشنائی کے باوجود تاریخ میں بے مثال افراد پیدا کرتا رہا اور خدا کے حکم سے اپنے مفید اثرات وثمرات سے انسانیت کی جھولی بھرتا رہا ہے، وہ اپنے ان مخلص قائدین اور ربانی علماء کے ذریعہ انسانیت کی خبر گیری اور دادرسی کرتا رہا ہے جن کے بارے میں قرآن

ہیں جب کہ:

اذلة على المومنين اعزة على الكافرين يجاهدون في سبيل الله ولايخافون لومة لآئم

وہ مومنوں کے سامنے نرم اور کافروں کے مقابل سخت ہیں اللہ کے راستے میں جہاد کرتے ہیں اور کسی ملامت کرنے والے کی ملامت کی پرواہ نہیں کرتے۔

اور زبان غیب یہ صدا لگاتی ہے کہ:

فان يكفر بها هولاء فقد وكلنا بها قوما ليسوا بها بكافرين

تو اگر یہ لوگ اس کا انکار اور اس نعمت کی ناشکری کریں گے تو ہم نے اس کے لئے ایسی قوم مقرر کر رکھی ہے۔ جو منکر اور کافر نعمت نہیں۔

وما علينا الا البلاغ المبين

ہدایت کے امام اور انسانیت کے قائد

خودساختہ رہنماؤں کا انسانیت کے ساتھ مذاق

الحمدللہ نحمدہ ونستعینہ ونستغفرہ ونعوذ باللہ من شرور انفسنا ومن سیئات اعمالنا من یہدہ اللہ فلا مضل لہ ومن یضللہ فلا ہادی لہ ونشہد ان لا الہ الا اللہ ونشہد ان محمدا عبدہ ورسولہ الذی ارسلہ اللہ تعالی الی کافۃ الناس بشیرا ونذیرا وداعیا الی اللہ باذنہ وسراجا منیرا ○

نوع انسانی اپنی طویل تاریخ میں ہمیشہ خود ساختہ رہنماؤں اور برسر اقتدار شخصیتوں کا کھیل اور مذاق، اور قانون سازوں اور حکماء کے تجربات کا نشانہ بنتی رہی ہے ایسے لوگوں نے اپنے ابنائے جنس اور اپنے ہی جیسے انسانوں کے ساتھ وہی سلوک کیا جو ایک بچہ کاغذ کے کسی پرزے کے ساتھ کرتا ہے، بچہ کبھی کاغذ کو لپیٹتا، کبھی پھیلاتا کبھی کھولتا کبھی بند کرتا اور جب جی چاہے پھاڑتا اور جلاڈالتا ہے۔

ان کے لئے انسانی زندگی، اس کی ترقی کے امکانات اور اس کے وسیع مضمرات کی کوئی قیمت نہ تھی اللہ تعالیٰ نے انسان میں اطاعت اور فرمانبرداری کی جو صلاحیت ودیعت فرمائی ہے، اور قائدین پر اعتماد اور جاں نثاری کی جو صفت رکھی ہے، اس کے سلسلے میں انہوں نے نہ خداترسی سے کام لیا، نہ حق وانصاف کے تقاضے پورے کئے، نہ کسی تعلق اور ذمہ داری کا لحاظ کیا اور اسے انہوں نے اپنی خواہش ومنشا کا آلہ کار اور قیادت وسیادت اور اعزاض کا ذریعہ بنالیا، ان قائدین کی کوتاہ نظری، خطا کاری وگمراہی، اور غلط فہمی وغلط بیانی نفس پرستی وبوالہوسی، انفرادی واجتماعی انانیت قومی ووطنی عصبیت نے بدقسمت انسان کے سر پر طویل بدبختی اور مصیبت لا دی ہے،

انہوں نے اپنے اخلاص، بصیرت، خلائق دوستی اور احترام انسانیت کے بارے میں مستقل شبہات پیدا کر دیئے اور اس بات کی اب کوئی ضمانت نہیں رہی کہ انسانیت ان کے زیر سایہ پھل پھول سکتی ہے۔ تاریخ انسانی ان المیوں اور رسوائیوں اور ایک ساتھ ہنسانے اور رلانے والے واقعات سے بھری ہوئی ہے اور مشرق و مغرب میں آج بھی بہت سی قومیں انہیں طالع آزما تم ظریف قائدین کے رحم و کرم پر زندگی گزار رہی ہیں، جو اس سے کھیلتے، اسے گیند کی طرح لڑھکاتے اور اس پر ہر روز نئے نئے تجربے کرتے رہتے ہیں، اور پھر خود ہی ان تجربات کی غلطی و ناکامی کا اعتراف بھی کرتے ہیں اور کبھی ان سے اقتدار حاصل کرنے والا اور ان کا جانشین انہیں رسوا کرتا اور ان کے کرتوتوں سے پردہ اٹھاتا ہے، اور کبھی انہیں تاریخ محفوظ کر دیتی اور آنے والی نسلیں ان سے واقف ہو جاتی ہیں۔

غلطیوں سے پاک انبیاء علیہ السلام کی ضرورت:

ان ناکام تجربوں اور غلط نتائج کی زد سے عقائد و ایمانیات بھی محفوظ نہیں رہے جن پر حسن انجام، دنیا کی سعادت اور آخرت کی نجات کا دار و مدار ہے، اور جو صحیح اخلاق، صالح تہذیب، بندے کو خدا سے ملانے والی عبادات، اور شریعتوں کی تشکیل و تکمیل کرتے ہیں، اور جن میں کسی غلطی کی تلافی بہت مشکل بلکہ ناممکن ہوتی ہے، اس لئے ایسے قائدین کی ضرورت پیدا ہوئی جو امانت دار، گمراہیوں اور غلطیوں سے پاک، ہر لالچ اور نفع اندوزی اور مادی معاوضہ کی خواہش سے بری ہوں، جو خواہشات سے مغلوب اور جذبات سے متاثر نہ ہوتے ہوں، جو اپنی رائے اور ناقص معلومات، محدود تجربوں اور ذاتی مصلحتوں کے ماتحت کوئی فیصلہ نہ کرتے ہوں اور جب ان سے کبھی کوئی اجتہادی غلطی ہو جائے تو اللہ تعالیٰ کی تنبیہ کے بعد وہ ان غلطیوں پر قائم اور مصر نہ رہتے ہوں۔

امانت داری اور اخلاص:

اسی لئے آپ دیکھیں گے کہ ہر مبعوث ہونے والا نبی اپنی امت کو اپنی امانت داری اور اخلاص و بے غرضی کا پورا یقین دلاتا ہے، سورہ شعراء میں ایک ایک نبی کی زبان سے جو وضاحت

فرمائی گئی ہے اور جو یقین دلایا گیا ہے، اسے پڑھئے۔

(۱). كذبت قوم نوح المرسلين اذ قال لهم اخو هم نوح الا تتقون. ، انى لكم رسول امين. فاتقو ا الله و اطيعون. وما اسئلكم عليه من اجر ان اجرى الا على رب العالمين

قوم نوح نے بھی پیغمبروں کو جھٹلایا جب ان سے ان کے بھائی نوح نے کہا کہ تم ڈرتے کیوں نہیں، میں تو تمہارا امانت دار پیغمبر ہوں تو خدا سے ڈرو اور میرا کہا مانو اور اس کام کا تم سے کچھ صلہ نہیں مانگتا میرا صلہ تو رب العالمین ہی پر ہے۔

۲. كذبت عاد ن المرسلين. اذ قال لهم اخوهم هودا لا تتقون. انى لكم رسول امين. فاتقو الله و اطيعون. وما اسئلكم عليه من اجر ان اجرى الا علىٰ رب العلمين.

عاد نے بھی رسولوں کو جھٹلایا جب ان سے ان کے بھائی ہود علیہ سلام نے کہا کیا تم ڈرتے نہیں میں تو تمہارا امانت دار پیغمبر ہوں، کیوں نہیں؟ میں تمہارے لئے ایک امانت دار رسول ہوں تو خدا سے ڈرو اور میری بات مانو۔ اور میں اس خدمت کا تم سے کوئی معاوضہ نہیں چاہتا، میرا معاوضہ تو جہانوں کے پروردگار کے پاس ہے۔

(۳). كذبت ثمود ن المرسلين. اذ قال لهم اخوهم صالح الا تتقون. انى لكم رسول آمين. فاتقو الله و اطيعون. وما اسئلكم عليه من آجر ان اجرى الا على رب العلمين.

قوم ثمود نے رسولوں کو جھٹلایا جب ان سے ان کے بھائی صالح نے کہا کہ تم ڈرتے کیوں نہیں؟ میں تمہارے لئے ایک امانت دار رسول ہوں تو خدا سے ڈرو اور میری بات مانو اور میں اس خدمت کا تم سے کوئی معاوضہ نہیں چاہتا میرا معاوضہ تو جہانوں کے پروردگار کے پاس ہے۔

(۴). كذبت قوم لوط ن المرسلين. اذ قال لهم اخو هم لوط الا تتقون. انى لكم رسول آمين فاتقوا الله و اطيعون. وما اسئلكم عليه من اجران اجرى الا علىٰ رب العلمين.

قوم لوط نے رسولوں کی تکذیب کی جب ان سے ان کے بھائی لوط نے کہا کہ تم تقویٰ

کیوں نہیں اختیار کرتے، میں تمہارے لئے ایک امانت دار رسول ہوں تو تم اللہ سے ڈرو اور میرا کہا مانو اور میں تم سے اپنے اس کام کا کوئی معاوضہ نہیں مانگتا میرا معاوضہ تو جہانوں کے پالن ہار ہی کے ذمہ ہے۔

(۵). كذبت اصحاب الايكته المرسلين اذ قال لهم شعيب الا تتقون انى لكم رسول آمين فاتقوا الله واطيعون. وما اسئلكم عليه من اجران اجرى الا على رب العلمين

ایکہ والوں نے رسولوں کی تکذیب کی جب ان سے شعیب علیہ السلام کہا تم ڈرتے کیوں نہیں میں تمہارے لئے ایک امانت شعار رسول ہوں تو اللہ سے ڈرو اور میری باتیں مانو اور میں تم سے اس کام کا کوئی معاوضہ نہیں چاہتا میرا اجر تو جہانوں کے پالنے والے پر ہے۔

یہ مقصد کی وحدت جو مختلف امتوں اور مختلف زمانوں کے انبیاء کے بارے میں مشترک ہے اپنے اندر بڑے عمیق معنی رکھتی ہے، لفظ امانۃ ایسا جامع لفظ ہے، جو صداقت وحی خداوندی و صحت کے ساتھ قبول کرنے، صحت کے ساتھ امت تک پہنچانے کے معانی پر مشتمل اور رسالت و نبوت کے انعام کا رکن اساسی ہے، عربی زبان میں اس مقصد کے لئے اس سے بڑھ کر کوئی اور جامع و بلیغ لفظ نہیں۔

یہ حکمت الٰہی کا تقاضا تھا کہ رسول عربی صلے اللہ علیہ وسلم نے نبوت سے پہلے ہی اس صفت کے ساتھ شہرت پائی، اور مکہ کے امیوں کے دل میں خود بخود یہ بات آگئی کہ وہ آنحضرت کو صادق و امین کے معزز لقب سے پکاریں۔

اسی طرح اخلاص، بے غرضی، ہر قسم کی لالچ اور ہر قسم کے شخصی یا اولاد و اقارب کو حاصل ہونے والے نفع سے پرہیز انبیاءؑ کا شعار ہے۔ اور یہ فطرت سلیم اور عقل مستقیم کا تقاضا ہے کہ ایسے بے غرض و خیر خواہ داعیوں سے محبت کرے اسی لئے حضرت صالح علیہ السلام نے افسوس و تعجب سے کہا تھا۔

یاقوم لقد ابلغتكم رسالة ربى و نصحت لكم ولكن لا تحبون الناصحين.

اے قوم میں نے تم تک اپنے رب کا پیغام پہنچا دیا اور تمہاری خیر خواہی کرتا رہا لیکن اس کا کیا علاج کہ تم خیر خواہوں کو پسند نہیں کرتے۔

اور اس فرستادہ نے کہا جو شہر کے کنارے سے آیا تھا۔

یاقوم اتبعوا المرسلین اتبعوا من لا یسئلکم اجرا و هم مهتدون

اے قوم رسولوں کی اتباع کرو ان کی اتباع کرو جو تم سے کوئی معاوضہ نہیں چاہتے اور وہ ہدایت یافتہ ہیں۔

اسی معنی کی وضاحت حضرت موسیٰ علیہ السلام فرعون کے سامنے کی تھی۔

وقال موسیٰ یا فرعون انی رسول من رب العلمین حقیق علیٰ ان لا اقول علی اللہ الا الحق قد جئتکم ببینۃ من ربکم فارسل معی بنی اسرائیل .

موسیٰ نے کہا اے فرعون میں رب العالمین کا رسول ہوں (اس لئے) میرے لئے یہ ضروری ہے کہ میں خدا کے بارے میں حق ہی کہوں میں تمہارے پاس تمہارے رب کی طرف سے کھلی دلیل لے کر آیا ہوں اس لئے میرے ساتھ بنی اسرائیل کو بھیج دو۔

امت کے لئے تحفظ اور ضمانت:

انبیاءؑ کی عصمت، امانت، اور بے لوثی ان کی امتوں کے مذاہب و عقائد کی حفاظت و دیانت کی ضمانت اور غیر قوموں کی لائی ہوئی آزمائشوں کے مقابلہ میں ایک پناہ گاہ ثابت ہوئی جس کے سبب وہ شبہات میں مبتلا ہونے اور انبیاءؑ کے کارناموں اور ان کے نتائج کے بارے میں شک و حیرت سے بچ گئے۔

عصمت انبیاءؑ کی حقیقت:

حکیم الاسلام حضرت شاہ ولی اللہ دہلویؒ (متوفی ۱۱۷۶ھ) اپنی بے نظیر کتاب حجۃ اللہ البالغہ میں ہادیان طریقت و بانیان ملت یعنی انبیاءؑ کے ضروری صفات کا ذکر کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں۔

''پھر اس دنیا میں نبی کے لئے ضروری ہے کہ وہ بر سر عام یہ ثابت کرے کہ وہ نبوت کا رمز

آشنا ہے اور وہ جو تعلیم دے رہا ہے، اس میں غلطی اور گمراہی سے پاک ہے، اور اس سے بھی بری ہے کہ اصلاحی کام کا کچھ حصہ لے لے اور کچھ ضروری حصہ ترک کر دے جس کی دو صورتیں ہیں، ایک یہ کہ وہ نبی اپنے سے سابق نبی کا راوی ہو جس کے کمال وعصمت پر وہ متفق ہوں اور یہ روایت اس قوم میں محفوظ ہو، تو اس طرح سے وہ نبی اپنی قوم کے معتقدات پر مواخذہ کر سکتا ان پر حجت قائم اور انہیں لاجواب کر سکتا ہے کہ وہ جو کچھ کہہ رہا ہے ان کے متفق علیہ نبی ہی کی طرف سے کہہ رہا ہے۔

بہر حال لوگوں کے لئے ایک معصوم اور متفق علیہ شخص کی ضرورت ہے، جو ان میں موجود ہو یا جس کی روایت محفوظ ہو اور ایمان والقیا داس کی تفصیلات اور منافع اور اسی طرح گناہوں اور انکے نقصانات کا علم دلیل و برہان اور اس دنیاوی عقل کے ذریعہ (جس سے روزمرہ کی زندگی کا کام چلایا جاتا ہے) اور حواس سے نہیں ہوتا بلکہ ان امور کی حقیقت، وجدان ہی پر کھلتی ہے، جیسے بھوک، پیاس، گرم یا ٹھنڈی دواؤں کا ادراک وجدان ہی سے ہوتا ہے ویسے ہی روح کی موافق اور ناموافق چیز کا علم ذوق سلیم سے ہوتا ہے۔

اور انبیاءؑ کا خطا سے معصوم ہونا اللہ تعالیٰ کے دیئے ہوئے ضروری علم ویقین کی وجہ سے ہوتا ہے جس کے سبب نبی سمجھتا ہے کہ وہ خدا کی طرف سے جو چیز پا رہا ہے، اور سمجھ رہا ہے، وہ حقیقت کے عین مطابق ہے اور اسے ایسا یقین ہوتا ہے گویا کوئی حقائق کو اپنی آنکھوں سے دیکھ رہا ہے اور دیکھتے وقت اپنی آنکھوں کو غلط بیں نہیں سمجھ رہا ہے یا نبی کا علم کسی ماہر زبان کے کسی لفظ کے متعین معنی کو سمجھنے سے مشابہ ہوتا ہے مثلاً ایک عرب کو کبھی یہ شک نہیں ہوگا کہ لفظ ''ماء'' پانی کے لئے بنا ہے، اور لفظ ''ارض'' زمین کے لئے حالانکہ اس سلسلے میں نہ اس کے پاس کوئی دلیل ہوتی ہے، نہ لفظ ومعنی میں کوئی عقلی لزوم ہی ہوتا ہے، اس کے باوجود اسے یہ علم ضروری حاصل ہوتا ہے اور اکثر حقائق کے بارے میں نبی کو ایک فطری بلکہ حاصل ہو جاتا ہے جس کے ذریعہ اسے ہمیشہ صحیح طریقے سے علم وجدانی حاصل ہوتا ہے اور اسے اپنے وجدانی تجربے کی صداقت کا مشاہدہ اکثر ہوتا رہتا ہے۔

اور لوگوں کو اس کی عصمت کا یقین نبی کی عقلی اور خطابی دلیلوں سے ہوتا ہے کہ اس کی دعوت اور اس کی سیرت ایسی صالح ہے، جہاں کذب کا گذر نہیں اور کبھی اس کے خدا کے قریب

ہونے کا بھی مشاہدہ انہیں معجزات اور اس کی دعاؤں کی مقبولیت سے ہو جاتا ہے، یہ اس لئے ہوتا ہے تاکہ انہیں نبی کی عظیم دعوت کی عظمت کا احساس ہو جائے اور وہ یہ جان لیں کہ وہ ملائکہ سے رابطہ رکھنے والے نفوس قدسیہ میں سے ہے، اور یہ کہ اس جیسا شخص اللہ کے بارے میں جھوٹ نہیں گڑھ سکتا، اور نہ کوئی گناہ کر سکتا ہے، پھر اس کے بعد کچھ باتوں سے اور اعتماد پیدا ہوتا ہے اور وہ انہیں اور قریب لے آتی ہیں اور نبی کو قوم کے مال واولاد اور پیاسے کے لئے پانی سے زیادہ عزیز بنا دیتی ہیں۔

اور یہ سب باتیں وہ ہیں جن کے بغیر کوئی امت کسی نبی کے مخصوص رنگ میں نہیں رنگ سکتی، اسی لئے ان جیسی عبادتوں میں مشغول اشخاص ایسے سے تعلق پیدا کرتے ہیں جس میں یہ باتیں پاتے ہیں۔

انبیاء اطاعت کے حقدار ہوتے ہیں:

وہ مبارک جماعت جس کی عصمت اور صحت علم کی یہ شان اور جس کی امانت واخلاص اور بے غرضی کا یہ مقام ہو، اور اسے اللہ تعالےٰ نے اعتدال وسلامت روی کے ایسے قالب میں ڈھالا ہو اور اس کی تعلیم وتربیت کا بہترین انتظام کیا ہو ولتصنع عینی۲۔ (تاکہ تو میرے سامنے تیار کیا جائے (**انا اخلصنا هم بخالصة ذكرى الدار و انهم عندنا لمن المصطفين الا خيار** (انہیں ہم نے اپنے گھر کے ذکر کے لئے مخصوص کر دیا اور وہ ہمارے نزدیک برگزیدہ اور پسندیدہ لوگوں میں تھے) جس کے بارے میں یہ کہا گیا ہو وہ عقل ذوق ومنطق ہر لحاظ سے طاعت واقتداء، اور تقلید واتباع کی مستحق ہے، اسی لئے اللہ تعالیٰ نے انبیاء اور ان کی صلاحیت وہدایت اور اہل دنیا کے مقابلے پر فضیلت کتاب، سلطنت اور نبوت دیئے جانے کا ذکر کرنے کے بعد کہا۔

اولئک الذین هدی الله فبهدا هم اقتده .

یہی وہ ہیں جنہیں اللہ نے ہدایت دی ہے تو آپ ان کی سیرت کی اتباع کیجئے۔

لطف وعنایت کے سزاوار:

انبیاء علیہم السلام مورد عنایات الٰہی اور مرکز الطاف وتوجہات ہوتے ہیں، ان کے اخلاق و عادات، اور ان کی زندگی کے طور طریق سب خدا کی نظر میں محبوب، زندگی کے طریقوں سے ان کا طریقہ حیات لوگوں کے اخلاق میں ان کا اخلاق، اور لوگوں کی گوناگوں عادتوں میں ان کی عادتیں اللہ کے نزدیک پسندیدہ بن جاتی ہیں۔

ایک منزل کو مختلف راستے جاتے ہیں وہ سب راستے ایک ہی جگہ پہنچتے ہیں لیکن انبیاء جس راستہ کو اختیار کرتے ہیں وہ رستہ خدا کے یہاں محبوب بن جاتا ہے اور اس کو دوسرے راستوں پر ترجیح حاصل ہو جاتی ہے صرف اس وجہ سے کہ انبیاءؑ کے قدم اس راستہ پر پڑے ہیں، (۱) ان کی تمام پسندیدہ چیزوں اور شعائر اور ان سے نسبت رکھنے والی چیزوں سے اللہ کی محبت و پسندیدگی متعلق ہو جاتی ہے، اور ان کی تقلید واتباع اور ان کے شعائر اور خصوصیات کو اپنانا اور ان جیسا اخلاق پیدا کرنا، اللہ کی محبت کو پانے کا مضبوط طریقہ اور قریب وآسان راستہ ہو جاتا ہے، اور جو ان کی اتباع کرتا اور ان جیسا بنتا ہے، وہ خدا کے محبوں ہی میں نہیں بلکہ محبوبوں میں ہو جاتا ہے، اس لئے کہ دوست کا دوست، دوست اور دشمن کا دوست دشمن سمجھا جاتا ہے، یہ سنن وعادات الٰہیہ میں سے ہے، جو زمان ومکان کے انقلابات سے بدلتے نہیں، اور جن کی دعوت علانیہ دی گئی ہے، چنانچہ خاتم النبیین صلے اللہ علیہ وسلم کی زبان سے کہلایا گیا۔

قل ان کنتم تحبون اللہ فاتبعونی یحببکم اللہ ویغفر لکم ذنو بکم واللہ غفور رحیم.

کہہ دیجئے کہ اگر تم خدا سے محبت کرتے ہو تو میری اتباع کرو، خدا تم سے محبت کرے گا اور تمہارے حق میں تمہارے گناہ معاف کردے گا اور اللہ بڑا ہی بخشنے والا اور غیر معمولی رحمت والا ہے۔

---

(۱) کسی شاعر نے اس مضمون کو رسول اللہ کو خطاب کر کے بڑے خوبی سے ادا کیا ہے: سرسبز سبزہ ہو جو ترا پائمال ہو ٹھہرے تو جس شجر کے تلے وہ نہال ہو۔

اس کے برعکس ظالموں اور کافروں کی طرف میلان اور ان کے طریقوں کی ترجیح اور ان کی مشابہت اللہ کی غیرت کو حرکت میں لانے والی اور اس سے بندے کو دور کرنے والی بتائی گئی۔

ولا ترکنوا الی الذین ظلموا فتمسکم النار ومالکم من دون اللہ من اولیاء ثم لا تنصرون.

اور ظالموں کی طرف ذرا نہ جھکنا کہ تمہیں آگ کا عذاب پکڑ لے اور خدا کے سوا تمہارا کوئی دوست نہ ہو اور تمہاری مدد نہ کی جا سکے۔

بعض عادات واطوار کی فضیلت کا راز اور شعائر اللہ کی حقیقت:

ان پیغمبرانہ عادات واطوار کا نام شریعت کی زبان میں خصال فطرۃ (فطری عادتیں) اور "سنن الہدی" (ہدایت کے طریقے) ہے جس کی شریعت حمایت کرتی اور لوگوں کو انہیں اپنانے کے لئے آمادہ کرتی ہے۔ یہ تمام اخلاق وعادات لوگوں کو انبیاء کے رنگ میں رنگتے ہیں، جن کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے کہا ہے۔

صبغۃ اللہ ومن احسن من اللہ صبغتہ ونحن لہ عابدون

یہ اللہ کا رنگ ہے اور اللہ کے رنگ سے بڑھ کر کون رنگ ہو سکتا ہے اور ہم اس کے عبادت گذار ہیں۔

اور اللہ تعالیٰ کی ایک عادت کو دوسری عادت، ایک اخلاق کو دوسرے اخلاق، ایک طور وطریق کو دوسرے طور طریق پر ترجیح دینے کا یہ راز ہے، اور یہی وہ راز ہے جسے شریعت اسلامی اہل ایمان کا شعار بتاتی ہے، اور اسے فطرت کے مطابق طریقہ اور اس کے خلاف طریقوں کو انحراف اور جاہلوں اور کم عقلوں اور کافروں کا شعار کہتی ہے، ان دونوں میں یہی فرق ہے کہ ایک انبیا، ان کی پسندیدہ عادات کی نقل اور دوسرا اہل کفر، جاہلی عادات اور شیطان اور اس کے مقلدوں کی مشابہت وشعار ہے۔

اور اس اصل کے تحت کھانے پینے، لباس وزینت، رہنے سہنے اور تمدن کے بہت سے مبادی آ جاتے ہیں، اور یہ سنت نبوی وفقہ اسلامی کا ایک وسیع باب ہے۔

داہنے ہاتھ کو بائیں پر کیوں فضیلت ہے، اور اچھے کام: کھانا پینا، اور کسی اہم چیز کا لینا اور

دینا اور ہر عزت کی چیز اسی سے کیوں متعلق ہے، اور بایاں ہاتھ استنجا، اور دوسری ذلیل چیزوں کے لئے کیوں مخصوص ہے؟ حالانکہ دونوں انسان ہی کے ہاتھ ہیں، اور دونوں ہی خدا کی مخلوق اور اس کی صنعت ہیں، اور بہت سی جاہل قومیں اور انبیاء کی تعلیم و تربیت سے بے خبر امتیں دونوں کے درمیان کوئی فرق نہیں کرتیں اور نہ اس وضع کی پابند ہیں بلکہ ایک کو دوسرے کے کام کے لئے استعمال کرتی رہتی ہیں۔

اس کا سبب اس کے سوا کوئی اور نہیں کہ انبیاءؑ عام طور پر اور رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم خاص طور پر ایسا خدائی الہام کے ماتحت یا اپنی فطرت سلیم کے تقاضے سے کرتے تھے جو ہمیشہ خدا کے پسندیدہ اخلاق و عادات کے مطابق اور ان سے ہم آہنگ ہوتی ہے اور داہنے سے شروع کرنا اور اسے ترجیح دینا قابل تعریف اور فطرت سلیم کے مطابق، اور اسلامی تہذیب کی خصوصیت کیوں ہے؟ یہ اسی لئے ہے کہ یہ انبیاءؑ اور رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی سنت تھی چنانچہ حضرت عائشہؓ سے مروی ہے کہ نبی صلے اللہ علیہ وسلم کو حتی الامکان اپنے تمام کاموں میں داہنے سے شروع کرنا پسند تھا، وضو کرنے یا صفائی میں اور کنگھی کرنے اور جوتا پہننے میں۔

کان النبی صلی اللہ علیہ وسلم یحب التیامن ما استطاع شانہ کلہ فی طھورہ وترجلہ وتنعلہ.

نبی اکرم صلے اللہ علیہ وسلم حتی الامکان ہر کام میں داہنی جانب سے شروع کرنے کو پسند کرتے تھے، یہاں تک کہ طہارت کنگھی کرنے اور جوتا پہنے میں بھی۔

اسی پر طہارت اور ان تمام فطری عادتوں کو قیاس کیا جا سکتا ہے جو حدیث میں سیدنا ابراہیمؑ کی طرف منسوب کی گئی ہیں۔

انبیاءؑ ایک خاص تہذیب و طرز حیات کے بانی:

انبیاءؑ نے صرف عقیدہ و شریعت اور صرف ایک نئے دین۔۔اسلام۔۔ہی کی دعوت نہیں دی بلکہ وہ تہذیب و تمدن، اور نئے طرز حیات کے بھی بانی ہوتے ہیں جو ربانی تہذیب کہلانے کی مستحق ہوتی ہے، اس تہذیب کے کچھ مخصوص اصول و ارکان اور شعائر و علامات ہیں، جن کے ذریعہ وہ دوسری تہذیبوں اور جاہلی تمدنوں سے نمایاں طور سے ممتاز ہو جاتی ہے یہ امتیاز

روح اور اصل واساس میں بھی نمایاں ہوتا ہے اور تفصیلات ومظاہر میں بھی۔

ابراہیمی محمدی تہذیب:

حضرت ابراہیم خلیل اللہ اس خدا پرست تہذیب کے بانی وامام تھے جس کی بنیادیں خدا کی توحید اس پر ایمان اور اس کے ذکر، فطرت مستقیم اور قلب سلیم اللہ تعالیٰ کے لحاظ وتقویٰ نوع انسانی پر رحم اور ذوق سلیم پر رکھی گئی ہیں۔

ابراہیمی اخلاق وطرز حیات اس تہذیب کی رگ وپے میں سرایت کئے ہوئے ہیں۔

جس کے بارے میں کہا گیا ہے۔

ان ابراهيم لحليم اواه منيب

ابراہیم بڑا شریف وحلیم، نرم دل اور خدا سے رجوع کرنے والا تھا۔

ان ابراهيم لا واه حليم

ابراہیم یقیناً بڑا نرم دل، اور بڑا شریف وبردبار تھا۔

حضرت ابراہیمؑ ایک طرف اس تہذیب کے بانی وموسس تھے، اور دوسری طرف جناب رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم جوان کے نسلی وارث بھی تھے، اس تہذیب کے مجدد اور مکمل تھے، جنہوں نے اس تہذیب میں از سر نو جان ڈال دی اور اس میں بقائے دوام کا رنگ پیدا کر دیا، اور اس کے اصول وارکان اس طرح مضبوط کئے کہ اسے ایک دائمی اور عالمگیر تہذیب کی شکل دے گئے۔

اس تہذیب کی خصوصیات وامتیازات:

یہ ابراہیمی محمدی تہذیب شرک وبت پرستی سے قطعاً نا آشنا ہے، اور اسے کسی رنگ میں اور کسی مقام اور زمانے میں اپنانے کے لئے تیار نہیں، چنانچہ حضرت ابراہیمؑ کی ایک بڑی دعا اور ان کی آرزو یہ تھی کہ:

واجنبني وبنى ان نعبد الا صنام

اور اے خدا مجھے اور میری اولاد کو اس سے بچا کہ ہم بتوں کو پوجنے لگیں اور ان کی خاص

وصیت اور امتوں اور افراد کو یہ دعوت تھی کہ۔

فاجتنبوا الرجس من الاوثان واجتنبوا قول الزور حنفآء لله غير مشركين

گندگی یعنی بتوں سے بچتے رہو اور جھوٹ کہنے سے بچو، خدا کے لئے خالص و مخلص ہوکر اور اس کے ساتھ کسی کو شریک کئے ہوئے بغیر۔

یہ تہذیب حظ نفس اور خواہشات نفسانی پر ٹوٹ پڑنے، دنیا کی بے مایہ و حقیر سامان پر ریجھنے، اور مادہ کے مردار پر کتوں کی طرح غرانے اور جھگڑنے، اور عہدوں اور حکومتوں کے لئے لڑنے مرنے کا نام نہیں جانتی، یہ تو وہ دعوت ہے جس کا عقیدہ یہ ہے کہ:

تلك الدار الاٰخرة نجعلها للذين لايريدون علوا فى الارض ولا فسادا. والعاقبة للمتقين.

یہ آخرت کا گھر ہے جسے ہم انہیں کو دیتے ہیں جو زمین میں بڑا بننے کی کوشش نہیں کرتے اور نہ فساد مچاتے ہیں اور انجام بخیر تو متقیوں ہی کا ہوتا ہے۔

یہ تہذیب انسان، انسان میں فرق کرنا نہیں جانتی اور نہ رنگ و نسل و وطن کا بھید بھاؤ پیدا کرتی ہے۔

فالناس كلهم آدم و آدم من تراب لافضل لعربى على عجمى ولا لعجمى على عربى الا بالتقوىٰ يايها الناس انا خلقنكم من ذكر و انثىٰ وجعلنكم شعوبا وقبآئل لتعارفوا ان اكرمكم عندالله اتقاكم.

سب لوگ آدم کی اولاد ہیں آدم مٹی کے بنے تھے، عربی کو عجمی پر اور عجمی کو عربی پر فضیلت نہیں مگر تقویٰ کے لحاظ سے۔ اے لوگو ہم نے تمہیں ایک مرد و عورت سے پیدا کیا اور تمہیں گروہوں اور قبیلوں میں بانٹا کہ ایک دوسرے کو پہچانو تم میں سے خدا کے نزدیک معزز تم میں کا متقی شخص ہے۔

۱۔ حضرت خاتم المرسلین ﷺ نے فرمایا۔

ليس منا من دعاء الى عصبية وليس منا من قاتل على عصبيته وليس منامن مات على عصبية.

وہ ہم میں سے نہیں جس نے جاہلی جتھابندی کی دعوت دی، اور جو جاہلی جتھابندی کے لئے لڑا اور جو جاہلی جتھابندی کے پیچھے مرا۔

اور انصار و مہاجرین کی دہائی دینے والوں کو سرزنش فرمائی۔

دعوھا فانھا منتنة .

اس عصبیت کو ترک کردو یہ گندی اور مردار ہے

یہ وہ تہذیب ہے جس کا شعار او رطغرائے امتیاز عقائد کے دائرہ میں توحید معاشرت کے میدان میں مساوات انسانی اور احترام آدمیت، اخلاق کے بارے میں خدا کا خوف، اس سے حیا، اور تواضع وانکسار ہے، میدان عمل میں آخرت کی جدوجہد اور اللہ کے راستے میں جہاد، میدان جنگ میں رحم کا جذبہ اور حدود کی پابندی اس کی خصوصیت ہے،

یہ تہذیب حکومت کے طور وطریق اور نظم ونسق میں مالی مفاد پر دینی مفاد کو تحصیل وصول اور اضافہ آمدنی پر ہدایت کو نفع اٹھانے سے زیادہ نفع پہنچانے، خدمت لینے سے زیادہ خدمت کرنے کے اصول کو ترجیح دیتی ہے، یہ تہذیب تاریخ میں اپنی مخلصانہ انسانی خدمت اور انسانیت کو جاہلیت کے چنگل اور سرکش وگمراہ دعوتوں سے نجات دلانے اور صفحہ عالم پر اپنی دلکشا یادگاروں اور اپنی پھیلائی ہوئی برکتوں کے لئے نیک نام اور زندہ جاوید ہے۔

یہ تہذیب اللہ کے نام اور اس کے ذکر وفکر کے خمیر سے تیار ہوئی ہے، اور خدائی رنگ میں رنگی ہوئی اور ایمان کی بنیادوں پر تعمیر ہوئی ہے، اس لئے اسے اس کے دینی رنگ سے جدا کرنا کسی طرح ممکن نہیں اور نہ ربانی رنگ اور ایمانی آہنگ سے اس کی علیحدگی ممکن ہے۔

انبیاءؑ کی اطاعت وتقلید پر قرآن کا زور:

قرآن مجید جگہ جگہ انبیاء کی اتباع، ان کی سیرت کو اپنانے اور ان کے طرز پر زندگی گزارنے اور حتی الامکان ان کی مشابہت اختیار کرنے پر زور دیتا اور کہتا ہے۔

لقد کان لکم فی رسول اللہ اسوة حسنة لمن کان یرجوا اللہ والیوم الاخر وذکر اللہ کثیرا.

بے شک تمہارے لئے رسول اللہ کی ذات میں بہترین نمونہ عمل ہے، اس شخص کے لئے

جو اللہ اور یوم آخرت سے پر امید ہے، اور اللہ کو کثرت سے یاد کرتا ہے۔

وہ مسلمانوں کو ہدایت کرتا ہے کہ وہ برابر دعا مانگتے رہیں کہ:

اھدنا الصراط المستقیم، صراط الذین انعمت علیھم غیر المغضوب علیھم ولا الضالین

اے خدا ہمیں سیدھی راہ دکھا، ان لوگوں کی راہ جن پر تو نے انعام کیا ہے نہ کہ ان کی راہ جو تیرے مغضوب ہیں اور نہ گمراہوں کی راہ۔

اور اس میں کوئی شک نہیں کہ خدا کے انعام سے سرفراز بندوں کے سرگردہ انبیاء اور رسول ہی ہیں، اس دعا کو نماز میں بھی شامل کر دیا گیا جب بھی انسان اس دعا کے قوانین کی پیروی اور ان انعام یافتہ بندوں کی سیرت وصورت میں مشابہت کرے گا تو خدا سے قریب اور اس کے نزدیک معزز ہوگا۔

انبیاءؑ کا احترام اور ان سے محبت:

قرآن انبیاء کے لئے اس اعزاز واحترام اور توقیر واکرام کا طالب ہے جو قلب کی گہرائیوں کی پیداوار ہو، اور ان سے جذباتی لگاؤ اور محبت پیدا کرنا چاہتا ہے، اور صرف ان کی اس اطاعت پر راضی نہیں جو جذبات، محبت اور تعظیم سے خالی ہو جیسے کہ رعایا کا بادشاہ کے ساتھ اور دوسرے فوجی وسیاسی لیڈروں کے عوام کا ایک رسمی تعلق ہوتا ہے، قرآن مومن سے زکوٰۃ وصدقات سے محض فرائض کی ادائیگی اور احکام کی ضابطہ کی تعمیل کو کافی نہیں بلکہ اس کا مطالبہ یہ بھی ہے۔

لتؤمنو باللہ ورسو لہ و تعزروہ وتوقروہ

اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لاؤ اس کی مدد کرو اور اس کی عزت وتعظیم کرو۔

فالذین امنوا بہ وعزروہ

جو اس رسول پر ایمان لائے اور جنہوں نے اس کی مدد کی۔

اس لئے اس نے ہر اس چیز کا حکم دیا جس میں ان کی عزت وحرمت کی حفاظت ہوتی ہو، اور ہر اس چیز سے منع کیا جس سے ان کی بے ادبی ہوتی ہو، اور جس سے ان کی عزت مجروح، ان

کی شان گھٹتی، اوران بڑائی کم ہوتی ہو۔

یآیھا الذین امنوا لاترفعو امواتکم فوق صوت النبی ولاتجھر وا له بالقول کجھر بعضکم لبعض ان تجط اعمالکم وانتم لاتشعر ون O ان الذین یغضون اصواتھم عند رسول الله اولئک الذین امتحن الله قلوبھم للتقوی لھم مغفر ة واجر عظیم .

اے ایمان والو اپنی آوازیں نبی کی آواز کے مقابلے پر بلند نہ کرو اور نہ اسے اس طرح پکارو جیسے ایک دوسرے کو پکارتے ہو مبادا تمہارے اعمال ضائع ہو جائیں اور تمہیں خبر بھی نہ ہو۔ جو لوگ رسول اللہ کی مجلس میں اپنی آوازیں پست رکھتے ہیں وہی وہ ہیں جن کے دل اللہ نے تقویٰ کے لئے پرکھ لئے ہیں انہیں کے لئے مغفرت اور بڑا ثواب ہے۔

لاتجعلو دعآء الرسو ل بینکم کدعآء بعضکم بعضاً .

اپنے درمیان رسول کے بلانے کو ایک دوسرے کے بلانے کی طرح مت بناؤ۔

اسی لئے نبی کی وفات کے بعد امت پر ان کی ازواج حرام کر دی گئیں۔

وما کان لکم ان تؤذوا رسول الله ولا ان تنکحوا ازواجه من بعده ابدا ان ذالکم کان عند الله عظیما

تمہیں اس کی اجازت نہیں کہ تم رسول اللہ کو تکلیف دو اور نہ یہ کہ تم ان کی بیویوں سے اس کے بعد نکاح کرو یہ بات خدا کے نزدیک بہت ہی اہم ہے۔

اس کے علاوہ بہت سے صریح نصوص میں رسول کی محبت اور اپنی جان مال اور آل واولاد کے مقابلے پر ترجیح کا مطالبہ کیا گیا ہے، صحیحین میں ہے۔

لا یؤمن أحدکم حتی اکون أحب الیه من والده وولده والناس اجمعین .

تم میں سے کوئی مومن نہیں ہو سکتا جب تک کہ میں اس کے لئے اس کے باپ اس کے لڑکے اور تمام لوگوں کے مقابلے پر زیادہ محبوب نہ ہو جاؤں۔

طبرانی معجم کبیر اور راوسط میں ''من نفسه'' کے الفاظ کا اضافہ ہے، یعنی اپنی جان سے بھی زیادہ محبوب ہوں۔

اور اسی طرح فرمایا گیا۔

ثلاث من کن فیہ وجد بھن حلاوۃ الایمان من کان اللہ ورسولہ أحب ألیہ مما سواھما الخ

جس میں تین باتیں ہوں وہ ایمان کی حلاوت پا سکا ہے، ایک وہ جس کے لئے اللہ اور اس کا رسول اوروں سے بڑھ کر محبوب ہوں۔

جذبہ محبت کی تاثیر اور طاعتِ رسول ﷺ میں صحابہؓ کی فنائیت کا راز:

رسول ﷺ کی مخلصانہ اور مکمل اطاعت، نبوی اخلاق کو اپنانا، شریعت کو خواہشات نفس اور رسم ورواج وعادات پر ترجیح دینا، اور دعوت اسلامی کی راہ میں جانی ومالی فداکاری، بغیر اس دلی محبت کے جو دل کی گہرائیوں میں موجود ہو اور انسان کے عقل ودل ونگاہ پر محیط ومستولی ہو ممکن نہیں، اسی لئے فرمایا گیا۔

قل ان کان اباؤکم وابناؤکم واخوانکم و ازواجکم وعشیرتکم واموال اقترفتموھا وتجارۃ تخشون کسادھا ومساکن ترضونھا احب الیکم من اللہ ورسولہ وجھاد فی سبیلہ فتربصوا حتی یاتی اللہ بامرہ واللہ لایھدی القوم الفسقین.

آپ ﷺ کہہ دیجئے کہ اگر تمہارے باپ اور بیٹے، اور بھائی بیویاں اور خاندان اور اپنا جمع کردہ مال، اور وہ تجارت جس کی کساد بازاری سے ڈرتے ہو اور وہ گھر جنہیں پسند کرتے ہو اللہ اس کے رسول اور اس کے راستے میں جہاد سے زیادہ عزیز ہے تو انتظار کرو کہ خدا اپنا فیصلہ لائے اور خدا فاسق قوم کو ہدایت نہیں دیتا۔

اسی لئے صحابہ کرامؓ رسول ﷺ کی اطاعت کے حریص، اس کی طرف لپکنے والے اس میں نشاط محسوس کرنے والے اور اس پر صبر کرنے والے تھے، اور اسی لئے انہیں اس باب میں ہمیشہ سبقت وخصوصیت حاصل رہے گی، حضرت صدیق اکبرؓ ایسے ہی لوگوں میں تھے، ان کے لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات گرامی اپنی جان سے زیادہ عزیز تھی، اور آپ کی صحت وزندگی کو اپنی صحت زندگی پر ترجیح دیتے تھے، چنانچہ عتبہ بن ربیعہ نے ان کے چہرے پر پھٹے ہوئے جو

توں سے پیہم ضربیں لگائیں اور سینے پر سوار ہو کر اسقدر زدوکوب کیا کہ چہرے کے اعضاء وخد وخال کی تمیز مشکل ہوگئی ان کے قبیلہ بنو تیم کے لوگ اس حال میں انہیں ایک کپڑے میں ڈال کر اٹھالائے ان کی موت میں کسی کو شبہ نہ تھا۔ مگر جب دن چھپے انہیں ہوش آیا تو سب سے پہلے یہی پوچھا کہ رسول اللہ خیریت سے ہیں؟ اور جب انہیں اطمینان دلایا گیا کہ آپ بخیریت ہیں، تب بھی انہیں اطمینان نہ ہوا اور انہوں نے کہا۔

ان اللہ علی ان لااذوق طعاماً ولا اشرب شرابا او اتی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم.

مجھے خدا کی قسم ہے کہ میں اس وقت تک کھانے پانی کو ہاتھ نہ لگاؤں جب تک کہ رسول خداؐ کے دیدار سے اپنی آنکھیں روشن نہ کرلوں۔

ایسے ہی جانثاروں اور عاشقوں میں وہ انصاری خاتون تھی جس کو غزوۂ احد کے موقع پر اس کے قریب تین عزیزوں، باپ، بھائی اور شوہر کی شہادت کی خبر دی جاتی رہی مگر اس نے ان سب کو نظر انداز کرکے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خیریت پوچھی اور لوگوں نے آپ کی خیریت بتائی تو اس نے زیارت کے بعد کہا کل مصیبة بعدک جلل ۔ آپ ﷺ کے ہوتے ہوئے ہر مصیبت ہیچ ہے۔

ایسے ہی فدائیوں میں عبداللہ بن عبداللہ بن ابی تھے، جنہوں نے اپنے والد کو یہ کہتے سنا کہ اگر ہم مدینہ لوٹے تو معزز، ذلیل کو نکال دے گا، وہ مدینہ کے دروازے پر باپ کے مقابلے پر تلوار لے کر کھڑے ہوگئے اور کہا کہ کیا تم ہی نے ایسا کہا تھا؟ بخدا تمہیں ابھی معلوم ہو جائے گا کہ عزت تمہارے لئے ہے یا رسول اللہ ﷺ کے لئے تم مدینہ کے سائے میں اللہ اور اس کے رسول کی اجازت کے بغیر جا نہیں سکتے چنانچہ انہوں نے اس وقت تک اجازت نہیں دی جب تک رسول اللہ ﷺ نے اسے آنے کی اجازت نہ دے دی۔

یہ اسی جذبے کا نتیجہ تھا کہ وہ اپنی جانیں اور اپنے سر ہتھیلی پر لے کر نکلے اور زندگی انہیں گراں لگنے لگی اعزا اور وطن کو چھوڑنا اور اللہ کے رستے میں شہادت خوشگوار ہوگئی، اور اسی وجہ سے وہ غزوہ بدر کے موقع پر یہ کہہ سکے کہ:

ان امرنا تبع لامرک فو اللہ لئن سرت حتی تبلغ البرک من غمدان

لنسیرن معک واللہ لئن استعرضت بنا ھذا الجر خضناہ معک

ہمارا معاملہ آپ کے حکم کے تابع ہے، بخدا اگر آپ ﷺ برک غمدان تک چلیں تو ہم آپ کے ساتھ چلیں گے اور بخدا اگر آپ ﷺ فرمائیں گے تو ہم اس سمندر میں آپ ﷺ کے ساتھ کود پڑیں گے۔

عالم اسلامی میں محبت کے فقدان کا نتیجہ اور زندگی پر اس کا اثر:

آج عالم اسلامی میں شریعت پر عمل کوتاہی اور طاعات سے غفلت اور نفس پر ہر گراں گزرنے والی چیز سے وحشت اور نبی ﷺ کی سنتوں کے معاملے میں نئے تعلیم یافتہ طبقہ کی غفلت، سب اسی عظمت رسول ﷺ کا احساس نہ ہونے کا نتیجہ ہے جس پر قرآن زور دیتا ہے، اس کے ساتھ ہی رسول ﷺ سے محبت کی کمی کو بھی اس میں بہت دخل ہے، یہ وہی جذبہ ہے، جو پہلے اور اب بھی حیرت انگیز قوت کا سرچشمہ، اور تاریخ میں عجائبات ومعجزات کے لئے مشہور رہا ہے، اور اس جذبہ کی کمی عقل، عزم، نظام کی بڑی سے بڑی مقدار سے بھی پوری نہیں ہوسکتی اور یہ ایسا نقصان ہے جس کی تلافی کسی طرح ممکن نہیں۔

نبی ﷺ کی اطاعت ومحبت ہی میں قوم کی فلاح ہے:

امتوں کی تقدیریں، ان میں بھیجے گئے رسولوں کی اتباع وانقیاد، ان کے جھنڈے تلے جمع ہونے، ان کی سیرت کو اپنانے اور عزت وذلت ہر حالت میں ان کی رکاب سے وابستہ رہنے سے متعلق ہوتی ہیں چنانچہ کوئی امت تمام طاقتوں عقل ووسائل کے ساتھ زمانے، تہذیب، فلسفوں اور حالات وحوادث کے تمام ترقیوں کے باوجود کامیاب نہیں ہوسکتی، جب تک کہ وہ نبی ﷺ کی اتباع، اس سے محبت اور اس کی دعوت کے لئے ہر حال میں جدوجہد نہ کرے، اور جو امت بھی اس طریقے سے ہٹ کر عزت، سیادت، اور قوت واہمیت کے حصول کے لئے اپنی دانشمندانہ سیاست یا کسی بڑی طاقت کی پشت پناہ پر بھروسہ کرتی ہے، تو اس کا انجام ذلت ونا کامی داخلی انتشار اور دیر سویر رسوائی کے سوا کچھ نہیں۔

عالم اسلام اور ممالک عربیہ کے حوادث اور اسباب:

عالم اسلام عام طور پر اور عرب دنیا خاص طور پر اس حقیقت کے بہترین گواہیں ان ممالک میں جب نبی امی کی اتباع گراں گذرنے لگی اور سیاسی لیڈروں کے مطالبات میں نبی ﷺ کے مطالبات سے زیادہ دلچسپی بڑھ گئی اور نبی ﷺ کی طرف نسبت سے اور ان کی غلامی کو شرف سمجھنے سے ان کو گریز ہونے لگا اور نبی ﷺ کے دین ان کے احکام اور ان کی تہذیب سے ہٹ کر ان کے اکثر ممالک قومیت و وطنیت اشتراکیت اور دوسرے جدید فلسفوں کو اپنانے لگے تو کوئی کامیابی نہ حاصل کر سکے اور نہ اپنا کوئی مسئلہ حل کر سکے بلاکسی معذرت کے ممالک عربیہ کی مثال پیش کروں، وہ اپنی وحدت کو پارہ پارہ کر چکے ہیں وہ ایک فلسطین کا مسئلہ اتنی طویل مدت میں بھی نہ حل کر سکے اور عالم اسلامی یا عالم انسانی کی صف میں کوئی باعزت مقام بھی نہیں حاصل کر سکے ہر دن ان کے لئے نئی مشکل اور نیا مسئلہ لے کر ہی آتا ہے۔ امیر المومنین حضرت عمرؓ نے شام میں اپنے عرب ساتھیوں سے سچ کہا تھا، (جو بڑے صحابہ اور فتوحات اسلامی کے قائد تھے، اور جنہوں نے انہیں ایک بڑی حکومت کے سربراہ کی شان اختیار کرنے کو کہا تھا) **انکم کنتم اذل الناس فعزکم اللہ بالاسلام فمهما تطلبوا العز بغیرہ یذلکم اللہ.** (۱) تم سب سے زیادہ ذلیل لوگ تھے پھر اللہ نے تمہیں اسلام کے ذریعہ عزت دی تو جب بھی تم اسلام کے بغیر عزت چاہو گے تو خدا تمہیں ذلیل کر دے گا۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

مثالی رہنما امت کی ضرورت

نحمدہ ونصلی علی رسولہ الکریم امابعد ٥فاعوذ باللہ من الشیطان الرجیم٥ بسم اللہ الرحمن الرحیم ٥

حضرات محترم! جن باتوں کی طویل انسانی تاریخ اور علم النفس اور علم الاخلاق پوری تائید کرتے ہیں ان میں سے ایک بات یہ بھی ہے کہ بلند ترین مقاصد، شریفانہ تعلیمات، اور عمل کے اعلیٰ ترین نمونے اس وقت تک قائم نہیں ہو سکتے اور اگر قائم ہو بھی جائیں تو دائم و باقی نہیں رہ سکتے، جب تک کہ ان کی پشت پر ایک انسانی جماعت (بلکہ صحیح الفاظ میں ایک ایسی امت) نہ ہو، جو اس دعوت و تحریک کی علمبردار، اس کے راستے میں جدوجہد کرنے والی اور اس کا عملی نمونہ ہو۔

اسی لئے ہم دیکھتے ہیں کہ بعض انبیاء علیہم السلام (چہ جائیکہ مصلحین و معلمین اخلاق اور حکمائے کبار) کی تعلیمات بھی اس وجہ سے زیادہ عرصہ تک باقی نہیں رہیں کہ ان کے پیچھے کوئی امت نہ تھی، جو ان کے پیغام کی ذمہ داری سنبھالتی، اس راستہ میں جاں نثاری کرتی اور اپنی زندگی، اپنے تمدن اور حکومت و معاشرہ کے ذریعہ ان کا عملی نمونہ پیش کرتی، نتیجہ یہ ہوا کہ جن علاقوں میں وہ بھیجے گئے تھے، وہاں کی زندگی ایک ایسے آب رواں کی طرح بن کر رہ گئی، جس کی سطح ایک ہوتی ہے اور وہ اقوام و قبائل جانوروں کے اس ریوڑ کی طرح ہو گئے، جن کا کوئی نگراں و نگہبان نہ ہو۔

منتخب و مامور امت:

جب اللہ تعالیٰ نے یہ فیصلہ فرمایا کہ محمد ﷺ آخری رسول اور خاتم النبیین ہوں، اور آپ کے بعد نہ کوئی اور نبی آئے اور نہ کوئی اور کتاب نازل ہو، تو اس طرح اللہ تعالیٰ نے انسانیت کو اس خطرہ سے محفوظ کر دیا اور محمد ﷺ کے ساتھ ساتھ ایک پوری امت کو بھی مبعوث کیا، گویا بعثت

محمدیہ دہری بعثت تھی، جس میں نبی کی بعثت امت کی بعثت کے ساتھ شامل تھی، چنانچہ اللہ تعالیٰ نے اس امت کی ایسی تعریف کی ہے (جو نبوت کے بغیر) کسی مبعوث اور مامور من اللہ ہی کی ہو سکتی ہے۔

کنتم خیر امة اخرجت للناس تامرون بالمعروف وتنهون عن المنكر وتومنون بالله.

تم لوگ بہترین جماعت ہو جو لوگوں کے لئے پیدا کی گئی ہے، تم بھلائی کا حکم دیتے ہو، اور برائی سے روکتے ہو اور اللہ پر ایمان لاتے ہو۔

دوسری جگہ ارشاد ہوا:

وكذالك جعلناكم امة وسطاً لتكونوا شهدآء على الناس ويكون الرسول عليكم شهيداً

اور اسی طرح ہم نے تمہیں ایک امت عادل بنادیا ہے تاکہ تم گواہ رہو لوگوں پر اور رسول گواہ رہیں تم پر۔

حدیث نبوی ﷺ میں بھی اسی طرح کے الفاظ آئے ہیں، جن میں نبی کریم ﷺ نے صحابہ کرامؓ کی ایک جماعت سے فرمایا:

انما بعثتم میسرین ولم تبعثوا معسرین. (صحیح بخاری)

تم آسانی پیدا کرنے والے بنا کر بھیجے گئے ہو نہ کہ تنگی پیدا کرنے والے۔

بعثت و دعوت کی ذمہ داری اور اپنی ماموریت و مسئولیت کا یہ شعور و احساس صحابہ کرامؓ، تابعین عظامؒ کے دلوں میں اس وقت بھی موجزن تھا، جب ایرانی قائد جنگ رستم نے سیدنا ربعی بن عامر سے۔ (جنہیں سیدنا سعد بن ابی وقاص نے رستم کی طلب پر اپنا سفیر بنا کر بھیجا تھا) یہ پوچھا کہ تمہارے یہاں آنے کا محرک و مقصد کیا ہے؟ تو انہوں نے یہ مومنانہ اور داعیانہ جواب دیا کہ:

الله ابتعثنا لنخرج من شاء من عبادة العباد الى عبادة الله وحده، ومن ضيق الدنيا الى سعتها، ومن جور الاديان الى عدل الاسلام۔

(البدایہ والنہایہ۔ ۷۔ ۳۹)

اللہ تعالیٰ نے ہمیں اس لئے بھیجا ہے کہ ہم جس کو وہ چاہے بندوں کی بندگی سے نکال کر ایک خدا کی بندگی پر آمادہ کریں اور دنیا کی تنگی سے اس کی وسعت کی طرف اور مذاہب کے ظلم سے بچا کر اسلام کے سایہ عدل میں لائیں۔

تمدن ومعاشرہ کی سطح پر صالح انقلاب کی ضرورت!

اس نقطہ نظر نے انسانیت کے مستقبل کو بیحد متاثر کیا، اور یہ لوگوں کے لئے مذاہب وتحریکات اور رجحانات کی تاریخ میں ایک نئے تجربے کی حیثیت رکھتا تھا، جس نے تاریخ میں ایک انقلاب برپا کردیا، اس لئے کہ چھٹی صدی مسیحی عالمی صورت حال (جو تقریباً ہر زمانہ میں رہی ہے) ایسی نہ تھی کہ اس پر چند صالح افراد اثر انداز ہوتے، چنانچہ قرآن مجید خدائی غضب کے شکار یہودیوں کے درمیان بھی کچھ صالح افراد کی موجودگی کی گواہی دیتا ہے۔

لیسوا سو آء من اهل الکتاب امة قائمة یتلون آیت اللہ انا ء الیل وهم یسجدون. یؤمنون باللہ والیوم الاخر ویامرون بالمعروف وینهون عن المنکر ویسار عون فی الخیرت واو لئک من الصا لحین.(آل عمران. ۱۳. ۱۱۴)

سب (اہل کتاب) یکساں نہیں (ان ہی) اہل کتاب میں ایک جماعت قائم ہے یہ لوگ اللہ کی آیتوں کو اوقات شب میں پڑھتے ہیں اور سجدہ کرتے ہیں، یہ اللہ اور قیامت کے دن پر ایمان رکھتے ہیں، اور بھلائی کا حکم دیتے ہیں اور بدی سے روکتے ہیں، اور اچھی باتوں کی طرف دوڑتے ہیں یہی لوگ نیکوکاروں میں سے ہیں۔

مگر ان صالح افراد کا انسانی معاشرہ اور انسانی عمل پر کوئی اثر نہ تھا، کیونکہ وہ صرف چند افراد تھے، اور قومیں افراد کو خاطر میں نہیں لاتیں، چنانچہ ہر دور و دیار میں ایسے صالح افراد رہے ہیں، اور اب بھی ہیں، جو اپنے کچھ اعمال واخلاق اور عبادات میں دوسرے لوگوں سے ممتاز ہوتے ہیں، لیکن جو خلاء اور مسئلہ قوموں اور نسلوں وتمدن ومعاشرہ کی سطح پر ہو وہ اس وقت تک پر نہیں ہو سکتا، جب تک کہ وہ خیر وصلاح اسوہ حسنہ اور عملی نمونہ بھی امت اور انسانی معاشرے کی سطح کا نہ ہو جو بلندترین نبوی تعلیمات، شریفانہ اصول واخلاق، اور مثالی انفرادی واجتماعی عمل کی نمائندگی حکومت وسیاست، تجارت ومعاملات انفرادی واجتماعی زندگی، افراد اور جماعتوں کے

ساتھ برتاؤ اور قوموں اور حکومتوں کے ساتھ معاملات رضامندی و ناراضگی، صلح و جنگ، فقر و غنا، ہر حالت اور ہر صورت میں کرتا ہو اور اس امت و جماعت کی عام علامت اور ممتاز خصوصیت نہ بن چکا ہو۔ صحابہ کرام اور وہ مبارک لوگ جنہوں نے گہوارہ نبوت میں پرورش اور مدرسہ ایمان و قرآن میں تربیت پائی تھی، انہی مذکورہ علامات و خصوصیات کے مالک تھے۔

ایک انصاف پسند اور تاریخ عام سے واقف مغربی اہل علم نے اس طبقہ کی بڑی کامیاب تصویر پیش کی ہے، اور ان کی نمایاں و مشترک خصوصیت کی طرف اشارہ کیا ہے، جو نبوت کا باغ تازہ اور قرآن کی فصل بہار کہلانے کا مستحق ہے، جرمن فضل کائتانی۔ (caetani) اپنی کتاب ''سنین اسلام'' میں لکھتا ہے:۔

'' یہ لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اخلاقی وراثت کے سچے نمائندے، مستقبل میں اسلام کے مبلغ، اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے خدا رسیدہ لوگوں تک جو تعلیمات پہنچائی تھیں، ان کے امین تھے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مسلسل قربت اور ان سے محبت نے ان لوگوں کو فکر و جذبات کے ایک ایسے عالم میں پہنچا دیا تھا، جس سے اعلیٰ اور متمدن ماحول کسی نے دیکھا نہیں تھا۔

درحقیقت ان لوگوں میں ہر لحاظ سے بہترین تغیر ہوا تھا اور بعد میں انہوں نے جنگ کے مواقع پر مشکل ترین حالات میں اس بات کی شہادت پیش کی کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے افکار کی تخم ریزی زرخیز زمین میں کی گئی تھی، جس سے بہترین صلاحیتوں کے انسان وجود میں آئے، یہ لوگ مقدس صحیفہ کے امین اور اس کے حافظ تھے، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے جو لفظ یا حکم انہیں پہونچا تھا، اس کے زبردست محافظ تھے۔

یہ تھے اسلام کے قابل احترام پیش رو جنہوں نے مسلم سوسائٹی کے اولین فقہاء، علماء اور محدثین کو جنم دیا۔

احتساب کائنات!

امت اسلامیہ پر عالمی نگرانی، اخلاق و رجحانات انفرادی و بین الاقوامی طرز عمل کے احتساب، انصاف کے قیام، شہادت حق، امر معروف و نہی منکر کی ذمہ داری ڈالی گئی ہے اور اس

کو قیامت کے دن اس ذمہ داری کی ادائیگی میں کوتاہی پر جواب دہ بنایا گیا ہے:۔

یآیھا الذین امنوا کونو قوامین للہ شھداء بالقسط ولا یجرمنکم شنان قوم علی الاَ تعدلوا اعدلوا ھو اقرب للتقوی واتقوا اللہ ان اللہ خبیر بما تعملون. (المائدہ۔۸)

اے ایمان والو! اللہ کے لئے پوری پابندی کرنے والے اور عدل کے ساتھ شہادت دینے والے رہو اور کسی جماعت کی دشمنی تمہیں اس پر نہ آمادہ کرے کہ تم (اس کے ساتھ) انصاف ہی نہ کرو، انصاف کرتے رہو (کہ) وہ تقوی سے بہت قریب ہے اور اللہ سے ڈرتے رہو، بے شک اللہ کو اس کی (پوری) خبر ہے کہ تم کیا کرتے رہتے ہو۔

اور اس امت کو اپنے فرائض کی ادائیگی میں کوتاہی پر تنبیہ کی گئی ہے، جس کے نتیجے میں انسانیت مصیبت و مشکل میں پھنس سکتی ہے۔ اور روئے زمین پر فتنہ وفساد اور انارکی پھیل سکتی ہے، چنانچہ اس چھوٹے سے انسانی مجموعہ کو (جو مدینہ کی ابتدائی زندگی میں تھا، اور جس کی تعداد چند سو سے زائد نہیں تھی) مخاطب کرتے ہوئے اور اسے دعوت وعقیدہ کی بنیاد پر اسلامی اخوت قائم کرنے کی تاکید کرتے ہوئے فرمایا گیا:۔

الا تفعلوہ تکن فتنۃ فی الارض وفساد کبیر (الانفال ۷۳)

اگر یہ نہ کرو گے تو زمین میں بڑا فتنہ اور بڑا فساد پھیل جائے گا۔

پھر کیا آج کی ملت اسلامیہ اس کی مخاطب نہیں، جس سے معمورہ عالم آباد ہے، اور جو بڑی بڑی حکومتیں اور افرادی طاقت رکھتی ہے؟ جب وہ اپنے قائدانہ دواعیانہ منصب ومقام کو خالی چھوڑ دے گی اور اپنی اجتماعی ذمہ داری (اخلاقی نگرانی اور رجحانات کے احتساب مظلوم کی حمایت اور ظالم کی مذمت وسرزنش) سے منہ موڑ لے گی تو دنیا پر اس بڑی کوتاہی اور خطرناک غلطی کا کیسا برا اثر پڑے گا۔

قرآن اس امت کو اس کے داعیانہ وقائدانہ مقام، اصلاح کی ذمہ داری اور امر بالمعروف ونہی عن المنکر کی مسؤلیت کی یاد گذشتہ اقوام کا حوالہ دیتے ہوئے اور اس کے شعور و احساس کو بیدار کرتے ہوئے یاد دلاتا ہے:۔

فلولا کان من القرون من قبلکم اولو بقیۃ ینھون عن الفساد فی الارض

الا قليلا ممن انجينا منهم واتبع الذين ظلموا ما اترفوا فيه وكانوا مجرمين.
پس کاش تمہارے پیشتر کی امتوں سے ایسے باشعور لوگ ہوتے جو منع کرتے ملک میں فساد (پھیلانے) سے بجز چند لوگوں کے جن کو ہم نے ان میں سے بچالیا تھا اور جو لوگ (اپنی جانوں پر) ظلم کرنے والے تھے، وہ جس ناز و نعمت میں تھے، اسی کے پیچھے پڑے رہے اور (عادی) مجرم ہو گئے۔

شاعر اسلام ڈاکٹر محمد اقبال نے اس حقیقت کو اپنی نظم "ابلیس کی مجلس شوریٰ" میں بڑی خوبی سے پیش کیا ہے، اور صدر مجلس ابلیس کی زبان سے اس خطرہ کی نشان دہی کی ہے، جو مسلمانوں کے وجود، ان کی بیداری اور ان کی عالمی ذمہ داری سے ابلیسی نظام کو لاحق ہے۔ چنانچہ ابلیس اپنے مشیروں سے کہتا ہے:

توڑ ڈالیں جس کی تکبیریں طلسم شش جہات
ہو نہ روشن اس خدا اندیش کی تاریک رات
تم اسے بیگانہ رکھو عالم کردار سے
تا بساط زندگی پر اس کے سب مہرے ہوں مات
خیر اسی میں ہے قیامت تک رہے مومن غلام
چھوڑ کر اوروں کی خاطر یہ جہان بے ثبات
ہے وہی شعر و تصوف اس کے حق میں خوب تر
جو چھپا دے اس کی آنکھوں سے تماشائے حیات
ہر نفس ڈرتا ہوں اس امت کی بیداری سے میں
ہے حقیقت جس کے دیں کی احتساب کائنات

امت کی مسلسل ذمہ داری و نگرانی!

اس نقطہ نظر سے یہ بات لازمی ہو جاتی ہے کہ انسانی تمدن میں تاثیری عمل جاری رہے، اور وقفہ وقفہ سے اس کا از سر نو جائزہ لیا جاتا رہے، اور تخریبی اور شر پسند عناصر اور فاسد و مہلک رجحانات سے برابر اس کی حفاظت کی جاتی رہے۔

اس کے خاص طور پر دو سبب ہیں، ایک تو یہ کہ اقوام عالم صلاح وفساد کے نئے اور متضاد عناصر کے تابع اور ان سے متاثر ہوتی رہتی ہیں، اور زندگی ہر دم رواں دواں ہے، اور اس کا کارواں کہیں اور کبھی ٹھہرتا نہیں، اس لئے تھوڑے تھوڑے وقفہ سے اس کی سمت ورفتار کو دیکھتے رہنا اور اس کی نئی ضرورتوں کو پورا کرنا ناگزیر ہوتا ہے، افسوس کا مقام ہے کہ اس عہد اخیر میں تخریبی ومفسد تحریکوں اور فلسفوں کے زیر اثر آکر ملت اسلامیہ، عالمی قیادت کے میدان سے الگ ہو کر گویا اپنے خول میں بند ہو کر رہ گئی ہے!

دوسرا سبب یہ ہے کہ امت اسلامیہ ہی آخری آسمانی پیغام کی حامل ایک ابدی امت اور انسانیت کی مرکز امید ہے، اس لئے اسے اپنے پیغام کو سینے سے لگائے رہنا چاہئے، اور قافلہ انسانیت کی قیادت اور دنیا کی نگرانی اور عقائد واخلاق، اور انفرادی وبین الاقوامی تعلقات پر نظر رکھنی چاہئے، اس لئے کہ قومیں صرف تاریخ کے سہارے یا اپنی عظمت رفتہ اور گزشتہ کامرانیوں کی بدولت نہیں، بلکہ جہد مسلسل دائمی سرگرمی، مستقل احساس ذمہ داری، ہمہ دم قربانی کے لئے آمادگی، جدت وندرت اور اپنی تازہ دم اور تازہ کار قوت افادیت وصلاحیت کے بل پر زندہ تابندہ رہتی ہیں، وہ جب اپنے منصب ومقام کو چھوڑ کر گوشہ عافیت میں چلی جاتی ہیں تو تاریخ کے دفتر پارینہ کا حصہ بن جاتی ہیں، اور زمانہ انہیں طاق نسیاں پر رکھ دیتا ہے، اس لئے امت محمدیہ کے لئے ضروری ہے کہ وہ از سر نو اپنے دعوتی، تہذیبی اور قائدانہ کردار کے ساتھ سرگرم سفر ہو۔

(ماخوذ از: تہذیب وتمدن پر اسلام کے اثرات واحسانات)

وما علینا الا البلاغ

ایک بامقصد اجتماع

الحمد لله وکفی وسلام علی عباده الذین اصطفی اما بعد O
فاعوذبالله من الشیطان الرجیم Oبسم الله الرحمن الرحیم O

حضرات! یہ ایک بامقصد اور عالم اسلامی کے لئے بین الاقوامی حیثیت کا اجتماع بہت مناسب جگہ پر اور ایسے وقت میں ہو رہا ہے جس میں اس کی اشد ضرورت تھی جہاں تک مناسب جگہ کا تعلق ہے تو اس سے زیادہ مناسب دوسری جگہ نہیں ہو سکتی مکہ مکرمہ وہ مقدس سر زمین ہے جہاں سے انسانیت کا مہر تاباں طلوع ہوا اور بشریت کو صبح صادق نصیب ہوئی جس نے ظلمتوں کے پردے چاک کئے اور انسانیت کو ہلاکت کے مہیب غار میں گرنے سے بچالیا اور اس وقت بچایا جب کہ وہ ہلاکت کے غار میں گرنے کے لئے بالکل کنارے تک پہنچ چکی تھی جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:۔

وکنتم علی شفا حفرة من النار فانقذکم منها. (آل عمران ۱۰۳)

اور تم لوگ دوزخ کے گڑھے کے کنارے پر تھے سو اس سے اللہ تعالیٰ نے تمہاری جان بچالی۔

اور ہلاکت کے اس گڑھے تک پہنچانے والی جاہلیت ہر طرف اپنے جال پھیلا چکی تھی اور عام بشریت کے طول وعرض کو اپنی لپیٹ میں لے چکی تھی سیرت نگاروں نے لفظ جاہلیت کو صرف عربوں کے ساتھ محدود کر دیا ہے جو زمانہ رسالت سے پہلے گزرے تھی لیکن حقیقت میں وہ جاہلیت صرف عربوں کے لئے مخصوص نہ تھی وہ ایک عموی جاہلیت تھی ہر طرف اور ہر سو چھائی ہوئی جاہلیت تھی وہ جاہلیت وعقلیت پر طاری تھی، فکر وخیال پر حکمراں تھی عقیدہ وعمل پر حاوی تھی اس کی اثرات گہرے اور اس کی جڑیں مضبوط تھیں۔

ایسے وقت میں اسلام کی روشنی نمودار ہوئی جو عالم بشریت کے لئے صبح صادق تھی جس

سے دنیا میں اجالا پھیل گیا اس صبح صادق کا مطلع یہی سرزمین پاک ہے اس کی روشنی اور اس کی خیر وبرکت کسی خاص ملت کے لئے یا کسی خاص خطہ کے لئے مخصوص نہیں تھی اس نے ساری دنیا کو نہال کیا اور مجموعی طور پر عالم بشریت اس سے فیض یاب ہوئی عقیدہ وعمل سے لے کر انداز فکر پر اثر انداز ہوئی۔

اس موتمر کا انعقاد بہت بروقت اور برمحل ہوا ہے نئی پلاننگ اور نئے حربوں سے اسلام کو نیست ونابود کرنے کی عمومی سازشیں ہورہی ہیں اس کے اثرات کو محو کرنے کی کوششیں ہورہی ہیں اس دین کو بے اثر کرنے اور اس سے زندگی کے آثار ناپید کرنے کے لیے نئے ہتھکنڈے ایجاد کئے جارہے ہیں سلام اور قوانین اسلام کو زندگی سے خارج کرنے کی سازشیں بہت باریک بینی اور گہرائی سے عمل میں لائی گئی ہیں اور لائی جارہی ہیں اس مکمل اور ہمہ جہتی پلاننگ کو بروئے کار لانے میں دو طاقتیں پیش پیش ہیں ایک مغربی طاقت اور دوسری مغربی اور جو سازش ہے اس کے تانے بانے بڑی چابکدستی چالاکی اور تیاری سے بنے ہیں عقلی وذہنی لحاظ سے دیکھئے یا عملی لحاظ سے مفید ہے کہ مسلمان اپنی اسلامی وایمانی عملی واعتقادی اخلاقی وتہذیبی ورثہ سے یکسر بے تعلق ہوجائیں اور جس طرح دوسرے مذاہب ہیں اسلام بھی ایک نام کا مذہب رہ جائے اس کے آثار عجائب خانوں تک محدود رہ جائیں عملی زندگی سے اس کا کوئی سروکار نہ ہو اسلام کا عالمی تشخص ختم ہوجائے اس سازش کی سربراہی مغرب کا سب سے بڑا ملک (امریکہ) اور دنیا کی تسلیم شدہ سب سے بڑی طاقت کررہی ہے اس کی تائید وتوثیق اور عملی وفکری تعاون کرنے میں مشرقی والیشیائی ممالک میں (اسرائیل) شریک کار ہے مغرب ومشرق ان دونوں قوتوں کا ہدف ایک ہی ہے کیوں کہ انہوں اپنے تجربات مشاہدات سے اور تاریخ کے مطالعہ سے اور قوموں کی نفسیات کے جائزوں سے ان کو یہ یقین ہوگیا ہے کہ ان کی نشاط انگیزیوں اخلاق وتہذیبی تاریکیوں کا راستہ روکنے والی اگر کوئی طاقت اس روئے زمین پر ہے تو وہ اسلام لہذا یہ مناسب ترین وقت ہے کہ ہم ان سازشوں کو سمجھیں ان کی پلاننگ کا جائزہ لیں عقل وحکمت صلاح ومشورہ سے مناسب قابل عمل اور بامقصد لائحہ عمل مرتب کریں اللہ کے فضل سے ان کے اندر جو وحدت فکر اور دین کے معاملہ میں غیرت اور جوش واخلاص ہے اس کو کام میں لا کر عملی اقدامات کے لئے تدابیر اختیار کریں۔ میں اس لحاظ سے اس موتمر کو بہت مبارک اور بر

وقت اور برمحل سمجھتا ہوں کیونکہ یہ وقت متقاضی ہے کہ ہم دشمنوں کی چالوں کا اور اپنی وسعت عمل کا صحیح اندازہ لگائیں شدید خطرہ اور بلا انگیز طوفان بلا کا مقابلہ ہے اور وقت کا تقاضا ہے کہ موجودہ مسلم نسل کو اور آنے والی نسلوں کی سازشوں کا شکار نہ ہونے دیا جائے اور اسلام پر اعتماد بحال کیا جائے اسلام کے متعلق ان کا عقیدہ تی قوت کے ساتھ ابھارا جائے کہ یہ دین رہتی دنیا تک کے لیے ہے اور ہر خطہ ارضی کے لیے سازگار ہے اور اسی کے ذریعہ ان سب کی نجات ممکن ہے اور نہ صرف یہ کہ اسلام کے ماننے والے ایسے ایمان وعقیدہ کیساتھ زندہ رہیں بلکہ وہ آگے بڑھ کر دنیا کی قیادت وسیادت کا حوصلہ پیدا کریں اور سمجھیں کہ ان کا سب سے بڑا دشمن وہ ہے جو ان کو اسلام سے دور کرنا چاہتا ہے اور دین کو ایک بے جان بے عمل خشک رسومات کا مذہب بنانا چاہتا ہے میں نے وقت کے جن خطرات کی طرف اشارہ کیا ہے وہ کوئی فرضی یا رسمی بات نہیں ہے بلکہ اپنے تجربات ومشاہدات حوالات ونفسیات کو سمجھنے اور ہوا کے رخ کو الحمد للہ پہچاننے کے بعد عرض کیا ہے بہتر اجتماعات کانفرنسوں موتمرات میں شرکت اور اہل علم وفہم حضرات سے مل کر اور حالات کو سن کر اور دیکھ کر یہ رائے قائم کی ہے کہ یورپ امریکا اور اسرائیل کو اگر کسی سے خطرہ ہے تو وہ صرف اسلام سے ہے وہ اپنی جہانگیری قائم کرنے اور انسانیت سوز اور ظالمانہ مقاصد کی راہ میں صرف اسلام اور مسلمانوں کو مزاحم پاتے ہیں۔

میرے محدود مطالعہ کی روشنی میں جو متنوع اقسام تاریخ وعلم الاجتماع پر مشتمل ہے اسلام کے لئے اس سے زیادہ سخت زمانہ کبھی نہیں آیا جب کہ مشرق ومغرب دونوں جانب سے بلا خیز اور مہلک سازشوں کا طوفان چل رہا ہے اور یہ ممالک اسلام کی قوت ونفوذ سے اس کی اثر انگیزی سے اور اس کے فکر ساز اثرات سے خائف بلکہ لرزیدہ ہیں۔

پہلے کبھی اس درجہ اسلام کو مہیب وخطرناک نہیں سمجھا گیا تھا وہ طاقتیں جو دنیا بھر کے وسائل کو اپنی مٹھی میں بند کرنا چاہتی ہیں ان کو سب سے زیادہ خطرہ اسلام سے ہے یہ وقت ہے جب خطرہ کی گھنٹی تیز سے تیز تر ہو رہی ہے یہ وقت ہے کہ ہم بیدار ہوں خطرات کا مقابلہ کرنے کی لیے اس درجہ میں تیار ہوں جس درجہ کے یہ خطرات ہیں۔

حضرات! میں معذرت چاہتا ہوں کہ اس پروقار مجلس میں جس میں عالم اسلام کے منتخب افراد اہل دل واہل فکر اور باخبر حضرات جمع ہیں میں نے گفتگو کو طول دے دیا اور اس کا

سبب یہی ہے جو ابھی عرض کیا گیا کہ ہم آپ خطرات کی آندھیوں کا سامنا کر رہے ہیں سیاسی اقتصادی فکری ہر طرح کی یلغار کا سامنا ہے دوسرے طرف وہ طاقتیں ہیں جن کے پاس وقت کے تمام اسلحہ جمع ہیں وہ آزادانہ بے باکانہ آگے بڑھ رہے ہیں۔ ہم اللہ تعالیٰ سے توفیق کے طالب ہیں کہ ہمیں اپنے اوپر منڈلاتے ہوئے خطرات کو سمجھنے کی توفیق دے اور خطرات کی ساعتوں میں بیداری کی توفیق ارزانی فرمائے۔

آخر میں ہم اس ملک اور اس ملک کی حکومت جو شریعت اسلام کا پاس ولحاظ رکھتی ہے اور شریعت کی سربلندی جس کا ہدف اور نصب العین ہے کلام اللہ کی عظمت جس کا شعار ہے سنت نبویہ کو وہ مقام دینے کا جذبہ رکھتی ہی جو اس کا حق ہے اس ملک کے سایہ میں ہم اللہ سے امید رکھتی ہیں کہ یہاں سے ہمارا قدم صحیح راستہ پر صحیح منزل کی طرف متوازن انداز میں اٹھے گا اور اللہ تعالیٰ سے دست بہ دعا ہیں کہ ہم سب کو خلوص نیت اور اخلاص عمل کی توفیق عطا فرمائے۔

وماذلک علی اللہ بعزیز

بسم اللہ الرحمن الرحیم

سرزمین ہند کے دو عظیم کردار

۳۰ جون ۱۹۹۷ء کو دار العلوم ندوۃ العلماء کی مسجد میں طلباء و اساتذہ کے سامنے
کی گئی ایک شاہکار تقریر

الحمد للہ رب العالمین والصلوٰۃ والسلام علی سید المرسلین وخاتم النبیین محمد وآلہ وصحبہ اجمعین، ومن تبعهم باحسان ودعا بدعوتهم الی یوم الدین، اما بعد!

میرے عزیزو! کوئی عملی بات، مخلصانہ مشورہ، ہدایت اور نصیحت انفرادی طور پر کی جاتی ہے تو اس کی قدر و قیمت بڑھ جاتی ہے اور اثر بھی زیادہ ہوتا ہے لیکن اگر یہی باتیں جلسہ عام میں کی جاتی ہیں تو جتنا مجمع زیادہ ہوتا ہے۔ اسی اعتبار سے حصہ رسدی کم ہو جاتا ہے، اندیشہ ہے کہ آپ لوگ یہ سمجھیں کہ یہ ایک عام تقریر ہے جو جلسہ عام میں کی جا سکتی تھی، کسی پبلک ہال میں کی جا سکتی تھی، ہم آپ سے سے درخواست کریں گے کہ آپ یہ نہ سمجھیں، بلکہ یہ سمجھیں کہ جیسے آپ پانچ، سات، دس آدمی ہمارے پاس آئے اور کہا کہ آپ ہمیں مشورہ دیجئے کہ ہم دار العلوم کے نظام تعلیم، اس کے نصاب درس، یہاں کے اساتذہ اور علمی ماحول سے کیسے فائدہ اٹھائیں، ہم اپنی زندگی کو کسی رخ پر ڈالیں اور کن مقاصد کو ہمیں اپنانا چاہئے، دار العلوم کے مطالبات اور تقاضے کیا ہیں، ہم اپنی استعداد کیسے پختہ کریں تا کہ دور جدید کے فتنوں کا مقابلہ کر سکیں۔ آپ نے ہم سے عزیزانہ، سعیدانہ اور فرزندانہ طریقہ پر سوال کیا، جیسے آپ رائے بریلی یا یہاں کے مہمان خانہ میں ہم سے سوالات کرتے ہیں، ہم بھی آپ سے اسی طرح باتیں کریں گے، آپ بھی ان باتوں کو اسی طرح سنئے گا، اسی کان سے سنئے گا، اسی دل سے قبول کیجئے گا۔

دار العلوم کی بنیاد اور اس کی علمی وفکری ترقی کا معیار کیا ہے:

عزیزو! پہلی بات آپ کو یہ معلوم ہونی چاہئے کہ آپ جس دار العلوم میں پڑھ رہے ہیں، اللہ تعالی نے جس ادارہ میں آپ کو پڑھنے کا موقع دیا، اور شرف بخشا ہے اس کی بنیاد کیا ہے، اس کی علمی وفکری ترقی کا معیار کیا ہے؟

تاریخ کے ایک مصنف اور دار العلوم ندوۃ العلماء سے تعلیمی، فکری ہی نہیں بلکہ خاندانی تعلق کی بنیاد پر کہتا ہوں اور اس بناء پر کہتا ہوں کہ ندوۃ العلماء کے بانیوں کے حالات سے الگ الگ واقف ہوں، ایک ایک کے مسلک، ایک ایک کے مقاصد اور ایک ایک کی فکر سے واقف ہوں، آپ کو معلوم ہونا چاہئے کہ یہ دار العلوم ندوۃ العلماء (اور دوسرے صحیح الفکر والاعتقاد مدارس) ہندوستان کی دو عہد ساز شخصیتوں کے مدرسہ فکر پر قائم ہوا ہے، ایک حضرت مجدد الف ثانی شیخ احمد سرہندیؒ (م ۱۰۳۴) دوسرے حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی رحمۃ اللہ علیہ (م ۱۱۷۶ھ) یہ دو اس کے اصل بانی، اس کے روح رواں، اس کے رہبر اور معیار ہیں، اس کی علمی ترقی کا بھی معیار ہیں اور اس کے فکری ارتقاء کا بھی معیار ہیں اور اس فکر کی اشاعت اور جد وجہد کا بھی معیار ہیں۔

اس دار العلوم کے اصل بانی دو شخصیتیں ہیں۔ ایک مجدد الف ثانیؒ دوسرے حضرت شاہ ولی اللہ دہلویؒ۔

یہی دو اس کے روح رواں اس کے رہبر اور معیار ہیں۔ اس کی علمی اور فکری ارتقاء کا معیار بھی یہی دونوں ہیں۔

وہ ہند میں سرمایہ ملت کا نگہبان:

حضرت مجدد الف ثانی وہ ہیں جنہوں نے پورے برصغیر میں انقلاب برپا کر دیا۔ جن کے مکاتب آپ کو پڑھنا چاہئے، ہم آپ کو مخلصانہ مشورہ دیتے ہیں کہ یہیں یا یہاں سے نکلنے کے بعد ان کے مکتوبات پڑھیں، اب ہندوستان میں بہت کم لوگ رہ گئے ہیں جو ان کے مکتوبات پڑھیں، اب ہندوستان میں بہت کم لوگ رہ گئے ہیں جو ان کے مکتوبات سے فائدہ اٹھاتے ہیں، خدا آپ کو اس کی توفیق دے کہ آپ ان کے مکتوبات پڑھیں یا کم از کم یہاں کے

زمانہ قیام میں ''تاریخ دعوت وعزیمت'' کا چوتھا حصہ پڑھیں، جو انہیں کے حالات کے ساتھ مخصوص ہے، اقبال نے بہت صحیح ان کا تعارف کرایا ہے:

وہ ہند میں سرمایہ ملت کا نگہبان
اللہ نے بروقت کیا جس کو خبردار
گردن نہ جھکی جس کی جہانگیر کے آگے
جس کے نفس گرم سے ہے گرمی احرار

یہ وہ مجدد صاحب ہیں جو بدعت حسنہ کے بھی قائل نہیں، میں آپ کو ان کے ایک مکتوب کا اقتباس سناتا ہوں، جس میں دین کی حمیت اور شریعت کے بارے میں ان کی غیرت و حساسیت صاف نظر آتی ہے۔

ایک معاصر نے اپنے خط میں شیخ عبدالکبیر یمنی کی (جو غالباً شیخ محی الدین ابن عربی اور بعض مشائخ تصوف سے متاثر تھے) ایک ایسی تحقیق لکھی جو اہل سنت والجماعت اور اجماع امت کے خلاف تھی، حضرت مجدد صاحب نے اس کے جواب میں جو طاقتور مکتوب لکھا اس کی نظیر نہیں ملتی۔

فرماتے ہیں:

> ''مخدوما! این فقیر تاب استماع ایں چنیں کلمات ندارد، بے اختیار رگ فاروقیم در حرکت می آید، شیخ عبدالکبیر یمنی باشد یا محی الدین بن عربی، مارا محمد عربی درکار ست نہ ابن عربی، فتوحات مدینہ از فتوحات مکیہ مستغنی ساختہ اند، مارا بہ نص کار است نہ بہ فص''

شیخ محی الدین ابن عربی جن کے ذریعہ وحدۃ الوجود کا عقیدہ تمام دنیا میں پھیلا اور بڑے بڑے عارفین باللہ اور بڑے بڑے مشائخ اس کے قائل ہی نہیں اس کے داعی بلکہ اس پر مصر

تھے، ان کی دو کتابیں ایک فتوحات مکیہ ہے جس میں انہوں نے وحدۃ الوجود کے عقیدہ کی صاف صاف تبلیغ کی ہے اور اس کو پیش کیا ہے، دوسرے فصوص الحکم۔

مجدد صاحبؒ فرماتے ہیں

مخدوما! اس طرح کی باتوں کے سننے کی میرے اندر تاب بھی نہیں، بے اختیار میری رگ فاروقی حرکت میں آجاتی ہے اور تاویل وتوجیہ کا موقع نہیں دیتی، ایسی باتوں کے قائل شیخ کبیر یمنی ہوں یا شیخ اکبر شامی، ہمیں کلام محمد عربی وعلی آلہ الصلوٰۃ والسلام درکار ہے، نہ کہ کلام محی الدین بن عربی، صدر الدین قونوی، اور شیخ عبد الرزاق کاشی، ہم کو نص سے کام ہے نہ کہ فص سے، فتوحات مدینہ نے فتوحات مکیہ سے مستغنی بنادیا

یہ سب مجدد صاحبؒ کا فیض ہے:

جس وقت ہندوستان کے تخت پر ۹۶۴ھ میں جلال الدین اکبر بیٹھا ہے، اسلام کی آمد کو ایک ہزار سال ہو رہے تھے، ایرانیوں کی ایک جماعت نے ایک گہری سازش کی کہ پوری دنیا کو یہ باور کرائیں کہ اسلام اور دین محمدی کا دور ختم ہوگیا، اس جماعت نے یہ اصول اکبر کے ذہن نشین کرادیا کہ ہر مذہب کی عمر ایک ہزار سال ہوتی ہے، یہودیت ہزار سال رہی پھر ختم ہوئی، عیسائیت ختم ہوگئی، پھر اسلام آیا، اب اس کو ایک ہزار سال ہو رہے ہیں۔

اس جماعت نے اپنی ذہانت سے سمجھا کہ اس بات کو قبول کرنے اور اس کو پوری طاقت سے نافذ کرنے والا وہ ہوسکتا ہے جو زیادہ پڑھا لکھا اور متشرع نہ ہو، اس جماعت نے اکبر کا انتخاب کیا جس کی سمجھ میں ان کی یہ بات آگئی اور وہ الحاد کے راستہ پر پڑ گیا، وہ برہمنوں، پنڈتوں اور علماء کو جمع کراکے بحث کرواتا تھا، پھر الادینیت کو تسلیم کیا جاتا تھا۔

ایسے نازک وقت میں مجدد صاحبؒ اور ان کا خاندان سامنے آتا ہے، اس خاندان نے اس ملک کو اس خطرہ سے محفوظ کردیا کہ یہاں لادینیت کا دَور دورہ ہوجائے، اسلام کا رشتہ اس ملک سے کٹ جائے اور دینی حس ختم ہوجائے۔

نواب صدر یار جنگ مولانا حبیب الرحمن خان شیروانی نے تقریر کرتے ہوئے ایک بار فرمایا کہ لوگ اس تاریخی حقیقت پر غور نہیں کرتے، سرسری انداز میں گذر جاتے ہیں کہ عام طور پر جب بادشاہ جاہل ہو، مخالف دین ہو، اس میں کوئی خرابی ہو تو اس کے بعد اس کا جو جانشین آتا

ہے، وہ اس سے بدتر ہوتا ہے، وہ اس میں اپنی سعادت سمجھتا ہے کہ اپنے والد اور سابق بادشاہ کے طریقہ پر قائم رہے، لیکن اس کی کیا وجہ ہے کہ اکبر کے بعد جب جہانگیر ہوا تو وہ اس سے بہتر ہوا، دین پر قائم رہا اور بعد میں حضرت مجدد صاحبؒ کا معتقد بھی ہو گیا تھا، پھر جہانگیر کے بعد شاہجہان ہوا تو اس سے بہتر تھا، وہ جب تخت طاؤس پر بیٹھا جو بڑے فخر کی بات تھی تو وہ اتر گیا، نماز پڑھی اور سجدہ کیا اور کہا کہ فرعون بڑا کم عقل اور کم ظرف تھا کہ مصر کے تخت پر بیٹھا اور خدائی کا دعویٰ کر بیٹھا، میں تخت طاؤس پر بیٹھ کر سجدہ کرتا ہوں، شاہ جہاں کے بعد اورنگزیب عالمگیر ہوا (جن کو ہمارے فاضل دوست وادیب شیخ علی الطنطاوی چھٹے خلیفہ راشد سے تعبیر کرتے ہیں، ان کے نزدیک حضرت عمر بن عبدالعزیز کے بعد پورے عالم اسلام میں عالمگیر جیسا متبع سنت، صاحب حمیت اور اسلامی قانون اور اسلامی شریعت کا جاری کرنے والا پیدا نہیں ہوا) اس میں جو راز ہے وہ یہ کہ حضرت مجدد الف ثانیؒ اور ان کا خاندان اندر اندر کام کر رہا تھا، اور متاثر کر رہا تھا، حضرت خواجہ محمد معصوم سرہندیؒ جو حضرت مجدد صاحبؒ کے ممتاز ترین فرزند تھے، اور جن سے ان کا سلسلہ پھیلا ہے وہ عالمگیر کو شہزادگی کے دور میں جب خط لکھتے تو انہیں ''شہزادہ دین پناہ'' سے خطاب کرتے۔

اب میں آپ کو بتاتا ہوں کہ یہ دارالعلوم ندوۃ العلماء اور صحیح الفکر و حامل دعوت مدارس و مراکز باقی رہیں گے، اور اگر خدا کو ان کی حفاظت مطلوب اور محبوب ہے تو حضرت مجدد الف ثانیؒ اور حضرت شاہ ولی اللہ دہلویؒ کے راستہ پر رہیں گے، اگر یہ دارالعلوم دونوں کے راستے سے ہٹا تو یہ دارالعلوم، دارالعلوم نہیں ہوگا جس کی بنیاد حضرت مولانا سید محمد علی مونگیریؒ، مولانا سید ظہور الاسلام فتح پوری، مولانا سید عبدالحئیؒ رائے بریلویؒ، مولانا خلیل الرحمٰن صاحب سہارنپوریؒ، منشی اطہر علی کاکورویؒ اور مولانا شبلی نعمانیؒ نے ڈالی تھی، یہ بات یاد رکھئے کہ یہ دارالعلوم حضرت مجدد الف ثانیؒ اور حضرت شاہ ولی اللہ کے راستے پر ہے۔

امتیازی خصوصیات:

عزیزو! آپ کو معلوم ہونا چاہئے کہ ان دونوں کے طریقۂ عمل، ان کی دعوت، ان کی تحریک اور ان کی دوجہد کی چند امتیازی خصوصیات ہیں۔

(۱) عقیدہ اسلام:

سب سے پہلے اس اسلامی عقیدہ کو پورے طور پر قبول کر لینا جو صحابہ کرام کا عقیدہ تھا، جو تابعین عظام، ائمہ اربعہ اور مجددین و مصلحین کا عقیدہ تھا۔

(۲) دوسری بات ہے اشاعت دین، یعنی اس دین کی اشاعت وتبلیغ کی جائے۔

(۳) اور تیسری بات جو ان دونوں حضرات کا خاصہ ہے وہ ''حمایت دین'' بلکہ ''حمیت دین ہے۔ بہت سے ایسے حضرات ہیں، ہم ان کی قدر کرتے ہیں، احترام کے ساتھ ان کا نام لیتے ہیں، ان کے یہاں اشاعت دین کا جذبہ تھا، لیکن وہ چیز جس کو دینی غیرت اور حمیت کہتے ہیں، وہ ان کے یہاں یا کم از کم ان کے حالات میں زیادہ نمایاں نہیں معلوم ہوتی، ان دونوں حضرات کی خصوصیت یہ ہے کہ اشاعت دین کے ساتھ حمیت بھی تھی، یہ بہت اہم چیز ہے کہ دین مخالف اور اس کے منافی کوئی چیز برداشت نہ ہو، اس کی نیند اڑ جائے، کھانا پینا بھول جائے اور اس کو ایک سخت کرب اور شدید درد لاحق ہو جائے، یہ بات اور حضرات میں تھی لیکن ان دو حضرات میں سب سے نمایاں تھی۔

شاہ ولی اللہؒ کی خصوصیات اور ان کے کارنامے:

حضرت شاہ صاحبؒ نے ہماری معلومات کے مطابق سب سے پہلے ہندوستان میں حدیث شریف کی تدریس کا سلسلہ شروع کیا، وہ حجاز گئے اور وہاں عرب اساتذہ سے انہوں نے حدیث پڑھی اور اس کی سند حاصل کی، پھر یہاں آ کر انہوں نے حدیث کا درس شروع کیا، ہماری محدود معلومات کی حد تک صحاح ستہ کی تدریس کا رواج اس سے پہلے ہندوستان میں نہیں تھا، یہ کام حضرت شاہ وصاحب نے شروع کیا، آپ کسی عالم سے حدیث پڑھئے اور سند لیجئے تو یہ سلسلہ شاہ ولی اللہ تک پہنچتا ہے، پھر اور یمنی حجازی سلسلہ ہے، خاص طور سے صحیحین کا درس، پھر ان کی شرح وتحشیہ کا کام اور ان کی خدمت۔

ان کا دوسرا بڑا کارنامہ یہ ہے کہ انہوں نے قرآن مجید کے تراجم کا سلسلہ شروع کیا، یہ بات شاید بہت سے لوگوں کے لئے انکشاف ہو گیا کہ یہاں کے بہت سے علماء قرآن مجید کا دوسری زبانوں میں ترجمے کو خطرناک سمجھتے تھے، اس کی دو وجہ تھی، ایک تو یہ کہ وہ جو اہل ہوئی و

ہوس تھے وہ سمجھتے تھے کہ اس سے ہماری فرمان روائی چلی جائے گی، ہماری سرداری اور ہمارے مطاع ہونے کی جو حیثیت ہے، اور ہماری بات کو اللہ ورسول کی بات کی طرح لوگ سمجھتے ہیں، ہماری یہ حیثیت ختم ہو جائے گی، ہماری خیریت اسی میں ہے کہ قرآن مجید کا ترجمہ یہاں کی زبانوں میں نہ ہو، ایسے دنیا پرست علماء قرآن مجید کے ترجمے کو بدعت بتاتے ہیں، بلکہ اس سے بھی بڑھ کر۔

شاہ صاحب نے اس کی طرف توجہ کی، ان کے دو صاحبزادوں نے اردو میں ترجمے کیے، ایک شاہ رفیع الدین کا ترجمہ جو لفظی ہے، اور ایک شاہ عبدالقادر صاحب کا ترجمہ جو بے نظیر ہے، اس میں خاص اللہ تعالیٰ کی مدد معلوم ہوتی ہے، اگر وقت ہوتا تو میں تفصیل سے آپ کو مثالیں دے کر بتاتا۔

یہاں صرف دو مثالیں دیتا ہوں، قرآن مجید میں ہے۔ ”**قالو بعزة فرعون انا لنحن الغالبون**“ زمخشری جیسے ادیب مفسر کو بھی ”عزۃ“ کا مفہوم ادا کرنے میں دشواری پیش آئی ہے، عام طور پر اس کا ترجمہ ”فرعون کی عزت“ ”فرعون کا غلبہ“ کے الفاظ ادا کیا جاتا ہے، شاہ صاحب جو دہلی کے رہنے والے تھے وہ درباری زبان سے واقف تھے اور محاوروں کو بھی جانتے تھے وہ خود فرماتے تھے کہ جب کسی آیت کا ترجمہ سمجھ میں نہیں آتا تو بازار چلا جاتا تھا۔ لوگوں کی باتیں سنتا کہ وہ کس طرح اس مفہوم کو ادا کرتے ہیں، شاہ صاحب نے بعزۃ فرعون کا ترجمہ اس طرح کیا ہے ”فرعون کے اقبال سے ہم ہی غالب ہوں“ درباریوں اور خوشامدیوں کی زبان ایسی ہی ہوتی ہے۔

شاہ صاحب نے اپنے ترجمہ میں صوفی آہنگ کا بھی خیال رکھا ہے، ”**قدمرناها تدميرا**“ (سورہ بنی اسرائیل) کا ترجمہ کیا ہے، جب اکھاڑ مارا ان کو اٹھا کر۔

حضرت شاہ ولی اللہ صاحبؒ کا تیسرا بڑا کارنامہ یہ ہے کہ انہوں نے توحید خالص پر بہت زیادہ زور دیا، ان کے پوتے حضرت شاہ محمد اسماعیل شہیدؒ نے کتاب ”تقویۃ الایمان“ لکھی جس سے زیادہ صاف، واضح اور طاقتور کتاب توحید کے موضوع پر ہمارے علم میں نہیں، اس کتاب کے بارے میں حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ فرماتے تھے کہ اس سے ہزاروں نہیں لاکھوں لوگوں کو ہدایت ملی ہے، حضرات علمائے دیوبند و مظاہر علوم اور علمائے ندوہ سب اس کے

قائل تھے۔

حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب (اللہ ان کے درجات بلند فرمائے) ہمیں اس کتاب کے عربی میں ترجمہ کا حکم دیا، ہم مدینہ منورہ میں تھے، جانا بھی تھا، گاڑی مسجد نبوی ﷺ کے دروازے پر کھڑی تھی، سامان رکھا جا چکا تھا کہ نماز پڑھیں اور روانہ ہو جائیں، حضرت شیخ الحدیث نے پیغام بھیجا کہ ترجمہ کا کام شروع کر کے جائیں، ہم نے روضۃ من ریاض الجنۃ میں عزیز محمد واضح سلمہ کو سامنے بٹھا کر ترجمہ کا کام شروع کر دیا، ہمیں صاف معلوم ہوا کہ یہ کتاب عند اللہ وعند الرسول مقبول ہے، جو کچھ لکھا تھا وہ حضرت شیخؒ کو سنایا گیا، حضرت نے سن کر بڑی دعائیں دیں، جب اس کتاب کا ترجمہ ''رسالۃ التوحید'' کے نام سے مکمل ہو کر شائع ہو گیا تو ہم نے ایک بڑے سعودی عالم جو جامعہ اسلامیہ کے استاذ بھی تھے، ان کو یہ کتاب پڑھنے کو دی، عام طور پر یہ سمجھا جاتا ہے کہ شیخ محمد بن عبد الوہابؒ کی کتاب ''کتاب التوحید'' سب سے بڑھی ہوئی ہے اور ان کے متبعین تو اس کے سوا کسی کو ماننے کے لئے تیار نہیں ہیں، لیکن انہوں نے سعودی اور ''وہابی'' ہونے کے باوجود صاف صاف کہا کہ ''یہ توحید کی منجنیق ہے یہ تو پتھراؤ کرتی ہے۔''

تو شاہ ولی اللہ اور ان کے خاندانوں نے توحید خالص، قرآن کی اشاعت اور حدیث شریف کی خدمت انجام دی، آج اس ملک میں جہاں بھی حدیث شریف پڑھائی جاتی ہے وہ سب فیض ہے شاہ ولی اللہ صاحبؒ اور ان کے خاندانوں کا۔

شاہ صاحبؒ نے اس پر اکتفا نہیں کر لیا، بلکہ انہوں نے اپنی خداداد فراست سے محسوس کیا کہ اب جو دور آنے والا ہے وہ عقلی دور ہوگا، عقلی دور پر متاثر کرنے والا دور ہوگا، اس کے لئے انہوں نے حجۃ اللہ البالغۃ جیسی بے نظیر کتاب لکھی، جو جدید علم کلام کا بہترین نمونہ ہے۔

یہ بات بہت کم لوگوں کے علم میں ہے کہ جہاد کی تحریک شاہ صاحبؒ ہی کے زمانہ سے شروع ہوئی، مرہٹوں کا مقابلہ کرنے کے لئے (جن سے دہلی کے مسلمانوں کی جان اور عزت محفوظ نہیں تھی) شاہ صاحبؒ نے احمد شاہ ابدالی کو افغانستان بلایا جس نے مرہٹوں کو ایسی شکست فاش دی کہ تاریخ میں لکھا ہے کہ مرہٹواڑہ میں کوئی گھر نہیں بچا جہاں ماتم نہ ہوا ہو، سب سے پہلے حضرت شاہ عبد العزیزؒ نے ہندوستان کے دار الحرب ہونے کا فتویٰ دیا۔

ٹیپو سلطان شہیدؒ کا بھی روحانی تعلق حضرت سید احمد شہیدؒ اور ان کے خانوادہ سے تھا، انگریزوں کے حقیقی خطرہ کا ادراک سلطان ٹیپو نے کیا، اس کے خاندان کا تعلق روحانی حضرت سید احمد شہیدؒ کے نانا شاہ ابوسعید، حقیقی چچا سید نعمان خاص طور سے شاہ ابواللیث سے تھا۔ جو سید صاحبؒ کے حقیقی ماموں تھے۔

عزیزو! ایک جسمانی نسب نامہ ہوتا ہے، ایک علمی و دینی نسب نامہ ہوتا ہے اور ایک اعتقادی نسب نامہ ہوتا ہے، آپ اس علمی وفکری نسب نامہ کو ہمیشہ یاد رکھئے، اس نسب نامہ کو آپ نہ یہاں بھولئے اور نہ اپنے گھر جا کر بھولئے کہ ہم سب حضرت مجدد الف ثانیؒ اور حضرت شاہ ولی اللہ دہلویؒ اور ان کے خاندان کے فیض یافتہ اور ان کے تربیت یافتہ ہیں۔

نئے دور کے فتنوں کے مقابلہ میں ندوۃ العلماء کا کارنامہ:

عزیزو! ندوۃ العلماء نے اپنے قیام کے بعد سے وقت کے فتنوں کو نہ صرف پہچان لیا تھا۔ ان فتنوں میں قادیانیت اور عیسائیت کے فتنے تھے، جن کا مقابلہ ندوہ کے صدر سید محمد علی مونگیریؒ نے کیا، ہم نے خود یہ واقعہ مونگیر میں سنا کہ جب قادیانیوں کا بہار میں خطرہ محسوس ہوا، تو مولانا سید محمد علی مونگیریؒ نے مولانا مرتضیٰ حسن چاند پوری کو قادیانیوں سے مناظرہ کے لئے مدعو کیا، ادھر مولانا مرتضیٰ حسن چاند پوری قادیانیوں سے مناظرہ کر رہے تھے، ادھر مولانا سید محمد علی مونگیریؒ سجدہ میں دعا وگریہ زاری میں مصروف تھے، یہاں تک کہ کسی نے آ کر سنایا کہ قادیانیوں کو شکست ہوئی اور وہ جوتے چھوڑ چھوڑ کر بھاگ رہے ہیں، تب جا کر مولانا سید محمد علی مونگیریؒ نے سجدہ سے سر اٹھایا۔

دوسرا فتنہ ''روشن خیالوں'' کا تھا جنہوں نے ایک بڑا ادارہ قائم کیا، اس جماعت کے لکھنے والوں نے دین کے حقائق کو بدل کر پیش کیا، اس کی وجہ سے اسلامی عقیدہ میں ایک تزلزل اور خطرہ پیدا ہوا، ان روشن خیالوں کا سب سے بڑا نشانہ غیبی حقائق اور معجزات تھے، وہ معجزات کی ایسی تاویل کرتے کہ وہ معجزہ ہی نہ معلوم ہوتا، اپنی تفسیروں میں انہوں نے خاص طور پر اس پر زور دیا۔

ندوۃ العلماء نے اس طبقہ کو راہ راست پر لانے کے لئے اپنے نصاب میں انگریزی کا اضافہ کیا، اس کے ساتھ اس نے بات پر بھی زور دیا کہ نئے اسالیب بیان اور نئے طرز فکر سے

طلبہ واقف ہوں اور کونسا فتنہ کہاں اٹھ رہا ہے، اور کیوں یہ فتنے اٹھ رہے ہیں، اور کس زبان اور اسلوب میں اٹھ رہے ہیں ان سے واقف ہوں۔

ان روشن خیالوں کے مقابلہ کے لئے علامہ شبلیؒ کا قلم چلا، پھر مولانا سید سلیمان ندویؒ اور مولانا عبدالباری ندوی کا قلم چلا، پھر تو ندوی فضلاء نے ان فتنوں کا بھی تعاقب کیا جو عالم عربی میں قومیت عربیہ اور ''تجدد'' و ''تنور'' کے نام سے اٹھے تھے۔

ندوۃ العلماء کے بانیوں اور منتظمین نے ہمیشہ نصاب کو ''وسیلہ'' سمجھا ''غایت'' نہیں، غایت ومقصد میں ترمیم نہیں ہوتی لیکن وسیلہ میں ترمیم ہوتی ہے، درس نظامی میں بھی برابر ترمیم ہوتی رہی، ہمارے والد صاحب مولانا حکیم سید عبدالحئیؒ کا فاضلانہ مقالہ ''ہندوستان کا نصاب درس اور عہد بعہد اس کے تغیرات'' کا آپ مطالعہ کیجئے تو معلوم ہوگا کہ کس دور میں کون سی کتاب پڑھائی جاتی تھی، اور کب اس میں تبدیلیاں ہوئیں، اس طرح ندوۃ العلماء نے اپنے نصاب میں تاریخ وجغرافیہ کا بھی اضافہ کیا۔

عربی زبان کی تدریس ایک زندہ زبان کی حیثیت سے:

عزیزو! ندوۃ العلماء کے بانیوں اور اس کے روشن ضمیر کارکنوں نے اس وقت یہ محسوس کرلیا کہ اب تک دینی مدارس میں عربی زبان اس حد تک پڑھائی جارہی ہے کہ تفسیر وحدیث اور فقہ کی کتابیں سمجھ سکیں (اللہ تعالیٰ ان مدارس کے بانیوں کی محنتوں اور کوششوں کو قبول فرمائے) لیکن اب جو دور آنے والا ہے اس میں اس سے کام چلنے والا نہیں ہے، اب تو عربی زبان کو ایک زندہ زبان کی حیثیت سے کہ وہ دعوت اور تصنیف وتقریر کی بھی زبان ہے، پڑھایا جانا ضروری ہے، اس زمانہ میں ہندوستان کا عالم عربی سے زیادہ تعلق بھی نہیں تھا، صرف حجاج کی حجاز آمد ورفت رہا کرتی تھی، حیرت ہوتی ہے کہ مولانا سید محمد علی مونگیریؒ نے حجاز کے دوران قیام میں ہمارے والد صاحب کو خط لکھا تھا کہ یہاں ایک عالم جن کو عربی پر بڑی قدرت ہے، عربی میں اچھی تقریر کرتے ہیں، میں ان کو راضی کررہا ہوں کہ دارالعلوم جائیں، اور وہاں عربی زبان کا درس دیں، آپ اس کا خیال رکھئے کہ طلبہ کو عربی زبان میں مہارت پیدا ہو، اور اس میں وہ تقریر کرسکیں۔

اللہ تعالیٰ کی توفیق سے بھائی صاحب ڈاکٹر حکیم مولوی سید عبدالعلی صاحبؒ کی نگرانی و

ہدایت پر ندوۃ العلماء نے عربی کی ابتدائی نصاب کی ترتیب کا کام شروع کیا جو اس کے بنیادی مقاصد میں سے ایک تھا، اور وہ عالم عربی میں بھی مقبول اور کہیں کہیں رائج ہوا۔

اپنی استعداد کیسے مضبوط بنائیں:

عزیزو! دنیا کی تمام زبانوں میں عربی زبان سب سے زیادہ حساس، ذکی الحس اور غیرت مند زبان ہے، ایک وجہ تو یہ ہے کہ وہ قرآن کی زبان ہے، پیغام الٰہی کی زبان ہے، تعلیمات نبوی ﷺ کی زبان ہے، اس کے علاوہ دو چیزیں اور ہیں، ایک اعراب جو کسی اور زبان میں نہیں، دوسرے مختلف المخارج اور مختلف الااصوات حروف جو دوسری زبان میں نہیں، ذرا سی غلطی سے زیر کو زبر اور منصوب کو مجرور پڑھنے اور ث کو س کی طرح بولنے سے سب پر پانی پھر جائے گا، آپ ایسی استعداد بنائیے کہ صحیح اعراب پڑھ سکیں، اور صحیح مخارج سے حروف کو ادا کر سکیں۔

ایک بار ہمیں جامعہ دمشق میں جس کا وائس چانسلر ایک عیسائی فاضل تھا اور جس کے جلسہ میں فضلائے دمشق اور ممبران پارلیمنٹ شریک ہونے والے تھے۔ فلسطین کے قضیہ پر مقالہ پیش کرنے کی دعوت دی گئی، ہم ”العوامل الااساسیۃ لکارثۃ فلسطین“ (المیہ فلسطین کے بنیادی اسباب) کے موضوع پر مقالہ لکھا، اس کو جلسہ میں پڑھنے سے پہلے احتیاط کے طور پر علامہ بہجۃ البیطار کی خدمت میں گئے، اور عرض کیا کہ آپ ہمارے استاد مولانا سید سلیمان ندویؒ کے دوست ہیں، براہ کرم آپ ہمارا یہ مقالہ سن لیجئے کہ شاید کوئی غلطی ہو، انہوں نے فرمایا کہ نہیں تم کو اس کی کوئی ضرورت نہیں، تم ماذا خسر العالم کے مصنف ہو، پھر بھی ہم نے ان کو اپنا پورا مقالہ سنا دیا، انہوں نے کہیں نہیں ٹوکا، ہم سے کہا کہ آپ ال کے استعمال کرنے میں بہت محتاط ہیں، ہندوستانی علماء جا و بے جا الف لام استعمال کرتے ہیں، پھر انہوں نے لطیفہ سنایا کہ ایک ہندوستانی عالم ایک عرب عالم کے پاس آئے اور کہا کہ انا ذاهب من المكة الى مدينة فهل لك حاجة؟ اس جملہ کو سن کر ان عرب عالم نے کہا کہ حاجتي الوحيدة أن تاخذ الالف واللام من مكة وتضعهما على المدينة الف لام ان عالم صاحب نے مکہ پر لگا دیا، جبکہ اس پر الف لام نہیں آتا۔

ہم سے بعض عربوں نے شکایت کی کہ ہندوستانی عالم و داعی آتے ہیں، مساجد میں ان کی تقریر کا اعلان ہوتا ہے، ہم بیٹھ جاتے ہیں، لیکن چند ہی جملوں کے بعد بیٹھنا مشکل ہو جاتا ہے۔

آپ یہ نہ سمجھیں کہ آپ کو عرب ممالک نہیں جانا ہے، آپ کو جانا ہے، لیکن ملازمت کے لئے نہیں، امام وخطیب بن کر نہیں، صرف پیسہ کمانے کے لئے نہیں، بلکہ داعی بن کر، یا معلم بن کر جانا ہے، آپ ابھی سے درسی استعداد پختہ کریں تا کہ کوئی اعرابی غلطی نہ ہونے پائے، جو بھی درسی کتاب پڑھیں، پوری توجہ اور انہماک سے اس کی تیاری کریں، اپنے فاضل اساتذہ سے معلوم کریں کہ ان کی مستند شرحیں اور مصادر و مراجع کون سے ہیں، پھر ان کا گہرا مطالعہ کریں، اور بھرپور علمی تیاری کریں۔

آخری بات:

آخری بات یہ ہے کہ آپ علوم دینیہ میں رسوخ پیدا کیجئے، یہاں جو علمی و دینی ماحول ہے، آپ کے جو مشفق اساتذہ ہیں ان سے فائدہ اٹھایئے، یہ فضا اور ماحول اور اساتذہ آپ کو کالجوں، یونیورسٹیوں میں نہیں ملیں گے، ہم نے مولانا محمد منظور نعمانی کے بارے میں کہا تھا کہ ان کی ایک بڑی خصوصیت رسوخ فی العلم تھی، بہت سے علماء ایسے ہیں جو دوسرے کاموں میں لگ جاتے ہیں تو ان کو علم میں رسوخ نہیں رہتا۔

ہم دعا کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ آپ کو یہاں سے صحیح الفکر بنا کر کامل مدرس اور پختہ کار مصنف اور مبصر بنا کر اور داعی بنا کر نکالے، اور جو فتنے اٹھ رہے ہیں، جیسے قادیانیت، الحاد و دہریت اور روشن خیالی کے فتنے کہ دین پر کھلی تنقید کرتے ہیں، اور کفر و ایمان اور حلال و حرام کی تمیز نہیں کرتے، ان سب فتنوں کا آپ کو مقابلہ کرنا ہے، آخری بات یہ ہے کہ آپ سب کو حضرت مجدد الف ثانی اور شاہ ولی اللہ دہلویؒ کے مسلک، ان کے مکتب خیال اور مدرسہ فکر پر چلنا ہے، اور اسی میں اپنی سعادت سمجھنا چاہئے۔

وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین

اسلام کے مردان باوفا

جہاد بالاکوٹ سے واپس آنے والا مجاہدین کا قافلہ جو نواب وزیر الدولہ مرحوم کے اصرار سے ٹونک میں قیام پذیر ہو گیا تھا، ان میں حضرت سید احمد شہید کے اہل خاندان بھی تھے، انہیں حضرات نے وہاں ایک مسجد تعمیر کی جو مسجد قافلہ کے نام سے مشہور ہوئی حضرت مولانا رحمۃ اللہ کی یہ تقریر اسی مسجد قافلہ میں ہوئی

الحمد لله رب العلمين والصلوة و السلام علىٰ سيد المرسلين محمد وآله وصحبه اجعمين. " من المؤمنين رجال صدقو اما عاهدوا الله عليه فمنهم من قضىٰ نحبه، ومنهم من ينتظر، وما بد لوا تبديلا ".

حضرات: انسان کی فطرت، حالات، ماحول اور تاریخی واقعات کا یہ اثر ہوتا ہے کہ آدمی کسی جگہ جاتا یا کسی سے ملتا ہے اور کسی نئی جگہ پر وہ قدم رکھتا ہے تو اس کے سامنے کچھ ایسی حقیقتیں آ جاتی ہیں کہ جو اپنی جگہ بیٹھے بیٹھے نہیں آتیں، یہ انسانی نفسیات کا تقاضا اور خاصہ ہے، یہ مسجد جو قافلے والی مسجد کے نام سے مشہور ہے، یہاں آ کر بے اختیار میرے سامنے قرآن شریف کی آیت آ گئی جو بالکل حسب حال ہے، یہ صرف مسجد قافلہ اور محلہ قافلہ پر منحصر نہیں بلکہ ایک عہد، ایک نسل، ایک تحریک، ایک دعوت، ایک صداقت، ایک بطولت، وفاداری، اور اسلام کو ایک صحیح شکل میں پیش کرنے پر اور اس کے لئے ہر چیز کو قربان کر دینے پر اس کی پوری تاریخ مجسم طریقہ پر میرے سامنے آ گئی ہے اور یہ بالکل اضطراری طور پر ہوا ہے، اس میں میرے غور وفکر کو کوئی دخل نہیں ہے، یہ کیسے ممکن ہے کہ قافلہ کی مسجد میں میں قدم رکھوں، بلکہ ٹونک کی سرزمین پر قدم رکھوں اور مجھے مجاہدین یاد نہ آئے۔

جماعت مجاہدین کے کارنامے کی تعریف اس آیت سے بہتر کی نہیں جا سکتی، یہ آیت نہ صرف اس عہد کو یاد دلاتی ہے بلکہ قیامت تک کے لئے مسلمانوں کے سامنے ایک نمونہ پیش کرتی ہے، اور بتاتی ہے کہ مسلمان کا قیام کیا ہے، اور ہر مسلمان کا اپنے اپنے عہد میں کیا فریضہ

ہے اور وہ کس چیز کا مکلف ہے، اللہ تبارک وتعالیٰ کی طرف سے قبولیت کا استحقاق کس چیز میں پیدا کرتی ہیں، ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہ آیت مسلمانوں کے سامنے اسلام کا معیاری نمونہ سامنے رکھتی ہے، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

"من المؤمنین رجال صدقو اما عاهدوا الله علیله".

(اہل ایمان کی جماعت تو بہت بڑی ہے، اور وہ ایک بڑا دائرہ ہے، اس کے اندر بھی تخصیص کر کے فرمایا جارہا ہے کہ اہل ایمان میں کچھ مردان کار اور اہل عزیمت ایسے ہیں) بلکہ اس کا ترجمہ یوں کر لیجئے کہ اہل ایمان تو بہت ہیں، خوش نصیب ہیں، اللہ کے وعدے پر یقین رکھتے ہیں، اور اللہ کے ایسے شیر مرد اور ایسے باہمت اور باحوصلہ لوگ ہیں۔

"صدقو ماهد و الله علیه"۔ انھوں نے اللہ سے جو عہد اور جو وعدہ کیا تھا، سچ کر دکھایا۔

"فمنهم من قضیٰ نحبه" اور ان میں سے کچھ لوگ وہ ہیں جو وقت پورا کر چکے اور اللہ کے پاس جا چکے، اللہ کے یہاں ان کو انعام ملے گا (والآخرة خیر و أبقی) آخرت کا تو کہنا ہی کیا "ومنهم من ینتظر" اور جن کا ابھی وقت نہیں آیا، وہ انتظار میں ہیں، اور اپنے عہد پر قائم ہیں، "وما بدلوا تبدیلا" اور انہوں نے کوئی تبدیلی نہیں کی۔

میں عرض کرنا چاہتا ہوں کہ اس آیت میں اسلام کی تعریف کی گئی ہے، قرن اول کے مسلمانوں کے لئے یہ ایک معیاری چیز ہے اور قیامت تک پیدا ہونے والوں کے لئے ایک نمونہ عمل ہے اور ایک معیار اور اللہ کی طرف سے ایک سند ہے، مسلمان اصل میں محض زبان سے کلمہ پڑھ لینے کا نام نہیں ہے، اس کو ہم مسلمان کہیں گے، ہم اس کے اسلام میں شک نہیں کریں گے، جو کلمہ پڑھے گا، ہم اس کو احترام اور قدر کی نگاہ سے دیکھیں گے، لیکن اسلام اس پر ختم نہیں ہو جاتا، کہ کلمہ پڑھ لیا جائے، مسلمان خاندان میں کوئی بچہ پیدا ہو جائے، پھر عقیقہ ہو، پھر وہ مسلمان کہلائے، اور وہ خود بھی اپنے کو مسلمان کہے یہ کافی نہیں بلکہ "من المؤمنین رجال صدقوا ما عاهدو الله علیه" اس نے اللہ کے ساتھ کوئی عہد کیا، یہ اللہ کے ساتھ ایک عہد ہے اور عہد یہ ہے کہ ہم اللہ کے احکام کے مطابق زندگی گذاریں گے، اس دنیا کا خالق اور رازق، نافع اور ضار وہی ہے، وہی عزت اور ذلت دینے والا ہے، اور کارساز حقیقی اور مالک

الملک ہم اسی کو سمجھیں گے، کلمہ ''لا الہ اللہ محمد رسول اللہ'' بھی ایک عہد اور ایک اعلان ہے کہ ہم اس بات کا اعلان کرتے ہیں زبان قال سے بھی اور زبان حال سے بھی کہ اس دنیا کو پیدا کرنے والی اور چلانے والی تنہا خدا کی ایک ذات ہے، ''الا له الخلق والامر'' (یاد رکھو اسی کا کام ہے پیدا کرنا اور اسی کا کام ہے حکم چلانا) وہ اس کا خالق بھی ہے اور منتظم بھی ہے، یہ نہیں کہ پیدا کر دیا اور اس کو اپنے حال پر چھوڑ دیا، یا دوسروں کے حوالہ کر دیا، کہ اب جو کچھ ہو آدمی کی کوششیں ہیں، نتائج ہیں، مواقع ہیں، اور اشیاء میں نفع وضرر کی صلاحیت ہے، نہیں ایسا نہیں ہے، اللہ تعالی تو ایک ایک ذرہ کا مالک ہے کوئی پتہ بغیر اس کی اجازت کے ہل نہیں سکتا، اور نہ ہی کوئی ذرہ اپنی جگہ سے ہٹ سکتا ہے، کوئی کام اور کوئی تبدیلی دنیا میں آ نہیں سکتی، نہ قسمتیں بدل سکتی ہیں، نہ حالات بدل سکتے ہیں، جب تک اسکی مرضی اور حکم نہ ہو، اصل میں اسلام ایک عہد ہے، اب اس عہد کو دیکھنا ہے، وہ عہد یہ ہے کہ ہم اس دنیا کا پیدا کرنا والا، چلانے والا، خدا کو سمجھیں گے، اس کو مالک حقیقی مانیں گے اور اپنی قسمت اسی کے ہاتھ سمجھیں گے، اور نافع ورضا راسی کو مانیں گے، اس کو سوا کسی کے سامنے نہ سر جھکائیں گے اور نہ کسی کے سامنے احتیاج اور التجا کا ہاتھ اور دامن پھلائیں گے، یہ ایک عہد ہے، پورا اسلام ایک عہد ومعاہدہ کا نام ہے، اب دیکھنا یہ ہے کہ کتنے لوگ ہیں جو اس عہد کو پورا کرتے ہیں اور کتنے لوگ ہیں جو عہد کر کے بھول جاتے ہیں، ہم بھی عہد کر کے بھول گئے، اس میں صحابہ کرامؓ کی مثالیں ہمارے سامنے آتی ہیں، جب کلمہ پڑھا تو اس کو نہ اپنی جان کی پرواہ رہی اور نہ مال کی رہی، اہل وعیال کی پروا، نہ عزت ودولت کی پروا رہی، اور نہ تعریف اور مذہب کی، کسی چیز کی انھیں پروا نہیں رہی۔

یہ وہ بات ہے جو مسلمانوں کو سمجھنی چاہئے خاص طور پر اس ابتلاء اور آزمائش کے دور میں سمجھنا چاہے، اور خصوصاً اس قافلہ کی مسجد میں یہ بات سمجھنی چاہیے جو حضرات یہاں جمع ہوئے ہیں اور اللہ نے جن کو توفیق دی ہے ان کو سمجھنا چاہئے، کہ ان کے سامنے ایک مثال اللہ کے ان بندوں کی ہے، جو بالاکوٹ کی شہادت گاہ سے یہاں بلائے گئے، اللہ کے یہاں مقدر بھی تھا اور اسباب بھی پیدا ہوئے کہ نواب وزیر الدولہ مرحوم (اللہ ان کی تربت کو ٹھنڈا رکھے اور اللہ اپنی نعمتوں اور سرفرازیوں سے مالا مال کرے) انھوں نے اصرار کر کے نہیں بلکہ کہا جاتا ہے اور کہنے والوں نے کہا ہے کہ خوشامد کر کے اس قافلہ کو بلایا کہ اس قافلہ کا ورود باعث برکت یہ قافلہ

اگر آئے گا تو اللہ کی رحمتیں نازل ہوں گی یہ وہ لوگ تھے جنھوں نے اپنی جان دینے میں کوئی کسر اور کوئی دقیقہ نہیں اٹھا رکھا، یہ مولانا اسماعیل شہید رحمۃ اللہ علیہ، حضرت سید احمد شہید رحمۃ اللہ علیہ کے پاس تشریف لاتے ہیں اور یہ تاریخ میں لکھا ہوا ہے اور کئی بار یہ کہتے ہیں کہ حضرت اجازت دیجئے کہ اللہ کی راہ میں یہ سر قربان کردوں، سید صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ مولانا، اللہ آپ کے علم سے بڑا کام لے گا، آپ کی تحریر، تقریر اور آپ کی تبلیغ سے، آپ ابھی جلدی نہ کیجئے. لیکن صبر نہیں ہوتا، بار بار کہتے ہیں کہ یہ سر قربان کرنے کے لئے لایا ہوں، ہم جو عہد کرکے آئے تھے وہ عہد پورا کرنا چاہتے ہیں، بالآخر سید صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا ایماء ہوا یا وہ سمجھے کہ منع نہیں کرتے، اور انھوں نے وہاں اللہ کی راہ میں سر کٹا دیا، صدقوا ما عاهدوا اللہ علیہ، یہ اسلام جس سے اللہ نے ہمیں سرفراز فرمایا ہے اور ہم پر احسان فرمایا ہے، اسلام کے ذریعہ، یہ اسلام نہیں ہے کہ آپ کہیں کہ ہم مسلمان ہمیں مسلمانوں کا نام رکھ لیں، یا مسلمانوں کی سی معاشرت، یعنی گھر کا نقشہ مسلمانوں کا سا ہو، مسجد بھی کبھی کبھی جائیں یا پابندی کے ساتھ جائیں یا اپنے کو مخاطب کرکے کہیں، یہ ایک عہد ہے، یہ ایک (خدا کرے بے ادبی نہ ہو) چیلنج ہے، زمانے کے لئے ایک چیلنج ہے کہ ہم مسلمان ہیں، ہم اپنے عقائد میں مسلمان ہیں، ہم عبادات میں مسلمان ہیں، اپنے اخلاق میں مسلمان ہیں، معاملات میں مسلمان ہیں، اپنے اخلاق میں مسلمان ہیں، معاملات میں مسلمان ہیں، اپنے طرز معاشرت میں مسلمان ہیں، ہم آپس کے تعلقات، جو میاں بیوی کے تعلقات ہوتے ہیں، باپ بیٹے کے تعلقات ہوتے ہیں، بھائی بھائی کے تعلقات ہوتے ہیں، ہمسایوں سے تعلقات ہوتے ہیں، ہم ان سب چیزوں میں قانون الٰہی کے پابند ہیں، ہم کچھ نہیں جانتے، ہم پہلے یہ دیکھیں گے کہ حکم کیا ہے، اس موقع پر اللہ کے اس حکم سے اگر ہماری ساری جائیداد جاتی ہو، ہماری ساری کمائی اور سرمایہ پر پانی پھر جاتا ہو، اور ہم ایک ایک لقمہ کے محتاج ہو جائیں جب بھی ہم یہی کریں گے، یہ ہے اصل اسلام، اسلام صرف ایک قومیت کا نام نہیں ہے، اسلام کسی تہذیب کا نام نہیں ہے، اسلام کسی آبادی کے ایک عنصر کے ساتھ کچھ امتیازات اور اپنے کو ایک خاص نام سے موسوم کرنے کا نام نہیں ہے، جو اس وقت عام طور پر ہو رہا ہے، اسلام اول سے آخر تک ایک عہد ہے اور ایک پیمان ہے اللہ کے ساتھ ایک اعلان ہے، دنیا کے سامنے ہمارے لئے فیصلہ کن، قابل عمل اور قابل غور چیز وہ ہوگی، جس کے لئے اللہ اور اس

کے رسول کی طرف سے حکم دیا جائے گا، رسول اس کی تشریح فرمائیں گے، جو اللہ کا حکم ہوگا اور جو رسول کی تشرح ہوگی یا جو اسوۂ رسول ہو گا یا جو رسول کا نمونہ ہوگا، ہم اس پر عمل کریں گے، اگر ہمیں اپنی جانداد، اپنی مالی منفعت اور تمام سہولتوں سے دست بردار ہونا بلکہ نشانۂ ملامت بنا پڑے ہمارے لئے زندگی گذارنا وہاں دشوار ہو جائے، پھر آخری درجہ کی چیز یہ ہے کہ پھر کسی ملک میں (جہاں حالات مختلف ہوتے رہتے ہیں) وہاں ہم نگاہ پر چڑھ جائیں، بلکہ نگاہ پر چڑھنا نہیں ہم پھانسی کے تختہ پر چڑھا دیئے جائیں ہمارے ساتھ بالکل ایک مخالف قوم یا ایک بے وفا اور ایک غدار قوم کا سا سلوک ہونے لگے، ہمارے لئے ملازمتوں کے دروازے بند ہو جائیں، ہمارے بچوں کی تعلیم مشکل بلکہ بنیادی معاشی ذرائع کا حصہ حاصل کرنا بھی مشکل ہو جائے، پھر بھی ہم وہی کریں گے جو اللہ اور اس کے رسول کا حکم ہے۔

اللہ فرماتا ہے ''من المومنین رجال'' اہل ایمان میں وہ شیر مرد لوگ ہیں، وہ جانباز لوگ ہیں، جنھوں نے ''صدقوا'' عہد کے سچے ہونے کا نمونہ دکھایا، قرآن مجید ''صدقوا'' کا لفظ بولے تو اس کی عمومیت، اس کا عمیق اور اس کی طاقت کا کوئی شمار نہیں اور ناپنے کا کوئی پیمانہ نہیں ہے اور جب ''صدقوا'' کا لفظ ہے تو اس کا مطلب ہے کہ سو فیصدی سچ کر دکھایا، نہ اس میں مداہنت تھی، نہ نفاق تھا، نہ مصلحت اندیشی تھی، نہ تاخیر تھی، کچھ بھی نہیں، سب سے بڑے عزت والے کی طرف سے عزت کی جو سب سے بڑی سند دی جا سکتی ہے اور جو توثیق کی جا سکتی ہے وہ ان الفاظ میں موجود ہے، جن لوگوں پر یہ آیت نازل ہوئی تھی، ان پر اگر وجد کی کیفیت طاری ہو جاتی تو کوئی تعجب کی بات نہیں تھی، اگر اپنا گھر بار لٹا دیتے اور لٹا دیا انھوں نے، اللہ تعالیٰ شہادت دیتا ہے، ''صدقوا ما عاھدوا اللہ علیہ'' انھوں نے سچ کر دکھایا جس کے لئے انھوں نے اللہ سے عہد کیا تھا اور ذرا بھی وہ اپنی جگہ سے ہٹے نہیں۔

آج ہم مسلمانوں کی حالت کیا ہے، ہم مسلمان دیکھتے ہیں کہ اس بات کی کتنی گنجائش ہے، اس میں نفع ونقصان کا کیا توازن ہے، نفع کتنا ہے، نقصان کتنا ہے، نیک نامی ہے یا بدنامی ہے، سیاسی بدگمانیاں اور اقتصادی پریشانیاں تو اس میں نہیں شامل ہو جائیں گی، ہماری اولاد اور خاندان کا مستقبل تو نہیں مشکوک ہو جائے گا، ہم خطرے میں تو نہیں پڑ جائیں گے، یہاں تک کہ آخری درجہ یہ ہے کہ ہم الیکشن جیت سکیں گے یا نہیں جیت سکیں گے، ہم کوئی عہدہ پا سکیں گے یا نہیں پا

سکیں گے، ملک میں باعزت طریقہ سے زندگی گذار سکیں گے یا نہیں گذار سکیں گے. یہ سب خیالی چیزیں ہیں، اللہ کے یہاں اس کا کوئی گذر نہیں ہے،" **فمنهم من قضى نحبه** " اور ان میں سے کچھ وہ تھے جو آخری درجہ تک پہونچ گئے، جب انھوں نے اپنا وقت پورا کر لیا، تو موت کے گھاٹ اتر گئے، شہادت کا درجہ انھوں نے حاصل کر لیا، خون کا آخری قطرہ بہادیا" **ومنهم من ینتظر** "اور کچھ لوگ تھے جن کا ابھی وقت نہیں آیا تھا اللہ کی طرف سے وہ ایک تقدیری بات ہے، موت کا وقت مقرر ہے، شہادت بھی موت ہی کی ایک قسم ہے اس کا بھی وقت مقرر ہے، ایسے ایسے واقعات ہم دیکھتے ہیں، فتوحات اور جہاد کی تاریخ میں انھوں نے کوئی کسر نہیں اٹھا رکھی، حضرت خالد رضی اللہ عنہ ہتھیلی پر سر رکھے ہوئے جنگ کر رہے ہیں، اس میں کسی قسم کی آڑ نہیں، ذرا بھی اس میں تردد نہیں، لیکن اللہ تعالی سلامت رکھتا ہے، کتنی جنگوں کو فتح کیا اور کتنی جنگوں کا سہرا ان کے سر ہے، ایک خالد ہی نہیں آپ کے شہر کے لئے قابل فخر بات ہے کہ حضرت سید عبدالرزاق صاحب کلامی مرحوم جو اس قافلہ کے رہنے والے تھے، سادات قافلہ کے ایک فرد تھے، سید صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے حقیقی بھانجے کے پوتے تھے، انھوں نے فتوح الشام کا ترجمہ کیا ہے، اس وقت بے اختیار بات یاد آ گئی، میں پہلے سے سوچی سمجھی تقریر نہیں کیا کرتا، چھوڑ دیتا ہوں کہ اللہ جو کچھ کہلوائے گا، دل میں ڈالے گا کہہ دوں گا، جب ذکر آ گیا تو ان کا ذکر کر دوں کہ انھوں نے فتوح الشام کا ترجمہ کیا، صمصام الاسلام کے نام سے اس میں پچیس ہزار اشعار ہیں، اس میں جنگوں کی تشریح ایسی ہے کہ ہمارے خاندان میں اور غالبًا یہاں قافلہ میں بھی اس کا رواج رہا ہوگا، کہ جب کوئی حادثہ پیش آتا تھا اور خاص طور پر مستورات پر بہت اثر ہوتا تھا، کسی کے بیٹے کا انتقال ہو گیا، کسی کے شوہر کا انتقال ہو گیا، تو اس کا اعلان یہ تھا کہ صمصام الاسلام پڑھی جائے، خوب یاد ہے کہ تمام بیبیاں جمع ہوتی تھیں، میری خالہ تھیں جو حافظ قرآن بھی تھیں، وہ اس کو بڑے جوش کے ساتھ پڑھتی تھیں، ہم بچے پیسہ مانگنے کے لئے اپنی ماؤوں کے پاس آتے تھے، جی میں آیا کہ چلوں اماں سے پیسہ لے لیں اور کچھ خرید لیں یہاں آتے تھے تو کچھ نقشہ ہی دوسرا ہوتا تھا، آنسو جاری ہیں اور چہرہ پر ایک ایسا رنگ ہے، معلوم ہوتا تھا کہ میدان شہادت اور میدان جہاد میں یہ خود ہیں، پیسہ مانگنے کی ہمت ہی نہیں ہوتی بیٹھ جاتے تھے اور خود بھی شریک ہو جاتے تھے (یہ بھی تقدیری بات ہے کہ اس کے دو ایڈیشن نکلے اور دونوں ایڈیشن نول کشور پریس سے

شائع ہونے میں مشورہ دوں گا اگر خدا کسی کو توفیق دے تو اس کو دوبارہ چھپوائے، ورنہ وہ اس کو حاصل کرے اور مجلسوں میں پڑھی جائے)۔

"ومنهم من قضى نحبه" کچھ وہ ہیں جنھوں نے اپنا وقت پورا کر دیا، اللہ نے جو وقت مقرر کیا تھا، وہ وقت آ گیا، جہاد میں آیا یا گھر پر آیا۔ "ومنهم من ينتظر" اور کچھ وہ انتظار میں ہیں ان کی طرف سے کوئی کمی نہیں، وہ ہتھیلی پر سر رکھ کر پھر رہے ہیں، میدان جہاد میں اور موت سے لڑتے ہیں شہادت کو ان کی شہادت کا وقت نہیں آیا، الحمد للہ وہ میدان جنگ میں زندہ سلامت سے آ جاتے اپنے گھر، لیکن وہ انتظار میں ہیں، "وما بدلوا تبديلا" انھوں نے کوئی تبدیلی نہیں کی۔

یہ نمونہ ہمارے لئے اگر اس وقت ہم سے پوچھا جائے میری تمام نااہلیتوں، بے عملی، تمام کمزوریوں اور گناہوں کے باوجود مجھ سے پوچھا جائے کہ اس وقت مسلمانوں کو ایک منشور اور عہد نامہ چاہئے اور ایک ایسا دستور العمل جو ان کے سامنے رہے، آپ لکھ کر دے دیجئے، میں لکھ کر دوں گا "من المومنين رجال صدقوا ماعاهدوا الله عليه، فمنهم من قضى نحبه منهم من ينتظر ومابدلوا تبديلا" نظام تعلیم بدل جائے لیکن ہم بچوں کو دینی تعلیم دیں گے ان کو روزگار ملے نہ ملے، وہ فاقہ کریں اور جان پر بن آئے، دین کی وہ تعلیم دیں گے جن سے وہ کفر و شرک سے محفوظ رہیں اور جن سے ان کے اندر ہندو متھالوجی کے عقائد نہ آنے پائیں، وہ تعلیم جو اسکولوں میں دی جا رہی ہے، وہ ہندو متھالوجی کی تعلیم کھلے طریقے پر دی جا رہی ہے، ہمارے دینی تعلیمی کونسل کی رپورٹوں میں اور مقالات میں وہ اقتباسات ہیں، جن میں یہ ہے کہ سب دیوتا جمع ہوئے کہا گیا کہ کون بڑا دیوتا ہے، تو کہا گیا جو زمین کے چکر اتنی دیر میں لگا کر آ جائے، پورے عالم کا چکر لگا کر آ جائے وہ بڑا دیوتا ہے، وہ اٹھے اور تمام عالم کے چکر لگا کر آ گئے، کھلی بت پرستی کی تعلیم دی جا رہی ہے۔

میں حاصل سفر سمجھوں گا، کم از کم ٹونک حاضری کا اور قافلہ مسجد کا حق سمجھوں گا، اس کے در و دیوار، اس کے ستون، اس کے اجزاء اور اس کی فضا دعوت دے رہی ہے، اسی فضا نے اسی آیت میں میرے دل میں ڈالا ہے، خدا شاہد ہے، جب میں اپنی جگہ پر تھا، وہاں مجھے خیال بھی نہیں تھا قافلہ اور قافلہ والوں کی تاریخ اور ٹونک کی تاریخ یاد آئی، خدا کے بندے جن کی جان بچ گئی تھی وہ کسی پیشہ میں لگ جاتے، ملازمتوں میں لگ جاتے اور جو کچھ ہو رہا تھا وہ بھی اس میں شامل ہو

بہت سی ریاستیں ہوا کرتی تھیں، ان میں چھوٹی چھوٹی بھی تھیں، یہاں کے لئے ہی حکومتیں چلتی تھیں اور وہ ریاستیں ہوتی تھیں، ان میں بہت سے مسلمان اور ایسے ایسے جیسے قسم کے وہ سید صاحب کے ہاتھ پر بیعت ہوئے تھے، جو بڑی سے بڑی سعادت کے لئے باعث فخر ہو سکتے تھے، انھوں نے یہ عہد اللہ سے کیا تھا، اللہ کے ایک بندے کے ہاتھ پر جس کا نام سید احمد شہید ہے اللہ تعالیٰ کی رحمتیں ہوں ان پر، اس کے ہاتھ میں ہاتھ دے کر انھوں نے کہا تھا، ہم اسلام سے نہیں پھریں گے، ہم اعلاء کلمۃ اللہ کے لئے سب کچھ قربان کرنے کے لئے تیار ہیں انھوں نے چھوڑا اپنی جائدادیں چھوڑیں، یہ سب امیٹھی کے رہنے والے، یہ لکھنؤ کے اطراف کے رہنے والے، کرانے اور پھر یہ مرادآباد اور رائے بریلی کے رہنے والے، اور معلوم نہیں کہاں کہاں سے یہ سب وہاں گئے اور وہاں سے ایک بھی آدمی جو خاص کسی سبب سے واپس آئے جن کو سید صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے خود بھیجا، مولانا کرامت علی جونپوری کو بھیجا کہ آپ تبلیغ کریں اور کبھی مولانا محمد علی صاحب واعظ رامپوری کو بھیجا کہ آپ حیدرآباد میں ہدایت کا کام کریں، وہ تبلیغ کریں، ایک بھی آدمی جان کے خطرے سے شہادت کے خوف سے واپس نہیں آیا۔

اصل میں اسلام؟ اسلام صرف یہ نہیں ہے کہ صرف مسلمان کا نام رکھ دیا، یا اسلامی طرز معاشرت اختیار کر لیا، صرف یہ اسلام نہیں بلکہ اسلام ایک عہد ہے کہ اے حاضر و ناظر، اے عالم الغیوب، اے خلاق دو جہاں تو شاہد رہ، گواہ رہ کہ ہم شریعت کو ترجیح دیں گے طبیعت پر، ہم شریعت کو ترجیح دیں گے، رسم و رواج پر ہم، شریعت کو ترجیح دیں گے، منافع پر، شریعت کے احکام کو پہلے پوچھیں گے، دیکھیں گے اور اس پر عمل کریں گے۔

آج بچوں کی تعلیم میں کیا ہو رہا ہے، بچوں کو اس خیال سے کہ اچھی جگہ پائیں، اچھی ملازمت ملے، ان کو حوالہ کر دیا گیا، سیکولر سرکاری تعلیم کے جہاں وہ ایک لفظ توحید سے نہیں سنتے، خدا کی صفات کا، جمال کا، ایک لفظ ان کے کان میں نہیں پڑتا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جو محبوب رب العالمین ہیں ان کی سوانح و سیرت سے بالکل ناواقف، اردو رسم الخط سے ناواقف، ایک نہیں، عام مثالیں آپ دیکھ لیجیے، لوگوں نے بتایا کہ بڑی یونیورسٹی میں (جس کا نام لینا مناسب نہیں سمجھتا) ٦٠/. ، ٧٠/. طلبہ اردو سے ناواقف ہیں وہ اپنے والدین کو ہندی میں خط لکھتے ہیں، اس کا تو ہمیں تجربہ ہوا کہ ہمیں ایک زمانہ میں کچھ معذوری تھی خود لکھنے کی بجائے

ہم نے کہا کہ بھائی صاحب ایک مضمون ہے میں بولتا ہوں آپ لکھ لیجئے میں بڑا مطمئن تھا بعد میں اس کے ہاتھ سے لے کر دیکھا تو ہندی میں اس نے کہا کہ ہم ہندی میں لکھ سکتے ہیں، اسکولوں میں تو عام طور سے یہ بات ہے، تو میں آپ کو ڈراتا ہوں کہ یہ وہ راستہ ہے، جو اس عہد کے خلاف ہے، اس کی اس تعریف کے بالکل متضاد ہے، اللہ تعالیٰ نے ان چند اولوالعزم اور اعلیٰ طبقے کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور مسلمانوں کی پہلی نسل کے برگزیدہ حضرات کے متعلق ہے، لیکن یہ الفاظ قیامت تک کے لئے ہیں: "من المؤمنين رجال صدقوا ما عاهدوا الله عليه" اہل ایمان وہ شیر مرد لوگ ہیں، جنھوں نے سچ کر دکھایا، جس کا عہد تھا یہی ہمارے لئے خدا کا حکم ہے، یہی ہمارے لئے منشور ہے، کہ کلمہ "لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ" پڑھ کر ایک عہد کیا ہے، ہم اللہ اور رسول کی طرف نسبت رکھنے والی چیز کو اور ان کی طرف سے آئی ہوئی چیز کو چاہے وہ اعتقادات سے تعلق رکھتی ہو، خواہ عبادات سے تعلق رکھتی ہو، خواہ رسم و رواج سے تعلق رکھتی ہو، اقتصادیات سے تعلق رکھتی ہو، سیاسیات سے تعلق رکھتی ہو۔ چاہے وہ افکار و فلسفوں سے تعلق رکھتی ہو، اللہ اور اس کے رسول کی طرف سے آئی ہوئی چیز کو ہر حال میں اس کو ترجیح دیں گے، چاہے اس میں ہماری جان چلی جائے۔ چاہے ہماری اولاد خطرہ میں پڑ جائے۔ یہ یا کھانے کی فاقہ کرے گی، آج بہت سے لوگ مسلمانوں کو ڈراتے ہیں، کہ اگر انھوں نے یہ تعلیم نہیں دی، اگر ان کو اسکول نہیں بھیجا انھوں نے ہندی نہیں پڑھی اور پھر انھوں نے اپنی تعلیم آگے جاری نہیں رکھی تو یہ فاقہ کریں گے، کھانے کو نہیں ملے گا اور ترسیں گے ایک ایک لقمہ کو۔ آپ ان کے حق میں خودکشی، نسل کشی کر رہے ہیں، آپ اپنے ان بچوں کو گویا فنا کے گھاٹ اتار رہے ہیں۔

ہم ان باتوں کو نہیں جانتے، اسلام ایک عہد ہے، ہم نے عہد کیا ہے، وہ عہد یہ ہے، اللہ اور رسول کی بات کو اللہ اور رسول کی طرف سے آئی ہوئی بات کو، اللہ اور رسول سے مانگی اور مطالبہ کی ہوئی بات کو ترجیح دیں گے، تمام حقیقی، یقینی اور متخیلہ اور ممکن الوقوع تمام خطرات پر اور نقصانات پر، بس آپ یاد رکھیں یہ اسلام ہے، اسلام وہ ہے جو اللہ اور اس کے رسول کی طرف سے اس کا تعلق عقائد سے بھی ہے، معاملات سے بھی ہے، شادی بیاہ کی رسموں سے بھی ہے، میاں بیوی کے تعلقات سے بھی ہے، اور اپنے پڑوسی کے تعلقات سے بھی ہے۔

زندگی ایسی بدل جائے، میں آپ کو ایک واقعہ سناتا ہوں جس سے آپ سمجھیں گے زندگی کیسی بدلتی ہے، جو یہاں کی تاریخ سے تعلق رکھتی ہے یہ ہے کہ جب پشاور فتح ہوا، مجاہدین نے پشاور فتح کیا، حضرت سید صاحب رحمۃ اللہ علیہ اور شاہ اسمٰعیل شہید رحمۃ اللہ علیہ کی قیادت میں کئی ہفتے گذر گئے، وہاں سے ایک پٹھان نے ایک ہندوستانی (غالباً وہ یوپی یا دہلی کے ہوں گے) کا ہاتھ پکڑا اور کہا میاں صاحب میں آپ سے ایک بات پوچھنا چاہتا ہوں بتائیے گا؟ انھوں نے کہا کہ پوچھئے، ہندوستان سے وہاں ہندوستانی نسل کی آنکھوں کی نظر کمزور ہوتی ہے کیا؟ دور کی نہیں دیکھ سکتے ہیں کیا؟ کہا خوب، پوچھتے ہیں، کہا کہ نہیں نہیں آپ صاف صاف بتائیے، ہو سکتا ہے کہ آپ مستثنا ہوں لیکن میرا خیال ہے ہندوستانی نسل کا جسم وغیرہ تو ٹھیک ہوتا ہے لیکن دور کی نظر کمزور ہوتی ہے، انہوں نے کہا کہ آپ بتائیے کہ آپ پوچھ کیوں رہے ہیں، اس کی ضرورت کیا پیش آئی، کہا کہ میں اس لئے پوچھتا ہوں کہ میں دیکھتا ہوں آپ میں سے بعض لوگ چار برس سے اپنا گھر چھوڑ کر یہاں آئے ہیں، پانچ برس گذر گئے ہیں اور جوان ہیں، بیوی بچوں کو آپ چھوڑ آئے ہیں ہندوستان میں ہم نے آپ میں سے کسی بھائی کو نامحرم کی طرف نظر اٹھا کر دیکھتے ہوئے نہیں دیکھا، یہ ہماری سمجھ میں نہیں آتا ایک ہوں، دو ہوں، سب کے سب کی حالت یہ ہے کہ جوان ہیں، تندرست ہیں، یہ لوگ عام طور پر طاقتور ہوتے ہیں فوجی لوگ ہیں، دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ نوجوان ہیں اور خون ہے ان کے جسم میں اور ہر طرح سے صحیح الاعضاء ہیں اور پھر ہم دیکھتے ہیں ایک شخص بھی کسی غیر محرم کی طرف نہیں دیکھتا پھر آپ کو معلوم ہوگا کہ وہ جو پٹھانوں کا ملک ہے، اس میں حسن و جمال بھی ہے۔ اس میں صحت و تندرستی بھی ہوتی ہے، کسی کو بھی تو دیکھا ہوتا ہے کہ وہ نامحرم اور غیر عورت کو دیکھ رہا ہے، اس کی نیت تو نہ ہو لیکن دیکھ ہی کر تسکین حاصل کرلے، ہم دیکھ رہے ہیں کہ سینکڑوں کی تعداد میں فوجی ہیں اور سب کے سب ایسے محتاط ہیں کہ کوئی غیر محرم کو دیکھتا نہیں اس کی وجہ یہ ہے کہ اللہ قرآن شریف میں فرماتا ہے، قل للمؤمنين يغضوا من ابصارهم ويحفظوا فروجهم" اہل ایمان سے کہہ دو کہ اپنی نگاہیں نیچی رکھیں، اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کریں اور یہ ہمارے امام کی تربیت کا نتیجہ ہے۔

حضرات: اگر یہ ہم مسلمانوں کی حالت ہوتی ہے، مسلمانوں میں اخلاقی معیار پر ہوتے

اور ہماری یہ امتیازی شان ہوتی تو ہندوستان کا نقشہ ہی دوسرا ہوتا، یعنی اگر یہ معلوم ہوتا، یہ بات میں نے ابھی نیویارک گیا تھا، نیویارک میں مسلمانوں سے خطاب کرنے کا موقع ملا ایک اجتماع میں، ان سے بھی کہا کہ یہاں کی آبادی کو محسوس کرائیں کہ آپ کوئی اور مخلوق ہیں، اس معنی میں نہیں کہ آپ انگریزی نہیں جانتے ہیں، اس معنی میں نہیں، اپنے اخلاق سے یہ ثابت کریں، اپنی زندگی سے ثابت کریں کہ آپ کوئی اور دوسری ہستی، دوسری طاقت اور قانون کو ماننے والے ہیں، آپ لذت کے پرستار نہیں، آپ مزے کے بندے نہیں، آپ کے یہاں فیصلہ کرنے کا معیار یہ نہیں ہے کہ یہ چیز لذیذ ہے یا غیر لذیذ یا مفید ہے یا غیر مفید، یہ چیز قیمتی ہے یا کم قیمت میں ہے، اس سے زیادہ تنخواہ ملے گی یا اس سے کم تنخواہ ملے گی، آپ کے نزدیک فیصلہ کن چیز ایمان ہونا چاہئے، میں آپ سے کہتا ہوں کہ آپ کو مسلمانوں کی سی زندگی گذارنی ہے، صاف نظر آرہا ہے کہ مسلمان جارہے ہیں، مسلمانوں کا لباس بھی ابھی تک بہت جلد وہی چل رہا ہے، جو تھا، لیکن اس کا بھی کوئی اعتبار نہیں اگر ذہن یہی رہا، جس میں نفع ہو وہ کام کیا جائے تو لباس کا بھی کچھ اعتبار نہیں، اور لباس کیا یہ تو بہت معمولی چیز ہے، جب ایمانیات اور اعتقادات میں فرق آجائے، زمانہ کا لحاظ کرکے اور زمانہ کے تقاضہ کے مطابق تو لباس کیا چیز ہے، لباس تو اگر بالکل غیر شرعی نہیں تو جائز ہے بالکل اس کو پہن سکتے ہیں، لیکن اصل چیز یہ ہے کہ رجال صدقوا ما عاہدوا اللہ علیہ'' وہ شیر مرد ہوں جو سچ کردکھائیں جو انھوں نے اللہ سے عہد کیا تھا، آپ نے اللہ سے عہد کیا ہے، کلمہ ''لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ'' پڑھا ہے، اب بالکل آپ کا راستہ ایک دوسرا ہے، یہاں تک کہ طرز زندگی میں، اخلاقیات میں، تجارت میں سیاست میں، سب میں آپ کا الگ طریقہ ہے یہ حلال یا حرام ہے، یہ جائز ہے یا ناجائز ہے، یہ ثواب کا کام ہے یہ گناہ کا کام ہے، ہماری زندگی ایک ممتاز کھلی ہوئی ایک نشانی چاہئے، اس طرف نگاہیں اٹھیں معلوم ہو تحقیق کرنے پر مطالعہ کرنے پر یہ لوگ کن باتوں پر یقین رکھتے ہیں، ان کا مذہب کیا ہے، ان کو تربیت کہاں سے ملی ہے، اور یہ تعلیم ان کو کس نے دی ہے؟

یہ ہماری حالت اگر ہندوستان میں ہوتی تو آج مسلمانوں کی حالت ہی کچھ دوسری ہوتی، جیسا کہ معلوم ہے مصر پورا کا پورا، عراق پورا کا پورا اور ایران پورا کا پورا مسلمان ہو گیا، رسم الخط بدل گئے، افکار بدل گئے، زندگی کے معیار بدل گئے، رہن سہن کا طریقہ بدل گیا، لیکن

ہم نے ہندوستان میں اس کا ثبوت نہیں مگر الا ماشاء اللہ جیسے حضرت سید صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی جماعت تھی، حضرت مجدد صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی جماعت تھی، حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ کا سلسلہ تھا، بزرگان دین خواجہ معین الدین چشتی رحمۃ اللہ علیہ ہندوستان آئے، اصل فاتح معین الدین چشتی رحمۃ اللہ علیہ ہیں ابوالفضل تک نے لکھا ہے جو اکبر کا بڑا معتمد الیہ اور دین کے معاملہ میں بڑا آزاد خیال تھا کہ آج جو مسجدوں میں اذانیں ہو رہی ہیں یہ سب خواجہ معین الدین چشتی کا فیض ہے، انہوں نے ہندوستان کا دل جیت لیا میں نے اپنے خطبہ میں کہا تھا کہ سلاطین نے ہندوستان کی زمین فتح کی اور انہوں نے دل فتح کئے اور اس قوم کا دل جیت لیا اپنے اخلاق سے اپنی روحانیت سے۔

میں زیادہ طول دینا نہیں چاہتا رات کا وقت ہے آپ دور دور سے آئے ہوں گے اس کا اثر پڑتا ہے نمازوں پر یہی بات سمجھیں کہ یہ اسلام ایک عہد نامہ ہے یاد رکھیں اور تعریف ان کی کی گئی جنہوں نے اس عہد نامہ پر پورا پورا عمل کیا اور دکھا دیا کہ اور ثابت کر دیا کہ ہم ایمان کے پکے ہیں اور سچے ہیں ہم نے اسلام کے ساتھ جو عہد کیا ہے ہم اللہ کے سوا کسی سے نہیں ڈریں گے، اس کے سوا ہم کسی کے ہاتھ بکیں گے نہیں ''ان اللہ اشتری من المؤمنین انفسھم و اموالھم'' اللہ خرید چکا ہے مسلمانوں سے ان کی جانیں اور مال سودا دو مرتبہ نہیں ہوتا سودا ہو گیا اب ہمارا سودا ہو گیا اللہ کے ہاتھ، اللہ نے ہم سے ہماری جانیں خریدی ہماری مال خریدے، ہمارا دل و دماغ خریدا، اب اس کے بعد ہم کسی تغیر و انقلاب کے خواہ وہ سیاسی انقلاب ہو خواہ وہ سیاسی ثقافت ہو خواہ کوئی چیز ہو ہم کسی حادثہ کسی تغیر یا خطرہ کی وجہ سے ہم اپنے طرز زندگی کو نہیں بدلیں گے اور اپنے عہد سے کو نہیں چھوڑیں گے۔

یہی پیغام تھا یہاں قافلہ میں آنے والوں کا جس کا نام قافلہ رکھا گیا ہے گویا وہ یہ بھی بتاتا ہے کہ دنیا قافلہ ہی کی جگہ ہے قافلہ یہ محلہ بلکہ ساری دنیا قافلہ ہے ہم سب مسافر ہیں آئے ٹھہرا اور چلا چلا جانے کا کسی کا کل اب آتا ہے لیکن سب کو جانا ہے اس کو نہیں، ساری دنیا کو قافلہ سمجھ لیجئے ہم سب قافلہ کے رہنے والے ہیں اپنی منزل پر نظر رکھنی چاہئے اور کسی چیز پر نہیں رکھنی چاہئے مقصد صرف ایک ہے رضائے الٰہی اور اللہ کی خوشنودی دستاویز اور ''صدقوا ماعاھدوا اللہ علیہ'' انہوں نے جو اللہ سے عہد کیا تھا سچ کر دکھایا۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

عورت اقبال کے کلام میں

جدید شاعری میں غالباً حالی اور اقبال ہی دو ایسے شاعر ہیں جن کے یہاں غزلوں میں صنفی تلذذ، عریانیت اور سطحیت نہیں ملتی بلکہ اس کے برخلاف عورت کے مقام واحترام اور اس کی حیثیت عرفی کو بحال کرنے میں ان دونوں کا ہاتھ نظر آتا ہے۔

اقبال عورتوں کے لئے وہی طرز حیات پسند کرتے تھے جو صدر اسلام میں پایا جاتا تھا جس میں عورتیں مروجہ برقع نہ ہوتے ہوئے بھی شرم وحیا، اور احساس عفت وعصمت میں آج سے کہیں زیادہ تھیں۔ اور شرعی پردے کے اہتمام کے ساتھ ساتھ زندگی کی تمام سرگرمیوں میں حصہ لیتی تھیں۔

۱۹۱۲ء میں طرابلس کی جنگ میں جب انکو اس کا ایک نمونہ دیکھنے کو ملا یعنی ایک عرب لڑکی فاطمہ بنت عبداللہ غازیوں کو پانی پلاتے ہوئے شہید ہوئی تو انہوں نے اس کا زوردار ماتم کیا۔

فاطمہ! تو آبروئے امت مرحوم ہے،
ذرہ ذرہ تیری مشت خاک کا معصوم ہے،
یہ سعادت حور صحرائی تری قسمت میں بھی
غازیان دین کی سقائی تری قسمت میں بھی
یہ جہاد اللہ کے رستے میں بے تیغ و سپر
ہے جسارت آفریں شوق شہادت کس قدر
یہ کلی بھی اس گلستان خزاں منظر میں تھی،
ایسی چنگاری بھی یا رب اپنی خاکستر میں تھی
اپنے صحرا میں ابھی بہت آہو پوشیدہ ہیں
بجلیاں برسے ہوئے بادل میں بھی خوابیدہ ہیں

فاطمہ! گو شبنم افشاں آنکھ تیرے غم میں ہے
نغمۂ عشرت بھی اپنے نالۂ ماتم میں ہے
رقص تیری خاک کا کتنا نشاط انگیز ہے
ذرہ ذرہ زندگی کے سوز سے لبریز ہے
ہے کوئی ہنگامہ تیری تربت خاموش میں
پل رہی ہے ایک قوم تازہ اس آغوش میں

انہیں ہنروران ہند اور ایسے تمام فن کاروں سے شکایت تھی، جو عورت سے نامحرمانہ استعمال کر کے ادب کی پاکیزگی، بلندی اور تقدس مجروح کرتے ہیں۔ وہ اپنی نظم میں لکھتے ہیں۔

چشم آدم سے چھپاتے ہیں مقامات بلند
کرتے ہیں روح کو خوابیدہ بدن کو بیدار

ہند کے شاعر و صورت گر و افسانہ نویس، آہ بیچاروں کے اعصاب کہ مسلمان خاتون کے لئے دلبری اور بناؤ سنگار ایک معنی میں غرض ہے بلکہ انہیں تو اپنی شخصیت، انقلابی فطرت، اور پاکیزہ ونظافت سے باطل کی امیدوں پر پانی پھیر دینا چاہیے۔

بہل اے دخترک ایں دلبری ہا
مسلماں را نزیبد کافری ہا

وہ لکھتے ہیں کہ مسلمان عورت کو پردے کے اہتمام کے ساتھ بھی معاشرہ اور زندگی میں اس طرح رہنا چاہیے کہ اس کے نیک اثرات معاشرہ پر مرتب ہوں اور اس کے پرتو سے حریم کائنات اس طرح روشن رہے جس طرح ذات باری کی تجلی حجاب کے باوجود کائنات پر پڑ رہی ہے۔

ضمیر عصر حاضر بے نقاب است
کشادش در نمود رنگ و آب است
جہاں تابی ز نور حق بیاموز
کہ او با صد تجلی در حجاب است

وہ دنیا کی سرگرمیوں کی اصل ماؤں کی ذات کو قرار دیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ان کی ذات امینِ ممکنات ہے اور انقلاب انگیز مضمرات کی حامل ہے اور جو قومیں ماؤں کی قدر نہیں کرتیں ان کا نظامِ زندگی مستحکم نہیں ہو سکتا

جہاں را محکمی از امہات است
نہاد شاں امینِ ممکنات است
اگر ایں نکتہ را قومے نداند
نظامِ کاروبارش بے ثبات است

وہ اپنی صلاحیتوں اور کارناموں کو اپنی والدہ محترمہ کا فیضِ نظر بتاتے ہیں اور کہتے ہیں کہ آداب و اخلاق تعلیم گاہوں سے نہیں ماں کی گود سے حاصل ہوتے ہیں۔

مرا داد ایں خرد پرور جنونے
نگاہِ مادرِ پاک اندرونے
ز مکتب چشم و دل نتواں گرفتن
کہ مکتب نیست جز سحر و فسونے

وہ قوموں کی تاریخ اور ان کے ماضی و حال کو ان کی ماؤں کی پیشانیوں کا فیض قرار دیتے ہیں کہ ماؤں کی پیشانیوں پر جو لکھا ہوتا ہے وہی قوم کی تقدیر ہوتی ہے

خنک آں ملتے کز وارداتش
قیامت ہا بہ بیند کائناتش
چہ پیش آید چہ پیش افتد مر اورا
تواں دید از جبینِ امہاتش

وہ ملت کی خواتین کو دعوت دیتے ہیں کہ ملت کی تقدیر سازی کا کام کریں اور ملت کی شامِ الم کو صبحِ بہار سے بدل دیں اور وہ اس طرح کہ گھروں میں قرآن کا فیض عام کریں جیسے کہ حضرت عمر کی ہمشیرہ نے اپنی قرآن خوانی سے ان کی تقدیر بدل دی اور اپنے لحن و لہجہ کے سوز و ساز سے ان کے دل کو گداز کر دیا تھا۔

زشام ما بروں آور سحر را
بہ قرآن باز خواں اہل نظر را
تو می دانی کہ سوز قرأت تو
دگرگوں کرد تقدیر عمر را

اقبال معاشرتی اور عائلی زندگی میں ماں کے مرکزی مقام کے قائل ہیں۔ وہ سمجھتے ہیں کہ خاندانی نظام میں جذبۂ امومت اصل محور کا درجہ رکھتا ہے۔ اور اس کے فیض سے نسل انسانیت کا باغ لہلہاتا رہتا ہے ان کا خیال ہے کہ جس طرح گھر سے باہر کی زندگی میں مردوں کو فوقیت حاصل ہے اس طرح گھر کی اندرونی سرگرمیوں میں عورت اور خصوصا ماں کی اہمیت ہے اس لئے کہ اس کے ذمہ نسل کی داشت و پرداخت اور دیکھ بھال ہوتی ہے انسان کا پہلا مدرسہ عورت کی گود ہوتی ہے، ماں جتنی مہذب شائستہ اور بلند خیال ہوگی بچے پر بھی اتنے ہی یہ اثرات مرتب ہوں گے اور ایک اچھی، نیک اور قابل فخر نسل تربیت پا سکے گی

وہ فیضان نظر تھا یا کہ مکتب کی کرامت تھی
سکھائے جس نے اسمٰعیلؑ کو آداب فرزندی

اقبال کی نظر میں عورت کا شرف و امتیاز اس کے ماں ہونے کی وجہ سے ہے جو قومیں امومت (حق مادری) کے آداب نہیں بجا لاتیں تو ان کا نظام ناپائیدار اور بے اساس ہوتا ہے اور خاندانی نظام میں جذبہ امومت نہ ہونے سے امن و سکون درہم برہم ہو جاتا ہے۔ افراد خاندان کا باہمی اتحاد و اعتماد ختم ہو جاتا ہے۔ چھوٹے بڑے کی تمیز اٹھ جاتی ہے اور بالآخر اقدار عالیہ اور اخلاقی خوبیاں معدوم ہو رہی ہیں اس سے اخلاق میں مغرب کا اخلاقی بحران اس لئے رونما ہوا ہے کہ وہاں ماں کا احترام اور عظمت پایہ کی ختم ہوتی ہے۔

وہ آزادیٔ نسواں کی تحریک کے اس لئے حامی نہیں کہ اس کا نتیجہ دوسرے انداز میں عورت کی غلامی ہے اس سے اس کی مشکلات آسان نہیں بلکہ اور پیچیدہ ہو جائیں گی۔

اور انسانیت کا سب سے بڑا نقصان یہ ہوگا کہ جذبہ امومت ختم ہو جائے گا۔ ماں کی مامتا کی روایت مٹ کر رہ جائے گی۔ اس لئے وہ کہتے ہیں کہ جس علم سے عورت اپنی خصوصیات کھو دیتی ہے وہ علم نہیں بلکہ موت ہے۔ اور فرنگی تہذیب قوموں کو اس موت کی دعوت دے رہی ہے۔

تہذیب فرنگی ہے اگر مرگ امومت
ہے حضرت انسان کے لئے اس کا ثمر موت
جس علم کی تاثیر سے زن ہوتی ہے نازن
کہتے ہیں اسی علم کو ارباب نظر موت
بیگانہ رہے دیں سے اگر مدرسۂ زن
ہے عشق ومحبت کے لئے مسلم و ہنر موت
علم او بار امومت بر نتافت
بر سر شاخش یکے اختر نتافت
ایں گل از بستان ما نارستہ بہ
داغش از دامان ملت شستہ بہ

اقبال کے خیال میں آزادی نسواں ہو یا آزادی، رجال یہ دونوں کوئی معنی نہیں رکھتے بلکہ مرد و زن کا رابطہ باہمی ایثار اور تعاون ایک دوسرے کے لئے ضروری ہے زندگی کا بوجھ ان دونوں کو مل کر اٹھانا اور زندگی کو آگے بڑھانا ہے ایک دوسرے سے عدم تعاون کے بسبب زندگی کا کام ادھورا اور اس کی رونق پھیکی ہو جائے گی اور بالآخر یہ نوع انسان کا نقصان ہوگا۔

مرد و زن وابستہ یک دیگر اند
کائنات شوق را صورت گر اند
زن نگہ دارندۂ نار حیات
فطرت او لوح اسرار حیات
آتش ما را بجان خود زند
جوہر او خاک را آدم کند
در ضمیرش ممکنات زندگی
از تب وتابش ثبات زندگی
ارج ما از ارجمندی ہائے او
باہمہ از نقشبندی ہائے او

اقبال فرماتے ہیں کہ عورت اگر علم وادب کی کوئی بڑی خدمت انجام نہ دے سکے تب بھی صرف اس کی ممتا ہی قابل قدر ہے جس کے طفیل مشاہیر عالم پروان چڑھتے ہیں اور دنیا کا کوئی انسان ہے جو اس کا ممنون احسان نہیں

وجود زن سے ہے تصویر کائنات میں رنگ
اسی کے ساز سے ہے زندگی کا سوز دروں
شرف میں بڑھ کے ثریا سے مشت خاک اس کی
کہ ہر شرف ہے اسی درج کا در مکنوں
مکالمات فلاطوں نہ لکھ سکی لیکن
اس کے شعلے سے ٹوٹا شرار افلاطوں

آزادی نسواں کی تحریک سے مرد وزن کا رشتہ جس طرح ٹوٹا اور اس کے جو برے نتائج سامنے آئے اقبال کی نظر میں اس کی ذمہ دار مغربی تہذیب ہے۔ مرد فرنگ کے عنوان سے لکھتے ہیں

ہزار بار حکیموں نے اس کو سلجھایا
مگر یہ مسئلہ زن رہا وہیں کا وہیں
قصور زن کا نہیں ہے کچھ اس خرابی میں
گواہ اس کی شرافت پہ ہیں ماہ و پرویں
فساد کا ہے فرنگی معاشرت میں ظہور
کہ مرد سادہ ہے بے چارہ زن شناس نہیں
کوئی پوچھے حکیم یورپ سے
ہندو، یونان ہیں جس کے حلقہ بگوش
کیا یہی ہے معاشرت کا کمال؟
مرد بیکار وزن تہی آغوش

اقبال پردے کی حمایت میں کہتے ہیں کہ پردہ عورت کے لئے کوئی رکاوٹ نہیں، وہ پردے میں رہ کر تمام جائز سرگرمیوں میں حصہ لے سکتی ہے اور اپنے فرائض کی انجام دہی کر سکتی

ہے۔ یعنی خالق کائنات جس پردہ کی رکاوٹ سے عالم کو چھپا رہا ہے اس کی ذات کو حجاب قدس میں ہے لیکن اس کی صفات کی پرچھائیاں ہر ذرہ پر تجلی ہوتی ہیں۔ مولانا آسی نے خوب کہا ہے

بے حجابی یہ ہے کہ ہر شے سے جلوہ آشکار
اس پہ پردہ یہ کہ صورت آج تک نادیدہ ہے

اقبال عورت کو خطاب کرتے ہیں کہ

جہاں تابی ز نور حق بیاموز
کہ او با صد تجلی در حجاب است

وہ پردے کے مخالفوں کے جواب میں کہتے ہیں کہ پردہ جسم کا حجاب ہے لیکن اس سے عورت کی بلند صفات اور پنہاں امکانات کے لئے رکاوٹ کیسے کہا جاسکتا ہے۔ اصل سوال یہ نہیں ہے کہ چہرہ پر پردہ ہو یا نہ ہو بلکہ یہ ہے کہ شخصیت اور حقیقت ذات پر پردے نہ پڑے ہوں، اور انسان کی خودی بیدار اور آشکار ہو چکی ہو:

بہت رنگ بدلے سپہر بریں نے
خدایا یہ دنیا جہاں تھی وہیں ہے
تفاوت نہ دیکھا زن و شو میں، میں نے
وہ خلوت نشیں ہے یہ جلوت نشیں ہے
ابھی تک ہے پردے میں اولاد آدم
کسی کی خودی آشکارا نہیں ہے

پردے کی حمایت و تائید میں اقبال نے ''خلوت'' کے عنوان سے ایک نظم کہی ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ پردہ کی وجہ سے عورت کو یکسو ہو کر اپنی صلاحیتوں کو نسلوں کی تربیت پر صرف کرنے اور اپنی ذات کے امکانات کو سمجھنے کا موقع ملتا ہے اس کے ساتھ ہی اسے سماجی خرابیوں سے الگ رہ کر اپنے گھر اور خاندان کی تعمیر کا سامان میسر آتا ہے۔ گھر کے پر سکون ماحول کے اندر اسے زندگی کے مسائل اور معاشرتی موضوعات کو سوچنے سمجھنے کی آسانیاں ملتی ہیں۔ اور اس طرح وہ اپنے اور دوسروں کے لئے بہتر کارگزاری کر سکتی ہے:

رسوا کیا اس دور کو جلوت کی ہوس نے
روشن ہے نگاہ آئینہ دل ہے مکدر
بڑھ جاتا ہے جب ذوق نظر اپنی حدوں سے
ہو جاتے ہیں افکار پراگندہ و ابتر
آغوش صدف جس کے نصیبوں میں نہیں ہے
وہ قطرۂ نیساں کبھی بنتا نہیں گوہر
خلوت میں خودی ہوتی ہے خود گیر و لیکن
خلوت نہیں اب دیر و حرم میں بھی میسر

ایک بڑا معاشرتی سوال یہ رہا ہے کہ مرد و زن کے تعلق میں بالادستی کسے حاصل ہو؟ اس لئے کہ دنیا کا کوئی بھی تعلق ہو اس میں کوئی ایک فریق شریک غالب کی حیثیت ضرور رکھتا ہے اور یہ اس کا منطقی حقیقت پر مبنی ہے کہ ہر شے اور ہر انسان ایک دوسرے کا محتاج ہے اور ہر ایک، ایک دوسرے کی تکمیل کرتا ہے۔ خصوصاً مرد و زن کے تعلقات میں چند چیزوں میں عورت کو مرد پر فضیلت اور اولیت حاصل ہے اور یہ جنس کی نسلی اور صنفی تفریق کی بنا پر نہیں، بلکہ خود عورت کے حیاتیاتی، عضویاتی فرق اور فطرت کے لحاظ کے ساتھ اس کے حقوق و مصالح کی رعایت کے پیش نظر ہے۔ نگرانی اور قوامیت ایسی چیزیں نہیں جو مرد و عورت دونوں سے چھین کر دی جاتی یا صرف عورت کو دے دی جاتی۔ اقبال نے مغرب کے نام نہاد "آزادیٔ نسواں" کی پرواہ کئے بغیر عورت کے بارے میں اسلامی تعلیمات کی پرزور وکالت کی اور عورت کی حفاظت کے عنوان سے کہا:

اک زندہ حقیقت مرے سینے میں ہے مستور
کیا سمجھے گا وہ جس کی رگوں میں ہے لہو سرد
نے پردہ، نہ تعلیم، نئی ہو کہ پرانی،
نسوانیت زن کا نگہباں ہے فقط مرد
جس قوم نے اس زندہ حقیقت کو نہ پایا
اس قوم کا خورشید بہت جلد ہوا زرد

یہ نظم درحقیقت حدیث شریف "**لن یفلح قوم وتو علیہم امراۃ**" کی ترجمانی ہے۔ انہوں نے اپنی دوسری نظم میں فرمایا

جوہر مرد عیاں ہوتا ہے بے منت غیر
غیر کے ہاتھ میں ہے جوہر عورت کی نمود
راز ہے اس کے تپ غم کا یہی نکتۂ شوق
آتشیں لذت تخلیق سے ہے اس کا وجود
جلتے جاتے ہیں اسی آگ سے اسرار حیات
گرم اسی آگ سے ہے معرکۂ بود و نبود
میں بھی مظلومی نسواں سے ہوں غمناک بہت
نہیں ممکن مگر اس عقدۂ مشکل کی کشود

اقبال نے اپنے کلام میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے وہ بلند ارشادات بھی لائے ہیں جن میں بتایا گیا ہے کہ

حبب الی من دنیاکم الطیب والنساء وجعلت قرة عینی فی الصلو ة (مجھے دنیا کی چیزوں میں خوشبو اور عورتیں پسند کرائی گئیں اور میری آنکھوں کی ٹھنڈک نماز میں رکھی گئی ہے۔)

اقبال نے اس حدیث کا بھی حوالہ دیا کہ جنت ماؤں کے قدموں تلے ہے۔ انہوں نے امومت کو رحمت کہا ہے اور اسے نبوت سے تشبیہ دی ہے۔ ماں کی شفقت کو وہ پیغمبر کی شفقت قرار دیتے ہیں اس لئے کہ اس سے بھی اقوام کی سیرت سازی ہوتی ہے اور ایک ملت وجود میں آتی ہے:

آں یکے شبستان حرم،
حافظ جمعیت خیر الامم
سیرت فرزند ہا از امہات
جوہر صدق وصفا از امہات

آنکہ ﷺ ناز بروجودش کائنات
ذکر او فرمود بالطیب صلوٰۃ
گفت آں مقصود حرف کن فکاں
زیر پائے امہات آمد جناں
نیک اگر بینی امومت رحمت است
زآنکہ اورا با نبوت نسبت است
شفقت او شفقت پیغمبر است
سیرت اقوام را صورت گر است
از امومت پختہ تر تعمیر ما
درخط سیمائے او تقدیر ما
آب بند نخل جمعیت توئی
حافظ سرمایہ ملت توئی
ہوشیار از دست و برد روزگار
گیر فرزندان خود را درکنار

آخر میں یہ بتا دینا ضروری ہے کہ اقبال فاطمۃ الزہراء رضی اللہ عنہا کو ملت اسلامیہ کی ماؤں کے لئے مثالی خاتون سمجھتے ہیں۔ اور جگہ جگہ ان کی اتباع کی تاکید کرتے ہیں کہ وہ کس طرح چکی پیستے ہوئے بھی قرآن پڑھتی رہتی تھیں۔ اور گھریلو کاموں میں مشکیزہ تک اٹھانے پر صبر فرماتی تھیں اقبال کے خیال میں سیرت کی اس پختگی سے حضرات حسنین انکی آغوش سے نکلے۔

مزرع تسلیم را حاصل بتولؓ
مادراں را اسوۂ کامل بتولؓ
آں ادب پروردۂ صبر و رضا
آسیاں گرداں ولب قرآن سرا

فطرتِ تو جذبہ ہا دارد بلند
چشم ہش از اسوۂ زہراؑ بلند
تا حسینے شاخِ تو بار آورد
موسم پیشیں بہ گلزار آورد

وہ مسلمان خاتون کو وصیت کرتے ہیں کہ:

اگر پندے ز درویشے پزیری
ہزار امت بمیرد تو نہ میری
بتولؑ باش و پنہاں شو ازیں عصر
کہ در آغوش شبیرؑ بگیری

ایک مثالی شخصیت شیخ حسن البناء شہیدؒ

نحمده وصلی علی رسوله الكريم اما بعدo فاعوذ بالله من الشيطان الرجيمo بسم الله الرحمن الرحيم o

اسلام ابدی اور خدا پسندیدہ دین، اور امت مسلمہ اس کا شاداب اور سدا بہار درخت ہے، یہ خدائی ترکش ہے کہ نہ اس کے تیر ختم ہوتے ہیں اور نہ نشانہ خطا ہوتا ہے سب سے بڑا ثبوت اس امت میں ایسے مصلحین ومجاہدین، خداداد صلاحیتوں سے مالا مال، مؤید من اللہ، نادرۂ روزگار، اور اسلام کی لئے باعث صد افتخار شخصیتیں ہیں، جو ناساز گار حالات، مخالف ماحول اور بیم ورجا کی تیرہ وتاریک فضا میں ایک ایسی قوم میں پیدا ہوتی ہیں جو فکری زوال واضمحلال، روحانی افلاس، ارادہ کی کمزوری، عزم وہمت کی پستی، اخلاقی فساد، راحت طلبی وعافیت پسندی، ہر قوت وطاقت کے سامنے سپر اندازی، اور اصلاح حال سے مایوسی کا شکار ہوتی ہے۔ اس وقت یہ پوری نسل ایک ہی سانچہ میں ڈھلی ہوتی ہے، بالکل ایسے ہی جیسے ایک پریس سے شائع ہونے والی کتاب کا کوئی ایڈیشن ہو کہ جس کے ایک نسخہ کو پڑھ کر باقی سارے نسخوں کے بارے میں رائے قائم کی جا سکتی ہے۔ اس ماحول ومعاشرہ میں نہ کوئی ندرت وجدت ہوتی ہے۔ نہ حوصلہ مندی وعالی ہمتی کا جذبہ اس ماحول میں عام ورائج چیزوں کے علاوہ کوئی نئی بات نہیں پائی جاتی اور نہ عام معیار سے اونچی کوئی چیز نظر آتی ہے۔ پوری زندگی ایک ٹرین کے مانند ہے جس کو ایک ہی انجن کھینچ رہا ہے اور وہ شکم پروری، مادہ پرستی، خود غرضی ومصلحت پرستی، لطف اندوزی ونفع خوری کا انجن ہے، یا مادی قوت اور ہوس اقتدار کا انجن ہے۔ پوری زندگی ایک ہی کھیل یا ایک ہی ڈرامہ نظر آتی ہے، جو بڑی مہارت وفنکاری کے ساتھ اسٹیج کیا گیا ہو اور انسانیت یا تاریخ اسلام کے اسٹیج پر اس کو بار بار دکھایا جا رہا ہو، اور اس کا ہر ہیرو اپنا پارٹ پوری چابک دستی وسلیقہ مندی کے ساتھ ادا کر رہا ہو اور آخر میں یہ ڈرامہ تماشائیوں کی تالیوں یا مقتولین ومجروحین کی آہ وبکا پر ختم ہو جائے۔

بیسویں صدی کے آغاز میں پورے عالم عربی خصوصاً مصر میں یہی ڈرامہ اسٹیج ہو رہا تھا۔ قافلہ رواں دواں تھا زندگی کی ٹرین اپنے محدود مقاصد کے ساتھ نامعلوم منزل کی طرف چل رہی تھی، ایک ہی طرح کی آوازیں آرہی تھیں ایک ہی راگ الاپا جارہا تھا کہ پردہ کی آڑ سے اچانک ایک شخص نمودار ہوتا ہے، یا یوں کہئے کہ پرانے مدفن تہہ اور تاریخ کی سلوٹوں سے ایک مرد آہن باہر آجاتا ہے، اور اس مطمئن اور غافل قافلہ کو چونکا دیتا ہے جو چند حقیر مقاصد کی حصول یابی کے سوا کچھ نہیں جانتا، جس کو اپنی دنیاوی ضروریات اور جسمانی راحت وآرام کے سوا کسی اور چیز کی فکر نہیں ہوتی۔

پردہ کے پیچھے سے آنے والا یہ شخص قافلہ والوں کو ہاتھ دیتا ہے، ٹرین کے سامنے خطرہ کی جھنڈی ہلاتا ہے۔ اصلاح حال اور انسانیت کے عام رجحان اور اس کے انجام، امت مسلمہ کے مقام اور اس کی اس ذمہ داری کے بارے میں از سر نو غور وفکر کی دعوت دیتا ہے۔ اس امت کو اس کا پیغام یاد دلاتا ہے، وہ بگڑے ہوئے حالات، اخلاقی پستی، گمراہ کن عقائد، جاہلی رسوم و عادات، شکم پروری وہوس پرستی، اور قوت وطاقت کے سامنے سرافگندگی کے خلاف آواز بلند کرتا ہے، وہ ایک صاف ستھری زندگی، ایک نیک چلن اور انصاف پسند معاشرہ اور نئے وپختہ ایمان کی دعوت دیتا ہے۔ وہ ایسے اسلام کی دعوت دیتا ہے جس کی جڑیں مضبوط اور زندگی کے تمام شعبوں میں پیوست ہوں۔ یہ شیر دل شخص بڑی بلندی سے عقابی روح کے ساتھ ایسی بلند و گونجتی ہوئی آواز لگاتا ہے کہ قافلہ میں کھلبلی مچ جاتی ہے، اس سے جذبات واحساسات میں ایسا کیف و سرور پیدا ہوجاتا ہے کہ اس کو نظر انداز کرکے اور اس کو ناقابل التفات سمجھ کر اپنی رفتار کا جاری رکھنا ممکن نہیں ہوتا، کچھ لوگ گوش برآواز ہوتے ہیں، کچھ تھمتے ہیں پھر آواز لگانے والے کی طرف بڑھنے لگتے ہیں تھوڑا ہی وقت گذرتا ہے کہ قافلہ والوں کی بڑی تعداد اس کی ارد گرد جمع ہوجاتی ہے۔ یہ داعی اس مجموعہ سے ایک نیا قافلہ تیار کرتا ہے اور پھر یہ قافلہ اس کی دل لگتی باتوں پر سرمست وسرشار ہوکر، خدا پر بھروسہ واعتماد کرکے بنام خدا سفر شروع کرتا ہے۔ ایسے ماحول و معاشرہ کے خلاف آواز بلند کرنے والے ان داعیوں کی زندگی ایسی درخشاں وتابناک ہے کہ اس سے دعوت واصلاح کی تاریخ میں چار چاند لگ جاتے ہیں، یہ داعیان اسلام کا وہ قافلہ ہے جس سے تاریخ اسلام کا کوئی عہد کبھی خالی نہیں رہا۔

یہ عظیم شخصیت ان شخصیتوں میں سے ہے جنہیں دست قدرت بناتا وسنوارتا ہے، اور خدائی تربیت اسے پروان چڑھاتی ہے۔ پھر شیخ وقت اور شیخ جلیل پر اس کو ختم کردیتی ہے۔ فکر صالح اور قلب سلیم رکھنے والا جو شخص بھی تعصب سے بلند ہو کر ان کی تصانیف کو پڑھے گا وہ اس نتیجہ پر پہنچے گا کہ یہ شخص خداداد صلاحیتوں سے مالا مال ہے، وہ کسی خاص ماحول یا درس گاہ، تاریخ اور زمانہ، یا محنت و کدوکاوش، یا مشق و تجربہ کی پیداوار نہیں۔ بلکہ وہ توفیق خداوندی، حکمت ربانی، اور اس دین کے ساتھ اس کی عنایت کی پیداوار ہے، وہ ایسا ہونہار پودا ہے جس کی نگہداشت کسی بڑے کام اور بڑی امید کے لئے کی جاتی ہے جہاں اس کی بڑی قیمت ہوتی ہے۔

جو شخص بیسویں صدی کے اوائل میں مشرق وسطی اور خاص طور سے مصر کے حالات سے واقف ہو، اور عالم اسلام کا یہ اہم اور مرکزی حصہ عقیدہ وجذبات، اخلاق ومعاشرت، عزم وارادہ اور جسم وقلب کی جس کمزوری کا شکار تھا اس پر اس کی نظر ہو، ممالیک (مصر کا حاکم خاندان غلامان) ترکوں اور فدیو خاندان کے دور حکومت نے جو اثرات اس پر چھوڑے تھے پھر اس میں برطانوی سامراجیوں نے جو اضافہ کیا تھا، اور مغربی تمدن اور موجودہ غیر دینی تعلیم، اور مفاد پرست ذہنیت رکھنے والی سیاسی پارٹی بندی نے جو ذہن تیار کیا تھا وہ بھی اس کی نگاہ کے سامنے ہو۔

اس عہد کے علماء کی کمزوری اور قوت و مادیت کے سامنے ان کی سرافگندگی پر بھی نظر ہو جس نے اس میں مزید نزاکت پیدا کردی تھی، ان علماء میں سے اکثر امامت ورہنمائی کا منصب چھوڑ چکے تھے اور دعوت وارشاد اور جہاد ومقابلہ کے میدان کو خیر باد کہہ کے حالات کی رو میں بہہ رہے تھے۔ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کی آواز پست ہوچکی تھی، بے حیائی وبے راہ روی اور الحاد ودہریت کے داعی سرگرم عمل تھے، مقبول وکثیر الاشاعت اخبارات ورسائل نے فساد اور بگاڑ پیدا کرنے والی دعوتوں اور تخریب پسند تحریکوں کے لئے اپنا دامن وسیع کررکھا تھا۔ یہ اخبارات ورسائل دین اور دینی قدروں، اخلاق اور اس کے اصولوں کا مزاق اڑا رہے تھے، بلاد عربیہ عموما اور مصر خصوصا سطحیت پسند، ضعف وانحطاط، جذباتیت واخلاقی انارکی اور روحانی زوال کی آخری منزل کو پہنچ چکا تھا۔

ان ملکوں کے یہ شب وروز جس شخص کے علم میں ہوں پھر وہ ان کی تصویر مصر سے نکلنے

والے "الاہرام"، "المقطم"، "الہلال" اور "المصور" کے آئینہ میں دیکھے، پھر ان کتابوں میں اس کا مشاہدہ کرے جو مصری ادباء وصحافی پیش کر رہے تھے۔ وہ ادباء وصحافی جن پر مصری نوجوان فریفتہ اور جن کا ان کے دل ودماغ پر جادو تھا۔ پھر وہ شخص اس پوری صورت حال کا صحیح خدوخال اور پورا عکس مصر کی پر مسرت تقریبوں اور جشن کی محفلوں اور مجلسوں میں دیکھے، نوجوانوں، اور یونیورسٹیوں کے طلبہ کے ذوق ورجحان کا ان کی محفلوں اور جلسوں میں مشاہدہ کرے، وہ اسکندریہ اور اس کے ساحل کے حیا سوز مناظر دیکھے، اس نے اس کاوٹوں کے ساتھ کچھ وقت گذارا ہو۔ کھیل وورزش کے میدانوں میں رہا ہو، سنیما گھروں میں مقامی وبیرونی فلموں کو دیکھا ہو۔ ان مخرب اخلاق افسانوں کو پڑھا ہو جو مصری پریس سے سیلاب کی طرح ابل رہے تھے، اور نوجوان ان پر پروانوں کی طرح گرتے تھے اس نے زندگی کے میدان میں لوگوں سے گھل مل کر وقت گذارا ہو وہاں پیش آنے والی چیزوں کو دیکھا ہو، زندگی سے الگ تھلگ رہ کر خیالی دنیا میں وقت گذارنے والا نہ ہو تو اس پر یہ حقیقت عیاں ہو جائے گی کہ مسلمان ان پر آشوب گھڑیوں میں کیسی زبوں حالی کا شکار تھے اور عالم اسلام کی اس اہم خطہ میں جس کو عالم عربی کا قائد اور رہنما ہونا چاہئے تھا۔ جو صدیوں سے اسلام کے لئے سینہ سپر اور علوم اسلامیہ کا مرکز رہا۔ جس نے ہمیشہ عالم عربی کی مدد کی تھی اور اس کو سہارا دیا تھا، اور اسلامی تاریخ کی نازک ومشکل ترین گھڑیوں میں اس کو بچایا تھا، جس میں سب سے بڑا و پرانا اسلامی وثقافتی مرکز "جامع ازہر" اب بھی موجود ہے دعوت اسلامی کس زبوں حالی کا شکار تھی۔

اس پر آشوب دور کو کتابوں کے ذریعہ نہیں بلکہ قریب رہ کر دیکھا ہو وہی اس شخصیت کی عظمت وانفرادیت کو سمجھ سکتا ہے، جو یکایک پردہ کے پیچھے سے باہر آ گئی، اور پہلے مصر پھر پورے عالم عربی کو اپنی دعوت وتربیت، جہاد اور طاقت ور شخصیت کے ذریعہ اپنی طرف متوجہ کر لیا۔ اللہ تعالی نے اس رجل رشید اور فرزند فرید میں ایسی قوتیں وصلاحیتیں جمع فرمادی تھیں جو انسانی نفسیات اور علم الاخلاق کے ماہرین اور متعدد نقاد ومؤرخین کے نزدیک متضاد تھیں۔ بے مثال وتابان عقل اعلی درجہ کی فہم وذکاوت، ابلتا ہوا جوش وولولہ، ایمان ویقین سے لبریز دل، قوی روحانیت، فصیح وبلیغ زبان، انفرادی زندگی میں غلو وتقشف سے پاک زہد وقناعت، حوصلہ مندی وعالی ہمتی جوش وشوق فراواں سے بھرپور دل، بلند پرواز عقابی روح رکھنے والی ہمت، سحر آفریں

دور بین نگاہ، اپنی دعوت کی روح ومزاج کی حفاظت کا اہتمام ذاتی معاملات میں حد درجہ تواضع، خاکساری اور اقبال کے اس شعر کا صحیح مصداق۔ ع

نگہ بلند سخن دل نواز جاں پرسوز
یہی ہے رخت سفر میر کارواں کے لئے

بڑا خوش بیان بہت محبوب اور ہر دل عزیز مجھ سے بہت سے لوگوں نے بیان کیا کہ وہ روشنی کے ہلکے پرتو کی طرح تھے جس میں زنا گواری وتیزی ہوتی ہے نہ سایہ وتاریکی۔ ان اعلیٰ صفات وخداداد صلاحیتوں نے ایک ایسی دینی واجتماعی قیادت کی تشکیل میں ان کی مدد کی جس سے زیادہ موثر وعمیق، اور نتیجہ خیز دینی وسیاسی قیادت مدت دراز سے عالم عربی میں وجود میں نہیں آئی تھی ان صفات نے ایک ایسی دینی اسلامی تحریک پیدا کردی جس سے زیادہ ہمہ گیر وفعال تحریک خصوصاً عرب ممالک میں عرصہ سے دیکھنے میں نہیں آئی تھی۔ یوں تو قدرتی صلاحیتوں سے مالا مال یہ داعی جامع کمالات تھا، مگر دو صفتیں اس میں ایسی تھیں جو بہت کم داعیوں مصلحین اور قائدین میں پائی جاتی ہے۔(۱)

پہلی صفت اپنی دعوت وتحریک سے غیر معمولی شغف اور اس پر کامل اطمینان وانشراح اور اس کے لئے پوری فنائیت اور اپنی ساری صلاحیتوں وتوانائیوں وسائل وطاقتوں کے ساتھ اس میں ہمہ تن مشغول رہنا۔ ان داعیوں اور قائدین کے لئے جن سے اللہ تعالیٰ کوئی بڑا کام لیتا ہے اور عمومی فائدہ پہنچاتا ہے یہ اہم اور بنیادی شرط ہے۔

ان کی دوسری اہم خصوصیت وصفت تربیت ومردم شماری کے کام میں ان کی حیرت انگیز کامیابی ہے، انہوں نے ایک نئی نسل تیار کی، وہ ایک پوری قوم کے مربی تھے۔ وہ ایک علمی، فکری اور اخلاقی مکتبہ فکر کے بانی تھے۔ پڑھے لکھے لوگوں اور اہل منصب میں جو بھی ان کے ساتھ کچھ دن رہا ان کے فکر ورجحان سے متاثر ہوئے بغیر نہیں رہ سکا۔ اپنے ہم نشینوں پر ان کا اثر ایسا گہرا تھا کہ عرصہ گذر جانے اور طرح طرح کے انقلابات وتغیرات پیش آنے کے باوجود بھی ان میں کوئی تبدیلی نہیں ہوئی یہ اثر ایسا شعار وملامت بن گیا ہے کہ زمان ومکان کی تبدیلی کے باوجود

---

(۱) ان منقا صفت لوگوں میں ایک مولانا محمد الیاس رحمۃ اللہ علیہ (بانی جماعت تبلیغ) دوسرے ان کے لائق وہونہار فرزند اور خلف رشید مولانا محمد یوسف صاحب تھے، یہ دونوں حضرات ان دونوں چیزوں میں آخری مثال تھے۔

وہ اسی سے جانے پہچانے جاتے ہیں۔ اس کا افسوس ہے کہ مصر یا بیرون مصر مجھے ان سے ملاقات کی سعادت نہ حاصل ہوسکی۔ پہلا سال جس میں اللہ تعالیٰ نے میرے لئے حج وزیارت مقدر فرمائی تھی اور میں پہلی بار ہندوستان سے باہر نکلا تھا، وہ ۱۹۴۷ء تھا جس میں شیخ حسن البنا، حجاز مقدس تشریف نہ لائے تھے۔ بلکہ وہ اس سال مصر سے باہر نہیں نکلے تھے، حالانکہ کم ایسا ہوتا کہ وہ اپنی دعوت وتحریک کے لئے رفقاء کے ساتھ حج کے موقع پر حجاز نہ آتے ہوں اور اپنی دعوت کو پھیلانے اور حج کے لئے باہر سے آئے ہوئے وجود سے ملنے کی خاص کوشش نہ کرتے ہوں۔

حجاز میں مجھے ان کے بعض شاگردوں اور کارکنوں سے ملنے کا موقع ملا اور میں نے ان کے اندر ایک زبردست قائد ومربی کے اثرات نمایاں طور پر محسوس کئے، جب ۱۹۵۱ء میں مجھے مصر جانے کا موقع ملا تو جام شہادت نوش کر چکے تھے۔ ان کی عمر ابھی صرف بیالیس سال تھی۔ اس میں شک نہیں کہ ان کی شہادت نے لاکھوں مسلمانوں کو سوگوار و دل گرفتہ بنادیا۔ اور عالم اسلام اس تاریخ ساز شخصیت سے محروم ہوگیا، ان سے ملاقات نہ ہونے کا غم ہمیشہ رہے گا۔ تاہم مصر میں مجھے انکے کے شاگردوں سے ملنے کا اچھی طرح موقع ملا اور ان کے درمیان میں ایک فرد خاندان کی طرح رہا، مصر کے زمانہ قیام میں میں نے ان کے والد بزرگوار شیخ عبدالرحمان البنا سے ملاقات کی اور ان سے شیخ شہید رحمۃ اللہ علیہ کے بارے میں گرانقدر معلومات حاصل کیں، اور پھر اپنی کتاب ''شرق اوسط'' کی ڈائری میں اس ملاقات کا حال اور یہ قیمتی معلومات لکھیں۔ میں ان کے رفقاء اور ارکان جماعت سے بھی ملا اور ان ملاقاتوں اور معلومات سے اس دعوت کے قائد اور اس مکتب فکر کے بانی کی پوری تصویر میرے سامنے آگئی اور مجھے یقین ہے کہ یہ سچی اور مطابق حال تصویر ہے۔

مصر کے اسی سفر میں ان کی کتاب ''مذکرات الدعوۃ والداعیۃ'' میرے ہاتھ لگی ان کی شخصیت ودعوت کو سمجھنے کے لئے میں نے اس کتاب کو ان کی ایک بنیادی کتاب اور ان کی شخصیت کی سب سے بڑی کلید پایا، اس کتاب کو پڑھنے والے ہر شخص کو ان کی عظمت وطاقت کے سرچشمہ، ان کی کامیابی اور دلوں پر ان کے اثر ونفوذ کے اسباب کا پتہ بہ آسانی لگ جائے گا۔

اس کے مطالعہ سے معلوم ہوگا کہ ان کی طاقت وقوت کا اصل سرچشمہ فطرت سلیم، دل کی

پاکیزگی، روح کی بالیدگی، دینی غیرت وحمیت، اسلام کے لئے اضطراب وبے چینی، اس زمانے کے فاسد ماحول پر ان کی بے چینی اور تشویش، اخلاص وللہیت عبادت کا ذوق وشوق، اور دل کے تاریخ کو ذکر ودعا، توبہ واستغفار اور آہ سحر گاہی کے سلسلے سے بھرتا تھا ان ساری خصوصیات وصفات کے ساتھ قوم کے افراد اور عوام الناس سے ان کی محفلوں اور مشغولیت کی جگہوں میں ملنا، غفلت کے اڈوں پر ان سے ملاقات کرنا، اور حکمت وتدبیر کے ساتھ دھیرے دھیرے ان کی تربیت کرنا ہمہ وقت متحرک اور کام میں مشغول رہنا ان کا شکار تھا۔ اور یہی ساری صفات اسلامی وربانی دعوت اور ایسی دینی تحریک کی جان ہوتی ہیں جو معاشرہ میں تعمیری واصلاحی انقلاب لانا چاہتی ہے اور وقت کے دھارے اور تاریخ کے رخ کو موڑنا چاہتی ہے۔ اس لحاظ سے دعوت واصلاح کے میدان میں کام کرنے والے ہر شخص کو اس کتاب کا مطالعہ کرنا اور اس پر تھوڑے تھوڑے وقفہ سے غور وفکر کرتے رہنا نہایت مفید ہے۔

اس کتاب کی دوبارہ طباعت اور لوگوں میں اس کو پھیلانے اور عام کرنے پر تعجب نہیں، قابل تعجب یہ بات ہے کہ مسلمانوں کا کوئی کتب خانہ اس کتاب سے خالی ہو، اس اہم دعوت کے اثرات کو ختم کرنے کی کوشش کرنا جس نے عالم عربی کی نئی نسل میں اسلام کی صدابہار صلاحیت اور اس کے دائمی ہونے کا اعتماد بحال کیا، جس نے جدید نسل کے دلوں میں ایمان کی نئی چنگاری روشن کی، ان کے احساس کمتری وشکست خوردگی کا مقابلہ کیا، جس سے بڑھ کر کوئی خطرہ نہیں ہوسکتا، اس دعوت نے نوجوانوں کی بے راہ روی، ان کی اندرونی کمزوری اور ہوا وہوس کے پیچھے دوڑنے کی ذہنیت کا مقابلہ کیا اور اس کے تن نازک میں جان ڈال دی اور اقبال کے الفاظ میں۔

’’کبوتر کے تنِ نازک میں شاہین کا جگر پیدا کردیا۔‘‘

ان کی اس دعوت سے یہ جدید نسل تازہ دم ہوگئی، اس کی رگوں میں تازہ خون دوڑنے لگا اور اس نے شجاعت وجوانمردی اور صبر وثابت قدمی کا حیرت انگیز مظاہرہ کیا۔ اس تحریک کے اثرات کو ختم کرنے اور اس کے نقوش کو مٹانے کی کوشش، اور اس کے چلانے والوں کو قید وبند اور جلاوطنی کی سزائیں اور رونگٹے کھڑا کردینے والی اذیتیں، وہ بدترین جرم ہے، جس کو تاریخ اسلام کبھی معاف نہیں کرسکتی۔ یہ ایسا المیہ ہے جس کو عالم اسلام کبھی فراموش نہیں کرسکتا۔ یہ عالم عربی

کے ساتھ اتنا بڑا ظلم ہے کہ اس سے بڑھ کر کوئی اور ظلم نہیں ہو سکتا۔ اس جرم کا کفارہ ملک کے کسی بڑی سے بڑی تعمیری و سیاسی خدمت سے نہیں ادا کیا جا سکتا۔ یہ اتنا وحشت ناک جرم ہے کہ جس کی مثال صرف تاتاریوں کی وحشت و بربریت یا قدیم مسیحی دنیا کے دور تعصب میں ملتی ہے۔

وما علینا الا البلاغ المبین

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

وقت کی سب سے نایاب جنس
مردان کار اور مخلص عاملین

حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی نے مولانا سید محمد مرتضی صاحب کے حادثہ وفات پر یہ پرسوز وپراز معلومات تقریر فرمائی تھی جس میں مولانا سید محمد مرتضی کے ساتھ مولانا کی محبت وشفقت اعتماد و تعلق اور مرحوم کے اخلاص ولگن کے ساتھ تواضع وخاکساری کا لباس پہن کر کام کی دھن کی ایک قابل تقلید مثال سامنے آتی ہے

الحمد لله وكفى وسلام على عباده الذين اصطفى اما بعد O

فاعوذ بالله من الشيطان الرجيم O بسم الله الرحمن الرحيم O

میرے رفقاء کار اور عزیزو!

آپ کو معلوم ہے کہ کئی تنظیموں سے وابستگی اور اداروں سے تعلق کی بنیاد پر مجھے مختلف موضوعات پر تقریریں کرنی پڑتی ہیں۔ لیکن میں آپ کے سامنے اس بات کا اعتراف کرتا ہوں ان سب سے مشکل موضوع تعزیت کا موضوع ہے اس کا تعلق انسان کے تعلقات سے ہے، قلب سے ہے، دماغ ہی سے نہیں قلب سے بھی ہے اور خاص طور پر تعزیت بھی ایک ایسی شخصیت کی جس سے عزیزانہ، روحانی اور خاندانی تعلق ہو، اور تعلق بھی ایک دو برس، دس بیس برس کا نہیں بلکہ دوڈھائی سو برس کا ہو۔ آپ میں سے بہت کم لوگوں کو معلوم ہوگا کہ مولانا مرتضی صاحب (اللہ ان کی مغفرت فرمائے اور درجات بلند کرے) ان کا تعلق مولانا سید جعفر علی صاحب نقوی بستوی کے خاندان سے تھا وہ ان کے احفاد میں تھے۔

مولانا سید جعفر علی صاحب حضرت سید احمد شہید رحمتہ اللہ علیہ کے خاص رفقا، دعوت اور

فقہائے جہاد میں سے تھے، وہ جب سرحد میں گئے جہاں حضرت سید صاحب کا قیام تھا تو سید صاحب نے باہر نکل کر ان کا استقبال کیا اور بڑی گرمجوشی سے ملے اور وہاں جانے سے پہلے بھائیوں میں ایک مقابلہ سا تھا کہ کون جائے۔ پھر معاملہ والدین پر چھوڑا گیا۔ مولانا سید جعفر علی صاحب کا انتخاب ہوا۔ اس کے لئے اور جہاد کے لئے روانہ ہوئے۔ جب صاحب کی قیام گاہ کے قریب پہنچے تو سید صاحب نے باہر نکل کر ان کا استقبال فرمایا اور بہت خوشی کا اظہار فرمایا۔ اور پھر ہمارے یہاں ہمارے خاندان کی رائے بریلی کی خیریت پوچھی اور فرمایا آپ خود آئے تھے؟ معلوم ہی نہیں معلوم ہوا پھر وہاں سید صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے معتمد خاص رہے اور حالات میں آتا ہے کہ ایک شعبہ غالباً خط و کتابت کا شعبہ حضرت سید صاحب نے مولانا سید جعفر علی صاحب کے سپرد فرمایا۔

اللہ تعالیٰ کو مولانا سید جعفر علی صاحب سے کام لینا تھا اس لئے شہدا میں ان کا نام نہیں آتا۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے لئے شہادت کے بجائے سعادت مقدر فرمائی تھی اور دعوت کا کام مقدر فرمایا تھا چنانچہ وہ ہندوستان واپس ہوئے اور انہوں نے ایسے وسیع پیمانہ پر اور عمیق اور موثر انداز سے دعوت کا کام کیا کہ جس سے زندگیوں میں تبدیلی آگئی اور بستی سے لے کر نیپال کی سرحد تک اور نیپال کی سرحد سے بھی آگے مدارس قائم کئے اور عقائد کی اصلاح ہوئی، رسوم کی اصلاح ہوئی اور اخلاق کی اصلاح ہوئی۔ اور بالکل ایک انقلاب آگیا، جس کو ابھی تک ضلع بستی اور اس کے آس پاس کی بستیوں کے لوگ یاد کرتے ہیں۔ بہار کی سرحد پر ایک مدرسہ ہے جو ان کا قائم کیا ہوا ہے اور اس کا ندوہ کے ساتھ الحاق ہے۔ پھر انہوں نے حضرت کی شہادت کے بعد ٹونک کا سفر بھی کیا۔ جہاں حضرت سید صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے خاص متعلقین تھے۔ اور اہل خاندان کا بڑا حصہ وہاں موجود تھا۔ اور کتاب لکھی " درمنظورة السعداء فی احوال الغذاۃ والشہداء" جو ہمارے کتب خانہ کی زینت ہے اور سید صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے حالات کے معتمد ترین مآخذ میں سے ہے۔

سید صاحب کے حالات میں دو کتابیں ہیں جو سب سے زیادہ معتبر ہیں اور گویا معاصرین اور رفقاء کی ہیں، ایک منظورة السعداء فی احوال الغزاة والشہداء مولانا سید جعفر علی صاحب کی اور دوسری وقائع احمدی شیخ محمد علی کی جو نواب وزیر الدولہ نے لکھوائی تھی

جو والی سلطنت تھے۔ نواب صاحب نے سید صاحب کے جو رفقاء میدان جہاد سے زندہ سلامت واپس آئے انہوں نے ان سے درخواست کی کہ آپ لوگ روزانہ بیٹھ کر حضرت کے حالات اور ان کے بارے میں معلومات بیان کریں۔ املاء کرایا کریں ایک جماعت لکھنے والوں کی مقرر کی جو اس کو لکھے۔ وقائع احمدی چھپی تو ہمارے تعلق کی وجہ سے اور پھر مولانا مرتضی صاحب کی دلچسپی اور ان کی وابستگی کی وجہ سے وہ بھی کتب خانہ میں آ گئی جو ہمارے خاندان میں محفوظ تھی اور بالکل گھر کی چیز سمجھی جاتی تھی یہ تعلق اتنا مستحکم ہے کہ جن لوگوں کو اس کا تجربہ نہیں ہوا وہ اس کا اندازہ ہی نہیں کر سکتے کہ سید صاحب سے بیعت، دعوت اور مقصد کا تعلق ہو، اس کا اندازہ کوئی ایسا شخص نہیں کر سکتا جس نے تجربہ نہیں کیا۔ ان لوگوں کو دیکھا نہیں جن لوگوں کو سید صاحب کے ہاتھ میں ہاتھ دینے کا موقع مل گیا۔ اور ان کے دامن سے وابستہ ہونے کا، ان کی حالت یہ تھی کہ وہ شمع کے پروانے بن گئے۔ اور وہ اخیر وقت تک بالکل دم آخر تک بلکہ آخری سانس تک ان کا دم بھرتے رہے اور اس پر فخر کرتے رہے اور اسے اپنی جان سے زیادہ عزیز سمجھتے رہے۔

مولانا مرتضی صاحب سے ہمارا تعلق اس وقت ہوا جب وہ مظاہر علوم میں پڑھتے تھے اور ہمارے عزیز بھانجے مولوی محمد ثانی مرحوم (جو مہتمم دار العلوم مولانا محمد رابع کے بڑے بھائی تھے) غالباً ان کے ہم سبق تھے یا ہم زمانہ تھے بہر حال ہم نے دونوں کو ساتھ دیکھا اور دونوں میں روحانی اور خاندانی تعلق کی بناء پر اخوت پیدا ہو گئی تھی۔ ایک عقیدت مندانہ تعلق پیدا ہو گیا تھا۔ پھر اس کے بعد وہ یہاں آ گئے، اور ملتے رہے اور اس تعلق کو انہوں نے قائم رکھا، یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے اس کا موقع عطا فرمایا اور اس کی توفیق دی کہ وہ یہاں آ کر اپنی زندگی اس ادارہ کے لئے وقف کر دیں۔ وہ یہاں آئے، ابتداء میں مدرس رہے پھر کتب خانہ کے لئے ان کا انتخاب ہوا، اور جیسا کہ مولوی محمد رابع نے بھی بیان کیا اور ہم اس کی تصدیق کرتے ہیں، شہادت دیتے ہیں کہ کتب خانہ سے انہیں تعلق کتب خانہ کا نہیں گھرانہ جیسا تھا۔ ایک عزیز امانت کا تعلق تھا کہ وہ اس کو ہر طرح سے ترقی دینا چاہتے تھے اور اس میں قیمتی چیزیں اور بیش قیمت مسودات اور نایاب کتابیں جو کہ ہندوستان میں عام طور پر نہیں ملتیں، ان کو مہیا کرنے میں ان کا خاص دخل تھا۔ کتب خانہ نے ترقی ان کے دور میں کی وہ اس سے پہلے اس کو نصیب نہیں

ہوئی انہیں کے زمانہ میں یہ عمارت بنی۔

جب انہوں نے کتب خانہ کی ذمہ داری سنبھالی اس وقت سے اگر آپ مقابلہ کریں کمیت کے لحاظ سے بھی اور کیفیت کے لحاظ سے بھی تو آپ کو بہت بڑا فرق معلوم ہوگا۔ کہ پہلے کتب خانہ کی وسعت کیا تھی۔ اس میں کتابوں کی تعداد کیا تھی اور اب تعداد کیا ہے اور صرف تعداد ہی نہیں بلکہ وہ بنیادی کتابیں جن کا کتب خانہ میں ہونا بہت ضروری تھا اور بعض کتابیں تو ایسی ہیں کہ ہندوستان میں ان کا بس نام ہی نام تھا کسی نے دیکھا بھی نہیں تھا یا ان کے لئے ایڈیشن شائع ہوئے تھے تحقیق کے ساتھ اور تشیہ کے ساتھ اور تعلیق کے ساتھ اس کو کتب خانہ کے لئے مہیا کرنا اور حفاظت سے رکھنا تا کہ اساتذہ اور مدرسین پھر طلباء ان سے فائدہ اٹھائیں۔

کسی کتاب خانہ یا کسی ذخیرہ کتب کے لئے سب سے زیادہ بیش قیمت اور سب سے زیادہ ضروری چیز یہ ہے کہ وہاں اہم کتابیں جو مآ خذ کا درجہ رکھتی ہیں، وہ وہاں مہیا ہوں اس سے بڑھ کر کتب خانہ کے لئے جگہ کا ہونا اور اس کے لئے بڑی عمارت کا ہونا اور نہ روشنی کا انتظام اور نہ ہوا کا انتظام کوئی چیز اتنی اہم نہیں جتنی یہ بات اور یہ بات وہی کر سکتا ہے جس کو اللہ نے علم بھی دیا ہو اور ہمدردی بھی دی ہو اور امانت کا احساس بھی دیا ہو۔ ذمہ داری کا احساس دیا ہو تو مولانا مرتضی صاحب نے کتب خانہ کو گویا مالا مال کر دیا اور چونکہ مجھے ذمہ دارانہ حیثیت سے بھی ایک تعلق تھا اس لئے معلومات ہوتی رہتی تھی کہ اب انہوں نے فلاں جگہ سے کتابیں منگوائی ہیں ،اب انہوں نے حجاز سے اپنے فرزند کے ذریعہ سے یا ندوہ کے فضلاء کے ذریعہ سے انہوں نے کتابیں مہیا کیں۔

پھر اس کے بعد ان کے اندر اللہ تعالیٰ نے تواضع ، سادگی اور جو خاندانی خصوصیات ہوتی ہیں عالی نسبی کی جو خصوصیات ہیں موروثی ، وہ سب ان کے اندر پیدا کر دی تھیں۔ دین کی خدمت کا ایک شوق اور صحیح مقصد کے لئے محنت اور جفاکشی۔

ابھی گجرات میں مسلم پرسنل لا بورڈ کا جلسہ ہوا۔ بورڈ کا بارہواں اجلاس، وہ بورڈ کی پوری تاریخ میں سب سے زیادہ کامیاب اور پر ازدحام اجلاس تھا، اس میں بہت بڑا حصہ اور دخل مولانا مرتضی صاحب کی کوشش کا تھا دو تین مرتبہ انہوں نے گجرات کا سفر کیا اور گجرات کے لوگ

اس بات کی شہادت دیتے ہیں میں نے خود اپنے کانوں سے سنا اور اپنی آنکھوں سے دیکھا کہ لوگ ان کی طرف منسوب کرتے تھے اور کہتے تھے کہ اس جلسہ کی کامیابی میں مولانا مرتضیٰ صاحب کا بڑا دخل ہے۔ وہ خود بار بار گئے اور یہاں سے جو لوگ مفید ہو سکتے تھے مولوی عبدالقادر گجراتی، مولوی سلمان اور مولوی خالد غازی پوری خاص طور سے ان تین حضرات کو وہ لے گئے۔ اور ان کا دورہ کرایا زمین تیار کی اور ایسا جلسہ ہوا جس کی مسلم پرسنل لا بورڈ کی تاریخ میں اب تک نظیر نہیں ملتی۔ میں خود اس میں شریک تھا اس کے بعد گجرات کا ایک دورہ بھی کیا۔ وہ چونکہ دارالعلوم کے کام سے گجرات جایا کرتے تھے اس لئے وہاں سے بہت واقف تھے وہاں کون سا مدرسہ ہے یا کتنے مدرسے ہیں یہ تو بہت سے لوگ جان سکتے ہیں۔ مگر افراد میں کون کس حیثیت کا ہے۔ کس مرتبہ کا ہے اور وہاں کے لوگوں کو اس سے کتنا تعلق ہے اور اس پر کتنا اعتماد ہے اور کتنا موثر ہو سکتا ہے۔ یہ بات وہی جان سکتا ہے جو کچھ دن رہے اور اللہ نے اسے شعور بھی عطا کیا ہو اور سلیقہ بھی عطا کیا ہو اور تجربہ بھی اور پھر اس کی فکر بھی۔

تو انہوں نے وعدہ کر لیا تھا بعض مدارس اور اداروں سے لیکن جب انہوں نے دیکھا کہ وقت تنگ ہے اور میری صحت بھی متحمل نہیں تو انہوں نے ایک دو کو حذف کیا لیکن کچھ ان کے مفاد اور کچھ دینی مفاد اور کچھ مسلم پرسنل لا بورڈ کے مفاد میں اور کچھ اس تعلق کی بنا پر جو ہم سے رکھتے تھے ان کی خواہش تھی کہ خواہ تھوڑی دیر کے لئے جایا جائے لیکن بعض مدرسوں اور مراکز میں ضروری جایا جائے چنانچہ پانچ چھ مراکز جن کا ذکر تفصیل کے ساتھ انشاء اللہ کاروان زندگی کی چھٹی جلد میں آئے گا کہ وہ کہاں کہاں لے گئے۔ کہیں بنیادیں رکھوائیں، کہیں خطاب کروایا، کہیں رات گذاری اس کے بعد سورت آئے، اور پھر سورت میں انہیں کے مشورہ اور ان کی دلچسپی کی بنا پر اور عقیدت کی بناء پر مفتی عبدالرحیم لاجپوری کی خدمت میں حاضری ہوئی وہ بڑی قیمتی ملاقات تھی پھر وہ ہمارے ساتھ بمبئی آئے اور بمبئی سے پھر ان کی واپسی لکھنؤ ہوئی۔

ان کی محنت اور کوشش کا احساس پورا پورا مولانا نظام الدین صاحب جو مسلم پرسنل لا بورڈ کے جنرل سکریٹری ہیں۔ انہیں اس کا بہت احساس ہے۔ ایک سے زائد مرتبہ مجھ سے ذکر کر چکے ہیں، شکریہ ادا کر چکے ہیں اور انہیں اندازہ ہے، ان کا ٹیلی فون بھی آیا مگر ابھی براہ راست ہم سے بات نہیں ہوئی ان کو بڑا صدمہ ہوگا اور اس کے دل پر اس کا اثر پڑے گا۔ اس لئے کہ ان کو

پورا پورا احساس واعتراف تھا کہ جلسہ کی کامیابی مولانا مرتضیٰ صاحب کا بڑا حصہ تھا۔

ایک تو یہ ہے کہ سب سے بڑی نایاب جو ہے وہ اس وقت مردان کار کی، عاملین کی اور مخلصین کی، سب کچھ مہیا ہوسکتا ہے۔ آپ انجمن بنائیں چاہیں تو پانچ سو ممبر ہو جائیں آپ چاہیں تو ہزار دو ہزار اور چند ہزار اس کے ممبر ہو جائیں۔ سیاسی جماعتوں کو دیکھ لیجئے اور بھی بہت سے کلب ہیں، اور بہت ساری آرگنائزیشن ہیں کہ ان کو ممبر حاصل کرنے میں کوئی وقت نہیں لیکن کسی ادارہ کو، کسی دینی مقصد کو، کسی منصوبہ کو کسی مخلصانہ اور داعیانہ منصوبہ کو اپنے فکر کے آدمی مل جائیں جن کو اس کی دھن لگی ہو، اور ان کے دل ودماغ پر چیز سوار پیوست ہوجائے وہ بالکل ایک عنقا چیز بن چکے ہیں کہ جیسے عنقا کا ملنا ضرب المثل بن گیا ہے۔ اس طرح ایسے لوگوں کا ملنا ہے۔

تو اللہ تعالیٰ نے عنقا کی صورت میں ہمیں ایک مرد کار، مرد کامل، مخلص مرد کار کا عطا کیا تھا۔ اللہ کی چیز تھی اس نے دی تھی اس نے اٹھالیا۔ اللہ تعالیٰ مالک ہے اور قادر ہے اور حقیقی مالک وہی ہے اور بہر حال اس کا فیصلہ ہر چیز سے قیمتی ہے اب اس سے زیادہ ہم کیا کہیں۔ کہ ہمارے چھوٹے سے علمی ودینی خاندان کا ایک عزیز فرد، ایک رکن، ایک وقیع رکن ہم سے جدا ہو گیا۔ ہم اس پر اپنے سے خود تعزیت کرتے ہیں آپ سے بھی تعزیت کرتے ہیں اور ایک طرح سے ہم دینی کاموں سے اور دینی اداروں سے تعزیت کرتے ہیں اور اللہ سے دعا کرتے ہیں اور آپ سے ہماری مخلصانہ درخواست ہے کہ آپ ان کو اپنی دعاؤں میں یاد رکھیں ایصال ثواب بھی کریں اور ان کو یہاں سے جانے کے بعد بھی یاد رکھیں جب کبھی یاد آجائیں دعا کرلیا کریں اور ایصال ثواب کردیا کریں کہ یہی ایک مسلمان کا تحفہ دوسرے کے لئے ہے۔ اس سے بڑھ کر نہ تعزیت ہے نہ شاعری ہے اور نہ کسی اور طرح سے اس کا اعتراف ہے اور ان کا شکریہ ہے، سب سے قیمتی چیز یہی ہے کہ آپ ان کے لئے دعا کریں، اور ایصال ثواب کریں۔ اس سے خود آپ کو بھی فائدہ ہوگا۔ اللہ آپ کو اس کی توفیق دے گا تو آپ کی توفیق میں اضافہ کرے گا۔ اور آپ سے کام بھی لے گا۔

وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین

مفکرِ اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی
کے فکر انگیز خطبات کا مجموعہ

خطبات علی میاں رحمۃ اللہ علیہ

جمع و ترتیب

مولوی محمد رمضان میاں صاحب

جامعہ علوم اسلامیہ بنوری ٹاؤن۔ کراچی

دارالاشاعت
اردو بازار ○ ایم اے جناح روڈ ○ کراچی ۱